وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اُردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ



از

امام الہند مولانا ابوالکلام احمد آزاد رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی اکادمی

إن الله يرفع بهذا الكتاب أقواما ويضع به آخرين

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اُردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ

از

ابوالکلام احمد

جلد اول

سورۂ فاتحہ سے سورۂ الانعام تک

اسلامی اکادمی

۷ اردو بازار لاہور فون : ۰۴۲-۷۳۵۷۵۸۷

نام کتاب:

ترجمان القرآن

مصنف:

ابوالکلام احمد

جلد اول

سورۂ فاتحہ سے سورۂ الانعام تک

اہتمام: محمد رمضان محمدی، محمد سلیم جلالی

تعداد:............ 1000

ناشر:............ ابومومن منصور احمد

مطبع:............ عرفان افضل پریس

ملنے کا پتہ:

اسلامی اکیڈیمی، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

Phone: 042-7357587

انتساب

غالباً دسمبر ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے کہ میں رانچی میں نظر بند تھا- عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلا تو مجھے محسوس ہوا' کوئی شخص پیچھے آ رہا ہے- مڑ کے دیکھا تو ایک شخص کمبل اوڑھے کھڑا تھا

''آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟''

''ہاں جناب' میں بہت دور سے آیا ہوں''

''کہاں سے؟''

''سرحد پار سے''

''یہاں کب پہنچے؟''

''آج شام کو پہنچا- میں بہت غریب آدمی ہوں- قندھار سے پیدل چل کر کوئٹہ پہنچا- وہاں چند ہم وطن سوداگر مل گئے تھے- انہوں نے نوکر رکھ لیا- اور آگرہ پہنچا دیا- آگرہ سے یہاں تک پیدل چل کر آیا ہوں''

''افسوس تم نے اتنی مصیبت کیوں برداشت کی؟''

''اس لیے کہ آپ سے قرآن مجید کے بعض مقامات سمجھ لوں- میں نے الہلال اور البلاغ کا ایک ایک حرف پڑھا ہے''

یہ شخص چند دنوں تک ٹھہرا' اور پھر یکایک واپس چلا گیا- وہ چلتے وقت اس لیے نہیں ملا کہ اسے اندیشہ تھا' میں اسے واپسی کے مصارف کے لیے روپیہ دوں گا' اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بار مجھ پر ڈالے- اس نے یقیناً واپسی میں بھی مسافت کا بڑا حصہ پیدل طے کیا ہوگا-

مجھے اس کا نام یاد نہیں- مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا نہیں- لیکن اگر میرے حافظہ نے کوتاہی نہ کی ہوتی' تو میں یہ کتاب اس کے نام سے منسوب کرتا-

۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء

ابوالکلام

کلکتہ

دُنیا میں جب کبھی وحی الٰہی کی رحمت نمودار ہوئی ہے تو اس نے یہ نہیں کیا ہے کہ انسان کو نئی نئی باتیں سکھا دی ہوں، کیونکہ خدا پرستی کے بارے میں کوئی انوکھی بات سکھائی ہی نہیں جا سکتی۔ اس کا کام صرف یہ رہا ہے کہ انسان کے وجدانی عقائد کو علم و اعتراف کی ٹھیک ٹھیک تعبیر بتائے اور یہی سورۃ فاتحہ کی خصوصیت ہے اس سورۃ نے نوعِ انسانی کے وجدانی تصورات ایک ایسی تعبیر سے سنوار دیے کہ ہر عقیدہ، ہر فکر، ہر جذبہ اپنی شکل و نوعیت میں نمودار ہو گیا اور چونکہ یہ تعبیر حقیقت حال کی سچی تعبیر ہے اس لیے جب کبھی ایک انسان راست بازی کے ساتھ غور کرے گا بے اختیار پکار اُٹھے گا کہ اس کا ہر بول اور ہر لفظ اس کے دل و دماغ کی قدرتی آواز ہے۔ (ابوالکلام)

فہرست مضامین

ام القرآن یعنی تفسیر سورہ فاتحہ

سورۂ آل عمران

سورۃ النساء

سورۂ المائدہ

سورۃ الانعام

❀❀❀❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ

۱۹۱۶ء میں جب البلاغ کے صفحات پر ترجمان القرآن اور تفسیر البیان کا اعلان کیا گیا، تو میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایک ایسے کام کا اعلان کر رہا ہوں جو پندرہ برس تک التواء و انتظار کی حالت میں معلق رہے گا، اور جو ملک کے شوق و انتظار کے لیے ناقابل برداشت بوجھ، اور میرے ارادوں کی ناتمامیوں کے لیے ایک دردانگیز مثال ثابت ہوگا۔

لیکن واقعات کی رفتار نے بہت جلد بتلا دیا کہ صورتِ حال ایسی ہی تھی!

جلا وطنی:

ابھی اس اعلان پر بہ مشکل چند مہینے گزرے ہوں گے کہ ۳۔ مارچ ۱۹۱۶ء کو حکومت بنگال نے ڈیفنس آرڈیننس[۱] کے ماتحت مجھے حدود بنگال سے باہر چلے جانے کا حکم دیا، اور دفعتہً البلاغ اور البلاغ پریس کے ساتھ تصنیف و طباعت کا تمام کارخانہ درہم برہم ہو گیا۔

چونکہ اس سے پہلے اسی آرڈیننس کے ماتحت دہلی، پنجاب، یو، پی اور مدراس کی حکومتیں اپنے اپنے صوبوں میں میرا داخلہ روک چکی تھیں، اس لیے اب صرف بہار اور بمبئی ہی کے دو صوبے رہ گئے تھے جہاں میں جا سکتا تھا۔ میں نے رانچی منتخب کیا۔ میرا خیال تھا کہ کلکتہ سے قریب رہ کر شاید تصنیف و طباعت کا کام جاری رکھ سکوں۔

۱۹۱۵ء میں جب میں نے اس کام کا ارادہ کیا، تو بہ یک وقت تین چیزیں پیش نظر تھیں۔ ترجمہ، تفسیر، اور مقدمۂ تفسیر۔ میں نے خیال کیا تھا کہ یہ تین کتابیں قرآن کے فہم و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں پوری کر دیں گی۔ عام تعلیم کے لیے ترجمہ۔ مطالعہ کے لیے تفسیر۔ اہل علم و نظر کے لیے مقدمہ۔

البلاغ میں جب ترجمہ اور تفسیر کی اشاعت کا اعلان کیا گیا ہے، تو ترجمہ پانچ پاروں تک پہنچ چکا تھا۔ تفسیر سورۂ آل عمران تک مکمل ہو چکی تھی، اور مقدمہ یادداشتوں کی شکل میں قلمبند تھا۔ اس خیال سے کہ تھوڑے وقت کے اندر زیادہ سے زیادہ کام انجام پا جائے، میں نے تصنیف کے ساتھ چھپائی کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح سال بھر کے اندر ترجمہ مکمل ہو جائے گا، اور چھپ بھی جائے گا۔ نیز تفسیر کی بھی کم از کم پہلی جلد شائع ہو جائے گی۔ ہر سات دن کی

---

[۱] جنگ یورپ کے زمانے میں جو موقت احکام نافذ کیے گئے تھے اُن میں ایک آرڈیننس ''ڈیفنس آف انڈیا'' کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ یہ آرڈیننس حکومت ہند اور مقامی حکومتوں کو اختیار دیتا تھا کہ بغیر عدالتی کارروائی کے جن کو چاہیں، ہندوستان یا ہندوستان کے کسی صوبے سے جلا وطن کر دیں یا نظر بند کر دیں۔

مشغولیت میں نے یوں تقسیم کر دی تھی کہ تین دن البلاغ کی ترتیب میں صرف کرتا تھا، دو دن ترجمے میں اور دو دن تفسیر میں۔

۳۔ مارچ ۱۹۱۶ء کو جب میں کلکتہ سے روانہ ہوا، تو تفسیر کے چھ فارم چھپ چکے تھے اور ترجمہ کی کتابت شروع ہو رہی تھی۔ اب میں نے کوشش کی کہ میری عدم موجودگی میں پریس جاری رہے اور کم از کم تفسیر اور ترجمہ کا کام ہوتا رہے۔ چنانچہ جون ۱۹۱۶ء میں پریس کے دوبارہ اجراء کا انتظام ہوگیا۔ اور میں مسودات کی ترتیب میں مشغول ہوگیا تاکہ پریس کے حوالے کر دوں۔

نظر بندی:

لیکن ۸۔ جولائی ۱۹۱۶ء کو یکا یک حکومت ہند نے میری نظر بندی کے احکام جاری کر دیے اور اس طرح اس اُمید کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ نظر بندی کے بعد کوئی موقع باقی نہیں رہا کہ باہر کی دنیا سے کسی طرح کا علاقہ رکھ سکوں۔

اب میرے اختیار میں صرف ایک ہی کام رہ گیا تھا۔ یعنی تصنیف و تسوید کا مشغلہ۔ نظر بندی کی اُنیس دفعات میں سے کوئی دفعہ بھی مجھے اس سے نہیں روکتی تھی۔ میں نے اس پر قناعت کی۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ میں نے خیال کیا، اگر زندگی کی تمام آزادیوں سے محروم ہونے پر بھی لکھنے پڑھنے کی آزادی سے محروم نہیں ہوں اور اس کے نتائج محفوظ ہیں، تو زندگی کی راحتوں میں سے کوئی راحت بھی مجھ سے الگ نہیں ہوئی۔ میں اس عالم میں پوری زندگی بسر کر دے سکتا ہوں۔ لیکن ابھی اس صورتِ حال پر تین مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ معلوم ہوگیا۔ اس گوشہ میں بھی مجھے محرومی ہی سے دوچار ہونا تھا۔

دوبارہ تلاشی اور مسودات کی ضبطی:

نظر بندی کے احکام جس وقت نافذ کیے گئے ہیں، تو میرے قیام گاہ کی تلاشی بھی لی گئی تھی، اور جس قدر کاغذات ملے تھے، افسرانِ تفتیش نے اپنے قبضہ میں کر لیے تھے، انہی میں ترجمہ اور تفسیر کا مسودہ بھی تھا۔ لیکن جب معائنہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان میں کوئی چیز قابلِ اعتراض اور حکومت کے مفید مقصد نہیں ہے، تو دو ہفتے کے بعد واپس دے دیے گئے۔

لیکن جب تفتیش کے نتیجے سے حکومت ہند کو اطلاع دی گئی تو اس نے مقامی حکومت کے فیصلے سے اتفاق نہیں کیا۔ وہاں خیال کیا گیا کہ مقامی حکومت نے کاغذات واپس دے دینے میں جلدی کی اور بہت ممکن ہے کہ پوری ہوشیاری کے ساتھ معائنہ نہ کیا گیا ہو۔ اس زمانے میں حکومت ہند کے محکمہ تفتیش کا افسر اعلیٰ سر چارلس کلیولینڈ تھا، اور مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں، اُسے میری مخالفت میں ایک خاص کد ہوگئی تھی۔ وہ پہلے کلکتہ آیا اور دو ہفتے تک تفتیش میں مشغول رہا، اور پھر رانچی آیا اور از سر نو میرے مکان کی تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے بعد کہا گیا کہ جو کاغذات پچھلی تلاشی کے موقع پر لیے گئے تھے، اب حکومت ہند کے معائنے کے لیے بھیجے جائیں گے۔ چنانچہ تمام کاغذات حتیٰ کہ چھپی ہوئی کتابیں بھی لے لی گئیں۔ ان میں نہ صرف ترجمہ و تفسیر کا مسودہ تھا، بلکہ بعض دوسری مصنفات کے بھی مکمل و نامکمل مسودات تھے۔

جس وقت یہ معاملہ پیش آیا، ترجمہ کا مسودہ آٹھ پاروں تک اور تفسیر کا مسودہ سورۂ نساء تک پہنچ چکا تھا، لیکن اب ان

کا ایک ورق بھی میرے قبضہ میں نہ تھا۔ تاہم میں نے نویں پارے سے ترجمے کی ترتیب جاری رکھی، اور ۱۹۱۸ء کے اواخر میں کام ختم کر دیا۔ اب اگر ابتداء کے آٹھ پاروں کا ترجمہ واپس مل جائے تو پورے قرآن کا ترجمہ مکمل تھا۔

میں نے کاغذات کی واپسی کے لیے خط و کتابت کی، لیکن جواب ملا کہ نہ تو سردست واپس دیے جا سکتے ہیں۔ نہ یہی بتلایا جا سکتا ہے کہ کب تک واپس کیے جائیں گے۔[1] چونکہ کاغذات کی واپسی کی بظاہر کوئی قریبی اُمید نظر نہیں آتی تھی اور کچھ معلوم نہ تھا کہ آگے چل کر کیا صورتِ حال پیش آئے، اس لیے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ازسرنو ان پاروں کا ترجمہ کر کے کتاب مکمل کر لی جائے۔ یہ کام آسان نہ تھا ایک لکھی ہوئی چیز کو دوبارہ لکھنا طبیعت پر بہت شاق گزرتا ہے، تاہم میں نے چند ماہ کی محنت کے بعد یہ حصہ بھی ازسرنو مکمل کر لیا۔

''گفتہ'' گر شد ز کفم، شکر کہ ''ناگفتہ'' بجاست

از دو صد گنج، یکے مشت گہر باختہ ام!

اس خیال سے کہ مسودہ بہتر حالت میں مرتب ہو جائے اور اگر کسی دوسرے شخص کے حوالے کیا جائے تو تصحیح میں آسانی ہو، میں نے اُردو ٹائپ رائٹر منگوا کر اُسے ٹائپ کرانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں نصف سے زیادہ حصہ ٹائپ ہو چکا تھا۔

رہائی اور تحریک لاتعاون:

۲۷۔ دسمبر ۱۹۱۹ء کو حکومت نے مجھے رہا کر دیا، اور اب طباعت و اشاعت کی تمام رکاوٹیں راہ سے دُور ہو گئیں۔ لیکن یہ وقت وہ تھا کہ ملک میں ایک عام سیاسی حرکت کا مواد طیار ہو رہا تھا، اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، الہلال کی سیاسی دعوت کی صدائے بازگشت ہر گوشے سے بلند ہونے لگی تھی۔ میرے لیے ممکن نہ تھا کہ وقت کے تقاضے سے تغافل کرتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رہا ہوتے ہی تحریک لاتعاون کی سرگرمیوں میں مشغول ہو گیا، اور عرصہ تک اس کی مہلت ہی نہیں ملی کہ کسی دوسری طرف نگاہ اُٹھا سکتا۔

لیکن ۱۹۲۱ء میں جب ملک کے ہر گوشے سے ترجمان القرآن کے لیے تقاضا شروع ہوا، تو مجھے اُس کی اشاعت کے لیے آمادہ ہو جانا پڑا چونکہ ٹائپ کی چھپائی اُس کے لیے موزوں نہیں سمجھی گئی تھی، اس لیے کتابت کا انتظام کیا گیا۔ پہلے متن کی کتابت کرائی گئی، پھر ترجمہ لکھوانا شروع کیا۔ نومبر ۱۹۲۱ء میں متن کی کتابت ختم ہو چکی تھی۔ ترجمہ کی کتابت

---

[1] یہ کاغذات مجھے رہائی کے بعد ۱۹۲۰ء میں واپس ملے۔ رہائی کے بعد جب میں نے مطالبہ کیا تو کئی ماہ تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اس زمانے میں صوبہ بہار کے گورنر لارڈ سہنا تھے۔ مجھ میں اور اُن میں اس وقت سے شناسائی تھی جب ۱۹۰۹ء میں وہ حکومت ہند کے اگزیکٹو کونسل کے ممبر ہوئے تھے۔ وہ علاج کے لیے کلکتہ آئے اور ایک دوست کے یہاں اتفاقاً ملاقات ہو گئی۔ میں نے یہ واقعہ اُن سے بیان کیا، انہوں نے حکومت ہند سے خط و کتابت کی، اور دو ہفتے کے بعد تمام کاغذات مجھے واپس مل گئے۔

شروع ہوئی تھی۔

لیکن وقت کا فیصلہ اب بھی میرے خلاف تھا!

گرفتاری اور تمام مسودات کی بربادی:

۱۹۲۱ء کے اواخر میں تحریک لا تعاون کی سرگرمیاں منتہائے عروج تک پہنچ گئی تھیں، اور اب ناگزیر تھا کہ حکومت بھی اپنے تمام وسائل کام میں لائے۔ ۲۰۔ نومبر کو سب سے پہلے حکومت بنگال نے قدم اُٹھایا، اور اُن تمام مجالس کو خلافِ قانون قرار دے دیا جو تحریک کی سرگرمیوں میں مشغول تھیں، اس اقدام نے کانگرس کو عدم متابعت قانون کے اجرا کا موقع دے دیا، اور ۲۰۔ دسمبر ۱۹۲۱ء کو بعض دیگر رفقائے بنگال کے ساتھ مجھے بھی گرفتار کرلیا گیا۔

اس مرتبہ میری گرفتاری پریس کے انتظامات میں خلل نہیں ڈال سکتی تھی کیونکہ کتاب مکمل موجود تھی، اور میں نے اس کا پورا انتظام کرلیا تھا کہ میری عدم موجودگی میں بھی کام بدستور جاری رہے۔ لیکن گرفتاری کے بعد جو واقعہ پیش آیا، وہ اس افسانہ کی آخری المناکی ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ترجمان القرآن اور تفسیر کی اشاعت رُک گئی، بلکہ میری علمی زندگی کے ولولے افسردہ ہوگئے۔

گرفتاری کے بعد جب حکومت نے محسوس کیا کہ میرے برخلاف مقدمہ چلانے کے لیے کافی مواد موجود نہیں ہے، تو اُسے مواد کی جستجو ہوئی اور اس لیے تیسری مرتبہ میرے مکان اور مطبع کی تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے لیے جو لوگ آئے تھے، اُن میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اُردو یا عربی و فارسی کی استعداد رکھتا ہو۔ جو چیز بھی ان زبانوں میں لکھی ہوئی ملی، اُنہوں نے خیال کیا اس میں کوئی نہ کوئی بات حکومت کے خلاف ضرور ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قلمی مسودات کا تمام ذخیرہ اُٹھا لے گئے، حتی کہ ترجمان القرآن کی تمام لکھی ہوئی کاپیاں بھی توڑ مروڑ کر مسودات کے ڈھیر میں ملا دیں۔

سوءِ اتفاق سے اس وقت کسی شخص نے مطالبہ نہیں کیا کہ کاغذات مرتب کر کے لیے جائیں اور حسب قاعدہ اُن پر گواہوں کے دستخط ہو جائیں۔ نیز اُن کی رسید تفصیل کے ساتھ مرتب کر کے دی جائے۔ افسرانِ تفتیش اپنے ساتھ چھپا ہوا فارم لائے تھے۔ صرف یہ لکھ کر کہ متفرق قلمی کاغذات لیے گئے، چھپا ہوا فارم دے دیا اور روانہ ہوگئے۔

پندرہ ماہ کے بعد جب میں رہا ہوا، تو حکومت سے کاغذات کا مطالبہ کیا۔ ایک عرصہ کی خط و کتابت کے بعد کاغذات ملے، مگر اس حالت میں ملے کہ تمام ذخیرہ برباد ہو چکا تھا۔

افسرانِ تفتیش نے جب ان کاغذات پر قبضہ کیا ہے، تو یہ قلمی مسودات کے مختلف مجموعے تھے، اور الگ الگ پٹھوں کی دفتیوں میں ترتیب دیے ہوئے تھے، ان میں مختلف مکمل و غیر مکمل تصنیفات کے علاوہ بڑا ذخیرہ یادداشتوں کا تھا، لیکن جب واپس ملے تو محض اوراقِ پریشاں کا ایک ڈھیر تھا، اور نصف سے زیادہ اوراق یا تو ضائع ہو چکے تھے، یا اطراف سے پھٹے ہوئے اور پارہ پارہ تھے!

یہ میرے صبر و شکیب کے لیے زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھی، لیکن میں نے کوشش کی کہ اس میں بھی پورا اُتروں۔ یہ سب سے زیادہ تلخ گھونٹ تھا جو جامِ حوادث نے میرے لبوں سے لگایا، لیکن میں نے بغیر کسی شکایت کے پی لیا۔ البتہ اس سے انکار نہیں کرتا کہ اُس کی تلخی آج تک گلوگیر ہے:

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش ہے!

سیاسی زندگی کی شورشیں اور علمی زندگی کی جمعیتیں ایک زندگی میں جمع نہیں ہوسکتیں، اور پنبہ و آتش میں آشتی محال ہے۔ میں نے چاہا، دونوں کو بہ یک وقت جمع کروں۔ میں نامراد ایک طرف متاعِ فکر کے انبار لگاتا رہا، دوسری طرف برقِ خرمن سوز کو بھی دعوت دیتا رہا۔ نتیجہ معلوم تھا، اور مجھے حق نہیں کہ حرفِ شکایت زبان پر لاؤں۔ عرفی نے میری زبانی کہہ دیا ہے:

زاں شکستم کہ بہ دنبالِ دلِ خویش مدام
در نشیبِ شکنِ زلفِ پریشاں رفتم!

اب ترجمان القرآن اور تفسیر کی ہستی اس کے سوا ممکن نہ تھی کہ از سرِ نو محنت کی جائے لیکن اس حادثے کے بعد طبیعت کچھ اس طرح افسردہ ہوگئی کہ ہر چند کوشش کی مگر ساتھ نہ دے سکی۔ میں نے محسوس کیا کہ حادثے کا زخم اتنا ہلکا نہیں ہے کہ فوراً مندمل ہو جائے۔

طبیعت کی بڑی رکاوٹ جو رہ رہ کر سامنے آتی تھی، یہ تصور تھا کہ ایک تصنیف کی ہوئی چیز دوبارہ تصنیف کی جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک اہلِ قلم کے لیے اس سے زیادہ مشکل کام کوئی نہیں۔ وہ ہزاروں صفحے نئے بآسانی لکھ دے گا، لیکن ایک ضائع شدہ صفحے کے دوبارہ لکھنے میں اپنی طبیعت کو یک قلم درماندہ پائے گا۔ فکر و طبیعت کی جو گرم جوشی پچھلی محنتوں کی بربادی کے تصور سے بجھ جاتی ہے، بہت دشوار ہوتا ہے کہ اُسے دوبارہ پیدا کیا جائے۔ اس حالت کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں، جو ایسی بدقسمتیوں سے دوچار ہوئے ہوں۔ میں نے ٹامس کارلائی کے حالات میں جب پڑھا تھا کہ اُس نے انقلابِ فرانس پر اپنی مشہور کتاب دوبارہ تصنیف کی، اور اہلِ فن نے اسے قوتِ تصنیف کا ایک غیر معمولی مظاہرہ سمجھا، تو میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس میں غیر معمولی بات کیا ہے؟ لیکن اس حادثے کے بعد مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ نہ صرف غیر معمولی ہے، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے اور فی الحقیقت کارلائل کی مصنفانہ عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں ہوسکتا۔

ترجمان القرآن کی از سرِ نو ترتیب:

کئی سال گزر گئے، مگر میں اپنے آپ کو اس کام کے لیے آمادہ نہ کرسکا۔

دلے سرگشتہ وارم کہ درصحراست پنداری!

بارہا ایسا ہوا کہ ترجمہ وتفسیر کے بچے کھچے اوراق نکالے، لیکن جونہی برباد شدہ کاغذات پر نظر پڑی، طبیعت کا انقباض تازہ ہوگیا اور دو چار صفحے لکھ کر چھوڑ دینا پڑا۔

لیکن ایک ایسے کام کی طرف سے جس کی نسبت میرا یقین تھا کہ مسلمانوں کے لیے وقت کا سب سے زیادہ ضروری کام ہے، ممکن نہ تھا کہ زیادہ عرصہ تک طبیعت غافل رہتی جس قدر وقت گزرتا جاتا تھا، اس کام کی ضرورت کا احساس میرے لیے ناقابل برداشت ہوتا جاتا تھا۔ میں محسوس کرتا تھا کہ، اگر یہ کام مجھ سے انجام نہ پایا، تو شاید عرصے تک اس کی انجام دہی کا کوئی سامان نہ ہو۔

۱۹۲۷ء قریب الاختتام تھا کہ اچانک مدتوں کی رُکی ہوئی طبیعت میں جنبش ہوئی اور رشتہ کار کی جو گرہ ذہن و دماغ کی پیہم کوششیں نہ کھول سکی تھیں، دل کے جوشش بے اختیار سے خود بخود کھل گئی۔ کام شروع کیا، تو ابتدا میں چند دنوں تک طبیعت رُکی رُکی رہی، لیکن جونہی ذوق وفکر کے دو چار جام گردش میں آئے، طبیعت کی ساری رُکاوٹیں دُور ہوگئیں، اور پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا، گویا اس شورش کدۂ مستی میں افسردگی وخمار آلودگی کا کبھی گزر ہی نہیں ہوا تھا!

بہ بدمستی سزدگر متہم سازو مراساقی
ہنوز از بادۂ دو شینہ ام پیمانہ بودارد!

اتنا ہی نہیں، بلکہ کہنا چاہیے، شورش تازہ کی سرمستیاں، مجلس دوشیں کی کیفیتوں سے بھی کہیں تندتر ہوگئیں:

چہ مستی ست، نہ دانم، کہ روبہ ما آورد
کہ بود ساقی و ایں بادہ از کجا آورد؟

سبحان اللہ! عالم روح وقلب کے تصرفات کا بھی کچھ عجیب حال ہے۔ یا تو یہ حال تھا کہ بار بار کوشش کی مگر طبیعت کا انقباض دُور نہیں ہوا۔ یا اب خود بخود کھلی، تو اس طرح کھلی کہ قلم روکنا بھی چاہوں تو نہیں روک سکتا:

شُور یست نوا ریزی تار نفسم را
پیداؤ اے جنبش مضراب کجائی؟

بہرحال کام شروع ہوگیا، اور اس خیال سے کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ترجمہ کے لیے بھی ضروری تھی، سب سے پہلے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ پھر ترجمہ کی ترتیب شروع کی۔ حالات اب بھی موافق نہ تھے، صحت روز بروز کمزور ہو رہی تھی، سیاسی مشغولیت کی آلودگیاں بدستور خلل انداز تھیں، تاہم کام کا سلسلہ کم وبیش جاری رہا، اور ۲۰۔ جولائی ۱۹۳۰ء کو آخری سورت کے ترجمہ وترتیب سے فارغ ہوگیا:

تادست رسم بود، زدم چاک گریباں شرمندگی از خرقہ پشمینہ نہ دارم!

اُصولِ ترجمہ وتفسیر

ترجمان القرآن میں قرآن کے مقاصد و مطالب جن اُصول و مبادیات کے ماتحت ترتیب دیے گئے ہیں، قدرتی طور پر طبیعتیں منتظر ہوں گی کہ اصل کتاب کے مطالعے سے پہلے اُن سے آشنا ہو جائیں۔ اس دیباچے کے لکھنے کے وقت تک میرا ابھی یہی خیال تھا کہ اس بارے میں ایک مختصر سی تحریر بطورِ مقدمہ کتاب شامل کر دی جائے۔لیکن اب کہ دیباچہ لکھ رہا ہوں، ان اُصول و مبادیات کو سمیٹنا چاہا، تو معلوم ہوا، موضوع کی پیچیدگیاں اور مباحث کی گہرائیاں ایسی نہیں ہیں کہ تفصیل و اطناب کے بغیر بیان میں آ سکیں۔ مباحث میں سے ہر مبحث کی وضاحت کے لیے مقدمات اور تمہیدات ناگزیر ہیں۔ اور ہر مبحث کے اطراف اس طرح دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہیں کہ نہ تو سمیٹے جا سکتے ہیں نہ مجمل آشارات عام مطالعے کے لیے کفایت کر سکتے ہیں۔ مجبوراً اس خیال سے دست بردار ہوتا ہوں۔ اور ایک سرسری اشارہ اُن مشکلات و موانع کی طرف کر دیتا ہوں جو اس راہ میں حائل تھے، تاکہ اندازہ کیا جا سکے، معاملے کی عام حالت کیا تھی، اور مطالعۂ قرآن کا جو قدم اُٹھایا گیا ہے، وہ کس رُخ پر جا رہا ہے۔

باقی رہے ترجمان القرآن کے اُصولِ تفسیر، تو ان کے لیے مقدمہ تفسیر کا انتظار کرنا چاہیے جو ترجمان القرآن کے بعد اس سلسلے کی دوسری کتاب ہے، اور جس کے قدیم مسودات کی تہذیب و ترتیب میں آج کل مشغول ہوں۔

قرونِ اخیرہ اور قرآن کے مطالعہ و تدبر کا عام معیار:

مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ محل نہیں، صدیوں سے اس طرح کے اسباب و موثرات نشو و نما پاتے رہے ہیں، جن کی وجہ سے بہ تدریج قرآن کی حقیقت نگاہوں سے مستور ہوتی گئی اور رفتہ رفتہ اس کے مطالعہ وفہم کا ایک نہایت پست معیار قائم ہو گیا۔ یہ پستی صرف معانی و مطالب ہی میں نہیں ہوئی، بلکہ ہر چیز میں ہوئی۔حتی کہ اس کی زبان، اس کے الفاظ، اُس کی تراکیب اور اس کی بلاغت کے لیے بھی نظر وفہم کی کوئی بلند جگہ باقی نہیں رہی!

ہر عہد کے مصنف، اپنے عہد کی ذہنی آب و ہوا کی پیداوار ہوتا ہے، اور اس قاعدے سے صرف وہی دماغ مستثنیٰ ہوتے ہیں جنہیں مجتہدانہ ذوق ونظر کی قدرتی بخشائش نے صف عام سے الگ کر دیا ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لے کر قرونِ اخیرہ تک جس قدر مفسر پیدا ہوئے، اُن کا طریق تفسیر ایک رو بہ تنزل معیار وفکر کی مسلسل زنجیر ہے، جس کی ہر پچھلی کڑی، پہلی سے پست تر، اور ہر سابق، لاحق سے بلند تر واقع ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں جس قدر اوپر کی طرف بڑھتے جاتے ہیں، حقیقت زیادہ واضح، زیادہ بلند، اور اپنی قدرتی شکل میں نمایاں ہوتی جاتی ہے۔

جس قدر نیچے اُترتے آتے ہیں، حالت برعکس ہوتی جاتی ہے۔

یہ صورتِ حال فی الحقیقت مسلمانوں کو عام دماغی تنزل کا قدرتی نتیجہ تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے، تو کوشش کی کہ قرآن کو اس کی بلندیوں سے اس قدر نیچے اُتارلیں کہ اُن کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔

اب اگر ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو اس کی حقیقی شکل ونوعیت میں دیکھیں، تو ضروری ہے کہ پہلے وہ تمام پردے ہٹائیں، جو مختلف عہدوں اور مختلف گوشوں کو خارجی موثرات نے اس کے چہرے پر ڈال دیے ہیں، پھر آگے بڑھیں اور قرآن کی حقیقت خود قرآن کے صفحوں میں تلاش کریں۔

بعض اسباب ومؤثرات جوفہم حقیقت میں مانع ہیں:

یہ مخالف اثرات جو یکے بعد دیگر جمع ہوتے رہے، دو چار نہیں، بے شمار نہیں، اور ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ممکن نہیں کہ اختصار کے ساتھ بیان میں آسکیں۔ لیکن میں نے مقدمہ تفسیر میں کوشش کی ہے کہ انہیں چند اُصول وانواع کے ماتحت سمیٹ لوں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل دفعات قابل غور ہیں:

۱۔ قرآن حکیم اپنی وضع، اپنے اسلوب، اپنے انداز بیان، اپنے طریق خطاب، اپنے طریق استدلال، غرض کہ اپنی ہر بات میں ہمارے وضعی اور صناعی طریقوں کا پابند نہیں ہے، اور نہ اُسے پابند ہونا چاہیے۔ وہ اپنی ہر بات میں اپنا بے میل فطری طریقہ رکھتا ہے، اور یہی وہ بنیادی امتیاز ہے، جو انبیائے کرام (علیہم السلام) کے طریق ہدایت کوعلم وحکومت کے وضعی طریقوں سے ممتاز کردیتا ہے۔

قرآن جب نازل ہوا، تو اس کے مخاطبوں کا پہلا گروہ بھی ایسا ہی تھا۔ تمدن کے وضعی اور صناعی سانچوں میں ابھی اس کا دماغ نہیں ڈھلا تھا۔ فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اپنی شکل ومعنی میں جیسا کہ واقع ہوا تھا، ٹھیک ویسا ہی اس کے دلوں میں اُتر گیا، اور اُسے قرآن کے فہم ومعرفت میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔ صحابہ کرام پہلی مرتبہ قرآن کی کوئی آیت یا سورت سنتے تھے، اور سنتے ہی اس کی حقیقت پالیتے تھے۔

لیکن صدر اوّل کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ روم وایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں، اور پھر یونانی علوم کے تراجم نے علوم وفنون وضعیہ کا دور شروع کردیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت کا ذوق بڑھتا گیا، قرآن کے فطری اسلوبوں سے طبیعتیں ناآشنا ہوتی گئیں۔ رفتہ رفتہ وہ وقت آگیا کہ قرآن کی ہر بات وضعی اور صناعی طریقوں کے سانچوں میں ڈھالی جانے لگی۔ چونکہ ان سانچوں میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی، اس لیے طرح طرح کے اُلجھاؤ پیدا ہونے لگے اور پھر جس قدر کوششیں سلجھانے کی کی گئیں اُلجھاؤ اور زیادہ بڑھتے گئے۔

فطریت سے جب بُعد ہو جاتا ہے، اور وضعیت کا استغراق طاری ہو جاتا ہے، تو طبیعتیں اس پر راضی نہیں ہوتیں کہ کسی بات کو اس کی قدرتی سادگی میں دیکھیں۔ وہ سادگی کے ساتھ حسن وعظمت کا تصور کر ہی نہیں سکتیں۔ وہ جب کسی بات کو بلند اور شان دار دکھانا چاہتی ہیں، تو کوشش کرتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وضعیت اور صناعیت کے پیچ وخم پیدا کر دیں۔ یہی معاملہ قرآن کے ساتھ پیش آیا۔ سلف کی طبیعتیں وضعی طریقوں میں نہیں ڈھلی تھیں، اس لیے وہ قرآن کی سیدھی سادی حقیقت بے ساختہ پہچان لیتے تھے، لیکن خلف کی طبعیتوں پر یہ بات شاق گزرنے لگی کہ قرآن اپنی سیدھی سادی شکل میں نمایاں ہو۔ ان کی وضعیت پسندی اس پر قانع نہیں ہوسکتی تھی۔ انہوں نے قرآن کی ہر بات کے لیے وضعیت کے جامے تیار کرنے شروع کر دیے، اور چونکہ یہ جامہ اس پر راست نہیں آ سکتا تھا، اس لیے بہ تکلف پہنانا چاہا، نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقت کی موزونیت باقی نہ رہی۔ ہر بات ناموزوں اور اُلجھی ہوئی بن کر رہ گئی۔

تفسیر قرآن کا پہلا دور وہ ہے، جب علوم اسلامیہ کی تدوین وکتابت شروع نہیں ہوئی تھی۔ دوسرا دور تدوین وکتابت سے شروع ہوتا ہے، اور اپنے مختلف عہدوں اور طبقوں میں اُترتا آتا ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ابھی دوسرا دور شروع ہی ہوا تھا کہ یہ جامہ قرآن کے لیے بننا شروع ہوگیا۔ لیکن اس کا منتہاء بلوغ، فلسفہ وعلوم کی ترویج واشاعت کا آخری زمانہ ہے۔ یہی زمانہ ہے جب امام فخر الدین رازی رحمہ اللہُ نے تفسیر کبیر لکھی، اور پوری کوشش کی کہ قرآن کا سراپا اس مصنوعی لباس وضعیت سے آراستہ ہو جائے۔ اگر امام رازی رحمہ اللہ کی نظر اس حقیقت پر ہوتی، تو اس کی پوری تفسیر نہیں تو دوتہائی حصہ یقیناً بیکار ہو جاتا۔

بہر حال یاد رہے، وضعیت کے سانچے جتنے ٹوٹتے جائیں گے، قرآن کی حقیقت اُبھرتی آئے گی۔

قرآن کے اسلوب بیان کی نسبت لوگوں کو جس قدر مشکلیں پیش آئیں، محض اس لیے کہ وضعیت کا استغراق ہوا اور فطریت کی معرفت باقی نہ رہی۔

قرآن کے مختلف حصوں اور آیتوں کے مناسبات وروابط کے سارے اُلجھاؤ صرف اس لیے ہیں کہ فطریت سے بُعد ہوگیا، اور وضعیت ہمارے اندر بسی ہوئی ہے۔ ہم چاہتے ہیں، قرآن کو بھی ایک ایسی مرتب کتاب کی شکل میں دیکھیں جیسی کتابیں ہم مرتب کرتے ہیں۔

قرآن کی زبان کی نسبت بحثوں کا جس قدر انبار لگا دیا گیا ہے، وہ بھی محض اس لیے ہے کہ فطریت کے سمجھنے کی ہم میں استعداد باقی نہیں رہی۔

قرآن کی بلاغت کا مسئلہ ہمارے وجدان کے لیے اس قدر سہل، مگر ہمارے دماغ کے لیے اس قدر دشوار کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لیے کہ وضعیت کا خود ساختہ ترازو ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم چاہتے ہیں، اسی سے قرآن کی بلاغت

بھی وزن کریں۔

قرآن کا طریق استدلال کیوں نمایاں نہیں ہوتا؟ اس کے تمام دلائل و براہین جنہیں وہ حجۃ بالغہ سے تعبیر کرتا ہے، کیوں مستور ہو گئے ہیں؟ اسی لیے کہ وضعیت کے استغراق نے منطق کا سانچہ ہمیں دے دیا ہے ہم چاہتے ہیں، قرآن کے دلائل و براہین بھی اسی میں ڈھالیں۔

غرض کہ جس گوشے میں جاؤ گے یہی اصل سامنے پاؤ گے۔

۲۔ جب کسی کتاب کی نسبت یہ سوال پیدا ہو، اس کا مطلب کیا ہے؟ تو قدرتی طور پر اُن لوگوں کے فہم کو ترجیح دی جائے گی جنہوں نے خود صاحب کتاب سے مطلب سمجھا ہو۔ قرآن تیئس برس کے اندر بہ تدریج نازل ہوا۔ وہ جس قدر نازل ہوتا تھا، صحابہ کرام سنتے تھے، نمازوں میں دہراتے تھے، اور جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا، خود پیغمبر اسلام (ﷺ) سے پوچھ لیتے تھے۔ ان میں بعض افراد خصوصیت کے ساتھ فہم قرآن میں ممتاز ہوئے اور خود پیغمبر اسلام (ﷺ) نے اس کی شہادت دی۔ مذہبی خوش اعتقادی کی بنا پر نہیں بلکہ قدرتی طور پر اُن کے فہم کو بعد کے لوگوں کے فہم پر ترجیح ہونی چاہیے لیکن بد قسمتی سے ایسا نہیں سمجھا گیا۔ بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے عہد کے فکری مؤثرات کے ماتحت نئی نئی کاوشیں شروع کر دیں، اور سلف کی صریح تفسیر کے خلاف ہر گوشے میں قدم اُٹھا دیے۔ کہا گیا ''سلف ایمان میں قوی ہیں، لیکن علم میں خلف کا طریقہ قوی ہے'' حالانکہ خود سلف کا اپنی نسبت یہ اعلان تھا کہ "ابرهم قلوباً و اعمقهم علماً" نتیجہ یہ نکلا کہ روز بروز حقیقت مستور ہوتی گئی، اور اکثر گوشوں میں ایک صاف بات اُلجھتے اُلجھتے بالکل نا قابل حل بن گئی۔

آفت پر آفت یہ ہوئی کہ پہلے ایک کمزور پہلو اختیار کیا گیا، پھر بڑھتے بڑھتے، دور تک نکل گئے، پھر جب مشکلوں سے دو چار ہوئے، تو نئی نئی بحثوں اور کاوشوں کی عمارتیں اُٹھانے لگے۔ متون، شروح، حواشی اور منہیات وتعلیقات کا طریقہ یہاں بھی چلا۔ اس نے اور زیادہ اُلجھاؤ میں اُلجھاؤ ڈالے، اور بعض صورتوں میں تو پردوں کی اتنی تہیں جمع ہو گئیں کہ ایک کے بعد ایک اُٹھاتے چلے جاؤ، ظلماتٌ بعضها فوق بعض کا عالم دکھائی دے گا۔

اس بات کا اندازہ کرنے کے لیے کہ قرآن کا کوئی ایک مقام لے لو، پہلے اس کی تفسیر صحابہ و تابعین کی روایات میں ڈھونڈو۔ پھر بعد کے مفسروں کی طرف رُخ کرو، اور دونوں کا مقابلہ کرو۔ صاف نظر آجائے گا کہ صحابہ وسلف کی تفسیر میں معاملہ بالکل واضح تھا۔ بعد کی بے محل دقیقہ سنجیوں نے اُسے کچھ سے کچھ بنا دیا، اور اُلجھاؤ پیدا ہو گئے۔

مثلاً سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتوں کی نسبت حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ ﴾......الخ سے مقصود عرب کے اہل ایمان ہیں، اور ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾......الخ سے اہل کتاب۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی یہی تفسیر اختیار کی۔ لیکن بعد کے مفسر اس پر

قانع نہیں ہوئے، اور عجیب عجیب دوراز کار بحثیں پیدا کر دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے هدًى للمتقين کے مطلب کی نشست بگڑی۔ پھر قرآن نے تین گروہوں کی تقسیم کر کے جس بات پر زور دیا تھا، اس کی ساری خوبی اور حقیقت گم ہوگئی۔

۳۔ نومسلم اقوام کے قصص و روایات اوّل دن سے پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ ان میں سے اسرائیلیات (یعنی یہودیوں کے قصص وخرافات) کو ہمیشہ محققین نے چھانٹنا چاہا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان عناصر کے مخفی اثرات دُور دُور تک سرایت کر چکے تھے، اور وہ برابر جسم تفسیر میں پیوست رہے۔

۴۔ ایک طرف تو صحابہ وسلف کی روایات سے تغافل ہوا، دوسری طرف روایات تفسیر کے غیر محتاط جامعوں نے الگ آفت بپا کر دی، اور ہر تفسیر جس کا سرا کسی نہ کسی تابعی سے ملا دیا گیا، سلف کی تفسیر سمجھ لی گئی۔

۵۔ اس صورتِ حال کا سب سے زیادہ افسوس ناک نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کا طریق استدلال دوراز کار دقیقہ سنجیوں میں گم ہو گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے تمام بیانات کا محور ومرکز، اس کا طریق استدلال ہی ہے۔ اس کے ارشادات و بصائر اس کے قصص وامثال، اس کے مواعظ وحکم، اس کے مقاصد ومہمات سب اسی چیز سے کھلتے اور اُبھرتے تھے۔ یہ ایک چیز کیا گم ہوئی گویا اس کا سب کچھ ہی گم ہوگیا۔

ہمیں ورق کہ سیہ گشتہ، مدعا ایں جاست!

انبیائے کرام کا طریق استدلال یہ نہیں ہوتا کہ منطقی طریقہ پر نظری مقدمات ترتیب دیں۔ پھر اُن کی بحثوں میں مخاطب کو اُلجھانا شروع کر دیں۔ وہ براہِ راست تلقین و اذعان کا فطری طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اُسے ہر دماغ وجدانی طور پر پالیتا ہے، ہر دل قدرتی طور پر قبول کر لیتا ہے۔ لیکن ہمارے مفسروں کو فلسفہ ومنطق کے انہماک نے اس قابل ہی نہ رکھا کہ کسی حقیقت کو اُس کی سیدھی سادی شکل میں دیکھیں اور قبول کر لیں۔ انہوں نے انبیائے کرام کے لیے بڑی فضیلت اس میں سمجھی کہ انہیں منطقی بنا دیں، اور قرآن کی ساری عظمت اس میں نظر آئی کہ اس کی ہر بات ارسطو کی منطق کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نکلے۔ اس سانچہ میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے دلائل و براہین کی ساری خوب روئی اور دل نشینی طرح طرح کی بناوٹوں میں گم ہوگئی۔ حقیقت تو گم ہو ہی چکی تھی، لیکن وہ بات بھی نہ بنی جو لوگ بنانی چاہتے تھے۔ شکوک وایرادات کے بے شمار دروازے کھل گئے۔ اُن کے کھولنے میں تو امام رازی کا ہاتھ بہت تیز نکلا، لیکن بند کرنے میں تیزی نہ دکھا سکے۔

۶۔ یہ آفت صرف طریق استدلال ہی میں پیش نہیں آئی، بلکہ تمام گوشوں میں پھیلی۔ منطق و فلسفہ کے مباحث نے طرح طرح کی نئی مصطلحات پیدا کر دی تھیں۔ عربی لغت کے الفاظ ان مصطلحہ معانی میں مستعمل ہونے لگے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن کا موضوع فلسفہ یونانی نہیں ہے، اور نہ نزولِ قرآن کے وقت عربی زبان اِن مصطلحات سے آشنا ہوئی تھی پس

جہاں کہیں قرآن میں وہ الفاظ آئے ہیں، اُن کے معانی وہ نہیں ہو سکتے جو وضع مصطلحات کے بعد قرار پائے، لیکن اب اُن کے وہی مفہوم لیے جانے لگے، اور اس کی بنا پر طرح طرح کی دور از کار بحثیں پیدا کر دی گئیں۔ چنانچہ خلود، حدیث ،مثلیت ،تفصیل ، حجۃ ، برہان، تاویل ، وغیرہم نے وہ معانی پیدا کر لیے، جن کا صدر اوّل دل میں کسی سامع قرآن کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔

۷۔ اسی تخم کے یہ بھی برگ و بار ہیں کہ سمجھا گیا کہ قرآن کو وقت کی تحقیقاتِ علمیہ کا ساتھ دینا چاہیے چنانچہ کوشش کی گئی کہ نظامِ بطلیموسی اس پر چپکایا جائے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح آج کل کے دانش فروشوں کا طریق تفسیر یہ ہے کہ موجودہ علم ہیئت کے مسائل قرآن پر چپکا دیے جائیں۔

۸۔ ہر کتاب اور تعلیم کے کچھ مرکزی مقاصد ہوتے ہیں، اور اُس کی تمام تفصیلات اُنہیں کے گرد گردش کرتی ہیں۔ جب تک مراکز سمجھ میں نہ آئیں ، دائرہ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ قرآن کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے بھی چند مرکزی مقاصد و مہمات ہیں، اور جب تک وہ صحیح طور پر نہ سمجھ لیے جائیں، اُس کی کوئی بات صحیح طور پر سمجھی نہیں جاسکتی۔

متذکرۂ صدر اسباب سے جب اُس کے مرکزی مقاصد کی وضاحت باقی نہ رہی، تو قدرتی طور پر اس کا ہر گوشہ اس سے متاثر ہوا۔ اس کا کوئی بیان، کوئی تعلیم، کوئی استدلال، کوئی خطاب، کوئی اشارہ، کوئی اجمال، ایسا نہ رہا جو اس تاثر سے محفوظ ہو۔ افسوس یہ ہے کہ اختصار کا تقاضا مثالیں پیش کرنے سے مانع ہے، اور بغیر مثال کے حقیقت واضح نہیں ہوسکتی۔ مثلاً آل عمران کی آیت ﴿ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ﴾ (۱۶۱) کی تفسیر نکال کر دیکھو کیا کیا دور از کار بحثیں نہیں کی گئیں؟ یہودیوں کے اس قول کی تفسیر میں کہ ﴿ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ﴾(۵:۶۴) کن کن گوشوں میں نہیں نکل گئے، اور کس طرح محل بیان اور سیاق و سباق کا صاف صاف مقتضا نظر انداز کر دیا گیا؟

۹۔ قرآن کے صحت فہم کے لیے عربی لغت و ادب کا صحیح ذوق شرطِ اوّل ہے، لیکن مختلف اسباب سے جن کی تشریح محتاجِ تفصیل ہے، یہ ذوق کمزور پڑتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جب مطالب میں بے شمار اُلجھاؤ محض اس لیے پڑ گئے کہ عربیت کا ذوقِ سلیم باقی نہیں رہا، اور جس زبان میں قرآن نازل ہوا تھا، اس کے محاورات و مدلولات سے یک قلم بُعد ہو گیا۔

۱۰۔ ہر عہد کا فکری اثر تمام علوم و فنون کی طرح تفسیر میں بھی کام کرتا رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تاریخ اسلام کا یہ پرفخر واقعہ ہمیشہ یادگار رہے گا کہ علمائے حق نے وقت کے سیاسی اثرات کے سامنے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے، اور کبھی یہ بات گوارا نہ کی کہ اسلام کے عقائد و مسائل اُن سے اثر پذیر ہوں۔ لیکن وقت کی تاثیر صرف سیاست ہی کے دروازے سے نہیں آتی۔ اس کے نفسیاتی مؤثرات کے بے شمار دروازے ہیں، اور جب کھل جاتے ہیں تو کسی کے بند کیے بند نہیں ہو

سکتے۔ اُن کے استیلا سے عقائد و اعمال محفوظ رکھے جا سکتے تھے، اور علمائے حق نے محفوظ رکھے، لیکن دماغ محفوظ نہیں رکھے جا سکتے تھے، اور محفوظ نہیں رہے۔ یہاں ضرورت مثالوں کی ہے، لیکن اس کی مثالیں تفصیل طلب ہیں، اور اختصار کا تقاضا اجازت نہیں دیتا۔

۱۱۔ چوتھی صدی ہجری کے بعد علومِ اسلامیہ کی تاریخ کا مجتہدانہ دور ختم ہو گیا، اور شواذ و نوادر کے علاوہ عام شاہراہ، تقلید کی شاہراہ ہو گئی۔ اس دائے عضال نے جسمِ تفسیر میں بھی پوری طرح سرایت کی۔ ہر شخص جو تفسیر کے لیے قدم اُٹھاتا تھا، کسی پیش رو کو اپنے سامنے رکھ لیتا تھا، اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا۔ اگر تیسری صدی میں کسی مفسر سے کوئی غلطی ہو گئی ہے، تو ضروری ہے کہ نویں صدی کی تفسیروں تک وہ برابر نقل در نقل ہوتی چلی آئے۔ کسی نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ چند لمحوں کے لیے تقلید سے الگ ہو کر تحقیق کرے کہ معاملہ کی اصلیت کیا ہے؟ رفتہ رفتہ تفسیر نویسی کی ہمتیں اس قدر پست ہو گئیں کہ کسی متداول تفسیر پر حاشیہ چڑھا دینے سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ بیضاوی اور جلالین کے حاشیے دیکھو، ایک بنے ہوئے مکان کی لیپ پوت کرنے میں کس طرح قوتِ تصنیف رائگاں گئی ہے؟

۱۲۔ زمانے کی بدذوقی نے بھی ہر کج اندیشی کو سہارا دیا۔۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرونِ اخیرہ میں درس و تداول کے لیے وہی تفسیریں مقبول ہوئیں جو قدماء کے محاسن سے یک قلم خالی تھیں۔ وقت کا یہ سوئے انتخاب ہر علم و فن میں جاری رہا ہے۔ جو زمانہ جرجانی پر سکّا کی کو، اور سکّا کی پر تفتازانی کو ترجیح دیتا تھا، یقیناً اس کے دربار سے بیضاوی و جلالین ہی کو حسن قبول کی سند مل سکتی تھی!

۱۳۔ متداول تفسیریں اُٹھا کر دیکھو جس مقام کی تفسیر میں متعدد اقوال موجود ہوں گے، وہاں اکثر اُسی قول کو ترجیح دیں گے جو سب سے زیادہ کمزور اور بے محل ہو گا، جو اقوال نقل کریں گے، اُن میں بہتر قول موجود ہو گا لیکن اُسے نظر انداز کر دیں گے۔

۱۴۔ اشکال و موانع کا بڑا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا جس کے اندیشے سے صحابہ و سلف کی روحیں لرزتی رہتی تھیں!

تفسیر بالرائے کا مطلب سمجھنے میں لوگوں کو لغزشیں ہوئی ہیں۔ تفسیر بالرائے کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن کے مطالب میں عقل و بصیرت سے کام نہ لیا جائے۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہو تو پھر قرآن کا درس و مطالعہ ہی بے سود ہو جائے، حالانکہ خود قرآن کا یہ حال ہے کہ اوّل سے لے کر آخر تک تعقل و تفکر کی دعوت ہے، اور ہر جگہ مطالبہ کرتا ہے کہ ﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا؟ ﴾ (۴۷: ۲۴) دراصل تفسیر بالرائے میں ''رائے'' لغوی معنی میں نہیں ہے، بلکہ ''رائے'' مصطلحہ شارع ہے، اور اس سے مقصود ایسی تفسیر ہے جو اِس لیے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے، بلکہ اس لیے کی جائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے، اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کر

دیا جاسکتا ہے۔

مثلاً جب بابِ عقائد میں ردّ وکد شروع ہوئی، تو مختلف مذاہب کلامیہ پیدا ہوگئے۔ ہر مذہب کے مناظر نے چاہا، اپنے مذہب پر نصوصِ قرآنیہ کو ڈھالے۔ وہ اس کی جستجو میں نہ تھے کہ قرآن کیا کہتا ہے؟ بلکہ ساری کاوش اس کی تھی کہ کسی طرح اُسے اپنے مذہب کا مؤید دکھلا دیں۔ اس طرح کی تفسیر، تفسیر بالرائے تھی۔

یا مثلاً مذاہب فقہیہ کے مقلدوں میں جب تحزب وتشیع کے جذبات تیز ہوئے، تو اپنے اپنے مسائل کی پچ میں آیاتِ قرآنیہ کو کھینچنے تاننے لگے۔ اس کی کچھ فکر نہ تھی کہ لغت عربی کے صاف صاف معانی، اسلوب بیان کا قدرتی مقتضیٰ، عقل وبصیرت کا واضح فیصلہ کیا کہتا ہے؟ تمام تر کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح قرآن کو اپنے امام کے مذہب کے مطابق کر دکھایئے۔ یہ طریق تفسیر تفسیر بالرائے ہے۔

یا مثلاً صوفیا کا ایک گروہ اسرار وبطون کی جستجو میں دور تک نکل گیا، اور پھر اپنے موضوعہ عقائد ومباحث پر قرآن کو ڈھالنے لگا۔ قرآن کا کوئی حکم، کوئی عقیدہ، کوئی بیان تحریف معنوی سے نہ بچا۔ یہ تفسیر تفسیر بالرائے تھی۔

یا مثلاً قران کے طریق استدلال کو منطقی جامہ پہنانا، یا جہاں کہیں آسمان اور کواکب ونجوم کے الفاظ آگئے ہیں، یونانی علم ہیئت کے مسائل چپکانے لگنا، یقیناً تفسیر بالرائے ہے۔

یا مثلاً، آج کل ہندوستان اور مصر کے بعض مدعیانِ اجتہاد ونظر نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ زمانۂ حال کے ''اُصولِ علم وترقی'' قرآن سے ثابت کیے جائیں۔ یا جدید تحقیقاتِ علمیہ کا اس سے استنباط کیا جائے۔ گویا قرآن صرف اسی لیے نازل ہوا ہے کہ جو بات کوپرنیکس اور نیوٹن نے یا ڈارون اور ویلس نے بغیر کسی الہامی کتاب کے فلسفہ اندیشیوں کے دریافت کر لی، اُسے چند صدی پہلے معموں کی طرح دنیا کے کان میں پھونک دے، اور پھر وہ بھی صدیوں تک دُنیا کی سمجھ میں نہ آئیں۔ یہاں تک کہ موجودہ زمانہ کے مفسر پیدا ہوں، اور تیرہ سو برس پیشتر کے معمے حل فرمائیں۔ یقیناً یہ طریق تفسیر بھی ٹھیک ٹھیک تفسیر بالرائے ہے۔

جستجوئے حقیقت:

یہ چند اشارات ہیں کہ اختصار کے تقاضے اور محل کی تنگنائی پر بھی حوالہ قلم ہوئے، ورنہ شرح اس معاملہ کی بہت طولانی ہے۔

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل!

کم از کم ان مجمل اشارات سے اس بات کا اندازہ کر لیا جاسکتا ہے کہ راہ کی مشکلات وموانع کا کیا حال ہے، اور کس طرح قدم قدم پر پردوں کو ہٹانا، اور چپہ چپہ پر رکاوٹوں سے دو چار ہونا ہے۔ پھر رُکاوٹیں کسی ایک گوشے ہی میں

نہیں ہیں، اور مشکلات کسی ایک دروازے ہی پر نہیں آئی ہیں۔ بہ یک وقت ہر وادی کی پیائش اور ہر گوشے میں نظر و کاوش ہونی چاہیے۔تب کہیں جا کر حقیقت گم گشتہ کا سراغ مل سکتا ہے۔ جہاں تک میرے امکان میں تھا، میں نے کوشش کی ہے کہ ان مرحلوں سے عہدہ برآ ہوں۔ میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں؟ اس کا فیصلہ میں خود نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ قرآن کے مطالعہ تدبر کی ایک نئی راہ ضرور کھل گئی ہے اور اہل نظر اس راہ کو اُن تمام راہوں سے مختلف پائیں گے جن میں آج تک قدم فرسائی کرتے رہے تھے۔

ترجمان القرآن کا مقصد ونوعیت:

قرآن کے درس و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں ہیں، اور میں نے اُنہیں تین کتابوں میں منقسم کر دیا ہے، مقدمہ تفسیر، تفسیر البیان، اور ترجمان القرآن ۔مقدمہ، تفسیر، قرآن کے مقاصد و مطالب پر اُصولی مباحث کا مجموعہ ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ مطالب قرآنی کے جوامع وکلیات مدون ہو جائیں ۔تفسیر البیان نظر و مطالعہ کے لیے ہے، اور ترجمان القرآن قرآن کی عالم گیر تعلیم واشاعت کے لیے۔

آخری کتاب سب سے پہلے شائع کی جاتی ہے، کیونکہ اپنے مقصد ونوعیت میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے ،اور فی الحقیقت تفسیر ومقدمہ کے لیے بھی اصلی بنیاد یہی ہے۔

اس کی ترتیب سے مقصود یہ ہے کہ مطالب قرآنی کے فہم و تدبر کے لیے ایک ایسی کتاب تیار ہو جائے، جس میں کتب تفسیر کی سی تفصیلات تو نہ ہوں، لیکن وہ سب کچھ ہو، جو قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کے لیے ضروری ہے۔اس غرض سے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اُمید ہے کہ اہل نظر اس کی موزونیت بہ یک نظر محسوس کر لیں گے۔ پہلے کوشش کی ہے کہ قرآن کا ترجمہ اُردو میں اس طرح مرتب ہو جائے کہ اپنی وضاحت میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہ رہے۔اپنی تشریحات خود اپنے ساتھ رکھتا ہو۔ پھر جا بجا نوٹوں کا اضافہ کیا ہے، جو سورت کے مطالب کی رفتار کے ساتھ ساتھ برابر چلے جاتے ہیں، اور جہاں کہیں ضرورت دیکھتے ہیں، مزید رہنمائی کے لیے نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ قدم قدم پر مطالب کی تفسیر کرتے ہیں، اجمال کو تفصیل کا رنگ دیتے ہیں، مقاصد ووجوہ سے پردے اُٹھاتے ہیں، دلائل وشواہد کو روشنی میں لاتے ہیں، احکام ونواہی کو مرتب و منضبط کرتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ مختصر لفظوں میں، زیادہ سے زیادہ معانی و معارف کا سرمایہ فراہم کرتے جاتے ہیں۔ یہ گویا قاری قرآن کے لیے تفکر و تدبر کی روشنی ہے جو بحکم ﴿ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ﴾ (۵۷:۱۲) اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے، اور کہیں بھی اُس کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔

یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ ترجمان القرآن کے نوٹ تشریح و وضاحت کا ایک مزید درجہ ہیں، ورنہ قرآن کا صاف صاف مطلب سمجھ لینے کے لیے متن کا ترجمہ پوری طرح کفایت کرتا ہے۔ میں نے تجربے کے لیے سورۂ بقرہ کا مجرد ترجمہ

ایک پندرہ برس کے لڑکے کو دیا جو اُردو کی آسان کتابیں روانی کے ساتھ پڑھ لیتا تھا، پھر ہر موقع پر سوالات کر کے جانچا جہاں تک مطلب سمجھ لینے کا تعلق ہے وہ ایک مقام پر بھی نہ اٹکا، اور تمام سوالوں کا جواب دیتا گیا۔ پھر ایک دوسرے شخص پر تجربہ کیا جس نے بڑی عمر میں لکھنا پڑھنا سیکھا ہے، اور ابھی اس کی استعداد اس سے زیادہ نہیں کہ اُردو کے تعلیمی رسائل بہ آسانی پڑھ لیتا تھا۔ یہ تین جگہ تین فارسی لفظوں پر اٹکا، لیکن مطلب سمجھنے میں اسے بھی کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ میں نے وہ الفاظ بدل کر نسبتہً زیادہ سہل الفاظ رکھ دیے۔

نوٹوں کی ترتیب کا معاملہ نفس ترجمہ سے کم مشکل نہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ان کے لیے ایک محدود مقدار سے زیادہ جگہ نکل نہیں سکتی تھی، اور نوٹ، نوٹ نہ رہتے اگر ایک خاص مقدار سے کمیت یا تعداد میں زیادہ ہو جاتے، لیکن ساتھ ہی ضروری تھا کہ کوئی اہم مقام تشنہ نہ رہ جائے، اور مقاصد و مطالب قرآنی کی تمام مہمات واضح ہو جائیں، پس پوری احتیاط کے ساتھ ایسا طریق بیان اختیار کیا گیا ہے کہ لفظ کم سے کم ہیں، لیکن اشارات زیادہ سے زیادہ سمیٹ لیے گئے ہیں۔ جس چیز کی لوگ کمی پائیں گے، وہ صرف مطالب کا پھیلاؤ ہے۔ نفس مطالب میں کوئی کمی محسوس نہ ہوگی۔ اُن کے ہر لفظ اور ہر جملہ پر جس قدر غور کیا جائے گا، مطالب و مباحث کے نئے نئے دفتر کھلتے جائیں گے۔

مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت عدۃ طلاق پر ایک نوٹ ہے ''طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کر کے نکاح کی اہمیت، نسب کے تحفظ، اور عورت کے نکاح ثانی کی سہولتوں کا انتظام کر دیا گیا۔'' (۲۵۳) یہ نہایت مختصر جملہ ہے لیکن اسی میں عدت طلاق کے تعین کی وہ تینوں مصلحتیں واضح کر دی گئی ہیں، جن میں سے ہر مصلحت کی بحث تفسیر کے ایک پورے صفحے میں بمشکل آتی۔ نکاح کی اہمیت چاہتی تھی کہ یہ رشتہ ایسا بن کر نہ رہ جائے کہ ادھر ختم ہوا اور ادھر از سرنو شروع ہو گیا۔ ہر دو رشتوں کے درمیان کچھ نہ کچھ فصل اور انتظار کی حالت ضرور ہونی چاہیے۔ نسب کا تحفظ بھی چاہتا تھا کہ اتنا وقفہ ضرور گزر جائے کہ حمل کا شبہ باقی رہے لیکن ساتھ ہی اس کی رعایت بھی ضروری تھی کہ عورت کے نکاح ثانی کے حقوق میں بے جا دست اندازی نہ ہو۔ پس قرآن نے ایک ایسی مدت ٹھہرا دی جس سے ایک طرف تو پہلی اور دوسری مصلحت پوری ہوگئی، دوسری طرف تیسری مصلحت میں بھی خلل نہیں پڑا۔ کیونکہ ابتدائی دو مصلحتوں کے لیے کم سے کم مدت ہے جو قرار دی گئی ہے۔ یہ تمام تشریحات نوٹ میں نہیں آ سکتی تھیں، اور نہیں آئی ہیں، لیکن اصل مطلب پورا پورا آ گیا ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ مطالعہ کے وقت غور وفکر کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

تفسیر سورۂ فاتحہ:

پہلی جلد کی ابتدا میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا ملخص بھی شامل کر دیا گیا ہے، کیونکہ وہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر، ترجمہ قرآن کے لیے اس کا قدرتی مقدمہ تھی، اور ضروری تھا کہ کم از کم یہ مقدمہ، تلاوتِ ترجمہ سے پہلے ذہن نشین ہو جائے۔

البتہ یہ تفسیر سورۂ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ اس میں مباحث کے پھیلاؤ سمیٹ دیے ہیں، تفصیلات کو جا بجا مختصر کر دیا ہے۔ تمہید و توطیہ کی قسم کی تمام چیزیں نکال دی ہیں، لیکن نفس مطالب میں بجز ایک مقام کے کوئی کمی نہیں کی ہے۔ یہ مقام صفاتِ الٰہی کے تصور کے مباحث کا ہے۔ اس میں ایک بڑا حصہ صفاتِ الٰہی کے اُن مباحث کا تھا جن کا تعلق زیادہ تر فلسفہ و کلام کے قدیم مذاہب و مباحث سے ہے۔ نیز فرداً فرداً اُن تمام صفات پر نظر ڈالی گئی تھی جو قرآن حکیم میں آئے ہیں۔ چونکہ یہ حصہ عام مطالعہ اور دلچسپی کا نہ تھا، اس لیے ترجمان القرآن میں اس کی موجودگی ضرورت سے زیادہ محسوس ہوئی، اور اسے الگ کر دیا گیا۔

خاتمہ:

آخر میں چند الفاظ اس پورے سلسلۂ ترجمہ وتفسیر کی نسبت کہہ دینا ضروری ہیں۔ کامل ستائیس برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ اس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کیے ہیں۔ تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ و غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے، اور علوم قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف سے حتی الوسع ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔ علم و نظر کی راہوں میں آج کل قدیم و جدید کی تقسیمیں کی جاتی ہیں، لیکن میرے لیے یہ تقسیمیں بھی کوئی تقسیم نہیں۔ جو کچھ قدیم ہے، وہ مجھے ورثہ میں ملا، اور جو کچھ جدید ہے، اُس کے لیے اپنی راہیں آپ نکال لیں۔ میرے لیے وقت کی جدید راہیں بھی ویسی ہی دیکھی بھالی ہیں جس طرح قدیم راہوں میں گام فرسائی کرتا رہا ہوں:

رہا ہوں رند بھی میں اور پارسا بھی میں
مری نظر میں ہیں رندان و پارسا اک ایک!

خاندان، تعلیم، اور سوسائٹی کے اثرات نے جو کچھ میرے حوالے کیا تھا، میں نے اوّل روز ہی اس پر قناعت کرنے سے انکار کر دیا، اور تقلید کی بندشیں کسی گوشے میں روک نہ ہوسکیں، اور تحقیق کی تشنگی نے کسی میدان میں بھی ساتھ نہ چھوڑا:

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نہ داشت
دانہ می چیدم دراں روزے کہ خرمن داشتم!

میرے دل کا کوئی یقین ایسا نہیں ہے جس میں شک کے سارے کانٹے نہ چبھ چکے ہوں، اور میری روح کا کوئی اعتقاد ایسا نہیں ہے جو انکار کی ساری آزمائشوں میں سے نہ گزر چکا ہو، میں نے زہر کے گھونٹ بھی ہر جام سے پیے ہیں، اور تریاق کے نسخے بھی ہر دار الشفا کے آزمائے ہیں۔ میں جب پیاسا تھا، تو میری لب تشنگیاں دوسروں کی طرح نہ تھیں، اور۔ جب سیراب ہوا، تو میری سیرابی کا سرچشمہ بھی شاہراہِ عام پر نہ تھا:

راہے کہ خضر داشت زسرچشمہ دُور بود
لب تشنگی زراہِ دگر بردہ ایم ما!

اس تمام عرصے کی جستجو وطلب کے بعد، قرآن کو جیسا کچھ اور جتنا کچھ سمجھ سکا ہوں، میں نے اس کتاب کے صفحوں پر پھیلا دیا ہے:

سبک زجائے نگیری ، کہ بس گراں گہرست
متاعِ من کہ نصیبش مبادا رزانی!

﴿ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (۱۲:۱۱۱)

ابوالکلام

۱۶۔نومبر ۱۹۳۰ء
ڈسٹرکٹ جیل میرٹھ

دیباچہ طبع ثانی

آزمودیم ، بزورِ مئے امسال نہ بود
قدحے داشت خم ازبادۂ پارینۂ ما

انسان کے نقص و درماندگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کے کام کبھی جامۂ تکمیل سے آراستہ نہیں ہو سکتے۔ وہ آج ایک کام کر کے اُٹھتا ہے اور سمجھتا ہے، اُسے مکمل کر چکا، مگر پھر دوسرے دن دیکھتا ہے تو خود اُس کی نگاہ کی جانچ بدل جاتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ طرح طرح کی خامیاں رہ گئی تھیں۔ ہر اہل قلم جو اپنے پیچھے آثار پر نظر ڈالے گا، اس قول کی صداقت معلوم کر لے گا۔

میں نے ترجمان القرآن جلد اوّل پر اب کئی سال کے بعد نظر ڈالی، تو یہی معاملہ پیش آیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ از سرنو پوری تفسیر اور ترجمے کی نظر ثانی کرنی پڑی اور معاملے نے ایک دوسرا ہی آب و رنگ پیدا کر لیا۔

اس سلسلے میں حسب ذیل تبدیلیاں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں:

ا۔ تفسیر سورۂ فاتحہ میں جا بجا نئے مطالب کا اضافہ کیا گیا جو طبع اوّل میں نظر انداز کر دیے گئے تھے۔ ان اضافوں سے اب تفسیر کی مقدار تقریباً ڈیوڑھی ہو گئی ہے۔

بڑا اضافہ قرآن کے ''تصورِ الٰہی'' کے مبحث میں کیا گیا ہے۔

صفاتِ الٰہی کا مسئلہ ایک نہایت دقیق اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس کے بحث و نظر کی سرحد ایک طرف مابعد الطبیعیات (Metaphysics) سے جا ملی ہے، دوسری طرف مذہب سے، اور دونوں نے یکساں طور پر اُسے اپنے حلقہ فکر کا موضوع تصور کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم و نظر کے ہر دور میں علمائے مذاہب سے زیادہ فلسفیوں کی کاوشوں نے اس میں حصہ لیا ہے، اور ہندوستان، یونان، اسکندریہ، اور قرونِ وسطیٰ کے فلسفیانہ مباحث کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ مسلمانوں میں جب علم توحید و کلام کی بحثوں نے سر اٹھایا تو اسی مسئلے میں سب سے زیادہ ردّ و کد ہوئی اور مختلف مذاہب پیدا ہو گئے۔ اصحابِ حدیث اور اشاعرہ کا سب سے بڑا اختلاف اسی دروازے سے آیا تھا۔

یہ مسئلہ بھی من جملہ اُن مسئلوں کے ہے جو طالب علمی کے زمانے میں میرے لیے سخت شکوک و خلجان کا باعث ہوئے تھے اور مدتوں حیران و سرگشتہ رہا تھا۔ بالآخر جب حقیقت حال منکشف ہوئی تو معلوم ہوا کہ متکلمین کی رہنمائی اس راہ میں کچھ سود مند نہیں ہو سکتی۔ بلکہ منزل مقصود سے اور زیادہ دُور کر دیتی ہے۔ یقین و طمانیت کی اگر راہ ہے تو وہی ہے

جو ظواہر قرآن نے اختیار کی ہے اور جس سے متبعین سلف منحرف ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔

چند انکہ دست و پازدم ، آشفتہ تر شدم
ساکن شدم ، میانہ دریا کنارشد!

اس جستجو وطلب نے بالآخر جن نتیجوں تک پہنچایا تھا، وہ بالاختصار اس مقام میں واضح کر دیے گئے ہیں۔

فلسفہ و کلام میں یہ مباحث نہایت پیچیدہ اور فنی مصطلحات کی گرہوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ان گرہوں کو کھول دوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ مبحث اس درجہ واضح ہو گیا ہے کہ جو حضرات اسلامی علوم کے فنی اور مصطلحاتی طریقہ سے آشنا نہیں ہیں، وہ بھی اس میں دلچسپی لے سکیں گے۔ جہاں کہیں فلسفہ و کلام کی عربی مصطلحات آ گئی ہیں، وہاں انگریزی مصطلحات بھی دے دی گئی ہیں تا کہ موجودہ زمانے کے فلسفیانہ مباحث سے ذوق رکھنے والوں کو فہم مطالب میں دشواری پیش نہ آئے۔

۲۔ ''تصورِ الٰہی'' کے مبحث میں مذاہب عالم کے اعتقادی تصوروں کا بھی ذکر آ گیا تھا، لیکن طبع اوّل میں صرف اشارات سے کام لیا گیا، کیونکہ دائرۂ بحث کو زیادہ پھیلانا منظور نہ تھا۔ لیکن اب اس مقام پر دوبارہ نظر ڈالی گئی تو محسوس ہوا کہ مبحث تشنہ رہ گیا ہے، اور ضروری ہے کہ رشتہ بیان کو ایک خاص حد تک بڑھنے دیا جائے چنانچہ یہ حصہ اب از سرِ نو لکھا گیا اور جس حد تک محل کا مقتضی اجازت دیتا تھا، شرح وتفصیل کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی گئی۔

۳۔ طبع اوّل میں صرف ابواب کی تقسیم کافی سمجھی گئی تھی۔ اب جا بجا حاشیے کے عنوان بھی بڑھا دیے ہیں۔ اس اضافے سے تمام مطالب اس طرح منضبط ہو گئے کہ بہ یک نظر ان کا خلاصہ معلوم کر لیا جا سکتا ہے۔

۴۔ پورے ترجمے پر نظر ثانی کی گئی، اور یہ اصل پیش نظر رہی کہ زیادہ سے زیادہ وضاحت کے ساتھ سر رشتہ ایجاز بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے، نیز جہاں تک متن کا لفظی اتباع کیا جا سکتا ہے، اُسے قائم رکھا جائے جن حضرات کی نظر سے پچھلی طباعت کا ترجمہ گزر چکا ہے، وہ اب اس کا مطالعہ کریں گے تو ہر دوسری تیسری سطر میں کوئی نہ کوئی تبدیلی اُنہیں ضرور محسوس ہوگی۔

۵۔ ترجمے کے تشریحی نوٹوں میں بھی جا بجا اضافے کیے گئے ہیں۔

بہ حیثیت مجموعہ یہ طباعت پچھلی طباعت سے اپنی خصوصیات میں اس درجہ مختلف ہو گئی ہے کہ میں خیال کرتا ہوں، جن حضرات کی نظر سے پچھلی طباعت گزر چکی ہے، وہ بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، وہ نقش اوّل تھا۔ یہ نقش ثانی ہے۔

قید خانہ قلعہ احمد نگر　　　　　　　　ابوالکلام

۷۔ فروری ۱۹۴۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ فاتحہ

﴿۱﴾

سورت کی اہمیت اور خصوصیات

یہ قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے- اس لیے فاتحة الکتاب کے نام سے پکاری جاتی ہے-

جو بات زیادہ اہم ہوتی ہے' قدرتی طور پر پہلی اور نمایاں جگہ پاتی ہے- یہ سورت قرآن کی تمام سورتوں میں خاص اہمیت رکھتی تھی' اس لیے قدرتی طور پر اس کی موزوں جگہ قرآن کے پہلے صفحے ہی میں قرار پائی - چنانچہ خود قرآن نے اس کا ذکر ایسے ہی لفظوں میں کیا ہے جس سے اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے-

﴿ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴾ (۱۵:۸۷)

اے پیغمبر! یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تمہیں سات دہرائی جانے والی چیزیں عطا فرمائیں اور قرآن عظیم-

احادیث و آثار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت میں ''سات دہرائی جانے والی چیزوں'' سے مقصود یہی سورت ہے کیونکہ یہ سات آیتوں کا مجموعہ ہے اور ہمیشہ نماز میں دہرائی جاتی ہے- یہی وجہ ہے کہ اس سورت کو سبع المثانی بھی کہتے ہیں-[۱]

احادیث و آثار میں اس سورت کے دوسرے نام بھی آئے ہیں جن سے اس کی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے- مثلاً اُم القرآن' الکافیہ' الکنز' اساس القرآن-[۲]

---

۱ امام بخاری اور اصحاب سنن نے ابوسعید بن المعلی سے روایت کیا ہے کہ الحمد لله رب العلمین' هی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیتهٗ- اور امام مالک' ترمذی اور حاکم نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابی ابن کعبؓ کو سورۂ فاتحہ کی تلقین کی اور یہی الفاظ ارشاد فرمائے- اسی طرح طبری نے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہم سے روایت کی ہے کہ ''السبع المثانی فاتحة الکتاب' اگرچہ ابن مسعودؓ کی اسناد منقطع ہے- لیکن ابن عباس کی حسن ہے- ابوالعالیہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے اس کے علاوہ ائمہ تابعین کی ایک بڑی جماعت اسی طرف گئی ہے- حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تمام روایات جمع کر دی ہیں- (شرح کتاب التفسیر جلد ۸- صفحہ - ۱۲۰- طبع اول)

۲ صحیح بخاری' موطا امام مالک' ابوداؤد' ابن ماجہ اور مسند احمد میں بہ اختلاف الفاظ اس مضمون کی روایات موجود ہیں-

عربی میں ''اُمّ'' کا اطلاق تمام ایسی چیزوں پر ہوتا ہے جو ایک طرح کی جامعیت رکھتی ہوں یا بہت سی چیزوں میں مقدم اور نمایاں ہوں یا پھر کوئی ایسی اوپر کی چیز ہو جس کے نیچے اس کے بہت سے توابع ہوں- چنانچہ سر کے درمیانی حصے کو ام الراس کہتے ہیں کیونکہ وہ دماغ کا مرکز ہے- فوج کے جھنڈے کو ام کہتے ہیں کیونکہ تمام فوج اسی کے نیچے جمع ہوتی ہے- مکہ کو ام القریٰ کہتے تھے کیونکہ خانہ کعبہ اور حج کی وجہ سے عرب کی تمام آبادیوں کے جمع ہونے کی جگہ تھی- پس اس سورت کو اُمُّ القراٰن کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ایک ایسی سورت ہے جس میں مطالب قرآنی کی جامعیت اور مرکزیت ہے یا جو قرآن کی تمام سورتوں میں اپنی نمایاں اور مقدم جگہ رکھتی ہے-

اساسُ القراٰن کے معنی ہیں قرآن کی بنیاد- الکافیہ کے معنی ہیں ایسی چیز جو کفایت کرنے والی ہو' الکنز خزانہ کو کہتے ہیں- علاوہ بریں ایک سے زیادہ حدیثیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے یہ اوصاف عہد نبوت میں عام طور پر مشہور تھے-

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے ابی بن کعبؓ کو اس سورت کی تلقین کی اور فرمایا ''اس کے مثل کوئی سورت نہیں''-

ایک دوسری روایت میں اسے ''سب سے بڑی سورت''[1] اور ''سب سے بہتر سورت'' بھی فرمایا ہے-

سورۂ فاتحہ میں دین حق کے تمام مقاصد کا خلاصہ موجود ہے:

چنانچہ اس سورت کے مطالب پر نظر ڈالتے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اور قرآن کے بقیہ حصے میں اجمال اور تفصیل کا سا تعلق پیدا ہو گیا ہے- یعنی قرآن کی تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد بہ تفصیل بیان کیے گئے ہیں سورۂ فاتحہ میں انہی کا بہ شکل اجمال بیان موجود ہے- اگر ایک شخص قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھ سکے صرف اس سورت کے مطالب ذہن نشین کر لے جب بھی وہ دین حق اور خدا پرستی کے بنیادی مقاصد معلوم کر لے گا اور یہی قرآن کی تمام تفصیلات کا ماحصل ہے-

علاوہ ازیں جب اس پہلو پر غور کیا جائے کہ سورت کا پیرایہ دعائیہ ہے اور اسے روزانہ عبادت کا ایک لازمی جزو قرار دیا گیا ہے تو اس کی یہ خصوصیت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ اس اجمال و تفصیل میں بہت بڑی مصلحت پوشیدہ تھی- مقصود یہ تھا کہ قرآن کے مفصل بیانات کا ایک مختصر اور سیدھا سادھا خلاصہ بھی ہو جسے ہر انسان بآسانی ذہن نشین کر لے اور پھر ہمیشہ اپنی دعاؤں اور عبادتوں میں دہراتا رہے- یہ اس کی دینی زندگی کا دستور العمل' خدا پرستی کے عقائد کا خلاصہ اور روحانی تصورات کا نصب العین ہوگا- یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس سورت کا ذکر کرتے ہوئے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ کہہ کر اس کی خصوصیت کی طرف اشارہ کر دیا- یعنی ہمیشہ دہرائے جانے اور ورد رکھنے ہی میں اس کے نزول کی حکمت پوشیدہ ہے-

---

[1] ابوسعید بن معلی کی روایت میں جس کی تخریج پچھلے حاشیہ میں گزر چکی ہے اسے اعظم سورۃ فی القرآن فرمایا ہے' اور مسند کی روایت ابن جابر میں اخیر کا لفظ ہے-

کوئی شخص کتنا ہی نادان اوران پڑھ ہو لیکن ان چار سطروں کا یاد کر لینا اوران کا سیدھا سادھا مطلب سمجھ لینا اس کے لیے کچھ دشوار نہیں ہو سکتا- اگر ایک انسان اس سے زیادہ قرآن میں سے کچھ نہ پڑھ سکا جب بھی اس نے دین حق کا بنیادی سبق حاصل کر لیا یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان کے لیے اس سورت کا سیکھنا اور پڑھنا ناگزیر ہوا اور نماز کی دعا اس کے سوا کوئی نہ ہو سکی کہ ((لَاصَلٰوۃَ اِلاَّ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ)) (صحیحین) اور اسی لیے صحابہ کرامؓ اسے سورۃ الصلوٰۃ کے نام سے پکارتے تھے- یعنی وہ سورت جس کے بغیر نماز نہیں پڑھی جا سکتی- ایک انسان اس سے زیادہ قرآن میں سے جس قدر پڑھے اور سیکھے مزید معرفت وبصیرت کا ذریعہ ہو گا لیکن اس سے کم کوئی چیز نہیں ہو سکتی-

دین حق کا ماحصل:

دین حق کا تمام تر ماحصل کیا ہے؟ جس قدر غور کیا جائے گا ان چار باتوں سے باہر کوئی بات دکھائی نہ دے گی-

1. خدا کی صفات کا ٹھیک ٹھیک تصور اس لیے کہ انسان کو خدا پرستی کی راہ میں جس قدر ٹھوکریں لگی ہیں صفات ہی کے تصور میں لگی ہیں-
2. قانون مجازات کا اعتقاد- یعنی جس طرح دنیا میں ہر چیز کا ایک خاصہ اور قدرتی تاثیر ہے اسی طرح انسانی اعمال کے بھی معنوی خواص اور نتائج ہیں- نیک عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور برے کا برائی-
3. معاد کا یقین- یعنی انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی- اس کے بعد بھی زندگی ہے اور جزا کا معاملہ پیش آنے والا ہے-
4. فلاح وسعادت کی راہ اور اس کی پہچان-

سورۂ فاتحہ کا اسلوب بیان:

اب غور کرو کہ ان باتوں کا خلاصہ اس سورت میں کس خوبی کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے! ایک طرف زیادہ سے زیادہ مختصر حتی کہ گنے ہوئے الفاظ ہیں' دوسری طرح ایسے نپے تلے الفاظ کہ ان کے معانی سے پوری وضاحت اور دل نشینی پیدا ہو گئی ہے- ساتھ ہی نہایت سیدھا سادھا بیان ہے- کسی طرح کا پیچ وخم نہیں- کسی طرح کا الجھاؤ نہیں-

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دنیا میں جو چیز جتنی زیادہ حقیقت سے قریب ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ سہل اور دلنشین بھی ہوتی ہے اور خود فطرت کا یہ حال ہے کہ کسی گوشے میں بھی الجھی ہوئی نہیں ہے- الجھاؤ جس قدر بھی پیدا ہوتا ہے بناوٹ اور تکلف سے پیدا ہوتا ہے- پس جو بات سچی اور حقیقی ہو گی ضروری ہے کہ سیدھی سادھی اور دلنشین بھی ہو- دل نشینی کی انتہا یہ ہے کہ جب کبھی کوئی ایسی بات تمہارے سامنے آ جائے تو ذہن کو کسی طرح کی اجنبیت محسوس نہ ہو- وہ اس طرح قبول کر لے گویا پیشتر سے سمجھی بوجھی ہوئی بات تھی- اردو کے ایک شاعر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

اب غور کرو کہ جہاں تک انسان کی خدا پرستی اور خدا پرستی کے تصورات کا تعلق ہے اس سے زیادہ سیدھی سادھی باتیں اور کیا ہو سکتی ہیں جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں اور پھر اس سے زیادہ سہل اور دلنشین اسلوب بیان کیا ہو سکتا ہے؟ سات چھوٹے چھوٹے بول ہیں- ہر بول چار پانچ لفظوں سے زیادہ کا نہیں اور ہر لفظ صاف اور دل نشین معانی کا نگینہ ہے جو اس انگوٹھی میں جڑ دیا گیا ہے- اللہ کو مخاطب کر کے ان صفتوں سے پکارا گیا ہے جن کا جلوہ شب و روز انسان کے مشاہدے میں آتا رہتا ہے اگرچہ وہ اپنی جہالت و غفلت سے ان میں غور و تفکر نہیں کرتا- پھر اس کی بندگی کا اقرار ہے' اس کی مدد گاریوں کا اعتراف ہے اور زندگی کی لغزشوں سے بچ کر سیدھی راہ لگ کر چلنے کی طلبگاری ہے- کوئی مشکل خیال نہیں' کوئی انوکھی بات نہیں' کوئی عجیب و غریب راز نہیں- اب کہ ہم بار بار یہ سورت پڑھتے رہتے ہیں اور صدیوں سے اس کے مطالب نوع انسانی کے سامنے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ہمارے دینی تصورات کی ایک بہت ہی معمولی سی بات ہے لیکن یہی معمولی بات جس وقت تک دنیا کے سامنے نہیں آئی تھی اس سے زیادہ کوئی غیر معلوم اور نا قابل حل بات بھی نہ تھی- دنیا میں حقیقت اور سچائی کی ہر بات کا یہی حال ہے- جب تک سامنے نہیں آتی' معلوم ہوتا ہے اس سے زیادہ مشکل بات کوئی نہیں- جب سامنے آ جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے اس سے زیادہ صاف اور سہل بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ عرفی نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایے میں بیان کی ہے-

ہر کس نشناسندۂ راز ست' وگرنہ　　　　ایں ہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام ست!

دنیا میں جب کبھی وحیٔ الٰہی کی ہدایت نمودار ہوئی تو اس نے یہ نہیں کیا ہے کہ انسان کو نئی نئی باتیں سکھا دی ہوں کیونکہ خدا پرستی کے بارے میں کوئی انوکھی بات سکھائی ہی نہیں جا سکتی- اس کا کام صرف یہ رہا ہے کہ انسان کے وجدانی عقائد کو علم و اعتراف کی ٹھیک ٹھیک تعبیر بتا دے اور یہی سورۂ فاتحہ کی خصوصیت ہے- اس سورت نے نوع انسانی کے وجدانی تصورات ایک ایسی تعبیر سے سنوار دیے کہ ہر عقیدہ' ہر فکر' ہر جذبہ' اپنی حقیقی شکل و نوعیت میں نمودار ہو گیا اور چونکہ یہ تعبیر حقیقت حال کی سچی تعبیر ہے اس لیے جب کبھی ایک انسان راست بازی کے ساتھ اس پر غور کرے گا بے اختیار پکار اٹھے گا کہ اس کا ہر بول اور ہر لفظ اس کے دل و دماغ کی قدرتی آواز ہے!

دین حق کی مہمات:

پھر دیکھو اگرچہ اپنی نوعیت میں وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک خدا پرست انسان کی سیدھی سادھی دعا ہے لیکن کس طرح اس کے ہر لفظ اور ہر اسلوب سے دین حق کا کوئی نہ کوئی اہم مقصد واضح ہو گیا ہے اور کس طرح اس کے الفاظ نہایت اہم معانی و دقائق کی نگرانی کر رہے ہیں!

❶ خدا کے تصور کے بارے میں انسان کی ایک بڑی غلطی یہ رہی ہے کہ اس تصور کو محبت کی جگہ خوف و دہشت کی چیز بنا لیتا تھا- سورۂ فاتحہ کے سب سے پہلے لفظ نے اس گمراہی کا ازالہ کر دیا-

﴿ الحمدلله رب العالمين ﴾ اس کی ابتدا حمد کے اعتراف سے ہوتی ہے حمد ثنائے جمیل کو کہتے ہیں یعنی اچھی صفتوں

کی تعریف کرنے کو- ثنائے جمیل اسی کی کی جاسکتی ہے جس میں خوبی و جمال ہو- پس حمد کے ساتھ خوف و دہشت کا تصور جمع نہیں ہوسکتا- جو ذات محمود ہوگی وہ خوفناک نہیں ہوسکتی-

پھر حمد کے بعد خدا کی عالمگیر ربوبیت' رحمت اور عدالت کا ذکر کیا ہے اور اس طرح صفات الٰہی کی ایک ایسی مکمل شبیہ کھینچ دی ہے جو انسان کو وہ سب کچھ دے دیتی ہے جس کی انسانیت کے نشو و ارتقا کے لیے ضرورت ہے اور ان تمام گمراہیوں سے محفوظ کر دیتی ہے جو اس راہ میں اسے پیش آسکتی ہیں-

2 ﴿ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ میں خدا کی عالمگیر ربوبیت کا اعتراف ہے جو ہر فرد' ہر جماعت' ہر قوم' ہر ملک اور ہر گوشۂ وجود کے لیے ہے- اس لیے یہ اعتراف ان تمام تنگ نظریوں کا خاتمہ کر دیتا ہے جو دنیا کی مختلف قوموں اور نسلوں میں پیدا ہوگئی تھیں اور ہر قوم اپنی جگہ سمجھنے لگی تھی کہ خدا کی برکتیں اور سعادتیں صرف اسی کے لیے ہیں کسی دوسری قوم کا ان میں حصہ نہیں-

3 ﴿ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴾ میں ''اَلدِّیْنِ'' کا لفظ جزا کے قانون کا اعتراف ہے اور جزا کو ''دین'' کے لفظ سے تعبیر کر کے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ جزا انسانی اعمال کے قدرتی نتائج و خواص ہیں- یہ بات نہیں ہے کہ خدا کا غضب وانتقام بندوں کو عذاب دینا چاہتا ہو- کیونکہ ''الدّین'' کے معنی بدلہ اور مکافات کے ہیں-

4 ربوبیت اور رحمت کے بعد ﴿ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴾ کے وصف نے یہ حقیقت بھی آشکارا کر دی کہ اگر کائنات میں صفاتِ رحمت و جمال کے ساتھ قہر و جلال بھی اپنی نمود رکھتی ہیں تو یہ اس لیے نہیں کہ پروردگار عالم میں غضب و انتقام ہے بلکہ اس لیے ہے کہ وہ عادل ہے اور اس کی حکمت نے ہر چیز کے لیے اس کا ایک خاصہ اور نتیجہ مقرر کر دیا ہے- عدل منافی رحمت نہیں ہے بلکہ عین رحمت ہے-

5 عبادت کے لیے یہ نہیں کہا کہ نعبدك بلکہ کہا ﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ یعنی یہ نہیں کہا کہ ''تیری عبادت کرتے ہیں''- بلکہ حصر کے ساتھ کہا ''صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں''- اور پھر اس کے ساتھ ﴿ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ کہہ کر استعانت کا بھی اسی حصر کے ساتھ ذکر کر دیا- اس اسلوب بیان نے توحید کے تمام مقاصد پورے کر دیے اور شرک کی ساری راہیں بند ہوگئیں!

6 سعادت و فلاح کی راہ کو ﴿ صِرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴾ یعنی سیدھی راہ سے تعبیر کیا جس کی اس سے زیادہ بہتر اور قدرتی تعبیر نہیں ہوسکتی کیونکہ کوئی نہیں جو سیدھی راہ اور ٹیڑھی راہ میں امتیاز نہ رکھتا ہو اور پہلی راہ کا خواہشمند نہ ہو-

7 پھر اس کے لیے ایک سیدھی سادھی اور جانی بوجھی ہوئی شناخت بتا دی جس کا اذعان قدرتی طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے اور جو محض ایک ذہنی تعریف ہونے کی جگہ ایک موجود و مشہود حقیقت نمایاں کر دیتی ہے- یعنی وہ راہ جو انعام یافتہ انسانوں کی راہ ہے- کوئی ملک' کوئی قوم' کوئی زمانہ' کوئی فرد ہو' لیکن انسان ہمیشہ دیکھتا ہے کہ زندگی کی دو راہیں یہاں صاف موجود ہیں- ایک راہ کامیاب انسانوں کی راہ ہے' ایک ناکام انسانوں کی۔ پس ایک

واضح اور آشکارا بات کے لیے سب سے بہتر علامت یہی ہو سکتی تھی کہ اس کی طرف انگلی اٹھا دی جائے - اس سے زیادہ کچھ کہنا ایک معلوم بات کو مجہول بنا دینا تھا -

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس سورت کے لیے دعا کا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے - کیونکہ اگر تعلیم وامر کا پیرایہ اختیار کیا جاتا تو اس کی نوعیت کی ساری تاثیر جاتی رہتی - دعائیہ اسلوب ہمیں بتاتا ہے کہ ہر راست باز انسان کی جو خدا پرستی کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے صدائے حال کیا ہوتی ہے اور کیا ہونی چاہیے؟ یہ گویا خدا پرستی کے فکر و وجدان کا سر جوش ہے جو ایک طالب صادق کی زبان پر بے اختیار ابل پڑتا ہے!

❋ ❋ ❋

﴿۲﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

حَمْد:

عربی میں حمد کے معنی ثنائے جمیل کے ہیں، یعنی اچھی صفتیں بیان کرنے کے- اگر کسی کی بری صفتیں بیان کی جائیں تو یہ حمد نہ ہوگی- حمد پر الف لام ہے یہ استغراق کے لیے بھی ہوسکتا ہے، جنس کے لیے بھی- پس ﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ حمد وثنا میں سے جو کچھ اور جیسا کچھ بھی کہا جا سکتا ہے وہ سب اللہ کے لیے ہے کیونکہ خوبیوں اور کمالوں میں سے جو کچھ بھی ہے سب اسی سے ہے اور اسی میں ہے- اور اگر حسن موجود ہے تو نگاہ عشق کیوں نہ ہو اور اگر محمودیت جلوہ افروز ہے تو زبانِ حمد و ستائش کیوں خاموش رہے؟

آئینۂ ما روئے ترا عکس پذیر است
گر تو نہ نمائی گنہ از جانب ما نیست

حَمْد سے سورت کی ابتدا کیوں کی گئی؟ اس لیے کہ معرفت الٰہی کی راہ میں انسان کا پہلا تاثر یہی ہے- یعنی جب کبھی ایک صادق انسان اس راہ میں قدم اٹھائے گا تو سب سے پہلی حالت جو اس کے فکر و وجدان پر طاری ہوگی وہ قدرتی طور پر وہی ہو گی جسے یہاں تحمید و ستائش سے تعبیر کیا گیا ہے- انسان کے لیے معرفت حق کی راہ کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کائنات خلقت میں تفکر و تدبر کرے- مصنوعات کا مطالعہ اسے صانع تک پہنچا دے گا-

﴿ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (۳:۱۸۸)

اب فرض کرو ایک طالب صادق اس راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور کائنات خلقت کے مظاہر و آثار کا مطالعہ کرتا ہے تو سب سے پہلا اثر جو اس کے دل و دماغ پر طاری ہوگا وہ کیا ہوگا؟ وہ دیکھے گا کہ خود اس کا وجود اور اس کے وجود سے باہر کی ہر چیز ایک صانع حکیم اور مدبر قدیر کی کارفرمائیوں کی جلوہ گاہ ہے اور اس کی ربوبیت اور رحمت کا ہاتھ ایک ایک ذرۂ خلقت میں صاف نظر آ رہا ہے- پس قدرتی طور پر اس کی روح جوش ستائش اور محویت جمال سے معمور ہو جائے گی- وہ بے اختیار پکار اٹھے گا کہ

﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴾ ساری حمد و ستائش اسی کے لیے ہے جو اپنی کارفرمائی کے ہر گوشے میں سرچشمہ رحمت و فیضان اور معنی حسن و کمال ہے!

اس راہ میں فکر انسانی کی سب سے بڑی گمراہی یہ رہی ہے کہ اس کی نظریں مصنوعات کے جلووں میں محو ہو کر رہ جاتیں اور آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرتیں۔ وہ پردوں کے نقش و نگار دیکھ کر بے خود ہو جاتا مگر اس کی جستجو نہ کرتا جس نے اپنے جمال صنعت پر یہ دل آویز پردے ڈال رکھے ہیں، دنیا میں مظاہر فطرت کی پرستش کی بنیاد اسی کوتاہ نظری سے پڑی۔ پس ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ﴾ کا اعتراف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ کائنات ہستی کا تمام فیضان و جمال خواہ کسی گوشے اور کسی شکل میں ہو صرف ایک صانع حقیقی کی صفتوں ہی کا ظہور ہے۔ اس لیے حسن و جمال کے لیے جتنی بھی شیفتگی ہوگی، خوبی و کمال کے لیے جتنی بھی مدحت طرازی ہوگی اور بخشش و فیضان کا جتنا بھی اعتراف ہوگا، وہ مصنوع و مخلوق کے لیے نہیں ہوگا۔ صانع و خالق ہی کے لیے ہوگا:

عبارُتنا شتّٰی وحُسنُك واحد وكلٌّ الٰی ذاكَ الجمالِ يشير!

اَللّٰہُ:

نزول قرآن سے پہلے عربی میں اللہ کا لفظ خدا کے لیے بطور اسم ذات کے مستعمل تھا جیسا کہ شعرائے جاہلیت کے کلام سے ظاہر ہے۔ یعنی خدا کی تمام صفتیں اس کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ یہ کسی خاص صفت کے لیے نہیں بولا جاتا تھا۔ قرآن نے بھی یہی لفظ بطور اسم ذات کے اختیار کیا اور تمام صفتوں کو اس کی طرف نسبت دی:

﴿ وَلِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى فَادۡعُوۡهُ بِهَا ﴾ (۷: ۱۷۹)

''اور اللہ کے لیے حسن و خوبی کے نام ہیں (یعنی صفتیں ہیں) پس چاہیے کہ اسے ان صفتوں کے ساتھ پکارو!''

قرآن نے یہ لفظ محض اس لیے اختیار کیا کہ لغت کی مطابقت کا مقتضا یہی تھا یا اس سے بھی زیادہ کوئی معنوی موزونیت اس میں پوشیدہ ہے؟

جب ہم اس لفظ کی معنوی دلالت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے اس غرض کے لیے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا۔

نوع انسانی کے دینی تصورات کا ایک قدیم عہد جو تاریخ کی روشنی میں آیا ہے۔ مظاہر فطرت کی پرستش کا عہد ہے۔ اسی پرستش نے بتدریج اصنام پرستی کی صورت اختیار کی اصنام پرستی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مختلف زبانوں میں بہت سے الفاظ دیوتاؤں کے لیے پیدا ہو گئے اور جوں جوں پرستش کی نوعیت میں وسعت ہوتی گئی الفاظ کا تنوع بھی بڑھتا گیا لیکن چونکہ یہ بات انسان کی فطرت کے خلاف تھی کہ ایک ایسی ہستی کے تصور سے خالی الذہن رہے جو سب سے اعلیٰ اور سب کی پیدا کرنے والی ہستی ہے اس لیے دیوتاؤں کی پرستش کے ساتھ ایک سب سے بڑی اور سب پر حکمراں ہستی کا تصور بھی کم و بیش ہمیشہ موجود رہا اور اس لیے جہاں بے شمار الفاظ دیوتاؤں اور ان کی معبودانہ صفتوں کے لیے پیدا ہو گئے وہاں کوئی نہ کوئی لفظ ایسا بھی ضرور

مستعمل رہا جس کے ذریعہ اس ان دیکھی اور اعلیٰ ترین ہستی کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا-

چنانچہ سامی زبانوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف و اصوات کی ایک خاص ترکیب ہے جو معبودیت کے معنی میں مستعمل رہی ہے- عبرانی' سریانی' آرامی' کلدانی' حمیری' عربی وغیرہ تمام زبانوں میں اس کا یہ لغوی خاصہ پایا جاتا ہے- یہ الف' لام اور ہ کا مادہ ہے اور مختلف شکلوں میں مشتق ہوا ہے- کلدانی و سریانی کا ''الاہیا'' عبرانی کا ''الوہ'' اور عربی کا ''اِلٰہ'' اسی سے ہے اور بلاشبہ یہی ''اِلٰہ'' ہے جو حرف تعریف کے اضافہ کے بعد اللہ ہو گیا ہے اور تعریف نے اسے صرف خالق کائنات کے لیے مخصوص کر دیا ہے-

لیکن اگر اللہ ''اِلٰہ'' سے ہے' تو ''اِلٰہ'' کے معنی کیا ہیں؟ علمائے لغت و اشتقاق کے مختلف اقوال ہیں' مگر سب سے زیادہ قوی قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصل ''اُلہ'' ہے اور ''اُلہ'' کے معنی تحیر اور درماندگی کے ہیں' بعضوں نے اسے ''ولہ'' سے ماخوذ بتایا ہے اور اس کے معنی بھی یہی ہیں پس خالق کائنات کے لیے یہ لفظ اس لیے اہم قرار پایا کہ اس بارے میں انسان جو کچھ جانتا اور جان سکتا ہے وہ عقل کے تحیر اور ادراک کی درماندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے- وہ جس قدر بھی اس ذات مطلق کی ہستی میں غور و خوض کرے گا اس کی عقل کی حیرانی اور درماندگی بڑھتی ہی جائے گی- یہاں تک کہ وہ معلوم کر لے گا کہ اس راہ کی ابتدا بھی عجز و حیرت سے ہوتی ہے اور انتہا بھی عجز و حیرت ہی ہے!

اے بروں از وہم و قال و قیل من　　　خاک بر فرق من و تمثیل من!

اب غور کرو خدا کی ذات کے لیے انسان کی زبان سے نکلے ہوئے لفظوں میں اس سے زیادہ موزوں لفظ اور کون سا ہو سکتا ہے؟ اگر خدا کو اس کی صفتوں سے پکارنا ہے تو بلاشبہ اس کی صفتیں بے شمار ہیں لیکن اگر صفات سے الگ ہو کر اس کی ذات کی طرف اشارہ کرنا ہے تو وہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ایک متحیر کر دینے والی ذات ہے اور جو کچھ اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے وہ عجز و درماندگی کے اعتراف کے سوا کچھ نہیں ہے؟ فرض کرو نوع انسانی نے اس وقت تک خدا کی ہستی یا تخلیق کائنات کی اصلیت کے بارے میں جو کچھ سوچا اور سمجھا ہے وہ سب کچھ سامنے رکھ کر ہم ایک موزوں سے موزوں لفظ تجویز کرنا چاہیں تو وہ کیا ہو گا؟ اس سے موزوں اور اس سے بہتر کوئی لفظ تجویز کیا جا سکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی اس راہ میں عرفان و بصیرت کی کوئی بڑی سے بڑی بات کہی گئی وہ یہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ خود رفتگیوں کا اعتراف کیا گیا اور ادراک کا منتہیٰ مرتبہ ہمیشہ یہی قرار پایا کہ ادراک کی نارسائی کا ادراک حاصل ہو جائے- عرفاء کے دل و زبان کی صدا ہمیشہ یہی رہی کہ ''رب زدنی فیك تحیراً'' یعنی ''خدایا ایسا کر کہ تیری ہستی میں ہمارا تحیر بڑھتا رہے'' کیونکہ تحیر جہالت کا نہیں بلکہ معرفت کا ہے-

اور حکما کی حکمت و دانش کا فیصلہ بھی ہمیشہ یہی ہوا کہ:

معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد!

چونکہ یہ اسم خدا کے لیے بطور اسم ذات کے استعمال میں آیا اس لیے قدرتی طور پر ان تمام صفتوں پر حاوی ہو گیا

جن کا خدا کی ذات کے لیے تصور کیا جا سکتا ہے- اگر ہم خدا کا تصور اس کی کسی صفت کے ساتھ کریں مثلاً الرب یا الرحیم کہیں تو یہ تصور صرف ایک خاص صفت ہی میں محدود ہوگا- یعنی ہمارے ذہن میں ایک ایسی ہستی کا تصور پیدا ہو جائے گا جس میں ربوبیت یا رحمت ہے' لیکن جب ہم اللہ کا لفظ بولتے ہیں تو فوراً ہمارا ذہن ایک ایسی ہستی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو ان تمام صفات حسن و کمال سے متصف ہے جو اس کی نسبت بیان کیے گئے ہیں' اور جو اس میں ہونے چاہییں-

❋ ❋ ❋

﴿۳﴾

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ربوبیت

حمد کے بعد بالترتیب چار صفتیں بیان کی گئی ہیں: ﴿ رب العلمین...... الرحمن...... الرحیم...... مالك یوم الدین ﴾ چونکہ الرحمن اور الرحیم کا تعلق ایک ہی صفت کے دو مختلف پہلوؤں سے ہے اس لیے دوسرے لفظوں میں انہیں یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ ربوبیت' رحمت' عدالت' تین صفتوں کا ذکر کیا گیا ہے-

اِلٰہ کی طرح ''رب'' بھی سامی زبانوں کا ایک کثیر الاستعمال مادہ ہے- عبرانی سریانی اور عربی تینوں زبانوں میں اس کے معنی پالنے کے ہیں اور چونکہ پرورش کی ضرورت کا احساس انسانی زندگی کے بنیادی احساسات میں سے ہے اس لیے اسے بھی قدیم ترین سامی تعبیرات میں سے سمجھنا چاہیے- پھر چونکہ معلم' استاد اور آقا کسی نہ کسی اعتبار سے پرورش کرنے والے ہی ہوتے ہیں اس لیے اس کا اطلاق ان معنوں میں بھی ہونے لگا- چنانچہ عبرانی اور آرامی کا ''ربی'' اور ''رباہ'' پرورش کنندہ' معلم' اور آقا تینوں معنی رکھتا تھا اور قدیم مصری اور خالدی زبان کا ایک لفظ ''رابو'' بھی انہی معنوں میں مستعمل ہوا ہے اور ان ملکوں کی قدیم ترین سامی وحدت کی خبر دیتا ہے-

بہر حال عربی میں ''ربوبیت'' کے معنی پالنے کے ہیں لیکن پالنے کو اس کے وسیع اور کامل معنوں میں لینا چاہیے- اسی لیے بعض ائمہ لغت نے اس کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے- ''ھو انشاء الشیئ حالًا فحالًا الی حدالتمام''[۱] یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق اس طرح نشو ونما دیتے رہنا حتیٰ کہ اپنی حد کمال تک پہنچ جائے- اگر ایک شخص بھوکے کو کھانا کھلا دے یا محتاج کو روپیہ دیدے تو یہ اس کا کرم ہوگا' جود ہوگا' احسان ہوگا لیکن وہ بات نہ ہوگی جسے ربوبیت کہتے ہیں ربوبیت کے لیے ضروری ہے کہ پرورش اور نگہداشت کا ایک جاری اور مسلسل اہتمام ہو اور ایک وجود کو اس کی تکمیل و بلوغ کے لیے وقتاً فوقتاً جیسی کچھ ضرورتیں پیش آتی رہیں ان سب کا سروسامان ہوتا رہے- نیز ضروری

---

[۱] مفردات راغب اصفہانی ۱۲

ہے کہ یہ سب کچھ محبت وشفقت کے ساتھ ہو کیونکہ جو عمل محبت وشفقت کے عاطفہ سے خالی ہوگا ربوبیت نہیں ہوسکتا-

ربوبیت کا ایک ناقص نمونہ ہم اس پرورش میں دیکھ سکتے ہیں جس کا جوش ماں کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے- بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو محض گوشت پوست کا ایک متحرک لوتھڑا ہوتا ہے اور زندگی اور نمو کی جتنی قوتیں بھی رکھتا ہے سب کی سب پرورش وتربیت کی محتاج ہوتی ہیں- یہ پرورش محبت وشفقت' حفاظت ونگہداشت' اور بخشش واعانت کا ایک طول طویل سلسلہ ہے اور اسے اس وقت تک جاری رہنا چاہیے جب تک بچہ اپنے جسم وذہن کے حد بلوغ تک نہ پہنچ جائے- پھر پرورش کی ضرورتیں ایک دو نہیں بے شمار ہیں- ان کی نوعیت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اور ضروری ہے کہ ہر عمر اور ہر حالت کے مطابق محبت کا جوش' نگرانی کی نگاہ اور زندگی کا سروسامان ملتا رہے- حکمت الٰہی نے ماں کی محبت میں ربوبیت کے یہ تمام خدوخال پیدا کر دیے ہیں- یہ ماں کی ربوبیت ہے جو پیدائش کے دن سے لے کر بلوغ تک' بچے کو پالتی' بچاتی' سنبھالتی' اور ہر حالت کے مطابق اس کی ضروریات پرورش کا سروسامان مہیا کرتی رہتی ہے-

جب بچے کا معدہ دودھ کے سوا کسی غذا کا متحمل نہ تھا تو اسے دودھ ہی پلایا جاتا تھا- جب دودھ سے زیادہ قوی غذا کی ضرورت ہوئی تو ویسی ہی غذا دی جانے لگی- جب اس کے پاؤں میں کھڑے ہونے کی سکت نہ تھی تو ماں اسے گود میں اٹھائے پھرتی تھی- جب کھڑے ہونے کے قابل ہوا تو انگلی پکڑ لی اور ایک ایک قدم چلانے لگی- پس یہ بات کہ ہر حالت اور ضرورت کے مطابق ضروریات مہیا ہوتی رہیں اور نگرانی وحفاظت کا ایک مسلسل اہتمام جاری رہا- یہ وہ صورت حال ہے جس سے ربوبیت کے مفہوم کا تصور کیا جاسکتا ہے-

مجازی ربوبیت کی یہ ناقص اور محدود مثال سامنے لاؤ اور ربوبیت الٰہی کی غیر محدود حقیقت کا تصور کرو- اس کے رب العلمین ہونے کے معنی یہ ہوئے کہ جس طرح اس کی خالقیت نے کائنات ہستی اور اس کی ہر چیز پیدا کی ہے اسی طرح اس کی ربوبیت نے ہر مخلوق کی پرورش کا سروسامان بھی کر دیا ہے اور یہ پرورش کا سروسامان ایک ایسے عجیب وغریب نظام کے ساتھ ہے کہ ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لیے جو کچھ مطلوب تھا وہ سب کچھ مل رہا ہے اور اس طرح مل رہا ہے کہ ہر حالت کی رعایت ہے' ہر ضرورت کا لحاظ ہے' ہر تبدیلی کی نگرانی ہے اور ہر کمی بیشی ضبط میں آ چکی ہے- چیونٹی اپنے بل میں رینگ رہی ہے' کیڑے مکوڑے کوڑے کرکٹ میں ملے ہوئے ہیں' مچھلیاں دریا میں تیر رہی ہیں' پرندے ہوا میں اڑ رہے ہیں' پھول باغ میں کھل رہے ہیں' ہاتھی جنگل میں دوڑ رہا ہے اور ستارے فضا میں گردش کر رہے ہیں- لیکن فطرت کے پاس سب کے لیے یکساں طور پر پرورش کی گود اور نگرانی کی آنکھ ہے اور کوئی نہیں جو فیضان ربوبیت سے محروم ہو- اگر مثالوں کی جستجو میں تھوڑی سی کاوش جائز رکھی جائے تو مخلوقات کی بے شمار قسمیں ایسی ملیں گی جو اتنی حقیر اور بے مقدار ہیں کہ غیر مسلح[1] آنکھ سے ہم انہیں دیکھ بھی نہیں سکتے- تاہم ربوبیت الٰہی نے جس طرح اور جس نظام کے ساتھ ہاتھی جیسی جسیم اور انسان جیسی عقیل مخلوق کے لیے سامان پرورش مہیا کر دیا ہے' ٹھیک ٹھیک اسی طرح اور ویسے ہی نظام کے ساتھ ان کے لیے بھی زندگی

[1] Naked Eye غیر مسلح آنکھ جو اپنی قدرتی نگاہ سے دیکھ رہی ہو' زیادہ قوت کے ساتھ دیکھنے کا کوئی آلہ مثلاً خوردبین اس کے ساتھ نہ ہو-

اور بقا کی ہر چیز مہیا کی ہے- اور پھر یہ جو کچھ بھی ہے انسان کے وجود سے باہر ہے اگر انسان اپنے وجود کو دیکھے تو خود اس کی زندگی اور زندگی کا ہر لمحہ ربوبیت الٰہی کی کرشمہ سازیوں کی ایک پوری کائنات ہے!

﴿ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾(۵۱: ۲۰-۲۱)

''ان لوگوں کے لیے جو (سچائی پر) یقین رکھنے والے ہیں زمین میں (خدا کی کارفرمائیوں کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں بھی پھر کیا تم دیکھتے نہیں!''

نظام ربوبیت

لیکن سامان زندگی کی بخشائش میں اور ربوبیت کے عمل میں جو فرق ہے اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے- اگر دنیا میں ایسے عناصر' عناصر کی ایسی ترکیب اور اشیا کی ایسی بناوٹ موجود ہے جو زندگی اور نشو ونما کے لیے سودمند ہے تو محض اس کی موجودگی ربوبیت سے تعبیر نہیں کی جا سکتی- ایسا ہونا قدرت الٰہی کی رحمت ہے' بخشش ہے' احسان ہے مگر وہ بات نہیں ہے جسے ربوبیت کہتے ہیں- ربوبیت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں دنیا میں سودمند اشیا کی موجودگی کے ساتھ ان کی بخشش و تقسیم کا بھی ایک نظام موجود ہے اور فطرت صرف بخشتی ہی نہیں بلکہ جو کچھ بخشتی ہے ایک مقررہ انتظام اور ایک منضبط ترتیب و مناسبت کے ساتھ بخشتی ہے- اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لیے جس جس چیز کی ضرورت تھی اور جس جس وقت اور جیسی جیسی مقدار میں ضرورت تھی ٹھیک ٹھیک اسی طرح' انہی وقتوں میں اور اسی مقدار میں اسے مل رہی ہے اور اس نظم وانضباط سے تمام کارخانۂ حیات چل رہا ہے-

پانی کی بخشش و تقسیم کا نظام:

زندگی کے لیے پانی اور رطوبت کی ضرورت ہے- ہم دیکھتے ہیں کہ پانی کے وافر ذخیرے ہر طرف موجود ہیں- لیکن اگر صرف اتنا ہی ہوتا' تو یہ زندگی کے لیے کافی نہ تھا- کیونکہ زندگی کے لیے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ پانی موجود ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ایک خاص انتظام' ایک خاص ترتیب' اور ایک خاص مقررہ مقدار کے ساتھ موجود ہو- پس یہ جو دنیا میں پانی کے بننے اور تقسیم ہونے کا ایک خاص انتظام پایا جاتا ہے اور فطرت صرف پانی بناتی ہی نہیں بلکہ ایک خاص ترتیب و مناسبت کے ساتھ بناتی اور ایک خاص اندازہ کے ساتھ بانٹتی رہتی ہے تو یہی ربوبیت ہے اور اسی سے ربوبیت کے تمام اعمال کا تصور کرنا چاہیے- قرآن کہتا ہے یہ اللہ کی رحمت ہے جس نے پانی جیسا جوہر حیات پیدا کر دیا لیکن یہ اس کی ربوبیت ہے جو پانی کو ایک ایک بوند کر کے ٹپکاتی' زمین کے ایک ایک گوشے تک پہنچاتی' ایک خاص مقدار اور حالت میں تقسیم کرتی' ایک

خاص موسم اور محل میں برساتی ' اور پھر زمین کے ایک ایک تشنہ ذرے کو ڈھونڈ ھ ڈھونڈ ھ کر سیراب کر دیتی ہے!

﴿ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ' بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴾

(۲۳:۱۸-۱۹)

''اور (دیکھو) ہم نے آسمان سے ایک خاص اندازے کے ساتھ پانی برسایا' پھر اسے زمین میں ٹھہرائے رکھا' اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ (جس طرح برسایا تھا اسی طرح) اسے واپس لے جائیں' پھر (دیکھو) اسی پانی سے ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کر دیے جن میں بے شار پھل لگتے ہیں' اور انہی سے تم اپنی غذا بھی حاصل کرتے ہو-''

تقدیر اشیا:

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جابجا اشیا کی قدر اور مقدار کا ذکر کیا ہے- یعنی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فطرت کائنات جو کچھ بخشتی ہے ایک خاص اندازے کے ساتھ بخشتی ہے اور یہ اندازہ ایک خاص قانون کے ماتحت ٹھہرایا ہوا ہے-

﴿ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ (۱۵:۲۱)

''اور کوئی شے نہیں جس کے ہمارے پاس ذخیرے موجود نہ ہوں لیکن ہمارا طریقۂ کار یہ ہے کہ جو کچھ نازل کرتے ہیں ایک مقررہ مقدار میں نازل کرتے ہیں-''

﴿ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴾ (۱۳:۸)

''اور اللہ کے نزدیک ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر ہے-''

﴿ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴾ (۵۴:۴۹)

''ہم نے جتنی چیزیں بھی پیدا کی ہیں ایک اندازے کے ساتھ پیدا کی ہیں-''

یہ کیا بات ہے کہ دنیا میں صرف یہی نہیں ہے کہ پانی موجود ہے بلکہ ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ موجود ہے؟ یہ کیوں ہے کہ پہلے سورج کی شعاعوں نے سمندر سے ڈول بھر بھر کر فضا میں پانی کی چادریں بچھا دیں پھر ہواؤں کے جھونکے انہیں حرکت میں لائیں اور پانی کی بوندیں بنا کر ایک خاص وقت اور خاص محل میں برسا دیں؟ پھر یہ کیوں ہے کہ جب کبھی پانی برسے تو ایک خاص ترتیب اور مقدار ہی سے برسے اور اس طرح برسے کہ زمین کی بالائی سطح پر اس کی ایک خاص مقدار بہنے لگے اور اندرونی حصوں تک ایک خاص مقدار میں نمی پہنچے؟ کیوں ایسا ہوا کہ پہلے پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کے تودے جمتے ہیں پھر موسم کی تبدیلی سے پگھلنے لگتے ہیں پھر ان کے پگھلنے سے پانی کے سرچشمے ابلنے لگتے ہیں پھر چشموں سے دریا کی جدولیں بہنے لگتی ہیں پھر یہ جدولیں پیچ و خم کھاتی ہوئی دور دور تک دوڑ جاتی ہیں' اور سیکڑوں ہزاروں میلوں تک اپنی وادیاں شاداب کر دیتی ہیں؟

کیوں یہ سب کچھ ایسا ہی ہوا؟ کیوں کر ایسا نہ ہوا کہ پانی موجود ہوتا مگر اس انتظام اور ترتیب کے ساتھ نہ ہوتا؟

قرآن کہتا ہے: اس لیے کہ کائنات ہستی میں ربوبیت الٰہی کارفرما ہے اور ربوبیت کا مقتضا یہی تھا کہ پانی اسی ترتیب سے بنے اور اسی ترتیب و مقدار سے تقسیم ہو- یہ رحمت و حکمت تھی جس نے پانی پیدا کیا مگر یہ ربوبیت ہے جو اسے اس طرح کام میں لائی کہ پرورش اور رکھوالی کی تمام ضرورتیں پوری ہو گئیں-

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ- ﴾(۳۰: ۴۸)

''یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ پہلے ہوائیں چلتی ہیں پھر ہوائیں بادلوں کو چھیڑ کر حرکت میں لاتی ہیں پھر وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں فضا میں پھیلا دیتا ہے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ بادلوں میں سے مینہ نکل رہا ہے- پھر جن لوگوں کو بارش کی یہ برکت ملنی تھی مل چکتی ہے تو وہ اچانک خوش وقت ہو جاتے ہیں-''

عناصر حیات:

پھر اس حقیقت پر بھی غور کرو کہ زندگی کے لیے جن چیزوں کی سب سے زیادہ ضرورت تھی انہی کی بخشائش سب سے زیادہ اور عام ہے اور جن کی ضرورت خاص خاص حالتوں اور گوشوں کے لیے تھی انہی میں اختصاص اور مقامیت پائی جاتی ہے- ہوا سب سے زیادہ ضروری تھی کیونکہ پانی اور غذا کے بغیر کچھ عرصہ تک زندگی ممکن ہے مگر ہوا کے بغیر ممکن نہیں- پس اس کا سامان اتنا وافر اور عام ہے کہ کوئی جگہ کوئی گوشہ اور کوئی وقت نہیں جو اس سے خالی ہو- فضا میں ہوا کا بے حد و کنار سمندر پھیلا ہوا ہے- جب کبھی اور جہاں کہیں سانس لو زندگی کا یہ سب سے زیادہ ضروری جو ہر تمہارے لیے خود بخود مہیا ہو جائے گا- ہوا کے بعد دوسرے درجے پر پانی ہے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ' اس لیے اس کی بخشائش کی فراوانی و عمومیت ہوا سے کم مگر ہر چیز سے زیادہ ہے- زمین کے نیچے آب شیریں کی سوتیں بہہ رہی ہیں- زمین کے اوپر بھی ہر طرف دریا رواں دواں ہیں پھر ان دونوں ذخیروں کے علاوہ فضائے آسمانی کا بھی کارخانہ ہے جو شب و روز سرگرم کار رہتا ہے- وہ سمندر کا شوراب کھینچتا رہتا ہے اور اسے صاف و شیریں بنا کر جمع کرتا رہتا ہے پھر حسب ضرورت زمین کے حوالے کر دیتا ہے! پانی کے بعد غذا کی ضرورت تھی لہٰذا ہوا اور پانی سے کم مگر اور تمام چیزوں سے زیادہ اس کا دستر خوان کرم بھی خشکی و تری میں بچھا ہوا ہے' اور کوئی مخلوق نہیں جس کے گرد و پیش اس کی غذا کا ذخیرہ نہ ہو-

نظام پرورش:

پھر سامان پرورش کے اس عالمگیر نظام پر غور کرو جو اپنے ہر گوشہ عمل میں پروردگی کی گود اور بخشش حیات کا سرچشمہ ہے- ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ تمام کارخانہ صرف اسی لیے بنا ہے کہ زندگی بخشے اور زندگی کی ہر استعداد کی رکھوالی کرے-

روشن سورج اس لیے ہے کہ روشنی کے لیے چراغ کا اور گرمی کے لیے تنور کا کام دے اور اپنی کرنوں کے ڈول بھر بھر کر سمندر سے پانی کھینچتا رہے- ہوائیں اس لیے ہیں کہ اپنی سردی اور گرمی سے مطلوبہ اثرات پیدا کرتی رہیں اور کبھی پانی کے ذرات جما کر ابر کی چادریں بنا دیں- کبھی ابر کو پانی بنا کر بارش برسا دیں- زمین اس لیے ہے کہ نشوونما کے خزانوں سے ہمیشہ معمور رہے اور ہر دانے کے لیے اپنی گود میں زندگی اور ہر پودے کے لیے اپنے سینہ میں پروردگی رکھے- مختصر یہ کہ کارخانۂ ہستی کا ہر گوشہ صرف اسی کام میں لگا ہوا ہے- ہر قوت استعداد ڈھونڈ رہی ہے اور ہر تاثیر اثر پذیری کے انتظار میں ہے- جونہی کسی وجود میں بڑھنے اور نشوونما پانے کی استعداد پیدا ہوتی ہے معاً تمام کارخانۂ ہستی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے- سورج کی تمام کار فرمائیاں' فضا کے تمام تغیرات' زمین کی تمام قوتیں' عناصر کی تمام سرگرمیاں صرف اس انتظار میں رہتی ہیں کہ کب چیونٹی کے انڈے سے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور کب دہقان کی جھولی سے زمین پر ایک دانہ گرتا ہے-

﴿ وَسَخَّرَلَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ- ﴾(۱۳:۴۵)

''اور آسمان و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کو اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے- بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اس بات میں (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں-''

نظام ربوبیت کی وحدت:

سب سے زیادہ عجیب مگر سب سے زیادہ نمایاں حقیقت نظام ربوبیت کی یکسانیت اور ہم آہنگی ہے- یعنی ہر وجود کی پرورش کا سروسامان جس طرح اور جس اسلوب پر کیا گیا ہے وہ ہر گوشے میں ایک ہی ہے اور ایک ہی اصل و قاعدہ رکھتا ہے- پتھر کا ایک ٹکڑا تمہیں گلاب کے شاداب اور عطر بیز پھول سے کتنا ہی مختلف دکھائی دے لیکن دونوں کی پرورش کے اصول و احوال پر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آ جائے گا کہ دونوں کو ایک ہی طریقے سے سامان پرورش ملا ہے اور دونوں ایک ہی طرح پالے پوسے جا رہے ہیں- انسان کا بچہ اور درخت کا پودا تمہاری نظروں میں کتنی بے جوڑ چیزیں ہیں؟ لیکن اگر ان کی نشوونما کے طریقوں کا کھوج لگاؤ گے تو دیکھو گے کہ قانون پرورش کی یکسانیت نے دونوں کو ایک ہی رشتے میں منسلک کر دیا ہے- پتھر کی چٹان ہو یا پھول کی کلی' انسان کا بچہ ہو یا چیونٹی کا انڈا' سب کے لیے پیدائش ہے اور قبل اس کے کہ پیدائش ظہور میں آئے سامان پرورش مہیا ہو جاتا ہے- پھر طفولیت کا دور ہے اور اس دور کی ضروریات ہیں- انسان کا بچہ بھی اپنی طفولیت رکھتا ہے درخت کے مولود نباتی کے لیے بھی طفولیت ہے اور تمہاری چشم ظاہر بین کے لیے کتنا ہی عجیب کیوں نہ ہو لیکن پتھر کی چٹان اور مٹی کا تودہ بھی اپنی اپنی طفولیت رکھتا ہے- پھر طفولیت رشد و بلوغ کی طرف بڑھتی ہے اور جوں جوں بڑھتی جاتی ہے اس کی روز افزوں حالت کے مطابق یکے بعد دیگرے سامان پرورش میں بھی تبدیلیاں ہوتی جاتی ہیں- یہاں تک کہ ہر وجود اپنے سن کمال تک پہنچ جاتا ہے اور جب سن کمال تک پہنچ گیا تو از سر نو ضعف و انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے پھر اس ضعف و انحطاط کا خاتمہ بھی سب کے لیے ایک ہی طرح ہے- کسی دائرے میں اسے مرجانا کہتے ہیں کسی میں مرجھا جانا اور کسی میں پامال ہو جانا-

الفاظ متعدد ہو گئے مگر حقیقت میں تعدد نہیں ہوا:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً یَخْلُقُ مَایَشَآءُ وَهُوَالْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴾ (۵۴:۳۰)

''یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے تمہیں اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ناتوانی کی حالت ہوتی ہے پھر ناتوانی کے بعد قوت آتی ہے پھر قوت کے بعد دوبارہ ناتوانی اور بڑھاپا ہوتا ہے- وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے- کیونکہ وہ علم اور قدرت رکھنے والا ہے-''

﴿ اَلَمْ تَرَاَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ- ﴾(۲۱:۳۹)

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر زمین میں اس کے چشمے رواں ہو گئے پھر اسی پانی سے رنگ برنگ کی کھیتیاں لہلہا اٹھیں پھر ان کی نشو ونما میں ترقی ہوئی اور پوری طرح پک کر تیار ہو گئیں پھر (ترقی کے بعد زوال طاری ہوا اور) تم دیکھتے ہو کہ ان پر زردی چھا گئی پھر بالآخر خشک ہو کر چورا چورا ہو گئی- بلاشبہ دانشمندوں کے لیے اس صورت حال میں بڑی ہی عبرت ہے!''

جہاں تک غذا کا تعلق ہے حیوانات میں ایک قسم ان جانوروں کی ہے جن کے بچے دودھ سے پرورش پاتے ہیں اور ایک ان کی ہے جو عام غذاؤں سے پرورش پاتے ہیں- غور کرو نظام ربوبیت نے دونوں کی پرورش کے لیے کیسا عجیب سروسامان مہیا کر دیا ہے؟ دودھ سے پرورش پانے والے حیوانات میں انسان بھی داخل ہے- سب سے پہلے انسان اپنی ہی ہستی کا مطالعہ کرے- جونہی وہ پیدا ہوتا ہے اس کی غذا اپنی ساری خاصیتوں' مناسبتوں' اور شرطوں کے ساتھ خود بخود مہیا ہو جاتی ہے اور ایسی جگہ مہیا ہوتی ہے جو حالت طفولیت میں اس کے لیے سب سے قریب تر اور سب سے موزوں جگہ ہے- ماں بچے کو جوش محبت میں سینے سے لگا لیتی ہے اور وہیں اس کی غذا کا سرچشمہ بھی موجود ہوتا ہے! پھر دیکھو اس غذا کی نوعیت اور مزاج میں اس کی حالت کا درجہ بدرجہ کس قدر لحاظ رکھا گیا ہے اور کس طرح یکے بعد دیگرے اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے؟ ابتدا میں بچے کا معدہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اسے بہت ہی ہلکے قوام کا دودھ ملنا چاہیے- چنانچہ نہ صرف انسان میں بلکہ تمام حیوانات میں ماں کا دودھ بہت ہی پتلے قوام کا ہوتا ہے لیکن جوں جوں بچے کی عمر بڑھتی جاتی ہے اور معدہ قوی ہوتا جاتا ہے دودھ کا قوام بھی بدلتا جاتا ہے اور مائعیت کے مقابلہ میں دہنیت بڑھتی جاتی ہے- یہاں تک کہ بچے کا عہد رضاعت پورا ہو جاتا ہے اور اس کا معدہ عام غذاؤں کے ہضم کرنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے- جونہی اس کا وقت آتا ہے ماں کا دودھ خشک ہونا شروع ہو جاتا ہے- یہ گویا ربوبیت الٰہی کا اشارہ ہوتا ہے کہ اب اس کے لیے دودھ کی ضرورت نہیں رہی ہر طرح کی غذائیں استعمال کر سکتا ہے:

﴿ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ﴾ (۱۵:۴۶)

''اور حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت (کم از کم) تیس مہینوں کی۔''

پھر ربوبیت الٰہی کی اس کارسازی پر غور کرو کہ کس طرح ماں کی فطرت میں بچے کی محبت ودیعت کر دی گئی ہے اور کس طرح اس جذبے کو طبیعت بشری کے تمام جذبات میں سب سے زیادہ پرجوش اور سب سے زیادہ ناقابل تسخیر بنا دیا گیا ہے؟ دنیا کی کون سی قوت ہے جو اس جوش کا مقابلہ کر سکتی ہے جس کو ماں کی ماتا کہتے ہیں؟ جس بچے کی پیدائش اس کے لیے زندگی کی سب سے بڑی مصیبت تھی:

﴿ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ﴾ (۱۵:۴۶)

''اس کی ماں نے اسے تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور تکلیف کے ساتھ جنا۔''

اسی کی محبت اس کے اندر زندگی کا سب سے بڑا جذبہ مشتعل کر دیتی ہے۔ جب تک بچہ سن بلوغ تک نہیں پہنچ جاتا وہ اپنے لیے نہیں بلکہ بچے کے لیے زندہ رہنا چاہتی ہے۔ زندگی کی کوئی خود فراموشی نہیں جو اس پر طاری نہ ہوتی ہو اور راحت و آسائش کی کوئی قربانی نہیں جس سے اسے گریز ہو۔ حب ذات جو فطرت انسانی کا سب سے زیادہ طاقتور جذبہ ہے اور جس کے انفعالات کے بغیر کوئی مخلوق زندہ نہیں رہ سکتی وہ بھی اس جذبہ خود فراموشی کے مقابلہ میں مضمحل ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ بات کہ ایک ماں نے بچے کے مجنونانہ عشق میں اپنی زندگی قربان کر دی فطرت مادری کا ایسا معمولی واقعہ ہے جو ہمیشہ پیش آتا رہتا ہے اور ہم اس میں کسی طرح کی غرابت محسوس نہیں کرتے۔

لیکن پھر دیکھو کارساز فطرت کی یہ کیسی کرشمہ سازی ہے کہ جوں جوں بچے کی عمر بڑھتی جاتی ہے محبت مادری کا یہ شعلہ خود بخود دھیما پڑتا جاتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے جب حیوانات میں تو بالکل ہی بجھ جاتا ہے اور انسان میں بھی اس کی گرم جوشیاں باقی نہیں رہتیں۔ یہ انقلاب کیوں ہوتا ہے؟ ایسا کیوں ہے کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی محبت کا ایک عظیم ترین جذبہ جنبش میں آ جائے اور پھر ایک خاص وقت تک قائم رہ کر خود بخود غائب ہو جائے؟ اس لیے کہ یہ نظام ربوبیت کی کارفرمائی ہے۔ اور اس کا مقتضا یہی تھا۔ ربوبیت چاہتی ہے کہ بچے کی پرورش ہو۔ اس نے پرورش کا ذریعہ ماں کے جذبۂ محبت میں رکھ دیا تھا۔ جب بچے کی عمر اس حد تک پہنچ گئی کہ ماں کی پرورش کی احتیاج باقی نہ رہی تو اس ذریعے کی بھی ضرورت باقی نہ رہی اب اس کا باقی رہنا ماں کے لیے بوجھ اور بچے کے لیے رکاوٹ ہوتا۔ بچے کی احتیاج کا سب سے نازک وقت اس کی نئی نئی طفولیت تھی اس لیے ماں کی محبت میں بھی سب سے زیادہ جوش اسی وقت تھا پھر جوں جوں بچہ بڑھتا گیا احتیاج کم ہوتی گئی۔ اس لیے محبت کی گرم جوشیاں بھی گھٹتی گئیں۔ فطرت نے محبت مادری کا دامن بچے کی احتیاج پرورش سے باندھ دیا تھا۔ جب احتیاج زیادہ تھی تو محبت کی سرگرمی بھی زیادہ تھی۔ جب احتیاج کم ہو گئی تو محبت بھی تغافل کرنے لگی۔[1]

---

[1] انسان میں ماں کی محبت بلوغ کے بعد بھی بدستور باقی رہتی ہے اور بعض حالتوں میں اس کے انفعالات اتنے شدید ہوتے ہیں کہ عہد طفولیت کی محبت میں اور بعد کی محبت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا' لیکن یہ صورت حال غالباً انسان کی مدنی و عقلی زندگی کے نشو و نما کا نتیجہ ہے نہ کہ فطرت حیوانی کا۔ ابتدائی انسان میں بھی یہ علاقہ فطرۃً اسی حد تک ہو گا کہ بچہ سن تمیز تک پہنچ جائے۔ لیکن بعد کو نسل و خاندان کی تشکیل اور اجتماعی احساسات کی ترقی سے مادری رشتہ ایک دائمی رشتہ بن گیا۔ ۱۲۔

جن حیوانات کے بچے انڈوں سے پیدا ہوتے ہیں ان کی جسمانی ساخت اور طبیعت دودھ والے حیوانات سے مختلف ہوتی ہے- اس لیے وہ اول دن ہی سے معمولی غذائیں کھا سکتے ہیں بشرطیکہ کھلانے کے لیے کوئی شفیق نگرانی موجود ہو- چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ بچہ انڈے سے نکلتے ہی غذا ڈھونڈنے لگتا ہے اور ماں چن چن کر اس کے سامنے ڈالتی اور منہ میں لے لے کر کھانے کی تلقین کرتی ہے یا ایسا کرتی ہے کہ خود کھا لیتی ہے مگر ہضم نہیں کرتی اپنے اندر نرم اور ہلکا بنا کر محفوظ رکھتی ہے اور جب بچہ غذا کے لیے منہ کھولتا ہے تو اس کے اندر اتار دیتی ہے-

❋ ❋ ❋

ربوبیت معنوی

پھر اس سے بھی عجیب تر نظام ربوبیت کا معنوی پہلو ہے- خارج میں زندگی اور پرورش کا کتنا ہی سروسامان کیا جاتا لیکن وہ کچھ مفید نہیں ہوسکتا تھا اگر ہر وجود کے اندر اس سے کام لینے کی ٹھیک ٹھیک استعداد نہ ہوتی اور اس کے ظاہری و باطنی قوای اس کا ساتھ نہ دیتے- پس یہ ربوبیت ہی کا فیضان ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر مخلوق کی ظاہری و باطنی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اس کی ہر قوت' اس کے سامان پرورش کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے' اور اس کی ہر چیز اسے زندہ رہنے اور نشو ونما پانے میں مدد دیتی ہے- ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی مخلوق اپنے جسم وقوای کی ایسی نوعیت رکھتی ہو جو اس کے حالات پرورش کے مقتضیات کے خلاف ہو- اس سلسلے میں جو حقائق مشاہدہ وتفکر سے نمایاں ہوتے ہیں ان میں دو باتیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں اس لیے جا بجا قرآن حکیم نے ان پر توجہ دلائی ہے- ایک کو وہ تقدیر سے تعبیر کرتا ہے دوسری کو ہدایت سے-

<u>تقدیر:</u>

تقدیر کے معنی اندازہ کر دینے کے ہیں- یعنی کسی چیز کے لیے ایک خاص طرح کی حالت ٹھہرا دینے کے- خواہ یہ ٹھہراؤ کمیت میں ہو یا کیفیت میں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فطرت نے ہر وجود کی جسمانی ساخت اور معنوی قوای کے لیے ایک خاص طرح کا اندازہ ٹھہرا دیا ہے جس سے وہ باہر نہیں جاسکتا اور یہ اندازہ ایسا ہے جو اس کی زندگی اور نشو ونما کے تمام احوال و ظروف سے ٹھیک ٹھیک مناسبت رکھتا ہے:

﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ﴾ (۲۵:۲)

''اور اس نے تمام چیزیں پیدا کیں' پھر ہر چیز کے لیے (اس کی حالت اور ضرورت کے مطابق) ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا!''

یہ کیا چیز ہے کہ ہر گردوپیش میں اور اس کی پیداوار میں ہمیشہ مطابقت پائی جاتی ہے اور یہ ایک ایسا قانون خلقت ہے جو کبھی متغیر نہیں ہوسکتا؟ یہ کیوں ہے کہ ہر مخلوق اپنی ظاہری و باطنی بناوٹ میں ویسی ہی ہوتی ہے جیسا اس کا گردوپیش ہے اور ہر گردوپیش ویسا ہی ہوتا ہے جیسی اس کی مخلوق ہوتی ہے؟ یہ اس حکیم وقدیر کی ٹھہرائی ہوئی تقدیر ہے اور اس نے ہر چیز کی خلقت وزندگی کے لیے ایسا ہی اندازہ مقرر کر دیا ہے- اس کا یہ قانون تقدیر صرف حیوانات ونباتات ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ کائنات ہستی کی ہر چیز کے لیے ہے- ستاروں کا یہ پورا نظام گردش بھی اسی تقدیر کی حد بندیوں پر قائم ہے:

﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴾ (۳۶:۳۸)

''اور (دیکھو) سورج کے لیے جو قرارگاہ ٹھہرادی گئی ہے وہ اسی پر چلتا ہے- اور یہ عزیز و علیم خدا کی اس کے لیے تقدیر ہے-''

مخلوقات اوراس کے گردوپیش کی مطابقت کا یہی قانون ہے جس نے دونوں میں باہم دگر مناسبت پیدا کردی ہے اور ہر مخلوق اپنے چاروں طرف وہی پاتی ہے جس میں اس کے لیے پرورش اورنشوونما کا سامان ہوتا ہے- پرند کا جسم اڑنے والا ہے' مچھلی کا تیرنے والا' چارپایوں کا چلنے والا اورحشرات کا رینگنے والا' اس لیے کہ ان میں سے ہرنوع کا گردوپیش ویسے ہی جسم کے لیے موزوں ہے جیسا اسے ملا ہے اوراس لیے کہ ان میں سے ہرنوع کی جسمانی ساخت ویسا ہی گردوپیش چاہتی ہے جیسا گردوپیش اسے حاصل ہے- دریا میں پرند پیدانہیں ہوتا اس لیے کہ وہ گردوپیش اس کے لیے مفید پرورش نہیں- خشکی میں مچھلیاں پیدانہیں ہوسکتیں کیونکہ خشکی ان کے لیے موزوں نہیں- اگرفطرت کی اس تقدیر کے خلاف ایک خاص گردوپیش کی مخلوق دوسرے قسم کے گردوپیش میں چلی جاتی ہے تو یا تو وہاں زندہ نہیں رہتی یا رہتی ہے تو پھر بتدریج اس کی جسمانی ساخت اورطبیعت بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے' جیسی اس گردوپیش میں ہونی چاہیے-

پھران میں سے ہرنوع کے لیے مقامی مؤثرات کے مختلف گردوپیش ہیں اور ہر گردوپیش کا یہی حال ہے- سرد آب وہوا کی پیداوار سرد آب وہوا ہی کے لیے ہے- گرم کی گرم کے لیے- قطب شمالی کے قرب وجوار کا ریچھ خط استوا کے قرب میں نظرنہیں آسکتا اور منطقۂ حارہ کے جانور منطقۂ باردہ میں معدوم ہیں-

ہدایت:

ہدایت کے معنی راہ دکھانے' راہ پرلگا دینے اور رہنمائی کرنے کے ہیں اوراس کے مختلف مراتب اوراقسام ہیں- تفصیل آگے آئے گی- یہاں صرف اس مرتبۂ ہدایت کا ذکرکرنا ہے جو تمام مخلوقات پران کی پرورش کی راہیں کھولتا' انہیں زندگی کی راہ پرلگاتا اورضروریات زندگی کی طلب وحصول میں رہنمائی کرتا ہے- فطرت کی یہ ہدایت ربوبیت کی ہدایت ہے اوراگر ہدایت ربوبیت کی دستگیری نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ کوئی مخلوق بھی دنیا کے سامان حیات وپرورش سے فائدہ اٹھاسکتی اور زندگی کی سرگرمیاں ظہور میں آسکتیں-

لیکن ربوبیت الٰہی کی یہ ہدایت کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے یہ وجدان کا فطری الہام اورحواس وادراک کی قدرتی استعداد ہے- وہ کہتا ہے یہ فطرت کی وہ رہنمائی ہے جو ہرمخلوق کے اندر پہلے وجدان کا الہام بن کرنمودار ہوتی ہے پھرحواس و ادراک کا چراغ روشن کردیتی ہے- یہ ہدایت کے مختلف مراتب میں سے وجدان اورادراک کی ہدایت کے مراتب ہیں-

ہدایت وجدان:

وجدان کی ہدایت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہرمخلوق کی طبیعت میں کوئی ایسا اندرونی الہام موجود ہے جو اسے زندگی اور پرورش کی راہوں پرخود بخود لگا دیتا ہے اور وہ باہر کی رہنمائی وتعلیم کی محتاج نہیں ہوتی - انسان کا بچہ ہو یا حیوان کا' جونہی شکم مادر سے باہرآتا ہے خود بخود معلوم کرلیتا ہے کہ اس کی غذا ماں کے سینے میں ہے اور جب پستان منہ میں لیتا ہے تو جانتا ہے کہ

اسے زور زور سے چوسنا چاہیے- بلی کے بچوں کو ہم ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں' ان کی آنکھیں بھی نہیں کھلی ہیں' لیکن ماں جوش محبت میں انہیں چاٹ رہی ہے' وہ اس کے سینے پر منہ مار رہے ہیں- یہ بچہ جس نے عالم ہستی میں ابھی ابھی قدم رکھا ہے جسے خارج کے موثرات نے چھوا تک نہیں کس طرح معلوم کر لیتا ہے کہ اسے پستان منہ میں لے لینا چاہیے اور اس کی غذا کا سرچشمہ یہیں ہے؟ وہ کون سا فرشتہ ہے جو اس وقت اس کے کان میں پھونک دیتا ہے کہ اس طرح اپنی غذا حاصل کرلے؟ یقیناً وہ وجدانی ہدایت کا فرشتہ ہے اور یہی وجدانی ہدایت ہے جو قبل اس کے کہ حواس وادراک کی روشنی نمودار ہو ہر مخلوق کو اس کی پرورش وزندگی کی راہوں پر لگا دیتی ہے-

تمہارے گھر میں پلی ہوئی بلی ضرور ہوگی- تم نے دیکھا ہوگا کہ بلی اپنی عمر میں پہلی مرتبہ حاملہ ہوئی ہے- اس حالت کا اسے کوئی پچھلا تجربہ حاصل نہیں- تاہم اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتا دیتی ہے کہ تیاری وحفاظت کی سرگرمیاں شروع کر دینی چاہییں- جونہی وضع حمل کا وقت قریب آتا ہے' خود بخود اس کی توجہ ہر چیز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے اور کسی محفوظ گوشے کی جستجو شروع کر دیتی ہے- تم نے دیکھا ہوگا کہ مضطرب الحال بلی مکان کا ایک ایک کونہ دیکھتی پھرتی ہے- پھر وہ خود بخود ایک سب سے محفوظ اور علیحدہ گوشہ چھانٹ لیتی ہے اور وہاں بچہ دیتی ہے- پھر یکایک اس کے اندر بچے کی حفاظت کی طرف سے ایک مجہول خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یکے بعد دیگرے اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے- غور کرو یہ کون سی قوت ہے جو بلی کے اندر یہ خیال پیدا کر دیتی ہے کہ محفوظ جگہ تلاش کرے کیونکہ عنقریب ایسی جگہ کی اسے ضرورت ہوگی؟ یہ کون سا الہام ہے جو اسے خبردار کر دیتا ہے کہ بلا بچوں کا دشمن اور ان کی بو سونگھتا پھرتا ہے اس لیے جگہ بدلتے رہنا چاہیے؟ بلاشبہ یہ ربوبیت الٰہی کی وجدانی ہدایت ہے- جس کا الہام ہر مخلوق کے اندر اپنی نمود رکھتا ہے اور جوان پر زندگی اور پرورش کی تمام راہیں کھول دیتا ہے-

ہدایت حواس:

ہدایت کا دوسرا مرتبہ حواس اور مدرکات ذہنی کی ہدایت ہے اور وہ اس درجہ واضح ومعلوم ہے کہ تشریح کی ضرورت نہیں- ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ حیوانات اس جوہر دماغ سے محروم ہیں جسے فکر وعقل سے تعبیر کیا جاتا ہے- تاہم فطرت نے انہیں احساس وادراک کی وہ تمام قوتیں دے دی ہیں جن کی زندگی ومعیشت کے لیے ضرورت تھی اور ان کی مدد سے وہ اپنے رہنے سہنے' کھانے پینے' توالد وتناسل اور حفاظت ونگرانی کے تمام وظائف حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے رہتے ہیں- پھر حواس وادراک کی یہ ہدایت ہر حیوان کے لیے ایک ہی طرح کی نہیں ہے بلکہ ہر وجود کو اتنی ہی اور ویسی ہی استعداد دی گئی ہے جتنی اور جیسی استعداد اس کے احوال وظروف کے لیے ضروری تھی- چیونٹی کی قوت شامہ نہایت دوررس ہوتی ہے اس لیے کہ اسی قوت کے ذریعے وہ اپنی غذا حاصل کر سکتی ہے- چیل اور عقاب کی نگاہ تیز ہوتی ہے کیونکہ اگر ان کی نگاہ تیز نہ ہو تو بلندی میں اڑتے ہوئے اپنا شکار دیکھ نہ سکیں- یہ سوال بالکل غیر ضروری ہے کہ حیوانات کے حواس وادراک کی یہ حالت اول دن سے تھی یا احوال وظروف کی ضروریات اور قانون مطابقت کے مؤثرات سے بتدریج ظہور میں آئی- اس لیے کہ خواہ کوئی صورت ہو بہر حال فطرت کی بخشی ہوئی استعداد ہے اور نشو وارتقا کا قانون بھی فطرت ہی کا ٹھہرایا ہوا قانون ہے-

چنانچہ یہی مرتبۂ ہدایت ہے جس کو قرآن نے ربوبیت الٰہی کی وحی سے تعبیر کیا ہے- عربی میں وحی کے معنی مخفی ایما اوراشارے کے ہیں- یہ گویا فطرت کی وہ اندرونی سرگوشی ہے جو مخلوق پر اس کی راہ عمل کھول دیتی ہے:

﴿ وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴾ (٦٨:١٦)

''اور (دیکھو) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اوران ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلند کی جاتی ہیں اپنے لیے چھتے بنائے-''

اور یہی وہ ربوبیت الٰہی کی ہدایت ہے جس کی طرف حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی زبانی اشارہ کیا گیا ہے- فرعون نے جب پوچھا: ﴿ مَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی ﴾ تمہارا پروردگار کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴾ (٢٠ : ٥٠)

''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ دی' پھر اس پر (زندگی و معیشت کی) راہ کھول دی!''

اور پھر یہی وہ ہدایت ہے جسے دوسری جگہ ''راہ عمل آسان کر دینے'' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے:

﴿ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ○ مِنْ نُّطْفَةٍ ○ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ○ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ﴾ (٨٠ : ١٨-٢٠)

''اس نے انسان کو کس چیز سے پیدا کیا؟ نطفہ سے پیدا کیا- پھر اس (کی تمام ظاہری و باطنی قوتوں) کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا' پھر اس پر (زندگی و عمل کی) راہ آسان کر دی-''

یہی ﴿ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ﴾ یعنی ''راہ عمل آسان کر دینا'' وجدان وادراک کی ہدایت ہے جو تقدیر کے بعد ہے- کیونکہ اگر فطرت کی رہنمائی نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ہم اپنی ضروریات زندگی حاصل کر سکتے-

آگے چل کر تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن نے تکوین وجود کے جو چار مرتبے بیان کیے ہیں ان میں سے تیسرا اور چوتھا مرتبہ یہی تقدیر اور ہدایت کا مرتبہ ہے- یعنی تخلیق' تسویہ' تقدیر' ہدایت:

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ○ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ﴾ (٨٧ : ٢-٣)

''وہ پروردگار عالم جس نے پیدا کیا پھر اسے ٹھیک ٹھیک درست کر دیا اور جس نے ہر وجود کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا پھر اس پر راہ (عمل) کھول دی-''

❋ ❋ ❋

براہین قرآنیہ کا مبدءِ استدلال

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خدا کی ہستی اور اس کی توحید و صفات پر جابجا نظام ربوبیت سے استدلال کیا ہے اور یہ استدلال اس کے مہمات دلائل میں سے ہے- لیکن قبل اس کے کہ اس کی تشریح کی جائے مناسب ہوگا کہ قرآن کے طریق استدلال کی بعض مبادیات واضح کر دی جائیں- کیونکہ مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں مطالب قرآنی کا یہ گوشہ سب سے زیادہ مہجور ہو گیا ہے اور ضرورت ہے کہ از سر نو حقیقت گم گشتہ کا سراغ لگایا جائے-

دعوت تعقل:

قرآن کے طریق استدلال کا اولین مبدء تعقل و تفکر کی دعوت ہے- یعنی وہ جابجا اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان کے لیے حقیقت شناسی کی راہ یہی ہے کہ خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے کام لے اور اپنے وجود کے اندر اور اپنے وجود کے باہر جو کچھ بھی محسوس کر سکتا ہے اس میں تدبر و تفکر کرے- چنانچہ قرآن کی کوئی سورت اور سورت کا کوئی حصہ نہیں جو تفکر و تعقل کی دعوت سے خالی ہو:

﴿ وَ فِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ o وَ فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ o ﴾ (۵۱: ۲۰-۲۱)

''اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں (معرفت حق کی) نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں بھی پھر کیا تم دیکھتے نہیں؟

وہ کہتا ہے انسان کو عقل و بصیرت دی گئی ہے اس لیے وہ اس قوت کے ٹھیک ٹھیک استعمال کرنے نہ کرنے کے لیے جواب دہ ہے:

﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾ (۳۶:۱۷)

''یقیناً (انسان کا) سننا' دیکھنا' سوچنا' سب اپنی اپنی جگہ جواب دہی رکھتے ہیں!''

وہ کہتا ہے زمین کی ہر چیز میں' آسمان کے ہر منظر میں اور زندگی کے ہر تغیر میں فکر انسانی کے لیے معرفت حقیقت کی نشانیاں ہیں بشرطیکہ وہ غفلت و اعراض میں مبتلا نہ ہو جائے:

﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴾ (۱۲:۱۰۵)

''اور آسمان وزمین میں (معرفت حق کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر!) لوگ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور نظر اٹھا کر دیکھتے تک نہیں!''

تخلیق بالحق:

اچھا! اگر انسان عقل وبصیرت سے کام لے اور کائنات خلقت میں تفکر کرے تو اس پر حقیقت شناسی کا کون سا دروازہ کھلے گا؟ وہ کہتا ہے' سب سے پہلی حقیقت جو اس کے سامنے نمودار ہوگی وہ تخلیق بالحق کا عالمگیر اور بنیادی قانون ہے- یعنی وہ دیکھے گا کہ کائنات خلقت اور اس کی ہر چیز کی بناوٹ کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ ہر چیز ضبط وترتیب کے ساتھ ایک خاص نظام وقانون میں منسلک ہے اور کوئی شے نہیں جو حکمت ومصلحت سے خالی ہو- ایسا نہیں ہے کہ یہ سب کچھ تخلیق بالباطل ہو- یعنی بغیر کسی معین اور ٹھہرائے ہوئے مقصد ونظم کے وجود میں آ گیا ہو- کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس نظم' اس یکسانیت، اس دقت کے ساتھ اس کی ہر بات کسی نہ کسی حکمت ومصلحت کے ساتھ بندھی ہوئی ہوتی:

﴿ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (۴۴:۲۹)

''اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور بلاشبہ اس بات میں ارباب ایمان کے لیے (معرفت حق کی) ایک بڑی ہی نشانی ہے!''

آل عمران کی مشہور آیت میں ان ارباب دانش کی جو آسمان وزمین کی خلقت میں تفکر کرتے ہیں صدائے حال یہ بتائی ہے:

﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ﴾ (۳:۱۹۱)

''اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو نے اس لیے نہیں پیدا کیا ہے کہ محض ایک بیکار وعبث سا کام ہو!''

دوسری جگہ ''تخلیق بالباطل'' کو تلعب سے تعبیر کیا ہے- ''تلعب'' یعنی کوئی کام کھیل کود کی طرح بغیر کسی معقول غرض ومدعا کے کرنا:

﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (۴۴:۳۸-۳۹)

''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے محض کھیل اور تماشہ کرتے ہوئے نہیں پیدا کیا ہے- ہم نے انہیں نہیں پیدا کیا مگر حکمت ومصلحت کے ساتھ- مگر اکثر انسان ایسے ہیں جو اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے-''

پھر جابجا اس ''تخلیق بالحق'' کی تشریح کی ہے- مثلاً ایک مقام پر ''تخلیق بالحق'' کے اس پہلو پر توجہ دلائی ہے کہ کائنات کی ہر چیز افادہ وفیضان کے لیے ہے اور فطرت چاہتی ہے کہ جو کچھ بنائے اس طرح بنائے کہ اس میں وجود اور زندگی کے لیے نفع اور راحت ہو:

﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴾ (۳۹: ۵)

''اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے اس نے رات اور دن کے اختلاف اور ظہور کا ایسا انتظام کر دیا کہ رات دن پر لپٹی جاتی ہے اور دن رات پر لپٹا آتا ہے- اور سورج اور چاند دونوں کو اس کی قدرت نے مسخر کر رکھا ہے- سب (اپنی اپنی جگہ) اپنے مقررہ وقت تک کے لیے گردش کر رہے ہیں-''

ایک دوسرے موقع پر خصوصیت کے ساتھ اجرام سماویہ کے افادہ و فیضان پر توجہ دلائی ہے اور اسے ''تخلیق بالحق'' سے تعبیر کیا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ (۱۰: ۵)

''وہ (کارفرمائے قدرت) جس نے سورج کو درخشندہ اور چاند کو روشن بنایا اور پھر چاند کی گردش کے لیے منزلیں ٹھہرا دیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور اوقات کا حساب معلوم کر لو- بلاشبہ اللہ نے یہ سب کچھ پیدا نہیں کیا ہے مگر حکمت و مصلحت کے ساتھ- وہ ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں (علم و معرفت کی) نشانیاں الگ الگ کر کے واضح کر دیتا ہے-''

ایک اور موقع پر فطرت کے جمال و زیبائی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسے ''تخلیق بالحق'' سے تعبیر کیا ہے- یعنی فطرت کائنات میں تحسین و آرائش کا قانون کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے' جو کچھ بنے' ایسا بنے کہ اس میں حسن و جمال اور خوبی و کمال ہو:

﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ﴾ (۶۴: ۳)

''اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ بنائیں-''

اسی طرح وہ قانون مجازات پر (یعنی جزا و سزا کے قانون پر) بھی اسی ''تخلیق بالحق'' سے استشہاد کرتا ہے- تم دیکھتے ہو کہ دنیا میں ہر چیز کوئی نہ کوئی خاصہ اور نتیجہ رکھتی ہے اور یہ تمام خواص اور نتائج لازمی اور اٹل ہیں- پھر کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے اعمال میں بھی اچھے اور برے خواص اور نتائج نہ ہوں اور وہ قطعی اور اٹل نہ ہوں؟ جو قانون فطرت دنیا کی ہر چیز میں اچھے برے کا امتیاز رکھتا ہے کیا انسان کے اعمال میں اس امتیاز سے غافل ہو جائے گا-

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ (۴۵: ۲۱-۲۲)

''جو لوگ برائیاں کرتے ہیں' کیا وہ سمجھتے ہیں ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور جن کے اعمال اچھے ہیں؟ یعنی دونوں برابر ہو جائیں' زندگی میں بھی اور موت میں بھی؟ (اگر ان لوگوں کے فہم و دانش کا فیصلہ یہی ہے تو) کیا ہی برا ان کا فیصلہ ہے! اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہر جان اپنی کمائی کے مطابق بدلہ پالے۔ اور ایسا نہیں ہوگا کہ ان کے ساتھ ناانصافی ہو۔''

معاد یعنی مرنے کے بعد کی زندگی پر بھی اس سے جا بجا استشہاد کیا ہے۔ کائنات میں ہر چیز کوئی نہ کوئی مقصد اور منتہیٰ رکھتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ انسانی وجود کے لیے بھی کوئی نہ کوئی مقصد اور منتہیٰ ہو۔ یہی منتہیٰ آخرت کی زندگی ہے۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کائنات ارضی کی یہ بہترین مخلوق صرف اسی لیے پیدا کی گئی ہو کہ پیدا ہوا اور چند دن جی کر فنا ہو جائے:

﴿ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴾ (۳۰:۸۸)

''کیا ان لوگوں نے کبھی اپنے دل میں اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے محض بیکار و عبث نہیں بنایا ہے۔ ضروری ہے کہ حکمت و مصلحت کے ساتھ بنایا ہو۔ اور اس کے لیے ایک مقررہ وقت ٹھہرا دیا ہو۔ اصل یہ ہے کہ انسانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے پروردگار کی ملاقات سے یک قلم منکر ہیں۔''

مبدء استدلال:

غرض کہ قرآن کا مبدء استدلال یہ ہے کہ:

1. اس کے نزول کے وقت دین داری اور خدا پرستی کے جس قدر عام تصورات موجود تھے وہ نہ صرف عقل کی آمیزش سے خالی تھے بلکہ ان کی تمام تر بنیاد غیر عقلی عقائد پر آکر ٹھہر گئی تھی۔ لیکن اس نے خدا پرستی کے لیے عقلی تصور پیدا کیا۔
2. اس کی دعوت کی تمام تر بنیاد تعقل و تفکر پر ہے' اور وہ خصوصیت کے ساتھ کائنات خلقت کے مطالعہ و تفکر کی دعوت دیتا ہے۔
3. وہ کہتا ہے کہ کائنات خلقت کے مطالعہ و تفکر سے انسان پر ''تخلیق بالحق'' کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ دیکھتا ہے کہ اس کارخانہ ہستی کی کوئی چیز نہیں جو کسی ٹھہرائے ہوئے مقصد اور مصلحت سے خالی ہو اور کسی بالاتر قانون خلقت کے ماتحت ظہور میں نہ آئی ہو۔ یہاں جو چیز بھی اپنا وجود رکھتی ہے ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ حکمتوں اور مصلحتوں کے عالمگیر سلسلہ میں بندھی ہوئی ہے۔
4. وہ کہتا ہے کہ جب انسان ان مقاصد و مصالح پر غور کرے گا تو عرفان حقیقت کی راہ خود بخود اس پر کھل جائے گی اور جہل و کوری کی گمراہیوں سے نجات پا جائے گا۔

برہان ربوبیت

چنانچہ اس سلسلے میں اس نے مظاہر کائنات کے جن مقاصد و مصالح سے استدلال کیا ہے ان میں سب سے زیادہ عام استدلال ربوبیت کا استدلال ہے اور اسی لیے ہم اسے برہان ربوبیت سے تعبیر کر سکتے ہیں- وہ کہتا ہے: کائنات کے تمام اعمال و مظاہر کا اس طرح واقع ہونا کہ ہر چیز پرورش کرنے والی اور ہر تاثیر زندگی بخشنے والی ہے اور پھر ایک ایسے نظام ربوبیت کا موجود ہونا جو ہر حالت کی رعایت کرتا اور ہر طرح کی مناسبت ملحوظ رکھتا ہے- ہر انسان کو وجدانی طور پر یقین دلا دیتا ہے کہ ایک پروردگار عالم ہستی موجود ہے اور وہ ان تمام صفتوں سے متصف ہے جن کے بغیر نظام ربوبیت کا یہ کامل اور بے عیب کارخانہ وجود میں نہیں آ سکتا تھا-

وہ کہتا ہے: کیا انسان کا وجدان یہ باور کر سکتا ہے کہ نظام ربوبیت کا یہ پورا کارخانہ خود بخود وجود میں آ جائے اور کوئی زندگی، کوئی ارادہ کوئی حکمت اس کے اندر کارفرما نہ ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کارخانۂ ہستی کی ہر چیز میں ایک بولتی ہوئی پروردگاری اور ایک ابھری ہوئی کارسازی موجود ہو مگر کوئی پروردگار، کوئی کارساز موجود نہ ہو؟ پھر کیا یہ محض ایک اندھی بہری فطرت، بے جان مادہ، اور بے حس الیکٹرون (Electrons) کے خواص ہیں جن سے پروردگاری و کارسازی کا یہ پورا کارخانہ ظہور میں آ گیا ہے؟ اور عقل اور ارادہ رکھنے والی کوئی ہستی موجود نہیں؟

پروردگاری موجود ہے، مگر کوئی پروردگار موجود نہیں! کارسازی موجود ہے، مگر کوئی کارساز موجود نہیں! رحمت موجود ہے، مگر کوئی رحیم موجود نہیں! حکمت موجود ہے مگر کوئی حکیم موجود نہیں! سب کچھ موجود ہے، مگر کوئی موجود نہیں! عمل بغیر کسی عامل کے، نظم بغیر کسی ناظم کے، قیام بغیر کسی قیوم کے، عمارت بغیر کسی معمار کے، نقش بغیر کسی نقاش کے، سب کچھ بغیر کسی موجود کے۔ نہیں، انسان کی فطرت کبھی یہ باور نہیں کر سکتی- اس کا وجدان پکارتا ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں اس کی فطرت اپنی بناوٹ میں ایک ایسا سانچا لے کر آئی ہے جس میں یقین و ایمان ہی ڈھل سکتا ہے- شک اور انکار کی اس میں سمائی نہیں!

قرآن کہتا ہے: یہ بات انسان کے وجدانی اذعان کے خلاف ہے کہ وہ نظام ربوبیت کا مطالعہ کرے اور ایک ''رب العلمین'' ہستی کا یقین اس کے اندر جاگ نہ اٹھے- وہ کہتا ہے: ایک انسان غفلت کی سرشاری اور سرکشی کے ہیجان میں ہر چیز سے انکار کر سکتا ہے لیکن اپنی فطرت سے انکار نہیں کر سکتا- وہ ہر چیز کے خلاف جنگ کر سکتا ہے لیکن اپنی فطرت کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھا سکتا- وہ جب اپنے چاروں طرف زندگی اور پروردگاری کا ایک عالمگیر کارخانہ پھیلا ہوا دیکھتا ہے تو اس کی

فطرت کی صدا کیا ہوتی ہے؟ اس کے دل کے ایک ایک ریشے میں کون سا اعتقاد سمایا ہوتا ہے؟ کیا یہی نہیں ہوتا کہ ایک پروردگار ہستی موجود ہے اور یہ سب کچھ اسی کی کرشمہ سازیاں ہیں؟

یہ یادرکھنا چاہیے کہ قرآن کا اسلوب بیان یہ نہیں ہے کہ نظری مقدمات اور ذہنی مسلمات کی شکلیں ترتیب دے اور پھر اس پر بحث وتقریر کر کے مخاطب کو رد وتسلیم پر مجبور کرے- اس کا تمام تر خطاب انسان کے فطری وجدان و ذوق سے ہوتا ہے- وہ کہتا ہے: خدا پرستی کا جذبہ انسانی فطرت کا خمیر ہے- اگر ایک انسان اس سے انکار کرنے لگتا ہے تو یہ اس کی غفلت ہے اور ضروری ہے کہ اسے غفلت سے چونکا دینے کے لیے دلیلیں پیش کی جائیں-لیکن یہ دلیل ایسی نہیں ہونی چاہیے جو محض ذہن و دماغ میں کاوش پیدا کر دے بلکہ ایسی ہونی چاہیے جو اس کے نہاں خانۂ دل پر دستک دے اور اس کا فطری وجدان بیدار کر دے- اگر اس کا وجدان بیدار ہو گیا تو پھر اثبات مدعا کے لیے بحث وتقریر کی ضرورت نہ ہوگی- خود اس کا وجدان ہی اسے مدعا تک پہنچا دے گا-

یہی وجہ ہے کہ قرآن خود انسان کی فطرت ہی سے انسان پر حجت لاتا ہے:

﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴾ (۷۵: ۱۴'۱۰)

''بلکہ انسان کا وجود خود اس کے خلاف (یعنی اس کی کج اندیشیوں کے خلاف) حجت ہے اگر چہ وہ (اپنے وجدان کے خلاف) کتنے ہی عذر بہانے تراش لیا کرے-''

اور اسی لیے وہ جا بجا فطرت انسانی کو مخاطب کرتا اور اس کی گہرائیوں سے جواب طلب کرتا ہے:

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴾ (۱۰: ۳۱'۳۲)

''وہ کون ہے جو آسمان (میں پھیلے ہوئے کارخانۂ حیات) سے اور زمین (کی وسعت میں پیدا ہونے والے سامان رزق) سے تمہیں روزی بخش رہا ہے؟ وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمہارا سننا اور دیکھنا ہے؟ وہ کون ہے جو بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے؟ اور پھر وہ کونسی ہستی ہے جو یہ تمام کارخانۂ خلقت اس نظم ونگرانی کے ساتھ چلا رہی ہے؟ (اے پیغمبر!) یقیناً وہ (بے اختیار) بول اٹھیں گے اللہ ہے (اس کے سوا کون ہوسکتا ہے) اچھا تم ان سے کہو جب تمہیں اس بات سے انکار نہیں تو پھر یہ کیوں ہے کہ غفلت وسرکشی سے نہیں بچتے! ہاں بیشک یہ اللہ ہی ہے جو تمہارا پروردگار برحق ہے اور جب یہ حق ہے تو حق کے ظہور کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟ (افسوس تمہاری سمجھ پر) تم (حقیقت سے منہ پھیر کر) کہاں جا رہے ہو؟''

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

﴿ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَاكَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَاءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ (۲۷: ۶۰-۶۴)

''وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا پھر اس آب پاشی سے خوشنما باغ اگا دیے حالانکہ تمہارے بس کی یہ بات نہ تھی کہ ان باغوں کے درخت اگاتے؟ کیا (ان کاموں کا کرنے والا) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (افسوس ان لوگوں کی سمجھ پر! حقیقت حال کتنی ہی ظاہر ہو) مگر یہ وہ لوگ ہیں جن کا شیوہ ہی کج روی ہے!

اچھا! بتلاؤ وہ کون ہے جس نے زمین کو (زندگی و معیشت کا) ٹھکانا بنا دیا، اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں، اس (کی درستگی) کے لیے پہاڑ بلند کر دیے' دو دریاؤں میں (یعنی دریا اور سمندر میں ایسی) دیوار حائل کر دی (کہ دونوں اپنی اپنی جگہ محدود رہتے ہیں) کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہے؟ (افسوس! کتنی واضح بات ہے) مگر ان لوگوں میں اکثر ایسے ہیں جو نہیں جانتے!

اچھا! بتلاؤ: وہ کون ہے جو بے قرار دلوں کی پکار سنتا ہے جب وہ (ہر طرف سے مایوس ہو کر) اسے پکارنے لگتے ہیں اور ان کا درد دکھ ٹال دیتا ہے؟ اور وہ کہ اس نے تمہیں زمین کا جانشین بنایا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہے؟ (افسوس تمہاری غفلت پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پذیر ہو!

اچھا! بتلاؤ: وہ کون ہے جو صحراؤں اور سمندروں کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے؟ وہ کون ہے جو باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلا دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں!) اللہ کی ذات اس ساجھے سے پاک و منزہ ہے جو یہ لوگ اس کی معبودیت میں ٹھہرا رہے ہیں!

اچھا! بتلاؤ: وہ کون ہے جو مخلوقات کی پیدائش شروع کرتا ہے اور پھر اسے دہراتا ہے' اور وہ کون ہے جو آسمان و زمین کے کارخانہ ہائے رزق سے تمہیں روزی دے رہا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (اے پیغمبر!) ان سے کہو اگر تم (اپنے رویہ میں) سچے ہو (اور انسانی عقل و بصیرت کی اس

عالمگیر شہادت کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہے) تو اپنی دلیل پیش کرو!''

ان سوالات میں سے ہر سوال اپنی جگہ ایک مستقل دلیل ہے کیونکہ ان میں سے ہر سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ فطرت انسانی کا عالمگیر اور مسلمہ اذعان ہے- ہمارے متکلموں کی نظر اس پہلو پر نہ تھی اس لیے قرآن کا اسلوب استدلال ان پر واضح نہ ہوسکا اور دور دراز گوشوں میں بھٹک گئے-

بہر حال قرآن کے وہ بے شمار مقامات جن میں کائنات ہستی کے سروسامان پرورش اور نظام ربوبیت کی کارسازیوں کا ذکر کیا گیا ہے دراصل اسی استدلال پر مبنی ہیں:

﴿ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلاً وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴾

(۸۰:۲٤-۳۲)

''انسان اپنی غذا پر نظر ڈالے (جو شب و روز اس کے استعمال میں آتی رہتی ہے) ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں' پھر اس کی سطح شق کر دیتے ہیں' پھر اس کی روئیدگی سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیتے ہیں- اناج کے دانے' انگور کی بیلیں' کھجور کے خوشے' سبزی' ترکاری' زیتون کا تیل' درختوں کے جھنڈ' قسم قسم کے میوے' طرح طرح کا چارہ' (اور یہ سب کچھ کس کے لیے) تمہارے فائدے کے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے-''

ان آیات میں ﴿ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ ﴾ کے زور پر غور کرو- انسان کتنا ہی غافل ہو جائے اور کتنا ہی اعراض کرے لیکن دلائل حقیقت کی وسعت اور ہمہ گیری کا یہ حال ہے کہ کسی حال میں بھی اس سے اوجھل نہیں ہوسکتیں- ایک انسان تمام دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر لے لیکن بہر حال اپنی شب و روز کی غذا کی طرف سے تو آنکھیں بند نہیں کر سکتا جو غذا اس کے سامنے دھری ہے اسی پر نظر ڈالے- یہ کیا ہے؟ گیہوں کا دانہ ہے- اچھا! گیہوں کا ایک دانہ اپنی ہتھیلی پر رکھ لو اور اس کی پیدائش سے لے کر اس کی پختگی و تکمیل تک کے تمام احوال وظروف پر غور کرو- کیا یہ حقیر سا ایک دانہ بھی وجود میں آ سکتا تھا اگر تمام کارخانۂ ہستی ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ اس کی بناوٹ میں سرگرم نہ رہتا؟ اور اگر دنیا میں ایک ایسا نظام ربوبیت موجود ہے تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟

سورۂ نحل میں یہی استدلال ایک دوسرے پیرایہ میں نمودار ہوا ہے:

﴿ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلاً يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا

شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ [1] ﴾ (۱۶: ۶۶-۶۹)

''اور (دیکھو یہ) چار پائے (جنہیں تم پالتے ہو) ان میں تمہارے لیے غور کرنے اور نتیجہ نکالنے کی کتنی بڑی عبرت ہے؟ ان کے جسم سے ہم خون و کثافت کے درمیان دودھ پیدا کر دیتے ہیں جو پینے والوں کے لیے بےغل و غش مشروب ہوتا ہے- (اسی طرح) کھجور اور انگور کے پھل ہیں جن سے نشہ کا عرق اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں حاصل کرتے ہو- بلا شبہ اس بات میں ارباب عقل کے لیے (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانی ہے!

اور پھر (دیکھو) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طبیعت میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلند کر دی جاتی ہیں' اپنے لیے گھر بنائے' پھر ہر طرح کے پھولوں سے رس چوسے' پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقوں پر کامل فرمانبرداری کے ساتھ گامزن ہو- (چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ) اس کے شکم سے مختلف رنگتوں کا رس نکلتا ہے' جس میں انسان کے لیے شفا ہے- بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں (ربوبیت الٰہی کی عجائب آفرینیوں کی) بڑی ہی نشانی ہے!''

جس طرح اس نے جا بجا خلقت سے استدلال کیا ہے- یعنی دنیا میں ہر چیز مخلوق ہے' اس لیے ضروری ہے کہ خالق بھی ہو- اسی طرح وہ ربوبیت سے بھی استدلال کرتا ہے- یعنی دنیا میں ہر چیز مربوب ہے اس لیے ضروری ہے کہ کوئی رب بھی ہو- اور دنیا میں ربوبیت کامل اور بے داغ ہے' اس لیے ضروری ہے کہ وہ رب کامل اور بے عیب ہو-

زیادہ واضح لفظوں میں اسے یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں' دنیا میں ہر چیز ایسی ہے کہ اسے پرورش کی احتیاج ہے' اور اسے پرورش مل رہی ہے- پس ضروری ہے کہ کوئی پرورش کرنے والا بھی موجود ہو' یہ پرورش کرنے والا کون ہے؟ یقیناً وہ نہیں ہو سکتا جو خود پروردہ اور محتاج پروردگاری ہو- قرآن میں جہاں کہیں اس طرح کے مخاطبات ہیں جیسا کہ سورۂ واقعہ کی مندرجہ ذیل آیات میں ہے' وہ اسی استدلال پر مبنی ہیں:

﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ○ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ○ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ○ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ○ اَفَرَءَيْتُمُ

---

[1] اس موقع پر یہ اصل پیش نظر رکھنی چاہیے کہ جس طرح کائنات کی ہر چیز نظر و اعتبار کے مختلف پہلو رکھتی ہے' اسی طرح قرآن کا استشہاد بھی بیک وقت مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے- البتہ خصوصیت کے ساتھ زور کسی ایک ہی پہلو کے لیے ہوتا ہے- مثلاً شہد کی پیدائش اور شہد کی مکھی کے اعمال کے مختلف پہلو ہیں- یہ بات کہ ایک نہایت مفید اور لذیذ غذا پیدا ہو جاتی ہے' ربوبیت ہے- یہ بات کہ ایک حقیر سا جانور اس دانشمندی و دقت کے ساتھ یہ کام انجام دیتا ہے' ذہن و ادراک کی بخشش کا عجیب و غریب منظر ہے' اور اس لیے حکمت و قدرت کا پہلو رکھتا ہے- ان آیات کا سیاق و سباق بتلاتا ہے کہ یہاں زیادہ تر توجہ ربوبیت پر دلائی گئی ہے' لیکن ساتھ ہی حکمت و قدرت کے پہلوؤں پر بھی روشنی پڑ رہی ہے- اسی طرح اکثر مقامات میں ربوبیت' رحمت' حکمت' اور قدرت کے مشترک مظاہر بیان کیے گئے ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ زور کسی ایک ہی پہلو پر ہے-۱۲

النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَ اَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝ ﴾ (۵۶: ۶۳-۷۳)

اچھا! تم نے اس بات پر غور کیا کہ جو کچھ تم کاشت کاری کرتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم صرف یہ کہنے کے لیے رہ جاؤ کہ ''افسوس' ہمیں تو اس نقصان کا تاوان ہی دینا پڑے گا بلکہ ہم تو اپنی محنت کے سارے فائدوں ہی سے محروم ہو گئے''

اچھا تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ یہ پانی جو تمہارے پینے میں آتا ہے اسے کون برساتا ہے؟ تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے (سمندر کے پانی کی طرح) کڑوا کر دیں- پھر کیا اس نعمت کے لیے ضروری نہیں کہ تم شکر گزار ہو؟ اچھا! تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو تو اس کے لیے لکڑی تم نے پیدا کی ہے یا ہم پیدا کر رہے ہیں؟ ہم نے اس کو یاد دہانی کا ذریعہ اور حاجت مندوں کے لیے سامان زیست بنایا ہے-''

نظام ربوبیت سے توحید پر استدلال:

اسی طرح وہ نظام ربوبیت سے توحید الٰہی پر استدلال کرتا ہے- جو رب العالمین تمام کائنات کی پرورش کر رہا ہے اور جس کی ربوبیت کا اعتراف تمہارے دل کے ایک ایک ریشے میں موجود ہے اس کے سوا کون اس کا مستحق ہو سکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سر اس کے آگے جھکایا جائے؟

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (۲: ۲۱-۲۲)

''اے افراد نسل انسانی! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، اس پروردگار کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان سب کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور اس لیے پیدا کیا تاکہ تم برائیوں سے بچو- وہ پروردگار عالم جس نے تمہارے لیے زمین فرش کی طرح بچھا دی اور آسمان چھت کی طرح بنا دیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے طرح طرح کے پھل پیدا کر دیے تاکہ تمہارے لیے رزق کا سامان ہو- پس (جب خالقیت اسی کی خالقیت ہے اور ربوبیت اسی کی ربوبیت' تو) ایسا نہ کرو کہ کسی دوسری ذات کو اس کا ہم پلہ ٹھہراؤ اور تم اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو!''

یا مثلاً سورۂ فاطر میں ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ ﴾ (۳۵: ۱)

''اے افرادِ نسل انسانی! اللہ نے اپنی جن نعمتوں سے تمہیں فیض یاب کیا ہے ان پر غور کرو' کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی خالق ہے جو تمہیں زمین اور آسمان کی بخشایشوں سے رزق دے رہا ہے؟ نہیں کوئی معبود نہیں ہے مگر اسی کی ایک ذات!''

نظام ربوبیت سے وحی و رسالت کی ضرورت پر استدلال:

اسی طرح وہ نظام ربوبیت کے اعمال سے انسانی سعادت و شقاوت کے معنوی قوانین اور وحی و رسالت کی ضرورت پر بھی استدلال کرتا ہے۔ جس رب العالمین نے تمہاری پرورش کے لیے ربوبیت کا ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کیا ممکن ہے کہ اس نے تمہاری روحانی فلاح وسعادت کے لیے کوئی قانون' کوئی نظام اور کوئی قاعدہ مقرر نہ کیا ہو؟ جس طرح تمہارے جسم کی ضرورتیں ہیں اسی طرح تمہاری روح کی بھی ضرورتیں ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ جسم کی نشوونما کے لیے تو اس کے پاس سب کچھ ہو لیکن روح کی نشوونما کے لیے اس کے پاس کوئی پروردگاری نہ ہو؟

اگر وہ رب العالمین ہے اور اس کی ربوبیت کے فیضان کا یہ حال ہے کہ ہر ذرہ کے لیے سیرابی' اور ہر چیونٹی کے لیے کارسازی رکھتی ہے تو کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ انسان کی روحانی سعادت کے لیے اس کے پاس کوئی سرچشمگی نہ ہو؟ اس کی پروردگاری اجسام کی پرورش کے لیے آسمان سے پانی برسائے لیکن ارواح کی پرورش کے لیے ایک قطرۂ فیض بھی نہ رکھے؟ تم دیکھتے ہو کہ جب زمین شادابی سے محروم ہو کر مردہ ہو جاتی ہے تو یہ اس کا قانون ہے کہ باران رحمت نمودار ہوتی اور زندگی کی برکتوں سے زمین کے ایک ایک ذرے کو مالا مال کر دیتی ہے۔ پھر کیا یہ ضروری نہیں کہ جب عالم انسانیت ہدایت و سعادت کی شادابیوں سے محروم ہو جائے تو اس کی باران رحمت نمودار ہو کر ایک ایک روح کو پیام زندگی پہنچا دے؟ روحانی سعادت کی یہ بارش کیا ہے؟ وہ کہتا ہے وحی الٰہی ہے۔ تم اس منظر پر کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ پانی برسا اور مردہ زمین زندہ ہو گئی۔ پھر اس بات پر کیوں چونک اٹھو کہ وحی الٰہی ظاہر ہوئی اور مردہ روحوں میں زندگی کی جنبش پیدا ہو گئی؟

﴿ حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ ۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

(٤٥ : ١-٦)

''یہ اللہ کی طرف سے کتاب (ہدایت) نازل کی جاتی ہے جو عزیز اور حکیم ہے۔ بلاشبہ ایمان رکھنے والوں کے لیے آسمانوں اور زمین میں (معرفت حق کی) بے شمار نشانیاں ہیں۔ نیز تمہاری پیدائش میں اور ان چارپایوں میں جنہیں اس نے زمین میں پھیلا رکھا ہے ارباب یقین کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں۔ اسی طرح رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آتے رہنے میں' اور اس سرمایۂ رزق میں جسے وہ آسمان سے

برساتا ہے اور زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے' اور ہواؤں کے ردو بدل میں ارباب دانش کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں- (اے پیغمبرؐ!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو فی الحقیقت ہم تمہیں سنا رہے ہیں- پھر اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کون سی بات رہ گئی ہے جسے سن کر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟''

سورۂ انعام میں ان لوگوں کا جو وحی الٰہی کے نزول پر متعجب ہوتے ہیں' ان لفظوں میں ذکر کیا ہے:

﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ﴾(٦: ٩١)

''اور اللہ کے کاموں کی انہیں جو قدر شناسی کرنی تھی یقیناً انہوں نے نہیں کی جب انہوں نے یہ بات کہی کہ اللہ نے اپنے کسی بندے پر کوئی چیز نازل نہیں کی''-

تو پھر تورات اور قرآن کے نزول کے ذکر کے بعد حسب ذیل بیان شروع ہو جاتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ الخ(٦: ٩٥-٩٧)

''یقیناً یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ وہ دانے اور گٹھلی کو شق کرتا ہے (اور اس سے ہر چیز کا درخت پیدا کر دیتا ہے) وہ زندہ کو مردہ چیز سے نکالتا اور مردہ کو زندہ اشیا سے نکالنے والا ہے- ہاں! وہی تمہارا خدا ہے- پھر تم اس سے روگردانی کر کے کدھر کو بہکے چلے جا رہے ہو؟ ہاں! وہی (پردۂ شب چاک) کر کے صبح کی روشنی نمودار کرنے والا ہے' وہی ہے جس نے رات کو راحت و سکون کا ذریعہ بنا دیا' اور وہی ہے کہ سورج اور چاند کی گردش اس درستگی کے ساتھ قائم کر دی کہ حساب کا معیار بن گئی- یہ اس عزیز و علیم کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے- اور (پھر دیکھو!) وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے پیدا کر دیے تاکہ خشکی و تری کی تاریکیوں میں ان سے رہنمائی پاؤ- بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں ہم نے دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں!''

یعنی جس پروردگار عالم کی ربوبیت و رحمت کا یہ تمام فیضان شب و روز دیکھ رہے ہو کیا ممکن ہے کہ وہ تمہاری جسمانی پرورش و ہدایت کے لیے تو یہ سب کچھ کرے لیکن تمہاری روحانی پرورش و ہدایت کے لیے اس کے پاس کوئی سروسامان نہ ہو؟ وہ زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے- پھر کیا تمہاری روح کی موت کو زندگی سے نہیں بدل دے گا؟ وہ ستاروں کی روشن علامتوں سے خشکی و تری کی ظلمتوں میں رہنمائی کرتا ہے- کیونکر ممکن ہے کہ تمہاری روحانی زندگی کی تاریکیوں میں رہنمائی کی کوئی روشنی نہ ہو؟ تم جو کبھی اس پر متعجب نہیں ہوتے کہ زمین پر کھیت لہلہا رہے ہیں اور آسمان میں تارے چمک رہے ہیں کیوں اس بات پر متعجب ہوتے ہو کہ خدا کی وحی نوع انسانی کی ہدایت کے لیے نازل ہو رہی ہے؟ اگر تمہیں تعجب ہوتا ہے تو یہ اس

بات کا نتیجہ ہے کہ تم نے خدا کو اس کی صفتوں میں اس طرح نہیں دیکھا ہے جس طرح دیکھنا چاہیے-تمہاری سمجھ میں یہ بات تو آ جاتی ہے کہ وہ ایک چیونٹی کی پرورش کے لیے یہ پورا کارخانۂ حیات سرگرم رکھے مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نوع انسانی کی ہدایت کے لیے سلسلہ وحی وتنزیل قائم ہو!

نظام ربوبیت سے وجود معاد پر استدلال:

اسی طرح وہ اعمال ربوبیت سے معاد اور آخرت پر بھی استدلال کرتا ہے- جو چیز جتنی زیادہ نگرانی اور اہتمام سے بنائی جاتی ہے اتنی ہی زیادہ قیمتی استعمال اور اہم مقصد بھی رکھتی ہے' اور بہتر صناع وہی ہے جو اپنی صنعت گری کا بہتر استعمال اور مقصد رکھتا ہو- پس انسان جو کرۂ ارضی کی بہترین مخلوق اور اس کے تمام سلسلہ خلقت کا خلاصہ ہے' اور جس کی جسمانی ومعنوی نشوونما کے لیے فطرت کائنات نے اس قدر اہتمام کیا ہے' کیونکر ممکن ہے کہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کے لیے ہی بنایا گیا ہو اور کوئی بہتر استعمال اور بلند تر مقصد نہ رکھتا ہو؟ اور پھر اگر خالق کائنات رب ہے اور کامل درجے کی ربوبیت رکھتا ہے تو کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے ایک بہترین مربوب یعنی پروردہ ہستی کو محض اس لیے بنایا ہو کہ مہمل اور بے نتیجہ چھوڑ دے؟

﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴾ (۲۳:۱۱۵-۱۱۶)

''کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بغیر کسی مقصد ونتیجہ کے پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں؟ اللہ جو اس کائنات ہستی کا حقیقی حکمران ہے اس سے بہت بلند ہے کہ ایک بیکار وعبث فعل کرے-کوئی معبود نہیں ہے مگر وہ جو (جہانداری کے) عرش بزرگ کا پروردگار ہے!

ہم نے یہ مطلب اسی سادہ طریقہ پر بیان کر دیا جو قرآن کے بیان وخطاب کا طریقہ ہے- لیکن یہی مطلب علمی بحث وتقریر کے پیرایہ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ وجود انسانی کرۂ ارضی کے سلسلۂ خلقت کی آخری اور اعلیٰ ترین کڑی ہے اور اگر پیدائش حیات سے لے کر انسانی وجود کی تکمیل تک کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ ایک ناقابل شمار مدت کے مسلسل نشو وارتقا کی تاریخ ہوگی- گویا فطرت نے لاکھوں کروڑوں برس کی کارفرمائی وصناعی سے کرۂ ارضی پر جو اعلیٰ ترین وجود تیار کیا ہے وہ انسان ہے!

ماضی کے ایک نقطۂ بعید کا تصور کرو- جب ہمارا یہ کرہ سورج کے ملتہب کرّے سے الگ ہوا تھا-نہیں معلوم کتنی مدت اس کے ٹھنڈے اور معتدل ہونے میں گزر گئی اور یہ اس قابل ہوا کہ زندگی کے عناصر اس میں نشوونما پاسکیں- اس کے بعد وہ وقت آیا جب اس کی سطح پر نشوونما کی سب سے پہلی داغ بیل پڑی اور پھر نہیں معلوم کتنی مدت کے بعد زندگی کا وہ اولین بیج وجود میں آسکا جسے پروٹو پلازم (Protoplasm) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے- پھر حیات عضوی کے نشوونما کا دور شروع ہوا اور نہیں معلوم کتنی مدت اسی پر گزر گئی کہ اس دور نے بسیط سے مرکب تک اور ادنیٰ سے اعلیٰ درجے تک ترقی کی منزلیں طے

کیں - یہاں تک کہ حیوانات کی ابتدائی کڑیاں ظہور میں آئیں اور پھر لاکھوں برس اس پر نکل گئے کہ یہ سلسلہ ارتقا وجودِ انسانی تک مرتفع ہو- پھر انسان کے جسمانی ظہور کے بعد اس کے ذہنی ارتقا کا سلسلہ شروع ہوا اور ایک طول طویل مدت اس پر گزر گئی - بالآخر ہزاروں برس کے اجتماعی اور ذہنی ارتقا کے بعد وہ انسان ظہور پذیر ہو سکا جو کرۂ ارضی کے تاریخی عہد کا متمدن اور عقیل انسان ہے!

گویا زمین کی پیدائش سے لے کر ترقی یافتہ انسان کی تکمیل تک' جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ بنتا سنورتا رہا ہے وہ تمام تر انسان کی پیدائش و تکمیل ہی کی سرگزشت ہے!

سوال یہ ہے کہ جس وجود کی پیدائش کے لیے فطرت نے اس درجہ اہتمام کیا ہے کیا یہ سب کچھ صرف اس لیے تھا کہ وہ پیدا ہو' کھائے پیے اور مر کر فنا ہو جائے؟ ﴿ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّاهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴾!

قدرتی طور پر یہاں ایک دوسرا سوال بھی پیدا ہو جاتا ہے- اگر وجودِ حیوانی اپنے ماضی میں ہمیشہ یکے بعد دیگرے متغیر ہوتا اور ترقی کرتا رہا ہے تو مستقبل میں بھی یہ تغیر و ارتقا کیوں جاری نہ رہے؟ اگر اس بات پر ہمیں بالکل تعجب نہیں ہوتا کہ ماضی میں بیشمار صورتیں مٹیں اور نئی زندگیاں ظہور میں آئیں تو اس بات پر کیوں تعجب ہو کہ موجودہ زندگی کا مٹنا بھی بالکل مٹ جانا نہیں ہے اس کے بعد بھی ایک اعلیٰ تر صورت اور زندگی ہے؟

﴿ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴾ (۷۵: ۳۶-۳۸)

''کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ مہمل چھوڑ دیا جائے گا (اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو گی؟) کیا اس پر یہ حالت نہیں گزر چکی ہے کہ پیدائش سے پہلے نطفہ تھا' پھر نطفہ سے علقہ ہوا (یعنی جونک کی سی شکل ہو گئی) پھر علقہ سے (اس کا ڈیل ڈول) پیدا کیا گیا' پھر (اس ڈیل ڈول کو) ٹھیک ٹھیک درست کیا گیا!

سورۂ ذاریات میں تمام تر دین یعنی جزا کا بیان ہے: ﴿ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَّ اِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴾ اور پھر اس پر اعمال ربوبیت سے یعنی ہواؤں کے چلنے اور پانی برسنے کے مؤثرات سے استشہاد کیا گیا ہے: ﴿ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴾ پھر آسمان اور زمین کی بخشایشوں پر اور خود وجودِ انسانی کی اندرونی شہادتوں پر توجہ دلائی ہے: ﴿ وَفِى الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ وَفِى السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴾ اس کے بعد فرمایا:

﴿ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴾ (۵۱: ۲۳)

''آسمان و زمین کے رب کی قسم! (یعنی آسمان و زمین کے پروردگار کی پروردگاری شہادت دے رہی ہے) کہ بلاشبہ وہ معاملہ (یعنی جزا و سزا کا معاملہ) حق ہے- ٹھیک اسی طرح جس طرح یہ بات

کہ تم گویائی رکھتے ہو-''

اس آیت میں اثبات جزا کے لیے خدا نے خود اپنے وجود کی قسم کھائی ہے لیکن رب کے لفظ سے اپنے آپ کو تعبیر کیا ہے-عربی میں قسم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی بات پر کسی بات سے شہادت لائی جائے- پس مطلب یہ ہوا کہ پروردگار عالم کی پروردگاری شہادت دے رہی ہے کہ یہ بات حق ہے- یہ شہادت کیا ہے؟ وہی ربوبیت کی شہادت ہے- اگر دنیا میں پرورش موجود ہے' پروردہ موجود ہے اور اس لیے پروردگار بھی موجود ہے تو ممکن نہیں کہ جزا کا معاملہ بھی موجود نہ ہو- اور وہ بغیر کسی نتیجہ کے انسان کو چھوڑ دے- چونکہ لوگوں کی نظر اس حقیقت پر نہ تھی- اس لیے اس آیت میں قسم اور مقسم بہ کا ربط صحیح طور پر متعین نہ کر سکے-

قرآن حکیم کے دلائل و براہین پر غور کرتے ہوئے یہ اصل ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس کے استدلال کا طریقہ منطقی بحث وتقریر کا طریقہ نہیں ہے جس کے لیے چند در چند مقدمات کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر اثبات مدعا کی شکلیں ترتیب دینی پڑتی ہیں بلکہ وہ ہمیشہ براہ راست تلقین کا قدرتی اور سیدھا سادھا طریقہ اختیار کرتا ہے-عموماً اس کے دلائل اس کے اسلوب بیان و خطاب میں مضمر ہوتے ہیں- وہ یا تو کسی مطلب کے لیے اسلوب خطاب ایسا اختیار کرتا ہے کہ اسی سے استدلال کی روشنی نمووار ہو جاتی ہے' یا پھر کسی مطلب پر زور دیتے ہوئے کوئی ایک لفظ ایسا بول جاتا ہے کہ اس کی تعبیر ہی میں اس کی دلیل بھی موجود ہوتی ہے اور خود بخود مخاطب کا ذہن دلیل کی طرف پھر جاتا ہے- چنانچہ اس کی ایک واضح مثال یہی صفت ربوبیت کا جابجا استعمال ہے- جب وہ خدا کی ہستی کا ذکر کرتا ہوا اسے رب کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے تو یہ بات کہ وہ رب ہے جس طرح اس کی ایک صفت ظاہر کرتی ہے اسی طرح اس کی دلیل بھی واضح کر دیتی ہے- وہ رب ہے' اور یہ واقعہ ہے کہ اس کی ربوبیت تمہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے اور خود تمہارے دل کے اندر گھر بنائے ہوئے ہے- پھر کیونکر تم جرأت کر سکتے ہو کہ اس کی ہستی سے انکار کرو؟ وہ رب ہے اور رب کے سوا کون ہو سکتا ہے جو تمہاری بندگی و نیاز کا مستحق ہو؟

چنانچہ قرآن کے وہ تمام مقامات جہاں اس طرح کے مخاطبات ہیں کہ ﴿ يَآيُّهَاالنَّاسُ اعْبُدُوْ ارَبَّكُمْ' اُعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ' اِنَّ اللّٰهِ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ؟ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ﴾ وغیرہا تو انہیں مجرد امر و خطاب ہی نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ وہ خطاب و دلیل دونوں ہیں کیونکہ رب کے لفظ نے برہان ربوبیت کی طرف خود بخود رہنمائی کر دی ہے- افسوس ہے کہ ہمارے مفسروں کی نظر اس حقیقت پر نہ تھی کیونکہ منطقی استدلال کے استغراق نے انہیں قرآن کے طریق استدلال سے بے پروا کر دیا تھا- نتیجہ یہ نکلا کہ ان مقامات کے ترجمہ وتفسیر میں قرآن کے اسلوب بیان کی حقیقی روح واضح نہ ہو سکی اور استدلال کا پہلو طرح طرح طرح کی توجیہات میں گم ہو گیا-

***

﴿۴﴾

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الرحمٰن اور الرحیم

''الرَّحْمٰن ''اور''الرَّحِیْم '' دونوں رحم سے ہیں-عربی میں رحمت عواطف کی ایسی رقت و نرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لیے احسان و شفقت کا ارادہ جوش میں آ جائے-پس رحمت میں محبت' شفقت' فضل اور احسان سب کا مفہوم داخل ہے اور مجرد محبت' لطف' اور فضل سے زیادہ وسیع اور حاوی ہے-

اگر چہ یہ دونوں اسم رحمت سے ہیں لیکن رحمت کے دو مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں-عربی میں فَعْلان کا باب عموماً ایسے صفات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو محض صفات عارضہ ہوتے ہیں- جیسے پیاسے کے لیے عَطْشان-غضبناک کے لیے غَضْبان-سراسیمہ کے لیے حَیْران 'مست کے لیے سکران-لیکن فَعِیْل کے وزن میں صفات قائمہ کا خاصہ ہے- یعنی عموماً ایسے صفات کے لیے بولا جاتا ہے جو جذبات وعوارض ہونے کی جگہ صفات قائمہ ہوتے ہیں مثلاً کریم کرم کرنے والا' عظیم بڑائی رکھنے والا اور علیم علم رکھنے والا' حکیم حکمت رکھنے والا- پس الرحمن کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں رحمت ہے اور الرحیم کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں نہ صرف رحمت ہے بلکہ جس سے ہمیشہ رحمت کا ظہور رہوتا رہتا ہے اور ہر آن و ہر لحہ تمام کائنات خلقت اس سے فیض یاب ہو رہی ہے-

رحمت کو دو الگ الگ اسموں سے کیوں تعبیر کیا گیا؟ اس لیے کہ قرآن مجید خدا کے تصور کا جو نقشہ ذہن نشین کرانا چاہتا ہے اس میں سب سے زیادہ نمایاں اور چھائی ہوئی صفت رحمت ہی کی صفت ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ تمام تر رحمت ہی ہے:

﴿ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ﴾(۷:۱۵۶)

''اور میری رحمت دنیا کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے!''

پس ضروری تھا کہ خصوصیت کے ساتھ اس کی صفتی اور فعلی دونوں حیثیتیں واضح کر دی جائیں- یعنی اس میں رحمت ہے کیونکہ وہ الرحمٰن ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہمیشہ اس سے رحمت کا ظہور بھی ہو رہا ہے کیونکہ الرحمٰن کے ساتھ وہ الرحیم بھی ہے!

رحمت:

لیکن اللہ کی رحمت کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے: کائنات ہستی میں جو کچھ بھی خوبی و کمال ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمت الٰہی کا ظہور ہے!

جب ہم کائنات ہستی کے اعمال و مظاہر پر غور کرتے ہیں تو سب سے پہلی حقیقت جو ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے وہ اس کا نظام ربوبیت ہے- کیونکہ فطرت سے ہماری پہلی شناسائی ربوبیت کے ذریعہ ہوتی ہے-لیکن جب علم و ادراک کی راہ میں چند قدم آگے بڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ربوبیت سے بھی ایک زیادہ وسیع اور عام حقیقت یہاں کارفرما ہے اور خود ربوبیت بھی اسی کے فیضان کا ایک گوشہ ہے-

ربوبیت اور اس کا نظام کیا ہے؟ کائنات ہستی کی پرورش ہے لیکن کائنات ہستی میں صرف پرورش ہی نہیں ہے- پرورش سے بھی ایک زیادہ بنانے' سنوارنے' اور فائدہ پہنچانے کی حقیقت کام کر رہی ہے- ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی فطرت میں بناؤ ہے اس کے بناؤ میں خوبی ہے' اس کے مزاج میں اعتدال ہے' اس کے افعال میں خواص ہیں' اس کی صورت میں حسن ہے' اس کی صداؤں میں نغمہ ہے' اس کی بو میں عطر بیزی ہے اور اس کی کوئی بات نہیں جو اس کارخانہ کی تعمیر و درستگی کے لیے مفید نہ ہو- پس یہ حقیقت جو اپنے بناؤ اور فیضان میں ربوبیت سے بھی زیادہ وسیع اور عام ہے-قرآن کہتا ہے کہ رحمت ہے اور خالق کائنات کی رحمانیت اور رحیمیت کا ظہور ہے!

تعمیر و تحسین کائنات رحمت الٰہی کا نتیجہ ہے:

زندگی اور حرکت کا یہ عالمگیر کارخانہ وجود ہی میں نہ آتا اگر اپنے ہر فعل میں بننے بنانے' سنورنے سنوارنے اور ہر طرح بہتر واصلح ہونے کا خاصہ نہ رکھتا- فطرت کائنات میں یہ خاصہ کیوں ہے؟ اس لیے کہ بناؤ ہو بگاڑ نہ ہو- درستگی ہو برہمی نہ ہو لیکن کیوں ایسا ہوا کہ فطرت بنائے اور سنوارے، بگاڑے اور الجھائے نہیں؟ یہ کیا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے درست اور بہتر ہی ہوتا ہے- خراب اور بدتر نہیں ہوتا؟ انسان کے علم و دانش کی کاوشیں آج تک یہ عقدہ حل نہ کر سکیں- فلسفۂ نظر کا قدم جب کبھی اس حد تک پہنچا دم بخود ہو کر رہ گیا لیکن قرآن کہتا ہے یہ اس لیے ہے کہ فطرت کائنات میں رحمت ہے اور رحمت کا مقتضا یہی ہے کہ خوبی اور درستگی ہو بگاڑ اور خرابی نہ ہو!

انسان کے علم و دانش کی کاوشیں بتلاتی ہیں کہ کائنات ہستی کا یہ بناؤ اور سنوار عناصر اولیہ کی ترکیب اور ترکیب کے اعتدال و تسویہ کا نتیجہ ہے- مادۂ عالم کی کمیت میں بھی اعتدال ہے' کیفیت میں بھی اعتدال ہے- یہی اعتدال ہے جس سے سب کچھ بنتا ہے اور جو کچھ بنتا ہے خوبی اور کمال کے ساتھ بنتا ہے- یہی اعتدال و تناسب دنیا کے تمام تعمیری اور ایجابی حقائق کی اصل ہے- وجود' زندگی' تندرستی' حسن' خوشبو' نغمہ' بناؤ اور خوبی کے بہت سے نام ہیں مگر حقیقت ایک ہی ہے اور وہ اعتدال ہے-

لیکن فطرت کائنات میں یہ اعتدال و تناسب کیوں ہے؟ کیوں ایسا ہوا کہ عناصر کے دقائق جب ملیں تو اعتدال و

تناسب کے ساتھ ملبس اور مادہ کا خاصہ یہی ٹھہرا کہ اعتدال و تناسب ہو' انحراف اور تجاوز نہ ہو؟ انسان کا علم دم بخود اور متحیر ہے لیکن قرآن کہتا ہے یہ اس لیے ہوا کہ خالق کائنات میں رحمت ہے اور اس لیے کہ اس کی رحمت اپنا ظہور بھی رکھتی ہے اور جس میں رحمت ہو اور اس کی رحمت ظہور بھی رکھتی ہو تو جو کچھ اس سے صادر ہوگا اس میں خوبی و بہتری ہی ہوگی' حسن و جمال ہی ہوگا' اعتدال و تناسب ہی ہوگا اور اس کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا!

فلسفہ ہمیں بتلاتا ہے کہ تعمیر اور تحسین فطرت کائنات کا خاصہ ہے- خاصہ تعمیر چاہتا ہے کہ بناؤ ہو' خاصہ تحسین چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے خوبی و کمال کے ساتھ بنے اور یہ دونوں خاصے قانون ضرورت کا نتیجہ ہیں- کائنات ہستی کے ظہور و تکمیل کے لیے ضرورت تھی کہ تعمیر ہو' اور ضرورت تھی کہ جو کچھ تعمیر ہو حسن و خوبی کے ساتھ تعمیر ہو- یہی ''ضرورت'' بجائے خود ایک علت ہوگئی اور اس لیے فطرت سے جو کچھ بھی ظہور میں آتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ہونا ضروری تھا-

لیکن اس تعلیل سے بھی تو یہ عقدہ حل نہیں ہوا؟ سوال جس منزل میں تھا اس سے صرف ایک منزل اور آگے بڑھ گیا- تم کہتے ہو: یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس لیے ہے کہ ''ضرورت'' کا قانون موجود ہے- لیکن سوال یہ ہے کہ ''ضرورت'' کا قانون کیوں موجود ہے؟ کیوں یہ ضروری ہوا کہ جو کچھ ظہور میں آئے ''ضرورت'' کے مطابق ہو اور ''ضرورت'' اسی بات کی مقتضی ہوئی کہ خوبی اور درستگی ہو بگاڑ اور برہمی نہ ہو؟ انسانی علم کی کاوشیں اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں- ایک مشہور فلسفی کے لفظوں میں ''جس جگہ سے یہ کیوں شروع ہو جائے سمجھ جاؤ کہ فلسفہ کے غور و خوض کی سرحد ختم ہوگئی''- لیکن قرآن اسی سوال کا جواب دیتا ہے وہ کہتا ہے یہ ''ضرورت'' رحمت اور فضل کی ''ضرورت'' ہے- رحمت چاہتی ہے جو کچھ ظہور میں آئے بہتر ہو اور نافع ہو اور اس لیے جو کچھ ظہور میں آتا ہے بہتر ہوتا ہے اور نافع ہوتا ہے!

پھر یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ دنیا میں زندگی اور بقا کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے جمال و زیبائی ان سے ایک زائد تر فیضان ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ جمال و زیبائش بھی یہاں موجود ہے- پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سب کچھ قانون ضرورت ہی کا نتیجہ ہے- ضرورت زندگی اور بقا کا سروسامان چاہتی ہے لیکن زندہ اور باقی رہنے کے لیے جمال و زیبائش کی کیا ضرورت ہے؟ اگر جمال و زیبائش بھی یہاں موجود ہے تو یقیناً یہ فطرت کا ایک مزید لطف و احسان ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت صرف زندگی ہی نہیں بخشتی بلکہ زندگی کو حسین و لطیف بھی بنانا چاہتی ہے- پس یہ محض زندگی کی ضرورت کا قانون نہیں ہوسکتا- یہ اس ضرورت سے بھی کوئی بالاتر ''ضرورت'' ہے جو چاہتی ہے کہ مرحمت اور فیضان ہو- قرآن کہتا ہے یہ رحمت کی ''ضرورت'' ہے اور رحمت کا مقتضا یہی ہے کہ وہ سب کچھ ظہور میں آئے جو رحمت سے ظہور میں آنا چاہیے:

﴿ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾(۶: ۱۲)

''آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کے لیے ہے؟ (اے پیغمبرؐ) کہہ دے اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے لیے ضروری ٹھہرا لیا ہے کہ رحمت ہو-''

﴿ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ﴾(۷:۱۵۶)
''اور میری رحمت دنیا کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے!''

افادہ وفیضان فطرت:

اس سلسلہ سب سے پہلی حقیقت جو ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے وہ کائنات ہستی اور اس کی تمام اشیا کا افادہ و فیضان ہے- یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ فطرت کے تمام کاموں میں کامل نظم و یکسانیت کے ساتھ مفید اور کار آمد ہونے کی خاصیت پائی جاتی ہے اور اگر بہ حیثیت مجموعی دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ تمام کارگاہ عالم صرف اسی لیے بنا ہے کہ ہمیں فائدہ پہنچائے اور ہماری حاجت روائیوں کا ذریعہ ہو:

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ (۴۵:۱۳)

''اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے (یعنی ان کی قوتیں اور تاثیریں اس طرح تمہارے تصرف میں دیدی گئی ہیں کہ جس طرح چاہو کام لے سکتے ہو) بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرنے والے ہیں اس بات میں (معرفت حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں-[1]

---

[1] اس آیت میں اور اس کی تمام ہم معنی آیات میں ''سخر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے- یعنی تمام چیزیں تمہارے لیے مسخر کر دی گئی ہیں- عربی میں تسخیر ٹھیک اسی معنی میں بولا جاتا ہے جس معنی میں ہم اردو میں بولا کرتے ہیں- یعنی کسی چیز کا قہراً وحکماً اس طرح مطیع ہو جانا کہ جس طرح چاہیں اس سے کام لیں- غور کرو انسانی قویٰ کی عظمت وسروری کے اظہار کے لیے اس سے زیادہ موزوں تعبیر اور کیا ہو سکتی تھی؟ قرآن کے نزول سے پہلے اقوام عالم کی دینی ذہنیت انسان کی عقلی امنگوں کے قطعاً خلاف تھی- لیکن قرآن نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس کی عقلی امنگوں کی جرأت افزائی کر دی بلکہ اس کی ہمت عقل اور اولوالعزمی علم کے لیے ایک ایسی بلند نظری کا نقشہ کھینچ دیا جس سے بہتر نقشہ آج بھی نہیں کھینچا جا سکتا- آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس لیے ہے کہ انسان کے آگے مسخر ہو کر رہے اور انسان ان میں تصرف کرے- انسانی عقل وفکر کے لیے اس سے زیادہ بلند نصب العین اور کیا ہو سکتا ہے؟

پھر غور کرو ''تسخیر'' کا لفظ انسانی عقل کی حکمرانیوں کے لیے کس درجہ موزوں لفظ ہے؟ اس تسخیر کا قدیم منظر یہ تھا کہ انسان کا چھوٹا سا بچہ لکڑی کے دو گز تختے جوڑ کر سمندر کے سینے پر سوار ہو جاتا تھا اور نیا منظر یہ ہے کہ آگ' پانی' ہوا اور بجلی تمام عناصر پر حکمرانی کر رہا ہے!

البتہ یہ بات یاد رہے کہ قرآن نے جہاں کہیں اس تسخیر کا ذکر کیا ہے اس کا تعلق صرف کرۂ ارضی کی کائنات سے ہے یا آسمان کے ان مؤثرات سے ہے جنہیں ہم یہاں محسوس کر رہے ہیں- یہ نہیں کہا ہے کہ تمام موجودات ہستی اس کے لیے مسخر کر دی گئی ہیں' یا تمام موجودات ہستی میں وہ اشرف واعلیٰ مخلوق ہے- یہ ظاہر ہے کہ ہماری دنیا کائنات ہستی کے بے کنار سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ﴿ وما یعلم جنود ربك الا هو ﴾ اور انسان کو جو کچھ بھی برتری حاصل ہے وہ صرف اسی دنیا کی مخلوقات میں ہے-

ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات ہستی میں جو کچھ بھی موجود ہے اور جو کچھ بھی ظہور میں آتا ہے اس میں سے ہر چیز کوئی نہ کوئی خاصہ رکھتی ہے اور ہر حادثہ کی کوئی نہ کوئی تاثیر ہے اور پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ تمام خواص ومؤثرات کچھ اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ہر خاصہ ہماری کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کرتا اور ہر تاثیر ہمارے لیے کوئی نہ کوئی فیضان رکھتی ہے- سورج' چاند' ستارے' ہوا' بارش' دریا' سمندر اور پہاڑ سب کے خواص وفوائد ہیں' اور سب ہمارے لیے طرح طرح کی راحتوں اور آسائشوں کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾ (۱۴: ۳۲-۳۴)

''یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کی تاثیر سے طرح طرح کے پھل تمہاری غذا کے لیے پیدا کر دیے- اسی طرح اس نے یہ بات بھی ٹھہرادی کہ سمندر میں جہاز تمہارے زیر فرمان رہتے' اور حکم الٰہی سے چلتے رہتے ہیں' اور اسی طرح دریا بھی تمہاری کار برآریوں کے لیے مسخر کر دیے گئے اور (پھر اتنا ہی نہیں بلکہ غور کرو تو) سورج اور چاند بھی تمہارے لیے مسخر کر دیے گئے ہیں کہ ایک خاص ڈھنگ پر گردش میں ہیں اور رات اور دن کا اختلاف بھی (تمہارے فائدہ ہی کے لیے) مسخر ہے- غرض کہ جو کچھ تمہیں مطلوب تھا وہ سب کچھ اس نے عطا کر دیا- اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ ہرگز شمار نہ کر سکو گے- بلاشبہ انسان بڑا ہی ناانصاف بڑا ہی ناشکرا ہے!''

زمین کو دیکھو' اس کی سطح پھلوں اور پھولوں سے لدی ہوئی ہے تہہ میں آب شیریں کی سوتیں بہہ رہی ہیں گہرائی سے چاندی سونا نکل رہا ہے وہ اپنی جسامت میں اگرچہ مدور ہے لیکن اس کا ہر حصہ اس طرح واقع ہوا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک مسطح فرش بچھا دیا گیا ہے!

﴿ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ (۴۳: ۱۰)

''وہ پروردگار جس نے تمہارے لیے زمین اس طرح بنادی کہ فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے اور اس میں قطع مسافت کی (ہموار) راہیں پیدا کر دیں-''

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا

عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴾ (۱۳: ۳-۴)

''اور یہ اسی پروردگار کی پروردگاری ہے کہ اس نے زمین (تمہاری سکونت کے لیے) پھیلا دی اور اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے اور نہریں بہا دیں' نیز ہر طرح کے پھلوں کی دو دو قسمیں پیدا کر دیں' اور پھر یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ (رات اور دن یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں اور) رات کی تاریکی دن کی روشنی ڈھانپ لیتی ہے- بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرنے والے ہیں اس میں (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

اور (پھر دیکھو) زمین کی سطح اس طرح بنائی گئی ہے کہ اس میں ایک دوسرے سے قریب (آبادی کے) قطعات بن گئے اور انگوروں کے باغ' غلہ کی کھیتیاں اور کھجوروں کے جھنڈ پیدا ہو گئے- ان درختوں میں بعض درخت زیادہ ٹہنیوں والے ہیں بعض اکہرے' اور اگرچہ سب کو ایک ہی طرح کے پانی سے سینچا جاتا ہے لیکن پھل ایک طرح کے نہیں- ہم نے بعض درختوں کو بعض درختوں پر پھلوں کے مزہ میں برتری دے دی- بلاشبہ ارباب دانش کے لیے اس میں (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!''

﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۠ ﴾ (۷: ۱۰)

''اور (دیکھو) ہم نے زمین میں تمہیں طاقت وتصرف کے ساتھ جگہ دی' اور زندگی کے تمام سامان پیدا کر دیے (مگر افسوس) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نعمت الٰہی کے شکرگزار ہو!

سمندر کی طرف نظر اٹھاؤ' اس کی سطح پر جہاز تیر رہے ہیں' تہہ میں مچھلیاں اچھل رہی ہیں' قعر میں مرجان اور موتی نشوونما پا رہے ہیں:

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَی الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۠ ﴾ (۱۶: ۱۴)

''اور (دیکھو) یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے سمندر تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ اپنی غذا کے لیے تر و تازہ گوشت حاصل کرو اور زیور کی چیزیں نکالو جنہیں (خوشنمائی کے لیے) پہنتے ہو- نیز تم دیکھتے ہو کہ جہاز سمندر میں موجیں چیرتے ہوئے جا رہے ہیں- اور سیر وسیاحت کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو تاکہ اس کی نعمت کے شکرگزار رہو-''

حیوانات کو دیکھو- زمین کے چارپائے' فضا کے پرند اور پانی کی مچھلیاں سب اسی لیے ہیں کہ اپنے اپنے وجود سے ہمیں فائدہ پہنچائیں- غذا کے لیے ان کا دودھ اور گوشت' سواری کے لیے ان کی پیٹھ' حفاظت کے لیے ان کی پاسبانی' پہننے کے لیے ان کی کھال اور اون اور برتنے کے لیے ان کے جسم کی ہڈیاں تک مفید ہیں!

﴿ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۠ وَلَكُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ

وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ○ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ○ ﴾

(١٦: ٥-٨)

''اور چار پائے پیدا کر دیے جن میں تمہارے لیے جاڑے کا سامان اور طرح طرح کے منافع ہیں اور ان سے تم اپنی غذا بھی حاصل کرتے ہو- جب ان کے غول شام کو چر کر واپس آتے ہیں اور جب چراگاہوں کے لیے نکلتے ہیں تو (دیکھو) ان کے منظر میں تمہارے لیے خوشنمائی رکھ دی ہے- اور انہی میں وہ جانور بھی ہیں جو تمہارا بوجھ اٹھا کر ان (دور دراز) شہروں تک پہنچا دیتے ہیں جہاں تک تم بغیر سخت مشقت کے نہیں پہنچا سکتے تھے- بلا شبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت رکھنے والا اور صاحب رحمت ہے- اور (دیکھو) گھوڑے' خچر' گدھے پیدا کیے گئے تا کہ تم ان سے سواری کا کام لو اور خوشنمائی کا بھی موجب ہوں- وہ اسی طرح (طرح طرح کی چیزیں) پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں-''

﴿ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ○ ﴾(١٦: ٦٦)

''اور چار پایوں کے وجود میں تمہارے لیے (فہم وبصیرت کی) بڑی ہی عبرت ہے- انہی جانوروں کے جسم سے ہم خون اور کثافتوں کے درمیان پاک وصاف دودھ پیدا کر دیتے ہیں جو پینے والوں کے لیے بے غل وغش مشروب ہوتا ہے-''

﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ○ ﴾(١٦: ٨٠)

''اور (دیکھو) اللہ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لیے سکونت کی جگہ بنایا اور (جو لوگ شہروں میں نہیں بستے ان کے لیے ایسا سامان کر دیا کہ) چار پایوں کی کھال کے خیمے بنا دیے- سفر اور اقامت دونوں حالتوں میں انہیں ہلکا پاتے ہو- اسی طرح جانوروں کی اون' رووں' اور بالوں سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیں جن سے ایک خاص وقت تک تمہیں فائدہ پہنچتا ہے-''

ایک انسان کتنی ہی محدود اور غیر متمدن زندگی رکھتا ہو لیکن اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتا کہ اس کا گرد و پیش اسے فائدہ پہنچا رہا ہے- ایک لکڑ ہارا بھی اپنے جھونپڑے میں بیٹھا ہوا نظر اٹھاتا ہے تو گویا اپنے احساس کے لیے بہتر تعبیر نہ پائے لیکن یہ حقیقت ضرور محسوس کر لیتا ہے- وہ جب بیمار ہوتا ہے تو جنگل کی جڑی بوٹیاں کھا لیتا ہے دھوپ تیز ہوتی ہے تو درختوں کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے بیکار ہوتا ہے تو پتوں کی سرسبزی اور پھولوں کی خوشنمائی سے آنکھیں سینکنے لگتا ہے- پھر یہی درخت ہیں جو اپنی شادابی میں اسے پھل بخشتے ہیں پختگی میں لکڑی کے تختے بن جاتے ہیں کہنگی میں آگ کے شعلے بھڑکا دیتے

ہیں- ایک ہی مخلوق بنائی ہے جو اپنے منظر سے نزہت و سرور بخشتی ہے' اپنی بو سے ہوا کو معطر کرتی ہے' اپنے پھل میں طرح طرح کی غذائیں رکھتی ہے' اپنی لکڑی سے سامان تعمیر مہیا کرتی ہے' اور پھر خشک ہو جاتی ہے تو اس کے جلانے سے آگ بھڑکتی' چولھے گرم کرتی' موسم کو معتدل بناتی' اور اپنی حرارت سے بے شمار اشیا کے پکنے' پگھلنے اور تپنے کا ذریعہ بنتی ہے-

﴿ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ○ ﴾ (۳۶: ۸۰)

''(اور دیکھو) وہ کارفرمائے قدرت جس نے سرسبز درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کر دی- اب تم اسی سے (اپنے چولھوں کی) آگ سلگا لیتے ہو-''

اور پھر یہ وہ فوائد ہیں جو تمہیں اپنی جگہ محسوس ہو رہے ہیں لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ فطرت نے یہ تمام چیزیں کن کن کاموں اور کن کن مصلحتوں کے لیے پیدا کی ہیں اور کارفرمائے عالم کارگاہ ہستی کے بنانے اور سنوارنے کے لیے ان سے کیا کیا کام نہیں لے رہا ہے؟

﴿ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ ﴾ (۷۴: ۳۱)

''اور تمہارا پروردگار (اس کارزار ہستی کی کارفرمائیوں کے لیے) جو فوجیں رکھتا ہے ان کا حال اس کے سوا کون جانتا ہے؟''

پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ فطرت نے کائنات ہستی کے افادہ و فیضان کا نظام کچھ اس طرح بنایا ہے کہ وہ بیک وقت ہر مخلوق کو یکساں طور پر نفع پہنچاتا اور ہر مخلوق کی یکساں طور پر رعایت ملحوظ رکھتا ہے- اگر ایک انسان اپنے عالی شان محل میں بیٹھ کر محسوس کرتا ہے کہ تمام کارخانۂ ہستی صرف اسی کی کار برآریوں کے لیے ہے تو ٹھیک اسی طرح ایک چیونٹی بھی اپنے بل میں کہہ سکتی ہے کہ فطرت کی ساری کارفرمائیاں صرف اسی کی کار برآریوں کے لیے ہیں اور کون ہے جو اسے جھٹلانے کی جرأت کر سکتا ہے؟ کیا فی الحقیقت سورج اس لیے نہیں ہے کہ اس کے لیے حرارت بہم پہنچائے؟ کیا بارش اس لیے نہیں ہے کہ اس کے لیے رطوبت مہیا کرے؟ کیا ہوا اس لیے نہیں ہے کہ اس کی ناک تک شکر کی بو پہنچا دے؟ کیا زمین اس لیے نہیں ہے کہ ہر موسم اور ہر حالت کے مطابق اس کے لیے مقام و منزل بنے؟ دراصل فطرت کی بخشایشوں کا قانون کچھ ایسا عام اور ہمہ گیر واقع ہوا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک ہی طریقہ سے' ایک ہی نظام کے ماتحت' ہر مخلوق کی نگہداشت کرتا اور ہر مخلوق کو یکساں طور پر فائدہ اٹھانے کا موقع دیتا ہے- حتیٰ کہ ہر وجود اپنی جگہ محسوس کر سکتا ہے کہ یہ پورا کارخانۂ عالم صرف اسی کی کام جوئیوں اور آسائشوں کے لیے سرگرم کار ہے!

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ ﴾ (۶: ۳۸)

''اور زمین کے تمام جانور اور (پردار) بازوؤں سے اڑنے والے تمام پرند دراصل تمہاری ہی طرح امتیں ہیں-''

کائنات کی تخریب بھی تعمیر کے لیے ہے:

البتہ یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ دنیا عالم کون و فساد ہے- یہاں ہر بننے کے ساتھ بگڑنا ہے اور ہر سمٹنے کے

ساتھ بکھرنا- لیکن جس طرح سنگ تراش کا توڑنا پھوڑنا بھی اس لیے ہوتا ہے کہ خوبی و دل آویزی کا ایک پیکر تیار کر دے اسی طرح کائنات عالم کا تمام بگاڑ بھی اس لیے ہے کہ بناؤ اور خوبی کا فیضان ظہور میں آئے- تم ایک عمارت بناتے ہو لیکن اس ''بنانے'' کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ کیا یہی نہیں ہوتا کہ بہت سی بنی ہوئی چیزیں بگڑ گئیں؟ چٹانیں اگر نہ کاٹی جاتیں' بھٹے اگر نہ سلگائے جاتے' درختوں پر آرہ اگر نہ چلتا تو ظاہر ہے عمارت کا بناؤ بھی ظہور میں نہ آتا- پھر یہ راحت و سکون جو تمہیں ایک عمارت کی سکونت سے حاصل ہوتا ہے کس صورت حال کا نتیجہ ہے؟ یقیناً اسی شور و شر اور ہنگامۂ تخریب کا جو سرو سامان تعمیر کی جدوجہد نے عرصہ تک جاری رکھا تھا- اگر تخریب کا یہ شور و شر نہ ہوتا تو عمارت کا عیش و سکون بھی وجود میں نہ آتا- پس یہی حال فطرت کی تعمیری سرگرمیوں کا بھی سمجھو- وہ عمارت ہستی کا ایک ایک گوشہ تعمیر کرتی رہتی ہے' وہ اس کارخانہ کا ایک ایک کیل پرزہ ڈھالتی رہتی ہے' وہ اس کی درستگی و خوبی کی حفاظت کے لیے ہر نقصان کا دفعیہ اور ہر فساد کا ازالہ چاہتی ہے- تعمیر و درستگی کی یہی سرگرمیاں ہیں جو تمہیں بعض اوقات تخریب و نقصان کی ہولناکیاں دکھائی دیتی ہیں- حالانکہ یہاں تخریب کب ہے؟ جو کچھ ہے تعمیر ہی تعمیر ہے- سمندر میں تلاطم' دریا میں طغیانی' پہاڑوں میں آتش فشانی' جاڑوں میں برف باری' گرمیوں میں سموم' اور بارش میں ہنگامۂ ابر و باد' تمہارے لیے خوش آیند مناظر نہیں ہوتے لیکن تم نہیں جانتے کہ ان میں سے ہر حادثہ کائنات ہستی کی تعمیر و درستگی کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جس قدر دنیا کی کوئی مفید سے مفید چیز تمہاری نگاہ میں ہوسکتی ہے- اگر سمندر میں طوفان نہ اٹھتے تو میدانوں کی زندگی و شادابی کے لیے ایک قطرۂ بارش میسر نہ آتا- اگر بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک نہ ہوتی تو باران رحمت کا فیضان بھی نہ ہوتا- اگر آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیاں نہ پھٹتیں تو زمین کے اندر کا کھولتا ہوا مادہ اس کرہ کی تمام سطح پارہ پارہ کر دیتا- تم بول اٹھو گے' یہ مادہ پیدا ہی کیوں کیا گیا؟ لیکن تمہیں جاننا چاہیے کہ اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو زمین کی قوت نشو و نما کا ایک ضروری عنصر مفقود ہو جاتا- یہی حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے جابجا اشارات کیے ہیں- مثلاً سورۂ روم میں ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ (۳۰:۲۴)

''اور (دیکھو) اس کی (قدرت و حکمت کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ بجلی کی چمک اور کڑک نمودار کرتا ہے اور اس سے تم پر خوف اور امید دونوں حالتیں طاری ہو جاتی ہیں اور آسمان سے پانی برساتا ہے اور پانی کی تاثیر سے زمین مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھتی ہے- بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے جو عقل و بینش رکھتے ہیں (حکمت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

جمال فطرت:

لیکن فطرت کے افادۂ فیضان کی سب سے بڑی بخشایش اس کا عالمگیر حسن و جمال ہے- فطرت صرف بناتی اور

سنوارتی ہی نہیں بلکہ اس طرح بناتی سنوارتی ہے کہ اس کے ہر بناؤ میں حسن و زیبائی کا جلوہ اور اس کے ہر ظہور میں نظر افروزی کی نمود پیدا ہوگئی ہے- کائنات ہستی کو اس کی مجموعی حیثیت میں دیکھو یا اس کے ایک ایک گوشۂ خلقت پر نظر ڈالو اس کا کوئی رخ نہیں جس پر حسن و رعنائی نے ایک نقاب زیبائش نہ ڈال دی ہو- ستاروں کا نظام اور ان کی سیر و گردش' سورج کی روشنی اور اس کی بوقلمونی' چاند کی گردش اور اس کا اتار چڑھاؤ' فضائے آسمانی کی وسعت اور اس کی نیرنگیاں' بارش کا سماں اور اس کے تغیرات' سمندر کا منظر اور دریاؤں کی روانی' پہاڑوں کی بلندیاں اور وادیوں کا نشیب' حیوانات کے اجسام اور ان کا تنوع' نباتات کی صورت آرائیاں اور باغ و چمن کی رعنائیاں' پھولوں کی عطر بیزی اور پرندوں کی نغمہ سنجی' صبح کا چہرۂ خنداں اور شام کا جلوۂ محجوب' غرض کہ تمام تماشا گاہ ہستی حسن کی نمائش اور نظر افروزی کی جلوہ گاہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس پردۂ ہستی کے پیچھے حسن افروزی و جلوہ آرائی کی کوئی قوت کام کر رہی ہے جو چاہتی ہے کہ جو کچھ بھی ظہور میں آئے حسن و زیبائش کے ساتھ ظہور میں آئے اور کارخانۂ ہستی کا ہر گوشہ نگاہ کے لیے نشاط' سامعہ کے لیے سرور' اور روح کے لیے بہشت راحت و سکون بن جائے!

دراصل کائنات ہستی کا مایۂ خمیر ہی حسن و زیبائی ہے- فطرت نے جس طرح اس کے بناؤ کے لیے مادی عناصر پیدا کیے' اسی طرح اس کی خوبروئی و رعنائی کے لیے معنوی عناصر کا بھی رنگ و روغن آراستہ کر دیا- روشنی' رنگ' خوشبو' اور نغمہ حسن و رعنائی کے وہ اجزا ہیں جن سے مشاطہ فطرت چہرۂ وجود کی آرائش کر رہی ہے:

مشاطہ را بگو کہ براسباب حسن یار   چیزے فزوں کند کہ تماشا بمارسد!

﴿ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (۲۷: ۸۸)

''یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز خوبی اور درستگی کے ساتھ بنائی!''

﴿ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ○ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴾

(۳۲: ۶-۷)

''یہ اللہ ہے- محسوسات اور غیر محسوسات کا جاننے والا' طاقت والا' رحمت والا جس نے جو چیز بنائی حسن و خوبی کے ساتھ بنائی!''

بلبل کی نغمہ سنجی اور زاغ و زغن کا شور و غوغا:

بلاشبہ کاروبار فطرت کے بعض مظاہر ایسے بھی ہیں جن میں تمہیں حسن و خوبی کی کوئی گیرائی محسوس نہیں ہوتی- تم کہتے ہو قمری و بلبل کی نغمہ سنجیوں کے ساتھ زاغ و زغن کا شور و غوغا کیوں ہے؟ لیکن تم بھول جاتے ہو کہ ارغنون ہستی کا نغمہ کسی ایک آہنگ ہی سے نہیں بنا ہے اور نہ بننا چاہیے تھا- جس طرح تمہارے آلات موسیقی کے پردوں میں زیر و بم کے تمام آہنگ موجود ہیں- اس میں ہلکے سے ہلکے سر بھی ہیں جن سے باریک اور سریلی صدائیں نکلتی ہیں موٹے سے موٹے سر بھی ہیں جو بلند سے بلند اور بھاری سے بھاری صدائیں پیدا کرتے ہیں- ان تمام سروں کے ملنے سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی موسیقی کی

حلاوت ہے- کیونکہ دنیا کی تمام چیزوں کی طرح موسیقی کی حقیقت بھی مختلف اجزا کے امتزاج و تالیف سے پیدا ہوتی ہے- یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی ایک ہی سر سے نغمے کی حلاوت پیدا ہو جائے - اگر تم بین یا ستار اٹھا کر صرف اس کے چڑھاؤ کا کوئی ایک پردہ چھیڑ دو گے یا پیانو کی بھاری کنجیوں میں سے کوئی ایک کنجی ہی بجانے لگو گے تو یہ نغمہ نہ ہوگا بھاں بھاں کی ایک کرخت آواز ہوگی - یہی حال موسیقی فطرت کے زیر و بم کا ہے- تمہیں کوے کی کائیں کائیں اور چیل کی چیخ میں کوئی دلکشی محسوس نہیں ہوتی لیکن موسیقی فطرت کی تالیف کے لیے جس طرح قمری و بلبل کا ہلکا سر ضروری تھا اسی طرح زاغ و زغن کا بھاری اور کرخت سر بھی ناگزیر تھا' بلبل و قمری کو اس سرگم کا اتار سمجھو اور زاغ و زغن کو چڑھاؤ:

بر اہل ذوق در فیض در نمی بندد
نوائے بلبل اگر نیست صوت زاغ شنو!

﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴾ (۱۷:۴۴)

''ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی بھی ان میں ہے سب (اپنی بناوٹ کی خوبی اور صنعت کے کمال میں) اللہ کی بڑائی اور پاکی کا (زبان حال سے) اعتراف کر رہے ہیں اور (اتنا ہی نہیں بلکہ کائنات خلقت میں) کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو (زبان حال سے) اس کی تسبیح و تحمید نہ کر رہی ہو مگر (افسوس کہ) تم (اپنے جہل و غفلت سے) اس ترانۂ تسبیح کو سمجھتے نہیں-

فطرت کی حسن افروزیاں اور رحمت الٰہی کی بخشش!:

آؤ چند لمحوں کے لیے پھر ان سوالات پر غور کر لیں جو پہلے گزر چکے ہیں- فطرت کائنات کی یہ تمام حسن افروزیاں اور جلوہ آرائیاں کیوں ہیں؟ یہ کیوں ہے کہ فطرت حسین ہے اور جو کچھ اس سے ظہور میں آتا ہے وہ حسن و جمال ہی ہوتا ہے؟ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ کارخانۂ ہستی ہوتا لیکن رنگ کی نظر افروزیاں' بو کی عطر بیزیاں اور نغمہ کی جاں نوازیاں نہ ہوتیں؟ کیا ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ سب کچھ ہوتا لیکن سبزہ و گل کی رعنائیاں اور قمری و بلبل کی نغمہ سنجیاں نہ ہوتیں؟ یقیناً دنیا اپنے بننے کے لیے اس کی محتاج نہ تھی کہ تتلی کے پروں میں عجیب و غریب نقش و نگار ہوں اور رنگ برنگ کے دلفریب پرند درختوں کی شاخوں پر چہچہا رہے ہوں؟ ایسا بھی ہوسکتا تھا کہ درخت ہوتے مگر قامت کی بلندی' پھیلاؤ کی موزونیت' شاخوں کی ترتیب' پتوں کی سبزی اور پھولوں کی رنگا رنگی نہ ہوتی - پھر یہ کیوں ہے کہ تمام حیوانات اپنی اپنی حالت اور گرد و پیش کے مطابق ڈیل ڈول کی موزونیت اور اعضا کا تناسب ضرور ہی رکھیں - اور کوئی وجود نہ ہو جو اپنی شکل و منظر میں ایک خاص طرح کا معتدل پیمانہ نہ رکھتا ہو؟

انسانی علم و نظر کی کاوشیں آج تک یہ عقدہ حل نہ کر سکیں کہ یہاں تعمیر کے ساتھ تحسین کیوں ہے؟ مگر قرآن کہتا ہے یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ خالق کائنات الرحمٰن اور الرحیم ہے- یعنی اس میں رحمت ہے اور اس کی رحمت اپنا ظہور و فعل بھی رکھتی ہے- رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ بخشش ہو' فیضان ہو' جود و احسان ہو' پس اس نے ایک طرف تو ہمیں زندگی اور زندگی کے تمام

احساس وعواطف بخش دیے' جو خوشنمائی اور بدنمائی میں امتیاز کرتے اور خوبی و جمال سے کیف وسرور حاصل کرتے ہیں دوسری طرف کارگاہ ہستی کو اپنی حسن آرائیوں اور جاں فزائیوں سے اس طرح آراستہ کر دیا کہ اس کا ہر گوشہ نگاہ کے لیے جنت' سامعہ کے لیے حلاوت اور روح کے لیے سرمایۂ کیف وسرور بن گیا!

﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ﴾ (۲۳:۱۴)

''پس کیا ہی بابرکت ذات ہے اللہ کی بنانے والوں میں سب سے زیادہ حسن وخوبی کے ساتھ بنانے والا!''

قدرت کا خودروسامان راحت وسروراورانسان کی ناشکری:

ہم زندگی کی بناوٹی اور خود ساختہ آسائشوں میں اس درجہ منہمک ہو گئے ہیں کہ ہمیں قدرتی راحتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور بسا اوقات تو ہم ان کی قدر و قیمت کے اعتراف سے بھی انکار کر دیتے ہیں- لیکن اگر چند لمحوں کے لیے اپنے آپ کو اس غفلت سے بیدار کر لیں تو معلوم ہو جائے کہ کائنات ہستی کا حسن و جمال فطرت کی ایک عظیم اور بے پایاں بخشش ہے اور اگر یہ نہ ہوتی یا ہمیں اس کا احساس نہ ہوتا تو زندگی' زندگی نہ ہوتی' نہیں معلوم کیا چیز ہو جاتی- ممکن ہے موت کی بدحالیوں کا ایک تسلسل ہوتا!

ایک لمحہ کے لیے تصور کرو کہ دنیا موجود ہے مگر حسن وزیبائی کے تمام جلووں اور احساسات سے خالی ہے- آسمان ہے مگر فضا کی یہ نگاہ پرور نیلگونی نہیں ہے' ستارے ہیں مگر ان کی درخشندگی وجہاں تابی کی یہ جلوہ آرائی نہیں ہے' درخت ہیں مگر بغیر سبزی کے' پھول ہیں مگر بغیر رنگ وبو کے' اشیا کا اعتدال' اجسام کا تناسب' صداؤں کا ترنم' روشنی ورنگت کی بوقلمونی ان میں سے کوئی چیز بھی وجود نہیں رکھتی یا یوں کہا جائے کہ ہم میں ان کا احساس نہیں ہے- غور کرو ایک ایسی دنیا کے ساتھ زندگی کا تصور کیسا بھیانک اور ہولناک منظر پیش کرتا ہے؟ ایسی زندگی جس میں نہ تو حسن کا احساس ہو نہ حسن کی جلوہ آرائی' نہ نگاہ کے لیے سرور ہو نہ سامعہ کے لیے حلاوت' نہ جذبات کی رقت ہو نہ محسوسات کی لطافت' یقیناً عذاب وجانکاہی کی ایک ایسی حالت ہوتی جس کا تصور بھی ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے!

لیکن جس قدرت نے ہمیں زندگی دی اس نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت یعنی حسن وزیبائی کی بخشش سے بھی مالا مال کر دے- اس نے ایک ہاتھ سے ہمیں حسن کا احساس دیا- دوسرے ہاتھ سے تمام دنیا کو جلوۂ حسن بنا دیا- یہی حقیقت ہے جو ہمیں رحمت کی موجودگی کا یقین دلاتی ہے- اگر پردۂ ہستی کے پیچھے صرف خالقیت ہی ہوتی' رحمت نہ ہوتی یعنی پیدا کرنے یا پیدا ہو جانے کی قوت ہوتی مگر افادہ وفیضان کا ارادہ نہ ہوتا' تو یقیناً کائنات ہستی میں فطرت کے فضل و احسان کا یہ عالمگیر مظاہرہ بھی نہ ہوتا!

﴿ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴾ (۳۱:۲۰)

''کیا تم نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تمہارے لیے خدا نے مسخر کر دیا ہے اور اپنی تمام نعمتیں ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی پوری کر دی ہیں؟ انسانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو‘ یا ہدایت ہو‘ یا کوئی کتاب روشن۔''

انسانی طبیعت کی یہ عالمگیر کمزوری ہے کہ جب تک وہ ایک نعمت سے محروم نہیں ہو جاتا اس کی قدر و قیمت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتا۔ تم گنگا کے کنارے بستے ہو اس لیے تمہارے نزدیک زندگی کی سب سے زیادہ بے قدر چیز پانی ہے لیکن اگر یہی پانی چوبیس گھنٹے تک میسر نہ آئے تو تمہیں معلوم ہو جائے اس کی قدر و قیمت کا کیا حال ہے؟ یہی حال فطرت کے فیضان جمال کا بھی ہے۔ اس کے عام اور بے پردہ جلوے شب و روز تمہاری نگاہوں کے سامنے سے گزرتے رہتے ہیں اس لیے تمہیں ان کی قدر و قیمت محسوس نہیں ہوتی۔ صبح اپنی ساری جلوہ آرائیوں کے ساتھ روز آتی ہے اس لیے تم بستر سے سر اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ چاندنی اپنی ساری حسن افروزیوں کے ساتھ ہمیشہ نکھرتی رہتی ہے اس لیے تم کھڑکیاں بند کر کے سو جاتے ہو۔ لیکن جب یہی شب و روز کے جلوہ ہائے فطرت تمہاری نظروں سے روپوش ہو جاتے ہیں یا تم میں ان کے نظارہ و سماع کی استعداد باقی نہیں رہتی تو غور کرو اس وقت تمہارے احساسات کا کیا حال ہوتا ہے؟ کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ ان میں سے ہر چیز زندگی کی ایک بے بہا برکت اور معیشت کی ایک عظیم الشان نعمت تھی؟ سرد ملکوں کے باشندوں سے پوچھو جہاں سال کا بڑا حصہ ابر آلود گزرتا ہے کیا سورج کی کرنوں سے بڑھ کر بھی زندگی کی کوئی مسرت ہو سکتی ہے؟ ایک بیمار سے پوچھو جو نقل و حرکت سے محروم بستر مرض پر پڑا ہے۔ وہ بتائے گا کہ آسمان کی صاف اور نیلگوں فضا کا ایک نظارہ راحت و سکون کی کتنی بڑی دولت ہے؟ ایک اندھا جو پیدائشی اندھا نہ تھا تمہیں بتا سکتا ہے کہ سورج کی روشنی اور باغ و چمن کی بہار دیکھے بغیر زندگی بسر کرنا کیسی ناقابل برداشت مصیبت ہے؟ تم بسا اوقات زندگی کی مصنوعی آسائشوں کے لیے ترستے ہو اور خیال کرتے ہو کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت چاندی سونے کا ڈھیر اور جاہ و حشم کی نمائش ہے لیکن تم بھول جاتے ہو کہ زندگی کی حقیقی مسرتوں کا جو خود رو سامان فطرت نے ہر مخلوق کے لیے پیدا کر رکھا ہے اس سے بڑھ کر دنیا کی دولت و حشمت کونسا سامان نشاط مہیا کر سکتی ہے اور اگر ایک انسان کو وہ سب کچھ میسر ہو تو پھر اس کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے؟ جس دنیا میں سورج ہر روز چمکتا ہو‘ جس دنیا میں صبح ہر روز مسکراتی اور شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو‘ جس کی راتیں آسمان کی قندیلوں سے مزین اور جس کی چاندنی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہو‘ جس کی بہار سبزہ و گل سے لدی ہوئی اور جس کی فصلیں لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے گرانبار ہوں‘ جس دنیا میں روشنی اپنی چمک‘ رنگ اپنی بوقلمونی‘ خوشبو اپنی عطر بیزی‘ اور موسیقی اپنا نغمہ و آہنگ رکھتی ہو‘ کیا اس دنیا کا کوئی باشندہ آسایش حیات سے محروم اور نعمت معیشت سے مفلس ہو سکتا ہے؟ کیا کسی آنکھ کے لیے جو دیکھ سکتی ہو اور کسی دماغ کے لیے جو محسوس کر سکتا ہو ایک ایسی دنیا میں نامرادی و بدبختی کا گلہ جائز ہے؟ قرآن نے جا بجا انسان کو اس کے اسی کفران نعمت پر توجہ دلائی ہے:

﴿ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ○ ﴾ (١٤ : ٣٤)

''اور اس نے تمہیں وہ تمام چیزیں دے دیں جو تمہیں مطلوب تھیں اور اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی شمار نہیں کر سکو گے- بلاشبہ انسان بڑا ہی نا انصاف بڑا ہی ناشکرا ہے!''

جمال معنوی:

پھر فطرت کی بخشایش جمال کے اس گوشہ پر بھی نظر ڈالو کہ اس نے جس طرح جسم وصورت کو حسن وزیبائی بخشی اسی طرح اس کی معنویت کو بھی جمال معنوی سے آراستہ کر دیا- جسم وصورت کا جمال یہ ہے کہ ہر وجود کے ڈیل ڈول اور اعضاء وجوارح میں تناسب ہے- معنویت کا جمال یہ ہے کہ ہر چیز کی کیفیت اور باطنی قویٰ میں اعتدال ہے- اسی کیفیت کے اعتدال سے خواص اور فوائد پیدا ہوئے ہیں اور یہی اعتدال ہے جس نے حیوانات میں ادراک وحواس کی قوتیں بیدار کر دیں اور پھر انسان کے درجہ میں پہنچ کر جوہر عقل وفکر کا چراغ روشن کر دیا!

﴿ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ ﴾ (١٦ : ٧٨)

''اور (دیکھو) یہ اللہ کی کارفرمائی ہے کہ تم اپنی ماؤں کے شکم سے پیدا ہوتے ہو اور کسی طرح کی سمجھ بوجھ تم میں نہیں ہوتی لیکن اس نے تمہارے لیے دیکھنے سننے کے حواس بنا دیے اور سوچنے سمجھنے کے لیے عقل دے دی تاکہ اس کی نعمت کے شکر گزار رہو-

کائنات ہستی کے اسرار وغوامض بے شمار ہیں لیکن روح حیوانی کا جوہر ادراک زندگی کا سب سے زیادہ لانیحل عقدہ ہے- حیوانات میں کیڑے مکوڑے تک ہر طرح کا احساس وادراک رکھتے ہیں اور انسانی دماغ کے نہاں خانہ میں عقل وتفکر کا چراغ روشن ہے- یہ قوت احساس' یہ قوت ادراک اور یہ قوت عقل کیونکر پیدا ہوئی؟ مادی عناصر کی ترکیب وامتزاج سے ایک ماورائے مادہ جوہر کس طرح ظہور میں آ گیا؟ چیونٹی کو دیکھو اس کے دماغ کا حجم سوئی کی نوک سے شاید ہی کچھ زیادہ ہوگا- لیکن مادہ کے اس حقیر ترین عصبی ذرہ میں بھی احساس وادراک' محنت واستقلال' ترتیب وتناسب' نظم وضبط' اور صنعت واختراع کی ساری قوتیں مخفی ہوتی ہیں اور وہ اپنے اعمال حیات کی کرشمہ سازیوں سے ہم پر رعب اور حیرت کا عالم طاری کر دیتی ہے- شہد کی مکھی کی کارفرمائیاں ہر روز تمہاری نظروں سے گزرتی رہتی ہیں- یہ کون ہے جس نے ایک چھوٹی سی مکھی میں تعمیر وتحسین کی ایسی منتظم قوت پیدا کر دی ہے؟ قرآن کہتا ہے یہ اس لیے ہے کہ رحمت کا مقتضا جمال تھا اور ضروری تھا کہ جس طرح اس نے جمال صوری سے دنیا آراستہ کر دی ہے اسی طرح جمال معنوی کی بخشایشوں سے بھی اسے مالا مال کر دیتی!

﴿ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ○ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ○ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ○ ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ٥ ﴾ (۳۲:۶-۹)

''یہ محسوسات اور غیر محسوسات کا جاننے والا عزیز و رحیم ہے جس نے جو چیز بھی بنائی حسن و خوبی کے ساتھ بنائی - چنانچہ یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اس کے توالد و تناسل کا سلسلہ (خون کے) خلاصہ سے جو پانی کا ایک حقیر سا قطرہ ہوتا ہے قائم کر دیا - پھر اس کی تمام قوتوں کی درستگی کی اور اپنی روح (میں سے ایک قوت) پھونک دی اور (اس طرح) اس کے لیے سننے' دیکھنے اور فکر کرنے کی قوتیں پیدا کر دیں - (لیکن افسوس انسان کی غفلت پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ (اللہ کی رحمت کا) شکر گزار رہو!

بقائے انفع:

لیکن کائنات ہستی کا یہ بناؤ' یہ حسن' یہ ارتقا قائم نہیں رہ سکتا تھا اگر اس میں خوبی کے بقا اور خرابی کے ازالے کے لیے ایک اٹل قوت سرگرم کار نہ رہتی - یہ قوت کیا ہے؟ فطرت کا انتخاب ہے - فطرت ہمیشہ چھانٹتی رہتی ہے - وہ ہر گوشہ میں صرف خوبی اور بہتری ہی باقی رکھتی ہے - فساد اور نقص محو کر دیتی ہے - ہم فطرت کے اس انتخاب سے بے خبر نہیں ہیں - ہم اسے ''بقائے اصلح'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں - ''اصلح'' یعنی Fittest لیکن قرآن ''بقائے اصلح'' کی جگہ ''بقائے انفع'' کا ذکر کرتا ہے - وہ کہتا ہے اس کارگاہ فیضان و جمال میں صرف وہی چیز باقی رکھی جاتی ہے جس میں نفع ہو - کیونکہ یہاں رحمت کار فرما ہے اور رحمت چاہتی ہے کہ افادہ فیضان ہو - وہ نقصان و برہمی گوارا نہیں کر سکتی - تم سونا کٹھالی میں ڈال کر آگ پر رکھتے ہو - کھوٹ جل جاتا ہے - خالص سونا باقی رہ جاتا ہے - یہی مثال فطرت کے انتخاب کی ہے - کھوٹ میں نفع نہ تھا نابود کر دیا گیا' سونے میں نفع تھا باقی رہ گیا:

﴿ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ﴾ (۱۳:۱۷)

خدا نے آسمان سے پانی برسایا تو ندی نالوں میں جس قدر سمائی تھی اس کے مطابق بہہ نکلے اور جس قدر کوڑا کرکٹ جھاگ بن کر اوپر آ گیا تھا اسے سیلاب اٹھا کر بہا لے گیا - اسی طرح جب زیور یا اور کسی طرح کا سامان بنانے کے لیے (مختلف قسم کی دھاتیں) آگ میں تپاتے ہیں تو اس میں بھی جھاگ اٹھتا ہے اور میل کچیل کٹ کر نکل جاتی ہے - اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان کر دیتا ہے - جھاگ رائیگاں جائے گا (کیونکہ اس میں نفع نہ تھا) جس چیز میں انسان کے لیے نفع ہوگا' وہ زمین میں باقی رہ جائے گی -

☆☆☆

تدریج و اِمہال

پھر اگر دقت نظر سے کام لو تو افادۂ فیضان فطرت کی حقیقت کچھ انہی مظاہر پر موقوف نہیں ہے بلکہ کارخانۂ ہستی کے تمام اعمال وقوانین کا یہی سوال ہے۔

تم دیکھتے ہو کہ فطرت کے تمام قوانین اپنی نوعیت میں کچھ اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ اگر لفظوں میں اسے تعبیر کرنا چاہو تو صرف فطرت کے فضل و رحمت ہی سے تعبیر کر سکتے ہو۔ تمہیں اور کوئی تعبیر نہیں ملے گی۔ مثلاً اس کے قوانین کا عمل کبھی فوری اور اچانک نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ کرتی ہے آہستہ آہستہ بتدریج کرتی ہے اور اس تدریجی طرز عمل نے دنیا کے لیے مہلت اور ڈھیل کا فائدہ پیدا کر دیا ہے۔ یعنی اس کا ہر قانون فرصتوں پر فرصتیں دیتا ہے اور اس کا ہر فعل عفو و درگزر کا دروازہ آخر تک کھلا رکھتا ہے۔ بلاشبہ اس کے قوانین اپنے نفاذ میں اٹل ہیں۔ ان میں رد و بدل کا امکان نہیں۔

﴿ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَىَّ ﴾ (۵۰:۲۸)

''ہمارے یہاں جو بات ایک مرتبہ ٹھہرا دی گئی اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔''

اور اس لیے تم خیال کرنے لگتے ہو کہ ان کی قطعیت بے رحمی سے خالی نہیں لیکن تم نہیں سوچتے کہ جو قوانین اپنے نفاذ میں اس درجہ قطعی اور بے پروا ہیں وہی اپنی نوعیت میں کس درجہ عفو و درگزر اور مہلت بخشی و اصلاح کوشی کی روح بھی رکھتے ہیں؟ اسی لیے آیت مندرجہ صدر میں ''ما یبدل القول'' کے بعد ہی فرمایا:

﴿ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۝ ﴾ (۵۰:۲۸)

''لیکن یہ بھی نہیں ہے کہ ہم بندوں کے لیے زیادتی کرنے والے ہوں!''

فطرت اگر چاہتی تو ہر حالت بیک دفعہ ظہور میں آ جاتی۔ یعنی اس کے قوانین کا نفاذ فوری اور ناگہانی ہوتا لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ ایسا نہیں ہوتا۔ ہر حالت' ہر تاثیر' ہر انفعال کے ظہور و بلوغ کے لیے ایک خاص مدت مقرر کر دی گئی ہے۔ اور ضروری ہے کہ بتدریج مختلف منزلیں پیش آئیں۔ پھر ہر منزل اپنے آثار و انداز رکھتی ہے اور آنے والے نتائج سے خبردار کرتی رہتی ہے۔ زندگی اور موت کے قوانین پر غور کرو۔ کس طرح زندگی بتدریج نشوونما پاتی اور کس طرح درجہ بدرجہ مختلف منزلوں سے گزرتی ہے۔ اور پھر کس طرح موت کمزوری و فساد کا ایک طول طویل سلسلہ ہے جو اپنے ابتدائی نقطوں سے شروع

ہوتا اور یکے بعد دیگرے مختلف منزلیں طے کرتا ہوا آخری نقطۂ بلوغ تک پہنچا کرتا ہے؟ تم بد پرہیزی کرتے ہو تو یہ نہیں ہوتا کہ فوراً ہی ہلاک ہو جاؤ بلکہ بتدریج موت کی طرف بڑھنے لگتے ہو اور بالآخر ایک خاص مدت کے اندر جو ہر صورت حال کے لیے یکساں نہیں ہوتی درجہ بدرجہ اترتے ہوئے موت کی آغوش میں جا گرتے ہو- نباتات کو دیکھو- درخت اگر آبیاری سے محروم ہو جاتے ہیں یا نقصان و فساد کا کوئی دوسرا سبب عارض ہو جاتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ ایک ہی دفعہ مرجھا کر رہ جائیں یا کھڑے کھڑے اچانک گر جائیں- بلکہ بتدریج شادابی کی جگہ پژمردگی کی حالت طاری ہونا شروع ہو جاتی ہے اور پھر ایک خاص مدت کے اندر جو مقرر کر دی گئی ہے یا تو بالکل مرجھا کر رہ جاتے ہیں یا جڑ کھوکھلی ہو کر گر پڑتے ہیں-

اصطلاح قرآنی میں ''اجل'':

یہی حال کائنات کے تمام تغیرات و انفعالات کا ہے- کوئی تغیر ایسا نہیں جو اپنا تدریجی دور نہ رکھتا ہو- ہر چیز بتدریج بنتی ہے اور اسی طرح بتدریج بگڑتی ہے- بناؤ ہو یا بگاڑ' ممکن نہیں کہ ایک خاص مدت گزرے بغیر کوئی حالت بھی اپنی کامل صورت میں ظاہر ہو سکے- یہ مدت جو ہر حالت کے ظہور کے لیے اس کی ''اجل'' یعنی مقررہ وقت ہے مختلف گوشوں اور مختلف حالتوں میں مختلف مقدار رکھتی ہے اور بعض حالتوں میں اس کی مقدار اتنی طویل ہوتی ہے کہ ہم اپنے نظام اوقات سے اس کا حساب بھی نہیں لگا سکتے- قرآن نے اسے یوں تعبیر کیا ہے کہ جس مدت کو تم اپنے حساب میں ایک دن سمجھتے ہو اگر اسے ایک ہزار برس یا پچاس ہزار برس تصور کر لو تو ایسے دنوں سے جو مہینے اور برس بنیں گے ان کی مقدار کتنی ہوگی؟

﴿ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴾ (۲۲:۴۷)

''اور بلاشبہ تمہارے پروردگار کے حساب میں ایک دن ایسا ہے جیسے تمہارے حساب میں ایک ہزار برس!''

''تکویر'':

فطرت کا یہی تدریجی طرز عمل ہے جسے قرآن نے ''تکویر'' سے بھی تعبیر کیا ہے- یعنی لپٹنے سے- وہ کہتا ہے: بجائے اس کے کہ اچانک دن کی روشنی نکل آتی اور ناگہاں رات کی اندھیری ابل پڑتی فطرت نے رات اور دن کے ظہور کو اس طرح تدریجی بنا دیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے رات آہستہ آہستہ دن پر لپٹتی جاتی ہے اور دن درجہ بدرجہ رات پر لپٹتا آتا ہے:

﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ (۳۹:۵)

''اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے- اس نے رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آتے رہنے کا ایسا انتظام کر دیا کہ رات دن پر لپٹتی جاتی ہے اور دن رات پر لپٹتا آتا ہے- اور سورج اور چاند دونوں کو اس کی قدرت نے (ایک خاص انتظام کے ماتحت) مسخر کر رکھا ہے- سب (اپنی اپنی جگہ) اپنے مقررہ وقت تک کے لیے حرکت میں ہیں!''

قرآن اسی تدریجی رفتارِ عمل کو فائدہ اٹھانے کا موقع دینے' ڈھیل دینے' عفو و درگزر کرنے' اور ایک خاص مدت کی فرصت حیات بخشنے سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے: یہ اس لیے ہے کہ کائنات ہستی میں فضل و رحمت کی مشیت کام کر رہی ہے اور وہ چاہتی ہے ہر غلطی کو درستگی کے لیے' ہر نقصان کو تلافی کے لیے' ہر لغزش کو سنبھل جانے کے لیے' زیادہ سے زیادہ مہلت اصلاح ملتی رہے اور اس کا دروازہ کسی پر بند نہ ہو۔

تاخیر اجل:

وہ کہتا ہے: اگر تدریج و امہال کی یہ فرصتیں اور بخششیں نہ ہوتیں تو دنیا میں ایک وجود بھی فرصت حیات سے فائدہ نہ اٹھا سکتا۔ ہر غلطی' ہر کمزوری' ہر نقصان' ہر فساد' اچانک بیک دفعہ بربادی و ہلاکت کا باعث ہو جاتا:

﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴾ (۳۵: ۴۵)

''اور انسان جو کچھ اپنے اعمال سے کمائی کرتا ہے اگر اللہ اس پر (فوراً) مؤاخذہ کرتا تو یقین کرو زمین کی سطح پر ایک جاندار بھی باقی نہ رہتا لیکن (یہ اس کی رحمت ہے کہ) اس نے ایک مقررہ وقت تک فرصت حیات دے رکھی ہے۔ البتہ جب وہ مقررہ وقت آ جائے گا تو پھر (یاد رہے کہ) اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ اس کی آنکھیں ہر وقت اور ہر حال میں سب کچھ دیکھ رہی ہیں!''

تدریج و امہال اچھائی اور برائی دونوں کے لیے ہے:

قدرتی طور پر یہ ڈھیل اچھائی اور برائی دونوں کے لیے ہے۔ اچھائی کے لیے اس لیے تا کہ زیادہ نشوونما پائے۔ برائی کے لیے اس لیے تا کہ متنبہ اور خبردار ہو کر اصلاح و تلافی کا سامان کر لے:

﴿ كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَهٰۤؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴾ (۱۷: ۲۰)

''ان لوگوں کو بھی اور ان لوگوں کو بھی (یعنی اچھوں کو بھی اور بروں کو بھی) سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش میں سے حصہ مل رہا ہے اور تمہارے پروردگار کی بخشش کسی پر بند نہیں!''

اگر قوانین فطرت کی ان مہلت بخشیوں سے فائدہ اٹھا کر نقصان و فساد کی اصلاح کر لی جائے۔ مثلاً تم نے بد پرہیزی کی تھی۔ اسے ترک کر دو تو پھر اسی فطرت کا یہ بھی قانون ہے کہ اصلاح و تلافی کی ہر کوشش قبول کر لیتی ہے اور نقصان و فساد کے جو نتائج نشوونما پانے لگے تھے ان کا مزید نشوونما فوراً رک جاتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اگر اصلاح بروقت اور ٹھیک ٹھیک کی گئی ہے تو پچھلے مضر اثرات بھی محو ہو جائیں گے اور اس طرح محو ہو جائیں گے گویا کوئی خرابی پیش ہی نہیں آئی تھی۔ لیکن اگر فطرت کی تمام مہلت بخشیاں رائگاں گئیں۔ اس کا بار بار اور درجہ بدرجہ انذار بھی کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکا تو پھر بلا شبہ وہ آخری حد نمودار ہو جاتی ہے جہاں پہنچ کر فطرت کا آخری فیصلہ صادر ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب اس کا فیصلہ صادر ہو جائے تو نہ تو اس میں

چشم زدن کی تاخیر ہو سکتی ہے نہ کسی حال میں بھی تزلزل اور تبدیلی:

﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ (١٦ : ٦١)

''پھر جب ان کا مقررہ وقت آ گیا تو اس سے نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں (یعنی نہ تو اس کے نفاذ میں تاخیر ہو سکتی ہے نہ تقدیم- ٹھیک ٹھیک اپنے وقت میں اسے ہو جانا ہے)

❋ ❋ ❋

تسکین حیات

زندگی کی محنتیں اور کاوشیں:

ہم دیکھتے ہیں انسان کی معیشت قیام و بقا کی جدوجہد اور کشاکش کا نام ہے- اس لیے قدرتی طور پر اس کا ہر گوشہ طرح طرح کی محنتوں اور کاوشوں سے گھرا ہوا ہے اور بہ حیثیت مجموعی زندگی اضطراری ذمہ داریوں کا بوجھ اور مسلسل مشقتوں کی آزمائش ہے:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴾ (۹۰:۴)

''بلاشبہ ہم نے انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ اس کی زندگی مشقتوں سے گھری ہوئی ہے-''

مشغولیت اور انہماک:

لیکن بایں ہمہ فطرت نے کارخانۂ معیشت کا ڈھنگ کچھ اس طرح کا بنا دیا ہے اور طبیعتوں میں کچھ اس طرح کی خواہشیں' ولولے' اور انفعالات ودیعت کر دیے ہیں کہ زندگی کے ہر گوشے میں ایک عجیب طرح کی دل بستگی' مشغولیت' ہما ہمی' اور سرگرمی پیدا ہو گئی ہے اور یہی زندگی کا انہماک ہے جس کی وجہ سے ہر ذی حیات نہ صرف زندگی کی مشقتیں برداشت کر رہا ہے بلکہ انہی مشقتوں میں زندگی کی بڑی سے بڑی لذت و راحت محسوس کرتا ہے- یہ مشقتیں جس قدر زیادہ ہوتی ہیں اتنی ہی زیادہ زندگی کی دلچسپی اور محبوبیت بھی بڑھ جاتی ہے- اگر ایک انسان کی زندگی ان مشقتوں سے خالی ہو جائے تو وہ محسوس کرے گا کہ زندگی کی ساری لذتوں سے محروم ہو گیا اور اب زندہ رہنا اس کے لیے ناقابل برداشت بوجھ ہے!

حالات متفاوت ہیں' لیکن زندگی کی دل بستگی اور سرگرمی سب کے لیے ہے:

پھر دیکھو! کارساز فطرت کی یہ کیسی کرشمہ سازی ہے کہ حالات متفاوت ہیں' طبائع متنوع ہیں' اشغال مختلف ہیں' اغراض متضاد ہیں' لیکن معیشت کی دل بستگی اور سرگرمی سب کے لیے یکساں ہے اور سب ایک ہی طرح اس کی مشغولیتوں کے لیے جوش و طلب رکھتے ہیں- مرد و عورت' طفل و جوان' امیر و فقیر' عالم و جاہل' قوی و ضعیف' تندرست و بیمار' مجرد و متاہل' حاملۂ و مرضعہ' سب اپنی اپنی حالتوں میں منہمک ہیں اور کوئی نہیں جس کے لیے زندگی کی کاوشوں میں محویت نہ ہو- امیر اپنے محل کے عیش و نشاط میں اور فقیر اپنی بے سروسامانیوں کی فاقہ مستی میں زندگی بسر کرتا ہے لیکن دونوں کے لیے زندگی کی مشغولیتوں میں

دل بستگی ہوتی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کون زیادہ مشغول ہے- ایک تاجر جس انہاک کے ساتھ اپنی لاکھوں روپیہ کی آمدنی کا حساب کرتا ہے اسی طرح ایک مزدور بھی دن بھر کی محنت کے چند پیسے گن لیا کرتا ہے اور دونوں کے لیے یکساں طور پر زندگی محبوب ہوتی ہے- ایک حکیم کو دیکھو جو اپنے علم و دانش کی کاوشوں میں غرق ہے اور ایک دہقان کو دیکھو جو دوپہر کی دھوپ میں برہنہ سر ہل جوت رہا ہے اور پھر بتلاؤ کس کے لیے زندگی کی مشغولیتوں میں زیادہ دل بستگی ہے؟

پھر دیکھو! بچے کی پیدائش ماں کے لیے کیسی جانکاہی و مصیبت ہوتی ہے؟ اس کی پرورش و نگرانی کس طرح خود فروشانہ مشقتوں کا طول طویل سلسلہ ہے؟ تاہم یہ سارا معاملہ کچھ ایسی خواہشوں اور جذبوں کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے کہ ہر عورت میں ماں بننے کی قدرتی طلب ہے اور ہر ماں پرورش اولاد کے لیے مجنونانہ خود فراموشی رکھتی ہے- وہ زندگی کا سب سے بڑا دکھ سہے گی اور پھر اسی دکھ میں زندگی کی سب سے بڑی مسرت محسوس کرے گی! وہ جب اپنی معیشت کی ساری راحتیں قربان کر دیتی ہے اور اپنی رگوں کے خون کا ایک ایک قطرہ دودھ بنا کر پلا دیتی ہے تو اس کے دل کا ایک ایک ریشہ زندگی کے سب سے بڑے احساس مسرت سے معمور ہو جاتا ہے!

پھر کاروبار فطرت کے یہ تصرفات دیکھو کہ کس طرح نوع انسانی کے منتشر افراد اجتماعی زندگی کے بندھنوں سے باہم دگر مربوط کر دیے گئے ہیں؟ اور کس طرح صلۂ رحمی کے رشتہ نے ہر فرد کو سینکڑوں ہزاروں افراد کے ساتھ جوڑ رکھا ہے؟

فرض کرو زندگی و معیشت ان تمام مؤثرات سے خالی ہوتی -لیکن قرآن کہتا ہے کہ خالی نہیں ہو سکتی تھی اس لیے کہ فطرت کائنات میں رحمت کارفرما ہے اور رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ معیشت کی مشقتوں کو خوشگوار بنا دے اور زندگی کے لیے تسکین و راحت کا سامان پیدا کر دے- یہ رحمت کی کرشمہ سازیاں ہیں جنہوں نے رنج میں راحت' الم میں لذت' اور سختیوں میں دل پذیری کی کیفیت پیدا کر دی ہے؟

اشیاء و مناظر کا اختلاف و تنوع اور تسکین حیات:

چنانچہ قرآن نے تسکین حیات کے مختلف پہلوؤں پر جا بجا توجہ دلائی ہے- ازاں جملہ کائنات خلقت کے مناظر و اشیا کا اختلاف و تنوع ہے- انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ یکسانی سے اکتاتی ہے اور تبدیلی و تنوع میں خوشگواری و کیفیت محسوس کرتی ہے- پس اگر کائنات ہستی میں محض یکسانی و یک رنگی ہی ہوتی تو یہ دلچسپی اور خوشگواری پیدا نہ ہو سکتی جو اس کے ہر گوشہ میں ہمیں نظر آ رہی ہے- اوقات کا اختلاف' موسموں کا اختلاف' خشکی و تری کا اختلاف' مناظر طبیعت اور اشیائے خلقت کا اختلاف جہاں بے شمار مصلحتیں اور فوائد رکھتا ہے وہاں ایک بڑی مصلحت دنیا کی زیب و زینت اور معیشت کی تسکین و راحت بھی ہے:

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق اس جہاں میں ہے زیب اختلاف سے

اختلاف لیل و نہار:

چنانچہ اسی سلسلہ میں وہ رات اور دن کے اختلاف کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے اگر غور کرو تو اس اختلاف میں

حکمت الٰہی کی کتنی ہی نشانیاں پوشیدہ ہیں- یہ بات کہ شب و روز کی آمد و شد کی دو مختلف حالتیں ٹھہرا دی گئی ہیں اور وقت کی نوعیت ہر معین مقدار کے بعد بدلتی رہتی ہے' زندگی کے لیے بڑی ہی تسکین و دل بستگی کا ذریعہ ہے- اگر ایسا نہ ہوتا اور وقت ہمیشہ ایک ہی حالت پر برقرار رہتا تو دنیا میں زندہ رہنا دشوار ہو جاتا- اگر تم قطبین کے اطراف میں جاؤ جہاں روز و شب کا اختلاف اپنی نمود نہیں رکھتا تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ اختلاف گزران حیات کے لیے کیسی عظیم الشان نعمت ہے:

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴾ (۳:۱۹۰)

''بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں ارباب دانش کے لیے (حکمت الٰہی) کی بڑی ہی نشانیاں ہیں!''

رات اور دن کے اختلاف نے معیشت کو دو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے- دن کی روشنی جدوجہد کی سرگرمی پیدا کرتی ہے- رات کی تاریکی راحت و سکون کا بستر بچھا دیتی ہے- ہر دن کی محنت کے بعد رات کا سکون ہوتا ہے اور ہر رات کے سکون کے بعد نئے دن کی نئی سرگرمی!

﴿ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ (۲۸:۷۳)

''اور (دیکھو) یہ اس کی رحمت کی کارسازی ہے کہ تمہارے لیے رات اور دن (الگ الگ) ٹھہرا دیے گئے تا کہ رات کے وقت راحت پاؤ اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو (یعنی کاروبار معیشت میں سرگرم رہو)''

دن کی مختلف حالتیں اور رات کی مختلف منزلیں:

پھر رات اور دن کا اختلاف صرف رات اور دن ہی کا اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر دن مختلف حالتوں سے گذرتا اور ہر رات مختلف منزلیں طے کرتی ہے- ہر حالت ایک خاص طرح کی تاثیر رکھتی ہے اور ہر منزل کے لیے ایک خاص طرح کا منظر ہوتا ہے- اوقات کا یہ روزانہ اختلاف ہمارے احساسات کا ذائقہ بدلتا رہتا ہے' اور یکسانیت کی افسردگی کی جگہ تبدل و تجدد کی لذت اور سرگرمی پیدا ہوتی رہتی ہے!

﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴾ (۳۰:۱۶)

''پس پاکی ہے اللہ کے لیے اور آسمانوں اور زمین میں اس کے لیے ستائش ہے جبکہ تم پر شام آتی ہے جب تم پر صبح ہوتی ہے جب دن کا آخری وقت ہوتا ہے اور جب تم پر دوپہر آتی ہے!''

حیوانات کا اختلاف:

اسی طرح انسان خود اپنے وجود کو دیکھے اور تمام حیوانات کو دیکھے- فطرت نے کس طرح' طرح طرح کے

اختلافات سے اس میں تنوع اور دل پذیری پیدا کر دی ہے؟

﴿ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ ﴾ (۳۵:۲۸)

''اور انسان' جانور' چار پائے طرح طرح کی رنگتوں کے!''

نباتات:

عالم نباتات کو دیکھو- درختوں کے مختلف ڈیل ڈول ہیں' مختلف رنگتیں ہیں' مختلف خوشبوئیں ہیں' مختلف خواص ہیں' اور پھر دانہ اور پھل کھاؤ تو مختلف قسم کے ذائقے ہیں!

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴾ (۲۶:۷)

''کیا ان لوگوں نے کبھی زمین پر نظر نہیں ڈالی اور غور نہیں کیا کہ ہم نے نباتات کی ہر دو دو بہتر قسموں میں سے کتنے (بے شمار) درخت پیدا کر دیے ہیں!''

﴿ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴾ (۱۶:۱۳)

''اور (دیکھو) اللہ نے جو پیداوار مختلف رنگتوں کی تمہارے لیے زمین میں پھیلا دی ہے سو اس میں بھی عبرت پذیر طبیعتوں کے لیے (حکمت الٰہی کی) بڑی ہی نشانی ہے!''

﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ ﴾ (۶:۱۴۱)

''اور وہ (حکیم و قدیر) جس نے (طرح طرح کے) باغ پیدا کر دیے- ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت اور (طرح طرح کی) کھیتیاں جن کے دانے اور پھل کھانے میں مختلف ذائقہ رکھتے ہیں-''

جمادات:

حیوانات اور نباتات ہی پر موقوف نہیں جمادات میں بھی یہی قانون فطرت کام کر رہا ہے!

﴿ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴾ (۳۵:۲۷)

''اور پہاڑوں کو دیکھو- گوناگوں رنگتوں کے ہیں- کچھ سفید' کچھ سرخ کچھ کالے کلوٹے!''

ہر چیز کے دو دو ہونے کا قانون:

اسی قانون اختلاف کا ایک گوشہ وہ بھی ہے جسے قرآن نے ''تزویج'' سے تعبیر کیا ہے اور ہم اسے قانون تثنیہ بھی کہہ سکتے ہیں- یعنی ہر چیز کے دو دو ہونے یا متقابل و متماثل ہونے کا قانون- کائنات خلقت کا کوئی گوشہ بھی دیکھو تمہیں کوئی چیز یہاں اکہری اور طاق نظر نہیں آئے گی- ہر چیز میں جفت اور دو دو ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے- یا یوں کہا

جائے کہ ہر چیز اپنا کوئی نہ کوئی مثنیٰ بھی ضرور رکھتی ہے- رات کے لیے دن ہے' صبح کے لیے شام ہے' نر کے لیے مادہ ہے' مرد کے لیے عورت ہے' زندگی کے لیے موت ہے[1]

﴿ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ ﴾(۵۱:۴۹)

''اور ہر چیز میں ہم نے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی دو دو اور متقابل اشیا پیدا کیں)

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (۳۶:۳۶)

''پاکی اور بزرگی ہے اس ذات کے لیے جس نے زمین کی پیداوار میں اور انسان میں اور ان تمام مخلوقات میں جن کا انسان کو علم نہیں دو دو اور متقابل چیزیں پیدا کیں!''

مرد اور عورت:

یہی قانون فطرت ہے جس نے انسان کو دو مختلف جنسوں یعنی مرد اور عورت میں تقسیم کر دیا اور پھر ان میں فعل و انفعال اور جذب و انجذاب کے کچھ ایسے وجدانی احساسات ودیعت کر دیے کہ ہر جنس دوسری سے ملنے کی قدرتی طلب رکھتی ہے اور دونوں کے ملنے سے ازدواجی زندگی کی ایک کامل معیشت پیدا ہو جاتی ہے!

﴿ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ﴾(۴۲:۱۱)

''وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا- اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس میں سے جوڑے بنا دیے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) اسی طرح چار پایوں میں بھی جوڑے پیدا کر دیے-

قرآن کہتا ہے: یہ اس لیے ہے تاکہ محبت اور سکون ہو اور دو ہستیوں کی باہمی رفاقت اور اشتراک سے زندگی کی محنتیں اور مشقتیں سہل اور گوارا ہو جائیں:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ ﴾(۳۰:۲۱)

''اور (دیکھو) اس کی (رحمت کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) تاکہ اس کی وجہ سے تمہیں سکون

---

[1] قرآن حکیم نے آخرت کے وجود کا جن جن دلائل سے اذعان پیدا کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے- وہ کہتا ہے: دنیا میں ہر چیز اپنا کوئی نہ کوئی متقابل وجود یا مثنیٰ ضرور رکھتی ہے- پس ضروری ہے کہ دنیوی زندگی کے لیے بھی کوئی متقابل اور مثنیٰ زندگی ہو- دنیوی زندگی کی متقابل زندگی آخرت کی زندگی ہے- چنانچہ بعض سورتوں میں انہی متقابل مظاہرات سے استشہاد کیا ہے- مثلاً سورۂ والشمس میں فرمایا:

﴿ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ○ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ○ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ○ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ○ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ○ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ○ ﴾ الخ (۹۱:۱-۶)

حاصل ہو اور (پھر اس کی یہ کارفرمائی دیکھو کہ) تمہارے درمیان (یعنی مرد اور عورت کے درمیان) محبت اور رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا- بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اس میں (حکمت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں-''

نسب اور صہر:

پھر اسی ازدواجی زندگی سے توالد و تناسل کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو گیا ہے کہ ہر وجود پیدا ہوتا ہے اور ہر وجود پیدا کرتا ہے- ایک طرف وہ نسب کا رشتہ رکھتا ہے جو اسے پچھلوں سے جوڑتا ہے- دوسری طرف صہر یعنی دامادی کا رشتہ رکھتا ہے جو اسے آگے آنے والوں سے مربوط کر دیتا ہے- نتیجہ یہ ہے کہ ہر وجود کی فردیت ایک وسیع دائرہ کی کثرت میں پھیل گئی ہے اور رشتوں قرابتوں کا ایسا وسیع حلقہ پیدا ہو گیا ہے جس کی ہر کڑی دوسری کڑی کے ساتھ مربوط ہے!

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ﴾ (۲۵:۵۴)

''اور وہی (حکیم و قدیر) ہے جس نے پانی سے (یعنی نطفہ سے) انسان کو پیدا کیا پھر (اسی رشتۂ پیدائش کے ذریعہ) اسے نسب اور صہر کا رشتہ رکھنے والا بنا دیا!''

صلہ رحمی اور خاندانی حلقہ کی تشکیل:

اور پھر دیکھو اس نسب اور صہر کے رشتے سے کس طرح خاندان اور قبیلہ کا نظام قائم ہو گیا ہے اور کس عجیب و غریب طریقہ سے صلۂ رحمی یعنی قرابت داری کی گیرائیاں ایک وجود کو دوسرے وجود سے جوڑتیں اور معاشرتی زندگی کی باہمی الفتوں اور معاونتوں کے لیے محرک ہوتی ہیں؟ دراصل انسان کی اجتماعی زندگی کا سارا کارخانہ اسی صلۂ رحمی کے سر رشتہ نے قائم کر رکھا ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ﴾

(۴:۱)

''اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے پروردگار کی نافرمانی سے بچو (اور اس کے ٹھہرائے ہوئے رشتوں سے بے پروانہ ہو جاؤ) وہ پروردگار جس نے تمہیں ایک فرد واحد سے پیدا کیا (یعنی باپ سے پیدا کیا) اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کر دیا (یعنی جس طرح ہر مرد کی نسل سے لڑکا پیدا ہوا لڑکی بھی پیدا ہوئی) پھر ان کی نسل سے ایک بڑی تعداد مرد اور عورت کی پیدا ہو کر پھیل گئی (اس طرح فرد واحد کے رشتہ نے ایک بڑے خاندان اور قبیلہ کی صورت پیدا کر لی) پس اللہ کی نافرمانی سے بچو جس کے نام پر باہم دگر (مہر و شفقت کا) سوال کرتے ہو اور صلہ رحمی کے توڑنے سے بھی بچو (جس کے نام پر باہم دگر ایک دوسرے

سے چشم داشت اعانت رکھتے ہو) بلاشبہ اللہ تمہارا نگران حال ہے!''

﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً ﴾

(۷۲:۱٦)

''اور (دیکھو) یہ اللہ ہے جس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑا بنا دیا (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) پھر تمہارے باہمی ازدواج سے بیٹوں اور پوتوں کا سلسلہ قائم کر دیا۔''

ایام حیات کا تغیر وتنوع:

اسی طرح ایام حیات کے تغیر وتنوع میں بھی تسکین حیات کی ایک بہت بڑی مصلحت پوشیدہ ہے۔ ہر زندگی طفولیت' شباب' جوانی' کہولت' اور بڑھاپے کی مختلف منزلوں سے گزرتی ہے اور ہر منزل اپنے نئے نئے احساسات اور نئی نئی مشغولیتیں اور نئی نئی کاوشیں رکھتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی عالم ہستی کی ایک دلچسپ مسافرت بن گئی۔ ایک منزل کی کیفیتوں سے ابھی جی سیر نہیں ہو چکتا کہ دوسری منزل نمودار ہو جاتی ہے اور اس طرح عرصہ حیات کی طوالت محسوس ہی نہیں ہوتی:

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ ﴾ (۴۰:٦٧)

''وہ (پروردگار) جس نے تمہارا وجود مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر علقہ سے (یعنی جونک کی شکل کی ایک چیز سے) پھر ایسا ہوتا ہے کہ تم طفولیت کی حالت میں ماں کے شکم سے نکلتے ہو پھر بڑے ہوتے ہو اور سن تمیز تک پہنچتے ہو۔ اس کے بعد تمہارا جینا اس لیے ہوتا ہے تا کہ بڑھاپے کی منزل تک پہنچو پھر تم میں سے کوئی تو ان منزلوں سے پہلے ہی مر جاتا ہے کوئی چھوڑ دیا جاتا ہے تا کہ اپنے مقررہ وقت تک زندگی بسر کر لے۔''

زینت وتفاخر' مال ومتاع' آل واولاد:

اسی طرح طرح طرح کی خواہشیں اور جذبۂ زینت وتفاخر کے ولولے' مال ومتاع کی محبت' آل اولاد کی دل بستگیاں زندگی کی دلچسپی اور انہماک کے لیے پیدا کر دی گئی ہیں:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۝ ﴾(۳:۱۴)

''انسان کے لیے مرد وعورت کے تعلق میں' اولاد میں' چاندی سونے کے اندوختوں میں' چنے ہوئے گھوڑوں میں' مویشیوں میں' اور کھیتی باڑی میں دل بستگی پیدا کر دی گئی ہے اور یہ جو کچھ بھی ہے دنیوی

زندگی کی پونجی ہے۔ بہتر ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے!''

اختلاف معیشت اور تزاحم حیات:

اسی طرح معیشت کا اختلاف اور اس کی وجہ سے مختلف درجوں اور حالتوں کا پیدا ہو جانا بھی انہماک حیات کا ایک بہت بڑا محرک ہے کیونکہ اس کی وجہ سے زندگی میں مزاحمت اور مسابقت کی حالت پیدا ہوگئی ہے اور اس میں لگے رہنے سے زندگی کی مشقتوں کا جھیلنا آسان ہوگیا ہے بلکہ یہی مشقتیں سرتاسر راحت و سرور کا سامان بن گئی ہیں:

﴿ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾(۶: ۱۶۵)

''اور یہ اسی (حکیم و قدیر) کی کارفرمائی ہے کہ اس نے تمہیں زمین میں (پچھلوں کا) جانشین بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دے دی تاکہ جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے اس میں تمہارے عمل کی آزمائش کرے۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار (پاداش عمل کی) سزا دینے میں تیز ہے۔ (یعنی اس کا قانون مکافات نتائج عمل میں سست رفتار نہیں) لیکن ساتھ ہی بخش دینے والا، رحمت رکھنے والا بھی ہے!

☆☆☆

برہان فضل و رحمت

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن نے ربوبیت کے اعمال و مظاہر سے استدلال کیا ہے اسی طرح وہ رحمت کے آثار و حقائق سے بھی جا بجا استدلال کرتا ہے اور برہان ربوبیت کی طرح برہان فضل و رحمت بھی اس کی دعوت و ارشاد کا ایک عام اسلوب خطاب ہے- وہ کہتا ہے: کائنات کی ہر شے میں ایک مقررہ نظام کے ساتھ رحمت و فضل کے مظاہر کا موجود ہونا قدرتی طور پر انسان کو یقین دلا دیتا ہے کہ ایک رحمت رکھنے والی ہستی کی کارفرمائیاں یہاں کام کر رہی ہیں- کیونکہ ممکن نہیں فضل و رحمت کی یہ پوری کائنات موجود ہو اور فضل و رحمت کا کوئی زندہ ارادہ موجود نہ ہو- چنانچہ وہ تمام مقامات جن میں کائنات خلقت کے افادہ و فیضان' زینت و جمال' موزونیت و اعتدال' تسویہ و قوام' اور تکمیل و اتقان کا ذکر کیا گیا ہے' دراصل اسی استدلال پر مبنی ہیں:

﴿ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ○ ﴾ (۲: ۱۶۳-۱۶۴)

''اور (دیکھو) تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے- کوئی معبود نہیں مگر اسی کی ایک ذات' رحمت والی اور اپنی رحمت کی بخشائشوں سے ہمیشہ فیض یاب کرنے والی! بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے ہیں' اور کشتی میں جو انسان کی کاربراریوں کے لیے سمندر میں چلتی ہے اور بارش میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے اور اس کی (آبپاشی) سے زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے اور اس بات میں کہ ہر قسم کے جانور زمین میں پھیلا دیے ہیں نیز ہواؤں کے (مختلف جانب) پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (اپنی مقررہ جگہ کے اندر) بندھے رکے ہیں عقل رکھنے والوں کے لیے (اللہ کی ہستی اور اس کے قوانین فضل و رحمت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!''

اسی طرح ان مقامات کا مطالعہ کرو جہاں خصوصیت کے ساتھ جمال فطرت سے استدلال کیا ہے:

﴿ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ○ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ○ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ○ ﴾(۵۰:۶-۸)

''کیا کبھی ان لوگوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا نہیں کہ کس طرح ہم نے اسے بنایا ہے اور کس طرح اس کے منظر میں خوشنمائی پیدا کر دی ہے اور پھر یہ کہ کہیں بھی اس میں شگاف نہیں؟ اور اسی طرح زمین کو دیکھو کس طرح ہم نے اسے فرش کی طرح پھیلا دیا' اور پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے اور پھر کس طرح قسم قسم کی خوبصورت نباتات اگا دیں؟ ہر اس بندے کے لیے جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہے-اس میں غور کرنے کی بات اور نصیحت کی روشنی ہے!''

﴿ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ○ ﴾(۱۵:۱۶)

''اور (دیکھو) ہم نے آسمان میں (ستاروں کی گردش کے لیے) برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے ان میں خوشنمائی پیدا کر دی-''

﴿ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ﴾(۶۷:۵)

''اور (دیکھو) ہم نے دنیا کے آسمان (یعنی کرۂ ارضی کی فضا) کو ستاروں کی قندیلوں سے خوش منظر بنا دیا!''

﴿ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ ﴾(۱۶:۶)

''اور (دیکھو) تمہارے لیے چار پایوں کے منظر میں جب شام کے وقت چراگاہ سے واپس لاتے ہو اور جب صبح لے جاتے ہو ایک طرح کا حسن اور نظر افروزی ہے!''

موزونیت و تناسب:

جس چیز کو ہم ''جمال'' کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ موزونیت اور تناسب- یہی موزنیت اور تناسب ہے جو بناؤ اور خوبی کے تمام مظاہر کی اصل ہے:

﴿ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ○ ﴾(۱۵:۱۹)

''اور (دیکھو) ہم نے زمین میں ہر ایک چیز موزونیت اور تناسب رکھنے والی اگائی!''

تسویہ:

اسی معنی میں قرآن ''تسویہ'' کا لفظ بھی استعمال کرتا ہے- ''تسویہ'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو اس طرح ٹھیک ٹھیک درست کر دینا کہ اس کی ہر بات خوبی و مناسبت کے ساتھ ہو:

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰیo وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰیo ﴾(۸۷:۲)

''وہ پروردگار جس نے ہر چیز پیدا کی پھر ٹھیک ٹھیک خوبی و مناسبت کے ساتھ درست کر دی - اور وہ جس نے ہر وجود کے لیے ایک اندازہ ٹھہرادیا پھر اس پر (زندگی و معیشت) کی راہ کھول دی!''

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَo فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَo ﴾ (۸۲:۷)

''وہ پروردگار جس نے تمہیں پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھیک درست کر دیا پھر (تمہارے ظاہری و باطنی قویٰ میں) اعتدال و تناسب ملحوظ رکھا پھر جیسی صورت بنانی چاہی اسی کے مطابق ترکیب دے دی!''

اتقان:

یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے ''اتقان'' سے بھی تعبیر کیا ہے - یعنی کائنات ہستی کی ہر چیز کا درستگی و استواری کے ساتھ ہونا کہ کہیں بھی اس میں خلل، نقصان، بے ڈھنگا پن، اونچ نیچ اور ناہمواری نظر نہیں آ سکتی:

﴿ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ﴾(۲۷:۸۸)

''یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز درستگی و استواری کے ساتھ بنائی!''

﴿ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍo ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌo ﴾(۶۷:۳)

''تم الرحمٰن کی بناوٹ میں (رحمٰن کی بناوٹ میں کیونکہ یہ اس کی رحمت ہی کا ظہور ہے) کبھی کوئی اونچ نیچ نہیں پاؤ گے - (اچھا نظر اٹھاؤ اور اس نمایش گاہ صنعت کا مطالعہ کرو) ایک بار نہیں بار بار دیکھو - کیا تمہیں کہیں کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے؟ تم اسی طرح یکے بعد دیگرے دیکھتے رہو تمہاری نگاہ اٹھے گی اور عاجز و درماندہ ہو کر واپس آ جائے گی لیکن کوئی نقص نہ نکال سکے گی!''

''فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ'' فرمایا - یعنی یہ خوبی و اتقان اس لیے ہے کہ رحمت رکھنے والے کی کاریگری ہے اور رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ حسن و خوبی ہو، اتقان و کمال ہو، نقص اور ناہمواری نہ ہو!

رحمت سے معاد پر استدلال:

خدا کی ہستی اور اس کی توحید و صفات کی طرح آخرت کی زندگی پر بھی وہ رحمت سے استدلال کرتا ہے - اگر رحمت کا مقتضا یہ ہوا کہ دنیا میں اس خوبی و کمال کے ساتھ زندگی کا ظہور ہو تو کیونکر یہ بات باور کی جا سکتی ہے کہ دنیا کی چندروزہ زندگی کے بعد اس کا فیضان ختم ہو جائے اور خزانۂ رحمت میں انسان کی زندگی اور بناؤ کے لیے کچھ باقی نہ رہے؟

﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًاo قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ﴾ (۱۷:۹۹)

''کیا ان لوگوں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس نے آسمان و زمین پیدا کیے ہیں یقیناً اس بات سے عاجز نہیں ہوسکتا کہ ان جیسے (آدمی دوبارہ) پیدا کر دیے اور یہ کہ ان کے لیے اس نے ایک مقررہ وقت ٹھہرا دیا ہے جس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں؟ (افسوس ان کی شقاوت پر!) اس پر بھی ان ظالموں نے اپنے لیے کوئی راہ پسند نہ کی مگر حقیقت سے انکار کرنے کی! (اے پیغمبران سے) کہہ دو اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو اس حالت میں یقیناً تم خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روکے رکھتے (لیکن یہ اللہ ہے جس کے خزائن رحمت نہ تو کبھی ختم ہو سکتے ہیں نہ اس کی بخشائش رحمت کی کوئی انتہا ہے)۔

رحمت سے وحی وتنزیل کی ضرورت پر استدلال:

اس طرح وہ رحمت سے وحی وتنزیل کی ضرورت پر بھی استدلال کرتا ہے- وہ کہتا ہے جو رحمت کارخانۂ ہستی کے ہر گوشہ میں افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے کیونکر ممکن تھا کہ انسان کی معنوی ہدایت کے لیے اس کے پاس کوئی فیضان نہ ہوتا اور وہ انسان کو نقصان و ہلاکت کے لیے چھوڑ دیتی؟ اگر تم دس گوشوں میں فیضان رحمت محسوس کر رہے ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ گیارہویں گوشے میں اس سے انکار کر دو- یہی وجہ ہے کہ اس نے جا بجا نزول وحی، ترسیل کتب، اور بعثت انبیا کو رحمت سے تعبیر کیا ہے:

﴿ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا۝ ﴾ (۱۷: ۸۶-۸۷)

''اور (اے پیغمبرؐ!) اگر ہم چاہیں تو جو کچھ تم پر وحی کے ذریعہ بھیجا گیا ہے اسے اٹھا لے جائیں (یعنی سلسلۂ تنزیل و وحی باقی نہ رہے) اور پھر تمہیں کوئی بھی ایسا کارساز نہ ملے جو ہم پر زور ڈال سکے- لیکن یہ جو سلسلۂ وحی جاری ہے تو یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمہارے پروردگار کی رحمت ہے اور یقین کرو تم پر اس کا بڑا ہی فضل ہے-''

﴿ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ (۳۶: ۵-۶)

''(یہ قرآن) عزیز و رحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تا کہ ان لوگوں کو جن کے آباو اجداد (کسی پیغمبرؑ کی زبانی) متنبہ نہیں کیے گئے ہیں اور اس لیے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں تم متنبہ کرو-

تورات و انجیل اور قرآن کی نسبت جا بجا تصریح کی کہ ان کا نزول ''رحمت'' ہے:

﴿ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ﴾ (۱۱: ۱۷)

''اور اس سے پہلے (یعنی قرآن سے پہلے) موسیٰؑ کی کتاب (امت کے لیے) پیشوا اور رحمت!''

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ (۱۰: ۵۷)

''اے افرادِ نسلِ انسانی! یقیناً یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے موعظت ہے جو تمہارے لیے آ گئی ہے اور ان تمام بیماریوں کے لیے جو انسان کے دل کی بیماریاں ہیں نسخۂ شفا ہے اور رہنمائی اور رحمت ہے ایمان رکھنے والوں کے لیے۔ (اے پیغمبرؐ ان لوگوں سے) کہہ دو کہ یہ جو کچھ ہے اللہ کے فضل اور رحمت سے ہے۔ پس چاہیے کہ (اپنی فیضیابی پر) خوش ہو۔ یہ (اپنی برکتوں میں) ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جنہیں تم (زندگی کی کامرانیوں کے لیے) فراہم کرتے ہو!''

﴿ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ ﴾(۴۵:۲۰)

''یہ (قرآن) لوگوں کے لیے واضح دلیلوں کی روشنی ہے' اور ہدایت و رحمت ہے' یقین رکھنے والوں کے لیے!''

﴿ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾(۲۹:۵۱)

''کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے جو انہیں (برابر) سنائی جا رہی ہے؟ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں' بلاشبہ ان کے لیے اس (نشانی) میں سرتا سر رحمت اور فہم و بصیرت ہے۔''

چنانچہ اسی بنا پر اس نے داعی اسلامؐ کے ظہور کو بھی فیضان رحمت سے تعبیر کیا ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾(۲۱:۱۰۷)

''(اے پیغمبرؐ!) ہم نے تمہیں نہیں بھیجا ہے مگر اس لیے کہ تمام جہانوں کے لیے ہماری رحمت کا ظہور ہے!''

انسانی اعمال کے معنوی قوانین پر ''رحمت'' سے استدلال اور ''بقائے انفع'':

اسی طرح وہ ''رحمت'' کے مادی مظاہر سے انسانی اعمال کے معنوی قوانین پر بھی استدلال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے جس ''رحمت'' کا مقتضا یہ ہوا کہ دنیا میں ''بقائے انفع'' کا قانون نافذ ہے یعنی وہی چیز باقی رہتی ہے جو نافع ہوتی ہے کیونکر ممکن تھا کہ وہ انسانی اعمال کی طرف سے غافل ہو جاتی اور نافع اور غیر نافع اعمال میں امتیاز نہ کرتی؟ پس مادیات کی طرح معنویات میں بھی یہ قانون نافذ ہے اور ٹھیک اسی طرح اپنے احکام و نتائج رکھتا ہے جس طرح مادیات میں تم دیکھ رہے ہو۔

حق اور باطل:

اس سلسلہ میں وہ دو لفظ استعمال کرتا ہے ''حق'' اور ''باطل''۔ سورۂ رعد میں جہاں قانون ''بقائے انفع'' کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اس بیان سے مقصود ''حق'' اور ''باطل'' کی حقیقت واضح کرنی ہے!

﴿ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ﴾(۱۳:۱۷)

''اس طرح اللہ ''حق'' اور ''باطل'' کی ایک مثال بیان کرتا ہے۔''

ساتھ ہی مزید تصریح کر دی:

﴿ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَايَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ○ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَا فْتَدَوْا بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ﴾ (۱۳: ۱۸)

''پس (دیکھو) میل کچیل سے جو جھاگ اٹھتا ہے وہ رائگاں جاتا ہے کیونکہ اس میں انسان کے لیے نفع نہ تھا لیکن جس چیز میں انسان کے لیے نفع ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ (اپنے قوانین عمل کی) مثالیں دیتا ہے۔ (سو) جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم قبول کیا ان کے لیے خوبی و بہتری ہے اور جن لوگوں نے قبول نہ کیا ان کے لیے (اپنے اعمال بد کا) سختی کے ساتھ حساب دینا ہے اور اگر ان لوگوں کے قبضے میں وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اس پر اور بڑھا دیں اور بدلہ میں دے کر (نتائج عمل سے) بچنا چاہیں جب بھی نہ بچ سکیں گے!''

عربی میں ''حق'' کا خاصہ ثبوت اور قیام ہے۔ یعنی جو بات ثابت ہو' اٹل ہو' امٹ ہو' اسے حق کہیں گے۔ ''باطل'' ٹھیک ٹھیک اس کا نقیض ہے۔ ایسی چیز جس میں ثبات و قیام نہ ہو۔ ٹل جانے والی' مٹ جانے والی' باقی نہ رہنے والی۔ چنانچہ خود قرآن میں جابجا ہے۔ ﴿ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ ﴾ (۸: ۸)

قانون ''قضا بالحق''

وہ کہتا ہے جس طرح تم مادیات میں دیکھتے ہو کہ فطرت چھانٹتی رہتی ہے۔ جو چیز نافع ہوتی ہے باقی رکھتی ہے' جو نافع نہیں ہوتی اسے محو کر دیتی ہے۔ ٹھیک ٹھیک ایسا ہی عمل معنویات میں بھی جاری ہے۔ جو عمل حق ہوگا قائم اور ثابت رہے گا جو باطل ہوگا مٹ جائے گا اور جب کبھی حق اور باطل متقابل ہونگے تو بقا حق کے لیے ہوگی نہ کہ باطل کے لیے۔ وہ اسے ''قضا بالحق'' سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی فطرت کا فیصلہ حق جو باطل کے لیے نہیں ہو سکتا۔

﴿ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ○ ﴾ (۴۰: ۷۸)

''پھر جب وہ وقت آ گیا کہ حکم الٰہی صادر ہو تو (خدا کا) فیصلہ حق نافذ ہو گیا اور اس وقت ان لوگوں کے لیے جو برسر باطل تھے' تباہی ہوئی!

اس نے اس حقیقت کی تعبیر کے لیے ''حق'' اور ''باطل'' کا لفظ اختیار کر کے مجرد تعبیر ہی سے حقیقت کی نوعیت واضح کر دی۔ کیونکہ حق اسی چیز کو کہتے ہیں جو ثابت و قائم ہو اور باطل کے معنی ہی یہ ہیں کہ مٹ جانا' قائم و باقی نہ رہنا۔ پس جب وہ کسی بات کے لیے کہتا ہے کہ یہ ''حق'' ہے' تو یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہوتا بلکہ دعوے کے ساتھ اس کے جانچنے کا ایک معیار بھی پیش کر دیتا ہے۔ یہ بات حق ہے۔ یعنی نہ ٹلنے والی نہ مٹنے والی بات ہے۔ یہ بات باطل ہے۔ یعنی نہ ٹک سکنے والی' مٹ جانے والی بات ہے۔ پس جو بات اٹل ہوگی اس کا اٹل ہونا کسی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ جو بات مٹ جانے والی ہے اس کا مٹنا

ہر آنکھ دیکھ لے گی!

اللہ کی صفت بھی ''الحق'' ہے:

چنانچہ وہ اللہ کی نسبت بھی ''الحق'' کی صفت استعمال کرتا ہے- کیونکہ اس کی ہستی سے بڑھ کر اور کون سی حقیقت ہے جو ثابت اور اٹل ہو سکتی ہے؟

﴿ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ﴾ (۱۰:۳۲)

''پس یہ ہے تمہارا پروردگار ''الحق''!''

﴿ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ﴾ (۲۰:۱۱۴)

''پس کیا ہی بلند درجہ ہے اللہ کا' الملک (یعنی فرمانروا) الحق (یعنی ثابت)

وحی و تنزیل بھی ''الحق'' ہے:

وحی و تنزیل کو بھی وہ ''الحق'' کہتا ہے کیونکہ وہ دنیا کی ایک قائم و ثابت حقیقت ہے- جن قوتوں نے اسے مٹانا چاہا تھا وہ خود مٹ گئیں حتی کہ آج ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں لیکن وحی و تنزیل کی حقیقت ہمیشہ قائم رہی اور آج تک قائم ہے:

﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ﴾ (۱۰:۱۰۸-۱۰۹)

''(اے پیغمبرؐ! لوگوں سے) کہہ دو کہ اے افرادِ نسل انسانی! بلاشبہ تمہارے پروردگار کی طرف سے وہ چیز تمہارے لیے آ گئی جو ''حق'' ہے- پس اب جس کسی نے سیدھی راہ اختیار کی تو یہ راست روی اسی کی بھلائی کے لیے ہے اور جس نے گمراہی اختیار کی تو اس کی گمراہی کا نقصان بھی اسی کے لیے ہے اور میرا کام تو صرف راہِ حق دکھلا دینا ہے) میں تم پر نگہبان مقرر نہیں کیا گیا ہوں (کہ تم کو پکڑ کے زبردستی راہ پر لگا دوں)- اور (اے پیغمبرؐ!) جو کچھ تم پر وحی کی گئی ہے اس کے مطابق چلو اور صبر کرو- یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں بہتر فیصلہ کرنے والا ہے!''

﴿ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ﴾ (۱۷:۱۰۵)

''اور (اے پیغمبرؐ!) ہماری طرف سے اس کا (یعنی قرآن کا) نازل ہونا حق ہے اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل بھی ہوا ہے-''

قرآن کی اصطلاح میں ''الحق'':

اسی طرح جب وہ علامت تعریف کے ساتھ کسی بات کو ''الحق'' کہتا ہے تو اس سے بھی مقصود یہی حقیقت ہوتی ہے اور اسی لیے وہ اکثر حالتوں میں صرف ''الحق'' کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے- اس سے زیادہ کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھتا- کیونکہ

اگرچہ فطرت کائنات کا یہ قانون ہے کہ وہ حق و باطل کے نزاع میں ''حق'' ہی کو باقی رکھتی ہے تو کسی بات کے امر حق ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ ''حق'' ہے- یعنی باقی و قائم رہنے والی حقیقت ہے- اس کا بقاو قیام خود ہی اپنی حقیقت کا اعلان کر دے گا-

نزاع حق و باطل:

یہ جو قرآن جا بجا حق اور باطل کی نزاع کا ذکر کرتا ہے اور پھر بطور اصل اور قاعدہ کے اس پر زور دیتا ہے کہ کامیابی حق کے لیے ہے اور ہزیمت و خسران باطل کے لیے تو یہ تمام مقامات بھی اسی قانون ''قضاء بالحق'' کی تصریحات ہیں اور اسی حقیقت کی روشنی میں ان کا مطالعہ کرنا چاہیے:

﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ﴾(۲۱: ۱۸)

''اور ہمارا قانون یہ ہے کہ حق باطل سے ٹکراتا ہے اور اسے پاش پاش کر دیتا ہے اور اچانک ایسا ہوتا ہے کہ وہ نابود ہو گیا!''

﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ ﴾ (۱۷: ۸۱)

''اور کہہ دو حق نمودار ہو گیا اور باطل نابود ہوا اور یقیناً باطل نابود ہی ہونے والا تھا!''

اللہ کی شہادت:

اور پھر حق و صداقت کے لیے یہی اللہ کی وہ شہادت ہے جو اپنے مقررہ وقت پر ظاہر ہوتی ہے اور بتا دیتی ہے کہ حق کس کے ساتھ تھا- اور باطل کا کون پرستار تھا- یعنی ''قضاء بالحق'' کا قانون حق کو ثابت و قائم رکھ کر اور اس کے حریف کو محو و متلاشی کر کے حقیقت حال کا اعلان کر دیتا ہے:

﴿ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَّعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾(۲۹: ۵۲)

''ان لوگوں سے کہہ دو اب کسی اور رد و کد کی ضرورت نہیں- میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے- آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اس کے علم میں ہے- پس جو لوگ حق کی جگہ باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ کی صداقت کے منکر ہیں تو یقیناً وہی ہیں جو تباہ ہونے والے ہیں!''

ایک دوسرے موقع پر فیصلہ امر کے لیے اسے سب سے بڑی شہادت قرار دیا ہے:

﴿ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ (۶: ۱۹)

''کون سی بات سب سے بڑی گواہی ہے؟ (اے پیغمبرؐ!) کہہ دو اللہ کی گواہی- وہی میرے اور تمہارے درمیان (فیصلہ امر کے لیے) گواہی دینے والا ہے!''

قضاء بالحق مادیات اور معنویات کا عالمگیر قانون ہے:

وہ کہتا ہے اس قانون سے تم کیونکر انکار کر سکتے ہو جبکہ زمین و آسمان کا تمام کارخانہ اسی کی کارفرمائیوں پر قائم ہے؟ اگر فطرت کائنات نقصان اور برائی چھانٹتی نہ رہتی اور بقاو قیام صرف اچھائی اور خوبی ہی کے لیے نہ ہوتا تو ظاہر ہے تمام کارخانہ ہستی درہم برہم ہو جاتا - جب تم جسمانیات میں اس قانون فطرت کا مشاہدہ کر رہے ہو تو معنویات میں تمہیں کیوں انکار ہو؟

﴿ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَ هُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ﴾(۲۳ : ۷۱)

''اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرے تو یقین کرو یہ آسمان و زمین اور جو کوئی اس میں ہے سب درہم برہم ہو کر رہ جائے!''

''انتظار'' اور ''تربص'':

قرآن میں جہاں کہیں انتظار اور تربص پر زور دیا ہے اور کہا ہے جلدی نہ کرو انتظار کرو عنقریب حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا - مثلاً ﴿ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴾ (۱۰ : ۱۰۲) تو اس سے بھی مقصود یہی حقیقت ہے -

''قضاء بالحق'' اور تدریج و امہال:

لیکن کیا ''قضاء بالحق'' کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر باطل عمل فوراً نابود ہو جائے اور ہر عمل حق فوراً فتح مند ہو جائے؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا اور ''رحمت'' کا مقتضا یہی ہے کہ ایسا نہ ہو - جس ''رحمت'' کا مقتضا یہ ہوا کہ مادیات میں ''تدریج و امہال'' کا قانون نافذ ہے اسی رحمت کا مقتضا یہ ہوا کہ معنویات میں بھی تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے اور عالم مادیات ہو یا معنویات' کائنات ہستی کے ہر گوشہ میں قانون فطرت ایک ہی ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ دنیا میں کوئی انسانی جماعت اپنی بدعملیوں کے ساتھ مہلت حیات پا سکتی:

﴿ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ﴾(۱۰ : ۱۱)

''اور جس طرح انسان فائدے کے لیے جلد باز ہوتا ہے اگر اسی طرح اللہ انسان کو سزا دینے میں جلد باز ہوتا تو (انسان کی لغزشوں خطاؤں کا یہ حال ہے کہ) کبھی کا فیصلہ ہو چکتا اور ان کا مقررہ وقت فوراً نمودار ہو جاتا -''

''تاجیل'':

وہ کہتا ہے' جس طرح مادیات میں ہر حالت بتدریج نشو و نما پاتی ہے اور ہر نتیجہ کے ظہور کے لیے ایک خاص مقدار' ایک خاص مدت' اور ایک خاص وقت مقرر کر دیا گیا ہے ٹھیک اسی طرح اعمال کے نتائج کے لیے بھی مقدار و اوقات کے احکام مقرر ہیں - اور ضروری ہے کہ ہر نتیجہ ایک خاص مدت کے بعد اور ایک خاص مقدار کی نشو و نما کے بعد ظہور میں آئے -

مثلاً فطرت کا یہ قانون ہے کہ اگر پانی آگ پر رکھا جائے گا تو وہ گرم ہو کر کھولنے لگے گا لیکن پانی کے گرم ہونے اور بالآخر کھولنے کے لیے حرارت کی ایک خاص مقدار ضروری ہے اور اس کے ظہور و تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ایک مقررہ

وقت تک انتظام کیا جائے- ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم پانی چولھے پر رکھو اور فوراً کھولنے لگے- وہ یقیناً کھولنے لگے گا لیکن اس وقت جب حرارت کی مقررہ مقدار بتدریج تکمیل تک پہنچ جائے گی- ٹھیک اسی طرح یہاں انسانی اعمال کے نتائج بھی اپنے مقررہ اوقات ہی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ضروری ہے کہ جب تک اعمال کے اثرات ایک خاص مقررہ مقدار تک نہ پہنچ جائیں نتائج کے ظہور کا انتظار کیا جائے-

اس صورت حال سے تدریج و امہال کی حالت پیدا ہوگئی اور عمل حق اور عمل باطل دونوں کے نتائج کے ظہور کے لیے "تاجیل" یعنی ایک معین وقت کا ٹھہراؤ ضروری ہوگیا- دونوں کے نتائج فوراً ظاہر نہیں ہو جائیں گے- اپنی مقررہ "اجل" یعنی مقررہ وقت ہی پر ظاہر ہونگے- البتہ حق کے لیے تاجیل اس لیے ہوتی ہے تاکہ اس کی فتح مند قوت نشوونما پائے اور باطل کے لیے اس لیے ہوتی ہے تاکہ اس کی فنا پذیر کمزوری تکمیل تک پہنچ جائے- اس تاجیل کے لیے کوئی ایک ہی مقررہ مدت نہیں ہے- ہر حالت کا ایک خاصہ ہے اور ہر گرد و پیش اپنا ایک خاص مقتضا رکھتا ہے- ہوسکتا ہے کہ ایک خاص حالت کے لیے مقررہ مدت کی مقدار بہت تھوڑی ہو اور ہوسکتا ہے کہ بہت زیادہ ہو:

﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ○ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ○ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ○ ﴾

(۲۱:۱۰۹-۱۱۱)

"پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو ان سے کہہ دو میں نے تم سب کو یکساں طور پر (حقیقت حال کی) خبر دے دی اور میں نہیں جانتا اعمال بد کے جس نتیجہ کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا وقت قریب ہے یا ابھی دیر ہے- جو کچھ علانیہ زبان سے کہا جاتا ہے اور جو کچھ تم پوشیدہ رکھتے ہو خدا کو سب کچھ معلوم ہے- اور مجھے کیا معلوم، ہوسکتا ہے یہ تاخیر اس لیے ہوتا کہ تمہاری آزمائش کی جائے یا اس لیے کہ ایک خاص وقت تک تمہیں فائدہ اٹھانے کا (مزید) موقع دیا جائے-"

قوانین فطرت کا معیار اوقات:

قرآن کہتا ہے، تم اپنی اوقات شماری کے پیمانے سے قوانین فطرت کی رفتار عمل کا اندازہ نہ لگاؤ- فطرت کا دائرہ عمل تو اتنا وسیع ہے کہ تمہارے معیار حساب کی بڑی سے بڑی مدت اس کے لیے ایک دن کی مدت سے زیادہ نہیں:

﴿ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ○ وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَمْلَیْتُ لَهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا وَاِلَیَّ الْمَصِیْرُ○ ﴾

(۲۲:۴۷-۴۸)

"اور وہ لوگ عذاب کے لیے جلد بازی کر رہے ہیں (یعنی انکار و شرارت کی راہ سے کہتے ہیں اگر سچ مچ کو عذاب آنے والا ہے تو وہ کہاں ہے؟) سو یقین کرو خدا اپنے وعدہ میں کبھی خلاف کرنے والا نہیں لیکن

بات یہ ہے کہ تمہارے پروردگار کا ایک دن ایسا ہوتا ہے جیسا تمہارے حساب کا ہزار برس- چنانچہ کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں (عرصہ دراز تک) ڈھیل دی گئی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (جب ظہور نتائج کا وقت آ گیا تو) ہمارا مؤاخذہ نمودار ہوگیا- اور (ظاہر ہے کہ) لوٹ کر ہماری طرف آنا ہے-"

استعجال بالعذاب:

ان آیات میں فکر انسانی کی جس گمراہی کو "استعجال بالعذاب" سے تعبیر کیا گیا ہے وہ صرف انہی منکرین حق کی گمراہی نہ تھی جو ظہور اسلام کے وقت اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے تھے بلکہ ہر زمانہ میں انسان کی ایک عالمگیر کج اندیشی رہی ہے- وہ بسا اوقات فطرت کی اس مہلت بخشی سے فائدہ اٹھانے کی جگہ شر و فساد میں اور زیادہ نڈر اور جری ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: اگر فی الحقیقت حق و باطل کے لیے ان کے نتائج و عواقب ہیں' تو وہ نتائج کہاں ہیں؟ اور کیوں فوراً ظاہر نہیں ہو جاتے؟ قرآن جا بجا منکرین حق کا یہ خیال نقل کرتا ہے اور کہتا ہے: اگر کائنات ہستی میں اس حقیقت اعلیٰ کا ظہور نہ ہوتا جسے "رحمت" کہتے ہیں تو یقیناً یہ نتائج یکا یک اور بہ یک دفعہ ظاہر ہو جاتے اور انسان اپنی بدعملیوں کے ساتھ کبھی زندگی کا سانس نہ لے سکتا لیکن یہ سارے قانونوں اور حکموں سے بھی بالاتر "رحمت" کا قانون ہے اور اس کا مقتضا یہی ہے کہ حق کی طرح باطل کو بھی زندگی و معیشت کی مہلتیں دے' اور توبہ و رجوع اور عفو و درگزر کا دروازہ ہر حال میں باز رکھے- فطرت کائنات میں اگر یہ "رحمت" نہ ہوتی' تو یقیناً وہ جزائے عمل میں جلد باز ہوتی لیکن اس میں رحمت ہے اس لیے نہ تو اس کی مہلت بخشیوں کی کوئی حد ہے نہ اس کے عفو و درگزر کے لیے کوئی کنارہ!

﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْفَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ○ ﴾(۲۷: ۷۱-۷۳)

"اور (اے پیغمبرؐ!) یہ (حقیقت فراموش کہتے ہیں) اگر تم (نتائج ظلم و طغیان سے ڈرانے میں) سچے ہو تو وہ بات کب ہونے والی ہے؟ (اور کیوں نہیں ہو چکتی؟)- ان سے کہہ دو (گھبراؤ نہیں) جس بات کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو عجب نہیں اس کا ایک حصہ بالکل قریب آ گیا ہو- اور (اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار انسان کے لیے بڑا ہی فضل رکھنے والا ہے (کہ ہر حال میں اصلاح و تلافی کی مہلت دیتا ہے) لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر) بیشتر ایسے ہیں کہ اس کے فضل و رحمت سے فائدہ اٹھانے کی جگہ اس کی ناشکری کرتے ہیں!"

﴿ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ (۲۹: ۵۳)

"اور یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں (یعنی انکار و شرارت کی راہ سے کہتے ہیں اگر واقعی عذاب

آنے والا ہے تو کیوں نہیں آ چکتا؟) اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ایک خاص وقت نہ ٹھہرا دیا گیا ہوتا تو کب کا عذاب آ چکا ہوتا اور (یقین رکھو جب وہ آئے گا تو اس طرح آئے گا کہ) یکا یک ان پر آ گرے گا اور انہیں اس کا وہم و گمان بھی نہ ہوگا!''

﴿ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ ﴾(۱۱:۱۰۴)

''اور (یاد رکھو) اگر ہم اس معاملہ میں تاخیر کرتے ہیں تو صرف اس لیے کہ ایک حساب کی ہوئی مدت کے لیے اسے تاخیر میں ڈال دیں۔''

العاقبۃ المتقین :

وہ کہتا ہے: یہاں زندگی و عمل کی مہلتیں سب کے لیے ہیں کیونکہ ''رحمت'' کا مقتضا یہی تھا۔ پس اس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے اور یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ نتائج اعمال کے قوانین موجود نہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ نتیجہ کی کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے اور آخر کار کون آبرومند ہوتا ہے:

﴿ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ (۶:۱۳۵)

''(اے پیغمبرؐ! تم ان لوگوں سے) کہہ دو کہ دیکھو (اب میرے اور تمہارے معاملہ کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے) تم جو کچھ کر رہے ہو اپنی جگہ کیے جاؤ اور میں بھی اپنی جگہ کام میں لگا ہوں۔ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے جس کے لیے آخر کار (کامیاب) ٹھکانا ہے۔ بلاشبہ (یہ اس کا قانون ہے کہ) ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔''

قرآن کی وہ تمام آیات جن میں ظلم و کفر کے لیے فلاح و کامیابی کی نفی کی گئی ہے:

اس موقع پر یہ قاعدہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ قرآن نے جہاں کہیں ظلم و فساد اور فسق و کفر وغیرہ اعمال بد کے لیے کامیابی و فلاح کی نفی کی ہے اور نیک عملی کے لیے فتح مندی و کامرانی کا اثبات کیا ہے ان تمام مقامات میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً

(۱) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۶:۲۱) ''تحقیق وہ ظالموں کو فلاح نہیں دیتا''

(۲) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ (۱۰:۱۷) ''بے شک وہ مجرموں کو کامیابی نہ دے گا''

(۳) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (۲۳:۱۱۷) ''حقیقتاً وہ کافروں کو کامیاب نہیں کرتا''

(۴) لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (۱۰:۸۱) ''ہاں وہ فسادیوں کی اصلاح نہیں فرماتا''

(۵) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (۹:۳۷) ''تحقیق اللہ منکر قوم کو ہدایت نہیں دیتا''

(۶) وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۳:۳۷) وغیرہا۔ ''اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دکھلاتا''

اللہ ظلم کرنے والوں کو فلاح نہیں دیتا - یعنی اس کا قانون ہے کہ ظلم کے لیے کامیابی و فلاح نہیں ہوتی - اللہ ظلم کرنے والوں کو فلاح نہیں دیتا - یعنی اس کا قانون یہی ہے کہ ظلم کرنے والوں پر کامیابی و سعادت کی راہ نہیں کھلتی - یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ ارشاد و ہدایت کا دروازہ ان پر بند کر دیتا ہے - اور وہ گمراہی و کوری کی زندگی پر مجبور کر دیے جاتے ہیں - افسوس ہے کہ قرآن کے مفسروں نے ان مقامات کا ترجمہ غور و فکر کے ساتھ نہیں کیا اس لیے مطالب اپنی اصلی شکل میں واضح نہ ہو سکے -

''تمتع'':

اور پھر اصطلاح قرآنی میں یہی وہ ''تمتع'' ہے - یعنی زندگی سے فائدہ اٹھانے کی مہلت جس کا وہ بار بار ذکر کرتا ہے اور جو یکساں طور پر سب کو دی گئی ہے:

﴿ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ﴾(٢١: ٤٤)

''بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو اور ان کے آبا و اجداد کو مہلت حیات سے بہرہ مند ہونے کے مواقع دیے یہاں تک کہ (خوشحالی کی) ان پر بڑی بڑی عمریں گزر گئیں -''

اسی طرح وہ جا بجا ﴿ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ (١٠: ٩٨) ﴿ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴾ (٣٦: ٤٤) ﴿ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (١٦: ٥٥) وغیرہ تعبیرات سے بھی اسی حقیقت پر زور دیتا ہے -

''قضاء بالحق'' اور اقوام و جماعات:

اسی طرح وہ قانون قضاء بالحق کو جماعتوں اور قوموں کے عروج و زوال پر بھی منطبق کرتا ہے اور کہتا ہے: جس طرح فطرت کا قانون انتخاب' افراد و اجسام میں جاری ہے اسی طرح اقوام و جماعات میں بھی جاری ہے - جس طرح فطرت نافع اشیا کو باقی رکھتی ہے غیر نافع کو چھانٹ دیتی ہے ٹھیک اسی طرح جماعتوں میں بھی صرف اسی جماعت کے لیے بقا ہوتی ہے جس میں دنیا کے لیے نفع ہو - جو جماعت غیر نافع ہو جاتی ہے چھانٹ دی جاتی ہے - وہ کہتا ہے: یہ اس کی ''رحمت'' ہے - کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا میں انسانی ظلم و طغیان کے لیے کوئی روک تھام نظر نہ آتی:

﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (٢: ٢٥١)

''اور (دیکھو) اگر اللہ (نے جماعتوں اور قوموں میں باہم دگر تزاحم پیدا نہ کر دیا ہوتا اور وہ) بعض آدمیوں کے ذریعے بعض آدمیوں کو راہ سے ہٹاتا نہ رہتا تو یقیناً زمین میں خرابی پھیل جاتی لیکن اللہ کائنات کے لیے فضل و رحمت رکھنے والا ہے -''

ایک دوسرے موقع پر یہی حقیقت ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے:

﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ

فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ○ ﴾(٢٢:٤٠)

''اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ اللہ بعض جماعتوں کے ذریعے بعض جماعتوں کو ہٹاتا رہتا تو (یقین کرو دنیا میں انسان کے ظلم وفساد کے لیے کوئی روک باقی نہ رہتی اور) یہ تمام خانقاہیں' گرجے' عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اس کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے منہدم ہو کر رہ جاتیں۔''

''قضاء بالحق'' کے اجتماعی نفاذ میں بھی تدریج وامہال اور تاجیل ہے:

لیکن وہ کہتا ہے جس طرح فطرت کائنات کے تمام کاموں میں تدریج وامہال کا قانون کام کر رہا ہے اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے معاملہ میں بھی وہ جو کچھ کرتی ہے بتدریج کرتی ہے اور اصلاح حال اور رجوع وانابت کا دروازہ آخر وقت تک کھلا رکھتی ہے۔ کیونکہ ''رحمت'' کا مقتضا یہی ہے:

﴿ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ○ ﴾(٧:١٦٨)

''اور ہم نے ایسا کیا کہ ان کے لیے الگ الگ گروہ زمین میں پھیل گئے۔ ان میں سے بعض تو نیک عمل تھے بعض دوسری طرح کے۔ پھر ہم نے انہیں اچھائیوں اور برائیوں دونوں طرح کی حالتوں سے آزمایا تاکہ نافرمانی سے باز آجائیں۔''

جس طرح اجسام کے ہر تغیر کے لیے فطرت نے اسباب وعلل کی ایک خاص مقدار اور مدت مقرر کر دی ہے اسی طرح اقوام کے زوال وہلاکت کے لیے بھی موجبات ہلاکت کی ایک خاص مقدار اور مدت مقرر ہے اور یہ ان کی ''اجل'' ہے۔ جب تک یہ اجل نہیں آچکتی قانون الٰہی یکے بعد دیگرے تنبہ واعتبار کی مہلتیں دیتا رہتا ہے:

﴿ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ○ ﴾

(٩:١٢٦)

''کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ان پر کوئی برس ایسا نہیں گزرتا کہ ہم انہیں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائشوں میں نہ ڈالتے ہوں (یعنی ان کے اعمال بد کے نتائج پیش نہ آتے ہوں) پھر بھی نہ تو توبہ کرتے ہیں نہ حالات سے نصیحت پکڑتے ہیں!''

لیکن اگر تنبہ واعتبار کی یہ تمام مہلتیں رائگاں گئیں اور ان سے فائدہ نہ اٹھایا گیا تو پھر فیصلہ امر کا آخری وقت نمودار ہو جاتا ہے اور جب وہ وقت آجائے تو پھر یہ فطرت کا آخری' اٹل اور بے پناہ فیصلہ ہے۔ نہ تو اس میں ایک لحہ کے لیے تاخیر ہو سکتی ہے نہ یہ اپنے مقررہ وقت سے ایک لحہ پہلے آسکتا ہے:

﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ○ ﴾(٧:٣٤)

''اور (دیکھو) ہر امت کے لیے ایک مقررہ وقت ہے۔ سو جب ان کا مقررہ وقت آچکتا ہے تو اس سے نہ

تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔''

﴿ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتٰبٌ مَّعْلُوْمٌ○ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ○ ﴾ (۱۵:۴-۵)

''اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ (ہمارے ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق) ایک مقررہ میعاد اس کے لیے موجود تھی۔ کوئی امت نہ تو اپنے مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے!''

اسی طرح ''بقائے انفع'' اور ''قضاء بالحق'' کا قانون پچھلی قوم کو چھانٹ دیتا ہے اور اس کی جگہ ایک دوسری قوم لا کھڑی کرتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ ''رحمت'' کا مقتضا یہی ہے:

﴿ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ○وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ○وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُوالرَّحْمَةِ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ○ ﴾ (۶:۱۳۱-۱۳۳)

''یہ (تبلیغ و ہدایت کا تمام سلسلہ) اس لیے ہے کہ تمہارے پروردگار کا یہ شیوہ نہیں کہ بستیوں کو ظلم وستم سے ہلاک کر ڈالے اور ان کے بسنے والے حقیقت حال سے بے خبر ہوں۔ (اس کا قانون تو یہ ہے کہ) جیسا کچھ جس کا عمل ہے اسی کے مطابق اس کا ایک درجہ ہے (اور اسی درجہ کے مطابق اچھے برے نتائج ظاہر ہوتے ہیں) اور یاد رکھو جیسے کچھ لوگوں کے اعمال ہیں تمہارا پروردگار ان سے بے خبر نہیں ہے! تمہارا پروردگار رحمت والا اور بے نیاز ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں راہ سے ہٹا دے اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہارا جانشین بنا دے۔ اسی طرح جس طرح ایک دوسری قوم کی نسل سے تمہیں اوروں کا جانشین بنا دیا ہے۔''

انفرادی زندگی اور مجازات دنیوی:

اسی طرح وہ کہتا ہے: یہ بات کہ انفرادی زندگی کے اعمال کی جزا دنیوی زندگی سے تعلق نہیں رکھتی۔ آخرت پر اٹھا رکھی گئی ہے اور دنیا میں نیک و بد سب کے لیے یکساں طور پر مہلت حیات اور فیضان معیشت ہے۔ اسی حقیقت کا نتیجہ ہے کہ یہاں ''رحمت'' کی کارفرمائی ہے۔ ''رحمت'' کا مقتضا یہی تھا کہ اس کے فیضان و بخشش میں کسی طرح کا امتیاز نہ ہو اور مہلت حیات سب کو پوری طرح ملے۔ اس نے انسان کی انفرادی زندگی کے دو حصے کر دیے۔ ایک حصہ دنیوی زندگی کا ہے اور سرتاسر مہلت ہے۔ دوسرا حصہ مرنے کے بعد کا ہے اور جزا کا معاملہ اسی سے تعلق رکھتا ہے:

﴿ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُوالرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا○ ﴾ (۱۸:۵۸)

''اور (اے پیغمبرؐ! یقین کرو) تمہارا پروردگار بڑا بخشنے والا صاحب رحمت ہے۔ اگر وہ ان لوگوں سے

ان کے اعمال کے مطابق مواخذہ کرتا تو فوراً عذاب نازل ہو جاتا - لیکن ان کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی گئی ہے اور جب وہ نمودار ہوگی تو اس سے بچنے کے لیے کوئی پناہ کی جگہ انہیں نہیں ملے گی -''

﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰى اَجَلاً وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ﴾(۲:۶)

''وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تمہاری زندگی کے لیے ایک وقت ٹھہرا دیا اور اسی طرح اس کے پاس ایک اور بھی ٹھہرائی ہوئی میعاد ہے! (یعنی قیامت کا دن) -''

معنوی قوانین کی مہلت بخشی اور توبہ و انابت:

وہ کہتا ہے: جس طرح عالم اجسام میں تم دیکھتے ہو کہ فطرت نے ہر کمزوری و فساد کے لیے ایک لازمی نتیجہ ٹھہرا دیا ہے لیکن پھر بھی اصلاح حال کا دروازہ بند نہیں کرتی اور مہلتوں پر مہلتیں دیتی رہتی ہے - نیز اگر بروقت اصلاح ظہور میں آ جائے تو اسے قبول کر لیتی ہے - ٹھیک ٹھیک اسی طرح یہاں بھی توبہ و انابت کا دروازہ کھلا رکھا ہے - کوئی بد عملی' کوئی گناہ' کوئی جرم' کوئی فساد ہو' اور نوعیت میں کتنا ہی سخت اور مقدار میں کتنا ہی عظیم ہو لیکن جونہی توبہ و انابت کا احساس انسان کے اندر جنبش میں آتا ہے تو رحمت الٰہی قبولیت کا دروازہ معاً کھول دیتی ہے اور اشک ندامت کا ایک قطرہ بد عملیوں اور گناہوں کے بے شمار داغ دھبے اس طرح دھو دیتا ہے گویا اس کے دامن عمل پر کوئی دھبہ لگا ہی نہ تھا! التائب من الذنب کمن لاذنب له -

﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ ﴾(۲۵:۷۰)

''ہاں! مگر جس کسی نے توبہ کی' ایمان لایا اور آئندہ کے لیے نیک عملی اختیار کی تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ اچھائیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے!''

رحمت الٰہی اور مغفرت و بخشش کی وسعت و فراوانی!:

اس بارے میں قرآن نے رحمت الٰہی کی وسعت اور اس کی مغفرت و بخشش کی فراوانی کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے - کتنے ہی گناہ ہوں' کتنے ہی سخت گناہ ہوں' کتنی ہی مدت کے گناہ ہوں لیکن ہر اس انسان کے لیے جو اس کے دروازۂ رحمت پر دستک دے رحمت و قبولیت کے سوا کوئی صدا نہیں ہو سکتی!

﴿ قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۝ ﴾ (۳۹:۵۴)

''اے میرے بندو! جنہوں نے (بد عملیاں کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے (تمہاری بد عملیاں کتنی ہی سخت اور کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں مگر) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو - یقیناً اللہ تمہارے تمام گناہ بخش دے گا - یقیناً وہ بڑا بخشنے والا بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے!

❁ ❁ ❁

اسلامی عقائد کا دینی تصور اور ''رحمت''

اور پھر یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں قرآن نے انسان کے لیے دینی عقائد و اعمال کا جو تصور قائم کیا ہے اس کی بنیاد بھی تمام تر رحمت و محبت ہی پر رکھی ہے کیونکہ وہ انسان کی روحانی زندگی کو کائنات فطرت کے عالمگیر کارخانہ سے کوئی الگ اور غیر متعلق چیز قرار نہیں دیتا- بلکہ اسی کا ایک مربوط گوشہ قرار دیتا ہے- اور اس لیے کہتا ہے: جس کارساز فطرت نے تمام کارخانہ ہستی کی بنیاد ''رحمت'' پر رکھی ہے ضروری تھا کہ اس گوشہ میں بھی اس کے تمام احکام سرتاسر ''رحمت'' کی تصویر ہوں!

خدا اور اس کے بندوں کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے:

چنانچہ قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ خدا اور اس کے بندوں کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے اور سچی عبودیت اسی کی عبودیت ہے جس کے لیے معبود صرف معبود ہی نہ ہو بلکہ محبوب بھی ہو:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ (۲: ۱٦۵)

''اور (دیکھو) انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے ہیں جو دوسری ہستیوں کو اللہ کا ہم پلہ بنا لیتے ہیں- وہ انہیں اس طرح چاہنے لگتے ہیں جس طرح اللہ کو چاہنا ہوتا ہے حالانکہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں ان کی زیادہ سے زیادہ محبت صرف اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے-''

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO ﴾ (۳: ۳۱)

''(اے پیغمبرؐ! ان لوگوں سے) کہہ دو اگر واقعی تم اللہ سے محبت رکھنے والے ہو تو چاہیے کہ میری پیروی کرو (میں تمہیں محبت الٰہی کی حقیقی راہ دکھا رہا ہوں' اگر تم نے ایسا کیا تو صرف یہی نہیں ہوگا کہ تم اللہ سے محبت کرنے والے ہو جاؤ گے بلکہ خود) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا- اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے!''

وہ جابجا اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ ایمان باللہ کا نتیجہ اللہ کی محبت اور محبوبیت ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ﴾ (۵: ۵۴)

''اے پیروان دعوت ایمانی! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین کی راہ سے پھر جائے گا تو (وہ یہ نہ سمجھے کہ

دعوت حق کو اس سے کچھ نقصان پہنچے گا) عنقریب اللہ ایک گروہ ایسے لوگوں کا پیدا کر دے گا جنہیں اللہ کی محبت حاصل ہوگی اور وہ اللہ کو محبوب رکھنے والے ہونگے -''

جو خدا سے محبت کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے اس کے بندوں سے محبت کرے:

لیکن بندے کے لیے خدا کی محبت کی عملی راہ کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: خدا کی محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزری ہے- جو انسان چاہتا ہے خدا سے محبت کرے اسے چاہیے کہ خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے:

﴿ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ﴾(۲:۱۷۷)

''اور جو اپنا مال اللہ کی محبت میں نکالتے اور خرچ کرتے ہیں!''

﴿ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًاo اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًاo ﴾ (۷۶:۸-۹)

''اور اللہ کی محبت میں وہ مسکینوں' یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہمارا یہ کھلانا اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ محض اللہ کے لیے ہے ہم تم سے نہ تو کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ کسی طرح کی شکر گزاری!''

ایک حدیث قدسی میں یہی حقیقت نہایت مؤثر پیرایے میں واضح کی گئی ہے:-

((یا ابن ادم مرضت فلم تعدنی قال کیف اعودك وانت رب العلمین: قال اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعده؟ اما علمت انك لوعدته لوجدتنی عنده؟ یا ابن ادم استطعمتك فلم تطعمنی قال یا رب کیف اطعمك و انت رب العلمین ؟ قال اما علمت انه استطعمك عبدی فلان فلم تطعمه اما علمت انك لواطعمته لوجدت ذلك عندی؟ یا ابن ادم استسقیتك فلم تسقنی قال کیف اسقیتك وانت رب العلمین! قال استسقاك عبدی فلان فلم تسقه اما انك لوسقیته لوجدت ذلك عندی؟)) (رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ)

''(قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ خدا ایک انسان سے کہے گا) اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی- بندہ متعجب ہو کر کہے گا بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے اور تو تو رب العالمین ہے- خدا فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی- اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لیے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا- اسی طرح خدا فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہیں کھلایا- بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے کسی بات کی احتیاج ہو؟ خدا فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا- اگر تو اسے کھلاتا تو تو اسے میرے پاس پاتا ایسے ہی خدا فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے پانی نہ پلایا- بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے پیاس لگے

تو تو خود پروردگار ہے؟ خدا فرمائے گا میرے فلاں پیاسے بندے نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے اسے پانی نہ پلایا - اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو اسے میرے پاس پاتا -

اعمال وعبادات اور اخلاق وخصائل:

اسی طرح قرآن نے اعمال وعبادات کی جو شکل ونوعیت قرار دی ہے' اخلاق وخصائل میں سے جن جن باتوں پر زور دیا ہے اور اوامر ونواہی میں جو اصول ومبادی ملحوظ رکھے ہیں ان سب میں بھی یہی حقیقت کام کر رہی ہے - اور یہ چیز اس درجہ واضح ومعلوم ہے کہ بحث وبیان کی ضرورت نہیں -

قرآن سرتاسر رحمت الٰہی کا پیام ہے:

اور پھر یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خدا کی کسی صفت کو بھی اس کثرت کے ساتھ نہیں دہرایا ہے اور نہ کوئی مطلب اس درجہ اس کے صفحات میں نمایاں ہے جس قدر رحمت ہے - اگر قرآن کے وہ تمام مقامات جمع کیے جائیں جہاں ''رحمت'' کا ذکر کیا گیا ہے تو تین سو سے زیادہ مقامات ہوں گے اور اگر وہ تمام مقامات بھی شامل کر لیے جائیں - جہاں اگرچہ لفظ رحمت استعمال نہیں ہوا ہے' لیکن ان کا تعلق رحمت ہی سے ہے - مثلاً ربوبیت' مغفرت' رأفت' کرم' حلم' عفو وغیرہا تو پھر یہ تعداد اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ کہا جا سکتا ہے قرآن اول سے لے کر آخر تک اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمت الٰہی کا پیام ہے!

بعض احادیث:

ہم اس موقع پر وہ تمام تصریحات قصداً چھوڑ رہے ہیں جن کا ذخیرہ احادیث میں موجود ہے کیونکہ یہ مقام زیادہ تفصیل وبحث کا متحمل نہیں - پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے قول وعمل سے اسلام کی جو حقیقت ہمیں بتلائی ہے وہ تمام تر یہی ہے کہ خدا کی موحدانہ پرستش اور اس کے بندوں پر شفقت ورحمت - ایک مشہور حدیث جو ہر مسلمان واعظ کی زبان پر ہے ہمیں بتلاتی ہے کہ **انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء**[1] ''خدا کی رحمت انہی بندوں کے لیے ہے' جو اس کے بندوں کے لیے رحمت رکھتے ہیں!'' حضرت مسیح (علیہ السلام) کا مشہور کلمہ وعظ ''زمین پر رحم کرو تا کہ وہ جو آسمان پر ہے تم پر رحم کرے'' - بجنسہٖ پیغمبر اسلام (ﷺ) کی زبان پر بھی طاری ہوا ہے - (**(الرحمن تبارك وتعالیٰ - ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء!)**)[2] اتنا ہی نہیں بلکہ اسلام نے انسانی رحمت وشفقت کی جو ذہنیت پیدا کرنی چاہی ہے وہ اس قدر وسیع ہے کہ بے زبان جانور بھی اس سے باہر نہیں ہیں - ایک سے زیادہ حدیثیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ اللہ کی رحمت رحم کرنے والوں کے لیے ہے - اگرچہ یہ رحم ایک چڑیا ہی کے لیے کیوں نہ ہو - (**(من رحم ولو ذبیحۃ عصفور رحمہ اللہ یوم القیمۃ!)**)[3]

---

[1] طبرانی وابن جریر بسند صحیح ۱۲

[2] امام احمد نے مسند میں' ترمذی اور ابو داؤد نے صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے - ورویناہ مسلسلاً من طریق الشیخ محمود شکری الالوسی العراقی وایضًا عن والدی المرحوم عن الشیخ صدر الدین الدھنولی من طریق الشیخ احمد ولی اللہ رحمہم اللہ ۱۲

[3] رواہ البخاری فی الادب المفرد والطبرانی عن ابی امامۃ وصححہ السیوطی فی الجامع الصغیر -

مقام انسانیت اور صفات الٰہی سے تخلق وتشبہ:

اصل یہ ہے کہ قرآن نے خدا پرستی کی بنیاد ہی اس جذبہ پر رکھی ہے کہ انسان خدا کی صفتوں کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے- وہ انسان کے وجود کو ایک ایسی سرحد قرار دیتا ہے جہاں حیوانیت کا درجہ ختم ہوتا اور ایک مافوق حیوانیت درجہ شروع ہو جاتا ہے- وہ کہتا ہے: انسان کا جوہر انسانیت جو اسے حیوانات کی سطح سے بلند و ممتاز کرتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ صفات الٰہی کا پرتو ہے اور اس لیے انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ صفات الٰہی سے تخلق وتشبہ پیدا ہو جائے- یہی وجہ ہے کہ اس نے جہاں کہیں بھی انسان کی خاص صفات کا ذکر کیا ہے انہیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دی ہے- حتیٰ کہ جوہر انسانیت کو خدا کی روح پھونک دینے سے تعبیر کیا: ﴿ ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ﴾ (۳۲ : ۸) یعنی خدا نے آدم میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دیا اور اسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے اندر عقل وحواس کا چراغ روشن ہو گیا:

در ازل پرتو حسنت ز تجلی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہ ہمہ عالم زد!

پس اگر وہ خدا کی رحمت کا تصور ہم میں پیدا کرنا چاہتا ہے تو یہ اس لیے ہے کہ وہ چاہتا ہے ہم بھی سرتا پا رحمت و محبت ہو جائیں- اگر وہ اس کی ربوبیت کا مرقع بار بار ہماری نگاہوں کے سامنے لاتا ہے تو یہ اس لیے ہے کہ وہ چاہتا ہے ہم بھی اپنے چہرۂ اخلاق میں ربوبیت کے سارے خال وخط پیدا کر لیں- اگر وہ اس کی رافت و شفقت کا ذکر کرتا ہے' اس کے لطف و کرم کا جلوہ دکھاتا ہے' اس کے جود و احسان کا نقشہ کھینچتا ہے تو اسی لیے کہ وہ چاہتا ہے ہم میں بھی ان الٰہی صفتوں کا جلوہ نمودار ہو جائے- وہ بار بار ہمیں سناتا ہے کہ خدا کی بخشش و درگزر کی کوئی انتہا نہیں اور اس طرح ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم میں بھی اس کے بندوں کے لیے بخشش و درگزر کا غیر محدود جوش پیدا ہو جانا چاہیے- اگر ہم اس کے بندوں کی خطائیں بخش نہیں سکتے تو ہمیں کیا حق ہے کہ اپنی خطاؤں کے لیے اس کی بخشائشوں کا انتظار کریں؟

احکام وشرائع:

جہاں تک احکام وشرائع کا تعلق ہے بلاشبہ اس نے یہ نہیں کہا کہ دشمنوں کو پیار کرو کیونکہ ایسا کہنا حقیقت نہ ہوتی' مجاز ہوتا- لیکن اس نے کہا کہ دشمنوں کو بھی بخش دو اور جو دشمن کو بخش دینا سیکھ لے گا اس کا دل خود بخود انسانی بغض و نفرت کی آلودگیوں سے پاک ہو جائے گا:

﴿ اَلْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝ ﴾ (۳ : ۱۳٤)

''غصہ ضبط کرنے والے' اور انسانوں کے قصور بخش دینے والے اور اللہ کی محبت انہی کے لئے ہے جو احسان کرنے والے ہیں!''

﴿ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ (۲۲:۱۳)

''اور جن لوگوں نے اللہ کی محبت میں (سختی و ناگواری) برداشت کر لی' نماز قائم کی' خدا کی دی ہوئی روزی پوشیدہ و علانیہ (اس کے بندوں کے لیے) خرچ کی اور برائی کا جواب برائی سے نہیں نیکی سے دیا تو (یقین کرو) یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کا بہتر ٹھکانا ہے۔''

﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَاِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِo ﴾(۴۳:۴۲)

''اور (دیکھو) جو کوئی برائی پر صبر کرے اور بخش دے تو یقیناً یہ بڑی ہی اولوالعزمی کی بات ہے!''

﴿ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌo وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍo ﴾(۴۱:۳۴-۳۵)

''اور (دیکھو) نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی (اگر کوئی برائی کرے تو) برائی کا جواب ایسے طریقے سے دو جو اچھا طریقہ ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم دیکھو گے کہ جس شخص سے تمہاری عداوت تھی یکا یک تمہارا دلی دوست ہو گیا ہے البتہ یہ ایسا مقام ہے جو اسی کو مل سکتا ہے جو (بدسلوکی سہہ لینے کی) برداشت رکھتا ہو اور جسے (نیکی وسعادت کا) حصہ وافر ملا ہو۔''

بلا شبہ اس نے بدلہ لینے سے بالکل روک نہیں دیا اور وہ کیونکر روک سکتا تھا جب کہ طبیعت حیوانی کا یہ فطری خاصہ ہے اور حفاظت نفس اس پر موقوف ہے لیکن جہاں کہیں بھی اس نے اس کی اجازت دی ہے ساتھ ہی عفو و بخشش اور بدی کے بدلے نیکی کرنے کی موثر ترغیب بھی دے دی ہے اور ایسی موثر ترغیب دی ہے کہ ممکن نہیں ایک خدا پرست انسان اس سے متاثر نہ ہو:

﴿ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴾ (۱۲۶:۱۶)

''اور (دیکھو) اگر تم بدلہ لو تو چاہیے جتنی اور جیسی کچھ برائی تمہارے ساتھ کی گئی ہے اسی کے مطابق ٹھیک ٹھیک بدلہ بھی لیا جائے (یہ نہ ہو کہ زیادتی کر بیٹھو) لیکن اگر تم برداشت کر جاؤ اور بدلہ نہ لو تو (یاد رکھو) برداشت کرنے والوں کے لیے برداشت کر جانے ہی میں بہتری ہے!''

﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ (۴۰:۴۲)

''اور برائی کے لیے ویسا ہی اور اتنا ہی بدلہ ہے جیسی اور جتنی برائی کی گئی ہے۔ لیکن جس کسی نے درگزر کیا اور معاملہ بگاڑنے کی جگہ سنوار لیا تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔''

☆☆☆

انجیل اور قرآن

ہم نے قرآن کی آیات عفو و بخشش نقل کرتے ہوئے ابھی کہا ہے کہ اس نے یہ نہیں کہا کہ دشمنوں کو پیار کرو کیونکہ ایسا کہنا حقیقت نہ ہوتی' مجاز ہوتا۔ضروری ہے کہ اس کی مختصر تشریح کر دی جائے:

حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کی ظاہر پرستیوں اور اخلاقی محرومیوں کی جگہ رحم و محبت اور عفو و بخشش کی اخلاقی قربانیوں پر زور دیا تھا اور ان کی دعوت کی اصلی روح یہی ہے۔ چنانچہ ہم انجیل کے مواعظ میں جا بجا اس طرح کے خطابات پاتے ہیں۔''تم نے سنا ہوگا کہ اگلوں سے کہا گیا دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ لیکن میں کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا'' یا ''اپنے ہمسایوں ہی کو نہیں بلکہ دشمنوں کو بھی پیار کرو''۔ یا مثلاً ''اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو چاہیے دوسرا گال بھی آگے کر دو''۔ سوال یہ ہے کہ ان خطابات کی نوعیت کیا تھی؟ یہ اخلاقی فضائل و ایثار کا ایک موثر پیرایہ بیان تھا یا تشریع یعنی قوانین وضع کرنا تھا؟

دعوت مسیح ؑ اور دنیا کی حقیقت فراموشی:

افسوس ہے کہ انجیل کے معتقدوں اور نکتہ چینوں دونوں نے یہاں ٹھوکر کھائی - دونوں اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ تشریع تھی اور اس لیے دونوں کو تسلیم کر لینا پڑا کہ یہ نا قابل عمل احکام ہیں۔ معتقدوں نے خیال کیا کہ اگر چہ ان احکام پر عمل نہیں کیا جا سکتا تاہم مسیحیت کے احکام یہی ہیں اور عملی نقطہ خیال سے اس قدر کافی ہے کہ اوائل عہد میں چند ولیوں اور شہیدوں نے ان پر عمل کر لیا تھا۔ نکتہ چینوں نے کہا کہ یہ سرتا سر ایک نظری اور نا قابل عمل تعلیم ہے اور کہنے میں کتنی ہی خوشنما ہو لیکن عملی نقطۂ خیال سے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ یہ فطرت انسانی کے صریح خلاف ہے۔

فی الحقیقت نوع انسانی کی یہ بڑی ہی درد انگیز نا انصافی ہے جو تاریخ انسانیت کے اس عظیم الشان معلم کے ساتھ جائز رکھی گئی۔ جس طرح بے درد نکتہ چینوں نے اسے سمجھنے کی کوشش نہ کی اسی طرح نادان معتقدوں نے بھی فہم و بصیرت سے انکار کر دیا!

حضرت مسیحؑ کی تعلیم کو فطرت انسانی کے خلاف سمجھنا تفریق بین الرسل ہے:

لیکن کیا کوئی انسان جو قرآن کی سچائی کا معترف ہو۔ ایسا خیال کر سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم فطرت انسانی

کے خلاف تھی اور اس لیے نا قابل عمل تھی حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی تصدیق کے ساتھ ایسا منکرانہ خیال جمع نہیں ہو سکتا - اگر ہم ایک لمحہ کے لیے بھی اسے تسلیم کر لیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کی سچائی سے انکار کر دیں - کیونکہ جو تعلیم فطرت انسانی کے خلاف ہے وہ کبھی انسان کے لیے سچی تعلیم نہیں ہو سکتی - لیکن ایسا اعتقاد نہ صرف قرآن کی تعلیم کے خلاف ہو گا بلکہ اس کی دعوت کی اصلی بنیاد ہی متزلزل ہو جائے گی - اس کی دعوت کی بنیادی اصل یہ ہے کہ وہ دنیا کے تمام رہنماؤں کی یکساں طور پر تصدیق کرتا اور سب کو خدا کی ایک ہی سچائی کا پیامبر قرار دیتا ہے - وہ کہتا ہے: پیروان مذہب کی سب سے بڑی گمراہی تفریق بین الرسل ہے - یعنی ایمان و تصدیق کے لحاظ سے خدا کے رسولوں میں تفریق کرنا' کسی ایک کو ماننا دوسروں کو جھٹلانا یا سب کو ماننا کسی ایک کا انکار کر دینا - اسی لیے اس نے جا بجا اسلام کی راہ یہ بتلائی ہے:

﴿ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ (۳: ۸۴)

''ہم خدا کے رسولوں میں سے کسی کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں) ہم تو خدا کے آگے جھکے ہوئے ہیں (اس کی سچائی کہیں بھی آئی ہو اور کسی کی زبانی آئی ہو' ہمارا اس پر ایمان ہے)''

علاوہ بریں خود قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کا یہی پہلو جا بجا نمایاں کیا ہے کہ وہ رحمت و محبت کے پیامبر تھے اور یہودیوں کی اخلاقی خشونت و قساوت کے مقابلہ میں مسیحی اخلاق کی رقت و رافت کی بار بار مدح کی ہے:

﴿ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ ﴾ (۱۹: ۲۱)

''اور تا کہ ہم اس کو (یعنی مسیح علیہ السلام کے ظہور کو) لوگوں کے لیے ایک الٰہی نشانی اور اپنی رحمت کا فیضان بنائیں اور یہ بات (مشیت الٰہی میں) طے شدہ تھی -''

﴿ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ﴾ (۵۷: ۲۷)

''اور ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے (مسیحؑ کی) پیروی کی' ہم نے شفقت اور رحمت ڈال دی -''

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن نے جس قدر اوصاف خود اپنی نسبت بیان کیے ہیں پوری فراخ دلی کے ساتھ وہی اوصاف تورات و انجیل کے لیے بھی بیان کیے ہیں - مثلاً وہ جس طرح اپنے آپ کو ہدایت کرنے والا' روشنی رکھنے والا' نصیحت کرنے والا' قوموں کا امام' متقیوں کا راہنما قرار دیتا ہے ٹھیک اسی طرح پچھلے صحیفوں کو بھی ان تمام اوصاف سے متصف قرار دیتا ہے - چنانچہ انجیل کی نسبت ہم جا بجا پڑھتے ہیں: ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (۵: ۴۶) یہ ظاہر ہے کہ جو تعلیم فطرت بشری کے خلاف اور نا قابل عمل ہو' وہ کبھی نور و ہدایت اور ﴿ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ نہیں ہو سکتی -

دعوت مسیحی کی حقیقت:

اصل یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ان تمام تعلیمات کی وہ نوعیت ہی نہ تھی جو غلطی سے سمجھ لی گئی اور دنیا میں ہمیشہ

انسان کی سب سے بڑی گمراہی اس کے انکار سے نہیں بلکہ کج اندیشانہ اعتراف ہی سے پیدا ہوئی ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور ایک ایسے عہد میں ہوا تھا جب کہ یہودیوں کا اخلاقی تنزل انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا اور دل کی نیکی اور اخلاق کی پاکیزگی کی جگہ محض ظاہری احکام و رسوم کی پرستش دینداری و خدا پرستی سمجھی جاتی تھی۔ یہودیوں کے علاوہ جس قدر متمدن قومیں قرب و جوار میں موجود تھیں۔ مثلاً رومی، مصری، آشوری وہ بھی انسانی رحم و محبت کی روح سے یکسر نا آشنا تھیں۔ لوگوں نے یہ بات تو معلوم کر لی تھی کہ مجرموں کو سزائیں دینی چاہییں لیکن اس حقیقت سے بے بہرہ تھے کہ رحم و محبت اور عفو و بخشش کی چارہ سازیوں سے جرموں اور گناہوں کی پیدائش روک دینی چاہیے۔ انسانی قتل و ہلاکت کا تماشا دیکھنا، طرح طرح کے ہولناک طریقوں سے مجرموں کو ہلاک کرنا، زندہ انسانوں کو درندوں کے سامنے ڈال دینا، آباد شہروں کو بلا وجہ جلا کر خاکستر کر دینا، اپنی قوم کے علاوہ تمام انسانوں کو غلام سمجھنا اور غلام بنا کر رکھنا، رحم و محبت اور حلم و شفقت کی جگہ قلبی قساوت و بے رحمی پر فخر کرنا، رومی تمدن کا اخلاق اور مصری اور آشوری دیوتاؤں کا پسندیدہ طریقہ تھا۔

ضرورت تھی کہ نوع انسانی کی ہدایت کے لیے ایک ایسی ہستی مبعوث ہو جو سر تا سر رحمت و محبت کا پیام ہو، جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں سے قطع نظر کر کے صرف اس کی قلبی و معنوی حالت کی اصلاح و تزکیہ پر اپنی تمام پیغمبرانہ ہمت مبذول کر دے۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت میں وہ ہستی نمودار ہوگئی۔ اس نے جسم کی جگہ روح پر، زبان کی جگہ دل پر، اور ظاہر کی جگہ باطن پر نوع انسانی کی توجہ دلائی اور انسانیت اعلیٰ کا فراموش شدہ سبق تازہ کر دیا!

مواعظ مسیحؑ کے مجازات کو تشریع و حقیقت سمجھ لینا سخت غلطی ہے:

معمولی سے معمولی کلام بھی بشرطیکہ بلیغ ہو اپنی بلاغت کے مجازات رکھتا ہے۔ قدرتی طور پر اس الہامی بلاغت کے بھی مجازات تھے جو اس کی تاثیر کا زیور اور اس کی دل نشینی کی خوبروئی ہیں لیکن افسوس کہ وہ دنیا جو اقانیم ثلاثہ اور کفارہ جیسے دور از کار عقائد پیدا کر لینے والی تھی ان کے مواعظ کا مقصد و محل نہ سمجھ سکی اور مجازات کو حقیقت سمجھ کر غلط فہمیوں کا شکار ہوگئی۔

انہوں نے جہاں کہیں یہ کہا ہے کہ "دشمنوں کو پیار کرو" - تو یقیناً اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہر انسان کو چاہیے اپنے دشمنوں کا عاشق زار ہو جائے بلکہ سیدھا سادھا مطلب یہ تھا کہ تم میں غیظ و غضب اور نفرت و انتقام کی جگہ رحم و محبت کا پر جوش جذبہ ہونا چاہیے اور ایسا ہونا چاہیے کہ دوست تو دوست، دشمن تک کے ساتھ عفو و درگزر سے پیش آؤ۔ اس مطلب کے لیے کہ رحم کرو، بخش دو، انتقام کے پیچھے نہ پڑو، یہ ایک نہایت ہی بلیغ اور مؤثر پیرایۂ بیان ہے کہ "دشمنوں تک کو پیار کرو" - ایک ایسے گرد و پیش میں جہاں اپنوں اور عزیزوں کے ساتھ بھی رحم و محبت کا برتاؤ نہ کیا جاتا ہو یہ کہنا کہ اپنے دشمنوں سے بھی نفرت نہ کرو رحم و محبت کی ضرورت کا ایک اعلیٰ اور کامل ترین تخیل پیدا کر دینا تھا۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا　　　دل دشمنان ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام　　　کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

یا مثلاً اگر انہوں نے کہا "اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی آگے کر دو" تو یقیناً اس کا مطلب یہ نہ تھا

کہ سچ مچ کو تم اپنا گال آگے کر دیا کرو بلکہ صریح مطلب یہ تھا کہ انتقام کی جگہ عفو و درگزر کی راہ اختیار کرو- بلاغت کلام کے یہ وہ مجازات ہیں جو ہر زبان میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں اور یہ ہمیشہ بڑی ہی جہالت کی بات سمجھی جاتی ہے کہ ان کے مقصود و مفہوم کی جگہ ان کے منطوق پر زور دیا جائے- اگر ہم اس طرح کے مجازات کو ان کے ظواہر پر محمول کرنے لگیں گے تو نہ صرف تمام الہامی تعلیمات ہی درہم برہم ہو جائیں گی' بلکہ انسان کا وہ تمام کلام جو ادب و بلاغت کے ساتھ دنیا کی تمام زبانوں میں کہا گیا ہے یک قلم مختل ہو جائے گا!

اعمال انسانی میں اصل رحم و محبت ہے نہ کہ تعزیر وانتقام:

باقی رہی یہ بات کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے سزا کی جگہ محض رحم و درگزر ہی پر زور دیا تو ان کے مواعظ کی اصلی نوعیت سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے- بلاشبہ شرائع نے تعزیر و عقوبت کا حکم دیا تھا لیکن اس لیے نہیں کہ تعزیر و عقوبت فی نفسہٖ کوئی مستحسن عمل ہے بلکہ اس لیے کہ معیشت انسانی کی بعض ناگریز حالتوں کے لیے یہ ایک ناگزیر علاج ہے- دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک کم درجہ کی برائی تھی جو اس لیے گوارا کر لی گئی کہ بڑے درجے کی برائیاں روکی جا سکیں- لیکن دنیا نے اسے علاج کی جگہ ایک دل پسند مشغلہ بنا لیا اور رفتہ رفتہ انسان کی تعذیب و ہلاکت کا ایک خوفناک آلہ بن گئی- چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی قتل و غارت گری کی کوئی ہولناکی ایسی نہیں ہے جو شریعت اور قانون کے نام سے نہ کی گئی ہو اور جو فی الحقیقت اسی بدلہ لینے اور سزا دینے کے حکم کا ظالمانہ استعمال نہ ہو- اگر تاریخ سے پوچھا جائے کہ انسانی ہلاکت کی سب سے بڑی قوتیں میدانہائے جنگ سے باہر کون کون سی رہی ہیں؟ تو یقیناً اس کی انگلیاں ان عدالت گاہوں کی طرف اٹھ جائیں گی جو مذہب اور قانون کے ناموں سے قائم کی گئیں اور جنہوں نے ہمیشہ اپنے ہم جنسوں کی تعذیب و ہلاکت کا عمل اس کی ساری وحشت انگیزیوں اور ہولناکیوں کے ساتھ جاری رکھا[1] پس اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے تعزیر و عقوبت کی جگہ سرتاسر رحم و درگزر پر زور دیا تو یہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ نفس تعزیر و سزا کے خلاف کوئی نئی تشریع کرنی چاہتے تھے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس ہولناک غلطی سے انسان کو نجات دلائیں جس میں تعزیر و عقوبت کے غلو نے مبتلا کر رکھا ہے- وہ دنیا کو بتلانا چاہتے تھے کہ اعمال انسانی میں اصل رحم و محبت ہے' تعزیر و انتقام نہیں ہے- اور اگر تعزیر و سیاست جائز رکھی گئی ہے تو صرف اس لیے کہ بطور ایک ناگزیر علاج کے عمل میں لائی جائے- اس لیے نہیں کہ تمہارے دل رحم و محبت کی جگہ سرتاسر نفرت و انتقام کا آشیانہ بن جائیں!

شریعت موسوی کے پیرووں نے شریعت کو صرف سزا دینے کا آلہ بنا لیا تھا- حضرت مسیح علیہ السلام نے بتلایا کہ شریعت سزا دینے کے لیے نہیں بلکہ نجات کی راہ دکھانے آتی ہے اور نجات کی راہ سرتاسر رحمت و محبت کی راہ ہے!

---

[1] شاید انسانی گمراہی کی بوالعجبیوں کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی- جس انجیل کی تعلیم کا یہ مطلب سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ کسی حال میں بدلہ لینے اور سزا دینے کی اجازت نہیں دیتی اسی انجیل کے پیرووں نے نوع انسانی کی تعذیب و ہلاکت کا عمل ایسی وحشت و بے رحمی کے ساتھ صدیوں تک جاری رکھا کہ آج ہم اس کا تصور بھی بغیر وحشت و ہراس کے نہیں کر سکتے- اور پھر یہ جو کچھ کیا گیا انجیل اور اس کے مقدس معلم کے نام پر کیا گیا!

''عمل'' اور ''عامل'' میں امتیاز:

دراصل اس بارے میں انسان کی بنیادی غلطی یہ رہی ہے کہ وہ ''عمل'' میں اور ''عامل'' میں امتیاز قائم نہیں رکھتا- حالانکہ جہاں تک مذہب کی تعلیم کا تعلق ہے اس بات میں کہ ایک عمل کیسا ہے' اور اس بات میں کہ کرنے والا کیسا ہے بہت بڑا فرق ہے اور دونوں کا حکم ایک نہیں-

بلاشبہ تمام مذاہب کا یہ عالمگیر مقصد رہا ہے کہ بدعملی اور گناہ کی طرف سے انسان کے دل میں نفرت پیدا کردیں لیکن یہ انہوں نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ خود انسان کی طرف سے انسان کے اندر نفرت پیدا ہو جائے- یقیناً انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ گناہ سے نفرت کرو لیکن یہ کبھی نہیں کہا ہے کہ گنہگار سے نفرت کرو- اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طبیب ہمیشہ لوگوں کو بیماریوں سے ڈراتا رہتا ہے اور بسا اوقات ان کے مہلک نتائج کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچ دیتا ہے کہ دیکھنے والے سہم کر رہ جاتے ہیں لیکن یہ تو وہ کبھی نہیں کرتا کہ جو لوگ بیمار ہو جائیں ان سے ڈرنے اور نفرت کرنے لگے یا لوگوں سے کہے ڈرو اور نفرت کرو؟ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی تو ساری توجہ اور شفقت کا مرکز بیمار ہی کا وجود ہوتا ہے- جو انسان جتنا زیادہ بیمار ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کی توجہ اور شفقت کا مستحق ہو جائے گا-

مرض اور مریض:

پس جس طرح جسم کا طبیب بیماریوں کے لیے نفرت لیکن بیمار کے لیے شفقت و ہمدردی کی تلقین کرتا ہے ٹھیک اسی طرح روح و دل کے طبیب بھی گناہوں کے لیے نفرت لیکن گنہگاروں کے لیے سرتاپا رحمت و شفقت کا پیام ہوتے ہیں- یقیناً وہ چاہتے ہیں کہ گناہوں سے (جو روح و دل کی بیماریاں ہیں) ہم میں دہشت و نفرت پیدا کردیں لیکن گنہگار انسانوں سے نہیں' اور یہی وہ نازک مقام ہے جہاں ہمیشہ پیروان مذاہب نے ٹھوکر کھائی ہے- مذاہب نے چاہا تھا انہیں برائی سے نفرت کرنا سکھلائیں- لیکن برائی سے نفرت کرنے کی جگہ انہوں نے ان انسانوں سے نفرت کرنا سیکھ لیا جنہیں وہ اپنے خیال میں برائی کا مجرم تصور کرتے ہیں!

گناہوں سے نفرت کرو مگر گناہگاروں پر رحم کرو:

حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم سرتاسر اسی حقیقت کی دعوت تھی- گناہوں سے نفرت کرو مگر ان انسانوں سے نفرت نہ کرو جو گناہوں میں مبتلا ہو گئے ہیں- اگر ایک انسان گنہگار ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی روح و دل کی تندرستی باقی نہ رہی- لیکن اگر اس نے بدبختانہ اپنی تندرستی ضائع کر دی ہے تو تم اس سے نفرت کیوں کرو؟ وہ تو اپنی تندرستی کھو کر اور زیادہ تمہارے رحم و شفقت کا مستحق ہو گیا ہے- تم اپنے بیمار بھائی کی تیمارداری کرو گے یا اسے جلاد کے تازیانے کے حوالے کر دو گے؟ وہ موقع یاد کرو جس کی تفصیل ہمیں سینٹ لوقا کی زبانی معلوم ہوئی ہے- جب ایک گناہگار عورت حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت میں آئی اور اس نے اپنے بالوں کی لٹوں سے ان کے پاؤں پونچھے تو اس پر ریاکار فریسیوں کو (اور اب فریسیت کے معنی ہی ریاکاری کے ہو گئے ہیں (Pharisaism) سخت تعجب ہوا لیکن انہوں نے کہا طبیب بیماروں کے لیے ہوتا ہے نہ کہ تندرستوں کے لیے- پھر خدا اور اس کے گناہگار بندوں کا رشتۂ رحمت واضح کرنے کے لیے ایک نہایت ہی مؤثر اور دلنشین مثال بیان کی- فرض

کرو' ایک ساہوکار کے دو قرضدار تھے- ایک پچاس روپیہ کا' ایک ہزار روپیہ کا- ساہوکار نے دونوں کا قرض معاف کر دیا- بتلاؤ' کس قرضدار پر اس کا احسان زیادہ ہوا' اور کون اس سے زیادہ محبت کرے گا؟ وہ جسے پچاس معاف کر دیئے یا وہ جسے ہزار؟

نصیب ماست بہشت اے خداشناس برو   کہ مستحق کرامت گناہگار انند

یہی حقیقت ہے جس کی طرف بعض ائمہ تابعین نے اشارہ کیا ہے: ((انکسار العاصیین احب الی اللہ من صولۃ المطیعین)) خدا کو فرمانبردار بندوں کی تمکنت سے کہیں زیادہ گناہگار بندوں کا عجز و انکسار محبوب ہے!

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست   کہ سلطان جہاں با ماست امروز

قرآن اور گناہگار بندوں کے لیے صدائے تشریف و رحمت

اور پھر یہی حقیقت ہے کہ ہم قرآن میں دیکھتے ہیں جہاں کہیں خدا نے گناہگار انسانوں کو مخاطب کیا ہے یا ان کا ذکر کیا ہے تو عموماً یائے نسبت کے ساتھ کیا ہے جو تشریف و محبت پر دلالت کرتی ہے- ﴿ قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم ﴾ (۳۹ : ۵۳) ﴿ ء انتم اضللتم عبادی ﴾ (۲۵ : ۱۷) اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک باپ جوش محبت میں اپنے بیٹے کو پکارتا ہے تو خصوصیت کے ساتھ اپنے رشتہ پدری پر زور دیتا ہے- ''اے میرے بیٹے!'' ''اے میرے فرزند!'' حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے سورۂ زمر کی آیۂ رحمت کی تفسیر کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے'' جب ہم اپنی اولاد کو اپنی طرف نسبت دے کر مخاطب کرتے ہیں تو وہ بے خوف و خطر ہماری طرف دوڑنے لگتے ہیں کیونکہ سمجھ جاتے ہیں ہم ان پر غضبناک نہیں- قرآن میں خدا نے بیس سے زیادہ موقعوں پر ہمیں عبادی کہہ کر اپنی طرف نسبت دی ہے اور سخت سے سخت گناہگار انسانوں کو بھی یعبادی کہہ کر پکارا ہے- کیا اس سے بھی بڑھ کر اس کی رحمت و آمرزش کا کوئی پیام ہو سکتا ہے؟''

صحیح مسلم کی مشہور حدیث کا مطلب کس طرح واضح ہو جاتا ہے- جب ہم اس روشنی میں اس کا مطالعہ کرتے ہیں:

((والذی نفسی بیدہ لولم تذنبوا لذھب اللہ بکم ولجآء بقوم یذنبون فیستغفرون)) (رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)[1]

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم ایسے ہو جاؤ کہ گناہ تم سے سرزد ہی نہ ہو تو خدا تمہیں زمین سے ہٹا دے اور تمہاری جگہ ایک دوسرا گروہ پیدا کر دے جس کا شیوہ یہ ہو کہ گناہوں میں مبتلا ہو اور پھر خدا سے بخشش و مغفرت کی طلبگاری کرے-''

فدائے شیوۂ رحمت کہ درلباس بہار   بعد ز خواہی رندان بادنوش آمد!

---

[1] وایضاً عن انس قال قال صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ' لواخطاتم حتی تملاء خطایاکم ما بین السماء والارض' ثم استغفرتم اللہ' یغفرلکم- والذی نفسی بیدہ لولم تخطئون لجاء اللہ بقوم یخطئون ثم یستغفرون فیغفرلھم- اخرجہ احمد وابو یعلی باسناد رجالہ ثقات- وعن ابن عمر مرفوعاً لولم تذنبوا' لخلق اللہ خلقا یذنبون ثم یغفرلھم- اخرجہ احمد والبزار ورجالھم ثقات- واخرج البزار من حدیث ابی سعید نحو حدیث ابی ھریرۃ فی الصحیح وفی اسنادہ یحیی بن بکیر وھو ضعیف-

اصلاً انجیل اور قرآن کی تعلیم میں کوئی اختلاف نہیں:

پس فی الحقیقت حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم میں اور قرآن کی تعلیم میں اصلاً کوئی فرق نہیں ہے- دونوں کا معیار احکام ایک ہی ہے- فرق صرف محل بیان اور پیرایۂ بیان کا ہے- حضرت مسیح علیہ السلام نے صرف اخلاق اور تزکیۂ قلب پر زور دیا کیونکہ شریعت موسوی موجود تھی اور وہ اس کا ایک نقطہ بھی بدلنا نہیں چاہتے تھے- لیکن قرآن کو اخلاق اور قانون' دونوں کے احکام بیک وقت بیان کرنے تھے اس لیے قدرتی طور پر اس نے پیرایۂ بیان ایسا اختیار کیا جو مجازات و متشابہات کی جگہ احکام و قوانین کا صاف صاف، جچا تلا پیرایۂ بیان تھا- اس نے سب سے پہلے عفوو درگزر پر زور دیا اور اسے نیکی و فضیلت کی اصل قرار دیا- ساتھ ہی بدلہ لینے اور سزا دینے کا دروازہ بھی کھلا رکھا کہ ناگزیر حالتوں میں اس کے بغیر چارہ نہیں- لیکن نہایت قطعی اور واضح لفظوں میں بار بار کہہ دیا کہ بدلے اور سزا میں کسی طرح کی ناانصافی اور زیادتی نہیں ہونی چاہیے- یقیناً دنیا کے تمام نبیوںؑ اور شریعتوں کے احکام کا ماحصل یہی تین اصول رہے ہیں:

﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ○ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ ﴾ (۴۲:۴۳)

''اور (دیکھو) برائی کے بدلے ویسی ہی اور اتنی ہی برائی ہے- لیکن جو کوئی بخش دے اور بگاڑنے کی جگہ سنوار لے تو (یقین کرو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے-) اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو زیادتی کرنے والے ہیں- اور جس کسی پر ظلم کیا گیا ہو اور وہ ظلم کے بعد اس کا بدلہ لے تو اس پر کوئی الزام نہیں- الزام ان لوگوں پر ہے جو انسانوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق ملک میں فساد کا باعث ہوتے ہیں- سو یہی لوگ ہیں جن کے لیے عذاب الیم ہے! اور جو کوئی بدلہ لینے کی جگہ برائی برداشت کر جائے اور بخش دے تو یقیناً یہ بڑی ہی اولوالعزمی کی بات ہے-''

اسلوب بیان پر غور کرو اگر چہ ابتدا میں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ﴿ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ اور بظاہر عفوو درگزر کے لیے اتنا کہہ دینا کافی تھا لیکن آخر میں پھر دوبارہ اس پر زور دیا: ﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ یہ تکرار اس لیے ہے کہ عفوو درگزر کی اہمیت واضح ہو جائے- یعنی یہ حقیقت اچھی طرح آشکارا ہو جائے کہ اگرچہ بدلہ اور سزا کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے لیکن نیکی و فضیلت کی راہ عفوو درگزر ہی کی راہ ہے!

پھر اس پہلو پر بھی نظر رہے کہ قرآن نے اس سزا کو جو برائی کے بدلے میں دی جائے برائی ہی کے لفظ سے تعبیر کیا- ''جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' یعنی ''سیئۃ'' کے بدلے میں جو کچھ کیا جائے گا وہ بھی ''سیئۃ'' ہی ہوگا- عمل حسن نہیں ہو گا- لیکن اس کا دروازہ اس لیے باز رکھا گیا کہ اگر باز نہ رکھا جائے تو اس سے بھی زیادہ برائیاں ظہور میں آنے لگیں گی- پھر اس آدمی کی نسبت جو معاف کر دے'' اَصْلَحَ'' کا لفظ کہا یعنی سنوارنے والا' اس سے معلوم ہوا کہ یہاں بگاڑ کے اصلی سنوارنے والے وہی ہوئے جو بدلے کی جگہ عفوو درگزر کی راہ اختیار کرتے ہیں-

قرآن کے زواجر و قوارع

ممکن ہے بعض طبیعتیں یہاں ایک خدشہ محسوس کریں- اگر فی الحقیقت قرآن کی تمام تعلیم کا اصل اصول رحمت ہی ہے' تو پھر اس نے اپنے مخالفوں کی نسبت زجر و توبیخ کا سخت پیرایہ کیوں اختیار کیا؟

اس کا مفصل جواب تو اپنے محل میں آئے گا لیکن تکمیل بحث کے لیے ضروری ہے کہ یہاں مختصراً اشارہ کر دیا جائے- بلاشبہ قرآن میں ایسے مقامات موجود ہیں جہاں اس نے مخالفوں کے لیے شدت و غلظت کا اظہار کیا ہے- لیکن سوال یہ ہے کہ کن مخالفوں کے لیے؟ ان کے لیے جن کی مخالفت محض اختلاف فکر و اعتقاد کی مخالفت تھی؟ یعنی ایسی مخالفت جو معاندانہ اور جارحانہ نوعیت نہیں رکھتی تھی؟ ہمیں اس سے قطعاً انکار ہے- ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ تمام قرآن میں شدت و غلظت کا ایک لفظ بھی نہیں مل سکتا جو اس طرح کے مخالفوں کے لیے استعمال کیا گیا ہو- اس نے جہاں کہیں بھی مخالفوں کا ذکر کرتے ہوئے سختی کا اظہار کیا ہے اس کا تمام تر تعلق ان مخالفوں سے ہے جن کی مخالفت بغض و عناد اور ظلم و شرارت کی جارحانہ معاندت تھی اور ظاہر ہے کہ اصلاح و ہدایت کی کوئی تعلیم بھی اس صورت حال سے گریز نہیں کر سکتی- اگر ایسے مخالفوں کے ساتھ بھی نرمی و شفقت ملحوظ رکھی جائے تو بلاشبہ یہ رحمت کا سلوک تو ہوگا مگر انسانیت کے لیے نہیں ہوگا- ظلم و شرارت کے لیے ہوگا اور یقیناً سچی رحمت کا معیار یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ظلم و فساد کی پرورش کرے- ابھی چند صفحوں کے بعد تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن نے صفات الٰہی میں رحمت کے ساتھ عدالت کو بھی اس کی جگہ دی ہے اور سورۂ فاتحہ میں ربوبیت اور رحمت کے بعد عدالت ہی کی صفت جلوہ گر ہوئی ہے- یہ اسی لیے ہے کہ وہ رحمت سے عدالت کو الگ نہیں کرتا بلکہ اسے عین رحمت کا مقتضا قرار دیتا ہے- وہ کہتا ہے: تم انسانیت کے ساتھ رحم و محبت کا برتاؤ کر ہی نہیں سکتے اگر ظلم و شرارت کے لیے تم میں سختی نہیں ہے- انجیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی اپنے زمانے کے مفسدوں کو ''سانپ کے بچے'' اور ''ڈاکوؤں کا مجمع'' کہنے پر مجبور ہوئے-

کفر محض اور کفر جارحانہ:

قرآن نے ''کفر'' کا لفظ انکار کے معنی میں استعمال کیا ہے- انکار دو طرح کا ہوتا ہے- ایک یہ کہ انکار محض ہو' ایک یہ کہ جارحانہ ہو-

انکار محض سے مقصود یہ ہے کہ ایک شخص تمہاری تعلیم قبول نہیں کرتا- اس لیے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی یا اس لیے کہ

اس میں طلب صادق نہیں ہے یا اس لیے کہ جو راہ چل رہا ہے اسی پر قانع ہے- بہر حال کوئی وجہ ہو لیکن وہ تم سے متفق نہیں ہے-

جارحانہ انکار سے مقصود وہ حالت ہے جو صرف اتنے ہی پر قناعت نہیں کرتی بلکہ اس میں تمہارے خلاف ایک طرح کی کد اور ضد پیدا ہو جاتی ہے اور پھر یہ ضد بڑھتے بڑھتے بغض و عناد اور ظلم و شرارت کی سخت سے سخت صورتیں اختیار کر لیتی ہے- اس طرح کا مخالف صرف یہی نہیں کرتا کہ تم سے اختلاف رکھتا ہے بلکہ اس کے اندر تمہارے خلاف بغض و عناد کا ایک غیر محدود جوش پیدا ہو جاتا ہے- وہ اپنی زندگی اور زندگی کی ساری قوتوں کے ساتھ تمہاری بربادی و ہلاکت کے درپے ہو جائے گا- تم کتنی ہی اچھی بات کہو وہ تمہیں جھٹلائے گا- تم کتنا ہی اچھا سلوک کرو وہ تمہیں اذیت پہنچائے گا- تم کہو روشنی تاریکی سے بہتر ہے تو وہ کہے تاریکی سے بہتر کوئی چیز نہیں- تم کہو کڑواہٹ سے مٹھاس اچھی ہے تو وہ کہے نہیں کڑواہٹ ہی میں دنیا کی سب سے بڑی لذت ہے-

یہی حالت ہے جسے قرآن انسانی فکر و بصیرت کے تعطل سے تعبیر کرتا ہے اور اسی نوعیت کے مخالف ہیں جن کے لیے اس کے تمام زواجر و قوارع ظہور میں آئے ہیں:

﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴾ (۱۷۹:۷)

''ان کے پاس دل ہیں مگر سوچتے نہیں' ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں- ان کے پاس کان ہیں مگر سنتے نہیں- وہ ایسے ہو گئے ہیں جیسے چارپائے- نہیں بلکہ چارپایوں سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے- بلاشبہ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں ڈوب گئے!''

ہمارے مفسر اسی دوسری حالت کو ''کفر وجحود'' سے تعبیر کرتے ہیں-

دنیا میں جب کبھی سچائی کی کوئی دعوت ظاہر ہوئی ہے' تو کچھ لوگوں نے اسے قبول کر لیا ہے کچھ نے انکار کیا ہے لیکن کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے اس کے خلاف طغیان وجحود اور ظلم و شرارت کی جتھا بندی کر لی ہے- قرآن کا جب ظہور ہوا تو اس نے بھی یہ تینوں جماعتیں اپنے سامنے پائیں- اس نے پہلی جماعت کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا دوسری کو دعوت و تذکیر کا مخاطب بنایا مگر تیسری کے ظلم و طغیان پر حسب حالت و ضرورت زجر و توبیخ کی- اگر ایسے گروہ کے لیے بھی اس کے لب و لہجہ کی سختی ''رحمت'' کے خلاف ہے تو بلاشبہ اس معنی میں قرآن رحمت کا معترف نہیں اور یقیناً اس ترازو سے اس کی رحمت نہیں تولی جا سکتی-

تم بار بار سن چکے ہو کہ وہ دین حق کے معنوی قوانین کو کائنات فطرت کے عام قوانین سے الگ نہیں قرار دیتا بلکہ انہی کا ایک گوشہ قرار دیتا ہے- فطرت کائنات کا اپنے فعل و ظہور کے ہر گوشے میں کیا حال ہے؟ یہ حال ہے کہ وہ اگرچہ سر تا سر رحمت ہے لیکن رحمت کے ساتھ عدالت اور بخشش کے ساتھ جزا کا قانون بھی رکھتی ہے- پس قرآن کہتا ہے' میں فطرت سے زیادہ کچھ نہیں دے سکتا- تمہاری جس مزعومہ رحمت سے فطرت کا خزانہ خالی ہے یقیناً میرے آستین و دامن میں نہیں مل سکتی:

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ (۳۰:۲۹)

''اللہ کی فطرت جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے- اللہ کی بناوٹ میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی- یہی (اللہ کی ٹھہرائی ہوئی فطرت) سچا اور ٹھیک ٹھیک دین ہے لیکن اکثر انسان ایسے ہیں جو اس حقیقت سے بے خبر ہیں-''

قرآن کے ان تمام مقامات پر نظر ڈالو جہاں اس نے سختی کے ساتھ منکروں کا ذکر کیا ہے یہ حقیقت بیک نظر واضح ہو جائے گی-

***

﴿۵﴾

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

ربوبیت اور رحمت کے بعد جس صفت کا ذکر کیا گیا ہے' وہ عدالت ہے' اور اس کے لیے ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ کی تعبیر اختیار کی گئی ہے-

الدین:

سامی زبانوں کا ایک قدیم مادہ ''دان'' اور ''دین'' ہے' جو بدلہ اور مکافات کے معنوں میں بولا جاتا تھا اور پھر آئین وقانون کے معنوں میں بھی بولا جانے لگا- چنانچہ عبرانی اور آرامی میں اس کے متعدد مشتقات ملتے ہیں- آرامی زبان ہی سے غالبًا یہ لفظ قدیم ایران میں بھی پہنچا اور پہلوی میں ''دینیہ'' نے شریعت وقانون کا مفہوم پیدا کرلیا- خورداوستا میں ایک سے زیادہ موقع پر یہ لفظ مستعمل ہوا ہے اور زردشتیوں کی قدیم ادبیات میں انشاء وکتابت کے آئین وقواعد کو بھی ''دین دبیرہ'' کے نام سے موسوم کیا ہے- علاوہ بریں زردشتیوں کی ایک مذہبی کتاب کا نام ''دین کارت'' ہے جو غالبًا نویں صدی مسیحی میں عراق کے ایک موجد نے مرتب کی تھی-

بہرحال عربی میں ''الدین'' کے معنی بدلہ اور مکافات کے ہیں- خواہ اچھائی کا ہو خواہ برائی کا:

ستعلم ليلى اىّ دين تداينت ۔۔۔۔ وَاىُّ غريم فى التقاضى غريمها

پس ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ کے معنی ہوئے وہ جو جزا کے دن کا حکمراں ہے یعنی روز قیامت کا-

اس سلسلے میں کئی باتیں قابل غور ہیں:

''دین'' کے لفظ نے جزا کی حقیقت واضح کردی:

اولاً قرآن نے نہ صرف اس موقع پر بلکہ عام طور پر جزا کے لیے ''الدین'' کا لفظ اختیار کیا ہے اور اسی لیے وہ قیامت کو بھی عمومًا ''یوم الدین'' سے تعبیر کرتا ہے- یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی کہ جزا کے بارے میں جو اعتقاد پیدا کرنا چاہتا تھا اس کے لیے یہی تعبیر سب سے زیادہ موزوں اور واقعی تعبیر تھی وہ جزا کو اعمال کا قدرتی نتیجہ اور مکافات قرار دیتا ہے-

نزول قرآن کے وقت پیروان مذاہب کا عالمگیر اعتقاد یہ تھا کہ جزا محض خدا کی خوشنودی اور اس کے قہر وغضب کا نتیجہ ہے۔ اعمال کے نتائج کو اس میں دخل نہیں۔ الوہیت اور شاہیت کا تشابہ تمام مذہبی تصورات کی طرح اس معاملے میں بھی گمراہی فکر کا موجب ہوا تھا۔ لوگ دیکھتے تھے کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کبھی خوش ہو کر انعام واکرام دینے لگتا ہے، کبھی بگڑ کر سزائیں دینے لگتا ہے اس لیے خیال کرتے تھے کہ خدا کا بھی ایسا ہی حال ہے وہ کبھی ہم سے خوش ہو جاتا ہے کبھی غیظ وغضب میں آ جاتا ہے۔ طرح طرح کی قربانیوں اور چڑھاووں کی رسم اسی اعتقاد سے پڑی تھی۔ لوگ دیوتاؤں کا جوش غضب ٹھنڈا کرنے کے لیے قربانیاں کرتے اور ان کی نظر التفات حاصل کرنے کے لیے نذریں چڑھاتے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا عام تصور دیوبانی تصورات سے بلند ہو گیا تھا لیکن جہاں تک اس معاملے کا تعلق ہے ان کے تصور نے بھی کوئی وقیع ترقی نہیں کی تھی۔ یہودی بہت سے دیوتاؤں کی جگہ خاندان اسرائیل کا ایک خدا مانتے تھے لیکن پرانے دیوتاؤں کی طرح یہ خدا بھی شاہی اور مطلق العنانی کا خدا تھا۔ وہ کبھی خوش ہو کر انہیں اپنی چہیتی قوم بنا لیتا۔ کبھی جوش انتقام میں آ کر بربادی و ہلاکت کے حوالے کر دیتا۔ عیسائیوں کا اعتقاد تھا کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے اس کی پوری نسل مغضوب ہو گئی اور جب تک خدا نے اپنی صفت ابنیت کو بشکل مسیح علیہ السلام قربان نہیں کر دیا اس کے نسلی گناہ اور مغضوبیت کا کفارہ نہ ہو سکا۔

مجازات عمل کا معاملہ بھی دنیا کے عالمگیر قانون فطرت کا ایک گوشہ ہے:

لیکن قرآن نے جزا وسزا کا اعتقاد ایک دوسری ہی شکل ونوعیت کا پیش کیا ہے۔ وہ اسے خدا کا کوئی ایسا فعل نہیں قرار دیتا جو کائنات ہستی کے عام قوانین ونظام سے الگ ہو بلکہ اسی کا ایک قدرتی گوشہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے، کائنات ہستی کا عالمگیر قانون یہ ہے کہ ہر حالت کوئی نہ کوئی اثر رکھتی ہے اور ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خاصہ ہے۔ ممکن نہیں یہاں کوئی شئے اپنا وجود رکھتی ہو اور اثرات ونتائج کے سلسلہ سے باہر ہو۔ پس جس طرح خدا نے اجسام ومواد میں خواص ونتائج رکھے ہیں اسی طرح اعمال میں بھی خواص ونتائج ہیں اور جس طرح جسم انسانی کے قدرتی انفعالات ہیں اسی طرح روح انسانی کے لیے بھی قدرتی انفعالات ہیں۔ جسمانی موثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں۔ معنوی موثرات سے روح متاثر ہوتی ہے۔ اعمال کے یہی قدرتی خواص ونتائج ہیں جنہیں جزا وسزا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور یہ ثواب ہے۔ برے عمل کا نتیجہ برائی ہے اور یہ عذاب ہے۔ ثواب اور عذاب کے ان اثرات کی نوعیت کیا ہو گی؟ وحی الٰہی نے ہماری فہم واستعداد کے مطابق اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس نقشہ میں ایک مرقع بہشت کا ہے ایک دوزخ کا۔ بہشت کے نعائم ان کے لیے ہیں جن کے اعمال بہشتی ہوں گے۔ دوزخ کی عقوبتیں ان کے لیے ہیں جن کے اعمال دوزخی ہوں گے۔

﴿ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۝ ﴾ (۵۹ : ۲۰)

''اصحاب جنت اور اصحاب دوزخ (اپنے اعمال ونتائج میں) یکساں نہیں ہو سکتے۔ کامیاب انسان وہی ہیں جو اصحاب جنت ہیں!''

جس طرح مادیات میں خواص ونتائج ہیں' اسی طرح معنویات میں بھی ہیں:

وہ کہتا ہے تم دیکھتے ہو کہ فطرت ہر گوشہ وجود میں اپنا قانون مکافات رکھتی ہے۔ ممکن نہیں کہ اس میں تغیر یا تساہل ہو۔ فطرت نے آگ میں یہ خاصہ رکھا ہے کہ جلائے۔ اب سوزش وتپش فطرت کی وہ مکافات ہوگئی جو ہر اس انسان کے لیے ہے جو آگ کے شعلوں میں ہاتھ ڈال دے۔ ممکن نہیں کہ تم آگ میں کودو اور اس فعل کے مکافات سے بچ جاؤ۔ پانی کا خاصہ ٹھنڈک اور رطوبت ہے۔ ٹھنڈک اور رطوبت وہ مکافات ہے جو فطرت نے پانی میں ودیعت کر دی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ تم دریا میں اترو اور اس مکافات سے بچ جاؤ۔ پھر جو فطرت کائنات ہستی کی ہر چیز اور ہر حالت میں مکافات رکھتی ہے کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے اعمال کے لیے مکافات نہ رکھے؟ یہی مکافات جزا وسزا ہے۔

آگ جلاتی ہے پانی ٹھنڈک پیدا کرتا ہے' سنکھیا کھانے سے موت' دودھ سے طاقت آتی ہے۔ کونین سے بخار رک جاتا ہے۔ جب اشیا کی ان تمام مکافات پر تمھیں تعجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ تمھاری زندگی کی یقینیات ہیں تو پھر اعمال کے مکافات پر کیوں تعجب ہوتا ہے؟ افسوس تم پر' تم اپنے فیصلوں میں کتنے ناہموار ہو!

تم گیہوں بوتے ہو اور تمھارے دل میں کبھی یہ خدشہ نہیں گزرتا کہ گیہوں پیدا نہیں ہوگا۔ اگر کوئی تم سے کہے کہ ممکن ہے گیہوں کی جگہ جوار پیدا ہو جائے' تو تم اسے پاگل سمجھو گے۔ کیوں؟ اس لیے کہ فطرت کے قانون مکافات کا یقین تمھاری طبیعت میں راسخ ہو گیا ہے۔ تمھارے وہم وگمان میں بھی یہ خطرہ نہیں گزر سکتا کہ فطرت گیہوں لے کر اس کے بدلے میں جوار دے دے گی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ تم یہ بھی نہیں مان سکتے کہ اچھے قسم کا گیہوں لے کر برے قسم کا گیہوں دے گی تم جانتے ہو کہ وہ بدلہ دینے میں قطعی اور شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ پھر بتلاؤ کہ جو فطرت گیہوں کے بدلے گیہوں اور جوار کے بدلے جوار دے رہی ہے کیونکر ممکن ہے کہ اچھے عمل کے بدلے اچھا اور برے عمل کے بدلے برا نتیجہ نہ رکھتی ہو؟

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْ وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَايَحْكُمُوْنَ ۝ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَبِالْحَقِّ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (۴۵: ۲۱-۲۲)

''جو لوگ برائیاں کرتے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انھیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان رکھتے ہیں اور جن کے اعمال اچھے ہیں؟ دونوں برابر ہو جائیں۔ زندگی میں بھی اور موت میں بھی؟ (اگر ان لوگوں کی فہم ودانش کا یہی فیصلہ ہے تو) افسوس ان کے فیصلے پر! اور اللہ نے آسمان وزمین کو بیکار وعبث نہیں بنایا ہے بلکہ حکمت ومصلحت کے ساتھ بنایا ہے اور اس لیے بنایا ہے کہ ہر جان کو اس کی کمائی کے مطابق بدلہ ملے اور یہ بدلہ ٹھیک ملے گا۔ کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جزا وسزا کے لیے ﴿ الدِّيْنَ ﴾ کا لفظ اختیار کیا کیونکہ مکافات عمل کا مفہوم ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا۔

اصطلاح قرآنی میں ''کسب'':

اور پھر یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں اس نے اچھے برے کام کرنے کو جا بجا کسب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے''کسب'' کے معنی عربی میں ٹھیک وہی ہیں جو اردو میں کمائی کے ہیں- یعنی ایسا کام جس کے نتیجے سے تم کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہو اگرچہ فائدہ کی جگہ نقصان بھی ہو جائے- مطلب یہ ہوا کہ انسان کے لیے جزا اور سزا خود انسان ہی کی کمائی ہے- جیسی کسی کی کمائی ہوگی ویسا ہی نتیجہ پیش آئے گا- اگر ایک انسان نے اچھے کام کر کے اچھی کمائی کر لی ہے تو اس کے لیے اچھائی ہے- اگر کسی نے برائی کر کے برائی کما لی ہے تو اس کے لیے برائی ہے-

﴿ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ۝ ﴾ (۵۲:۲۱)

''ہر انسان اس نتیجے کے ساتھ جو اس کی کمائی ہے' بندھا ہوا ہے!''

سورۂ بقرہ میں جزا و سزا کا قاعدۂ کلیہ بتلا دیا:

﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ﴾ (۲:۲۸۶)

''ہر انسان کے لیے وہی ہے جیسی کچھ اس کی کمائی ہوگی- جو کچھ اسے پانا ہے وہ بھی اس کی کمائی سے ہے اور جس کے لیے اسے جواب دہ ہونا ہے وہ بھی اس کی کمائی ہے-

اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی نسبت بھی ایک عام قاعدہ بتلا دیا:

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ (۲:۱۳۴)

''یہ ایک امت تھی جو گزر چکی- اس کے لیے وہ نتیجہ تھا جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہ نتیجہ ہے جو تم کماؤ گے- اور تم سے ان کے عملوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا-''

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا:

علاوہ بریں صاف صاف لفظوں میں جا بجا یہ حقیقت واضح کر دی کہ اگر دین الٰہی نیک عملی کی ترغیب دیتا ہے اور بد عملی سے روکتا ہے تو یہ صرف اس لیے ہے کہ انسان نقصان و ہلاکت سے بچے اور نجات و سعادت حاصل کرے- یہ بات نہیں ہے کہ خدا کا غضب و قہر اسے عذاب دینا چاہتا ہو اور اس سے بچنے کے لیے مذہبی ریاضتوں اور عبادتوں کی ضرورت ہو:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۝ ﴾ (۴۱:۴۶)

''جس کسی نے نیک کام کیا تو اپنے لیے کیا اور جس کسی نے برائی کی تو خود اسی کے آگے آئے گی اور ایسا نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے لیے ظلم کرنے والا ہو!''

ایک مشہور حدیث قدسی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

((یا عبادی لو ان اوّلکم واٰخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی اتقی قلب رجل واحد

منکم' ما زاد فی ملکی شیئا- یا عبادی' لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد منکم ما نقص ذلک من ملکی شیئا- یا عبادی' لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم قاموا فی صعید واحد فسألونی فاعطیت کل انسان مسئلته' ما نقص ذلک مما عندی الا کما ینقص المخیط اذا ادخل البحر- یا عبادی انما ھی اعمالکم احصیھا لکم ثم اوفیکم ایاھا فمن وجد خیرا فلیحمد اللہ' و من وجد غیر ذلک فلا یلومن الا نفسه)) (رواہ مسلم عن ابی ذرؓ)

''اے میرے بندو! اگر تم میں سے سب انسان جو پہلے گزر چکے اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے اور تمام انس اور تمام جن اس شخص کی طرح نیک ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے تو یاد رکھو اس سے میری خداوندی میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوتا - اے میرے بندو! اگر وہ سب جو پہلے گزر چکے اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے اور تمام انس اور تمام جن اس شخص کی طرح بدکار ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ بدکار ہے تو اس سے میری خداوندی میں کچھ بھی نقصان نہ ہوتا - اے میرے بندو! اگر وہ سب جو پہلے گزر چکے اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے- ایک مقام پر جمع ہو کر مجھ سے سوال کرتے اور میں ہر انسان کو اس کی منہ مانگی مراد بخش دیتا تو میری رحمت وبخشش کے خزانہ میں اس سے زیادہ کمی نہ ہوتی جتنی کمی سوئی کے ناکے جتنا پانی نکل جانے سے سمندر میں ہو سکتی ہے- اے میرے بندو! یاد رکھو یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں میں تمہارے لیے انضباط اور نگرانی میں رکھتا ہوں اور پھر انہی کے نتائج بغیر کسی کمی بیشی کے تمہیں واپس دے دیتا ہوں- پس جو کوئی تم میں اچھائی پائے چاہیے کہ اللہ کی حمد وثنا کرے اور جس کسی کو برائی پیش آئے تو چاہیے کہ خود اپنے وجود کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے!''

یہاں یہ خدشہ کسی کے دل میں واقع نہ ہو کہ خود قرآن نے بھی تو جا بجا خدا کی خوشنودی اور رضامندی کا ذکر کیا ہے؟ بلاشبہ کیا ہے- اتنا ہی نہیں بلکہ وہ انسان کی نیک عملی کا اعلیٰ درجہ یہی قرار دیتا ہے کہ جو کچھ کرے صرف اللہ کی خوشنودی ہی کے لیے کرے- لیکن خدا کے جس رضا وغضب کا وہ اثبات کرتا ہے وہ جزاوسزا کی علت نہیں بلکہ جزاوسزا کا قدرتی نتیجہ ہے- یعنی یہ نہیں کہتا کہ جزاوسزا محض خدا کی خوشنودی اور ناراضی کا نتیجہ ہے- نیک و بداعمال کا نتیجہ نہیں ہے- بلکہ وہ کہتا ہے کہ جزاوسزا تمام تر انسان کے اعمال کا نتیجہ ہے اور خدا نیک عملی سے خوشنود ہوتا ہے- بدعملی ناپسند کرتا ہے- ظاہر ہے کہ یہ تعلیم قدیم اعتقاد سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ یکسر متضاد ہے-

بہرحال جزاوسزا کی اس حقیقت کے لیے ''الدین'' کا لفظ نہایت موزوں لفظ ہے اور ان تمام گمراہیوں کی راہ بند کر دیتا ہے جو اس بارے میں پھیلی ہوئی تھیں سورۂ فاتحہ میں مجرد اس لفظ کے استعمال نے جزاوسزا کی اصلی حقیقت آشکارا کر دی-

الدین بمعنی قانون و مذہب:

ثانیاً: یہی وجہ ہے کہ مذہب اور قانون کے لیے بھی ''الدین'' کا لفظ استعمال کیا گیا- کیونکہ مذہب کا بنیادی اعتقاد مکافات عمل کا اعتقاد ہے اور قانون کی بنیاد بھی تعزیر و سیاست پر ہے- سورۂ یوسف میں جہاں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے پاس روک لیا تھا وہاں فرمایا: ﴿ مَاكَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ (۱۲ : ۷۶) یہاں بادشاہ مصر کے دین سے مقصود اس کا قانون ہے-

''ملک یوم الدین'' میں عدالت الٰہی کا اعلان ہے:

ثالثاً: یہاں ربوبیت اور رحمت کے بعد صفات قہر و جلال میں سے کسی صفت کا ذکر نہیں کیا گیا' بلکہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی صفت بیان کی گئی جس سے عدالت الٰہی کا تصور ہمارے ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے- اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے خدا کی صفات کا جو تصور قائم کیا ہے اس میں قہر و غضب کے لیے کوئی جگہ نہیں- البتہ عدالت ضرور ہے اور صفات قہریہ جس قدر بیان کی گئی ہیں دراصل اسی کے مظاہر ہیں-

فی الحقیقت صفات الٰہی کے تصور کا یہی مقام ہے جہاں فکر انسانی نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی یہ ظاہر ہے کہ فطرت کائنات ربوبیت و رحمت کے ساتھ اپنے مجازات بھی رکھتی ہے اور اگر ایک طرف اس میں پرورش و بخشش ہے تو دوسری طرف مواخذہ و مکافات بھی ہے- فکر انسانی کے لیے فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ فطرت کے مجازات اس کے قہر و غضب کا نتیجہ ہیں یا عدل و قسط کے؟ اس کا فکر نارسا عدل و قسط کی حقیقت معلوم نہ کر سکا- اس نے مجازات کو قہر و غضب پر محمول کر لیا اور یہیں سے خدا کی صفات میں خوف و دہشت کا تصور پیدا ہو گیا- حالانکہ اگر وہ فطرت کائنات کو زیادہ قریب ہو کر دیکھ سکتا تو معلوم کر لیتا کہ جن مظاہر کو قہر و غضب پر محمول کر رہا ہے وہ قہر و غضب کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ عین مقتضائے رحمت ہیں- اگر فطرت کائنات میں مکافات کا مواخذہ نہ ہوتا یا تعمیر کی تحسین و تکمیل کے لیے تخریب نہ ہوتی تو میزان عدل قائم نہ رہتا اور تمام نظام ہستی درہم برہم ہو جاتا-

کارخانۂ ہستی کے تین معنوی عناصر: ربوبیت' رحمت' عدالت:

رابعاً: جس طرح کارخانہ خلقت اپنے وجود و بقا کے لیے ربوبیت اور رحمت کا محتاج ہے' اسی طرح عدالت کا بھی محتاج ہے- یہی تین معنوی عنصر ہیں جن سے خلقت و ہستی کا قوام ظہور میں آتا ہے- ربوبیت پرورش کرتی ہے' رحمت افادۂ و فیضان کا سرچشمہ ہے اور عدالت سے بناؤ اور خوبی ظہور میں آتی اور نقصان و فساد کا ازالہ ہوتا ہے-

تعمیر و تحسین کے تمام حقائق دراصل عدل و توازن کا نتیجہ ہیں:

تم نے ابھی ربوبیت اور رحمت کے مقامات کا مشاہدہ کیا ہے- اگر ایک قدم آگے بڑھو' تو اسی طرح عدالت کا مقام بھی نمودار ہو جائے- تم دیکھو گے کہ اس کارخانۂ ہستی میں بناؤ' سلجھاؤ' خوبی اور جمال میں سے جو کچھ بھی ہے' اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عدل و توازن کی حقیقت کا ظہور ہے- ایجاب و تعمیر کو تم اس کی بے شمار شکلوں میں دیکھتے ہو اور اس لیے بے شمار ناموں سے

پکارتے ہو لیکن اگر حقیقت کا سراغ لگاؤ تو دیکھ لو کہ ایجابی حقیقت یہاں صرف ایک ہی ہے اور وہ عدل واعتدال ہے!

عدل کے معنی ہیں برابر ہونا' کم زیادہ نہ ہونا- اسی لیے معاملات اور قضایا میں فیصلہ کر دینے کو عدالت کہتے ہیں کہ حاکم دو فریقوں کی باہم دگر زیادتیاں دور کر دیتا ہے- ترازو کی تول کو بھی معادلت کہتے ہیں- کیونکہ وہ دونوں پلوں کا وزن برابر کر دیتا ہے- یہی عدالت جب اشیا میں نمودار ہوتی ہے تو ان کی کمیت اور کیفیت میں تناسب پیدا کر دیتی ہے- ایک جز کا دوسرے جز سے کمیت یا کیفیت میں مناسب وموزوں ہونا عدالت ہے-

اب غور کرو کارخانہ ہستی میں بناؤ اور خوبی کے جس قدر مظاہر ہیں کس طرح اسی حقیقت سے ظہور میں آئے ہیں- وجود کیا ہے؟ حکیم بتلاتا ہے کہ عناصر کی ترکیب کا اعتدال ہے- اگر اس اعتدالی حالت میں ذرا بھی خلا واقع ہو جائے وجود کی نمود معدوم ہو جائے- جسم کیا ہے؟ جسمانی مواد کی ایک خاص اعتدالی حالت ہے- اگر اس کا ایک جز بھی غیر معتدل ہو جائے جسم کی ہیئت ترکیبی بگڑ جائے- صحت وتندرستی کیا ہے؟ اخلاط کا اعتدال ہے- جہاں اس کا قوام بگڑا صحت کا انحراف ہو گیا- حسن وجمال کیا ہے؟ تناسب واعتدال کی ایک کیفیت ہے- اگر انسان میں ہے تو خوبصورت انسان ہے- نباتات میں ہے تو پھول ہے- عمارت میں ہے تو تاج محل ہے- نغمہ کی حلاوت کیا ہے؟ سروں کی ترکیب کا تناسب واعتدال- اگر ایک سر بھی بے میل ہوا نغمے کی کیفیت جاتی رہی!

پھر کچھ اشیاء واجسام ہی پر موقوف نہیں- کارخانہ ہستی کا تمام نظام ہی عدل وتوازن پر قائم ہے- اگر ایک لمحہ کے لیے یہ حقیقت غیر موجود ہو جائے تو تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے- یہ کیا بات ہے کہ نظام شمسی کا ہر کرہ اپنی اپنی جگہ معلق ہے' اپنے اپنے دائروں میں حرکت کر رہا ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ذرا بھی انحراف ومیلان واقع ہو؟ یہی عدالت کا قانون ہے جس نے سب کو ایک خاص نظم کے ساتھ جکڑ بند کر رکھا ہے- تمام کرے اپنی اپنی کشش رکھتے ہیں' اور ان کے مجموعی جذب وانجذاب کے توازن سے ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے کہ ہر کرہ اپنی جگہ قائم ومعلق ہے- اگر کوئی کرہ اس قانون عدالت سے باہر ہو جائے تو معاً دوسرے کروں سے ٹکرا جائے اور تمام نظام شمسی مختل ہو جائے-

اعداد کے تناسب کی عظیم الشان صداقت جس پر ریاضی اور حساب کے تمام حقائق کا دارومدار ہے' کیا ہے؟ یہی عدل وتعادل کی حقیقت ہے- جس دن یہ حقیقت ذہن انسانی پر کھلی تھی' علوم ومعارف کے تمام دروازے باز ہو گئے تھے-

وضع میزان:

چنانچہ قرآن نے اس حقیقت کی طرف جا بجا اشارات کیے ہیں:

﴿ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَo اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِo ﴾ (۵۵:۷:۸)

''اور اس نے آسمان کو بلند کر دیا' اور (اجرام سماویہ کے قیام کے لیے قانون عدالت کا) میزان بنا دیا- اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو-''

یہ ''المیزان'' یعنی ترازو کیا ہے؟ تعادل وتوازن کا قانون ہے جو تمام اجرام سماویہ کو ان کی مقررہ جگہ میں تھامے

ہوئے ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کے توازن کا پلہ کسی ایک طرف کو جھک پڑے- اجرام سماویہ کا یہی وہ غیر مرئی ستون ہے جس کی نسبت سورۂ رعد میں فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ﴾ (۲:۱۳)

''اللہ جس نے آسمانوں کو (یعنی اجرام سماویہ کو) بغیر کسی ستون کے بلند کر دیا ہے اور تم (اس کی یہ حکمت) دیکھ رہے ہو!''

اور سورۂ لقمان میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ﴾ (۱۰:۳۱)

''اس نے آسمانوں کو (یعنی اجرام سماویہ کو) پیدا کر دیا اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں!''

یہ کہنا ضروری نہیں کہ عدل و تعادل کی حقیقت سمجھانے کے لیے میزان یعنی ترازو سے بہتر کوئی عام فہم اور دل نشین تعبیر ہوسکتی تھی-

اسی طرح سورۂ آل عمران کی مشہور آیت شہادت میں ﴿ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ﴾ (۱۸:۳) کہہ کر اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے- یعنی کائنات خلقت میں اس کے تمام کام عدالت کے ساتھ قائم ہیں اور اس نے قیام ہستی کے لیے یہی قانون ٹھہرا دیا ہے-

اعمال انسانی کا عدل وقسط پر مبنی ہونا قرآن کی اصطلاح میں ''عمل صالح'' ہے:

قرآن کہتا ہے: جب عدالت کا یہ قانون کائنات خلقت کے ہر گوشہ میں نافذ ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے افکار و اعمال کے لیے بے اثر ہو جائے؟ پس اس گوشہ میں بھی وہی عمل مقبول ہوتا ہے جو افراط و تفریط اور میل و انحراف کی جگہ فطرت کے عدل وقسط پر مبنی ہوتا ہے اور اسی کو وحی الٰہی عمل صالح کے نام سے تعبیر کرتی ہے- اگر تعبیر و جمال کے سینکڑوں ناموں سے تمہیں مغالطہ نہیں ہوتا اور یہ بات پا لیتے ہو کہ ان سب میں اصل حقیقت ایک ہی ہے اور وہ عدالت ہے تو اس گوشہ میں ایمان و عمل کی اصطلاح سے تمہیں کیوں توحش ہو؟ اور کیوں بے تحاشا انکار کر بیٹھو؟

﴿ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾ (۸۳:۳)

''کیا یہ لوگ چاہتے ہیں اللہ کا ٹھہرایا ہوا دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین تلاش کریں؟ حالانکہ آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے سب اسی کے حکم کی اطاعت کر رہے ہیں- خوشی سے ہو یا ناخوشی سے (مگر سب کے لیے چلنا اسی کے ٹھہرائے ہوئے قانون پر ہے) اور بالآخر سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں!''

بدعملی کے لیے قرآن کے اختیارات لغویہ:

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بدعملی اور برائی کے لیے جتنی تعبیرات اختیار کی ہیں سب ایسی ہیں کہ اگر ان کے معانی پر غور کیا جائے تو عدل وتوازن کی ضد اور مخالف ثابت ہوں گی- گویا قرآن کے نزدیک برائی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ حقیقت عدل سے انحراف ہو- مثلاً ظلم' طغیان' اسراف' تبذیر' فساد' اعتدا' عدوان' وغیر ذلک-

ظلم کے معنی وضع الشیء فی غیر موضعہ کے ہیں- یعنی جو بات جس جگہ ہونی چاہیے وہاں نہ ہو' بے محل ہو تو لغت میں اس حالت کو ظلم کہیں گے- اسی لیے قرآن نے شرک کو ''ظلم عظیم'' کہا ہے- کیونکہ اس سے زیادہ کوئی بے محل بات نہیں ہو سکتی اور یہ ظاہر ہے کہ کسی چیز کا اپنی صحیح جگہ میں نہ ہونا ایک ایسی حالت ہے جو حقیقت عدل کے عین منافی ہے-

طغیان کے معنی ہیں کسی چیز کا اپنی حد سے گزر جانا- دریا کا پانی اپنی حد سے بلند ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں طغی الماء- ظاہر ہے کہ حد سے تجاوز عین عدالت کی ضد ہے-

اسراف ''سرف'' سے ہے- ''سرف'' کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز جتنی مقدار میں جہاں خرچ کرنی چاہیے' اس سے زیادہ خرچ کر دی جائے-

تبذیر کے معنی کسی چیز کو ایسی جگہ خرچ کرنا ہے جہاں خرچ نہیں کرنا چاہیے- ''اسراف'' اور ''تبذیر'' میں مقدار اور محل کا فرق ہوا- کھانے میں خرچ کرنا خرچ کا صحیح محل ہے لیکن اگر ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے تو یہ اسراف ہوگا- دریا میں روپیہ پھینک دینا روپیہ خرچ کرنے کا صحیح محل نہیں ہے- اگر تم روپیہ پانی میں پھینک دو تو یہ فعل تبذیر ہوگا- دونوں صورتیں عدالت کے منافی ہیں- کیونکہ حقیقت عدل مقدار اور محل دونوں میں تناسب چاہتی ہے-

فساد کے معنی ہی خروج الشیء عن الاعتدال کے ہیں- یعنی کسی چیز کا حالت اعتدال سے باہر ہو جانا-

اعتدا اور عدوان ایک ہی مادّہ سے ہیں اور دونوں کے معنی حد سے گزر جانا ہے-

❋ ❋ ❋

قرآن اور صفات الٰہی کا تصور

قرآن نے خدا کی صفات کا جو تصور قائم کیا ہے سورۂ فاتحہ اس کی سب سے پہلی رونمائی ہے- ہم اس مرقع میں وہ شبیہ دیکھ سکتے ہیں جو قرآن نے نوع انسانی کے سامنے پیش کی ہے- یہ ربوبیت' رحمت' اور عدالت کی شبیہ ہے- انہی تین صفتوں کے تفکر سے ہم اس کے تصور الٰہی کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں-

خدا کا تصور ہمیشہ انسان کی روحانی واخلاقی زندگی کا محور رہا ہے- یہ بات کہ ایک مذہب کا معنوی اور نفسیاتی مزاج کیسا ہے اور وہ اپنے پیروؤں کے لیے کس طرح کے اثرات رکھتا ہے؟ صرف یہ بات دیکھ کر معلوم کر لی جا سکتی ہے کہ اس کے تصور الٰہی کی نوعیت کیا ہے؟

انسان کا ابتدائی تصور:

جب ہم انسان کے تصورات الوہیت کا ان کے مختلف عہدوں میں مطالعہ کرتے ہیں- تو ہمیں ان کے تغیرات کی رفتار کچھ عجیب طرح کی دکھائی دیتی ہے اور تعلیل وتوجیہ کے عام اصول کام نہیں دیتے- موجودات خلقت کے ہر گوشہ میں تدریجی ارتقا (Evolution) کا قانون کام کرتا ہے اور انسان کا جسم بتدریج ترقی کرتا ہوا نچلی کڑیوں سے اونچی کڑیوں تک پہنچا- اسی طرح اس کے دماغی تصورات بھی نچلے درجوں سے بلند ہوتے ہوئے بتدریج اونچے درجوں تک پہنچے لیکن جہاں تک خدا کی ہستی کے تصورات کا تعلق ہے معلوم ہوتا ہے کہ صورت حال اس سے بالکل برعکس رہی اور ارتقا کی جگہ ایک طرح کے تنزل یا ارتجاع کا قانون یہاں کام کرتا رہا- ہم جب ابتدائی عہد کے انسانوں کا سراغ لگاتے ہیں تو ہمیں ان کے قدم آگے بڑھنے کی جگہ پیچھے ہٹتے دکھائی دیتے ہیں!

انسانی دماغ کا سب سے زیادہ پرانا تصور جو قدامت کی تاریکی میں چمکتا ہے وہ توحید کا تصور ہے- یعنی صرف ایک ان دیکھی اور اعلیٰ ہستی کا تصور جس نے انسان کو اور ان تمام چیزوں کو جنہیں وہ اپنے چاروں طرف دیکھ رہا تھا پیدا کیا- لیکن پھر اس کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس جگہ سے ان کے قدم بتدریج پیچھے ہٹنے لگے اور توحید کی جگہ آہستہ آہستہ اشراک اور تعدد الٰہ کا تصور پیدا ہونے لگا- یعنی اب اس ایک ہستی کے ساتھ جو سب سے بالاتر ہے دوسری قوتیں بھی شریک ہونے لگیں اور ایک معبود کی جگہ بہت سے معبودوں کی چوکھٹوں پر انسان کا سر جھک گیا-

اگر خدا کے تصور میں وحدت کا تصور انسانی دماغ کا بلند تر تصور ہے اور اشراک اور تعدد کے تصورات نچلے درجے کے تصورات ہیں تو ہمیں اس نتیجہ تک پہنچنا پڑتا ہے کہ یہاں ابتدائی کڑی جو نمایاں ہوئی وہ نچلے درجہ کی نہ تھی - اونچے درجے کی تھی اور اس کے بعد جو کڑیاں ابھریں انہوں نے بلندی کی جگہ پستی کی طرف رخ کیا - گویا ارتقا کا عام قانون یہاں بے اثر ہو گیا - ترقی کی جگہ رجعت کی اصل کام کرنے لگی -

انیسویں صدی کے نظریے اور ارتقائی مذہب:

انیسویں صدی کے علمائے اجتماعیات کا عام نقطۂ خیال یہ تھا کہ انسان کے دینی عقائد کی ابتدا ان اوہامی تصورات سے ہوئی جو اس کی ابتدائی معیشت کے طبعی تقاضوں اور احوال وظروف کے قدرتی اثرات سے نشوونما پانے لگے تھے - یہ تصورات قانون ارتقا کے ماتحت درجہ بدرجہ مختلف کڑیوں سے گزرتے رہے اور بالآخر انہوں نے اپنی ترقی یافتہ صورت میں ایک اعلیٰ ہستی اور خالق کل خدا کے عقیدے کی نوعیت پیدا کر لی - گویا اس سلسلہ ارتقا کی ابتدائی کڑی اوہامی تصورات تھے جن سے طرح طرح کی الٰہی قوتوں کا تصور پیدا ہوا اور پھر اسی تصور نے ترقی کرتے ہوئے خدا کے ایک توحیدی اعتقاد کی شکل اختیار کر لی - بے جا نہ ہوگا اگر اختصار کے ساتھ یہاں ان تمام نظریوں پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے جو اس سلسلے میں یکے بعد دیگرے نمایاں ہوئے اور وقت کے علمی حلقوں کو متاثر کیا -

دینی عقائد اور تصورات کی تاریخ بہ حیثیت ایک مستقل شاخ علم کے انیسویں صدی کی پیداوار ہے - اٹھارویں صدی کے اواخر میں جب انڈو جرمن قبائل (یعنی وسط ایشیا کے آریائی قبائل) اور ان کی زبانوں کی تاریخ روشنی میں آئی تو ان کے دینی تصورات بھی نمایاں ہوئے اور اس طرح بحث وتنقید کا ایک نیا میدان پیدا ہو گیا - یہی میدان تھا جس کے مباحث نے انیسویں صدی کے اوائل میں بحث ونظر کی ایک مستقل شاخ پیدا کر دی - یعنی دینی عقائد کی پیدائش اور ان کے نشوونما کی تاریخ کا علم مدون ہونے لگا - اسی دور میں عام خیال یہ تھا کہ خدا پرستی کی ابتدا نیچر متھس (Nature-myths) کے تصورات سے ہوئی - یعنی ان خرافاتی اساطیر سے ہوئی جو مظاہر فطرت کے متعلق بننا شروع ہو گئے تھے - مثلاً روشنی کی ایک مستقل ہستی کا تصور پیدا ہو گیا - بارش کی قوت نے ایک دیوتا کی شکل اختیار کر لی - قدیم آریائی تصورات سے جو مظاہر فطرت کی پرستش پر مبنی تھے اس خیال کا مواد فراہم ہوا تھا -

لیکن انیسویں صدی کے نصف ابتدائی دور میں جب افریقہ اور امریکہ کے وحشی قبائل کے حالات روشنی میں آئے تو ان کے دینی تصورات کی تحقیقات نے ایک نئے نظریے کا سامان فراہم کر دیا - ۱۷۶۰ء میں دہ بردسے (De Brosses) نے انہی وحشی قبائل کے تصورات سے فیٹش ورشپ (Fetish Worship) کا استنباط کیا تھا - یعنی ایسی اشیا کی پرستش کا جن سے کسی جنی روح کی وابستگی یقین کی جاتی تھی - اب پھر ۱۸۵۱ء میں اے - کامٹ (Comete) نے اسی پرستش سے خدا پرستی کی پیدائش کا نظریہ اختیار کیا اور سر جان لبک نے (جو آگے چل کر لارڈ اویبری کے لقب سے مشہور ہوا) اسے مزید بحث ونظر کا جامہ پہنایا - اس نظریے کا اس عہد میں عام طور پر استقبال کیا گیا تھا اور وقت کے علمی حلقوں کی قبولیت اس نے حاصل کر لی تھی -

تقریباً اسی عہد میں مین ازم (Manism) یعنی اجداد پرستی کے نظریے نے سر اٹھایا- اس نظریے کی بنیاد اس قیاس پر رکھی گئی تھی کہ انسان کو آباو اجداد کی محبت و عظمت نے پہلے ان کی پرستش کی راہ دکھائی- پھر اسی پرستش نے قانون ارتقا کے ماتحت ترقی کر کے خدا پرستی کی نوعیت پیدا کر لی- صحرا نشین اور چراگاہوں کی جستجو کرنے والے قبیلوں کے ابتدائی تصورات میں اجداد پرستی کا ذہنی مواد موجود تھا- چین کی قدیم تاریخ میں بھی اس پرستش کا سراغ بہت دور تک ملنے لگا تھا- اس لیے اس نئے نظریے کے لیے ضروری مواد فراہم ہو گیا اور ۱۸۷۰ء میں جب ہربرٹ اسپنسر نے اپنے آسیبی نظریے (Ghost theory) کی بنیاد اسی تخیل پر استوار کی تو وقت کے فلسفیوں اور اجتماعیات کے عالموں کے حلقے میں اس نے فوراً مقبولیت پیدا کر لی-

اسی عہد میں ایک دوسرا نظریہ بھی بروئے کار آیا اور اس نے غیر معمولی مقبولیت حاصل کر لی- یہ ای بی ٹیلر اینی مزم (Animism) کا نظریہ تھا- ۱۸۷۲ء میں اس نے اپنی مشہور کتاب پری مے ٹیو کلچر شائع کی اور اس میں دینی عقائد کی کم از کم تعریف اینی مزم کے ذریعہ کی- اینی مزم سے مقصود یہ ہے کہ انسان کے تصورات میں اس کی جسمانی زندگی کے علاوہ ایک مستقل روحانی زندگی کا تصور بھی پیدا ہو جائے- اس "مستقل روحانی زندگی" کا تصور ٹیلر کے نزدیک خدا پرستی اور دینی عقائد کا بنیادی مادہ تھا- اسی مادہ نے نشوونما پا کر خدا کی ہستی کے عقیدے کی نوعیت پیدا کر لی- غالباً دینی عقائد کی پیدائش کے تمام نظریوں میں یہ پہلا نظریہ ہے جو علمی طریقہ پر پوری طرح مرتب کیا گیا اور بحث و نظر کے تمام اطراف و جوانب منظم اور آراستہ کیے گئے- چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وقت کے تمام علمی حلقوں پر اس نظریے نے ایک خاص اثر ڈالا تھا اور عام طور پر اسے ایک مقررہ اور طے شدہ اصل کی شکل میں پیش کیا جانے لگا تھا- انیسویں صدی کے اختتام تک اس نظریے کا یہ اقتدار بلا استثنا قائم رہا-

اسی اثنا میں مصر، بابل، اور اشوریا کے قدیم آثار و کتبات کے حل سے تاریخ قدیم کا ایک بالکل نیا میدان روشنی میں آنے لگا تھا اور ان آثار کے مباحث نے مستقل علوم کی حیثیت پیدا کر لی تھی- اس نئے مواد نے مظاہر فطرت کی پرستش کی اصل کو از سر نو اہمیت دے کر ابھار دیا کیونکہ وادی نیل اور وادی دجلہ و فرات کے یہ دونوں قدیم تمدن دینی عقائد کے یہی تصورات نمایاں کرتے تھے- چنانچہ اب پھر ایک نیا مذہب (اسکول) پیدا ہو گیا جو خدا پرستی کی پیدائش کی ابتدائی بنیاد مظاہر فطرت کے تاثرات کو قرار دیتا تھا اور خصوصیت کے ساتھ اجرام سماوی کے تاثرات پر زور دیتا تھا- اس نظریے کے حامیوں نے اینی مزم کی مخالفت کی اور ایسٹرل اینڈ نیچر میتھالوجسٹ (Astral and Nature Mythologists) کے نام سے مشہور ہوئے-

لیکن انیسویں صدی کے نصف آخری حصے میں جبکہ یہ تمام نظریے سر اٹھا رہے تھے دوسری طرف ایک خاص علمی حلقہ ایک دوسرے نظریے کی بنیادیں بھی چن رہا تھا- اس نظریے کا مواد قدیم ترین تمدنی عہد کے شکار پیشہ قبائل کے تصورات نے بہم پہنچایا تھا جن کے حالات اب تاریخ کی دسترس سے باہر نہیں رہے تھے- یہ نظریہ ٹوٹمزم (Totemism) کے نام سے مشہور ہوا اور بہت جلد اس نے وقت کے علمی حلقوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی- ٹوٹمزم سے مقصود مختلف اشیا اور جانوروں کے وہ انتسابات ہیں جو جمعیت بشری کی ابتدائی قبائلی زندگی میں پیدا ہو گئے تھے اور پھر کچھ عرصے کے بعد ان اشیا اور جانوروں کا غیر معمولی احترام کیا جانے لگا تھا- اس نظریے کی رو سے خیال کیا گیا کہ ہندوستان کی گائے، مصر کا مگرمچھ اور بیل، شمالی خطوں

کا ریچھ' اور صحرا نشین قبائل کا سفید بچھڑا دراصل ٹوٹمزم ہی کے بقایا ہیں- سب سے پہلے ۱۸۸۵ء میں رابرٹسن سمتھ نے اس نظریے کا اعلان کیا تھا- پھر وقت کے دوسرے نظار نے بھی اسی رخ پر قدم اٹھایا-

لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس نظریے کی مقبولیت مجروح ہونا شروع ہوگئی- پروفیسر جے- جی- فریزر کا جمع کیا ہوا مواد جب منظر عام پر آیا تو معلوم ہوا کہ ٹوٹمزم کے تصورات نہ تو دینی تصورات کی نوعیت رکھتے تھے نہ دینی تصورات کا مبدء بننے کی ان میں صلاحیت تھی- ان کی اصلی نوعیت زیادہ سے زیادہ ایک اجتماعی نظام کی تھی جس کے ساتھ طرح طرح کے تصورات کا ایک سلسلہ وابستہ ہوگیا تھا- اس سے زیادہ انہیں اس سلسلہ میں اہمیت نہیں دی جاسکتی-

مگر اس سلسلہ میں معاملہ کا ایک اور گوشہ بھی نمایاں ہوا تھا- فریزر نے ٹوٹمزم کے تصورات میں ایک خاص قسم ایسی بھی پائی تھی جس میں دینی عقائد کا ابتدائی مواد بننے کی زیادہ صلاحیت دکھائی دیتی تھی- یعنی وہ قسم جو جادو کے اعتقاد سے تعلق رکھتی ہے- بحث ونظر کے اس گوشے نے مفکروں کی ایک بڑی تعداد کو اپنی طرف متوجہ کرلیا اور جادو کا نظریہ علمی حلقوں میں روشناس ہوگیا- ۱۸۹۲ء میں ایک امریکی عالم جے- ایچ کنگ اس پہلو پر توجہ دلا چکا تھا- اب بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں بیک وقت جرمنی' انگلینڈ' فرانس' اور امریکہ کے علمی حلقوں سے اس کی بازگشت شروع ہوگئی اور اینمزم کے خلاف ردِ فعل کام کرنے لگا- اب یہ خیال عام طور پر پھیل گیا کہ اینمزم کے تصورات سے پیشتر بھی انسانی تصورات کا ایک دور رہ چکا ہے اور یہ ماقبل اینمزم (Preanimism) دور' جادو کے تصورات کا دور تھا- اسی جادو کے اعمال کے عقیدے نے آگے چل کر روحانی عقائد کی شکل اختیار کرلی اور خدا پرستی اور دینی عقائد کے مبادیات پیدا ہوگئے-

اب جادو کا نظریہ ایک عام مقبول نظریہ بن گیا اور پچھلے نظریے اپنی جگہ کھونے لگے- ۱۸۹۵ء میں آر- آر- میرٹ نے' ۱۹۰۲ء میں ہیوٹ نے' ۱۹۰۴ء میں کے- پریسو نے' ۱۹۰۷ء میں اے- وائرکنڈٹ نے' اور ۱۹۰۸ء میں ای- ایس- ہارٹ لینڈ نے اسی نظریے پر اپنے بحث وفکر کی تمام دیواریں اٹھائیں اور اسے دور تک پھیلاتے چلے گئے- سب سے زیادہ حصہ اس میں فرانس کے علمائے اجتماعیات کے اس طبقہ نے لیا جو دورکیم (Durkheim) کے مسلک نظر سے تعلق رکھتا تھا- اس طبقہ کا زعیم پہلے ایچ- ہیوبرٹ اور ام- ماس تھا- پھر ۱۹۱۲ء میں خود دورکیم آگے بڑھا اور اس نظریے کا سب سے بڑا علم بردار بن گیا- اس گروہ کی رائے میں ٹوٹمزم اور جادو کے تصورات کا مرکب مجموعہ جیسا کہ وسط آسٹریلیا کے قبائل کے اوہام میں پایا جاتا ہے جمعیت بشری کے دینی تصورات کا اصلی مبدء تھا- قانون ارتقا کے ماتحت انہی تصورات نے خدا پرستی کے عقائد کی ترقی یافتہ شکل پیدا کرلی-

اس زمانہ کے چند سال بعد بعض پروٹسٹنٹ علمانے جو دینی عقائد کے نفسیاتی مطالعہ میں مشغول تھے- مسئلے پر نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالی اور اس نظریے کی حمایت شروع کردی- وہ اس طرف گئے کہ خدا پرستی کے عقیدے کا مبدء ہمیں مذہب اور سحر کاری' دونوں کے مرکب تصورات میں ڈھونڈھنا چاہیے- اس جماعت کا پیشرو آرچ بشپ سوڈربلوم (Soderblom) تھا جس کے مباحث ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئے-

اس کے بعد کا زمانہ پہلی عالمگیر جنگ کا زمانہ تھا جو بیسویں صدی کا ایک دور ختم کر کے دوسرے دور کا دروازہ کھول رہی تھی- اس نئے دور نے جہاں علم ونظر کے بہت سے گوشوں کو انقلابی تغیرات سے آشنا کیا وہاں علم کی اس شاخ میں بھی ایک نیا انقلابی دور شروع ہوگیا-

یہ تمام پچھلے نظریے مادی مذہب ارتقا (Materialistic Evolutionism) کی اصل پر مبنی تھے- ان سب کے اندر یہ بنیادی اصل کام کررہی تھی کہ اجسام ومواد کی طرح انسان کا دینی عقیدہ بھی بتدریج نچلی کڑیوں سے ترقی کرتا ہوا اعلیٰ کڑیوں تک پہنچا ہے اور خدا پرستی کے عقیدہ میں توحید (Monotheism) کا تصور ایک طول طویل سلسلہ ارتقا کا نتیجہ ہے- انیسویں صدی کا نصف آخر ڈارونزم کے شیوع واحاطہ کا زمانہ تھا اور ہکسلے' ویلز' اسپنسر نے اسے اپنے فلسفیانہ مباحث سے انسانی فکر وعمل کے تمام دائروں میں پھیلا دیا تھا- قدرتی طور پر خدا کے اعتقاد کی پیدائش کا مسئلہ بھی اس سے متاثر ہوا اور نظر و بحث کے جتنے قدم اٹھے وہ اسی راہ پر گامزن ہونے لگے-

مذہب ارتقا کا خاتمہ اور زمانہ حال کی تحقیقات:

لیکن ابھی بیسویں صدی اپنے انقلاب انگیز انکشافوں میں بہت آگے نہیں بڑھی تھی کہ ان تمام نظریوں کی عمارتیں متزلزل ہونا شروع ہوگئیں اور پہلی عالمگیر جنگ کے بعد کے عہد نے تو انہیں یک قلم منہدم کر دیا- اب تمام اہل نظر بالاتفاق دیکھنے لگے کہ اس راہ میں جتنے قدم اٹھائے گئے تھے وہ سرے سے اپنی بنیاد ہی میں غلط تھے- کیونکہ ان سب کی بنیاد قانون ارتقا کی اصل پر رکھی گئی تھی اور ارتقائی اصل کی رہنمائی یہاں سودمند ہونے کی جگہ گمراہ کن ثابت ہوئی ہے- اب انہیں ٹھوس اور ناقابل انکار تاریخی شواہد کی روشنی میں صاف صاف نظر آ گیا کہ انسان کے دینی عقائد کی جس نوعیت کو انہوں نے اعلیٰ اور ترقی یافتہ قرار دیا تھا وہ بعد کے زمانوں کی پیداوار نہیں ہے بلکہ جمعیت بشری کی سب سے زیادہ پرانی متاع ہے- مظاہر فطرت کی پرستش' حیوانی انتسابات کے تصورات' اجداد پرستی کی رسوم' اور جادو کے توہمات کی اشاعت سے بھی بہت پہلے جو تصور انسانی دل ودماغ کے افق پر طلوع ہوا تھا وہ ایک اعلیٰ ترین ہستی کی موجودگی کا بےلاگ تصور تھا- یعنی خدا کی ہستی کا توحیدی اعتقاد تھا!

چنانچہ اب بحث ونظر کے اس گوشہ میں ارتقائی مذہب کا یک قلم خاتمہ ہو چکا ہے-

ڈبلیو شمٹ (Schmidt) پروفیسر وائنا یونیورسٹی جنہوں نے اس موضوع پر زمانۂ حال کی سب سے بہتر کتاب لکھی ہے لکھتے ہیں:

> "علم شعوب وقبائل انسانی کے پورے میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب یکسر دیوالیہ ثابت ہو چکا ہے- نشو ونما کی مرتب کڑیوں کا وہ خوشنما سلسلہ جو اس مذہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کر دیا تھا اب ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور نئے تاریخی رجحانوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہے-"[1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

---

[1] دی اوریجن اینڈ گروتھ آف ریلیجن- صفحہ ۸

''اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کے ابتدائی عمران و تمدن کے تصور کی ''اعلیٰ ترین ہستی'' فی الحقیقت توحیدی اعتقاد کا خدائے واحد تھا اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا - یہ حقیقت اب اس درجہ نمایاں ہو چکی ہے کہ ایک سرسری نظر تحقیق بھی اس کے لیے کفایت کرے گی۔نسل انسانی کے قدیم پستہ قد قبائل میں سے اکثروں کی نسبت یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے - اسی طرح ابتدائی عہد کے جنگلی قبیلوں کے جو حالات روشنی میں آئے ہیں اور کرنائی' کلین' اور جنوب مشرقی آسٹریلیا کے یائن قبیلوں کی نسبت جس قدر تاریخی مواد مہیا ہوا ہے ان سب کی تحقیقات ہمیں اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے - ارکٹیک تہذیب کے قبیلوں کے روایتی آثار اور شمالی امریکہ کے قبائل کے دینی تصورات کی چھان بین نے بھی بالآخر اسی نتیجہ کو نمایاں کیا''[۱]

زمانۂ حال کے نظار نے اب اس مسئلہ کا موسوعاتی (Pantologic) طریق نظر سے مطالعہ کیا ہے اور قدیم معلومات و مباحث کی تمام شاخیں جمع کر کے مجموعی نتائج نکالے ہیں - ضروری ہے کہ اس سلسلہ کی بعض جدید تحقیقات پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے کیونکہ ابھی وہ اس درجہ شائع نہیں ہوئی ہیں کہ عام طور پر نظر و مطالعہ میں آ چکی ہوں -

آسٹریلیا اور جزائر کے وحشی قبائل اور مصر کے قدیم ترین آثار کی جدید تحقیقات:

آسٹریلیا اور جزائر بحر محیط کے وحشی قبائل ایک غیر معین قدامت سے اپنی ابتدائی ذہنی طفولیت کی زندگی بسر کرتے رہے - زندگی و معیشت کی وہ تمام ترقی یافتہ کڑیاں جو عام طور پر انسانی جماعتوں کے ذہنی ارتقا کا سلسلہ مربوط کرتی ہیں یہاں یکسر مفقود رہیں - ابتدائی عہد کی بشری جمعیت کے تمام جسمانی اور دماغی خصائص ان کی قبائلی زندگی میں دیکھے جا سکتے تھے - ان کے تصور اس درجہ محدود تھے کہ اوہام و خرافات میں بھی کسی طرح کا ارتقائی نظم نہیں پایا جاتا - تاہم ان کا ایک اعتقادی تصور بالکل واضح تھا - ایک بالاتر ہستی ہے جس نے ان کی زمین اور ان کا آسمان پیدا کیا اور ان کا مرنا اور جینا اسی کے قبضہ و تصرف میں ہے - مصر کے قدیم باشندوں کی صدائیں آٹھ ہزار برس پیشتر تک کی ہمارے کانوں سے ٹکرا چکی ہیں - قدیم مصری تصورات کا پورا سلسلہ اپنی عہد بعہد کی تبدیلیوں کے ساتھ ہمارے سامنے ابھر آیا ہے - ہمیں صاف نظر آ رہا ہے کہ ایک خدا کی پرستش کا تصور اس سلسلہ میں بعد کو نہیں ابھرا بلکہ سلسلہ کی سب سے زیادہ پرانی کڑی ہے - مصر کے وہ تمام معبود جن کے مرقعوں سے اس کے مشہور عالم ہیکلوں اور مناروں کی دیواریں منقش کی گئی ہیں اس قدیم ترین عہد میں اپنی کوئی نمود نہیں رکھتے تھے - جب صرف ایک ''اوسیریز'' کی ان دیکھی ہستی کا اعتقاد دریائے نیل کی تمام آبادو وادیوں پر چھایا ہوا تھا![۲]

---

۱ دی اوریجن اینڈ گروتھ آف ریلیجن صفحہ ۲۶۲ -

۲ ''مردہ کی کتاب'' قدیم مصری تصورات کا سب سے زیادہ مرتب اور منضبط نوشتہ ہے - مصریات کے مشہور محقق ڈاکٹر بج (Budge) کی رائے میں یہ سب سے زیادہ قدیم فکری مواد ہے جو مصری آثار نے ہمارے حوالہ کیا ہے - یہ خود اتنی ہی پرانی ہے جتنا پرانا مصری تمدن ہے - لیکن جو تصورات اس میں جمع کیے گئے ہیں' وہ مصری تمدن سے بھی زیادہ قدیم ہیں - وہ اتنے قدیم ہیں کہ ہم ان کی قدامت کی کوئی تاریخ معین نہیں کر سکتے اس نوشتہ میں ''اوسیریز'' کے یہ صفات ہمیں ملتے ہیں: معبود اعظم - الخیر - ازلی پادشاہ - آخرت کا مالک -

دجلہ وفرات کی وادیوں کی قدیم آبادیوں اور خدا کی ہستی کا توحیدی تصور:

پہلی عالمگیر جنگ کے بعد عراق کے مختلف حصوں میں کھدائی کی جو نئی مہمیں شروع کی گئی تھیں - اور جو موجودہ جنگ کی وجہ سے ناتمام رہ گئیں ان کے انکشافات نے اس مسئلہ کے لیے نئی روشنیاں بہم پہنچائی ہیں - اب اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاتا کہ دریائے نیل کی طرح دجلہ اور فرات کی وادیوں میں بھی جب انسان نے پہلے پہل اپنے خدا کو پکارا تو وہ بہت سی ہستیوں میں بٹا ہوا نہیں تھا بلکہ ایک ہی ان دیکھی ہستی کی صورت میں نمایاں ہوا تھا - کالڈیا کے سومیری اور اکادی قبائل جن انسانی نسلوں کے وارث ہوئے تھے وہ ''شمس'' یعنی سورج اور ''نانعار'' یعنی چاند کی پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ اس ایک ہی لازوال ہستی کی ''جس نے سورج اور چاند اور تمام چمکدار ستاروں کو بنایا ہے''

مہنجو دارو کا خدائے واحد ''اون'':

ہندوستان میں ''مہنجو دارو'' کے آثار ہمیں آریاؤں کے عہد ورود سے بھی آگے لے جاتے ہیں - ان کے مطالعہ و تحقیق کا کام ابھی پورا نہیں ہوا ہے - تاہم ایک حقیقت بالکل واضح ہو گئی ہے - اس قدیم ترین انسانی بستی کے باشندوں کا بنیادی تصور توحید الٰہی کا تصور تھا - اصنام پرستانہ تصور نہ تھا - وہ اپنے یگانہ خدا کو ''اون'' کے نام سے پکارتے تھے - جس کی مشابہت ہمیں سنسکرت کے لفظ ''اندوان'' میں مل جاتی ہے - اس یگانہ ہستی کی حکومت سب پر چھائی ہوئی ہے - طاقت کی تمام ہستیاں اسی کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے ماتحت کام کر رہی ہیں اس کی صفت ''ویدوکن'' ہے - یعنی ایسی ہستی جس کی آنکھیں کبھی غافل نہیں ہو سکتیں - ﴿ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ! ﴾

اللہ کی یگانہ اور ان دیکھی ہستی کا قدیم سامی تصور:

سامی قبائل کا اصلی سرچشمہ صحرائے عرب کے بعض شاداب علاقے تھے - جب اس چشمہ میں نسل انسانی کا پانی بہت بڑھ جاتا تو اطراف میں پھیلنے لگتا - یعنی قبائل کے جتھے عرب سے نکل کر اطراف و جوانب کے ملکوں میں منتشر ہونے لگتے اور پھر چند صدیوں کے بعد نیا رنگ روپ اور نئے نام اختیار کر لیتے -

شاید انسانی قبائل کا انشعاب کرۂ ارضی کے دو مختلف حصوں میں بیک وقت جاری رہا اور زمانہ مابعد کی مختلف قوموں اور تمدنوں کا بنیادی مبدء بنا - صحرائے گوبی کے سرچشمے سے وہ قبائل نکلے جو ہندی - یورپی (انڈو یورپین) آریاؤں کے نام سے پکارے گئے - صحرائے عرب سے وہ قبائل نکلے جن کا پہلا نام سامی پڑا اور پھر یہ نام بے شمار ناموں کے ہجوم میں گم ہو گیا - تاریخ کی موجودہ معلومات اس حد تک پہنچ کر رک گئی ہیں اور آگے کی خبر نہیں رکھتیں -

عرب قبائل کا یہ انشعاب بتدریج مغربی ایشیا اور قریبی افریقہ کے تمام دور دراز حصوں تک پھیل گیا تھا - فلسطین (شام) مصر' نوبیا' عراق' اور سواحل خلیج فارس سب ان کے دائرہ انشعاب میں آ گئے تھے - عاد' ثمود' عمالقہ' ہکسوس' موابی' آشوری' آکادی' سومیری' عیلامی' آرامی' اور عبرانی وغیرہم مختلف مقاموں اور مختلف عہدوں کی قوموں کے نام ہیں مگر دراصل سب ایک ہی قبائلی سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں یعنی عرب سے -

اب جدید سامی اثریات کے مطالعہ سے جو ان تمام قوموں سے تعلق رکھتی ہیں ایک حقیقت بالکل واضح ہوگئی ہے- یعنی ان تمام قوموں میں ایک ان دیکھے خدا کی ہستی کا اعتقاد موجود تھا- اور وہ ''اَل- اِلاہ'' یا ''اللہ'' کے نام سے پکارا جاتا تھا- یہی ''الاہ'' ہے جس نے کہیں ''ایل'' کی صورت اختیار کی' کہیں ''الوہ'' کی' اور کہیں ''الاہیا'' کی-

سرحد حجاز کی وادی عقبہ اور شالی شام کے راس شمر کے جو آثار گزشتہ جنگ کے بعد منکشف ہوئے ان سے یہ حقیقت اور زیادہ آشکارا ہوگئی ہے مگر یہ موقع تفصیل کا نہیں-

انسان کی پہلی راہ ہدایت کی تھی' گمراہی بعد کو آئی:

بہر حال بیسویں صدی کی علمی جستجو اب ہمیں جس طرف لے جا رہی ہے وہ انسان کا قدیم ترین توحیدی اور غیر اصنامی اعتقاد ہے- اس سے زیادہ اس کے تصورات کی کوئی بات پرانی نہیں- اس نے اپنے عہد طفولیت میں ہوش و خرد کی آنکھیں جونہی کھولی تھیں ایک یگانہ ہستی کا اعتقاد اپنے اندر موجود پایا تھا- پھر آہستہ آہستہ اس کے قدم بھٹکنے لگے اور بیرونی اثرات کی جولانیاں اسے نئی نئی صورتوں اور نئے نئے ڈھنگوں سے آشنا کرنے لگیں- اب ایک سے زیادہ مافوق الفطرت طاقتوں کا تصور نشوونما پانے لگا اور مظاہر فطرت کے بے شمار جلوے اسے اپنی طرف کھینچنے لگے- یہاں تک کہ پرستش کی ایسی چوکھٹیں بننا شروع ہوگئیں جنہیں اس کی جبین نیاز چھو سکتی تھی اور تصورات کی ایسی صورتیں ابھرنے لگیں جو اس کے دیدۂ صورت پرست کے سامنے نمایاں ہوسکتی تھیں- یہیں اسے ٹھوکر لگی لیکن راہ ایسی تھی کہ ٹھوکر سے بچ بھی نہیں سکتا تھا:

کمند کوتہ و بازوئے ست و بام بلند
بمن حوالہ و نومیدیم گنہ گیرند!

پس معلوم ہوا کہ اس راہ میں ٹھوکر بعد کو لگی- پہلی حالت ٹھوکر کی نہ تھی- راہ راست پر گام فرسائیوں کی تھی:

من ملک بودم و فردوس بریں جائم بود
آدم آورد دریں خانۂ خراب آبادم

اگر اس صورت حال کو گمراہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ پہلی حالت جو انسان کو پیش آئی تھی وہ گمراہی کی نہ تھی' ہدایت کی تھی- اس نے آنکھیں روشنی میں کھولی تھیں- پھر آہستہ آہستہ تاریکی پھیلنے لگی!

دینی نوشتوں کی شہادت اور قرآن کا اعلان:

زمانۂ حال کی علمی تحقیقات کا یہ نتیجہ ادیان عالم کے مقدس نوشتوں کی تصریحات کے عین مطابق ہے- مصر' یونان' کالڈیا' ہندوستان' چین' ایران' سب کی مذہبی روایتیں ایک ایسے ابتدائی عہد کی خبر دیتی ہیں جب نوع انسانی گمراہی اور غمنا کی سے آشنا نہیں ہوئی تھی اور فطری ہدایت کی زندگی بسر کرتی تھی- افلاطون نے کریطیاس (Critias) میں آبادی عالم کی جو حکایت درج کی ہے اس میں اس اعتقاد کی پوری جھلک موجود ہے اور طیماوس (Timaeus) کی حکایت جو ایک مصری پجاری کی زبانی ہے مصری روایت کی خبر دیتی ہے- تورات کی کتاب پیدائش نے آدم کا قصہ بیان کیا ہے- اس قصہ میں آدم کی پہلی

زندگی ہدایت کی بہشتی زندگی تھی پھر لغزش ہوئی اور بہشتی زندگی مفقود ہوگئی- اس قصہ میں بھی یہی اصل کام کر رہی ہے کہ یہاں پہلا دور فطری ہدایت کا تھا- انحراف و گمراہی کی راہیں بعد کو کھلیں- قرآن نے تو صاف صاف اعلان کر دیا ہے کہ:

﴿ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ﴾ (۱۰: ۱۹)

''ابتدا میں تمام انسان ایک ہی گروہ تھے (یعنی الگ الگ راہوں میں بھٹکے ہوئے نہ تھے) پھر اختلاف میں پڑ گئے-''

دوسری جگہ مزید تشریح کی:

﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾ (۲: ۲۱۳)

''ابتدا میں تمام انسانوں کا ایک ہی گروہ تھا (یعنی فطری ہدایت کی ایک ہی راہ پر تھے- پھر اس کے بعد اختلافات پیدا ہو گئے) پس اللہ نے ایک کے بعد ایک نبی مبعوث کیے- وہ نیک عملی کے نتیجوں کی خوشخبری دیتے تھے- بد عملی کے نتیجوں سے متنبہ کرتے تھے- نیز ان کے ساتھ نوشتے نازل کیے- تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے ہیں ان کا فیصلہ کر دیں-''

ارتقائی نظریہ خدا کی ہستی کے اعتقاد میں نہیں' مگر اس کی صفات کے تصورات کے مطالعہ میں مدد دیتا ہے:

پس خدا کی ہستی کے عقیدے کے بارے میں انیسویں صدی کا ارتقائی نظریہ اب اپنی علمی اہمیت کھو چکا ہے اور بحث و نظر میں بہت کم مدد دے سکتا ہے- البتہ جہاں تک انسان کے ان تصوروں کا تعلق ہے جو خدا کی صفات کی نقش آرائیاں کرتے رہے ہمیں ارتقائی نقطۂ خیال سے ضرور مدد ملتی ہے- کیونکہ بلاشبہ یہاں تصورات کے نشوو ارتقا کا ایک ایسا سلسلہ موجود ہے جس کی ارتقائی کڑیاں ایک دوسرے سے الگ کی جاسکتی ہیں اور نچلے درجوں سے اونچے درجہ کی طرف ہم بڑھ سکتے ہیں-

خدا کی ہستی کا اعتقاد انسان کے ذہن کی پیداوار نہ تھا کہ ذہنی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ وہ بھی بدلتا رہتا- وہ اس کی فطرت کا ایک وجدانی احساس تھا اور وجدانی احساسات میں نہ تو ذہن و فکر کے مؤثرات مداخلت کر سکتے ہیں نہ باہر کے اثرات سے ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے-

لیکن انسان کی عقل' ذات مطلق کے تصور سے عاجز ہے- وہ جب کسی چیز کا تصور کرنا چاہتی ہے تو گو تصور ذات کا کرنا چاہے لیکن تصور میں صفات و عوارض ہی آتے ہیں اور صفات ہی کے جمع و تفرقہ سے وہ ہر چیز کا تصور آراستہ کرتی ہے- پس جب فطرت کے اندرونی جذبہ نے ایک بالاتر ہستی کے اعتراف کا ولولہ پیدا کیا تو ذہن نے چاہا' اس کا تصور آراستہ کرے لیکن جب تصور کیا تو یہ اس کی ذات کا تصور نہ تھا- اس کی صفات کا تصور تھا- اور صفات میں سے بھی انہی صفات کا جن کا ذہن انسانی تخیل کر سکتا تھا- یہیں سے خدا پرستی کے فطری جذبہ میں ذہن و فکر کی مداخلت شروع ہوگئی-

عقل انسانی کی درماندگی اور صفات الٰہی کی صورت آرائی:

عقل انسانی کا ادراک محسوسات کے دائرے میں محدود ہے- اس لیے اس کا تصور اس دائرے سے باہر قدم نہیں

نکال سکتا - وہ جب کسی ان دیکھی اور غیر محسوس چیز کا تصور کرے گی تو ناگریز ہے کہ تصور میں وہی صفات آئیں جنہیں وہ دیکھتی اور سنتی ہے اور جو اس کے حاسۂ ذوق ولمس کی دسترس سے باہر نہیں ہیں - پھر اس کے ذہن وتفکر کی جتنی بھی رسائی ہے بیک دفعہ ظہور میں نہیں آئی ہے بلکہ ایک طول طویل عرصہ کے نشو وارتقا کا نتیجہ ہے - ابتدا میں اس کا ذہن عہد طفولیت میں تھا - اس لیے اس کے تصورات بھی اسی نوعیت کے ہوتے تھے - پھر جوں جوں اس میں اور اس کے ماحول میں ترقی ہوتی گئی اس کا ذہن بھی ترقی کرتا گیا اور ذہن کی ترقی وتزکیہ کے ساتھ اس کے تصورات میں بھی شائستگی اور بلندی آتی گئی -

اس صورت حال کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کبھی ذہن انسانی نے خدا کی صورت بنانی چاہی تو ہمیشہ ویسی ہی بنائی جیسی صورت خود اس نے اور اس کے احوال وظروف نے پیدا کر لی تھی - جوں جوں اس کا معیار فکر بدلتا گیا وہ اپنے معبود کی شکل و شباہت بھی بدلتا گیا - اسے اپنے آئینۂ تفکر میں ایک صورت نظر آتی تھی - وہ سمجھتا تھا یہ اس کے معبود کی صورت ہے - حالانکہ وہ اس کے معبود کی صورت نہ تھی خود اسی کے ذہن وصفات کا عکس تھا!

فکر انسانی کی سب سے پہلی درماندگی یہی ہے جو اس راہ میں پیش آئی!

حرم جویاں درے را می پرستند　　　فقیہاں دفترے را می پرستند
بر افگن پردہ تا معلوم گردد　　　کہ یاراں دیگرے را می پرستند!

یہی درماندگی ہے جس سے نجات دلانے کے لیے وحی الٰہی کی ہدایت ہمیشہ نمودار ہوتی رہی -

انبیائے کرام (علیہم السلام) کی دعوت کی ایک بنیادی اصل یہ رہی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ خدا پرستی کی تعلیم ویسی ہی شکل واسلوب میں دی جیسی شکل واسلوب کے فہم وتحمل کی استعداد مخاطبوں میں پیدا ہو گئی تھی - وہ مجمع انسانی کے معلم ومربی تھے اور معلم کا فرض ہے کہ متعلموں میں جس درجہ کی استعداد پائی جائے اسی درجہ کا سبق بھی دے - پس انبیائے کرام نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی صفات کے لیے جو پیرایۂ تعلیم اختیار کیا وہ اس سلسلہ ارتقا سے باہر نہ تھا - بلکہ اسی کی مختلف کڑیاں مہیا کرتا ہے -

ارتقائے تصور کے نقاط ثلاثہ:

اس سلسلہ کی تمام کڑیوں پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں اور ان کے فکری عناصر کی تحلیل کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کی بے شمار نوعیتیں قرار دی جا سکتی ہیں لیکن ارتقائی نقطے ہمیشہ تین ہی رہے اور انہی سے اس سلسلہ کی ہدایت و نہایت معلوم کی جا سکتی ہے:

(۱) تجسم[۱] سے تنزیہہ کی طرف

---

[۱] تجسم سے مقصود یہ ہے کہ خدا کی نسبت ایسا تصور قائم کرنا کہ وہ مخلوق کی طرح جسم وصورت رکھتا ہے - تشبہ سے مقصود یہ ہے کہ ایسی صفات تجویز کر لیں جو مخلوقات کی صفات سے مشابہ ہوں - تنزیہہ سے مقصود یہ ہے کہ ان تمام باتوں سے جو اسے مخلوقات سے مشابہ کرتی ہوں اسے مبرا یقین کرنا - انگریزی میں تجسم کے لیے ان تھروپومارفزم (Anthropomorphism) اور تشبہ کے لیے "ان تھراپوفیوازم (Anthropophuism) کی مصطلحات استعمال کرتے ہیں -

(۲) تعدد و اشراک (Polytheism) سے توحید (Monotheism) کی طرف-

(۳) صفات قہر و جلال سے صفات رحمت و جمال کی طرف-

یعنی تجسم اور صفات قہریہ کا تصور اس کا ابتدائی درجہ ہے اور تنزہ اور صفات رحمت و جمال سے اتصاف اعلیٰ و کامل درجہ- جو تصور جس قدر ابتدائی اور ادنیٰ درجہ کا ہے' اتنا ہی تجسم اور صفات قہریہ کا عنصر اس میں زیادہ ہے- جو تصور جس قدر زیادہ ترقی یافتہ ہے اتنا ہی زیادہ منزہ اور صفات رحمت و جلال سے متصف ہے-

انسان کا تصور صفات قہریہ کے تاثر سے کیوں شروع ہوا؟:

انسان کا تصور صفات قہریہ کے تخیل سے کیوں شروع ہوا؟ اس کی علت واضح ہے- فطرت کائنات کی تعمیر' تخریب کے نقاب میں پوشیدہ ہے- انسانی فکر کی طفولیت تعمیر کا حسن نہ دیکھ سکی- تخریب کی ہولناکیوں سے سہم گئی- تعمیر کا حسن و جمال دیکھنے کے لیے فہم و بصیرت کی دوررس نگاہ مطلوب تھی اور وہ ابھی اس کی آنکھوں نے پیدا نہیں کی تھی-

دنیا میں ہر چیز کی طرح ہر فعل کی نوعیت بھی اپنا مزاج رکھتی ہے- بناؤ ایک ایسی حالت ہے جس کا مزاج سرتاسر سکون اور خاموشی ہے اور بگاڑ ایک ایسی حالت ہے کہ اس کا مزاج سرتاسر شورش اور ہولناکی ہے- بناؤ ایجاب ہے' نظم ہے' جمع و ترتیب ہے اور بگاڑ سلب ہے' برہمی ہے' تفرقہ و اختلال ہے- جمع و نظم کی حالت ہی سکون کی حالت ہوتی ہے اور تفرقہ و برہمی کی حالت ہی شورش و انفجار کی حالت ہے- دیوار جب بنتی ہے تو تمہیں کوئی شورش محسوس نہیں ہوتی لیکن جب گرتی ہے تو دھماکا ہوتا ہے اور تم بے اختیار چونک اٹھتے ہو- اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ حیوانی طبیعت سلبی افعال سے فوراً متاثر ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی نمود میں شورش اور ہولناکی ہے لیکن ایجابی افعال سے متاثر ہونے میں دیر لگاتی ہے کیونکہ ان کا حسن و جمال یکایک مشاہدہ میں نہیں آجاتا اور ان کا مزاج شورش کی جگہ خاموشی اور سکون ہے-

فطرت کے سلبی مظاہر کی قہرمانی اور ایجابی مظاہر کا حسن و جمال:

اسی بنا پر عقل انسانی نے جب صفات الٰہی کی صورت آرائی کرنی چاہی تو فطرت کائنات کے سلبی مظاہر کی دہشت سے فوراً متاثر ہوگئی کیونکہ زیادہ نمایاں اور پرشور تھے اور ایجابی و تعمیری حقیقت سے متاثر ہونے میں بہت دیر لگ گئی کیونکہ ان میں شورش اور ہنگامہ نہ تھا- بادلوں کی گرج' بجلی کی کڑک' آتش فشاں پہاڑوں کا انفجار' زمین کا زلزلہ' آسمان کی ژالہ باری' دریا کا سیلاب' سمندر کا تلاطم' ان تمام سلبی مظاہر میں اس کے لیے رعب و ہیبت تھی اور اسی ہیبت کے اندر وہ ایک غضبناک خدا کی ڈراؤنی صورت دیکھنے لگا تھا- اسے بجلی کی کڑک میں کوئی حسن محسوس نہیں ہوسکتا تھا- وہ بادلوں کی گرج میں کوئی شان محبوبیت نہیں پاسکتا تھا- وہ آتش فشاں پہاڑوں کی سنگ باری سے پیار نہیں کرسکتا تھا اور اس کی عقل ابھی خدا کے انہی کاموں سے آشنا ہوئی تھی!

انسان پر شیفتگی سے پہلی دہشت طاری ہوئی:

خود اس کی ابتدائی معیشت کی نوعیت بھی ایسی ہی تھی کہ انس و محبت کی جگہ خوف و وحشت کے جذبات برانگیختہ

ہوتے - وہ کمزور اور نہتا تھا اور دنیا کی ہر چیز اسے دشمنی اور ہلاکت پر تلی نظر آتی تھی - ولدل کے مچھروں کے جھنڈ چاروں طرف منڈلا رہے تھے، زہریلے جانور ہر طرف رینگ رہے تھے اور درندوں کے حملوں سے ہر وقت مقابل رہنا پڑتا تھا - سر پر سورج کی تپش بے پناہ تھی اور چاروں طرف موسم کے اثرات ہولناک تھے - غرض کہ اس کی زندگی سرتاسر جنگ اور محنت تھی اور اس ماحول کا قدرتی نتیجہ تھا کہ اس کا ذہن خدا کا تصور کرتے ہوئے خدا کی ہلاکت آفرینیوں کی طرف جاتا رحمت و فیضان کا ادراک نہ کر سکتا -

بالآخر صفات رحمت و جمال کا اشتمال:

لیکن جوں جوں اس میں اور اس کے ماحول میں تبدیلی ہوتی گئی اس کے تصور میں بھی یاس و دہشت کی جگہ امید و رحمت کا عنصر شامل ہوتا گیا - یہاں تک کہ معبودیت کے تصور میں صفات رحمت و جمال نے بھی ویسی ہی جگہ پالی جیسی صفات قہر و جلال کے لیے تھی - چنانچہ اگر قدیم اقوام کے اصنام پرستانہ تصورات کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ان کی ابتدا ہر جگہ صفات قہر و غضب کے تصور ہی سے ہوئی ہے اور پھر آہستہ آہستہ رحمت و جمال کی طرف قدم اٹھا ہے - آخری کڑیاں وہ نظر آئیں گی جن میں قہر و غضب کے ساتھ رحمت و جمال کا تصور بھی مساویانہ حیثیت سے قائم ہو گیا ہے - مثلاً قہر و ہلاکت کے دیوتاؤں اور قوتوں کے ساتھ زندگی، رزق، دولت اور حسن و علم کے دیوتاؤں کی بھی پرستش شروع ہو گئی ہے - یونان کا علم الاصنام اپنے لطافت تخیل کے لحاظ سے تمام اصنامی تخیلات میں اپنی خاص جگہ رکھتا ہے لیکن اس کی پرستش کے بھی قدیم معبود وہی تھے جو قہر و غضب کی خوفناک قوتیں سمجھی جاتی تھیں - ہندوستان میں اس وقت تک زندگی اور بخشش کے دیوتاؤں سے کہیں زیادہ ہلاکت کے دیوتاؤں کی پرستش ہوتی ہے -

ظہور قرآن کے وقت دنیا کے عام تصورات:

بہر حال ہمیں غور کرنا چاہیے کہ قرآن کے ظہور کے وقت صفات الٰہی کے عام تصورات کی نوعیت کیا تھی اور قرآن نے جو تصور پیش کیا اس کی حیثیت کیا ہے؟

ظہور قرآن کے وقت پانچ دینی تصور فکر انسانی پر چھائے ہوئے تھے:

چینی...... ہندوستانی...... مجوسی...... یہودی...... اور مسیحی -

(۱) چینی تصور:

دنیا کی تمام قدیم قوموں میں چینیوں کی یہ خصوصیت تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ ان کے تصور الوہیت نے ابتدا میں جو ایک سادہ اور مبہم نوعیت اختیار کر لی تھی وہ بہت حد تک برابر قائم رہی اور زمانہ مابعد کی ذہنی وسعت پذیریاں اس میں زیادہ مداخلت نہ کر سکیں - تاہم تصور کا کوئی مرقع بغیر رنگ و روغن کے بن نہیں سکتا - اس لیے آہستہ آہستہ اس سادہ خاکے میں بھی مختلف رنگتیں نمایاں ہونے لگیں اور بالآخر ایک رنگین تصویر متشکل ہو گئی -

چین میں قدیم زمانے سے مقامی خداؤں کے ساتھ ایک ''آسمانی'' ہستی کا اعتقاد بھی موجود تھا - ایک ایسی بلند اور

عظیم ہستی جس کی علویت کے تصور کے لیے ہم آسمان کے سوا اور کسی طرف نظر نہیں اٹھا سکتے - آسمان حسن و بخشائش کا بھی مظہر ہے - قہر و غضب کی بھی ہولناکی ہے - اس کا سورج روشنی اور حرارت بخشتا ہے' اس کے ستارے اندھیری راتوں میں قندیلیں روشن کر دیتے ہیں' اس کی بارش زمین کو طرح طرح کی روئیدگیوں سے معمور کر دیتی ہے' لیکن اس کی بجلیاں ہلاکت کا بھی پیام ہیں اور اس کی گرج دلوں کو دہلا بھی دیتی ہے - اس لیے آسمانی خدا کے تصور میں بھی دونوں صفتیں نمودار ہوئیں - ایک طرف اس کی جود و بخشائش ہے' دوسری طرف اس کا قہر و غضب ہے - چینی شاعری کی قدیم کتاب میں ہم قدیم ترین چینی تصورات کی جھلک دیکھ سکتے ہیں - ان میں جا بجا ہمیں ایسے مخاطبات ملتے ہیں جن میں آسمانی اعمال کی' ان متضاد نمودوں پر حیرانی و سرگشتگی کا اظہار کیا گیا ہے: ''یہ کیا بات ہے کہ تیرے کاموں میں یکسانی اور ہم آہنگی نہیں؟ تو زندگی بھی بخشتا ہے اور تیرے پاس ہلاکت کی بجلیاں بھی ہیں -''

یہ ''آسمان'' چینی تصور کا ایک ایسا بنیادی عنصر بن گیا کہ چینی جمعیت آسمانی جمعیت اور چینی مملکت آسمانی مملکت کے نام سے پکاری جانے لگی - رومی جب پہلے پہل چین سے آشنا ہوئے تو انہیں ایک ''آسمانی مملکت'' ہی کی خبر ملی تھی - اس وقت سے (Coelum) کے مشتقات کا چین کے لیے استعمال ہونے لگا - یعنی آسمان والے اور ''آسمانی'' اب بھی انگریزی میں چین کے باشندوں کے لیے مجازاً سلسٹیل (Celestial) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے - یعنی آسمانی ملک کے باشندے -

اس آسمانی ہستی کے علاوہ گزرے ہوئے انسانوں کی روحیں بھی تھیں - جنہیں دوسرے عالم میں پہنچ کر تدبیر و تصرف کی طاقتیں حاصل ہوگئی تھیں اور اس لیے پرستش کی مستحق سمجھی گئی تھیں - ہر خاندان اپنی معبود روحیں رکھتا تھا اور ہر علاقہ اپنا مقامی خدا -

لاؤ تزو اور کنگ فوزی کی تعلیم:

سنہ مسیحی سے پانچ سو برس پہلے لاؤ-تزو (Lao-Tzu) اور کنگ فوزی[1] (King-fu-Tse) کا ظہور ہوا - کنگ فوزی نے ملک کو عملی زندگی کی سعادتوں کی راہ دکھائی اور معاشرتی حقوق و فرائض کی ادائیگی کا ایک قانون مہیا کر دیا لیکن جہاں تک خدا کی ہستی کا تعلق ہے ''آسمان'' کا قدیمی تصور بدستور قائم رہا اور اجداد پرستی کے عقائد نے اس کے ساتھ مل کر ایک ایسی نوعیت پیدا کر لی گویا آسمانی خدا تک پہنچنے کا ذریعہ گزری ہوئی روحوں کا وسیلہ اور تشفع ہے - روحانی تصورات میں وسیلہ کا اعتقاد ہمیشہ عابدانہ پرستش کی نوعیت پیدا کر لیتا ہے چنانچہ یہ توسل بھی عملاً تعبد تھا اور ہر طرح کے دینی اعمال و رسوم کا مرکزی نقطہ بن گیا تھا -

ہندوستان اور یونان میں دیوتاؤں کے تصور نے نشو و نما پائی تھی جو خدائی کی ایک بالاتر ہستی کے ساتھ کارخانہ عالم

---

[1] ''کنگ فوزی'' فارسی تلفظ ہے - صحیح چینی لفظ ''کونگ - فو - تسی'' ہے - ایرانیوں نے اسے زیادہ صحت کے ساتھ نقل کیا - یعنی صرف اتنی تبدیلی کی کہ ''فوتسی'' کو ''فوزی'' کر دیا' لیکن یورپ کی زبانوں نے اسے یک قلم مسخ کر کے ''کنفیوشیس'' (Confuocius) بنا دیا اور اس کی آواز اصل آواز سے اس درجہ مختلف ہوگئی کہ ایک چینی سن کر حیران رہ جاتا ہے کہ یہ کس چیز کا نام ہے اور کس ملک کی بولی ہیں؟

کے تصرفات میں شرکت رکھتے تھے- چینی تصور میں یہ خانہ بزرگوں کی روحوں نے بھرا اور اس طرح اشراک اور تعدد کے تصور کی پوری نقش آرائی ہو گئی-

کنگ فوزی کے ظہور سے پہلے قربانیوں کی رسم عام طور پر رائج تھی- کنگ فوزی نے اگرچہ ان پر زور نہیں دیا لیکن ان سے تعرض بھی نہیں کیا- چنانچہ وہ چینی مندروں کا تقاضا برابر پورا کرتی رہیں- قربانیوں کے عمل کے پیچھے طلب بخشش اور جلب تحفظ دونوں کے تصور کام کرتے تھے- قربانیوں کے ذریعہ ہم اپنے مقاصد بھی حاصل کر سکتے ہیں اور خدا کے قہر و غضب سے محفوظ بھی ہو جا سکتے ہیں- پہلی غرض کے لیے وہ نذر ہیں- دوسری غرض کے لیے فدیہ!

لاؤ- تزونے ''تاؤ'' یعنی طریقت کے مسلک کی بنیاد ڈالی- اسے چین کا تصوف اور ویدانت سمجھنا چاہیے- تاؤ نے چینی زندگی کو روحانی استغراق اور داخلی مراقبہ کی راہوں سے آشنا کیا اور مذہبی اور اخلاقی تصورات میں ایک طرف گہرائی اور دقت آفرینی پیدا ہوئی دوسری طرف لطافت فکر اور رقت خیال کے نئے نئے دروازے کھلے- لیکن تصوف ملک کا عام دینی تصور نہیں بن سکتا تھا- اس کی محدود جگہ چین میں بھی وہی رہی جو ویدانت کی ہندوؤں میں اور تصوف کی مسلمانوں میں رہی ہے-

چین کا شمنی تصور:

اس کے بعد وہ زمانہ آیا جب ہندوستان کے شمنی[1] مذہب (یعنی بدھ مذہب) کی چین میں اشاعت ہوئی- یہ مہایاما بدھ مذہب تھا جو مذہب کے اصلی مبادیات سے بہت دور جا چکا تھا اور جس نے تبدل پذیری کی ایسی بے روک لچک پیدا کر لی تھی کہ جس شکل و قطع کا خانہ ملتا تھا ویسا ہی جسم بنا کر اس میں سما جاتا تھا- یہ جب چین' کوریا اور جاپان میں پہنچا تو اسے

---

[1] سنسکرت میں ''شمن'' زاہد اور تارک الدنیا کو کہتے ہیں- بدھ مذہب کے تارک الدنیا بھکشو اس لقب سے پکارے جاتے تھے- رفتہ رفتہ تمام پیروان بدھ کو ''شمنی'' کہنے لگے- اسی ''شمنی'' کو عربوں نے ''سمنی'' بنالیا اور وسط ایشیا کے باشندوں نے ''شامانی''- چنانچہ زکریا رازی' البیرونی' اور ابن الندیم وغیرہم نے بدھ مذہب کا ذکر سمنیہ ہی کے نام سے کیا ہے- البیرونی بدھ مذہب کی عالمگیر اشاعت کی تاریخ کی بھی خبر رکھتا تھا- چنانچہ کتاب الہند کی پہلی فصل میں اس طرف اشارات کیے ہیں-

چنگیز خاں کی نسبت یہ تصریح ملتی ہے کہ وہ شامانی مذہب کا پیرو تھا- یعنی بدھ مذہب کا- چونکہ شامانی اور بدھ مذہب کا ترادف واضح نہیں ہوا تھا اس لیے انیسویں صدی کے بعض یورپی مؤرخوں کو طرح طرح کی غلط فہمیاں ہوئیں اور وہ اس کا صحیح مفہوم متعین نہ کر سکے-

یہ غلط فہمی یورپ کے عام اہل قلم میں آج بھی موجود ہے- شمالی سائبیریا اور چینی ترکستان کے ہم سایہ علاقوں کے تورانی قبائل اپنے مذہبی پیشواؤں کو (جو تبت کے لاماؤں کی طرح ملکی پیشوائی بھی رکھتے ہیں) ''شامان'' کہتے ہیں- سوویٹ روس کی حکومت آج کل ان کی تعلیم و تربیت کا سر و سامان کر رہی ہے- یہ لوگ بھی بلاشبہ بدھ مذہب کے پیرو ہیں لیکن ان کا بدھ مذہب منگولیوں کے محرف مذہب کی بھی ایک مسخ شدہ صورت ہے اس لیے اصلیت کی بہت کم جھلک باقی رہ گئی ہے اور اسی لیے ان کی مذہبی اصلیت کے بارے میں آج کل کے مصنف حیرانی ظاہر کر رہے ہیں-

انگریزی میں انہی تورانی قبائل کے مذہب کی نسبت شے منزم (Shamanism) کی ترکیب رائج ہو گئی ہے اور جادوگری کے اعمال و اثرات کو (Shamanic) اور (Shamanislic) وغیرہ سے تعبیر کرنے لگے ہیں- یہ ''شمین'' بھی وہی ''شامانی'' ہی کی ایک محرف صورت ہے چونکہ ان قبائل میں جادوگری کا اعتقاد عام ہے اور وہ اپنے شامانوں سے بیماریوں میں جادو کے ٹوٹکے کراتے ہیں اس لیے جادوگری کے لیے یہ لفظ مستعمل ہو گیا ہے-

ہندوستان اور سیلون سے مختلف قسم کی فضا ملی اور اس نے فوراً مقامی وضع وقطع اختیار کر لی۔

بدھ مذہب کی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ خدا کی ہستی کے تصور سے خالی ہے۔ لیکن پیروان بدھ نے خود بدھ کو خدا کی جگہ دے دی اور اس کی پرستش کا ایک ایسا عالمگیر نظام قائم کر دیا جس کی کوئی دوسری نظیر اصنامی مذاہب کی تاریخ میں نہیں ملتی - چنانچہ چین، کوریا، اور جاپان کی عبادت گاہیں بھی اب اس نئے معبود کے بتوں سے معمور ہو گئیں۔

(۲) ہندوستانی تصور

ہندوستان کے تصور الوہیت کی تاریخ متضاد تصوروں کا ایک حیرت انگیز منظر ہے۔ ایک طرف اس کا توحیدی فلسفہ ہے، دوسری طرف اس کا عملی مذہب ہے۔ توحیدی فلسفہ نے استغراق فکر وعمل کے نہایت گہرے اور دقیق مرحلے طے کیے اور معاملہ کو فکری بلندیوں کی ایک ایسی اونچی سطح تک پہنچا دیا جس کی کوئی دوسری مثال ہمیں قدیم قوموں کے مذہبی تصورات میں نہیں ملتی۔ عملی مذہب نے اشراک اور تعدد الٰہ کی بے روک راہ اختیار کی اور اصنامی تصوروں کو اتنی دور تک پھیلنے دیا کہ ہر پتھر معبود ہو گیا، ہر درخت خدائی کرنے لگا، اور ہر چوکھٹ سجدہ گاہ بن گئی - وہ بیک وقت زیادہ سے زیادہ بلندی کی طرف بھی اڑا اور زیادہ سے زیادہ پستی میں بھی گرا۔ اس کے خواص نے اپنے لیے توحید کی جگہ پسند کی اور عوام کے لیے اشراک اور اصنام پرستی کی راہ مناسب سمجھی!

اوپانی شد کا توحیدی اور وحدۃ الوجودی تصور:

رگ وید کے زمزموں میں ہمیں ایک طرف مظاہر قدرت کی پرستش کا ابتدائی تصور بتدریج پھیلتا اور مجسم ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ دوسری طرف ایک بالاتر اور خالق کل ہستی کا توحیدی تصور بھی آہستہ آہستہ ابھرتا نظر آتا ہے۔ خصوصاً دسویں حصے کے زمزموں میں تو اس کی نمود صاف صاف دکھائی دینے لگتی ہے۔ یہ توحیدی تصور کسی بہت پرانے گذشتہ عہد کے بنیادی تصور کا بقیہ تھا یا مظاہر قدرت کی کثرت آرائیوں کا تصور اب خود بخود کثرت سے وحدت کی طرف ارتقائی قدم اٹھانے لگا تھا؟ اس کا فیصلہ مشکل ہے لیکن بہر حال ایک ایسے قدیم عہد میں بھی جبکہ رگ وید کے تصوروں نے نظم وسخن کا جامہ پہننا شروع کیا تھا توحیدی تصور کی جھلک صاف صاف دیکھی جا سکتی ہے۔ خداؤں کا وہ ہجوم جس کی تعداد تین سو تینتیس یا اسی طرح کی ثلاثی کثرت تک پہنچ گئی تھی۔[۱] بالآخر تین دائروں میں سمٹنے لگا۔ یعنی زمین، فضا، اور آسمان میں اور پھر اس نے ایک رب الاربابی تصور[۲] (Henotheism) کی نوعیت پیدا کر لی۔ پھر یہ رب الاربابی تصور اور زیادہ سمٹنے لگتا ہے اور ایک سب سے بڑی اور سب پر چھائی ہوئی ہستی نمایاں ہونے لگتی ہے۔ یہ ہستی کبھی ''ورون'' میں نظر آتی ہے، کبھی ''اندر'' میں، اور کبھی ''اگنی'' میں لیکن بالآخر ایک خالق کل ہستی کا تصور پیدا ہو جاتا ہے جو ''پرجاپتی'' (پروردگار عالم) اور ''وشواکرمن'' (خالق کل) کے نام سے پکاری جانے لگتی ہے اور جو تمام کائنات کی اصل وحقیقت ہے۔ ''وہ ایک ہے مگر علم والے اسے مختلف ناموں

---

[۱] رگ وید۔ حصہ سوم ۹-۹- [۲] رب الاربابی تصور سے مقصود تصور کی وہ نوعیت ہے جب خیال کیا جاتا ہے کہ بہت سے خداؤں میں ایک خدا سب سے بڑا ہے اور چھوٹے خداؤں کو اس کے ماتحت رہنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ یونانیوں اور رومیوں کا عقیدہ مشتری کی نسبت تھا۔

سے پکارتے ہیں: 'اگنی' 'یم' 'ماتری شوان'' (۱۶۴-۴۶) ''وہ ایک نہ تو آسمان ہے نہ زمین ہے- نہ سورج کی روشنی ہے نہ ہوا کا طوفان ہے- وہ کائنات کی روح ہے- تمام قوتوں کا سرچشمہ- ہمیشگی- لازوالی- وہ کیا ہے؟ وہ شاید رٹ ہے جو ہر کے روپ میں- ادیتی ہے روحانیت کے بھیس میں- وہ بغیر سانس کے سانس لینے والی ہستی!'' (حصہ دہم-۱۲۱-۲) ''ہم اسے دیکھ نہیں سکتے- ہم اسے پوری طرح بتلا نہیں سکتے'' (ایضاً-۱۲۱) وہ ''ایکم ست'' ہے- یعنی حقیقت یگانہ- الحق- یہی وحدت ہے جو کائنات کی تمام کثرت کے اندر دیکھی جاسکتی ہے-[1]

یہی مبادیات ہیں جنہوں نے اوپانی شدوں میں توحید وجودی (Pantheism) کے تصور کی نوعیت پیدا کر لی اور پھر ویدانت کے مابعد الطبیعیات (Metaphysics) نے انہی بنیادوں پر استغراق فکر ونظر کی بڑی بڑی عمارتیں تیار کر دیں-

وحدۃ الوجودی اعتقاد ذات مطلق کے کشفی مشاہدات پر مبنی تھا- نظری عقائد کو اس میں دخل نہ تھا- اس لیے اصلاً یہاں صفات آرائیوں کی گنجائش ہی نہ تھی اور اگر تھی بھی تو صرف سلبی صفات (Negative Attributes) ہی ابھر سکتی تھیں- ایجابی (Positive) صفات کی صورت آرائی نہیں کی جاسکتی تھی- یعنی یہ تو کہا جاسکتا تھا کہ وہ ایسا نہیں ہے- ایسا نہیں ہے- لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ ایسا ہے اور ایسا ہے- کیونکہ ایجابی صفات کا جو نقشہ بھی بنایا جائے گا وہ ہمارے ذہن و فکر ہی کا بنایا ہوا نقشہ ہوگا اور ہمارا ذہن وفکر امکان و اضافت کی چار دیواری میں اس طرح مقید ہے کہ مطلق اور غیر محدود حقیقت کا تصور کر ہی نہیں سکتا- وہ جب تصور کرے گا تو ناگزیر ہے کہ مطلق کو مشخص بنا کر سامنے لائے' اور جب تشخص آیا تو اطلاق باقی نہیں رہا- بابا فغانی نے دو مصرعوں کے اندر معاملہ کی پوری تصویر کھینچ دی تھی:

مشکل حکایتیست کہ ہر ذرہ عین اوست   امانمی تواں کہ اشارت بہ او کنند!

یہی وجہ ہے کہ اوپانی شد نے پہلے ذات مطلق (برہمان) کو ذات مشخص (ایشور) کے مرتبہ میں اتارا اور جب اطلاق نے تشخص کا نقاب چہرہ پر ڈال لیا تو پھر اس نقاب پوش چہرہ کی صفتوں کی نقش آرائیاں کی گئیں اور اس طرح وحدۃ الوجودی عقیدہ نے ذات مشخص ومتصف (ساگون) کے تصور کا مقام بھی مہیا کر دیا-[2]

---

[1] رگ وید اور اوپانی شد کے مطالب کے لیے ہم نے حسب ذیل مصادر سے مدد لی ہے:

(Maxmuller) : دی ویدک ہیمز   (Bloomfield) : دی ریلیجن آف دی وید
(Kaeigi) : دی رگ وید   (Ghate) : لیکچرز آن دی رگ وید
(Deussen) : دی فلاسفی آف اوپانی شد   (Hume) : دی تھرٹین پرنسپل اوپانی شد

[2] ہمارے صوفیائے کرام نے اسی صورت حال کو یوں تعبیر کیا ہے کہ ''احدیت'' نے مرتبہ ''واحدیت'' کی تجلی میں نزول کیا- ''احدیت'' یعنی یگانہ ہونا- ''واحدیت'' یعنی اول ہونا- یگانہ ہستی کو ہم اول نہیں کہہ سکتے- کیونکہ اول جبھی ہوگا جب دوسرا' تیسرا اور چوتھا بھی ہو اور یگانگی بحت کے مرتبہ میں دوسرے اور تیسرے کی گنجائش ہی نہیں- لیکن جب ''احدیت'' نے ''واحدیت'' کے مرتبہ میں نزول کیا تو اب "ھو الاول" کا مرتبہ ظہور میں آ گیا- اور جب اول ہوا تو دوسرے' تیسرے اور چوتھے کے تعینات بھی ظہور میں آنے لگے- وما املح قول الشاعر العارف:

دریائے کہن چو بر زند موجہ نو   موجش خوانند وفی الحقیقت دریاست

جب ان صفات کا ہم مطالعہ کرتے ہیں تو بلاشبہ ایک نہایت بلند تصور سامنے آ جاتا ہے جس میں سلبی اور ایجابی دونوں طرح کی صفتیں اپنی پوری نموداریاں رکھتی ہیں- اس کی ذات یگانہ ہے- اس ایک کے لیے دوسرا نہیں- وہ بے ہمتا ہے- بے مثال ہے- ظرف و زمان اور مکان کے قیود سے بالاتر- ازلی و ابدی- ناممکن الادراک- واجب الوجود- وہی پیدا کرنے والا ہے' وہی حفاظت کرنے والا' اور وہی فنا کر دینے والا- وہ علۃ العلل اور علت مطلقہ (''اپادنا'' اور ''نیمتا کارنا'') ہے- تمام موجودات اسی سے بنیں' اسی سے قائم رہتی ہیں اور پھر اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں- وہ نور ہے- کمال ہے حسن ہے- سرتاسر پاکی ہے- سب سے زیادہ طاقتور' سب سے زیادہ رحم و محبت والا' ساری عبادتوں اور عاشقیوں کا مقصود حقیقی!

لیکن ساتھ ہی دوسری طرف یہ حقیقت بھی ہمیں صاف صاف دکھائی دیتی ہے کہ توحیدی تصور کی یہ بلندی بھی اشراک اور تعدد کی آمیزش سے خالی نہیں رہی' اور توحید فی الذات کے ساتھ توحید فی الصفات کا بے میل عقیدہ جلوہ گر نہ ہو سکا- زمانۂ حال کے ایک قابل ہندو مصنف کے لفظوں میں دراصل اشراکی اور تعددی تصور (Polytheistic) ہندوستانی دل و دماغ میں اس درجہ جڑ پکڑ چکا تھا کہ اب اسے یک قلم اکھاڑ کے پھینک دینا آسان نہ تھا- اس لیے ایک یگانہ ہستی کی جلوہ طرازی کے بعد بھی دوسرے خدا نابود نہیں ہو گئے- البتہ اس یگانہ ہستی کا قبضۂ اقتدار ان سب پر چھا گیا اور سب اس کی ماتحتی میں آ گئے-[1]

اب اس طرح کی تصریحات بھی ہمیں ملنے لگتی ہیں کہ بغیر اس بالاتر ہستی (برہماں) کے ''اگنی'' دیبی کچھ نہیں کر سکتی ''یہ اسی (برہماں) کا خوف ہے جو تمام دیوتاؤں سے ان کے فرائض منصبی انجام دلاتا ہے'' (تیتر اا و پانی شد) راجہ اشواپتی نے جب پانچ گھر والوں سے پوچھا ''تم اپنے دھیان میں کس کی پرستش کرتے ہو؟ تو ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک دیوتا کا نام لیا- اس پر اشواپتی نے کہا ''تم میں سے ہر ایک نے حقیقت کے صرف ایک ہی حصہ کی پرستش کی حالانکہ وہ سب کے ملنے سے شکل پذیر ہوتی ہے- ''اندر' اس کا سر ہے- ''سوریہ'' (سورج) اس کی آنکھیں ہیں- ''وایو' سانس ہے- ''آکاش'' (ایتھر) جسم ہے- ''دھرتی'' (زمین) اس کا پاؤں ہے'' - (ایضاً)[2]

لیکن پھر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ جب حقیقت کی قیومیت اور احاطہ پر زور دیا جاتا ہے تو تمام موجودات کے ساتھ دیوتاؤں کی ہستی بھی غائب ہو جاتی ہے کیونکہ تمام موجودات اسی پر موقوف ہیں- وہ کسی پر موقوف نہیں ''جس طرح رتھ کے پہیے کی تمام شاخیں ایک ہی دائرہ کے اندر اپنا وجود رکھتی ہیں اسی طرح تمام چیزیں' تمام دیوتا' تمام دنیائیں اور تمام آلات اسی ایک وجود کے اندر ہیں'' (برہادرینا ک اوپانی شد باب ۲-۵) یہاں وہ درخت موجود ہے جس کی جڑ اوپر کی طرف چلی گئی ہے اور

---

۱ پروفیسر اس- رادھا کرشناں: انڈین فلاسفی جلد اول صفحہ ۱۴۴- طبع ثانی-

۲ اگر اوپانی شد کی اشراکی لچک کے دوسرے صریح شواہد موجود نہ ہوتے تو اس طرح کی تصریحات بآسانی مجازات پر محمول کی جا سکتی تھیں- یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اوپانی شد ایک سو آٹھ ہیں اور مختلف عہدوں میں مرتب ہوئے ہیں- ہر اوپانی شد اپنے عہد کے تدریجی تصورات و مباحث کے اثرات پیش کرتا ہے اور یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ان نتائج پر مبنی ہے جو مجموعی حیثیت سے نکالے گئے ہیں-

شاخیں نیچے کی طرف پھیلی ہوئی ہیں- یہ برہماں ہے لافانی -تمام کائنات اس میں ہے-کوئی اس سے باہر نہیں'' (تیتترا-۱-۱۰)

یہاں ہم مصنف موصوف کے الفاظ پھر مستعار لیتے ہیں'' یہ دراصل ایک سمجھوتا تھا جو چند خاص دماغوں کے فلسفیانہ تصور نے انسانی بھیڑ کے وہم پرستانہ ولولوں کے ساتھ کرلیا تھا- اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خواص اور عوام کی فکری موافقت کی ایک آب وہوا پیدا ہوگئی اور وہ برابر قائم رہی''[1]

آگے چل کر ویدانت کے فلسفہ نے بڑی وسعتیں اور گہرائیاں پیدا کیں لیکن خواص کے توحیدی تصور میں عوام کے اشرا کی تصور سے مفاہمت کا جو میلان پیدا ہوگیا تھا وہ متزلزل نہ ہوسکا- بلکہ اور زیادہ مضبوط اور وسیع ہوتا گیا- یہ بات عام طور پر تسلیم کرلی گئی کہ سالک جب عرفان حقیقت کی منزلیں طے کرلیتا ہے تو پھر ماسوئی کی تمام ہستیاں معدوم ہوجاتی ہیں اور ماسوئی میں دیوتاؤں کی ہستیاں بھی داخل ہیں- گویا دیوتاؤں کی ہستیاں مظاہر وجود کی ابتدائی تعینات ہوئیں- لیکن ساتھ ہی یہ بنیاد بھی برابر قائم رکھی گئی کہ جب تک اس آخری مقام عرفان تک رسائی حاصل نہ ہوجائے دیوتاؤں کی پرستش کے بغیر چارہ نہیں اور ان کی پرستش کا جو نظام قائم ہوگیا ہے اسے چھیڑنا نہیں چاہیے- اس طرح گویا ایک طرح کے توحیدی- اشراکی تصور (Monotheistic-Polytheism) کا مخلوط مزاج پیدا ہوگیا جو بیک وقت فکر ونظر کا توحیدی تقاضا بھی پورا کرنا چاہتا تھا اور ساتھ ہی اصنامی عقائد کا نظام عمل بھی سنبھالے رکھنا چاہتا تھا- ویدانت کے بعض مذہبوں میں تو یہ مخلوط نوعیت بنیادی تصوروں تک سرایت کرگئی- مثلاً نیمبارک اور اس کا شاگرد سری نواس برہم سوتر کی شرح کرتے ہوئے ہمیں بتلاتے ہیں کہ ''اگرچہ برہما یا کرشن کی طرح کوئی نہیں مگر اس سے ظہور میں آئی ہوئی دوسری قوتیں بھی ہیں جو اس کے ساتھ اپنی نمود رکھتی ہیں اور اسی کی طرح کارفرمائی میں شریک ہیں- چنانچہ کرشن کے بائیں طرف رادھا ہے- یہ بخشش ونوال کی ہستی ہے- تمام نتائج و ثمرات بخشنے والی- ہمیں چاہیے کہ برہما کے ساتھ رادھا کی بھی پرستش کریں-[2]

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ فطرت کائنات کے جن قوائے مدبرہ کو سامی تصور نے ''ملاک'' اور ''ملائکہ'' سے تعبیر کیا تھا' اسی کو آریائی تصور نے ''دیو'' اور ''یزتا'' سے تعبیر کیا- یونانیوں کا ''تھیوس'' (ΘΕOS) رومیوں کا ڈے یوس (Deus) پارسیوں کا ''یزتا'' (یزداں) سب کے اندر وہی ایک بنیادی مادہ اور وہی ایک بنیادی تصور کام کرتا رہا- سنسکرت میں ''دیو'' ایک لچکدار لفظ ہے جو متعدد معنوں میں مستعمل ہوا ہے لیکن جب مافوق الفطرت ہستیوں کے لیے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ایک ایسی غیر مادی اور روحانی ہستی کے ہوجاتے ہیں جو اپنے وجود میں روشن اور درخشاں ہو- سامی ادیان نے ان روحانی ہستیوں کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں دیکھی کہ وہ خدا کی پیدا کی ہوئی کارکن ہستیاں ہیں- لیکن آریائی تصور نے ان میں تدبیر وتصرف کی بالاستقلال طاقتیں دیکھیں اور جب توحیدی تصور کے قیام سے وہ استقلال باقی نہیں رہا تو توسل اور تزلف کا درمیانی مقام انہوں نے پیدا کرلیا- یعنی اگرچہ وہ خود خدا نہیں ہیں لیکن خدا تک پہنچنے کے لیے ان کی

---

[1] ویدانت پاری جات سورابھ جلد سوم صفحہ ۲۵- اس کا انگریزی ترجمہ مترجمہ ڈاکٹر روما بوس' رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے حال میں شائع کیا ہے-

پرستش ضروری ہوئی - ایک پرستار کی پرستش اگرچہ ہوگی معبود حقیقی کے لیے مگر ہوگی انہی کے آستانوں پر- ہم براہ راست خدا کے آستانے تک پہنچ نہیں سکتے ہمیں پہلے دیوتاؤں کے آستانوں کا وسیلہ پکڑنا چاہیے- دراصل یہی توسل و تزلف کا عقیدہ ہے جس نے ہر جگہ توحیدی اعتقاد و عمل کی تکمیل میں خلل ڈالا- ورنہ ایک خدا کی یگانگی اور بالاتری سے تو کسی کو بھی انکار نہ تھا- عرب جاہلیت کے بت پرستوں کا بھی یہی عقیدہ قرآن نے نقل کیا ہے کہ ﴿ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی ﴾ (۳۹-۳)

بہرحال شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت کا یہی وہ عنصری مادہ تھا جس نے ہندوستان کے عملی مذہب کو سرتاسر اشراک اور اصنام پرستی کے عقائد سے معمور کر دیا اور بالآخر یہ صورت حال اس درجہ گہری اور عام ہوگئی کہ جب تک ایک سراغ رساں جستجو اور تفحص کی دور دراز مسافتیں طے نہ کر لے ہندو عقیدہ کے توحیدی تصور کا کوئی نشان نہیں پا سکتا- توحیدی تصور نے یہاں ایک ایسے راز کی نوعیت پیدا کر لی جس تک صرف خاص خاص عارفوں ہی کی رسائی ہوسکتی ہے- ہم اس کا سراغ پہاڑوں کے غاروں میں پا سکتے ہیں لیکن کوچہ و بازار میں نہیں پا سکتے- گیارھویں صدی مسیحی میں جب ابوریحان البیرونی ہندوستان کے علوم و عقائد کے سراغ میں نکلا تھا تو یہ متضاد صورت حال دیکھ کر حیران رہ گیا تھا- سولھویں صدی میں ویسی ہی حیرانی ابوالفضل کو پیش آئی' اور پھر اٹھارھویں صدی میں سر ولیم جونس کو-

بہترین معذرت جو اس صورت حال کی کی جا سکتی ہے وہ وہی ہے جس کا اشارہ گیتا کے شہرۂ آفاق ترانوں میں ہمیں ملتا ہے اور جس نے البیرونی کے فلسفیانہ دماغ کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا- یعنی یہاں پہلے دن سے عقائد و عمل کی مختلف راہیں مصلحتاً کھلی رکھی گئیں تاکہ خواص اور عوام دونوں کی فہم و استعداد کی رعایت ملحوظ رہے- توحیدی تصور خواص کے لیے تھا کیونکہ وہی اس بلند مقام کے متحمل ہو سکتے تھے- اصنامی تصور عوام کے لیے تھا کیونکہ ان کی طفلانہ عقول کے لیے یہی راہ موزوں تھی- اور پھر چونکہ خواص بھی جمعیت و معاشرت کے عام ضبط و نظم سے باہر نہیں رہ سکتے' اس لیے عملی زندگی میں انہیں بھی اصنام پرستی کے تقاضے پورے کرنے ہی پڑتے تھے- اور اس طرح ہندو زندگی کی بیرونی وضع و قطع بلا استثنا اشراک اور اصنام پرستی ہی کی رہتی آئی-

البیرونی نے حکمائے یونان کے اقوال نقل کر کے دکھایا ہے کہ اس بارے میں ہندوستان اور یونان دونوں کا حال ایک ہی طرح کا رہا- پھر گیتا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "بہت سے لوگ مجھ تک (یعنی خدا تک) اس طرح پہنچنا چاہتے ہیں کہ میرے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں لیکن میں ان کی مرادیں بھی پوری کر دیتا ہوں- کیونکہ میں ان سے اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہوں" [1]

---

[1] البیرونی نے کتاب الہند ص ۵۹ میں بعض سنسکرت کتابوں سے بتوں کے بنانے کے احکام و قواعد نقل کیے ہیں- اس کے بعد لکھتا ہے وکان الفرض فی حکایة هذا الهذیان ان تعرف الصورة من صنمها اذا شوهد' ولیتحقق ما قلنا من ان هذه الاصنام للعوام الذین سفلت مراتبهم وقصرت معارفهم' فما عمل صنم قط باسم من علا المادة فضلا عن الله تعالیٰ ولیعرف کیف یعبد السفل بالتمویهات' وکذلك قیل فی کتاب گیتا ان کثیراً من الناس یتقربون فی مباغیهم الیَّ بغیری' ویتوسلون بالصدقات والتسبیح والصلوة لسوای فاقویهم علیها' واوفقهم لها' واوصلهم الی ارادتهم' لا استغنائی عنهم- آج کل کے تمام ہندو اہل نظر جو ہندو عقائد و تصورات کی فلسفیانہ تعبیر کرنی چاہتے ہیں عموماً یہی توجیہ پیش کرتے ہیں جو البیرونی نے پیش کی تھی- ابوالفضل اور دارا شکوہ نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے-

بے محل نہ ہوگا اگر اس موقع پر زمانۂ حال کے ایک ہندو مصنف کی رائے پر بھی نظر ڈال لی جائے- گوتم بدھ کے ظہور سے پہلے ہندو مذہب کے تصورِ الوہیت نے جو عام شکل و صورت پیدا کر لی تھی اس پر بحث کرتے ہوئے یہ قابل مصنف لکھتا ہے:

''گوتم بدھ کے عہد میں جو مذہب ملک پر چھایا ہوا تھا اس کے نمایاں خط و خال یہ تھے کہ لین دین کا ایک سودا تھا جو خدا اور انسانوں کے درمیان ٹھہر گیا تھا- جب کہ ایک طرف اوپانی شد کا برہماں تھا جو ذات الوہیت کا ایک اعلیٰ اور شائستہ تصور پیش کرتا تھا تو دوسری طرف ان گنت خداؤں کا ہجوم تھا جن کے لیے کوئی حد بندی نہیں ٹھہرائی جا سکتی تھی- آسمان کے سیارے' مادہ کے عناصر' زمین کے درخت' جنگل کے حیوان' پہاڑوں کی چٹانیں' دریاؤں کی جدولیں' غرض کہ موجوداتِ خلقت کی کوئی قسم ایسی نہ تھی جو خدائی حکومت میں شریک نہ کر لی گئی ہو- گویا ایک بے لگام اور خود رو تخیل کو پروانہ مل گیا تھا کہ دنیا کی جتنی چیزوں کو خدائی مسند پر بٹھا سکتا ہے بے روک ٹوک بٹھاتا رہے- پھر جیسے خداؤں کی یہ بے شمار بھیڑیں بھی اس کے ذوقِ خدا سازی کے لیے کافی نہ ہوئی ہوں- طرح طرح کے عفریتوں اور عجیب الخلقت جسموں کی متخیلہ صورتوں کا بھی ان پر اضافہ ہوتا رہا- اس میں شبہ نہیں کہ اوپانی شدوں نے فکر و نظر کی دنیا میں ان خداؤں کی سلطانی برہم کر دی تھی- لیکن عمل کی زندگی میں انہیں نہیں چھیڑا گیا- وہ بدستور اپنی خدائی مسندوں پر جمے رہے''[1]

شمنی مذہب اور اس کے تصورات:

قدیم برہمنی مذہب کے بعد شمنی مذہب (یعنی بدھ مذہب) کا ظہور ہوا- اسلام کے ظہور سے پہلے ہندوستان کا عام مذہب یہی تھا- شمنی مذہب کی اعتقادی مبادیات کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں- انیسویں صدی کے مستشرقوں کے ایک گروہ نے اسے اوپانی شدوں کی تعلیم ہی کا ایک عملی استغراق قرار دیا تھا اور خیال کیا تھا کہ ''نروان'' میں جذب و انفصال کی روحانی اصل پوشیدہ ہے- یعنی جس سرچشمہ سے انسانی ہستی نکلی ہے- پھر اسی میں واصل ہو جانا ''نروان'' یعنی نجات کامل ہے- لیکن اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ شمنی مذہب خدا اور روح کی ہستی کا کوئی تصور نہیں رکھتا- اس کا دائرہ اعتقاد و عمل صرف زندگی کی سعادت اور نجات کے مسئلہ میں محدود ہے- وہ صرف پرکرتی یعنی مادۂ ازلی کا حوالہ دیتا ہے جسے کائناتی طبیعت حرکت میں لاتی ہے- ''نروان'' سے مقصود یہ ہے کہ ہستی کی انانیت فنا ہو جائے اور زندگی کے چکر سے نجات مل جائے- اس میں شک نہیں کہ جہاں تک مابعد زمانے کے شمنی مفکروں کی تصریحات کا تعلق ہے یہی تفسیر صحیح معلوم ہوتی ہے- اگر ان کا ایک گروہ لاادریت (Agnosticism) تک پہنچ کر رک گیا ہے تو دوسرا گروہ اس سے بھی آگے نکل گیا ہے اور مدعیانہ انکار کی راہ اختیار کی ہے-

---

[1] پروفیسر اس- رادھا کرشنان- انڈین فلاسفی جلد اول صفحہ ۴۵۳- طبع ثانی-

موکشا آ کر گپتا نے ''ترک بھاشا''[1] میں ان تمام دلائل کا رد کیا- جو نیائے[2] اور ویشیسک طریق نظر کے نظار خدا کی ہستی کے اثبات میں پیش کرتے تھے-[3] تاہم یہ بات بھی قطعی طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ خود گوتم بدھ کا سکوت و توقف بھی انکار ہی پر مبنی تھا- اس کے سکوتی تحفظات متعدد مسئلوں میں ثابت ہیں اور اس کے متعدد محمل قرار دیے جا سکتے ہیں- اگر ان تمام اقوال پر جو براہ راست اس کی طرف منسوب ہیں غور کیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا مسلک نفی ذات کا نہ تھا- نفی صفات کا تھا- اور نفی صفات کا مقام ایسا ہے کہ انسانی فکر و زبان کی تمام تعبیرات معطل ہو جاتی ہیں اور سکوت کے سوا چارۂ کار باقی نہیں رہتا-

علاوہ بریں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اس کے ظہور کے وقت اصنامی خدا پرستی کے مفاسد بہت گہرے ہو چکے تھے اور اصنامی خدا پرستی بجائے خود راہ حقیقت کی سب سے بڑی روک بن گئی تھی- اس نے اس روک سے راستہ صاف کر دینا چاہا اور تمام توجہ زندگی کی عملی سعادت کے مسئلہ پر مرکوز کر دی- اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ برہمنی خدا پرستی کے عقائد سے انکار کیا جائے اور اس پر زور دیا جائے کہ نجات کی راہ ان معبودوں کی پرستش میں نہیں ہے بلکہ علم حق اور عمل حق میں ہے- یعنی ''اشٹانگ مارگ[3]'' میں ہے- آگے چل کر اس اصنامی انکار نے مطلق انکار کی شکل پیدا کر لی اور پھر برہمنی مذہب کی مخالفت کے غلو نے معاملہ کو دور تک پہنچا دیا-

بہر حال خود گوتم بدھ اور اس کی تعلیم کے شارحوں کی تصریحات اس بارے میں کچھ ہی رہی ہوں مگر یہ واقعہ ہے کہ اس کے پیروؤں نے خدا کے تصور کی خالی مسند بہت جلد بھر دی- انہوں نے اس مسند کو خالی دیکھا تو خود گوتم بدھ کو وہاں لا کر بٹھا دیا اور پھر اس نئے معبود کی پرستش اس جوش و خروش کے ساتھ شروع کر دی کہ آدھی سے زیادہ دنیا اس کے بتوں سے معمور ہو گئی!

آوارۂ غربت نہ تواں دید صنم را وقت است کہ دگر بتکدہ سازند حرم را!

گوتم بدھ کی وفات پر ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ پیروان بدھ کی اکثریت نے اس کی شخصیت کو عام انسانی سطح سے بالاتر دیکھنا شروع کر دیا تھا اور اس کے آثار و تبرکات کی پرستش کا میلان بڑھنے لگا تھا- اس کی وفات کے کچھ عرصہ بعد جب مذہب کی پہلی مجلس اعظم راج گیری میں منعقد ہوئی اور اس کے شاگرد خاص آنند نے اس کی آخری وصایا بیان کیں تو

---

[1] یہ قدیم کتاب جس کا صرف تبتی نسخہ دنیا کے علم میں آیا تھا اب اصل سنسکرت میں نکل آئی ہے اور گائیکواڑ اورنٹیل سیریز کے ادارے نے حال میں شائع کر دی ہے- میسور کا مشرقی کتب خانہ بھی اس کا ایک دوسرا نسخہ اشاعت کے لیے مرتب کر رہا ہے-

[2] ''نیائے'' یعنی منطق ''ویشیسک'' طریق نظر سے مقصود منطقی نقد و تحلیل کا ایک خاص مسلک ہے-

[3] گوتم بدھ کی تعلیم میں ''اشٹانگ مارگ'' یعنی آٹھ باتوں کا طریقہ ایک بنیادی اصل ہے- آٹھ باتوں سے مقصود علم و عمل کا تزکیہ و طہارت ہے- علم حق، رحم و شفقت، قربانی، ہوا و ہوس سے آزادی، خودی کو مٹانا وغیرہ-

[4] میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی استنباط ہے اور مجھے حق نہیں کہ اپنی رائے کو وثوق کے ساتھ ان محققوں کے مقابلہ میں پیش کروں جنہوں نے اس موضوع کے مطالعہ میں زندگیاں بسر کر دی ہیں- تاہم میں مجبور ہوں کہ اپنی محدود معلومات کی روشنی میں جن نتائج تک پہنچا ہوں ان سے دست بردار نہ ہوں- یورپ کے محققوں نے بدھ مذہب کے مصادر کی جستجو و فراہمی میں بڑی کدو کاوش کی ہے اور پالی زبان کے تمام اہم مصادر فرنچ یا انگریزی میں منتقل کر لیے ہیں- میں نے حتی الامکان اس تمام مواد کے مطالعہ کی کوشش کی اور بالآخر اسی نتیجہ تک پہنچا-

بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ اس کی روایت پر مطمئن نہ ہوئے اور اس کے مخالف ہو گئے کیونکہ اس کی روایتوں میں انہیں وہ ماورائے انسانیت عظمت نظر نہیں آئی جسے اب ان کی طبیعت ڈھونڈنے لگی تھی۔ تقریباً سو برس بعد جب دوسری مجلس ویسالی (مظفر پور حالی) میں منعقد ہوئی تو اب مذہب کی بنیادی سادگی اپنی جگہ کھو چکی تھی اور اس کی جگہ نئے نئے تصوروں اور مخلوط عقیدوں نے لے لی تھی۔ اب مسیحی مذہب کے اقانیم ثلاثہ کی طرح جو پانچ سو برس بعد ظہور میں آنے والا تھا ایک شمنی اقانیم کا عقیدہ بدھ کی شخصیت کے گرد ہالے کی طرح چمکنے لگا اور عام انسانی سطح سے وہ ماورا تسلیم کر لی گئی۔ یعنی بدھ کی ایک شخصیت کے اندر تین وجودوں کی نمود ہو گئی: اس کی تعلیم کی شخصیت' اس کے دنیاوی وجود کی شخصیت اور اس کے حقیقی وجود کی شخصیت۔ یہ آخری شخصیت لوک (بہشت) میں رہتی ہے۔ دنیا میں جب کبھی بدھ کا ظہور ہوتا ہے تو یہ اس حقیقی وجود کا ایک پرتو ہوتا ہے۔ نجات پانے کے معنی یہ ہوئے کہ آدمی حقیقی بدھ کے اسی ماورائے عالم مسکن میں پہنچ جائے۔

پہلی صدی مسیحی میں بعہد کوشان جب چوتھی مجلس برشاور (پشاور حالی) میں منعقد ہوئی تو اب بنیادی مذہب کی جگہ ایک طرح کا کلیسائی مذہب قائم ہو چکا تھا اور بدھ کے اشٹا نگ مارگ (طریق ثمانیہ) کی عملی روح طرح طرح کی رسوم پرستیوں اور قواعد آرائیوں میں معدوم ہو چکی تھی۔

بالآخر پیروان بدھ دو بڑے فرقوں میں بٹ گئے۔ ''ہینیان'' اور ''مہایان'' پہلا فرقہ بدھ کی شخصیت میں ایک رہنما اور معلم کی انسانی شخصیت دیکھنا چاہتا تھا لیکن دوسرے نے اسے پوری طرح ماورائے انسانیت کی ربانی سطح پر متمکن کر دیا تھا اور پیروان بدھ کی عام راہ وہی ہو گئی تھی۔ افغانستان' بامیان' وسط ایشیا' چین' کوریا' جاپان اور تبت سب میں مہایان مذہب ہی کی تبلیغ واشاعت ہوئی۔ چینی سیاح فاہین جب چوتھی صدی مسیحی میں ہندوستان آیا تھا تو اس نے پورب کے ہینیان شمنیوں سے مباحثہ کیا تھا اور مہایان طریقہ کی صداقت کے دلائل پیش کیے تھے۔ موجودہ زمانے میں سیلون کے سوا جہاں ہینیان طریقے کا ایک محرف بقیہ ''تھیراواد'' کے نام سے پایا جاتا ہے تمام پیروان بدھ کا مذہب مہایان ہے۔

موجودہ زمانے کے بعض محققین شمنیہ کا خیال ہے کہ اشوک کے زمانہ تک بدھ مذہب میں بت پرستی کا عام رواج نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اس عہد تک کے جو بدھ آثار ملتے ہیں ان میں بدھ کی شخصیت کسی بت کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف ایک کنول کے پھول یا ایک خالی کرسی کی شکل میں دکھائی گئی ہے۔ پھر کنول اور خالی کرسی کی جگہ دو قدم نمودار ہونے لگے اور پھر بتدریج قدموں کی جگہ خود بدھ کا پورا مجسمہ نمودار ہو گیا۔ اگر یہ استنباط صحیح تسلیم کر لیا جائے جب بھی ماننا پڑے گا کہ اشوک کے زمانے کے بعد سے بدھ کے بتوں کی عام پرستش جاری ہو گئی تھی۔ اشوک کا عہد ۲۵۰ قبل از مسیح تھا۔

(۳) ایرانی مجوسی تصور:

زردشت کے ظہور سے پہلے مادا (میڈیا) اور پارس میں ایک قدیم ایرانی[۱] طریق پرستش رائج تھا۔ ہندوستان کے

---

۱ ''ایرایان'' وہی لفظ ہے جو ہندوستان میں ''آریا'' ہو گیا۔ اوستا میں چوبیس ملکوں کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے جس میں سب سے پہلا اور سب سے بہتر ''ایریانا ویج'' ہے اور غالباً اس سے شمالی ایران مقصود ہے (وندیداد۔ فرگرد اول۔ فقرہ ۲) ہرمزدیشت کے فقرہ ۲۱ میں بھی ''ایریانا ویج'' کا ذکر کیا ہے اور اس پر درود بھیجا ہے۔ ''ویج'' جرمن مستشرق اسپیگل کی قراءت ہے۔ آنک تیل نے اسے ''ویگو'' پڑھا تھا۔ ''ویج'' یا ''ویگو'' کے معنی پہلوی میں مبارک کے ہیں۔ یعنی مبارک ایریانا کی سرزمین۔

ویدوں میں دیوتاؤں کی پرستش اور قربانیوں کے اعمال و رسوم جس طرح کے پائے جاتے ہیں قریب قریب ویسے ہی عقائد و رسوم پارس اور ماد میں بھی پھیلے ہوئے تھے- دیوتائی طاقتوں کو ان کے دو بڑے مظہروں میں تقسیم کر دیا تھا- ایک طاقت روشن ہستیوں کی تھی جو انسان کو زندگی کی تمام خوشیاں بخشتی تھی- دوسری برائی کے تاریک عفریتوں کی تھی جو ہر طرح کی مصیبتوں اور ہلاکتوں کا سرچشمہ تھی- آگ کی پرستش کے لیے قربان گاہیں بنائی جاتی تھیں اور ان کے پجاریوں کو ''موگوش'' کے نام سے پکارا جاتا تھا- اوستا کے گاتھا میں انہیں ''کارپان'' اور ''کاوی'' کے نام سے بھی پکارا گیا ہے- آگے چل کر اسی ''موگوش'' نے آتش پرستی کا مفہوم پیدا کر لیا اور غیر قومیں ایرانیوں کو ''مگ'' اور ''مگوش'' کے نام سے پکارنے لگیں- عربوں نے اسی ''موگوش'' کو ''مجوس'' کر دیا-

مزدیسنا:

زردشت کا جب ظہور ہوا تو اس نے ایرانیوں کو ان قدیم عقائد سے نجات دلائی اور ''مزدیسنا'' کی تعلیم دی- یعنی دیوتاؤں کی جگہ ایک خدائے واحد ''اہورا مزد'' کی پرستش کی- یہ اہورا مزد یگانہ ہے' بے ہمتا ہے' بے مثال ہے' نور ہے' پاک ہے' سرتاسر حکمت اور خیر ہے' اور تمام کائنات کا خالق ہے- اس نے انسان کے لیے دو عالم بنائے ایک عالم دنیوی زندگی کا ہے دوسرا مرنے کے بعد کی زندگی کا- مرنے کے بعد جسم فنا ہو جاتا ہے مگر روح باقی رہتی ہے اور اپنے اعمال کے مطابق جزا پاتی ہے-

دیوتاؤں کی جگہ اس نے ''امش سپند'' اور ''یزتا'' کا تصور پیدا کیا- یعنی فرشتوں کا- یہ فرشتے اہورا مزد کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں- برائی اور تاریکی کی طاقتوں کی جگہ ''انگرامے نیوش'' کی ہستی کی خبر دی- یعنی شیطان کی- یہی ''انگرامے نیوش'' پازند کی زبان میں ''اہرمن'' ہو گیا-

زردشت کی تعلیم میں ہندوستانی آریاؤں کے ویدی عقائد کا رد صاف صاف نمایاں ہے- ایک ہی نام ایران اور ہندوستان دونوں جگہ ابھرتا ہے اور متضاد معنی پیدا کر لیتا ہے- اوِستا کا ''اہورا'' سام اور یجر وید میں ''اسورا'' ہے اور اگرچہ رگ وید میں اس کا اطلاق اچھے معنوں پر ہوا تھا مگر اب وہ برائی کی شیطانی روح بن گیا ہے- ویدوں کا ''اندرا'' اوستا کا ''انگرا'' ہو گیا- ویدوں میں وہ آسمان کا خدا تھا- اوستا میں زمین کا شیطان ہے- ہندوستان اور یورپ میں ''دیو'' اور ''ڈے یوس'' اور ''تھیوس'' خدا کے لیے بولا گیا لیکن ایران میں ''دیو'' کے معنی عفریتوں کے ہو گئے- گویا دونوں عقیدے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے- ایک کا خدا دوسرے کا شیطان ہو جاتا تھا اور دوسرے کا شیطان پہلے کے لیے خدا کا کام دیتا تھا- اسی طرح ہندوستان میں ''یم'' موت کی طاقت ہے- اوستا کی روایتوں میں ''یم'' زندگی اور انسانیت کی سب سے بڑی نمود ہوئی اور پھر یہی ''یم'' جم ہو کر جمشید ہو گیا!

فسانہا کہ بہ بازیچۂ روزگار سرود
کنوں بہ مسند جمشید و تاج کے بستند!

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چند صدیوں کے بعد ایران کے قدیم تصورات اور بیرونی اثرات پھر غالب آ گئے اور ساسانی عہد میں جب ''مزدیسنا'' کی تعلیم کی ازسرنو تدوین ہوئی تو یہ قدیم مجوسی' یونانی' اور زردشتی عقائد کا ایک مخلوط مرکب تھا اور اس کا بیرونی رنگ و روغن تو تمام تر مجوسی تصور ہی نے فراہم کیا تھا- اسلام کا جب ظہور ہوا تو یہی مخلوط تصور ایران کا قومی مذہبی تصور تھا- مغربی ہند کے پارسی مہاجر یہی تصور اپنے ساتھ ہندوستان لائے اور پھر یہاں کے مقامی اثرات کی ایک تہہ اس پر اور چڑھ گئی-

مجوسی تصور کی بنیاد ثنویت (Dualism) کے عقیدہ پر تھی- یعنی خیر اور شر کی دو الگ الگ قوتیں ہیں- اہورامزد جو کچھ کرتا ہے خیر اور روشنی ہے- انگرامے نیوش یعنی اہرمن جو کچھ کرتا ہے شر اور تاریکی ہے- عبادت کی بنیاد سورج اور آگ کی پرستش پر رکھی گئی کہ روشنی یزدانی صفات کی سب سے بڑی مظہر ہے- کہا جا سکتا ہے کہ مجوسی تصور نے خیر اور شر کی گتھی یوں سلجھانی چاہی کہ کارخانۂ ہستی کی سربراہی دو متقابل اور متعارض قوتوں میں تقسیم کر دی-

(۴) یہودی تصور:

یہودی تصور ابتدا میں ایک محدود نسلی تصور تھا- یعنی کتاب پیدائش کا یہوا خاندان اسرائیل کے نسلی خدا کی حیثیت سے نمایاں ہوا تھا- لیکن پھر یہ تصور بتدریج وسیع ہوتا گیا- یہاں تک کہ یشعیا دوم[۱] کے صحیفہ میں ''تمام قوموں کا خدا'' اور ''تمام قوموں کا ہیکل'' نمایاں ہو گیا- تاہم ''اسرائیلی خدا'' کا نسلی اختصاص کسی نہ کسی شکل میں برابر کام کرتا ہی رہا اور ظہور اسلام کے وقت اس کے نمایاں خال و خط نسل اور جغرافیہ ہی کے خال و خط تھے-

تجسم اور تنزیہہ کے اعتبار سے وہ ایک درمیانی درجہ رکھتا تھا اور اس میں غالب عنصر قہر و غضب اور انتقام و تعذیب کا تھا- خدا کا بار بار متشکل ہو کر نمودار ہونا' مخاطبات کا تمام تر انسانی اوصاف و جذبات سے آلودہ ہونا' قہر و انتقام کی شدت اور ابتدائی درجہ کا تمثیلی اسلوب' تورات کے صحیفوں کا عام تصور ہے-

خدا کا انسان سے رشتہ اس نوعیت کا رشتہ ہوا جیسے ایک شوہر کا اپنی بیوی سے ہوتا ہے- شوہر نہایت غیور ہوتا ہے- وہ اپنی بیوی کی ساری خطائیں معاف کر دے گا لیکن یہ جرم معاف نہیں کرے گا کہ اس کی محبت میں کسی دوسرے مرد کو بھی شریک کرے- اسی طرح خاندان اسرائیل کا خدا بھی بہت غیور ہے اس نے اسرائیل کے گھرانے کو اپنی چہیتی بیوی بنایا اور چونکہ چہیتی بیوی بنایا اس لیے خاندان اسرائیل کی بے وفائی اور غیر قوموں سے آشنائی اس پر بہت ہی شاق گزرتی ہے- اور ضروری ہے کہ وہ اس جرم کے بدلے سخت سزائیں دے- چنانچہ احکام عشرہ (Ten Commandments) میں ایک حکم یہ بھی تھا ''تو کسی چیز کی صورت نہ بنائیو اور نہ اس کے آگے جھکیو- کیونکہ میں خداوند تیرا خدا رشک کرنے والا ایک بہت ہی غیور خدا ہوں!'' (خروج-۲۱)

---

۱ عہد عتیق میں یشعیا نبی کی طرف جو کتاب منسوب ہے اس کی زبان اور مطالب کا آیت ۵۱ تک ایک خاص انداز ہے اور پھر اس کے بعد بالکل دوسرا ہو جاتا ہے- ابتدائی حصہ ایک ایسے شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے جو قید بابل سے پہلے تھا- لیکن بعد کے قصہ میں قید بابل کے زمانے کے اثرات صاف صاف نمایاں ہیں- اس لیے انیسویں صدی کے نقادوں نے اسے دو شخصوں کے کلام میں تقسیم کر دیا- ایک کو یشعیا اول اور دوسرے کو دوم سے تعبیر کرتے ہیں-

شوہر کے رشتہ کی یہ تمثیل جو مصر سے خروج کے بعد متشکل ہونا شروع ہو گئی تھی آخر عہد تک کم و بیش قائم رہی- یہودیوں کی ہر گمراہی پر خدا کے غضب کا اظہار ایک غضبناک شوہر کا پرجوش اظہار ہوتا ہے جو اپنی چہیتی بیوی کو اس کی ایک ایک بے وفائی یاد دلا رہا ہو- یہ اسلوب تمثیل بظاہر کتنا ہی مؤثر اور شاعرانہ دکھائی دیتا ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ خدا کے تصور کے لیے ایک ابتدائی درجہ کا غیر ترقی یافتہ تصور تھا-

(۵) مسیحی تصور:

لیکن یشعیا دوم کے زمانے سے اس صورت حال میں تبدیلی شروع ہوئی اور یہودی تصور میں بیک وقت وسعت اور لطافت دونوں طرح کے عناصر نمایاں ہونے لگے- گویا اب ایک نئی تصوری فضا کے لیے زمانے کا مزاج تیار ہونے لگا تھا- چنانچہ مسیحیت آئی تو رحم و محبت اور عفو و بخشش کا ایک نیا تصور لے کر آئی- اب خدا کا تصور نہ تو جابر بادشاہ کی طرح قہر آلود تھا- نہ رشک و غیرت میں ڈوبے ہوئے شوہر کی طرح سخت گیر تھا بلکہ باپ کی محبت و شفقت کی مثال نمایاں کرتا تھا اور اس میں شک نہیں کہ یہودی تصور کی شدت و غلظت کے مقابلے میں رحم و محبت کی رقت کا یہ ایک انقلابی تصور تھا- انسانی زندگی کے سارے رشتوں میں ماں اور باپ کا رشتہ سب سے بلند تر رشتہ ہے اس میں شوہر کے رشتہ کی طرح جذبوں اور خواہشوں کی غرضوں کو دخل نہیں ہوتا- یہ سرتاسر رحم و شفقت اور پرورش و چارہ سازی ہوتی ہے- اولاد بار بار قصور کرے گی لیکن ماں کی محبت پھر بھی گردن نہیں موڑے گی اور باپ کی شفقت پھر بھی معافی سے انکار نہیں کرے گی- پس اگر خدا کے تصور کے لیے انسانی رشتوں کی مشابہتوں سے کام لیے بغیر چارہ نہ ہو تو بلاشبہ شوہر کی تمثیل کے مقابلہ میں باپ کی تمثیل کہیں زیادہ شائستہ اور ترقی یافتہ تمثیل ہے[۱]-

تجسم اور تنزہ کے لحاظ سے مسیحی تصور کی سطح اصلاً وہی تھی جہاں تک یہودی تصور پہنچ چکا تھا مگر جب مسیحی عقائد کا رومی اصنام پرستی کے تصوروں سے امتزاج ہوا تو اقانیم ثلاثہ' کفارہ اور مسیح پرستی کے تصورات چھا گئے اور اسکندریہ کے فلسفہ آمیز اصنامی تصور سراپیز (Serapis) نے مسیحی اصنامی تصور کی شکل اختیار کر لی- اب مسیحیت کو بت پرستوں کی بت پرستی سے تو انکار تھا لیکن خود اپنی بت پرستی پر کوئی اعتراض نہ تھا- میڈونا کے قدیم بت کی جگہ اب ایک نئی مسیحی میڈونا کا بت تیار ہو گیا- یہ خدا کے فرزند کو گود میں لیے ہوئے تھی اور ہر راسخ الاعتقاد مسیحی کی جبین نیاز کا سجدہ طلب کرتی تھی!

غرض کہ قرآن کا جب نزول ہوا تو مسیحی تصور رحم و محبت کی پدری تمثیل کے ساتھ اقانیم ثلاثہ' کفارہ' اور تجسم کا ایک مخلوط اشراکی-توحیدی تصور تھا-

(۶) فلاسفہ یونان واسکندریہ کا تصور:

ان تصوروں کے علاوہ ایک تصور فلاسفۂ یونان کا بھی ہے جو اگرچہ مذاہب کے تصوروں کی طرح اقوام عالم کا تصور

---

[۱] اسی لیے ہندو تصور نے ماں کی تشبیہ سے کام لیا کیونکہ ماں کی تشبیہ میں اگرچہ نسائیت آ جاتی ہے لیکن تشبیہ باپ سے بھی زیادہ پر اثر ہو جاتی ہے- باپ کی شفقت کبھی کبھی جواب دے دے گی لیکن ماں کی محبت کی گہرائیوں کے لیے کوئی تھاہ نہیں!

نہ ہوسکا تاہم انسان کی فکری نشو ونما کی تاریخ میں اس نے بہت بڑا حصہ لیا اور اس لیے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

تقریباً پانچ سو برس قبل از مسیح یونان میں توحید کا تصور نشو ونما پانے لگا تھا۔ اس کی سب سے بڑی معلم شخصیت سقراط (Socrates) کی حکمت میں نمایاں ہوئی جسے افلاطون (Plato) نے تدوین و انضباط کے جامے سے آراستہ کیا۔

جس طرح ہندوستان میں رگ وید کے دیوبانی تصورات نے بالآخر ایک رب الاربابی تصور کی نوعیت پیدا کر لی تھی اور پھر اسی رب الاربابی تصور نے بتدریج توحیدی تصور کی طرف قدم بڑھایا تھا ٹھیک اسی طرح یونان میں بھی المپس کے دیوتاؤں کو بالآخر ایک رب الارباب ہستی کے آگے جھکنا پڑا اور پھر یہ رب الاربابی تصور بتدریج کثرت سے وحدت کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ یونان کے قدیم ترین تصوروں کے معلوم کرنے کا تنہا ذریعہ اس کی پرانی شاعری ہے۔ جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو دو عقیدے برابر پس پردہ کام کرتے دکھائی دیتے ہیں: مرنے کے بعد کی زندگی اور ایک سب سے بڑی اور سب پر چھائی ہوئی الوہیت۔

آئیونی (Ionie) فلسفہ نے جو یونانی مذاہب فلسفہ میں سب سے زیادہ پرانا ہے اجرام سماوی کی ان دیکھی روحوں کا اعتراف کیا تھا اور پھر ان روحوں کے اوپر کسی ایسی روح کا سراغ لگانا چاہا تھا جسے اصل کائنات قرار دیا جا سکے۔ پانچویں صدی قبل از مسیح میں فیثاغورس (Pythagoras) کا ظہور ہوا اور اس نے نئے نئے فکری عنصروں سے فلسفہ کو آشنا کیا۔ فیثاغورث کے سفر ہند کی روایت صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کے فلسفیانہ تصوروں میں ہندوستانی طریق فکر کی مشابہتیں پوری طرح نمایاں ہیں۔ تناسخ کا غیر مشتبہ عقیدہ' پانچویں آسمانی عنصر (Quintaessentia) کا اعتراف' نفس انسانی کی انفرادیت کا تصور' مکاشفاتی طریق ادراک کی جھلک اور سب سے زیادہ یہ کہ ایک ''طریق زندگی'' کے ضابطہ کا اہتمام' ایسے مبادیات ہیں جو ہمیں اوپانی شد کے دائرۂ فکر و نظر سے بہت قریب کر دیتے ہیں۔ فیثاغورس کے بعد انکساغورس (Anaxagoras) نے ان مبادیات کو کلیاتی (Abstracts) تصورات کی نوعیت کا جامہ پہنایا اور اس طرح یونانی فلسفے کی وہ بنیاد استوار ہوگئی جس پر آگے چل کر سقراط اور افلاطون اپنی کلیاتی تصوریت کی عمارتیں کھڑی کرنے والے تھے۔

سقراط کی شخصیت میں یونان کے توحیدی اور تنزیہی اعتقاد کی سب سے بڑی نمود ہوئی۔ سقراط سے پہلے جو فلسفی گزرے تھے انہوں نے قومی پرستش گاہوں کے دیوتاؤں سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ کیونکہ خود ان کے دل و دماغ بھی ان کے اثرات سے خالی نہیں ہوئے تھے۔ نفوس فلکی کے تصورات کی اگر اصل حقیقت معلوم کی جائے تو اس سے زیادہ نہیں نکلے گی کہ یونان کے کواکبی دیوتاؤں نے علم و نظر کے حلقوں سے روشناس ہونے کے لیے ایک نیا فلسفیانہ نقاب اپنے چہروں پر ڈال لیا تھا اور اب ان کی ہستی صرف عوام کو ہی نہیں بلکہ فلسفیوں کو بھی تسکین دینے کے قابل بنا دی گئی تھی۔ یہ تقریباً ویسی ہی صورت حال تھی جو ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہم ہندوستان کی قدیم تاریخ کے صفحوں پر دیکھ رہے تھے۔ یعنی فکری غور و خوض کے نتائج ایک ایسی لچکدار صورت میں ابھرنے لگے کہ ایک طرف فلسفیانہ دماغوں کے تقاضوں کا بھی جواب دیا جا سکے' دوسری طرف عوام

کے قومی عقائد سے بھی تصادم نہ ہو- ہندوستان کی طرح یونان میں بھی خواص اور عوام کے فکر وعمل نے باہم دگر سمجھوتا کر لیا تھا- یعنی توحیدی اور اصنامی عقیدے ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے!

لیکن سقراط کا معنوی علو فکر اس عام سطح سے بہت بلند جا چکا تھا- وہ وقت کے اصنامی عقائد سے کوئی سمجھوتا نہیں کر سکا- اس کا توحیدی تصور تجسم اور تشبہ کی تمام آلودگیوں سے پاک ہو کر ابھرا- اس کی بے لوث خدا پرستی کا تصور اس درجہ بلند تھا کہ وقت کے عام مذہبی تصورات اسے سر اونچا کر کے بھی دیکھ نہیں سکتے تھے- اس کی حقیقت شناس نگاہ میں یونان کی اصنامی خدا پرستی اس سے زیادہ کوئی اخلاقی بنیاد نہیں رکھتی تھی کہ ایک طرح کا دکاندارانہ لین دین تھا جو اپنے خود ساختہ معبودوں کے ساتھ چکایا جاتا تھا- افلاطون یوثی فرا (Euthyphro) کے مکالمہ میں ہمیں صاف صاف بتلاتا ہے کہ یونان کے دینی تصورات و اعمال کی نسبت سقراط کے بے لاگ فیصلے کیا تھے؟ سقراط پر مذہبی بے احترامی کا الزام لگایا گیا تھا- وہ پوچھتا ہے کہ ''مذہبی احترام'' کی حقیقت کیا ہے؟ پھر جو جواب ملتا ہے وہ اسے اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ ''مذہبی احترام گویا مانگنے اور دینے کا ایک فن ہوا- دیوتاؤں سے وہ چیز مانگی جس کی ہمیں خواہش ہے' اور انہیں وہ چیز دے دی جس کی انہیں احتیاج ہے- مختصراً یہ کہ تجارتی کاروبار کا ایک خاص ڈھنگ''

ایسی بے پردہ تعلیم' وقت کے دار و گیر سے بچ نہیں سکتی تھی اور نہ بچی لیکن سقراط کی اولوالعزم روح وقت کی کوتاہ اندیشیوں سے مغلوب نہیں ہو سکتی تھی- اس نے ایک ایسے صبر و استقامت حق کے ساتھ جو صرف نبیوں اور شہیدوں ہی کے اندر گھر بنا سکتا ہے زہر کا جام اٹھایا اور بغیر کسی تلخ کامی کے پی لیا:

تمنت سلیمی ان نموت بحبها واھون شیء عندنا ما تمنت!

اس نے مرنے سے پہلے آخری بات جو کہی تھی وہ یہ تھی: ''وہ ایک کمزور دنیا سے ایک بہتر دنیا کی طرف جا رہا ہے!''

افلاطون نے سقراط کے باخشائہ (Dialectic) افکار کو جو ایک معلم کے درس واملا کی نوعیت رکھتے تھے ایک مکمل ضابطہ کی شکل دے دی اور منطقی تحلیل کے ذریعہ انہیں کلیات و جوامع کی صورت میں مرتب کیا- اس نے اپنے تمام فلسفیانہ بحث ونظر کی بنیاد کلیات (Abstracts) پر رکھی اور حکومت سے لے کر خدا کی ہستی تک سب کو تصوریت (Idea) کا جامہ پہنا دیا- اگر تصوریت محسوسات سے الگ ہستی رکھتی ہے تو ''ناؤس''[1] (Nause) یعنی نفس ناطقہ بھی مادہ سے الگ اپنی ہستی رکھتا ہے اور اگر نفس مادہ سے الگ ہستی رکھتا ہے تو خدا کی ہستی بھی مادیات سے الگ اپنی نمود رکھتی ہے- اس نے انکساغورس

---

[1] ''ناؤس'' جس کا تلفظ ''ناؤز'' کیا جاتا ہے عربی کے ''نفس'' سے اس درجہ صوتی مشابہت رکھتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ''ناؤز'' تعریب کا جامہ پہن کر ''نفس'' ہو گیا- اسی طرح ''نوئٹک'' (Noetic) اور ''ناطق'' اس درجہ قریب ہیں کہ دوسرے کو پہلے کی تعریب سمجھا سکتا ہے- چنانچہ رینان اور دوزی نے نفس ناطقہ کو ''نوئٹک ناؤز'' کا معرب قرار دیا ہے- وہ کہتے ہیں یہ ''ناطق'' نطق سے نہیں ہے بلکہ ''نوئٹک'' کی تعریب ہے جس کے معنی ادراک کے ہیں- بعض عربی مصادر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ اصل یونانی الفاظ پیش نظر رکھے گئے تھے-

''نفس'' عربی لغت میں ذات اور خود کے معنی میں بولا جاتا تھا اور ارسطو نے عاقلانہ نطق کو انسان کی فصل قرار دیا تھا- اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب مترجموں نے یونانی تعبیر سامنے رکھ کر نفس ناطقہ کی ترکیب اختیار کر لی اور یہ تعریب خود عربی الفاظ کے مدلول سے بھی ملتی جلتی ہوئی بن گئی-

کے مسلک کے خلاف دونفسوں میں امتیاز کیا - ایک کو فانی قرار دیا - دوسرے کو لا فانی - فانی نفس خواہشیں رکھتا ہے - اور وہی مجسم ایجو (Ego) ہے - لیکن لا فانی نفس کائنات کی اصل عاقلہ ہے اور جسمانی زندگی کی تمام آلائشوں سے یک قلم منزہ یہی نفس کلی کی وہ الٰہی چنگاری ہے جس نے انسان کے اندر قوت مدرکہ کی روشنی کا چراغ روشن کر دیا ہے یہاں پہنچ کر نفس کلی کا تصور بھی ایک طرح سے وحدۃ الوجودی تصور کی نوعیت پیدا کر لیتا ہے - دراصل ہندو فلسفے کا ''آتما'' اور یونانی فلسفے کا ''نفس'' ایک ہی مسمّٰی کے دو نام ہیں - یہاں ''آتما'' کے بعد ''پرم آتما'' نمودار ہوا تھا - وہاں نفس کے بعد نفس کلی نمودار رہوا -

سقراط نے خدا کی ہستی کے لیے ''اگاتھوس'' (ανaθos) یعنی ''الخیر'' کا تصور قائم کیا تھا - وہ سرتا سر اچھائی اور حسن ہے - افلاطون وجود کی دنیاؤں سے بھی اوپر اڑا اور اس نے خیر بحت کا سراغ لگانا چاہا لیکن سقراط کے صفاتی تصور پر کوئی اضافہ نہ کر سکا -

ارسطو (Aristotle) جس نے فلسفے کو روحانی تصوروں سے خالص کر کے صرف مشاہدۂ واحساسات کے دائرہ میں دیکھنا چاہا تھا اس سقراطی تصور کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا - اس نے عقل اول اور عقل فعال کا تصور قائم کیا جو ایک ابدی، غیر متجزی، اور بسیط بحت ہستی ہے - پس گویا سقراط اور افلاطون نے جس ذات کی صفت ''الخیر'' میں دیکھی تھی ارسطو نے اسے ''العقل'' میں دیکھا اور اس منزل پر پہنچ کر رک گیا - اس سے زیادہ جو کچھ مشائی فلسفے (Peripatetic) میں ہمیں ملتا ہے وہ خود ارسطو کی تصریحات نہیں ہیں - اس کے یونانی اور عرب شارحوں کے اضافے ہیں -

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''الخیر'' اور ''العقل'' یونانی فلسفے کے تصور الوہیت کا ماحصل ہے -

سقراط کے صفاتی تصور کو وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ افلاطون کی جمہوریت (Republic) کا حسب ذیل مکالمہ پیش نظر رکھا جائے - اس مکالمہ میں اس نے تعلیم کے مسئلہ پر بحث کی ہے اور واضح کیا ہے کہ اس کے بنیادی اصول کیا ہونے چاہییں :

''اِڈمنٹس[1] نے سوال کیا کہ شاعروں کو خدا کا ذکر کرتے ہوئے کیا پیرایہ بیان اختیار کرنا چاہیے :

سقراط : ہر حال میں خدا کی توصیف ایسی کرنی چاہیے جیسا کہ وہ اپنی ذات میں ہے - خواہ رزمی (Epic) شعر ہو خواہ غنائی (Lyric) - علاوہ بریں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا کی ذات صالح ہے - پس ضروری ہے کہ اس کی صفات بھی صلاح پر مبنی ہوں -

---

[1] جمہوریت کے اشخاص مکالمہ میں ''اڈمنٹس'' اور ''گلوکن'' افلاطون کے بھائی ہیں - چنانچہ افلاطون نے خود ایک جگہ اس کی تصریح کی ہے -

افلاطون کی دوسری مصنفات کے ساتھ جمہوریت کا ترجمہ بھی عربی میں ہو گیا تھا - چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں ابن رشد نے اس کی شرح لکھی شرح کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ میں نے ارسطو کی کتاب السیاسہ کی شرح لکھنی چاہی تھی مگر اندلس میں اس کا کوئی نسخہ نہیں ملا - مجبوراً افلاطون کی کتاب اختیار کرنی پڑی - ابن رشد کی شرح کے عبرانی اور لاطینی تراجم یورپ میں موجود ہیں مگر اصل عربی ناپید ہے - یورپ کے موجود تراجم براہ راست یونانی سے ہوئے ہیں - ہمارے پیش نظر اے - ای - ٹیلر اور بی جوویٹ (Jowet) کے انگریزی تراجم ہیں -

اڈمنٹس: درست ہے-

سقراط: اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو وجود صالح ہوگا اس سے کوئی بات مضر صادر نہیں ہو سکتی اور جو ہستی غیر مضر ہوگی وہ کبھی شر کی صانع نہیں ہو سکتی- اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جو ذات صالح ہوگی ضروری ہے کہ نافع بھی ہو- پس معلوم ہوا کہ خدا صرف خیر کی علت ہے- شر کی علت نہیں ہو سکتا-

اڈمنٹس: درست ہے-

سقراط: اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خدا کا تمام حوادث کی علت ہونا ممکن نہیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے- بلکہ وہ انسانی حالات کے بہت ہی تھوڑے حصے کی علت ہے- کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ہماری برائیاں بھلائیوں سے کہیں زیادہ ہیں اور برائیوں کی علت خدا کی صالح اور نافع ذات نہیں ہو سکتی- پس چاہیے کہ صرف اچھائی ہی کو اس کی طرف نسبت دیں اور برائی کی علت کسی دوسری جگہ ڈھونڈھیں-

اڈمنٹس: میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ بات بالکل واضح ہے-

سقراط: تو اب ضروری ہوا کہ ہم شاعروں کے ایسے خیالات سے متفق نہ ہوں جیسے ہومر کے حسب ذیل شعروں میں ظاہر کیے گئے ہیں" مشتری[1] کی ڈیوڑھی میں دو پیالے رکھے ہیں- ایک خیر کا ہے- ایک شر کا- اور وہی انسان کی بھلائی اور برائی کی تمام تر علت ہیں- جس انسان کے حصے میں خیر کے پیالے کی شراب آ گئی اس کے لیے تمام تر خیر ہے- جس کے حصے میں شر کی آئی- اس کے لیے تمام تر شر ہے- اور پھر جس کسی کو دونوں پیالوں کا ملا جلا گھونٹ مل گیا اس کے حصے میں اچھائی بھی آ گئی اور برائی بھی"[2]

پھر اس کے بعد تجسم کے عقیدہ پر بحث کی ہے اور اس سے انکار کیا ہے کہ" خدا ایک بازیگر اور بہروپیے کی طرح

---

۱ مشتری یعنی "زیوس" (Zeus) یونان کے اصنامی عقائد میں رب الارباب یعنی دیوتاؤں میں سب سے بڑا اور حکمراں دیوتا تھا- ہومر نے ایلیڈ میں دیوتاؤں کی جو مجلس آراستہ کی ہے- اس میں تخت نشین ہستی مشتری ہی کی ہے-

۲ یہ اشعار ایلیڈ کے ہیں- سلیمان بستانی نے اپنے بے نظیر ترجمہ عربی میں ان کا ترجمہ حسب ذیل شعروں میں کیا ہے:

فباعتاب رفس قارورتان ذی لخیر وذی لشرالهوان
فیهما کل قسمة الانسان
فالذی منهما مزیجاً انالا زفس یلقٰی خیراً و یلقٰی وبالا
و الذی لا ینال الا من الشر فتنتابه الخطوب انتیابا
بطواه یطوی البلاد کلیلا تائها فی عرض الفلاة ذلیلا
من بنی الخلد والوریٰ مخذولا

(الیاذہ-نشید ۲۴-صفحہ ۱۱۳۱)

ان اشعار میں "زفس" یونانی "زیوس" کی تعریف ہے-

کبھی ایک بھیس میں نمودار ہوتا ہے کبھی دوسرے بھیس میں''[1]

اسکندریہ کا مذہب افلاطون جدید:

تیسری صدی مسیحی میں اسکندریہ کے فلسفۂ تصوف نے ''مذہب افلاطون جدید (Neo-Platonic) کے نام سے ظہور کیا جس کا بانی امونیس سکاس (Ammonius Saccas) تھا۔ امونیس کا جانشین فلاطینس (Platinus) ہوا اور فلاطینس کا شاگرد فورفوریوس (Porphyry) تھا جو اسکندرافردوسی کے بعد ارسطو کا سب سے بڑا شارح تسلیم کیا گیا ہے اور جس نے افلاطونیۂ جدیدہ کی مبادیات مشائی فلسفے میں مخلوط کر دیں۔ فلاطینس اور فورفوریوس کی تعلیم سرتاسر اسی اصل پر مبنی تھی جو ہندوستان میں اوپانی شد کے مذہب نے اختیار کی ہے۔ یعنی عام حق کا اصلی ذریعہ کشف ہے۔ نہ کہ استدلال' اور معرفت کا کمال مرتبہ یہ ہے کہ جذب وفنا کا مقام حاصل ہو جائے۔

خدا کی ہستی کے بارے میں فلاطینس بھی اس نتیجہ پر پہنچا جس پر اوپانی شد کے مصنف اس سے بہت پہلے پہنچ چکے تھے۔ یعنی نفی صفات کا مسلک اس نے بھی اختیار کیا۔ ذات مطلق ہمارے تصور وادراک کی تمام تعبیرات سے ماورا ہے۔ اس لیے ہم اس بارے میں کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔ ذات مطلق ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں جو اس سے ظہور میں آئیں۔ ہم اس کی نسبت کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔ ہم نہ تو اسے موجودیت سے تعبیر کر سکتے ہیں نہ جوہر سے۔ نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ زندگی ہے۔ حقیقت ان تمام تعبیروں سے وراء الوراء ہے''[1]

سقراط اور افلاطون نے حقیقت کو ''الخیر'' سے تعبیر کیا تھا۔ اس لیے فلاطینس وہاں تک بڑھنے سے انکار نہ کر سکا لیکن اس سے آگے کی تمام راہیں بند کر دیں ''جب تم نے کہا الخیر تو بس یہ کہہ کر رک جاؤ اور اس پر اور کچھ نہ بڑھاؤ۔ اگر تم کسی دوسرے خیال کا اضافہ کرو گے تو ہر اضافہ کے ساتھ ایک نئے نقص کی اس سے تقریب کرتے جاؤ گے''[2] ارسطو نے حقیقت کا سراغ عقول مجردہ کی راہ سے لگایا تھا اور علۃ العلل کو عقل اول سے تعبیر کیا تھا مگر فلاطینس کا مطلق اس تعبیر کی گرانی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ''یہ بھی مت کہو کہ وہ عقل ہے۔ تم اس طرح اسے منقسم کرنے لگو گے''[3]

لیکن اگر ہم ''عقل'' کا اطلاق اس پر نہیں کر سکتے تو پھر ''الوجود'' اور ''الخیر'' کیونکر کہہ سکتے ہیں؟ اگر ہم اپنی متصورہ صفتوں میں سے کوئی صفت بھی اس کے لیے نہیں بول سکتے تو پھر وجودیت اور خیریت کی صفات بھی کیوں ممنوع نہ ہوں؟ اس اعتراض کا وہ خود جواب دیتا ہے:

''ہم نے اگر اسے ''الخیر'' کہا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم کوئی باقاعدہ تصدیق کسی خاص وصف کی کرنی چاہتے ہیں جو اس کے اندر موجود ہے۔ ہم اس تعبیر کے ذریعہ صرف یہ بات واضح کرنی چاہتے ہیں کہ وہ ایک مقصد اور منتہیٰ ہے جس

---

۱ دی پبلک ترجمہ ٹیلر۔ باب۲

۲ E.T.Mekenna جلد۲۔ صفحہ۱۳۴

۳ ایضاً ۴ ایضاً

پر تمام سلسلے جا کر ختم ہو جاتے ہیں- یہ گویا ایک اصطلاح ہوئی جو ایک خاص غرض کے لیے کام میں لائی گئی ہے- اسی طرح اگر ہم اس کی نسبت وجود کا حکم لگاتے ہیں تو صرف اس لیے کہ عدم کے دائرہ سے اسے باہر رکھیں- وہ تو ہر چیز سے ماورا ہے- حتیٰ کہ وجود کے اوصاف وخواص سے بھی''[1]

اسکندر یہ کے کلیمنٹ (Clement) نے اس مسلک کا خلاصہ چند لفظوں میں کہہ دیا- ''اس کی شناخت اس سے نہیں کی جا سکتی کہ وہ کیا ہے؟ صرف اس سے کی جاسکتی ہے کہ وہ کیا کچھ نہیں ہے'' یعنی یہاں صرف سلب ونفی کی راہ ملتی ہے- ایجاب واثبات کی راہیں بند ہیں:

سر لسان النطق عنه اخرس!

باب صفات میں یہ وہی بات ہوئی جو اوپانی شد کی ''نیتی نیتی'' میں ہم سن چکے ہیں اور جس پر شنکر نے اپنے مذہب کی مبادیات کی تمام عمارتیں استوار کی ہیں-

ازمنہ وسطیٰ کے یہودی فلاسفہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا تھا- موسیٰ بن میمون (المتوفی ۶۰۵ھ) خدا کو ''الموجود'' کہنے سے بھی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے ہم جونہی ''موجود'' کا وصف بولتے ہیں ہمارے تصور پر مخلوق کے اوصاف وخواص کی پرچھائیں پڑنے لگتی ہے اور خدا ان اوصاف سے منزہ ہے- اس نے اس سے بھی انکار کیا کہ خدا کو وحدہ لاشریک کہا جائے- کیونکہ ''وحدت'' اور ''عدم شرکت'' کے تصورات بھی اضافی نسبتوں سے خالی نہیں'' ابن میمون کا یہ مسلک دراصل فلسفہ اسکندر یہ ہی کی بازگشت تھی-

قرآنی تصور:

بہر حال چھٹی صدی مسیحی میں دنیا کی خدا پرستانہ زندگی کے تصورات اس حد تک پہنچے تھے کہ قرآن کا نزول ہوا-

---

[1] E.T.Mekenna جلد اول صفحہ ۱۱۸- مذہب افلاطون جدید افلاطون کی طرف اس لیے منسوب ہوا کہ اس کی بنیاد بعض افلاطونی مبادیات پر رکھی گئی تھی- مگر پھر اپنی بحث ونظر میں اس نے جو راہ اختیار کی اور جن نتائج تک پہنچا انہیں افلاطون سے کوئی تعلق نہیں- لیکن عرب فلاسفہ کا ایک بڑا طبقہ اس غلط فہمی میں پڑ گیا کہ فی الحقیقت یہ افلاطون ہی کا مذہب ہے- اس مذہب کے بعض فلسفیوں مثلاً فورفوریوس نے ارسطو کی شرح کرتے ہوئے اس کے مذہب میں جو اضافے کیے تھے اسے بھی عرب حکما اصل سے ممتاز نہ کر سکے- چنانچہ ابونصر فارابی نے الجمع بین الرائین میں ارسطو کا جو مذہب ظاہر کیا ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے- ابن رشد پہلا عرب فلسفی ہے جس نے یہ غلط فہمی محسوس کی اور ارسطو کے مذہب کو شارحوں کے اضافے سے خالص کر کے دیکھنا چاہا-

۵۲۹ء میں جب شہنشاہ جسٹینین کے حکم سے اسکندر یہ کے فلاسفہ جلاوطن کیے گئے تو ان میں سے بعض نے ایران میں پناہ لی- چنانچہ سیمپلس اور ڈیماسیس خسرو کے دربار میں معزز جگہ رکھتے تھے- ان فلاسفہ کی وجہ سے پہلوی زبان بھی مذہب افلاطون جدید سے آشنا ہوگئی اور ایرانی حکما نے اسے قومی رنگ دینے کے لیے زردشت اور جاماسپ کی طرف منسوب کر دیا- عربی میں جب پہلوی ادبیات منتقل ہوئیں تو یہ فلسفیانہ مقالات بھی ترجمہ ہوئے اور عام طور پر یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ زردشت اور جاماسپ کا ایک پراسرار فلسفہ ہے- چنانچہ شیخ شہاب الدین نے حکمۃ الاشراق میں اور شیرازی نے اس کی شرح میں دونوں غلطیاں جمع کر دی ہیں- وہ مذہب افلاطون جدید کو افلاطون کا مذہب سمجھتے ہیں اور زردشت اور جاماسپ کا بھی حوالہ دیتے ہیں!

اب غور کرو کہ قرآن کے تصور الٰہی کا کیا حال ہے؟ جب ہم ان تمام تصورات کے مطالعہ کے بعد قرآن کے تصور پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف نظر آ جاتا ہے کہ تصور الٰہی کی تمام تصویروں میں اس کی تصویر جامع اور بلند تر ہے- اس سلسلہ میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

(۱) تنزیہہ کی تکمیل:

اولاً: تجسم اور تنزیہہ کے لحاظ سے قرآن کا تصور تنزیہہ کی ایسی تکمیل ہے جس کی کوئی نمود اس وقت دنیا میں موجود نہیں تھی- قرآن سے پہلے تنزیہہ کا بڑے سے بڑا مرتبہ جس کا ذہن انسانی متحمل ہو سکا تھا یہ تھا کہ اصنام پرستی کی جگہ ایک ان دیکھے خدا کی پرستش کی جائے- لیکن جہاں تک صفات الٰہی کا تعلق ہے انسانی اوصاف و جذبات کی مشابہت اور جسم و ہیئت کے تمثل سے کوئی تصور بھی خالی نہ تھا- ہندوستان اور یونان کا حال ہم دیکھ چکے ہیں- یہودی تصور جس نے اصنام پرستی کی کوئی شکل بھی جائز نہیں رکھی تھی وہ بھی اس طرح کے تشبہ و تمثل سے یکسر آلودہ ہے- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خدا کو ممرے کے بلوطوں میں دیکھنا' خدا کا حضرت یعقوب علیہ السلام سے کشتی لڑنا' کوہ طور پر شعلوں کے اندر نمودار ہونا' حضرت موسیٰؑ کا خدا کو پیچھے سے دیکھنا' خدا کا جوش غضب میں آ کر کوئی کام کر بیٹھنا اور پھر پچھتانا' بنی اسرائیل کو اپنی چہیتی بیوی بنا لینا اور پھر اس کی بدچلنی پر ماتم کرنا' ہیکل کی تباہی پر اس کا نوحہ' اس کی انتڑیوں میں درد کا اٹھنا اور کلیجے میں سوراخ پڑ جانا' تورات کا عام اسلوب بیان ہے-

اصل یہ ہے کہ قرآن سے پہلے فکر انسانی اس درجہ بلند نہیں ہوا تھا کہ تمثیل کا پردہ ہٹا کر صفات الٰہی کا جلوہ دیکھ لیتا- اس لیے ہر تصور کی بنیاد تمام تر تمثیل و تشبیہ ہی پر رکھنی پڑی- مثلاً تورات میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف زبور کے ترانوں اور یشعیا کی کتاب میں خدا کے لیے شائستہ صفات کا تخیل موجود ہے لیکن دوسری طرف خدا کا کوئی مخاطبہ ایسا نہیں جو سرتاسر انسانی اوصاف و جذبات کی تشبیہ سے مملو نہ ہو- حضرت مسیح علیہ السلام نے جب چاہا کہ رحمت الٰہی کا عالمگیر تصور پیدا کریں تو وہ بھی مجبور ہوئے کہ خدا کے لیے باپ کی تشبیہ سے کام لیں- اسی تشبیہ سے ظاہر پرستوں نے ٹھوکر کھائی اور ابنیت مسیح علیہ السلام کا عقیدہ پیدا کر لیا-

لیکن ان تمام تصورات کے بعد جب ہم قرآن کی طرف رخ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اچانک فکر و تصور کی ایک بالکل نئی دنیا سامنے آ گئی- یہاں تمثیل و تشبیہ کے تمام پردے بیک دفعہ اٹھ جاتے ہیں' انسانی اوصاف و جذبات کی مشابہت مفقود ہو جاتی ہے' ہر گوشہ میں مجاز کی جگہ حقیقت کا جلوہ نمایاں ہو جاتا ہے اور تجسم کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا- تنزیہہ اس مرتبہ کمال تک پہنچ جاتی ہے کہ:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ (۴۲: ۱۱)

''اس کے مثل کوئی شے نہیں- کسی چیز سے بھی تم اسے مشابہ نہیں ٹھہرا سکتے!''

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾ (۶: ۱۰۳)

''انسان کی نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں لیکن وہ انسان کی نگاہوں کو دیکھ رہا ہے!''

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ﴾ (۱۱۲: ۱-۴)

''اللہ کی ذات یگانہ ہے' بے نیاز ہے اسے کسی کی احتیاج نہیں- نہ تو اس سے کوئی پیدا ہوا' نہ وہ کسی سے پیدا ہوا' اور نہ کوئی ہستی اس کے درجے اور برابری کی ہوئی!''

تورات اور قرآن کے جو مقامات مشترک ہیں دقت نظر کے ساتھ ان کا مطالعہ کرو- تورات میں جہاں کہیں خدا کی براہ راست نمود کا ذکر کیا گیا ہے قرآن وہاں خدا کی تجلّی کا ذکر کرتا ہے- تورات میں جہاں یہ پاؤ گے کہ خدا متشکل ہو کر اترا قرآن اس موقع کی یوں تعبیر کرے گا کہ خدا کا فرشتہ متشکل ہو کر نمودار ہوا- بطور مثال کے صرف ایک مقام پر نظر ڈال لی جائے- تورات میں ہے:

''خداوند نے کہا اے موسیٰ دیکھ' یہ جگہ میرے پاس ہے' تو اس چٹان پر کھڑا رہ' اور یوں ہوگا کہ جب میرے جلال کا گذر ہوگا تو میں تجھے اس چٹان کی دراڑ میں رکھوں گا' اور جب تک نہ گزر لوں گا تجھے اپنی ہتھیلی سے ڈھانپے رہوں گا- پھر ایسا ہوگا کہ میں ہتھیلی اٹھا لونگا اور تو میرا پیچھا دیکھ لے گا لیکن تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا-'' (خروج ۳۳:۲۰)

''تب خداوند بدلی کے ستون میں ہو کر اترا اور خیمہ کے دروازے پر کھڑا رہا......اس نے کہا کہ میرا بندہ موسیٰ اپنے خداوند کی شبیہ دیکھے گا''- (گنتی ۱۲:۵)

اسی معاملہ کی تعبیر قرآن نے یوں کی ہے:

﴿ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ ﴾ (۷:۱۴۳)

''موسیٰ نے کہا اے پروردگار! مجھے اپنا جلوہ دکھا تا کہ میں تیری طرف نگاہ کرسکوں فرمایا نہیں- تو کبھی مجھے نہیں دیکھے گا لیکن ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ-

تنزیہہ اور تعطیل کا فرق:

البتہ یاد رہے کہ تنزیہہ اور تعطیل میں فرق ہے- تنزیہہ سے مقصود یہ ہے کہ جہاں تک عقل بشری کی پہنچ ہے صفات الٰہی کو مخلوقات کی مشابہت سے پاک اور بلند رکھا جائے- تعطیل کے معنی یہ ہیں کہ تنزیہہ کے منع و نفی کو اس حد تک پہنچا دیا جائے کہ فکر انسانی کے تصور کے لیے کوئی بات باقی ہی نہ رہے- قرآن کا تصور تنزیہہ کی تکمیل ہے- تعطیل کی ابتدا نہیں ہے-

بلاشبہ اوپانی شد تنزیہہ کی ''نیتی نیتی[1]'' کو بہت دور تک لے گئے لیکن عملاً نتیجہ کیا نکلا؟ یہی نا کہ ذات مطلق (برہماں) کو ذات متشخص (ایشور) میں اتارے بغیر کام نہ چل سکا:

---

[1] ''نیتی'' یعنی کلمۂ نفی- وہ ایسا بھی نہیں ہے- ایسا بھی نہیں ہے- برہدرینا ک اوپانی شد میں یہ نفی دور تک چلی گئی ہے- وہ کثیف ہے؟ ''نہیں'' وہ لطیف ہے؟ ''نہیں'' وہ کوتاہ ہے؟ ''نہیں'' وہ دراز ہے؟ ''نہیں'' غرض کہ ہر مشابہت کے جواب میں ''نہیں'' دہرایا جاتا ہے- نہ وہ ایسا ہے- نہ ویسا ہے- نہ یہ ہے- نہ وہ ہے:

اے بروں از وہم وقال وقیل من   خاک برفرق من و تمثیل من!

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر!

جس طرح اثبات صفات میں غلو تشبہ کی طرف لے جاتا ہے اسی طرح نفی صفات میں غلو تعطیل تک پہنچا دیتا ہے اور دونوں میں تصور انسانی کے لیے ٹھوکر ہوئی - اگر تشبہ اسے حقیقت سے نا آشنا کر دیتا ہے تو تعطل اسے عقیدہ کی روح سے محروم کر دیتا ہے - پس یہاں ضروری ہوا کہ افراط اور تفریط دونوں سے قدم روکے جائیں اور تشبہ اور تعطیل دونوں کے درمیان راہ نکالی جائے - چنانچہ قرآن نے جو راہ اختیار کی ہے وہ دونوں راہوں کے درمیان جاتی ہے اور دونوں انتہائی سمتوں کے میلان سے بچتی ہوئی نکل گئی ہے -

اگر خدا کے تصور کے لیے صفات و افعال کی کوئی صورت ایسی باقی نہ رہے جو فکر انسانی کی پکڑ میں آ سکتی ہے تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ یہی نکلے گا کہ تنزیہہ کے معنی نفی وجود کے ہو جائیں گے - یعنی اگر کہا جائے' ہم خدا کے لیے کوئی ایجابی صفت قرار نہیں دے سکتے - کیونکہ جو صفت بھی قرار دینگے اس میں مخلوق کے اوصاف سے مشابہت کی جھلک آ جائے گی' تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فکر انسانی کے لیے کوئی سر رشتہ تصور باقی نہیں رہے گا اور وہ کسی ایسی ذات کا تصور ہی نہیں کر سکے گا' اور جب تصور نہیں کر سکے گا تو ایسا عقیدہ اس کے اندر کوئی پکڑ اور لگاؤ بھی پیدا نہیں کر سکے گا - ایسا تصور اگرچہ اثبات وجود کی کوشش کرے لیکن فی الحقیقت وہ نفی وجود کا تصور ہو گا - کیونکہ صرف سلبی تصور کے ذریعہ ہم ہستی کو نیستی سے جدا نہیں کر سکتے -

خدا کی ہستی کا اعتقاد انسانی فطرت کے اندرونی تقاضوں کا جواب ہے - اسے حیوانی سطح سے بلند ہونے اور انسانیت اعلیٰ کے درجہ تک پہنچنے کے لیے بلندی کے ایک نصب العین کی ضرورت ہے اور اس نصب العین کی طلب بغیر کسی ایسے تصور کے پوری نہیں ہو سکتی جو کسی نہ کسی شکل میں اس کے سامنے آئے - لیکن مشکل یہ ہے کہ مطلق کا تصور سامنے آ نہیں سکتا - وہ جبھی آئے گا کہ ایجابی صفتوں کے تشخص کا کوئی نہ کوئی نقاب چہرے پر ڈال لے - چنانچہ ہمیشہ اس نقاب ہی کے ذریعہ جمال حقیقت کو دیکھنا پڑا - یہ کبھی بھاری ہوا کبھی ہلکا - کبھی پر خوف رہا کبھی دلآ ویز - مگر اترا کبھی نہیں:

آہ ازاں حوصلۂ تنگ و ازاں حسن بلند
کہ دلم را گلہ از حسرت دیدار تو نیست!

جمال حقیقت بے نقاب ہے مگر ہماری نگاہوں میں یارائے دید نہیں - ہم اپنی نگاہوں پر نقاب ڈال کر اسے دیکھنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کے چہرے پر نقاب پڑ گیا:

ہر چہ ہست از قامت ناساز و بے اندام ست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس دشوار نیست!

غیر صفاتی تصور کو انسان پکڑ نہیں سکتا اور طلب اسے ایسے مطلوب کی ہوئی جو اس کی پکڑ میں آ سکے - وہ ایک ایسا جلوہ محبوبی چاہتا ہے جس کے عشق میں اس کا دل اٹک سکے' جس کے حسن گریزاں کے پیچھے وہ والہانہ دوڑ سکے' جس کا دامن کبریائی

پکڑنے کے لیے ہمیشہ اپنا دست عجز و نیاز بڑھاتا رہے- جو اگر چہ زیادہ سے زیادہ بلندی پر ہو لیکن پھر بھی اسے ہر دم جھانک لگائے تاک رہا ہو کہ ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴾(۸۹: ۱۴) ''یقیناً تمہارا پروردگار تمہیں گھات لگائے تاک رہا ہے!'' اور ﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ﴾[1] (۲: ۱۸۶)

در پردہ و برہمہ کس پردہ می دری   باہر کسی و با تو کسے را وصال نیست

غیر صفاتی تصور محض نفی و سلب ہوتا ہے اور اس سے انسانی طلب کی پیاس نہیں بجھ سکتی- ایسا تصور ایک فلسفیانہ تخیل ضرور پیدا کر دے گا لیکن دلوں کا زندہ اور سرگرم عقیدہ نہیں بن سکے گا-

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جو راہ اختیار کی وہ ایک طرف تو تنزیہہ کو اس کے کمال درجہ پر پہنچا دیتی ہے- دوسری طرف تعطیل سے بھی تصور کو بچا لے جاتی ہے- وہ فرداً فرداً تمام صفات و افعال کا اثبات کرتا ہے مگر ساتھ ہی مشابہت کی قطعی نفی بھی کرتا جاتا ہے- وہ کہتا ہے: خدا حسن و خوبی کی ان تمام صفتوں سے جو انسانی فکر میں آ سکتی ہیں متصف ہے- وہ زندہ ہے قدرت والا ہے پالنے والا ہے رحمت والا ہے دیکھنے والا سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے- اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ انسان کی بول چال میں قدرت و اختیار اور ارادہ و فعل کی جتنی شائستہ تعبیرات ہیں انہیں بھی بلا تامل استعمال کرتا ہے- مثلاً خدا کے ہاتھ تنگ نہیں: ﴿ بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ﴾ (۵: ۶۴) اس کے تخت حکومت و کبریائی کے احاطہ سے کوئی گوشہ باہر نہیں: ﴿ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ (۲: ۲۵۵) لیکن یہ بھی صاف صاف اور بے لچک لفظوں میں کہہ دیتا ہے کہ اس سے مشابہ کوئی چیز نہیں جو تمہارے تصور میں آ سکتی- وہ عدیم المثال ہے: ﴿ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ﴾ (۴۲: ۱۱) تمہاری نگاہ اسے پا ہی نہیں سکتی: ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ (۶: ۱۰۳) تم اس کے لیے اپنے تخیل سے مثالیں نہ گھڑو: ﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ﴾ (۱۶: ۷۴) پس ظاہر ہے کہ اس کا زندہ ہونا ہمارے زندہ ہونے کی طرح نہیں ہو سکتا- اس کی پروردگاری ہماری پروردگاری کی طرح نہیں ہو سکتی- اس کا دیکھنا سننا جاننا ویسا نہیں ہو سکتا جس طرح کے دیکھنے سننے اور جاننے کا ہم تصور کر سکتے ہیں- اس کی قدرت و بخشش کا ہاتھ اور جلال و احاطہ کا عرش ضرور ہے لیکن یقیناً اس کا مطلب وہ نہیں ہو سکتا جو ان الفاظ کے مدلولات سے ہمارے ذہن میں متشکل ہونے لگتا ہے-

قرآن کے تصور الٰہی کا یہ پہلو فی الحقیقت اس راہ کی تمام درماندگیوں کا ایک ہی حل ہے اور ساری عمر کی سرگردانیوں کے بعد بالآخر اسی منزل پر پہنچ کر دم لینا پڑتا ہے- انسانی فکر جتنی بھی کاوشیں کرے اس کے سوا اور کوئی حل پیدا نہیں کر سکے گا- یہاں ایک طرف بام حقیقت کی بلندی اور فکر کوتاہ کی نارسائیاں ہوئیں- دوسری طرف ہماری فطرت کا اضطراب طلب اور ہمارے دل کا تقاضائے دید ہوا- بام اتنا بلند کہ نگاہ تصور تھک تھک کے رہ جاتی ہے- تقاضائے دید اتنا سخت کہ بغیر کسی کا جلوہ سامنے لائے چین نہیں پا سکتا:

نہ بہ اندازۂ بازوست کمندم ہیہات
ورنہ باگوشۂ بامیم سروکارے ہست!

---

[1] اور جب میرا بندہ تجھ سے میری نسبت سوال کرتا ہے تو اس سے کہہ دے کہ میں اس سے دور کب ہوں؟ میں تو بالکل اس کے پاس ہوں-

ایک طرف راہ کی اتنی دشواریاں دوسری طرف طلب کی اتنی سہل اندیشیاں! ولنعم ما قیل:

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں!

اگر تنزیہہ کی طرف زیادہ جھکتے ہیں تو تعطیل میں جا گرتے ہیں- اگر اثبات صفات کی صورت آرائیوں میں دور نکل جاتے ہیں تو تشبہ اور تجسم میں کھوئے جاتے ہیں- پس نجات کی راہ صرف یہی ہوئی کہ دونوں کے درمیان قدم سنبھالے رکھیں- اثبات کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے' تنزیہہ کی باگ بھی ڈھیلی نہ پڑنے پائے- اثبات اس کی دلآویز صفتوں کا مرقع کھینچے گا- تنزیہہ تشبہ کی پرچھائیں سے بچاتی رہے گی- ایک کا ہاتھ حسن مطلق کو صورت صفات میں جلوہ آرا کر دے گا- دوسرے کا ہاتھ اسے اتنی بلندی پر تھامے رہے گا کہ تشبہ کا گرد وغبار اسے چھونے کی جرأت نہیں کر سکے گا-

بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ
جرم نگاہ دیدۂ صورت پرست ماست!

او پانی شد کے مصنفوں کا نفی صفات میں غلو تو معلوم ہے لیکن مسلمانوں میں جب علم کلام کے مختلف مذاہب وآرا پیدا ہوئے تو ان کی نظری کاوشیں اس میدان میں ان سے بھی آگے نکل گئیں اور صفات باری کا مسئلہ بحث ونظر کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بن گیا- جہمیہ اور باطنیہ قطعی انکار کی طرف گئے- معتزلہ نے انکار نہیں کیا لیکن ان کا رخ رہا اسی طرف امام ابوالحسن اشعری نے گو خود معتدل راہ اختیار کی تھی (جیسا کہ کتاب الابانہ سے ظاہر ہے) لیکن ان کے پیرووں کی کاوشیں تاویل صفات میں دور تک چلی گئیں اور بحث ونزاع سے غلو کا رنگ پیدا ہو گیا- لیکن ان میں سے کوئی بھی معاملہ کی گتھی نہ سلجھا سکا- اگر گتھی سلجھی تو اسی طریقہ سے سلجھی جو قرآن نے اختیار کیا ہے- امام جوینی یہ اقرار کرتے ہوئے دنیا سے گئے کہ ((وھا انا ذا اموت علی عقیدۃ امی)) (میری ماں نے جو عقیدہ سکھلایا تھا اس پر دنیا سے جا رہا ہوں!)

اشاعرہ میں امام فخر الدین رازی سب سے زیادہ ان کاوشوں میں سرگرم رہے ہیں لیکن بالآخر اپنی زندگی کی آخری تصنیف میں انہیں بھی اقرار کرنا پڑا تھا کہ

(لقد تاملت الطرق الکلامیة والمناھج الفلسفیه' فما رأیتھا تشفی علیلًا ولا تروی غلیلًا ورأیت اقرب الطرق طریق القرآن اقرأ فی الاثبات" الرحمن علی العرش استویٰ" وفی النفی "لیس کمثله شیء" ومن جرب مثل تجربتی عرف مثل معرفتی)

(نقله ملا علی القاری فی شرح الفقه الاکبر)

''میں نے علم کلام اور فلسفہ کے تمام طریقوں کو خوب دیکھا بھالا لیکن بالآخر معلوم ہوا کہ نہ تو ان میں کسی بیمار دل کے لیے شفا ہے نہ کسی پیاسے کے لیے سیرابی- سب سے بہتر اور حقیقت سے نزدیک تر راہ وہی ہے جو قرآن کی راہ ہے- اثبات صفات میں پڑھو ﴿ اَلرَّحمٰن عَلَی العرش استویٰ ﴾ اور نفی تشبہ میں پڑھو ﴿ لیس کمثله شئی ﴾ یعنی اثبات اور نفی دونوں کا دامن تھامے رہو- اور جس کسی کو میری طرح

اس معاملہ کے تجربے کا موقع ملا ہوگا اسے میری طرح یہ حقیقت معلوم ہوگئی ہوگی-“

یہی وجہ ہے کہ اصحاب حدیثؒ اور سلفیہؒ نے اس باب میں تفویض کا مسلک اختیار کیا تھا اور تاویل صفات میں کاوشیں کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور اسی بنا پر انہوں نے جہمیہ کے انکار صفات کو تعطیل سے تعبیر کیا اور معتزلہ و اشاعرہ کی تاویلوں میں بھی تعطل کی بو سونگھنے لگے- متکلمین نے ان پر تجسم اور تشبہ کا الزام لگایا لیکن وہ کہتے تھے کہ تمہارے سلب و نفی کی کاوشوں کے بعد تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا- متاخرین اصحاب حدیثؒ میں امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد امام ابن قیم نے اس مسئلہ کی گہرائیوں کو خوب سمجھا اور اسی لیے سلفؒ کے مسلک سے ادھر ادھر ہونا گوارا نہیں کیا-

آریائی اور سامی نقطۂ خیال کا اختلاف:

آریائی اور سامی تعلیموں کے نقطۂ خیال کا اختلاف ہم اس معاملہ میں پوری طرح دیکھ سکتے ہیں- آریائی حکمت نے فطرت انسانی کی جس صورت پرستی کے تقاضے کا جواب مورتی پوجا کا دروازہ کھول کر دیا قرآن نے اسے صرف صفات کی صورت آرائی سے پورا کر دیا اور پھر اس سے نیچے اترنے کی تمام راہیں بند کر دیں- نتیجہ یہ نکلا کہ ان تمام مفاسد کے کھلنے کے دروازے بند ہوگئے جو بت پرستی کی غیر عقلی زندگی سے پیدا ہو سکتے تھے اور ہندوستان میں پیدا ہوئے-

محکمات اور متشابہات:

قرآن نے اپنے مطالب کی دو بنیادی قسمیں قرار دی ہیں- ایک کو ”محکمات“ سے تعبیر کیا ہے دوسری کو ”متشابہات“ سے- ”محکمات“ سے وہ باتیں مقصود ہیں جو صاف صاف انسان کی سمجھ میں آجاتی ہیں اور اس کی عملی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور اس لیے ایک سے زیادہ معانی کا ان میں احتمال نہیں- ”متشابہات“ وہ ہیں جن کی حقیقت وہ پا نہیں سکتا اور اس کے سوا چارہ نہیں کہ ایک خاص حد تک جا کر رک جائے اور بے نتیجہ باریک بینیاں نہ کرے: ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ (۳:۷)

صفات الٰہی کی حقیقت متشابہات میں داخل ہے- اس لیے قرآن کہتا ہے کہ اس باب میں فکری کاوشیں کچھ سود مند نہیں ہو سکتیں- بلکہ طرح طرح کی کج اندیشیوں کا دروازہ کھول دیتی ہیں یہاں بجز تفویض[۱] کے چارۂ کار نہیں پس وہ تمام فلسفیانہ کاوشیں جو ہمارے متکلموں نے کی ہیں فی الحقیقت قرآن کے معیار تعلیم کا ساتھ نہیں دے سکتیں-

---

[۱] تفویض کے مسلک سے مقصود یہ ہے کہ جو حقائق ہمارے دائرہ علم و ادراک سے باہر ہیں ان میں رد و کد اور باریک بینی نہ کرنا اور اپنے عجز و نارسائی کا اعتراف کر لینا تفویض کہلاتا ہے-

اوپانی شد کا مرتبہ اطلاق اور مرتبہ تشخص:

اس موقعے پر یہ بات بھی صاف ہو جانی چاہیے کہ ویدانت سوتر اور اس کے سب سے بڑے شارح شنکر اچار جیا نے نفیٔ صفات پر جتنا زور دیا ہے وہ حقیقت کے اس مرتبہ اطلاق سے تعلق رکھتا ہے جسے وہ ''برہمن'' سے تعبیر کرتے ہیں- یعنی ذات مطلق سے- لیکن اس سے انہیں بھی انکار نہیں کہ مرتبہ اطلاق کے نیچے ایک اور مرتبہ بھی ہے جہاں تمام صفات ایجابی کی نقش آرائی ظہور میں آ جاتی ہے اور انسان کے تمام عابدانہ تصورات کا معبود وہی ذات متصف ہوتی ہے-

اوپانی شد کے نزدیک ذات مطلق ''نیروپادھیک ست'' اور ''نرگن'' ہے- یعنی تمام مظاہرات سے منزہ اور عدیم التوصیف ہے- اگر کوئی ایجابی صفت اس کی نسبت سے کہی بھی جا سکتی ہے تو وہ اسی سلب کا ایجاب ہے- یعنی وہ ''نرگنوگنی'' ہے- عدیم الوصفی صفت سے متصف- ہم اس کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتے- کیونکہ ہم جو کچھ کہیں گے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ لامحدود کو محدود بنا دیں گے- اگر محدود لامحدود کا تصور کر سکتا ہے تو پھر یا تو محدود کو لامحدود ماننا پڑے گا- یا لامحدود کو محدود بن جانا پڑے گا'' (شنکرا بھاشیا برہم سوتر- باب ۳) ''ہم کسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو الفاظ بولتے ہیں وہ یا تو اس چیز کا تعلق کسی خاص نوع سے ظاہر کرتے ہیں یا اس کے فعلی خواص بتلاتے ہیں یا اس کی قسم کی خبر دیتے ہیں یا کسی اور اضافی نوعیت کی وضاحت کرتے ہیں- لیکن برہمن کے لیے کوئی نوع نہیں ٹھہرائی جا سکتی- اس کی کوئی قسم نہیں- اس کے فعلی خواص بتلائے نہیں جا سکتے- اس کے لیے کوئی اضافت نہیں- ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایسا ہے- یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس طرح کا نہیں ہے- کیونکہ اس کے لیے کوئی مشابہت نہیں اور چونکہ مشابہت نہیں اس لیے اس کی عدم مشابہت اور غیریت بھی انسانی تصور میں نہیں لائی جا سکتی- مشابہت کی طرح ہماری نفی مشابہت بھی اضافی رشتے رکھتی ہے'' (ایضاً باب اول وثانی)

غرض کہ حقیقت اپنے مرتبۂ اطلاق میں ناممکن التعریف ہے اور منطقی ماورائیت سے بھی ماورا ہے- اسی لیے ویدانت سوتر نے بنیادی طور پر ہستی کے دو دائرے ٹھہرا دیے- ایک کو ممکن التصور کہا ہے دوسرے کو ناممکن التصور- ممکن التصور دائرہ پرکرتی' عناصر' ذہن' تعقل اور خودی کا ہے- ناممکن التصور دائرۂ برہمن (ذات مطلق) کا- یہی مذہب اسکندریہ کے افلاطونیہ جدیدہ کا بھی تھا اور حکما اسلام اور صوفیہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا- صوفیہ مرتبۂ اطلاق کو مرتبۂ ''احدیت'' سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں ''احدیت'' ناممکن التصور' ناممکن التعبیر اور تمام منطقی ماورائیوں سے بھی ورا الورا ہے:

بنام آں کہ آں نامے نہ دارد
بہ ہر نامے کہ خوانی سر برآرد!

لیکن پھر مرتبۂ اطلاق ایک ایسے مرتبہ میں نزول کرتا ہے جس میں تمام ایجابی صفات کی صورت آرائی کا تشخص نمودار ہو جاتا ہے- اوپانی شد نے اسے ''ایشور'' سے اور صوفیہ نے ''واحدیت'' سے تعبیر کیا ہے- ویدانت سوتر کے شارحوں میں شنکر نے سب سے زیادہ اوپانی شد کے نفی صفات کے مسلک کو قائم رکھنا چاہا ہے- اور اس باب میں بڑی کاوش کی- تاہم اسے بھی ''سگن برہمن'' یعنی ذات متشخص و متصف کے مرتبہ کا اعتراف کرنا پڑا اور گو اس مرتبہ کے عرفان کو وہ

''اپرم''یعنی فروتر مرتبہ کا عرفان قرار دیتا ہے مگر ساتھ ہی تسلیم کرتا ہے کہ ایک معبود ہستی کا تصور بغیر اس کے ممکن نہیں- اور انسانی ذہن وادراک کے لیے زیادہ سے زیادہ بلند پروازی جو یہاں ہوسکتی ہے' وہ یہی ہے-[1]

(۲) صفات رحمت و جمال:

ثانیاً تنزیہہ کی طرح صفات رحمت و جمال کے لحاظ سے بھی قرآن کے تصور پر نظر ڈالی جائے تو اس کی شان تکمیل نمایاں ہے- نزول قرآن کے وقت یہودی تصور میں قہر وغضب کا عنصر غالب تھا- مجوسی تصور نے نور و ظلمت کی دو مساویانہ قوتیں الگ الگ بنالی تھیں- مسیحی تصور نے رحم ومحبت پر زور دیا تھا- لیکن جزا کی حقیقت مستور ہوگئی تھی- اسی طرح پیروان بدھ نے بھی صرف رحم ومحبت پر زور دیا- عدالت نمایاں نہیں ہوئی- گویا جہاں تک رحمت و جمال کا تعلق ہے یا تو قہر وغضب کا عنصر غالب تھا یا مساوی تھا یا پھر رحمت ومحبت آئی تھی تو اس طرح آئی تھی کہ عدالت کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی-

لیکن قرآن نے ایک طرف تو رحمت و جمال کا ایسا کامل تصور پیدا کر دیا کہ قہر وغضب کے لیے کوئی جگہ ہی نہ رہی دوسری طرف جزائے عمل کا سر رشتہ بھی ہاتھ سے نہیں دیا کیونکہ جزا کا اعتقاد قہر وغضب کی بنا پر نہیں بلکہ عدالت کی بنا پر قائم کر دیا- چنانچہ صفات الٰہی کے بارے میں اس کا عام اعلان یہ ہے:

﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾(۱۷: ۱۱۰)

''اے پیغمبرؐ! ان سے کہہ دو' تم خدا کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس صفت سے بھی پکارو اس کی ساری صفتیں حسن وخوبی کی صفتیں ہیں!''

یعنی وہ خدا کی تمام صفتوں کو ''اسمائے حسنٰی'' قرار دیتا ہے- اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی کوئی صفت نہیں جو حسن و خوبی کی صفت نہ ہو- یہ صفتیں کیا کیا ہیں؟ قرآن نے پوری وسعت کے ساتھ انہیں جابجا بیان کیا ہے- ان میں ایسی صفتیں بھی ہیں جو بظاہر قہر وجلال کی صفتیں ہیں- مثلاً جبار' قہار' لیکن قرآن کہتا ہے' وہ بھی ''اسمائے حسنٰی'' ہیں- کیونکہ ان میں قدرت و عدالت کا ظہور رہا ہے اور قدرت وعدالت حسن وخوبی ہے- خونخواری وخوفناکی نہیں ہے- چنانچہ سورۂ حشر میں صفات رحمت و جمال کے ساتھ قہر وجلال کا بھی ذکر کیا ہے اور پھر متصلاً ان سب کو ''اسمائے حسنٰی'' قرار دیا ہے:

﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○ ﴾(۵۹: ۲۳-۲۴)

''وہ اللہ ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں- وہ الملک ہے- القدوس ہے- السلام ہے- المومن ہے- المہیمن ہے- العزیز ہے- الجبار ہے- المتکبر ہے- اور اس ساجھے سے پاک ہے جو لوگوں نے اس کی معبودیت میں بنا

---

[1] شنکر بھاشیا ۱: ۳ اور چندوگیا اوپانی شد قسم ۸

رکھے ہیں، وہ الخالق ہے- الباری ہے- المصور ہے (غرض کہ) اس کے لیے حسن و خوبی کی صفتیں ہیں- آسمان و زمین میں جتنی بھی مخلوقات ہیں سب اس کی پاکی اور عظمت کی شہادت دے رہی ہیں اور بلاشبہ وہی ہے جو حکمت کے ساتھ غلبہ و توانائی بھی رکھنے والا ہے!

اسی طرح سورۂ اعراف میں ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ[1] ﴾(۷: ۱۸۰)

''اور اللہ کے لیے حسن و خوبی کی صفتیں ہیں- سو چاہیے کہ ان صفتوں سے اسے پکارو- اور جن لوگوں کا شیوہ یہ ہے کہ اس کی صفتوں میں کج اندیشیاں کرتے ہیں، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو-''

چنانچہ اسی لیے سورۂ فاتحہ میں صرف تین صفتیں نمایاں ہوئیں: ربوبیت، رحمت، اور عدالت- اور قہر و غضب کی کسی صفت کو یہاں جگہ نہ دی گئی-

(۳) اشراکی تصورات کا کلی انسداد:

ثالثاً: جہاں تک توحید و اشراک کا تعلق ہے قرآن کا تصور اس درجہ کامل اور بے لچک ہے کہ اس کی کوئی نظیر پچھلے تصورات میں نہیں مل سکتی-

اگر خدا اپنی ذات میں یگانہ ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنی صفات میں بھی یگانہ ہو- کیونکہ اس کی یگانگت کی عظمت قائم نہیں رہ سکتی اگر کوئی دوسری ہستی اس کی صفات میں شریک و سہیم مان لی جائے- قرآن سے پہلے توحید کے ایجابی پہلو پر تو تمام مذاہب نے زور دیا تھا لیکن سلبی پہلو نمایاں نہیں ہوسکا تھا- ایجابی پہلو یہ ہے کہ خدا ایک ہے- سلبی یہ ہے کہ اس کی طرح کوئی نہیں- اور جب اس کی طرح کوئی نہیں تو ضروری ہے کہ جو صفتیں اس کے لیے ٹھہرا دی گئی ہیں ان میں کوئی دوسری ہستی شریک نہ ہو- پہلی بات توحید فی الذات سے اور دوسری توحید فی الصفات سے تعبیر کی گئی ہے- قرآن سے پہلے اقوام عالم کی استعداد اس درجہ بلند نہیں ہوئی تھی کہ توحید فی الصفات کی نزاکتوں اور بندشوں کی متحمل ہوسکتی اس لیے مذاہب نے تمام تر زور توحید فی الذات ہی پر دیا- توحید فی الصفات اپنی ابتدائی اور سادہ حالت میں چھوڑ دی گئی-

---

[1] اس آیت میں ''الحاد فی الاسماء'' سے مقصود کیا ہے؟ ''الحاد'' لحد سے ہے- ''لحد'' کے معنی میلان عن الوسط کے ہیں- یعنی درمیان سے کسی ایک طرف کو ہٹا ہوا ہونا- اسی لیے ایسی قبر کو جس میں نعش کی جگہ ایک طرف کو ہٹی ہوئی ہوتی ہے- لحد کہتے ہیں- جب یہ لفظ انسانی افعال کے لیے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی راہ حق سے ہٹ جانے کے ہوتے ہیں- کیونکہ وسط حق ہے اور جو اس سے منحرف ہو باطل ہے- الحد فلان- ای مال عن الحق- پس یہاں الحاد فی الاسماء کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفات کے بارے میں جو راہ حق ہے اس سے منحرف ہو جانا- امام راغب اصفہانیؒ نے اس کی تشریح حسب ذیل لفظوں میں کی ہے: ''ان یوصف بما لا یصح وصفه به او ان یتاول اوصافه علی مالا یلیق به (مفردات ۴۶۴) یعنی خدا کے لیے کوئی ایسا وصف قرار دینا جو اس کا وصف نہیں ہونا چاہیے یا اس کی صفتوں کا ایسا مطلب ٹھہرانا جو اس کی شان کے لائق نہیں-۱۲

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں باوجودیکہ تمام مذاہب قبل از قرآن میں عقیدۂ توحید کی تعلیم موجود تھی لیکن کسی نہ کسی صورت میں شخصیت پرستی، عظمت پرستی، اور اصنام پرستی نمودار ہوتی رہی اور رہنمایان مذاہب اس کا دروازہ بند نہ کر سکے۔ ہندوستان میں تو غالباً اول روز ہی سے یہ بات تسلیم کر لی گئی تھی کہ عوام کی تشفی کے لیے دیوتاؤں اور انسانی عظمتوں کی پرستاری ناگریز ہے اور اس لیے توحید کا مقام صرف خواص کے لیے مخصوص ہونا چاہیے۔ فلاسفہ یونان کا بھی یہی خیال تھا۔ یقیناً وہ اس بات سے بے خبر نہ تھے کہ کوہ ایلمپس کے دیوتاؤں کی کوئی اصلیت نہیں، تاہم سقراط کے علاوہ کسی نے بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ عوام کے اصنامی عقائد میں خلل انداز ہو۔ وہ کہتے تھے اگر دیوتاؤں کی پرستش کا نظام قائم نہ رہا تو عوام کی مذہبی زندگی درہم برہم ہو جائے گی۔ فیثا غورس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ جب اس نے اپنا مشہور حسابی قاعدہ معلوم کیا تھا تو اس کے شکرانے میں سو بچھڑوں کی قربانی دیوتاؤں کے نذر کی تھی۔

اس بارے میں سب سے زیادہ نازک معاملہ معلم و رہنما کی شخصیت کا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی تعلیم عظمت و رفعت حاصل نہیں کر سکتی جب تک معلم کی شخصیت میں بھی عظمت کی شان پیدا نہ ہو جائے۔ لیکن شخصیت کی عظمت کے حدود کیا ہیں؟ یہیں آ کر سب کے قدموں نے ٹھوکر کھائی۔ وہ اس کی ٹھیک ٹھیک حد بندی نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کبھی شخصیت کو خدا کا اوتار بنا دیا، کبھی ابن اللہ سمجھ لیا، کبھی شریک و سہیم ٹھہرا دیا اور اگر یہ نہیں کیا تو کم از کم اس کی تعظیم میں بندگی و نیاز کی سی شان پیدا کر دی۔ یہودیوں نے اپنے ابتدائی عہد کی گمراہیوں کے بعد کبھی ایسا نہیں کیا کہ پتھر کے بت تراش کر ان کی پوجا کی ہو۔ لیکن اس بات سے وہ بھی نہ بچ سکے کہ اپنے نبیوں کی قبروں پر ہیکل تعمیر کر کے انہیں عبادت گاہوں کی سی شان و تقدیس دے دیتے تھے۔ گوتم بدھ کی نسبت معلوم ہے کہ اس کی تعلیم میں اصنام پرستی کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ اس کی آخری وصیت جو ہم تک پہنچی ہے یہ ہے ''ایسا نہ کرنا کہ میری نعش کی راکھ کی پوجا شروع کر دو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یقین کرو نجات کی راہ تم پر بند ہو جائے گی[1]'' لیکن اس وصیت پر جیسا کچھ عمل کیا گیا، وہ دنیا کے سامنے ہے۔ نہ صرف بدھ کی خاک اور یادگاروں پر معبد تعمیر کیے گئے۔ بلکہ مذہب کی اشاعت کا ذریعہ ہی یہ سمجھا گیا کہ اس کے مجسموں سے زمین کا کوئی گوشہ خالی نہ رہے۔ یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں کسی معبود کے بھی اتنے مجسّمے نہیں بنائے گئے جتنے گوتم بدھ کے بنائے گئے ہیں۔ اسی طرح ہمیں معلوم ہے کہ مسیحیت کی حقیقی تعلیم سرتاسر توحید کی تعلیم تھی لیکن ابھی اس کے ظہور پر پورے سو برس بھی نہیں گزرے تھے کہ الوہیت مسیح کا عقیدہ نشو و نما پا چکا تھا۔

توحید فی الصفات:

لیکن قرآن نے توحید فی الصفات کا ایسا کامل نقشہ کھینچ دیا کہ اس طرح کی لغزشوں کے تمام دروازے بند ہو گئے۔ اس نے صرف توحید ہی پر زور نہیں دیا بلکہ شرک کی بھی راہیں بند کر دیں اور یہی اس باب میں اس کی خصوصیت ہے۔

وہ کہتا ہے ہر طرح کی عبادت اور نیاز کی مستحق صرف خدا ہی کی ذات ہے۔ پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا تو توحید الٰہی کا اعتقاد باقی نہ رہا۔ وہ کہتا ہے یہ اسی کی ذات ہے جو انسانوں کی پکار

---

[1] آرلی بودھ ازم ۱۲

سنتی اوران کی دعائیں قبول کرتی ہے- پس اگر تم نے اپنی دعاؤں اور طلبگاریوں میں کسی دوسری ہستی کو بھی شریک کرلیا تو گویا تم نے اسے خدا کی خدائی میں شریک کرلیا- وہ کہتا ہے کہ دعا' استعانت' رکوع وسجود' عجز ونیاز' اعتماد وتوکل' اوراس طرح کے تمام عبادت گزارانہ اور نیازمندانہ اعمال وہ اعمال ہیں جو خدا اوراس کے بندوں کا باہمی رشتہ قائم کرتے ہیں- پس اگران اعمال میں تم نے کسی دوسری ہستی کو بھی شریک کرلیا تو خدا کے رشتۂ معبودیت کی یگانگی باقی نہ رہی- اسی طرح عظمتوں' کبریائیوں' کارسازیوں اور بے نیازیوں کا جو اعتقاد تمہارے اندر خدا کی ہستی کا تصور پیدا کرتا ہے وہ صرف خدا ہی کے لیے مخصوص ہونا چاہیے- اگر تم نے ویسا ہی اعتقاد کسی دوسری ہستی کے لیے بھی پیدا کرلیا تو تم نے اسے خدا کا ند یعنی شریک ٹھہرالیا اور توحید کا اعتقاد درہم برہم ہوگیا!

یہی وجہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں ﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ کی تلقین کی گئی- اس میں اول تو عبادت کے ساتھ استعانت کا بھی ذکر کیا گیا پھر دونوں جگہ مفعول کو مقدم کیا جو مفید حصر ہے- یعنی ''صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں-'' اس کے علاوہ تمام قرآن میں اس کثرت کے ساتھ توحید فی الصفات اور رد اشراک پر زور دیا گیا ہے کہ شاید ہی کوئی سورت بلکہ کوئی صفحہ اس سے خالی ہو-

مقام نبوت کی حد بندی:

سب سے زیادہ اہم مسئلہ مقام نبوت کی حد بندی کا تھا- یعنی معلم کی شخصیت کو اس کی اصلی جگہ میں محدود کردینا تاکہ شخصیت پرستی کا ہمیشہ کے لیے سد باب ہوجائے- اس بارے میں قرآن نے جس طرح صاف اور قطعی لفظوں میں جا بجا پیغمبر اسلامؐ کی بشریت اور بندگی پر زور دیا ہے محتاج بیان نہیں- ہم یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلائیں گے- اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا ہے وہ سب کو معلوم ہے: ((اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)) یعنی ''میں اقرار کرتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کا بندہ اوراس کا رسول ہے'' اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے ٹھیک اسی طرح پیغمبر اسلامؐ کی بندگی اور درجہ رسالت کا بھی اعتراف ہے- غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ صرف اس لیے کہ پیغمبر اسلامؐ کی بندگی اور درجہ رسالت کا اعتقاد اسلام کی اصل واساس بن جائے اوراس کا کوئی موقع ہی باقی نہ رہے کہ عبدیت کی جگہ معبودیت کا اور رسالت کی جگہ اوتار کا تخیل پیدا ہو- ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اس معاملہ کا تحفظ کیا کیا جاسکتا تھا؟ کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلامؐ کی بندگی کا بھی اقرار نہ کرلے!

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں' پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں میں بہت سے اختلافات پیدا ہوئے لیکن ان کی شخصیت کے بارے میں کبھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوا- ابھی ان کی وفات پر چند گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر اعلان کردیا تھا:

((مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ یَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ

اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ!)) (بخاری شریف)

جو کوئی تم میں محمد (ﷺ) کی پرستش کرتا تھا - سوا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمدؐ نے وفات پائی - اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کی ذات ہمیشہ زندہ ہے اس کے لیے موت نہیں -''

(۴) عوام اور خواص دونوں کے لیے ایک تصور:

رابعاً: قرآن سے پہلے علوم وفنون کی طرح مذہبی عقائد میں بھی خاص و عام کا امتیاز ملحوظ رکھا جاتا تھا اور خیال کیا جاتا تھا کہ خدا کا ایک تصور تو حقیقی ہے اور خواص کے لیے ہے - ایک تصور مجازی ہے اور عوام کے لیے ہے - چنانچہ ہندوستان میں خداشناسی کے تین درجے قرار دیے گئے:

عوام کے لیے دیوتاؤں کی پرستش' خواص کے لیے براہ راست خدا کی پرستش اور اخص الخواص کے لیے وحدۃ الوجود کا مشاہدہ - یہی حال فلاسفۂ یونان کا تھا - وہ خیال کرتے تھے کہ ایک غیر مرئی اور غیر مجسم خدا کا تصور صرف اہل علم و حکمت ہی کر سکتے ہیں - عوام کے لیے اسی میں امن ہے کہ دیوتاؤں کی پرستاری میں مشغول رہیں -

لیکن قرآن نے حقیقت و مجاز یا خاص و عام کا کوئی امتیاز باقی نہ رکھا - اس نے سب کو خدا پرستی کی ایک ہی راہ دکھائی اور سب کے لیے صفات الٰہی کا ایک ہی تصور پیش کر دیا - وہ حکما و عرفا سے لے کر جہال و عوام تک سب کو حقیقت کا ایک ہی جلوہ دکھاتا ہے اور سب پر اعتقاد و ایمان کا ایک ہی دروازہ کھولتا ہے - اس کا تصور جس طرح ایک حکیم و عارف کے لیے سرمایہ تفکر ہے اسی طرح ایک چرواہے اور دہقان کے لیے سرمایۂ تسکین!

اس سلسلہ میں معاملہ کا ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے - ہندوستان میں خواص اور عوام کے خدا پرستانہ تصوروں میں جو فرق مراتب ملحوظ رکھا گیا وہ معاملہ کو اس رنگ میں بھی نمایاں کرتا ہے کہ یہاں کا مذہبی نقطۂ خیال ابتدا سے فکر و عمل کی رواداری پر مبنی رہا ہے - یعنی کسی دائرۂ فکر کو بھی اتنا تنگ اور بے لچک نہیں رکھا گیا کہ کسی دوسرے دائرہ کی اس میں گنجائش ہی نہ نکل سکے - یہاں خواص توحید کی راہ پر گامزن ہوئے لیکن عوام کے لیے دیوتاؤں کی پرستش اور مورتیوں کی معبودیت کی راہیں بھی کھلی چھوڑ دی گئیں - گویا ہر عقیدہ کو جگہ دی گئی' ہر عمل کے لیے گنجائش نکالی گئی اور ہر طور طریقہ کو آزادانہ نشو و نما کا موقع مل گیا - مذہبی اختلاف جو دوسری قوموں میں باہمی جنگ و جدال کا ذریعہ رہا ہے یہاں آپس کے سمجھوتوں کا ذریعہ بنا اور ہمیشہ متعارض اصول باہم دگر ٹکرانے کی جگہ ایک دوسرے کے لیے جگہیں نکالتے رہے - تخالف کی حالت میں تفاہم اور تعارض کی حالت میں تطابق گویا یہاں کے ذہنی مزاج کی عام خصوصیت تھی - ایک ویدانتی جانتا ہے کہ اصل حقیقت اشراک اور بت پرستی کے عقائد سے بالاتر ہے تاہم یہ جاننے پر بھی وہ بت پرستی کا منکر و مخالف نہیں ہو جاتا - کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ پس ماندگان راہ کے لیے یہ بھی ایک ابتدائی منزل ہوئی اور راہرو کوئی راہ اختیار کرے مگر مقصود اصلی ہر حال میں سب کا ایک ہی ہے:

خواہ از طریق میکدہ خواہ از رہ حرم ۔۔۔ از ہر جہت کہ شاد شوی فتح باب گیر!

چنانچہ چند سال ہوئے پروفیسر سی-ای-ام جوڈ (Joad) نے ہندوستان کے تاریخی خصائص پر نظر ڈالتے ہوئے اس خصوصیت کو سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی تھی اور اس سے پہلے دوسرے اہل قلم بھی اس پہلو پر زور دے چکے ہیں- ہمیں چاہیے معاملے کے اس پہلو پر بھی ایک نظر ڈال لیں-

بلاشبہ فکر و عمل کی اس رواداری سوچ کا جو ہندوستان کی تاریخ میں برابر ابھرتی رہی ہے ہمیں اعتراف کرنا چاہیے لیکن معاملہ صرف اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا - زندگی کے حقائق کے تقاضوں کا یہاں کچھ عجیب حال ہے- یہاں ہم کسی ایک گوشے ہی کے ہو کر نہیں رہ جاسکتے - دوسرے گوشوں کی بھی خبر رکھنی پڑتی ہے اور فکر و عمل کی ہر راہ اتنی دور تک چلی گئی ہے کہ کہیں نہ کہیں جا کر حد بندی کی لکیریں کھینچنی پڑتی ہیں- اگر ایسا نہ کریں تو علم و اخلاق کے تمام احکام متزلزل ہو جائیں اور اخلاقی اقدار کی کوئی مستقل حیثیت باقی نہ رہے- رواداری یقیناً ایک خوبی کی بات ہے لیکن ساتھ ہی عقیدہ کی مضبوطی، رائے کی پختگی، اور فکر کی استقامت کی خوبیوں سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا - پس یہاں کوئی نہ کوئی حد بندی کا خط ضرور ہونا چاہیے جو ان تمام خوبیوں کو اپنی اپنی جگہ قائم رکھے- اخلاق کے تمام احکام انہی حد بندیوں کے خطوط سے بنتے اور ابھرتے ہیں- جونہی یہ ملنے لگتے ہیں اخلاق کی پوری دیوار ہل جاتی ہے- عفوو درگزر بڑی ہی حسن و خوبی کی بات ہے لیکن یہی عفوو درگزر جب اپنی حد بندی کے خط سے آگے بڑھ جاتا ہے تو عفوو درگزر نہیں رہتا اسے بزدلی اور بے ہمتی کے نام سے پکارنے لگتے ہیں- شجاعت انسانی سیرت کا سب سے بڑا وصف ہے لیکن یہی وصف جب اپنی حد سے گزر جائے گا تو نہ صرف اس کا حکم ہی بدل جائے گا بلکہ صورت بھی بدل جائے گی- اب اسے دیکھیے تو وہ شجاعت نہیں ہے- قہر و غضب اور ظلم و تشدد ہو گیا!

دو حالتیں ہیں اور دونوں کا حکم ایک نہیں ہوسکتا - ایک حالت یہ ہے کہ کسی خاص اعتقاد اور عمل کی روشنی ہمارے سامنے آ گئی ہے اور ہم ایک خاص نتیجہ تک پہنچ گئے ہیں- اب اس کی نسبت ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟ ہم اس پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہیں یا متزلزل رہیں؟ دوسری حالت یہ ہے کہ جس طرح ہم کسی خاص نتیجے تک پہنچے ہیں اسی طرح ایک دوسرا شخص بھی ایک دوسرے نتیجے تک پہنچ گیا ہے اور یہاں فکر و عمل کی ایک ہی راہ سب کے آگے نہیں کھلتی - اب ہمارا طرز عمل اس شخص کی نسبت کیا ہونا چاہیے؟ ہماری طرح اسے بھی اپنی راہ چلنے کا حق ہے یا نہیں؟ رواداری کا صحیح محل دوسری حالت ہے- پہلی نہیں ہے- اگر پہلی حالت میں وہ آئے گی تو یہ رواداری نہ ہوگی - اعتقاد کی کمزوری اور یقین کا فقدان ہوگا -

رواداری یہ ہے کہ اپنے حق اعتقاد و عمل کے ساتھ دوسرے کے حق اعتقاد و عمل کا بھی اعتراف کیجیے اور اگر دوسرے کی راہ آپ کو صریح غلط دکھائی دے رہی ہے جب بھی اس کے اس حق سے انکار نہ کیجیے کہ وہ اپنی غلط راہ پر بھی چل سکتا ہے- لیکن اگر رواداری کے حدود یہاں تک بڑھا دیے گئے کہ وہ آپ کے عقیدوں میں بھی مداخلت کرسکتی ہے اور آپ کے فیصلوں کو بھی نرم کرسکتی ہے تو پھر یہ روادری نہ ہوئی استقامت فکر کی نفی ہوگئی -

مفاہمت زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے او ہماری زندگی ہی سرتاسر مفاہمت ہے- لیکن ہر راہ کی طرح یہاں بھی حد بندی کی کوئی لکیر کھینچنی پڑے گی اور جس حد پر بھی جا کر لکیر کھینچی گئی معاً عقیدہ پیدا ہو گیا - اب جب تک عقیدہ کی تبدیلی کی کوئی روشنی

سامنے نہیں آتی آپ مجبور ہیں کہ اس پر جمے رہیں اور اس میں کاٹ چھانٹ نہ کریں- آپ دوسروں کے عقائد کا احترام ضرور کریں گے لیکن اپنے عقیدہ کو بھی کمزوری کے حوالہ نہیں ہونے دیں گے-

کتنی ہی مصیبتیں ہیں جو اعتقاد اور عمل کے تمام گوشوں میں اسی دروازہ سے آئیں کہ ان دو مختلف حالتوں کا امتیازی خط اپنی جگہ سے ہل گیا- اگر اعتقاد کی مضبوطی آئی تو اتنی دور تک چلی گئی کہ رواداری کے تمام تقاضے بھلا دیے گئے اور دوسروں کے اعتقاد و عمل میں جبراً مداخلت کی جانے لگی- اگر رواداری آئی تو اس بے اعتدالی کے ساتھ آئی کہ استقامت فکر و رائے کے لیے کوئی جگہ نہ رہی' ہر عقیدہ لچک گیا ہر یقین ہلنے لگا- پہلی بے اعتدالی کی مثالیں ہمیں ان مذہبی تنگ نظریوں اور سخت گیریوں میں ملتی ہیں جن کی خونچکاں داستانوں سے تاریخ کے اوراق رنگین ہو چکے ہیں- دوسری بے اعتدالی کے نتائج کی مثال ہمیں ہندوستان کی تاریخ مہیا کر دیتی ہے- یہاں فکر و عقیدہ کی کوئی بلندی بھی وہم و جہالت کی گراوٹ سے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکی اور علم و عقل اور وہم و جہل میں ہمیشہ سمجھوتوں کا سلسلہ جاری رہا- ان سمجھوتوں نے ہندوستانی دماغ کی شکل و صورت بگاڑ دی- اس کی فکری ترقیوں کا تمام حسن اصنامی عقیدوں اور وہم پرستیوں کے گرد و غبار میں چھپ گیا-

زمانۂ حال کے مؤرخوں نے اس صورت حال کا اعتراف کیا ہے- ہمارے زمانے کا ایک قابل ہندو مصنف اس عہد کی فکری حالت پر نظر ڈالتے ہوئے جب آریائی تصورات ہندوستان کے مقامی مذاہب سے مخلوط ہونے لگے تھے تسلیم کرتا ہے کہ "ہندو مذہب کی مخلوط نوعیت کی توضیح ہمیں اس صورت حال میں مل جاتی ہے- صحرا نورد قبائل کے وحشیانہ توہمات سے لے کر اونچے سے اونچے درجہ کے تہہ رس غور و خوض تک ہر درجہ اور ہر دائرۂ فکر کے خیالات یہاں باہم دگر ملتے اور مخلوط ہوتے رہے- آریائی مذہب اول روز سے کشادہ دل' خود رو اور روادار تھا- وہ جب کبھی کسی نئے مؤثر سے دوچار ہوا تو خود سمٹتا گیا اور جگہیں نکالتا رہا- اس کی اس مزاجی حالت میں ہم ایک سچے انکسار طبع اور ہمدردانہ مفاہمت کا شائستہ رجحان محسوس کرتے ہیں- ہندو دماغ اس کے لیے تیار نہیں ہوا کہ نچلے درجہ کے مذہبوں کو نظر انداز کر دے یا لڑ کر ان کی ہستی مٹا دے- اس کے اندر ایک مذہبی مجنون کا غرور نہیں تھا کہ صرف اسی کا مذہب سچا مذہب ہے- اگر انسانوں کے ایک گروہ کو کسی ایک معبود کی پرستش اس کے طور طریقے پر تسکین قلب مہیا کر دیتی ہے تو تسلیم کر لینا چاہیے کہ یہ بھی سچائی کی ایک راہ ہے- مکمل سچائی پر کوئی بیک دفعہ قابض نہیں ہو سکتا- وہ صرف بتدریج اور بہ تفریق ہی حاصل کی جا سکتی ہے اور یہاں ابتدائی اور عارضی درجوں کو بھی ان کی ایک جگہ دینی پڑتی ہے- ہندو دماغ نے رواداری اور باہمی مفاہمتوں کی یہ راہ اختیار کر لی لیکن وہ یہ بات بھول گیا کہ بعض حالات ایسے بھی ہوتے ہیں جب رواداری کی جگہ ناروا داری ایک فضیلت کا حکم پیدا کر لیتی ہے اور مذہبی معاملات میں بھی گریشم[1] (Gresham) کے قانون کی طرح کا ایک قانون کام کرتا رہتا ہے جب آریائی اور غیر آریائی مذاہب باہم دگر ملے- ایک شائستہ' دوسرا ناشائستہ- ایک اچھی قسم کا' دوسرا نکما- تو غیر شائستہ اور نکمے اجزا میں قدرتی طور پر یہ میلان پیدا ہو گیا

---

[1] گریشم کے قانون سے مقصود اقتصادیات کی یہ اصل ہے کہ اگر کھرے سکوں کے ساتھ کھوٹے سکے ملا دیے جائیں گے تو کھرے سکوں کی قیمت باقی نہیں رہے گی-

کہ شائستہ اور اچھے اجزا کو دبا کر معطل کر دے،'' [۱]

بہر حال قرآن کے تصورِ الٰہی کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے کسی طرح کی اعتقادی مفاہمت اس بارے میں جائز نہیں رکھی- وہ اپنے توحید اور تنزیہی تصور میں سرتاسر بے میل اور بے لچک رہا- اس کی یہ مضبوط جگہ کسی طرح بھی ہمیں روادارانہ طرزِ عمل سے روکنا نہیں چاہتی- البتہ اعتقادی مفاہمتوں کے تمام دروازے بند کر دیتی ہے-

خامساً: قرآن نے تصورِ الٰہی کی بنیاد انسان کے عالمگیر وجدانی احساس پر رکھی ہے- یہ نہیں کیا ہے کہ اسے نظر و فکر کی کاوشوں کا ایک ایسا معمہ بنا دیا ہو جسے کسی خاص طبقہ کا ذہن ہی حل کر سکے- انسان کا عالمگیر وجدانی احساس کیا ہے؟ یہ ہے کہ کائنات ہستی خود بخود پیدا نہیں ہوگئی ہے اور اس لیے ضروری ہے کہ ایک صانع ہستی موجود ہو- پس قرآن بھی اس بارے میں عام طور پر جو کچھ بتلاتا ہے وہ اتنا ہی ہے اس سے زیادہ جو کچھ ہے وہ مذہبی عقیدہ کا معاملہ نہیں ہے- انفرادی اور ذاتی تجربہ واحوال کا معاملہ ہے- اس لیے وہ اس کا بوجھ جماعت کے افکار پر نہیں ڈالتا- اسے اصحابِ جہد وطلب کے لیے چھوڑ دیتا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (۶۹:۲۹)

''اور جو لوگ ہم تک پہنچنے کے لیے کوشش کریں گے تو ہم بھی ضرور ان پر راہ کھول دیں گے اور اللہ نیک کرداروں سے الگ کب ہے؟ وہ تو ان کے ساتھ ہے!''

﴿ وَفِي الْاَرْضِ اٰيَاتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴾ (۵۱: ۲۱-۲۰)

''اور ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں زمین میں کتنی ہی حقیقت کی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اندر بھی، پھر کیا تم دیکھتے نہیں؟''

سادساً: اسی مقام سے وہ فرق مراتب بھی نمایاں ہو جاتا ہے جو اسلام نے بالکل ایک دوسری شکل و نوعیت میں عوام و خواص کا ملحوظ رکھا ہے- ہندو مفکروں نے عوام اور خواص میں الگ الگ تصور اور عقیدے تقسیم کیے- اسلام نے تصور اور عقیدے کے اعتبار سے کوئی امتیاز جائز نہیں رکھا- وہ حقیقت کا ایک ہی عقیدہ ہر انسانی دل و دماغ کے آگے پیش کرتا ہے- لیکن یہ ظاہر ہے کہ طلب و جہد کے لحاظ سے سب کے مراتب یکساں نہیں ہو سکتے' اور یہاں ایک ہی درجہ کی پیاس لے کر ہر طالبِ حقیقت نہیں آتا- عامۃ الناس بحیثیت جماعت کے اپنا ایک خاص مزاج اور اپنی خاص احتیاج رکھتے ہیں- خاص افراد بحیثیت فرد کے اپنی طلب و استعداد کا الگ الگ درجہ و مقام رکھتے ہیں- پس اس نے جس امتیاز سے پہلی صورت میں انکار کر دیا تھا اس سے دوسری صورت میں انکار نہیں کیا اور مختلف مدارج طلب کے لیے عرفان و یقین کی مختلف راہیں کھلی چھوڑ دیں-

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک متفق علیہ روایت میں جو حدیث جبریلؑ کے نام سے مشہور ہے' نہایت جامع و مانع لفظوں میں یہ فرق مراتب واضح کر دیا گیا ہے- یہ حدیث تین مرتبوں کا ذکر کرتی ہے: اسلام' ایمان اور احسان- اسلام یہ ہے کہ اسلامی عقیدے کا اقرار کرنا اور عمل کے چاروں رکن یعنی نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ انجام دینا- ایمان یہ ہے کہ اقرار کے مرتبہ سے

---

[۱] پروفیسر اس رادھا کرشنان- انڈین فلاسفی- جلد اول صفحہ ۱۱۹- طبع ثانی-

آگے بڑھنا اور اسلام کے بنیادی عقائد کے حق الیقین کا مرتبہ حاصل کرنا - احسان یہ ہے کہ:

((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ)) (صحیحین)

''تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا اسے اپنے سامنے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

پس گویا عرفان حقیقت کے لحاظ سے یہاں تین مرتبے ہوئے - پہلا مرتبہ اسلامی دائرہ کے عام اعتقاد وعمل کا ہے- یہ اسلام ہے- یعنی جس نے اسلامی عقیدہ کا اقرار کر لیا اور اس کے اعمال کی زندگی اختیار کر لی وہ اس دائرہ میں آ گیا- لیکن دائرہ میں داخل ہو جانے سے یہ لازم نہیں آ جاتا کہ علم ویقین کے جو مقامات ہیں وہ بھی ہر وارد و داخل کو حاصل ہو گئے- پس اب دوسرا مرتبہ نمایاں ہوا جسے ایمان سے تعبیر کیا ہے- اسلام ظاہر کا اقرار وعمل تھا- ایمان دل و دماغ کا یقین واذعان ہے- یہ مرتبہ جس نے حاصل کر لیا وہ عوام سے نکل کر خواص کے زمرہ میں داخل ہو گیا- لیکن معاملہ اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا- عرفان حقیقت اور عین الیقینی ایقان کا ایک اور مرتبہ ابھی باقی رہ جاتا ہے- اسے احسان سے تعبیر کیا گیا- لیکن یہ مقام محض اعتقاد اور یقین پیدا کر لینے کا نہیں ہے جو ایک گروہ کو بحیثیت گروہ کے حاصل ہو سکتا ہے- یہ ذاتی تجربہ کا مقام ہے- جو یہاں تک پہنچتا ہے وہ اپنے ذاتی تجربہ وکشف سے یہ درجہ حاصل کر لیتا ہے- تعلیمی اور احکامی عقائد کو اس میں دخل نہیں- بحث ونظر کی اس میں گنجائش نہیں- یہ خود کرنے اور پانے کا معاملہ ہے- بتلانے اور سمجھانے کا معاملہ نہیں- جو یہاں تک پہنچ گیا وہ اگر کچھ بتلائے گا بھی تو یہی بتلائے گا کہ میری طرح بن جاؤ- پھر جو کچھ دکھائی دیتا ہے دیکھ لو:

پرسید یکے کہ عاشقی چیست؟
گفتم کہ چو من شوی بدانی

اسلام نے اس طرح طلب وجہد کی پیاس کے لیے درجہ بدرجہ سیرابی کا سامان کر دیا- عوام کے لیے پہلا مرتبہ کافی ہے- خواص کے لیے دوسرا مرتبہ ضروری ہے اور اخص الخواص کی پیاس بغیر تیسرے جام کے تسکین پانے والی نہیں- اس کے تصور الٰہی اور عقیدہ کا میخانہ ایک ہے لیکن جام الگ الگ ہوئے- ہر طالب کے حصے میں اس کے ظرف کے مطابق ایک جام آ جاتا ہے اور اس کی سرشاری کی کیفیتیں مہیا کر دیتا ہے- ولله در ما قال:

ساقی بہ ہمہ بادہ ز یک خم دہد اما
در مجلس او مستی ہر کس ز شرابے ست!

یہاں یہ امر بھی واضح کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ قرآن کی متعدد تصریحات ہیں جنہیں اگر وحدۃ الوجودی تصور کی طرف لے جایا جائے تو بلا تکلف دور تک جا سکتی ہیں- مثلاً ''هو الاول والاخر والظاهر والباطن اور'' اینما تولوا فثم وجه الله'' اور ''ونحن اقرب اليه من حبل الوريد'' اور '' كل يوم هو في شان'' یا تمام اس طرح کی تصریحات جن میں تمام موجودات کا بالآخر اللہ کی طرف لوٹنا بیان کیا گیا ہے- توحید وجودی کے قائل ان تمام آیات سے مسئلہ وحدۃ الوجود پر

استدلال کرتے ہیں اور شاہ ولی اللہ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ''اگر میں مسئلہ وحدۃ الوجود کو ثابت کرنا چاہوں تو قرآن و حدیث کے تمام نصوص وظواہر سے اس کا اثبات کر سکتا ہوں'' لیکن صاف بات جو اس بارے میں معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ ان تمام تصریحات کو ان کے قریبی محامل سے دور نہیں لے جانا چاہیے اور ان معانی سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے جو صدر اول کے مخاطبوں نے سمجھے تھے- باقی رہا حقیقت کے کشف وعرفان کا وہ مقام جو عرفائے طریق کو پیش آتا ہے- تو وہ کسی طرح بھی قرآن کے تصورِ الٰہی کے عقیدے کے خلاف نہیں- اس کا تصور ایک جامع تصور ہے اور ہر توحیدی تصور کی اس میں گنجائش موجود ہے- جو افرادِ خاصہ مقامِ احسان تک رسائی حاصل کرتے ہیں وہ حقیقت کو اس کی پس پردہ جلوہ طرازیوں میں بھی دیکھ لیتے ہیں اور عرفان کا وہ منتہیٰ مرتبہ جو فکر انسانی کی دسترس میں ہے انہیں حاصل ہو جاتا ہے- ومن لم یذق' لم یدر:

تو نظر باز نہٖ ورنہ تغافل نگہ ست
تو زبان فہم نہٖ ورنہ خموشی سخن ست!

سابعاً: جس ترتیب کے ساتھ سورۂ فاتحہ میں یہ تینوں صفتیں بیان کی گئی ہیں دراصل فکر انسانی کی طلب ومعرفت کی قدرتی منزلیں ہیں اور اگر غور کیا جائے تو اسی ترتیب سے پیش آتی ہیں- سب سے پہلے ربوبیت کا ذکر کیا گیا- کیونکہ کائنات ہستی میں سب سے زیادہ ظاہر نمود اسی صفت کی ہے اور ہر وجود کو سب سے زیادہ اسی کی احتیاج ہے- ربوبیت کے بعد رحمت کا ذکر کیا گیا کیونکہ اس کی حقیقت بمقابلۂ ربوبیت کے مطالعہ وتفکر کی محتاج تھی اور ربوبیت کے مشاہدات سے جب نظر آگے بڑھتی ہے تب رحمت کا جلوہ نمودار ہوتا ہے- پھر رحمت کے بعد عدالت کی صفت جلوہ افروز ہوئی کیونکہ یہ سفر کی آخری منزل ہے- رحمت کے مشاہدات کی منزل سے جب قدم آگے بڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے یہاں عدالت کی نمود بھی ہر جگہ موجود ہے اور اس لیے موجود ہے کہ ربوبیت اور رحمت کا مقتضا یہی ہے-

☆☆☆

﴿۲﴾

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ

ہدایت

ہدایت کے معنی رہنمائی کرنے' راہ دکھانے اور راہ پر لگا دینے کے ہیں- اجمالاً اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے- یہاں ہم چاہتے ہیں کہ ہدایت کے مختلف مراتب و اقسام پر نظر ڈالیں جن کا قرآن حکیم نے ذکر کیا ہے اور جن میں سے ایک خاص مرتبہ وحی و نبوت کی ہدایت کا ہے-

تکوین وجود کے مراتب اربعہ:

تم ابھی پڑھ چکے ہو کہ خدا کی ربوبیت نے جس طرح مخلوقات کو ان کے مناسب حال جسم و قویٰ دیے ہیں اسی طرح ان کی ہدایت کا فطری سامان بھی مہیا کر دیا ہے- فطرت کی یہی ہدایت ہے جو ہر وجود کو زندگی و معیشت کی راہ پر لگاتی اور ضروریات زندگی کی جستجو میں رہنما ہوتی ہے- اگر فطرت کی یہ ہدایت موجود نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ کوئی مخلوق بھی زندگی و بقا کا سامان بہم پہنچا سکتی- چنانچہ قرآن نے جا بجا اس حقیقت پر توجہ دلائی ہے- وہ کہتا ہے ہر وجود کے بننے اور درجہ تکمیل تک پہنچنے کے مختلف مراتب ہیں اور ان میں آخری مرتبہ ہدایت کا مرتبہ ہے- سورۂ اعلیٰ میں بالترتیب چار مرتبوں کا ذکر کیا ہے:

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰیO وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰیO ﴾ (۸۷: ۲-۳)

''وہ پروردگار جس نے ہر چیز پیدا کی' پھر اسے درست کیا' پھر ایک اندازہ ٹھہرادیا' پھر اس پر راہ (عمل) کھول دی!''

یعنی تکوین وجود کے چار مرتبے ہوئے: تخلیق' تسویہ' تقدیر اور ہدایت-

تخلیق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں- یہ بات کہ کائنات خلقت اور اس کے ہر وجود کا مواد عدم سے وجود میں آ گیا تخلیق ہے-

تسویہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز کو جس طرح ہونا چاہیے ٹھیک ٹھیک اسی طرح درست اور آراستہ کر دینا-

تقدیر کے معنی اندازہ ٹھہرا دینے کے ہیں- اور اس کی تشریح اوپر گزر چکی ہے-

ہدایت سے مقصود یہ ہے کہ ہر وجود پر اس کی زندگی و معیشت کی راہ کھول دی جائے اور اس کی تشریح بھی ربوبیت کے مبحث میں گزر چکی ہے-

مثلاً مخلوقات میں ایک خاص قسم پرند کی ہے-

1. یہ بات کہ ان کا مادۂ خلقت ظہور میں آ گیا تخلیق ہے-
2. یہ بات کہ ان کے تمام ظاہری و باطنی قویٰ اس طرح بنا دیے گئے کہ ٹھیک ٹھیک قوام و اعتدال کی حالت پیدا ہو گئی تسویہ ہے-
3. یہ بات کہ ان کے ظاہری و باطنی قویٰ کے اعمال کے لیے ایک خاص طرح کا اندازہ ٹھہرا دیا گیا ہے جس سے وہ باہر نہیں جا سکتے تقدیر ہے- مثلاً یہ کہ ہوا میں اڑیں گے- مچھلیوں کی طرح پانی میں تیریں گے نہیں-
4. یہ بات کہ ان کے اندر وجدان و حواس کی روشنی پیدا ہو گئی جو انہیں زندگی و بقا کی راہیں دکھاتی اور سامان حیات کے طلب و حصول میں رہنمائی کرتی ہے ہدایت ہے-

قرآن کہتا ہے خدا کی ربوبیت کا مقتضا یہی تھا کہ جس طرح اس نے ہر وجود کو اس کا جامۂ ہستی عطا فرمایا اور اس کے ظاہری و باطنی قویٰ درست کر دیے اور اس کے اعمال کے لیے ایک مناسب حال اندازہ ٹھہرا دیا اسی طرح اس کی ہدایت کا بھی سر و سامان کر دیا:

﴿ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۝ ﴾ (۲۰ : ۵۰)

''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ دی پھر اس پر راہ عمل کھول دی!''

قرآن نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی قوم کا جو مکالمہ جا بجا نقل کیا ہے اس میں حضرت ابراہیمؑ اپنے عقیدہ کا اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ۝ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ۝ ﴾

(۴۳ : ۲۶-۲۷)

''اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم سے کہا تھا: تم جن (دیوتاؤں) کی پرستش کرتے ہو مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں- میرا اگر رشتہ ہے تو اس ذات سے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہنمائی کرے گی-''

﴿ اَلَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴾ یعنی جس خالق نے مجھے جسم و وجود عطا فرمایا ہے ضروری ہے کہ اس نے میری ہدایت کا بھی سامان کر دیا ہو- سورۂ شعراء میں یہی بات زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے:

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝ ﴾ (۲۶: ۷۸-۷۹-۸۰)

''جس پروردگار نے مجھے پیدا کیا ہے وہی میری ہدایت کرے گا اور پھر وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو شفا بخشتا ہے!''

یعنی جس پروردگار کی پروردگاری نے میری تمام ضروریات زندگی کا سامان کر دیا ہے جو مجھے بھوک کے لیے غذا' پیاس کے لیے پانی اور بیماری میں شفا عطا فرماتا ہے کیونکر ممکن ہے کہ اس نے مجھے پیدا تو کر دیا ہو لیکن میری ہدایت کا سامان نہ کیا ہو؟ اگر اس نے مجھے پیدا کیا ہے تو یقیناً وہی ہے جو طلب و سعی میں میری رہنمائی بھی کرے- سورۂ صافات میں یہی مطلب ان لفظوں میں ادا کیا گیا ہے:

﴿ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝ ﴾ (۳۷: ۹۹)

''میں (ہر طرف سے کٹ کر) اپنے پروردگار کا رخ کرتا ہوں- وہ میری ہدایت کرے گا!''

''ربی'' کے لفظ پر غور کرو' وہ میرا ''رب'' ہے' اور جب وہ ''رب'' ہے تو ضروری ہے کہ وہی مجھ پر راہ عمل بھی کھول دے!

ہدایت کے ابتدائی تین مرتبے:

پھر ہدایت کے بھی مختلف مراتب ہیں جو ہم حیوانات میں محسوس کرتے ہیں-

سب سے پہلا مرتبہ وجدان کی ہدایت کا ہے- وجدان طبیعت حیوانی کا فطری اور اندرونی الہام ہے- ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی غذا کے لیے رونے لگتا ہے اور پھر بغیر اس کے کہ خارج کی کوئی رہنمائی اسے ملی ہو ماں کی چھاتی منہ میں لیتے ہی اسے چوستا اور اپنی غذا حاصل کر لیتا ہے-

وجدان کے بعد حواس کی ہدایت کا مرتبہ ہے اور وہ اس سے بلند تر ہے- یہ ہمیں دیکھنے' سننے' چکھنے' چھونے' اور سونگھنے کی قوتیں بخشتی ہے اور انہی کے ذریعہ ہم خارج کا علم حاصل کرتے ہیں-

ہدایت فطرت کے یہ دونوں مرتبے انسان اور حیوان سب کے لیے ہیں لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تیسرا مرتبہ ہدایت بھی موجود ہے اور وہ عقل کی ہدایت ہے- فطرت کی یہی ہدایت ہے جس نے انسان کے آگے غیر محدود ترقیات کا دروازہ کھول دیا ہے اور اسے کائنات ارضی کی تمام مخلوقات کا حاصل و خلاصہ بنا دیا ہے-

وجدان کی ہدایت اس میں سعی و طلب کا ولولہ پیدا کرتی ہے' حواس اس کے لیے معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور عقل نتائج و احکام مرتب کرتی ہے- حیوانات کو اس آخری مرتبہ کی ضرورت نہ تھی اس لیے ان کا قدم وجدان اور حواس سے آگے نہیں بڑھا لیکن انسان میں یہ تینوں مرتبے جمع ہو گئے-

جوہر عقل کیا ہے؟ دراصل اسی قوت کی ایک ترقی یافتہ حالت ہے جس نے حیوانات میں وجدان اور حواس کی روشنی

پیدا کر دی ہے- جس طرح انسان کا جسم اجسام ارضی کی سب سے اعلیٰ کڑی ہے اسی طرح اس کی معنوی قوت بھی تمام معنوی قوتوں کا برترین جوہر ہے- روح حیوانی کا وہ جوہرادراک جو نباتات میں مخفی اور حیوانات کے وجدان ومشاعر میں نمایاں تھا انسان کے مرتبے میں پہنچ کر درجہ کمال تک پہنچ گیا اور جو ہر عقل کے نام سے پکارا گیا-

<u>ہر مرتبہ ہدایت ایک خاص حد سے آگے رہنمائی نہیں کرسکتا:</u>

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ہدایت فطری کے ان تینوں مرتبوں میں سے ہر مرتبہ اپنی قوت وعمل کا ایک خاص دائرہ رکھتا ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا- اور اگر اس مرتبہ سے ایک دوسرا بلند مرتبہ موجود نہ ہوتا تو ہماری معنوی قوتیں اس حد تک ترقی نہ کرسکتیں جس حد تک فطرت کی رہنمائی سے ترقی کر رہی ہے-

وجدان کی ہدایت ہم میں طلب وسعی کا جوش پیدا کرتی ہے اور مطلوبات زندگی کی راہ پر لگاتی ہے- لیکن ہمارے وجود سے باہر جو کچھ موجود ہے اس کا ادراک حاصل نہیں کرسکتی- یہ کام مرتبہ حواس کی ہدایت کا ہے- وجدان کی رہنمائی جب درماندہ ہو جاتی ہے تو حواس کی دستگیری نمایاں ہوتی ہے- آنکھ دیکھتی ہے' کان سنتا ہے' زبان چکھتی ہے' ہاتھ چھوتا ہے' ناک سونگھتی ہے اور اس طرح ہم اپنے وجود سے باہر کی تمام محسوس اشیا کا ادراک حاصل کر لیتے ہیں-

لیکن حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد تک ہی کام دے سکتی ہے' اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی- آنکھ دیکھتی ہے مگر صرف اسی حالت میں جبکہ دیکھنے کی تمام شرطیں موجود ہوں- اگر کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے- مثلاً روشنی نہ ہو یا فاصلہ زیادہ ہو تو ہم آنکھ رکھتے ہوئے بھی ایک موجود چیز کو براہ راست نہیں دیکھ سکتے- علاوہ بریں حواس کی ہدایت صرف اتنا ہی کرسکتی ہے کہ اشیا کا احساس پیدا کر دے لیکن مجرد احساس کافی نہیں ہے- ہمیں استنباط واستنتاج کی ضرورت ہے' احکام کی ضرورت ہے' کلیات کی ضرورت ہے' اور یہ کام عقل کی ہدایت کا ہے- وہ ان تمام مدرکات کو جو حواس کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے ترتیب دیتی ہے اور ان سے احکام وکلیات کا استنباط کرتی ہے-

<u>ہر مرتبہ ہدایت اپنی تصحیح ونگرانی میں بالاتر مرتبہ ہدایت کا محتاج ہے:</u>

علاوہ بریں جس طرح وجدان کی نگرانی کے لیے حواس ومشاعر کی ضرورت تھی اسی طرح حواس کی تصحیح ونگرانی کے لیے عقل کی ضرورت ہوئی- حواس کا ذریعہ ادراک نہ صرف محدود ہی ہے بلکہ بسا اوقات غلطی وگمراہی سے بھی محفوظ نہیں- ہم دور سے ایک چیز دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ ایک سیاہ نقطے سے زیادہ حجم نہیں رکھتی- حالانکہ وہ ایک عظیم الشان گنبد ہوتا ہے- ہم بیماری کی حالت میں شہد جیسی میٹھی چیز چکھتے ہیں لیکن ہمارا حاسہ ذوق یقین دلاتا ہے کہ مزہ کڑوا ہے- ہم تالاب میں ایک لکڑی کا عکس دیکھتے ہیں- لکڑی مستقیم ہوتی ہے لیکن عکس میں ٹیڑھی دکھائی دیتی ہے- بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کسی عارضے کی وجہ سے کان بجنے لگتے ہیں اور ہمیں ایسی صدائیں سنائی دیتی ہیں جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں- اگر مرتبۂ حواس سے ایک بلند تر مرتبہ ہدایت موجود نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ہم حواس کی ان درماندگیوں میں حقیقت کا سراغ پا سکتے- لیکن ان تمام حالتوں میں عقل کی ہدایت نمو ر وتی ہے- وہ حواس کی درماندگیوں میں ہماری رہنمائی کرتی ہے- وہ ہمیں بتلاتی ہے کہ سورج ایک

عظیم الشان کرہ ہے- اگر چہ ہماری آنکھ اسے ایک سنہری تھال سے زیادہ محسوس نہیں کرتی - وہ ہمیں بتلاتی ہے کہ شہد کا مزہ ہر حال میں میٹھا ہے اور اگر ہمیں کڑوا محسوس ہوا ہے' تو یہ اس لیے ہے کہ ہمارے منہ کا مزہ بگڑ گیا ہے- اسی طرح وہ ہمیں بتلاتی ہے کہ بعض اوقات خشکی بڑھ جانے سے کان بجنے لگتے ہیں اور اس حالت میں جو صدائیں سنائی دیتی ہیں وہ خارج کی صدائیں نہیں ہوتیں- خود ہمارے ہی دماغ کی گونج ہوتی ہے-

ہدایت فطرت کا چوتھا مرتبہ:

لیکن جس طرح وجدان کے بعد حواس کی ہدایت نمودار ہوئی کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی اور جس طرح حواس کے بعد عقل کی ہدایت نمودار ہوئی کیونکہ حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی- ٹھیک اسی طرح ہم محسوس کرتے ہیں کہ عقل کی ہدایت کے بعد بھی ہدایت کا کوئی مزید مرتبہ ہونا چاہیے کیونکہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اس کے دائرہ عمل کے بعد بھی ایک دائرہ باقی رہ جاتا ہے- عقل کی کارفرمائی جیسی کچھ اور جتنی کچھ بھی ہے محسوسات کے دائرہ میں محدود ہے- یعنی وہ صرف اسی حد تک کام دے سکتی ہے جس حد تک ہمارے حواس خمسہ معلومات بہم پہنچاتے رہتے ہیں- لیکن محسوسات کی سرحد سے آگے کیا ہے؟ اس پردے کے پیچھے کیا ہے جس سے آگے ہماری چشم حواس نہیں بڑھ سکتی؟ یہاں پہنچ کر عقل یک قلم درماندہ ہو جاتی ہے- اس کی ہدایت ہمیں کوئی روشنی نہیں دے سکتی-

علاوہ بریں جہاں تک انسان کی عملی زندگی کا تعلق ہے عقل کی ہدایت نہ تو ہر حال میں کافی ہے نہ ہر حال میں مؤثر- نفس انسانی طرح طرح کی خواہشوں اور جذبوں سے کچھ اس طرح مقہور واقع ہوا ہے کہ جب کبھی عقل اور جذبات میں کشمکش ہوتی ہے تو اکثر حالتوں میں فتح جذبات ہی کے لیے ہوتی ہے- بسا اوقات عقل ہمیں یقین دلاتی ہے کہ فلاں فعل مضر اور مہلک ہے- لیکن جذبات ہمیں ترغیب دیتے ہیں اور ہم اس کے ارتکاب سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتے - عقل کی بڑی سے بڑی دلیل بھی ہمیں ایسا نہیں بنا سکتی کہ غصے کی حالت میں بے قابو نہ ہو جائیں اور بھوک کی حالت میں مضر غذا کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں-

اچھا! اگر خدا کی ربوبیت کے لیے ضروری تھا کہ وہ ہمیں وجدان کے ساتھ حواس بھی دے کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اگر ضروری تھا کہ حواس کے ساتھ عقل بھی دے' کیونکہ حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی- تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ عقل کے ساتھ کچھ اور بھی دے کیونکہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اعمال کی درستگی وانضباط کے لیے کافی نہیں؟ اگر اس نے وجدان کے ساتھ حواس بھی دیے تا کہ وجدان کی لغزشوں میں نگرانی کریں اور اگر حواس کے ساتھ عقل بھی دی تا کہ حواس کی غلطیوں میں قاضی و حاکم ہو تو کیا ضروری نہ تھا کہ عقل کے ساتھ کچھ اور بھی دیتا تا کہ عقل کی درماندگیوں میں رہنما اور فیصلہ کن ہوتا؟

قرآن کہتا ہے کہ ضروری تھا اور اسی لیے اللہ کی ربوبیت نے انسان کے لیے ایک چوتھے مرتبہ ہدایت کا بھی سامان کر دیا- یہی مرتبہ ہدایت ہے جسے وہ وحی و نبوت کی ہدایت سے تعبیر کرتا ہے-

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں اس نے جابجا ان مراتب ہدایت کا ذکر کیا ہے اور انہیں ربوبیت الٰہی کی سب سے بڑی بخشش و

رحمت قرار دیا ہے:

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا○ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا○ ﴾(۷۶: ۲-۳)

''ہم نے انسانوں کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا جسے (ایک کے بعد ایک) مختلف حالتوں میں پلٹتے ہیں پھر اسے ایسا بنا دیا کہ سننے والا اور دیکھنے والا وجود ہو گیا- ہم نے اس پر راہ عمل کھول دی- اب یہ اس کا کام ہے کہ یا تو شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا (یعنی یا تو خدا کی دی ہوئی قوتیں ٹھیک ٹھیک کام میں لائے اور فلاح و سعادت کی راہ اختیار کرے یا ان سے کام نہ لے اور گمراہ ہو جائے)-''

﴿ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ○ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ○ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ○ ﴾ (۹۰: ۸-۱۰)

''کیا ہم نے اسے ایک چھوڑ دو دو آنکھیں نہیں دے دی ہیں (جن سے وہ دیکھتا ہے) اور زبان اور ہونٹ نہیں دیے ہیں (جو گویائی کا ذریعہ ہیں)- اور کیا اس نے (سعادت و شقاوت کی) دونوں راہیں نہیں دکھا دیں؟''

﴿ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ ﴾ (۱۶: ۷۸)

''اور اللہ نے تمہارے لیے سننے اور دیکھنے کے حواس پیدا کر دیے اور سوچنے کے لیے دل (یعنی عقل[1]) تا کہ تم شکر گزار رہو! (یعنی خدا کی دی ہوئی قوتیں ٹھیک طریقہ پر کام میں لاؤ)-''

ان آیات اور ان کی ہم معنی آیات میں حواس و مشاعر اور عقل و فکر کی ہدایت کی طرف اشارات کیے گئے ہیں لیکن وہ تمام مقامات جہاں انسان کی روحانی سعادت و شقاوت کا ذکر کیا گیا ہے وحی و نبوت کی ہدایت سے متعلق ہیں- مثلاً:

﴿ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى○ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى○ ﴾(۹۲: ۱۲-۱۳)

''بلاشبہ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم رہنمائی کریں- اور یقیناً آخرت اور دنیا دونوں ہمارے ہی لیے ہیں-''

﴿ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ﴾(۴۱: ۱۶)

''اور باقی رہی قوم ثمود تو اسے بھی ہم نے راہ (حق) دکھلا دی تھی لیکن اس نے ہدایت کی راہ چھوڑ کر اندھے پن کا شیوہ پسند کیا-''

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ○ ﴾(۲۹: ۶۹)

''اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جانفشانی کی تو ضروری ہے کہ ہم بھی ان پر اپنی راہیں کھول دیں اور بلاشبہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو نیک عمل ہیں!''

---

[1] یاد رہے کہ عربی میں قلب اور فؤاد کے معنی محض اس عضو ہی کے نہیں ہیں جسے اردو میں دل کہتے ہیں' بلکہ اس کا اطلاق عقل و فکر پر بھی ہوتا ہے' قرآن میں جہاں کہیں سمع و بصر وغیرہ کے ساتھ قلب اور فؤاد کہا گیا ہے' اس سے مقصود جوہر عقل ہے-

اَلْهُدٰى

چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اللہ کی خاص ہدایت کا ذکر کرتا ہے اور اسے ''الھدی'' کے نام سے پکارتا ہے یعنی الف لام تعریف کے ساتھ:

﴿ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ (٦: ٧١)

''(اے پیغمبرؐ! ان سے) کہہ دو یقیناً اللہ کی ہدایت تو ''الھدی'' ہے اور ہم سب کو (اسی بات کا) حکم دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں کے پروردگار کے آگے سر عبودیت جھکا دیں!''

﴿ وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ﴾ (٢: ١٢٠)

''اور (یاد رکھو) یہودی تم سے خوش ہونے والے نہیں جب تک کہ تم ان کی ملت کی پیروی نہ کرو اور یہی حال نصاریٰ کا ہے۔ (اے پیغمبرؐ) تم ان سے کہہ دو اللہ کی ہدایت کی راہ تو وہی ہے جو الھدی ہے (یعنی ہدایت کی حقیقی اور عالمگیر راہ)۔''

یہ ''الھدی'' یعنی ہدایت کی ایک ہی اور حقیقی راہ کونسی ہے؟ قرآن کہتا ہے وحی الٰہی کی عالمگیر ہدایت ہے جو اول دن سے دنیا میں موجود ہے اور بلاتفریق و امتیاز تمام نوع انسانی کے لیے ہے۔ وہ کہتا ہے جس طرح خدا نے وجدان' حواس اور عقل کی ہدایت میں نہ تو نسل و قوم کا امتیاز رکھا' نہ زمان و مکان کا' اسی طرح اس کی ہدایت وحی بھی ہر طرح کے تفرقہ و امتیاز سے پاک ہے۔ وہ سب کے لیے ہے اور سب کو دی گئی ہے۔ اور اس ایک ہدایت کے سوا اور جتنی ہدایتیں بھی انسانوں نے سمجھ رکھی ہیں سب انسانی بناوٹ کی راہیں ہیں۔ خدا کی ٹھہرائی ہوئی راہ' صرف یہی ایک راہ ہے۔

اسی لیے وہ ہدایت کی ان تمام صورتوں سے یک قلم انکار کرتا ہے جو اس اصل سے منحرف ہو کر طرح طرح کی مذہبی گروہ بندیوں اور متخالف ٹولیوں میں بٹ گئی ہیں اور سعادت و نجات کی عالمگیر حقیقت خاص خاص گروہوں اور حلقوں کی میراث بنالی گئی ہے۔ وہ کہتا ہے: انسانی بناوٹ کی یہ الگ الگ راہیں ہدایت کی راہ نہیں ہوسکتیں۔ ہدایت کی راہ تو وہی عالمگیر ہدایت کی راہ ہے۔ اسی عالمگیر ہدایت وحی کو وہ ''الدین'' کے نام سے پکارتا ہے۔ یعنی نوع انسانی کے لیے حقیقی دین۔ اور اسی کا نام اس کی زبان میں ''الاسلام'' ہے۔

وحدت دین کی اصل عظیم اور قرآن حکیم

یہ اصل عظیم قرآن کی دعوت کی سب سے پہلی بنیاد ہے- وہ جو کچھ بھی بتلانا چاہتا ہے تمام تر اسی اصل پر مبنی ہے- اگر اس اصل سے قطع نظر کر لی جائے تو اس کا تمام کارخانۂ دعوت درہم برہم ہو جائے- لیکن تاریخ عالم کے عجائب تصرفات میں سے یہ واقعہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جس درجہ قرآن نے اس اصل پر زور دیا تھا اتنا ہی زیادہ دنیا کی نگاہوں نے اس سے اعراض کیا- حتی کہ کہا جا سکتا ہے آج قرآن کی کوئی بات بھی دنیا کی نظروں سے اس درجہ پوشیدہ نہیں ہے جس قدر کہ یہ اصل عظیم- اگر ایک شخص ہر طرح کے خارجی اثرات سے خالی الذہن ہو کر قرآن کا مطالعہ کرے اور اس کے صفحات میں جابجا اس اصل عظیم کے قطعی اور واضح اعلانات پڑھے اور پھر دنیا کی طرف نظر اٹھائے جو قرآن کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں سمجھتی کہ بہت سی مذہبی گروہ بندیوں کی طرح وہ بھی ایک مذہبی گروہ بندی ہے تو یقیناً وہ حیران ہو کر پکار اٹھے گا: یا تو اس کی نگاہیں اسے دھوکا دے رہی ہیں یا دنیا ہمیشہ آنکھیں کھولے بغیر ہی اپنے فیصلے صادر کر دیا کرتی ہے-

دین کی حقیقت اور قرآن کی تصریحات:

اس حقیقت کی توضیح کے لیے ضروری ہے کہ ایک مرتبہ تفصیل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی جائے کہ جہاں تک وحی ونبوت کا یعنی دین کا تعلق ہے قرآن کی دعوت کیا ہے اور کس راہ کی طرف نوع انسانی کو لے جانا چاہتی ہے؟

جمعیت بشری کی ابتدائی وحدت پھر اختلاف اور ہدایت وحی کا ظہور:

اس بات میں قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

وہ کہتا ہے ابتدا میں انسانی جمعیت کا یہ حال تھا کہ لوگ قدرتی زندگی بسر کرتے تھے- ان میں نہ تو کسی طرح کا باہمی اختلاف تھا نہ کسی طرح کی مخاصمت- سب کی زندگی ایک ہی طرح کی تھی اور سب اپنی قدرتی یگانگت پر قانع تھے- پھر ایسا ہوا کہ نسل انسانی کی کثرت اور ضروریات معیشت کی وسعت سے طرح طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے اور اختلافات نے تفرقہ وانقطاع اور ظلم وفساد کی صورت اختیار کر لی- ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرنے لگا اور ہر زبردست زیردست کے حقوق پامال کرنے لگا- جب یہ صورت حال پیدا ہوئی تو ضروری ہوا کہ نوع انسانی کی ہدایت اور عدل وصداقت کے قیام کے لیے وحی الٰہی کی روشنی نمودار ہو- چنانچہ یہ روشنی نمودار ہوئی اور خدا کے رسولوں کی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ قائم ہو گیا- وہ ان تمام رہنماؤں کو جن کے ذریعہ اس ہدایت کا سلسلہ قائم ہوا ''رسول'' کے نام سے تعبیر کرتا ہے- کیونکہ وہ خدا کی سچائی کا پیغام

پہنچانے والے تھے اور ''رسول'' کے معنی پیغام پہنچانے والے کے ہیں:

﴿ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ○ ﴾ (۱۰:۱۹)

''اور ابتدا میں تمام انسانوں کا ایک ہی گروہ تھا (الگ الگ گروہوں میں متفرق نہ تھے) پھر ایسا ہوا کہ وہ باہم دگر مختلف ہو گئے- اور اگر اس بارے میں تمہارے پروردگار نے پہلے سے ایک فیصلہ نہ کر دیا ہوتا (یعنی یہ کہ انسانوں میں اختلاف ہوگا اور مختلف راہیں لوگ اختیار کریں گے) تو جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں ان کا (یہیں دنیا میں) فیصلہ کر دیا جاتا!''

﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾ (۲:۲۱۳)

''ابتدا میں تمام انسان ایک ہی گروہ تھے (پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا) پس اللہ نے (یکے بعد دیگرے) نبیوں کو مبعوث کیا- وہ (نیک عملی کے نتائج کی) بشارت دیتے اور (بد عملی کے نتائج سے) متنبہ کرتے- نیز ان کے ساتھ الکتاب (یعنی وحی الٰہی سے لکھی جانے والی تعلیم) نازل کی تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے تھے ان میں وہ فیصلہ کر دینے والی ہو-''

عموم ہدایت:

یہ ہدایت کسی خاص ملک و قوم یا عہد کے لیے مخصوص نہ تھی- بلکہ تمام نوع انسانی کے لیے تھی- چنانچہ ہر زمانے اور ہر ملک میں یکساں طور پر اس کا ظہور ہوا- قرآن کہتا ہے دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جہاں نسل انسانی آباد ہوئی ہو اور خدا کا کوئی رسول مبعوث نہ ہوا ہو:

﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ○ ﴾ (۳۵:۲٤)

''اور کوئی قوم دنیا کی ایسی نہیں جس میں (بدعملیوں کے نتائج سے) متنبہ کرنے والا (خدا کا رسول) نہ گزرا ہو-''

﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ (۱۳:۷)

''(اے پیغمبرؐ) بلاشبہ تم اس کے سوا اور کیا ہو کہ (بدعملیوں کے نتائج سے) متنبہ کرنے والے ہو اور دنیا میں ہر قوم کے لیے ایک ہدایت کرنے والا ہوا ہے-''

﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ○ ﴾ (۱۰:٤۷)

''اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے پس جب رسول ظاہر ہوتا ہے تو تمام باتوں کا انصاف کے ساتھ فیصلہ

کردیا جاتا ہے۔''

نسل انسانی کے ابتدائی عہداور خدا کے رسول:

وہ کہتا ہے نسل انسانی کے ابتدائی عہدوں میں کتنے ہی پیغمبرؑ گزرے ہیں جو یکے بعد دیگر مبعوث ہوئے اور قوموں کو پیغام حق پہنچایا:

﴿ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴾ (٦:٤٣)

''اور کتنے ہی نبی ہیں جو ہم نے پہلوں میں (یعنی ابتدائی عہد کی قوموں میں) مبعوث کیے!''

عدل الٰہی اور بعثت رسل:

وہ کہتا ہے یہ بات عدل الٰہی کے خلاف ہے کہ ایک گروہ اپنے اعمال بد کے لیے جواب دہ ٹھہرایا جائے حالانکہ اس کی ہدایت کے لیے کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو:

﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ ﴾ (١٦:١٧)

''اور (ہمارا قانون یہ ہے کہ) جب تک ہم ایک پیغمبرؑ مبعوث کر کے راہ ہدایت دکھا نہ دیں اس وقت تک (پاداش عمل میں) عذاب دینے والے نہیں!''

﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ (٥٩:٢٨)

''اور (یاد رکھو) تمہارے پروردگار کا قانون یہ ہے کہ وہ کبھی انسان کی بستیوں کو (پاداش عمل میں) ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان میں ایک پیغمبر مبعوث نہ کرے اور وہ خدا کی آیتیں پڑھ کر نہ سنا دے اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر صرف اسی حالت میں کہ ان کے باشندوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کرلیا ہو۔''

بعض رسولوں کا ذکر کیا گیا بعض کا نہیں کیا گیا:

خدا کے ان رسولوں اور دین الٰہی کے داعیوں میں سے بعض کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے بعض کا نہیں کیا گیا:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ (٧٨:٤٠)

''اور (اے پیغمبرؐ!) ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی پیغمبرؑ مبعوث کیے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات تمہیں سنائے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن کے حالات نہیں سنائے (یعنی قرآن میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا)''

بے شمار قومیں اور بے شمار رسولؑ:

قوم نوح اور عاد ثمود کے بعد کتنی ہی قومیں گزر چکی ہیں اور ان میں کتنے ہی رسولؑ مبعوث ہو چکے ہیں جن کا ٹھیک

ٹھیک حال اللہ ہی کو معلوم ہے:

﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ ﴾ (۱۴: ۹)

''تم سے پہلے جو قومیں گذر چکی ہیں کیا تم تک ان کی خبر نہیں پہنچی؟ قوم نوحؑ' قوم عادؔ قوم ثمودؔ اور وہ قومیں جو ان کے بعد ہوئیں جن کی ٹھیک ٹھیک تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے- ان سب میں ان کے پیغمبرؑ سچائی کی روشنیوں کے ساتھ مبعوث ہوئے مگر انہوں نے جہل و سرکشی سے ان کی تعلیم انہی پر لوٹا دی اور کان دھرنے سے انکار کر دیا!''

ہدایت ہمیشہ ایک ہی رہی اور وہ ایمان اور عمل صالح کی دعوت کے سوا کچھ نہ تھی:

فطرت الٰہی کی راہ کائنات ہستی کے ہر گوشہ میں ایک ہی ہے- وہ نہ تو ایک سے زیادہ ہو سکتی ہے نہ باہم دگر مختلف- پس ضروری تھا کہ یہ ہدایت بھی اول دن سے ایک ہی ہوتی اور ایک ہی طرح پر تمام انسانوں کو مخاطب کرتی - چنانچہ قرآن کہتا ہے خدا کے جتنے پیغامبرؑ پیدا ہوئے خواہ وہ کسی زمانے اور کسی گوشے میں ہوئے ہوں سب کی راہ ایک ہی تھی اور سب خدا کے ایک ہی عالمگیر قانون سعادت کی تعلیم دینے والے تھے- یہ عالمگیر قانون سعادت کیا ہے؟ ایمان اور عمل صالح کا قانون ہے- یعنی ایک پروردگار عالم کی پرستش کرنے اور نیک عملی کی زندگی بسر کرنی - اس کے علاوہ' اور اس کے خلاف جو کچھ بھی دین کے نام سے کہا جاتا ہے دین حقیقی کی تعلیم نہیں ہے:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (۱۶-۳۶)

''اور بلاشبہ ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبرؑ مبعوث کیا (جس کی تعلیم یہ تھی کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے (یعنی سرکش اور شریر قوتوں کے اغوا سے) اجتناب کرو-''

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ (۱۴: ۹)

''اور (اے پیغمبرؐ) ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس وحی کے ساتھ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو!''

سب نے ایک ہی دین پر اکٹھے رہنے اور تفرقہ و اختلاف سے بچنے کی تعلیم دی:

وہ کہتا ہے دنیا میں کوئی بانی مذہب بھی ایسا نہیں ہوا ہے جس نے ایک ہی دین پر اکٹھے رہنے اور تفرقہ و اختلاف سے بچنے کی تعلیم نہ دی ہو- سب کی تعلیم یہی تھی کہ خدا کا دین بچھڑے ہوئے انسانوں کو جمع کر دینے کے لیے ہے- الگ الگ کر دینے کے لیے نہیں ہے- پس ایک پروردگار عالم کی بندگی و نیاز میں سب متحد ہو جاؤ اور تفرقہ و مخاصمت کی جگہ باہمی محبت و یک جہتی کی راہ اختیار کرو!

﴿ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴾ (۲۳: ۵۲)

''اور (دیکھو) یہ تمہاری امت' فی الحقیقت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں- پس (میری عبودیت و نیاز کی راہ میں تم سب ایک ہو جاؤ اور) نافرمانی سے بچو-''

وہ کہتا ہے خدا نے تمہیں ایک ہی جامۂ انسانیت دیا تھا لیکن تم نے طرح طرح کے بھیس اور نام اختیار کر لیے اور رشتۂ انسانیت کی وحدت سیکڑوں ٹکڑوں میں بکھر گئی- تمہاری نسلیں بہت سی ہیں اس لیے تم نسل کے نام پر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ہو- تمہارے وطن بہت سے بن گئے ہیں اس لیے اختلاف وطن کے نام پر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہو- تمہاری قومیتیں بے شمار ہیں اس لیے ہر قوم دوسری قوم سے دست و گریباں ہو رہی ہے- تمہارے رنگ یکساں نہیں اور یہ بھی باہمی نفرت وعناد کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا ہے- تمہاری بولیاں مختلف ہیں اور یہ بھی ایک دوسرے سے جدا رہنے کی بہت بڑی حجت بن گئی ہے پھر ان کے علاوہ امیر و فقیر' نوکر و آقا' رذیل و شریف' ضعیف و قوی' ادنیٰ و اعلیٰ' بے شمار اختلاف پیدا کر لیے گئے ہیں- اور سب کا منشا یہی ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ اور ایک دوسرے سے نفرت کرتے رہو- ایسی حالت میں بتلاؤ وہ رشتہ کونسا رشتہ ہے جو اتنے اختلافات رکھنے پر بھی انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دے اور انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر از سر نو آباد ہو جائے؟ وہ کہتا ہے صرف ایک ہی رشتہ باقی رہ گیا ہے اور وہ خدا پرستی کا مقدس رشتہ ہے- تم کتنے ہی الگ الگ ہو گئے ہو لیکن تمہارے خدا الگ الگ نہیں ہو سکتے- تم سب ایک ہی پروردگار کے بندے ہو- تم سب کی بندگی و نیاز کے لیے ایک ہی معبود کی چوکھٹ ہے- تم بے شمار اختلافات رکھنے پر بھی ایک ہی رشتۂ عبودیت میں جکڑے ہوئے ہو- تمہاری کوئی نسل ہو' تمہارا کوئی وطن ہو' تمہاری کوئی قومیت ہو' تم کسی درجے میں اور کسی حلقے کے انسان ہو لیکن جب ایک ہی پروردگار کے آگے سر نیاز جھکا دو گے تو یہ آسمانی رشتہ تمہارے تمام ارضی اختلافات مٹا دے گا- تم سب کے بچھڑے ہوئے دل ایک دوسرے سے جڑ جائیں گے- تم محسوس کرو گے کہ تمام دنیا تمہارا وطن ہے' تمام نسل انسانی تمہارا گھرانا ہے اور تم سب ایک ہی رب العٰلمین کی عیال ہو!

چنانچہ وہ کہتا ہے: خدا کے جتنے رسول بھی پیدا ہوئے سب کی تعلیم یہی تھی کہ ''الدین'' پر یعنی بنی نوع انسانی کے ایک ہی عالمگیر دین پر قائم رہو اور اس راہ میں ایک دوسرے سے الگ الگ نہ ہو جاؤ!

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾(۴۲: ۱۳)

''اور (دیکھو) اس نے تمہارے لیے دین کی وہی راہ قرار دی ہے جس کی وصیت نوحؑ کو کی گئی تھی اور جس پر چلنے کا حکم ابراہیمؑ' موسیٰؑ' اور عیسیٰؑ کو دیا تھا- (ان سب کی تعلیم یہی تھی) کہ الدین (یعنی خدا کا ایک ہی دین) قائم رکھو- اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو جاؤ!''

قرآن کی تحدی کہ اس حقیقت کے خلاف کوئی مذہبی تعلیم اور روایت نہیں پیش کی جا سکتی ہے:

اسی بنا پر وہ بطور ایک دلیل کے اس بات پر زور دیتا ہے کہ اگر تمہیں میری تعلیم کی سچائی سے انکار ہے تو کسی مذہب

کی الہامی کتاب سے بھی ثابت کر دکھاؤ کہ دین حقیقی کی راہ اس کے سوا کچھ اور بھی ہوسکتی ہے-تم جس مذہب کی بھی حقیقی تعلیم دیکھو گے اصل و بنیاد یہی ملے گی:

﴿ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِي بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ○ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ○ ﴾

(۲۱:۲۴-۲۵)

''اے پیغمبرؐ ان سے کہہ دو (اگر تمہیں میری تعلیم سے انکار ہے تو) اپنی دلیل پیش کرو- یہ تعلیم موجود ہے جس پر میرے ساتھی یقین رکھتے ہیں اور اسی طرح وہ تمام تعلیمیں بھی موجود ہیں جو مجھ سے پہلے قوموں کو دی گئیں (تم ثابت کر دکھاؤ' کسی نے بھی میری تعلیم کے خلاف تعلیم دی ہو) اصل یہ ہے کہ ان (منکرین حق) میں اکثر آدمی ایسے ہیں جنہیں سرے سے امر حق کی خبر ہی نہیں- اور اس لیے حقیقت کی طرف سے گردن موڑے ہوئے ہیں- (اے پیغمبرؐ یقین کر) ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر بھی ایسا نہیں بھیجا جسے اس بات کے سوا کوئی دوسری بات بتلائی گئی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو!''

اتنا ہی نہیں بلکہ وہ کہتا ہے علم و بصیرت کے کسی قول اور روایت سے تم ثابت کر دکھاؤ کہ جو کچھ میں بتلا رہا ہوں- یہی تمام پچھلی دعوتوں کی تعلیم نہیں رہی ہے:

﴿ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ ﴾ (۴۶:۴)

''اگر تم اپنے انکار میں سچے ہو تو ثبوت میں کوئی کتاب پیش کرو جو اب سے پہلے نازل ہوئی ہو یا (کم از کم) علم و بصیرت کی کوئی پچھلی روایت ہی لا دکھاؤ جو تمہارے پاس موجود ہو!''

تمام مقدس کتابوں کی باہم دگر تصدیق اور اس سے قرآن کا استدلال:

اسی بنا پر وہ تمام مذاہب عالم کی باہم دگر تصدیق کو بھی بطور ایک دلیل کے پیش کرتا ہے- یعنی وہ کہتا ہے: ان میں سے ہر تعلیم دوسری تعلیم کی تصدیق کرتی ہے' جھٹلاتی نہیں- اور جب ہر تعلیم دوسری تعلیم کی تصدیق کرتی ہے تو اس سے معلوم ہوا ان تمام تعلیمات کے اندر کوئی ایک ہی ثابت و قائم حقیقت ضرور کام کر رہی ہے- کیونکہ اگر مختلف وقتوں' مختلف گوشوں' مختلف قوموں' مختلف ناموں' مختلف پیرایوں اور مختلف زبانوں سے کوئی بات کہی گئی ہو اور باوجود ان تمام اختلافات کے بات ہمیشہ ایک ہی ہو اور ایک ہی مقصد پر زور دیتی ہو تو قدرتی طور پر تمہیں ماننا پڑے گا کہ ایسی بات اصلیت سے خالی نہیں ہوسکتی!

﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَ الْاِنْجِيْلَ○ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾(۳:۲)

''(اے پیغمبرؐ!) اللہ نے تم پر یہ کتاب سچائی کے ساتھ نازل کی ہے جو ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو

اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اسی طرح لوگوں کی ہدایت کے لیے اس نے تورات اور انجیل نازل کی تھی۔''

﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ﴾ (۵:۴۷)

''اور ہم نے عیسیٰ کو انجیل عطا کی۔ اس میں انسان کے لیے ہدایت اور روشنی ہے اور اس سے پہلے جو تورات نازل ہو چکی تھی وہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں اس کے بیان و موعظت کا ایک بڑا موضوع پچھلے عہدوں کی ہدایتوں اور رسالتوں کا تذکرہ ہے۔ وہ ان کی یکسانی، ہم آہنگی اور وحدت تعلیم سے مذہبی صداقت کے تمام مقاصد پر استشہاد کرتا ہے۔

☆☆☆☆

''الدین'' اور ''الشرع''

ادیان کا اختلاف:

اچھا تو اگر تمام نوع انسانی کے لیے دین ایک ہی ہے اور تمام بانیان مذاہب نے ایک ہی اصل و قانون کی تعلیم دی ہے تو پھر مذاہب میں اختلاف کیوں ہوا؟ کیوں تمام مذہبوں میں ایک ہی طرح کے احکام' ایک ہی طرح کے اعمال' ایک ہی طرح کے رسوم و ظواہر نہ ہوئے؟ کسی مذہب میں عبادت کی ایک خاص شکل اختیار کی گئی ہے' کسی میں دوسری- کسی مذہب کے ماننے والے ایک طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں' کسی مذہب کے ماننے والے دوسری طرف- کسی کے ہاں احکام و قوانین ایک خاص طرح کی نوعیت کے ہیں' کسی کے ہاں دوسری طرح کے-

اختلاف دین میں نہیں ہوا شرع و منہاج میں ہوا اور یہ ناگزیر تھا:

قرآن کہتا ہے: مذاہب کا اختلاف دو طرح کا ہے- ایک اختلاف تو وہ ہے جو پیروان مذاہب نے مذہب کی حقیقی تعلیم سے منحرف ہو کر پیدا کر لیا ہے- یہ اختلاف مذاہب کا اختلاف نہیں ہے- پیروان مذاہب کی گمراہی کا نتیجہ ہے- دوسرا اختلاف وہ ہے جو فی الحقیقت مذاہب کے احکام و اعمال میں پایا جاتا ہے- مثلاً ایک مذہب میں عبادت کی کوئی خاص شکل اختیار کی گئی۔ ہے' دوسرے میں کوئی دوسری شکل- تو یہ اختلاف اصل و حقیقت کا اختلاف نہیں ہے- محض فروع و ظواہر کا اختلاف ہے اور ضروری تھا کہ ظہور میں آتا-

وہ کہتا ہے مذاہب کی تعلیم دو قسم کی باتوں سے مرکب ہے- ایک قسم تو وہ ہے جو ان کی روح و حقیقت ہے- دوسری وہ ہے جن سے ان کی ظاہری شکل و صورت آراستہ کی گئی ہے- پہلی چیز اصل ہے- دوسری فرع ہے- پہلی چیز کو وہ ''دین'' سے تعبیر کرتا ہے- دوسری کو ''شرع'' اور ''نسک'' سے اور اس کے لیے ''منہاج'' کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے- ''شرع'' اور ''منہاج'' کے معنی راہ کے ہیں اور ''نسک'' سے مقصود عبادت کا طور طریقہ ہے- پھر اصطلاح میں ''شرع'' قانون مذہب کو کہنے لگے اور ''نسک'' عبادت کو- وہ کہتا ہے' مذاہب میں جس قدر بھی اختلاف ہے' ان کا اصلی اختلاف ہے- وہ ''دین'' کا اختلاف نہیں محض شرع و منہاج کا اختلاف ہے- یعنی اصل کا نہیں ہے' فرع کا ہے- حقیقت کا نہیں ہے ظواہر کا ہے- روح کا نہیں صورت کا ہے- اور ضروری تھا کہ یہ اختلاف ظہور میں آتا- مذہب کا مقصود انسانی جمعیت کی سعادت و اصلاح ہے لیکن

انسانی جمعیت کے احوال وظروف ہر عہد اور ہر ملک میں یکساں نہیں رہے ہیں اور نہ یکساں رہ سکتے تھے- کسی زمانے کی معاشرتی اور ذہنی استعداد ایک خاص طرح کی نوعیت رکھتی تھی' کسی زمانے میں ایک خاص طرح کی- کسی ملک کے حالات ایک خاص طرح کی معیشت چاہتے تھے' کسی دوسرے ملک کے حالات دوسری طرح کی- پس جس مذہب کا ظہور جیسے زمانے میں اور جیسی استعداد وطبیعت کے لوگوں میں ہوا اسی کے مطابق شرع ومنہاج کی صورت بھی اختیار کی گئی- جس عہد اور جس ملک میں جو صورت اختیار کی گئی وہی اس کے لیے موزوں تھی- اس لیے ہر صورت اپنی جگہ بہتر اور حق ہے اور یہ اختلاف اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جتنی اہمیت نوع بشری کے تمام معاشرتی اور طبعی اختلافات کو دی جاسکتی ہے:

﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (۲۲:۶۷)

''(اے پیغمبرؐ) ہم نے ہر گروہ کے لیے عبادت کا ایک خاص طور طریقہ ٹھہرا دیا ہے جس پر وہ چلتا ہے پس لوگوں کو چاہیے اس معاملہ میں تم سے جھگڑا نہ کریں- تم لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دو- یقیناً تم ہدایت کے سیدھے راستہ پر گامزن ہو-''

تحویل قبلہ کا معاملہ اور قرآن کا اعلان حقیقت:

جب تحویل قبلہ کا معاملہ پیش آیا- یعنی پیغمبر اسلام ﷺ بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو یہ بات یہودیوں اور عیسائیوں پر بہت شاق گزری- ان کے نزدیک مذہب کا تمام دارومدار اسی طرح کی ظاہری اور فروعی باتوں پر تھا اور انہی کو وہ حق و باطل کا معیار سمجھتے تھے- لیکن ہم دیکھتے ہیں قرآن نے اس معاملہ کو بالکل دوسری نظر سے دیکھا ہے- وہ کہتا ہے' تم اس طرح کی باتوں کو اس قدر اہمیت کیوں دیتے ہو؟ یہ نہ تو حق و باطل کا معیار ہیں نہ مذہب کی اصل وحقیقت میں انہیں کوئی دخل ہے- ہر مذہب نے اپنے اپنے حالات ومقتضیات کے مطابق کوئی ایک طریقہ عبادت کا اختیار کر لیا تھا اور اس پر لوگ کار بند ہو گئے- مقصود اصلی سب کا ایک ہی ہے اور وہ خدا پرستی اور نیک عملی ہے- پس جو شخص سچائی کا طلبگار ہے اسے چاہیے کہ اصل مقصود پر نظر رکھے اور اسی کے لحاظ سے ہر بات کو جانچے پرکھے- ان باتوں کو حق و باطل کا معیار نہ بنالے:

﴿ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (۲:۱۴۸)

''اور (دیکھو) ہر گروہ کے لیے کوئی نہ کوئی سمت ہے جس کی طرف عبادت کرتے ہوئے وہ اپنا منہ کر لیتا ہے- پس (اس معاملہ کو اس قدر طول نہ دو) نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو (کہ اصلی کام یہی ہے) تم کسی جگہ بھی ہو اللہ تم سب کو پالے گا- یقیناً اللہ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں!''

قرآن کے نزدیک دین کے اعتقاد و عمل کی اصلی باتیں کیا کیا ہیں؟

پھر اسی سورت میں آگے چل کر صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ اصل دین کیا ہے؟ اور کن باتوں سے ایک انسان دین کی سعادت و فلاح حاصل کر سکتا ہے؟ وہ کہتا ہے' دین محض اس طرح کی باتوں میں نہیں دھرا ہے کہ ایک شخص نے عبادت کے وقت پچھم کی طرف منہ کر لیا یا پورب کی طرف- اصل دین تو یہ ہے کہ دیکھا جائے خدا پرستی اور نیک عملی کے لحاظ سے ایک انسان کا کیا حال ہے؟ پھر تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ خدا پرستی اور نیک عملی کی باتیں کیا کیا ہیں:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ والضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ (۲: ۱۷۷)

''اور (دیکھو) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف اور پچھم کی طرف کر لیا- (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات ظاہری رسم اور ڈھنگ کی کر لی) نیکی کی راہ تو اس کی راہ ہے جو اللہ پر' آخرت کے دن پر' ملائکہ پر' تمام کتابوں پر اور تمام نبیوں پر ایمان لاتا ہے- اپنا مال خدا کی محبت کی راہ میں رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سائلوں کو دیتا ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں خرچ کرتا ہے- نماز قائم کرتا ہے' زکوٰۃ ادا کرتا ہے' قول و قرار کا پکا ہوتا ہے' تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت ہر حال میں ثابت قدم رہتا ہے- (سو یاد رکھو) ایسے لوگ ہیں جو (اپنی دینداری میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے ہیں-

جس کتاب میں تیرہ سو برس سے یہ آیت موجود ہے اگر دنیا اس کی دعوت کا مقصد اصلی نہیں سمجھ سکتی تو پھر کون سی بات ہے جسے دنیا سمجھ سکتی ہے؟

خدا کی حکمت اسی کی مقتضی ہوئی کہ اختلاف شرائع ظہور میں آئے:

سورۂ مائدہ میں ہم دیکھتے ہیں ایک خاص ترتیب کے ساتھ مختلف دعوتوں کا ذکر کیا گیا ہے- ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات سے شروع ہوتا ہے: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کا ذکر کیا جاتا ہے: ﴿ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا: ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ پھر ان مختلف دعوتوں کے ذکر کے بعد وہ لوگوں کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے:

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ﴾ (۵: ۴۸)

''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے (یعنی ہر دعوت کے پیروؤں کے لیے) ایک خاص شریعت اور راہ ٹھہرا دی- اگر اللہ چاہتا تو (شریعتوں کا کوئی اختلاف نہ ہوتا) تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن یہ اختلاف اس لیے ہوا کہ (ہر وقت و حالت کے مطابق) تمہیں جو احکام دیے گئے ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرے- پس (اس اختلاف کے پیچھے نہ پڑو) نیکی کی راہوں میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو-''

پیروان مذاہب نے دین کی وحدت بھلا دی اور شرع کے اختلاف کو بنائے نزاع بنالیا:

اس آیت پر سرسری نظر ڈال کر آگے نہ بڑھ جاؤ بلکہ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرو- قرآن کا جب ظہور ہوا تو دنیا کا یہ حال تھا کہ تمام پیروان مذاہب' مذہب کو صرف اس کے ظواہر و رسوم ہی میں دیکھتے تھے اور مذہبی اعتقاد کا تمام جوش و خروش اسی طرح کی باتوں میں سمٹ آیا تھا- ہر گروہ یقین کرتا تھا کہ دوسرا گروہ نجات سے محروم ہے کیونکہ وہ دیکھتا تھا دوسرے کے اعمال و رسوم ویسے نہیں ہیں جیسے خود اس نے اختیار کر رکھے ہیں- لیکن قرآن کہتا ہے کہ نہیں' یہ اعمال و رسوم نہ تو دین کی اصل و حقیقت ہیں نہ ان کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے- یہ محض مذہب کی عملی زندگی کا ظاہری ڈھانچا ہے مگر روح و حقیقت ان سے بالاتر ہے اور وہی اصل دین ہے- یہ اصل دین کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی- یہ کسی ایک گروہ ہی کی میراث نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو- یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے اور چونکہ یہ اصل دین ہے اس لیے نہ تو اس میں تغیر ہوا نہ کسی طرح کا اختلاف رونما ہوا- اعمال و رسوم فرع ہیں اس لیے ہر زمانے اور ہر ملک کی حالت کے مطابق بدلتے رہے اور جس قدر بھی اختلاف ہوا انہی میں ہوا-

پھر وہ کہتا ہے' اعمال و رسوم کے اس اختلاف کو تم اس قدر اہمیت کیوں دے رہے ہو؟ خدا نے ہر زمانے اور ہر ملک کے لیے ایک خاص طرح کا طور طریقہ ٹھہرا دیا تھا جو اس کی حالت اور ضرورت کے مطابق مناسب تھا اور وہ اس پر کاربند ہو گیا- اگر خدا چاہتا تو تمام نوع انسانی کو ایک ہی قوم و جماعت بنا دیتا اور فکر و عمل کا کوئی اختلاف وجود ہی میں نہ آتا لیکن معلوم ہے کہ خدا نے ایسا نہیں چاہا- اس کی حکمت کا مقتضا یہی ہوا کہ فکر و عمل کی مختلف حالتیں پیدا ہوں- پس اس اختلاف کو حق و باطل کا اختلاف کیوں بنالیا جائے؟ کیوں اس اختلاف کی بنا پر ایک جماعت دوسری جماعت سے برسر پیکار رہے؟ اصلی چیز جس پر تمام توجہ مبذول کرنی چاہیے ''خیرات'' ہے- یعنی نیکی کے کام ہیں اور تمام اعمال و رسوم بھی انہی کے لیے ہیں-

غور کرو اس آیت میں ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ کہا- یعنی تم میں سے ہر جماعت کے لیے ہم نے ایک ''شرع'' اور ''منہاج'' ٹھہرا دی- یہ نہیں کہا کہ ایک ''دین'' ٹھہرا دیا کیونکہ دین تو سب کے لیے ایک ہی ہے- اس میں تعدد اور تنوع نہیں ہو سکتا- البتہ شرع و منہاج سب کے لیے یکساں نہیں ہو سکتے تھے- ضروری تھا کہ ہر عہد اور ہر ملک کے احوال و ظروف کے مطابق مختلف ہوں- پس مذاہب کا اختلاف اصل کا اختلاف نہیں ہوا- محض فرع کا اختلاف ہوا-

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جہاں کہیں قرآن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ''اگر خدا چاہتا تو تمام انسان

ایک ہی راہ پر جمع ہو جاتے'' یا ''ایک ہی قوم بن جاتے'' جیسا کہ آیت مندرجہ صدر میں ہے تو ان سب سے مقصود اسی حقیقت کا اظہار ہے- وہ چاہتا ہے' یہ بات لوگوں کے دلوں میں اتار دے کہ فکر وعمل کا اختلاف طبیعت بشری کا قدرتی خاصہ ہے اور جس طرح ہر گوشے میں موجود ہے اسی طرح مذہب کے معاملہ میں بھی موجود ہے- پس اس اختلاف کو حق و باطل کا معیار نہیں سمجھنا چاہیے- وہ کہتا ہے' جب خدا نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ہر انسان' ہر قوم' ہر عہد اپنی اپنی سمجھ' اپنی اپنی پسند اور اپنا اپنا طور طریقہ رکھتا ہے' اور ممکن نہیں کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی تمام انسانوں کی طبیعت ایک طرح کی ہو جائے تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ مذہبی اعمال و رسوم کی راہیں مختلف نہ ہوتیں اور سب ایک ہی طرح کی وضع و حالت اختیار کر لیتے؟ یہاں بھی اختلاف ہونا تھا اور اختلاف ہوا- کسی نے ایک طریقے سے اصل مقصود حاصل کرنا چاہا کسی نے دوسرے طریقے سے' لیکن اصل مقصود یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم' تو اس میں سب متفق رہے- پس جب اصل مقصود سب کا ایک ہے تو محض ظواہر و اعمال کے اختلاف سے کیوں ایک دوسرے کے مخالف و معاند ہو جائیں؟ کیوں ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلائے؟ کیوں مذہبی سچائی کسی ایک ہی نسل و گروہ کی میراث سمجھ لی جائے؟

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ شریعتوں کے اس اختلاف ہی کے لیے نہیں بلکہ فکر وعمل کے ہر اختلاف کے لیے رواداری اور وسعت نظر کی تعلیم دیتا ہے- یہاں تک کہ جو لوگ اس کی دعوت کے خلاف جبر و تشدد کام میں لا رہے تھے ان کی طرف سے بھی اسے معذرت کرنے میں تامل نہیں- ایک موقع پر خود پیغمبر اسلام ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: تم جوش دعوت میں چاہتے ہو کہ ہر انسان کو راہ حقیقت دکھا دو لیکن تمہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اختلاف فکر وعمل طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے- تم بہ جبر کسی کے اندر ایک بات نہیں اتار دے سکتے:

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (۱۰: ۹۹)

''اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو زمین میں جتنے انسان ہیں سب ایمان لے آتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے) پھر کیا تم چاہتے ہو لوگوں کو مجبور کر دو کہ مومن ہو جائیں؟''

وہ کہتا ہے انسان کی طبیعت ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر جماعت کو اپنا ہی طور طریقہ اچھا دکھائی دیتا ہے- وہ اپنی باتوں کو دوسروں کی مخالفانہ نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا- جس طرح تمہاری نظر میں سب سے بہتر راہ تمہاری ہے ٹھیک اسی طرح دوسروں کی نظر میں سب سے بہتر راہ ان کی ہے- پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں تحمل اور رواداری اپنے اندر پیدا کرو:

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (۶: ۱۰۸)

''اور (دیکھو) جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں تم ان پر سب وشتم نہ کرو- کیونکہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ لوگ بھی ازراہ جہل ونادانی خدا کو برا بھلا کہنے لگیں گے (یاد رکھو) ہم نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ہر گروہ کو اپنا ہی عمل اچھا دکھائی دیتا ہے- پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے اور وہیں ہر گروہ پر اس کے اعمال کی حقیقت کھلنے والی ہے-

☆☆☆☆

''تشیع'' اور ''تحزب'' کی گمراہی اور تجدید دعوت کی ضرورت

اچھا' جب تمام مذاہب کا اصل مقصد ایک ہی ہے اور سب کی بنیاد سچائی پر ہے تو پھر قرآن کے ظہور کی ضرورت کیا تھی؟

وہ کہتا ہے' اس لیے کہ اگر چہ تمام مذاہب سچے ہیں لیکن تمام مذاہب کے پیرو سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ سب کو ان کی گم شدہ سچائی پر از سر نو جمع کر دیا جائے۔

اس سلسلہ میں اس نے پیروان مذاہب کی تمام گمراہیاں ایک ایک کر کے گنائی ہیں۔ وہ اعتقادی اور عملی دونوں طرح کی ہیں۔ من جملہ ان کے ایک سب سے بڑی گمراہی جس پر جا بجا زور دیتا ہے وہ ہے جسے اس نے ''تشیع'' اور ''تحزب'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ عربی میں ''تشیع'' اور ''تحزب'' کے معنی یہ ہیں کہ الگ الگ جتھے بنا لینا اور ان میں ایسی روح کا پیدا ہو جانا جسے اردو میں گروہ پرستی کی روح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهُمۡ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ۝ ﴾ (۶: ۱۶۰)

''جن لوگوں نے اپنے ایک ہی دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور الگ الگ گروہ بندیوں میں بٹ گئے تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا معاملہ خدا کے حوالے ہے۔ جیسے کچھ ان کے عمل رہے ہیں اس کا نتیجہ خدا انہیں بتلا دے گا۔''

﴿ فَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَیۡنَهُمۡ زُبُرًا كُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَیۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ۝ ﴾ (۲۳: ۵۳)

''پھر لوگوں نے ایک دوسرے سے کٹ کر جدا جدا دین بنا لیے۔ ہر ٹولی کے پلے جو کچھ پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے!

تشیع اور تحزب کی حقیقت:

''تشیع'' اور ''تحزب'' کی گمراہی سے کیا مقصود ہے؟ اسے پوری وضاحت کے ساتھ سمجھ لینا چاہیے۔ وہ کہتا ہے خدا کے ٹھہرائے ہوئے دین کی حقیقت تو یہ تھی کہ وہ نوع انسانی پر خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ کھولتا تھا۔ یعنی خدا کے اس قانون کا اعلان کرتا تھا کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح انسانی افکار و اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں۔ اچھے فکر و عمل کا بدلہ اچھا ہے۔ برے فکر و

عمل کا بدلہ برا ہے- لیکن لوگوں نے یہ حقیقت فراموش کر دی اور دین و مذہب کو نسلوں' قوموں' ملکوں اور طرح طرح کی رسموں اور رواجوں کا ایک جتھا بنا لیا- نتیجہ یہ نکلا کہ اب انسان کی نجات و سعادت کی راہ یہ نہیں سمجھی جاتی کہ کس کا اعتقاد اور عمل کیسا ہے؟ بلکہ سارا دارومدار اس پر آ کے ٹھہر گیا ہے کہ کون کس جتھے اور گروہ بندی میں داخل ہے؟ اگر ایک آدمی کسی خاص مذہبی گروہ بندی میں داخل ہے تو یقین کیا جاتا ہے کہ وہ نجات یافتہ ہے اور دین کی سچائی اسے مل گئی- اگر داخل نہیں ہے تو یقین کیا جاتا ہے کہ نجات کا دروازہ اس پر بند ہو گیا اور دین کی سچائی میں اس کا کوئی حصہ نہیں- گویا دین کی سچائی' آخرت کی نجات' اور حق و باطل کا معیار تمام تر گروہ بندی اور گروہ پرستی ہو گیا- اعتقاد اور عمل کوئی چیز نہیں ہے- پھر باوجودیکہ تمام مذاہب کا مقصود اصلی ایک ہی ہے اور سب ایک ہی پروردگار عالم کی پرستش کرنے کے مدعی ہیں لیکن ہر گروہ یقین کرتا ہے کہ دین کی سچائی صرف اسی کے حصہ میں آئی ہے- باقی تمام نوع انسانی اس سے محروم ہے- چنانچہ ہر مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کے خلاف نفرت و تعصب کی تعلیم دیتا ہے اور دنیا میں خدا پرستی اور دین داری کی راہ سرتاسر بغض و عداوت' نفرت و توحش اور قتل و خونریزی کی راہ بن گئی ہے!

اس بارے میں دعوت قرآنی کی تین مہمات:

اس سلسلہ میں قرآن نے جن مہمات پر زور دیا ہے' ان میں تین باتیں سب سے نمایاں ہیں:

① انسان کی نجات و سعادت کا دارومدار اعتقاد و عمل پر ہے نہ کہ کسی خاص گروہ بندی پر-

② نوع انسانی کے لیے دین الٰہی ایک ہی ہے اور یکساں طور پر سب کو اسی کی تعلیم دی گئی ہے- پس یہ جو پیروان مذاہب نے دین کی وحدت اور عالمگیر حقیقت ضائع کر کے بہت سے متخالف اور متخاصم جتھے بنا لیے ہیں یہ صریح گمراہی ہے-

③ اصل دین توحید ہے- یعنی ایک پروردگار عالم کی براہ راست پرستش کرنی' اور تمام بانیان مذاہب نے اس کی تعلیم دی ہے- اس کے خلاف جس قدر عقائد اور اعمال اختیار کر لیے گئے ہیں اصلیت سے انحراف کا نتیجہ ہیں-

یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندی اور اس کا رد:

چنانچہ آیات مندرجہ صدر کے علاوہ حسب ذیل آیات میں بھی اسی حقیقت پر زور دیا گیا ہے:

﴿ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ ﴾ (۲: ۱۱۱-۱۱۲)

''اور یہود اور نصاریٰ نے کہا جنت میں کوئی انسان داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہودی اور نصاریٰ نہ ہو (یعنی جب تک یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیوں میں داخل نہ ہو) یہ ان لوگوں کی (جاہلانہ) امنگیں ہیں- اے پیغمبرؐ! ان سے کہہ دو اگر تم (اس زعم باطل میں) سچے ہو تو بتلاؤ تمہاری دلیل کیا ہے؟ ہاں (بلاشبہ نجات کی راہ کھلی ہوئی ہے مگر وہ کسی خاص گروہ بندی کی راہ نہیں ہو سکتی- وہ تو ایمان و عمل کی راہ ہے)

جس کسی نے بھی خدا کے آگے سر جھکا دیا اور وہ نیک عمل بھی ہو تو (خواہ وہ یہودی اور نصرانی ہو خواہ کوئی ہو) وہ اپنے پروردگار سے اپنا اجر پائے گا - اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی!''

دوسری جگہ یہی حقیقت زیادہ واضح لفظوں میں بیان کی گئی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ٥ ﴾(۲: ۶۲)

''جو لوگ (پیغمبر اسلامؐ پر) ایمان لائے ہیں وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی کہلاتے ہیں - یا نصاریٰ اور صابی ہوں (کوئی بھی ہو) لیکن جو کوئی بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے کام بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان و عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا - اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی!''

یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی - وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا - کوئی انسان ہو کسی نسل و قوم سے ہو کسی نام سے پکارا جاتا ہو لیکن اگر خدا پر سچا ایمان رکھتا ہے اور اس کے اعمال بھی نیک ہیں - تو دین الٰہی پر چلنے والا ہے اور اس کے لیے نجات ہے - لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک خاص طرح کی نسلی اور جماعتی گروہ بندی کا قانون بنا دیا - یہودیوں نے گروہ بندی کا ایک دائرہ کھینچا اور اس کا نام ''یہودیت'' رکھ دیا - جو اس دائرہ کے اندر ہے وہ سچائی پر ہے اور اس کے لیے نجات ہے - جو اس سے باہر ہے وہ باطل پر ہے اور اس کے لیے نجات نہیں - اسی طرح عیسائیوں نے بھی ایک دائرہ کھینچ لیا اور اس کا نام ''مسیحیت'' یا کلیسا رکھ دیا - جو اس میں داخل ہے صرف وہی سچائی پر ہے اور صرف اسی کے لیے نجات ہے - جو اس سے باہر ہے اس کا سچائی میں کوئی حصہ نہیں اور نجات سے قطعاً محروم - باقی رہا عمل و اعتقاد تو اس کا قانون یک قلم غیر مؤثر ہو گیا - ایک شخص کتنا ہی خدا پرست اور نیک عمل ہو لیکن اگر ''یہودیت'' کی نسلی گروہ بندی یا ''مسیحیت'' کی جماعتی گروہ بندی میں داخل نہیں تو اسے کوئی یہودی اور عیسائی ہدایت یافتہ انسان تسلیم نہیں کر سکتا - لیکن ایک سخت سے سخت بد عمل اور بد اعتقاد انسان بھی نجات یافتہ سمجھ لیا جائے گا اگر ان گروہ بندیوں میں داخل ہو گا - قرآن ان کے اسی اعتقاد کو ان لفظوں میں نقل کرتا ہے: ﴿ كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْنَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ﴾ یعنی ہدایت کی راہ اعتقاد اور عمل کی راہ نہیں ہے بلکہ یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندی کی راہ ہے - جب تک کوئی یہودی یا نصرانی نہ ہو جائے ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا - پھر اس کا رد کرتے ہوئے کہتا ہے خدا کی ہدایت جو دنیا کا عالمگیر قانون ہے وہ بھلا ان خود ساختہ گروہ بندیوں میں کیونکر محدود کی جا سکتی ہے؟ ﴿ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ کے زور اور عموم پر غور کرو! کوئی انسان ہو کسی نسل و قوم اور گروہ بندی کا ہو لیکن جس کسی نے بھی اللہ کے آگے عبودیت کا سر جھکا دیا اور نیک عملی کی زندگی اختیار کی اس نے دین کی نجات و سعادت پالی اور اس کے لیے کوئی غم اور کھٹکا نہیں!

غور کرو مذہبی صداقت کی عالمگیر وسعت کا اس سے زیادہ واضح اور ہمہ گیر اعلان اور کیا ہو سکتا ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ ﴾ (۲:۱۱۳)

''اور یہودیوں نے کہا عیسائیوں کا دین کچھ نہیں ہے- اسی طرح عیسائیوں نے کہا یہودیوں کے پاس کیا دھرا ہے؟ حالانکہ دونوں اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں (اور دونوں کا سرچشمہ دین ایک ہی ہے) ٹھیک ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو (مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے- (یعنی مشرکین عرب نے کہ وہ بھی صرف اپنے ہی کو نجات کا وارث سمجھتے ہیں) اچھا' جس بات میں باہم دگر جھگڑ رہے ہیں قیامت کے دن اللہ اس کا فیصلہ کر دے گا (اور اس وقت حقیقت حال سب پر کھل جائے گی)-''

یعنی باوجودیکہ خدا کا دین ایک ہی ہے اور کتاب الٰہی یعنی تورات دونوں کے سامنے ہے- بایں ہمہ مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ یہ ہے کہ باہم دگر مخالف اور مکذب جتھے قائم ہو گئے ہیں- ہر جتھا دوسرے جتھے کو جھٹلاتا ہے اور ہر جتھا صرف اپنے ہی کو نجات وسعادت کا مالک سمجھتا ہے!

سچائی اصلاً سب کے پاس ہے مگر عملاً سب نے کھو دی ہے:

سوال یہ ہے کہ جب دین کی راہ ایک ہونے کی جگہ بے شمار جتھوں اور ٹولیوں میں بٹ گئی اور ہر جتھا ایک ہی طریقہ پر اپنی سچائی کا مدعی ہے اور ایک ہی طریقہ پر دوسروں کو جھٹلا رہا ہے تو اب اس بات کا فیصلہ کیونکر ہو کہ فی الحقیقت سچائی ہے کہاں؟ قرآن کہتا ہے' سچائی اصلاً سب کے پاس ہے مگر عملاً سب نے کھو دی ہے- سب کو ایک ہی دین کی تعلیم دی گئی تھی اور سب کے لیے ایک ہی عالمگیر قانون ہدایت تھا- لیکن سب نے اصل حقیقت ضائع کر دی اور ''الدین'' پر قائم رہنے کی جگہ الگ الگ گروہ بندیاں کر لیں- اب ہر گروہ دوسرے گروہ سے لڑ رہا ہے اور سمجھتا ہے دین کی سعادت اور نجات صرف اسی کے ورثہ میں آئی ہے- دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں-

عبادت گاہوں میں تفرقہ:

سورۂ بقرہ میں مندرجہ صدر آیت کے بعد ہی حسب ذیل بیان شروع ہو جاتا ہے:

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾

(۲:۱۱٤)

''اور غور کرو اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا انسان کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی عبادت گاہوں میں اس کے نام کی یاد سے مانع آئے اور ان کی ویرانی میں کوشاں ہو؟ جن لوگوں کے ظلم وشرارت کا یہ حال ہے یقیناً وہ اس لائق نہیں کہ خدا کی عبادت گاہوں میں قدم رکھیں- بجز اس حالت کے کہ (دوسروں کو اپنی طاقت سے

ڈرانے کی جگہ خود دوسروں کی طاقت سے) ڈرے سہمے ہوئے ہوں- یاد رکھو! ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی سخت ترین عذاب!''

یعنی مذہبی گروہ بندی کی گمراہی کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت گاہیں تک الگ الگ ہوگئی ہیں اور باوجودیکہ تمام پیروان مذاہب ایک ہی خدا کے نام لیوا ہیں لیکن ممکن نہیں ایک مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کی بنائی ہوئی عبادت گاہ میں جا کر خدا کا نام لے سکے- اتنا ہی نہیں بلکہ ہر گروہ صرف اپنی عبادت گاہ کو خدا کی عبادت گاہ سمجھتا ہے- دوسرے گروہ کی عبادت گاہ اس کی نظروں میں کوئی احترام نہیں رکھتی- حتیٰ کہ بسا اوقات وہ مذہب کے نام پر اٹھتا ہے اور دوسروں کی عبادت گاہیں منہدم کرڈالتا ہے- قرآن کہتا ہے اس سے بڑھ کر انسان کا ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ خدا کے بندوں کو خدا کی یاد سے روکا جائے؟ اور صرف اس لیے روکا جائے کہ وہ ایک دوسرے مذہبی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں یا ایک عبادت گاہ ڈھادی جائے اور اس لیے ڈھادی جائے کہ وہ ہماری بنائی ہوئی نہیں ہے- دوسرے گروہ کی بنائی ہوئی ہے؟ کیا تمہارے بنائے ہوئے مذہبی جتھوں کے اختلاف سے خدا بھی مختلف ہوگئے؟ اور اس لیے ایک جتھے کی بنائی ہوئی عبادت گاہ تو خدا کی عبادت گاہ ہوئی مگر دوسرے کی بنائی ہوئی عبادت گاہ خدا کی عبادت گاہ نہیں؟

﴿ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾(۳: ۷۴)

''اور (یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں) یہ بات کبھی نہ مانو کہ دین کی جو سعادت تمہیں دی گئی ہے (یعنی یہودیوں کو دی گئی ہے) ویسی اب کسی دوسرے انسان کو مل سکے یا اللہ کے حضور تمہارے خلاف کسی کی کوئی حجت چل سکے- (اے پیغمبرؐ) ان لوگوں سے کہہ دو ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (اور اس کی راہ سب کے لیے کھلی ہوئی ہے) اور فضل و بخشش کا سررشتہ تمہارے ہاتھ نہیں ہے اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے دے- وہ (اپنے فضل میں) بڑی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے-''

یعنی یہودیوں کا اعتقاد یہ ہے کہ وحی و نبوت کی ہدایت جو انہیں دی گئی ہے وہ صرف انہی کے لیے ہے- ممکن نہیں کسی دوسرے انسان یا قوم کو یہ بات حاصل ہوسکے- چنانچہ اسی بنا پر وہ کہتے ہیں اپنے مذہب کے آدمیوں کے علاوہ اور کسی آدمی کی سچائی اور بزرگی تسلیم نہ کرو اور نہ یہ بات مانو کہ تمہارے خلاف (یعنی یہودیوں کے خلاف) کسی آدمی کی کوئی دلیل خدا کے حضور مقبول ہوسکتی ہے- قرآن اس زعم باطل کو رد کرتا ہے اور کہتا ہے ﴿ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ﴾ ہدایت کی راہ تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے اور اللہ کا فضل کسی ایک انسان یا گروہ ہی کے لیے نہیں ہے سب کے لیے ہے- پس جو انسان بھی ہدایت کی راہ چلے گا ہدایت یافتہ ہوگا- خواہ یہودی ہو یا کوئی اور ہو-

یہودی اپنے آپ کو نجات یافتہ امت سمجھتے تھے اور کہتے تھے دوزخ کی آگ ہم پر حرام کردی گئی ہے:

یہودیوں کی گروہ بندی کا غرور یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ وہ کہتے تھے خدا نے دوزخ کی آگ ہم پر حرام کردی ہے-

اگر ہم میں سے کوئی آدمی جہنم میں ڈالا بھی جائے گا تو اس لیے نہیں کہ اسے عذاب میں ڈالا جائے بلکہ اس لیے کہ گناہ کے داغ دھبوں سے پاک وصاف کر دیا جائے اور پھر جنت میں جا داخل ہو- قرآن ان کا یہ زعم باطل جا بجا نقل کرتا ہے اور پھر اس کا رد کرتے ہوئے پوچھتا ہے یہ بات تمہیں کہاں سے معلوم ہوگئی کہ یہودی گروہ بندی کا ہر فرد نجات یافتہ ہے اور عذاب اخروی سے اسے چھٹکارا مل چکا ہے؟ کیا تمہیں خدا نے غیر مشروط نجات کا کوئی پٹہ لکھ کر دے دیا ہے کہ جہاں ایک انسان یہودی ہوا اور آتش دوزخ اس پر حرام ہوگئی؟ اگر نہیں دیا ہے تو پھر بتلاؤ ایسا اعتقاد رکھنا خدا پر افترا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اس کے بعد صاف صاف لفظوں میں خدا کے قانون عمل کا اعلان کرتا ہے: ''جس کسی نے بھی اپنے عمل سے برائی کمائی اس کے لیے برائی ہے- جس کسی نے بھی بھلائی کمائی اس کے لیے بھلائی ہے''- یعنی جس طرح سنکھیا کھانے سے ہر کھانے والا ہلاک ہو جاتا ہے خواہ یہودی ہو یا غیر یہودی، اور دودھ پینے سے صحت وتوانائی ملتی ہے خواہ پینے والا کسی نسل وقوم اور گروہ سے تعلق رکھتا ہو اسی طرح عالم معنویات میں بھی ہر عمل کا ایک خاصہ ہے اور وہ اس لیے بدلا نہیں جا سکتا کہ عمل کرنے والے کی نسل یا گروہ بندی کیا ہے-

چنانچہ سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○ ﴾ (۲: ۸۰-۸۲)

''اور ان لوگوں نے (یعنی یہودیوں نے) کہا: ہمیں جہنم کی آگ کبھی چھونے والی نہیں اور اگر چھوئے بھی تو اس سے زیادہ نہیں کہ چند دنوں کے لیے چھوئے (اے پیغمبرؐ!) ان سے کہو یہ جو تم کہتے ہو تو کیا تم نے خدا سے کوئی قول وقرار کرا لیا ہے اور اب وہ اپنے قول وقرار سے پھر نہیں سکتا یا پھر تم خدا کے نام سے ایک ایسی (جھوٹی) بات کہہ رہے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں؟ نہیں (خدا کا قانون تو یہ ہے کہ کسی نسل اور کسی گروہ کا انسان ہو لیکن) جس کسی نے بھی برائی کمائی اور اپنے گناہوں میں گھر گیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے، ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا- اور جس کسی نے بھی ایمان کی راہ اختیار کی اور نیک عمل ہوا تو وہ بہشتی گروہ میں سے ہے، ہمیشہ بہشت میں رہنے والا!''

قانون نجات کا اعلان عام:

سورۂ نساء میں نہ صرف یہودیوں اور عیسائیوں کو بلکہ سب کو مخاطب کر کے صاف صاف اعلان کر دیا ہے- ایسا اعلان جس کے بعد کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی:

﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا○ ﴾ (۴: ۱۲۳)

''(مسلمانو! یادرکھونجات اورسعادت) نہ تو تمہاری آرزوؤں پرموقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر (خدا کا قانون تو یہ ہے کہ) جوکوئی بھی برائی کرے گا اس کا نتیجہ اس کے سامنے آئے گا اور پھر نہ تو کسی کی دوستی بچا سکے گی نہ کسی طاقت کی مددگاری!''

یہودی سمجھتے تھے غیر مذہب والوں کے ساتھ معاملت میں دیانتداری ضروری نہیں-قرآن کا اس پر انکار:

اسی مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ تھا کہ یہودی سمجھتے تھے سچائی اور دیانت داری کے جس قدر بھی احکام ہیں وہ اس لیے نہیں کہ تمام انسانوں کے ساتھ عمل میں لائے جائیں بلکہ محض اس لیے ہیں کہ ایک یہودی دوسرے یہودی کے ساتھ بددیانتی نہ کرے- وہ کہتے تھے اگر ایک آدمی ہمارا ہم مذہب نہیں ہے تو ہمارے لیے جائز ہے کہ جس طرح بھی چاہیں اس کا مال کھا لیں- کچھ ضروری نہیں کہ راست بازی و دیانت کے اصول ملحوظ رکھے جائیں- چنانچہ لین دین میں سود لینے کی ممانعت کوانہوں نے صرف اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا اور آج تک ان کا طرز عمل یہی ہے- وہ کہتے ہیں ایک یہودی کو دوسرے یہودی سے ظالمانہ سود نہیں لینا چاہیے لیکن ایک یہودی غیر یہودی سے لے تو کوئی مضائقہ نہیں- قرآن ان کے اس عقیدہ کا ذکر کرتا اور اسے ان کی بہت بڑی گمراہی قرار دیتا ہے:

﴿ وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ﴾ (٤:٥٩)

''اوران کا سود کھانا حالانکہ وہ اس سے روک دیے گئے تھے- اوران کی یہ بات کہ لوگوں کا مال ناجائز طریقے پر کھا لیتے تھے-''

اسی طرح جو یہودی عرب میں آباد تھے وہ کہتے تھے عرب کے ان پڑھ باشندوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں راست بازی و دیانت داری کچھ ضروری نہیں- یہ لوگ بت پرست ہیں- ہم ان لوگوں کا مال جس طرح بھی کھالیں ہمارے لیے جائز ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ٥ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ٥ ﴾ (٧٥-٧٦)

(یہودیوں کی) یہ (بدمعاملگی) اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں (عرب کے ان اَن پڑھ لوگوں سے (بدمعاملگی کرنے میں) ہم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی- (جس طرح بھی ہم چاہیں ان کا مال کھا سکتے ہیں حالانکہ) ایسا کہتے ہوئے وہ صریحاً اللہ پر افترا کرتے ہیں- ہاں ان سے باز پرس ہو اور ضرور ہو کیونکہ اللہ کا قانون تو یہ ہے کہ) جوکوئی اپنا قول قرار سچائی کے ساتھ پورا کرتا ہے اور برائی سے بچتا ہے تو وہی اللہ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے اور اللہ برائی سے بچنے والوں کو دوست رکھتا ہے-''

یعنی ایسا عقیدہ رکھنا خدا کے دین پر صریح افترا ہے- خدا کا دین تو یہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ نیکی کرنی چاہیے اور ہر حال میں راست بازی و دیانت داری کی راہ چلنی چاہیے خواہ کوئی انسان ہو اور کسی عقیدہ اور گروہ کا ہو کیونکہ سفید ہر حال میں سفید ہے اور سیاہ ہر حال میں سیاہ- کوئی سفید چیز اس لیے کالی نہیں ہو جاتی کہ کس آدمی کو دی گئی ہے اور کوئی کالی چیز اس لیے سفید نہیں ہو

جاتی کہ کس نسل اور کس گروہ کے ہاتھوں نکلی ہے- پس دیانتداری ہر حال میں دیانتداری ہے اور بددیانتی ہر حال میں بددیانتی-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت سے استشہاد:

نزول قرآن کے وقت بڑے مذہبی گروہ عرب میں تین تھے- یہودی' عیسائی اور مشرکین عرب' اور یہ تینوں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی شخصیت کو یکساں طور پر عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ تینوں گروہوں کے مورث اعلیٰ وہی تھے- پس قرآن مذہبی گروہ بندی کی گمراہی واضح کرنے کے لیے ایک نہایت سیدھا سادھا سوال ان تینوں کے سامنے پیش کرتا ہے- اگر دین کی سچائی گروہ بندیوں کے ساتھ وابستہ ہے تو بتلاؤ حضرت ابراہیم علیہ السلام کس گروہ بندی کے آدمی تھے؟ یہ ظاہر ہے کہ اس وقت تک نہ تو یہودیت کا ظہور ہوا تھا نہ مسیحیت کا اور نہ کوئی دوسری گروہ بندی ہی موجود تھی- پھر اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی گروہ بندی میں داخل نہ ہونے پر بھی دین حق کی راہ پر تھے تو بتلاؤ وہ راہ کون سی تھی؟ قرآن کہتا ہے وہ اسی دین حقیقی کی راہ تھی جو تمہاری تمام بنائی ہوئی گروہ بندیوں سے بالاتر اور نوع انسانی کے لیے عالمگیر قانون نجات ہے- یعنی خدا کی موحدانہ پرستش اور نیک عملی کی زندگی:

﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْنَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝ ﴾ (۲: ۱۳۵)

''اور یہودی کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ' ہدایت پاؤ گے- نصاریٰ کہتے ہیں نصرانی ہو جاؤ' ہدایت پاؤ گے (اے پیغمبرؐ) تم کہو: نہیں (اللہ کی عالمگیر ہدایت تمہاری ان گروہ بندیوں کی پابند نہیں ہوسکتی) ہدایت کی راہ تو وہی حنیفی راہ ہے جو ابراہیمؑ کا طریقہ تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا-''

سورۂ آل عمران میں یہی مضمون زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ (۳: ۶۵)

''اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں حجت کرتے ہو حالانکہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ تورات اور انجیل نازل نہیں ہوئیں مگر اس کے بعد- پھر کیا اتنی صاف بات بھی سمجھ نہیں سکتے؟''

یعنی وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے سوال کرتا ہے- تمہاری ان گروہ بندیوں کی تاریخ زیادہ سے زیادہ تورات اور انجیل کے ظہور تک جاسکتی ہے- کیونکہ انہی کی نسبت سے گروہ بندیوں کے حلقے کھینچے گئے ہیں- اچھا بتاؤ کہ تورات سے پہلے بھی ہدایت یافتہ انسان موجود تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو ان کی راہ کیا تھی؟ خود تمہارے اسرائیلی گھرانے کے تمام نبیوں کی راہ کیا تھی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو جس دین کی تلقین کی وہ دین کون سا تھا؟ حضرت یعقوب علیہ السلام جب بستر مرگ پر تھے اور اپنے بیٹوں کو دین الٰہی پر قائم رہنے کی وصیت کر رہے تھے تو اس دین سے مقصود کون سا دین تھا؟ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ یہودیت یا مسیحیت کی گروہ بندی نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ دونوں گروہ بندیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر کی گئی ہیں اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام وغیرہم سے کئی سو برس بعد پیدا ہوئے- پس معلوم ہوا تمہارے

ان خود ساختہ حلقہ ہائے نجات سے بھی کوئی بالاتر راہ نجات موجود ہے جو اس وقت بھی نوع انسانی کے سامنے موجود تھی جب ان حلقہ بندیوں کا نام ونشان تک نہ تھا- قرآن کہتا ہے یہی راہ نجات دین کی اصلی راہ ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے کسی گروہ بندی کی نہیں بلکہ اعتقاد اور عمل کی ضرورت ہے:

﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْحَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ (۲: ۱۳۳)

''پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کے سرہانے موت آ کھڑی ہوئی تھی اور اس نے اپنی اولاد سے پوچھا تھا بتلاؤ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے جواب میں کہا تھا: اسی ایک خدا کی عبادت کریں گے جس کی تو نے عبادت کی ہے اور تیرے بزرگوں ابراہیم' اسمٰعیل' اور اسحٰق نے کی ہے اور ہم خدا کے حکموں کے فرمانبردار ہیں!''

اصل دین وحدت واخوت ہے نہ کہ تفرقہ ومنافرت:

وہ کہتا ہے کہ دین الٰہی کی اصل' نوع انسانی کی اخوت ووحدت ہے نہ کہ تفرقہ ومنافرت- خدا کے جتنے رسولؑ بھی دنیا میں آئے سب نے یہی تعلیم دی تھی کہ تم سب اصلاً ایک ہی امت ہو اور تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے- پس چاہیے کہ سب اسی ایک پروردگار کی بندگی کریں اور ایک گھرانے کے بھائیوں کی طرح مل جل کر رہیں- اگرچہ ہر مذہب کے داعی نے اسی راہ کی تعلیم دی لیکن ہر مذہب کے پیروؤں نے اس سے انحراف کیا- نتیجہ یہ نکلا کہ ہر ملک' ہر قوم اور ہر نسل نے اپنے اپنے جتھے الگ الگ بنا لیے اور ہر جتھا اپنے طور طریقہ میں مگن ہو گیا-

قرآن نے پچھلے رسولوں اور مذہب کے بانیوں میں سے جن جن رہنماؤں کے مواعظ نقل کیے ہیں ان سب میں بھی اصل اصول یہی حقیقت ہے اور عموماً اکثر مواعظ کا خاتمہ دین کی وحدت اور انسان کی عالمگیر اخوت کی تعلیم ہی پر ہوتا ہے- مثلاً سورۂ مومنون میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا ذکر کیا ہے ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ (۲۳: ۲۳) اس کے بعد ان دعوتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ظاہر ہوتی رہیں: ﴿ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ○ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُو اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ (۳۱-۳۲) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے: ﴿ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ﴾ (۴۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت نمایاں ہوئی: ﴿ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً ﴾ (۵۰) پھر ان تمام دعوتوں کے بعد یہ صدائے حق بلند ہوتی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○ ﴾ (۲۳: ۵۱-۵۳)

''اور ہم نے تمام رسولوں کو یہی حکم دیا تھا کہ پاک وصاف چیزیں کھاؤ اور نیک عملی کی زندگی بسر کرو- تم جو کچھ کرتے ہو اس سے میں بے خبر نہیں ہوں- اور (دیکھو) یہ تمہاری قوم دراصل ایک ہی قوم ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں- پس نافرمانی سے بچو! لیکن پھر ایسا ہوا کہ لوگوں نے ایک دوسرے سے کٹ کر جدا جدا دین بنا لیے- ہر ٹولی کے پلے جو کچھ پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے!''

یعنی تمام رسولوں نے یکے بعد دیگرے یہی تعلیم دی تھی کہ خدا کی بندگی کرو اور نیک عملی کی زندگی اختیار کرو تم سب خدا کے نزدیک ایک ہی امت ہو اور تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے- تم میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کو اپنے سے الگ نہ سمجھے نہ کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مخالف ہو جائے- ﴿ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ﴾ لیکن لوگوں نے یہ تعلیم فراموش کر دی اور اپنی الگ الگ ٹولیاں بنا لیں- ﴿ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴾ اب ہر ٹولی اسی میں مگن ہے جو اس کے پلے پڑ گیا ہے-

رسم اصطباغ:

مذہبی گروہ بندی کی رسموں میں سے ایک رسم وہ ہے جو عیسائی کلیسا نے اختیار کر رکھی ہے اور جسے وہ اصطباغ (بپتسما) سے تعبیر کرتے ہیں- یہ دراصل ایک یہودی رسم تھی جو اس وقت ادا کی جاتی تھی جب لوگ گناہوں سے توبہ کیا کرتے تھے اور اس لیے فی نفسہ ایک مقررہ رسم سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن عیسائیوں نے اسے انسانی نجات وسعادت کی بنیاد سمجھ لیا ہے- جب تک ایک شخص مسیح علیہ السلام کے نام پر اصطباغ نہ لے وہ نجات یافتہ انسان نہیں سمجھا جاتا- قرآن کہتا ہے' یہ کیسی گمراہی ہے کہ انسانی نجات وسعادت جس کا دارومدار عمل واعتقاد پر ہے محض ایک مقررہ رسم کے ساتھ وابستہ کر دی جائے؟ انسانوں کا یہ ٹھہرایا ہوا اصطباغ اللہ کا اصطباغ نہیں ہے- اللہ کا اصطباغ تو یہ ہے کہ تمہارے دل خدا پرستی کے رنگ میں رنگ جائیں:

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ ﴾ (۲:۱۳۸)

''یہ اللہ کا رنگ ہے- (یعنی دین الٰہی کا قانون اصطباغ ہے) اور اللہ سے بہتر رنگ دینے میں اور کون ہو سکتا ہے؟ ہم تو اسی کی بندگی کرنے والے ہیں-''

قانون عمل:

اسی طرح وہ سورۂ بقرہ میں بار بار کہتا ہے- دین الٰہی عمل کا قانون ہے اور ہر انسان کے لیے وہی ہونا ہے جو اس کے عمل کی کمائی ہے- یہ بات کہ ایک گروہ میں بہت سے نبیؑ اور برگزیدہ انسان ہو چکے ہیں یا نیک انسانوں کی نسل میں سے ہے یا کسی پچھلی قوم سے رشتہ قدامت رکھتا ہے نجات وسعادت کے لیے کچھ سودمند نہیں:

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (۲:۱۴۱)

''یہ ایک امت تھی جو گزر چکی- اس کے لیے وہ تھا جو اس نے اپنے عمل سے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہے جو اپنے عمل سے کماؤ- تم سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی کہ ان کے عمل کیسے تھے-''

قرآن کی دعوت

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، کوئی بات بھی قرآن کے صفحوں پر اس درجہ نمایاں نہیں ہے، جس قدر یہ بات ہے کہ اس نے بار بار صاف اور قطعی لفظوں میں اس حقیقت کا اعلان کر دیا ہے کہ وہ کسی نئی مذہبی گروہ بندی کی دعوت لے کر نہیں آیا ہے، بلکہ چاہتا ہے، تمام مذہبی گروہ بندیوں کی جنگ و نزاع سے دنیا کو نجات دلا دے، اور سب کو اسی ایک راہ پر جمع کر دے جو سب کی مشترک اور متفقہ راہ ہے!

وہ بار بار کہتا ہے، جس راہ کی میں دعوت ہوں، وہ کوئی نئی راہ نہیں ہے، اور نہ سچائی کی راہ نئی ہو سکتی ہے- یہ وہی راہ ہے جو اول روز سے موجود ہے، اور تمام مذاہب کے داعیوں نے اسی کی طرف بلایا ہے!

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ (۱۳:۴۲)

''اور (دیکھو) اس نے تمہارے لیے دین کی وہی راہ ٹھہرائی ہے جس کی وصیت نوحؑ کو کی گئی تھی اور جس پر چلنے کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو حکم دیا تھا (ان سب کی تعلیم یہی تھی) کہ الدین (یعنی خدا کا ایک ہی دین) قائم رکھو، اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو جاؤ!''

سورۂ نساء میں ہے:

﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ﴾ (۱۶۳:۴)

''(اے پیغمبرؐ!) ہم نے تمہیں اسی طرح اپنی وحی سے مخاطب کیا ہے جس طرح نوحؑ کو کیا تھا، اور ان تمام نبیوں کو کیا تھا، جو نوحؑ کے بعد ہوئے، نیز جس طرح ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، اولاد یعقوب، یونسؑ، ہارونؑ، سلیمانؑ (وغیرہم) کو مخاطب کیا، اور داوٗدؑ کو زبور عطا کی- علاوہ بریں وہ رسول جن میں سے بعض کا حال ہم تمہیں پہلے سنا چکے ہیں اور بعض ایسے ہیں جن کا حال تمہیں نہیں سنایا-''

سورۂ انعام میں پچھلے رسولوں کا ذکر کر کے پیغمبر اسلام ﷺ کو مخاطب کیا ہے اور کہا ہے:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ (۶: ۹۰)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے راہِ حق دکھلائی، پس (اے پیغمبر) تم بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کرو۔''

سب کی یکساں تصدیق اور سب کے متفقہ دین کی پیروی اس کی دعوت کا اصل اصول ہے:

اسی لیے اس کی دعوت کی پہلی بنیاد ہی یہ ہے کہ تمام بانیانِ مذاہب کی یکساں طور پر تصدیق کی جائے۔ یعنی یقین کیا جائے کہ سب حق پر تھے۔ سب خدا کی سچائی کے پیغامبر تھے، سب نے ایک ہی اصل و قانون کی تعلیم دی اور سب کی اس متفقہ تعلیم پر کاربند ہونا ہی ہدایت و سعادت کی تنہا راہ ہے:

﴿ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾

(۳: ۸۴)

''(اے پیغمبرؐ!) کہہ دو ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور جو کچھ اس نے ہم پر نازل کیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں۔ نیز جو کچھ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، اور اولادِ یعقوبؑ پر نازل ہوا ہے، ان سب پہ ایمان رکھتے ہیں اسی طرح جو کچھ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو اور دنیا کے تمام نبیوں کو ان کے پروردگار سے دیا گیا ہے، سب پر ہمارا ایمان ہے ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ اسے نہ مانیں، دوسروں کو مانیں) اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں (اس کی سچائی جہاں کہیں بھی اور جس کسی کی زبانی بھی آئی ہو، اس پر ہمارا ایمان ہے)۔''

تفریق بین الرسل:

قرآن نے اس آیت میں اور متعدد موقعوں پر ''تفریق بین الرسل'' کو ایک بہت بڑی گمراہی قرار دیا ہے اور سچائی کی راہ یہ بتلائی ہے کہ ''تفریق بین الرسل'' سے انکار کیا جائے۔ ''تفریق بین الرسل'' کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے رسولوں میں باعتبار تصدیق، تفرقہ و امتیاز کرنا۔ یعنی ایسا سمجھنا کہ ان میں سے فلاں سچا تھا، فلاں سچا نہ تھا۔ یا کسی ایک کی تصدیق کرنی، باقی سب سے انکار کر دینا۔ یا سب کی تصدیق کرنی، کسی ایک سے انکار کر دینا۔ قرآن کہتا ہے، ہر راست باز انسان کا جو خدا کے سچے دین پر چلنا چاہتا ہے، فرض ہے کہ بلا کسی امتیاز کے تمام رسولوں، تمام کتابوں اور تمام مذہبی دعوتوں پر ایمان لائے اور کسی ایک کا بھی انکار نہ کرے۔ اس کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ کہے، سچائی جہاں کہیں بھی ظاہر ہوئی ہے، اور جس کسی کی زبان پر بھی ظاہر ہوئی ہے، سچائی ہے، اور میرا اس پر ایمان ہے:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (۲: ۲۸۵)

''اللہ کا رسولؐ اس (کلام حق) پر ایمان رکھتا ہے جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر نازل ہوا ہے اور وہ لوگ بھی جو ایمان لائے ہیں- یہ سب اللہ پر' اس کے ملائکہ پر' اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں- (ان کے ایمان کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں' کسی کو نہ مانیں) انہوں نے کہا' خدایا! ہم نے تیرا پیام سنا اور تیری فرمانبرداری کی- ہمیں تیری مغفرت نصیب ہو- ہم سب کو بالآخر تیری ہی طرف لوٹنا ہے!''

وہ کہتا ہے خدا ایک ہے' اس کی سچائی ایک ہے' لیکن سچائی کا پیغام بہت سی زبانوں نے پہنچایا ہے- پھر اگر تم کسی ایک پیغامبر کی تصدیق کرتے ہو- دوسروں کا انکار کر دیتے ہو' تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک ہی حقیقت کو ایک جگہ مان لیتے ہو' دوسری جگہ ٹھکرا دیتے ہو- یا ایک ہی بات کو مانتے بھی ہو' رد بھی کرتے ہو- ظاہر ہے کہ ایسا ماننا ماننا نہیں ہے بلکہ ایک بہت بری قسم کا انکار ہے!

خدا کی سچائی اس کی عالمگیر بخشش ہے:

وہ کہتا ہے' خدا کی سچائی' اس کی ساری باتوں کی طرح' اس کی عالمگیر بخشش ہے- وہ نہ تو کسی خاص زمانہ سے وابستہ کی جا سکتی ہے' نہ کسی خاص نسل و قوم سے اور نہ کسی خاص مذہبی گروہ بندی سے- تم نے اپنے لیے طرح طرح کی قومیتیں اور جغرافیائی اور نسلی حد بندیاں بنا لی ہیں لیکن تم خدا کی سچائی کے لیے کوئی ایسا امتیاز نہیں گھڑ سکتے- اس کی نہ تو کوئی قومیت ہے' نہ نسل ہے' نہ جغرافیائی حد بندی ہے' نہ جماعتی حلقہ بندی- وہ خدا کے سورج کی طرح ہر جگہ چمکتی اور نوع انسان کے ہر فرد کو روشنی بخشتی ہے- اگر تم خدا کی سچائی کی تلاش میں ہو' تو اسے کسی ایک ہی گوشہ میں نہ ڈھونڈھو- وہ ہر جگہ نمودار ہوئی ہے اور ہر عہد میں اپنا ظہور رکھتی ہے- تمہیں زمانوں کا' قوموں کا' وطنوں کا' زبانوں کا' اور طرح طرح کی گروہ بندیوں کا پرستار نہیں ہونا چاہیے- صرف خدا کا اور اس کی عالمگیر سچائی کا پرستار ہونا چاہیے- اس کی سچائی جہاں کہیں بھی آئی ہو اور جس بھیس میں بھی آئی ہو تمہاری متاع ہے اور تم اس کے وارث ہو-

راہیں صرف دو ہیں: ایمان کی یہ ہے کہ سب کو مانو- انکار کی یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کر دو:

چنانچہ اس نے جا بجا ''تفریق بین الرسل'' کی راہ کو انکار کی راہ قرار دیا ہے اور ایمان کی راہ یہ بتلائی ہے کہ بلا تفریق سب کی تصدیق کی جائے- وہ کہتا ہے' یہاں راہیں صرف دو ہی ہیں' تیسری نہیں ہو سکتی- ایمان کی راہ یہ ہے کہ سب کو مانو- انکار کی راہ یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کرو- یہاں کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے جو سب کے انکار کا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا

وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ۝ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمۡ يُفَرِّقُوۡا بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ اُولٰٓئِكَ سَوۡفَ يُؤۡتِيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝ ﴾ (۴:۱۵۰-۱۵۲)

''جولوگ اللہ اوراس کے پیغمبروںؑ سے برگشتہ ہیں اور چاہتے ہیں اللہ اوراس کے رسولوںؑ میں تفرقہ کریں (یعنی کسی کو خدا کا رسولؑ مانیں کسی کو نہ مانیں) اور کہتے ہیں' ان میں سے بعض کو ہم مانتے ہیں' بعض کا انکار کرتے ہیں' اور پھر اس طرح چاہتے ہیں' کفراور ایمان کے درمیان کوئی تیسرا راستہ اختیار کرلیں- تو یقین کرو' یہی لوگ ہیں کہ ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں- اور جن لوگوں کی راہ کفر کی راہ ہے' تو ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار ہے-لیکن ہاں' جولوگ اللہ اوراس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لائے اور کسی ایک پیغمبرؑ کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کیا (یعنی کسی ایک کی سچائی سے بھی انکار نہیں کیا) تو بلاشبہ یہی لوگ ہیں جنہیں عنقریب اللہ ان کے اجر عطا فرمائے گا اور وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے!''

سورۂ بقرہ میں جو سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کی پہلی سورۃ ہے- سچے مومنوں کی راہ یہ بتلائی ہے:

﴿ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ وَبِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ ﴾ (۲:۴:۵)

''اور وہ لوگ جو اس سچائی پر ایمان لائے جو پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوئی ہے اور ان تمام سچائیوں پر جو ان سے پہلے نازل ہو چکی ہیں' اور نیز آخرت کی زندگی پر بھی یقین رکھتے ہیں- سو یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی ٹھہرائی ہوئی ہدایت پر ہیں اور یہی ہیں جنھوں نے فلاح پائی-''

جب سب ایک ہی خدا کے پرستار ہیں اور سب کو اپنے اپنے عمل کے مطابق نتیجہ ملنا ہے تو پھر دین کے نام پر نزاع کیوں ہو؟:

وہ کہتا ہے اگر تمہیں اس بات سے انکار نہیں کہ تمام کارخانۂ ہستی کا خالق ایک ہی خالق ہے اور اسی کی پروردگاری یکساں طور پر' ہر مخلوق کو پرورش کر رہی ہے' تو پھر تمہیں اس بات سے کیوں انکار ہو کہ اس کی روحانی سچائی کا قانون بھی ایک ہی ہے' اور ایک ہی طرح پر تمام نوع انسانی کو دیا گیا ہے؟ وہ کہتا ہے' تم سب کا پروردگار ایک ہے' تم سب ایک ہی خدا کے نام لیوا ہو-تم سب کے رہنماؤں نے تمہیں ایک ہی راہ دکھلائی ہے- پھر یہ کیسی گمراہی کی انتہا اور عقل کی موت ہے کہ رشتہ ایک ہے' مقصد ایک ہے' راہ ایک ہے' لیکن ہر گروہ دوسرے گروہ کا دشمن ہے' اور ہر انسان دوسرے انسان سے متنفر- اور پھر یہ تمام جنگ ونزاع کس کے نام پر کسی جارہی ہے؟ اسی خدا کے نام پر' اور اسی خدا کے دین کے نام پر' جس نے سب کو ایک ہی چوکھٹ پر جھکایا تھا' اور سب کو ایک ہی رشتۂ اخوت میں جکڑ دیا تھا؟

﴿ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ هَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّآ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ وَاَنَّ اَكۡثَرَكُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴾ (۵:۵۹)

''ان لوگوں سے کہو کہ اے اہل کتاب! تم جو ہماری مخالفت میں کمر بستہ ہوگئے ہو' تو بتلاؤ' اس کے سوا ہمارا جرم کیا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں' اور جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ ہم سے پہلے نازل ہو چکا ہے' سب پر ایمان رکھتے ہیں؟ (پھر کیا خدا پرستی اور خدا کے تمام رسولوں کی تصدیق تمہارے نزدیک جرم اور عیب ہے؟ افسوس تم پر!) تم میں اکثر ایسے ہی ہیں جو راہ حق سے یکسر برگشتہ ہیں!''

﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴾ (۳۶:۱۹)

''دیکھو' خدا تو میرا اور تمہارا' دونوں کا پروردگار ہے' پس اسی کی بندگی کرو- یہی دین کی سیدھی راہ ہے!''

﴿ قُلۡ اَتُحَآجُّوۡنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ وَلَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ وَنَحۡنُ لَهٗ مُخۡلِصُوۡنَ ﴾ (۱۳۹:۲)

''(اے پیغمبرؐ ان سے) کہو' کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو' حالانکہ ہمارا اور تمہارا' دونوں کا پروردگار وہی ہے- اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں تمہارے لیے تمہارے اعمال- (یعنی ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق نتیجہ ملنا ہے- پھر اس بارے میں جھگڑا کیوں ہو؟)''

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن میں جہاں کہیں' اس طرح کے مخاطبات ہیں' جیسا کہ آیات مندرجہ صدر میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ - اللہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا پروردگار ہے- ﴿ يااِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمۡ وَاحِدٌ ﴾ ''ہمارا اور تمہارا' دونوں کا خدا ایک ہی ہے'' ﴿ يااَتُحَآجُّوۡنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ وَلَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ﴾ کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا پروردگار ہے' اور ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں تمہارے لیے تمہارے'' تو ان تمام مخاطبات سے مقصود اسی حقیقت پر زور دینا ہے- یعنی جب سب کا پروردگار ایک ہے اور ہر انسان کے لیے ویسا ہی نتیجہ ہے جیسا اس کا عمل ہے' تو پھر خدا اور مذہب کے نام پر یہ عالمگیر جنگ و جدال کیوں برپا ہے؟ وہ بار بار کہتا ہے' میری تعلیم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ خدا پرستی اور نیک عملی کی طرف بلاتا ہوں- میں کسی مذہب کو نہیں جھٹلاتا' میں کسی رہنما سے انکار نہیں کرتا- ''سب کی یکساں تصدیق'' اور ''سب کی مشترکہ اور متفقہ تعلیم'' میرا دستور العمل ہے- پھر میرے خلاف تمام پیروان مذاہب نے کیوں اعلان جنگ کر دیا ہے؟

قرآن کا پیروان مذاہب سے مطالبہ:

اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں اس نے کسی مذہب کے پیرو سے بھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ کوئی نیا دین قبول کر لے بلکہ ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر جسے تم نے طرح طرح کی تحریفوں اور اضافوں سے مسخ کر دیا ہے' سچائی کے ساتھ کاربند ہو جاؤ- وہ کہتا ہے اگر تم نے ایسا کر لیا تو میرا کام پورا ہو گیا کیونکہ جونہی تم اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم کی طرف لوٹو گے تو تمہارے سامنے وہی حقیقت آ موجود ہو گی جس کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں- میرا پیام کوئی نیا پیام نہیں ہے' وہی قدیم اور عالمگیر پیام ہے جو تمام بانیان مذاہب دے چکے ہیں:

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا والصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾(٥: ٦٨-٦٩)

''اے اہل کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل کی اور ان تمام صحیفوں کی جو تم پر نازل ہوئے ہیں' حقیقت قائم نہ کرو' اس وقت تک تمہارے پاس دین میں سے کچھ بھی نہیں ہے اور (اے پیغمبرؐ) تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے (بجائے اس کے کہ یہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں' تم دیکھو گے کہ) ان میں سے بہتوں کا کفر وطغیان اس کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ جائے گا' تو جن لوگوں نے انکار حق کی راہ اختیار کر لی ہے تم ان کی حالت پر بیکار غم نہ کھاؤ- جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں' جو یہودی ہیں' جو صابی ہیں' جو نصاریٰ ہیں' (یہ ہوں یا کوئی ہو) جو کوئی بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے عمل بھی نیک ہوئے تو اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا خوف ہے' نہ کسی طرح کی غمگینی-''

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ان راست باز انسانوں کے ایمان وعمل کا پوری فراخ دلی کے ساتھ اعتراف کیا ہے جو نزول قرآن کے وقت مختلف مذاہب میں موجود تھے اور جنہوں نے اپنے مذہبوں کی حقیقی روح ضائع نہیں کی تھی- البتہ وہ کہتا ہے ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے- غالب تعداد انہی لوگوں کی ہے جنہوں نے دین الٰہی کی اعتقادی اور عملی حقیقت یک قلم ضائع کر دی ہے:

﴿ لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ○ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ○ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ○ ﴾(٣: ١١٣-١١٥)

''یہ بات نہیں ہے کہ سب ایک ہی طرح کے ہوں- انہی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اصل دین پر قائم ہیں- وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کے کلام کی تلاوت کرتے ہیں اور ان کے سر اس کے سامنے جھکے ہوتے ہیں! اور وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں' نیکی کا حکم دیتے ہیں' برائی سے روکتے ہیں' نیکی کی راہوں میں تیز گام ہیں' اور بلاشبہ یہی لوگ ہیں جو نیک انسانوں میں سے ہیں- اور (یاد رکھو) یہ لوگ جو کچھ بھی نیکی کرتے ہیں' تو ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ اس کی قدر نہ کی جائے- وہ جانتا ہے کہ (کس گروہ میں) کون پرہیزگار ہے-''

﴿ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَايَعْمَلُوْنَ○ ﴾ (٥: ٦٦)

''ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو میانہ رو ہیں' لیکن بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں' برا ہی کرتے ہیں!''

یہ جو قرآن جا بجا اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے' جھٹلانے والا نہیں' اور اہل کتاب سے بار بار کہتا ہے: ﴿ وَاٰمِنُوْ بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ (۲ : ۴۱) اس کتاب پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی نمایاں ہوئی ہے'' تو اس سے مقصود بھی اسی حقیقت پر زور دینا ہے- یعنی جب میری تعلیم تمہارے مقدس نوشتوں کے خلاف کوئی نیا دین نہیں پیش کرتی' اور نہ ان سے تمہیں منحرف کرانا چاہتی ہے بلکہ سرتا سر مصدق اور مؤید ہے' تو پھر تم میں اور مجھ میں نزاع کیوں ہے؟ کیوں تم میرے خلاف اعلان جنگ کرتے ہو؟

اصطلاح قرآنی میں ''المعروف'' اور ''المنکر'':

اور پھر یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں' اس نے نیکی کے لیے ''معروف'' کا اور برائی کے لیے ''منکر'' کا لفظ اختیار کیا ہے- ﴿ وَاْمُرْبِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عِنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (۳۱:۱۷) معروف ''عرف'' سے ہے' جس کے معنی پہچاننے کے ہیں- پس ''معروف'' وہ بات ہوئی جو جانی پہچانی بات ہو- ''منکر'' کے معنی انکار کرنے کے ہیں- یعنی ایسی بات جس سے عام طور پر انکار کیا جاتا ہو- پس قرآن نے نیکی اور برائی کے لیے یہ الفاظ اس لیے اختیار کیے کہ وہ کہتا ہے' دنیا میں عقائد وافکار کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو' لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جن کے اچھے ہونے پر سب کا اتفاق ہے' اور کچھ باتیں ایسی ہیں جن کے برے ہونے پر سب متفق ہیں- مثلاً اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ سچ بولنا اچھا ہے' جھوٹ بولنا برا ہے- اس میں سب کا اتفاق ہے کہ دیانتداری اچھی بات ہے اور بددیانتی برائی ہے- اس سے کسی کو اختلاف نہیں کہ ماں باپ کی خدمت' ہمسایہ سے سلوک' مسکینوں کی خبر گیری' مظلوم کی دادرسی' انسان کے اچھے اعمال ہیں اور ظلم اور بدسلوکی برے اعمال ہیں- گویا یہ وہ باتیں ہوئیں جن کی اچھائی عام طور پر جانی بوجھی ہوئی ہے اور جن کے خلاف جانا عام طور پر قابل انکار واعتراض ہے- دنیا کے تمام مذاہب' دنیا کے تمام اخلاق' دنیا کی تمام حکمتیں' دنیا کی تمام جماعتیں' دوسری باتوں میں کتنا ہی اختلاف رکھتی ہوں لیکن جہاں تک ان اعمال کا تعلق ہے' سب ہم آہنگ وہم رائے ہیں-

قرآن کہتا ہے: یہ اعمال جن کی اچھائی عام طور پر نوع انسانی میں جانی بوجھی ہوئی ہے' دین الٰہی کے مطلوبہ اعمال ہیں- اسی طرح وہ اعمال جن سے عام طور پر انکار کیا گیا ہے اور جن کی برائی پر تمام مذاہب متفق ہیں' دین الٰہی کے ممنوعہ اعمال ہیں- یہ بات چونکہ دین کی اصل حقیقت تھی اس لیے اس میں اختلاف نہ ہوسکا اور مذہبی گروہوں کی بے شمار گمراہیوں اور حقیقت فراموشیوں پر بھی ہمیشہ معلوم ومسلم رہی- ان اعمال کی اچھائی اور برائی پر نوع انسانی کے تمام عہدوں' تمام مذہبوں' اور تمام قوموں کا عالمگیر اتفاق ان کی فطری اصلیت پر ایک بہت بڑی دلیل ہے- پس جہاں تک اعمال کا تعلق ہے' میں انہی باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہوں' جن کی اچھائی عام طور پر جانی بوجھی ہوئی ہے اور انہی باتوں سے روکتا ہوں' جن سے عام طور پر نوع انسانی نے انکار کیا ہے- یعنی میں معروف کا حکم دیتا ہوں- منکر سے روکتا

ہوں- پس جب میری دعوت کا یہ حال ہے' تو پھر کسی انسان کو بھی جسے راست بازی سے اختلاف نہیں' کیوں مجھ سے اختلاف ہو؟

''الدین القیم'' اور ''فطرت اللہ'':

وہ کہتا ہے' یہی راہ عمل' نوع انسانی کے لیے خدا کا ٹھہرایا ہوا فطری دین ہے' اور فطرت کے قوانین میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی- یہی ''الدین القیم'' ہے- یعنی سیدھا اور درست دین جس میں کسی طرح کی کجی اور خامی نہیں- یہی ''دین حنیف'' ہے جس کی دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی تھی- اسی کا نام میری اصطلاح میں ''الاسلام'' ہے- یعنی خدا کے ٹھہرائے قوانین کی فرمانبرداری:

﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ○ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴾

(۳۰:۳۲)

''تم ہر طرف سے منہ پھیر کر الدین کی طرف رخ کرو' یہی خدا کی بناوٹ ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے- اللہ کی بناوٹ میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی- یہی ''الدین القیم'' (یعنی سیدھا اور سچا دین) ہے' لیکن اکثر انسان ایسے ہیں جو نہیں جانتے- (دیکھو) اسی (ایک خدا) کی طرف متوجہ رہو- اس کی نافرمانی سے بچو' نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ' جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور گروہ بندیوں میں بٹ گئے' ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے' وہ اسی میں مگن ہے!''

''الاسلام'':

وہ کہتا ہے: خدا کا ٹھہرایا ہوا دین جو کچھ ہے یہی ہے- اس کے سوا جو کچھ بنا لیا گیا ہے' وہ انسانی گروہ بندیوں کی گمراہیاں ہیں- پس اگر تم خدا پرستی اور عمل صالح کی اصل پر جو تم سب کے یہاں اصل دین ہے' جمع ہو جاؤ اور خود ساختہ گمراہیوں سے باز آ جاؤ' تو میرا مقصد پورا ہو گیا- میں اس سے زیادہ اور کیا چاہتا ہوں؟

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ○ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ○ ﴾ (۳:۱۸-۲۰)

''اللہ کے نزدیک دین ایک ہی ہے اور وہ الاسلام ہے اور یہ جو اہل کتاب نے اختلاف کیا (اور ایک دین پر مجتمع رہنے کی جگہ یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیوں میں بٹ گئے) تو یہ اس لیے ہوا کہ اگرچہ علم و

حقیقت کی راہ ان پر کھل چکی تھی‘ لیکن آپس کی ضد اور سرکشی سے اختلاف میں پڑ گئے- (یاد رکھو) جو کوئی اللہ کی آیتوں سے انکار کرتا ہے تو اللہ (کا قانون مکافات بھی) حساب لینے میں سست رفتار نہیں!

پھر اگر یہ لوگ تم سے اس بارے میں جھگڑا کریں‘ تو تم کہو میری اور میرے پیروؤں کی راہ تو یہ ہے کہ اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینا اور ہم نے سر جھکا دیا ہے- پھر اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں سے (یعنی مشرکین عرب سے) پوچھو‘ تم بھی اللہ کے آگے جھکتے ہو یا نہیں؟ (یعنی ساری باتیں جھگڑے کی چھوڑ کر یہ بتلاؤ کہ تمہیں خدا پرستی منظور ہے یا نہیں؟) اگر وہ جھک گئے تو (سارا جھگڑا ختم ہو گیا اور) انہوں نے راہ پا لی‘ اگر روگردانی کریں‘ تو تمہارے ذمہ جو کچھ ہے‘ وہ پیام حق پہنچا دینا ہے‘ اور اللہ کی نظروں سے بندوں کا حال پوشیدہ نہیں!''

اس نے دین کے لیے الاسلام کا لفظ اسی لیے اختیار کیا ہے کہ ''اسلام'' کے معنی کسی بات کے مان لینے اور فرماں برداری کرنے کے ہیں- وہ کہتا ہے‘ دین کی حقیقت یہی ہے کہ خدا نے جو قانون سعادت انسان کے لیے ٹھہرا دیا ہے‘ اس کی ٹھیک ٹھیک اطاعت کی جائے- وہ کہتا ہے یہ کچھ انسان ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام کائنات ہستی اسی اصل پر قائم ہے- سب کے بقا و قیام کے لیے خدا نے کوئی نہ کوئی قانون عمل ٹھہرا دیا ہے اور سب اس کی اطاعت کر رہے ہیں- اگر ایک لمحہ کے لیے بھی روگردانی کریں تو کارخانۂ ہستی درہم برہم ہو جائے:

﴿ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴾ (۳: ۸۳)

''پھر کیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین ڈھونڈھ نکالیں؟ حالانکہ آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے سب چار و ناچار اسی کے (ٹھہرائے ہوئے قانون عمل کے) آگے جھکے ہوئے ہیں اور (بالآخر) سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے-''

وہ جب کہتا ہے- ''الاسلام'' کے سوا کوئی دین اللہ کے نزدیک مقبول نہیں‘ تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دین حقیقی کے سوا جو ایک ہی ہے اور تمام رسولوں کی مشترک تعلیم ہے‘ انسانی ساخت کی کوئی گروہ بندی مقبول نہیں- سورۂ آل عمران میں جہاں یہ بات بیان کی ہے کہ دین حقیقی کی راہ تمام مذہبی رہنماؤں کی تصدیق اور پیروی کی راہ ہے وہیں متصلاً یہ بھی کہہ دیا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ ﴾ (۳: ۸۵)

''اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین چاہے گا‘ تو یاد رکھو‘ اس کی راہ کبھی قبول نہ کی جائے گی اور وہ آخرت کے دن دیکھے گا کہ تباہ ہونے والوں میں سے ہے-''

اور اسی لیے وہ تمام پیروان دعوت کو بار بار متنبہ کرتا ہے کہ دین میں تفرقہ اور گروہ بندی سے بچیں اور اسی گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائیں جس سے قرآن نے نجات دلائی ہے- وہ کہتا ہے میری دعوت نے تمام انسانوں کو جو مذہب کے نام پر

ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے' خدا پرستی کی راہ میں اس طرح جوڑ دیا' کہ ایک دوسرے کے جان نثار بھائی بن گئے- ایک یہودی جو پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کا نام سنتے ہی نفرت سے بھر جاتا تھا' ایک عیسائی جو ہر یہودی کے خون کا پیاسا تھا' ایک مجوسی جس کے نزدیک تمام غیر مجوسی ناپاک تھے' ایک عرب جو اپنے سوا سب کو انسانی شرف و محاسن سے تہی دست سمجھتا تھا اور ایک صابی جو یقین کرتا تھا کہ دنیا کی قدیم سچائی صرف اسی کے حصے میں آئی ہے' ان سب کو دعوت قرآنی نے ایک صف میں کھڑا کر دیا ہے اور اب یہ سب ایک دوسرے سے نفرت کرنے کی جگہ' ایک دوسرے کے مذہبی رہنماؤں کی تصدیق کرتے اور سب کی بتلائی ہوئی متفقہ راہ ہدایت پر گامزن ہیں:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾(۳:۱۰۳)

''اور (دیکھو) سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو- اللہ نے تم پر جو فضل و کرم کیا ہے اسے یاد کرو- تمہارا حال یہ تھا کہ ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے- پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں باہم دگر الفت پیدا کر دی- پھر ایسا ہوا کہ انعام الٰہی سے بھائی بھائی ہو گئے! اور (دیکھو) تمہارا حال یہ تھا گویا آگ سے بھرا ہوا گڑھا ہے اور اس کے کنارے کھڑے ہو لیکن اللہ نے تمہیں بچا لیا- اللہ اسی طرح اپنی کارفرمائیوں کی نشانیاں تم پر واضح کرتا ہے تاکہ ہدایت پاؤ-''

﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾(۳:۱۰۵)

''اور (دیکھو) ان لوگوں کی سی چال اختیار نہ کر لینا جو (ایک دین پر قائم رہنے کی جگہ) جدا جدا ہو گئے اور اختلافات میں پڑ گئے باوجودیکہ روشن دلیلیں ان کے سامنے آ چکی تھیں- (یاد رکھو) یہی لوگ ہیں جن کے لیے (کامیابی و فلاح کی جگہ) بڑا (بھاری) عذاب ہے-''

﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾(۶:۱۵۳)

''اور (دیکھو) یہ میری راہ ہے بالکل سیدھی راہ- پس اسی ایک راہ پر چلو' طرح طرح کی راہوں کے پیچھے نہ پڑ جاؤ کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کر دیں گی- یہی بات ہے جس کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ (نافرمانی سے) بچو-''

☆☆☆☆

قرآن اور اس کے مخالفوں میں بنائے نزاع

اب چند لمحوں کے لیے اس نزاع پر غور کرو جو قرآن اور اس کے مخالفوں میں پیدا ہوگئی تھی- یہ مخالف کون تھے؟ پچھلے مذاہب کے پیرو تھے-جن میں سے بعض کے پاس کتاب تھی' بعض کے پاس نہ تھی-

بنائے نزاع کیا تھی؟

کیا یہ تھی کہ قرآن نے ان کے بانیوں اور رہنماؤں کو جھٹلایا تھا یا ان کی مقدس کتابوں سے انکار کیا تھا اور اس لیے وہ اس کی مخالفت میں کمربستہ ہوگئے تھے؟

کیا یہ تھی کہ اس نے دعویٰ کیا تھا' خدا کی سچائی صرف میرے حصہ میں آئی ہے اور تمام پیروان مذاہب کو چاہیے اپنے اپنے نبیوں سے برگشتہ ہوجائیں؟

یا پھر اس نے دین کے نام سے کوئی ایسی بات پیش کر دی تھی جو پیروان مذاہب کے لیے بالکل نئی بات تھی اور اس لیے قدرتی طور پر انہیں ماننے میں تامل تھا؟

قرآن کے صفحے کھلے ہوئے ہیں' اور اس کے نزول کی تاریخ بھی دنیا کے سامنے ہے- یہ دونوں ہمیں بتلاتے ہیں کہ ان تمام باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ تھی اور نہ ہوسکتی تھی- اس نے نہ صرف ان تمام رہنماؤں کی تصدیق کی جن کے نام لیوا اس کے سامنے تھے بلکہ صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا مجھ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر آچکے ہیں میں سب کی تصدیق کرتا ہوں اور ان میں سے کسی ایک کے انکار کو بھی خدا کی سچائی کا انکار سمجھتا ہوں- اس نے کسی مذہب کے ماننے والے سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ اپنے مذہب کی دعوت سے انکار کردے بلکہ جب کبھی مطالبہ کیا تو یہی کیا کہ اپنے اپنے مذہبوں کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہوجاؤ کیونکہ تمام مذہبوں کی اصل تعلیم ایک ہی ہے- اس نے نہ تو کوئی نیا اصول پیش کیا اور نہ کوئی نیا عمل بتلایا- اس نے ہمیشہ انہی باتوں پر زور دیا جو دنیا کے تمام مذاہب کی سب سے زیادہ جانی بوجھی ہوئی باتیں رہی ہیں- یعنی ایمان اور عمل صالح - اس نے جب کبھی لوگوں کو اپنی طرف بلایا ہے تو یہی کہا ہے اپنے اپنے مذہبوں کی حقیقت ازسرنو تازہ کرلو-تمہارا ایسا کرنا ہی مجھے قبول کرلینا ہے-

سوال یہ ہے کہ جب قرآن کی دعوت کا یہ حال تھا' تو پھر آخر اس میں اور اس کے مخالفوں میں وجہ نزاع کیا تھی؟ ایک شخص جو کسی کو برا نہیں کہتا- سب کو مانتا اور سب کی تعظیم کرتا ہے اور ہمیشہ انہی باتوں کی تلقین کرتا ہے جو سب کے یہاں مانی ہوئی ہیں' کوئی اس سے لڑے تو کیوں لڑے؟ اور کیوں لوگوں کو اس کا ساتھ دینے سے انکار ہو؟

کہا جاسکتا ہے کہ قریش مکہ کی مخالفت اس بنا پر تھی کہ قرآن نے بت پرستی سے انکار کر دیا تھا اور وہ بت پرستی کے طریقوں سے مالوف و مانوس ہو چکے تھے- بلاشبہ ایک وجہ نزاع یہ بھی ہے لیکن صرف یہی وجہ نزاع نہیں ہو سکتی- سوال یہ ہے کہ یہودیوں نے کیوں مخالفت کی جو بت پرستی سے قطعاً کنارہ کش تھے؟ عیسائی کیوں برسر پیکار ہو گئے جنہوں نے کبھی بت پرستی کی حمایت کا دعویٰ نہیں کیا؟

پیروان مذاہب کی مخالفت اس لیے نہ تھی کہ جھٹلاتا کیوں ہے؟ بلکہ اس لیے کہ جھٹلاتا کیوں نہیں؟

اصل یہ ہے کہ پیروان مذاہب کی مخالفت اس لیے نہ تھی کہ وہ انہیں جھٹلاتا کیوں ہے بلکہ اس لیے تھی کہ جھٹلاتا کیوں نہیں؟ ہر مذہب کا پیرو چاہتا تھا کہ وہ صرف اسی کو سچا کہے' باقی سب کو جھٹلائے- اور چونکہ وہ یکساں طور پر سب کی تصدیق کرتا تھا' اس لیے کوئی بھی اس سے خوش نہیں ہو سکتا تھا- یہودی اس بات سے تو بہت خوش تھے کہ قرآن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتا ہے- لیکن وہ صرف اتنا ہی نہیں کرتا تھا- وہ حضرت مسیحؑ کی بھی تصدیق کرتا تھا اور یہیں آ کر اس میں اور یہودیوں میں نزاع شروع ہو جاتی تھی- عیسائیوں کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی پاکی و صداقت کا اعلان کیا جائے؟ لیکن قرآن صرف اتنا ہی نہیں کرتا تھا- وہ یہ بھی کہتا تھا کہ نجات کا دارومدار اعتقاد و عمل پر ہے نہ کہ کفارہ اور اصطباغ پر اور قانون نجات کی یہ عالمگیر وسعت عیسائی کلیسا کے لیے ناقابل برداشت تھی-

اسی طرح قریش مکہ کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی دل خوش صدا نہیں ہو سکتی تھی کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی بزرگی کا اعتراف کیا جائے' لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ قرآن جس طرح ان دونوں کی بزرگی کا اعتراف کرتا ہے اسی طرح یہودیوں کے پیغمبروں اور عیسائیوں کے داعی کا بھی معترف ہے تو ان کے نسلی اور جماعتی غرور کو ٹھیس لگتی تھی- وہ کہتے تھے' ایسے لوگ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے پیرو کیونکر ہو سکتے ہیں' جو ان کی بزرگی اور صداقت کی صفت میں دوسروں کو بھی لا کھڑا کرتے ہیں؟

تین اصول جو قرآن میں اور اس کے مخالفوں میں بنائے نزاع ہوئے:

مختصراً یوں سمجھنا چاہیے کہ قرآن کے تین اصول ایسے تھے' جو اس میں اور تمام پیروان مذاہب میں وجہ نزاع ہو گئے:

① وہ مذہبی گروہ بندی کی روح کا مخالف تھا اور دین کی وحدت یعنی ایک ہونے کا اعلان کرتا تھا- اگر پیروان مذاہب یہ مان لیتے تو انہیں تسلیم کر لینا پڑتا کہ دین کی سچائی کسی ایک ہی گروہ کے حصے میں نہیں آئی ہے- سب کو یکساں طور پر ملی ہے لیکن یہی ماننا ان کی گروہ پرستی پر شاق گزرتا تھا-

② قرآن کہتا تھا' نجات اور سعادت کا دارومدار اعتقاد و عمل پر ہے- نسل' قوم' گروہ بندی اور ظاہری رسم و ریت پر نہیں ہے- اگر یہ اصل وہ تسلیم کر لیتے تو پھر نجات کا دروازہ بلا امتیاز تمام نوع انسانی پر کھل جاتا اور کسی ایک مذہبی حلقہ کی ٹھیکیداری باقی نہ رہتی لیکن اس بات کے لیے ان میں سے کوئی بھی تیار نہ تھا-

③ وہ کہتا تھا' اصل دین خدا پرستی ہے' اور خدا پرستی یہ ہے کہ ایک خدا کی براہ راست پرستش کی جائے لیکن پیروان مذاہب نے کسی نہ کسی شکل میں شرک و بت پرستی کے طریقے اختیار کر لیے تھے- گو انہیں اس بات سے انکار نہ تھا کہ اصل دین خدا پرستی ہی ہے لیکن یہ بات شاق گزرتی تھی کہ اپنے مالوف و معتاد طریقوں سے دست بردار ہو جائیں-

خلاصۂ بحث

متذکرۂ صدر تفصیلات کا ماحصل حسب ذیل دفعات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

❶ نزول قرآن کے وقت دنیا کا مذہبی تخیل اس سے زیادہ وسعت نہیں رکھتا تھا کہ نسلوں' خاندانوں اور قبیلوں کی معاشرتی حد بندیوں کی طرح' مذہب کی بھی ایک خاص گروہ بندی کر لی گئی تھی - ہر گروہ بندی کا آدمی سمجھتا تھا' دین کی سچائی صرف اسی کے حصہ میں آئی ہے - جو انسان اس کی مذہبی حد بندی میں داخل ہے' نجات یافتہ ہے' جو داخل نہیں ہے' نجات سے محروم ہے-

❷ ہر گروہ کے نزدیک مذہب کی اصل وحقیقت محض اس کے ظاہری اعمال ورسوم تھے - جونہی ایک انسان انہیں اختیار کر لیتا یقین کیا جاتا کہ نجات وسعادت اسے حاصل ہو گئی - مثلاً عبادت کی شکل' قربانیوں کے رسوم' کسی خاص طعام کا کھانا یا نہ کھانا' کسی خاص وضع وقطع کا اختیار کرنا یا نہ کرنا-

❸ چونکہ یہ اعمال ورسوم ہر مذہب میں الگ الگ تھے اور ہر گروہ کے اجتماعی مقتضیات یکساں نہیں ہو سکتے تھے اس لیے ہر مذہب کا پیرو یقین کرتا تھا کہ دوسرا مذہب مذہبی صداقت سے خالی ہے - کیونکہ اس کے اعمال ورسوم ویسے نہیں ہیں جیسے خود اس نے اختیار کر رکھے ہیں-

❹ ہر مذہبی گروہ کا دعویٰ صرف یہی نہ تھا کہ وہ سچا ہے بلکہ یہ بھی تھا کہ دوسرا جھوٹا ہے - نتیجہ یہ تھا کہ ہر گروہ صرف اتنے ہی پر قانع نہ رہتا کہ اپنی سچائی کا اعلان کرے بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتا کہ دوسروں کے خلاف تعصب ونفرت پھیلائے - اس صورت نے نوع انسانی کو ایک دائمی جنگ وجدال کی حالت میں مبتلا کر دیا تھا - مذہب اور خدا کے نام پر ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرتا اور اس کا خون بہانا جائز سمجھتا-

❺ لیکن قرآن نے نوع انسانی کے سامنے مذہب کی عالمگیر سچائی کا اصول پیش کیا:

ا- اس نے صرف یہی نہیں بتایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں- اس نے کہا' دین خدا کی عام بخشش ہے' اس لیے ممکن نہیں کہ کسی ایک جماعت ہی کو دیا گیا ہو دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو-

ب- اس نے کہا خدا کے تمام قوانین فطرت کی طرح انسان کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے اور سب کے لیے ہے- پس پیروان مذہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین الٰہی کی وحدت فراموش کر کے الگ الگ گروہ بندیاں کر لی ہیں اور ہر گروہ بندی دوسری گروہ بندی سے لڑ رہی ہے-

ج- اس نے بتایا کہ خدا کا دین اس لیے تھا کہ نوع انسانی کا تفرقہ اور اختلاف دور ہو- اس لیے نہ تھا کہ تفرقہ ونزاع کی علت بن جائے- پس اس سے بڑھ کر گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو چیز تفرقہ دور کرنے کے لیے آئی تھی اسی کو تفرقہ کی بنیاد بنالیا ہے؟

د- اس نے بتایا کہ ایک چیز دین ہے- ایک شرع ومنہاج ہے- دین ایک ہی ہے اور ایک ہی طرح پر سب کو دیا گیا ہے- البتہ شرع ومنہاج میں اختلاف ہوا اور یہ اختلاف ناگزیر تھا- کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی اور ضروری تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو ویسے ہی احکام واعمال بھی اس کے لیے اختیار کیے جائیں- پس شرع ومنہاج کے اختلاف سے اصل دین مختلف نہیں ہو جا سکتے -تم نے دین کی حقیقت تو فراموش کر دی ہے- محض شرع ومنہاج کے اختلاف پر ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہو-

ہ- اس نے بتایا کہ تمہاری مذہبی گروہ بندیوں اور ان کے ظواہر ورسوم کو انسانی نجات وسعادت میں کوئی دخل نہیں- یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں- ورنہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے- وہ دین حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ایمان اور عمل صالح کا قانون-

و- اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب سچے ہیں لیکن پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں- اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سر نو اختیار کر لیں تو میرا کام پورا ہو گیا اور انہوں نے مجھے قبول کر لیا- تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ سچائی ہے جسے وہ ''الدین'' اور ''الاسلام'' کے نام سے پکارتا ہے-

ز- وہ کہتا ہے' خدا کا دین اس لیے نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرے بلکہ اس لیے ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان سے محبت کرے اور سب ایک ہی پروردگار کے رشتۂ عبودیت میں بندھ کر ایک ہو جائیں- وہ کہتا ہے: جب سب کا پروردگار ایک ہے جب سب کا مقصود اسی کی بندگی ہے' جب ہر انسان کے لیے وہی ہونا ہے' جیسا کچھ اس کا عمل ہے' تو پھر خدا اور مذہب کے نام پر یہ تمام جنگ ونزاع کیوں ہے؟

❻ مذاہب عالم کا اختلاف صرف اختلاف ہی کی حد تک نہیں رہا ہے' بلکہ باہمی نفرت ومخاصمت کا ذریعہ بن گیا ہے- سوال یہ ہے کہ یہ مخاصمت کیونکر دور ہو؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام پیروان مذاہب اپنے دعوے میں سچے مان لیے جائیں کیونکہ ہر مذہب کا پیرو صرف اسی بات کا مدعی نہیں ہے کہ وہ سچا ہے بلکہ اس کا بھی مدعی ہے کہ دوسرے جھوٹے ہیں- پس اگر ان کے

دعاوی مان لیے جائیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر مذہب بہ یک وقت سچا بھی ہے اور جھوٹا بھی ہے- یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ سب کو جھوٹا قرار دیا جائے- کیونکہ اگر تمام مذاہب جھوٹے ہیں تو پھر مذہب کی سچائی ہے کہاں؟ پس اگر کوئی صورت رفع نزاع کی ہو سکتی ہے تو وہ وہی ہے جس کی دعوت لے کر قرآن نمودار ہوا ہے- تمام مذاہب سچے ہیں' کیونکہ اصل دین ایک ہی ہے اور سب کو دیا گیا ہے لیکن تمام پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں کیونکہ دین کی حقیقت اور وحدت ضائع کر دی ہے اور اپنی گمراہیوں کی الگ الگ ٹولیاں بنالی ہیں- اگر ان گمراہیوں سے لوگ باز آ جائیں اور اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو جائیں- تو مذاہب کی تمام نزاعات ختم ہو جائیں گی- ہر گروہ دیکھ لے گا کہ اس کی راہ بھی اصلاً وہی ہے جو اور تمام گروہوں کی راہ ہے- قرآن کہتا ہے' تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ حقیقت ''الدین'' ہے- یعنی نوع انسانی کے لیے حقیقی دین' اور اسی کو وہ ''الاسلام'' کے نام سے پکارتا ہے-

❼ نوع انسانی کی باہمی یگانگت اور اتحاد کے جتنے رشتے بھی ہو سکتے تھے' سب انسان کے ہاتھوں ٹوٹ چکے- سب کی نسل ایک تھی' مگر ہزاروں نسلیں ہو گئیں- سب کی قومیت ایک تھی' مگر بے شمار قومیتیں بن گئیں- سب کی وطنیت ایک تھی' لیکن سیکڑوں وطنیتوں میں بٹ گئے- سب کا درجہ ایک تھا لیکن امیر و فقیر' شریف و رزیل اور ادنیٰ و اعلیٰ کے بہت سے درجے ٹھہرا لئے گئے- ایسی حالت میں کون سا رشتہ ہے جو ان تمام تفرقوں پر غالب آ سکتا ہے اور تمام انسان ایک ہی صف میں کھڑے ہو جا سکتے ہیں؟ قرآن کہتا ہے کہ خدا پرستی کا رشتہ- یہی ایک رشتہ ہے جو انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر آباد کر سکتا ہے- یہ اعتقاد کہ ہم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے اور ہم سب کے سر اسی ایک چوکھٹ پر جھکے ہوئے ہیں' یک جہتی اور یگانگت کا ایسا جذبہ پیدا کر دیتا ہے' کہ ممکن نہیں' انسان کے بنائے ہوئے تفرقے اس پر غالب آ سکیں-

☆☆☆

صراط مستقیم

اسی بنا پر سورۂ فاتحہ میں جس دعا کی تلقین کی گئی' وہ ''صراط مستقیم'' پر چلنے کی طلبگاری ہے- صراط کے معنی راہ کے ہیں' اور ''مستقیم'' کے معنی سیدھا ہونے کے- پس ''صراط مستقیم'' ایسی راہ ہوئی جو سیدھی ہو- کسی طرح کا پیچ وخم نہ ہو- پھر اس راہ کی پہچان یہ بتلائی کہ ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر خدا کا انعام ہوا- ان کی راہ نہیں جو مغضوب ہوئے' نہ ان کی جو گمراہ ہیں-

یہ انعام یافتہ انسان کون ہیں جن کی راہ سیدھی راہ ہوئی؟ قرآن نے جا بجا واضح کیا ہے کہ خدا کے تمام رسول اور راست باز انسان جو دنیا کے مختلف عہدوں اور گوشوں میں گزر چکے ہیں' انعام یافتہ انسان ہیں' اور انہی کی راہ صراط مستقیم ہے-

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ (۴:۶۹)

''اور جس کسی نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی' تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کا ساتھی ہوا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے- یہ انعام یافتہ جماعت نبیوں کی ہے' صدیقوں کی ہے' شہدا کی ہے' نیک عمل انسانوں کی ہے اور (جس کے ساتھ ایسے لوگ ہوں تو) کیا ہی اچھی ان کی رفاقت ہے-''

اس آیت میں بالترتیب چار جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور انہیں انعام یافتہ قرار دیا ہے: (۱) انبیا (۲) صدیقین (۳) شہدا (۴) صالحین-

''انبیا'' سے مقصود خدا کی سچائی کے تمام پیغامبر ہیں جو نوع انسانی کی ہدایت کے لیے پیدا ہوئے-

''صدیق'' سے مقصود ایسے انسان ہیں جو کامل معنوں میں سچے ہوں- یعنی سچائی کے سانچے میں کچھ اس طرح ڈھلے ہوئے ہوں کہ سچائی کے خلاف کوئی بات ان کے دماغ میں اتر ہی نہ سکے-

''شہید'' کے معنی گواہ کے ہیں- یعنی ایسے انسان جو اپنے قول و فعل سے حق و صداقت کی شہادت بلند کرنے والے ہوں-

''صالحین'' سے مقصود وہ تمام انسان ہیں جو نیک عملی کی راہ میں استقامت رکھیں اور برائی کی راہوں سے کنارہ

کش ہوں-

پس معلوم ہوا' انعام یافتہ انسانوں سے مقصود دنیا کے تمام رسول اور داعیان حق ہیں جو قرآن کے نزول سے پہلے دنیا میں پیدا ہو چکے تھے اور تمام راست باز انسان ہیں جو نوع انسانی میں گزر چکے تھے- اس میں نہ تو کسی خاص نسل وقوم کی خصوصیت رکھی گئی ہے' نہ کسی خاص مذہب اور اس کے پیروؤں کی- دنیا کے تمام نبی' تمام صدیق' تمام شہدائے حق' تمام صالح انسان' خواہ کسی ملک وقوم میں ہوئے ہوں' قرآن کے نزدیک ''انعام یافتہ'' انسان ہیں اور انہی کی راہ ''صراط مستقیم'' ہے-

خدا کے ان تمام رسولوں اور نوع انسانی کے راست باز افراد کی راہ کون سی راہ تھی؟ وہی راہ جسے قرآن دین حقیقی کی راہ قرار دیتا ہے- وہ کہتا ہے' دنیا میں جس قدر بھی سچائی کے داعی آئے سب نے یہی تعلیم دی کہ **اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ!** ''خدا کا ایک ہی دین قائم رکھو' اور اس راہ میں جدا جدا نہ ہو جاؤ'' یہی راہ سچائی کی سیدھی راہ ہے-

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا الدین کو صراط مستقیم سے بھی تعبیر کیا ہے- سورۂ شوریٰ میں پیغمبر اسلام ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے' تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو' اور صراط مستقیم ہی صراط اللہ ہے- یعنی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی راہ سعادت-

﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ﴾(۴۲: ۵۲-۵۳)

''اور (اے پیغمبرؐ) بلاشبہ تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو' صراط اللہ' یعنی اللہ کی راہ کی طرف- وہ اللہ کہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے' سب اسی کا ہے- ہاں یاد رکھو (کائنات خلقت کا) تمام کاموں کا مرجع اسی کی ذات ہے-''

اسی طرح وہ جا بجا کہتا ہے کہ خدا کے تمام رسولوں کی دعوت صراط مستقیم کی دعوت تھی- سورۂ نحل میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی نسبت ہے:

﴿ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ (۱۶: ۱۲۱) ''خدا نے اسے صراط مستقیم دکھا دی-''

سورۂ زخرف میں حضرت مسیح (علیہ السلام) کی زبانی سنتے ہیں:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴾ (۴۳: ۶۴) ''اللہ میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے- پس اسی کی بندگی کرو- یہی صراط مستقیم ہے!''

سورۂ انعام میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے پھر سلسلہ ابراہیمیؑ کے متعدد نبیوں کا جو تورات کی مشہور شخصیتیں ہیں- اس کے بعد کہا ہے: ﴿ وَاجْتَبَیْنٰهُمْ وَهَدَیْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾(۶: ۸۷) ''ان سب کو ہم نے صراط مستقیم دکھا دی-''

اصل یہ ہے کہ خدا کے عالمگیر دین کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے صراط مستقیم سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی تھی- تم کسی خاص مقام تک پہنچنے کے لیے کتنی ہی راہیں نکال لو لیکن سیدھی راہ ہمیشہ ایک ہی ہوگی اور اسی پر چل کر ہر مسافر منزل مقصود تک

بحفاظت وامن پہنچ سکے گا- علاوہ بریں' سیدھی راہ ہی ہمیشہ شاہراہ عام کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے- تمام مسافر' خواہ کسی گوشے کے رہنے والے ہوں لیکن سب مل جل کر وہی راہ اختیار کریں گے اور کبھی یہ نہ کریں گے کہ الگ الگ ٹولیاں بنا کر ٹیڑھی ترچھی راہوں میں متفرق ہو جائیں- قرآن کہتا ہے: ٹھیک اسی طرح دین کی سیدھی راہ بھی ایک ہی ہے- بہت سی نہیں ہوسکتیں اور وہ اول دن سے موجود ہے- ہر عہد' ہر قوم' ہر ملک اسی پر چل کر منزل مقصود تک پہنچا ہے- بعد کو پیروان مذاہب نے ایسا کیا کہ بہت سی ٹیڑھی ترچھی راہیں نکال لیں اور ایک راہ پر متفق رہنے کی جگہ' الگ ٹولیاں بنا کر' متفرق ہو گئے- وہ کہتا ہے: اب اگر تم چاہتے ہو کہ منزل مقصود کا سراغ پاؤ تو چاہیے کہ اسی سیدھی راہ پر اکٹھے ہو جاؤ- **فھو طریقاً مستقیماً: سھلاً مسلوکاً' واسعاً' موصولاً الی المقصود-**

﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ○ ﴾ (۱۵۳:۶)

''اور (دیکھو) یہ میری راہ ہے- بالکل سیدھی راہ- پس اسی ایک راہ پر چلو اور طرح طرح کے راستوں کے پیچھے نہ پڑو- وہ تمہیں خدا کی سیدھی راہ سے ہٹا کر' جدا جدا کر دیں گے- یہی بات ہے جس کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ (اس کی نافرمانی سے) بچو!''

چنانچہ یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے جب ''صراط مستقیم'' کی اس تفسیر پر نظر ڈالی جائے جو خود پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمائی ہے:

((عن ابن مسعودؓ قال خط لنا رسول الله ﷺ خطا بیده ثم قال هذا سبیل الله مستقیماً ثم خط خطوطًا عن یمین ذلك الخط وعن شماله ثم قال وهذه السبل لیس منها سبیل الا علیه شیطان یدعوا علیه ثم قرأ هذه الایة)) (اخرجه النسائی واحمد' والبزار ، وابن المنذر' وابو الشیخ' والحاکم وصححه)

''عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا' یوں سمجھو کہ یہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا راستہ ہے- بالکل سیدھا' اس کے بعد اس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچ دیں' اور فرمایا- یہ طرح طرح کے راستے ہیں جو بنا لیے گئے ہیں' اور ان میں کوئی راستہ نہیں جس کی طرف بلانے کے لیے ایک شیطان موجود نہ ہو- پھر یہ آیت پڑھی: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ﴾ اِلٰی آخرہ-

اس سے معلوم ہوا' تمام ادھر ادھر کے ٹیڑھے ترچھے راستے ''سبل متفرقہ'' ہیں جو جمعیت بشری کو متحد کرنے کی جگہ متفرق کر دیتے ہیں' اور درمیان کی ایک ہی سیدھی راہ ''صراط مستقیم'' ہے- یہ متفرق کرنے کی جگہ تمام رہروان منزل کو ایک ہی شاہراہ پر جمع کر دیتی ہے-

یہ سبل متفرقہ کیا ہے؟ اسی گمراہی کا نتیجہ ہیں' جسے قرآن نے ''تشیع'' اور ''تحزب'' کی گمراہی سے تعبیر کیا ہے'

اور تشریح اس کی اوپر گزر چکی۔

دین حقیقی کی راہ کا سیدھا ہونا' اور ''سبل متفرقہ'' یعنی خود ساختہ گروہ بندیوں کا پر پیچ وخم ہونا' ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہر انسان بغیر کسی عقلی کاوش کے سمجھ سکتا ہے- خدا کا دین اگر انسان کی ہدایت کے لیے ہے' تو ضروری ہے کہ خدا کے تمام قوانین کی طرح یہ بھی صاف اور واضح ہو' اس میں کوئی راز نہ ہو' کوئی پیچیدگی نہ ہو' نا قابل حل معمہ نہ ہو- اعتقاد میں سہل ہو اور عمل میں ہلکا- ہر عقل اسے بوجھ لے- ہر طبیعت اس پر مطمئن ہو جائے- اچھا' اب غور کرو' یہ تعریف کس راہ پر صادق آتی ہے؟ ان مختلف راہوں پر جو پیروان مذاہب نے الگ الگ گروہ بندیاں کر کے نکال لی ہیں' یا اس ایک ہی راہ پر جسے قرآن اصل دین کی راہ بتلاتا ہے؟

ان گروہ بندیوں میں سے کوئی گروہ بندی بھی ایسی نہیں ہے جو اپنے بوجھل عقیدوں' نا قابل فہم عقدوں' اور نا قابل برداشت عملوں کی ایک طول وطویل فہرست نہ ہو- ہم یہاں تفصیلات میں نہیں جائیں گے- ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کے تمام پیروان مذاہب کے مزعومہ عقائد و اعمال کا کیا حال ہے' اور ان کی نوعیت کیسی ہے؟ مذہب کا عقل کے لیے معمہ اور طبیعت کے لیے بوجھ ہونا' ایک ایسی بات ہے جو عام طور پر مذاہب کا خاصہ تسلیم کر لی گئی ہے- لیکن قرآن جس راہ کو دین حقیقی کی راہ کہتا ہے' اس کا کیا حال ہے؟ اس کی راہ تو اتنی واضح' اتنی سہل' اتنی مختصر ہے' کہ عقائد و اعمال کی پوری فہرست صرف دو لفظوں میں ختم کی جا سکتی ہے' ایمان اور عمل صالح- اس کے عقائد میں عقل کے لیے کوئی بوجھ نہیں- اس کے اعمال میں طبیعت کے لیے کوئی سختی نہیں- ہر طرح کے پیچ وخم سے پاک- ہر معنی میں اعتقاد و عمل کی سیدھی سے سیدھی بات- **حنیفیۃ السمحہ' لیلھا کنھارھا!** اس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے!

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ ﴾ (۱۸ : ۱)

''ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی' اور اس میں کسی طرح کی بھی کجی نہیں رکھی-''

بہر حال' قرآن کا پیرو وہ ہے جو دین کی سیدھی راہ پر چلنے والا ہے- وہ راہ نہیں جو کسی خاص گروہ' کسی خاص نسل' کسی خاص قوم' کسی خاص عہد کی راہ ہے' بلکہ خدا کی عالمگیر سچائی کی راہ' جو ہر جگہ اور ہر عہد میں نمایاں ہوئی ہے اور ہر طرح کی جغرافیائی اور جماعتی حد بندیوں کے امتیازات سے پاک ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴾ (۴۳ : ۶۴)

''اللہ میرا اور تمہارا' دونوں کا پروردگار ہے' پس اسی کی بندگی کرو یہی صراط مستقیم ہے-''

علاوہ بریں بحث ونظر کے بعض دوسرے پہلو بھی ہیں جو اس موقع پر پیش نظر رہنے چاہییں:

اولاً: فلاح وسعادت کی راہ- ''سیدھی راہ'' سے تعبیر کیا گیا اور ''سیدھی راہ'' پر چلنا ایک ایسی بات ہے جس کی سمجھ اور طلب بالطبع ہر انسان کے اندر موجود ہے- پھر اس کی پہچان بتلاتے ہوئے کوئی اس طرح کی تعریف نہیں کی جس کے

سمجھنے اور منطبق کرنے میں ذہنی کاوشوں کی ضرورت ہو' بلکہ ایک خاص طرح کے انسانوں کی طرف انگلی اٹھادی کہ صراط مستقیم ان لوگوں کی راہ ہے- اس اسلوب بیان نے ہر انسان کے سامنے صراط مستقیم کو ایک محسوس و مشہود صورت میں نمایاں کر دیا- ہر انسان خواہ کسی عہد اور کسی ملک و قوم سے تعلق رکھتا ہو لیکن اس بات سے بے خبر نہیں ہو سکتا کہ یہاں دو طرح کے انسان موجود ہیں- ایک وہ ہیں جن کی راہ سعادت و کامیابی کی راہ ہے- ایک وہ ہیں جن کے حصے میں محرومی و شقاوت آئی ہے- پس کامیابی کی راہ کی پہچان اس سے زیادہ بہتر اور مؤثر طریقہ سے بیان نہیں کی جاسکتی کہ وہ کامیاب انسان کی راہ ہے- اگر اس کی پہچان منطقی تعریفوں کی طرح بیان کی جاتی' تو ظاہر ہے' نہ تو ہر انسان بغیر کاوش و فکر کے سمجھ سکتا' نہ قطعی طور پر کسی ایک ہی راہ پر منطبق کی جاسکتی-

ثانیاً: جہاں تک انسانی فلاح و سعادت کا تعلق ہے' صراط مستقیم کی تعبیر ہی ہر لحاظ سے حقیقی اور قدرتی تعبیر ہو سکتی تھی- انسان کے فکر و عمل کا کوئی گوشہ ہو' لیکن صحت و درستگی کی راہ ہمیشہ وہی ہوگی جو سیدھی راہ ہو- جہاں انحراف اور کجی پیدا ہوئی' نقص و فساد ظہور میں آ گیا- یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں سیدھا ہونا اور سیدھی چال چلنا' فلاح و سعادت کے معنوں میں عام طور بولا جاتا ہے- گویا اچھائی کے معنوں میں یہ ایک ایسی تعبیر ہے' جو تمام نوع انسانی کی عالمگیر تعبیر کہی جاسکتی ہے-

حضرت مسیح علیہ السلام سے چار سو برس پہلے دارا یوش اول نے جو فرامین کندہ کرائے تھے' ان میں سے بے ستون کا کتبہ آج تک موجود ہے اور اس کا خاتمہ ان جملوں پر ہوتا ہے ''اے انسان! اہورامزد کا (یعنی خدا کا) تیرے لیے حکم یہ ہے کہ برائی کا دھیان نہ کر- سیدھا راستہ نہ چھوڑ- گناہ سے بچتا رہ-''

پس صراط مستقیم پر چلنے کی طلب' زندگی کی تمام راہوں میں درستگی و صحت کی راہ چلنے کی طلب ہوئی- اور اسی لیے سعی و عمل کے ہر گوشے میں' انعام یافتہ گروہ وہی ہو سکتا ہے جس کی راہ صراط مستقیم ہو-

''المغضوب علیہم'' اور ''الضالین'':

پھر ''صراط مستقیم'' کی پہچان صرف اس کے مثبت پہلو ہی سے واضح نہیں کی گئی' بلکہ اس کا ضد و مخالف پہلو بھی واضح کر دیا گیا: ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ ﴾ ''ان کی راہ نہیں جو مغضوب ہوئے- نہ ان کی جو گمراہ ہو کر بھٹک گئے-

''مغضوب علیہ'' گروہ ''منعم علیہ'' کی بالکل ضد ہے- کیونکہ انعام کی ضد غضب ہے' اور فطرت کائنات کا قانون یہ ہے کہ راست باز انسانوں کے حصے میں انعام آتا ہے- نافرمانوں کے حصے میں غضب- ''گمراہ'' وہ ہیں جو راہ حق نہ پا سکے' اور اس کی جستجو میں بھٹک گئے- پس مغضوب وہ ہوئے جنہوں نے راہ پائی اور اس کی نعمتیں بھی پائیں' لیکن پھر اس سے منحرف ہو گئے' اور نعمت کی راہ چھوڑ کر محرومی و شقاوت کی راہ اختیار کر لی- گمراہ وہ ہوئے جو راہ ہی نہ پا سکے- اس لیے ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں اور صراط مستقیم کی سعادتوں سے محروم ہیں-

''مغضوب علیہ'' کی محرومی' حصول و معرفت کے بعد انکار کا نتیجہ ہے' اور گمراہ کی محرومی جہل کا نتیجہ- پہلے نے پا کر

روگردانی کی' اس لیے محروم ہوا' دوسرا پا ہی نہ سکا اس لیے محروم ہے- محروم دونوں ہوئے' مگر یہ ظاہر ہے کہ پہلے کی محرومی زیادہ مجرمانہ ہے- کیونکہ اس نے نعمت حاصل کر کے پھر اس سے روگردانی کی- اسی لیے اسے مغضوب کہا گیا اور دوسرے کی حالت صرف گمراہی کے لفظ سے تعبیر کی گئی-

ہم دیکھتے ہیں' دنیا میں فلاح وسعادت سے محروم آدمی ہمیشہ دو ہی طرح کے ہوتے ہیں- جاحد اور جاہل جاحد وہ ہوتا ہے جو حقیقت پا لیتا ہے بایں ہمہ اس سے روگردانی کرتا ہے- جاہل وہ ہوتا ہے جو حقیقت سے نا آشنا ہوتا ہے اور اپنے جہل پر قانع ہو جاتا ہے' پس صراط مستقیم پر چلنے کی طلبگاری کے ساتھ' محرومی شقاوت کی ان دونوں صورتوں سے بچنے کی طلب بھی سکھلا دی تا کہ فلاح وسعادت کی راہ کا تصور ہر طرح کامل اور لغزشوں سے محفوظ ہو جائے-

جہاں تک مذہبی صداقت کا تعلق ہے' دونوں طرح کی محرومیوں کی مثالیں قوموں کی تاریخ میں موجود ہیں- کتنی ہی قومیں ہیں جن کے قدم صراط مستقیم پر استوار ہو گئے تھے اور فلاح وسعادت کی تمام نعمتیں ان کے لیے مہیا تھیں- بایں ہمہ انہوں نے روگردانی کی اور راہ حق کی معرفت حاصل کر کے پھر اس سے منحرف ہو گئے- نتیجہ یہ نکلا کہ وہی قوم جو کل تک دنیا کی انعام یافتہ جماعت تھی' سب سے زیادہ محروم و نامراد جماعت ہو گئی- اسی طرح کتنی ہی جماعتیں ہیں' جن کے سامنے فلاح و سعادت کی راہ کھول دی گئی لیکن انہوں نے معرفت کی جگہ جہل' اور روشنی کی جگہ تاریکی پسند کی- نتیجہ یہ نکلا کہ راہ حق نہ پا سکے اور نامرادی ومحرومی کی وادیوں میں گم ہو گئے-

احادیث وآثار میں اس کی جو تفسیر بیان کی گئی ہے- اس سے یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے- ترمذی اور احمد و ابن حبان وغیرہم کی مشہور حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "المغضوب" یہودی ہیں اور "الضالین" نصاریٰ ہیں- یقیناً اس تفسیر کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ مغضوب سے مقصود صرف یہودی' اور گمراہ سے مقصود صرف نصاریٰ ہیں- بلکہ مقصود یہ ہے کہ مغضوبیت اور گمراہی کی حالت واضح کرنے کے لیے دو جماعتوں کا ذکر بطور مثال کے کر دیا جائے- چنانچہ ان دونوں جماعتوں کی تاریخ میں ہم محرومی کی دونوں حالتوں کا کامل نمونہ دیکھ سکتے ہیں- یہودیوں کی قومی تاریخ مغضوبیت کے لیے اور عیسائیوں کی تاریخ گمراہی کے لیے' عبرت وتذکیر کا بہترین سرمایہ ہے-

☆☆☆

قرآن کے قصص اور استقرائے تاریخی

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں' قرآن نے ہدایت و تذکیر امم کے لیے جن جن اصولوں پر زور دیا ہے ان میں سب سے زیادہ نمایاں اصل' پچھلی قوموں کے ایام و وقائع اور ان کے نتائج ہیں- وہ کہتا ہے: کائنات ہستی کے ہر گوشے کی طرح قوموں اور جماعتوں کے لیے بھی خدا کا قانون سعادت و شقاوت ایک ہی ہے اور ہر عہد اور ہر ملک میں ایک ہی طرح کے احکام و نتائج رکھتا ہے- اس کے احکام میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور اس کے نتائج ہمیشہ اور ہر حال میں اٹل ہیں- جس طرح سنکھیا کی تاثیر اس لیے بدل نہیں جا سکتی کہ وہ کس عہد اور کس سنہ میں استعمال کی گئی- اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے اعمال کے نتائج بھی اس لیے متغیر نہیں ہو جا سکتے کہ کس ملک میں پیش آئے- اگر ماضی میں ہمیشہ شہد' شہد کا خاصہ رکھتا آیا ہے' اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی رہی ہے' تو مستقبل میں بھی ہمیشہ شہد شہد ہی رہے گا اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی ہوگی- پس جو کچھ ماضی میں پیش آ چکا ہے' ضروری ہے کہ مستقبل میں بھی پیش آئے-

﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾ (۶۲:۳۳)

''جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں' ان کے لیے اللہ کی سنت یہی رہی ہے- (یعنی اللہ کے قوانین و احکام کا دستور یہی رہا ہے) اور اللہ کی سنت میں تم کبھی رد و بدل نہیں پاؤ گے-''

﴿ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴾ (۴۳:۳۵)

''پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟ کیا اس سنت کی جو اگلے لوگوں کے لیے رہ چکی ہے؟ تو یاد رکھو' تم اللہ کی سنت کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے' اور نہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی سنت کے احکام پھیر دیے جائیں-''

﴿ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴾ (۶۲:۳۳)

''(اے پیغمبرؐ!) تم سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے ان کے لیے ہماری سنت یہی رہی ہے اور

ہماری سنت کبھی ٹلنے والی نہیں۔“

چنانچہ وہ ایک طرف تو انعام یافتہ جماعتوں کی کامرانیوں کا بار بار ذکر کرتا ہے- دوسری طرف مغضوب اور گمراہ جماعتوں کی محرومیوں کی سرگزشتیں بار بار سناتا ہے- پھر جا بجا ان سے عبرت و بصیرت کے نتائج اخذ کرتا ہے‘ جن پر اقوام و جماعات کا عروج و زوال موقوف ہے۔ وہ کھول کھول کر بتلاتا ہے کہ انعام یافتہ جماعتوں کی سعادت و کامرانی ان ان اعمال کا انعام تھے اور مغضوب و گمراہ جماعتوں کی شقاوت و محرومی ان ان بدعملیوں کی پاداش تھی- اچھے نتائج کو ”انعام“ کہتا ہے‘ کیونکہ یہ فطرت الٰہی کی قبولیت ہے- برے نتائج کو ”غضب“ کہتا ہے‘ کیونکہ یہ قانون الٰہی کی پاداش ہے- وہ کہتا ہے جن اسباب و علل سے دس مرتبہ ایک خاص طرح کا معلول پیدا ہو چکا ہے‘ تم کیونکر انکار کر سکتے ہو کہ گیارہویں مرتبہ بھی ویسا ہی معلول پیدا نہ ہوگا؟

﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۝ ﴾

(۳:۱۳۷)

”تم سے پہلے دنیا میں (خدا کے) احکام و قوانین کے نتائج گزر چکے ہیں پس ملکوں کی سیر کرو‘ اور دیکھو ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جنہوں نے (اللہ کے احکام و قوانین کو) جھٹلایا تھا-

قرآن کی سورتوں میں ایک بڑی تعداد ایسی سورتوں کی ہے‘ جو تمام تر اسی مطلب پر مشتمل ہیں- کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں جس قدر بیان بھی پچھلے عہدوں کے وقائع و قصص کا ہے‘ وہ تمام تر سورۂ فاتحہ کی اسی آیت کی تفصیل ہے-

☆☆☆

سورۂ فاتحہ کی تعلیمی روح

اچھا اب چند لمحوں کے لیے سورۂ فاتحہ کے مطالب پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالو اور دیکھو' اس کی سات آیتوں کے اندر مذہبی عقائد و تصور کی جو روح مضمر ہے' وہ کس طرح کی ذہنیت پیدا کرتی ہے؟ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے- فرض کرو ایک انسان کے دل و زبان سے شب و روز یہی دعا نکلتی رہتی ہے- اس صورت میں اس کے فکر و اعتقاد کا کیا حال ہوگا؟

وہ خدا کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج ہے لیکن اس خدا کی حمد میں نہیں جو نسلوں' قوموں اور مذہبی گروہ بندیوں کا خدا ہے بلکہ ﴿ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ کی حمد میں جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے اور اس لیے تمام نوع انسانی کے لیے یکساں طور پر پروردگاری و رحمت رکھتا ہے- پھر وہ اسے اس کی صفتوں کے ساتھ پکارنا چاہتا ہے' لیکن اس کی تمام صفتوں میں سے صرف رحمت اور عدالت ہی کی صفتیں اسے یاد آتی ہیں' گویا خدا کی ہستی کی نمود اس کے لیے سرتاسر رحمت و عدالت کی نمود ہے اور جو کچھ بھی اس کی نسبت جانتا ہے' وہ رحمت و عدالت کے سوا کچھ نہیں ہے- پھر وہ اپنا سر نیاز جھکاتا اور اس کی عبودیت کا اقرار کرتا ہے- وہ کہتا ہے' صرف تیری ہی ایک ذات ہے جس کے آگے بندگی و نیاز کا سر جھک سکتا ہے اور صرف تو ہی ہے جو ہماری ساری درماندگیوں اور احتیاجوں میں مددگاری کا سہارا ہے- وہ اپنی عبادت اور استعانت' دونوں کو صرف ایک ہی ذات کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے اور اس طرح دنیا کی ساری قوتوں اور ہر طرح کی انسانی فرمانروائیوں سے بے پروا ہو جاتا ہے- اب کسی چوکھٹ پر اس کا سر جھک نہیں سکتا' اب کسی قوت سے وہ ہراساں نہیں ہوسکتا' اب کسی کے آگے اس کا دست طلب دراز نہیں ہوسکتا!

پھر وہ خدا سے سیدھی راہ چلنے کی توفیق طلب کرتا ہے- یہی ایک مدعا ہے جس سے زبان احتیاج آشنا ہوتی ہے- لیکن کون سی سیدھی راہ؟ کسی خاص نسل کی سیدھی راہ؟ کسی خاص قوم کی سیدھی راہ؟ کسی خاص مذہبی حلقہ کی سیدھی راہ؟ نہیں وہ راہ جو دنیا کے تمام مذہبی رہنماؤں اور تمام راست باز انسانوں کی متفقہ راہ ہے' خواہ کسی عہد اور کسی قوم میں ہوئے ہوں- اسی طرح وہ محرومی اور گمراہی کی راہوں سے پناہ مانگتا ہے لیکن یہاں بھی کسی خاص نسل و قوم یا کسی خاص مذہبی گروہ کا ذکر نہیں کرتا- بلکہ ان راہوں سے بچنا چاہتا ہے جو دنیا کے تمام محروم اور گمراہ انسانوں کی راہیں رہ چکی ہیں- گویا جس بات کا طلب گار ہے' وہ بھی نوع انسانی کی عالمگیر اچھائی ہے اور جس بات سے پناہ مانگتا ہے' وہ بھی نوع انسانی کی عالمگیر برائی ہے- نسل' قوم' ملک' یا مذہبی گروہ بندی کے تفرقہ و امتیاز کی کوئی پرچھائیں اس کے دل و دماغ پر نظر نہیں آتی-

غور کرو مذہبی تصور کی یہ نوعیت انسان کے ذہن و عواطف کے لیے کس طرح کا سانچا مہیا کرتی ہے؟ جس انسان کا دل و دماغ ایسے سانچے میں ڈھل کر نکلے گا' وہ کس قسم کا انسان ہوگا؟ کم از کم دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے- ایک یہ کہ اس کی خدا پرستی خدا کی عالمگیر رحمت و جمال کے تصور کی خدا پرستی ہوگی- دوسری یہ کہ کسی معنی میں بھی نسل و قوم یا گروہ بندیوں کا انسان نہیں ہوگا- عالمگیر انسانیت کا انسان ہوگا' اور دعوت قرآنی کی اصلی روح یہی ہے!

رُکُوعُهَا: 1	سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ	اٰيَاتُهَا: 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ① الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ②
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ③ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ④
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑤ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ⑦ ع

ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے جو رحمت والا ہے اور جس کی رحمت تمام مخلوقات کو اپنی بخششوں سے مالا مال کر رہی ہے- جو اس دن کا مالک ہے جس دن کاموں کا بدلہ لوگوں کے حصے میں آئے گا- (خدایا!) ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور صرف تو ہی ہے جس سے (اپنی ساری احتیاجوں میں) مدد مانگتے ہیں (خدایا) ہم پر (سعادت کی) سیدھی راہ کھول دے- وہ راہ جو ان لوگوں کی راہ ہوئی جن پر تو نے انعام کیا- ان کی نہیں جو پھٹکارے گئے اور نہ ان کی جو راہ سے بھٹک گئے-

آیَاتُهَا: 286 | سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 40

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿١﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٢﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ
وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ
مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ
تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ
غِشَاوَةٌ ۫ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٧﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ ع

الف-لام-میم-یہ الکتاب[1] ہے-(۱) اس میں کوئی شبہ نہیں-متقی انسانوں پر (سعادت کی) راہ کھولنے والی (۲) (متقی انسان وہ ہیں) جو غیب (کی حقیقتوں) پر ایمان رکھتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ روزی انہیں دے رکھی ہے اسے (نیکی کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں-(۳) نیز وہ لوگ جو اس (سچائی) پر ایمان رکھتے ہیں- جو تم پر (یعنی پیغمبر اسلام پر) نازل ہوئی ہے اور ان تمام (سچائیوں) پر جو تم سے پہلے (یعنی پیغمبر اسلام سے پہلے) نازل ہو چکی ہیں اور (ساتھ ہی) آخرت (کی زندگی) کے لیے بھی ان کے اندر یقین ہے-(۴) تو یقیناً یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے (ٹھہرائے ہوئے) راستہ پر ہیں اور یہی ہیں (دنیا اور آخرت میں) کامیابی پانے والے!(۵) (لیکن) وہ لوگ جنہوں نے (ایمان کی جگہ) انکار[2] کی راہ اختیار کی (اور سچائی کے سننے اور قبول کرنے کی استعداد کھو دی) تو (ان کے لیے ہدایت کی تمام صدائیں بیکار ہیں) تم انہیں (انکار حق کے نتائج سے) خبردار کر دیا نہ کرو وہ ماننے والے نہیں-(۶)

ان کے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا سو (جن لوگوں نے اپنا یہ حال بنا لیا ہے) وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے-کامیابی کی جگہ ان کے لیے عذاب جانکاہ ہے!(۷)

(ان دو قسم کے آدمیوں کے علاوہ) کچھ لوگ[3] ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے

---

[1] یہ کتاب متقی انسانوں پر فلاح و سعادت کی راہ کھولنے والی ہے اور قبولیت حق کے لحاظ سے انسانوں کی پہلی قسم-

[2] دوسری قسم منکرین حق کی جو قبولیت کی استعداد کے لحاظ سے پہلی قسم کی ضد ہیں-

[3] تیسری قسم ان لوگوں کی جو اگرچہ خدا پرستی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر فی الحقیقت اس سے محروم ہیں!

وقف لازم

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۹
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۱۰ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۱۱ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ
لَّا يَشْعُرُوْنَ ۱۲ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ
اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۱۳ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى
شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۱۴ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ۱۵ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۱۶

ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مومن نہیں (۸) وہ (ایمان کا دعویٰ کر کے) اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں' حالانکہ وہ خود ہی دھوکے میں پڑے ہیں اگر چہ (جہل و سرکشی سے) اس کا شعور نہیں رکھتے- (۹) ان کے دلوں میں (انکار کا) روگ ہے- پس اللہ نے (دعوت حق کامیاب کر کے) انہیں اور زیادہ روگی کر دیا اور ان کے لیے عذاب جانکاہ ہوگا- اس لیے کہ اپنی نمائش میں سچے نہیں! (۱۰) جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں خرابی[۱] نہ پھیلاؤ (اور بدعملیوں سے باز آ جاؤ) تو کہتے ہیں (ہمارے کام خرابی کا باعث کیسے ہو سکتے ہیں) ہم تو سنوارنے والے ہیں- (۱۱) یاد رکھو یہی لوگ ہیں جو خرابی پھیلانے والے ہیں اگر چہ (جہل و سرکشی سے اپنی حالت کا) شعور نہیں رکھتے! (۱۲)

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ایمان کی راہ اختیار کرو جس طرح اور لوگوں نے اختیار کی ہے تو کہتے ہیں کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح (یہ) بے وقوف[۲] آدمی ایمان لے آئے ہیں (یعنی جس طرح ان لوگوں نے بے سروسامانی و مظلومی کی حالت میں دعوت حق کا ساتھ دیا اسی طرح ہم بھی بے وقوف بن کر ساتھ دے دیں؟) یاد رکھو فی الحقیقت یہی لوگ بے وقوف ہیں اگر چہ (جہل و غرور کی سرشاری میں اپنی حالت کا) شعور نہیں رکھتے! (۱۳)

جب یہ لوگ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو (دعوت حق پر) ایمان[۳] لا چکے ہیں تو کہتے ہیں' ہم ایمان لائے- لیکن جب اپنے شیطانوں کے ساتھ اکیلے میں بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں' ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہمارا اظہار ایمان اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ہم تمسخر کرتے تھے (۱۴) (یہ لوگ ایمان کے معاملے میں تمسخر کرتے ہیں- حالانکہ) حقیقت یہ ہے کہ خود انہی کے ساتھ تمسخر ہو رہا ہے کہ اللہ (کے قانون جزا) نے رسی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے اور سرکشی (کے طوفان) میں بہکے چلے جا رہے ہیں! (۱۵) (یقین کرو) یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی- لیکن نہ تو ان کی تجارت فائدہ مند نکلی نہ ہدایت ہی پر قائم رہے! (۱۶)

---

[۱] وہ مفسد ہیں مگر اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ہیں! [۲] وہ راست بازی کو بے وقوفی اور نفاق کو دانشمندی سمجھتے ہیں!
[۳] راست بازوں کی تحقیر اور ایمان والوں کا تمسخر ان لوگوں کا شیوہ ہے-

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا
يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ ۚ
يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ
يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ
بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ع
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً

ان[۱] لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی (رات کی تاریکی میں بھٹک رہا تھا - اس) نے (روشنی کے لیے) آگ سلگائی لیکن جب (آگ سلگ گئی اور اس کے شعلوں سے) آس پاس روشن ہو گیا تو قدرت الٰہی سے ایسا ہوا کہ (اچانک شعلے بجھ گئے' اور) روشنی جاتی رہی - نتیجہ یہ نکلا کہ روشنی کے بعد اندھیرا چھا گیا اور آنکھیں اندھی ہو کر رہ گئیں کہ کچھ بھائی نہیں دیتا - (۱۷) بہرے' گونگے' اندھے ہو کر رہ گئے - پس (جن لوگوں کی محرومی وشقاوت کا یہ حال ہے) وہ کبھی اپنی گم گشتگی سے لوٹ نہیں سکتے - (۱۸) یا پھر[۲] ان لوگوں کی مثال ایسی سمجھو جیسے آسمان سے پانی کا برسنا کہ اس کے ساتھ کالی گھٹائیں اور بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک ہوتی ہے (فرض کرو دنیا پانی کے لیے بے قرار تھی - اللہ نے اپنی رحمت سے بارش کا سماں باندھ دیا - تو اب ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ بارش کی برکتوں کی جگہ صرف اس کی ہولناکیاں ہی ان کے حصے میں آئی ہیں) بادل جب زور سے گرجتے ہیں تو موت کا ڈرانہیں دہلا دیتا ہے (اس کی گرج تو روک سکتے نہیں) اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے لگتے ہیں - حالانکہ (اگر بجلی گرنے والی ہی ہو تو ان کے کان بند کر لینے سے رک نہیں جائے گی) اللہ کی قدرت تو (ہر حال میں) منکروں کو گھیرے ہوئے ہے - (۱۹) (جب) بجلی (زور سے چمکتی ہے تو ان کی خیرگی کا یہ حال ہوتا ہے گویا) قریب ہے کہ بینائی اچک لے - اس کی چمک سے جب فضا روشن ہو جاتی ہے تو دو چار قدم چل لیتے ہیں - جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو (ٹھٹک کر) رک جاتے ہیں - اگر اللہ چاہے تو یہ بالکل بہرے اندھے ہو کر رہ جائیں - اور یقیناً اللہ ہر بات پر قادر ہے - (۲۰) اے افراد نسل انسانی! اپنے پروردگار کی عبادت کرو (اس پروردگار کی) جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان سب کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (اور اس لیے پیدا کیا) تاکہ اس کی نافرمانی سے بچو - (۲۱)

وہ پروردگار عالم[۳] جس نے تمہارے لیے زمین فرش کی طرح بچھا دی' اور آسمان کو چھت کی طرح بلند کر دیا اور (پھر

---

۱ تیسری قسم کے لوگوں کی محرومی کی ایک مثال

۲ حق کے ظہور اور محروموں کی محرومی کی دوسری مثال - کائنات خلقت کی ہولناکیاں بھی خیر و برکت کے لیے ہیں' لیکن محروموں کے حصے میں خوف وسراسیمگی کے سوا کچھ نہیں آتا!

۳ توحید الٰہی کی تلقین اور خالقیت اور ربوبیت سے استدلال جس کا یقین انسان کی فطرت میں ہے -

وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ‌ ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّاَنۡتُمۡ
تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ
مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوۡا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ
وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا
الۡاَنۡهٰرُ‌ؕ كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا‌ ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِىۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ‌ؕ وَلَهُمۡ
فِيۡهَآ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ‌ۙ وَّهُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسۡتَحۡىٖٓ اَنۡ يَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَةً فَمَا فَوۡقَهَا ‌ؕ

تم دیکھ رہے ہو کہ وہی ہے) جو آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے زمین شاداب ہو جاتی ہے اور طرح طرح کے پھل تمہاری غذا کے لیے پیدا ہو جاتے ہیں- پس (جب خالقیت اسی کی خالقیت ہے اور ربوبیت اسی کی ربوبیت تو) ایسا نہ کرو کہ اس کے ساتھ کسی دوسری ہستی کو شریک اور ہم پایہ بناؤ- اور تم جانتے ہو کہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے! (۲۲)

اور[1] (دیکھو) اگر تمہیں اس (کلام) کی سچائی میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر (یعنی پیغمبر اسلام پر) نازل کیا ہے- تو (اس کا فیصلہ بہت آسان ہے- اگر یہ محض ایک انسانی دماغ کی بناوٹ ہے' تو تم بھی انسان ہو- زیادہ نہیں) اس کی سی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جن (طاقتوں) کو تم نے اپنا حمایتی سمجھ رکھا ہے ان سب کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا لو- (۲۳) پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور حقیقت یہ ہے کہ کبھی نہ کر سکو گے' تو اس آگ کے عذاب سے ڈرو جو (لکڑی کی جگہ) انسان اور پتھر کے ایندھن سے سلگتی ہے' اور منکرین حق کے لیے تیار ہے! (۲۴)

(لیکن ہاں) جن لوگوں نے (انکار و سرکشی کی جگہ) ایمان کی راہ اختیار کی' اور ان کے کام بھی اچھے ہوئے' تو ان کے لیے (آگ کی جگہ ابدی راحت کے) باغوں کی بشارت ہے- (سرسبز و شاداب باغ) جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور اس لیے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) جب کبھی ان باغوں کا کوئی پھل ان کے حصے میں آئے گا (یعنی بہشتی زندگی کی کوئی نعمت ان کے حصے میں آئے گی) تو بول اٹھیں گے' یہ تو وہ نعمت ہے جو پہلے ہمیں دی جا چکی ہے (یعنی نیک عملی کا وہ اجر ہے جس کے ملنے کی ہمیں دنیا میں خبر دی جا چکی ہے) اور (یہ اس لیے کہیں گے کہ) باہم دگر ملتی جلتی ہوئی چیزیں ان کے سامنے آئیں گی (یعنی جیسا کچھ ان کا عمل تھا' ٹھیک ویسی ہی بہشتی زندگی کی نعمت بھی ہوگی) علاوہ بریں ان کے لیے نیک اور پارسا بیویاں ہوں گی اور ان کی راحت ہمیشگی کی راحت ہوگی کہ اسے کبھی زوال نہیں! (۲۵)

اللہ[2] (کا کلام جو انسانوں کو ان کی سمجھ کے مطابق مخاطب کرنا چاہتا ہے) اس بات سے نہیں جھجکتا کہ کسی (حقیقت کے سمجھانے کے لیے کسی حقیر سے حقیر کی) مثال سے کام لے- مثلاً مچھر کی' یا اس سے بھی زیادہ کسی حقیر چیز کی پس جو لوگ ایمان رکھتے

---

[1] رسالت اور وحی

[2] سنت الٰہی یہ ہے کہ وحی کا کلام انسانی بول چال کے مطابق ہوتا ہے اور بیان حقائق کے لیے مثالیں ضروری ہیں-

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ
بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ وقف لازم
عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا ع ۹

ہیں' وہ (مثالیں سن کر ان کی دانائی میں غور کرتے ہیں اور) جان لیتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہے ان کے پروردگار کی طرف سے ہے- لیکن جن لوگوں نے انکار حق کی راہ اختیار کی ہے تو وہ (جہل اور کج فہمی سے حقیقت نہیں پا سکتے - وہ) کہتے ہیں بھلا ایسی مثال بیان کرنے سے اللہ کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ بس کتنے ہی انسان ہیں جن کے حصے میں اس سے گمراہی آئے گی اور کتنے ہی ہیں' جن پر اس (کی سمجھ بوجھ سے) راہ (سعادت) کھل جائے گی- اور (خدا کا قانون یہ ہے کہ) وہ گمراہ نہیں کرتا مگر انہی لوگوں کو جو (ہدایت کی تمام حدیں توڑ کر) فاسق ہو گئے ہیں- (۲۶)

(فاسق کون ہیں؟ فاسق وہ ہیں) جو احکام الٰہی کی اطاعت کا عہد کر کے پھر اسے توڑ ڈالتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے ان کے کاٹنے میں بے باک ہیں اور (اپنی بدعملیوں اور سرکشیوں سے) ملک میں فساد پھیلاتے ہیں سو (جن لوگوں کی شقاوتوں کا یہ حال ہے وہ ہمیشہ گمراہی کی چال ہی چلیں گے- اور فی الحقیقت) یہی لوگ ہیں جن کے لیے سرتاسر نامرادی اور نقصان ہے! (۲۷)

(اے[۱] افراد نسل انسانی!) تم کس طرح اللہ سے (اور اس کی عبادت سے) انکار کر سکتے ہو جبکہ حالت یہ ہے کہ تمہارا وجود نہ تھا' اس نے زندگی بخشی پھر وہی ہے جو زندگی کے بعد موت طاری کرتا ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشے گا' اور بالآخر تم سب کو اسی کے حضور لوٹنا ہے! (۲۸)

(اور[۲] دیکھو) یہ اسی (پروردگار) کی کارفرمائی ہے کہ اس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لیے پیدا کیں (تا کہ جس طرح چاہو ان سے کام لو) پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور سات آسمان درست کر دیے (جن سے طرح طرح کے فوائد تمہیں حاصل ہوتے ہیں) اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے! (۲۹) اور (اے[۳] پیغمبر اس حقیقت پر غور کر) جب ایسا ہوا تھا کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا: ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں'' فرشتوں نے عرض کیا ''کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا جا رہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائے گی اور خونریزی کرے گی؟

---

۱ آخرت کی زندگی' اور پہلی پیدائش سے دوسری پیدائش پر استدلال-

۲ زمین کی مخلوقات میں نوع انسانی کی برتری اور مخلوقات ارضی کا اس لیے ہونا تا کہ انسان انہیں اپنے کام میں لائے-

۳ انسان کا زمین میں خدا کا خلیفہ ہونا' نوع انسانی کی معنوی تکمیل' آدم علیہ السلام کا ظہور اور قوموں کی ہدایت و ضلالت کی ابتدا-

مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰
وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَي الْمَلٰۗىِٕكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِــُٔوْنِيْ بِاَسْمَاۗءِ هٰٓؤُلَاۗءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۲ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ
فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ
مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۤ وَكَانَ
مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۴ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا
هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۵ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا

حالانکہ ہم تیری حمد وثنا کرتے ہوئے تیری پاکی وقدوسی کا اقرار کرتے ہیں (کہ تیری مشیت برائی سے پاک اور تیرا کام نقصان سے منزہ ہے!'') اللہ نے کہا ''میری نظر جس حقیقت پر ہے، تمہیں اس کی خبر نہیں!'' (۳۰)

(پھر جب ایسا ہوا کہ مشیت الٰہی نے جو کچھ چاہا تھا ظہور میں آ گیا) اور آدم نے (یہاں تک معنوی ترقی کی کہ) تعلیم الٰہی سے تمام چیزوں کے نام معلوم کر لیے، تو اللہ نے فرشتوں کے سامنے وہ (تمام حقائق) پیش کر دیے اور فرمایا ''اگر تم (اپنے شبہ میں) درستی پر ہو تو بتلاؤ ان (حقائق) کے نام کیا ہیں؟'' (۳۱) فرشتوں نے عرض کیا ''خدایا ساری پاکیاں اور بڑائیاں تیرے ہی لیے ہیں - ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھلا دیا ہے - علم تیرا علم ہے اور حکمت تیری حکمت! (۳۲)'' (جب فرشتوں نے اس طرح اپنے عجز کا اعتراف کر لیا، تو) حکم الٰہی ہوا ''اے آدم، تم (اب) فرشتوں کو ان (حقائق) کے نام بتلا دو'' جب آدم نے بتلا دیے تو اللہ نے فرمایا ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان وزمین کے تمام غیب مجھ پر روشن ہیں؟ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی میرے علم میں ہے اور جو کچھ تم چھپاتے تھے وہ بھی مجھ سے مخفی نہیں!'' (۳۳)

اور پھر[1] (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا - آدم کے آگے سربسجود ہو جاؤ - وہ جھک گئے، مگر ابلیس کی گردن نہیں جھکی اس نے نہ مانا اور گھمنڈ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ منکروں میں سے تھا - (۳۴)

پھر (ایسا ہوا) کہ ہم نے آدم سے کہا ''اے آدم تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو جس طرح چاہو کھاؤ پیو، امن چین کی زندگی بسر کرو - مگر دیکھو، وہ جو ایک درخت ہے تو کبھی اس کے پاس بھی نہ پھٹکنا - اگر تم اس کے قریب گئے تو (نتیجہ یہ نکلے گا کہ) حد سے تجاوز کر بیٹھو گے، اور ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو زیادتی کرنے والے ہیں'' - (۳۵)

پھر[2] (ایسا ہوا کہ) شیطان کی وسوسہ اندازی نے ان دونوں کے قدم ڈگمگا دیے، اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جیسی کچھ (راحت و سکون کی) زندگی بسر کر رہے تھے اس سے نکلنا پڑا - خدا کا حکم ہوا ''یہاں سے نکل جاؤ - تم میں سے ہر وجود دوسرے کا دشمن ہے -

---

[1] فرشتوں کا آدم کے سامنے سربسجود ہو جانا مگر ابلیس کا انکار کرنا - آدم علیہ السلام کی بہشتی زندگی اور شجر ممنوع -

[2] آدم علیہ السلام کی لغزش اور اعتراف قصور: قبولیت توبہ اور ایک نئی زندگی کا آغاز!

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ
فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن
تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٩﴾ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ ع
بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿٤٠﴾ وَآمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ ۖ وَلَا
تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿٤١﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾

اب تمہیں (جنت کی جگہ) زمین میں رہنا ہے اور ایک خاص وقت تک کے لیے (جو علم الٰہی میں مقرر ہو چکا ہے) اس سے فائدہ اٹھانا ہے'' (۳۶)

پھر ایسا ہوا کہ آدم نے اپنے پروردگار کی تعلیم سے چند کلمات معلوم کر لیے (جن کے لیے اس کے حضور قبولیت تھی) پس اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی - اور بلاشبہ وہی ہے جو رحمت سے درگزر کرنے والا ہے اور اس کی درگزر کی کوئی انتہا نہیں! (۳۷)

(آدم کی توبہ قبول ہوگئی اور) ہمارا حکم ہوا' تو اب تم[1] سب یہاں سے نکل چلو (اور جس نئی زندگی کا دروازہ تم پر کھولا جا رہا ہے اسے اختیار کرو) لیکن (یاد رکھو) جب کبھی ایسا ہوگا کہ ہماری جانب سے تم پر راہ (حق) کھولی جائے گی تو (تمہارے لیے دو ہی راہیں ہوں گی) جو کوئی ہدایت کی پیروی کرے گا اس کے لیے کسی طرح کی غمگینی نہیں - (۳۸) جو کوئی انکار کرے گا اور ہماری نشانیاں جھٹلائے گا وہ دوزخی گروہ میں سے ہوگا - ہمیشہ عذاب میں رہنے والا - (۳۹)

اے بنی اسرائیل[2]! میری نعمت یاد کرو' وہ نعمت جس سے میں نے تمہیں سرفراز کیا تھا اور دیکھو اپنا عہد پورا کرو (جو ہدایت قبول کرنے اور اس پر کاربند ہونے کا عہد ہے) میں بھی اپنا عہد پورا کروں گا (جو ہدایت پر کاربند ہونے والوں کے لیے کامرانی و سعادت کا عہد ہے) اور دیکھو میرے سوا کوئی نہیں پس دوسروں سے نہیں صرف مجھی سے ڈرو! (۴۰)

اور اس کلام پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کیا ہے' اور جو اس کلام کی تصدیق کرتا ہوا نمایاں ہوا ہے جو تمہارے پاس (پہلے سے) موجود ہے اور ایسا نہ کرو کہ اس کے انکار میں (شقاوت کا) پہلا قدم جو اٹھے وہ تمہارا ہو - اور (دیکھو) میرے سوا کوئی نہیں' پس میری نافرمانی سے بچو! (۴۱)

اور ایسا نہ کرو کہ حق کو باطل کے ساتھ ملا کر مشتبہ بنا دو اور حق کو چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو حقیقت حال کیا ہے؟ (۴۲)

---

[1] وحی الٰہی کی ہدایت اور انسان کی سعادت و شقاوت کا قانون -

[2] وحی الٰہی کی ہدایت کا جاری ہونا اور اس سلسلہ میں بنی اسرائیل سے خطاب کہ کتاب اللہ کے سب سے بڑے حامل وحی سمجھے جاتے تھے -

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝٤٣ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ
تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝٤٤ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝٤٥
ع ۵ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝٤٦ يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ
اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝٤٧ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْـًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ
مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝٤٨ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ
سُوْۗءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝٤٩

اور نماز قائم کرو (جس کی حقیقت تم نے کھودی ہے) اور زکوٰۃ ادا کرو (جس کا تم میں اخلاص باقی نہیں رہا) اور جب اللہ کے حضور جھکنے والے جھکیں تو ان کے ساتھ تم بھی سر نیاز جھکا دو! (۴۳)

تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو مگر خود اپنی خبر نہیں لیتے کہ تمہارے کاموں کا کیا حال ہے حالانکہ خدا کی کتاب تمہارے پاس ہے اور ہمیشہ تلاوت کرتے رہتے ہو؟ (افسوس تمہاری عقلوں پر!) کیا اتنی سی موٹی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟ (۴۴)

اور[1] (دیکھو) صبر اور نماز (کی قوتوں) سے (اپنی اصلاح میں) مدد لو لیکن نماز ایک ایسا عمل ہے جو (انسان کی راحت طلب طبیعت پر) بہت ہی کٹھن گزرتا ہے۔ (۴۵) البتہ جن لوگوں کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور جو سمجھتے ہیں انہیں اپنے پروردگار سے ملنا اور (بالآخر) اس کے حضور لوٹنا ہے تو ان پر یہ عمل کٹھن نہیں ہوسکتا (۴۶)

اے بنی اسرائیل![2] میری نعمتیں یاد کرو جن سے میں نے تمہیں سرفراز کیا تھا اور (خصوصاً) یہ (نعمت) کہ دنیا کی قوموں پر تمہیں فضیلت دی تھی۔ (۴۷) اُس دن کی پکڑ سے ڈرو جبکہ (انسان کی کوئی کوشش بھی اسے برے کاموں کے نتیجوں سے نہیں بچا سکے گی اس دن) نہ تو کوئی انسان دوسرے انسان کے کام آئے گا' نہ کسی کی سفارش سنی جائے گی' نہ کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا' اور نہ کہیں سے کسی طرح کی مدد ملے گی! (۴۸)

اور (اپنی[3] تاریخ حیات کا) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں خاندان فرعون (کی غلامی) سے جنہوں نے تمہیں نہایت سخت عذاب میں ڈال رکھا تھا نجات دی تھی۔ وہ تمہارے لڑکوں کو بے دریغ ذبح کر ڈالتے (تا کہ تمہاری نسل نابود ہو جائے) اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے (حکمراں قوم کی لونڈیاں بن کر زندگی بسر کریں) اور فی الحقیقت اس صورت حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے بڑی ہی آزمائش تھی! (۴۹)

---

[1] ''صبر'' اور ''نماز'' دو بڑی روحانی قوتیں ہیں جن سے اصلاح نفس اور انقلاب حال میں مدد لی جاسکتی ہے۔

[2] بنی اسرائیل کے ایام وقائع کا تذکرہ اور قوموں کی ہدایت وضلالت کے حقائق۔

[3] مصر کے فرعونوں کی غلامی سے نجات اور کتاب وفرقان کا عطیہ لیکن بنی اسرائیل کا مصری بت پرستی کی طرف مائل ہو جانا اور گوسالہ پرستی شروع کر دینی۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ
لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ
ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ
فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ
الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ

اور پھر وہ وقت یاد کرو جب (تم مصر سے نکلے تھے اور فرعون تمہارا تعاقب کر رہا تھا) ہم نے سمندر کا پانی اس طرح الگ الگ کر دیا کہ تم بچ نکلے مگر فرعون کا گروہ غرق ہو گیا' اور تم (کنارے پر کھڑے) دیکھ رہے تھے! (۵۰)

اور (پھر وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں والا وعدہ کیا تھا- (پھر جب ایسا ہوا کہ وہ چالیس دن کے لیے تمہیں چھوڑ کر پہاڑ پر چلا گیا تو اس کے جاتے ہی) تم نے ایک بچھڑے کی پرستش اختیار کر لی' اور تم راہ حق سے ہٹ گئے تھے- (۵۱) (یہ تمہاری بڑی ہی گمراہی تھی) لیکن ہم نے (اپنی رحمت سے) درگزر کی تا کہ اللہ کی بخشائشوں کی قدر کرو- (۵۲)

اور پھر (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے (چالیس راتوں والا وعدہ پورا کیا تھا' اور) موسیٰ کو الکتاب (یعنی تورات) اور الفرقان (یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی قوت) عطا فرمائی تھی' تا کہ تم پر (سعادت و فلاح کی) راہ کھل جائے (۵۳)

اور (پھر وہ وقت) جب موسیٰ (کتاب الٰہی کا عطیہ لے کر پہاڑ سے اترا تھا اور تمہیں ایک بچھڑے کی پوجا میں سرگرم دیکھ کر) پکار اٹھا تھا: اے میری قوم! (افسوس تمہاری حق فراموشی پر!) تم نے بچھڑے کی پوجا کر کے خود اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہ کر دیا ہے- پس چاہیے کہ اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور گوسالہ پرستی کے بدلے اپنی جانوں کو قتل کرو- اسی میں خدا کے نزدیک تمہارے لیے بہتری ہے- چنانچہ تمہاری توبہ قبول کر لی گئی' اور اللہ بڑا ہی رحمت والا' اور رحمت سے درگزر کرنے والا ہے! (۵۴)

اور (پھر[1] وہ واقعہ یاد کرو) جب تم نے کہا تھا: اے موسیٰ! ہم کبھی تم پر یقین کرنے والے نہیں جب تک کہ کھلے طور پر اللہ کو (تم سے بات کرتا ہوا) نہ دیکھ لیں- پھر (تمہیں یاد ہے کہ اس گمراہانہ جسارت کا نتیجہ کیا نکلا تھا؟ یہ نکلا تھا کہ) بجلی کے کڑا کے نے (اچانک) آ گھیرا' اور تم نظر اٹھائے تک رہے تھے! (۵۵)

پھر ہم نے تمہیں اس ہلاکت کے بعد (دوبارہ) اٹھا کھڑا کیا تا کہ اپنے آپ کو نعمت الٰہی کا قدر شناس ثابت کرو! (۵۶) اور (پھر جب[2] ایسا ہوا تھا کہ صحرائے سینا کی بے آب و گیاہ سرزمین میں دھوپ کی شدت اور غذا کے نہ ملنے سے تم ہلاک ہو جانے والے

---

[1] بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ ان کے دلوں میں وحی الٰہی پر کامل یقین نہ تھا-

[2] صحرائے سینا کی بے آب و گیاہ سرزمین میں زندگی کی تمام ضروریات کا مہیا ہو جانا لیکن بنی اسرائیل کا کفران نعمت کرنا-

وَ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَ السَّلۡوٰى ؕ كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ ؕ وَ مَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا
اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذۡ قُلۡنَا ادۡخُلُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ فَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ رَغَدًا وَّ ادۡخُلُوا
الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوۡلُوۡا حِطَّةٌ نَّغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ ؕ وَ سَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا
ع غَيۡرَ الَّذِىۡ قِيۡلَ لَهُمۡ فَاَنۡزَلۡنَا عَلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَ اِذِ اسۡتَسۡقٰى
مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ
مَّشۡرَبَهُمۡ ؕ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۰﴾ وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نَّصۡبِرَ

تھے‘ تو) ہم نے تمہارے سروں پر ابر کا سایہ پھیلا دیا اور من☆ اور سلویٰ کی غذا فراہم کر دی (تم سے کہا گیا:) خدا نے تمہاری غذا کے لیے جو اچھی چیزیں مہیا کر دی ہیں انہیں بفراغت کھاؤ‘ اور کسی طرح کی تنگی محسوس نہ کرو (لیکن اس پر بھی تم اپنی بدعملیوں سے باز نہ آئے - غور کرو) تم نے (اپنی ناشکریوں سے) ہمارا کیا بگاڑا؟ خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے- (۵۷)

اور پھر[1] (کیا اس وقت کی یاد بھی تمہارے اندر عبرت پیدا نہیں کر سکتی) جب (ایک شہر کی آبادی تمہارے سامنے تھی اور) ہم نے حکم دیا تھا کہ اس آبادی میں (فتح مندانہ) داخل ہو جاؤ اور پھر کھاؤ پیو‘ آرام چین کی زندگی بسر کرو‘ لیکن جب شہر کے دروازے میں قدم رکھو‘ تو تمہارے سر اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہوں اور تمہاری زبانوں پر توبہ و استغفار کا کلمہ جاری ہو کہ ''حطة! حطة! (خدایا ہمیں گناہوں کی آلودگی سے پاک کر دے! اگر تم نے ایسا کیا‘ تو) اللہ تمہاری خطائیں معاف کر دے گا‘ اور (اس کا قانون یہی ہے کہ) نیک کردار انسانوں کے اعمال میں برکت دیتا ہے اور ان کے اجر میں فراوانی ہوتی رہتی ہے- (۵۸) لیکن پھر ایسا ہوا کہ تم میں سے ان لوگوں نے جن کی راہ ظلم و شرارت کی راہ تھی خدا کی بتلائی ہوئی بات ایک دوسری بات سے بدل ڈالی (اور عجز و عبودیت کی جگہ غفلت و غرور میں مبتلا ہو گئے) نتیجہ یہ نکلا کہ ظلم و شرارت کرنے والوں پر ہم نے آسمان سے عذاب نازل کیا اور یہ ان کی نافرمانیوں کی سزا تھی- (۵۹) اور پھر (وہ واقعہ بھی یاد کرو[2]) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تھا اور ہم نے حکم دیا تھا اپنی لاٹھی سے پہاڑ کی چٹان پر ضرب لگاؤ (تم دیکھو گے کہ پانی تمہارے لیے موجود ہے- موسیٰ نے اس حکم کی تعمیل کی) چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنے اپنے پانی لینے کی جگہ معلوم کر لی- (اس وقت تم سے کہا گیا تھا) کھاؤ پیو خدا کی بخشائش سے فائدہ اٹھاؤ اور اس سرزمین میں جھگڑا فساد نہ کرو- (۶۰) اور پھر (دیکھو[3] تمہاری تاریخ حیات کا وہ واقعہ بھی کس درجہ عبرت انگیز ہے) جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا ہم سے

---

[1] بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ جب انہیں فتح و کامرانی عطا کی گئی تو عبودیت و نیاز کی جگہ غفلت و غرور میں مبتلا ہو گئے-
[2] صحرائے سینا میں پانی کے چشموں کا نمایاں ہو جانا لیکن بنی اسرائیل کا پانی کے لیے آپس میں جھگڑا اور فتنہ و فساد پھیلانا-
[3] محکومی و غلامی سے قوم کا اخلاق پست ہو جاتا ہے اور بلند مقاصد کے لیے جوش و عزم باقی نہیں رہتا- بنی اسرائیل فراعنہ مصر کی ⇦

☆ ''من'' درخت کا شیرہ ہے جو گوند کی طرح جم جاتا ہے اور خوش ذائقہ و مقوی ہوتا ہے- ''سلویٰ'' ایک پرند ہے- یہ دونوں چیزیں کوہ طور کے اطراف و جوانب میں بکثرت ہوتی ہیں- ''من'' کا حلوا میں نے خود کھایا ہے جو فلسطین کے یہودی بنایا کرتے ہیں-۱۲

عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَ
عَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا
سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۗ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ع
بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ
الَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ

یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی طرح کے کھانے پر قناعت کرلیں' پس اپنے پروردگار سے دعا کرو ہمارے لیے وہ تمام چیزیں پیدا کردی جائیں جو زمین کی پیداوار ہیں- سبزی' ترکاری' گیہوں' دال' پیاز' لہسن وغیرہ (جو مصر میں ہم کھایا کرتے تھے) موسیٰ نے یہ سن کر کہا (افسوس تمہاری غفلت اور بے حسی پر!) کیا تم چاہتے ہو ایک ادنیٰ سی بات کے لیے (یعنی غذا کی لذت کے لیے) اس (مقصد عظیم) سے دست بردار ہو جاؤ جس میں بڑی ہی خیر و برکت ہے؟ (یعنی قومی آزادی وسعادت سے؟ اچھا اگر تمہاری غفلت و بدبختی کا یہی حال ہے تو) یہاں سے نکلو' شہر کی راہ لو' وہاں یہ تمام چیزیں مل جائیں گی جن کے لیے ترس رہے ہو- بہر حال بنی اسرائیل پر خواری و نامرادی کی مار پڑی اور خدا کے غضب کے سزاوار ہوئے اور یہ اس لیے ہوا کہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور اس کے نبیوں کے ناحق قتل میں بے باک تھے' اور (گمراہی و شقاوت کی یہ روح ان میں) اس لیے (پیدا ہوگئی) کہ (اطاعت کی جگہ) سرکشی سما گئی تھی اور تمام حدیں توڑ کر بے لگام ہو گئے تھے! (٦١) جو لوگ[1] (پیغمبر اسلام پر) ایمان لا چکے ہیں وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں یا نصاریٰ اور صابی ہوں (کوئی ہو اور کسی گروہ بندی میں سے ہو) لیکن جو کوئی بھی خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان و عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا- اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی! (٦٢) اور پھر (اپنی تاریخ حیات کا وہ وقت بھی یاد کرو[2]) جب ہم نے تم سے تمہارا عہد لیا تھا اور (یہ وہ وقت تھا کہ تم نیچے کھڑے تھے اور) کوہ طور کی چوٹیاں تم پر بلند کر دی تھیں: (دیکھو) جو کتاب تمہیں دی گئی ہے اس پر

⇦ غلامی سے آزاد ہو گئے تھے- اور قومی عظمت کا مستقبل ان کے سامنے تھا' لیکن وہ ان حقیر راحتوں کے لیے ترستے تھے جو مصر کی غلامانہ زندگی میں میسر تھیں' اور وہ چھوٹی چھوٹی تکلیفیں شاق گذرتی تھیں جو آزادی و عظمت کی راہ میں پیش آتی تھیں!

[1] اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات ایمان و عمل سے وابستہ ہے- نسل و خاندان یا مذہبی گروہ بندی کو اس میں کوئی دخل نہیں- یہودی جب ایمان و عمل سے محروم ہو گئے تو نہ تو ان کی نسل ان کے کام آئی نہ یہودیت کی گروہ بندی سود مند ہو سکی- خدا کے قانون نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ کون ہیں اور کس گروہ بندی سے تعلق رکھتے ہیں؟ بلکہ صرف یہ دیکھا کہ عمل کا کیا حال ہے؟ اور پھر جب آزمائش عمل میں پورے نہ اترے تو مغضوب و نامراد ہو گئے!

[2] بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ شریعت کے احکام پر سچائی کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے اور ان سے بچنے کے لیے طرح طرح کے شرعی حیلے گھڑ لیے تھے یعنی محض نمائشی طور پر تو ان کی تعمیل کر لیتے لیکن جو کچھ حقیقی مقصد تھا وہ پورا نہ کرتے-

اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا
قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿٦٥﴾ ۚ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى
لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۗ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۗ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۗ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۗ عَوَانٌۢ
بَيْنَ ذٰلِكَ ۗ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۗ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ

مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ اور جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے اسے ہمیشہ یاد رکھو (اور یہ اس لیے ہے) تا کہ تم (نافرمانی سے) بچو۔ (۶۳) لیکن پھر تم اپنے عہد سے پھر گئے اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارا ساتھ نہ دیتی تو (تمہاری گمراہی کی چال تو ایسی تھی کہ) فوراً ہی تباہی کے حوالے ہو جاتے۔ (۶۴)

اور یقیناً تم ان لوگوں کے حال سے بے خبر نہیں ہو جو تم ہی میں سے تھے اور جنہوں نے ''سبت'' (یعنی تعطیل اور عبادت کے مقدس دن) کے معاملہ میں راست بازی کی حدیں توڑ ڈالی تھیں (یعنی حکم شریعت سے بچنے کے لیے حیلوں اور مکاریوں سے کام لیا تھا) ہم نے کہا ذلیل و خوار بندروں کی طرح ہو جاؤ۔ (انسانوں کے پاس سے ہمیشہ دھتکارے نکالے جاؤ گے) (۶۵) چنانچہ ایسا ہی ہوا' اور ہم نے اس معاملہ کو ان سب کے لیے جن کے سامنے ہوا اور ان کے لیے بھی جو بعد کو پیدا ہوئے تازیانۂ عبرت بنا دیا اور ان لوگوں کے لیے جو متقی ہیں اس میں نصیحت و دانائی رکھ دی۔ (۶۶)

اور پھر[۱] (وہ معاملہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ بات کہی تھی کہ خدا کا حکم ہے ایک گائے ذبح کر دو۔ (بجائے اس کے کہ راست بازی کے ساتھ اس پر عمل کرتے' لگے طرح طرح کی کٹ حجتیاں کرنے) کہنے لگے: معلوم ہوتا ہے تم ہمارے ساتھ تمسخر کر رہے ہو۔ موسیٰ نے کہا نعوذ باللہ اگر میں (احکام الٰہی کی تبلیغ میں تمسخر کروں اور) جاہلوں کا سا شیوہ اختیار کروں۔ (۶۷) (یہ سن کر) وہ بولے (اگر ایسا ہی ہے تو) اپنے پروردگار سے درخواست کرو وہ کھول کر بیان کر دے کس طرح کا جانور ذبح کرنا چاہیے؟ (یعنی ہمیں تفصیلات معلوم ہونی چاہییں) موسیٰ نے کہا۔ خدا کا حکم یہ ہے کہ ایسی گائے ہو جو نہ تو بالکل بوڑھی' ہو نہ بالکل بچھیا۔ درمیانی عمر کی ہو۔ اور اب (کہ تمہیں تفصیل کے ساتھ حکم مل گیا ہے) چاہیے کہ اس کی تعمیل کرو۔ (۶۸) (لیکن انہوں نے پہلے سوال کا جواب پا کر ایک دوسرا سوال کھڑا کر دیا) کہنے لگے اپنے پروردگار سے درخواست کرو۔ وہ یہ بھی بتلا دے کہ جانور کا رنگ کیسا ہونا چاہیے؟ موسیٰ نے کہا۔ حکم الٰہی یہ ہے کہ اس کا رنگ پیلا ہو۔

---

[۱] کثرت سوال اور تعمق فی الدین کی گمراہی۔ یعنی احکام حق کی سیدھی سادھی اطاعت کرنے کی جگہ رد و کد کرنا' طرح طرح کے سوالات گھڑنا' بلا ضرورت باریک بینیاں اور دقیقہ سنجیاں کرنی اور شریعت کی سادگی اور آسانی کو سختی اور پیچیدگی سے بدل دینا۔ حکم ذبح کے لیے گنتی باب ۱۹-۲۰، استثنا ۲۱:۲ دیکھو۔

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ
اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ
قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ ع ۸
مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾
ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَ
اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

خوب گہرا پیلا - ایسا کہ دیکھنے والوں کا جی دیکھ کر خوش ہو جائے - (۶۹) (جب رنگ کی خصوصیت بھی معین ہو چکی تو انہوں نے اور الجھاؤ پیدا کر دیا) کہنے لگے (ان ساری باتوں کے بعد بھی) ہمارے لیے جانور کی پہچان مشکل ہے اپنے پروردگار سے کہو کہ (اور زیادہ کھول کے) بتلا دے کہ جانور کیسا ہونا چاہیے؟ ان شاء اللہ ہم ضرور پتہ لگا لیں گے - (۷۰) اس پر موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے - ایسی گائے ہو جو نہ تو کبھی ہل میں جوتی گئی ہو نہ کبھی آب پاشی کے لیے کام میں لائی گئی ہو - پوری طرح صحیح سالم داغ دھبے سے پاک وصاف - (جب معاملہ اس حد تک پہنچ گیا تو پھر[1] عاجز ہو کر بولے - ہاں اب تم نے ٹھیک ٹھیک بات بتلا دی - چنانچہ جانور ذبح کیا گیا - اگرچہ ایسا کرنے پر وہ (دل سے) آمادہ نہ تھے - (۷۱) اور پھر (غور کرو وہ واقعہ) جب تم نے (یعنی تمہاری قوم نے) ایک جان ہلاک کر دی تھی اور اس کی نسبت آپس میں جھگڑتے اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے اور جو بات تم چھپانی چاہتے تھے خدا اسے آشکارا کر دینے والا تھا - (۷۲) چنانچہ ایسا ہوا کہ ہم نے حکم دیا اس (شخص) پر (جو فی الحقیقت قاتل تھا) مقتول کے بعض (اجزائے جسم) سے ضرب لگاؤ (جب ایسا کیا گیا تو حقیقت کھل گئی اور قاتل کی شخصیت معلوم ہو گئی) اللہ اسی طرح مردوں کو زندگی بخشتا اور تمہیں اپنی (قدرت وحکمت کی) نشانیاں دکھلاتا ہے تاکہ سمجھ بوجھ سے کام لو - (۷۳)

اور پھر تمہارے دل سخت پڑ گئے -[2] ایسے سخت گویا پتھر کی چٹانیں ہیں! (نہیں) بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت کیونکہ پتھروں میں تو بعض پتھر ایسے بھی ہیں جن میں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور انہی پتھروں میں ایسی چٹانیں بھی ہیں جو شق ہو کر دو ٹکڑے ہو جاتی ہیں اور ان میں سے پانی اپنی راہ نکال لیتا ہے اور پھر انہی میں وہ چٹانیں بھی ہوئیں جو خوف الٰہی سے (لرز کر) گر پڑتی ہیں (پس افسوس ان دلوں پر جن کے آگے پتھر کی سختی اور چٹانوں کا جماؤ بھی ماند پڑ جائے) اور (یاد رکھو) خدا (کا قانون) تمہارے کرتوتوں کی طرف سے غافل نہیں ہے - (۷۴)

---

[1] بنی اسرائیل کا قتل نفس میں بے باک ہو جانا جو شریعت الٰہی کے رو سے انسان کا بڑے سے بڑا جرم ہے -

[2] بنی اسرائیل کی قلبی و اخلاقی حالت کا انتہائی تنزل حتیٰ کہ اس حالت کا پیدا ہو جانا جب عبرت پذیری اور تنبہ کی استعداد یک قلم معدوم ہو جاتی ہے اور فکر انسان اپنی تباہ شدہ حالت پر قانع و مطمئن ہو جاتا ہے -

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا
عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا
اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ
اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا النصف
بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ

(مسلمانو![1] کیا تم توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ (کلام حق پر غور کریں گے اور اس کی سچائی پرکھ کر) تمہاری بات مان لیں گے حالانکہ ان میں ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سنتا تھا اور اس کا مطلب سمجھتا تھا لیکن پھر بھی جان بوجھ کر اس میں تحریف کر دیتا تھا (یعنی اس کا مطلب بدل دیتا تھا)۔ (۷۵) اور (دیکھو ان کا حال تو یہ ہے کہ) جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں' تو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے ہیں لیکن جب اکیلے میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں تو کہتے ہیں "جو کچھ تمہیں خدا نے (تورات کا) علم دیا ہے وہ ان لوگوں پر کیوں ظاہر کرتے ہو؟ کیا اس لیے کہ وہ تمہارے خلاف تمہارے پروردگار کے حضور اس سے دلیل پکڑیں (یعنی تورات سے تمہارے خلاف دلیل لائیں؟) کیا (اتنی موٹی سی بات بھی) تم نہیں سمجھتے؟" (۷۶) (افسوس ان کے دعوائے ایمان و حق پرستی پر!) کیا یہ نہیں جانتے کہ (معاملہ انسان سے نہیں بلکہ اللہ سے ہے اور) اللہ کے علم سے کوئی بات چھپی نہیں؟ وہ جو کچھ چھپا رکھتے ہیں اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی اس کے سامنے ہے؟ (۷۷)

اور پھر انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو ان پڑھ ہیں' اور جہاں تک کتاب الٰہی کا تعلق ہے (خوش اعتقادی کی) آرزوؤں اور ولولوں کے سوا اور کچھ نہیں جانتے' اور محض وہموں گمانوں میں مگن ہیں (۷۸) پس افسوس ان پر جن کا شیوہ یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں (یعنی اپنی رایوں اور خواہشوں کے مطابق احکام شرع کی کتابیں بناتے ہیں) پھر لوگوں سے کہتے ہیں' یہ اللہ کی طرف سے ہے (یعنی اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ کتاب الٰہی کے احکام ہیں) اور یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں تاکہ اس کے بدلے میں ایک حقیری سی قیمت دنیوی فائدہ کی حاصل کرلیں۔ پس افسوس اس پر جو کچھ ان کے ہاتھ لکھتے ہیں' اور افسوس اس پر' جو کچھ وہ اس ذریعہ سے کماتے ہیں! (۷۹) یہ لوگ (یعنی یہودی) کہتے ہیں[3] جہنم کی آگ ہمیں کبھی چھونے والی

---

[1] بنی اسرائیل کے گذشتہ ایام و وقائع کے ذکر کے بعد ان کے موجود اعمال و اقوال پر تبصرہ' ان کی اعتقادی اور عملی گمراہیوں کی تشریح اور دین الٰہی کے حجج و براہین۔ سب سے پہلی اور بنیادی گمراہی یہ ہے کہ نہ تو کتاب اللہ کا سچا علم باقی رہا ہے نہ سچا عمل!

[2] ان کے علما حق فروش ہیں' اور عوام کا سرمایۂ دین خوش اعتقادی کی آرزوؤں اور جہالت کے ولولوں کے سوا کچھ نہیں ہے! یہودیوں کے علما کی یہ گمراہی کہ کتاب اللہ کے احکام پر اپنی رایوں اور خواہشوں کو ترجیح دیتے اور پھر اپنے گھڑے ہوئے حکموں اور مسئلوں کو کتاب اللہ کی طرح واجب العمل بتلاتے۔

[3] یہودیوں کی یہ گمراہی کہ سمجھتے تھے' ان کی امت نجات یافتہ امت ہے۔ اس لیے ممکن نہیں کہ کوئی یہودی ہمیشہ کے لیے ⇦

إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ ٱللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ ٱللَّهُ عَهْدَهُۥٓ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا
تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَٰطَتْ بِهِۦ خَطِيٓـَٔتُهُۥ فَأُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٨١﴾
ع ۹ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٨٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ
لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَقُولُوا۟ لِلنَّاسِ حُسْنًا
وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَكُمْ

نہیں (کیونکہ ہماری امت خدا کے نزدیک نجات پائی ہوئی امت ہے) اگر ہم آگ میں ڈالے بھی جائیں گے تو (اس لیے نہیں کہ ہمیشہ عذاب میں رہیں بلکہ) صرف چند گنے ہوئے دنوں کے لیے (تاکہ گناہ کے میل کچیل سے پاک صاف ہو کر پھر جنت میں جا داخل ہوں) - اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو یہ بات جو تم کہتے ہو تو (دو حالتوں سے خالی نہیں - یا تو) تم نے خدا سے (غیر مشروط) نجات کا کوئی پٹہ لکھا لیا ہے کہ اب وہ اس کے خلاف جا نہیں سکتا' اور یا پھر تم خدا کے نام پر ایک ایسی بات کہہ رہے ہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں - (۸۰)

نہیں (آخرت کی نجات کسی ایک گروہ ہی کی میراث نہیں ہے کہ ہر حال میں اسی کے لیے ہو - خدا کا قانون تو یہ ہے کہ کوئی انسان ہو اور کسی گروہ کا ہو' لیکن) جس کسی نے بھی اپنے کاموں سے برائی کمائی اور اس کے گناہوں نے اسے گھیرے میں لے لیا' تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے - ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا (۸۱) اور جو کوئی بھی ایمان لایا اور اس کے کام بھی اچھے ہوئے تو وہ بہشتی گروہ میں سے ہے - ہمیشہ بہشت میں رہنے والا - (۸۲) اور پھر (وہ وقت) یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا (وہ عہد کیا تھا؟ کیا اسرائیلیت کے گھمنڈ اور یہودی گروہ بندی کی نجات یافتگی کا عہد تھا؟ نہیں' ایمان و عمل کا عہد تھا) اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا' ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا' عزیزوں قریبوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا' یتیموں مسکینوں کی خبر گیری کرنا' تمام انسانوں سے اچھا برتاؤ کرنا' نماز قائم کرنی' زکوٰۃ ادا کرنی (ایمان و عمل کی یہی بنیادی سچائیاں ہیں جن کا تم سے عہد لیا گیا تھا) (لیکن تم اس عہد پر قائم نہیں رہے) ایک تھوڑی تعداد کے سوا سب الٹی چال چلے' اور حقیقت یہ ہے کہ (ہدایت کی طرف سے) تمہارے رخ ہی پھرے ہوئے ہیں - (۸۳) اور پھر (وہ معاملہ یاد کرو[۱]) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے تم

⇐ دوزخ میں نہیں ڈالا جائے - قرآن ان کے اس زعم باطل کا رد کرتا ہے اور کہتا ہے جنت و دوزخ کی تقسیم قوموں کی تقسیم کی بنا پر نہیں ہے کہ کسی خاص قوم کے لیے جنت ہو' اور باقی کے لیے دوزخ' بلکہ اس کا تمام تر دار و مدار ایمان و عمل پر ہے - جس انسان نے بھی اپنے اعمال کے ذریعہ برائی کمائی' اس کے لیے برائی یعنی عذاب ہے اور جس کسی نے بھی اپنے اعمال کے ذریعہ اچھائی کمائی اس کے لیے اچھائی یعنی نجات ہے - خواہ وہ کوئی ہو' اور کسی گروہ بندی کا ہو!

[۱] پیروان مذاہب کی گمراہی کی وہ حالت' جبکہ اتباع دین کی روح یک قلم مفقود ہو جاتی ہے' اور دینداری کی نمائش صرف اس ⇐

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾
ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ؗ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ
بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ع ۱۰

سے عہد لیا تھا: آپس میں ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے اور نہ اپنے آپ کو (یعنی اپنی جماعت کے افراد کو) جلاوطن کرو گے- تم نے اس کا اقرار کیا تھا- اور تم (اب بھی) یہ بات مانتے ہو- (۸۴) لیکن پھر (دیکھو) تم ہی وہ اقرار کرنے والی جماعت ہو جس کے افراد ایک دوسرے کو بے دریغ قتل کرتے ہیں اور ایک فریق دوسرے فریق کے خلاف ظلم و معصیت سے جتھا بندی کر کے اسے اس کے وطن سے نکال باہر کرتا ہے (اور تم میں سے کسی کو بھی یہ بات یاد نہیں آتی کہ اس بارے میں خدا کی شریعت کے احکام کیا ہیں؟) لیکن پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ تمہارے جلاوطن کیے ہوئے آدمی (دشمنوں کے ہاتھ پڑ جاتے ہیں اور) قیدی ہو کر تمہارے سامنے آتے ہیں تو تم فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو (اور کہتے ہو شریعت کی رو سے ایسا کرنا ضروری ہے) حالانکہ (اگر شریعت کے حکموں کا تمہیں اتنا ہی پاس ہے تو) شریعت کی رو سے تو یہی بات حرام تھی کہ انہیں ان کے گھروں اور بستیوں سے جلاوطن کر دو (پھر یہ گمراہی کی کیسی انتہا ہے کہ قیدیوں کے چھڑانے اور ان کے فدیہ کے لیے مال جمع کرنے میں تو شریعت یاد آ جاتی ہے لیکن اس ظلم و معصیت کے وقت یاد نہیں آتی جس کی وجہ سے وہ دشمنوں کے ہاتھ پڑے اور قید ہوئے؟) کیا یہ اس لیے ہے کہ کتاب الٰہی کا کچھ حصہ تو تم مانتے ہو اور کچھ حصے سے منکر ہو؟ پھر بتلاؤ تم میں سے جن لوگوں کے کاموں کا یہ حال ہے انہیں پاداش عمل میں اس کے سوا کیا مل سکتا ہے کہ دنیا میں ذلت و رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب! یاد رکھو اللہ (کا قانون جزا) تمہارے کاموں کی طرف سے غافل نہیں ہے! (۸۵) یقیناً یہی لوگ ہیں جنھوں نے آخرت (کی زندگی) تاراج کر کے دنیا کی زندگی مول لی ہے- (پس ایسے لوگوں کے لیے علاج کی کوئی امید نہیں) نہ تو ان کے عذاب میں کمی ہوگی' نہ کہیں سے مدد پا سکیں گے- (۸۶) اور (پھر دیکھو) ہم نے (تمہاری رہنمائی کے لیے پہلے) موسیٰ

⇦ کے لیے کی جاتی ہے تاکہ نفسانی خواہشوں اور کام جوئیوں کے لیے اسے آلۂ کار بنایا جائے- اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے بنیادی اور اصولی احکام پر تو کوئی توجہ نہیں کرتا- لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں پر جو نمائش اور ریاکاری کا ذریعہ ہو سکتی ہیں اور جن کے کرنے میں کچھ چھوڑنا اور کھونا نہیں پڑتا' بہت زور دیا جاتا ہے- حالانکہ اگر ان اصولی باتوں پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جاتا تو یہ فروعی خلاف ورزیاں ظہور ہی میں نہ آتیں- علمائے یہود اسی گمراہی میں مبتلا تھے-

لے یہ حالت اس بات کا نتیجہ ہے کہ راست بازی اور حق پرستی کی جگہ نفسانی خواہشوں کی پرستش کی جاتی ہے' اور یہی وجہ ہے کہ غرض ⇦

وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ؕ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا
جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ؗ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾
وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا
عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ

کو کتاب دی- پھر موسیٰ کے بعد ہدایت کا سلسلہ پے در پے رسولوں کو بھیج کر جاری رکھا' بالآخر مریم کے بیٹے عیسیٰ کو سچائی کی روشن نشانیاں دیں' اور روح القدس کی تائید سے ممتاز کیا' (لیکن ان میں سے ہر دعوت کی تم نے مخالفت کی) پھر کیا تمہارا شیوہ ہی یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کا کوئی رسول ایسی دعوت لے کر آئے جو تمہاری نفسانی خواہشوں کے خلاف ہو' تو تم اس کے مقابلے میں سرکشی کر بیٹھو اور کسی کو جھٹلاؤ' کسی کو قتل کر دو- (۸۷)

اور (یہ لوگ اپنے جماؤ اور بے حسی کی حالت پر فخر کرتے ہیں' اور) کہتے ہیں[۱] ' ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں (یعنی اب کسی نئی بات کا اثر ان تک پہنچ ہی نہیں سکتا حالانکہ یہ اعتقاد کی پختگی اور حق کا ثبات نہیں ہے) بلکہ انکارِ حق کے تعصب کی پھٹکار ہے (کہ کلام حق سننے اور اثر پذیر ہونے کی استعداد ہی کھو دی) اور اسی لیے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ دعوت حق سنیں اور قبول کریں- (۸۸)

چنانچہ جب ایسا ہوا کہ اللہ کی طرف سے ان کی ہدایت کے لیے ایک کتاب نازل ہوئی اور وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی تھی جو پہلے سے ان کے پاس موجود ہے تو باوجودیکہ وہ (تورات کی پیشین گوئیوں کی بنا پر اس کے ظہور کے منتظر تھے' اور) کافروں کے مقابلے میں اس کا نام لے کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے تھے' لیکن جب وہی جانی بوجھی ہوئی بات سامنے آگئی' تو صاف انکار کر گئے' پس ان لوگوں کے لیے جو (جان بوجھ کر) کفر کی راہ اختیار کریں اللہ کی لعنت ہے' (یعنی ایسوں پر فلاح و سعادت کی راہ کبھی نہیں کھلتی)- (۸۹)

(افسوس ان کی شقاوت پر[۲]!) کیا ہی بری قیمت ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کا سودا چکایا! انہوں نے اللہ کی بھیجی ہوئی سچائی سے انکار کیا' اور صرف اس لیے انکار کیا کہ وہ جس کسی پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل کر دیتا ہے (اس میں خود ان کی نسل

⇐ پرستوں نے ہمیشہ داعیان حق و اصلاح کی مخالفت کی ہے- بنی اسرائیل کے تکذیب رسل اور قتل انبیا سے استشہاد' کہ جس طرح ہمیشہ سچائی کے منکر و معاندر ہے' اسی طرح اب بھی انکار و عناد میں سرگرم ہیں-

۱ حق کے اثبات اور تقلید کے جمود میں فرق ہے- خیالات کی ایسی پختگی میں کوئی خوبی نہیں کہ ہم دوسروں کی بات سننے ہی سے انکار کر دیں- علمائے یہود ایسے ہی جمود میں مبتلا تھے' اور اسے اعتقاد کی پختگی سمجھ کر فخر کرتے تھے-

۲ قبول حق کی راہ میں جو موانع پیش آتے ہیں' ان میں سب سے بڑا مانع نسلی' جماعتی' یا شخصی حسد ہے-

اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ
ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا
سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا ۗ وَ اُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

وجماعت کی کوئی خصوصیت نہیں ہے- یہ لوگ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے پہلے ہی ذلیل وخوار ہو چکے تھے لیکن اس نئے انکار سے اور زیادہ ذلت وخواری کے سزاوار ہوئے) پس اللہ کا غضب بھی ایک کے بعد ایک ان کے حصے میں آیا اور اس کا قانون یہی ہے کہ انکار حق کرنے والوں کے لیے (ہمیشہ) رسوا کرنے والا عذاب ہوتا ہے! (۹۰)

اور جب ان لوگوں[1] سے کہا جاتا ہے جو کچھ خدا نے اتارا ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں ہم تو صرف وہی بات کہیں گے جو ہم پر اتری ہے (یعنی اس کے سوا جو کچھ ہے اس سے انہیں انکار ہے)-

حالانکہ وہ خدا کا سچا کلام ہے جو ان کی کتاب کی تصدیق کرتا ہوا نمودار ہوا ہے- اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہو اچھا اگر واقعی تم (اپنی کتاب پر) ایمان رکھنے والے ہو (اور قرآن کی دعوت سے صرف اس لیے انکار کرتے ہو کہ تورات پر ایمان رکھنے کے بعد اس کی ضرورت نہیں) تو پھر تم نے پچھلے وقتوں میں خدا کے نبیوں کو کیوں قتل کیا (جو تمہیں تورات پر عمل کرنے کی تلقین کرتے تھے) اور کیوں ایمان کی جگہ انکار وسرکشی کی راہ اختیار کی؟ (۹۱) اور پھر دیکھو یہ واقعہ ہے کہ موسیٰ سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ تمہارے پاس آیا لیکن جب (چالیس دن کے لیے) تم سے الگ ہو گیا تو تم بچھڑے کے پیچھے پڑ گئے اور ایسا کرتے ہوئے یقیناً تم حق سے گزر گئے تھے- (۹۲) اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے (دین الٰہی پر قائم رہنے کا) تم سے عہد لیا تھا اور کوہ طور کی چوٹیاں تم پر بلند کر دی تھیں (تو تم نے اس کے بعد کیا کیا؟ تمہیں حکم دیا گیا تھا کہ) ''جو کتاب تمہیں دی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ اور اس کے حکموں پر کاربند ہو'' تم نے (زبان سے) کہا سنا اور (دل سے کہا) نہیں مانتے - اور پھر ایسا ہوا کہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دلوں میں بچھڑے کی پوجا رچ گئی (اے پیغمبر) ان سے کہو (دعوت حق سے بے نیازی ظاہر کرتے ہوئے) تم اپنے جس ایمان کا دعویٰ کرتے ہو اگر وہ یہی ایمان ہے تو افسوس اس ایمان پر، کیا ہی

[1] اہل کتاب کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ جب انہیں اتباع حق کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہمارے پاس ہمارا دین موجود ہے- ہمیں کسی نئی تعلیم کی ضرورت نہیں- حالانکہ وہ بھول جاتے ہیں کہ جس دین کو اپنا دین کہتے ہیں اس پر ان کا عمل کب ہے؟ قرآن کہتا ہے دین سب کے لیے اور سب کا ایک ہی ہے اور میں اس لیے نہیں آیا ہوں کہ پچھلی سچائیوں کی جگہ کوئی نیا دین پیش کروں بلکہ اس لیے آیا ہوں کہ ان کا سچا اعتقاد اور عمل پیدا کر دوں-

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا
الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾
وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَ
مَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ ع ۱۱
فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ
عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

بری راہ ہے جس پر تمہارا ایمان تمہیں لے جا رہا ہے! (۹۳)

(یہ لوگ کہتے ہیں[۱] آخرت کی نجات صرف اسی کے حصے میں آئی ہے) تم ان سے کہو اگر آخرت کا گھر خدا کے نزدیک صرف تمہارے ہی لیے ہے- اور تم اپنے اس اعتقاد میں سچے ہو تو (تمہیں دنیا کی جگہ آخرت کا طلب گار رہنا چاہیے- پس بے خوف ہو کر) موت کی آرزو کرو (حیات فانی کے پجاری نہ بنو) (۹۴) اے پیغمبر! تم دیکھ لوگے کہ یہ لوگ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے جس کا ذخیرہ جمع کر چکے ہیں- کبھی ایسا کرنے والے نہیں اور اللہ ظلم کرنے والوں کو اچھی طرح جانتا ہے- (۹۵)

اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ تم دیکھو گے' زندگی کی سب سے زیادہ حرص رکھنے والے یہی لوگ ہیں- مشرکوں سے بھی زیادہ (ان مدعیان توحید کے دلوں میں حیات فانی کا عشق ہے) ان میں سے ایک ایک آدمی کا دل یہ حسرت رکھتا ہے کہ کاش ایک ہزار برس تک تو جیے! حالانکہ عمر کی درازی انہیں عذاب آخرت سے نجات نہیں دلا دے گی اور جو کچھ کر رہے ہیں' اللہ کی نظر سے چھپا ہوا نہیں ہے! (۹۶)

(اے پیغمبر[۲]) یہ اللہ کا کلام ہے جو جبرائیل نے اس کے حکم سے تمہارے دل میں اتارا ہے اور یہ اس کلام کی تصدیق کرتا ہوا آیا ہے' جو اس سے پہلے نازل ہو چکا ہے- اس میں انسان کے لیے ہدایت ہے اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں (فلاح و کامیابی کی) بشارت (۹۷) (پھر اگر یہ لوگ اللہ کی وحی و نبوت کے سلسلہ کے مخالف ہیں اور جہل و تعصب سے کہتے ہیں ہم جبریلؑ کا اتارا ہوا کلام نہیں مانیں گے اس سے ہماری دشمنی ہے تو) تم کہہ دو جو کوئی اللہ کا' اس کے فرشتوں کا' اس کے رسولوں کا' اور جبریلؑ اور میکالؑ کا دشمن ہے' تو یقیناً اللہ بھی منکرین حق کا دوست نہیں ہے! (۹۸) اے پیغمبر[۳]! یقین کرو' ہم نے تم پر سچائی کی روشن دلیلیں

---

۱ جن کے دل میں نجات اخروی کا سچا یقین ہے وہ موت سے خائف اور حیات دنیوی کے پجاری نہیں ہو سکتے - بنی اسرائیل کی دنیا پرستی اور حیات دنیوی کی حرص سے ان کے ایمان و یقین سے محرومی پر استشہاد-

۲ جو کوئی سلسلۂ وحی کا مخالف ہے- تو وہ اللہ اور اس کے قوانین ہدایت کا مخالف ہے-

۳ پیغمبر اسلام سے خطاب کہ دعوت حق کا ظہور سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ ہوا ہے' جن سے کوئی راست باز انسان انکار نہیں -

اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ ۚ وَ مَا یَکۡفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۹۹﴾ اَوَ کُلَّمَا عٰهَدُوۡا عَهۡدًا نَّبَذَهٗ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُهُمۡ
لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ لَمَّا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ نَبَذَ فَرِیۡقٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا
الۡکِتٰبَ ٭ۙ کِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ کَاَنَّهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ وَ اتَّبَعُوۡا مَا تَتۡلُوا الشَّیٰطِیۡنُ عَلٰی
مُلۡکِ سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ مَا کَفَرَ سُلَیۡمٰنُ وَ لٰکِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ کَفَرُوۡا یُعَلِّمُوۡنَ النَّاسَ السِّحۡرَ ٭ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ
عَلَی الۡمَلَکَیۡنِ بِبَابِلَ هَارُوۡتَ وَ مَارُوۡتَ ؕ وَ مَا یُعَلِّمٰنِ مِنۡ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوۡلَاۤ اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ فَلَا
تَکۡفُرۡ ؕ فَیَتَعَلَّمُوۡنَ مِنۡهُمَا مَا یُفَرِّقُوۡنَ بِهٖ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَ زَوۡجِهٖ ؕ وَ مَا هُمۡ بِضَآرِّیۡنَ بِهٖ مِنۡ اَحَدٍ

نازل کی ہیں اوران سے کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر صرف وہی جو راست بازی کے دائرہ سے باہر ہوگیا ہے-(۹۹)

جب کبھی ان لوگوں نے اتباع حق کا کوئی عہد کیا تو کسی نہ کسی گروہ نے ضرور ہی اسے پس پشت ڈال دیا اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں بڑی تعداد ایسے ہی لوگوں کی ہے جن کے دل ایمان سے خالی ہیں!(۱۰۰)

چنانچہ(دیکھو) جب ایسا ہوا کہ اللہ کا ایک رسول اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوا آیا جو پہلے سے ان کے پاس موجود تھی (یعنی حضرت مسیح کا ظہور ہوا) تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے کہ کتاب الٰہی رکھتے تھے کتاب الٰہی اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دی گویا اسے جانتے ہی نہیں!(۱۰۱)

اور پھر[۱] (دیکھو) ان لوگوں نے (کتاب الٰہی کی تعلیم فراموش کرکے جادوگری کے) ان (مشرکانہ) عملوں کی پیروی کی جنہیں شیطان سلیمان کے عہد سلطنت کی طرف منسوب کرکے پڑھا پڑھایا کرتے تھے- حالانکہ سلیمان کبھی کفر کا مرتکب نہیں ہوا- دراصل یہ انہی شیطانوں کا کفر تھا کہ لوگوں کو جادوگری سکھلاتے تھے اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اس طرح کی کوئی بات نازل ہوئی تھی (جیسا کہ ان لوگوں میں مشہور ہے- واقعہ یہ ہے کہ) وہ جو کچھ بھی کسی کو سکھلاتے تھے تو یہ کہے بغیر نہیں سکھلاتے تھے کہ دیکھو ہمارا وجود تو ایک فتنہ ہے پھر تم کیوں کفر میں مبتلا ہوتے ہو؟ (یعنی جادوگری کی باتوں کا برا ہونا ایک ایسی مانی ہوئی بات ہے کہ جو لوگ اس کے سکھانے والے تھے وہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ بات خداپرستی کے خلاف ہے) لیکن اس پر بھی لوگ ان سے ایسے ایسے عمل سیکھتے جن کے ذریعے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالنا چاہتے حالانکہ وہ کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے-

---

⇐ کرسکتا اور اگر علمائے یہود باوجود کتاب اللہ کے حامل ہونے کے انکار کر رہے ہیں تو یہ کفر و جحود کا کوئی نیا مظاہرہ نہیں ہے جس پر تعجب ہو- اس سے پہلے بھی ان کی روش ایسی ہی رہ چکی ہے-

[۱] بنی اسرائیل کے ضعف عقل و ایمان پر اس واقعہ سے استشہاد کہ جادوگروں کے شعبدوں پر جھک پڑے تھے اور کتاب الٰہی کی تعلیم پس پشت ڈال دی تھی- ضمناً اس حقیقت کا اعلان کہ اس بارے میں جو خرافات مشہور ہیں ان کی کوئی اصلیت نہیں-

اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَتَعَلَّمُوۡنَ مَا يَضُرُّهُمۡ وَ لَا يَنۡفَعُهُمۡ ؕ وَ لَقَدۡ عَلِمُوۡا لَمَنِ اشۡتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ
مِنۡ خَلَاقٍ ۛؕ وَلَبِئۡسَ مَا شَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۱۰۲ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَمَثُوۡبَةٌ مِّنۡ
ع ۱۲ عِنۡدِ اللّٰهِ خَيۡرٌ ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۱۰۳ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا وَاسۡمَعُوۡا ؕ وَ
لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۱۰۴ مَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَلَا الۡمُشۡرِكِيۡنَ اَنۡ يُّنَزَّلَ
عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۝۱۰۵ مَا
نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۱۰۶ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ

ہاں' یہ ہوسکتا تھا کہ خدا کے حکم سے کسی کو نقصان پہنچنے والا ہو اور نقصان پہنچ جائے- (بہر حال) یہ لوگ (کتاب الٰہی کی تعلیم فراموش کر کے) ایسی باتیں سیکھتے ہیں جو انہیں سراسر نقصان پہنچانے والی ہیں- اور (پھر کچھ یہ بات بھی نہیں کہ انہیں احکام الٰہی کی خبر نہ ہو) انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جو کوئی (اپنا دین وایمان بیچ کر) جادوگری کا خریدار ہوتا ہے اس کے لیے آخرت کی برکتوں میں کوئی حصہ نہیں ہوتا- پس افسوس ان کی اس خرید وفروخت پر! کیا ہی بری جنس ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کی نجات بیچ ڈالی! کاش وہ اس حقیقت کی خبر رکھتے- (۱۰۲)

اگر یہ لوگ (خدا کے حکموں پر سچائی کے ساتھ) ایمان لاتے اور نیک عملی کی چال اختیار کرتے' تو ان کے لیے اللہ کے حضور بہتر اجر تھا- کاش وہ سمجھ بوجھ سے کام لیں- (۱۰۳)

مسلمانو![1] (پیغمبر اسلام کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہو' تو ان منکرین حق کی طرح) یہ نہ کہو کہ "رَاعِنَا" (جو مشتبہ اور ذومعنی رکھنے والا لفظ ہے' بلکہ) کہو "اُنْظُرْنَا"...... "ہماری طرف التفات کیجیے!" اور پھر وہ جو کچھ بھی کہیں اسے جی لگا کر سنو اور اس کی اطاعت کرو- باقی رہے یہ منکرین حق تو یاد رکھو انہیں (پاداش عمل میں) دردناک عذاب ملنے والا ہے- (۱۰۴)

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ اور مشرک دونوں نہیں چاہتے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر خیر و برکت (یعنی وحی الٰہی) نازل ہو (اور اس لیے وہ طرح طرح کے شک پیدا کر کے تمہیں سچائی کی راہ سے باز رکھنا چاہتے ہیں) لیکن اللہ (کا قانون اس بارے میں انسانی خواہشوں کا پابند نہیں ہوسکتا وہ) جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چن لیتا ہے اور وہ بہت بڑا فضل رکھنے والا ہے- (۱۰۵) ہم اپنے احکام[2] میں سے جو کچھ بدل دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل کر دیتے ہیں (پس اگر اب ایک نئی شریعت ظہور میں آئی

---

[1] دعوت قرآنی کے پیروؤں سے خطاب کہ بنی اسرائیل کے ایام ووقائع سے عبرت پکڑیں' اور ان ٹھوکروں سے بچیں جو انہیں اس راہ میں لگ چکی ہیں- نیز ان شکوک اور اعتراضات کا جواب جو منکرین حق مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے-

[2] ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور اس لیے ہوا کہ یا تو "نسخ" کی حالت طاری ہوئی- یا "نسیان" کی- "نسخ" یہ ہے کہ ایک بات پہلے سے موجود تھی لیکن موقوف ہوگئی' اور اس کی جگہ دوسری بات آ گئی "نسیان" کے معنی بھول جانے کے ہیں- بعض ⇦

أَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ
تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ
ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ
حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ الثلثة

ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر لوگوں کو حیرانی ہو) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں (۱۰۶) (اگر وہ ایک مرتبہ تمہاری ہدایت کے لیے حسب ضرورت احکام بھیج سکتا ہے تو یقیناً اس کے بعد بھی بار بار ایسا کر سکتا ہے) اور پھر کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے آسمان و زمین کی سلطانی ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہارا دوست اور مددگار ہو! (۱۰۷)

پھر کیا تم چاہتے ہو اپنے رسول سے بھی (دین کے بارے میں) ویسے ہی سوالات کرو جیسے اب سے پہلے موسیٰ سے کیے جا چکے ہیں؟ (یعنی جس طرح بنی اسرائیل نے راست بازی کی جگہ کٹ حجتیاں کرنے اور بلاضرورت باریکیاں نکالنے کی چال اختیار کی تھی ویسی ہی تم بھی اختیار کرو؟ سو یاد رکھو) جو کوئی بھی ایمان کی نعمت پا کر پھر اسے کفر سے بدل دے گا تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا اور فلاح و کامیابی کی منزل اس پر گم ہوگئی! (۱۰۸)

یاد رکھو، اہل کتاب میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو چاہتے ہیں، تمہیں ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دیں، اور اگرچہ ان پر سچائی ظاہر ہو چکی ہے لیکن پھر بھی اس حسد کی وجہ سے جس کی جلن ان کے اندر ہے، پسند نہیں کرتے کہ تم راہ حق میں ثابت قدم رہو- پس چاہیے کہ (ان سے لڑنے جھگڑنے میں اپنا وقت ضائع نہ کرو، اور) عفو و درگزر سے کام لو- یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو جائے (اور وہ حق کو فتح مند کر کے بتلا دے کہ کون حق پر تھا اور کس کی جگہ باطل پرستی کی جگہ تھی) بلاشبہ وہ ہر بات پر قادر ہے! (۱۰۹)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو-[1] یاد رکھو، جو کچھ بھی تم اپنے لیے نیکی کی پونجی پہلے سے اکٹھی کر لو گے، اللہ کے پاس

<= حالتوں میں ایسا ہوا کہ پچھلی شریعت کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی، لیکن احوال و ظروف بدل گئے تھے، یا اس کے پیروؤں کی عملی روح معدوم ہو گئی تھی- اس لیے ضروری ہوا کہ نئی شریعت ظہور میں آئے- بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ امتداد وقت سے پچھلی تعلیم بالکل فراموش ہو گئی، اور اصلیت میں سے کچھ باقی نہ رہا، پس لامحالہ تجدید ہدایت ناگزیر ہوئی- سنت الٰہی یہ ہے کہ نسخ شرائع ہو یا نسیان شرائع، لیکن ہر نئی تعلیم پچھلی تعلیم سے بہتر ہوگی یا اس کے مانند ہوگی- ایسا نہیں ہوتا کہ کمتر ہو- کیونکہ اصل تکمیل و ارتقاء ہے، نہ کہ تنزل و تسفل- کثرت سوال اور تعمق فی الدین کی ممانعت- "تعمق"، یعنی ضرورت سے زیادہ باریکیاں نکالنی اور کاوشیں کرنی اور ایک سیدھے سادھے معاملہ کو پیچیدہ بنا دینا-

[1] نماز اور زکوٰۃ یعنی قلبی اور مالی عبادت کی سرگرمی، ایک ایسی حالت ہے جس سے جماعت کی معنوی استعداد نشوونما پاتی ہے اور قوی ہوتی ہے جس جماعت میں یہ سرگرمی موجود ہو وہ نہ تو دین سے برگشتہ ہو سکتی ہے نہ اس کی اجتماعی قوت میں کمزوری آ سکتی ہے-

مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا
مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾
بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ ع ۹ ۱۳ ۱۳
الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ

اس کے نتیجے موجود پاؤ گے (یعنی مستقبل میں اس کے نتائج و ثمرات ظاہر ہوں گے) تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔(۱۱۰) اور یہودی کہتے ہیں[1] جنت میں کوئی آدمی داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو۔ اسی طرح عیسائی کہتے ہیں جنت میں کوئی داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ عیسائی نہ ہو۔ (یعنی ان میں سے ہر گروہ سمجھتا ہے آخرت کی نجات صرف اسی کے حصے میں آئی ہے اور جب تک ایک انسان اس کی مذہبی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں پا سکتا۔ (اے پیغمبر) یہ ان لوگوں کی جاہلانہ امنگیں اور آرزوئیں ہیں۔ نہ کہ حقیقت حال۔ تم ان سے کہو اگر تم اپنے اس زعم میں سچے ہو تو ثابت کرو تمہارے دعوے کی دلیل کیا ہے۔(۱۱۱)

ہاں! (بلاشک نجات کی راہ کھلی ہوئی ہے مگر وہ کسی خاص گروہ بندی کی راہ نہیں ہوسکتی۔ وہ تو ایمان و عمل کی راہ ہے) جس کسی نے بھی اللہ کے آگے سر جھکا دیا اور وہ نیک عمل بھی ہوا تو وہ اپنے پروردگار سے اپنا اجر ضرور پائے گا۔ نہ تو اس کے لیے کسی طرح کا کھٹکا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی۔(۱۱۲) یہودی کہتے ہیں' عیسائیوں کا دین کچھ نہیں ہے' عیسائی کہتے ہیں' یہودیوں کے پاس کیا دھرا ہے؟ حالانکہ اللہ کی کتاب دونوں پڑھتے ہیں (اور اصل دین دونوں کے لیے ایک ہی ہے) ٹھیک ایسی ہی بات ان لوگوں نے

---

[1] اہل مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین کی سچائی جو ایک ہی تھی اور یکساں طور پر سب کو دی گئی تھی مذہبی گروہ بندیوں کے الگ الگ حلقے بنا کر ضائع کر دی۔ اب ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلاتا ہے اور صرف اپنے ہی کو سچائی کا وارث سمجھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نزاع کا فیصلہ کیونکر ہو؟ اگر کوئی ایک گروہ ہی سچا ہے تو کیوں وہی سچا ہو دوسرے سچے نہ ہوں؟ اگر سب سچے ہیں تو پھر کوئی بھی سچا نہیں کیونکہ ہر گروہ دوسرے کو جھٹلا رہا ہے۔ اگر سب جھوٹے ہیں تو پھر خدا کی سچائی گئی کہاں؟

قرآن کہتا ہے خدا کی سچائی سب کے لیے ہے اور سب کو ملی تھی لیکن سب نے سچائی سے انحراف کیا۔ سب اصل کے اعتبار سے سچے ہیں اور سب عمل کے اعتبار سے جھوٹے ہیں۔ میں چاہتا ہوں اسی مشترک اور عالمگیر سچائی پر سب کو جمع کر دوں اور مذہبی نزاع کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ مشترک اور عالمگیر سچائی کیا ہے؟ خدا پرستی اور نیک عملی کا قانون ہے۔ یہی قانون خدا کا ٹھہرایا ہوا دین ہے اور اسی کو میں ''الاسلام'' کے نام سے پکارتا ہوں۔

یہودی کہتے تھے' جب تک ایک انسان یہودی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں پا سکتا۔ عیسائی کہتے تھے' جب تک عیسائی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں مل سکتی۔ قرآن کہتا ہے نجات کا دارو مدار خدا پرستی اور نیک عملی پر ہے' نہ کسی خاص گروہ بندی پر۔ جو انسان بھی خدا پرست اور نیک عمل ہوگا نجات پائے گا۔ خواہ تمہاری گھڑی ہوئی گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ
اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى
الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا
فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

بھی کہی جو (مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے (یعنی مشرکین عرب نے کہ وہ بھی صرف اپنے طریقہ ہی کو سچائی کا طریقہ سمجھتے ہیں) اچھا' قیامت کے دن اللہ ان کے درمیان حاکم ہوگا اور جس بات میں جھگڑ رہے ہیں اس کا فیصلہ کر دے گا- (۱۱۳)

اور غور کرو[1] اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا انسان کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی عبادت گاہوں میں اس کے نام کی یاد کو روکے اور ان کی ویرانی میں کوشاں ہو؟ جن لوگوں کے ظلم کا یہ حال ہے یقیناً وہ اس لائق نہیں کہ خدا کی عبادت گاہوں میں قدم رکھیں- بجز اس حالت کے کہ (دوسروں کو اپنی طاقت سے ڈرانے کی جگہ خود دوسروں کی طاقت سے) ڈرے سہمے ہوئے ہوں- یاد رکھو' ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی سخت عذاب ہے- (۱۱۴)

اور دیکھو' پورب ہو یا پچھم ساری دنیا اللہ ہی کے لیے ہے- (اس کی عبادت کسی ایک رخ اور مقام ہی پر موقوف نہیں) جہاں کہیں بھی تم اللہ کی طرف رخ کرلو اللہ تمہارے سامنے ہے- بلاشبہ اس کی قدرت کی سمائی بڑی ہی سمائی ہے' اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے- (۱۱۵)

اور (عیسائیوں کو دیکھو[2]) انہوں نے کہا خدا نے (نوع انسانی کا گناہ معاف کرنے کے لیے مسیح کو) اپنا بیٹا بنایا حالانکہ خدا کی ذات اس سے پاک ہے (وہ کیوں اس بات کا محتاج ہو کہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے؟) زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمان کے آگے جھکے ہوئے ہیں- (۱۱۶)

وہ آسمان و زمین کا صناع ہے- وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو (نہ تو اسے کسی مددگار کی ضرورت ہوتی ہے نہ

---

۱ مذہبی گروہ بندی کا تعصب یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ ہر گروہ کے لیے اس کی مخصوص عبادت گاہیں ہیں- اگر دوسرے گروہ کا کوئی آدمی ان میں خدا کی عبادت کرنی چاہے تو اسے روک دیا جاتا ہے اور ہر گروہ چاہتا ہے دوسرے گروہ کی عبادت گاہیں ڈھا دے اور ویران کر دے حالانکہ سب خدا پرستی کے مدعی ہیں' اور سب کا خدا ایک ہی خدا ہے-

خدا کسی خاص عبادت گاہ کی چار دیواری کے اندر محدود نہیں ہے کہ صرف وہیں اس کی عبادت کی جاسکے- جہاں کہیں بھی اسے اخلاص کے ساتھ یاد کیا جائے وہ قبول کرے گا-

۲ عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ کتاب الٰہی کی تعلیم سے منحرف ہوگئے- اور ابنیت مسیح کے اعتقادِ باطل پر اپنی کلیسائی گروہ بندی قائم کرلی-

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿١١٧﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿١١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ
بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿١١٩﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى
حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ

ذریعوں کی) بس وہ حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور جیسا اس نے حکم دیا تھا ویسا ہی ظہور میں آ جاتا ہے! (۱۱۷)

اور جو لوگ (مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے (یعنی مشرکین عرب) وہ کہتے ہیں (اگر یہ تعلیم خدا کی طرف سے ہے تو) کیوں ایسا نہیں ہوتا کہ خدا ہم سے براہ راست بات چیت کرے یا اپنی کوئی (عجیب و غریب) نشانی ہی بھیج دے' تو (دیکھو گمراہی کی) جیسی بات یہ کہہ رہے ہیں' ٹھیک ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس بارے میں پہلوں اور پچھلوں سب کے دل ایک ہی طرح کے ہوئے۔ (بہرحال اگر یہ لوگ نشانیوں ہی کے طلب گار ہیں تو چاہیے نشانیوں کی پہچان بھی پیدا کریں' ہم نے ان لوگوں کے لیے جو ماننے والے ہیں کتنی ہی نشانیاں نمایاں کر دی ہیں۔ (۱۱۸)

اے پیغمبر! یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے تمہیں (خلق اللہ کی ہدایت کے لیے) بھیجا ہے اور اس لیے بھیجا ہے کہ (ایمان و عمل کی برکتوں کی) بشارت دو' اور (انکار حق کے نتائج سے) متنبہ کر دو (یعنی تمہاری دعوت تمام تر خدا پرستی اور نیک عملی کی دعوت ہے۔ پھر جو لوگ نشانیاں مانگ رہے ہیں اگر فی الحقیقت ان میں سچائی کی طلب ہے تو غور کریں' تمہاری دعوت سے بڑھ کر اور کون سی نشانی ہو سکتی ہے؟ جو لوگ (اپنی محرومی و شقاوت سے) دوزخی گروہ ہو چکے' تم ان کے لیے خدا کے حضور جوابدہ نہیں ہو گے (تمہارا کام صرف پیام حق پہنچا دینا ہے!) (۱۱۹)

اور[۳] (حقیقت یہ ہے کہ اپنی سچائی کی کتنی ہی نشانیاں پیش کرو' لیکن) یہود اور نصاریٰ تم سے خوش ہونے والے نہیں۔ وہ تو صرف اسی حالت میں خوش ہو سکتے ہیں کہ تم ان کی (بنائی ہوئی) جماعتوں کے پیرو ہو جاؤ (کیونکہ جس بات کو انہوں نے دین

---

۱ مشرکین عرب اور ان کے جاہلانہ و معاندانہ اعتراضات۔

جس طرح انسانی سچائی کا مزاج ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا ہے اسی طرح انسانی گمراہی کا مزاج بھی ایک ہی طرح کا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر زمانہ میں منکرین حق نے ایک ہی طریقہ پر سچائی کو جھٹلایا ہے۔ اور ایک ہی طرح کی صدائیں بلند کی ہیں۔

۲ سچائی کی پہچان رکھنے والوں کے لیے سب سے بڑی نشانی پیغمبر کی تعلیم اور اس کی زندگی ہے اور یہ بات سنت الٰہی کے خلاف ہے کہ لوگوں کے جاہلانہ خیالات کے مطابق فرمائشی معجزے دکھلائے جائیں۔

۳ یہ جتنی ملتیں الگ الگ بنالی گئی ہیں یعنی الگ الگ گروہ بندیاں کر لی گئی ہیں مثلاً یہودیت اور مسیحیت تو یہ سب انسانی گمراہی کی بناوٹیں ہیں ہدایت کی راہ تو بس ہدایت کی راہ ہے۔ جو کوئی اس پر چلے گا' ہدایت یافتہ ہو گا۔ خواہ ان بنائی ہوئی ملتوں میں داخل ہو یا نہ ہو...... ⇦

وقف لازم لُعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ
ع ۹ ۱۴ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ يٰبَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ
عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـئًا وَّ لَا يُقۡبَلُ
مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّ لَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ

سمجھ رکھا ہے وہ گروہ پرستی کے تعصب کے سوا کچھ نہیں ہے) پس تم ان سے (صاف صاف) کہہ دو کہ خدا کی ہدایت کی راہ تو وہی ہے جو ہدایت کی اصلی راہ ہے (نہ کہ تمہاری خود ساختہ گروہ بندیاں) اور یاد رکھو اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی باوجودیکہ تمہارے پاس علم و یقین کی روشنی آ چکی ہے تو (یہ ہدایت الٰہی سے منہ موڑنا ہوگا اور پھر) اللہ کی دوستی اور مددگاری سے تم یکسر محروم ہو جاؤ گے- (۱۲۰)

اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب الٰہی کی ٹھیک ٹھیک تلاوت کرتے ہیں (یعنی راست بازی و اخلاص کے ساتھ پڑھتے ہیں) تو وہی ہیں جو (قبولیت حق کی استعداد رکھتے ہیں اور اس لیے وہی ہیں جو) اس پر ایمان لائیں گے اور جو کوئی (ان میں سے) انکار کرتا ہے تو (اس کی ہدایت کی کوئی امید نہیں) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے تباہی و نامرادی ہے- (۱۲۱)

اے بنی اسرائیل میری وہ نعمتیں یاد کرو جن سے میں نے تمہیں سرفراز کیا تھا- میں نے تمہیں دنیا کی قوموں میں برگزیدگی عطا فرمائی تھی! (۱۲۲)

اور دیکھو اس دن سے ڈرو جو یقیناً آنے والا ہے (اور جس دن ہر انسان کو اپنے اعمال کے نتیجوں سے دوچار ہونا ہے) اس دن نہ تو کوئی جان دوسری جان کے کام آئے گی (کہ اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کا نام لے کر اپنے آپ کو بخشوا لو) نہ کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا (کہ اپنی بدعملیوں کا فدیہ دے کر جان چھڑا لو) نہ کسی کی سعی و سفارش چل سکے گی (کہ ان کا وسیلہ پکڑ کے کام نکال لو) اور نہ ہی ایسا ہوگا کہ مجرموں کو کہیں سے مدد ملے! (۱۲۳)

اور (پھر غور کرو وہ واقعہ) جب ابراہیم[1] کو اس کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا تھا اور وہ ان میں پورا اترا تھا-

---

⇐ مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ یہ ہے کہ حق پسندی اور حقیقت بینی کی جگہ محض گروہ پرستی کی روح کام کر رہی ہے- لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک انسان کا اعتقاد اور عمل کیسا ہے؟ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری گروہ بندی میں داخل ہے یا نہیں؟ جب لوگوں کی ذہنیت ایسی ہو جائے تو ظاہر ہے کہ دلائل و حقائق کچھ کام نہیں دے سکتے- کتنی ہی سچی اور معقول بات کیوں نہ کی جائے- ان لوگوں کے لیے بیکار ہوگی!

جب تک تم یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندی میں داخل نہ ہو جاؤ یہودی اور عیسائی تم سے تو خوش ہونے والے نہیں اگرچہ تمہارا اعتقاد اور عمل کتنا ہی اچھا اور معقول ہو اور خود ان کی مسلمہ تعلیمات کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہی کیوں نہ ہو-

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش' منصب امامت کا عطیہ' دین الٰہی کی دعوت' معبد کعبہ کی تعمیر اور امت مسلمہ کے ظہور کی دعا یہ ذکر اس محل میں چار بصیرتیں رکھتا ہے:

(۱) یہود' نصاریٰ اور مشرکین عرب تینوں گروہوں کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت ایک مسلمہ شخصیت تھی- اس ⇐

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ
مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ
لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ
الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ

جب ایسا ہوا تو خدا نے فرمایا اے ابراہیمؑ! میں تجھے انسانوں کے لیے امام بنانے والا ہوں (یعنی دنیا کی آنے والی قومیں تیری دعوت قبول کریں گی اور تیرے نقش قدم پر چلیں گی) ابراہیم نے عرض کیا جو لوگ میری نسل میں سے ہوں گے ان کی نسبت کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا جو ظلم و معصیت کی راہ اختیار کریں تو ان کا میرے اس عہد میں کوئی حصہ نہیں۔ (۱۲۴)

اور (پھر دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے (مکہ کے) اس گھر کو (یعنی خانہ کعبہ کو) انسانوں کی گردآوری کا مرکز اور امن و حرمت کا مقام ٹھہرا دیا اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ (ہمیشہ کے لیے) نماز کی جگہ بنا لی جائے۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا تھا کہ ہمارے نام پر جو گھر بنایا گیا ہے اسے طواف کرنے والوں، عبادت کے لیے ٹھہرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے (ہمیشہ) پاک رکھنا (اور ظلم و معصیت کی گندگیوں سے آلودہ نہ کرنا!) (۱۲۵)

اور (پھر) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے خدا کے حضور دعا مانگی تھی "اے پروردگار! اس جگہ کو (جو دنیا کی آباد سرزمین سے دور اور سرسبزی و شادابی سے یک قلم محروم ہے) امن و امان کا ایک آباد شہر بنا دے اور اپنے فضل و کرم سے ایسا کر کہ یہاں کے بسنے والوں میں جو لوگ تجھ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں ان کے رزق کے لیے ہر طرح کی پیداوار مہیا ہو جائے۔" اس پر ارشاد الٰہی ہوا تھا کہ (تمہاری دعا قبول کی گئی، یہاں کے باشندوں میں سے) جو کوئی کفر کا شیوہ اختیار کرے گا سو

⇦ لیے ان کی دعوت سے استشہاد تینوں کے لیے ناقابل انکار استشہاد تھا۔

(۲) مذہبی گروہ بندی کے خلاف، تینوں گروہوں کے لیے ایک حجت قاطع ہے یہ ظاہر ہے کہ تینوں گروہ بندیاں اور ان کے عقائد و رسوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد پیدا ہوئے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ کیا تھا؟ یقیناً وہ ان گروہ بندیوں کا طریقہ نہ تھا۔ پس جو طریقہ ان کا تھا اسی کی دعوت قرآن دیتا ہے!

(۳) یہودیوں کی جماعتی سرگرانی زیادہ تر نسلی غرور کا نتیجہ تھی۔ وہ کہتے تھے، ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اور تورات میں ہے کہ خدا نے اس کی نسل کو برکت دی۔ اس بیان نے واضح کر دیا کہ اول تو نسل کے شرف میں بنی اسحاق کی طرح بنی اسماعیل بھی شریک ہیں پھر وہ جو کچھ بھی ہو خدا کا عہد برکت نیک کرداروں کے لیے تھا نہ کہ بدکرداروں کے لیے۔ جن لوگوں نے ایمان و عمل کی سعادت کھو دی ان کے لیے نسل کا امتیاز کچھ سودمند نہیں ہو سکتا!

(۴) پچھلی امتوں کی محرومیوں کے ذکر کے بعد یہ حقیقت واضح کرنی تھی کہ اب توفیق الٰہی نے پیروان دعوت قرآن کو خدمت حق کے لیے چن لیا ہے اور اقوام عالم کی ہدایت کا سررشتہ ان کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے دعوت قرآن کے ظہور کی معنوی تاریخ بیان کر دی جائے۔ چنانچہ معبد کعبہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر اسی غرض سے کیا گیا ہے کہ آنے والے بیان کے لیے ایک قدرتی تمہید کا کام دے۔

النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ
عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ ع ۱۵/۸/۱۵
نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ

اسے بھی ہم (سروسامان رزق سے) فائدہ اٹھانے دیں گے- البتہ یہ فائدہ اٹھانا بہت تھوڑا ہوگا- کیونکہ بالآخر اسے (پاداش عمل میں) چارونا چار دوزخ میں جانا ہے اور کیا ہی برا اس کا ٹھکانا ہوا- (۱۲۶)

اور (پھر دیکھو وہ کیسا عظیم الشان اور انقلاب انگیز وقت تھا) جب ابراہیمؑ خانہ کعبہ کی نیوڈال رہا تھا اور اسمٰعیل بھی اس کے ساتھ شریک تھا (ان کے ہاتھ پتھر چن رہے تھے اور دل و زبان پر یہ دعا طاری تھی) ''اے پروردگار! ہمارا یہ عمل تیرے حضور قبول ہو! بلاشبہ تو ہی ہے جو دعاؤں کا سننے والا اور (مصالح عالم کا) جاننے والا ہے: (۱۲۷)

اے پروردگار' (اپنے فضل و کرم سے) ہمیں ایسی توفیق دے کہ ہم سچے مسلم (یعنی تیرے حکموں کے فرمانبردار ہو جائیں' اور ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی امت پیدا کر دے جو تیرے حکموں کی فرمانبردار ہو! خدایا! ہمیں ہماری عبادت کے (سچے) طور طریقے بتلا دے اور ہمارے قصوروں سے درگزر کر- بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو رحمت سے درگزر کرنے والی ہے اور جس کی رحیمانہ درگزر کی کوئی انتہا نہیں! (۱۲۸) اور خدایا (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیجیو کہ اس بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول پیدا ہو جو انہی میں سے ہو- وہ تیری آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سنائے' کتاب اور حکمت کی تعلیم دے' اور (اپنی پیغمبرانہ تربیت سے) ان کے دلوں کو مانجھ دے- اے پروردگار! بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی اور سب پر غالب ہے'' (۱۲۹)

(یہ ہے ابراہیمؑ کا طریقہ[1]) اور ان لوگوں کے سوا جنہوں نے اپنے آپ کو نادانی و جہالت کے حوالے کر دیا ہے کون ہے جو ابراہیمؑ کے طریقے سے منہ پھیر سکتا ہے؟ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں بھی اسے برگزیدگی کے لیے چن لیا اور آخرت میں بھی اس کی جگہ نیک انسانوں کے زمرے میں ہوگی- (۱۳۰)

جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے اسے حکم دیا تھا کہ ''فرمانبردار ہو جا'' تو وہ پکار اٹھا تھا ''میں اس کے حکموں کا فرمانبردار

---

[1] دین کی جو راہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کی تھی وہ کیا تھی؟ ان کے بعد ان کی اولاد جس طریقہ پر چلتی رہی وہ کونسا طریقہ تھا؟ خود ''اسرائیل'' یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بستر مرگ پر جس دین کی وصیت کی تھی وہ کون سا دین تھا؟ یقیناً وہ یہودیت اور مسیحیت کی گروہ بندی نہ تھی- وہ صرف خدا پر ایمان لانے اور اس کے قانون سعادت کی فرمانبرداری کرنے کی فطری اور عالمگیر سچائی تھی اور اسی کی دعوت قرآن دیتا ہے-

دین الٰہی کو اسی لیے ''الاسلام'' کے نام سے تعبیر کیا گیا جس کے معنی اطاعت کرنے کے ہیں یعنی ہر طرح کی نسبتوں اور گروہ بندیوں سے الگ ہو کر' صرف اطاعت حق کی طرف انسان کو دعوت دی جائے-

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ وَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ
مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾
وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

ہوگیا جو تمام دنیا کا پروردگار ہے- (۱۳۱)

اور پھر اسی طریقہ کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اور (اس کے پوتے) یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی- انہوں نے کہا "اے میرے بیٹو! خدا نے تمہارے لیے اس دین (حقیقی) کی راہ پسند فرمالی ہے' تو دیکھو' دنیا سے نہ جانا مگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو (یعنی فرمانبردار ہو-") (۱۳۲)

پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کے سرہانے موت آ کھڑی ہوئی تھی اور اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے پوچھا تھا "میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟" انہوں نے جواب دیا "اسی خدائے واحد کی جس کی تو نے عبادت کی ہے اور تیرے بزرگوں ابراہیمؑ اسماعیل اور اسحاقؑ نے کی ہے اور ہم اس کے حکموں کے فرمانبردار ہوئے!" (۱۳۳)

(بہر حال) یہ ایک امت تھی جو گزر چکی[۱] اس کے لیے وہ تھا جو اس نے اپنے عمل سے کمایا- تمہارے لیے وہ ہوگا جو تم اپنے عمل سے کماؤ گے- تم سے کچھ اس کی پوچھ گچھ نہیں ہوگی کہ ان لوگوں کے اعمال کیسے تھے؟ (۱۳۴)

یہودیوں نے کہا' یہودی ہو جاؤ' ہدایت پاؤ گے- نصاریٰ نے کہا' نصرانی ہو جاؤ' ہدایت پاؤ گے- لیکن تم کہو نہیں (خدا کی عالمگیر سچائی ان گروہ بندیوں میں محدود نہیں ہو جاسکتی) اس کی راہ تو وہی "حنیفی" راہ ہے[۲] جو ابراہیم کی راہ تھی یعنی تمام انسانی طریقوں سے منہ موڑنا اور صرف خدا کے سیدھے سادھے فطری طریقہ کا ہو رہنا) اور یقیناً وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا- (۱۳۵)

---

[۱] قانون الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد اور جماعت کو وہی پیش آتا ہے جو اس نے اپنے عمل سے کمایا ہے- نہ تو ایک کی نیکی دوسرے کو بچا سکتی ہے- نہ ایک کی بدعملی کے لیے دوسرا جواب دہ ہو سکتا ہے-

انسان کے لیے قدامت پرستی کا پھندا بڑا ہی سخت پھندا ہے اس کے پیچ سے وہ نکل نہیں سکتا- وہ ہمیشہ ماضی کے افسانوں میں گم رہے گا اور ہر پرانے طور طریقے کو تقدیس کی نظر سے دیکھے گا- ہندو ہزاروں برس سے مہابھارت اور پرانوں کے افسانوں میں پھنسے ہوئے ہیں- مسلمانوں کے دو فرقے آج تک اس نزاع سے فارغ نہیں ہوئے کہ تیرہ سو برس پہلے سقیفہ میں خلافت کا جو انتخاب ہوا تھا' وہ صحیح تھا یا غلط؟ لیکن قرآن کہتا ہے "تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ" یہ ایک گروہ تھا جو گزر چکا- اب اس کے پیچھے پڑے رہنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا- تم اپنی خبر لو- ان کے اعمال ان کے لیے تھے- تمہارے تمہارے لیے ہیں-

[۲] بہر حال ہدایت کی راہ ان گروہ بندیوں کی راہ نہیں ہو سکتی اور نہ وہ کسی ایک قوم اور گروہ ہی کے حصے میں آئی ہے- ہدایت کی ⇦

قُولُوٓا۟ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنزِلَ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَمَآ
أُوتِىَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَآ أُوتِىَ ٱلنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾
فَإِنْ ءَامَنُوا۟ بِمِثْلِ مَآ ءَامَنتُم بِهِۦ فَقَدِ ٱهْتَدَوا۟ ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّمَا هُمْ فِى شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ ٱللَّهُ ۚ وَهُوَ
ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُۥ عَـٰبِدُونَ ﴿١٣٨﴾ قُلْ أَتُحَآجُّونَنَا فِى ٱللَّهِ

مسلمانو! تم کہو' ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں- قرآن پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے- ان تمام تعلیموں پر ایمان لائے ہیں جو ابراہیمؑ کو' اسمٰعیلؑ کو' اسحاقؑ کو' یعقوبؑ کو اور اولاد یعقوبؑ کو دی گئیں- نیز ان کتابوں پر جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی تھیں- اور (صرف اتنا ہی نہیں بلکہ) ان تمام تعلیموں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو دنیا کے تمام نبیوں کو ان کے پروردگار سے ملی ہیں- ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کرتے (کہ اسے نہ مانیں- باقی سب کو مانیں- یا اسے مانیں- مگر دوسروں سے منکر ہو جائیں- خدا کی سچائی کہیں بھی اور کسی پر بھی آئی ہو) ہم خدا کے فرمانبردار ہیں- (۱۳۶)

پھر اگر یہ لوگ بھی ایمان کی راہ اختیار کر لیں- اسی طرح جس طرح تم نے اختیار کی ہے تو سارے جھگڑے ختم ہو گئے' اور انہوں نے ہدایت پالی- لیکن اگر اس سے روگردانی کریں تو پھر سمجھ لو کہ (ان کے ماننے کی کوئی امید نہیں) ان کی راہ (طلب حق کی جگہ) ہٹ دھرمی کی راہ ہے- پس (ان سے قطع نظر کر لو اور اپنے کام میں سرگرم رہو) وہ وقت دور نہیں جب اللہ کی مدد تمہیں ان مخالفتوں سے بے پروا کر دے گی- وہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے! (۱۳۷)

(ہدایت اور نجات کی راہ کسی رسمی اصطباغ یعنی رنگ دینے کی محتاج نہیں جیسا کہ عیسائیوں کا شیوہ ہے) یہ اللہ کا رنگ دینا ہے اور بتلاؤ اللہ سے بہتر اور کس کا رنگ دینا ہو سکتا ہے؟ اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے ہیں! (۱۳۸)

(اے پیغمبر) تم ان لوگوں[1] سے کہو- ہماری راہ تو خدا پرستی کی راہ ہے- پھر' کیا تم خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ (یعنی

⇐ راہ تو وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی راہ تھی اور وہ خدا کا عالمگیر قانون نجات ہے-

پس سچائی کی راہ یہ ہوئی کہ دوسرے کو جھٹلانے کی جگہ سب کی تصدیق کرو- دنیا میں جس قدر بھی رہنمایان مذاہب آئے ہیں خواہ وہ کسی عہد اور کسی ملک و قوم سے تعلق رکھتے ہوں سب ایک ہی سچائی کے پیغامبر تھے' اور اس لیے سب کی یکساں طور پر تصدیق کرنی چاہیے- داعیان مذاہب میں سے کسی ایک کا انکار بھی سب کا انکار ہے- جو کوئی ''تفریق بین الرسل'' کرتا ہے یعنی کسی کو مانتا ہے- کسی کو نہیں مانتا- وہ فی الحقیقت خدا کے پورے سلسلۂ ہدایت کا منکر ہے-

قرآن کہتا ہے میری راہ عالمگیر تصدیق کی راہ ہے- اگر تم یہودی ہو اور تورات پر ایمان رکھتے ہو تو میں اس کا مصدق ہوں اور اسی لیے آیا ہوں تاکہ دین حقیقی تازہ کروں- اگر تم مسیحی ہو تو میں انجیل کا منکر کب ہوں؟ میں تو اسی لیے آیا ہوں کہ تم انجیل کے سچے عامل بن جاؤ- اگر تم حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے نام لیوا ہو' تو میری دعوت سرتاسر ملت ابراہیمی ہی کی دعوت ہے- اگر تم کسی دوسرے رسول یا نئے مذہب کے پیرو ہو تو میں تمہیں اس کا منکر بنانا نہیں چاہتا- اس کی تصدیق میں اور زیادہ پختہ کر دینا چاہتا ہوں-

[1] جب سب کا پروردگار ایک ہے اور ہر انسان کے لیے اس کا عمل ہے تو پھر خدا اور دین کے نام پر یہ تمام جھگڑے کیوں ہیں؟ ⇐

وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ
اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ
كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ
لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ
قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

ع ۱۶ الجزء ۲

خداپرستی کے شیوے ہی سے تمہیں اختلاف ہے؟ حالانکہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا پروردگار وہی ہے- ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں تمہارے لیے تمہارے اعمال- اور ہمارا طریقہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ صرف اسی کی بندگی کرنے والے ہیں!(۱۳۹)

یا پھر تمہارا (یعنی یہود اور نصاریٰ کا) دعویٰ یہ ہے کہ ابراہیمؑ' اسماعیلؑ' اسحاقؑ' یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ بھی یہودی اور نصرانی تھے؟ اے پیغمبرؐ ان سے کہو تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ ہے؟ (اگر اللہ ہے تو اس کی گواہی تو تمہارے خلاف خود تمہاری کتاب میں موجود ہے جسے تم دیدہ ودانستہ چھپا رہے ہو) پھر بتلاؤ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے-

جس کے پاس[۱] اللہ کی ایک گواہی موجود ہو اور وہ اسے چھپائے؟ (اور محض اپنی بات کی پچ کے لیے سچائی کا اعلان نہ کرے؟) یاد رکھو جو کچھ بھی تم کر رہے ہو' اللہ اس سے غافل نہیں ہے!(۱۴۰)

(اور پھر جو کچھ بھی ہو) یہ ایک امت تھی جو گزر چکی- اس کے لیے وہ تھا جو اس نے اپنے عمل سے کمایا- تمہارے لیے وہ ہوگا جو تم اپنے عمل سے کماؤ گے- تم سے کچھ اس کی پوچھ گچھ نہیں ہوگی کہ ان کے اعمال کیسے تھے-(۱۴۱)

جو لوگ[۲] عقل وبصیرت سے محروم ہیں وہ کہیں گے مسلمان جس قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے کیا بات ہوئی کہ ان کا رخ اس سے پھر گیا؟ (اے پیغمبرؐ) تم کہو پورب ہو یا پچھم سب اللہ ہی کے لیے ہے- (وہ کسی خاص مقام یا جہت میں محدود نہیں) وہ جس کسی کو چاہتا ہے (کامیابی وسعادت کی) سیدھی راہ دکھا دیتا ہے-(۱۴۲)

⇦ کیوں ایک مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کے پیروؤں کا دشمن ہو؟ کیوں ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرے؟

۱ کتمان حق یعنی سچائی کو دیدہ ودانستہ ظاہر نہ کرنا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے-

۲ دعوت ابراہیمی سے وحدت دین کے استشہاد کا بیان ختم ہوگیا- اب یہاں سے اس کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جو پچھلے بیان کا قدرتی نتیجہ ہے- حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اقوام عالم کی امامت ملی تھی- انہوں نے مکہ میں عبادت گاہ کعبہ تعمیر کی اور امت مسلمہ کے ظہور کی الہامی دعا مانگی- مشیت الٰہی میں اس ظہور کے لیے ایک خاص وقت مقرر تھا- جب وہ وقت آ گیا تو پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا اور ان کی تعلیم وتزکیہ سے موعودہ امت پیدا ہوگئی- اس امت کو ''نیک ترین امت'' ہونے کا نصب العین عطا کیا گیا اور اقوام عالم کی تعلیم اس کے سپرد کی گئی- ضروری تھا کہ اس کی روحانی ہدایت کا ایک مرکز بھی ہوتا- یہ مرکز قدرتی طور پر عبادت گاہ کعبہ ہی ہو سکتا تھا- چنانچہ تحویل قبلہ نے اس کی مرکزیت کا اعلان کر دیا- یہی حقیقت ''قبلہ'' کے تقرر میں پوشیدہ تھی- چنانچہ ''سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ'' سے یہی بیان شروع ہوتا ⇦

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ
شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ
يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ
لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور (مسلمانو! جس طرح یہ بات ہوئی کہ بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ ''قبلہ'' قرار پایا) اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے تمہیں ''نیک ترین امت'' ہونے کا درجہ عطا فرمایا تاکہ تم انسانوں کے لیے (سچائی کی) گواہی دینے والے ہو اور تمہارے لیے اللہ کا رسول گواہی دینے والا ہو۔

اور اگر ہم نے اتنے دنوں تک تمہیں اسی قبلہ پر رہنے دیا جس کی طرف تم رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے تو یہ اس لیے تھا' تاکہ (وقت پر) معلوم ہو جائے کون لوگ اللہ کے رسول کی پیروی میں سچے ہیں اور کون لوگ (دل کے کچے ہیں جو آزمائش میں پڑکر) الٹے پاؤں پھر جانے والے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہدایت یافتہ لوگوں کے سوا اور سب کے لیے اس معاملہ میں بڑی ہی سخت آزمائش تھی۔ بہرحال (جو لوگ آزمائش میں پورے اترے ہیں وہ یقین کریں ان کی استقامت کے ثمرات بہت جلد انہیں حاصل ہوں گے) ایسا نہیں ہوسکتا کہ خدا تمہارا ایمان رائگاں جانے دے۔ وہ تو انسانوں کے لیے سرتاسر شفقت و رحمت رکھنے والا ہے۔ (۱۴۳) (اے پیغمبر) ہم دیکھ رہے ہیں کہ (حکم الٰہی کے شوق و طلب میں) تمہارا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اُٹھ اُٹھ جاتا ہے تو یقین کرو ہم عنقریب تمہارا رُخ ایک ایسے ہی قبلہ کی طرف پھرا دینے والے ہیں جس سے تم خوشنود ہو جاؤ گے۔ (اور اب کہ اس معاملہ کے ظہور کا وقت آ گیا ہے) تو چاہیے کہ تم اپنا رُخ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو اور جہاں کہیں بھی تم اور تمہارے ساتھی ہوں' ضروری ہے کہ (نماز میں) رُخ اسی طرف کو پھر جایا کرے۔

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ معاملہ ان کے پروردگار کی طرف سے ایک امر حق ہے (کیونکہ ان کے مقدس نوشتوں میں اس کی پیشین گوئی موجود ہے اور جیسے کچھ ان کے اعمال ہیں اللہ ان سے غافل نہیں ہے! (۱۴۴)

⇐ ہے۔ پیروان دعوت قرآنی مخاطب ہیں اور انہیں بتلایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عمل حق نے جو بیج بویا تھا وہ بارآور ہو گیا ہے اور ''نیک ترین امت'' تم ہو۔

وَلَىِٕنۡ اَتَيۡتَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوۡا قِبۡلَتَكَ‌ۚ وَمَآ اَنۡتَ بِتَابِعٍ قِبۡلَتَهُمۡ‌ۚ
وَمَا بَعۡضُهُمۡ بِتَابِعٍ قِبۡلَةَ بَعۡضٍ‌ؕ وَلَىِٕنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ‌ۙ
اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ‌ؕ وَاِنَّ
فَرِيۡقًا مِّنۡهُمۡ لَيَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ﴿۱۴۷﴾
وَلِكُلٍّ وِّجۡهَةٌ هُوَ مُوَلِّيۡهَا فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ‌ؕ اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يَاۡتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا‌ؕ اِنَّ

وقف لازم | وقف منزل | وقف النبی | ۱۲/۱۷

اگر تم اہل کتاب[1] کے سامنے دنیا جہان کی ساری دلیلیں بھی پیش کر دو جب بھی وہ تمہارے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں - نہ یہ ہوسکتا ہے کہ (علم و بصیرت سے بے بہرہ ہو کر) تم ان کے قبلہ کی پیروی کرنے لگو اور نہ خود وہی کسی ایک قبلہ پر متفق ہیں - ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کا قبلہ ماننے والا نہیں - اور یاد رکھو اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی باوجویکہ تمہیں اس بارے میں علم حاصل ہو چکا ہے تو یقیناً نافرمانی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے - (۱۴۵)

اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (یعنی اہل کتاب کے علما) ان پر حقیقت حال پوشیدہ نہیں ہے - وہ پیغمبر اسلام کو ویسے ہی جان پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں - لیکن اس پر بھی ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو جان بوجھ کر سچائی کو چھپاتا ہے - (۱۴۶)

یقین کرو[2] یہ (تحویل قبلہ کا) معاملہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک امر حق ہے (اور جو بات حق ہو تو وہ اپنے قیام و ثبات سے اپنی حقانیت کا اعلان کر دے گی) پس دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم شک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ! (۱۴۷)

اور (دیکھو[3]) ہر گروہ کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ (عبادت کے وقت) رخ پھیر لیتا ہے - (پس یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے حق و باطل کا معیار سمجھ لیا جائے - اصلی چیز جو مقصود ہے وہ تو نیک عملی ہے) پس نیکیوں کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو - تم جہاں کہیں بھی ہو (یعنی جس جگہ اور جس سمت میں بھی خدا کی عبادت کرو) خدا تم

---

[1] یہود اور نصاریٰ کا تحویل قبلہ پر اعتراض کرنا محض گروہ پرستی کے تعصب کا نتیجہ ہے - اگر ان میں حق پرستی ہوتی تو وہ آپس میں کیوں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے اور کیوں ایسا ہوتا کہ یہودی عیسائیوں کا قبلہ نہیں مانتے اور عیسائیوں کو یہودیوں کے قبلہ سے انکار ہوتا؟ پس جب صورت حال ایسی ہے تو متبع حق کو چاہیے ایسے لوگوں کے اتفاق و یک جہتی سے قطع نظر کر لے - کیونکہ جن لوگوں نے اتباع حق سے یک قلم کنارہ کشی کر لی ہے ان کے ساتھ متبع حق کا کبھی اتفاق نہیں ہوسکتا -

[2] کسی بات کا حق ہونا ہی اس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے - کیونکہ حق کے معنی ہی قائم و ثابت رہنے کے ہیں اور جو بات قائم و ثابت رہنے والی ہے اس کے لیے اس کے قیام و ثبات سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہوسکتی ہے؟

[3] اور پھر جو کچھ بھی ہو تقرر قبلہ کا معاملہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو دین کے اصول و مہمات میں سے ہو اور اسے حق و باطل کا معیار سمجھ لیا جائے - ہر گروہ کے لیے کوئی نہ کوئی جہت ہے اور وہ اسی کی طرف رخ کر کے عبادت کرتا ہے عبادت جس طرف بھی منہ کر کے کی جائے خدا کی عبادت ہے - وہ کسی ایک جہت ہی میں محدود نہیں - اصلی چیز جو سمجھنے اور کرنے کی ہے وہ ''خیرات'' ہے - یعنی نیک عملی - ⇦

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اِنَّهٗ
لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ؕ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِيْ ۗ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَآ
اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ
يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ع ۱۸ ۵ ۲

سب کو پالے گا - یقیناً اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں - (۱۴۸)

اور (اے پیغمبر!)[1] تم کہیں سے بھی نکلو (یعنی سمت اور کسی مقام میں بھی ہو) لیکن (نماز میں) رخ اسی طرف کو پھیر لو جس طرف مسجد حرام واقع ہے - اور یقین کرو یہ معاملہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک امر حق ہے اور جانتے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال کی طرف سے غافل نہیں ہے - (۱۴۹) اور (دیکھو) تم کہیں سے بھی نکلو (اور کسی مقام میں بھی ہو) لیکن چاہیے کہ (نماز میں) اپنا رخ مسجد حرام ہی کی طرف پھیر لو اور (اے پیروان دعوت قرآنی) تم بھی اپنا رخ اسی طرف کو کر لیا کرو - خواہ کسی جگہ اور کسی سمت میں ہو - اور یہ (جو تقرر قبلہ پر اس قدر زور دیا گیا ہے تو یہ) اس لیے ہے تا کہ تمہارے خلاف لوگوں کے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہے (اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ معبد ابراہیمی ہی تمہارا قبلہ ہے) البتہ جو لوگ حق سے گزر چکے ہیں (ان کی مخالفت ہر حال میں جاری رہے گی) تو ان سے نہ ڈرو - مجھ سے ڈرو - اور علاوہ بریں یہ (حکم) اس لیے بھی (دیا گیا) ہے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کردوں - نیز اس لیے کہ (سعی و عمل کی) سیدھی راہ پر تم لگ جاؤ - (۱۵۰) یہ اسی طرح کی بات ہوئی جیسے یہ ہوئی کہ ہم نے تم میں سے ایک شخص کو اپنی رسالت کے لیے چن لیا - وہ ہماری آیتیں تمہیں سناتا ہے (اپنی پیغمبرانہ تربیت سے) تمہارے دلوں کو صاف کرتا ہے' کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے' اور وہ وہ باتیں سکھلاتا ہے جن سے تم یکسر ناآشنا تھے - (۱۵۱)

پس[2] (اب) میری یاد میں لگے رہو - میں بھی تمہاری طرف سے غافل نہ ہوں گا (یعنی قانون الٰہی یہ ہے کہ اگر تم اللہ سے غافل نہ ہو گے' تو اللہ کی مدد و نصرت بھی تمہاری طرف سے غافل نہ ہوگی) اور دیکھو' میری نعمتوں کی قدر کرو - ایسا نہ کرو کہ کفران نعمت میں مبتلا ہو جاؤ! (۱۵۲)

⇐ پس چاہیے کہ اس میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرو - اور اسی کو دینداری و خدا پرستی کا اصلی کام سمجھو -

[1] تقرر قبلہ کا حکم عام اور اس کے مصالح و حکم

[2] کتاب و حکمت کی تعلیم' شخص نبوت کی پیغمبرانہ تربیت' مرکز ہدایت کا قیام اور ''نیک ترین امت'' ہونے کا نصب العین' یہی وہ بنیادی عناصر تھے جن کی موعودہ امت کی نشوونما کے لیے ضرورت تھی - جب یہ تمام مراتب ظہور میں آ گئے تو اب ضروری ہوا کہ پیروان دعوت قرآنی کو مخاطب کیا جائے اور سرگرم عمل ہو جانے کی دعوت دی جائے - چنانچہ ''فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ'' سے یہی مخاطبہ شروع ہوتا ہے -

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ
يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ
الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ
اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ
رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

مسلمانو! صبر اور نماز (کی معنوی قوتوں) سے سہارا پکڑو- یقین کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے! (۱۵۳)
اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں تو یہ مت کہو کہ مردے ہیں- نہیں وہ تو زندہ ہیں' لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے- (۱۵۴) اور یاد رکھو یہ ضرور ہونا ہے کہ ہم تمہارا امتحان لیں- خطرات کا خوف' بھوک کی تکلیف' مال و جان کا نقصان' پیداوار کی تباہی' وہ آزمائشیں ہیں جو تمہیں پیش آئیں گی- پھر جو لوگ صبر کرنے والے ہیں انہیں (فتح و کامرانی کی) بشارت دے دو (۱۵۵) یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی کوئی مصیبت ان پر آن پڑتی ہے تو (بے قرار ہونے کی جگہ ذکر الٰہی سے اپنی روح کو تقویت پہنچاتے ہیں' اور) ان کے زبان حال کی یہ صدا ہوتی ہے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ! (ہماری زندگی اور موت' رنج و غم' سود و زیاں' جو کچھ بھی ہے سب کچھ اللہ کے لیے ہے' اور ہم سب کو بالآخر مرنا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے!) (۱۵۶) سو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں' جن پر ان کے پروردگار کے الطاف و کرم ہیں' جن پر اس کی رحمت اُترتی ہے' اور یہی ہیں جو اپنے مقصد میں) کامیاب ہیں! (۱۵۷) بلاشبہ[1] صفا اور مروہ (نامی دو پہاڑیاں) اللہ کی (حکمت و رحمت کی) نشانیوں میں سے ہیں' پس جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے اس گھر کا (یعنی خانہ کعبہ کا) قصد کرے' تو اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان طواف کے پھیرے کر لے- اور جو کوئی خوش دلی کے ساتھ نیکی کا کوئی کام کرتا ہے' تو اللہ ہر عمل کی اس کی منزلت کے مطابق قدر کرنے والا' اور سب کچھ جاننے والا ہے (۱۵۸) جن[2] لوگوں کا یہ شیوہ ہے کہ (دنیا کے خوف یا طمع سے)

⇦ اور پھر چونکہ سرگرم عمل ہونے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ راہ عمل کی مشکلیں اور آزمائش پیش آتیں' اس لیے دعوت عمل کے ساتھ ہی صبر و استقامت اور جاں فروشی و قربانی کی بھی دعوت دے دی گئی' اور واضح کر دیا گیا کہ اس راہ میں آزمایشوں سے گزرنا ناگزیر ہے- ساتھ ہی ان اصول و مہمات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا جن میں ثابت قدم ہونے کے بعد گمراہی و ناکامی سے قدم محفوظ ہو جا سکتے ہیں-

(۱) صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد لو- صبر کی حقیقت یہ ہے کہ مشکلات و مصائب کے جھیلنے اور نفسانی خواہشوں سے مغلوب نہ ہونے کی قوت پیدا ہو جائے- نماز کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر و فکر سے روح کو تقویت ملتی رہے- جس جماعت میں یہ دو قوتیں پیدا ہو جائیں گی' وہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتی!

(۲) راہ حق میں موت' موت نہیں ہے- سر تا سر زندگی و ہدایت ہے- پس موت کے خوف سے اپنے دلوں کو پاک کر لو!

[1] (۳) مرکز قبلہ سے وابستگی اور حج کا قیام

[2] (۴) کتاب اللہ کی تعلیم و تذکیر ایک مقدس جماعتی فرض ہے- جو لوگ دنیا کے خوف یا طمع سے احکام حق چھپاتے ہیں وہ اللہ کی ⇦

يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ
اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَ اَنَا
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ ع ۱۹ ۱۱
النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ
فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ

ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو سچائی کی روشنیوں اور رہنمائیوں میں سے ہم نے نازل کی ہیں باوجود یکہ ہم نے انہیں کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تو یقین کرو ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے' (یعنی اس کی رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں) تمام لعنت کرنے والوں کی لعنتیں بھی ان کے حصے میں آتی ہیں! (۱۵۹)

مگر ہاں (توبہ کا دروازہ ہر گناہ کے بعد کھلا ہوا ہے - پس) جن لوگوں نے اس گناہ سے توبہ کر لی اور اپنی (بگڑی) حالت ازسر نو سنوار لی اور ساتھ ہی (احکام حق کو چھپانے کی جگہ) بیان کرنے کا شیوہ اختیار کر لیا تو ایسے لوگوں کی توبہ ہم قبول کر لیتے ہیں - اور ہم بڑے ہی درگزر کرنے والے اور رحمت سے بخش دینے والے ہیں! (۱۶۰)

(لیکن) جن لوگوں نے راہ حق سے انکار کیا اور پھر مرتے دم تک اسی پر قائم رہے تو (ظاہر ہے کہ ان کے لیے اصلاح حال کا کوئی موقعہ باقی نہ رہا) یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی' اس کے فرشتوں کی' انسانوں کی' سب کی لعنت ہوئی - (۱۶۱) ہمیشہ اسی حالت میں رہنے والے - نہ تو کبھی ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ انہیں مہلت ملے گی! (۱۶۲)

اور (دیکھو[۱]) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے - کوئی معبود نہیں مگر صرف اسی کی ایک ذات - رحمت والی' اور اپنی رحمت کی بخشش سے تمام کائنات ہستی کو فیضیاب کرنے والی! (۱۶۳)

بلا شبہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں اور جہاز میں جو انسان کی کار برآریوں کے لیے سمندر میں چلتا ہے' اور برسات میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے' اور اس (کی آب پاشی) سے زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے اور اس بات میں کہ ہر قسم کے جانور زمین کے پھیلاؤ میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہواؤں کے (مختلف رخ) پھرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان (اپنی مقررہ جگہ کے اندر) بندھے ہوئے ہیں ان لوگوں کے

⇐ لعنت کے سزاوار ہوتے ہیں -

[۱] (۵) خدا پرستی میں ثابت قدم رہنے' عقل و بصیرت سے کام لینے' کائنات خلقت میں تدبر و تفکر کرنے اور حقائق ہستی کی معرفت حاصل کرنے کا حکم' اور [illegible] فضل [illegible] رحمت سے استدلال -

السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ
كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَ لَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ
جَمِیْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ
وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ
ع۲۰ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ

لیے جو عقل رکھنے والے ہیں (اللہ کی ہستی و یگانگی اور اس کے قوانین رحمت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں! (۱۶۴)

اور (دیکھو) انسانوں[۱] میں سے کچھ انسان ایسے بھی ہیں جو خدا کے سوا دوسری ہستیوں کو اس کا ہم پلہ بنا لیتے ہیں- وہ انہیں اس طرح چاہنے لگتے ہیں جیسی چاہت اللہ کے لیے ہونی چاہیے- حالانکہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کے دلوں میں تو سب سے زیادہ محبت اللہ ہی کی ہوتی ہے-

جو بات ان ظالموں کو اس وقت سوجھے گی جب عذاب ان کے سامنے آ جائے گا کاش! اِس وقت سوجھتی- اس دن یہ دیکھیں گے کہ قوت اور ہر طرح کی قوت صرف اللہ ہی کو ہے' اور (اگر اس کے قوانین حق سے سرتابی کی جائے تو) اس کا عذاب بڑا ہی سخت عذاب ہے! (۱۶۵)

اور (دیکھو) جب ایسا[۲] ہو گا کہ وہ (جھوٹے پیشوا) جن کی پیروی کی گئی تھی (بجائے اس کے کہ اپنے پیروؤں کے کام آئیں) اپنے پیروؤں سے بیزاری ظاہر کرنے لگیں گے (یعنی کہیں گے ہمیں ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں) کیونکہ عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور ان باہمی رشتوں وسیلوں کا تمام سلسلہ ٹوٹ جائے گا (کہ نہ تو کوئی کسی کا ساتھ دے گا اور نہ کسی کو کسی کی فکر ہو گی) (۱۶۶) تب وہ لوگ جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی پکار اٹھیں گے- کاش ہمیں ایک دفعہ پھر دنیا میں لوٹنے کی مہلت مل جائے تو ہم ان (جھوٹے پیشواؤں) سے اسی طرح بیزاری ظاہر کر دیں جس طرح یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں! سو دیکھو اس طرح اللہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کی حقیقت دکھلا دے گا کہ سرتاسر حسرت و پشیمانی کا منظر ہو گا اور وہ آتش عذاب سے چھٹکارا پانے والے نہیں! (۱۶۷) اے افراد نسل انسانی![۳] زمین میں جس قدر حلال اور پاکیزہ چیزیں (تمہاری غذا

[۱] اللہ پر ایمان اور اللہ کی محبت دونوں لازم و ملزوم ہیں- پس اگر اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کو بھی ویسی ہی چاہت سے ماننے لگے جیسی چاہت سے ماننا صرف اللہ ہی کے لیے ہے تو پھر یہ اللہ کے ساتھ دوسرے کو ہم پلہ بنا دینا ہوا' اور توحید الٰہی کا اعتقاد درہم برہم ہو گیا- مومن وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی محبت رکھنے والا ہو-

[۲] پیروان باطل کی پیروی کرنے کا حسرت انگیز نتیجہ جو ان کے بدقسمت پیروؤں کے حصے میں آئے گا-

پچھلی امتوں کی تباہی کا ایک بنیادی سبب پیشوایان باطل کا اتباع ہے- ایسا نہ ہو کہ تم بھی اس میں مبتلا ہو جاؤ-

[۳] ان اصولی مہمات کی تلقین کے بعد اب یہاں سے ان فروعی احکام کا بیان شروع ہوتا ہے جن کے متعلق طرح طرح کی گمراہیاں

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ
بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّ
لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ
صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

کے لیے) مہیا کر دی گئی ہیں شوق سے کھاؤ اور (یہ جو لوگوں نے اپنے وہموں خیالوں سے طرح طرح کی رکاوٹیں اختیار کر رکھی ہیں تو یہ شیطانی وسوسے ہیں۔ تم) شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو - وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے - (۱۶۸)

وہ تو تمہیں بری اور قبیح باتوں ہی کے لیے حکم دے گا - نیز اس (گمراہی) کے لیے اکسائے گا کہ اللہ کے نام سے جھوٹی باتیں کہو جن کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں - (۱۶۹)

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے اللہ نے جو ہدایت نازل کی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں نہیں ہم تو اسی طریقے پر چلیں گے جس پر اپنے بڑے بوڑھوں کو چلتے دیکھ رہے ہیں - کوئی ان لوگوں سے پوچھے اگر تمہارے بڑے بوڑھے عقل سے کورے اور ہدایت سے محروم رہے ہوں تو تم بھی عقل و ہدایت سے انکار کر دو گے؟ (۱۷۰)

اور (حقیقت یہ ہے کہ) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو ان کی مثال ایسی ہے (یعنی انہیں کورانہ تقلید کی جگہ عقل و ہدایت کی دعوت دینا ایسا ہے) جیسے ایک چرواہا چار پایوں کے آگے چیختا چلاتا ہے کہ چار پائے کچھ بھی نہیں سنتے مگر صرف بلانے اور پکارنے کی صدائیں - وہ بہرے، گونگے، اندھے ہو کر رہ گئے - پس کبھی سوچنے سمجھنے والے نہیں - (۱۷۱)

مسلمانو! اگر تم صرف اللہ کی بندگی کرنے والے ہو (اور سمجھتے ہو کہ حلال و حرام میں حکم اسی کا حکم ہے تو) وہ تمام پاکیزہ

لوگوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور دین حق کی بنیادی صداقتوں پر ان کا اثر پڑتا تھا - یہ بیان اگرچہ فروعی احکام کا بیان ہے لیکن اپنی تشریحات و موعظت میں سرتاسر اصولی معارف ہیں:

من جملہ عالمگیر گمراہیوں کے ایک بنیادی گمراہی یہ تھی کہ کھانے پینے کے بارے میں طرح طرح کی بے اصل پابندیاں لگالی گئی تھیں اور دینداری کی سب سے بڑی بات یہ سمجھی جاتی تھی کہ انسان کھانے پینے میں سب سے زیادہ توہم پرست ہو - ظاہر ہے کہ جس جماعت کی ذہنیت ایسی توہم پرستانہ پابندیوں میں جکڑی ہوئی ہو وہ کبھی آزادی کے ساتھ ترقی و وسعت کا قدم نہیں اٹھا سکتی - پس سب سے پہلے اس معاملہ کی حقیقت واضح کی گئی اور ان تمام غلطیوں کا ازالہ کر دیا گیا جو اس بارے میں پھیلی ہوئی تھیں:

(۱) خدا نے انسان کی غذا کے لیے جس قدر اچھی چیزیں زمین میں مہیا کر دی ہیں شوق سے کھانی چاہییں - بے اصل روک ٹوک اور من گھڑت پابندیاں شیطانی وسوسے ہیں -

(۲) ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ ایمان کی راہ عقل و بصیرت کی راہ ہے اور کفر کا خاصہ کورانہ تقلید اور بے بصیرتی ہے - اندھی تقلید کرنا، جو کچھ دیکھتے اور سنتے آئے ہیں بے سمجھے بوجھے اسی پر جمے رہنا اور دلیل و برہان کی جگہ اپنے بزرگوں پیشواؤں کا قول و عمل حجت سمجھنا ہدایت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے -

اندھی تقلید کرنے والوں کے سامنے علم، بصیرت کی بات پیش کرنا ایسا ہے جیسے چار پایوں کو مخاطب کرنا -

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ
مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ
بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

چیزیں بے کھٹکے کھاؤ جو اللہ نے تمہاری غذا کے لیے مہیا کر دی ہیں اور اس کی نعمتیں کام میں لا کر اس کی بخشایشوں کے شکر گزار رہو! (۱۷۲)

اللہ[۱] نے جو چیزیں تم پر حرام کر دی ہیں وہ تو صرف یہ ہیں کہ مردار جانور' حیوانات کا خون' سور کا گوشت' اور وہ (جانور) جو اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کے نام پر پکارے جائیں- البتہ اگر ایسی حالت پیش آ جائے کہ ایک آدمی (حلال غذا نہ مل سکنے کی وجہ سے) بہ حالت مجبوری کھالے اور یہ بات نہ ہو کہ حکم شریعت کی پابندی سے نکل جانا چاہتا ہو یا اتنی مقدار سے زیادہ کھانا چاہتا ہو جتنے کی (زندگی بچانے کے لیے) ضرورت ہے تو اس صورت میں مجبور آدمی کے لیے کوئی گناہ نہ ہوگا- بلاشبہ اللہ (خطاؤں لغزشوں کو) بخش دینے والا اور (ہر حال میں) تمہارے لیے رحمت رکھنے والا ہے- (۱۷۳)

جو لوگ[۲] ان حکموں کو جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں چھپاتے ہیں' اور اس (کتمان حق) کے بدلے دنیا کے حقیر فائدے خریدتے ہیں تو یقین کرو یہ وہ لوگ ہیں جو آگ کے شعلوں سے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں (کیونکہ یہ کمائی ان کے لیے آتش عذاب کے شعلے بننے والی ہے) قیامت کے دن یہ اللہ کے خطاب سے محروم رہیں گے' وہ انہیں (بخش کر) گناہوں سے پاک نہیں کرے گا- ان کے لیے عذاب دردناک میں مبتلا ہونا ہے! (۱۷۴)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت بیچ کر گمراہی مول لی اور مغفرت کے بدلے عذاب کا سودا کیا تو (برائی کی راہ میں ان کا حوصلہ کیا ہی عجیب حوصلہ ہے اور) جہنم کی آگ کے لیے ان کی برداشت کیسی سخت برداشت ہے! (۱۷۵)

---

۱ (۳) جن چار پایوں کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے' وہ سب حلال ہیں مگر چار چیزیں-

۲ (۴) اور یہ جو اہل کتاب نے حلال و حرام کے بارے میں طرح طرح کی پابندیاں اپنے پیچھے لگالی ہیں تو یہ اس لیے ہے کہ کتاب اللہ کا علم و عمل متروک ہو گیا ہے- ان کے علماء حق فروش ہیں کہ دنیا کی طمع سے احکام الٰہی میں تحریف کرتے ہیں- یا انہیں ظاہر نہیں کرتے- اور عوام اپنے مذہبی پیشواؤں کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں-

کتاب اللہ علم و حقیقت ہے اور اختلاف جہل و ظن سے پیدا ہوتا ہے- پس جب علم حقیقت آ جائے تو اختلاف باقی نہیں رہنا چاہیے- پھر جو لوگ کتاب اللہ کے نزول کے بعد بھی اختلافات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور الگ الگ مذہبی فرقہ بنا کر دین کی وحدت کھو دیتے ہیں تو وہ ''شقاق بعید'' میں پڑ جاتے ہیں- یعنی ایسے گھرے اور دور دراز تفرقوں میں جن سے کبھی نہیں نکل سکتے اور جس قدر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور زیادہ حقیقت سے دور ہوتے جاتے ہیں!

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ لَيْسَ
الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ
الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ
السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ
وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

یہ اس لیے ہوا کہ اللہ نے کتاب (تورات) سچائی کے ساتھ نازل کر دی تھی (اور جب وحی الٰہی کی روشنی آ جائے تو پھر انسانی گمانوں وہموں کے لیے گنجائش باقی نہیں رہتی پھر بھی یہ لوگ اختلافات میں پڑ گئے) اور جن لوگوں نے کتاب اللہ (کے احکام) میں الگ الگ راہیں اختیار کی ہیں تو وہ تفرقہ و مخالفت کی دور دراز راہوں میں کھوئے گئے! (۱۷۶)

نیکی اور بھلائی[1] (کی راہ) یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھم کی طرف کر لیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات رسم ریت کی کر لی) نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ پر' آخرت کے دن پر' فرشتوں پر' آسمانی کتابوں پر اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں-

خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے خرچ کرتے ہیں-

نماز قائم کرتے ہیں-

زکوٰۃ ادا کرتے ہیں-

اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں- جب قول و قرار کر لیتے ہیں تو اسے پورا کر کے رہتے ہیں-

تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت ہر حال میں صبر کرنے والے (اور اپنی راہ میں ثابت قدم) ہوتے ہیں-

تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہوئے اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے انسان ہیں! (۱۷۷)

---

[1] (۵) دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہیں ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات اختیار کر لی جائے- بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے اور اصلی شے دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے- شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لیے ہیں تاکہ یہ مقصود حاصل ہو-

نزول قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر مذہبی گمراہی یہ تھی کہ لوگ سمجھتے تھے دین سے مقصود محض شریعت کے ظواہر و رسوم ہیں- اور انہی کے کرنے نہ کرنے پر انسان کی نجات و سعادت موقوف ہے- لیکن قرآن کہتا ہے اصل دین خدا پرستی اور نیک عملی ہے اور شریعت کے ظاہری رسوم و اعمال بھی اسی لیے ہیں کہ یہ مقصود حاصل ہو- پس جہاں تک دین کا تعلق ہے ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہیے نہ کہ وسائل کی-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ
فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ اۨلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

مسلمانو![1] جو لوگ قتل کر دیے جائیں ان کے لیے تمہیں قصاص (یعنی بدلہ لینے) کا حکم دیا جاتا ہے۔ (لیکن بدلہ لینے میں ہر انسان دوسرے انسان کے برابر ہے) اگر آزاد آدمی نے آزاد آدمی کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہی قتل کیا جائے گا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مقتول کی بڑائی یا نسل کے شرف کی وجہ سے دو آدمی قتل کیے جائیں جیسا کہ عرب جاہلیت میں دستور تھا) اگر غلام قاتل ہے تو غلام ہی قتل کیا جائے گا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مقتول کے آزاد ہونے کی وجہ سے دو غلام قتل کیے جائیں) عورت نے قتل کیا ہے تو عورت ہی قتل کی جائے گی۔

اور پھر اگر ایسا ہو کہ کسی قاتل کو مقتول کے وارث سے کہ (رشتہ انسانی میں) اس کا بھائی ہے معافی مل جائے (اور قتل کی جگہ خوں بہا لینے پر راضی ہو جائے) تو (خوں بہا لے کر چھوڑ دیا جا سکتا ہے) اور (اس صورت میں) مقتول کے وارث کے لیے دستور کے مطابق (خوں بہا کا) مطالبہ ہے اور قاتل کے لیے خوش معاملگی کے ساتھ ادا کر دینا۔ اور دیکھو یہ (جو قصاص کے معاملہ کو تمام زیادتیوں سے پاک کر کے عدل و مساوات کی اصل پر قائم کر دیا گیا ہے تو یہ) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے سختیوں کا کم کر دینا اور رحمت کا فیضان ہوا۔ اب اس کے بعد جو کوئی زیادتی کرے گا تو یقین کرو وہ (اللہ کے حضور) عذاب دردناک کا سزاوار ہوگا۔ (۱۷۸)

اور اے ارباب دانش! قصاص کے حکم میں (اگرچہ بظاہر ایک جان کی ہلاکت کے بعد دوسری جان کی ہلاکت گوارا کر لی گئی ہے' لیکن فی الحقیقت یہ ہلاکت نہیں ہے) تمہارے لیے زندگی ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ تم برائیوں سے بچو۔ (۱۷۹)

مسلمانو![2] یہ بات بھی تم پر فرض کر دی گئی ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی محسوس کرے کہ اس کے مرنے کی گھڑی آ گئی

---

[1] قصاص کا حکم اور اس سلسلہ میں ان مفاسد کا ازالہ جو اس بارے میں پھیلے ہوئے تھے:

(۱) انسانی مساوات کا اعلان اور نسل و شرف کے تمام امتیازات سے انکار جو لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور جن کی وجہ سے انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ آزاد ہو یا غلام' مرد ہو یا عورت' بڑا ہو یا چھوٹا' وضیع ہو یا شریف' انسان ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔ اس لیے قصاص میں کوئی امتیاز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) اگر مقتول کے ورثا خوں بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔

(۳) قصاص میں اگرچہ جان کی ہلاکت ہے مگر اس لیے ہے تاکہ زندگی کی حفاظت کی جائے۔ پس جب مقصود اصلی حفظ نفس ہوا' نہ کہ قتل نفس تو ظاہر ہے کہ اسے قتل نفس کا ذریعہ بنانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

[2] مرنے سے پہلے پس ماندوں کے لیے اچھی وصیت کرنے کا حکم' اور اس اصولی حقیقت کی تلقین کہ:

وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى
الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ
ع بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ
كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ

اور وہ اپنے بعد مال و متاع میں سے کچھ چھوڑ جانے والا ہو' تو چاہیے کہ اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے اچھی وصیت کر جائے- جو متقی انسان ہیں ان کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے-(۱۸۰)

پھر جو کوئی ایسا کرے کہ کسی آدمی کی وصیت سننے (اور اس کے گواہ اور امین ہونے) کے بعد اس میں ردو بدل کر دے تو اس گناہ کی ذمہ داری اسی کے سر ہوگی جس نے ردّو بدل کیا ہے-(وصیت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا اس کی تعمیل ہر حال میں ضروری ہوگی) یقین کرو اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے-(۱۸۱) اور اگر کسی شخص کو وصیت کرنے والے سے بے جا رعایت کرنے یا کسی معصیت کا اندیشہ ہو اور وہ (بروقت مداخلت کر کے یا وارثوں کو سمجھا بجھا کر) ان میں مصالحت کرا دے تو ایسا کرنے میں کوئی گناہ نہیں (کیونکہ یہ وصیت میں ردو بدل کرنا نہیں ہوگا بلکہ ایک برائی کی اصلاح کر دینا ہوگا اور) بلاشبہ اللہ (انسانی کمزوریوں کو) بخشنے والا اور (اپنے تمام احکام میں) رحمت رکھنے والا ہے!(۱۸۲) مسلمانو![۱] جس طرح ان لوگوں پر جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں روزہ فرض کر دیا گیا تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کر دیا گیا ہے تا کہ تم میں پرہیز گاری پیدا ہو-(۱۸۳)

(یہ روزے کے) چند گنے ہوئے دن ہیں-(کوئی بڑی مدت نہیں) پھر جو کوئی تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کے لیے اجازت

(۱) انسان موت کے بعد جو کچھ چھوڑ جاتا ہے وہ اگرچہ دوسروں کے قبضہ میں جاتا ہے لیکن مرنے سے پہلے اس کے ٹھیک ٹھیک خرچ ہونے اور عزیزوں قریبوں کو فائدہ پہنچانے کی فکر مرنے والے کی زندگی کے فرائض میں سے ہے اور اس ذمہ داری سے وہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا-

(۲) مرنے والے کی وصیت ایک مقدس امانت ہے- جو لوگ اس کے امین ہوں ان کا فرض ہے کہ بے کم و کاست اس کی تعمیل کریں-

(۳) اگر وہ لوگ جن پر وصیت کی تعمیل چھوڑ دی گئی ہے خیانت کریں تو اس کے لیے وہ خود جواب دہ ہوں گے- وصیت کرنے والا اور وصیت سے فائدہ اٹھانے والے جواب دہ نہیں ہو سکتے-

[۱] رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم اور اس سلسلہ میں دین حق کے بعض اصولی حقائق کی تعلیم- نیز ان غلطیوں کا ازالہ جو اس بارے میں عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں:

(۱) روزہ کے حکم سے یہ مقصود نہیں ہے کہ انسان کا فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف و مشقت میں ڈالنا کوئی ایسی بات ہے جس میں پاکی و نیکی ہے- بلکہ تمام تر مقصود نفس انسانی کی اصلاح و تہذیب ہے- روزہ رکھنے سے تم میں پرہیز گاری کی قوت پیدا ہوگی اور نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھنے کا سبق سیکھ لو گے-

فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ ؕ وَ اَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهۡرُ
رَمَضَانَ الَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰى وَ الۡفُرۡقَانِ ۚ فَمَنۡ
شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ ؕ وَ مَنۡ كَانَ مَرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيۡدُ
اللّٰهُ بِكُمُ الۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيۡدُ بِكُمُ الۡعُسۡرَ ۡ وَلِتُكۡمِلُوا الۡعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰٮكُمۡ وَ
لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىۡ عَنِّىۡ فَاِنِّىۡ قَرِيۡبٌ ؕ اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

ہے کہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر روزے کے دنوں کی گنتی پوری کرلے- اور جولوگ ایسے ہوں کہ ان کے لیے روزہ رکھنا نا قابل برداشت ہو (جیسے نہایت بوڑھا آدمی کہ نہ تو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہے نہ یہ توقع رکھتا ہے کہ آگے چل کر قضا کر سکے گا) تو اس کے لیے روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے- پھر اگر کوئی اپنی خوشی سے کچھ زیادہ کرے (یعنی زیادہ مسکینوں کو کھلائے) تو یہ اس کے لیے مزید اجر کا موجب ہوگا- لیکن اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو سمجھ لو کہ روزہ رکھنا تمہارے لیے (ہر حال میں) بہتر ہے- (۱۸۴)

یہ رمضان کا مہینہ[1] ہے جس میں قرآن کا نزول (شروع) ہوا- وہ انسانوں کے لیے رہنما ہے' ہدایت کی روشن صداقتیں رکھتا ہے اور حق کو باطل سے الگ کر دینے والا ہے- پس جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پائے تو چاہیے کہ اس میں روزہ رکھے- ہاں جو کوئی بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو تو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ دوسرے دنوں میں چھوٹے ہوئے روزوں کی گنتی پوری کرلے- اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے-[2] سختی و تنگی نہیں چاہتا- اور یہ (جو بیماروں اور مسافروں کے لیے روزہ قضا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ) اس لیے ہے کہ (حکمت الٰہی نے روزے کے فوائد کے لیے دنوں کی ایک خاص گنتی ٹھہرا دی ہے تو تم اس کی) گنتی پوری کرلو (اور اس عمل میں ادھورے نہ رہو) اور اس لیے بھی کہ اللہ نے تم پر راہ (سعادت) کھول دی ہے تو اس پر اس کی بڑائی کا اعلان کرو- نیز اس لیے کہ (اس کی نعمت کام میں لاکر) اس کی شکر گزاری میں سرگرم رہو! (۱۸۵)

اور (اپنے پیغمبر)[3] جب میرا کوئی بندہ میری نسبت تم سے دریافت کرے (کہ کیونکر مجھ تک پہنچ سکتا ہے؟ تو تم اسے بتلا دو کہ) میں تو اس کے پاس ہوں وہ جب پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا اور اسے قبول کرتا ہوں- پس (اگر وہ واقعی میری طلب

[1] (۲) روزہ کے لیے رمضان کا مہینہ اس لیے قرار پایا کہ اسی مہینے میں قرآن کا نزول شروع ہوا ہے اور اس کا روزے کے لیے مخصوص ہو جانا نزول قرآن کی یادآوری و تذکیر ہے-

[2] (۳) دین حق میں اصل آسانی ہے نہ کہ سختی - پس یہ سمجھنا کہ اس طرح کی عبادتوں میں سختی و تنگی اختیار کرنا خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا صحیح نہیں ہوسکتا-

[3] (۴) اس طرح کی عبادتوں سے مقصود خود تمہارے نفس کی اصلاح و تربیت ہے- یہ بات نہیں کہ جب تک فاقہ کشی کے چلے نہ کھینچے جائیں خدا کو پکارا نہیں جاسکتا (جیسا کہ اہل مذاہب کا خیال تھا) خدا تو ہر حال میں انسان کی پکار سننے والا اور اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہے ایمان و اخلاص کے ساتھ جب کبھی اسے پکارو گے اس کا دروازۂ رحمت تم پر کھل جائے گا-

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ
عَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ
الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ
وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ

رکھتے ہیں تو) چاہیے کہ میری پکار کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ حصول مقصد میں کامیاب ہوں- (۱۸۶)

تمہارے لیے[۱] یہ بات جائز کر دی گئی ہے کہ روزہ کے دنوں میں رات کے وقت اپنی بیویوں سے خلوت کرو- تم میں اور ان میں چولی دامن کا ساتھ ہے (یعنی ان کی زندگی تم سے وابستہ ہے- تمہاری ان سے) اللہ کے علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہی کہ تم اپنے اندر ایک بات کا خیال رکھ کر پھر اس کی بجا آوری میں خیانت کر رہے ہو (یعنی اپنے ضمیر کی خیانت کر رہے ہو- کیونکہ اگرچہ اس بات میں برائی نہ تھی مگر تم نے خیال کر لیا تھا کہ برائی ہے) پس اس نے (اپنے فضل و کرم سے تمہیں اس غلطی کے لیے جو اب وہ نہیں ٹھہرایا) تمہاری ندامت قبول کر لی اور تمہاری خطا بخش دی- اور اب (کہ یہ معاملہ صاف کر دیا گیا ہے) تم (بغیر کسی اندیشہ کے) اپنی بیویوں سے خلوت کرو اور جو کچھ تمہارے لیے (ازدواجی زندگی میں) اللہ نے ٹھہرا دیا ہے اس کے خواہش مند ہو- اور (اسی طرح رات کے وقت کھانے پینے کی بھی کوئی روک نہیں) شوق سے کھاؤ پیو- یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) کالی دھاری سے الگ نمایاں ہو جائے (یعنی صبح کی سب سے پہلی نمود شروع ہو جائے) پھر اس وقت سے لے کر رات (شروع ہونے) تک روزے کا وقت پورا کرنا چاہیے- البتہ اگر تم مسجد میں اعتکاف کر رہے ہو تو اس حالت میں نہیں چاہیے کہ اپنی بیویوں

---

[۱] (۵) یہودیوں کے یہاں روزہ کی شرطیں نہایت سخت تھیں- ازاں جملہ یہ کہ اگر شام کو روزہ کھول کر سو جائیں، تو پھر بیچ میں اٹھ کر کچھ کھا پی نہیں سکتے تھے- اسی طرح روزے کے مہینے میں زناشوئی کا علاقہ بھی مطلقاً ممنوع تھا- مسلمانوں کو جب روزے کا حکم ہوا تو انہوں نے خیال کیا ان کے لیے بھی یہ پابندیاں ضروری ہوں گی- اور چونکہ پابندیاں سخت تھیں اس لیے بعض لوگ نبھا نہ سکے اور اپنے فعل کو کمزوری سمجھ کر چھپانے لگے "عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ" میں اسی معاملہ کی طرف اشارہ ہے-

روزے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ جسمانی خواہشیں بالکل ترک کر دی جائیں بلکہ مقصود ضبط و اعتدال ہے- پس کھانے پینے اور زناشوئی کے معاملہ کی جو کچھ ممانعت ہے صرف دن کے وقت ہے- رات کے وقت کوئی روک نہیں-

(۶) زناشوئی کا تعلق کوئی برائی اور ناپاکی کی بات نہیں ہے جس کا عبادت کے مہینے میں کرنا جائز نہ ہو- وہ مرد اور عورت کا ایک فطری تعلق ہے اور دونوں ایک دوسرے سے اپنے حوائج میں وابستہ ہیں- پس ایک فطری علاقہ عبادت الٰہی کے منافی کیوں ہو؟

(۷) مومن وہ ہے جس کے عمل میں کوئی کھوٹ اور راز نہ ہو- اگر ایک بات بری نہیں ہے مگر تم نے اسے برا سمجھ لیا ہے اور اس لیے چوری چھپے کرنے لگے ہو تو گو تم نے اصلاً برائی نہیں کی مگر تمہارے ضمیر کے لیے برائی ہو گئی ہے اور تمہارے دل کی پاکی پر دھبہ لگ گیا-

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا
مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ ع ۲۳ ۷
الْحَجِّ ؕ وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَ اْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ
اَبْوَابِهَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

سے خلوت کرو- (جہاں تک روزے کا تعلق ہے) یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں پس ان سے دور دور رہنا- اللہ اسی طرح اپنے احکام واضح کر دیتا ہے تا کہ لوگ (نافرمانی سے) بچیں- (۱۸۷)

اور دیکھو[۱] ایسا نہ کرو کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھاؤ اور نہ ایسا کرو کہ مال و دولت کو حاکموں کے دلوں تک پہنچنے کا (یعنی انہیں اپنی طرف مائل کرنے کا) ذریعہ بناؤ' تا کہ دوسروں کے مال کا کوئی حصہ ناحق حاصل کر لو- اور تم جانتے ہو کہ حقیقت حال کیا ہے- (۱۸۸)

اے پیغمبر[۲] لوگ تم سے (مہینوں کی) چاندرات کی بابت دریافت کرتے ہیں- ان لوگوں سے کہہ دو یہ انسان کے لیے وقت کا حساب ہے اور اس سے حج کے مہینے کا تعین ہو جاتا ہے (باقی جس قدر توہمات لوگوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور طرح طرح کی رسمیں اختیار کر رکھی ہیں تو ان کی کوئی اصلیت نہیں) اور یہ کوئی نیکی کی بات نہیں ہے کہ اپنے گھروں میں (دروازہ چھوڑ کر) پچھواڑے سے داخل ہو (جیسا کہ عرب کی رسم تھی کہ حج کے مہینے کا چاند دیکھ لیتے اور احرام باندھ لینے کے بعد اگر گھروں میں داخل ہونا چاہتے تو دروازے سے داخل نہ ہوتے' پچھواڑے سے راہ نکال کر جاتے) نیکی تو اس کے لیے ہے جس نے اپنے اندر تقویٰ پیدا کیا- پس (ان وہم پرستیوں میں مبتلا نہ ہو) گھروں میں آؤ تو دروازے ہی کی راہ آؤ- (پچھواڑے سے راہ نکالنے کی مصیبت میں کیوں پڑو؟) البتہ اللہ کی نافرمانی سے بچو تا کہ (طلب سعادت میں) کامیاب ہو! (۱۸۹) اور (دیکھو) [۳] جو لوگ تم سے لڑائی لڑ رہے

---

[۱] (۸) اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ مشقت نفس کی عبادتیں کچھ سودمند نہیں ہو سکتیں اگر ایک شخص بندوں کے حقوق سے بے پروا ہے اور مال حرام سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتا- نیکی صرف اسی میں نہیں ہے کہ چند دنوں کے لیے تم نے جائز غذا ترک کر دی- نیکی کی راہ یہ ہے کہ ہمیشہ کے لیے ناجائز غذا ترک کر دو-

[۲] حج کے احکام اور اس سلسلہ میں دین حق کی بعض اصولی ہدایتیں اور اہل عرب اور دیگر اقوام کی گمراہیوں کا ازالہ:

(۱) چاند کے طلوع و غروب سے مہینوں کا حساب لگا لیا جاتا ہے اور حج کے موسم کا تعین اسی حساب سے کیا جاتا ہے- اس کے علاوہ جو وہم پرستانہ خیالات لوگوں میں پھیلے ہوئے ہیں خواہ ان کا تعلق کوکب پرستی سے ہو یا نجوم کے عقائد سے' ان کی کوئی اصلیت نہیں-

(۲) مقدس زیارت گاہوں اور تیرتھوں پر جانے کے لیے لوگوں نے طرح طرح کی پابندیاں لگالی ہیں اور اجر و ثواب کے لیے اپنے آپ کو تکلیفوں مشقتوں میں ڈالتے ہیں' لیکن یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں- نیکی کی اصلی راہ یہ ہے کہ اپنے اندر تقویٰ پیدا کرو-

[۳] اہل مکہ کے ظلم و تعدی سے حج کا دروازہ مسلمانوں پر بند ہو گیا تھا پس حکم دیا گیا کہ جنگ کے بغیر چارہ نہیں- ضروری ہے کہ

وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ
مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا
عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ

ہیں چاہیے کہ اللہ کی راہ میں تم بھی ان سے لڑو- (پیٹھ نہ دکھلاؤ) البتہ کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیے- اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والے ہیں-(۱۹۰)

(اہل مکہ نے تمہارے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے تو تمہاری طرف سے بھی اب اعلان جنگ ہے) جہاں کہیں پاؤ انہیں قتل کر دو اور جس جگہ سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے تم بھی انہیں لڑ کر نکال باہر کرو- اور فتنہ کا قائم رہنا قتل و خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے (باقی رہا حرم کی حدوں کا معاملہ کہ ان کے اندر لڑائی کی جائے یا نہ کی جائے؟ تو اس بارے میں حکم یہ ہے کہ) جب تک وہ خود مسجد حرام کی حدود میں تم سے لڑائی نہ کریں تم بھی اس جگہ ان سے لڑائی نہ کرو- پھر اگر ایسا ہوا کہ انہوں نے لڑائی کی تو تمہارے لیے بھی یہی ہوگا کہ لڑو- منکرین حق (کی ظالمانہ پیش قدمیوں) کا یہی بدلہ ہے-(۱۹۱) لیکن اگر ایسا ہوا کہ وہ لڑائی سے باز آ گئے تو (پھر اللہ کا دروازۂ بخشش بھی بند نہیں ہے) بلاشبہ وہ رحمت سے بخش دینے والا ہے!(۱۹۲)

اور دیکھو[۱] ان لوگوں سے لڑائی جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی ظلم و فساد) باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ ہی کے لیے ہو جائے- پھر اگر ایسا ہو کہ یہ لوگ لڑائی سے باز آ جائیں تو (تمہیں بھی ہاتھ روک لینا چاہیے- کیونکہ) لڑائی نہیں لڑنی ہے- مگر انہی لوگوں کے مقابلہ میں جو ظلم کرنے والے ہیں-(۱۹۳)

اگر حرمت کے مہینوں کی رعایت کی جائے، تو تمہاری طرف سے بھی رعایت ہونی چاہیے- اگر نہ کی جائے تو تمہاری طرف سے بھی نہیں ہے- (مہینوں کی) حرمت کے معاملہ میں (جب کہ لڑائی ہو) ادلہ کا بدلہ ہے (یعنی جیسی روش ایک فریق

اس مقام کو ظالموں کے قبضہ و تصرف سے نجات دلائی جائے-
اس بارے میں اصل یہ ہے کہ امن کی حالت ہو یا جنگ کی لیکن مسلمانوں کے کسی کام میں بھی عدل و راستی کے خلاف کوئی بات نہیں ہونی چاہیے-

(۴) جنگ برائی ہے لیکن فتنے کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ سخت برائی ہے- پس ناگزیر ہوا کہ فتنے کے ازالے کے لیے جنگ کی حالت گوارا کر لی جائے-

قریش مکہ کا فتنہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ وہ جبر و قہر سے لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اسے حق نہ سمجھیں- یعنی دین و اعتقاد کی آزادی مفقود ہو گئی تھی- قرآن کہتا ہے کہ یہ برائی جنگ کی برائی سے بھی زیادہ سخت ہے- اس لیے ضروری ہے کہ اس کے انسداد کے لیے جنگ کی برائی گوارا کر لی جائے-

[۱] جنگ کی اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ دین و اعتقاد کی آزادی حاصل ہو جائے- یعنی دین کے معاملہ میں جس کا تعلق صرف اللہ سے ہے انسان کے ظلم و تشدد کی مداخلت باقی نہ رہے-

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَ اَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَ لَا تَحْلِقُوْا
رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ
صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۥ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ

جنگ کی ہوگی' ویسی ہی دوسرے فریق کو بھی اختیار کرنی پڑے گی - یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک فریق تو مہینوں کی حرمت سے بے پروا ہو کر حملہ کردے اور دوسرا فریق حرمت کے خیال سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے) پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو چاہیے کہ جس طرح کا معاملہ اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ویسا ہی معاملہ تم بھی اس کے ساتھ کرو' البتہ (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ بات نہ بھولو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو (اپنے تمام کاموں میں) پرہیز گار ہیں! (۱۹۴)

اور اللہ کی راہ[1] میں مال خرچ کرو- ایسا نہ کرو کہ (جہاد کی اعانت سے غافل ہوکر) اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دو' نیکی کرو! یقیناً اللہ کی محبت انہی لوگوں کے لیے ہے جو نیکی کرنے والے ہیں! (۱۹۵)

اور دیکھو[2] حج اور عمرہ کی جب نیت کرلی جائے تو اسے اللہ کے لیے کرنا چاہیے-

اور اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ تم (اس نیت سے نکلے مگر) راہ میں گھر گئے (لڑائی کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے) تو پھر ایک جانور کی قربانی کرنی چاہیے- جیسا کچھ بھی میسر آجائے-

اور اس وقت تک سر کے بال نہ منڈاؤ (جو اعمال حج سے فارغ ہوکر احرام اتارتے وقت کیا جاتا ہے) جب تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے-

ہاں اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اسے سر کی کسی تکلیف کی وجہ سے مجبوری ہو تو چاہیے کہ (بال اتارنے کا) فدیہ دے دے اور وہ یہ ہے کہ روزہ رکھے یا صدقہ دے یا جانور کی قربانی کرے-

اور پھر جب ایسا ہو کہ تم امن کی حالت میں ہو اور کوئی شخص چاہے کہ (عمرہ حج سے ملاکر) تمتع کرے (یعنی ایک ہی سفر میں دونوں عملوں کے ثواب سے فائدہ اٹھائے) تو اس کے لیے بھی جانور کی قربانی ہے- جیسی کچھ میسر آجائے-

---

[1] (۵) جو لوگ جہاد کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے وہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں- کیونکہ جہاد سے اعراض کا نتیجہ قومی زندگی کی ہلاکت ہے-

[2] (۶) اگر لڑائی کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے راہ میں رک جانا پڑے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ نیز حج اور عمرہ کے تمتع کی صورت (یعنی دونوں کو ملاکر کرنے کی صورت)

الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ
ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ ع ۸
فِي الْحَجِّ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي
الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ

اور جس کسی کو قربانی میسر نہ آئے تو اسے چاہیے تین روزے حج کے دنوں میں رکھے سات روزے واپسی پر، یہ دس کی پوری گنتی ہوگئی-
البتہ یاد رہے کہ یہ حکم (یعنی عمرہ کے تمتع کا حکم) اس کے لیے ہے جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو (باہر سے حج کے لیے آیا ہو)
اور دیکھو ہر حال میں اللہ کی نافرمانی سے بچو اور یقین کر رو وہ (نافرمانوں کو) سزا دینے میں بہت ہی سخت ہے! (۱۹۶)

حج [۱] (کی تیاری) کے مہینے عام طور پر معلوم ہیں- پس جس کسی نے ان مہینوں میں حج کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا تو (وہ حج کی حالت میں ہوگیا اور) حج کی حالت میں نہ تو عورتوں کی طرف رغبت کرنا ہے' نہ گناہ کی کوئی بات کرنی ہے' اور نہ لڑائی جھگڑا- اور (یاد رکھو) تم نیک عملی کی باتوں میں سے جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں رہتا' پس (حج کرو تو اس کے) سروسامان کی تیاری بھی کرو- اور سب سے بہتر سروسامان (دل کا سروسامان ہے اور وہ) تقویٰ ہے!
اور اے ارباب دانش (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو (کہ خوف الٰہی سے پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے-) (۱۹۷)

(اور دیکھو) اس میں [۲] تمہارے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں اگر (اعمال حج کے ساتھ) تم اپنے پروردگار کے فضل کی بھی تلاش میں رہو (یعنی کاروبار تجارت کا بھی مشغلہ رکھو) پس جب عرفات (نامی مقام) سے انبوہ در انبوہ لوٹو تو مشعر الحرام (یعنی مزدلفہ) میں (ٹھہر کر) اللہ کا ذکر کرو- اور اسی طرح ذکر کرو جس طرح ذکر کرنے کا طریقہ تمہیں بتلا دیا گیا ہے- اگرچہ اس سے

---

۱ (۷) حج کے دنوں میں (اور وہ اس وقت سے شروع ہو جاتے ہیں جب تم نے احرام باندھ لیا) نہ تو عورت کے ساتھ خلوت کرنی چاہیے' نہ گناہ کی کوئی بات' اور نہ کسی طرح کا لڑائی جھگڑا- اعمال حق کے لیے سب سے بڑی تیاری یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو!

۲ (۸) دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ خدا پرستی اور دین داری کی راہ دنیوی معیشت اور دنیوی فلاح و ترقی کے خلاف نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسی کامل زندگی پیدا کرنی چاہتا ہے جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتیں موجود ہوں- حج ایک عبادت ہے- لیکن اس کا عبادت ہونا اس سے مانع نہیں کہ کاروبار دنیوی کا بھی فائدہ اٹھاؤ- مال و دولت اللہ کا فضل ہے- پس چاہیے کہ اللہ کے فضل کی تلاش میں رہو-

(۹) دین اور دنیا کے معاملہ میں دنیا کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ یا تو افراط میں پڑ گئے ہیں' یا تفریط میں' اور راہ اعتدال گم ہوگئی ہے- یعنی یا تو دنیا کا انہماک اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ آخرت سے یک قلم بے پرواہو جاتے ہیں یا آخرت کے استغراق میں اتنے دور نکل

لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾
فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ
اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى
الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا النصف
اللّٰهَ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِىْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ

پہلے تم بھی انہی لوگوں میں سے تھے جو راہ حق سے بھٹک گئے ہیں۔(۱۹۸)

پھر (یہ بات بھی ضروری ہے کہ) جس جگہ (تک جا کر) لوگ انبوہ درانبوہ لوٹتے ہیں تم (اہل مکہ) بھی وہیں سے لوٹو اور اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔☆ بلاشبہ اللہ (خطائیں) بخشنے والا اور (ہر حال میں) رحمت رکھنے والا ہے۔(۱۹۹)

پھر جب تم حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو چاہیے کہ جس طرح پہلے اپنے آباواجداد کی بڑائیوں کا ذکر کیا کرتے تھے اب اسی طرح اللہ کا ذکر کیا کرو۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ (کہ تمام اعمال حج سے اصل مقصود یہی ہے)

اور پھر (دیکھو) کچھ لوگ تو ایسے ہیں (جو صرف دنیا ہی کے پجاری ہوتے ہیں اور) جن کی صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ خدایا! ہمیں جو کچھ دینا ہے دنیا ہی میں دے دے پس آخرت کی زندگی میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔(۲۰۰) اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو (دنیا و آخرت دونوں کی فلاح چاہتے ہیں۔ وہ) کہتے ہیں خدایا! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچالے!(۲۰۱) تو یقین کرو ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں ان کے عمل کے مطابق (دنیا و آخرت کی) فلاح میں حصہ ملنا ہے اور اللہ (کا قانون) اعمال کی جانچ میں سست رفتار نہیں (وہ ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق فوراً نتیجہ دے دینے والا ہے)(۲۰۲)

اور (دیکھو) حج کے گنے ہوئے دنوں میں (جو معلوم ہیں اور دسویں ذوالحج سے لے کر تیرہویں تک ہیں) اللہ کی یاد میں مشغول رہو۔ پھر جو کوئی (واپسی میں) جلدی کرے اور دو ہی دن میں روانہ ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں اور جو کوئی تاخیر کرے تو وہ تاخیر بھی کر سکتا ہے۔ لیکن یہ (جلدی اور تاخیر کی رخصت) اسی کے لیے ہے جس میں تقویٰ ہو (کیونکہ تمام اعمال سے اصل مقصود تقویٰ ہے۔ اگر ایک شخص کے ارادے اور عمل میں تقویٰ نہیں تو اس کا کوئی عمل بھی صحیح نہیں ہو سکتا)

جاتے ہیں کہ ترک دنیا اور رہبانیت کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ لیکن دین حق کی راہ ہر گوشۂ عمل کی طرح یہاں بھی اعتدال کی راہ ہے اور صحیح زندگی اس کی زندگی ہے جو کہتا ہے ”خدایا میں دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتیں چاہتا ہوں!“

☆ حج کے اعمال میں سے ایک عمل عرفات جا کر ٹھہرنا اور وہاں سے لوٹنا ہے لیکن باشندگان مکہ نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ حدود حرم تک جا کر لوٹ آتے اور کہتے ہم تو اسی مقام کے باشندے ہیں۔ ہمارے لیے حدود حرم سے باہر جانا ضروری نہیں۔ یہ کچھ تو اس لیے تھا کہ باشندۂ مکہ ہونے کا غرور باطل تھا۔ اور زیادہ تر اس لیے کہ دنیوی کاروبار کے انہماک سے اعمال حج کی مشغولیت ان پر شاق گزرتی تھی۔ چاہتے تھے کہ باہر کے حاجی حج میں مشغول رہیں۔ ہم موسم سے تجارت کا فائدہ اٹھائیں۔

وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّکُمۡ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُہٗ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ
یُشۡہِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِہٖ ۙ وَ ہُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الۡاَرۡضِ لِیُفۡسِدَ فِیۡہَا وَ یُہۡلِکَ
الۡحَرۡثَ وَ النَّسۡلَ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتۡہُ الۡعِزَّۃُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُہٗ جَہَنَّمُ
وَ لَبِئۡسَ الۡمِہَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

پس ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ بات نہ بھولو کہ تم سب کو (ایک دن مرنا اور پھر) اس کے حضور جمع ہونا ہے! (۲۰۳)

اور (دیکھو) بعض[1] آدمی ایسے ہیں کہ دنیوی زندگی کے بارے میں ان کی باتیں تمہیں بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہیں' اور وہ اپنے ضمیر کی پاکی پر اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں- حالانکہ فی الحقیقت وہ دشمنی اور خصومت میں بڑے ہی سخت ہیں- (۲۰۴)

جب انہیں حکومت مل جاتی ہے تو ان کی تمام سرگرمیاں ملک میں اس لیے ہوتی ہیں تاکہ خرابی پھیلائیں اور انسان کی زراعت اور محنت کے نتیجوں کو اور اس کی نسل کو ہلاک کر دیں- حالانکہ اللہ یہ کبھی پسند نہیں کر سکتا کہ (زندگی و آبادی کی جگہ) ویرانی و خرابی پھیلائی جائے- (۲۰۵)

اور جب ان لوگوں سے کہا جائے خدا سے ڈرو (اور ظلم و فساد سے باز آؤ) تو ان کا گھمنڈ انہیں (اور زیادہ) گناہ پر اکساتا ہے- پس (جن لوگوں کا حال ایسا ہو تو وہ کبھی ظلم و فساد سے باز آنے والے نہیں) انہیں تو جہنم ہی کفایت کرے گا (اور جس کسی نے جہنم کا ٹھکانا ڈھونڈھا تو اس کا ٹھکانا) کیا ہی برا ٹھکانا ہوا! (۲۰۶)

(برخلاف ان کے) کچھ آدمی ایسے بھی ہیں جو (نفس پرستی کی جگہ خدا پرستی کی روح سے معمور ہوتے ہیں اور) اللہ کی خوشنودی کی طلب میں اپنی جانیں تک بیچ ڈالتے ہیں (یعنی رضائے الٰہی کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں) اور (جو کوئی ایسا کرتا ہے تو یاد رکھے) اللہ بھی اپنے بندوں کے لیے سرتاسر شفقت و مہربانی رکھنے والا ہے! (۲۰۷)

---

[1] (۱۰) دین حق دنیا کا نہیں لیکن دنیا پرستی کے غرور و سرشاری کا مخالف ہے-

یہی دنیا پرستی کا غرور ہے جو انسان کو خدا پرستی اور راست بازی سے بے پروا کر دیتا ہے اور جب اسے طاقت اور حکومت مل جاتی ہے تو غرض و نفس کی پرستش میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو دنیا میں انسان کا ظلم و فساد کر سکتا ہے-

لیکن جو لوگ سچے خدا پرست ہیں وہ دنیا میں کتنے ہی مشغول ہوں مگر ان کے پیش نظر نفس پرستی نہیں ہوتی بلکہ رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے- ایک دنیا پرست اپنے نفس کے لیے دوسروں کو قربان کر دے گا لیکن یہ لوگ رضائے الٰہی کی راہ میں خود اپنے نفس کو قربان کر دیں گے!

ایک شخص کی دنیوی زندگی بظاہر کتنی ہی خوش نما ہو اور وہ اپنی نیک دلی کا کتنا ہی دعویٰ کرے لیکن ان باتوں سے کچھ نہیں بنتا- اصلی کسوٹی یہ ہے کہ دیکھا جائے طاقت و اختیار پا کر اپنے ابنائے جنس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟

حرث و نسل کی تباہی انسانی غرور و طاقت کا بہت بڑا فساد ہے-

دنیوی طاقت کے متوالوں سے جب کہا جاتا ہے اللہ سے ڈرو تو ان کا گھمنڈ انہیں اور زیادہ ظلم و معصیت پر آمادہ کر دیتا ہے-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝٢٠٨
فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٢٠٩ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ
يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝٢١٠ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٢١١ زُيِّنَ
لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

ربع ۲۵ ع ۹

وقف لازم

مسلمانو! [1] پوری طرح اور (اعتقاد وعمل کی) ساری باتوں میں مسلم ہو جاؤ- اور دیکھو شیطانی وسوسوں کی پیروی نہ کرو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے-(۲۰۸)

پھر اگر ایسا ہوا ہے کہ تم ڈگمگا گئے باوجودیکہ ہدایت کی روشن دلیلیں تمہارے سامنے آ چکی ہیں تو یاد رکھو اللہ (کے قانون جزا کی پکڑ سے تم بچ نہیں سکتے - وہ) سب پر غالب اور (اپنے کاموں میں) حکمت والا ہے!(۲۰۹)

پھر یہ لوگ کس بات کے انتظار میں ہیں؟ کیا اس بات کے منتظر ہیں کہ خدا ان کے سامنے نمودار ہو جائے (اور اس طرح نمودار ہو جائے کہ) بادل اس پر سایہ کیے ہوں اور فرشتے (صف باندھے کھڑے) ہوں اور جو کچھ ہونا ہے ہو چکے؟ (اگر اسی بات کے منتظر ہیں تو یاد رکھیں یہ بات دنیا میں تو ہونے والی نہیں) اور تمام کاموں کا سر رشتہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے!(۲۱۰)

بنی اسرائیل [2] سے پوچھو ہم نے انہیں (علم وبصیرت کی کتنی روشن نشانیاں دی تھیں؟ اور جو کوئی خدا کی نعمت پا کر پھر اسے (محرومی وشقاوت سے) بدل ڈالے تو یاد رکھو خدا کا (قانون مکافات) بھی سزا دینے میں بہت سخت ہے-(۲۱۱)

منکرین حق کی نگاہوں میں تو صرف دنیا کی زندگی ہی سمائی ہوئی ہے- وہ ایمان والوں کی (موجودہ بے سروسامانی دیکھ کر) ہنسی اڑاتے ہیں- حالانکہ جو لوگ متقی ہیں قیامت کے دن وہی ان منکروں کے مقابلے میں بلند مرتبہ ہوں گے- اور (پھر

---

[1] (۱۱) دنیا پرستی کی یہ سرشاری قوموں کی گمراہی کا بہت بڑا سبب رہی ہے- خصوصاً فتح واقبال کے حصول کے بعد- اس لیے پیروان دعوت حق کو خصوصیت کے ساتھ متنبہ کیا جاتا ہے کہ اس صورت حال سے اپنی حفاظت کریں-

اللہ کی ہدایت ظاہر ہو چکی ہے اور وہ سب کچھ تمہیں بتلایا جا چکا ہے جس کی استقامت حق کے لیے ضرورت تھی- اس پر بھی اگر تم نے ٹھوکر کھائی اور راہ ہدایت پر قائم نہ رہے تو یہ نعمت الٰہی کو محرومی سے بدل دینا ہوگا-

اگر ایک گروہ کے ایمان ویقین کے لیے کلام الٰہی کی ہدایت کافی نہیں تو پھر اس کے بعد یہی رہ گیا ہے کہ خدا اس کے سامنے آ کر اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں تمہارا خدا ہوں- مجھ پر ایمان لاؤ- لیکن نہ ایسا ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے-

ایمان کی برکتیں اور سعادتیں حاصل کرنے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ اسلام کے دائرہ میں آ جاؤ بلکہ چاہیے کہ پوری طرح آ جاؤ یعنی اعتقاد وعمل کے ہر گوشہ میں ایمان کی روح تمہارے اندر پیدا ہو جائے اور از سرتا پا پیکر ایمان ہو جاؤ!

[2] (۱۲) بنی اسرائیل کی سرگزشت سے عبرت پکڑو- اللہ نے انہیں ہدایت وسعادت کی راہ دکھلائی لیکن انہوں نے محرومی وشقاوت کی راہ اختیار کی-

وَاللّٰهُ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ وَاَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ‌ؕ وَمَا اخۡتَلَفَ فِيۡهِ اِلَّا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡهُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ بَغۡيًا بَيۡنَهُمۡ‌ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ مِنَ الۡحَـقِّ بِاِذۡنِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۲۱۳﴾ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ وَلَـمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ‌ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ

یہ منکرین حق نہیں جانتے کہ جو لوگ آج مال و جاہ دنیوی سے تہی دست ہیں کل کو اللہ کے فضل سے مالا مال ہو جا سکتے ہیں - اور) اللہ جسے چاہتا ہے' اپنے رزقِ بے حساب سے مالا مال کر دیتا ہے - (۲۱۲)

ابتدا[۱] میں ایسا تھا کہ لوگ الگ الگ گروہوں میں بٹے ہوئے نہیں تھے - ایک ہی قوم و جماعت تھے (پھر ایسا ہوا کہ باہم دگر مختلف ہو گئے اور الگ الگ ٹولیاں بن گئیں) پس اللہ نے (ایک کے بعد ایک) نبیوں کو مبعوث کیا - وہ (ایمان و عمل کی برکتوں کی) بشارت دیتے اور (انکار و بد عملی کے نتائج سے) متنبہ کرتے تھے - نیز ان کے ساتھ کتاب الٰہی نازل کی گئی تا کہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے تھے ان میں وہ فیصلہ کر دینے والی ہو (اور تمام لوگوں کو راہ حق پر متحد کر دے) اور یہ جو لوگ باہم دگر مختلف ہوئے تو اس لیے نہیں ہوئے کہ ہدایت سے محروم اور حقیقت سے بے خبر تھے - نہیں وحی الٰہی کے واضح احکام ان کے سامنے تھے مگر پھر بھی محض آپس کی ضد اور مخالفت کرنے لگتے تھے - بالآخر اللہ نے ایمان لانے والوں کو (دین کی) وہ حقیقت دکھا دی جس میں لوگ مختلف ہو گئے تھے (اور ایک دوسرے کو جھٹلا رہے تھے) اور اللہ جسے چاہتا ہے دین کی سیدھی راہ دکھلا دیتا ہے! (۲۱۳)

پھر کیا[۲] تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ (محض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے) تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو تمہیں وہ آزمائشیں پیش ہی نہیں آئی ہیں جو تم سے پہلے لوگوں کو پیش آ چکی ہیں - ہر طرح کی سختیاں اور محنتیں انہیں پیش آئیں' شدتوں اور

[۱] (۱۳) دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ ابتدا میں تمام انسان ایک ہی قوم و جماعت تھے اور فطری زندگی کی سادگی پر قانع تھے - پھر ایسا ہوا کہ نسل انسانی کی کثرت و وسعت سے طرح طرح کے تفرقے پیدا ہو گئے اور تفرقے کا نتیجہ ظلم و فساد کی صورت میں ظاہر ہوا - تب وحی الٰہی نمودار ہوئی اور یکے بعد دیگرے خدا کے رسول مبعوث ہوتے رہے - ہر رسول کی دعوت کا مقصد ایک ہی تھا - یعنی خدا پرستی و نیک عملی کی تلقین اور تفرقہ و اختلاف کی جگہ وحدت و اجتماع کا قیام - کتاب اللہ ہمیشہ اس لیے نازل ہوئی' تا کہ دین کے تفرقہ و اختلاف میں فیصلہ کرنے والی ہو' اور لوگوں کو وحدت دین کی اصل پر متحد کر دے -

تفرقہ و اختلاف کی علت باہمی "بغی عصیان" ہے - یعنی آپس کی ضد اور اتباع حق کی جگہ خود پرستی اور سرکشی -

اس محل میں اس ذکر کی مناسبت یہ ہے کہ پیروان اسلام کو دعوت استقامت دیتے ہوئے پہلے بنی اسرائیل کے حالات سے استشہاد کیا تھا - اب واضح کیا جاتا ہے کہ صرف بنی اسرائیل ہی پر موقوف نہیں - تمام پچھلی جماعتوں کا یہی حال رہا ہے پس قیام حق کے لیے تعلیم حق کی نہیں (کیونکہ وہ تو اول روز سے ایک ہی رہی ہے' اور ہمیشہ موجود رہی ہے) بلکہ حق پر ثابت قدم رہنے کی ضرورت ہے -

[۲] (۱۴) مومن ہونے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ تم نے ایمان کا اقرار کر لیا اور جنتی ہو گئے بلکہ ضروری ہے کہ ان تمام آزمائشوں

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ
اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْــًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ
ع ۲۶ ۱۰ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْــًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ
قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ

ہولنا کیوں سے ان کے دل دہل گئے- یہاں تک کہ اللہ کا رسول اور جو لوگ ایمان لائے تھے پکار اٹھے ''اے نصرت الٰہی! تیرا وقت کب آئے گا؟'' (تب اچانک پردۂ غیب چاک ہوا اور خدا کی نصرت یہ کہتی ہوئی نمودار ہوگئی) ''ہاں گھبراؤ نہیں خدا کی نصرت تم سے دور نہیں ہے! (۲۱۴) اے پیغمبر[1] تم سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ خیرات کے لیے خرچ کریں تو کیا خرچ کریں؟ ان سے کہہ دو جو کچھ بھی تم اپنے مال میں سے نکال سکتے ہو نکالو، تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں' عزیز واقربا ہیں' یتیم بچے ہیں' مسکین ہیں' (مصیبت زدہ) مسافر ہیں۔ اور یاد رکھو جو کچھ بھی تم بھلائی کے کاموں میں سے کرتے ہو تو وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا (کہ اکارت جائے) وہ سب کچھ جاننے والا ہے! (۲۱۵)

لڑائی کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے لیکن بہت ممکن ہے ایک بات کو تم ناگوار سمجھتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ایک بات تمہیں اچھی لگتی ہو اور اسی میں تمہارے لیے برائی ہو۔ اللہ جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے! (۲۱۶) اے پیغمبر! لوگ تم سے پوچھتے ہیں جو مہینہ حرمت کا مہینہ سمجھا جاتا ہے اس میں لڑائی لڑنا کیسا ہے؟ ان سے کہہ دو اس میں لڑائی لڑنا بڑی برائی کی بات ہے- مگر (ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ) انسان کو اللہ کی راہ سے روکنا (یعنی ایمان اور خدا پرستی کی راہ اس پر بند کر دینا) اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام میں نہ

---

[1] میں ثابت قدم رہو جو تم سے پہلے حق پرستوں کو پیش آچکی ہیں اور تمہیں بھی پیش آئیں گی- خیرات کرنے کا حکم' اور اس غلطی کا ازالہ کہ لوگ سمجھتے تھے خیرات صرف غیروں ہی کو دی جاسکتی ہے- اپنوں اور عزیزوں کی مدد کرنا خیرات نہیں ہے- خیرات کے مصارف بتلاتے ہوئے واضح کر دیا گیا کہ ان کا اوّلیں مصرف تمہارے عزیز واقربا ہیں- اگر وہ محتاج ہوں!

[2] دفاع کا حکم یعنی دین کے اعتقاد وعمل کی آزادی کے لیے لڑنے کا حکم:

(۱) جنگ کی حالت کوئی ایسی حالت نہیں ہے جو تمہارے لیے خوشگوار ہو- لیکن اس دنیا میں کتنی ہی خوشگواریاں ہیں جو ناگواریوں سے پیدا ہوتی ہیں- اور کتنی ہی خوشگوار باتیں ہیں جن کا نتیجہ ناگوار ہوتا ہے!

(۲) جنگ برائی ہے- لیکن انسانی طاقت کا ظلم وفساد اس سے بھی بڑھ کر برائی ہے- پس جب ایسی حالت پیش آجائے کہ ظلم کا ازالہ اور کسی طرح ممکن نہ ہو تو جنگ کے سوا چارہ نہیں-

(۳) دشمنوں کی مخالفت کسی خاص فرد یا جماعت سے نہ تھی بلکہ اس بنا پر تھی کہ لوگ اپنے پچھلے عقائد چھوڑ کر کیوں ایک نیا اعتقاد اختیار کر رہے ہیں؟ یعنی محض اختلاف عقائد کی بنا پر وہ ایک جماعت کو نیست ونابود کر دینا چاہتے تھے- پس جب تک مسلمان اپنے اعتقاد سے دست بردار نہ ہو جاتے' دشمنوں کی طرف سے قتل وغارت گری کا سلسلہ برابر جاری رہتا اور جب مسلمان اس کے لیے تیار نہ تھے تو پھر اس کے سوا کیا چارۂ کار تھا کہ مردانہ وار لڑیں اور حق وباطل کا فیصلہ ہو جائے؟

(۴) قرآن نے جنگ کا قدم نہیں اٹھایا اور نہ وہ داعی امن ہو کر اٹھا سکتا تھا' لیکن اس کے خلاف اٹھایا گیا اور اس نے پیٹھ نہیں دکھلائی-

اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ
دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾
يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ
نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

جانے دینا' نیز مکہ سے وہاں کے بسنے والوں کو نکال دینا' اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برائی ہے اور فتنہ (یعنی ظلم وفساد) قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور (یاد رکھو) یہ لوگ تم سے برابر لڑتے ہی رہیں گے- یہاں تک کہ اگر بن پڑے تو تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں- اور دیکھو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے برگشتہ ہو جائے گا اور اسی حالت برگشتگی میں دنیا سے جائے گا تو یاد رکھو اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کا گروہ دوزخی گروہ ہے' ہمیشہ عذاب میں رہنے والا! (۲۱۷) (برخلاف اس کے) جو لوگ ایمان لائے (اور راہ ایمان میں ثابت قدم رہے) اور جن لوگوں نے وطن سے بے وطن ہونے کی سختیاں برداشت کیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کی (سچی) امیدواری کرنے والے ہیں' اور جو کوئی اللہ کی رحمت کا سچے طریقے پر امیدوار ہو تو) اللہ (بھی) رحمت سے بخش دینے والا ہے! (۲۱۸) اے پیغمبر![۱] تم سے لوگ شراب اور جوے کی بابت دریافت کرتے ہیں- ان سے کہہ دو' ان دونوں چیزوں میں نقصان بہت ہے اور انسان کے لیے فائدے بھی ہیں- لیکن ان کا نقصان ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ اور تم سے پوچھتے ہیں (راہ حق میں خرچ کریں تو) کیا خرچ کریں؟ ان سے کہہ دو جس قدر (تمہاری ضروریات معیشت سے) فاضل ہو- دیکھو اللہ اس طرح کے احکام دے کر تم پر اپنی نشانیاں واضح کر دیتا ہے تا کہ دنیا

[۱] (۵) جنگ کے سلسلہ میں تین سوالات پیدا ہو گئے تھے- ان کے جوابات دیے گئے:

عام طور پر سمجھا جاتا تھا (اور اب تک سمجھا جاتا ہے) کہ شراب سے لڑائی لڑنے میں مدد ملتی ہے اور جوا حصول مال کا ذریعہ ہے- اس غلطی کا ازالہ کر دیا گیا اور یہ اصولی حقیقت بتلا دی گئی کہ صرف اشیا کا نفع ہی نہیں دیکھنا چاہیے کیونکہ اضافی نفع سے تو کوئی چیز بھی خالی نہیں- بلکہ نفع اور نقصان دونوں کو تولنا چاہیے- جس چیز میں نقصان زیادہ ہو اسے ترک کر دینا چاہیے- اگرچہ تھوڑا بہت نفع بھی ہو- اور جس چیز میں نفع زیادہ ہو اسے اختیار کرنا چاہیے اگرچہ نقصان کا بھی احتمال ہو-

دوسرا سوال یہ تھا کہ مصارف جنگ کے لیے اور اسی طرح کی دوسری قومی ضرورتوں کے لیے کس قدر انفاق کیا جائے؟ فرمایا' کوئی خاص قید نہیں ضروریات معیشت سے جو کچھ فاضل ہو کر بچ رہے اسے راہ مقصد میں لگا دو۔

تیسرا سوال یتیم بچوں کی نسبت تھا- حکم دیا گیا کہ جس طریقے میں ان کے لیے اصلاح و درستگی ہو وہی بہتر ہے اور وہی اختیار کرنا چاہیے- اور اگر تم انہیں اپنے گھرانے میں شامل کر لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں کچھ غیر نہیں-

تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١٩﴾ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ
تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٠﴾ وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ
اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ
اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ ع ٢٧/١٥

اور آخرت' (دونوں) کی مصلحتوں میں غور وفکر کرو! (۲۱۹)

اور لوگ تم سے یتیم بچوں کی نسبت پوچھتے ہیں- ان سے کہہ دو جس بات میں ان کے لیے اصلاح ودرستگی ہو وہی بہتر ہے- اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو (یعنی انہیں اپنے گھرانے میں شامل کرلو) تو بہرحال وہ تمہارے بھائی ہیں (کچھ غیر نہیں) اور اللہ جانتا ہے کون اصلاح کرنے والا ہے کون خرابی کرنے والا ہے- (پس اگر تمہاری نیت بخیر ہے' تو تمہیں یتیموں کے مال کی ذمہ داری لینے سے گھبرانا نہیں چاہیے) اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا (یعنی اس بارے میں سخت پابندیاں عائد کردیتا- کیونکہ یتیموں کے حقوق کا معاملہ بہت ہی اہم ہے) بلاشبہ وہ غلبہ وطاقت کے ساتھ حکمت رکھنے والا ہے- (۲۲۰)

اور دیکھو[1] مشرک عورتوں سے' جب تک ایمان نہ لے آئیں' نکاح نہ کرو- ایک مشرک عورت تمہیں (بظاہر) کتنی ہی پسند آئے' لیکن مومن عورت اس سے کہیں بہتر ہے- اور اسی طرح مشرک مرد جب تک ایمان نہ لے آئیں' مومن عورتیں ان کے نکاح میں نہ دی جائیں- یقیناً خدا کا مومن بندہ ایک مشرک مرد سے بہتر ہے اگرچہ بظاہر مشرک مرد تمہیں کتنا ہی پسند کیوں نہ آئے- یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) تمہیں (دین حق سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں اور اس لیے) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں' اور اللہ اپنے حکم سے (دین حق کی راہ کھول کر) تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے (پس ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ تمہاری سازگاری کیونکر ہوسکتی ہے؟) اللہ لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنی آیتیں واضح کردیتا ہے تاکہ متنبہ ہوں اور نصیحت پکڑیں! (۲۲۱)

اور اے پیغمبر![2] لوگ تم سے عورتوں کے ماہواری ایام کے بارے میں دریافت کرتے ہیں ان سے کہہ دو وہ مضرت (کا وقت) ہے- پس چاہیے کہ ان دنوں میں عورتوں سے علیحدہ رہو- اور جب تک وہ (ایام سے فارغ ہوکر) پاک وصاف نہ ہو

[1] (٦) دشمنان اسلام سے جنگ کے سلسلہ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ان سے مناکحت جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ مشرک مرد اور عورت سے مومن مرد اور عورت کا نکاح جائز نہیں' علت بھی واضح کردی کہ جو لوگ تمہارے دین کی وجہ سے تمہارے دشمن ہوگئے ہیں اور تمہیں راہ حق سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں ان کے ساتھ تمہارا ازدواجی رشتہ کبھی فلاح وسعادت کا موجب نہیں ہوسکتا-

[2] مشرکین سے مناکحت کے بیان نے نکاح وطلاق اور ازدواجی زندگی کی مہمات کی طرف سلسلہ بیان پھیر دیا ہے-
(۱) عورتوں سے ان کے مہینے کے خاص ایام میں علیحدگی کا حکم اور اس حقیقت کا اعلان کہ علیحدگی کا سبب یہ نہیں ہے کہ عورتیں

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ
يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَ لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ
تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ

پس ان سے نزدیکی نہ کرو- اور (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) جب وہ پاک وصاف ہولیں اور تم ان کی طرف ملتفت ہو' تو اللہ نے (فطری طور پر) جو بات جس طرح ٹھہرادی ہے اسی کے مطابق ہونی چاہیے- (اس کے علاوہ کسی دوسری خلاف فطرت بات کا خیال نہ کرو) اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو (برائی سے) پناہ مانگنے والے ہیں اور ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو پاکی و صفائی رکھنے والے ہیں! (۲۲۲) (جہاں تک وظیفہ زوجیت کا تعلق ہے) تمہاری عورتیں تمہارے لیے ایسی ہیں جیسے کاشت کی زمین پس جس طرح بھی چاہو اپنی زمین (فطری طریقہ سے) کاشت کرو اور اپنے لیے مستقبل کا سروسامان کرو (یعنی اولاد کی پیدائش کا سروسامان کرو) اور (اصلی بات یہ ہے کہ ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو' اور یہ بات نہ بھولو کہ (ایک دن تمہیں مرنا اور) اس کے حضور حاضر ہونا ہے' اور ان کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں (دین حق کی سہولتوں اور بے جا قید وبند سے پاک ہونے کی) بشارت ہے! (۲۲۳) اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنے یا پرہیز گاری کی راہ اختیار کرنے یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرادینے کے خلاف قسمیں کھا کر اللہ کے نام کو نیکی سے بچ نکلنے کا بہانہ بنالو' (یعنی پہلے تو کسی اچھے کام کے خلاف قسم کھالو- پھر کہو خدا کی قسم کھا کر ہم کیونکر یہ کام کر سکتے ہیں؟) یاد رکھو اللہ سننے والا جاننے والا ہے- (۲۲۴)
تمہاری قسموں میں جو لغو اور بے معنی قسمیں ہوں' ان پر اللہ پکڑ نہیں کرے گا (اور اس لیے ان کا کوئی اعتبار نہیں) جو کچھ

ناپاک ہوجاتی ہیں اور ملنے جلنے اور چھونے کے قابل نہیں رہتیں' جیسا کہ یہودیوں کا خیال تھا- بلکہ صرف یہ بات ہے کہ ان ایام میں زناشوئی کا تعلق مضر ہے' اور صفائی اور طہارت کے خلاف ہے- (۲) فطرت نے مرد اور عورت کے باہم ملنے اور وظیفہ زوجیت ادا کرنے کے لیے جو بات جس طرح ٹھہرادی ہے' اسی طرح ہونی چاہیے- اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہونی چاہیے- اللہ کی پسندیدگی ان کے لیے ہے جو ناپاکی کی تمام باتوں سے اپنی نگہداشت کرتے ہیں- (۳) اس معاملہ کی نسبت جو وہم پرستیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور طرح طرح کی قیدیں اپنے پیچھے لگارکھی ہیں- مثلاً کسی خاص طریقے کو جائز سمجھتے ہیں کسی کو ناجائز کسی خاص طریقے میں برکت سمجھتے ہیں' کسی میں نحوست تو ان کی کوئی اصلیت نہیں- جس طرح بھی چاہو فطری طریقے سے یہ معاملہ کر سکتے ہو-

☆☆ اس گمراہی کا ازالہ کہ ازدواجی زندگی کی اہمیت سے لوگ بے پروا تھے' اور زبانیں چھوٹ ہوگئی تھیں- طرح طرح کی بے معنی قسمیں کھالیتے اور پھر سمجھتے کہ رشتہ نکاح ٹوٹ گیا- (۱) کسی جائز اور نیکی کی بات کے خلاف قسم کھالینی اور خدا کے نام کو ان کے نہ کرنے کے لیے حیلہ بنانا' خدا پرستی کے خلاف ہے- (۲) لغو اور بے معنی قسم کا کوئی اعتبار نہیں- اصل اس بارے میں یہ ہے کہ جو بات انسان نے سمجھ کر اور دل کے قصد کے ساتھ کی ہو اسی کے لیے وہ جوابدہ ہوگا- (۳) اگر بیوی سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھالی جائے جو عرب میں ''ایلا'' کے نام سے مشہور تھی' تو کیا کرنا چاہیے؟

يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٢٥﴾ لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ
أَشْهُرٍ ۖ فَإِنْ فَآءُوْ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾ وَ
الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوٓءٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيٓ أَرْحَامِهِنَّ إِنْ
كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوٓا إِصْلَاحًا ۗ وَلَهُنَّ مِثْلُ
ع ۲۸/۱۴ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠

بھی پکڑ ہوگی' وہ تو اسی بات پر ہوگی جو (سچ مچ کو تم نے سمجھ بوجھ کر کی ہے' اور اس لیے) تمہارے دلوں نے (اپنے عمل سے) کمائی ہے اور اللہ (ہر حال میں) بخشنے والا' تحمل کرنے والا ہے! (۲۲۵)

جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھیں تو ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔ پھر اگر اس عدت کے اندر وہ رجوع کرلیں (یعنی بیوی سے ملاپ کرلیں) تو رحمت سے بخشنے والا ہے۔ (۲۲۶)

لیکن اگر (ایسا نہ ہوسکے اور) طلاق ہی کی ٹھان لیں' تو (پھر بیوی کے لیے طلاق ہے۔ البتہ ملاپ کی جگہ جدائی کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ بات نہ بھولو کہ) اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (۲۲۷)

اور جن عورتوں کو (ان کے شوہروں نے) طلاق دے دی ہو تو انہیں چاہیے ماہواری ایام کے تین مہینوں تک اپنے آپ کو (نکاح ثانی سے) روکے رکھیں۔

اور اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں' تو ان کے لیے جائز نہیں کہ جو چیز اللہ نے ان کے پیٹ میں پیدا کردی ہو' اسے چھپائیں۔ (یعنی اگر حمل سے ہوں تو ان کا فرض ہے کہ اسے ظاہر کردیں)۔

اور ان کے شوہر (جنہوں نے طلاق دی ہے) اگر عدت کے اس مقررہ زمانے کے اندر اصلاح حال پر آمادہ ہوجائیں تو وہ انہیں اپنی زوجیت میں لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔ اور دیکھو' عورتوں کے لیے بھی اسی طرح کے حقوق مردوں پر ہیں' جس طرح کے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ دیا گیا ہے۔ اور یاد رکھو اللہ زبردست حکمت رکھنے والا ہے! (۲۲۸) طلاق (جس کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے) دو مرتبہ (کرکے دو مہینوں

☆☆ طلاق کے احکام اور اس میں ازدواجی زندگی کے لیے جن مضرتوں کا اندیشہ تھا یا عورتوں کی حق تلفی ہوسکتی تھی' اس کا انسداد:

(۱) طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کرکے' نکاح کی اہمیت' نسب کے تحفظ اور عورت کے نکاح ثانی کی سہولتوں کا انتظام کردیا گیا۔

(۲) یہ اصل واضح کردی گئی کہ اگر طلاق کے بعد شوہر رجوع کرنا چاہے تو وہی زیادہ حق دار ہے۔ کیونکہ شرعاً مطلوب ملاپ ہے نہ کہ تفرقہ۔

(۳) جہاں تک عورتوں کے حقوق کا تعلق ہے دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ ''جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں ویسے ہی حقوق عورتوں کے بھی مردوں پر ہیں''

فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا
أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ
اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٢٩﴾ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ

میں دو طلاقیں ہیں)- پھر اس کے بعد شوہر کے لیے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں- یا تو اچھے طریقے پر روک لینا (یعنی رجوع کر لینا) یا پھر حسن سلوک کے ساتھ الگ کر دینا- (یعنی تیسرے مہینے تیسری طلاق دے کر جدا ہو جانا) اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ اپنی بیویوں کو دے چکے ہو (طلاق دیتے ہوئے) اس میں سے کچھ واپس لے لو- ہاں اگر شوہر اور بیوی کو اندیشہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے (تو باہمی رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے) تو اگر تم دیکھو ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ واقعی) اندیشہ ہے خدا کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے' تو پھر شوہر اور بیوی کے لیے اس میں کچھ گناہ نہ ہوگا' اگر بیوی (اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے) بطور معاوضے کے (اپنے حق میں سے) کچھ دے دے (اور شوہر اسے لے کر علیحدگی پر راضی ہو جائے) یاد رکھو' یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیاں ہیں' پس ان سے قدم باہر نہ نکالو (اور اپنی اپنی حدوں کے اندر رہو) جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے نکل جائے گا' تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں! (۲۲۹) اگر ایسا ہوا کہ ایک شخص نے (دو طلاقوں کے بعد رجوع نہ کیا اور تیسرے مہینے تیسری) طلاق دے دی تو پھر (دونوں میں قطعی جدائی ہو گئی' اور

☆☆ (۴) طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ' تین مجلسوں میں' تین مہینوں میں' اور ایک کے بعد ایک واقع ہوتی ہے- اور وہ حالت جو قطعی طور پر رشتہ نکاح قطع کر دیتی ہے' تیسری مجلس' تیسرے مہینے اور تیسری طلاق کے بعد وجود میں آتی ہے- اس وقت تک جدائی کے ارادے سے باز آ جانے اور ملاپ کر لینے کا موقع باقی رہتا ہے- پس نکاح کا رشتہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس گھڑی چاہا' بات کی بات میں توڑ کر رکھ دیا- اس کے توڑنے کے لیے مختلف منزلوں سے گزرنے' اچھی طرح سوچنے سمجھنے' کے بعد دیگرے اصلاح کی مہلت پانے' اور پھر اصلاح حال سے بالکل مایوس ہو کر آخری فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے-

(۵) شوہر کے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ بیوی کو دے چکا ہے یا دینا کیا ہے طلاق دیتے ہوئے واپس لے لے- (جیسا کہ عرب جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے)

(۶) ہاں اگر ایسی صورت پیش آ جائے کہ شوہر طلاق دینا نہ چاہتا ہو نہ اس کی طرف سے کوئی تصور ہو- لیکن کسی وجہ سے آپس میں بنتی نہ ہو اور اندیشہ پیدا ہو گیا ہو کہ ازدواجی زندگی کے فرائض ادا نہ ہو سکیں گے' تو اس صورت میں اگر عورت کہے' میں اپنا مہر یا اس کا کوئی حصہ چھوڑ دیتی ہوں' اور شوہر اس کے بدلے میں طلاق دے دے تو ایسی معاملت ہو سکتی ہے- اسی کو "خلع" کہتے ہیں-

(۷) نکاح کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کے گلے پڑ جائیں' اور نہ یہ ہے کہ عورت کو مرد کی خود غرضانہ کام جوئیوں کا آلہ بنا دیا جائے' بلکہ مقصود حقیقی یہ ہے کہ دونوں کے ملاپ سے ایک کامل اور خوش حال ازدواجی زندگی پیدا ہو جائے- ایسی زندگی جب ہی پیدا ہو سکتی ہے- کہ آپس میں محبت و سازگاری ہو' اور "حدود اللہ" یعنی خدا کے ٹھہرائے واجبات و حقوق ادا کیے جائیں پس اگر کسی وجہ سے ایسا نہیں ہے' تو نکاح کا مقصود حقیقی فوت ہو گیا اور ضروری ہو گیا کہ دونوں فریقوں کے لیے تبدیلی کا دروازہ کھول دیا جائے- اگر مقصود نکاح کے فوت ہو جانے پر بھی علیحدگی کا دروازہ نہ کھولا جاتا' تو یہ انسان کے آزادانہ حق انتخاب کے خلاف ایک ظالمانہ رکاوٹ ہوتی اور ازدواجی زندگی کی سعادت سے سوسائٹی کو محروم کر دینا ہوتا-

حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ
اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ
ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلَ
عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ ع

اب شوہر کے لیے وہ عورت جائز نہ ہوگی جب تک کہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں نہ آ جائے۔

پھر اگر ایسا ہوا کہ دوسرا مرد (نکاح کرنے کے بعد خود بخود) طلاق دے دے (اور مرد و عورت از سر نو ملنا چاہیں) تو ایک دوسرے کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ اس میں ان کے لیے کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ دونوں کو توقع ہو اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں پر قائم رہ سکیں گے۔

اور (دیکھو) یہ اللہ کی ٹھہرائی حد بندیاں ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کے لیے جو (مصالح معیشت کا) علم رکھتے ہیں واضح کر دیتا ہے! (۲۳۰)

اور جب ایسا ہو کہ تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی (عدت کی) مدت پوری ہونے کو آئے تو پھر (تمہارے لیے دو ہی راستے ہیں) یا تو (طلاق سے رجوع کر کے) انہیں ٹھیک طریقے پر روک لو یا (آخری طلاق دے کر) ٹھیک طریقے پر جانے دو۔ ایسا نہ کرو کہ انہیں نقصان پہنچانے کے لیے روکے رکھو تا کہ ان پر جور و ستم کرو (یعنی نہ تو رجوع کرو۔ نہ جانے دو۔ بیچ میں لٹکائے رکھو) اور یاد رکھو جو کوئی ایسا کرے گا تو اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کرے گا۔

اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ اللہ کے حکموں کو ہنسی کھیل بنا لو (کہ آج نکاح کیا۔ کل بلا وجہ طلاق دے دی) اللہ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو۔ اس نے کتاب و حکمت میں سے جو کچھ نازل کیا ہے اور اس کے ذریعے تمہیں نصیحت کرتا ہے اسے نہ بھولو۔ اور اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ اس کے علم سے کوئی بات باہر نہیں! (۲۳۱)

☆☆ (۸) یا تو عورت کو بیوی کی طرح رکھنا چاہیے اور اس کے حقوق ادا کرنے چاہییں یا طلاق دے کر اس کی راہ کھول دینی چاہیے۔ یہ نہیں کرنا چاہیے کہ نہ تو بیویوں کی طرح رکھو نہ طلاق دے کر اس کی راہ کھولو۔ بیچ میں لٹکائے رکھو (جیسا کہ عرب جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے)۔

(۹) ازدواجی زندگی کا معاملہ نہایت اہم اور نازک ہے اور مرد کی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں سے ہمیشہ عورتوں کی حق تلفی ہوئی ہے۔ اس لیے خصوصیت کے ساتھ یہاں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ اللہ نے انہیں "نیک ترین" امت ہونے کا مرتبہ عطا فرمایا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم نے ہدایت و موعظت کے تمام پہلو واضح کر دیے ہیں۔ پس اپنے جماعتی شرف و مقام کی ذمہ داریوں سے غافل نہ ہوں اور ازدواجی زندگی میں اخلاق و پرہیزگاری کا بہترین نمونہ بنیں۔ ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ جس جماعت کے افراد کی ازدواجی زندگی درست نہیں ہے وہ کبھی ایک فلاح یافتہ جماعت نہیں ہو سکتی۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ
بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَ
اللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ
الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ
وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی اور وہ اپنی (عدت کی) مدت پوری کر چکیں تو (پھر انہیں اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر لینے کا اختیار ہے) اگر وہ اپنے (ہونے والے) شوہروں سے مناسب طریقے پر نکاح کرنا چاہیں اور دونوں آپس میں رضامند ہو جائیں تو اس سے انہیں نہ روکو- تم میں سے ہر اس انسان کو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس حکم کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے؟ اسی بات میں تمہارے لیے زیادہ برکت اور زیادہ پاکی ہے اور اللہ جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے! (۲۳۲)

اور جو شخص (اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور بیوی کی گود میں بچہ ہو اور وہ) ماں سے بچے کو دودھ پلوانا چاہے تو اس صورت میں چاہیے پورے دو برس تک ماں بچے کو دودھ پلائے اور جس کا بچہ ہے اس پر لازم ہے کہ ماں کے کھانے کپڑے کا مناسب طریقہ پر انتظام کر دے (یہ انتظام ہر شخص کی حالت اور حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے اصل اس بارے میں یہ ہے کہ) کسی شخص پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے-

نہ تو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے- نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے-

اور اگر باپ کا اس اثنا میں انتقال ہو جائے تو جو اس کا) وارث (ہو اس) پر (عورت کا کھانا کپڑا) اسی طرح ہے (جس طرح باپ کے ذمہ تھا)

پھر اگر (کوئی ایسی صورت پیش آ جائے کہ) ماں باپ آپس کی رضامندی اور صلاح مشورہ سے (قبل از مدت) دودھ

☆☆ (۱۰) جب عورت کو طلاق دے دی گئی اور اس نے عدت کا زمانہ پورا کر لیا تو پھر اسے اختیار ہے جس سے چاہے ٹھیک طریقے پر نکاح کرے- نہ تو اسے دوسرے نکاح سے روکنا چاہیے نہ اس کی پسند کے خلاف اس پر زور ڈالنا چاہیے اور نہ اس بات پر ناراض ہونا چاہیے- چونکہ اس بارے میں مردوں کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ تھا اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس پر زور دیا گیا اور فرمایا اگر تم اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس حکم کی نافرمانی سے بچو-

☆☆ (۱۱) طلاق کی صورت میں ایک نہایت اہم سوال چھوٹے بچوں کی پرورش کا تھا- ماں باپ کی علیحدگی کے بعد دودھ پیتے بچوں کی پرورش کا انتظام کیا ہو؟ اس بارے میں طرح طرح کی خرابیوں کا اندیشہ تھا- پس ان کا سد باب کر دیا گیا- بڑا محل نقصان پہنچنے کا ماں تھی کہ طلاق کی وجہ سے جدا ہو گئی تھی اور محبت مادری کی وجہ سے مجبور تھی کہ بچے کو دودھ پلائے- پس حکم دیا گیا کہ دودھ پلانے تک اس کا خرچ باپ کے ذمے ہے اور دودھ پلانے کی مدت دو برس ہے- ساتھ ہی اس بارے میں دو بنیادی قاعدے بھی واضح کر دیے "نہ تو ماں کو اس کو بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو" اور "کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ خرچ کا بار نہیں"۔

مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا
سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ
مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ لٰكِنْ لَّا
تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ۬ وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ

چھڑانا چاہیں تو (ایسا کر سکتے ہیں) ان پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اگر تم چاہو اپنے بچوں کو (ماں کی جگہ) کسی دوسری عورت سے دودھ پلواؤ، تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ (ماؤں کی حق تلفی نہ کرو اور جو کچھ انہیں دینا کیا تھا) دستور کے مطابق ان کے حوالہ کر دو اور دیکھو (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کی نظریں اسے دیکھ رہی ہیں! (۲۳۳)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو انہیں چاہیے چار مہینے دس دن تک (عدت وفات میں) اپنے آپ کو روکے رکھیں- پھر جب وہ یہ مدت پوری کر لیں تو (انہیں اپنے معاملے کا اختیار ہے) وہ جو کچھ جائز طریقے پر اپنے لیے کریں (یعنی اپنے دوسرے نکاح کی تیاری کریں) اس کے لیے تمہارے سر کوئی الزام نہیں (کہ تم نکاح سے مانع آؤ یا زیادہ عرصہ تک سوگ کرنے پر مجبور کرو) اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے! (۲۳۴)

اور جن بیوہ عورتوں سے تم نکاح کرنا چاہو تو تمہارے لیے کوئی گناہ نہیں اگر اشارے کنایے میں اپنا خیال ان تک پہنچا دو- یا اپنے دل میں نکاح کا ارادہ پوشیدہ رکھو- اللہ جانتا ہے کہ (قدرتی طور پر) ان کا خیال تمہیں آئے گا لیکن ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ چوری چھپے نکاح کا وعدہ کر لو- الا یہ کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہی جائے-
اور جب تک ٹھہرائی ہوئی مدت (یعنی عدت) پوری نہ ہو جائے- نکاح کی گرہ نہ کسو (کہ عدت کی حالت میں عورت کے

☆☆ جو عورتیں بیوہ ہو جائیں، ان کی نسبت احکام، اور ان مفاسد کا انسداد جو اس بارے میں پھیلے ہوئے تھے:

(۱) وفات کی عدت چار مہینے دس دن مقرر کر کے ان مفاسد کی اصلاح کر دی جو اس بارے میں افراط و تفریط کا موجب تھے- نہ تو عورت فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے کہ اس میں معاملہ نکاح کی بے وقعتی اور مرحوم شوہر کے تذکار و محبت سے تغافل ہے- نیز نسب بھی مشتبہ ہو سکتا ہے- اور نہ یہ ہونا چاہیے کہ زیادہ مدت تک عورت کو شوہر کا سوگ منانے کے لیے مجبور کیا جائے-

(۲) اگر عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اسے نہیں روکنا چاہیے، اور نہ اس بات کا خواہشمند ہونا چاہیے کہ عدت کی مقررہ مدت سے زیادہ شوہر کا سوگ کرے (جیسا کہ عرب جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے)۔

(۳) نکاح کے بارے میں عورت سے جو کچھ بھی نامہ و پیام کیا جائے اعلانیہ اور دستور کے مطابق ہونا چاہیے- چوری چھپے نہیں ہونا چاہیے کہ اس میں طرح طرح کے مفاسد ہو سکتے ہیں-

(۴) جب تک عدت کی مدت پوری نہ ہو جائے، نکاح کا قول و قرار نہیں کرنا چاہیے-

ع وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ
طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ښ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ
قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ
فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ
تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ

لیے نکاح کی تیاری جائز نہیں) اور یقین کرو جو کچھ تمہارے اندر (اس بارے میں نفس کی پوشیدہ کمزوری) ہے اللہ اسے اچھی طرح جانتا ہے پس اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا اور (نفس انسانی کی کمزوریوں کے لیے بہت) بردبار ہے! (۲۳۵)

اور اگر (ایسی صورت پیش آ جائے کہ) بغیر اس کے کہ تم نے عورت کو ہاتھ لگایا ہو اور اس کے لیے جو کچھ (مہر) مقرر کرنا تھا' مقرر کیا ہو' طلاق دے دو تو (ایسا بھی کر سکتے ہو) اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں- البتہ ایسی صورت میں (عورت کو رشتہ جوڑنے اور پھر توڑ دینے سے جو نقصان پہنچا ہے اس کے معاوضے میں ضروری ہے کہ) اسے فائدہ پہنچاؤ- ایسا فائدہ جو دستور کے مطابق پہنچایا جائے- مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق دے تنگ دست اپنی حالت کے مطابق- نیک کردار آدمیوں کے لیے ضروری ہے کہ ایسا کریں- (۲۳۶)

اور اگر ایسا ہو کہ تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی ہو اور جو کچھ (مہر) مقرر کرنا تھا مقرر کر چکے ہو' تو اس صورت میں مقررہ مہر کا آدھا دینا چاہیے- اِلا یہ کہ عورت (اپنی خوشی سے) معاف کر دے یا (مرد) جس کے ہاتھ میں نکاح کا رشتہ ہے (پورا مہر دے کر آدھی رقم رکھ لینے کے حق سے) درگزر کرے- اور اگر تم (مرد) درگزر کرو گے تو یہ زیادہ تقوے کی بات ہوگی- دیکھو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنا نہ بھولو اور یاد رکھو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کی نظر سے مخفی نہیں ہے! (۲۳۷)

اور (دیکھو) اپنی نمازوں کی حفاظت میں کوشاں رہو- خصوصاً ایسی نماز کی جو (اپنے ظاہر و باطن میں) بہترین نماز

☆☆ اگر نکاح کے بعد شوہر اور بیوی میں کوئی تعلق نہ ہوا ہو' اور شوہر طلاق دے دے تو اس صورت میں مہر کے احکام اور عورتوں کی حق تلفی کی امکانی صورتوں کا تدارک:

(۱) اگر مہر کی رقم متعین نہ ہوئی ہو' تو اس صورت میں چاہیے مرد اپنے مقدور کے مطابق جس قدر دے سکتا ہے' دے دے-

(۲) اگر معین ہو' تو اس صورت میں آدھا مہر عورت کا حق ہوگا' اگر مرد اس سے زیادہ بھلائی کر سکے تو یہ تقوے اور فضیلت کی بات ہوگی-

(۳) اس اصولی حقیقت کی تلقین کہ نکاح کے معاملہ میں مرد کا ہاتھ عورت سے زیادہ قوی ہے- اس لیے چاہیے کہ ہر معاملہ میں عفو بخشش بھی اس کی طرف سے زیادہ ہو نہ کہ عورت کی طرف سے-

☆☆ لیکن انسان جو خواہشوں کا بندہ اور غرض پرستیوں کی مخلوق ہے' کیونکر ایسی اخلاقی طاقت پیدا کر سکتا ہے کہ ازدواجی زندگی کی

وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا
اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً
لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ
اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٤٠﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا عَلَى

ہو[1] اور اللہ کے حضور کھڑے ہو کہ ادب و نیاز میں ڈوبے ہوئے ہو۔ (۲۳۸)

پھر اگر ایسا ہو کہ تمہیں (دشمن کا) ڈر ہو (اور مقررہ صورت میں نماز نہ پڑھ سکو) تو پیدل ہو یا سوار جس حالت میں بھی ہو اور جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھ لو۔ پھر جب مطمئن ہو جاؤ (اور خوف و جنگ کی حالت باقی نہ رہے) تو چاہیے کہ اسی طریقے سے اللہ کا ذکر کیا کرو (یعنی نماز پڑھو) جس طرح اس نے تمہیں سکھلایا ہے اور جو تمہیں پہلے معلوم نہ تھا۔ (۲۳۹)

اور جو لوگ تم میں سے وفات پائیں اور اپنے پیچھے بیوہ عورتیں چھوڑ جائیں اور (مرنے سے پہلے اس طرح کی) وصیت کر جائیں کہ برس دن تک انہیں نان ونفقہ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں اور پھر ایسا ہو کہ وہ (اس مدت سے پہلے) گھر چھوڑ دیں (اور دوسرا نکاح کرلیں یا نکاح کی بات چیت کریں) تو جو کچھ وہ جائز طریقہ پر اپنے لئے کریں اس کے لیے تم پر کوئی گناہ عائد نہ ہوگا (کہ تم انہیں وصیت کی تعمیل کے خیال سے روکو اور سال بھر تک سوگ منانے پر مجبور کرو) یاد رکھو اللہ سب پر غالب اور (اپنے ہر کام میں) حکمت رکھنے والا ہے۔ (۲۴۰)

اور (یاد رکھو) جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو تو چاہیے کہ انہیں مناسب طریقہ پر فائدہ پہنچایا جائے (یعنی ان کے

اخلاقی آزمائشوں میں پورا اترے؟

اس کی راہ صرف یہ ہے کہ خدا پرستی کی سچی روح پیدا کرے اور خدا پرستی کی سچی روح پیدا کرنے کا ذریعہ خدا کی عبادت ہے پس چاہیے کہ نماز کی محافظت کرو اور نماز میں کھڑے ہو تو اس طرح کھڑے ہو کہ خشوع وخضوع میں ڈوبے ہوئے ہو!

خوف و جنگ کی حالت میں بھی نماز سے غفلت جائز نہیں جس طرح بھی بن پڑے نماز بروقت ادا کرلینی چاہیے۔

☆☆ اگر شوہر نے وصیت کردی ہو کہ ایک برس تک عورت اس کے گھر میں رہے اور نان ونفقہ پائے (یعنی ایک سال تک سوگ منائے اور گھر سے نہ نکلے جیسا کہ عرب جاہلیت میں دستور تھا) تو ایسی وصیت اب واجب التعمیل نہیں۔ کیونکہ وفات کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کردی گئی ہے۔

---

[1] صلوٰۃ وسطیٰ کی ایک تفسیر تو یہ ہے جو ہم نے اختیار کی ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہاں ''وسطیٰ'' سے مقصود درمیانی چیز ہے اور اس لئے پانچ وقت کی نمازوں میں سے کسی خاص درمیانی نماز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جن مفسروں نے یہ تفسیر اختیار کی ہے وہ بخاری ومسلم کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جب جنگ احزاب میں عصر کا وقت نکل گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ''شغلونا عن الصلوٰة الوسطیٰ حتی غابت الشمس''۔ ''دشمنوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے باز رکھا یہاں تک سورج ڈوب گیا۔'' پس صلوٰۃ وسطیٰ سے مقصود عصر کی نماز ہے۔

ع الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ
دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى
النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾
مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَ اللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ وَ اِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا

ساتھ جس قدر حسن سلوک کیا جا سکتا ہے کیا جائے) متقی انسانوں کے لیے ایسا کرنا لازمی ہے-(۲۴۱)

اس طرح اللہ تم پر اپنی آیتیں واضح کر دیتا ہے تا کہ عقل سے کام لو اور سوچو سمجھو-(۲۴۲)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی سرگزشت پر غور نہیں کیا جو اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے- اور باوجودیکہ ہزاروں کی تعداد میں تھے مگر (دلوں کی بے طاقتی کا یہ حالت تھا کہ) موت کے ڈر سے بھاگ گئے تھے- اللہ کا حکم ہوا (تم موت کے ڈر سے بھاگ رہے ہو تو دیکھو) اب تمہارے لیے موت ہی ہے- (یعنی ان کی بزدلی کی وجہ سے دشمن ان پر غالب آ گئے) پھر (ایسا ہوا کہ) اللہ نے انہیں زندہ کر دیا (یعنی عزم وثبات کی ایسی روح ان میں پیدا ہوگئی کہ دشمنوں کے مقابلہ پر آمادہ ہوگئے اور فتح مند ہوئے) یقیناً اللہ انسان کے لیے بڑا ہی فضل وبخشش رکھنے والا ہے لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر!) اکثر آدمی ایسے ہیں جو ناشکری کرنے والے ہیں-(۲۴۳)

اور (دیکھو!) اللہ کی راہ میں (لڑائی پیش آ جائے تو موت سے نہ ڈرو بے خوف ہو کر) لڑو! اور یقین کر و اللہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے-(۲۴۴)

کون ہے جو (انسان کی جگہ خدا سے معاملہ کرتا ہے اور) خدا کو خوش دلی کے ساتھ قرض دیتا ہے تا کہ خدا اس کا قرض دو گنا سہ گنا زیادہ کر کے ادا کر دے؟ (یعنی مال حقیر راہ حق میں خرچ کر کے دین و دنیا کی بے شمار برکتیں اور سعادتیں حاصل کر لے؟) اور (باقی رہا تنگ دستی کا خوف جس کی وجہ سے تمہارا ہاتھ رک جاتا ہے تو یاد رکھو) تنگی اور کشائش دونوں کا رشتہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے اور اسی کے حضور تم سب کو لوٹنا ہے-(۲۴۵)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے اس واقعہ پر غور نہیں کیا جو موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کو پیش آیا تھا؟ بنی اسرائیل

☆☆ نکاح وطلاق کے احکام کا بیان ختم کرتے ہوئے' مطلقہ عورتوں کے لیے احسان وسلوک کا مکرر حکم کیونکہ اس معاملہ میں رشتۂ کار مردوں کے ہاتھ میں تھا اور عورتوں کا پہلو کمزور تھا اس لیے ضروری تھا کہ بار بار حسن سلوک اور عفوو درگزر پر زور دیا جائے-

☆☆ اب یہاں سے سلسلہ بیاں پھر اسی طرف پھرتا ہے جہاں سے نکاح وطلاق کا بیان شروع ہوا تھا یعنی جہاد کے احکام ومصالح کی طرف: جو جماعت موت سے ڈرتی ہے' وہ کبھی زندگی کی کامرانیاں حاصل نہیں کر سکتی- بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی عبرت انگیز سرگزشت جس نے باوجود کثرت تعداد کے جہاد سے اعراض کیا تھا-

☆☆ راہ جہاد میں مال خرچ کرنا اللہ کو قرض دینا ہے-

☆☆ طالوت (ساؤں) کی قیادت وفرمانروائی اور بنی اسرائیل فلسطینیوں کے مقابلہ کی سرگزشت اور قوموں کے ضعف وقوت اور فتح

مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ
قَالُوْا وَ مَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ
اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ
مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ
وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ

کے سرداروں نے اپنے عہد کے نبی سے درخواست کی تھی کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے- ہمارے لیے ایک حکمراں مقرر کر دو- نبی نے کہا (مجھے امید نہیں کہ تم ایسا کر سکو) اگر تمہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو کچھ بعید نہیں تم لڑنے سے انکار کر دو- سرداروں نے کہا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم اپنے گھروں سے نکالے جا چکے ہیں اور اپنی اولاد سے علیحدہ ہو چکے ہیں، لیکن پھر دیکھو جب ایسا ہوا کہ انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو (ان کی ساری گرم جوشیاں ٹھنڈی پڑ گئیں، اور) ایک تھوڑی تعداد کے سوا سب نے پیٹھ دکھلا دی- اور اللہ نافرمانوں (کے دلوں کے کھوٹ) سے بے خبر نہیں ہے- (۲۴۶)

اور پھر ایسا ہوا کہ ان کے نبی نے کہا اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو حکمراں مقرر کر دیا ہے (سو اس کی اطاعت کرو اور اس کے ماتحت جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ) انہوں نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے ہم پر حکمرانی مل جائے حالانکہ اس سے کہیں زیادہ حکمراں ہونے کے ہم خود حقدار ہیں- علاوہ بریں یہ بھی ظاہر ہے کہ اسے مال و دولت کی وسعت حاصل نہیں" نبی نے یہ سن کر کہا اللہ نے طالوت ہی کو (حکمرانی کی قابلیتوں کے لحاظ سے) تم پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے اور علم کی فراوانی اور جسم کی طاقت، دونوں میں اسے وسعت دی ہے- اور (قیادت و حکمرانی تمہارے دے دینے سے کسی کو مل نہیں سکتی) وہ جسے چاہتا ہے اپنی زمین کی حکمرانی بخش دیتا ہے- اور وہ (اپنی قدرت میں) بڑی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے- (۲۴۷)

اور پھر ان کے نبی نے کہا (تم طالوت کے استحقاق حکومت پر اعتراض کرتے تھے تو دیکھو) اس کی (اہلیت) حکومت کی

و ہزیمت کے بعض اہم حقائق:

(۱) جس گروہ میں صبر و استقامت کی سچی روح نہیں ہوتی، اس میں بسا اوقات سعی و عمل کے ولولے پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن جب آزمائش کا وقت آتا ہے، تو بہت کم نکلتے ہیں جو راہ عمل میں ثابت قدم رہنے والے ہوں-

(۲) حکومت و قیادت کی جس میں قدرتی صلاحیت ہوتی ہے وہی اس کا اہل ہوتا ہے- اگرچہ مال و دولت اور دنیوی عزت و جاہ سے خالی ہو-

(۳) صلاحیت کے لیے اصلی چیز علم و جسم کی قوت ہے- یعنی دماغی اور جسمانی قابلیت نہ کہ مال و دولت اور نسل و خاندان کا شرف-

(۴) جو شخص بھی سردار مقرر ہو جائے، جماعت کے افراد کا فرض ہے کہ سچے دل سے اس کی اطاعت کریں- اگر ایک جماعت میں اطاعت نہیں ہے، تو وہ کبھی جماعتی زندگی کی کشاکش میں کامیاب نہیں ہو سکتی!

مُلْكِهٖۤ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ
تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۴۸﴾ۧ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ ع
قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْۤ اِلَّا مَنِ
اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِیَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا
لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ

نشانی یہ ہے کہ (مقدس) تابوت (جو تم کھو چکے ہو اور دشمنوں کے ہاتھ پڑ چکا ہے) تمہارے پاس (واپس) آ جائے گا' اور (حکمت الٰہی سے ایسا ہوگا کہ) فرشتے اسے اٹھا لائیں گے- اس تابوت میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے (فتح کامرانی کی) دلجمعی ہے' اور جو کچھ موسیٰ اور ہارون کے گھرانے (اپنی مقدس یادگاریں) چھوڑ گئے ہیں' ان کا بقیہ ہے- اگر تم یقین کرنے والے ہو تو یقیناً اس واقعے میں تمہارے لئے بڑی ہی نشانی ہے- (۲۴۸)

پھر جب (کچھ عرصہ کے بعد) ایسا ہوا کہ طالوت نے لشکر کے ساتھ کوچ کیا تو اس نے کہا دیکھو (راہ میں ایک ندی پڑے گی) اللہ (اس) ندی کے پانی سے (تمہارے صبر اور اطاعت کی) آزمائش کرنے والا ہے- پس یاد رکھو' جس کسی نے اس ندی کا پانی پیا اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں- وہ میری جماعت سے خارج ہو جائے گا- میرا ساتھی وہی ہوگا جو اس کے پانی کا مزہ تک نہ چکھے- ہاں اگر آدمی (بہت ہی مجبور ہو اور) اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے اور پی لے تو اس کا مضائقہ نہیں-

لیکن (جب لشکر ندی پر پہنچا تو) ایک تھوڑی تعداد کے سوا سب نے پانی پی لیا (اور صبر و اطاعت کی آزمائش میں پورے نہ اترے)

پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ وہ لوگ جو (حکم الٰہی پر سچا) ایمان رکھتے تھے ندی کے پار اترے تو ان لوگوں نے (جنہوں نے طالوت کے حکم کی نافرمانی کی تھی) کہا' ''ہم میں یہ طاقت نہیں کہ آج جالوت سے (جو فلسطینیوں کے لشکر کا ایک دیو ہیکل سردار تھا) اور اس کی فوج سے مقابلہ کر سکیں''! لیکن وہ لوگ جو سمجھتے تھے کہ انہیں (ایک دن) اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے پکار اٹھے (تم دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت سے ہراساں ہوئے جاتے ہو؟) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر

☆☆ (۵) طالوت کا پانی پینے سے روک کر لوگوں کے صبر و ثبات اور اطاعت و انقیاد کا امتحان لینا اور ایک قلیل تعداد کے سوا سب کا نا اہل ثابت ہونا۔ اس راہ میں اصلی چیز صبر اور اطاعت ہے جو لوگ ایک گھڑی کی پیاس ضبط نہیں کر سکتے' وہ میدان جنگ کی محنتیں کیونکر برداشت کریں گے!

☆☆ (۶) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں اور کتنی ہی بڑی جماعتیں ہیں جو چھوٹی جماعتوں سے شکست کھا جاتی ہیں- فتح و شکست کا دارومدار افراد کی کثرت و قلت پر نہیں بلکہ دلوں کی قوت پر ہے اور اللہ کی مدد انہی لوگوں کا ساتھ دیتی ہے جو صابر اور ثابت قدم ہوتے ہیں-

قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ
اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ
دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ
لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّؕ

حکم الٰہی سے غالب آ گئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے!'' (۲۴۹)

اور پھر جب وہ میدان جنگ میں جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے آئے تو انہوں نے کہا- ''خدایا (تو دیکھ رہا ہے کہ ہم کمزور ہیں اور تھوڑے ہیں اور مقابلہ ان سے ہے جو طاقتور ہیں اور بہت ہیں- پس) ہم (صبر و ثبات کے پیاسوں) پر صبر (کے جام) انڈیل دے (کہ عزم و ثبات سے سیراب ہو جائیں) اور ہمارے قدم میدان جنگ میں جما دے (کہ کسی حال میں بھی پیچھے نہ ہٹیں) اور پھر (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کر کہ منکرین حق کے گروہ پر فتح مند ہو جائیں!'' - (۲۵۰)

چنانچہ (ایسا ہی ہوا) انہوں نے حکم الٰہی سے اپنے دشمنوں کو ہزیمت دی اور داؤدؑ کے ہاتھ سے جالوت مارا گیا- پھر اللہ نے داؤد کو بادشاہی اور حکمت سے سرفراز کیا اور (حکمرانی و دانشوری کی باتوں میں سے) جو کچھ سکھلانا تھا سکھلا دیا-

اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ ایسا نہ کرتا کہ انسانوں کے ایک گروہ کے ذریعے دوسرے گروہ کو راہ سے ہٹاتا رہتا تو دنیا خراب ہو جاتی (اور امن و عدالت کا نام و نشان باقی نہ رہتا) لیکن اللہ دنیا کے لئے فضل و رحمت رکھنے والا ہے (اور یہ اس کا فضل ہے کہ کوئی ایک گروہ سدا ایک ہی حالت میں نہیں چھوڑ دیا جاتا بلکہ ہمیشہ منازعت اور مدافعت جاری رہتی ہے) (۲۵۱)

(اے پیغمبر!) یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے تو یقین کر و اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں اور ہمارا سنانا برحق ہے-

---

☆☆ (۷) سچی دعا وہ ہے جو سچی استعداد عمل کے ساتھ ہو- طالوت کے ساتھیوں نے اپنی دعا میں صرف یہی نہیں کہا کہ ''ہمیں فتح مند کر'' بلکہ فتح مندی کی طلب سے پہلے صبر و ثبات کی طلب گاری کی اور کہا ''ہمیں صبر دے اور ہمارے قدم جما دے-'' کیونکہ خدا کی نصرت انہی کے حصے میں آتی ہے جن میں صبر و ثبات کی روح پیدا ہو جاتی ہے-

☆☆ (۸) اگر قوموں اور جماعتوں کی باہمی کش مکش اور مدافعت نہ ہوتی اور ہر جماعت اپنی اپنی حالت میں بغیر منازعت کے چھوڑ دی جاتی تو نتیجہ یہ نکلتا کہ دنیا ظلم و فساد سے بھر جاتی اور حق و عدالت کا نام و نشان باقی نہ رہتا- پس یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے کہ جب کبھی ایک گروہ ظلم و فساد میں چھوٹ ہو جاتا ہے' تو مزاحمت کے محرکات دوسرے گروہ کو مدافعت کے لئے کھڑا کر دیتے ہیں' اور ایک قوم کا ظلم دوسری قوم کی مقاومت سے دفع ہوتا رہتا ہے!

(۹) پس دفع مظالم کے لئے جنگ ناگزیر ہوئی' خدا نے مختلف عہدوں میں یکے بعد دیگرے اپنے پیغمبر مبعوث کئے اور انہوں نے لوگوں کو تفرقہ و فساد کی جگہ حق پرستی و یگانگت کی تعلیم دی- اگر لوگ اس تعلیم پر قائم رہتے اور گروہ بندیاں کر کے الگ الگ نہ ہو جاتے' تو آپس میں جنگ و نزاع نہ کرتے' لیکن انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جتھابندی کر لی' اور باہمی جنگ و خونریزی کا ایسا بیج بو دیا جو اب ہمیشہ پھل لاتا رہتا ہے-

وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ
وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ
اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ
مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ ع ۳۳ ۵

یقیناً تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں ہم نے اپنی پیغمبری کے لیے چن لیا ہے- (۲۵۲)

یہ ہمارے پیغمبر ہیں، جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے (یعنی اگرچہ پیغمبری کے لحاظ سے سب کا درجہ یکساں ہے لیکن اپنی اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے مختلف درجے رکھتے ہیں) ان میں کچھ تو ایسے تھے جن سے اللہ نے کلام کیا (یعنی ان پر اپنی کتاب نازل کی) بعض ایسے تھے جن کے درجے (ان کے وقتوں اور حالتوں کے مطابق دوسری باتوں میں) بلند کئے گئے اور (تم سے پہلے) مریم کے بیٹے عیسیٰ کو (ہدایت کی) روشن دلیلیں عطا فرمائیں، اور روح القدس (یعنی وحی) کی تائید سے سرفراز کیا- اگر اللہ چاہتا تو (اس کی قدرت سے یہ بات باہر نہ تھی کہ) جو لوگ ان پیغمبروں کے بعد پیدا ہوئے، وہ ہدایت کی روشن دلیلیں پا لینے کے بعد پھر (اختلاف و نزاع میں نہ پڑتے اور) آپس میں نہ لڑتے- لیکن (تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ انسان کو کسی ایک حالت پر مجبور نہ کر دے- ہر طرح کے ارادہ و فعل کی استعداد دے دے- پس) پیغمبروں کے بعد لوگ آپس میں مخالف ہو گئے کچھ لوگوں نے ایمان کی راہ اختیار کی- کچھ لوگوں نے کفر کا شیوہ پسند کیا- اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے (یعنی ان سے لڑائی کی قوت سلب کر لیتا) لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (تم اس کے کاموں کی حکمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتے)- (۲۵۳)

مسلمانو! ہم نے مال و متاع دنیا میں سے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے، اسے (صرف اپنے نفس کے آرام و راحت پر نہیں، بلکہ راہ حق میں بھی) خرچ کرو اور ہاتھ نہ روکو- قبل اس کے کہ (زندگی کی عارضی مہلت ختم ہو جائے، اور آنے والا دن سامنے آ جائے- اس دن نہ تو (دنیا کی طرح) خرید و فروخت ہو سکے گی (کہ قیمت دے کر نجات خرید لو)، نہ کسی کی یاری کام آئے

اگر خدا چاہتا تو طبیعت بشری ایسی بناتا کہ اس میں خلاف و نزاع کا مادہ ہی نہ ہوتا اور کسی ایک حالت معیشت پر مجبور کر دیا جاتا- لیکن اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ انسان کو مجبور و مضطر نہ بنائے اور ہر راہ میں چلنے کی قدرت دے دے- پس کتنے ہی ہیں جو ہدایت کی راہ اختیار کرتے ہیں، کتنے ہی ہیں، جو گمراہی کو ترجیح دیتے ہیں-

پیغمبر اسلام سے خطاب کہ جنگ کی جو منزل تمہیں پیش آ گئی ہے سنت الٰہی کا مقتضا یہی تھا کہ پیش آئے- ظلم و فساد کی مدافعت کے لیے اس منزل سے گزرنا ناگزیر ہے!

☆☆ (۱۰) جب جنگ ناگزیر ہے تو اس سے غفلت نہ کرو اور بڑی تیاری یہ ہے کہ اپنا مال اس راہ میں خرچ کرو-

(۱۱) آخرت کی نجات کا تمام تر دارومدار ایمان و عمل پر ہے- وہاں نہ تو نجات کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے، نہ کسی کی دوستی آشنائی کام دے سکتی ہے، نہ کسی کی سفارش سے کام نکالا جا سکتا ہے-

وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬
لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ
عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ
اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾
لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ۫ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ

گی (کہ اس کے سہارے گناہ بخشوالو) نہ ایسا ہی ہو سکے گا کہ کسی کی سعی وسفارش سے کام نکال لیا جائے (اس دن صرف عمل ہی نجات دلا سکے گا) اور یاد رکھو جو لوگ (اس حقیقت سے) منکر ہیں تو یقیناً یہی لوگ ہیں جو اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرنے والے ہیں- (۲۵۴)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں- وہ "اَلْحَیُّ" ہے (یعنی زندہ ہے اور اس کی زندگی کے لیے فنا و زوال نہیں- "اَلْقَیُّوْمُ" ہے (یعنی ہر چیز اس کے حکم سے قائم ہے- وہ اپنے قیام کے لیے کسی کا محتاج نہیں) اس (کی آنکھ) کے لیے نہ تو اونگھ ہے نہ (دماغ کے لیے) نیند- آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اسی کے حکم سے ہے- کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت کے لیے زبان کھولے؟ جو کچھ انسان کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ پیچھے ہے وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں- انسان اس کے علم سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا- مگر یہ کہ جتنی بات کا علم وہ انسان کو دینا چاہے اور دے دے- اس کا تخت (حکومت) آسمان و زمین کے تمام پھیلاؤ پر چھایا ہوا ہے اور ان کی نگرانی وحفاظت میں اس کے لیے کوئی تھکاوٹ نہیں- اس کی ذات بڑی ہی بلند مرتبہ ہے- (۲۵۵)

دین کے بارے میں کسی طرح کا جبر نہیں (کیونکہ وہ دل کے اعتقاد سے تعلق رکھتا ہے اور جبر وتشدد سے اعتقاد پیدا نہیں کیا جا سکتا) بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور نمایاں ہو گئی ہے (اور اب دونوں راہیں لوگوں کے سامنے ہیں- جسے چاہیں

☆☆ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں- وہ مالک الملک ہے- حیؔ و قیّوم ہے اس کی حکومت سے کوئی گوشہ باہر نہیں- اس کے علم کے لیے کوئی شے مخفی اور اوجھل نہیں- وہ غفلت سے منزہ اور نسیان سے پاک ہے جس ہستی کی صفتیں ایسی ہوں اس کے سامنے کسی کی سعی وسفارش کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے اور اس کے احکام وقوانین کے نفاذ میں کون ہے جو دخل دینے کی جرأت کر سکتا ہے؟

☆☆ اس اصل عظیم کا اعلان کہ دین واعتقاد کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر واستکراہ جائز نہیں- دین کی راہ دل کے اعتقاد ویقین کی راہ ہے اور اعتقاد دعوت وموعظت سے پیدا ہو سکتا ہے نہ کہ جبر واستکراہ سے:

(۱) احکام جہاد کے بعد ہی یہ ذکر اس لیے کیا گیا تا کہ واضح ہو جائے کہ جنگ کی اجازت ظلم وتشدد کے انسداد کے لیے دی گئی ہے- نہ کہ دین کی اشاعت کے لیے- دین کی اشاعت کا ذریعہ ایک ہی ہے اور وہ دعوت ہے-

قریش مکہ کا فتنہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ ظلم وتشدد کے ذریعہ دین واعتقاد کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے- قرآن نے اس کے خلاف جنگ کا حکم دیا

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ
اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ
رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ قَالَ
اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ

اختیار کریں) پھر جو کوئی طاغوت سے انکار کرے (یعنی سرکشی و فساد کی قوتوں سے بیزار ہو جائے) اور اللہ پر ایمان لائے تو بلاشبہ اس نے (فلاح و سعادت کی) مضبوط ٹہنی پکڑ لی - یہ ٹہنی ٹوٹنے والی نہیں (جس کے ہاتھ آ گئی وہ گرنے سے محفوظ ہو گیا) اور یاد رکھو! اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے! (۲۵۶)

اللہ ان لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو ایمان کی راہ اختیار کرتے ہیں - وہ انہیں (ہر طرح کی) تاریکیوں سے نکالتا اور روشنی میں لاتا ہے - مگر جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے' تو ان کے مددگار سرکش اور مفسد (معبودان باطل) ہیں - وہ انہیں روشنی سے نکالتے اور تاریکیوں میں لے جاتے ہیں - سو یہی لوگ ہیں جن کا گروہ دوزخی گروہ ہوا - ہمیشہ عذاب جہنم میں رہنے والا - (۲۵۷)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے پروردگار کے بارے میں حجت کی تھی اور اس لئے حجت کی تھی کہ خدا نے اسے بادشاہت دے رکھی تھی؟ (یعنی تاج و تخت شاہی نے اس کے اندر ایسا گھمنڈ پیدا کر دیا تھا کہ خدا کے بارے میں حجت کرنے لگا تھا) جب ابراہیمؑ نے کہا' میرا پروردگار تو وہ ہے جو مخلوقات کو جلاتا (زندہ کرتا) ہے اور مارتا ہے' تو اس نے جواب میں کہا جلانے (زندہ کرنے والا) اور مارنے والا تو میں ہوں (جسے چاہوں ہلاک کر دوں' جسے چاہوں بخش دوں)۔ اس پر ابراہیمؑ نے کہا اچھا اگر ایسا ہی ہے تو اللہ سورج کو پورب کی طرف سے (زمین پر) طلوع کرتا ہے تم پچھم سے نکال دکھاؤ - یہ

پس جس بات کے خلاف اس نے جنگ کا حکم دیا ہے خود اسی بات کا مرتکب کیونکر ہو سکتا ہے؟

(۲) سچائی روشنی ہے اگر تاریکی چھائی ہوئی ہے تو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ روشنی موجود ہو جائے - اگر روشنی نمایاں ہو گئی تو پھر روشنی کو روشن دکھلانے کے لئے اور کسی بات کی ضرورت نہیں' روشنی جس طرف بھی رخ کرے گی تاریکی خود بخود دور ہو جائے گی!

☆☆ (۳) دعوت کی تاثیر و فتح مندی کی وضاحت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ - وہ ایک ایسے ملک میں جہاں ان کا کوئی ساتھ نہ تھا اور ایک ایسے بادشاہ کے سامنے' جو اپنے عہد کا سب سے بڑا سرکش بادشاہ تھا' تن تنہا دعوت حق کا جذبہ لے کر کھڑے ہو گئے اور فتح مند ہوئے -

(۴) ضمناً اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ دعوت کی راہ' تلقین و ہدایت کی راہ ہے' جدل و خصومت کی راہ نہیں ہے - داعی حق کا طریقہ یہ نہیں ہوتا کہ مخاطب کو دلیلوں کے الجھاؤ میں پھنسا دے یا کسی خاص دلیل پر اڑ کر اس کا ناطقہ بند کر دے' بلکہ وہ چاہتا ہے' کسی نہ کسی طرح اس کے دل میں سچائی اتارے - حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بات جب مخاطب کا دماغ ہضم نہ کر سکا' تو انہوں نے فوراً دوسری بات پیش کر دی جو اس کی دماغی استعداد کے ٹھیک ٹھیک مطابق تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ تیر نشانے پر لگ گیا' اور انکار و سرکشی کا دم خم باقی نہ رہا -

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ
اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ
يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ
وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ فَلَمَّا
تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ

جواب سن کر وہ بادشاہ جس نے کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا' ہکا بکا ہو کر رہ گیا (اور ابراہیمؑ کے خلاف کچھ نہ کر سکا) اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ ظالموں پر (کامیابی وفلاح کی) راہ نہیں کھولتا۔(۲۵۸) اور پھر اسی طرح اس شخص کی حالت پر بھی غور کرو جو ایک ایسی بستی پر سے گزرا تھا جس کے مکانوں کی چھتیں گر چکی تھیں اور گری ہوئی چھتوں پر درودیوار کا ڈھیر تھا (یہ حال دیکھ کر) بول اٹھا۔"جس بستی کی ویرانی کا یہ حال ہے کیونکر ہوسکتا ہے کہ اللہ اسے موت کے بعد (دوبارہ) زندہ کردے؟" (یعنی دوبارہ آباد کر دے)۔

پھر ایسا ہوا کہ اللہ نے اس شخص پر سو برس تک موت طاری کر دی۔ پھر اس حالت سے اسے اٹھا دیا اور پوچھا کتنی دیر اس حالت میں رہے؟ عرض کیا۔ ایک دن تک یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ ارشاد ہوا نہیں' بلکہ سو برس تک' پس اپنے کھانے اور پانی پر نظر ڈالو۔ ان میں برسوں تک پڑے رہنے کی کوئی علامت نہیں۔ اور (اپنی سواری کے) گدھے پر بھی نظر ڈالو (کہ وہ کس حالت میں ہے؟) اور (یہ جو کچھ کیا گیا) اس لئے کیا گیا' تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے (حق کی) ایک نشانی ٹھہرائیں (اور تمہارا علم ان کے لئے یقین وبصیرت کا ذریعہ ہو) اور پھر (جسم کی) ہڈیوں پر غور کرو۔ کس طرح ہم (ان کا ڈھانچہ بنا کر) کھڑا کر دیتے ہیں اور پھر (کس طرح) اس (ڈھانچے) پر گوشت (کا غلاف) چڑھا دیتے ہیں (کہ ایک مکمل اور متشکل ہستی ظہور میں آجاتی ہے؟)۔(۲۵۹)

پس جب اس شخص پر یہ حقیقت کھل گئی تو وہ بول اٹھا۔ میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں۔ بلاشبہ اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

اور پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیمؑ نے کہا تھا۔"اے پروردگار! مجھے دکھلا دے کس طرح تو مردوں کو زندہ کر دے گا؟" اللہ نے فرمایا "کیا تمہیں اس کا یقین نہیں؟ عرض کیا ضرور ہے لیکن یہ اس لیے چاہتا ہوں تاکہ میرے دل کو قرار آجائے" (یعنی تیری

☆☆ (۵) بنی اسرائیل کے ایام ووقائع میں سے اس واقعے کی طرف اشارہ جبکہ بیت المقدس بالکل ویران ومنہدم کر دیا گیا تھا' اور یہودیوں کی قومیت اس طرح پامال ہوگئی تھی کہ ہیکل کی دوبارہ تعمیر کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس وقت مشیت الٰہی سے ایسا ہوا کہ وقت کے سب سے بڑے تین شہنشاہوں کے دل بنی اسرائیل کے تین نبیوں کی دعوت سے مسخر ہوگئے اور بغیر اس کے کہ تاج وتخت اور لشکر واسلحہ میں سے کوئی چیز بھی انہیں حاصل ہو خود بخود ان کے مردہ شہر' مردہ ہیکل اور مردہ جماعت کی دوبارہ زندگی کا سامان ہوگیا!

جن بادشاہوں کے قلب انبیائے بنی اسرائیل کی داعیانہ زندگی سے مسخر ہوئے وہ سائرس' دارا اور ارتخششت ہیں اور جن انبیا نے انہیں مسخر کیا وہ دانیال' حجی اور عزیر علیہم السلام ہیں۔ انہیں تین نبیوں میں سے کسی کو یہ معاملہ پیش آیا ہے۔ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ" میں اس طرف اشارہ ہے کہ بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر وآبادی ٹھیک سو برس کے بعد ہوئی تھی۔

☆☆ (۶) دعوت حق سے مردہ قوموں کا زندہ ہو جانا اور متوحش وگمراہ افراد کا ایک تربیت یافتہ جماعت کی حالت میں بدل جانا

الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ
اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ ع ۳۵

قدرت پر تو یقین وایمان ہے' لیکن یہ جو مایوس کن حالت دیکھ کر دل دھڑکنے لگتا ہے' تو یہ بات دور ہو جائے)- اس پر ارشاد الٰہی ہوا' اچھا' یوں کرو کہ پرندوں میں سے چار جانور پکڑ لو اور انہیں اپنے پاس رکھ کر اپنے ساتھ ہلا (سدھا) لو (یعنی اس طرح ان کی تربیت کرو کہ وہ اچھی طرح تم سے مل جائیں پھر ان چاروں میں سے ہر ایک کو (اپنے سے دور) ایک ایک پہاڑ پر بٹھا دو' پھر انہیں بلاؤ- وہ (آواز سنتے ہی) تمہاری طرف اڑتے ہوئے چلے آئیں گے! یاد رکھو اللہ سب پر غالب اور اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے- (۲۶۰) جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں' ان کی (نیکی اور نیکی کی برکتوں کی) مثال اس بیج کے دانے کی سی ہے جو زمین میں بویا جاتا ہے- (جب بویا گیا تھا تو صرف ایک دانہ تھا- لیکن جب بار آر ہوا' تو)

اور اس بارے میں وہ موعظت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واضح کی گئی تھی- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظہور ایک ایسے عہد میں ہوا تھا جبکہ ان کے ملک میں اور ان کے ملک سے باہر کوئی گروہ بھی ایسا نہ تھا جس میں قبولیت حق کی استعداد دکھائی دیتی ہو- یہ حالت دیکھ کر انہوں نے کہا خدایا تو کیونکر اس موت کو زندگی سے بدل دے گا؟'' اس پر اللہ نے دعوت حق کی انقلاب انگیز حقیقت پرندوں کی مثال سے واضح کر دی- اگر تم ایک پرند کو کچھ دنوں تک اپنے پاس رکھ کر ایسا تربیت یافتہ بنا لے سکتے ہو کہ تمہاری آواز سنتا' اور تمہارے بلانے پر اڑتا ہوا آ جا سکتا ہے' تو کیا گمراہ اور متوحش انسان دعوت حق کی تعلیم و تربیت سے اس درجہ اثر پذیر نہیں ہو جا سکتے کہ تمہاری صدائیں سنیں اور ان کا جواب دیں؟

چنانچہ ایسا ہی ہوا- اس داعی حق نے انسان کی متوحش اور گمراہ روحوں کی جو تربیت کی تھی اس نے تاریخ عالم کا سب سے زیادہ عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا- قوموں کی قومیں اور نسلوں کی نسلیں' دعوت ابراہیم علیہ السلام پر قدم اٹھاتی رہیں اور باوجودیکہ تین ہزار برس سے زیادہ مدت گزر چکی ہے لیکن آج بھی ہر سال انسانوں کے بے شمار غول' اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دوڑتے اور معبد ابراہیمی میں جمع ہوتے ہیں-

☆☆ جہاد کا بیان ختم ہو گیا- اب یہاں سے بیان احکام کا سلسلہ ایک دوسرے حکم کی طرف متوجہ ہوتا ہے-

---

فائدہ: اس واقعے میں دو باتیں جو غور طلب ہیں- اولاً یہ کہ ''كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى'' میں موت و حیات سے مقصود کیا ہے؟ مجاز ہے جیسا کہ ''اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا'' (۲:۲۵۹) اور اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (۸:۲۴) وغیرہا آیات میں ہے' یا حقیقت ہے؟ مفسروں نے عام طور پر اسے حقیقت پر محمول کیا ہے- وہ کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال حشر اجساد کے بارے میں تھا- یعنی قیامت کے دن مردے کیونکر زندہ ہو جائیں گے- ثانیاً یہ کہ پرندوں کے معاملہ سے مقصود کیا ہے؟ اکثر مفسر اس طرف گئے ہیں کہ مقصود یہ تھا کہ پرندوں کو مار کر ٹکڑے ٹکڑے یا قیمہ قیمہ کر دیا جائے- پھر ان کے چار حصے چار پہاڑوں پر رکھ دیے جائیں- پھر انہیں بلایا جائے- قدرت الٰہی سے زندہ ہو کر دوڑنے لگیں گے- اس تفسیر کی رو سے سوال و جواب میں مطابقت یوں ہے کہ سوال مردوں کے زندہ ہو جانے کی نسبت تھا- جواب میں قدرت' الٰہی کا معجزہ دکھلا دیا گیا کہ جس طرح یہ پرندا اپنے بلانے والے کی آواز پر زندہ ہو گئے اسی طرح قیامت کے دن حکم الٰہی سے مردے زندہ ہو جائیں گے- لیکن اس تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ پرندوں کو مارنے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا مضمون محذوف تسلیم کر لیا جائے- کیونکہ قرآن کے لفاظ میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے' اور ترجمہ یوں کیا جائے'' پرندوں میں سے چار جانور اور انہیں اپنے ساتھ سدھا لو (پھر انہیں ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو) پھر ان کا ایک ایک حصہ چار پہاڑوں پر رکھ دو''-

سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ

ایک دانہ سے سات بالیاں پیدا ہوگئیں' اور ہر بالی میں سو دانے نکل آئے- (یعنی خرچ کیا ایک اور بدلے میں ملے سینکڑوں!) اور اللہ جس کسی کے لیے چاہتا ہے' اس سے بھی دوگنا کر دیتا ہے- وہ بڑی ہی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے! (۲۶۱)

جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' اور اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ لینے والے کو (اپنے قول و فعل سے کسی طرح کا) دکھ پہنچاتے ہیں' تو ان کے پروردگار کے حضور ان کے عمل کا اجر ہے- نہ تو ان کے لیے کسی طرح کا ڈر ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی! (۲۶۲)

سیدھے منہ سے ایک اچھا بول اور (رحم و شفقت سے) عفو و درگزر کی کوئی بات اس خیرات سے کہیں بہتر ہے جس کے ساتھ خدا کے بندوں کے لیے اذیت ہو- اور (دیکھو' یہ بات نہ بھولو کہ) اللہ بے نیاز اور حلیم ہے- (۲۶۳)

مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور لوگوں کو اذیت پہنچا کر برباد نہ کر دو' جس طرح وہ آدمی برباد کر دیتا ہے' جو محض لوگوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرتا ہے' اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا- سو ایسے لوگوں کی مثال ایسی ہے- جیسے (پتھر کی) ایک چٹان' اس پر مٹی کی تہہ جم گئی' اور اس میں بیج بویا گیا- جب زور سے پانی برسا' تو (ساری مٹی مع بیج کے بہہ گئی) اور ایک صاف اور سخت چٹان کے سوا کچھ باقی نہ رہا (سو یہی حال ان ریا کاروں کا بھی ہے) انہوں نے (اپنے نزدیک

گزشتہ بیانات میں جس قدر احکام دیے گئے ہیں' ان سب کی سچی تعمیل جبھی ہو سکتی ہے جبکہ نیکی کے لیے مال خرچ کرنے کی پوری استعداد پیدا ہو جائے- وصیت' صیام' اکل حلال' حج' جہاد' نکاح' طلاق' یتیموں کی خبر گیری' عورتوں کے ساتھ حسن سلوک یہ تمام امور ایسے ہیں جن پر ٹھیک ٹھیک عمل وہی کر سکتا ہے جو پیسہ کے عشق میں نہ مرتا ہو' اور نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کا ولولہ رکھتا ہو' اس لیے مندرجہ صدر احکام کے بعد خصوصیت کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کے مواعظ بیان کیے گئے- یہ گویا ان سب کے لیے ایک متمم بیان کیا ہے-

☆☆ (۳) دکھاوے کی خیرات بھی اکارت جاتی ہے' اور یہ برائی پچھلی برائی سے بھی سخت ہے- کیونکہ جو شخص نیکی کے لیے نہیں بلکہ نام و نمود کے لیے کرتا ہے اور خدا کی جگہ انسانوں کی نگاہوں میں بڑائی چاہتا ہے' وہ یقیناً خدا پر سچا ایمان نہیں رکھتا-

(۴) جو لوگ دکھاوے کے لیے نیکی کرتے ہیں' ان کی مثال ایسی ہے' جیسے پہاڑ کی ایک چٹان جس پر مٹی کی تہہ جم گئی ہو- ایسی جگہ پر کتنی ہی بارش ہو' لیکن کبھی سرسبز نہ ہوگی- کیونکہ اس میں پانی سے فائدہ اٹھانے کی استعداد ہی نہیں ہے- پانی جب برسے گا تو دھل دھلا کر صاف چٹان نکل آئے گی! برخلاف اس کے جو لوگ اخلاص کے ساتھ خیرات کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے' جیسے ایک بلند اور موزوں مقام پر باغ ہو- جب بارش ہوگی تو اس کی شادابی دوگنی ہو جائے گی- اگر زور سے پانی نہ برسے' تو ہلکی ہلکی بوندیں بھی اسے شاداب کر دیں- کیونکہ اس میں سرسبزی و شادابی کی استعداد موجود ہے!

لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا
ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ
لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ
وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ ع

خیر خیرات کر کے) جو کچھ بھی کمایا تھا وہ (ریا کاری کی وجہ سے) رائیگاں گیا - کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ لگا - اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں پر (فلاح وسعادت) کی راہ نہیں کھولتا جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں - (۲۶۴) (برخلاف اس کے) جو لوگ اپنا مال (نمود ونمائش کے لیے نہیں' بلکہ) اللہ کی خوشنودی کی طلب میں اپنے دل کے جماؤ کے ساتھ خرچ کرتے ہیں' تو ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اونچی زمین پر اگا یا ہوا باغ - اس پر پانی برسا تو دو چند پھل پھول پیدا ہو گئے' اور اگر زور سے پانی نہ برسے' تو ہلکی بوندیں بھی اسے شاداب کر دینے کے لئے کافی ہیں ! اور یاد رکھو تم جو کچھ بھی کرتے ہو' اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں - (۲۶۵)

کیا تم میں سے کوئی آدمی بھی یہ بات پسند کرے گا کہ اس کے پاس کھجوروں کے درختوں اور انگوروں کی بیلوں کا ایک باغ ہو - اس میں نہریں بہہ رہی ہوں - نیز اس میں اور بھی ہر طرح کے پھل پھول پیدا ہوتے ہوں - پھر ایسا ہو کہ جب بڑھاپا آ جائے اور ناتواں اولاد اس آدمی کے چاروں طرف جمع ہوں' تو اچانک ایک جھلستی ہوئی آندھی چلے اور (آن کی آن میں) باغ جل کر ویران ہو جائے ؟ اللہ ایسی ہی مثالوں کے پیرایہ میں تم پر (حقیقت کی) نشانیاں واضح کر دیتا ہے تاکہ غور وفکر سے کام لو ! - (۲۶۶)

مسلمانو ! جو کچھ تم نے (محنت مزدوری یا تجارت سے) کمائی کی ہو اس میں سے خرچ کر دیا جو کچھ ہم تمہارے لئے زمین

اس تمثیل میں خیرات کو بارش سے اور زمین کو دل سے تشبیہ دی گئی ہے اگر زمین ٹھیک ہے یعنی دل میں اخلاص ہے تو جس قدر بھی عمل خیر کیا جائے گا برکت اور پھل لائے گا - اگر زمین درست نہیں ہے یعنی اخلاص نہیں ہے تو پھر کتنی ہی دکھاوے کی خیرات کی جائے سب رائیگاں جائے گی - اگر دل میں اخلاص ہے تو تھوڑی خیرات بھی برکت وفلاح کا موجب ہو سکتی ہے - جس طرح بارش کی چند ہلکی بوندیں بھی ایک باغ کو شاداب کر دے سکتی ہے -

(۵) عالم مادی اور عالم معنوی' دونوں کے احکام وقوانین یکساں ہیں' جو بوؤ گے اور جس طرح بوؤ گے' ویسا ہی اور اسی طرح کا پھل بھی پاؤ گے -

(۶) تم میں کون ہے جو یہ بات پسند کرے گا کہ اپنی ساری عمر باغ لگانے میں صرف کر دے اور سمجھے اس کی پیداوار بڑھاپے میں کام آئے گی' لیکن جب بڑھاپا آئے تو دیکھے کہ سارا باغ جل کر ویران ہو گیا ہے ؟ یہی حال اس انسان کا ہے' جو ساری عمر دکھاوے کی نیکیاں کرتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے' عاقبت میں کام آئیں گی - لیکن جب عاقبت کا دن آئے گا' تو دیکھے گا کہ اس کی ساری محنت رائیگاں گئی اور اس کی کوئی تخم ریزی بھی پھل نہ لا سکی -

(۷) ایسا نہ کرو کہ جو چیز نکمی اور بیکار ہو' اسے خیرات کے نام سے محتاجوں کو دے دو اور سمجھو کہ اس طرح تم نے ثواب کما لیا - اگر تمہیں کوئی ایسی چیز دے دے تو تم اسے لینا پسند کرو گے ؟ پھر اگر اپنے نفس کے لئے نکمی چیز لینا پسند نہیں کرتے تو اپنے محتاج بھائیوں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو ؟ دوسروں کے ساتھ وہی کرو' جو تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا جائے !

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿٢٦٧﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا
يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ
وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ

میں پیدا کر دیتے ہیں' اس میں سے نکالو' کوئی صورت ہو لیکن چاہیے کہ خدا کی راہ میں خیرات کرو تو اچھی چیز خیرات کرو- ایسا نہ کرو کہ فصل کی پیداوار میں سے کسی چیز کو ردی اور خراب دیکھ کر خیرات کر دو (کہ بیکار کیوں جائے' خدا کے نام پر نکال دیں) حالانکہ اگر ویسی ہی چیز تمہیں دی جائے' تو تم کبھی اسے (خوشدلی سے) لینے والے نہیں مگر ہاں' (جان بوجھ کر) آنکھیں بند کر لو' تو دوسری بات ہے- یاد رکھو' اللہ کی ذات بے نیاز اور ساری ستائشوں سے ستودہ ہے' (اسے تمہاری کسی چیز کی احتیاج نہیں' مگر تم اپنی سعادت و نجات کے لئے عمل خیر کے محتاج ہو- (۲۶۷)

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے- اور برائیوں کی ترغیب دیتا ہے' لیکن اللہ تمہیں ایسی راہ کی طرف بلاتا ہے' جس میں اس کی مغفرت اور اس کے فضل و کرم کا وعدہ ہے- اور یاد رکھو اللہ وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے- (۲۶۸)

وہ جسے چاہتا ہے' حکمت دے دیتا ہے' اور جس کسی کو حکمت مل گئی تو یقین کرو' اس نے بڑی ہی بھلائی پالی- اور نصیحت حاصل نہیں کرتے' مگر وہی لوگ جو عقل و بصیرت رکھنے والے ہیں! (۲۶۹)

اور دیکھو' خیرات کی قسم میں سے تم جو کچھ بھی خرچ کرو' یا خدا کی نذر ماننے کے طور پر جو کچھ بھی نکالنا چاہو' تو یہ بات یاد رکھو کہ اللہ کے علم سے وہ پوشیدہ نہیں ہے- اور جو معصیت کرنے والے ہیں تو انہیں (خدا کی پکڑ سے بچانے میں) کوئی مددگار نہیں ملے گا- (۲۷۰)

اگر تم (بغیر اس کے کہ دل میں نام و نمود کی خواہش ہو) کھلے طور پر خیرات کرو' تو یہ بھی اچھی بات ہے اگر پوشیدہ رکھو اور محتاجوں کو دے دو تو اس میں تمہارے لئے بڑی ہی بہتری ہے- یہ تمہارے گناہوں کو تم سے دور کر دے گی۔

☆☆ (۸) انسان میں ایسی سمجھ بوجھ کا پیدا ہو جانا کہ دنیا کے ظاہری اور نمائشی فائدوں ہی میں پھنس کر نہ رہ جائے بلکہ حقیقی نفع و نقصان کو سمجھ سکے اور اچھائی اور برائی کی راہوں کا شناسا ہو جائے' ان باتوں میں سے ہے جسے قرآن حکمت سے تعبیر کرتا ہے اور جسے حکمت مل گئی تو اس نے زندگی کی بہت بڑی برکت پائی!

☆☆ (۹) دکھاوے کی خیرات سے روکا گیا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب تک چوری چھپے خیرات نہ کر سکو' خیرات کرو ہی نہیں' یا خواہ مخواہ پوشیدگی میں تکلف کرو کہ یہ تکلف بجائے خود عمل خیر سے مانع ہو جائے- مطلب یہ ہے کہ دل میں اخلاص ہونا چاہیے' اور اپنی جانب سے کوئی بات دکھاوے اور نمائش کی نہیں کرنی چاہیے-

خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ
اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٢﴾ لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُھُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُھُمْ
ع بِسِيْمٰھُمْ ۚ لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢٧٣﴾ اَلَّذِيْنَ
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ

اور یاد رکھو[1] تم جو کچھ بھی کرتے ہو خدا کے علم سے پوشیدہ نہیں' وہ ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے-(۲۷۱)

(اے پیغمبر!) تم پر کچھ اس بات کی ذمہ داری نہیں کہ لوگ ہدایت قبول ہی کر لیں (تمہارا کام) صرف راہ دکھا دینا ہے' یہ کام اللہ کا ہے کہ جسے چاہے راہ پر لگا دے (پس تم لوگوں سے کہہ دو) جو کچھ بھی تم خیرات کرو گے تو (اس کا فائدہ کچھ مجھے نہیں مل جائے گا' اور نہ کسی دوسرے پر اس کا احسان ہوگا) خود اپنے ہی فائدہ کے لیے کرو گے-اور تمہارا خرچ کرنا اسی غرض کے لیے ہے کہ اللہ کی رضا جوئی کی راہ میں خرچ کرو-اور (پھر یہ بات بھی یاد رکھو کہ) جو کچھ تم خیرات کرو گے تو (خدا کا قانون یہ ہے کہ) اس کا بدلہ پوری طرح تمہیں دے دے گا' تمہاری حق تلفی نہ ہوگی-(۲۷۲)

خیرات[2] تو ان حاجت مندوں کا حق ہے جو (دنیا کے کام دھندوں سے الگ ہو کر) اللہ کی راہ میں گھر کر بیٹھ رہے ہیں (یعنی صرف اسی کام کے ہو رہے ہیں) انہیں یہ طاقت نہیں کہ (معیشت کی ڈھونڈھ میں) نکلیں اور دوڑ دھوپ کریں (پھر باوجود فقر و فاقے کے ان کی خودداری کا یہ حال ہے کہ) ناواقف آدمی دیکھے' تو خیال کرے انہیں کسی طرح کی احتیاج نہیں-تم ان کے چہرے دیکھ کر ان کی حالت جان لے سکتے ہو' لیکن وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال کرنے والے نہیں-اور (یاد رکھو) تم جو کچھ بھی نیکی کی راہ میں خرچ کرو گے تو اللہ اس کا علم رکھنے والا ہے-(۲۷۳)

(غرض کہ) جو لوگ رات کی تاریکی میں اور دن کی روشنی میں' پوشیدہ طور پر اور کھلے طور پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں' تو یقیناً ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے-نہ تو ان کے لیے (عذاب کا) ڈر ہوگا' نہ (نامرادی کی) غمگینی!(۲۷۴)

---

[1] (۱۰) خیرات کرنا خدا پرستی کا قدرتی نتیجہ ہے-اس میں نہ تو کسی پر احسان کرنا ہے نہ کسی سے تحسین و تشکر کی توقع رکھنی ہے-

[2] (۱۱) خیرات کا ایک ضروری مصرف ایسا تھا جس کی طرف ظاہر بین نگاہوں کو توجہ نہیں ہو سکتی تھی یعنی ان لوگوں کی مدد کرنا جو دنیا کا کام دھندا چھوڑ کر راہ حق کی خدمت کے لیے وقف ہو گئے ہیں-نہ تو انہیں تجارت کی مقدرت ہے نہ کوئی دوسرا وسیلہ معاش رکھتے ہیں-شب و روز دین و ملت کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں-حالت ان کی حاجت مندوں کی ہے مگر صورت بے نیازوں کی-چونکہ ایسے افراد خیر کی خبر گیری جماعت کا ضروری فرض تھا-اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس پر توجہ دلائی-

(۱۲) لوگ عموماً انہی لوگوں کو خیرات کا مستحق سمجھتے ہیں جو بھیک مانگنے میں چست و چالاک ہوتے ہیں' لیکن ایک خوددار حاجت مند کو کوئی نہیں پوچھتا حالانکہ سب سے زیادہ مستحق ایسے ہی لوگ ہیں-

(۱۳) ضمناً اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جس طرح دینے والوں کو چاہیے' ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر دیں' اسی طرح لینے والوں کو چاہیے سوال کر کے اپنی خودداری و عفت تاراج نہ کریں-انکی شان یہ ہونی چاہیے کہ بے نیاز رہیں-لوگوں کا فرض یہ ہونا چاہیے کہ بے مانگے مدد کریں!

يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ
مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

جو لوگ[۱] (حاجت مندوں کی مدد کرنے کی جگہ الٹا ان سے) سود لیتے اور اس سے اپنا پیٹ پالتے ہیں' وہ (یاد رکھیں ان کے ظلم وستم کا نتیجہ ان کے آگے آنے والا ہے- وہ) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر اس آدمی کا سا کھڑا ہونا جسے شیطان کی چھوت نے باؤلا کر دیا ہو- (یعنی مرگی کا روگی ہو) یہ اس لیے ہوگا کہ انہوں نے (سود کے ناجائز ہونے سے انکار کیا اور) کہا' خرید و فروخت کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے قرض دے کر سود لینا' حالانکہ خرید و فروخت کو تو خدا نے حلال ٹھہرایا ہے' اور سود کو حرام (دونوں باتیں ایک طرح کی کیسے ہو سکتی ہیں؟) سو اب جس کسی کو اس کے پروردگار کی یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ آئندہ سود لینے سے رک گیا' تو جو کچھ پہلے لے چکا ہے' وہ اس کا ہو چکا' اس کا معاملہ خدا کے حوالے ہے- لیکن جو کوئی باز نہ آیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے- ہمیشہ عذاب میں رہنے والا- (۲۷۵) اللہ سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور (یاد رکھو) تمام ایسے لوگوں کو جو نعمت الٰہی کے ناسپاس اور نافرمان ہیں' اس کی پسندیدگی حاصل نہیں ہو سکتی! (۲۷۶) جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں' اور ان کے کام بھی اچھے ہیں' نیز نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' تو بلاشبہ ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے- نہ تو ان کے لیے کسی طرح کا ڈر ہو سکتا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی! (۲۷۷)

---

[۱] نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی استعداد نشوونما نہیں پا سکتی تھی اگر اس کا حکم دیتے ہوئے ان باتوں سے بھی روک نہ دیا جاتا جو ٹھیک ٹھیک اس کی ضد ہیں- پس انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کے ساتھ ہی سود کی بھی ممانعت کر دی گئی جو دنیا کی تمام قوموں کی طرح عرب میں بھی رائج تھا- دین حق انسان میں باہمی محبت و ہمدردی پیدا کرنی چاہتا ہے- اسی لیے اس نے خیرات کا حکم دیا کہ ایک انسان دوسرے انسان کی حاجت روائی کرے اور اس کی احتیاج کو اپنی احتیاج سمجھے- لیکن سود خواری کی ذہنیت بالکل اس کی ضد ہے- سود خوار ایک انسان کو حاجت مند دیکھتا ہے تو اس کی مدد کا جذبہ اس میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ چاہتا ہے اس کی احتیاج اور بے بسی سے اپنا کام نکال لے اور اس کی محتاجی کو اپنی دولت مندی کا ذریعہ بنائے- خود غرضی کا یہ جذبہ اگر بے روک بڑھتا رہے' تو پھر اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ انسان میں انسانی ہمدردی کی بو باس تک باقی نہیں رہتی- ایک بے رحم اور بے پناہ درندہ بن کر رہ جاتا ہے- قرآن نے اسی حالت کو مرگی کے مرض سے تشبیہ دی ہے' جسے عربی میں شیطان کے مس سے تعبیر کرتے تھے- یعنی زر پرستی کے جوش سے تمام انسانی احساسات فنا ہو جاتے ہیں' اور پیسے کے پیچھے پاگل ہو کر رہ جاتا ہے!

علاوہ بریں سود کا طریقہ سرمایہ داری کی راہوں کو کھولتا اور بڑھاتا ہے اور اسلام کا رخ اس کے خلاف ہے- وہ دولت کو پھیلانا چاہتا ہے- چنانچہ "يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ" کہہ کر سود کی ممانعت کی علت ظاہر کر دی- دین حق کا مقصد یہ ہے کہ سود کو مٹائے- خیرات کے جذبہ کو ترقی دے- اگر خیرات کا جذبہ پوری طرح ترقی کر جائے تو سوسائٹی کا کوئی فرد محتاج و مفلس ہو ہی نہیں سکتا!

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا
تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۗ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ ع
كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

مسلمانو! اگر فی الحقیقت تم خدا پر ایمان رکھتے ہو تو اس سے ڈرو اور جس قدر سود مقروضوں کے ذمے باقی رہ گیا ہے' اسے چھوڑ دو۔ (۲۷۸)

اگر تم نے ایسا نہ کیا' تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ (کیونکہ ممانعت کے صاف صاف حکم کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا' اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف جنگ آزما ہو جانا ہے) اور اگر (اس باغیانہ روش سے) توبہ کرتے ہو تو پھر تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ اپنی اصلی رقم لے لو اور سود چھوڑ دو۔ نہ تو تم کسی پر ظلم کرو نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے۔ (۲۷۹)

اور اگر ایسا ہو کہ ایک مقروض تنگ دست ہے (اور فوراً قرض ادا نہیں کر سکتا) تو چاہیے کہ اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے۔ اور اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو تمہارے لیے بہتری کی بات تو یہ ہے کہ (ایسے تنگ دست بھائی کو) اس کا قرض بطور خیرات بخش دو۔ (۲۸۰)

اور دیکھو! اس دن (کی پرسش) سے ڈرو' جبکہ تم سب اللہ کے حضور لوٹائے جاؤ گے' اور پھر ایسا ہوگا کہ ہر جان نے (اپنے عمل سے) جو کچھ کمایا ہے اس کا بدلہ پورا پورا اسے مل جائے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ کسی کی بھی حق تلفی ہو۔ (۲۸۱) مسلمانو![1] جب کبھی ایسا ہو کہ تم خاص میعاد کے لیے ادھار لینے دینے کا معاملہ کرو تو چاہیے کہ لکھا پڑھی کر لو اور تمہارے درمیان ایک لکھنے والا ہو جو دیانت داری کے ساتھ دستاویز قلم بند کر دے۔ لکھنے والے کو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے کہ جس طرح اللہ نے اسے (دیانت داری کے ساتھ لکھنا) بتلا دیا ہے اس کے مطابق لکھ دے۔ اسے لکھ دینا چاہیے۔ لکھا پڑھی اس طرح ہو کہ جس کے ذمہ دینا ہے'

---

[1] چونکہ سود کے ذکر سے لین دین کا معاملہ چھڑ گیا تھا اس لیے اس کے ضروری احکام بھی بیان کر دیے گئے اور اس بارے میں لوگوں کی جہالت اور بدمعاملگی سے جو مفاسد پھیل گئے تھے ان کا ازالہ کر دیا گیا: (۱) لین دین جس قدر ہو لکھا پڑھی کے ساتھ ہو محض زبانی نہ ہو۔ (۲) ہر طرح کے لین دین کے لیے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۳) اگر کوئی فریق نابالغ یا بے سمجھ ہو تو اس کی جانب سے اس کا سرپرست وکالت کرے۔ (۴) کاتب کا فرض ہے کہ دیانت داری کے ساتھ اپنا فرض انجام دے۔ (۵) گواہوں کو گواہی دینے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ گواہی کا چھپانا معصیت ہے۔ (۶) اس کا بندوبست کرنا چاہیے کہ کاتب اور گواہ کو اہل غرض نقصان نہ پہنچا سکیں ورنہ نظام شہادت درہم برہم ہو جائے گا۔ (۷) اگر دو مرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد کے بدلے دو عورتیں گواہ ہو جائیں۔ ایک بھول جائے گی تو دوسری یاد دلا دے گی۔

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا
يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ
يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا
الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ
ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا
بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْھَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ

وہ مطلب بولتا جائے (اور کاتب لکھتا جائے) اور چاہیے کہ ایسا کرتے ہوئے اپنے پروردگار کا دل میں خوف رکھے- جو کچھ اس کے ذمے آتا ہے اس میں کسی طرح کی کمی نہ کرے ٹھیک ٹھیک لکھوادے-

اگر ایسا ہو کہ جس کے ذمے دینا ہے وہ بے عقل ہو یا ناتواں ہو (یعنی لین دین اور معاملہ کی سمجھ نہ رکھتا ہو) یا اس کی استعداد نہ رکھتا ہو کہ خود کہے اور لکھوائے تو اس صورت میں چاہیے اس کی جانب سے اس کا سرپرست دیانت داری کے ساتھ مطلب بولتا جائے-

اور (جو دستاویز لکھی جائے) اس پر اپنے آدمیوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ کر لو-

اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد (کے بدلے) دو عورتیں جنہیں تم گواہ کرنا پسند کرو- اگر (گواہی دیتے ہوئے) ایک بھول جائے گی دوسری یاد دلا دے گی-

اور جب گواہ طلب کیے جائیں تو گواہی دینے سے بچنا نہ چاہیں-

اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا جب تک میعاد باقی ہے دستاویز لکھنے میں کاہلی نہ کرو- اللہ کے نزدیک اس میں تمہارے لیے انصاف کی زیادہ مضبوطی ہے شہادت کو اچھی طرح قائم رکھنا ہے اور اس بات کا حتی الامکان بندوبست کر دینا ہے کہ (آئندہ) شک وشبہ میں نہ پڑو-

ہاں اگر ایسا ہو کہ نقد (لین دین) کا کاروبار ہو جسے تم (ہاتھوں ہاتھ) لیا دیا کرتے ہو تو ایسی حالت میں کوئی مضائقہ نہیں اگر لکھا پڑھی نہ کی جائے-

لیکن (تجارتی کاروبار میں بھی) سودا کرتے ہوئے گواہ کر لیا کرو (تاکہ خرید وفروخت کی نوعیت اور شرائط کے بارے میں بعد کو کوئی جھگڑا نہ ہو جائے)-

اور کاتب اور گواہ کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے (یعنی اس کا موقعہ نہ دیا جائے کہ اہل غرض ان پر دباؤ ڈالیں اور سچی بات کے اظہار سے مانع ہوں) اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہارے لیے گناہ کی بات ہوگی-

وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَ
إِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ
الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ
ع وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ
تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾
اٰمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ

اور چاہیے کہ (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو- وہ تمہیں (فلاح و سعادت کے طریقے) سکھلاتا ہے' اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے!- (۲۸۲)

اور اگر تم سفر[1] میں ہو اور (ایسی حالت ہو کہ باقاعدہ لکھا پڑھی کرنے کے لیے) کوئی کاتب نہ ملے' تو اس صورت میں ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز گرو رکھ کر اس کا قبضہ (قرض دینے والے کو) دے دیا جائے- پھر اگر ایسا ہو کہ تم میں سے ایک آدمی دوسرے کا اعتبار کرے' تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے (یعنی جس کا اعتبار کر کے گرو کی چیز اس کی امانت میں دے دی گئی ہے) وہ (قرض کی رقم لے کر مقروض کی) امانت واپس کر دے اور (اس بارے میں) اپنے پروردگار (کی پوچھ گچھ) سے بے خوف نہ ہو-

اور دیکھو' ایسا نہ کرو کہ گواہی چھپاؤ (اور کسی کے خوف یا طمع سے حقیقت کا اظہار نہ کرو) جو کوئی گواہی چھپائے گا' وہ اپنے دل میں گنہگار رہو گا (اگرچہ بظاہر لوگ اس کے جرم سے واقف نہ ہوں اور اسے بے گناہ سمجھیں) اور (یاد رکھو) تم جو کچھ بھی کرتے ہو' اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں! (۲۸۳)

آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کے لیے ہے- جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے' تم اسے ظاہر کرو' یا پوشیدہ رکھو ہر حال میں اللہ جاننے والا ہے- وہ تم سے ضرور اس کا حساب لے گا - اور پھر یہ اسی کے ہاتھ ہے کہ جسے چاہے بخش دے' جسے چاہے عذاب دے- وہ ہر بات پر قادر ہے! (۲۸۴)

اللہ کا رسول اس (کلام) پر ایمان رکھتا ہے جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر نازل ہوا ہے' اور جو لوگ (دعوت حق پر) ایمان لائے ہیں وہ بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں- یہ سب اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں- (ان کے ایمان کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں) ہم اللہ کے

---

[1] (۸) رہن' یعنی کوئی چیز گرو رکھ کر قرض لینے اور دینے کا حکم- مرہون چیز مالک کی چیز ہے- قرض دینے والے کے لیے جائز نہیں کہ اس کی واپسی سے انکار کرے-

[2] سورت کا اختتام اور دین حق کے اعتقاد و عمل کا خلاصہ- سورت کی ابتدا بھی اسی سے ہوئی تھی اور اختتام بھی اسی پر ہوتا ہے-

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع ۸

رسولوں میں سے کسی کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ اسے مانیں' دوسروں کو نہ مانیں- یا سب کو مانیں مگر کسی ایک سے انکار کر دیں- ہم خدا کے تمام رسولوں کی یکساں طور پر تصدیق کرنے والے ہیں) اور (یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں داعی حق نے پکارا تو) انہوں نے کہا خدایا! ہم نے تیرا حکم سنا اور ہم نے تیرے آگے اطاعت کا سر جھکا دیا- تیری مغفرت ہمیں نصیب ہو- خدایا! ہم سب کو تیری ہی طرف (بالآخر) لوٹنا ہے! (۲۸۵)

اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا- ہر جان کے لیے وہی ہے' جیسی کچھ اس کی کمائی ہے- جو کچھ اسے پانا ہے' وہ بھی اس کی کمائی سے ہے' اور جس کے لیے اسے جواب دہ ہونا ہے' وہ بھی اس کی کمائی ہے (پس ایمان والوں کی صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ) خدایا! اگر ہم سے (سعی و عمل میں) بھول چوک ہو جائے تو اس کے لیے نہ پکڑیو اور ہمیں بخش دیجیو! خدایا! ہم پر بندھنوں اور گرفتاریوں کا بوجھ نہ ڈالیو جیسا ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں! خدایا! ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوائیو جس کے اٹھانے کی ہم (ناتوانوں) میں سکت نہ ہو! خدایا! ہم سے درگزر کر! خدایا ہم پر رحم کر! خدایا! تو ہی ہمارا مالک و آقا ہے- پس ان (ظالموں) کے مقابلے میں جن کا گروہ کفر کا گروہ ہے' ہماری مدد فرما! (۲۸۶)

استدراک

(۱) قرآن کی انیس سورتیں ایسی ہیں جن کی ابتدا میں حروف مقطعات آئے ہیں- من جملہ ان کے سورۂ بقرہ ہے- ان حروف کو ان سورتوں کا نام یا عنوان سمجھنا چاہیے جن میں ان کے مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

(۲) زندگی کی تمام باتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں- بعض طبیعتیں محتاط ہوتی ہیں' بعض بے پروا ہوتی ہیں- جن کی طبیعت محتاط ہوتی ہے وہ ہر بات میں سمجھ بوجھ کر قدم اٹھاتے ہیں۔ اچھے برے' نفع و نقصان' نشیب و فراز کا خیال رکھتے ہیں- جس بات میں برائی پاتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں' جس میں اچھائی دیکھتے ہیں' اختیار کر لیتے ہیں۔ برخلاف اس کے جو لوگ بے پروا ہوتے ہیں' ان کی طبیعتیں بے لگام اور چھوٹ ہوتی ہیں جو راہ دکھائی دے گی چل پڑیں گے' جس کام کا خیال آ جائے گا' کر بیٹھیں گے' جو غذا سامنے آ جائے گی' کھا لیں گے' جس بات پر اڑنا چاہیں گے' اڑ بیٹھیں گے- اچھائی و برائی' نفع و نقصان' دلیل اور توجیہ' کسی بات کی بھی انہیں پروا نہیں ہوتی-

جس حالت کو ہم نے یہاں ''احتیاط'' سے تعبیر کیا ہے اسی کو قرآن ''تقویٰ'' سے تعبیر کرتا ہے- ''متقی'' یعنی ایسا آدمی جو اپنے فکر و عمل

میں بے پروا نہیں ہوتا - ہر بات کو درستی کے ساتھ سمجھنے اور کرنے کی کھٹک رکھتا ہے - برائی اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے اور اچھائی اور فائدہ کی جستجو رکھتا ہے - قرآن کہتا ہے ایسے ہی لوگ تعلیم حق سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کامیاب ہو سکتے ہیں!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے کہا " اَمَا سَلَكْتَ طَرِيْقًا ذَا شَوْكٍ؟ " "تم کبھی ایسے راستے میں نہیں چلے جس میں کانٹے ہوں؟" فرمایا ہاں کہا "فَمَا عَمِلْتَ؟" "اس حالت میں تم نے کیا کیا؟" فرمایا "شَمَّرْتُ وَاجْتَهَدْتُّ" "میں نے کوشش کی کہ کانٹوں سے بچ کر نکل جاؤں-" کہا "فَذَالِكَ التَّقْوٰى" "یہی تقویٰ کی حقیقت ہے!-"

(۳) انسان کے علم و ادراک کا ذریعہ حواس خمسہ ہیں یعنی دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی قوتیں۔ جو کچھ ان کے ذریعہ معلوم کر سکتا ہے اس کے لیے محسوس ہے - جو معلوم نہیں کر سکتا غیر محسوس ہے - قرآن نے اس مطلب کے لیے غیب اور شہادت کے الفاظ استعمال کیے ہیں - عالم غیب یعنی غیر محسوسات۔ عالم شہادت یعنی محسوسات - فرمایا خدا پرستی کی بنیاد یہ ہے کہ ان کے حقائق پر یقین رکھے جو اگرچہ اس کے لیے غیر محسوس و معلوم ہیں لیکن وجدان ان کی شہادت دیتا ہے اور وحی نے ان کی خبر دی ہے - مثلاً خدا کی ذات و صفات ملائکہ کا وجود وحی و نبوت مرنے کے بعد کی زندگی عذاب و ثواب دنیا کی ابتدائی پیدائش عالم آخرت کے احوال و واردات۔

سورۂ آل عمران میں مطالب قرآنی کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں - محکمات اور متشابہات۔ متشابہات سے مقصود وہی بیانات ہیں جن کا تعلق عالم غیب سے ہے - قرآن کہتا ہے جو لوگ علم کے پکے اور سمجھ کے سیدھے ہیں وہ ان امور پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی حقیقت معلوم کرنے کی کاوش میں نہیں پڑتے - کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ امور عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہیں - لیکن جو لوگ علم و بصیرت سے محروم ہیں - وہ ان میں کاوش کر کے فتنہ پیدا کر دیتے ہیں -

ہم ان امور پر کیوں یقین رکھیں؟ کیوں انہیں بے چون و چرا تسلیم کر لیں؟

اس لیے کہ بغیر اس کے زندگی کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا!

ہم وجدانی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ ہماری محسوسات کی سرحد سے آگے بھی کچھ ہونا چاہیے لیکن ہمیں علم و ادراک کے ذریعے کوئی یقینی بصیرت نہیں ملتی - اگر اس بارے میں یقین کی کوئی صدا ہے تو وہ صرف الہامی ہدایت کی صدا ہے - اگر ہم اس سے انکار کر دیں تو پھر ہمارے پاس جہل و تاریکی کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا -

ہم نے اس وقت تک علم و ادراک کے ذریعے اس بارے میں جو کچھ معلوم کیا ہے اس میں کوئی یقینی بصیرت ایسی نہیں ہے جو ان حقائق کے خلاف ہو -

ہم نے یہاں "یقینی بصیرت" کا لفظ اس لیے کہا کہ عالم غیب کے ان حقائق کے خلاف اس وقت تک جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ یا تو عدم علم کا اعتراف ہے جیسا کہ تمام حکمائے قدیم و جدید نے کیا یا پھر انکار ہے تو اس کی بنا تمام تر ظنون و تخمینات ہیں - کوئی ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے - قرآن کہتا ہے تم گمان و شک کا حربہ لے کر یقین اور بصیرت کا مقابلہ نہیں کر سکتے!

اس بارے میں کتنی ہی کاوش کی جائے لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا جو قرآن نے کہہ دیا ہے -

---

آیت ۷ کا مطالعہ کرتے ہوئے حسب ذیل نوٹ پر بھی نظر ڈال لی جائے -

قرآن کا جب ظہور ہوا تو قبولیت حق کی استعداد کے لحاظ سے تین طرح کے انسانی گروہ موجود تھے -

(۱) خدا پرست اور طالب حق گروہ - اس میں کچھ لوگ عرب کے موحدین میں سے تھے - کچھ یہودیوں اور عیسائیوں میں سے

راست باز انسان تھے- اس گروہ نے جونہی صدائے حق سنی' پہچان لیا اور قبول کرلیا-

(۲) عام مشرکین عرب جن کے پاس ایمان وخدا پرستی کی کوئی تعلیم موجود نہ تھی- محض رسوم واوہام کے پجاری اور تقلید آباواجداد کی مخلوق تھے- ان میں سے اکثروں کی طبیعتیں گمراہی وفساد کی پختگی سے اس درجہ مسخ ہوگئی تھیں کہ کتنی ہی اچھی بات کہی جائے' ماننے والے نہ تھے- چنانچہ وہ خود کہتے تھے'' تمہاری دعوت کے لیے نہ تو ہمارے دلوں میں جگہ ہے نہ کانوں میں سماعت- ہمارے اور تمہارے درمیان مخالفت کی ایک دیوار کھڑی ہوگئی ہے- ہم تمہاری بات سننے والے نہیں!'' (۴۱:۳)

(۳) اہل کتاب یعنی الہامی تعلیمات کے پیرو- ان میں سربرآوردہ گروہ یہودیوں اور عیسائیوں کا تھا- یہ دونوں جماعتیں ایمان و خدا پرستی کی مدعی تھیں' اتباع شریعت کا دم بھرتی تھیں' تورات اور انجیل کو کتاب الٰہی مانتی تھیں' اور اپنے سوا سب کو دین کی صداقت سے محروم سمجھتی تھیں' مگر دونوں نے ایمان وخدا پرستی کی حقیقت کھودی تھی اور اعتقاد وعمل کی تمام سچائیوں سے محروم ہوگئے تھے-

قرآن کہتا ہے پہلا گروہ میری تعلیم سے فیض یاب ہوگا- دوسرا ماننے والا نہیں- تیسرا اگرچہ ایمان کا مدعی ہے' مگر فی الحقیقت ایمان نہیں رکھتا- پھر جا بجا اہل کتاب کو مخاطب کیا ہے اور ان کی اعتقادی اور عملی گمراہیاں واضح کی ہیں' جن کی بنا پر' باوجود ادعائے ایمان' ان کے ایمان کی نفی کی گئی-

مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ جو حالت یہود ونصاریٰ کی قرآن نے بیان کی ہے' کیا ویسی ہی حالت خود ان کی بھی نہیں ہوگئی ہے؟ کیا قرآن کا یہ زہرہ گداز اعلان کہ ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ!'' خود ان پر بھی صادق نہیں آرہا ہے؟

یاد رہے کہ تیسرے گروہ کی یہ حالت نفاق سے تعبیر کی گئی ہے لیکن اس نفاق سے مقصود وہ نفاق نہیں ہے جو مکہ اور مدینے کے بعض منافقوں کا تھا کہ بظاہر مسلمان ہوگئے تھے- دل میں منکر تھے- وہ دوسرا گروہ ہے اور اس کا ذکر آل عمران اور نساء وغیرہا میں آئے گا-

نوٹ آیت ۱۶ تا ۱۹

یہ دونوں تمثیلیں تیسرے گروہ کی نفسیاتی حالت واضح کرتی ہیں- پہلی تمثیل ظاہر ہے- دوسری کا مطلب سمجھ لینا چاہیے- اس میں مرکب تشبیہ ہے- یعنی حالات کے ایک ملے جلے مجموعے کو ایک دوسرے مجموعہ حالات سے تشبیہ دی ہے-

(۱) بارش میں زمین اور زمین کی تمام مخلوقات کے لیے زندگی ہے' لیکن جب برستی ہے تو بادل گرجتے ہیں' بجلی چمکتی ہے' گھٹاؤں سے تاریکی چھا جاتی ہے- مستعد طبیعتیں یہ حالت دیکھ کر گھبراتی نہیں' اور سمجھ جاتی ہیں کہ یہ باران رحمت کی برکتوں کا پیش خیمہ ہیں- وہ کوشش کرتی ہیں کہ وقت کی برکت سے جس قدر فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے' اٹھالیں- لیکن جو لوگ دل کے کچے اور استعداد سے محروم ہوتے ہیں وہ بارش کی برکتوں کو تو بھول جاتے ہیں' اس کے ظہور کے ہنگاموں سے سہنے لگتے ہیں-

فرمایا' یہی حال ان محروموں کا ہے- یہ مدعیان ایمان وشریعت (یعنی اہل کتاب) دعوت حق کے منتظر تھے- لیکن جب ظاہر ہوئی اور قدرتی طور پر اس کے ساتھ ابتدائے ظہور کے مصائب ومحن بھی نمودار ہوئے' تو ان کی نظر اس کی برکتوں کی طرف نہیں گئی- مصائب ومحن کی آزمائشوں سے سہم کر رہ گئے- ٹھیک اس طرح' جیسے ایک بدبخت بارش کے موسم میں کاشت کاری کرنے کی جگہ بادل کی گرج سے ڈرا سہا کسی کونے میں دبکا پڑا ہو!

(۲) فرض کرو- ایک شخص اسی عالم میں جا رہا ہے- جب بجلی کی چمک سے راستہ دکھائی دیتا ہے تو دو ایک قدم چل لیتا ہے- جب غائب ہو جاتی ہے تو ٹھٹک کر رہ جاتا ہے- اس کے پاس نہ تو اس کی کوئی روشنی ہے جو راہ دکھائے- نہ عزم و ہمت ہے جو بڑھائے لے چلے!

فرمایا' یہی حال ان لوگوں کا ہے جو دین حق کی روشنی کھو چکے ہیں' اور جن کے دلوں میں خدا پرستی کی روح باقی نہیں رہی- یہ بات نہیں ہے کہ دوسرے گروہ کی طرح (یعنی مشرکین عرب کی طرح) چلتے نہ ہوں- چلتے ہیں' مگر اس طرح کہ جب کبھی بجلی کوندگئی' دو چار قدم اٹھا دیے- پھر وہی تاریکی ہے اور وہی سراسیمگی!

قرآن نے جا بجا ایمان کو روشنی سے تشبیہ دی ہے- مومن وہ ہے کہ ہمیشہ اس کی روشنی اس کے آگے راہنمائی کے لیے موجود ہو "یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ" (۵۷:۱۲)

نوٹ: آیت ۲۲۸

ساتویں صدی مسیحی میں جب اسلام کا ظہور ہوا تو دنیا اس حقیقت سے یک قلم نا آشنا تھی کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کے بھی کچھ حقوق ہو سکتے ہیں- منو کے قانون نے عورت کی ہستی صرف اس شکل میں دیکھی تھی کہ وہ مرد کے لیے پیدائش اولاد کا ذریعہ ہے' اور اس کی نجات اس پر موقوف ہوئی کہ مرد کی خدمت گزاری میں اپنی زندگی فنا کر دے- یہودی قانون عورت کو مرد کی جائداد تصور کرتا تھا اور خاندانی زندگی میں اس کی کوئی مستقل حیثیت نہ تھی- مسیحی کلیسا کا فیصلہ یہ تھا کہ انسان ہونے کے لحاظ سے مرد اور عورت یکساں نہیں ہیں- "انسان صرف مرد ہے اور عورت میں انسانی روح کی جگہ ایک دوسری روح بولتی ہے-" رومی قانون نے بھی' جو یورپ کے تمام قوانین عامہ کا ابتدائی سرچشمہ ہے' عورت کی جگہ مرد ـ-. بدر جہا نیچے دیکھی- خاندانی زندگی میں صرف باپ' بھائی' شوہر اور بیٹے کی حیثیتیں نمایاں ہوتی تھیں۔ ماں' بہن' بیوی اور بیٹی کے لیے کوئی جگہ نہ تھی-

جب کبھی "انسان" کا لفظ بولا جاتا تھا تو اس کا مخاطب مرد ہی کو سمجھا جاتا تھا- عورت مرد کے سایے میں جگہ پا سکتی تھی مگر اس کے ساتھ کھڑی نہیں ہو سکتی تھی-

یہودی اور مسیحی تصور نے "پیدائشی گناہ" کے عقیدے کا سارا بوجھ عورت کے سر ڈال دیا تھا- آدم کی لغزش کا باعث حوا ہوئی' اس لیے گناہ کا پہلا بیج عورت کے ہاتھوں پڑا اور وہی مرد کی گمراہی کے لیے شیطان کا آلۂ کار بنی تھی- اب ہمیشہ عورت کی ہستی میں گناہ کی دعوت ابھرتی رہے گی!

دماغی اور معاشرتی زندگی کے دائروں کی طرح مذہبی زندگی کے دائرے میں بھی عورت مرد کی ہمسر نہ ہو سکی- گویا انسانوں کی طرح خدا کا فیصلہ بھی اس کے خلاف گیا تھا!

لیکن قرآن نے صرف عورتوں کے حقوق کا اعتقاد ہی پیدا نہیں کیا بلکہ صاف صاف اعلان کر دیا کہ حقوق کے اعتبار سے دونوں کا درجہ ایک ہے- جس طرح مرد کے حقوق عورت پر ہوئے ٹھیک اسی طرح عورت کے حقوق بھی مرد پر ہوئے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ (۲:۲۲۸)

"اور حسن سلوک میں بیوی کے حقوق بھی اسی طرح شوہروں پر ہوئے جس طرح شوہروں کے بیویوں پر ہوئے-"

یعنی جس طرح عورتوں کو دینا ہے اسی طرح لینا بھی ہے- یہ نہیں ہو سکتا کہ مرد اپنے حق کا تو عورت سے مطالبہ کرے لیکن عورت کا حق بھلا

دے - اگر عورت مرد کے حقوق کی مقروض ہے تو اسی طرح مرد بھی عورت کے حقوق کا مقروض ہے!

قرآن نے یہ چار لفظ کہہ کر کہ ﴿ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ ﴾ انسان کی معاشرتی زندگی کے سب سے بڑے انقلاب کا اعلان کر دیا تھا - ان چار لفظوں نے عورت کو وہ سب کچھ دے دیا جو اس کا حق تھا مگر جو اسے کبھی نہیں ملا تھا - ان لفظوں نے اسے محرومی و شقاوت کی خاک سے اٹھایا اور عزت و مساوات کے تخت پر بٹھا دیا - پھر اس اسلوب بیان کی جامعیت اور معنویت پر غور کرو - زندگی و معاشرت کی کون سی بات ہے جو ان چار لفظوں میں نہیں آ گئی؟ اور کونسا رخنہ ہے جو بند نہیں کر دیا گیا؟

البتہ آگے چل کر یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ باوجود حقوق کی برابری کے ایک خاص درجہ مرد کے لیے ماننا پڑتا ہے:

﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (۲: ۲۲۹)

''البتہ عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کو ایک خاص درجہ ضرور حاصل ہوا -''

اس خاص درجہ سے مقصود کون سا درجہ ہے؟ اس کا جواب سورۂ نساء میں ہمیں مل جاتا ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ (۴: ۳۴)

''مرد عورتوں کے لیے کارفرما ہوئے - اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اس لیے کہ مرد اپنا مال (جو ان کی محنت سے جمع ہوتا ہے) عورتوں پر خرچ کرتے ہیں -''

یعنی خاندانی زندگی کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اگر کوئی فرد اس کا ''قوام'' یعنی ''بندوبست کرنے والا نہ ہو - یہ ''قوام'' ہستی کس کی ہوئی؟ شوہر کی یا بیوی کی؟ قرآن کہتا ہے' خاندانی زندگی کا نظام اس طرح چل رہا ہے کہ ''قوام'' ہستی کی جگہ شوہر کی ہو - بس اتنا ہی امتیاز ہے جو مرد کو عورت کے مقابلہ میں حاصل ہے - بشرطیکہ اس انتظامی ذمہ داری کو جو سرتاسر ایک بوجھ ہے وجہ امتیاز تسلیم کر لیا جائے -

یہ ظاہر ہے کہ اس امتیاز سے مرد کو کوئی پیدائشی امتیاز حاصل نہیں ہو جاتا - محض خاندانی نظام کا ایک خاص ڈھنگ ہے جس نے یہ جگہ اسے دلا دی ہے - فرض کرو متمدن انسانوں کا خاندانی نظام اس طرح چلنے لگتا کہ انتظام معیشت کی باگ مرد کی جگہ عورت کے ہاتھ آ جاتی' تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ امتیاز مرد کو نہ ملتا - عورت کے حصے میں آتا -

جہاں تک معیشتی اور مالیاتی استقلال کا تعلق ہے قرآن نے اس سے صاف انکار کر دیا کہ یہ استقلال صرف مردوں ہی کے حصے میں آیا ہے - اس نے قطعی لفظوں میں اعلان کر دیا کہ مرد کی کمائی مرد کے لیے ہوگی - عورت کی کمائی عورت کے لیے - عورت بیٹی ہو کر باپ سے الگ' بہن ہو کر بھائی سے الگ' بیوی ہو کر شوہر سے الگ مستقلاً اپنی کمائی کا انتظام کر سکتی ہے اور اس کی مالک ہو سکتی ہے -

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ﴾ (۴: ۳۲)

''مردوں نے جو کچھ کمائی کی' اس میں ان کا حصہ ہوا - عورتوں نے جو کچھ کمائی کی اس میں ان کا حصہ ہوا -''

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ جہاں تک جنسی درجہ اور حقوق کا تعلق ہے قرآن کے نزدیک دونوں جنسیں برابر ہوئیں - البتہ معیشت کی فراہمی کا کام نظام معاشرت نے مردوں کے سر ڈال دیا ہے اسی کو وہ ایک ''خاص درجہ'' سے تعبیر کرتا ہے - اصلاً یہ ایک طرح کا باہمی تقسیم عمل ہے - مرد کماتا ہے - عورت خرچ کرتی ہے -

قرآن کے تمام مخاطبات عام ہیں- وہ جب کبھی ﴿ یَاۤاَیُّھَا النَّاسُ ﴾ اور ﴿ یَاۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کہتا ہے تو یکساں طور پر دونوں جنسوں کو مخاطب کرتا ہے- اس نے مذہبی اعمال میں امتیاز کی کوئی لکیر ایسی نہیں کھینچی جسے عورت عبور نہ کر سکتی ہو- تمام اعمال وطاعات یکساں طور پر دونوں کے لیے ہیں- ایک نصف دوسرے نصف سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ 'تو کمتر ہے' میں بہتر ہوں-

خطابات اور بیانات میں آج کل یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ جب کبھی معاشرت و جمعیت کے اعتبار سے لوگوں کا ذکر کیا جائے تو مرد اور عورت دونوں کو یاد کر لیا جائے- مثلاً کہیں گے ''ہر مرد اور عورت کا یہ فرض ہے'' یا ''قوم ہر مرد اور عورت سے یہ امید رکھتی ہے'' ہر ایسا بیان جو اس تصریح سے خالی ہو ناقص بیان سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن نے آج سے تیرہ سو برس پہلے یہی اسلوب بیان اختیار کیا تھا: ﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ ﴾ (۳۳ : ۳۵)

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (۹ : ۷۱)

یورپ میں آج تک عورت اپنے ذاتی نام سے اپنی شخصیت نمایاں نہیں کر سکتی- جب تک شادی نہیں ہوئی مس ٹامسن ہے- جب شادی ہوگئی تو مسز جونس ہوگئی- یعنی خود اس کی شخصیت کوئی مستقل انفرادیت نہیں رکھتی- یا باپ کے سائے میں دکھائی دے گی یا شوہر کے- لیکن مسلمانوں کی معاشرتی تہذیب میں کبھی ایسا نا منصفانہ تخیل پیدا نہیں ہوا- عورت لڑکی ہو یا بیوی وہ ہمیشہ فاطمہ اور عائشہ ہی کی حیثیت سے نمایاں ہوگی- باپ اور شوہر کے سائے میں نہیں چھوڑ دی جائے گی- افسوس ہے کہ اب یورپ کی اندھی تقلید میں لوگ اس درجہ کھوئے گئے ہیں کہ اپنا قدیم طریقہ چھوڑ کر یورپ کا طریق تسمیہ اختیار کرتے جاتے ہیں- چنانچہ ہندوستان اور مصر وغیرہ میں یہ طریقہ عام ہو گیا ہے کہ ''مس'' اور ''مسز'' اور ''مادا موزیل'' اور ''مادام'' کی ترکیب سے جدید تعلیم یافتہ خواتین کو یاد کیا جائے گا- حالانکہ یورپ کا یہ طریقہ قرون وسطی کی غیر شائستہ ذہنیت کی یادگار ہے اور خود یورپ بھی اب اس کا خواہش مند نہیں کہ اس رسم کی عمر اور دراز کی جائے-

قرآن کے نزول سے پہلے عرب کا بھی وہی حال تھا جو اس بارے میں تمام دنیا کا تھا- لیکن قرآن کی تعلیم نے جو انقلاب حال پیدا کر دیا اس کی وضاحت کے لیے صرف ایک واقعہ کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں میں پہلی مرتبہ سیاسی خانہ جنگی برپا ہوئی تو ایک گروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قیادت میں میدان جنگ کا رخ کیا اور اس وقت کسی مسلمان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں گزری کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورت ہو کر ایک سیاسی اور فوجی تحریک کی قائد کیسے ہو سکتی ہیں؟ یورپ آج تک اس مسئلہ کی نزاع سے فارغ نہیں ہو سکا ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی تصویت (یعنی ملکی انتخابات میں ووٹ دینے) کا حق حاصل ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور انگلستان کی سفرے جسٹ (Suffragist) تحریک کا ہنگامہ تو ابھی کل کی بات ہے- لیکن جو مسلمان آج سے تیرہ سو برس پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے تھے ظاہر ہے کہ انہیں عورتوں کے اس حق کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا- جو لوگ مخالف تھے ان کی مخالفت بھی اصل مابہ النزاع معاملہ میں تھی- اس بارے میں نہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورت ہو کر ایک جنگ آزما سیاسی گروہ کی قائد کیونکر ہو سکتی ہیں-

✲ ✲ ✲

اٰیَاتُھَا: 200 سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا: 20

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ① اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ② نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى
عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ⑤ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ

الف-لام-میم-(۱) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں-کوئی نہیں مگر اسی کی ایک ذات الحی[ا] (یعنی زندہ کہ اس کے لیے زوال وفنا نہیں) القیوم (کہ کائنات ہستی کی ہر چیز اس سے قائم ہے-وہ اپنے قیام کے لیے کسی کا محتاج نہیں) (۲) اسی نے تم پر سچائی کے ساتھ الکتاب نازل کی (یعنی قرآن نازل کیا) اس سے پہلے جس قدر کتابیں نازل ہو چکی ہیں-ان سب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے (ان سے الگ نہیں ہے) اور اسی (حی وقیوم ذات) نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے تورات اور انجیل نازل کی تھی-(۳) نیز اس نے الفرقان (یعنی نیک وبد اور حق وباطل میں امتیاز کرنے والی قوت) بھی نازل فرمائی-

جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں (اور حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیتے ہیں) تو (یاد رکھیں) انہیں (پاداش عمل میں) سخت عذاب ملنے والا ہے' اور اللہ سب پر غالب اور (مجرموں کو) سزا دینے والا ہے!:(۴)

بلاشبہ اللہ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں-(۵) خواہ زمین میں ہو خواہ آسمان میں-یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ جس طرح چاہتا ہے' ماں کے شکم میں تمہاری صورت (کاڈیل ڈول اور ناک نقشہ) بنا دیتا ہے (اور قبل اس کے کہ دنیا میں قدم رکھو تمہاری حالت

[ا] اللہ "الحی" ہے-یعنی زندہ ہے-اس کے لیے فنا وزوال نہیں-"القیوم" ہے-یعنی ہر چیز اس سے قائم ہے-وہ اپنے قیام کے لیے کسی کا محتاج نہیں-اس کے حی وقیوم ہونے کا مقتضی یہی تھا کہ انسان کی زندگی وقیام کی تمام احتیاجات مہیا کر دے-احتیاجات دو طرح کی ہیں-جسمانی اور روحانی-اس نے جس طرح پہلی کا انتظام کیا' اسی طرح دوسری کا بھی سروسامان کیا-

روحانی احتیاجات کے لیے انسان کو دو چیزیں دی گئیں-الکتاب اور الفرقان-الکتاب خدا کی وحی ہے جو ہدایت وسعادت کی طرف رہنمائی کرتی ہے-الفرقان جوہر عقل ہے جو اسے سمجھتا اور قبول کرتا ہے-پہلی چیز تعلیم ہے' دوسری تعلیم کی استعداد ہے-پہلی ہدایت کی قوت فاعلہ ہے دوسری منفعلہ-

سنت الٰہی اس بارے یہ ہے کہ جو لوگ کفر وسرکشی کے ساتھ الکتاب کا مقابلہ کرتے ہیں اور الفرقان یعنی جوہر عقل وتمیز سے کام نہیں لیتے تو ان کے لیے دنیا میں نامرادی ہوتی ہے اور آخرت میں عذاب!

جس حی وقیوم کی کارفرمائیوں کا یہ حال ہے کہ انسان کو پیدائش سے پہلے اس کی مناسب وموزوں صورت دے دیتا ہے کیا ضروری نہیں کہ پیدائش کے بعد اس کی روحانی فلاح وسعادت کی بھی صورت آرائی کر دیتا؟-

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝٦ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ
الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ
ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ (وقف لازم، وقف منزل، وقف النبی)
رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝٧ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ

وضرورت کے مطابق تمہیں ایک موزوں صورت مل جاتی ہے) یقیناً کوئی معبود نہیں ہے، مگر وہی غالب وتوانا (کہ اسی کے حکم وطاقت سے سب کچھ ظہور میں آتا ہے) حکمت والا (کہ انسان کی پیدائش سے پہلے شکم مادر میں اس کی صورت آرائی کر دیتا ہے!)(٦)

(اے پیغمبر!) وہی[1] (حی وقیوم ذات) ہے جس نے تم پر الکتاب نازل فرمائی ہے-اس میں ایک قسم تو محکم آیتوں کی ہے (یعنی ایسی آیتوں کی جو اپنے ایک ہی معنی میں اٹل اور ظاہر ہیں) اور وہ کتاب کی اصل وبنیاد ہیں-دوسری قسم متشابہات کی ہے (یعنی جن کا مطلب کھلا اور قطعی نہیں ہے) تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے (اور سیدھے طریقے پر بات نہیں سمجھ سکتے) وہ (محکم آیتیں چھوڑ کر) ان آیتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو کتاب اللہ میں متشابہ ہیں-اس غرض سے کہ فتنہ پیدا کریں اور ان کی حقیقت معلوم کر لیں، حالانکہ ان کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا-(کیونکہ ان کا تعلق اس عالم سے ہے جہاں تک انسان کا علم وحواس نہیں پہنچ سکتا) مگر جو لوگ علم میں پکے ہیں، وہ (متشابہات کے پیچھے نہیں پڑتے وہ) کہتے ہیں ''ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے'' اور حقیقت یہ ہے کہ (تعلیم حق سے) دانائی حاصل نہیں کرتے مگر وہی جو عقل وبصیرت رکھنے والے ہیں!(٧)

(ان ارباب عقل وبصیرت کی صدائے حال ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ) ''خدایا! ہمیں سیدھے رستے لگا دینے کے بعد ہمارے

---

[1] اس اصل عظیم کا بیان کہ کتاب اللہ کی تعلیم ہمیشہ دو اصولی قسموں پر مشتمل ہوتی ہے-محکم اور متشابہ-محکم سے مقصود وہ مطالب ہیں جو اصل وبنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لیے انسانی عقل کے لیے صاف صاف اور کھلے احکام ہیں-مثلاً توحید ورسالت-اوامر ونواہی-حلال وحرام-متشابہ سے مقصود وہ مطالب ہیں جن کا تعلق ماورائے عقل حقائق سے ہے اور انسان علم وحواس کے ذریعہ ان کا ادراک نہیں کر سکتا-مثلاً خدا کی ہستی، مرنے کے بعد کی زندگی، عالم آخرت کے احوال، عذاب وثواب کی حقیقت-پس ناگزیر طور پر ان کا بیان ایسے پیرایہ میں کیا جاتا ہے کہ فہم انسانی کے لیے ناقابل برداشت نہ ہو اور اس لیے تشبیہ ومجاز سے خالی نہیں ہوتا-اگر ایک شخص کج فہمی سے کاوش کرنی چاہے تو طرح طرح کے معانی ومباحث کے احتمالات پیدا کر لے سکتا ہے-

پس جو لوگ سمجھ کے سیدھے اور علم میں پکے ہوتے ہیں، وہ محکمات کو اصل سمجھتے ہیں کہ عمل وہدایت کے لیے کافی ہیں اور متشابہات کے پیچھے نہیں پڑتے کہ ان میں کاوش سود مند عمل نہیں، علم کے رسوخ اور معرفت کے کمال سے یہ حقیقت ان پر کھل جاتی ہے کہ متشابہات کی حقیقت کا ادراک عقل انسانی کی پہنچ سے باہر ہے-وہ خلاف عقل نہیں ہیں مگر ماورائے عقل ہیں-انسان ان پر یقین کر سکتا ہے-مگر ان کی حقیقت نہیں پا سکتا-پس وہ کہتے ہیں جو کچھ بھی اللہ کے کلام میں ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس سے آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے!

لیکن جن لوگوں کی سمجھ میں کجی ہوتی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ایمان ویقین کے لیے فتنہ پیدا کر دیتے ہیں-

رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ
الْمِيْعَادَ ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ ع
اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ⑩ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ
اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑪ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ
وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى

دلوں کو ڈانواڈول نہ کر' اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما! یقیناً تو ہی ہے کہ بخشش میں تجھ سے بڑا کوئی نہیں۔(۸)

"خدایا (عالم آخرت کے معاملات ہماری عقل نارسا میں آئیں یا نہ آئیں لیکن) اس میں کوئی شک نہیں کہ تو ایک دن سب کو اپنے حضور جمع کرنے والا ہے- (یہ تیرا وعدہ ہے اور) یقیناً تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوسکتا" (۹)

جن لوگوں[1] نے (ایمان وراست بازی کی جگہ) کفر کی راہ اختیار کی ہے تو (وہ یاد رکھیں) انہیں اللہ کی پکڑ سے نہ تو ان کی دولت بچا سکے گی (جس کی کثرت کا انہیں گھمنڈ ہے) نہ آل اولاد (جو دنیا کی مصیبتوں مشکلوں میں ان کے کام آتی رہتی ہے) یہ وہ لوگ ہیں کہ آتش عذاب کا ایندھن بن کر رہیں گے-(۱۰)

ان لوگوں کا بھی وہی ڈھنگ ہوا جو فرعون کے گروہ کا تھا' اور ان لوگوں کا تھا جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں- انہوں نے اللہ کی نشانیاں جھٹلائیں- تو اللہ نے بھی پاداش عمل میں انہیں پکڑ لیا اور (یاد رکھو) وہ (جرموں کی سزا دینے میں) بہت ہی سخت سزا دینے والا ہے-(۱۱)

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے' ان سے کہہ دو "وہ وقت دور نہیں جب (آل فرعون کی طرح) تم بھی (غلبہ حق سے) مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہنکائے جاؤ گے- اور (جس گروہ کا آخری ٹھکانا جہنم ہو' تو اس کا ٹھکانا) کیا ہی برا ٹھکانا ہے-(۱۲)

بلاشبہ[2] تمہارے لیے ان دو گروہوں میں (کلمہ حق کی فتح مندیوں کی) بڑی ہی نشانی تھی' جو (بدر کے میدان میں) ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے- اس وقت ایک گروہ تو (مٹھی بھر بے سروسامان مسلمانوں کا تھا جو) اللہ کی راہ میں

---

[1] جن لوگوں نے الکتاب (یعنی قرآن) کا معاندانہ مقابلہ کیا ہے تو انہوں نے سرکشی وجحود کی وہی روش اختیار کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آل فرعون نے اختیار کی تھی اور وہ وقت دور نہیں' جب ان کے لیے بھی وہی ہوگا جو آل فرعون کے لیے ہوا تھا اور دنیا دیکھ لے گی کہ آخرت کی فتح مندی کس کا ساتھ دیتی ہے؟

[2] جنگ بدر کا نتیجہ اس معاملہ کی ابتدا تھا تاہم فیصلہ کن تھا- اگر عبرت پذیری کی استعداد فنا نہ ہوگئی ہوتی تو ان لوگوں کے تنبہ کے لیے کافی تھا!☆

☆ اہل مکہ کے مظالم سے مجبور ہو کر پیغمبر اسلام نے ہجرت کی اور مدینہ آ بسے- لیکن قریش مکہ نے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا- ہجرت کے دوسرے سال ایک لشکر تیار ہوا اور مدینہ پر حملہ آور ہوگیا- مسلمان بھی مدینہ سے نکلے اور بدر نامی ایک کنویں کے پاس لڑائی ہوئی- جنگ بدر سے مقصود یہی لڑائی ہے مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی اور دشمن ان سے تین گنا زیادہ تھے لیکن نصرت الٰہی نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور دشمنوں کو نہایت ذلت بخش شکست ہوئی-

كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً
لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ
اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا
عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

لڑ رہا تھا - دوسرا منکرین حق کا تھا جنہیں مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ان سے دو چند ہیں (بایں ہمہ منکرین حق کو شکست ہوئی) اور اللہ جس کسی کو چاہتا ہے' اپنی نصرت سے مددگاری پہنچاتا ہے - بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو چشم بینا رکھتے ہیں' اس معاملہ میں بڑی عبرت ہے - (۱۳)

انسان[۱] کے لیے مرد و عورت کے رشتہ میں' اولاد میں' چاندی سونے کے ذخیروں میں' چنے ہوئے گھوڑوں میں' مویشی میں اور کھیتی باڑی میں دل کا اٹکاؤ اور خوش نمائی رکھ دی گئی ہے - (اس لیے قدرتی طور پر تمہیں بھی ان چیزوں کی خواہش ہوگی) لیکن یہ جو کچھ ہے دنیوی زندگی کا فائدہ اٹھانا ہے اور بہتر ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے - (۱۴)

(اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو - میں تمہیں بتلاؤں - زندگی کے ان فائدوں سے بھی بہتر تمہارے لیے کیا ہے؟ جو لوگ متقی ہیں ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس (نعیم ابدی کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اس لیے کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے - پاک بیویاں ان کے ساتھ ہوں گی - اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ) اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی - اور (یاد رکھو) اللہ اپنے بندوں کا حال دیکھ رہا ہے - (۱۵)

(یہ متقی انسان وہ ہیں) جو کہتے ہیں "خدایا! ہم تجھ پر ایمان لائے' پس ہمارے گناہ بخش دیجیو اور عذاب جہنم سے ہمیں بچا لیجیو!" (۱۶)

(شدت و مصیبت میں) صبر کرنے والے' (قول و عمل میں) سچے' خشوع و خضوع میں پکے' نیکی کی راہ میں خرچ کرنے والے' اور رات کی آخری گھڑیوں میں (جب تمام دنیا خواب سحر کے مزے لوٹتی ہے) اللہ کے حضور کھڑے ہونے والے اور اس کی مغفرت کے طلب گار - (۱۷)

---

[۱] پیروان دعوت حق کو موعظت کہ اپنی دنیوی بے سروسامانی سے دل برداشتہ نہ ہوں - اصلی دولت ایمان و عمل کی دولت ہے - اگر یہ حاصل ہے تو دنیوی سروسامان خود بخود حاصل ہو جائیں گے -

ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ خدا کی حکمت کا یہی ڈھنگ ہوا کہ بیوی بچوں اور دھن دولت میں آدمی کے لیے دل کا لگاؤ ہو - پس یہ زندگی کے فطری علاقے ہیں اور خدا کی مرضی یہی ہے کہ قائم رہیں -

متقی انسانوں کی خصلتیں اور ان کے ایمان و عمل کی سیرت (کریکٹر) -

النصف

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ
الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا
بَيْنَهُمْ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَ مَنِ
اتَّبَعَنِ ؕ وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ

اللہ[1] نے اس بات کی گواہی آشکارا کر دی کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف اسی کی ذات یگانہ عدل کے ساتھ (تمام کارخانہ ہستی میں) تدبیر وانتظام کرنے والی - فرشتے بھی (اپنے اعمال سے) اسی کی شہادت دیتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو علم رکھنے والے ہیں - ہاں کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی ایک - طاقت وغلبہ والا (کہ اسی کی تدبیر سے تمام کارخانہ ہستی قائم ہے -) حکمت والا (کہ اسی نے عدل کی بنیاد پر اس کارخانہ کا ہر گوشہ استوار کر دیا ہے!) (۱۸)

بلاشبہ "الدین" (یعنی دین) اللہ کے نزدیک "الاسلام" ہی ہے اور یہ جو اہل کتاب نے آپس میں اختلاف کیا (اور گروہ بندیاں کر کے الگ الگ دین بنا لیے) تو (یہ اس لیے نہیں ہوا کہ اس دین کے سوا انہیں کسی دوسرے دین کی راہ دکھلائی گئی تھی یا دین کی راہ مختلف ہو سکتی ہے بلکہ اس لیے کہ علم کے پانے کے بعد وہ اس پر قائم نہیں رہے اور پس کی ضد وعناد سے الگ الگ ہو گئے - اور یاد رکھو جو کوئی اللہ کی آیتوں سے انکار کرتا ہے (اور ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دیتا ہے) تو اللہ (کا قانون جزا) بھی حساب لینے میں سست رفتار نہیں! (۱۹)

پھر[2] اگر یہ لوگ تم سے جھگڑا کریں تو (اے پیغمبر!) تم کہہ دو میرے اور میرے پیروؤں کا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیا ہے (یعنی ہماری راہ خدا پرستی کے سوا اور کچھ نہیں ہے) اور اہل کتاب اور (عرب کے) ان پڑھ لوگوں سے پوچھو تم بھی اللہ کے آگے جھکتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ جھک جائیں تو (سارا جھگڑا ختم ہو گیا اور) انہوں نے راہ پالی، اگر روگردانی کریں تو پھر (جن لوگوں کو خدا پرستی ہی سے انکار ہو اور محض گروہ بندی کے تعصب کو دین داری سمجھ رہے ہوں ان کے لیے دلیل وموعظت کیا سودمند ہو

---

[1] دین الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے قانون کی اطاعت کی جائے - اللہ کا قانون کیا ہے؟ میزان عدل کا قیام ہے جس پر تمام کائنات عالم چل رہا ہے - اس کی معرفت یوں حاصل ہو سکتی ہے کہ کائنات ہستی کی گواہی پر غور وتدبر کیا جائے - شہادتیں تین ہیں - اللہ کی یعنی اللہ کی وحی کی - ملائکہ کی یعنی مدبرات ارضی وسماوی کی - اولوا العلم کی یعنی اصحاب علم وبصیرت کی -

یہ تینوں شہادتیں اعلان کر رہی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس نے تمام کارخانہ ہستی میزان عدل پر استوار کیا ہے -

انسان کو اول دن سے ایک ہی دین دیا گیا ہے اور وہ یہی الاسلام ہے - تمام رہنمایان عالم نے ہمیشہ اسی کی تعلیم دی اور تفرقہ و اختلاف سے روکا - یہود اور نصاریٰ کا باہمی تفرقہ اور گروہ بندی اس لیے پیدا ہوئی کہ انہوں نے اصل دین سے انحراف کیا اور آپس کی ضد اور تعصب میں پڑ گئے -

[2] یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب سے اتمام حجت کہ اصل دین خدا پرستی ہے - ساری باتیں چھوڑ دو، یہ بتلاؤ، تمہیں خدا پرستی سے اقرار ہے یا انکار؟ اگر اقرار ہے تو سارا جھگڑا ختم ہو گیا - کیونکہ اسلام کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے - اگر انکار ہے تو پھر جن مدعیان مذہب کو خدا پرستی ہی سے انکار ہو ان سے بحث ونزاع کیا سودمند ہو سکتی ہے؟

ع ۲ / ۱۰ الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ يَقْتُلُوْنَ
الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۱ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ
فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۲ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ
اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ
تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَ غَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۴ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ

سکتی ہے؟) تمہارے ذمے جو کچھ ہے وہ پیام حق پہنچا دینا ہے اور اللہ اپنے بندوں کے حال سے غافل نہیں- وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے! (۲۰)

جو لوگ[۱] اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور اس کے نبیوں کے ناحق قتل میں چھوٹ ہیں- نیز ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں' جو حق و عدالت کا حکم دینے والے ہیں تو (ایسے خوش اعمال لوگوں کے لیے اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ) انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری پہنچا دو! (۲۱)

یہی لوگ ہیں جن کا کیا دھرا دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت گیا' اور کوئی نہیں جو ان کا مددگار ہو گا- (۲۲)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت نہیں دیکھی' جنہیں کتاب اللہ کے علم میں سے کچھ حصہ ملا ہے (یعنی یہودیوں کے علما کی جو رات دن تورات کی تلاوت کرتے رہتے ہیں) انہیں خدا کی کتاب کی طرف بلایا گیا کہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے -اس پر بھی ایک گروہ اس سے صاف روگرداں ہے اور اصل یہ ہے کہ کتاب اللہ کی طرف سے ان سب کے رخ ہی پھرے ہوئے ہیں! -(۲۳)

اور ان[۲] کی یہ حالت اس لیے ہوئی کہ انہوں نے کہا دوزخ کی آگ ہمیں کبھی نہیں چھوئے گی- اور اگر چھوئے گی بھی تو گنتی کے چند دنوں کے لیے (یعنی ہم نجات یافتہ امت ہیں- اگر ہم میں سے کوئی آدمی جہنم میں ڈالا بھی جائے گا تو اس لیے نہیں کہ عذاب میں پڑا رہے' بلکہ اس لیے کہ گناہ کے میل کچیل سے پاک وصاف ہو کر پھر جنت میں جا داخل ہو) تو یہ جو وہ خدا پر افترا پردازی کرتے رہے ہیں' اس نے انہیں دین کے بارے میں مبتلائے فریب کر دیا ہے- (۲۴)

لیکن اس وقت ان کا حال کیا ہو گا جب قیامت کے دن' جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں' ہم انہیں اپنے حضور جمع

---

۱ یہودیوں کی قومی گمراہیوں اور بدعملیوں کی طرف اشارہ- جس گروہ کی ذہنیت اس درجہ مسخ ہو گئی ہو کہ حق وعدالت کی دشمن اور ظلم وفساد کی پرستار ہو اس سے قبولیت حق کی کیا امید ہو سکتی ہے-

علمائے یہود کی یہ گمراہی کہ جس کتاب کو کتاب الٰہی مانتے تھے اور اس کے علم و عمل کے مدعی تھے' جب اسی کتاب پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی' تو صاف انکار کر گئے- کیونکہ اس کے احکام پر عمل کرنا ان کی نفسانی خواہشوں اور مطلب براریوں کے خلاف تھا-

۲ یہ صورت حال اس لیے ہے کہ مذہبی گروہ بندی کے غرور نے ان میں یہ زعم فاسد پیدا کر دیا ہے کہ ہم نجات یافتہ امت ہیں- ہمارے اعمال کیسے ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہم جہنم میں نہیں ڈالے جائیں گے حالانکہ خدا کا قانون نجات تو یہ نہیں دیکھے گا کہ کون کس گروہ بندی میں سے ہے اور کس کا نسب کس سے ملتا ہے؟ وہ تو صرف ایمان وعمل دیکھے گا' اور جس کا جیسا عمل ہو گا' ویسا ہی نتیجہ اسے پیش آئے گا-

لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ
الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ
بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ
الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾ لَا يَتَّخِذِ
الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ
اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ
صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

کریں گے' اور ہر جان نے (اپنے عمل سے) جیسا کچھ کمایا ہے' اسی کے مطابق اسے پورا پورا بدلہ ملے گا' اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہوگی؟ (۲۵)

(اے پیغمبر۱ تم اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردو اور) کہو- ''خدایا! شاہی و جہاں داری کے مالک! تو جسے چاہے' ملک بخش دے جس سے چاہے ملک لے لے- جسے چاہے عزت دے دے' جسے چاہے ذلیل کردے! تیرے ہی ہاتھ میں ہر طرح کی بھلائی کا سررشتہ ہے' اور تیری قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں! (۲۶) ہاں' تو ہی ہے کہ رات کو دن میں لے آتا ہے اور دن کو رات میں- جان دار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جان دار سے- اور جسے چاہتا ہے (اپنے خزانہ کرم سے) بے حساب بخش دیتا ہے!'' (۲۷)

جو لوگ۲ ایمان والے ہیں' انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ مومنوں کو چھوڑ کر منکرین حق کو اپنا رفیق و مددگار بنائیں اور جس کسی نے ایسا کیا' تو وہ یاد رکھے' اس کا اللہ کے ساتھ کوئی سروکار نہیں رہا- ہاں' اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ تم ان کے شر سے بچنے کے لیے اپنا بچاؤ کرنا چاہو اور کرلو' (تو ایسا کرسکتے ہو) اور دیکھو' (انسان کے شر سے ڈرتے ہوئے یہ حقیقت نہ بھولو کہ) خدا بھی تمہیں اپنے (مؤاخذہ) سے ڈرا رہا ہے اور آخر کار (تم سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے! (۲۸)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو تمہارے دلوں کے اندر جو کچھ ہے تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو' ہر حال میں اللہ اسے خوب جانتا ہے اور (اتنا ہی نہیں' بلکہ) آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے' سب اس پر روشن ہے اس کی قدرت کے احاطہ سے کوئی چیز باہر

۱ بہر حال اب وقت آگیا ہے کہ دنیا ہی میں حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے- جسے اٹھنا ہے' وہ اٹھ کھڑا ہو- جسے گرنا ہے وہ گرا دیا جائے!

۲ چونکہ اب فیصلہ کا وقت آگیا ہے اس لیے پیروان اسلام سے خطاب کہ راہ عمل میں سرگرم ہو جائیں اور کمزوری نہ دکھائیں- اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے شخصی علاقوں کو جماعتی علاقوں پر ترجیح نہ دیں اور دشمنوں کو اپنا مددگار و رفیق نہ بنائیں-
میدان جنگ گرم ہو چکا ہے- دوست اور دشمن کی دو صفیں الگ الگ کھڑی ہو گئی ہیں- پس ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ اپنے لیے کوئی ایک صف اختیار کرلے اور جسے اختیار کرلے اسی کا ہو رہے- یہ نہ ہو کہ ایک میں ہو کر دوسرے سے بھی ساز باز رکھے-

قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ
بَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ ع ۳
فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ
نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ

نہیں!-(۲۹) (اور دیکھو اس آنے والے دن کو نہ بھولو) جس دن ہر انسان دیکھے گا کہ جو کچھ اس نے (دنیا میں) نیک عملی کی تھی، اس کے سامنے موجود ہے (یعنی اس کا اجر اسے مل رہا ہے) اور جو کچھ برائی کی تھی، وہ بھی اس کے سامنے ہے- اس دن وہ آرزو کرے گا کہ اے کاش! اس میں اور اس دن میں ایک بڑی مدت حائل ہو جاتی (کہ یہ درد انگیز نتیجہ اس کے سامنے نہ آتا!) اور دیکھو، خدا تمہیں اپنے (مواخذہ) سے ڈراتا ہے (تاکہ اس کی نافرمانی سے بچو) اور وہ اپنے بندوں کے لیے بڑی ہی مہربانی رکھنے والا ہے!(۳۰)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں[۱] سے کہہ دو، اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو تمہیں چاہیے کہ میری پیروی کرو- اگر تم نے ایسا کیا، تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہاری خطائیں بخش دے گا- وہ بڑا ہی بخشنے والا، رحمت رکھنے والا ہے-(۳۱)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو (فلاح و سعادت کی راہ تمہارے لیے ایک ہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ) اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو- پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو اللہ کفر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا!-(۳۲) بلاشبہ (یہ واقعہ ہے کہ) اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ اور عمرانؑ کے گھرانوں کو تمام دنیا میں برگزیدگی عطا فرمائی-(۳۳) یہ ایک نسل تھی جس میں سے بعض، بعض سے پیدا ہوئے تھے اور اللہ (دعائیں) سننے والا اور (مصالح عالم کا) جاننے والا ہے!(۳۴)

اور دیکھو جب ایسا ہوا تھا کہ عمران کی بیوی نے دعا مانگی تھی- ''خدایا! میرے شکم میں جو بچہ ہے میں اسے (دنیا کے کام دھندوں اور ماں باپ کی خدمت سے) آزاد کر کے تیرے (مقدس ہیکل کے) لیے نذر کر دیتی ہوں (یعنی نذر مانتی ہوں کہ اسے ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی) سو میری طرف سے یہ نیاز قبول کر لے- بلاشبہ تو (دعائیں) سننے والا اور (نیتوں کا حال) جاننے والا ہے!-(۳۵)

پھر جب ایسا ہوا کہ (لڑکے کی جگہ) لڑکی پیدا ہوئی تو وہ بولی ''خدایا! میرے تو لڑکی ہوئی ہے (اب میں کیا کروں؟'')

---

[۱] جو کوئی اللہ سے محبت رکھنے کا دعوے دار ہے- تو اسے چاہیے اللہ کے رسول کی پیروی کرے- اللہ کی محبت کا دعویٰ اور اس کی راہ بتلانے والے کی پیروی سے انکار ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے- خدا کا قانون یہ ہے کہ ہدایت خلق کے لیے اپنے رسولوں کو مبعوث کرتا ہے- جو ان کی پیروی و اطاعت کرتے ہیں کامیاب ہوتے ہیں- جو انکار و سرکشی سے مقابلہ کرتے ہیں، اس کی نصرت سے محروم رہتے ہیں-

☆☆ چنانچہ اسی قانون کے ماتحت اللہ کے رسول ہمیشہ مبعوث ہوتے رہے اور ہمیشہ ایک ہی طرح کا نتیجہ ظہور میں آیا- پیروی و اطاعت کرنے والوں نے کامیابی پائی اور مقابلہ کرنے والوں نے نامرادی! اللہ کے رسولوں میں سے حضرت یحییٰ اور حضرت مسیح (علیہما السلام) کی دعوت سے استشہاد اور اس سلسلہ میں حضرت مریم (علیہا السلام) کی پیدائش کا ذکر-

رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ
اِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝۳۶ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا
حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ
هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۷ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ
قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝۳۸ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ
فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ
الصّٰلِحِيْنَ ۝۳۹ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ

حالانکہ جو وجود پیدا ہوا تھا' اللہ اسے بہتر جاننے والا تھا (کہ لڑکی ہونے پر بھی بڑی فضیلت رکھنے والا تھا۔ لیکن اس کی ماں نے کہا میں نے لڑکے کے لیے نذر مانی تھی' پیدا ہوئی لڑکی)'' اور لڑکا مثل لڑکی کے نہیں ہے (کہ اگر اس کی جگہ لڑکی پیدا ہوگئی ہو' تو وہ ہیکل کی مجاور ہو سکے۔ خیر' جو کچھ بھی ہو) میں نے اس کا نام مریمؑ رکھا ہے' اور میں اسے اور اس کی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں کہ شیطان رجیم (کی وسوسہ اندازیوں) سے محفوظ رہے!'' (۳۶)

پس ایسا ہوا[۱] کہ مریم کو اس کے پروردگار نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ قبول کر لیا اور ایسی نشوونما دی جو بڑی ہی اچھی نشوونما تھی (یعنی اس کی پرورش بہتر سامانوں اور نیک نگرانیوں میں ہوئی) اور زکریا کو (کہ ہیکل کا مجاور تھا) اس کا نگران حال بنا دیا۔ جب کبھی ایسا ہوتا کہ زکریا اس کے پاس محراب میں (یعنی قربان گاہ میں) جاتا (جہاں وہ سرگرم عبادت رہا کرتی تھی) تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں موجود پاتا۔ اس پر وہ پوچھتا ''اے مریم! یہ چیزیں تجھے کہاں سے مل گئیں؟'' وہ کہتی ''اللہ سے۔ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دے دیتا ہے!'' (۳۷)

اسی جگہ[۲] کا یہ معاملہ ہے۔ (یعنی قربان گاہ کا) کہ زکریا نے اپنے پروردگار کے حضور دعا مانگی تھی ''خدایا! تو اپنے خاص فضل سے مجھے پاک نسل عطا فرما (جو مریم کی طرح نیک اور عبادت گزار ہو) بلاشبہ تو ہی ہے کہ دعائیں سننے والا اور التجائیں قبول کرنے والا ہے!'' (۳۸)

پھر ایسا ہوا کہ فرشتوں نے زکریا کو پکارا' اور وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا ''خدا تجھے یحیٰی کی (یعنی ایک لڑکے کی جو پیدا ہوگا اور اس کا نام یحیٰی رکھا جائے) بشارت دیتا ہے' وہ خدا کے حکم سے ایک ہونے والے ظہور کی تصدیق کرنے والا' جماعت کا سردار' پارسا' اور خدا کے صالح بندوں میں سے ایک نبی ہوگا'' (۳۹)

زکریاؑ نے جب یہ سنا تو کہا ''خدایا میرے یہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟'' حکم الٰہی ہوا ''اسی طرح' اللہ جو چاہتا ہے (۴۰) (اس کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں'')

[۱] حضرت مریم کا بچپنے میں ہیکل کے سپرد ہونا اور حضرت زکریا کی نگرانی میں پرورش پانا اور کم سنی میں زاہدانہ اور خدا پرستانہ توکل!
[۲] حضرت زکریا (علیہ السلام) کی دعا اور حضرت یحیٰی علیہ السلام کی پیدائش کہ ظہور مسیح کا مقدمہ تھی۔

يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَ
ع اذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَ
طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَ ارْكَعِيْ مَعَ
الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ
يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ
بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ڰ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ

اس پر زکریا نے عرض کیا ''خدایا! اس بارے میں میرے لیے کوئی بات بطور نشانی کے ٹھہرا دے'' ارشاد ہوا ''نشانی یہ ہے کہ تین دن تک بات چیت نہ کر مگر صرف اشارے سے (یعنی روزہ رکھ جیسا کہ اس زمانے میں دستور تھا) اور اپنے پروردگار کا کثرت کے ساتھ ذکر کر اور صبح و شام اس کی حمد وثنا میں مشغول رہ''۔(۴۱)

اور پھر جب[1] ایسا ہوا تھا کہ فرشتوں نے کہا تھا ''اے مریم! اللہ نے تجھے اپنی قبولیت کے لیے چن لیا ہے اور (برائیوں کی آلودگی سے) پاک کر دیا ہے اور تمام دنیا کی عورتوں پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔ اے مریم! اب تو اپنے پروردگار کی اطاعت و نیاز میں سرگرم ہو جا اور رکوع و سجود کرنے والوں کے ساتھ تو بھی رکوع و سجود میں مشغول رہ''۔(۴۳)

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم تم پر وحی کر رہے ہیں ورنہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ تم اس وقت ان لوگوں کے پاس موجود نہ تھے جب (مریم کی ماں مریم کو لے کر ہیکل میں آئی تھی اور ہیکل کے مجاور) اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے کہ (قرعہ ڈال کر فیصلہ کر لیں) کون مریم کا کفیل ہو اور (یقیناً) تم اس وقت بھی موجود نہ تھے جب وہ (مریم کی کفالت کے لیے) آپس میں جھگڑ رہے تھے! (۴۴)

اور[2] (پھر) جب ایسا ہوا کہ فرشتوں نے کہا ''اے مریم! اللہ تجھے اپنے کلام کے ذریعے (ایک لڑکے کی) بشارت دیتا ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ ہوگا اور مریم کا بیٹا کہلاوے گا۔ وہ دنیا و آخرت دونوں میں ارجمند ہوگا اور بچپنے میں اور بڑی عمر میں' یکساں طور پر (وعظ و ہدایت کا) کلام کرے گا۔ نیز اللہ کے حضور پہنچا ہوا اور اس کے بندوں میں سے ایک صالح انسان ہوگا''۔(۴۶)

مریم (نے یہ بشارت سنی تو متعجب ہو کر) بولی ''خدایا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا تک

---

[1] حضرت مریم کا بلوغ اور اللہ کی طرف سے برگزیدگی و قبولیت کی بشارت
حضرت مریم کے سوانح حیات کے بعض ایسے جزئی واقعات جن کا علم پیغمبر اسلام کو بغیر وحی الٰہی کے نہیں ہو سکتا تھا۔

[2] حضرت مریم کو حضرت مسیح (علیہ السلام) کی پیدائش کی بشارت

بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۖ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَ يُعَلِّمُهُ
الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ
رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ
الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۖ
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ
بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَ
رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۖ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى

نہیں؟'' ارشاد الٰہی ہوا کہ ''اسی طرح اللہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے - وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور پھر جیسا کچھ اس نے چاہا تھا ویسا ہی ظہور میں آ جاتا ہے!'' - (۴۷)

''اور (اے مریم!) اللہ اس (ہونے والے لڑکے) کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرمائے گا - نیز تورات اور انجیل کا - اور اسے بنی اسرائیل کی طرف بحیثیت رسول کے بھیجے گا-'' (۴۸)

(''اس کی منادی[1] یہ ہوگی کہ) دیکھو! میں تمہارے پروردگار کی نشانی لے کر تمہارے پاس آیا ہوں - میں تمہارے لیے مٹی سے ایسی چیز بنا دوں جو پرند کی سی صورت رکھتی ہو - پھر اس میں پھونک ماروں اور وہ اللہ کے حکم سے پرند ہو جائے - اور اللہ کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کر دوں اور مردوں کو زندہ، اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے جمع کرتے ہو سب تمہیں بتلا دوں اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھنے والے ہو تو یقیناً ان باتوں میں تمہارے لیے بڑی ہی نشانی ہے!-'' (۴۹)

''اور دیکھو[2] میں اس لیے آیا ہوں کہ تورات کی جو میرے سامنے موجود ہے تصدیق کروں اور بعض چیزیں جو تم پر حرام ہو گئی ہیں انہیں تمہارے لیے حلال کر دوں (تاکہ شریعت کی سختیوں کی جگہ اس کی آسانیوں کی راہ تم پر کھل جائے) اور دیکھو میں تمہارے پروردگار کی نشانی لے کر تمہارے پاس آیا ہوں (جس کی مقدس نوشتوں میں خبر دی جا چکی ہے) تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو!'' (۵۰)

''دیکھو! اللہ میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے - پس اس کی بندگی کرو یہی دین کا سیدھا راستہ ہے!'' (چنانچہ اس بشارت کے مطابق مسیح کا ظہور ہوا اور اس نے بنی اسرائیل کی آبادیوں میں منادی شروع کر دی) - (۵۱)

پھر جب[3] ایسا ہوا کہ عیسیٰ نے بنی اسرائیل میں (اپنی دعوت کے خلاف) کفر محسوس کیا تو وہ پکار اٹھا ''کون ہے جو اللہ کی راہ

---

[1] حضرت مسیح (علیہ السلام) کا ظہور اور ان کی منادی

[2] تمام رسولوں کی طرح حضرت مسیح (علیہ السلام) بھی اس لیے نہیں آئے تھے کہ پچھلی تعلیمات کو جھٹلائیں بلکہ اس لیے کہ اس کی تصدیق کریں۔ کیونکہ اصل دین ہر زمانے اور ہر گروہ کے لیے ایک ہی ہے۔

[3] یہودیوں کے سرداروں اور پیشواؤں کا حضرت مسیح کی مخالفت میں سرگرم ہو جانا اور صرف حواریوں کا ایمان لانا جو چند گنے ⇐

اللّٰهِؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِۚ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ
اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ
الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِؗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْؕ

میں میرا مددگار ہوتا ہے؟'' اس پر حواریوں نے (یعنی چند راست باز انسانوں نے جو مسیح پر ایمان لائے تھے) اس کی دعوت قبول کرتے ہوئے جواب دیا ''ہم اللہ کے (کلمہ حق کے) مددگار ہیں- ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور (اے داعی حق) تو گواہ رہیو کہ اس کی فرمانبرداری میں ہمارا سر جھک گیا ہے!-'' (۵۲)

(نیز انہوں نے کہا) ''خدایا جو کچھ تو نے نازل کیا ہے اس پر ہمارا ایمان ہے اور ہم نے تیرے رسول کی پیروی کی- پس ہماری گنتی بھی ان لوگوں میں ہو جو (حق کی) شہادت دینے والے ہیں!'' (۵۳)

اور پھر ایسا[۱] ہوا کہ یہودیوں نے (مسیح کے خلاف) مکر کیا (یعنی مخفی اور باریک طریقے مخالفت کے کام میں لائے) اور خدا بھی ویسے ہی طریقے کام میں لایا (یعنی مسیح کی حفاظت کے پوشیدہ اسباب و ذرائع پیدا کر دیے) اور یاد رکھو (اللہ جسے بچانا چاہے تو) مخفی طریقوں سے کام لینے والوں میں اس سے بہتر کوئی نہیں! (۵۴)

اور (پھر) جب ایسا ہوا تھا کہ اللہ نے فرمایا تھا ''اے عیسیٰ! میں تیرا وقت پورا کروں گا' تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا' تیرے منکروں (کی تہمتوں) سے تجھے پاک کر دوں گا' اور جن لوگوں نے تیری پیروی کی ہے انہیں قیامت تک تیرے منکروں پر برتری دوں گا- اور بالآخر سب کو (قیامت کے دن) میری ہی طرف لوٹنا ہے- اس دن ان باتوں کا فیصلہ کر دوں گا جن میں لوگ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہے ہیں!'' - (۵۵)

''پھر جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو انہیں دنیا و آخرت دونوں جگہ سخت عذاب دوں گا' اور (عذاب الٰہی سے بچانے میں) کوئی بھی ان کا مددگار نہ ہوگا- (۵۶)

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کے عمل بھی نیک ہیں تو ان کا اجر انہیں پورا پورا مل جائے گا اور خدا ظلم کرنے والوں کو

⇦ ہوئے بے مقدور اور شکستہ حال اشخاص تھے-

[۱] یہودیوں کی حضرت مسیح کے خلاف مخفی اور پر پیچ سازش مگر اللہ کا انہیں ناکام کرنا اور حضرت مسیح کو اپنی حفاظت میں لے لینا-
حضرت مسیح کی نسبت خدا کا وعدہ کہ:
(۱) میں تیرا وقت پورا کروں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا-
(۲) تیرے منکروں نے تیرے خلاف جو افترا پردازیاں کی ہیں ان سے تیری پاکی آشکارا کر دوں گا-
(۳) جو لوگ تیرے ماننے والے ہیں' انہیں تیرے منکروں پر قیامت تک برتر رکھوں گا-

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥٧ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝٥٨ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ
كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝٥٩ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝٦٠ فَمَنْ
حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَ
اَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝٦١ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ
اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٦٢ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝٦٣ ۧ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ ع

دوست نہیں رکھتا'' (۵۷)

(اے پیغمبر!) یہ اللہ کی آیتیں اور حکمت والے تذکرے ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔ (۵۸)

اللہ کے نزدیک[1] تو عیسیٰ ایسا ہی ہے جیسے آدم' مٹی سے پیدا کیا' پھر اس کی بناوٹ کے لیے حکم فرمایا کہ ہو جاؤ' اور (جیسا کچھ خدا کا ارادہ تھا اسی کے مطابق) ہو گیا! ۔ (۵۹)

(اے پیغمبر! مسیح کے انسان ہونے کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے' تو) یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے امر حق ہے (اور جو بات خدا کی طرف سے حق ہو وہ ثابت اور اٹل حقیقت ہے۔ کبھی مٹنے والی نہیں) تو دیکھو' ایسا نہ ہو کہ شک وشبہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ! ۔ (۶۰) پھر جو کوئی تم سے اس بارے میں جھگڑا کرے' حالانکہ علم ویقین تمہارے سامنے آ چکا ہے تو تم اس سے کہو (میرے پاس مسیح کے انسان ہونے کے لیے علم ویقین موجود ہے۔ اگر تم بھی اس کی خدائی کے لیے ویسا ہی علم ویقین رکھتے ہو' تو) آؤ (یوں فیصلہ کر لیں کہ) ہم دونوں فریق (میدان میں نکلیں اور) اپنے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں' اور خود بھی شریک ہوں۔ پھر عجز ونیاز کے ساتھ خدا کے حضور التجا کریں' (ہم دونوں میں سے جس کا دعویٰ جھوٹا ہو' تو) جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار! ۔ (۶۱)

(اے پیغمبر!) یہ جو کچھ بیان کیا گیا بلاشبہ بیان حق ہے اور کوئی معبود نہیں ہے' مگر صرف اللہ کی ذات یگانہ' اور یقیناً اسی کی ذات ہے جو سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والی ہے! ۔ (۶۲)

پھر اگر یہ لوگ (فیصلہ کا یہ طریقہ) قبول نہ کریں (اور مباہلہ سے گریز کر جائیں) تو اللہ مفسدوں کا حال خوب جانتا ہے۔ (۶۳)

(اے پیغمبر!) تم[2] (یہود اور نصاریٰ سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! (اختلاف ونزاع کی ساری باتیں چھوڑ دو) اس بات

---

[1] عیسائیوں کی اس گمراہی کا ذکر کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا اعتقاد باطل پیدا کر لیا حالانکہ تمام بنی آدم کی طرح وہ بھی ایک انسان تھے اور خدا نے انہیں اپنی رسالت کے لیے چن لیا تھا۔

ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ اگرچہ مسیحی کلیسا نے صدیوں سے الوہیت مسیح کا اعتقاد قائم کر رکھا ہے اور تمام دنیا میں پھیل گیا ہے لیکن قرآن کی دعوت اس کے برخلاف کامیاب ہو کر رہے گی کیونکہ یہ اعتقاد حقیقت کے خلاف ہے۔

عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت کہ اگر انہیں الوہیت مسیح کے اعتقاد پر یقین ہے تو پیغمبر اسلام کے مقابلہ میں آئیں' اور دونوں فریق خدا سے دعا مانگیں جو ناحق پر ہو' اس پر خدا کی لعنت ہو! چنانچہ نجران سے عیسائیوں پیشواؤں کی جو جماعت مدینہ آئی تھی پیغمبر اسلام نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی مگر انہیں مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی' اور اطاعت کا اقرار کر کے واپس چلے گئے۔

[2] مباہلہ کی دعوت کے بعد رفع نزاع اور اتمام حجت کی دوسری دعوت:

اگر تمہاری مخالفت محض تعصب ونفسانیت کی وجہ سے نہیں ہے اور دین وحق پرستی کی کچھ بھی طلب باقی ہے' تو آؤ اختلاف ونزاع کی ساری ⇦

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ
اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٥﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا
لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ
يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ

کی طرف آ ؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لیے یکساں طور پر مسلم ہیں- یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں- کسی کی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں' ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے' گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنالیا ہے- پھر اگر یہ لوگ (اس بات سے) روگردانی کریں تو تم کہہ دو "گواہ رہنا کہ (انکار تمہاری طرف سے ہے) اور ہم خدا کے ماننے والے ہیں"- (۶۴)

اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں حجت کرتے ہو (کہ ان کا طریقہ یہودیت کا طریقہ تھا یا نصرانیت کا طریقہ تھا) حالانکہ تورات اور انجیل (جن کے نام پر یہ گروہ بندیاں کی گئی ہیں) نازل نہیں ہوئی ہیں مگر اس کے بہت بعد (پس ظاہر ہے کہ جس گروہ بندی کا اس وقت وجود ہی نہ تھا' وہ کیونکر اس کا پیرو ہو سکتا ہے؟) کیا (اتنی موٹی سی بات بھی) تم نہیں سمجھ سکتے؟ (۶۵) دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ تم نے ان باتوں میں جھگڑا کیا' جن کے لیے (کچھ نہ کچھ) تمہارے پاس علم موجود تھا (مثلاً بعض چیزوں کی حلت و حرمت کی نسبت کہ تمہارا خیال کتنا ہی غلط ہو' تاہم ان کے لیے مذہبی روایتوں سے سند لانے کی کوشش کرتے تھے) تو اب اس بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو' جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں اور اللہ (سب کچھ) جانتا ہے' تم کچھ نہیں جانتے- (۶۶)

ابراہیم نہ تو یہودی تھا اور نہ نصرانی (اور نہ کسی دوسری مذہبی جتھا بندی کا پیرو) بلکہ (اپنے عہد کی تمام گمراہیوں سے) ہٹا ہوا خدا کا فرمانبردار بندہ! اور یقیناً اس کی راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہ تھی- (۶۷)

فی الحقیقت ابراہیم سے نزدیک تر لوگ تو وہ تھے' جو اس کے قدم بقدم چلے- نیز اللہ کا یہ نبی ہے اور وہ لوگ جو اس نبی پر

⇐ باتیں چھوڑ دیں اور توحید و خدا پرستی کی ان بنیادی صداقتوں پر متفق ہو جائیں جو خود تمہارے یہاں بھی مسلم ہیں اگرچہ عملاً فراموش کردی گئی ہیں' یعنی:

(۱) خدا کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں- (۲) جو کچھ اس کے لیے ہے اس میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے-

(۳) کوئی انسان دوسرے انسان کو اپنے لیے ایسا مقدس اور معصوم نہ بنالے گویا اسے خدا بنالیا ہے-

توحید و خدا پرستی کا یہی طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تھا- یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیاں اور ان کے عقائد و رسوم سب بعد کی پیداوار ہیں' اور دین ابراہیمی سے انحراف کا نتیجہ ہیں- اگر یہود و نصاریٰ اس بارے میں حجت کرتے ہیں اور کہتے ہیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا طریقہ یہودیت یا نصرانیت کا طریقہ تھا تو یہ جہل و تعصب کی انتہا ہو گئی- کیونکہ یہ بات تو کسی بحث و دلیل کی محتاج نہیں کہ حضرت ابراہیم کے زمانے میں ان گروہ بندیوں کا وجود ہی نہ تھا' اور نہ ہو سکتا تھا- یہ گروہ بندیاں حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح (علیہما السلام) کے نام پر کی گئی ہیں اور یہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سیکڑوں برس بعد ہوئے ہیں-

لِلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع ۸ / ۱۵
وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا
اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى
اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

ایمان لائے ہیں (نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے دین الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیاں کر لی ہیں اور توحید کی راہ سے منحرف ہوگئے ہیں) اور یاد رکھو اللہ انہی کا مددگار ہے جو (سچا) ایمان رکھنے والے ہیں! -(۶۸)

(اے پیروان دعوت حق) اہل کتاب میں ایک گروہ ہے جو اس بات کا آرزومند ہے کہ کسی طرح تمہیں راہ حق سے بھٹکا دے (اور دین ابراہیمی کی پیروی میں تمہارے قدم استوار نہ رہیں) لیکن یاد رکھو وہ تمہیں گمراہ کرنے کی سازشیں کر کے تمہیں نہیں خود اپنے ہی کو گمراہی میں ڈالے ہوئے ہیں - اگرچہ (شدت جہل و نفسانیت سے) اس کا شعور نہیں رکھتے! -(۶۹)

اے اہل کتاب! یہ کیا ہے کہ تم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہو حالانکہ اس کی نشانیاں تمہارے سامنے ہیں[۱]! اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملا جلا کر مشتبہ کر دیتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اصلیت کیا ہے) -(۷۱)

اور (دیکھو) اہل کتاب[۱] میں ایک گروہ ہے جو کہتا ہے (مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے) ایسا کرو کہ صبح ان کی کتاب پر ایمان لے آؤ شام کو انکار کر دو - اس طرح عجب نہیں وہ (لوگوں کو اسلام سے پھرتے ہوئے دیکھ کر خود بھی) پھر جائیں -(۷۲)

اور (وہ آپس میں کہتے ہیں) ''دیکھو ان لوگوں کے سوا جو تمہارے دین کی پیروی کرنے والے ہوں اور کسی کی بات نہ مانو (اگرچہ وہ کتنی ہی اچھی بات کیوں نہ کہتا ہو'' - اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہہ دو، ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (اور وہ کسی خاص گروہ اور نسل کی میراث نہیں ہے کہ اور کسی کا اس میں حصہ نہ ہو - جو انسان بھی اس پر چلے گا ہدایت یافتہ ہوگا) -(۷۳)

(اور وہ کہتے ہیں ''یہ بات بھی نہ مانو کہ جیسا کچھ دین تمہیں دیا گیا ہے ویسا کسی دوسرے انسان کو ملا ہو یا یہ کہ تمہارے پروردگار کے حضور تمہارے خلاف کسی کی حجت چل سکتی ہو'' (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو فضل و بخشش تو اللہ کے ہاتھ ہے - وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے مالا مال کر دیتا ہے - وہ بڑی ہی وسعت رکھنے والا اور (اہل و نا اہل کو) جاننے

---

[۱] اہل کتاب کی مذہبی زندگی کی شقاوتوں کی طرف اشارہ کہ خدا کی آیتوں سے انکار، حق کو باطل سے ملا دینا اور سچائی کو چھپانا ان کا عام شیوہ ہے - اہل کتاب کی بنیادی گمراہی کہ انہوں نے دین و صداقت کو صرف اپنی نسل و گروہ ہی کا ورثہ سمجھ رکھا ہے اور کہتے ہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص ہمارے گروہ میں سے نہ ہو اور پھر دین و صداقت رکھتا ہو یا کسی فرد اور قوم کو ہم سے بہتر دین و صداقت کی کوئی بات مل سکے - جو کچھ ملنا تھا ہمیں مل چکا اور خدا کے خزانہ فیضان و رحمت پر مہر لگ گئی!

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ
تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ بَلَىٰ
مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا
قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا

والا ہے!''-(۷۳)

''وہ جس کسی کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے نزول کے لیے چن لیتا ہے- اس کا فضل بڑا ہی فضل ہے-(۷۴)

اور اہل کتاب[1] میں کچھ آدمی تو ایسے دیانت دار ہیں کہ اگر تم چاندی سونے کا پورا ڈھیر بھی ان کی امانت میں چھوڑ دو' تو وہ تمہارے حوالے کر دیں- لیکن ان میں ایک گروہ ایسا ہے کہ اگر ایک روپے کے لیے بھی ان پر بھروسہ کرو' تو کبھی تمہیں واپس نہ دیں- جب تک (تقاضے کے لیے) ہمیشہ ان کے سر پر کھڑے نہ رہو!

(ان لوگوں میں یہ بدمعاملگی) اس لیے (پیدا ہوگئی) کہ وہ کہتے ہیں' اُمیوں سے معاملہ کرتے ہوئے (ہم جو کچھ بھی کریں) ہمارے لیے کوئی مؤاخذہ نہیں (یعنی مشرکین عرب جو ہمارے ہم مذہب نہیں ہیں' ان کے ساتھ دیانت داری برتنا ضروری نہیں) لیکن (فی الحقیقت ایسا کہہ کر) وہ اللہ پر تہمت باندھتے ہیں' اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ حقیقت حال کیا ہے؟(۷۵)

ہاں (ان سے مؤاخذہ ہو اور ضرور ہو- کیونکہ خدا کا قانون تو یہ ہے کہ) جو کوئی اپنا قول و قرار سچائی کے ساتھ پورا کرتا ہے اور (لین دین میں) پرہیزگار رہتا ہے (خواہ کسی مذہب اور گروہ کے ساتھ ہو) تو خدا کی پسندیدگی انہی لوگوں کے لیے ہے جو پرہیزگار رہتے ہیں-(۷۶)

(یاد رکھو) جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ (متاع دنیا کی) ایک حقیر قیمت کے لیے اللہ کا عہد (جو ان سے نیک عملی و دیانت داری کے لیے لیا گیا تھا) اور خود اپنی قسمیں (جو یقین دلانے کے لیے کھاتے ہیں) فروخت کر ڈالتے ہیں (اور دیانت داری کی جگہ خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں) تو یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا - نہ تو قیامت کے دن اللہ ان

---

[1] اہل کتاب کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کہ سمجھتے تھے' لین دین میں دیانت داری کے جس قدر بھی دینی احکام ہیں' وہ صرف اسی لیے ہیں کہ اپنے ہم مذہب آدمیوں کے ساتھ بدمعاملگی نہ کی جائے- لیکن اگر ایک آدمی دوسرے مذہب اور گروہ کا ہو' تو اس کے ساتھ سچائی اور دیانت سے پیش آنا کچھ ضروری نہیں- جس طرح بھی ہم کافروں کا مال کھالیں ہمارے لیے جائز ہے-

لیکن قرآن کہتا ہے- دیانت تو ہر حال میں دیانت ہے' اور خیانت ہر حال میں خیانت ہے- دین و مذہب کے اختلاف سے اچھائی اور برائی کے حقائق معطل نہیں ہو جا سکتے - جو شخص بددیانتی کرتا ہے خواہ کسی اعتقاد اور کسی گروہ کے آدمی کے ساتھ کرے گناہ ہے' اور وہ قیامت کے دن خدا کی بخشش و رحمت سے محروم رہے گا-

يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ
وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَ
هُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا
عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾
وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾ ع ۸ ۹ / ۱۶

سے کلام کرے گا' نہ ان پر اس کی نظر التفات پڑے گی' نہ گناہوں کی آلودگی سے پاک کیے جائیں گے- بس ان کے لیے عذاب ہوگا' عذاب دردناک! (۷۷)

اور[1] (دیکھو) اہل کتاب میں (ان کے عالموں اور پیشواؤں کا) ایک گروہ ہے جو کتاب اللہ پڑھتے ہوئے اس میں الٹ پھیر کرتے ☆ (اور اس کا مطلب کچھ سے کچھ بنا دیتے) ہیں تاکہ تم خیال کرو' جو کچھ یہ سنا رہے ہیں کتاب اللہ میں سے ہے' حالانکہ وہ قطعاً کتاب اللہ (کے احکام میں) سے نہیں ہوتا' اور وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ جو کچھ تمہیں بتایا گیا ہے' یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا- وہ اللہ کے نام سے جھوٹ بولتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں! (۷۸)

کسی انسان کو یہ بات سزاوار نہیں کہ اللہ اسے (انسان کی ہدایت کے لیے) کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور پھر اس کا شیوہ یہ ہو کہ لوگوں سے کہے' خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (یعنی خدا کے احکام کی جگہ میرے حکموں کی اطاعت کرو) بلکہ چاہیے کہ ربانی انسان (یعنی خلق اللہ کے مرشد و مربی) بنو- اس لیے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیتے رہتے ہو- اور اس لیے بھی کہ اس کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہو- (۷۹) ایک ربانی انسان کبھی تمہیں اس بات کا حکم نہیں دے گا کہ فرشتوں یا نبیوں کو اپنا پروردگار بنالو- (اور جس طرح اپنے پروردگار کے آگے جھکتے ہو' اسی طرح ان کے آگے بھی جھکو) کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں کفر کرنے کا حکم دے' حالانکہ تم مسلم (یعنی خدا کے تابع فرمان) ہو چکے ہو؟ (۸۰)

---

[1] اصل یہ ہے کہ اہل کتاب کے علماء و مشائخ کی گمراہیوں نے تمام قوم کو روح ہدایت سے محروم کر رکھا ہے ان میں عالموں اور فقیہوں کا ایک گروہ ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتا اور اس کی شرح و تفسیر بیان کرتا ہے لیکن ہوائے نفس سے اس کے معانی میں تحریف کر دیتا ہے' عوام سمجھتے ہیں یہ خدا کی کتاب کا بیان ہے حالانکہ وہ خدا کی کتاب کا بیان نہیں ہے' ان کی رایوں کی افترا پردازیاں ہیں-

اہل کتاب کے علماء و مشائخ نے بندگان الٰہی کو اپنا غلام سمجھ رکھا ہے اور ہدایت کی جگہ خدائی کرنے لگے ہیں- عوام سمجھتے ہیں کہ نیک و بد' حلال و حرام اور جنت و دوزخ کا تمام اختیار انہی کے قبضے میں ہے حالانکہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ کے احکام کی جگہ انسان کے گھڑے ہوئے احکام کی اطاعت کرے- اگر اللہ نے اپنے کسی بندے کو کتاب و نبوت عطا فرمائی ہے تو اس لیے عطا فرمائی ہے کہ احکام الٰہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے اس لیے نہیں کہ اپنی بندگی کرائے-

---

☆ یہ "يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ" کا ترجمہ ہے- عربی میں لیَّ اللسان بِالْكِتابِ کے معنی کلام کے الٹ پھیر کرنے اور اس کے معانی میں تحریف کرنے کے ہیں نہ کہ محض زبان مروڑنے کے- چنانچہ سورۂ نساء میں یہی لیَّ لسان تحریف کلام کے معنی میں آیا ہے "مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ" (۴:۴۶)

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَ نَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ
وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ
لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا
هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

اور یعقوب کی اولاد پر نازل ہوا‘ اس پر ایمان رکھتے ہیں- نیز جو کچھ موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور خدا کے تمام نبیوں کو خدا کی طرف سے ملا ہے‘ اس سب پر بھی ہمارا ایمان ہے- ہم ان رسولوں میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں) ہم خدا کے فرماں بردار ہیں (اس کی سچائی جہاں کہیں بھی اور جس کی زبانی بھی آئی ہو سچائی ہے‘ اور ہم اس کی اطاعت کرنے والے ہیں!) (۸۴)

اور (دیکھو) جو کوئی اسلام کے سوا (جو تمام رہنمایان حق کی تصدیق و پیروی کی راہ ہے) کسی دوسرے دین کا خواہشمند ہو گا تو وہ کبھی قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت کے دن اس کی جگہ ان لوگوں میں ہوگی جو تباہ و نامراد ہوں گے! (۸۵)

یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ ایک ایسے گروہ پر (کامیابی کی) راہ کھول دے جس نے ایمان کے بعد کفر کی راہ کھول دی تھی کہ اللہ کا رسول برحق ہے اور (حقیقت کی) روشن دلیلیں اس کے سامنے واضح ہو گئی تھیں؟ اللہ کا قانون تو یہ ہے کہ وہ ظلم کرنے والے گروہ پر (سعادت کی) راہ نہیں کھولتا! (۸۶)

ان لوگوں کو (ان کے ظلم و شرارت کا) جو بدلہ ملنے والا ہے وہ تو یہ ہے کہ ان پر اللہ کی‘ فرشتوں کی‘ انسانوں کی‘ سب کی لعنت برس رہی ہے- (۸۷) اس حالت میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے- نہ تو ان کا عذاب کبھی کم ہوگا‘ نہ کبھی مہلت پائیں گے! (۸۸)

ہاں جن لوگوں نے اس حالت کے بعد بھی توبہ کر لی اور اپنے کو سنوار لیا تو بلاشبہ اللہ رحمت والا اور (اپنی رحمت بے حساب سے) بخش دینے والا ہے! - (۸۹)

ل جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ دین حقیقی کی ہدایت پا کر پھر دیدہ و دانستہ منحرف ہو گئے اور سچائی کی دلیل اور حقیقت کی کوئی نشانی بھی ان کے لیے عبرت و بصیرت کا موجب نہ ہو سکی اور جو آج بھی محض ضد اور شرارت سے دعوت حق کا معاندانہ مقابلہ کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی اصلاح و ہدایت کی کوئی امید باقی نہیں رہی- دنیا میں ذلت و رسوائی کی اور آخرت میں دائمی عذاب کی راہ انہوں نے اپنے لیے پسند کر لی ہے-

جزا قانون مکافات کا لازمی نتیجہ ہے- یعنی برائی ایک ایسی حالت ہے جس کا نتیجہ برا ہے- اچھائی ایک ایسی حالت ہے جس کا نتیجہ اچھا ہے- پس یہ نہ سمجھو کہ آخرت کی سزائیں بھی دنیا کی سزاؤں کی طرح ہیں کہ اگر مجرم چاہے تو مال و دولت خرچ کر کے بچ جائے- نہیں خدا کی عدالت میں گناہ کا کوئی بدلہ اور فدیہ قبول نہیں ہو سکتا- اگر ایک چھوٹے سے چھوٹے گناہ کے بدلے تم پورا کرۂ ارضی سونے سے بھر کر دے دو جب بھی اس کی پاداش سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکو گے! ہاں توبہ و انابت کی حالت ایک ایسی حالت ہے جو تمام گناہوں کو محو کر دیتی ہے- بشرطیکہ سچی توبہ ہو!

مال و دولت بدعملیوں کے فدیہ میں مقبول نہیں لیکن مال و دولت کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت بڑی نیکی ہے- تم نیکی کی راہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک اپنی محبوب چیزیں اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کے لیے تیار نہ ہو جاؤ!

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الضَّآلُّوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ
ذَهَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٩١﴾ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ ع ۹ الربع
حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٩٢﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا
لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ
فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٣﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ

(لیکن) جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ایمان کے بعد کفر کی راہ اختیار کی' اور اپنے کفر (کی سرکشیوں اور شرارتوں) میں بڑھتے ہی گئے' تو ایسے لوگوں کی پشیمانی کبھی قبول ہونے والی نہیں (کیونکہ سچی توبہ انہیں نصیب نہیں ہوگی) اور یہی لوگ ہیں جو راہ سے بھٹک گئے!-(۹۰) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور مرتے دم تک کفر پر جمے رہے تو (یاد رکھو کفر اور بد عملی کے بدلے کوئی معاوضہ اور فدیہ کام نہیں دے سکتا) اگر ان میں سے کوئی آدمی پورا کرۂ ارضی سونے سے بھر کر دے دے جب بھی اس کے فدیہ میں قبول نہ ہوگا!-(اور اسے اپنے اعمالِ بد کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے (پاداشِ عمل میں) عذاب دردناک ہے اور کوئی نہ ہوگا جو (اس عذاب سے بچانے میں) ان کا مددگار ہو!-(۹۱)

(یاد رکھو) تم نیکی کا درجہ کبھی حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے کہ (مال و دولت میں سے) جو کچھ محبوب رکھتے ہو اسے (راہِ حق میں) خرچ کرو اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ اللہ کے علم سے چھپا نہیں!-(۹۲)

کھانے[۱] کی تمام چیزیں (جو عام طور پر کھائی جاتی ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں' (اور لوگ انہیں بے تامل کھاتے تھے) ہاں وہ چیزیں جو بنی اسرائیل نے تورات نازل ہونے سے پہلے خود اپنے اوپر حرام ٹھہرا لی تھیں حرام سمجھی گئی تھیں (مگر انہیں خدا نے حرام نہیں کر دیا تھا۔ اے پیغمبر! اگر اس بارے میں یہودی تم سے جھگڑ رہے ہیں' تو تم ان سے) کہہ دو اگر تم لوگ اپنے خیال میں سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے کھول کر پڑھو-(۹۳)

پھر جو کوئی اس (اعلان) کے بعد بھی (غلط بیانی سے باز نہ آئے اور) اللہ پر بہتان باندھے تو (یاد رکھو) ایسے ہی لوگ

---

[۱] یہودیوں کی طرف سے دو اعتراض خصوصیت کے ساتھ کیے گئے تھے-

(۱) اگر قرآن کی دعوت بھی وہی ہے جو پچھلے نبیوں کی دعوت تھی تو کیوں قرآن نے بھی ان تمام چیزوں کو حرام نہیں کر دیا جو یہودیوں کے یہاں حرام سمجھی جاتی ہیں؟

(۲) اگر قرآن کی راہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی راہ سے مختلف نہیں ہے-تو کیوں بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ قبلہ قرار دیا گیا' حالانکہ تمام انبیائے بنی اسرائیل بیت المقدس ہی کو قبلہ تسلیم کرتے رہے ہیں؟

یہاں ان دونوں باتوں کا جواب دیا گیا ہے- پہلے شبہ کے جواب میں کہا گیا کہ تورات نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام اچھی چیزیں بنی اسرائیل کے لیے جائز تھیں اور حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت موسیٰ تک تمام انبیا نے انہیں حلال سمجھا تھا- پھر جب تورات نازل ہوئی تو بعض چیزوں کا استعمال روک دیا گیا- اس لیے نہیں کہ اصلاً حرام تھیں بلکہ اس لیے کہ یہود کی بے لگام طبیعتوں کی اصلاح کے لیے ضروری تھا کہ روک ٹوک میں سختی کی جائے- باقی رہیں وہ چیزیں جن کی نسبت تم سمجھتے ہو کہ نزولِ تورات سے پہلے بھی ممنوع تھیں تو ⇦

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ
بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ
سَبِيْلًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ
وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ
تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا

ہیں جو واقعی مجرم ہیں-(۹۴)

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو' اللہ نے سچائی ظاہر کر دی' پس (اگر تمہارے دلوں میں کچھ بھی سچائی کا پاس ہے تو چاہیے کہ) ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرو-(جس کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں' اور) جو ہر طرف سے ہٹ کر صرف اللہ ہی کا ہو رہا ہے اور یقیناً ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا-(۹۵)

بلاشبہ' پہلا گھر جو انسان کے لیے (خدا پرستی کا معبد و مرکز) بنایا گیا' وہ یہی (عبادت گاہ) ہے جو مکہ میں ہے- برکت والا اور تمام انسانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ- اس میں (دین حق کی) روشن نشانیاں ہیں- ازاں جملہ مقام ابراہیم ہے (یعنی ابراہیم کے کھڑے ہونے اور عبادت کرنے کی جگہ جو اس وقت سے لے کر آج تک بغیر کسی شک وشبہ کے مشہور اور معین رہی ہے اور ازاں جملہ یہ بات ہے کہ) جو کوئی اس کے حدود میں داخل ہوا' وہ امن وحفاظت میں آ گیا اور (ازاں جملہ یہ کہ) اللہ کی طرف سے لوگوں کے لیے یہ بات ضروری ہو گئی کہ اگر اس تک پہنچنے کی استطاعت پائیں' تو اس گھر کا حج کریں- اس پر بھی جو کوئی (اس حقیقت سے) انکار کرے' (اور اس مقام کی پاکی وفضیلت کا اعتراف نہ کرے) تو یاد رکھو' اللہ کی ذات تمام دنیا سے بے نیاز ہے (وہ اپنے کاموں کے لیے کسی فرد اور قوم کا محتاج نہیں!)(۹۷)

(اے پیغمبر! ان سے) کہو- اے اہل کتاب! یہ کیا ہے کہ تم (دیدہ ودانستہ) اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہو حالانکہ تم جو کچھ کرتے ہو' اللہ اس کا شاہد حال ہے؟(۹۸)

اے اہل کتاب! یہ کیا ہے کہ جو کوئی اللہ پر ایمان لانا چاہتا ہے تم اسے اللہ کی راہ سے روکتے ہو اور اسے ٹیڑھی چال چلانا چاہتے ہو' حالانکہ تم حقیقت حال سے بے خبر نہیں ہو؟ یاد رکھو' جو کچھ تم کر رہے ہو' اللہ اس سے غافل نہیں ہے-(۹۹)

مسلمانو!ؔ اگر تم اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی باتوں پر کاربند ہو گئے تو یاد رکھو' نتیجہ اس کا یہ نکلے گا کہ وہ تمہیں

⇐ انہیں خدا کی شریعت نے ممنوع نہیں ٹھہرایا تھا خود لوگوں نے اپنی طبیعت سے ترک کر دیا تھا چنانچہ تورات کے اسفار اس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں-
دوسرے شبہ کے جواب میں کہا گیا ہے کہ خدا کی پہلی عبادت گاہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کی وہ بیت القدس نہیں بلکہ خانہ کعبہ ہے-

ؔ اہل کتاب کی محرومیوں کے ذکر کے بعد پیروان دعوت سے خطاب- موعظت اور بعض اصولی مہمات کی تلقین: ⇐

فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى
عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰۤاَيُّهَا ع
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا
وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ
اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

راہ حق سے پھرا دیں گے اور ایمان کے بعد پھر کفر میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ (۱۰۰)

اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کی راہ اختیار کرو جبکہ تمہارا حال یہ ہے کہ اللہ کی آیتیں تمہیں سنائی جا رہی ہیں اور اس کا رسول (تعلیم و رہنمائی کے لیے) تم میں موجود ہے؟ اور یاد رکھو جو کوئی مضبوطی کے ساتھ اللہ کا ہو رہا تو بلاشبہ اس پر سیدھی راہ کھل گئی (نہ تو اس کے لیے لغزش کا ڈر ہے نہ گم گشتگی کا اندیشہ!)۔ (۱۰۱)

مسلمانو! اللہ سے ڈرو۔ ایسا ڈرنا جو واقعی ڈرنا ہے اور دیکھو دنیا سے نہ جاؤ مگر اس حالت میں کہ اسلام پر ثابت قدم ہو!۔ (۱۰۲)

اور دیکھو! سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ اللہ نے تمہیں جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہو۔ تمہارا حال یہ تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے، لیکن اس کے فضل و کرم سے ایسا ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے!۔

تمہارا حال تو یہ تھا کہ آگ سے بھری ہوئی خندق ہے اور اس کے کنارے کھڑے ہو (ذرا پاؤں پھسلا اور شعلوں میں جا گرے) لیکن اللہ نے تمہیں اس حالت سے نکال لیا۔ (اور زندگی و کامرانی کے میدان میں پہنچا دیا) اللہ اس طرح اپنی کارفرمائیوں کی نشانیاں واضح کر دیتا ہے، تاکہ تم (منزل مقصود کی) راہ پالو!۔ (۱۰۳)

اور دیکھو! ضروری ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی باتوں کی طرف دعوت دینے والی ہو۔ وہ نیکی کا

⇦ (۱) یہود اور نصاریٰ کی گمراہیوں میں تمہارے لیے درس عبرت ہے۔ ضروری ہے کہ ان کے طور طریقوں سے اپنے دل و دماغ کی حفاظت کرو۔ اگر تم نے ان کی گمراہانہ خواہشوں کی پیروی کی تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ راہ ہدایت پا کر پھر گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

(۲) ایمان کی برکتوں کے حصول کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ایمان کا اقرار کر لو بلکہ اصلی چیز ایمان کا جماؤ ہے!

(۳) جماعت کے تفرقے سے بچو اور خدا کی رسی مضبوط پکڑ لو۔ خدا کی سب سے بڑی نعمت تم پر یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے۔ اس نے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا!

(۴) تم میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو داعی الی الخیر ہو۔ وہ نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے اور قوم کو راہ حق و ہدایت پر قائم رکھے!

(۵) جماعت کے تفرقے کی طرح دین کا اختلاف بھی مہلک ہے۔ اہل کتاب کی سب سے بڑی گمراہی یہ تھی کہ دین حق کے علم اور کتاب اللہ کے حصول کے بعد پھر باہمی اختلافات میں پڑ گئے، اور دین کی وحدت ضائع کر کے الگ الگ ٹولیاں بنا لیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ اور ایک دین پر جمع رہنے کی جگہ الگ الگ فرقے بندیوں میں بٹ جاؤ!

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟
اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ
رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ع ۸
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ

حکم دے برائی سے روکے- اور بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں! (۱۰۴)

اور دیکھو! ان لوگوں کی سی چال نہ چلنا جو (خدا کے ایک ہی دین پر اکٹھے رہنے کی جگہ) الگ الگ ہو گئے اور باوجودیکہ (کتاب اللہ کی) روشن دلیلیں ان کے سامنے آ چکی تھیں پھر بھی باہم دگر اختلافات میں پڑ گئے- یقین کرو یہی لوگ ہیں جن کے لیے (کامیابی کی جگہ) عذاب دردناک ہے! (۱۰۵) وہ (آنے والا) دن کہ کتنے ہی چہرے اس دن چمک اٹھیں گے' کتنے ہی چہرے کالے پڑ جائیں گے (یعنی کتنے ہی خوش نصیب ہوں گے جن کے لیے کامیابی کی خوشحالی ہوگی' کتنے ہی بدنصیب ہوں گے جن کے لیے حسرت و نامرادی کی تباہ حالی ہوگی!) سو جن لوگوں کے چہرے (حسرت و نامرادی سے) کالے پڑ جائیں گے' ان سے اس دن کہا جائے گا- تم نے ایمان کے بعد پھر انکارِ حق کی راہ اختیار کر لی تھی- تو جیسی کچھ تمہاری منکرانہ چال تھی' اب اس کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھ لو! (۱۰۶) اور جن لوگوں کے چہرے (کامیابی کی خوش حالیوں سے) چمک رہے ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت کے سائے میں ہوں گے- ہمیشہ رحمت الٰہی میں رہنے والے! (۱۰۷)

(اے پیغمبر!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں فی الحقیقت سنا رہے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تمام دنیا پر ظلم کرنا چاہے- (۱۰۸) اور یاد رکھو' آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے اور ساری باتیں بالآخر اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں! (۱۰۹)

(مسلمانو!) تم[۱] تمام امتوں میں "بہتر امت" ہو جو لوگوں (کی ارشاد و اصلاح) کے لیے ظہور میں آئی ہے- تم نیکی کا حکم دینے والے' برائی سے روکنے والے اور اللہ پر (سچا) ایمان رکھنے والے ہو- اور اگر اہل کتاب (مخالفت و سرکشی کی جگہ) ایمان لاتے تو یہ ان کے لیے بہتری کی بات ہوتی' (اور ہدایت و ارشادِ عالم کا کام ان کے ہاتھوں انجام پاتا لیکن وہ اس کے اہل ثابت نہ ہوئے) ان میں ایسے لوگ بھی

---

[۱] (۶) تم تمام امتوں میں "بہتر امت" ہو جو ہدایت اور ارشادِ خلق کے لیے وجود میں آئی ہے- بحیثیت ایک جماعت کے تمہارا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہو-

ضمناً اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ مسلمانوں کا جماعتی نصب العین یہ نہیں قرار دیا گیا کہ وہ طاقتور قوم بنیں یا سب سے "برتر" گروہ ہوں کیونکہ طاقت اور برتری میں جماعتی گھمنڈ اور قومی حرص و آز کا لگاؤ تھا' اور یہ بات انسانیت کے امن و سلام اور مساوات و اخوت کے منافی تھی- پس صرف "خیر" اور "بہتر" ہونے پر زور دیا گیا جس کی تمام تر روح' اخلاقی اور معنوی محاسن پر مبنی ہے- جس جماعت کا نصب العین یہ ہوگا کہ وہ سب سے زیادہ اچھی اور نیک ہو' وہ کبھی مادی طاقتوں کے غرور اور قومی نخوت و برتری کے مفاسد سے آلودہ نہیں ہو سکتی- ⇦

مِنۡهُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَاَكۡثَرُهُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنۡ يَّضُرُّوۡكُمۡ اِلَّاۤ اَذًى‌ؕ وَاِنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ يُوَلُّوۡكُمُ
الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ
النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ‌ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَيَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ‌ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيۡسُوۡا سَوَآءً‌ؕ مِنۡ اَهۡلِ
الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ
وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ‌ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾

ہیں- جو ایمان رکھنے والے ہیں' لیکن بڑی تعداد انہی لوگوں کی ہے جو دائرۂ ہدایت سے یکسر باہر ہو چکے ہیں!-(۱۱۰) وہ (کتنی ہی تمہاری مخالفت کریں لیکن) اذیت پہنچانے کے سوا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے - اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو یاد رکھو انہیں لڑائی میں پیٹھ ہی دکھلانی پڑے گی- کبھی فتح مند نہ ہوں گے- (۱۱۱) ان لوگوں پر (یعنی یہودیوں پر) ذلت کی مار پڑی جہاں کہیں بھی یہ پائے گئے- ہاں یہ کہ خدا کے عہد سے یا انسانوں کے عہد سے کہیں پناہ مل گئی ہو (تو یہ بھی ذلت ہی کی پناہ ہوئی کہ دوسروں کے رحم پر زندگی بسر کر رہے ہیں) خدا کا غضب ان پر چھا گیا- محتاجی اور بدحالی میں گرفتار ہو گئے- اور یہ اس لیے ہوا کہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور نبیوں کے ناحق قتل میں بے باک تھے- (اور بدعملی وشقاوت کی یہ حالت) اس لیے (پیدا ہوئی) کہ نافرمانی اور سرکشی کرنے لگے تھے اور (اپنی شرارتوں میں) حد سے گزر گئے تھے- (۱۱۲) یہ بات نہیں ہے کہ تمام اہل کتاب ایک ہی طرح کے ہوں- ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو راہ ہدایت پر قائم ہیں- وہ راتوں کو اٹھ کر خدا کی آیتیں تلاوت کرتے اور اس کے حضور سربسجود رہتے ہیں- (۱۱۳) وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں' نیکی کا حکم دیتے ہیں' برائی سے روکتے ہیں' بھلائی کے تمام کاموں میں تیز گام ہیں اور بلاشبہ ان لوگوں میں سے ہیں جو نیک کردار ہیں! (۱۱۴)

⇐ اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ اگر یہود ونصاریٰ سے ایمان وہدایت کی روح مفقود نہ ہو گئی ہوتی تو وہ آج اس نعمت خیر وبرکت کے مستحق ہوتے' لیکن ان کی بڑی تعداد استعداد ایمانی سے محروم ہو گئی ہے-

دعوت حق کی مخالفت میں سب سے زیادہ حصہ یہودیوں کا ہے لیکن ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنی بدعملیوں اور سرکشیوں سے مغضوب الٰہی ہو چکے ہیں' اور دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جہاں اپنے بل بوتے پر زندگی بسر کر رہے ہوں- جہاں کہیں بھی پناہ ملی ہے ذلت ونامرادی کی پناہ ہے- یعنی یا تو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے یا پھر حکمران قوموں نے محکومیت واطاعت کے قول وقرار پر زندگی کی مہلت دے دی ہے- چنانچہ پہلی حالت عرب میں تھی- دوسری روم اور ایران میں- پس کوئی وجہ نہیں کہ تم ان کی مخالفت سے پریشان خاطر ہو- وہ وقت دور نہیں جب عرب میں ان کی رہی سہی طاقت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا-

یہاں سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ قرآن قومی محکومیت کی حالت کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟ اس زمانے میں یہودی رومیوں کے ماتحت امن کی زندگی بسر کر رہے تھے- اور عرب میں بھی ان کی بڑی بڑی بستیاں تھیں' لیکن چونکہ حکومت وفرمانروائی سے محروم ہو چکے تھے اس لیے فرمایا کہ یہ دوسروں کے رحم پر زندگی بسر کرنے والے ہیں!-

لے اور یہ جو یہود اور نصاریٰ کی بدعملیوں اور محرومیوں پر بار بار زور دیا گیا تو اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ ان میں کوئی آدمی بھی راست باز نہیں- نہیں سب کا حال یکساں نہیں ہو سکتا- بلاشبہ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ایمان وعمل کی راہ میں استوار ہیں- نیکی کا حکم دیتے ہیں- برائی سے روکتے ہیں اور عبادت الٰہی میں سرگرم رہتے ہیں- لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے- غالب تعداد انہی لوگوں کی ہے جو ایمان وعمل کی روح یک قلم ⇐

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ
اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ
فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ
اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ
وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ
الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ

سو (یاد رکھو) یہ لوگ[1] نیک کاموں میں سے جو کچھ کرتے ہیں ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ اس کی ناقدری کی جائے (اور رائگاں جائے۔ انہیں اپنی نیک عملی کا نیک اجر ضرور ملے گا) اور جو لوگ متقی ہیں (وہ خواہ کسی گروہ اور کسی گوشہ میں ہوں) اللہ ان کے حال سے بے خبر نہیں ہے! (۱۱۵)

(لیکن) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی (اور ایمان و عمل کی راستی سے محروم ہوگئے) تو (وہ کسی حال میں بھی پاداش عمل سے نہیں بچ سکتے) نہ تو مال و دولت کی طاقت انہیں خدا کے عذاب سے بچا سکے گی نہ آل اولاد کی کثرت ہی کچھ کام آئے گی - وہ دوزخی ہیں - ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے! (۱۱۶) - دنیا کی اس زندگی میں یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس ہوا کا چلنا جس کے ساتھ پالا ہو (فرض کرو) ایک گروہ نے اپنے اوپر ہر طرح کی محنت و مشقت برداشت کر کے ایک کھیت تیار کیا ہو لیکن پالا پڑے اور پورا کھیت برباد ہو کر رہ جائے - (سو یہی حال ایسے لوگوں کا ہوا) اور یاد رکھو یہ جو کچھ انہیں پیش آیا تو اس لیے نہیں کہ خدا نے ان پر ظلم کیا ہو - یہ خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں! (۱۱۷)

مسلمانو![2] ایسا نہ کرو کہ اپنے آدمیوں کے سوا کسی دوسرے کو اپنا ہمراز اور معتمد بناؤ - ان لوگوں کا (یعنی دشمنوں کا) حال یہ ہے کہ تمہارے خلاف فتنہ انگیزی میں کمی کرنے والے نہیں - جس بات سے تمہیں نقصان پہنچے وہی انہیں اچھی لگتی ہے - ان کی دشمنی تو ان کی باتوں ہی سے ظاہر ہے لیکن جو کچھ دلوں میں چھپا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے - اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو ہم نے (فہم و بصیرت کی) نشانیاں تم پر واضح کر دیں! (۱۱۸)

دیکھو تمہارا[3] حال تو یہ ہے کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو لیکن ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہیں (ایک لمحہ کے لیے بھی) دوست نہیں رکھتے - تم اللہ کی کتاب پر ایمان رکھنے والے ہو - جتنی کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں (اس لیے قدرتی طور پر ان کی کتاب

⇐ کھو چکے ہیں - اور یہ ظاہر ہے کہ جب کبھی کسی جماعت کی نسبت رائے قائم کی جائے گی تو اکثریت کی حالت دیکھی جائے گی - نہ کہ خال خال افراد کی -

[1] ہاں اہل کتاب میں جو لوگ ایمان و عمل کی سچائی رکھتے ہیں ضروری ہے کہ اپنی نیک عملی کا نیک اجر پائیں - خدا کا قانون مکافات کسی خاص گروہ اور نسل ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام نوع انسانی کے لیے ہے - جو انسان بھی راست باز اور نیک کردار ہوگا خدا کے حضور اپنا اجر پائے گا -

[2] (۷) اور چونکہ اہل کتاب بھی قریش مکہ کی طرح تمہاری مخالفت میں کمر بستہ ہوگئے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ تم بھی ان سے چوکنے ہو جاؤ اور انہیں اپنا ہمراز و معتمد نہ بناؤ - ان کی دشمنی تو ان کی باتوں ہی سے ٹپک رہی ہے لیکن دلوں میں جو کچھ چھپا ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے -

[3] اگر تمہارے اندر صبر اور تقویٰ کی روح پیدا ہوگئی تو پھر ممکن نہیں تمہارے مخالف تم پر فتح مند ہو سکیں یا ان کی مخالفانہ تدبیریں تمہارا کچھ بگاڑ سکیں -

وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ
ع ۱۲/۳ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ
تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ
وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ

کے لیے بھی تمہارے دل میں عزت ہے' لیکن ان کا حال دوسرا ہے) وہ جب کبھی تم سے ملتے ہیں' تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان والے ہیں' لیکن جب اکیلے میں ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف جوش غضب میں اپنی بوٹیاں نوچنے لگتے ہیں۔ (غور کرو ایسے لوگوں کو اپنا ہمراز بنانا اور قوم کے بھیدوں اور تدبیروں سے آگاہ کر دینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اے پیغمبر! تم ان اعدائے حق سے جو جوش غضب میں اپنی بوٹیاں نوچ رہے ہیں) کہہ دو اتنا ہی نہیں بلکہ جوش غضب میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو (لیکن جو کچھ ہونے والا ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا) اور یاد رکھو' خدا وہ سب کچھ جانتا ہے' جو انسان کے سینوں میں پوشیدہ ہے! (۱۱۹)

اگر تمہارے لیے کوئی بھلائی کی بات ہو جائے' تو انہیں برا لگے۔ برائی ہو جائے تو بڑے ہی خوش ہوں۔ لیکن یاد رکھو اگر تم نے صبر کیا (یعنی مصائب اور مشکلات میں ثابت قدم رہے) اور تقویٰ کی راہ اختیار کی (یعنی احکام حق کی نافرمانی سے پوری طرح بچتے رہے) تو ان کا مکروفریب تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکے گا' جیسے کچھ بھی ان کے کرتوت ہیں' خدا کی قدرت انہیں گھیرے ہوئے ہے! (۱۲۰)

اور[1] (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے اور (احد کے میدان میں) لڑائی کے لیے مسلمانوں کو جا بجا مورچوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے! ۔ (۱۲۱)

پھر جب ایسا ہوا تھا کہ تم میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) دو جماعتوں نے ارادہ کیا تھا کہ ہمت ہار دیں (اور واپس لوٹ چلیں) حالانکہ اللہ ان کا مددگار تھا۔ جو ایمان رکھنے والے ہیں انہیں تو چاہیے کہ (ہر حال میں) اللہ پر بھروسہ رکھیں! (۱۲۲)

اور دیکھو یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے بدر کے میدان جنگ میں تمہیں فتح مند کیا تھا حالانکہ تم بڑی ہی گری ہوئی حالت میں تھے (اور تمہاری کامیابی کا کوئی وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا تھا) پس اللہ سے ڈرو (اور اس کی نافرمانی سے بچو) تا کہ تم میں

---

[1] جنگ بدر اور احد کے تجربوں سے استشہاد جن کے نتائج نے ثابت کر دیا تھا کہ صبر اور تقویٰ کے بغیر کبھی نصرت و کامرانی حاصل نہیں ہو سکتی۔

صبر سے مقصود یہ ہے کہ مشکلات و مصائب کا ہمت اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ احتیاط و پرہیزگاری کی روح پیدا ہو۔ جنگ بدر کے موقع پر یہ دونوں قوتیں تم میں موجود تھیں اس لیے تمہاری مٹھی بھر تعداد نے دشمن کی بہت بڑی تعداد کو شکست دے دی۔ لیکن احد کے میدان میں تم نے کمزوری دکھلائی۔ صبر اور تقویٰ کی آزمائش میں پورے نہ اترے نتیجہ یہ نکلا کہ نقصان اٹھایا اور دشمن کو شکست نہ دے سکے۔

اس سلسلہ میں متعدد اصولی مہمات واضح کی گئی ہیں:۔

(ا) جنگ احد کے موقع پر کثرت رائے سے یہ بات قرار پا گئی تھی کہ شہر سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ مسلمان نکلے لیکن منافقوں نے لوگوں کو بہکانا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دو قبیلے بددل ہو گئے۔ اس طرح ابتدا ہی سے صبر اور تقویٰ کی روح کمزور پڑ گئی تھی۔ اس کا نتیجہ وہی ہونا تھا جو بالآخر پیش آیا۔ ⇐

فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ
اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ ربع
اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا
خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي ع ۱۳ ۹ ۴
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اس کی نعمتوں کی قدر پہچاننا پیدا ہو جائے! (۱۲۳)

(اے پیغمبر!) وہ وقت (بھی) یاد کرو جب تم (میدان جنگ میں) ایمان والوں سے یہ کہہ رہے تھے کہ "کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ (دشمن کے تین ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں) تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے؟" (۱۲۴)

ہاں بلاشبہ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو اور پھر ایسا ہو کہ دشمن اسی دم تم پر چڑھ آئے تو تمہارا پروردگار (صرف تین ہزار فرشتوں ہی سے نہیں بلکہ) پانچ ہزار نشان رکھنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا- (۱۲۵)

اور یاد رکھو یہ بات جو کہی گئی تو صرف اس لیے کہ تمہارے لیے (فتح مندی کی) خوش خبری ہو اور تمہارے دل اس کی وجہ سے مطمئن ہو جائیں- مدد و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے- اس کی طاقت سب پر غالب ہے اور وہ اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے! (۱۲۶) اور نیز اس لیے تاکہ منکرین حق کی طاقت کا ایک حصہ بیکار کر دے یا انہیں اس درجہ ذلیل و خوار کر دے کہ نامراد ہو کر الٹے پاؤں پھر جائیں! (۱۲۷)

(اے پیغمبر!) اس معاملہ میں (یعنی دشمنان حق کے بخشے جانے یا نہ بخشے جانے میں) تمہیں کوئی دخل نہیں (تمہارا کام یہ ہے کہ لوگوں کو راہ حق کی دعوت دو اور کسی حال میں بھی ان کی طرف سے مایوس نہ ہو) یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ چاہے تو ان سے درگزر کرے اور چاہے تو انہیں عذاب دے کیونکہ یقیناً وہ ظلم کرنے والے ہیں- (۱۲۸)

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کے لیے ہے- وہ جسے چاہے بخش دے جسے چاہے عذاب دے (کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑنے والا ہو) اور (یاد رکھو) وہ بخشنے والا اور بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے- (۱۲۹) مسلمانو! سود کی کمائی سے اپنا پیٹ نہ بھرو

⇐ (۲) ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ کفر کرنے والوں کی بدعملیاں کتنی ہی سخت کیوں نہ ہوں لیکن ہادی و مصلح کو ان کی ہدایت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اور نہ رحمت و بخشش کی طلب کے سوا کوئی اور جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے- بخشنا یا نہ بخشنا خدا کا کام ہے اور اسی پر چھوڑ دینا چاہیے-

جنگ احد میں خود پیغمبر اسلام پر دشمنوں نے پے درپے حملے کیے اور انہیں ہلاک کر ڈالنا چاہا- تاہم خدا نے پسند نہیں کیا کہ دشمنوں کی ہدایت و بخشش کی طلب کے سوا کوئی جذبہ آن کے قلب مطہر میں پیدا ہو (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۳) اے پیروان دعوت حق! جو ٹھوکر تمہیں جنگ احد میں لگی ہے- اگر چاہتے ہو کہ اس سے عبرت پکڑو تو چاہیے کہ ان آلودگیوں سے پاک ⇐

اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ
اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ
وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا
فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟

جو (قرض کی اصلی رقم میں مل کر) دوگنی چوگنی ہو جاتی ہے- اللہ سے ڈرو (اور اس کی نافرمانی سے بچو) تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ- (۱۳۰) اور دیکھو اس آگ کے عذاب سے ڈرو جو منکروں کے لیے تیار کی گئی ہے (۱۳۱) اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو تاکہ رحمت الٰہی کے مستحق ہو جاؤ! (۱۳۲) اپنے پروردگار کی بخشائش کی طرف تیز گام ہو جاؤ نیز اس جنت کی طرف جس کے پھیلاؤ کا یہ حال ہے کہ تمام آسمان و زمین کی چوڑائی ایک طرف اور اکیلا اس کا پھیلاؤ ایک طرف اور جو متقی انسانوں کے لیے تیار کی گئی ہے! (۱۳۳) وہ متقی انسان جن کے اوصاف یہ ہیں کہ خوشحالی ہو یا تنگ دستی لیکن ہر حال میں (خدا کے لیے) مال خرچ کرتے ہیں غصہ میں آ کر بے قابو نہیں ہو جاتے اور لوگوں کے قصور بخش دیتے ہیں- (وہ نیک کردار ہیں) اور اللہ نیک کرداروں کو دوست رکھتا ہے! (۱۳۴) نیز وہ لوگ کہ جب کبھی ان سے کوئی سخت برائی کی بات ہو جاتی ہے یا اپنی جانوں کو (آلودۂ معصیت ہو کر) مصیبت میں ڈال دیتے ہیں تو فوراً اللہ کی یاد ان میں جاگ اٹھتی ہے (اور اپنے ضمیر کی ملامت محسوس کرنے لگتے ہیں) پس وہ خدا سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور جو کچھ ہو چکا ہے اس پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے، اور خدا کے سوا کون ہے

⇦ وصاف ہو جاؤ جو تمہارے دلوں میں کمزوری کا روگ پیدا کرنے والی ہیں- از اں جملہ مال و دولت کی حرص ہے جب تک یہ روگ دلوں میں موجود ہے جاں فروشی کی سچی روح پیدا نہیں ہو سکتی-

پیغمبر اسلام (ﷺ) نے ایک خاص گھاٹی پر جو نقشہ جنگ میں بڑی اہمیت رکھتی تھی ایک جماعت متعین کر دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ اس جگہ سے نہ ہلیں- لیکن جب مسلمانوں کے فتح مندانہ مقابلہ نے دشمنوں کے پاؤں اکھاڑ دیے تو یہ جماعت (بجز دس آدمیوں کے) مال غنیمت لوٹنے کی طمع میں بے قابو ہو گئی اور مورچہ چھوڑ کر لوٹ مار شروع کر دی- دشمنوں نے جب یہ حال دیکھا تو فوراً پلٹ پڑے اور بے خبری میں حملہ کر دیا- یہی حادثہ ہے جس نے مسلمانوں کی فتح شکست سے بدل دی تھی-

چونکہ مورچہ چھوڑنے والوں کی لغزش کا اصلی سبب مال و دولت کی طمع تھی اور مال و دولت کی طمع کا ایک بڑا آلہ سود کا لین دین تھا- اس لیے خصوصیت کے ساتھ یہاں اس کا ذکر کیا گیا- سود در سود کی وجہ سے بڑی بڑی رقمیں قرض داروں کے سر چڑھ گئی تھیں- قدرتی طور پر ان کا چھوڑنا لوگوں پر شاق گذرتا تھا پس حکم الٰہی ہوا کہ تمہارے دلوں کے تزکیہ کے لیے اسی بات میں سب سے بڑی آزمائش ہے- سو سود در سود کی وجہ سے کتنی ہی رقم قرض داروں پر کیوں نہ چڑھ گئی ہو لیکن اسے یک قلم چھوڑ دو-

علاوہ بریں جنگ احد کی شکست کا اصلی سبب یہی تھا کہ نظم و طاعت یعنی ڈسپلن کی روح پوری طرح پیدا نہیں ہوئی تھی- اس لیے ضروری تھا کہ اب کسی ایسی بات پر زور دیا جائے جس کی فوری تعمیل میں اطاعت و فرمانبرداری کی پوری پوری آزمائش ہو جائے- ظاہر ہے کہ یہ آزمائش سود لینے کی ممانعت سے زیادہ اور کسی بات میں نہیں ہو سکتی- سود کی حرمت سے قرض خواہوں کو ایک ایسی بات چھوڑ دینی پڑتی تھی جسے صدیوں سے اپنا جائز حق سمجھتے آئے تھے اور ان کی مال و دولت کی افزائش کا سب سے بڑا ذریعہ تھا- چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فرمایا "وَاَطِيْعُو اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"

ضمناً متقی انسانوں کے اوصاف کا ذکر کہ: ⇦

وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ
فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٣٧﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى
وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٨﴾ وَ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِنْ
يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

جو گناہوں کا بخشنے والا ہو؟ (۱۳۵) بلاشبہ' یہی لوگ ہیں کہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے لیے عفو و بخشش کا اجر ہے' اور (نعیم ابدی کے) باغ ہیں- ایسے باغ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اس لیے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے- اور دیکھو' کیا ہی اچھا بدلہ ہے جو کام کرنے والوں کے حصہ میں آئے گا!- (۱۳۶)

اور دیکھو! تم سے پہلے بھی دنیا میں (قوموں کے عروج و زوال کے) دستور اور قوانین رہ چکے ہیں' (اور وہ تمہارے لیے معطل نہیں ہو جائیں گے) پس دنیا کی سیر کرو اور دیکھو کہ جو لوگ احکام حق کو جھٹلانے والے تھے ان کا انجام کیا ہوا اور پاداشِ عمل میں کیسے نتائج پیش آئے؟ (۱۳۷) یہ لوگوں (کی فہم و بصیرت) کے لیے ایک بیان ہے اور ان لوگوں کے لیے جو متقی ہیں ہدایت اور (موعظت) ہے! (۱۳۸) اور دیکھو نہ تو ہمت ہارو' نہ غمگین ہو' تم ہی سب سے سربلند ہو بشرطیکہ تم سچے مومن ہو! (۱۳۹)

اگر تم نے (احد کی لڑائی میں) زخم کھایا ہے' تو دشمنوں کو بھی تو ویسے ہی زخم (بدر میں) لگ چکے ہیں؟ (پھر تم اس حادثہ پر غمگین اور ملول کیوں ہو؟) دراصل یہ (ہار جیت کے) اوقات ہیں جنہیں ہم انسانوں میں ادھر ادھر پھراتے رہتے ہیں (کبھی ایک گروہ کے حق میں میدان جنگ کا فیصلہ ہوتا ہے' کبھی دوسرے کے حق میں- پس یہ کوئی ایسی بات نہیں

⇦ (ا) خوشحالی ہو یا تنگ دستی ہر حال میں خدا کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں- (ب) غصے میں بے قابو نہیں ہو جاتے- (ج) لوگوں کے قصور بخش دیتے ہیں-

(د) اگر گناہ میں پڑ جائیں تو فوراً متنبہ ہوتے اور اللہ کے حضور توبہ و استغفار کا سر جھکا دیتے ہیں!

ل (۴) اور یاد رکھو یہ جو کچھ تمہیں پیش آ رہا ہے تو صرف تمہارے ہی لیے نہیں ہوا ہے بلکہ ہمیشہ قانون الٰہی کی ایسی ہی کارفرمائیاں رہ چکی ہیں- جو جماعت احکام حق پر عمل کرتی ہے' کامیاب ہوتی ہے' جو اعراض کرتی ہے تباہ و برباد ہو جاتی ہے-

دنیا میں نکلو اور خدا کی زمین کی سیر کرو- اس کے ہر گوشے میں تم دیکھو گے کہ برباد شدہ قوموں کے آثار اجڑی ہوئی آبادی کے کھنڈر اور سر بفلک محلوں کی گری ہوئی دیواریں زبان حال سے اپنا افسانہ عبرت سنا رہی ہیں!

(۵) تمہیں جنگ احد میں جو ٹھوکر لگی ہے تو چاہیے کہ اس سے عبرت پکڑو اور آئندہ کے لیے اپنے اعمال کی نگہداشت کرو- یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس کی کوفت میں ایسے کھو جاؤ کہ آئندہ کے لیے ہمت ہار بیٹھو- یہ جنگ کا میدان ہے' کبھی ایک فریق جیتتا ہے' کبھی دوسرے کی باری آتی ہے- بدر میں تمہاری چوٹ ان پر لگی تھی- احد میں ان کی تم پر لگ گئی- لیکن جماعتوں کی کشمکش کی تاریخ میں ایک دو میدانوں کی ہار جیت کیا اہمیت رکھتی ہے؟ اصلی چیز جو سوچنے کی ہے وہ تمہارے دلوں کی ایمانی قوت ہے- اگر تمہارے اندر ایمان کی سچی روح موجود ہے تو پھر دنیا میں رفعت و سربلندی صرف تمہارے ہی لیے ہے!

علاوہ بریں یہ حادثہ اگرچہ بظاہر شکست ہے لیکن بہ باطن چند در چند مصلحتیں اور حکمتیں رکھتا ہے- ازاں جملہ یہ کہ کھرے کھوٹے کی آزمائش ⇦

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ
يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ
تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ ع

جس کی وجہ سے تم ہمت ہار بیٹھو) اور علاوہ بریں (یہ حادثہ مصلحتوں سے بھی خالی نہ تھا) یہ اس لیے تھا تا کہ اس بات کی آزمائش ہو جائے کون سچا ایمان رکھنے والا ہے' کون نہیں ہے- اور اس لیے کہ تم میں سے ایک گروہ کو (ایام ووقائع کے نتیجوں اور عبرتوں کا) شاہد حال بنا دے' (وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ احکام حق کی نافرمانی سے کیسے کچھ نتیجے پیش آسکتے ہیں) اور اللہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا- (۱۴۰)

نیز اس حادثہ میں یہ مصلحت بھی تھی کہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں' انہیں (اس حادثہ کے تجربہ وبصیرت کے ذریعے تمام کمزوریوں اور لغزشوں سے) پاک کر دے اور جو منکرین حق ہیں انہیں (اہل ایمان کی مزید قوت واستعداد کے ذریعے) نیست و نابود کر دے! (۱۴۱)

(مسلمانو!) [1] کیا تم سمجھتے ہو (محض ایمان کا دعویٰ کر کے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے (اور ایمان وعمل کی آزمائشوں سے تمہیں گزرنا نہیں پڑے گا؟) حالانکہ ابھی تو وہ موقع پیش ہی نہیں آیا کہ اللہ تمہیں آزمائش میں ڈال کر نمایاں کر دیتا، کون لوگ راہ حق میں پوری پوری کوشش کرنے والے ہیں' اور کتنے ہیں جو مشکلوں اور شدتوں میں ثابت قدم رہنے والے ہیں؟ (۱۴۲)

اور دیکھو' یہ واقعہ ہے کہ جب تک موت کا سامنا نہیں ہوا تھا تم راہ حق میں مرنے کی آرزوئیں کیا کرتے تھے' (اور مصر تھے کہ مدینے سے باہر نکل کر دشمنوں کا مقابلہ کریں) لیکن پھر ایسا ہوا کہ موت تمہاری آنکھوں کے سامنے آگئی اور تم کھڑے تک رہے تھے! (۱۴۳)

اور محمد [2] اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں- اور ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گزر چکے ہیں (جو اپنے اپنے وقتوں میں ظاہر ہوئے اور راہِ حق کی دعوت دے کر دنیا سے چلے گئے) پھر اگر ایسا ہو کہ وہ وفات پائیں (اور بہر حال انہیں ایک دن

⇦ ہوگئی اور جو منافق اور کچے دل کے آدمی اسلامی جمعیت میں ملے ہوئے تھے' ان کے چہرے بے نقاب ہوگئے- اور ازاں جملہ یہ کہ لوگوں کو جنگ کے نازک اور فیصلہ کن معاملات کا ذاتی تجربہ ہو گیا- تجربہ اور مشاہدہ کے بعد ان کے قدم زیادہ محتاط ہو جائیں گے- سب سے بڑھ کر یہ کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں کمزوریاں پیدا ہوگئی تھیں وہ اس ٹھوکر کے لگنے سے دور ہوگئیں اور ان کا عزم وایمان زیادہ مضبوط اور بے داغ ہو گیا-

[1] (٦) صرف ایمان کا اقرار کر لینے سے ایمان کی برکتیں اور کامرانیاں حاصل نہیں ہو جائیں گی- شرطِ کامیابی یہ ہے کہ آزمائش عمل میں ثابت قدمی دکھلاؤ!

[2] (٧) اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ بنائے کار اصول اور عقائد ہیں نہ کہ شخصیت اور افراد- کوئی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو لیکن اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کسی اصل اور سچائی کی راہ دکھانے والی ہے- پس اگر کسی وجہ سے شخصیت ہم میں موجود نہ رہے یا درمیان سے ہٹ ⇦

عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ‌ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـئًا‌ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا
كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ‌ؕ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ‌ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ
ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا‌ ؕ وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ
فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا‌ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾

وفات پانا ہے) یا (فرض کرو) ایسا ہو کہ لڑائی میں قتل ہوجائیں، تو کیا تم الٹے پاؤں راہ حق سے پھر جاؤ گے (اور ان کے مرنے کے ساتھ ہی تمہاری حق پرستی بھی ختم ہوجائے گی؟) اور جو کوئی راہِ حق سے الٹے پاؤں پھر جائے گا، تو وہ (اپنا ہی نقصان کرے گا) خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا- جو لوگ شکر گزار ہیں (یعنی نعمت حق کی قدر سمجھنے والے ہیں) وہ وقت دور نہیں کہ خدا انہیں ان کا اجر عطا فرمائے! (۱۴۴)

اور یاد رکھو! خدا کے حکم کے بغیر کوئی جان مر نہیں سکتی- ہر جان کے لیے ایک خاص وقت ٹھہرا دیا گیا ہے (پھر موت کے ڈر سے کیوں تمہارے قدم پیچھے ہٹیں؟) اور جو کوئی دنیا کے فائدے پر نظر رکھتا ہے ہم اسے دنیا میں سے دیں گے، جو کوئی آخرت کے ثواب پر نظر رکھتا ہے اُسے آخرت کا ثواب ملے گا- ہم (نعمت حق کے) شکر گزاروں کو ان کی نیک عملی کا اجر ضرور دیں گے- (۱۴۵)

اور دیکھو! کتنے[1] ہی نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے باخدا لوگوں نے (راہ حق میں) جنگ کی، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان سختیوں کی وجہ سے جو انہیں خدا کی راہ میں پیش آئی ہوں، بے ہمت ہوگئے ہوں، اور نہ ایسا ہوا کہ کمزور پڑ گئے ہوں، یا (ان کی عزت نفس نے یہ بات گوارا کرلی ہو کہ ظالموں کے سامنے) عجز و بے چارگی کا اظہار کریں (بے ہمتی، کمزوری اور حریف کے سامنے اعتراف عجز وہ باتیں ہیں جن سے باخدا آدمی کا دل آشنا نہیں ہوسکتا) اور اللہ انہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو مشکلوں مصیبتوں میں ثابت قدم رہتے ہیں! (۱۴۶)

⇦ جائے تو ہم سچائی کی راہ سے کیوں منہ موڑ لیں، یا ادائے فرض میں کیوں کوتاہی کریں! سچائی کی وجہ سے شخصیت قبول کی جاتی ہے- یہ بات نہیں ہے کہ شخصیت کی وجہ سے سچائی سچائی ہوگئی ہو-

جنگ احد میں کسی مخالف نے یہ بات پکار دی تھی کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) مارے گئے- یہ سن کر بہت سے مسلمانوں کے دل بیٹھ گئے- بعضوں نے کہا جب پیغمبر نہ رہے تو اب لڑنے سے کیا فائدہ؟ کچھ لوگ جو منافق تھے انہوں نے علانیہ کہنا شروع کردیا کہ اگر یہ نبی ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ جنگ میں مارے جاتے- یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے- پیغمبر اسلام خدا کے پیغمبر ہیں اور ظاہر ہے کہ انہیں بھی ایک دن دنیا سے جانا ہے جس طرح تمام پچھلے رسول دنیا سے گذر چکے ہیں، پھر اگر وہ دنیا سے گذر گئے تو تم حق پرستی کی راہ سے پھر جاؤ گے اور تمہاری حق پرستی حق کے لیے نہیں بلکہ محض ایک خاص شخصیت کے لیے تھی؟ فرض کرو جنگ احد والی بات صحیح ہوتی تو پھر کیا ان کی موت کے ساتھ تمہاری خدا پرستی پر بھی موت طاری ہوجاتی؟ اگر تم حق کے لیے لڑ رہے تھے تو جس طرح وہ ان کی زندگی میں حق تھا، اسی طرح ان کے بعد بھی حق ہے اور ہمیشہ حق رہے گا!

(۸) سچا مومن وہ ہے جو شدتوں اور محنتوں میں نہ تو بے ہمت ہو نہ کمزور پڑے اور نہ کسی حال میں بھی ظالموں کے آگے عجز و بے چارگی کا اظہار گوارا کرے- قرآن کہتا ہے وہن، ضعف اور استکانة للخصم اس میں نہیں ہوسکتی- ''وہن'' یہ ہے کہ بے ہمت ہو کر بیٹھ رہے- ''ضعف'' یہ ہے کہ میدان میں نکلے مگر کمزوری دکھائے- ''استکانة للخصم'' یہ ہے کہ لاچار ہو کر حریف کے آگے گڑگڑانے لگے-

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ع۱۵
فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا
الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۗ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور (پھر سختیوں اور مصیبتوں کا کتنا ہی ہجوم کیوں نہ ہو لیکن) ان کی زبانوں سے اس کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا کہ "خدایا! ہمارے گناہ بخش دے، ہم سے ہمارے کام میں جو زیادتیاں ہوگئی ہوں، ان سے درگزر فرما، ہمارے قدم راہِ حق میں جما دے اور منکرینِ حق کے گروہ پر ہمیں فتح مند کر!" (۱۴۷) (جب ان کے ایمان و عمل کا یہ حال تھا) تو خدا نے بھی انہیں دونوں جہان میں اجر عطا فرمایا- دنیا کا بھی ثواب دیا (کہ فتح و کامرانی ان کے حصے میں آئی) اور آخرت کا بھی بہتر ثواب دیا (کہ نعیم ابدی کے مستحق ہوئے) اور اللہ تو انہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو نیک کردار ہوتے ہیں- (۱۴۸)

مسلمانو![1] اگر تم ان لوگوں کے کہنے میں آ گئے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (اور جو تمہیں دشمنوں کی کثرت و طاقت سے ڈراتے اور جنگ سے باز رہنے کی نصیحتیں کرتے ہیں) تو یاد رکھو وہ تمہیں راہ حق سے الٹے پاؤں پھرا دیں گے اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ (سعادت کی راہ چل کر پھر) تباہی و نامرادی میں جا گرو گے (یہ دشمنانِ حق تمہارے کارساز و رفیق نہیں ہو سکتے) (۱۴۹) تمہارا کارساز و رفیق تو اللہ ہے، مدد کرنے والوں میں اس سے بہتر مددگار کون ہو سکتا ہے؟ (۱۵۰)

وہ وقت دور نہیں کہ ہم منکرینِ حق کے دلوں میں تمہاری ہیبت بٹھا دیں گے- یہ اس لیے ہوگا کہ انہوں نے خدا کے ساتھ ان ہستیوں کو بھی (خدائی میں) شریک ٹھہرا لیا ہے، جن کے لیے اس نے کوئی سند نازل نہیں کی- ان لوگوں کا (بالآخر) ٹھکانا دوزخ ہے، اور جو ظالم ہیں تو ان کا ٹھکانا کیا ہی برا ٹھکانا ہوا! (۱۵۱)

---

[1] (۹) اعدائے حق اس موقع سے فائدہ اٹھا کر تمہیں ایسی راہ لگانا چاہتے ہیں کہ راہ حق سے بے دل ہو جاؤ- وہ تمہیں دشمنوں کی کثرت و طاقت کے افسانے سنا کر مرعوب کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر تم راہ حق میں ثابت قدم رہے اور انسانی طاقتوں کی جگہ اللہ کی کارسازی و رفاقت پر بھروسہ رکھا تو وہ وقت دور نہیں جب تمہاری ہیبت سے ان کے دل کانپ اٹھیں گے-

(۱۰) اس اصلِ عظیم کی طرف اشارہ کہ جن لوگوں کے سامنے اعتقاد و ہدایت کی کوئی روشن و ثابت حقیقت نہیں ہوتی اور خدا کو چھوڑ کر اعتماد و پرستش کے بہت سے ٹھکانے بنا لیتے ہیں، ان کے اندر عزم و یقین کی وہ روح نہیں ہو سکتی جو اہل حق و ایمان کے لیے مخصوص ہے- وہ جب کبھی کسی ایسی جماعت کے مقابلہ میں نکلیں گے جو ایمان و یقین کی روح سے معمور ہوگی تو خواہ کتنی ہی طاقت و شوکت رکھتے ہوں لیکن کبھی اسے مرعوب نہیں کر سکیں گے-

نزولِ قرآن کے وقت مسلمانوں کی جو جماعت پیدا ہوگئی تھی اس کے مقابلہ میں مشرکینِ عرب کا یہی حال تھا- وہ تعداد میں بہت اور سرو سامان میں طاقتور تھے مگر ایمان و یقین کی روح سے محروم تھے- مسلمان تعداد میں تھوڑے اور سرو سامان سے محروم تھے- مگر ایمان و یقین کی روح سے معمور تھے- نتیجہ یہ نکلا کہ قلت کی ہیبت سے کثرت کے دل کانپ اٹھے اور مٹھی بھر انسانوں نے عرب کی پوری آبادی کو شکست دے دی!

وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ ۚ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً

اور دیکھو[1] یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے اپنا وعدۂ نصرت سچا کر دکھایا تھا جب کہ تم اس کے حکم سے دشمنوں کو بے دریغ تہ تیغ کر رہے تھے (اور ہر طرح جیت تمہاری ہی تھی) لیکن جب ہم نے تمہیں فتح مندی کا جلوہ دکھا دیا' جو تمہیں اس قدر محبوب ہے' تو تم نے کمزوری دکھلائی اور جنگ کے بارے میں باہم دگر جھگڑنے لگے (ایک گروہ نے کہا اب مورچے پر ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرے نے کہا' نہیں ہم تو آخر تک یہیں جمے رہیں گے) اور بالآخر اپنے سردار کے حکم سے کہ اللہ کا رسول تھا) نافرمانی کر بیٹھے۔ تم میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو دنیا کے خواہش مند تھے۔ (یعنی مال غنیمت کے پیچھے پڑ گئے) کچھ ایسے تھے جن کی نظر آخرت پر تھی (یعنی مال غنیمت سے بے پرواہ ہو کر اپنی جگہ جمے رہے اور شہید ہوئے) پھر ہم نے تمہارا رخ دشمنوں کی طرف سے پھرا دیا تا کہ تمہیں (اس حادثے سے) آزمائیں (اور اس طرح تمہاری فتح شکست سے بدل گئی) بہر حال خدا نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور بلاشبہ وہ مومنوں کے لیے بڑا ہی فضل رکھنے والا ہے! (۱۵۲)

وہ وقت بھی یاد کرو' جب تم (میدان جنگ سے) بھاگے جا رہے تھے اور (بدحواسی کا یہ حال تھا کہ) ایک دوسرے کی طرف مڑ کر دیکھتا تک نہ تھا اور اللہ کا رسول تھا کہ پیچھے سے پکار رہا تھا سو جب تمہارا یہ حال ہوا' تو اللہ نے بھی تمہیں رنج پر رنج دیا۔ تا کہ (اس حادثے سے عبرت پکڑو اور آئندہ) نہ تو اس چیز کے لیے غم کرو جو ہاتھ سے جاتی رہے' نہ اس مصیبت پر غمگین ہو' جو سر پر آپڑے۔ اور یاد رکھو' تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔ (۱۵۳)

پھر[2] (دیکھو) ایسا ہوا کہ اللہ نے (ابتری و پریشانی کے) غم و افسوس کے بعد تم پر بے خوفی کی خود فراموشی طاری کر دی (یعنی یکا یک تمہارے دل اس طرح مطمئن ہو گئے۔ کہ خوف و ہراس کا احساس تک باقی نہ رہا) یہ حالت ایک گروہ پر چھا گئی تھی' لیکن تم

---

[1] (۱۱) منافق تمہیں جنگ احد کی شکست یاد دلا کر ڈرا رہے ہیں تا کہ آئندہ دشمنوں کے مقابلہ کی جرأت نہ کرو' لیکن تم اچھی طرح جانتے ہو کہ احد کے میدان میں جو کچھ پیش آیا' اس کی حقیقت کیا ہے؟ خدا کا وعدۂ نصرت اس موقع پر بھی پورا ہوا تھا اور دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے تھے۔ لیکن جب تم نے عین حالت جنگ میں حکم رسول کی نافرمانی کی اور ایک گروہ مال غنیمت لوٹنے کی طمع میں مورچہ چھوڑ کر تتر بتر ہو گیا تو میدان جنگ کی ہوا پلٹ گئی اور فتح ہوتے ہوتے شکست ہو گئی۔ پس یہ جو کچھ ہوا دشمنوں کی طاقت و کثرت سے نہیں ہوا جس سے منافق تمہیں ڈرا رہے ہیں' بلکہ تمہاری نافرمانی اور بے ہمتی سے ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ دشمنوں کی طاقت و کثرت سے مرعوب ہو۔ بلکہ یہ ہونا چاہیے کہ اپنے اندر صبر اور تقویٰ کی سچی روح پیدا کرو!

[2] (۱۲) جب مسلمانوں کی بڑی تعداد مضطرب ہو کر بھاگنے لگی تو پیغمبر اسلام (ﷺ) چند جاں نثاروں کے حلقہ میں کھڑے پکار رہے تھے "الی عباد الله الی عباد الله! "خدا کے بندو! میری طرف آؤ۔ میری طرف آؤ۔ تم کہاں بھاگے جا رہے ہو!" ان آیات میں اسی واقعہ کی طرف ⇦

نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ

میں ایک دوسرا گروہ تھا جسے اس وقت بھی اپنی جانوں ہی کی پڑی تھی' اور اللہ کی جناب میں عہد جاہلیت کے سے ظنون واوہام رکھتا تھا- اس گروہ کے لوگ کہتے تھے "جو کچھ ہوا اس میں ہمارے اختیار کی کیا بات تھی" (یعنی ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم کچھ کرتے) اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہہ دو' (اس معاملہ ہی پر کیا موقوف ہے) ساری باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں' (لیکن اللہ ہی نے ہر نتیجے کے لیے اس کے اسباب بھی مقرر کر دیے ہیں) اصل یہ ہے کہ جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے- ان کے کہنے کا اصلی مطلب یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں ہمارے لیے (فتح وکامرانی میں سے) کچھ ہوتا' تو میدان جنگ میں نہ مارے جاتے' اے پیغمبر! ان سے کہہ دو 'اگر تم اپنے گھروں کے اندر بیٹھے ہوتے جب بھی جن کے لیے مارا جانا تھا وہ گھر سے ضرور نکلتے اور اپنے مارے جانے کی جگہ پہنچ کر رہتے!

اور[1] (جنگ احد میں جو کچھ پیش آیا' تو اس میں طرح طرح کی مصلحتیں پوشیدہ تھیں- از اں جملہ یہ کہ) اللہ کو منظور تھا' جو کچھ تمہارے سینوں میں چھپا ہوا ہے' اس کے لیے تمہیں آزمائش میں ڈالے' اور جو کدورتیں تمہارے دلوں میں پیدا ہوگئی تھیں' انہیں پاک وصاف کر دے- اور اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انسان کے دلوں میں پوشیدہ ہوتا ہے! (۱۵۴)

تم میں سے جن لوگوں نے اس دن لڑائی سے منہ موڑ لیا تھا- جس دن دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے' تو ان

⇦ اشارہ ہے- جو لوگ ایمان واخلاص میں پکے تھے اور محض صورت حال کے فوری اثر نے انہیں گھبرا دیا تھا' وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی آواز سنتے ہی چونک اٹھے- انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے اچانک ایک مدہوشی کی سی حالت طاری ہوگئی اور اس مدہوشی میں سارا خوف وہراس فراموش ہو گیا- چنانچہ وہ فوراً پلٹے اور نہ صرف دشمنوں کو میدان جنگ سے بھگا ہی دیا بلکہ حمراء الاسد نامی مقام تک جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے ان کے تعاقب میں بڑھتے چلے گئے! لیکن جو لوگ دل کے کچے یا منافق تھے انہیں اپنی جانوں ہی کی فکر لگی رہی- وہ کہتے تھے جو کچھ ہوا اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ اگر خدا فتح ونصرت دیتا تو ایسی حالت پیش ہی کیوں آتی؟ قرآن کہتا ہے یہ عہد جاہلیت (یعنی عرب کے قبل از اسلام زمانے) کے سے خیالات ہیں اور ان دلوں میں نہیں گزر سکتے جو اسلام کی تعلیم سے روشن ہو چکے ہیں' بلا شبہ فتح ونصرت اللہ ہی کے ہاتھ ہے' لیکن وہ فتح ونصرت انہی کو دیتا ہے جو صبر اور تقویٰ میں پکے ہوتے ہیں-

☆☆ (۱۳) جس طرح جنگ بدر کی فتح مندی سے مسلمانوں کی تربیت مدنظر تھی اسی طرح جنگ احد کی عارضی شکست میں بھی تربیت کا پہلو پوشیدہ تھا- ایک دوڑنے والے کی مشق کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہوتا کہ بے روک دوڑتا چلا جائے بلکہ اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک دو مرتبہ گر کر گرنے اور سنبھلنے کا سبق بھی سیکھ لے- بدر کی فتح مندی نے استعداد وسعی کی برکتیں دکھلا دی تھیں' ضرورت تھی کہ اب کمزوری و تغافل کے نتائج کا بھی تجربہ ہو جائے- چنانچہ احد کے حادثے نے یہ مقصد پورا کر دیا!

بدر کی فتح اور تائید الٰہی کی بشارتوں نے بہت سے مسلمانوں میں ایک طرح کی بے پروائی اور غفلت پیدا کر دی تھی' وہ سعی وتدبیر کی کاوشوں سے بے نیاز ہو گئے تھے' اور سمجھنے لگے تھے کہ ہم کوشش کریں یا نہ کریں' ہر حال میں ہمارے لیے فتح ہی فتح ہے- ⇦

إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٥٥﴾ يٰٓاَيُّهَا ع
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ
كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿١٥٧﴾

کی اس لغزش کا باعث صرف یہ تھا کہ بعض کمزوریوں کی وجہ سے جو انہوں نے پیدا کر لی تھیں' شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیے- (یہ بات نہ تھی کہ ان کے ایمان میں فتور آ گیا ہو- بہر حال) یہ واقعہ ہے کہ خدا نے ان کی یہ لغزش معاف کر دی' وہ یقیناً بخش دینے والا اور (انسان کی کمزوریوں کے لیے) بہت بردبار ہے! (۱۵۵)

مسلمانو! دیکھو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے اور جن کا شیوہ یہ ہے کہ اگر ان کے بھائی بند سفر میں گئے ہوں یا لڑائی میں مشغول ہو گئے ہوں اور انہیں موت پیش آ جائے' تو کہنے لگتے ہیں "اگر یہ لوگ گھر سے نہ نکلتے اور ہمارے پاس ٹھہرے رہتے تو کاہے کو مرتے یا مارے جاتے؟"

حالانکہ ایک خدا پرست دل میں کبھی ایسے خطرات نہیں گزر سکتے- اور یہ بات جو تمہیں کہی گئی' تو اس لیے کہی گئی) تا کہ اللہ اس بات کو (یعنی تمہارے دلوں کی بے خوفی اور ایمان کی مضبوطی کو) منکرین حق کے دلوں کے لیے داغ حسرت بنا دے (کہ کسی حال میں بھی تمہیں کمزور اور بے ہمت نہ کر سکیں) یاد رکھو' اللہ ہی کے ہاتھ موت اور زندگی کا سر رشتہ ہے- اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کی نگاہ سے چھپا نہیں! (۱۵۶)

اور (دیکھو) اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے یا اپنی موت مر گئے تو اللہ کی طرف سے جو رحمت و بخشش تمہارے حصے میں آئے گی یقیناً وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کی پونجی لوگ جمع کیا کرتے ہیں! (۱۵۷)

⇦ اس طرح کی خام خیالیاں ابتدائی فتح مندیوں کے بعد پیدا ہو جایا کرتی ہیں- لیکن یہ ایک خطرناک حالت تھی- اس کا نتیجہ غفلت و غرور تھا' اور ضروری تھا کہ اس کی نشوونما روک دی جائے- پس احد کے تجربے نے مسلمانوں کو بتلا دیا کہ خدا کی تائید و نصرت کا وعدہ برحق ہے لیکن اس کے تمام کاموں کی طرح اس کی تائید و نصرت کے بھی سنن و قوانین ہیں' اور ضروری ہے کہ انہی کے مطابق نتائج بھی ظہور میں آئیں- جو جماعت کمزوری و غفلت میں مبتلا ہو جائے گی' صبر و ثبات میں پوری نہیں اترے گی' اطاعت و نظام میں کچی ہو گی' وہ کبھی خدا کی تائید و نصرت کی مستحق نہیں ہو سکتی!

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پہلے بھی اس مصلحت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ﴾ اور یہاں بھی فرمایا ﴿ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾- یہ اس لیے ہوا تا کہ تمہارے دلوں میں جو کدورتیں پیدا ہو گئی تھیں ان سے تمہیں پاک و صاف کر دیا جائے-

(۱۴) سچا مومن وہ ہے جو موت سے نہیں ڈرتا' اور کبھی اس ڈر سے قدم پیچھے نہیں ہٹاتا- وہ کہتا ہے' موت سے تو کسی حال میں مفر نہیں- پھر کیوں نہ اس موت کا استقبال کیا جائے جو حق کی راہ میں پیش آئے اور جس کا نتیجہ اللہ کی مغفرت اور خوشنودی ہو؟ لیکن جن لوگوں کے دل ایمان سے محروم ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ راہ حق میں لوگوں کو موت پیش آ گئی' تو کہتے ہیں' اگر ان لوگوں نے یہ راہ اختیار نہ کی ہوتی تو کیوں اس نتیجے سے دوچار ہوتے؟ گویا موت صرف جنگ ہی میں آ سکتی ہے- جو آدمی اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا وہ کبھی مرنے والا نہیں!

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِ۟لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ
الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ
ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ

اور (یادرکھو) خواہ تم اپنی موت مرو یا مارے جاؤ' ہر حال میں ہونا یہی ہے کہ اللہ کے حضور جمع کیے جاؤ گے! (۱۵۸)

(اے پیغمبر!)[1] یہ خدا کی بڑی ہی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے اس قدر نرم مزاج واقع ہوئے - اگر تم سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے (ان کے دل تمہاری طرف اس طرح نہ کھنچتے جس طرح اب بے اختیار کھنچ رہے ہیں) پس ان لوگوں کا قصور معاف کردو اور اللہ سے بھی ان کے لیے بخشش طلب کرو- نیز اس طرح کے معاملات میں (یعنی امن و جنگ کے معاملات میں) ان سے مشورہ کرلیا کرو- پھر جب ایسا ہو کہ تم نے کسی بات کا عزم کرلیا تو چاہیے کہ خدا پر بھروسہ کرو (اور جو کچھ ٹھان لیا ہے اس پر کاربند ہوجاؤ) یقیناً اللہ انہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ کرنے والے ہیں! (۱۵۹)

مسلمانو! اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے' لیکن اگر وہی تمہیں چھوڑ بیٹھے' تو بتلاؤ' کون ہے جو اس کے چھوڑ دینے کے بعد تمہارا مددگار ہوسکتا ہے؟ (یقین کرو) صرف اللہ ہی کی ذات ہے- پس جو مومن ہیں' وہ اسی پر بھروسہ رکھیں! (۱۶۰)

اور[2] (دیکھو) خدا کے نبی سے یہ بات کبھی نہیں ہوسکتی کہ وہ (فرض نبوت ادا کرنے میں) کسی طرح کی خیانت کرے (کیونکہ جو نبی ہوگا' وہ خائن نہیں ہوسکتا) اور جو کوئی خیانت کرتا ہے' تو جو کچھ اس نے خیانت کی ہے (اسے دنیا میں

---

[1] (۱۵) اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام (ﷺ) سے خطاب موعظت اور منصب امامت کی بعض اصولی مہمات:

(۱) یہ اللہ کی بڑی ہی رحمت ہے کہ تمہارے دل میں نرمی اور مزاج میں سرتا سر شفقت ہے- اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگوں کے دل تمہاری طرف بے اختیار نہ کھنچتے جس طرح اب کھنچ رہے ہیں-

(ب) جنگ احد میں ایک گروہ کی لغزش بڑی ہی سخت لغزش تھی' تاہم تمہاری شفقت کا مقتضا یہی ہے کہ عفو و درگزر سے کام لو-

(ج) تمہارا طریق کار یہ ہونا چاہیے کہ صلح و جنگ کا کوئی معاملہ بغیر مشورے کے انجام نہ پائے-

(د) اس بارے میں دستور العمل یہ ہے کہ پہلے جماعت سے مشورہ کرو- پھر مشورے کے بعد کوئی ایک بات ٹھان لو- اور جب ایک بات ٹھان لی تو اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ- شوریٰ اپنے محل اور وقت میں ضروری ہے' عزم اپنے محل اور وقت میں- جب تک مشورہ نہیں کیا ہے فیصلہ و عزم کا سوال نہیں اٹھتا' لیکن جب مشورے کے بعد عزم کرلیا گیا تو وہ عزم ہے اور کوئی رائے اور کوئی نکتہ چینی' کوئی مخالفت اسے متزلزل نہیں کرسکتی!

امام کے لیے ضروری ہے کہ جماعت سے مشورہ کرے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ صاحب عزم ہو!

[2] (۱۶) مسلمانوں کی جماعت سے خطاب کہ جب پیغمبر اسلام کا طریق کار یہ ہے کہ ہر معاملہ میں تم سے مشورہ کرلیا کریں تو تمہارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ ان کے تمام احکام و عزائم کی بے چون و چرا اطاعت کرو- وہ اللہ کے نبی ہیں اور ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ کا نبی خلق اللہ کی امامت و پیشوائی کے فرائض میں کسی طرح کی خیانت کرے-

⇦

بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ
كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ
بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ النصف
مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾

لوگوں کی نظروں سے کتنا ہی چھپائے لیکن) قیامت کے دن نہیں چھپا سکے گا- وہ اس کے ساتھ آئے گی- پھر ہر جان کو اس کی کمائی کے مطابق پورا پورا بدلہ ملنا ہے- یہ نہ ہوگا کہ کسی کے ساتھ بھی ناانصافی کی جائے-(۱۶۱)

کیا ایسا آدمی جس نے اللہ کی خوشنودیوں کی راہ اختیار کی ہے (اور جو کام کرتا ہے اللہ کا پسندیدہ کام ہوتا ہے) اس آدمی کی طرح ہوسکتا ہے جس نے (اپنی بدعملیوں سے) اللہ کا غضب بٹورا' اور جس کا ٹھکانا جہنم جیسا برا ٹھکانا ہوا؟ (۱۶۲) (نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا) اللہ کے نزدیک لوگوں کے (الگ الگ) مرتبے ہیں' اور جیسے کچھ ان کے اعمال ہیں' وہ انہیں دیکھ رہا ہے! (۱۶۳)

بلاشبہ یہ اللہ کا مومنوں پر بڑا ہی احسان تھا کہ اس نے ایک رسول ان میں بھیج دیا جو انہی میں سے ہے- وہ اللہ کی آیتیں سناتا ہے' ہر طرح کی برائیوں سے انہیں پاک کرتا ہے' اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے (اس نے ہدایت کی راہ ان پر کھول دی) حالانکہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے! (۱۶۴)

جب (جنگِ احد میں) تم پر مصیبت پڑی اور یہ مصیبت ایسی تھی کہ اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (بدر میں) دشمنوں پر پڑ چکی ہے' تو تم بول اٹھے "یہ مصیبت ہم پر کہاں سے آپڑی" اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو' (ہاں مصیبت تو ضرور آپڑی مگر) خود تمہارے ہی ہاتھوں آئی (اگر تم کمزوری نہ دکھاتے اور احکامِ حق کی اطاعت کرتے تو کبھی یہ مصیبت پیش نہ آتی) یاد رکھو اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں ہے! (۱۶۵)

⇐ اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ دنیا میں سچے انسان کی زندگی جھوٹے انسان سے اپنی ہر بات میں اس درجہ مختلف ہوتی ہے' کہ ممکن نہیں' کسی طرح کا دھوکا ہو سکے- ایک بدکار آدمی بناوٹ سے اپنے آپ کو کتنا ہی نیک ظاہر کرے' لیکن بناوٹ پھر بناوٹ ہے- کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور کر بیٹھے گا کہ اصلیت آشکارا ہو جائے گی- تلاوت آیات' تزکیہ قلوب اور تعلیم کتاب و حکمت جس وجود گرامی کے اعمال ہیں' کیونکر ممکن ہے کہ ادائے فرض امامت میں کسی طرح کی خیانت کا اس سے ارتکاب ہو؟

(۱۷) جنگِ احد کا معاملہ منافقوں کے لیے جو مخلص مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے زندگی بسر کر رہے تھے' ایک فیصلہ کن آزمائش تھی- اس موقع پر ان کا نفاق پوری طرح کھل گیا- جنگ کے ابتدائی مشورے سے لے کر جنگ کے بعد تک' کوئی موقع ایسا نہیں آیا کہ فتنہ پردازی سے باز رہے ہوں- جب کثرتِ رائے سے یہ بات قرار پائی کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے' تو لوگوں کو بہکانے لگے کہ باہر نکل کے لڑنا موت کے منہ میں جانا ہے- جب ان سے کہا گیا کہ اچھا' شہر کی مدافعت کرو' تو لگے طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے- کہتے تھے ہمیں امید نہیں کہ لڑائی کی نوبت آئے- اگر امید ہوتی تو ضرور تیاری کرتے- پھر جب لوگوں کی کمزوری اور نافرمانی سے فتح ہوتے ہوتے شکست ہوگئی تو انہیں فتنہ و شرارت ⇐

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ
نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ
هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ
اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ

اور (دیکھو) دو گروہوں کے مقابلے کے دن تمہیں جو کچھ پیش آیا (یعنی جنگِ احد میں جو کچھ پیش آیا) تو اللہ ہی کے حکم سے پیش آیا (کیونکہ اس نے فتح و شکست کا قانون ایسا ہی ٹھہرا دیا ہے) اور اس لیے پیش آیا' تا کہ ظاہر ہو جائے ایمان رکھنے والے کون ہیں' نفاق والے کون ہیں (۱۶۶) (چنانچہ منافقوں کا نفاق اس موقع پر پوری طرح کھل گیا) جب ان سے کہا گیا کہ آؤ (وقت کا فرض انجام دیں) یا تو اللہ کی راہ میں (باہر نکل کے) جنگ کرو' یا (شہر میں رہ کر) دشمنوں کا حملہ روکو-تو کہنے لگے "اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ لڑائی ضرور ہوگی تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے" یقین کرو جس وقت انہوں نے یہ بات کہی' تو وہ کفر سے زیادہ نزدیک تھے بمقابلہ ایمان کے! یہ لوگ زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو فی الحقیقت ان کے دلوں میں نہیں ہے-اور جو کچھ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں خدا اس سے بے خبر نہیں! (۱۶۷)

جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ خود تو (جنگ کے وقت) اپنے گھروں میں بیٹھ رہے' لیکن اب اپنے بھائیوں کے حق میں کہتے ہیں "اگر ہماری بات پر چلے ہوتے تو کبھی نہ مارے جاتے" اے پیغمبر! تم کہہ دو' اچھا' اگر تم واقعی (اپنے اس خیال میں) سچے ہو تو جب موت تمہارے سرہانے آ کھڑی ہو' تو اسے نکال باہر کرنا (اور اپنی چترائی اور پیش بینی سے ہمیشہ زندہ رہنا)! (۱۶۸)

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں' ان کی نسبت ایسا خیال نہ کرنا کہ وہ مر گئے-نہیں وہ زندہ ہیں-

⇦ کا نیا موقع ہاتھ آ گیا-کبھی کہتے' یہ سب کچھ اسی لیے ہوا کہ ہماری بات نہیں مانی گئی-کبھی کہتے روز روز کی لڑائیوں سے کیا فائدہ؟ نجات اسی میں ہے کہ دشمنوں کو راضی کر لیا جائے-مقصود یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے دلوں میں مایوسی اور ہراس پیدا کر دیں اور ان کی کوئی بات بھی ٹھیک طور پر بن نہ سکے-

احد کے میدان سے جاتے ہوئے دشمن کہہ گئے تھے کہ آئندہ سال پھر آئیں گے اور آخری فیصلہ کر کے جائیں گے-دوسرے سال جب وہ وقت آیا تو مسلمان تیار ہو کر باہر نکلے' لیکن دشمنوں کا کوئی پتہ نہ تھا-انہیں مکہ سے نکلنے کی جرأت ہی نہ ہوئی-مسلمان چند دن انتظار کر کے خوش دل اور کامیاب واپس آ گئے-لیکن اس موقع پر بھی منافقوں نے (دشمنوں سے مل کر) ہر طرح کی شرارتیں کیں-دشمن چاہتے تھے کہ ڈر جانے کی ذلت ان کے حصے میں نہ آئے-مسلمانوں کے حصے میں آئے اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا کہ مسلمان جنگ کے لیے آمادہ نہ ہوں-چنانچہ مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے مخبر بھیجے گئے' اور بہت سی جھوٹی افواہیں مشہور کر دی گئیں-منافق انہیں پھیلاتے اور مسلمانوں کو سرگرمی سے باز رکھنا چاہتے-یہاں ان تمام باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور منافقوں کو آخری مہلت دی گئی ہے کہ اپنی منافقانہ روش سے باز آ جائیں ورنہ وقت آ گیا ہے کہ اللہ ان کے چہروں پر سے نفاق کا پردہ اٹھا دے گا-

ان آیات میں منافقوں کی جو نفسیاتی حالت دکھائی گئی ہے' وہ کوئی مخصوص صورتِ حال نہیں ہے-اگر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ جماعت کے کمزور اور مذبذب افراد ہمیشہ ایسی ہی صورتِ حال پیدا کر دیا کرتے ہیں-

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ
مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ
وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٧١﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ
الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٢﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ
قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾ فَانْقَلَبُوْا
بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾ اِنَّمَا
ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٥﴾ وَ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ

اور اپنے پروردگار کے حضور اپنی روزی پا رہے ہیں! (۱۶۹)

اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے' اس سے خوش حال ہیں' اور جو لوگ ان کے پیچھے (دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی ان سے ملے نہیں' ان کے لیے خوش ہو رہے ہیں کہ نہ تو ان کے لیے کسی طرح کا کھٹکا ہوگا - نہ کسی طرح کی غمگینی!

وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے عطیوں سے مسرور ہیں - نیز اس بات سے کہ انہوں نے دیکھ لیا' اللہ ایمان رکھنے والوں کا اجر کبھی اکارت نہیں کرتا! (۱۷۱)

جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دیا (اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے) باوجودیکہ (ایک برس پہلے جنگ احد کا) زخم کھا چکے تھے' سو یاد رکھو' ان میں جو لوگ نیک کردار اور متقی ہیں یقیناً ان کے لیے اللہ کے حضور) بہت بڑا اجر ہے! (۱۷۲)

یہ وہ لوگ ہیں جن سے بعض آدمی کہتے تھے "تم سے جنگ کرنے کے لیے دشمنوں نے بہت بڑا گروہ اکٹھا کر لیا ہے - پس چاہیے کہ ان سے ڈرتے رہو (اور مقابلے کے لیے باہر نہ نکلو) لیکن (بجائے اس کے کہ یہ بات سن کر وہ ڈر جاتے) ان کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا - وہ (بے خوف و خطر ہو کر) بول اٹھے "ہمارے لیے اللہ کا سہارا بس کرتا ہے - اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا اس کا کارساز ہے!" (۱۷۳)

پھر (ایسا ہوا کہ یہ لوگ بے خوف ہو کر نکلے اور) اللہ کی نعمت اور فضل سے شاد کام واپس آ گئے - کوئی گزند انہیں نہ چھو سکا وہ اللہ کی خوشنودیوں کی راہ میں گامزن ہوئے - (یہ اللہ کا فضل تھا) اور اللہ بڑا فضل رکھنے والا ہے! (۱۷۴)

(اور یہ جو دشمنوں کا بھیجا ہوا ایک مخبر تمہیں بہکانا چاہتا تھا' تو) یہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ شیطان تھا جو تمہیں اپنے ساتھیوں سے ڈرانا چاہتا ہے - اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو شیطان کے ساتھیوں سے نہ ڈرو' اللہ سے ڈرو - (۱۷۵)

(اے پیغمبر!) ۱ جو لوگ کفر کی راہ میں دوڑ رہے ہیں' ان کی یہ حالت دیکھ کر تم آزردہ خاطر نہ ہونا - یقین رکھو' وہ خدا (کے

۱ (۱۸) حکمت الٰہی نے دنیا کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ہے کہ یہاں نیکی اور بدی' حق اور باطل' عدالت اور ظلم دونوں کو مہلت ملتی ہے۔ ⇐

يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَھُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ
وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَھُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَھُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ
وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ
الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا

کاموں) کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے (البتہ اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں) خدا چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت (کی بخششوں اور نعمتوں) میں کوئی حصہ نہ رکھے (کیونکہ اس کا قانون سعادت وشقاوت ایسا ہی ہے) اور بالآخر ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے! (۱۷۶)

جن لوگوں نے ایمان (کی پونجی) دے کر کفر کا سودا چکایا ہے تو وہ خدا (کے کاموں) کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے ان کے لیے (پاداش عمل میں) دردناک عذاب تیار ہے! (۱۷۷)

اور یہ جو ہم ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (زندگی اور سروسامانِ زندگی کی مہلت دے کر) ڈھیل دے رہے ہیں، تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ڈھیل ان کے حق میں بہتری ہے۔ نہیں، ہم انہیں ڈھیل دے رہے ہیں کہ (اگر بدعملیوں سے باز آنے والے نہیں تو) اپنے گناہ میں اور زیادہ (جواب دہ) ہو جائیں، اور بالآخر ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے! (۱۷۸)

ایسا نہیں ہو سکتا[1] کہ اللہ ایمان والوں کو اسی حالت میں چھوڑ رکھے جس حالت میں تم آج کل اپنے آپ کو پاتے ہو (کہ منافق اور مومن دونوں ملے جلے زندگی بسر کر رہے ہیں) وہ ضرور ایسا کرے گا کہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے (اور منافق مومنوں سے الگ پہچان لیے جائیں)۔

اور خدا کے کاموں کا یہ ڈھنگ بھی نہیں کہ وہ (اس بارے میں) تمہیں غیب کی خبریں دے دے (یعنی جن لوگوں کے دلوں میں نفاق پوشیدہ ہے، ان کے نام ظاہر کر دے) لیکن ہاں، وہ اپنے رسولوں میں سے جس کسی کو چاہتا ہے، اس بات کے لیے چن لیتا ہے (اور انہیں جو کچھ بتلانا ہوتا ہے، بتلا دیتا ہے۔ سو اس بارے میں بھی وہ جو کچھ چاہے گا، اپنے رسول کو بتلا دے گا) پس (اے گروہ منافقین! اب تمہارے لیے اصلاح حال کی آخری مہلت ہے) چاہیے کہ اللہ پر اور اس کے رسول پر (سچے دل سے) ایمان لے آؤ۔ اگر تم (اب بھی) ایمان لے آئے اور برائیوں سے بچے۔ تو یقین کرو تمہارے

⇐ اور خدا کا قانون رحمت یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہلت اور ڈھیل دے۔ پس اس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ یہ بات دیکھنی چاہیے کہ آخری کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے؟ عمل حق کے لیے بالآخر بقا ہے اور عمل باطل کے لیے بالآخر نیست ونابود ہو جانا۔

[1] (۱۹) منافقوں کو بہت مہلت دی جا چکی ہے! اب وقت آ گیا ہے کہ اللہ سچے مومنوں میں اور ان میں امتیاز کر دے۔ باقی رہی یہ بات کہ اللہ اپنے کلام میں کیوں نام بنام منافقوں کا ذکر نہیں کر دیتا تو یہ اس کی سنت کے خلاف ہے۔ اس کی سنت اس بارے میں یہی ہے کہ جو شخص اپنے فساد سے باز نہیں آئے گا، خود اس کا فساد ہی اس کی بروقت تشہیر کر دے گا!

بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ
اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ
لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ
قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ
ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ج

ع ۱۸ — وقف لازم

لیے اجر عظیم ہے! (۱۷۹) جن[1] لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مقدور دیا ہے اور وہ مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں' تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ ایسا کرنا ان کے لیے کوئی بھلائی کی بات ہے- نہیں وہ تو ان کے لیے بڑی ہی برائی ہے- قریب ہے کہ قیامت کے دن یہ مال و متاع جس کو بٹورنے کے لیے وہ بخل کر رہے ہیں' ان کے گلوں میں (عذاب کا) طوق بنا کر پہنا دیا جائے!

اور (یاد رکھو) آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی میراث ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کے علم سے مخفی نہیں! (۱۸۰)

بلاشبہ[2] اللہ نے ان لوگوں کا کہنا سن لیا ہے جنہوں نے یہ بات کہی کہ "اللہ محتاج ہے اور ہم دولت مند ہیں" (کہ بار بار اس کے نام پر ہم سے مال طلب کیا جاتا ہے؟) سو قریب ہے کہ جو بات انہوں نے کہی ہے' ہم ان کے لیے لکھ دیں- (یعنی یہ انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت کی ہنسی اڑاتے ہیں' اور خدا کو محتاج کہتے ہیں تو عنقریب اس کی پاداش میں یہ خود محتاج اور تباہ حال ہو جائیں) اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا (کہ ان کے نامہ اعمال کی سب سے بڑی شقاوت ہے) اور (اس وقت جب اس شقاوت کا نتیجہ پیش آئے گا تو) ہم کہیں گے اب (پاداش عمل میں) عذاب جہنم کا مزہ چکھو! (۱۸۱) تم جو کچھ اپنے ہاتھوں اپنے لیے مہیا کر چکے ہو یہ اسی کا نتیجہ ہے- ورنہ اللہ کے لیے تو یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی کہ اپنے بندوں کے لیے ظلم کرنے والا ہو! (۱۸۲)

---

[1] (۲۰) منافقوں پر جنہوں نے مصلحت وقت دیکھ کر دعوت اسلام کا ساتھ دیا تھا' راہ حق میں مال و دولت کا خرچ کرنا بہت شاق گذرتا تھا- وہ خود بھی بخل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی بخل کی تلقین کرتے تھے- یہاں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

[2] سلسلہ بیان کا وہ حصہ جو جنگ احد کے ذکر سے شروع ہوا تھا یہاں ختم ہوتا ہے اور وہی بیان پھر چھڑ جاتا ہے جو اس ذکر سے پہلے تھا- یعنی اہل کتاب سے مخاطبہ اور دعوت حق کی فتح مندی کا اعلان- چونکہ احد کے بیان میں منافقوں کا ذکر چھڑ گیا تھا اور منافقوں کا گروہ زیادہ تر یہودیوں کا گروہ تھا' اس لیے سلسلۂ بیان خود بخود اہل کتاب کی طرف مڑ گیا ہے-

ہر دعوت کے ابتدائی عہد کی طرح اسلام کا ابتدائی عہد بھی تنگی و سختی کا عہد تھا' اور خدمت حق کے لیے مال کی ضرورت برابر پیش آتی رہتی تھی- منافقوں پر یہ بات شاق گزرتی جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے- وہ کہتے' یہ جو بار بار خدا کے نام پر مال طلب کیا جا رہا ہے' تو کیا خدا محتاج ہو گیا ہے' اور ہمارے پاس ذخیرے بھرے پڑے ہیں کہ برابر لٹاتے ہی رہیں؟

خدا نے ان کا یہ قول یہاں نقل کیا ہے اور چونکہ منافقوں میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو یہودیت چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے' اور یہودیت ان کے دلوں میں بسی ہوئی تھی' اس لیے ایک ایسی بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو یہودی گمراہی کی سب سے بڑی شقاوت رہ چکی ہے- یعنی ﴿ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾ خدا کے نبیوں سے ان کا سرکشی کرنا اور ان کے قتل میں بے باک ہو جانا-

مدینہ کے علمائے یہود جب دعوت اسلام کے خلاف تمام دلیلوں میں ہار چکے تو آخر ڈھونڈ ڈھانڈ کر یہ بات نکالی کہ ہمیں تورات میں سوختنی قربانی کا حکم دیا گیا ہے- اس لیے ہم اسی نبی کو سچا مانیں گے جو سوختنی قربانی کے عمل کے ساتھ آیا ہو- سوختنی ⇐

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ
فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ
وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

جولوگ کہتے ہیں "اللہ ہم سے عہد لے چکا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھالیتی ہو" تو تم ان سے کہہ دو (اگر تمہارے رد و قبول کی کسوٹی یہی ہے تو بتلاؤ) مجھ سے پہلے اللہ کے کتنے ہی رسول سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ تمہارے پاس آئے اور اس بات کے ساتھ آئے جس کے لیے تم کہہ رہے ہو (یعنی سوختنی قربانی کے حکم کے ساتھ) پھر اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو کیوں تم (نے انہیں قبول نہیں کیا اور کیوں ایمان لانے کی جگہ) انہیں قتل کرتے رہے! (۱۸۳)

(اے پیغمبر!) یہ لوگ اگر آج تمہیں جھٹلا رہے ہیں تو (یہ کوئی ایسی بات نہیں جو تمہارے ہی ساتھ ہوئی ہو) تم سے پہلے کتنے ہی رسول ہیں جو (اسی طرح) جھٹلائے گئے۔ باوجودیکہ (سچائی کی) روشن دلیلیں (حکمت و موعظت کے) صحیفے اور (شریعت کی) روشن کتاب ان کے ساتھ تھی۔ (۱۸۴) (مسلمانو! یاد رکھو) ہر جان کے لیے (بالآخر) موت کا مزہ چکھنا ہے اور جو کچھ تمہارے اعمال کا بدلہ ملنا ہے وہ قیامت ہی کے دن پورا پورا ملے گا اس دن جو شخص آتش دوزخ سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل ہوگیا تو کامیابی اسی کی کامیابی ہوئی اور دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ (خواہشوں اور ولولوں کی کام جوئیوں کا) کارخانۂ فریب ہے! (۱۸۵)

(یاد رکھو) ایسا ہونا ضروری ہے کہ تم جان و مال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ۔ یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین عرب سے تمہیں دکھ پہنچانے والی باتیں بہت کچھ سننی پڑیں۔ لیکن اگر تم نے صبر کیا (یعنی مصیبتوں میں ثابت قدم رہے) اور تقویٰ

⇐ قربانی سے مقصود یہ ہے کہ یہودی جانوروں کی قربانی کر کے ان کا گوشت آگ میں جلا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ تورات کی تیسری کتاب احبار کی پہلی فصل میں اس کا طریقہ بہ تفصیل بیان کیا گیا ہے۔ قرآن ان کا یہ اعتراض نقل کر کے کہتا ہے: اگر تمہاری قبولیت کا دار و مدار اسی بات پر ہے تو بتلاؤ تم نے ان نبیوں کو کیوں قتل کیا جو بقول تمہارے سوختنی قربانی کے حکم کے ساتھ آئے تھے؟

۱ پیروانِ دعوتِ حق سے خطاب کہ تم نے قیامِ حق کی خدمتِ عظیم اپنے سر لی ہے تو ضروری ہے کہ اس راہ کی تمام آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑے۔ اہل کتاب اور مشرکین عرب دونوں تمہاری مخالفت میں کمربستہ ہوگئے ہیں۔ وہ طرح طرح کی اذیتیں تمہیں پہنچائیں گے اور تمہیں برداشت کرنی پڑیں گی۔ تمہاری کامیابی کے لیے اصلی چیز صبر اور تقویٰ ہے۔ اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ کا سررشتہ ہاتھ سے نہ دیا تو یقین کرو بالآخر فتح مندی تمہارے لیے ہے!

اللہ نے اہل کتاب کو اپنی کتاب کا حامل بنایا تھا اور ان سے عہد لیا تھا کہ اس کے احکام کی تعلیم و تلقین اپنا فرض سمجھیں گے، لیکن وہ طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہوگئے اور عہد الٰہی فراموش کر دیا۔ بایں ہمہ انہیں اب تک اہل کتاب ہونے کا گھمنڈ ہے۔ وہ چاہتے ہیں دنیا اس بات کے لیے انہیں سراہے، جو نہ تو انہوں نے کی ہے اور نہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ضمناً پیروانِ دعوتِ قرآن کو موعظت کہ اہل کتاب کی محرومی و شقاوت کا بڑا سبب یہی گمراہی ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی میں مبتلا ہو جاؤ۔

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ
الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ
وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ
اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ ع ۱۹ ۱۰
وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا

کا شیوہ اختیار کیا (یعنی احکام حق کی نافرمانی سے بچے رہے) تو بلاشبہ بڑے کاموں کی راہ میں یہ بڑے ہی عزم و ہمت کی بات ہو گی۔ (۱۸۶)

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے' ان سے خدا نے اس بات کا عہد لیا تھا کہ (جو کچھ اس کتاب میں ہے) اسے لوگوں پر واضح کرتے رہنا' اور ایسا نہ کرنا کہ (بتلانے اور اعلان کرنے کی جگہ) چھپانے لگو' لیکن انہوں نے (یہ عہد یوں پورا کیا کہ) کتاب اللہ پیٹھ پیچھے ڈال دی' اور اسے تھوڑے داموں پر فروخت کر ڈالا (یعنی دنیا کے حقیر فائدوں کے لیے حق فروشی کرنے لگے) پس کیا ہی برا وہ دام ہے جو (حق فروشی کے بدلے) حاصل کیا گیا! (۱۸۷)

(اے پیغمبر!) جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہو رہے ہیں' اور چاہتے ہیں کہ ان کاموں کے لیے سراہے جائیں جو انہوں نے کبھی نہیں کیے' تو تم ہرگز ایسا نہ سمجھنا کہ وہ (آنے والے) عذاب سے بچے رہیں گے۔ نہیں یقیناً ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے! (۱۸۸) اور (دیکھو) آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے' اور اس کی قدرت کے احاطہ سے کوئی بات باہر نہیں! (۱۸۹) بلاشبہ آسمان اور زمین کی خلقت میں اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں' اربابِ دانش کے لیے (معرفت حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں! (۱۹۰) وہ اربابِ دانش' جو کسی حال میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ کھڑے ہوں' بیٹھے ہوں' لیٹے ہوئے ہوں (لیکن ہر حال میں اللہ کی یاد ان کے اندر بسی ہوتی ہے)

---

۱ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کے زیرِ فرمان ہے۔ پس اگر وہ تمہیں کامرانی و سربلندی عطا فرمانا چاہے تو تمہاری راہ کون روک سکتا ہے؟ لیکن شرطِ کامیابی یہ ہے کہ راہِ حق میں استوار رہو۔ حق کی معرفت و استقامت کا سرچشمہ' اللہ کا ذکر اور کائنات خلقت میں تفکر ہے۔

ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے تمہارا دل خالی نہ رہے۔

فکر سے مقصود یہ ہے کہ آسمان و زمین کی خلقت اور کائنات فطرت کے حوادث و مظاہر میں غور و فکر کرتے رہو۔

ذکر سے تمہارے دل کی غفلت دور ہو گی۔

فکر سے تم پر حقیقت کی معرفت کے دروازے کھلتے جائیں گے۔

جن لوگوں کے دل غفلت سے پاک ہوتے ہیں اور کائنات خلقت میں تفکر کرتے ہیں' ان پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ تمام کارخانہ ہستی اور اس کا عجیب و غریب نظام بغیر کسی اعلیٰ مقصد اور نتیجہ کے نہیں ہو سکتا' اور ضروری ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی کے بعد بھی کوئی دوسری زندگی ہو اور جو کچھ اس زندگی میں کیا جاتا ہے اس کے نتائج اس زندگی میں پیش آئیں۔ ⇦

وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ
فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ
اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا
سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا
تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ
مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

جن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ آسمان وزمین کی خلقت میں غور وفکر کرتے ہیں۔(اس ذکر وفکر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان پر معرفت حقیقت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔وہ پکار اٹھتے ہیں:) خدایا! یہ سب کچھ جو تو نے پیدا کیا ہے سو بلاشبہ بیکار وعبث نہیں پیدا کیا ہے (ضروری ہے کہ یہ کارخانۂ ہستی جو اس حکمت وخوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے' کوئی نہ کوئی مقصد وغایت رکھتا ہو) یقیناً تیری ذات اس سے پاک ہے کہ ایک بیکار کام تجھ سے صادر ہو! خدایا! ہمیں عذاب آتش سے (جو دوسری زندگی میں پیش آنے والا ہے) بچالیجیو! (۱۹۱)

خدایا! جس (بدبخت) کے لیے ایسا ہو کہ تو اسے دوزخ میں ڈالے' تو بلاشبہ تو نے اسے بڑی ہی خواری میں ڈالا' اور (جس دن ایسا ہوگا' تو اس دن) ظلم کرنے والوں کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا! (۱۹۲)

خدایا! ہم نے ایک منادی کرنے والے کی منادی سنی' جو ایمان کی طرف بلا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ''لوگو! اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ'' تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور ایمان لے آئے۔ پس خدایا! ہمارے گناہ بخش دے' ہماری برائیاں مٹادے اور (اپنے فضل وکرم سے) ایسا کر کہ ہماری موت نیک کرداروں کے ساتھ ہو! (۱۹۳)

خدایا! ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے' اور (اپنے لطف وکرم سے) ایسا کر کہ قیامت کے دن ہمیں ذلت وخواری نصیب نہ ہو! بلاشبہ تو ہی ہے کہ تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہو سکتا! (۱۹۴)

(جب ارباب دانش کے فکر وعمل کی صدائیں یہ تھیں) تو ان کے پروردگار نے بھی ان کی دعائیں قبول کر لیں۔ (خدا نے فرمایا) بلاشبہ میں کبھی کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا' مرد ہو خواہ عورت۔ تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو (اور عمل کے نتائج کا قانون سب کے لیے یکساں ہے) پس (دیکھو) جن لوگوں نے (راہ حق میں) ہجرت کی' اپنے گھروں سے نکالے گئے' میری راہ میں ستائے گئے' اور پھر (راہ حق میں) لڑے اور قتل ہوئے تو (ان کے یہ اعمال حق کبھی رائگاں جانے والے نہیں)۔

⇦ جب یہ حقیقت ان پر کھلتی ہے تو ان کی روح خدا پرستی کے جوش سے معمور ہو جاتی ہے۔ وہ خدا کے آگے بندگی ونیاز کا سر جھکا دیتے ہیں اور اس سے بخشش ورحمت کے طلبگار ہوتے ہیں!

اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی انسان کا عمل نیک ضائع نہیں کرتا۔ عمل حق ایک ایسی حقیقت ہے جو ضائع ہو ہی نہیں سکتی۔ پس جو لوگ حق پرستی کی راہ میں طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں' وہ یقین رکھیں کہ ان کے اعمال حق کے ثمرات کبھی ضائع ہونے والے نہیں۔

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ
الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ
الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ
مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ
خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

الثلثة

یقینی ہے کہ میں ان کی خطائیں محو کر دوں، اور انہیں (نعیم ابدی کے) باغوں میں پہنچا دوں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں (اور اس لیے ان کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) یہ اللہ کی طرف سے ان کے اعمال کا ثواب ہوگا، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس (جزائے عمل میں) بہتر ثواب ہے! (۱۹۵)

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کا (عیش و کامرانی کے ساتھ) ملکوں میں سیر و گردش کرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے (۱۹۶) یہ جو کچھ ہے، محض تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے (جو ان کے حصے میں آیا ہے) بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور (جن کا ٹھکانا جہنم ہو، تو) کیا ہی برا ٹھکانا ہوا! (۱۹۷)

لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرے (اور راست بازی کی راہ اختیار کی) تو ان کے لیے (بہشتی زندگی کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ہمیشہ (نعیم و سرور کی) اسی حالت میں رہیں گے۔ یہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے مہمانی ہو گی، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، سو وہ نیک کرداروں کے لیے اچھائی اور خوبی ہی ہے! (۱۹۸)

اور یقیناً اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ ان پر نازل ہو چکا ہے، سب کے لیے ان کے دل میں یقین ہے۔ نیز ان کے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ وہ ایسا نہیں کرتے کہ خدا کی آیتیں تھوڑے داموں پر فروخت کر ڈالیں (تو بلاشبہ ایسے لوگوں کے لیے کوئی کھٹکا نہیں)۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے۔ یقیناً اللہ (کا قانون مکافات) اعمال کے حساب میں سست رفتار نہیں! (۱۹۹)

---

۱ سورت کی ابتدا اس بیان سے ہوئی تھی کہ خدا انسان کی روحانی سعادت کے لیے اپنا کلام نازل کرتا ہے۔ اس کا قانون ہے کہ جو لوگ اسے قبول کرتے ہیں سعادت و کامرانی پاتے ہیں، جو شرارت و سرکشی سے مقابلہ کرتے ہیں نامراد رہتے ہیں۔ اسی سلسلۂ ہدایت کے ماتحت الکتاب یعنی قرآن نازل ہوا ہے۔

ع ۲۰ ۱۱

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾

مسلمانو! (اگر کامیابی حاصل کرنی چاہتے ہو تو ساری باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ) صبر کرو، ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو، ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جاؤ اور (ہر حال میں) خدا سے ڈرتے رہو تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو! (۲۰۰)

اب سورت کا اختتام بھی اسی بیان پر ہو رہا ہے- یہ گویا سورت کے تمام بیانات کا ماحصل ہے کہ:

(۱) دعوت قرآن کے مخالف کتنی ہی سعی و تدبیر کریں' اور بظاہر عارضی طور پر کتنے ہی خوشحال نظر آئیں' لیکن بالآخر ہونا یہی ہے کہ دعوت قرآن کامیاب ہو-

(۲) اہل کتاب کی جو جماعتیں عرب میں دعوت حق کا مقابلہ کر رہی ہیں ان سب کے لیے بالآخر نامرادی و تباہی ہے- البتہ جو لوگ سچائی کی راہ اختیار کریں گے تو ان کے لیے کوئی کھٹکا نہیں، وہ اپنی راست بازی و نیک عملی کا اجر ضرور پائیں گے' اور خدا کا قانون' محاسبہ اعمال میں سست رفتار نہیں-

(۳) پیروان دعوت قرآن کے لیے دستور العمل یہ ہے کہ صبر کریں' راہ عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جائیں' اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں- اگر انہوں نے ایسا کیا تو کامیابی انہی کے لیے ہے-

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُھَا: 176 | سُوْرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا: 24

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا
وَ بَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَلَیۡكُمۡ رَقِیۡبًا ① وَ اٰتُوا الۡیَتٰمٰۤی اَمۡوَالَهُمۡ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِیۡثَ

اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے پروردگار (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو- وہ پروردگار جس نے تمہیں اکیلی جان سے پیدا کیا☆ (یعنی باپ سے پیدا کیا) اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کر دیا (یعنی جس طرح مرد کی نسل سے لڑکا پیدا ہوتا ہے' لڑکی بھی پیدا ہوتی ہے) پھر ان دونوں کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی بڑی تعداد دنیا میں پھیلا دی (اور اس طرح تن تنہا ایک مورثِ اعلیٰ کی نسل نے خاندانوں' قبیلوں اور بستیوں کی شکل اختیار کر لی' اور رشتوں قرابتوں کا بہت بڑا دائرہ ظہور میں آ گیا) پس دیکھو! اللہ سے ڈرو جس کے نام پر باہم دگر (مہر الفت کا) سوال کرتے ہو- نیز قرابت داری کے معاملہ میں بے پروانہ ہو جاؤ- یقین رکھو کہ اللہ تم پر (تمہارے اعمال کا) نگران حال ہے! (۱) اور (دیکھو) یتیموں کا مال (دیانت داری کے ساتھ) ان کے حوالے کر دو- ایسا نہ کرو کہ (ان کی) اچھی چیز کو (اپنی ناکارہ چیز سے) بدل ڈالو-

۱ حکمتِ الٰہی کی یہ بڑی ہی کارفرمائی ہے کہ اس نے انسان کی پیدائش اور معیشت کا نظام کچھ اس طرح کا بنا دیا' کہ پہلے ایک فردِ واحد سے وہ پیدا ہوتا ہے- پھر اس کی نسل سے بے شمار افراد پیدا ہوتے ہیں' پھر ہر فرد کی نسل سے الگ الگ سلسلے قائم ہو جاتے ہیں- پھر یہ سلسلے پھیلتے ہیں اور رفتہ رفتہ خاندانوں' قبیلوں' گروہوں اور بستیوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں- اس صورت حال نے افراد کے باہمی اجتماع و اتحاد کے لیے صلہ رحمی یعنی نسلی قرابت کا رشتہ پیدا کر دیا ہے اور سوسائٹی کا نظام اسی پر قائم ہے- اگر اس رشتے کے مؤثرات نہ ہوتے تو انسان کی زندگی میں انفرادیت کی جگہ اجتماعیت پیدا نہ ہوتی-

یہ رشتہ باہمی الفت و مساعدت کے جذبات پیدا کرتا اور ایک فرد کو دوسرے فرد کے ساتھ ملائے رکھتا ہے- پس نظامِ معاشرت کی درستی کے لیے ضروری ہے کہ صلہ رحمی کے حقوق کی حفاظت کی جائے- صلہ رحمی کے حقوق خدا کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ہیں- جو شخص ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے وہ احکامِ الٰہی سے سرتابی کرتا اور ظلم و معصیت کا مرتکب ہوتا ہے-

اس سلسلے میں سب سے زیادہ حفاظت کے مستحق یتیم بچے تھے لہٰذا سب سے پہلے ان کے حقوق کا ذکر کیا گیا-

(۱) جو لوگ یتیموں کے نگران و محافظ ہوں انہیں چاہیے ان کا مال الگ رکھیں۔ اپنے مال کے ساتھ ملا کر نقصان نہ پہنچائیں- ⇦

☆ اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے جو ہم نے اختیار کی ہے- دوسری یہ ہے کہ " نفس واحدہ" سے مقصود حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ﴿ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا ﴾ سے حوا- ہم نے تفسیر میں مندرجہ متن کو اس لیے ترجیح دی کہ آگے چل کر نکیر کے ساتھ فرمایا ہے ﴿ وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالاً كَثِیۡراً وَّنِسَآءً ﴾ حالانکہ اگر مقصود حضرت آدم ہوتے تو ہونا چاہیے تھا ﴿ وَبَثَّ مِنۡهُمَا جَمِیۡعُ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ ﴾-

بِالطَّيِّبِ ۠ وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا
تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا
تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ
نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝۴ وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ
اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵

اوران کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا جلا کر خورد برد کرلو- یقیناً ایسا کرنا بڑی ہی گناہ کی بات ہے(۲) اور (دیکھو) اگر (تم نکاح کرنا چاہو اور) تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف نہ کرسکو گے تو (انہیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ بلکہ) جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرلو (یعنی دوسری عورتوں سے جو تمہیں پسند آئیں نکاح کرلو- ایک وقت میں) دو دو' تین تین' چار چار تک کر سکتے ہو- (بشرطیکہ ان میں انصاف کرسکو- یعنی سب کے حقوق ادا کرسکو اور سب کے ساتھ ایک ہی طرح کا سلوک کرسکو) اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کرسکو گے تو پھر چاہیے کہ ایک بیوی سے زیادہ نہ کرو-

یا پھر جو عورتیں (لڑائی کے قیدیوں میں سے) تمہارے ہاتھ آ گئی ہیں (انہیں بیوی بنا کر رکھو) بے انصافی سے بچنے کے لیے ایسا کرنا زیادہ قرین صواب ہے- (بمقابلہ اس کے کہ یتیم لڑکیوں کے حقوق کے لیے اللہ کے حضور جواب دہ ہو)-(۳)

اور (دیکھو) عورتوں کا مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کردیا کرو (اگرچہ وہ یتیم اور لاوارث ہوں کہ یہ ان کا حق ہے اور جب تک ادا نہیں کرو گے ان کا حق تمہارے ذمے باقی رہے گا) ہاں اگر ایسا ہو کہ وہ اپنی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو (اس میں کوئی حرج نہیں) تم اسے بے کھٹکے اپنے کام میں لا سکتے ہو-(۴)

اور (دیکھو) مال و متاع کو خدا نے تمہارے لیے قیام (معیشت) کا ذریعہ بنایا ہے- پس ایسا نہ کرو کہ کم عقل آدمیوں کے حوالے کردو (یعنی کم عمر اور نادان لڑکوں کے حوالے کردو- اگر وہ کم سن ہیں تو) ایسا کرنا چاہیے کہ ان کے مال میں سے ان کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کردیا جائے اور نیکی اور بھلائی کی بات انہیں سمجھا دی جائے-(۵)

⇦ (۲) ایسا نہ کرو کہ یتیم لڑکی تمہاری حفاظت میں ہو اس کی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے اس سے نکاح کرلو اور پھر اسے نقصان پہنچاؤ- سرپرست اور محافظ کو چاہیے کہ اس بارے میں بے لاگ رہے-

(۳) ضمناً نکاح کا حکم کہ اگر ایک مرد استطاعت رکھتا ہو اور چاہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھے' تو چار تک رکھ سکتا ہے- لیکن شرط یہ ہے کہ انصاف کرے یعنی سب کے ساتھ یکساں سلوک کرے- اگر اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کرسکے گا تو پھر ایک سے زیادہ نہیں کرنا چاہیے-

(۴) مال قیام زندگی کا ذریعہ ہے- پس جب تک یتیم بچے عاقل و بالغ نہ ہو جائیں اور اپنے مفاد کی حفاظت نہ کرسکیں مال و متاع ان کے قبضہ میں نہ دو-

(۵) اس ڈر سے کہ اولاد بڑی ہو کر قابض ہو جائے گی یا یتیم بالغ ہو کر مطالبہ کریں گے' مال و دولت کو فضول خرچی میں اڑا دینا بہت بڑی معصیت ہے- مال و دولت ہر حال میں ایک امانت ہے' اور تمہارا فرض ہے کہ دیانت داری سے اس کی حفاظت کرو-

(۶) سرپرست و محافظ اگر خوش حال ہوں تو اپنے خرچ کا بار یتیم کی امانت پر نہ ڈالیں- اگر محتاج ہوں تو بقدر احتیاج لے سکتے ہیں-

(۷) حقدار کو اس کا حق دو تو اس پر لوگوں کو گواہ کرلو-

تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا
تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ
بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (٦) لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ
مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ
نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا (٧) وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا
لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (٨) وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ

اور یتیموں کی حالت پر نظر رکھ کر انہیں آزماتے رہو (کہ ان کی سمجھ بوجھ کا کیا حال ہے؟) یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں- پھر اگر ان میں صلاحیت پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو-

اور اس خیال سے کہ بڑے ہو کر مطالبہ کریں گے' فضول خرچی کر کے جلد جلد ان کا مال کھا پی نہ ڈالو-

(یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو مقدور والا ہو اسے چاہیے (ان کے مال پر اپنے خرچ کا بار ڈالنے سے) پرہیز کرے- جو حاجت مند ہو وہ اس میں سے لے سکتا ہے مگر ٹھیک طریقہ پر (یعنی بقدر احتیاج)-

پھر جب ایسا ہو کہ ان کا مال ان کے حوالے کر دو تو چاہیے کہ اس پر لوگوں کو گواہ کر لو- اور (یہ نہ بھولو کہ) محاسبہ کرنے کے لیے اللہ کا محاسبہ بس کرتا ہے!(٦)

ماں باپ[1] اور رشتے داروں کے ترکے میں' تھوڑا ہو یا بہت' لڑکوں کا حصہ ہے' اور اسی طرح ماں باپ اور رشتے داروں کے ترکے میں لڑکیوں کا بھی حصہ ہے (حق دار ہونے کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں) اور یہ حصہ (خدا کا) ٹھہرایا ہوا حصہ ہے-(٧)

اور (دیکھو) جب ایسا ہو کہ ترکہ تقسیم کرنے کے وقت (دور کے) رشتے دار اور (خاندان کے) یتیم اور مسکین افراد بھی حاضر ہو جائیں تو چاہیے کہ میت کے مال میں سے انہیں بھی (حسب مقدور) تھوڑا بہت دے دو اور (اگر اس بارے میں ردوکد ہو تو) انہیں اچھے طریقے پر بات کہہ کر سمجھا دو (کیونکہ وہ حاجت مند ہیں اور حاجت مندوں کے ساتھ نرمی و شفقت سے پیش آنا چاہیے)-(٨)

اور لوگوں کو (اس بات سے) ڈرنا چاہیے کہ (کسی حقدار کے حق میں ناانصافی کی جائے) اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں اولاد چھوڑ جاتے' تو انہیں ان کی طرف سے کیسا کچھ اندیشہ ہوتا؟ (ایسا ہی دوسروں کے لیے بھی سمجھیں) پس چاہیے کہ اللہ سے ڈریں

---

[1] (٨) اسلام سے پہلے عام طور پر یہ عقیدہ پھیلا ہوتا کہ مال و جائداد کی وراثت میں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں- اس گمراہی کا ازالہ کیا گیا اور یہ اصول قائم کر دیا گیا کہ حق دار ہونے کے لحاظ سے مرد اور عورت دونوں برابر ہیں-

(٩) ورثہ تقسیم کرو' تو جو لوگ دور کے رشتہ دار ہوں یا خاندان کے یتیم اور مسکین افراد انہیں فراموش نہ کرو- تقسیم میں ان کا حق نہ سہی' لیکن پھر بھی حسب توفیق کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے-

(١٠) جو لوگ یتیموں کے مال میں خیانت کرتے ہیں' ان کے لیے عذاب آخرت کی سخت وعید ہے-

وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَ
ع سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿١٠﴾ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً
فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ
مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ
فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ
لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ

اور ایسی بات کہیں جو درست اور مضبوط ہو۔(۹)

جو لوگ یتیموں کا مال ناانصافی سے خورد برد کر لیتے ہیں تو (وہ یاد رکھیں) یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھر رہے ہیں اور قریب ہے کہ دوزخ میں جھونکے جائیں۔(۱۰)

تمہاری[1] اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہو (یعنی لڑکی سے لڑکے کا حصہ دوگنا ہونا چاہیے)

پھر اگر ایسا ہو کہ لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ترکے میں ان کا حصہ دو تہائی ہوگا۔ اور اگر اکیلی ہو تو اسے آدھا ملے گا۔

اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ میت کے اولاد ہو۔ اگر اولاد نہ ہو اور وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو ماں کے لیے تہائی (باقی باپ کا)۔

اگر (ماں باپ کے علاوہ) میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں بھی ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہوگا۔

لیکن یاد رہے میت نے جو کچھ وصیت کر دی ہو یا جو کچھ اس پر قرض رہ گیا ہو اس کی تعمیل اور ادائیگی کے بعد یہ حصے تقسیم ہوں گے۔

(دیکھو) تمہارے باپ دادا بھی ہیں اور تمہاری اولاد بھی ہے۔ (یعنی رشتہ کے لحاظ سے اوپر کا بھی رشتہ ہے اور نیچے کا بھی) تم نہیں جانتے نفع رسانی کے لحاظ سے کونسا رشتہ تم سے نزدیک ہے (اور کس کا حق زیادہ ہونا چاہیے کس کا کم۔ اللہ کی حکمت ہی اس کا فیصلہ کر سکتی تھی۔ پس) اللہ نے حصے ٹھہرا دیے ہیں اور وہ (اپنے بندوں کی مصلحت کا) جاننے والا اور (اپنے احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے۔(۱۱)

تمہاری بیویاں جو کچھ ترکے میں چھوڑ جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ان سے اولاد نہ ہو تو تمہارا (یعنی شوہر کا) حصہ

---

[1] ترکے کی تقسیم اور حق داروں کے حصوں کا بیان۔

اصل اس بارے میں یہ ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملنا چاہیے۔ یعنی لڑکی سے لڑکے کا حصہ دوگنا ہو۔

میت نے جو کچھ وصیت کی ہو پہلے اس کی تعمیل کرنی چاہیے اور جو کچھ اس پر قرض رہ گیا ہو اسے ادا کر دینا چاہیے۔ اس کے بعد جو کچھ بچے اسے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ البتہ ضروری ہے کہ وصیت ٹھیک طور پر کی گئی ہو۔ اس غرض سے نہ کی گئی ہو کہ حق داروں کو ان کے حق سے محروم کر دیا جائے۔

مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ
وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ
فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ
وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ
بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ
وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾

آدھا ہے- اگر اولاد ہو تو چوتھائی - مگر یہ تقسیم اس کے بعد ہوگی کہ جو کچھ وہ وصیت کر گئی ہوں اس کی تعمیل ہو جائے اور جو کچھ ان پر قرض ہو ادا کر دیا جائے-

اور جو کچھ ترکہ تم چھوڑ جاؤ (یعنی شوہر چھوڑ جائے) تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تم سے اولاد نہ ہو تو بیویوں کا حصہ چوتھائی ہو گا - اگر اولاد ہو تو آٹھواں - جو کچھ تم وصیت کر جاؤ اس کی تعمیل اور جو کچھ تم پر قرض رہ گیا ہو اس کی ادائیگی کے بعد-

اور اگر[1] ایسا ہو کہ کوئی مرد یا عورت ترکہ چھوڑ جائے اور وہ کلالہ ہو (یعنی نہ تو اس کا باپ ہو نہ بیٹا) اور (دوسری ماں سے) اس کے بھائی یا بہن ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ بھائی بہن میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہوگا-

اور اگر (بھائی بہن) ایک سے زیادہ ہوں' تو پھر ایک تہائی میں سب برابر کے شریک ہوں گے - لیکن اس وصیت کی تعمیل کے بعد جو میت نے کر دی ہو - نیز اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو میت کے ذمے رہ گیا ہو - بشرطیکہ (وصیت اور قرض سے) مقصود (حق داروں کو) نقصان پہنچانا نہ ہو-

یہ (ترکے کی تقسیم کے بارے میں) اللہ کی طرف سے حکم ہے اور (یقین رکھو) اللہ (بندوں کے مصالح) جاننے والا اور (ان کی کمزوریوں کے لیے اپنے احکام وقوانین میں) بہت بردبار ہے! (۱۲)

(یاد رکھو) یہ اللہ کی (ٹھہرائی ہوئی) حد بندیاں ہیں پس جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا' تو اللہ اسے (ابدی راحتوں کے) ایسے باغوں میں داخل کر دے گا جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی (اور اس لیے ان کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) وہ (سرور وراحت کی) اس حالت میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے جو انہیں حاصل ہوگی! (۱۳)

---

[1] کلالہ کی میراث کا حکم-

کلالہ سے مقصود ایسا مرد یا ایسی عورت ہے جس کے نہ تو باپ ہو کہ اوپر کا رشتہ ہے - نہ بیٹا ہو کہ نیچے کا رشتہ ہے-

ایسی میت کے وارثوں کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں-

(۱) سگے بھائی بہن ہوں- (۲) علاتی بہن بھائی ہوں یعنی باپ ایک لیکن مائیں مختلف ہوں-

(۳) اخیافی بھائی بہن ہوں یعنی ماں ایک ہو - باپ مختلف ہوں-

یہاں تیسری صورت کا حکم بیان کیا گیا ہے - پہلی اور دوسری صورت کا حکم سورت کی آخری آیات میں ہے-

ع ۱۳ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾
وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا
فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَ الَّذٰنِ
يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾
اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ

لیکن جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے باہر نکل گیا تو (یاد رہے) وہ (جنت کی ابدی راحتوں کی جگہ) آگ کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔ وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا! (۱۴)

اور تمہاری[۱] عورتوں میں سے جو عورتیں بدچلنی کی مرتکب ہوں تو چاہیے کہ اپنے آدمیوں میں سے چار آدمیوں کی اس پر گواہی لو۔ اگر چار گواہ گواہی دے دیں تو پھر ایسی عورتوں کو گھروں میں بند رکھو۔ یہاں تک کہ موت ان کی عمر پوری کر دے یا اللہ ان کے لیے کوئی دوسری راہ پیدا کر دے۔ (۱۵) اور جو دو شخص تم میں سے بدچلنی کے مرتکب ہوں تو چاہیے کہ ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ (یعنی پٹواؤ جس سے انہیں اذیت پہنچے) پھر اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اپنی حالت سنوار لیں تو انہیں چھوڑ دو۔ بلاشبہ اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحمت رکھنے والا ہے! (۱۶)

البتہ[۲] یاد رہے کہ اللہ کے حضور توبہ کی قبولیت انہی لوگوں کے لیے ہے جو برائی کی کوئی بات نادانی و بے خبری میں کر بیٹھتے ہیں اور پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں (اور ان کا ضمیر اپنے کیے پر پشیمانی محسوس کرتا ہے) تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ اللہ بھی (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آتا ہے اور وہ یقیناً سب کچھ جاننے والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۱۷)

لیکن ان لوگوں کی توبہ، توبہ نہیں ہے جو (ساری عمر تو) برائیاں کرتے رہے، لیکن جب ان میں سے کسی کے آگے موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا "اب میں توبہ کرتا ہوں" (ظاہر ہے کہ ایسی توبہ، سچی توبہ نہ ہوئی) اسی طرح ان لوگوں کی توبہ بھی توبہ نہیں ہے

[۱] بدچلن عورتوں اور مردوں کی تعزیر کا حکم ☆

[۲] ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ سچی توبہ انہی لوگوں کی توبہ ہے جو گناہ پر مصر نہ ہوں اور جن کا ضمیر گناہ کے بعد پشیمانی محسوس کرتا ہو۔

☆ مفسروں کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ ان آیات میں جس برائی کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مقصود زنا ہے اور جس سزا کا حکم دیا گیا ہے وہ اوائل اسلام میں دی جاتی تھی۔ بعد کو جب سورۂ نور نازل ہوئی تو زنا کی حد مقرر ہوگئی اور یہ سزا باقی نہیں رہی۔ لیکن ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ ان آیات میں اور سورۂ نور میں ایک ہی جرم کی سزائیں نہیں بیان کی گئی ہیں بلکہ دو مختلف جرائم کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں جس بدچلنی کا ذکر کیا ہے اس سے مقصود وہ بدچلنی ہے جو دو عورتیں اور دو مرد آپس میں کریں اور سورۂ نور میں زنا کا ذکر ہے۔ پس دونوں احکام اپنی اپنی جگہ باقی ہیں۔

اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ
اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّ
یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا
فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۲۰﴾ وَ كَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰی
بَعْضُكُمْ اِلٰی بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۲۱﴾ وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا

جو دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں- ان تمام لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے- (جو انہیں پاداش عمل میں پیش آئے گا!) (۱۸)

مسلمانو! [1] تمہارے لیے یہ بات جائز نہیں کہ عورتوں کو (میت کی) میراث سمجھ کر ان پر زبردستی قبضہ کر لو- اور نہ ایسا کرنا چاہیے کہ جو کچھ (مال و متاع) انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ لے نکلنے کے لیے ان پر سختی کرو اور انہیں روک رکھو- اِلا یہ کہ وہ علانیہ بدچلنی کی مرتکب ہوئی ہوں-

اور (دیکھو) عورتوں کے ساتھ معاشرت کرنے میں نیکی اور انصاف ملحوظ رکھو- پھر اگر ایسا ہو کہ تمہیں (کسی وجہ سے) وہ ناپسند ہوں (تو بے ضبط اور بے قابو نہ ہو جاؤ) عجب نہیں ایک بات تم ناپسند کرتے ہو اور اسی میں اللہ نے تمہارے لیے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو! (۱۹) اور اگر تم (حسن معاشرت کے ساتھ نباہ نہ کر سکو اور) ارادہ کر لو کہ ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری کر و گے' اور پہلی بیوی کو تم نے (چاندی سونے کا) ایک ڈھیر بھی (مہر میں) دے دیا ہو' تو بھی نہیں چاہیے کہ (اسے علیحدہ کرتے ہوئے) اس میں سے کچھ واپس لے لو- کیا تم چاہتے ہو اپنا دیا ہوا مال بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لے لو؟ (۲۰)

اور پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اسے واپس لو حالانکہ تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ شوہر اور بیوی کا ملنا مل چکے ہو' اور تمہاری بیویاں تم سے نکاح کے وقت (اپنے حقوق کے لیے) پکا قول و قرار کرا چکی ہیں؟ (۲۱)

اور [2] (دیکھو) ان عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ لاؤ جنہیں تمہارے باپ نکاح میں لا چکے ہوں (جیسا کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا) اس (حکم کے نازل ہونے) سے پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا-

---

[1] عرب جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ جو ناانصافیاں کی جاتی تھیں ان میں سے ایک ناانصافی یہ تھی کہ اگر کوئی شخص مر جاتا تو جس طرح اس کا مال و متاع اس کے وارثوں کے قبضہ میں چلا جاتا' اسی طرح اس کی بیویوں پر بھی وہ قابض و متصرف ہو جاتے- نیز مختلف طریقوں سے عورتوں کو مجبور کیا جاتا کہ اپنا مہر چھوڑ دیں' یا جو کچھ مال و متاع ان کے قبضہ میں ہے' مردوں کے قبضے میں چلا آئے- یہاں اس طرح کی تمام ناانصافیوں سے روک دیا گیا- عورتوں کے ساتھ تمہاری معاشرت نیکی و انصاف پر مبنی ہونی چاہیے' ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ محض ہوائے نفس کے ہاتھ اپنی باگ دے دو اور اگر کسی وجہ سے بیوی پسند نہ آئے تو فوراً اسے چھوڑ کر دوسری کر لو- اس طرح کی بے ضبط اور بے قابو طبیعتیں کبھی معاشرتی سعادت حاصل نہیں کر سکتیں- اگر کسی وجہ سے تمہیں بیوی پسند نہیں تو صبر و برداشت سے کام لو- بہت ممکن ہے کہ ایک بات تمہیں اچھی نہ لگے اور اسی میں تمہارے لیے بہتری و سعادت ہو!

[2] جن رشتوں میں باہم نکاح جائز نہیں ان کا بیان-

ع قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ
وَاَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ
وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَ رَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ
دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ حَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ
مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

(آئندہ کے لیے یاد رکھو کہ) یہ بڑی ہی بے حیائی کی بات تھی، مکروہ و مردود شیوہ تھا اور برا دستور۔(۲۲)

(دیکھو) تم پر (نکاح کے لیے ان رشتوں کی عورتیں) حرام ٹھہرا دی گئی ہیں:

تمہاری مائیں۔

تمہاری بیٹیاں۔

تمہاری بہنیں۔

تمہاری پھوپھیاں۔

تمہاری خالائیں۔

تمہاری بھتیجیاں۔

تمہاری بھانجیاں۔

تمہاری دودھ پلانے والی مائیں۔ (کیونکہ جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا وہ تمہاری ماں ہی کے برابر ہوگئیں)

تمہاری رضاعی بہنیں (یعنی دودھ پینے کے رشتہ کی بہنیں)۔

تمہاری بیویوں کی مائیں۔

تمہاری بیویوں کی (پچھلی) اولاد جو تمہاری گودوں میں (پرورش پاتی) ہیں (یعنی اگرچہ تمہاری نسل سے نہیں ہیں لیکن جب ان کی ماؤں سے تم نے نکاح کر لیا تو اس کی سابقہ اولاد بھی تمہاری ہی اولاد جیسی ہوگی) البتہ یہ ضروری ہے کہ (عقد نکاح کے بعد) زناشوئی کا تعلق بھی ہو گیا ہو۔ اگر ایسا نہ ہوا ہو تو پھر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں کوئی پکڑ نہیں۔

تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں (یعنی تمہاری بہوئیں)۔

نیز یہ بات بھی حرام کر دی گئی کہ (ایک وقت میں) دو بہنوں کو جمع کرو۔ ☆

(اس حکم کے نزول سے) پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا۔ اللہ بخش دینے والا اور (اپنے بندوں کے لیے) رحمت رکھنے والا ہے! (۲۳)

☆ احادیث سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کا جمع کرنا بھی جائز نہیں ۱۲۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا
وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ
فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ
الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ

اور (دیکھو) وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں- ہاں (لڑائی کے قیدیوں میں سے) جو عورتیں تمہارے قبضے میں آ گئی ہوں (تو ظاہر ہے کہ ان کے سابقہ نکاحوں کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا) یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لیے (قانون) ٹھہرادیا گیا ہے-

ان عورتوں کے علاوہ (جن کا ذکر اوپر گزر چکا) تمام عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں (تم ان سے نکاح کر سکتے ہو) بشرطیکہ (ازدواجی زندگی کے) قیدو بند میں رہنے کے لیے نہ کہ نفس پرستی کے لیے اپنا مال خرچ کر کے ان سے نکاح کرو-

پھر جن عورتوں سے تم نے (ازدواجی زندگی کا) فائدہ اٹھایا ہے تو چاہیے کہ جو مہر اُن کا مقرر ہوا تھا وہ ان کے حوالے کردو- اور مہر مقرر کرنے کے بعد اگر آپس کی رضامندی سے کوئی بات ٹھہر جائے (یعنی اس میں کمی بیشی بیوی منظور کرلے- یا اس کا کوئی حصہ یا سب کچھ اپنی خوشی سے معاف کردے) تو ایسا کیا جاسکتا ہے- اس میں تم پر کوئی پکڑ نہ ہوگی۔ (یاد رکھو) اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور (ہر بات میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۲۴)

اور تم میں[1] جو کوئی اس کا مقدور نہ رکھتا ہو کہ (خاندانی) مسلمان بیبیوں سے نکاح کرے تو ان عورتوں سے نکاح کرلے سکتا ہے جو (لڑائی کے قیدیوں میں سے) تمہارے قبضے میں آئی ہیں اور مومن ہیں اور (اس بات میں کوئی ذلت اور عیب نہ سمجھو کہ تم نے ایک ایسی عورت سے نکاح کرلیا جو لڑائی میں قید ہو کر آئی تھی اور لونڈی بنالی گئی تھی- اصلی چیز ایمان ہے اور) اللہ تمہارے ایمانوں کا حال بہتر جاننے والا ہے- (ہوسکتا ہے کہ ایک مومن لونڈی ایمان کے لحاظ سے بہتر درجہ رکھتی ہو اور ایک شریف زادی

---

[1] اسیران جنگ میں سے جو عورتیں تمہارے قبضہ میں آ جائیں انھیں اس لیے حقیر و ذلیل نہ سمجھو کہ وہ دوسری قوم کی عورتیں ہیں یا لڑائی میں قید ہو کر آئی ہیں- انسان ہونے کے لحاظ سے ہر آدمی دوسرے آدمی کا ہم جنس ہے اور انسانی برادری کا رشتہ سارے رشتوں سے زیادہ قابل لحاظ ہے- ان میں سے جو عورتیں مسلمان ہوگئی ہوں تم ان سے نکاح کر سکتے ہو-

نزول قرآن سے پہلے غلامی کی رسم تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی- ہر طاقتور قوم کمزور قوم کے افراد کو غلام بنالیتی اور ان کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کرتی- قرآن نے اس بارے میں جو اصلاحات کیں انہیں دو قسموں میں بیان کیا جاسکتا ہے:

اولاً یہ کہ غلامی صرف اسیران جنگ میں محدود کردی- وہ بھی اس طرح کہ کم سے کم امکان اس کا باقی رکھا- سورۂ محمد کی آیت ﴿ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ﴾ (۴:۴۷) کے ذریعے اعلان کردیا کہ اگر مصالح جنگ کے خلاف نہ ہو تو چاہیے کہ اسیران جنگ کو فدیہ لے کر یا احسان رکھ کر چھوڑ دیا جائے-

⇦

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ
مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى
الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ ع ۴
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۟ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ

ایمانی خصائل سے محروم ہو) اور تم سب ایک دوسرے کی ہم جنس ہو (یعنی انسان ہونے کے لحاظ سے سب ایک ہی طرح کے انسان ہیں) پس ایسی عورتوں کو ان کے سرپرستوں کی اجازت سے (بلا تامل) اپنے نکاح میں لاؤ' اور دستور کے مطابق ان کا مہر ان کے حوالے کردو- البتہ یاد رہے کہ وہ (ازدواجی زندگی کے) قید و بند میں رہنے والی ہوں- بدکار عورتیں نہ ہوں- اور نہ ایسی ہوں کہ چوری چھپے بدچلنی کرتی رہتی ہوں- پھر اگر ایسا ہو کہ قید نکاح میں آنے کے بعد (ان میں سے کوئی عورت) بدچلنی کی مرتکب ہو تو اس کے لیے اس سزا سے آدھی سزا ہوگی جو (آزاد) بیویوں کے لیے ہے- یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں اندیشہ ہو کہ (نکاح نہ کر لینے سے) نقصان اور برائی میں پڑ جائیں گے اور اگر تم صبر کرو (اور بہتر وقت و حالت کا انتظار کر سکو) تو یہ تمہارے لیے کہیں بہتر ہے اور اللہ (انسانی کمزوریوں کو) بخشنے والا اور (اپنے تمام احکام میں) رحمت رکھنے والا ہے! (۲۵)

اللہ[1] چاہتا ہے' تم پر ان (کامیاب) لوگوں کی راہ کھول دے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں' اور انہی کے طریقہ پر تمہیں بھی چلائے- نیز تم پر (اپنی رحمت سے) لوٹ آئے- اور اللہ (تمہاری مصلحتوں کا) جاننے والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۲۶)

اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم پر (اپنی رحمت کے ساتھ) لوٹ آئے (اور تم ان برائیوں سے تائب ہو جاؤ جن میں مبتلا تھے) لیکن جو لوگ (احکام حق کی جگہ) نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں تو وہ چاہتے ہیں تم راہ اعتدال سے

⇦ ثانیاً غلاموں کے حقوق کی رعایت پر اس قدر زور دیا اور ان کے لیے ایسے احکام و قوانین نافذ کیے کہ غلامی غلامی نہیں رہی بلکہ سوسائٹی کا ایک مساویانہ عنصر بن گئی!

چنانچہ یہاں اسی بات پر زور دیا گیا ہے- لونڈیوں سے نکاح کرنے میں کوئی عیب کی بات نہیں- انسان ہونے کے لحاظ سے سب انسان برابر ہیں- اور فضیلت کا معیار ایمان و عمل ہے-

[1] یہ تمام احکام جو تمہارے لیے ٹھہرا دیے ہیں تو ان سے مقصود یہ ہے کہ
(۱) فلاح و سعادت کی جس راہ پر تم سے پہلے نیک انسان چل چکے ہیں وہ تم پر بھی کھل جائے-
(۲) احکام معاشرت میں سختیاں اور جکڑ بندیاں نہ ہوں- سہولتیں اور آسانیاں ہوں-
(۳) جن معاشرتی برائیوں میں تم مبتلا تھے ان سے آئندہ تائب ہو جاؤ-
(۴) افراط و تفریط سے بچو اور نفس پرستی میں بے لگام نہ ہو جاؤ-

اس کے بعد فرمایا کہ معاشرتی زندگی کی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی اگر خاندان کے تمام افراد دیانت دار اور راست باز نہ ہوں- پس آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ پر نہ کھاؤ-

⇦

اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿٢٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾
وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ

ہٹ کر بہت دور جا پڑو۔(۲۷)

اللہ چاہتا ہے (بے جاسختیوں اور رکاوٹوں کی جگہ) تمہارے لیے نرمی اور آسانی ہو اور (واقعہ یہ ہے کہ) انسان (طبیعت کا) کمزور پیدا کیا گیا ہے۔(۲۸)

مسلمانو! ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق ناروا نہ کھاؤ۔ہاں اس صورت میں کھا سکتے ہو کہ آپس کی رضا مندی سے ملا جلا کاروبار ہو (اور اپنے حصے کے مطابق ہر شخص اپنا حق لے لے) اور (دیکھو) اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو۔اللہ تمہارے لیے رحمت رکھنے والا ہے!(۲۹)

اور (یاد رکھو) جو کوئی ظلم اور شرارت سے ایسا کرے گا تو قریب ہے کہ ہم اسے آتش دوزخ میں ڈال دیں۔اور اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں۔(۳۰)

(دیکھو) جن بڑی بڑی برائیوں سے تمہیں روک دیا گیا ہے اگر تم ان سے بچتے رہو گے تو (ہمارے فضل و رحمت کا قانون یہ ہے کہ) ہم تمہاری لغزشوں اور غلطیوں کے اثرات تم پر سے محو کر دیں گے اور تمہیں ایک ایسے مقام پر پہنچا دیں گے جو عزت اور خوبی کا مقام ہو گا!۔(۳۱)

اور (دیکھو)[۱] خدا نے تم میں سے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے مقابلہ میں جو کچھ دے رکھا ہے اس کی تمنا نہ کرو (کہ کاش ہمیں بھی یہ ملا ہوتا!) مردوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کے مطابق (ثمرات و نتائج میں) ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے' اس کے مطابق (ثمرات و نتائج میں) ان کا حصہ ہے (دونوں اپنی اپنی جگہ اپنے فرائض' اعمال اور ان کے نتائج رکھتے ہیں) اور چاہیے کہ ہر حال میں) اللہ سے اس کی بخشائش کے طلب گار رہو، یقیناً

⇐ ہاں اگر ملی جلی تجارت ہو تو باہمی رضا مندی سے ہر آدمی اپنا حصہ لے سکتا ہے(۲۹)

اگر انسان بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرے' تو رحمت الٰہی کا قانون یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں اور کمزوریاں اس کی پاکی وسعادت میں مخل نہیں ہوں گی اور وہ شرف و کرامت کا مقام حاصل کر لے گا۔(۳۱)

[۱] نزول قرآن سے پہلے دنیا کا عالمگیر اعتقاد یہ تھا کہ وجود انسانی کا کامل ظہور صرف مردوں ہی کی جنس میں ہوا ہے۔عورتوں کی ہستی کوئی مستقل ہستی نہیں رکھتی۔وہ صرف اس لیے بنائی گئی ہیں کہ مردوں کی کام جوئیوں کا ذریعہ ہوں اور ان کی چاکری و پرستاری میں فنا ہو جائیں۔

قرآن تاریخ عالم کی سب سے زیادہ پرانی آواز ہے جو اس اعتقاد کے خلاف بلند ہوئی۔وہ کہتا ہے خدا نے نوع انسانی کو مرد اور عورت کی دو جنسوں میں تقسیم کر دیا ہے اور دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی ہستی' اپنے اپنے فرائض اور اپنے اپنے اعمال رکھتی ہیں۔کارخانہ معیشت کے لیے جس طرح ایک جنس کی ضرورت تھی' ٹھیک اسی طرح دوسری جنس کی بھی ضرورت تھی۔انسان کی معاشرتی زندگی کے لیے یہ دو مساوی ⇐

نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔــلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِـيْمًا ۳۲ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا
مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِيْبَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۳۳ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَي النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَھُمْ عَلٰي بَعْضٍ ع
وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ
تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاهْجُرُوْھُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا

وہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے-(۳۲)

اور (دیکھو) جو کچھ ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے حقدار ٹھہرا دیے ہیں نیز جن (عورتوں سے) تمہارا عہد و پیمان (نکاح) بندھ چکا ہو (ان کا بھی ہم نے حصہ ٹھہرا دیا ہے) پس چاہیے کہ جو کچھ جس کا حصہ ہو وہ اس کے حوالے کر دو (اور یاد رکھو) اللہ حاضر و ناظر ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی نہیں!(۳۳)

مرد عورتوں کی زندگی کے بندوبست کرنے والے ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر (خاص خاص باتوں میں) فضیلت دی ہے۔ نیز اس لیے کہ مرد اپنا مال (جو ان کی محنت سے جمع ہوتا ہے عورتوں پر) خرچ کرتے ہیں پس جو عورتیں نیک ہیں ان کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ اطاعت شعار ہوتی ہیں (اور اللہ کی حفاظت سے جو انہیں حاصل ہو جاتی ہے) پوشیدگی اور غیبت میں بھی (شوہروں کے حقوق و مفاد کی) حفاظت کرتی ہیں-

اور جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (یہ نہیں کرنا چاہیے کہ فوراً دل برداشتہ ہو کر قطع تعلق کر لو بلکہ) چاہیے انہیں (پہلے نرمی و محبت سے) سمجھاؤ پھر خواب گاہ میں ان سے الگ رہنے لگو اور (اس پر بھی نہ مانیں تو) انہیں (بغیر نقصان

⇦ عنصر ہیں جو اس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک مکمل زندگی پیدا کر دیں-

البتہ اللہ نے دنیا میں ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں مزیت دی ہے اور ایسی ہی مزیت مردوں کو بھی عورتوں پر ہے- مرد عورتوں کی ضروریات معیشت کے قیام کا ذریعہ ہیں- اس لیے سربراہی و کارفرمائی کا مقام قدرتی طور پر انہی کے لیے ہو گیا ہے-(۳۴)

عورتیں اس خیال سے دلگیر نہ ہوں کہ وہ مرد نہ ہوئیں اور مردوں کے کام ان کے حصے میں نہ آئے- وہ یقین کریں ان کے لیے بھی عمل و فضیلت کی ساری راہیں کھلی ہوئی ہیں!(۳۲)

اس کے بعد فرمایا کہ نیک عورتیں وہ ہیں جو اطاعت شعار ہوتی ہیں اور ظاہر و باطن ہر حال میں شوہروں کے مفاد کی حفاظت کرتی ہیں-

ایک عورت شوہر کے حقوق کی رعایت نہ کرے اور اطاعت شعاری کے دائرہ سے باہر ہو جائے تو شوہر کو چاہیے اسے سمجھائے اور نرمی و سختی سے راہ راست پر لانے کی کوشش کرے-

اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ اندیشہ ہو شوہر اور بیوی میں تفرقہ پڑ جائے گا تو پھر چاہیے کہ خاندان کی پنچایت بٹھائی جائے- پنچایت کی صورت یہ ہو کہ ایک آدمی مرد کے گھرانے سے لیا جائے ایک عورت کے۔ دونوں مل کر اصلاح حال کی کوشش کریں-

اگر سرکشی عورت کی جانب سے ہو تو مرد کو اختیار دیا گیا تھا کہ نرمی و سختی کر کے سمجھائے بجھائے- لیکن اگر قصور مرد کا ہو اور وہ خواہ مخواہ الزام عورت کے سر ڈال رہا ہو تو اس کا کیا علاج؟ اس کا علاج پنچایت کا حکم دے کر کر دیا گیا- اگر قصور مرد کا ہو گا تو عورت کو پورا موقع مل جائے گا کہ اپنے گھرانے کے آدمی کے ذریعہ حقیقت حال ظاہر کر دے- اس حکم میں معاشرت کے اکثر احکام کی طرح خطاب مسلمانوں سے ہے- یعنی جماعت سے ہے- جماعت کا فرض ہے کہ باہمی نااتفاقی کی صورت میں اصلاح حال کی کوشش کرے-

عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝۳۴ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ
وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا
تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ
الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا
فَخُوْرَا ۝۳۶ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ
وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۳۷ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ

پہنچانے بطور تنبیہ کے) مار بھی سکتے ہو- پھر اگر وہ تمہارا کہا مان لیں، تو (سختی سے درگزر کرو اور) ایسا نہ کرو کہ الزام دینے کے لیے راہیں ڈھونڈھنے لگو- (یاد رکھو) اللہ سب کے اوپر اور سب سے زیادہ بڑائی رکھنے والا موجود ہے! (۳۴)

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ میاں بیوی میں تفرقہ پڑ جائے گا، تو چاہیے کہ پنچ (ثالث) شوہر کے کنبے میں سے مقرر کرو، ایک بیوی کے کنبے میں سے (اور دونوں اصلاح حال کی کوشش کریں) اگر دونوں پنچ (دل سے) چاہیں گے کہ صلح صفائی کرا دیں تو اللہ ضرور میاں بیوی میں باہم موافقت پیدا کر دے گا (اور ان کی کوشش رائگاں نہ جائے گی) بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے! (۳۵)

اور[1] (دیکھو) اللہ کی بندگی کرو، اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور چاہیے کہ ماں باپ کے ساتھ، قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ، خواہ قرابت والے پڑوسی ہوں خواہ اجنبی ہوں، نیز پاس کے بیٹھنے اٹھنے والوں کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو مسافر ہوں، یا (لونڈی غلام ہونے کی وجہ سے) تمہارے قبضے میں ہوں، احسان اور سلوک کے ساتھ پیش آؤ-

اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترانے والے اور ڈینگیں مارنے والے ہیں (۳۶) جو خود بھی بخیلی کرتے ہیں، اور دوسروں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں، اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے، اسے (خرچ کرنے کی جگہ) چھپا کر رکھتے ہیں-

(یاد رکھو) ان لوگوں کے لیے جو (ہماری نعمتوں کی) ناشکری کرتے ہیں ہم نے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے- (۳۷) اور (ان لوگوں کو بھی خدا دوست نہیں رکھتا) جو محض لوگوں کے دکھانے کو (نام و نمود کے لیے) مال خرچ کرتے ہیں-

---

[1] عموم شفقت و احسان اور ادائے حقوق و فرائض کا حکم-

ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو- قرابت داروں کے حقوق سے غافل نہ ہو- یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور پڑوسیوں کی خبر گیری کرتے رہو- پڑوسی خواہ قرابت دار ہو، خواہ اجنبی ہو، ہر حال میں اچھے سلوک کا مستحق ہے- اسی طرح جو لوگ تمہارے پاس بیٹھنے اٹھنے والے ہوں، نیز لونڈی غلام جو تمہارے قبضے میں ہوں ان سب کے بھی تم پر حقوق ہیں اور ضروری ہے کہ سب کے ساتھ محبت و احسان کا سلوک کرو-

بخل نہ کرو- خدا نے جو کچھ رزق و دولت عطا فرمائی ہے اس کے بندوں کی خدمت میں خرچ کرو- جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کا ہاتھ انفاق فی سبیل اللہ سے کبھی نہیں رک سکتا- البتہ جو کچھ خرچ کرو اللہ کے لیے کرو- نام و نمود کے لیے نہ کرو- جو شخص نام و نمود کے لیے خرچ کرتا ہے وہ اللہ پر اور آخرت پر سچا ایمان نہیں رکھتا-

بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَ مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ
كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ
لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۗ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ
وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ

ع

وہ فی الحقیقت اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے (کیونکہ اگر اللہ پر سچا ایمان رکھتے' تو کبھی ایسا نہ کرتے کہ اسے چھوڑ کر انسانوں کے سامنے نمائش کرنی چاہتے) اور (دیکھو) جس کسی کا ساتھی شیطان ہوا تو کیا ہی برا یہ ساتھی ہے! (۳۸)

ان لوگوں کا کیا بگڑتا تھا اگر یہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے اور جو کچھ خدا نے انہیں دے رکھا ہے' اسے (خدا کی خوشنودی کے لیے) خرچ کرتے؟ اور اللہ تو ان کی حالت کی پوری خبر رکھتا تھا۔ (۳۹)

(یاد رکھو) اللہ (جزائے عمل میں) ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا (کہ عمل کے بدلے میں کسی طرح کی کمی ہو جائے' یا کوئی بدلے سے محروم رہ جائے۔ اس کا قانون تو یہ ہے کہ) اگر ذرہ برابر بھی کسی نے نیکی کی ہے' تو وہ اسے دوگنا کر دے گا اور پھر اپنے پاس سے ایسا بدلہ بھی عطا فرمائے گا جو بہت بڑا بدلہ ہوگا! (۴۰)

اور پھر (اے پیغمبر!) کیا حال ہوگا اس دن (یعنی قیامت کے دن) جب ہم ہر ایک امت سے ایک گواہ طلب کریں گے (یعنی اس کے پیغمبر کو طلب کریں گے جو اپنی امت کے اعمال و احوال پر گواہ ہوگا) اور ہم تجھے بھی ان لوگوں پر گواہی دینے کے لیے طلب کریں گے؟ (۴۱)

سو اس دن ایسا ہوگا کہ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے اور رسول کے حکموں سے نافرمان ہو گئے ہیں وہ (حسرت و ندامت سے) تمنا کریں گے۔ کاش (وہ دھنس جائیں اور) زمین ان کے اوپر برابر ہو جائے! اور اس دن وہ اللہ سے (اپنی) کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکیں گے! (۴۲)

مسلمانو [1] ایسا کبھی نہ کرو کہ تم نشہ میں ہو اور نماز کا ارادہ کرو۔ نماز کے لیے ضروری ہے کہ تم ایسی حالت میں ہو کہ جو کچھ زبان سے کہو (ٹھیک طور پر) اسے سمجھو۔

اور اسی طرح جس کسی کو نہانے کی حاجت ہو تو وہ بھی جب تک نہا نہ لے' نماز کا قصد نہ کرے۔ ہاں راہ چلتا

---

[1] معاشرتی زندگی کے جو حقوق و فرائض بیان کیے گئے ہیں اگر تم چاہتے ہو کہ ان کی اخلاقی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو' تو چاہیے کہ خدا کے ذکر و عبادت سے اپنی ایمانی قوت مضبوط کرتے رہو۔ جو جماعت نماز کی حقیقت سے محروم ہوگی' یعنی عبادت کے خشوع و خضوع کا اس میں ذوق نہ ہوگا' وہ کبھی عملی زندگی کی اخلاقی مشکلوں پر قابو نہیں پا سکتی۔

اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب کے باشندے صدیوں سے شراب نوشی کے عادی ہو رہے تھے۔ مشکل تھا کہ یک دفعہ باز آ جاتے ⇦

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا
مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ
اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ
اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙۗ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ
مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي

مسافر ہو (تو وہ تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی آدمی جائے ضرور سے فارغ ہو کر آئے یا ایسا ہو کہ تم نے عورت کو چھوا ہو (یعنی زناشوئی کی بات ہوئی ہو) اور (وضو اور غسل کے لیے) پانی نہ ملے تو اس صورت میں چاہیے پاک زمین سے کام لو- (طریقہ اس کا یہ ہے کہ زمین پر ہاتھ مار کر) چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرلو- بلاشبہ اللہ درگزر کرنے والا اور بخش دینے والا ہے! (۴۳)

کیا تم نے ان لوگوں کی حالت نہیں دیکھی جنھیں کتاب اللہ (کے علم میں) سے ایک حصہ دیا گیا تھا؟ کس طرح وہ (ہدایت دے کر) گمراہی خرید رہے ہیں اور چاہتے ہیں تم بھی راہ سے بہک جاؤ؟ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو اچھی طرح جانتا ہے -(تمہارے لیے) اللہ کی دوستی اور اس کی مددگاری کافی ہے! (۴۴)

(اے پیغمبر!) یہودیوں میں کچھ ایسے ہیں (جن کا شیوہ ہے) کہ لفظوں کو ان کی اصلی جگہ سے پھیر دیا کرتے ہیں اور (جب تم سے ملتے ہیں تو) اس خیال سے کہ دینِ حق کے خلاف طعن و تشنیع کریں زبان مروڑ مروڑ کر لفظوں کو بگاڑ دیتے ہیں (چنانچہ) کہتے ہیں "سمعنا وعصینا" اور "سمع غیر مسمع" اور "راعنا" ☆ اگر یہ لوگ (راست بازی سے محروم نہ ہوتے

⇦ اس لیے بتدریج ممانعت کے احکام نازل ہوتے رہے- بالآخر قطعی طور پر اس کا استعمال حرام کردیا گیا- یہاں نماز کے وقت شراب نوشی سے بچنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ ابتدائی عہد کا ہے- اس وقت تک شراب کی حرمت کا آخری اعلان نہیں ہوا تھا-

تیمّم کا حکم- اگر پانی میسر نہ آئے یا بیماری مانع ہو تو وضو اور غسل کی جگہ تیمّم کرلو لیکن کسی حال میں بھی نماز ترک نہ کرو-

نماز کے ذکر کے بعد سلسلۂ بیان اہل کتاب کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے- اور پیروان دعوت حق پر یہ حقیقت واضح کی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ نے تمہاری فلاح وسعادت کے لیے احکام شریعت نازل کردیے ہیں اسی طرح تم سے پہلے یہود و نصاریٰ کے لیے بھی احکام نازل کردیے تھے- لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ وہ راہِ ہدایت سے منحرف ہوگئے- پس چاہیے کہ ان کی حالت سے عبرت پکڑو اور اخلاص و صداقت کے ساتھ احکام الٰہی پر کاربند ہو-

یہود مدینہ کی یہ شقاوت کہ جب پیغمبر اسلام اور مسلمانوں سے ملتے تو ذو معنی اور مشتبہ الفاظ کہہ کر دل کا بخار نکالتے - (۴۶)

ضمناً مدینہ کے یہودیوں کو انذار کہ اگر دین حق کی مقاومت سے باز نہ آئے تو وہ وقت دور نہیں ہے کہ دعوت حق کی فتح مندی ان کی ذلت و خواری کا آخری فیصلہ کردے گی- دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ اعلان حرف بہ حرف پورا ہوا (۴۷)

سورۂ آل عمران میں یہود اور نصاریٰ کی سب سے بڑی گمراہی یہ بتلائی تھی کہ انہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو ایسا مقدس اور با اختیار سمجھ رکھا ہے گویا وہ خدا کی خدائی میں شریک ہیں (۶۴-۷۹) خدا کی خدائی میں شریک سمجھنے سے مقصود وہ اعتقاد ہے جو یہودیوں میں اپنے فقیہوں کی نسبت اور عیسائیوں میں پوپ اور پادریوں کی نسبت پیدا ہوگیا تھا یا جو کچھ وہ اپنے راہبوں اور فقیروں کی نسبت اعتقاد رکھتے تھے- اس گمراہی کا نتیجہ یہ تھا کہ ہدایت کا سررشتۂ کتاب الٰہی کی جگہ چند انسانوں کے ہاتھ آ گیا تھا- وہ لوگوں کو اندھا بہرا بنا کر جس طرح چاہتے تھے اپنی نفسانی غرضوں کے لیے استعمال کرتے تھے- لوگوں نے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چھوڑ دیا تھا- توہم پرستی و جہالت میں غرق ہوگئے تھے اور انسان کی عقلی ترقی و روشنی کی تمام راہیں بند ہوگئی تھیں- ⇦

☆ "سمعنا واطعنا" کے معنی ہیں ہم نے حکم سنا اور ہم نے اطاعت کی- یہودی از راہِ شرارت اسے اس طرح ادا کرتے کہ "اطعنا" "عصینا" ہوجاتا- ⇦

الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ
لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٤٦ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا
بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ
نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝٤٧ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ
يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝٤٨

اوران شرارت آمیز لفظوں کی جگہ) ''سمعنا و اطعنا'' اور ''اسمع'' اور ''نظرنا'' کہتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا اور درستی کی بات تھی-لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑ چکی-پس ایک چھوٹے گروہ کے سوا اور سب ایمان سے محروم ہیں!(۴۶)
اے وہ لوگو کہ تمہیں کتاب دی گئی تھی جو کتاب ہم نے (پیغمبر اسلام پر) نازل کی ہے اور جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے جو تمہارے ہاتھوں میں موجود ہے اس پر ایمان لاؤ (اور انکار حق کے شیوہ سے باز آ جاؤ) اس وقت سے پہلے ایمان لے آؤ جب ایسا ہو کہ ہم لوگوں کے چہرے مسخ کر کے پیٹھ پیچھے الٹا دیں (یعنی انہیں ذلیل وخوار کر دیں) یا ایسا ہو کہ جس طرح سبت والوں ☆ پر ہماری پھٹکار پڑی تھی اسی طرح ان پر بھی پھٹکار پڑے-اور (یاد رکھو) خدا نے جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے (یعنی جو قانون ٹھہرا دیا ہے) وہ ضرور ہو کر رہے گا!(۴۷)
اللہ یہ بات کبھی بخشنے والا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی دوسری ہستی کو شریک ٹھہرایا جائے (جس طرح یہود اور نصاریٰ نے اپنے احبار اور رہبان کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرا لیا ہے) ہاں اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں وہ چاہے تو بخش دے اور (دیکھو) جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو یقیناً وہ بہت بڑا گناہ کرتا ہوا (خدا پر) افترا پردازی کرتا ہے-(۴۸)

⇦ قرآن نے اس گمراہی کو شرک قرار دیا ہے-وہ یہودیوں سے کہتا ہے کہ سارے گناہ بخش دیے جاسکتے ہیں مگر اس کے لیے بخشائش نہیں کیونکہ یہ گمراہی شریعت الٰہی کے تمام مقاصد درہم برہم کر دیتی ہے اور انسان کی ہدایت کا مرکز اپنی جگہ سے ہل جاتا ہے(۴۸)
یہودیوں کی سب سے بڑی گمراہی مذہبی گروہ بندی کا گھمنڈ ہے-وہ ایمان وعمل کی روح سے محروم ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی اپنے اہل کتاب اور بنی اسرائیل ہونے پر نازاں ہیں-وہ کہتے ہیں ہم خدا کی چہیتی قوم ہیں اور آخرت کی نجات ہمارے لیے لکھ دی گئی ہے-جب بھی کوئی جماعت دین کے سچے علم وعمل سے محروم ہو جاتی ہے تو ایسے ہی غرور باطل میں مبتلا ہو جاتی ہے-(۴۹)

⇦ یعنی ہم نے حکم سنا اور خلاف ورزی کی-''اسمع'' کے معنی ہیں ہماری بات سنیئے-اور وہ اس کے ساتھ ''غیر مسمع'' بھی بڑھا دیتے جس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ خدا تمہیں بری بات نہ سنوائے-دوسرے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بہرے ہو جاؤ-اسی طرح ''راعنا'' بولتے جس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ہماری طرف التفات کیجیے-دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے چرواہے عربی میں کہتے ہیں ''راعی الحمار الحمر'' اذا رعیٰ معہا-
☆ سبت والوں سے مقصود یہودیوں کی وہ جماعت ہے جنہیں سبت کے دن کے احترام کا حکم دیا گیا تھا اور اس دن شکار کھیلنے سے روک دیے گئے تھے لیکن انہوں نے حیلے بہانے نکال کر اس حکم کی نافرمانی کی اور غضب الٰہی کے سزاوار ہوئے-سورۂ بقرہ کی آیت ۶۵ میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور تفصیل سورۂ اعراف میں ملتی ہے-(۷:۱۶۳)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُمْ ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۴۹﴾ انظُرْ
كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿۵۰﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا ع ۸
مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ
آمَنُوا سَبِيلًا ﴿۵۱﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿۵۲﴾ أَمْ لَهُمْ
نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿۵۳﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ
مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُم

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنی پاکی کا بڑا گھمنڈ رکھتے ہیں؟ (یعنی اپنے اہل کتاب ہونے کا بڑا گھمنڈ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں آخرت کی نجات تو صرف ہمارے ہی لیے ہے) حالانکہ (اپنے منہ پاک بننے سے کوئی پاک نہیں ہو جاتا) یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ جسے چاہے (برائیوں سے) پاک وصاف کر دے اور (اس کا قانون تو یہ ہے کہ جزائے عمل میں) رائی برابر بھی کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ (۴۹)

دیکھو یہ لوگ کس طرح اللہ پر صریح بہتان باندھ رہے ہیں؟ (اس کا قانون تو یہ ہے کہ پاکی ونجات کا دارومدار ایمان وعمل پر ہے اور یہ کہتے ہیں یہودیت کی گروہ بندی پر ہے) ان کی آشکارا گناہ گاری کے لیے یہی ایک بات بس کرتی ہے! (۵۰)

(اے پیغمبر!)[1] کیا تم ان لوگوں کا حال نہیں دیکھتے جنہیں کتاب اللہ (کے علم میں) سے ایک حصہ دیا گیا تھا؟ (کس طرح) وہ بتوں کے اور شریر قوتوں کے معتقد ہو گئے ہیں اور کافروں کی نسبت (یعنی مشرکین عرب کی نسبت) کہتے ہیں "مسلمانوں سے تو کہیں زیادہ یہی لوگ سیدھے رستے پر ہیں۔" (۵۱)

یقین کرو یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی پھٹکار پڑی اور جس کسی پر اس کی پھٹکار پڑی تو ممکن نہیں تم کسی کو اس کا مددگار پاؤ! (۵۲)

پھر (یہ لوگ جو پیروان حق کی دشمنی میں اس قدر کھوئے گئے ہیں تو) کیا یہ بات ہے کہ ان کے قبضے میں پادشاہت کا کوئی حصہ آ گیا ہے اور اس لیے نہیں چاہتے کہ لوگوں کو رائی برابر بھی (اس میں سے) کچھ مل جائے؟ (۵۳)

یا پھر خدا نے اپنے فضل سے لوگوں کو جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کا انہیں حسد ہے (اور نہیں چاہتے کہ جس نعمت سے خود محروم ہو چکے ہیں وہ دوسروں کے حصے میں آئے؟) اگر یہی بات ہے تو (انہیں اس بات سے بے خبر نہیں ہونا چاہیے کہ) ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی تھی اور ساتھ ہی بڑی بھاری سلطنت بھی عطا فرمائی تھی۔ (۵۴) پھر ان میں سے کوئی تو ایسا

---

[1] جب ایک جماعت میں اتباع حق کی جگہ جتھابندی اور گروہ پرستی کی روح پیدا ہو جاتی ہے تو پھر حق وباطل کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ وہ چاہتی ہے جس طرح بھی بنے اپنی بات بنائی جائے اور مخالف گروہ کو زک دے دی جائے۔ اگر ایسا کرنے میں اسے خود اپنے اصولوں اور عقیدوں کے خلاف بھی جانا پڑے تو بلا تامل چلی جاتی ہے۔

یہی حال مدینے کے یہودیوں کا تھا۔ وہ ہمیشہ بت پرستی کے مخالف رہے اور بت پرستوں کی تحقیر وتذلیل کرتے رہے۔ لیکن اب مسلمانوں کی ضد میں آ کر بت پرستوں کی تعریف کرتے اور کہتے ان مسلمانوں سے تو مشرکوں ہی کا طور طریقہ زیادہ قرین صواب ہے!

مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝٥٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ
نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝٥٦ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝٥٧ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ
تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا
يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝٥٨ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

ہوا جس نے اس بات پر یقین کیا- کوئی ایسا ہوا جس نے روگردانی کی، اور (جس نے روگردانی کی تو اس کے لیے) دہکتی ہوئی دوزخ کی آگ بس کرتی ہے!-(۵۵) (یاد رکھو) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا (یعنی انہیں جھٹلایا اور سرکشی و شرارت سے مقابلہ کیا) تو قریب ہے کہ (قیامت کے دن) ہم انہیں آتش دوزخ میں جھونک دیں- جب کبھی ایسا ہوگا ان کی کھال (آگ کی گرمی سے) پک جائے گی (یعنی جل جائے گی) تو ہم پچھلی کھال کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے- تاکہ عذاب کا مزہ (اچھی طرح) چکھ لیں- بلاشبہ اللہ سب پر غالب ہے اور جو کچھ کرتا ہے حکمت کے ساتھ کرتا ہے!(۵۶)

اور جو لوگ (ہماری آیتوں پر) ایمان لائے اور ان کے کام بھی اچھے ہوئے تو ہم انہیں (راحت و سرور کے) ایسے باغوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی (اور اس لیے ان کی سرسبزی و شادابی کبھی ختم ہونے والی نہیں) وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے- ان کی رفاقت کے لیے نیک و پارسا بیویاں ہوں گی- نیز ہم انہیں (اپنی رحمت کے) بڑے اچھے سایے میں جگہ دیں گے!-(۵۷) (مسلمانو)[1] خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ جو جس کی امانت ہو وہ اس کے حوالے کر دیا کرو (ایسا نہ کرو کہ کسی حق دار اور اہل کے حق سے انکار کرو) اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو چاہیے کہ انصاف کے ساتھ کرو- کیا ہی اچھی بات ہے جس کی خدا تمہیں نصیحت کرتا ہے! بلاشبہ وہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے!(۵۸)

مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو- اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں حکم اور اختیار رکھتے ہوں- پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ میں باہم جھگڑ پڑو (یعنی اختلاف و نزاع پیدا ہو جائے) تو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی

---

[1] اہل کتاب کی گمراہیوں کے ذکر کے بعد مسلمانوں سے خطاب اور قیام عدل، ادائے امانت اور رفع نزاع کے اصول و مہمات:

(۱) اجتماعی زندگی کے نظم و فلاح کے لیے اصل اصول یہ ہے کہ جو جس بات کا حق دار ہو اس کے حق کا اعتراف کرو اور جو چیز جسے ملنی چاہیے وہ اس کے حوالے کر دو- وارث کا حق ہو یتیم کا مال ہو قرض دار کا قرض ہو امانت رکھنے والے کی امانت ہو اہلیت رکھنے والے کے لیے منصب اور عہدہ ہو کوئی چیز ہو اور کوئی صورت ہو لیکن جو جس کا حق ہے اور جو جس کا اہل ہے وہ اسے ملنا چاہیے-

(۲) جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو کسی حالت اور کسی صورت میں بھی یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ فیصلہ انصاف کے خلاف کیا جائے-

(۳) مسلمانوں کے لیے اصل دین یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کریں اللہ کے رسول کی اطاعت کریں اور جو لوگ ان میں سے صاحب حکم ⇐

وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ ع
مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ
یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ
عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَیْفَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ یَحْلِفُوْنَ ۖۗ بِاللّٰهِ اِنْ

طرف رجوع کرو (اور جو کچھ وہاں سے فیصلہ ملے اسے تسلیم کرلو) اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو' (تو تمہارے لیے راہ عمل یہی ہے) اسی میں تمہارے لیے بہتری ہے اور اسی میں انجام کار کی خوبی ہے۔ (۵۹)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی؟ (یعنی منافقوں کی حالت پر) ان کا دعویٰ یہ ہے کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن (عمل کا حال یہ ہے کہ) چاہتے ہیں اپنے جھگڑے قضیے ایک سرکش اور شریر (انسان) کے آگے لے جائیں' حالانکہ انہیں حکم دیا جا چکا ہے کہ اس سے انکار کریں (اور صرف اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کی پیروی کریں) اصل یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے' انہیں اس طرح گمراہ کردے کہ سیدھی راہ سے بہت دور جا پڑیں۔ (۶۰)

اور[1] (اے پیغمبر!) جب ان لوگوں کو اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے نازل کیا ہے اور رسولؐ کی طرف (جس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے) بلایا جاتا ہے تو تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے روگردانی کرتے ہیں' اور ان کے قدم ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں۔ (۶۱) پھر اگر ایسا ہو کہ ان کے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آ پڑے' تو اس وقت ان لوگوں کا کیا حال ہو گا؟ اس وقت یہ تمہارے پاس آ کر خدا کے نام کی قسمیں کھائیں اور کہیں (ہمیں آپ کا فیصلہ ماننے سے کبھی انکار نہیں)

⇐ واختیار ہوں ان کی اطاعت کریں۔ پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ میں نزاع پیدا ہو جائے تو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی طرف رجوع کریں' اور جو فیصلہ ملے اس کے آگے سر تسلیم خم کردیں۔ اس حکم سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے تمام مذہبی اختلافات کے لیے قرآن و سنت کی طرف رجوع ہونا چاہیے نہ کہ انسانوں کے اقوال وآرا کی طرف۔ اگر مسلمان نے اس حکم قرآنی پر عمل کیا ہوتا تو مذہبی اختلافات وتفرقہ سے محفوظ رہتے' اور ان کی ایک جماعت بہت سی جماعتوں اور مذہبوں میں متفرق نہ ہو جاتی۔ تشریح اس مقام کی آئندہ سورتوں میں آئے گی۔

[1] منافق زبان سے تو ایمان کا دعویٰ کرتے لیکن عمل کا حال یہ تھا کہ اپنے جھگڑے قضیے چکانے کے لیے مخالفین اسلام کے سامنے لے جاتے تھے' اور اللہ اور اس کے رسول کے فیصلوں پر مخالفین اسلام کے فیصلوں کو ترجیح دیتے تھے۔ پھر جب کبھی ایسا ہوتا' کہ ان کی یہ دورنگی پکڑی جاتی' تو پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر جھوٹی قسمیں کھاتے' اور کہتے ہم تو آپ ہی کے حکم پر چلنے والے ہیں۔ محض اس خیال سے کہ کسی نہ کسی طرح معاملہ سلجھ جائے اور مخالفین اسلام کی بھی دل جوئی ہو جائے' ان لوگوں کے پاس چلے گئے تھے۔

یہاں ان لوگوں کی اسی منافقانہ روش کا ذکر کیا گیا ہے اور صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جو شخص اللہ کے رسول کے حکم اور فیصلے پر یقین نہیں ⇐

اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عِظْهُمْ وَ
قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا ۢ بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ
ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا
وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ
يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا
قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ

ہم نے جو کچھ کیا تھا' تو اس سے مقصود صرف بھلائی تھی' اور یہ کہ (آپس میں) میل ملاپ رہے- (٦٢)

(اے پیغمبر!) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ہی جانتا ہے ان کے دلوں میں کیا کچھ چھپا ہوا ہے- پس چاہیے کہ ان کے پیچھے نہ پڑو اور (ان کی ایمان فراموشیوں پر) انہیں پند و نصیحت کرتے رہو- تم انہیں (پند و نصیحت کی) ایسی باتیں کہو کہ ان کے دلوں میں اتر جائیں- (٦٣)

اور (اے پیغمبر! ان لوگوں کو جو تمہاری اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو انہی کے ساتھ ہوئی ہو-) ہم نے جس کسی کو بھی منصب رسالت دے کر دنیا میں کھڑا کیا تو اسی لیے کیا' کہ ہمارے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے- اور جب ان لوگوں نے (تمہاری نافرمانی کر کے) اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیا تھا' تو اگر اسی وقت تمہارے پاس حاضر ہو جاتے اور خدا سے (اپنی نافرمانی کی) معافی مانگتے - نیز خدا کا رسول بھی ان کی بخشش کے لیے دعا کرتا' تو یہ لوگ دیکھ لیتے کہ خدا بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور (ہر حال میں) رحمت رکھنے والا ہے! (٦٤)

پس (دیکھو) تمہارا پروردگار اس بات پر گواہ ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے' جب تک ایسا نہ کریں کہ اپنے تمام جھگڑوں قضیوں میں تمہیں حاکم بنائیں اور پھر (صرف اتنا ہی نہیں' بلکہ) ان کے دلوں کی بھی حالت ایسی ہو جائے کہ جو کچھ تم فیصلہ کر دو اس کے خلاف اپنے اندر کسی طرح کی کھٹک محسوس نہ کریں' اور وہ جو کسی بات کو پوری پوری طرح مان لینا ہوتا ہے' تو ٹھیک اسی طرح مان لیں- (٦٥)

اور (دیکھو) اگر ہم انہیں حکم دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو (یعنی لڑائی میں لڑتے لڑتے جان دے دو) یا حکم دیتے کہ اپنے گھروں سے (ہجرت کر کے) نکل کھڑے ہو' تو (ان کا کیا حال ہوتا؟ یہ ہوتا کہ) چند آدمیوں کے سوا کوئی بھی اس کی تعمیل نہ کرتا- حالانکہ جس بات کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے اگر اس پر عمل کرتے تو ان کے لیے بہتری بھی تھی' اور (راہ حق میں) پوری طرح جمے بھی رہتے- (٦٦) اور (اگر یہ راہ حق میں پوری طرح جمے رہتے' تو) اس صورت میں ضروری تھا کہ (اس کے نتائج بھی ان کے حصے میں

⇐ رکھتا وہ کبھی سچا مومن نہیں ہو سکتا- یقین کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ حکم مان لیا جائے بلکہ ﴿ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ ﴾ ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ حکم رسول کے خلاف دل میں کوئی تنگی اور خلش بھی محسوس نہ ہو!

لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝٦٧ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝٦٨ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ
الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ
رَفِيْقًا ۝٦٩ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝٧٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ ع ۹
فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝٧١ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ
قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝٧٢ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ
كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝٧٣

آتے) ہم اپنی جانب سے انہیں ایسا اجر عطا فرماتے جو بہت بڑا اجر ہوتا-(۶۷) اور ایسی راہ لگا دیتے جو (کامیابی وسعادت کی) سیدھی راہ ہوتی!(۶۸) اور جس[1] کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی' تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کا ساتھی ہوا جن پر خدا نے انعام کیا ہے' اور وہ نبی ہیں' صدیق ہیں' شہید ہیں اور (تمام) نیک اور راست باز انسان ہیں- اور (جس کسی کے ساتھی ایسے لوگ ہوں' تو) ایسے ساتھی کیا ہی اچھے ساتھی ہیں-(۶۹) یہ بخشش و کرم اللہ کی طرف سے ہے- اور (انسان کا حال جاننے کے لیے) اللہ کا علم کفایت کرتا ہے!(۷۰) مسلمانو! اپنی حفاظت اور تیاری میں لگے رہو- پھر (جب وقت آجائے تو دشمنوں کے) مقابلے میں نکلو- الگ الگ گروہوں میں ہو کر یا اکٹھے ہو کر (جیسی کچھ مصلحت ہو)۔(۷۱) اور (دیکھو) تم میں کوئی کوئی آدمی ایسا بھی ہے کہ (اگر جنگ کی پکار ہو جائے' تو) وہ ضرور قدم پیچھے ہٹائے' اگر (لڑائی میں) تم پر کوئی مصیبت آپڑے' تو (خوش ہو اور) کہے" خدا نے مجھ پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ تھا"(۷۲) اور اگر تم پر خدا کا فضل و کرم ہو' تو (رشک وحسد سے جل مرے اور) بے اختیار بول اٹھے" گویا تم میں اور اس میں محبت کا کوئی رشتہ تھا ہی نہیں کہ" اے کاش میں ان لوگوں کے ساتھ ہوتا کہ بہت کچھ کامیابی حاصل کر لیتا!"(۷۳)

---

[1] انعام یافتہ گروہ چار ہیں: انبیا' صدیقین' شہدا' صالحین-

انبیا سے مقصود خدا کی سچائی کے وہ تمام پیغام بر ہیں جو مختلف عہدوں اور مختلف قوموں میں پیدا ہوئے اور جنہوں نے نوع انسانی کو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ دکھائی-

صدیق اسے کہتے ہیں جس میں سچائی کی روح غالب ہو- یعنی ایسا انسان جو سچائی سے فطری مناسبت رکھتا ہو اور اسے دیکھتے ہی پہچان لیتا اور قبول کر لیتا ہے- شہید کے معنی ہیں گواہی دینے والا' یعنی ایسا انسان جو اپنے قول و عمل سے سچائی کا اعلان کرنے والا ہو' اور دنیا میں اس کے لیے شہادت و حجت قائم کر دے- صالحین سے مقصود وہ تمام انسان ہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں نیک اور راست باز ہوں-

سورۂ فاتحہ میں ﴿ صراط الذين انعمت عليهم ﴾ سے مقصود انہی گروہوں کی راہ ہے-

اس کے بعد منافقوں کی ان نافرمانیوں کا ذکر شروع ہو جاتا ہے جو جنگ کے معاملہ سے تعلق رکھتی ہیں۔(۷۱)

ہر جماعت میں کچھ لوگ ایمان و یقین سے محروم اور عزم و ہمت سے تہی دست ہوتے ہیں- وہ جب دیکھتے ہیں کہ عزم و ہمت کا کوئی قدم اٹھایا جا رہا ہے تو اپنی کمزوری سے خود بھی باز رہتے ہیں اور چاہتے ہیں دوسروں کو بھی باز رکھیں- پھر جب جماعت قدم اٹھا دیتی ہے تو الگ تھلگ رہ کر غیروں کی طرح تماشا دیکھتے ہیں- اگر کوئی حادثہ پیش آ گیا تو خوش ہوتے ہیں' اور کہتے ہیں اچھا ہوا ہم ان لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہوئے- اگر کامیابی ہوتی ہے تو رشک وحسد سے جل مرتے ہیں- اور کہنے لگتے ہیں کاش ہم نے بھی ساتھ دیا ہوتا تو آج کامیابی میں ہمارا حصہ ہوتا- گویا ان کی شخصیت جماعت کی ہستی سے بالکل الگ ہے- نہ تو اس کا نقصان ان کا نقصان ہے' نہ اس کی کامیابی ان کی کامیابی۔ ⇦

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ
يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ
الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ
لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع

سو (دیکھو) جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی (اللہ کے ہاتھ) فروخت کر چکے ہیں انہیں چاہیے (ایسے لوگوں کی چال نہ چلیں اور) اللہ کی راہ میں جنگ کریں- اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے تو خواہ قتل ہو جائے خواہ غالب آئے (ہر حال میں) ہم اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے- (۷۴) اور (مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے؟ حالانکہ کتنے ہی بے بس مرد ہیں کتنی ہی عورتیں ہیں کتنے ہی بچے ہیں جو (ظالموں کے ظلم سے عاجز آ کر) فریاد کر رہے ہیں "خدایا! ہمیں اس بستی سے جہاں کے باشندوں نے ظلم پر کمر باندھ لی ہے نجات دلا! (یعنی مکہ سے نجات دلا) اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا کارساز بنا دے اور کسی کو ہماری مددگاری کے لیے کھڑا کر دے!" - (۷۵)

جو لوگ ایمان رکھتے ہیں تو ان کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے (کیونکہ وہ نفسانی خواہشوں کے لیے نہیں لڑتے حق و انصاف کی حمایت میں لڑتے ہیں) اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں (یعنی شر و فساد کی شیطانی طاقتوں کی راہ میں لڑتے ہیں) سو (اگر تم ایمان رکھتے ہو تو چاہیے کہ) شیطان کے حمایتیوں سے لڑو- (اور ان کی طاقت و کثرت کی کچھ پروا نہ کرو) شیطان کا مکر (دیکھنے میں کتنا ہی مضبوط دکھائی دے لیکن حق کے مقابلہ میں) کبھی جمنے والا نہیں! - (۷۶) (اے پیغمبر!)[1] کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ (جنگ و خونریزی سے) ہاتھ روک لو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو (کہ تمہارے لیے امن اور سعادت کی راہ یہی ہے) پھر جب ایسا ہوا کہ (اب خود اسلام کی طرف سے) ان پر لڑنا فرض کر دیا گیا

⇦ اسلام کے ابتدائی عہد میں بھی ایسے لوگ موجود تھے- قرآن ان کے اعمال بیان کرتا اور انہیں مومن کی جگہ منافق قرار دیتا ہے (۷۳)

یہاں یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ قرآن نے جنگ کا حکم اس لیے نہیں دیا ہے کہ مسلمان دوسروں پر چڑھ دوڑیں بلکہ اس لیے کہ مظلوموں اور بیکسوں کی حمایت کریں اور انہیں ظالموں کے پنجے سے نجات دلائیں- (۷۵)

اسی لیے وہ بار بار کہتا ہے "اللہ کی راہ میں لڑو" یعنی اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے عدل و انصاف کے قیام کے لیے لڑو-

[1] "جنگ و خونریزی سے ہاتھ روک لو" یعنی لوگ قتل و خونریزی کے عادی تھے- اسلام نے اس سے روکا اور اعمال حسنہ کی تلقین کی- اب جب حق و عدالت کی راہ میں جنگ کا حکم دیا گیا تو منافق اور وہ لوگ جو ایمان میں کچے ہیں جنگ سے جی چرانے لگے اور آرزوئیں کرنے لگے کہ کاش یہ حکم نہ دیا جاتا- مگر قرآن کہتا ہے ان کی حالت پر غور کرو- انہیں ظلم و فساد کی راہ میں تو جنگ کرنے سے انکار نہ تھا بلکہ اس کے شائق تھے- اب حق و عدالت کی راہ میں جنگ کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے جی چرا رہے ہیں اور انسانوں کے خوف سے ایسے ⇦

عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ قَالُوا رَبَّنَا لِمَ
كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ
اتَّقٰى ۟ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ
وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ
كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ

تو کیا یک ایک گروہ انسانوں کے ڈر سے لگا اس طرح ڈرنے' جیسے کوئی خدا سے ڈر رہا ہو' بلکہ اس سے بھی زیادہ! وہ کہتے ہیں خدایا! تو نے ہم پر جنگ کرنا کیوں فرض کر دیا؟ کیوں نہ ہمیں تھوڑے دنوں کی اور مہلت دے دی! (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہہ دو (جس دنیا کی محبت میں تم موت سے بھاگ رہے ہو' اس) دنیا کا سرمایہ تو بہت ہی تھوڑا ہے' اور جو کوئی (انسانوں کی جگہ) اللہ سے ڈرا تو اس کے لیے آخرت ہی (کا سرمایہ) بہت ہوا- وہاں رائی برابر بھی کسی کی حق تلفی ہونے والی نہیں! (۷۷)

تم کہیں بھی ہو موت تمہارا ٹھکانا پا کر رہے گی- اگر تم اونچے اور مضبوط قلعوں کے اندر (چھپے) ہو جب بھی اس کی پکڑ سے بچنے والے نہیں!-

اور (اے پیغمبر!) جب ان لوگوں کو کوئی بھلائی کی بات پیش آتی ہے تو کہتے ہیں' یہ خدا کی طرف سے (ہماری کوششوں کا بدلہ) ہے لیکن جب کبھی کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے' تو کہتے ہیں یہ تمہاری طرف سے ہے (یعنی پیغمبر اسلام کی وجہ سے پیش آیا ہے) تم کہہ دو: جو کچھ ہوتا ہے خدا ہی کی طرف سے ہے (کہ اس نے ہر حالت اور نتیجے کے لیے قانون ٹھہرا دیے ہیں' اور جو کچھ پیش آتا ہے' وہ ان کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے) پھر (افسوس ان کی حالت پر!) ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ہو' سمجھ بوجھ کے قریب بھی نہیں پھٹکتے!- (۷۸)

(اصل حقیقت تو یہ ہے کہ) جو کچھ بھلائی تمہیں پیش آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے' اور جو کچھ نقصان

⇦ کانپ رہے ہیں جیسے کوئی خدا کے ڈر سے کانپ رہا ہو' بلکہ اس سے بھی زیادہ!

مسلمانوں کی جماعت کو جب کبھی کوئی نقصان پیش آجاتا' تو منافق اور یہودی کہتے' یہ سب کچھ پیغمبر اسلام کی وجہ سے ہوا- قرآن کہتا ہے "کہہ دو جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے"' یعنی خدا نے ہر حالت اور نتیجہ کے لیے احکام و قوانین مقرر کر دیے ہیں، جو کچھ بھی پیش آتا ہے' ان حالات کا لازمی نتیجہ ہے- پس یہ بڑی ہی جہالت اور عناد کی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو- (۷۸)

آگے چل کر فرمایا' جو کچھ برائی پیش آتی ہے وہ خود تمہاری ہی بدعملی کا نتیجہ ہے- اس کا الزام دوسرے کے سر نہ ڈالو- پیغمبر اسلام تو اللہ کے رسول ہیں اور رسول کا کام یہی ہے کہ پیغام پہنچا دے- ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے- اگر تم ان کے احکام کی اطاعت نہ کرو اور اس کا برا نتیجہ پیش آئے تو اس کی ذمہ داری تم پر ہے' نہ کہ پیغمبر اسلام پر- (۷۹)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص جماعت کی ریاست و پیشوائی کا منصب رکھتا ہے اسے کیسی کیسی دشواریوں میں سے گزرنا پڑتا ہے؟ وہ جب عزم و عمل کی لوگوں کو دعوت دیتا ہے تو ایک گروہ ایسے لوگوں کا پیدا ہو جاتا ہے جو یقین کا کچا اور ہمت کا کمزور ہوتا ہے- وہ اطاعت کی جگہ مخالفت کی روش اختیار کرتا ہے- پھر جب اس صورت حال کی وجہ سے کوئی ناکامی پیش آجاتی ہے تو بجائے اس کے کہ اپنی بدعملیوں پر نادم ہوں' سارا الزام رئیس جماعت کے سر ڈال دیتے ہیں' اور مخالفت کا ایک نیا بہانہ ان کے ہاتھ آجاتا ہے- اسی لیے آگے چل کر کہا "اللہ پر بھروسہ رکھو اللہ کی کارسازی تمہارے لیے کافی ہے!" (۸۱)

⇦

فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ
الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ
عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَ اللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ
كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

اٹھاتے ہو وہ خود تمہاری طرف سے ہوتا ہے (یعنی خود تمہاری بدعملیوں کا نتیجہ ہوتا ہے) اور (اے پیغمبر!) تمہیں لوگوں کے پاس اپنا پیامبر بنا کر بھیجا ہے (اور پیغام لے جانے والے کا کام یہی ہے کہ پیغام پہنچا دے۔ تم لوگوں کی نافرمانیوں اور بدعملیوں کے لیے ذمہ دار نہیں ہو سکتے) اور (تمہارے پیامبر ہونے کے لیے) اللہ کی گواہی بس کرتی ہے! (۷۹) جس کسی[1] نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے فی الحقیقت اللہ کی اطاعت کی اور جس کسی نے روگردانی کی تو (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں ان پر کوئی پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے (کہ ان کے اعمال کے لیے تم جوابدہ ہو اور جبراً ان سے اپنی اطاعت کراؤ) (۸۰) اور (دیکھو یہ لوگ تمہارے سامنے تو تمہاری باتیں مان لیتے ہیں اور) کہتے ہیں آپ کا حکم ہمارے سر آنکھوں پر! لیکن جب تمہارے پاس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو راتوں کو اپنی مجلسیں جماتے اور جو کچھ تم کہتے ہو اس کے خلاف مشورے کرتے ہیں اور راتوں کی (ان) مجلسوں میں وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ (کے علم سے چھپا نہیں وہ ان کے نامہ اعمال میں) لکھ رہا ہے!۔ پس (جب ان لوگوں کا حال یہ ہے تو) چاہیے کہ ان کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ کارسازی کے لیے اللہ کی کارسازی بس کرتی ہے! (۸۱) پھر کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) میں غور و فکر نہیں کرتے؟ (اور خدا کی دی ہوئی سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے؟) اگر یہ کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا اللہ کی طرف سے نہ ہوتا تو ضروری تھا کہ یہ اس کی بہت سی باتوں میں اختلاف پاتے۔ (حالانکہ وہ اپنی ساری باتوں میں اول سے لے کر آخر تک کامل طور پر ہم آہنگ اور یکساں ہے)۔ (۸۲)

⇐ یعنی صاحب عزم کو چاہیے ان باتوں سے دل گرفتہ نہ ہو اللہ پر بھروسہ رکھے اور اپنے کام میں سرگرم رہے۔ اس کا عزم و ثبات بالآخر تمام دشواریوں پر غالب آ جائے گا۔

[1] اللہ کے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اور اللہ کا رسول اس لیے آتا ہے کہ پیغام حق پہنچا دے۔ اس لیے نہیں کہ لوگوں کے اعمال کا پاسبان ہو اور انہیں جبراً اپنے طریقہ پر چلائے۔

جب تمہاری نافرمانیوں کا یہ حال ہے کہ منہ سے تو اطاعت کا اقرار کر لیتے ہو لیکن راتوں کو مجلس جما کر مخالفانہ مشورے کرتے ہو تو پھر تمہیں کیا حق ہے کہ نتائج کے لیے اللہ کے رسول کو ذمہ دار ٹھہراؤ؟ (۸۱)

[2] آیت (۸۲) سے معلوم ہوا کہ:

(۱) قرآن کا مطالبہ ہے کہ ہر انسان اس کے مطالب میں غور و فکر کرے، پس یہ سمجھنا کہ وہ صرف اماموں اور مجتہدوں ہی کے سمجھنے کی چیز ہے صحیح نہیں۔ (۲) غور و فکر وہی کر سکتا ہے جو مطالب سمجھے۔ (۳) اور جو اپنی سمجھ بوجھ سے کام لیتا ہو اور دلائل و وجوہ سے نتائج نکال سکے۔ پس مقلد اعمیٰ (یعنی اندھی تقلید کرنے والا) قرآن میں غور و فکر کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ (۴) جو شخص قرآن میں تدبر کرتا ہے اس پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

⇐

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ
مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ
اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ
يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ
لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ النصف
وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

اور جب ان لوگوں کے پاس امن کی یا خوف کی کوئی خبر پہنچ جاتی ہے تو یہ (فوراً) اسے لوگوں میں پھیلانے لگتے ہیں- اگر یہ اسے (لوگوں میں پھیلانے کی جگہ) اللہ کے رسول کے سامنے اور ان لوگوں کے سامنے جو ان میں حکم و اختیار والے ہیں پیش کرتے تو جو (علم و نظر والے) بات کی تہ تک پہنچنے والے ہیں' وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے (اور عوام میں تشویش نہ پھیلتی) اور (دیکھو) اگر اللہ کا تم پر فضل نہ ہوتا' اور اس کی رحمت نہ ہوتی' تو (تمہاری کمزوریوں کا یہ حال تھا کہ) معدودے چند آدمیوں کے سوا سب کے سب شیطان کے پیچھے لگ لیے ہوتے-(۸۳)

پس (اے پیغمبر! تم اس بات کی بالکل پروا نہ کرو کہ یہ لوگ تمہارا ساتھ دیتے ہیں یا نہیں) تم اللہ کی راہ میں جنگ کرو' کہ تم پر تمہاری ذات کے سوا اور کسی کی ذمہ داری نہیں' اور مومنوں کو بھی جنگ کی ترغیب دو- عجب نہیں کہ بہت جلد اللہ منکرین حق کا زور اور تشدد روک دے' اور اللہ کا زور سب سے زیادہ قوی' اور سزا دینے میں وہ سب سے زیادہ سخت ہے-

(۸۴) جو انسان دوسرے انسان کے ساتھ نیکی کے کام میں ملتا اور مددگار رہتا ہے' تو اسے اس کام (کے اجر و نتائج) میں حصہ ملے گا' اور جو کوئی برائی میں دوسرے کے ساتھ ملتا اور مددگار رہتا ہے' تو اس کے لیے اس برائی میں حصہ ہوگا- اور اللہ ہر چیز کا محافظ اور نگران ہے (وہ ہر حالت اور ہر عمل کے مطابق بدلہ دیتا ہے)-

(۸۵) اور (مسلمانو!) جب کبھی تمہیں دعا دے کر سلام کیا جائے' تو چاہیے کہ جو کچھ سلام و دعا میں کہا گیا ہے اس سے زیادہ اچھی بات جواب میں کہو- یا (کم از کم) جو کچھ کہا گیا ہے اسی کو لوٹا دو- بلاشبہ اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے (تمہاری کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس کے محاسبہ سے چھوٹ نہیں سکتی)-(۸۶)

⇦ آیت (۸۳) سے معلوم ہوا کہ جب کبھی کوئی بات سننے میں آئے' خواہ امن کی ہو' خواہ خوف کی' تو ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ بے سمجھے بوجھے پھیلانا شروع کر دیں' بلکہ چاہیے کہ جو لوگ ''اولوالامر'' یعنی صاحب حکم و اختیار ہوں' ان کے سامنے پیش کی جائے-

آیت (۸۶) میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کا حکم ہے' اور حسن اخلاق و معاشرت کی اس اصل پر زور دیا ہے کہ جب کبھی کوئی شخص تمہیں سلام کرے' تو چاہیے کہ اس نے جو کچھ کہا ہے اس سے زیادہ بہتر طور پر اس کا جواب دو- اور اگر بہتر طور پر نہ دو تو کم از کم اسی کی بات اس پر لوٹا دو- یہ حکم یہاں اس مناسبت سے آیا ہے کہ جنگ کی حالت ہو یا امن کی' منافق ہو یا ایمان دار' لیکن جو کوئی بھی تم پر سلامتی بھیجے تمہیں بھی اس کا ویسا ہی جواب دینا چاہیے- اس کے دل کا حال خدا جانتا ہے تم نہیں جانتے-

ع اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ فَمَا
لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَ اللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَ لَا

(یاد رکھو) اللہ ہی کی ایک ذات ہے- کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف وہی- وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن (اپنے حضور) اکٹھا کرے گا- اس میں کوئی شبہ نہیں (یہ خود اللہ کا کہنا ہے) اور اللہ سے بڑھ کر بات کہنے میں کون سچا ہو سکتا ہے؟ (۸۷)

(مسلمانو)[1] تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو فریق بن گئے ہو؟ حالانکہ اللہ نے ان بدعملیوں کی وجہ سے جو انہوں نے کمائی ہیں انہیں الٹا دیا ہے (یعنی وہ راہ حق سے پھر چکے ہیں) کیا تم چاہتے ہو ایسے لوگوں کو راہ دکھا دو جن پر خدا نے راہ گم کر دی! (یعنی جن پر خدا کے قانون سعادت وشقاوت کے بموجب ہدایت کی راہ بند ہو گئی ہے!) اور (یاد رکھو) جس کسی پر اللہ راہ گم کر دے (یعنی جس کسی پر اس کے قانون کا فیصلہ لگ جائے کہ اس کے لیے راہ پانا نہیں) تو پھر تم اس کے لیے کوئی راہ نہیں نکال سکتے! (۸۸)

ان منافقوں کی دلی تمنا تو یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے کفر کی راہ اختیار کر لی ہے تم بھی کر لو اور تم سب ایک ہی طرح کے ہو جاؤ- پس (دیکھو) جب تک یہ لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں (اور دشمنوں کا ساتھ چھوڑ کر تمہارے پاس نہ آ جائیں) تمہیں چاہیے ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ-

پھر اگر یہ ہجرت کرنا قبول نہ کریں تو (جو کوئی جنگ کی حالت میں دشمنوں کا ساتھ دیتا ہے یقیناً اس کا شمار بھی دشمنوں ہی

---

[1] مشرکین مکہ میں سے کچھ لوگوں نے مصلحتاً اسلام کا دم بھرنا شروع کر دیا تھا لیکن دل میں قطعاً مخالف تھے- جب جنگ چھڑی تو مسلمانوں میں دو رائیں ہو گئیں- کچھ لوگ کہتے ہیں وہ ہم میں سے ہیں' کچھ کہتے دشمنوں میں سے ہیں- یہاں قرآن نے واضح کیا ہے کہ وہ قطعاً منافق ہیں- ان کی نسبت بحث واختلاف کی کوئی گنجائش نہیں- اگر وہ مکہ سے ہجرت کر جائیں' اور دشمنوں کے حلقہ میں نہ رہیں تو تم انہیں اپنا ساتھی سمجھ سکتے ہو لیکن اگر اس سے انکار کریں تو پھر ظاہر ہے کہ جو کوئی دشمنوں کے ساتھ ہو گا وہ دشمنوں ہی میں سے سمجھا جائے گا اور جس طرح جنگ میں تمام دشمنوں سے لڑنا ہے ان سے بھی لڑنا ہے-

یاد رہے کہ اس سے پہلے جن منافقوں کا ذکر تھا وہ مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے' اور یہاں جن منافقوں کا ذکر ہے وہ مکہ کا ایک خاص گروہ تھا-

چونکہ یہ لوگ بھی دشمنوں میں سے تھے' اور جنگ کی حالت قائم ہو گئی تھی' اس لیے فرمایا کہ ان سے دوستی ویگانگت کے تعلقات رکھنا جائز نہیں- اس کے بعد بتلایا کہ دو طرح کے آدمی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں:

(۱) جو لوگ دشمنوں کا ساتھ چھوڑ کر کسی ایسے گروہ کے پاس چلے جائیں جس کے ساتھ تمہارا عہد وپیمان صلح ہو-

(۲) یا ایسے لوگ جو ناطرف دار ہو جائیں- نہ تم سے لڑیں نہ تمہاری طرف سے اپنی قوم کے ساتھ لڑیں-

تو اس طرح کے لوگوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا حکم نہیں اور نہ ان سے میل ملاپ رکھنا منع ہے- اصل اس بارے میں یہ ہے کہ جو کوئی تمہارے خلاف جنگ وجدال پر مصر نہ ہو اور صلح ومسالمت کا ہاتھ بڑھائے' تو تمہارے لیے کسی حال میں بھی جائز نہیں کہ اس پر ہتھیار اٹھاؤ-

تمہیں جنگ کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ تمہیں جنگ کا خواہش مند ہونا چاہیے بلکہ اس لیے کہ تمہارے برخلاف جنگ کے ⇦

تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٨٩﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ
حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ
اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا
اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ع ۱۴ ۹

میں ہو گا پس) انہیں گرفتار کرو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو' اور نہ تو کسی کو اپنا دوست بناؤ نہ کسی کو اپنا مددگار۔(۸۹)

مگر ہاں جو لوگ (دشمنوں سے الگ ہو کر) کسی ایسی قوم سے جا ملیں کہ تم میں اور اس میں عہد و پیمان ہو چکا ہے' یا ایسے لوگ ہوں کہ لڑائی سے دل برداشتہ ہو کر تمہارے پاس چلے آئیں۔ نہ تم سے لڑیں نہ (تمہاری طرف سے) اپنی قوم کے ساتھ لڑیں (تو ایسے لوگ اس حکم میں داخل نہیں۔ ان کے خلاف تمہارا ہاتھ نہ اٹھے) اگر خدا چاہتا تو ان لوگوں کو بھی تم پر مسلط کر دیتا کہ تم سے لڑے بغیر نہ رہتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو گئے اور جنگ نہیں کرتے نیز صلح کا پیغام بھیج رہے ہیں' تو پھر خدا نے تمہارے لیے کوئی راہ نہیں رکھی کہ ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کرو۔(۹۰)

ان کے علاوہ کچھ لوگ تمہیں ایسے بھی ملیں گے جو (لڑائی کے خواہشمند نہیں ہیں) تمہاری طرف سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں' اور اپنی قوم کی طرف سے بھی۔ لیکن جب کبھی فتنہ و فساد کی طرف لوٹا دیے جائیں تو اوندھے منہ اس میں گر پڑیں (اور اپنی جگہ قائم نہ رہ سکیں) سو اگر ایسے لوگ کنارہ کش نہ ہو جائیں' اور تمہاری طرف پیام صلح نہ بھیجیں' اور نہ لڑائی سے ہاتھ روکیں' تو انہیں بھی گرفتار کرو' اور جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے برخلاف ہم نے تمہیں کھلی حجت (جنگ) دے دی ہے۔(۹۱)

اور[۱] (دیکھو) کسی مسلمان کو سزاوار نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے' مگر یہ کہ غلطی سے (اور شبہ میں) اس کے ہاتھ سے کوئی قتل ہو جائے۔

⇐ خواہش مندوں نے جتھابندی کر لی ہے۔ پس اگر کوئی فرد یا گروہ جنگ کا خواہش مند نہیں رہتا' تو پھر تمہارے لیے مقابلہ کی علت بھی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ اصل امن و صلح ہے نہ کہ جنگ و قتل۔

[۱] اور یہ جو ان لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا' تو صرف اس لیے کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کر دی ہے اور مسلمانوں کے لیے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ مقابلہ کریں۔ ورنہ اگر جنگ کی حالت نہ ہو' تو قتل نفس ایک بہت بڑا گناہ ہے' اور ایک مسلمان کے لیے کسی حال میں بھی جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو یا معاہد کو دیدہ و دانستہ قتل کر ڈالے۔ معاہد سے مقصود وہ تمام غیر مسلم ہیں جن سے مسلمانوں کی جنگ نہ ہو' امن و صلح ہو۔ اس کے بعد بتلایا ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی سے اور شبہ میں کسی مسلمان یا معاہد کو قتل کر دے تو اس کا حکم کیا ہے؟

یاد رہے کہ قرآن نے دو حالتوں کے سوا اور کسی حال میں بھی قتل نفس کو جائز نہیں رکھا ہے۔ یا تو لڑائی کی حالت ہو' یا قانون ⇐

وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۟ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَ مَنْ يَّقْتُلْ
مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ
مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ

اور جس کسی نے ایک مسلمان کو غلطی سے (اور شبہ میں) قتل کر دیا ہو تو چاہیے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو اس کا خوں بہا دے- اگر مقتول کے وارث خون بہا معاف کر دیں تو کر دے سکتے ہیں-

اور اگر مقتول اس قوم میں سے ہو جو تمہاری دشمن ہے (یعنی تم سے لڑ رہی ہے) اگر مومن ہو (اور کسی نے یہ سمجھ کر کہ یہ بھی دشمنوں میں سے ہے اسے قتل کر دیا ہو) تو چاہیے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کیا جائے۔ (خوں بہا کا دلانا ضروری نہ ہوگا کیونکہ اس کے وارثوں اور ساتھیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہے)-

اور اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہو جن کے ساتھ تمہارا معاہدۂ صلح ہے (یعنی معاہد ہو) تو چاہیے کہ قاتل' مقتول کے وارثوں کو خوں بہا بھی دے' اور ایک مسلمان غلام آزاد بھی کرے-

اور جو کوئی غلام نہ پائے (یعنی اس کا مقدور نہ رکھتا ہو کہ غلام کو مال کے بدلے حاصل کرے اور آزاد کرائے تو اسے چاہیے لگاتار دو مہینے روزے رکھے۔ اس لیے کہ اللہ کی طرف سے یہ (اس کے گناہ کی) توبہ ہے' اور اللہ سب کچھ جاننے والا' اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے-(۹۲)

اور جو مسلمان[1] کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے' تو (یاد رکھو) اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا' اور اس پر اللہ کا غضب ہوا' اور اس کی پھٹکار پڑی' اور اس کے لیے خدا نے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے! (۹۳)

مسلمانو! جب ایسا ہو کہ تم اللہ کی راہ میں (جنگ کے لیے) باہر جاؤ' تو چاہیے کہ (جن لوگوں سے مقابلہ ہو، ان کا حال) اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو (کہ وہ دشمنوں میں سے ہیں یا دوستوں میں سے ہیں) جو کوئی تمہیں سلام کرے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے) تو یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو (ہم تم سے ضرور لڑیں گے) کیا تم دنیا کے سر و سامان زندگی کے طلب گار ہو (کہ چاہتے ہو) جو کوئی بھی ملے اس سے لڑ کر مال غنیمت لوٹ لیں؟ اگر یہی بات ہے تو اللہ کے پاس تمہارے لیے بہت سی (جائز) غنیمتیں موجود ہیں (تم ظلم و معصیت کی راہ کیوں اختیار کرو؟) تمہاری حالت بھی تو پہلے ایسی ہی تھی (اور بجز کلمہ اسلام کے اسلام کا اور کوئی ثبوت نہیں رکھتے تھے) پھر اللہ نے تم پر احسان کیا (کہ تمام باتیں اسلامی زندگی کی حاصل ہو گئیں)

⇐ کی رو سے کسی مجرم کو سزا دی جائے' مثلاً قاتل کو قتل کے بدلے قتل کیا جائے-

[1] جو کوئی جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کر دے' تو اس کی سزا جہنم کا دائمی عذاب ہے اور اللہ کا غضب اور اس کی پھٹکار!

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ
بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى
الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ع ۱۳ ۵
تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ
قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُھَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾

پس ضروری ہے کہ (لڑنے سے پہلے) لوگوں کا حال تحقیق کر لیا کرو- تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے! (۹۴)

مسلمانوں[1] میں سے جو لوگ معذور نہیں ہیں اور بیٹھے رہے ہیں (یعنی جہاد میں شریک نہیں ہوئے ہیں) وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں- اللہ نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر باعتبار درجے کے فضیلت دی ہے اور (یوں تو) خدا کا وعدۂ نیک سب کے لیے ہے (کسی کا بھی عمل نیک ضائع نہیں ہو سکتا لیکن درجے کے اعتبار سے سب برابر نہیں) اور (اسی لیے) بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں جہاد کرنے والوں کو ان کے بڑے اجر میں بھی اللہ نے فضیلت عطا فرمائی- (۹۵) یہ اس کی طرف سے (ٹھہرائے ہوئے) درجے ہیں' اس کی بخشش اور رحمت ہے' اور وہ (بڑا ہی) بخشنے والا' رحمت رکھنے والا ہے! (۹۶)

جو لوگ[2] (دشمنوں کے ساتھ رہ کر) اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہے ہیں' ان کی روح قبض کرنے کے بعد فرشتے ان سے پوچھیں گے "تم کس حال میں تھے؟" (یعنی دین کے اعتبار سے تمہارا حال کیا تھا؟) وہ جواب میں کہیں گے "ہم کیا کرتے؟ ہم ملک میں دبے ہوئے اور بے بس تھے" (یعنی بے بسی کی وجہ سے اپنے اعتقاد و عمل کے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے) اس پر فرشتے کہیں گے (اگر تم اپنے ملک میں بے بس ہو رہے تھے' تو) "کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ کسی دوسری جگہ ہجرت کر کے چلے جاتے؟" غرض کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہوا' اور جس کا ٹھکانا دوزخ ہو تو) کیا ہی بری جگہ ہے! (۹۷)

---

[1] اللہ کے حضور تمام نیک انسانوں کے لیے اجر ہے' لیکن تمام نیکیاں یکساں نہیں ہیں- جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے ہیں ان کے درجے کو وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو مجاہد نہیں ہیں-

[2] جب دشمنان حق کے ظلم و ستم سے عاجز آ کر پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو قدرتی طور پر ملک عرب دو قسموں میں بٹ گیا- دار الہجرت اور دار الحرب- دار الہجرت مدینہ تھا جہاں مسلمان ہجرت کر کے جمع ہو گئے تھے- دار الحرب ملک کا وہ حصہ تھا' جو دشمنوں کے قبضے میں تھا اور اس کا صدر مقام مکہ تھا-

دار الحرب میں جو مسلمان باقی رہ گئے تھے' وہ اعتقاد و عمل کی آزادی سے محروم تھے- انہیں ہمیشہ دشمنوں کا ظلم و ستم سہنا پڑتا تھا- اس لیے انہیں حکم دیا گیا کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں- اگر باوجود استطاعت کے نہیں کریں گے تو اپنی کوتاہی عمل کے لیے جواب دہ ہوں گے- یہاں اسی معاملہ کا ذکر کیا گیا ہے- فرمایا' جو لوگ استطاعت نہ رکھتے ہوں' وہ تو مجبور ہیں' لیکن جو کوئی ہجرت کی استطاعت رکھتا ہو اور پھر بھی دشمنوں کی آبادی نہ چھوڑے' اور اپنی محرومی و ذلت کی حالت پر قانع ہو جائے' تو وہ سخت معصیت کا مرتکب ہوگا' اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے- ⇐

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾
فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي
الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ
وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٠﴾ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ ع ۴
تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ﴿١٠١﴾
وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا
سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ

مگر (ہاں) جو مرد' عورتیں' بچے ایسے مجبور اور بے بس ہوں کہ کوئی چارہ کار نہ رکھتے ہوں' اور (ہجرت کی) کوئی راہ نہ پاتے ہوں' (۹۸) تو امید ہے' اللہ (ان کی معذوری دیکھتے ہوئے) انہیں معاف کر دے' اور وہ معاف کر دینے والا' بخش دینے والا ہے! (۹۹) اور (دیکھو) جو کوئی اللہ کی راہ میں (اپنا گھر بار چھوڑ کر) ہجرت کرے گا' تو اسے خدا کی زمین میں بہت سی اقامت گاہیں ملیں گی' اور (ہر طرح کی) کشائش پائے گا (کہ معیشت کی نئی نئی راہیں اس کے سامنے کھل جائیں گی) اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے' اور پھر (راہ ہی میں) موت آ جائے' تو اس کا اجر اللہ کے حضور ثابت ہو گیا (وہ اپنی نیت کے مطابق اپنی کوشش کا اجر ضرور پائے گا) اور اللہ تو (ہر حال میں) بخشنے والا' رحمت رکھنے والا ہے! (۱۰۰) اور اگر[1] (جنگ کے لیے) تم سفر میں نکلو اور تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں' اگر نماز (کی تعداد) میں سے کچھ کم کر دو۔ بلاشبہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں (وہ جب موقع پائیں گے تم پر حملہ کر دیں گے) (۱۰۱) اور (اے پیغمبر!) جب تم مسلمانوں میں موجود ہو (اور جنگ ہو رہی ہو) اور تم ان کے لیے نماز قائم کرو' تو چاہیے کہ (فوج کا) ایک حصہ (مقتدی ہو کر) تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتھیار لیے رہے۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکے' تو پیچھے ہٹ جائے' اور دوسرا حصہ جو نماز میں شریک نہ تھا' تمہارے ساتھ شریک ہو جائے۔ اور چاہیے کہ پوری طرح ہشیاری رکھے اور

⇐ جو لوگ اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کریں گے' انہیں نئی نئی اقامت گاہیں اور معیشت کے نئے نئے سامان ملیں گے۔

[1] سفر کی حالت میں قصر کرنے' اور جنگ کی حالت میں خاص طریقہ پر نماز ادا کرنے کا حکم جسے "صلوٰۃ خوف" کہتے ہیں۔ نیز اس بات کا حکم کہ نماز اوقات کی تقسیم اور پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ نماز کے قصر کا حکم جنگ ہی کی وجہ سے دیا گیا تھا' لیکن پھر ہر طرح کے سفر کے لیے عام ہو گیا۔ سنت اور تعامل سے معلوم ہو چکا ہے کہ قصر سے مقصود چار کی جگہ دو رکعت پڑھنا ہے۔ اگر نماز چار رکعت سے کم کی ہے تو اس میں قصر نہیں۔ اگر جنگ کی حالت میں قصر نماز بھی باطمینان نہیں پڑھ سکتے یا جنگ جاری ہے اور نماز کا وقت آ گیا' تو پھر اس طریقہ سے ادا کرو جس کی ترکیب بتلا دی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز مسلمانوں کے لیے ایک ایسا عمل ہے' جس سے کسی حال میں بھی غفلت جائز نہیں۔ حتیٰ کہ عین جنگ کی حالت میں بھی۔ اگر حالت ایسی ہو کہ کسی طرح بھی نماز نہ ادا کی جا سکے تو پھر قضا کر لی جائے' جیسا کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غزوۂ خندق میں کیا تھا (صحیحین)۔ آخر میں فرمایا "کتاباً موقوتاً" (یعنی نماز بقید وقت فرض کی گئی ہے۔)

وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً
وَّاحِدَةً ۭ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا
اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ
كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَ لَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ
فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۵ / ۱۴

اپنے ہتھیار لیے رہے- (یاد رکھو) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے'ان کی دلی تمنا ہے کہ تم اپنے ہتھیار اور سامانِ جنگ سے ذرا بھی غفلت کرو تو ا یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں- اور اگر تمہیں برسات کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو'یا تم بیمار ہو' تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں اگر ہتھیار اتار کر رکھ دو- لیکن اپنے بچاؤ کی طرف سے غافل نہ ہو جانا چاہیے (یقین رکھو) اللہ نے منکرین حق کے لیے (نامرادی کا) رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے (وہ تم پر فتح مند نہیں ہو سکتے)- (۱۰۲)

پھر جب تم نماز (خوف) پوری کر چکو' تو چاہیے کہ کھڑے' بیٹھے' لیٹے' ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو (کہ اس کی یاد صرف نماز کی حالت ہی پر موقوف نہیں- ہر حالت میں تمہارے اندر بسی ہونی چاہیے)

پھر جب ایسا ہو کہ تم (دشمن کی طرف سے) مطمئن ہو جاؤ' تو (معمول کے مطابق) نماز قائم رکھو- بلاشبہ نماز مسلمانوں پر وقت کی قید کے ساتھ فرض کر دی گئی ہے- (۱۰۳)

اور[1] (دیکھو) دشمنوں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو- اگر تمہیں (جنگ میں) دکھ پہنچتا ہے' تو جس طرح تم دکھی ہوتے ہو' وہ بھی (تمہارے ہاتھوں) دکھی ہوتے ہیں' اور (تمہیں ان پر یہ فوقیت ہے کہ) اللہ سے (کامیابی اور اجر کی) ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو' جو انہیں میسر نہیں- (کیونکہ تم اللہ کی راہ میں حق و انصاف کے لیے لڑ رہے ہو- وہ اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے ظلم و فساد کی راہ میں لڑ رہے ہیں) اور (یاد رکھو) اللہ (تمام حال) جاننے والا' اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!- (۱۰۴)

---

[1] مقاصد کی راہ میں تکلیفیں اور محنتیں مومن کو بھی پیش آتی ہیں' اور کافر کو بھی- لیکن مومن کے لیے ان کا جھیلنا سہل ہوتا ہے- کیونکہ وہ اپنے سامنے ایسی امیدیں رکھتا ہے جو کافر کو میسر نہیں۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ میں جو کچھ جھیل رہا ہوں حق کی راہ میں ہے' اور میرے لیے دنیا میں بھی کامیابی ہے اور آخرت میں بھی۔ پھر افسوس اس مومن پر جو مقاصد حق کی راہ میں اتنا بھی نہ کر سکے جتنا ایک کافر ظلم و فساد کی راہ میں کرتا ہے!

اس کے بعد آیت (۱۰۵) سے سلسلہ بیان پھر اسی طرف کو لوٹ گیا ہے جہاں سے جنگ کا ذکر چھڑ گیا تھا- یعنی رسول کی اطاعت' منافقوں کی نافرمانی' مقدمات قضایا کا انفصال اور عدل و امانت کا قیام-

احادیث سے معلوم ہوتا ہے ایک مسلمان نے (جو دل میں منافق تھا اور جس کا نام اطعمہ یا بشیر تھا) چوری کر کے چوری کا مال ایک یہودی کے ہاں گرو رکھ دیا تھا- یہودی اپنے آپ کو بے قصور بتلاتا تھا- اطعمہ کے گھرانے کے لوگ اطعمہ کی حمایت کرتے تھے اور کہتے تھے' ⇦

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾
وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا
يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ
يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ هٰٓأَنتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَمْ مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾ وَمَن يَعْمَلْ سُوٓءًا

(اے پیغمبر!) ہم نے تم پر الکتاب سچائی کے ساتھ نازل کر دی ہے تا کہ جیسا کچھ خدا نے بتلا دیا ہے' اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو- اور خیانت کرنے والوں کی طرف داری میں نہ جھگڑو (یعنی ایسا نہ کرو کہ ان کی وکالت میں فریق ثانی سے جھگڑو) (۱۰۵) اور اللہ سے مغفرت مانگو (کہ قضا کا معاملہ نہایت نازک ہے) بلاشبہ اللہ بخشنے والا' رحمت رکھنے والا ہے!- (۱۰۶)

اور جو لوگ اپنے اندر خیانت رکھتے ہیں تم ان کی طرف سے نہ جھگڑو- خدا ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خیانت اور معصیت میں ڈوبے ہوئے ہیں- (۱۰۷) (اس طرح کے لوگ) انسانوں سے (اپنی خیانت) چھپاتے ہیں' لیکن خدا سے نہیں چھپاتے' حالانکہ یہ وہ راتوں کو مجلس بٹھا کر ایسی ایسی باتوں کا مشورہ کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں' تو اس وقت وہ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے- وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے احاطہ حکم سے باہر نہیں- (۱۰۸)

دیکھو☆ تم لوگ وہ ہو کہ تم نے دنیا کی زندگانی میں تو ان (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کر لیا لیکن (بتلاؤ) قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑے گا؟ یا کون ہے جو (اس دن) ان کا وکیل بنے؟ (۱۰۹)

اور جو شخص کوئی برائی کی بات کر بیٹھتا ہے' یا اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیتا ہے' اور پھر (اس سے توبہ کرتا ہوا)

⇐ یہودی کافر اور خبیث ہے' اس کی بات نہیں ماننی چاہیے- ان لوگوں کی حمایت کا باعث یہ تھا کہ اطعمہ نے راتوں رات سازش کر کے ان سب کو اپنی حمایت پر ابھار لیا تھا- اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودی کو بری کر دیا (ترمذی' حاکم' ابن سعد' ابن جریر وغیرہم)

بہر حال ان آیات سے معلوم ہوا کہ:

(۱) مسلمان قاضی کو چاہیے ہر حال میں حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرے- اس خیال سے کہ ایک فریق مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہے مسلمان کی طرفداری نہیں کرنی چاہیے (۱۰۵)- (۲) ہمیشہ خدا سے مدد مانگتا رہے کیونکہ قضا کا معاملہ نہایت نازک ہے- ایسا نہ ہو کہ طبیعت کے میلان سے کوئی لغزش ہو جائے (۱۰۶)- (۳) قاضی کو کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے کسی فریق کی وکالت کی بو آئے (۱۰۷)

(۴) مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے یا اپنے خاندان وقبیلہ میں سے ہونے کی وجہ سے کسی مجرم کی حمایت کریں' اور سازش کر کے جتھا بندی کر لیں- دنیا کی نگاہیں نہ دیکھتی ہوں لیکن خدا تو دیکھ رہا ہے کہ کون مجرم ہے کون نہیں ہے؟ (۱۰۸)

(۵) جو برائی کرتا ہے اس کی برائی اس پر ہے- پس یہ خیال نہ کرو کہ یہ شخص ہمارا ہم مذہب یا رشتہ دار ہے- اس کا جرم ثابت ہو گیا تو ہم پر بھی دھبہ لگ جائے گا (۱۱۱) (۶) خود قصد کرنا اور اسے دوسرے کے سر تھوپ دینا ایک معصیت کے بعد دوسری معصیت کا ارتکاب کرنا ہے- تم دنیا کی عدالت کو دھوکا دے دو' لیکن خدا کو کیونکر دھوکا دے سکتے ہو! (۱۱۲)

☆ اس آیت میں خطاب اس گروہ سے ہے جو اطعمہ کی حمایت میں جتھا بندی کر کے فریق ثانی سے جھگڑتا تھا اور اطعمہ کو الزام سے بچانا چاہتا تھا- احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنو ابیراق تھے۔

اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا
مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ ع ۱۶ / ۱۴
اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ
وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ الثلثة
اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ
يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ

اللہ سے بخشش طلب کرتا ہے' (تو اس کے لیے بخشش کا دروازہ کھلا ہوا ہے) وہ اللہ کو بخشنے والا' رحمت رکھنے والا پائے گا! (۱۱۰)

اور جو کوئی (بد عملی کرکے) برائی کماتا ہے' تو وہ اپنی جان ہی کے لیے کماتا ہے (اس کا جو کچھ بھی وبال ہوگا اسی کو پیش آئے گا) اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور (اپنے احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے۔ (۱۱۱)

اور جس کسی سے (بے جانے بوجھے) کوئی خطا سرزد ہو جائے۔ یا (جان بوجھ کر) کسی گناہ کا مرتکب ہو' اور پھر (اپنے بچاؤ کے لیے) اسے کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے تو (یاد رکھو) اس نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (بھی) اپنی گردن پر لا دلیا۔ (۱۱۲)

(اور اے پیغمبر!) اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا' اور اس کی رحمت (کارفرما) نہ ہوتی تو واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے ایک جماعت نے تو پورا ارادہ کر لیا تھا' کہ (اصل مجرم کی حمایت میں جتھابندی کرکے) تمہیں غلط راستہ پر ڈال دیں (اور تم بے گناہ آدمی کو مجرم سمجھ لو) یہ لوگ غلط راستہ پر نہیں ڈال رہے ہیں' مگر خود اپنی ہی جانوں کو (کہ حق کی حمایت کرنے کی جگہ جھوٹے کی حمایت کر رہے ہیں) یہ (اپنی چالاکیوں سے) تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے' کیونکہ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کر دی ہے' اور جو باتیں معلوم نہ تھیں وہ تمہیں سکھلا دی ہیں' اور تم پر اس کا بہت ہی بڑا فضل ہے۔ (۱۱۳)

ان لوگوں کے پوشیدہ مشوروں میں سے اکثر مشورے بھلائی کے لیے نہیں ہوتے۔ ہاں جو کوئی خیرات کے لیے یا کسی نیک کام کے لیے حکم دے' یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرا دینا چاہے (اور اس میں پوشیدگی ملحوظ رکھے تو البتہ یہ نیکی کی بات ہے) اور جو کوئی خدا کی خوشنودی کی طلب میں اس طرح کے کام کرتا ہے' تو ہم اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔ (۱۱۴)

اور [1] جس شخص پر الہدیٰ (یعنی ہدایت کی حقیقی راہ) کھل جائے اور اس پر بھی وہ اللہ کے رسول سے مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلنے لگے تو ہم اسے اسی طرف کو لے جائیں گے جس (طرف) کو (جانا) اس نے پسند کر لیا ہے اور

---

[1] احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ مندرجہ صدر میں جب آنحضرت (ﷺ) نے یہودیوں کو بری کر دیا اور طعمہ کے خلاف فیصلہ فرمایا تو وہ مسلمانوں سے الگ ہو کر مشرکین مکہ سے جا ملا (ترمذی' حاکم' ابن سعد)

جس شخص پر "الہدیٰ" یعنی دین حق کی راہ واضح ہو جائے' اور پھر وہ دیدہ و دانستہ اس سے پھر جائے' تو اس نے خود اپنی پسند سے سعادت کی راہ چھوڑ کر شقاوت کی راہ پسند کر لی' اور جیسی کچھ راہ اس نے پسند کی' ضروری ہے کہ ویسا ہی نتیجہ بھی اسے پیش آئے۔

⇦

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ
بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾
لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ
فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾

اسے دوزخ میں پہنچا دیں گے- اور (جس کے پہنچنے کی جگہ دوزخ ہوئی تو) یہ پہنچنے کی کیا ہی بری جگہ ہے!(۱۱۵) اللہ یہ بات بخشنے والا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے- اس کے سوا جتنے گناہ ہیں وہ جسے چاہے بخش دے اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو وہ بھٹک کر سیدھے راستے سے بہت دور جا پڑا-(۱۱۶) (یہ مشرک خدا کے ساتھ کن کو شریک ٹھہراتے ہیں؟ اور کن کو پکارتے ہیں؟) یہ نہیں پکارتے' مگر دیبیوں کو، اور یہ نہیں پکارتے ہیں مگر شیطان مردود کو جس پر اللہ لعنت کر چکا ہے!-(۱۱۷)

اور شیطان نے کہا میں تیرے بندوں سے (گمراہی کا) ایک مقررہ حصہ لے کر رہوں گا'(۱۱۸) اور ضرور انہیں بہکاؤں گا اور ضرور ایسا کروں گا کہ (حقیقت اور عمل کی جگہ جھوٹی) آرزوؤں میں انہیں مشغول رکھوں' اور ضرور انہیں (مشرکانہ خرافات کا) حکم دوں گا' پس وہ جانوروں کے کان ضرور ہی چیریں گے (اور انہیں بتوں کے نام پر چھوڑ دیں گے) اور میں البتہ انہیں حکم دوں گا- پس وہ (میری ہدایت کے مطابق) خدا کی خلقت میں ضرور ردوبدل کر دیا کریں ☆ گے (سو یہ مشرک اسی شیطان کی وسوسہ اندازیوں پر چلتے ہیں) اور جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق و مددگار بناتا ہے تو یقیناً وہ تباہی میں پڑ گیا- ایسی تباہی میں جو کھلی تباہی ہے-(۱۱۹) شیطان ان سے وعدہ کرتا اور آرزوؤں میں ڈالتا ہے اور شیطان ان سے جو کچھ وعدے کرتا ہے' وہ فریب کے سوا کچھ نہیں ہے-(۱۲۰)

⇐ چنانچہ فرمایا "ہم اسے اسی طرف لے جائیں گے جس طرف کو جانا اس نے پسند کر لیا ہے" یعنی ہم نے انسان کی سعادت وشقاوت کے لیے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ جو جیسی راہ پسند کرتا ہے' ویسا ہی نتیجہ اسے پیش آتا ہے' اور اسی نتیجہ پر وہ پہنچا دیا جاتا ہے- جس نے جنت کی راہ اختیار کی اسے جنت میں داخل کیا جائے گا- جس نے دوزخ پسند کی اس کے لیے دوزخ ہوگی!

اس کے بعد فرمایا جو کوئی ہدایت سے برگشتہ ہو کر مشرکوں کی راہ اختیار کرتا ہے' تو وہ یاد رکھے' اللہ تمام گناہ (بغیر توبہ کے بھی) بخش دے سکتا ہے لیکن شرک کے لیے بخشائش نہیں- اس کے بعد مشرکین عرب کے بعض عقائد واعمال کا ذکر کیا ہے جو ان کی کوری وسفاہت کی واضح دلیل ہیں- پھر فرمایا شیطان کی سب سے بڑی وسوسہ اندازی یہ ہے کہ طرح طرح کے وعدوں میں رکھتا اور آرزوؤں اور امیدوں میں ڈالتا ہے- وعدوں میں رکھنے اور آرزوؤں میں ڈالنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان حقیقت وعمل کی جگہ محض باطل آرزوؤں اور جھوٹی امیدوں کا بندہ ہو جاتا ہے- وہ نجات وسعادت کے لیے سعی وعمل کی راہ اختیار نہیں کرتا بلکہ اپنی جھوٹی امیدوں اور مغرورانہ آرزوؤں ہی میں مگن رہنے لگتا ہے-

☆ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی خلقت کو بدلنا قرآن کے نزدیک بڑی ہی معصیت کی بات ہے- مثلاً مردوں کو خوجہ بنانے کی رسم جو پہلے رومیوں نے شروع کی تھی اور پھر تمام دنیا میں پھیل گئی تھی- اس آیت کی رو سے شیطانی فعل تھا-

أُولَٰٓئِكَ مَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ
جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿۱۲۲﴾ لَّيْسَ
بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِىِّ أَهْلِ الْكِتَٰبِ ۗ مَن يَعْمَلْ سُوٓءًا يُجْزَ بِهِۦ وَلَا يَجِدْ لَهُۥ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا
نَصِيرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّٰلِحَٰتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰٓئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا
يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُۥ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا ۗ
وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَٰهِيمَ خَلِيلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلَّهِ مَا فِى السَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيطًا ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۸/۱۵

یہی لوگ ہیں جن کا (بالآخر) ٹھکانا دوزخ ہوا' اور یہ اس سے نکل بھاگنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے!(۱۲۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام انجام دیے' تو ہم انہیں (راحت اور سرور ابدی کے ایسے) باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی (اور اس لیے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے- یہ اللہ کا وعدہ حق ہے- اور اللہ سے بڑھ کر بات کہنے میں سچا اور کون ہو سکتا ہے؟ (۱۲۲)

(مسلمانو! [1] نجات وسعادت) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر (موقوف) ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر- (وہ تو ایمان و عمل پر موقوف ہے) جو کوئی برائی کرے گا' (خواہ کوئی ہو) ضروری ہے کہ اس کا بدلہ پائے' اور پھر اللہ کے سوا نہ تو اسے کوئی دوست ملے نہ مددگار- (۱۲۳) اور جو کوئی اچھے کام کرے گا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ (خدا پر) ایمان بھی رکھتا ہوگا' تو ایسے ہی لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور رائی برابر بھی ان کے ساتھ (جزا وعمل میں) بے انصافی ہونے والی نہیں- (۱۲۴)

اور پھر (بتلاؤ) اس آدمی سے بہتر دین رکھنے والا کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیا اور وہ نیک عمل بھی ہے' اور اس نے ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کی ہے جو (تمام انسانی گروہ بندیوں سے الگ ہو کر) صرف خدا ہی کے لیے ہو رہا تھا' اور (یہ واقعہ ہے کہ) اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست مخلص بنا لیا تھا- (۱۲۵) اور (یاد رکھو) جو کچھ آسمانوں میں ہے- اور جو کچھ زمین میں ہے' سب اللہ ہی کے لیے ہے- (اس کے سوا کوئی نہیں) اور وہ (اپنے علم وقدرت سے) ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے! (۱۲۶)

[1] پچھلی آیات میں انسانی گمراہی کی یہ حالت بتلائی تھی کہ عمل وحقیقت کی جگہ باطل آرزوؤں اور جھوٹی امیدوں میں مگن ہو جاتا ہے- یہاں بتلایا کہ اسی گمراہی میں یہودی اور عیسائی مبتلا ہو گئے- عمل وحقیقت کی جگہ صرف آرزوئیں اور امیدیں ہی ان کا سرمایہ دین ہیں- یہودی کہتے ہیں' ہم خدا کی خاص امت ہیں- ہم پر آتش دوزخ حرام ہے- عیسائی کہتے ہیں! ہم کفارۂ مسیح پر ایمان رکھتے ہیں- اس لیے ہمارے لیے نجات ہی نجات ہے- قرآن مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ کہیں تم بھی اس گمراہی میں مبتلا نہ ہو جانا- وہ کہتا ہے نہ تو تمہاری آرزوؤں سے کچھ بننے والا ہے' نہ اہل کتاب کی- خدا کا قانون تو یہ ہے کہ جس کسی کا عمل برا ہوگا' وہ اس کی سزا ضرور پائے گا' خواہ تم ہو' خواہ یہودی ہوں' خواہ عیسائی ہوں' خواہ کوئی ہو-

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ مسلمانوں اور اہل کتاب میں بحث چھڑ گئی- یہودیوں نے کہا ہمارا دین سب سے بہتر ہے کہ نجات صرف ہمارے ہی لیے ہے- مسلمانوں نے کہا' ہمارا دین سب سے بہتر ہے کیونکہ سب کے بعد آیا اور تم سب کی نجات اسی پر موقوف ہے- اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن جریر)

اس سے معلوم ہوا کہ محض اپنے طریقہ کی بڑائی کرنے اور ڈینگیں مارنے سے کچھ نہیں ہوتا- اصلی شے ایمان وعمل ہے-

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ
الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ
تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿١٢٧﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ
بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ

اور[1] (اے پیغمبر!) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں (یعنی حکم دریافت کرتے ہیں) تم کہہ دو اللہ تمہیں ان کے بارے میں حکم دیتا ہے (جواب بیان کیا جائے گا) نیز وہ تمہیں یتیم عورتوں کی نسبت بھی حکم دیتا ہے جو تمہیں قرآن میں سنایا جا رہا ہے (اور پہلے نازل ہو چکا ہے کہ ان کے ساتھ ناانصافی نہ کرو) وہ یتیم عورتیں (جو تمہاری سرپرستی میں ہوتی ہیں اور) جنہیں تم ان کا حق جو (وراثت میں) ان کے لیے ٹھہرایا جا چکا ہے نہیں دیتے اور چاہتے ہو کہ (ان کے مال پر قبضہ کر لینے کے لیے خود) ان سے نکاح کر لو- نیز جو کچھ بے بس (یتیم لڑکوں) کی نسبت قرآن میں سنایا جا رہا ہے (اور پہلے نازل ہو چکا ہے) تو اس بارے میں بھی خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ (ان کے) حقوق تلف نہ کرو-

اور وہ حکم دیتا ہے کہ یتیموں کے معاملہ میں (خواہ لڑکیاں ہوں خواہ لڑکے ہوں' اور تمہاری سرپرستی میں ہوں یا نہ ہوں ہر حال میں) حق و انصاف کے ساتھ قائم رہو' اور (یاد رکھو) تم بھلائی کی باتوں میں سے جو کچھ کرتے ہو خدا اس کا علم رکھنے والا ہے- (۱۲۷)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے سرکشی یا کنارہ کشی کا اندیشہ ہو تو شوہر اور بیوی پر کچھ گناہ نہ ہوگا' اگر (مصالحت کی کوئی بات آپس میں ٹھہرا کر) صلح کر لیں- (نااتفاقی سے) صلح (ہر حال میں) بہتر ہے- اور (یاد رکھو انسان کی طبیعت اس طرح واقع ہوئی ہے کہ) مال کا لالچ سبھی میں ہوتا ہے' (عورت چاہتی ہے اسے زیادہ سے زیادہ ملے- مرد چاہتا ہے کم سے کم خرچ کرے- پس

---

[1] سلسلۂ بیان پھر قرابت داروں کے حقوق کی طرف پھر گیا ہے جس سے سورت کی ابتدا ہوئی تھی- روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورت کی ابتدا میں یتیموں اور عورتوں کے بارے میں جو احکام نازل ہوئے تھے' ان کی نسبت بعض لوگوں نے مزید سوالات کیے- اس پر یہ آیات نازل ہوئیں (ابن جریر)

(۱) عرب جاہلیت میں دستور تھا اگر یتیم لڑکی خوبصورت اور مال دار ہوتی تو اس کا سرپرست اس کے مال پر قبضہ کر لینے کے لیے خود نکاح کر لیتا- اگر خوبصورت نہ ہوتی تو دوسرے سے نکاح کرا دیتا مگر اس شرط پر کہ اس کے مال کا ایک حصہ اسے مل جائے یا اس کا مہر خود لے لے- یا پھر یتیم لڑکیوں کا نکاح ہی نہ ہونے دیتے تاکہ شوہر کے یہاں جا کر اپنے مال کا مطالبہ نہ کر سکیں-

قرآن نے اس ظلم صریح سے سورت کی ابتدا میں بھی روکا تھا' یہاں بھی مزید تاکید کی- پیرایۂ بیان سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جس بات سے روکا گیا ہے وہ یتیم لڑکیوں کی حق تلفی ہے- اگر سرپرست کی نیت بخیر ہو تو اس کے لیے خود نکاح کر لینا ویسے ممنوع نہیں-

(۲) پہلے بار بار اس بات سے روکا گیا تھا کہ بیوی کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے زبردستی نہ کرو- یہاں بتلایا کہ اگر ایک عورت شوہر کو اپنے سے پھرا ہوئے دیکھے اور اسے خوش کرنے کے لیے اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ دے' اور میاں بیوی اس پر میل ملاپ کر لیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں- یہ جبراً مال لینا نہیں ہوا- باہمی رضامندی سے مصالحت کر لینا ہے-

(۳) ایک سے زیادہ بیوی کرنے کی صورت میں عدل کی جو شرط لگائی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہاری طبیعت کا قدرتی میلان بھی سب کے ساتھ یکساں رہے- کیونکہ ایسا کرنا تمہاری طاقت سے باہر ہے' مقصود یہ ہے کہ جتنی باتیں تمہارے اختیار میں ہیں ان میں سب کے ⇦

الشُّحَّ ؕ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا
بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيۡمًا ﴿۱۳۰﴾
وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَلَقَدۡ وَصَّيۡنَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَاِيَّاكُمۡ اَنِ
اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيۡدًا ﴿۱۳۱﴾

ایسا نہ کرو کہ مال کی وجہ سے آپس میں مصالحت نہ ہو) اور اگر تم (ایک دوسرے کے ساتھ) اچھا سلوک کرو اور (سخت گیری سے) بچو تو تم جو کچھ کرتے ہو خدا اس کی خبر رکھنے والا ہے۔ (۱۲۸)

اور تم اپنی طرف سے کتنے ہی خواہش مند ہو لیکن یہ بات تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ (ایک سے زیادہ) عورتوں میں (کامل طور پر) عدل کر سکو (کیونکہ دل کا قدرتی کھنچاؤ تمہارے بس کا نہیں۔ کسی کی طرف زیادہ کھنچے گا کسی طرف کم) پس ایسا نہ کرو کہ کسی ایک ہی کی طرف جھک پڑو اور دوسری کو (اس طرح) چھوڑ بیٹھو گویا ''معلقہ'' ہے (یعنی ایسی عورت ہے کہ نہ تو بیوہ اور طلاق دی ہوئی ہے کہ اپنا دوسرا انتظام کرے۔ نہ شوہر ہی اس کا حق ادا کرتا ہے کہ شوہر والی عورت کی طرح ہو۔ بیچ میں پڑی لٹک رہی ہے) اور (دیکھو) اگر تم (عورتوں کے معاملہ میں) درستی پر رہو اور (بے انصافی سے) بچو تو اللہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے۔ (۱۲۹)

اور اگر (میاں بی بی میں اصلاح کی کوئی صورت بن نہ پڑے اور ایک دوسرے سے) جدا ہو جائیں تو اللہ اپنے (فضل کی) کشائش سے دونوں کو بے نیاز کر دے گا (یعنی ان میں سے ہر ایک کے لیے کوئی دوسرا انتظام پیدا ہو جائے گا جو عجب نہیں پہلے سے بہتر ہو) اور اللہ بڑی وسعت والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۱۳۰)

اور (مسلمانو! یاد رکھو) آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے (اس کے سوا کوئی نہیں) ہم نے یقیناً ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور (اسی طرح) خود تم کو بھی یہ حکم دیا کہ اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو (اور احکام حق کی پیروی کرو) اور اگر (اس کا حکم) نہ مانو گے سو (اس سے اس کی خدائی کا تو کچھ نقصان ہونے والا نہیں۔ تم خود ہی نقصان اٹھاؤ گے) آسمانوں میں اور زمین جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ بے نیاز ہے ساری ستائشوں سے ستودہ! (۱۳۱)

⇐ ساتھ یکساں سلوک کرو اور کسی ایک ہی کی طرف جھک نہ پڑو۔ مثلاً سب کو ایک طرح کا مکان دو، ایک طرح کا لباس پہناؤ، ایک ہی طرح کھانے پینے کا انتظام کرو، ایک ہی طرح پر رہو سہو اور شب باش ہو۔ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان باتوں میں عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک سے زیادہ بیوی نہ کرو۔

لے بیان احکام کے بعد پھر تذکیر و موعظت کے پہلو پر زور دیا گیا کہ اصل شے احکام حق کی تعمیل اور استقامت و اخلاص ہے۔ تم سے پہلے کتنی ہی امتیں بدعملی و نافرمانی کی وجہ سے مٹ گئیں۔ اگر خدا چاہے تو تمہیں بھی کامرانی و اقبال کے میدان سے ہٹا دے اور تمہاری جگہ دوسروں کو دے دے۔ پس نافرمانی و بدعملی سے بچو اور راہ حق میں مستقیم ہو جاؤ۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ ع ۱۹/۸/۱۶
وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ
اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

اور (بے شک) اللہ ہی کے لیے ہے' جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے- اور (جو کوئی اس کی فرماں برداری کرے تو) کارسازی کے لیے اس کا کارساز ہونا کفایت کرتا ہے! (۱۳۲) لوگو! اگر وہ چاہے تو تمہیں (اقبال وسعادت کے میدان سے) ہٹا دے' اور (تمہاری جگہ) دوسروں کو لے آئے- وہ بلاشبہ ایسا کرنے پر قادر ہے- (۱۳۳)

جو کوئی دنیا کا ثواب چاہتا ہے تو (اسے معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ کے پاس دنیا اور آخرت' دونوں کا ثواب موجود ہے (اور وہ دونوں کی بخشش رکھتا ہے) وہ (سب کچھ) سننے والا اور دیکھنے والا ہے- (۱۳۴)

مسلمانو![1] ایسے ہو جاؤ کہ انصاف پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے (سچی) گواہی دینے والے ہو- اگر تمہیں خود اپنے خلاف' یا اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے جب بھی نہ جھجکو- اگر کوئی مال دار ہے' یا محتاج ہے' تو اللہ (تم سے) زیادہ ان پر مہربانی رکھنے والا ہے (تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ مال دار کی دولت کے لالچ میں یا محتاج کی محتاجی پر ترس کھا کر سچی بات کہنے سے جھجکو)-

پس (دیکھو) ایسا نہ ہو کہ ہوائے نفس کی پیروی تمہیں انصاف سے باز رکھے- اور اگر تم (گواہی دیتے ہوئے) بات کو گھما پھرا کر کہو گے (یعنی صاف صاف کہنا نہ چاہو گے) یا گواہی دینے سے پہلو تہی کرو گے' تو (یاد رکھو) تم جو کچھ کرتے ہو' اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے! - (۱۳۵)

مسلمانو![2] اللہ پر ایمان لاؤ' اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ' اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی

---

[1] مسلمانوں کو چاہیے کہ "قوامون بالقسط" ہوں یعنی حق وانصاف پر اس مضبوطی سے قائم رہنے والے' کہ کوئی بات بھی انہیں ان کی جگہ سے نہ ہلا سکے! اور چاہیے کہ اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہوں- دنیا کی کوئی چیز انہیں سچ کہنے سے نہ روک سکے- اگر کسی معاملہ میں سچائی ان (کی ذات کے خلاف ہو' یا ان کے ماں باپ اور عزیز واقربا) کے خلاف ہو' جب بھی انہیں سچی ہی بات کہنی چاہیے- وہ صرف سچائی ہی کے لیے دل وزبان رکھتے ہیں-

سچی گواہی دینے میں نہ تو کوئی کسی کی دولت کا پاس کرے نہ کسی کی محتاجی کا! اگر کسی معاملہ میں گواہی دے سکتے ہو تو اس سے پہلو تہی نہ کرو- اور جب گواہی دو تو صاف صاف بات کہو- گھما پھرا کر نہ کہو کہ حقیقت مشتبہ ہو جائے-

[2] ایمانی خصائل واعمال پر زور دینے کے بعد یہ حقیقت واضح کی کہ یہ خصائل واعمال جبھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ کامل اور سچی خدا پرستی دلوں میں رچ جائے- کامل اور سچی خدا پرستی یہ ہے کہ خدا پر ایمان لاؤ' اور خدا کی سچائی پر ایمان لاؤ- یہ سچائی پیغمبر اسلام پر بھی نازل ہوئی ہے' ⇦

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ
اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ
نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى

ہے- نیز کتابوں پر جو اس سے پہلے (دوسرے پیغمبروں پر) نازل کی تھیں- اور (دیکھو) جس کسی نے اللہ سے انکار کیا' اور اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان نہ رکھا' تو وہ بھٹک کر سیدھے راستے سے بہت دور جا پڑا- (۱۳۶) جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایمان لائے' پھر کفر میں پڑ گئے' پھر ایمان لائے' پھر کفر میں پڑ گئے' اور پھر برابر کفر میں بڑھتے ہی گئے (تو فی الحقیقت ان کا ایمان لانا ایمان لانا' نہ تھا) اللہ انہیں بخشنے والا نہیں اور ہرگز ایسا نہ ہوگا کہ (کامیابی کی) انہیں کوئی راہ دکھائے- (۱۳۷)

(اے پیغمبر!) تم منافقوں کو یہ خوش خبری سنا دو کہ بلا شبہ ان کے لیے عذاب دردناک ہے! (۱۳۸) (وہ منافق) جو مسلمانوں کو چھوڑ کر منکرین حق کو اپنا رفیق اور مددگار بناتے ہیں (اور مسلمانوں کی دوستی پر مسلمانوں کے دشمنوں کی دوستی کو ترجیح دیتے ہیں) تو کیا وہ چاہتے ہیں ان کے پاس عزت ڈھونڈھیں؟ (اگر ایسا ہی ہے) تو (یاد رکھیں) عزت جتنی بھی ہے سب کی سب اللہ ہی کے لیے ہے (یعنی اسی کے اختیار میں ہے' جسے چاہے دے دے' دشمنان حق کے ہاتھ میں نہیں ہے' اگرچہ وہ اس وقت عارضی طور پر دنیوی عزت اور شوکت رکھتے ہیں اور پیروان حق بے سروسامان اور کمزور ہیں)- (۱۳۹)

اور[1] (دیکھو) اللہ اپنی کتاب میں تمہارے لیے یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ جب تم دیکھو اور سنو خدا کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے (یعنی انہیں سرکشی اور شرارت سے جھٹلایا جا رہا ہے) اور ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے تو (تم اس مجلس سے اٹھ جاؤ اور) جب

⇦ اور پیغمبر اسلام سے پہلے تمام رسولوں پر بھی نازل ہو چکی ہے-

اس کے بعد ایمان کی تفصیل بیان کی کہ خدا پر' خدا کے فرشتوں پر' خدا کی کتابوں پر' خدا کے رسولوں پر' اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنا' کامل اور سچا ایمان ہے-

اس کے بعد منافقوں کی حالت بیان کی ہے کہ اگرچہ انہوں نے بظاہر ایمان کی راہ اختیار کر لی تھی مگر فی الحقیقت ایمان سے محروم تھے چنانچہ بار بار آئے' اور بار بار الٹے پاؤں پھر گئے- سو ایسا ایمان' ایمان نہیں ہے- ایسے لوگوں کے لیے نہ تو خدا کی مغفرت ہوگی' نہ ایسوں پر سعادت و کامیابی کی راہ کھلے گی-

[1] آیت (۱۴۰) سے (۱۴۳) تک منافقوں کے اعمال و خصائل بتلائے ہیں:

(۱) چونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے' اس لیے مسلمانوں کی کامیابی پر بھروسہ نہیں رکھتے- وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کے دشمنوں کو اپنا دوست بناتے ہیں تاکہ جب مسلمانوں کے دشمن فتح مند ہوں تو وہ عزت و کامرانی حاصل کریں-

(۲) وہ الگ تھلگ رہ کر واقعات کی رفتار دیکھتے رہتے ہیں- اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے' تو فتح کے فائدوں میں حصے دار بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بھی تمہارے ساتھ تھے- اگر دشمنوں کا پلہ بھاری رہتا ہے تو ان سے جا ملتے ہیں اور کہتے ہیں اگر لڑائی میں ہم ⇦

يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۖ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿١٤٠﴾
الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ
نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ
ع وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٤١﴾ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ
وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾

تک (اس طرح کی باتیں چھوڑ کر) کسی دوسری بات میں لوگ نہ لگ جائیں' ان کے پاس نہ بیٹھو- اگر بیٹھا کرو گے تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے- (یاد رکھو) خدا منافقوں کو (جو ایسی باتوں میں شریک ہوتے ہیں) اور منکرین حق کو (جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں) سب کو جہنم میں اکٹھا کر دینے والا ہے! (۱۴۰) ان (منافقوں) کا شیوہ یہ ہے کہ وہ تمہاری حالت دیکھتے رہتے اور (مآل کار کے) منتظر رہتے ہیں- اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ملتی ہے تو (اپنے کو تمہارا ساتھی ظاہر کرتے ہیں' اور) کہتے ہیں ''کیا ہم بھی تمہارے ساتھ نہ تھے؟'' اگر منکرین حق کے لیے فتح مندی ہوتی ہے تو (ان کی طرف دوڑے جاتے ہیں اور اپنا احسان جتانے کے لیے) کہتے ہیں ''کیا ہم نے ایسا نہیں کیا کہ (جنگ میں) بالکل غالب آ گئے تھے پھر بھی تمہیں مسلمانوں سے بچا لیا'' تو (یقین کرو) اللہ قیامت کے دن تم میں (کہ سچے مسلمان ہو) اور ان میں (کہ نفاق میں ڈوبے ہوئے ہیں) فیصلہ کر دے گا' اور یقین کرو (یہ منافق کتنا ہی دشمنوں کا ساتھ دیں مگر خدا کبھی ایسا کرنے والا نہیں کہ کافر' ایمان رکھنے والوں کے خلاف کوئی راہ پا لیں- (۱۴۱)

منافق (اپنی اس دورنگی چال سے) خدا کو دھوکا دے رہے ہیں (یعنی خدا کے رسول کو اور مسلمانوں کو دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں) اور (واقعہ یہ ہے کہ) خدا انہیں دھوکا دینے میں ہرا رہا ہے اور مغلوب کر رہا ہے (کہ مہلت پر مہلت دے رہا ہے اور اس عارضی مہلت کو وہ جہل و غرور سے اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں!)-

اور جب یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں' تو کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں (جیسے کوئی مارے باندھے کھڑا ہو جائے) محض لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں- اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے (یعنی تلاوت نہیں کرتے) مگر برائے نام- (۱۴۲)

⇦ دل سے تمہارے ساتھ نہ ہوتے اور تمہیں نہ بچاتے تو مسلمانوں نے تمہارا خاتمہ ہی کر دیا تھا-

(۳) وہ نماز کے لیے کھڑے ہوں گے تو کاہلی کے ساتھ، گویا مارے باندھے کھڑے ہو گئے ہیں- دکھاوے کے لیے تھوڑی بہت قراءت جلد جلد کر لیں گے اور نماز پٹک کر الگ ہو جائیں گے- خشوع و خضوع اور دل کا لگاؤ ان کی نماز میں نہ ہوگا-

(۴) ان کی ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں گویا ایک قدم کفر میں ہے' ایک ایمان میں- دونوں کے درمیان متردّد کھڑے ہیں- نہ پوری طرح کفر ہی کا ساتھ دے سکتے ہیں' نہ پوری طرح ایمان کا!

آیت (۱۴۳) میں فرمایا ''خدا انہیں دھوکا دینے میں ہرا رہا ہے اور مغلوب کر رہا ہے'' خدا کے ہرانے اور مغلوب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے دنیا میں اچھوں کی طرح بروں کو بھی مہلت عمل دے رکھی ہے- مگر یہ مہلت اس لیے نہیں ہے کہ خدا کا قانون ان کی طرف سے غافل ہے' بلکہ اس لیے ہے کہ ہر عمل کا نتیجہ اپنے مقررہ وقت ہی پر ظاہر ہوا کرتا ہے لیکن شریر آدمی اس مہلت سے نڈر ہو جاتا ہے- وہ سمجھتا ہے میں جو کچھ بھی کیے جاؤں میرے لیے کچھ ہونے والا نہیں- حالانکہ اس کے لیے سب کچھ ہونے والا ہے مگر اپنے مقررہ وقت پر-

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ
تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ
الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

کفر اور ایمان کے درمیان متردد کھڑے ہیں کہ ادھر رہیں یا ادھر- نہ تو اِن کی طرف ہیں' نہ اُن کی طرف (یعنی نہ تو مسلمانوں کی طرف ہیں' نہ مسلمانوں کے دشمنوں کی طرف) اور حقیقت یہ ہے کہ جس پر اللہ ہی راہ گم کر دے (یعنی اللہ کے ٹھہرائے ہوئے قانون ہدایت و ضلالت کے بموجب راہ سعادت گم ہو جائے) تو پھر ممکن نہیں تم اس کے لیے کوئی راہ نکال سکو! - (۱۴۳)

مسلمانو![1] ایسا نہ کرو کہ مسلمانوں کے سوا کافروں کو (جو تمہارے خلاف لڑ رہے ہیں اور تمہاری بربادی پر تلے ہوئے ہیں) اپنا رفیق و مددگار بناؤ- کیا تم چاہتے ہو خدا کا صریح الزام اپنے اوپر لے لو؟ (۱۴۴)

بلاشبہ منافقوں کے لیے یہی ہونا ہے کہ دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ڈالے جائیں اور (اس دن) کسی کو بھی تم ان کا رفیق و مددگار نہ پاؤ (پھر کیا تم چاہتے ہو ان کی سی روش تم بھی اختیار کرو؟) (۱۴۵)

ہاں' (ان میں سے) جن لوگوں نے توبہ کر لی' اپنی (عملی) حالت سنوار لی' اللہ (کے حکم) پر مضبوطی کے ساتھ جم گئے' اور اپنے دین میں صرف اسی کے لیے ہو گئے تو (بلاشبہ) ایسے لوگ (منافقوں میں سے نہیں سمجھے جائیں گے) مومنوں کی صف میں ہوں گے اور قریب ہے کہ اللہ مومنوں کو (ان کا) اجر عطا فرمائے' ایسا اجر' جو بہت ہی بڑا اجر ہو گا! (۱۴۶)

(لوگو!) اگر تم شکر کرو (یعنی خدا کی نعمتوں کی قدر کرو اور انہیں ٹھیک ٹھیک کام میں لاؤ) اور خدا پر ایمان رکھو تو خدا کو تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے؟ (یعنی وہ کیوں تمہیں عذاب دے؟) خدا تو (انسانی اعمال کا) قدر شناس اور (ان کی حالت کا) علم رکھنے والا ہے- (۱۴۷)

---

[1] فرمایا' منافقوں کی سی چال اختیار نہ کرو جو اپنی قوم کو چھوڑ کر قوم کے دشمنوں کو اپنا مددگار بناتے ہیں' اور قوم کی مصلحتوں پر اپنی منافقانہ غرضوں کو ترجیح دیتے ہیں-

اس کے بعد آیت (۱۴۷) میں اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کیا کہ عذاب و ثواب اس لیے نہیں ہے کہ خدا خوش ہو کر انعام دینے لگتا ہے اور جوش انتقام میں آ کر عذاب میں ڈال دیتا ہے جیسا کہ بت پرست اپنے دیوتاؤں کی نسبت خیال کرتے تھے' اور یہودی اور عیسائی تصور میں بھی اس کی آمیزش ہو گئی تھی' بلکہ وہ انسانی عمل کا قدرتی خاصہ و نتیجہ ہے اور خدا کی حکمت نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح انسان کے ہر عمل کا بھی ایک خاصہ اور بدلہ ہو-

آیت (۱۴۸) میں فرمایا اگر کسی انسان میں کوئی برائی ہو تو اسے مشہور کرنا اور پکارتے پھرنا' جائز نہیں- ہاں اگر کوئی مظلوم ہو' تو وہ ظالم کے خلاف آواز بلند کر سکتا ہے- یہاں یہ حکم اس لیے بیان کیا گیا کہ منافقوں کی نسبت مسلمانوں کو تنبیہ کرنی تھی- ان لوگوں کی برائیاں روز بروز آشکارا ہو رہی ہیں لیکن تمہیں نہیں چاہیے کہ کسی خاص آدمی کے پیچھے پڑ جاؤ اور اسے منافق مشہور کرتے پھرو-

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا
اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ
اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿١٥٠﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا
مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ
اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَاۗءِ

خدا کو پسند نہیں کہ تم (کسی کی) برائی پکارتے پھرو- ہاں یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو (اور وہ ظالم کے ظلم کا اعلان کرے) اور (یاد رکھو) خدا سننے والا جاننے والا ہے (اس سے کسی کی کوئی بات پوشیدہ نہیں) (١٤٨) تم بھلائی کی کوئی بات ظاہر طور پر کرو یا چھپا کر کرو یا کسی کی برائی سے درگزر کرو (ہر حال میں تمہارے لیے نیکی و احسان کا اجر ہے اور دیکھو) اللہ بھی (ہر طرح کی) قدرت رکھتا ہوا (برائیوں سے) درگزر کرنے والا ہے! (١٤٩) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے برگشتہ ہیں اور چاہتے ہیں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں (تصدیق کے لحاظ سے) تفرقہ کریں اور کہتے ہیں ہم ان میں سے بعض کو مانتے ہیں بعض کو نہیں مانتے اور اس طرح چاہتے ہیں ایمان اور کفر کے درمیان کوئی (تیسری) راہ اختیار کرلیں، (١٥٠) تو ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں (ان کا بعض رسالتوں پر ایمان رکھنے کا دعویٰ انہیں مومن نہیں بنا دے سکتا) اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے- (١٥١) اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کیا (یعنی کسی ایک سے بھی انکار نہیں کیا) تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ (سچے مومن ہیں اور) عنقریب ہم انہیں ان کے اجر عطا فرمائیں گے اور اللہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے! (١٥٢) (اے پیغمبر!) اہل کتاب (یعنی یہودی) تم سے درخواست کرتے ہیں کہ آسمان سے کوئی کتاب ان پر نازل کرا دو

ل جو لوگ ''تفریق بین الرسل'' کرتے ہیں یعنی خدا کے کسی پیغمبر کو مانتے ہیں کسی کو نہیں مانتے تو وہ چاہتے ہیں ایمان اور کفر کے درمیان کوئی تیسری راہ ڈھونڈھ نکالیں- حالانکہ ایسی راہ کوئی نہیں- اگر مانتے ہو تو سب کو مانو- انکار کرتے ہو تو کسی ایک کا انکار بھی سب کا انکار ہوا- کیونکہ خدا کی سچائی ایک ہی ہے اور سب اسی سچائی کے پیغامبر تھے- لوگوں نے دین کے بارے میں سب سے بڑی گمراہی یہی کی کہ اس حقیقت کو بھول گئے اور ایک دوسرے کو جھٹلانے لگا!

بیان کا رخ اب یہودیوں کی طرف پھر رہا ہے- کیونکہ مدینہ کے منافقوں میں زیادہ تر یہودی ہی تھے- یہودی کہتے تھے اگر پیغمبر اسلام سچے ہیں تو کیوں ان پر آسمان سے ایک کتاب اس طرح نازل نہیں ہوجاتی کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں؟ فرمایا اس سے بھی بڑی فرمائش یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے ہیں کہ خود خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں- پھر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ جو طالب حق ہے وہ کبھی ایسی فرمائش نہیں کرے گا- بلکہ یہ بات دیکھے گا کہ جو تعلیم دی جا رہی ہے وہ کیسی ہے اور جو تعلیم دینے والا ہے اس کا حال کیا ہے-

اس کے بعد یہودیوں کی ان تاریخی شقاوتوں کی طرف اشارات کیے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق کے مقابلہ میں انکار و شرارت کرنے والے برابر شرارت کرتے ہی رہے- اگر فرمائشی معجزے دکھلا بھی دیے جائیں جب بھی جو ماننے والے نہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے-

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ
بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا
غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا
غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى

(تاکہ انہیں تصدیق ہو جائے کہ تم خدا کے نبی ہو) تو (یہ فرمائش انہوں نے تم ہی سے نہیں کی ہے) یہ اس سے بھی بڑی بات کا سوال موسیٰ سے کر چکے ہیں انہوں نے (یعنی ان کے بزرگوں اور ہم مشربوں نے سینا کے میدان میں) کہا تھا ''ہمیں خدا آشکارا طور دکھلا دو'' (یعنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں خدا تم سے کلام کر رہا ہے) تو ان کی شرارت کی وجہ سے بجلی (کی ہولناکی) نے انہیں پکڑ لیا تھا (اور اس پر بھی وہ نافرمانی و شرارت سے باز نہیں آئے تھے) پھر باوجودیکہ (دین حق کی روشن دلیلیں ان پر واضح ہو چکی تھیں، وہ پوجا کے لیے) بچھڑے کو لے بیٹھے' (اور بت پرستی میں مبتلا ہو گئے) ہم نے اس سے بھی درگزر کی تھی اور موسیٰ کو (قیام حق و شریعت میں) ظاہر و واضح اقتدار دے دیا تھا۔☆ (۱۵۳)

اور پھر (دیکھو احکام حق پر) عہد لینے کے☆ لیے ہم نے ان کے سروں پر (کوہ) طور بلند کر دیا تھا' (اور انہوں نے اتباع حق کا قول و قرار کیا تھا) اس کے بعد ہم نے انہیں حکم دیا کہ شہر کے دروازے☆ میں (خدا کے آگے) جھکے ہوئے داخل ہو (اور فتح و کامیابی کے بعد ظلم و شرارت نہ کرو) اور ہم نے حکم دیا کہ سبت کے دن (کا احترام کرو) اور اس دن (حکم شریعت سے) تجاوز نہ کر جاؤ☆ ہم نے ان سے ان تمام باتوں پر پکا عہد و میثاق لے لیا تھا۔ (۱۵۴)

پس ان کے عہد (اطاعت) توڑنے کی وجہ سے' اور اللہ کی آیتیں جھٹلانے کی وجہ سے' اور اس وجہ سے کہ خدا کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے' نیز (اس شقاوت کی وجہ سے کہ) انہوں نے کہا ''ہمارے دلوں پر (تہ در تہ) خلاف چڑھے ہوئے ہیں''☆ (ان میں قبولیت حق کی استعداد باقی ہی نہیں رہی۔ ان کے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے، یہی وجہ ہے کہ معدودے چند آدمیوں کے سوا سب کے سب ایمان سے محروم ہیں۔ (۱۵۵)

ل یہودیوں کی یہ شقاوت کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت جھٹلائی اور حضرت مریم علیہا السلام پر (حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کی نسبت) بہتان باندھا۔ نیز یہ شقاوت کہ وہ کہتے ہیں ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھا کر ہلاک کر دیا۔ حالانکہ نہ تو وہ ہلاک کر سکے نہ ⇐

☆ سورۂ بقرہ میں ان واقعات کی تفصیل گزر چکی ہے۔ آیت (۴۸) تا (۵۳) ☆ سورۂ بقرہ ۶۳ ☆ سورۂ بقرہ: ۵۷ ☆ سورۂ بقرہ: ۶۵

☆ سورۂ بقرہ: ۸۲۔ یعنی یہودی اپنی گمراہی کے جماؤ کو استقامت و ثبات حق سمجھتے تھے اور کہتے تھے ہمارے دلوں میں تہ در تہ غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ ان تک کسی نئی بات کا اثر پہنچ ہی نہیں سکتا۔ قرآن کہتا ہے' یہ حالت ان کے کفر کی وجہ سے ہے اور جو دل کفر پر جم جاتا ہے خدا کا قانون ہے کہ اس پر مہر لگ جاتی ہے اور وہ سچائی کے لیے بھی نہیں کھلتا۔

مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝١٥٦ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ
وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ
اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝١٥٧ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝١٥٨ وَاِنْ مِّنْ
اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝١٥٩ فَبِظُلْمٍ
مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝١٦٠

اور (نیز) اس بات کی وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور مریم کے خلاف ایسی بات کہی جو بڑے ہی بہتان کی بات تھی-(۱۵۶) اور (نیز) ان کا یہ کہنا کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو جو خدا کے رسول (ہونے کا دعویٰ کرتے) تھے (سولی پر چڑھا کر) قتل کر ڈالا' حالانکہ (واقعہ یہ ہے کہ) نہ تو انہوں نے قتل کیا' اور نہ سولی پر چڑھا کر ہلاک کیا' بلکہ حقیقت حال ان پر مشتبہ ہو گئی (یعنی صورت حال ایسی ہوگئی کہ انہوں نے سمجھا ہم نے مسیح کو مصلوب کر دیا حالانکہ نہیں کر سکے تھے) اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا (یعنی عیسائیوں نے جو کہتے ہیں مسیح مصلوب ہوئے لیکن اس کے بعد زندہ ہو گئے) تو بلاشبہ وہ بھی شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں-(۱۵۷) ظن وگمان کے سوا کوئی علم ان کے پاس نہیں' اور یقیناً یہودیوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا' اور اللہ سب پر غالب رہنے والا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے-(۱۵۸) اور (دیکھو) اہل کتاب میں سے (یعنی یہودیوں میں سے جنہوں نے مسیح سے انکار کیا) کوئی نہ ہوگا جو اپنی موت سے پہلے (حقیقت حال پر مطلع نہ ہو جائے اور) اس پر (یعنی مسیح کی صداقت پر) یقین نہ لے آئے- ایسا ہونا ضروری ہے (کیونکہ مرنے کے وقت غفلت وشرارت کے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں' اور حقیقت نمودار ہوتی ہے) اور قیامت کے دن وہ (اللہ کے حضور) ان پر شہادت دینے والا ہوگا-(۱۵۹) الغرض یہودیوں کے اس ظلم کی وجہ سے ہم نے (کئی ایک) اچھی چیزیں ان پر حرام کر دیں جو (پہلے) حلال تھیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکنے لگے تھے (اور ہدایت کی راہ میں سرتاسر روک ہو گئے تھے)-(۱۶۰)

⇐ مصلوب کر سکے بلکہ حقیقت حال ان پر مشتبہ ہوگئی اور اللہ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا-

آیت میں جس اشتباہ کا ذکر ہے اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت مشتبہ ہوگئی اور ان کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو سولی پر چڑھا دیا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی موت مشتبہ ہوگئی- وہ زندہ تھے مگر انہیں مردہ سمجھ لیا-

حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور نے بنی اسرائیل کی اصلاح وسعادت کا آخری موقع بہم پہنچایا تھا جسے انہوں نے اپنی شقاوت سے کھو دیا اور پھر گویا ان کی قسمت پر ہمیشہ کے لیے مہر لگ گئی- یہاں اس واقعہ کے ذکر سے یہ بات دکھائی ہے کہ جن لوگوں کی شقاوتوں کی ایسی روئداد رہ چکی ہے اگر آج وہ دعوت حق کا مقابلہ کر رہے ہیں تو یہ کونسی انوکھی بات ہے؟

ا جب کسی جماعت میں راست بازی اور پرہیز گاری باقی نہیں رہتی' تو مباح اور جائز باتوں کا بھی استعمال اس طرح کرنے لگتی ہے کہ طرح طرح کی برائیوں کا ذریعہ بن جاتی ہیں' اور اس وقت مصلح کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ سداً للذریعة ان جائز باتوں کو بھی عارضی طور پر روک دے- چنانچہ یہودیوں کی بے لگام طبیعت کا یہی حال تھا- نتیجہ یہ نکلا کہ کتنی ہی حلال چیزیں جن کے لیے پہلے کوئی روک ٹوک نہ تھی مصلحتاً روک دی گئیں- ⇐

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا
عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰي نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ ع ٢٣ ٢
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾
وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾

نیز ان کی یہ بات کہ سود لینے لگے' حالانکہ اس سے روک دیے گئے تھے اور یہ بات کہ ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے لگے (حالانکہ انہیں ہر انسان کے ساتھ دیانت دار ہونے کا حکم دیا گیا تھا) اور (یاد رکھو) ان میں جو لوگ (اس طرح احکام حق کے) منکر ہوگئے' ہم نے ان کے لیے (پاداش عمل میں) دردناک عذاب تیار رکھا ہے! (١٦١)

لیکن (اے پیغمبر!) ان میں سے جو لوگ (کتاب اللہ کے) علم میں پکے ہیں' تو وہ' اور مسلمان (ان گمراہیوں سے اپنی راہ الگ رکھتے ہیں۔ وہ) اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل ہوئی ہے اور ان تمام کتابوں پر بھی جو تم سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور وہ جو نماز قائم کرنے والے ہیں' زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں' اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں' تو ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں ہم عنقریب ان کا اجر عطا فرمائیں گے۔ ایسا اجر جو بہت ہی بڑا اجر ہوگا! (١٦٢)

(اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی جس طرح نوح پر اور ان نبیوں پر جو نوح کے بعد ہوئے' بھیجی تھی اور جس طرح ابراہیم' اسمٰعیل' اسحاق' یعقوب' اولاد یعقوب، عیسیٰ' ایوب' یونس' ہارون اور سلیمان پر بھیجی' اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔ (١٦٣) نیز خدا کے وہ رسول جن کا حال ہم (قرآن میں) پہلے سنا چکے ہیں اور وہ جن کا حال ہم نے تمہیں نہیں سنایا، اور (اسی طرح) اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا جیسا کہ واقعی طور پر کلام کرنا ہوتا ہے۔ (١٦٤)

⇦ یہاں اس معاملہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ان کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کیا گیا کہ سود لینے سے انہیں روکا گیا تھا' لیکن وہ باز نہ آئے اور بندگان خدا کا ناجائز طریقہ پر مال کھانے لگے۔

ل وحدت دین کی اصل عظیم کا اعلان کہ نوع انسانی کے لیے خدا کی سچائی ایک ہی ہے' اور تمام رہنماؤں نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ یہ پیروان مذاہب کی گمراہی ہے کہ گروہ بندیاں کر کے الگ الگ دین بنا لیے' اور ایک دوسرے کو جھٹلانے لگے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ:

(۱) قرآن نے بعض پیغمبروں کا ذکر کیا ہے' بعض کا نہیں کیا ہے' لیکن وہ سب کی تصدیق کرتا اور سب پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔

(۲) کوئی عہد اور کوئی ملک ایسا نہیں جہاں خدا نے پیغمبر نہ پیدا کیے ہوں۔

(۳) اس سے پہلے آیت (١٦٢) میں فرمایا تھا جو لوگ علم حق میں پکے ہیں وہ قرآن پر بھی اسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح ⇦

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾
لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾ؕ
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾ۙ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ
فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

یہ تمام رسول (خدا پرستی اور نیک عملی کے نتائج کی) خوش خبری دینے والے اور (انکارِ حق کے نتائج سے) متنبہ کرنے والے تھے (اور اس لیے بھیجے گئے تھے) کہ ان کے آنے (اور نیک و بد بتلانے) کے بعد لوگوں کے پاس کوئی حجت باقی نہ رہے جو وہ خدا کے حضور پیش کر سکیں (یعنی یہ عذر کر سکیں کہ ہمیں راہِ حق کسی نے نہیں دکھلائی تھی) اور خدا (اپنے کاموں میں) سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۱۶۵)

(اے پیغمبر! اگر یہ لوگ تمہاری سچائی سے انکار کرتے ہیں' تو انکار کریں) لیکن اللہ نے جو کچھ تم پر نازل کیا ہے وہ اسے نازل کر کے (تمہاری سچائی کی) گواہی دیتا ہے' اور اس نے اسے اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے اور (خدا کے) فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں اور (جس بات پر اللہ گواہی دے تو) اللہ کی گواہی بس کرتی ہے۔ (۱۶۶)

جو لوگ (سچائی سے) منکر ہوئے اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکا' تو بلاشبہ وہ (سیدھے راستے سے) بھٹک گئے' اور ایسے بھٹکے کہ دور دراز راہوں میں گم ہو گئے۔ (۱۶۷)

جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم (میں بھی بے باک ہو گئے اور مرتے دم تک اسی حالت میں سرشار رہے) تو خدا انہیں کبھی بخشنے والا نہیں' نہ انہیں (کامیابی کی) کوئی راہ دکھائے گا۔ (۱۶۸) بجز جہنم کی راہ کے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ کے لیے ایسا کرنا بالکل سہل ہے (کوئی نہیں جو اس کے قوانین کے نفاذ میں رکاوٹ ڈال سکے)۔ (۱۶۹)

اے افرادِ نسلِ انسانی! بلاشبہ الرسول (یعنی پیغمبر اسلام) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس سچائی کے ساتھ آ گیا ہے (اور اس کی سچائی اب کسی کے جھٹلائے جھٹلائی نہیں جا سکتی) پس ایمان لاؤ کہ تمہارے لیے (اسی میں) بہتری ہے اور (دیکھو) اگر تم کفر کرو گے تو آسمان و زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کے لیے ہے۔ (تمہاری شقاوت خود تمہارے ہی آگے آئے گی) اور (یاد رکھو) اللہ (سب کچھ) جاننے والا' اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔ (۱۷۰)

⇐ کتابوں پر رکھتے ہیں اس لیے اب یہ حقیقت واضح کر دی کہ خدا کا دین ایک ہی ہے۔ اور جس طرح اب سے پہلے بے شمار پیغمبروں پر خدا کی سچائی نازل ہو چکی ہے' اسی طرح پیغمبر اسلام پر بھی نازل ہوئی ہے۔

(۴)۔ نیز یہودیوں کے اس گمراہانہ اعتراض کا بھی جواب ہو گیا کہ آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب کیوں نہیں اتر آئی۔ فرمایا' یہ بے شمار نبی جو تورات کی مشہور شخصیتیں ہیں' ان میں سے کسی پر بھی ایسی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ کیونکہ ایسا ہونا سنت الٰہی کے خلاف ہے۔ جس طرح خدا نے ہمیشہ نبیوں کو اپنی وحی سے مخاطب کیا ہے اور ''وحی'' اشارۂ مخفی کو کہتے ہیں' اسی طرح پیغمبر اسلام بھی وحی الٰہی سے مخاطب ہوئے ہیں۔

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ وَلَا تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡحَقَّۚ إِنَّمَا ٱلۡمَسِيحُ عِيسَى ٱبۡنُ مَرۡيَمَ رَسُولُ
ٱللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلۡقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرۡيَمَ وَرُوحٞ مِّنۡهُۖ فَـَٔامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦۖ وَلَا تَقُولُواْ ثَلَٰثَةٌۚ ٱنتَهُواْ خَيۡرٗا لَّكُمۡۚ إِنَّمَا
ٱللَّهُ إِلَٰهٞ وَٰحِدٞۖ سُبۡحَٰنَهُۥٓ أَن يَكُونَ لَهُۥ وَلَدٞۘ لَّهُۥ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِۗ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَكِيلٗا ﴿١٧١﴾ لَّن
يَسۡتَنكِفَ ٱلۡمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبۡدٗا لِّلَّهِ وَلَا ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ ٱلۡمُقَرَّبُونَۚ وَمَن يَسۡتَنكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهِۦ
وَيَسۡتَكۡبِرۡ فَسَيَحۡشُرُهُمۡ إِلَيۡهِ جَمِيعٗا ﴿١٧٢﴾ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَيُوَفِّيهِمۡ أُجُورَهُمۡ
وَيَزِيدُهُم مِّن فَضۡلِهِۦۖ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ ٱسۡتَنكَفُواْ وَٱسۡتَكۡبَرُواْ فَيُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا أَلِيمٗا وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن

وقف لازم
ع ٢٣

اے اہل کتاب[1] ! اپنے دین میں غلو نہ کرو (یعنی حقیقت واعتدال سے گزر نہ جاؤ) اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا اور کچھ نہ کہو مریم کا بیٹا عیسیٰ مسیح اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کا رسول ہے اور اس کے کلمہ (بشارت) کا ظہور ہے جو مریم پر القا کیا گیا تھا' نیز ایک روح ہے جو اس کی جانب سے بھیجی گئی پس چاہیے کہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ' اور یہ بات نہ کہو کہ خدا تین ہیں- دیکھو! ایسی بات کہنے سے باز آ جاؤ کہ تمہارے لیے بہتری ہو- حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ ہی اکیلا معبود ہے (اس کے سوا کوئی نہیں) وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لیے کوئی بیٹا ہو- آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کے لیے ہے (وہ بھلا اپنے کاموں کے لیے اس بات کا کیوں محتاج ہونے لگا کہ کسی کو بیٹا بنا کر دنیا میں بھیجے؟) کارسازی کے لیے خدا کا کارساز ہونا بس ہے- (١٧١)

مسیح کو ہرگز اس بات میں عار نہیں کہ وہ خدا کا بندہ سمجھا جائے اور نہ خدا کے مقرب فرشتوں کو اس سے ننگ وعار ہے- جو کوئی خدا کی بندگی میں ننگ وعار سمجھے اور گھمنڈ کرے تو (وہ گھمنڈ کر کے جائے گا کہاں؟) وہ وقت دور نہیں کہ خدا سب کو (قیامت کے دن) اپنے حضور جمع کرے گا- (١٧٢) (اس دن) ایسا ہو گا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کیے ہیں' تو ان کی نیکیوں کا پورا پورا بدلہ انہیں دے دے گا' اور اپنے فضل سے اس میں زیادتی بھی فرمائے گا- لیکن جن لوگوں نے (خدا کی) بندگی کو ننگ وعار سمجھا اور گھمنڈ کیا تو انہیں (پاداش جرم میں) ایسا عذاب دے گا جو دردناک عذاب ہو گا اور اس دن انہیں خدا کے سوا

[1] اہل کتاب کی ایک بہت بڑی گمراہی دین میں "غلو" ہے- یعنی حقیقت واعتدال سے متجاوز ہو کر بہت دور تک چلے جانا- اگر کسی کی محبت وتعظیم پر آئے تو اتنی تعظیم کی کہ اسے خدا کے درجہ تک پہنچا دیا- مخالفت پر آئے تو اتنی مخالفت کی کہ اس کی صداقت سے ہی انکار کر دیا-

اگر زہد وعبادت کی راہ اختیار کی تو اتنی دور تک چلے گئے کہ رہبانیت تک پہنچ گئے' اگر دنیا کے پیچھے پڑے تو اتنے چھوٹ ہو گئے کہ نیک وبد کی تمیز ہی اٹھا دی!

یہود ونصاریٰ اسی گمراہی کے شکار ہوئے- یہاں خطاب عیسائیوں سے ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت وتعظیم میں اس قدر غلو کیا کہ انہیں خدا کا بیٹا بنا دیا اور ایک خدا کی جگہ تین خداؤں کا اعتقاد پیدا کر لیا- یعنی باپ' بیٹا اور روح القدس-

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا
مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ
فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ
ع كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾

نہ تو کوئی رفیق ملے گا نہ مددگار!-(۱۷۳)

لوگو![1] تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان (یعنی دلیل وحجت) آ گئی' اور ہم نے تمہاری طرف چمکتی ہوئی روشنی بھیج دی-(۱۷۴)

پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کا سہارا مضبوط پکڑ لیا' تو وہ انہیں عنقریب اپنی رحمت کے سایے میں داخل کر دے گا' اور ان پر اپنا فضل کرے گا اور انہیں اپنے تک پہنچنے کی راہ دکھا دے گا- ایسی راہ جو بالکل سیدھی راہ ہے!(۱۷۵)

(اے پیغمبر!) لوگ[2] تم سے کلالہ کے بارے میں (یعنی ایسے آدمی کی میراث کے بارے میں جس کے نہ تو باپ ہو نہ اولاد) فتویٰ طلب کرتے ہیں- کہہ دو اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں (حسب ذیل) حکم دیتا ہے:

اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ باپ دادا) اور اس کے بہن ہو تو جو کچھ مرنے والا چھوڑ مرا ہے اس کا آدھا بہن کا حصہ ہوگا- اور بہن مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو تو اس (کے سارے مال) کا وارث وہ بھائی ہی ہوگا-

پھر اگر دو بہنیں ہوں (یا دو سے زیادہ) تو انہیں ترکے میں سے دو تہائی ملے گا-

اور اگر بھائی بہن (ملے جلے ہوں) کچھ مرد' عورتیں' تو پھر (اسی قاعدے سے حصے تقسیم ہوں گے کہ) مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ- اللہ تمہارے لیے اپنے احکام واضح کر دیتا ہے تا کہ گمراہ نہ ہو اور اللہ تمام باتوں کا علم رکھنے والا ہے!(۱۷۶)

[1] دین حق "برہان" ہے- یعنی سرتاسر دلیل وحجت اور قرآن "نور مبین" ہے- یعنی واضح و آشکارا روشنی! برہان کے ساتھ جہل وگمان جمع نہیں ہو سکتا اور روشنی کے ساتھ تاریکی و کوری راہ نہیں پا سکتی!

[2] سورت کی ابتدا قرابت داروں کے حقوق واحکام سے ہوئی تھی- پھر درمیان میں بھی سلسلۂ بیان اسی طرف کو پھر گیا تھا- اب سورت کا خاتمہ بھی اسی پر ہے-

کلالہ کی میراث کا حکم جو آیت (۱۲) میں گزر چکا ہے تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت کے لیے تھا- یہاں بقیہ دو صورتوں بھی بیان کر دی ہیں- یعنی اگر کلالہ کے وارث عینی بھائی بہن ہوں یا علاتی ہوں (باپ ایک مائیں مختلف) تو ورثہ کی تقسیم بیان کردہ اصول پر کی جائے-

✵✵✵

اٰيَاتُهَا: 120 | سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 16

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الثمن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى
الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ
الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ

مسلمانو![1] اپنے معاہدے پورے کرو!

تمہارے لیے مویشی جانور حلال کر دیے گئے ہیں (یعنی ان کا گوشت کھانا حلال کر دیا گیا ہے) مگر وہ جن کی نسبت (آگے چل کر حکم) سنایا جائے گا- لیکن احرام کی حالت میں ہو تو شکار کرنا حلال نہ سمجھ لو- بلاشبہ اللہ جیسا کچھ چاہتا ہے' حکم دے دیتا ہے!(۱)

مسلمانو! خدا کے شعائر کی (یعنی خدا پرستی کی مقرر کی ہوئی نشانیوں اور آداب و رسوم کی) بے حرمتی نہ کرو- اور نہ ان مہینوں کی بے حرمتی کرو جو حرمت کے مہینے ہیں- اور نہ (حج کی) قربانی کی- نہ ان جانوروں کی جن کی گردنوں میں (بطور علامت کے) پٹے ڈال دیتے ہیں (اور کعبہ پر چڑھانے کے لیے دور دور سے لائے جاتے ہیں) نیز ان لوگوں کی بھی بے حرمتی نہ کرو (یعنی ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالو اور انہیں کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ) جو بیت حرام (یعنی کعبہ) کا قصد کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کا فضل اور اس کی خوشنودی ڈھونڈھتے ہیں- ☆

---

[1] مسلمانو! اپنے معاہدے پورے کرو یعنی احکام الٰہی کی اطاعت کا جو عہد کر چکے ہو' اسے سچائی کے ساتھ پورا کرو- سچائی کے ساتھ پورا کرنا یہ ہے کہ جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا جائے کرو' جن سے روک دیا جائے رک جاؤ' چنانچہ اس کے بعد اوامر و نواہی کا بیان شروع ہو جاتا ہے اور پوری سورت میں جستہ جستہ حسب ضرورت و مناسبت جاری رہتا ہے-

(۱) چار پایوں کا گوشت حلال ہے- بجز ان کے جو آگے چل کر مستثنیٰ کر دیے گئے ہیں- یہاں ''انعام'' کا لفظ آیا ہے- ''انعام'' کا زیادہ تر اطلاق اونٹ' گائے' اور بھیڑ بکری پر ہوتا ہے- (۲) حج اور عمرہ کے لیے جب احرام باندھ لیا' تو یہ احرام کی حالت ہوئی- احرام کی حالت میں شکار کرنا جائز نہیں- (۳) خدا کے شعائر کی بے حرمتی جائز نہ رکھو- یعنی جو مقدس نشانیاں خدا پرستی کی ٹھہرا دی گئی ہیں' اور جو رسوم و آداب بن چکے ہیں' ان کی بے حرمتی نہ کرو- (۴) ازاں جملہ حرمت کے مہینے ہیں- یعنی ذی قعدہ' ذی الحج' محرم' رجب' انہی مہینوں میں حاجیوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے- پس ان میں جنگ نہ کرو اور حاجیوں کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچاؤ- البتہ اگر دشمنوں کی طرف سے حملہ ہو جائے' تو تمہیں لڑنا پڑے گا- جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت (۱۹۰) میں حکم دیا چکا ہے- (۵) نہ تو قربانی اور خدا کے جانوروں کو لوٹو جو دور دور سے مکہ میں لائے جاتے ہیں' نہ حاجیوں اور تاجروں کو نقصان پہنچاؤ جو خدا کی عبادت کے لیے اور کاروبار تجارت کے لیے مکہ کا قصد کرتے ہیں- مقدس مقام کے جانے والوں کو نقصان پہنچانا' اس مقام کی توہین کرنا ہے-

(۶) مشرکین مکہ نے تمہیں مسجد احرام سے روکا تھا تو اب اس کے انتقام میں ایسا نہ کرو کہ ان کی جو جماعت حج کے لیے جا رہی ہو اسے روک ⇦

☆ قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ مال و دولت کو خدا کے فضل سے تعبیر کرتا ہے- اس لیے یہاں فضل سے مقصود کاروبار تجارت اور اس کا فائدہ ہے-

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ② حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ
اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ

اور جب تم احرام کی حالت سے باہر آ جاؤ (یعنی حج اور عمرہ سے فارغ ہو کر احرام اتار دو) تو پھر شکار کر سکتے ہو-
اور (دیکھو) ایسا نہ ہو کہ ایک گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات پر ابھار دے کہ زیادتی کرنے لگو' کیونکہ انہوں نے مسجد حرام سے تمہیں روک دیا تھا- (تمہارا دستور العمل تو یہ ہونا چاہیے کہ) نیکی اور پرہیز گاری کی ہر بات میں ایک دوسرے کی مدد کرو- گناہ اور ظلم کی بات میں نہ کرو- اور (دیکھو) اللہ کی (نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو، یقیناً وہ (پاداش عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے! (۲)

(مسلمانو!) تم پر (یہ چیزیں) حرام کر دی گئی ہیں:
مردار جانور- خون- سور کا گوشت- وہ (جانور) جو غیر خدا کے نام پر پکارا جائے- گلا گھونٹ کر مارا ہوا- چوٹ لگا کر مارا ہوا- وہ جو بلندی سے گر کر مر جائے- وہ جو کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے- وہ جسے درندہ پھاڑ کھائے-
مگر ہاں وہ (حرام نہیں) جسے تم (اس کے مرنے سے پہلے) ذبح کر لو-☆

⇐ دو یا اس پر حملہ کر دو- ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے میں تمہارا دستور العمل یہ ہونا چاہیے کہ "نیک کام میں مدد کرنا- برائی میں نہ کرنا" وہ ظلم کریں تو یہ برائی ہے- اس میں مدد نہ کرو- لیکن اگر حج و زیارت کو جائیں تو یہ بھلائی کی بات ہے' اس میں کیوں رکاوٹ ڈالو؟
اس آیت میں جو قاعدہ بتایا گیا ہے وہ مسلمانوں کے تمام کاموں کے لیے ایک عام دستور العمل ہے- جو کوئی نیک کام کرے اس کی مدد کرو- اگر چہ مسلمان نہ ہو اور اگر چہ مخالف ہو- جو کوئی برائی کرے اس کی مدد نہ کرو- اگر چہ مسلمان ہو' اور اگر چہ تمہارا ساتھی ہو نیز یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اگر بت پرست بھی خدا کی تعظیم و عبادت کی کوئی بات کریں' تو اس کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہیے- کیونکہ خدا کی تعظیم و عبادت بہر حال خدا ہی کی تعظیم و عبادت ہے-
آیت (۳) میں دین کی تکمیل کا اعلان ہے- سورۂ بقرہ کی آیت (۱۲۸) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل کی تھی کہ ان کی نسل میں امت مسلمہ پیدا ہو جائے- پھر آیت (۱۵۰) میں فرمایا تھا خدا چاہتا ہے تم پر اپنی نعمت پوری کر دے- یہاں فرمایا' آج کے دن خدا نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور امت مسلمہ اپنے تمام مقاصد و خصائص کے ساتھ ظہور میں آ گئی-
یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی جو پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا آخری حج تھا اور جس کے تقریباً تین ماہ بعد وہ دنیا سے تشریف لے گئے- (بخاری عن عمر رضی اللہ عنہ)

☆ یعنی مردار' سور اور غیر خدا کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور تو ہر حال میں حرام ہیں لیکن ان کے علاوہ جنہیں حرام بتلایا گیا ہے اگر وہ ایسی حالت میں ہوں کہ مرنے سے پہلے ذبح کر سکو تو حرام نہیں-

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ
نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِىْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ
الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا

وہ جانور جو کسی تھان پر (چڑھا کر) ذبح کیا جائے - (یعنی ان مقاموں میں ذبح کیا جائے جو بت پرستوں نے نذر ونیاز چڑھانے کے لیے ٹھہرا رکھے ہیں) - اور یہ بات بھی کہ (کسی جانور کا گوشت یا کوئی اور چیز بطور جوے کے) تیروں کے پانسوں سے آپس میں تقسیم کرو (جیسا کہ مشرکین عرب کیا کرتے تھے) یہ گناہ کی بات ہے - (مسلمانو!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی وہ آج تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہوگئے ہیں (کہ تم راہ حق چھوڑ کر ان کا طریقہ اختیار کرنے والے نہیں) پس ان سے نہ ڈرو - مجھ سے ڈرو (اور میرے حکم کی تعمیل کرو) - آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا' اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی' اور تمہارے لیے پسند کرلیا کہ "دین الاسلام" ہو! - پس (دیکھو) جو کوئی بھوک سے بے بس ہوجائے' یہ بات نہ ہو کہ (دانستہ) گناہ کرنا چاہے (اور کوئی حرام چیز کھالے) تو اللہ بخشنے والا' رحمت رکھنے والا ہے! - (٣)

(اے پیغمبر[1]!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کیا کیا چیزیں ان کے لیے حلال ہیں؟ تم کہو جتنی اچھی چیزیں ہیں سب تم پر حلال کردی گئی ہیں - اور شکاری جانور جو تم نے شکار کے لیے سدھا رکھے ہوں اور (شکار کا طریقہ) جیسا کچھ خدا نے تمہیں سکھا دیا ہے (یعنی خدا کی دی ہوئی عقل وذہانت سے تم نے نکال لیا ہے) انہیں سکھا دو' تو جو کچھ وہ (شکار پکڑ لیں اور) تمہارے لیے بچائے رکھیں' تم اسے (بے کھٹکے) کھا سکتے ہو - مگر چاہیے کہ (شکاری جانور چھوڑتے ہوئے) خدا کا نام لے لیا کرو (جس طرح ذبح کرتے ہوئے لیا کرتے ہو) اور (ہر حال میں) اللہ (کی نافرمانی کے نتائج)

[1] جانوروں کے حلال وحرام ہونے کے احکام میں تکمیل دین کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ اسلام سے پہلے کھانے پینے میں مذہبی عقائد نہایت درجہ سخت اور تنگ تھے - یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے بے جا قیدیں ہٹا دیں' اور وہم پرستی کے عنصر سے دین کو پاک کردیا - پس فرمایا اب کہ دین کامل ہوگیا ہے' تمہارے لیے بے جا سختیاں باقی نہیں رہیں - اگر کوئی آدمی بھوک سے مر رہا ہو اور حلال چیز میسر نہ آئے تو حرام چیز کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے -

چونکہ لوگ پچھلی پابندیوں اور سختیوں کے عادی ہوچکے تھے اس لیے بار بار پوچھتے تھے کہ ہمارے لیے کیا کیا چیزیں حلال ہیں؟ آیت (٤) میں فرمایا تمام چیزیں حلال ہیں - صرف انہی چیزوں سے روک دیا گیا ہے جو اچھی نہیں ہیں -

سدھایا ہوا شکاری کتا یا پرندا اگر شکار پکڑ لے اور خود نہ کھائے تمہارے پاس لے آئے' تو اس میں بھی کوئی روک نہیں - البتہ شکاری جانور چھوڑتے ہوئے خدا کا نام لے لیا کرو' جس طرح ذبح کے وقت لیا کرتے ہیں - ⇦

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ
ع ۵ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ⑤ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ
فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ
جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ
فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ

[illegible]

آج (کہ دین حق اپنے ظہور میں کامل ہوگیا ہے) تمام اچھی چیزیں تم پر حلال کردی گئیں (جو بے جا قیدیں لوگوں نے اپنے پیچھے لگا رکھی تھیں' سب دور ہوگئیں) ان لوگوں کا کھانا جنہیں کتاب دی گئی ہے تمہارے لیے حلال ہے' اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔

نیز تمہارے لیے مسلمان بیبیاں اور ان لوگوں کی بیبیاں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے' حلال ہیں بشرطیکہ ان کے مہر ان کے حوالے کرو' اور مقصود قید نکاح میں لانا ہو۔ یہ بات نہ ہو کہ نفس پرستی کے لیے بدکاری کی جائے یا چوری چھپے بدچلنی کی جائے' اور (یاد رکھو) جو کوئی ایمان سے منکر ہوا' تو اس کے کام اکارت گئے' اور آخرت میں اس کی جگہ تباہ کاروں میں ہوگی!۔(۵)

مسلمانو!¹ جب تم نماز کے لیے آمادہ ہو' تو چاہیے کہ اپنا منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولیا کرو اور سر کا مسح کرلو' نیز اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھولو۔ اگر نہانے کی حاجت ہو تو چاہیے (نہا کر) پاک وصاف ہو جاؤ۔

اور اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو) یا سفر میں ہو (اور پانی کی جستجو دشوار ہو) یا ایسا ہو کہ تم میں سے کوئی جائے ضرور سے (ہو کر) آیا ہو' یا تم نے عورت کو چھوا ☆ ہو' اور پانی میسر نہ آئے' تو اس حالت میں چاہیے کہ (وضو کی جگہ) پاک مٹی سے کام لو اور (طریقہ اس کا یہ ہے کہ) اپنے منہ اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی

⇦ اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔۔یعنی ان کا ذبح کیا ہوا جانور بھی تمہارے لیے حلال ہے۔
ضمناً اس حکم کی بھی تصریح کردی کہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی بھی کوئی ممانعت نہیں۔

¹ وضو اور تیمّم کا حکم۔فرمایا "خدا نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی طرح کی مشقت اور تنگی میں ڈالے" یعنی وضو کا حکم اس لیے نہیں ہے کہ تمہارے پیچھے بے جا قیدیں لگا دی جائیں' بلکہ مقصود یہ ہے کہ تم میں صفائی اور پاکیزگی پیدا ہو اور تمہیں پاکی و شائستگی رکھنے والی جماعت بنا کر' تم پر اپنی نعمت ہدایت پوری کردے۔

☆ یعنی زنا شوئی کا معاملہ کیا ہو۔

عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ۝٧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا
تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝٨ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٩ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝١٠

طرح کی مشقت اور تنگی میں ڈالے بلکہ چاہتا ہے (اس طرح کے اعمال کے ذریعہ) تمہیں پاک وصاف رکھے- نیز یہ کہ (تمہیں ایک شائستہ جماعت بنا کر) تم پر اپنی نعمت (ہدایت) پوری کر دے تا کہ تم شکرگزار رہو (یعنی نعمت الٰہی کے قدرشناس ہو)-(٦)

اور[1] (دیکھو) اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہو اور اس کا عہد و پیمان نہ بھولو جو وہ مضبوطی کے ساتھ تم سے ٹھہرا چکا ہے جب تم نے (دعوت ایمان قبول کرتے ہوئے) کہا تھا (خدایا!) ہم نے تیرا فرمان سنا اور ہم نے اسے قبول کیا (تو خدا سے تم نے اطاعت حق کا عہد و پیمان باندھ لیا تھا) اور (دیکھو ہر حال میں) خدا (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو- جو کچھ (تمہارے) سینوں میں چھپا ہوتا ہے وہ اسے پوری طرح جانتا ہے! (٧)

مسلمانو! ایسے ہو جاؤ کہ خدا (کی سچائی) کے لیے مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف کے لیے گواہی دینے والے ہو اور (دیکھو) ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات کے لیے ابھار دے کہ (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو- (ہر حال میں) انصاف کرو کہ یہی تقویٰ سے لگتی ہوئی بات ہے- اور اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو- تم جو کچھ کرتے ہو وہ اس کی خبر رکھنے والا ہے! (٨)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت ہوگی اور بہت ہی بڑا اجر ہوگا-(٩)

لیکن جن لوگوں نے انکار کیا' اور ہماری آیتوں کو (سرکشی و شرارت سے) جھٹلایا تو وہ دوزخی ہیں (انہوں نے مغفرت واجر کی جگہ تباہی و عذاب کی راہ پسند کر لی)-(١٠)

---

[1] سورت کے آغاز میں فرمایا تھا ''اپنے معاہدے پورے کرو'' یعنی احکام حق کی اطاعت کا عہد پورا کرو- یہاں پھر مسلمانوں کو ان کا عہد ایمان یاد دلایا ہے کہ دین کامل ظہور میں آ گیا' نعمت الٰہی پوری کر دی گئی، اب تمہارا فرض ہے کہ تذکیر نعمت سے غافل نہ ہو اور اطاعت حق میں اخلاص و استقامت کے ساتھ کوشاں رہو!

اس کے بعد فرمایا دین حق کی تکمیل اور نعمت کا اتمام چاہتا ہے کہ اپنی سیرت (کریکٹر) میں سرتا سر حق و صداقت کا پیکر بن جاؤ- تمہیں ﴿ قَوّٰمُوْنَ لِلّٰهِ ﴾ اور ﴿ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ﴾ ہونا چاہیے- یعنی مضبوطی کے ساتھ حق کے لیے کھڑے ہونے والے اور حق وانصاف کے لیے شہادت دینے والے! اپنا ہو یا پرایا' موافق ہو یا مخالف' دوست ہو یا دشمن' جس کے ساتھ معاملہ کرو انصاف کے ساتھ کرو اور جس کے حق میں کوئی بات کہو انصاف کی کہو!

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ
ع ۲ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ
اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ
الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ
السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ

مسلمانو! اپنے اوپر اللہ کا وہ احسان یاد کرو کہ جب ایک گروہ نے پورا ارادہ کر لیا تھا کہ (جنگ و ہلاکت کا) تم پر ہاتھ بڑھائے' تو خدا نے (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیا کہ اس کے ہاتھ تمہارے خلاف بڑھنے سے رک گئے (اور تمہیں کسی طرح کا گزند نہ پہنچا) اور اللہ سے ڈرتے رہو- اللہ ہی ہے جس پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے! (۱۱)

اور[1] (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل سے (بھی) عہد (اطاعت) لیا تھا' اور ان میں بارہ سردار مقرر کر دیے تھے- اللہ نے فرمایا تھا' دیکھو' میں تمہارے ساتھ ہوں (یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے) اگر تم نے نماز قائم رکھی' زکوٰۃ ادا کرتے رہے' میرے تمام رسولوں پر (جو تمہاری ہدایت کے لیے آتے رہیں گے) ایمان لائے' اور ان کی مدد کی' اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہے' (یعنی نیکی کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہے) تو میں ضرور تم پر سے تمہاری برائیاں محو کر دوں گا' اور تمہیں ضرور (راحت و کامرانی کے) باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی (اور اس لیے ان کی شادابی کبھی مرجھانے والی نہیں) پھر تم میں سے جس کسی نے اس کے بعد (بھی) انکارِ حق کی راہ اختیار کی تو یقیناً اس نے (کامیابی کی) سیدھی راہ گم کر دی- (۱۲)

پس[☆] اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اپنا عہد اطاعت توڑ ڈالا ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا (کیونکہ قانون الٰہی یہی ہے کہ جو کوئی حق سے پھر جاتا ہے' وہ رحمت سے محروم ہو جاتا ہے' اور اس کے دل کی اثر پذیری باقی نہیں رہتی) چنانچہ یہ لوگ (خدا کی کتاب میں) باتوں کو ان کی اصلی جگہ سے پھیر دیتے ہیں (یعنی کلام میں

---

[1] یہاں سے سلسلۂ بیان کا رخ اہل کتاب کی طرف متوجہ ہوتا ہے' تا کہ ان کے حالات سے مسلمان عبرت پکڑیں- فرمایا' جس طرح اللہ نے تم سے ایمان و عمل کا عہد لیا ہے' بنی اسرائیل سے بھی لیا تھا' لیکن انہوں نے اطاعت کی جگہ شقاوت کی راہ اختیار کی- ایسا نہ ہو کہ تم بھی ایمان و عمل کا عہد فراموش کر بیٹھو-

☆☆ یہودیوں کے علما کی یہ شقاوت کہ کتاب اللہ کی اطاعت کرنے کی جگہ کتاب اللہ کو اپنی خواہشوں اور رایوں کے مطابق کام میں لانا چاہتے تھے- وہ اس کی آیتوں میں تحریف کر دیتے یعنی یا تو کسی آیت کا مطلب اس طرح ٹھہراتے کہ بات کچھ سے کچھ ہو جاتی' یا کتاب اللہ کی آیتیں سناتے ہوئے' اپنی طرف سے گھٹا بڑھا دیتے کہ اصلی مطلب ظاہر نہ ہو اور جو بات بنانی چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح بن جائے- خود پیغمبر اسلام کے زمانے میں بھی مدینہ کے علمائے یہود کی ایسی خیانتیں بار بار پکڑی گئی تھیں-

وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ
وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا
مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۪ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا
يَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

تحریف کر دیتے ہیں) جس بات کی انہیں نصیحت کی گئی تھی اس سے کچھ بھی فائدہ اٹھانا ان کے حصے میں نہ آیا - اسے بالکل فراموش کر بیٹھے - اور تم (اب بھی) ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر (جو وہ کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہوئے کرتے رہتے ہیں) اطلاع پاتے رہتے ہو - اور بہت تھوڑے ہیں جو ایسا نہیں کرتے -

پس (اے پیغمبر!) تمہیں چاہیے کہ ان کی (ان خیانتوں سے) درگزر کرو اور ان کی طرف سے اپنی توجہ ہٹالو - بلاشبہ اللہ انہی کو دوست رکھتا ہے جو نیک کردار ہوتے ہیں! - (١٣)

اور[1] جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ ☆ کہتے ہیں (یعنی مسیحی) ان سے بھی ہم نے (ایمان و عمل کا) عہد لیا تھا - (لیکن) پھر ایسا ہوا کہ جس بات کی نصیحت کی گئی تھی اس سے کچھ بھی فائدہ اٹھانا ان کے حصے میں نہ آیا، اسے بالکل فراموش کر بیٹھے (اور ایک دین پر اکٹھے رہنے کی جگہ بہت سی ٹولیوں میں بٹ گئے) پس ہم نے ان کے (مختلف فرقوں کے) درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور کینے کی آگ بھڑکا دی (یعنی جب وہ ہدایت سے برگشتہ ہو کر مختلف فرقوں میں بٹ گئے تو ہمارے مقررہ قانون کے مطابق ان میں باہمی بغض و عناد کی آگ بھڑک اٹھی) اور وہ وقت دور نہیں کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اللہ اس کی حقیقت انہیں بتا دے - (١٤)

اے اہل[2] کتاب! یہ واقعہ ہے کہ ہمارا رسول تمہارے پاس آ چکا - کتاب الٰہی (یعنی تورات و انجیل) کی بہت سی باتیں جنہیں تم (ہوائے نفس سے) چھپاتے رہے ہو وہ تم سے صاف صاف بیان کرتا ہے - اور بہت سی باتوں سے درگزر کر جاتا ہے (کہ

[1] عیسائیوں نے بھی ایمان و عمل کا عہد فراموش کر دیا اور راہ راست سے بھٹک گئے - وہ بہت سے فرقوں میں بٹ گئے ہیں اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی دشمنی میں سرگرم ہو گیا - یہ باہمی دشمنی یہاں تک بڑھ چکی ہے کہ قیامت تک دور ہونے والی نہیں -

چنانچہ عیسائیوں میں صدیوں تک مذہبی فرقہ آرائی قائم رہی اور جس فرقہ کی بن پڑی اس نے دوسرے فرقے کو خاک و خون میں ملایا - اب سیاسی اور اقتصادی فرقہ آرائی ہے اور باہمی بغض و عداوت میں یہ فرقہ آرائی پچھلی فرقہ آرائی سے بھی زیادہ ہولناک ہے -

اس ذکر سے مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو عبرت ہو اور فرقہ آرائی کی گمراہی سے اپنی نگہداشت کریں، لیکن افسوس کہ مسلمان بھی اس گمراہی میں مبتلا ہو گئے!

[2] قرآن اپنے پیروؤں کو جہل و گمراہی کی تاریکیوں سے نکالتا اور علم و بصیرت کی روشنی میں لاتا ہے - پس جو قرآن کا سچا پیرو ہے ضروری ہے کہ اس کی راہ علم و بصیرت کی راہ ہو -

☆ روم میں جب مسیحیت پھیلی تو عیسائیوں کو Nazarene یعنی نصرانی کہتے تھے - عرب میں بھی یہی نام زبانوں پر چڑھ گیا تھا اور عیسائی بھی اپنے آپ کو نصاریٰ کہا کرتے تھے - چنانچہ قرآن حکیم بھی انہیں اسی نام سے یاد کرتا ہے -

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝١٥ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ
سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝١٦
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ
اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٧ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ
اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ

ان کے بیان کی ضرورت نہیں) اللہ کی طرف سے تمہارے پاس (حق کی) روشنی آ چکی اور ایسی کتاب آ چکی جو (اپنی ہدایتوں میں نہایت) روشن کتاب ہے۔ (۱۵) خدا اس کتاب کے ذریعے ان لوگوں پر جو (ہوائے نفس کی جگہ) خدا کی خوشنودیوں کے تابع ہوں، سلامتی کی راہ کھول دیتا ہے اور اپنے حکم سے (یعنی اپنے مقررہ قانون کے مطابق) انہیں تاریکیوں سے نکالتا، روشنی میں لاتا، اور (کامیابی کی) سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے! (۱٦)

یقیناً[1] ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا، خدا مریم کا بیٹا مسیح ہے۔ (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو (یہ کیسی بے عقلی کی بات ہے جو تم کہتے ہو؟) اگر خدا، مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو، اور (اتنا ہی نہیں بلکہ) روئے زمین پر جتنے انسان بستے ہیں، سب کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اس کی بادشاہی میں دخل دینے کی جرأت کر سکتا ہے؟ آسمان کی، اور زمین کی، اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطانی اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے! (۱۷)

اور[2] (دیکھو) یہودی اور عیسائی کہتے ہیں ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں (ہم جو کچھ بھی کریں ہمارے لیے نجات ہی نجات ہے) تم کہہ دو، اگر ایسا ہی ہے، تو پھر خدا تمہاری بدعملیوں کی وجہ سے تمہیں (وقتاً فوقتاً) عذاب کیوں دیتا رہا؟ (جس کا خود تمہیں بھی اعتراف ہے اور تمہاری کتاب خدا کی سرزنشوں اور عذابوں کی سرگزشتوں سے بھری ہوئی ہے؟) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے پیدا کیے ہوئے انسانوں میں سے تم بھی انسان ہو، اور (انسان کی بخشش و نجات کا سر رشتہ اللہ کے ہاتھ ہے)

[1] عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ الوہیت مسیح کا باطل عقیدہ پیدا کر لیا۔

[2] یہودیوں اور عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ کہتے ہیں ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ ہم جو کچھ بھی کریں ہمارے لیے نجات ہی نجات ہے۔ (دیکھو بقرہ ۸۰ و سورۂ آل عمران ۲۴)

حضرت مسیح (علیہ السلام) نے یہودی تصور کی سختی و قہرمانی کی جگہ رحمت و شفقت کا تصور پیدا کرنے کے لیے خدا کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا تھا، اور اس بات پر زور دیا تھا کہ شریعت کے ظواہر و رسوم کچھ سودمند نہیں اگر دل میں نیکی و محبت نہ ہو۔ عیسائیوں نے اس بات کو کچھ سے کچھ بنا لیا۔ وہ کہنے لگے، نجات کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ کفارۂ مسیح پر ایمان لے آئیں اور سمجھ لیں کہ خدا ہمارا باپ ہے وہ کبھی اپنے بیٹوں پر آسمان کی بادشاہت کا دروازہ بند نہیں کرے گا۔

قرآن ان کے اسی زعم باطل کا جواب دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے، خدا نے کسی خاص گروہ کو نجات کا پروانہ لکھ کر نہیں دے دیا ہے، تمام انسانوں کی طرح تم بھی انسان ہو اور سر رشتہ نجات اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ جسے چاہے گا، بخش دے گا۔ جسے چاہے گا عذاب دے گا۔

اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ۚ
فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ
لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ

النصف

کے حضور) قبولیت کے لیے قربانیاں چڑھائیں تو ان میں سے ایک کی قبول ہوگئی- (یعنی ہابیل کی) دوسرے کی قبول نہیں ہوئی (یعنی قابیل کی- اس پر قابیل نے حسد سے جل کر ہابیل سے) کہا "میں یقیناً تجھے قتل کردوں گا" (ہابیل نے) کہا "اللہ صرف متقی آدمیوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے (اگر اس نے تیری قربانی قبول نہیں کی' تو اس میں میرا کیا قصور؟) (۲۷) اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو (اٹھالے) پر میں تجھے قتل کرنے کے لیے کبھی ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا- میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام دنیا کا پروردگار ہے! (۲۸) میں چاہتا ہوں کہ (زیادتی ہو تو تیری طرف سے ہو- میری طرف سے نہ ہو اور) تو میرا اور اپنا دونوں کا گناہ سمیٹ لے اور پھر دوزخیوں میں سے ہو جا کہ ظلم کرنے والوں کو یہی بدلہ ملنا ہے"- (۲۹)

پھر ایسا ہوا کہ اس کے نفس نے (یعنی قابیل کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کردیا' اس نے (ہابیل کو) قتل کردیا- نتیجہ یہ نکلا کہ تباہ کاروں میں سے ہوگیا- (۳۰) اس کے بعد خدا نے ایک کوا بھیجا اور وہ زمین کریدنے لگا تاکہ اسے بتادے کہ اپنے بھائی کی لاش کیونکر (زمین میں) چھپانی چاہیے- (کوے کو زمین کریدتا ہوا دیکھ کر) وہ بول اٹھا- "افسوس مجھ پر! میں اس کوے کی طرح بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش (زمین کھود کر) چھپا دیتا!"

⇐ میں ہابل اور قاین بتلا دیا ہے (پیدائش:۴) اور عرب انہیں ہابیل اور قابیل کہتے تھے-

ہابل نے جو متقی انسان تھا کہا "اگر تو میرے قتل کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے تو بڑھا لیکن میرا ہاتھ تیرے قتل کے لیے اٹھنے والا نہیں کیونکہ میں پروردگار عالم کی سرزنش سے ڈرتا ہوں!"

اس پر بھی قابیل نے اسے قتل کردیا- ہابیل کی صدا میں تمام نوع انسانی کی راست بازی و نیک عملی بول رہی تھی اور قابیل کے عمل میں تمام ظالم انسانوں کی سرکشی و شقاوت کا ہاتھ تھا- اب انسان کے سامنے دو راہیں کھل گئیں- نیکی و راستی کبھی انسان کے خون سے ہاتھ نہیں رنگے گی- ظالم کا ہاتھ ہمیشہ رنگین رہے گا!

قرآن کہتا ہے اسی بنا پر خدا نے بنی اسرائیل کے لیے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ کسی انسان کو ناحق قتل کرنا ایسا ہے' گویا تمام نوع انسانی کو قتل کر دینا- اور کسی انسان کو ہلاکت سے بچالینا ایسا ہے' گویا تمام انسانوں کو بچالیا- کیونکہ انسان کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہے اور جو انسان ایک انسان کے لیے رحم نہیں کرتا وہ تمام نوع انسانی کے لیے رحم نہیں رکھتا-

چنانچہ تالمود میں ہے "وہ جس نے ایک جان بچائی' اس کی ایسی تحسین کی جائے گی جیسے اس نے پوری کائنات کی حفاظت کی- اور وہ جس نے ایک جان ہلاک کی اسے ایسی سزا دی جائے گی جیسے اس نے پوری کائنات کو ہلاک کیا ہو' لیکن بنی اسرائیل نے اس حکم کی کچھ پروا نہ کی- رسولوں پر رسول آتے رہے اور انہیں ظلم و خوں ریزی سے روکتے رہے لیکن ان کا ہاتھ اپنے بھائیوں کے خون سے ہمیشہ رنگین رہا!

لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰٓاَهْلَ
الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ
فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰي لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ ع ۳ ۸ ۷
عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ڰ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ
ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى

وہ جسے چاہے بخش دے‘ جسے چاہے عذاب دے- آسمانوں کی‘ زمین کی اور اس سب کی جوان کے درمیان ہیں‘ مالکی وسلطانی صرف اسی کے لیے ہے اور سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے! (۱۸)

اے اہل کتاب! ایسی حالت میں کہ رسولوں کا ظہور مدتوں سے بند تھا‘ ہمارا رسول (یعنی پیغمبر اسلام) تمہارے پاس آیا- وہ تم پر (احکام حق) واضح کر رہا ہے- تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہماری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا- نہ تو (ہدایت کی) بشارت دینے والا‘ نہ (گمراہی سے) متنبہ کرنے والا- تو اب (دیکھو) بشارت دینے والا اور متنبہ کرنے والا تمہارے پاس آ گیا ہے (یعنی تمہارے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا ہے) اور اللہ ہر بات پر قادر ہے- (۱۹)

اور[1] (دیکھو‘ وہ واقعہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا ”اے لوگو! اللہ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو (کہ اس نے کیسی کیسی عزتوں سے تمہیں سرفراز کیا ہے؟) اس نے تم میں نبی پیدا کیے‘ تمہیں پادشاہ بنایا‘ اور تمہیں وہ بات عطا فرمائی جو دنیا میں کسی کو (اب تک) نہیں دی گئی (یعنی نبوت اور پادشاہت دونوں تم میں جمع ہو گئیں)“- (۲۰) ”لوگو! مقدس سرزمین میں جسے خدا نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے (یعنی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے عزم و ہمت کے ساتھ) داخل ہو جاؤ‘ اور الٹے پاؤں پیچھے کی طرف نہ ہٹو کہ (کامیاب ہونے کی جگہ) نقصان و تباہی میں پڑ جاؤ!“ (۲۱) لوگوں نے (اس کے جواب میں) کہا ”اے موسیٰ!

---

[1] جب ایک قوم عرصہ تک غلامی کی حالت میں رہتی ہے تو اس میں بلند مقاصد کے لیے جدوجہد کی استعداد باقی نہیں رہتی‘ وہ غلامی کا امن پسند کرنے لگتی ہے‘ اگرچہ ذلت و نامرادی کے ساتھ ہو اور مقاصد کی جدوجہد سے جی چرانے لگتی ہے‘ اگرچہ اس کا نتیجہ کامرانی و اقبال ہو!

یہی حال بنی اسرائیل کا تھا- مقاصد امور کے لیے ان میں عزم و ہمت نہ تھی- بزدلی و بے طاقتی نے قدم پکڑ لیے تھے- جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ سرزمین کنعان میں داخل ہو جو تمہاری موعودہ سرزمین ہے تو کہنے لگے‘ وہاں بڑے طاقتور لوگ رہتے ہیں ان کے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہیں- جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں‘ ہم قدم نہیں اٹھائیں گے- تورات میں ہے کہ بنی اسرائیل جنگ کی دہشت سے اس قدر بے طاقت ہو گئے کہ رو رو کر کہتے ”خدایا! تو نے ہمیں مصر سے کیوں نکالا؟ کیا اسی لیے کہ ہم کنعانیوں کی تلوار سے قتل ہو جائیں؟“ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ مصر واپس چلے جائیں اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو چھوڑ دیں (گنتی باب ۱۳-۱۴)

اس پر حکم الٰہی ہوا کہ چالیس سال تک یہ لوگ جزیرہ نمائے سینا کے میدانوں ہی میں پڑے رہیں گے- اس میں مصلحت یہ تھی کہ چالیس سال کے اندر پچھلی نسل ختم ہو جائے گی جسے مصر کی غلامانہ زندگی نے نکما کر دیا ہے‘ اور ایک نئی نسل پیدا ہو جائے گی- جس نے ⇐

اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾
قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ
فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا
مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا
نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ
يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ

وقف لازم

اس سرزمین میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو بڑے ہی زبردست ہیں (ہم میں ان کے مقابلہ کی تاب نہیں) جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم اس سرزمین میں قدم رکھنے والے نہیں- ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل گئے تو پھر ہم ضرور داخل ہو جائیں گے"-(۲۲)

(اس پر) دو آدمیوں ☆ نے کہ اللہ نے ڈرنے والوں میں سے تھے اور خدا نے انہیں (ایمان کی) نعمت عطا فرمائی تھی لوگوں سے کہا (اس قدر بے طاقت اور بزدل کیوں ہو رہے ہو؟) ہمت کر کے ان لوگوں پر جا پڑو اور (شہر کے) دروازے میں جا داخل ہو- اگر تم (ایک مرتبہ) داخل ہو گئے تو پھر غلبہ تمہارے ہی لیے ہے- اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو چاہیے کہ اللہ پر بھروسہ کرو!"(۲۳)

وہ بولے "اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم کبھی اس میں داخل ہونے والے نہیں (اور اگر تم وہاں جانے پر ایسے ہی تل گئے ہو تو) تم خود چلے جاؤ اور تمہارا خدا بھی تمہارے ساتھ چلا جائے- ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے- تم دونوں وہاں لڑتے رہنا!"(۲۴)

(یہ حالت دیکھ کر) موسیٰ نے کہا "خدایا! میں اپنی جان کے سوا اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا- پس تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں (اپنے حکم سے) فیصلہ کر دے!"(۲۵)

اللہ کا حکم ہوا کہ (جب ان لوگوں کی محرومیوں کا یہ حال ہے تو) اب چالیس برس تک وہ سرزمین ان پر حرام کر دی گئی (یعنی چالیس برس تک اس سے محروم کر دیے گئے) یہ اسی بیابان میں سرگرداں رہیں گے- سو (اے موسیٰ) تم نافرمان لوگوں کی حالت پر غمگین نہ ہو (وہ اپنی بدعملیوں سے اسی محرومی کے مستحق تھے!)(۲۶)

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا حال سچائی کے ساتھ سنا دو- جب ان دونوں نے (خدا

⇦ بیابان کی آزادانہ آب و ہوا میں نشوونما پائی ہوگی اور غلامانہ ذہنیت کی سمیت سے محفوظ ہوگی- چنانچہ جب چالیس سال گزر گئے اور ایک نئی نسل ظہور میں آ گئی تو وہ بڑھی اور موعودہ سرزمین پر قابض ہو گئی-

ل بنی اسرائیل کی یہ شقاوت کہ قتل نفس میں بے باک ہو گئے تھے اور اس سلسلہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ جن کا نام تورات ⇦

☆ تورات میں ہے کہ یہ دو آدمی یوشع اور کالب تھے (گنتی باب ۱۴)

قال النبی ﷺ

فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾ مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبۡنَا عَلٰى بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَنَّهٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَیۡرِ
نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِی الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡیَا النَّاسَ
جَمِیۡعًا ؕ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَیِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ فِی الۡاَرۡضِ
لَمُسۡرِفُوۡنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا
اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡیٌ فِی
الدُّنۡیَا وَلَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَیۡهِمۡ ۚ فَاعۡلَمُوۡۤا
اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۴﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا فِیۡ ع

غرض کہ وہ (اپنی حالت پر) بہت ہی پشیمان ہوا! -(۳۱)

اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ "جس کسی نے' سوا اس حالت کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں لوٹ مار مچانے والوں کو سزا دینی ہو' کسی جان کو قتل کر ڈالا' تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا' اور جس کسی نے کسی کی زندگی بچالی' تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دے دی" اور (پھر) ان کے پاس (یکے بعد دیگرے) ہمارے رسول (سچائی کی) روشن دلیلوں کے ساتھ آتے رہے (اور ظلم وخوں ریزی سے روکتے رہے) لیکن اس پر بھی ان میں سے اکثر ایسے نکلے جو ملک میں زیادتیاں کرنے والے تھے -(۳۲)

بلاشبہ[۱] ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں خرابی پھیلانے کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں (یعنی رہزن اور ڈاکو ہیں) یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں' یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جہتوں سے کاٹ ڈالے جائیں' یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے (یعنی جیسی کچھ سزا ان کے لیے ضروری ہو' انہیں دی جائے) یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے عذاب عظیم ہے -(۳۳)

مگر (ہاں) ان میں سے جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ (یعنی گرفتار کرو) توبہ کر لیں تو (پھر ان سے تعرض نہ کرو اور) جان لو کہ اللہ بخشنے والا' رحمت رکھنے والا ہے -(۳۴)

مسلمانو! (ہر حال میں) اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو' اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ ڈھونڈھو۔ اور

---

[۱] جو لوگ باغی ہوں' یا رہزن اور ڈاکو ہوں' انہیں سزا دینے کا حکم -
اگر ان میں سے کوئی مجرم گرفتاری سے پہلے تائب ہو جائے تو اس سے تعرض نہ کرو -
پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کو قتل نفس سے روکنے کا ذکر کیا تھا' اور دو حالتیں مستثنیٰ کر دی تھیں - قصاص کی' اور لوٹ مار کرنے والوں کو سزا دینے کی - اب یہاں اس کی مزید تشریح کر دی -
قرآن جہاں کہیں برائیوں کے انسداد کے لیے کسی سخت طرز عمل کا حکم دیتا ہے مثلاً جنگ کا' قصاص کا' مجرموں کو سزا دینے کا' طلاق کا' تو اس کے بعد ہی خدا سے ڈرتے رہنے اور انصاف سے متجاوز نہ ہونے پر خصوصیت کے ساتھ زور دینے لگتا ہے' تاکہ سختی میں آ کر لوگ ظلم و زیادتی نہ کر بیٹھیں - چنانچہ یہاں بھی سزا کے حکم کے بعد آیت (۳۵) میں تقویٰ اور اتباع حق پر زور دیا -

سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ
لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا
مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا
اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ
فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ
الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ

اس کی راہ میں جدوجہد کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔ (٣٥)

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (وہ کبھی پاداش عمل سے بچنے والے نہیں) اگر ان کے قبضہ میں وہ تمام (مال ومتاع) آ جائے جو روئے زمین میں موجود ہے اور اتنا ہی اور بھی (کہیں سے) پالیں پھر یہ سب کچھ روز قیامت کے عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ میں دے دیں، جب بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔ (٣٦) وہ (کتنا ہی) چاہیں گے کہ (دوزخ کی) آگ سے باہر نکل آئیں لیکن اس سے باہر ہونے والے نہیں۔ ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے! ۔ (٣٧)

اور جو [1] چور ہو خواہ مرد ہو یا عورت، تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ جو کچھ انہوں نے کیا ہے، یہ اس کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت کی نشانی۔ اللہ (سب پر) غالب اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے! (٣٨) پھر جب کسی نے اپنے ظلم کے بعد (یعنی چوری کرنے کے بعد) توبہ کرلی اور اپنے کو سنوار لیا، تو اللہ اس پر (اپنی رحمت سے) لوٹ آئے گا۔ وہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے! ۔ (٣٩) (اے انسان! تو خدا کی بخشش و رحمت پر متعجب نہ ہو!) کیا تو نہیں جانتا کہ آسمان و زمین کی ساری بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جسے چاہے عذاب دے، جسے چاہے بخش دے اور وہ ہر بات پر قادر ہے! ۔ (٤٠)

(اے [2] پیغمبر!) اس گروہ میں سے جس نے زبان سے کہا "ایمان لائے" مگر ان کے دل مومن نہیں ہوئے، اور اس گروہ میں سے جو یہودی ہے، جو لوگ کفر (کے شیوے) میں تیز گام ہوئے، تو ان کی حالت تمہیں غمگین نہ کرے۔ یہ لوگ جھوٹ کے لیے کان لگانے والے ہیں اور اس لیے کان لگانے والے ہیں کہ ایک دوسرے گروہ تک جو تمہارے پاس نہیں آیا، خبریں پہنچائیں۔

---

[1] چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم

[2] کسی بات کی ٹوہ میں رہنا، جاسوسی کرنا، ادھر کی بات ادھر لگانا ایسی خصلتیں ہیں جو ایمان وراستی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔

مدینہ کے علمائے یہود منافقوں کو بھیجتے تھے کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کی مجلسوں میں بیٹھیں اور انہیں خبریں پہنچائیں۔ نیز انہیں کہتے معاملات وقضایا ان کے سامنے پیش کرو اور دیکھو کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر ہمارے حکم کے مطابق ہو تو مانو نہ ہو تو قبول نہ کرو۔

باوجودیکہ تورات کی آیتیں اپنے معانی واحکام میں ثابت وقطعی ہیں، لیکن یہ لوگ بے دھڑک ان میں تحریف کر دیتے ہیں اور ان کا مطلب کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں۔

هَادُوا ۛ سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُونَ لِقَوْمٍ اٰخَرِينَ ۙ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۖ يَقُولُونَ إِنْ
أُوتِيتُمْ هٰذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۚ أُولٰٓئِكَ
الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ سَمّٰعُونَ
لِلْكَذِبِ أَكّٰلُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ
يَضُرُّوكَ شَيْـًٔا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ

یہ (تورات کے) کلموں کو باوجودیکہ ان کا صحیح محل ثابت ہو چکا ہے' صحیح محل سے پھیر دیتے ہیں (اور ان کا مطلب کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں) یہ (لوگوں سے) کہتے ہیں (جو کچھ ہم نے تورات کا حکم بتلا دیا) اگر یہی حکم دیا جائے تو قبول کرلو- نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو- (اے پیغمبر جن لوگوں کی شقاوت اس حد تک پہنچ چکی ہے' وہ کبھی ہدایت پانے والے نہیں- تم ان کے لیے بیکار کو غم نہ کھاؤ) جس کسی کے لیے اللہ ہی نے چاہا کہ آزمائش میں پڑے (اور اس کا کھوٹ کھل جائے) تو تم اس کے لیے خدا سے کچھ نہیں پا سکتے (یقین کرو) یہی لوگ ہیں کہ خدا ان کے دلوں کو پاک کرنا نہیں چاہتا- (کیونکہ اس کا قانون ہے کہ جو کوئی گناہوں کی آلودگی پسند کر لیتا ہے اس کے لیے پاکی و اصلاح کی راہیں بند ہو جاتی ہیں) ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہوئی اور آخرت میں بھی بہت بڑا عذاب!- (۴۱)

(اے[1] پیغمبر!) یہ لوگ جھوٹ کے لیے کان لگانے والے اور برے طریقوں سے مال کھانے میں بے باک ہیں-☆ پس اگر یہ تمہارے پاس آئیں (اور اپنے قضیے پیش کریں) تو (تمہیں اختیار ہے) ان کے درمیان فیصلہ کردو' یا ان سے کنارہ کش ہو جاؤ- اگر کنارہ کش ہو گئے تو یہ تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے- اگر (کنارہ کش نہ ہو اور) فیصلہ کرو' تو چاہیے کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو (اور ان کی شرارتوں کی کچھ پروا نہ کرو) بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے- (۴۲) اور پھر یہ لوگ کس طرح تمہیں منصف بناتے ہیں؟

---

[1] تورات میں زانی کے لیے سنگسار کرنے کا اور قاتل کے لیے قتل کا حکم دیا گیا ہے- لیکن جب کسی بڑے آدمی سے یہ جرائم سرزد ہو جاتے تو یہودیوں کے دنیا پرست علما انہیں سزا سے بچانے کے لیے دور از کار تاویلیں کرنے لگتے' اور طرح طرح کے شرعی حیلے نکال لیتے- چنانچہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کے عہد میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آ گیا- علمائے یہود نے خیال کیا کہ انہیں تورات کے احکام کی خبر نہیں اور اگر خبر بھی ہو تو یہ ایک نئی دعوت لے کر آئے ہیں تورات والا حکم کیوں دینے لگے؟ پس بہتر ہے کہ معاملہ ان کے سامنے پیش کر دیا جائے- مجرم سزا سے بھی بچ جائیں گے' اور ذمہ داری بھی ہمارے سر نہ پڑے گی- چنانچہ معاملہ پیغمبر اسلام کے سامنے پیش ہوا- لیکن وحی الٰہی نے انہیں مطلع کر دیا تھا- انہوں نے تورات کے حکم کا ان سے اقرار کرایا اور اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا-

یہاں اسی معاملہ کی طرف اشارہ کیا ہے- فرمایا' جب ان کے پاس تورات موجود ہے تو کیوں اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور کیوں تمہارے پاس فیصلے کے لیے آتے ہیں؟ اس لیے کہ دولت مند مجرموں سے رشوت لے کر یا ان کی طاقت سے مرعوب ہو کر ⇦

☆ مثلاً رشوت اور نذرانہ لے کر فتویٰ دیتے ہیں اور احکام شرع کے خرید و فروخت کی دکان لگا رکھی ہے-

وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا ع ٩ / ١٠
التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ
بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ
ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ
النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ
قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾
وَقَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ

جب تورات ان کے پاس موجود ہے اور خدا کا حکم اس میں موجود ہے (کیوں اس کے مطابق خود فیصلہ نہیں کر دیتے) یہ تورات رکھنے پر بھی اس سے روگردانی کرتے ہیں' اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایمان ہی نہیں رکھتے - (۴۳)

بلاشبہ ہم نے تورات نازل کی - اس میں ہدایت اور روشنی ہے - خدا کے نبی جو (احکام الٰہی کے) فرمانبردار تھے' اسی کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے رہے - نیز ربّی اور احبار (یعنی یہودیوں کے علما و مشائخ) بھی اسی پر کاربند رہے - کیونکہ وہ کتاب اللہ کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے' اور اس (کے حکموں اور ہدایتوں) پر گواہ تھے -

پس (اے گروہ یہود! اتباع حق کی راہ میں) انسانوں سے نہ ڈرو - مجھ سے ڈرو' اور میری آیتوں کو (دنیوی فائدے کے) حقیر داموں فروخت نہ کرو (یاد رکھو) جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ہیں جو کافر ہیں - (۴۴)

اور ہم نے یہودیوں کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ ''جان کے بدلے جان' آنکھ کے بدلے آنکھ' ناک کے بدلے ناک' کان کے بدلے کان' دانت کے بدلے دانت' اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم - پھر جو کوئی بدلہ لینا معاف کر دے' تو یہ اس کے لیے (گناہوں کا) کفارہ ہوگا' اور جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے گا' تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں'' - (۴۵)

اور پھر (ان نبیوں کے پیچھے) انہی کے نقش قدم پر ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو چلایا - تورات کی تصدیق کرتا ہوا

⇦ انہیں سزا سے بچانا چاہتے ہیں - پس معلوم ہوا کہ یہ لوگ کتاب الٰہی پر ایمان ہی نہیں رکھتے - اگر ایمان رکھتے تو راست بازی کے ساتھ اس کے حکموں کا اعلان کرتے -

اس کے بعد فرمایا' ہم نے پہلے تورات نازل کی' پھر انجیل نازل کی' اور اسی طرح اب قرآن نازل ہوا ہے - انجیل تورات کی مصدق تھی اور قرآن تمام پچھلی صداقتوں کا مصدق اور ان پر ''نگہبان'' ہے - ''نگہبان'' ہونے سے مقصود یہ ہے کہ ان کے مقاصد کی حفاظت کرنے والا ہے - اگر وہ نازل نہ ہوتا تو تمام پچھلی صداقتیں تحریف و ضلالت کی تاریکیوں میں گم ہو گئی تھیں -

آیت (۴۵) میں تورات کے جس حکم کا ذکر کیا ہے وہ خروج ۲۲:۲۴ اور استثنا ۱۹:۲۱ میں ہے -

الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٤٦
وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝٤٧
وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ
اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

جو اس کے سامنے موجود تھی- اور ہم نے اسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی ہے' اور تورات کی جو پہلے سے موجود تھی (سرتاسر) تصدیق ہے- نیز متقی انسانوں پر (سعادت کی) راہ کھولنے والی اور (یکسر) پند و نصیحت!- (۴۶)

اور (اسی طرح) چاہیے کہ انجیل والے اسی کے مطابق حکم دیں جو کچھ انجیل میں خدا نے نازل کیا ہے، اور (یاد رکھو) جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے گا' تو ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں- (۴۷)

اور (اے پیغمبر! اسی طرح) ہم نے تمہاری طرف سچائی کے ساتھ کتاب بھیجی- ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہوئی جو پہلے سے موجود ہیں اور ان پر نگہبان- سو چاہیے کہ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اور جو سچائی تمہارے پاس آ چکی ہے اسے چھوڑ کر لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو- تم میں[1] سے ہر ایک گروہ کے لیے ہم نے ایک "شرع" اور "منہاج" ٹھہرا دی (یعنی مذہبی زندگی کا طور طریقہ ٹھہرا دیا) اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا (یعنی ایک ہی طرح کی استعداد اور حالت پر پیدا کرتا اور مختلف شریعتوں اور طور طریقوں کا اختلاف پیدا ہی نہ ہوتا) لیکن (تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں کیا' اور اس لیے نہیں کیا) تا کہ جو کچھ (تمہاری حالت اور ضرورت کے مطابق وقتاً فوقتاً) تمہیں دیا گیا ہے' اس میں تمہیں آزمائے (اور تمہارے لیے طلب و ترقی کی راہیں پیدا ہوں) پس نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ نکلنے کی کوشش کرو (کہ تمام شریعتوں کا اصل مقصود یہی ہے) تم سب کو بالآخر اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے-

---

[1] اگر تورات' انجیل اور قرآن' ایک ہی صداقت کی دعوت ہیں' اور قرآن تمام پچھلی صداقتوں کا مصدق ہے' تو پھر شرائع و احکام میں اختلاف کیوں ہوا؟ یعنی ایسا کیوں ہوا کہ عبادت کے طور طریقے سب نے ایک ہی طرح کے نہیں بتلائے اور مختلف وقتوں میں مختلف شریعتیں ظاہر ہوئیں؟

قرآن نے یہاں اسی سوال کا جواب دیا ہے- وہ کہتا ہے ایک چیز "دین" ہے اور ایک "شرع" اور "منہاج" ہے- "دین" اصل ہے اور وہ خدا پرستی اور نیک عملی کا قانون ہے- "شرع" اور "منہاج" دستور العمل اور طور طریقہ ہے جو اس اصل کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ٹھہرایا جاتا ہے- "دین" ایک ہی ہے اور سب نے اسی کی تعلیم دی لیکن "شرع" اور "منہاج" میں اختلاف ہوا- کیونکہ ہر عہد اور ہر ملک کے احوال و ظروف یکساں نہ تھے' اس لیے "شرع" اور "منہاج" بھی یکساں نہیں ہو سکتی تھی- پیروان مذاہب کی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین کی وحدت بھلا دی ہے' اور محض شرع و منہاج کے اختلاف پر گروہ بندیاں کر کے ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہیں-

قرآن کہتا ہے- اگر خدا چاہتا تو تمام نوع انسانی کو ایک امت بنا دیتا' مگر تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں کیا- الگ الگ قومیں ہوئیں' الگ الگ احوال ہوئے' الگ الگ ضرورتیں ہوئیں' پس ضروری تھا کہ فروع اور ظواہر کے طور اور ڈھنگ بھی الگ الگ ہوں- ⇦

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ
وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ
يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ
اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٥٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ؕ
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾
فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ

وقف لازم، وقف منزل عند بعض، وقف غفران — ع ١١

پھر وہ تمہیں بتلائے گا کہ جن باتوں میں باہم دگر اختلاف کرتے رہے تھے' ان کی حقیقت کیا تھی-(۴۸)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں حکم دیا کہ جو کچھ خدا نے تم پر نازل کیا ہے' اسی کے مطابق ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرؤ اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو- نیز ان کی طرف سے ہوشیار رہو- کہیں ایسا نہ ہو کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس کے کسی حکم (کی تعمیل و نفاذ) میں تمہیں ڈگمگا دیں (یعنی ایسی صورت حال پیدا کر دیں کہ کسی حکم کا نفاذ عمل میں نہ آسکے) پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں (اور حکم الٰہی نہ مانیں) تو جان لو' خدا کو یہی منظور ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان پر مصیبت پڑے- اور حقیقت یہ ہے کہ انسانوں میں سے بہت سے انسان (احکام حق سے) نافرمان ہیں!-(۴۹)

پھر (جو لوگ احکام الٰہی کا فیصلہ پسند نہیں کرتے تو وہ کیا چاہتے ہیں؟) کیا جاہلیت ☆ کے عہد کا سا حکم چاہتے ہیں (جب علم و بصیرت سے لوگ محروم تھے اور اپنے اوہام و خرافات پر عمل کرتے تھے؟) اور ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھنے والے ہیں اللہ سے بہتر حکم دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ (۵۰)

مسلمانو! یہودیوں اور عیسائیوں کو (جو تمہاری دشمنی میں سرگرم ہو گئے ہیں) اپنا رفیق و مددگار نہ بناؤ- وہ (تمہاری مخالفت میں) ایک دوسرے کے مددگار ہیں' اور (دیکھو اب) تم میں سے جو کوئی انہیں رفیق و مددگار بنائے گا' تو وہ انہی میں سے سمجھا جائے گا- اللہ اس گروہ پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا جو ظلم کرنے والا گروہ ہے-(۵۱)

پھر (اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے' وہ ان لوگوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں- وہ کہتے ہیں "ہم ڈرتے ہیں' (ان لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے) کسی مصیبت کے پھیر میں نہ آ جائیں" تو (یقین کرو) وہ وقت دور نہیں جب اللہ (تمہیں) فتح دے دے گا' یا اس کی طرف سے (کامیابی اور غلبہ

⇦ لیکن یہ اختلاف اصل کا اختلاف نہ ہوا جو "دین" ہے- فرع کا اختلاف ہوا جو "شرع" اور "منہاج" ہے-

---

☆ اسلام کے ظہور سے پہلے عرب میں جو حالت رہ چکی ہے اسے "جاہلیت" سے تعبیر کیا گیا- کیونکہ لوگ اوہام و خرافات میں مبتلا تھے اور علم و بصیرت کی کوئی روشنی موجود نہ تھی-

أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا
أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾ يَا أَيُّهَا الثلثة
الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ
وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾ ع ٨ / ١٢

کی) کوئی اور بات ظاہر ہو جائے گی' اور اس وقت یہ لوگ اس بات پر شرمندہ ہوں گے جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی ہے۔ (۵۲) اور (اس وقت[1]) ایمان والے کہیں گے، کیا یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی سخت سے سخت قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ (حالانکہ تھے دشمنوں کے ساتھ) تو (دیکھو) ان کے تمام کام (اس نفاق کی وجہ سے) اکارت گئے' اور بالآخر تباہ و نامراد ہو کر رہ گئے۔ (۵۳)

مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا' تو (وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کے پھر جانے سے دین حق کو کچھ نقصان پہنچے گا) قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ (سچے مومنوں کا) پیدا کر دے' جنہیں خدا دوست رکھتا ہو' اور وہ بھی خدا کو دوست رکھنے والے ہوں۔ مومنوں کے مقابلہ میں نہایت نرم اور جھکے ہوئے' لیکن دشمنوں کے مقابلہ میں نہایت سخت۔ اللہ کی راہ میں جان لڑا دیں گے' اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے' جس گروہ کو چاہے عطا فرما دے' اور وہ (اپنے فضل میں) بڑی ہی وسعت رکھنے والا' اور (سب کا حال) جاننے والا ہے! (۵۴)

(مسلمانو!) تمہارا رفیق و مددگار اگر کوئی ہے تو اللہ ہے' اس کا رسول ہے' اور وہ لوگ ہیں جو ایمان والے ہیں' جن لوگوں کا شیوہ یہ ہے کہ نماز قائم رکھتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اور (ہر حال میں) اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں! (۵۵)

اور (یاد رکھو) جس کسی نے اللہ کو' اس کے رسول کو' اور ایمان والوں کو اپنا رفیق و مددگار بنایا' تو (وہ اللہ کے گروہ میں سے ہوا' اور) بلاشبہ اللہ ہی کا گروہ غالب رہنے والا گروہ ہے۔ (۵۶)

---

[1] آیت (۵۱) میں فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو جو مشرکین مکہ کی طرح تمہاری دشمنی میں سرگرم ہو گئے ہیں، اپنا رفیق و مددگار نہ بناؤ۔ جو منافق ہیں وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کی طرف دوڑے جا رہے ہیں لیکن قریب ہے کہ انہیں اپنے کیے پر پچھتانا پڑے گا۔

آیت (۵۴) میں مسلمانوں کی یہ شان بتلائی کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نرم اور منکسر' لیکن دشمنوں کے مقابلے میں سخت ہوتے ہیں۔ اللہ کی سچائی کی راہ میں جان لڑا دینے والے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرنے والے۔ نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اور خدا کی مددگاری پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جو ایسے ہوں تو وہ ''حزب اللہ'' ہیں۔ یعنی اللہ کا گروہ ہے۔ اور جو اللہ کا گروہ ہوا تو وہ کبھی انسانوں سے مغلوب ہونے والا نہیں۔

یہ گروہ جس کی خبر دی گئی تھی مہاجرین اور انصار کا گروہ تھا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ
اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ
اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ
اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ
وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ
قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى

مسلمانو! [1] یہود و نصاریٰ اور کفار (مکہ) میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے (یعنی تحقیر و تذلیل کے لیے اس کی ہنسی اڑاتے رہتے ہیں) تم انہیں اپنا مددگار و رفیق نہ بناؤ' اور اللہ (کی نافرمانی کے نتیجوں) سے ڈرو' اگر فی الحقیقت تم ایمان رکھنے والے ہو! (٥٧)

اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو (یعنی اذان دیتے ہو) تو یہ اسے تماشا بناتے اور اس کی ہنسی اڑاتے ہیں اس لیے کہ یہ ایک ایسا گروہ ہے جو سمجھ بوجھ سے یک قلم بے بہرہ ہے۔ (٥٨)

(اے پیغمبر! [2] یہودیوں سے) کہو کہ اے اہل کتاب! اس کے سوا ہمارا قصور کیا ہے جس کا تم انتقام لینا چاہتے ہو کہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں' اور اس (سچائی) پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی' اور جو ہم سے پہلے نازل ہو چکی ہیں؟ اور یہ کہ (کہتے ہیں) تم میں سے اکثر آدمی (احکام تورات سے) نافرمان ہو گئے ہیں؟ - (٥٩)

(اے پیغمبر' تم) کہو' کیا میں تمہیں بتلاؤں' اللہ کے حضور جزا کے اعتبار سے کون زیادہ بدتر ہوا؟ وہ لوگ' جن پر خدا نے لعنت کی' اور اپنا غضب اتارا اور ان میں سے کتنوں ہی کو بندر اور سور کی طرح کر دیا' اور وہ جو شریر قوتوں کو پوجنے لگے۔ یہی لوگ ہیں جو سب سے بدتر درجے میں ہیں' اور سب سے زیادہ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے! (٦٠)

اور (دیکھو) جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں' ہم ایمان لائے' حالانکہ وہ کفر لیے ہوئے آئے تھے' اور کفر لیے ہوئے واپس گئے۔ اور وہ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں' خدا اسے بہتر جاننے والا ہے! (٦١)

---

[1] یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب مسلمانوں کے مذہبی اعمال کے ساتھ تمسخر کرتے تھے۔

[2] اہل کتاب سے خطاب کہ جب قرآن تمام پچھلی سچائیوں کی تصدیق کرتا ہے' اور کسی نئی اصل دینی کی طرف نہیں بلاتا' تو پھر تم اس کی مخالفت میں کیوں کمر بستہ ہو گئے ہو؟ آخر پیروان قرآن کا قصور کیا ہے؟ کیا یہی قصور ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کی طرح تمہاری کتابوں کو بھی کلام الٰہی سمجھتے ہیں' اور تم سے کہتے ہیں کہ اپنی کتابوں پر راست بازی کے ساتھ عمل کرو؟

اس کے بعد یہودیوں کی ان شقاوتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا خود یہودیوں کو بھی اعتراف ہے' اور جو ان کے یہاں کی مسلمہ روایتیں ہیں۔ مثلاً احکام الٰہی کی نافرمانی کی وجہ سے ایک گروہ کا ملعون ہونا' اور نبیوں کا ان پر لعنت کرنا اور سبت والوں کا معاملہ۔

كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا
يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ
الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ
وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

وقف لازم

اور تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور ظلم اور مال حرام کھانے میں تیز گام ہیں- (افسوس ان کے ادعائے ایمان پر!) کیا ہی برے کام ہیں جو (شب و روز) کر رہے ہیں!-(٦٢) ان کے عالموں اور پیروں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہیں جھوٹ بولنے اور مال حرام کھانے سے روکتے نہیں؟ (افسوس ان پر!) کیا ہی بری کارگزاری ہے جو یہ کر رہے ہیں!(٦٣)

اور یہودیوں [1] نے کہا خدا کا ہاتھ (بخشش سے) بندھ گیا ہے (کہ نہ تو تورات کے بعد کوئی دوسری کتاب بھیج سکتا ہے- نہ بنی اسرائیل کے بعد کسی دوسری قوم کو برکت دے سکتا ہے- حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) انہی کے ہاتھ بندھ گئے ہیں' اور جو کچھ انہوں نے کہا اس کی وجہ سے ان پر لعنت پڑی ہے- خدا کے تو دونوں ہاتھ (بخشش و کرم میں) کھلے ہیں- وہ جس طرح چاہتا ہے (اپنا فضل و کرم) خرچ کرتا ہے- اور (اسی لیے تم دیکھو گے کہ) خدا کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے' (بجائے اس کے کہ ان کے لیے ہدایت و نصیحت کا موجب ہو) ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو اور زیادہ بڑھا دے گا-

اور [2] (اسی سرکشی کا نتیجہ ہے کہ) ہم نے ان کے (مختلف فرقوں کے) درمیان عداوت اور کینہ ڈال دیا ہے (کہ) قیامت تک مٹنے والا نہیں- جب کبھی لڑائی کی آگ سلگاتے ہیں' اللہ اسے بجھا دیتا ہے (یعنی اس کا فتنہ تمام ملک میں پھیلنے نہیں پاتا) یہ لوگ ملک میں خرابی پھیلانے کے لیے کوشش کرتے ہیں اور اللہ خرابی پھیلانے والوں کو دوست نہیں رکھتا-(٦٤)

اور اگر اہل کتاب ایمان رکھتے اور پرہیزگار ہوتے' تو ہم ضرور ان پر سے ان کی خطائیں محو کر دیتے (یعنی خطاؤں کے اثرات محو کر دیتے) اور ضرور انہیں نعمت کی جنتوں میں داخل کر دیتے (مگر انہوں نے ایمان و عمل کی جگہ سرکشی و نافرمانی کی راہ اختیار کی' اس لیے خدا کی بخششوں سے محروم ہو گئے)-(٦٥)

---

[1] یہودی کہتے تھے' تورات کے بعد کوئی کتاب نہیں آ سکتی اور نہ بنی اسرائیل کے بعد کسی دوسری قوم کو برکت و سعادت مل سکتی ہے- خدا کے خزانے میں تو سب کچھ ہے لیکن اس کے ہاتھ بندھ گئے ہیں- وہ اب کسی دوسری قوم کو برکت و سعادت نہیں دے سکتا- یہاں ان کی اسی شقاوت کی طرف اشارہ کیا ہے-

[2] عیسائیوں کی طرح یہودی بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں' اور مذہبی فرقہ بندی نے ہمیشہ کے لیے ان میں باہمی بغض و عناد کے جذبات پیدا کر دیے ہیں-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ
تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ ع
اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ
وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا
وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو کچھ ان کے پروردگار کی جانب سے ان پر نازل ہوا ہے (سچائی کے ساتھ) قائم رکھتے، تو ضرور ایسا ہوتا کہ ان کے اوپر سے بھی (کہ آسمان ہے) اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی (کہ زمین ہے) انہیں برکت ملتی (لیکن انہوں نے تورات وانجیل کی تعلیم ضائع کر دی) ان میں سے ایک گروہ ضرور درمیانہ رو ہے، لیکن زیادہ تر ایسے ہی ہیں کہ جو کچھ کرتے ہیں برائی ہی برائی ہے۔ (٦٦)

اے پیغمبر! تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو کچھ نازل ہوا ہے اسے (خدا کے بندوں تک) پہنچا دو (اور دشمنوں کی مخالفت کی کچھ پروا نہ کرو) اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (پھر) خدا کا پیغام نہیں پہنچایا (یعنی فرض رسالت ادا کرنے میں کوتاہی کی) اور اللہ تمہیں انسانوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔ وہ اس گروہ پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا جس نے کفر کی راہ اختیار کی ہے! (٦٧)

(اے پیغمبر![1]) ان لوگوں سے کہہ دو کہ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ٹکنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، قائم نہ کرو۔ اور (اے پیغمبر! تم دیکھو گے کہ) جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے (بجائے اس کے کہ ان کے لیے تنبہ اور نصیحت کا موجب ہو) اور زیادہ ان کی سرکشی اور انکار بڑھا دے گا۔ تو تم اس گروہ کی حالت پر افسوس نہ کرو جو حق سے منکر ہو گیا۔ (٦٨)

جو لوگ (قرآن پر) ایمان لائے ہیں، وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی اور صابی اور نصاریٰ ہیں، کوئی ہو

---

[1] اہل کتاب سے خطاب کہ تم دین کے بارے میں جو کچھ بحث وکلام کرتے ہو وہ جبھی قابل سماعت ہو سکتا ہے جبکہ تورات اور انجیل کی تعلیم پر قائم رہو، اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ کیونکہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر بتلاؤ، تمہارے پاس کون سی جگہ باقی رہ جاتی ہے جس پر کھڑے ہو سکتے ہو، اور دلیل وحجت کے ساتھ کلام کر سکتے ہو؟

نیز اس اصل کا بھی اعلان کر دیا کہ قرآن کا مطالبہ اہل کتاب سے یہ نہیں ہے کہ تورات اور انجیل کی صداقتوں سے بے پروا ہو جائیں، بلکہ تمام تر مطالبہ یہی ہے کہ ان پر سچائی کے ساتھ قائم ہوں کیونکہ وہ کہتا ہے، تمام الہامی کتابوں کی حقیقی تعلیم ایک ہی ہے اور وہ خدا پرستی ونیک عملی کی دعوت ہے۔ قرآن اسی پر تمام نوع انسانی کو جمع کر دینا چاہتا ہے۔

چنانچہ آیت (٦٩) میں فرمایا کہ نجات وسعادت کا دارومدار تمہاری بنائی ہوئی گروہ بندیاں نہیں ہیں، بلکہ ایمان وعمل کا قانون ہے اور اصل دین یہی ہے جس کی سب نے تعلیم دی۔ اور خود تم سے بھی اسی کا عہد لیا گیا تھا۔ اس کی تشریح بقرہ: ٦٢ میں گزر چکی ہے۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا
مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ
فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ
بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ
قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ وقف لازم
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

لیکن (اصل دین یہ ہے کہ) جو کوئی بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے گا' اور اچھے کام کرے گا' تو اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوگا' نہ کسی طرح کی غمگینی! - (۶۹)

یہ واقعہ ہے کہ ہم نے (ایمان اور عمل کا) عہد اطاعت بنی اسرائیل سے لیا' اور (اس پر قائم رکھنے کے لیے ایک کے بعد ایک) رسول بھیجے' مگر جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس ایسا حکم لے کر آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا' تو انہوں نے ان میں سے بعض کو تو جھٹلایا اور بعضوں کو قتل کیا - (۷۰) وہ سمجھے کہ کوئی آزمائش نہیں ہوگی' اس لیے (گمراہی کے جوش میں) اندھے بہرے ہوگئے - پھر ایسا ہوا تھا کہ خدا اپنی رحمت سے ان پر لوٹ آیا تھا (یعنی ان کی توبہ قبول کر لی تھی) لیکن پھر ان میں سے بہتیرے (از سر نو) اندھے بہرے ہوگئے - اور (اب) جیسے کچھ ان کے کرتوت ہیں' خدا انہیں دیکھ رہا ہے! (۷۱)

یقیناً[1] وہ (حق سے) منکر ہوئے' جنہوں نے کہا "خدا تو یہی مسیح مریم کا بیٹا ہے" اور (خود مسیح کی تعلیم تو یہ تھی کہ) اس نے کہا تھا: "اے بنی اسرائیل! خدا کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا' (یعنی) سب کا پروردگار ہے! بلاشبہ جس کسی نے خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا تو اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی - اس کا ٹھکانا آتش دوزخ ہوا اور ظلم کرنے والوں کے لیے کوئی نہیں جو مددگار ہوگا" - (۷۲)

یقیناً وہ لوگ (حق سے) منکر ہوئے جنہوں نے کہا - "خدا تین میں کا ایک ہے" (یعنی باپ' بیٹا اور روح القدس) حالانکہ کوئی معبود نہیں' مگر وہی معبود یگانہ! - اور (دیکھو) جو کچھ یہ کہتے ہیں' اگر اس سے باز نہ آئے' تو ان میں سے جن لوگوں نے انکار حق کیا ہے' انہیں عذاب دردناک پیش آئے گا -

انہیں کیا ہو گیا کہ اللہ کی طرف نہیں لوٹتے' اور اس سے بخشش طلب نہیں کرتے' حالانکہ وہ بخشنے والا رحمت

[1] عیسائیوں کو بھی اسی اصل دینی کی تعلیم دی گئی تھی' یعنی ایمان و عمل کے قانون کی' لیکن وہ بھی اس سے منحرف ہوگئے اور الوہیت مسیح اور تثلیث کا اعتقاد باطل پیدا کر لیا -

رَّحِيْمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا
يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ
دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ
السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا ع ١٢
عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾
تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ

رکھنے والا ہے؟ (۷۴)

مریم کا بیٹا مسیح اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کا ایک رسول ہے- اس سے پہلے بھی کتنے رسول (اپنے اپنے وقتوں میں) ہو چکے- اور اس کی ماں (بھی اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ) صدیقہ تھی (یعنی بڑی ہی راست باز انسان تھی) یہ دونوں (تمام انسانوں کی طرح) کھاتے پیتے تھے (یعنی غذا کی احتیاج رکھتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ جسے زندہ رہنے کے لیے غذا کی احتیاج ہو اس میں ماورائے بشریت کوئی بات کیونکر ہو سکتی ہے) دیکھو! کس طرح ہم ان لوگوں کے لیے دلیلیں واضح کر دیتے ہیں اور پھر دیکھو کس طرف کو یہ لوگ پھرے ہوئے جا رہے ہیں؟ (کہ اتنی موٹی سی بات بھی سمجھ نہیں سکتے؟) (۷۵)

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو کیا تم خدا کو چھوڑ کر ایسی ہستیوں کی بندگی کرتے ہو جن کے اختیار میں نہ تو تمہارا نقصان ہے نہ نفع، اور اللہ تو سننے والا علم رکھنے والا ہے! (۷۶)

کہہ دو اے اہل کتاب! اپنے دین میں حقیقت کے خلاف غلو نہ کرو (یعنی حد سے نہ گزر جاؤ) اور اس گروہ کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکا ہے اور بہتوں کو گمراہ کر چکا ہے اور (حق کی) سیدھی راہ اس پر گم ہو گئی تھی- (۷۷)

(چنانچہ دیکھو) بنی اسرائیل میں سے جو لوگ (حق سے) منکر ہوئے تھے وہ (پہلے) داؤد اور (پھر) مریم کے بیٹے عیسیٰ کی زبانی لعنت کیے گئے- اور یہ اس لیے ہوا کہ نافرمانی کرتے تھے اور وہ حد سے گذر گئے تھے- (۷۸)

وہ برائیوں میں (ایک مرتبہ) پڑ جاتے تو پھر اس سے باز نہیں آتے البتہ یہ بڑی ہی برائی تھی جو وہ کیا کرتے تھے- (۷۹)

(اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ ان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کفر کرنے والوں سے (یعنی مشرکین عرب سے) مدد و رفاقت کا رشتہ رکھتے ہیں- کیا ہی بری تیاری ہے جو ان کے نفسوں نے ان کے لیے مہیا کر دی کہ ان پر خدا کا غضب ہوا اور

---

۱ یہاں یہودیوں کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا کہ برائیوں میں پڑ کر پھر اس سے باز آ جانے کا احساس ان میں باقی نہیں رہا تھا- اس سے معلوم ہو جب کبھی کسی گروہ کی ایسی حالت ہو جائے کہ برائیوں میں پڑ کر پھر ان سے باز رہنے کا احساس و ولولہ پیدا نہ ہو اور اپنی ⇐

عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ

وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا

وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا

مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ

عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں! (۸۰)

اور (دیکھو) اگر یہ لوگ اللہ پر اور اللہ کے نبی پر اور جو کتاب اس پر نازل ہوئی ہے اس پر (یعنی تورات پر) ایمان رکھنے والے ہوتے تو کبھی (پیروان توحید کے خلاف) مشرکوں کو مددگار و رفیق نہ بناتے - لیکن ان میں زیادہ تر ایسے ہی ہیں جو سچائی کی حدوں سے باہر ہو گئے ہیں! (۸۱)

(اے پیغمبر![1]) تم ایمان والوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہودیوں کو پاؤ گے نیز (عرب کے) مشرکوں کو- اور ایمان والوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں- اس لیے کہ ان میں پادری اور رہبان ہیں (یعنی عالم اور تارک دنیا فقیر ہیں جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں) اور اس لیے کہ ان میں گھمنڈ اور خود پرستی نہیں ہے- (۸۲) اور جب یہ (عیسائی) وہ کلام سنتے ہیں جو اللہ کے رسول پر نازل ہوا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں جوش گریہ سے بہنے لگتی ہیں کیونکہ انہوں نے (اس کلام) کی سچائی پہچان لی ہے- وہ (بے اختیار) بول اٹھتے ہیں "خدایا! ہم (اس کلام پر) ایمان لائے پس ہمیں بھی انہی میں سے لکھ لے جو (تیری سچائی کی) گواہی دینے والے ہیں"! - (۸۳)

اور (وہ کہتے ہیں) "ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس کلام پر جو سچائی کے ساتھ ہمارے پاس آیا ہے ایمان

⇦ حالت پر قانع ہو جائے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ گمراہی و شقاوت کی انتہائی حالت پیدا ہو گئی-

[1] پیغمبر اسلام سے خطاب کہ تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت اپنے عہد کے یہودیوں اور عرب کے مشرکوں کو پاؤ گے اور دوستی میں سب سے زیادہ قریب عیسائی ثابت ہوں گے- کیونکہ ان میں قسیس اور منک (یعنی رہبان) ہیں جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور اس لیے کہ ان میں انجیل کی تعلیم سے فروتنی اور عاجزی پیدا ہو گئی ہے-

چنانچہ اسلام کے ابتدائی عہد میں کہ دعوت حق کی غربت و بے چارگی کا زمانہ تھا نجاشی یعنی "نگوش" حبش کا مسیح فرمانروا بغیر دیکھے ایمان لے آیا- مسلمانوں کی جو جماعت ہجرت کر کے حبش چلی گئی تھی نجاشی نے ان سے خواہش کی کہ اپنے پیغمبر کا کلام سناؤ- انہوں نے سورۂ مریم کی تلاوت کی- نجاشی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے- وہ بول اٹھا "اس کلام میں وہی روح بول رہی ہے جو مسیح میں گویا ہوئی تھی!"

نجاشی کے علاوہ خود عرب میں بھی عیسائیوں کی بڑی تعداد ایمان لے آئی - لیکن یہودیوں کے جمود میں جنبش نہ ہوئی - وہ برابر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے- یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خیبر سے جلاوطن کیے گئے-

وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾ يٰٓاَيُّهَا ع
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوْا مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ
وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ
اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ

نہ لائیں' اور اللہ سے اس کی توقع نہ رکھیں کہ وہ ہمیں نیک کردار انسانوں کے گروہ میں داخل کر دے؟'' (۸۴)

تو (دیکھو) خدا نے ان کے اس کہنے کے صلے میں انہیں (سرور ابدی کی) جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اس لیے ان کی بہار کے لیے کبھی خزاں نہیں) وہ ہمیشہ ان جنتوں میں رہیں گے- ایسا ہی بدلہ ہے جو نیک کرداروں کے لیے ٹھہرا دیا گیا ہے! (۸۵) لیکن جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو (جو دو عناد سے) جھٹلایا' تو وہ دوزخی ہیں (ان کے لیے نعیم ابدی کی بخشائشوں میں کوئی حصہ نہ ہوگا) - (۸۶)

مسلمانو![1] خدا نے جو اچھی چیزیں تم پر حلال کر دی ہیں' انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو' اور (روک ٹوک میں) حد سے نہ گزرو- اللہ حد سے گزر جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا - (۸۷) اور جو کچھ خدا نے تمہیں رزق دے رکھا ہے اس میں سے اچھی اور حلال چیزیں (بلا تامل) کھاؤ- اور اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو- (۸۸)

تمہاری قسموں میں سے جو قسمیں لغو (اور بے معنی ہوں) ان پر خدا تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا - ان پر کرے گا جنہیں تم نے (سمجھ بوجھ کر) کھایا ہو- تو (اگر کوئی قسم توڑنی پڑے' تو) اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے- درمیانی درجہ کا کھانا جیسا تم اپنے بیوی بچوں کو کھلایا کرتے ہو- یا (دس مسکینوں کو کھلانے کی جگہ) کپڑا پہنا دینا' یا ایک غلام آزاد کر دینا- اور اگر (یہ سب کچھ) میسر نہ آئے' تو پھر تین دن تک (پے در پے) روزہ رکھنا چاہیے - یہ تماری قسموں کا

---

[1] سلسلہ بیان اب پھر اوامر و نواہی کی طرف پھرتا ہے- پیروان مذہب کی ایک بہت بڑی گمراہی یہ رہی ہے کہ انہوں نے ترک دنیا کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ لیا ہے- چنانچہ عیسائیوں نے رہبانیت کا طریقہ نکالا اور اس میں یہاں تک بڑھے کہ دنیا کی تمام جائز لذتیں اور راحتیں اپنے اوپر حرام کر لیں- چونکہ پچھلی آیات میں عیسائی راہبوں کی نرم دلی اور فروتنی کی تعریف کی گئی تھی' اس لیے ضروری تھا کہ ان کی اس گمراہی کی طرف بھی اشارہ کر دیا جاتا- چنانچہ فرمایا کہ:

(۱) جو اچھی چیزیں خدا نے حلال کر دی ہیں' یعنی زندگی کی جائز لذتیں اور راحتیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کر لو- ایسا کرنا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے' بلکہ راہ عمل میں حد سے گزر جانا ہے-

⇦

اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ
فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا

کفارہ ہے جبکہ (سمجھ بوجھ کر) کھا بیٹھو- اور چاہیے کہ اپنی قسموں کی نگہداشت کرو (کہ کھا کر توڑنی نہ پڑیں) اللہ اس طرح اپنی آیتیں تم پر واضح کر دیتا ہے تاکہ تم کامیاب ہو- (۸۹) مسلمانو! بلاشبہ شراب' جوا' معبودان باطل کے نشان' اور پانسے' شیطانی کاموں کی گندگی ہے' تو ان سے اجتناب کرو تاکہ کامیاب ہو- (۹۰) شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے اور تمہیں خدا کے ذکر اور نماز سے باز رکھے (کیونکہ ان دونوں چیزوں میں پڑنے کا لازمی نتیجہ یہی ہے) پھر (بتلاؤ! ایسی برائیوں سے بھی) تم باز رہنے والے ہو یا نہیں؟ (۹۱) اور (دیکھو) اللہ کی اطاعت کرو' اللہ کے رسول کی اطاعت کرو' اور (برائیوں سے) بچتے رہو- پھر اگر تم نے روگردانی کی' تو جان رکھو' ہمارے پیغمبر پر تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے- (عمل کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے اور جیسا تمہارا عمل ہوگا' ویسا ہی نتیجہ بھی پاؤ گے)- (۹۲)

جو لوگ[1] ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ جو کچھ (حرمت کے حکم سے پہلے) کھا پی چکے ہیں' اس کے لیے ان پر کوئی گناہ نہیں- جبکہ وہ (آئندہ کے لیے) پرہیزگار ہو گئے' اور ایمان لے آئے' اور اچھے کام کیے' اور (جب انہیں کسی بات سے روکا گیا' تو اس سے رک گئے) اور (حکم الٰہی پر) ایمان لائے' اور اچھے کام کیے' اور (اسی طرح) پھر (روکے گئے تو پھر بھی) پرہیز کیا اور (حکم الٰہی پر) ایمان لائے' اور اچھے کام کیے (تو یقیناً ایسے لوگوں سے ان کی سابقہ باتوں کے لیے کوئی مؤاخذہ نہیں ہو سکتا وہ نیک کردار ہیں) اور

⇦ (۲) لوگ اس طرح کی قسمیں کھا لیتے تھے کہ فلاں حلال چیز نہیں کھائیں گے' اور فلاں راحت و لذت ہم پر حرام ہوگئی- فرمایا' لغو قسموں کا اعتبار نہیں- سمجھ بوجھ کر کھائی ہو اور توڑنی پڑے تو کفارہ دو-

(۳) شراب' جوا' معبودان باطل کے نشان' سب حرام ہیں-

[1] (۴) سورۂ نساء (آیت: ۴۳) میں گزر چکا ہے کہ شراب کی عادت اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی' اس لیے بتدریج حکم حرمت کا اعلان کیا گیا- آخری حکم جو اس بارے میں نازل ہوا وہ اس سورت کی آیت (۹۱) ہے- اس کے علاوہ حلت و حرمت کے اور تمام احکام بھی یکے بعد دیگرے نازل ہوئے تھے- قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ جن لوگوں نے حرمت سے پہلے ممنوعہ اشیا استعمال کی ہیں' کیا اس کے لیے بھی وہ جواب دہ ہوں گے؟ یہاں یہ خدشہ رفع کر دیا گیا- فرمایا' اس کے لیے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا- جن لوگوں کا شیوہ یہ رہا ہے کہ یکے بعد دیگرے انہیں کسی بات سے روکا گیا' اور ہر مرتبہ رک گئے اور ایمان و عمل میں پکے رہے' تو ظاہر ہے کہ ان سے اتباع حق میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں ہوئی' ان سے مؤاخذہ کیوں ہو؟

(۵)- احرام کی حالت میں جو شکار سے روکا گیا ہے' تو اسے ہلکی بات نہ سمجھو- اس میں تمہارے لیے اتباع و اطاعت کی آزمائش ہے- اگر کوئی ⇦

وَّ اَحۡسَنُوۡا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۹۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَيَبۡلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَىۡءٍ مِّنَ الصَّيۡدِ ع ۱۴
تَنَالُهٗۤ اَيۡدِيۡكُمۡ وَرِمَاحُكُمۡ لِيَـعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّخَافُهٗ بِالۡغَيۡبِ‌ ۚ فَمَنِ اعۡتَدٰى بَعۡدَ ذٰ لِكَ فَلَهٗ
عَذَابٌ اَلِيۡمٌ‏ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡتُلُوا الصَّيۡدَ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ‌ ؕ وَمَنۡ قَتَلَهٗ مِنۡكُمۡ مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَآءٌ مِّثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحۡكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ هَدۡيًاۢ بٰلِغَ الۡـكَعۡبَةِ اَوۡ كَفَّارَةٌ طَعَامُ
مَسٰكِيۡنَ اَوۡ عَدۡلُ ذٰ لِكَ صِيَامًا لِّيَذُوۡقَ وَبَالَ اَمۡرِهٖ‌ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ‌ ؕ وَمَنۡ عَادَ
فَيَنۡتَقِمُ اللّٰهُ مِنۡهُ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ‏ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَـكُمۡ صَيۡدُ الۡبَحۡرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّـكُمۡ
وَلِلسَّيَّارَةِ‌ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيۡكُمۡ صَيۡدُ الۡبَـرِّ مَا دُمۡتُمۡ حُرُمًا‌ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ‏ ﴿۹۶﴾

اللہ نیک کرداروں کو دوست رکھتا ہے! (۹۳)

مسلمانو! شکار کے معاملہ میں جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے (یعنی ہتھیار) پہنچیں خدا ضرور تمہاری (فرمانبرداری کی) ایک حد تک آزمائش کرے گا تاکہ معلوم ہو جائے کون خدا سے غائبانہ ڈرتا ہے (اور جنگلوں اور میدانوں کی تنہائی میں جہاں کسی انسان کی نگاہ دیکھنے والی نہیں اپنا ہاتھ روکے رکھتا ہے اور کون ہے جو اس کے احکام سے بے پروا ہے) پھر (دیکھو) اس (حکم) کے بعد (بھی) جو کوئی حد سے گزر جائے' تو اس کے لیے عذاب دردناک ہے۔ (۹۴)

مسلمانو! جب تم احرام کی حالت میں ہو' تو شکار کے جانور نہ مارو۔ اور جو کوئی تم میں سے جان بوجھ کر مار ڈالے تو چاہیے کہ اس کا بدلہ دے (اور وہ یہ ہے کہ) جیسے جانور کو مارا ہے' اس کے مانند مویشیوں میں سے ایک جانور کعبہ پہنچا کر قربان کیا جائے' اور مویشی کو تم میں سے دو منصف ٹھہرا دیں۔ یا کفارہ دے (اور وہ یہ ہے کہ) مسکینوں کو (اس کی قیمت کے لحاظ سے) کھانا کھلائے' یا پھر مسکینوں کی گنتی کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کیے کی جزا (کا مزہ) چکھ لے۔ اس سے پہلے جو ہو چکا' خدا نے اس سے درگزر کیا' لیکن جو کوئی پھر کرے گا' تو خدا اس سے (نافرمانی کا) بدلہ لے گا' اور اللہ (اپنے کاموں میں) غالب اور (ہر عمل کے لیے اس کی) جزا رکھنے والا ہے! (۹۵)

تمہارے لیے سمندر اور دریا کا شکار' اور کھانے کی چیزیں (جو بے شکار ہاتھ آ جائیں مثلاً مچھلی جو پانی سے الگ ہو کر مر گئی ہو، احرام کی حالت میں بھی) حلال ہے۔ تاکہ ان سے خود تمہیں بھی فائدہ پہنچے اور اہل قافلہ بھی فائدہ اٹھائیں۔ لیکن خشکی کا شکار' جب تک احرام کی حالت میں ہو' تم پر حرام ہے۔ پس اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو' کہ اسی کی طرف تم سب جمع کر کے لے جائے جاؤ گے! (۹۶)

⇐ جان بوجھ کر شکار کر بیٹھے تو اسے اس کا بدلہ یا کفارہ دینا چاہیے۔

(۶) لیکن حالت احرام میں دریا اور سمندر کا شکار جائز ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو لوگوں کے لیے قیام امن و اجتماع کا ذریعہ ٹھہرا دیا ہے' اور اس کے علم میں بے شمار مصلحتیں اور برکتیں ہیں' جو تمہیں اس معاملہ سے حاصل ہوں گی۔ پس اس کی حرمت کے شعائر و اعمال قائم رکھو' اور ان میں کسی طرح کا فتور واقع نہ ہونے دو۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ
لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا
تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ ع
تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾

اللہ نے کعبہ کو کہ حرمت کا گھر ہے لوگوں کے لیے (امن وجمعیت کے) قیام کا ذریعہ ٹھہرایا ہے- نیز حرمت کے مہینوں کو اور (حج کی) قربانی کو اور (قربانی کے) ان جانوروں کو جن کی گردنوں میں (علامت کے لیے) پٹے ڈال دیتے ہیں- (پس کعبہ کی اور کعبہ کے ان تمام رسوم وآداب کی حرمت قائم رکھو) یہ اس لیے کیا گیا تاکہ تم جان لو آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے' اللہ سب کا حال جانتا ہے' اور وہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے- (۹۷) جان لو کہ اللہ (پاداش عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے اور (ساتھ ہی) بخشنے والا رحمت والا ہے! (۹۸) خدا کے پیغمبر کے ذمے اس کے سوا کچھ نہیں کہ پیغام پہنچا دے- (عمل کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے) اور جو کچھ تم کھلے طور پر کرتے ہو' اور جو کچھ چھپا کر کرتے ہو' خدا کے علم سے پوشیدہ نہیں- (۹۹)

(اے پیغمبر[1]! ان لوگوں سے) کہہ دو- پاکیزہ اور گندی چیز برابر نہیں ہو سکتی' اگرچہ تمہیں گندی چیز کا بہت ہونا اچھا لگے- پس اے ارباب دانش! اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو' تاکہ (نقصان وتباہی کی جگہ) فلاح پاؤ! (۱۰۰)

مسلمانو! (اپنی طرف سے کاوشیں کر کے) ان چیزوں کی نسبت سوالات نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں- اگر ان چیزوں کی نسبت سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے' تو (ظاہر ہے کہ) تم پر ظاہر کر دی جائیں گی (لیکن اس کا نتیجہ خود تمہارے لیے اچھا نہ ہو گا' اور اب تو) خدا نے یہ بات معاف کر دی (لیکن آئندہ احتیاط کرو) اور اللہ بخشنے والا' اور (انسانوں کی خطاؤں کے لیے) بہت ہی بردبار ہے! (۱۰۱)

---

[1] (۸) خدا نے جن چیزوں سے روک دیا ہے وہ گندی اور مضر چیزیں ہیں- جن کی اجازت دی ہے' وہ اچھی اور مفید چیزیں ہیں- گندی چیزیں کتنی ہی زیادہ ملیں اور اچھی چیزیں کتنی ہی کم میسر آئیں' لیکن گندی چیزوں کی طرف رغبت نہ کرو- کیونکہ دانش مند آدمی اشیا کی کثرت وقلت نہیں دیکھتا- ان کے نفع اور نقصان پر نظر رکھتا ہے-

(۹) کثرت سوال اور تعمق فی الدین کی ممانعت (دیکھو بقرہ:۱۰۸) فرمایا دین حق یہ نہیں چاہتا کہ انسانی معیشت کے لیے سختیاں اور جکڑ بندیاں پیدا کر دے اور تمہارے ہر عمل کو کسی نہ کسی پابندی سے ضرور ہی باندھ دے- جو کچھ ضروری تھا' بتلا دیا گیا' جو کچھ چھوڑ دیا ہے وہ معاف ہے- اب تم اپنے جی سے کاوشیں کر کے طرح طرح کے سوالات مت کرو' (اگر کرو گے تو دین میں آسانی کی جگہ تنگی ومشقت پیدا ہو جائے گی) اور وہی حال ہو گا جو بنی اسرائیل کا ہوا- پہلے کاوشیں کر کے پابندیاں بڑھائیں' پھر جب دائرۂ عمل تنگ ہو گیا تو سرے سے عمل کرنا ہی چھوڑ دیا-

(۱۰) مشرکین عرب بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے' اور انہیں مقدس سمجھتے' اور طرح طرح کے توہم پرستانہ عقائد ان سے وابستہ ہو گئے تھے- چنانچہ یہاں ان جانوروں کا ذکر کیا ہے-

''بحیرہ'' اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کے کان علامت کے لیے شق کر دیے گئے ہوں اور بتوں کی نیاز میں چھوڑ دی گئی ہو- یہ ⇐

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا
وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ
لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا
يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

(دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ تم سے پہلے ایک گروہ نے (یعنی بنی اسرائیل نے) ایسی ہی باتیں (کرید کرید کر) پوچھی تھیں' پھر نتیجہ یہ نکلا کہ (سرے سے احکام الٰہی ہی کے) منکر ہو گئے! (۱۰۲)

''بحیرہ'' اور ''سائبہ'' اور ''وصیلہ'' اور ''حام'' میں سے کوئی چیز بھی خدا نے نہیں ٹھہرائی ہے' لیکن جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی' وہ اللہ پر جھوٹ کہہ کر افترا کرتے ہیں اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ سے محروم ہیں- (۱۰۳)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے (عقل و بصیرت کی) اس بات کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے نیز اللہ کے رسول کی طرف رجوع ہو' تو کہتے ہیں ''ہمارے لیے تو وہی طریقہ بس کرتا ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے'' (ان سے پوچھو کہ) اگر ان کے باپ دادا کچھ جانتے بوجھتے نہ ہوں اور سیدھے رستے پر بھی نہ ہوں (تو کیا پھر بھی وہ انہی کی اندھی تقلید کرتے رہیں گے؟) (۱۰۴)

مسلمانو! (یاد رکھو) تم پر فقط تمہاری جانوں کی ذمہ داری ہے (تم دوسروں کے کاموں کے لیے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اور نہ دوسرے تمہارے کاموں کے لیے ذمہ دار ہیں) اگر تم سیدھے راستے پر قائم ہو تو کسی کا گمراہ ہونا تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا (اور بالآخر) تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے (اس دن) وہ بتا دے گا کہ تمہارے کام کیسے کچھ رہے ہیں! (۱۰۵)

⇐ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس سے پانچ بچے پیدا ہو جاتے تھے-

''سائبہ'' اس اونٹنی کو کہتے تھے جسے دیوتاؤں کے نام پر چھوڑ دیا ہو- نہ تو کوئی اس پر سوار ہو سکتا تھا- نہ اس کے بال کاٹ سکتا تھا نہ اس کا دودھ اپنے کام میں لا سکتا تھا-

''وصیلہ'' اس بکری کو کہتے تھے' جس کے پہلوٹھے کے اوپر تلے دو بچے مادہ ہوتے تھے- اسے متبرک سمجھتے اور چھوڑ دیتے-

''حام'' اس اونٹ کو کہتے تھے جس کی نسل سے دس بچے پیدا ہو گئے ہوں- اسے بھی چھوڑ دیتے تھے اور سمجھتے تھے' اسے ذبح کرنا یا کام میں لانا جائز نہیں-

فرمایا یہ سب خرافات اور توہم پرستی ہے- خدا نے ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں ٹھہرایا ہے-

(۱۱) اگر لوگ گمراہ ہو جائیں تو ان کی گمراہی تمہارے لیے دلیل و حجت نہیں ہو سکتی کہ تم کہو' سب گمراہ ہو رہے ہیں تو اکیلی جان ہم کیا کریں؟ ہر آدمی پر ذمہ داری خود اس کے نفس کی ہے- دوسروں کے لیے وہ ذمہ دار نہیں- اگر ساری دنیا گمراہ ہو جائے- جب بھی تمہیں حق پر قائم رہنا چاہیے- (۱۲) وصیت اور اس کی گواہی کا حکم- اصل یہ ہے کہ دو معتبر آدمی گواہ ہونے چاہییں- اگر ایسی حالت ہو کہ مسلمان نہ ملیں تو غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں- (۱۳) گواہوں کو بحلف گواہی دینی چاہیے- (۱۴) نزاع کی صورت پیدا ہو جائے تو فریقین اپنے اپنے گواہ پیش کریں- (۱۵) جو انکار کرے اس پر قسم ہے-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا
عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ
الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا
وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝١٠٦ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا
اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ
بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠٧ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى
اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝١٠٨ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ ع

مسلمانو! جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو (اور وہ وصیت کرنی چاہے) تو وصیت کے وقت گواہی کے لیے تم میں سے دو معتبر آدمی گواہ ہونے چاہئیں - اگر ایسا ہو کہ تم سفر میں ہو اور موت کی مصیبت پیش آ جائے (اور مسلمان گواہ نہ مل سکیں) تو مسلمان گواہوں کی جگہ غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں-

پھر اگر تمہیں ان (گواہوں) کی سچائی میں کسی طرح کا شبہ پڑ جائے تو انہیں نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو- وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں "ہم نے اپنی قسم کسی معاوضہ کے بدلے فروخت نہیں کی- ہمارا قریب وعزیز کیوں نہ ہو (لیکن ہم ایسا کرنے والے نہیں) ہم اللہ کے لیے سچی گواہی کبھی نہیں چھپائیں گے- اگر ایسا کریں تو ہم گناہگاروں میں سے ہوں"- (۱۰۶)

پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں (یعنی ان گواہی سچی نہ تھی) تو ان کی جگہ دوسرے دو گواہ ان لوگوں میں سے کھڑے ہو جائیں جن کا حق (پچھلے) گواہوں میں سے ہر ایک نے دبانا چاہا تھا' اور یہ گواہ ان میں سے ہوں جو (فریق مظلوم سے) نزدیکی رکھنے والے ہوں- پھر یہ دونوں خدا کی قسم کھا کر کہیں "ہماری گواہی پچھلے گواہوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے- ہم نے گواہی دینے میں کسی طرح کی زیادتی نہیں کی- اگر کی ہو تو ہم ظالموں میں سے ہوں"- (۱۰۷)

اس طرح کی قسم سے زیادہ امید کی جا سکتی ہے کہ گواہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں گے' یا (کم از کم) اس بات کا انہیں اندیشہ رہے گا کہ کہیں ہماری قسمیں فریق ثانی کی قسموں کے بعد رد نہ کر دی جائیں (بہرحال) اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو' اور اس کا حکم سنو اور (یاد رکھو کہ) اللہ ظلم کرنے والوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا! (۱۰۸)

وہ دن[1] کہ اللہ تمام رسولوں کو جمع کرے گا اور پھر پوچھے گا "تمہیں (تمہاری امتوں کی طرف سے دعوت حق کا) کیا

---

[1] پچھلی آیت اس بات پر ختم ہوئی تھی کہ "اللہ کی نافرمانی کے نتائج سے ڈرتے رہو اور اس کا حکم سنو" نیز یہ کہ اس کا قانون ہے "ظلم کرنے ⇦

أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾ إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ
نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ إِذْ أَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَإِذْ
عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ ۚ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِيْ فَتَنْفُخُ
فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ ۚ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِإِذْنِيْ ۚ وَإِذْ كَفَفْتُ
بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٠﴾
وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيّٖنَ أَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿١١١﴾

وقف لازم

جواب ملا؟'' (یعنی انہوں نے کہاں تک اس پر عمل کیا؟) وہ کہیں گے ''ہمیں کچھ علم نہیں - یہ تو تیری ہی ہستی ہے جو غیب کی باتیں جاننے والی ہے!'' (۱۰۹)

اس دن اللہ کہے گا ''اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر جو انعام کیے ہیں انہیں یاد کرو!''

''جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے روح ☆ القدس سے تمہیں قوت دی تھی - تم لوگوں سے کلام کرتے تھے - چھوٹی عمر میں بھی کہ جھولے میں جھولتے تھے' اور بڑی عمر میں بھی (کہ مجمعوں میں منادی کرتے تھے)''

''اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھلا دی تھی''

''اور جب ایسا ہوا تھا کہ تم میرے حکم سے مٹی لیتے اور چڑیا کی شکل جیسی بناتے پھر اس میں پھونک مارتے اور وہ میرے حکم سے ایک چڑیا ہو جاتی''

''اور جب ایسا ہوا تھا کہ تم میرے حکم سے اندھے اور برص کے بیمار کو چنگا کر دیتے''

''اور جب ایسا ہوا تھا کہ تم میرے حکم سے مردوں کو موت (کی حالت) سے باہر لے آتے''

''اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے بنی اسرائیل کا شر جو وہ تمہارے خلاف کر رہے تھے' روک دیا تھا - یہ وہ وقت تھا کہ تم (سچائی کی) روشن دلیلیں ان کے سامنے لے گئے تھے اور ان میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی' وہ بول اٹھے تھے ''یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آشکارا جادوگری ہے'' (۱۱۰)

''اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے حواریوں پر (یعنی اس جماعت پر جو حضرت مسیح پر ایمان لائی تھی) الہام کیا تھا کہ مجھ پر اور میرے رسول (مسیح) پر ایمان لاؤ - انہوں نے کہا تھا ''ہم ایمان لائے اور خدایا! تو گواہ رہیو کہ ہم مسلم (یعنی فرمانبردار) ہیں'' - (۱۱۱)

⇐ والوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا'' اب فرمایا' کہ قیامت کے دن تمام رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ جو احکام حق تم نے دیے تھے تمہیں ان کا کیا جواب ملا؟ یعنی جن قوموں کو دیے گئے تھے' انہوں نے کہاں تک ان پر عمل کیا؟ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کا ذکر کیا ہے' اور اس سے تذکیر و موعظت کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے -

---

☆ یعنی خدا کے مقدس فرشتے سے' یا اس پاک روحانیت سے جو تمہارے اندر پیدا کر دی گئی تھی -

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ
اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ
صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً
مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ
اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۵ ۵
وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

(اور دیکھو[۱]) جب ایسا ہوا تھا کہ حواریوں نے کہا تھا ''اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تمہارا پروردگار ایسا کرسکتا ہے کہ آسمان سے ہم پر ایک خوان اتار دے؟'' (یعنی ہماری غذا کے لیے آسمان سے غیبی سامان کردے) عیسیٰ نے کہا' خدا سے ڈرو (اور ایسی فرمائشیں نہ کرو) اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ (۱۱۲)

انہوں نے کہا (مقصود اس سے قدرت الٰہی کا امتحان نہیں ہے بلکہ) ہم چاہتے ہیں (ہمیں غذا میسر آئے' تو) اس میں سے کھائیں' اور ہمارے دل آرام پائیں' اور ہم جان لیں کہ تو نے جو کچھ بتلایا وہ سچ تھا' اور اس پر ہم گواہ ہو جائیں۔ (۱۱۳)

اس پر عیسیٰ کے بیٹے مریم نے دعا کی ''اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک خوان بھیج دے' کہ اس کا آنا ہمارے لیے اور ہمارے اگلے اور پچھلوں' سب کے لیے عید قرار پائے' اور تیری طرف سے (فضل و کرم) کی ایک نشانی ہو۔ ہمیں روزی دے۔ تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے!'' (۱۱۴)

اللہ نے فرمایا ''میں تمہارے لیے خوان بھیجوں گا۔ لیکن جو شخص اس کے بعد بھی (راہ حق سے) انکار کرے گا' تو میں اسے (پاداش عمل میں) عذاب دوں گا۔ ایسا عذاب کہ تمام دنیا میں کسی آدمی کو بھی ویسا عذاب نہیں دیا جائے گا!'' (۱۱۵)

اور (پھر) جب ایسا ہوگا کہ اللہ کہے گا ''اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟''

۱۔ حضرت مسیح (علیہ السلام) کا حواریوں کی درخواست پر دعا کرنا' اور اس بارے میں فرمان الٰہی۔

آیت (۱۱۰) و (۱۱۱) میں اللہ کا حضرت مسیح سے وہ مخاطبہ ہے جس کی نسبت فرمایا تھا کہ قیامت کے دن تمام رسولوں سے سوال کرے گا۔ پھر چونکہ آخری آیت میں حواریوں کے ایمان لانے کا ذکر کیا تھا' اس لیے اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا جو حواریوں میں اور حضرت مسیح میں نزول مائدہ کی نسبت پیش آیا تھا۔ پھر آیت (۱۱۶) سے بدستور مخاطبہ کا مضمون جاری ہوگیا' ماحصل یہ ہوا کہ اللہ نے پہلے اپنی وہ نعمتیں یاد دلائیں جو حضرت مسیح کو عطا فرمائی تھیں۔ پھر فرمایا' باوجود تعلیم حق کی ان تمام روشنیوں کے' تیرے نام لیوا گمراہی میں پڑے گئے اور تجھے اور تیری ماں کو خدا بنا لیا۔ (کیونکہ لوتھر کی اصلاح سے پہلے حضرت مریم کی بھی پرستش کی جاتی تھی' اور کیتھولک کلیسا اب تک کر رہا ہے) اس پر حضرت مسیح علیہ السلام عرض کریں گے' میں اس سے بری ہوں۔

مقصود یہ ہے کہ تمام داعیان حق نے خدا پرستی و توحید کی تعلیم دی تھی' لیکن ان کے پیروؤں نے انہی کی پرستش شروع کر دی۔ اس گمراہی کے لیے پروہ ذمہ دار ہیں جن کی پرستش کر رہے ہیں' ان کا دامن اس سے پاک ہے۔

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ
مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ
اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا
تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ
عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ
صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

عیسیٰ جواب میں عرض کرے گا ''تیرے لیے پاکی ہو! بھلا مجھ سے یہ بات کیسے ہوسکتی ہے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں - اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو ضرور تجھے معلوم ہوگیا ہوگا - تو میرے دل کی بات جانتا ہے مجھے تیرے ضمیر کا علم نہیں - تو ہی ہے کہ غیب کی ساری باتیں جاننے والا ہے - (۱۱۶) میں نے تو ان سے صرف وہی بات کہی جس کے کہنے کا تو نے حکم دیا تھا - یعنی اللہ کی بندگی کرو - میرا اور تمہارا سب کا پروردگار وہی ہے - جب تک میں ان میں رہا ان کا نگران حال تھا - جب تو نے میرا وقت پورا کردیا' تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا' اور تو ہر چیز کو دیکھنے والا اور اس کی نگہبانی کرنے والا ہے - (۱۱۷) اگر تو ان لوگوں کو عذاب دے' تو وہ تیرے بندے ہیں تجھے اختیار ہے - اور اگر انہیں بخش دے' تو تو سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!'' (۱۱۸)

اللہ فرمائے گا ''آج وہ دن ہے کہ سچے انسانوں کو ان کی سچائی کام آئے گی - ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں - (اور اس لیے ان کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) وہ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں - اللہ ان سے رضا مند ہوا اور وہ اللہ سے رضا مند ہوئے - یہ ہے (انسان کے لیے) سب سے بڑی کامیابی (جو وہ جزائے عمل میں حاصل کرسکتا ہے!'') (۱۱۹)

آسمانوں کی اور زمین کی اور ان میں جو کچھ ہے' سب کی پادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے - اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں! (۱۲۰)

❋ ❋ ❋

اٰيَاتُهَا: 165 | سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 20

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ
الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ
وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا

ہر طرح [1] کی ستائشیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا' اور اندھیریاں اور اجالا نمودار کر دیا- اس پر بھی جو لوگ اپنے پروردگار سے منکر ہو گئے ہیں (وہ اندھیرے اور اجالے میں امتیاز نہیں کرتے اور دوسری ہستیوں کو خدا کے) برابر سمجھتے ہیں! (۱)

وہی (آسمان و زمین کا خالق) ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا (یعنی تمہاری اصل خلقت مٹی سے ظہور پذیر ہوئی) پھر تمہارے لیے (زندگی و معیشت کی) ایک میعاد ٹھہرا دی (جو ہر وجود کو مہلت عمل دیتی ہے) اور ایک دوسری میعاد بھی اس کے علم میں مقرر ہے (یعنی قیامت کا وقت جب پہلی میعاد کے نتائج کا فیصلہ ہوگا) پھر بھی تم ہو کہ (اس حقیقت پر غور نہیں کرتے اور اس میں) شک کرتے ہو! (۲)

وہی اللہ ہے- آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی- (اس کے سوا کوئی کارفرمائے عالم نہیں) تمہاری چھپی اور کھلی ہر طرح کی باتوں کا علم رکھتا ہے- تم جو کچھ (اچھی بری) کمائی کرتے ہو' وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں! (۳)

اور (دیکھو) ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں جو ان کے سامنے آئی ہو اور انہوں نے

---

[1] جس طرح پچھلی سورتوں میں زیادہ خطاب اہل کتاب سے تھا اسی طرح اس میں زیادہ تر خطاب مکہ کے مشرکوں سے اور ان جماعتوں سے ہے جو الہامی کتابوں کی معتقد نہیں یا خدا اور آخرت پر اعتقاد نہیں رکھتیں-

خدا نے کائنات ہستی پیدا کی' اور تاریکی اور روشنی نمودار کر دی- تاریکی تاریکی ہے- روشنی روشنی ہے- دونوں کا فرق ہر آنکھ محسوس کر لیتی ہے' لیکن اس پر بھی جو لوگ اپنے پروردگار سے منکر ہو گئے ہیں وہ دونوں میں امتیاز نہیں کرتے اور خدا کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں!

وہی خدا جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے دو "اجلیں" یعنی دو میعادیں ٹھہرا دیں- ایک زندگی و معیشت کی مہلت ہے- دوسری روز قیامت کا مقررہ وقت پہلی میعاد عمل کے لیے- دوسری نتائج عمل کے فیصلے کے لیے-

افسوس انسان کی غفلت پر! وہ ہمیشہ خدا کی نشانیاں جھٹلاتا رہتا ہے- چنانچہ آج بھی سچائی کی جو دعوت نمودار ہوئی' منکرین حق اس سے گردن موڑے ہوئے ہیں!

اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ گزشتہ قوموں کی سرگزشتوں میں تمہارے لیے درس عبرت ہے اور اس اصل عظیم کی وضاحت کہ ایمان و ہدایت کی راہ نظر و بصیرت کی راہ ہے نہ کہ تقلید کی- یعنی بلا دلیل بات مان لینے کی-

عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ ﴿۴﴾ فَقَدۡ كَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ‌ؕ فَسَوۡفَ يَاۡتِيۡهِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ
يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۵﴾ اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَكِّنۡ
لَّـكُمۡ وَاَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَيۡهِمۡ مِّدۡرَارًا وَّجَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ
بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ﴿۶﴾ وَلَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ كِتٰبًا فِىۡ قِرۡطَاسٍ فَلَمَسُوۡهُ
بِاَيۡدِيۡهِمۡ لَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۷﴾ وَقَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ مَلَكٌ‌ؕ وَلَوۡ
اَنۡزَلۡنَا مَلَـكًا لَّقُضِىَ الۡاَمۡرُ ثُمَّ لَا يُنۡظَرُوۡنَ ﴿۸﴾ وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلۡنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسۡنَا عَلَيۡهِمۡ

اس سے گردن موڑلی ہو!(۴)

چنانچہ جب سچائی ان کے پاس آئی (یعنی قرآن کی دعوت نمودار ہوئی) تو انہوں نے اسے جھٹلا دیا - سو جس بات کی یہ ہنسی اڑاتے رہے ہیں، عنقریب اس کی حقیقت انہیں معلوم ہو کر رہے گی!(۵)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دور رہ چکے ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا؟ یہ وہ قومیں تھیں جنہیں ہم نے اس طرح (طاقت و تصرف کے ساتھ) ملکوں میں جما دیا تھا کہ اس طرح تمہیں نہیں جمایا - ہم نے ان پر آسمانی برسات اس طرح بھیج دی تھی کہ پے درپے برستی رہتی، اور ان کی آبادیوں کے نیچے نہریں چلا دی تھیں (کہ ہمیشہ جاری رہتی تھیں) لیکن پھر ہم نے (اپنے مقررہ قانون کے مطابق) ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری قوموں کے دور پیدا کر دیے -(۶)

اور[1] (اے پیغمبر!) اگر ہم تم پر ایک کتاب کاغذ پر لکھی لکھائی اتار دیتے، اور یہ لوگ اسے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیتے کہ سچ مچ کو کتاب ہے، پھر بھی جن لوگوں نے انکار کی راہ اختیار کی ہے وہ (کبھی ماننے والے نہ تھے - وہ) کہتے یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ صریح جادوگری ہے!(۷)

اور انہوں نے کہا "(اگر یہ شخص اپنے دعوے میں سچا ہے تو) کیوں اس پر فرشتہ نہیں اترتا (کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں؟") اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ساری باتوں کا فیصلہ ہی ہو جاتا - پھر ان کے لیے مہلت ہی کب رہتی (کہ مانیں یا نہ مانیں)(۸)

اور اگر ہم کسی فرشتے کو پیغمبر کرتے، تو اسے بھی انسان ہی بناتے (کیونکہ یہ قانون الٰہی کے خلاف ہے کہ فرشتے اپنی ملکوتی حقیقت میں انسانوں کے سامنے آئیں) اور جیسے کچھ شبہات یہ اب کر رہے ہیں، ویسے ہی شبہوں میں اس وقت

---

[1] جن لوگوں میں سچائی کی طلب ہے ان کے لیے سچائی کی ساری باتیں دلیلیں اور نشانیاں ہیں لیکن جن کے دل سچائی سے پھر گئے ہیں، ان کے لیے کوئی نشانی بھی سودمند نہیں - ایسے لوگ سچائی کا معارضہ کرنے کے لیے کہنے لگتے ہیں کہ عجیب و غریب باتیں ہمیں کیوں نہیں دکھلائی جاتیں؟ لیکن یہ خدا کی سنت نہیں کہ اس طرح کی فرمائشیں پوری کرے - اگر اس طرح کی عجیب و غریب باتیں دکھلا بھی دی جائیں، جب بھی یہ ماننے والے نہیں، کیونکہ جو سچائی کو سچائی کے لیے قبول نہیں کرتا اسے کوئی بات بھی قبولیت حق پر آمادہ نہیں کر سکتی (دیکھو بقرہ - ۱۱۸)
دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فرشتے اتر کر انسانوں کے سامنے چلنے پھرنے لگیں - یہاں اگر فرشتے بھی آئیں گے تو انسان ہی ہوں گے -

مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
ع يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ قُلْ لِّمَنْ مَّا
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ
فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ

بھی انہیں ڈال دیتے (یعنی یہ کہتے، یہ تو دیکھنے میں ہمارے ہی طرح کا آدمی ہے)-(۹)

اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ تم سے پہلے بھی رسولوں کی ہنسی اڑائی گئی (جیسی کہ آج تمہارے ساتھ تمسخر کیا جا رہا ہے) تو جن لوگوں نے ہنسی اڑائی تھی، وہ جس بات کی ہنسی اڑاتے تھے، وہی بات ان پر آ پڑی (یعنی وہ اس بات کی کہ اعمال بد کا نتیجہ بد ہے، ہنسی اڑاتے تھے، تو وہی ان کے آگے آ گیا!)(۱۰)-(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہہ دو، زمین میں پھرو (گزری ہوئی قوموں کے آثار و بقایا پر نظر ڈالو) اور دیکھو جھٹلانے والوں کو کیسا انجام پیش آ چکا ہے؟(۱۱)

(اے پیغمبر[1]! تم ان لوگوں سے) پوچھو "آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ کس کے لیے ہے؟" (یعنی آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟ یہ سب کچھ کس کے لیے ہونا چاہیے؟) کہو اللہ کے لیے- اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ رحمت فرمائے- (اور یہ اس کی رحمت ہے جو تمام کائنات خلقت میں کام کر رہی ہے) وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا (کیونکہ اس کی رحمت کا مقتضا یہی ہوا کہ دنیا میں سب کو مہلت دے، اور جزائے عمل کا فیصلہ قیامت پر اٹھا رکھے) اس میں کوئی شک نہیں- (لیکن اے پیغمبر!) جو لوگ (اپنے ہاتھوں) اپنے کو تباہ کر چکے ہیں، وہ کبھی یقین کرنے والے نہیں-(۱۲)

اور (دیکھو) اسی کے لیے ہے جو کچھ رات (کی اندھیری) اور دن (کے اجالے) میں ٹھہرا ہوا ہے- (کیونکہ وقت انہی دو حالتوں میں بٹا ہوا ہے) اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے!(۱۳)

(اے[2] پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو، کیا (تم چاہتے ہو) میں خدا کو چھوڑ کر جو آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے کسی دوسری ہستی کو کارساز بنا لوں؟ وہ سب کو روزی دیتا ہے، لیکن کوئی نہیں جو اسے روزی دینے والا ہو-

---

[1] رہان فضل و رحمت سے استدلال-

تمام کائنات اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ ایک خالق و صانع ہستی موجود ہے، اور اس نے ضروری ٹھہرا لیا ہے کہ رحمت فرمائے- کیونکہ اگر رحمت کا قانون یہاں نہ ہوتا تو کائنات خلقت میں نہ تو بناؤ اور جمال ہوتا نہ افادہ و فیضان- حالانکہ اس کا کوئی گوشہ نہیں جو اس حقیقت کا ثبوت نہ ہو!

[2] خدا کی ہستی، اس کی وحدانیت، اس کی صفات اور آخرت کی نسبت کہ دین کے بنیادی عقائد ہیں، قرآن کا اسلوب بیان وہ نہیں ہے جو منطقی مقدمات و دلائل کا ہوتا ہے، بلکہ وہ سیدھے سادھے طریقہ پر انسان کے فطری وجدان و ذوق کو مخاطب کرتا اور اس کے معنوی محسوسات کو بیدار کرنا چاہتا ہے- وہ کہتا ہے، ایک خالق و پروردگار ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں موجود ہے- اگر وہ انکار کرتا ہے یا پرستش کی گمراہیوں میں مبتلا ہو گیا ہے-⇦

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ
اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ
شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۫ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ
اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ

تم کہو مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ خدا کے آگے جھکنے والوں میں پہلا جھکنے والا ہوں' اور مجھے کہا گیا ہے کہ ایسا نہ کر کہ مشرکوں میں سے ہو جا! (۱۴) تم کہو' میں کس طرح خدا کی نافرمانی کروں؟ میں تو اس دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جو (آنے والے دنوں میں) بہت بڑا دن ہے! (۱۵) اس دن جس کے سر سے عذاب ٹل گیا تو اس پر خدا نے رحم کیا اور (انسان کے لیے) بڑی سے بڑی کامیابی یہی ہے! (۱۶) اور (اے انسان!) اگر خدا تجھے دکھ پہنچائے' تو اس ٹالنے والا کوئی نہیں ہے مگر اسی کی ذات' اور اگر وہ تجھے بھلائی پہنچائے' تو (اس کا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے؟) وہ ہر بات پر قادر ہے! (۱۷)

اور وہی ہے جو اپنے تمام بندوں پر زور و غلبہ رکھنے والا ہے' اور وہی ہے حکمت رکھنے والا اور آگاہ! (۱۸)

(اے[1] پیغمبر! تم ان سے) پوچھو- کون سی چیز ہے جس کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہوئی؟ تم کہہ دو (اللہ کی گواہی ہے) اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے- اس نے مجھ پر اس قرآن کی وحی کی تا کہ اس کے ذریعہ تمہیں اور جن تک اس کی تعلیم پہنچ جائے' (انکار و بدعملی کے نتیجے سے) متنبہ کروں- (اب کہو تمہارا کہنا کیا ہے؟) کیا تم گواہی دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ دوسرے معبود بھی شریک ہیں؟ (اے پیغمبر!) تم کہو- (اگر تمہاری گواہی یہی ہے تو سن رکھو) میں اس کی گواہی نہیں دیتا- میری گواہی یہ ہے کہ صرف وہی معبود یگانہ ہے- اس کے ساتھ کوئی نہیں اور جو کچھ تم شریک

⇐ تو یہ اس لیے ہے کہ اس کی وجدانی بصیرت پر غفلت طاری ہوگئی- پس چاہیے کہ اسے بیدار کر دیا جائے-

چنانچہ اس مقام پر' نیز دوسرے مقامات میں جس قدر مخاطبات ہیں' انہیں اسی اصل روشنی میں دیکھا جائے-

کون ہے جس نے یہ تمام کارخانۂ ہستی پیدا کیا؟ کون ہے جس کی رحمت کا فیضان ہر طرف پھیلا ہوا ہے؟ کون ہے جو سب کو رزق دیتا ہے مگر خود کسی کا محتاج نہیں؟ تمہاری فطرت کہہ رہی ہے کہ ایک خالق و صانع ہستی کے سوا کوئی نہیں ہے- پھر یہ کیسی گمراہی ہے کہ اس کی طرف سے گردن پھیرے ہوئے ہو؟ اور اسے چھوڑ کر دوسری ہستیوں کے آگے جھک رہے ہو؟

[1] سب سے بڑی گواہی کس کی ہے؟ اللہ کی ہے' جو دعوت حق کو کامیاب کر کے اور معاندوں اور جاحدوں کو ناکامیاب کر کے' سچائی کے حق میں اپنی گوائی کا اعلان کر دیتا ہے!

یہاں خدا کی اس سنت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب کبھی اس کی طرف سے کوئی داعیِ حق آتا ہے' اور لوگ عناد و شرارت کے ساتھ اسے جھٹلاتے اور اس کا مقابلہ کرتے ہیں' تو حق اور باطل میں مقابلہ شروع ہو جاتا ہے- بالآخر حق کامیاب ہوتا ہے اور باطل پرست ناکام و خاسر ہوتے ہیں- یہی اللہ کی گواہی ہے جو اس معاملہ کا فیصلہ کر دیتی ہے-

مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا وقف لازم
اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا ع ۸
يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ㉑ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ㉒ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ㉓ اُنْظُرْ
كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ㉔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ
وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ

ٹھہراتے ہو میں اس سے بیزار ہوں! (پس اب ایک گواہی تمہاری ہوئی - ایک میری - اور فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے) - (۱۹)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (یعنی یہود اور نصاریٰ) وہ حقیقت حال سے بے خبر نہیں ہیں) وہ اس کی سچائی (یعنی پیغمبر اسلام کی سچائی) اسی طرح پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں (کہ کسی طرح کا بھی اس میں شک وشبہ نہیں ہوتا - لیکن) جن لوگوں نے (اپنے ہاتھوں) اپنے کو تباہ کر لیا وہ کبھی یقین کرنے والے نہیں - (۲۰)

اور (دیکھو) اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا کون ہوا جس نے اللہ پر جھوٹ بول کر افترا کیا ہو اور اسی طرح اس سے بھی بڑھ کر کوئی نہ ہوا جو اس کی آیتوں کو جھٹلائے (اور) بلاشبہ جو ظلم کرنے والے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے - (۲۱)

اور (دیکھو) وہ دن (جو آنے والا ہے) اس دن ہم ان سب کو اٹھا کر ایک جگہ جمع کریں گے! پھر جن لوگوں نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے ان سے کہیں گے "بتلاؤ تمہارے (ٹھہرائے ہوئے) شریک کہاں گئے جن کی نسبت تم زعم باطل رکھتے تھے؟" (۲۲) تو اس وقت وہ اس کے سوا کوئی شرارت نہیں کر سکیں گے کہ کہیں - "خدا کی قسم جو پروردگار ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے" (۲۳)

دیکھو کس طرح یہ اپنے اوپر جھوٹ بولنے لگے اور جو کچھ افترا پردازیاں کیا کرتے تھے وہ سب ان سے کھوئی گئیں! (۲۴)

اور[1] (دیکھو) ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو (بظاہر کلام حق) سننے کے لیے تمہاری طرف کان لگاتے ہیں اور (واقعہ یہ ہے کہ) ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ ان تک بات کی سمجھ پہنچتی نہیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے کہ سن نہیں سکتے (یعنی ان کی گمراہی کے جماؤ اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے دل ودماغ کا یہ حال ہو گیا ہے اور ہمارا قانون یہی ہے کہ جو کوئی ضد اور تعصب میں مبتلا ہوتا ہے اس کا حال ایسا ہی ہو جاتا ہے) اگر یہ (سچائی کی) ہر ایک نشانی بھی (جو انسان کے لیے ہو سکتی ہے) دیکھ

---

[1] دنیا میں سچی بات نئی نہیں ہو سکتی - سچائی سے زیادہ یہاں کوئی پرانی بات نہیں - لیکن جو لوگ سچائی سے پھرے ہوئے ہیں انہیں جب سچائی کی باتیں سنائی جائیں تو کہتے ہیں یہ تو وہی پرانی کہانی ہے جو ہمیشہ سنتے آئے ہیں!

عرب میں یہودیوں اور عیسائیوں کی جماعتیں عرصہ سے موجود تھیں - وہ تورات کے قصص وایام سنایا کرتے تھے - جب قرآن نازل ہوا اور اس میں بھی پچھلی قوموں اور رسولوں کی سرگزشتیں آنے لگیں تو مشرکین عرب کہنے لگے یہ تو وہی پچھلی قوموں کی پرانی داستان ہے -

حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡكَ یُجَادِلُوۡنَكَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمۡ
یَنۡهَوۡنَ عَنۡهُ وَیَنۡـَٔوۡنَ عَنۡهُ ۚ وَاِنۡ یُّهۡلِكُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲۶﴾ وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَی
النَّارِ فَقَالُوۡا یٰلَیۡتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۷﴾ بَلۡ بَدَا لَهُمۡ مَّا
كَانُوۡا یُخۡفُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوۡۤا اِنۡ هِیَ
اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِیۡنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ وُقِفُوۡا عَلٰی رَبِّهِمۡ ؕ قَالَ اَلَیۡسَ هٰذَا بِالۡحَقِّ ؕ

لیں، جب بھی یقین کرنے والے نہیں یہاں تک کہ جب یہ تمہارے پاس آتے ہیں اور تم سے جھگڑتے ہیں تو جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ کہنے لگتے ہیں "یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ پچھلوں کی کہانیاں ہیں (جو ہم ہمیشہ سنتے آئے ہیں")-(۲۵)

اور[1] (دیکھو) یہ لوگ قرآن (کے سننے) سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں، اور خود بھی دور بھاگتے ہیں- اور وہ ایسا کر کے کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے، اپنے ہی کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں، اور (شقاوت کی انتہا یہ ہے کہ) اس کا شعور نہیں رکھتے-(۲۶)

اور (اے انسان!) تو تعجب کرے اگر انہیں اس حالت میں دیکھے جب یہ آتش دوزخ کے کنارے کھڑے ہوں گے- اس وقت کہیں گے "اے کاش، ایسا ہو کہ ہم پھر دنیا کی طرف لوٹا دیے جائیں، اور اپنے پروردگار کی آیتیں نہ جھٹلائیں، اور ان میں سے ہو جائیں جو ایمان والے ہیں!" (۲۷) (لیکن ان کی یہ حسرت سچے دل کی حسرت نہ ہوگی) بلکہ (اس لیے ہوگی کہ) جو کچھ یہ پہلے چھپایا کرتے تھے (یعنی دل کا روگ) اس کا بدلہ ان پر نمودار ہو گیا (اور اس سے بچنے کے لیے اظہار ندامت کرنے لگے) اگر یہ (دنیا کی طرف) لوٹا دیے جائیں تو پھر (زندگی کی غفلتوں میں سرشار ہو کر) اسی بات میں پڑ جائیں جس سے انہیں روکا گیا ہے، اور کچھ شک نہیں کہ یہ (اظہار ندامت میں) جھوٹے ہوں گے! (۲۸)

اور انہوں نے کہا- زندگی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں (مر کر) پھر اٹھنا نہیں-(۲۹)

اور (اے انسان!) تو تعجب کرے، اگر انہیں اس حالت میں دیکھے جب یہ (قیامت کے دن) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے- اس وقت خدا ان سے پوچھے گا "(تم مرنے کے بعد اٹھنے سے انکار کرتے تھے- اب کہ مرنے کے بعد

[1] آیت (۲۵) میں فرمایا "ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ بات کی سمجھ پہنچتی نہیں، اور کانوں میں بوجھ کہ سن نہیں سکتے" یہ انسانی گمراہی کی انتہائی حالت ہے- ضد اور تعصب میں آ کر وہ ایسا اندھا بہرا بن جاتا ہے کہ نہ تو کسی بات کی حقیقت سمجھتا ہے، نہ سمجھنے پر آمادہ ہوتا ہے- اسے امر حق سے ایک طرح کی کد ہو جاتی ہے- چنانچہ یہاں آیت (۲۶) میں فرمایا یہ لوگ خود بھی قرآن کے سننے سے بھاگتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں- یعنی معاملہ حق اور ناحق کا نہیں رہا، بلکہ دشمنی اور کد ہو گئی ہے-

آیت (۲۹) میں ان لوگوں کا قول نقل کیا ہے جو آخرت کے قائل نہیں- پھر آیت (۳۲) میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عقل و بصیرت کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتی- کیونکہ دنیا کی زندگی ایسی سریع و فانی ہے، جیسے چار گھڑی کا کھیل تماشا ہو- پھر کیا یہ تمام کارخانۂ ہستی اسی لیے بنایا گیا ہے کہ چند دنوں تک کھیلو کودو اور اس کے بعد سب کچھ ختم ہو جائے؟

دنیا کی زندگی کو لہو و لعب اس لیے کہا کہ اس کی مہلت چشم زدن میں ختم ہو جاتی ہے- نیز اس لیے کہ اگر نتائج و ثمرات عمل کے لیے کوئی دوسری زندگی نہ ہو تو جو کچھ ہے، لہو و لعب سے زیادہ نہیں-

ع ۳ ۹

قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۖ
حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ
ظُهُورِهِمْ ۚ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٣١﴾ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ
يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٣٢﴾ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ ۖ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ
بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ
نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٤﴾ وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ

پھر جی اٹھے ہو بتلاؤ) کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟" یہ کہیں گے "ہاں' ہمیں اپنے پروردگار کی قسم" - اس پر خدا فرمائے گا "تم جو (دنیا میں اس زندگی سے) انکار کرتے رہے ہو' تو اب اس کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھ لو!" (۳۰)

یقیناً وہ لوگ نقصان وتباہی میں پڑے جنہوں نے (مرنے کے بعد) خدا کی ملاقات ہونے کو جھٹلایا - یہاں تک کہ جب (آنے والی) گھڑی اچانک ان پر آ جائے گی (یعنی موت کی گھڑی) تو اس وقت کہیں گے "افسوس اس پر' جو کچھ ہم سے اس بارے میں تقصیر ہوئی!" وہ اس وقت اپنے گناہوں کا بوجھ پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے - (۳۱) سو دیکھو' کیا ہی برا بوجھ ہوا جو یہ (اپنی پیٹھوں پر) لا د رہے ہیں! (۳۲)

اور دنیا کی زندگی تو کچھ نہیں ہے مگر (ایک طرح کا) کھیل اور تماشا - جو متقی ہیں ان کے لیے آخرت ہی کا گھر بہتر ہے - (افسوس تم پر!) کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے؟

(اے پیغمبر[1]!) ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ (انکار وتعصب کی) جیسی کچھ باتیں کہتے ہیں' وہ تمہارے لیے ملال خاطر کا موجب ہوتی ہیں - یہ دراصل تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم جان بوجھ کر اللہ کی آیتوں کو جھٹلا رہے ہیں! (۳۳)

اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ تم سے پہلے بھی خدا کے رسول جھٹلائے گئے سو انہوں نے لوگوں کے جھٹلانے اور دکھ دینے پر صبر کیا (اور اپنے کام میں لگے رہے) یہاں تک کہ (بالآخر) ہماری مدد آ پہنچی اور (یاد رکھو یہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا قانون ہے اور) کوئی نہیں جو اس کی (ٹھہرائی ہوئی) باتوں کو بدل دینے والا ہو - اور رسولوں کی خبروں میں سے بہت سی چیزیں تو تم تک پہنچ ہی چکی ہیں - (۳۴)

اور (اے پیغمبر!) اگر ان لوگوں کی روگردانی تم پر کٹھن گزرتی ہے تو (تم جو کچھ کر سکتے ہو کر دیکھو' یہ کبھی باز آنے والے

---

[1] پیغمبر اسلام سے خطاب موعظت کہ معاندوں کی حق فراموشیوں کی محرومی پر دل گرفتہ نہ ہو - تم داعی حق ہو اور تمہیں مومنوں کی مستعدی اور منکروں کی محرومی' دونوں دیکھنی پڑیں گی' اور تمہیں دونوں باتوں کے لیے تیار رہنا چاہیے - تم جوش دعوت میں چاہتے ہو' سب کو سیدھے رستے پر دیکھ لو' لیکن تمہیں بھولنا نہیں چاہیے کہ ایسا نہیں ہو سکتا - اگر خدا چاہتا تو سب کو دین حق پر جمع کر دیتا' لیکن اس کی مشیت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں اپنی اپنی حالت' اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ ہو - پس لوگوں کے انکار وجحود پر ملول نہ ہو - اپنے کام میں لگے رہو -

تمہاری صدائے حق کا جواب وہ دے سکتے ہیں' جو زندہ ہوں - جن کے دل مردہ ہو چکے انہیں پکارنا بے سود ہے - کوئی دعوت' کوئی دلیل' کوئی نشانی' کوئی اچنبھا مردوں کو زندہ نہیں کر دے سکتا - تم آسمان پر چڑھ جاؤ' یا زمین میں چلے جاؤ' وہ کبھی سچائی قبول کرنے والے نہیں!

إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ
اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ
يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ
يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ
أَمْثَالُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

النصف
وقف غفران وقف منزل عند البعض علی یسمعون

نہیں) اگر تم سے ہو سکے تو زمین کے اندر کوئی سرنگ ڈھونڈھ نکالو یا آسمان میں کوئی سیڑھی مل جائے (تو اس پر چڑھ جاؤ) اور اس طرح انہیں ایک نشانی لا دکھاؤ (لیکن پھر بھی وہ انکار ہی کریں گے) اگر خدا چاہتا تو ان سب کو دین حق پر جمع کر دیتا (اور سب ایک ہی راہ پر ہو جاتے مگر تم دیکھ رہے ہو کہ ایسا نہیں ہوا) پس دیکھو ان میں سے نہ ہو جاؤ جو (حقیقت کا) علم نہیں رکھتے! (۳۵) تمہاری دعوت کا وہی جواب دے سکتے ہیں جو تمہاری پکار سنتے ہیں' لیکن جو مردے ہیں (ان سے جواب کی امید کیوں رکھو؟) انہیں تو اللہ ہی (قبروں سے) اٹھائے گا - پھر اس کے حضور لوٹائے جائیں گے - (۳۶) ور انہوں [1] نے کہا "کیوں اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی اس پر نہیں اتاری گئی؟" (اے پیغمبر!) کہہ دو خدا یقیناً اس پر قادر ہے کہ ایک نشانی اتار دے - لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو (حقیقت حال) نہیں جانتے - (۳۷) اور (دیکھو) زمین میں چلنے والا کوئی حیوان اور ہوا میں پروں سے اڑنے والا کوئی پرند ایسا نہیں جو تمہاری ہی طرح اپنی امتیں نہ رکھتا ہو - (یعنی تمہاری طرح ان میں سے ہر گروہ اپنی اپنی معیشت اور اپنا اپنا سر و سامان کار نہ رکھتا ہو) ہم نے نوشتہ میں کوئی بات بھی فروگزاشت نہیں کی (یعنی کائنات کی ہر مخلوق کے لیے جو کچھ ہونا چاہیے تھا وہ سب کچھ اس کے لیے لکھ دیا - کسی مخلوق کے لیے بھی فروگزاشت نہیں ہوئی) پھر سب (بالآخر) اپنے پروردگار کے حضور جمع کیے جائیں گے (کہ آخری مرجع وہی ہے -) (۳۸) اور (دیکھو) جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں - (تو

[1] جو لوگ نشانیاں مانگتے ہیں' ان کے جواب میں فرمایا خدا یقیناً نشانیاں دکھانے کی قدرت رکھتا ہے اور اس نے نشانیاں دکھلا بھی دی ہیں' لیکن بہت کم ہیں جو انہیں سمجھتے ہوں -

اگر تم نشانیوں کی ڈھونڈھ میں ہو' تو بتلاؤ تمام کائنات خلقت میں جو کچھ موجود ہے' وہ کیا ہے؟ تمام فضائے ہستی جن حیرت انگیز اچنبھوں سے بھری ہوئی ہے' ان کے لیے تمہاری بولی میں کونسا نام ہے؟ یہ سب کچھ اس کی ہستی و صفات کی نشانیاں نہیں ہیں تو اور کیا ہے؟ زمین کے تمام جانوروں کو دیکھو جو تمہارے قدموں کے پاس ہیں - ہوا کے پرندوں کو دیکھو جو تمہارے چاروں طرف اڑ رہے ہیں - کس طرح ہم نے تمہاری ہی طرح ان کی بھی امتیں بنا دی ہیں - ہر امت اپنی پیدائش' اپنی معیشت اور اپنی ضروریات زندگی کے لیے ایک قانون حیات رکھتی ہے - پس جو لوگ علم و بصیرت رکھنے والے ہیں انہیں صحیفۂ فطرت کی نشانیوں کے بعد اور کسی نشانی کی احتیاج نہیں ہو سکتی!

لیکن جن لوگوں نے خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت تاراج کر دی اور گونگے اور بہرے ہو کر تاریکیوں میں گم ہو گئے' تو ان کے لیے کوئی نشانی بھی سودمند نہیں - کیونکہ جو آدمی گونگا اور بہرا ہو اور تاریکی میں کھو گیا' تو اسے کیونکر راہ مل سکتی ہے؟ تم اسے راہ دکھانے کے لیے پکارو تو سنے گا نہیں - خود پکارنا چاہے تو پکار سکتا نہیں - ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اسے جبراً اٹھا کر روشنی میں لے آئے' تو ہدایت ایسی چیز نہیں جو جبراً کسی کے حلق میں ٹھونس دی جائے -

⇦

صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾
قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ
ع ۱۱ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ
اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾
فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا

ان کا حال ایسا ہوگیا ہے، گویا) بہرے گونگے تاریکیوں میں گم ہوں! خدا جس کسی پر چاہے راہ (کامیابی) گم کردے' جسے چاہے کامیابی کی سیدھی راہ پر لگادے (اس نے اس بارے میں جو قانون ٹھہرادیا ہے' تم اسے بدل نہیں سکتے)-(۳۹)

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو' کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر خدا کا عذاب تم پر آجائے' یا (موت کی) آنے والی گھڑی سامنے آکھڑی ہو' تو اس وقت بھی تم خدا کے سوا دوسروں کو پکارو گے؟ (جواب دو) اگر تم سچے ہو! (۴۰)

نہیں' اسی کو پکارو گے- اور اگر وہ چاہے گا' تو تمہاری مصیبت دور کردے گا' اور اس وقت بھول جاؤ گے' جو کچھ تم شرک کرتے رہے تھے! (۴۱)

اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ جو امتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں' ہم نے ان کی طرف (اپنے رسول) بھیجے اور انہیں (اپنے ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق) سختی اور محنت میں گرفتار کیا کہ عجب نہیں (بدعملیوں سے باز آجائیں' اور اللہ کے حضور) عجز و نیاز کریں- (۴۲) پھر (غور کرو) ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو وہ (بدعملیوں سے توبہ کر لیتے اور ہمارے سامنے) گڑگڑاتے؟ اسی لیے کہ ان کے دل سخت پڑ گئے تھے' اور جو کچھ بدعملیاں کررہے تھے' انہیں شیطان نے ان کی نظروں میں خوشنما کر دکھایا تھا- (۴۳)

پھر جب[1] ایسا ہوا کہ جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی' اسے انہوں نے بھلادیا' تو ہم نے (بظاہر) ان پر ہر طرح (کی خوش حالیوں) کے دروازے کھول دیے- یہاں تک کہ (اپنی کامرانیوں پر) خوشیاں منانے لگے- لیکن جب ایسا ہوا تو اچانک (جزائے

⇦ آیت (۴۳) میں فرمایا کہ جب بدعملیوں کے استعداد سے کسی گروہ کے دل سخت پڑ جاتے ہیں' اور برائیاں جم جاتی ہیں' تو کوئی بات بھی اسے توبہ و اصلاح پر آمادہ نہیں کرسکتی-

[1] بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک قوم ظلم اور بدعملی میں مبتلا ہوتی ہے' اس پر بھی ہر طرح کی خوش حالیاں اسے ملتی رہتی ہیں- تب لوگ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں' اور کہتے ہیں' ظلم و بدعملی کے نتائج کیا ہوئے؟ لیکن یہ اس لیے نہیں ہوتا کہ جزائے عمل کا قانون موجود نہیں' بلکہ اس لیے کہ خدا نے ہر چیز کی طرح مفاسد کے نشوونما اور بلوغ کے لیے بھی مقدار و اوقات کا قانون ٹھہرادیا ہے- جب تک وہ وقت نہیں آتا' نتائج ⇦

أَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٥﴾
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ
كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ
يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾
قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ

عمل کا قانون حرکت میں آ گیا اور) ہم نے انہیں پکڑ لیا- پس ناگہاں ناامید ہو کر رہ گئے! تو (دیکھو) اس طرح اس گروہ کی جڑ کاٹ دی گئی جو ظلم کرنے والا تھا' اور تمام ستائشیں اللہ ہی کے لیے ہیں' جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے! (۴۵)

(اے پیغمبر! ان سے) کہو تم نے (کبھی) اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر (یعنی عقلوں پر) مہر لگا دے' تو اس کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں یہ (نعمتیں) واپس دلا سکتا ہے؟ دیکھو ہم کس طرح گوناگوں طریقوں سے بیان کرتے ہیں- پھر بھی یہ لوگ ہیں کہ منہ پھیرے ہوئے ہیں!

(ان سے) کہو تم نے (کبھی) اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر تم پر خدا کا عذاب اچانک آ جائے یا (جتا کر) آشکارا آئے' تو ظالموں کے گروہ کے سوا کونسا گروہ ہو سکتا ہے جو ہلاک کیا جائے گا؟ (پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ظلم و شرارت سے باز نہیں آتے؟) (۴۷)

اور (ہمارا قانون تو یہ ہے کہ) ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر اسی لیے کہ (ایمان و عمل کی برکتوں کی) خوش خبری سنائیں اور (انکار و بدعملی کے نتائج سے) متنبہ کریں- پھر جو کوئی یقین لایا' اور اپنے کو سنوار لیا' تو اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہو گا نہ کسی طرح کی غمگینی- مگر جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں' تو اپنی بدعملیوں کی وجہ سے ضروری ہے کہ ہمارے عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں- (۴۸-۴۹)

(اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے) کہہ دو' میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے غیبی خزانے ہیں' نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب کا جاننے والا ہوں' نہ میرا یہ کہنا ہے کہ میں (انسانیت سے ماورا) فرشتہ ہوں' میری حیثیت تو فقط یہ ہے کہ اسی بات پر چلتا ہوں

⇐ آشکارا نہیں ہوتے- چنانچہ اسی حقیقت کی طرف آیت (۴۴) میں اشارہ کیا ہے- قرآن نے اس حقیقت کو قانون ''امہال'' سے بھی تعبیر کیا ہے- یعنی مہلت اور ڈھیل دینے کا قانون-

ل دین کے بارے میں انسان کی عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے کہ ہمیشہ ماورائے فطرت عجائب و غرائب کا خواہشمند رہتا ہے' اور اس کی عجائب پسند طبیعت اس پر قانع نہیں ہوتی کہ سچائی سادی شکل میں نمایاں ہو جائے- یہی گمراہی ہے جس نے پیروان مذہب کی راہ کو تو ہم پرستیوں کی راہ بنا دیا' اور اسی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اپنے داعیوں کو انسانیت کی سطح سے بلند کر کے الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا-

لیکن قرآن اس لیے آیا تھا کہ اس طرح کی گمراہیوں کی راہ بند کر دے- آیت (۵۰) میں پیغمبر اسلام ﷺ کی حیثیت واضح ⇐

ع ۶ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ
اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ
حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ

جس کی خدا نے مجھ پر وحی کر دی ہے'' (اور اسی کی طرف تمہیں بھی بلاتا ہوں۔ پھر) ان سے پوچھو'' کیا وہ جو اندھا ہے (اور حقیقت کے لیے کوئی علم ویقین نہیں رکھتا) اور جو بینا ہے (کہ حقیقت کی روشنی دیکھ رہا ہے) دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور وفکر نہیں کرتے؟'' (۵۰)

(اے پیغمبر!) تم (ان منکروں کو جو ماننے والے نہیں' چھوڑ دو' اور) ان لوگوں کو وحی الٰہی سنا کر (انکارِ حق کے نتائج سے) متنبہ کرو جو (آخرت کی زندگی پر یقین رکھتے ہیں' اور) اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے حضور لے جائے جائیں اور اس دن اس کے سوا نہ تو کوئی مددگار ہوگا نہ سفارشی۔ عجب نہیں کہ متقی ہو جائیں۔ (۵۱)

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو جو (دعوتِ حق پر ایمان رکھتے ہیں' اور) صبح وشام خدا کے حضور مناجات کرتے اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں' اپنے پاس سے نہ نکالو۔ ان کے کاموں کی جواب دہی تمہارے ذمے نہیں نہ تمہاری جواب دہی ان کے ذمے ہے کہ (اس ڈر سے) نکال دو۔ اگر ایسا کرو گے تو زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

(۵۲) اور (دیکھو!) اسی طرح ہم نے (دنیا میں اختلافِ حالت سے) بعض انسانوں کو بعض انسانوں کے ساتھ آزمایا ہے کہ (جاہ ودولت کا گھمنڈ رکھنے والے غریبوں کو دیکھ کر) کہنے لگیں'' کیا یہی لوگ ہیں جنہیں خدا نے اپنے انعام کے لیے ہم میں سے چن لیا ہے؟'' (یعنی غریب و بے نوا مومنوں کو دیکھ کر از راہِ تحقیر کہیں' کیا یہی ہیں جنہیں ایمان کی دولت ملی ہے؟ لیکن اے گھمنڈ کرنے والو!) کیا خدا (تم سے) بہتر جاننے والا نہیں کہ کون (اس کی نعمت کی) قدر کرنے والے ہیں؟ (۵۳) اور (اے پیغمبر!) جب وہ لوگ تمہارے پاس

⇦ کر دی ہے۔ فرمایا میرا دعویٰ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی وحی نے راہِ حق دکھلا دی ہے۔ خود بھی اسی پر چلتا ہوں' دوسروں کو بھی اسی کی طرف بلاتا ہوں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں ہوں۔

آیت (۵۱) سے (۵۴) تک دعوت واصلاحِ امت کے دو اہم اصول بیان کیے ہیں:

آیت (۵۱) میں فرمایا جن لوگوں کی شقاوت کا یہ حال ہے' ان کی ہدایت کی سعی میں وقت ضائع نہ کرو۔ بلکہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاؤ جن کی ایمانی استعداد ظاہر ہو چکی ہے۔ یہ لوگ کتنے ہی حقیر و ذلیل ہوں' لیکن اگر تربیت یافتہ ہو کر متقی ہو گئے' تو تمہاری دعوت کے لیے یہی نتیجہ کفایت کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلح کو چاہیے اپنی قوتِ اصلاح مستعد طبیعتوں کی تربیت میں صرف کرے اگرچہ تھوڑے اور کمزور ہوں۔ ان لوگوں کے پیچھے وقت ضائع نہ کرے جن میں قبولیت کی استعداد نہیں رہی' اگرچہ بظاہر طاقتور اور بہت سے ہوں۔

ابتدائے اسلام میں زیادہ تر مسکین وغریب ایمان لائے تھے' اور ہمیشہ قبولیتِ حق میں سبقت کرنے والا یہی طبقہ ہوتا ہے۔ روایات سے ⇦

يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ
مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٥٤﴾ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٥٥﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ ع ٦ ٥ ١٢
دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى
بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ
وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ

آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہیں' تو تم (شفقت و مرحمت سے پیش آؤ' اور) کہو "تم پر سلام ہو! تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم ٹھہرالی ہے۔ تم میں سے جو کوئی نادانی سے کوئی برائی کر بیٹھے اور پھر توبہ کرلے اور اپنی حالت سنوار لے تو (خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو) وہ بخشنے والا' رحمت رکھنے والا ہے"۔ (۵۴)

اور (دیکھو) ہم اسی طرح کھول کھول کے اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں' اور اس لیے (بیان کرتے ہیں) تاکہ مجرموں کی راہ نمایاں ہوجائے (اور راست بازوں کی راہ ان کی راہ سے مشتبہ نہ ہو)۔ (۵۵)

(اے پیغمبر! منکرین حق سے) کہو' مجھے اس بات سے روکا گیا ہے کہ میں ان کی بندگی کروں جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔ (نیز) کہو میں کبھی تمہاری نفسانی خواہشوں پر چلنے والا نہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو میں گمراہ ہوچکا' اور ان میں نہ رہا جو راہ پانے والے ہیں۔ (۵۶)

تم کہو۔ بلاشبہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی اور دلیل پر ہوں (یعنی اس نے حقیقت و یقین کی راہ مجھے دکھادی ہے) اور تم نے اسے جھٹلایا ہے (پس اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کیوں اس کا فیصلہ فوراً ظاہر نہیں ہوجاتا' تو) تم جس (فیصلہ) کے لیے جلدی مچا رہے ہو' وہ کچھ میرے اختیار میں تو ہے نہیں۔ حکم تو بس اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہی حق کی باتیں بیان کرتا ہے' اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۵۷)

(اے[1] پیغمبر! تم) کہہ دو' جس بات کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو (یعنی از راہ شرارت کہہ رہے ہو کہ خدا کی طرف سے فیصلہ ہونے والا ہے تو کیوں نہیں ہوچکتا؟ تو) اگر وہ میرے اختیار میں ہوتا' تو مجھ میں اور تم میں کب کا فیصلہ ہوگیا ہوتا (لیکن وہ

⇐ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ میں سے بعض رئیسوں نے جنہیں اپنی دولت و شرافت کا گھمنڈ تھا کہا' ہم چاہتے ہیں تمہاری باتیں سنیں لیکن تمہارے پاس ادنیٰ درجے کے لوگوں کا مجمع رہتا ہے۔ ان کے ساتھ ہم نہیں بیٹھ سکتے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ فرمایا ان مغروروں کے کہنے سے تم ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالو جو خدا پرستی میں سرگرم ہیں اور جن کا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیوی جاہ و حشمت نہیں رکھتے۔

اس کے بعد آیت (۵۴) میں فرمایا۔ اگر اہل ایمان و استعداد سے کچھ بھول چوک ہوجائے تو ان پر سختی نہ کرو بلکہ خدا کی رحمت کا پیام پہنچاؤ اور اس کی مغفرت کی بشارت سے ان کے دلوں کو تسکین دو۔

آیت (۵۷) میں فرمایا "میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی اور دلیل پر ہوں' اسی طرح دوسرے مقامات میں بھی بار بار اس ت پر زور دیا ہے' کہ وحی و نبوت کی راہ دلیل و یقین اور علم و بصیرت کی راہ ہے' اور جو منکر ہیں ان کے پاس شک و گمان کے سوا کچھ نہیں۔ یت (۵۰) میں گزر چکا ہے کہ کیا اندھے اور بینا کا حکم ایک ہوسکتا ہے؟ وہ کہتا ہے' یہاں راہیں دو ہوئیں۔ ایک شک و گمان کی' دوسری ⇐

وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَؕ وَيَعۡلَمُ مَا فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِؕ وَمَا تَسۡقُطُ
مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ
يَتَوَفّٰٮكُمۡ بِالَّيۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبۡعَثُكُمۡ فِيۡهِ لِيُقۡضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّىۚ ثُمَّ اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ
ع ۵/۱۴ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةًؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ
اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا يُفَرِّطُوۡنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ مَوۡلٰٮهُمُ الۡحَـقِّؕ اَلَا لَهُ الۡحُكۡمُ

تو اللہ کے ہاتھ ہے اور اس نے ہر بات کی طرح اس کے لیے بھی خاص وقت ٹھہرا دیا ہے) اور وہ ظلم کرنے والوں کی حالت اچھی طرح جاننے والا ہے (ان سے غافل نہیں)-(۵۸)

اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں (یعنی غیب کے ذخیروں کا مالک ہے) اسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا- جو کچھ خشکی میں ہے اور جو سمندروں میں ہے سب کا وہ علم رکھتا ہے- درختوں سے کوئی پتہ نہیں گرتا اور زمین کے اندر کی اندھیریوں میں کوئی دانہ نہیں پھوٹتا' مگر یہ کہ وہ اسے جانتا ہے- کوئی خشک اور تر پھل نہیں گرتا مگر یہ کہ (علم الٰہی کے) واضح نوشتہ میں مندرج ہے-(۵۹)

اور (دیکھو) وہی ہے' جو رات کے وقت تم پر موت طاری کر دیتا ہے (یعنی سلا دیتا ہے) اور جو کچھ تم نے دن (کی حرکت اور ہشیاری) میں کاوشیں کی تھیں' ان سے بے خبر نہیں ہے- پھر (جب رات بھر سو لیتے ہو' تو) دن کے وقت تمہیں اٹھا کھڑا کرتا ہے' تا کہ (بدستور اپنی کوششوں میں لگ جاؤ' اور زندگی کی) ٹھہرائی ہوئی میعاد پوری ہو جائے- پھر (اس میعاد کے بعد) تم سب خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے' اور جیسے کچھ تمہارے کام رہے ہیں' اس کی حقیقت وہ تمہیں بتا دے گا-(۶۰)

اور وہی اپنے بندوں پر زور اور غلبہ رکھنے والا ہے' اور تم پر حفاظت کرنے والی (قوتیں) بھیجتا ہے- یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے' تو اس کے بھیجے ہوئے (فرشتے) اسے وفات دے دیتے ہیں اور وہ (ہمارے ٹھہرائے ہوئے احکام کی ٹھیک ٹھیک تعمیل کرتے ہیں- اس میں) کسی طرح کا قصور نہیں کرتے -(۶۱) پھر تمام بندے اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں

⇐ یقین و بصیرت کی- جو لوگ خدا اور آخرت کے منکر ہیں' یا پرستش کی گمراہیوں میں پڑ گئے ہیں' ان کے پاس انکار کے لیے کوئی بصیرت نہیں- زیادہ سے زیادہ بات جو وہ کہہ سکتے ہیں' یہی ہے کہ "لاادری" ہم نہیں جانتے - ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں' ہم محسوسات کی سرحد سے آگے نہیں بڑھ سکتے - پس ان کی جگہ شک اور گمان کی ہوئی- لیکن جو انسان اعلان کرتا ہے کہ میں اس بارے میں علم و یقین رکھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ حقیقت حال کیا ہے؟ اس کی جگہ یقین کی جگہ ہے' شک اور گمان کی اس پر پرچھائیں بھی نہیں پڑی- اب سوال یہ ہے کہ تمہیں کس طرف جانا چاہیے؟ اس کی طرف جو زیادہ سے زیادہ یہ جانتا ہے کہ کچھ نہیں جانتا' یا اس کی طرف جس کی پکار کی پہلی بات ہی یہ ہے کہ میرے پاس سرتاسر دلیل و یقین ہے؟ فهل يستوى الاعمى والبصير ؟

اسی آیت میں "استعجال بالعذاب" کا بھی ذکر کیا ہے- یعنی منکرین حق جو خدا کے احکام و سنن سے بے خبر ہیں کہتے ہیں! تم خدا کے جس فیصلہ کا ذکر کرتے ہو اگر سچ مچ کو ہونے والا ہے تو کیوں نہیں ہو چکتا؟ فرمایا' اگر میرے اختیار میں ہوتا تو اسی آن فیصلہ کر دیتا' لیکن وہ تو اللہ کے اختیار میں ہے' اس نے جو قانون مقرر کر دیا ہے اسی کے مطابق اس کا ظہور ہوگا- چنانچہ اپنے وقت پر وہ ظاہر ہوا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کامیابی کس فریق کے لیے ہوئی تھی-

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا
مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ
هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ
بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ
الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ

جوان کا مالک حقیقی ہے- یادرکھو حکم اسی کا حکم ہے اور حساب لینے والوں میں اس سے جلد حساب لینے والا کوئی نہیں- (۶۲)

(اے[1] پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو- وہ کون ہے جو تمہیں بیابانوں اور سمندروں کی اندھیریوں میں نجات دیتا ہے اور جس کی جناب میں آہ وزاری کرتے ہوئے اور کبھی (دل ہی دل میں) پوشیدہ دعائیں مانگتے ہو اور کہتے ہو "اگر خدا ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا دے تو پھر ہم (کبھی اس کی طرف سے غافل نہ ہوں گے اور) ضرور شکر گزار بندے ہو کر رہیں گے؟" (۶۳)

(اے پیغمبر!) تم کہو اللہ ہی ہے جو تمہیں اس بلا سے اور ہر طرح کے دکھ سے نجات دیتا ہے لیکن اس پر بھی تم ہو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو- (۶۴)

(اے پیغمبر!) کہہ دو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر اوپر سے (یعنی فضائے آسمانی سے) کوئی عذاب بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے (یعنی زمین ہی سے) کوئی عذاب اٹھا دے- یا ایسا کرے کہ تم گروہ گروہ ہو کر آپس میں لڑ پڑو اور ایک (گروہ) دوسرے (گروہ) کی شدت کا مزہ چکھے- سو دیکھو! کس طرح ہم گوناگوں طریقوں سے آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں بوجھیں- (۶۵)

اور (اے پیغمبر!) تیری قوم نے اسے جھٹلایا ہے حالانکہ وہ حق ہے (یعنی قرآن کو جھٹلایا ہے اور وہ حق ہے تو ضرور ہے کہ اس کا نتیجہ اس کے آگے آئے- پس) تم کہہ دو (اگر تم جھٹلاتے ہو تو جھٹلاؤ) میں تم پر کچھ نگہبان نہیں ہوں (کہ تمہیں حق کے مان لینے پر مجبور کر دوں) (۶۶) ہر خبر کے لیے ایک ٹھہرایا ہوا وقت ہے (کہ اس وقت اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے) اور قریب ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے گا- (۶۷) اور جب[2] تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں

---

[1] فطرت انسانی کے احوال اور واردات سے استشہاد-

وہ کون ہے جس نے بیابانوں اور سمندروں کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کا سامان کر دیا ہے اور جو تمہاری دعائیں سنتا اور تمہاری آہ وزاریوں کو قبول کر لیتا ہے؟ جب تم مصیبت میں پڑتے ہو تو اسے پکارتے ہو اور کہتے ہو اگر اس مصیبت سے نجات پا جائیں تو پھر ہم شکر گزار بندوں کی سی زندگی بسر کریں گے- لیکن جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اسے بھلا دیتے ہو اور بدستور گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے ہو-

آیت (۶۵) میں فرمایا "یا ایسا ہو کہ تم گروہ گروہ ہو کر آپس میں لڑ پڑو" اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک یہ بھی ایک عذاب ہے کہ کوئی امت ایک طریقہ پر جمع رہنے کی جگہ مختلف گروہ بندیوں میں بٹ جائے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کو اپنی شدت کا مزہ چکھانے لگے- افسوس کہ مسلمان بھی اسی عذاب میں مبتلا ہوئے-

[2] جن لوگوں میں حق کی طلب نہ ہو اور محض اپنی بات کی پچ کرنے کے لیے اور مطالب حق کو رد و کد کا مشغلہ بنانے کے لیے بحث و نزاع ⇦

يَخُوضُونَ فِيٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتَّىٰ يَخُوضُواْ فِي حَدِيثٍ غَيۡرِهِۦۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ ٱلشَّيۡطَٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ
ٱلذِّكۡرَىٰ مَعَ ٱلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝٦٨ وَمَا عَلَى ٱلَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنۡ حِسَابِهِم مِّن شَيۡءٖ وَلَٰكِن ذِكۡرَىٰ لَعَلَّهُمۡ
يَتَّقُونَ ۝٦٩ وَذَرِ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُواْ دِينَهُمۡ لَعِبٗا وَلَهۡوٗا وَغَرَّتۡهُمُ ٱلۡحَيَوٰةُ ٱلدُّنۡيَاۚ وَذَكِّرۡ بِهِۦٓ أَن تُبۡسَلَ نَفۡسُۢ بِمَا
كَسَبَتۡ لَيۡسَ لَهَا مِن دُونِ ٱللَّهِ وَلِيّٞ وَلَا شَفِيعٞ وَإِن تَعۡدِلۡ كُلَّ عَدۡلٖ لَّا يُؤۡخَذۡ مِنۡهَآۗ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ
ع ۱۴ أُبۡسِلُواْ بِمَا كَسَبُواْۖ لَهُمۡ شَرَابٞ مِّنۡ حَمِيمٖ وَعَذَابٌ أَلِيمُۢ بِمَا كَانُواْ يَكۡفُرُونَ ۝٧٠ قُلۡ أَنَدۡعُواْ مِن دُونِ
ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلَىٰٓ أَعۡقَابِنَا بَعۡدَ إِذۡ هَدَىٰنَا ٱللَّهُ كَٱلَّذِي ٱسۡتَهۡوَتۡهُ ٱلشَّيَٰطِينُ فِي ٱلۡأَرۡضِ

(انکار وشرارت سے) کاوشیں کرتے ہیں' تو تم (ان کے ساتھ بحث کرنے میں وقت ضائع نہ کرو اور) ان سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں غور وغوض کرنے لگیں- اور اگر ایسا ہو کہ شیطان تمہیں (یہ بات) بھلا دے (یعنی تم سہو ونسیان میں پڑ کر ان سے بحث ونزاع کرنے لگو) تو چاہیے کہ یاد آ جانے کے بعد ایسے گروہ (کی مجلسوں) میں نہ بیٹھو جو ظلم کرنے والے ہیں- (۶۸) اور جو لوگ پرہیز گاری کی راہ چلنے والے ہیں تو ان پر ایسے لوگوں کی کوئی ذمہ داری نہیں (کہ ان کی فکر میں پڑیں) جو کچھ ان کے ذمے ہے' وہ تو یہ ہے کہ خود نصیحت پکڑیں تاکہ (برائیوں سے) بچیں- (۶۹)

اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا ہے' اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے تو ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور کلام الٰہی کے ذریعے نصیحت کرتے رہو- کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی انسان اپنی بدعملی کی وجہ سے ہلاکت میں چھوڑ دیا جائے- (کیونکہ اگر چھوڑ دیا گیا' تو) اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس کا مددگار ہوگا' یا اس کی شفاعت کر کے اسے بچالے گا- (بدعملیوں کے) جس قدر بدلے بھی ہو سکتے ہیں' اگر وہ سب دے دے تو بھی اس سے نہ لیا جائے (کہ بدعملی کے نتیجہ سے کوئی فدیہ نہیں بچا سکتا) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی بدعملیوں کی وجہ سے ہلاکت میں چھوڑ دیے گئے- ان کے لیے کھولتا ہوا پانی پینے کو ہو گا- اور انکار حق کی جزا میں دردناک عذاب-

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے پوچھو'' کیا تم چاہتے ہو ہم خدا کو چھوڑ کر انہیں پکاریں' جو (ہماری ہی طرح بے بس اور عاجز مخلوق ہیں' نہ تو ہمیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں' نہ نقصان؟ اور باوجودیکہ خدا ہمیں (خدا پرستی کی) سیدھی راہ دکھا چکا ہے' لیکن ہم (گمراہی کی طرف) الٹے پاؤں پھر جائیں؟ اور ہماری مثال اس آدمی کی سی ہو جائے جسے شیطان نے بیابان میں

⇦ کریں' تو راست باز انسان کو چاہیے ان سے کنارہ کش ہو جائے- کیونکہ جدل ونزاع کی راہ ہدایت کی راہ نہیں ہے' اور جدل کرنے والے کبھی ہدایت نہیں پاسکتے- (دیکھو بقرہ: ۲۵۸)

۱ ''مومن'' وحی ونبوت کی ہدایت اور علم ویقین کی روشنی اپنے سامنے رکھتا ہے' اس لیے فلاح وسعادت کی شاہراہ سے کبھی نہیں بھٹک سکتا- لیکن منکر حق کے سامنے کوئی روشنی نہیں- اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی بیابان میں کھویا گیا ہو اور حیران وسرگرداں پھر رہا ہو- کبھی ایک طرف کو دوڑے' کبھی دوسری طرف کو- کوئی معین اور یقینی راہ اس کے سامنے نہ ہو-

ایمان اور کفر کی حقیقت سمجھنے کے لیے اس مثال پر غور کرو- جس قدر غور کرتے جاؤ گے' حقیقت کی وضاحت بڑھتی جائے گی- ⇦

حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٧٢ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ
وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الثلثة
الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝٧٣ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٧٤
وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝٧٥ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ

گمراہ کر دیا ہو- حیران و پریشان پھر رہا ہے اور اس کے ساتھی ہیں جو اسے راہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ تو کدھر کھویا گیا- ادھر آ! (اے پیغمبر!) کہہ دو "خدا کی ہدایت تو وہی الھُدٰی ہے (یعنی ہدایت کی حقیقی راہ جو ہمیشہ سے موجود ہے) اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں کے پروردگار کے آگے سر اطاعت جھکا دیں- (۷۰)

نیز ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کرو اور (ہر حال میں) خدا (کی نافرمانیوں کے نتائج) سے ڈرتے رہو- اور اسی کی طرف (بالآخر) تم سب اکٹھے لے جائے جاؤ گے- (۷۱) اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو علم وحقیقت کے ساتھ پیدا کیا (یعنی مصلحت وحکمت کے ساتھ بنایا) اور (اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ) جس دن وہ کہہ دے "ہو جا" تو (جیسا اس نے چاہا) ویسا ہی ہو جائے- اس کا قول حق ہے (یعنی وہ جو کچھ حکم دیتا ہے علم وحکمت کے ساتھ دیتا ہے)

اور جس دن صور پھونکا جائے گا (قیامت کے برپا ہونے کا اعلان ہوگا) تو اس دن اسی کے لیے پادشاہی ہوگی- وہ غیب اور شہادت کا (یعنی جو کچھ تمہارے لیے محسوس ہے اور جو کچھ غیر محسوس) جاننے والا ہے- اور وہ حکمت رکھنے والا اور آگاہ ہے- (۷۳)

اور[1] (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا "کیا تم (پتھر کے) بتوں کو معبود مانتے ہو؟ میرے نزدیک تو تم اور تمہاری قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہے"- (۷۴) اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت کے جلوے دکھا دیئے تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے- (۷۵) پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا کہ اس پر رات کی اندھیری چھا گئی

⇦ آیت (۷۲) میں "تخلیق بالحق" کی طرف اشارہ کیا ہے- یعنی کائنات خلقت کی تمام باتیں یقین دلاتی ہیں کہ یہ کارخانہ علم وحکمت کے ساتھ بنایا گیا ہے- اور کوئی بنانے والا ہے جو چاہتا تھا کہ ایک منظم مرتب' کامل اور حسن وخوبی رکھنے والا کارخانہ وجود میں آجائے (دیکھو آل عمران: ۱۹۰)

جن چیزوں کو ہم اپنے پانچ حاسوں سے محسوس کر سکتے ہیں وہ ہمارے لیے مشہود ہیں- جنہیں محسوس نہیں کر سکتے وہ پوشیدہ ہیں- قرآن ان کے لیے عالم شہادت اور عالم غیب کا لفظ بولتا ہے-

[1] توحید الٰہی کی حجت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر القا کی گئی' اور جو تمام رسولوں کی دعوت رہی ہے-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظہور ایک ایسے عہد اور ملک میں ہوا جب بابل اور نینوی کی عظیم الشان قومیں اجرام سماویہ کی پرستش میں مبتلا تھیں اور شہر اُور میں زہرہ، چاند اور سورج کے مندر تھے' جہاں صبح وشام پرستاری کے لیے لوگ جمع ہوا کرتے تھے- لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب سلیم پر خدا پرستی کی صداقت کھول دی گئی- خدا نے ان پر اپنی پادشاہت اور کامرانی کے جلوے کچھ اس طرح روشن کر دیے کہ جہل وغفلت کا کوئی پردہ بھی ان کی معرفت میں حائل نہ ہو سکا! یہ حقیقت جب ان پر کھولی گئی' تو علم وبصیرت کی کونسی حجت تھی ⇦

الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَ ۞٧٦ فَلَمَّا رَاَ الۡقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ ۚ فَلَمَّاۤ
اَفَلَ قَالَ لَئِنۡ لَّمۡ يَهۡدِنِىۡ رَبِّىۡ لَاَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّيۡنَ ۞٧٧ فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ هٰذَاۤ
اَكۡبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۞٧٨ اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۞٧٩ وَحَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّىۡ فِى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ

تو اس نے (آسمان پر) ایک ستارہ (چمکتا ہوا) دیکھا- اس نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے" (کہ سب لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں) لیکن جب وہ ڈوب گیا تو کہا "نہیں، میں انہیں پسند نہیں کرتا جو ڈوب جانے والے ہیں" (یعنی طلوع و غروب ہوتے رہتے ہیں) (٧٦) پھر جب ایسا ہوا کہ چاند چمکتا ہوا نکل آیا، تو ابراہیم نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے" لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا، تو کہا "اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھادی ہوتی، تو میں ضرور اسی گروہ میں سے ہو جاتا جو سیدھے راستے سے بھٹک گیا ہے!" (٧٧)

پھر (جب صبح ہوئی) اور سورج چمکتا ہوا طلوع ہوا، تو ابراہیم نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے، یہ سب سے بڑا ہے" لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا، تو اس نے کہا "اے میری قوم! تم جو کچھ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو میں اس سے بیزار ہوں- (٧٨) میں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اسی ہستی کی طرف اپنا رخ کر لیا ہے جو (کسی کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ) آسمان اور زمین کی بنانے والی ہے (اور جس کے حکم اور قانون پر آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات چل رہی ہیں) اور میں ان میں سے نہیں جو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں! (٧٩)

اور (پھر) ابراہیم سے اس کی قوم نے ردوکد کی- ابراہیم نے کہا "کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں ردوکد کرتے ہو؟

⇦ جس نے ان کی رہنمائی کی؟ قرآن نے ایک ایسے پیرایہ بیان میں جو اس کی عجیب و غریب بلاغت کا مظہر ہے یہاں اس کا مرقع ہمارے سامنے کھینچ دیا ہے-

جب شام ہوئی تو زہرہ نمودار ہوئی' اور اپنی ساری درخشانیوں کے ساتھ پردۂ شب سے جھانکنے لگی- حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کا عقیدہ نقل کرتے ہوئے کہا' یہ چمکتا ہوا ستارہ میرا پروردگار ہے کیونکہ اسی کی مورتی کی پوجا کی جاتی ہے- جب کچھ دیر کے بعد وہ ڈوب گیا' تو انہوں نے کہا جو ہستیاں ڈوب جانے والی اور چھپ جانے والی ہیں' میں ان کا پرستار نہیں- کیونکہ جو ہستی اپنے طلوع و غروب میں کسی ٹھہرائے ہوئے قاعدہ و حکم کی پابند ہوئی' تو وہ پروردہ ہوئی- پروردگار نہیں ہو سکتی! پھر پردۂ ظلمت چاک ہوا' اور چاند چمکتا ہوا نکل آیا- وہ بولے "یہ پروردگار ہے-" لیکن وہ بھی نہ ٹک سکا اور غروب ہو گیا- اب صبح ہوئی اور مہر جہانتاب درخشاں ہو گیا- یہ سب سے بڑا ہے کہ اس سے بڑا اجرام سماویہ میں کوئی نہیں- لیکن دیکھو یہ بھی تو کسی کے حکم کے آگے جھکا ہوا ہے- اس کی روشنی کو بھی قرار نہیں۔ پہلے بڑھنے لگی، پھر ڈھلنے لگی، پھر رفتہ رفتہ چھپ گئی! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا نہیں' ان میں سے کوئی بھی پروردگار نہیں ہو سکتا- کیونکہ سب زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہم مختار نہیں' مجبور ہیں- حاکم نہیں' محکوم ہیں- ہم سے بھی ایک بالا ہستی ہے' جس نے ہمیں اپنے حکموں اور قاعدوں کے آگے جھکا رکھا ہے- پس وہ جو ان سب سے بالاتر اور ان سب کا بنانے والا ہے' میں صرف اسی کا ہو رہا- میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں- پھر جب ان کی قوم نے ردوکد کی تو انہوں نے کہا- تم مجھے اپنے معبودان باطل سے نہ ڈراؤ- دیکھو' ہم دو فریق ہیں- ایک میں ہوں کہ انہیں نہیں مانتا' جن کے ماننے کے لیے کوئی دلیل اور روشنی موجود نہیں- ایک تم ہو کہ ان سب کی پرستاری کرتے ہو' جن کی پرستاری کے لیے کوئی دلیل و روشنی موجود نہیں- بتلاؤ' دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی؟ ⇦

مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ
اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ
الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ
لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ
اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾
وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ

وقف لازم ۱۵ع

حالانکہ اس نے مجھے راہ حق دکھادی ہے (اور میں حق کی معرفت کے بعد جہل اور گمراہی اختیار کرنے والا نہیں- باقی رہی یہ بات کہ تم مجھے اپنے معبودان باطل کا ڈر دکھاتے ہو تو یاد رکھو) جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرالیا ہے میں ان سے نہیں ڈرتا- میں جانتا ہوں کہ جب تک میرا پروردگار مجھے نقصان پہنچانا نہ چاہے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا- میرا پروردگار اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے- پھر کیا تم (حقیقت کی اتنی وضاحت پر بھی) نصیحت نہیں پکڑتے؟'' (۸۰)

''اور (دیکھو) میں ان ہستیوں سے کیوں ڈروں جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرالیا ہے جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراؤ جس کے لیے کوئی سند اور دلیل تم پر نہیں اتری؟ بتلاؤ ہم دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی اگر تم علم وبصیرت رکھتے ہو؟'' (۸۱)

جن لوگوں نے خدا کو مانا اور اپنے ماننے کو ظلم سے (یعنی شرک سے) آلودہ نہیں کیا تو ان ہی کے لیے امن ہے اور وہی ٹھیک راستے ہوئے''- (۸۲)

اور (دیکھو) یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر دی تھی- ہم جس کے مرتبے بلند کرنا چاہتے ہیں (اسے علم ودلیل کا عرفان دے کر) بلند کر دیتے ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار حکمت دینے والا علم عطا کرنے والا ہے- (۸۳)

اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور (اسحٰق کا بیٹا) یعقوب دیا- ہم نے ان سب کو سیدھی راہ دکھائی اور ابراہیم سے پہلے نوح کو دکھا چکے تھے- اور ابراہیم کی نسل میں سے داؤد سلیمان ایوب یوسف موسیٰ ہارون کو بھی (یہی راہ دکھلائی) ہم اسی طرح نیک کرداروں کو (ان کی نیک کرداری کا) بدلہ دیتے ہیں- (۸۴)

اور زکریا یحییٰ عیسیٰ اور الیاس کو کہ یہ سب نیک انسانوں میں سے تھے- اور نیز اسمٰعیل الیسع یونس اور لوط کو،

⇐ یہ حقیقت کہ پرستش اسی کی کرنی چاہیے جس کی پرستش کے لیے علم وبصیرت کی شہادت موجود ہو اور بنیاد اس معاملے کی علم وحقیقت ہے نہ کہ رسم وتقلید وہ حجت بالغہ ہے جو اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر کھول دی تھی- یہی بنیادی صداقت ہے جس سے خدا پرستی کی راہ کی تمام روشنیاں ظہور میں آئیں-

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا
قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ
هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ ع ۱۰ / ۸ / ۱۶
قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا

ان سب کو ہم نے دنیا والوں پر برتری دی تھی-(۸۵)اور ان کے آباواجداد اور ان کی نسل' اور ان کے بھائی بندوں میں سے بھی کتنوں ہی کو (ہم نے اسی راہ پر چلایا) ان سب کو ہم نے برگزیدہ کیا تھا' اور (فلاح وسعادت کی) سیدھی راہ ان پر کھول دی تھی-(۸۶) یہ اللہ کی [1] ہدایت ہے- اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کی روشنی دکھا دے- اور اگر یہ لوگ (توحید کی راہ چھوڑ کر) شرک کرتے' تو ان کا سارا کیا دھرا اکارت جاتا-(۸۸)

(اے پیغمبر!) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت (کی نعمت) عطا فرمائی- پھر اگر یہ (مشرکین عرب) اس نعمت سے انکار کرتے ہیں (تو انکار کریں- ان کے انکار سے کچھ بگڑنے والا نہیں) ہم نے اس کی (پیروی وحفاظت) ایک ایسے گروہ کے حوالے کر دی ہے جو (ان لوگوں کی طرح) سچائی سے انکار کرنے والا نہیں ہے (بلکہ اس کا قدر شناس ہے)-(۸۹)

(اے پیغمبر!) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے راہ حق دکھا دی- پس تم بھی انہی کی راہ کی پیروی کرو- تم کہہ دو "میں اس رہنمائی پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا- یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام دنیا کے لیے نصیحت ہے (اور جب نصیحت ہے' تو تم مجھے کتنا ہی دکھ دو میں ادائے فرض سے باز آنے والا نہیں")-(۹۰)

اور [2] (دیکھو) جب ان لوگوں نے کہا "خدا نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری ہے" (یعنی وحی وتنزیل سے انکار کیا) تو خدا کی خدائی کا جو اندازہ کرنا چاہیے' وہ انہوں نے نہیں کیا- (اے پیغمبر!) تم کہو (اگر ایسا ہی ہے تو) کس نے وہ کتاب اتاری جسے موسیٰ لایا تھا؟ (وہ کتاب) جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت ہے' اور جسے تم اوراق کا مجموعہ بنا کر لوگوں کو دکھاتے ہو اور اس کے مطالب واحکام

[1] حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی نسل کی یہ تمام شخصیتیں جن کا ذکر کیا گیا دین حق پر کہ توحید کی راہ ہے' کاربند ہوئے' اور خدا نے انہیں کتاب ونبوت کی برگزیدگی کے لیے چن لیا- پس اے پیغمبر! تم بھی انہی کے نقش قدم پر چلو- عنقریب خدا ایک گروہ سچے مومنوں کا پیدا کر دے گا جو اس راہ کی پیروی وحفاظت اپنے ذمہ لے لے گا اور انکار کرنے کی جگہ سچائی کا شناسا ہوگا- چنانچہ مہاجرین وانصار کا گروہ پیدا ہو گیا جس نے اس راہ کی حفاظت اپنے ذمے لے لی-

[2] یہاں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو وحی وکتاب کے نزول پر تعجب کرتے تھے' اور کہتے تھے' خدا کی طرف سے کوئی کتاب انسان پر نازل نہیں ہو سکتی- یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے- منکرین تنزیل میں دو طرح کے لوگ تھے- پہلا گروہ علمائے اہل کتاب کا تھا- یہ لوگ اگرچہ وحی وتنزیل کے منکر نہ تھے لیکن تعصب اور نفسانیت کی وجہ سے نزول قرآن پر اظہار تعجب کرتے' اور کہتے خدا کا کلام کبھی اس طرح نازل نہیں ہو سکتا- چونکہ عرب میں یہی لوگ پڑھے لکھے اور باخبر سمجھے جاتے تھے اس لیے مشرک بھی ان کی باتوں سے حجت پکڑتے- دوسرا گروہ منکرین وحی ونبوت کا تھا- ⇦

وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩١﴾
وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ
اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ
وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي
اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ

میں سے) بہت سی باتیں پوشیدہ رکھتے ہو؟ نیز (جس کتاب کے ذریعے) تمہیں وہ وہ باتیں سکھائی گئیں جو پہلے نہ تو تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے؟ (اے پیغمبر!) تم کہو''اللہ نے!'' اور پھر انہیں ان کی کاوشوں (اور کج بحثیوں) میں چھوڑ دو کہ (اس بات کا کوئی معقول جواب نہ پا کر اپنی ہرزہ سرائیوں میں) کھیلتے رہیں- (۹۱)

اور (دیکھو) یہ کتاب (قرآن) ہے جسے ہم نے (تورات کی طرح) نازل کیا- برکت والی، اور جو (کتاب) اس سے پہلے (نازل ہو چکی ہے) اس کی تصدیق کرنے والی اور اس لیے نازل کی تاکہ تم ام القریٰ (یعنی شہر مکہ) کے باشندوں کو اور ان کو جو اس کے چاروں طرف بستے ہیں (گمراہیوں کے نتیجوں سے) متنبہ کرو- سو جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور (ایمان لانے کے بعد ایسے ہو گئے ہیں کہ) اپنی نمازوں کی نگہداشت سے غافل نہیں ہوتے- (۹۲)

اور اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا کون ہے جو خدا پر جھوٹ بول کر افترا کرے؟ یا کہے مجھ پر وحی کی گئی ہے اور حقیقت میں اس پر کوئی وحی نہیں آئی؟ اور اس سے بھی جو (خدا کی وحی کا مقابلہ کرے اور) کہے میں بھی ایسی ہی بات اتار دکھاؤں گا جیسی خدا نے اتاری ہے؟ اور (اے پیغمبر!) تم تعجب کرو اگر ظالموں کو اس حالت میں دیکھو جب وہ جانکنی کی بے ہوشیوں میں (بے دم) پڑے ہوں گے اور فرشتے (ان کی جان نکالنے کے لیے) ہاتھ بڑھائے ہوں گے کہ ''اپنی جانیں (اپنے جسم سے) نکال باہر کرو- آج کا دن وہ دن ہے کہ جو کچھ خدا پر تہمتیں باندھتے تھے اور اس کی آیتوں کی تصدیق سے گھمنڈ کرتے تھے اس کی پاداش میں تمہیں رسوا کرنے والا عذاب دیا جائے-'' (۹۳)

اور (پھر خدا فرمائے گا) ''دیکھو بالآخر تم ہمارے حضور اکیلی جان آ گئے جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا گیا تھا اور جو کچھ (ساز و سامان) تمہیں (دنیا میں) دیا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے- (آج) ہم تمہارے ساتھ ان ہستیوں کو نہیں دیکھتے

⇦ پس یہاں پہلے علمائے اہل کتاب کو الزامی جواب دیا ہے- اگر خدا اپنا کلام نازل نہیں کرتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کس نے تورات نازل کی تھی جسے اوراق و صحائف میں لکھتے رہتے ہو اور جس کی صورت لوگوں پر ظاہر کرتے ہو- لیکن جس کے احکام ہوائے نفس سے چھپاتے ہو؟

پھر فرمایا یہ کلام حق جو نازل ہوا ہے باشندگان مکہ کو برائیوں سے روکتا ہے نیکیوں کی دعوت دیتا ہے اور اپنی دعوت سے اس نے ایسی جماعت پیدا کر دی ہے جو عبادت الٰہی میں ثابت قدم ہے- کیا ممکن ہے کہ جو انسان ایک ایسے مبارک کلام کا حامل ہو وہ اللہ پر افترا کرنے والا ہو جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گنہگاری کا کام نہیں ہو سکتا؟ اس کے بعد آیت (۹۵) سے (۹۹) تک منکرین تنزیل کو حقیقی جواب دیا گیا ہے-

مَا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ
لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٩٤﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۚ يُخْرِجُ ع
الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ
وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ
جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾

جنہیں تم نے شفاعت کا وسیلہ سمجھا تھا' اور جن کی نسبت تمہارا زعم تھا کہ تمہارے کاموں میں وہ خدا کے شریک ہیں- تمہارے (اعتماد باطل کے) سارے رشتے ٹوٹ گئے- جو کچھ تم زعم رکھتے تھے' سب کے سب تم سے کھوئے گئے"- (۹۴)

(دیکھو) ¹یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ وہ (بیج کے) دانے اور گٹھلی کو (جو زمین میں ڈال دی جاتی ہے یا خود بخود گر جاتی ہے) شق کر دیتا ہے (اور ایک خشک دانے سے زندہ اور پھلنے پھولنے والا درخت پیدا ہو جاتا ہے) وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے' اور وہی ہے جو مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے- وہی (پروردگار حکیم) خدا ہے- پھر (افسوس تمہاری سمجھ پر!) تم کدھر کو بہکے جا رہے ہو؟ (۹۵) رات کا پردہ چاک کر کے صبح نمودار کرنے والا' (اور رات کی اندھیری کو دن کے اجالے میں بدل دینے والا) اس نے رات کو (تمہارے لیے) راحت و سکون کا سامان بنا دیا اور سورج اور چاند (کے طلوع و غروب کا ایسا ڈھنگ رکھا کہ) حساب کا معیار بن گئے (ممکن نہیں ایک پل کے لیے بھی کمی بیشی ہو جائے) یہ اس کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے جو سب پر غالب ہے اور علم رکھنے والا ہے- (۹۶) اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنا دیے کہ بیابانوں اور سمندروں کی اندھیریوں میں ان کی علامتوں سے راہ پالو- بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں اپنی (ربوبیت و رحمت کی) نشانیاں کھول کھول کے بیان کر دی ہیں- (۹۷)

---

¹ منکرین وحی و تنزیل کا حقیقی جواب-

ان کا انکار نقل کرتے ہوئے آیت (۹۱) میں فرمایا تھا "خدا کی خدائی کا جو اندازہ کرنا چاہیے تھا' انہوں نے نہیں کیا" یعنی خدا کے صفات و اعمال کی انہیں معرفت ہوتی تو کبھی ایسا خیال نہ کرتے - یہ مجمل جواب تھا - اب یہاں اس کی تشریح کر دی ہے-- جس پروردگار عالم کی ربوبیت و رحمت کا یہ حال ہے کہ اس نے تمہاری زندگی و معیشت کے لیے ہر طرح کا سروسامان مہیا کر دیا اور کارخانۂ خلقت کی کوئی چیز نہیں جو فیضان و افادہ نہ رکھتی ہو' کیسے ممکن تھا کہ تمہارے جسم کی ہدایت و پرورش کے لیے تو سب کچھ کر دیتا' مگر تمہاری روح کی ہدایت و پرورش کے لیے کچھ بھی نہ کرتا؟

روح کی ہدایت و پرورش کا یہی سروسامان ہے جو وحی و تنزیل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے-- اگر تم کہتے ہو کہ ایسا ہونا ضروری نہیں تو یقیناً تم نے خدا کی صنعتوں اور کاموں کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی' اور اسے اس منزلت سے گرا دینا چاہا جس کی تمام کائنات ہستی شہادت دے رہی ہے- وہ' جو زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے' کیا تمہاری روح کی موت کو زندگی سے نہیں بدل دے گا؟ وہ جو ستاروں کی روشن علامتوں سے بیابانوں اور سمندروں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے' کیا تمہاری روح کو چھوڑ دے گا کہ بھٹکتی رہے اور اس کی رہنمائی کے لیے کوئی روشنی نہ ہو؟ تم اس بات پر تو کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ کھیت لہلہا رہے ہیں اور آسمان سے باران رحمت برس رہی ہے- پھر اس پر کیوں متعجب ہوتے ہو کہ انسان کی روحانی پرورش کے لیے سامان زندگی مہیا ہے' اور خدا کی وحی نازل ہو رہی ہے؟ افسوس تم پر' تم نے ایسا سمجھ کر خدا کی رحمت و ربوبیت کی بڑی ہی ناقدری کی-

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ
خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ
وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ
عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ ع ۱۲ / ۱۸

اور (پھر دیکھو) وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے نشوونما دی- پھر تمہارے لیے قرار پانے کی جگہ ہے (یعنی شکم مادر) اور سپردگی کا مقام ہے (یعنی مرنے کی جگہ) بلاشبہ جو لوگ بات کی سمجھ بوجھ رکھنے والے ہیں' ان کے لیے ہم نے اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں- (۹۸) اور (دیکھو) وہی ہے جو آسمان سے (یعنی بلندی سے) پانی برساتا ہے- پھر اس سے ہر طرح کی روئیدگی پیدا کر دیتا ہے- پھر روئیدگی سے ہری ہری ٹہنیاں نکل آتی ہیں' اور ٹہنیوں سے دانے نمودار ہو جاتے ہیں- ایک دانے سے دوسرا دانہ ملا ہوا- اور (اسی طرح) کھجور کے درخت سے (بھی پھل پیدا ہو جاتے ہیں) جس کی شاخوں میں گچھے جھکے پڑتے ہیں- اور (اسی طرح) انگور' زیتون' اور انار کے باغ پیدا کیے- صورت شکل میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے' اور ایک دوسرے سے الگ الگ- ان کے پھلوں کو دیکھو' جب درخت پھل لاتا ہے (کہ کیسے عجیب و غریب طریقے سے ٹہنیوں اور جڑوں میں سے نکلتے ہیں' اور پھر ایک مقررہ انتظام کے ساتھ درجہ بدرجہ بڑھتے اور پختگی سے قریب ہوتے جاتے ہیں؟) اور پھر ان کے پکنے کو دیکھو (کہ پکنے کے بعد اپنے جرم' اپنی رنگت' اپنی خوشبو اور اپنے مزے میں کیسی عجیب نوعیت پیدا کر لیتے ہیں؟) بلاشبہ جو لوگ یقین رکھتے ہیں' ان کے لیے اس بات میں (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں- (۹۹) اور (دیکھو[1]) ان لوگوں نے خدا کے ساتھ جنوں کو (طاقت و تصرف میں) شریک ٹھہرالیا ہے' حالانکہ (یہ مانتے ہیں کہ تمام مخلوقات کی طرح) انہیں بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے- اور انہوں نے بغیر اس کے کہ علم کی کوئی روشنی اپنے سامنے رکھتے ہوں' خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں بھی تراش لی ہیں- خدا کی پاکی ہو! اس کی ذات تو ان تمام باتوں سے پاک اور بلند ہے جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں- (۱۰۰) وہ آسمانوں کا اور زمین کا موجد ہے (یعنی بغیر کسی سابق مثال کے محض اپنے علم و قدرت سے بنانے والا ہے) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو جبکہ کوئی اس کی بیوی نہیں-

---

[1] پچھلی آیتوں میں ایک طرف تو منکرین وحی و تنزیل کو جواب دیا ہے' دوسری طرف کارخانہ ہستی کے "نظام ربوبیت" سے خدائے واحد کی ہستی پر استدلال کیا ہے' اور یہ قرآن کا عام اسلوب بیان ہے- "نظام ربوبیت" سے مقصود یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں' تمام کائنات خلقت ہماری پرورش و کارسازی میں سرگرم ہے' اور اس کی تمام باتیں کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کسی نے بڑی ہی حکمت اور دقیقہ سنجی کے ساتھ ہماری ہر طرح کی احتیاجات پرورش کا اندازہ کر لیا اور اس کے لیے ایک پورا کارخانہ جاری کر دیا ہے- قرآن کہتا ہے' اگر ایک پروردگار ہستی موجود نہیں تو پھر وہ کون ہے' جس نے ربوبیت کا یہ پورا نظام قائم کر رکھا ہے؟ وہ توحید پر بھی اسی سے استدلال کرتا ہے- تم نے خدا کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو معبود بنا رکھا ہے ان میں سے کون ہے جسے اس کارخانہ ربوبیت کے بنانے یا چلانے میں کچھ بھی دخل ہو؟

قرآن کا یہ استدلال "برہان ربوبیت" کا استدلال ہے-

⇦

صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ
فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٠٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ
الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾ قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ
بِحَفِيظٍ ﴿١٠٤﴾ وَكَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٥﴾ اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ
إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا ۗ وَمَا جَعَلْنَاكَ

اسی نے تمام چیزیں پیدا کیں' اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے؟ (۱۰۱) یہی خدا تمہارا پروردگار ہے- کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی- تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا- سو دیکھو! اسی کی بندگی کرو- ہر چیز اسی کے حوالے ہے- (۱۰۲)

اسے نگاہیں نہیں پا سکتیں' لیکن وہ تمام نگاہوں کو پا رہا ہے- وہ بڑا ہی باریک بیں اور آگاہ ہے- (۱۰۳)

(دیکھو) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس علم و دلیل کی روشنیاں آ چکی ہیں (جہل و نادانی کا اب کوئی عذر باقی نہیں رہا) پس اب جو کوئی دیکھے اور سمجھے' تو (اس کا فائدہ) خود اسی کے لیے ہے' اور جو کوئی (اپنی آنکھوں سے کام نہ لے اور اندھا ہو جائے' تو اس کا وبال اسی کے سر آئے گا، اور (اے پیغمبر! تم کہہ دو) میں تم پر کچھ پاسبان نہیں ہوں (کہ جبراً تمہاری آنکھیں کھول دوں)- (۱۰۴) اور (دیکھو) اسی طرح ہم گوناگوں طریقوں سے آیتیں بیان کرتے ہیں (تاکہ حجت تمام ہو جائے) اور تاکہ وہ بول اٹھیں' تم نے (بیان حق میں کوئی کمی نہیں کی- سب کچھ) پڑھ سنایا- نیز اس لیے کہ جو لوگ جاننے والے ہیں ان کے لیے (دلائل حق) روشن کر دیں- (۱۰۵)

(اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تم پر وحی کی گئی ہے' تم اس کی پیروی کرو کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف اسی کی ذات، اور مشرکوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو- (۱۰۶)

اور[1] اللہ اگر چاہتا' تو (اس کی قدرت رکھتا تھا کہ انسان کو اس طرح کا بنا دیتا کہ سب ایک ہی راہ چلنے والے ہوتے' اور) یہ لوگ شرک نہ کرتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی مشیت کا یہی فیصلہ ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور رائے اپنی اپنی راہ رکھے- پس تم جو کچھ کر سکتے ہو' یہی ہے کہ سچائی کی راہ دکھا دو- انہیں جبراً اپنی راہ پر چلا نہیں دے سکتے) ہم نے تمہیں نہ تو

⇦ آیت (۱۰۰) میں مشرکین عرب کے عقائد کا رد کیا ہے- یہ لوگ جنوں کی نسبت طرح طرح کے توہم پرستانہ خیالات رکھتے تھے اور سمجھتے تھے وہ جس انسان کو چاہیں مافوق الفطرت طریقہ پر نقصان پہنچا دیں' جسے چاہیں عجیب عجیب طاقتیں دے دیں' نیز ان کا خیال تھا کہ پاک روحیں یعنی فرشتے خدا کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں اور وہ کارخانہ عالم میں طرح طرح کے تصرفات کر سکتے ہیں-

[1] یہاں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دنیا میں اختلاف فکر و عمل ناگزیر ہے' اور تم تمام انسانوں کو ایک ہی فکر و رائے کا نہیں بنا دے سکتے- پس جس بات کو تم حق سمجھتے ہو' اس کی دعوت دو' لیکن اس کی کد نہ کرو کہ سب لوگ تمہاری بات ضرور ہی مان لیں- جن کی سمجھ میں آئے گی' مانیں گے- جن کی سمجھ میں نہیں آئے گی' نہیں مانیں گے- تم لوگوں پر پاسبان نہیں بنا دیے گئے ہو کہ ان کے ہر فکر و عمل کی پاسبانی کرو- نہ تم میں سے کسی پر اس کی ذمہ داری ہے کہ دوسرے کو ضرور ہی نیک بنا دے-

اگر خدا چاہتا تو انسان کو بھی حیوانات کی طرح بنا دیتا کہ سب اپنی حالت میں ایک ہی طرح کے ہوتے' لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس ⇦

عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۚ وَمَآ أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿١٠٧﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ
فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ
فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَآءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ
قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَآ إِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَ
أَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِۦٓ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١٠﴾ ع ١٣ / ١٩ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَآ
إِلَيْهِمُ الْمَلَٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوٓا إِلَّآ أَن
يَشَآءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿١١١﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ

ان پر پاسبان بنایا ہے (کہ ان کی رائے اور عمل کی نگہبانی کرو) نہ تمہارے حوالے ان کی ذمہ داری ہے (کہ ان کے نہ ماننے کے لیے اپنے کو ذمہ دار سمجھو)-(۱۰۷) اور (مسلمانو!) جو لوگ خدا کے سوا دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں' تم ان کے معبودوں کو گالیاں نہ دو کہ پھر وہ بھی حد سے متجاوز ہو کر بے سمجھے خدا کو برا بھلا کہنے لگیں- ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کے کاموں کو خوشنما بنا دیا ہے' (کہ ہر قوم اپنی راہ رکھتی ہے اور اپنی ہی راہ اسے اچھی دکھائی دیتی ہے) پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے- اس وقت وہ ان سب پر ان کے کاموں کی حقیقت کھول دے گا جو وہ (دنیا میں) کرتے رہے ہیں-(۱۰۸)

اور یہ (منکرین حق) خدا کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں ''اگر کوئی نشانی ان کے سامنے آ جائے' تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے'' (اے پیغمبر!) تم کہہ دو ''نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں'' (کسی بندے کے اختیار میں نہیں) اور (مسلمانو!) تمہیں (ان لوگوں کا حال) کیا معلوم؟ اگر نشانیاں آ بھی جائیں' جب بھی یہ یقین کرنے والے نہیں-(۱۰۹)

ہم ان کے دلوں کو اور آنکھوں کو الٹ دیں (یعنی ہمارے ٹھہرائے ہوئے قانون کے بموجب ان کی سمجھ اور ان کی نظر کام نہ دے- یہ نشانیاں دیکھ کر بھی اسی طرح انکار کیے جائیں) جس طرح پہلی دفعہ قرآن سے انکار کیا- اور ہم انہیں چھوڑ دیں کہ اپنی سرکشیوں میں بھٹکتے رہیں-(۱۱۰) اور (یقین کرو) اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیتے اور (قبروں سے) مردے (اٹھ کر) ان سے باتیں کرنے لگتے' اور جتنی چیزیں بھی (دنیا میں) ہیں' سب ان کے سامنے لا کھڑی کرتے' جب بھی یہ ایسا کرنے والے نہیں کہ ایمان لے آئیں، الا یہ کہ اللہ ہی کی مشیت ہو- لیکن ان میں اکثر ایسے ہیں جو (یہ حقیقت) نہیں جانتے-(۱۱۱)

اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے (جب اس کی دعوت کا ظہور ہوا) انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں

⇐ نے ایسا نہیں چاہا- اس نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی کہ ہر گروہ اپنی اپنی سمجھ' اپنی اپنی رائے اور اپنی اپنی پسند رکھتا ہے' اور ہر گروہ کی نظر میں وہی کام اچھا ہے جو وہ کر رہا ہے- تمہاری نظروں میں اس کی راہ کتنی ہی بری ہو لیکن اس کی نظروں میں تو وہ ویسی ہی اچھی ہے جیسی تمہاری نظروں میں تمہاری راہ- پس ضروری ہے کہ اس بارے میں برداشت اور رواداری سے کام لو- اس کے بعد فرمایا' جو لوگ شرک و بت پرستی میں مبتلا ہیں تم انہیں دعوت حق دو مگر برا بھلا نہ کہو- اگر تم ان بتوں کو برا بھلا کہو گے تو وہ بھی خدا کو برا بھلا کہیں گے- نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم انہیں گالیاں دو گے' وہ تمہیں دیں گے- طلب حق کی بات نہیں رہے گی- آپس میں گالی گلوچ کرنا ہوگا-

يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١١٢﴾
وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ ﴿١١٣﴾ أَفَغَيْرَ اللَّهِ
أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ
رَبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ

کو دشمن ٹھہرا دیا‘ جو آپس میں ایک دوسرے کو دکھاوے کی خوشنما باتیں سکھاتے‘ تاکہ لوگوں کو فریب دیں- اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا‘ تو (یقیناً ایسا کر سکتا تھا کہ) وہ دشمنی نہ کرتے (مگر اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں روشنی کے ساتھ تاریکی اور حق کے ساتھ باطل بھی اپنی نمود رکھے) پس (ان کی مخالفت سے دل گرفتہ نہ ہو اور) انہیں ان کی افترا پردازیوں میں چھوڑ دو- (۱۱۲)

اور (خدا کے نبیوں کے یہ دشمن اس طرح کی باتیں اس لیے سکھاتے ہیں) تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل (پرفریب باتیں سن کر) ان کی طرف جھک پڑیں‘ اور ان کی باتیں پسند کریں‘ اور جیسی کچھ بدکرداریاں وہ خود کرتے رہتے ہیں‘ ویسی ہی وہ بھی کرنے لگیں- (۱۱۳)

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو) کیا (تم یہ چاہتے ہو کہ) میں (اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کے لیے) خدا کے سوا کوئی دوسرا منصف ڈھونڈوں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تم پر الکتاب نازل کر دی جو کھول کھول کے (باتیں) بیان کرنے والی ہے-

اور (دیکھو) جن لوگوں کو (تم سے پہلے) ہم نے کتاب دی ہے (یعنی یہود اور نصاریٰ) وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ نازل ہوا ہے- پس ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو (فیصلہ الٰہی کے بارے میں) شک کرنے والے ہیں- (۱۱۴)

اور (یاد رکھو) تمہارے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ (پوری ہو کر رہے گی- یوں سمجھو کہ) پوری ہو گئی- اس کی باتوں کا (یعنی اس کے قانونوں کا) کوئی بدلنے والا نہیں- وہ (سب کچھ) سننے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے- (۱۱۵)

اور[۱] (اے پیغمبر!) اگر تم ان لوگوں کا کہا مانو جو آج روئے زمین میں سب سے زیادہ ہیں‘ تو وہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا دیں (کیونکہ وہ سب کے سب بھٹکے ہوئے ہیں) وہ پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی- وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں

---

۱ اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ حق و باطل کے معاملے میں انسانوں کی قلت و کثرت معیار نہیں ہو سکتی‘ بلکہ حقیقت اور سچائی کے بنیادی اصولوں ہی پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے- بسا اوقات گمراہی و حق فراموشی کے ایسے اوقات آ جاتے ہیں کہ نوع انسانی کی اکثریت حق و یقین کی روشنی سے محروم ہو جاتی ہے- ایسا ہی دور نزول قرآن کے وقت بھی دنیا پر چھایا ہوا تھا- پس فرمایا گمراہوں کی کثرت نہ دیکھو- ⇦

هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾
فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ
اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ
بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ
عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ

کہ شک اور گمان میں قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں-(۱۱۶) بلاشبہ تمہارا پروردگار ہی اس بات کو بہتر جاننے والا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک رہا ہے اور کون ہیں جنہوں نے راہ پالی-(۱۱۷)

پس (گمراہوں کے وہم و گمان کی پیروی نہ کرو اور) جس (جانور) پر (ذبح کرتے ہوئے) خدا کا نام لیا گیا ہے اسے بلاتامل کھاؤ-اگر تم خدا کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو-(۱۱۸)

اور تمہارے لیے کون سی بات روکنے والی ہے کہ جس (جانور) پر (ذبح کرتے ہوئے) خدا کا نام لیا گیا ہے اسے نہ کھاؤ' (اور مشرکوں کے اوہام و خرافات کا اثر قبول کرو؟) حالانکہ جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے وہ خدا نے کھول کے بیان کر دیا ہے-ہاں حالت کی مجبوری تمہیں جو کچھ کھلا دے وہ اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی حلال چیز میسر نہ ہو اور جان بچانے کے لیے حرام چیز کھالو تو اس کی تمہیں اجازت دے دی گئی ہے) اور بہت سے لوگ ہیں جو بغیر علم کے محض اپنی نفسانی خواہشوں سے (طرح طرح کی باتیں نکال کر) لوگوں کو بہکاتے رہتے ہیں-(تو اے پیغمبر! یقین رکھو) تمہارا پروردگار انہیں اچھی طرح جانتا ہے جو (حد سے گزر کر) زیادتی کرنے والے ہیں-(۱۱۹)

اور (دیکھو) ظاہری گناہ ہو یا چھپا گناہ ہو' ہر حال میں گناہ کی باتیں ترک کر دو-جو لوگ گناہ کماتے ہیں' وہ (انسانوں کی نگاہ سے کتنا ہی چھپ کر کریں' لیکن) جو کچھ کرتے رہے ہیں' ضرور اس کا بدلہ پائیں گے-(۱۲۰) اور جس[۱] جانور پر (ذبح کرتے ہوئے) خدا کا نام نہیں لیا گیا ہے' اس کا گوشت نہ کھاؤ-اس میں سے کھانا البتہ نافرمانی کی بات ہوگی-اور (دیکھو) شیطان تو اپنے ساتھیوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ تم سے کج بحثی کریں-اگر تم نے ان کا کہا مان لیا' تو پھر سمجھ رکھو

⇦ یہ دیکھو کہ کون سی راہ یقین اور بصیرت کی راہ ہے' اور کون سی جہل و گمان کی راہ ہے-اس کے بعد مشرکین عرب کے ان خیالات کا رد کیا ہے جن کے لیے ان کے پاس اوہام و خرافات کے سوا علم و بصیرت کی کوئی روشنی نہ تھی-وہ کہتے تھے جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا ہے' وہ مقدس ہو گئے اور اگر ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے' تو بتوں کی نیاز چڑھایا ہوا جانور جو مختلف طریقوں سے مارا جاتا ہے' کیوں حلال نہیں؟

[۱] مشرکین مکہ میں سے بعض اشخاص جو مخالفت میں پیش پیش تھے' احکام الٰہی کے خلاف کج بحثیاں کرتے' اور طرح طرح کے شبہات پیدا کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے-مثلاً جب ذبح کرنے کا حکم دیا گیا' تو وہ کہنے لگے اگر تمہارا مارا ہوا جانور حلال ہے تو خدا کا مارا ہوا جانور (یعنی مردار) کیوں حرام ہو گیا؟ یہاں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جدل و نزاع کرنے والوں کی راہ طلب حق کی راہ نہیں ہے-شریعت نے جس چیز سے روکا اس میں حکمتیں ہیں' اور چونکہ ہر سمجھ مصالح اور حکم کا ادراک نہیں کر سکتی ⇦

ع ۱۴ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ
لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ
مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ
نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا
صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ

تم بھی شرک کرنے والے ہوئے! (۱۲۱) پھر کیا وہ آدمی کہ مردہ تھا اور ہم نے اسے زندہ کر دیا' اور اس کے لیے نور ٹھہرا دیا کہ اس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان (بے کھٹکے) چلے پھرے' اس آدمی جیسا ہو سکتا ہے' جس کا حال یہ ہو کہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہے اور ان سے باہر نکلنے والا نہیں؟ (کبھی نہیں! سو دیکھو جس طرح ایک شخص باوجود اندھیروں میں گھرے ہونے کے اپنی حالت پر قانع ہو جاتا ہے) اسی طرح کافروں کی نظروں میں وہی باتیں خوش نما دکھائی دیتی ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں- (۱۲۲)

اور (دیکھو' جس طرح آج مکہ کے رئیس دعوت حق کی مخالفت میں سرگرم ہیں) اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بدکردار آدمیوں کے سردار بنا دیے' تا کہ وہاں مکر و فریب کے جال پھیلائیں- (یعنی ہمارے ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق جمعیت بشری کی حالت ایسی واقع ہوئی ہے) اور فی الحقیقت وہ مکر و فریب نہیں کرتے مگر اپنے ہی ساتھ' لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے- (۱۲۳)

اور جب ان کے پاس (سچائی کی) نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم کبھی یقین کرنے والے نہیں جب تک ہمیں ویسی ہی بات نہ ملے جیسی اللہ کے رسولوں کو مل چکی ہے- (حالانکہ) اللہ ہی اس بات کو بہتر جاننے والا ہے' کہ کہاں اور کس طرح اپنی پیغمبری ٹھہرائے- جو لوگ (انکار حق کے) جرم کے مرتکب ہوئے عنقریب انہیں خدا کے حضور ذلت و حقارت ملے گی- اور جیسی کچھ مکاریاں کرتے رہے ہیں' اس کی پاداش میں سخت عذاب- (۱۲۴)

پس جس کسی کو خدا چاہتا ہے (سعادت و کامرانی کی) راہ کھا دے' اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول

⇐ اس لیے چاہیے کہ راست بازی کے ساتھ اطاعت کی جائے کج بحثیاں نہ کی جائیں-

پھر آیت (۱۲۲) میں ایمان و کفر کی مثال بیان کی- ایمان زندگی ہے اور علم و بصیرت کی روشنی ہے- کفر موت ہے اور اوہام و ظنون کی تاریکی- پھر کیا وہ آدمی جس کے سامنے روشنی ہو' اس جیسا ہو جا سکتا ہے جس کے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہو؟ پس مومن کے لیے جس کے تمام عقائد و اعمال علم و یقین پر مبنی ہیں' کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ کفر و شرک کے اوہام و خرافات کا اثر قبول کرے؟

آیت (۱۲۳) میں فرمایا' جب کسی آبادی میں کوئی داعی حق کھڑا ہوتا ہے تو وہاں کے سردار محسوس کرتے ہیں کہ اگر دعوت حق کامیاب ہو گئی تو ان کے ظالمانہ اختیارات کا خاتمہ ہو جائے گا' اس لیے انہیں ایک طرح کی ذاتی دشمنی اور کد ہو جاتی ہے- وہ طرح طرح کی مکاریاں کرتے رہتے ہیں تا کہ لوگ دعوت حق قبول نہ کریں-

از اں جملہ سرداران مکہ کی ایک مکاری یہ تھی کہ کہتے معجزے دکھاؤ- چنانچہ بار بار ان کے اس حیلہ کا رد کیا گیا- آیت (۱۲۵) میں گمراہی کے جماؤ کی وہ حالت بتلائی جب آدمی کی سمجھ ایسی ٹیڑھی پڑ جاتی ہے کہ کتنا ہی سوچے سیدھی بات سمجھ میں آتی نہیں- فرمایا' ایسے آدمی کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بلندی پر چڑھنا چاہے اور اس کا دم پھول جائے- کتنی ہی چڑھنے کی کوشش کرے لیکن اس کے قدم اٹھ نہیں سکیں گے-

لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ
اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهَٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِندَ رَبِّهِمْ ۖ وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ
جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ ۖ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ
بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ
اللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٢٩﴾ ع

دیتا ہے☆ (اور وہ اس کی سچائی پالیتا ہے) اور جس کسی پر (کامیابی وسعادت کی) راہ گم کردینی چاہتا ہے اس کے سینہ کو اس طرح تنگ اور رکا ہوا کر دیتا ہے گویا بلندی پر چڑھ رہا ہو- (اور بلندی پر چڑھنے کی وجہ سے دم پھول گیا ہو- کتنی ہی کوشش کرے مگر بے دم ہو کر رہ جائے گا) اسی طرح اللہ ان لوگوں پر عذاب بھیج دیتا ہے جو (خدا کی سچائی پر) ایمان نہیں رکھتے! (۱۲۵)

اور یہ (اسلام کی راہ) تمہارے پروردگار کی سیدھی راہ ہے- بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پر دھیان دینے والے ہیں (راہ حق کی) نشانیاں کھول کھول کے بیان کر دی ہیں- (۱۲۶)

ان لوگوں کے لیے (جنہوں نے خدا کی سیدھی راہ پر قدم اٹھایا) ان کے پروردگار کے حضور سلامتی وعافیت کا گھر ہے اور جیسے کچھ ان کے (نیک) عمل رہے ہیں ان کی وجہ سے وہ ان کا مددگار ورفیق ہے- (۱۲۷)

اور (دیکھو) اس دن کیا ہوگا جب خدا ان سب کو (اپنے حضور) جمع کرے گا (اور فرمائے گا) اے گروہ جن! (یعنی شیاطین!) "تم نے تو انسانوں میں سے بڑی تعداد (اپنی وسوسہ اندازیوں سے) اپنے ساتھ لے لی" اور انسانوں میں سے جو لوگ ان کے ساتھی رہے ہیں وہ (اعتراف حقیقت پر مجبور ہو کر) کہیں گے "اے پروردگار! (دنیا میں) ہم ایک دوسرے سے (گمراہی و شقاوت کے کاموں میں) فائدہ اٹھاتے رہے (یعنی گمراہ انسانوں نے شیطانوں کا ہاتھ بٹایا اور شیطانوں نے انسانوں کا) اور (بالآخر) میعاد کی اس منزل تک پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے ٹھہرادی تھی (اب ہماری قسمتوں کا فیصلہ تیرے ہاتھ ہے) خدا فرمائے گا "تمہارا ٹھکانا آتش دوزخ ہے- اسی میں ہمیشہ رہو گے- بجز ان کے جنہیں ہم نجات دینا چاہیں"- (اے پیغمبر!) بلاشبہ تمہارا پروردگار (اپنے کاموں میں) حکمت رکھنے والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے- (۱۲۸)

اور (دیکھو) اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں- ان کی اس کمائی کی وجہ سے جو وہ (اپنی بدعملیوں سے) حاصل کرتے رہتے ہیں- (۱۲۹)

☆ "جس کسی کو خدا چاہتا ہے راہ دکھادے" یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون سعادت وشقاوت کے مطابق جس کسی کو راہ کامیابی ملنے والی ہے اس کا دل اسلام کے لیے کھل جاتا ہے- قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ دنیا میں خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین کے مطابق جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ انہیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ہے کیونکہ اسی کے ٹھہرائے ہوئے قوانین ہیں- "جس کسی پر راہ گم کر دینی چاہتا ہے" یعنی جس کسی پر اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق راہ کامیابی گم ہو جانے والی ہوتی ہے-۱۲

يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَقُصُّوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ وَيُنۡذِرُوۡنَكُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا ؕ
قَالُوۡا شَهِدۡنَا عَلٰٓى اَنۡفُسِنَا وَغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَشَهِدُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ
اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ رَّبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى بِظُلۡمٍ وَّاَهۡلُهَا غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ
عَمَّا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الۡغَنِىُّ ذُو الرَّحۡمَةِ ؕ اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ وَيَسۡتَخۡلِفۡ مِنۡۢ بَعۡدِكُمۡ مَّا يَشَآءُ كَمَاۤ
اَنۡشَاَكُمۡ مِّنۡ ذُرِّيَّةِ قَوۡمٍ اٰخَرِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوۡعَدُوۡنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلۡ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا

(نیز ہم اس دن پوچھیں گے کہ) ''اے گروہ جن و انس! (تم جو اپنی گمراہیوں کا آج اعتراف کر رہے ہو تو) کیا تمہارے پاس ہمارے پیغمبر جو تم ہی میں سے تھے نہیں آئے تھے؟ انہوں نے ہماری آیتیں تمہیں نہیں سنائی تھیں؟ اور آج کے دن سے جو تمہیں پیش آیا ہے نہیں ڈرایا تھا؟'' وہ عرض کریں گے'' خدایا! ہم اپنے اوپر آپ گواہی دیتے ہیں (کہ بلاشبہ آئے تھے اور انہوں نے ہمیں سب کچھ بتایا تھا۔ پر ہم نے ان کا کہنا نہ مانا'') حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی (چند روزہ) زندگی نے انہیں فریب میں ڈال دیا تھا اور اب وہ خود ہی اپنے خلاف گواہ ہو گئے کہ بلاشبہ سچائی سے انکار کرنے والے تھے۔ (۱۳۰)

(اے پیغمبر!) یہ (پیغمبروں کا ظہور اور دعوت حق کا اعلان) اس لیے ہوا کہ تمہارے پروردگار کا یہ ڈھنگ نہیں کہ وہ ناانصافی سے بستیوں کو ہلاک کر دے اور وہاں کے رہنے والے (راہ حق سے) بے خبر ہوں۔ (۱۳۱)

اور (قانون الٰہی کی رو سے) سب کے (الگ الگ) درجے ہیں۔ ان کے کاموں کے مطابق۔ (اور انہی درجوں کے مطابق انہیں نتائج پیش آتے ہیں) اور جیسے کچھ انسان کے کام ہیں تمہارا پروردگار اس سے غافل نہیں۔ (۱۳۲)

اور[۲] (دیکھو) تمہارا پروردگار بے نیاز اور رحمت والا ہے۔ (بے نیاز ہے اس لیے وہ اپنے کاموں کے لیے کسی کا محتاج نہیں۔ رحمت والا ہے اس لیے اس کی رحمت کا مقتضا یہی ہے کہ دنیا میں بگاڑ اور فساد قائم نہ رہے) اگر وہ چاہے تو تمہیں ہٹا دے اور تمہارے بعد جس (گروہ) کو چاہے تمہارا جانشین بنا دے۔ جس طرح ایک دوسرے گروہ کی نسل سے تمہیں اٹھا کھڑا کیا ہے۔ (۱۳۳)

جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے اور تمہارے بس میں نہیں کہ (خدا کو) مجبور کر دو۔ (۱۳۴)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو'' اے میری قوم! (اگر تم جہل و انکار سے باز نہیں آتے) تو میرا اور تمہارا فیصلہ خدا کے ہاتھ

[۱] انسانوں کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جہاں خدا کے پیغمبر پیدا نہ ہوئے ہوں اور انہوں نے راہ حق نہ دکھا دی ہو۔ خدا کا یہ قانون نہیں کہ وہ کسی قوم اور ملک کو ہدایت وحی سے محروم رکھے اور پھر اس سے مؤاخذہ کرے۔ ہر فرد اور ہر گروہ کے لیے اس کے اعمال کے مطابق مختلف درجے ہیں اگر اچھے اعمال ہیں تو اچھائی کے درجے ہیں۔ برے ہیں تو برائی کے درجے ہیں اور انہی کے مطابق نتائج و عواقب پیش آتے ہیں۔

[۲] مشرکین مکہ سے اتمام حجت کہ اگر وہ دعوت حق کی مخالفت سے باز نہیں آئیں گے تو خدا انہیں راہ سے ہٹا دے گا اور ان کی جگہ ایک دوسرا گروہ کھڑا کر دے گا۔ وہ اسی طرح پچھلی قوموں کو گراتا اور نئی قوموں کو اٹھاتا رہتا ہے۔

آیت (۱۳۵) میں فرمایا کہ اعلان کر دو اب میرا اور تمہارا فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ ظالموں کو داعی حق کے مقابلہ میں کامیابی نہیں دیتا۔ پس وہ ہم دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو کامیاب کر کے بتلا دے گا کہ سچائی کس کے ساتھ تھی اور کون سچائی کو جھٹلانے والا تھا۔ چنانچہ بالآخر ایسا ہی ہوا۔ اور خدا کے فیصلہ نے حقیقت آشکارا کر دی۔

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا
لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ
سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ
لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

ہے) تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ - میں بھی (اپنی جگہ) کام کر رہا ہوں - عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آخر کار کس کا انجام بخیر ہے - یقیناً ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے - اور[1] (دیکھو) جو کچھ خدا نے کھیتی اور مویشی میں سے پیدا کیا ہے' اس میں سے ایک حصہ یہ اپنے زعم باطل کے مطابق خدا کے لیے ٹھہراتے ہیں' اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لیے ہے' اور (ایک حصہ بتوں کے لیے ٹھہرا کر کہتے ہیں) یہ ان کے لیے جنہیں ہم نے خدا کا شریک ٹھہرایا ہے - پس جو کچھ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے' وہ تو خدا کی طرف پہنچتا نہیں (یعنی اس میں سے خدا کے لیے خرچ نہیں کر سکتے) لیکن جو کچھ خدا کے لیے ہے وہ ان کے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں کی طرف پہنچ جاتا ہے (یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے حصے میں سے بتوں کے لیے خرچ ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں) کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں - (۱۳۶) اور (دیکھو) اسی طرح بہت سے مشرک ہیں کہ ان کے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں نے ان کی نظروں میں قتل اولاد (جیسا وحشیانہ فعل بھی) خوش نما کر دکھایا ہے تاکہ انہیں ہلاکت میں ڈالیں - اور ان کے دین کی راہ ان پر مشتبہ کر دیں - (اے پیغمبر!) اگر خدا چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے (یعنی ان کی طاقت سلب کر لیتا) لیکن اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں ہر طرح کی راہیں اور ہر طرح کے اعمال ہوں) پس انہیں اور ان کی افترا پردازیوں کو ان کے حال میں چھوڑ دو (وہ تمہارے کہے سے ماننے والے نہیں) - (۱۳۷)

---

[1] مشرکین عرب کے بعض اوہام وخرافات اور مشرکانہ اعمال:

(۱) وہ منتیں مانتے کہ اپنی زراعت اور مویشی میں سے اتنا حصہ خدا کے لیے نکالیں گے' اور اتنا بتوں کے لیے - خدا کا حصہ فقیروں کو دے دیتے اور بتوں کا ان کے مجاوروں کو - اگر خدا کے حصے میں سے کچھ کم وبیش ہو جاتا تو اس کی پروا نہ کرتے' لیکن بتوں کی نیاز کی بڑی نگہداشت کرتے اور کہتے ان کے حصے میں سے کچھ کم نہ ہونا چاہیے -

(۲) لڑکیوں کو قتل کر دیتے' اور اسے بڑے فخر اور شرافت کی بات سمجھتے - ان کے کاہنوں اور بزرگوں نے انہیں حکم دیا تھا کہ ایسا کیا کریں -

(۳) اپنی فصل اور مویشی کا ایک حصہ بت خانوں کے لیے مخصوص کر دیتے' اور کہتے مجاوروں کے سوا اور کسی کو یہ کھانا جائز نہیں -

(۴) بتوں کے نام جانور چھوڑ دیتے' اور سمجھتے کہ اب ان سے کام لینا جائز نہیں -

(۵) جو جانور بتوں کے لیے قربان کرتے' ان پر خدا کا نام نہ لیتے - (۶) جانور ذبح کیا جاتا اور اس کے پیٹ سے بچہ نکلتا تو اگر زندہ ہوتا' صرف مرد کھاتے - عورتوں کے لیے جائز نہ تھا - مردہ ہوتا' تو عورتیں بھی کھا سکتی تھیں!

فرمایا یہ ساری باتیں انتہائے جہالت وحشت کی ہیں - اصل یہ ہے کہ خدا نے نباتات وحیوانات میں سے جتنی اچھی چیزیں پیدا کی ہیں' سب انسان کے استعمال کے لیے ہیں - کھاؤ پیؤ' مگر اسراف نہ کرو' اور خدا کی راہ میں بھی خرچ کرو - یہی بات راستی ودانشمندی کی ہے - اس کے سوا جو کچھ ہے شیطانی وسوسہ ہے -

وَقَالُوا هٰذِهٖٓ اَنۡعَامٌ وَّحَرۡثٌ حِجۡرٌ ۖ لَّا يَطۡعَمُهَاۤ اِلَّا مَنۡ نَّشَآءُ بِزَعۡمِهِمۡ وَاَنۡعَامٌ حُرِّمَتۡ ظُهُوۡرُهَا وَاَنۡعَامٌ لَّا
يَذۡكُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا افۡتِرَآءً عَلَيۡهِ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوۡا مَا فِىۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ
خَالِصَةٌ لِّذُكُوۡرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزۡوَاجِنَا ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مَّيۡتَةً فَهُمۡ فِيۡهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ وَصۡفَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ
حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّحَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افۡتِرَآءً عَلَى
اللّٰهِ ؕ قَدۡ ضَلُّوۡا وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَيۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ وَّالنَّخۡلَ ع ۱۶ ۳
وَالزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ يَوۡمَ
حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَةً وَّفَرۡشًا ؕ كُلُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ

اور کہتے ہیں ''یہ کھیت اور چارپائے ممنوع ہیں- انہیں اس آدمی کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا جسے ہم اپنے خیال کے مطابق کھلانا چاہیں'' (یعنی جن بتوں کی نیاز کر دیں' صرف اس کے مجاور کھا سکتے ہیں' دوسرے کے لیے جائز نہیں) اور (اسی طرح) کچھ جانور ہیں کہ (ان کے خیال میں) ان کی پیٹھ (پر سوار ہونا یا سامان لادنا) حرام ہے اور کچھ جانور ایسے ہیں کہ (ذبح کرتے ہوئے) ان پر خدا کا نام نہیں لیتے' کیونکہ خدا پر افترا کر کے انہوں نے یہ طریقہ نکال لیا ہے- (سو) جیسی کچھ یہ افترا پردازیاں کرتے رہتے ہیں' قریب ہے کہ خدا انہیں اس کی سزا دے- (۱۳۸)

اور کہتے ہیں ان چارپایوں کے پیٹ میں سے جو زندہ بچہ نکلے' وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے- ہماری عورتوں کے لیے حلال نہیں- اور اگر مردہ ہو تو پھر (اس کے کھانے میں مرد و عورت) سب شریک ہیں! (کیسی جہالت کی بات ہے جو یہ کہتے ہیں)! قریب ہے کہ خدا انہیں ان کی ان (بے اصل) تقسیموں کی سزا دے (جو اپنے جی سے انہوں نے گھڑ لی ہیں) بلاشبہ وہ حکمت والا اور جاننے والا ہے- (۱۳۹)

یقیناً وہ لوگ تباہ و برباد ہوئے جنہوں نے جہالت سے اپنی اولاد (اپنے ہاتھوں) مار ڈالی اور جو کچھ خدا نے ان کے لیے روزی پیدا کی ہے اسے خدا پر افترا پردازی کر کے حرام ٹھہرایا- بلاشبہ وہ گمراہ ہوئے اور بلاشبہ وہ سیدھی راہ پر چلنے والے نہ تھے- (۱۴۰)

اور (دیکھو) وہ خدا ہی ہے جس نے (طرح طرح کے درختوں کے) باغ پیدا کر دیے- ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے (جیسے انگور کی بیلیں) اور بغیر اس کے (جیسے تنا دار تمام درخت ہوتے ہیں) اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کے پھل مختلف قسموں کے ہوتے ہیں- نیز زیتون اور انار کے درخت- صورت شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے' اور ایک دوسرے سے الگ- سو (خدا کی اس پیداوار کے) پھل شوق سے کھاؤ جب اس میں پھل لگ جائیں' اور چاہیے کہ جس دن فصل کاٹو تو اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) بھی دے دیا کرو' اور اسراف نہ کرو- خدا انہیں دوست نہیں رکھتا جو اسراف کرنے والے ہیں- (۱۴۱)

اور (دیکھو) اسی خدا نے (تمہارے لیے) چارپایوں میں سے کچھ تو بوجھ اٹھانے والے پیدا کر دیے (جیسے اونٹ اور گھوڑا) اور کچھ زمین سے لگے ہوئے (یعنی بلند قامت نہیں کہ سواری اور لادنے کے کام آئیں جیسے بھیڑ' بکری) سو جو کچھ

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ
الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ
بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ
الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا ع
مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا

خدا نے تمہاری روزی کے لیے پیدا کر دیا ہے اسے (بلا تامل) کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو- وہ بلاشبہ تمہارا آشکارا دشمن ہے-(۱۴۲)

چارپایوں میں (جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) آٹھ قسمیں پیدا کیں- بھیڑ میں سے دو قسم (یعنی نر اور مادہ) اور بکری کی دو قسمیں (نر اور مادہ)- اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو (تم نے اپنے وہم و خیال سے جو حلال و حرام کے قاعدے بنا رکھے ہیں تو بتاؤ) خدا نے ان میں سے کس جانور کو حرام کیا ہے؟ دونوں قسموں کے نروں کو یا مادہ کو یا پھر اس بچے کو جسے دونوں قسموں کی مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہے؟ اگر تم سچے ہو تو مجھے علم کے ساتھ اس کا جواب دو (یعنی اس کی کوئی اصل اور سند پیش کرو)-(۱۴۳)

اور (دیکھو اسی طرح) اونٹ میں سے دو قسمیں ہیں اور گائے میں سے دو قسمیں (یعنی نر و مادہ) تم ان سے پوچھو کیا ان میں سے نر کو حرام کر دیا ہے یا مادہ کو یا اس کو جو ان دونوں کی مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوتی ہے؟ پھر تم (جو بغیر کسی علم و بنیاد کے خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کہہ رہے ہو تو) کیا تم اس وقت خدا کے پاس حاضر تھے جب اس نے تمہیں اس بارے میں حکم دیا تھا؟ پھر بتلاؤ اس آدمی سے زیادہ ظلم کرنے والا کون ہوا جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے خدا پر افترا پردازی کرے اور اس کے پاس (اس بارے میں) کوئی علم نہ ہو؟ بلاشبہ خدا ان لوگوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا جو ظلم کرنے والے ہیں-(۱۴۴)

(اے[1] پیغمبر!) تم کہہ دو- جو وحی مجھ پر بھیجی گئی ہے میں اس میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا کہ کھانے والے پر اس کا کھانا حرام ہو بجز اس کے کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ یہ چیزیں بلاشبہ گندگی ہیں یا پھر جو چیز گناہ کا موجب ہو کہ غیر خدا کا نام اس پر پکارا گیا (تو بلاشبہ وہ بھی حرام ہے) اور اگر کوئی آدمی (حلال چیزیں نہ ملنے کی وجہ سے) مجبور ہو جائے-

---

[1] جانوروں کی حلت و حرمت کے بارے میں اعلان کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان میں سے صرف وہی چیزیں حرام ہیں جو بیان کر دی گئیں- ان کے سوا سب اوہام و خرافات ہیں-

بلاشبہ یہودیوں کو ناخن والے جانوروں اور گائے بکری کی چربی کے استعمال سے روک دیا گیا تھا- مگر اس لیے نہیں کہ یہ چیزیں حرام ہیں بلکہ اس لیے کہ یہودیوں کی بے قید اور ناہموار طبیعتوں کی زجر و توبیخ کے لیے ضروری تھا کہ عارضی طور پر بعض مباحات روک دی جائیں- (دیکھو سورۂ نساء-۱۶۰)

عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ
حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ
بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿١٤٦﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ
كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ
تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٤٩﴾

اور مقصود نافرمانی نہ ہو نہ حد ضرورت سے گزر جانا (اور وہ جان بچانے کے لیے ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے) تو بلاشبہ تمہارا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے- (۱۴۵) اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گائے اور بکری میں سے ان کی چربی بھی حرام کر دی تھی- مگر وہ چربی نہیں جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا انتڑیوں میں ہو یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو- یہ ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی سزا دی تھی (یہ بات نہ تھی کہ یہ چیزیں فی نفسہ حرام ہوں) اور بلاشبہ ہم (بیان کرنے میں) سچے ہیں- (۱۴۶)

پھر اگر (اے پیغمبر!) یہ لوگ تمہیں جھٹلائیں تو ان سے کہہ دو- تمہارا پروردگار بڑی ہی وسیع رحمت رکھنے والا ہے (اس لیے اس نے مہلتوں پر مہلتیں دے رکھی ہیں) مگر مجرموں پر سے اس کا عذاب کبھی ٹلنے والا نہیں! (۱۴۷)

جن لوگوں[1] نے شرک کا ڈھنگ اختیار کیا ہے وہ کہیں گے "اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ کسی چیز کو (اپنی رائے سے) حرام ٹھہراتے" سو (دیکھو) اسی طرح ان لوگوں نے بھی (سچائی کو) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں- یہاں تک کہ (بالآخر) ہمارے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا- (اے پیغمبر!) تم کہو کیا تمہارے پاس (اس بارے میں) کوئی علم کی روشنی ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکتے ہو؟ (اگر ہے تو پیش کرو!) اصل یہ ہے کہ تم پیروی نہیں کر رہے ہو مگر محض وہم اور اٹکل کی اور تم (اپنی باتوں میں) اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ بے سمجھے بوجھے باتیں بنانے والے ہو- (۱۴۸)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو- اللہ ہی کے لیے پہنچی ہوئی اور پکی دلیل ہے (جو اس نے سمجھ بوجھ رکھنے والوں پر واضح کر دی ہے) اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ دکھا دیتا (کیونکہ اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں مگر اس نے ایسا نہیں چاہا اور اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا) (۱۴۹)

---

[1] مشرکین عرب کہتے تھے اگر ہمارا اور ہمارے باپ دادوں کا طریقہ گمراہی کا طریقہ ہے تو کیوں خدا نے ہمیں گمراہ ہونے دیا؟ کیوں اس نے ایسا نہ چاہا کہ ہم گمراہ نہ ہوتے؟ جب سب کچھ اس کی مشیت سے ہوتا ہے تو جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ بھی اسی کی مشیت سے ہے-

قرآن ان کے اس خیال کو جہل و کوری کا خیال قرار دیتا ہے اور کہتا ہے اس بارے میں ان کے سامنے کوئی روشنی نہیں-

بلاشبہ اگر خدا چاہے تو سب کو ایک ہی راہ چلا دے اس کی قدرت سے یہ بات باہر نہیں- لیکن اس کی مشیت کا فیصلہ یہی ہوا کہ انسان کو عقل اور ارادہ و قدرت دے اور ہر حالت کے لیے سبب اور ہر عمل کے لیے نتیجہ ٹھہرا دے- پس یہاں روشنی کے ساتھ تاریکی حق کے ساتھ باطل اور ہدایت کے ساتھ گمراہی کی راہیں بھی کھل گئیں- اب جس کا جی چاہے ہدایت کی راہ اختیار کرے جس کا جی چاہے گمراہی کی-

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک یہ کہنا کہ "اگر خدا چاہتا تو ہم برائی نہ کرتے" جہل و کفر کی بات ہے-

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ قُلْ ع ۱۸ ۵
تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا
اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا
تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ
الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ
نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ

(اے پیغمبر!) ان سے کہو (اگر تم اپنے گھڑے ہوئے قاعدوں سے ان جانوروں کو حرام ٹھہراتے ہو تو) اپنے گواہوں کو (یعنی حکم دینے والوں کو) بلاؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ خدا نے (سچ مچ کو) یہ چیز حرام کر دی ہے- پھر اگر (بالفرض) ان کے (جھوٹے گواہ) اس کی گواہی بھی دے دیں، جب بھی تم ان کے ساتھ ہو کر اس کا اعتراف نہ کرو (کیونکہ یہ حقیقت کے صریح خلاف ہے) تم ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور دوسری ہستیوں کو اپنے پروردگار کے برابر ٹھہراتے ہیں-(۱۵۰)

(اے[1] پیغمبر!) ان سے کہو آؤ میں تمہیں (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سنادوں جو کچھ تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دیا ہے: خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ- ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو- اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو- ہم تمہیں روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی دیں گے- اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ- کھلے طور پر ہوں یا چھپی ہوں- اور کسی جان کو قتل نہ کرو جسے خدا نے حرام ٹھہرا دیا ہے، ہاں یہ کہ کسی حق کی بنا پر قتل کرنا پڑے (جیسے قصاص میں) یہ ہیں وہ باتیں جن کی خدا نے تمہیں وصیت کی ہے تا کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو!(۱۵۱)

اور (اسی طرح) یتیموں کے مال کی طرف نہ بڑھو (یعنی اس میں تصرف کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو) الا یہ کہ اچھے طریقے پر ہو (یعنی ان کے فائدے اور نگہداشت کے لیے نگہبانی کرنی چاہو) یہ بھی اس وقت تک کہ یتیم اپنی عمر کو پہنچ جائیں اور انصاف و دیانت کے ساتھ ماپ تول پورا کرو- ہم کسی جان پر اس کے مقدور سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے (پس جہاں تک تمہارے بس میں ہے، انصاف و دیانت کی کوشش کرو) اور جب کبھی کوئی بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ معاملہ اپنے قرابت دار ہی کا کیوں نہ ہو، اور اللہ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا ہے، اسے پورا کرو- یہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمہیں حکم

[1] جن چیزوں کو تم نے اپنے اوہام و خرافات سے حرام سمجھ رکھا ہے، فی الحقیقت وہ حرام نہیں ہیں- حرام تو وہ اعمال و اشیا ہیں جو حقیقت اور راستی کے خلاف ہیں، اور جن سے خدا کے تمام پیغمبروں نے متفقہ طور پر نوع انسانی کو روکا ہے-
اس کے بعد ان برائیوں کا ذکر کیا ہے جو انسانی شقاوت کی بنیادی برائیاں ہیں، اور ان اچھائیوں کی دعوت دی ہے جو راست بازی کی بنیادی سچائیاں ہیں-

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ
ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ
ع ۱۹ ۲ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾
اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ
بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ

دیا ہے تاکہ نصیحت پکڑو-(۱۵۲)

اور اس[1] نے بتلایا کہ (خدا پرستی اور نیک عملی کی) یہی راہ میری (ٹھہرائی ہوئی) سیدھی راہ ہے-سو اسی پر چلو اور (دوسری) راہوں پر نہ چلو کہ خدا کی راہ سے بھٹکا کر تمہیں تتر بتر کردیں-یہ بات ہے جس کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ-(۱۵۳)

پھر (دیکھو) ہم نے موسیٰ کو کتاب دی کہ جو کوئی نیک عمل ہو اس پر اپنی نعمت پوری کردیں اور ہر بات کو کھول کھول کر بیان کردیں اور لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہو تاکہ اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان لائیں-(۱۵۴)

اور (اسی طرح) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے-برکت والی (یعنی اپنی پیروؤں پر برکت کی راہ کھولنے والی) پس چاہیے کہ اس کی پیروی کرو اور پرہیز گاری کا ڈھنگ اختیار کرو-تاکہ تم پر رحم کیا جائے-(۱۵۵)

(اے عرب کے بسنے والو!) ہم نے یہ کتاب اس لیے نازل کی کہ تم یہ نہ کہو کہ خدا نے تو صرف دو جماعتوں (یعنی یہودیوں اور عیسائیوں) ہی پر کتاب نازل کی جو ہم سے پہلے تھے اور ہمیں ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر نہ تھی-(۱۵۶)

یا کہو اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان جماعتوں سے (جن پر کتاب نازل ہوئی) زیادہ ہدایت والے ہوتے-سو دیکھو تمہارے پاس بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل ہدایت اور رحمت آ گئی-پھر بتلاؤ اس سے بڑھ کر ظالم انسان کون ہے جو اللہ کی نشانیاں جھٹلائے اور ان سے گردن موڑے (یاد رکھو) جو لوگ ہماری نشانیوں سے گردن موڑتے ہیں ہم انہیں اس کی پاداش میں عنقریب سخت عذاب دینے والے ہیں (یعنی نامرادی کا عذاب جو بالآخر مشرکین مکہ کو پیش آیا)-(۱۵۷)

پھر یہ لوگ (جو سچائی کی نشانیاں دیکھنے پر بھی سرکشی سے باز نہیں آتے تو) کس بات کے انتظار میں ہیں؟ اس بات کے انتظار میں کہ (آسمان سے) فرشتے ان کے پاس آ جائیں یا خود تمہارا پروردگار ان کے سامنے آ کھڑا ہو یا پھر تمہارے پروردگار

---

[1] سچائی اور حقیقت کی سیدھی راہ ایک ہی ہے-ایک سے زیادہ راہیں سچائی کی نہیں ہوسکتیں-پس ایک ہی راہ پر چلو-بہت سی راہوں میں متفرق ہو کر بھٹک نہ جاؤ!

اٰیٰتِ رَبِّكَ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ
كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا
شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ
بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ
اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾
قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ

کی بعض نشانیاں نمودار ہو جائیں؟ (یعنی قیامت کے آثار نمودار ہو جائیں؟) تو (اگر یہ لوگ اسی بات کی راہ تک رہے ہیں' تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ) جس دن تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں نمودار ہوں گی' اس دن کسی انسان کو جو پہلے سے ایمان نہ لا چکا ہو یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیکی نہ کمالی ہو' ایمان لانا سودمند نہ ہوگا۔ (اے پیغمبر!) تم کہہ دو- (اگر تمہیں انتظار ہی کرنا ہے تو) انتظار کرتے رہو- ہم بھی (فیصلہ حق و باطل کا) انتظار کرتے ہیں- (۱۵۸) (اے[1] پیغمبر!) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا' اور الگ الگ گروہ بن گئے' تمہیں ان سے کچھ سروکار نہیں (تمہاری راہ دین حقیقی کی راہ ہے- نہ کہ لوگوں کی بنائی ہوئی گروہ بندیوں کی) ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے- پھر وہی بتلائے گا کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں' اس کی حقیقت کیا تھی- (۱۵۹) (یاد رکھو) جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس کے عمل نیک سے دس گنا زیادہ ثواب ہوگا' اور جو کوئی برائی لائے گا' تو وہ برائی کے بدلے اتنی ہی سزا پائے گا' جتنی برائی کی ہوگی (یعنی نیکی کے اجر میں زیادتی ہے' مگر برائی کی سزا میں زیادتی نہیں) اور ایسا نہ ہوگا کہ (جزائے عمل میں) لوگوں کے ساتھ ناانصافی کی جائے- (۱۶۰) کہہ دو- مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے- وہی درست اور صحیح دین ہے- ابراہیم کا طریقہ کہ ایک خدا ہی کے لیے ہو جانا' اور ابراہیم ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا- (۱۶۱)

کہہ دو- میری نماز' میرا حج' میرا جینا' میرا مرنا' سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے- (۱۶۲) اس کا کوئی شریک نہیں - مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے' اور میں مسلموں میں (یعنی خدا کے فرمانبرداروں میں) پہلا

[1] پیروان مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین میں تفرقہ ڈال کر الگ الگ گروہ بندیاں اور باہم دگر مخالف جتھے بنا لیے- نتیجہ یہ نکلا کہ نجات و سعادت کا دارمدار ایمان و عمل پر نہ رہا' گروہ بندیوں پر آ ٹھہرا- پس فرمایا' جن لوگوں کا شیوہ یہ رہا ہے' تمہیں ان سے کچھ سروکار نہیں- تم ان کی جس بات کی تصدیق کرتے ہو' وہ اصل دین ہے- نہ کہ ان کی بنائی ہوئی گروہ بندیاں-

چونکہ پچھلی آیتوں میں تورات و انجیل کا ذکر کیا تھا' اور اہل عرب سے کہا تھا کہ نزول قرآن کے بعد تم کتب سماوی سے بے خبر رہنے کا عذر نہیں کر سکتے' اس لیے یہاں یہ حقیقت واضح کر دی کہ اصل دین سب کے لیے ایک ہی تھا' اور قرآن کی دعوت بھی اسی اصل کے لیے ہے-

اس کے بعد فرمایا' یہ اصل دین' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے- اس وقت نہ تو یہودی گروہ بندی پیدا ہوئی تھی' نہ مسیحی گروہ بندی- ایک خدا کی پرستش کرو' اس کے حکموں کے آگے جھک جاؤ' اور ہر انسان کے لیے وہی ہوتا ہے' جیسا کچھ اس کا عمل ہوگا- یہی ملت ابراہیمی ہے' اور یہی صراط مستقیم ہے!

سورت کے خاتمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح پچھلے عہدوں میں مختلف قومیں ایک دوسرے کی جانشیں ہوتی رہیں' وقت آ گیا ہے کہ اسی طرح پیروان قرآن پچھلی قوموں کے جانشیں ہوں-

وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ
نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٥﴾ ع

فرمانبردار ہوں- (۱۶۳)

تم ان لوگوں سے پوچھو- کیا (تم یہ چاہتے ہو کہ) میں خدا کے سوا کوئی دوسرا پروردگار ڈھونڈوں' حالانکہ وہی ہر چیز کا پرورش کرنے والا ہے؟ اور (دیکھو) ہر آدمی اپنے عمل سے جو کچھ کماتا ہے' وہ اسی کے ذمے ہوتا ہے- کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا- پھر (بالآخر) تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے' اور (جب اس کے سامنے حاضر ہو گے تو) وہ بتلائے گا کہ جن باتوں میں اختلاف کیا کرتے تھے' ان کی حقیقت کیا تھی! (۱۶۴)

اور وہی ہے جس نے تمہیں (ایک دوسرے کا) زمین میں جانشین بنایا' اور تم میں سے بعض کو بعض پر (اعمال کے لحاظ سے) مرتبے دیے تاکہ جو کچھ (اختیار) تمہیں دیا گیا ہے' اس میں تمہیں آزمائے (اور طلب اور کوشش کا موقع دے- اے پیغمبر!) بلاشبہ تمہارا پروردگار (بدعملیوں کی) جلد سزا دینے والا ہے' اور بلاشبہ وہ بخشنے والا' رحمت والا ہے! (۱۶۵)

❋ ❋ ❋

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اُردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ

اسلامی اکادمی

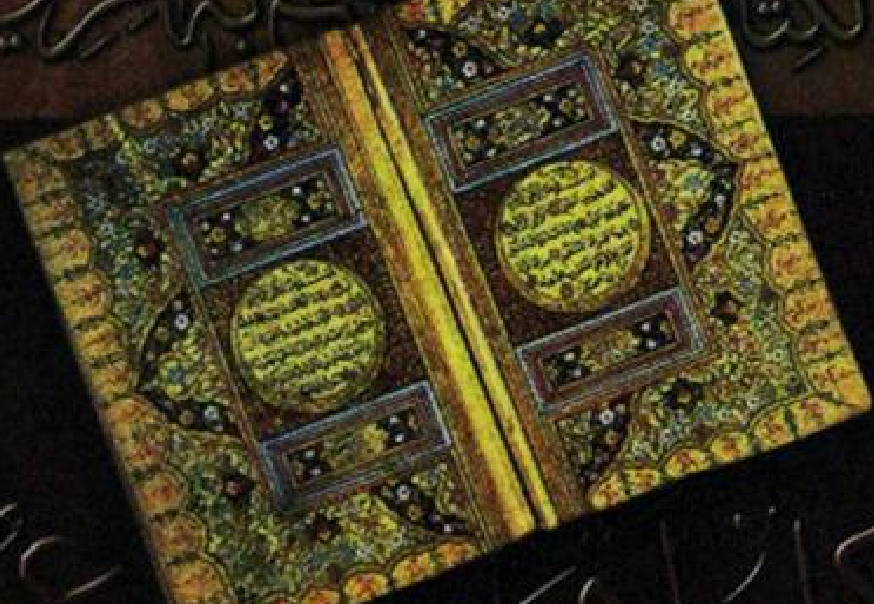
وَقَالَ الرَّسُولُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالبِ اُردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ



از

امام الہند مولانا ابوالکلام احمد آزاد رحمہ اللہ

اسلامی اکادمی


بسم الله الرحمن الرحيم

إن الله يرفع بهذا الكتاب أقواما ويضع به آخرين

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اُردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ

از

ابوالکلام احمد

جلد دوم

سورۂ اعراف سے سورۂ مومنون تک

اسلامی اکادمی

۷ اردو بازار لاہور فون: ۷۳۵۷۵۸۷-۰۴۲

نام کتاب:

ترجمان القرآن

مصنف:

ابوالکلام احمد

جلد دوم

سورۂ اعراف سے سورۂ مومنون تک

اہتمام: محمد رمضان محمدی، محمد سلیم جلالی

تعداد: 1000

ناشر: .... ابو مومن منصور احمد

مطبع: .... عرفان افضل پریس

ملنے کا پتہ:

اسلامی اکیڈیمی، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

Phone: 042-7357587

فہرست مضامین

سورۃ الانفال

سورۃ التوبۃ

سورۂ یونس

سورۂ ھود

سورۂ یوسف

سورۂ الرعد

سورۂ ابراہیم

سورۃ الحجر

سورۃ النحل

سورۂ بنی اسرائیل

سورۃ الکہف

سورۂ مریم

سورۂ طٰہٰ

سورۂ الانبیاء

سورۃ الحج

سورۂ المؤمنون

نقوش

❁❁❁❁

اٰیَاتُھَا: 206 سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا: 24

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓصٓ ① کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْہُ لِتُنْذِرَ بِہٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ②
اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ③ وَکَمْ
مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا فَجَآءَھَا بَاْسُنَا بَیَاتًا اَوْ ھُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا کَانَ دَعْوٰھُمْ اِذْ جَآءَھُمْ بَاْسُنَآ

الف، لام، میم، صاد۔ (۱)

(اے پیغمبرؐ!) یہ کتاب[1] ہے جو تم پر نازل کی گئی۔ اس لیے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو (انکار و بدعملی کی پاداش سے) خبردار ہوشیار کر دو اور اس لیے کہ ایمان رکھنے والے کے لیے بیداری و نصیحت ہو۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ اس بارے میں کسی طرح کی تنگ دلی تمہارے اندر راہ پائے! (۲)

(اے لوگو!) جو کچھ تمہارے پروردگار کی جانب سے تم پر نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو اور خدا کو چھوڑ کر اپنے (ٹھہرائے ہوئے) مددگاروں کے پیچھے نہ چلو (افسوس تم پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پذیر ہو! (۳)

اور[2] (دیکھو کہ) کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے (پاداش عمل میں) ہلاک کر دیا۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ لوگ راتوں کو بے خبر سو رہے تھے یا دوپہر کے وقت استراحت میں تھے کہ اچانک عذاب کی سختی نمودار ہو گئی! (۴)

پھر جب عذاب کی سختی نمودار ہوئی تو (انکار و شرارت کا سارا دم خم جاتا رہا) اس وقت ان کی پکار اس کے سوا کچھ نہ تھی

---

[1] (۱) ہدایت وحی کا مقصد ''تذکیر'' اور ''تنذیر'' ہے۔ تذکیر یعنی پند و موعظت کے ذریعہ بیدار کرنا۔ ''تنذیر'' یعنی انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کرنا۔

(۲) پیروان دعوت کو موعظت کہ دعوت حق کا معاملہ بڑے ہی عزم و ثبات اور صبر و استقلال کا معاملہ ہے اور خواہ کتنی ہی مشکلیں پیش آئیں لیکن بالآخر حق کی فتح مندی اٹل ہے۔ پس چاہیے کہ مشکلات کار سے دل تنگ و افسردہ خاطر نہ ہوں۔

(۳) مشرکین عرب کو تنذیر۔

[2] (۴) جن جماعتوں نے دعوت حق کا مقابلہ کیا وہ پاداش عمل میں ہلاک ہو گئیں۔ کیونکہ انکار و سرکشی کا نتیجہ ہلاکت و نامرادی ہے۔

(۵) قوموں سے پرسش ہو گی کہ انہوں نے پیغمبروں کی دعوت پر کان دھرا یا نہیں اور پیغمبر بھی اس کے لیے جوابدہ ہیں کہ انہوں نے فرض رسالت ادا کیا یا نہیں۔

إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٥﴾ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦﴾
فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ﴿٧﴾ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا
بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا
تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا ع

کہ ''بلاشبہ ہم ظلم کرنے والے تھے''! (۵)

تو دیکھو یقیناً ہم ان لوگوں سے باز پرس کریں گے جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے (کہ انہوں نے پیغمبروں کی دعوت پر کان دھرا یا نہیں) اور یقیناً پیغمبروں سے بھی باز پرس ہوگی (کہ انہوں نے فرض رسالت ادا کیا یا نہیں) (٦)

اور پھر یقیناً ایسا ہوگا کہ (ان کے اعمال کی سرگزشت) ہم اپنے علم سے انہیں سنا دیں گے اور ہم غائب نہ تھے (کہ بے خبر ہوں) (۷)

اور اس [1] دن (اعمال کا) تولنا برحق ہے- پھر جس کسی (کی نیکیوں) کا پلہ بھاری نکلے گا تو کامیابی اسی کے لیے ہو گی (۸) اور جس کا پلہ ہلکا ہوا تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا- کیونکہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے! (۹)

اور (دیکھو) ہم نے تمہیں (یعنی نوع انسانی کو) زمین میں (قدرت و اختیار کے ساتھ) بسا دیا اور زندگی کے سروسامان مہیا کر دیئے مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم شکر گزار رہو! (۱۰)

اور [2] (دیکھو یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ) ہم نے تمہیں پیدا کیا (یعنی تمہارا وجود پیدا کیا) پھر تمہاری (یعنی نوع انسانی کی) شکل و صورت بنا دی پھر (وہ وقت آیا کہ) فرشتوں کو حکم دیا ''آدم کے آگے جھک جاؤ'' اس پر سب جھک گئے مگر

---

[1] (٦) قانون الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد، ہر جماعت کو ویسے ہی نتائج ملیں گے جیسے کچھ اس کے اعمال ہوں گے- کامیاب انسان وہ ہوگا جس کی بھلائیاں برائیوں سے زیادہ ہوں گی- نامراد وہ ہوگا جس کی برائیوں کے وزن سے بھلائیاں دب جائیں گی- دنیا میں اشیا کے موازنہ کے لیے ترازو کام دیا کرتا ہے- اسی طرح اعمال کے موازنہ کے لیے بھی قدرت نے ایک میزان مقرر کر دیا ہے جس کی تول میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی-

[2] (۷) نسل انسانی کی سعادت و شقاوت کی ابتدائی سرگزشت اور ہدایت وحی کی ابتدا

(الف) پہلے انسان کے وجود کی تخلیق ہوئی پھر اس کی صورت بنی پھر وہ وقت آیا کہ آدم علیہ السلام کا ظہور ہوا اور اس نے وہ مقام حاصل کر لیا کہ ملائکہ کو حکم ہوا کہ اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ-

إِلَّآ إِبۡلِيسَ لَمۡ يَكُن مِّنَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿١١﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسۡجُدَ إِذۡ أَمَرۡتُكَۖ قَالَ أَنَا۠
خَيۡرٞ مِّنۡهُ خَلَقۡتَنِي مِن نَّارٖ وَخَلَقۡتَهُۥ مِن طِينٖ ﴿١٢﴾ قَالَ فَٱهۡبِطۡ مِنۡهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن
تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَٱخۡرُجۡ إِنَّكَ مِنَ ٱلصَّٰغِرِينَ ﴿١٣﴾ قَالَ أَنظِرۡنِيٓ إِلَىٰ يَوۡمِ يُبۡعَثُونَ ﴿١٤﴾ قَالَ إِنَّكَ
مِنَ ٱلۡمُنظَرِينَ ﴿١٥﴾ قَالَ فَبِمَآ أَغۡوَيۡتَنِي لَأَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَٰطَكَ ٱلۡمُسۡتَقِيمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَأٓتِيَنَّهُم
مِّنۢ بَيۡنِ أَيۡدِيهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ أَيۡمَٰنِهِمۡ وَعَن شَمَآئِلِهِمۡۖ وَلَا تَجِدُ أَكۡثَرَهُمۡ شَٰكِرِينَ ﴿١٧﴾

ابلیس کہ جھکنے والوں میں سے نہ تھا-(۱۱)

خدا نے فرمایا ''کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جب کہ میں نے حکم دیا تھا؟''

کہا ''اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا - اسے مٹی سے'' -(۱۲)

فرمایا ''جنت سے نکل جا - تیری یہ ہستی نہیں کہ یہاں رہ کر سرکشی کرے - یہاں سے نکل دور ہو - یقیناً تو ان میں سے ہوا جو ذلیل وخوار ہیں!'' (۱۳)

ابلیس نے کہا ''مجھے اس وقت تک کے لیے مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) اٹھائے جائیں گے'' (۱۴)

فرمایا ''تجھے مہلت ہے'' (۱۵) اس پر ابلیس نے کہا ''چونکہ تو نے مجھ پر راہ بند کر دی تو اب میں بھی ایسا ضرور کروں گا کہ تیری سیدھی راہ سے بھٹکانے کے لیے بنی آدم کی تاڑ میں بیٹھوں (۱۶) - پھر سامنے سے 'پیچھے سے' داہنے سے' بائیں سے (غرض کہ ہر طرف سے) ان پر آؤں اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا'' -(۱۷)

(ب) ملائکہ نے تعمیل کی لیکن ابلیس نے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی-

(ج) آدم علیہ السلام سے بھی لغزش ہوئی لیکن اس نے سرکشی نہیں کی عجز و اعتراف کیا اور سر جھکا دیا-

(د) اب بنی آدم کے لیے دو راہیں ہو گئیں:

ایک آدم والی کہ احکام الٰہی کی اطاعت کرنا اور اگر قصور ہو جائے تو توبہ و انابت کا سر جھکا دینا-

دوسری ابلیس والی کہ پہلے نافرمانی کرنا پھر عجز و اعتراف کی جگہ سرکشی و تکبر کی چال چلنا-

جو پہلی راہ چلے گا کامیاب ہوگا - جو دوسری راہ چلے گا نامراد ہوگا-

(ہ) ابلیس کے گھمنڈ اور گستاخانہ جرأت کے ذکر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ برائی کی قوتیں جب سر اٹھاتی ہیں تو ان کی سرکشی کا ایسا ہی حال ہوتا ہے اور (و) یہاں ڈھیل اور مہلت سب کے لیے ہے - اچھوں کے لیے بھی اور بروں کے لیے بھی-

یاد رہے کہ قرآن نے حقائق کی دو قسمیں کر دی ہیں-

ایک وہ جن کا تعلق عالم غیب سے ہے - یعنی غیر محسوسات سے - ایک وہ جن کا تعلق عالم شہادت سے ہے یعنی محسوسات سے-

نوع انسان کی ابتدائی پیدائش اور نشو و نما کا معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ہم اپنے وسائل ذہن و ادراک سے کوئی یقینی روشنی اس بارے میں حاصل نہیں کر سکتے اور اس لیے ضروری ہے کہ کتاب الٰہی نے جو کچھ بیان کیا ہے اس پر ایمان لائیں- ⇦

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾
وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا
نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ
اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا
وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ

خدا نے فرمایا ”یہاں سے نکل جا - ذلیل اور ٹھکرایا ہوا - بنی آدم میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو (وہ تیرا ساتھی ہوگا اور) میں البتہ ایسا کروں گا کہ (پاداش عمل میں) تم سب سے جہنم بھر دوں گا!“ (۱۸)

”اے آدم! تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو سہو اور جس جگہ سے جو چیز پسند آئے شوق سے کھاؤ - مگر دیکھو (وہ جو ایک درخت ہے تو) اس درخت کے قریب بھی نہ جانا - اگر گئے تو یاد رکھو تم زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے“ (۱۹)

لیکن پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کے ستر جو ان سے چھپے تھے ان پر کھول دے - اس نے کہا ”تمہارے پروردگار نے اس درخت سے جو تمہیں روکا ہے تو صرف اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو تم فرشتے بن جاؤ یا دائمی زندگی تمہیں حاصل ہو جائے“ (۲۰)

اس نے قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ میں تم دونوں کو خیر خواہی سے نیک بات سجھانے والا ہوں - (۲۱)

غرض کہ شیطان (اس طرح کی باتیں سنا سنا کر بالآخر) انہیں فریب میں لے آیا - پھر جونہی ایسا ہوا کہ انہوں نے درخت کا پھل چکھا ان کے ستر ان پر کھل گئے اور (جب انہیں اپنی برہنگی دیکھ کر شرم محسوس ہوئی تو) باغ کے پتے اوپر تلے رکھ کر اپنے جسم پر چپکانے لگے - اس وقت ان کے پروردگار نے پکارا ”کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہیں روک دیا تھا - اور کیا

⇦ آدم علیہ السلام کی سرگزشت کی تاریخ تورات ہی سے شروع نہیں ہوتی بلکہ آثار قدیمہ کے انکشافات نے اسے بہت قدیم عہد تک پہنچا دیا ہے - کم سے کم یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تورات سے کئی ہزار سال پہلے اہل مصر میں کسی ایسے واقعہ کا اعتقاد عام تھا چنانچہ کالڈیا کی اینٹوں پر اس کے نقوش ملے ہیں - اوزیرس کے عہد میں اس کی تصاویر نمایاں ہیں اور ہیروغلیفی نقوش بھی اس کے اشاروں سے خالی نہیں -

وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ
لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ
مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿٢٥﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ
اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ ع ۵/۹
اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ
يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ

میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے"! (۲۲)

انہوں نے عرض کیا "پروردگار! ہم نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا - اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہمارے لیے بربادی کے سوا کچھ نہیں! (۲۳)

فرمایا "یہاں سے نکل جاؤ - تم ایک دوسرے کے دشمن ہو - اب تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور یہ کہ ایک خاص وقت تک وہاں کے سامان زندگی سے فائدہ اٹھاؤ گے - (۲۴)

اور فرمایا "تم اسی میں جیو گے، اسی میں مرو گے پھر اسی سے (مرنے کے بعد) نکالے جاؤ گے!" (۲۵)

"اے اولاد[1] آدم! ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس مہیا کر دیا جو جسم کی ستر پوشی کرتا ہے اور ایسی چیزیں بھی جو زیب و زینت کا ذریعہ ہیں - نیز تمہیں پرہیزگاری کی راہ دکھادی کہ یہ تمام لباسوں سے بہتر لباس ہے - یہ اللہ (کے فضل و رحمت) کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تاکہ لوگ نصیحت پذیر ہوں!" (۲۶)

(اور خدا نے فرمایا) "اے اولاد آدم! دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اسی طرح بہکا دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا تھا اور ان کے لباس اتروا دیے تھے کہ ان کے ستر انہیں دکھا دے - وہ اور اس کا گروہ تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھتے -

---

[1] (۸) اب اب یہاں سے آیت (۲۶) تک اولاد آدم سے خطاب ہے یعنی وہ احکام بیان کیے گئے ہیں جو آدم کی ابتدائی نسل کے افراد کو دیے گئے تھے جب وہ زمین پر پھیل گئے!

(ا) خدا نے زمین کی پیداوار میں تمہارے لیے لباس کا سامان پیدا کر دیا - اس میں پوشش و حفاظت بھی ہے اور زیب و زینت بھی - نیز اس نے ایک دوسرا لباس بھی مہیا کر دیا ہے اور وہ لباس تقویٰ ہے - پہلا جسم کی حفاظت و زینت ہے - دوسرا روح کی -

(ب) دنیا کا سامان زیب و زینت خدا کی بخشی ہوئی نعمت ہے - پس دینداری کا مقتضا یہ ہوا کہ انہیں کام میں لایا جائے - نہ یہ کہ ان سے گریز کیا جائے - خدا کی عبادت کرو تو اپنے سامان زینت سے آراستہ ہو کر کرو -

(ج) کھاؤ پیو دنیا کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ مگر اسراف یعنی بے اعتدالی نہ کرو - یہ بات کہ دنیا کی تمام راحتوں اور لذتوں سے فائدہ اٹھانا مگر بے اعتدالی سے بچنا دین حقیقی کی وہ بنیادی اصل ہے جس کی اولاد آدم کو تعلیم دی گئی تھی -

إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ أَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَإِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا
وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۖ أَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ قُلْ أَمَرَ رَبِّيْ
بِالْقِسْطِ ۗ وَأَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾
فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۗ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

یاد رکھو ہم نے یہ بات ٹھہرا دی ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے رفیق و مددگار شیاطین ہوتے ہیں۔ (۲۷)

اور یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) جب بے حیائی کی باتیں کرتے ہیں تو کہتے ہیں "ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اور (چونکہ وہ کرتے رہے ہیں اس لیے) خدا نے ایسا ہی کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے۔" (اے پیغمبر!) تم کہہ دو "خدا کبھی بے حیائی کی باتوں کا حکم نہیں دے گا۔ کیا تم خدا کے نام پر ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی (دلیل) علم نہیں؟" (۲۸)

تم کہو "میرے پروردگار نے جو کچھ حکم دیا ہے وہ تو یہ ہے کہ (ہر بات میں) اعتدال کی راہ اختیار کرو اپنی تمام عبادتوں میں خدا کی طرف توجہ درست رکھو اور دین کو اس کے لیے خالص کر کے اسے پکارو۔ اس نے جس طرح تمہاری ہستی شروع کی اسی طرح لوٹائے جاؤ گے" (۲۹)

(تمہارے دو گروہ ہو گئے) ایک گروہ کو (اس کے ایمان و نیک عملی کی وجہ سے کامیابی کی) راہ دکھلائی۔ دوسرے پر (اس کے انکار و بدعملی سے) گمراہی ثابت ہو گئی۔ ان لوگوں نے (یعنی دوسرے گروہ نے) خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا رفیق بنا لیا (یعنی مفسدوں

(د) خدا کا قانون یہ ہے کہ انسان کی ہدایت کے لیے پیغمبر مبعوث کرتا ہے۔ پھر جو کوئی اصلاح کی راہ اختیار کرتا ہے فلاح پاتا ہے۔ جو سرکشی کرتا ہے تباہ ہوتا ہے۔

یہاں خصوصیت سے لباس کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ اس میں انسان کی عقلی زندگی کا سب سے پہلا مظاہرہ تھا۔ جب وہ لباس پہننے لگا تو یہ گویا اس حقیقت کا اعلان ہوا کہ اس کا اخلاقی شعور ابھر آیا ہے صنعت و اختراع کی راہوں سے آشنا ہو گیا ہے اور عام حیوانی زندگی کی جگہ انسانی زندگی کی خصوصیات نشوونما پا رہی ہیں۔

(۹) خدا کے دین کی اصلی تعلیم تو یہ تھی لیکن لوگوں نے خود ساختہ گمراہیاں پیدا کر لیں اور انہیں حکم الٰہی سمجھنے لگے۔ آیت (۲۸) میں فرمایا گمراہی کا سب سے بڑا سرچشمہ اپنے بزرگوں کی تقلید ہے۔ مشرکین عرب کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی "ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے"

(۱۰) آیت (۲۹) میں دین حق کے تین بنیادی اصول واضح کر دیے۔ عمل میں اعتدال، عبادت میں توجہ اور خدا پرستی میں اخلاص۔ یہ آیت باب توحید میں اصل اصول ہے۔ فرمایا "دین کو خدا کے لیے خاص کر کے اسے پکارو یعنی دین کی جتنی باتیں ہیں وہ صرف خدا ہی کے لیے مخصوص کر دو!

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٠﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ ع
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣٢﴾ قُلْ
اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ

اور شریروں کی تقلید کی) بایں ہمہ سمجھے کہ راہ راست پر ہیں! (۳۰)

(اور ہم[1] نے حکم دیا تھا) اے اولاد آدم! عبادت کے ہر موقع پر اپنے جسم کی زیب و زینت سے آراستہ رہا کرو- نیز کھاؤ پیو مگر حد سے نہ گزر جاؤ- خدا انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں-'' (۳۱)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو 'خدا کی زینتیں جو اس نے اپنے بندوں کے برتنے کے لیے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کس نے حرام کی ہیں'

تم کہو 'یہ (نعمتیں) تو اسی لیے ہیں کہ ایمان والوں کے کام آئیں- دنیا کی زندگی میں (زندگی کی مکروہات کے ساتھ اور) قیامت کے دن (ہر طرح کی مکروہات سے) خالص! دیکھو اس طرح ہم ان لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں جو جاننے والے ہیں! (۳۲)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو 'میرے پروردگار نے جو کچھ حرام ٹھہرایا ہے وہ تو یہ ہے کہ:

بے حیائی کی باتیں جو کھلے طور پر کی جائیں اور جو چھپا کر کی جائیں-

گناہ کی باتیں- ناحق کی زیادتی-

---

(۱۱) رہبانیت کا رد اور اس اصل عظیم کا اعلان کہ دنیوی زندگی کی آسائشیں خدا پرستی کے خلاف نہیں ہیں بلکہ ان کو کام میں لانا عین منشائے ایزدی کی تعمیل ہے- چنانچہ فرمایا اولاد آدم کو جو تعلیم دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ اپنی زیب و زینت سے آراستہ ہو کر خدا کی عبادت کرو!

پیروان مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ تھی کہ سمجھتے تھے روحانی سعادت جبھی مل سکتی ہے کہ دنیا ترک کر دی جائے اور خدا پرستی کا مقتضا یہ ہے کہ زینتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو جائیں- قرآن کہتا ہے حقیقت اس کے عین برعکس ہے- تم سمجھتے ہو زندگی کی زینتیں اس لیے ہیں کہ ترک کر دی جائیں- حالانکہ وہ اس لیے ہیں کہ کام میں لائی جائیں- دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو ٹھیک طور پر کام میں لانا مشیت الٰہی کو پورا کرنا ہے- خدا نے زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے سب تمہارے ہی لیے ہے- کھاؤ پیو' زینت و آسائش کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ مگر حد سے نہ گزر جاؤ- دنیا نہیں' دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال روحانی سعادت کے خلاف ہے-

زندگی کی جن زینتوں کو پیروان مذاہب خدا پرستی کے خلاف سمجھتے تھے انہیں قرآن "زینة اللہ" یعنی خدا کی زینتوں سے تعبیر کرتا ہے-

یہ آیت قرآن کا ایک انقلاب انگیز اعلان ہے جس نے انسان کی دینی ذہنیت کی بنیادیں الٹ دیں- وہ دنیا جو نجات و سعادت کی طلب میں دنیا ترک کر رہی تھی اب اسی نجات و سعادت کو دنیا کی تعمیر و ترقی میں ڈھونڈ ھنے لگی!

یہاں زینت سے مقصود وہ تمام چیزیں ہیں جو زندگی کی قدرتی ضروریات سے زیادہ ہوں- مثلاً اچھا لباس' اچھا کھانا' معیشت ⇐

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٣٣ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا
يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝٣٤ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ
فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٣٥ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٣٦ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ

یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری۔

اور یہ کہ خدا کے نام سے ایسی بات کہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں'' (۳۳)

اور (دیکھو) ہر امت کے لیے ایک ٹھہرایا ہوا وقت ہے' سو جب کسی امت کا ٹھہرایا ہوا وقت آ گیا تو پھر نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتی ہے نہ ایک گھڑی آگے۔ (جو کچھ اس کے لیے ہونا ہے ہو گزرتا ہے!)[۱۲] (۳۴)

(اور فرمان الٰہی ہوا[۱۳]) ''اے اولاد آدم! جب کبھی ایسا ہو کہ میرے پیغمبر تم میں پیدا ہوں اور میری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائیں تو جو کوئی (ان کی تعلیم سے متنبہ ہو کر) برائیوں سے بچے گا اور اپنے آپ کو سنوار لے گا اس کے لیے کسی طرح کا اندیشہ نہ ہو گا' نہ کسی طرح کی غمگینی'' (۳۵)

''لیکن جو لوگ میری آیتیں جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلے میں سرکشی کریں گے تو وہ دوزخی ہوں گے۔ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے!'' (۳۶)

پھر بتلاؤ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو جھوٹ بولتے ہوئے خدا پر بہتان لگائے؟ (یعنی خدا نے اسے مامور نہیں کیا ہے۔ مگر وہ کہے میں مامور ہوں) اور اس سے بڑھ کر جو خدا کی آیتیں جھٹلائے؟ (یعنی خدا کا کلام واقعی نازل ہوا اور وہ ضد اور سرکشی سے

⇐ کی تمام بے ضرر آسائشیں اور لذتیں۔

(۱۲) آیت (۳۴) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ افراد کی طرح جماعتوں کی موت وحیات کے لیے بھی مقررہ قوانین ہیں اور ان کے احکام اٹل ہیں۔ جب ایک جماعت کا شر وفساد اس حد تک پہنچ جاتا ہے جو جماعتوں کی ہلاکت کے لیے ٹھہرا دی گئی ہے تو پھر ظہور نتائج میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔

یہاں اس اشارہ سے مقصود رؤسا عرب کی تنبیہ اور مومنوں کی تذکیر ہے کہ انقلاب حال کا وقت آ گیا ہے اور ضروری ہے کہ فیصلہ کن نتائج ظہور میں آئیں۔

(۱۳) آیت (۳۵) میں فرمایا کہ اولاد آدم کو ہدایت وحی کے وقتاً فوقتاً ظہور کی خبر دی گئی تھی۔ اسی قانون کے مطابق اب پیغمبر اسلامؑ کا ظہور ہوا ہے۔ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ آنے والے نتائج کر دیں گے۔ کیونکہ صورت حال نے دو فریق پیدا کر دیے ہیں۔ ایک داعی قرآن ہے جو کہتا ہے میں خدا کی طرف سے مامور ہوں۔ دوسرا فریق منکروں کا ہے جو اسے جھٹلاتا ہے۔ جو شخص خدا پر بہتان باندھے اس سے بڑھ کر کوئی گنہگار نہیں اور جو سچے کو جھٹلائے اس کی بدبختی میں بھی کلام نہیں۔ دیکھیں ص ۹

أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ
مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا
كَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا
دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا
هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾
وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾ ع ٤

کیے نازل نہیں ہوا؟) یہی لوگ ہیں کہ (علم الٰہی کے) نوشتہ میں جو کچھ ان کے لیے ٹھہرا دیا گیا ہے اس کے مطابق اپنا حصہ پاتے رہیں گے- لیکن بالآخر جب ہمارے فرستادہ پہنچیں گے کہ انہیں وفات دیں تو اس وقت وہ کہیں گے ''جن ہستیوں کو تم خدا کے سوا پکارا کرتے تھے اب وہ کہاں ہیں؟''

وہ جواب دیں گے ''وہ ہم سے کھوئی گئیں'' (یعنی ان کی ہستی و طاقت کی کوئی نمود ہمیں دکھائی نہ دی) اور (اس طرح) اپنے اوپر خود گواہی دے دیں گے کہ وہ واقعی (سچائی سے) منکر تھے! (۳۷)

اس پر حکم الٰہی ہوگا ''انسانوں اور جنوں کی ان امتوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں، تم بھی آتش دوزخ میں داخل ہو جاؤ''۔

جب کبھی[۱] ایسا ہوگا کہ ایک امت دوزخ میں داخل ہو تو وہ اپنی طرح کی دوسری امت پر لعنت بھیجے گی- پھر جب سب اکٹھی ہو جائیں گی، تو پچھلی امت پہلی امت کی نسبت کہے گی ''اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا (یعنی جن کی تقلید میں ہم گمراہ ہوئے) تو انہیں آتش عذاب کا دوگنا عذاب دیجیو!''

خدا فرمائے گا ''تم میں سے ہر ایک کے لیے دوگنا عذاب ہے، لیکن تمہیں معلوم نہیں''- (۳۸)

(یہ سن کر) پہلی امت پچھلی امت سے کہے گی ''دیکھو، تمہیں (عذاب کی کمی میں) ہم پر کوئی بزرگی نہ ہوئی تو جیسی کچھ کمائی کر چکے ہو، اس کے مطابق اب عذاب کا مزہ چکھ لو!''- (۳۹)

---

[۱] (۱۴) اصحاب دوزخ کے بعض احوال وواردات جو عالم آخرت میں پیش آئیں گے-

آیت (۳۸) میں اس حقیقت کی اشارہ ہے کہ جب کوئی جماعت برائی میں مبتلا ہوتی ہے تو خود بھی گمراہ ہوتی ہے اور دوسروں کے لیے بھی گمراہی کی مثال قائم کر دیتی ہے- اسی لیے پچھلی امتیں اپنے سے پہلی امتوں پر لعنت بھیجیں گی کہ ان کی تقلید و پیروی میں ہم گمراہ ہوئیں- فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کے لیے دوگنا عذاب ہے'' یعنی ہر ایک جماعت خود بھی گمراہ ہوئی اور اپنے سے بعد آنے والوں کے لیے بھی بری مثال قائم کی- پس سب اس کی مستحق ہوئیں کہ دوگنا عذاب پائیں-

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝٤٠ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ
فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝٤١ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا
اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٤٢ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ
لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٤٣

جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں اوران کے مقابلہ میں سرکشی کی تو (یادرکھو) ان کے لیے آسمان کے دروازے کبھی کھلنے والے نہیں- ان کا جنت میں داخل ہونا ایسا ہے جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزر جانا- اسی طرح ہم مجرموں کوان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں! (یعنی ہم نے اسی طرح قانون جزا ٹھہرادیا ہے)-(۴۰)

ان کے نیچے آگ کا بچھونا ہوگا اوپر آگ کی چادر! ہم ظلم کرنے والوں کوان کے ظلم کا ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں! (۴۱)

اور جو لوگ[۱] ایمان لائے اوران کے کام بھی اچھے ہوئے' اور (یادرہے ہمارا قانون یہ ہے کہ) ہم کسی جان پراس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے توبس ایسے ہی لوگ جنت والے ہیں- ہمیشہ جنت (کے راحت وسرور) میں رہنے والے! (۴۲)

اور (دیکھو) ان لوگوں کے دلوں میں (ایک دوسرے کی طرف سے) جو کچھ کینہ وغبار تھا ہم نے نکال دیا- ان کے تلے (آگ کے شعلوں کی جگہ) نہریں رواں ہیں- انہوں نے (ایک دوسرے پرلعنت بھیجنے کی جگہ) کہا" ساری ستائش اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اس (زندگی) کی راہ دکھائی- ہم کبھی اس کی راہ نہ پاتے اگر وہ ہماری رہنمائی نہ کرتا- بلاشبہ ہمارے پروردگار کے پیغمبر (علیہ السلام) سچائی کا پیغام لے کر آئے تھے" اور (دیکھو) انہوں نے پکار سنی" یہ ہے جنت جوتمہارے ورثہ میں آئی- ان (نیک) کاموں کی بدولت جوتم (دنیا میں) کرتے رہے ہو!" (۴۳)

---

[۱] (۱۵) اصحاب جنت کے بعض احوال وواردات جوآخرت میں پیش آئیں گے-

دوزخیوں کی نسبت فرمایا تھا کہ ان کی ہر جماعت دوسری جماعت پرلعنت بھیجے گی' اور ہرامت کی آرزو ہوگی کہ دوسری کوزیادہ عذاب ملے- یہاں فرمایا کہ اصحاب جنت کے دل بغض وعناد کی کدورتوں سے پاک ہوتے ہیں کیونکہ ایمان وعمل کی پاکی کے ساتھ کینہ وعناد کی آلودگی جمع نہیں ہوسکتی! اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب دوزخ کے خصائل کا نمایاں وصف یہ ہے کہ راحت کی حالت میں ہوں یا عذاب میں، ان کے دلوں میں بغض ونفرت کے سوا اور کوئی جذبہ جگہ نہیں پاتا برخلاف اس کے اصحاب جنت وہ ہیں جن کے دلوں سے کینہ وغبار یک قلم دور ہوجاتا ہے!

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ
حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
وقف لازم وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّا
بِسِیْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۫ لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ
ع ۵ ۸ ۱۴ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ
الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور جنت والوں نے دوزخیوں کو پکارا ''ہمارے پروردگار نے جو کچھ ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے اسے سچا پایا ہے- پھر کیا تم نے بھی وہ تمام باتیں ٹھیک پائیں جن کا تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا؟'' دوزخی جواب میں بولے ''ہاں'' اس پر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا ''ظالموں پر خدا کی لعنت ہو- (۴۴) ان ظالموں پر جو خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے اور چاہتے تھے وہ سیدھی نہ ہو- اس میں کجی ڈال دیں اور آخرت کی زندگی سے بھی منکر تھے'' (۴۵)

اور (دیکھو) ان[۱] دونوں کے درمیان ایک اوٹ ہے اور اعراف پر (یعنی بلندی پر) کچھ لوگ ہیں جو (دونوں گروہوں میں سے) ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچان لیتے ہیں- ان لوگوں نے جنت والوں کو پکارا ''تم پر سلامتی ہو'' وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے- اس کے آرزومند ہیں- (۴۶)

اور جب ان لوگوں کی نگاہ دوزخیوں کی طرف پھری (اور ان کی ہولناک حالت نظر آئی) تو پکار اٹھے ''اے پروردگار! ہمیں ظالم گروہ کے ساتھ شامل نہ کیجیو!'' (۴۷)

اور ''اعراف'' والوں نے ان لوگوں کو پکارا جنہیں وہ ان کے قیافہ سے پہچان گئے تھے- ''نہ تو تمہارے جتھے تمہارے کام آئے نہ تمہاری بڑائیاں'' (۴۸)

---

[۱] (۱۶) دو مقام ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اور انہیں الگ الگ کر دینا ہو تو درمیان میں دیوار کھڑی کر دیتے ہیں- فرمایا جنت اور دوزخ کی تقسیم بھی ایسی ہی سمجھو- ایک دیوار ہے جس نے ایک کو دوسرے سے الگ کر دیا ہے- ایک قدم ادھر رہ گئے تو دوزخ ہے- آگے بڑھ گئے تو جنت ہے- چنانچہ سورہ حدید میں ہے! ''جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان ایک دیوار ہے جس میں دروازہ ہے- اندر جاؤ تو رحمت ہے- باہر رہو تو عذاب'' (۵۷!۱۳)

اسی دیوار کو یہاں ''اعراف'' سے تعبیر کیا ہے- ''اعراف'' کا اطلاق ہر ایسی چیز پر ہوتا ہے جو زمین سے بلند ہو- فرمایا جنت و دوزخ کے لیے بھی ایک اعراف ہے جہاں سے دونوں طرف دیکھا جا سکتا ہے-

اگر حقیقت کے رمز شناس ہو تو حق پا لو گے کہ زندگی کے ہر گوشہ میں جنت و دوزخ کی تقسیم کا یہی حال ہے- دونوں کی سرحدیں اس طرح ملی ہوئی ہیں کہ ایک قدم پیچھے رہ گئے اور جنت کی جگہ دوزخ میں پڑ گئے- بسا اوقات ایک قدم کی تیزی یا کوتاہی جنت ⇐

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ
تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ
اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾
وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

(انہوں نے جنتیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا) ''دیکھو کیا یہ وہی لوگ نہیں ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ خدا کی رحمت سے انہیں کچھ ملنے والا نہیں؟ (لیکن انہیں تو آج رحمت الٰہی پکار رہی ہے) جنت میں داخل ہو جاؤ- آج تمہارے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہے نہ کسی طرح کی غمگینی!'' (۴۹)

اور دوزخیوں نے جنت والوں کو پکارا! ''تھوڑا سا پانی ہم پر بہا دو (کہ گرمی کی شدت سے پھکتے جاتے ہیں) یا اس میں سے کچھ دے دو جو خدا نے تمہیں بخشا ہے'' جنت والوں نے جواب دیا ''خدا نے یہ دونوں چیزیں (آج) منکروں پر روک دی ہیں- (۵۰)

(کیونکہ وہ فرماتا ہے) جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا تھا (یعنی عمل حق کی جگہ ایسے کاموں میں لگے رہے جو کھیل تماشے کی طرح حقیقت سے خالی تھے) اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈالے رکھا تو جس طرح انہوں نے اس دن کا آنا بھلا دیا تھا آج وہ بھی بھلا دیے جائیں گے نیز اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں سے جان بوجھ کر انکار کرتے تھے!'' (۵۱)

اور[1] (دیکھو) ہم نے تو ان لوگوں کے لیے ایک ایسی کتاب بھی نازل کر دی جس میں علم کے ساتھ (دین حق کی تمام باتیں) الگ الگ کر کے واضح کر دی ہیں اور جو ایمان رکھنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے- (۵۲)

(پھر) کیا یہ لوگ اس بات کے انتظار میں ہیں کہ (فساد و بدعملی کے جس نتیجہ کی اس میں خبر دی گئی ہے)

⇦ سے دوزخ میں یا دوزخ سے جنت میں پہنچا دیتی ہے!

یک لحہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد!

[1] (۱۶)(ب) اب منکرین قرآن کی طرف سلسلہ بیان متوجہ ہوا ہے-

فرمایا آدم علیہ السلام کی اولاد کو ہدایت وحی کے وقتاً فوقتاً ظہور کی جو خبر دی گئی تھی اسی کے مطابق قرآن کی دعوت نمودار ہوئی ہے- اور اس نے علم و بصیرت کی راہ واضح کر دی ہے-

پھر اگر منکرین حق سرکشی و فساد سے باز نہیں آتے تو انہیں کس بات کا انتظار ہے؟ کیا اس بات کا کہ انکار و بدعملی کے جن نتائج کی خبر دی گئی ہے ان کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں؟ ⇦

اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ
لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ ع ۶ ۱۳
اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ

اس کا مطلب وقوع میں آ جائے؟ (اگر اسی بات کا انتظار ہے تو جان رکھیں) جس دن اس کا مطلب وقوع میں آئے گا اس دن وہ لوگ کہ اسے پہلے سے بھولے بیٹھے تھے (نامرادی وحسرت کے ساتھ) بول اٹھیں گے ''بلاشبہ ہمارے پروردگار کے پیغمبر ہمارے پاس سچائی کا پیام لے کر آئے تھے! (مگر افسوس کہ ہم نے انہیں جھٹلایا) کاش شفاعت کرنے والوں میں سے کوئی ہو جو آج ہماری شفاعت کرے! یا کاش ایسا ہی ہو کہ ہم پھر دنیا میں لوٹا دیے جائیں اور جیسے کچھ کام کرتے رہے ہیں اس کے برخلاف (نیک) کام انجام دیں!

بلاشبہ ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہی میں ڈالا اور دنیا میں جو کچھ افتراء پردازیاں کیا کرتے تھے وہ سب (آج) ان سے کھوئی گئیں! (۵۳)

تمہارا پروردگار تو وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ ''ایام'' میں (یعنی چھ دوروں میں جو یکے بعد دیگرے واقع ہوئے) پیدا کیا اور پھر (اپنی حکومت وجلال کے) تخت پر متمکن ہو گیا- (اس نے رات اور دن کی تبدیلی کا ایسا نظام ٹھہرا دیا ہے کہ) رات کی اندھیری دن کی روشنی کو ڈھانپ لیتی ہے اور (ایسا معلوم ہوتا ہے گویا) دن کے پیچھے لپکی چلی آ رہی ہو- اور (دیکھو) سورج' چاند' ستارے

⇐ لیکن جس دن ان کا ظہور ہوگا اس دن اس کی مہلت ہی کب باقی رہے گی کہ کوئی ایمان لائے؟ وہ تو اعمال انسانی کے آخری فیصلہ کا دن ہوگا!

لے (۱۷) توحید الوہیت ☆ کی تلقین اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ ''خلق'' اور ''امر'' دونوں اللہ ہی کی ذات سے ہیں- یعنی وہی کائنات ہستی کا پیدا کرنے والا ہے اور اسی کے حکم وقدرت سے اس کا انتظام بھی ہو رہا ہے- یہ بات نہیں ہے کہ تدبیر وانتظام کی دوسری قوتیں بھی موجود ہوں جیسا کہ مشرکین کا خیال تھا-

''تخت پر متمکن ہو گیا'' یعنی خدا کی پادشاہت کائنات ہستی میں نافذ ہو گئی- کیونکہ وہی خالق ہے اور وہی مدبر بھی ہے- تمام عالم ہستی اسی کے تخت جلال کے آگے جھکی ہوئی ہے- چنانچہ ایک دوسری جگہ فرمایا ﴿ ثم استوى على العرش يدبر الامر ﴾

☆ توحید الوہیت یعنی خدا کے سوا کوئی ہستی اس کی مستحق نہیں کہ معبود بنائی جائے۔ ''توحید ربوبیت'' یعنی کائنات کی پیدا کرنے والی اور پرورش کرنے والی ہستی صرف خدا ہی کی ہستی ہے۔ قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے۔ یعنی جب خالق ورب اس کے سوا کوئی نہیں تو معبود بھی اس کے سوا اور کسی کو نہیں بنانا چاہیے۔

مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمۡرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۵۴﴾ اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ تَضَرُّعًا
وَّخُفۡيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا وَادۡعُوۡهُ خَوۡفًا
وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ يُرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًۢا بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ
حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ

سب اس کے حکم کے آگے جھکے ہوئے ہیں! یادرکھو! اسی کے لیے پیدا کرنا ہے اور اسی کے لیے حکم دینا (اس کے سوا کوئی نہیں جسے کارخانہ ہستی کے چلانے میں دخل ہو) سو کیا ہی بابرکت ذات ہے اللہ کی تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا! (۵۴)

(اے لوگو!) اپنے پروردگار سے دعائیں مانگو- آہ وزاری کرتے ہوئے بھی اور پوشیدگی سے بھی- وہ انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں- (۵۵)

اور (دیکھو) ملک کی درستی کے بعد (یعنی دعوت حق کے ظہور کے بعد جو اس کی درستی کی دعوت ہے) اس میں خرابی نہ پھیلاؤ- (اپنی خطاؤں سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت سے) امیدیں رکھتے ہوئے اس کے حضور دعائیں کرو- یقیناً اللہ کی رحمت ان سے نزدیک ہے جو نیک کردار ہیں! (۵۶)

اور (دیکھو) یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ باران رحمت سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے کہ (مینہ برسنے کی) خوش خبری پہنچادیں- پھر جب وہ بوجھل بادل لے اڑتی ہیں تو انہیں کسی مردہ زمین کی بستی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے- پھر ان سے پانی برساتا ہے اور زمین

---

(۱۸) آیت (۵۵) سے سلسلہ بیان اسی مقصد کی طرف پھر گیا ہے جس سے سورت کی ابتداء ہوئی ہے۔ یعنی قرآن کی دعوت کی راہ میں کتنی ہی مشکلات پیش آئیں لیکن اس کی کامیابی اٹل ہے اور اہل ایمان کو اس بارے میں دل تنگ نہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ آیت (۵۶) میں فرمایا خدا کی رحمت نیک کرداروں سے دور نہیں!

پھر (۵۷) میں اس کی مثال بیان کی۔ جب پانی برسنے کو ہوتا ہے تو پہلے بارانی ہوائیں چلنے لگتی ہیں پھر پانی برستا ہے اور مردہ زمین زندہ ہوکر سرسبز و شاداب ہوجاتی ہے۔ یہی حال ہدایت وحی اور اس کے انقلاب کا ہے۔ پہلے اس کی علامتیں نمودار ہوتی ہیں۔ پھر اس کی برکتوں سے مردہ روحوں میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ چنانچہ ہوائیں چلنا شروع ہوگئی ہیں۔ اب باران رحمت کی برکتوں کے ظہور کا انتظار کرو!

لیکن بارش سے صرف وہی زمین فائدہ اٹھا سکتی ہے جس میں اس کی استعداد ہو۔ شور والی زمین پر کتنی ہی بارش ہو سرسبز نہ ہوگی۔ اسی طرح قرآن کی ہدایت سے بھی وہی روحیں شاداب ہوں گی جن میں قبولیت حق کی استعداد ہے۔ جنہوں نے استعداد کھو دی ان کے حصہ میں محرومی و نامرادی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

(۱۹) اس کے بعد آیت (۵۹) سے پچھلی دعوتوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اس انقلاب حال پر متعجب نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہمیشہ سے سنت الٰہی ایسی ہی چلی آئی ہے اور ہمیشہ دعوت حق کی بے سروسامانیوں نے وقت کے تمام سروسامانوں پر فتح پائی ہے۔

(۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت نمایاں ہوتی ہے۔ جن کا ظہور دریائے دجلہ و فرات کے دوآبہ میں ہوا⇐

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۞ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِىْ
خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۞ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا ع ۵
اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ۞ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ ضَلٰلَةٌ
وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ

سے ہر طرح کے پھل پیدا کر دیتا ہے- اس طرح ہم مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں تا کہ تم (قدرت الٰہی کی کرشمہ سنجیوں میں) غور وفکر کرو! (۵۷)

اور (دیکھو) اچھی زمین اپنے پروردگار کے حکم سے اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے لیکن جو زمین نکمّی ہے اس سے کچھ پیدا نہیں ہوتا مگر یہ کہ نکمّی چیز پیدا ہو- اس طرح ہم (حکمت وعبرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لیے دہراتے ہیں جو شکر کرنے والے ہیں (یعنی خدا کی نعمتوں کے قدر شناس ہیں)- (۵۸)

یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف (تبلیغ حق کے لیے) بھیجا تھا- اس نے کہا "اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا کوئی معبود نہیں- میں ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے ہی (ہولناک) دن کا عذاب تمہیں پیش نہ آ جائے"- (۵۹)

اس پر اس کی قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے جواب دیا "ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں پڑ گئے ہو-" (۶۰)

نوحؑ نے کہا "بھائیو! یہ بات نہیں ہے کہ میں گمراہی میں پڑ گیا ہوں- میں تو اس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے فرستادہ ہوں- میں اپنے پروردگار کا پیغام تمہیں پہنچاتا ہوں اور پند ونصیحت کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے اس بات کا علم رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں"- (۶۱-۶۲)

(نیز نوح علیہ السلام[ا] نے کہا) "کیا تمہیں اس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ تمہارے پروردگار کی نصیحت ایک ایسے آدمی کے ذریعہ تمہیں پہنچی جو تم ہی میں سے ہے؟ اور اس لیے پہنچی تا کہ (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دے- اور تم برائیوں سے بچو

⇐ تھا جو انسانی تمدن کا سب سے قدیم گہوارہ ہے' اور جہاں غالباً سب سے پہلے بت پرستی کا ظہور ہوا- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جمعیت اپنی ابتدائی اور فطری ہدایت کی راہ سے سب سے پہلے وہیں گمراہ ہوئی تھی-

[ا] (ب) "اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں" مذہبی سچائی کی اصلی بنیاد یہی ہے اسی لیے قرآن نے تمام پیغمبروں کی زبانی اسے نقل کیا ہے- انسانی ذہن وادراک صرف محسوسات کا سطحی علم حاصل کر سکتا ہے لیکن اس سے آگے کیا ہے؟ اس کے علم کا اس کے پاس کوئی عقلی ذریعہ نہیں-

⇐

وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۞ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا
ع ۱۵ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۞ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۞ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ
سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۞

اور رحمت الٰہی کے سزاوار ہو؟'' (۶۳)

باایں ہمہ لوگوں نے نوح کو جھٹلایا - پس ہم نے اسے اور ان سب کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے (سیلاب سے) نجات دی اور جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں انہیں غرق کر دیا - حقیقت یہ ہے کہ وہ (اپنی سمجھ بوجھ کھوکر) یک قلم اندھے ہو گئے تھے! (۶۴)

اور[ا] (اسی طرح) ہم نے قوم عاد کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے ہود کو بھیجا - اس نے کہا ''اے قوم! اللہ کی بندگی کرو - اس کے سوا کوئی معبود نہیں - کیا تم (انکار و بدعملی کے نتائج سے) نہیں ڈرتے؟'' (۶۵)

اس پر قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا کہا ''ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم حماقت میں پڑ گئے ہو اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو -'' (۶۶)

ہود نے کہا ''بھائیو! میں احمق نہیں ہوں - میں تو اس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے فرستادہ ہوں (۶۷) میں اس کا پیام تمہیں پہنچاتا ہوں - اور یقین کرو کہ تمہیں دیانتداری کے ساتھ نصیحت کرنے والا ہوں (۶۸)

⇐ انبیائے کرام کا اعلان یہ ہے کہ ان کے پاس ایک ذریعہ موجود ہے اور وہ ''وحی'' ہے - چونکہ انسان کے پاس ہدایت وحی کے خلاف کوئی یقینی روشنی موجود نہیں اور چونکہ بغیر اس علم کے قبول کے کارخانہ حیات کا مسئلہ حل نہیں ہوتا اور چونکہ وہ وجدانی طور پر اس کی طلب بھی رکھتا ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ اس اعلان کے آگے سر تسلیم خم کر دے - اگر نہیں کرے گا تو وہ یقین و طمانیت کی جگہ شک و ظن کی زندگی کو ترجیح دے گا -

[ا] (ج) قوم نوح کے بعد عرب میں قوم عاد کو عروج ہوا - ان کی آبادیاں عمان سے لے کر حضر موت اور یمن تک پھیل گئی تھیں - حضرت ہود کا انہی میں ظہور ہوا تھا -

حضرت ہود کا وعظ اور قوم کا آباؤ اجداد کی تقلید کی بنا پر انکار -

قبول حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید اور گھڑی ہوئی بزرگیوں اور روایتی عظمتوں کی پرستش ہے - ابتدا میں جہل و فساد سے کوئی عقیدہ گھڑ لیا جاتا ہے - پھر ایک مدت تک لوگ اسے مانتے رہتے ہیں - پھر جب ایک عرصہ کے اعتقاد سے اس میں شان تقدیس پیدا ہو جاتی ہے تو اسے شک و شبہ سے بالاتر سمجھنے لگتے ہیں اور عقل و بصیرت کی کوئی دلیل بھی اس کے خلاف تسلیم نہیں کرتے قرآن اسی کو ﴿ اسماء سمیتوھا انتم و اباء کم ﴾ سے جابجا تعبیر کرتا ہے کیونکہ بنائے ہوئے ناموں اور لفظوں کے سوا وہ کوئی حقیقت اور معقولیت پیش نہیں کر سکتے -

⇐

اَوَ عَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَكُمۡ ذِكۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَلٰى رَجُلٍ مِّنۡكُمۡ لِيُنۡذِرَكُمۡ‌ؕ وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ
بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّزَادَكُمۡ فِى الۡخَلۡقِ بَصۜۡطَةً‌ ۚ فَاذۡكُرُوۡۤا اٰلَۤاءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا
لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا‌ ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ
قَدۡ وَقَعَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ رِجۡسٌ وَّغَضَبٌ‌ ؕ اَتُجَادِلُوۡنَنِىۡ فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ
مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ‌ ؕ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ
ع ۹ ۸ ۱۶ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا‌ وَمَا كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۲﴾ وَاِلٰى ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا‌ ۘ

کیا تمہیں اس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ ایک ایسے آدمی کے ذریعہ تمہارے پروردگار کی نصیحت تم تک پہنچی جو خود تم ہی میں سے ہے؟ خدا کا یہ احسان یاد کرو کہ قوم نوح کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا اور تمہاری نسل کو زیادہ وسعت وتوانائی بخشی- پس چاہیے کہ اللہ کی نعمتوں کی یاد سے غافل نہ ہو- تاکہ ہر طرح کامیاب ہو-" (۶۹)

انہوں نے کہا "کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم صرف ایک ہی خدا کے پجاری ہو جائیں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں؟ اگر تم سچے ہو تو وہ بات لا دکھاؤ جس کا ہمیں خوف دلا رہے ہو؟" (۷۰)

ہود نے کہا "یقین کرو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب واقع ہو گیا ہے (کہ عقلیں ماری گئی ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہی کے حوالے کر رہے ہو) کیا ہے جس کی بنا پر تم مجھ سے جھگڑ رہے ہو؟ محض چند نام جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے اپنے جی سے گھڑ لیے ہیں اور جن کے لیے خدا نے کوئی سند نہیں اتاری- اچھا (آنے والے وقت کا) انتظار کرو- میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کروں گا-" (۷۱)

پھر ایسا ہوا کہ ہم نے ہود کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں ان کی بیخ و بنیاد تک اکھاڑ دی- حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی ایمان لانے والے نہ تھے- (۷۲)

اور[1] (اسی طرح) ہم نے قوم ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں میں صالح کو بھیجا- اس نے کہا "اے میری قوم

⇐ افسوس مسلمانوں میں بھی بہت سے ایسے "اسماء" پیدا ہو گئے ہیں جنہیں وہ حجت و دلیل سمجھنے لگے ہیں حالانکہ خدا نے ان کے لیے کوئی دلیل نہیں اتاری-

[1] (د) قوم ثمود عرب کے اس حصے میں آباد تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک چلا گیا ہے- اسی مقام کو دوسری ⇐

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً
فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ
خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ
فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ

کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں- دیکھو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل تمہارے سامنے آ چکی ہے- یہ خدا کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی تمہارے لیے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے- پس اسے کھلا چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں جہاں چاہے چرے- اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ کہ (اس کی پاداش میں) عذاب جانکاہ تمہیں آ پکڑے" (۷۳)

"اور وہ وقت یاد کرو کہ خدا نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا اور اس سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ میدانوں سے محل بنانے کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر اپنا گھر بنا لیتے ہو (یہ اس کا تم پر احسان ہے) پس اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ" (۷۴)

قوم کے جن سربرآوردہ لوگوں کو (اپنی دولت و طاقت کا) گھمنڈ تھا انہوں نے مومنوں سے کہا' اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں (افلاس و بے چارگی کی وجہ سے) کمزور و حقیر سمجھتے تھے:

"کیا تم نے سچ مچ کو معلوم کر لیا ہے کہ صالح خدا کا بھیجا ہوا ہے؟" (یعنی ہمیں تو ایسی کوئی بات اس میں دکھائی دیتی نہیں) انہوں نے کہا" ہاں بے شک جس پیام حق کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے ہم اس پر پورا یقین

⇦ جگہ "الحجر" سے بھی تعبیر کیا ہے-

پالتو جانوروں کو خدا کے نام پر چھوڑ دینے کا طریقہ بہت قدیمی ہے- بابل اور ہندوستان میں اس کا سراغ ہزاروں برس پیشتر تک ملتا ہے- معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود کے لوگ بھی اپنے بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیا کرتے تھے- حضرت صالح علیہ السلام نے خدا کے نام پر ایک اونٹنی چھوڑ دی اور اسی معاملہ میں قوم کے لیے اتباع حق کی آزمائش ہو گئی- اگر وہ اونٹنی کو ضرر نہ پہنچاتے تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا کہ ان کے دل ہدایت کے آگے جھک گئے ہیں مگر ان کے اندر خداپرستی کے خلاف ایسی ضد اور شرارت پیدا ہو گئی تھی کہ اتنی سی بات بھی نہ مان سکے اور اونٹنی کو زخمی کر کے ہلاک کر ڈالا-

"ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ" اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ قتل و غارت' لوٹ مار' شر و فساد میں چھوٹ ہو گئے تھے اور امن و عدالت کا کوئی احساس باقی نہیں رہا تھا-

(۵) جو حقیر و ذلیل سمجھے جاتے تھے انہوں نے سچائی قبول کی اور جنہیں اپنی دنیوی بڑائیوں کا گھمنڈ تھا انہوں نے انکار کیا- دعوت حق کا جب ⇦

مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ
رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا
تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾
اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ

رکھتے ہیں"۔ (۷۵) اس پر گھمنڈ کرنے والوں نے کہا "تمہیں جس بات کا یقین ہے ہمیں اس سے انکار ہے۔" (۷۶)

غرض کہ انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی۔

انہوں نے کہا "اے صالحؑ! اگر تم واقعی پیغمبروں میں سے ہو تو اب وہ بات ہم پر لا دکھاؤ جس کا تم نے ہمیں خوف دلایا تھا۔" (۷۷)

پس ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انہیں آ لیا اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے! (۷۸)

پھر صالحؑ ان سے کنارہ کش ہو گیا۔ اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! میں نے اپنے پروردگار کا پیام تمہیں پہنچایا اور نصیحت کی مگر (افسوس تم پر!) تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے" (۷۹)

اور لوطؑ کا واقعہ[۱] یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا "کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرنا پسند کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی انسان نے نہیں کیا؟ (۸۰) تم عورتوں کو چھوڑ کر نفسانی خواہش سے مردوں پر مائل ہوتے ہو۔ یقیناً تم ایک ایسی قوم ہو گئے ہو جو (اپنی نفس پرستیوں میں) بالکل چھوٹ ہے" (۸۱)

لوط کی قوم کے پاس اگر اس کا کچھ جواب تھا تو یہ تھا کہ آپس میں کہنے لگے:

⇐ کبھی ظہور ہوا ہے تو ہمیشہ ایسی ہی صورت حال پیش آئی ہے۔ قبولیت حق کی راہ میں ایک بڑا مانع دنیوی خوشحالیوں کا گھمنڈ اور انہماک ہے۔

[۱] (د) حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بھتیجے تھے اور بحر میت کے کنارے سدوم میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہ معاملہ وہیں پیش آیا۔

تورات میں ہے کہ سدوم اور عمورہ پر آگ اور گندھک کی بارش ہوئی تھی۔ قرآن میں ہے کہ پتھر گرے تھے۔

دونوں بیانوں کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حالت پیش آئی ہو گی جیسی آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے واقع ہوتی ہے۔

اِلَّآ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَتِكُمۡ‌ ۚ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا
امۡرَاَتَهٗ ‌ۖ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا‌ ؕ فَانْظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ
ع الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۸۴﴾ وَاِلٰى مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا‌ ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ‌ ؕ
قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ‌ فَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تُفۡسِدُوۡا
فِى الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقۡعُدُوۡا بِكُلِّ صِرَاطٍ

''اس آدمی کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو- یہ ایسے لوگ ہیں جو بڑے پاک صاف بننا چاہتے ہیں-'' (۸۲)

پس ایسا ہوا کہ لوط کو اور اس کے گھر والوں کو تو ہم نے بچالیا مگر اس کی بیوی نہ بچی کہ وہ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں تھی- (۸۳)

ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ برسادیا تھا- سو دیکھو مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ (۸۴)

اور (اسی طرح) مدین[1] کی بستی میں شعیبؑ بھیجا گیا کہ انہی کے بھائی بندوں میں سے تھا- اس نے کہا:

''بھائیو! اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں- دیکھو تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل تمہارے سامنے آچکی- پس چاہیے کہ ماپ تول پورا پورا کیا کرو- لوگوں کو (خرید و فروخت میں) ان کی چیزیں کم نہ دو- ملک کی درستی کے بعد (کہ دعوت حق کے قیام سے ظہور میں آرہی ہے) اس میں خرابی نہ ڈالو' اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یقین کرو اسی میں تمہارے لیے بہتری ہے'' (۸۵)

''اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ (دعوت حق کی اشاعت روکنے کے لیے) ہر راستے جا بیٹھو اور جو آدمی بھی ایمان لائے اسے دھمکیاں دے کر خدا کی راہ سے روکو اور اس میں کجی ڈالنے کے درپے ہو رہو-

[1] (ز) ''مدین'' کسی بستی کا نام نہیں- ایک قبیلہ کا نام تھا جو جزیرہ نمائے سینا میں عرب سے متصل آباد تھا- اسی میں حضرت شعیب کا ظہور ہوا-

(ح) قرآن نے حضرت شعیب علیہ السلام کی کوئی ایسی نشانی بیان نہیں کی جیسی دوسرے پیغمبروںؑ کی بیان کی ہے اور جو متکلمین کی اصطلاح میں ''معجزہ کے لفظ سے تعبیر کی جاتی ہے- تاہم قرآن حضرت شعیب علیہ السلام کی زبانی نقل کرتا ہے کہ ''واضح دلیل آچکی'' یہ ''دلیل واضح'' کیا تھی؟ حضرت شعیب کی تعلیم تھی جو راست بازی و عدالت کی راہ دکھاتی تھی- اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک انبیا علیہم السلام کی تعلیم بجائے خود دلیل' بینہ اور حجت ہے- اور ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری نشانی اور مصطلحہ معجزہ بھی ہو-

(ط) ماپ تول کی درستی اور یہ اصل کہ خرید و فروخت میں جو جس کا حق ہو اسے پورا ملنا چاہیے انسانی معیشت کی وہ بنیادی صداقت ہے جس کی ہمیشہ نبیوںؑ نے تلقین کی-

(ی) حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا کم از کم صبر کرو اور نتیجہ دیکھ لو- لیکن منکر اس کے لیے بھی تیار نہ ہوئے-

تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ
قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٨٦ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا
بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ
الْحٰكِمِيْنَ ۝٨٧ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝٨٨ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

خدا کا احسان یاد کرو کہ تم بہت تھوڑے تھے اس نے (امن وعافیت دے کر) تمہاری تعداد زیادہ کر دی- اور پھر غور کرو جن لوگوں نے فساد کا شیوہ اختیار کیا تھا انہیں کیسا کچھ انجام پیش آ چکا ہے؟" (۸۶)

"اور اگر ایسا ہوا ہے کہ تم میں سے ایک گروہ اس تعلیم پر ایمان لے آیا ہے جس کی تبلیغ کے لیے میں بھیجا گیا ہوں اور دوسرا گروہ ہے جسے اس پر یقین نہیں تو (صرف اتنی ہی بات دیکھ کر فیصلہ نہ کرلو) صبر کرو- یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے!" (۸۷)

اس پر[ل] قوم کے سرداروں نے جنہیں (اپنی دنیوی طاقتوں کا) گھمنڈ تھا کہا "اے شعیب! (دو باتوں میں سے ایک بات ہو کر رہے گی!) یا تو تجھے اور ان سب کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں ہم اپنے شہر سے ضرور نکال باہر کریں گے یا تمہیں مجبور کر دیں گے کہ ہمارے دین میں لوٹ آؤ"

شعیب نے کہا "اگر ہمارا دل تمہارے دین پر مطمئن نہ ہو تو کیا جبراً مان لیں؟" (۸۸)

"اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں حالانکہ خدا نے (علم و یقین کی روشنی نمایاں کر کے) ہمیں اس سے نجات دے دی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے جھوٹ بولتے ہوئے خدا پر بہتان باندھا- ہمارے لیے ممکن نہیں کہ اب قدم پیچھے ہٹائیں- ہاں اللہ کا جو ہمارا پروردگار ہے ایسا ہی چاہنا ہو- (تو وہ جو چاہے گا ہو کر رہے گا)

ل (ک) آیت (۸۷) میں فرمایا "وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے" اور دوسری جگہ خدا کے اس فیصلہ کو "قضاء بالحق" اور "سب سے بڑی شہادت" سے بھی تعبیر کیا ہے- یہ فیصلہ کیا ہے؟ قانون الٰہی کا وہ اعلان جو حق کو کامیاب کر کے اور باطل کو ناکام رکھ کر اپنا فیصلہ صادر کر دیتا ہے!

(ل) آیت (۸۸) نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک مذہبی اعتقاد کا معاملہ دل کے یقین وطمانیت کا معاملہ ہے اور جبراً کسی کو اس کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا- نیز یہ کہ ہمیشہ داعیان حق اور منکرین حق میں بنائے نزاع یہی بات رہی ہے کہ وہ کہتے تھے "ہمارا دل جس راہ کو حق سمجھتا ہے اسی پر چلیں گے" یہ کہتے تھے نہیں ہم تمہیں جبراً اپنی راہ پر چلا کر چھوڑیں گے-

رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا
بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ
شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى
عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ

کوئی چیز نہیں جس پر وہ اپنے علم سے چھایا ہوا نہ ہو- ہمارا تمام تر بھروسہ اسی پر ہے- اے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کردے اور تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے!'' (۸۹) قوم کے سرداروں[۱] نے جو شعیبؑ کے منکر تھے (لوگوں سے) کہا ''اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی کی تو بس سمجھ لو تم برباد ہوئے''- (۹۰)

پس ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انہیں آلیا' اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے! (۹۱)

جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا' (ان کا کیا حال ہوا؟) گویا ان بستیوں میں کبھی بسے ہی نہ تھے!

جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا' وہی برباد ہونے والے تھے! (۹۲) بہر حال شعیبؑ ان سے کنارہ کش ہوگیا- اس نے کہا ''بھائیو! میں نے پروردگار کے پیغامات تمہیں پہنچا دیے تھے اور تمہاری بہتری چاہی تھی- (مگر جب تم نے جان بوجھ کر ہلاکت کی راہ پسند کی) تو میں نہ ماننے والوں (کی تباہی) پر اب کیسے افسوس کروں؟'' (۹۳)

---

[۱] (۲۰) تمام پیغمبروںؑ کے حالات پر غور کرو!

(ا) سب اسی قوم میں پیدا ہوئے جس کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے- ایسا نہیں ہوا کہ باہر سے کوئی اجنبی آ گیا ہو جس کی زندگی سے لوگ بے خبر ہوں-

(ب) کوئی بھی بادشاہ یا امیر نہ تھا- نہ کسی طرح کا دنیوی سروسامان رکھتا تھا- سب کا ظہور اسی طرح ہوا کہ تن تنہا اعلان حق کے لیے کھڑے ہوگئے اور صرف خدا کی معیت ونصرت پر اعتماد کیا-

(ج) سب کا پیام ایک ہی تھا: خدا کی بندگی کرو- اس کے سوا کوئی معبود نہیں!

(د) سب نے نیک عملی کی تلقین کی- انکار وبدعملی کے نتائج سے متنبہ کیا-

(ہ) سب کے ساتھ یہی ہوا کہ رئیسوں نے سرکشی کی- بے نواؤں نے ساتھ دیا-

(و) مخالفت بھی ہمیشہ ایک ہی طرح ہوئی- یعنی اعلان رسالت کی ہنسی اڑائی گئی- ان کی باتوں کو حماقت سے تعبیر کیا گیا- انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اذیت پہنچانے کے تمام وسائل کام میں لائے- ان کی دعوت کی اشاعت روکنے کے لیے اپنی ساری قوتیں خرچ کرڈالیں-

(ز) پیغمبروں نے ہمیشہ کہا! اگر میری دعوت قبول نہیں کرتے تو کم از کم میری موجودگی برداشت کرلو اور مجھے اپنا کام کرنے دو⇐

كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ
بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ
كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾ ع

اور ہم نے جب کبھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو ہمیشہ ایسا کیا کہ اس کے باشندوں کو سختیوں اور نقصانوں میں مبتلا کر دیا کہ (سرکشی سے باز آئیں اور) عاجزی و نیازمندی کریں۔ (۹۴)

پھر جب ایسا ہوا کہ وہ (خوش حالیوں میں) خوب بڑھ گئے اور (پاداش عمل سے بے پروا ہو کر) کہنے لگے ''ہمارے بزرگوں پر سختی کے دن بھی گزرے راحت کے بھی'' (یعنی دنیا میں اچھی بری حالتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ جزائے عمل کوئی چیز نہیں) تو اچانک ہمارے عذاب کی پکڑ میں آ گئے اور وہ بالکل بے خبر تھے! (۹۵)

اور اگر بستیوں کے رہنے والے (جن کی سرگزشتیں بیان کی گئی ہیں) ایمان لاتے اور برائیوں سے بچتے تو ہم آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے ضرور ان پر کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا پس اس کمائی کی وجہ سے جو انہوں نے (اپنے اعمال کے ذریعہ) حاصل کی تھی ہم نے انہیں پکڑ لیا (اور وہ مبتلائے عذاب ہوئے) (۹۶)

کیا شہروں[1] کے بسنے والوں کو اس بات سے امان مل گئی ہے کہ ہمارا عذاب راتوں رات آ نازل ہو اور وہ پڑے سوتے ہوں؟ (۹۷)

⇦ اور فیصلہ نتائج پر چھوڑ دو لیکن منکر اس کے لیے بھی تیار نہیں ہوئے۔

(ح) ہمیشہ یہی ہوا کہ داعی حق اور ان کے ساتھی وعظ و پند کے ذریعہ تبلیغ کرتے یعنی دل و دماغ کو اپیل کرتے لیکن منکر جبر و تشدد سے ان کی راہ روکنی چاہتے۔ پیغمبروں کی پکار یہ ہوتی تھی کہ روشن دلیلوں پر غور کرو۔ منکروں کا جواب یہ ہوتا تھا کہ انہیں بستی سے نکال باہر کر دو یا سنگسار کر دو!

(ط) پھر دیکھو نتیجہ بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا پیش آیا۔ وہ تمام جماعتیں جنہوں نے دعوت حق کا مقابلہ کیا تھا۔ ہلاک و نابود ہو گئیں اور دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں قانون الٰہی کی پکڑ سے نہ بچا سکی!

یہی نتیجہ ہے جس پر خصوصیت کے ساتھ یہاں توجہ دلائی ہے اور قرآن دعوت حق کے ظہور و احوال کی یکسانیت سے بے شمار مقاصد و نتائج پر استدلال کرتا ہے۔ چنانچہ آیت (۹۴) میں فرمایا کہ ہمیشہ سنت الٰہی ایسی ہی رہی ہے۔ اور پھر آیت (۱۰۱) اور اس کے بعد کی آیات میں واضح کر دیا ہے کہ گذشتہ دعوتوں کے ذکر سے مقصود اسی حقیقت کی تلقین ہے۔

[1] (۲۱) منکر و سرکش جماعتوں کی ہلاکت کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں۔ وہ سب اس نوعیت کے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے قدرتی حوادث کا ظہور تھا۔ مثلاً زلزلہ، طوفان، سیلاب، آتش فشانی۔ پھر انہیں مقررہ عذاب کیوں کہا گیا؟ ⇦

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا
ع۱۲ الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ
وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۗ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

یا انہیں اس بات سے امان مل گئی ہے کہ دن دہاڑے عذاب نازل ہو جائے اور وہ (بے خبر) کھیل کود میں مشغول ہوں؟ (۹۸)

کیا انہیں خدا کی مخفی تدبیروں سے امان مل گئی ہے؟ (اور وہ سمجھتے ہیں ان کے خلاف کچھ ہونے والا نہیں؟) تو یاد رکھو خدا کی مخفی تدبیروں سے بے خوف نہیں ہو سکتے مگر وہی جو تباہ ہونے والے ہیں! (۹۹)

پھر جو لوگ (پہلی جماعتوں کے بعد) ملک کے وارث ہوتے ہیں کیا وہ یہ بات نہیں پاتے کہ اگر ہم چاہیں تو (پہلوں کی طرح) انہیں بھی گناہوں کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا کر دیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں تا کہ کوئی بات سنیں ہی نہیں؟ (۱۰۰)

(اے پیغمبرؐ!) یہ ہیں (دنیا کی پرانی) آبادیاں جن کے حالات ہم تمہیں سناتے ہیں- ان سب میں ان کے پیغمبر (سچائی کی) روشن دلیلوں کے ساتھ آئے مگر ان کے بسنے والے ایسے نہ تھے کہ جو بات پہلے جھٹلا چکے تھے اسے (سچائی کی نشانیاں دیکھ کر) مان لیں- سو دیکھو اس طرح خدا ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو (ہٹ دھرمی سے) انکار کرتے ہیں! (۱۰۱)

⇐ اس لیے کہ گو ان کا ظہور قدرت کی عادی و جاری صورتوں ہی میں ہوا تھا' لیکن اس لیے ہوا تھا کہ انکار و سرکشی کے نتائج لوگوں کے سامنے آ جائیں اور پیغمبروں نے ان کے ظہور کی پہلے سے خبر دے دی تھی- ضروری نہیں کہ ہر زلزلہ کسی گروہ کے لیے عذاب ہو لیکن ہر وہ زلزلہ عذاب تھا جس کی کسی پیغمبر نے اتمام حجت کے بعد خبر دے دی تھی اور جسے مشیت الٰہی نے اس معاملہ سے وابستہ کر دیا تھا- خدا نے فطرت کے تمام مظاہر کے لیے ایک خاص بھیس مقرر کر دیا ہے- وہ جب کبھی آئے گی تو اسی بھیس میں آئے گی- اس کا بھیس بدل نہیں سکتا لیکن اس کے ظہور کے مقاصد ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے اور حقیقت حال انسانی علم کی دسترس سے باہر ہے-

(۲۲) آیت (۹۹) کا مطلب تم سمجھے؟ عربی میں ''مکر'' کے معنی مخفی داؤ اور تدبیر کے ہیں۔ غور کرو' فطرت کے داؤ کیسے مخفی اور ناگہانی ہوا کرتے ہیں؟ زلزلہ کے اسباب شب و روز نشو و نما پاتے رہتے ہیں- سیلاب ایک لمحہ کی برف باری ہی کا نتیجہ نہیں ہوتا- آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا برسوں تک کھولتا رہتا ہے تب کہیں جا کر پھٹنے کے قابل ہوتا ہے- فطرت چپکے چپکے یہ سب کام کرتی رہتی ہے لیکن ہمیں' کہ اس کی گود میں کھیلتے کودتے رہتے ہیں ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا گمان نہیں ہوتا کہ کوئی غیر معمولی بات ہونے والی ہے- یہاں تک کہ اچانک اس کا داؤ نمودار ہو جاتا ہے اور ہم یک قلم غفلت و سرمستی میں سرشار ہوتے ہیں! افلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون!

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ
مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ
مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ
جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ

اوران میں سے اکثروں کو ہم نے ایسا پایا کہ اپنے عہد پر قائم نہ تھے (یعنی انہوں نے اپنا فطری شعور و وجدان کہ فطرت انسانی کا عہد ہے ضائع کر دیا تھا) اور اکثروں کو ایسا ہی پایا کہ یک قلم نافرمان تھے![۲۳] (۱۰۲)

پھر ان[۱] پیغمبروںؑ کے بعد ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا لیکن انہوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ ناانصافی کی تو دیکھو مفسدوں کا کیسا انجام ہوا؟ (۱۰۳)

موسیٰ نے کہا ''اے فرعون! میں اس کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (۱۰۴) میرا فرض منصبی ہے کہ خدا کے نام سے کوئی بات نہ کہوں مگر یہ کہ سچ ہو۔ میں تیرے پروردگار کی طرف سے (سچائی کی) روشن دلیلیں لایا ہوں۔ سو بنی اسرائیل کو (آئندہ اپنی غلامی پر مجبور نہ کر اور) میرے ساتھ رخصت کر دے'' (۱۰۵)

فرعون نے کہا ''اگر تو واقعی کوئی نشانی لے کر آیا ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے تو پیش کر'' (۱۰۶)

اس پر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو اچانک ایسا ہوا کہ ایک نمایاں اژدہا ان کے سامنے تھا! اور اپنا ہاتھ (جیب سے

[۱] (۲۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا تذکرہ اور اس حقیقت کی تلقین کہ جس طرح پیغمبروںؑ کی ''تنذیر'' ہمیشہ وقوع میں آئی' اسی طرح ''تبشیر'' نے بھی اپنی برکتیں دکھلائیں۔ نیز بنی اسرائیل کے ایام و وقائع جن میں مخاطبین قرآن کے لیے مواعظ وعبر تھے!

(ا) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مطالبہ کہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے رہا کر دے اور مصر سے نکل جانے دے۔ بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر گئے تھے اور عزت کے ساتھ بسائے گئے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ مصریوں نے انہیں اپنا غلام بنالیا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا۔

(ب) جب ایک افتادہ جماعت اٹھتی ہے اور اپنی حالت سنوارنا چاہتی ہے تو مستبد قومیں اسے بغاوت سے تعبیر کرتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکل جانے دیا جائے۔ لیکن امرائے مصر نے کہا:

''یہ چاہتا ہے تم مصریوں کو تمہارے ملک سے نکال باہر کرے''۔ اور سورہ یونس میں ہے کہ انہوں نے موسیٰ سے کہا' تم چاہتے ہو ملک کی سرداری تمہیں مل جائے؟ (۷۸)

(ج) ارکان حکومت کا مشورہ اور حضرت موسیٰ کے مقابلے کے لیے جادوگروں کی طلبی۔ سورہ طٰہٰ میں مزید تفصیل ہے۔ (دیکھو آیت ۵۸)

ع ۱۳
بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ
مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ‌ۚ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ وَاَرۡسِلۡ فِى الۡمَدَآٮِٕنِ حٰشِرِيۡنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاۡتُوۡكَ
بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ لَـنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ
نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ نَحۡنُ الۡمُلۡقِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾
قَالَ اَلۡقُوۡا‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا سَحَرُوۡۤا اَعۡيُنَ النَّاسِ وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ وَجَآءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۱۶﴾

باہر) نکالا تو اچانک ایسا ہوا کہ دیکھنے والوں کے لیے سفید چمکیلا تھا! (۱۰۸)

فرعون کی قوم کے سردار (آپس میں) کہنے لگے "بلاشبہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے (۱۰۹) یہ چاہتا ہے (اپنی ان طاقتوں سے کام لے کر) تمہیں ملک سے نکال باہر کرے (اور خود مالک بن بیٹھے) اب بتلاؤ تمہاری صلاح اس بارے میں کیا ہے؟" (۱۱۰)

(چنانچہ) انہوں[1] نے (باہم مشورہ کے بعد فرعون سے) کہا "موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کو ڈھیل دے کر روک لے اور (اس اثنا میں) نقیب روانہ کردے کہ (مملکت کے) تمام شہروں سے جادوگر اکٹھا کر کے تیرے حضور لے آئیں" (۱۱۱-۱۱۲)

چنانچہ جادوگر فرعون کے پاس آئے - انہوں نے کہا "اگر ہم موسیٰ پر غالب آئے تو ہمیں اس خدمت کے صلے میں انعام ملنا چاہیے" (۱۱۳)

فرعون نے کہا "ضرور ملے گا اور تم سب میرے مقربوں کی صف میں داخل ہو جاؤ گے" (۱۱۴)

(پھر جب مقابلہ ہوا تو) جادوگروں نے کہا "اے موسیٰ! یا تو تم پہلے (اپنی لاٹھی) پھینکو یا پھر ہم ہی کو پھینکنا ہے" (۱۱۵)

موسیٰ نے کہا "تم ہی پہلے پھینکو" پھر جب جادوگروں نے (جادو کی بنائی ہوئی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینکیں تو ایسا کیا کہ لوگوں کی نگاہیں جادو سے ماردیں اور ان میں (اپنے کرتبوں سے) دہشت پھیلا دی اور بہت بڑا جادو بنالائے - (۱۱۶)

(د) مصر کے جادوگروں کا اجتماع اور حضرت موسیٰ سے مقابلہ -

جادوگروں کی نسبت فرمایا "لوگوں کی نگاہیں جادو سے ماردی تھیں" یعنی جادو کے شعبدوں کی کوئی حقیقت نہیں - محض نگاہ کا دھوکا تھا - چنانچہ دوسری جگہ اسے تخیل کی تاثیر سے بھی تعبیر کیا ہے (۲۰:۶۶) نیز آیت (۱۱۷) میں فرمایا "مایافکون" یعنی ان کی نمائش جھوٹی تھی -

جادو کا اعتقاد دنیا کی قدیم اور عالمگیر گمراہیوں میں سے ہے اور نوع انسانی کے لیے بڑی مصیبتوں کا باعث ہو چکا ہے - قرآن نے آج سے تیرہ سو برس پہلے اس کے بے اصل ہونے کا اعلان کیا لیکن افسوس ہے کہ دنیا متنبہ نہ ہوئی اور ازمنہ وسطی کے مسیحی جہل وقساوت نے ہزاروں بے گناہ انسانوں کو زندہ جلایا!

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

اور (اس وقت) ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ تم بھی اپنی لاٹھی (میدان میں) ڈال دو- جونہی اس نے لاٹھی پھینکی تو اچانک کیا ہوا کہ جو کچھ جھوٹی نمائش جادوگروں کی تھی سب (آناً فاناً) اس نے نگل کر نابود کر دی! (۱۱۷)

غرض کہ سچائی ثابت ہوگئی اور جو کچھ جادوگروں نے کرتب کیے تھے سب ملیامیٹ ہوئے- (۱۱۸)

نتیجہ یہ نکلا کہ فرعون اور اس کے درباریوں کو اس مقابلہ میں مغلوب ہونا پڑا اور (فتح مند ہونے کی جگہ) الٹے ذلیل ہوئے! (۱۱۹)

اور پھر ایسا ہوا کہ (موسیٰ کی سچائی دیکھ کر) جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے- (۱۲۰) انہوں نے کہا ''ہم اس پر ایمان لائے جو تمام جہان کا پروردگار ہے- جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے!'' (۱۲۱-۱۲۲)

فرعون نے (غضب ناک ہو کر) کہا ''مجھ سے اجازت لیے بغیر تم موسیٰ پر ایمان لے آئے؟ ضرور یہ ایک پوشیدہ تدبیر ہے جو تم نے (مل جل کر) شہر میں کی ہے تاکہ اس کے باشندوں کو اس سے نکال باہر کرو- اچھا تھوڑی دیر میں تمہیں (اس کا نتیجہ) معلوم ہو جائے گا- (۱۲۳) میں ضرور ایسا کروں گا کہ پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں-

---

ل (ہ) جادوگروں کا بری طرح ہارنا' حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا' فرعون کا اسے سازش قرار دینا اور قتل و تعذیب کی دھمکی-

سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ یہ معاملہ مصریوں کے تہوار کے دن پیش آیا تھا اور مملکت کی تمام آبادی جمع تھی اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تجویز سے ایسا ہوا تھا (۵۹) نیز یہ کہ مقابلہ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو نصیحت کی تھی اور وہ متاثر ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے تھے لیکن چونکہ فرعون نے اس معاملہ کو قومی خطرہ کا رنگ دے دیا تھا اس لیے مقابلہ پر جمے رہے- انہوں نے آپس میں کہا ''موسیٰ ہمیں نکال کر ہمارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے'' (۶۳)

جب فرعون نے دیکھا تمام باشندگان ملک کے سامنے اسے شکست ہوئی اور جن جادوگروں پر بھروسہ کیا گیا تھا وہی ایمان لے آئے تو ڈرا' کہیں ایسا نہ ہو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معتقد ہو جائیں- اس لیے جادوگروں پر مکر و سازش کا الزام لگایا- یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مل گئے ہیں- اسی لیے جان بوجھ کر انہیں فتح مند کرا دیا اور پھر فوراً ان پر ایمان لے آئے-

(و) سچا ایمان اگرچہ ایک لمحہ کا ہو ایسی روحانی طاقت پیدا کر دیتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے مرعوب و مسخر نہیں کر سکتی- وہی جادوگر جو فرعون سے صلہ و انعام کی التجائیں کر رہے تھے ایمان لانے کے بعد معاً ایسے بے پروا ہو گئے کہ سخت سے سخت جسمانی عذاب کی ⇦

ع ۱۸ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ
اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ
فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ
نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ

پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں" (۱۲۴)

انہوں نے جواب دیا "ہمیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے (پھر ہم جسم کے عذاب و موت سے کیوں ہراساں ہوں؟) (۱۲۵)

ہمارا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے سامنے آ گئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے- (ہماری دعا خدا سے یہ ہے کہ) پروردگار! ہمیں صبر و شکیبائی سے معمور کر دے- (تاکہ زندگی کی کوئی اذیت ہمیں اس راہ میں ڈگمگا نہ سکے) اور ہمیں دنیا سے اس حالت میں اٹھا کہ تیرے فرمانبردار رہوں!" (۱۲۶)

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا "کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا کہ ملک میں بدامنی پھیلائیں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو ترک کر دیں؟"

فرعون نے کہا "ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے (کہ ہماری باندیاں بن کر رہیں) اور (ہمیں ڈر کس بات کا ہے؟) وہ ہماری طاقت سے دبے ہوئے بے بس ہیں-" (۱۲۷) تب موسیٰ نے اپنی قوم کو (وعظ کرتے ہوئے) کہا "خدا سے مدد مانگو اور (اس راہ میں) جمے رہو' بلاشبہ زمین (کی پادشاہت صرف) خدا ہی کے لیے ہے-

⇐ دھمکی بھی انہیں متزلزل نہ کر سکی! تفصیل سورہ طٰہٰ میں ہے (۷۲)

لے (ز) فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روحانی طاقت سے مغلوب ہو کر فیصلہ کرنا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے- لیکن ساتھ ہی یہ حکم بھی دینا کہ بنی اسرائیل کے لڑکے قتل کر دیے جائیں تاکہ ان کی تعداد بڑھنے نہ پائے-

فرعون نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا لیکن اس کے خاندان کے ایک آدمی نے کہ دل میں مومن تھا اس سے باز رکھا (دیکھو ۴۰: ۲۸) پس یہاں درباریوں اور فرعون کے مکالمہ کا مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آزاد چھوڑ دیے گئے تو درباریوں نے کہا یہ شورش پھیلائے گا اور ہمارے دیوتاؤں سے علانیہ برگشتہ رہے گا- اس پر فرعون نے کہا ڈرنے کی کیا بات ہے؟ بنی اسرائیل تو ہماری طاقت کے تلے دبے ہوئے ہیں-

(ح) مصری مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے- بڑا دیوتا سورج تھا جسے "رع" کہتے تھے' اور چونکہ پادشاہ کو اس کا اوتار سمجھتے تھے' اس لیے اس کا لقب "فارع" تھا- یہی فارع عبرانی میں "فاراعو" اور عربی میں "فرعون" ہو گیا-

يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٨﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا
جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٩﴾ ع ۱۵ / ۵
وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاِذَا جَاۗءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ
قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰي وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ

وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام کار انہی کے لیے ہے جو متقی ہوں گے!'' (۱۲۸)

انہوں نے کہا ''تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے گئے اور اب تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے جا رہے ہیں''

موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں ملک میں اس کا جانشین بنائے۔ پھر دیکھے (اس جانشینی کے بعد) تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں؟'' (۱۲۹)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے فرعون کی قوم کو خشک سالی کے برسوں اور پیداوار کے نقصان میں مبتلا کیا تھا تاکہ وہ متنبہ ہوں۔ (۱۳۰)

تو جب کبھی ایسا ہوتا کہ خوش حالی آتی تو کہتے یہ ہمارے حصے کی بات ہے (یعنی ہماری وجہ سے ہے) اور اگر ایسا ہوتا کہ سختی پیش آجاتی تو کہتے یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ (اے مخاطب!) سن رکھ کہ ان کی نحوست (اور کسی کے پاس نہ تھی) اللہ کے یہاں تھی (جس نے انسان کی اچھی بری حالتوں کے لیے ایک قانون ٹھہرا دیا ہے اور اسی کے مطابق نتائج پیش آتے ہیں)

(ط) محکومانہ زندگی کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ عزم و ہمت کی روح پژمردہ ہو جاتی ہے۔ لوگ غلامی کے ذلت انگیز امن پر قانع ہو جاتے ہیں اور طلب و سعی کی مشکلوں سے جی چرانے لگتے ہیں۔ یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا تھا۔ عرصہ تک مصریوں کی غلامی میں رہتے رہتے اس درجہ مسخ ہو گئے تھے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا' آزادی و کامرانی کی طلب میں ان حقیر راحتوں سے کیوں ہاتھ دھو بیٹھیں جو غلامی کی حالت میں میسر آ رہی ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب صبر و استقامت کی تلقین کی تو شکرگزار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرنے لگے۔ وہ ان کی نجات و کامرانی کے لیے فرعون کا مقابلہ کر رہے تھے۔ انہیں شکایت تھی کہ تمہاری اس جدوجہد نے فرعون کو اور زیادہ ہمارا مخالف بنا دیا۔ تم فائدہ پہنچانے کی جگہ الٹے وبال جان ہو گئے!

(ی) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا خدا جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔ پس اس سے مدد مانگو اور اس راہ میں جمے رہو۔ اس سے معلوم ہوا جو جماعت دنیوی بے سروسامانی سے ہراساں ہو کر بے ہمت نہیں ہو جاتی بلکہ خدا کی مدد پر بھروسہ کرتی اور مشکلات و موانع کے مقابلہ میں جمی رہتی ہے وہی ملک کی وراثت کی مستحق ہوتی ہے۔ یعنی ''استعانت باللہ'' اور ''صبر'' اس راہ میں اصل اصول ہے۔ نیز فرمایا ''انجام کار متقیوں کے لیے ہے'' یعنی جو جماعت برائیوں سے بچنے والی اور عمل میں پکی ہوگی بالآخر کامیابی اسی کے لیے ہے۔

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ
بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ
مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ
لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٣٤﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿١٣٥﴾ فَانْتَقَمْنَا
مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ

لیکن بہتوں کو یہ بات معلوم نہیں۔ (۱۳۱)

اور فرعون کی قوم نے کہا "(اے موسیٰ) تو ہم پر اپنا جادو چلانے کے لیے کتنی ہی نشانیاں لائے مگر ہم ماننے والے نہیں" (۱۳۲)

پس ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیوں کے دل اور جوئیں [1] اور مینڈک اور لہو کہ یہ سب الگ الگ نشانیاں تھیں۔ اس پر بھی انہوں نے سرکشی کی اور ان کا گروہ مجرموں کا گروہ تھا۔ (۱۳۳)

اور جب ان پر عذاب کی سختی واقع ہوئی تو کہنے لگے "اے موسیٰ! تیرے پروردگار نے تجھ سے (نبوت کا) جو عہد کیا ہے تو اس کی بنا پر ہمارے لیے دعا کر۔ اگر تیری دعا سے عذاب ٹل گیا تو ضرور ہم تیرے معتقد ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیں گے کہ تیرے ساتھ چلے جائیں" (۱۳۴)

لیکن پھر جب ایسا ہوا کہ ہم نے ایک خاص وقت تک کے لیے کہ (اپنی سرکشیوں اور بدعملیوں سے) انہیں اس تک پہنچنا تھا عذاب ٹال دیا تو دیکھو اچانک وہ اپنی بات سے پھر گئے! (۱۳۵)

بالآخر ہم نے (ان کی بدعملیوں پر) انہیں سزا دی یعنی اس جرم کی پاداش میں کہ ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور ان کی طرف سے غافل رہے انہیں سمندر میں غرق کر دیا (۱۳۶) اور جس قوم کو کمزور وحقیر خیال کرتے تھے اسی کو ملک کے تمام

(۲۴) قوم فرعون پر نکبت وشدائد کا ورود اور پہلے سرکشی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رجوع۔

تورات میں ہے کہ دریائے نیل کا پانی لہو کی طرح ہو گیا تھا اور تمام مچھلیاں مر گئی تھیں۔ (خروج: ۲۰)

آیت (۱۳۵) میں فرمایا "ایک خاص وقت تک کے لیے کہ انہیں اس تک پہنچنا تھا" یعنی ایک آنے والا وقت تھا جس کی طرف وہ اپنے اعمال کے ذریعہ بڑھ رہے تھے اور بالآخر پہنچنے والے تھے۔

[1] عربی میں "قمل" جوؤں کو بھی کہتے ہیں اور چھوٹی مکھیوں کو بھی۔ اگر تورات میں جوؤں کا ذکر نہ ہوتا تو ہم یہاں ترجمہ میں "مکھیاں" لکھتے کہ انسانی ہلاکت کے لیے زیادہ موثر وقطعی ہیں۔

الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى
عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَجٰوَزْنَا
بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا
لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

پورب[1] کا اور اس کے مغربی حصوں کا کہ ہماری بخشی ہوئی برکت سے مالا مال ہے وارث کر دیا- اور اس طرح (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کا فرمان پسندیدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا کہ (ہمت وثبات کے ساتھ) جمے رہے تھے اور فرعون اور اس کا گروہ (اپنی طاقت وشوکت کے لیے) جو کچھ بنا تا رہا تھا اور جو کچھ (عمارتوں کی) بلندیاں اٹھائی تھیں وہ سب درہم برہم کر دیں! (۱۳۷)

اور ہمارے حکم سے ایسا ہوا کہ بنی اسرائیل سمندر پار اتر گئے- وہاں ان کا گزر ایک گروہ پر ہوا کہ اپنے بتوں پر مجاور بنا بیٹھا تھا- بنی اسرائیل نے کہا "اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک معبود بنا دے جیسا ان لوگوں کے لیے ہے" موسیٰ نے کہا ("افسوس تم پر!) تم بلاشبہ ایک جاہل گروہ ہو- (۱۳۸) یہ لوگ جس طریقہ پر چل رہے ہیں وہ تو تباہ ہونے والا طریقہ ہے اور انہوں نے جو عمل اختیار کیا ہے وہ یک قلم باطل ہے- (۱۳۹)

☆☆ یہ آنے والا وقت کون سا تھا؟ ان کے ظلم وفساد کا آخری نتیجہ کہ خدا کے قانون جزا نے اس طرح کے نتیجہ کے لیے جتنی مقدار فساد عمل کی ٹھہرادی ہے جب وہ مہیا ہوگئی تو نتیجہ ظہور میں آ گیا اور فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہو گیا-

یہی ظہور نتائج کا وقت ہے جسے قرآن نے امتوں کی اجل سے تعبیر کیا ہے- چنانچہ اسی سورت کی آیت (۳۴) میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے-

اس سے معلوم ہوا ہر جماعت اپنے اعمال کے ذریعہ ایک خاص نتیجہ تک پہنچتی رہتی ہے جو اس کی مقررہ اجل ہے- اگر اعمال نیک ہوتے ہیں تو یہ اجل فلاح کی ہوتی ہے- برے ہوتے ہیں تو ہلاکت کی ہوتی ہے-

فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی وراثت ارض-

قانون الٰہی یہ ہے کہ ظالم قومیں جن مظلوم قوموں کو حقیر وکمزور سمجھتی ہیں ایک وقت آتا ہے کہ وہی شاہی وجہانداری کی وارث ہو جاتی ہیں!

آیت (۱۳۷) سے معلوم ہوا کہ خدا کا وعدہ نصرت انہی کے حق میں پورا ہوتا ہے جو اس کی شرط پوری کریں- یعنی راہ عمل میں جمے رہیں- اگر بنی اسرائیل جمے نہ رہتے تو فتح مندی سے محروم رہتے-

بنی اسرائیل چونکہ مصری بت پرستی سے مالوف ہو چکے تھے اس لیے سینا کے بت خانے دیکھ کر خواہشمند ہوئے کہ ان کی پرستش کے لیے بھی ایک بت بنا دیا جائے-

---

[1] یعنی فلسطین اور شام کا ملک جو مصر کے پورب میں واقع ہے اور اس کے مغربی حصوں کا ملک یعنی جزیرہ نمائے سینا جو فلسطین کے پچھم میں ہے- یہ تمام علاقہ اس وقت مصری شاہنشاہی کا خراج گزار تھا-

قَالَ اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِيۡكُمۡ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذۡ اَنۡجَيۡنٰكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ
يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ‌ۚ يُقَتِّلُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَ يَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ‌ؕ وَفِىۡ ذٰلِكُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ
ع۱۶ عَظِيۡمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَوٰعَدۡنَا مُوۡسٰى ثَلٰثِيۡنَ لَيۡلَةً وَّاَتۡمَمۡنٰهَا بِعَشۡرٍ فَتَمَّ مِيۡقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً‌ ۚ وَقَالَ مُوۡسٰى
لِاَخِيۡهِ هٰرُوۡنَ اخۡلُفۡنِىۡ فِىۡ قَوۡمِىۡ وَاَصۡلِحۡ وَلَا تَتَّبِعۡ سَبِيۡلَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوۡسٰى لِمِيۡقَاتِنَا

(نیز) موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''کیا تم چاہتے ہو خدا کے سوا کوئی معبود تمہارے لیے تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تمہیں دنیا کی قوموں پر فضیلت دی ہے'' (۱۴۰)

اور (خدا فرماتا ہے- اے بنی اسرائیل!) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دلائی- وہ تمہیں سخت عذابوں میں مبتلا کرتے تھے- تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی چاکری کے لیے) زندہ چھوڑ دیتے- اس صورت حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی ہی آزمائش تھی! (۱۴۱)

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں (کے اعتکاف) کا وعدہ کیا تھا- پھر دس راتیں بڑھا کر اسے پورا (چلہ) کر دیا- اس طرح پروردگار کے حضور آنے کی مقررہ میعاد چالیس راتوں کی پوری میعاد ہوگئی-

موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا ''(میں اعتکاف کے لیے پہاڑ پر جاتا ہوں) تم میرے بعد قوم میں میرے جانشین بن کر رہو- اور دیکھو سب کام درستی سے کرنا- خرابی ڈالنے والوں کی راہ نہ چلنا-'' (۱۴۲)

اور جب موسیٰ آیا تاکہ ہمارے مقررہ وقت میں حاضری دے- اور اس کے پروردگار نے اس سے کلام کیا تو

(۲۵) حضرت موسیٰ کی سرگزشت کا پہلا حصہ ختم ہوگیا جس کا تعلق ان ایام و وقائع سے تھا جو ان کے اور فرعون کے درمیان گزرے- اب یہاں سے وہ واقعات شروع ہوتے ہیں جو ان کے اور ان کی امت کے درمیان گزرے- پہلے حصے میں یہ حقیقت واضح کی تھی کہ دعوت حق کی مخالفت ہمیشہ طاقتور جماعتوں نے کی اور ہمیشہ ناکام رہیں- اس حصہ میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ایک نئ ہدایت یافتہ جماعت کو راہ عمل میں کیسی کیسی لغزشیں پیش آ سکتی ہیں؟ تاکہ پیروان دعوت ان سے اپنی نگہداشت کریں-

چونکہ سلسلہ بیان ایک دوسرے حصہ کی طرف مڑتا تھا اس لیے اس کی ابتدا از سرنو بنی اسرائیل کی مخاطبت سے کی گئی ہے- گویا موعظت وارشاد کے لحاظ سے یہ ایک نیا بیان ہے-

(ا) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر اعتکاف اور شریعت کا عطیہ-

یہاں ''شریعت'' سے مقصود وہ دس احکام ہیں جو حضرت موسیٰ نے وحی الٰہی سے پتھر کی دو تختیوں پر کندہ کیے تھے اور جنہیں تورات میں عہد کے احکام سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی قتل مت کر- زنا مت کر وغیرہا- (خروج ۳۴:۲۹)

(ب) اس اصل عظیم کا اعلان کہ انسان اپنے حواس کے ذریعہ ذات باری کا مشاہدہ و ادراک نہیں کر سکتا اور اس راہ میں معرفت کا منتہیٰ مرتبہ یہ ہے کہ عجز و نارسائی کا اعتراف کیا جائے-

یہودیوں نے تورات کے متشابہات کو حقیقت پر محمول کر لیا تھا اور سمجھتے تھے حضرت موسیٰ نے خدا کی شبیہ دیکھی (خروج ۲۴:۹) ⇐

وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ
مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ
سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ
وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ

(جوش طلب میں بے اختیار ہوکر) پکار اٹھا ''پروردگار! مجھے اپنا جمال دکھا کہ تیری طرف نگاہ کرسکوں'' حکم ہوا ''تو مجھے کبھی نہ دیکھ سکے گا- مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ- اگر یہ (تجلی حق کی تاب لے آیا اور) اپنی جگہ ٹکا رہا تو (سمجھ لیجیو تجھے بھی میرے نظارہ کی تاب ہے' اور تو) مجھے دیکھ سکے گا'' پھر جب اس کے پروردگار (کی قدرت) نے نمود کی تو پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ غش کھا کے گر پڑا!

جب موسیٰ ہوش میں آیا تو بولا ''خدایا! تیرے لیے ہر طرح کی تقدیس ہو! میں (اپنی جسارت سے) تیرے حضور توبہ کرتا ہوں- میں ان میں پہلا شخص ہوں گا جو (اس حقیقت پر) یقین رکھتے ہیں!'' (۱۴۳) خدا نے کہا ''اے موسیٰ! میں نے تجھے اپنی پیغمبری اور ہم کلامی سے لوگوں پر برگزیدگی بخشی- پس جو چیز تجھے عطا فرمائی ہے (یعنی احکام شریعت) اسے لے اور شکر بجالا'' (۱۴۴)

اور ہم نے موسیٰ کے لیے ان تختیوں میں ہر قسم کی باتیں لکھ دی تھیں- تا کہ (دین کے) ہر معاملہ کے لیے اس میں نصیحت ہو اور ہر بات الگ الگ واضح ہو جائے- پس (ہم نے کہا) اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ اس کے پسندیدہ حکموں پر کاربند ہو جائے- وہ وقت دور نہیں کہ ہم نافرمانوں کی جگہ تمہیں دکھا دیں گے'' (۱۴۵)

⇐ قرآن نے یہاں اس غلطی کا ازالہ کر دیا- فرمایا جب خدا نے موسیٰ سے کلام کیا تو اس نے کہا میرے سامنے آ جا کہ ایک نگاہ دیکھ لوں یعنی جب غیب سے ندائے حق سنی تو جوش طلب میں بے خود ہو گئے اور لذت سماع کی محویت میں لذت مشاہدہ کے حصول کا ولولہ پیدا ہو گیا:
والاذن تعشق قبل العين احيانا: حکم ہوا پہاڑ کو دیکھ- اگر یہ تاب لا سکا تو تو بھی تاب لا سکے گا- یعنی جو بات نظارہ سے مانع ہے وہ خود تیری ہی ہستی کا عجز ہے- یہ بات نہیں ہے کہ نمود حق میں کمی ہو- و لنعم ماقیل:

ہر چہ ہست از قامت ناساز و بے اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس دشوار نیست!

(ج) آیت (۱۴۵) کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے جن جن حکموں کی ضرورت تھی' وہ سب ان تختیوں کے احکام میں موجود تھے- ''تفصيلا لكل شيء'' یعنی تمام باتیں الگ الگ کر کے بیان کر دی تھیں- یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا جہان کی ہر بات تشریح وتطویل کے ساتھ لکھ دی گئی تھی- یاد رہے کہ قرآن ''تفصیل'' کا لفظ اس مصطلحہ معنی میں نہیں بولتا جو فن بیان ومعانی میں بعد کو ٹھہرائے گئے اور جو ''اجمال'' کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے- ⇐

دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ وَاِنْ
يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا
سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع
وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۚ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ

''جو لوگ ناحق خدا کی زمین میں سرکشی کرتے ہیں ہم اپنی نشانیوں سے ان کی نگاہیں پھرا دیں گے- وہ دنیا بھر کی نشانیاں دیکھ لیں- پھر بھی ایمان نہ لائیں- اگر وہ دیکھیں ہدایت کی سیدھی راہ سامنے ہے تو کبھی اس پر نہ چلیں- اگر دیکھیں گمراہی کی ٹیڑھی راہ سامنے ہے تو فوراً چل پڑیں- ان کی ایسی حالت اس لیے ہو جاتی ہے کہ ہماری نشانیاں جھٹلاتے ہیں اور ان کی طرف سے غافل رہتے ہیں'' (۱۴۶)

''اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور آخرت کے پیش آنے سے منکر ہوئے تو (یاد رکھ) ان کے سارے کام اکارت گئے- وہ جو کچھ بدلہ پائیں گے وہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ انہی کے کرتوتوں کا پھل ہوگا جو دنیا میں کرتے رہے'' (۱۴۷)

اور پھر ایسا ہوا کہ موسیٰ کی قوم نے اس کے (پہاڑ پر) چلے جانے کے بعد اپنے زیور کی چیزوں سے (یعنی زیور کی چیزیں گلا کر) ایک بچھڑے کا دھڑ بنایا جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی اور اسے (پرستش کے لیے) اختیار کر لیا- (افسوس ان کی عقلوں پر!) کیا انہوں نے اتنی (موٹی سی) بات بھی نہ سمجھی کہ نہ تو وہ ان سے بات کرتا ہے- نہ کسی طرح کی رہنمائی

⇐ اگر امام رازیؒ کی نظر اس حقیقت پر ہوتی تو وہ اس بے کار کی زحمت سے بچ جاتے جو سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھنے میں انہوں نے برداشت کی-

چونکہ یہ تختیاں وحی الٰہی سے کندہ کی گئی تھیں' اس لیے خدا نے ان کی کتابت اپنی طرف منسوب کی اور کتب سماوی کی نسبت قرآن کا یہ عام اسلوب بیان ہے- تورات میں ہے کہ یہ دو تختیاں تھیں اور دونوں طرف کندہ کی ہوئی تھیں (خروج ۳۲:۱۴)

(د) قرآن کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین و اسباب سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں انہیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ہے- مثلاً اس کا ایک قانون یہ ہے کہ جو لوگ سمجھ بوجھ سے کام لینے کی جگہ اپنے بڑے بوڑھوں کی اندھی تقلید کرنے لگتے ہیں اور اسی پر اڑے رہتے ہیں رفتہ رفتہ ان کی عقلیں ماری جاتی ہیں اور سمجھ بالکل الٹی ہو جاتی ہے- کتنی ہی صاف بات کہی جائے' ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی- کتنی ہی ان کی بھلائی چاہو وہ اور زیادہ مخالفت کریں گے- قرآن اس حالت کو یوں تعبیر کرے گا کہ خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی پس وہ سمجھتے نہیں- یعنی یہ صورت حال خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون کا قدرتی نتیجہ ہے- جب کبھی کوئی یہ چال چلتا ہے خدا کا مقررہ قانون مؤثر ہو کر اسے اس حالت میں پہنچا دیتا ہے-

چنانچہ آیت (۱۴۶) میں فرمایا جو لوگ سرکشی کریں گے میں ان کی نگاہیں اپنی نشانیوں سے پھیر دوں گا- یعنی جو کوئی جان بوجھ کر سرکشی کرے تو خدا کا قانون یہی ہے کہ وہ دلیلوں اور روشنیوں سے متاثر ہونے کی استعداد کھو دیتا ہے- پھر واضح کر دیا کہ یہ حالت اس لیے پیش آئے گی کہ ''انہوں نے نشانیاں جھٹلائیں اور غافل رہے- پس معلوم ہوا جو کوئی نشانیاں جھٹلاتا ہے اور غفلت سے باز نہیں آتا وہ کبھی سچائی نہیں پا سکتا- یہی مطلب نگاہ پھرا دینے کا ہے- یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا کسی آدمی کو بے عقلی اور گمراہی پر مجبور کر دیتا ہے-

وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا وقف لازم
اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا
رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ
رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ
وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

کرسکتا ہے؟ وہ اسے لے بیٹھے اور وہ (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے تھے- (۱۴۸)

پھر جب ایسا ہوا کہ (افسوس وندامت سے) ہاتھ ملنے لگے اور انہوں نے دیکھ لیا کہ راہ (حق) سے قطعا بھٹک گئے ہیں تو کہنے لگے "اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہیں کیا اور نہ بخشا تو ہمارے لیے تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے!" (۱۴۹)

اور جب موسیٰ خشم ناک اور افسوس کرتا ہوا اپنی قوم میں لوٹا تو اس نے کہا "افسوس تم پر! کس برے طریقہ پر تم نے میرے پیچھے میری جانشینی کی- تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں ذرا بھی صبر نہ کرسکے" اس نے (جوش میں آکر) تختیاں پھینک دیں اور ہارون کو بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا- ہارون نے کہا "اے میرے ماں جائے بھائی! (میں کیا کروں) لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ قتل کر ڈالیں- پس میرے ساتھ ایسا نہ کر کہ دشمن ہنسیں اور نہ مجھے (ان) ظالموں کے ساتھ شمار کر" (۱۵۰)

(ہ) آیت (۱۴۷) کے آخری حصے نے کیسے قطعی لفظوں میں سزا وعقوبت کی حقیقت واضح کردی ہے؟ "جو کچھ بدلہ پایا وہ اس کے سوا کیا تھا کہ انہی کے کرتوتوں کا پھل تھا!"

(و) بنی اسرائیل مصر کی بت پرستی سے اس درجہ مالوف ہوچکے تھے کہ رہ رہ کر انہیں اس کا شوق ہوتا- جونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لیے الگ ہوئے انہوں نے گائے کے بچھڑے کی طلائی مورتی بنا کر اس کی پوجا شروع کردی- تورات میں ہے کہ یہ مورتی حضرت ہارون علیہ السلام نے بنائی تھی (خروج ۳۱:۳۲) لیکن قرآن نے دوسری جگہ واضح کردیا ہے کہ یہ سامری نامی ایک شخص کی کارستانی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام کا دامن اس دھبہ سے پاک ہے (۲۰:۹)

عجائب پرستوں کا قاعدہ ہے کہ جہاں کوئی ذرا سی بات عجیب نظر آئی فورا معتقد ہوگئے اور سمجھ بوجھ کو خیرباد کہہ دیا- سامری مصر کے مندروں کے بھیدوں سے واقف تھا- وہاں اس ترکیب سے مورتیاں بنائی جاتی تھیں کہ جونہی ہوا ان کے اندر جاتی طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگتیں- آج کل یہ صنعت باجوں اور کھلونوں میں استعمال کی جاتی ہے- اس زمانہ میں معبدوں کا معجزہ تھا! چنانچہ اس نے بچھڑے کی مورتی میں بھی یہی کاریگری رکھی- بنی اسرائیل اتنی ہی بات دیکھ کر معتقد ہوگئے- آیت (۱۴۸) کا مطلب یہ ہے کہ ان عقل کے اندھوں نے اتنی موٹی بات بھی نہ سمجھی کہ ایک ہی طرح کی آواز کیوں نکلتی ہے؟ آدمی کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا؟

ہندوستان کی طرح بابل اور مصر میں بھی بیل اور گائے کی عظمت کا تصور پیدا ہوگیا تھا- اگر کالڈیا کے تمدن کی قدامت تسلیم کرلی جائے تو وہیں سے یہ خیال دوسرے ملکوں میں پھیلا ہوگا-

ع ۱۸/۸ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۵۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ
اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُفْتَرِينَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۙ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى
وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ

موسیٰ نے کہا "پروردگار! میرا قصور بخش دے (کہ جوش میں آ گیا) اور میرے بھائی کا بھی (کہ گمراہوں کو سختی کے ساتھ نہ روک سکا) اور ہمیں اپنی رحمت کے سایے میں داخل کر! تجھ سے بڑھ کر کون ہے جو رحم کرنے والا ہو" (۱۵۱)

خدا نے فرمایا "جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی ان کے حصے میں ان کے پروردگار کا غضب آئے گا اور دنیا کی زندگی میں بھی ذلت و رسوائی پائیں گے- ہم افترا پردازوں کو (ان کی بدعملی کا) اسی طرح بدلہ دیتے ہیں- (۱۵۲) ہاں جن لوگوں نے برائیوں کے ارتکاب کے بعد (متنبہ ہوکر) توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو بلاشبہ تمہارا پروردگار توبہ کے بعد بخش دینے والا' رحمت والا ہے!" (۱۵۳)

اور جب موسیٰ کی خشم ناکی فرو ہوئی' تو اس نے تختیاں اٹھالیں- ان کی کتابت میں (یعنی ان حکموں میں جو ان پر لکھے ہوئے تھے) ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے پروردگار کا ڈر رکھتے ہیں" (۱۵۴)

اور اس غرض سے کہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے وقت میں حاضر ہوں موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی چنے- پھر جب لرزا

(ز) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کے سرکش سرداروں میں سے ستر آدمیوں کو فیصلہ کے لیے چننا اور لرزا دینے والی ہولناکی کا ظہور- تورات میں ہے کہ سرداروں کی ایک جماعت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بزرگی و پیشوائی سے انکار کیا تھا- اس پر حکم الٰہی سے ایک وقت مقرر کیا گیا اور سرکش گروہ جمع ہوا- اس وقت زلزلہ آیا' زمین پھٹی اور سب اس میں مدفون ہو گئے (گنتی ۱۶:۳۱)

(ح) آیت (۱۵۶) میں فرمایا کہ کائنات ہستی میں اصل و عام حقیقت رحمت ہے' اور تعذیب و عقوبت نہیں ہے مگر خاص خاص حالتوں کے لیے- پس یہاں اصل قانون رحمت ہوا جس کے احاطہ سے کوئی گوشہ باہر نہیں ہے-

یہ مقام معارف قرآنی کی مہمات میں سے ہے اور ان تمام گمراہیوں کا ازالہ کر دیتا ہے جو خدا کی صفات و افعال کے بارے میں پھیل گئی تھیں- جس حالت کو انسان کے لیے عذاب قرار دیا اسے خاص حالتوں سے مخصوص بتلایا مگر رحمت کو کہا کہ عام ہے- ⇐

أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ ۖ أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۖ وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿١٥٥﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ

دینے والی ہولنا کی نے انہیں آ لیا تو موسیٰ نے (ہماری جناب میں) عرض کیا ''پروردگار! اگر تو چاہتا تو ان سب کو اب سے پہلے ہی ہلاک کرڈالتا اور خود میری زندگی بھی ختم کر دیتا (مگر تو نے اپنے فضل و رحمت سے ہمیں مہلت دی) پھر کیا ایک ایسی بات کے لیے جو ہم میں سے چند بے وقوف آدمی کر بیٹھے ہیں تو ہم سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ اس کے سوا کیا ہے کہ تیری طرف سے ایک آزمائش ہے- تو جسے چاہے اس میں بھٹکا دے جسے چاہے راہ دکھا دے! خدایا! تو ہمارا والی ہے- ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر- تجھ سے بہتر بخشنے والا کوئی نہیں! (۱۵۵) اور (خدایا!) اس دنیا کی زندگی میں بھی ہمارے لیے اچھائی لکھ دے اور آخرت کی زندگی میں بھی ہمارے لیے اچھائی کر- ہم تیری طرف لوٹ آئے!'' خدا نے فرمایا ''میرے عذاب کا حال یہ ہے کہ جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں اور رحمت کا حال یہ ہے کہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے- پس میں ان لوگوں کے لیے رحمت لکھ دوں گا جو برائیوں سے بچیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور ان کے لیے جو میری نشانیوں پر ایمان لائیں گے'' (۱۵۶)

''جو الرسول کی پیروی کریں گے کہ نبی امی ہوگا اور اس کے ظہور کی خبر اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھی پائیں گے-

---

⇦ کیونکہ رحمت اس کی قدیم اور ازلی صفت ہے- عذاب دینا صفت نہیں- اور عذاب بھی اس لیے عذاب ہے کہ ہماری ٹھہرائی ہوئی اضافتوں اور نسبتوں کے لحاظ سے ایسا ہی ہونا تھا- ورنہ فی الحقیقت اس نے جو کچھ بھی کیا ہے رحمت ہی رحمت ہے- سورہ انعام میں گذر چکا ہے: **کتب علی نفسه الرحمة(۱۲)**

(ط) آیت (۱۵۶) میں اس فرمان کا ذکر کیا تھا کہ جو لوگ خدا کی نشانیوں پر ایمان رکھیں گے وہ رحمت کے سزاوار ہوں گے اس لیے بعد کی آیات میں سلسلہ بیان مخاطبین کی طرف متوجہ ہو گیا ہے یعنی اب کہ پیغمبر اسلام کی موعودہ دعوت نمودار ہوگئی اہل کتاب کے لیے رحمت الٰہی کی بخشائشوں کا دروازہ کھل گیا ہے- جو لوگ سچائی کی نشانیوں پر ایمان لائیں گے فرمان الٰہی کے مطابق کامرانی و سعادت پائیں گے-

(ی) پیغمبر اسلام کی دعوت کی تین خصوصیتیں یہاں بیان کیں:

(۱) نیکی کا حکم دیتا ہے- برائی سے روکتا ہے- (۲) پسندیدہ چیزوں کا استعمال جائز ٹھہراتا ہے- ناپسندیدہ چیزوں کے استعمال سے روکتا ہے- قرآن نے اس معنی میں طیبات' اور 'خبائث' کا لفظ اختیار کیا ہے- اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں اچھی ہیں انہیں جائز کیا ہے' جو بری ہیں یعنی مضر ہیں ان سے روک دیا ہے- (۳) جو بوجھ اہل کتاب کے سروں پر پڑ گیا تھا اور جن پھندوں میں گرفتار ہو گئے تھے ان سے نجات دلاتا ہے- یہ بوجھ کیا تھا اور یہ پھندے کون سے تھے جن سے قرآن نے رہائی دلائی؟ ⇦

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ
عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ
ع الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ
الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا' برائی سے روکے گا' پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا' گندی چیزیں حرام ٹھہرائے گا' اس بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے تلے دبے ہوں گے' ان پھندوں سے نکالے گا جن میں گرفتار ہوں گے-تو جو لوگ اس پر ایمان لائے اس کے مخالفوں کے لیے روک ہوئے (راہ حق میں) اس کی مدد کی اور اس روشنی کے پیچھے ہو لیے جو اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے سو وہی ہیں جو کامیابی پانے والے ہیں!'' (۱۵۷)

(اے پیغمبر! تم لوگوں سے) کہو ''اے افراد نسل انسانی! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں- وہ خدا' کہ آسمانوں کی اور زمین کی ساری پادشاہت اسی کے لیے ہے-کوئی معبود نہیں مگر اسی کی ایک ذات! وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے! پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر کہ اللہ اور اس کے کلمات (یعنی اس کی تمام کتابوں) پر ایمان رکھتا ہے-اس کی پیروی کرو تا (کامیابی کی) راہ تم پر کھل جائے'' (۱۵۸)

اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ (ضرور) ایسا ہے جو لوگوں کو سچائی کی راہ چلاتا اور سچائی ہی کے ساتھ (ان

⇐ قرآن نے دوسرے مقامات میں اسے واضح کر دیا ہے: مذہبی احکام کی بے جا سختیاں' مذہبی زندگی کی نا قابل عمل پابندیاں' نا قابل فہم عقیدوں کا بوجھ' وہم پرستیوں کا انبار' عالموں اور فقیہوں کی تقلید کی بیڑیاں' پیشواؤں کے تعبد کی زنجیریں- یہ بوجھل رکاوٹیں تھیں جنہوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کے دل و دماغ مقید کر دیے تھے-پیغمبر اسلام کی دعوت نے ان سب سے نجات دلائی- اس نے سچائی کی ایسی سہل و آسان راہ دکھا دی جس میں عقل کے لیے کوئی بوجھ نہیں عمل کے لیے کوئی سختی نہیں- حنیفیة السمحة لیلها کنهارها!

افسوس' جن پھندوں سے قرآن نے اہل کتاب کو نجات دلائی تھی مسلمانوں نے وہی پھندے پھر اپنے گلوں میں ڈال لیے!

(ک) دعوت عامہ کا اعلان-یعنی پیغمبر اسلام کی دعوت کسی خاص قوم اور ملک کے لیے نہیں ہے-تمام نوع انسانی کے لیے ہے-

یہ آیت جوامع آیات میں سے ہے جس نے دعوت اسلام کی پوری حقیقت واضح کر دی:

(۱) یہ دعوت یکساں طور پر تمام نوع انسانی کے لیے ہے-

(۲) یہ ایک خدا کے آگے سب کے سروں کو جھکا ہوا دیکھنا چاہتی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں-

(۳) ''ایمان باللہ وکلماتہ'' اس کا شعار ہے-یعنی خدا اور اس کے تمام کلمات وحی پر ایمان-

فرمایا: خدا نے مجھے تم سب کی طرف بھیجا ہے- وہ خدا کہ آسمان و زمین کی ساری پادشاہت اسی کے لیے ہے-یعنی جب تمام کائنات ہستی میں ایک ہی خدا کی فرمانروائی ہے تو ضروری ہوا کہ اس کا پیغام ہدایت بھی ایک ہی ہو اور سب کے لیے ہو-

وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ
قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ
مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا
رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ
الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ

کے معاملات میں) انصاف بھی کرتا ہے۔ (۱۵۹)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ خاندانوں کے بارہ گروہوں میں منقسم کر دیا اور جب لوگوں نے موسیٰ سے پینے کے لیے پانی مانگا تو ہم نے وحی کی کہ اپنی لاٹھی (ایک[1] خاص) چٹان پر مارو۔ چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنی اپنی جگہ پانی کی معلوم کر لی اور ہم نے بنی اسرائیل پر ابر کا سایہ کر دیا تھا۔ اور (ان کی غذا کے لیے) ''من'' اور ''سلویٰ'' اتارا تھا۔ ہم نے کہا تھا'' یہ پسندیدہ غذا کھاؤ جو ہم نے عطا کی ہے'' (اور فتنہ و فساد میں نہ پڑو)۔ انہوں نے (نافرمانی کر کے) ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا' خود اپنے ہاتھوں اپنا ہی نقصان کرتے رہے! (۱۶۰)

اور پھر (وہ واقعہ یاد کرو) جب بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا'' اس[2] شہر میں جا کر آباد ہو جاؤ' (جس کے فتح کرنے کی تمہیں توفیق ملی ہے) اور (یہ نہایت زرخیز علاقہ ہے) جس جگہ سے چاہو اپنی غذا حاصل کرو اور تمہاری زبانوں پر حطة[3] کا کلمہ جاری ہو اور اس کے دروازے میں داخل ہو تو (اللہ کے حضور) جھکے ہوئے ہو۔ ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور نیک کرداروں کو (اس سے

(ل) عربی میں ''امی'' ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو اپنی پیدائشی حالت پر ہو۔ لکھنے پڑھنے اور علم و فن کی باتوں سے آشنا نہ ہوا ہوا۔ چنانچہ عرب کے باشندے بھی امی کہلائے۔ کیونکہ تعلیم و تربیت سے آشنا نہیں ہوئے تھے۔

پیغمبر اسلام کو بھی ''الامی'' فرمایا کیونکہ ظاہری تعلیم و تربیت کا ان پر سایہ بھی نہیں پڑا تھا۔ جو کچھ تھا سرچشمہ وحی کا فیضان تھا!

(م) چونکہ تورات کی بشارات میں پیغمبر موعودؐ کے ساتھ اس وصف کی طرف اشارہ تھا اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا۔ بشارات ظہور کے لیے استثنا ۱۸: ۱۷۔ و ۳۲: ۲۱۔ و ۳۳: ۲۔ اور زبور ۴۵: ۱۔ اور انجیل متی ۲۰: ۱۔ یوحنا ۲۱: و ۱۴: ۱۵ کے مقامات دیکھنے چاہییں۔

(ن) بنی اسرائیل کی بارہ قبیلوں میں تقسیم اور وادی سینا کے واقعات کی طرف اشارہ۔

(س) یہ گمراہی کہ جب فتح و کامرانی حاصل ہوئی تو عبودیت و نیاز کی جگہ غفلت و شرارت میں مبتلا ہو گئے (دیکھو بقرہ از ۵۴ تا ۵۶)

[1] تورات میں ہے کہ یہ چٹان جبل حوریب میں تھی۔ (خروج ۱۱: ۶) ''حوریب'' سے مقصود وہ سلسلہ کوہ ہے جو وادی لجاہ میں واقع ہے۔

[2] غالباً یہ وہ شہر تھا جسے تورات میں ریحو کہا گیا ہے اور جو یردن پار سرزمین کنعان کی پہلی آبادی تھی جس کے حصول کی بنی اسرائیل کو بشارت دی گئی تھی (گنتی ۲۳: ۵)

[3] ''حطة'' کلمہ استغفار ہے۔ یعنی خدایا! گناہوں سے پاک کر دے!

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٢﴾ وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ
حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ
لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ
لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ

النصف وقف لازم ۱۰ ع

بھی) زیادہ اجر دیں گے" (۱۶۱)

لیکن پھر ایسا ہوا کہ جو لوگ ان میں ظلم و شرارت کی راہ چلنے والے تھے انہوں نے خدا کی بتلائی ہوئی بات بدل کر ایک دوسری ہی بات بنا ڈالی (یعنی جس بات کا حکم دیا گیا تھا اس سے بالکل الٹی چال چلے) پس ہم نے آسمان سے ان پر عذاب بھیجا اس ظلم کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے- (۱۶۲)

اور (اے پیغمبرؐ) بنی اسرائیل سے اس شہر کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھا اور جہاں سبت کے دن لوگ خدا کی ٹھہرائی ہوئی حد سے باہر ہو جاتے تھے- سبت کے دن ان کی (مطلوبہ) مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئی ان کے پاس آ جاتیں مگر جس دن سبت نہ مناتے نہ آتیں- اس طرح ہم انہیں آزمائش میں ڈالتے تھے- بہ سبب اس نافرمانی کے جو وہ کیا کرتے تھے- (۱۶۳)

اور جب اس شہر کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے (ان لوگوں سے جو نافرمانوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے) کہا "تم ایسے لوگوں کو (بیکار) نصیحت کیوں کرتے ہو جنہیں (ان کی شقاوت کی وجہ سے) یا تو خدا ہلاک کر دے گا یا نہایت سخت عذاب (اخروی) میں مبتلا کرے گا؟" انہوں نے کہا "اس لیے کرتے ہیں تا کہ تمہارے پروردگار کے حضور معذرت کر سکیں (کہ ہم نے اپنا

(ع) بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ دین کے حکموں پر سچائی کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے اور شرعی حیلے نکال کر ان کی تعمیل سے بچنا چاہتے تھے- انہیں حکم دیا گیا تھا کہ سبت کا مقدس دن تعطیل کا دن ہے اس دن شکار نہ کرو- لیکن ایک گروہ نے یہ حیلہ نکالا کہ سمندر کے کنارے گڑھے کھود لیے- جب جوار کے بعد پانی اتر جاتا تو گڑھے کے اندر کی مچھلیاں پکڑ لیتے اور کہتے یہ مچھلیاں خود آ گئیں' شکار نہیں کی گئیں!

بندر ہو جانے کا مطلب کیا ہے؟ ان کی صورتیں بندروں کی سی ہو گئی تھیں یا دل؟ ائمہ تفسیر میں سے مجاہد کا قول ہے **"مسخت قلوبھم"** ان کے دل مسخ ہو گئے تھے- (ابن کثیر)

(ف) گمراہوں کی ہدایت کی طرف سے کتنی ہی مایوسی ہو لیکن اہل حق کا فرض ہے کہ موعظت سے باز نہ رہیں- کیونکہ اول تو یہ ایک فرض ہے اور ادائے فرض میں نتیجہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا- ثانیاً کون کہہ سکتا ہے کہ ہدایت قطعاً مؤثر نہ ہو گی؟ ہو سکتا ہے کہ کسی کے دل کو کوئی بات لگ جائے- چنانچہ اسی لیے اہل حق نے کہا "**معذرة الی ربکم و لعلھم یتقون**" تا کہ اللہ کے حضور معذرت کر سکیں اور اس لیے بھی کہ شاید لوگ باز آ جائیں- سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت- پانچ چھ لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو اس بارہ میں کہا جا سکتا ہے!

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً
خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ
رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ

فرض ادا کر دیا) اور اس لیے بھی کہ شاید لوگ باز آ جائیں'' (۱۶۴)

پھر جب ایسا ہوا کہ ان لوگوں نے وہ تمام نصیحتیں بھلا دیں جو انہیں کی گئی تھیں تو ہمارا مواخذہ نمودار ہو گیا- ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے مگر شرارت کرنے والوں کو ایسے عذاب میں ڈالا کہ محرومی و نامرادی میں مبتلا کرنے والا عذاب تھا-[1] بہ سبب ان نافرمانیوں کے جو وہ کیا کرتے تھے! (۱۶۵)

پھر جب یہ (سزا بھی انہیں عبرت نہ دلا سکی اور) وہ اس بات میں حد سے زیادہ سرکش ہو گئے جس سے انہیں روکا گیا تھا تو ہم نے کہا ''بندر ہو جاؤ- ذلت و خواری سے ٹھکرائے ہوئے!'' (۱۶۶)

اور (اے پیغمبر) جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا: (اگر بنی اسرائیل شرارت و بدعملی سے باز نہ آئے تو) وہ قیامت کے دن تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو انہیں ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا کریں گے- حقیقت یہ ہے کہ تیرا پروردگار (بدعملی کی) سزا دینے میں دیر کرنے والا نہیں اور ساتھ ہی بخشنے والا رحمت والا بھی ہے! (۱۶۷)

اور ہم نے انہیں الگ الگ گروہ کر کے زمین میں متفرق کر دیا- کچھ ان میں نیک تھے کچھ اس کے خلاف-

---

(ص) آیت (۱۶۷) سے معلوم ہوا کسی قوم پر ظالم و مستبد حکمرانوں کا مسلط رہنا بھی خدا کا ایک عذاب ہے جو پاداش عمل میں نمودار ہوتا ہے-

(ق) آیت (۱۶۸) میں اس قانون الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ جب کوئی جماعت بدعملی و فساد میں مبتلا ہوتی ہے تو اس کا مہلک نتیجہ فوراً ظاہر نہیں ہو جاتا بلکہ تدریج و امہال کی وجہ سے یکے بعد دیگرے مہلتیں ملتی رہتی ہیں کہ اصلاح حال پر آمادہ ہو جائے-

فرمایا ''ہم نے انہیں الگ الگ گروہ کر کے زمین میں متفرق کر دیا'' یعنی بنی اسرائیل کی قومی وحدت باقی نہیں رہی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منتشر ہو گئے- یہ تباہی کی ابتدا تھی تاہم ابھی نیک جماعتیں بالکل معدوم نہیں ہو گئی تھیں- لیکن اس دور کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئیں وہ عمل و حقیقت سے یکسر محروم ہو گئیں-

---

[1] اصل آیت میں ''بعذاب بئیس'' ہے- ''بئیس'' باس سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی شدت کے ہیں اور بوس سے بھی جس کے معنی فقر و فاقہ اور انتہائے محرومی کے ہیں- ہم نے دوسرے معنی کو ترجیح دی کیونکہ آگے چل کر ''خاسئین'' کا لفظ آیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے عذاب کی نوعیت ایسی تھی کہ ذلیل و خوار کرنے والا تھا-

وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ

اور ہم نے انہیں اچھی اور بری دونوں طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا تاکہ (بدعملیوں سے) باز آ جائیں۔

پھر ان لوگوں کے بعد ناخلفوں نے ان کی جگہ پائی اور کتاب الٰہی کے وارث ہوئے۔ وہ (دین فروشی کر کے) اس دنیائے حقیر کی متاع (بے تامل) لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں ''اس کی تو ہمیں معافی مل ہی جائے گی'' اور اگر کوئی متاع انہیں اسی طرح (فریق ثانی سے) ہاتھ آ جائے تو اسے بھی بلا تامل لے لیں۔ کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا ہے کہ خدا کے نام سے کوئی بات نہ کہیں مگر وہی جو سچ ہو؟ اور کیا جو کچھ کتاب میں حکم دیا گیا ہے وہ پڑھ نہیں چکے ہیں؟ جو متقی ہیں ان کے لیے تو آخرت کا گھر (دنیا اور دنیا کی خواہشوں سے) کہیں بہتر ہے (وہ دنیا کے لیے اپنی آخرت تاراج کرنے والے نہیں۔ اے علمائے یہود!) کیا اتنی سی بات بھی تمہاری عقل میں نہیں آتی؟ (۱۶۹)

اور (بنی اسرائیل میں سے) جو لوگ کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور نماز میں سرگرم ہیں تو (ان کے لیے کوئی کھٹکا نہیں) ہم کبھی سنوارنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے! (۱۷۰)

اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو زلزلہ[1] میں ڈالا تھا گویا ایک سائبان ہے (جو ہل رہا ہے)

(ر) چنانچہ علمائے یہود کا یہ حال ہو گیا کہ دنیا کے حقیر فوائد کے لیے دین فروشی کرتے' ناجائز باتوں کو جائز بنا لیتے اور سمجھتے ہمارے لیے کوئی کھٹکا نہیں' خدا ہمیں بخش دے گا۔ جب کسی گروہ میں عمل اور حقیقت کی روح باقی نہیں رہتی تو ارتکاب معاصی میں چھوٹ ہو جاتا ہے اور عمل کی جگہ محض خوش اعتقادی کے خود ساختہ سہاروں پر اعتماد کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ یہی حال یہودیوں کا ہوا جو سمجھتے تھے ہم خدا کی پسندیدہ امت ہیں' آتش دوزخ ہم پر حرام کر دی گئی ہے اور یہی حال اب مسلمانوں کا ہو گیا ہے جو سمجھتے ہیں ہم امت مرحومہ ہیں۔ آتش دوزخ ہم پر حرام کر دی گئی ہے۔ اگر کچھ مواخذہ ہو گا بھی تو کسی پیر کی مریدی' یا کسی وظیفہ کا ورد یا کسی خاص نماز نفل کی مداومت یا مجالس میلاد کا انعقاد اور عرسوں کی شرکت بخشش و نجات کے لیے کافی ہے!

(ش) پہلے آیت (۱۵۹) میں کہا تھا کہ قوم موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہدایت پر چلتے ہیں۔ یہاں فرمایا جو لوگ کتاب اللہ پر سچائی کے ساتھ عمل کرتے ہیں ان کا اجر ضائع ہونے والا نہیں۔ دونوں جگہ یہ صراحت اس لیے کی تاکہ واضح ہو جائے جو لوگ سچائی پر قائم رہے ان کی سعادت سے انکار نہیں۔

[1] عربی میں ''نتقنا'' کے معنی رفعنا کے بھی ہو سکتے ہیں اور زلزلنا کے بھی۔ نتق السقاء اذا هزه ونفضه ليخرج منه الزبدة۔ ہم نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔

ع ۲۱ ۹

وَظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذْ
اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ
شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا
ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

اور وہ (دہشت کی شدت میں) سمجھے تھے کہ بس ان کے سروں پر آ گرا اور انہیں حکم دیا تھا کہ "یہ کتاب جو ہم نے دی ہے مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو کچھ اس میں بتلایا گیا ہے اسے خوب طرح یاد رکھو- اور یہ اس لیے ہے کہ تم برائیوں سے بچو"

اور (اے پیغمبر! وہ وقت بھی لوگوں کو یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اس ذریت سے جو ان کے ہیکل سے (نسلاً بعد نسل) پیدا ہونے والی تھی عہد لیا تھا اور انہیں (یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کی فطرت میں) خود اس پر گواہ ٹھہرایا تھا: "کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟" سب نے جواب دیا تھا: "ہاں تو ہی ہمارا پروردگار ہے- ہم نے اس کی گواہی دی" اور یہ اس لیے کیا تھا کہ ایسا نہ ہو تم قیامت کے دن عذر کر بیٹھو کہ ہم اس سے بے خبر رہے (۱۷۲)

یا کہو خدایا! شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا- ہم ان کی نسل میں بعد کو پیدا ہوئے (اور لاچار وہی چال چلے جس پر پہلوں کو چلتے پایا) پھر کیا تو ہمیں اس بات کے لیے ہلاک کرے گا جو (ہم سے پہلے) جھوٹی راہ چلنے والوں نے کی تھی؟ (۱۷۳)

اور (دیکھو) اس طرح ہم سچائی کی نشانیاں الگ الگ کر کے واضح کر دیتے ہیں تا کہ لوگ (حق کی طرف) لوٹ آئیں! (۱۷۴)

(ت) اس حقیقت کا اعلان کہ خدا کی ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے اور فطرت انسانی کی اصلی آواز "بلیٰ" ہے- یعنی تصدیق ہے' انکار نہیں ہے- اور اسی لیے کوئی انسان اپنی غفلت کے لیے معذور نہیں ہوسکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ آبا واجداد کی گمراہی سے میں بھی گمراہ ہوگیا- کیونکہ اس کے وجود سے باہر گمراہی کے کتنے ہی موثرات جمع ہو جائیں لیکن اس کی فطرت کی اندرونی آواز کبھی دب نہیں سکتی بشرطیکہ وہ خود اس کے دبانے کے درپے نہ ہو جائے اور اس کی طرف سے کان بند نہ کر لے-

چونکہ آیت (۱۷۱) میں اس عہد کا ذکر کیا تھا جو دین کے اتباع کا بنی اسرائیل سے لیا تھا اس لیے یہاں واضح کر دیا گیا کہ پیغمبروں کی ہدایت کوئی نیا پیام انسان کو نہیں دیتی وہ اسی اعتقاد کی تجدید کرتی ہے جو اول دن سے فطرت انسانی میں ودیعت کر دیا گیا ہے-

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿١٧٥﴾ وَلَوْ شِئْنَا
لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ
تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٧٦﴾ سَاۗءَ
مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٧٧﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ

اور (اے پیغمبرؐ!) ان لوگوں کو اس آدمی کا حال (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سناؤ جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھی (یعنی دلائل حق کی سمجھ عطا کی تھی) لیکن پھر ایسا ہوا کہ اس نے (دانش وفہم کا) وہ جامہ اتار دیا - پس شیطان اس کے پیچھے لگا - نتیجہ یہ نکلا کہ گمراہوں میں سے ہو گیا - (۱۷۵)

اور اگر ہم چاہتے تو ان نشانیوں کے ذریعہ اس کا مرتبہ بلند کرتے (یعنی دلائل حق کا جو علم ہم نے دیا تھا وہ ایسا تھا کہ اگر اس پر قائم رہتا اور ہماری مشیت ہوتی تو بڑا درجہ پاتا) مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور ہوائے نفس کی پیروی کی - تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی - مشقت میں ڈالو جب بھی ہانپے اور زبان لٹکائے - چھوڑ دو جب بھی ایسا ہی کرے - ایسی ہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں تو (اے پیغمبرؐ!) یہ حکایتیں لوگوں کو سناؤ - تاکہ ان میں غور وفکر کریں - (۱۷۶)

کیا ہی بری مثال ان لوگوں کی ہوئی جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں! وہ اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے! (۱۷۷) جس پر اللہ (کامیابی کی) راہ کھول دے تو وہی راہ پر ہے اور جس پر (کامیابی کی) راہ گم کر دے

---

(۲۵) پچھلی دعوتوں کا ذکر ختم ہو گیا - اب یہاں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جس طرح پچھلے عہدوں کی مفسد جماعتوں نے آخر تک سچائی کا مقابلہ کیا اسی طرح عرب کے مفسدین بھی کر رہے ہیں اور کبھی ایمان لانے والے نہیں - پس ان کی شرارتوں سے پریشان خاطر نہ ہو - نتیجہ کا انتظار کرو -

آیت (۱۷۵) میں غالباً عرب جاہلیت کے ایک حکیم شاعر امیہ بن عبداللہ ابی الصلت ثقفی کی طرف اشارہ ہے یہ غیر معمولی ذکاوت و استعداد کا آدمی تھا اور اہل کتاب کی صحبت میں رہ کر خدا پرستی و دینداری کے خیالات سے آشنا ہو گیا تھا - قدرتی طور پر ایسا شخص سب سے زیادہ مستحق تھا کہ اتباع حق کی اس سے توقع کی جاتی لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا تو پیغمبر اسلام ﷺ کی فضیلت اس پر گراں گزری اور اس طمع میں پڑ گیا کہ خود ہی عرب کا پیغمبر کیوں نہ ہوا؟

نتیجہ یہ نکلا کہ ادراک حق کی جو توفیق ملی تھی ضائع گئی اور ہوائے نفس کی پیروی نے محروم و نامراد کر دیا -

کتے کی مثال میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم ان لوگوں سے تعرض کرو یا نہ کرو یہ اپنی مفسدانہ خصلت کا مظاہرہ ضرور کریں گے کیونکہ سچائی کی مخالفت ایسے لوگوں کی طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے -

يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ
قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ
كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا
الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

تو ایسے ہی لوگ ہیں جو گھاٹے ٹوٹے میں پڑے! (۱۷۸)

اور کتنے ہی جن اور انسان ہیں جنہیں ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیا (یعنی بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہونے والا ہے) ان کے پاس عقل ہے مگر اس سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے - آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے - کان ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے - وہ (عقل وحواس کا استعمال کھوکر) چارپایوں کی طرح ہوگئے - بلکہ ان سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے - ایسے ہی لوگ ہیں جو یک قلم غفلت میں ڈوب گئے ہیں! (۱۷۹)

اور (دیکھو) اللہ کے لیے حسن وخوبی کے نام ہیں (یعنی صفتیں ہیں) سو تم انہی ناموں سے اسے پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کج اندیشیاں کرتے ہیں (یعنی ایسی صفتیں گھڑتے ہیں جو اس کے جمال و پاکی کے خلاف ہیں) تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو - وہ وقت دور نہیں کہ اپنے کیے کا بدلہ پالیں گے - (۱۸۰)

اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ان میں ضرور ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو لوگوں کو سچائی کی راہ دکھاتا

---

(۲۶) قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ہدایت وسعادت کی راہ عقل وتفکر کی راہ ہے اور گمراہی وشقاوت کا سرچشمہ جہل وکوری اور حواس وتفکر کو بیکار کر دینا ہے - جو لوگ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام نہیں لیتے یا ہوائے نفس سے اس درجہ مغلوب ہو جاتے ہیں کہ ذہن وادراک کی قوتیں بیکار ہو جاتی ہیں وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے - (مزید تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے)

چنانچہ یہاں انسان کی دماغی شقاوت کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جب بڑے بوڑھوں کے تقلیدی اثرات سے یا ہوائے نفس کے غلبہ سے یا ذاتی طمع وبغض سے وہ اس درجہ مغلوب ہو جاتا ہے کہ عقل وحواس کی ساری روشنیاں اس کے لیے بیکار ہو جاتی ہیں - قرآن کہتا ہے ایسا ہی گروہ جہنمی گروہ ہے -

(۲۷) یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ معرفت حقیقت کی دو ہی راہیں ہیں: فکر اور نظر - ''فکر'' یہ کہ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام لیں اور اپنے اندر سوچیں سمجھیں - ''نظر'' یہ کہ کارخانۂ ہستی کے عجائب ودقائق کا مشاہدہ کریں اور اس سے بصیرت حاصل کریں - جو شخص ان دونوں باتوں سے محروم ہے وہ اندھا بہرا ہے اور گمراہی سے لوٹنے والا نہیں -

(۲۸) قرآن نے خدا کی صفتوں کا جو تصور ہم میں پیدا کرنا چاہا ہے وہ سراسر حسن وخوبی کا تصور ہے - چنانچہ وہ خدا کی تمام صفتوں کو ''حسنٰی'' قرار دیتا ہے - یعنی خوبی و جمال کی صفتیں - یہ صفتیں کیا کیا ہیں؟ قرآن نے جابجا بیان کی ہیں اور شمار کی گئیں ⇐

ع ۲۲ / ۱۲ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَ اُمْلِيْ
لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا ٚ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى
اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ

اور سچائی ہی کے ساتھ ان میں انصاف بھی کرتا ہے۔ (۱۸۱)

اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں ہم انہیں درجہ بہ درجہ (آخری نتیجہ تک) لے جائیں گے۔ اس طرح کہ انہیں خبر بھی نہیں ہوگی۔ (۱۸۲) ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں (یعنی ہمارا قانون جزا ایسا ہے کہ نتائج بتدریج ظہور میں آتے ہیں اور مہلتوں پر مہلتیں ملتی رہتی ہیں) اور ہماری مخفی تدبیر بڑی ہی مضبوط ہے! (۱۸۳)

کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ ان کے رفیق کو (یعنی پیغمبر اسلام کو جو انہی میں پیدا ہوا اور جس کی زندگی کی ہر بات ان کے سامنے ہے) کچھ دیوانگی تو نہیں لگ گئی ہے (کہ خواہ مخواہ ایک بات کے پیچھے پڑ کر سب کو اپنا دشمن بنا لے) وہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ (انکار و بدعملی کی پاداش سے) کھلے طور پر خبردار کر دینے والا ہے! (۱۸۴)

پھر کیا یہ نظر اٹھا کر آسمان و زمین کی پادشاہی اور جو کچھ خدا نے پیدا کیا ہے نہیں دیکھتے؟ نیز یہ بات کہ ہو سکتا ہے ان کا (مقررہ) وقت قریب آ گیا ہو؟ (اگر سوچنے سمجھنے کی یہ ساری باتیں انہیں ہوشیار نہیں کر سکتیں تو) پھر اس کے بعد اور کون سی بات ہو سکتی ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ (۱۸۵) جس پر (کامیابی کی) راہ خدا گم کر دے (جیسے خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون نتائج

⇐ تو ۹۹ نکلیں۔ ان تمام صفتوں کے معانی پر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا قرآن کا تصور کس درجہ بلند اور کامل ہے۔ صرف ان صفات کے معانی پر تدبر کر کے ہم کائنات ہستی کے بے شمار اسرار و دقائق کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں جو کچھ ہے انہی صفات کا ظہور ہے۔

(۲۹) آیت (۱۸۱) میں عرب کے ان موحد اور راست باز انسانوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اپنا جوہر فکر و نظر ضائع نہیں کیا تھا اور دعوت حق کے شناسا ثابت ہوئے تھے۔

(۳۰) آیت (۱۸۳) میں قانون امہال کی طرف اشارہ ہے اور مفسدین مکہ کی نسبت خبر دی ہے کہ جزائے عمل کا قانون ان کی طرف سے غافل نہیں ہے۔ وہ بتدریج اس نتیجہ تک پہنچ کر رہیں گے جو انکار و سرکشی کا لازمی نتیجہ ہے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ چند برسوں کے اندر قریش مکہ کی ساری طاقت نابود ہو گئی (قانون امہال کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ)

(۳۱) داعیان حق کو ہمیشہ منکروں نے مجنون کہا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کو بھی اشرار مکہ مجنون کہا کرتے تھے۔ آیت (۱۸۴) اور (۱۸۵) میں فرمایا۔ یہ منکر نہ تو فکر سے کام لیتے ہیں نہ مشاہدہ و نظر سے۔ اگر فکر سے کام لیں تو پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی جو انہی میں پیدا ہوا اور انہی میں سے ہے سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اگر نظر سے کام لیں تو آسمان و زمین کا ایک ایک ذرہ خدا کی ہستی اور اس کے مقررہ قوانین خلقت کی شہادت دے رہا ہے۔

غور کرو۔ قرآن کا طریق تلقین و استدلال کیا ہے اور مفسرین نے اسے کیا سے کیا بنا دیا ہے! (تفصیل کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ)

وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٨٦﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي ۖ
لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ
حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٧﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا
وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ

وقف لازم / وقف منزل

کے مطابق کھویا جائے) تو پھر اس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا نہیں- خدا (کے قانون) نے انہیں چھوڑ دیا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں! (۱۸۶)

(اے پیغمبرؐ!) لوگ تم سے (قیامت کے) آنے والے وقت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ آخر وہ کب قرار پائے گا؟ تم کہہ دو اس کا علم تو میرے پروردگار کو ہے- وہی ہے جو اس بات کو اس کے وقت پر نمایاں کرنے والا ہے- وہ بڑا بھاری حادثہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں واقع ہوگا- وہ تم پر نہیں آئے گا مگر اچانک-

(اے پیغمبرؐ!) یہ لوگ تم سے اس طرح پوچھ رہے ہیں گویا تم اس کی کاوش میں لگے ہوئے ہو- تم کہو حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ صرف خدا ہی یہ بات جانتا ہے- لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو اس حقیقت سے انجان ہیں- (۱۸۷)

(اے پیغمبرؐ!) تم کہہ دو "میرا حال تو یہ ہے کہ خود اپنی جان کا نفع نقصان بھی اپنے قبضے میں نہیں رکھتا- وہی ہو کر رہتا ہے جو خدا چاہتا ہے- اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو ضرور ایسا کرتا کہ بہت سی منفعت بٹور لیتا اور (زندگی میں) کوئی گزند مجھے نہ پہنچتا-

---

(۳۲) مشرکین مکہ انکار و تمسخر کی راہ سے پوچھتے تھے اگر سچ مچ کو قیامت آنے والی ہے تو کیوں نہیں بتلا دیتے کہ کب آئے گی؟ فرمایا وقت کا علم تو اللہ کو ہے- تمہارے لیے اس قدر جان لینا کافی ہے کہ جب آئے گی تو اچانک آ جائے گی- ڈھنڈورا پیٹ کر نہیں آئے گی-

(۳۳) "ثقلت فی السمٰوٰت والارض" سے معلوم ہوا وہ اجرام سماویہ کا ایک عظیم حادثہ ہوگا-

اس آیت اور اس کی ہم معنی آیات سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ قیامت کے آثار و مقدمات کے بارے میں جتنی باتیں مسلمانوں میں مشہور ہوگئی ہیں ان کا بڑا حصہ بے اصل ہے- کیونکہ اگر ایک واقعہ سے بہت پہلے اس کی ظاہر علامتیں یکے بعد دیگرے ظہور میں آنے والی ہوں اور ان کی خبر بھی دے دی گئی ہو تو اس واقعہ کا ہونا ناگہانی نہیں ہوسکتا- حالانکہ قرآن قطعی طور پر کہتا ہے کہ لوگ یکسر بے خبر ہوں گے اور قیامت اچانک نمودار ہو جائے گی-

(۳۴) انسان کی ایک عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے کہ جب کوئی انسان روحانی عظمت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو لوگ چاہتے ہیں اسے انسانیت و بندگی کی سطح سے بلند کر کے دیکھیں لیکن قرآن نے پیغمبر اسلام کی حیثیت ایسے صاف اور قطعی لفظوں میں واضح کر دی کہ ہمیشہ کے لیے اس گمراہی کا ازالہ ہوگیا- صرف یہی ایک بات ان کی صداقت کے اثبات کے لیے کفایت کرتی ہے- جو دنیا اپنے پیشواؤں کو خدا اور خدا کا بیٹا بنانے کی خواہش مند تھی اسلام کے پیغمبرؐ نے اس سے اتنا بھی نہ چاہا کہ کاہنوں کی طرح مجھے غیب داں تسلیم کر لو- زیادہ سے زیادہ بات جو ⇐

ع ۲۳
إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَّبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ
مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ أَثْقَلَتْ
دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ
شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ماننے والوں کے لیے خبردار کردینے والا اور بشارت دینے والا ہوں!" (۱۸۸)

وہی (تمہارا پروردگار) ہے جس نے اکیلی جان سے تمہیں پیدا کیا (یعنی تمہارے قبیلوں اور گروہوں کا مورث اعلیٰ ایک فرد واحد تھا) اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنا دیا (یعنی مرد ہی کی نسل سے عورت بھی پیدا ہوتی ہے) تاکہ وہ اس کی رفاقت میں چین پائے- پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ مرد عورت کی طرف ملتفت ہوا[1] تو عورت کو حمل رہ جاتا ہے- پہلے حمل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے اور وہ وقت گزار دیتی ہے- پھر جب بوجھل ہو جاتی ہے (اور وضع حمل کا وقت قریب آ لگتا ہے) تو مرد اور عورت دونوں اللہ کے حضور دعا مانگتے ہیں کہ ان کا پرورش کرنے والا ہے: "خدایا! ہم دونوں تیرے شکرگزار ہوں گے اگر ہمیں ایک تندرست بچہ عطا فرما دے!" (۱۸۹)

پھر جب خدا نے انہیں ایک تندرست فرزند دے دیا تو جو چیز خدا نے دی اس میں دوسری ہستیوں کو شریک ٹھہرانے لگے- سو (یاد رکھو) یہ لوگ جیسی کچھ شرک کی باتیں کرتے ہیں- اس سے اللہ کی ذات بہت بلند ہے! (۱۹۰) یہ لوگ خدا کے ساتھ کن ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں؟ ایسوں کو جو کوئی چیز پیدا نہیں کرسکتے اور خود کسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں- (۱۹۱)

⇦ اپنی نسبت سنائی' یہ تھی کہ "انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کر دینے والا اور ایمان و نیک عملی کی برکتوں کی بشارت دینے والا ایک بندہ ہوں- اگر میں غیب داں ہوتا تو زندگی کا کوئی گزند مجھے نہ پہنچتا- مجھے کیا معلوم قیامت کب آئے گی"

کیا ایسے انسان کی زبان سے سچائی کے سوا کوئی بات نکل سکتی ہے؟

چہ عظمت دادۂ یا رب بخلق آں عظیم الشاں
کہ "انی عبدہ" گوید بجائے قول "سبحانی!"

(۳۵) آیت (۱۸۹) میں مشرکوں کی یہ گمراہی واضح کی ہے کہ اپنی احتیاجوں اور مصیبتوں میں خدا سے التجائیں کرتے ہیں لیکن جب مطلب حاصل ہو جاتا ہے' تو اسے ان آستانوں اور معبودوں کی بخشش سمجھنے لگتے ہیں جو انہوں نے ٹھہرا رکھے ہیں-

چنانچہ مشرکین عرب مصیبتوں میں خدا ہی کو پکارتے تھے- لیکن جب مصیبت ٹل جاتی تو اپنے بنائے ہوئے آستانوں پر نذریں چڑھاتے اور اپنی اولاد کو ان کی طرف منسوب کرتے اور کہتے یہ انہی کی بخشش ہے کہ ہمیں اولاد ملی-

---

[1] تغشاھا کے معنی یہ ہیں کہ جب "وہ ڈھانپ لیتا ہے" اور یہ عربی میں اس بات کے لیے کنایہ ہے جسے ہم نے اردو میں "ملتفت ہونے" سے ادا کیا ہے-

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ
اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ
لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا
شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

ان میں نہ تو اس کی طاقت کہ ان کی مدد کریں- نہ اس کی کہ خود اپنی ذات ہی کو مدد پہنچا ئیں (۱۹۲)

اگر تم سیدھی راہ کی طرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے قدم نہ اٹھا سکیں اور تم انہیں پکارو یا چپ رہو دونوں حالتوں کا نتیجہ تمہارے لیے یکساں ہو! (۱۹۳)

(نادانو!) تم خدا کے سوا جن ہستیوں کو پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح خدا کے بندے ہیں- اگر تم (اپنے اس وہم میں) سچے ہو (کہ ان میں ماورائے بشریت طاقتیں ہیں) تو اپنی احتیاجوں میں پکارو- وہ تمہاری پکار کا جواب دیں! (۱۹۴)

کیا ان (پتھر کی مورتیوں) کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہوں؟ ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہوں؟ آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہوں؟ کان ہیں جن سے سنتے ہوں؟ (اے پیغمبرؐ!) ان لوگوں سے کہو (اگر تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک تمہاری مدد کر سکتے ہیں تو) انہیں (جس قدر پکار سکتے ہو) پکار لو پھر (میرے خلاف اپنی ساری) مخفی تدبیریں کر ڈالو اور مجھے (اپنے جانتے) ذرا بھی مہلت نہ دو- (پھر دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے) (۱۹۵)

میرا کارساز تو بس اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہی ہے جو نیک انسانوں کی کارسازی کرتا ہے! (۱۹۶)

اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شرک کی قسموں میں سے ایک قسم شرک فی التسمیہ ہے- یعنی غیر خدا کی طرف منسوب کر کے نام رکھنا- چنانچہ مشرکین عرب عبدالعزیٰ، عبدالشمس وغیرہا نام رکھتے تھے اور افسوس ہے کہ مسلمان بھی اب اسی طرح کے نام رکھنے لگے ہیں-

(۳۶) قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ روحانی اعتقاد کے ساتھ ایک بالاتر ہستی کو پکارنا بندگی و نیاز کا ایک ایسا فعل ہے جو صرف خدا ہی کے لیے ہونا چاہیے- اگر کسی دوسری ہستی کے لیے کیا گیا تو یہ شرک ہوگا-

یہی مقام ہے جہاں پیروان مذاہب نے ٹھوکر کھائی- وہ توحید ربوبیت میں نہیں کھوئے گئے- کیونکہ خالق و رب خدا ہی کو مانتے تھے- وہ توحید الوہیت میں گمراہ ہو گئے- یعنی اپنی دعاؤں اور منتوں مرادوں کے لیے بہت سے آستانے بنا لیے جسے قرآن ''الہ'' بنا لینے سے تعبیر کرتا ہے-

(۳۷) سورت کا مرکز موعظت یہ تھا کہ اوائل اسلام کی غربت و بے چارگی میں پیروان دعوت کو تسکین دی جائے اور یہ حقیقت ان کے دلوں پر نقش کر دی جائے کہ ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف دکھائی دیتے ہوں بالآخر دعوت حق کی فتح مندی یقینی ہے، مخالف جماعتیں جس قدر اپنی سرگرمی میں بڑھتی جائیں گی اتنا ہی زیادہ ان کی تباہی کا وقت قریب آتا جائے گا- ⇦

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٧﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى
لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٩٨﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ
الْجٰهِلِيْنَ ﴿١٩٩﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٠٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا
مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿٢٠١﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ

تم اللہ کے سوا جنہیں پکارتے ہو یاد رکھو وہ نہ تو تمہاری مدد کرنے کی قدرت رکھتے ہیں نہ خود اپنی ہی مدد پر قادر ہیں۔ (۱۹۷)

(اے پیغمبرؐ!) اگر تم ان لوگوں کو سیدھے رستے بلاؤ تو کبھی تمہاری پکار نہ سنیں۔ تمہیں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تمہاری طرف تک رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دیکھتے نہیں۔ (۱۹۸)

(بہرحال) نرمی و درگزر سے کام لو، نیکی کا حکم دو، جاہلوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔ (۱۹۹) اور اگر ایسا ہو کہ شیطان کی طرف سے وسوسہ کی کوئی خلش محسوس ہو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے پناہ طلب کرو۔ بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے[1] (۲۰۰)

جو لوگ متقی ہیں اگر انہیں شیطان کی وسوسہ اندازی سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چونک اٹھتے ہیں اور پھر (پردۂ غفلت اس طرح ہٹ جاتا ہے گویا) اچانک ان کی آنکھیں کھل گئیں! (۲۰۱)

مگر جو لوگ شیطانوں کے بھائی بند ہیں تو انہیں وہ گمراہی میں کھینچے لیے جاتے ہیں اور پھر اس میں ذرا بھی

⇐ اب سورت کے تمام مواعظ پر دوبارہ نظر ڈالو اور دیکھو کس طرح سورت کی ابتدا ہوئی، کس طرح سلسلہ بیان کھلتا اور پھیلتا گیا اور کس طرح دین حق کے تمام مہمات و مقاصد اس پھیلاؤ میں سمٹ آئے پھر کس طرح مرکز بیان برابر ایک ہی رہا اور اب اسی پر خاتمہ ہو رہا ہے! چنانچہ یہاں واضح فرمایا کہ:

(ا) مشرکین مکہ دعوت حق کے خلاف کتنی ہی تدبیریں کریں کامیاب ہونے والی نہیں۔ کیونکہ اس مقابلہ میں حق تمہارے ساتھ ہے۔ ان کے ساتھ نہیں۔

(ب) جو لوگ تعصب اور ضد میں کھوئے گئے وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

(ج) تمہارا طریق کار یہ ہونا چاہیے کہ ہر حال میں نرمی اور درگذر کا شیوہ ملحوظ رکھو اور نیکی کی دعوت دیتے رہو مگر جاہلوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔

(د) اگر مخالفوں کے عناد، ناموافق حالات کے ہجوم اور اپنی بے چارگی و بے نوائی کے تصور سے مایوس کن خیالات پیدا ہونے لگیں تو سمجھ جاؤ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور اللہ کی یاد سے اس کا علاج کرو۔

وساوس و خطرات سب کو گزرتے ہیں مگر جو لوگ متقی ہیں ان کا ضمیر ایسا بیدار ہو جاتا ہے کہ جونہی کوئی وسوسہ گذرا معاً چونک اٹھے اور راستی و نیکی کی روشنی نمودار ہو گئی۔ مگر جو لوگ ایمان و تقویٰ سے محروم ہیں وہ اپنے آپ کو وساوس کے ہاتھوں چھوڑ دیتے ہیں۔ جدھر لے جائیں اور جہاں تک لے جائیں کھنچے چلے جائیں گے۔

---

[1] قرآن کا یہ عام اسلوب بیان یاد رہے کہ خطاب پیغمبر سے ہوتا ہے اور مقصود اس کے پیرو ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعد کی آیات نے یہ بات واضح کر دی ہے۔

لَا يُقْصِرُوْنَ ۝۲۰۲ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۲۰۳ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۲۰۴ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۲۰۵ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝۲۰۶ ۩

العلامۃ المجرۃ

کمی نہیں کرتے- (۲۰۲)

اور (اے پیغمبرؐ!) جب ایسا ہوتا ہے کہ تم ان کے پاس کوئی نشانی لے کر نہ جاؤ (جیسی نشانیوں کی وہ فرمائشیں کیا کرتے ہیں) تو کہتے ہیں ''کیوں کوئی نشانی پسند کر کے نہ چن لی'' (یعنی کیوں اپنے جی سے نہ بنالی)-

تم کہہ دو ''حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جو کچھ میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے اس کی پیروی کرتا ہوں (میرے ارادے اور پسند کو اس میں کیا دخل؟) یہ (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے سرمایہ دلائل ہے اور ان سب کے لیے جو یقین رکھنے والے ہیں ہدایت اور رحمت!'' (۲۰۳)

اور (مسلمانو!) جب قرآن پڑھا جائے تو جی لگا کر سنو اور چپ رہو تاکہ اللہ کی مہربانی کے مستحق ثابت ہو- (۲۰۴)

اور (اے پیغمبرؐ!) اپنے پروردگار کو صبح و شام یاد کیا کر- دل ہی دل میں عجز و نیاز کے ساتھ ڈرتے ہوئے اور زبان سے بھی آہستہ آہستہ بغیر پکارے- اور ایسا نہ کرنا کہ غافلوں میں سے ہو جاؤ- (۲۰۵)

جو اللہ کے حضور (مقرب) ہیں وہ کبھی بڑائی میں آ کر اس کی بندگی سے نہیں جھجکتے - وہ اس کی پاکی و ثناء میں زمزمہ سنج رہتے رہیں اور اسی کے آگے سربسجود ہوتے ہیں! (۲۰۶)

(ہ) کلام الٰہی کا جی لگا کر سننا وساوس و خطرات کے اثرات دور کر دیتا ہے-

آیت (۱۹۹) مہمات اصول میں سے ہے- چند لفظوں کے اندر زندگی کی اخلاقی مشکلات کا پورا حل اور فضیلت و کامرانی کے تمام طریقے واضح کر دیے: اخذ بالعفو' امر بالمعروف' اعراض عن الجاہلین یعنی ناسمجھوں کی ناسمجھی بخش دینی' جاہلوں کے پیچھے نہ پڑنا اور نیکی کی دعوت میں سرگرم رہنا- سرسری نظر میں پتہ نہیں لگے گا- اچھی طرح اور بار بار غور کرو- انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کون سا گوشہ ہے جس کی ساری عملی مشکلات ان تین اصلوں سے حل نہیں ہو جاتیں؟

(۳۸) آیت (۱۹۸) میں فرمایا حقیقت یہ ہے کہ تجھے دیکھتے نہیں کیونکہ اگر دیکھتے تو کبھی انکار نہ کرتے- سوایک دیکھنا سلمان فارسی کا تھا جو پہلی ہی نگاہ میں پکار اٹھا: واللہ ما ھذا بوجہ کذاب! خدا کی قسم' یہ صورت جھوٹے آدمی کی نہیں ہو سکتی- اور ایک دیکھنا ابوجہل کا تھا کہ ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق!

آیاتُھَا: 75 | سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا: 10

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ ۪ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗۤ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ② الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ③ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ

(اے پیغمبرؐ!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں مال غنیمت کے بارے میں کیا ہونا چاہیے؟[1] کہہ دو مال غنیمت دراصل اللہ اور اس کے رسول کا ہے- پس اگر تم مومن ہو تو چاہیے کہ (اس کی وجہ سے آپس میں جھگڑا نہ کرو) اللہ سے ڈرو اپنا باہمی معاملہ درست رکھو اور اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرگرم ہو جاؤ- (۱)

مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں! (۲) جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے (ایک حصہ ہماری راہ میں بھی) خرچ کرتے ہیں- (۳) بلاشبہ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں- ان کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں مرتبے ہیں اور بخشائش اور بڑی خوبی وعزت کی روزی! (۴)

[1] مکہ میں جب پیغمبر اسلام کی دعوت کا ظہور ہوا تو قدرتی طور پر دو گروہ پیدا ہو گئے- ایک ان لوگوں کا تھا جنہوں نے یہ دعوت قبول کی- دوسرا تمام قوم اور اس کے سرداروں کا جو اس کے مخالف تھے- غور کرو دونوں میں بنائے نزاع کیا تھی؟ پیروان دعوت کہتے تھے انہیں حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھیں اختیار کریں- مخالف کہتے تھے انہیں یہ حق حاصل نہیں- یعنی وہ انسان کے اعتقاد وضمیر کی آزادی تسلیم نہیں کرتے تھے- وہ چاہتے تھے بزور شمشیر مسلمانوں کو ان کے اعتقاد سے پھرا دیں-

پیغمبر اسلام نے تیرہ برس تک ہر طرح کے مظالم برداشت کیے- آخر جب مکہ میں زندہ رہنا دشوار ہو گیا تو مدینہ چلے آئے- لیکن قریش مکہ نے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا- پے در پے حملے شروع کر دیے-

اب پیغمبر اسلام کے سامنے تین راہیں تھیں:

(الف) جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس سے دست بردار ہو جائیں-

(ب) اس پر قائم رہیں مگر مسلمانوں کو قتل ہونے دیں-

(ج) ظلم وتشدد کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور نتیجہ خدا کے ہاتھ چھوڑ دیں-

انہوں نے تیسری راہ اختیار کی اور نتیجہ وہی نکلا جو ہمیشہ نکل چکا ہے یعنی حق فتح مند ہوا اور ظالموں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا-

قرآن نے جس لڑائی کو جائز رکھا اس کی اصلیت اس سے زیادہ کچھ نہیں-

چونکہ لڑائی کی حالت پیش آ گئی تھی اس لیے اس کے ضروری احکام بیان کر دیے گئے-

⇦

رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ ۴ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
لَكٰرِهُوْنَ ۝ ۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ ۶ وَاِذْ
يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ
يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ۸ اِذْ

(اس معاملہ کو بھی ویسا ہی سمجھ) جس طرح (جنگ بدر میں) یہ بات ہوئی تھی کہ تیرے پروردگار نے سچائی کے ساتھ تجھے تیرے گھر سے باہر نکالا تھا اور یہ واقعہ ہے کہ مومنوں کا ایک گروہ اس بات سے ناخوش تھا-(۵)

وہ تجھ سے امر حق میں جھگڑنے لگے باوجودیکہ معاملہ واضح ہو چکا تھا- (وہ باہر نکل کر مقابل ہونے سے اس درجہ ناخوش تھے) گویا انہیں زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور وہ (اپنی موت اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں!(۶) اور (مسلمانو!) جب ایسا ہوا تھا کہ اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا- (دشمنوں کی) دو جماعتوں میں سے کوئی ایک تمہارے ہاتھ ضرور آئے گی- اور تمہارا حال یہ تھا کہ چاہتے تھے جس جماعت میں لڑائی کی طاقت نہیں (یعنی قافلہ والی) وہ ہاتھ آ جائے اور (خدا کا چاہنا دوسرا تھا) خدا چاہتا تھا اپنے وعدہ کے ذریعہ حق کو ثابت کر دے اور دشمنان حق کی جڑ بنیادیں کاٹ کر رکھ دے!(۷) (اور) یہ اس لیے تاکہ حق کو حق کر کے دکھلا دے اور باطل کو باطل کر کے- اگرچہ (ظلم وفساد کے) مجرم ایسا ہونا پسند نہ کریں-(۸) جب ایسا ہوا تھا کہ (جنگ بدر

اس سورت میں اور اس کے بعد کی سورت میں تذکیر وموعظت کا مرکز یہی حالت ہے-

(۲) مال غنیمت جو لڑائی میں ہاتھ آئے وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے یعنی یہ بات نہیں ہونی چاہیے کہ جو جس کے ہاتھ پڑ گیا وہ اسی کا ہو گیا بلکہ سب کچھ امام کے سامنے پیش کرنا چاہیے- وہ اسے جماعت میں تقسیم کرے گا-

(۳) امن کی حالت ہو یا لڑائی کی لیکن مسلمانوں کو باہم دگر صلح وصفائی کے ساتھ رہنا چاہیے-

(۴) ہر حال میں تقویٰ اور اطاعت ان کا نصب العین ہو کہ بغیر اس کے کامیابی ممکن نہیں-

(۵) سچا مومن وہ ہے جس کی روح خدا پرستی سے معمور رہتی ہے' جس کا ایمان گھٹنے کی جگہ برابر بڑھتا رہتا ہے' جو نماز قائم رکھتا اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی نہیں تھکتا-

(۶) یہ آیت اس باب میں قاطع ہے کہ قرآن کے نزدیک ایمان کی ہر حالت یکساں نہیں- وہ گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے' نفس تصدیق کے لحاظ سے سب برابر ہیں کیفیت ویقین میں تفاوت ہے-

☆☆ (۷) عرب جاہلیت میں دستور تھا کہ لڑائی میں جو مال جس کے ہاتھ لگ جائے وہ اسی کا سمجھا جاتا تھا- رومیوں میں بھی

تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا
بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ اِذْ ع ۱۵
يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ
الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝١١ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ

کے موقع پر) تم نے اپنے پروردگار سے فریاد کی تھی کہ ہماری مدد کر اور اس نے تمہاری فریاد سن لی تھی۔ اس نے کہا تھا "میں ایک ہزار فرشتوں سے کہ یکے بعد دیگرے آئیں گے تمہاری مدد کروں گا"۔ (۹) اور اللہ نے یہ بات جو کی تو اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ (تمہارے لیے) خوشخبری ہو اور تمہارے (مضطرب دل) قرار پا جائیں۔ ورنہ مدد تو (ہر حال میں) اللہ کی طرف سے ہے۔ بلاشبہ وہ (سب پر) غالب آنے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۱۰) جب ایسا ہوا تھا کہ اس نے چھا جانے والی غنودگی تم پر طاری کر دی تھی کہ یہ اس کی طرف سے تمہارے لیے تسکین و بےخوفی کا سامان تھا اور آسمان سے تم پر پانی برسا دیا تھا کہ تمہیں پاک و صاف ہونے کا موقع دے دے اور تم سے شیطان (کے وسوسوں) کی ناپاکی دور کر دے۔ نیز تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھ جائے اور (ریتلے میدانوں میں) قدم جما دے! (۱۱) (اے پیغمبر!) یہ وہ وقت تھا کہ تیرے پروردگار نے

ایسا ہی دستور تھا اور آج کل بھی یورپ کی تمام قوموں میں ایسا ہی قانون رائج ہے۔ جس شہر یا قلعہ کو فوج حملہ کر کے فتح کر لیتی ہے ایک خاص وقت تک اسے لوٹنے کا حق ہوتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں انگریزی فوج نے سرنگا پٹم' بھرت پور اور حیدرآباد سندھ کو بے دریغ لوٹا اور غدر ۱۸۵۷ء میں جب دہلی فتح ہوئی تو سات دن تک فوجیوں کو لوٹ مار کی اجازت دے دی گئی تھی۔ لیکن قرآن نے یہ حکم دے کر کہ مال غنیمت جو کچھ بھی ہاتھ آئے حکومت (یعنی اسٹیٹ) کا ہے نہ کہ لوٹنے والوں کا' سپاہیوں کی ذاتی طمع و حرص کے ابھرنے کی راہ روک دی۔

چونکہ یہ نئی قسم کی سختی تھی اس لیے ناگزیر تھا کہ لوگوں پر شاق گزرے۔ پس پہلے تقویٰ اور اطاعت کی تلقین کی پھر سچے مومنوں کی شان بتلائی پھر آیت (۵) میں فرمایا اس معاملہ کو بھی ویسا ہی معاملہ سمجھو جیسا بدر میں پیش آیا تھا۔ لوگوں کی خواہش دوسری تھی۔ اللہ کے رسول کا فیصلہ دوسرا تھا۔ لیکن بالآخر سب نے دیکھ لیا کہ حق بات وہی تھی جو اللہ کے رسول نے چاہی تھی۔

(۸) وہ معاملہ یہ تھا کہ ہجرت کے دوسرے سال جب رؤسائے مکہ نے مدینہ پر حملہ کیا تو اسی زمانہ میں ان کا ایک تجارتی قافلہ بھی شام سے مکہ آ رہا تھا اور مدینہ کے قرب و جوار سے ہو کر گزرنے والا تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے وحی الٰہی سے مطلع ہو کر فرمایا ایک گروہ مکہ سے آ رہا ہے۔ دوسرا قافلہ ہے۔ ان دو میں سے کسی ایک سے ضرور جنگ ہوگی' اور تم کامیاب ہو گے۔ چونکہ قافلہ کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے اس لیے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ اسی سے مقابلہ ہو۔ مکہ والی فوج سے نہ لڑیں کیونکہ خود بڑی ہی کمزوری اور بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔

فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ
وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ⑫ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑬ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ⑭
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ⑮ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ
يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ

فرشتوں پر وحی کی تھی میں تمہارے ساتھ ہوں (یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے) پس مومنوں کو استوار رکھو- عنقریب ایسا ہوگا کہ میں کافروں کے دلوں میں (مومنوں کی) دہشت ڈال دوں گا- سو (مسلمانو!) ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ! ان کے ہاتھ پاؤں کی ایک ایک انگلی پر ضرب لگاؤ! (۱۲)

اور یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو یاد رکھو اللہ (پاداش عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے! (۱۳)

(اے اعدائے حق!) یہ ہے سزائے تمہارے لیے تو اس کا مزہ چکھ لو اور جان رکھو منکرین حق کو آتش دوزخ کا عذاب بھی پیش آنے والا ہے! (۱۴)

مسلمانو! جب کافروں کے لشکر سے تمہاری مٹھ بھیڑ ہو جائے (یعنی وہ تم پر ہجوم کر کے چڑھ دوڑیں اور تم مقابل ہو) تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ (سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرو) (۱۵) اور جو کوئی ایسے موقع پر پیٹھ دکھلائے گا تو سمجھ لو وہ خدا کے غضب میں آ گیا اور اس

مگر پیغمبر اسلام ﷺ نے لوگوں کے ان خیالات کی کچھ پروا نہ کی اور حملہ آوروں کے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا- نتیجہ یہ نکلا کہ تین سو تیرہ بے نواؤں نے رؤسائے مکہ کے پورے لشکر کو شکست دے دی!

آیت (۷) میں "غیر ذات الشوکۃ" سے قافلہ والی جماعت مراد ہے- آیت (۶) میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ ایک فریق نے پیغمبر اسلام ﷺ کا فیصلہ مان لیا تھا مگر دل میں سخت ہراساں تھا- نکلا تو اس طرح ڈرتا ہوا نکلا' گویا موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے-

(۹) آیت (۱۰) سے واضح ہو گیا کہ فرشتوں والی بات صرف اس لیے تھی کہ کمزور مسلمانوں کے دل قرار پا جائیں- یہ بات نہ تھی کہ لڑائی لڑنے میں اسے کچھ دخل ہو- چنانچہ محققین تفسیر وحدیث اسی طرف گئے ہیں کہ فرشتوں کا نزول مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے ہوا تھا- لڑائی میں ان کی شرکت ثابت نہیں- نہ اس کی کوئی ضرورت پیش آئی تھی- اور آیت (۱۲) میں "فاضربوا" کا خطاب مسلمانوں سے ہے نہ کہ فرشتوں سے- مسلمانوں کے دلوں کو تھامے رکھنے کے لیے جو فرشتوں کا نزول ہوا اس کی حقیقت کیا تھی؟ تو یہ معاملہ بھی عالم غیب کے حقائق سے تعلق رکھتا ہے- ہم اپنے ذہن وادراک سے اس کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتے-

(۱۰) بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کی حالت بڑی ہی بے بسی اور کمزوری کی تھی- کل تین سو تیرہ آدمی لڑنے کے قابل تھے اور ان کا بھی یہ حال تھا کہ ایک آدمی کے سوا کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا- پس قدرتی طور پر لوگ ہراساں ہوئے- اور جو دل کے کچے تھے انہیں طرح طرح کے وسوسے ستانے لگے- پھر بڑی مصیبت یہ ہوئی کہ پانی کی جگہ ایک ہی تھی- اس پر دشمن قابض ہو گیا- علاوہ بریں زمین ریتلی تھی- پاؤں ⇐

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ
مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ
وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع

کا ٹھکانا دوزخ ہوا (اور جس کا ٹھکانا دوزخ ہوا تو) اس کے پہنچنے کی جگہ کیا ہی بری جگہ ہے! مگر (ہاں) جو کوئی لڑائی کی مصلحت سے ہٹ جائے یا (اپنے گروہوں میں سے) کسی گروہ کے پاس جگہ لینی چاہے (اور اس لیے ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ جائے تو اس کا مضائقہ نہیں) (۱۶)

پھر کیا تم نے انہیں (جنگ میں) قتل کیا؟ نہیں خدا نے کیا (یعنی محض اس کی تائید سے ایسا ہوا) اور (اے پیغمبر!) جب تم نے (میدان جنگ میں مٹھی بھر کر خاک) پھینکی تو حقیقت یہ ہے کہ تم نے نہیں پھینکی تھی خدا نے پھینکی تھی اور یہ اس لیے ہوا تھا تاکہ اس کے ذریعہ ایمان والوں کو ایک بہتر آزمائش میں ڈال کر آزمائے - بلاشبہ اللہ سننے والا علم رکھنے والا ہے! (۱۷) یہ سب تو ہو چکا - اب سن رکھو کہ اللہ کافروں کی مخفی تدبیروں کو (جو وہ دعوت حق کے مٹانے کے لیے کر رہے ہیں) کمزور کر دینے والا ہے! (۱۸)

(اے رؤسائے مکہ) اگر تم فتح مندی کے ظہور کے طلبگار تھے تو دیکھ لو فتح مندی تمہارے سامنے آ گئی (یعنی جنگ بدر کے نتیجہ نے ہار جیت کا فیصلہ آشکارا کر دیا) اور اگر (آئندہ لڑائی سے) باز آ جاؤ تو تمہارے لیے بہتری کی بات یہی ہے - اور اگر پھر یہی چال چلے تو ہم بھی چال چلیں گے -

⇐ دھنس دھنس جاتے تھے - دشمن سوار تھے - ان کا کچھ نہ بگڑتا - مسلمان پیدل تھے ان کے پاؤں نہ جمتے - آیت (۱۱) میں فرمایا - غور کرو - خدا کی کارسازی نے کس طرح یہ ساری مشکلیں حل کر دیں؟ اس نے دلوں کو چین دینے کے لیے تم سب پر نیند غالب کر دی - اٹھے تو دل کا سارا خوف وہراس دور ہو چکا تھا - چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں - بدر کی پہلی رات کوئی نہ تھا جو آرام سے سو نہ گیا ہو - ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر عبادت کرتے رہے (بیہقی فی الدلائل) اور معلوم ہے جس کے دل میں خوف وخطر ہو وہ کبھی آرام سے سو نہیں سکتا - پس اس نیند کا طاری ہو جانا بے خوفی کا القا تھا - پھر عین موقع پر بارش ہوگئی اور افراط کے ساتھ سب کو پانی میسر آ گیا - نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ نہا دھو کر صاف ستھرے ہو گئے - کوئی نہ تھا جو چست وچاق اور تازہ دم نہ ہو گیا ہو - بارش کی وجہ سے ریت بھی جم کر سخت ہو گئی - پاؤں کے دھنس جانے کا اندیشہ جاتا رہا - اپنی کامیابی کی طرف سے بے اعتمادی ومایوسی جو دراصل شیطانی وسوسے کی ناپاکی تھی اب کسی کے دل میں باقی نہیں رہی!

آج کل فن جنگ میں جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ سپاہیوں کی اسپرٹ یعنی معنوی قویٰ درست رکھے جائیں - یہاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے صرف اس بات نے کہ پانی کی ضرورت باقی نہیں رہی ریت میں دھنسنے کا خطرہ جاتا رہا اور نہا دھو لینے کی وجہ سے جسم میں تازگی آ گئی لوگوں کے اندر جس درجہ خود اعتمادی اور سرگرمی پیدا کر دی ہوگی اس کا اندازہ صرف اہل نظر ہی کر سکتے ہیں -

(۱۱) بعض اوقات قدرتی حوادث کا ایک معمولی سا واقعہ بھی فتح وشکست کا فیصلہ کر دیتا ہے - جنگ واٹرلو کے تمام مورخین متفق ⇐

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾
وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ

اور یاد رکھو، تمہارا جتھا تمہارے کچھ کام نہ آئے گا اگرچہ بہت سے آدمی اکٹھے کرلو- یقین کرو اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے!(۱۹) مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو- اس سے روگردانی نہ کرو اور تم (صدائے حق) سن رہے ہو!(۲۰) اور دیکھو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے (زبان سے) کہا تھا ''ہم نے سنا'' اور واقعہ یہ تھا کہ وہ سنتے نہ تھے!(۲۱) یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے بدتر حیوان وہ (انسان) ہیں جو بہرے گونگے ہو گئے جو کچھ سمجھتے نہیں!(۲۲) اور اگر اللہ دیکھتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے (یعنی ان میں فہم وقبول حق کی کچھ بھی استعداد باقی ہے) تو ضرور انہیں سنوا دیتا' اور اگر وہ انہیں سنوائے (حالانکہ وہ جانتا ہے کہ قبولیت کی استعداد کھو چکے ہیں) تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ اس سے منہ پھیر لیں گے' اور وہ اس سے پھرے ہوئے ہیں-(۲۳)

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو! جب وہ پکارتا ہے تاکہ تمہیں (روحانی موت کی حالت سے نکال کر) زندہ کردے اور جان لو کہ (بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ) اللہ (اپنے ٹھہرائے ہوئے قوانین واسباب کے ذریعہ) انسان اور اس کے

⇐ ہیں کہ اگر ۱۷- اور ۱۸ جون ۱۸۱۵ء کی درمیانی رات میں بارش نہ ہوئی ہوتی' تو یورپ کا نقشہ بدل گیا ہوتا- کیونکہ اس صورت میں نپولین کو زمین خشک ہونے کا بارہ بجے تک انتظار نہ کرنا پڑتا- سویرے ہی لڑائی شروع کر دیتا- نتیجہ یہ نکلتا کہ بلوشر کے پہنچنے سے پہلے ویلنگٹن کو شکست ہو جاتی-

واٹرلو میں اگر بارش نہ ہوئی ہوتی تو یورپ کا سیاسی نقشہ بدل جاتا' لیکن اگر بدر میں نہ ہوئی ہوتی تو کیا ہوتا؟ تمام کرہ ارضی کی ہدایت وسعادت کا نقشہ الٹ جاتا- اسی طرف پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی دعا میں اشارہ کیا تھا: اللھم ان تھلك ھذه العصابة فلا تعبد فی الارض! خدایا! اگر خدام حق کی یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہوگئی تو کرہ ارضی میں تیرا سچا عبادت گذار کوئی نہیں رہے گا!

☆☆(۱۲) آیت (۱۵) سے جو اوپر گزر چکی ہے معلوم ہوا کہ اگر دشمن جمع ہو کر مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں تو لڑائی سے بھاگنا مسلمانوں کے لیے سخت گناہ کی بات ہے اور اس کے لیے بڑی ہی سخت وعید آئی ہے-

لیکن اگر دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہو تو پھر کیا کرنا چاہیے؟

اسی سورت کی آیت (۶۶) سے معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں ایک مسلمان کو کم از کم دو دشمنوں پر بھاری ہونا چاہیے- پس اگر دشمن ⇐

وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ
وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ
تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع ۳ ۱۷

دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور جان لو کہ (آخر کار) اسی کے حضور جمع کیے جاؤ گے! (۲۴)

اور اس فتنہ سے بچتے رہو جو اگر اٹھا تو اس کی زد صرف انہی پر نہیں پڑے گی جو تم میں ظلم کرنے والے ہیں بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے اور جان لو کہ اللہ (بدعملیوں کی) سزا دینے میں سخت ہے! (۲۵)

اور وہ وقت یاد کرو جب (مکہ میں) تمہاری تعداد بہت تھوڑی تھی اور تم ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے-تم اس وقت ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں- پھر اللہ نے تمہیں (مدینہ میں) ٹھکانا دیا' اپنی مددگاری سے قوت بخشی اور اچھی چیزیں دے کر رزق کا سامان مہیا کر دیا تا کہ تم شکر گزار رہو! (۲۶)

مسلمانو! ایسا نہ کرو کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرو اور نہ یہ کہ آپس کی امانتوں میں خیانت کرو اور تم اس بات سے ناواقف نہیں ہو- (۲۷)

اور یاد رکھو تمہارا مال اور تمہاری اولاد (تمہارے لیے) ایک آزمائش ہے اور یہ بھی نہ بھولو کہ اللہ ہی ہے جس کے پاس (بخشنے کے لیے) بہت بڑا اجر ہے! (۲۸)

⇐ دو گنے سے بھی زیادہ ہوں اور مسلمان لڑنے میں مصلحت نہ سمجھیں تو ایسا کر سکتے ہیں لیکن اس صورت میں بھی عزیمت یہی ہوگی کہ خدا پر بھروسہ رکھیں اور لڑنے سے منہ نہ موڑیں- اس حکم کو خاص جنگ بدر کے لیے سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص سبب کا اور آیت میں یومئذ سے مراد لڑائی کا وقت ہے- نہ کہ جنگ بدر کا دن-

(۱۳) آیت (۱۸) میں فرمایا: میدان جنگ کا فیصلہ تو ہو چکا- اب رہیں دشمنوں کی خفیہ تدبیریں تو وہ بھی سست پڑ جائیں گی- چنانچہ ایسا ہی ہوا- بدر کے بعد قریش مکہ کی کوئی تدبیر بھی ان کے لیے سودمند نہ ہوئی-

(۱۴) کفار مکہ کہا کرتے تھے- اگر خدا تمہیں فتح مند کرنے والا ہے تو وہ فتح مندی کہاں ہے؟ خود جنگ بدر میں ابوجہل نے دعا مانگی تھی- خدایا! دونوں میں سے جو دین تجھے پسند ہو اس کے ماننے والوں کو فتح مند کر! پس آیت (۱۹) میں فرمایا- اگر اسی بات کے طلب گار تھے تو وہ ظہور میں آ گئی اور اہل حق کو خدا نے فتح مند کر دیا-

نیز فرمایا ''اگر باز آ جاؤ'' یعنی اگر اب بھی ظلم و سرکشی سے باز آ جاؤ اور محض اختلاف دین کی بنا پر مسلمانوں کی ہلاکت کے درپے نہ ہو تو تمہارے لیے سراسر بہتری ہے- اس سے اندازہ کرو کہ کس طرح پیغمبر اسلام ﷺ نے آخر تک جنگ و خونریزی سے بچنا چاہا اور فتح و کامرانی کے بعد بھی امن و صلح کی دعوت دیتے رہے؟ اگر جنگ بدر کے بعد قریش مکہ ظلم و عداوت سے باز آ جاتے تو ظاہر ہے بعد کی جنگوں کی نوبت ہرگز نہ آتی- اگرچہ نتیجہ وہی نکلتا- یعنی اسلام کی دعوت تمام جزیرہ عرب کو فتح کر لیتی-

(۱۵) آیت (۲۱) میں اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے کہ تورات و انجیل سنتے تھے مگر حقیقتاً نہیں سنتے تھے کیونکہ اگر سمجھ کر سنتے تو عمل کرتے- ⇐

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو
الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ
وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ
هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو (اور اس کی نافرمانی سے بچو) تو وہ تمہارے لیے (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی ایک قوت پیدا کر دے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور بخش دے گا - اللہ تو بہت بڑا فضل کرنے والا ہے! (۲۹)

اور (اے پیغمبرؐ!) وہ وقت یاد کر جب (مکہ میں) کافر تیرے خلاف اپنی چھپی تدبیروں میں لگے تھے تا کہ تجھے گرفتار کر رکھیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں اور وہ اپنی مخفی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی مخفی تدبیریں کر رہا تھا - اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے! (۳۰)

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں "ہاں ہم نے سن لیا - اگر چاہیں تو ہم بھی اس طرح کی باتیں کہہ لیں - یہ اس کے سوا کیا ہے کہ جو پہلے گزر چکے ان کی لکھی ہوئی داستانیں ہیں" (۳۱)

اور (اے پیغمبرؐ!) جب ایسا ہوا تھا کہ (کفار مکہ نے) کہا تھا "خدایا! اگر یہ بات (یعنی پیغمبر اسلامؐ کی دعوت) تیری جانب

⇐ افسوس، مسلمانوں کا بھی قرآن سننا ویسا ہی سننا ہو گیا - وہ سمجھتے ہیں جن حرفوں کی آوازوں سے قرآن کے الفاظ بنے ہیں انہیں کسی نہ کسی طرح کان میں ڈال لینا سماعت قرآن ہے - اس سے زیادہ کسی بات کی ضرورت نہیں -

(۱۶) آیت (۲۲) سے جلد نہ گزر جاؤ - یہ وہی بات ہے جو قرآن کے ہر صفحہ اور ہر بیان میں بار بار نمایاں ہوئی ہے - یعنی اس کی دعوت سراسر تعقل و تفکر کی دعوت ہے - جو انسان اپنے حواس و عقل سے کام نہیں لیتا وہ اس کے نزدیک انسان نہیں بدترین چار پایہ ہے - نیز وہ فکر و عمل کی جس حالت کو کفر کی حالت قرار دیتا ہے اس کا سرچشمہ یہی عقل و حواس کا تعطل ہے -

(۱۷) آیت (۲۴) میں فرمایا پیغمبر اسلامؐ کی دعوت اس لیے ہے کہ تمہیں زندہ کر دے - یعنی وہ انسانیت اعلیٰ کے انبعاث و قیام کی دعوت ہے - غور کرو اس دعوت نے وقت کی تمام مردہ جماعتوں کو کس طرح قبروں سے اٹھا کر زندگی کے میدانوں میں متحرک کر دیا تھا؟ اس سے بڑھ کر مردوں کو جلانا اور کیا ہوگا کہ عرب کے ساربانوں میں ابوبکر، عمر، علی، عائشہ، خالد، ابن ابی وقاص، ابن العاص (رضی اللہ عنہم) جیسے اکابر عالم پیدا ہو گئے اور پچاس برس کے اندر کرہ ارضی کی سب سے بڑی مہذب و اشرف قوم عرب کے وحشی تھے -

پھر فرمایا یہ بات نہ بھولو کہ انسان کے افکار و افعال میں حکمت الٰہی کا ایک خاص قانون کام کر رہا ہے - بسا اوقات اس کے ارادوں اور اس کے دل کے جذبوں اور انفعالوں کے درمیان اچانک کوئی غیر متوقع بات آ کر حائل ہو جاتی ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک اچھائی سے برائی میں جا پڑتا ہے - کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک برائی سے بھلائی میں آ نکلتا ہے - چنانچہ کتنے ہی اچھے ارادے ہیں جن ⇐

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ

سے امر حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسادے یا ہمیں (کسی دوسرے) عذاب دردناک میں مبتلا کر!'' (۳۲)

اور اللہ ایسا کرنے والا نہ تھا کہ تو ان کے درمیان موجود ہو اور پھر انہیں عذاب میں ڈالے حالانکہ وہ معافی مانگ رہے ہوں (۳۳) لیکن (اب کہ تجھے مکہ چھوڑ دینے پر انہوں نے مجبور کر دیا) کون سی بات رہ گئی ہے کہ انہیں عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے مسلمانوں کو روک رہے ہیں؟ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے متولی ہونے کے لائق نہیں- اس کے متولی اگر ہو سکتے ہیں تو ایسے ہی لوگ ہو سکتے ہیں جو متقی ہوں- (نہ کہ مفسد و ظالم) لیکن ان میں سے اکثر کو (یہ حقیقت) معلوم نہیں- (۳۴)

اور خانہ کعبہ میں ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ سیٹیاں بجائیں اور تالیاں پیٹیں! تو دیکھو جیسے کچھ کفر کرتے رہے ہو' اب (اس کی پاداش میں) عذاب کا مزہ چکھ لو! (۳۵) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ اپنا مال اس لیے خرچ کرتے

⇦ سے عین وقت پر ہمارے دل نے انکار کر دیا اور کتنے ہی برائی کے منصوبے ہیں جن سے اچانک ہمارے دل نے بغاوت کر دی- پس چاہیے کہ انسان اپنے دل کی نگرانی سے کبھی غافل نہ ہو-

نیز کہا- یہ بھی نہ بھولو کہ خدا کے حضور لوٹنا ہے- کیونکہ جس دل میں آخرت کا یقین ہوگا وہ زندگی کی غفلتوں سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا-

(۱۸) پچھلی آیات میں انفرادی زندگی کے خطرات سے متنبہ کیا تھا- اب (۲۵) میں اجتماعی خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے- ان فتنوں سے بچو جنہیں سوسائٹی کا کوئی فرد یا ایک جماعت برپا کر دیتی ہے لیکن جب ان کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو صرف انہی کو نہیں جلاتی جنہوں نے سلگائی تھی سبھی لپیٹ میں آجاتے ہیں اور اس لیے آجاتے ہیں کہ کیوں آگ لگانے والے کا ہاتھ نہیں پکڑا؟ کیوں بروقت بجھانے کی کوشش نہیں کی؟

(۱۹) آیت (۲۷) میں خیانت سے مقصود وہ تمام خیانتیں ہیں جو اسلام کے احکام کی تعمیل و تبلیغ اور امت کے مصالح و مقاصد میں کی جائیں' لیکن خصوصیت کے ساتھ جس بات کی طرف اشارہ کیا وہ یہ تھی کہ اہل مکہ کے ساتھ نامہ و پیام نہ رکھو جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے اگرچہ یہ نامہ و پیام اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کے خیال ہی سے کیوں نہ ہو-

بعض مہاجرین نے اپنے اہل و عیال کو جو مکہ میں تھے خطوط لکھے تھے- اس میں کچھ اشارہ جنگ کی نسبت بھی آ گیا تھا- فرمایا یہ اللہ کی' رسول ﷺ کی' اور مسلمانوں کی خیانت ہے-

اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ

ع ۹ ۱۸

مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکیں تو یہ لوگ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کریں گے لیکن پھر (وقت آئے گا کہ یہ مال خرچ کرنا) ان کے لیے سراسر پچھتاوا ہوگا اور پھر (بالآخر) مغلوب کیے جائیں گے!

اور (یاد رکھو) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی (اور آخر تک اس پر جمے رہے تو) وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے-(۳۶)

اور یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ ناپاک (روحوں) کو پاک (روحوں سے) جدا کردے اور جو ناپاک ہیں ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے پھر سب کو (اپنی تباہ حالیوں میں) اکٹھا کردے پھر (قیامت کے دن) اس (جمع شدہ گروہ) کو دوزخ کے حوالے کرے- یہی لوگ ہیں یکسر تباہ ہو جانے والے! (۳۷)

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تم ان سے کہہ دو اگر وہ (اب بھی) باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا معاف کر دیا جائے گا لیکن اگر وہ پھر (ظلم و جنگ کی طرف) لوٹے تو (اس بارے میں) پچھلوں کا طور طریقہ اور اس کا نتیجہ گذر چکا ہے (اور وہی انہیں بھی پیش آ کر رہے گا!) (۳۸) اور (مسلمانو! اب تمہارے لیے صرف یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ) ان سے لڑتے رہو- یہاں تک کہ ظلم و فساد باقی نہ رہے اور دین کا سارا معاملہ اللہ ہی کے لیے ہو جائے (یعنی دین کا معاملہ خدا

اگر صرف اتنی سی بات اللہ اور رسول ﷺ کی خیانت تھی تو غور کرو ان مسلمانوں کے لیے کیا حکم ہونا چاہیے جو اپنی ساری زندگیاں اعدائے ملت کی سیاسی خدمات میں صرف کر ڈالتے ہیں اور جو ڈیڑھ سو برس سے بے شمار اسلامی حکومتوں کے زوال و انقراض کا باعث ہوئے ہیں؟

☆☆ (۲۰) آیت (۲۹) سے معلوم ہوا جو جماعت متقی ہوگی اس میں حق و باطل اور خیر و شر کے امتیاز کی ایک خاص قوت پیدا ہو جائے گی اور اس لیے کبھی باطل و شر کی طرف قدم نہیں اٹھائے گی- چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس اعتبار سے صدر اول کے مسلمانوں کا کیا حال تھا؟ عرب کے صحرا نشین جن کی ساری زندگیاں اونٹ چرانے میں بسر ہوئی تھیں یکا یک ایرانیوں اور رومیوں جیسی متمدن قوموں کی قسمتوں کے مالک ہو گئے لیکن خیر و شر میں امتیاز کی ایک ایسی قوت ان کے قبضہ میں آ گئی تھی کہ جو کچھ کرتے تھے اور جس طرح کرتے تھے وہ حق و عدالت اور خیر و سعادت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا!

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ
نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ
وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ
بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ

اورانسان کا باہمی معاملہ ہوجائے-انسان کاظلم اس میں مداخلت نہ کرسکے) پھر اگر ایسا ہو کہ وہ (جنگ سے) باز آجائیں تو جو کچھ وہ کرتے ہیں خدا کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں-(۳۹) اور اگر (صلح و درگزر کی اس آخری دعوت سے بھی) روگردانی کریں تو یاد رکھو اللہ تمہارا رفیق و کارساز ہے (اور جس کا رفیق اللہ ہو تو) کیا ہی اچھا رفیق ہے اور کیا ہی اچھا مددگار! (۴۰)

اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہیں مال غنیمت میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے' رسول کے لیے' (رسول کے) قرابت داروں کے لیے' یتیموں کے لیے' مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے نکالنا چاہیے (اور بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کردیے جا سکتے ہیں) اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی مدد) پر یقین رکھتے ہو جو ہم نے فیصلہ کردینے والے دن اپنے بندے پر نازل کی تھی جبکہ دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے تو چاہیے کہ اس تقسیم پر کاربند رہو-اور (یاد رکھو) اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں! (۴۱) یہ وہ دن تھا کہ تم ادھر قریب کے ناکے پر تھے' ادھر دشمن دور کے ناکے پر اور قافلہ تم سے نچلے حصے میں تھا (یعنی سمندر کے کنارے

وہ زمانہ کیا ہوا جب مری آہ میں اثر تھا یہی چشم خوں فشاں تھی' یہی دل' یہی جگر تھا!

(۲۱) آیت (۳۰) پر غور کرو-انسان اپنے جہل و غفلت کی سرشاریوں میں کیا سوچتا ہے اور حکمت الٰہی کی مخفی تدبیروں کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ جب ہجرت سے پہلے قریش مکہ نے یہ منصوبے باندھے تھے تو کیا ایک لمحہ کے لیے انہیں آنے والے نتائج کا گمان ہوسکتا تھا؟ مگر کس طرح خود انہی کے ظلم و عداوت نے ان کا سارا سروسامان کردیا؟ اگر ظلم نہ ہوتا تو ہجرت بھی نہ ہوتی اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو وہ تمام نتائج بھی ظہور میں نہ آتے جو ہجرت سے ظہور میں آئے-ایسی ہی صورت حال قانون الٰہی کی مخفی تدبیر ہے جو انسانی ظلم و فساد کی ساری تدبیریں ملیامیٹ کردیتی ہے!

(۲۲) آیت (۳۲) میں ابوجہل وغیرہ صنادید قریش کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا-خدایا! اگر قرآن واقعی تیری جانب سے ہے اور ہم اسے جھٹلانے میں سچے نہیں تو ہم پر اپنا عذاب نازل کر (بخاری)-فرمایا یہ خدا کی سنت نہیں کہ وہ ایک قوم پر عذاب نازل کرے حالانکہ داعی حق اس میں موجود ہو اور نہ اس کا عذاب ایسی حالت میں نازل ہوسکتا ہے کہ استغفار کرنے والے موجود ہوں-

پھر آیت (۳۴) میں فرمایا اب کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو انہوں نے ہجرت پر مجبور کردیا اور ان کی سرکشی یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ خدا کے بندوں کو اس کی عبادت گاہ سے بجبر روکنے لگے تو کوئی وجہ نہیں کہ پاداش عمل کی نمود میں تاخیر ہو-چنانچہ وہ ظاہر ہوا اور قریش مکہ کے جماعتی اقبال کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا-

(۲۳) اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جو لوگ متقی نہیں وہ عبادت گاہوں کی تولیت کے حقدار نہیں-

(۲۴) آیت (۳۸) عفو و بخشش اور دعوت امن و صلح کی انتہا ہے-اس سے اندازہ کرو کہ دعوت اسلام کا اپنے دشمنوں کے ساتھ کیسا ⇦

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ
هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ
مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ
اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ع۵

کنارے نکل گیا تھا) اور اگر تم نے آپس میں لڑائی کی بات ٹھہرائی ہوتی تو ضرور میعاد جنگ سے گریز کرتے (کیونکہ تمہیں دشمنوں کی کثرت سے اندیشہ تھا اور تم میں سے بہتوں کی نظر قافلہ پر تھی) لیکن اللہ نے دونوں لشکروں کو بھڑا دیا تا کہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے - نیز اس لیے کہ جسے ہلاک ہونا ہے اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہنے والا ہے اتمام حجت کے بعد زندہ رہے اور بلاشبہ اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے! (۴۲)

(اور اے پیغمبر!) یہ وہ دن تھا کہ اللہ نے تجھے خواب میں ان کی تعداد تھوڑی کر کے دکھائی (یعنی یہ دکھلایا کہ اگر چہ بظاہر مسلمانوں سے زیادہ ہوں گے لیکن عزم وثبات میں تھوڑے ثابت ہوں گے) اور اگر انہیں بہت کر کے دکھاتا تو (مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار دیتے اور اس معاملہ میں جھگڑنے لگتے - اللہ نے تمہیں اس صورت حال سے بچا لیا - یقین کرو جو کچھ انسان کے سینوں میں چھپا ہوتا ہے وہ اس کے علم سے پوشیدہ نہیں! (۴۳)

اور (پھر دیکھو) جب تم دونوں فریق ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے اور اللہ نے ایسا کیا تھا کہ دشمن تمہاری نظروں میں تھوڑے دکھائی دیے (کیونکہ تمہارے دلوں میں ایمان و استقامت کی روح پیدا ہوگئی تھی) اور ان کی نظروں میں تم تھوڑے دکھائی دیے (کیونکہ بظاہر تعداد میں وہی زیادہ تھے) اور یہ اس لیے کیا تھا تا کہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے اور سارے کاموں کا دارومدار اللہ ہی کی ذات پر ہے! (۴۴) مسلمانو! جب (حملہ آوروں کی) کسی جماعت

⇐ طرز عمل رہا اور کس طرح مجبور و بے بس ہو کر اسے میدان جنگ میں جمنا پڑا؟

(۲۵) سورت کے ابتدا میں فرمایا تھا کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے - یعنی حکومت کا ہے - اب آیت (۴۱) میں اس کی تقسیم کا طریقہ بتلا دیا - اللہ اور اس کے رسول کے حصہ سے مقصود یہ ہے کہ دین وملت کے مصالح کے لیے ایک خاص رقم رکھی جائے - اسی میں سے پیغمبر اسلام ﷺ کو جب تک زندہ رہیں ضروری مصارف ملیں - ان کے بعد ائمہ مسلمین رحمہم اللہ کو -

(۲۶) اس آیت اور اس کی ہم معنی آیات نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک حکومت (اسٹیٹ) یتیموں مسکینوں اور مصیبت زدوں کی خبر گیری کے لیے ذمہ دار ہے اور حکومت کے خزانہ کا ایک لازمی مصرف قوم کے ان افراد کی اعانت ہے -

☆☆ (۲۷) آیت (۴۲) میں جنگ بدر کے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا پہلے ذکر گزر چکا ہے - فرمایا خدا کی مخفی تدبیروں ⇐

لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا
وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ
النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ
لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ

سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو لڑائی میں ثابت قدم رہو اور زیادہ سے زیادہ اللہ کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو! (۴۵)

اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو- ایسا کرو گے تو تمہاری طاقت سست پڑ جائے گی اور ہوا اکھڑ جائے گی اور (جیسی کچھ بھی مشکلیں مصیبتیں پیش آئیں تم) صبر کرو اللہ ان کا ساتھی ہے جو صبر کرنے والے ہیں! (۴۶)

اور (دیکھو) ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے (لڑنے کے لیے) اتراتے ہوئے اور لوگوں کی نظروں میں نمائش کرتے ہوئے نکلے اور جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کی راہ سے (اس کے بندوں کو) روکتے ہیں- اور (یاد رکھو) جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں اللہ (اپنے علم و قدرت سے) اس پر چھایا ہوا ہے! (۴۷)

اور (پھر) جب ایسا ہوا تھا کہ شیطان نے ان کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما کر کے دکھا دیے تھے اور کہا تھا آج ان لوگوں میں کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں مگر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو الٹے پاؤں

⇐ کی کرشمہ سازی دیکھو- ادھر دشمنوں کا گروہ بڑھا چلا آتا تھا ادھر تم شہر سے نکل کر ایک قریبی نالے تک پہنچے تھے اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا قافلہ تھا کہ نشیب میں گزر رہا تھا- تم اپنی کمزوری کی وجہ سے چاہتے تھے اس سے مقابلہ ہو لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا- قافلہ تو نکل گیا اور مقابلہ ہوا حملہ آوروں سے- اور تمہاری مٹھی بھر کمزور جماعت نے اسے ہرا کر بھگا دیا!

(۲۸) آیت (۴۳) میں اس خواب کی طرف اشارہ کیا ہے جو جنگ بدر سے پہلے پیغمبر اسلام نے دیکھا تھا اور جس میں دشمن ناکام اور مسلمان فتح مند دکھائے گئے تھے- یہ خواب مسلمانوں کے لیے مزید تقویت کا باعث ہوا تھا-

(۲۹) آیت (۴۵) سے (۴۷) تک ان چھ باتوں پر زور دیا ہے کہ فتح و کامرانی کا اصلی سرچشمہ ہیں:

(ا) ثابت قدم رہو- کیونکہ میدان جنگ کی ساری کامیابی اسی کے لیے ہوتی ہے جو آخر تک ثابت قدم رہے-

(ب) بہت زیادہ اللہ کو یاد کرو- کیونکہ جسم کا ثبات دل کے ثبات پر موقوف ہے اور دل اسی کا مضبوط رہے گا جو اللہ پر کامل ایمان رکھتا ہے-

(ج) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے امام و سردار کی کیونکہ بغیر اطاعت (ڈسپلن) کے کوئی جماعت کامیاب نہیں ہو سکتی-

(د) باہمی نزاع سے بچو ورنہ سست پڑ جاؤ گے اور بات بگڑ جائے گی-

(ہ) کتنی ہی مشکلیں پیش آئیں جھیلتے رہو- بالآخر جیت اسی کی ہے جو زیادہ جھیلنے والا ہوگا-

(و) کافروں کا سا چلن اختیار نہ کرو جو ایمان و راستی کی جگہ گھمنڈ اور دکھاوے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں- تمہارے کاموں کی بنا خدا پرستانہ عجز و اخلاص پر ہونی چاہیے-

وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ اِذْ یَقُوْلُ ع ۲
الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ
حَكِیْمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ
الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ
وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

واپس ہوا اور لگا کہنے "مجھے تم سے کچھ سروکار نہیں- مجھے وہ بات دکھائی دے رہی ہے جو تم نہیں دیکھتے- میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ (بدعملیوں کی پاداش میں) بہت سخت سزا دینے والا ہے-" (۴۸)

اور (پھر دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (ایمان کی کمزوری کا) روگ تھا کہنے لگے تھے "ان مسلمانوں کو تو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے" (یعنی یہ محض دین کا نشہ ہے جو انہیں مقابلے پر لے جا رہا ہے ورنہ ان کے پلے ہے کیا؟ وہ نہیں جانتے تھے کہ مسلمانوں کا بھروسہ اللہ پر ہے) اور جس کسی نے اللہ پر بھروسہ کیا تو اللہ غالب اور حکمت والا ہے! (۴۹)

اور (اے مخاطب) اگر تو (اپنی آنکھوں سے) وہ حالت دیکھے جب فرشتے (ان) کافروں کی روحیں قبض کرتے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں "اب عذاب آتش کا مزہ چکھو" (تو تیرا کیا حال ہو؟) (۵۰)

(اے اعدائے حق!) یہ اس (بدعملی) کا نتیجہ ہے جو خود تمہارے ہی ہاتھوں نے پہلے سے ذخیرہ کر دیا' اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ اپنے بندوں کے لیے ظلم کرنے والا ہو! (۵۱)

جیسا کچھ دستور فرعون کے گروہ کا اور ان (سرکشوں) کا جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں رہ چکا ہے' وہی تمہارا ہوا- اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا' تو اللہ نے ان کے گناہوں پر انہیں پکڑ لیا- بلاشبہ اللہ (پاداش عمل کی) سزا دینے میں بہت سخت ہے! (۵۲)

---

(۳۰) آیت (۴۸) میں شیطان سے مقصود سراقہ بن مالک ابن جعشم ہے جس نے مشرکین مکہ کا ساتھ دیا تھا لیکن لڑائی شروع ہوتے ہی بھاگ گیا- چنانچہ مکہ کے لوگ کہتے تھے' سراقہ نے ہمیں ہرا دیا-

☆☆ (۳۱) جب بدر میں مٹھی بھر بے سروسامان مسلمان جنگ کے لیے نکلے تو منافق اور کچے دل کے آدمی اس کی کوئی توجیہ نہیں کر سکے بجز اس کے کہ کہیں انہیں ان کے دین کے نشہ نے مغرور کر دیا ہے- بات اگرچہ بطور طعنہ کے کہی گئی تھی لیکن ایک لحاظ سے غلط بھی نہ تھی- بلاشبہ یہ دین ہی کا نشہ تھا لیکن نشہ باطل نہ تھا- یہی وجہ ہے کہ قرآن کی معجزانہ بلاغت نے آیت (۴۹) میں ان کا قول نقل کر کے رد نہیں کیا بلکہ صرف یہ کہا من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ الخ-

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ
فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ
اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ
مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

(اور) یہ بات اس لیے ہوئی کہ اللہ کا مقررہ قانون ہے کہ جو نعمت وہ کسی گروہ کو عطا فرماتا ہے اسے پھر کبھی نہیں بدلتا جب تک کہ خود اسی گروہ کے افراد اپنی حالت نہ بدل لیں اور اس لیے بھی کہ اللہ (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے! (۵۳)

جیسا کچھ دستور فرعون کے گروہ کا اور ان (سرکشوں) کا جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں رہ چکا ہے وہی تمہارا رہا ہوا - انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں جھٹلائیں تو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کر ڈالا - فرعون کا گروہ (سمندر میں) غرق کیا گیا تھا اور وہ سب ظلم کرنے والے تھے - (۵۴) بلاشبہ اللہ کے نزدیک بدترین چار پائے وہ (انسان) ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو یہ وہ لوگ ہیں کہ کبھی ایمان لانے والے نہیں! (۵۵)

(اے پیغمبر!) جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد و پیمان کیا تھا پھر انہوں نے اسے توڑا اور ایسا ہوا کہ ہر مرتبہ عہد کر کے توڑتے ہی رہے اور (بدعہدی کے وبال سے) ڈرتے نہیں (۵۶) تو (اب چاہے جیسی حالت میں انہیں پاؤ اسی کے مطابق سلوک بھی کرو) اگر تم لڑائی میں انہیں موجود پاؤ تو ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہیں (یعنی مشرکین مکہ) انہیں بھاگتے دیکھ کر خود بھی بھاگ کھڑے ہوں (اور) ہوسکتا ہے کہ عبرت پکڑیں - (۵۷)

☆☆ (۳۲) آیت (۵۳) اور اس کی ہم معنی آیات نے قطعی لفظوں میں واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک اقوام و جماعات کے عروج و زوال اور موت و حیات کا قانون کیا ہے؟ فرمایا یہ خدا کی مقررہ سنت ہے کہ جب وہ کسی گروہ کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرتا ہے تو اس میں کبھی تغیر نہیں کرتا جب تک کہ خود اس گروہ کے افراد خود اپنی حالت متغیر نہیں کر دیتے - چنانچہ دنیا کی پوری تاریخ ہمیں اس بارہ میں جو کچھ بتلا رہی ہے اس کی حقیقت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے - ہر قوم خود ہی اپنی زندگی کا گہوارہ بناتی ہے اور پھر خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر بھی کھودتی ہے -

☆☆ (۳۳) اسی سورت کی آیت (۲۲) میں فرمایا تھا کہ بدترین چار پائے وہ انسان ہیں جو اپنی عقل و حواس سے کام نہیں لیتے - یہاں آیت (۵۵) میں فرمایا - بدترین چار پائے وہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی - اس سے معلوم ہوا قرآن کے نزدیک عقل و حواس سے ٹھیک طرح کام نہ لینا اور اندھوں کی طرح چلنا انسانیت کے درجہ سے گر جانا ہے اور وہ کہتا ہے کفر اسی اندھے پن کا نتیجہ ہے - پس ایمان کی راہ عقل و بصیرت کی راہ ہوئی اور کفر اندھے پن کا دوسرا نام ہوا -

☆☆ (۳۴) آیت (۵۶) میں مدینہ کے یہودیوں کی طرف اشارہ کیا ہے - جب پیغمبر اسلام ﷺ مدینہ آئے تو یہاں یہودیوں کی ⇦

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾ وَلَا ع
يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ
وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ
اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِنْ

اور اگر ایک گروہ (ابھی میدان جنگ میں تو دشمنوں کے ساتھ نہیں نکلا ہے لیکن اس) سے تمہیں دغا کا اندیشہ ہے تو چاہیے ان کا عہد انہی پر الٹا دو- (یعنی عہد فسخ کردو) اس طرح کہ دونوں جانب یکساں حالت میں ہو جائیں (یعنی ایسا نہ کیا جائے کہ اچانک شکست عہد کی انہیں خبر دی جائے بلکہ پہلے سے جتا دینا چاہیے- تاکہ دونوں فریقوں کو یکساں طور پر تیاری کی مہلت مل جائے) یاد رکھو اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا! (۵۸)

اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ خیال نہ کریں کہ بازی لے گئے- وہ کبھی (پیروان حق کو) درماندہ نہیں کر سکتے- (۵۹)

اور (مسلمانو!) جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لیے اپنا ساز و سامان مہیا کیے رہو کہ اس طرح مستعد رہ کر تم اللہ کے (کلمہ حق کے) اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے- نیز ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن کی تمہیں خبر نہیں- اللہ انہیں جانتا ہے- اور (یاد رکھو) اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کی تیاری میں) تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا مل جائے گا- ایسا نہ ہوگا کہ تمہاری حق تلفی ہو- (۶۰)

⇦ تین بستیاں آباد تھیں: بنی قینقاع' بنی نضیر' بنی قریظہ- پیغمبر اسلام ﷺ نے ان سب سے صلح و امن اور باہم دگر اعانت کا معاہدہ کیا- معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ تمام جماعتیں ایک قوم بن کر رہیں گی' اور اگر کسی فریق پر اس کے دشمن حملہ کریں گے تو سب اس کی مدد کریں گے (ابن ہشام) لیکن ابھی معاہدہ کی سیاہی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ یہودیوں نے خلاف ورزی شروع کر دی اور قریش مکہ سے مل کر مسلمانوں کی تباہی کی سازشیں کرنے لگے- حتیٰ کہ خود پیغمبر اسلام ﷺ کو ہلاک کرنے کی تدبیروں میں لگ گئے- یہاں حکم دیا ہے کہ اب ایسے دغا باز لوگوں کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا- جو کھلم کھلا لڑیں ان کا مقابلہ کرو- جو ایسا نہ کریں اور غدر و فریب کا ان سے اندیشہ ہو تو انہیں کھلے طور پر خبر دے دو کہ اب معاہدہ فسخ ہو گیا- لیکن فرمایا یہ بات اس طرح کی جائے کہ دوسرے فریق کو نقصان نہ پہنچے- یعنی وقت سے پہلے فسخ معاہدہ سے خبردار ہو جائے اور اگر تیاری کرنی چاہے تو ہماری طرح اسے بھی تیاری کا پورا موقع ملے-

یہاں سے اندازہ کرو کہ قرآن نے ہر معاملہ میں حتیٰ کہ جنگ میں بھی سچائی اور دیانت کا جو معیار قائم کیا ہے وہ کس قدر بلند ہے؟ کہیں بھی اس نے کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں اخلاقی کمزوری کو ابھرنے کا موقع دیا گیا ہو-

کیا دنیا میں اس وقت تک کسی قوم نے احکام جنگ کو اس درجہ بلند اخلاقی معیار پر رکھا ہے؟

عالمگیر جنگ یورپ کی تاریخ کا ہر صفحہ اس کے جواب میں ''نہیں'' کہے گا-

جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ
حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ
جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ
ع ٨ ٢ ٤ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ
عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ

اور (دیکھو) اگر (دشمن) صلح کی طرف جھکیں تو چاہیے تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ اور (ہر حال میں) اللہ پر بھروسہ رکھو- بلاشبہ وہی ہے جو (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے! (٦١)

اور (اے پیغمبر!) اگر ان کا ارادہ یہ ہوگا کہ تجھے دھوکا دیں تو (کوئی اندیشہ کی بات نہیں) اللہ کی ذات تیرے لیے کافی ہے- وہی ہے جس نے اپنی مددگاری سے اور مومنوں (کی جماعت) سے تیری تائید کی (٦٢) اور وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی- اگر تو وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتا جو روئے زمین میں ہے جب بھی ان کے دلوں کو باہمی الفت سے نہ جوڑ سکتا- لیکن یہ اللہ ہے جس نے ان میں باہمی الفت پیدا کر دی- بلاشبہ وہ (اپنے کاموں میں) غالب اور حکمت والا ہے! (٦٣)

اے پیغمبر! اللہ تیرے لیے کفایت کرتا ہے اور ان مومنوں کو بھی جو تیرے پیچھے چلنے والے ہیں![1] (٦٤)

اے پیغمبر! مومنوں کو لڑائی کا شوق دلا-

(مسلمانو!) اگر تم میں بیس آدمی بھی مشکلوں کو جھیل جانے والے نکل آئے تو یقین کرو وہ دو سو دشمنوں پر غالب ہو کر رہیں گے اور اگر تم میں ایسے آدمی سو ہو گئے تو سمجھ لو ہزار کافروں کو مغلوب کر کے رہیں گے- اور یہ اس لیے ہوگا کہ کافروں کا گروہ ایسا گروہ

☆☆ (٣٥) آیت (٦٠) میں فرمایا "جہاں تک تمہارے بس میں ہے" کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی جماعت اس طرح کا سروسامان جنگ مہیا کر سکے جو ہر اعتبار سے مکمل ہو- پس معلوم ہوا مسلمانوں کو اس بارے میں جو کچھ حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مقدور کے مطابق جو کچھ کر سکتے ہیں کریں اور ادائے فرض کے لیے آمادہ ہو جائیں- یہ بات نہیں ہے کہ جب تک دنیا جہان کے ہتھیار اور ہر قسم کے ساز و سامان مہیا نہ ہو جائیں اس وقت تک بے بسی کا عذر کرتے رہیں اور فرض دفاع سے بے فکر ہو جائیں-

اگر مسلمانوں نے اس آیت کی روح کو سمجھا ہوتا تو اس اپاہج پنے میں مبتلا نہ ہوتے جو ڈیڑھ سو برس سے تمام مسلمانان عالم پر طاری ہے-

(٣٦) چونکہ جنگ کی تیاری بغیر مال کے نہیں ہو سکتی تھی اس لیے اس کے بعد کی آیت میں انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا- اگر اس انفاق کی حقیقت آج مسلمان صحیح طور پر سمجھ لیں تو ان کی ساری مصیبتیں ختم ہو جائیں-

(٣٧) آیت (٦١) اور (٦٢) نے کیسے قطعی لفظوں میں قرآن کی دعوت امن کا اعلان کر دیا؟ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ ⇦

---

[1] اس آیت کا صحیح ترجمہ یہی ہے اگرچہ بصرہ کے ائمہ نحو اس کے خلاف گئے ہیں و ما کان سیبویہ نبی النحو و لا معصوما.

لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ
يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ
اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ

ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں-(۶۵)

(مسلمانو!) اب خدا نے تم پر بوجھ ہلکا کر دیا-اس نے جانا کہ تم میں کمزوری ہے-اچھا اب اگر تم میں جھیل جانے والے سو آدمی ہوں گے تو (انہیں صرف اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ کرنا ہوگا-یعنی) وہ دو سو دشمنوں پر غالب رہیں گے-اور اگر ہزار ہوں گے تو سمجھو دو ہزار دشمنوں کو مغلوب کر کے رہیں گے-اور (یاد رکھو) اللہ جھیل جانے والوں کا ساتھی ہے!(۶۶)

نبی کے لیے سزاوار نہیں کہ اس کے قبضہ میں قیدی ہوں جب تک کہ ملک میں غلبہ حاصل نہ کر لے[1] (مسلمانو!) تم دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ چاہتا ہے (تمہیں) آخرت (کا اجر دے) اور اللہ غالب ہے حکمت والا!(۶۷)

اگر (اس بارے میں) پہلے سے اللہ کا حکم نہ ہو گیا ہوتا تو جو کچھ تم نے (جنگ بدر میں مال غنیمت لوٹا) اس کے لیے ضرور تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا-(۶۸) بہر حال جو کچھ تمہیں غنیمت میں ہاتھ لگا ہے-

⇐ جنگ بدر کے فیصلہ نے مسلمانوں کی فتح مندی آشکارا کر دی تھی اور تمام جزیرہ عرب ان کی طاقت سے متاثر ہونے لگا تھا' تاہم حکم ہوا جب کبھی دشمن صلح و امن کی طرف جھکے' چاہیے کہ بلا تامل تم بھی جھک جاؤ-اگر اس کی نیت میں فتور ہوگا تو ہوا کرے اس کی وجہ سے صلح و امن کے قیام میں ایک لمحہ کے لیے بھی دیر نہیں کرنی چاہیے!

(۳۸) دنیا میں کوئی کام انسان کے لیے اس سے زیادہ مشکل نہیں ہے کہ بکھرے ہوئے انسانی دلوں کو ایک رشتہ الفت میں پرو دے-اور یہ کام تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے جب معاملہ ایسے انسانوں کا ہو جو صدیوں سے باہمی جنگ و جدال کی آب و ہوا میں پرورش پاتے رہے ہوں اور جن کے نفسیاتی سانچوں میں باہمی آمیزش و ائتلاف کا کوئی ڈھنگ باقی نہ رہا ہو-

پیغمبر اسلام ﷺ کا ظہور ایسے ہی لوگوں میں ہوا تھا-مگر ابھی ان کی دعوت پر دس بارہ ہی برس گزر رہے تھے کہ مدینہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جو اس اعتبار سے بالکل ایک نئی قسم کی مخلوق تھی-وہ جب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے باہمی کینہ و انتقام کے مجسمے تھے لیکن جونہی مسلمان ہوئے محبت و سازگاری کی ایسی پاکی و قدوسیت ابھر آئی کہ ان کا ہر فرد دوسرے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے مستعد ہو گیا!

فی الحقیقت یہی وہ تزکیہ اخلاق کا عمل ہے جو ایک پیغمبرانہ عمل تھا اور جو پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیم و تربیت نے انجام دیا اور اسی کی طرف آیت (۶۳) میں اشارہ فرمایا ہے-

[1] حتی یثخن فی الارض ای حتی یغلب فی الارض (بخاری) وقال ابن عباس حتی یظھر علی الارض؟

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ
الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ ع ۹ ۵
اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا

اسے حلال و پاکیزہ سمجھ کر اپنے کام میں لاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو- بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے! (۶۹)

اے پیغمبر ﷺ! لڑائی کے قیدیوں میں سے جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہیں ان سے کہہ دو "اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں کچھ نیکی پائی تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر چیز تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا- وہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے! (۷۰) اور اگر ان لوگوں نے چاہا تمہیں دغا دیں تو (کوئی وجہ نہیں کہ تم اس اندیشہ سے اپنا طرز عمل بدل ڈالو) یہ اس سے پہلے خود اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں اور اسی کی پاداش ہے کہ تمہیں ان پر قدرت دے دی گئی ہے اور (یاد رکھو) اللہ سب کچھ جانتا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۷۱)

جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مکہ کے مہاجروں کو مدینہ میں) جگہ دی اور ان کی مدد کی تو یہی لوگ ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کا کارساز و رفیق ہے اور جن لوگوں کا

☆☆ اس سے معلوم ہوا مسلمانوں کی باہمی الفت ایک ایسی نعمت ہے جسے خدا نے اپنا خاص انعام قرار دیا ہے- افسوس ان پر جو اس نعمت سے محرومی پر قانع ہو گئے اور اس کے لیے اپنے اندر کوئی جلن محسوس نہیں کی! آج باہمی الفت کی جگہ باہمی مخاصمت مسلمانوں کی سب سے بڑی پہچان ہو گئی ہے- اسی کو انقلاب حال کہتے ہیں!

(۳۹) آیت (۶۵) اور (۶۶) میں دو مختلف حالتوں کے لیے عزیمت و رخصت کی دو مختلف صورتیں فرمائی ہیں- ایمان کا خاصہ تو یہ ہونا چاہیے کہ ایک مسلمان دس دشمنوں پر بھاری رہے لیکن چونکہ ابھی تمہاری حالت بڑی ہی کمزوری کی حالت ہے- اس لیے کم از کم اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ کرو' قوانین حق کا فیصلہ یہ ہے کہ غالب رہو گے-

(۴۰) آیت (۶۵) میں غلبہ کی توجیہ یہ کی کہ بانهم قوم لا يفقهون تمہارے دشمنوں کا گروہ ایسا گروہ ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں یعنی محض اندھے پن کا تعصب ہے جس کے جوش میں لڑ رہے ہیں- علم و بصیرت' معاملہ فہمی اور صلاحیت کار سے محروم ہیں اور چونکہ محروم ہیں اس لیے کتنی ہی بڑی تعداد میں ہوں اصحاب دانش و بصیرت کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتے-

آج کل کے مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ اب اصحاب دانش و بصیرت وہ ہیں یا دنیا کی دوسری قومیں؟ اگر حالات منقلب ہو گئے ہیں تو نتائج بھی کیوں منقلب نہ ہو جائیں؟

(۴۱) جنگ بدر میں جب دشمن قید ہوئے تو سوال پیدا ہوا اس بارے میں کیا کرنا چاہیے؟ چونکہ اس وقت مسلمان بڑی ہی تنگی و افلاس کی حالت میں تھے اس لیے عام رائے یہ تھی کہ قیدیوں کے لیے فدیہ مانگا جائے اور جب تک فدیہ وصول نہ ہو قیدی رہا نہ کیے جائیں- بعض صحابہؓ کی رائے ہوئی کہ انہیں قتل کر دینا چاہیے- حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی انہی میں تھے لیکن آنحضرت ﷺ ⇐

مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا
عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

حال ایسا ہوا کہ ایمان تو لائے مگر ہجرت نہیں کی تو تمہارے لیے ان کی اعانت و رفاقت میں سے کچھ نہیں ہے جب تک وہ اپنے وطن سے ہجرت نہ کریں- ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے مدد چاہیں تو بلاشبہ تم پر ان کی مددگاری لازم ہے- الا یہ کہ کسی ایسے گروہ کے مقابلہ میں مدد چاہی جائے جس سے تمہارا (صلح و امن کا) عہد و پیمان ہے (کہ اس صورت میں تم عہد و پیمان کے خلاف قدم نہیں اٹھا سکتے) اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں! (۷۲)

اور (دیکھو) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ بھی (راہ کفر میں) ایک دوسرے کے کارساز و رفیق ہیں- اگر تم ایسا نہ کرو گے (یعنی باہمی ولایت اور بھائی چارگی کا جو حکم دیا گیا ہے اور وفائے عہد اور اعانت مسلمین کی جو تلقین کی گئی ہے اس پر کاربند نہیں رہو گے) تو ملک میں فتنہ پیدا ہو جائے گا اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی- (۷۳)

(غرض کہ) جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین مکہ کو) پناہ دی اور مدد کی تو فی الحقیقت یہی (سچے) مومن ہیں- ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی- (۷۴)

⇐ نے عام رائے کے مطابق فیصلہ فرمایا اور قیدیوں کے لیے فدیہ طلب کیا گیا اور جن قیدیوں کے لیے فدیہ نہیں ملا وہ روک لیے گئے- اس پر آیت (۶۷) نازل ہوئی- فرمایا دنیا میں نبی علیہ السلام اس لیے نہیں آتے کہ ان کے پیرو دشمنوں کو قید رکھ کر فدیے کا روپیہ لیں بلکہ مقصود اصلی دعوت حق کا اعلان ہوتا ہے- پس نبی علیہ السلام کو سزاوار نہیں کہ جب تک اس کی دعوت ملک میں ظاہر و غالب نہ ہو جائے اسیران جنگ کو فدیہ کے لیے روکے رکھے- تمہاری نظر متاع دنیا پر ہے اور خدا نے تمہارے لیے آخرت کا انعام پسند کیا ہے-

چنانچہ اس کے بعد آیت (۷۰) نے معاملہ بالکل صاف کر دیا- فرمایا جو قیدی فدیے کے لیے روک لیے گئے ہیں ان سے کہہ دو اگر تمہاری نیتیں صاف ہیں تو تمہارے لیے کوئی کھٹکا نہیں-

جہاں تک اسیران جنگ کا تعلق ہے سورہ محمد کی آیت (۴) نے آخری حکم دے دیا ہے فاما منا بعد اما فداء یعنی آئندہ یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دیا کرو، یا فدیہ لے کر، جیسی مصلحت وقت ہو-

☆☆ (۴۲) آیت (۷۲) سے آخر سورت تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) اسلام کی دعوت نے باہمی الفت و سازگاری کی جو روح پھونک دی تھی اس کا ایک عجیب و غریب منظر تاریخ نے آج تک محفوظ رکھا ہے- یہ نومسلموں کا باہمی بھائی چارہ تھا جسے عربی میں مواخاۃ کہتے ہیں- یعنی اسلام کے رشتہ سے ایک نومسلم دوسرے نومسلم کا بھائی ہو جاتا تھا⇐

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

ع ۱۰

اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا تو وہ بھی تم ہی میں داخل ہیں- (انہیں اپنے سے الگ نہ سمجھو) اور (باقی رہے) قرابت دار تو وہ اللہ کے حکم میں ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں (پس باہمی بھائی چارگی میں ان کے حقوق فراموش نہ کر دیے جائیں) بلاشبہ اللہ ہر بات کا علم رکھتا ہے! (۷۵)

⇐ اور پھر ساری باتوں میں دونوں ایک دوسرے کی شرکت وملکیت کے ویسے ہی حقدار ہو جاتے جیسے حقیقی بھائی ہوتے ہیں- حتی کہ اگر ایک مر جائے تو دوسرا اس کا وارث ہو جاتا تھا!

یہ مواخاۃ دو مرتبہ ہوئی - ایک مرتبہ مکہ میں اور یہ صرف مہاجرین کے درمیان ہوئی تھی دوسری مرتبہ مدینہ میں اور یہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ہوئی تھی- یعنی مکہ کے جو لوگ ہجرت کر کے آئے ان میں اور مدینہ کے نومسلموں میں- ایک قول کے مطابق یہ نوے آدمی تھے اور ایک قول میں سو-

(ب) مسلمانوں کی بڑی تعداد ہجرت کر کے مدینہ چلی آئی تھی لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو موانع ومشکلات سے بے بس ہو کر مکہ ہی میں پڑے رہے-

(ج) یہاں فرمایا جو لوگ ایمان لائے اپنا گھر بار چھوڑا جان ومال سے راہ حق میں جہاد کیا تو وہ خواہ کسی قبیلہ اور کسی حلقہ کے ہوں ایک ہی برادری کے افراد ہو گئے- یعنی جاں نثاران حق کی برادری کے- ان کا ہر فرد دوسرے فرد کا کارساز و رفیق ہے اور اسی کارسازی ورفاقت پر تمہاری ساری کامیابیوں کا دارومدار ہے-

(د) لیکن جو ایمان تو لائے مگر ابھی تک ہجرت نہ کر سکے تو ظاہر ہے کہ اس رشتہ کے حقوق میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ہجرت کر کے تم سے آنہ ملیں-

(ہ) ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد چاہیں تو تمہارا فرض ہے کہ ان کی مدد کرو- محض اس وجہ سے کہ ابھی تک ہجرت نہ کر سکے ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہماری مددگاری کے حق دینی سے محروم ہو جائیں-

(و) البتہ یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اپنے عہد و پیمان کا وفادار رہنا مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض ہے- پس اگر وہ کسی ایسے غیر مسلم گروہ کے مقابلہ میں مدد چاہیں جس سے تم صلح کا عہد و پیمان کر چکے ہو تو تمہارے لیے جائز نہ ہوگا کہ ان کی مدد کے لیے عہد شکنی کرو- نتیجہ خواہ کچھ ہی نکلے لیکن اپنے قول وقرار پر قائم رہنا چاہیے-

یہ اشارہ اس طرف تھا کہ مدینہ آ کر پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینہ اور اطراف مدینہ کی مختلف جماعتوں سے باہمی صلح وسازگاری کا معاہدہ کیا تھا جو معاہدہ صحیفہ کے نام سے مشہور ہوا- صحیفہ کے اکثر فریق عہد شکنی کر چکے تھے لیکن ابھی تک مسلمانوں کی طرف سے انفساخ کا اعلان نہیں ہوا تھا- اس سے اندازہ کرو کہ قرآن نے وفائے عہد کا اگرچہ مخالفوں کے ساتھ ہو اور اگرچہ اس کی وجہ سے اپنوں کی مدد نہ کی جا سکے کس درجہ لحاظ رکھا ہے؟

(ز) فرمایا کہ درجہ کے لحاظ سے جو مقام دو پہلی جماعتوں کا ہے وہ دوسروں کا نہیں ہوسکتا: یعنی مکہ کے ان مہاجرین کا جنھوں نے حق کی خاطر گھر بار چھوڑا اور جان و مال سے جہاد کیا اور مدینہ کے ان انصار کا جنھوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مددگاری کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے- **اولئك هم المومنون حقا!** چنانچہ دوسری جگہ فرمایا **والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار**.....الخ (۹:۱۰۱) اور سورہ حشر میں انہی دو جماعتوں کی طرف اشارہ کیا ہے: **للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم- اور والذين تبوؤ الدار والايمان من قبلهم** الخ (۵۹) نیز **والسابقون السابقون اولئك المقربون** (۵۶:۱۲) اور یہ ظاہر ہے کہ سچائی کی ہر راہ میں جو درجہ پہل کرنے والوں کا ہوتا ہے وہ دوسروں کو نصیب نہیں ہوسکتا-

(ح) اس کے بعد فرمایا جو لوگ آئندہ ایمان لائیں، ہجرت و جہاد کریں (یا جن لوگوں نے پہلی ہجرت کے بعد ایمان قبول کیا اور ہجرت کی) تو گویہ پہلی دو جماعتوں سے پیچھے آئے لیکن انہی میں داخل سمجھے جائیں، یعنی اسی طرح مواخاۃ و اشتراک کے مستحق سمجھے جائیں-

(ط) اس کے بعد وراثت کا معاملہ صاف کردیا- مسلمانوں میں اسلامی بھائی چارگی کا ایسا ولولہ پیدا ہوگیا تھا کہ خون کے عزیزوں سے کہیں زیادہ رشتہ حق کے ان عزیزوں کو اپنا سمجھنے لگے تھے- حتی کہ اگر ایک مرجاتا، تو رشتہ مواخاۃ کا بھائی اس کا وارث سمجھا جاتا- انہوں نے اپنے سارے پچھلے رشتے بھلا دیئے تھے- صرف ایک ہی رشتہ کی لگن باقی رہ گئی تھی یعنی سب اللہ کے رسول کے فدائی اور سب اسی کے حسن جہاں آرا پر اپنا سب کچھ نثار کردینے والے تھے:

تو نخل خوش ثمر کیستی؟ کہ باغ و چمن
ہمہ ز خویش بریدند و در تو پیوستند!

لیکن یہاں فرمایا جو قرابت دار ہیں وہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قرابت دار ہیں اور صلہ رحمی کا رشتہ کسی حال میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے- پس وراثت وغیرہ کے حقوق سے وہ محروم نہیں کیے جاسکتے- یاد رہے یہاں اولوا الارحام سے مقصود اولوا الارحام مصطلحہ فرائض نہیں ہیں، بلکہ مصطلحہ لغت یعنی قرابت دار-

(ی) آیت (۷۳) میں فرمایا "اگر ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ اٹھے گا اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی" یعنی دین حق کی دشمنی میں کفار ایک دوسرے کے کارساز و رفیق ہوگئے ہیں- پس چاہیے تم بھی راہ حق میں ایک دوسرے کے کارساز و رفیق رہو- نیز اپنے عہد و پیمان میں پوری طرح پکے رہو کسی حال میں اس سے باہر نہ جاؤ- اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ظلم و فساد سر اٹھائے گا اور امن و عدالت کا جو دروازہ کھل رہا ہے نہ کھل سکے گا-

جن مٹھی بھر مظلوم مسلمانوں نے دعوت حق کا بیج بویا تھا ان کا یہ حال تھا لیکن آج جب کہ روئے زمین میں چار سو ملین مسلمان موجود ہیں ان کی باہمی مواخاۃ کا کیا حال ہے؟ ہندوستان کے مسلمانوں کا کیا حال ہے جس میں ستر ملین مسلمان بستے ہیں؟

❋ ❋ ❋

آیاتُھَا: 129 سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا: 16

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ
اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ
اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳

(مسلمانو!) جن مشرکوں کے ساتھ تم نے (صلح وامن کا) معاہدہ کیا تھا اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بری الذمہ ہونے کا ان کے لیے اعلان ہے (۱) کہ ''چار مہینے تک ملک میں چلو پھرو (کوئی روک ٹوک نہیں- اس کے بعد جنگ کی حالت قائم ہو جائے گی) اور یاد رکھو تم کبھی اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے اور اللہ منکروں کو (پیروان حق کے ہاتھوں) ذلیل کرنے والا ہے'' (۲)

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن عام منادی کی جاتی ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی- (یعنی اب کوئی معاہدہ اللہ کے نزدیک باقی نہیں رہا اور نہ اس کا رسول کسی معاہدہ کے لیے ذمہ دار ہے) پس اگر تم (اب بھی ظلم وشرارت سے) توبہ کر لو تو تمہارے لیے اس میں بہتری ہے اور اگر نہ مانو گے تو جان رکھو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر کی راہ چل رہے ہیں انہیں عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دو! (۳)

---

(۱) کوئی شخص کتنے ہی مخالفانہ ارادے سے مطالعہ کرے' لیکن تاریخ اسلام کے چند واقعات اس درجہ واضح اور قطعی ہیں کہ ممکن نہیں ان سے انکار کیا جا سکے- ازاں جملہ یہ کہ جو جماعتیں پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالف تھیں ان کے تمام کام اول سے لے کر آخر تک ظلم وتشدد' دغا وفریب وحشت وخونخواری پر مبنی رہے اور پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا اس کا ایک ایک فعل صبر وتحمل' راستی ودیانت اور عفو وبخشش کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ تھا- مظلومی میں صبر' مقابلہ میں عزم' معاملہ میں راست بازی' طاقت واختیار میں درگزر تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے!

قریش مکہ نے جس طرح ظلم وتعدی میں کمی نہیں کی اسی طرح بدعہدی میں بھی اپنی مثال چھوڑ گئے- آخری معاملہ حدیبیہ کی صلح کا تھا- اس میں ایک طرف مسلمان اور ان کے حلیف تھے- دوسری طرف قریش اور ان کے حلیف- مسلمانوں کے ساتھ قبیلہ خزاعہ شریک ہوا- قریش کے ساتھ بنو بکر- صلح کی بنیادی شرط یہ تھی کہ دس برس تک دونوں فریق صلح وامن پر قائم رہیں گے- لیکن ابھی دو برس بھی نہیں گزرے تھے کہ بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے ان کی مدد کی حتی کہ خود سہیل بن عمرو حملہ میں شریک ہوا جس نے معاہدہ حدیبیہ پر دستخط کیے تھے- بنو خزاعہ نے خانہ کعبہ میں پناہ لی اور خدا کے نام پر امان مانگی تھی اس پر بھی بے دریغ قتل کیے گئے تھے- چالیس آدمی بچ کر مدینہ پہنچے اور پیغمبر اسلام کو اپنا حال زار سنایا- اب معاہدہ کی رو سے پیغمبر اسلام ﷺ کا فرض ہو گیا کہ قریش کی عہد شکنی برداشت نہ کریں- ⇦

إِلَّا الَّذِينَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ
عَهْدَهُمْ إِلٰى مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۴﴾ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ
وَجَدْتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا
الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵﴾ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى
يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴿۶﴾ كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ ع

ہاں، مشرکوں میں سے وہ لوگ کہ تم نے ان سے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے (قول قرار نباہنے میں) کسی طرح کی کمی نہیں کی اور نہ ایسا کیا کہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی ہو' اس حکم سے مستثنیٰ ہیں- پس چاہیے کہ ان کے ساتھ جتنی مدت کے لیے عہد ہوا ہے اتنی مدت تک اسے پورا کیا جائے- اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو (ہر بات میں) متقی ہوتے ہیں! (۴) پھر جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو (جنگ کی حالت قائم ہوگئی) مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور جہاں کہیں ملیں گرفتار کر لو- نیز ان کا محاصرہ کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو- پھر اگر ایسا ہو کہ وہ باز آ جائیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کیا جائے- بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے! (۵) اور (اے پیغمبر!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آدمی آئے اور تم سے امان مانگے تو اسے ضرور امان دو- یہاں تک کہ وہ (اچھی طرح) اللہ کا کلام سن لے- پھر اسے (باامن) اس کے ٹھکانے پہنچا دو- یہ بات اس لیے ضروری ہوئی کہ یہ لوگ (دعوت حق کی حقیقت کا) علم نہیں رکھتے- (۶) یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ (ان) مشرکوں کا عہد اللہ

⇐ چنانچہ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے کوچ کیا اور بغیر کسی قابل ذکر خونریزی کے مکہ کی فتح مبین ظہور میں آ گئی-

فتح کے بعد ۹ ہجری میں اس سورت کی ابتدائی آیتیں تیس یا چالیس تک نازل ہوئیں اور پیغمبر اسلام ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو ذیقعدہ میں مکہ بھیجا کہ حج کے موقع پر بطور اعلان عام کے یہ آیات مشتہر کر دیں- یعنی:

(ا) جن جماعتوں نے بدعہدی کی ان کے ساتھ اب کوئی معاہدہ نہیں رہا- تاہم اچانک ان پر حملہ نہیں کیا جاتا- چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے جو حج کے دن سے شروع ہوگی اور ۱۰ ربیع الآخر کو ختم ہوگی- اس عرصہ میں انہیں نقل و حرکت کا پورا امن حاصل ہوگا- لیکن اس کے بعد جنگ کی حالت تصور کی جائے گی-

(ب) لیکن جن جماعتوں نے بدعہدی نہیں کی' تو ان کا معاہدہ اپنی جگہ پر قائم ہے-

(ج) حرم کعبہ اب شرک کی تمام آلودگیوں سے پاک کر دیا گیا ہے جو مشرکین عرب نے پیدا کر دی تھیں' پس آئندہ یہ عبادت گاہ صرف اہل توحید و ایمان کے لیے ہوگی- کوئی مشرک آئندہ سال سے اس کا قصد نہ کرے (آیت ۲۸)

سورت کا بقیہ حصہ بھی ۹ ہجری ہی میں غزوہ تبوک کے اثنا میں اور اس کے بعد نازل ہوا تھا-

☆☆ (۲) یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہاں لڑائی کا جو حکم دیا گیا ہے- اس کا تعلق صرف ان مشرک جماعتوں سے تھا جو عرب میں ⇐

عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ
فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٧ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا
فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨
اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٩

اوراس کے رسول کے نزدیک عہد ہو؟ ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب (حدیبیہ میں) عہدو پیمان باندھا تھا (اور انہوں نے اسے نہیں توڑا) تو (ان کا عہد ضرور عہد ہے اور) جب تک وہ تمہارے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تم بھی ان کے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہو- اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو (اپنے تمام کاموں میں) متقی ہوتے ہیں- (۷)

ان مشرکوں کا عہد کیونکر عہد ہوسکتا ہے جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر آج تم پر غلبہ پاجائیں تو نہ تو تمہارے لیے قرابت کا پاس کریں نہ کسی عہد و پیمان کا- وہ اپنی باتوں سے تمہیں راضی کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے دلوں کا فیصلہ اس کے خلاف ہے اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں- (یعنی راست بازی کے تمام طریقوں اور پابندیوں سے باہر ہوچکے ہیں) (۸)

ان لوگوں نے اللہ کی آیتیں ایک بہت ہی حقیر قیمت پر بیچ ڈالیں- (یعنی ہوائے نفس کے تابع ہوگئے اور اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں کیا) پس اس کی راہ سے لوگوں کو روکنے لگے- (افسوس ان پر!) کیا ہی برا ہے جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں! (۹)

⇐ دعوت اسلام کی پامالی کے لیے لڑ رہی تھیں نہ کہ دنیا جہاں کے تمام مشرکوں کے لیے- چنانچہ اول سے لے کر آخر تک خطاب خاص جماعتوں سے ہے اور صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ ان جماعتوں نے کس طرح عہد شکنی کی اور کس طرح خود ہی جنگ کے اعادہ کا باعث ہوئے- نیز ظلم و جنگ کی ابتدا کرنے والے بھی وہی ہیں-

(۳) آیت (۵) سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہوگئی کہ جس بات کے بعد ایک جماعت مسلمانوں کی جماعت تسلیم کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ زبان سے اسلام کا اقرار کرے اور عمل میں دو باتیں ضرور آجائیں: نماز کی جماعت کا قیام اور زکوۃ کی ادائیگی- اگر یہ دو عملی باتیں ایک جماعت میں مفقود ہیں تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا-

اس اعتبار سے ایک فرد کی حالت میں اور ایک جماعت کی حالت میں جو فرق ہے اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے- اگر ایک فرد قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ میں کوتاہی کرتا ہے تو گنہگار ہے- لیکن اگر ایک جماعت نے بہ حیثیت جماعت کے ترک کر دیا تو اسلامی زندگی کی بنیادی شناخت کھودی اور وہ مسلمان نہیں- ان چند لفظوں میں تمہیں اس تمام نزاع کا فیصلہ مل جاسکتا ہے جو تارک صلوٰۃ کے باب میں چلی آتی ہے بشرطیکہ غور و فکر سے کام لو-

(۴) غور کرو جنگ کی سخت سے سخت حالت میں بھی اصل مقصد یعنی ارشاد و موعظت کا دروازہ کس طرح کھلا رکھا؟ اور کس طرح دین و اعتقاد کے معاملہ کو جبر و اکراہ کے شبہ سے بھی بالاتر رکھا گیا؟ آیت (٦) میں فرمایا ان مشرکوں میں ایسے لوگ بھی ہوسکتے ہیں جن میں قرآن سننے اور حقیقت حال معلوم کرنے کی خلش پیدا ہو- اگر کوئی ایسا آدمی آجائے تو عین لڑائی کی حالت میں بھی اسے بخوشی پناہ دو- جب تک رہنا چاہے رہے- ⇐

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱ وَاِنْ
نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ
اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۲ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ
وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳

کسی مومن کے لیے نہ تو قرابت کا پاس کرتے ہیں نہ عہد وقرار کا- یہی لوگ ہیں کہ ظلم میں حد سے گزر گئے ہیں-(۱۰)

بہرحال اگر یہ باز آئیں نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں' تو (پھر ان کے خلاف تمہارا ہاتھ نہیں اٹھنا چاہیے- وہ) تمہارے دینی بھائی ہوگئے- ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں-(۱۱)

اور اگر یہ اپنے عہد و پیمان جو خود کر چکے ہیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین کو برا بھلا کہیں تو پھر (اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان) کفر کے سرداروں سے جنگ کرو- یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی سوگند سوگند نہیں- (اور تمہیں جنگ اس لیے کرنی چاہیے) تاکہ یہ (ظلم وبدعہدی سے) باز آجائیں-

(مسلمانو!) کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنے عہد و پیمان کی قسمیں توڑ ڈالیں' جنہوں نے اللہ کے رسول کو اس کے وطن سے نکال باہر کرنے کے منصوبے کیے اور پھر تمہارے برخلاف لڑائی میں پہل بھی انہی کی طرف سے ہوئی؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (اگر ڈرتے ہو تو تم مومن نہیں کیونکہ) اگر مومن ہو تو اللہ اس بات کا زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا ڈر تمہارے دلوں میں بسا ہو!(۱۳)

⇐ قرآن سنے اور جب جانا چاہے تو اسے اس کے ٹھکانے بحفاظت پہنچا دیا جائے تاکہ اپنے امن کی جگہ پہنچ کر آزادی واختیار کے ساتھ غور وفکر کرے اور جو راہ چاہے اختیار کرے-

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دین کے بارے میں تقلید کافی نہیں- فہم واذعان ضروری ہے ورنہ قرآن کا سنانا اور پھر غور وفکر کی مہلت دینا ضروری نہ ہوتا- یاد رہے قرآن جس طرح اس معاملہ میں جبر کی پرچھائیں بھی دیکھنا نہیں چاہتا اسی طرح تقلیدی اعتقاد کا بھی روادار نہیں-

☆☆(۶) آیت (۷) سے لے کر (۱۳) تک یہ حقیقت واضح کی ہے کہ دشمنوں کی پے درپے عہد شکنیوں اور ظلم وعداوت کی انتہا نے کس طرح اس اعلان جنگ کو ناگزیر کر دیا تھا- فرمایا جن لوگوں نے بار بار عہد کیے اور بار بار خلاف ورزی کی اور پھر صلح حدیبیہ کا آخری عہد بھی اس ظالمانہ طریقہ پر پامال کیا اب ان کا عہد کیونکر عہد سمجھا جا سکتا ہے؟ ہاں جو فریق اس عہد پر قائم رہے تو یقیناً ان کا عہد اپنی جگہ قائم ہے- اسلام کسی حال میں بھی بدعہدی جائز نہیں رکھ سکتا-

فرمایا ان کی دلی عداوت کا یہ حال ہے کہ اگر اب بھی قابو پا جائیں تو ایک مومن کو زندہ نہ چھوڑیں- اگر ایسے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ نہ کیا جاتا تو نتیجہ یہ نکلتا کہ مسلمان دائمی خطرہ میں چھوڑ دیے جاتے-

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾
وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۚ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ
اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ
ع ۸ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ
اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

(مسلمانو!) ان سے (بلا تامل) جنگ کرو- اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا' انہیں رسوائی میں ڈالے گا' ان پر تمہیں فتح مند کرے گا اور جماعت مومنین کے دلوں کے سارے دکھ دور کر دے گا (۱۴) ان کے دلوں کی جلن باقی نہیں رہے گی- اور پھر جس پر چاہے گا اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا- اللہ سب کچھ جانتا اور (اپنی ہر بات میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۱۵)

(مسلمانو!) کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ تم اتنے ہی میں چھوڑ دیے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تو اللہ نے ان لوگوں کو پوری طرح آزمائش میں ڈالا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور اللہ کے رسول اور مومنوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا پوشیدہ دوست نہیں بنایا ہے- (یاد رکھو) جیسے کچھ بھی تمہارے اعمال ہیں خدا ان سب کی خبر رکھنے والا ہے! (۱۶)

مشرکوں کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں ایسی حالت میں کہ وہ خود اپنے کفر کا اعتراف کر رہے ہیں- یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سارے عمل اکارت گئے اور وہ عذاب آتش میں ہمیشہ رہنے والے ہیں- (۱۷)

آیت (۱۳) میں فرمایا جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کی ابتدا کس نے کی؟ کس نے مظلوموں کو جلاوطنی پر مجبور کیا اور کون فوج لے کر ان پر حملہ آور ہوا؟ یہی لوگ تھے جو یہ سب کچھ کرتے رہے- اب اگر ہم ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں تو اس کی ذمہ داری انہی پر ہے-

(۷) پھر غور کرو قرآن ہر جگہ اس جنگ کا مقصد کیا قرار دیتا ہے؟ جس کی اس نے اجازت دی تھی- آیت (۱۲) میں فرمایا **لعلھم ینتھون** تاکہ ظلم و بدعہدی سے باز آ جائیں- اسی طرح سورہ انفال کی آیت (۵۷) میں گزر چکا ہے **لعلھم یذکرون** تاکہ عبرت پذیر ہوں- یعنی یہ دفاعی جنگ بھی انتقام کے خیال سے یا دنیوی انتفاع و تغلب کے لیے نہیں ہے بلکہ محض اس لیے ہے کہ ارباب ظلم و تشدد اپنی بدکرداریوں سے باز آ جائیں- چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ناگزیر حالت سے زیادہ ایک لمحہ کے لیے قرآن نے جنگ کا قیام جائز نہیں رکھا اور پے در پے عہد شکنیوں اور سخت سے سخت مظالم کے بعد بھی دشمنوں پر دروازہ کبھی بند نہیں کیا-

(۸) آیت (۱۴) میں چھ باتیں فرمائی تھیں:

(ا) تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب ملے گا- (ب) وہ رسوا ہوں گے-

(ج) تم فتح مند ہو گے- (د) مومنوں کے دلوں میں اپنی مصیبتوں اور اندوہوں کے جتنے دکھ ہیں سب دور ہو جائیں گے-

(ہ) ان کے دلوں کی جلن نکل جائے گی- (و) جنہیں توبہ ملنی ہے وہ تائب ہوں گے-

چنانچہ غور کرو کس طرح یہ تمام باتیں حرف بحرف پوری ہوئیں- مشرکین عرب کی ہستی ہمیشہ کے لیے مٹ گئی- انہی مسلمانوں کے ہاتھوں جو بیس برس تک ان کے مظالم سہتے رہے تھے ان کی قوت کا خاتمہ ہو گیا- ان کی رسوائی اس سے زیادہ کیا ہو گی کہ تاریخ کے ⇦

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا
اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ
دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ

وقف لازم

فی الحقیقت مسجدوں کو آباد کرنے والا تو وہ ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا' نماز قائم کی' زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ مانا- جو لوگ ایسے ہیں انہی سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ (سعادت و کامیابی کی) راہ پانے والے ثابت ہوں گے! (۱۸)

کیا تم لوگوں نے یوں ٹھہرا رکھا ہے کہ حاجیوں کے لیے سبیل لگا دینی اور مسجد حرام کو آباد رکھنا اسی درجہ کا کام ہے جیسا اس شخص کا کام جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں اور اللہ (کا قانون ہے کہ وہ) ظلم کرنے والوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا- (۱۹)

جو لوگ ایمان لائے' ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو یقیناً اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں! (۲۰) ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور کامل خوشنودی کی بشارت دیتا ہے- نیز

⇐ صفحات پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہوگئی- اور پھر مسلمانوں کے دلوں کو مظلومیت و بے چارگی کے سارے دکھوں سے کیسی شفا کامل ملی کہ پچیس برس کے اندر وہ کرہ زمین کی سب سے اشرف و بہتر مخلوق تسلیم کر لیے گئے!

(۹) آیت (۱۷) سے سلسلہ بیان ایک دوسرے معاملہ کی طرف متوجہ ہوا ہے جس کا اس موقع پر اعلان کیا گیا تھا اور جو فی الحقیقت اس صورت حال کا لازمی نتیجہ تھا- یعنی خانہ کعبہ کی مستقل حیثیت- فرمایا یہ پرستاران توحید کی عبادت گاہ تھی اور اب آئندہ بھی انہی کے لیے مخصوص رہے گی- مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ اسے اپنے مشرکانہ اعمال اور رسوم سے ملوث کریں- چنانچہ اوپر گزر چکا ہے کہ ۹ ہجری کے حج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن امور کا اعلان عام کیا' ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک خانہ کعبہ میں قدم نہ رکھ سکے گا- اور اسی حکم کی یہ تمہید ہے جو آیت مذکور سے شروع ہوئی ہے-

(۱۰) قریش مکہ کو خانہ کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کے کاروبار کے منصرم ہونے کا بڑا غرور تھا- اور جب ایک جماعت اعتقاد و عمل کی حقیقت سے محروم ہو جاتی ہے تو اسی طرح کے رسوم و مظاہر کو ہر طرح کی بزرگی و سعادت کا ذریعہ سمجھنے لگتی ہے- چنانچہ آج کل مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے- کسی بزرگ کی سجادہ نشینی' کسی مزار کی مجاوری' کسی زیارت گاہ کا متولی ہونا جو اثر و رسوخ رکھتا ہے وہ بڑے سے بڑے اور بہتر سے بہتر مومن و متقی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا- ایک صالح و متقی مسلمان کو کوئی نہیں پوچھے گا' لیکن ایک فاسق و فاجر مجاور یا متولی درگاہ کی ہزاروں آدمی قدم بوسی کریں گے! یہاں اسی گمراہی کا ازالہ کیا ہے- فرمایا اصلی نیکی یہ نہیں ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی سبیل لگا دی یا خانہ کعبہ میں روشنی کر دی- ⇐

فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَ اَبْنَاۗؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ
وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
ع الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ

ایسے باغوں کی جہاں ان کے لیے ہمیشگی کی نعمت ہوگی (۲۱) اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے- یقیناً اللہ کے پاس (نیک کرداروں کے لیے) بہت بڑا اجر ہے! (۲۲)

مسلمانو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں، تو انہیں اپنا رفیق و کارساز نہ بناؤ- اور جو کوئی بنائے گا، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے ہیں! (۲۳) (اے پیغمبر!) مسلمانوں سے کہہ دے ''اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہاری برادری، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے، تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو، تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے، اس کے رسول سے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو (کلمہ حق تمہارا محتاج نہیں) انتظار کرو- یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ (کا مقررہ قانون ہے کہ وہ) فاسقوں پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا! (۲۴)

(مسلمانو!) یہ واقعہ ہے کہ اللہ بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کر چکا ہے (جبکہ تمہیں اپنی قلت و کمزوری سے کامیابی کی امید نہ تھی)- اور جنگ حنین کے موقع پر بھی جبکہ تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے (اور سمجھے تھے کہ محض اپنی کثرت سے میدان

⇦ اصلی نیکی تو اس کی ہے جو ایمان لایا اور جس نے اعمال حسنہ انجام دیے-

(۱۱) نیز یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ خدا کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمانوں کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں- یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہو سکتا- کیونکہ دونوں میں کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی بلکہ متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں- مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور!

(۱۲) آیت (۱۸) میں مومن صادق کی جو تعریف بیان کی اس میں ایمان باللہ اور قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ''اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ مانا'' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک اسلام کے فکری و عملی ارکان میں سے ایک رکن یہ بھی ہے اور جس دل میں ماسوا اللہ کی دہشت ہو، وہ پورا مسلمان نہیں-

☆☆ (۱۳) آیت (۲۰) میں واضح کر دیا کہ اللہ کے نزدیک بزرگی و فضیلت کا معیار کیا ہے؟ فرمایا سب سے بڑا درجہ انہی کا ہے جنہوں نے سچائی کی راہ میں ہر طرح کی قربانیاں کیں اور ایمان و عمل کی آزمائش میں پورے اترے- تمہارے گھڑے ہوئے تقدس و بزرگی کے مناصب اور رواجی بڑائیاں اللہ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتیں-

عَنۡكُمۡ شَيۡــًٔا وَّضَاقَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّيۡتُمۡ مُّدۡبِرِيۡنَ ۝۲۵ ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ
سَكِيۡنَـتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا وَعَذَّبَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا‌ ؕ
وَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝۲۶ ثُمَّ يَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۲۷
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَـرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا‌ ۚ وَاِنۡ

مارلوگے) تو دیکھو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی ساری وسعت پر بھی تمہارے لیے تنگ ہوگئی - بالآخر ایسا ہوا کہ تم میدان کو پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگے - (۲۵)

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی جانب سے دل کا سکون وقرار نازل فرمایا اور ایسی فوجیں اُتار دیں جو تمہیں نظر نہیں آئی تھیں اور (اس طرح) ان لوگوں کو عذاب دیا جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور یہی جزا ہے ان لوگوں کی جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں! (یعنی ان کی بدعملی کا لازمی نتیجہ یہی ہے) (۲۶)

پھر اس کے بعد اللہ جس پر چاہے گا اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا (یعنی توبہ قبول کرلے گا) اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے! (۲۷)

مسلمانو! حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مشرک نجس ہیں (یعنی شرک نے ان کے دلوں کی پاکی سلب کرلی ہے) پس چاہیے کہ اب اس برس کے بعد سے (۹ ہجری کے بعد سے) مسجد حرام کے نزدیک نہ آئیں اور اگر تم کو (ان کی آمدورفت

یہاں سے معلوم ہوا کہ آج کل مسلمانوں کی عام مذہبی ذہنیت کس درجہ اسلام سے دور ہوگئی ہے - جاہلیت عرب کی طرح وہ بھی رواجی نیکیوں کو حقیقی اسلامی نیکیوں پر ترجیح دینے لگے ہیں - اگر ایک فاسق وفاجر امیر محرم میں سبیل لگادیتا ہے یا ربیع الاول میں دھوم دھام سے مولود کی مجلس کردیتا ہے یا کسی مسجد اور درگاہ میں بجلی کی روشنی کرادیتا ہے تو تمام مسلمان اس کی حمد وثنا کا غلغلہ مچادیتے ہیں اور کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے ایمان وعمل اور ایثار فی اللہ وللہ کا کیا حال ہے - سو یاد رکھنا چاہیے کہ رواجی نیکیاں اللہ کے نزدیک نیکیاں نہیں ہیں - نیکی کا معیار صرف ایمان وعمل اور ایمان وعمل کی راہ میں ایثار ہے -

(۱۴) اوپر گذر چکا ہے کہ یہ سورت ۹ ھ میں نازل ہوئی تھی اور ابتدائی آیتیں سال کے آخری مہینوں یعنی حج کے مہینوں میں اعلان عام کی غرض سے مشتہر کی گئیں - یہ وہ وقت تھا کہ مکہ فتح ہو چکا تھا' جنگ حنین نے دشمنوں کی رہی سہی قوت بھی ختم کردی تھی' غزوہ تبوک میں تین ہزار مسلمانوں نے شرکت کی تھی اور جزیرہ عرب میں مسلمانوں کے سوا اور کوئی قوت نظر نہیں آتی تھی - تاہم صورت حال کے بعض پہلو ایسے تھے جو کمزوری سے خالی نہ تھے:

(ا) مکہ کے طلقا کا ایک بڑا گروہ نیا نیا مسلمانوں میں داخل ہوا تھا - یعنی ان باشندگان مکہ کا جنہیں پیغمبر اسلام ﷺ نے عفو وبخشش کی ایک بے نظیر مثال قائم کرتے ہوئے فتح مکہ کے دن آزاد کردیا تھا اور فرمایا تھا: انتم الطلقاء - آج تم سے کوئی باز پرس نہیں - یہ ابھی اسلامی زندگی کی پختگی کے محتاج تھے اور ان میں سے بہتوں کے عزیز واقربا دشمنوں میں ملے ہوئے تھے - جب اعلان جنگ ہوا تو انہیں اپنے قرابت داروں کی فکر ہوئی بعضوں نے جاہلیت کی نسبی اور خاندانی عصبیت کی صدا بھی بلند کی جو ابھی پوری طرح ان کے دلوں سے محو نہیں ہوئی تھی -

خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا
ع۵ الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٢٩﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى
الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ

کے بند ہو جانے سے) فقر و فاقہ کا اندیشہ ہو (کہ وہ ہر طرح کی ضروری چیزیں باہر سے لاتے اور تجارت کرتے ہیں) تو گھبراؤ نہیں۔ اللہ چاہے گا تو عنقریب تمہیں اپنے فضل سے تونگر کر دے گا۔ اللہ سب کچھ جانتا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۲۸)

اہل کتاب میں سے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ نہ تو خدا پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت کے دن پر۔ نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے (ان کی کتاب میں) حرام ٹھہرا دیا ہے اور نہ سچے دین ہی پر عمل پیرا ہیں تو (مسلمانو!) ان سے (بھی) جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو۔ (۲۹)

اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی باتیں ہیں محض ان کی زبان سے نکالی ہوئی (ورنہ سمجھ بوجھ کر کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا) ان لوگوں نے بھی انہی کی سی بات کہی جو ان سے پہلے کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنت! یہ کدھر کو بھٹکے جا رہے ہیں! (۳۰)

(ب) منافق اور کچے دل کے آدمی بھی ابھی باقی تھے۔ وہ کہنے لگے اب جنگ کے اعلان کی ضرورت کیا ہے؟ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

(ج) عام مسلمانوں میں بھی فتح و عروج کی وجہ سے کچھ نہ کچھ بے پروائی سی پیدا ہو گئی تھی۔ لوگ خیال کرتے ہوں گے اب تو تمام عرب کلمہ حق کے آگے جھک رہا ہے اور دشمنوں میں کچھ دم خم باقی نہیں رہا۔ حالانکہ مشیت الٰہی نے عروج اسلام کا جو نقشہ کھینچا تھا' وہ کچھ اور ہی تھا اور اس موقعہ پر طبیعتوں کی بے پروائی نہ صرف مستقبل کے لیے بلکہ موجودہ حالت کے لیے بھی خطرہ سے خالی نہ تھی۔

پس ضروری تھا کہ مسلمانوں کو ایمان و عمل کے عزائم کی ازسرنو تلقین کی جائے اور یاد دلایا جائے کہ آزمائش ابھی ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ شروع ہوئی ہے۔ ازاں جملہ اس اعلان جنگ کی آزمائش ہے جسے دشمنوں کے غدر و فریب نے ناگزیر کر دیا ہے اور ملک کے امن و امان کا استحکام اس کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ پہلے آیت (۱۶) میں فرمایا تھا ایسا نہ سمجھو کہ تم اتنے ہی میں چھوڑ دیے جاؤ گے جتنا کچھ ہو چکا ہے بلکہ ابھی ایمان و عمل کی آزمائشیں باقی ہیں۔ اب یہاں سچے مومنوں کی فضیلت بیان کرنے کے بعد آیت (۲۳) میں خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی کہ ایمان کا دعویٰ اور مومنوں کے دشمنوں سے موالات ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر باپ اور بھائی بھی دشمنوں میں سے ہوں جب بھی تمہیں ان سے کوئی علاقہ نہیں رکھنا چاہیے۔

(۱۵) آیت (۲۴) مہمات مواعظ میں سے ہے اور اس باب میں قطعی ہے کہ اگر حب ایمانی اور غیر ایمانی میں مقابلہ ہو جائے تو مومن وہ ہے جس کی حب ایمانی پر دنیا کی کوئی محبت اور علاقہ بھی غالب نہ آ سکے۔ یہاں آٹھ چیزوں کا ذکر ہے اور اگر غور کرو گے تو ایک متمدن زندگی ⇐

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا
اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ
وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ
لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

النصف

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علما اور مشائخ کو پروردگار بنالیا - اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی - حالانکہ انہیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک خدا کی بندگی کرو - کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی - اس کی پاکی ہو اس ساجھے سے جو یہ اس کی ذات میں لگا رہے ہیں! (۳۱)

یہ لوگ چاہتے ہیں اللہ کی روشنی اپنی پھونکوں سے بجھا دیں حالانکہ اللہ یہ روشنی پوری کیے بغیر رہنے والا نہیں اگرچہ کافروں کو پسند نہ آئے! (۳۲)

(ہاں) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو حقیقی ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام (ٹھہرائے ہوئے) دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو ایسا ہونا پسند نہ آئے! (۳۳)

مسلمانو! یاد رکھو (یہودیوں اور عیسائیوں کے) علما اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق و ناروا کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں اور جو لوگ چاندی سونا اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں

⇐ کے تمام علائق ان میں آگئے ہیں نیز جس ترتیب سے ذکر کیا ہے علائق کی گیرائیوں کی قدرتی ترتیب یہی ہے - فرمایا انسان کی مدنی زندگی کی الفتوں کے بڑے رشتے یہی ہیں اور اپنی جگہ سب مطلوب و ضروری ہیں لیکن اگر محبت ایمانی میں اور ان میں مقابلہ ہو جائے تو پھر مومن وہ ہے جس پر ان تمام الفتوں میں سے کسی الفت کا بھی جادو چل نہ سکے - اور کوئی علاقہ بھی اسے اتباع حق سے روک نہ سکے!

غور کرو قرآن فطرت انسانی کی کمزوریوں کا کس طرح کھوج لگاتا ہے؟ فرمایا "اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں ڈر لگا رہتا ہے" یعنی عزائم و مقاصد کی راہ میں جب کبھی قدم اٹھایا جائے گا تو ناگزیر ہے کہ صورت حال میں انقلاب ہو اور جب انقلاب ہوگا خواہ جنگ کی صورت میں ہو خواہ کسی دوسری صورت میں تو عارضی طور پر کاروبار ضرور بگڑے گا' مال و جائداد کے لیے خطرات ضرور پیدا ہوں گے اور یہی بات مال و دولت کے پرستاروں پر ہمیشہ شاق گزرتی ہے - وہ کہتے ہیں ہمارا کاروبار خراب ہو جائے گا اور نہیں جانتے کہ اگر راہ حق میں استقامت دکھائیں تو جو کچھ خراب ہوگا وہ بہت تھوڑا ہوگا' اور پھر جو کچھ بنے گا وہ بہت زیادہ ہوگا - **وان اللہ عندہ اجر عظیم!**

محبت ایمانی کی اس آزمائش میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے اور محتاج بیان نہیں' بلا شائبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا صحابہؓ نے اللہ کے رسول سے راہ حق میں کیا - انہوں نے اس محبت کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور ⇐

وَ لَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ
فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ‌ ؕ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا
كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوۡمَ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ‌ ؕ ذٰ لِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِيۡهِنَّ
اَنۡفُسَكُمۡ وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً‌ ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۶﴾

اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے' تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دو! (۳۴)

عذاب دردناک کا وہ دن جبکہ (ان کا جمع کیا ہوا) سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کے ماتھے' ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور اس وقت کہا جائے گا:) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا تھا - سو جو کچھ ذخیرہ کر کے جمع کرتے رہے اس کا مزہ آج چکھ لو! (۳۵)

اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ مہینے کی ہے - اللہ کی کتاب میں ایسا ہی لکھا گیا جس دن آسمانوں کو اور زمین کو اس نے پیدا کیا - (یعنی جب سے اجرام ساویہ بنے ہیں خدا کا ٹھہرایا ہوا حساب یہی ہے) ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت کے مہینے ہوئے (یعنی رجب' ذی قعدہ' ذی الحجہ' محرم کہ امن کے مہینے سمجھے جاتے تھے اور لڑائی ممنوع تھی) دین کی سیدھی راہ یہ ہے - پس ان حرمت کے مہینوں میں (جنگ وخوں ریزی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور چاہیے کہ تمام مشرکوں سے بلا استثنا جنگ کرو جس طرح وہ تم سب سے بلا استثناء جنگ کرتے ہیں اور (ساتھ ہی) یاد رکھو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو (ہر حال میں) تقویٰ والے ہیں - (۳۶)

⇐ پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے! لیکن آج ہمارا حال کیا ہے؟ کیا ہم میں سے کسی کو جرأت ہو سکتی ہے کہ یہ آیت سامنے رکھ کر اپنے ایمان کا احتساب کرے؟

(۱۶) آیت (۲۵) میں جنگ حنین کی طرف اشارہ ہے - ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہوازن اور ثقیف نے بنی نصر اور بنی ہلال کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا تو پیغمبر اسلام ﷺ مکہ سے نکلے اور حنین نامی وادی میں مقابلہ ہوا - اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد دشمنوں سے تین گنا زیادہ تھی اس لیے لوگوں کو اپنی کثرت تعداد کا گھمنڈ ہو گیا تھا - کہتے تھے اب وہ دن نہیں رہا کہ تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب ہو جائیں - نتیجہ یہ نکلا کہ وقت پر تعداد کی کثرت کچھ کام نہ آئی' اور فتح مندی ہوئی تو محض پیغمبر اسلامؐ اور ان کے ساتھ مٹھی بھر مسلمانوں کے عزم وہمت سے -

مسلمانوں کو پہاڑ کی ایک تنگ گھاٹی سے گزرنا تھا - وہاں دشمنوں کے تیر انداز گھات لگائے بیٹھے تھے - مسلمانوں کی فوج میں دو ہزار مکہ کے نومسلم اور بعض معاہد مشرک بھی تھے - جونہی انہوں نے قدم بڑھایا دشمنوں نے تیروں پر رکھ لیا اور اچانک ان کے قدم اکھڑ گئے - انہیں بھاگتا دیکھ کر تمام لشکر نے بھی بھاگنا شروع کر دیا - قریب تھا کہ شکست ہو جائے مگر اللہ نے پیغمبر اسلامؐ کے قلب مبارک کو اپنے سکون وقرار کی روح سے معمور کر دیا - آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ اصحاب سمرہ کو پکاریں - یعنی صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان کرنے والوں کو - ان کی ندا کا بلند ہونا تھا کہ ہمت وشجاعت کی نئی لہر سب کے دلوں میں دوڑ گئی اور پھر لوٹ کر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ دشمنوں کے قدم اکھاڑ دیے -

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَّيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا
عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكٰفِرِينَ ﴿۳۷﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى ع ۸
الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۳۸﴾

''نسی'' (یعنی مہینے کو اس کی جگہ سے پیچھے ہٹا دینا جیسا کہ جاہلیت میں دستور ہو گیا تھا) اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کفر میں کچھ اور بڑھ جانا ہے- اس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں- ایک ہی مہینے کو ایک برس حلال سمجھ لیتے ہیں (یعنی اس میں لڑائی جائز کر دیتے ہیں) اور پھر اسی کو دوسرے برس حرام کر دیتے ہیں- (یعنی اس میں لڑائی ناجائز کر دیتے ہیں) تاکہ اللہ نے حرمت کے مہینوں کی جو گنتی رکھی ہے اسے اپنی گنتی سے مطابق کر کے اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کو حلال کر لیں- ان کی نگاہوں میں ان کے برے کام خوشنما ہو کر دکھائی دیتے ہیں اور اللہ (کا قانون ہے کہ وہ) منکرین حق پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا- (۳۷)

مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کی راہ میں قدم اٹھاؤ تو تمہارے پاؤں بوجھل ہو کر زمین پکڑ لیتے ہیں! کیا آخرت چھوڑ کر صرف دنیا کی زندگی ہی پر ریجھ گئے ہو؟ (اگر ایسا ہی ہے) تو (یاد رکھو) دنیا کی زندگی کی متاع تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے مگر بہت تھوڑی! (۳۸)

یہ حادثہ فی الحقیقت اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی تادیب تھی تاکہ محض کثرت تعداد ہی کو کامیابی کی بنیاد نہ سمجھ لیں- بلاشبہ تعداد کی کثرت بھی موجبات فتح میں سے ہے- لیکن صرف اسی سے فتح مندی نہیں مل سکتی- اصلی چیز دل کی استعداد ہے اور وہ موجود ہو تو مٹھی بھر انسان سیکڑوں انسانوں پر غالب آ سکتے ہیں-

فرمایا اللہ نے تمہیں بہت سی جنگوں میں نصرت دی حالانکہ تم بہت تھوڑے تھے اور ڈرتے تھے کہ کامیابی نہیں ہوگی- اور پھر حنین کے دن بھی فتح مندی دی جبکہ تمہیں اپنی کثرت تعداد کا غرہ تھا اور کثرت تعداد نے کچھ کام نہیں دیا تھا-

(۱۷) آیت (۲۸) میں اسی حکم کا ذکر ہے جو اوپر گزر چکا ہے- یعنی آئندہ سے کوئی مشرک اس عبادت گاہ میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے بنائی تھی داخل نہ ہو سکے گا اور یہ مقام امت مسلمہ کے لیے مرکز ہدایت بن کر رہے گا جیسا کہ فی الحقیقت اسے ہونا تھا-

(۱۸) اس آیت میں مشرکوں کے نجس ہونے سے مقصود ان کی قلبی نجاست ہے نہ کہ جسمانی- کیونکہ اسلام کسی انسان کے جسم کو ناپاک نہیں قرار دیتا اور ہر انسان کو انسان ہونے کے لحاظ سے ایک درجہ پر رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے چھوت چھات کی ہر قسم اور ہر شکل کو ناجائز قرار دیا ہے- خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودیوں اور مشرکوں سے ہر طرح کی معاشرت رکھنا' ایک ساتھ کھانا پینا' ان کی دعوتوں میں جانا اور انہیں دعوتوں میں بلانا حتی کہ انہیں مسجد کے اندر ٹھہرانا ثابت ہے-

(۱۹) بالاتفاق یہ حکم صرف خانہ کعبہ سے تعلق رکھتا ہے- عام مساجد میں غیر مسلموں کے لیے کوئی شرعی روک نہیں- چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے عیسائیوں اور طائف کے مشرکوں کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا تھا-

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ
هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ
وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾ انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ

اگر قدم نہ اٹھاؤ گے تو یاد رکھو وہ تمہیں ایک ایسے عذاب میں ڈالے گا جو دردناک ہوگا اور تمہاری جگہ کسی دوسرے گروہ کو لا کھڑا کرے گا اور تم (دفاع سے غافل ہو کر) اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے (اپنا ہی نقصان کرو گے) اور اللہ تو ہر بات پر قادر ہے۔(۳۹)

اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو (نہ کرو) اللہ نے اس کی مدد کی ہے اور اس وقت کی ہے جب کافروں نے اسے اس حال میں گھر سے نکالا تھا کہ (صرف دو آدمی تھے اور) دو میں دوسرا (اللہ کا رسول) تھا اور دونوں غار (ثور) میں چھپے بیٹھے تھے۔ اس وقت اللہ کے رسول نے اپنے ساتھی سے کہا تھا ''غمگین نہ ہو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے'' (وہ دشمنوں کو ہم پر قابو پانے نہ دے گا) پس اللہ نے اپنا سکون وقرار اس پر نازل کیا اور پھر ایسی فوجوں سے مددگاری کی جنہیں تم نہیں دیکھتے اور بالآخر کافروں کی بات پست کی اور (تم دیکھ رہے ہو کہ) اللہ ہی کی بات ہے جس کے لیے بلندی ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے! (۴۰)

(مسلمانو! ساز وسامان کے بوجھ سے) ہلکے ہو یا بوجھل جس حال میں ہو نکل کھڑے ہو (کہ دفاع کے لیے تمہیں بلایا جارہا ہے) اور اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔(۴۱)

☆☆ (۲۰) آیت (۲۹) میں مشرکین عرب کی طرح عرب کے یہودیوں اور شام کے عیسائیوں کے خلاف بھی جنگ کا حکم دیا ہے اور یہی آیت جزیہ کے باب میں اصل وبنیاد ہے۔ اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۲۱) چونکہ سلسلہ بیان اہل کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا اس لیے آیت (۳۵) تک ان کی اعتقادی اور عملی گمراہیوں کے اصول ومبادی واضح کیے ہیں اور دعوت قرآنی کی دائمی فتح مندی کی بشارت دی ہے۔ ان کی ضروری تشریح بھی سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۲۲) چونکہ اب خانہ کعبہ اور حج کا معاملہ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے پاک ہو گیا تھا اس لیے ضروری تھا کہ جاہلیت کی اس جاہلانہ رسم کا بھی ازالہ کر دیا جاتا جس نے حج کا زمانہ مشتبہ کر دیا تھا اور مہینوں کے حساب کا عرب میں کوئی معیار قائم نہیں رہا تھا۔ آیت (۳۶) اور (۳۷) میں اسی بات کا اعلان کیا ہے۔ مزید تشریح کے لیے سورت کا آخری نوٹ دیکھو۔

☆☆ (۲۳) اوپر گذر چکا ہے کہ اس سورت کی بقیہ آیتیں غزوہ تبوک کے متعلق نازل ہوئی تھیں، چنانچہ یہاں سے لے کر آخر تک اسی غزوہ کا بیان ہے اور جا بجا موعظت وارشاد کے مختلف اطراف ومتعلقات بھی نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔

''تبوک'' مدینہ اور دمشق کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، جس کا فاصلہ آج کل مدینہ سے چھ سو دس کلومیٹر حساب کیا گیا ہے۔

خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ
بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ
اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٤٢﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ
يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

(اے پیغمبر!) اگر تمہارا بلاوا کسی ایسی بات کے لیے ہوتا جس میں قریبی فائدہ نظر آتا اور ایسے سفر کے لیے جو آسان ہوتا تو (یہ منافق) بلا تامل تمہارے پیچھے ہو لیتے - لیکن انہیں راہ دور کی دکھائی دی (اس لیے جی چرانے لگے) اور (تم دیکھو گے کہ یہ) قسمیں کھا کر (مسلمانوں سے) کہیں گے اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ نکلتے - (افسوس ان پر!) یہ (قسمیں کھا کر) اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ قطعاً جھوٹے ہیں! (۴۲)

(اے پیغمبر!) اللہ تجھے بخشے! تو نے ایسا کیوں کیا کہ (ان کی منافقانہ عذر داریوں پر) انہیں (پیچھے رہ جانے کی) رخصت دے دی؟ اس وقت تک رخصت نہ دی ہوتی کہ تجھ پر کھل جاتا کون سچے ہیں اور تو معلوم کر لیتا کون جھوٹے ہیں؟ (۴۳)

جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی تجھ سے اجازت کے طلبگار نہ ہوں گے کہ اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے (اللہ کی راہ میں) جہاد کریں - اور اللہ جانتا ہے کہ کون متقی ہیں - (۴۴) تجھ سے اجازت طلب کرنے والے تو وہی ہیں جو

---

۹ ہجری میں پیغمبر اسلام ﷺ کو خبر ملی کہ قیصر روم نے یعنی قسطنطنیہ کی مشرقی رومی حکومت نے مدینہ پر حملہ کا حکم دے دیا ہے اور عرب کے عیسائی قبائل بھی شامل ہو گئے ہیں - یہ مسلمانوں کے لیے پہلا موقع تھا کہ عرب سے باہر کی ایک سب سے بڑی طاقتور شہنشاہیت آمادۂ پیکار ہوئی تھی، اس لیے ضروری تھا کہ بروقت مدافعت کا پورا سامان کیا جاتا - چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ نے تیاری اور کوچ کا اعلان کر دیا -

لیکن اگر ایک طرف ضرورت ناگزیر تھی تو دوسری طرف وقت کی ساری باتیں ناموافق ہو رہی تھیں - مسلمان چند ماہ پہلے جنگ حنین وطائف کی لڑائی میں چکنا چور ہو چکے تھے اور اس سے پہلے فتح مکہ کا معاملہ پیش آ چکا تھا - پھر اچانک مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی اور چونکہ مالی وسائل محدود تھے اور باہمی اشتراک و معاونت کی زندگی تھی اس لیے تنگی و عسرت سب پر چھائی ہوئی تھی - پھر موسم بڑی ہی گرمی کا تھا اور فصل کاٹنے کا وقت سر پر آ گیا تھا - نیز سفر ملک کے اندر نہ تھا - اس سے باہر چودہ مرحلوں کا تھا - ان سب باتوں نے مل جل کر مسلمانوں کے لیے بڑی مشکلیں پیدا کر دیں اور قدرتی طور پر ان کے قدم رک رک کر اٹھنے لگے - حالت بلاشبہ مجبوری کی تھی لیکن جب دفاع ملت کی گھڑی آ جائے تو اس طرح کی کوئی مجبوری مجبوری تسلیم نہیں کی جا سکتی اور ادائے فرض کی راہ بہرحال آسانیوں اور راحتوں کی راہ نہیں ہے - اس میں مشکلیں اور مصیبتیں جھیلنی ہی پڑیں گی - البتہ مصیبتیں عارضی ہوں گی اور نتائج کی کامرانیاں دوامی -

چنانچہ ان آیات میں مسلمانوں کو اسی حقیقت کی تلقین کی گئی ہے -

مومنین صادقین نے اس دعوت کا کیا جواب دیا؟ اور ساری باتوں کے ناموافق ہونے پر بھی کس جوش و سرگرمی کے ساتھ اٹھے؟ ⇦

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا
الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ
الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ
الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ

(فی الحقیقت) اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑ گئے ہیں تو اپنے شک کی حالت میں متردد ہو رہے ہیں۔(۴۵)

اور اگر واقعی ان لوگوں نے نکلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کے لیے کچھ نہ کچھ سروسامان کی تیاری ضرور کرتے مگر (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان کا اٹھنا پسند ہی نہیں کیا۔ پس انہیں بوجھل کر دیا اور ان سے کہا گیا (یعنی ان کے بوجھل پنے نے کہا:) دوسرے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھے رہو! (۴۶) اگر یہ تم مسلمانوں میں (گھل مل کے) نکلتے تو تمہارے اندر کچھ زیادہ نہ کرتے مگر (ہر طرح کی) خرابی اور ضرور تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کے گھوڑے دوڑاتے (کہ ادھر کی بات ادھر لگاتے۔ ادھر کی ادھر) اور تم جانتے ہو کہ تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی بات پر کان دھرنے والے ہیں (پس ظاہر ہے کہ ان کی موجودگی سے بجز فتنہ وفساد کے کچھ حاصل نہ ہوتا) اور اللہ جانتا ہے کون ظلم کرنے والے ہیں۔(۴۷)

(اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ ان لوگوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ انگیزی کی کوششیں کیں اور تمہارے خلاف ہر طرح کی

⇐ اس کا جواب تاریخ سے مل سکتا ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ تیس ہزار مسلمانوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ کوچ کیا تھا۔ اور انفاق مال کی فداکاریوں کا یہ حال تھا کہ اگر ایک طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نوسو اونٹ پیش کر دیے تھے تو دوسری طرف ابوعقیل انصاریؓ نے رات بھر ایک کھیت میں آب پاشی کر کے دو سیر چھوہارے مزدوری میں حاصل کیے تھے اور وہ لا کر اللہ کے رسول کے قدموں پر رکھ دیے تھے!

اسی فوجی تیاری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال ومتاع پیش کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ کرتے کی گھنڈیاں بھی توڑ کر شامل کر دی تھیں۔ اور جب اللہ کے رسول نے پوچھا تھا: ما ابقیت لاھلك "بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے؟"

تو اس پیکر صدق ووفا نے جواب دیا تھا الله ورسوله.

چونکہ اس فوج کی تیاری بڑی ہی تنگی وافلاس کی حالت میں ہوئی تھی اس لیے جیش عسرت کے نام سے مشہور ہوئی۔

(۲۴) قرآن نے یہاں آیت (۳۹) میں اور نیز دیگر مقامات میں ''استبدال اقوام'' کا ذکر کیا ہے یعنی فرمایا ہے یاد رکھو اگر تم نے ادائے فرض میں کوتاہی کی تو خدا کا قانون اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ تمہاری جگہ کسی دوسرے گروہ کو لا کھڑا کرے گا۔

تاریخ کا مطالعہ کرو تو اس ''استبدال'' کے مناظر تمہارے سامنے آجائیں گے اور قرآن پر تدبر کرو تو اس کے سنن ونوامیس واضح ہو جائیں گے۔ حکمت الٰہی نے افراد کی طرح جماعتوں کی زندگی وقیام کے لیے بھی ایک خاص نظام مقرر کر دیا ہے اور اسی کے مطابق ایک جماعت کی جگہ دوسری جماعت سے اور ایک قوم کی زندگی دوسری قوم کی زندگی سے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ قرآن کہتا ہے افراد کے نظام حیات کی طرح جماعات کا نظام حیات بھی جدوجہد، سعی وطلب اور فکر وعمل کی صلاحیت کا نظام ہے اور یہاں بھی ''بقائے انفع'' کا قانون کام کر رہا ہے۔ ⇐

وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ
لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ
تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾
قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

تدبیریں الٹ پلٹ کر آزمائیں- (چنانچہ جنگ احد میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں کی تھی) یہاں تک کہ سچائی نمایاں ہو گئی اور اللہ کا حکم غالب ہوا اور ایسا ہونا ان کے لیے خوشگوار نہ تھا! (۴۸)

اور ان (منافقوں) میں کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے: ''مجھے اجازت دیجیے (کہ گھر میں بیٹھا رہوں) اور فتنہ میں نہ ڈالیے'' تو سن رکھو یہ لوگ فتنہ ہی میں گر پڑے (کہ جھوٹے بہانے بنا کر خدا کی راہ سے منہ موڑا - اور فتنہ یہی فتنہ ہے- نہ کہ وہ وہمی فتنہ جو ان کے نفاق نے گھڑ لیا ہے) اور بلاشبہ دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے- (۴۹)

(اے پیغمبر!) اگر تمہیں کوئی اچھی بات پیش آ جائے تو وہ انہیں (یعنی منافقوں کو) بری لگے اور اگر کوئی مصیبت پیش آ جائے تو کہنے لگیں: ''اسی خیال سے ہم نے پہلے ہی اپنے لیے مصلحت بینی کر لی تھی'' اور پھر گردن موڑ کے خوش خوش چل دیں! (۵۰)

کہہ دو ہمیں کچھ پیش نہیں آ سکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے (اپنی کتاب میں) لکھ دیا ہے- وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر (ہر طرح کا) بھروسہ رکھیں-

---

⇦ یعنی وہی جماعت کشمکش حیات میں باقی رہتی ہے جو دنیا کے لیے انفع ہو- جو انفع نہیں وہ چھانٹ دی جاتی ہے- پس جو جماعت اس قانون فطرت کے مطابق اپنے کو زندگی و بقا کا اہل ثابت نہیں کرے گی ضروری ہے کہ اس کی جگہ کسی دوسری جماعت کو مل جائے اور یہی ''استبدال اقوام'' ہے-

(۲۵) آیت (۴۰) میں واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ذکر سورہ انفال میں بھی گذر چکا ہے (دیکھو آیت ۳۰) جب مکہ میں اعدائے حق نے فیصلہ کر لیا کہ تمام قبائل کے لوگ مل کر بیک وقت پیغمبر اسلام ﷺ پر حملہ کر دیں تو آپ کو ہجرت کا حکم ہوا- آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ثور کے غار میں پوشیدہ ہو گئے جو مکہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے- یہاں آپ نے تین راتیں بسر کیں اور پھر مدینہ روانہ ہو گئے- دشمن جو آپ کی تلاش میں تھے وہ یہاں بھی پہنچے لیکن اللہ نے آپ کی حفاظت کا ایسا سامان پیدا کر دیا تھا کہ بغیر دیکھے بھالے واپس چلے گئے-

یہ تین راتیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہ شمع نبوت کے پروانہ تھے جس عالم میں بسر کی ہوں گی اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے عشق و محبت کا کچھ بھی ذائقہ چکھا ہو- اللہ کا رسول غار میں پوشیدہ تھا' دشمن سراغ میں تھے- ہر لحہ اندیشہ تھا کہ کہیں سراغ نہ پالیں- اور ایک مرتبہ ان کی صدائیں بھی کانوں میں آنے لگی تھیں- ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ان کے دل کے حزن و اضطراب کا کیا عالم ہوگا؟ بلاشبہ انہیں یقین تھا کہ اللہ اپنے رسول (ﷺ) کا مددگار ہے- لیکن عشق و محبت کا قدرتی تقاضا ہے کہ محبوب کو خطرہ میں دیکھ کر اضطراب ہو- اس سے وہ اپنے دل ⇦

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

(اس کے سوا بھروسے کا سہارا کوئی نہیں!) (۵۱)

(اے پیغمبر! تم ان سے) کہو: تم ہمارے لیے جس بات کا انتظار کرتے ہو (یعنی جنگ میں قتل ہو جانے کا) وہ ہمارے لیے اس کے سوا کیا ہے کہ دو خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے (یعنی فتح اور شہادت میں سے شہادت) اور ہم تمہارے لیے جس بات کے منتظر ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ اپنے یہاں سے کوئی عذاب بھیج دے یا ہمارے ہی ہاتھوں عذاب دلائے۔ تو اب (نتیجہ کا) انتظار کرو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں! (۵۲)

(اور) کہو: تم (بظاہر) خوشی سے (راہ حق میں) خرچ کرو یا ناخوش ہو کر، تمہارا خرچ کرنا کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تم ایک ایسے گروہ ہو گئے جو (احکام الٰہی سے) نافرمان ہے۔ (۵۳)

اور خرچ کرنے کی قبولیت سے وہ محروم نہیں کیے گئے مگر اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے انکار کیا (اگرچہ وہ ایمان کے دعوے میں کسی سے پیچھے نہیں) وہ نماز کے لیے نہیں آتے مگر کاہلی کے ساتھ، اور (راہ حق میں) مال خرچ نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ خرچ کرنے کی ناگواری ان کے دلوں میں بسی ہوئی ہے (۵۴)! تو (دیکھو) یہ بات کہ ان لوگوں کے پاس مال و دولت ہے

⇐ کو نہیں روک سکتے تھے۔ اگر روک سکتے تو محبت کی عدالت کا فیصلہ ان کے خلاف ہوتا! لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون قلب کا عالم دوسرا تھا۔ ان کا رفیق غار جب جوش محبت میں مضطرب ہوتا تو تسلی دیتے اور فرماتے "غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے" خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب دشمن غار کے قریب آئے تو میں نے مضطرب ہو کر کہا ان میں سے کسی نے پاؤں اونچا کیا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر! تم ان دو آدمیوں کے لیے کیا خیال کرتے ہو جن کے لیے تیسرا خود اللہ ہے؟" (شیخین عن انس رضی اللہ عنہ)

یہاں فرمایا اللہ نے اپنی جانب سے اس پر سکون و قرار اتارا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک تو پہلے ہی سے ساکن و برقرار تھا۔

☆☆ (۲۶) آیت (۴۱) میں فرمایا خفافا و ثقالا خواہ ہلکے ہو خواہ بوجھل۔ یہاں اس سے مقصود کیا ہے؟ تو حق یہ ہے کہ استعداد اور کمی استعداد کی تمام حالتیں اس میں داخل ہیں۔ نوجوان نکل چلنے میں ہلکا ہوتا ہے، زیادہ عمر کا آدمی بوجھل ہوتا ہے۔ سرگرم آدمی فوراً اٹھ کھڑا ہو گا۔ کسلمند کے قدم بوجھل ہوں گے۔ جس کے علائق زیادہ ہیں وہ اپنے آپ کو اتنا ہلکا نہ پائے گا جتنا ایک مجرد آدمی یا کم علائق رکھنے والا۔ اسی طرح کوئی ساز و سامان سفر سے ہلکا ہو گا۔ کوئی اسلحہ جنگ سے۔ اگر قرآن کے سمجھنے میں ہمیں صحابہ و سلف کے فہم کا اعتبار کرنا چاہیے نہ کہ بعد کے منطقی اصولیوں اور جدلی فقیہوں کا تو انہوں نے اس طرح کی ساری صورتیں اس میں داخل سمجھی تھیں اور جب کبھی جنگ کا عام ⇐

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ
مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا

اور صاحب اولاد ہیں تمہیں متعجب نہ کرے- یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ نے مال و اولاد ہی کی راہ سے انہیں دنیوی زندگی میں عذاب دینا چاہا ہے (کہ نفاق و بخل کی وجہ سے مال کا غم و وبالِ جان ہو رہا ہے اور اولاد کو اپنے سے برگشتہ اور اسلام میں ثابت قدم دیکھ کر شب و روز جل رہے ہیں) اور (باقی رہا آخرت کا معاملہ تو) ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں گی کہ ایمان سے محروم ہوں گے! (۵۵)

اور (دیکھو) اللہ کی قسمیں کھا کر (تمہیں) یقین دلاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ ایک گروہ ہے ڈرا سہا ہوا! (۵۶)

(ان کے دلوں کے خوف و نفرت کا یہ حال ہے کہ) اگر انہیں پناہ کی کوئی جگہ مل جائے یا کوئی غار یا کوئی اور چھپ بیٹھنے کا سوراخ تو تم دیکھو کہ یہ فوراً اس کا رخ کریں اور حالت یہ ہو کہ گویا رسی توڑ کر بھاگے جا رہے ہیں- (۵۷)

اور ان میں کچھ ایسے ہیں کہ مال زکوٰۃ بانٹنے میں تجھ پر عیب لگاتے ہیں (کہ تو لوگوں کی رعایت کرتا ہے) پھر حالت ان

⇐ اعلان ہو جاتا' تو کسی حال میں بھی وہ اپنے کو شرکت سے معاف نہیں رکھتے تھے- الا یہ کہ قطعاً عاجز و معذور ہوں-

ابو راشد حرانی کہتے ہیں- میں نے مقداد بن اسود کو حمص میں دیکھا' جنگ کے لیے نکل رہے تھے- میں نے کہا خدا نے تو تمہیں معذور ٹھہرا دیا ہے (یعنی بوڑھے ہو) انہوں نے کہا ﴿ انفروا خفافا وثقالا ﴾ کا کیا جواب ہے؟ حیان ابن زید شرعبی سے مروی ہے کہ میں نے افسس جاتے ہوئے فوج میں ایک نہایت بوڑھے آدمی کو دیکھا جس کی بھویں آنکھوں پر آ گری تھیں- میں نے متعجب ہو کر کہا کیا خدا نے معذوروں کو معاف نہیں کر دیا؟ اس نے کہا خدا نے تو ہمیں ہر حال میں نکل کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے: ﴿ خفافا وثقالا ﴾ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے (ابن جریر)

یہ آیت اس باب میں قطعی ہے کہ جب دفاع کے لیے امام بلائے تو بجز ان معذوروں کے جنہیں آگے چل کر آیت (۹۱) میں مستثنیٰ کر دیا ہے' ہر شخص پر واجب ہو جاتا ہے کہ جان و مال سے شریک جہاد ہو اور اس بارے میں کوئی عذر مسموع نہیں-

(۲۷) اب آیت (۴۲) سے سلسلہ بیان منافقوں کی طرف متوجہ ہوا ہے جن کے لیے غزوۂ تبوک کا معاملہ ایک آخری اور فیصلہ کن آزمائش ثابت ہوا تھا- اس نے تظاہر و نمائش کے تمام پردے چاک کر دیے- یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اس سورت کو الفاضحہ کے نام سے بھی پکارتے تھے- کیونکہ اس نے منافقوں کے بھید کھول کر ان کی فضیحت کر دی-

منافقوں کی نسبت سورۂ آل عمران کی آیت (۱۷۳) میں پڑھ چکے ہو کہ اللہ انہیں مومنوں سے ممتاز کر کے آشکارا کر دے گا- چنانچہ یکے بعد دیگرے ایسے مرحلے پیش آتے رہے جن میں نفاق کے چہروں کو بے نقاب ہونا پڑا- اس سلسلہ کا آخری مرحلہ غزوۂ تبوک تھا- پڑھ چکے ہو کہ اس موقع پر ناموافق حالات سے عام مسلمانوں کی سرگرمیاں بھی ابتدا میں کچھ دھیمی رہی تھیں لیکن منافقوں کی ⇐

رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
ع وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّمَا
الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ

کی یہ ہے کہ اگر انہیں اس میں سے دیا جائے تو خوش ہو جائیں' نہ دیا جائے تو بس اچانک بگڑ بیٹھیں! (۵۸)

اور (کیا اچھا ہوتا) اگر ایسا ہوتا کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دے دیا اس پر رضا مند ہو جاتے اور کہتے ہمارے لیے اللہ بس کرتا ہے- اللہ اپنے فضل سے ہمیں (بہت کچھ) عطا فرمائے گا اور اس کا رسول بھی (عطا و بخشش میں کمی کرنے والا نہیں) ہمارے لیے تو بس اللہ ہی غایت و مقصود ہے! (۵۹)

صدقہ کا مال (یعنی مال زکوٰۃ) تو اور کسی کے لیے نہیں ہے-
صرف فقیروں کے لیے ہے-
اور مسکینوں کے لیے ہے-
اور ان کے لیے جو اس کی وصولی کے کام پر مقرر کیے جائیں-
اور وہ کہ ان کے دلوں میں (کلمہ حق کی) الفت پیدا کرنی ہے-
اور وہ کہ ان کی گردنیں (غلامی کی زنجیروں میں) جکڑی ہیں (اور انہیں آزاد کرانا ہے)
نیز قرض داروں کے لیے (جو قرض کے بوجھ سے دب گئے ہوں- اور ادا کرنے کی طاقت نہ رکھیں)

⇐ حالت بالکل دوسری تھی- یہ حکم ان کے لیے پیام موت سے بھی زیادہ سخت ہوا- لگے حیلے بہانے کرنے- ہر شخص ایک نیا بہانہ گھڑ کر لاتا اور کہتا ویسے تو مجھے چلنے میں کوئی عذر نہیں مگر مشکل یہ ہے کہ فلاں کام ناگزیر ہو گیا ہے فلاں بات ناقابل حل ہو رہی ہے- فلاں الجھاؤ سلجھایا نہیں جا سکتا- اب جیسا آپ کا حکم ہو- مقصود یہ تھا کہ جھوٹی سچی مجبوریاں سنائیں گے تو پیغمبر اسلام ﷺ کا اخلاق ایسا نہیں ہے کہ کسی کو مجبور کر کے لے جانا چاہیں- ان کی رحمت و رافت ہمیشہ رسی ڈھیلی چھوڑ دیتی ہے- وہ یہی کہیں گے کہ مجبور ہو تو نہ چلو-

چنانچہ ایسا ہی ہوا- پیغمبر اسلام ﷺ ان کے حیلے بہانے سنتے اور یہ دیکھ کر کہ بخوشی چلنے کے لیے تیار نہیں کہہ دیتے اچھا تمہیں رخصت ہے- ان میں سے بعضوں نے بات بنانے کے لیے یہ بھی کہا کہ مال حاضر ہے لے لیجیے' مگر نکلنا دشوار ہے-

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انہی واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے- فرمایا اگر کوئی ایسی بات ہوتی کہ فوری فائدہ دکھائی دیتا اور سفر بھی دور کا نہ ہوتا تو ان کے نفاق کو چھپنے کی آڑ مل جاتی جیسی بار بار مل چکی ہے- یہ فوراً تیرے پیچھے قدم اٹھا دیتے ظاہر میں حکم کی تعمیل کرتے دل میں دنیا کی طمع اور مکر و عذر کی چالیں ہوتیں- چنانچہ احد وغیرہ میں ایسا ہی کیا تھا- مگر انہیں مشکل یہ آ پڑی کہ معاملہ نکل آیا عرب سے باہر دُور دراز کا اور سفر کی مشقتیں ہوئیں بڑی ہی سخت- نہ تو دنیا کے نفع قریب کی توقع نہ قرب مقام کی سہولت کا سہارا- پس بے بس ہو کر ⇐

وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنْھُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ
وَیَقُوْلُوْنَ ھُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّکُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَیُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَرَحْمَۃٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ؕ

اور اللہ کی راہ میں- (یعنی جہاد کے لیے اور ان تمام کاموں کے لیے جو مثل جہاد کے اعلائے کلمہ حق کے لیے ہوں)
اور مسافروں کے لیے (جو اپنے گھر نہ پہنچ سکتے ہوں اور مفلسی کی حالت میں پڑ گئے ہوں)
یہ اللہ کی طرف سے ٹھہرائی ہوئی بات ہے اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے تمام حکموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۶۰)

اور انہی (منافقوں) میں (وہ لوگ بھی) ہیں جو اللہ کے نبی کو (اپنی بدگوئی سے) اذیت پہنچانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں یہ شخص تو بہت سننے والا ہے (یعنی کان کا کچا ہے- جو بات کسی نے کہہ دی اس نے مان لی- اے پیغمبر!) تم کہو ہاں وہ بہت سننے والا ہے مگر تمہاری بہتری کے لیے (کیونکہ وہ بجز حق کے کوئی بات قبول نہیں کرتا) وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے (اس لیے اللہ جو کچھ اسے سناتا ہے اس پر اسے یقین ہے) اور وہ (سچے) مومنوں کی بات پر بھی یقین رکھتا ہے (جن کی سچائی ہر طرح کے امتحانوں میں پڑ کر کھری ثابت ہو چکی ہے) اور وہ ان لوگوں کے لیے سرتا سر رحمت ہے-

⇦ رہ گئے اور دکھاوے کے لیے ساتھ نہ نکل سکے- اللہ کی طرف سے یہی فیصلہ کن آزمائش تھی جس نے سارا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا اور جب کبھی راہ حق میں کوئی سخت آزمائش آجاتی ہے تو منافقوں کے چہرے اسی طرح بے نقاب ہو جایا کرتے ہیں!

(۲۸) آیت (۴۳) کے اسلوب بیان پر غور کرو' کیسے دلکش اور پرمحبت انداز میں پیغمبر اسلام ﷺ کو متنبہ کیا ہے کہ رحمت و درگزر کی ایک حد ہونی چاہیے- اب یہ اس کے مستحق نہیں کہ رسی اتنی ڈھیلی چھوڑ دی جائے-

فرمایا جب یہ لوگ ایک طرف تو جھوٹے عذر سناتے تھے دوسری طرف یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ جو آپ کا حکم ہو- تو بہتر تھا کہ تم انہیں پوری آزمائش میں ڈال دیتے- یعنی کہتے میرا حکم تو یہی ہے کہ چلنا چاہیے- نتیجہ یہ نکلتا کہ کھل جاتا' کون یہ کہنے میں سچے تھے' کون ایسا کہہ دینے پر بھی نہ نکلنے والے تھے-

(۲۹) آیت (۴۴) میں فرمایا جن کے دلوں میں ایمان کی لگن ہے بھلا وہ ایک ایسے کام میں کیوں اجازت مانگنے لگے؟ اور کیوں اس کے انتظار میں بیٹھنے لگے؟ ان کے لیے تو صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ادائے فرض کا وقت آگیا اور جسے ایمان عزیز ہے وہ ادائے فرض کے لیے مستعد ہو جائے- حکم تو وہی مانگیں گے جن کے دلوں میں سچا ایمان نہیں اور جو شک کے روگی ہو رہے ہیں تاکہ کوئی نہ کوئی راہ نکل بھاگنے کی مل جائے-

(۳۰) چونکہ مقابلہ بیزنطانی شہنشاہی سے تھا جو مشرق میں رومۃ الکبریٰ کی عظمت کی جانشین تھی اور ابھی حال میں ایران کو شکست دی چکی تھی اس لیے منافقوں کو یقین تھا مسلمانوں کے خاتمہ کے دن آگئے- عبداللہ بن ابی بن سلول نے جو منافقوں کا سرغنہ تھا لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ پیغمبر اسلام اس سفر سے لوٹنے والے نہیں-

آیت (۴۷) میں فرمایا یہ سمجھے' پیچھے رہ کر مصیبت سے بچے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا نہ نکلنا ہی تمہارے لیے بہتر ہوا- کیونکہ نکلتے تو فتنوں کے گھوڑے دوڑاتے اور کچے دل کے آدمیوں کو بہکاتے رہتے- اس سے پہلی آیت میں فرمایا ''مگر اللہ کے حضور ان کا اٹھنا ناپسند ہوا'' یعنی ⇦

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ
عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾

الثلثة

جوتم میں سے ایمان لائے ہیں اور جولوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانا چاہتے ہیں تو انہیں سمجھ لینا چاہیے ان کے لیے عذاب ہے عذاب دردناک! (۶۱)

(مسلمانو!) یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تمہیں راضی کرلیں- حالانکہ اگر یہ واقعی مومن ہوتے تو سمجھتے کہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے (اپنے ایمان وعمل سے) راضی رکھیں- (۶۲)

کیا (ابھی تک) انہوں نے یہ بات (بھی) نہ جانی کہ جوکوئی اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے- ہمیشہ اس میں جلے گا؟ اور یہ بہت ہی بڑی رسوائی ہے (جوکسی انسان کے حصے میں آسکتی ہے؟) (۶۳)

منافق اس بات سے (بھی) ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو ان کے بارے میں کوئی سورت نازل ہو جائے اور جو کچھ ان کے دلوں میں (چھپا) ہے وہ انہیں (علانیہ) جتادے- (تو اے پیغمبر!) تم ان سے کہہ دو: ''تم (اپنی عادت کے مطابق) تمسخر کرتے رہو- یقیناً اللہ اب وہ بات (پوشیدگی سے) نکال کر ظاہر کر دینے والا ہے جس کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے'' (۶۴)

⇦ اللہ کے علم میں تھا کہ اب وہ نہیں نکلیں گے اور اللہ نے تمہارے لیے اسی میں بہتری دیکھی کہ نہ نکلیں-

(۳۱) اس سے معلوم ہوا کہ جماعتی زندگی کے لیے مذبذب اور کچے دل کے آدمیوں کی موجودگی ایک بڑا مہلکہ ہے خصوصاً جب کہ قوم موت وحیات کی جدوجہد میں مشغول ہو- یہی وجہ ہے کہ آزاد سے آزاد قومیں بھی مجبور ہوئیں کہ جنگ کے وقت حکومت کو غیر معمولی اختیارات دے دیں' اور اگر شخصی آزادی کے قوانین بھی معطل کر دے تو معترض نہ ہوں- کیونکہ اس وقت ایک منافق کی شرارت پوری قوم کو خطرہ میں ڈال سکتی ہے-

ان آیات کی موعظت یہ ہے کہ حتی الامکان ایسے افراد کی موجودگی برداشت نہیں کرنی چاہیے اور ایسا خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ان کی علیحدگی سے جو عارضی شور وشغب ہوگا وہ جماعتی مصالح کے لیے زیادہ مضر ہوگا- اگر درخت کی جڑ درست ہے تو جتنا چھانٹو گے اتنا ہی زیادہ پھلتا جائے گا اور فاسد اعضا کا الگ کر دینا مضر نہیں ہوتا' چھوڑ دینا جسم کے لیے مہلک ہوتا ہے-

(۳۲) جب انسان میں سچائی باقی نہیں رہتی تو نیکی وپرہیز گاری کے خیال کو خود نیکی وپرہیز گاری ہی کے خلاف استعمال کرنے لگتا ہے اور اس سے حیلے بہانے کا کام نکالتا ہے' اور یہ نفاق کا سب سے زیادہ پرفریب حربہ ہے- بہت سے سادہ لوح دیندار اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں- چنانچہ آیت (۴۹) میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے- فرمایا' بعض منافق کہتے ہیں' اس سفر میں نکلنا فتنوں میں پڑنا ہے- پس ہمیں فتنہ میں نہ ڈالیے- مدینہ ہی میں بیٹھے رہنے دیجیے-

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَ بِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ
تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ
طَآىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ ع
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾

وقف لازم

اور اگر تم ان لوگوں سے پوچھو (ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟) تو یہ ضرور جواب میں کہیں ''ہم نے تو یونہی جی بہلانے کو ایک بات چھیڑ دی تھی اور ہنسی مذاق کرتے تھے'' تم (ان سے) کہو'' کیا تم اللہ کے ساتھ' اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو؟'' بہانے نہ بناؤ- حقیقت یہ ہے کہ تم نے ایمان کا اقرار کر کے پھر کفر کیا- اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو (اس کے عدم اصرار اور توبہ و انابت کی وجہ سے) معاف بھی کر دیں تاہم ایک گروہ کو ضرور عذاب دیں گے- اس لیے کہ (اصل میں) وہی مجرم تھے- (۶۶) منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم جنس- برائی کا حکم دیتے ہیں' اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور (راہ حق میں خرچ کرنے سے) اپنی مٹھیاں بند رکھتے ہیں- حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا' نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بھی اللہ کے حضور بھلا دیے گے (یعنی جو اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے اس کے قوانین فضل و سعادت بھی اسے بھلا کر چھوڑ دیتے ہیں) بلاشبہ یہ منافق ہی ہیں جو (دائرہ حق سے) باہر ہو گئے ہیں! (۶۷)

اس فتنہ سے ان کا مقصود کیا تھا؟ اسے اس لیے بیان نہیں کیا کہ صریحی قرائن واضح کر رہے ہیں' اور یہی قرآن کی معجزانہ بلاغت ہے- وہ یقیناً ہر طرح کے متوقع اور وہمی خطرات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہوں گے' اور اسے فتنہ سے تعبیر کرتے ہوں گے- مثلاً اس موسم میں ہزاروں آدمیوں کو اس قدر دور کے سفر پر لے جانا جان بوجھ کر انہیں ہلاک کرنا ہے' اور یہ نیکی کا کام نہیں- پھر جہاں جانا ہے' وہ دوسروں کا ملک ہے- نہیں معلوم کن کن برائیوں میں پڑنا پڑے؟

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پیغمبر اسلام ﷺ نے تبوک کا ارادہ کیا تو منافقوں کے ایک سردار جد بن قیس نے کہا ''عورتوں کے معاملہ میں' میں بہت کمزور ہوں- مجھے ڈر ہے' کہیں بنو اصفر کی عورتیں دیکھ کر مفتون نہ ہو جاؤں- پس مجھے رہ جانے کی اجازت دے دیجیے' اور اس فتنہ میں نہ ڈالیے'' (ابن جریر- بنو اصفر یعنی رومی)

اس سے معلوم ہوا' جو باتیں کہی گئی ہوں گی' وہ اسی قسم کی ہوں گی-

فرمایا' یہ جھوٹے بہانے نکالنے کے لیے جھوٹے فتنہ کا ذکر کرتے ہیں' حالانکہ یہ کہہ کر اصلی فتنہ میں گر پڑے کہ راہ حق میں جہاد کرنے سے جی چرایا' اور اس کے لیے جھوٹی نیکی و پرہیزگاری کی آڑ پکڑی-

غور کرو گے تو نفاق کی یہ خصلت آج بڑے بڑے مدعیان علم و مشیخت میں بولتی نظر آئے گی- جھوٹی دینداری اور وہمی پرہیزگاری نے سعی و عزم کی تمام راہیں ان پر بند کر دی ہیں' اور وہ ساعی ہیں کہ امت پر بھی بند کر دیں- ۱۹۱۴ء کی بات ہے کہ مجھے خیال ہوا' ہندوستان کے علماء و مشائخ کو عزائم و مقاصد وقت پر توجہ دلاؤں- ممکن ہے' چند اصحاب رشد و عمل نکل آئیں- چنانچہ میں نے اس کی کوشش کی' لیکن ایک تنہا شخصیت کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد سب کا متفقہ جواب یہی تھا کہ یہ دعوت ایک فتنہ ہے- ''ائذن لی و لا تفتنی'' یہ مستثنیٰ شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندی کی تھی' جو اب رحمت الٰہی کے جوار میں پہنچ چکی ہے-

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا
بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ
اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

منافق مردوں اور منافق عورتوں کے لیے اور (کھلے) منکروں کے لیے اللہ کی طرف سے دوزخ کی آگ کا وعدہ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور وہی انہیں بس کرتی ہے- نیز اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے عذاب ہے' ایسا عذاب کہ برقرار رہے گا! (۶۸)

(منافقو! تمہارا بھی وہی حال ہوا) جیسا ان لوگوں کا حال تھا کہ تم سے پہلے گزر چکے ہیں- وہ تم سے کہیں زیادہ قوت والے تھے اور مال و اولاد بھی تم سے زیادہ رکھتے تھے- پس ان کے حصے میں جو کچھ دنیا کے فوائد آئے وہ برت گئے- تم نے بھی اپنے حصہ کا فائدہ اسی طرح برت لیا جس طرح انہوں نے برتا تھا اور جس طرح (ہر طرح کی باطل پرستی کی) باتیں وہ کر گئے تم نے بھی کر لیں- (پس یہ نہ بھولو کہ) یہی لوگ تھے جن کے سارے کام دنیا و آخرت میں اکارت ہوئے اور یہی ہیں گھاٹے ٹوٹے میں رہنے والے! (۶۹)

کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں ملی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود' قوم ابراہیم اور مدین کے لوگ اور وہ کہ ان کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں؟ ان سب کے رسول ان کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے

تم نے بعض علما کے فتوے پڑھے ہوں گے کہ مسلمانوں کو وقت کی سیاسی مجالس میں شریک نہ ہونا چاہیے' کیونکہ اس میں غیر مسلم عورتیں کھلے منہ موجود ہوتی ہیں' اور اس لیے ان کی شرکت فتنہ سے خالی نہیں! اسی طرح یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ ان کی شرکت سے نماز باجماعت فوت ہو جاتی ہے' اور یہ تقویٰ کے خلاف ہے- یاد رکھو' یہ تقویٰ اور دینداری نہیں ہے جو ان کاموں کی مخالفت پر انہیں ابھارتی ہے- یہ مرض نفاق کی قسموں میں سے ایک قسم ہے' اور قرآن کی شہادت اس کے لیے بس کرتی ہے-

(۳۳) آیت (۵۲) کا ٹھیک مطلب سمجھ لو- فرمایا' تم ہمارے لیے جس بات کے انتظار میں رہتے ہو' وہ یہ ہے کہ ہم جنگ میں مارے جائیں اور شکست ہو' لیکن ہمارے لیے تو یہ بھی ﴿ احدى الحسنيين ﴾ ہے- یعنی دو خوبیوں میں سے ایک خوبی- اور یہی مقام ہے جسے قرآن ایمان اور ایمان والوں کی خصوصیت قرار دیتا ہے' اور کہتا ہے' جو کفر کی راہ چلے' تو انہیں اس کی سمجھ نہیں-

دنیا میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت کسی مقصد کے لیے جدوجہد کرتی ہے' تو اس کے سامنے امید بھی ہوتی ہے مایوسی بھی- کامیابی بھی ہوتی ہے' ناکامیابی بھی- لیکن قرآن کہتا ہے' مومن وہ ہے جس کی جدوجہد میں جو کچھ ہے' امید و کامرانی ہی ہے' مایوسی و ناکامی کی اس پر پرچھائیں بھی نہیں پڑ سکتی- کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کے لیے کرتا ہے' اور اس کے لیے یہی بات کامیابی نہیں ہوتی کہ کسی خاص منزل تک پہنچ جائے' بلکہ اس کی راہ میں چلتے رہنا اور جدوجہد میں لگے رہنا بجائے خود بڑی سے بڑی کامیابی ہے- وہ جب اپنا سفر شروع کرتا ہے تو اس لیے نہیں کرتا کہ کسی خاص منزل تک ⇐

بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾

(مگر وہ اندھے پن سے باز نہ آئے) اور ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے! (۷۰)

اور جو مرد اور عورتیں مومن ہیں تو وہ سب ایک دوسرے کے کارساز و رفیق ہیں- نیکی کا حکم دیتے ہیں' برائی سے روکتے ہیں' نماز قائم رکھتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں- سو یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحمت فرمائے گا- یقیناً اللہ سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۷۱)

مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے اللہ کی طرف سے (نعیم ابدی کے) باغوں کا وعدہ ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی (اور وہ اس لیے کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے- نیز ان کے لیے ہمیشگی کے باغوں میں پاک مسکن ہوں گے اور ان سب سے بڑھ کر (نعمت یہ کہ) اللہ کی خوشنودیوں کا ان پر نزول ہوگا! (۷۲)

⇐ ضرور ہی پہنچ جائے بلکہ صرف اس لیے کہ کسی کی راہ میں چلتا رہے اور یہ جو کسی کی راہ میں چلتے رہنا ہے تو یہی اس کے لیے منزل مقصود ہے:

رہرواں را خستگی راہ نیست عشق ہم راہ ست و ہم خود منزل است!

دوسرے اگر جدوجہد کرتے ہوئے مر جائیں تو یہ ان کی ناکامیابی ہے- مومن اگر مر جائے تو اس کی بڑی سے بڑی فتح مندی ہے- ایسی فتح مندی جس سے بڑی فتح مندی کی وہ اپنی ذات کے لیے آرزو ہی نہیں کر سکتا!

آنانکہ غم تو برگزیدند ہمہ در کوئے شہادت آرمیدند ہمہ!
در معرکہ دو کون فتح از عشق است با آنکہ سپاہ او شہیدند ہمہ!

دوسرے اگر لڑیں اور دشمنوں پر غالب نہ آ سکیں تو ان کی ہار ہوئی لیکن مومن وہ ہے جو ہار کے معنی ہی سے نا آشنا ہوتا ہے- وہ اگر کسی میدان میں غالب نہ آئے جب بھی جیت اسی کی ہے کیونکہ اس کی ہار جیت کا معیار میدان جنگ نہیں ہوتا خود اس کی طلب و سعی ہوتی ہے- اگر وہ اپنی سعی و طلب میں پورا نکلا تو اس نے میدان مار لیا اگرچہ میدان جنگ میں اس کی لاش ہزاروں لاشوں کے نیچے دبی ہوئی ہو!

یہی وجہ ہے کہ اس راہ میں وہ کبھی مر نہیں سکتا- اس کی موت بھی اس کی زندگی ہوتی ہے- ﴿ ولکن لا تشعرون! ﴾

یہ جو قرآن نے جابجا زور دیا ہے کہ مومن کا مقصد سعی صرف اللہ اور اس کی سچائی ہے اور مومن کی جہد کا نام "جہد فی سبیل اللہ" رکھ دیا تو اس میں یہی حقیقت پوشیدہ ہے- یعنی وہ ساری منزلوں سے جو دنیا میں پیش آ سکتی ہیں بلند کر دیا گیا- اب یہاں کی کوئی منزل اس کی منزل مقصود نہیں ہو سکتی کہ اس تک نہ پہنچ سکنا اس کی ناکامیابی کا فیصلہ کر دے- اس کے لیے منزل مقصود تو صرف یہ ہے کہ حق کی راہ میں چلتا رہے اور رکے نہیں- اس کا ہر قدم جو چلتا رہا فتح مندی ہے اور ہر قدم جو رک گیا نامرادی!

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ جَٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿٧٣﴾
يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ مَا قَالُوا۟ وَلَقَدْ قَالُوا۟ كَلِمَةَ ٱلْكُفْرِ وَكَفَرُوا۟ بَعْدَ إِسْلَٰمِهِمْ وَهَمُّوا۟ بِمَا لَمْ
يَنَالُوا۟ ۚ وَمَا نَقَمُوٓا۟ إِلَّآ أَنْ أَغْنَىٰهُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ مِن فَضْلِهِۦ ۚ فَإِن يَتُوبُوا۟ يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۖ
وَإِن يَتَوَلَّوْا۟ يُعَذِّبْهُمُ ٱللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ مِن وَلِىٍّ
وَلَا نَصِيرٍ ﴿٧٤﴾ وَمِنْهُم مَّنْ عَٰهَدَ ٱللَّهَ لَئِنْ ءَاتَىٰنَا مِن فَضْلِهِۦ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ
ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّآ ءَاتَىٰهُم مِّن فَضْلِهِۦ بَخِلُوا۟ بِهِۦ وَتَوَلَّوا۟ وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٧٦﴾ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا

اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں دونوں سے جہاد کر اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آ (کیونکہ کافروں کی عہد شکنیاں اور منافقوں کا عذر و فریب اب آخری درجہ تک پہنچ چکا ہے) بالآخر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے (اور جس کا آخری ٹھکانا دوزخ ہو تو) کیا ہی بری پہنچنے کی جگہ ہے! (۷۳)

یہ (منافق) اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے ایسا نہیں کہا اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے ضرور کفر کی بات کہی- وہ اسلام قبول کر کے پھر کفر کی چال چلے اور اس بات کا منصوبہ باندھا جو نہ پا سکے- انہوں نے انتقام نہیں لیا مگر اس بات کا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے (مال غنیمت دے دے کر) تو انگر کر دیا ہے! بہر حال اگر یہ لوگ اب بھی باز آ جائیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اگر گردن موڑیں تو پھر یاد رکھیں اللہ ضرور انہیں دنیا اور آخرت میں عذاب دردناک دے گا اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی کارساز ہونے والا ہے نہ مددگار! (۷۴)

اور (دیکھو) ان میں (کچھ لوگ) ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں (مال و دولت) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور نیکی کی زندگی بسر کریں گے- (۷۵)

پھر جب ایسا ہوا کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے (مال) عطا فرمایا تو اس میں کنجوسی کرنے لگے اور اپنے عہد سے پھر گئے اور حقیقت یہ ہے کہ (نیکی کی طرف سے) ان کے دل ہی پھرے ہوئے ہیں- (۷۶)

بہر حال یاد رہے کہ ''دو خوبیوں'' سے مقصود یہی حقیقت ہے- یعنی فتح مندی یا شہادت' اور شہادت بھی فتح مندی ہے- یہ مطلب نہیں ہے کہ ''شہادت یا مال غنیمت'' جیسا کہ بعضوں نے خیال کیا- اور حاشا کہ مال غنیمت مومن کے لیے ﴿ احدی الحسنیین ﴾ ہو-

(۳۴) آیت (۸۷) تک مدینہ کے منافقوں کے حالات و خصائل پر مزید روشنی ڈالی ہے اور ان معاملات کی طرف اشارات کیے ہیں جو غزوۂ تبوک کی ابتدا میں اور پھر سفر کے درمیان اور واپسی پر پیش آئے- اور بالآخر ان لوگوں کے لیے آخری احکام صادر کیے ہیں- ان تمام آیات کے لیے سورت کا آخری نوٹ دیکھو کیونکہ بغیر یک جائی نظر ڈالے تمام پہلو واضح نہیں ہو سکتے تھے-

(۳۵) آیت (۶۰) میں زکوۃ کے مصارف بیان کر دیے- توضیح کے لیے آخری نوٹ دیکھو-

فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ
یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِیْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ ع ۸ / ۱۲
بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْۤا اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا

پس اس بات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دلوں میں نفاق (کا روگ) دائمی ہوگیا - اس وقت تک کے لیے کہ یہ اللہ سے ملیں (یعنی قیامت تک دور ہونے والا نہیں) اور یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اسے (جان بوجھ کر) پورا نہیں کیا اور نیز دروغ گوئی کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے ہیں - (۷۷)

(افسوس ان پر!) کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ ان کے بھیدوں اور سرگوشیوں سے واقف ہے اور یہ کہ غیب کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں؟ (۷۸)

جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ خوش دلی سے خیرات کرنے والے مومنوں پر (ریا کاری کا) عیب لگاتے ہیں اور جن مومنوں کو اپنی محنت مشقت کی کمائی کے سوا اور کچھ میسر نہیں (اور اس میں سے بھی جتنا نکال سکتے ہیں راہ حق میں خرچ کر دیتے ہیں) ان پر تمسخر کرنے لگتے ہیں تو (انہیں معلوم ہو جائے کہ) دراصل اللہ کی طرف سے خود ان پر تمسخر ہو رہا ہے (کہ ذلت و نامرادی کی زندگی بسر کر رہے ہیں) اور (آخرت میں) ان کے لیے عذاب دردناک ہے! (۷۹)

(اے پیغمبر!) تم ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو (اب ان کی بخشش ہونے والی نہیں) تم اگر ستر مرتبہ بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو (یعنی سیکڑوں مرتبہ ہی دعا کیوں نہ کرو) جب بھی اللہ انہیں کبھی نہیں بخشے گا - یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ (کا مقررہ قانون یہ ہے کہ وہ) دائرہ ہدایت سے نکل جانے والوں پر (کامیابی و سعادت کی) راہ کبھی نہیں کھولتا - (۸۰)

جو (منافق جہاد میں شریک نہیں ہوئے اور) پیچھے چھوڑ دیے گئے وہ اس بات پر خوش ہوئے کہ اللہ کے رسول کی خواہش کے خلاف اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور انہیں یہ بات ناگوار ہوئی کہ اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں -

لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا
كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ
فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ
فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ
يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

انہوں نے لوگوں سے کہا تھا ''اس گرمی میں (گھر کا آرام چھوڑ کر) کوچ نہ کرو'' - (اے پیغمبر!) تم کہو ''دوزخ کی آگ کی گرمی تو (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہوگی'' اگر انہوں نے سمجھا ہوتا (تو کبھی اپنی اس حالت پر خوش نہ ہوتے!) (۸۱)

اچھا یہ تھوڑا سا ہنس لیں - پھر انہیں اپنی ان بدعملیوں کی پاداش میں بہت کچھ رونا ہے جو یہ کماتے رہے ہیں! (۸۲)

تو (دیکھو) اگر اللہ نے تمہیں ان کے کسی گروہ کی طرف (صحیح سلامت) لوٹا دیا اور پھر (کسی موقع پر) انہوں نے (جہاد میں) نکلنے کی اجازت مانگی تو اس وقت تم کہہ دینا ''نہ تو تم میرے ساتھ کبھی نکلو اور نہ کبھی میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑو - تم نے پہلی مرتبہ بیٹھ رہنا پسند کیا تو اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ (گھروں میں) بیٹھے رہو!'' (۸۳)

اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مر جائے تو تم کبھی اس کے جنازہ پر (اب) نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے رہنا - کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اس حالت میں مرے کہ (دائرۂ) ہدایت سے باہر تھے - (۸۴)

اور (دیکھو) ان کے مال اور ان کی اولاد پر تمہیں تعجب نہ ہو - یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ چاہتا ہے مال و اولاد کے ذریعہ انہیں عذاب دے (یعنی ایسے لوگوں کے لیے اس کا مقررہ قانون حیات ایسا ہی ہے) اور ان کی جان اس حالت میں نکلے کہ سچائی کے منکر ہوں - (۸۵)

اور (اے پیغمبر!) جب کوئی (قرآن کی) سورت اس بارے میں اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو جو لوگ ان میں مقدور والے ہیں وہی تجھ سے رخصت مانگنے لگتے ہیں کہ ''ہمیں چھوڑ دیجیے - گھر میں بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہیں'' (۸۶)

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ
اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ ع ۱۱ ۹ ۱۷
مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا

انہوں نے پسند کیا کہ پیچھے رہ جانے والیوں کے ساتھ رہیں۔ (یعنی مرد ہو کر جنگ کے وقت عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہیں) اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی پس یہ کچھ سمجھتے نہیں! (۸۷)

لیکن اللہ کے رسول نے اور انہوں نے جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے (راہ حق میں) جہاد کیا (اور ان کی منافقانہ چالیں کچھ بھی نہ کر سکیں) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے نیکیاں ہیں اور یہی ہیں کہ کامیاب ہوئے! (۸۸)

اللہ نے ان کے لیے (نعیم ابدی کے) ایسے باغ تیار کر دیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور اس لیے کبھی خشک ہونے والے نہیں) یہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ ہے بہت بڑی فیروزمندی (جو ان کے حصے میں آئی) (۸۹)

اور (اے پیغمبر!) اعرابیوں میں سے (یعنی عرب کے صحرائی بدوؤں میں سے) عذر کرنے والے تمہارے پاس آئے کہ انہیں بھی (رہ جانے کی) اجازت دی جائے اور (ان میں سے) جن لوگوں نے (اظہار اسلام کر کے) اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ گھروں ہی میں بیٹھے رہے۔ سو معلوم ہو کہ ان میں سے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی انہیں عنقریب عذاب دردناک پیش آئے گا۔ (۹۰)

ناتوانوں پر بیماروں پر اور ایسے لوگوں پر جنہیں خرچ کے لیے کچھ میسر نہیں کچھ گناہ نہیں ہے (اگر وہ دفاع میں شریک نہ

☆☆ (ا) آیت (۹۰) میں سلسلہ بیان ایک دوسرے گروہ کی طرف متوجہ ہوا ہے کہ ان میں بھی ایک جماعت منافقوں کی تھی اور ایک جماعت کمزور ایمان والوں کی یعنی صحرانشین قبائل کی جن کا بقیہ آج بھی موجود ہے اور عرب کے بدو کہے جاتے ہیں۔ ان کا بڑا حصہ نیا نیا مسلمان ہوا تھا اور شہروں میں نہ رہنے کی وجہ سے ابھی اسلامی زندگی کی تربیت نہیں ملی تھی۔ غزوہ تبوک کا بلاوا ہوا تو کچھ لوگ آئے اور عذر پیش کیے۔ کچھ ایسے نکلے جو چپکے بیٹھے رہے۔ معذرت کے لیے بھی نہیں آئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر کرنے والے عامر بن طفیل کے قبیلے کے تھے۔ انہوں نے کہا تھا' اگر ہم آپ کے ساتھ نکلے تو قبیلہ طے کے بدو ہمارے مویشی اور اولاد پر آ پڑیں گے۔ (ابن جریر)

چنانچہ جو منافق تھے ان کے لیے وعید ہوئی۔ اور جنہوں نے کمزوری کی وجہ سے پہلوتہی کی تھی ان پر عتاب ہوا۔

نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ
اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا
يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ ؕ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ
اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ

ہوں) بشرطیکہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی میں کوشاں رہیں- (کیونکہ ایسے لوگ نیک عملی کے دائرے سے الگ نہیں ہوئے اور) نیک عملوں پر الزام کی کوئی وجہ نہیں- اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے! (۹۱)

اور نہ ان لوگوں پر کچھ گناہ ہے جن کا حال یہ تھا کہ (خود سواری کی مقدرت نہیں رکھتے تھے اس لیے) تیرے پاس آئے کہ ان کے لیے سواری بہم پہنچا دے اور جب تو نے کہا میں تمہارے لیے کوئی سواری نہیں پاتا تو (بے بس ہوکر) لوٹ گئے لیکن ان کی آنکھیں اس غم میں اشکبار ہو رہی تھیں کہ افسوس ہمیں میسر نہیں کہ اس راہ میں کچھ خرچ کریں! (۹۲)

الزام تو دراصل ان پر ہے جو تجھ سے (بیٹھے رہنے کی) اجازت مانگتے ہیں حالانکہ مالدار ہیں- انہوں نے پسند کیا کہ (جب سب لوگ راہ حق میں کوچ کر رہے ہوں تو یہ) گھروں میں رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہیں! (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، پس جانتے بوجھتے نہیں! (۹۳)

جب تم (جہاد سے لوٹ کر) ان کے پاس واپس جاؤ گے تو وہ آئیں گے اور تمہارے سامنے (طرح طرح کی) معذرتیں کریں گے- (اے پیغمبر!) تمہیں چاہیے (اس وقت) کہہ دو: ''معذرت کی باتیں نہ بناؤ- اب ہم تمہارا اعتبار

☆☆ (۲) کوئی بات دنیا میں اس سے زیادہ عجیب نہیں ہوسکتی کہ وحشی اور بہائم صفت انسان اچانک محبت و اخلاص اور ایثار و خودفروشی کے لیے فرشتے بن جائیں لیکن قرآن کی تعلیم نے ایسا ہی انقلاب پیدا کیا- اوپر گذر چکا ہے کہ غزوہ تبوک بڑے ہی ناموافق حالات میں پیش آیا تھا- حتی کہ لوگوں کی افسردگی پر اللہ کا عتاب ہوا لیکن اس پر بھی لوگوں کا کیا حال تھا؟ یہ تھا کہ شدت درد و غم سے بے اختیار ہوکر رونے لگتے تھے- کس بات پر؟ اس پر کہ عیش و راحت میں انہیں حصہ نہیں ملا؟ نہیں، اس پر کہ راہ حق کی مصیبتوں اور قربانیوں میں شریک ہونے سے رہ گئے!

آیت (۹۱) میں بتلا دیا کہ اگر دفاع کے لیے نفیر عام ہو تو کن کن لوگوں کو معذور تصور کیا جا سکتا ہے- فرمایا ناتواں آدمی یعنی جو لوگ جسمانی طور پر مجبور ہوں- مثلاً بہت بوڑھے، اندھے، اپاہج- دوسرے بیمار- تیسرے ایسے لوگ جو سفر کی لازمی ضروریات کے انتظام کی مقدرت نہ رکھتے ہوں-

اس عہد میں نہ تو سرکاری فوج وجود میں آئی تھی نہ رضا کاروں کی کوئی الگ قسم تھی نہ سپاہیوں کے مصارف کے لیے حکومت کا کوئی خزانہ تھا- سبھی رضا کار تھے اور سب کے لیے ضروری تھا کہ اپنا خرچ خود ہی اٹھائیں بلکہ بن پڑے تو دوسروں کے لیے بھی خرچ کریں- پس فرمایا جو لوگ فی الحقیقت مقدور نہیں رکھتے کوئی وجہ نہیں کہ ان پر الزام آئے- خصوصاً وہ لوگ جن کے ایمان و اخلاص کا یہ حال تھا کہ جب ان کے لیے سواری کا انتظام نہ ہوسکا اور تیرے ادب و احترام نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ زیادہ اصرار کریں تو خاموش اٹھ کر لوٹ گئے- لیکن آنکھیں ⇐

لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى
عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ
اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا
عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ

کرنے والے نہیں- اللہ نے ہمیں پوری طرح تمہارا حال بتلا دیا ہے- اب آئندہ اللہ اور اس کا رسول دیکھے گا تمہارا عمل کیسا رہتا ہے (نفاق پر مصر رہتے ہو یا باز آتے ہو) اور پھر (بالآخر) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاہر و پوشیدہ ہر طرح کی باتیں جاننے والا ہے- پس وہ تمہیں بتلائے گا کہ (دنیا میں) کیا کچھ کرتے رہے ہو! (۹۴)

جب تم لوٹ کر ان سے ملو گے تو ضرور یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ ان سے درگذر کرو- سو چاہیے کہ تم ان سے درگزر ہی کرلو (یعنی رخ پھیرلو) یہ ناپاک ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اس کمائی کا نتیجہ جو یہ (اپنی بدعملیوں سے) کماتے رہے! (۹۵)

یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ ان سے راضی ہو جاؤ' سو (یاد رکھو) اگر تم راضی بھی ہو گئے (حالانکہ تمہیں راضی نہیں ہونا چاہیے اور تم راضی نہ ہو گے) تو اللہ ان سے کبھی راضی ہونے والا نہیں جو (دائرہ ہدایت سے) باہر ہو گئے ہیں! (۹۶) اعرابی کفر اور نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں اور اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کی نسبت سمجھا جائے

⇦ جو درد دل کی غماز ہیں خاموش نہ رہ سکیں- حسرت و غم کے آنسو بے اختیار بہنے لگے:

چشم آستیں بردار و اشکم را تماشا کن!

قرآن کی معجزانہ بلاغت دیکھو- پہلے بے مقدوروں کا ذکر ہو چکا تھا لیکن خصوصیت کے ساتھ پھر ان کا ذکر کیا اور ان کی محبت ایمانی کی تصویر کھینچ دی- تاکہ نفاق کے مقابلہ میں ایمان کا بھی ایک مرقع سامنے آجائے- یعنی یا تو وہ ہیں کہ قدرت رکھنے پر بھی حیلے بہانے نکالتے ہیں- یا یہ ہیں کہ مقدرت نہ رکھنے پر بھی دل کی لگن چین سے بیٹھنے نہیں دیتی- آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک رہی ہے!

غزوہ تبوک میں سواریوں کی بڑی قلت تھی- اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں ایک اونٹ آیا تھا- احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت نے جو زاد راہ کی مقدرت نہیں رکھتی تھی' پیغمبر اسلام ﷺ سے عرض کیا' ہمارے لیے سواری کا بندوبست کر دیجیے- آپ نے کہا کہاں سے کروں کوئی سامان نہیں پاتا- اس پر وہ روتے ہوئے چلے گئے اور ان کے درد و غم کا یہ حال تھا کہ البکائین کے نام سے مشہور ہو گئے تھے- یعنی بہت رونے والے- (ابن جریر)

سبحان اللہ ان چند آنسوؤں کی قدر و قیمت جو ایمان کی تپش سے بہے تھے کہ ہمیشہ کے لیے ان کا ذکر کتاب اللہ نے محفوظ کر دیا- آج بھی کہ تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں ممکن نہیں ایک مومن یہ آیت پڑھے اور ان آنسوؤں کی یاد میں خود اس کی آنکھیں بھی اشکبار نہ ہو جائیں!

(۳) آیت (۹۳) میں فرمایا ادائے فرض کے وقت عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہنا ایک ایسی نامردی کی بات ہے جسے کوئی خوددار آدمی گوارا نہیں کر سکتا لیکن انہوں نے یہ بھی گوارا کرلیا- کیونکہ جہل و بے حسی کی انتہائی حالت ان پر طاری ہوگئی ہے- اس حالت کو جو انتہا درجہ غفلت و انکار کا لازمی نتیجہ ہے قرآن مہر لگا دینے سے تعبیر کرتا ہے- اس تعبیر کی تشریح پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے ⇦

اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ
مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ
ع ۴ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ

دین کے ان حکموں کی انہیں خبر نہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں- (کیونکہ آبادیوں میں نہ رہنے کی وجہ سے تعلیم و تربیت کا موقع انہیں حاصل نہیں) اور اللہ (سب کا حال) جاننے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۹۷)

اور اعرابیوں ہی میں ایسے لوگ ہیں کہ جو کچھ (راہ حق میں) خرچ کرتے ہیں اسے (اپنے اوپر) جرمانہ سمجھتے ہیں اور منتظر ہیں کہ تم پر کوئی گردش آ جائے (تو الٹ پڑیں) حقیقت یہ ہے کہ بری گردش کے دن خود انہی پر آنے والے ہیں اور اللہ (سب کچھ) سننے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے! (۹۸)

اور (ہاں) اعرابیوں ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ (راہ حق میں) خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں-

تو سن رکھو کہ فی الحقیقت وہ ان کے لیے موجب تقرب ہی ہے- اللہ انہیں اپنی رحمت کے دائرہ میں داخل کرے گا- بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے! (۹۹) اور مہاجرین اور انصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے

⇐ خصوصاً سورہ اعراف کی آیت (۱۴۶) کے نوٹ میں-

☆☆ (۴) یہ آیتیں سفر تبوک کے اثنا میں نازل ہوئی ہیں- آیت (۹۴) میں فرمایا منافق تو سمجھے ہوئے تھے تم اس سفر سے بخیر و عافیت لوٹنے والے نہیں- اب لوٹو گے تو حسب عادت آئیں گے اور طرح طرح کی باتیں عذر و معذرت کی کریں گے- پھر جب دیکھیں گے کہ بات بنتی نہیں تو قسمیں کھانی شروع کر دیں گے لیکن خواہ وہ کتنی ہی قسمیں کھائیں تمہیں ان کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے- اب ان کا قول نہیں ان کا عمل دیکھا جائے گا اور اسی کے مطابق ان سے سلوک کیا جائے گا پھر بالآخر اللہ کے حضور لوٹنا اور اپنے کیے کا نتیجہ پانا ہے-

(۵) شہریوں کے مقابلہ میں بادیہ نشین قبائل عموماً سخت طبیعت کے ہوتے ہیں کیونکہ ان میں وہ لچک اور نرمی پیدا نہیں ہو سکتی جو معاشرتی زندگی کا خاصہ ہے- یہی حال عرب کے بدوؤں کا تھا- آیت ۹۷ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے-

(۶) آیت (۹۸) میں فرمایا- انہی میں وہ منافق ہیں جو اگر اسلام کی راہ میں کچھ خرچ بھی کرتے ہیں تو محض اس خوف سے کہ سمجھتے ہیں بغیر اس کے چارہ نہیں اور یہ خرچ کرنا ان کے لیے ایسا ہے جیسے کوئی ناگواری سے جرمانہ بھرے- وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت آ پڑے تو ان پر الٹ پڑیں- غزوہ تبوک کے موقع پر انہوں نے سمجھا ہو گا رومیوں کے مقابلہ میں مسلمان کب ٹھہر سکتے ہیں اب ان کے دن ختم ہوئے-

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ
مُنٰفِقُوْنَ ۭ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۣ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ
سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ
خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

معٰ عند المتقدمین ۵ وقف منزل

سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی تو اللہ ان سے خوشنود ہوا وہ اللہ سے خوشنود ہوئے - اور اللہ نے ان کے لیے (نعیم ابدی کے) باغ تیار کر دیے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور اس لیے وہ خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ اس (نعمت وسرور کی زندگی) میں رہیں گے اور یہ ہے بہت بڑی فیروز مندی! (۱۰۰)

اور ان اعرابیوں میں جو تمہارے آس پاس بستے ہیں کچھ منافق ہیں اور خود مدینہ کے باشندوں میں بھی جو نفاق میں (رہتے رہتے) مشاق ہو گئے ہیں - (اے پیغمبر!) تم انہیں نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں - ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے - پھر اس عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے جو بہت ہی بڑا عذاب ہے! (۱۰۱)

اور دوسرے لوگ (وہ ہیں) جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا - انہوں نے ملے جلے کام کیے - کچھ اچھے کچھ برے تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ ان پر (اپنی رحمت سے) لوٹ آئے - اللہ بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے! (۱۰۲)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے یہ بنو اسد اور غطفان کے قبائل تھے - (ابن جریر)

(۷) آیت (۱۰۰) سے معلوم ہوا اس امت کے بہترین طبقے تین ہیں:

(ا) مہاجرین میں سے سابقون الاولون یعنی مکہ کے وہ حق پرست جنہوں نے دعوت حق کی قبولیت میں سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے - پھر صلح حدیبیہ سے پہلے کہ غربت و مصیبت کا زمانہ تھا اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی -

بالاتفاق سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تھی - ان کے بعد گھر کے آدمیوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ (کہ دس برس سے زیادہ عمر کے نہ تھے) اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور باہر کے آدمیوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ - حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ میں بھی اسبق ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے -

(ب) انصار میں سے سابقون الاولون یعنی مدینہ کے وہ حق شناس جنہوں نے عین اس وقت جب کہ تمام جزیرہ عرب داعی حق کو جھٹلا رہا تھا اور خود اس کے اہل وطن اس کے قتل و ہلاکت کے درپے تھے دعوت حق قبول کی اور عقبہ اولی اور ثانیہ میں بیعت کا ہاتھ بڑھایا - پہلی بیعت میں سات آدمی تھے اور یہ اعلان نبوت سے گیارہویں برس ہوئی - دوسری میں ستر مرد تھے اور دو عورتیں اور یہ پہلی سے ایک برس بعد ہوئی - پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بیعت والوں کے ساتھ ابو زرارہ بن مصعب رضی اللہ عنہ کو بغرض تعلیم بھیج دیا تھا - کچھ لوگ ان کے جانے پر ایمان لائے اور کچھ اس وقت جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی -

(ج) وہ لوگ جو ان دونوں جماعتوں کے قدم بہ قدم چلے اور گو بعد کو آئے لیکن ان کا شمار پہلوں ہی کے ساتھ ہوا - چونکہ بعد کو ایمان لانے والوں میں بعض منافق اور کچے دل کے آدمی بھی تھے اس لیے "باحسان" کی قید لگا دی - یعنی وہ جنہوں نے راست بازی ⇐

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ

(اے پیغمبر!) ان لوگوں کے مال سے صدقات قبول کرلو- تم قبول کر کے انہیں (بخل وطمع کی برائیوں سے) پاک اور (دل کی نیکیوں کی ترقی سے) تربیت یافتہ کردو- نیز ان کے لیے دعائے خیر کرو- بلاشبہ تمہاری دعا ان کے دلوں کے لیے راحت و سکون ہے- اور اللہ (دعائیں) سننے والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے! (۱۰۳)

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور جو کچھ بطور خیرات کے نکالیں اسے منظور کر لیتا ہے؟ اور یہ کہ اللہ ہی ہے زیادہ سے زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بڑا ہی رحمت والا؟ (۱۰۴)

اور (اے پیغمبر!) تم کہو "عمل کیے جاؤ- اب اللہ دیکھے گا کہ تمہارے عمل کیسے ہوتے ہیں اور اللہ کا رسول بھی دیکھے گا اور مسلمان بھی دیکھیں گے اور (پھر) تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جس کے علم سے نہ تو کوئی ظاہر بات پوشیدہ ہے نہ کوئی چھپی بات- پس وہ تمہیں بتلائے گا کہ جو کچھ کرتے رہے ہو اس کی حقیقت کیا تھی- (۱۰۵) اور (پچھلے تائب گروہ کے علاوہ) کچھ اور لوگ ہیں- جن کا معاملہ اس انتظار میں کہ اللہ کا حکم کیا ہوتا ہے ملتوی ہو گیا ہے- وہ انہیں عذاب دے یا (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آئے

⇦ کے ساتھ ان کی پیروی کی- دنیا میں جب کبھی سچائی کا ظہور ہوا ہے تو اس کا پہلا عہد ہمیشہ غربت و بے کسی کا رہا ہے اور ان ساری دنیوی ترغیبوں سے خالی رہا ہے جو کسی انسان کے دل کو مائل کر سکتی ہیں- پس جو نفوس قدسی اس وقت حق کا ساتھ دیتے ہیں ان کی حق شناسی وحق پرستی کے درجہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ وہ داعی حق کا پہلے پہل ساتھ دے کر خود بھی داعیان حق کے گروہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان کی حق پرستی دنیا کے ہر طرح کے تاثرات سے یک قلم منزہ ہوتی ہے-

تاریخ اسلام میں مہاجرین وانصار کی جماعت کا یہی مقام ہے- اسی لیے ﴿ السابقون الاولون ﴾ سے زیادہ ان کے وصف میں کچھ کہنا ضروری نہ ہوا- کیونکہ یہاں اسبقیت واولیت سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی-

جب پیغمبر اسلام ﷺ نے پہلے پہل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دعوت دی اور اس پیکر صدق ووفا نے سنتے ہی قبول کر لی تو غور کرو اس وقت اس معاملہ کا کیا حال تھا؟ پورے کرہ ارضی میں تن تنہا دو آدمی کھڑے تھے- ایک نے بلایا تھا- دوسرا دوڑ گیا تھا- جس نے بلایا اس کے اندر وحی الٰہی کا یقین بول رہا تھا- لیکن جو دوڑا اس نے کیا دیکھا تھا کہ ایک عجیب وغریب بات سنتے ہی قبول کر لی اور بیٹھے بٹھائے تمام ملک وقوم کو اپنا دشمن جانی بنالیا؟

یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست؟

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ
اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ
تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ

(اسی کے ہاتھ ہے) اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۱۰۶)

اور (منافقوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا کر کھڑی کی کہ نقصان پہنچائیں، کفر کریں، مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور ان لوگوں کے لیے ایک کمیں گاہ پیدا کر دیں جو اب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکے ہیں۔ وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی ہو، لیکن اللہ کی گواہی یہ ہے کہ وہ اپنی قسموں میں قطعاً جھوٹے ہیں! (۱۰۷) (اے پیغمبر!) تم کبھی اس مسجد میں کھڑے نہ ہونا۔ اس بات کی کہ تم اس میں کھڑے ہو (اور بندگان الٰہی تمہارے پیچھے نماز پڑھیں) وہی مسجد حقدار ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے (یعنی مسجد قبا اور مسجد نبوی) اس میں ایسے لوگ (آتے) ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ پاک وصاف رہیں اور اللہ (بھی) پاک وصاف رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے! (۱۰۸) کیا وہ شخص بہتر ہے، جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف

اسی طرح غور کرو جب عقبہ اولیٰ میں مدینہ کے سات آدمی بیعت کر رہے تھے؟ تو کس سے کر رہے تھے اور کس حال میں کر رہے تھے؟ جس مظلوم کو گیارہ برس سے تمام جزیرہ عرب جھٹلا رہا تھا اور جو خود اپنی قوم و وطن میں دشمنوں سے گھرا ہوا تھا اس نے کہا مجھے قبول کر لو اور ساری دنیا کی دشمنی مول لے لو، اور ان عشاق حق نے کہا ہم نے قبول کیا اور تیرے لیے سارے جہان کی دشمنیاں اور ہر طرح کی مصیبتیں اپنے سر لے لیں!

دو عالم نقد جاں بر دست دارند
بہ بازارے کہ سودائے تو باشد!

یہی وجہ ہے کہ یہاں ان کا معاملہ ایسے پیرایہ میں بیان فرمایا جس سے بڑھ کر پیرایہ بیان عشاق حق کے لیے نہیں ہو سکتا: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ اللہ ان سے خوشنود ہوا، وہ اللہ سے خوشنود ہوئے۔ اور سورہ مائدہ میں انہی کے لیے پیشین گوئی گزر چکی ہے: ﴿ یحبہم ویحبونہ ﴾ اللہ ان سے محبت کرے گا، وہ اللہ سے محبت کریں گے! (۵ - ۵۴)

اللہ کی خوشنودی تو ظاہر ہے کہ ان کے کمال ایمان و عمل کا نتیجہ تھی لیکن خود ان کے خوشنود ہونے کا یہاں کیا مطلب ہوا؟ افسوس ہے کہ لوگ اس کی حقیقت نہیں سمجھے اور اگرچہ یہاں سمجھانے کی گنجائش نہیں مگر پھر بھی کوشش کروں گا کہ سورت کے آخری نوٹ میں اس کی تشریح بھی آ جائے۔

☆☆ (۸) آیت (۱۰۱) میں منافقوں کے ایک خاص گروہ کا ذکر کیا جو اطراف مدینہ کے بدوی قبائل میں بھی تھے اور شہری باشندوں میں بھی۔ فرمایا ﴿ مردوا علی النفاق ﴾ یہ نفاق میں مشاق اور حاذق ہو گئے ہیں۔ یعنی منافقانہ زندگی میں رہتے رہتے ⇦

عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِيْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ
قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ ۱۳ ع ۱۱ ۲
يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ

اور اس کی خوشنودی پر رکھی (جو کبھی ہلنے والی نہیں) یا وہ جس نے ایک کھائی کے گرتے ہوئے کنارے پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھی اور وہ مع اپنے مکین کے آتش دوزخ (کے گڑھے) میں جا گری؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انہیں (کامیابی وسعادت کی) راہ نہیں دکھاتا جو ظلم کا شیوہ اختیار کرتے ہیں! (۱۰۹) یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے (یعنی مسجد ضرار) ہمیشہ ان کے دلوں کو شک وشبہ سے مضطرب رکھے گی - (یہ کانٹا نکلنے والا نہیں) مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں (کیونکہ یہ ان کے نفاق کی ایک بہت بڑی شرارت تھی جو چلی نہیں اس لیے ہمیشہ اس کی وجہ سے خوف وہراس کی حالت میں رہیں گے) اور اللہ سب کا حال جاننے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے - (۱۱۰) بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں اور ان کا مال بھی - اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لیے بہشت (کی جاودانی زندگی) ہو - وہ (کسی دنیوی مقصد کی راہ میں نہیں بلکہ) اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں - پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں - یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا (یعنی اس نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا) تورات انجیل اور قرآن

⇦ اس کی ایسی مشق ومزاولت ہوگئی ہے کہ نو آموزوں کی طرح پکڑے نہیں جا سکتے - جو کچے اور نو آموز ہیں ان کے لیے مشکل ہے کہ اپنی دلی حالت چھپائے رکھیں - وہ ان کے چہروں پر ابھر ہی آتی ہے اور باتوں سے ٹپکنے ہی لگتی ہے لیکن یہ لوگ اس بناوٹ کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ ممکن نہیں عام نگاہیں تاڑ سکیں -

''ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے'' یعنی یہ اپنی دہری استعداد نفاق کی وجہ سے دہرے عذاب کے مستحق ہو گئے - پہلی استعداد یہ کہ منافق ہوئے دوسری یہ کہ اس میں کامل ومشاق ہو گئے -

قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اعمال کے نتائج ٹھیک ٹھیک ان کی حالت اور درجہ کے مطابق نکلتے ہیں - اگر ایک شخص نے زہر کھا لیا لیکن ہلکے قسم کا تو نتیجہ بھی ہلکے قسم کی مضرت کا نکلے گا - لیکن اگر زہر قاتل ہے تو نتیجہ بھی قاتل ہوگا - ایسا ہی قانون روحانی زندگی میں بھی کام کر رہا ہے اور اچھائیوں کی طرح برائیوں کے بھی اقسام ومدارج ہیں -

(۹) آیت (۱۰۲) سے لے کر (۱۰۶) تک ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے اگرچہ اس موقع پر کوتاہی کی تھی لیکن اس کا سبب نفاق نہ تھا - سستی اور کاہلی تھی - پیغمبر اسلام ﷺ جب سفر سے واپس آئے تو ان میں سے ہر شخص سچائی کے ساتھ اپنی غفلت پر منفعل ہوا اور کوئی نہ تھا جس کا دل حسرت وندامت کے زخموں سے چور نہ ہو رہا ہو - اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی کیونکہ اس کی بخشش ورحمت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہو سکتا - شرط صرف یہ ہے کہ خود ہم اپنے دلوں کا دروازہ اپنے ہاتھوں بند نہ کر لیں:

نہ پہنچی ضعف سے لب تک دعا ہی ورنہ سدا — درِ قبول تو اس آرزو میں باز رہا!

فرمایا انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور ان کا اعتراف دل کا اعتراف ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ ان کی توبہ قبول نہ ہو [illegible] معلوم ہوا کہ [illegible] اصلی [illegible] کا سچا اعتراف ہے - اور جو سر اعتراف ذنوب میں جھک گیا پھر ⇦

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾
اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ
يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾

(تینوں کتابوں) میں (یکساں طور پر) اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا عہد پورا کرنے والا ہو؟ پس (مسلمانو!) اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکایا خوشیاں مناؤ اور یہی ہے جو بڑی سے بڑی فیروزمندی ہے۔ (۱۱۱)

(ان لوگوں کے اوصاف و اعمال کا یہ حال ہے کہ)

(اپنی لغزشوں اور خطاؤں سے) توبہ کرنے والے۔ عبادت میں سرگرم رہنے والے۔ اللہ کی حمد و ثنا کرنے والے۔ سیر و سیاحت کرنے والے۔ رکوع و سجود میں جھکنے والے۔ نیکی کا حکم دینے والے برائی سے روکنے والے

اور اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدبندیوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(اے پیغمبر! یہی سچے مومن ہیں) اور مومنوں کو (کامیابی و سعادت کی) خوش خبری دے دو۔ (۱۱۲)

پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں ایسا کرنا سزاوار نہیں کہ جب واضح ہو گیا یہ لوگ دوزخی ہیں تو پھر مشرکوں کی بخشائش کے طلب گار ہوں اگرچہ وہ ان کے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں۔ (۱۱۳)

⇦ اس کے لیے محرومی نہیں ہو سکتی۔

کہ مستحق کرامت گناہ گار انند

اس سے پہلے حکم گزر چکا ہے کہ منافقوں کی خیرات قبول نہ کرو اور نہ ان کی بخشش کے لیے دعا کرو۔ یہاں فرمایا جن لوگوں نے اب اپنی خطاؤں کا اقرار کر لیا اور تائب ہو گئے تو وہ جو کچھ راہ حق میں نکالیں اسے قبول کر لو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ تمہاری دعا ان کے دلوں کے لیے کہ حسرت و ندامت سے زخمی ہو رہے ہیں راحت و سکون کا مرہم ثابت ہو گی!

نیز فرمایا تم اس ذریعہ سے انہیں مطہر اور مزکی کر دو گے یعنی خیرات و زکوٰۃ کا نکالنا اور اس کا قبول ہونا ایک ایسا معاملہ ہے جو نفس کی پاکی و تربیت کا باعث ہوتا ہے۔ مزید اشارات کے لیے آخری نوٹ میں ''زکوٰۃ'' کا مبحث دیکھو۔

آیت (۱۰۶) میں فرمایا کچھ اور لوگ ہیں جو خدا کے فیصلہ کا ابھی انتظار کر رہے ہیں یعنی ان کی توبہ کی قبولیت و عدم قبولیت کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا۔ یہ کل تین آدمی تھے: مرارہ بن الربیع، کعب بن مالک، ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم۔ انہوں نے واپسی پر کوئی معذرت نہیں کی اور کہا سچی بات یہ ہے کہ کوئی عذر نہ تھا۔ محض کاہلی اور سستی تھی جس نے نکلنے نہیں دیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ چنانچہ آگے چل کر آیت (۱۱۷) میں ان کا حکم ملے گا۔

(۱۰) آیت (۱۰۷) میں منافقوں کی ایک بہت بڑی شرارت کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے ایک مسجد بنا کر کرنی چاہی تھی اور خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا کہ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت و موعظت تھی۔ اس باب میں ضروری اشارات سورت کے آخری نوٹ میں ملیں گے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ
عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ
هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ
عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ

اور ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لیے بخشائش کی آرزو کی تھی تو صرف اس وجہ سے کہ اپنا وعدہ پورا کر دے جو وہ اس سے کر چکا تھا (یعنی اس نے کہا تھا میرے بس میں اور تو کچھ نہیں - دعا ہے - تو اس سے باز نہیں رہوں گا) لیکن جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ (کی سچائی) کا دشمن ہے (اور کبھی حق کی راہ اختیار کرنے والا نہیں) تو اس سے بیزار ہو گیا - بلاشبہ ابراہیم بڑا ہی دردمند بڑا ہی بردبار (انسان) تھا! (۱۱۴) اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ایک گروہ کو ہدایت دے کر پھر گمراہ قرار دے تاوقتیکہ ان پر وہ ساری باتیں واضح نہ کر دے جن سے انہیں بچنا چاہیے - بلاشبہ اللہ کے علم سے کوئی بات باہر نہیں! (۱۱۵) بلاشبہ آسمان اور زمین کی (ساری) پادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے - وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے - (سب کچھ اسی کے قبضہ میں ہے) اور (مسلمانو!) اس کے سوا نہ تو تمہارا کوئی رفیق و کارساز ہے نہ مددگار! (۱۱۶) یقیناً اللہ اپنی رحمت سے پیغمبر پر متوجہ ہو گیا - نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے بڑی تنگی اور بے سروسامانی کی گھڑی میں اس کے پیچھے قدم اٹھایا اور اس وقت اٹھایا جب کہ حالت ایسی ہو چکی تھی کہ قریب تھا

☆☆ (۱۱) آیت (۱۱۱) میں حب ایمانی کی حقیقت واضح کی ہے - فرمایا جو لوگ اللہ پر ایمان لائے تو ایمان کا معاملہ یوں سمجھو کہ انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالا - جان بھی اور مال و متاع بھی - اب ان کی کوئی چیز ان کی نہیں رہی - اللہ اور اس کی سچائی کی ہو گئی -

بندگان تو کہ در عشق خداوند اند　　دوجہاں را بہ تمنائے تو بفروختہ اند

اور پھر اللہ کی طرف سے اس کے معاوضہ میں کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ نعیم ابدی کی کامرانیاں انہیں عطا فرمائیں -

یہ گویا خرید و فروخت کا ایک معاملہ تھا جو اللہ میں اور عشاق حق میں طے پا گیا - اب نہ بیچنے والا اپنی متاع واپس لے سکتا ہے نہ خریدنے والا قیمت لوٹائے گا -

اثامن　بالنفس　النفیسة　ربها　　فلیس لها فی الخلق کلهم ثمن
اذا　ذهبت　نفسی　بدنیا　اصبتها　　فقد ذهبت منی وقد ذهب الثمن

اور چونکہ مقصود اللہ کے لطف و کرم کا اظہار تھا اس لیے معاملہ کو اپنی طرف سے شروع کیا - نہ کہ بیچنے والوں کی طرف سے - یعنی یہ نہیں کہا کہ مومنوں نے بیچ ڈالی بلکہ کہا اللہ نے مومنوں سے خرید لی - گویا معاملہ کا طالب وہ تھا - حالانکہ ہر طرح کی طلب و احتیاج سے وہ منزہ ہے ' اور جو متاع اس نے قبول کی وہ بھی اسی کی تھی اور جو کچھ معاوضہ میں بخشا وہ بھی اس کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے؟

(۱۲) آیت (۱۱۲) اس سورت کی مہمات معارف میں سے ہے - فرمایا' سچے مومنوں کے اوصاف و مدارج یہ ہیں کہ:

(ا) التائبون - یعنی وہ جو اپنی توبہ میں سچے اور پکے ہوتے ہیں اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور اپنی غفلتوں اور لغزشوں پر نادم رہتے ہیں -

(ب) العابدون یعنی وہ جو اللہ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں اور ان کی ساری بندگیاں اور نیازمندیاں صرف اسی کے لیے ہوتی ہیں -

قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ
الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ
وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ ع ۱۴ ۳
الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ

ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں- پھر وہ اپنی رحمت سے ان سب پر متوجہ ہوگیا- بلاشبہ وہ شفقت رکھنے والا رحمت فرمانے والا ہے! (۱۱۷) اور (اسی طرح) ان تین شخصوں پر بھی (اس کی رحمت لوٹ آئی) جو (معلق حالت میں) چھوڑ دیے گئے تھے (اور اس وقت لوٹ آئی) جب کہ زمین اپنی ساری وسعت پر بھی ان کے لیے تنگ ہوگئی تھی' اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آ گئے تھے اور انہوں نے جان لیا تھا کہ اللہ سے بھاگ کر انہیں کوئی پناہ نہیں مل سکتی مگر خود اسی کے دامن میں- پس اللہ (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آیا تا کہ وہ رجوع کریں بلاشبہ اللہ ہی ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا' بڑا ہی رحمت والا! (۱۱۸) مسلمانو! خدا کے خوف سے بے پروانہ ہو جاؤ- اور چاہیے کہ سچوں کے ساتھی بنو (کہ یہ سچائی تھی جو ان لوگوں کی بخشش کا وسیلہ ہوئی!) (۱۱۹)

مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابیوں کو جو اس کے اطراف میں بستے ہیں لائق نہ تھا کہ اللہ کے رسول کا (دفاع میں) ساتھ نہ دیں اور پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اس کی جان کی پروانہ کر کے محض اپنی جانوں

عبادت سے مقصود عبادت خاص بھی ہے اور عام بھی- خاص یہ کہ خاص وقتوں اور خاص شکلوں کی عبادت جو دین حق نے قرار دے دی ہے اسے پورے اخلاص اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرے' عام یہ کہ انسان کی فکری حالت عبادت گزارانہ ہو جائے اور پھر وہ جو کچھ بھی سنے' جو کچھ بھی کہے' جو کچھ بھی کرے سب میں ایک عابدانہ روح کام کر رہی ہو-

(ج) الحامدون یعنی وہ جو اپنے فکر سے اور قول سے اللہ کی حمد وستایش کرنے والے ہیں- فکر سے حمد وستائش یہ ہوئی کہ بحکم ﴿ ويتفكرون في خلق السماوات والارض ﴾ (۱۹۱:۳) آسمان وزمین کی خلقت میں غور وفکر کرنا' اور ان تمام کارفرمائیوں کی معرفت حاصل کرنا جو اس کی محمودیت وجمال پر دلالت کرتی ہیں- قول سے حمد وستایش اس فکری حالت کا قدرتی نتیجہ ہے- کیونکہ جس ہستی کی محمودیت دل ودماغ میں بس جائے گی ضروری ہے کہ زبان سے بھی بے اختیار اس کی حمد وثنا کے ترانے نکلنے لگیں!

(د) السائحون- وہ جو راہ حق میں سیر وسیاحت کرتے ہیں یعنی بحکم ﴿ قد خلت من قبلكم سنن فسيروا في الارض ﴾ (۱۳۷:۳) زمین میں عبرت ونظر کے لیے گردش کرتے ہیں' علم کی ڈھونڈھ میں نکلتے ہیں' راہ حق میں جدوجہد کرتے ہوئے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کا رخ کرتے ہیں' حج کے لیے خشکی وتری کی مسافتیں قطع کرتے رہتے ہیں-

(ہ) ﴿ الراكعون الساجدون ﴾ وہ جو اللہ کے آگے جھک جاتے ہیں اور رکوع وسجود سے کبھی نہیں تھکتے- یہ رکوع وسجود کی حالت جسم پر بھی طاری ہوتی ہے' قلب پر بھی طاری ہوتی ہے اور زبان پر بھی طاری ہوتی ہے-

(و) ﴿ الامرون بالمعروف والناهون عن المنكر ﴾ وہ جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں- یعنی صرف اپنے ہی ⇐

عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا
يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ
صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً
وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ
الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

کی فکر میں پڑ جائیں- اس لیے کہ اللہ کی راہ میں انہیں جو مصیبت بھی پیش آتی وہ ان کے لیے ایک نیک عمل شمار کی جاتی' ہر پیاس جو وہ جھیلتے' ہر محنت جو وہ اٹھاتے' ہر مخمصہ جس میں وہ پڑتے' ہر وہ قدم جو وہاں چلتا جہاں چلنا کافروں کے لیے غیظ وغضب کا باعث ہوتا' اور ہر وہ چیز جو وہ (مال غنیمت میں) دشمنوں سے پاتے (یہ سب کچھ ان کے لیے عمل نیک ثابت ہوتا- کیونکہ) اللہ نیک کرداروں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا! (۱۲۰)

اور (اسی طرح) وہ (اللہ کی راہ میں) کوئی رقم نہیں نکالتے چھوٹی ہو یا بڑی' اور کوئی میدان طے نہیں کرتے مگر یہ کہ (اس کی نیکی) ان کے نام لکھی جاتی ہے تا کہ اللہ ان کے کاموں کا انہیں بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے! (۱۲۱)

اور (دیکھو) یہ ممکن نہ تھا کہ سب کے سب مسلمان (اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں (اور تعلیم دین کے مرکز میں آ کر علم وتربیت حاصل کریں) پس کیوں نہ ایسا کیا گیا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آئی ہوتی کہ دین میں دانش وفہم

⇐ نفس کی اصلاح پر قانع نہیں ہو جاتے بلکہ دوسروں کی بھی اصلاح کرتے اور دنیا میں حق وعدالت کے نشر وقیام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں-

(ز) ﴿ الحافظون لحدود الله ﴾ یہ آخری وصف اور آخری مقام ہوا یعنی وہ جو ان تمام حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں جو اللہ نے انسان کے لیے ٹھہرا دی ہیں- قرآن کی اصطلاح یہ ہے کہ تمام واجبات وحقوق کو خواہ افراد کی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں خواہ جماعت سے' وہ حدود اللہ سے تعبیر کرتا ہے- یعنی یہ حدیں ہیں جو مقرر کر دی گئیں- ان کے ٹوٹنے میں انسانی امن وسعادت کی بنیادوں کا ٹوٹ جانا ہے-

یہ کل سات وصف ہوئے اور جس ترتیب سے بیان کیے گئے ہیں وہ قابل غور ہے- یہ گویا نفس انسانی کے تزکیہ وترقی کے سات درجے ہیں یا سات طبقے جو یکے بعد دیگرے ٹھیک اسی ترتیب سے سلوک ایمانی میں پیش آتے ہیں-

جب کوئی انسان راستی وہدایت کی راہ میں قدم اٹھائے گا تو قدرتی طور پر پہلا مقام توبہ وانابت ہی کا ہو گا- یعنی پچھلی غفلتوں اور گمراہیوں سے (خواہ وہ کفر کی ہوں خواہ نفاق کی خواہ معاصی وزلات کی) باز آئے گا اور آئندہ کے لیے ان سے بچنے کا عہد کرے گا اور اپنے سارے دل اور ساری روح سے اللہ کی طرف رجوع ہو جائے گا- اور یہی توبہ کی حقیقت ہے- پھر اگر توبہ سچی ہو گی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ کی بندگی ونیاز مندی کی سرگرمی پیدا ہو جائے- پس یہ دوسری منزل ہوئی یا سلوک ایمانی کا دوسرا طبقہ- پھر چونکہ عبادت گزاری کی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فکر اور ذکر کا مقام حاصل ہو جائے اور ﴿ ملکوت السماوات والارض ﴾ کے مشاہدہ ومعرفت کا دروازہ کھل جائے اس لیے تیسری منزل تحمید وتسبیح کی منزل ہوئی یعنی اللہ کی حمد وثنا کے جوش سے معمور ہو جانے کی منزل کہ ﴿ ربنا ما خلقت هذا باطلا! ﴾[1] (۳:۱۹۱) ⇐

---

[1] سورۂ آل عمران کی آیت (۱۹۱) کا نوٹ دیکھنا چاہیے- نیز اعراف: ۱۸۵-

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ ع۵
مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ
فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ
يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

پیدا کرتی اور جب (تعلیم وتربیت کے بعد) اپنے گھروں میں واپس جاتی تو لوگوں کو (جہل وغفلت کے نتائج سے) ہوشیار کرتی - تاکہ (برائیوں سے) بچیں؟ (۱۲۲)

مسلمانو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس (پھیلے ہوئے) ہیں اور چاہیے کہ وہ (جنگ میں) تمہاری سختی محسوس کریں (کہ بغیر اس کے جنگ جنگ نہیں) اور یاد رکھو اللہ ان کا ساتھی ہے جو (ہر حال میں) متقی ہوتے ہیں! (۱۲۳)

اور جب ایسا ہوتا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) قرآن کی کوئی سورت اترتی ہے تو ان (منافقوں) میں کچھ لوگ ہیں جو (انکاروشرارت کی راہ سے) کہتے ہیں "تم لوگوں میں سے کس کا ایمان اس نے زیادہ کر دیا؟" تو حقیقت یہ ہے کہ جو ایمان رکھتے ہیں ان کا ایمان تو ضرور زیادہ کر دیا اور وہ اس پر خوشیاں منا رہے ہیں! (۱۲۴)

لیکن (ہاں) جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے (اور ایمان کی جگہ انکار کی ناپاکی) تو بلاشبہ اس نے ان کی ناپاکی پر ایک اور ناپاکی بڑھا دی - اور (نتیجہ بھی دیکھ لو) وہ مر گئے' اور اس حالت میں مرے کہ ایمان سے قطعی محروم تھے! (۱۲۵)

⇐ پھر اگر توبہ وانابت کا تنبۂ عبادت کا ذوق اور تحمید وتسبیح کا عرفان کامل درجہ کا ہے تو ممکن نہیں کہ وہ مومن صادق کو گھر میں چین سے بیٹھنے دے - ضروری ہے کہ وطن و مکان کی الفت کی زنجیریں ٹوٹیں اور سیر و سیاحت میں قدم سرگرم ہو جائیں - پس یہ چوتھی منزل ہوئی اور السائحون کا طبقہ چوتھا طبقہ ہوا - ان چار منزلوں سے جو کاروان عمل گذر گیا اس نے اصلاح نفس کی مسافت طے کر لی - پس اب پانچویں منزل ﴿ الراكعون الساجدون ﴾ کی ہوئی - یعنی بندگی و نیازمندی میں پورے ہو گئے اور اللہ کے آگے سر نیاز ہمیشہ کے لیے جھک گیا - اب ﴿ امرون بالمعروف وناھون عن المنكر ﴾ کا مقام انہیں حاصل ہو جائے گا یعنی اپنی تعلیم وتربیت کا معاملہ پورا کر کے دوسروں کے لیے معلم و مربی ہو جائیں گے - چنانچہ چھٹی منزل یہی ہوئی اور اسی سے آخری منزل کے ڈانڈے مل گئے کہ ﴿ الحافظون لحدود الله ﴾ کا مقام ہے - یہاں پہنچ کر ان کے تمام اعمال حدود الٰہی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں - وہ خود اپنے اعمال میں بھی حدود اللہ کی کامل نگہداشت رکھتے ہیں اور اپنے وجود سے باہر بھی ان کے نفاذ و قیام کی نگہبانی کرتے ہیں -

(۱۳) اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نیک مقصد سے سیر وسیاحت کرنا سچے مومنوں کا بہترین عمل ہے اور ان اعمال میں سے ہے جن کے ذریعہ وہ ایمان کے مدارج طے کرتے اور خصائص ایمانی میں کامل ہوتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ جس سرعت کے ساتھ صدر اول کے مسلمان تمام دنیا میں پھیل گئے اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی اور جب تک اسلام کی عملی روح زندہ رہی ان سے بڑھ کر زمین کی مسافتیں قطع کرنے والی کوئی قوم نہ تھی - وہ سیاحت کو سیاحت سمجھ کر نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کی عبادت سمجھتے تھے - اور فی الحقیقت سیاحت نہ صرف ایک تنہا عبادت ہے بلکہ کتنی ہی عبادتوں کا مجموعہ ہے - گھر بار چھوڑنا' عزیز واقارب کی جدائی برداشت کرنی' سفر کی مشقتوں میں پڑنا' قدم قدم پر مال خرچ ⇐

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ
يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ
انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٢٧﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ
اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

(افسوس ان پر) کیا یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی برس اس سے خالی نہیں جاتا کہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائش میں نہ ڈالے جاتے ہوں پھر بھی یہ ہیں کہ نہ تو توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت پکڑتے ہیں!(۱۲۶) اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے (جس میں منافقوں کا ذکر ہوتا ہے) تو وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ تم پر کسی کی نگاہ تو نہیں؟ (یعنی اپنا ذکر سن کر جو تم چونک اٹھے ہو تو اس پر کسی کی نگاہ تو نہیں پڑ رہی؟) پھر منہ پھیر کر چل دیتے ہیں- تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دل ہی (راست بازی سے) پھیر دیئے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ سے کورے ہو گئے!(۱۲۷) (مسلمانو!) تمہارے پاس (اللہ کا) ایک رسول آ گیا ہے جو تم ہی میں سے ہے- تمہارا رنج وکلفت میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے- وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہشمند ہے- وہ مومنوں کے لیے شفقت رکھنے والا رحمت والا ہے!(۱۲۸) (اے پیغمبر!) اگر اس پر بھی یہ لوگ سرتابی کریں-

---

⇦ کرنا' آب وہوا کی ناموافقت' اجنبیوں سے صحبت ومعاملت اور پھر ان تمام موانع ومشکلات میں عزم وعمل کا استوار رہنا' ایثار وتحمل کے کتنے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں تب کہیں جا کر یہ عمل انجام پاتا ہے-

سورہ تحریم میں یہی وصف مسلمان عورتوں کے لیے بھی فرمایا: ﴿ **مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات** ﴾ (۶۶:۵) اللہ کی فرمانبردار' برائیوں سے پرہیز کرنے والیاں' عبادت گزار' سیاحت میں سرگرم اور روایات سے ثابت ہے کہ نہ صرف صحابہ کرام کی بیبیاں' بلکہ خود پیغمبر اسلام کی ازواج مطہرات بھی جنگ میں نکلتی تھیں اور مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں- بعد کو اس بارہ میں جو حال رہا وہ شرح وبیان سے مستغنی ہے-

بعضوں کو اس پر تعجب ہوا کہ سیر وسیاحت کا شمار بھی خصائص ایمانی میں ہو اس لیے **السائحون** اور **السائحات** کے لغوی اور مصطلحہ معنی سے گریز کرنے لگے لیکن فی الحقیقت ان کا تعجب محل تعجب ہے- قرآن نے ہجرت کو ایمان کا بہترین عمل قرار دیا ہے جو گھر بار چھوڑ کر نکلنا ہے' اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے فرمایا ﴿ **انفروا خفافاً و ثقالا** ﴾[1] (۹:۴۱) اور حج ہر مستطیع مسلمان پر مرد ہو یا عورت فرض کر دیا جو باشندگان مکہ کے علاوہ سب کے لیے بڑی سے بڑی سیاحت ہی ہے- **یاتین من کل فج عمیق**[2] (۲۲:۲۷) نیز جا بجا زور دیا کہ ملکوں کی سیر کرو' پچھلی قوموں کے آثار وباقیات سے عبرت پکڑو' ان کے عروج وزوال کے حالات وبواعث کا کھوج لگاؤ ﴿ **افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلھم؟** ﴾[3] (۱۲:۱۰۹) خدا کی قدرت وحکمت کی ان نشانیوں پر غور کرو جو زمین کے چپہ چپہ میں پھیلی ہوئی ہیں: ﴿ **و کاین من ایة فی السموات والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون** ﴾ (۱۲:۱۰۵)[4] اور اسی سورت میں یہ حکم پڑھو گے

---

[1] نکل کھڑے ہو سروسامان سے ہلکے ہو یا بوجھل-
[2] حج کی سواریاں دنیا کی ہر دور دراز مسافت طے کرتی ہوئی آئیں گی-
[3] کیا انہوں نے ملکوں کی سیر نہیں کی کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے پچھلی قوموں کا خاتمہ کس طرح ہوا اور کیسی حالتوں میں ہوا؟
[4] اور آسمان وزمین میں (قدرت الٰہی کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں کہ لوگ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور گردن اٹھا کر دیکھتے نہیں!

ع۷۵

فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

تو ان سے کہہ دو' میرے لیے اللہ کا سہارا بس کرتا ہے- کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف اسی کی ذات- میں نے اس پر بھروسہ کیا' وہ (تمام عالم ہستی کی جہانداری کے) عرش عظیم[1] کا خداوند ہے! (۱۲۹)

کہ طلب علم کے لیے گھروں سے نکلو اور علم کے مرکزوں میں پہنچو: ﴿ **فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم؟** ﴾ (۱۲۲:۹) اور تجارت کے سفر کو بھی فضل الٰہی کی جستجو سے تعبیر کیا- حتیٰ کہ حج کے موقع پر بھی اس کی اجازت دی ﴿ **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم** ﴾ (۱۰۵:۱۲)[2] جب کہ سیر و سیاحت کے یہ صریح احکام موجود ہیں تو پھر کون سی وجہ ہے کہ یہاں اس وصف کی موجودگی موجب تعجب ہو؟

استغفار للمشرکین کی ممانعت:

(۱۴) اس عہد کے مسلمانوں نے کلمہ حق کے رشتے پر دنیا کے سارے رشتے قربان کر دیے تھے- انہیں اپنے ان عزیزوں اور رشتہ داروں سے لڑنے میں ایک لحہ کے لیے بھی تامل نہیں ہوا جنہوں نے اسلام کے خلاف تلوار اٹھائی تھی اور اس وقت حالت ہی ایسی ہوگئی تھی کہ کلمہ حق کا ساتھ دینا دنیا کے تمام رشتوں' علاقوں کو خیر باد کہہ دینا تھا- لیکن اسلام کے جو دشمن لڑتے ہوئے قتل ہو گئے یا اپنی موت مر گئے ان کی حالت زندوں سے مختلف ہوگئی تھی' کیونکہ اب وہ زندہ نہ تھے کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے یا ان کے خلاف لڑتے- بعض لوگوں کو خیال ہوا جب اللہ کے رسول کی دعا مقبول ہے تو کیوں نہ ہم اپنے ان عزیزوں کے لیے دعائے مغفرت کی التجا کریں جو مر چکے ہیں؟ اور خود قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت نازل ہو چکا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت کی تھی حالانکہ وہ مومنوں کا مخالف تھا:
﴿ **واغفرلی لابی' انہ کان من الضالین** ﴾ (۸۶:۲۶)

آیت (۱۱۳) میں اسی معاملہ کی طرف اشارہ کیا ہے- فرمایا نہ تو پیغمبر کو سزاوار ہے کہ ایسا کرے اور نہ مومنوں کو اگرچہ وہ ان کے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں- کیونکہ جب ان پر یہ بات روشن ہوگئی کہ وہ دوزخی ہیں تو پھر انہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے فیصلہ کے خلاف زبان کھولنے کی جسارت کریں- ان پر یہ بات روشن کس طرح ہوئی تھی؟ اللہ کی وحی سے' اگر تعین کے ساتھ کسی کی نسبت نازل ہو چکی ہو یا ان کے ان اعمال سے جن پر ان کی زندگیوں کا خاتمہ ہوا- یہ ظاہر ہے کہ وہ بیس برس تک داعی حق اور دعوت حق کے جانی دشمن رہے اور کفر و جحود اور ظلم و طغیان کی کوئی شرارت ایسی نہیں ہے جو انسان کر سکتا ہو اور انہوں نے نہ کی ہو- پھر ان کی زندگی کا خاتمہ بھی اسی عالم میں ہوا اور اپنے اعمال بد پر ایک لحہ کے لیے شرمندہ نہ ہوئے- جن لوگوں کی حالت ایسی رہ چکی ہو ان کے دوزخی ہونے سے زیادہ اور کون سی بات روشن ہو سکتی ہے؟

اس کے بعد اس شبہ کا ازالہ کر دیا جو بعض طبیعتوں کو ہوا تھا- فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعائیں کی تھیں تو صرف اس لیے کہ جب تک آدمی زندہ رہتا ہے اس کی ہدایت و اصلاح سے قطعی مایوسی نہیں ہو جا سکتی اگرچہ کتنا ہی گمراہی و شقاوت میں ڈوبا ہوا ہو- کیونکہ ہو سکتا ہے مرنے سے پہلے باز آ جائے- چنانچہ جب تک ان کا باپ زندہ رہا وہ مایوس نہ ہوئے اور برابر دعائیں مانگتے رہے- یہ بات انہوں نے اپنے باپ سے کہہ دی تھی جب اس سے الگ ہوئے تھے اور وہ اپنی بات کے پکے تھے لیکن جب وہ کفر و جحود کی حالت میں مر گیا تو ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اپنی روش سے باز آنے والا نہ تھا- پس اپنی اس طلب سے دست بردار ہو گئے-

چنانچہ قرآن نے سورۂ مریم اور ممتحنہ میں ان کے اس وعدہ کا ذکر کیا ہے- مریم میں ہے کہ جب ان کے باپ نے غصہ میں آ کر انہیں

---

[1] عرش یعنی تخت شاہی- دیکھو سورۂ اعراف آیت (۵۴) کا نوٹ-

[2] اور تمہارے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں اگر تم (اس موقع پر) اللہ کا فضل بھی حاصل کرنا چاہو (یعنی تجارت کرو)

نکال دیا اور کہا اگر تو اپنی روش سے باز نہ آیا تو سنگ سار کر دوں گا' تو انہوں نے کہا: ﴿ **سلام علیك، ساستغفر لك ربی انه كان بی حفیا** ﴾ (۱۹:۴۷) اچھا میں جاتا ہوں- تجھ پر سلامتی ہو- اب میں اپنے پروردگار سے تیرے لیے بخشش کی دعا کروں گا- وہ مجھ پر بہت مہربان ہے- اور ممتحنہ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خاندان سے تمام تعلقات قطع کر دیے تھے مگر صرف اتنا واسطہ اپنے باپ سے رکھا کہ ﴿ **لاستغفرن لك، وما املك لك من الله من شیء** ﴾ (۶۰:۴) میں ضرور تیری بخشش کا طلب گار رہوں گا- اس سے زیادہ تیرے لیے میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے!

اور خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی حال رہا کہ دشمنان حق کے لیے ان کی زندگی میں برابر طلب گار بخشش رہے کہ ابھی امید منقطع نہیں ہوئی تھی- جنگ احد میں جب ان کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا تھا تو زبان مقدس پر یہی دعا طاری تھی کہ ﴿ **رب اغفر لقومی فانهم لا یعلمون!** ﴾ خدایا! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ جانتے نہیں کہ کیا کر رہے ہیں!

یہ واضح رہے کہ قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ بات ان کے مناقب و فضائل میں شمار کی ہے اور جا بجا بطور نمونہ کے پیش کی ہے کیونکہ کتنے ہی ناموافق حالات ہوں مگر ہدایت سے مایوس نہ ہونا اور اپنے ماں باپ کے لیے ہر حال میں خیر طلب رہنا جن کی محبت و شفقت انسان کی پرورش کا ذریعہ ہوتی ہے ایمان و راستی کے بہترین اعمال میں سے ہے- چنانچہ سورۂ ابراہیم میں جہاں ان کی وہ مقبول دعائیں نقل کی ہیں جو امت مسلمہ کے ظہور اور خانہ کعبہ کی آبادی کے لیے تھیں وہاں یہ دعا بھی نقل کی ہے: ﴿ **ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین** ﴾ (۱۴:۴۱) خدایا مجھے بخش دے اور میرے باپ کو بھی اور ان سب کو جو ایمان لائے!

یہاں ''باپ'' سے مقصود ان کا حقیقی باپ ہے یا چچا جس نے بطور باپ کے پرورش کیا تھا؟ تو زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آزر ان کا چچا تھا' اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ پیش آیا تھا- چنانچہ سورۂ انعام آیت (۷۴) کے حاشیہ میں اس طرف اشارہ گزر چکا ہے-

حیات وممات روحانی:

(۱۵) آیت (۱۱۶) میں فرمایا آسمان و زمین کی پادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے- وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے- یہاں جسمانی موت و حیات کا ذکر نہ تھا- پس مقصود یہ ہے کہ نجات و بخشش کا رشتہ اسی کے ہاتھ میں ہے اور جس طرح اجسام کی موت و حیات اس کے حکم سے ہے اسی طرح روح کی ہدایت و شقاوت کا معاملہ بھی اسی کے حکم پر موقوف ہے اور اس کے حکم سے مقصود اس کے ٹھہرائے ہوئے قوانین ہیں- ان قوانین کے مطابق کسی کی راہ سعادت کی راہ ہوتی ہے' کسی کی شقاوت کی- اور ان کے خلاف کبھی کوئی بات ظہور میں نہیں آ سکتی-

شرح وعلی الثلاثة الذین خلفوا:

(۱۶) آیت (۱۱۷) پچھلی آیتوں کے بعد نازل ہوئی ہے- اس میں ان لوگوں کو قبولیت توبہ کی بشارت دی ہے جن سے غزوۂ تبوک کی تیاریوں میں کوتاہی ہوئی تھی اور جن کی نسبت آیت (۱۰۲) میں فرمایا تھا کہ انہیں رحمت الٰہی کا امیدوار رہنا چاہیے- چونکہ قبولیت کا مقتضا یہ تھا کہ ان کے دلوں کے زخم دھوئے جائیں اور مرحمت و اکرام کے مرہموں سے تسکین پائیں اس لیے پیرایۂ بیان ایسا اختیار کیا گیا کہ ان کے سارے دکھوں کا مداوا ہو گیا- انہوں نے اس لغزش کی وجہ سے اپنی اصلی جگہ کھو دی تھی- یعنی جن مقبولوں کے ساتھ ان کا شمار تھا ان کی صف سے باہر ہو گئے تھے- پس قبولیت توبہ کا مژدہ سنایا گیا تو اس طرح کہ پہلے خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آیا پھر مہاجرین و انصار کا اور پھر انہی کے ضمن میں ان لوگوں کا بھی ذکر کر دیا گیا اور رحمت الٰہی کی توجہ یکساں طور پر سب کے لیے کہی گئی تا کہ اب کوئی اس حلقہ سے باہر نہ رہے- جن سے قصور

ہوا تھا' وہ بھی محسوس کرنے لگیں کہ رحمت و قبولیت کی ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے ہیں-

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست
کہ سلطان جہاں با ماست امروز!

توبہ کے معنی رجوع ہونے اور لوٹنے کے ہیں- اللہ کا اپنی رحمت کے ساتھ لوٹنا کاملوں کے لیے یہ ہے کہ مزید رحمت و اکرام ہو- قصور مندوں کے لیے یہ کہ قبولیت و مغفرت ہو-

(۱۷) اس کے بعد فرمایا: ان تین آدمیوں کی بھی توبہ قبول ہو گئی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا یعنی جن کی نسبت کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا تھا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا حکم الٰہی کا انتظار کرو- چنانچہ آیت (۱۰۶) میں انہی کی نسبت گزر چکا ہے کہ حکم الٰہی کے انتظار میں ہیں-

یہ تین شخص کعب بن مالک' ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم تھے- کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان تہتر سابقین انصار میں سے ہیں جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں بیعت کی تھی اور ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہما دونوں بدری تھے یعنی ان جاں نثاروں میں جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی-

ان تینوں سے بھی غزوۂ تبوک میں کوتاہی ہوئی اور شریک نہ ہوئے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور ساتھ نہ دینے والے اپنے اپنے عذر پیش کر کے معافی مانگنے لگے تو انہوں نے کوئی خاص عذر پیش نہیں کیا اور صاف صاف تسلیم کر لیا کہ ہماری سستی اور کاہلی تھی کہ اس سعادت سے محروم رہے- یہ سن کر آپ نے فرمایا' حکم الٰہی کا انتظار کرو- پھر تمام مسلمانوں کو حتیٰ کہ ان کی بیویوں کو بھی حکم ہوا کہ ان سے ملنے جلنے کے تمام تعلقات منقطع کر لو- چنانچہ اچانک انہوں نے اپنے آپ کو اس حالت میں پایا کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کی پوری آبادی نے ان کی طرف سے رخ پھیر لیا تھا- ان کے عزیز و قریب تک ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے- آخر جب پورے پچاس دن اس حالت میں گزر گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں قبولیت توبہ کی بشارت ملی-

ان تین صحابیوں میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے خود اپنی سرگزشت تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے- وہ کہتے ہیں ''تمام جنگوں میں میں نے رسول اللہؐ کے ساتھ شرکت کی اور اس موقع پر بھی نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن ایک کے بعد ایک دن نکلتے گئے اور میں اسی خیال میں رہا کہ اپنے معاملات نپٹا لوں تو نکلوں- یہاں تک کہ آج کل ہوتے ہوتے پورا وقت نکل گیا- اتنے میں خبر اڑی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ رہے ہیں- تب میری آنکھیں کھلیں- لیکن اب کیا ہو سکتا تھا- آپ حسب معمول پہلے مسجد میں تشریف لائے اور جو لوگ کوچ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ آ آ کر معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلانے لگے- یہ کچھ اوپر اسی آدمی تھے- انہوں نے جو کچھ ظاہر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کر لیا اور ان کے دلوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا- جب میری طرف متوجہ ہوئے تو مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی جھوٹی معذرت بنا کر کہہ دیتا- جو کچھ سچی بات تھی صاف صاف عرض کر دی- آپ نے سن کر فرمایا ''اچھا جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے'' میں نے لوگوں سے پوچھا اور بھی کسی کو ایسا حکم ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا' ہاں مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ کو''

''اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی بات چیت نہ کرے تو سب نے منہ پھیر لیا- اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی- گویا کل تک جس دنیا میں تھا اب وہ دنیا ہی نہیں رہی تھی- میرے دونوں شریک ابتلا گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے لیکن میں سخت جان تھا- اس حالت میں بھی روز گھر سے نکلتا' مسجد میں حاضری دیتا' جماعت میں شریک ہوتا اور پھر ایک گوشہ میں سب سے الگ بیٹھ جاتا-

اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد قریب جا کر سلام عرض کرتا اور پھر اپنے جی میں کہتا دیکھوں سلام کے جواب میں آپ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں؟ آپ گوشہ چشم سے کبھی کبھی دیکھ لیتے لیکن جب میری نگاہ حسرت اٹھتی تو رخ پھر جاتا:

بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
وہ جو وقت ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں ہے!

''ایک دن شہر سے باہر نکلا تو ابوقتادہ کے باغ تک پہنچ گیا - یہ میرا چچیرا بھائی تھا اور اپنے تمام عزیزوں میں اسے زیادہ محبوب رکھتا تھا - میں نے سلام کیا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا - میں نے کہا ابوقتادہ! کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمان ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی اپنے دل میں محبت رکھتا ہوں؟ اس پر بھی اس نے میری طرف رخ نہیں کیا - لیکن جب میں نے یہی بات بار بار دہرائی تو صرف اتنا کہا '' الله ورسوله اعلم '' اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے - تب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار آنکھیں اشکبار ہو گئیں -

''وہاں سے واپس ہوا تو راستہ میں شام کا ایک نبطی مل گیا - وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا کوئی ہے جو کعب بن مالک تک پہنچا دے لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو اس نے پادشاہ غسان کا ایک خط نکال کر میرے حوالہ کیا - اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے - تم ہمارے پاس چلے آؤ ہم تمہاری قدر و منزلت کریں گے - خط پڑھ کر میں نے کہا یہ ایک اور نئی مصیبت آئی - گویا پچھلی بلائیں کافی نہ تھیں''

''جب اس حالت پر چالیس راتیں گزر چکیں تو آنحضرت ﷺ کی جانب سے ایک آدمی آیا اور کہا حکم ہوا ہے تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ - میں نے کہا طلاق دے دوں؟ کہا نہیں صرف علیحدگی کا حکم ہے - ہلال اور مرارہ کو بھی ایسا ہی حکم ہوا ہے - اس پر میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھجوا دیا''

''جب دس دن اور گزر گئے تو پچاسویں رات پر صبح آئی - میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا تھا' اور ٹھیک ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ کے کلام نے کھینچ دی ہے - زندگی سے تنگ آ گیا تھا اور خدا کی زمین بھی اپنی ساری پہنائیوں پر میرے لیے تنگ ہو گئی تھی - اچانک کیا سنتا ہوں' کوئی آدمی کوہ سلع پر سے پکار رہا ہے ''کعب بن مالک! بشارت ہو - تمہاری توبہ قبول ہو گئی!''

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے!
آں شب قدرٗ کہ ایں تازہ براتم دادند!

''اب لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دینے کے لیے دوڑے - ایک آدمی گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا' لیکن بشارت کی آواز اس سے بھی زیادہ تیز ثابت ہوئی تھی - میں مسجد میں حاضر ہوا تو آنحضرت ﷺ لوگوں کے حلقہ میں بیٹھے تھے - آنحضرت ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب خوش ہوتے تو چہرۂ مبارک چمکنے لگتا - جیسے چاند کا ٹکڑا ہو - ہم لوگوں کو یہ بات معلوم تھی - اس لیے ہمیشہ آپ کے چہرہ پر نگاہ رکھتے تھے - چنانچہ میں نے دیکھا - اس وقت بھی چہرۂ مبارک چمک رہا تھا - فرمایا کعب! تجھے آج اس دن کے ورود کی بشارت دیتا ہوں جو تیری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے - میں نے عرض کیا یہ بات آپ کی جانب سے ہوئی یا اللہ کی وحی سے؟ فرمایا اللہ کی وحی سے'' (صحیحین)

اس آیت کا نوٹ' نوٹ کے حدود سے متجاوز ہو گیا لیکن تفصیل اس لیے ضروری ہوئی کہ معاملہ اہم ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے بڑی ہی عبرت و موعظت ہے - امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت منقول ہے کہ قرآن کی کوئی آیت انہیں اس قدر نہیں رلاتی تھی جس قدر یہ

آیت اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت - اس سے معلوم ہوا کہ:

(ا) خدمت حق میں تساہل ایک مومن کے لیے کیسا سخت جرم ہے کہ ایسے مخلص اور مقبول صحابی بھی اس درجہ سرزنش کے مستحق ہوئے اور تمام مسلمانوں کو ان سے قطع علائق کا حکم دیا گیا -

(ب) مسلمانوں کی اطاعت و امتثال کا کیا حال تھا کہ جونہی انقطاع علائق کا حکم ہوا تمام شہر نے بیک دفعہ رخ پھیر لیا - چوری چھپے بھی کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی نہیں کی - حتیٰ کہ ان کے محبوب سے محبوب عزیزوں کو بھی یہ خیال نہ گزرا کہ ایک لمحہ کے لیے اس پر عمل نہ کریں یا کم از کم تعمیل میں نرمی و تساہل سے کام لیں - ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا حال خود حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی زبان سے سن چکے ہو جب انہوں نے کہا تم تو اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ میں سچا مسلمان ہوں - اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں - پھر مجھ سے رخ کیوں پھیر لیا ہے؟ تو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے صرف یہی کہا کہ اللّٰہ ورسولہ اعلم - ان تین لفظوں میں اس عہد کے مسلمانوں کی ذہنیت کی پوری تصویر اتر آئی ہے یعنی مجھے معلوم تو سب کچھ ہے - جانتا ہوں کہ تم پکے مسلمان ہو - لیکن اپنے جاننے کو کیا کروں؟ جاننا تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور اس کا حکم یہی ہے کہ تم سے کوئی واسطہ نہ رکھوں!

پھر اس اطاعت کے لیے نہ تو کوئی مادی قوت کام میں لائی گئی تھی - نہ عمال حکومت کا ڈر تھا نہ قانون و عدالت کا صرف ایک شخص کے لبوں نے حرکت کی تھی اور اتنی بات سب کو معلوم ہو گئی تھی کہ اس کی مرضی یہی ہے - بس اتنی بات کا معلوم ہو جانا اس کے لیے کافی تھا کہ سب کے دل مجسم اطاعت و امتثال بن جائیں -

(ج) پھر یہ بھی دیکھو کہ مسلمانوں کی باہمی اخوت و محبت کا کیا حال تھا؟ اس سختی کے ساتھ حکم کی تعمیل تو سب نے کی لیکن ساتھ ہی ان کی مصیبت کے غم سے کوئی دل خالی بھی نہ تھا - سب کے دلوں کو لگی تھی کہ ان کی توبہ قبول ہو جائے - جونہی قبولیت کا اعلان ہوا ایک پر ایک دوڑنے لگا کہ ان سختی کشان عشق کو سب سے پہلے میری زبانی مژدۂ قبولیت ملے - کوہ سلع پر سے جس نے پکار کر سب سے پہلے بشارت سنائی تھی حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے گو اس کا نام نہیں لیا لیکن وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے -

تعلیم و تعلم کے نظام کا قیام:

(۱۸) اس سے پہلے آیت (۹۷) میں بدوی قبائل کی نسبت فرمایا تھا کہ احکام دین سے بے خبری ان سے زیادہ متوقع ہے - کیونکہ تعلیم و تربیت سے محروم رہتے ہیں - اب یہاں اشارہ کیا کہ تعلیم کا ایک عام نظم قائم کرنا چاہیے - یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان گھر چھوڑ کر تحصیل علم کے لیے نکل کھڑے ہوں - پس ایسا کرنا چاہیے کہ ہر بستی اور ہر گروہ میں سے کچھ لوگ اس کام کے لیے وقف ہو جائیں - وہ تعلیم و تربیت کے مرکز میں (اور اس وقت مرکز مدینہ تھا) رہ کر دین میں بصیرت پیدا کریں اور پھر اپنی آبادیوں میں جا کر دوسروں کو تعلیم دیں -

قرآن کے یہی اشارات ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں اول دن سے تحصیل علم کا عام ولولہ پیدا کر دیا تھا - حتیٰ کہ انہوں نے ایک صدی کے اندر ہی اندر اس کا ایک ایسا عالمگیر نظام قائم کر دیا جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی -

معرکہ یرموک کی پیشین گوئی:

(۱۹) آیت (۱۲۳) میں غالباً اس طرف اشارہ تھا کہ گو تبوک میں رومیوں سے مقابلہ نہیں ہوا کیونکہ انہوں نے حملہ کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا لیکن وہ پھر تیاریاں کرنے والے ہیں اور ضروری ہے کہ مسلمان جنگ کے لیے مستعد رہیں - اس صورت میں "الذین یلونکم" کا

مطلب یہ ہوگا کہ جو دشمن تمہاری سرحد سے متصل ہیں- یعنی شام کے رومی اور عرب کے عیسائی قبائل- چنانچہ چند سالوں کے بعد ایسا ہی ہوا' اور یرموک کا معرکہ پیش آیا-

چونکہ رومیوں کا مقابلہ اس عہد کی سب سے زیادہ طاقتور اور متمدن شاہنشاہی کا مقابلہ تھا اس لیے فرمایا- اس قوت سے لڑو کہ وہ تمہاری سختی محسوس کریں- مسلمانوں نے اس حکم کی جس طرح تعمیل کی اس کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ہرقل کی فوج بالاتفاق دو لاکھ سے زیادہ تھی اور مسلمان زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھے لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیشہ کے لیے رومی حکومت کا شام میں خاتمہ ہوگیا-

قانون انذار و تنبیہ:

(۲۰) آیت (۱۲۶) میں اگرچہ منافقوں کا ذکر ہے لیکن قرآن کے تمام بیانات کی طرح یہاں بھی مقصود یہ ہے کہ غفلت انسانی کی ایک عام تصویر سامنے آجائے- افراد کی زندگی ہو یا جماعت کی لیکن ہر ہلاکت و بربادی کے بعد تم سراغ لگاؤ گے تو پاؤ گے کہ ان کی ہلاکت اچانک ان پر نہیں آ گری تھی- وہ مدتوں تک ان پر منڈلاتی رہی' لیکن اتری نہیں- وہ اپنی آمد کی علامتیں بھیجتی رہی- ان کی زندگی کا کوئی برس کوئی مہینہ بلکہ کوئی دن ان سے خالی نہیں گیا- لیکن جب یہ ساری تنبیہیں بیکار ہوئیں اور وہ غفلت و گمراہی سے باز نہ آئے' تو پھر ان پر اتر آئی- کیونکہ یہ ان کی ''اجل'' تھی' اور جب اجل آجائے تو وہ ٹل نہیں سکتی- (دیکھو ۷: ۳۴)

خدا کے روحانی قوانین بھی اس کے جسمانی قوانین کی طرح ہیں- تم بد پرہیزی کرتے ہو تو فوراً نہیں مر جاتے- البتہ موت کے پیام آنا شروع ہو جاتے ہیں- یہ پیام کیا ہیں؟ بیماریاں ہیں جو موت کی طرف سے آنے لگتی ہیں تاکہ تمہیں بروقت ہوشیار کردیں- اگر تم ہوشیار ہوگئے تو وہ رک جائے گی- نہ ہوئے تو پھر تمہارے سرہانے آ کھڑی ہوگی- ٹھیک ایسا ہی معاملہ جماعتوں اور قوموں کے ساتھ بھی پیش آتا ہے اور ایسا ہی معاملہ افراد کی معنوی سعادت و شقاوت کا بھی سمجھو- جو نصیحت پکڑتے اور باز آجاتے ہیں وہ سنت الٰہی کے مطابق ہلاکت سے بچ جاتے ہیں- جو مصر رہتے ہیں ہلاک ہو جاتے ہیں- یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے جا بجا امہال' تربص اور استمتاع سے بھی تعبیر کیا ہے (تشریح کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ)

براءت ایک وداعی موعظت تھی:

(۲۱) امام بخاری رحمہ اللہ نے براء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی براءت ہے اور حاکم وغیرہ نے ابی ابن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ سب سے آخری آیات جو نازل ہوئیں براءت کی آخری دو آیتیں ہیں- لیکن تمام روایتوں کو جمع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے براءت سب سے آخری نہیں ہو سکتی- کم از کم ﴿ **واتقوا یوماً ترجعون فیه الی الله** ﴾ (۲: ۲۸۱) اور سورۂ نصر اس کے بعد ضرور نازل ہوئی ہے- بہر حال آخری ہو یا نہ ہو لیکن باعتبار نزول کے یہ آخری کلام میں سے ضرور ہے اور اسی لیے بحیثیت مجموعی پوری سورت میں اور آخری دو آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ اس طرح کا طرز خطاب پایا جاتا ہے جیسے امت کو آخری احکام دیے جا رہے ہوں یا آخری موعظت کا پیام ہو-

چنانچہ آخری دو آیتوں میں عرب کی اس نسل سے خطاب ہے جو اس وقت مخاطب تھی- فرمایا اللہ کا رسول تم میں آگیا' اور اس نے اپنا فرض رسالت ادا کردیا- وہ کسی دوسری جگہ سے تم میں نہیں آ نکلا تھا- سنت الٰہی کے مطابق خود تم ہی میں پیدا ہوا اور چونکہ وہ تم ہی میں سے ہے اس لیے اول سے لے کر آخر تک اس کی ساری باتیں تمہاری نگاہوں کے سامنے رہی ہیں- اس کا لڑکپن بھی تم میں گذرا' اس کی جوانی کے دن

بھی تم میں بسر ہوئے- پھر اس نے نبوت کا اعلان کیا تو تم سے کہیں چھپ کر زندگی بسر نہیں کی- اس کی ساری باتیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے- پھر جو کچھ گزرنا تھا گذرا' اور تم نے مظلومی و بیکسی کے اعلان بھی سن لیے- فتح و کامرانی میں ان کی تصدیق بھی کر لی- تم میں کوئی نہیں جو اس کی بے داغ زندگی کا شاہد نہ ہو اور کوئی نہیں جس نے اس کی ایک ایک بات کی سچائی آزما نہ لی ہو-

پھر ان کے ایک ایسے وصف پر زور دیا جو منصب رسالت کے لیے اور ہر اس انسان کے لیے جو قوم کی رہنمائی و قیادت کا مقام رکھتا ہو سب سے زیادہ ضروری وصف ہے یعنی ابنائے جنس کے لیے شفقت و رحمت- فرمایا اس سے زیادہ کوئی بات تمہارے لیے یقینی نہیں ہو سکتی کہ وہ سرتاپا شفقت و رحمت ہے- وہ تمہارا دکھ برداشت نہیں کر سکتا- تمہاری ہر تکلیف خواہ جسم کے لیے ہو خواہ روح کے لیے' اس کے دل کا درد و غم بن جاتی ہے- وہ تمہاری بھلائی کی خواہش سے لبریز ہے- وہ اس کے لیے ایسا مضطرب قلب رکھتا ہے کہ اگر اس کی بن پڑتی تو ہدایت و سعادت کی ساری پاکیاں پہلے ہی دن گھونٹ بنا کر پلا دیتا- پھر اس کی یہ شفقت و محبت صرف تمہارے ہی لیے نہیں ہے- وہ تو تمام مومنوں کے لیے خواہ عرب کے ہوں خواہ عجم کے رؤف رحیم ہے!

''رؤف' رأفت سے ہے اور اس کا اطلاق ایسی رحمت پر ہوتا ہے جو کسی کی کمزوری و مصیبت پر جوش میں آئے- پس رافت' رحمت کی ایک خاص صورت ہے اور رحمت عام ہے- دونوں کے جمع کر دینے سے رحمت کا مفہوم زیادہ قوت و تاثر کے ساتھ واضح ہو گیا-

خدا نے یہ دونوں وصف جابجا اپنے لیے فرمائے ہیں اور یہاں اپنے رسول کے لیے بھی فرمائے-

اس کے بعد فرمایا کہ اگر یہ مجمع مخاطبین یہ سب کچھ دیکھ لینے اور تجربہ کر لینے کے بعد بھی ادائے فرض سے اعراض کرے تو اے پیغمبر! تم آخری اعلان کر دو کہ میرے لیے اللہ بس کرتا تھا اور اب بھی اللہ بس کرتا ہے- وہ اپنے کلمہ حق کا محافظ ہے اور اس کی مشیت نے جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے بہر حال ہو کر رہنے والا ہے- اس کا قیام و عروج کسی خاص ملک اور قوم کی پشت پناہی پر موقوف نہیں- میرا بھروسہ اسی پر تھا اور اسی پر ہے- میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا-

یہ پیام موعظت یہاں کیوں ضروری ہوا؟ اس کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ دو باتیں سامنے رکھ لی جائیں: سورت کے نزول کا وقت اور سورت کے مطالب- یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب تمام عرب میں کلمہ حق سر بلند ہو چکا تھا اور گو قرآن نے دعوت حق کی عالمگیر فیروزمندیوں کی خبر دے دی تھی تاہم ان لوگوں کے لیے جو کل تک غربت و بیکسی کی انتہائی مصیبتوں میں رہ چکے تھے تمام عرب کا مسلمان ہو جانا بڑی سے بڑی کامرانی تھی اور اس لیے ناگزیر تھا کہ ایک طرح کی فارغ البالی اور بے پروائی طبیعتوں میں پیدا ہو جائے- غزوۂ تبوک کی تیاریوں میں جو بعضوں سے تساہل ہوا تو اس کی تہ میں بھی اس حالت کی جھلک صاف دکھائی دے رہی ہے- اور یہی وجہ ہے کہ اس سورت میں اس تفصیل اور شدت کے ساتھ استعداد کار اور عزم و ہمت کی تلقین کی گئی کہ اس کی نظیر کسی دوسری سورت میں نہیں ملتی-

پس یہاں اس آخری موعظت و اعلان کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب پر دو باتیں واضح کر دی جائیں- ایک یہ کہ جو کچھ ہو چکا ہے یہ معاملہ کی تکمیل نہیں ہے بلکہ محض ابتدا ہے اور اس لیے ادائے فرض کا مطالبہ بدستور باقی ہے- یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کام سے فارغ البال ہو گئے- دوسری یہ کہ کلمہ حق اپنے عروج کے لیے تمہارا محتاج نہیں- اگر آئندہ تم نے کوتاہی کی تو خود نقصان اٹھاؤ گے دعوت حق کا کچھ نہیں بگڑے گا- اس کے لیے صرف اللہ کی کہ جہانداری عالم کے عرش عظیم کا مالک ہے نصرت و حمایت کفایت کرتی ہے!

مندرجہ بالا سطور سے وہ تمام الجھاؤ دور ہو گئے جو ان دو آیتوں کے بارے میں پیدا ہو گئے تھے- چونکہ ان آیتوں میں اہل عرب سے

خطاب ہے اور اعراض کی صورت میں توکل علی اللہ کی تلقین کی گئی ہے اور یہ اسلوب بیان زیادہ تر مکی سورتوں کا رہا ہے اس لیے مفسرین نے خیال کیا یہ مدنی آیتیں نہیں ہوسکتیں اور سورۂ براءت میں ان کا ہونا تعجب انگیز ہے- پھر اس استعجاب کو دور کرنے کے لیے طرح طرح کی توجیہیں کی گئیں لیکن مندرجہ بالا تفسیر کے بعد وہ سب غیر ضروری اور بے محل ہو گئیں-

(۴۲) سورت کے بعض مہمات کی تشریح ابھی باقی ہے:

اہل کتاب سے قتال کا حکم کیوں دیا گیا:

(۱) آیت (۲۹) میں عرب کے ان یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی تمام معاہدات فسخ کر دینے کا حکم دیا ہے جنہوں نے یکے بعد دیگرے معاہدوں کی خلاف ورزیاں کی تھیں اور مسلمانوں کے امن و عافیت کے خلاف ایک بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے- اور حکم دیا ہے کہ مشرکین عرب کی طرح ان کے خلاف بھی اب اعلان جنگ ہے-

اسلام کا جب ظہور ہوا تو حجاز میں یہودیوں کی متعدد جماعتیں آباد تھیں لیکن عیسائیوں کی کوئی قریبی آبادی نہ تھی- وہ یا تو یمن میں تھے یا عرب اور شام کے سرحدی علاقے میں- یہودیوں کا جو طرز عمل رہا اس کی طرف اشارات گزر چکے ہیں- عیسائیوں کی حالت یہودیوں سے مختلف رہی- ان کی طبیعت میں وہ جمود اور سختی نہ تھی جو یہودیوں میں طبیعت ثانیہ ہو چکی تھی اس لیے جب انہوں نے اس دعوت کا حال سنا تو مخالفت کا جوش پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کی طرف مائل ہونے لگے- چنانچہ یمن کے عیسائیوں نے ابتدا سے موافقانہ روش اختیار کی تھی اور خود اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیا تھا- پھر خود بخود اسلام نے اپنی راہ وہاں نکال لی- انہی کے وفد سے وہ مخاطبات ہوئے تھے جو سورۂ آل عمران میں گزر چکے ہیں-

عرب سے باہر کے جن عیسائیوں تک اسلام کی دعوت پہلے پہل پہنچی ان کا بھی یہی حال رہا- چنانچہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے جو بادشاہ مسلمان ہوا وہ حبش کا عیسائی فرمانروا نیگوش تھا جسے عرب نجاشی کہا کرتے تھے اور جس کی حق شناسی اور استعداد ایمانی کی مدح خود کلام الٰہی نے کی ہے- (دیکھو ۵:۸۳)

اس عہد کے یہودیوں اور عیسائیوں کے اس اختلاف حال کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے اور اس کی علت بھی واضح کر دی ہے- (دیکھو ۵:۸۲)

لیکن آگے چل کر جب اسلام کی دعوت زیادہ پھیل گئی تو وہ عیسائی ریاستیں جو عرب اور شام کے سرحدی علاقہ میں قائم ہو گئی تھیں اور رومی حکومت کے ماتحت تھیں اس تحریک کی ترقی گوارا نہ کر سکیں اور رومی شاہنشاہی کی پشت گری سے مغرور ہو کر آمادۂ پیکار ہو گئیں- سب سے پہلا معاملہ حضرت حارث بن عمیر کی شہادت کا پیش آیا- آنحضرتؐ نے انہیں دعوت اسلام کا خط دے کر موتہ بھیجا تھا جہاں کا رئیس شرحبیل بن عمرو غسانی تھا- اس نے انہیں بغیر کسی جرم و قصور کے قتل کرا دیا- اس صریح غدر و ظلم نے پیغمبر اسلام کو جنگ پر مجبور کر دیا اور ایک فوج ۸ ہجری میں روانہ کی گئی- اس وقت شہنشاہ قسطنطنیہ بھی شام میں مقیم تھا- اس سے رئیس موتہ نے مدد مانگی اور شاہی فوج بھی میدان میں آ گئی- تاہم فتح مسلمانوں ہی کو ہوئی-

اس واقعہ کے بعد شام کے تمام عرب قبائل نے تہیہ کر لیا کہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور شہنشاہ قسطنطنیہ نے بھی ان کی اعانت کا فیصلہ کر لیا- چنانچہ ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ شاہی فوجیں شام میں جمع ہونے لگیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کو خود دفاع کے لیے نکلنا پڑا- یہی

دفاعی اقدام ہے جو غزوۂ تبوک کے نام سے مشہور ہوا- لیکن جب پیغمبر اسلام تبوک پہنچے تو معلوم ہوا مسلمانوں کے اس بے باکانہ اقدام نے دشمنوں کے ارادے پست کر دیے اور اب حملہ کا ارادہ ملتوی ہو گیا ہے-

اس سورت کی یہ آیتیں اس واقعہ کے بعد ہی نازل ہوئی تھیں اور چونکہ اب مسلمانوں پر اس جانب سے سخت حملہ ہونے والا تھا اور دوسری طرف عرب کے یہودی بھی اپنی سازشوں میں سرگرم تھے اس لیے ناگزیر ہو گیا تھا کہ مشرکین عرب کی طرح ان کے خلاف بھی جنگ کا اعلان کر دیا جائے-

پس اس آیت میں ''جنگ کرو'' کے حکم سے مقصود جنگ کی یہی صورت ہے- یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا کے تمام یہودیوں اور عیسائیوں پر محض ان کے یہودی اور عیسائی ہونے کی وجہ سے حملہ کر دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ نہ دیں جیسا کہ معترضین اسلام نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے- ایسا مطلب صرف وہی قرار دے سکتا ہے جو پورے قرآن سے' پیغمبر اسلام کی زندگی سے' صحابہ کے حالات سے اور تاریخ اسلام سے یک قلم آنکھیں بند کر لے-

حکم قتال کے ساتھ یہ بات بھی واضح کر دی کہ ان جماعتوں کو دعوت حق سے کیوں بغض ہوا اور کیوں راستی و عدالت سے منہ موڑ کر مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی کے درپے ہو گئے؟ چنانچہ پہلے اہل کتاب کا نام نہیں لیا بلکہ ان کے چار سلبی وصف بیان کیے- یعنی جن لوگوں کے اوصاف کا یہ حال ہے ان سے راستی و عدالت اور پاس عہد و قرار کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی اور وہ پیروان حق کی عداوت سے کبھی باز آنے والے نہیں- پس اگر ان سے جنگ نہ کی جائے تو چارۂ کار کیا رہا ہے؟

فرمایا باوجود اہل کتاب ہونے کے اب ان کا حال یہ ہے کہ نہ تو اللہ پر ایمان باقی رہا ہے نہ آخرت پر- زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن ان کا ہر عمل اعلان کرتا ہے کہ مومن نہیں- پھر اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ حرام کر دیا تھا اب ان کے لیے حرام نہیں رہا- کیونکہ اول تو ہوائے نفس سے حیلے نکال کر کتنی ہی حرام چیزیں حلال کر لیں پھر حلت و حرمت کا حق بھی خدا اور رسول کی جگہ اپنے فقیہوں اور پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دیا- اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس دین حق کی انہیں حضرت موسیٰ اور مسیح علیہما السلام نے تعلیم دی تھی اسے یک قلم چھوڑ چکے ہیں- یہاں اہل کتاب کے ایمان کی اسی طرح نفی کی ہے جس طرح سورۂ بقرہ میں کی ہے کہ ﴿ **ومن الناس من يقول امنا بالله وباليوم الاخر وما هم بمؤمنين** ﴾ (۲:۸)

<u>حکم جزیہ:</u>

(ب) اس کے بعد فرمایا ﴿ **حتى يعطوا الجزيه عن يد وّهم صاغرون** ﴾ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر جزیہ دے دیں اور ان کا گھمنڈ ٹوٹ چکا ہو- نہ صرف عربی زبان میں بلکہ تقریباً ہر زبان میں یہ محاورہ موجود ہے کہ کسی چیز کو خود اپنے ہاتھ سے دے دینا رضامندی سے دینا ہوتا ہے- مثلاً اردو میں کہیں گے ''تم اپنے ہاتھ سے اٹھا کر جو دے دو گے ہم لے لیں گے'' یعنی اپنی خوشی سے جو کچھ دے دو وہی ہمارے لیے بہت ہے- ٹھیک مطلب عربی میں بھی اس ترکیب کا ہوتا ہے- پس مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا منظور کر لیں اور ان کا گھمنڈ اور ظلم جس نے انسان کے امن و راحت کو خطرہ میں ڈال دیا تھا باقی نہ رہے-[1]

---

[1] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں تصریح کی ہے: **سمعت عددا من اهل العلم يقولون الصغاران يجرى عليهم حكم الاسلام** یعنی میں نے متعدد اہل علم سے سنا ہے کہ **وهم صاغرون** کا مطلب یہ ہے: ان پر اسلامی حکومت کے قوانین جاری ہو جائیں یعنی وہ اسلامی حکومت کے قوانین کے آگے جھک جائیں-

(ج) عربی میں ''جزیہ''[۲] خراج کے معنی میں بھی بولا گیا ہے جو اراضی سے وصول کیا جاتا ہے اور ٹیکس کے لیے بھی جو اشخاص پر عائد ہوتا ہے- ایران اور روم میں اس طرح کے ٹیکس لیے جاتے تھے اور عرب کے جن حصوں نے ان کی باج گزاری منظور کر لی تھی وہ اس طرح کے ٹیکسوں سے آشنا ہو گئے تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ نجران (یمن) کے عیسائیوں کا جب وفد آیا تو اس نے خود یہ بات پیش کی کہ ہم مسلمان تو نہیں ہوتے لیکن اطاعت قبول کر لیتے ہیں- آپ ہم پر جزیہ مقرر کر دیں- غالباً یہ جزیہ لینے کا پہلا واقعہ ہے جو تاریخ اسلام میں پیش آیا- اس کے بعد بحرین کے یہودیوں اور مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا-

(د) یہاں ''جزیہ'' لینے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اگرچہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ذکر میں آیا لیکن اصلاً حکم تمام غیر مسلموں کے لیے ہے جو اسلامی حکومت کے ماتحت رہنا منظور کر لیں- چنانچہ صدر اول سے لے کر آخر تک تمام اسلامی حکومتوں کا عمل اسی پر رہا- خود آنحضرت ﷺ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا' صحابہ نے صابیوں سے لیا اور خلفاء بنو امیہ و عباسیہ کا سندھ کے ہندوؤں اور پیروان بدھ سے لینا معلوم ہے-

البتہ عرب کے غیر مسلموں کے بارے میں اختلاف ہوا اور امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما اس طرف گئے ہیں کہ ان سے جزیہ پر مصالحت نہیں ہو سکتی لیکن اس بارے میں صحیح مذہب جمہور ہی کا ہے- یعنی عرب و عجم کی کوئی تفریق نہیں کیونکہ خود آنحضرت ﷺ اور صحابہ کا عرب کے غیر مسلموں سے جزیہ لینا ایک مسلّم واقعہ ہے-

باقی رہے مشرکین عرب تو ان کا سوال عملاً پیدا ہی نہیں ہوا کیونکہ سورۂ براءت کے نزول کے بعد تمام مشرکین عرب مسلمان ہو چکے تھے اور حکمت الٰہی کا فیصلہ یہی تھا کہ جاہلیت عرب کا شرک پھر یہاں سر نہ اٹھائے-

(ہ) قرآن نے غیر مسلموں سے جزیہ لینے کا حکم کیوں دیا؟ اس لیے کہ حق و انصاف کا مقتضا یہی تھا اور اس لیے کہ وہ چاہتا تھا مسلمانوں کے نظام حکومت میں غیر مسلموں پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے جتنا بوجھ مسلمانوں کو اٹھانا پڑے گا-

اسلام نے مسلمانوں پر جنگی خدمت فرض کر دی تھی یعنی آج کل کی اصطلاح میں فوجی قانون جبری تھا اور اس لیے ضروری تھا کہ جو غیر مسلم اسلامی حکومت کے ماتحت شہری زندگی بسر کریں وہ بھی ملک کی حفاظت کے لیے جنگ میں شریک ہوں لیکن اسلام نے اسے انصاف کے خلاف سمجھا کہ اس بارے میں غیر مسلموں پر جبر کیا جائے- اس نے یہ بات ان کی مرضی پر چھوڑ دی اور کہا اگر خود اپنی خوشی سے چاہو تو جنگی خدمات میں مسلمانوں کی طرح شریک ہو- نہ شریک ہونا چاہو تو اس کے بدلے ایک سالانہ رقم ادا کر دیا کرو- یہی رقم تھی جو غیر مسلموں کے لیے جزیہ ہوئی-

فی الحقیقت انسان کے عقائد و جذبات کی آزادی کا یہ ایسا اعتراف تھا جس کا اس عہد میں کوئی دوسری قوم تصور بھی نہیں کر سکتی تھی- جنگ کے لیے نکلنا اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ لینا ہے- مسلمان مسلمانوں کو اس کے لیے مجبور کر سکتے ہیں لیکن انہیں کیا حق ہے کہ غیر مسلموں کو اس کے لیے مجبور کریں؟

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں غیر مسلموں کو جو سرکاری فرامین دیے گئے ان میں ہم صاف صاف اس کی تصریح پاتے ہیں- جو فوج میں شریک ہو گا اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا- جو نہ ہو گا اس سے جزیہ لیا جائے گا- بعض فرمانوں میں یہاں تک سہولت دی ہے کہ اگر

---

۲ خود ''جزیہ'' کا لفظ بھی ایران کی پیداوار ہے- یعنی فارسی لفظ ''گزیت'' سے معرب ہوا ہے- اس بارے میں مولانا شبلی نعمانیؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ زمانہ حال کی نہایت قیمتی اسلامی تحقیقات میں سے ہے-

عام طور پر شریک نہیں ہوتے - صرف ایک برس شریک ہو گئے تو اس برس کی رقم معاف ہو جائے گی - طبری نے تاریخ میں اور بلاذری نے فتوح البلدان میں یہ فرامین نقل کیے ہیں -

یہ تو پہلی علت ہوئی - دوسری علت کا یہ حال ہے کہ اسلام نے مسلمانوں پر کئی طرح کے ٹیکسوں کا بوجھ ڈال دیا تھا - زکوٰۃ انہیں ادا کرنی چاہیے، عام صدقات و خیرات میں انہیں حصہ لینا چاہیے، جنگ پیش آ جائے تو اس کا بوجھ بھی اٹھانا چاہیے - پس ضروری تھا کہ غیر مسلم رعایا پر بھی ایسا ہی بوجھ ڈالا جاتا کیونکہ جہاں تک آزادی و حقوق کا تعلق ہے ان میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا گیا تھا لیکن اسلام نے ایسا نہیں کیا - غیر مسلموں کو حقوق تو مسلمانوں ہی کی طرح دیے لیکن مالی بوجھ مسلمانوں کی طرح نہیں ڈالا - ان تمام ٹیکسوں کے بدلے جو مسلمانوں پر عائد کیے تھے صرف ایک ہی ٹیکس کی ادائیگی ضروری ٹھہرائی - یعنی جزیہ کی - اور وہ بھی انہیں معاف کر دیا جو فوجی خدمت کے لیے تیار ہو جائیں - نتیجہ یہ نکلا کہ فی الحقیقت غیر مسلموں کے لیے کوئی بوجھ بھی نہ رہا اور حقوق سب کے سب رہے - یعنی اگر ایک غیر مسلم ذمی فوجی خدمت سے انکار نہ کرے (جو خود اسی کے وطن کی حفاظت کے لیے ہوگی) تو وہ اسلامی حکومت میں آزادی و حقوق کی ٹھیک ویسی ہی زندگی بسر کرے گا جیسی ایک مسلمان بسر کر سکتا ہے لیکن مسلمان کی طرح اسے کوئی ٹیکس ادا نہیں کرنا پڑے گا!

کیا اس طرز عمل کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم سے پیش کی جا سکتی ہے؟

(و) جہاں تک غیر مسلموں کے مذہبی، معاشرتی اور شہری حقوق کا تعلق ہے موسیو لیبان کا یہ قول کفایت کرتا ہے کہ ''اسلامی حکومت کے ماتحت غیر مسلم ذمیوں کو وہ سب کچھ حاصل تھا جو کسی قوم کو حاصل ہو سکتا ہے - البتہ صرف ایک بات کا حق نہ تھا - یعنی وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے!''

(ز) آیت (٣٠) اور اس کے بعد کی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کی ان گمراہیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں پڑ کر وہ دین حق سے منحرف ہو گئے -

حضرت عزیر علیہ السلام کی نسبت یہودیوں کا اعتقاد:

یہاں یہودیوں کا یہ قول جو نقل کیا ہے کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں تو اس سے مقصود یہودیوں کا عام اعتقاد نہیں ہے - بلکہ صرف ان یہودیوں کا اعتقاد ہے جو یثرب میں آباد تھے - چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سلام بن مشکم، نعمان بن اوفی، ابو انس، شاش بن قیس اور مالک بن صیف کہ رؤسائے یہود میں سے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا ہم آپ کی کس طرح پیروی کر سکتے ہیں جب کہ آپ نے ہمارا قبلہ ترک کر دیا اور عزیر کو ابن اللہ نہیں مانتے (ابن جریر)

عزیر سے مقصود عزرا ہیں - بخت نصر کے حملہ بیت المقدس میں تورات کے تمام نسخے جل گئے تھے - اس لیے جب یہودی قید بابل سے چھوٹ کر واپس آئے تو ان کے پاس تورات کا کوئی نسخہ نہ تھا اور ان کی نئی نسل عبرانی زبان سے بھی نا آشنا ہو گئی تھی - یہ حالت دیکھ کر حضرت عزرا نے کلدانی حروف میں اور ایسی عبرانی میں کہ کلدانی زبان سے مخلوط تھی از سر نو تورات کے صحائف لکھے اور یہی نسخہ اصلی نسخہ کا بدل سمجھا گیا - چونکہ حضرت عزرا نے از سر نو شریعت مرتب کی اور قید بابل کے بعد نئے دور کے بانی ہوئے اس لیے یہودیوں میں ان کی شخصیت بہت ہی مقدس مانی گئی ہے - حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم رتبہ اور شریعت کا دوسرا بانی کہا گیا - چنانچہ آج تک یہودیوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ اگر اس عہد میں لوگوں سے قصور نہ ہوا ہوتا تو عزرا بھی وہ سارے معجزے دکھا دیتے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دکھائے تھے -[1]

---

[1] جیوش انسائیکلوپیڈیا - اسم عزرا - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں بھی وہ مقالہ دیکھنا چاہیے جو عزرا کے حالات پر ہے -

جب یہودیوں کا ان کی نسبت عام اعتقاد یہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہود یثرب کا غلو موجب تعجب ہو۔

شرح اتخاذ ارباباً من دون الله:

(۲۳) اس کے بعد آیت (۳۱) میں اس گمراہی کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہود ونصاریٰ کی تمام فکری و عملی گمراہیوں کا سرچشمہ تھی یعنی انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علما و مشائخ کو پروردگار بنالیا ہے' پروردگار بنالینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ انہیں رب السماوات والارض کہتے ہیں' کیونکہ اس طرح تو کبھی کسی نے کسی کو رب نہیں بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے فقیہوں کو اور عیسائیوں نے اپنے پوپ اور اس کے مقرر کیے ہوئے پادریوں کو دین کے بارے میں جو منصب دے دیا ہے' اور وہ اپنے زاہدوں اور درویشوں کی نسبت جیسا کچھ اعتقاد رکھتے ہیں' وہ فی الحقیقت انہیں مثل پروردگار کے بنالینا ہے۔

چنانچہ خود پیغمبر اسلام ﷺ نے اس کا یہی مطلب قرار دیا۔ عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ جو پہلے عیسائی تھے' کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے جب براءۃ کی یہ آیت پڑھی تو میں نے عرض کیا ''ہم انہیں پوجتے تو نہیں'' آپ نے کہا ''کیا ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو وہ حرام ٹھہرا دیتے ہیں تم حرام سمجھ لیتے ہو' جس بات کو حلال کر دیتے ہیں حلال مان لیتے ہو؟'' عرض کیا ''ہاں'' فرمایا ''یہی انہیں پوجنا ہے'' (ترمذی و بیہقی فی السنن) اس سے معلوم ہوا کہ اپنے دینی پیشواؤں کو تشریع دینی کا حق دے دینا یعنی اس بات کا حق دے دینا کہ وہ جو کچھ اپنی خواہش اور رائے سے ٹھہرا دیں اس کی بلا چون و چرا تقلید و اطاعت کرنی چاہیے قرآن کے نزدیک انہیں رب بنالینا ہے۔ کیونکہ اس بات کا حق اللہ کے سوا اور اللہ کی وحی کے مبلغ کے سوا اور کسی کو نہیں۔ پس جب دوسروں کو بھی یہ حق دے دیا گیا تو گویا وہ خدائی میں شریک کر لیے گئے۔

عیسائیوں میں ایک انسان بھی ایسا نہیں ہوا جس نے پوپ اور اس کے مقرر کیے ہوئے فادرز کو خدا سمجھا ہو اور نہ یہودیوں نے کبھی اپنے ربیوں کو ایسا سمجھا لیکن ان کے عمل کا یہی حال رہا۔ گویا حق و باطل' حلال و حرام' عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کی تقسیم کا سارا اختیار انہی کے قبضہ میں ہے۔ وہ جو حلال کر دیں حلال ہے۔ جو حرام کر دیں حرام ہے۔ جسے چاہیں بخشش کا پروانہ دے دیں جسے چاہیں محروم و مردود کر دیں۔ جنت کی کنجی بھی انہی کے ہاتھ میں ہے۔ دوزخ کا داروغہ بھی انہی کے زیر حکم۔ وہ ایسے مقدس ہیں کہ کوئی بات ان کی غلط نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ نے انہیں ایسا با اختیار کر دیا ہے کہ ان کے حکم سے کوئی بات باہر نہیں:

ما شئت لا ماشائت الاقدارُ

فاحکمْ فانت الواحد القهار!

اس گمراہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

اولاً: خدا کی کتاب جو اس غرض سے نازل کی گئی تھی کہ لوگ اسے پڑھیں اور اس پر عمل کریں' یک قلم بے اثر و بے کار ہو گئی۔ کیونکہ اس کی جگہ انسانوں کی رایوں اور فیصلوں نے لے لی۔

ثانیاً: ہدایت کا مرکز عملاً خدا کا حکم نہ رہا انسانوں کا حکم ہو گیا۔

ثالثاً: دینی پیشواؤں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جو لوگوں کو اندھا بہرا بنا کر جس طرح چاہتا اپنے اغراض کے لیے کام میں لاتا۔

رابعاً: انسان کی عقلی ترقی کی تمام راہیں بند ہو گئیں۔ کیونکہ جب لوگوں نے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چھوڑ دیا اور اپنے بنائے ہوئے پیشواؤں کا حکم بلا دلیل ماننے لگے کہ یہی معنی تقلید کے ہیں تو ظاہر ہے کہ پھر عقل کی نشو و نما اور ترقی کے لیے کون سی راہ باقی رہ گئی؟

خامساً: توہم پرستی اور جہل وکوری کا دروازہ کھل گیا- کیونکہ جب اعتقاد وعمل کا دارومدار چند انسانوں کی رایوں پر آ ٹھہرا اور دوسروں کو اس کا حق نہ رہا کہ اپنی عقل وبینش سے کام لیں تو ظاہر ہے کہ عقل وبینش کی جگہ جہل وتوہم ہی پھیلے گا اور جو خرافات کسی ٹھہرائے ہوئے پیشوا کی زبان سے نکل جائے گی لوگوں کے لیے دلیل وحجت کا کام دے گی-

سادساً: دینی پیشوا اچھے انسان ہونے کی جگہ بے پناہ دیوتا بن گئے- اوران کی ساری باتوں نے تقدیس وپاکی کا جامہ پہن لیا- کیونکہ جب انہیں اپنے پیروؤں کے لیے حکم وتشریع کی غیر مشروط طاقت مل گئی اور اپنے احکام واعمال میں یک قلم غیر مسئول ہو گئے تو پھر نفس انسانی کی شرارتیں ان سے جو کچھ بھی کرائیں کم ہے-

یورپ کے اس عہد کی تاریخ پر نظر ڈالو جسے مورخ ازمنہ وسطیٰ کے نام سے پکارتے ہیں بلکہ اس عہد کی بھی' جو نشاۃ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے' تمہیں ان نتائج کی ساری نظیریں اور مثالیں قدم قدم پر ملنے لگیں گی- صرف پوپ کے منصب کی نسلاً بعد نسل تاریخ ہی دیکھ لی جائے' اس کے لیے کفایت کرے گی-

قرآن نے جس وقت یہ صدا بلند کی عیسائی دنیا تیار نہ تھی کہ اس کا جواب دیتی لیکن بالآخر اس سے اعراض نہ کر سکی' اس وقت تو قرآن کی اس دعوت حق کو عیسائیوں نے نہیں سمجھا لیکن یہ تخم ریزی برگ وبار لائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی- صلیبی لڑائیوں میں جب یورپ کے عیسائیوں کو مسلمانوں سے ملنے اور اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو اس کے اثرات کام کرنے لگے اور بالآخر لوتھر نے اصلاح کنیسہ کی دعوت بلند کی- لوتھر اور کلیسا میں بنائے نزاع یہ تھی کہ حق کا معیار کیا ہے؟ کتاب اللہ یا پوپ کا اجتہاد؟ اور خدا کی کتاب اس لیے ہے کہ پڑھی جائے اور سمجھی جائے یا اس لیے کہ سب کچھ پوپ پر چھوڑ دیا جائے؟ نزاع کی ابتدا نجات کے مسئلے سے ہوئی تھی یعنی نجات کا دارومدار ایمان پر ہے یا پوپ کی سند مغفرت پر؟ ظاہر ہے کہ یہ حرف بہ حرف اسی صدائے حق کی بازگشت تھی کہ ﴿ **اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ** ﴾

آج یہ واقعہ دنیا کے تاریخی حقائق میں سے سمجھا جاتا ہے کہ یورپ کی تمام ذہنی اور عملی ترقیوں کا دور اصلاح کنیسہ کی دعوت سے شروع ہوا- یہ سچ ہے لیکن اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ اصلاح کنیسہ کی بنیاد اس دن پڑی تھی جس دن اللہ کے رسول نے نجران کے بشپ کو یہ دعوت اصلاح دی تھی: ﴿ **یا اھل الکتاب! تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم' الا نعبد الا اللہ' ولا نشرک بہ شیا' ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ** ﴾ (۳:۶۴) اور پھر اس دن جس دن سورۂ براءت کی یہ آیت نازل ہوئی تھی![1]

اگر چھٹی صدی عیسوی کے عیسائی جہل وتعصب نے اس دعوت سے انکار نہ کیا ہوتا تو وہ تمام تاریک صدیاں ظہور میں نہ آتیں جن کی وحشت انگیز سرگزشتیں تاریخ کو قلمبند کرنی پڑیں اور ازمنہ مظلمہ کے نام سے پکاری گئیں اور یقیناً یورپ کے علم وعقلیت کی تاریخ چودھویں صدی کی جگہ ساتویں صدی سے شروع ہو جاتی!

یہ سرگزشت تو عیسائی دنیا کی ہے جسے اس دعوت حق نے مخاطب کیا تھا لیکن خود مسلمانوں کا کیا حال ہوا جنہیں اس دعوت کی تبلیغ سپرد کی گئی تھی؟ افسوس ہے کہ وہ خود بھی اس گمراہی سے بچ نہ سکے اور انہوں نے بھی تشریع دینی کا حق کتاب وسنت کی جگہ انسانوں کی رایوں کے حوالہ کر دیا- اعتقاداً نہیں' عملاً' اور سوال یہاں عمل ہی کا ہے نہ کہ اعتقاد کا- نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام مفاسد ظہور میں آ گئے جن کا دروازہ قرآن نے بند

---

[1] لوتھر پر پوپ کی طرف سے جو الزام لگائے تھے ان میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ وہ اسلام کا پیرو ہو گیا ہے اور یہ کہ قرآن کے مطالعہ سے اس میں یہ گمراہی پیدا ہوئی- (اڈورڈ ر ہسٹری آف دی ریفارم- باب سوم)

کرنا چاہا تھا- اور سب سے بڑا فساد یہ پیدا ہوا کہ صدیوں سے ان کی عقلی ترقی یک قلم رک گئی اور تقلید نے علم وبصیرت کی راہوں سے انہیں دور کر دیا- حتیٰ کہ اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کی معاشرتی و اجتماعی زندگی مختل ہو رہی ہے کیونکہ اس کی ضرورتوں کے مطابق احکام فقہ نہیں ملتے اور شریعت کو فقہ کے مذاہب مدونہ ہی میں منحصر سمجھ لیا گیا ہے- دوسری طرف تمام اسلامی حکومتوں نے قوانین شرع پر عمل درآمد ترک کر دیا ہے اور اس کی جگہ یورپ کے دیوانی و فوجداری قوانین اختیار کرنے لگی ہیں- کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ دفاتر فقہ وقت کے انتظامی و معاشرتی مقتضیات کا ساتھ نہیں دے سکتے - اور کوئی نہیں جو انہیں بتلائے کہ اللہ کی شریعت کا دامن اس نقص سے پاک ہے اور اگر وہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے تو انہیں اس زمانے کے لیے بھی ویسے اصلح واوفق قوانین مل جاتے جس طرح پچھلے عہدوں کے لیے مل چکے ہیں- **فیالله وللمسلمين' من هذه الفاقرة التي هي اعظم فواقر الدين والرزية التي ما رزى بمثلها سبيل المومنين!**

اکل اموال بالباطل:

(ط) چونکہ پچھلی آیت میں احبار ورہبان کا ذکر کیا گیا تھا اس لیے آیت (۳۴) میں خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان کی حالت بیان فرمائی ہے تاکہ اس سے نصیحت پکڑیں-

قرآن نے یہاں اور متعدد مقامات میں یہود ونصاریٰ کے علمائے ومشائخ کی ایک بہت بڑی گمراہی یہ بتلائی ہے کہ ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھا لینے میں بے باک ہو گئے ہیں- اس لیے ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر سمجھ لیا جائے اس سے مقصود کیا ہے؟ یہ مقصود تو ہو نہیں سکتا کہ وہ لوگوں کے مال پر علانیہ ڈاکے ڈالتے تھے- ضرور کوئی ایسی ہی بات ہوگی جو ان کی روزانہ زندگی کے اعمال میں داخل ہو گئی تھی اور جس کا نتیجہ اکل اموال بالباطل تھا-

یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی حلقوں اور اداروں کی تاریخ اب منضبط ہو چکی ہے- اس پر نظر ڈالی جائے تو بے شمار باتیں سامنے آئیں گی لیکن خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

(۱) پادشاہوں اور امیروں کی مطلب براریوں کے لیے حلال کو حرام' حرام کو حلال بنا دیتے اور اس کے فتوے دے کر انعام واکرام لیتے - حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شریعت کے کسی حکم سے انکار کر دیتے تھے- بلکہ یہ ہے کہ اس کے حکموں کو توڑ مروڑ کر یا طرح طرح کے حیلے بہانے نکال کر ایسی صورتیں نکال لیتے کہ امیروں کی ہوائے نفس پوری ہو جائے- مثلاً کوئی امیر اپنے دشمن سے انتقام لینا چاہتا ہے تو یہ اس کے کفر کا فتویٰ تیار کر کے دے دیتے کہ شرعاً اسے قتل کرنا جائز ہے- بیوی سے نجات حاصل کرنی چاہتا تو فتویٰ دے دیتے کہ نکاح قائم نہیں رہا- اگر کسی روپیہ پیسے والے سے کوئی ایسی بات ہو جاتی جس کی شرع میں تعزیر ہے اور وہ روپیہ دے کر بچنا چاہتا تو مسئلہ کی کوئی ایسی صورت کھینچ تان کے بنا دیتے کہ تعزیر ساقط ہو جاتی-

پادشاہوں اور امیروں کے نکاح وطلاق کے بارے میں پوپ اور کارڈینیلوں کی دین فروشیاں تاریخ یورپ کے ایسے مشہور واقعات ہیں کہ محتاج بیان نہیں-

(۲) ناجائز طریقہ پر مال کھانے کی ایسی صورتیں نکالتے کہ مثلاً فلاں جماعت کافروں اور بت پرستوں کی جماعت ہے- ان کا مال دھوکے فریب سے بھی کھا لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ ثواب ہے- چنانچہ علمائے یہود کا مشرکین عرب کی نسبت ایسا ہی فتویٰ تھا- سورۂ

آل عمران میں گزر چکا ہے: ﴿ ذلك بانهم قالوا "ليس علينا في الاميين سبيل ﴾ (۳:۷۵)

(۳) معاملات وقضایا میں رشوت لے کر فیصلے کرتے-

قرون وسطیٰ میں پوپ سے لے کر کسی گاؤں کے ایک پادری تک جس طرح بات بات میں رشوتیں لیا کرتے تھے تاریخ کے مسلمات میں سے ہے-

(۴) راہبوں میں سے جو شخص زیادہ شہرت حاصل کر لیتا لوگ سمجھتے اسے روحانی تسلط وتصرف کا مقام حاصل ہوگیا ہے اور وہ جو چاہے کرسکتا ہے- پس ہر طرح کی حاجتیں لے کر اس کے پاس آتے اور وہ ان سے طرح طرح کی نذریں لے کر انہیں یقین دلا دیتا کہ تمہاری حاجت روائی کا سامان ہوگیا-

(۵) تمام مذہبی اعمال ورسوم کے لیے باقاعدہ قیمتیں مقرر کر دی تھیں اور اس غرض سے کہ آمدنی کے وسائل زیادہ سے زیادہ بڑھیں ہمیشہ نئی نئی رسمیں اور نئی نئی تقریبیں نکالتے رہتے- نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی زندگی کے تمام اعمال خرید وفروخت کا معاملہ بن گئے- کوئی نماز پڑھے تو اس کے لیے کچھ نہ کچھ خرچ کرے' روزہ رکھے تو اس کے لیے نذرانہ نکالے' شادی غمی ہو جائے تو اس کے لیے فیس مقرر' وعظ ونصیحت کی محفل کرنی چاہے تو اس کے لیے باقاعدہ رقوم- حتیٰ کہ کوئی خدا سے دعا بھی نہیں کرا سکتا جب تک کہ اس کا مقررہ نذرانہ ادا نہ کر دے!

(۶) کتاب اللہ کے علم وتعلم کو صرف اپنے ہی طبقہ کے لیے مخصوص کر لیا کہ یہ عوام کے سمجھنے کی چیز نہیں- صرف تبرکاً سن کر ثواب کما لینے کی چیز ہے- اور پھر جو بہ نیت ثواب سننا چاہے اسے معاوضہ لے کر سنانے لگے- چنانچہ علمائے یہود نے تورات خوانی کو پیشہ بنا لیا تھا اور رومن کیتھولک چرچ کے راہب آج تک ایک ایک گھر میں جا کر انجیل سناتے اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں-

(۷) عوام میں یہ اعتقاد پیدا کر دیا کہ نجات کا سررشتہ انہی کے ہاتھ میں ہے- جسے چاہیں بخش دیں' جسے چاہیں نہ بخشیں اور پھر اس غرض سے اعتراف گناہ (Confession) کا طریقہ رائج کیا یعنی ہر عیسائی کے لیے ضروری ہوگیا کہ کسی پادری کے سامنے جو اس غرض سے مقرر ہوا اپنے گناہوں کا اقرار کرے اور وہ اسے مسیح کے نام پر بخش دے- اصلاح کے بعد نئے کلیسا نے یعنی پروٹسٹنٹ نے اس سے انکار کر دیا لیکن کیتھولک کلیسا کے معتقدین میں آج تک رائج ہے-

(۸) اس سے بھی بڑھ کر جلب زر کا یہ طریقہ نکالا گیا کہ مغفرت کے پروانے فروخت کیے جانے لگے- یعنی جو شخص ایک خاص مقررہ قیمت ادا کر دیتا اسے نجات کا مقدس پروانہ مل جاتا اور اس پروانہ کے حصول کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ اب کتنے ہی معاصی وجرائم کیے جائیں آسمان میں کوئی پرسش نہ ہوگی- مورخین نے تصریح کی ہے کہ اس تجارت کو اس قدر فروغ ہوا تھا کہ کاروباری آدمیوں نے پوپ سے اس کی فروخت کا ٹھیکہ لینا شروع کر دیا تھا-

لوتھر کے دل میں سب سے پہلے اسی معاملہ نے خلش پیدا کی تھی-

(۹) طرح طرح کے تبرکات اور آثار بنائے تھے اور عوام کے دلوں میں اعتقاد پیدا کر دیا تھا کہ جس کسی نے ان کی زیارت کر لی یا انہیں چھو لیا اسے دین ودنیا کی ساری برکتیں مل گئیں- مثلاً لکڑی کا کوئی ٹکڑا' جس کی نسبت یقین دلایا جاتا تھا کہ یہ اسی صلیب کا ہے جس پر حضرت مسیح کو سولی دی گئی تھی یا کسی سینٹ کا ناخن یا کوئی کپڑا یا تسبیح- لوگ ان کی زیارت کرتے اور مقررہ نذریں ادا کرتے- ان تبرکات پر ہیکل بھی تعمیر کیے جاتے تھے جو آج تک موجود ہیں-

(۱۰) اکل اموال بالباطل کا ایک بڑا ذریعہ مقابر و مشاہد کی مجاوری بھی ہوئی- چنانچہ عیسائیوں میں یہ معاملہ اس قدر بڑھا کہ حج و زیارت کا مرکز یہی مقامات بن گئے اور ایک دنیا کی دولت وہاں سمٹ آئی-

(۱۱) چونکہ دین میں اخلاص باقی نہیں رہا تھا اس لیے جب کبھی دیکھتے کہ شریعت کا کوئی حکم ان کی دنیا پرستیوں میں روک ہے تو فوراً کوئی نہ کوئی شرعی حیلہ نکال لیتے- قرآن نے اصحاب سبت کے حیلہ کا ذکر کیا ہے (۷:۱۶۳) اور اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ انہیں سود کے لین دین سے روکا گیا تھا مگر وہ بلا تامل کھانے لگے (۴:۱۶۱) اس باب میں تورات کا حکم کیا تھا اور علمائے یہود نے کس طرح یکے بعد دیگرے حیلے نکالے اس کی تشریح البیان میں ملے گی-

(۱۲) جو مر جائے اسے ثواب پہنچانے اور اس کے گناہوں کا کفارہ دلانے کے لیے مقررہ رقمیں وصول کرتے اور اس غرض سے طرح طرح کی رسمیں رائج کر دی تھیں- چنانچہ یہودیوں اور کیتھولک عیسائیوں میں آج تک رائج ہیں-

(۱۳) سب سے آخر مگر سب سے اول یہ کہ دین کی ساری باتوں کو یک قلم دکانداری اور پیشہ بنا لیا تھا اور ان کی پوری زندگی ہر معنی میں دکانداری کی زندگی ہو گئی تھی- عالم اور درویش ہونے کے معنی ہی یہ ہو گئے کہ دین اور خدا کے نام سے پیشہ کی روٹی کھانے والے- علم دین کا پڑھنا، پڑھانا، مسائل دین کی تعلیم، فتویٰ نویسی، ہدایت و وعظ، قراءت و ذکر کوئی کام ایسا نہ تھا جو بغیر دنیوی معاوضہ کے کیا جاتا ہو-

قرآن نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان کی اس گمراہی کی طرف اس لیے اشارہ کیا تا کہ واضح ہو جائے ان کا ایمان سے محروم ہو جانا اور دین حق کا عملاً ترک کر دینا دراصل ان کے علماء و مشائخ کی ان گمراہیوں اور دنیا پرستیوں کا نتیجہ تھا-

لیکن آج مسلمان اور مسلمانوں کے علماء و مشائخ اپنی حالت پر نظر ڈالیں اور غور کریں کہ کیا وہ بھی ٹھیک ٹھیک احبار و رہبان کے قدم بہ قدم نہیں چل رہے ہیں؟ اور کیا اکل اموال بالباطل کی یہ تمام صورتیں کسی نہ کسی بھیس میں یہاں بھی کام نہیں کر رہی ہیں؟ حضرت شاہ ولی اللہ نے اب سے دو سو برس پہلے فوز الکبیر میں لکھا تھا کہ اگر احبار یہود کی حالت دیکھنی چاہتے ہو تو آج کل کے علما کو دیکھ لو- اور اگر عیسائیوں کے رہبان کا نقشہ کھینچنا چاہتے ہو تو آج کل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو-

قرآن نے اس آیت میں یہ بات تمام احبار و رہبان کی طرف منسوب نہیں کی ہے بلکہ اکثر کی طرف منسوب کی ہے اور اس طرح کے مواقع میں اس کا عام انداز یہی ہے- مثلاً اہل کتاب ہی کی نسبت دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ وان اکثر کم فاسقون ﴾ (۵:۶۲) تم میں سے اکثر فاسق ہیں- یہ نہیں کہا کہ تم سب فاسق ہو- کیونکہ اگر ایسا کہا جاتا تو گو اس اعتبار سے حق ہوتا کہ اکثریت کا حکم کل ہی کا ہوتا ہے، لیکن پھر بھی حقیقت حال کی پوری تعبیر نہ ہوتی اور یہ مطلب نکالا جا سکتا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ایک ایک فرد بلا استثنا اسی طرح کا ہو گیا ہے- حالانکہ ان میں خال خال ایماندار اور مخلص افراد بھی موجود تھے- یہ بات نہ تھی کہ پوری امت میں ایک فرد بھی نیک راہ پر نہ رہا ہو-

نسی کی حقیقت:

(ی) آیت (۳۶) میں "نسی" سے مقصود کیا ہے؟ اسے خود قرآن نے بتلا دیا ہے اور صحابہ کرام نے مزید تشریح کر دی لیکن بعد کو مفسروں کی کاوشوں نے اور خصوصاً علمائے ہیئت کی دقیقہ سنجیوں نے اسے ایک پیچیدہ سوال بنا دیا- غالباً ابو معشر فلکی پہلا شخص ہے جس کا خیال اس طرف گیا کہ یہ کبیسہ کا معاملہ تھا- پھر ابوریحان بیرونی نے بھی اسی کی پیروی کی- گذشتہ صدی کے بعض مستشرقین [illegible]

خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی کیونکہ انہوں نے خیال کیا اس سے عرب جاہلیت کی تقویمی معلومات پر روشنی پڑے گی- چنانچہ پوکاک' دی ساسی' گاسین دی پرسیول' اسپرنگر' ول ہوا سن وغیرہم نے اس پر طول طویل بحثیں کی ہیں اور زمانہ حال کا ایک اطالوی مستشرق پرنس کائتانی بھی اپنی زیر تصنیف تاریخ اسلام کی پہلی جلد میں اس پر بحث کر چکا ہے- مستشرقین ہی کی صف میں محمود پاشا فلکی کو بھی شمار کرنا چاہیے جس نے کبیسہ کا نظریہ تسلیم کر کے یہ کوشش کی کہ اس عہد کے شمسی مہینوں کی تقویمی حالت منضبط کی جائے-

لیکن حق یہ ہے کہ اس نظریہ کے لیے کوئی تاریخی بنیاد موجود نہیں اور صاف بات وہی معلوم ہوتی ہے جس کی طرف خود قرآن نے اشارہ کر دیا ہے اور آثار صحابہ میں اس کی تفصیل موجود ہے-

عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ سے یہ بات چلی آتی تھی کہ سال کے چار مہینے امن کے مہینے ہیں- ان میں لڑائی نہیں ہونی چاہیے- رجب' ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم- اسی لیے انہیں اشہر الحرم کہتے تھے- یعنی حرمت کے مہینے- نیز قمری مہینوں کے حساب سے کہ قدرتی حساب ہے حج کا مہینہ بھی متعین تھا اور وہ اسی نام سے پکارا جاتا تھا- یعنی ذی الحجہ- اسی مہینے کی آٹھویں' نویں' دسویں' حج کے اعمال ورسوم کے دن سمجھے جاتے تھے-

ایک مدت تک یہ بات اسی طرح قائم رہی لیکن پھر لوگوں پر اس حکم کی پابندی شاق گزرنے لگی- اول تو اس لیے کہ قمری مہینوں کے حساب کی وجہ سے حج کا زمانہ ہمیشہ ایک ہی موسم میں نہ آتا- بدلتا رہتا- اور اس کی وجہ سے قریش کے سفر تجارت میں خلل پڑتا- ثانیاً امن کے مہینوں کا معاملہ بھی ان کے جنگ جویانہ مقاصد کے خلاف واقع ہوا تھا- ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے کتنی ہی عداوت ہو اور انتقام کا کتنا ہی موزوں موقع سامنے دیکھے لیکن اس کی جراءت نہیں کر سکتا تھا کہ ان مہینوں کی بے حرمتی کر کے اعلان جنگ کر دے- چونکہ عرب جاہلیت کی طبیعتوں کے لیے نہ تو دینی قیود تھے نہ علمی حدود اس لیے مطلب براری کا ایک ڈھنگ نکال لینے میں انہیں کوئی دقت پیش نہیں آئی- وہ ڈھنگ یہ تھا کہ امن کے مہینوں کا معاملہ ان کے قدرتی حساب پر موقوف نہیں رکھا بلکہ اس کے لیے ایک خود ساختہ اعلان ضروری ٹھہرا دیا جو حج کے موقع پر کیا جاتا تھا- اس اعلان کے ذریعہ حسب ضرورت اس کے مہینے پیچھے ڈال دیتے یا حج کا مہینہ مؤخر کر دیتے- مثلاً محرم امن کا مہینہ تھا- اعلان کر دیا جاتا کہ اس سال محرم صفر میں واقع ہوگا- نتیجہ یہ نکلتا کہ محرم کا حقیقی مہینہ حکماً معدوم ہو جاتا اور اس میں لڑائی شروع ہو جاتی پھر جب یہ فرق بہت دور تک پہنچ جاتا تو اسے لوٹانا شروع کر دیتے- یہاں تک کہ اصلی مہینوں کی ترتیب پھر قائم ہو جاتی-

چونکہ یہ طریقہ سرتاسر جہل وفساد پر مبنی تھا اور اس کی وجہ سے نہ تو تقویم کا کوئی معیار باقی رہا تھا نہ امن وجنگ کے ایام کا- اس لیے ضروری تھا کہ اس کا قطعاً انسداد کر دیا جائے اور حج کے لیے ایک معین اور قطعی زمانہ مقرر ہو جائے- اگر فی الحقیقت اس معاملہ کی بنیاد کسی حسابی قاعدہ پر ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ قرآن اسے **زیادة فی الکفر** سے تعبیر کرتا-

اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب میں قمری مہینوں کا حساب رائج تھا- اس نے بھی اپنے اعمال وعبادات کے لیے اسی حساب پر اعتماد کیا- کیونکہ انسان کے لیے مہینوں کا قدرتی حساب یہی ہے- چاند چھپتا ہے اور پھر نکلتا ہے اور ہر شخص خواہ کسی متمدن شہر میں رہتا ہو خواہ صحرا میں' معلوم کر لے سکتا ہے کہ کب مہینہ ختم ہوا اور کب شروع ہوا- اس کے لیے نہ تو علم ہیئت کی حساب دانیوں کی ضرورت ہے نہ تقویم کی جدولوں کی- علاوہ بریں موسموں اور طلوع وغروب کے وقتوں کی جو تبدیلیاں قدرتی طور پر ہوتی رہتی ہیں وہ سب اس حساب میں پیش آتی رہتی ہیں- مثلاً رمضان اور حج کا مہینہ ہمیشہ گردش میں رہتا ہے- کبھی کسی موسم میں آتا ہے' کبھی کسی موسم میں' اور اس طرح ہر انسان کو

اپنی زندگی میں پورا موقع مل جاتا ہے کہ یہ اعمال ہر طرح کے موسموں اور ان کے تاثرات کے ساتھ انجام دے جس میں بے شمار مصلحتیں ہیں اور یہ موقع تفصیل کا نہیں۔

تشریح مصارف زکوٰۃ:

(ک) آیت (۶۰) مصارف زکوٰۃ کے باب میں اصل ہے اور ضروری ہے کہ بعض مہمات واضح ہو جائیں:

(۱) ہم نے ترجمہ میں ''فقراء'' اور ''مساکین'' کے لیے دوسرے الفاظ اختیار نہیں کیے۔ کیونکہ عربی میں ''فقر'' اور ''مسکنت'' سے مقصود احتیاج کی دو مختلف حالتیں ہیں اور ضروری ہے کہ ان کی لغوی نوعیت بجنسہٖ قائم رکھی جائے۔

فقیر اور مسکین:

''فقیر'' اور ''مسکین'' دونوں سے مقصود ایسے لوگ ہیں جو محتاج ہوں' لیکن ''فقر'' عام ہے اور ''مسکنت'' کی حالت خاص ہے۔ ''فقیر'' اسے کہیں گے جس کے پاس ضروریات زندگی کے لیے کچھ بھی نہیں۔ ''مسکین'' وہ ہے جس کی احتیاج ابھی اس آخری درجہ تک تو نہیں پہنچی' مگر پہنچ جائے گی اگر خبر گیری نہ کی جائے۔ مثلاً سوسائٹی کے ایسے افراد جو مختلف اسباب سے مفلس ہو گئے ہیں یا وسائل معیشت کا اہتمام نہیں کر سکتے۔ ان کے جسم پر اجلے کپڑے ابھی باقی ہیں' گھر میں تھوڑا بہت سامان بھی نکل آئے' ممکن ہے دو چار روپے بھی جیب میں موجود ہوں۔ اگر انہیں آج کھانا نہ ملے تو بھوکے نہیں رہیں گے۔ کل نہ ملے تو برتن بیچ لیں گے۔ پرسوں نہ ملے تو کپڑے فروخت کر ڈالیں گے' لیکن پھر اس کے بعد تو کوئی وسیلہ معاش سامنے نہیں دیکھتے۔

''فقیر'' اور ''مسکین'' میں اس لحاظ سے بھی فرق ہے کہ فقیر کو سوال کرنے میں عار نہیں ہوتا' لیکن ''مسکین'' کو اس کی خودداری اور عفت نفس طلب والحاح کی اجازت نہیں دیتی۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں خود آنحضرت ﷺ نے ''مسکین'' کی یہ تعریف کی ہے کہ ((**الذی لا یجدغنی یغنیه' و لا یفطن فیتصدق علیه ' و لا یقوم فیسأل الناس**)) جسے ایسے وسائل میسر نہیں کہ تونگر کر دیں' جس کا فقر ظاہر نہیں کہ لوگ خیرات دیں' جو خود سوال کے لیے کھڑا نہیں ہوتا کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ اور پھر اسی حدیث میں سورۂ بقرہ کی آیت (۲۷۳) کی طرف اشارہ فرمایا کہ ((**یحسبهم الجاهل اغنیآء من التعفف' تعرفهم بسیماهم' لا یسئلون الناس الحافا**)) ان کی خودداری کا یہ حال ہے کہ ناواقف خیال کرے یہ تو تونگر ہیں۔ تم انہیں ان کے چہروں سے پہچان سکتے ہو' مگر وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال نہیں کرتے۔

بلاشبہ ایسے علمائے دین جو سورۂ بقرہ کی آیت متذکرۂ صدر کے مصداق ہوں کہ ﴿ **الذین احصروا فی سبیل الله لا یستطیعون ضربا فی الارض** ﴾ (۲:۲۷۳) یعنی دین کی تعلیم و خدمت کے لیے وقف ہو گئے ہوں اور فکر معیشت کے لیے وقت نہ نکال سکیں ''مساکین'' میں داخل ہیں۔ بشرطیکہ انہوں نے تعلیم دین کو حصول زر کا پیشہ نہ بنا لیا ہو' ما یحتاج سے زیادہ نہ لیتے ہوں اور کسی حال میں خود سائل و ساعی نہ ہوتے ہوں۔ نیز وہ تمام افراد جو ان کی طرح خدمت دین و امت کے لیے وقف ہو جائیں اور معیشت کا کوئی سامان نہ رکھتے ہوں۔

قوم کے تمام ایسے افراد جن پر وسائل معیشت کی تنگی کی وجہ سے معیشت کے دروازے بند ہو رہے ہیں اور اگرچہ وہ خود پوری طرح ساعی ہیں لیکن نہ تو نوکری ہی ملتی ہے نہ کوئی اور راہ معیشت نکلتی ہے یقیناً ''مساکین'' میں داخل ہیں اور اس مد کے اولین مستحق ہیں لیکن اس کا انتظام اس طرح ہونا چاہیے کہ ان کی خبر گیری بھی ہو جائے اور ساتھ ہی ان میں بیکاری کی عادت اور اپاہج پنا بھی پیدا نہ ہو۔ یہ بات نہ صرف

ان کی اعانت میں بلکہ تمام مستحقین کی اعانت میں ملحوظ رہنی چاہیے۔

ایسے افراد جو خوشحال تھے لیکن کاروبار کی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور ناگہانی مصیبت کی وجہ سے مفلس ہو گئے ہیں اگر چہ اپنی پچھلی حیثیت کی بنا پر معزز سمجھے جاتے ہیں حکماً ''مساکین'' میں داخل ہیں اور ضروری ہے کہ اس مد سے ان کی بھی خبر گیری کی جائے۔

مصارف ثمانیہ:

(۲) ان مصارف کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ہر رقم ان سب میں وجوباً تقسیم کی جائے یا یہ ہے کہ خرچ انہی میں کی جاسکتی ہے جس مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہو اسی میں خرچ کی جائے؟ تو اس بارے میں فقہاء نے اختلاف کیا لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ تمام مصارف میں بیک وقت تقسیم کرنا ضروری نہیں۔ جس وقت جیسی حالت اور جیسی ضرورت ہو اسی کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور یہی مذہب قرآن و سنت کی تصریحات اور روح کے مطابق ہے۔ ائمہ اربعہ میں صرف امام شافعی اس کے خلاف گئے ہیں۔

(۳) یہ آٹھ مصارف جس ترتیب سے بیان کیے ہیں اگر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ معاملہ کی قدرتی ترتیب یہی ہے۔ سب سے پہلے ان دو گروہوں کا ذکر کیا جو استحقاق میں سب سے زیادہ مقدم ہیں کیونکہ زکوٰۃ کا اولین مقصود انہی کی اعانت ہے۔ یعنی فقراء اور مساکین۔ پھر اس گروہ کا ذکر کیا جس کی موجودگی کے بغیر زکوٰۃ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا' اور اس اعتبار سے اس کا تقدم ظاہر ہے لیکن چونکہ اس کا استحقاق بالذات نہیں تھا' اس لیے اولین جگہ نہیں دی جاسکتی تھی۔ پس دوسری جگہ پائی۔ یعنی ﴿ **العاملین علیها** ﴾ پھر ﴿ **المولفة قلوبهم** ﴾ کا درجہ ہوا کہ ان کا دل ہاتھ میں لینا ایمان کی تقویت اور حق کی اشاعت کے لیے ضروری تھا۔ پھر غلاموں کو آزاد کرانے اور قرضداروں کو بار قرض سے سبکدوش کرانے کے مقاصد نمایاں ہوئے جو نسبتاً موقت اور محدود تھے۔ پھر فی سبیل اللّٰہ کا مقصد رکھا گیا کہ اگر مستحقین کی پچھلی جماعتیں کسی وقت مفقود ہو گئی ہوں یا کم ہو گئی ہوں یا مقتضیات وقت نے ان کی اہمیت کم کر دی ہو یا مال زکوٰۃ کی مقدار بہت زیادہ ہو گئی ہو تو ایک جامع و حاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا جائے جس میں دین و امت کے مصالح کی ساری باتیں آ جائیں۔ سب کے آخر میں ''ابن السبیل'' کی جگہ ہوئی کیونکہ تقدم میں یہ سب سے کم اور مقدار کے لحاظ سے بہت ہی محدود صورت میں پیش آنے والا مصرف تھا۔

سبیل اللہ:

(۴) قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام کام جو براہ راست دین و ملت کی حفاظت و تقویت کے لیے ہوں سبیل اللہ کے کام ہیں۔ اور چونکہ حفظ و صیانت امت کا سب سے زیادہ ضروری کام دفاع ہے اس لیے زیادہ تر اطلاق اسی پر ہوا۔ پس اگر دفاع درپیش ہے' اور امام وقت اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مد زکوٰۃ سے مدد لی جائے تو اس میں خرچ کیا جائے گا۔ ورنہ دین و امت کے عام مصالح میں۔ مثلاً قرآن اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت میں۔ مدارس کے اجراء و قیام میں۔ دعاۃ و مبلغین کے قیام و ترسیل میں۔ ہدایت و ارشاد امت کے تمام مفید وسائل میں۔[1]

---

[1] فقہاء و مفسرین کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے۔ اور بعضوں نے تو اسے اس درجہ عام کر دیا کہ مسجد' کنواں' پل اور تمام اس طرح کی تعمیرات خیر یہ بھی اس میں داخل کر دیں۔ وقيل ان اللفظ عام فلا يجوز قصره على نوع خاص و يدخل فيه جميع وجوه الخير من تكفين الموتىٰ وبناء الجسور والحصون وعمارة المساجد غير ذلك (نیل الاوطار) فقہائے حنفیہ میں سے صاحب فتاویٰ ظہیریہ لکھتے ہیں: المراد طلبة العلم اور صاحب بدائع کے نزدیک وہ تمام کام جو نیکی و خیرات کے لیے ہوں اس میں داخل ہیں۔

حکم زکوٰۃ اور اسلام کا نظام اجتماعی:

(۵) دنیا میں کوئی دین نہیں جس نے محتاجوں کی اعانت اور ابنائے جنس کی خدمت کی تلقین نہ کی ہو اور اسے عبادت یا عبادت کا لازمی جز نہ قرار دے دیا ہو لیکن یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے کہ وہ صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہوا بلکہ ہر مستطیع مسلمان پر ایک خاص ٹیکس مقرر کر دیا جو اسے اپنی تمام آمدنی کا حساب کر کے سال بہ سال ادا کرنا چاہیے اور پھر اسے اس درجہ اہمیت دی کہ اعمال میں نماز کے بعد اسی کا درجہ ہوا اور قرآن نے ہر جگہ دونوں عملوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے یہ بات واضح کر دی کہ کسی جماعت کی اسلامی زندگی کی سب سے پہلی شناخت یہی دو عمل ہیں: نماز اور زکوٰۃ - اگر کوئی جماعت بحیثیت جماعت کے انہیں یک قلم ترک کر دے گی تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا - اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ((واللہ لاقاتلن من فرّق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ)) (متفق علیہ)

بلاشبہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کے مواعظ اس بارے میں بہت دور تک چلے گئے ہیں - انہوں نے صرف یہی نہیں کہا کہ اتنا دے دو بلکہ کہا سب کچھ دے دو - لیکن چونکہ اسلام کی طرح کوئی معین نظم قائم نہیں کیا اس لیے یہ تعلیم محض زہد و ترک دنیا کا ایک اعلیٰ مقام بن کر رہ گئی اور مسیحیت کے صدر اول کے سوا (جبکہ کلیسا کی بنیاد باہمی اخوت و اشتراک پر قائم کی گئی تھی) کوئی زمانہ ایسا ظہور میں نہ آ سکا کہ عیسائیوں میں اس تعلیم کے نتائج نے نشو و نما پایا ہو -

(۶) پھر اس باب میں اس کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے یعنی وہ علت جو نہ صرف زکوٰۃ کے لیے بلکہ تمام صدقات و خیرات کے لیے قرار دی گئی اور جس کی وجہ سے اس معاملہ نے بالکل ایک دوسری ہی نوعیت اختیار کر لی

﴿ کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم ﴾ (۵۹-۷)

تا کہ ایسا نہ ہو مال و دولت صرف دولت مندوں کے گروہ ہی میں محصور ہو کر رہ جائے -

یعنی زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ دولت سب میں پھیلے - سب میں بٹے - کسی ایک گروہ ہی کی ٹھیکہ داری نہ ہو جائے - اور اسی سورت کی آیت (۳۴) میں گزر چکا ہے: ﴿ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ﴾ جو لوگ چاندی سونا خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کے لیے اگر کوئی بشارت ہو سکتی ہے تو یہی کہ عذاب دردناک کی بشارت دے دو! اور حدیث بعث معاذ الی الیمن میں زکوٰۃ کا مقصد یہ فرمایا کہ:

((توخذ من اغنیائھم فترد فی فقرائھم)) (رواہ الجماعہ)

ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے اور پھر ان کے محتاج افراد میں لوٹائی جائے -

قرآن اور احتکار و اکتناز:

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ قرآن کی روح دولت کے احتکار و اختصاص کے خلاف ہے - یعنی وہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکیداری میں آ جائے یا سوسائٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دولت کو خزانہ بنا بنا کر جمع کرے - بلکہ وہ چاہتا ہے دولت ہمیشہ سیر و گردش میں رہے اور زیادہ سے زیادہ تمام افراد قوم میں پھیلے اور منقسم ہو - یہی وجہ ہے کہ اس نے ورثا کے لیے تقسیم و اسہام کا قانون نافذ کر دیا اور اقوام عالم کے عام قوانین کی طرح یہ نہیں کیا کہ خاندان کے ایک ہی فرد کے قبضہ میں رہے - جونہی ایک شخص کی آنکھیں بند ہوئیں اس کی

دولت جو اس وقت تک تنہا ایک جگہ میں تھی' اب وارثوں میں بٹ کر کئی جگہوں میں پھیل جائے گی- اور پھر ان میں سے ہر وارث کے وارث ہوں گے- اور اسے بانٹتے اور پھیلاتے رہیں گے-

اور پھر یہی وجہ ہے کہ اس نے سود کا لین دین حرام کر دیا اور قاعدہ یہ ٹھہرایا کہ ﴿ یمحق الله الربوا ویربی الصدقات ﴾ (۲۷۶:۲) اللہ سود کا جذبہ گھٹانا چاہتا ہے- خیرات کا جذبہ بڑھانا چاہتا ہے- یعنی یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں- جس قوم میں سود کا جذبہ ابھرے گا اس کے غالب افراد شقاوت و محرومی میں مبتلا رہیں گے- جس قوم میں خیرات کا جذبہ ابھرے گا اس کا کوئی فرد محتاج و مفلس نہیں رہے گا-

اور اسی لیے اس نے سود کے معاملہ کو اتنی اہمیت دی کہ فرمایا جو لوگ اس پر مصر رہیں گے وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کریں گے- ﴿ فاذنوا بحرب من الله ورسوله ﴾ (۲۷۹:۲) کیونکہ اس معاملہ پر جماعت کی بنیادی فلاح موقوف تھی اور ضروری تھا کہ اسے ایمان و اتقیاء کا معیار قرار دیا جاتا-

اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں انفاق کا حکم دینے کے بعد متصلاً فرمایا: ﴿ یؤتی الحکمة من یشاء ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا- وما یذکر الا اولوا الالباب ﴾ (۲۶۹:۲) یعنی یہ بات کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ دوسرے افراد جماعت کو دے دینا کھونا نہیں ہے پانا ہے بہت دقیق بات ہے- اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں[1] جو صاحب حکمت ہیں- اور جس کسی نے حکمت کی دولت پائی تو اس نے بڑی سے بڑی بھلائی پالی- ﴿ وما یذکر الا اولوا الالباب! ﴾

(۷) قرآن و سنت کی تعلیمات اور صحابہ کرام کی عملی زندگی کے مطالعہ کے بعد مجھے اس حقیقت کا پورا اذعان ہو گیا ہے کہ اسلام کے بنائے ہوئے اجتماعی نقشہ میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار اور اکتناز کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے- ''احتکار'' یہ کہ دولت کا کسی ایک طبقہ ہی میں محصور ہو جانا- ''اکتناز'' یہ کہ دولت کے بڑے بڑے خزانوں کا افراد کے پاس جمع ہو جانا- اس نے سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے نہ مفلس و محتاج طبقے' ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی- بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افرد موجود ہوں گے- کیونکہ سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا- لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ انفاق پرور بھی ہو گا اور اس لیے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی ہی زیادہ جماعت بحیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی- قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے لیکن صرف اپنے ہی لیے نہیں کمائیں گے تمام افراد قوم کے لیے کمائیں گے- یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لیے محتاجی و مفلسی کا پیام ہو جائے جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے- یہ بات کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق

---

[1] قرآن نے زکوٰۃ و صدقات کے باب میں جو کچھ کہا ہے- اس کے معارف و دقائق بے شمار ہیں اور بدقسمتی سے مفسرین دوسرے گوشوں میں نکل گئے- یہاں تفصیل ممکن نہیں- اتنی باتیں بھی بلاقصد قلم سے نکل گئیں- اور پھر طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ قلم زد کر دی جائیں- تفصیل کے لیے البیان کا انتظار کرنا چاہیے- سورۂ توبہ کی آیت ﴿ والذین یکنزون الذهب والفضة ﴾ کی تفسیر تمام متداول تفاسیر میں پڑھو- ''ولا ینفقونها'' کی توجیہ میں کیا کیا مشکلیں پیدا کی گئی ہیں اور پھر کیسے دور دراز حل نکالے گئے ہیں؟ حالانکہ اگر اکتناز کے زور پر غور کیا ہوتا اور اس بارے میں قرآن و سنت کی روح پیش نظر ہوتی تو معاملہ بالکل واضح تھا- بہر حال یہ محل اطناب نہیں-

دنیا میں کس طرح کی مدنیت اور اجتماعیت پیدا ہو سکتی ہے؟ جس درجہ اہم ہے اتنی ہی زیادہ دقیق بھی ہے- البیان میں بہ ضمن تفسیر بقرہ اس کی مفصل بحث و تحقیق ملے گی-

(۸) اگر مسلمان آج اور کچھ نہ کریں صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی احکام قرآنی کے مطابق درست کر لیں تو بغیر کسی تامل کے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مصائب کا حل خود بخود پیدا ہو جائے گا-

(۹) لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں نے یا تو احکام قرآنی کی تعمیل یک قلم ترک کر دی ہے یا پھر عمل بھی کر رہے ہیں تو اس طرح کہ فی الحقیقت عمل نہیں کر رہے ہیں-

زکوٰۃ کا نظم شرعی:

قرآن نے زکوٰۃ کا معاملہ ایک خاص نظام سے وابستہ کر دیا ہے اور اسی نظام کے قیام پر اس کے تمام مقاصد و مصالح کا حصول موقوف ہے- زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے- بالکل اسی طرح کا ٹیکس جس طرح آج کل انکم ٹیکس وصول کیا جاتا ہے- پس اس کی ادائیگی کا طریقہ یہ نہ تھا کہ ہر شخص خود ہی اپنا ٹیکس نکالے اور خود ہی خرچ بھی کر ڈالے بلکہ یہ تھا کہ حکومت اپنے کلکٹروں کے ذریعہ ہر شخص سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرے اور پھر ضروریات وقت کے مطابق جس مصرف کو مقدم دیکھے اس میں خرچ کرے- جب ایک شخص نے حکومت کے مقررہ عامل کو اپنی زکوٰۃ دے دی اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی- چنانچہ اسی لیے کلکٹروں اور عاملوں کی تنخواہ کا بار بھی اسی فنڈ پر ڈال دیا اور صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ﴿ **والعاملین علیها** ﴾ جو کارندے وصولی کے لیے مقرر ہوں ان کے ضروری مصارف- اگر ادائیگی کے لیے یہ بات ضروری نہ ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مصارف کی مد میں مستقلاً عمال حکومت کا ذکر کیا جاتا-

اور پھر یہی وجہ ہے کہ صاف و صریح لفظوں میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اس باب میں عمال حکومت کی اطاعت کریں اور بلا عذر زکوٰۃ ان کے حوالہ کر دیں- حتیٰ کہ اگر عمال ظالم ہوں یا بیت المال کا روپیہ ٹھیک طور پر خرچ نہ ہو رہا ہو جب بھی اصلاح حال کی سعی کے ساتھ ادائگی کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے- یہ نہیں کرنا چاہیے کہ زکوٰۃ بطور خود خرچ کر ڈالی جائے- بشیر بن خصاصہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا: ﴿ **ان قوما من اصحاب الصدقة یعتدون علینا** ﴾ عمال کا ایک گروہ صدقہ لینے میں ہم پر زیادتیاں کرتا ہے- کیا اس کا مقابلہ کریں؟ فرمایا ''نہیں'' (ابوداؤد) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں صاف صاف موجود ہے: ((**ادفعوا الیهم ما صلوا**)) جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ انہیں دیتے رہو-

بنو امیہ کے زمانہ میں جب نظام خلافت بدل گیا اور حکام ظلم و تشدد پر اتر آئے تو بعض لوگوں کو خیال ہوا ایسے لوگ ہماری زکوٰۃ کے کیوں امین سمجھے جائیں؟ لیکن تمام صحابہ نے یہی فیصلہ کیا کہ زکوٰۃ انہی کو دینی چاہیے- یہ کسی نے نہیں کہا کہ خود اپنے ہاتھ سے خرچ کر ڈالو- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا اب زکوٰۃ کسے دیں؟ کہا وقت کے حاکموں کو- اس نے کہا: **اذا یتخذون بها ثیاباً وطیباً** - وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور عطروں پر خرچ کر ڈالتے ہیں- فرمایا'' **وان** '' اگرچہ ایسا کرتے ہوں، مگر انہی کو- (ابن ابی شیبہ) کیونکہ زکوٰۃ کا معاملہ بغیر نظام کے قائم نہیں رہ سکتا-

صدر اول سے لے کر آخر عہد عباسیہ تک یہ نظام بلا استثنا قائم رہا- لیکن ساتویں صدی ہجری میں جب تاتاریوں کا سیلاب تمام اسلامی ممالک میں امنڈ آیا اور نظام خلافت معدوم ہو گیا تو سوال پیدا ہوا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ فقہائے حنفیہ کے جس قدر شروح و متون اور کتب فتاویٰ

آج کل متداول ہیں زیادہ تر اسی دور میں یا اس کے بعد لکھے گئے ہیں- اس وقت پہلے پہل اس بات کی تخم ریزی ہوئی کہ زکوٰۃ کی رقم بطور خود خرچ کر ڈالی جائے کیونکہ غیر مسلم حاکموں کو نہیں دی جا سکتی- مگر ساتھ ہی فقہاء نے اس پر بھی زور دیا کہ جن ملکوں میں اسلامی حکومت قائم نہیں رہی ہے اور اعادۂ حالت فوراً ممکن نہیں وہاں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ کسی اہل مسلمان کو اپنا امیر مقرر کر لیں- تا کہ اسلامی زندگی کا نظام قائم رہے- معدوم نہ ہو جائے-

لیکن افسوس ہے کہ بعد کو بتدریج اس نظام کی اہمیت سے مسلمان غافل ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ لوگوں نے سمجھ لیا- زکوٰۃ نکالنے کا معاملہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ خود حساب کر کے ایک رقم نکال لیں اور پھر جس طرح چاہیں خود ہی خرچ کر ڈالیں- حالانکہ جس زکوٰۃ کی ادائیگی کا قرآن نے حکم دیا ہے اس کا قطعاً یہ طریقہ نہیں ہے- اور مسلمانوں کی جو جماعت اپنی زکوٰۃ کسی امین زکوٰۃ یا بیت المال کو حوالے کرنے کی جگہ خود ہی خرچ کر ڈالتی ہے وہ دیدۂ دانستہ حکم شریعت سے انحراف کرتی ہے اور یقیناً عنداللہ اس کے لیے جوابدہ ہو گی-

(۱۰) اگر کہا جائے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود نہیں- اس لیے مسلمان مجبور ہو گئے اور انفرادی طور پر خرچ کرنے لگے تو شرعاً وعقلاً یہ عذر مسموع نہیں ہو سکتا- اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمعہ ترک نہیں کر دیا گیا جس کا قیام امام وسلطان کی موجودگی پر موقوف تھا تو زکوٰۃ کا نظام کیوں ترک کر دیا جائے؟ کس نے مسلمانوں کے ہاتھ اس بات سے باندھ دیے تھے کہ اپنے اسلامی معاملات کے لیے ایک امیر منتخب کر لیں یا ایک مرکزی بیت المال پر متفق ہو جائیں یا کم از کم ویسی ہی انجمنیں بنالیں جیسی انجمنیں بے شمار غیر ضروری باتوں کے لیے بلکہ بعض حالتوں میں بدع ومحدثات کے لیے انہوں نے جا بجا بنالی ہیں؟

(۱۱) اسلام نے اجتماعی زندگی کا ایک پورا نقشہ بنایا تھا- جہاں اس کے چند خانے بگڑے- سمجھ لو پورا نقشہ بگڑ گیا- چنانچہ اس ایک نظام کے فقدان نے مسلمانوں کی پوری اجتماعی زندگی مختل کر دی ہے- لوگ اصلاح کے لیے طرح طرح کے ہنگامے بپا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں انجمنوں اور قومی چندوں کے ذریعہ وقت کی مشکلوں اور مصیبتوں کا علاج ڈھونڈ نکالیں گے حالانکہ مسلمانوں کے لیے اصلی سوال یہ نہیں ہے کہ کوئی نیا طریقہ ڈھونڈ نکالیں- سوال یہ ہے کہ اپنے گم گشتہ طریقہ کا کھوج لگائیں!

درازیٔ شب و بیداریٔ من این ہمہ نیست
زبخت من خبر آرید تا کجا خفتست؟

اگر محض دولت مند افراد کے عطیوں اور قومی انجمنوں کے نظام سے قوم کا اقتصادی مسئلہ حل ہو سکتا تو آج یورپ اور امریکہ سے بڑھ کر کون ہے جو ان دونوں باتوں کا انتظام کر سکتا ہے؟ لیکن معلوم ہے کہ ان کا کوئی قومی فنڈ اور کوئی قومی نظام بھی نچلے طبقوں کی بیکاری اور متوسط طبقہ کا افلاس روک نہ سکا اور اب اجتماعی مسئلہ کا ہلاکت آفریں خطرہ ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے- اصل یہ ہے کہ افراد کی وقتی فیاضیاں کتنی ہی زیادہ ہوں قوم کی اجتماعی زندگی کے قیام کے لیے کبھی کفیل نہیں ہو سکتیں- اس صورت حال کا علاج صرف وہی ہے جو اسلام نے تیرہ سو برس پہلے تجویز کیا تھا یعنی قانون سازی کے ذریعہ قوم کی پوری کمائی کا ایک خاص حصہ کمزور افراد کی خبر گیری کے لیے مخصوص کر دینا کہ ﴿ **تو خذ من اغنیائھم فترد فی فقرائھم** ﴾ اور ﴿ **کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم!** ﴾

(۱۲) بہر حال یہ بات یاد رہے کہ زکوٰۃ کی نوعیت عام خیرات کی سی نہیں ہے بلکہ یہ اپنے پورے معنوں میں ایک انکم ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت نے ہر کمانے والے فرد پر لگا دیا تھا- بشرطیکہ اس کی کمائی اس کی ذاتی ضروریات زندگی سے زیادہ ہو- موجودہ زمانے کے انکم ٹیکسوں

میں اور اس میں صرف دو باتوں کا فرق ہے- ایک یہ کہ اپنی نوعیت میں یہ زیادہ وسیع ہے- یعنی صرف کاروبار کی گھٹتی بڑھتی آمدنی ہی پر عائد نہیں ہوتا' بلکہ اندوختہ پر بھی واجب ہو جاتا ہے اگر چہ اس سال کوئی نئی آمدنی نہ ہوئی ہو- نیز اس طرح کی تمام ملکیتیں بھی اس میں داخل ہیں جو بڑھنے کی استعداد رکھتی ہوں' مثلاً مویشی- دوسری یہ کہ مقصد کے لحاظ سے یہ ایک خاص مصرف رکھتا ہے جس کی مختلف صورتیں معین کر دی گئی ہیں- اسٹیٹ کو حق نہیں کہ ان مصارف کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرے-

(۱۳) قرآن نے یہودیوں کی اس گمراہی کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے احکام شرع کی تعمیل سے بچنے کے لیے شرعی حیلے نکال لیے تھے- افسوس ہے کہ مسلمانوں میں بھی اس گمراہی نے سر اٹھایا- حتیٰ کہ حیلہ کا معاملہ بعض کتب فقہ کا ایک مستقل باب بن گیا- ازاں جملہ ایک حیلہ زکوٰۃ کے باب میں بھی مشہور ہے- طریقہ اس کا یہ بتلایا جاتا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ سے بچنا چاہے وہ کسی آدمی سے بخش دینے اور بخشوا لینے کا فرضی معاملہ کر لے اور قبل اس کے کہ برس پورا ہو اپنا تمام مال اس کے نام ہبہ کر دے- پھر وہ برس ختم ہونے سے پہلے وہی مال اس کے نام ہبہ کر دے گا- نتیجہ یہ نکلے گا کہ دونوں پر سے باوجود مالدار ہونے کے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی- مثلاً شوہر نے اپنی بیوی سے رجب کے مہینے میں کہہ دیا میں نے اپنا مال تجھے ہبہ کر دیا- اس نے کہا قبول- اب شوہر پر زکوٰۃ نہیں رہی- کیونکہ قبل اس کے کہ سال تمام ہو وہ صاحب نصاب نہ رہا- البتہ بیوی پر پڑ گئی بشرطیکہ بارہ مہینے گزر جائیں- لیکن وہ بارہ مہینے کیوں گزرنے دے گی؟ وہ جمادی الاولیٰ میں شوہر سے کہہ دے گی- میں نے تمام مال اب تمہیں ہبہ کر دیا- اس طرح اس نیک بخت پر سے بھی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی!

قصہ کوتہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود!

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ احکام شرع کی تعمیل میں اس طرح کی حیلہ بازیاں نکالنا فسق و ضلالت کا انتہائی مرتبہ ہے اور جو شخص اس طرح کی مکاریاں کر کے احکام الٰہی سے بچنا چاہتا ہے اس کی معصیت ان لوگوں سے بدرجہا زیادہ ہے جو سیدھی سادھی طرح ترک اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں- یہ بات کہ ایک شخص سے جرم ہو گیا محض جرم ہے مگر یہ بات کہ ایک شخص جرم کو بے جرمی و پاک عملی بنا کر کرتا ہے صرف جرم ہی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور صرف اس کی عملی زندگی ہی کو نہیں بلکہ ایمان و فکر کو بھی تاراج کر دینے والا ہے-

یہی وجہ ہے کہ جونہی اس طرح کے حیلوں کا چرچا پھیلا تمام سلف امت نے اس پر انکار عظیم کیا اور ائمہ و فقہاء میں کوئی نہیں جس نے انہیں جائز رکھا ہو-

(۱۴) ایک اور غلط فہمی اس باب میں یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں اپنے مفلس رشتہ داروں کی خبر گیری کا یہی طریقہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم سے ان کی مدد کی جائے-

بلاشبہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ غیروں سے پہلے اپنے محتاج رشتہ داروں کی خبر لے اور قرآن نے صدقات و خیرات کے معاملہ میں جو اصلاحات کی ہیں من جملہ ان کے ایک بڑی اصلاح یہ ہے کہ رشتہ داروں کی اعانت کو بھی خیرات قرار دے دیا بلکہ خیرات کا سب سے پہلا اور بہتر مصرف: ﴿ قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین ﴾ (۲:۲۱۵) لیکن زکوٰۃ جو خیرات کی ایک خاص قسم ہے اس لیے واجب نہیں کی گئی ہے کہ لوگ خیرات کی دوسری قسموں سے ہاتھ روک لیں اور اپنے محتاج رشتہ داروں کی مدد کا بوجھ بھی اسی پر ڈال دیں- زکوٰۃ وہی دے گا جو صاحب استطاعت ہو اور اگر ایک شخص خوشحال ہے اور اس کے رشتہ دار تنگی و محتاجی میں مبتلا ہو گئے ہیں تو بحیثیت مسلمان ہونے کے اس کا فرض ہے کہ ان کی خبر گیری کرے- اگر نہیں کرے گا تو یقیناً عنداللہ جواب دہ ہوگا- کیونکہ صلہ رحمی کا حق خدا کا ٹھہرایا ہوا حق

ہے: ﴿ واتقوا الله الذی تساءلون به والارحام ﴾ (۴:۱) بلاشبہ اس کی یہ خبر گیری اس کے لیے خیرات کا بہترین عمل ہوگی لیکن خبر گیری ہر حال میں اس کا اسلامی فرض ہے- یہ طریقہ کسی حال میں بھی شرعی نہیں ہوسکتا کہ باوجود خوشحال ہونے کے اپنے رشتہ داروں کو فقر د فاقہ میں چھوڑ دیا جائے اور پھر اگر کچھ دیا بھی جائے تو اسے زکوٰۃ کی مد میں شمار کرلیا جائے-

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کوئی خاص اسلامی عمل ہی ترک نہیں کر دیا ہے بلکہ ان کی پوری زندگی غیر اسلامی ہوگئی ہے- ان کی فکری حالت غیر اسلامی ہے' ان کی عملی رفتار غیر اسلامی ہے' ان کا دینی زاویہ نگاہ غیر اسلامی ہوگیا ہے- وہ اگر اسلامی احکام پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں تو غیر اسلامی طریقہ سے اور یہ دینی تنزل کی انتہا ہے- ﴿ فما لهؤلاء القوم لا یکادون یفقهون حدیثا ﴾

(۱۵) ایک عام اور سب سے زیادہ مہلک غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں زکوٰۃ دے دینے کے بعد انفاق وخیرات کے اور تمام اسلامی فرائض ختم ہو جاتے ہیں- جہاں ایک شخص نے رمضان میں اٹھنیوں اور روپیوں کی پڑیاں باندھ کر تقسیم کے لیے رکھ دیں سال بھر کے لیے اسے ہر طرح کے انسانی و اسلامی تقاضوں سے چھٹی مل گئی!

حالانکہ ایسا سمجھنا یک قلم اسلام کو بھلا دینا ہے- اسلام نے مسلمانوں کو جس طرح کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے وہ محض اپنی اور اپنے بیوی بچوں کے پیٹ ہی کی زندگی نہیں ہے بلکہ منزلی' خاندانی' معاشرتی' جماعتی اور انسانی فرائض کی ادائیگی کی ایک پوری آزمائش ہے اور جب تک ایک انسان اس آزمائش میں پورا نہیں اترتا اسلامی زندگی کی لذت اس پر حرام ہے-

اس پر اس کے نفس کا حق ہے- اس کے والدین کا حق ہے- رشتہ داروں کا حق ہے- بیوی بچوں کا حق ہے- ہمسایہ کا حق ہے اور پھر تمام نوع انسانی کا حق ہے- اس کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت اور مقدور کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے اور انہی فرائض کی ادائیگی پر اس کی زندگی کی ساری دنیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں:

﴿ واعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئا وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ﴾ (۳۶:۴)

یہ تمام فرائض ادا نہیں کیے جاسکتے جب تک کہ انفاق وخیرات کے لیے انسان کا ہاتھ کشادہ نہ ہوجائے- یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اعمال میں سے کسی عمل پر اتنا زور نہیں دیا جس قدر نماز اور انفاق پر' اور منافقوں کی سب سے بڑی پہچان اسی سورت میں یہ بتلائی کہ ان کی مٹھیاں بند رہتی ہیں- انفاق کے لیے کھلتی نہیں: ﴿ ویقبضون ایدیهم ﴾ (۹:۶۷) اور اگر کچھ دیتے بھی ہیں تو مجبور ہوکر: ﴿ ولا ینفقون الا وهم کارهون ﴾ (۹:۵۴) اور مومنوں کی نسبت فرمایا ﴿ ینفقون اموالهم بالیل والنهار سرا وعلانیة ﴾ (۲:۲۷۴) مومن وہ ہیں جن کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا ہے! رات دن' پوشیدہ اور ظاہر ہر حال میں سرگرم انفاق رہتے ہیں- نیز فرمایا یہ شیطانی خیال ہے کہ خرچ کرنے سے ہم محتاج ہو جائیں گے اور اس راہ میں بخل ''فحش'' ہے- یعنی سخت قسم کی برائی- اور اللہ انفاق کا حکم دے کر تمہیں مغفرت اور خوشحالی کی راہوں پر لگاتا ہے: ﴿ الشیطن یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء والله یعدکم مغفرة منه وفضلا ﴾ (۲:۲۶۸)

پس یہ سمجھنا کہ جہاں سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ کا ٹیکس دے دیا انفاق فی سبیل اللہ کے تمام مطالبات پورے ہوگئے صریح قرآن کی تعلیم سے اعراض کرنا ہے- زکوٰۃ تو ایک خاص قسم کا ٹیکس ہے اور ایک خاص مقصد کے لیے لگایا گیا ہے جو سال میں ایک مرتبہ دینا پڑتا ہے لیکن ہماری زندگی کا ہر چوبیس گھنٹہ ہم سے انفاق کا مطالبہ کرتا ہے اور اگر ہم اسلامی زندگی کا توشہ لے کر دنیا سے جانا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ

حسب استطاعت اس کے تمام مطالبات پورے کریں-

قرآن اور سوشلزم:

(۱۶) دنیا میں دولت اور وسائل دولت کا احتکار اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ضروری تھا اس کا ردفعل پیدا ہو- چنانچہ اٹھارویں صدی میں موجودہ سوشلزم کی بنیادیں پڑیں اور اب اس نے کمیونزم کی انتہائی صورت اختیار کرلی ہے اور پندرہ برس سے روس میں اس کا اولین تجربہ بھی ہورہا ہے- قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی تعلیم سرمایہ داری کے مفاسد مٹانا چاہتی ہے اور دولت کی تقسیم کی حامی ہے تو کیا ایسا نہیں سمجھا جاسکتا کہ اس کا رخ بھی اسی طرف ہے جس طرف سوشلزم جارہا ہے؟ بلاشبہ سمجھا جاسکتا ہے لیکن ایک خاص درجہ تک اور اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہیے-

دو صورتیں ہیں اور ضروری ہے کہ دونوں کا فرق ملحوظ رکھا جائے:

ایک صورت یہ ہے کہ دولت اور وسائل دولت کا احتکار روک دیا جائے اور ہر کمانے والے فرد کو قانون سازی کے ذریعہ مجبور کیا جائے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ کمزور افراد کے لیے نکالے- نیز اسٹیٹ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ کوئی فرد ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے- لیکن ساتھ ہی یہ اصل بھی تسلیم کی جائے کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد طبقات کی حالت یکساں نہیں ہوسکتی اور یہ عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے- کیونکہ سب کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں اور جب استعداد یکساں نہیں تو ناگزیر ہے کہ جدوجہد معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں- بالفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کرلیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کرسکتا ہے وہ اس کا ہے-

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف دولت کا احتکار ہی نہ روکا جائے بلکہ دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کردی جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں اجباری قوانین کے ذریعہ اقتصادی اور معیشتی مساوات کی حالت پیدا کردی جائے- مثلاً وسائل دولت تمام تر قومی ملکیت ہو جائیں' انفرادی قبضہ باقی نہ رہے اور جسمانی و دماغی استعداد کے اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا بنائے حق تسلیم نہ کیا جائے-

قرآن نے جو صورت اختیار کی ہے وہ پہلی ہے اور سوشلزم جس بات کے لیے ساعی ہے وہ دوسری ہے- دونوں کا مقصد یہ ہے کہ انسانی اکثریت کی شقاوت دور کی جائے- دونوں نے علاج بھی ایک ہی تجویز کیا ہے یعنی دولت کا اکتناز روکا جائے لیکن دونوں کا طریق کار ایک نہیں- ایک اختلاف معیشت سے تعرض نہیں کرتا اور اسے قائم رکھ کر راہ نکالتا ہے- دوسرا اسے مٹا دینا چاہتا ہے-

اسلام اور سوشلزم کا یہ اختلاف اگرچہ محض درجہ (ڈگری) کا اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن تہہ میں مبدء کا اختلاف بھی موجود ہے- سوشلزم کا نظریہ یہ ہے کہ مدارج معیشت کا اختلاف کوئی قدرتی اختلاف نہیں ہے- لیکن قرآن میں اس طرح کے اشارات جابجا پائے جاتے ہیں کہ یہ اختلاف قدرتی ہے اور ضروری تھا کہ ظہور میں آئے- وہ کہتا ہے اگر یہاں سب کی حالت یکساں ہوجاتی تو تزاحم و تنافس کی حالت پیدا نہ ہوتی اور اگر یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو انسان کی قدرتی قوتوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کے لیے کوئی شے محرک بھی نہ ہوتی اور اجتماعی زندگی کی وہ تمام سرگرمیاں ظہور میں نہ آتیں جن سے یہ تمام کارخانہ چل رہا ہے!

﴿ وهو الذى جعلكم خلائف الارض ورفع بعضكم فوق بعض درجت ليبلوكم فى ما اتاكم- ان ربك سريع العقاب وانه لغفور رحيم ﴾ (۶: ۱۶۵)

اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر مرتبے دیے تا کہ جو کچھ تمہیں دیا ہے

اس میں تمہیں آزمائے- بلاشبہ تمہارا پروردگار (بدعملیوں کی) فوراً سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ بڑا ہی بخش دینے والا رحمت والا ہے!

اس آیت میں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے- اولاً خدا نے انسانی زندگی کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ہے کہ یہاں ہر گوشہ میں ایک طرح کی جانشینی کا سلسلہ جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد اور گروہ جاتا ہے دوسرا فرد اور گروہ اس کی جگہ لیتا اور اس کے ثمرات و نتائج سعی کا وارث ہوتا ہے- ثانیاً درجے کے لحاظ سے سب یکساں نہ ہوئے- بعض اوپر ہوئے' بعض ان سے نیچے- ثالثاً مدارج معیشت کی یہ بلندی و پستی اس لیے ہوئی تاکہ انسان کے عمل و تصرف کے لیے آزمائش کی حالت پیدا ہو جائے اور ہر فرد اور ہر گروہ کو موقع دیا جائے کہ اپنی سعی و کاوش سے جو درجہ حاصل کر سکتا ہے حاصل کر لے- آخر میں فرمایا خدا کا قانون جزا سست رفتار نہیں- یعنی سعی و طلب کی اسی امتحان گاہ سے جزائے عمل کا معاملہ وابستہ ہے- جیسے جس کے اعمال ہوں گے ویسے ہی نتائج اس کے حصہ میں آ جائیں گے-

اسی طرح جابجا قرآن میں پاؤ گے: ﴿ **والله فضل بعضكم على بعض فى الرزق** ﴾ (۱۶:۷۱) خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے- ﴿ **نحن قسمنا بينهم معيشتهم فى الحيوة الدنيا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجت** ﴾ (۴۳:۳۲) دنیوی زندگی کی معیشت ہم نے لوگوں میں تقسیم کر دی اور اس کا کارخانہ ایسا بنا دیا کہ سب ایک ہی درجہ میں نہیں ہیں- کوئی کسی درجہ میں ہے کوئی کسی درجہ میں-

بہر حال قرآن نے اجتماعی مسئلہ کا جو حل تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مدارج معیشت کی مساوات قائم کرنی نہیں چاہتا لیکن حق معیشت کی مساوات ضرور قائم کرتا ہے- یعنی وہ کہتا ہے یہ بات ضروری نہیں کہ سب کو ایک ہی طرح پر سامان معیشت ملے لیکن یہ ضروری ہے کہ ملے سب کو- اور سعی و ترقی کی راہ یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائے- اس نے ہر طرح کے نسلی' خاندانی' جغرافیائی اور طبقاتی امتیاز مٹا دیے' اس نے زندگی کے ہر میدان میں انسانی مساوات کا اعلان کر دیا' اس نے وہ تمام رکاوٹیں دور کر دیں جو سوسائٹی کے اونچے طبقوں نے کمزور افراد کی خوشحالی و ترقی کی راہ میں پیدا کر دی تھیں' اس نے قانون سازی کے ذریعہ دولت کا احتکار و اختصاص روک دیا' اس نے زندگی کے ہر گوشہ میں دولت کے اکتناز کی جگہ دولت کی تقسیم پر زور دیا' اس نے اس بات سے قطعاً انکار کر دیا کہ دولت مندی بجائے خود کوئی حق ہے' اس نے بے اعتدالانہ سرمایہ داری کی تمام راہیں روک دیں' اس نے سود کی ہر شکل حرام کر دی' اس نے جوئے کو کسی حال میں جائز نہ رکھا- پھر ان تمام باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسانی زندگی کے اعمال حق میں انفاق فی سبیل اللہ کو سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی' اور ہر کمانے والے فرد کو سالانہ ٹیکس کے ذریعہ مجبور کر دیا کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ دوسروں کے لیے بھی نکالے- بس یہ نقشہ ہے جو اسلام نے اجتماعی نظام کا بنایا ہے-

لیکن سوشلزم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں رہنا چاہتا' وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے انفرادی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت کا نظام قائم کر دے اور مدارج معیشت کی اونچ نیچ معدوم ہو جائے- وہ یہ اصل تسلیم نہیں کرتا کہ احوال معیشت کا اختلاف قدرتی ہے اور اجتماعی زندگی کی سرگرمی و ترقی کے لیے محور و محرک وہی ہے- وہ کہتا ہے اس وقت تک حالت ایسی ہی رہی ہے لیکن اگر سوسائٹی کا نظام مساوات معیشت پر قائم کیا گیا تو دوسری طرح کی ذہنی اور معنوی محرکات پیدا ہو جائیں گی اور کارخانہ معیشت کی سرگرمی اسی طرح جاری رہے گی جس طرح اس وقت تک جاری رہی ہے-

دنیا کا اس وقت تک کا تجربہ اس کے خلاف ہے اور روس کا نیا تجربہ بھی اس وقت تک اپنے نظریوں کو عملیت کا جامہ نہیں پہنا سکا ہے-

تاہم اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کو اس مطالبہ کا حق ہے کہ مزید تجربہ کا موقع دیا جائے- ﴿ ولتعلمن نباہ بعد حین! ﴾

حقیقت نفاق:

(ل) قرآن نے ''کفر'' کی طرح ''نفاق'' کا بھی جا بجا ذکر کیا ہے اور منافقوں کے اعمال وخصائل کی سب سے زیادہ تفصیل اسی سورت میں ملتی ہے- پس ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر سمجھ لیا جائے نفاق کی حقیقت کیا ہے اور منافقوں کی جماعت کس طرح کی جماعت تھی؟

(۱) دنیا میں ہم دیکھتے ہیں فکر وعمل کا کوئی گوشہ ہو تین طرح کے آدمی ضرور ہوتے ہیں:

مستعد اور صالح طبیعتیں- یہ ہر اچھی بات کو پہچان لیتیں اور قبول کر لیتی ہیں اور پھر سرگرم عمل ہو جاتی ہیں-

مفسد طبیعتیں- انہیں ہر اچھی بات سے انکار ہوتا ہے- کوئی سیدھی بات ان کے اندر اترتی نہیں-

درمیانی گروہ- یہ ہر بات کو سن لینے اور مان لینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے لیکن فی الحقیقت اس کے اندر تیاری نہیں ہوتی- وہ قدم اٹھا دیتا ہے مگر چلنا نہیں چاہتا اور چلتا ہے تو پہلے ہی قدم میں لڑکھڑا جاتا ہے- اس میں پہلے گروہ کی مستعدی نہیں ہوتی کہ جو بات مان لی اسے ٹھیک ٹھیک مان لے اور عمل کرے- اس میں دوسرے گروہ کی بے باکی وجرأت بھی نہیں ہوتی کہ یکسو ہو کر صاف صاف انکار کر دے- پس گو وہ سمجھتا ہے کہ ایک راہ اختیار کر لی ہے' لیکن فی الحقیقت دونوں راہوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہوتا- جہاں تک اقرار کا تعلق ہے قبول کرنے والوں میں ہوتا ہے جہاں تک اذعان وعمل کا تعلق ہے منکروں کی سی حالت میں:

﴿ مذبذبین بین ذلک لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء ﴾ (۱۴۳:۴)

جزم ویقین اور عزم وعمل پہلے گروہ کا خاصہ ہے- انکار وجحود دوسرے کا اور شک وتذبذب اور بے عملی وتعطل تیسرے کا-

بعینہ یہی حال ایمان وعمل کے دائرہ کا بھی ہے- یہاں بھی طبیعت انسانی کی یہ تینوں حالتیں ظہور میں آتی ہیں- مستعد طبیعتیں قبول کر لیتی اور چل کھڑی ہوتی ہیں- یہ مومن ہیں- مفسد انکار کرتے اور مخالفت میں سرگرم ہو جاتے ہیں- یہ کافر ہیں- کچھ لوگ قبول کر لیتے ہیں لیکن فی الحقیقت قبولیت کی روح ان کے اندر نہیں ہوتی- یہ منافق ہیں-

(۲) قرآن نے کفر کی طرح نفاق کے اعمال وخصائص بھی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیے- کیونکہ کفر کی طرح نفاق بھی محض عہد نزول ہی کی پیداوار نہ تھا- ہمیشہ ظہور میں آنے والی گمراہی تھی اور انسان کی گمراہیاں کسی خاص عہد ونسل کی نہیں بلکہ نوع انسانی کی گمراہیاں ہوتی ہیں-

(۳) ایک عام غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں منافقوں کا گروہ کافروں کا کوئی خاص سازشی گروہ تھا جو جاسوسوں کی طرح بھیس بدل کر مسلمانوں میں رہنے لگا تھا- باہر نکلتا تو مسلمان بن جاتا- اکیلے میں ہوتا تو اپنے اصلی بھیس میں لوٹ آتا- حالانکہ ایسا سمجھنا قرآن واحادیث کی صاف صاف تصریحات کو جھٹلانا ہے- ان لوگوں نے اسلام بطور اپنے دین واعتقاد کے اسی طرح اختیار کر لیا تھا جس طرح دوسرے مسلمانوں نے' چنانچہ اسی سورت کی آیت (۷۴) میں ہے کہ: ﴿ وکفروا بعد اسلامھم ﴾ اسلام لا کر پھر کفر کی باتیں کیں- وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے تھے- ان کی بیویاں انہیں مسلمان سمجھتی تھیں- ان کے بچے انہیں مسلمان سمجھتے تھے- ان کے گھر کا ہر فرد یقین کرتا تھا کہ ہم مسلمان ہیں- وہ نماز پڑھتے تھے- روزہ رکھتے تھے- اسلام کے طور طریقے پر اولاد کی پرورش کرتے تھے-[1]

---

[1] عبداللہ بن ابی منافقوں کا سرغنہ تھا' لیکن اس کا لڑکا منافق نہ تھا' مخلص مومن تھا- اسی طرح تمام منافقوں کی اولاد واحفاد مخلصوں کی جماعت نکلی-

جہاں تک کسی دین کو بطور ایک دین کے اختیار کر لینے کا تعلق ہے کوئی بات ایسی نہ تھی جو بظاہر ان کے مسلمان ہونے کے خلاف ہو- تاہم قرآن نے فیصلہ کیا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں- کیونکہ اسلام کا گھونٹ تو انہوں نے پی لیا تھا لیکن حلق کے نیچے نہیں اترا تھا- کسی تعلیم کو اختیار کر لینے کے بعد یقین و عمل کی جو روح پیدا ہونی چاہیے اس سے یک قلم محروم تھے- اخلاص اور صداقت کے لیے ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں تھی- وہ اللہ کا کلام سنتے مگر اس لیے نہیں کہ عمل کریں بلکہ اس لیے کہ محض سنتے رہیں- وہ نماز پڑھتے مگر بے دلی کے ساتھ- خیرات کرتے مگر مجبور ہو کر- ان کے دلوں میں دین سے زیادہ دنیا کا عشق تھا- اسلام کے جو احکام ان کے شخصی اغراض کے خلاف نہ ہوتے ان پر خوش خوش عمل کرتے، جو خلاف ہوتے ان سے نکل بھاگنا چاہتے- جب کبھی خوشحالیوں کا موقع ہوتا تو وہ سب سے پہلے مومن تھے- جب کبھی قربانیوں کا موقع آ جاتا تو سب سے آخری صفوں میں بھی دکھائی نہ دیتے- جہاد کے تصور سے ان کی روحیں لرز جاتیں- انفاق کا حکم ان کے لیے موت کا پیام ہوتا- اسلام کے دشمنوں سے سازگاریاں رکھنے میں انہیں کچھ تامل نہ ہوتا- وہ سمجھتے تھے دونوں طرف ملے رہنے ہی میں مصلحت ہے- اگر بازی الٹ پڑی اور دشمن فتح مند ہو گئے تو ان کے پاس بھی اپنی جگہ بنی رہے گی-

ایمان و کفر کی طرح نفاق کی تمام حالتیں بھی یکساں نہیں، اور نہیں تھیں- چونکہ اصل کے اعتبار سے یہ حالت بھی انکار ہی کی ایک اقرار نما صورت ہے اس لیے جب بڑھتی ہے تو انکار قطعی ہی کی طرف بڑھتی ہے اور اسی کے خصائص رونما ہونے لگتے ہیں- کسی میں کم کسی میں زیادہ چنانچہ اس عہد کے منافقوں کی حالت نفاق یکساں نہ تھی- عبداللہ بن ابی کا نفاق ہر منافق کا نفاق نہ تھا- خود قرآن نے اسی سورت کی آیت (۱۰۱) میں اس طرف اشارہ کیا ہے: **وممن حولکم من الاعراب منافقون ومن اهل المدينة مردوا على النفاق**- کسی کے نفاق کا رخ زیادہ تر اس طرف تھا کہ ہجرت سے جی چراتے تھے- کسی پر انفاق مال شاق تھا- کوئی جہاد سے بچنا چاہتا تھا- کسی پر نماز کا قیام سخت گزرتا تھا- کوئی ایسا بھی تھا کہ احکام الٰہی اور آیات قرآنی کی ہنسی اڑاتا تھا اور اس تاک میں تھا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آ پڑے تو کھلم کھلا دشمنوں کے ساتھ ہو جائے- تاہم یہ قطعی ہے کہ ان سب نے اسلام بطور اپنے دین و طریقہ کے قبول کر لیا تھا اور مسلمانوں ہی میں سمجھے جاتے تھے- یہ بات نہ تھی کہ محض ایک سازشی گروہ بھیس بدل کر مسلمانوں میں آ ملا ہو اور مسلمانوں میں سے نہ ہو-

منافقوں کے اعمال و خصائص:

(ا) جب راہ حق میں جان و مال کی قربانی کا وقت آتا تو طرح طرح کے حیلے بہانے نکالتے اور کہتے ہمیں گھر بیٹھ رہنے کی اجازت مل جائے-

(ب) مسلمانوں میں ہمیشہ فتنہ پھیلاتے، کمزور اور ناسمجھ آدمیوں کو گمراہ کرتے، ادھر کی بات ادھر لگاتے-

(ج) جب کبھی جماعت کے لیے کوئی نازک وقت آ جاتا تو اس طرح کی باتیں نکالتے کہ دوسروں کے دل بھی کمزور پڑ جاتے اور کوئی نہ کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا- چنانچہ احد میں انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس موقع پر بھی کمی نہیں کی-

(د) دینداری کے بھیس میں اپنا نفاق چھپاتے اور کہتے اس کام میں ہمارے لیے فتنہ ہے- اس لیے شریک نہیں ہو سکتے-

(ہ) مسلمانوں کی مصیبت ان کے لیے مصیبت نہیں ہوتی اور نہ ان کی خوشی ان کے لیے خوشی-

(و) جب کوئی جماعتی معاملہ پیش آ جاتا تو اس کا ساتھ نہ دیتے اور طرح طرح کی فتنہ اندازیاں کرتے- پھر اگر کوئی حادثہ پیش آ جاتا تو

کہتے ہم نے پہلے ہی یہ بات معلوم کر لی تھی- اسی لیے ساتھ نہیں دیا تھا اور پھر بجائے اس کے کہ قوم کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھیں دل میں خوش ہوتے کہ چلو اچھا ہوا کامیاب نہ ہوئے!

(ز) نماز پڑھیں گے تو اس بے دلی سے کہ معلوم ہوگا ایک بوجھ آ پڑا ہے اور چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح پٹک کر الگ ہو جائیں-

(ح) نیکی کی راہ میں خوش دلی سے کبھی خرچ نہ کریں- کنجوسی ان کی سب سے بڑی علامت ہے-

(ط) قسمیں کھا کھا کر یقین دلائیں گے کہ ہمیں مخالف نہ سمجھو حالانکہ دل میں نفاق بھرا ہوا ہے-

(ی) چونکہ دلوں میں کھوٹ ہے اس لیے ڈرے سہمے رہتے ہیں اور بہت سے کام دل کی خواہش سے نہیں بلکہ محض جماعت کے خوف سے کرتے ہیں-

(ک) چونکہ راہ حق کی آزمائشیں پیش آتی رہتی ہیں اور دل میں اخلاص و یقین نہیں ہے اس لیے بسا اوقات صورت حال سے ایسے مضطرب ہو جاتے ہیں کہ اگر چھپ بیٹھنے کی کوئی جگہ مل جائے تو فوراً رسی تڑا کر بھاگ کھڑے ہوں-

(ل) غرض کے بندے ہیں' ان کی خوشنودی اور ناراضی کا سارا دارومدار دنیا اور دنیا کا حصول ہے- اگر صدقات کی تقسیم میں انہیں بھی کچھ دے دیا جائے تو خوش رہیں گے- نہ دیا جائے تو بگڑ بیٹھیں گے-

(م) چونکہ ایمان وراستی سے محروم ہیں اس لیے حق و ناحق کی کچھ پروا نہیں- جس طرح بھی ملے مال و دولت حاصل کرنی چاہیے- صدقات و خیرات کے مستحق نہیں لیکن اس کے حصول کے خواہش مند رہتے ہیں-

(ن) اگر ان کی ہوائے نفس کے خلاف کوئی فیصلہ ہو تو فوراً طعنہ زنی پر اتر آئیں کہ دوسروں کی طرف داری کی جاتی ہے-

(س) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مخلص مومنوں کا اخلاص پہچانتے اور انہیں قابل اعتماد سمجھتے تھے- یہ بات منافقوں پر شاق گذرتی حتیٰ کہ بعضوں نے کہا وہ کان کے کچے ہیں لوگوں کی باتوں میں آ جاتے ہیں-

(ع) جب دیکھتے ہیں ان کی منافقانہ روش پر عام برہمی پیدا ہو گئی تو قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو یقین دلاتے اور انہیں اپنے سے راضی رکھنا چاہتے- قرآن کہتا ہے ان کی حق فراموشی دیکھو- انہیں خدا کی تو کچھ پروا نہیں کہ بدعملیاں کیے جاتے ہیں لیکن انسانوں کی اتنی پروا ہے کہ جونہی ان کی نگاہیں بدلی ہوئی نظر آئیں' لگے خوشامد کرنے اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے-

فی الحقیقت انسانی گمراہی کی بوالعجبیوں میں سے ایک عجیب بوالعجبی یہ ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھنے کا مدعی ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں- تاہم ہر طرح کی معصیتیں کیے جائے گا اور ایک لمحہ کے لیے اسے خیال نہ ہوگا کہ میں کیا کر رہا ہوں لیکن جونہی انسانوں کی نظر میں اس کی معصیتیں نمایاں ہوئیں اس کے ہوش و حواس گم ہو جائیں گے اور ہزار طرح کے جتن کرے گا کہ کہیں وہ اسے برا نہ سمجھنے لگیں- اس سے معلوم ہوا کہ فی الحقیقت اسے خدا کی ہستی کا یقین نہیں- کیونکہ اگر یقین ہوتا- اسی درجہ کا یقین جس درجہ کا یقین انسانوں کی موجودگی پر رکھتا ہے تو ممکن نہ تھا کہ اس سے بے پروا ہو جاتا- قرآن کہتا ہے یہی حالت نفاق کی حالت ہے-

(ف) دین کے بارے میں ان کی زبانیں چھوٹ ہیں- لیکن جب پکڑے جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے بطور تفریح اور مزاح کے ایک بات کہہ دی تھی- سچ مچ کو ہمارا یہ مطلب نہ تھا- قرآن کہتا ہے یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے- کیونکہ اس سے معلوم ہوا تم اللہ کی' اس کی آیتوں کی' اس کے رسول کی ہنسی اڑاتے ہو-

(ص) جس طرح مومن مرد اور عورتیں راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں اسی طرح منافق راہ نفاق میں ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں-

(ق) کذب گوئی ان کا شعار ہے-صریح ایک بات کہیں گے اور پھر انکار دیں گے-

(ر) بعضوں کا یہ حال ہے کہ عہد کرتے ہیں- خدایا اگر تو ہم پر فضل کرے تو ہم تیری راہ میں خیرات کریں گے اور نیکی کی زندگی بسر کریں گے-لیکن جب اللہ فضل کرتا ہے تو پھر بے تامل بخیلی پر اتر آتے ہیں اور کچھ اس کی راہ میں نہیں نکالتے - اس کی طرف سے رخ پھیرے رہتے ہیں!

(ش) ان کا ایک وصف یہ ہے کہ خود تو کچھ کریں گے نہیں لیکن کرنے والوں کے خلاف زبان کھولنے میں ہمیشہ بے باک رہیں گے- مثلاً اگر خوش حال آدمیوں نے بڑی بڑی رقمیں راہ حق میں نکالیں تو کہیں گے دکھاوے کے لیے یا کسی دنیوی غرض کے لیے ایسا کرتے ہیں- اگر کوئی غریب آدمی اپنی محنت مزدوری کی کمائی میں سے چار پیسے نکال کر رکھ دے گا تو اس کی ہنسی اڑائیں گے کہ واہ اچھی خیرات کی!

(ت) راہ حق میں محنتیں مشقتیں برداشت کرنا ان کی سمجھ میں نہیں آتا-غزوۂ تبوک کا معاملہ سخت گرمی میں پیش آیا تھا اس لیے لوگوں سے کہتے تھے-اس گرمی میں کہاں جاتے ہو؟

(ث) ایمان کے ضعف نے انہیں مردانگی کے احساس وغیرت سے بھی محروم کر دیا- جب لوگ قوم وملت کی راہ میں جان ومال قربان کرتے ہیں تو وہ عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں اور ذرا بھی نہیں شرماتے-

(خ) کچھ لوگ ایسے ہیں جو نفاق کی حالت میں شب و روز رہتے رہتے بڑے مشاق ہو گئے ہیں- دوسرے اتنے مشاق نہیں- جو مشاق ہیں تم انہیں تاڑ نہیں سکتے-

(ذ) بعض لوگ دینداری کے بھیس میں ایسی راہیں نکالتے کہ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ہو اور ان کے مقاصد کو نقصان پہنچے- مثلاً ایک مسجد بنائی اور پیغمبر اسلام ﷺ سے عرض کیا آپ اس میں نماز پڑھا دیں تو ہمارے لیے برکت وسعادت ہو- مقصود یہ تھا کہ اپنے اجتماع کے لیے ایک نیا حلقہ پیدا کریں اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ہو-

(ض) کوئی سال نہیں گزرتا کہ ان کے لیے تنبیہ واعتبار کی کوئی نہ کوئی بات ظہور میں نہ آ جاتی ہو لیکن غفلت کا یہ حال ہے کہ نہ تو توبہ کرتے ہیں نہ عبرت پکڑتے ہیں-

(۵) سورۂ آل عمران' نساء' انفال' احزاب' محمد' فتح' حدید' مجادلہ اور حشر میں بھی منافقوں کے اعمال وخصائص بیان کیے گئے ہیں اور ایک پوری سورت منافقون انہی کے حالات میں ہے- چاہیے کہ اس موقع پر فہرست سے مدد لے کر وہ تمام مقامات بھی دیکھ لیے جائیں-

(٦) یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سورۂ بقرہ کی آیت (۸) ﴿ ومن الناس من يقول امنا بالله وباليوم الاخر وما هم بمومنين ﴾ میں اور اس کی بعد کی آیتوں میں جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مقصود منافقوں کی یہ جماعت نہیں ہے بلکہ یہود و نصاریٰ ہیں جو ایمان باللہ کا دعویٰ کرتے تھے مگر حقیقتاً ایمان کی روح ان میں باقی نہیں رہی تھی- فی الحقیقت یہ حالت بھی نفاق ہی کی حالت ہے جو ایک مدت کے جمود واعراض کے بعد پیروان مذاہب پر طاری ہو جاتی ہے لیکن مقصود اس سے مدینہ کے منافق نہیں ہیں-

(۷) یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ان احادیث کا مطلب کیا ہے جن میں نفاق کی خصلتیں بیان کی گئی ہیں اور فرمایا ہے جس میں

یہ خصلت ہو تو سمجھ لو نفاق کی خصلت آ گئی- مثلاً ((اربع ، من کن فیه' کان منافقا خالصاً ، ومن کانت فیه خصلة منهن ، کانت فیه خصلة من النفاق)) (بخاری) ((ولو صلی وصام ، وزعم انه مسلم)) (مسلم) یعنی چار خصلتیں ہیں- جس میں یہ چاروں جمع ہو جائیں وہ پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھ لو نفاق کی ایک خصلت پیدا ہو گئی- مسلم کے لفظ میں یہ بھی ہے "اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو اور اس زعم میں ہو کہ مسلمان ہے" پھر وہ خصلتیں بیان کی ہیں جو سچے مومن میں نہیں ہونی چاہییں- مثلاً امانت میں خیانت' جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی' غصہ میں آ کر بے قابو ہو جانا- تو معلوم ہوا نفاق کوئی ایسی حالت نہ تھی جو صرف آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی میں ظہور پذیر ہوئی ہو- اور نہ منافقوں کا گروہ کوئی ایسا گروہ تھا جو محض چھپے کافروں کا ایک سازشی گروہ ہو- یہ ایمان و عمل کی کمزوری کی ایک زیادہ سخت حالت ہے اور جس طرح اس زمانہ میں تھی اسی طرح ہر زمانے میں ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے-

اگر آج مسلمانوں کی اکثریت اپنے ایمان و عمل کا احتساب کرے تو اسے معلوم ہو جائے کہ نفاق کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے اور کسی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں- وہ اپنے ہی وجود میں اسے دیکھ لے سکتی ہے-

دقائق ہستی کے احوال ثلاثہ:

(۸) یہ جو قرآن نے انسان کے عقائد و اعمال کی تین حالتیں قرار دیں: ایمان' کفر' نفاق' تو فی الحقیقت عالم ہستی کے تمام گوشوں میں اصلاً تین ہی حالتیں پائی جاتی ہیں- یا تو تکوین کی حالت ہو گی یا فساد کی حالت ہو گی یا پھر دونوں کی درمیانی حالت- خود اپنے وجود ہی کو دیکھ لو- یا زندگی ہے یا موت ہے یا بیماری- بیماری کو نہ تو زندگی کی صحیح حالت کہہ سکتے ہیں نہ موت ہی قرار دے سکتے ہیں- دونوں کے بین بین ہے لیکن رخ اس کا موت ہی کی طرف ہے- قلب و روح کا بھی یہی حال ہوا- ایمان زندگی ہے' موت کفر ہے اور نفاق بیماری-

یہ مقام مہمات معارف قرآنی میں سے ہے لیکن:

گر نویسم شرح آں بے حد شود
مثنوی ہفتاد من کاغذ شود!

مسجد ضرار:

(۹) آیت (۱۰۷) میں جس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے اور جو تاریخ اسلام میں مسجد ضرار کے نام سے یاد کی جاتی ہے اس کا مختصراً حال یہ ہے-

پیغمبر اسلام ﷺ جب مدینہ آئے تو پہلے قبا نامی مقام میں قیام فرمایا- یہاں آپ کے حکم سے ایک مسجد تعمیر ہوئی تھی جو عہد اسلام کی پہلی مسجد ہے- بعض منافقوں نے جن کی تعداد بعض روایات سے بارہ ثابت ہوتی ہے' اسی مسجد کے پاس ایک نئی مسجد تعمیر کی اور جب پیغمبر اسلام ﷺ تبوک کے لیے نکل رہے تھے تو آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا- ایک دن وہاں آ کر نماز پڑھا دیجیے- آپ نے فرمایا ابھی تو سفر درپیش ہے- واپسی پر دیکھا جائے گا- پھر جب آپ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے بانیان مسجد کے منافقانہ مقاصد سے آپ کو مطلع کر دیا- آپ نے فوراً حکم دیا کہ یہ مسجد گرا دی جائے- چنانچہ قبل اس کے کہ مدینہ پہنچیں' مسجد منہدم کر دی گئی تھی-

اس آیت میں مسجد بنانے کے چار مقصد بیان کیے ہیں:

(ا) "ضرارا"، یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ قبا کے مخلص مومنوں کو نقصان پہنچائیں- کیونکہ مسجد قبا کی وجہ سے انہیں ایک خاص عزت حاصل ہوگئی ہے- یہ حسد وعناد سے چاہتے ہیں ان کی یہ خصوصیت باقی نہ رہے-

(ب) "و کفرا"، کفر کے مقاصد پورے ہوں- یعنی اپنی الگ مسجد ہو جائے گی تو مسجد قبا میں نماز کے لیے جانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی اور اس طرح نماز ترک کرنے کا موقع مل جائے گا- کیونکہ لوگ سمجھیں گے انہوں نے اپنی مسجد میں نماز پڑھ لی- یہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں گے- اس سے معلوم ہوا کہ ترک نماز کی حالت ایک ایسی حالت ہے جسے قرآن "کفر" کی حالت سے تعبیر کرتا ہے- نیز معلوم ہوا کہ نیک کاموں کا نیک ہونا مقصد ونیت پر موقوف ہے ورنہ مسجد بنانے جیسا نیک کام بھی کفر کے لیے ہو جا سکتا ہے-

(ج) "﴿ و تفریقا بین المومنین ﴾" مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے- کیونکہ قبا کی تمام آبادی ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتی تھی- اب بالکل اس کے پاس دوسری مسجد بنے گی تو جماعت بٹ جائے گی- کچھ لوگ پچھلی مسجد میں جائیں گے- کچھ نئی میں- اور جب ایک جماعت نہ رہی تو مسلمانوں کے باہمی اجتماع وتعارف کا وہ مقصد بھی فوت ہوگیا جو قیام جماعت کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے-

اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسجد اگر موجود ہو تو بلاضرورت دوسری مسجد اس کے قریب تعمیر کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنا تفریقاً بین المومنین ہے- اور یہی وجہ ہے کہ تمام ائمہ اسلام نے اتفاق کیا کہ ہر شہر میں جمعہ کی جماعت ایک ہی جگہ ہونی چاہیے- اور اگر آبادی اتنی زیادہ ہو جائے کہ ایک جگہ کافی نہ ہو تو پھر بقدر ضرورت ایک سے زیادہ مساجد میں جمعہ قائم کیا جائے- یہ نہیں کرنا چاہیے کہ بلاضرورت بہت سی مسجدیں تعمیر کر دی جائیں اور ہر مسجد میں جمعہ شروع کر دیا جائے-

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے یہ صریح حکم قرآنی پس پشت ڈال دیا اور محض ریاکاری اور نام ونمود کے لیے یا کسی سابق مسجد اور اس کے مہتموں کو نقصان پہنچانے کے لیے بکثرت مسجدیں ہر شہر وقریہ میں تعمیر کر دیں اور روز بروز تعمیر کرتے جاتے ہیں- اگر ان کی تعمیر کے حالات و مقاصد کا جائزہ لیا جائے تو بڑی تعداد ٹھیک ٹھیک مسجد ضرار کی سی مسجدیں ثابت ہوں گی مگر کوئی نہیں جو اس فساد سے لوگوں کو روکے بلکہ خود علماء ومشائخ اپنے شخصی انتفاع وترفع کے لیے اس مفسدانہ فعل کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور اپنے معتقدوں کو تعمیر مسجد کے بے محل ثواب سنا سنا کر مزید ترغیبیں دیتے ہیں- چنانچہ مسلمانوں کی تفریق وانتشار کا ایک بڑا باعث مسجدوں کا وجود بھی ہوگیا ہے- ایک ہی محلّہ میں چار چار پانچ پانچ جگہ جماعتیں ہوتی ہیں- ایک ہی رقبہ میں بلاضرورت ایک سے زیادہ جگہ جمعہ پڑھا جاتا ہے- پھر صرف اتنے ہی پر قدم افساد نہیں رکا بلکہ عیدین کی جماعتیں بھی مسجدوں میں ہونے لگی ہیں حالانکہ ایسا کرنا صریح سنت مستمرہ کے خلاف ہے اور اجتماع عیدین کا مقصد عظیم ضائع کر دینا ہے-

(د) "وارصادا لمن حارب الله ورسوله من قبل" اللہ اور اس کے رسول سے جس نے جنگ کی اس کے لیے ایک کمین گاہ پیدا کر دی جائے- یا اس کے انتظار وتوقع میں پہلے سے ایک جگہ بنا دی جائے- یعنی دشمنان اسلام کے لیے جن سے یہ لوگ ساز باز رکھتے ہیں اٹکنے کی جگہ پیدا ہو جائے-

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں قبیلہ خزرج کا ایک آدمی ابو عامر راہب تھا جو ظہور اسلام سے پہلے عیسائی ہوگیا تھا- جب پیغمبر اسلام ﷺ مدینہ تشریف لائے تو کلمہ اسلام کا عروج اس پر شاق گزرا اور اسلام کے خلاف سازشوں میں سرگرم ہوگیا- پہلے قریش مکہ کا ساتھ دیا پھر شہنشاہ قسطنطنیہ کے پاس پہنچا اور اسے مسلمانوں پر حملہ کی ترغیب دی- قبا کے بعض منافقین میں اور اس میں قدیم سے رسم وراہ تھی- یہ انہیں اسلام کے خلاف اکساتا رہتا اور رومیوں کے حملہ کا یقین دلاتا- یہاں "لمن حارب الله ورسوله" میں اسی کی طرف اشارہ ہے-

(۹) اس سورت میں منافقوں کے لیے حسب ذیل احکام دیے گئے ہیں:

(ا) ایسے لوگوں کا انفاق قبول نہ کیا جائے (آیت ۵۳) اس سے معلوم ہوا کہ جو افراد جماعت کے مقاصد کو نقصان پہنچائیں امام کو چاہیے ان کی مالی اعانات قبول کرنے سے انکار کر دے- کیونکہ ایسے لوگوں کا مال قبول کرنا انہیں بدعملیوں اور شرارتوں پر جرأت دلانا ہے- وہ سمجھتے ہیں ہم روپیہ خرچ کر کے اپنے منافقانہ اعمال کی پردہ پوشی کرتے رہیں گے-

(ب) صاف صاف کہہ دیا کہ یہ لوگ بھی معاندوں کی طرح نجات اخروی سے محروم رہیں گے اگرچہ اپنے کو مومن سمجھتے ہیں- (آیت ۶۸)

(ج) منافقوں سے بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا (آیت ۷۳) اس سورت کے دوسرے احکام و مواعظ کی طرح اس حکم کا تعلق بھی آئندہ پیش آنے والے واقعات سے تھا- چنانچہ جب پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد فتنہ نفاق نے سر اٹھایا اور متعدد قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی تعمیل کی اور ان سے قتال کرنے پر متفق ہو گئے-

(د) اشرار منافقین کی نسبت فرمایا جو ان میں سے بغیر توبہ کیے مر جائیں گے وہ کبھی بخشے نہیں جائیں گے' اگرچہ خود پیغمبر اسلام ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں (آیت ۸۰) سورۂ منافقون میں فرمایا تھا- ﴿سواء علیهم' استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم﴾ (۶۳:۶) تم ان کے لیے مغفرت طلب کرو یا نہ کرو دونوں حالتیں ان کے لیے یکساں ہیں- وہ بخشے جانے والے نہیں- یہاں یہی بات زیادہ زور دے کر کہی گئی کہ ﴿ ان تستغفر لهم سبعین مرة ﴾ تم ستر مرتبہ (یعنی سیکڑوں مرتبہ) ہی کیوں نہ دعائے مغفرت کرو مگر یہ بخشے جانے والے نہیں-

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے لڑکے نے آپ ؐ سے درخواست کی کہ کفن کے لیے اپنا پیراہن عطا فرمائیں اور نماز جنازہ پڑھا دیں- اور آپ نے درخواست منظور کر لی- حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ بات شاق گذری تھی' مگر آپ نے فرمایا: ((لو اعلم انی ان زدت علی السبعین غفرله' لزدت علیها)) (بخاری والجماعہ) اس حدیث اور آیت مندرجہ صدر کی تطبیق میں مفسرین کو مشکلات پیش آئی ہیں' لیکن فی الحقیقت معاملہ بالکل واضح ہے اور تشریح اس کی سورۂ منافقون کے نوٹ میں ملے گی-

(ہ) جن منافقوں نے اس موقع پر شرکت نہ کی آئندہ اگر وہ کسی ایسے کام میں شریک ہونا چاہیں تو صاف انکار کر دیا جائے اور انہیں شریک نہ کیا جائے (آیت ۸۳)

(و) ان میں سے جو کوئی بغیر توبہ کیے مر جائے پیغمبر اسلام ﷺ اس کے جنازہ میں شریک نہ ہوں اور نہ حسب معمول دعا مانگیں (آیت ۸۴) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے یہ حکم خاص خاص منافقوں کے لیے ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے نام بتلا دیے تھے- جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ بارہ آدمی تھے (فتح الباری)

(ز) اگر یہ لوگ معذرت کریں تو صاف صاف کہہ دیا جائے کہ اب تمہاری زبانی معذرتیں نہیں سنی جائیں گی- عمل دیکھا جائے گا- آئندہ اگر تمہارے اعمال سے اخلاص ثابت ہوا تو سمجھا جائے گا کہ تائب ہو گئے' نہیں تو منافق متصور ہو گے- (آیت ۹۴)

(ح) مسلمانوں کو حکم ہوا ان سے گردن موڑ لو- یعنی ان سے ربط ضبط نہ رکھو (آیت ۹۵)

(۱۰) اس باب میں بے شمار امور تفصیل طلب ہیں اور مباحث تفسیر و حدیث کے متعدد مقامات ہیں جن کی وضاحت و تحقیق ضروری ہے

لیکن مزید تفصیل کا یہ موقعہ نہیں- البیان کا انتظار کرنا چاہیے-

شرح مقام ورضوا عنه:

(ل) آیت (١٠٠) میں سابقون الاولون اوران کے متبعین کی نسبت فرمایا: ﴿ رضی الله عنهم ورضوا عنه ﴾ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے- اس مقام کا ایک پہلو قابل غور ہے جس پر لوگوں کی نظر نہیں پڑی- یعنی ﴿ ورضوا عنه ﴾ پر کیوں زور دیا گیا؟ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ اللہ ان سے خوشنود ہوا- کیونکہ ان کے اعمال اللہ کی خوشنودی ہی کے لیے تھے- یہ بات خصوصیت کے ساتھ کیوں کہی گئی کہ وہ بھی اللہ سے خوشنود ہوئے؟

اس لیے کہ ان کے ایمان واخلاص کا اصلی مقام بغیر اس کے نمایاں نہیں ہوسکتا تھا-

انسان جب کبھی کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں: کچھ لوگ جو انمرد اور باہمت ہوتے ہیں- وہ بلا تامل ہر طرح کی مصیبتیں جھیل لیتے ہیں- لیکن ان کو جھیلنا جھیل لینا ہی ہوتا ہے- یہ بات نہیں ہوتی کہ مصیبتیں ان کے لیے مصیبتیں نہ رہی ہوں- عیش وراحت ہوگئی ہوں- کیونکہ مصیبت پھر مصیبت ہے- باہمت آدمی کڑوا گھونٹ بغیر کسی جھجک کے پی لے گا لیکن اس کی کڑواہٹ کی بدمزگی محسوس ضرور کرے گا- لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں صرف باہمت ہی نہیں کہنا چاہیے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ سمجھنا چاہیے- ان میں صرف ہمت وجوانمردی ہی نہیں ہوتی بلکہ عشق وشیفتگی کی حالت پیدا ہوجاتی ہے- وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے بلکہ عیش وراحت کی طرح ان سے لذت وسرور حاصل کرتے ہیں- راہ محبت کی ہر مصیبت ان کے لیے عیش و راحت کی ایک نئی لذت بن جاتی ہے- اگر اس راہ میں کانٹوں پر لوٹنا پڑے تو کانٹوں کی چبھن میں انہیں ایسی راحت ملے جو کسی کو پھولوں کی سیج پر لوٹ کر نہیں مل سکتی حتیٰ کہ اس راہ کی مصیبتیں جس قدر بڑھتی جاتی ہیں اتنی ہی زیادہ ان کے دل کی خوشحالیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں- ان کے لیے صرف اس بات کا تصور کہ یہ سب کچھ کسی کی راہ میں پیش آرہا ہے اور اس کی نگاہیں ہمارے حال سے بے خبر نہیں عیش وسرور کا ایک ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کردیتا ہے کہ اس کی سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی-

یہ بات سننے میں تمہیں عجیب معلوم ہوتی ہوگی لیکن فی الحقیقت حالت میں اتنی عجیب نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے معمولی واردات میں سے ہے- اور عشق ومحبت کا مقام تو بہت بلند ہے- بوالہوی کا عالم بھی ان واردات سے خالی نہیں:

حریف کاوش مژگان خونریزش نہ ناصح ... بہ دست آور رگِ جانے ونشتر را تماشا کن!

سابقون الاولون کی محبت ایمانی کا یہی حال تھا- ہر شخص جوان کی زندگی کے سوانح کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوشحالی اور روح کے کامل سرور کے ساتھ اپنی پوری زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں- ان میں سے جو لوگ اول دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب وروز کی جاں کاہیوں اور قربانیوں کے پورے تیئس برس گزر گئے لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو- انہوں نے مال وعلائق کی ہر قربانی اس جوش ومسرت کے ساتھ کی گویا دنیا جہان کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لیے فراہم ہوگئی ہیں- اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوش خوش گردنیں کٹوادیں گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں بلکہ موت میں تھی- ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں

کی تھی جنھوں نے اتنی عمریں نہیں پائیں کہ اسلام کی غربت کے ساتھ اسلام کا عروج و اقبال بھی دیکھ لیتے اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی طرح کہہ سکتے "کنت فی من افتح کنوز کسریٰ"[1] تاہم جب دنیا سے گئے تو اس عالم میں گئے کہ ان سے زیادہ عیش و خوشحالی میں شاید ہی کسی نے دنیا چھوڑی ہو- بدر اور احد کے شہیدوں کے حالات پڑھو- ایمان لانے کے بعد جو کچھ بھی ان کے حصے میں آیا وہ بجز رات دن کی کاہشوں اور مصیبتوں کے اور کیا تھا؟ اور پھر قبل اس کے کہ اسلام کے فتح و اقبال کی کامرانیوں میں شریک ہونے کا موقع ملتا دشمنوں کی تیغ و سنان سے چور میدان جنگ میں دم توڑ رہے تھے- لیکن پھر بھی غور کرو ان کے دل کی شادمانیوں کا کیا حال تھا؟ اس اطمینان و سکون کے ساتھ عیش و نشاط کے بستروں پر کسی نے جان نہ دی ہوگی جس طرح انہوں نے میدان جنگ کی ریتلی زمین پر لوٹ لوٹ کر دی- جنگ احد میں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا زخمیوں میں پڑے سانس توڑ رہے ہیں- پوچھا کوئی وصیت کرنی ہو تو کر دو- کہا اللہ کے رسول کو میرا اسلام پہنچا دینا اور قوم سے کہنا ان کی راہ میں جانیں نثار کرتے رہیں- عمارہ بن زیاد رضی اللہ عنہ زخموں سے چور جانکنی کی حالت میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرہانے پہنچ گئے- فرمایا کوئی آرزو ہو تو کہہ دو- عمارہ رضی اللہ عنہ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹ کر اور زیادہ قریب کر دیا اور اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھ دیا کہ اگر کوئی آرزو ہو سکتی ہے تو صرف یہی ہے:

منم و ہمیں تمنا کہ بہ وقت جاں سپردن
بہ رخ تو دیدہ باشم' تو درون دیدہ باشی!

عورتوں تک کا یہ حال تھا کہ بیک وقت انہیں ان کے شوہر' بھائی اور باپ کے شہید ہو جانے کی خبر پہنچائی جاتی تھی اور وہ کہتی تھیں- یہ تو ہوا مگر بتلاؤ اللہ کے رسول کا کیا حال ہے؟ پھر جب آپ کا جمال جہاں آرا نظر آتا تو بے اختیار خوش ہو کر پکار اٹھتیں: ((کل مصیبۃ بعدك جلل !)) تو اگر سلامت ہے تو پھر دنیا کی ساری مصیبتیں ہمارے لیے شہد و شکر کا گھونٹ ہو گئیں:

من و دل گر فنا شدیم چہ باک
غرض اندر میان سلامت اوست!

تاریخ اسلام میں جنگ حنین پہلی جنگ ہے جس میں بکثرت مال غنیمت ہاتھ آیا- چوبیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی کا ذکر روایات میں ملتا ہے- یہ وقت تھا کہ سابقون الاولون کو مال و دولت سے حصہ وافر ملتا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باشندگان مکہ کو ترجیح دی جو فتح مکہ کے بعد نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور انصار مدینہ کے حصہ میں کچھ نہ آیا- کیونکہ آپ کے پیش نظر نو مسلموں کی تالیف قلب تھی- یہ حالت دیکھ کر بعض نوجوانوں کو خیال ہوا اہل مکہ سے لڑے تو ہم' لیکن آج مال غنیمت کا حصہ مل انہیں رہا ہے- بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا ((الا ترضون ان یذھب الناس بالشاۃ والبعیر' وتذھبون بالنبی الی رحالکم؟)) کیا تمہاری خوشنودی کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ لوگ یہاں سے مال غنیمت کے حصے لے کر جائیں اور تم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ؟ انصار بے اختیار پکار اٹھے ((رضینا یا رسول اللہ رضینا!)) ہم خوشنود ہیں' یا رسول اللہ! ہم

---

[1] عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لتفتحن کنوز کسریٰ- ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ تم کسریٰ کے خزانے فتح مندانہ کھولو گے- وکنت فی من افتح کنوز کسریٰ- یہ پیشین گوئی میں نے اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے دیکھ لی- کیونکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے کسریٰ کا خزانہ کھولا تھا- (بخاری)

خوشنود ہیں! (صحیحین)

اور پھر غور کرو' جو لوگ ﴿ واتبعوهم باحسان ﴾ میں داخل ہوئے' انہیں بھی کس درجہ اس مقام سے حصہ وافر ملا تھا؟ دنیا میں شاید ہی کسی عورت کے دل میں اپنے عزیزوں کے لیے ایسی محبت پیدا ہوئی ہو گی جیسی جاہلیت کی مشہور شاعرہ خنساء کے دل میں تھی- اس نے جو مرثیے اپنے بھائی صخر کے غم میں کہے ہیں' تمام دنیا کی شاعری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے:

يذكرني طلوع الشمس صخرا واذكره بكل غروب شمس[1]

لیکن ایمان لانے کے بعد اسی خنساء کی نفسیاتی حالت ایسی منقلب ہو گئی کہ جنگ یرموک میں اپنے تمام لڑکے ایک ایک کر کے کٹوا دیے اور جب آخری لڑکا بھی شہید ہو چکا تو پکار اٹھی: ((الحمد لله الذى اكرمنى بشهادتهم!))

پس و رضوا عنه میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ اور اس کے کلمہ حق کی راہ میں جو کچھ بھی پیش آیا انہوں نے اسے جھیلا ہی نہیں بلکہ کمال محبت ایمانی کی وجہ سے اس میں خوش حال و خوشنود رہے اور یہی مقام ہے جو ان کے درجہ کو تمام مدارج ایمان و عمل میں ممتاز کر دیتا ہے-

تعجب ہے کہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسروں کی نظر اس صاف اور واضح بات کی طرف نہ گئی- البیان میں مزید تفصیل ملے گی-

ترک موالات کا حکم اور اس کی حقیقت:

(م) اس سورت میں جا بجا اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دشمنوں سے رفاقت و اعانت کے رشتے نہ رکھو اگر چہ وہ تمہارے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں اور دوسری سورتوں میں بھی ایسے ہی احکام موجود ہیں- لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اور اس طرح کے تمام احکام جنگ میں سے ہیں نہ کہ معیشت و علائق کے عام احکام' اور یہ بات خود قرآن نے جا بجا اس درجہ وضاحت اور قطعیت کے ساتھ واضح کر دی ہے کہ شک و تردد کی ذرا بھی گنجائش نہیں رہی ہے-

جہاں تک ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ معاملہ کرنے کا تعلق ہے قرآن کہتا ہے اصل اس باب میں محبت و شفقت' ہمدردی و سلوک اور تعاون و سازگاری ہے- اس کے سوا کوئی بات نہیں ہو سکتی- وہ کہتا ہے ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے- خواہ اس کا ہم وطن ہو یا نہ ہو' ہم نسل ہو یا نہ ہو' ہم عقیدہ ہو یا نہ ہو' اور امتیاز و تفریق کی وہ تمام باتیں جو اس انسانی بھائی چارگی کا رشتہ قطع کرتی ہیں خدا کی طرف سے نہیں ہیں خود انسانوں کی گھڑی ہوئی معصیت اور گمراہی ہے- پیغمبر اسلام کی دعاؤں میں سب سے زیادہ اعتراف اسی حقیقت کا ہوتا تھا کہ ((انى اشهد ان العباد كلهم اخوة)) (مسلم) خدایا! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں!

لیکن جب تمام ملک و قوم نے اس دعوت کو بزور شمشیر نابود کر دینے کا فیصلہ کر دیا اور پیروان دعوت پر محض اختلاف عقائد کی بنا پر ظلم و ستم کرنے لگے تو قدرتی طور پر جنگ کی حالت پیدا ہو گئی- اب دو فریق ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے- ایک فریق مسلمانوں کا تھا جو اپنا بچاؤ کر رہا تھا- دوسرا دشمنوں کا تھا جو حملہ آور تھا- پس ایسی حالت میں ناگزیر ہو گیا کہ دوستوں اور دشمنوں میں صاف صاف امتیاز ہو جائے- جو دوست ہیں وہ دشمنوں کے کیمپ سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھیں- جو دشمن ہیں وہ دوستوں سے کسی طرح کی سازش نہ کر سکیں- قرآن میں جس قدر احکام عدم موالات کے ہیں وہ سب اسی صورت حال سے تعلق رکھتے ہیں اور اس سورت کی آیت (۲۳) بھی اسی سے متعلق ہے-

اصل اس باب میں سورۂ ممتحنہ کی یہ آیات ہیں جو ایک ایسے ہی معاملہ کی نسبت نازل ہوئی تھیں:

---

[1] ہر صبح سورج کا نکلنا صخر کی یاد تازہ کر دیتا ہے' اور کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں آتی کہ صخر کی یاد سامنے نہ آ گئی ہو!

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ﴾ (۹،۸:۶۰)

خدا تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ ان مشرکوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور انصاف کے ساتھ پیش آؤ جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا- خدا تو تمہیں صرف ان لوگوں کی رفاقت وساز گاری سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی ہے (یعنی محض اس لیے کہ تم نے ان کا دین چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے تم پر حملہ کر دیا ہے) اور (ظلم وستم کر کے) تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے- نیز تمہیں جلا وطن کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے- پس جو کوئی ایسے لوگوں سے رفاقت وسازگاری رکھے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں!

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ قرآن میں جہاں کہیں مسلمانوں کو مشرکین عرب یا یہود ونصاریٰ کی موالات سے روکا گیا ہے تو اس سے مقصود صرف وہی جماعتیں تھیں جنہوں نے مسلمانوں سے محض اختلاف دین کی بنا پر قتال کیا تھا اور جن کے ظلم وستم نے مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کر دیا تھا- یہ بات نہ تھی کہ تمام مشرکین عرب سے یا یہود ونصاریٰ سے ترک علائق کا حکم دے دیا گیا ہو اور ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ حکم کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اس کی دعوت سر تا سر انسانی اخوت ومساوات کی دعوت اور عموم شفقت واحسان کا عالمگیر پیام ہے-

سورۂ توبہ ایک آخری اور وداعی پیام تھا:

(ن) اس سورت کے تمام مطالب اپنی اصلی حیثیت میں اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتے جب تک یہ حقیقت پیش نظر نہ ہو کہ یہ تمام تر امت کے نام ایک وداعی پیام تھا اور احکام ومواعظ سے اصل مقصود مستقبل کے پیش آنے والے معاملات تھے نہ کہ موجودہ- مفسرین کی نظر چونکہ اس پہلو پر نہیں گئی اس لیے انہیں اکثر مقامات کی شرح وتوجیہ میں دقتیں پیش آئیں- یہ اصل پیش نظر رکھ کر سورت کے تمام مواعظ واحکام پر دوبارہ نظر ڈالو، اوصاف واضح ہو جائے گا کہ آئندہ مرحلوں کے لیے مخاطبین کو تیار کیا جا رہا ہے- مزید تفصیل کا یہ محل نہیں-

❊ ❊ ❊

اٰیَاتُهَا : 109 | سُوْرَةُ یُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا : 11

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ
اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ
اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۖ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ
رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۖ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۖ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۖ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

الف-لام-را-

یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی-(یعنی ایسی کتاب کی جس کی تمام باتیں حکمت کی باتیں ہیں-)(۱)

کیا لوگوں کو اس بات پر اچنبھا ہوا کہ انہی میں سے ایک آدمی پر ہم نے وحی بھیجی؟ اس بات کی وحی کہ لوگوں کو (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کرے اور ایمان والوں کو خوش خبری دے دے کہ پروردگار کے حضور ان کے لیے اچھا مقام ہے؟ کافروں نے کہا بلاشبہ یہ شخص جادوگر ہے- کھلا جادوگر!''(۲) (اے لوگو!) تمہارا پروردگار تو وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا (یعنی چھ معین زمانوں میں پیدا کیا) پھر اپنے تخت حکومت پر متمکن ہو گیا- وہی تمام کاموں کا بندوبست کر رہا ہے (یعنی کائنات ہستی پیدا بھی اسی نے کی اور فرماں روائی بھی صرف اسی کی ہوئی) اس کے حضور کوئی سفارشی نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ خود وہ اجازت دے دے' اور اجازت کے بعد کوئی اس کی جرأت کرے- یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار' پس اسی کی بندگی کرو- کیا تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟(۳) تم سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے- یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے- وہی ہے جو پیدائش شروع کرتا ہے

سورۂ انعام کی طرح اس سورت میں بھی خطاب مشرکین عرب سے ہے اور مواعظ کا مرکز دین حق کے مبادی و اساسات ہیں- یعنی توحید' وحی و نبوت اور آخرت کی زندگی- سلسلہ بیان منکرین وحی کے ذکر سے شروع ہوا ہے' کیونکہ ہدایت دینی کی سب سے پہلی کڑی یہی ہے اور اسی کے اعتقاد پر اور تمام باتوں کا اعتقاد موقوف ہے-

(۱) منکرین حق ایک طرف تو وحی و نبوت سے انکار کرتے دوسری طرف یہ بھی دیکھتے تھے کہ یہ آدمی اور آدمیوں کی طرح نہیں ہے- کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے- پھر جب اس کی کوئی توجیہ بن نہ پڑتی تو کہتے ہو نہ ہو یہ جادوگری ہے- ان کا یہ قول قرآن کی حیرت انگیز تاثیر کی سب سے بڑی شہادت ہے- یعنی اس کا اثر اس درجہ نمایاں اور قطعی تھا کہ باوجود عناد و جحود کے اس سے انکار نہیں کر سکتے تھے- اسے جادوگری سے تعبیر کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے-(۲) آسمان و زمین کی چھ ایام میں خلقت سے مقصود کیا ہے؟ اس کی طرف سورۂ اعراف میں اشارہ ہو چکا ہے- مزید تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی-

(۳) توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال- یعنی جب تم مانتے ہو کہ کائنات ہستی کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں تو ⇐

ثُمَّ يُعِيدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ
حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا
وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ⑥ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ

اور پھر اسے دہراتا ہے (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا) تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے- باقی رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو انہیں پاداش کفر میں کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور عذاب دردناک!-(۴) وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن اور پھر چاند کی منزلوں کا اندازہ ٹھہرا دیا تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو- اللہ نے یہ سب کچھ نہیں بنایا ہے مگر حکمت و مصلحت کے ساتھ ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں، وہ (اپنی قدرت و حکمت کی) دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے!-(۵) بلاشبہ اس بات میں کہ رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات آتی ہے اور بلاشبہ ان تمام چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں میں اور زمین میں پیدا کی ہیں ان لوگوں کے لیے (قدرت و حکمت کی) نشانیاں ہیں جو متقی ہیں-[1] (۶) جو لوگ (مرنے کے بعد) ہم سے ملنے کی توقع

⇐ پھر تدبیر و انتظام عالم کے بہت سے تخت اقتدار تم نے کیوں بنا رکھے ہیں؟ اور کیوں انہیں بندگی و نیاز کا مستحق سمجھتے ہو؟ جس طرح یہ بات ہوئی کہ پیدا کرنے والی ہستی اس کے سوا کوئی نہیں اسی طرح تدبیر و فرماں روائی کا تخت بھی صرف اسی کا تخت ہوا- اس میں نہ تو کسی سفارشی کی سفارش کو دخل ہے نہ کسی مقرب کے تقرب کو-

یہی مضمون سورۂ اعراف کی آیت (۵۴) میں گزر چکا ہے ﴿ الا له الخلق والامر ﴾

(۴) آیت (۴) میں سلسلہ بیان آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ ہو گیا ہے جس سے مشرکین عرب کو انکار تھا- یہاں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا:

(ا) وہ ہستی پیدا کرتا ہے اور پھر دہراتا ہے- پس اگر پہلی پیدائش پر یقین رکھتے ہو تو دوسری پیدائش پر تمہیں کیوں تعجب ہوتا ہے؟ یہ پہلی نشاۃ سے دوسری نشاۃ پر استدلال ہے- زیادہ تفصیل سورۂ حج کی آیت (۵) اور قیامہ کی آخری آیات میں ملے گی-

(ب) یہ دوسری زندگی کیوں ضروری ہوئی؟ اس لیے کہ جزائے عمل کا قانون چاہتا تھا کہ جس طرح ایک زندگی آزمائش عمل کے لیے ہے اسی طرح ایک زندگی جزائے عمل کے لیے بھی ہو-

(ج) تمام نظام خلقت اس کی شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کوئی بات بغیر حکمت و مصلحت کے نہیں ہے- سورج کو دیکھو جس کی درخشندگی سے تمام ستارے روشنی حاصل کرتے ہیں- چاند کو دیکھو جس کی گردش کی ۲۸ منزلیں مقرر کر دی ہیں اور اسی سے تم مہینے کا حساب کرتے اور برسوں کی گنتی معلوم کرتے ہو- اگر یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں ہے تو کیا ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض و مصلحت کے ⇐

---

[1] متقی اور تقویٰ کے لیے دیکھو سورۂ بقرہ نوٹ هدى للمتقين-

هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا
سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰ وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ ع
لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ

نہیں رکھتے - صرف دنیا کی زندگی ہی میں مگن ہیں اور اس حالت پر مطمئن ہو گئے ہیں - اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں (۷) تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کا (آخری) ٹھکانا دوزخ ہوگا - بسبب اس کمائی کے جو (خود اپنے ہی عملوں کے ذریعہ) کماتے رہتے ہیں! (۸)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو ان کے ایمان کی وجہ سے (کامیابی و سعادت کی) راہ ان کا پروردگار ان پر کھول دے گا - ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جبکہ وہ نعمت الٰہی کے باغوں میں ہوں گے! (۹) وہاں ان کی پکار یہ ہوگی کہ "خدایا! ساری پاکیاں تیرے ہی لیے ہیں!" ان کی دعا یہ ہوگی کہ "سلامتی ہو" اور دعاؤں کا خاتمہ یہ ہوگا کہ **"الحمد لله رب العالمین!"** (۱۰)

اور (دیکھو) انسان جس طرح فائدہ کے لیے جلد باز ہوتا ہے اگر اسی طرح اللہ اسے نقصان پہنچانے میں جلد باز ہوتا (یعنی اگر اس کا قانون جزا ایسا ہوتا کہ ہر بدعملی کا برا نتیجہ فوراً کام کر جائے) تو اس کا وقت کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا (لیکن قانون جزا نے یہاں ڈھیل دے رکھی ہے) پس جو لوگ (مرنے کے بعد) ہماری ملاقات کی توقع نہیں رکھتے ہم انہیں ان کی سرکشیوں

⇦ ہو اور صرف اس لیے ہو کہ کھائے، پیے اور مر کر ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائے؟ (اس استدلال کی وضاحت کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ)

غور کرو - اس قسم کے تمام مواعظ کا خاتمہ ہمیشہ اسی قسم کے جملوں پر ہوتا ہے کہ **لقوم یعلمون - لقوم یعقلون** - کیونکہ ان باتوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جو علم و بصیرت سے محروم نہ ہو -

(۵) منازل قمر کی تقدیر سے مقصود کیا ہے؟ اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی -

(۶) سبحان اللہ! آیت (۷) کے چند گنے ہوئے لفظوں میں حقیقت حال کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے جس سے کوئی گوشہ بھی باہر نہیں رہا - ساتھ ہی وجود آخرت کے تمام دلائل بھی نمایاں ہو گئے - منکرین آخرت کی ذہنیت کی چار حالتیں ہیں:

(ا) ان کے اندر خدا سے ملنے کی توقع نہیں - (ب) صرف دنیوی زندگی ہی میں خوشنود ہو رہے ہیں -

(ج) اس حالت کے خلاف ان کے اندر کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی - اس پر مطمئن ہو گئے ہیں -

(د) ان کا ذہن و ادراک اس درجہ معطل ہو گیا ہے کہ قدرت کی تمام نشانیاں جو چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں انہیں بیدار نہیں کر سکتیں وہ یک قلم غافل ہو گئے ہیں -

ان میں سے ہر بات نہ صرف بیان حال ہے بلکہ بجائے خود ایک دلیل بھی ہے اور یہی قرآن کی معجزانہ بلاغت ہے - تشریح البیان میں ملے گی -

(۷) یاد رہے کہ قرآن نے ہر جگہ آخرت کے معاملہ کو "لقائے الٰہی" سے تعبیر کیا ہے اور اس تعبیر نے واضح کر دیا ہے کہ حیات آخرت کی اصل حقیقت قرآن کے نزدیک کیا ہے - مختصر تشریح آخری نوٹ میں ملے گی - (۸) آیت (۱۰) کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی -

يَعۡمَهُوۡنَ ⑪ وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا‌ ۚ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنۡ
لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ‌ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ⑫ وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا الۡقُرُوۡنَ مِنۡ
قَبۡلِكُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا‌ ۙ وَجَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا‌ ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡقَوۡمَ
الۡمُجۡرِمِيۡنَ ⑬ ثُمَّ جَعَلۡنٰكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِى الۡاَرۡضِ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لِنَـنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ ⑭ وَاِذَا تُتۡلٰى
عَلَيۡهِمۡ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ‌ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَيۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ‌ ؕ قُلۡ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ
اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِىۡ‌ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ‌ ۚ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّىۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ⑮

میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں۔ (۱۱)

اور جب کبھی انسان کو کوئی رنج پہنچتا ہے تو خواہ کسی حال میں ہو' کروٹ پر لیٹا ہو' بیٹھا ہو' کھڑا ہو ہمیں پکارنے لگے گا لیکن جب ہم اس کا رنج دور کر دیتے ہیں تو پھر اس طرح (منہ موڑے ہوئے) چل دیتا ہے گویا رنج و مصیبت میں کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا! تو دیکھو! جو حد سے گزر گئے ہیں ان کی نگاہوں میں اسی طرح ان کے کام خوش نما کر دیے گئے ہیں! (۱۲)

اور تم سے پہلے کتنی ہی امتیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کی راہ اختیار کی تو ہم نے انہیں (پاداش عمل میں) ہلاک کر دیا۔ ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے مگر اس پر بھی وہ آمادہ نہ ہوئے کہ ایمان لائیں۔ (تو دیکھو) مجرموں کو اسی طرح ہم ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں! (۱۳)

پھر ان امتوں کے بعد ہم نے تمہیں ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں؟ (۱۴)

اور (اے پیغمبر!) جب تم ہماری واضح آیتیں انہیں پڑھ کر سناتے ہو تو جو لوگ (مرنے کے بعد) ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے' وہ کہتے ہیں "اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لا کر سناؤ' یا اسی (کے مطالب) میں ردوبدل کر دو" تم کہو "میرا یہ مقدور نہیں کہ اپنے جی سے اس میں ردوبدل کر دوں۔ میں تو بس اسی حکم کا تابع ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔ میں

☆☆ (۹) آیت (۱۱) میں قانون امہال کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح تفسیر فاتحہ میں دیکھنی چاہیے۔

☆☆ (۱۰) آیت (۱۲) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رنج و مصیبت کی حالت میں انسان کے اندر وجدانی طور پر یہ ولولہ اٹھتا ہے کہ ایک بالاتر ہستی موجود ہے جو میرا دکھ درد دور کر سکتی ہے اور اسی کو پکارنا چاہیے۔ لیکن جب مصیبت دور ہو جاتی ہے تو پھر عیش و راحت کی غفلتوں میں پڑ کر اسے بھول جاتا ہے۔ گویا کبھی اس نے کسی کو پکارا ہی نہ تھا!

قرآن نے جا بجا انسان کی اس فطری حالت سے استشہاد کیا ہے کیونکہ مصیبت اور بے بسی کی حالت میں بے اختیار اس ولولہ کا اٹھنا اس امر کا ثبوت ہے کہ انسانی فطرت اپنے اندرونی ادراک میں خدا کی ہستی کا اعتقاد رکھتی ہے اور اعراض و غفلت کی حالت وجدانی نہیں ہے خارجی اثرات کا نتیجہ ہے۔

آگے چل کر آیت (۲۲) میں بھی یہی بات ملے گی۔ لیکن ایک دوسرے اسلوب موعظت میں۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ
اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ

ڈرتا ہوں اگر اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کروں تو عذاب کا ایک بہت بڑا دن آنے والا ہے"! (۱۵) اور تم کہو" اگر اللہ چاہتا تو میں قرآن تمہیں سناتا ہی نہیں اور تمہیں اس سے خبردار ہی نہ کرتا (مگر اس کا چاہنا یہی ہوا کہ تم میں اس کا کلام نازل ہو اور تمہیں اقوام عالم کی ہدایت کا ذریعہ بنائے) پھر دیکھو یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملہ سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ہوں- کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ (۱۶)

پھر بتلاؤ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اپنے جی سے جھوٹ بات بنا کر اللہ پر افترا کرے اور اس آدمی سے جو اللہ کی سچی آیتیں جھٹلائے؟ یقیناً جرم کرنے والے کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے! (۱۷) اور (یہ مشرک) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ تو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ فائدہ اور کہتے ہیں (ہم اس لیے ان کی پرستش کرتے ہیں کہ) یہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں- (اے پیغمبر! تم) کہہ دو" کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دینی چاہتے ہو جو خود اسے معلوم نہیں- نہ تو آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں؟" پاک اور بلند ہے اس کی ذات اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں! (۱۸) اور (ابتدا میں) انسانوں کی ایک ہی امت تھی-

(۱۱) مشرکین عرب پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت و فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہتے تھے ہم تمہاری بات سننے کے لیے تیار ہیں مگر تم ایسی باتیں کہتے ہو جنہیں ہم قبول نہیں کر سکتے- تم کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اسی کے مطالب ایسے کر دو کہ ہمارے پرانے عقیدوں کے خلاف نہ ہوں- فرمایا یہ کچھ میرے جی کی من گھڑت نہیں ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق بنا دوں- میں تو خود اللہ کی وحی کا تابع فرمان ہوں- جو کچھ مجھ پر وحی ہوتی ہے تمہیں سنا دیتا ہوں- اگر اس کے حکم سے نافرمانی کروں تو اس کی پکڑ سے مجھے بچانے والا کون ہے؟

(۱۲) پھر آیت (۱۶) میں صداقت نبوت کی ایک سب سے زیادہ واضح اور وجدانی دلیل بیان کی ہے- جس کی حقیقت افسوس ہے کہ مفسرین نے پوری طرح واضح نہیں کی- فرمایا ساری باتیں چھوڑ دو- صرف اسی بات پر غور کرو کہ میں تم میں کوئی نیا آدمی نہیں ہوں جس کے خصائل و حالات کی تمہیں خبر نہ ہو- تم ہی میں سے ہوں' اور اعلان وحی سے پہلے ایک پوری عمر تم میں بسر کر چکا ہوں- یعنی چالیس برس تک کی عمر کہ عمر انسانی کی پختگی کی کامل مدت ہے- اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی- بتلاؤ اس تمام عرصہ میں کوئی ایک بات بھی تم نے سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی؟ پھر اگر اس تمام مدت میں مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کسی انسانی معاملہ میں جھوٹ بولوں تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اب خدا پر بہتان باندھنے کے لیے تیار ہو جاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں مجھ پر اس کا کلام نازل ہوتا ہے؟ کیا اتنی سی موٹی بات بھی تم نہیں پا سکتے؟

تمام علمائے اخلاق و نفسیات متفق ہیں کہ انسان کی عمر میں ابتدائی چالیس برس کا زمانہ اس کے اخلاق و خصائل کے ابھرنے اور بننے کا اصلی زمانہ ہوتا ہے- جو سانچا اس عرصہ میں بن گیا پھر بقیہ زندگی میں بدل نہیں سکتا- پس اگر ایک شخص چالیس برس کی عمر تک صادق و امین رہا ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اکتالیسویں برس میں قدم رکھتے ہی ایسا کذاب اور مفتری بن جائے کہ انسانوں ہی پر نہیں بلکہ

إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ
ع اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا
لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِيْ
يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا
بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ

پھر الگ الگ ہو گئے- اور اگر تمہارے پروردگار کی جانب سے پہلے ایک بات نہ ٹھہرا دی گئی ہوتی (یعنی لوگ الگ الگ راہوں میں چلیں گے اور اسی اختلاف میں ان کے لیے آزمائش عمل ہو گی) تو جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا! (۱۹)

اور یہ لوگ کہتے ہیں "کیوں ایسا نہ ہوا کہ اس پر (یعنی پیغمبر اسلام ﷺ پر) اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی اترتی؟" تو (اے پیغمبر! تم) کہہ دو "غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے- پس انتظار کرو- میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں!" (۲۰)

اور جب ایسا ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو درد دکھ کے بعد اپنی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہماری (رحمت کی) نشانیوں میں باریک باریک حیلے نکالنا شروع کر دیتے ہیں- (اے پیغمبر!) تم کہہ دو "اللہ ان باریکیوں میں سب سے زیادہ تیز ہے- اس کے فرشتے تمہاری یہ ساری مکاریاں قلمبند کر رہے ہیں" (۲۱) وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی خشکی اور تری میں سیر و گردش کا سامان کر دیا ہے- پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ تم جہازوں میں سوار ہوتے ہو' جہاز موافق ہوا پا کر تمہیں لے اڑتے ہیں' مسافر خوش ہوتے ہیں (کہ کیا اچھی ہوا چل رہی ہے) پھر اچانک ہوائے تند کے جھونکے نمودار ہو جاتے اور ہر طرف سے موجیں ہجوم کرنے لگتی ہیں اور مسافر خیال کرتے ہیں بس اب ان میں گھر گئے (اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی)

⇐ فاطر السماوات والارض پر افترا کرنے لگے؟

چنانچہ اس کے بعد فرمایا دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے: جو شخص اللہ پر افتراء کرے اس سے بڑھ کر کوئی شریر نہیں' اور جو صادق کو جھٹلائے وہ بھی سب سے زیادہ شریر انسان ہے- اور شریر و مفتری کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا- اب صورت حال نے یہاں دونوں فریق پیدا کر دیے ہیں- اگر میں مفتری علی اللہ ہوں تو مجھے ناکام و نامراد ہونا پڑے گا' اگر تم سچائی کے مکذب ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہے- فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اور اس کا قانون ہے کہ مجرموں کو فلاح نہیں دیتا-

چنانچہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو گیا- جو مکذب تھے ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا- جو صادق تھا اس کا کلمہ صدق آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا!

سورۂ انعام کی آیات (۲۱) اور (۱۴۴) اور سورۂ اعراف کی (۳۷) میں بھی یہی استشہاد گزر چکا ہے-

☆☆ (۱۳) آیت (۱۸) میں توحید الوہیت کا بیان ہے- اس کی تفسیر سورت کے آخری نوٹ میں دیکھو-

(۱۴) آیت (۱۹) کے ہم معنی آیت بقرہ (۲۰۹) میں بھی گزر چکی ہے' اور مہمات معارف قرآنی میں سے ہے- اس کی مزید تشریح سورۂ ہود کی تشریحات میں ملے گی-

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا
هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫
ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ
السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ
زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا

تو اس وقت (انہیں خدا کے سوا اور کوئی ہستی یاد نہیں آتی - وہ) دین کے اخلاص کے ساتھ خدا کو پکارنے لگتے ہیں ''خدایا! اگر اس حالت سے ہمیں نجات دے دے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے'' (۲۲) پھر (دیکھو) جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک (اپنا عہد و پیمان بھول جاتے ہیں اور) ناحق ملک میں سرکشی و فساد کرنے لگتے ہیں - اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تو خود تمہاری ہی جانوں پر پڑنے والا ہے - یہ دنیا کی (چند روزہ) زندگی کے فائدے ہیں، سو اٹھا لو - پھر تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے - اس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ جو کچھ دنیا میں کرتے رہے اس کی حقیقت کیا تھی! (۲۳) دنیا کی زندگی کی مثال تو بس ایسی ہے جیسے یہ معاملہ کہ آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی نباتات جو انسانوں اور چار پایوں کے لیے غذا کا کام دیتی ہیں اس سے شاداب ہو کر پھلی پھولیں اور باہم گرمل گئیں - پھر جب وہ وقت آیا کہ زمین نے اپنے (سبزی اور لالی کے) سارے زیور پہن لیے اور (لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور گراں بار باغوں سے) خوش نما ہو گئی اور زمین کے مالک سمجھے اب فصل ہمارے قابو میں آ گئی ہے تو اچانک ہمارا حکم دن کے وقت یا رات کے وقت نمودار ہو گیا اور ہم نے زمین کی ساری فصل اس طرح بیخ و بن سے کاٹ کے رکھ دی

☆☆ (۱۵) جب تک دنیوی اسباب و علائق کا کوئی ادنیٰ سا سہارا بھی باقی رہتا ہے انسان کا وجدان بیدار نہیں ہوتا اور ایک تنکے کا بھروسہ بھی اس کے لیے کافی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے غافل ہو جائے - لیکن جونہی اسباب و علائق کے رشتے ٹوٹے اور یاس و قنوط کی کامل حالت طاری ہوئی اور اس نے دیکھا کہ اب دنیا کا کوئی ہاتھ اسے بچا نہیں سکتا تو اچانک اس کا سویا ہوا وجدان بیدار ہو جاتا ہے اور خدا پرستی کا جوش اپنے سارے اخلاص کے ساتھ اس کے اندر ابھر آتا ہے - اس وقت وہ خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا - سارے رشتے، سارے بھروسے، ساری ہستیاں یک قلم نابود ہو جاتی ہیں - وہ بے اختیار خدا کو پکارنے لگتا ہے اور اس کی یہ پکار اس کے دل کے ایک ایک ریشہ کی پکار ہوتی ہے!

لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ حالت قائم رہتی ہے؟ نہیں جونہی اس کی ڈوبتی کشتی اچھلی اور امید و مراد کی گم شدہ صورت واپس آ گئی پھر وہی اس کی غفلتیں ہوتی ہیں اور وہی سرکشیاں!

اگر تم غور کرو گے تو اس حالت کی مثالیں خود اپنی ہی زندگی میں تمہیں مل جائیں گی - کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ تم بیمار ہوئے اور طبیبوں نے جواب دے دیا؟ یا کسی دوسری مصیبت میں پڑے اور دنیا کے سارے سہارے ہاتھ سے نکل گئے؟ اگر ایسا ہوا ہے تو یاد کرو - اس وقت تمہاری خدا پرستی اور خدا پرستی کے اخلاص کا کیا حال تھا؟ قرآن نے جا بجا اس حالت کے بیان کے لیے بحری سفر کی مثال اختیار کی ہے - کیونکہ انسان کی بے بسی اور مایوسی کے لیے اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی - چنانچہ یہاں آیت (۲۲) میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اور سورۂ عنکبوت کی آیت (۱۵) اور لقمان کی آیت (۳۲) میں بھی یہی مطلب ملے گا -

كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ
مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ
ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

گویا ایک دن پہلے تک ان کا نام ونشان ہی نہ تھا! اس طرح ہم (حقیقت کی) دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں- ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرنے والے ہیں! (۲۴)

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے (کامیابی ونجات کی) سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے- (۲۵)

(اس کا قانون تو یہ ہے کہ) جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے بھلائی ہی ہوگی اور (جتنی اور جیسی کچھ ان کی بھلائی تھی) اس سے بھی کچھ زیادہ- ان کے چہروں پر نہ تو (محرومی کی) کالک لگے گی نہ ذلت کا اثر نمایاں ہوگا- ایسے ہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ جنت میں رہنے والے! (۲۶) اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا نتیجہ ویسا ہی نکلے گا جیسی کچھ برائی ہوگی- اور ان پر خواری چھا جائے گی- اللہ (کے قانون) سے انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا- ان کے چہروں پر اس طرح کالک چھا جائے گی جیسے اندھیری رات کا ایک ٹکڑا چہروں پر اڑھا دیا گیا ہو! سو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں- دوزخ میں

دین حق کی تعلیم وتزکیہ کا مقصد یہی ہے کہ اس حالت سے انسان کو نجات دلا دے اور اس کا وجدان اس طرح بیدار کر دے کہ خدا پرستی کا جو اخلاص خاص خاص حالتوں میں ابھرتا ہے وہ اس کی پوری زندگی کی ایک دائم اور مستقر حالت ہو جائے- یہی وجہ ہے کہ ایمان کی حالت یہ بیان فرمائی کہ مصیبت کی گھڑی ہو یا راحت وسرور کا عالم لیکن خدا کی یاد سے دل پر غفلت طاری نہ ہو-

☆☆ (۱۶) "بغی" کے معنی سرکشی کے ہیں اور اس میں ہر طرح کی سرکشی داخل ہے لیکن جب " فی الارض " کے ساتھ کہا جائے' جیسا کہ آیت (۲۳) میں ہے تو اس سے مقصود وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں دنیا کی دولت وطاقت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اس کے گھمنڈ میں آ کر ظلم و فساد کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں- چونکہ اس سرکشی کا اصلی سرچشمہ دنیوی زندگی کے سروسامان کا غرور ہے اس لیے آیت (۲۴) میں فرمایا دنیا کی زندگی کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کاشت کاری کا معاملہ- آسمان سے پانی برستا ہے اور تمہارے کھیت لہلہانے لگتے ہیں- پھر جب وہ وقت آتا ہے کہ تم سمجھے ہو اب فصل پک گئی اور ہماری محنت کی کمائی ہمارے قبضہ میں ہے تو اچانک کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے اور ساری فصل اس طرح تباہ ہو جاتی ہے گویا اس کا نام ونشان ہی نہیں تھا!

یعنی دنیوی زندگی کی ساری کامرانیاں اور دلفریبیاں بے ثبات اور ہنگامی ہیں- تم یہاں کی کسی چیز اور حالت پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ یہ ضرور ایسی ہی رہے گی- اول تو زندگی ہی چند روزہ ہے پھر اس کا بھی ٹھکانا نہیں- پھر زندگی کے عیش وتمتع کی جتنی دلفریبیاں ہیں سب کا حال یہ ہے کہ صبح ہیں تو شام نہیں- شام کو تھیں تو صبح کو نہیں- ایسی حالت میں اس سے بڑھ کر غفلت وگمراہی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ انسان حق وراستی کی راہ چھوڑ کر سرکشی پر اتر آئے اور کس چیز کے بھروسے پر؟ اس زندگی کے سروسامان اور اقتدار کے بھروسہ پر جسے چندلمحوں کے ⇐

هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٢٧﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ
فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ
كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

النصف ع ۸

ہمیشہ رہنے والے! (۲۷)

اور (دیکھو) جس دن ایسا ہوگا کہ ہم ان سب کو اپنے حضور اکٹھا کریں گے اور پھر ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا ہے کہیں گے "تم اور وہ سب جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا اپنی جگہ سے نہ ہلو" (یعنی اپنے مقام میں رکے رہو- آگے نہ بڑھو) اور پھر ایسا ہوگا کہ ایک دوسرے سے انہیں الگ الگ کر دیں گے (یعنی شرک کرنے والوں میں اور ان میں جنہیں شریک بنایا گیا امتیاز پیدا ہو جائے گا) تب وہ ہستیاں جنہیں خدا کے ساتھ شریک بنایا گیا ہے کہیں گی: "یہ بات تو نہ تھی کہ تم ہماری ہی پرستش کرتے تھے- (۲۸) آج کے دن ہم میں اور تم میں اللہ کی گواہی بس کرتی ہے- (وہ جانتا ہے کہ) تمہاری پرستاریوں سے ہم یک قلم بے خبر تھے" (۲۹)

پس اس دن ہر آدمی جانچ لے گا کہ جو کچھ وہ پہلے کر چکا ہے اس کی حقیقت کیا تھی- سب اللہ کے حضور کہ ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور حقیقت کے خلاف جس قدر افترا پردازیاں کرتے رہے ہیں سب ان سے کھوئی جائیں گی! (۳۰)

(اے پیغمبرؐ!) ان لوگوں سے پوچھو" وہ کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین کی بخشائشوں کے ذریعہ روزی دیتا ہے؟ وہ کون

⇦ لیے بھی قطعی اور برقرار نہیں کہہ سکتا!

لیکن انسانی غفلت کے عجائب کا یہی حال ہے- کوئی نہیں جو اس حقیقت سے بے خبر ہو' مگر کوئی نہیں جو اس غرور باطل کی سرگرانیوں سے اپنی نگہداشت کر سکے!

یہی غفلت ہے جسے دین حق دور کرنا چاہتا ہے- وہ دنیا اور دنیا کی کامرانیوں سے نہیں روکتا- مگر ان کے غرور باطل اور بے اعتدالانہ انہماک کی راہیں بند کر دینی چاہتا ہے- کیونکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے فتنوں کا اصلی سرچشمہ یہی غرور باطل ہے-

(۱۷) قرآن نے ہر جگہ ایمان کو روشنی سے اور کفر کو تاریکی سے تشبیہ دی ہے- ﴿ الله ولي الذين امنوا يخرجهم من الظلمات الى النور ﴾ (۲:۲۵۷) اور مومنوں کی پہچان یہ فرمائی ہے کہ ان کے لیے سرخروئی اور شادمانی ہوگی- دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی- ﴿ وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظره ﴾ (۷۵:۲۳) ﴿ تعرف في وجوههم نضرة النعيم ﴾ (۸۳:۲۴) ﴿ وجوه يومئذ ناعمة لسعيها راضية ﴾ (۸۸:۹) اور کفر کے لیے سیاہ روئی اور خواری ہے: ﴿ وجوه يومئذ باسرة تظن ان يفعل بها فاقرة ﴾ (۷۵:۲۵) ﴿ وجوه يومئذ خاشعة عاملة ناصبة تصلى نارا حامية ﴾ (۸۸:۴) اور آل عمران کی آیت (۱۰۶) میں گذر چکا ہے: ﴿ يوم تسود وجوه وتبيض وجوه ﴾ یہاں آیات ۲۶ اور ۲۷ میں بھی یہی بات بیان کی ہے- خوشحالی و کامرانی سے چہروں کا چمک اٹھنا اور نامرادی و خواری سے سیاہ پڑ جانا ایک طبعی حالت ہے- پس فرمایا قیامت کے دن ایک گروہ کے چہرے چمک اٹھیں گے- دوسرے کے سیاہ پڑ جائیں گے- اور سیاہ چہروں کا یہ حال ہوگا گویا پردۂ شب نے ان کے چہرے ڈھانپ لیے ہیں!

(۱۸) آیت (۲۸) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تم جن پیشواؤں کو اپنی حاجت روائیوں کے لیے پکارتے ہو ان تک نہ تو ⇦

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ
فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾
كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَي الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ
مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ
شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ

ہے جس کے قبضہ میں تمہارا سننا اور دیکھنا ہے؟ وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے؟ اور پھر وہ کون ہے جو تمام کارخانۂ ہستی کا انتظام کر رہا ہے؟'' وہ (فوراً) بول اٹھیں گے کہ ''اللہ'' پس تم کہو ''اگر ایسا ہی ہے تو پھر تم (انکارِ حق کے نتیجہ سے) ڈرتے نہیں؟'' (۳۱) یہی اللہ فی الحقیقت تمہارا پروردگار ہے- پھر بتلاؤ سچائی کے جان لینے کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ تم (حقیقت سے) منہ پھیرے کدھر کو جا رہے ہو؟ (۳۲)

(اے پیغمبر!) اسی طرح تیرے پروردگار کا فرمودہ ان لوگوں پر صادق آ گیا جو (دائرہ ہدایت سے) باہر ہو گئے ہیں کہ وہ ایمان لانے والے نہیں! (۳۳)

(اے پیغمبر!) ان سے پوچھو ''کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو خلقت کی پیدائش شروع کرے اور پھر اسے دہرائے؟ تم کہو یہ تو اللہ ہے جو ابتدا میں پیدا کرتا ہے- پھر اسے دہرائے گا- پس غور کرو تمہاری الٹی چال تمہیں کدھر کو لے جا رہی ہے؟ (۳۴)

ان سے پوچھو ''کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھاتا ہے؟ پھر جو حق کی راہ دکھائے وہ اس کا حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راہ نہیں پاتا جب تک اسے راہ نہ دکھائی جائے؟ (افسوس تم پر!) تمہیں کیا ہو گیا

⇐ تمہاری پکار پہنچتی ہے- نہ تمہاری پرستاریوں کی انہیں کچھ خبر ہے- وہ تمہاری حاجت روائی کیا کریں گے؟ قیامت کے دن خدا مشرکوں کو اور ان کے بنائے ہوئے شریکوں کو ایک صف میں کھڑا کرے گا- کیونکہ معبودوں کو اپنے پرستاروں کے حلقے ہی میں ہونا چاہیے- لیکن وہ مشرکوں کا ساتھی ہونا پسند نہیں کریں گے- وہ کہیں گے ہمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں- یہ گو ہمارا نام لیتے ہوں لیکن فی الحقیقت ہمیں نہیں پوجتے تھے- اپنی ہوائے نفس کے پجاری تھے- ہمیں تو ان کی پرستش کی خبر بھی نہیں!

یہ ایسی ہی بات ہے جیسی مائدہ کے آخر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت فرمائی ہے کہ قیامت کے دن عرض کریں گے میں عیسائیوں کے شرک سے بری ہوں ﴿ ما قلت لهم الا ما امرتنى به ﴾ (۵:۱۱۷) مزید تشریح کے لیے آخری نوٹ میں وارداتِ آخرت کا مبحث دیکھو-

(۱۹) آیت (۳۱) میں برہانِ ربوبیت کا استدلال ہے اور توحیدِ ربوبیت سے توحیدِ الوہیت پر استشہاد کیا گیا ہے (برہانِ ربوبیت کی تفصیل تفسیر فاتحہ میں گذر چکی ہے)

(۲۰) آیت (۳۵) قرآن کے مہمات حجج میں سے ہے مگر افسوس ہے کہ مفسرین نے اس کی حقیقت بھی اسی طرح ضائع کر دی، جس طرح اکثر دلائل قرآنیہ ضائع کر دی ہیں- اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی-

لَا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا
يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْــــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰي مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾
بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ

ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟'' (۳۵) اور ان لوگوں میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو صرف وہم وگمان کی باتوں پر چلتے ہیں اور سچائی کی معرفت میں گمان کچھ کام نہیں دے سکتا- یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے بے خبر نہیں! (۳۶)

اور اس قرآن کا معاملہ ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اپنے جی سے گھڑ لائے- وہ تو ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور کتاب اللہ کی تفصیل ہے (یعنی اللہ کی کتابوں میں جو کچھ تعلیم دی گئی ہے وہ سب اس میں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہے) اس میں کچھ شبہ نہیں- تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے! (۳۷)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (یعنی پیغمبر اسلام ﷺ نے) اللہ کے نام پر یہ افتراء کیا ہے؟ تم کہو'' اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو (اور ایک آدمی اپنے جی سے گھڑ کر ایسا کلام بنا سکتا ہے) تو قرآن کی مانند ایک سورت بنا کر پیش کر دو اور خدا کے سوا جن جن ہستیوں کو اپنی مدد کے لیے بلا سکتے ہو (تمھیں پوری طرح اجازت ہے) بلا لو! (۳۸)

نہیں یہ بات نہیں ہے- اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر یہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے اور جس بات کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے- ٹھیک اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں- تو دیکھو ظلم کرنے والوں کا کیسا کچھ انجام ہو چکا ہے! (۳۹) اور (اے پیغمبر!) ان میں (یعنی تیری قوم میں) کچھ تو ایسے ہیں جو قرآن پر (آئندہ) ایمان لائیں گے- کچھ ایسے ہیں جو ایمان لانے والے نہیں' اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون

☆☆ (۲۱) آیت (۳۶) قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے- اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی-

(۲۲) آیت (۳۷) میں فرمایا قرآن جس قسم کی چیز ہے ایسی چیز کبھی انسانی بناوٹ سے نہیں بن سکتی- پھر فرمایا وہ تمام پچھلی صداقتوں کی تصدیق کرنے والا اور تمام پچھلی کتابوں کی تعلیمات پر حاوی ہے- قرآن کا یہ وصف کیوں اس بات کی دلیل ہوا کہ وہ انسانی بناوٹ کا کام نہیں؟ اس کے جواب کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ دیکھو- یہ مہمات براہین قرآنیہ میں سے ہے-

☆☆ (۲۳) آیات (۳۸) اور (۳۹) اور (۴۱) کی ضروری تشریحات کے لیے آخری نوٹ دیکھنا چاہیے-

ع ۹ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ
مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٤١﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٢﴾
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ
النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا
سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿٤٥﴾

لوگ مفسد ہیں۔(۴۰)

اور اگر یہ (اس قدر سمجھانے پر بھی) تجھے جھٹلائیں تو کہہ دے "میرے لیے میرا عمل ہے۔ تمہارے لیے تمہارا۔ میں جو کچھ کرتا ہوں اس کی ذمہ داری تم پر نہیں۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس کے لیے میں ذمہ دار نہیں" (ہر شخص کے لیے اس کا عمل ہے اور عمل کے مطابق نتیجہ۔ پس تم اپنی راہ چلو مجھے اپنی راہ چلنے دو اور دیکھو اللہ کا فیصلہ کیا ہوتا ہے)(۴۱)

اور (اے پیغمبر!) ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تیری باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں (اور تو خیال کرتا ہے یہ کلام حق سن کر اس کی سچائی پالیں گے حالانکہ فی الحقیقت وہ سنتے نہیں) پھر کیا تو بہروں کو بات سنائے گا اگرچہ وہ بات نہ پا سکتے ہوں؟ (۴۲)

اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو تیری طرف تکتے ہیں (اور تو خیال کرتا ہے یہ تجھے سمجھ کر دیکھتے ہیں حالانکہ وہ دیکھتے نہیں) پھر کیا تو اندھے کو راہ دکھا دے گا اگرچہ اسے کچھ سوجھ نہ پڑتا ہو؟ (۴۳)

یقیناً اللہ انسانوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا (کہ انہیں جبراً اندھا بہرا بنا دے) مگر خود انسان ہی ہے جو اپنے اوپر ظلم کرتا ہے (کہ اس کی بخشی ہوئی قوتوں سے کام نہیں لیتا اور ہٹ اور ضد میں آ کر سچائی سے انکار کر دیتا ہے)(۴۴)

اور جس دن ایسا ہوگا کہ اللہ ان سب کو اپنے حضور جمع کرے گا اس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا گویا (دنیا میں) اس سے زیادہ نہیں ٹھہرے جیسے گھڑی بھر کو لوگ ٹھہر جائیں اور آپس میں صاحب سلامت کر لیں (تو) بلاشبہ وہ لوگ بڑے ہی گھاٹے میں رہے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کا اعتقاد جھٹلایا اور وہ کبھی (کامیابی کی) راہ پانے والے نہ تھے! (۴۵)

☆☆ (۴۴) آیت (۴۲) اور اس کے بعد کی آیات میں اسی حالت کی طرف اشارہ ہے جو جا بجا قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ یعنی جہل و فساد اور تعصب و تقلید کے جمود سے ایسی حالت کا پیدا ہو جانا جو انسان کی عقل و بصیرت کو یک قلم معطل کر دیتی ہے اور وہ اس قابل نہیں رہتا کہ سچائی اور حقیقت کا ادراک کر سکے۔ آیت (۴۴) میں فرمایا۔ یہ حالت اس لیے پیش نہیں آتی کہ خدا نے کسی کو اس پر مجبور کر دیا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو یہ ظلم ہے اور خدا کا یہ قانون نہیں کہ کسی جان پر ظلم ہو۔ یہ تو خود انسان ہی ہے جو خدا کی دی ہوئی روشنی ضائع کر کے اندھا بہرا بن جاتا ہے!

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ
اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ

اور (اے پیغمبر!) ہم نے ان لوگوں سے (یعنی منکرین عرب سے) جن جن باتوں کا وعدہ کیا ہے (یعنی دعوت حق کے پیش آنے والے نتائج کی خبر دی ہے) ان میں سے بعض باتیں تجھے (تیری زندگی میں) دکھا دیں یا (ان کے ظہور سے پہلے) تیرا وقت پورا کر دیں لیکن بہر حال انہیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس پر شاہد ہے۔ (۴۶)

اور (یاد رکھو) ہر امت کے لیے ایک رسول ہے (جو ان میں پیدا ہوتا اور انہیں دین حق کی طرف بلاتا ہے) پھر جب کسی امت میں اس کا رسول ظاہر ہو گیا تو (ہمارا قانون یہ ہے کہ) ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ایسا نہیں ہوتا کہ ناانصافی ہو۔

اور یہ لوگ کہتے ہیں "اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ یہ بات (یعنی انکار حق کی پاداش) کب ظہور میں آئے گی؟" (۴۸) (اے پیغمبر!) تم کہہ دو (یہ معاملہ کچھ میرے اختیار میں نہیں کہ بتلا دوں کب واقع ہوگا) میں تو خود اپنی جان کا بھی نفع نقصان اپنے قبضہ میں نہیں رکھتا۔ وہی ہوتا ہے جو اللہ نے چاہا ہے۔ ہر امت کے لیے (پاداش عمل کا) ایک مقررہ وقت ہے اور جب وہ وقت آ پہنچتا

☆☆ (۴۵) آیت (۴۵) میں اس طرف اشارہ ہے کہ آخرت کی زندگی جب انسان پر طاری ہوگی تو وہ تمام مدت جو مرنے کے بعد سے لے کر نشاۃ ثانیہ تک گذرتی ہے اسے ایسی محسوس ہوگی جیسے ایک بہت ہی قلیل مدت کا درمیانی وقفہ گزر رہا ہو۔ اس حالت کی مثال یوں سمجھو جیسے کبھی رات بھر سو کر تم اٹھتے ہو اور اٹھنے کے بعد خیال کرتے ہو کہ بہت تھوڑی دیر نیند میں رہے۔ حالانکہ رات بھر نیند میں بسر کر چکے ہوتے ہو۔ یہ حقیقت قرآن نے مختلف تعبیرات میں بیان کی ہے اور سب کا ماحصل یہ ہے کہ وہ عظیم مدت جو انسان پر گزرے گی اس دن بہت ہی قلیل محسوس ہوگی۔ سورۂ مؤمنون آیت (۱۱۲) روم (۳۰) احقاف (۴۶) اور نازعات کی آخری آیت دیکھنی چاہیے۔

سورۂ روم کی آیت (۵۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا احساس اگرچہ سب کو ہوگا لیکن اہل علم و ایمان جن کے دلوں میں یوم آخرت کا یقین تھا اس احساس سے مغلوب نہیں ہو جائیں گے۔ وہ پا لیں گے کہ یہ تمام مدت جو گزر چکی ہے دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کی درمیانی مدت تھی اور اب قیامت کا دن ہمارے سامنے ہے۔ ان آیات کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیوی زندگی اس دن اتنی حقیر و قلیل محسوس ہوگی گویا گھڑی بھر کی زندگی۔ لیکن پہلا مطلب زیادہ واضح اور موزوں ہے۔

(۴۶) آیت (۴۶) کا مطلب یہ ہے کہ دعوت حق کی فتح مندیوں اور منکروں کی نامرادیوں کی جو خبر دی گئی ہے کچھ ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ تیری زندگی ہی میں پیش آ جائے۔ بعض باتیں تیری موجودگی میں ہو کر رہیں گی بعض بعد کو واقع ہوں گی۔ پس منکروں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس معاملہ کا سارا دارومدار اس شخص کی زندگی پر ہے۔ یہ نہ رہے گا تو کچھ نہ ہوگا۔ تو زندہ رہے یا نہ رہے لیکن احکام حق کو پورا ہو کر رہنا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

☆☆ (۴۷) آیت (۴۷) میں اللہ کے اس قانون کی طرف اشارہ ہے کہ جب کسی قوم کی ہدایت کے لیے اس کا رسول ظاہر ہوا اور ⇦

فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا
يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ
قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ
اَحَقٌّ هُوَ ؔ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ ع ۵ ۱۰
لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٥٤﴾

ہے تو پھر نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے! (۴۹)

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو" کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ تم کیا کرو گے اگر اس کا عذاب راتوں رات نازل ہو یا دن دہاڑے تم پر مسلط ہو جائے؟ پھر کیا بات ہے جس کے لیے مجرم جلدی مچا رہے ہیں؟ (۵۰) کیا جب وہ واقع ہو جائے گا اس وقت تم یقین کرو گے؟ (لیکن اس وقت یقین کرنا کچھ سودمند نہ ہوگا - اس وقت تو کہا جائے گا) ہاں اب تم نے یقین کیا اور تم ہی تھے کہ اس کی طلب میں جلدی مچایا کرتے تھے!" (۵۱) پھر ظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا -" اب ہیشگی کا عذاب چکھو- تمہیں جو کچھ بدلہ مل رہا ہے یہ اس کے سوا کیا ہے کہ خود تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے جو دنیا میں کماتے رہے ہو!" (۵۲)

اور تجھ سے پوچھتے ہیں" کیا یہ بات واقعی سچ ہے؟" تم (بلا تامل) کہو" ہاں میرا پروردگار اس پر شاہد ہے کہ یہ سچائی کے سوا کچھ نہیں اور تم کبھی ایسا نہیں کر سکتے کہ اسے (اس کے کاموں میں) عاجز کردو" (۵۳)

اور (آنے والا عذاب اس درجہ ہولناک ہے اور اس کا وقوع اس درجہ قطعی ہے کہ) اگر ہر ظالم انسان کے قبضہ میں وہ سب کچھ آجائے جو روئے زمین میں ہے تو وہ ضرور اسے اپنے فدیہ میں دے دے' اور دیکھو جب انہوں نے عذاب اپنے سامنے دیکھا تو (اپنی سرکشی و انکار یاد کر کے) دل ہی دل میں پچھتانے لگے پھر ان کے درمیان (یعنی مومنوں اور سرکشوں کے درمیان) انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ان پر کسی طرح کی زیادتی واقع ہو! (۵۴)

⇐ لوگوں نے چاہا ظلم و تشدد کے ذریعہ اس کی دعوت روک دیں تو اللہ نے ان دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ کر دیا- یعنی حق فتح مند ہوا' باطل نامراد- اور چونکہ یہ فیصلہ حق و عدالت کا فیصلہ ہے اس لیے جا بجا اسے "قضی بالحق" اور "قضی بالقسط" سے تعبیر کیا ہے- تفصیل تفسیر سورۂ فاتحہ میں گذر چکی ہے- (۲۸) استعجال بالعذاب (آیت ۵۰) کی تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے-

☆☆ (۲۹) آیت (۵۳) میں ان لوگوں کا قول نقل کیا ہے جو منکر و جاحد نہ تھے' مگر تصدیق میں متامل تھے- وہ جب پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت و دیانت پر غور کرتے جو تمام قوم میں اول دن سے مسلم تھی تو ان کا دل کہتا سچے آدمی کی زبان سے جھوٹی بات نہیں نکل سکتی- لیکن پھر جب دیکھتے کہ ان کی دعوت ایسی باتوں کا یقین دلاتی ہے جن سے وہ اور ان کے آباؤ اجداد یکسر ناآشنا رہے ہیں تو طبیعت کھلتی نہیں' شک و حیرت کی حالت میں مبتلا ہو جاتے اور پوچھنے لگتے" کیا جو کچھ تم کہہ رہے ہو فی الحقیقت ایسا ہی ہے؟" فرمایا تم کہو- جب تمہیں آج تک میری سچائی میں شبہ نہیں ہوا تو آج کیوں ہو رہا ہے؟ میں جو کچھ کہتا ہوں یہ حق ہے اور اس پر میرا پروردگار شاہد ہے-

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۝۵۵ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۵۶ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۷ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ
وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ
مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹

یادرکھو آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے (اس کے سوا کوئی نہیں جسے حکم وتصرف میں کچھ دخل ہو) اور یہ بات بھی نہ بھولو کہ اللہ کا وعدہ حق ہے- (وہ کبھی ٹل نہیں سکتا) مگر ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو یہ بات نہیں جانتے! (۵۵)

وہی جلاتا ہے- وہی مارتا ہے- اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو (بالآخر) لوٹنا ہے! (۵۶)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے ایک ایسی چیز آ گئی جو موعظت ہے' دل کی تمام بیماریوں کے شفا ہے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو (اس پر) یقین رکھتے ہیں! (۵۷)

(اے پیغمبر!) تم کہو یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کی رحمت ہے- پس چاہیے کہ اس پر خوشی منائیں اور یہ ان ساری چیزوں سے بہتر ہے جسے وہ (دنیا کی زندگی میں) جمع کرتے رہتے ہیں! (۵۸)

(اے پیغمبر!) تم ان سے کہو "کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ جو روزی اللہ نے تمہارے لیے پیدا کی ہے تم نے (محض اپنے اوہام وظنون کی بنا پر) اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرا دیا بعض کو حلال سمجھ لیا ہے" تم پوچھو "(یہ جو تم نے حلال وحرام کا حکم لگایا تو) کیا اللہ نے اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو؟" (۵۹)

☆☆ (۳۰) آیت (۵۷) میں قرآن کے چار وصف بیان کیے:

(ا) موعظت ہے- یعنی دل میں اتر جانے والی دلیلوں اور روح کو متاثر کرنے والے طریقوں سے ان تمام باتوں کی ترغیب دیتا ہے جو خیر وحق کی باتیں ہیں اور ان تمام باتوں سے روکتا ہے جو شر اور بطلان کی باتیں ہیں- کیونکہ عربی میں وعظ کا مفہوم صرف نصیحت ہی نہیں ہے بلکہ ایسی نصیحت جو مؤثر دلائل اور دلنشیں اسلوبوں کے ساتھ کی جائے-

(ب) " شفاء لما في الصدور" دل کی تمام بیماریوں کے لیے نسخہ شفا ہے- جو فرد اور جو گروہ بھی اس نسخہ پر عمل کرے گا اس کے قلوب ہر طرح کے مفاسد ورذائل سے پاک ہو جائیں گے-

یادرہے کہ عربی میں قلب' فواد اور صدر کے الفاظ جب کبھی ایسے موقع پر بولے جائیں جیسا کہ یہ موقع ہے تو ان سے مقصود انسان کی معنوی حالت ہوتی ہے- یعنی ذہن وفکر کی قوت' عقلی ادراک' جذبات وعواطف' اخلاق وعادات' اندرونی حسیات- وہ عضو مقصود نہیں ہوتا جو فن تشریح کا دل اور سینہ ہے- پس دل کی شفا کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی فکری اور اخلاقی حالت کے جس قدر مرض ہو سکتے ہیں ان سب کے لیے یہ نسخہ شفا ہے-

(ج) یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت ہے-

(د) یقین کرنے والوں کے لیے پیام رحمت ہے- یعنی ظلم وقساوت اور بغض وتنفر سے دنیا کو نجات دلاتا اور رحم ومحبت اور امن وسلامتی کی روح سے معمور کرتا ہے-

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا
كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي
السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ

اور جن لوگوں کی جرأتوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے نام پر جھوٹ بول کر افترا پردازی کر رہے ہیں انہوں نے روز قیامت کو کیا سمجھ رکھا ہے (کیا وہ سمجھتے ہیں اللہ کی جانب سے کوئی پرسش ہونے والی نہیں؟) حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسانوں کے لیے بڑا ہی فضل رکھتا ہے (کہ اس نے جزائے عمل کو آخرت پر اٹھا رکھا ہے اور دنیا میں سب کو مہلت عمل دے دی ہے) لیکن ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو اس کا شکر نہیں بجا لاتے! (۶۰) اور (اے پیغمبر!) تم کسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی آیت بھی پڑھ کر سناتے ہو اور (اے لوگو) تم کوئی سا کام بھی کرتے ہو مگر وہ بات کرتے ہوئے ہماری نگاہوں سے غائب نہیں ہوتے اور نہ تو زمین میں نہ آسمان میں کوئی چیز تمہارے پروردگار کے علم سے غائب ہے- ذرہ بھر کوئی چیز ہو یا اس سے چھوٹی یا بڑی سب کچھ ایک کتاب واضح میں مندرج ہے! (۶۱) یاد رکھو جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لیے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی- یہ وہ لوگ ہیں کہ ایمان لائے اور زندگی ایسی بسر کی کہ برائیوں سے بچتے رہے- (۶۳) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی (کامرانی وسعادت کی) بشارت ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی-

☆☆ یہ محض قرآن کے اوصاف کا مدعیانہ اعلان ہی نہ تھا بلکہ اس کی صداقت کی سب سے زیادہ موثر دلیل بھی تھی- اگر ایک شخص دعویٰ کرے کہ وہ طبیب ہے تو سب سے زیادہ سہل اور قطعی طریقہ اس کے دعوے کی جانچ کا یہ ہوگا کہ دیکھا جائے اس کے علاج سے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ اگر تم دیکھو کہ موت کی آغوش میں پہنچے ہوئے بیمار اس کے شفاخانہ میں داخل ہوئے اور تندرست ہو کر نکلے تو تم یقیناً تسلیم کر لو گے کہ اپنے دعوے میں سچا ہے- قرآن نے بھی جا بجا یہی جانچ منکروں کے سامنے پیش کی ہے- اس نے کہا میں نسخہ شفا ہوں اور ثبوت میں مومنوں اور متقیوں کی جماعت پیش کر دی جو اس کے دار الشفا میں تیار ہوئی تھی کہ دیکھ لو یہ تندرست ہو گئے ہیں یا نہیں؟

آج بھی اس کی یہ دلیل اسی طرح قاطع ہے جس طرح عہد نزول میں تھی- اگر اس نے عرب جاہلیت کے مریضان روح و دل میں سے ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، خالدؓ، سلمانؓ، ابوذرؓ وغیرہم جیسی تندرست روحیں پیدا کر دی تھیں تو کیا اس کے نسخہ شفا ہونے میں شک کیا جا سکتا ہے؟

☆☆ (۳۱) مشرکین عرب نے اپنے اوہام و خرافات کی بنا پر بہت سی چیزوں کا استعمال حرام ٹھہرا لیا تھا- چنانچہ سورۂ انعام میں آیت (۱۳۸) سے (۱۵۰) تک اس کا مفصل بیان گذر چکا ہے اور یہاں آیت (۵۹) میں بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے- اس آیت سے اور اس کی ہم معنی آیات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ:

(۱) قرآن کے نزدیک ان تمام چیزوں میں جو کھانے پینے کی پیدا ہوتی ہیں اصل اباحت ہے نہ کہ حرمت- یعنی جتنی چیزیں کھانے کے قابل ہیں سب حلال ہیں الا یہ کہ وحی الٰہی نے کسی چیز کو حرام ٹھہرا دیا ہو- چنانچہ قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ ⇐

وقف لازم

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞٦٤ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا
ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞٦٥ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۞٦٦ هُوَ الَّذِيْ
جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۞٦٧

اللہ کے فرمان اٹل ہیں- کبھی بدلنے والے نہیں- اور یہی سب سے بڑی فیروزمندی ہے جو انسان کے حصے میں آ سکتی ہے! (۶۴)

(اور اے پیغمبر!) منکروں کی (معاندانہ) باتوں سے تم آزردہ نہ ہو- ساری عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں (وہ جسے چاہے عزت دے- جسے چاہے ذلت دے) وہ سننے والا جاننے والا ہے! (۶۵)

یاد رکھو- وہ تمام ہستیاں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں اللہ ہی کے تابع فرمان ہیں- اور جو لوگ اللہ کے سوا اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پکارتے ہیں تم جانتے ہو وہ کس بات کی پیروی کرتے ہیں؟ (کیا یقین و بصیرت کی؟ نہیں) محض وہم و گمان کی- وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ (ہر بات میں) اپنی اٹکلیں دوڑاتے ہیں! (۶۶)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کا وقت بنا دیا کہ اس میں آرام پاؤ اور دن کا وقت کہ اس کی روشنی میں دیکھو بھالو- بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لیے (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں جو (کلام حق) سنتے (اور سمجھتے) ہیں! (۶۷)

⇐ اس نے صرف انہی چیزوں سے روکا ہے جو خبائث ہیں- یعنی مضر اور گندی ہیں- باقی جتنی چیزیں ہیں طیبات ہیں-

(ب) کسی چیز کو حرام ٹھہرا دینے کا حق صرف خدا کی شریعت کو ہے- پس کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ محض اپنے قیاس و رائے سے کوئی چیز حرام ٹھہرا دے-

(ج) قرآن نے جن باتوں کو افتراء علی اللہ سے تعبیر کیا ہے یعنی خدا پر بہتان باندھنا' ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بغیر نص قطعی کے محض اپنی رائے اور قیاس سے کوئی چیز حرام ٹھہرا لی جائے-

(د) انسان کے عقائد و اعمال کی بنیاد علم و یقین پر ہونی چاہیے- نہ کہ وہم و گمان پر- وہ مشرکوں کی بنیادی گمراہی یہی قرار دیتا ہے کہ علم و یقین کی کوئی روشنی اپنے سامنے نہیں رکھتے- محض اوہام و ظنون کے پرستار ہیں-

نزول قرآن سے پہلے اقوام عالم کی ایک عالمگیر گمراہی یہ تھی کہ کھانے پینے کے بارے میں طرح طرح کے وہمی قاعدے بنا لیے تھے حلت و حرمت کی بنیاد علم و حقیقت کی کسی روشنی پر نہ تھی- محض اوہام و خرافات پر تھی- قرآن نے نوع انسانی کو اس حالت سے نجات دلائی- اس نے اعلان کیا کہ زمین میں جتنی اچھی چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں سب اسی لیے ہیں کہ انسان انہیں برتے اور خدا کے سوا کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اس کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو حرام ٹھہرا دے-

یہ آیت ان تمام فقہائے متشددین کے خلاف حجت قاطع ہے جنہوں نے محض رائے و قیاس سے بعض مباحات حرام ٹھہرا دی ہیں اور ان تمام لوگوں کے خلاف بھی جو سمجھتے ہیں مباحات کا دائرہ اپنے اوپر تنگ کر لینا تقویٰ اور تقرب الٰہی کی بات ہے-

(۳۲) قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ کسی بات کے ٹھہرا دینے اور قطعی طور پر نافذ کر دینے کے لیے ''کتابت'' کی تعبیر اختیار کرتا ⇐

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ الۡغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ
سُلۡطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۸﴾ قُلۡ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا
یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ نُذِیۡقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِیۡدَ بِمَا كَانُوۡا
یَكۡفُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ وَاتۡلُ عَلَیۡهِمۡ نَبَاَ نُوۡحٍ ۘ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖ یٰقَوۡمِ اِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَیۡكُمۡ مَّقَامِیۡ وَتَذۡكِیۡرِیۡ ع ۷ ۱۲
بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلۡتُ فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَكُمۡ وَشُرَكَآءَكُمۡ ثُمَّ لَا یَكُنۡ اَمۡرُكُمۡ عَلَیۡكُمۡ غُمَّةً

یہ کہتے ہیں اللہ نے اپنا ایک بیٹا بنا رکھا ہے- اس کے لیے تقدیس ہو! وہ تو (اس طرح کی تمام احتیاجوں سے) بے نیاز ہے- جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے لیے ہے- تمہارے پاس ایسی بات کہنے کے لیے کون سی دلیل آ گئی؟ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں؟ (۶۸)

(اے پیغمبر!) تم کہو- جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں! (۶۹) ان کے لیے صرف دنیا ہی کی متاع ہے- پھر (آخرکار) ہماری طرف لوٹنا ہے- تب ہم انہیں عذاب سخت کا مزہ چکھائیں گے کہ جیسی کچھ کفر کی باتیں کرتے رہے ہیں اس کا نتیجہ پالیں! (۷۰) اور (اے پیغمبر!) انہیں نوح کا حال سناؤ- جب ایسا ہوا تھا کہ اس نے اپنی قوم سے کہا تھا "اے میری قوم اگر تم پر یہ بات شاق گذرتی ہے کہ میں تم میں (دعوت و ہدایت کے لیے) کھڑا ہوں اور اللہ کی نشانیوں کے ساتھ پند و نصیحت کرتا ہوں تو میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے- تم میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو اسے ٹھان لو اور اپنے شریکوں کو بھی ساتھ لے لو- پھر جو کچھ تمہارا منصوبہ ہو اسے اچھی طرح سمجھ بوجھ لو کہ کوئی پہلو نظر سے رہ نہ

⇐ ہے- یعنی کہتا ہے یہ بات لکھ دی گئی ہے- مثلاً ﴿ کتب علیکم الصیام ﴾ (۲:۱۸۳) ﴿ ان عدة الشهور عندالله اثنا عشر شهرا فی کتاب الله ﴾ (۹:۳۶) ﴿ کتب علیه انه من تولاه فانه یضله ﴾ (۲۲:۴) اسی طرح اس مطلب کے لیے کہ حکمت الٰہی نے کارخانۂ ہستی کی ہر چیز کے لیے ایک قانون بنا دیا ہے اور یہاں جو کچھ ظہور میں آتا ہے وہ سب کچھ ضبط میں آ چکا ہے- "کتابت" اور "کتاب" کی تعبیر جا بجا ملتی ہے- چنانچہ یہاں بھی آیت (۶۱) میں فرمایا 'آسمان و زمین میں ایک ذرہ بھی ایسا نہیں جو کتاب مبین کے انضباط سے باہر ہو- یعنی علم الٰہی سے باہر ہو یا اللہ نے جو قوانین خلقت ٹھہرا دیے ہیں ان کے احاطہ سے باہر ہو- احکام و قوانین کا شاہی فرمانوں میں لکھ دینا اور شاہی دفاتر میں درج کر دینا دنیا کی نہایت پرانی رسم ہے- اس لیے تقریباً تمام زبانوں میں کسی بات کے لکھ دیئے کا مطلب یہ ہو گیا ہے کہ بات پکی ہو گئی اور اب اس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں- باہمی عہد و پیمان بھی لکھے جاتے تھے اور جب لکھ دیے گئے تو سمجھا جاتا تھا اب ان کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی- عربی میں بھی یہ تعبیر قدیم سے موجود ہے- اور معلوم ہوتا ہے قرآن نے بھی اسی معنی میں یہ تعبیر اختیار کی ہے- البتہ یہ ظاہر ہے کہ ہم جزم و یقین کے ساتھ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے - کیونکہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے اور عالم غیب کے حقائق ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہیں-

(۳۳) آیت (۶۲) کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی-

(۳۴) قرآن کا عام اسلوب خطاب یہ ہے کہ پہلے وجدانی دلائل بیان کرتا ہے پھر واقعات و ایام کے شواہد سے استدلال کرتا ہے- آیت (۶۹) میں تمام پچھلے مواعظ کا خلاصہ بیان کر دیا کہ مفتری علی اللہ فلاح نہیں پا سکتا - پھر آیت (۷۱) میں فرمایا انہیں حضرت نوح علیہ السلام کی سرگذشت سناؤ - یعنی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا معاملہ اس حقیقت کے لیے ایک شاہد و حجت ہے- ان کا اعلان بھی ⇐

ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۙ
وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓىِٕفَ
وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا
اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ

جائے پھر جو کچھ میرے خلاف کرنا ہے کر گزرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو (اور دیکھو آخر کار کیا نتیجہ نکلتا ہے؟)'' (۷۱)

''پھر اگر (اس پر بھی تم باز نہ آئے اور) مجھ سے روگردانی کی تو (یاد رکھو اپنا ہی نقصان کرو گے) میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کے لیے تم سے کسی مزدوری کا طلبگار نہیں ہوا تھا - میری مزدوری تو اللہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں - مجھے (اسی کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ اس کے فرمانبردار بندوں کے گروہ میں شامل رہوں!'' (۷۲)

اس پر بھی لوگوں نے اسے جھٹلایا - پس ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں سوار تھے (طوفان سے) بچا لیا - اور (غرق شدہ قوم کا) جانشین بنایا اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں ان سب کو غرق کر دیا - تو دیکھو ان لوگوں کا حشر کیسا ہوا جو (انکار و سرکشی کے نتائج سے) خبردار کر دیے گئے تھے؟ (۷۳)

پھر نوح کے بعد ہم نے (کتنے ہی) رسولوں کو ان کی قوموں میں پیدا کیا - وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے اس پر بھی ان کی قومیں تیار نہ تھیں کہ جو بات پہلے جھٹلا چکی ہیں اسے (دلیلیں دیکھ کر) مان لیں - سو دیکھو جو لوگ (سرکشی اور فساد میں) حد سے گزر جاتے ہیں ہم اسی طرح ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں! (۷۴)

⇐ یہی تھا کہ تم میری مخالفت میں جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو - اگر میں صادق ہوں تو تمہاری کوئی کوشش میرے خلاف کامیاب نہیں ہو سکے گی - نتیجہ نے فیصلہ کر دیا کہ کون صادق تھا اور کون خدا کی سچائی جھٹلانے والا تھا -

☆☆ (۳۵) آیت (۷۱) جو اوپر گزر چکی ہے انبیائے کرام علیہم السلام کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل واضح کرتی ہے - یعنی وہ کامل یقین جو اپنے مرسل من اللہ اور صادق ہونے کا ان کے اندر موجود ہوتا ہے - حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اگر تم پر میری دعوت و تذکیر گراں گزرتی ہے اور مجھے اپنے بیان میں جھوٹا سمجھتے ہو تو جو کچھ بھی تم میرے خلاف کر سکتے ہو زیادہ سے زیادہ کوشش اور زیادہ سے زیادہ اہتمام کے ساتھ کر گزرو - تم سب جمع ہو' باہم گر مشورے کرو' بہتر سے بہتر تدبیریں جو میرے مٹانے کے لیے سوچی جا سکتی ہیں سوچ لو - معاملہ کا کوئی پہلو ایسا نہ رہ جائے جس کا پہلے سے بندوبست نہ کر لیا ہو - پھر پورے عزم و ہمت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہو اور اپنے جانتے بھر ذرا بھی مہلت نہ دو - پھر یہ سب کچھ کر کے دیکھ لو - تم مجھے اور میری دعوت کو مٹا سکتے ہو یا نہیں!

کیا ممکن ہے کہ محض بناوٹ اور افترا پردازی کی زندگی سے ایسا یقین ابل سکے؟ کیا ممکن ہے کہ ایک فرد واحد پوری قوم کو اس طرح مقابلہ کی دعوت دے اور اس کے دل میں ذرا بھی کھٹک موجود ہو کہ اپنے بیان میں سچا نہیں؟

(۳۶) حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کے بعد فرمایا ان کے بعد بہت سے رسول مختلف قوموں میں مبعوث ہوئے اور ایسا ہی معاملہ پیش آیا - پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں تفصیل کی - کیونکہ اہل عرب ان کے نام سے نا آشنا نہ تھے -

حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر میں بھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں بھی صرف انہی پہلوؤں پر زور دیا ہے جو سورت کی موعظت سے تعلق رکھتے ہیں - یعنی:

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا
وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى
اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا
عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ
بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ
مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ

پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون کو بھیجا - فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف - وہ ہماری نشانیاں اپنے ساتھ رکھتے تھے - مگر فرعون اور اس کے درباریوں نے گھمنڈ کیا - ان کا گروہ مجرموں کا گروہ تھا! (۷۵)

پھر جب ہماری جانب سے سچائی ان پر نمودار ہوگئی تو کہنے لگے "یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جادو ہے - صریح جادو" (۷۶)

موسیٰ نے کہا "تم سچائی کے حق میں جب وہ نمودار ہوگئی ایسی بات کہتے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر تو کبھی کامیابی نہیں پاسکتے" (۷۷)

انہوں نے (جواب میں) کہا "کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس راہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے اس سے ہمیں ہٹا دو اور ملک میں تم دونوں بھائیوں کے لیے سرداری ہو جائے؟ ہم تو تمہیں ماننے والے نہیں" (۷۸)

اور فرعون نے کہا "میری مملکت میں جتنے ماہر جادوگر ہیں سب کو میرے حضور حاضر کرو" (۷۹) جب جادوگر آموجود ہوئے (اور مقابلہ کا میدان گرم ہوا) تو موسیٰ نے کہا "تمہیں جو کچھ میدان میں ڈالنا ہے ڈال دو" (۸۰) جب انہوں نے (اپنی جادو کی رسیاں اور لاٹھیاں) ڈال دیں تو موسیٰ نے کہا "تم جو کچھ بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے اور یقیناً اللہ اسے ملیا میٹ کر دے گا - اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ مفسدوں کا کام نہیں سنوارتا - (۸۱) وہ حق کو اپنے احکام کے مطابق ضرور ثابت کر دکھائے گا -

---

(ا) مفتری علی اللہ فلاح نہیں پاسکتا -

(ب) نہ وہ جو صادق کا مقابلہ کرے - یعنی اللہ کے رسول کا مقابلہ کرے -

(ج) ہدایت ایسی چیز نہیں ہے کہ زبردستی کسی کو پلا دو - جو ماننے والے نہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے - خواہ کتنی ہی نشانیاں دکھلاؤ - ایسا ہی ہمیشہ ہوا ہے اور اب بھی ہوگی -

(۳۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم حق کی نشانیوں کو جادو کہتے ہو - حالانکہ جو جادوگر ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا - کیونکہ جادو انسان کی بناوٹ اور شعبدہ طرازی ہے اور ایک انسان اپنی بناوٹوں اور کرتبوں میں کتنا ہی ہوشیار ہو لیکن حق کے مقابلہ میں کبھی نہیں ٹک سکتا -

(۳۸) الحق "حقق" سے ہے اور عربی میں "حقق" کا لغوی خاصہ ثبوت اور قیام ہے - یعنی جو بات ثابت ہو اٹل ہو انمٹ ⇦

الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰىٓ اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ ع ۸
فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾
وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا
عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا

اگرچہ ان لوگوں کو جو مجرم ہیں ایسا ہونا پسند نہ آئے''(۸۲)

تو دیکھو اس پر بھی ایسا ہوا کہ موسیٰ پر کوئی ایمان نہیں لایا مگر صرف ایک گروہ جو اس کی قوم کے نوجوانوں کا گروہ تھا- وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتا ہوا کہ کہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں' اور اس میں شک نہیں کہ فرعون ملک (مصر) میں بڑا ہی سرکش (بادشاہ) تھا اور اس میں بھی شک نہیں کہ (ظلم واستبداد میں) بالکل چھوٹ تھا-(۸۳)

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا''لوگو! اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس کی فرمانبرداری کرنی چاہتے ہو تو چاہیے کہ صرف اسی پر بھروسہ کرو (اور فرعون کی طاقت سے نہ ڈرو'')-(۸۴)

انہوں نے کہا ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا (ہم دعا کرتے ہیں کہ) پروردگارا! ہمیں اس ظالم گروہ کے لیے آزمایشوں کا موجب نہ بنائیو (کہ اس کے ظلم وستم کے مقابلہ میں کمزوری دکھائیں)(۸۵) اور اپنی رحمت سے ایسا کیجیو کہ اس کافر گروہ کے پنجہ سے نجات پا جائیں!''(۸۵) اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی (ہارون) پر وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں مکان بناؤ اور اپنے

⇦ ہو' اسے''حق'' کہتے ہیں- اور''باطل'' ٹھیک ٹھیک اس کا نقیض ہے- یعنی ایسی بات جو مٹ جانے والی اور باقی نہ رہنے والی ہو- پس قرآن نے سچائی کو حق سے اور انکار کو باطل سے تعبیر کر کے یہ بات واضح کر دی ہے کہ سچائی کا خاصہ ثبوت وقیام ہے اور انکار وسرکشی کے لیے نہ ٹک سکنا اور مٹ جانا ہے- یہی وجہ ہے کہ جابجا اس طرح کی تعبیرات ہمیں ملتی ہیں کہ خدا حق کو حق کر دے گا اور باطل کو باطل- یعنی حق ثابت وقائم رہ کر اپنی حقانیت آشکار کر دے گا اور باطل نابود ہو کر اپنے بطلان کا ثبوت دے دے گا- مثلاً سورۂ انفال کی آیت (۸) میں گزر چکا ہے- ﴿ لیحق الحق ویبطل الباطل ﴾ اور یہاں بھی آیت (۸۲) میں ایسی ہی تعبیر اختیار کی ہے- یہ تعبیر قرآن کے دقائق براہین میں سے ہے- جس کی تشریح تفسیر سورۂ فاتحہ میں دیکھنی چاہیے-

(۳۹) آیت (۸۳) میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے''ذرية من قومه'' سے تعبیر فرمایا ہے-''ذرية'' کے اصلی معنی کم سن اولاد کے ہیں' لیکن نسل واولاد کے معنوں میں مطلقاً بھی بولا جاتا ہے یہاں چونکہ قوم کے ساتھ ذرية کا لفظ آیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ لغوی معنوں ہی میں آیا ہو- یعنی قوم بنی اسرائیل کے کم سن افراد-

اس سے معلوم ہوا کہ جب کبھی مقاصد وعزائم کی راہ میں شدائد ومحن کا سامان کرنا پڑتا ہے تو قوم کے بڑے بوڑھوں سے بہت کم امید کی جاسکتی ہے- زیادہ تر نئی نسل کے نوجوان ہی آگے بڑھتے ہیں- کیونکہ بڑے بوڑھوں کی ساری زندگیاں ظلم وفساد کی آب وہوا میں بسر ہو چکتی ہیں- اور محکومی کی حالت میں رہتے رہتے عافیت کوشی کے عادی ہو جاتے ہیں- البتہ نوجوانوں میں نیا دماغ ہوتا ہے' نیا خون ہوتا ہے' نئی امنگیں ہوتی ہیں- انہیں شدائد ومحن کا خوف مرعوب نہیں کر دیتا- وہی پہلے قدم اٹھاتے ہیں- پھر تمام قوم ان کے پیچھے چلنے لگتی ہے-

بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً
وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ
الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ
اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِىْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ
عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ

مکانوں کو قبلہ رخ تعمیر کرو- نیز (ان میں) نماز قائم کرو اور جو ایمان لائے ہیں' انہیں (کامیابی کی) بشارت دو- (۸۷)

اور موسیٰ نے دعا مانگی ''خدایا! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں زیب و زینت کی چیزیں اور مال و دولت کی شوکتیں بخشی ہیں تو خدایا! کیا یہ اس لیے ہے کہ تیری راہ سے یہ لوگوں کو بھٹکائیں! خدایا! ان کی دولت زائل کر دے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے کہ اس وقت تک یقین نہ کریں جب تک عذاب دردناک اپنے سامنے نہ دیکھ لیں!'' (۸۸)

اللہ نے فرمایا ''میں نے تم دونوں کی دعا قبول کی- تو اب تم (اپنی راہ میں) جم کر کھڑے ہو جاؤ اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو جو (میرا طریق کار) نہیں جانتے'' (اور اس لیے صبر نہیں کر سکتے)- (۸۹)

اور پھر ایسا ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا- یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا- مقصود یہ تھا کہ ظلم و شرارت کریں- لیکن جب حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ فرعون سمندر میں غرق ہونے لگا تو اس وقت پکار اٹھا ''میں یقین کرتا ہوں کہ اسی ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں بھی اسی کے فرمانبرداروں میں ہوں!'' (۹۰)

(ہم نے کہا) ''ہاں اب تو ایمان لایا- حالانکہ پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا اور تو دنیا کے مفسد انسانوں میں سے ایک (بڑا ہی) مفسد تھا!'' (۹۱)

پس آج ہم ایسا کریں گے کہ تیرے جسم کو (سمندر کی موجوں سے) بچا لیں گے' تاکہ ان لوگوں کے لیے جو تیرے

مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسی ہی صورت پیش آئی - فرعون کے قہر و استبداد نے بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں کی ہمتیں سلب کر دی تھیں- وہ شکر گزار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرتے- لیکن نوجوانوں کا یہ حال نہ تھا- ان میں ایک گروہ نکل آیا جس نے حضرت موسیٰ کے احکام کی تعمیل کی-

☆☆ (۴۰) آیت (۹۳) کا مضمون بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے- یعنی مشیت الٰہی کا یہ فیصلہ کہ فرعون کے جسم کو غرق ہونے سے نجات ⇦

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ ع ۱۴
الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾
فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔـلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾

بعد آنے والے ہیں (قدرت حق کی) ایک نشانی ہو اور اکثر انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں کی طرف سے یک قلم غافل رہتے ہیں! (۹۲)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو (اپنے وعدہ کے مطابق فلسطین میں) بسنے کا بہت اچھا ٹھکانا دیا تھا اور پاکیزہ چیزوں سے ان کی روزی کا سامان کر دیا تھا- پھر جب کبھی انہوں نے (دین حق کے بارے میں) اختلاف کیا تو علم کی روشنی ضرور ان پر نمودار ہو گئی (یعنی ان میں یکے بعد دیگرے نبی مبعوث ہوتے رہے لیکن پھر بھی وہ حقیقت پر متفق نہ ہوئے) قیامت کے دن تمہارا پروردگار ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں باہم اختلاف کرتے رہے ہیں! (یعنی انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت حال کیا تھی)- (۹۳) اور اگر تمہیں اس بات میں کسی طرح کا شک ہو جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تمہارے زمانے سے پہلے کی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں (یعنی اہل کتاب) کہ یقیناً یہ سچائی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر اتری ہے تو ہرگز ایسا نہ کرنا کہ شک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ (۹۴) اور نہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اللہ کی نشانیاں جھٹلائیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ نامراد ہوئے! (۹۵)

⇐ دی جائے گی تاکہ آنے والی قوموں کے لیے قدرت حق کی نشانی ہو- اور اسی لیے قدیم مفسرین کو حل مطلب میں مشکلات پیش آئیں، لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے، تو مطلب بالکل واضح ہے-

قدیم مصریوں میں حنوط کا طریقہ رائج تھا- یعنی بادشاہوں اور امیروں کی نعشیں ایک خاص طرح کا مسالا لگا کر ایک عرصہ تک کے لیے محفوظ کر دیتے تھے- چنانچہ اٹھارویں صدی کے اوائل سے لے کر اس وقت تک بے شمار نعشیں مصر میں نکل چکی ہیں اور دنیا کا کوئی عجائب خانہ نہیں جس کے حصے میں دو چار نعشیں نہ آئی ہوں- اس طرح کی نعشوں کے لیے ''ممی'' کا لفظ یونانیوں نے استعمال کیا تھا جو غالباً خود مصریوں ہی کی اصطلاح تھی-

آیت کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرمایا- تو اب موت سے تو نہیں بچ سکتا، لیکن تیرا جسم سمندر کی موجوں سے بچا لیا جائے گا کہ وہ حسب معمول ممی کر کے رکھا جائے اور آنے والی نسلوں کے لیے عبرت و تذکیر کا موجب ہو-

اگر مصریات (اجپٹالوجیا) کے بعض علماء کی یہ تحقیق درست ہے کہ یہ فرعون رعمسیس ثانی تھا تو اس کا بدن آج تک زائل نہیں ہوا ہے- کیونکہ اس کی ممی نکل آئی ہے اور قاہرہ کے دارالآثار میں صحیح و سالم موجود ہے!

اس سلسلہ میں متعدد امور بحث طلب ہیں جن کے لیے البیان کا انتظار کرنا چاہیے-

(۴۱) قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ مومنوں سے خطاب مقصود ہوتا ہے لیکن مخاطب پیغمبر اسلام ﷺ کو کرتا ہے- مثلاً ﴿ یا ایها النبی اذا طلقتم النساء ﴾ (۶۵:۱) پس یہاں بھی آیت (۹۴) میں اگرچہ خطاب پیغمبر اسلام ﷺ سے ہے مگر مقصود مومنوں کی وہ ابتدائی جماعت ہے جو آغاز دعوت کی بے چارگی و مظلومی میں ایمان لائی تھی-

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ
الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ
عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٩٨﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ
كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا

(اے پیغمبر!) جن لوگوں پر اللہ کا فرمان صادق آ گیا ہے (یعنی اس کا یہ قانون کہ جو آنکھیں بند کر لے گا اسے کچھ نظر نہیں آئے گا) وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (۹۶) اگر (دنیا جہان کی) ساری نشانیاں بھی ان کے سامنے آ جائیں تب بھی نہ مانیں یہاں تک کہ عذاب دردناک اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں! (۹۷)

پھر کیوں ایسا ہوا کہ قوم یونس کی بستی کے سوا اور کوئی بستی نہ نکلی کہ (نزول عذاب سے پہلے) یقین کر لیتی اور ایمان کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتی؟ یونس کی قوم جب ایمان لے آئی تو ہم نے رسوائی کا وہ عذاب اس پر سے ٹال دیا جو دنیا کی زندگی میں پیش آنے والا تھا اور ایک خاص مدت تک سر و سامان زندگی سے بہرہ مند ہونے کی مہلت دے دی۔ (۹۸)

اور (اے پیغمبر!) اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے (اور دنیا میں اعتقاد و عمل کا اختلاف باقی ہی نہ رہتا لیکن تو دیکھ رہا ہے کہ اللہ نے ایسا نہیں چاہا' اس کی مشیت یہی ہوئی کہ طرح طرح کی طبیعتیں اور طرح طرح کی استعدادیں ظہور میں آئیں۔ پھر اگر لوگ نہیں مانتے تو) کیا تو ان پر جبر کرے گا کہ جب تک ایمان نہ لاؤ میں چھوڑنے والا نہیں؟ (۹۹) اور (یاد رکھو) کسی جان کے اختیار میں نہیں ہے۔ کہ (کسی بات پر) یقین لے آئے' مگر یہ کہ

☆☆ (۴۲) آیت (۹۸) میں حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کا عبرانی نام ''یوناہ'' تھا جو عربی میں ''یونس'' ہو گیا۔ یہ بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ہیں اور عہد عتیق کے نوشتوں میں ایک نوشتہ ان کے نام سے بھی ہے۔ اس نوشتہ سے معلوم ہوتا ہے انہوں نے باشندگان نینوا کو خبر دی تھی کہ چالیس دن کے بعد شہر تباہ ہو جائے گا کیونکہ تمہارا ظلم و فساد حد سے گزر گیا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے سرکشی نہیں کی بلکہ بادشاہ سے لے کر گڈریے تک سب توبہ و استغفار میں لگ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چالیس دن کی مدت گزر گئی مگر موعودہ تباہی ظہور میں نہ آئی۔

فرمایا۔ موعودہ عذاب ان پر سے اس لیے ٹل گیا کہ بات مان لی اور سرکشی نہیں کی۔ اس کے بعد فرمایا۔ ایک خاص مدت تک کے لیے انہیں مہلت دے دی گئی۔ چنانچہ حضرت یوناہ علیہ السلام کے بعد تقریباً ۶۹۰ قبل مسیح میں ان کا ظلم و فساد پھر حد سے گزر گیا اور ایک اور اسرائیلی نبی ناحوم علیہ السلام نامی نے انہیں پیش آنے والی تباہی کی خبر دی۔ اس انذار کے ستر برس بعد اہل بابل نے ان پر حملہ کیا۔ ساتھ ہی دجلہ میں اس زور کا سیلاب آیا کہ نینوا کی مشہور عالم چار دیواری جابجا سے گر گئی اور حملہ آوروں کے لیے کوئی روک باقی نہ رہی۔ چنانچہ اشوری تمدن کا یہ مرکز اس طرح نابود ہوا کہ ۲۰۰ قبل مسیح میں اس کا جائے وقوع بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا جیسا کہ اس عہد کے ایک یونانی مورخ نے تصریح کی ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اہل مکہ انکار و سرکشی کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تمہیں غور کرنا چاہیے کہ کتنے ہی رسول عرب کے قرب و جوار میں آئے لیکن قوم یونس کے سوا کوئی قوم نہ نکلی جس نے داعی حق کی بات فوراً مان لی ہو اور عذاب اس ⇐

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا
تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا

اللہ کے حکم سے (یعنی اللہ نے اس بارے میں جو قانون طبیعت بنا دیا ہے اس کے اندر رہ کر- اس سے باہر کوئی نہیں جا سکتا) اور (اس کا قانون ہے کہ) وہ ان لوگوں کو (محرومی وشقاوت کی) گندگی میں چھوڑ دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے! (۱۰۰)

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو "جو کچھ آسمان میں (تمہارے اوپر) اور جو کچھ زمین میں (تمہارے چاروں طرف) ہے اس سب پر نظر ڈالو (اور دیکھو وہ زبان حال سے کس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں؟)" لیکن جو لوگ یقین نہیں رکھتے ان کے لیے نہ تو (قدرت کی) نشانیاں ہی کچھ سودمند ہیں نہ (ہوشیار کرنے والوں کی) تنبیہیں! (۱۰۱)
پھر اگر یہ لوگ منتظر ہیں تو ان کا انتظار اس بات کے سوا اور کس بات کے لیے ہو سکتا ہے کہ جیسے کچھ (عذاب کے) دن ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں ویسے ہی ان پر بھی آ موجود ہوں- تو تم کہہ دو "اچھا' انتظار کرو- میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں!" (۱۰۲) پھر (جب عذاب کی گھڑی آ جاتی ہے تو ہمارا قانون ہے کہ) اپنے رسولوں کو اور

⇦ پرسے ٹل گیا ہو- پھر اگر اکثر حالتوں میں ایسا ہی ہوا ہے تو موجودہ حالت پر تعجب ومایوسی کیوں ہو؟

(۴۳) قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسانی طبیعت واستعداد کا اختلاف فطری ہے اور خدا کی مشیت یہی ہوئی کہ یہ اختلاف ظہور میں آئے- اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طرح کی طبیعت' ایک ہی طرح کی استعداد' ایک ہی طرح کی فکری وعملی حالت پر مجبور کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں چاہا- اس کی حکمت کا یہی فیصلہ ہوا کہ انسان میں ہر طرح کی حالت پیدا کرنے کی استعداد ہو اور ہر طرح کی راہ اس کے آگے کھول دی جائے- وہ اگر اونچا ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ اونچا ہو سکے- پست ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ پستی میں گر سکے- اسی تنوع استعداد کا نتیجہ ہے کہ فکر وعمل کے ہر گوشے میں مختلف حالتیں پیدا ہو گئیں- ایک فرد وجماعت کا ذوق ایک طرح کا ہوا' دوسرے کا دوسری طرح کا- ایک کی سمجھ ایک طرف گئی' دوسرے کی دوسری طرف- ایک نے ایک راہ پسند کی کہ حق ہے- دوسرے نے اس سے انکار کیا کہ حق نہیں! اور پھر اسی اختلاف فکر وعمل نے ہدایت وسعادت اور ضلالت وشقاوت کی وہ کشمکش پیدا کر دی جسے قرآن "آزمائش حیات" سے تعبیر کرتا ہے کہ ﴿ ليبلوكم ايكم احسن عملا ﴾ (۲:۶۷) وہ تمہیں کشمکش حیات کی آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ کھل جائے تم میں کون ہے جس کے اعمال سب سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں- کیونکہ اس کشمکش میں کامیاب وہی ہوگا جو اپنے عمل میں احسن وانفع ہوگا-

یہاں آیت (۹۹) میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور غور کرو- کتنے مختصر لفظوں میں کتنی عظیم الشان بات کہہ دی ہے؟ فرمایا- فکر واستعداد کا اختلاف یہاں ناگزیر ہے اور ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ زور زبردستی سے کسی کے اندر ٹھونس دی جائے- یہ تو اسی کے اندر پیدا ہوگا جس میں فہم وقبول کی استعداد ہے- پھر اگر تم پر یہ بات شاق گزر رہی ہے کہ کیوں لوگ مان نہیں لیتے تو کیا تم لوگوں پر جبر کرو گے کہ نہیں' تمہیں ضرور مان ہی لینا چاہیے؟

ع ۱۱ ۱۵ عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ
اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ

مومنوں کو اس سے بچا لیتے ہیں- اسی طرح ہم نے اپنے اوپر ضروری ٹھہرا لیا ہے کہ مومنوں کو بچا لیا کریں! (۱۰۳)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو "اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی طرح کے شبہ میں ہو تو میں بتلا دیتا ہوں کہ میرا طریقہ کیا ہے- تم اللہ کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو میں ان کی بندگی نہیں کرتا- میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں جس کے قبضہ میں تمہاری زندگی ہے اور جس کے حکم سے تم پر موت طاری ہوتی ہے- اور مجھے اسی کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں کے زمرے میں رہوں" (۱۰۴)

"اور نیز مجھے کہا گیا ہے کہ ہر طرف سے ہٹ کر اپنا رخ اللہ کے دین کی طرف کر لے اور ایسا ہرگز نہ کیجیو کہ شرک کرنے والوں میں سے ہو جائے!" (۱۰۵)

"اور (مجھے حکم دیا ہے کہ) اللہ کے سوا کسی کو نہ پکار- اس کے سوا جو کوئی ہے وہ نہ تو فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان- اگر تو نے ایسا کیا تو پھر یقیناً تو بھی ظلم کرنے والوں میں گنا جائے گا!" (۱۰۶)

"اور اگر اللہ کے حکم سے تجھے کوئی دکھ پہنچے تو جان لے کہ اسے دور کرنے والا کوئی نہیں مگر اسی کی ذات- اگر وہ تجھے کسی طرح کی خوبی بخشنی چاہے تو جان لے کہ کوئی نہیں جو اس کا فضل روک سکے- وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل کر دے- وہ بخشنے والا رحمت والا ہے!" (۱۰۷)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو کہ "اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی تمہارے پاس آ گئی ہے-

---

اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کے نزدیک دین و ایمان کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں جبر و اکراہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا- کیونکہ جبر و اکراہ کی صورت کا ذکر ایک ان ہونی اور نا کردنی بات کی طرح کیا گیا ہے- سورۂ بقرہ کی آیت (۲۵۶) اس بارے میں قرآن کا مقررہ قانون ہے کہ ﴿ لا اکراہ فی الدین ﴾

(۴۴) آیت (۱۰۴) کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے میری دعوت دین کی حقیقت ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھی ہے اور اس وہم میں مبتلا ہو کہ شاید تمہارے مطلب کی باتیں بھی تھوڑی بہت مان لوں تو یہ وہم اپنے دماغ سے نکال دو- میرا اعلان صاف صاف یہ ہے کہ میں تمہارے گھڑے ہوئے معبودوں کو نہیں مانتا- صرف پروردگار عالم کی عبادت کرتا اور اسی کی طرف سے دعوت دینے پر مامور ہوں- اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد جو کچھ تمہارے جی میں آئے کرو- میری راہ میرے لیے ہے، تمہاری تمہارے لیے اور فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے!

☆☆ (۴۵) قرآن حکیم میں تم جا بجا اس طرح کا اعلان پاؤ گے جیسا کہ آیت (۱۰۸) میں ہے- اس نے پچھلے نبیوں کے جو مواعظ ⇐

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ ع ۱۱
بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

پس جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا تو اس کی گمراہی اسی کے آگے آئے گی- میں تم پر نگہبان نہیں ہوں (کہ زبردستی کسی راہ میں کھینچ لے جاؤں اور پھر اس سے نکلنے نہ دوں)'' (۱۰۸)

(اے پیغمبر!) جو کچھ تم پر وحی کی جاتی ہے اس پر چلتے رہو اور اپنی راہ میں جمے رہو- یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے! (۱۰۹)

⇐ نقل کیے ہیں ان میں بھی ہر جگہ ایسی ہی بات پائی جاتی ہے- یعنی مذہبی صداقت کی دعوت کا معاملہ سر تا سر سمجھنے بوجھنے اور سمجھ بوجھ کر اختیار کر لینے کا معاملہ ہے- اس میں نہ تو کسی طرح کی زبردستی ہے نہ کسی طرح کا لڑائی جھگڑا- تمہاری بھلائی کے لیے ایک بات کہی گئی ہے- اگر سمجھ میں آ جائے تو مان لو- نہ آئے تو نہ مانو- تمہاری راہ تمہارے لیے- ہماری راہ ہمارے لیے- اگر مان لو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے- نہ مانو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے- ہر شخص اپنے نفس کا مختار ہے- چاہے بھلائی کی راہ چلے اور بھلائی کمائے- چاہے برائی کی چال چلے اور برائی کمائے- اگر کوئی بھلائی کی راہ چلے گا تو کسی دوسرے کو کچھ نہیں دے دے گا کہ وہ اس کے پیچھے پڑ جائے- اگر برائی کی چال چلے گا تو کسی دوسرے کا نقصان نہیں کر دے گا کہ وہ اس سے بگڑنے لگے- اپنی اپنی راہ ہے اور اپنی اپنی کمائی: ﴿ **من عمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعليها وما ربك بظلام للعبيد** ﴾ (۴۱:۴۶)

تذکیر و توکیل:

ساتھ ہی واضح کر دیا کہ داعی حق کی حیثیت کیا ہے: **وما انا عليكم بوكيل** - میں داعی اور مذکر ہوں- کچھ تم پر وکیل نہیں بنایا گیا ہوں- یعنی میرا کام یہ ہے کہ نصیحت کی بات سجھا دوں- یہ نہیں ہے کہ نگہبان بن کر تم پر مسلط ہو جاؤں اور سمجھوں مجھے تمہاری ہدایت کی ٹھیکیداری مل گئی ہے- دوسری جگہ پیغمبر اسلام ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یہی مطلب یوں ادا کیا ہے کہ ﴿ **وما انت عليهم بجبار** ﴾ (۵۰:۴۵) تو ان لوگوں پر ایک حاکم جابر کی طرح مسلط نہیں ہے کہ جبراً و قہراً بات منوا دے- نیز فرمایا: ﴿ **لست عليهم بمصيطر** ﴾ (۸۸:۲۲) تجھے ان لوگوں پر داروغہ بنا کر نہیں بٹھا دیا ہے کہ مانیں یا نہ مانیں لیکن تو انہیں راہ حق پر چلانے کا ذمہ دار ہو-

نیز جا بجا مختلف پیرایوں میں یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ پیغمبر کا مقام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ سچائی کی پکار بلند کرنے والا ہے' پیام حق پہنچا دینے والا ہے' نصیحت کی بات سجھا دینے والا ہے' ایمان و عمل کے نتائج کی خوش خبری دیتا اور انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کر دیتا ہے- اس سے زیادہ اس کے سر کوئی ذمہ داری نہیں-

غور کرو- اس سے زیادہ صاف' بے لاگ اور امن و سلامتی کی کوئی راہ ہو سکتی ہے؟ اور اگر دنیا نے دعوت حق کی یہ روح سمجھ لی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ کوئی انسان دوسرے انسان سے محض اختلاف اعتقاد و عمل کی بنا پر لڑتا؟ لیکن مصیبت یہ ہے کہ انسان کے ظلم و سرکشی نے کبھی اس حقیقت کا اعتراف نہیں کیا اور یہی بات ساری نزاعوں کی بنیاد بن گئی- قرآن نے پچھلی دعوتوں کی جس قدر سرگزشتیں بیان کی ہیں انہیں جا بجا پڑھو- ہر جگہ دیکھو گے کہ بنائے نزاع یہی تھی- خدا کے رسولوں کا ہمیشہ اعلان یہی ہوا کہ ہم نصیحت کرنے والے ہیں- ماننا نہ ماننا تمہارا کام

ہے- اگر نہیں مانتے تو تم اپنی راہ چلو- ہمیں اپنی راہ چلنے دو اور دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے- لیکن ان کے منکر کہتے تھے کہ نہیں نہ تو ہم تمہاری بات مانیں گے نہ تمہیں تمہاری راہ چلنے دیں گے- سورۂ اعراف کی آیت (۸۸) میں حضرت شعیب علیہ السلام کی سرگزشت گزر چکی ہے- جب ان کی قوم کے سرکشوں نے کہا ''اگر تم اور تمہارے ساتھی ہماری ملت میں پھر لوٹ نہ آئے تو ہم ضرور تمہیں اپنی بستی سے جلا وطن کر دیں گے'' تو انہوں نے جواب میں کہا ''اولو کنا کارھین ؟'' اگر تمہارے مذہب پر ہمارا دل مطمئن نہ ہو تو کیا جبراً اسے مان لیں؟

اسلام اور اس کے منکروں میں جو نزاع شروع ہوئی وہ بھی تمام تر یہی تھی- قرآن کہتا تھا- میری راہ تبلیغ و تذکیر کی ہے- مخالف کہتے تھے- ہماری راہ جبر و تشدد کی ہے- قرآن کہتا تھا اگر میری بات سمجھ میں آئے تو مان لو- نہ سمجھ میں آئے تو ماننے والوں کو ان کی راہ چلنے دو- وہ کہتے تھے- ہماری بات تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے تمہیں ماننی ہی چاہیے- نہیں مانو گے تو جبراً منوائیں گے-

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے اس آیت میں اور اس کی ہم معنی آیات میں جو بات کہہ دی ہے اگر دنیا اسے سمجھ لیتی تو نوع انسانی کی وہ تمام خوں ریزیاں جو فکر و عمل کے اختلاف سے پیدا ہوئیں یک قلم ختم ہو جاتیں اور آج کل بھی جس قدر جھگڑے ہو رہے ہیں وہ سب ختم ہو جائیں- غور کرو سارے جھگڑوں کی اصلی بنا کیا ہے؟ یہی ہے کہ لوگ ''تذکیر'' اور ''توکیل'' میں فرق نہیں کرتے اور قرآن کہتا ہے دونوں میں فرق کرو- تذکیر کی راہ یہ ہوئی کہ جو بات ٹھیک سمجھتے ہو اس کی دوسروں کو بھی ترغیب دو مگر صرف ترغیب دو- اس سے آگے نہ بڑھو- یعنی یہ بات نہ بھول جاؤ کہ پسند کرنے نہ کرنے کا حق دوسروں کو ہے- تم اس کے لیے ذمہ دار نہیں ہو- ''توکیل'' یہ ہوئی کہ ڈنڈا لے کر کھڑے ہو جاؤ اور جو کوئی تم سے متفق نہ ہو اس کے پیچھے پڑ جاؤ- گویا خدا نے تمہیں لوگوں کی ہدایت و گمراہی کا ٹھیکیدار بنا دیا ہے- جب قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ خدا کے رسولوں کا منصب بھی تذکیر و تبلیغ کے اندر محدود تھا حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے مامور تھے تو پھر ظاہر ہے کسی دوسرے انسان کے لیے وہ کب گوارا کر سکتا ہے کہ وکیل مصیطر اور جبار بن جائے؟

دراصل اعمال انسانی کے تمام گوشوں میں اصلی سوال حدود ہی کا ہے اور ہر جگہ انسان نے اسی میں ٹھوکر کھائی ہے- یعنی ہر بات کی جو حد ہے اس کے اندر نہیں رہنا چاہتا- دو حق ہیں اور دونوں کو اپنی اپنی حدوں کے اندر رہنا چاہیے- ایک حق تذکیر و تبلیغ کا ہے- ایک پسند و قبولیت کا- ہر انسان کو اس کا حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھتا ہے اسے دوسروں کو بھی سجھائے لیکن اس کا حق نہیں ہے کہ دوسروں کے حق سے انکار کر دے- یعنی یہ بات بھلا دے کہ جس طرح اسے ایک بات کے ماننے نہ ماننے کا حق ہے- ویسا ہی دوسرے کو بھی ماننے نہ ماننے کا حق ہے- اور ایک فرد دوسرے کے لیے ذمہ دار نہیں-

ہم نے یہاں جس بات کو ''حق'' سے تعبیر کیا ہے قرآن اسے ہر انسان کا ''فرض'' قرار دیتا ہے- یعنی وہ کہتا ہے جس بات کو تم سچ سمجھتے ہو تمہارا فرض ہے کہ اسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ- اگر اس میں کوتاہی کرو گے تو خدا کے آگے جوابدہ ہو گے- لیکن ساتھ ہی یاد رکھو کہ فرض تذکیر و تبلیغ کا ہے- توکیل و اجبار کا نہیں ہے اور جوابدہی اس میں ہے کہ تم نے تبلیغ کی یا نہیں- اس میں نہیں ہے کہ دوسروں نے مانا یا نہیں مانا- سورۂ اعراف کی آیت (۱۶۴) میں پڑھ چکے ہو کہ جو لوگ اصحاب سبت کو نصیحت کرتے تھے انہوں نے کہا تھا ''**معذرة الى ربكم ولعلهم يتقون**'' ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی سرکشی حد سے گزر چکی ہے لیکن یہ جاننے پر بھی نصیحت کیے جاتے ہیں- تاکہ خدا کے سامنے کہہ سکیں ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا اور اس خیال سے بھی کہ کون جانتا ہے؟ شاید باز آ جائیں-

غور کرو قرآن نے کس درجہ صحت و عدالت کے ساتھ معاملہ کے دونوں پہلوؤں کی حفاظت کی ہے اور پھر ان کی حد بندیوں کا خط کھینچ دیا ہے؟ اس نے ایک طرف تذکیر و دعوت پر زور دیا تاکہ حق کی طلب و قیام کی روح افسردہ نہ ہو- دوسری طرف انسان کی شخصی آزادی بھی محفوظ

کردی کہ جبر وتشدد بے جا مداخلت نہ کر سکے-حد بندی کا یہی خط ہے جو یہاں صحت واعتدال کی حالت قائم رکھتا ہے-اسے اپنی جگہ سے ادھر ادھر کر دو دونوں میں سے کوئی بات ضرور غلط ہو جائے گی-اگر دعوت وتذکیر کا قدم آگے بڑھے گا' اعتقاد وفکر کی شخصی آزادی باقی نہیں رہے گی-اگر شخصی آزادی کے مطالبہ میں بڑھ جاؤ گے-حق وعدالت کے طلب وقیام کا نظم مختل ہو جائے گا-

قرآن کی بہت سی باتوں کی طرح اس بات کے سمجھنے میں بھی دنیا نے بہت دیر لگائی اور تاریخ کو بارہ صدیوں تک اس بات کا انتظار کرنا پڑا کہ ایک انسان دوسرے انسان کو محض اختلاف عقائد کی بنا پر ذبح نہ کرے اور اتنی بات سمجھ لے کہ ''تذکیر'' اور ''توکیل'' میں فرق ہے-اب ڈیڑھ سو برس سے یہ بات دنیا کے عقلی مسلمات میں سے سمجھی جاتی ہے لیکن اسے معلوم نہیں کہ اس کے اعلان کی تاریخ امریکہ اور فرانس کے اعلان حقوق انسانی سے شروع نہیں ہوئی ہے-اس سے بارہ سو برس پہلے شروع ہو چکی تھی-

() مسلمانوں نے بھی قرآن کی یہ تعلیم پس پشت ڈال دی-اگر انہوں نے یہ بات نہ بھلائی ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ مختلف مذہبی فرقہ بندیاں پیدا ہوتیں اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے محض اختلاف عقائد کی بنا پر دست وگریباں ہو جاتا-

(۴۶) اس سورت کے بعض مقامات کی ضروری تشریحات رہ گئی ہیں-وہ یہاں درج کر دی جاتی ہیں:

(۱) کائنات کا چھ ایام میں پیدا ہونا:

آیت (۳) میں فرمایا تمہارا پروردگار وہی ہے جس نے آسمان وزمین چھ ایام میں بنائے-یہی بات سورۂ اعراف کی آیت (۵۴) میں گزر چکی ہے اور اس کے نوٹ میں چھ ''ایام'' کا مطلب واضح کر دیا گیا ہے-یہاں ہم چاہتے ہیں وہ تمام اشارات جمع دیں جو آسمان وزمین کی ابتدائی پیدائش کے بارے میں جابجا کیے گئے ہیں:

(۱) آسمان وزمین کی پیدائش ایک ایسے مادہ سے ہوئی ہے جسے قرآن ''دخان'' کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے: ﴿ **ثم استوی الی السماء وھی دخان** ﴾ (۴۱:۱۱) ''دخان'' کے معنی دھوئیں کے ہیں-یا ایسی بھاپ کے جو اوپر چڑھی ہوئی ہو-

(۲) یہ مادۂ دخانیہ ابتدا میں ملا ہوا تھا-الگ الگ نہ تھا-پھر اس کے مختلف حصے ایک دوسرے سے جدا کر دیے گئے اور ان سے اجرام سماویہ کی پیدائش ظہور میں آئی: ﴿ **ان السماوات والارض کانتا رتقا' ففتقناھما** ﴾ (۲۱:۳۰)

(۳) یہ تمام کائنات بیک دفعہ ظہور میں نہیں آ گئی-بلکہ تخلیق کے مختلف دور یکے بعد دیگرے طاری ہوئے-یہ دور چھ تھے جیسا کہ آیت زیر بحث میں ہے-

(۴) سات ستاروں کی تکمیل دو دوروں میں ہوئی: ﴿ **فقضاھن سبع سماوات فی یومین** (۴۱:۱۲)

(۵) زمین کی پیدائش دو دوروں میں ہوئی: **قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له اندادا' ذلك رب العالمین** ﴾ (۴۱:۹)

(۶) زمین کی سطح کی درستی اور پہاڑوں کی نمود اور قوت نشوونما کی تکمیل بھی دو دوروں میں ہوئی' اور اس طرح یہ چار دور ہوئے:

﴿ **وجعل فیھا رواسی من فوقھا' وبارك فیھا' و قدرفیھا اقواتھا فی اربعة ایام سواء للسائلین** ﴾ (۴۱:۱۰)

(۷) تمام اجسام حیہ (یعنی نباتات وحیوانات) کی پیدائش پانی سے ہوئی: ﴿ **و جعلنا من الماء کل شی حی** ﴾ (۲۱:۳)

(۸) انسان کے وجود پر بھی یکے بعد دیگرے مختلف حالتیں گزری ہیں: ﴿ **وخلقکم اطوارا** ﴾ (۷۱:۱۴)

ان تمام اشارات کا ماحصل بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں مادۂ دخانی تھا- پھر اس میں انقسام ہوا- یعنی بہت سے ٹکڑے ہو گئے- پھر ہر ٹکڑے نے ایک کرہ کی شکل اختیار کر لی اور اسی کے ایک ٹکڑے سے زمین بنی- پھر زمین میں کوئی ایسی تبدیلی واقع ہوئی کہ دخانیت نے مائیت کی شکل اختیار کر لی- یعنی پانی پیدا ہو گیا- پھر خشکی کے قطعات درست ہوئے- پھر پہاڑوں کے سلسلے نمایاں ہوئے- پھر زندگی کا نمو شروع ہوا اور نباتات ظہور میں آ گئیں-

موجودہ زمانہ میں اجرام سماویہ کی ابتدائی تخلیق اور کرۂ ارضی کی ابتدائی نشو ونما کے جو نظریے تسلیم کر لیے گئے ہیں یہ اشارات بظاہر ان کی تائید کرتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان بنیادوں پر شرح وتفصیل کی بڑی بڑی عمارتیں اٹھا سکتے ہیں- لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا- یہ نظریے کتنے ہی مستند تسلیم کر لیے گئے ہوں لیکن پھر نظریے ہیں- اور نظریات جزم ویقین کے ساتھ حقیقت کا فیصلہ نہیں کر سکتے- پھر اس سے کیا فائدہ کہ ان کی روشنی میں قرآن کے مجمل اور محتمل اشارات کی تفسیر کی جائے- فرض کرو آج ہم نے دخان اور دخان کے انقسام کا مطلب اسی روشنی میں آراستہ کر دیا جو وقت کے نظریوں میں تسلیم کیا جاتا ہے لیکن کل کو کیا کریں گے اگر ان نظریوں کی جگہ دوسرے نظریے پیدا ہو گئے؟ صاف بات یہی ہے کہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت ہم اپنے علم وادراک کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تخلیق عالم کی شرح وتحقیق نہیں ہے- خدا کی قدرت وحکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے-

یاد رہے کہ پیدائش عالم کے بارے میں مفسرین نے بہت سی روایات نقل کر دی ہیں جن کی صحت ثابت نہیں اور جو تمام تر یہودیوں کے قصص وروایات سے ماخوذ ہیں- صحیح مسلم کی حدیث "خلق الله التربة یوم السبت...... الخ" کی نسبت بھی محققین نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اس کا رفع مشکوک ہے اور غالباً کعب احبار سے مروی ہے- حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں اقوال جمع کر دیے ہیں-

(ب) منازل قمر:

آیت (۵) میں فرمایا ﴿ وقدره منازل ﴾ یعنی چاند کے لیے یکے بعد دیگرے وارد ہونے کی منزلیں اندازہ کر کے ٹھہرا دیں- سورۂ یاسین کی آیت (۳۹) میں بھی ان منزلوں کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿ والقمر قدرنه منازل حتی عاد كالعرجون القديم ﴾ پس مختصراً ان منازل کا مطلب سمجھ لینا چاہیے-

چاند زمین کے گرد گردش میں رہتا ہے اور اپنی گردش کے فلک کو ۲۷ دن ۷ گھنٹوں اور ۴۳ منٹوں میں قطع کر لیتا ہے- اس دور کو علمائے ہیئت چاند کے نجومی دور سے یا نجومی مہینے سے تعبیر کرتے ہیں- کیونکہ اس دور کے ختم ہونے پر چاند پھر اسی ستارہ کے قریب دکھائی دیتا ہے جس کے پاس سے اس کی گردش شروع ہوئی تھی- نیز اپنی گردش کی ہر رات میں کسی نہ کسی ستارہ یا ستاروں کے مجموعہ کے پاس ضرور پہنچ جاتا ہے اور وہ گویا اس کی گردش کے لیے ہر روز کی ایک منزل بن گیا ہے- وہ ہمیشہ ایک خاص منزل سے سفر شروع کرتا ہے' ہر روز کی مقررہ منزل میں نمایاں ہوتا ہے اور پھر وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں سے زمین کا طواف شروع کیا تھا-

اس طرح ۲۷ دن اور ۷ گھنٹے کی مدت نے ۲۸ منزلیں بنا دیں- جب ہم ۳۶۰ کے درجوں کو (جو کامل دور کی مقررہ مقدار ہے) ۲۸ راتوں پر تقسیم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ چاند ہر روز تقریباً ۱۳ درجہ مسافت اپنے فلک کی طے کر لیا کرتا ہے- ''تقریباً'' اس لیے کہا گیا کہ حساب میں کچھ دقیقے زیادہ ہوتے ہیں-

انسان کی نگاہ کے لیے آسمان کی کوئی چیز بھی اس درجہ نمایاں اور پر کشش نہیں جس قدر سورج اور چاند کا طلوع وغروب ہے- کیونکہ انہی

دو ستاروں نے بغیر کسی کاوش اور پیچیدگی کے اسے اوقات شماری کا راز بتلا دیا- اس نے دیکھا کہ سورج نکلتا ہے اور پھر گھٹتے گھٹتے چھپ جاتا ہے- پس اسے یہ اندازہ مقرر کر لینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ یہ ایک معین وقت ہے جس میں کبھی خلل واقع نہیں ہو سکتا اور اسے ایک دن ٹھہرا لینا چاہیے- پھر اس نے چاند کو دیکھا اور فوراً معلوم کر لیا کہ اس کے طلوع و غروب کا بھی ایک خاص اندازہ مقرر ہے وہ ایک خاص زمانہ تک دکھائی دیتا ہے پھر غائب ہو جاتا ہے اور پھر نمایاں ہو کر بڑھنے گھٹنے لگتا ہے- پس اوقات شماری کا دوسرا اندازہ بھی اسے معلوم ہو گیا اور اس نے چاند کے چھپنے اور نکلنے کی مدت کو مہینہ ٹھہرا دیا- یہی مطالعہ جب آگے بڑھا تو معلوم ہوا ہر رات چاند آسمان کے کسی نہ کسی ستارہ کے پاس دکھائی دیتا ہے اور یہ نظارہ ایسا ہے جس میں کبھی فرق نہیں پڑتا- پس ان ستاروں سے اس کی روزانہ منزلیں بن گئیں اور ہر منزل کے لیے کسی خاص مناسبت سے ایک نام تجویز کر دیا گیا-

معلوم ہوتا ہے مطالعہ اور ضرورت کی یکساں حالت نے مختلف قوموں کو اس نتیجہ تک پہنچا دیا تھا- چنانچہ ہندوستان میں ان منازل کے لیے نچھتر کا لفظ اختیار کیا گیا' اور ستائیس نچھتر قرار دیے گئے جو'' اسونی'' سے شروع ہوتے اور'' ریوتی'' پر ختم ہوتے ہیں- چینیوں نے بھی اٹھائیس منزلیں بنائی تھیں اور اسے'' سیو'' [1] کہتے تھے- بابل و اشور کے باشندوں نے شاید سب سے پہلے اس کا سراغ لگایا- اور مجوسیوں کی ایک مذہبی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی بھی اس سے بے خبر نہ تھے- [2]

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عرب جاہلیت نے مجاور قوموں سے یہ حساب معلوم کیا یا بطور خود اس نتیجہ تک پہنچے تھے لیکن یہ قاعدہ ان میں رائج ضرور تھا اور اسے چاند کی منزلوں سے تعبیر کرتے تھے- حکمائے اسلام نے ان منزلوں کو بطلیموس کے نقشہ مندرجہ مجسطی سے تطبیق دی تھی [3] اور علمائے یورپ نے زمانہ حال کے اسماء و علائم سے تطبیق دی ہے- ان منزلوں کے عربی نام حسب ذیل ہیں:

الشرطان- البطین- الثریا- الدبران- الهقعه- الهنعه- الذراع- النثره- الطرف- الجَبهه- الزُّهره- الصرفه- العوّاء- السماك الاعزل- الغفر- الزُّبانی- الاِکلیل- القلب- الشوله- النعائم- البلده- سعدُ الذابح- سعدبلع- سعدالسعود- سعدالاخبیه- الفرغ الاول- الفرغ الثانی- بطن الحوت-

الفرغ الاول اور ثانی کے لیے فرغ الدلو المقدم اور فرغ الدلو الموخر کے نام بھی ملتے ہیں' اور بطن الحوت کو الرشاء بھی کہتے ہیں-

(ج) قرآن اور آخرت کی زندگی:

ادیان عالم کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی - اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی میں جیسے کچھ اعمال ہوں گے ویسے ہی نتائج دوسری زندگی میں پیش آئیں گے- قرآن میں بھی ایمان باللہ کا ایک بنیادی عقیدہ یہی مسئلہ ہے- البتہ اس نے جو تعبیر اختیار کی ہے وہ پیروان مذاہب کے عام تصور سے مختلف ہے- وہ اس گوشہ کو کائنات ہستی کے عالمگیر قوانین خلقت سے الگ نہیں قرار دیتا بلکہ اسی کے ماتحت لاتا ہے- وہ کہتا ہے جس طرح دنیا میں ہر چیز کے خواص اور ہر حادثہ کے نتائج ہیں- ٹھیک اسی طرح انسانی اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں اور یہاں مادیات کی طرح معنویات کے قوانین بھی کام کر رہے ہیں- پس اچھے عمل کا

---

[1] لاطینی حروف میں اسے یوں ادا کیا ہے: Siu [2] یعنی کتاب'' بون دہش'' جو ان کتابوں میں سے ہے جو ہندوستان کے پارسیوں سے دستیاب ہوئیں-

[3] عبدالرحمٰن الصوفی نے کتاب الکواکب والصور میں اور بیرونی نے آثار الباقیہ میں انہیں ضبط کیا ہے- قزوینی کی عجائب المخلوقات میں بھی اس کی تفصیل ملتی ہے لیکن ناقص ہے-

نتیجہ اچھائی ہوگا- برے عمل کا نتیجہ برائی- (اس مقام کی تفصیل تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث ''الدین'' میں گزر چکی ہے)-

یہ اچھے برے نتائج کس شکل میں پیش آئیں گے؟ قرآن کہتا ہے نیک عمل انسان اصحاب جنت ہیں- ان کے لیے بہشتی زندگی کی خوشحالیاں ہوں گی اور لقائے الٰہی کی دائمی نعمت- بدعمل انسان اصحاب دوزخ ہیں- ان کے لیے دوزخی زندگی کی بدحالیاں ہوں گی اور نعمت اخروی سے محرومی- پھر دونوں طرح کی زندگیوں کے احوال وواردات ہیں جنہیں جابجا مختلف اسلوبوں میں بیان کیا گیا ہے-

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

اس بارے میں ہم اپنی عقل سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے- کیونکہ یہ عالم ہمارے ادراک کی سرحد سے باہر ہے- جس مقام کا ہم ادراک نہیں کر سکتے وہاں کے حالات کی نسبت حکم کیسے لگائیں؟ اگر لگائیں گے تو یہ ظن وگمان ہوگا اور ظن سے یقین پیدا نہیں ہو سکتا-

لیکن پھر اس پر ہم یقین کیوں کریں؟

اس لیے کہ ہم وجدانی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ سرحد محسوسات سے ماورا بھی ایک حقیقت موجود ہے اور اگر اس حقیقت سے انکار کر دیں تو کائنات ہستی کے مسئلہ کا کوئی حل باقی نہیں رہتا اور خود ہماری عقل کہتی ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے-

ہم دیکھتے ہیں کہ اگر اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی کا مبدء تسلیم نہیں کیا جاتا تو مسئلۂ ہستی کے سارے سوالات لاینحل ہو جاتے ہیں لیکن جونہی یہ نقطہ تسلیم کر لیا جاتا ہے معاً سارے سوالات حل ہو جاتے ہیں اور مجہولیت کی تاریکی کی جگہ عرفان وبصیرت کی روشنی ہر طرف نمایاں ہو جاتی ہے- پس ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ نقطہ بناوٹی نہیں ہے حقیقی ہے-

البتہ ایک بات بالکل واضح ہے- جب ہم عالم آخرت کے احوال وواردات سنتے ہیں تو قدرتی طور پر ان کی وہی شکل سامنے آ جاتی ہے جو اس زندگی کی محسوسات کے لحاظ سے ہو سکتی ہے- لیکن خود قرآن وسنت کی تصریحات نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ عالم آخرت کی باتوں کو اس دنیا کی باتوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہیے- مثلاً جب ہم سنتے ہیں کہ جہنم میں آگ ہوگی اور بہشت سے مقصود باغ ہے تو ہمارے سامنے آگ کی وہی شکل آ جاتی ہے جو ہمارے چولھوں میں جلا کرتی ہے اور باغ کا وہی نقشہ کھنچ جاتا ہے جو اپنے مکان کے صحنوں میں اگایا کرتے ہیں- حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ عالم آخرت کی آگ اس دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہو سکتی' اور نہ وہاں کے باغ وچمن ہمارے لگائے ہوئے باغوں کی طرح ہوں گے- سورۂ سجدہ کی آیت (۱۷) میں ہے: ﴿ **فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرة اعین جزاء بما کانوا یعملون** ﴾ کوئی جان نہیں جانتی کہ اس کی نیک عملیوں کی جزا میں نگاہ کا کیسا سرور پردۂ غیب میں پوشیدہ ہے! اس سے معلوم ہوا کہ جنت کی راحت وسرور کی حقیقت کا ہم اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتے- ایک حدیث میں پیغمبر اسلام ﷺ نے جنت کی حقیقت یہ بتلائی ہے: ((**لا عین رات' ولا اذن سمعت' ولا خطر ببال احد بشر**)) (مسلم) نہ تو کسی آنکھ نے دیکھی' نہ کسی کان نے سنی' نہ کسی فرد بشر کے خیال میں گزری! حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنت کی نعمتیں دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں- بجز اس کے کہ نام میں مشارکت ہے- (ابن کثیر) باقی رہی یہ بات کہ اگر عالم آخرت کے یہ معالات دنیا کے معاملات کے مثل نہیں ہوں گے' تو پھر ان کی حقیقت کیسی ہوگی؟ تو اس بارے میں ہماری عقلی کاوش کچھ معلوم نہیں کر سکتی-

اصل یہ ہے کہ مادی زندگی کے احساسات ومفہومات کی زنجیروں میں ہم کچھ اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ ان سے آزاد ہو کر جمال حقیقت کا تصور ہی نہیں کر سکتے- پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ جو کچھ بتلا دیا گیا ہے اس پر یقین کریں اور جو کچھ نہیں پا سکتے اس کی کاوش میں

سرگرداں نہ ہوں-اگر سرگرداں ہوں گے تو حقیقت کا سراغ تو نہیں ملے گا-البتہ نئے نئے وہموں اور گمانوں میں مبتلا ہو جائیں گے:

اے بروں از وہم و قال و قیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من!

قرآن نے اسی لیے مطالب وحی کی دو قسمیں ٹھہرا دی ہیں-محکمات اور متشابہات-متشابہات کی نسبت فرما دیا ہے کہ اس کی حقیقت انسان نہیں پا سکتا: ﴿ لا یعلم تاویله الا الله ﴾ (۳:۷) یہ اور اس طرح کے تمام معاملات جو عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی ماورائے محسوسات ہیں متشابہات کی قسم میں داخل ہیں-اور قرآن کہتا ہے جو علم میں کامل ہیں وہ ان کی کاوش میں نہیں پڑتے بلکہ کہتے ہیں کہ ﴿ امنا به كلٌ من عند ربنا ، وما يذكر الا اولوا الالباب! ﴾ (۳:۷)

اس سلسلہ میں چند اور امور ہیں جو سمجھ لینے چاہییں:

لقائے الٰہی:

(۱) قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے آخرت کے معاملہ کو ہر جگہ ''لقائے الٰہی'' سے تعبیر کیا ہے-یعنی اللہ کے دیدار سے-چنانچہ تم جابجا اس طرح کی تعبیرات پاؤ گے ''جو لوگ لقائے الٰہی کی توقع رکھتے ہیں-''یعنی آخرت کی توقع رکھتے ہیں-یا ''جن لوگوں نے لقاء الٰہی سے انکار کیا''یعنی آخرت سے انکار کیا-وہ کہتا ہے مومن وہ ہے جو لقائے الٰہی کی طلب رکھتا ہے-کافر وہ ہے جو دنیوی زندگی ہی پر قانع ہو گیا اور لقائے الٰہی کی اس میں کوئی طلب نہیں-چنانچہ اس سورت کی آیت (۷) میں فرمایا ''جو لوگ ہماری ملاقات کے متوقع نہیں اور صرف دنیوی زندگی ہی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس کے خلاف ان کے دل میں کوئی خلش نہیں اٹھتی اور وہ کہ ہماری نشانیوں سے یک قلم غافل ہو گئے ہیں''-

پھر جابجا مومنوں کی نسبت فرمایا ہے کہ ان کی نگاہیں جمال الٰہی کا نظارہ کریں گی: ﴿ وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظره ﴾ (۷۵:۲۳) اور کافروں کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ اس نعمت سے محروم رہیں گے: ﴿ كلا انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون ﴾ (۸۳:۱۵) پس ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے آخرت کی زندگی اور اس کے نعائم کی جو حقیقت قرار دی ہے وہ کوئی ایسی بات ہے جس کا ماحصل لقائے الٰہی ہے اور عذاب آخرت کا معاملہ کوئی ایسا معاملہ ہے جسے وہ محجوب رہنے سے تعبیر کرتا ہے-

(۲) بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی نعمتوں میں ایک نعمت تو وہ ہے جسے وہ جنت کی زندگی سے تعبیر کرتا ہے اور ایک اس کے علاوہ بھی ہے-اس دوسری نعمت کو اس نے جابجا ''رضوان'' سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے یہ جنتی زندگی کی نعمت سے بھی بڑی نعمت ہوگی: ﴿ وعد الله المؤمنين والمؤمنات جنات تجرى من تحتها الانهار خالدين فيها ومساكن طيبة فى جنات عدن ورضوان من الله اكبر-ذلك هو الفوز العظيم ﴾ (۹:۷۲) ''رضوان'' سے مقصود اللہ کی خوشنودی کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے وہ کوئی ایسی نعمت ہے جس کے لیے بجز اس کے اور کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی تھی کہ اللہ کی کامل ترین رضامندی کی بخشش و نوال کہی جائے-

تناسخ:

(۳) ہندوستان میں آخرت کی زندگی اور جزا کے لیے آواگون (تناسخ) کا عقیدہ پیدا ہوا-قدیم ہندو مذہب اور پیروان بدھ اور جینی

تینوں اس میں متفق ہیں- قدیم مصریوں کے عقائد میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے اور بعض حکمائے یونان بھی اسی طرف گئے ہیں- چونکہ قرآن نے آخرت کے معاملہ کے لیے ''رجوع'' کی تعبیر اختیار کی ہے یعنی وہ ہرجگہ کہتا ہے '' والیہ ترجعون'' تم اسی طرف لوٹائے جاؤ گے اس لیے حال میں ایک تھیاسوفسٹ مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کا عقیدۂ آخرت بھی تناسخ کے مبدء پر مبنی ہے- وہ کہتے ہیں قرآن نے لوٹنے کی تعبیر اختیار کر کے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ زندگی بار بار ظہور میں آتی اور بار بار اصل مرکز کی طرف لوٹتی ہے- لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کا استنباط کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا- بلاشبہ قرآن نے آخرت کی زندگی کو لوٹنے سے تعبیر کیا ہے اور وہ اس معاملہ کو یوں قرار دیتا ہے گویا ہستی انسانی کہیں سے آئی ہے اور پھر اسی کی طرف لوٹے گی لیکن صرف اتنی ہی بات سے تناسخ ثابت نہیں ہو جاتا- فلسفیانہ تناسخ کی بنیاد روح کے رجوع پر نہیں بلکہ زندگی کے بار بار اعادۂ گردش پر ہے اور مذہبی تناسخ کی بنیاد یہ ہے کہ جزائے عمل کا معاملہ اسی اعادئے گردش سے مرتب ہوتا ہے اور وہ ظاہر ہے کہ قرآن میں ان دونوں عقیدوں کے لیے کوئی تصریح نہیں ملتی-

<u>ہدایت حواس و عقل اور اس سے استدلال:</u>

(د) آیت (۳۵) میں فرمایا: ﴿ **قل هل من شرکائکم من یهدی الی الحق؟قل الله یهدی للحق-افمن یهدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یهدی الا ان یُهدٰی؟ فما لکم کیف تحکمون!** ﴾ یعنی جن لوگوں کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے ان میں کوئی ہے جو ''حق'' کی طرف ''ہدایت'' کرتا ہو؟ یہ تو اللہ ہی کی ذات ہے جو حق کی راہ چلاتی ہے- اچھا تو پھر بتلاؤ جو ہستی حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے وہ اس کی حقدار ہے کہ اس کے پیچھے چلیں یا اس کے پیچھے چلنا چاہیے جو خود اس کی محتاج ہے کہ کوئی راہ سجھائے؟

یہ مقام قرآن کے مہمات دلائل میں سے ہے اور ضروری ہے کہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے- چونکہ اس آیت میں ''ہدایت'' اور ''حق'' کے الفاظ آئے ہیں اس لیے مفسرین نے خیال کیا ہدایت سے مقصود ہدایت وحی ہے اور حق سے مقصود دین حق اور فارسی و اردو کے تمام مترجموں نے بھی انہی کی پیروی کی- نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے استدلال کی ساری حقیقت مفقود ہو گئی اور آیت کا مطلب بھی کچھ سے کچھ ہو گیا- اس طرح کے تمام مقامات دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے کہ متاخرین کا معیار نظر و مطالعہ کیوں اس درجہ پست ہو گیا تھا کہ قرآن کے صاف و صریح مطالب سے بھی آشنا نہ ہو سکے؟ علاوہ بریں یہ ظاہر ہے کہ یہاں خطاب مشرکوں سے ہے جو سرے سے وحی و دین کے منکر تھے اور مقام استدلال کا ہے- پھر اگر ہدایت سے مقصود ہدایت وحی و دین ہو تو اس میں ان کے لیے دلیل کی بات کیا ہوئی؟ جب وہ وحی و دین کی ہدایت مانتے ہی نہ تھے تو پھر اسی ہدایت سے ان پر دلیل کیونکر لائی جا سکتی ہے؟ کم از کم اتنی ہی بات پر ان بزرگوں نے غور کر لیا ہوتا-

آیت کا اسلوب کہہ رہا ہے کہ یہاں پہلے ایک بات بطور ایک مسلمہ عقیدہ کے بیان کی گئی ہے جس سے مخاطب انکار نہیں کرتا یا نہیں کر سکتا- پھر جب اس کا مسلم ہونا واضح ہو گیا تو اسی کو بنا استدلال ٹھہرایا گیا- یعنی پہلے کہا گیا: ﴿ **هل من شرکائکم من یهدی الی الحق** ﴾ تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی رہنمائی کرتا ہو؟ پھر کہا گیا: ﴿ **قل الله یهدی للحق** ﴾ یعنی تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ وہ ہستی جو رہنمائے حق ہے وہ اللہ ہی کی ہستی ہے- پھر جب یہ مسلمہ واضح ہو گیا تو اس سے استدلال کیا گیا کہ ﴿ **افمن یهدی الی الحق احق ان یتبع** ﴾ پس ضروری ہے کہ یہاں ہدایت سے مقصود کوئی ایسی بات ہو جس سے مخاطبوں کو انکار کی مجال نہ تھی- اب اگر ہدایت کا مطلب ہدایت وحی و دین قرار دیا جاتا ہے تو سارا مطلب خبط ہو جاتا ہے- کیونکہ معلوم ہے کہ مخاطبوں کے لیے یہ مسلم بات نہیں ہو سکتی- وہ سرے سے وحی ہی کے منکر تھے-

اصل یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہ معلوم کرنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی کہ قرآن میں ہدایت کا لفظ کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اس کے مختلف مراتب واشکال کیا کیا ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ہدایت کا لفظ دیکھتے ہیں اسے ہدایت دین ہی پر محمول کر لیتے ہیں- اگر چہ مطلب ٹھیک نہ بیٹھتا ہو-

بہر حال یہاں ہدایت سے مقصود ہدایت وحی نہیں ہے بلکہ وجدان وحواس اور عقل کی ہدایت ہے- اور ''حق'' سے مقصود دین حق نہیں ہے بلکہ لغوی حق ہے- یعنی سچا راستہ- درست راستہ- قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جس طرح اللہ کی ربوبیت نے مخلوقات کو ان کے مناسب حال وجود عطا فرمایا ہے اسی طرح زندگی ومعیشت کی راہ میں ان کی ہدایت کا قدرتی سامان بھی کر دیا ہے- یہ ہدایت کیونکر ظہور میں آئی؟ اس طرح کہ ان میں وجدان وحواس کی قوتیں رکھ دی گئیں اور انسانوں کو وجدان وحواس کے ساتھ جوہر عقل سے بھی ممتاز کیا- چنانچہ اس مقام کی پوری تشریح تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث ہدایت میں گزر چکی ہے اور ﴿ ربنا الذی اعطی کل شیء خلقه ثم هدی ﴾(۲۰:۵۰) اور ﴿ الذی خلقنی فهو یهدین ﴾ (۲۶:۷۸) اور ﴿ الذی خلق فسوی والذی قدر فهدی ﴾ وغیرہا آیات میں ہدایت سے مقصود یہی ہدایت ہے-

پس یہاں فرمایا تم نے جن ہستیوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا ہے ان میں کوئی ہے جو زندگی ومعیشت کے ٹھیک راستہ پر انسان کو چلاتا ہو؟ یعنی جو دیکھنے' سننے' سمجھنے' بوجھنے کی قوتیں بخشتا ہو؟ پھر فرمایا تم جانتے ہو کہ یہ کوئی نہیں کر سکتا- یہ صرف اللہ ہی کی کارفرمائی ہے- کیونکہ مشرکوں کو اللہ کی ہستی اور اس کے خالق کل ہونے سے انکار نہیں تھا- البتہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں ان ہستیوں کی بھی پرستش کرنی چاہیے جو اللہ کے حضور مقرب ہیں اور جنہیں دنیا میں حکم وتصرف کی قوتیں حاصل ہو گئی ہیں- پھر جب یہ بات واضح ہو گئی تو فرمایا: جب تمہیں اس بات سے انکار نہیں تو غور کرو انسان کو پیروی اس کی کرنی چاہیے جو ہدایت کرنے والا ہے یا اس کی جو خود کسی دوسرے کی ہدایت کا محتاج ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟

عدم احاطہ علم اور تکذیب حقائق:

(ہ) آیت (۳۹) میں منکرین قرآن کی نسبت فرمایا: ﴿ بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه ولما یأتهم تاویله ﴾ آیت کا مطلب ترجمہ میں واضح ہو چکا ہے- یہاں دو باتوں کی مزید تشریح کر دی جاتی ہے:

اولاً قرآن نے بیک وقت دونوں باتوں کی مذمت کی ہے- اس کی بھی کہ بغیر علم وبصیرت کے کوئی بات مان لی جائے اور اس کی بھی کہ محض عدم ادراک کی بنا پر کوئی بات جھٹلا دی جائے- چنانچہ اسی سورت کی آیت (۳۶) میں گزر چکا ہے کہ منکرین حق علم ویقین کی روشنی سے محروم ہیں- ان کا سرمایہ اعتقاد محض ظن وگمان ہے- اور پھر اس آیت میں فرمایا کہ جس بات کا وہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے- اگر چہ بظاہر یہ دو باتیں الگ الگ معلوم ہوتی ہیں لیکن فی الحقیقت ایک ہی بات ہے اور دونوں کی بنیاد اسی ایک اصل عظیم پر ہے کہ نہ تو ظن وگمان کی بنا پر تصدیق کرنی چاہیے- نہ ظن وگمان کی بنا پر تکذیب کرنی چاہیے- جو کچھ کرنا چاہیے علم وبصیرت کی بنا پر کرنا چاہیے-

منکرین قرآن نے کون سی بات جھٹلائی تھی؟ یہ کہ انہی میں سے ایک آدمی پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہو- یہ بات انہیں عجیب معلوم ہوئی- اس لیے فوراً تکذیب پر آمادہ ہو گئے- قرآن کہتا ہے تمہارے ماننے اور تمہارے جھٹلانے دونوں کا مدار ظن وگمان پر ہے- تم جو باتیں مان رہے ہو ان کے لیے بھی تمہارے پاس کوئی علم نہیں اور جس بات کے جھٹلانے میں اس قدر جلدی کی اس کے لیے بھی تمہارے پاس کوئی

یقین نہیں- حالانکہ سچائی کی راہ یہ ہے کہ جو کچھ کرو علم و بصیرت کے ساتھ کرو- محض اٹکل پر نہ چلو- اگر ایک شخص علم کے ساتھ ایک بات پیش کر رہا ہے' اور جتنی باتیں کسی بات کی درستی اور معقولیت کی ہوسکتی ہیں سب اس کے ساتھ ہیں اور تمہارے پاس اس کے خلاف ظن و گمان کے سوا کچھ نہیں تو تمہارے لیے کیوں کر جائز ہوسکتا ہے کہ جھٹ جھٹلانے پر آمادہ ہو جاؤ؟ اس سے پہلے آیت (۳۶) میں یہی بات کہی جا چکی ہے کہ ﴿ ان الظن لایغنی من الحق شیئًا ﴾ تم ظن کی بنا پر یقین کی دعوت جھٹلاتے ہو- حالانکہ ظن کا بھروسہ انسان کو یقین سے مستغنی نہیں کرسکتا؟

اگر تم غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ انسان کی ساری فکری گمراہیوں کا اصلی سرچشمہ یہی بات ہے- یا تو وہ عقل و بینش سے اس قدر کورا ہو جاتا ہے کہ ہر بات بے سمجھے بوجھے مان لیتا ہے اور ہر راہ میں آنکھیں بند کیے چلتا رہتا ہے- یا پھر سمجھ بوجھ کا اس طرح غلط استعمال کرتا ہے کہ جہاں کوئی حقیقت اس کی شخصی سمجھ سے بالاتر ہوئی' اس نے فوراً جھٹلا دی- گویا حقیقت کے اثبات و وجود کا سارا دارومدار صرف اسی بات پر ہے کہ ایک خاص فرد کی سمجھ ادراک کرسکتی ہے یا نہیں- دونوں حالتیں علم و بصیرت کے خلاف ہیں اور دونوں کا نتیجہ عقل و بینش سے محرومی اور عقلی ترقی کا فقدان ہے-جس عقل و بصیرت کا تقاضہ یہ ہوا کہ حقیقت اور وہم میں امتیاز کریں وہی متقاضی ہوئی کہ کوئی بات محض اس لیے نہ جھٹلا دیں کہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے-عقل کا پہلا تقاضہ ہمیں وہم پرستی وجہل سے روکتا ہے- دوسرا شک والحاد سے-قرآن کہتا ہے' دونوں حالتیں یکساں طور پر جہل و کوری کی حالتیں ہیں اور اہل علم و عرفان وہ ہیں' جو نہ تو جہل و وہم کی راہ چلتے ہیں- نہ شک والحاد کی-

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دو صورتیں ہیں اور دونوں کا حکم ایک نہیں: ایک یہ کہ کوئی بات عقل کے خلاف ہو- ایک یہ کہ تمہاری عقل سے بالاتر ہو- بہت سی باتیں ایسی ہوسکتی ہیں جن کا تمہاری سمجھ احاطہ نہیں کرسکتی- لیکن تم یہ فیصلہ نہیں کر دے سکتے کہ وہ سرے سے خلاف عقل ہیں- اول تو تمام افراد کی عقلی قوت یکساں نہیں- ایک آدمی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتا- دوسرا باریک سے باریک نکتے حل کر لیتا ہے- ثانیاً' عقل انسانی برابر نشوونما کی حالت میں ہے- ایک عہد کی عقل جن باتوں کا ادراک نہیں کرسکتی- دوسرے عہد کے لیے وہ عقلی مسلمات بن جاتی ہیں- ثالثاً' انسانی عقل کا ادراک ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور عقل ہی کا فیصلہ ہے کہ حقیقت اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی-

اچھا اب مذہب کے میدان سے باہر قدم نکالو اور غور کرو قرآن نے ان چند لفظوں کے اندر جو بات کہہ دی ہے وہ انسانی علم و عقل کی تمام ترقیوں کے لیے کس طرح اصل واساس ثابت ہو رہی ہے؟ کون سی بات ہے جس نے علمی ترقی کے غیر محدود اور لانہایت امکانات کا دروازہ نوع انسانی کے سامنے کھول دیا اور علم و ادراک کی سیکڑوں ناممکن باتوں کو نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا؟ کیا یہی بات نہیں ہے کہ کسی بات کے احاطہ نہ کرسکنے سے اس کا انکار لازم نہیں آجاتا؟ اگر اصحاب علم وانکشافات نے اس بات سے انکار کر دیا ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ عقلی ترقیات کے قدم یہاں تک پہنچ سکتے اور آئندہ کے لیے اس قدر ممکنات سامنے آجاتے؟ بلاشبہ علم وانکشاف کے ہر عہد میں ایسی جلد باز طبیعتیں بھی ہوئیں جنہوں نے محض عدم ادراک کی بنا پر انکار کر دیا لیکن علم نے کچھ پروا نہ کی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کا سفر برابر جاری رہا اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کب تک اور کہاں تک جاری رہے گا-

ایک اور بات بھی یہاں سمجھ لینی چاہیے- جہاں تک عقل اور ماورائے عقل کی نزاع کا تعلق ہے قرآن کے بعد تین دور بحث و نظر کے گزر چکے ہیں- ایک دور حکما و متکلمین اسلام کا جنہوں نے عقلی طریقہ پر مذہبی عقائد کا اثبات کرنا چاہا- دوسرا یورپ کے نشاۃ ثانیہ[1] کا جب اسی طرح مسیحی علم کلام مرتب کیا گیا- تیسرا علوم عصریہ کا جس نے بحث و نظر کے تمام گوشوں میں ایک نئی روح پیدا کر دی- تاہم یہ واقعہ ہے کہ

---

[1] Renaissa nce

قرآن نے یہاں سیدھے سادھے لفظوں میں جو بات کہہ دی ہے اس پر کوئی اضافہ نہ ہوسکا - بلاشبہ بحث ونظر کی کاوشیں دور دور تک گئیں لیکن ہمیشہ ناکامیاب ہوئیں اور ہمیشہ اصحاب عرفان وتحقیق کو اقرار کرنا پڑا کہ اس سے بہتر اور فیصلہ کن بات اور کوئی نہیں کہی جاسکتی-

یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے اور تفصیل اس کی مقدمہ میں ملے گی-

(۲) حقیقت ''تاویل'' مستعملہ قرآن:

عربی میں ''تاویل'' کے معنی کسی بات کے نتیجہ اور مآل کے ہیں اور چونکہ الفاظ کے معانی بھی ان کی دلالت کا مآل ومصداق ہوتے ہیں اس لیے مطالب ومعانی پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا-لیکن قرآن نے یہ لفظ ہرجگہ لغوی معنی میں استعمال کیا ہے- چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت (۷) اور اعراف کی (۵۳) میں بھی یہ لفظ گزر چکا ہے اور اس آیت میں بھی استعمال ہوا ہے-

لیکن بعد کو جب تفسیر وکلام کے مختلف مذاہب پیدا ہوئے تو ''تاویل'' کا لفظ ایک خاص مصطلحہ معنی میں بولا جانے لگا-یعنی کسی لفظ کا ایسا مطلب ٹھہرانا جو اس کے ظاہری مدلول سے ہٹا ہوا ہو- مثلاً قرآن میں ید الله کا لفظ آیا ہے-یعنی خدا کا ہاتھ، اور یہ تنزیہہ کے خلاف ہے کہ خدا کا ہاتھ ہو اس لیے ہاتھ کی جگہ اس کا کوئی دوسرا مطلب لینا - پھر اس کے مختلف مراتب واقسام ٹھہرائے گئے اور مذہب تاویل وتفویض کی نزاعیں برپا ہوئیں- چونکہ متاخرین کے دماغوں میں یہ مصطلحات بسی ہوئی ہیں اس لیے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے بھی وہ ان کے اثر سے باہر نہیں جاسکتے - چنانچہ قرآن کے لغوی ''تاویل'' کو بھی انہوں نے مصطلحات کلامیہ کا مصطلحہ ''تاویل'' سمجھ لیا اور اس پر بحث واستدلال کی عمارتیں اٹھانے لگے-تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر پڑھو اور پھر غور کرو کہ تفسیر قرآن کی راہ میں کیسے کیسے الجھاؤ ڈال دیے گئے ہیں اور اصل حقیقت کس طرح مستور ہوگئی ہے-

تفسیر لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون:

(د) قرآن نے ایمان اور اہل ایمان کی نسبت جو کچھ کہا ہے اس میں کوئی بات بھی اس قدر نمایاں نہیں ہے جس قدر یہ کہ ﴿ **لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون** ﴾ خوف اور غم دونوں سے وہ محفوظ ہوجائیں گے- چنانچہ اس سورت کی آیت (۶۲) میں بھی یہی بات فرمائی ہے-غور کرنا چاہیے کہ قرآن نے اس وصف پر کیوں اس قدر زور دیا؟

حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کی سعادت کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا- اس کی شقاوت کی ساری سرگزشت انہی دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے: خوف اور دکھ- جونہی ان دو باتوں سے اسے رہائی مل گئی اس کی ساری سعادتیں اس کے قبضے میں آگئیں- زندگی کے جتنے بھی کانٹے ہوسکتے ہیں سب کو ایک ایک کرکے چنو اور دیکھو، خواہ جسم میں چبھتے ہوں، خواہ دماغ میں، خواہ موجودہ زندگی کی عافیت میں خلل ڈالتے ہوں، خواہ آخرت کی تم دیکھو گے کہ ان دو باتوں سے باہر نہیں ہیں - یا خوف کا کانٹا ہے یا غم کا- قرآن کہتا ہے ایمان کی راہ سعادت کی راہ ہے- جس کے قدم اس راہ میں جم گئے اس کے لیے دونوں کانٹے بے اثر ہوجاتے ہیں- اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی!

قرآن نے یہی حقیقت دوسرے پیرایوں میں بھی بیان کی ہے- مثلاً آخری پارہ میں سورۂ عصر اسی حقیقت کا اعلان ہے-

❋ ❋ ❋

اٰيَاتُهَا : 123 سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا : 10

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝١ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ
مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝٢ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝٣ اِلَى
اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٤ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ

الف-لام-را-

یہ کتاب ہے جس کی آیتیں (اپنے مطالب ودلائل میں) مضبوط کی گئیں پھر کھول کھول کر واضح کر دی گئیں-یہ اس کی طرف سے ہے جو حکمت والا (اور ساتھ ہی) ساری باتوں کی خبر رکھنے والا ہے!(۱) (اس کا اعلان کیا ہے؟) یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو-یقین کرو میں اسی کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں!(۲)

اور یہ کہ اپنے پروردگار سے معافی کے طلب گار رہو اور اس کی طرف لوٹ جاؤ-(ایسا کرو گے تو) وہ تمہیں ایک وقت مقرر تک زندگی کے فوائد سے بہت اچھی طرح بہرہ مند کرے گا-اور (اپنے قانون کے مطابق) ہر زیادہ (عمل) کرنے والے کو اس کی سعی مزید کا اجر بھی دے گا-لیکن اگر تم نے روگردانی کی تو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک بڑا دن نمودار نہ ہو جائے-(۳)

تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے-اور اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں!(۴)

(اے پیغمبر!) تو سن رکھ کہ یہ لوگ اپنے سینوں کو لپیٹے ہیں کہ اللہ سے چھپیں (یعنی اپنے دل کی باتیں چھپا کر رکھتے ہیں)

---

(۱) یہ سورت بھی مکی ہے اور گو خطاب عامہ منکرین سے ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ مشرکین عرب مخاطب ہیں-

(۲) قرآن نے گزشتہ دعوتوں، گزشتہ قوموں اور گزشتہ ایام ووقائع کا جابجا ذکر کیا ہے اور ہر جگہ حسب مقام ایک خاص موعظت اور ایک خاص استدلال ہے-ازاں جملہ یہ سورت ہے جس میں حضرت نوح سے لے کر حضرت موسیٰ (علیہما السلام) تک تمام پچھلی دعوتوں کی سرگزشتیں بیان کی گئی ہیں-اور معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب بیان تاریخی ہے-یعنی جس دعوت کا ذکر جس دعوت کے بعد کیا گیا ہے، وہی اس کی تاریخی جگہ ہے-

اس موعظت میں سورۂ اعراف کے بعد سب سے بڑی سورت یہی ہے-

(۳) سب سے پہلے اس بات کا اعلان کیا ہے جو اول دن سے تمام دعوتوں کا عالمگیر اعلان رہا ہے یعنی:

(ا) اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو-

(ب) میں اس کی طرف سے مامور ہوں اور اس لیے مامور ہوں کہ تبشیر اور تنذیر کا فرض رسالت ادا کر دوں-یعنی انکار وسرکشی کے نتائج سے خبردار کر دوں-ایمان ونیک عملی کی کامرانیوں کی خوشخبری سنا دوں-

(ج) پس سرکشی سے باز آ جاؤ اور توبہ واستغفار کرو-اگر تم نے ایسا نہ کیا تو مجھے اندیشہ ہے تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے!

(۴) اس کے بعد فرمایا تمہارے اعمال کا ذرہ ذرہ اللہ کے سامنے ہے-اس کے علم سے جب ایک چیونٹی کا سوراخ بھی پوشیدہ نہیں تو انسان کے افکار واعمال کیونکر پوشیدہ رہ سکتے ہیں؟

اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ⑤ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ
كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ⑥ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ
عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ
لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ
مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا

مگر یادرکھ(انسان کی کوئی بات بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں) یہ جب اپنے سارے کپڑے اپنے اوپر ڈال لیتے ہیں تو اس وقت بھی چھپ نہیں سکتے- جو کچھ یہ چھپا کر کریں اور جو کچھ کھلم کھلا کریں سب اللہ کو معلوم ہے- وہ تو سینوں کے اندر کا بھید جاننے والا ہے!(۵)

اور زمین میں چلنے والا کوئی جانور نہیں ہے جس کی روزی کا انتظام اللہ پر نہ ہو اور وہ نہ جانتا ہو کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے اور وہ جگہ کہاں ہے جہاں بالآخر اس کا وجود سونپ دیا جائے گا؟ یہ سب کچھ(علم الٰہی کی) کتاب میں مندرج ہے-(۶)

اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا اور اس کے تخت(حکومت) کی فرماں روائی پانی پر تھی- اور اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائش میں ڈالے اور یہ بات ظاہر ہو جائے کہ کون عمل میں بہتر ہے- اور(اے پیغمبر!) اگر تو ان لوگوں سے کہے ''تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے'' تو جو لوگ منکر ہیں وہ ضرور بول اٹھیں ''یہ تو صریح جادو کی سی باتیں ہیں!''(۷)

اور اگر ان پر عذاب کا نازل کرنا ایک مقررہ مدت تک ہم تاخیر میں ڈال دیں تو یہ ضرور کہنے لگیں ''کون سی بات ہے جو اسے روک رہی ہے؟'' سو سن رکھو جس دن عذاب ان پر آئے گا تو پھر کسی کے ٹالے ٹلنے والا نہیں- اور جس بات کی یہ ہنسی اڑایا

---

(۵) غور کرو- قرآن کے ایک ایک لفظ میں کیسی دقیق مناسبتیں پوشیدہ ہوتی ہیں؟ سورت کی تمام موعظت کا مرکزی نقطہ جزائے عمل کا معاملہ ہے کیونکہ تمام دعوتوں نے اس کا اعلان کیا اور تمام جماعتوں پر یہ طاری ہوا- پس پہلی آیت میں قرآن کا صرف یہی وصف بیان کیا کہ ''احکمت ایاته'' اس کے مطالب مضبوط اور ثابت ہیں- یعنی اس کی کوئی بات ایسی نہیں جو کمزور اور کچی نکلے- پھر فرمایا ''من لدن حکیم خبیر'' اس کی طرف سے جو حکیم اور خبیر ہے- یعنی چونکہ وہ حکیم ہے اس لیے ضروری تھا کہ جزائے عمل کا قانون ظہور میں آئے- ساتھ ہی وہ خبیر بھی ہے اس لیے ممکن نہیں کہ کوئی عمل اس سے پوشیدہ رہ جائے اور جزائے عمل کا نفاذ ٹھیک ٹھیک نہ ہو-

چنانچہ آیت(۵) میں فرمایا یہ اپنے سینوں کے بھید چھپاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں-

(۶) آیت(۷) میں فرمایا اللہ کی حکومت پانی پر نافذ تھی- دوسری جگہ فرمایا ''کہ ہم نے تمام زندہ اجسام پانی سے پیدا کیے(۲۱:۳۰)'' اس سے معلوم ہوا کہ زمین پر ایک ابتدائی دور گزر چکا ہے جب کہ پانی تھا- یا ایسی چیز تھی جسے پانی سے تعبیر کیا گیا ہے اور قوانین الٰہی اس میں کام کر رہے تھے-

ع ۸ بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿٩﴾ وَلَئِنْ
اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۗ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿١٠﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ
صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١١﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى
اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۗ

کرتے تھے (تم دیکھو گے کہ) وہی انہیں آ لگی! (۸)

اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا مزہ چکھائیں (یعنی اسے ایک نعمت بخشیں) اور پھر اس سے وہ ہٹالیں تو (وہ ذرا بھی صبر نہیں کرسکتا) یک قلم مایوس اور ناشکرا ہوجاتا ہے- (۹) اور اگر اسے دکھ پہنچا ہو اور اس کے بعد راحت کا مزہ چکھادیں تو پھر (یک قلم غافل ہوجاتا ہے اور) کہتا ہے اب تو برائیاں مجھ سے دور ہوگئیں (اب کیا غم ہے) حقیقت یہ ہے کہ انسان (ذرا سی بات میں) خوش ہوجانے والا اور ڈینگیں مارنے والا ہے! (۱۰)

مگر ہاں! جو صبر کرتے ہیں اور نیک عملی کی راہ چلتے ہیں تو ان کا حال ایسا نہیں ہوتا- ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر! (۱۱)

پھر (اے پیغمبر!) کیا تو ایسا کرے گا کہ جو کچھ تجھ پر وحی کیا جاتا ہے اس میں سے کچھ باتیں چھوڑ دے گا اور اس کی وجہ سے دل تنگ رہے گا؟ اور یہ اس لیے کہ لوگ کہہ اٹھیں گے "اس آدمی پر کوئی خزانہ (آسمان سے) کیوں نہیں اتر آیا؟" یا "ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ آ کر کھڑا ہوجاتا؟" (نہیں تجھے تو دل تنگ نہیں ہونا چاہیے) تیرا مقام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کردینے والا ہے- (تجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں کہ لوگ تیری باتیں مان بھی لیں)

---

(۷) آیت (۹) میں فطرت انسانی کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر مصیبت پیش آتی ہے تو فوراً مایوس ہوجاتا ہے، راحت پیش آتی ہے تو بے پروا ہو کر ڈینگیں مارنے لگتا ہے- پھر آیت (۱۱) میں فرمایا' اس عام حالت سے وہ مستثنیٰ ہیں جن کے اندر صبر و ثبات کی روح پیدا ہوگئی ہے اور جنھوں نے نیک عملی کی راہ اختیار کی ہے- وہ نہ تو مصیبت میں مایوس ہونے والے ہیں اور نہ عیش و راحت میں غافل و ناشکر گزار-

یہاں یہ بات اس لیے بیان کی گئی کہ منکرین حق عذاب کی خبر سن کر ہنسی اڑاتے تھے اور مومنوں پر مصیبت کی گھڑیاں شاق گزرتی تھیں- پس فرمایا منکروں کی یہ حالت کوئی غیر معمولی حالت نہیں ہے- انسان خوش حالیوں میں پڑ کر اسی طرح غافل ہوجاتا ہے اور ڈینگیں مارنے لگتا ہے لیکن مومنوں کو چاہیے وقت کی مصیبتوں سے دل تنگ ہو کر مایوس نہ ہوجائیں-

(۸) دنیا میں ایک انسان کی زبان سے جتنی باتیں نکل سکتی ہیں ان میں کوئی بات بھی اس سے بڑھ کر بوجھل اور تھکا دینے والی نہیں کہ ایک آدمی ایک مطمئن اور خوش و خرم قوم کے سامنے آ کھڑا ہو اور اچانک اعلان کردے کہ "تمہاری ہلاکت کی گھڑی سر پر آ گئی- اگر سرکشی سے باز نہ آؤ گے تو نیست و نابود کردیے جاؤ گے" کتنا بڑا اور عجیب اعلان ہے؟ کتنی عظیم اس کی ذمہ داری ہے؟ اور کس درجہ مافوق انسانیت صبر و تحمل کی ضرورت ہے کہ وہ سب کچھ جھیل لیا جائے جو یہ اعلان سن کر لوگوں کی زبانوں سے نکلے گا؟

لیکن خدا کے رسولوں کو یہ بوجھ اٹھانا پڑا- کیونکہ وہ اس کے لیے مامور من اللہ تھے-

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ
وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي
الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

اور ہر چیز پر اللہ ہی نگہبان ہے۔ (۱۲)

پھر کیا یہ لوگ ایسا کہتے ہیں کہ اس آدمی نے قرآن اپنے جی سے گھڑ لیا ہے؟ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے "اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو اس طرح کی دس سورتیں گھڑی ہوئی بنا کر پیش کر دو، اور اللہ کے سوا جس کسی کو (اپنی مدد کے لیے) پکار سکتے ہو پکار لو"[1] (۱۳)

"پھر اگر (تمہارے ٹھہرائے ہوئے معبود) تمہاری پکار کا جواب نہ دیں (اور تم اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو) تو سمجھ لو کہ قرآن اللہ ہی کے علم سے اترا ہے اور یہ بات بھی سچ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اب بتلاؤ کیا تم یہ بات تسلیم کرتے ہو؟" (۱۴)

جو کوئی (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی دلفریبیاں ہی چاہتا ہے تو (ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون یہ ہے کہ) اس کی کوشش و عمل کے نتائج یہاں پورے پورے دے دیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ دنیا میں اس کے ساتھ کمی کی جائے۔ (۱۵) لیکن (یاد رکھو) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت (کی زندگی) میں (دوزخ کی) آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ جو کچھ انہوں نے یہاں بنایا ہے سب اکارت جائے گا اور جو کچھ کرتے رہے ہیں سب نابود ہونے والا ہے! (۱۶)

پھر دیکھو جو لوگ اپنے پروردگار کی جانب سے ایک روشن دلیل رکھتے ہوں (یعنی وجدان و عقل کا فیصلہ) اور اس کے ساتھ

یہی مرحلہ پیغمبر اسلام ﷺ کو بھی در پیش تھا۔ اسی لیے وحی الٰہی جا بجا اس بات پر زور دیتی ہے کہ لوگوں کی باتوں سے دل تنگ نہ ہو اور اعلان امر میں ذرا بھی تامل نہ کرو۔ چنانچہ آیت (۱۲) میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔

منکرین حق کہتے تھے۔ اگر خدا کے یہاں ایسی ہی تمہاری رسائی ہے تو کیوں نہیں کہتے' ایک خزانہ تم پر اتار دے یا فرشتے بھیج دے کہ تمہاری باتوں کی سب کے سامنے تصدیق کر دیں؟ فرمایا ان کے اس انکار و استہزا سے دل تنگ نہ ہو۔ کیونکہ تم تو صرف نذیر ہو۔ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو کہ ان کے مان لینے کے بھی ذمہ دار رہو۔

"نذیر" کی حیثیت پر زور دے کر یہ بات بھی واضح کر دی کہ پیغمبر اس لیے نہیں آتے کہ خزانے بانٹتے پھریں یا طرح طرح کے اچنبھے دکھائیں۔ ان کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کر دیں اور سچائی کی راہ دکھا دیں۔

(۹) کفار پیغمبر اسلام ﷺ کے اعلانات حق کی ہنسی اڑاتے تھے' اور جب قرآن سنایا جاتا تھا تو کہتے تھے۔ یہ تو تم نے اپنے جی سے گھڑ لیا ہے۔ آیت (۱۳) میں فرمایا اگر یہ گھڑی ہوئی بات ہے تو تم بھی ایسی ہی بات گھڑ کر بنا لاؤ اور اپنے بنائے ہوئے معبودوں سے دعائیں کرو کہ اس کام میں تمہاری مدد کریں۔

---

[1] یہ بات سورۂ بقرہ اور یونس میں بھی گزر چکی ہے اور آیندہ سورتوں میں بھی آئے گی۔ اس کی تشریح سورۂ اسرا' آیت (۸۸) کے نوٹ میں دیکھنی چاہیے۔

رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ
يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى
رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾
الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا

ہی ایک گواہ بھی اس کی طرف سے آ گیا ہو (یعنی اللہ کی وحی) اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی پیشوائی کرتی ہوئی اور سر تا پا رحمت آ چکی ہو (اور تصدیق کر رہی ہو تو کیا ایسے لوگ انکار کر سکتے ہیں؟ - نہیں) یہ لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور (ملک کے مختلف) گروہوں میں سے جو کوئی اس سے منکر ہوا تو یقین کرو (دوزخ کی) آگ ہی وہ ٹھکانا ہے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے- پس (اے پیغمبر!) تو اس کی نسبت کسی طرح کے شک میں نہ پڑیو (یعنی دعوت قرآن کی کامیابی کے بارے میں کسی طرح کا شک نہ کیجیو) وہ تیرے پروردگار کی جانب سے امر حق ہے- لیکن (ایسا ہی ہوتا ہے کہ) اکثر آدمی (سچائی پر) ایمان نہیں لاتے - (۱۷)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھے؟ جو ایسا کر رہے ہیں وہ اپنے پروردگار کے حضور پیش کیے جائیں گے' اور اس وقت گواہ گواہی دیں گے کہ "یہ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا-" (۱۸)

تو سن رکھو ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار اجو اللہ کی راہ سے اس کے بندوں کو روکتے ہیں اور چاہتے ہیں اس میں کجی پیدا کر دیں اور جو آخرت سے بھی منکر ہوئے! (۱۹) یہ لوگ نہ تو زمین میں (اللہ کو) عاجز کر دینے والے تھے نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی کارساز تھا- انہیں

اس کے بعد یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اگر انکار و سرکشی پر بھی انہیں دنیوی فوائد مل رہے ہیں تو صرف اتنی ہی بات دیکھ کر یہ مغرور نہ ہو جائیں اور نہ مومنوں کو چاہیے کہ اس پر متعجب ہوں- اللہ نے دنیا کے لیے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ رکھتا ہے اور جیسا کچھ عمل ہوتا ہے اسی کے مطابق نتیجہ بھی نکلتا ہے- اگر ایک انسان آخرت کی طرف سے غافل ہے اور صرف دنیوی زندگی ہی کا خواہشمند ہے جب بھی ایسا نہ ہوگا کہ اس کی سعی و طلب بے اثر ہو جائے- جیسی کچھ کوشش کرے گا، اس کے مطابق نتیجہ حاصل کر لے گا- اگر اچھی طرح ہل جوئے گا اور تخم ریزی کرے گا تو اچھی فصل پیدا ہو جائے گی- ادھورا کام کرے گا تو ادھورا نتیجہ نکلے گا- البتہ ایسے آدمی کے سارے کام اکارت گئے- آخرت کے لیے کچھ سودمند نہ ہوئے-

(۱۰) پھر آیت (۱۷) میں فرمایا جو لوگ اللہ کی طرف سے دلیل و حجت پر ہیں اور انہوں نے راہ حقیقت پا لی ہے وہ ان مغرورین دنیا کی طرح نہیں ہو سکتے- ان کی راہ ہدایت الٰہی کی راہ ہے اور ہدایت الٰہی کی کامیابی شک و شبہ سے بالاتر ہے-

پھر آیت (۱۸) میں فرمایا اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر افتراء کرے؟ یعنی مومن تو اللہ کی دلیل و حجت پر چلے اور منکر اللہ پر افتراء کر رہے ہیں- پس دونوں کی راہ ایک دوسرے سے متضاد ہوئی اور نتائج بھی متضاد ہوں گے- پہلے نے خدا کی بخشی ہوئی عقل سے کام لیا اور اس کی وحی پر ایمان لایا- دوسرے نے عقل و بصیرت سے انکار کیا اور خدا کی وحی جھٹلائی-

مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ‌ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الۡعَذَابُ‌ ؕ مَا كَانُوۡا
يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ السَّمۡعَ وَمَا كَانُوۡا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا
يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَاَخۡبَتُوۡۤا اِلٰى رَبِّهِمۡ ۙ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الۡـفَرِيۡقَيۡنِ كَالۡاَعۡمٰى وَالۡاَصَمِّ
وَالۡبَصِيۡرِ وَالسَّمِيۡعِ‌ ؕ هَلۡ يَسۡتَوِيٰنِ مَثَلًا ‌ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَلَـقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖۤ اِنِّىۡ لَـكُمۡ
نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۙ ﴿۲۵﴾ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ‌ ؕ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ اَ لِيۡمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ

وقف لازم ع ۲

دوگنا عذاب ہوگا - (کیونکہ ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی ایسی تھی کہ) نہ تو حق بات سن سکتے تھے نہ (حقیقت کی روشنی پر) نظر تھی!

یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانیں تباہی میں ڈالیں اور زندگی میں جو کچھ (حق کے خلاف) افترا پردازیاں کرتے رہے وہ سب (آخرت میں) ان سے کھوئی گئیں! (۲۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں سب سے زیادہ تباہ حال ہوں گے - (۲۲)

لیکن جو لوگ ایمان لائے، نیک کام کیے اور اپنے پروردگار کی طرف قرار پکڑ لیا تو وہ جنت والے ہیں - جنت کی (کامرانیوں) میں ہمیشہ رہنے والے! (۲۳)

ان دو فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا بہرا اور ایک دیکھنے سننے والا - پھر بتلاؤ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟ (۲۴)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا - اس نے کہا (لوگو!) "میں تمہیں (انکار و بدعملی کے نتائج سے) آشکارا خبردار کرنے والا ہوں - (۲۵) اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو - میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک دردناک دن نہ آ جائے" - (۲۶)

اس پر قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی کہا "ہم تو تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ

(۱۱) اس کے بعد آیت (۲۳) تک اسی حقیقت کی وضاحت کی ہے - (۲۰) میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ دنیا میں کلمہ حق کی راہ نہ روک سکیں گے کیونکہ انسان کتنا ہی زور و اقتدار میں بڑھ جائے لیکن قوانین حق پر غالب نہیں آ سکتا - اسے مغلوب ہی ہونا پڑتا ہے -

(۱۲) آیت (۲۴) کو تمام پچھلی موعظت کا خلاصہ سمجھو - فرمایا - دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا بہرا ہو - دوسرا دیکھنے سننے والا - پھر کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا روشنی اور اندھیاری میں کوئی فرق نہیں؟ کیا بصارت اور کوری کا ایک حکم ہے؟

اگر نہیں ہے تو ضروری ہے کہ دونوں کے احوال و نتائج ایک دوسرے سے متضاد ہوں اور دنیا میں ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہو جیسا کہ اب ہو رہا ہے -

(۱۳) چنانچہ اس کے بعد ہی گذشتہ ایام و وقائع کا بیان شروع ہو گیا ہے جو نفی الحقیقت دلائل و حجج کا ایک پورا سلسلہ ہے - اس سلسلہ کی پہلی کڑی حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت ہے -

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى
لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ
رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٩﴾

ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو اور جو لوگ تمہارے پیچھے چلے ہیں ان میں بھی ان لوگوں کے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا جو ہم میں کمینے ہیں اور بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے ہو لیے ہیں۔ ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری نہیں پاتے۔ بلکہ سمجھتے ہیں تم جھوٹے ہو۔'' (۲۷) نوح نے کہا ''اے میری قوم کے لوگو! تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے حضور سے ایک رحمت بھی مجھے بخش دی ہو (یعنی راہ حق دکھادی ہو) مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے تو (میں اس کے سوا کیا کر سکتا ہوں جو کر رہا ہوں؟) کیا ہم جبراً تمہیں راہ دکھادیں حالانکہ تم اس سے بے زار ہو؟'' (۲۸)

''لوگو! یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں تو اس پر مال و دولت کا تم سے طالب نہیں۔ میری خدمت کی مزدوری جو کچھ ہے صرف اللہ پر ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں (وہ تمہاری نگاہوں میں کتنے ہی ذلیل ہوں مگر) میں ایسا کرنے والا نہیں کہ اپنے پاس سے انہیں ہنکا دوں۔ انہیں بھی اپنے پروردگار سے (ایک دن) ملنا ہے۔ (اور وہ ہم سب کے اعمال کا حساب لینے والا ہے) لیکن (میں تمہیں سمجھاؤں تو کس طرح سمجھاؤں؟) میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جماعت ہو (حقیقت سے) جاہل'' (۲۹)

(۱۲) حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: (ا) اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔

(ب) اگر تم سرکشی سے باز نہ آئے تو عذاب کا ایک بڑا ہی دردناک دن آنے والا ہے۔

(ج) لیکن قوم کے سرداروں اور اونچے درجہ کی جماعتوں نے انکار و سرکشی کی۔ صرف وہ لوگ ایمان لائے جو قوم میں ذلیل سمجھے جاتے تھے۔

(د) منکروں نے کہا تم بھی ہماری ہی طرح ایک آدمی ہو پھر تمہاری بات کیوں مانیں یعنی اگر تم میں کوئی ایسا اچنبھا پایا جاتا جو اور آدمیوں میں نہیں پایا جاتا۔ یا دیوتاؤں کی طرح اتر آئے ہوتے تو تمہاری تصدیق کرتے۔

(ہ) منکرین نے کہا جو ہم میں کمینے ہیں وہی بے سمجھے بوجھے تمہیں مان رہے ہیں۔ پھر کیا ان بے وقوفوں کی طرح ہم بھی مان لیں؟ علاوہ بریں ہم ایسی جماعت میں کیونکر شریک ہو سکتے ہیں جہاں رذیل و شریف میں کوئی امتیاز نہیں؟

(و) حضرت نوح علیہ السلام نے کہا۔ انسان کی ہدایت تو انسان ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے اور وہ اتنا ہی کر سکتا ہے جو اس کے اختیار میں ہے۔ تم کہتے ہو میں جھوٹا ہوں لیکن بتلاؤ اگر تم مجھے سچا سمجھتے تو کیا اس بات کی توقع کرتے کہ جبراً تمہیں سچائی کی راہ دکھادوں؟ خدا کی طرف سے کتنی ہی واضح دلیل حق مجھے مل گئی ہو لیکن تم سمجھنے سے انکار کر دو تو میں کیا کر سکتا ہوں؟

(ز) انہوں نے کہا تم جن لوگوں کو ذلیل سمجھتے ہو میں کبھی نہیں کہوں گا کہ وہ ذلیل ہیں اور انہیں خوبی و سعادت نہیں مل سکتی۔ اگر میں ایسا کروں تو خدا کے مواخذہ میں گرفتار ہو جاؤں۔

(ح) انہوں نے کہا۔ میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ سچائی کا پیغام بر ہوں۔ مجھے طاقت و تصرف کا دعوی نہیں نہ میں انسانیت سے کوئی بالاتر ہستی ہوں۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۞٣٠ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ
اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ
خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞٣١ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا
فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞٣٢ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ
اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۞٣٣ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ
كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۞٣٤ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ

''اے میری قوم کے لوگو! مجھے بتلاؤ اگر میں ان لوگوں کو اپنے پاس سے نکال باہر کروں (اور اللہ کی طرف سے مواخذہ ہو جس کے نزدیک معیار قبولیت ایمان وعمل ہے- نہ کہ تمہاری گھڑی ہوئی شرافت ورذالت) تو اللہ کے مقابلہ میں کون ہے جو میری مدد کرے گا؟ (افسوس تم پر!) کیا تم غور نہیں کرتے؟'' (۳۰)

''اور دیکھو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں- نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں- نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں- میں یہ بھی نہیں کہتا کہ جن لوگوں کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو اللہ انہیں کوئی بھلائی نہیں دے گا (جیسا کہ تمہارا اعتقاد ہے) اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے- اگر میں (تمہاری خواہش کے مطابق) ایسا کہوں تو جونہی ایسی بات کہی میں ظالموں میں سے ہو گیا!'' (۳۱)

اس پر ان لوگوں نے کہا ''اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ چکا- (اب ان باتوں سے کچھ بننے والا نہیں) اگر تو سچا ہے تو جس بات کا وعدہ کیا ہے وہ ہمیں لا دکھا'' (۳۲)

نوح نے کہا ''اگر اللہ کو منظور ہو گا تو بلاشبہ تم پر وہ بات لے آئے گا اور تمہیں یہ قدرت نہیں کہ (اسے کسی بات سے) عاجز کر دو'' (۳۳)

''اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہے کہ تمہیں ہلاک کرے تو میں کتنا ہی نصیحت کرنا چاہوں میری نصیحت کچھ سود مند نہ ہو گی- وہی تمہارا پروردگار ہے- اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے'' (۳۴)

(حکم الٰہی ہوا- اے نوح!) ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں، اس آدمی نے (یعنی نوح نے) اپنے جی سے یہ بات گھڑ لی

(ط) منکروں نے ان دلائل ومواعظ پر غور کرنے سے انکار کر دیا، وہ ان باتوں کو ''جدال'' سے تعبیر کرنے لگے اور یہاں تک سرکشی کی کہ خود عذاب کے ظہور کا مطالبہ کرنے لگے-

(ی) اس پر ارشاد الٰہی ہوا کہ کہہ دے- تم کہتے ہو کہ میں مفتری ہوں- اچھا اگر میں مفتری ہوں تو میرا گناہ مجھ پر اور اگر تم سچائی کو جھٹلا رہے ہو تو اس کی پاداش تمہیں جھیلنی ہے- میں اس سے بری ہوں- اب فیصلہ کا انتظار کرو-

(ک) حضرت نوح علیہ السلام کا وحی الٰہی سے مطلع ہونا کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا کوئی ایمان لانے والا نہیں اور یہ کہ ملک غرق ہونے والا ہے پس ایک کشتی بنا لو-

(ل) منکروں کا اس پر تمسخر کرنا-

ع قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۳۵ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ
قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۳۶ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا
وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۳۷ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۣ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ
قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۳۸ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۳۹ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ
التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ

ہے؟ تو کہہ دے ''اگر میں نے یہ بات گھڑ لی ہے تو میرا جرم مجھ پر اور تم جو جرم کر رہے ہو (اس کی پاداش تمہارے لیے) میں اس سے بری الذمہ ہوں!'' (۳۵)

اور نوح پر وحی کی گئی کہ ''تیری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اب کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ پس جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس پر (بے کار کو) غم نہ کھا۔'' (۳۶)

''اور (کہا گیا کہ) ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بنانا شروع کر دے اور ان ظالموں کے بارے میں اب ہم سے کچھ عرض معروض نہ کر۔ یقیناً یہ لوگ غرق ہو جانے والے ہیں'' (۳۷)

چنانچہ نوح کشتی بنانے لگا۔

اور جب کبھی ایسا ہوتا کہ اس کی قوم کا کوئی گروہ اس پر سے گزرتا تو (اسے کشتی بنانے میں مشغول دیکھ کر) تمسخر کرنے لگتا۔ نوح انہیں جواب دیتا کہ ''اگر تم ہماری ہنسی اڑاتے ہو تو (اڑالو) اسی طرح ہم بھی (تمہاری بے وقوفیوں پر ایک دن) ہنسیں گے۔ (۳۸) وہ وقت دور نہیں جب تمہیں معلوم ہو جائے گا کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے کہ اسے رسوا کرے اور پھر دائمی عذاب بھی اس پر نازل ہو!'' (۳۹)

(یہ سب کچھ ہوتا رہا) یہاں تک کہ جب وہ وقت آ گیا کہ ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات ظہور میں آئے اور (فطرت کے) تنور نے جوش مارا تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا ''ہر قسم (کے جانوروں) کے دو دو جوڑے کشتی میں لے لو اور اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لو۔ مگر اہل و عیال میں وہ لوگ داخل نہیں جن کے لیے پہلے بات کہی جا چکی ہے (یعنی کہا جا چکا ہے کہ انہیں غرق ہونا ہے) نیز ان لوگوں کو بھی

(ن) طوفان کا ظہور اور حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی میں سوار ہونا اور ان سب کو ساتھ لے لینا جن کے ساتھ لینے کا حکم ہوا۔

(س) سیلاب نے اتنا گہرا پانی جمع کر دیا تھا اور طوفانی ہواؤں کا یہ عالم تھا کہ اونچی اونچی موجیں اٹھنے لگی تھیں۔

(ع) حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے نے ان کا ساتھ نہ دیا اور غرق ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا خدایا! وہ میرے اہل و عیال میں سے ہے۔ فرمایا نہیں وہ بدعمل ہے اور بدعمل تیرے اہل میں داخل نہیں۔

یہ آیت اس باب میں قطعی ہے کہ جسمانی رشتہ نجات کے لیے کچھ سودمند نہیں۔ جو کچھ ہے ایمان و عمل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے لڑکے کے کفر کی خبر نہ تھی اس لیے عرض کیا کہ وہ میرے اہل میں سے ہے اور میرے اہل و عیال کی

وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝٤٠ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖ۪ىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٤١ وَهِىَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰي نُوْحُۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ
ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٤٢ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ
الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝٤٣ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ
ابْلَعِيْ مَاۗءَكِ وَيٰسَمَاۗءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَاۗءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَي الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ۝٤٤ وَنَادٰي نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ

لے لو جو ایمان لا چکے ہیں" اور نوح کے ساتھ ایمان نہیں لائے تھے مگر بہت تھوڑے آدمی۔(۴۰)

اور (نوح نے ساتھیوں سے) کہا "کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اللہ کے نام سے اسے چلنا ہے اور اللہ ہی کے نام سے ٹھہرنا! بلا شبہ میرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے!" (۴۱)

اور (دیکھو) ایسی موجوں میں کہ پہاڑ کی طرح اٹھتی ہیں کشتی انہیں لیے جا رہی ہے۔ اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا۔ وہ کنارہ پر (کھڑا) تھا "اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ کافروں کے ساتھ نہ رہ" (۴۲) اس نے کہا "میں کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا، وہ مجھے پانی کی زد سے بچا لے گا" نوح نے کہا "(تو کس خیال خام میں پڑا ہے؟) آج اللہ کی (ٹھہرائی ہوئی) بات سے بچانے والا کوئی نہیں مگر ہاں وہی جس پر رحم کرے" اور (دیکھو) دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی۔ پس وہ انہی میں ہوا جو ڈوبنے والے تھے! (۴۳)

اور (پھر اللہ کا) حکم ہوا "اے زمین! اپنا پانی پی لے! اور اے آسمان! تھم جا!" اور پانی کا چڑھاؤ اتر گیا اور حادثہ انجام پا گیا اور کشتی "جودی" پر ٹھہر گئی اور کہا گیا "نامرادی اس گروہ کے لیے ہے جو ظلم کرنے والا گروہ تھا!" (۴۴) اور نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی۔ اس نے کہا "خدایا! میرا بیٹا تو میرے گھر کے لوگوں میں سے ہے۔ اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے۔ تجھ سے بہتر فیصلہ

حفاظت کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ حقیقت حال دوسری ہے اور تمہیں اس کی خبر نہیں۔ وہ تو ان میں سے ہے جن کے لیے کہا جا چکا ہے کہ ﴿ لا تخاطبنی فی الذین ظلموا ﴾ اور ﴿ الا من سبق علیه القول ﴾ جیسا کہ آیت (۳۷) اور (۴۰) میں گزر چکا۔

(ف) طوفان اور سیلاب کا تھمنا' حادثہ کا ختم ہونا اور کشتی کا جودی پہاڑ پر قرار پانا۔

سورۂ قمر کی آیت (۱۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے لگاتار بارش ہوئی تھی اور زمین کی تمام نہروں میں سیلاب آ گیا تھا۔ تورات میں بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن اس میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ بڑے سمندر کی تمام سوتیں پھوٹ نکلی تھیں (پیدائش ۷: ۱۲)

حضرت نوح علیہ السلام کا ظہور اس سرزمین میں ہوا تھا جو دجلہ اور فرات کی وادیوں میں واقع ہے۔ دجلہ اور فرات آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلے ہیں اور بہت دور الگ الگ بہ کر عراق زیریں میں باہم مل گئے ہیں اور پھر خلیج فارس میں سمندر سے ہم کنار ہوئے ہیں۔ آرمینیا کے یہ

الْحٰكِمِيْنَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ ؕ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ
عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٤٧﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ
وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٨﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ
نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ؕ فَاصْبِرْ ؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٩﴾ ع

کرنے والا کوئی نہیں'' (۴۵)

(خدا نے) فرمایا ''اے نوح! وہ تیرے گھر کے لوگوں میں سے نہیں- وہ تو (سرتاپا) عمل بد ہے[1] پس جس حقیقت کا تجھے علم نہیں، اس بارے میں سوال نہ کر- میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ ناواقفوں میں سے نہ ہو جانا-'' (۴۶)

(نوح نے) عرض کیا ''خدایا! میں اس بات سے تیرے حضور پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا سوال کروں جس کی حقیقت کا مجھے علم نہیں- اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور رحم نہ فرمایا تو میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں گا جو تباہ حال ہوئے!'' (۴۷)

حکم ہوا ''اے نوح! اب کشتی سے اتر- ہماری جانب سے تجھ پر سلامتی اور برکتیں ہوں- نیز ان جماعتوں پر جو تیرے ساتھ ہیں- اور دوسری کتنی ہی جماعتیں ہیں (بعد کو آنے والی) جنہیں ہم (زندگی کے فائدوں سے) بہرہ مند کریں گے- لیکن پھر انہیں (پاداش عمل میں) ہماری طرف سے عذاب دردناک پہنچے گا'' (۴۸)

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے وحی کے ذریعہ سے تجھے بتلا رہے ہیں- اس سے پہلے نہ تو یہ باتیں تو جانتا تھا نہ تیری قوم- پس صبر کر (اور منکروں کے جہل و شرارت سے دلگیر نہ ہو) انجام کار متقیوں ہی کے لیے ہے! (۴۹)

پہاڑ ''ارارات'' کے علاقہ میں واقع ہیں- اسی لیے انہیں تورات میں ''ارارات کا پہاڑ'' کہا ہے- لیکن قرآن نے خاص اس پہاڑ کا ذکر کیا جس پر کشتی ٹھہری تھی- وہ ''جودی'' تھا-

زمانہ حال کے بعض شارحین تورات کے خیال میں ''جودی'' اس سلسلہ کوہ کا نام ہے جس نے ارارات اور جارجیا کے سلسلہ ہائے کوہ کو ملا دیا ہے- وہ کہتے ہیں- سکندر کے زمانے کی یونانی تحریرات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے- کم ازکم یہ واقعہ تاریخی ہے کہ آٹھویں صدی مسیحی تک وہاں ایک معبد موجود تھا اور لوگوں نے اس کا نام ''کشتی کا معبد'' رکھ دیا تھا-

(ص) ایک ایسے طوفان و سیلاب کے بعد ملک کی جو حالت ہوگئی ہوگی اس کی ہولنا کی محتاج بیان نہیں- قدرتی طور پر حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو خیال گزرا ہوگا کہ یہ سرزمین زندگی اور زندگی کے تمام سامانوں سے خالی ہوگئی ہے- اب اس وحشت کدہ میں ہم کیونکر زندگی بسر کریں گے؟ پس اللہ نے وحی کی کہ سلامتی اور برکتوں کے ساتھ زمین پر قدم رکھو- یعنی تمہارے لیے اب خوف کی کوئی بات نہ ہوگی اور سامان زندگی کی تمام برکتیں پھر ظہور میں آ جائیں گی- چنانچہ آیت (۴۸) میں کہ خاتمہ سرگزشت ہے اسی طرف اشارہ کیا ہے- ''**و امم سنمتعھم**'' کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بعد جو امتیں آئیں گی انہیں اگرچہ زندگی کی ساری کامرانیاں ملیں گی، لیکن پھر پاداش عمل سے تباہی میں پڑیں گی-

---

[1] یعنی جب وہ تیری راہ نہ چلا اور بدعملوں کا ساتھی ہوا تو فی الحقیقت تیرے حلقہ قرابت سے باہر ہو گیا- اب اسے اپنا نہ سمجھ-

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
مُفْتَرُوْنَ ۝٥٠ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۝٥١ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا
وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝٥٢ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ
اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝٥٣ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْۗءٍ ۭ

اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے ہود کو بھیجا۔

ہود نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ یقین کرو، تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ (حقیقت کے خلاف) افتراپردازیاں کر رہے ہو۔" (۵۰) "اے میری قوم کے لوگو! میں اس بات کے لیے تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ تو اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ پھر کیا تم (اتنی صاف بات بھی) نہیں سمجھتے؟" (۵۱)

"اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے پروردگار سے (اپنے قصوروں کی) مغفرت مانگو۔ اور (آیندہ کے لیے) اس کی جناب میں توبہ کرو۔ وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجتا ہے (جس سے تمہارے کھیت اور باغ شاداب ہو جاتے ہیں) اور تمہاری قوتوں پر نئی نئی قوتیں بڑھاتا ہے (کہ روز بروز گھٹنے کی جگہ اور زیادہ بڑھتے جاتے ہو) اور (دیکھو) جرم کرتے ہوئے اس سے منہ نہ موڑو" (۵۲)

(ان لوگوں نے) کہا "اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر تو آیا نہیں (جسے ہم دلیل سمجھیں) اور ہم ایسا کرنے والے نہیں کہ تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ ہم تجھ پر ایمان لانے والے نہیں" (۵۳) "ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی معبود کی تجھ پر مار پڑ گئی ہے" (اسی لیے اس طرح کی باتیں کرنے لگا ہے)۔

---

(۱۵) قوم عاد میں حضرت ہود علیہ السلام کا ظہور ہوا۔

(ا) انہوں نے کہا اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

تمہارے عقائد واعمال حقیقت کے خلاف محض افترا ہیں۔ میں کسی معاوضہ کا طالب نہیں۔ محض ادائے فرض کا تقاضا ہے جو مجھے دعوت الی الحق پر مجبور کر رہا ہے۔

(ب) لیکن ان کی قوم نے ان مواعظ پر کان دھرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا۔ تمہارے پاس کوئی ایسی بات نہیں جو ہمارے نزدیک دلیل ہو۔ ہم تو اپنے معبودوں کی پرستش چھوڑنے والے نہیں۔ ہمارے خیال میں جو بات آتی ہے وہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار تمہیں لگ گئی ہے۔ اسی لیے ایسے خیالات آنے لگے ہیں۔

(ج) حضرت ہود علیہ السلام نے کہا۔ تم کہتے ہو تمہارے معبودوں کی مجھ پر مار ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ مجھے تمہارے معبودوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اب تم اور تمہارے معبود جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہیں کر دیکھیں۔ تمہارا بھروسہ ان معبودوں پر ہے۔ میرا اللہ پر ہے جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے!

میرا کام تبلیغ حق تھا۔ میں نے کر دیا۔ اب اگر سچائی کی طرف سے تم نے رخ پھیر ہی لیا ہے تو جان لو کہ قانون الٰہی کے مطابق تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو مل جائے گی اور تم ہلاکت سے دوچار ہو گے۔

(د) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مومنوں نے نجات پائی۔ سرکش ہلاک ہوئے۔

قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا
تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ
عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَیْكُمْ ؕ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ
قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا
نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۙۗ جَحَدُوْا

ہود نے کہا ''میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن ہستیوں کو تم نے اس کا شریک بنا رکھا ہے مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ (۵۴) تم سب مل کر میرے خلاف جو کچھ تدبیریں کر سکتے ہو ضرور کرو اور مجھے (ذرا بھی) مہلت نہ دو (پھر دیکھ لو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟)'' (۵۵)

''میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ کوئی حرکت کرنے والی ہستی نہیں کہ اس کے قبضہ سے باہر ہو[1]۔ میرا پروردگار (حق و عدل کی) سیدھی راہ پر ہے'' (یعنی اس کی راہ ظلم کی راہ نہیں ہو سکتی) (۵۶)

''پھر اگر (اس پر بھی) تم نے روگردانی کی تو جس بات کے لیے میں بھیجا گیا تھا وہ میں نے پہنچا دی (اس سے زیادہ میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے) اور (مجھے تو نظر آ رہا ہے کہ) میرا پروردگار کسی دوسرے گروہ کو تمہاری جگہ دے دے گا اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔ یقیناً میرا پروردگار ہر چیز کا نگران حال ہے'' (۵۷)

اور (دیکھو) جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا۔ تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو بچا لیا اور ان لوگوں کو بھی بچا لیا جو اس کے ساتھ (سچائی پر) ایمان لائے تھے اور ایسے عذاب سے بچایا کہ بڑا ہی سخت عذاب تھا! (۵۸) یہ ہے سرگزشت عاد کی۔

(ہ) آیت (۵۶) میں '' ربی و ربکم '' کا زور جس بات پر ہے اسے سمجھ لینا چاہیے۔ ان تمام مشرک قوموں کو اس بات سے انکار نہ تھا کہ ایک خالق و پروردگار ہستی موجود ہے اور اصلی طاقت اسی کی طاقت ہے۔ یعنی وہ توحید ربوبیت سے بے خبر نہ تھے لیکن ساری گمراہی یہ تھی کہ توحید الوہیت میں کھوئے گئے تھے۔ یعنی سمجھتے تھے اس پروردگار ہستی کے ماتحت دوسری ہستیاں بھی ہیں جنہیں تصرف کا اختیار مل گیا ہے اور اس لیے ہمیں ان کی پوجا کرنی چاہیے۔ پس ﴿ ربی و ربکم ﴾ کا مطلب یہ ہوا کہ میرا بھروسہ تو اس پر ہے جسے میں بھی رب یقین کرتا اور تم بھی رب مانتے ہو۔

(د) آیت (۵۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد پر ظالم و سرکش پادشاہ حکمراں تھے اور فراعنہ مصر کی طرح اپنے آپ کی پوجا کرواتے تھے۔ فرمایا انہوں نے خدا کے رسولوں سے نافرمانی کی اور سرکش و ظالم حکمرانوں کا کہا مانا۔ یعنی جو حق و عدالت کی طرف بلاتے تھے ان سے تو منکر ہوئے اور جو ظلم و سرکشی کرتے تھے ان کے پیچھے چلے! ایسے گروہ کے لیے بجز ہلاکت کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

'' رسلہ '' اس لیے کہا کہ گو انہوں نے انکار ایک رسول کا کیا تھا لیکن اس کی تعلیم تمام رسولوں ہی کی تعلیم تھی۔ پس ایک کو

[1] آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ''کوئی چلنے والا وجود نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ نے اسے اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے۔'' یہ عربی کا محاورہ ہے اور اسی معنی میں بولا جاتا ہے جو متن میں اختیار کیے گئے ہیں ۱۲۔

وقف لازم ۵ ع ۱۱ ۵

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ
اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ
قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ

انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں (ہٹ دھرمی اور سرکشی کرتے ہوئے) جھٹلائیں اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر متکبر و سرکش کے حکم کی پیروی کی! (۵۹)

اور ایسا ہوا کہ دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت پڑی (یعنی رحمت الٰہی کی برکتوں سے محرومی ہوئی) اور قیامت کے دن بھی- تو سن رکھو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی! اور سن رکھو کہ عاد کے لیے محرومی کا اعلان ہوا جو ہود کی قوم تھی! (۶۰)

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے صالح کو بھیجا-

اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں- وہی ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور پھر اسی میں تمہیں بسا دیا- پس چاہیے کہ اس سے بخشش مانگو اور اس کی طرف رجوع ہو کر رہو- یقین کرو- میرا پروردگار (ہر ایک کے) پاس ہے- اور (ہر ایک کی) دعاؤں کا جواب دینے والا ہے!" (۶۱)

لوگوں نے کہا "اے صالح پہلے تو تو ایک ایسا آدمی تھا کہ ہم سب کی امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں پھر کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ ان معبودوں کی پوجا نہ کریں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں؟ (یہ کیسی بات ہے؟) ہمیں تو اس بات میں بڑا ہی شک

جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہوا- نیز ان کے انکار کو "جحود" سے تعبیر کیا- ((جحدوا بایات ربھم)) تا کہ واضح ہو جائے ان کے انکار کی نوعیت کیا تھی؟ جحود کے معنی یہ ہیں کہ جان بوجھ کر محض ہٹ اور شرارت سے انکار کرنا- چنانچہ تفصیل تفسیر فاتحہ میں گزر چکی ہے-

(۱۶) قوم ثمود میں حضرت صالح (علیہ السلام) کا ظہور ہوا-

(ا) انہوں نے کہا- اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں-

دیکھو کون ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا- یعنی ایسی چیز سے پیدا کیا جو زمین کی مٹی کا خمیر تھی (جیسا کہ دوسری جگہ صراحت کی ہے) اور پھر تم سے اس کی آبادی و رونق کر دی؟ کیا پروردگار عالم کے سوا کوئی ہو سکتا ہے؟ پھر کیا وہی اس کا مستحق نہیں کہ اس کی بندگی کی جائے؟ سرکشی سے باز آ جاؤ اور اس کی طرف رجوع ہو-

(ب) قوم نے کہا- ہمیں تو تمہاری ذات سے بڑی بڑی امیدیں تھیں کہ ہماری سرداری اور پیشوائی کرو گے- یہ تمہیں کیا ہو گیا کہ ہمارے بزرگوں کے طریقہ کو برا کہتے ہو اور اس سے ہمیں ہٹانا چاہتے ہو؟

ہمیشہ یہ بات دیکھی گئی ہے اور اب بھی دیکھی جا سکتی ہے کہ جب کبھی ایک غیر معمولی قابلیت کا آدمی قوم میں پیدا ہوتا ہے تو لوگ اس کی قابلیت سراہتے ہیں اور اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرتے ہیں کہ یہ ہمارا پیشوا ہو گا، باپ دادا کا نام روشن کرے گا- لیکن جب وہ کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جو ان کے طور طریقہ کے خلاف ہوتی ہے تو گردن موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں- یہ تو نکما نکلا-

مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ مُرِيۡبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَاٰتٰٮنِىۡ مِنۡهُ
رَحۡمَةً فَمَنۡ يَّنۡصُرُنِىۡ مِنَ اللّٰهِ اِنۡ عَصَيۡتُهٗ فَمَا تَزِيۡدُوۡنَنِىۡ غَيۡرَ تَخۡسِيۡرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوۡمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ
اللّٰهِ لَـكُمۡ اٰيَةً فَذَرُوۡهَا تَاۡكُلۡ فِىۡۤ اَرۡضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡۤءٍ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابٌ
قَرِيۡبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوۡهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوۡا فِىۡ دَارِكُمۡ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعۡدٌ غَيۡرُ مَكۡذُوۡبٍ ﴿۶۵﴾
فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَمِنۡ خِزۡىِ يَوۡمِئِذٍ ؕ

ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو کہ ہمارے دل میں اترتی نہیں'' (۶۲)

صالح نے کہا ''اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت مجھے عطا فرمائی ہو تو پھر کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے گا اگر میں اس کے حکم سے سرتابی کروں؟ تم (اپنی توقع کے مطابق دعوت کا رد کر کے) مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے - تباہی کی طرف لے جانا چاہتے ہو'' (۶۳)

''اور اے میری قوم کے لوگو! دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی (یعنی اس کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی) تمہارے لیے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے - پس اسے چھوڑ دو، اللہ کی زمین میں چرتی رہے - اسے کسی طرح کی اذیت نہ پہنچانا ورنہ فوراً عذاب تمہیں آ پکڑے گا -'' (۶۴)

لیکن لوگوں نے (اور زیادہ ضد میں آ کر) اسے ہلاک کر ڈالا - تب صالح نے کہا ''(اب تمہیں صرف) تین دن (کی مہلت ہے -) اپنے گھروں میں کھا پی لو - یہ وعدہ ہے - جھوٹا نہ نکلے گا'' (۶۵)

پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے

ہماری ساری امیدیں خاک میں ملا دیں - گویا بزرگی و پیشوائی کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ جو بات حق معلوم ہو اس کی لوگوں کو دعوت دی جائے - بلکہ یہ ہے کہ لوگ جسے حق سمجھتے ہوں اس کی پیروی کی جائے اور اسی کی طرف لوگوں کو بھی دعوت دی جائے!

قرآن نے یہاں قوم ثمود کا جو جواب نقل کیا ہے اس کا مطلب یہی ہے -

(ج) حضرت صالح علیہ السلام نے کہا - تم غور نہیں کرتے کہ اگر ایک شخص پر اللہ نے علم و بصیرت کی راہ کھول دی ہو اور وہ دیکھ رہا ہو کہ سچائی وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہے تو پھر کیا محض لوگوں کے پاس خاطر سے اس کا اظہار نہ کرے؟ اچھا بتلاؤ اگر وہ حکم حق سے سرتابی کرے تو کون ہے جو خدا کے مواخذہ سے اسے بچا لے گا؟ اگر میں محض اس خیال سے کہ تمہاری امیدوں کو ٹھیس نہ لگے سچائی کا اعلان نہ کروں تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اپنے آپ کو تباہی میں ڈال دوں -

(د) بہرحال انہوں نے سرکشی کی - نتیجہ یہ نکلا کہ مومنوں نے نجات پائی - سرکش ہلاک ہوئے -

اونٹنی کے معاملہ کی تشریح اعراف (۷۳) کے نوٹ میں گزر چکی ہے -

حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کی سرگزشتوں میں اختصار ملحوظ رہا - کیونکہ ان دونوں کا ظہور عرب ہی میں ہوا تھا اور مخاطبین ان سے ناآشنا نہ تھے -

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ
جٰثِمِينَ ﴿٦٧﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَا۟ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾ وَلَقَدْ ع ۸
جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرٰهِيمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ﴿٦٩﴾
فَلَمَّا رَأٰى أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا
إِلٰى قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِإِسْحٰقَ ۙ وَمِن وَرَاءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ ﴿٧١﴾

اپنی رحمت سے بچالیا اوراس دن کی رسوائی سے نجات دے دی- (اے پیغمبر!) بلاشبہ تیرا پروردگار وہی ہے جوقوت والا اور سب پر غالب ہے!(٦٦)

اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کا یہ حال ہوا کہ ایک زور کی کڑک نے آ لیا- جب صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے- (٦٧) (وہ اس طرح اچانک مرگئے) گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے! تو سن رکھو کہ ثمود نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی اور ہاں سن رکھو کہ ثمود کے لیے محرومی ہوئی!(٦٨)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے تھے-انہوں نے کہا''تم پر سلامتی ہو''-ابراہیم نے کہا''تم پر بھی سلامتی'' پھرابراہیم فوراً ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا (اوران کے سامنے رکھ دیا کہ یہ میرے مہمان ہیں)(٦٩)

پھر جب اس نے دیکھا ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں تو ان سے بدگمان ہوا اور جی میں ڈرا (کہ یہ کیا بات ہے؟) انہوں نے کہا''خوف نہ کر- ہم تو (اللہ کی طرف سے) قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں''(٧٠)

اوراس کی بیوی (سارہ) بھی (خیمہ میں) کھڑی (سن رہی) تھی-وہ ہنس پڑی (یعنی اندیشہ کے دور ہوجانے سے خوش ہوگئی) پس ہم نے اسے (اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے) اسحاق (کے پیدا ہونے) کی خوشخبری دی اوراس کی کہ اسحاق کے بعد یعقوب کاظہور ہوگا-(٧١)

---

(١٧) حضرت لوط (علیہ السلام) کی دعوت اور باشندگان سدوم کی ہلاکت-

تورات میں ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے اور حاران کے بیٹے تھے- یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شہر اور سے آئے اور سدوم میں مقیم ہوگئے جو دریائے یردن کی ترائی میں واقع تھا- چونکہ سدوم کی ہلاکت کی خبر پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی اس لیے سرگزشت کی ابتداء انہی کے ذکر سے ہوئی-

(١) فرشتوں نے دو باتوں کی خبر دی- ایک یہ کہ قوم لوط کی ہلاکت کا وقت آ گیا- دوسری یہ کہ سارہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہوگی اوران سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے-

ان دونوں باتوں میں بظاہر کوئی علاقہ نظر نہیں آتا-اس لیے خیال ہوتا ہے کہ کیوں دونوں کی خبر بیک وقت دی گئی، کیوں دونوں کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا؟ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے-دونوں باتیں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں-

حضرت ابراہیم اور حضرت لوط (علیہما السلام) جب کسدیوں کے ملک سے آ کر فلسطین میں مقیم ہوئے تو یہ ملک ان کے لیے اجنبیوں کا ملک تھا لیکن مشیت الٰہی کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ ایک دن اسی سرزمین پر ان کی نسل حکمرانی کرے گی-اس نسل کاظہور کس سے ہوا؟ اسرائیل سے-یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام سے- وہ کس کے لڑکے تھے؟ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے- پس فرشتوں نے بیک وقت دو باتوں کی خبر دی-

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ
اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ
وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ
عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا

وہ بولی- ''افسوس مجھ پر! کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ میرے اولاد ہو حالانکہ میں بڑھیا ہوگئی ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہو چکا ہے؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے!'' (۷۲)

انہوں نے کہا- ''کیا تو اللہ کے کاموں پر تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تجھ پر ہوں اے اہل خانۂ ابراہیم! (اس کے فضل و کرم سے یہ بات کچھ بعید نہیں ہے) بلاشبہ اسی کی ذات ہے جس کی ستائشیں کی جاتی ہیں اور وہی ہے جس کے لیے ہر طرح کی بڑائیاں ہیں!'' (۷۳)

پھر جب ابراہیم کے دل سے اندیشہ دور ہوگیا اور اسے خوشخبری ملی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے جھگڑنے لگا (یعنی ہمارے فرستادوں سے بار بار سوال و جواب کرنے لگا کہ آنے والی بلا ٹل جائے) (۷۴) حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑا ہی بردبار، بڑا ہی نرم دل اور (ہر حال میں) اللہ کی طرف رجوع ہو کر رہنے والا تھا! (۷۵)

(ہمارے فرستادوں نے کہا) ''اے ابراہیم! اب اس بات کا خیال چھوڑ دے- تیرے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی) بات جو تھی وہ آ پہنچی اور ان لوگوں پر عذاب آ رہا ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا'' (۷٦) اور پھر جب ایسا ہوا کہ ہمارے فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو وہ

ایک میں ایمان و نیک عملی کی کامرانیوں کا اعلان تھا- دوسری میں انکار و بدعملی کی ہلاکتوں کا- یعنی جس دن اس بات کی خبر دی گئی کہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ بدعملیوں کی پاداش میں ہلاک ہونے والا ہے اسی دن اس کی بھی بشارت دے دی گئی کہ نیک عملی کے نتائج ایک نئی نسل تیار کر رہے ہیں اور وہ عنقریب اس تمام ملک پر حکمرانی کرنے والی ہے!

پھر معاملہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے- سدوم اور عمورہ کا علاقہ فلسطین کا سب سے زیادہ شاداب علاقہ تھا- اور معلوم ہے کہ سارہ علیہا السلام تمام عمر اولاد کی تمنائیں کرتے کرتے بالآخر مایوس ہو چکی تھیں- پس قدرت الٰہی نے بیک وقت دونوں کرشمے دکھلا دیئے: جو زمین سب سے زیادہ شاداب ہے وہ بدعملیوں کی پاداش میں ایسی اجڑے گی کہ پھر کبھی سرسبز و شاداب نہ ہو سکے گی- جو شجر امید بالکل سوکھ چکا ہے وہ اچانک اس طرح سرسبز ہو جائے گا کہ صدیوں تک اس کی شاخیں بار آور رہیں گی!

چنانچہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ آتش فشاں مادہ کے انفجار سے ایسا بنجر ہوا کہ آج تک بنجر ہے اور بشارت پر پورا سال بھی نہیں گزرا تھا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ظہور میں آ گئی اور پھر ان کی نسل روز بروز بڑھتی اور پھیلتی گئی-

(ہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیوی حضرت سارہ تھی ایک حضرت ہاجرہ- ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے لیکن حضرت سارہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی- یہاں تک کہ وہ مایوس ہوگئیں- پھر مایوسی کے بعد یہ بشارت ملی اور حضرت اسحٰق پیدا ہوئے-

(و) تورات (پیدائش ۱۹: ۲۳) میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بار بار التجائیں کیں کہ عذاب ٹل جائے- کیوں کہ ہوسکتا ہے

سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿٧٧﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ
قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا
تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿٧٨﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ
حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿٧٩﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿٨٠﴾ قَالُوْا
يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ
اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿٨١﴾

ان کے آنے سے خوش نہیں ہوا- ان کی موجودگی نے اسے پریشان کر دیا- وہ بولا ''آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے!'' (۷۷)

اور اس کی قوم کے لوگ (اجنبیوں کے آنے کی خبر سن کر) دوڑتے ہوئے آئے- وہ پہلے سے برے کاموں کے عادی ہو رہے تھے- لوط نے ان سے کہا ''لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں (یعنی بستی کی عورتیں جنہیں وہ اپنی بیٹیوں کی جگہ سمجھتا تھا اور جنہیں لوگوں نے چھوڑ رکھا تھا) یہ تمہارے لیے جائز اور پاک ہیں- پس (ان کی طرف ملتفت ہو- دوسری بات کا قصد نہ کرو اور) اللہ سے ڈرو- میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو- کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں؟'' (۷۸)

ان لوگوں نے کہا ''تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تیری ان بیٹیوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں- اور تو اچھی طرح جانتا ہے ہم کیا کرنا چاہتے ہیں'' (۷۹)

لوط نے کہا ''کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے طاقت ہوتی یا کوئی سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا'' (۸۰)

(تب مہمانوں نے) کہا ''اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں- (گھبرانے کی کوئی بات نہیں) یہ لوگ کبھی تجھ پر قابو نہ پا سکیں گے- تو یوں کر کہ جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو اپنے گھر کے آدمیوں کو ساتھ لے کر نکل چل اور تم میں سے کوئی ادھر ادھر نہ دیکھے (یعنی اور کسی بات کی فکر نہ کرے) مگر ہاں تیری بیوی (ساتھ دینے والی نہیں- وہ پیچھے رہ جائے گی) جو کچھ ان لوگوں پر گزرنا ہے وہ اس پر بھی گزرے گا- ان لوگوں کے لیے عذاب کا مقررہ وقت صبح کا ہے اور صبح کے آنے میں کچھ دیر نہیں'' (۸۱)

سدوم میں چند آدمی ہی نیک کردار باقی رہ گئے ہوں- لیکن اللہ نے فرمایا- وہاں دس آدمی بھی ایسے نہ رہے جو نیک کردار ہوں- ہو سکتا ہے کہ آیت (۷۴) میں ﴿ یجادلنا ﴾ سے مقصود یہی بات ہو- یا اسی طرح کی کوئی بات- بہر حال اللہ نے ان کی اس سعی کی مدح کی کہ یہ ان کے حلم اور رحم و شفقت کا نتیجہ تھی- پھر واضح کر دیا کہ بات ٹلنے والی نہیں تھی- وقت آ پہنچا تھا-

(ز) حضرت لوط کو مہمانوں کے آنے سے اس لیے پریشانی ہوئی کہ وہ جانتے تھے شہر کے باشندے ضرور حملہ آور ہوں گے- کیونکہ ان کا قاعدہ تھا جب کبھی کوئی اجنبی مسافر آ پھنستا تو اس پر حملہ کر دیتے اور سمجھتے ہمارے خبیثانہ افعال کے لیے ایک شکار ہاتھ آ گیا- چنانچہ ایسا ہی ہوا-

(ح) اعراف میں حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ و نصیحت اور قوم کی سرکشی کا حال گزر چکا ہے (آیت ۸۰) یہاں اس میں تفصیل کی کہ عذاب کا ظہور کن حالات میں ہوا تھا- بہر حال نتیجہ یہی نکلا کہ قوم ہلاک ہوئی اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آئی-

فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ۙ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً
عِنۡدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ بِبَعِيۡدٍ ﴿۸۳﴾ وَاِلٰى مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ وَلَا تَنۡقُصُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ اِنِّيۡۤ اَرٰٮكُمۡ بِخَيۡرٍ وَّاِنِّيۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ
عَذَابَ يَوۡمٍ مُّحِيۡطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ
اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ

ع ۸

پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا تو (اے پیغمبر!) ہم نے اس (بستی) کی تمام بلندیاں پستی میں بدل دیں- (یعنی تمام بلند عمارتیں گرا کر زمین کے برابر کر دیں) اور اس پر آگ میں پکے ہوئے پتھر لگاتار برسائے کہ تیرے پروردگار کے حضور (اس غرض سے) نشانی کیے ہوئے تھے-[1] (۸۲)

یہ (بستی) ان ظالموں سے (یعنی اشرار مکہ سے) کچھ دور نہیں ہے (یہ اپنی سیر و سیاحت میں وہاں سے گزرتے رہتے ہیں اور اگر چاہیں تو اس سے عبرت پکڑ سکتے ہیں)- (۸۳)

اور ہم نے (قبیلہ) مدین کی طرف اس کے بھائی شعیب کو بھیجا-

اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں- اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو- میں دیکھ رہا ہوں کہ تم خوشحال ہو- (یعنی خدا نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے- پس کفران نعمت سے بچو) میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایسا دن نہ آ جائے جو سب پر چھا جائے گا" (۸۴) "اور اے میری قوم کے لوگو! ماپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو- لوگوں کو ان کی چیزیں (ان کے حق سے) کم نہ دو- ملک میں شر و فساد پھیلاتے نہ پھرو- (۸۵) اگر تم میرا کہا مانو تو جو کچھ اللہ کا دیا (کاروبار میں) بچ رہے اسی میں تمہارے لیے بہتری ہے، اور دیکھو (میرا کام تو صرف نصیحت کر دینا ہے)

(۱۸) قبیلہ مدین میں حضرت شعیب (علیہ السلام) کی دعوت کا ظہور ہوا-

تورات میں ہے کہ قطورا کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھ لڑکے ہوئے جن میں سے ایک کا نام مدیان تھا (پیدائش ۲۵:۱) یہی "مدیان" عربی میں "مدین" ہو گیا- اس کی اولاد بحر قلزم کے کنارے آباد ہو گئی تھی- جن میں حضرت شعیب علیہ السلام کا ظہور ہوا- بنی اسرائیل انہیں بنی قطورہ کہتے تھے-

(ا) حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا- اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں-

ناپ تول میں خیانت نہ کرو- نہ تو حق سے زیادہ لو- نہ حق سے کم دو- ملک میں شر و فساد پھیلاتے نہ پھرو یعنی لوٹ مار نہ کرو-

میں دیکھتا ہوں کہ تم خوشحال ہو لیکن میں ڈرتا ہوں کہ عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ-

(ب) لوگوں نے کہا- تم اپنے خدا کی جتنی عبادت کرنی چاہو شوق سے کرو- لیکن کیا تمہاری نمازیں یہ بھی کہتی ہیں کہ دوسروں کو ان کی راہ سے ہٹاؤ؟ اور اس راہ سے ہٹاؤ جس پر ان کے باپ دادا چلتے آئے ہیں؟ ہم اپنے مال کے مالک مختار ہیں- جس طرح چاہیں خرید یں- تم اپنے ماپ تول کی باتیں رہنے دو- معلوم ہوتا ہے ساری دنیا میں صرف تم ہی ایک نیک اور خوش معاملہ آدمی رہ گئے ہو!

[1] دیکھو اعراف آیت (۸۰) کا نوٹ-

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ
نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى
بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ
اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾ وَيٰقَوْمِ
لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ

میں کچھ تم پر نگہبان نہیں'' (کہ جبراً اپنی راہ پر چلا دوں) (۸۶)

لوگوں نے کہا- ''اے شعیب! کیا تیری یہ نمازیں (جو تو اپنے خدا کے لیے پڑھتا ہے) تجھے یہ حکم دیتی ہیں کہ ہمیں آ کر کہے: ان معبودوں کو چھوڑ دو جنہیں تمہارے باپ دادا پوجتے رہے ہیں- یا یہ کہ تمہیں اختیار نہیں کہ اپنے مال میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہو، کرو؟ بس تم ہی ایک نرم دل اور راست باز آدمی رہ گئے ہو!'' (۸۷)

شعیب نے کہا- ''اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن رکھتا ہوں اور (اس کے فضل و کرم کا یہ حال ہو کہ) اچھی (سے اچھی) روزی عطا فرما رہا ہو (تو پھر بھی میں چپ رہوں اور تمہیں راہ حق کی طرف نہ بلاؤں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں روکتا ہوں اس سے تمہیں تو روکوں اور خود اس کے خلاف چلوں- (میں تمہیں جو کچھ کہتا ہوں اسی پر عمل بھی کرتا ہوں) میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے اصلاح حال کی کوشش کروں- میرا کام بننا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بننا ہے- میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوں!'' (۸۸) ''اور اے میری قوم کے لوگو! میری ضد میں آ کر کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا کہ تمہیں بھی ویسا ہی معاملہ پیش آ جائے جیسا قوم نوح کو یا قوم ہود کو یا قوم صالح

(ج) حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا- اگر اللہ نے مجھ پر علم و بصیرت کی راہ کھول دی ہو اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہلاکت کی طرف جا رہے ہو تو بتلاؤ کیا میرا فرض نہیں ہے کہ تمہیں سلامتی کی راہ دکھاؤں؟ اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے رزق و دولت کی فراوانی عطا فرمائی ہے پھر کیا یہ کفران نعمت نہ ہوگا کہ ادائے فرض میں کوتاہی کروں؟

اور پھر تم میری ضد میں آ کر کیوں حق سے منہ موڑو؟ میں ایسا تو نہیں کرتا کہ تمہیں ایک بات سے روکوں اور پھر خود وہی کرنے لگوں- میں وہی بات کہتا ہوں جس پر خود عامل ہوں-

اور تم میری تبلیغ سے بگڑتے کیوں ہو؟ میں کچھ تم پر نگہبان بن کر تو نہیں کھڑا ہو گیا ہوں کہ مجبور کروں- میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں- جہاں تک میرے بس میں ہے- اور میرے کاموں کو بننا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بننا ہے- میرا بھروسہ صرف اسی پر ہے!

(د) بحر قلزم کی جو شاخ عرب اور جزیرہ نمائے سینا کے درمیان گزری ہے اسی کے کنارے مدین کا قبیلہ آباد تھا- چونکہ یہ جگہ شام، افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کا نقطہ اتصال تھی، اس لیے اشیائے تجارت کے مبادلہ کی بڑی منڈی بن گئی تھی اور لوگ

وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ
وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا
رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ
وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٩٢﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ
عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ

کو پیش آ چکا ہے اور قوم لوط (کا معاملہ) تم سے کچھ دور نہیں[1] (۸۹) ''اور دیکھو اللہ سے (اپنے گناہوں کی) معافی مانگو اور اس کی طرف لوٹ جاؤ- میرا پروردگار بڑا ہی رحمت والا، بڑا، ہی محبت والا ہے!'' (۹۰)

لوگوں نے کہا ''اے شعیب! تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں ایک کمزور آدمی ہو- اگر (تمہارے ساتھ) تمہاری برادری کے آدمی نہ ہوتے تو ہم ضرور تمہیں سنگ سار کر دیتے -تمہاری ہمارے سامنے کوئی ہستی نہیں'' (۹۱)

شعیب نے کہا ''اے میری قوم کے لوگو! کیا اللہ سے بڑھ کر تم پر میری برادری کا دباؤ ہوا؟ اور اللہ تمہارے لیے کچھ نہ ہوا کہ اسے پیچھے ڈال دیا؟ (اچھا) جو کچھ تم کرتے ہو میرے پروردگار کے احاطہ (علم) سے باہر نہیں'' (۹۲)

''اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ- میں بھی (اپنی جگہ) سرگرم عمل ہوں- بہت جلد معلوم کر لوگے کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کون فی الحقیقت جھوٹا ہے- انتظار کرو- میں بھی تمہارے ساتھ

خوشحال ہو گئے تھے- اسی لیے حضرت شعیب نے کہا: ﴿ انی ارکم بخیر ﴾ (۸۴) میں تمہیں خوشحال پاتا ہوں-

لیکن جب لوگوں کے اخلاق فاسد ہو گئے تو کاروبار میں خیانت کرنے لگے اور ماپ تول کے انصاف سے نا آشنا ہو گئے- یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ اس معصیت سے روکا-

(ہ) جو مکالمہ گزر چکا ہے اس پر اچھی طرح غور کرو- لوگوں نے کہا تم نماز پڑھتے ہو لیکن تمہارے نماز پڑھنے کا نتیجہ یہ کیوں نکلے کہ ہم لوگوں کو بھی اپنی راہ چلنے کی دعوت دو؟ یعنی بنائے نزاع خود تمہارا عمل نہیں ہے یہ ہے کہ دوسروں کو کیوں دعوت دیتے ہو؟ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا یہی تو میرا اصلی کام ہے اسے کیسے چھوڑ دوں؟ سچائی کی روشنی میرے سامنے آ گئی ہے اور جب آ گئی ہے تو اس کے اعلان سے باز نہیں رہ سکتا- البتہ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے مجھے حق نہیں کہ کسی پر جبر کروں- اس سے معلوم ہوا، اتباع حق کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ آدمی خود متبع ہو جائے بلکہ ضروری ہے کہ دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے-

(و) اتباع حق کی راہ میں ذاتی خصومت اور شخصی حسد سے بڑھ کر کوئی روک نہیں- مکالمہ سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ قبیلہ کے سرداروں کو حضرت شعیب علیہ السلام سے ذاتی خصومت ہو گئی تھی- یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کہا- ایسا نہ کرو کہ میری ضد میں آ کر پیام حق کے مخالف ہو جاؤ اور خدا کے مواخذہ میں گرفتار ہو-

(ز) انسان انسانوں کا پاس کرتا ہے لیکن سچائی کا پاس نہیں کرتا- وہ انسانوں کے خیال سے ایک بات چھوڑ دے گا لیکن خدا کے خیال سے نہیں چھوڑے گا- چنانچہ منکروں نے کہا- ہم تجھے سنگ سار کر دیتے لیکن تیرے کنبہ کے خیال سے ایسا نہیں کرتے-

[1] یعنی ان کا معاملہ کچھ بہت پرانے زمانے کی بات نہیں- قریبی زمانہ کی بات ہے-

رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا
الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ
ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ ع ۸ / ۸
فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ
الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ

انتظار کرتا ہوں'' (۹۳)

اور پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا تو ایسا ہوا کہ ہم نے شعیب کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچالیا اور جو لوگ ظالم تھے انہیں ایک سخت آواز نے آ پکڑا۔ پس جب صبح ہوئی تو اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے! (۹۴)

(وہ اس طرح اچانک ہلاک ہوگئے) گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہیں تھے!

تو سن رکھو کہ قبیلہ مدین کے لیے بھی محرومی ہوئی جس طرح قوم ثمود کے لیے محرومی ہوئی تھی! (۹۵)

اور (یہ بھی ہو چکا ہے کہ) ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح سند کے ساتھ بھیجا تھا۔ (۹۶) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف۔ مگر وہ فرعون کی بات پر چلے اور فرعون کی بات راست بازی کی بات نہ تھی۔ (۹۷)

قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا (جس طرح دنیا میں گمراہی کے لیے ہوا) اور انہیں دوزخ میں پہنچائے گا۔ تو دیکھو کیا ہی پہنچنے کی بری جگہ ہے جہاں وہ پہنچ کر رہے! (۹۸)

اور اس دنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگی (کہ ان کا ذکر پسندیدگی کے ساتھ نہیں کیا جاتا) اور قیامت میں بھی (کہ عذاب آخرت کے مستحق ہوئے) تو دیکھو کیا ہی برا صلہ ہے جو ان کے حصے میں آیا! (۹۹)

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا۔ افسوس تم پر۔ تمہیں میرے کنبہ کا تو پاس ہوا لیکن خدا کا نہ ہوا۔ خدا کی بات تو تمہارے خیال میں کوئی بات ہی نہیں ہے۔

(ح) حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا۔ اچھا تم اپنی راہ چلو۔ میں اپنی راہ چل رہا ہوں۔ اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ چنانچہ نتیجہ ظاہر ہوگیا۔ اہل ایمان محفوظ رہے۔ سرکش ہلاک ہوگئے!

(۱۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور اس کے نتائج کی طرف اشارہ اور استدلال کی موعظت کا اختتام۔

(۲۰) سورت کی ابتدا میں قوم کو اتباع حق کی دعوت دی تھی اور سرکشی و فساد کے نتیجہ سے خبردار کیا تھا۔ نیز واضح کیا تھا کہ اس باب میں بنیادی امور کیا کیا ہیں۔ پھر آیت (۲۴) میں ان سب کا خلاصہ بیان کیا تھا کہ یہاں راہیں دو ہیں۔ ایک علم و بصیرت کی۔ ایک اندھے پن کی۔ اور ضروری ہے کہ دونوں کے چلنے والے اپنی حالت اور اپنے نتیجہ میں ایک ہی طرح کے نہ ہوں۔ پھر اس حقیقت پر دلیل پیش کی تھی۔ یہ گزشتہ ایام و وقائع کا بیان تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرہ سے شروع ہوا اور حضرت موسیٰ کے تذکرہ پر ختم ہوگیا۔ اب

الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ
عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ
تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾
وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

(اے پیغمبر!) یہ (پچھلی) آبادیوں کی خبروں میں سے چند کا بیان ہے جو ہم تجھے سنا رہے ہیں- ان میں سے کچھ تو اس وقت قائم ہیں، کچھ بالکل اجڑ گئیں- (۱۰۰) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا- بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا- تو دیکھ جب تیرے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی بات) آ پہنچی تو ان کے وہ معبود کچھ بھی کام نہ آئے جنہیں اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے- انہوں نے کچھ فائدہ نہ پہنچایا بجز اس کے کہ ہلاکی کا باعث ہوئے! (۱۰۱)

اور تیرے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ انسانی آبادیوں کو ظلم کرتے ہوئے پکڑتا ہے- یقیناً اس کی پکڑ بڑی ہی دردناک بڑی ہی سخت ہے! (۱۰۲)

(اور) اس بات میں اس کے لیے بڑی ہی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب کا خوف رکھتا ہو!

یہ (آخرت کا دن) وہ دن ہے جب تمام انسان اکٹھے کیے جائیں گے اور یہ وہ دن ہے جس کا نظارہ کیا جائے گا- (۱۰۳)

اور ہم نے اس دن کو پیچھے نہیں ڈالا ہے مگر صرف اس لیے کہ ایک مقررہ وقت پر اس کا ظہور ہو- (۱۰۴)

جب وہ دن آ پہنچے گا تو کسی جان کی مجال نہ ہوگی کہ بغیر اللہ کی اجازت کے زبان کھولے- پھر (اس دن انسانوں کی دو قسمیں ہوں گی) کچھ ایسے ہوں گے جن کے لیے محرومی ہے اور کچھ ایسے جن کے لیے سعادت- (۱۰۵)

آیت (۱۰۰) سے لے کر آخر سورت تک ان نتیجوں اور عبرتوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس سلسلہ استدلال سے واضح ہوتی ہیں:

(ا) ان قوموں کو جو کچھ پیش آیا تو اس لیے نہیں پیش آیا کہ اللہ نے ان پر زیادتی کی ہو- اس کا قانون جزاء تو سرتاسر عدل و رحمت ہے- بلکہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کرنا چاہا اور نجات کی راہ سے منہ موڑ کر ہلاکت کی طرف چلنے لگے-

(ب) اس باب میں اللہ کا قانون ایسا ہی ہے- اس کی رحمت نے مہلتوں پر مہلتیں دی ہیں اور روشنی کو تاریکی سے بالکل الگ کر دیا ہے لیکن اگر ایک قوم روشنی سے یک قلم منہ موڑ لے تو پھر نتائج و عواقب کا ظہور کبھی نہیں رک سکتا- ان کے ظہور کی دردناکی و شدت کبھی دور نہیں ہو سکتی-

(ج) ہر اس انسان کے لیے جو آخرت کے خیال سے بے خوف نہ ہو اس بات میں حقیقت کی بڑی ہی نشانی ہے- کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزائے عمل کا قانون یہاں نافذ ہے اور خدا کے رسولوں کا پیام جھوٹا نہیں-

(د) اللہ کے یہاں ہر بات کے لیے ایک حساب ہے اور ہر معاملہ کے لیے ایک مقررہ میعاد- جب تک وہ وقت نہ آئے اس بات کا ظہور نہیں ہو سکتا- آخرت کا دن بھی اسی لیے پیچھے ڈال دیا گیا کہ اپنے مقررہ وقت پر ظاہر ہو-

(ہ) اس دن جو شقی نکلیں گے ان کے لیے شقاوت ہوگی- جو سعید نکلیں گے ان کے لیے سعادت-

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا
تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ
نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ ع ۹
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا

تو جو لوگ محروم ہوئے وہ دوزخ میں ہوں گے- ان کے لیے وہاں چیخنا چلانا ہوگا- (۱۰۶) وہ اسی میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں-

(اور اس کے خلاف کچھ نہ ہوگا) مگر ہاں اس صورت میں کہ تیرا پروردگار چاہے- (اور) بلاشبہ تیرا پروردگار اپنے کاموں میں مختار ہے- جو چاہتا ہے کرتا ہے! (۱۰۷)

اور جن لوگوں نے سعادت پائی تو وہ بہشت میں ہوں گے- اور اسی میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں- (اس کے خلاف کچھ ہونے والا نہیں) مگر ہاں اس صورت میں کہ تیرا پروردگار چاہے- یہ (سعیدوں کے لیے) بخشش ہے ہمیشہ جاری رہنے والی! (۱۰۸)

پس (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو (خدا کے سوا دوسری ہستیوں کی) پرستش کرتے ہیں تو اس بارے میں تجھے کوئی شبہ نہ ہو- (یعنی اس بارے میں کہ ان کا کیا حشر ہونے والا ہے؟) یہ اسی طرح پرستش کر رہے ہیں جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا کرتے رہے ہیں- ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ ہم ان (کے اعمال کے نتائج) کا حصہ انہیں پورا پورا دیں گے- بغیر کسی کمی کے- (۱۰۹)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی- پھر اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر تیرے پروردگار نے پہلے سے ایک بات نہ ٹھہرا دی ہوتی (یعنی یہ کہ دنیا میں ہر انسان کو اس کی مرضی کے مطابق مہلت عمل ملنی ہے) تو البتہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا- اور ان لوگوں کو اس کی نسبت شبہ ہے کہ حیرانی میں پڑے ہیں- (۱۱۰) اور (یقین کر) سب کے لیے یہی ہونا ہے کہ جب

(و) آیت (۱۰۹) میں پیغمبر اسلام ﷺ سے خطاب ہے: تمہیں یہ خیال نہ ہو کہ مشرکین عرب کیوں شرک سے باز نہیں آتے؟ اور کیوں انہیں مہلت مل رہی ہے؟ وہ تو اسی راہ چل رہے ہیں جس پر ان کے باپ دادا چلے اور انہیں ان کی سرکشیوں کا نتیجہ پورا پورا ملنے والا ہے-

پھر فرمایا تم سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب دی گئی تھی لیکن لوگ اختلاف میں پڑ گئے اور حکمت الٰہی کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں اختلاف عمل دور نہیں ہوسکتا-

لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا
تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ
يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

وقت آئے گا تو تیرا پروردگار ان کے عمل انہیں پورے پورے دے گا (یعنی جیسے ان کے عمل ہوں گے ویسے ہی ان کے نتائج بھی پورے پورے مل جائیں گے) جو کچھ لوگ کر رہے ہیں وہ اس کی پوری خبر رکھنے والا ہے! (۱۱۱)

پس چاہیے کہ جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے تم اور وہ سب جو توبہ کر کے تمہارے ساتھ ہو لیے ہیں (اپنی راہ میں) استوار ہو جاؤ اور حد سے نہ بڑھو- یقین کرو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے! (۱۱۲)

اور ایسا بھی نہ کرنا کہ ظالموں کی طرف جھک پڑو اور (قریب ہونے کی وجہ سے) آگ تمہیں بھی چھو جائے- اللہ کے سوا تمہارا کوئی رفیق نہیں- پھر (اگر اس سے بچھڑے تو) کہیں مدد نہ پاؤ گے- (۱۱۳)

اور نماز قائم کرو- اس وقت جب دن شروع ہونے کو ہو اور اس وقت جب ختم ہونے کو ہو- نیز اس وقت جب رات کا ابتدائی حصہ گزر رہا ہو- یاد رکھو- نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں- یہ نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پذیر ہیں! (۱۱۴)

اور صبر کرو (یعنی راہ حق کی تمام مشکلیں جھیلتے رہو) کیونکہ اللہ نیک عملوں کا اجر ضائع نہیں کرتا! (۱۱۵)

---

(۲۱) پھر آیت (۱۱۲) میں پیغمبر اسلام کو اور ان کے ان ساتھیوں کو جو ابتدائے عہد کی بے سروسامانیوں اور مظلومیوں میں ایمان لائے تھے مخاطب کیا ہے اور حسب ذیل امور کی تلقین کی ہے- یہ ان کے لیے اس سورت کی موعظت کا خلاصہ ہے:

(ا) جو راہ بتلا دی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو اور اپنا کام کیے جاؤ-

(ب) اپنی حد سے تجاوز نہ کرو- یعنی استقامت کار کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ مخالفوں پر کسی طرح کی زیادتی کرنے کا خیال کرنے لگو- یا لڑنے جھگڑنے لگو- اپنے دائرہ کے اندر رہو- مگر اپنے طریقہ پر قائم رہو-

(ج) لیکن یہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ مخالفوں کی طرف جھک پڑو اور نتیجہ یہ نکلے کہ ان کی گمراہی کی چھینٹ تم پر بھی پڑ جائے-

(د) نماز کو اس کی ساری حقیقتوں کے ساتھ اس کے تمام وقتوں میں ادا کرو- تمہاری طاقت کا اصلی سرچشمہ یہی ہے- یہ بڑی نیک عملی ہے اور نیک عملی برائیاں دور کر دیتی ہے-

(ہ) صبر کرو- اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ نیک کرداروں کا اجر ضائع نہیں کرتا- یعنی ضروری ہے کہ آخر کار کامیابی انہی کے حصہ میں آئے-

(و) یہ پچھلی قومیں جو یک سر ہلاک ہو گئیں تو اس لیے ہوئیں کہ ان میں اہل خیر و صلاح معدوم ہو گئے تھے- کوئی نہیں رہا تھا جو شر و فساد سے روکے- اگر ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے موجود ہوتے تو کبھی اس نتیجہ سے دوچار نہ ہوتے- کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک بستی پر عذاب آئے اور اس کے باشندے مصلح ہوں-

اس بات میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم اپنی راہ میں مستقیم رہے اور ایک گروہ داعیان حق کا پیدا ہو گیا تو یہ سرزمین عذاب استیصال

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ
اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ
الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ
مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ

پھر (دیکھو) ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جو عہد تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں اہل خیر باقی رہے ہوتے اور لوگوں کو ملک میں شر و فساد کرنے سے روکتے؟ ایسا نہیں ہوا مگر بہت تھوڑے عہدوں میں جنہیں ہم نے نجات دی- ظلم کرنے والے تو اسی راہ پر چلے جس میں انہوں نے (اپنی نفس پرستیوں کی) آسودگی پائی تھی- اور (وہ سب احکام حق کے) مجرم تھے- (۱۱۶)

اور (یاد رکھو) ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ تمہارا پروردگار آبادیوں کو ناحق ہلاک کردے اور اس کے باشندے سنوارنے والے ہوں! (۱۱۷)

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک امت بنا دیتا (یعنی سب ایک ہی راہ چلتے لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں چاہا اور یہاں الگ الگ گروہ اور الگ الگ راہیں ہوئیں) اور لوگ ایسے ہی رہیں گے کہ مختلف ہوں- (۱۱۸) مگر ہاں جس پر تیرے پروردگار نے رحم فرمایا (تو وہ حقیقت پالے گا اور اس بارے میں اختلاف نہیں کرے گا) اور اسی لیے انہیں پیدا کیا ہے- اور (پھر دیکھو اسی اختلاف فکر و عمل کا نتیجہ ہے کہ) تمہارے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی) بات پوری ہو کر رہی کہ البتہ ایسا ہوگا کہ میں جہنم کو کیا جن اور کیا انسان سب سے بھرپور کردوں! (۱۱۹)

اور (اے پیغمبر!) رسولوں کی سرگزشتوں میں سے جو جو قصے ہم تجھے سناتے ہیں (یعنی جن جن اسلوبوں سے ہم سناتے ہیں) تو ان سب میں یہی بات ہے کہ تیرے دل کو تسکین دے دیں- اور پھر ان کے اندر تجھے امر حق مل گیا

سے محفوظ رہے گی- یعنی ایسے عذاب سے جو یک قلم نابود کردینے والا ہو جیسا کہ پچھلی قوموں پر آ چکا ہے-

(ز) یاد رکھو دنیا میں اختلاف فکر و عمل ناگزیر ہے- ایسا نہیں ہوسکتا کہ سب ایک ہی راہ چلنے والے ہو جائیں اور حق و باطل کی کشمکش باقی نہ رہے- پس اس بات سے مایوس نہ ہو کہ تمام آدمی کیوں دعوت حق قبول نہیں کر لیتے؟ نہ تو پہلے ایسا ہوا نہ اب اس کی توقع رکھنی چاہیے- بہت سے مانیں گے- بہت سے نہیں مانیں گے- تم اپنے کام میں سرگرم رہو-

(۲۲) یہاں آیت (۱۲۰) میں واضح کر دیا کہ گزشتہ رسولوں کی سرگزشتیں جو مختلف مقامات میں اور مختلف اسلوبوں میں بیان کی گئی ہیں ان سے قرآن کا مقصد کیا ہے:

(ا) تاکہ تیرے دل کو تسکین ہو یعنی قوم کو اعراض و سرکشی کی حالت میں دیکھ کر تیرا دل بے قرار ہے- دعوت کا ولولہ اور اصلاح

الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى
مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
ع وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

(یعنی سچائی کی دلیلیں مل گئیں) اور موعظت (کہ نصیحت پکڑنے والے نصیحت پکڑیں گے) اور یاد دہانی ہوئی مومنوں کے لیے! (۱۲۰)

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ ایمان نہیں لاتے (اور دعوت حق کا مقابلہ کر رہے ہیں) ان سے کہہ دے "تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ - ہم بھی (اپنی جگہ) سرگرم عمل ہیں - (۱۲۱) اور (نتیجہ کے) منتظر رہو - ہم بھی منتظر ہیں" (۱۲۲)

اور (یاد رکھو) اللہ ہی کے لیے آسمان و زمین کی چھپی باتوں کا علم ہے اور سارے کام اسی کے آگے رجوع ہوتے ہیں - پس اس کی بندگی میں لگا رہ اور اس پر بھروسہ کر - تیرا پروردگار اس سے غافل نہیں ہے جو کچھ لوگ کر رہے ہیں! (۱۲۳)

کا عشق تجھے مضطرب رکھتا ہے: ﴿ لعلك باخع نفسك الا يكونوا مومنين ﴾ (۳:۲٦) تو ان سرگزشتوں کا تفکر موجب تسکین ہوگا کہ تجھ سے پہلے بھی ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے بلکہ اعراض و سرکشی کے اس سے بھی زیادہ سخت مظاہرے ہو چکے ہیں -

(ب) یہ سرگزشتیں حق کو واضح کر دیتی ہیں - یعنی ان میں حقیقت کی دلیلیں اور روشنیاں ہیں - یہ بتلاتی ہیں کہ اس بارے میں اللہ کا ایک مقررہ قانون ہے اور اس میں کبھی تبدیلی ہونے والی نہیں -

(ج) ان میں موعظت ہے - یعنی ایسی باتیں ہیں جو سننے والوں کو عبرت دلاتی ہیں نصیحت و پند کرتی ہیں غرور و نادانی سے بیدار کر دیتی ہیں -

(د) مومنوں کے لیے تذکیر ہے یعنی سچائی کی یاد دلاتی ہیں غفلت سے روکتی ہیں -

اوائل حال کی ایک غفلت یہ بھی تھی کہ کمزور و بے سروسامان تھے اور تمام ملک دشمنی پر تل گیا تھا - اس لیے کبھی کبھی مایوسی کے خیال آنے لگتے تھے -

اب یہ چار باتیں سامنے رکھ کر قرآن کے قصص و وقائع کا مطالعہ کرو - وہ تمام قفل کھل جائیں گے جنہیں ہمارے منطقی مفسروں کی دس دس جلدیں بھی نہ کھول سکیں -

(۲۳) سورت کی ابتداء جس اعلان حق سے ہوئی تھی اور پھر واضح کیا تھا کہ تمام پچھلی دعوتوں کا بھی یہی اعلان رہ چکا ہے اسی پر اب سورت ختم ہوتی ہے - چنانچہ آخری تین آیتیں خاتمہ موعظت ہیں:

(ا) منکروں سے وہی بات کہہ دو جو ہمیشہ کہی گئی ہے - یعنی تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ - ہم اپنی جگہ کر رہے ہیں - تم بھی نتیجہ کا انتظار کرو - ہم بھی منتظر ہیں - نتیجہ فیصلہ کر دے گا - جس طرح ہمیشہ کر چکا ہے -

(ب) اللہ ہی جانتا ہے کہ پردہ غیب میں کیا چھپا ہے اور سارے کام اسی کے ہاتھ میں ہیں -

(ج) اور تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو کیا کرنا چاہیے؟ ﴿ فاعبده وتوكل عليه! ﴾ اس کی عبادت میں لگے رہو اور اس پر بھروسہ رکھو!

قرآن کے قصص اور ان کا حجت و برہان ہونا

(۲۴) یہ سورت بھی من جملہ ان سورتوں کے ہے جن میں گزشتہ دعوتوں کے وقائع سے استشہاد کیا گیا ہے اور گو سورۂ اعراف کے ایک نوٹ میں اس طرف اشارات کیے جا چکے ہیں' لیکن ضروری ہے کہ یہاں مزید وضاحت کر دی جائے تاکہ آئندہ جہاں کہیں یہ بات آئے ذہن فہم و تدبر کے لیے مستعد رہے!

(۱) قرآن نے تذکیر و موعظت کے لیے جو باتیں بطور دلائل کے اختیار کی ہیں اور جنہیں وہ جا بجا حجج' براہین' بینات اور بصائر سے تعبیر کرتا ہے ان میں ایک نمایاں استدلال ایام و وقائع کا استدلال ہے- اس نے جہاں کہیں گزشتہ قوموں کے حالات بیان کیے ہیں وہاں یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اس بیان سے اس کا مقصود کیا ہے؟ جیسا کہ اسی سورت کی آیت (۱۲۰) میں گزر چکا ہے-- اور جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مقصود یہ نہیں ہے کہ تورات کی طرح دنیا کی تاریخ بیان کی جائے بلکہ کچھ باتیں ہیں جن کا وہ دلوں میں اذعان پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ سرگزشتیں اس کے لیے دلیلیں ہیں' حجتیں ہیں' براہین ہیں- پس سمجھ لینا چاہیے کہ کیونکر یہ سرگزشتیں دلیلیں ہوئیں- بات بالکل صاف تھی کیونکہ خود قرآن نے کھول کھول کر ہر جگہ بتلا دی ہے لیکن منطقی استدلال کے انہماک نے مفسروں کو سمجھنے کی مہلت نہ دی-

وحدت قوانین فطرت:

(ب) اس سلسلے میں سب سے پہلے دو باتیں ذہن نشین کر لینی چاہییں:

اولاً' قرآن کہتا ہے کہ کائنات ہستی کے جس گوشہ پر بھی نظر ڈالو گے تمہیں ایک حقیقت ابھری ہوئی دکھائی دے گی- بشرطیکہ دیکھنے سے انکار نہ کرو- وہ کیا ہے؟ قوانین فطرت کی وحدت- یعنی یہاں ہر جگہ ایک ہی قانون ایک ہی طرح پر کام کر رہا ہے- کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اپنے قانون خلقت و فعل میں دوسروں سے ذرا بھی الگ ہو- بلاشبہ بھیس بہت سے ہو گئے ہیں، اور نام بھی یکساں نہیں- مگر حقیقت ایک ہی ہے اور جونہی سامنے کے پردے ہٹاتے ہو، اصلیت کی بے لاگ وحدت آ کھڑی ہوتی ہے- مثلاً تم کہتے ہو کہ حیوان کے لیے موت و حیات ہے- پھولوں کے لیے کھلنا اور مرجھا جانا ہے- پتھروں کے لیے بننا اور پامال ہونا ہے- اجزاء کے لیے ملنا اور بکھر جانا ہے- بھیس بہت سے ہو گئے مگر کیا صورتیں بھی بہت ہوئیں؟ نام کئی ہو گئے مگر کیا حقیقت بھی متعدد ہوئی؟ وہی قانون جو حیوانات میں موت و حیات تھا' نباتات میں کھلنا اور مرجھانا ہوا' جمادات میں بننا اور پامال ہونا، اجزاء میں ملنا اور بکھرنا- الفاظ بدلتے جاؤ- معنی نہیں بدل سکتے!

عباراتنا شتّٰی و حسنك واحد

وكل الى ذاك الجمال يشير!

وہ کہتا ہے جب کائنات ہستی کے ہر گوشہ میں وحدت قانون کی بنیادی اصل کام کر رہی ہے' تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ اعمال انسانی کا گوشہ اس سے باہر ہو؟ اور وہاں بھی کوئی قانون کام نہ کر رہا ہو؟ اور وہ وہی اور ویسا ہی نہ ہو جیسا تمام گوشوں میں ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ گوشہ بھی دوسرے گوشوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے- ٹھیک اسی طرح جس طرح یہاں کا ہر گوشہ دوسرے گوشے سے مربوط ہے- یہاں بھی وہی قانون کام کر رہا ہے جو عالم مادی کے تمام گوشوں میں کارفرما ہے- اور یہاں کے بھی وہی احکام و نتائج ہیں جو دوسرے گوشوں میں نظر آ رہے ہیں- مثلاً اگر

عالم مادی میں تم دیکھتے ہو کہ آگ کا خاصہ جلانا ہے' اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ آگ روشن ہو اور اس کے شعلوں سے ٹھنڈک نکلے' تو تمہیں اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے کہ یہاں بھی کوئی بات آگ کی طرح ہو سکتی ہے اور جب وہ ظہور میں آ جائے تو اس سے گرمی ہی نکلے گی - ٹھنڈک نہیں نکل سکتی - یعنی مادیات کے خواص کی طرح معنویات کے بھی خواص ہیں اور خواص ونتائج کا ایک ہی عالمگیر قانون یکساں طور پر دونوں جگہ کام کر رہا ہے - (مزید تشریح کے لیے تفسیر سورہ فاتحہ اور مقدمہ دیکھنا چاہیے)

ثانیاً' وہ کہتا ہے - جس طرح یہاں ہر بات کے لیے فطرت کے مقررہ قوانین ہوئے اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی سعادت وشقاوت اور حیات وممات کا بھی ایک قانون ہوا اور جس طرح فطرت کے تمام قوانین یکساں ہیں' عالمگیر ہیں' غیر مبدل ہیں' اسی طرح یہ قانون بھی ہمیشہ ایک ہی طرح رہا ہے اور ہمیشہ ایک ہی طرح کے احکام ونتائج ظاہر ہوئے ہیں - زمانوں اور قوموں کے اختلاف سے اس کی تاثیر مختلف نہیں ہو سکتی - جس طرح سنکھیا کا خاصہ ہلاکت ہی ہے - خواہ کسی ملک اور کسی عہد میں کھائی جائے اسی طرح اس قانون کے احکام ونتائج بھی یکساں ہی ہوں گے خواہ کسی ملک اور کسی عہد میں پیش آئیں - یہ نہیں ہو سکتا کہ اب سے ہزار برس پہلے تو سنکھیا کا خاصہ ہلاکت رہا ہو اور اب زندگی ہو جائے - پس جو کچھ ماضی میں پیش آ چکا ہے ضروری ہے کہ مستقبل میں بھی پیش آئے - اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی - کیونکہ فطرت کے قوانین میں تبدیلی نہیں -

اس نے جابجا اس قانون کو ''سنت اللہ'' سے تعبیر کیا ہے:

﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾ (۳۳:۶۲)

جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے لیے اللہ کی سنت یہی رہی ہے (یعنی اللہ کے قانون کا دستور یہی رہا ہے) اور اللہ کی سنت میں تم کبھی ردوبدل نہیں پاؤ گے!

﴿ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴾ (۳۵:۴۳)

پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟ کیا اس بات کی کہ جو کچھ اگلے لوگوں کے لیے سنت رہ چکی ہے ان کے لیے بھی ظہور میں آ جائے؟ تو یاد رکھو - تم اللہ کی سنت کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے اور نہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی سنت کے احکام پھیر دیے جائیں -

﴿ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴾ (۱۷:۷۷)

(اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے ان کے لیے ہماری سنت یہی رہی ہے اور ہماری سنت کبھی ٹلنے والی نہیں!

استقراء کا یقین فطری ہے:

قرآن کا یہ استدلال فی الحقیقت طبیعت انسانی کا وجدانی اذعان ہے - انسان کی ذہنی فطرت کا مطالعہ کرو - تم دیکھو گے کہ وہ حوادث سے بالطبع متاثر ہوتی ہے اور اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتلا دیتی ہے کہ یہاں ایک مرتبہ کا حادثہ ایک ہی مرتبہ کا حادثہ نہیں ہے' خواص ونتائج دائمی ہیں - یعنی جو بات یہاں ایک مرتبہ ظہور میں آتی ہے وہ ہمیشہ ظہور میں آئے گی یا ہمیشہ ظہور میں آ سکتی ہے - اور جس چیز کا جو خاصہ

ایک مرتبہ ظاہر ہوا' وہی خاصہ ہمیشہ ظہور میں آئے گا - چنانچہ بچوں کو دیکھو کس طرح یہ وجدانی علم ان کے اندر بول رہا ہے؟ ایک بچہ پہلی مرتبہ آگ میں انگلی ڈالتا ہے اور انگلی جلنے لگتی ہے - پھر جب کبھی آگ اس کے سامنے آتی ہے خود بخود ہاتھ کھینچ لیتا ہے - کیوں؟ اسی لیے کہ اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتلا دیتی ہے کہ جس چیز نے ایک مرتبہ جلایا وہ ہمیشہ جلائے گی - یہ اعتقاد کہ ''آگ ہمیشہ جلاتی ہے'' اسے صرف اتنی بات سے حاصل ہو گیا کہ ''آگ نے ایک مرتبہ جلایا تھا!''

طبیعت انسانی کا یہی وجدانی تاثر ہے جس نے ہمارے ذہن میں استقراء کا اعتقاد پیدا کیا - یعنی جزئیات کا تجربہ کرنا اور اس کے ذریعہ سے کلیات تک پہنچنا - اب ہمارے تمام علوم و معارف کا سنگ بنیاد یہی ہے -

بہرحال قرآن کہتا ہے اگر تم وجدانی طور پر یہ بات محسوس کرتے ہو کہ خواص و نتائج کا تسلسل و اجراء ایک حقیقت ہے - یعنی اگر ایک چیز سے بار بار ایک ہی طرح کا نتیجہ نکلا ہے تو یہ اس کا خاصہ ہے اور اس میں تبدیلی ممکن نہیں تو پھر تم کیسے انکار کر دیتے ہو کہ اعمال انسانی کے لیے یہ حقیقت معطل ہو گئی اور یہاں ایسا ہونا ضروری نہیں؟ اگر تم کہتے ہو کہ فلاں بات سے ایسا نتیجہ ضرور نکلے گا کیونکہ بار بار ایسا ہی ہو چکا ہے تو پھر اس بات سے کیوں انکار کر دیتے ہو کہ فلاں قسم کے اعمال کا نتیجہ یقیناً ہلاکت ہے کیونکہ بار بار ایسا ہی ہو چکا ہے؟ چنانچہ یہی بات ہے کہ وہ جا بجا کہتا ہے - تم ہی دنیا میں پہلی قوم نہیں ہو - تم سے پہلے بھی بے شمار قومیں اسی زمین میں گزر چکی ہیں - ان کی بھی آبادیاں تھیں' قوتیں اور شوکتیں تھیں' سر بہ فلک عمارتیں تھیں' فکر و عمل کی سرگرمیاں تھیں - پس دنیا کی سیر کرو، گزری ہوئی سرگزشتیں سنو' مٹی ہوئی نشانیوں کا کھوج لگاؤ اور پھر دیکھو سعادت و شقاوت کے قانون کا کیسا عمل درآمد رہ چکا ہے؟ اور اگر ہمیشہ ایسا ہی ہو چکا ہے تو کیا تم سمجھتے ہو خدا تمہارے لیے اپنا قانون ہستی معطل کر دے گا؟ یا اس طرح بدل دے گا کہ جو چیز کل تک سنکھیا رہ چکی ہے تمہارے لیے شہد ہو جائے؟

﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ (۳: ۱۳۷)

تم سے پہلے بھی (دنیا میں خدا کے) احکام و قوانین کے نتائج گزر چکے ہیں - پس ملکوں کی سیر کرو - پھر دیکھو ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جنہوں نے خدا کی نشانیاں جھٹلائی تھیں؟

﴿ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ﴾ (۳۵: ۴۴)

کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا کیسا انجام ہو چکا ہے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں اور جو ان لوگوں سے قوت میں کہیں زیادہ تھے؟

قرآن کی موعظت کا ایک خاص دائرہ ہے اور وہ جو کچھ کہتا ہے اسی کے اندر رہ کر کہتا ہے - پس ضروری ہے کہ اس استدلال کو بھی اسی کے اندر رہ کر دیکھیں - اس سے باہر جانے کی کوشش نہ کریں - تاہم ایک بات ایسی ہے جو بغیر کسی تکلف کے خود بخود سامنے آ جاتی ہے اور ہم اپنے ذہن کو اس طرف جانے سے روک نہیں سکتے - یعنی قرآن کے اس طرز استدلال نے ایک زیادہ عام حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ تاریخ کا صحیح استعمال کیا ہونا چاہیے؟ قرآن کی ان تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ گزشتہ کا مطالعہ اس لیے کرنا چاہیے کہ آیندہ کے لیے عبرت حاصل کی جائے - یعنی جو کچھ گزر چکا ہے وہ آیندہ کے لیے ذخیرۂ بصیرت ہے اور ماضی کے آئینہ میں مستقبل کی صورت دیکھی جا سکتی ہے - یہ کہنا ضروری نہیں کہ اس باب میں علم و نظر کی کاوشیں جس قدر بھی سراغ لگا سکی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہی ہے - تاریخ میں

ابن خلدون پہلا شخص تھا جس نے تاریخ کو اسی روشنی میں دیکھنا چاہا اور اب فلسفۂ تاریخ کی ساری بنیادیں اسی اصل پر چنی گئی ہیں- البتہ اس وقت تک معاملہ ابتدائی حالت سے آگے نہیں بڑھ سکا- اگر بڑھتا تو ہم تاریخ کی ہر داستان میں مستقبل کی ایک نئی داستان پڑھ لیا کرتے-

(ج) اب یہ دو اصل سامنے رکھ کر قرآن کے ان تمام مقامات کا مطالعہ کرو جہاں گزشتہ ایام و وقائع کا ذکر کیا گیا ہے- تم دیکھو گے کہ ہر جگہ یہی استدلال کام کر رہا ہے اور جونہی یہ بات سامنے رکھ لی جائے تمام وجوہ و روابط واضح ہو جاتے ہیں- البتہ ہر مقام پر ایک ہی طرح کا بیان نہیں ہے اور نہ ایک ہی پہلو پر زور دیا گیا ہے- کسی مقام پر شخصیتوں کا ذکر کیا گیا ہے- کیونکہ وہاں اسی کی ضرورت تھی- کہیں قوموں کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہاں کا مقتضا یہی تھا- کہیں وقائع کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ وہاں کے لیے اسی قدر کافی تھا- اور پھر کہیں ایسا ہے کہ سرگزشتیں ایک ہی مقام پر جمع کر دی ہیں اور ان سب سے بحیثیت مجموعی استدلال کیا ہے- تاکہ استدلال کے تمام پہلو آشکارا ہو جائیں-

سورۂ ہود اور استقراء تاریخی:

(د) چنانچہ یہ سورت بھی من جملہ ان سورتوں کے ہے جن میں آخری صورت اختیار کی گئی ہے اور اس لیے اس استدلال کے جامع و مفصل مقامات میں سے ہے- وہ کہتا ہے- گزرے ہوئے عہدوں کی طرف مڑ کے دیکھو- تم دیکھو گے کہ دنیا کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جہاں ایک خاص طرح کا معاملہ پیش نہ آیا ہو اور خاص طرح کے نتائج پیدا نہ ہوئے ہوں- ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ قوموں میں ایک خاص طرح کی شخصیتیں پیدا ہوئیں، ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے خاص طرح کی صدائیں بلند کیں، ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ ان کے اور ان کی قوم کے درمیان خاص طرح کے معالات پیش آئے اور پھر ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ ان کا خاتمہ ایک خاص طرح کے نتیجہ پر ضرور ہوا اور اس نتیجہ نے تمام قضیہ کا فیصلہ کر دیا- تم یہ بھی دیکھو گے کہ یہ سارا معاملہ اپنی ساری باتوں میں کچھ اس طرح کا یکساں اور ہم رنگ واقع ہوا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک ہی حقیقت ہے جو بار بار ابھرتی اور اپنے آپ کو دہراتی رہی ہے یا ایک ہی زنجیر ہے جس کی مختلف کڑیاں یکے بعد دیگرے نمایاں ہوئی ہیں اور اس کی کوئی کڑی دوسری کڑی سے الگ نہیں- پھر کیا یہ بات کہ ہمیشہ اور ہر جگہ ایک ہی طرح کی بات پیش آئی اور ایک ہی طرح کا نتیجہ نکلا، اس یقین کے لیے کافی نہیں کہ یہ ملکوں اور قوموں کی سعادت و شقاوت کا ایک الٰہی قانون ہے، اور چونکہ ہمیشہ کام کرتا رہا ہے، اس لیے اب بھی کام کرے گا؟

(ہ) اب ان تمام سرگزشتوں پر نظر ڈالو جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں اور اعراف میں گزر چکی ہیں اور آیندہ سورتوں میں بھی آئیں گی- یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت سے شروع ہوتی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر ختم کر دی جاتی ہیں- غور کرو- کس طرح ان تمام دعوتوں کے ظہور میں، اعلانات میں، تذکیر و موعظت میں، احوال و ظروف میں، رد و قبول میں، نوعیت و حیثیت میں اور پھر آخری نتیجہ میں کامل یکسانی پائی جاتی ہے؟ اور کس طرح ان کی ہم آہنگی کے تمام نقطے صاف صاف ابھرے ہوئے ہیں؟ ساتھ ہی کس طرح قدم قدم پر بتلایا جا رہا ہے کہ ہدایت وحی کے ظہور کے عام قوانین کیا کیا ہیں؟ اور کس طرح دعوت وحی کا ہر چہرہ اپنے خال و خط میں قطعی اور آشکارا نظر آ رہا ہے کہ شک و اشتباہ کی پرچھائیں بھی اسے چھونے کی جرأت نہیں کر سکتی؟

(و) سورۂ اعراف کے ایک نوٹ میں اشارات گزر چکے ہیں- اور اس سورت میں ہر دعوت کے وقائع کا خلاصہ بالمقابل نوٹوں میں پڑھ چکے ہو- ان سب پر مکرر نظر ڈالو اور غور کرو- جتنے رسول پیدا ہوئے وہ کیسے وقتوں میں پیدا ہوئے؟ اور کن لوگوں میں پیدا ہوئے؟ ان کی پکار کیا تھی؟ اور پکار کی نوعیت کیا تھی؟ ان کی دلیلیں کیا تھیں جن پر انہوں نے زور دیا؟ ان کا طریق کار کیا تھا جس پر وہ برابر کاربند رہے؟ انہوں

نے اپنے قدم جہاں ٹکائے تھے وہ جگہ کون سی تھی؟ اور سہارے کے لیے جس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا وہ کون تھا؟ پھر ان میں اور ان کی قوموں میں جو معاملات پیش آئے وہ کس قسم کے تھے؟ اور ان معاملات میں ان کا جو قول و فعل رہا، وہ کس قسم کا تھا؟ تم دیکھو گے کہ ان ساری باتوں میں ہر رسول دوسرے رسول کی تصویر تھا اور ہر دعوت دوسری دعوت کا عکس تھی- کسی بات میں بھی تم ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے- سب اسی حال میں پیدا ہوئے کہ دنیوی طاقتوں اور حکمرانیوں میں سے کچھ نہیں رکھتے تھے- سب کا ظہور ایسے ہی وقتوں میں ہوا جب خدا پرستی اور نیک عملی کی روشنی بجھ چکی تھی- سب انہی قوموں میں پیدا ہوئے جن قوموں کو انہوں نے مخاطب کیا تھا- سب کی زبانوں سے ایک ہی پکار نکلی- سب نے ایک ہی طرح پر لوگوں کو بلایا- سب نے کہا اللہ کی بندگی کرو' اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں- سب نے کہا ظلم و بدعملی سے باز آ جاؤ- اس کا نتیجہ ہلاکت ہے- سب نے کہا- ہماری جدوجہد ادائے فرض ہے- مزدوری کی طلب نہیں- سب نے کہا- ہمارے پاس علم و یقین ہے- ہم تمہیں ظن و جہل سے نجات دلانا چاہتے ہیں- سب نے کہا- ہمارا دعویٰ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایمان و نیک عملی کے نتائج کی بشارت دینے والے ہیں- انکار و بدعملی کے نتائج سے متنبہ کر دینے والے- ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے- سب نے کہا- تمہارا بھروسہ اپنی طاقتوں پر ہے- ہمارا پروردگار عالم پر- تم جو کچھ کر سکتے ہو کر دیکھو- ہم اپنے کام سے باز آنے والے نہیں- سب نے کہا- اگر مانتے نہیں تو کم از کم حق کے مقابلہ میں سرکشی کرنا چھوڑ دو- کیونکہ سرکشی کا نتیجہ عذاب ہے- اور پھر سب نے کہا کہ تمہاری راہ تمہارے لیے ہے- ہماری راہ ہمارے لیے- فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے- ہم بھی انتظار کرتے ہیں- تم بھی انتظار کرو!

پھر ان قوموں کی طرف نظر اٹھاؤ جن میں ان تمام دعوتوں کا ظہور ہوا تھا- کس طرح یہاں بھی ہر قوم اپنے طرز عمل میں ٹھیک ٹھیک دوسری قوم کی شبیہ ہے؟ اور کس طرح گمراہی کا چہرہ ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا، جس طرح ہدایت کا چہرہ ایک ہی طرح کا رہا ہے؟ غور کرو- کوئی بات بھی ایسی دکھائی دیتی ہے جس میں ظلم و فساد کی ایک نمود، ظلم و فساد کی دوسری نمود سے ہم رنگ نہ رہی ہو؟ سب نے اپنی اپنی باری وہی سب کچھ کیا جو ان میں سے کسی ایک نے کیا تھا- سب نے دعوت سے انکار کیا- سب نے دعوت کی ہنسی اڑائی- سب نے دلیلوں سے منہ موڑا- سب نے روشنیوں سے آنکھیں بند کر لیں- سب سرکشی اور گھمنڈ کی چال چلے- سب نے جبر و تشدد سے راہ روکنی چاہی- سب نے موعظت و دلائل کا جواب ظلم و تعدی سے دیا- سب کی زبانوں سے ایک ہی طرح کی صدائیں نکلیں- سب کے اعراض و انکار کا مزاج ایک ہی طرح کا مزاج رہا- اور پھر سب کو غرور و طغیان نے آخر وقت تک اس کی مہلت نہ دی کہ روشنی و تاریکی میں امتیاز کرتے!

پھر اگر انہیں مانا تو کن لوگوں نے مانا اور کتنوں نے مانا؟ تو یہاں بھی ہر دعوت کا معاملہ دوسری دعوت کے معاملہ سے بالکل ہم آہنگ رہا ہے- ہمیشہ ایسا ہی ہوا کہ بے نواؤں اور درماندوں نے قبول کیا اور سرداروں اور رئیسوں نے مقاومت کی- ہمیشہ ایسا ہی ہوا کہ جنہوں نے مانا وہ تھوڑے تھے' جنہوں نے انکار کیا وہ بہت تھے!

پھر دیکھو، نتیجہ بھی کس طرح ہمیشہ ایک ہی رہا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس ایک کے خلاف ہوا ہو؟ ہمیشہ خدا کے فیصلہ کا انتظار کیا گیا اور ہمیشہ فیصلہ یہی ہوا کہ مومنوں نے نجات پائی- سرکشوں کے لیے ہلاکت ہوئی- یہ گویا اس معاملہ کا ایک قدرتی خاصہ تھا اور خاصہ کبھی بدل نہیں سکتا- یہ آگ کے لیے گرمی تھی- برف کے لیے ٹھنڈک تھی- سنکھیا کے لیے ہلاکت تھی- اور آگ جب سلگے گی گرمی ہی نکلے گی- برف جب کبھی جمے گی ٹھنڈک ہی ہوگی- سنکھیا جب کبھی کھائی جائے گی ہلاکت ہی لائے گی: ﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾

(ز) قرآن کے اس استدلال کی ہم نے جو کچھ تشریح کی ہے یہ کوئی دور کا مفسرانہ استنباط نہیں ہے بلکہ خود قرآن نے صاف صاف لفظوں میں یہ ساری باتیں واضح کر دی ہیں- ضرورت صرف تدبر و بصیرت کی ہے- قرآن کے ان بے شمار مقامات کا مطالعہ کرو جہاں گزشتہ رسولوں یا گزشتہ قوموں کی الگ الگ سرگزشتیں نہیں بیان کی ہیں بلکہ محض اجمالی اشارہ کر دیا ہے اور پھر یکے بعد دیگرے ان عبرتوں پر توجہ دلائی ہے جو ان سب کی سرگزشتوں سے مجموعی طور پر نکلتی ہیں- مثلاً سورۂ ابراہیم کی آیت (۹) میں فرمایا کیا ان قوموں کی خبریں تم تک نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں؟ پھر ان قوموں کی طرف اشارہ کیا ہے ''قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود اور وہ قومیں جو ان کے بعد ظہور میں آئیں اور جن کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے'' پھر اس کے بعد ان سب کے ایام و وقائع کی متفقہ اور مشترکہ عبرتیں بیان کی ہیں- اور صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ تمام رسولوں کی صدائیں ایک ہی طرح کی رہیں اور تمام قوموں کے انکار و سرکشی کا عنوان بھی ایک ہی رہا- پھر جو نتیجہ پیش آیا وہ بھی سب کے لیے یکساں تھا اور ایک ہی تھا ﴿ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ٥ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ ﴾ (۱۴: ۱۳،۱۴)

ایام اللہ:

(ح) عربی میں ایسے واقعات کو جو بڑے اہم اور فیصلہ کن ہوتے ہیں اور قومی روایات کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ فلاں واقعہ کا دن- مثلاً یوم بدر' یوم احد' یوم قادسیہ اور اسی سے قومی معرکوں کے لیے ''ایام'' کی تعبیر پیدا ہو گئی ہے- چونکہ فیصلہ نتائج کے یہ دن جو تمام قوموں کو پیش آئے اللہ کے قانون حق کے نفاذ کے دن تھے اور حق و باطل کی معرکہ آرائی تھی' اس لیے قرآن نے انہیں ''ایام اللہ'' سے تعبیر کیا ہے- ﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴾ (۱۴:۵)

قصص قرآن و مبادی سبعہ:

(ط) اس سورت میں بیان قصص کے بعد فرمایا ہے: ﴿ وجاءك فی هذه الحق و موعظة وذكری للمومنين ﴾ (۱۲۰) ان سرگزشتوں نے تم پر حقیقت کھول دی اور وہ سرتاپا موعظت و تذکیر ہیں- نیز بے شمار مقامات میں تصریح کی کہ ان سرگزشتوں میں حقیقت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں- بڑی بڑی دلیلیں ہیں- تو اب غور کرو ''ایام اللہ'' کے اس استدلال سے کس طرح حقائق وحی کی تمام مہمات واضح ہو جاتے ہیں؟ اور کس طرح ہر حقیقت کے لیے موعظت و تذکیر مل جاتی ہے؟ تشریح کا یہ محل نہیں- مقصود اشارات ہیں تاکہ تمہارے سامنے تدبر کی راہیں خود بخود کھل جائیں مثلاً بنائے استدلال معاملات کی وحدت اور ان کا عالمگیر تسلسل ہے- تو اب غور کرو- یہ وحدت کس طرح ہر گوشہ میں علم و یقین کا اجالا پیدا کر رہی ہے؟

اولاً' وحدت انبعاث' یعنی معلوم ہو گیا' ایک خاص معاملہ کے لحاظ سے تمام ملکوں اور قوموں کی حالت یکساں رہی ہے- کوئی ملک و قوم ہو لیکن سراغ ملتا ہے کہ وہاں کچھ لوگ ایسے ضرور پیدا ہوئے جنہوں نے ابنائے جنس کو ایک خاص طرح کی تعلیم دی-

ثانیاً' وحدت دعوت' یعنی یہ تعلیم اگرچہ مختلف قرنوں' مختلف ملکوں' مختلف پیرایوں' مختلف زبانوں میں دی گئی لیکن ان اختلافات سے تعلیم مختلف نہیں ہو گئی- وہ ہمیشہ ایک ہی رہی- گویا ایک ہی پیغام تھا جو کسی نے بہت سے پیام بروں کو دے کر بھیج دیا ہو- اور زبانیں

بہت سی ہوگئی ہوں مگر بات ایک ہی رہی ہو۔

ثالثاً' وحدت تذکیر و موعظت یعنی تمام دعوتوں کی صرف تعلیم ہی یکساں نہ رہی - بلکہ تذکیر و موعظت کے اصول بھی ہمیشہ ایک ہی رہے۔

رابعاً' وحدت شئون و وقائع - یعنی اگر چہ زمانے مختلف ہوئے' ملک مختلف ہوئے' قومیں مختلف ہوئیں' احوال و ظروف مختلف ہوئے' مگر جو معاملات پیش آئے وہ اپنی نوعیت میں ہمیشہ ایک ہی طرح کے ہوئے۔

خامساً' وحدت تصدیق و انکار - یعنی دعوت کے ماننے نہ ماننے کے لحاظ سے بھی حالت ہمیشہ یکساں رہی۔

سادساً' وحدت ہدایت و ضلالت فکر - یعنی ہمیشہ ماننے والوں کی فکری حالت بھی ایک ہی طرح کی رہی اور نہ ماننے والوں کی فکری حالت بھی ایک ہی طرح کی رہی - جنہوں نے مانا ہمیشہ ایک ہی طرح پر مانا - جنہوں نے نہ مانا ایک ہی طرح پر نہ مانا - حتی کہ تصدیق و یقین کی جتنی صدائیں اٹھیں ہمیشہ ایک ہی طرح کی اٹھیں اور انکار و شک کی جتنی باتیں کہی گئیں ہمیشہ ایک ہی طرح کی کہی گئیں۔

سابعاً' وحدت ظہور نتائج - یعنی پھر نتیجہ بھی ہمیشہ ایک ہی نکلا - ایک سے دو نہ ہوا۔

قرآن کہتا ہے - جب صورت حال یہ ہے تو کیا ایسی باتیں اصلیت سے خالی ہو سکتی ہیں؟ کیا ان کی قدامت' ان کی عالمگیری' ان کا دائمی تسلسل' ان کا غیر منقطع اعادہ' ان کی بے داغ وحدت' ان کی فطری صداقت کا اعلان نہیں کر رہی ﴿ مَالَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴾

پس معلوم ہوا یہاں کی تمام فطری اور عالمگیر حقیقتوں کی طرح ہدایت وحی کی بھی ایک حقیقت ہے - جو ہمیشہ ظہور میں آئی - ایمان اور عمل صالح کے قانون کی بھی ایک حقیقت ہے جس کی ہمیشہ تعلیم دی گئی - ہدایت اور ضلالت کی کشمکش کی بھی ایک حقیقت ہے جو ہمیشہ نمودار ہوئی - تصدیق رسل کے نتائج کی بھی ایک حقیقت ہے جو ہمیشہ ظہور میں آئی اور انکار و سرکشی کے نتائج بھی دنیا کی ایک ثابت شدہ حقیقت ہیں کیونکہ ان میں کبھی تغیر نہیں ہوا۔[1]

قرآن نے صرف چند دعوتوں کا کیوں ذکر کیا؟:

(ی) اس سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہے کہ قرآن نے اگر چہ یہاں اور دیگر مقامات میں چند خاص خاص دعوتوں اور قوموں ہی کا ذکر کیا ہے' لیکن اس کا دعوی عام ہے اور اسی پر یہ استدلال مبنی ہے - اس نے جابجا یہ بات واضح کر دی ہے کہ ہدایت وحی کا ظہور جمعیت بشری کا عالمگیر واقعہ ہے اور کوئی قوم نہیں جس میں اللہ کے کسی رسول کا ظہور نہ ہوا ہو - نیز یہ کہ بے شمار قومیں دنیا میں گزر چکی ہیں جن کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے - چنانچہ سورہ یونس کی آیت (۴۷) میں گزر چکا ہے

﴿ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾

اور دوسرے مقامات میں فرمایا:

﴿ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾(۱۳: ۷) ﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾(۱۶: ۳۶) ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾(۳۵: ۲۴) ﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا

---

[1] مطالب قرآنی کا یہ مقام نہایت وسیع ہے' اور اس قدر تفصیل کے بعد بھی بے شمار اطراف بحث تشنہ رہ گئے ہیں' لیکن اس کے سوا چارہ نہیں کہ تکمیل بحث کے لیے مقدمہ کا انتظار کیا جائے۔

یَعْلَمُھُمْ اِلَّا اللّٰہُ ﴾ (۱۴ : ۹)

لیکن ساتھ ہی اس نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ قرآن میں تمام رسولوں کا ذکر نہیں کیا گیا-صرف چند کا ذکر کیا گیا ہے:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ (۴۰: ۷۸)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول مبعوث کیے-ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات تمہیں سنائے ہیں-اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات نہیں سنائے-

یہ ظاہر ہے کہ قومیں بے شمار گزر چکی ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حسب تصریح قرآن ہر قوم میں دعوت حق کا ظہور رہا ہے- پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ بے شمار قومیں اور بے شمار دعوتیں ہوئیں جن میں سے صرف چند ہی کا قرآن نے ذکر کیا- باقی کا نہیں کیا-

قرآن نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس کا سبب بالکل واضح ہے-قرآن کا مقصود ان سرگزشتوں کے بیان سے یہ نہیں تھا کہ تاریخ کی طرح تمام واقعات کا استقصاء کیا جائے- بلکہ صرف تذکیر و موعظت تھا' اور تذکیر و موعظت کے لیے اس قدر کافی تھا کہ چند دعوتوں اور قوموں کی سرگزشتیں بیان کر دی جائیں اور باقی کے لیے کہہ دیا جائے کہ ان کا حال بھی انہی پر قیاس کر لو- چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں اس کا اسلوب بیان ہر جگہ عام ہے- جا بجا اس طرح کی تعبیرات پائی جاتی ہیں کہ پچھلے قرنوں میں ایسا ہوا- پچھلی قوموں میں ایسا ہوا- پچھلی آبادیوں میں ایسا ہوا- پچھلے رسولوں کے ساتھ اس طرح کے معاملات پیش آئے- البتہ جہاں کہیں تخصیص کے ساتھ ذکر کیا ہے وہاں صرف چند قوموں ہی کی سرگزشتیں بیان کی ہیں- جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ چند سرگزشتیں پچھلی قوموں کے ایام و وقائع کا نمونہ سمجھی جائیں اور ان سے اندازہ کر لیا جائے کہ اس بارہ میں تمام اقوام عالم کی رودادیں کیسی رہ چکی ہیں؟

البتہ کہا جا سکتا ہے کہ کیوں خصوصیت کے ساتھ ان چند قوموں ہی کا ذکر کیا گیا جو ایک خاص خطہ ارضی میں گزر چکی تھیں- دوسرے خطوں کی اقوام میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا؟

تو اس کے وجوہ بھی بالکل واضح ہیں اگر تھوڑی سی دقت نظر کام میں لائی جائے- یہ ظاہر ہے کہ ایام و وقائع کے ذکر سے مقصود بعض مقاصد کے لیے استشہاد تھا اور یہ استشہاد جب ہی موثر ہو سکتا تھا کہ جن ایام و وقائع کا ذکر کیا جائے ان کے وقوع سے مخاطب بے خبر نہ ہوں- کم از کم ان کی بھنک کانوں میں پڑ چکی ہو- یا نہ پڑی ہو تو اپنے پاس کے آدمیوں سے حال پوچھ لے سکتے ہوں- ورنہ ظاہر ہے کہ لوگ کہہ دیتے پہلے ان وقائع کا وقوع ثابت کر دو' پھر ان سے ہمیں عبرت دلانا- اور اس طرح عبرت و تذکیر کا سارا مقصد ہی فوت ہو جاتا- اب دیکھو قرآن نے جن ایام و وقائع کا ذکر کیا ہے وہ تمام تر کن خطوں میں واقع ہوئے تھے؟ یعنی ان کی جغرافیائی حدود کیا ہیں؟ یہ تمام وقائع یا تو خود عرب میں ہوئے یا سرزمین دجلہ و فرات میں یا پھر فلسطین اور مصر میں' اور یہ تمام خطے ایک دوسرے سے متصل تھے تجارتی قافلوں کی شاہراہوں سے باہمدگر پیوستہ تھے آمد و رفت کے علائق کا قدیمی سلسلہ رکھتے تھے اور نسلی و لسانی تعلقات کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے جیسا کہ آگے چل کر تمہیں معلوم ہوگا- پس قرآن نے انہی خطوں کا ذکر کیا جو فی الحقیقت تاریخ اقوام کا ایک ہی وسیع خطہ رہ چکا ہے دوسرے خطوں سے تعرض نہیں کیا کیونکہ مخاطبین کے لیے ان خطوں کا ذکر ان کی شب و روز کی باتوں کا ذکر تھا اور وہ جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے- عرب خود ان کا ملک تھا- عراق سے ان کے تعلقات تھے- فلسطین کے کھنڈروں پر ہر سال گزرتے رہتے- مصر ان کے تجارتی قافلوں کی منڈی تھی- ان ملکوں کا نام سننا گویا اپنے چاروں طرف نظر اٹھا کر دیکھ لینا تھا-

پھر جن قوموں کا ذکر کیا گیا ان کے ناموں سے بھی وہ نا آشنا نہ تھے- قوم تبع اور اصحاب اخدود یمن سے تعلق رکھتے تھے اور یمن عرب

میں ہے- عاد اور ثمود کی بستیاں بھی عرب ہی کے حدود میں تھیں- قبیلہ مدین بالکل عرب کے پڑوس میں تھا- قوم لوط کے کھنڈر ان میں سے سیکڑوں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے- سرزمین دجلہ وفرات کی قوموں اور ان کی روایتوں سے بھی ناآشنا نہیں ہو سکتے تھے- مصر میں گو مصر کے فرعون اب نہیں رہے تھے' لیکن مصر میں برابر آتے جاتے رہتے تھے- فراعنہ کے نام ان کے لیے اجنبی نام نہیں ہو سکتے تھے-

علاوہ بریں یہودی اور عیسائی خود ان کے اندر بسے ہوئے تھے- انبیائے بنی اسرائیل کے نام ان لوگوں کی زبانوں پر تھے' تفصیلات ربیوں اور راہبوں کو معلوم تھیں- یہ ان سے پوچھ سکتے تھے اور پوچھا کرتے تھے-

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ایام ووقائع کے بیان واستدلال میں جا بجا اس طرح کا اسلوب اختیار کیا ہے جیسے ایک جانی بوجھی ہوئی بات کی طرف اشارہ کیا جائے- مثلاً جا بجا فرمایا: ﴿ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ نَبَؤُا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ﴾ (۱۴:۹) جو قومیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں کیا تم تک ان کی خبریں نہیں پہنچ چکی ہیں؟ یا مثلاً جا بجا اس طرح کی تعبیرات پاؤ گے: ﴿ اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ﴾ (۳۵:۴۴) کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے پچھلی قوموں کا کیا انجام ہو چکا ہے؟ کیونکہ واقعہ یہ تھا کہ وہ برابر چلتے پھرتے رہتے تھے- یعنی ہر موسم میں تجارت کے لیے نکلتے تھے اور اثنائے سفر میں کتنی ہی اجڑی ہوئی بستیاں' مٹتے ہوئے نشان اور سنسان کھنڈر ان کی نظروں سے گزرتے تھے بلکہ بسا اوقات انہی میں منزل کرتے اور انہی کے سایوں میں دوپہر کاٹتے تھے اور پھر جا بجا اس طرح کی بھی تصریحات ہیں کہ یہ مقامات تم سے دور نہیں کہ بعد کی وجہ سے بالکل بےخبر رہے ہو- اور یہ بھی کہا ہے کہ کیا علمائے بنی اسرائیل سے یہ سرگزشتیں نہیں سنیں؟ اور اگر بےخبر ہو تو علم والوں سے یعنی علمائے اہل کتاب سے دریافت کر لو جو تم ہی میں بسے ہوئے ہیں-

اور پھر بعض مقامات میں عرب کے حوالی واطراف کی تصریح بھی کر دی ہے- جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیان ووقائع میں قصداً یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ سرزمین عرب اور اس کے اطراف وجوانب ہی کے وقائع ہوں- مثلاً سورۂ احقاف کی آیت (۲۷) میں قوم عاد کے ذکر کے بعد فرمایا ﴿ وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا مَا حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡقُرٰى وَصَرَّفۡنَا الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴾

البتہ یہ ظاہر ومعلوم ہے کہ ان واقعات کی تفصیلات سے لوگ ناآشنا تھے- اور بعض وقائع ایسے تھے جن کی صرف کانوں میں بھنک پڑ چکی تھی لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ معاملہ کس طرح پیش آیا اور صحیح سرگزشت کیا ہے؟ نہ صرف عرب میں بلکہ ان خطوں میں بھی جہاں وہ پیش آئے تھے- جن وقائع کا ذکر تورات میں موجود تھا ان کی بھی بعض حقیقتیں محرف ہو گئی تھیں' یا بھلا دی گئی تھیں اور خود اہل کتاب کو بھی خبر نہ تھی کہ اصلیت کیا رہ چکی ہے- پس قرآن نے ان کی حقیقت ٹھیک ٹھیک واضح کر دی- ہر معاملہ اپنی اصلی صورت میں نمایاں ہو گیا- بعض وقائع کی نسبت تصریح کر دی کہ اس سے باشندگان عرب بالکل ناآشنا تھے- یعنی نام تو سن لیا تھا لیکن اس کی یہ تفصیلات اور جزئیات کسی کو معلوم نہ تھیں' مثلاً اسی سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کی سرگزشت بیان کر کے آیت (۴۹) میں تصریح کر دی کہ یہ باتیں نہ تو تجھے معلوم تھیں نہ تیری قوم کو-

جدید اثری تحقیقات اور اقوام متذکرۂ قرآن:

پھر فہم وتدبر کا ایک اور نقطہ بھی ہے اور اس سطرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے- قرآن نے جن خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے دنیا کو ان کی قدیم تاریخ بہت کم معلوم تھی- اور خود عرب اور عربی نسل کی ابتدائی سرگزشتیں بھی پردۂ خفا میں مستور تھیں- لیکن اٹھارویں صدی سے آثار قدیمہ کی تحقیقات کا نیا سلسلہ شروع ہوا اور پھر انیسویں صدی میں نئے نئے پردے اٹھے اور اب بیسویں صدی کے اثری انکشافات روز بروز ایک خاص رخ پر جا رہے ہیں- ان سب سے عرب' عراق' فلسطین' شام اور مصر کی قدیم قوموں اور تمدنوں کے جو حالات منکشف ہوئے ہیں انہوں نے ان خطوں کی قدیم تاریخ کو بالکل ایک نئی شکل دے دی ہے اور روز بروز نئی حقیقتیں ابھرتی جاتی ہیں- سب سے زیادہ عجیب بات

یہ معلوم ہوتی ہے کہ عربی نسل اور عربی زبان کے صرف اتنے ہی معنی نہیں ہیں جتنے آج تک سمجھے گئے ہیں بلکہ یہ قوموں اور نسلوں کی ایک نہایت قدیم اور وسیع داستان ہے اور وہ دنیا کے ابتدائی تمدنوں میں عظیم الشان حصہ لے چکے ہیں۔

ان تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عربی زبان اور اس کی ابتدائی شکلوں کے بولنے والوں کو ایک خاص نسل تسلیم کر لیا جائے تو یہ در اصل بہت سے گروہوں اور قبیلوں کا ایک مجموعہ تھا اور عرب، فلسطین، شام، مصر اور عراق کے خطوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اس نے دنیا کے ابتدائی تمدن کی تعمیر میں بڑے بڑے حصے لیے۔ ان ملکوں کی وہ تمام قدیم قومیں جو آج تک ایک دوسرے سے بالکل الگ سمجھی جاتی تھیں مثلاً اشوری، سریانی، فینیقی، مصری، آرامی وغیرہم، فی الحقیقت الگ نہ تھیں اور عربی زبان کا ابتدائی مواد اور عربی رسم الخط کے ابتدائی نقوش ان سب میں مشترک تھے۔ حتیٰ کہ انہی گروہوں نے مصر کے تخت عظمت و جبروت پر عرصہ تک شہنشاہی کی اور اپنی زبان وقت کی تمام متمدن قوموں کو مستعار دے دی۔ چنانچہ دارا کے کتبوں اور مصر کے ہیلو غلفی نقوش میں عربی الفاظ آج تک پڑھے جا سکتے ہیں اور یہ بات تو ایک تاریخی حقیقت کی طرح مان لی گئی ہے کہ یونانیوں نے فن کتابت کا پہلا سبق انہی اقوام سے حاصل کیا تھا!

کون کہہ سکتا ہے کہ آیندہ اس سلسلہ میں کیا کیا انکشافات ہونے والے ہیں؟ تاہم جس قدر انکشافات ہو چکے ہیں ان سے ایک بات واضح ہو گئی ہے۔ یعنی ایک زمانہ میں یہ تمام خطے ایک خاص نسل کے عروج و انشعاب کے مختلف میدان تھے اور یہی نسل عربی قبائل کی ابتدائی نسل تھی۔ پس اگر قرآن نے صرف انہی خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے، کوئی دوسری قوم اس دائرہ میں داخل نہیں ہو سکی ہے تو بہت ممکن ہے اس کی علت اس سے کہیں زیادہ گہری ہو جس قدر اس وقت تک ہم سمجھتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں چار باتیں نمایاں طور پر سامنے آ جاتی ہیں:

اولاً، جن اقوام کا ذکر کیا گیا ہے ان کی خصوصیت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ بعض سرزمین حجاز کے قرب و جوار میں گزری تھیں اور بعض سے اہل کتاب واقف تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ کوئی گہری بات ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے یہ تمام قومیں اصلاً ایک ہی نسلی حلقہ کی ہیں۔ حتیٰ کہ اگر مصریوں کا ذکر کیا گیا ہے تو مصری بھی اس میں داخل ہیں۔

ثانیاً، ان انکشافات کی روشنی میں ایک اور مسئلہ بھی بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ قرآن نے جہاں کہیں ترتیب ظہور کے ساتھ دعوتوں کا ذکر کیا ہے وہاں قوم نوح کے بعد قوم عاد اور عاد کے بعد قوم ثمود نمایاں ہوئی ہے اور ان تینوں قوموں کو ایک دوسرے کا جانشین کہا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف کی آیت (۶۹) میں ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا خدا کی یہ نعمت یاد کرو کہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد اس کا جانشین بنایا۔ اور آیت (۷۴) میں ہے کہ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ تم قوم عاد کے بعد اس کے جانشین بنائے گئے۔ چونکہ ان تینوں قوموں کا جغرافیائی محل ایک دوسرے سے الگ تھا اس لیے یہ بات واضح نہیں ہوتی تھی کہ اس خطاب کا صحیح مطلب کیا ہے؟ لیکن اب بالکل واضح ہو گئی اور ان توجیہوں کی ضرورت نہ رہی جو مفسرین نے اختیار کی ہیں۔

ثالثاً، اس سوال پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ قرآن نے ہر جگہ یہ تذکرہ حضرت نوح علیہ السلام ہی سے کیوں شروع کیا ہے؟ اس کے متعدد وجوہ سامنے آتے تھے لیکن ان انکشافات کی روشنی نے ایک نیا پہلو واضح کر دیا ہے۔ یعنی حضرت نوح کی دعوت غالباً اس قدیم نسل میں پہلی دعوت تھی، اور چونکہ پہلی دعوت تھی اس لیے ناگزیر تھا کہ اس کی دعوتوں کا تذکرہ اسی سے شروع ہو۔

رابعاً، تورات کی بنا پر سامی نسلوں اور زبانوں کی جو تقسیم کی گئی تھی اور جو اٹھارویں اور انیسویں صدی کے علمائے انساب والسنہ کے نزدیک بنیادی تقسیم رہی ہے اب متزلزل ہو رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے از سر نو تقسیمیں کرنی پڑیں گی۔ ﴿ وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَہٗ بَعۡدَ حِیۡنٍ ﴾ (۳۸: ۸۸)

(۲۵) اس سورت کی تصریحات میں ایک معاملہ اور تشریح طلب رہ گیا ہے اور ضروری ہے کہ اس طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ قرآن

نے جس طرح دوسری قوموں کے عذاب کا ذکر کیا ہے اسی طرح قوم نوح کے عذاب کا بھی ذکر کیا ہے اور اگر دوسری قوموں کا عذاب صرف انہی قوموں کے لیے تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ قوم نوح کا عذاب یعنی طوفان عالمگیر تصور کیا جائے لیکن چونکہ تورات کی کتاب پیدائش میں اس طرح کی تصریحات موجود ہیں کہ طوفان عام تھا اور یہودیوں اور عیسائیوں کا ایسا ہی اعتقاد رہا ہے اس لیے مسلمانوں میں بھی یہ خیال پھیل گیا اور اس طرح کی تفسیر کی جانے لگی جو طوفان کے عموم پر مبنی تھی- بہر حال دو باتیں یاد رکھنی چاہییں- ایک یہ کہ قرآن میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے طوفان نوح عام ثابت ہوتا ہو- دوسری یہ کہ تورات کے بقیہ اجزا کے بارے میں کچھ ہی کہا جائے لیکن موجودہ زمانہ میں علم و تحقیق کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ کتاب پیدائش لائق اعتنا نہیں- خصوصاً اس کا ابتدائی حصہ- تفصیل اس کی مقدمہ میں ملے گی-

انیسویں صدی کی اثری تحقیقات اور وقائع بنی اسرائیل:

(۲۶) انیسویں صدی کی اثری تحقیقات نے ایک نیا سوال بھی پیدا کر دیا ہے- یعنی تورات اور قرآن میں حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کی جو سرگزشتیں بیان کی گئی ہیں مصر کے تاریخی آثار میں ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا- حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے توطن مصر اور خروج کا پورا واقعہ اثریات مصر کی تاریخ میں ایک غیر معلوم واقعہ ہے-

دنیا کی کسی پرانی قوم نے اپنی تاریخ کی کتابت و حفاظت کا ایسا انتظام نہیں کیا جیسا کہ قدیم مصریوں نے کیا تھا- جس وقت تک پیپرس (قدیم مصری کاغذ) ایجاد نہیں ہوا تھا، شاہی محلوں، مندروں اور مقبروں کی دیواروں پر ہر عہد کے حالات مسلسل نقش کیے جاتے رہے اور جب پیپرس رائج ہو گیا، تو باقاعدہ دفاتر مدون ہونے لگے- علاوہ بریں ہر پادشاہ اور امیر کی وفات کے بعد اس کی نعش حنوط (ممی) کر کے اس کے خاص مقبرہ میں رکھی جاتی تھی اور نقش کے ساتھ اس کی زندگی کے وقائع بھی رکھ دیے جاتے تھے- اب یہ تمام آثار روشنی میں آ گئے ہیں اور ان کی معلومات نے ایک مرتب تاریخ کی شکل اختیار کر لی ہے-

ان معلومات نے ہمیں پانچ ہزار برس پیشتر کے واقعات تک پہنچا دیا ہے- بعد کے واقعات کے لیے یونانی نوشتے موجود ہیں- دونوں یکجا کر دیے جائیں تو یہ تین ہزار سال قبل از مسیح سے لے کر عہد سکندر تک کی ایک مسلسل تاریخ ہے- اس تمام عرصے میں اکتیس شاہی خاندانوں نے مصر پر حکومت کی- آخری خاندان فارس کی شہنشاہی کا تھا جس کے بعد ۳۳۲ قبل از مسیح میں سکندر اعظم کا تسلط قائم ہوا- ان اکتیس خاندانوں کے اکثر افراد روشنی میں آ گئے ہیں اور ان کے ناموں کی فہرستیں مرتب کر لی گئی ہیں-

علمائے آثار کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ ایک نہایت غیر معمولی نوعیت کا معاملہ تھا- پھر ان کے خاندان کا مصر آنا اور بس جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور اور فرعون سے مقابلہ تمام تر ایسے واقعات ہیں جو نہایت اہمیت رکھتے ہیں- ضروری تھا کہ آثار مصر میں ان کا ذکر آتا- لیکن کسی طرح کا بھی تذکرہ نہیں ملتا- تورات کی سنین کے مطابق حضرت یوسف کا زمانہ مصر کے ہیکسس (عمالقہ) فرمانرواؤں کا زمانہ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ بیسویں حکمراں خاندان کا زمانہ ہونا چاہیے جس میں رعمیس سوم سے لے کر رعمیس یازدہم تک کے فراعنہ گزرے ہیں لیکن ان تمام پادشاہوں کے جس قدر حالات معلوم ہوئے ہیں ان میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جو حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کی سرگزشتوں کی خبر دیتا ہو-

اسی بنا پر بیسویں صدی کے علمائے تاریخ کا عام رجحان اس طرف ہے کہ دونوں واقعوں کی تاریخی حیثیت قابل تسلیم نہیں-

لیکن کیا آثار مصر کا سکوت اس کے لیے کافی ہے کہ اسے تاریخ کی منفی شہادت تسلیم کر لیا جائے؟ اور کیا فی الحقیقت آثار مصر میں ان واقعات کے لیے کوئی روشنی نہیں؟ یہ ضروری سوالات ہیں جنھیں حل کرنا چاہیے- لیکن اس کا محل البیان ہے، ترجمان القرآن نہیں-

اٰیَاتُهَا : 111 | سُوْرَةُ یُوْسُفَ مَکِّیَّةٌ | رُکُوْعَاتُهَا : 12

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿١﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ
اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٣﴾ اِذْ قَالَ
يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿٤﴾ قَالَ
يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۖ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٥﴾

الف-لام-را-

یہ آیتیں ہیں روشن و واضح کتاب کی! (۱)

ہم نے اسے اس شکل میں اتارا کہ عربی زبان کا قرآن ہے- تاکہ تم سمجھو بوجھو- (۲)

(اے پیغمبر!) اس قرآن کی وحی کر کے ہم تجھے بہتر سے بہتر طریقہ پر (پچھلی) سرگزشتیں سناتے ہیں اور یقیناً قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تو انہی لوگوں میں سے تھا جو (ان سرگزشتوں سے) بےخبر تھے- (۳)

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ یوسف نے اپنے باپ سے کہا تھا "اے میرے باپ! میں نے (خواب میں) دیکھا کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند اور دیکھا کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں!" (۴)

(باپ نے) کہا "اے میرے بیٹے! اپنے اس خواب کا حال اپنے بھائیوں سے نہ کہہ دیجیو کہ وہ تیرے خلاف کسی منصوبہ کی تدبیریں کرنے لگیں- یاد رکھ! شیطان انسان کا صریح دشمن ہے" (۵)

---

(۱) یہ سورت بھی ان سورتوں میں سے ہے جو اوائل دعوت میں نازل ہوئیں- اس میں اول سے لے کر آخر تک ایک ہی سرگزشت بیان کی گئی ہے اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگزشت ہے-

(۲) گزشتہ سورت میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی گئی تھی کہ ایک لڑکا پیدا ہوگا اور پھر اس سے ایک لڑکا ہوگا اور اس کی اولاد میں خدا برکت دے گا- (آیت ۷۱) چنانچہ حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی اولاد میں حضرت یعقوب علیہ السلام ہوئے- حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے:

چھ لیاہ سے: روبن، شمعون، لاوی، یہوداہ، اشکار، زبلون-

دو بلہا سے: دان، نفتالی

دو زلفہ سے: جد، آشر- دو راخل سے: یوسف- بن یمین-

یوسف علیہ السلام اور بن یمین سب سے چھوٹے تھے- اور بن یمین کی پیدائش کے بعد ماں کا انتقال ہو گیا- پس گھرانے میں چودہ آدمی رہ گئے تھے- بارہ لڑکے، باپ اور ان کی ایک بیوی-

(۳) تورات میں ہے کہ لیاہ اور راخل میں سخت رقابت تھی اور اس کا اثر ان کی اولاد میں بھی پوری طرح نمایاں تھا- حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کو سب سے زیادہ چاہتے تھے اور یہ بات سوتیلے بھائیوں پر بہت شاق تھی- (پیدائش ۳۷:۴) اسی لیے

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ
كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٦ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ ع ٢ / ١١
وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝٧ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝٨ ۚ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا
صٰلِحِيْنَ ۝٩ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ

''اور (اے میرے بیٹے! جس طرح تو نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج چاند تیرے آگے جھکے تو) اسی طرح تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ کرنے والا ہے اور یہ بات سکھلانے والا ہے کہ باتوں کا نتیجہ و مطلب کیونکر ٹھہرایا جائے۔ نیز جس طرح وہ اب سے پہلے تیرے بزرگوں ابراہیم اور اسحاق پر اپنی نعمت پوری کر چکا ہے اسی طرح تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پر بھی پوری کرے گا۔ بلاشبہ تیرا پروردگار (سب کچھ) جاننے والا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت والا ہے!'' (٦)

جو لوگ (حقیقت حال) پوچھنے والے ہیں (اگر وہ سمجھیں تو) ان کے لیے یوسف اور اس کے بھائیوں کے معاملہ میں (موعظت و عبرت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں! (٧)

اور جب ایسا ہوا تھا کہ (یوسف کے سوتیلے بھائی آپس میں) کہنے لگے۔ ''ہمارے باپ کو یوسف اور اس کا بھائی (بن یمین) ہم سب سے بہت زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم ایک پوری جماعت ہیں (یعنی ہماری اتنی بڑی تعداد ہے) اور یقیناً ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے'' (٨)

''پس (بہتر یہ ہے کہ) یوسف کو مار ڈالیں۔ یا کسی جگہ پھینک آئیں۔ تا کہ ہمارے باپ کی توجہ ہماری ہی طرف رہے اور اس کے نکل جانے کے بعد ہمارے سارے کام سدھر جائیں'' (٩)

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا۔ ''نہیں یوسف کو قتل مت کرو۔ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو کسی اندھے کنوے میں

حضرت یعقوب علیہ السلام نے روکا تھا کہ اپنا خواب بھائیوں سے نہ کہیو۔

(۴) تورات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کی عمر سترہ برس کی تھی جب خواب کا معاملہ پیش آیا (پیدائش ۳۷:۲)

(۵) خواب میں گیارہ ستاروں سے مقصود یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی تھے اور سورج چاند سے باپ اور (سوتیلی) ماں۔ تورات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے خواب کہہ دیا تھا اور انہیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ اس کی تعبیر کیا ہے۔ (پیدائش ۳۷:۱۱) غالباً حضرت یوسف علیہ السلام باپ کی ممانعت سے پہلے یہ بات ظاہر کر چکے تھے۔

(۶) بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کے بارے میں مشورہ کرنا اور اس پر متفق ہونا کہ اسے ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا جائے اور باپ سے اجازت مانگی کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ جنگل میں لے جائیں جہاں وہ روز مویشی چرانے جایا کرتے تھے۔

تورات میں ہے کہ جب بھائیوں نے مشورہ کیا تو روبن نے کہا قتل نہ کرو کنویں میں ڈال دو (پیدائش ۳۷:۲۴)

اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ⑩ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪ اَرْسِلْهُ
مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ
يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا
لَّخٰسِرُوْنَ ⑭ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ
لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑮ وَجَآءُوْۤا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ⑯ قَالُوْا
يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ

ڈال دو- (گزرنے والے قافلوں میں سے) کوئی قافلہ (اس پر گزرے گا اور) اسے نکال لے گا-'' (۱۰)

(تب سب مل کر باپ کے پاس آئے اور) انہوں نے کہا ''اے ہمارے باپ! کیوں آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے؟ (اور ہمارے ساتھ کہیں جانے نہیں دیتے؟) حالانکہ ہم تو اس کے دل سے خیر خواہ ہیں- (۱۱) کل ہمارے ساتھ اسے (جنگل میں) جانے دیجیے کہ کھائے پیے' کھیلے کودے- ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں'' (۱۲)

(باپ نے) کہا ''یہ بات مجھے غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے اپنے ہمراہ لے جاؤ- اور میں ڈرتا ہوں' کہیں ایسا نہ ہو بھیڑیا کھا لے اور تم اس سے غافل ہو'' (۱۳)

انہوں نے کہا ''بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھیڑیا اسے کھا لے اور ہمارا ایک پورا جتھا موجود ہو- اگر ایسا ہو تو پھر ہم نرے نکمے ہی نکلے!'' (۱۴)

پھر جب یہ لوگ (باپ سے رخصت لے کر) یوسف کو ساتھ لے گئے اور سب نے اس پر اتفاق کر لیا کہ اندھے کنویں میں ڈال دیں (اور ایسا ہی کر گزرے) تو ہم نے یوسف پر وحی بھیجی کہ (مایوس نہ ہو) ایک دن ضرور آنے والا ہے جب ان کا یہ معاملہ تو انہیں جتائے گا اور وہ نہیں جانتے (کہ کیا کچھ ہونے والا ہے)- (۱۵) اور وہ اپنے باپ کے پاس شام کو روتے پیٹتے آئے- (۱۶) انہوں نے کہا ''اے ہمارے باپ! ہم ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے لیے دوڑ میں لگ گئے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا- پس ایسا ہوا کہ بھیڑیا آ نکلا اور یوسف کو (مار کر) کھا لیا- اور ہم جانتے ہیں کہ آپ ہماری بات کا یقین

(۷) حضرت یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ ظاہر کرنا اور پھر اجازت دے دینا-

اس زمانہ میں قبائل کی دولت و ثروت کا بڑا دارومدار مویشیوں پر تھا- مرد دن بھر چراتے تھے- شام کو خیموں میں آ کر آرام کرتے تھے- ایسی ہی زندگی حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھرانے کی بھی تھی- بھیڑیے مویشی کے دشمن ہوتے ہیں- ہمیشہ کوئی نہ کوئی حادثہ ہوتا رہتا تھا- اس لیے بے اختیار حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے نکل گیا کہیں ایسا ہی حادثہ یوسف علیہ السلام کو پیش نہ آ جائے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہی بات پکڑ لی اور اسی کا جھوٹا قصہ بنا کر سنا دیا-

لَنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ
جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ
يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ

کرنے والے نہیں - اگر چہ ہم کتنے ہی سچے ہوں'' (۱۷)

اور وہ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے تھے - باپ نے (اسے دیکھتے ہی) کہا ''نہیں (میں یہ نہیں مان سکتا) یہ تو ایک بات ہے جو تمہارے نفس نے گھڑ کر تمہیں خوشنما دکھاوی ہے (اور تم سمجھتے ہو چل جائے گی) خیر میرے لیے اب صبر کرنا ہے (اور) صبر (بھی ایسا کہ) پسندیدہ (ہو) اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگنی ہے!'' (۱۸)

اور (دیکھو) ایک قافلہ کا اس پر گزر ہوا - (یعنی اس کنویں پر جس میں یوسف کو ڈالا تھا) اور قافلہ والوں نے پانی کے لیے اپنا سقہ بھیجا - پھر جونہی اس نے اپنا ڈول لٹکایا (اور یہ سمجھ کر کہ پانی سے بوجھل ہو چکا ہے اوپر کھینچا) تو (کیا دیکھتا ہے ایک جیتا جاگتا لڑکا اس میں بیٹھا ہے! - وہ) پکار اٹھا ''کیا خوشی کی بات ہے! یہ تو ایک لڑکا ہے!'' اور (پھر) قافلہ والوں نے اسے اپنا سرمایہ تجارت سمجھ کر چھپا رکھا (کہ کوئی دعویدار نہ نکل آئے) اور وہ جو کچھ کر رہے تھے اللہ کے علم سے پوشیدہ نہ تھا! (۱۹)

اور (پھر) انہوں نے یوسف کو بہت کم داموں پر کہ گنتی کے چند درہم تھے (بازار مصر میں) فروخت کر دیا

(۷) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دینا' بھیڑیے کے حملے کا جھوٹا قصہ بنانا' حضرت یعقوب علیہ السلام کا ان کے کذب پر مطلع ہو جانا' مگر صبر جمیل کا شیوہ اختیار کرنا -

''صبر کے معنی شدائد جھیلنے کے ہیں - ''جمیل'' ایسی بات جو پسندیدہ ہو - پس ''صبر جمیل'' ایسا صبر ہوا جو بڑے ہی پسندیدہ طریقہ پر ہو - یعنی نہ صرف یہ کہ شدائد کا شکوہ نہ ہو بلکہ بڑی خوبی کے ساتھ جھیلے جائیں - شدائد کا شکوہ نہ ہو - درد والم کی شکایت زبان پر نہ آئے - چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو فراست نبوت سے یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ پچھلی بشارتیں یوسف علیہ السلام ہی کے ذریعہ سے پوری ہونے والی ہیں اس لیے وہ کبھی باور نہیں کر سکتے تھے کہ اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا - پس فرمایا فصبر جمیل یعنی اس معاملہ میں حکمت الٰہی کا ہاتھ صاف نظر آ رہا ہے - پس میرے لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ بغیر شکوہ و شکایت کے درد فراق جھیلتا رہوں اور اس کی کار فرمائیوں کے ظہور کا انتظار کروں - ﴿ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴾

آیت (۱۸) میں خون آلود کرنے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ اسی سے ان کا سارا جھوٹ کھل گیا تھا - انہوں نے اپنے خیال میں یہ بڑی ہوشیاری کی بات کی تھی کہ یوسف کے کرتے پر بکری کا خون لگا کر بطور شہادت کے لے آئے لیکن یہ نہ سمجھے کہ اگر بھیڑیے نے حملہ کیا تھا تو کرتا کیسے بچ رہا؟ اس کے تو پرزے پرزے ہو جانے تھے - حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب کرتا دیکھا تو انہیں پورا یقین ہو گیا کہ ساری کہانی من گھڑت ہے -

قرآن کی معجزانہ بلاغت دیکھو - حضرت یعقوب علیہ السلام نے صرف اتنا کہہ کر کہ ﴿ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ﴾ کس طرح ساری باتیں کہہ

ع ۱۲
وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ
عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ
تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ
اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا

اور وہ اس معاملہ میں (اچھی قیمت لینے کے) چنداں خواہشمند بھی نہ تھے (یعنی چونکہ لڑکا مفت مل گیا تھا یا بہت کم داموں خریدا تھا، اس لیے بڑی قیمت کے چنداں خواہش مند نہ تھے- (۲۰)

اور اہل مصر میں سے جس شخص نے یوسف کو قافلہ والوں سے مول لیا تھا وہ (اسے لے کر اپنے گھر آیا اور) اپنی بیوی سے بولا "اسے عزت کے ساتھ رکھو- عجب نہیں یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں"

اور (دیکھو) اس طرح ہم نے یوسف کا سرزمین مصر میں قدم جمادیا اور مقصود یہ تھا کہ اسے باتوں کا نتیجہ و مطلب نکالنا سکھا دیں- اور اللہ کو جو معاملہ کرنا ہوتا ہے وہ کر کے رہتا ہے لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے! (۲۱)

اور پھر جب ایسا ہوا کہ یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے کارفرمائی کی قوت اور علم کی فراوانی بخشی- ہم نیک عملوں کو ایسا ہی (ان کی نیک عملی کا) بدلہ عطا فرماتے ہیں! (۲۲) اور (پھر ایسا ہوا کہ) جس عورت کے گھر میں یوسف

دیں جو اس معاملہ کے لیے کہی جا سکتی تھیں؟ یعنی ان کا حسد کرنا' سازش کرنی' معاملہ کی ایک پوری صورت بنا لینی اور پھر سمجھنا اس طرح ہم کامیاب بھی ہو جائیں گے اور ہمارا جھوٹ بھی نہیں کھلے گا- سب کی طرف اس میں اشارے ہو گئے-

(۹) ایک عرب قافلہ کا کنویں پر سے گزرنا' حضرت یوسف علیہ السلام کا ڈول میں بیٹھ کر نکل آنا اور فروخت ہونا-

تورات میں ہے کہ قافلہ اسماعیلیوں کا تھا جو گرم مسالے' بلسان اور مرمصر لے جا رہا تھا اور اس وقت پہنچا تھا جب یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنا کام پورا کر کے روٹی کھانے بیٹھے تھے- تب یہودا نے کہا- بہتر ہے ہم یوسف کو ان لوگوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں- اس کے مار ڈالنے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا- چنانچہ انہوں نے بیس سکوں پر بیچ ڈالا (پیدائش ۳۷:۲۵)

اسماعیلی یعنی حجاز کے عرب جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے-

اگر یہ معاملہ واقعی پیش آیا تھا تو قرآن نے اسے حذف کر دیا کیونکہ ضروری نہ تھا- اور آیت (۲۰) میں وہ واقعہ بیان کر دیا جو مصر پہنچنے کا ذریعہ ہوا-

ڈول کھینچنے والے نے اظہار تعجب کی جگہ اظہار مسرت اس لیے کیا کہ غلامی کا رواج عام تھا اور کم سن اور خوبصورت لڑکا ہاتھ لگ جاتا تو ایک قیمتی متاع سمجھی جاتی اور معقول قیمت وصول ہو جاتی- یہی وجہ ہے کہ فرمایا: ﴿ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ﴾

تورات میں ہے کہ یہ کنواں بیابان میں تھا اور اس میں ایک بوند پانی نہ تھا (پیدائش ۳۷:۲۲و۲۴) پس حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں پڑے رہے- جب قافلہ کے آدمی نے ڈول لٹکایا تو سمجھے شاید کوئی آدمی مجھے نکالنے آیا ہے اور ڈول میں بیٹھ گئے- اس طرح ان کی رہائی کا خود بخود سامان ہو گیا-

عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ
السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ
دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ

رہتا تھا (یعنی عزیز کی بیوی) وہ اس پر (ریجھ گئی اور) ڈورے ڈالنے لگی کہ بے قابو ہو کر بات مان جائے- اس نے (ایک دن) دروازے بند کر دیئے اور بولی ''لو آؤ'' یوسف نے کہا ''معاذ اللہ! (مجھ سے ایسی بات کبھی نہیں ہو سکتی) تیرا شوہر میرا آقا ہے- اس نے مجھے عزت کے ساتھ (گھر میں) جگہ دی ہے (میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کروں گا) اور حد سے گزرنے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے!'' (۲۳)

اور حقیقت یہ ہے کہ عورت یوسف کے پیچھے پڑ چکی تھی اور (حالت ایسی ہو گئی تھی کہ بے قابو ہو کر) یوسف بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا اگر اس کے پروردگار کی دلیل اس کے سامنے نہ آ گئی ہوتی- (تو دیکھو) اس طرح (ہم نے نفس انسانی کی اس سخت آزمائش میں بھی اسے دلیل حق کے ذریعہ سے ہوشیار رکھا) تاکہ برائی اور بے حیائی کی باتیں اس سے دور رکھیں- بلاشبہ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو برگزیدگی کے لیے چن لیے گئے! (۲۴)

اور (ایسا ہوا کہ) دونوں دروازہ کی طرف دوڑے اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتا تھا (یوسف اس لیے کہ عورت سے بھاگ نکلے- عورت اس لیے کہ اسے نکل بھاگنے سے روکے) اور عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے سے کھینچا اور دو ٹکڑے کر دیا- اور (پھر اچانک) دونوں نے دیکھا کہ عورت کا خاوند دروازے کے پاس کھڑا ہے- تب عورت نے (اپنا جرم چھپانے کے لیے فوراً بات بنا لی اور) کہا ''جو آدمی تیرے اہل خانہ کے ساتھ بری بات کا ارادہ کرے- اس کی سزا کیا ہونی چاہیے؟ کیا یہی نہیں ہونی چاہیے کہ اسے قید میں ڈالا جائے یا (کوئی اور) دردناک سزا دی جائے؟'' (۲۵)

---

(۱۰) مصر کے ایک سردار کا حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنا اور ان کے اخلاق و خصائل سے اس درجہ متاثر ہونا کہ اپنا سب کچھ ان کے سپرد کر دینا-

تورات میں ہے کہ جس مصری نے خریدا تھا اس کا نام فوطی فار تھا اور وہ فرعون کا ایک امیر اور سردار فوج تھا (پیدائش ۳۷:۳۶) قرآن نے بھی آگے چل کر اسے ''عزیز'' کہا ہے- یعنی ایسا آدمی جو ملک میں بڑی جگہ رکھتا تھا-

عزیز مصر نے پہلے تو خوبصورت غلام دیکھ کر خرید لیا تھا- لیکن جب تھوڑے ہی دنوں کے اندر اس پر حضرت یوسف علیہ السلام کے جوہر کھل گئے تو ان کی راست بازی' نیک عملی اور پاکی نفس سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اپنے سارے گھر بار اور علاقہ کا مختار کل بنا دیا- تورات میں ہے کہ یوسف کے حسن انتظام سے فوطی فار کی آمدنی دوگنی ہو گئی تھی (پیدائش ۳۹:۴)

غور کرو قرآن نے یہ سارا معاملہ ایک چھوٹی سی آیت میں بیان کر دیا- یعنی آیت (۲۱) میں- عزیز کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ اسے عزت کے ساتھ گھر میں رکھو اسی طرف اشارہ ہے-

(۱۱) حضرت یوسف علیہ السلام کی مصری زندگی اور مصری کامرانیوں کی ابتداء-

اَوۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِىَ رَاوَدَتۡنِىۡ عَنۡ نَّـفۡسِىۡ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡ اَهۡلِهَا‌ ۚ اِنۡ كَانَ
قَمِيۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ قُبُلٍ فَصَدَقَتۡ وَهُوَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنۡ كَانَ قَمِيۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ
فَكَذَبَتۡ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيۡصَهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنۡ كَيۡدِكُنَّ‌ ؕ اِنَّ

(اس پر) یوسف نے کہا "خود اسی نے مجھ پر ڈورے ڈالے اور مجبور کیا کہ پھسل پڑوں" (میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا) اور (پھر ایسا ہوا کہ) اس عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی' اس نے کہا- یوسف کا کرتا (دیکھا جائے) اگر آگے سے دو ٹکڑے ہوا ہے تو عورت سچی ہے- یوسف جھوٹا ہے-(۲۶) اگر پیچھے سے دو ٹکڑے ہوا ہے تو عورت نے جھوٹ بولا- یوسف سچا ہے(۲۷) پس جب عورت کے خاوند نے دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیچھے سے دو ٹکڑے ہوا ہے تو (اصلیت پا گیا اور) عورت سے کہا "کچھ شک نہیں یہ تم

جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو گویا حضرت یوسف علیہ السلام کی مصری کامرانیوں کی بنیاد پڑ گئی اور وہ میدان پیدا ہو گیا جہاں ان کے جوہر کھلنے والے اور بتدریج تخت مصر تک پہنچانے والے تھے- پس فرمایا: ﴿ كَذَالِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِى الْاَرْضِ ﴾ اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کے مصر میں قدم جما دیے کہ غلام ہو کر بکا تھا لیکن معزز و محترم ہو کر زندگی بسر کرنے لگا- نیز اس میں یہ مصلحت بھی تھی کہ اس پر "تاویل الاحادیث" کے علم کی راہ کھول دیں جس کی خبر ستاروں والے خواب میں دی جا چکی تھی (تاویل الاحادیث کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی-)

پھر فرمایا! واللہ غالب علی امرہ- دیکھو خدا جو کچھ چاہتا ہے کس طرح کر کے رہتا ہے؟ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو نامراد کرنا چاہا تھا لیکن انہوں نے جو کچھ کیا وہی اس کی فتح و فیروزی کا ذریعہ بن گیا!

(۱۲) حضرت یوسف علیہ السلام کا بلوغ کو پہنچنا اور دانش حکومت اور فضیلت علم کی تکمیل-

اوپر تورات کی تصریح گزر چکی ہے کہ باپ سے علیحدگی کے وقت ان کی عمر سترہ برس کی تھی- پس آیت (۲۲) میں فرمایا عزیز کے یہاں کئی سال رہنے کے بعد جب وہ جوان ہو گئے تو حکمرانی کی دانش اور علم کی فضیلت مرتبہ کمال کو پہنچ گئی اور قانون الٰہی یہ ہے کہ نیک کرداروں کو اسی طرح ان کے حسن عمل کے نتائج ملا کرتے ہیں!

(۱۳) عزیز کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہونا اور ایک سخت ترین آزمائشی حالت میں ڈالنا پھر ناکام رہ کر جھوٹا الزام لگانا' مگر ان کا معصیت سے بچے رہنا اور حیرت انگیز طریقہ پر الزام کا بھی جھوٹا ثابت ہونا-

آیت (۲۳) سے اس واقعہ کا بیان شروع ہوتا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کا سب سے زیادہ عظیم واقعہ ہے- تشریح اس کی آخری نوٹ میں ملے گی-

تورات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام خوبصورت اور نور پیکر تھے (پیدائش ۳۹:۶) پس جب جوانی کو پہنچے تو اس کی بیوی ان پر فریفتہ ہو گئی اور جب دیکھا دوسری طرف سے جواب نہیں ملتا تو جیسا کہ قاعدہ ہے ملتفت کرنے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کام میں لائی- پھر جب اس پر بھی وہ نہ پھسلے تو ایک دن جوش فریفتگی میں وہ بات کر بیٹھی جو اس معاملہ کی انتہائی حد ہے- یعنی ہر طرح کے موانع جو کسی انسان کو ضبط نفس پر مجبور

كَيۡدَ كُنَّ عَظِيۡمٌ ﴿۲۸﴾ يُوۡسُفُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ۜ وَاسۡتَغۡفِرِىۡ لِذَنۡۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنۡتِ مِنَ
الۡخٰطِـِٕيۡنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ نِسۡوَةٌ فِى الۡمَدِيۡنَةِ امۡرَاَتُ الۡعَزِيۡزِ تُرَاوِدُ فَتٰٮهَا عَنۡ نَّـفۡسِهٖ ۚ قَدۡ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ ۳ ع ۹ ۱۴
اِنَّا لَنَرٰٮهَا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتۡ بِمَكۡرِهِنَّ اَرۡسَلَتۡ اِلَيۡهِنَّ وَاَعۡتَدَتۡ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتۡ
كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنۡهُنَّ سِكِّيۡنًا وَّقَالَتِ اخۡرُجۡ عَلَيۡهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيۡنَهٗۤ اَكۡبَرۡنَهٗ وَقَطَّعۡنَ اَيۡدِيَهُنَّ ۡ

عورتوں کی مکاریوں میں سے ایک مکاری ہے اور تم عورتوں کی مکاریاں بڑی ہی سخت مکاریاں ہیں!'' (۲۸)

(پھر اس نے کہا) اے یوسف! اس (معاملہ) سے درگزر کر (یعنی جو کچھ ہوا اسے بھلا دے) اور (بیوی سے کہا) ''اپنے گناہ کی معافی مانگ - بلاشبہ تو ہی خطاوار ہے'' (۲۹)

اور (پھر جب اس معاملہ کا چرچا پھیلا) تو شہر کی بعض عورتیں کہنے لگیں ''دیکھو عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈالنے لگی کہ اسے رجھالے - وہ اس کی چاہت میں دل ہار گئی - ہمارے خیال میں تو وہ صریح بدچلنی میں پڑ گئی ہے'' (۳۰)

جب عزیز کی بیوی نے مکاری کی یہ باتیں سنیں تو انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لیے مسندیں آراستہ کیں اور (دستور کے مطابق) ہر ایک کو ایک ایک چھری پیش کر دی (کہ کھانے میں کام آئے) پھر (جب یہ سب کچھ ہو چکا تو) یوسف سے کہا ان سب کے سامنے نکل آؤ - جب یوسف (نکل آیا اور) ان عورتوں نے اسے دیکھا تو (ایسا پایا کہ) اس کی بڑائی کی قائل ہو گئیں - انہوں

کر سکتے ہیں راہ سے دور کر دیئے اور کھلے لفظوں میں طالب و مصر ہوئی - غور کرو - آیت کے ابتدائی جملہ نے ان ساری باتوں کی طرف کس طرح صاف صاف اشارات کر دیے ہیں؟

جس شخص نے انکشاف حقیقت کا طریقہ بتلایا اسے ''شاہد'' کہا - کیونکہ اس نے کرتا دیکھ کر اصلیت پالی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکی کی شہادت دی تھی اور پھر ثبوت میں کہا تھا کہ تم خود بھی دیکھ لو ان کے کرتے کا کیا حال ہے؟

یہ کون شخص تھا؟ خود اس عورت کے عزیزوں میں سے تھا - اس سے زیادہ قرآن نے تصریح نہیں کی - کیونکہ جو بات واضح کرنی تھی وہ صرف یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکی و راست بازی نے گھر کے تمام افراد کو ان کا معتقد بنا دیا تھا حتیٰ کہ خود عورت کے ایک رشتہ دار نے اپنی رشتہ داری کا لحاظ نہیں کیا، یوسف علیہ السلام کی حمایت میں سچائی ظاہر کر دی -

(۱۴) شہر کی ہم درجہ عورتوں میں اس بات کا چرچا ہونا' عورتوں کا بناوٹ اور ریاکاری سے طعن تشنیع کرنا' عزیز کی بیوی کا سننا اور ضیافت کی محفل کا سامان کرنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت و پاکی کا اس آزمائش میں بھی بے داغ نکلنا -

آیت (۳۰) میں جس واقعہ کا ذکر کیا ہے، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال سیرت کا ایک دوسرا مظاہرہ ہے اور پہلے سے بھی زیادہ عظیم ہے - ضروری تشریح آخری نوٹ میں ملے گی -

ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اس زمانہ کی مصری معاشرت کس درجہ شائستہ ہو چکی تھی؟ ضیافت کی مجلسیں خاص طور پر آراستہ کی جاتی تھیں - نشست کے لیے مسندیں لگائی جاتی تھیں کھانے کے لیے ہر شخص کے سامنے چھری رکھی جاتی تھی - مسندوں کے اہتمام کا حال اس سے معلوم ہو گیا کہ ﴿ وَ اَعۡتَدَتۡ لَهُنَّ مُتَّكَاً ﴾ مصر کے آثار قدیمہ اور یونانی مؤرخوں کی شہادت سے جو حالات روشنی میں آئے ہیں ان سے بھی اس

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ

نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور (بے اختیار) پکار اٹھیں "سبحان اللہ! یہ تو انسان نہیں ہے۔ ضرور ایک فرشتہ ہے۔ بڑے مرتبے والا فرشتہ!" (۳۱)

تب (عزیز کی بیوی) بولی "تم نے دیکھا؟ یہ ہے وہ آدمی جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنے دیے تھے۔ ہاں بیشک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ بے قابو نہ ہوا۔ اور (اب اسے سنا کے کہے دیتی ہوں کہ) اگر اس نے میرا کہا نہ مانا (اور اپنی ضد پر اڑا رہا) تو ضرور ایسا ہوگا کہ قید کیا جائے اور بے عزتی میں پڑے" (۳۲)

یوسف نے (یہ سن کر) اللہ کے حضور دعا کی "خدایا! مجھے قید میں رہنا اس بات سے کہیں زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں بلا رہی ہیں۔ اگر تو نے (میری مدد نہ کی اور) ان کی مکاریوں کے دام سے نہ بچایا تو عجب نہیں، میں ان کی طرف جھک پڑوں اور ان لوگوں میں سے ہو جاؤں جو نا شناس ہیں!" (۳۳)

تو (دیکھو) اس کے پروردگار نے اس کی دعا قبول کر لی اور اس سے عورتوں کی مکاریاں دفع کر دیں۔ بلاشبہ وہی ہے (دعاؤں کا) سننے والا (سب کچھ) جاننے والا! (۳۴)

پھر (ایسا ہوا کہ) اگرچہ وہ لوگ (یعنی عزیز اور اس کے خاندان کے آدمی) نشانیاں دیکھ چکے تھے (یعنی یوسف کی

متمدن معاشرت کی تصدیق ہوتی ہے۔ خصوصاً ان نقوش سے جن میں امراء کی مجلسوں کا مرقع دکھایا گیا ہے اور جو قرآن کے ان اشارات کی پوری تفسیر ہیں۔

(۱۵) عزیز کی بیوی کا دھمکی دینا کہ اگر کہا نہ مانو گے تو قید میں ڈالے جاؤ گے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا معصیت پر قید کو ترجیح دینا اور قید خانہ میں بھی تبلیغ حق سے غافل نہ ہونا۔

عزیز پر حضرت یوسف علیہ السلام کی سچائی ظاہر ہوگئی تھی اس لیے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی لیکن اس کی بیوی کا عشق ایسا نہ تھا جو اس ناکامی سے سرد پڑ جاتا۔ وہ اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور جب دیکھا کہ طلب والحاح سے کسی طرح کام نہیں بنتا تو سختی پر اتر آئی اور یوسف علیہ السلام سے کہا یا تو میرا کہا مانو۔ نہیں تو قیدی ہونے کی ذلت و رسوائی گوارا کرو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا قید خانہ مجھے پسند ہے لیکن راستی سے منحرف ہونا پسند نہیں!

تورات میں ہے کہ "جب یوسف قید خانے میں ڈالا گیا تو قید خانے کا داروغہ اس پر مہربان ہو گیا اور تمام قیدیوں کا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ وہ قید خانہ کا بالکل مختار ہو گیا تھا اور خداوند نے وہاں بھی اسے اس کے تمام کاموں میں اقبال مند کیا"۔ (پیدائش ۳۹:۲۲)

قرآن کی آیت (۳۶) میں بھی اس کے اشارات موجود ہیں۔ اول تو دو قیدیوں کا خواب کی تعبیر پوچھنا ہی اس کی دلیل ہے کہ انہیں

لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ ع ۴ / ۱۴
وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا
نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ
يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَاۗءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ
بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

پاک دامنی کی نشانیاں) پھر بھی انہیں یہی بات ٹھیک دکھائی دی کہ ایک خاص وقت تک کے لیے یوسف کو قید میں ڈال دیں۔ (۳۵)

اور (دیکھو) ایسا ہوا کہ یوسف کے ساتھ دو جوان آدمی اور بھی قید خانے میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے (یوسف سے) کہا۔ مجھے (خواب میں) ایسا دکھائی دیا کہ میں شراب (بنانے) کے لیے (انگور کا عرق) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا۔ مجھے ایسا دکھائی دیا ہے کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندا سے کھا رہے ہیں۔ (اور دونوں نے درخواست کی کہ) ''ہمیں بتلا دو اس بات کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ تم بڑے نیک آدمی ہو'' (۳۶)

یوسف نے کہا (گھبراؤ نہیں) ''قبل اس کے کہ تمہارا مقررہ کھانا تم تک پہنچے، میں تمہارے خوابوں کا مآل تمہیں بتلا دوں گا۔ اس بات کا علم بھی من جملہ ان باتوں کے ہے جو مجھے میرے پروردگار نے تعلیم فرمائی ہیں۔ میں نے ان لوگوں کی ملت ترک کی جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔ (۳۷) میں نے اپنے باپ دادوں یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کی ملت کی پیروی کی۔ ہم (اولاد ابراہیم) ایسا نہیں کر سکتے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک ٹھہرائیں۔ یہ (ملت) اللہ کا ایک فضل ہے جو اس نے ہم پر اور لوگوں پر کیا ہے، لیکن اکثر آدمی ہیں جو (اس نعمت کا) شکر نہیں بجالاتے!'' (۳۸)

غیر معمولی علم وفضیلت کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔ پھر ان دونوں کا یہ کہنا کہ ''ہم دیکھتے ہیں تم بڑے نیک آدمی ہو'' صاف طور پر واضح کر دیتا ہے کہ قید خانے میں ان کا تقدس عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔

تورات میں ہے کہ ان قیدیوں میں ایک بادشاہ کے ساتھیوں کا سردار تھا۔ دوسرا روٹی پکانے والوں کا۔ بادشاہ ان پر ناراض ہوا اور قید خانے میں بھیج دیا۔

یوسف ہر روز قیدیوں کا معائنہ کیا کرتا تھا۔ ایک دن انہیں دیکھا کہ بہت اداس بیٹھے ہیں۔ سبب پوچھا تو انہوں نے کہا۔ ہم نے آج رات کو ایسی ایسی باتیں خواب میں دیکھی ہیں۔ (پیدائش ۴۰:۱)

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ
اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾
يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ
رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ
ع۵ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى

''اے یاران مجلس! (تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ) جدا جدا معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا اللہ کا جو یگانہ اور سب پر غالب ہے؟ (۳۹) تم اس کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو ان کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ہے کہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نہیں اتاری۔ حکومت تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس کا فرمان یہ ہے کہ صرف اسی کی بندگی کرو، اور کسی کی نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے!'' (۴۰)

''اے یاران مجلس! (اب اپنے اپنے خوابوں کا مطلب سن لو) تم میں ایک آدمی (وہ ہے جس نے دیکھا کہ انگور نچوڑ رہا ہے) تو وہ (قید سے چھوٹ جائے گا اور بدستور سابق) اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔ اور دوسرا آدمی (وہ ہے جس نے دیکھا اس کے سر پر روٹی ہے اور پرندروٹی کھا رہے ہیں) تو وہ سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرند اس کا سر (نوچ نوچ کر) کھائیں گے۔ جس بات کے بارے میں تم سوال کرتے ہو وہ فیصل ہو چکی۔ اور فیصلہ یہی ہے'' (۴۱)

اور یوسف نے جس آدمی کی نسبت سمجھا تھا کہ نجات پائے گا اس سے کہا ''اپنے آقا کے پاس جب جاؤ تو مجھے یاد رکھنا'' (یعنی میرا حال اس سے ضرور کہہ دینا) لیکن (جب تعبیر کے مطابق اس نے نجات پائی تو) شیطان نے یہ بات بھلا دی کہ اپنے آقا کے حضور پہنچ کر اسے یاد کرتا۔ پس یوسف کئی برس تک قید خانہ میں رہا۔ (۴۲)

اور پھر ایسا ہوا کہ (ایک دن) بادشاہ نے (اپنے تمام درباریوں کو جمع کر کے) کہا ''میں (خواب میں) کیا دیکھتا

(۱۶) حضرت یوسف علیہ السلام کا دو قیدیوں کو ان کے خواب کی تعبیر بتلانا اور اسی کے مطابق ظہور میں آنا، پھر بادشاہ مصر کا ایک عجیب و غریب خواب دیکھنا اور مصر کے تمام دانشمندوں اور جادوگروں کا تعبیر سے عاجز ہونا اور بالآخر حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے طلب کرنا۔

تورات میں ہے کہ یوسف (علیہ السلام) نے ساقیوں کے سردار کو اس کے خواب کی تعبیر یہ بتلائی تھی کہ تین دن کے اندر فرعون تجھے تیرے منصب پر بحال کر دے گا۔ اور آگے کی طرح تو اس کے ہاتھ میں شراب کا جام دے گا۔ اور کہا تھا جب تو خوش حال ہو تو مجھے یاد رکھیو اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو کہ لوگ عبرانیوں کے ملک سے مجھے چرا لائے اور یہاں بھی بغیر کسی قصور کے قید خانے میں ڈال دیا۔ اور

سَبۡعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاۡكُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّسَبۡعَ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَاُ
اَفۡتُوۡنِىۡ فِىۡ رُءۡيَاىَ اِنۡ كُنۡتُمۡ لِلرُّءۡيَا تَعۡبُرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ۚ وَمَا نَحۡنُ
بِتَاۡوِيۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِيۡنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِىۡ نَجَا مِنۡهُمَا وَادَّكَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمۡ
بِتَاۡوِيۡلِهٖ فَاَرۡسِلُوۡنِ ﴿۴۵﴾ يُوۡسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيۡقُ اَفۡتِنَا فِىۡ سَبۡعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاۡكُلُهُنَّ سَبۡعٌ
عِجَافٌ وَّسَبۡعِ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّىۡۤ اَرۡجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۶﴾

ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی - انہیں سات دبلی گائیں نگل رہی ہیں - اور سات بالیں ہری ہیں اور سات دوسری سوکھی - اے اہل دربار! اگر تم خواب کا مطلب حل کرلیا کرتے ہو تو بتلاؤ میرے خواب کا حل کیا ہے؟" (۴۳)

درباریوں نے (غور وفکر کے بعد) کہا یہ "پریشان خواب وخیالات ہیں (کوئی ایسی بات نہیں جس کا کوئی خاص مطلب ہو) ہم سچے خوابوں کا مطلب تو حل کرسکتے ہیں - لیکن) پریشان خوابوں کا حل نہیں جانتے" (۴۴)

اور جس آدمی نے (ان) دو قیدیوں میں سے نجات پائی تھی اور جسے ایک عرصہ کے بعد (یوسف کی) بات یاد آئی وہ (خواب کا معاملہ سن کر) بول اٹھا "میں اس خواب کا نتیجہ تمہیں بتلادوں گا - تم مجھے (ایک جگہ) جانے دو" (۴۵)

(چنانچہ وہ قید خانے میں آیا اور کہا:) "اے یوسف! اے کہ مجسم سچائی ہے! اس (خواب) کا ہمیں حل بتا کہ سات موٹی تازی گایوں کو سات دبلی پتلی گائیں نگل رہی ہیں، اور سات بالیں ہری ہیں سات سوکھی - تاکہ (ان) لوگوں کے پاس واپس جا سکوں (جنہوں نے مجھے بھیجا ہے) کیا عجب ہے وہ (تمہاری قدر ومنزلت) معلوم کرلیں" (۴۶)

نان پزوں کے سردار سے کہا تھا کہ تین دن کے اندر تیری موت کا فیصلہ ہو جائے گا اور تیری لاش درخت پر لٹکائی جائے گی - چنانچہ ایسا ہی ہوا - تیسرے دن فرعون کی سالگرہ کا دن تھا - اس دن سردار ساقی بحال کردیا گیا مگر نان پزوں کے سردار کو سزا ہوئی - لیکن سردار ساقی نے بحال ہو کر یوسف کو یاد نہ رکھا - وہ یہ معاملہ بھول گیا (پیدائش ۴۰: ۱۲، ۲۰)

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی - وہ کئی سال تک قید خانہ میں پڑے رہے -

اس کے بعد وہ معاملہ پیش آیا جس کی طرف آیت (۴۳) میں اشارہ کیا ہے - یعنی بادشاہ مصر نے ایک عجیب طرح کا خواب دیکھا اور جب دربار کے دانشمندوں سے تعبیر دریافت کی تو کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے - تورات میں ہے کہ بادشاہ نے مصر کے تمام حکیموں اور جادوگروں کو جمع کیا تھا - مگر کوئی اس کی تعبیر بتلا نہ سکا - (پیدائش ۴۱: ۸)

یہاں قرآن نے درباریوں کا جو جواب نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی تشفی بخش بات معلوم نہ کرسکے تو کوشش کی کہ بادشاہ کے دل سے اس خواب کی اہمیت کا خیال نکال دیں - پس انہوں نے کہا - یہ کوئی روحانی بات نہیں ہے - ویسے ہی پریشان خیالی سے طرح طرح کی باتیں سوتے میں نظر آگئی ہیں - لیکن سردار ساقی کو خواب کی بات سن کر اپنے خواب کا معاملہ یاد آگیا اور ساتھ ہی یہ بات بھی یاد آگئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا کہا تھا؟ تب اس نے اپنا واقعہ بادشاہ کے گوش گزار کیا - اور قید خانہ میں جا کر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملا - حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا - سات گایوں سے مقصود زراعت کے سات برس ہیں - آیندہ سات برس تک بہت

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ ع ۶ ۱۶
اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ

یوسف نے کہا (''اس خواب کی تعبیر اور اس کی بنا پر تمہیں جو کچھ کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ) سات برس تک تم لگا تار کھیتی کرتے رہو گے- (ان برسوں میں خوب بڑھتی ہو گی) پس (جب فصل کاٹنے کا وقت آیا کرے تو) جو کچھ کاٹو اسے اس کی بالوں ہی میں رہنے دو (تا کہ اناج سڑے گلے نہیں) اور صرف اتنی مقدار الگ کر لیا کرو جو تمہارے کھانے کے لیے (ضروری) ہو- پھر اس کے بعد سات بڑے سخت مصیبت کے برس آئیں گے جو وہ سب ذخیرہ کھا جائیں گے جو تم نے (اس طرح) پہلے سے جمع کر رکھا ہو گا- مگر ہاں تھوڑا سا جو تم روک رکھو گے' بچ رہے گا- (۴۸) پھر اس کے بعد ایک برس ایسا آئے گا کہ لوگوں پر خوب بارش بھیجی جائے گی- لوگ اس میں (پھلوں اور دانوں سے) عرق اور تیل خوب نکالیں گے'' (۴۹)

(جب اس آدمی نے یہ بات بادشاہ تک پہنچائی تو) بادشاہ نے کہا ''یوسف کو (فوراً) میرے پاس لاؤ لیکن جب (بادشاہ) کا پیام بر یوسف کے پاس پہنچا' تو اس نے کہا (''میں یوں نہیں جاؤں گا) تم اپنے آقا کے پاس جاؤ اور (میری طرف سے) دریافت کرو- ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ (میں چاہتا ہوں پہلے اس کا فیصلہ ہو جائے) جیسی کچھ مکاریاں انہوں نے کی تھیں میرا پروردگار اسے خوب جانتا ہے'' (۵۰)

(اس پر) بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلایا اور) کہا ''صاف صاف بتلا دو- تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا

اچھی فصلیں ہوں گی- یہ گویا سات موٹی گائیں ہوئیں- اس کے بعد سات برس تک متواتر قحط رہے گا- یہ سات دبلی گائیں ہوئیں- انہوں نے موٹی گائیں نگل لیں یعنی فراوانی کو قحط نے نابود کر دیا- سات ہری بالوں اور سات سوکھی بالوں میں بھی یہی بات واضح کی گئی ہے- پھر فرمایا- اس آنے والی مصیبت سے ملک کو کیونکر بچایا جا سکتا ہے؟ اس کی تدبیر یہ ہے کہ بڑھتی کے سات برسوں میں قحط کے لیے اناج ذخیرہ کیا جائے اور اسے اس طرح محفوظ رکھا جائے کہ آنے والے سات برسوں میں ملک کے لیے کفایت کرے-

یہ قرآن کے ایجاز بلاغت میں سے ہے کہ تعبیر اور تدبیر کو الگ الگ بیان نہیں کیا- ایک ساتھ ہی بیان کر دیا- تا کہ تکرار بیان کی حاجت نہ رہے-

جب سردار ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب بادشاہ کو سنایا تو تعبیر اس درجہ واضح اور چسپاں تھی کہ اس نے سنتے ہی اس کی تصدیق کی اور ان کی ملاقات کا مشتاق ہو گیا- چنانچہ حکم دیا- فوراً انہیں قید خانے سے نکالا جائے اور دربار میں لایا جائے-

إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ
الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ
أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ﴿٥٢﴾ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ الجزء ۱۳
لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٣﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ

جب تم نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے کہ اسے اپنی طرف مائل کر لو؟ وہ بولیں "حاشا للہ! ہم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں پائی" (یہ سن کر) عزیز کی بیوی بھی (بے اختیار) بول اٹھی "جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہوگئی- ہاں، وہ میں ہی تھی جس نے یوسف پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ہار بیٹھے- بلاشبہ وہ (اپنے بیان میں) بالکل سچا ہے"- (۵۱)

"یہ میں نے اس لیے کہا کہ اسے معلوم ہو جائے (یعنی یوسف کو معلوم ہو جائے) میں نے اس کے پیٹھ پیچھے اس کے معاملہ میں خیانت نہیں کی- نیز اس لیے کہ (واضح ہو جائے) اللہ خیانت کرنے والوں کی تدبیروں پر کبھی (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا- (۵۲) میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتی- آدمی کا نفس تو برائی کے لیے بڑا ہی ابھارنے والا ہے (اس کے غلبہ سے بچنا آسان نہیں) مگر ہاں اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے- بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحم کرنے والا ہے!" (۵۳)

اور (پھر) بادشاہ نے حکم دیا "یوسف کو میرے پاس لاؤ کہ اسے خاص اپنے (کاموں کے) لیے مقرر کروں" پھر

---

(۱۷) حضرت یوسف علیہ السلام کا مژدہ رہائی سننا مگر قید خانہ چھوڑنے سے انکار کر دینا اور بادشاہ سے کہلانا کہ پہلے میرے قضیہ کی تحقیقات کر لی جائے، بادشاہ کا تحقیق کرنا اور ان کی پاکی و راستی کا آشکارا ہو جانا اور عزیز کی بیوی کا اعلان کرنا کہ وہ سچا ہے- سارا قصور میرا تھا!

تعبیر سن کر بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کا اس درجہ احترام پیدا ہو گیا کہ اس نے ایک خاص پیام بر ان کے لانے کے لیے بھیجا جسے آیت (۵۰) میں "رسول" سے تعبیر کیا ہے- لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا- انہوں نے کہا- میں اس طرح رہا ہونا پسند نہیں کرتا- پہلے میرے معاملہ کی تحقیقات کر لی جائے کہ مجھے قید میں کیوں ڈالا گیا؟ اگر میں مجرم ہوں تو رہائی کا مستحق نہیں- اگر مجرم نہیں ہوں تو بلاشبہ مجھے رہا ہونا چاہیے-

اس سلسلہ میں انہوں نے عزیز کی بیوی کی جگہ ان عورتوں کا ذکر کیوں کیا جنہوں نے مکاری سے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ اس لیے کہ:

(ا) قید کے معاملہ میں ان عورتوں کا بھی ہاتھ تھا- انہوں نے اپنی ناکامیابی کی ذلت مٹانے کے لیے جھوٹے الزام تراش لیے ہوں گے- یہی وجہ ہے کہ قید کا معاملہ ان کے معاملہ کے بعد ظہور میں آیا-

(ب) عزیز کی بیوی نے ان سب کے سامنے ان کی بے گناہی اور اپنی طلب و سعی کا اعتراف کیا تھا جیسا کہ آیت (۳۲) میں گزر چکا ہے- پس یہ سب اس بات کی گواہ تھیں کہ عزیز کی بیوی کے معاملہ میں ان کا دامن بے داغ ہے-

(ج) ان سب کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا تھا خود اس سے بھی عزیز کی بیوی کا الزام بے اصل ثابت ہوتا تھا- کیونکہ جس شخص کی پاکی طبع کا یہ حال ہو کہ ان تمام فتنہ گران شہر اور خوب رُویان عہد کا متفقہ اظہار عشق بھی اسے مسخر نہ کر سکا، کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ ایسا آدمی اپنے آقا کی

اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى
خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا
حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ ع
مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي

(وہ آیا تو بادشاہ نے) کہا "آج کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار اور امانت دار انسان ہے!" (۵۴)

یوسف نے کہا "مملکت کے خزانوں پر مجھے مختار کر دیجیے- میں حفاظت کر سکتا ہوں، اور میں اس کام کا جاننے والا ہوں" (چنانچہ بادشاہ نے اسے مملکت کا مختار کر دیا) (۵۵)

اور (دیکھو) اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف کے قدم جما دیے کہ جس جگہ سے چاہے حسب مرضی رہنے سہنے کا کام لے- ہم جسے چاہتے ہیں (اسی طرح) اپنی رحمت سے فیض یاب کر دیتے ہیں- اور نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے! (۵۶)

اور جو لوگ (اللہ پر) ایمان لائے اور (بدعملیوں سے) بچتے رہے ان کے لیے تو آخرت کا اجر اس سے کہیں بہتر ہے!

اور (پھر قحط کے سالوں میں) ایسا ہوا کہ یوسف کے بھائی (کنعان سے غلہ خریدنے مصر) آئے- یوسف نے انہیں (دیکھتے ہی) پہچان لیا لیکن انہوں نے نہیں پہچانا- (۵۸) اور جب یوسف نے ان کا سامان مہیا کر دیا تو (جاتے وقت) کہا- "اب کے آنا تو اپنے سوتیلے بھائی (بن یمین) کو بھی ساتھ لانا- تم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ میں تمہیں پوری تول (غلہ) دیتا ہوں

بیوی پر ہاتھ ڈالے اور ایسی حالت میں ہاتھ ڈالے کہ وہ متنفر اور گریزاں ہو؟

اس معاملہ میں ایک اور دقیق نکتہ بھی ہے- آیت (۲۹) میں گزر چکا ہے کہ جب عزیز پر اپنی بیوی کا قصور ثابت ہو گیا تھا تو اس نے کہا تھا ﴿ یوسف اعرض عن هذا ﴾ یوسف! اس بات سے درگزر کر- یعنی جو ہوا سو ہوا- اب اس کا چرچا نہ کیجیو کہ اس میں میری بدنامی ہے- بعد کو اگرچہ عزیز اپنی بات پر نہ رہا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا اخلاق ایسا نہ تھا کہ یہ بات بھول جاتے- عزیز نے انہیں غلام کی حیثیت سے خریدا تھا اور پھر اپنے عزیزوں کی طرح عزت و آرام کے ساتھ رکھا تھا- وہ اس کا یہ احسان نہیں بھول سکتے تھے پس ان کی طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ اس موقع پر اس کی بیوی کا ذکر کر کے اس کی رسوائی کا باعث ہوں- صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا ذکر کر دیا کہ ان میں کوئی نہ کوئی ضرور نکل آئے گی جو سچائی کے اظہار سے باز نہیں رہے گی-

لیکن عزیز کی بیوی اب وہ عورت نہیں رہی تھی جو چند سال پہلے تھی- اب وہ ہوس کی خام کاریوں سے نکل کر عشق کی پختگی و کمال تک پہنچ چکی تھی- اب ممکن نہ تھا کہ اپنی رسوائی کے خیال سے اپنے محبوب کے سر الٹا الزام لگائے- جب عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی پاکی کا اقرار کیا- تو اس نے بھی خود بخود اعلان کر دیا- سارا قصور میرا تھا- وہ بے جرم اور راست باز ہے!

الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾
قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْهِمْ
قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ
هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ

اور (باہر سے آنے والوں کے لیے) بہتر مہمان نواز ہوں۔(۵۹) لیکن اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو پھر یاد رکھو، نہ تو تمہارے لیے میرے پاس کچھ خرید و فروخت ہوگی نہ تم میرے نزدیک جگہ پاؤ گے'' (۶۰)

انہوں نے کہا ''ہم اس کے باپ کو اس بات کی ترغیب دیں گے اور ہم ضرور ایسا کریں گے'' (۶۱)

اور یوسف نے اپنے خدمتگاروں کو حکم دیا ''ان لوگوں کی پونجی (جس کے بدلے میں انہوں نے غلہ مول لیا ہے) انہی کی بوریوں میں رکھ دو۔ جب یہ لوگ اپنے گھر کی طرف لوٹیں گے تو بہت ممکن ہے اپنی پونجی دیکھ کر پہچان لیں (کہ لوٹا دی گئی) اور پھر عجب نہیں کہ دوبارہ آئیں'' (۶۲)

پھر جب یہ لوگ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر گئے تو کہا ''اے ہمارے باپ! آئندہ کو غلہ کی فروخت ہم پر بند کر دی گئی ہے۔ پس ہمارے بھائی (بن یمین) کو ہمارے ساتھ بھیج دے کہ غلہ خرید لائیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں'' (۶۳)

باپ نے (یہ سن کر) کہا ''کیا میں اس کے لیے اسی طرح تمہارا اعتبار کروں جس طرح پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں کر چکا ہوں؟ سو خدا ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور اس سے بڑھ کر

(۱۸) حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ سے ملنا، تمام مملکت کے انتظام کا ذمہ دار قرار پانا، پھر تعبیر کے مطابق قحط کے سالوں کا نمودار ہونا، بھائیوں کا غلہ کی طلب میں مصر آنا اور بن یمین کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ جانا۔

(ا) جب تحقیقات کا نتیجہ آشکارا ہو گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ سے ملنے کے لیے تیار ہو گئے کیونکہ اب ان کی رہائی بادشاہ کی بخشش نہ رہی، ان کا حق ہو گئی۔

(ب) اس معاملہ نے بادشاہ کا اشتیاق اور زیادہ کر دیا۔ اس نے خیال کیا جس شخص کی راست بازی، امانت داری اور وفائے عہد کا یہ حال ہے اس سے بڑھ کر مملکت کے کاموں کے لیے کون موزوں ہو سکتا ہے؟ پس کہا۔ فوراً میرے پاس لاؤ۔ میں اسے اپنے کاموں کے لیے خاص کر لوں گا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام آئے اور پہلی ہی ملاقات میں اس درجہ مسخر ہوا کہ بول اٹھا۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ تم میری نگاہ میں بڑا مقام رکھتے ہو۔ مجھے بتلاؤ اس آنے والی مصیبت سے جس کی خبر خواب میں دی گئی ہے مملکت کیونکر بچائی جا سکتی ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا۔ اس طرح کہ ملک کی آمدنی کے تمام وسائل میرے ماتحت کر دیے جائیں۔ میں علم و بصیرت کے ساتھ اس کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، اور جب وہ دربار سے نکلے تو تمام مملکت مصر کے حکمران و مختار تھے!

(ج) تورات میں ہے کہ فرعون نے یوسف کی باتیں سن کر درباریوں سے کہا۔ ہم ایسا آدمی کہاں پا سکتے ہیں جیسا یہ ہے اور جس میں خدا کی روح بول رہی ہے؟ پھر یوسف سے کہا۔ دیکھ، میں نے ساری زمین مصر پر تجھے حکومت بخشی، فقط ایک تخت نشینی ہی میں

اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا
مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ
ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ
اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ

رحم کرنے والا کوئی نہیں!'' (۶۴)

اور جب ان لوگوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی انہی کو لوٹا دی گئی ہے- تب انہوں نے (اپنے باپ سے کہا) ''اے ہمارے باپ! اس سے زیادہ' ہمیں اور کیا چاہیے؟ دیکھ یہ ہماری پونجی ہے جو ہمیں لوٹا دی گئی ہے- (ہمیں غلہ بھی اس نے دے دیا اور قیمت بھی واپس کر دی- پس ہمیں اجازت دے کہ بن یمین کو ساتھ لے کر پھر جائیں) اور اپنے گھرانے کے لیے رسد لے آئیں- ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لے لیں گے- یہ غلہ (جو اس مرتبہ لائے ہیں) بہت تھوڑا ہے'' (۶۵)

باپ نے کہا ''میں کبھی اسے تمہارے ساتھ بھیجنے والا نہیں جب تک کہ اللہ کے نام پر مجھ سے عہد نہ کرو- (تم عہد کرو کہ) بجز اس صورت کے کہ ہم خود گھیر لیے جائیں (اور بے بس ہو جائیں) ہم ضرور اسے تیرے پاس واپس لے آئیں گے'' جب انہوں نے باپ کو (اس کے کہنے کے مطابق) اپنا پکا قول دے دیا تو اس نے کہا ''ہم نے جو قول و قرار کیا اس پر اللہ نگہبان ہو'' (۶۶) اور باپ نے انہیں (چلتے وقت) کہا- ''اے میرے بیٹو! دیکھو (جب مصر پہنچو تو شہر کے)

تجھ سے اوپر رہوں گا- اور اس نے اپنی انگوٹھی اتار کر یوسف کو پہنا دی اور گلے میں سونے کا طوق ڈالا اور کتان کا لباس عطا کیا اور اپنی رتھ سواری کو دی کہ شاہی رتھوں میں دوسری رتھ تھی- پھر جب وہ نکلا تو اس کے آگے آگے نقیب پکارتے تھے ''سب ادب سے رہو'' اور فرعون نے حکم دیا یوسف کو صاحب مملکت کے لقب سے پکارا جائے (پیدائش ۴۱: ۳۷)

(د) حضرت یوسف علیہ السلام کی مصری زندگی کے دو انقلاب انگیز نقطے تھے- ایک وہ جب غلام ہو کر بکے اور پھر عزیز کی نظروں میں ایسے معزز ہوئے کہ اس کے علاقہ کے مختار ہو گئے- دوسرا یہ کہ قید خانے سے نکلے اور نکلتے ہی وہاں پہنچ گئے کہ حکمرانی کی مسند اجلال پر جلوہ آرا نظر آئے! پس جب پہلے انقلاب تک سرگزشت پہنچی تھی تو آیت (۲۱) میں حکمت الٰہی کی کرشمہ سنجیوں پر توجہ دلائی تھی کہ ﴿ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ﴾ اور اب کہ دوسرا انقلاب پیش آیا تو اسی طرح آیت (۵۶) میں فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ﴾ وہاں چونکہ معاملہ مصر کی ابتدا ہوئی تھی اور ابھی حضرت یوسف علیہ السلام کو حکمرانی کی دانش سیکھنی باقی تھی' اس لیے فرمایا تھا: ﴿ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ ﴾ یہاں چونکہ تکمیل کار کے بعد اس کا نتیجہ ظاہر ہو گیا تھا اس لیے فرمایا: ﴿ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ ہمارا قانون ہے- نیک عملی کا بیج کبھی ضائع نہیں ہوتا- ضروری ہے کہ پھل لائے!

(ہ) تورات میں ہے کہ جب یوسف بادشاہ کے پاس آیا تو اس کی عمر تیس برس کی تھی (پیدائش ۴۱: ۴۶)

(و) اس کے بعد جو حالات پیش آئے قرآن نے ان کی تصریح نہیں کی- کیونکہ خواب کی تعبیر میں ان کا بیان آ چکا تھا اور چونکہ تعبیر سچی

لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ
اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ
اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ
ع ۸ ۱۱ ۲ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ

ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا - جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا - میں تمہیں کسی ایسی بات سے نہیں بچا سکتا جو اللہ کے حکم سے ہونے والی ہو (لیکن اپنی طرف سے حتی المقدور احتیاط کی ساری تدبیریں کرنی چاہییں) فرماں روائی کسی کے لیے نہیں ہے مگر اللہ کے لیے - (دنیا کے سارے حکمرانوں کی طاقت اس کے آگے ہیچ ہے) میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی ہے جس پر تمام بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے!" (۶۷)

(پھر) جب یہ لوگ (مصر میں) داخل ہوئے، اسی طرح جس طرح باپ نے حکم دیا تھا تو (دیکھو) یہ بات اللہ (کی مشیت) کے مقابلہ میں کچھ بھی کام آنے والی نہ تھی مگر ہاں یعقوب کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا تھا جسے اس نے پورا کر دیا - بلاشبہ وہ صاحب علم تھا کہ ہم نے اس پر علم کی راہ کھول دی تھی - لیکن اکثر آدمی (اس بات کی حقیقت) نہیں جانتے! (۶۸)

اور جب ایسا ہوا کہ یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی (بن یمین) کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اسے (پوشیدگی

تھی اس لیے ظاہر تھا کہ ویسے ہی حالات پیش آئے ہوں گے، اور یہ ایجاز بلاغت کی انتہا ہے -

چنانچہ پہلے سات برس بڑھتی کے گزرے اور جو تدبیر تجویز کی تھی اسی کے مطابق انہوں نے غلہ کے ذخیرے جمع کر لیے - پھر جب قحط کے سال شروع ہوئے، تو وہی ذخیرے کام میں لائے گئے، اور حکومت کی جانب سے غلہ تقسیم ہونے لگا -

تورات میں ہے کہ تمام روئے زمین پر کال تھا (پیدائش ۴۱: ۵۶) تمام روئے زمین کا مطلب یہ ہوگا کہ مصر کے اطراف و جوانب میں بھی کال تھا اور وہاں کے باشندے بھی مصر آکر حضرت یوسف علیہ السلام کی بخشش سے فائدہ اٹھاتے تھے - کیونکہ یقیناً اس بات کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا ہوگا کہ مصر میں غلہ کے وافر ذخیرے موجود ہیں -

(ز) اسی زمانے کی بات ہے کہ کنعان سے یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی غلہ مول لینے مصر آئے اور اس طرح اس سرگزشت کا آخری باب اپنی عجیب و غریب موعظتوں اور عبرتوں کے ساتھ ظہور میں آنا شروع ہو گیا - آیت (۵۸) سے اسی کا بیان شروع ہوتا ہے -

(ح) حضرت یوسف علیہ السلام انہیں دیکھتے ہی پہچان گئے - لیکن وہ کیونکر پہچان سکتے تھے؟ اول تو یوسف علیہ السلام جب گھر سے جدا ہوئے سترہ برس کے لڑکے تھے اور اب چالیس کے لگ بھگ عمر تھی - پھر اس بات کا کسے گمان ہو سکتا تھا کہ چند سکوں کا بکا ہوا، غلام مصر کا حکمراں ہوگا؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب انہیں دیکھا تو باپ کی اور اپنے ماں جائے بھائی بن یمین کی صورتیں سامنے آگئیں - ان سے کھود کھود کر گھر کے حالات پوچھے اور چلتے وقت کہا - تمہارے یہاں قحط چھایا ہوا ہے - تم غلہ لینے پھر آؤ گے - لیکن یاد رکھو - اب کے میں غلہ جبھی دوں گا کہ اپنے بھائی بن یمین کو بھی ساتھ لاؤ -

(ط) تورات میں ہے کہ یہ صورت اس طرح پیش آئی کہ یوسف علیہ السلام نے انہیں جاسوس کہا تھا - جب انہوں نے اپنی بریت میں اپنے گھرانے کے حالات سنائے تو ان کی بات پکڑ لی اور کہا - تم کہتے ہو تمہارا ایک بھائی اور بھی ہے؟ اچھا اسے بھی اپنے ساتھ لاؤ تا کہ تمہارے

اٰوٰۤی اِلَیۡهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیۡۤ اَنَا اَخُوۡكَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمۡ
بِجَهَازِهِمۡ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیۡ رَحۡلِ اَخِیۡهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الۡعِیۡرُ اِنَّكُمۡ لَسٰرِقُوۡنَ ﴿۷۰﴾
قَالُوۡا وَاَقۡبَلُوۡا عَلَیۡهِمۡ مَّاذَا تَفۡقِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوۡا نَفۡقِدُ صُوَاعَ الۡمَلِكِ وَلِمَنۡ جَآءَ بِهٖ حِمۡلُ بَعِیۡرٍ
وَّاَنَا بِهٖ زَعِیۡمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا جِئۡنَا لِنُفۡسِدَ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیۡنَ ﴿۷۳﴾

میں) اشارہ کر دیا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں پس جو (بدسلوکی یہ لوگ تیرے ساتھ) کرتے آئے ہیں اس پر غمگین نہ ہو'' (اور خوش ہو جا کہ اب زمانہ پلٹ گیا) (۶۹)

پھر جب یوسف نے ان لوگوں کا سامان ان کی روانگی کے لیے مہیا کیا تو اپنے بھائی (بن یمین کی بوری میں اپنا کٹورا رکھ دیا (تاکہ بطور نشانی کے اس کے پاس رہے) پھر ایسا ہوا کہ (جب یہ لوگ روانہ ہو گئے اور شاہی کارندوں نے پیالہ ڈھونڈا اور نہ پایا تو ان پر شبہ ہوا اور) ایک پکارنے والے نے (ان کے پیچھے) پکارا ''اے قافلہ والو! (ٹھہرو) ہو نہ ہو تم ہی چور ہو۔'' (۷۰)

وہ پکارنے والے کی طرف پھرے اور پوچھا ''تمہاری کون سی چیز کھو گئی ہے؟'' (۷۱)

(شاہی کارندوں نے) کہا ''ہمیں شاہی پیمانہ نہیں ملتا۔ جو شخص اسے لا دے اس کے لیے ایک بار شتر (غلہ) انعام ہے اور (کارندوں کے سردار نے کہا) میں اس بات کا ضامن ہوں'' (۷۲)

انہوں نے کہا ''اللہ جانتا ہے ہم اس لیے یہاں نہیں آئے کہ ملک میں شرارت کریں اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو (کہ پہلے بھی ایک مرتبہ آ چکے ہیں) اور ہمارا کبھی یہ شیوہ نہیں رہا کہ چوری کریں'' (۷۳)

بیان کی تصدیق ہو جائے اور اس وقت تک کے لیے ایک آدمی یہاں چھوڑ جاؤ۔ (پیدائش ۴۲: ۱۰)

معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر جاسوسی کا شبہ ضرور کیا گیا تھا اگرچہ خود حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے نہ ہوا ہو۔ اسی لیے حضرت یعقوب علیہ السلام جب مجبور ہوئے کہ بن یمین کو ان کے ساتھ بھیج دیں تو نصیحت کی کہ ایک دروازہ سے شہر میں داخل نہ ہونا کہ کنعانیوں کا ایک پورا جتھا دیکھ کر مصریوں کو شبہ ہوگا۔ الگ الگ دروازوں سے ایک ایک دو دو کر کے داخل ہونا۔ نیز فرمایا: ﴿ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ اصلی فرماں روائی تو اللہ کے لیے ہے۔ وہ نہ چاہے تو مصر کا حکمراں کیا کر سکتا ہے؟ پس جو کچھ بھروسہ ہے اسی پر ہے۔ البتہ اپنی طرف سے تدبیر و احتیاط ضرور کرنی چاہیے۔ لیکن جو کچھ پیش آنے والا تھا وہ دوسرا ہی معاملہ تھا۔ جاسوسی کی بنا پر نہیں بلکہ ایک دوسری مصلحت کی بنا پر بن یمین کو روک لیا گیا اور جس بات کی احتیاط کی تھی وہی پیش آ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آیت (۶۸) میں فرمایا۔ یہ احتیاط کچھ کام نہ دے سکی۔ ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک خطرہ محسوس کیا تھا سو اپنی جگہ اس کی پیش بندی کر لی۔ پھر ان کے علم و دانش مندی کا بھی اظہار کر دیا۔ تاکہ واضح ہو جائے، انہوں نے جو احتیاط کی تھی وہ گو کام نہ دے سکی، لیکن یہ قصور علم کی وجہ سے نہیں ہوا۔ علم کا مقتضا تو یہی تھا کہ تدبیر و احتیاط میں کمی نہ کرتے اور پھر سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیتے جیسا کہ فی الحقیقت انہوں نے کیا۔

(ی) بہر حال بن یمین کو لے کر جب دوبارہ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر اپنی حقیقت ظاہر کر دی اور چونکہ جانتے تھے سوتیلے بھائی

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْٓا

(کارندوں نے) کہا ''اچھا اگر تم جھوٹے نکلے تو بتلاؤ چور کی سزا کیا ہونی چاہیے؟'' (۷۴)

انہوں نے کہا ''چور کی سزا یہ کہ جس کی بوری میں چوری کا مال نکلے وہ آپ اپنی سزا (یعنی اپنے جرم کی پاداش میں پکڑا جائے) ہم زیادتی کرنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں'' (۷۵)

پس (کارندوں کے سردار نے) ان کی بوریوں کی تلاشی کی-قبل اس کے کہ یوسف کے بھائی (بن یمین) کی بوری کی تلاشی لیتے، اور کچھ نہ پایا) پھر یوسف کے بھائی کی بوری (دیکھی اور اس میں) سے پیالہ نکال لیا- (تو دیکھو) اس طرح ہم نے یوسف کے لیے (بن یمین کو پاس رکھنے کی) تدبیر کر دی- وہ بادشاہ (مصر) کے قانون کی رو سے ایسا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے بھائی کو روک لے (اگرچہ ایسا کرنے کے لیے اس کا دل بے قرار تھا) مگر ہاں اسی صورت میں کہ اللہ کو (اس کی راہ نکال دینا) منظور ہوتا (سو اس نے غیبی سامان کر کے راہ نکال دی) ہم جسے چاہتے ہیں مرتبوں میں بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والی ہستی ہے (جس کا علم سب کو احاطہ کیے ہوئے ہے-یعنی اللہ کی ہستی) (۷۶) (جب بن یمین کی بوری سے کٹورا نکل آیا تو) بھائیوں نے کہا

ضرور اس کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوں گے اس لیے کہا-اب دن پھرنے والے ہیں اس لیے آزردہ خاطر نہ ہو-

(۱۹) حضرت یوسف علیہ السلام کا چاہنا کہ بن یمین کو اپنے پاس رکھ لیں لیکن اس کی کوئی راہ نہ پانا اور رخصت کر دینا لیکن حکمت الٰہی سے ایک عجیب و غریب حادثہ کا پیش آ جانا اور بن یمین کا ان کے پاس رہ جانا-

(۱) بن یمین حضرت یوسف علیہ السلام کا حقیقی بھائی تھا-اتنی مدت کے بعد دیکھا تو کسی طرح دل نہیں مانتا تھا کہ اسے جدا ہونے دیں' لیکن مشکل یہ آ پڑی کہ روک بھی نہیں سکتے تھے-اس بارے میں مصر کا قانون بہت سخت تھا-بلا وجہ کسی آدمی کو خصوصاً اجنبی کو روک لینا جائز نہ تھا- اور ابھی اس کا وقت بھی نہیں آیا تھا کہ اپنی شخصیت بھائیوں پر ظاہر کریں- مجبور ہو کر رخصت کر دیا اور اس غرض سے کہ اپنی ایک نشانی اسے دے دیں، اس کے سامان میں اپنا چاندی کا کٹورا رکھ دیا- چونکہ بھائیوں پر اس بات کا اظہار خلاف مصلحت تھا اس لیے یہ بات پوری پوشیدگی کے ساتھ عمل میں آئی-

لیکن جب یہ لوگ روانہ ہو گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے محل کے کارندوں نے پیالہ ڈھونڈا اور جب نہ ملا تو ان لوگوں کے تعاقب میں نکلے-انہیں پیالہ کا حال معلوم نہ تھا، اور چونکہ ان لوگوں کے سوا کوئی اور آدمی محل میں ٹھہرا نہیں تھا اس لیے سمجھے-ہو نہ ہو-انہی اجنبیوں کی کارستانی ہے-پھر جب کارندوں کے سردار نے تلاشی لی (جس کی موجودگی کا پتہ آیت (۷۲) کے اس جملہ سے ملتا ہے کہ ﴿ اَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ﴾)

اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ
قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا
كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ
وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ ع

''اگر اس نے چوری کی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں- اس سے پہلے اس کا (حقیقی) بھائی بھی چوری کر چکا ہے'' تب یوسف نے (جس کے سامنے اب معاملہ پیش آیا تھا) یہ بات اپنے دل میں رکھ لی- ان پر ظاہر نہ کی (کہ میرے منہ پر مجھے چور بنا رہے ہو) اور (صرف اتنا) کہا کہ ''سب سے بری جگہ تمہاری ہوئی (کہ اپنے بھائی پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو) اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ اسے بہتر جاننے والا ہے'' (۷۷)

انہوں نے کہا ''اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے (اور اس سے بہت محبت رکھتا ہے) پس اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے (مگر اسے نہ روکیے) ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو احسان کرنے والے ہیں'' (۷۸)

یوسف نے کہا ''اس بات سے اللہ کی پناہ کہ ہم اس آدمی کو چھوڑ کر جس کے پاس ہمارا سامان نکلا کسی دوسرے کو پکڑیں- اگر ایسا کریں تو ہم ظالم ٹھہریں'' (۷۹) پھر جب وہ یوسف سے مایوس ہو گئے (کہ یہ ماننے والا نہیں) تو مشورہ کے لیے (ایک جگہ) اکیلے میں بیٹھ گئے- جو اُن میں بڑا تھا اس نے کہا ''تم جانتے ہو کہ باپ نے (بن یمین کے بارے میں)

تو بن یمین کی خرجی سے پیالہ نکل آیا- اب کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کے چور ہونے میں انہیں شبہ ہوتا- وہ ان سب کو لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے-

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ معاملہ سنا تو سمجھ گئے اس حادثہ میں خدا کا ہاتھ کام کر رہا ہے اور اس نے بن یمین کو روک لینے کا خود بخود سامان پیدا کر دیا ہے- وہ خاموش ہو رہے اور کہا تو صرف یہی کہا کہ ہم اور کسی کو روک نہیں سکتے اسی کو روکیں گے جس کے پاس ہماری چیز نکلی- یہ دراصل وہی بات تھی جو خود ان لوگوں کی زبان سے نکل چکی تھی- ان سے جب کارندوں نے پوچھا تھا- اگر مال نکل آیا تو چور کی کیا سزا ہے؟ تو انہوں نے کہا تھا- جس کے پاس سے نکلے وہ خود اپنی سزا ہو- یعنی بطور قیدی کے یا غلام کے اسے صاحب مال رکھ لے-

یہی وجہ ہے کہ آیت (۷۶) میں اس معاملہ کے ذکر کے بعد ہی فرمایا- ﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ﴾ یوسف علیہ السلام ملک کے قانون کے مطابق بن یمین کو نہیں روک سکتا تھا' اور اس نے روکنا چاہا بھی نہیں' اگرچہ دل اس کے لیے بے قرار تھا لیکن حکمت الٰہی نے ایک مخفی اور دقیق تدبیر پیدا کر دی- جو انسان کے کیے نہیں ہو سکتی تھی- اور ''کید'' کے معنی مخفی اور دقیق تدبیر ہی کے ہیں-

(ک) جھوٹوں کا قاعدہ ہے کوئی موقع کوئی بات ہو جھوٹ بولنے سے نہیں رکتے- اگر مدح کا موقع ہو تو جھوٹی مدح کر دیں گے- مذمت کا موقع ہو تو کوئی جھوٹا الزام لگا دیں گے- جب بن یمین کی خرجی میں سے پیالہ نکل آیا تو بھائیوں کا سوتیلے پن کا حسد جوش میں آ گیا- جھٹ بول اٹھے- اگر اس نے چوری کی تو کوئی عجیب بات نہیں- اس کا بھائی یوسف بھی چور تھا- پس یہ بغض و حسد کی ایک بات تھی اس کا

كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ
يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾
اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا
لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْــَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا
لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ
جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ

اللہ کو شاہد ٹھہرا کر تم سے عہد لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف کے معاملہ میں بڑی تقصیر ہو چکی ہے- پس میں تو اب اس ملک سے ٹلنے والا نہیں جب تک خود باپ مجھے حکم نہ دے یا پھر اللہ میرے لیے کوئی دوسرا فیصلہ کر دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے'' (۸۰)

''تم لوگ باپ کی طرف لوٹ جاؤ اور اس سے جا کر کہو'' اے ہمارے باپ! (ہم کیا کریں) تیرے بیٹے نے (پرائے ملک میں) چوری کی- جو بات ہمارے جاننے میں آئی وہی ہم نے ٹھیک ٹھیک کہہ دی اور ہم غیب کی باتوں کی خبر رکھنے والے نہ تھے'' (کہ پہلے سے جان لیتے، بن یمین سے ایسی بات سرزد ہونے والی ہے) (۸۱)

''اور (یہ بھی کہہ دینا کہ) آپ اس بستی سے دریافت کر لیں جہاں ہم ٹھہرے تھے اور اس قافلہ کے آدمیوں سے پوچھ لیں جس میں ہم آئے ہیں- ہم (اپنے بیان میں) بالکل سچے ہیں'' (۸۲)

(چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا اور کنعان آ کر یہ ساری باتیں باپ سے کہہ دیں) اس نے (سن کر) کہا ''نہیں یہ تو ایک بات ہے جو تمہارے جی نے تمہیں سجھا دی ہے (یعنی بن یمین کا چوری کرنا) خیر! میرے لیے صبر کے سوا چارہ نہیں- ایسا صبر کہ خوبی کا صبر ہو- اللہ (کے فضل) سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ (ایک دن) ان سب کو میرے پاس جمع کر دے- وہی ہے جو (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!'' (۸۳) اور اس نے ان لوگوں کی طرف سے رخ پھیر لیا اور (چونکہ اس نئے زخم کی خلش نے پچھلا زخم تازہ کر دیا تھا اس لیے) پکار اٹھا'' آہ یوسف کا درد فراق! اور شدت غم سے (روتے روتے) اس کی

مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ واقعی کوئی ایسی بات ہوئی بھی تھی- قرآن نے خصوصیت کے ساتھ ان کی یہ بات اس لیے نقل کی کہ واضح ہو جائے- بغض وحسد انسان کو کیسی کیسی غلط بیانیوں کا عادی بنا دیتا ہے-

الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ
الْهٰلِكِيْنَ ﴿٨٥﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ يٰبَنِيَّ
اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ
رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا
الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي

آنکھیں سفید پڑ گئیں اور اس کا سینہ غم سے لبریز تھا! (۸۴)

(باپ کا یہ حال دیکھ کر بیٹے) کہنے لگے "بخدا تم تو ہمیشہ ایسے ہی رہو گے کہ یوسف کی یاد میں لگے رہو- یہاں تک کہ (اسی غم میں) گھل جاؤ یا اپنے کو ہلاک کر دو" (۸۵)

باپ نے کہا "میں تو اپنی حاجت اور اپنا غم اللہ کی جناب میں عرض کرتا ہوں (کچھ تمہارا شکوہ نہیں کرتا) میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں" (۸۶)

(پھر انہوں نے کہا) "اے میرے بیٹو! (ایک بار پھر مصر) جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ- اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو- اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو منکر ہیں" (۸۷) پھر جب (باپ کے حکم کی تعمیل میں یہ لوگ مصر پہنچے اور) یوسف کے پاس گئے تو (اپنے پھر آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے) کہا "اے عزیز ہم پر اور ہمارے گھر کے آدمیوں پر بڑی سختی کے دن گزر رہے ہیں- پس (مجبور ہو کر غلہ کی طلب میں ہمیں پھر نکلنا پڑا) ہم تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں- اسے قبول کر لیجیے- اور غلہ کی پوری تول عنایت کیجیے اور (اسے خرید و فروخت کا معاملہ نہ سمجھیے بلکہ) ہمیں (محتاج سمجھ کر) خیرات دے دیجیے- اللہ خیرات کرنے والوں

---

(۲۰) حضرت یعقوب علیہ السلام کا بن یمین کی گم گشتگی میں بازیافتگی کی ایک نئی امید محسوس کرنا اور بیٹوں کو جستجوئے مقصود میں روانہ کرنا بالآخر پردۂ راز کا ہٹنا اور کرشمۂ حقیقت کا سامنے آ جانا!

(ا) اب یہ سرگزشت عبرت اپنی آخری منزل سے قریب ہو رہی ہے- جب یوسف علیہ السلام کے بھائی بن یمین کے معاملہ میں مایوس ہو گئے تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے- تورات میں ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام راضی نہیں ہوتے تھے کہ بن یمین کو جدا کریں تو روبن نے خصوصیت کے ساتھ اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا (پیدائش ۴۲: ۳۸) اور روبن ہی ان سب میں بڑا تھا- پس اس نے کہا- یوسف کے معاملہ میں ہم سے جو بدعہدی ہو چکی ہے اس کا داغ اب تک باپ کے دل سے مٹا نہیں- اب بن یمین کے لیے ہم نے قول و قرار کیا تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا- میری ہمت تو پڑتی نہیں کہ باپ کو جا کر منہ دکھاؤں، تم جاؤ اور جو کچھ گزر رہا ہے بے کم و کاست سنا دو- چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا اور گھر آ کر تمام سرگزشت باپ کو سنا دی-

(ب) غور کرو، قرآن واقعہ کی جزئیات نقل کرتے ہوئے کس طرح دقیق سے دقیق پہلو فطرت انسانی کے ملحوظ رکھتا ہے؟ بن یمین ان

الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾
قَالُوْٓا ءَ اِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ
مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ
عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ

کو ان کا اجر دیتا ہے!'' (۸۸)

(یہ حال سن کر) یوسف (کا دل بھر آیا- اس) نے کہا ''تمہیں یاد ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جبکہ تمہیں سمجھ بوجھ نہ تھی؟'' (۸۹)

(یہ سن کر بھائی چونک اٹھے اور اب جو عزیز کی صورت اور آواز پر غور کیا تو ایک نیا خیال ان کے اندر پیدا ہو گیا) انہوں نے کہا ''کیا فی الحقیقت تم ہی یوسف ہو؟''

یوسف نے کہا ''ہاں میں یوسف ہوں اور یہ (بن یمین) میرا بھائی ہے- اللہ نے ہم پر احسان کیا- اور حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی (برائیوں سے) بچتا اور (مصیبتوں میں) ثابت قدم رہتا ہے تو اللہ (کا قانون یہ ہے کہ وہ) نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا!'' (۹۰) (یہ سن کر بھائیوں کے سر شرم و ندامت سے جھک گئے) انہوں نے کہا ''بخدا اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ نے تجھے ہم پر برتری دی اور بلاشبہ ہم سرتا سر قصور وار تھے'' (۹۱) یوسف نے کہا ''آج کے دن (میری جانب سے) تم پر کوئی سرزنش نہیں- (جو ہونا تھا وہ ہو چکا) اللہ تمہارا قصور بخش دے- اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے

سب کا بھائی تھا- ماں ایک نہ سہی مگر باپ تو ایک ہی تھا- لیکن انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے بھائی نے چوری کی- بلکہ کہا ''تیرے لڑکے نے چوری کی'' اس ایک بات میں کتنی باتیں چھپی ہوئی ہیں؟ اس میں طعن ہے، تحقیر ہے، ملامت ہے، اپنی بڑائی ہے، مغرورانہ بریت ہے اور پھر حد درجہ کی سنگ دلی کہ ایسے موقع پر بھی جب کہ بوڑھے باپ کے دل پر ایک نیا زخم لگنے والا تھا طعن تشنیع سے باز نہ رہ سکے اور کہا یہ ہے تیرا چہیتا بیٹا جس نے چوری کا ارتکاب کیا اور ہم سب کو مصیبت میں ڈالا-

(ج) معلوم ہوتا ہے حضرت یعقوب نے بن یمین کی گم گشتگی میں یوسف علیہ السلام کی بازگشت کی جھلک دیکھ لی تھی اور یہ ان کی فراست نبوت کا کرشمہ تھا- اسی لیے فرمایا ﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ﴾ اور یہ قرب وصال کے تصور کا نتیجہ تھا کہ درد فراق کی شدتیں بڑھ گئیں اور بے اختیار ﴿ يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ ﴾ کی صدا نکل گئی- اور اسی لیے آخر میں اشارہ کیا کہ ﴿ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

(د) اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کا کہنا کہ مایوس ہو کر نہ بیٹھ رہو، جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ، واضح کر دیتا ہے کہ وحی الٰہی کا اشارہ ہو چکا تھا اور وہ سمجھ چکے تھے کہ شمیم یوسف اسی رخ سے آنے والی ہے- ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ یوسف کا نام ان کی زبان سے نکلتا- کیونکہ جو معاملہ پیش آیا تھا بن یمین کا تھا- یوسف (علیہ السلام) کا نہ تھا-

چنانچہ آگے چل کر آیت (۹۶) سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے- جب حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا اور پیام پہنچا تو انہوں نے کہا:
﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

(ہ) ایک طرف تو یہ حالات پیش آ رہے تھے- دوسری طرف قحط کی شدتیں بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھیں- پس بھائیوں نے مصر آ کر جو کچھ حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا وہ اپنے دوبارہ آنے کا بہانہ نہ تھا بلکہ واقعی مصیبت کی سچی داستان تھی- جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حالات سنے

اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ
اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ ع
قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ
بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚۙ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا

بڑھ کر رحم کرنے والا ہے!'' (۹۲)

''اب تم یوں کرو کہ میرا یہ کرتا (بطور علامت کے) اپنے ساتھ لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو کہ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں- اور (پھر) اپنے گھرانے کے تمام آدمیوں کو لے کر میرے پاس آ جاؤ'' (۹۳)

اور پھر جب (یہ لوگ یوسف کے حکم کے مطابق کرتا لے کر روانہ ہوئے اور) قافلہ نے مصر کی سرزمین چھوڑی تو (ادھر کنعان میں) ان کا باپ کہنے لگا- ''اگر تم لوگ یہ نہ کہنے لگو کہ بڑھاپے سے اس کی عقل ماری گئی تو میں کہوں گا مجھے یوسف کی مہک آ رہی ہے'' (اور مجھے اس کا یقین ہے) (۹۴) سننے والوں نے کہا ''بخدا تم تو اب تک اپنے (اسی) پرانے خبط میں پڑے ہو'' (یعنی یوسف کا تو نام و نشان بھی نہ رہا، اور تمہیں اس کی واپسی کے خواب آ رہے ہیں!) (۹۵)

لیکن پھر جب (قافلہ کنعان پہنچ گیا اور) خوش خبری سنانے والا (دوڑتا ہوا) آیا تو اس نے (آتے ہی) یوسف کا کرتا یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا اور اس کی آنکھیں پھر سے روشن ہو گئیں- تب اس نے کہا ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں؟'' (۹۶)

وہ (شرم و ندامت میں ڈوب کر) بولے ''اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لیے (اللہ کے حضور)

اور دیکھا کہ ان کے بھائی ان کے سامنے کھڑے خیرات کی بھیک مانگ رہے ہیں تو جوش رحم و محبت سے بے اختیار ہو گئے اور اپنے آپ کو ظاہر کر دیا- جب انہوں نے کہا- تمہیں یاد ہے تم نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا تھا؟ تو بھائی چونک اٹھے کہ عزیز مصر یوسف علیہ السلام کا ذکر اس طرح کیوں کر رہا ہے؟ اور اب جو اس کی صورت اور آواز پر غور کیا تو صاف نظر آ گیا کہ یہ تو بالکل یوسف علیہ السلام کی سی ہے- پس حیران ہو کر بول اٹھے: ﴿ اِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ؟ ﴾

قرآن نے اس موقعہ کا سارا مکالمہ صرف دو جملوں میں بیان کر دیا ہے- ایک حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے- دوسرا بھائیوں کا' لیکن غور کرو- موقعہ کی طبیعت حال کا کونسا پہلو ہے جو ان دو جملوں کے اسلوب بیان اور لب و لہجہ میں نہیں آ گیا؟ بھائیوں نے یہ نہیں کہا کہ ''کیا تم یوسف علیہ السلام ہو؟'' بلکہ کہا ''انك'' اور ''لا نت یوسف'' یعنی کیا فی الحقیقت تم ہی یوسف ہو؟ اس اسلوب استفہام نے وہ ساری حالتیں واضح کر دیں جو ان کے ذہن و فکر پر اس وقت طاری ہو گئی تھیں اور اس طرح کے موقعہ میں قدرتی طور پر طاری ہوا کرتی ہیں-

(د) جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کی خبر باپ کو سنائی تھی تو خون آلود کرتا جا کر دکھایا تھا- اب وقت آیا کہ زندگی و اقبال کی خوش خبری سنائی جائے تو اس کے لیے بھی کرتے ہی نے نشانی کا کام دیا- وہی چیز جو کبھی فراق کا پیام لائی تھی اب وصال کی بشارت بن گئی-

ذُنُوبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾
فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ؕ
وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ
قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ

دعا کر- فی الحقیقت ہم سے سراسر قصور ہی ہوتے رہے!'' (۹۷)

باپ نے کہا'' وہ وقت دور نہیں کہ میں اپنے پروردگار سے تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں- وہ بڑا بخشنے والا بڑی ہی رحمت والا ہے!'' (۹۸)

پھر جب (ایسا ہوا کہ یوسف کی خواہش کے مطابق) یہ لوگ (کنعان سے روانہ ہو گئے اور شہر کے باہر) یوسف سے ملے تو اس نے اپنے باپ اور ماں کو (عزت واحترام سے) اپنے پاس جگہ دی اور کہا- اب شہر میں چلو- خدا نے چاہا تو تمہارے لیے ہر طرح کی سلامتی ہے!'' (۹۹)

اور (جب شہر میں داخل ہوئے تو) اس نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا (باقی سب کے لیے نیچے نشستیں رکھیں) اور (دیکھو) اس وقت ایسا ہوا کہ سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے (اور مصر کے دستور کے مطابق اس کے منصب حکومت کی تعظیم بجالائے) اس وقت (اسے بچپنے کا خواب یاد آ گیا اور بے اختیار) پکار اٹھا'' اے باپ! یہ ہے تعبیر اس خواب کی جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا- میرے پروردگار نے اسے سچا ثابت کر دیا- یہ اسی کا احسان ہے کہ مجھے قید سے رہائی دی، تم سب

(۲۱) حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کا مصر پہنچنا' خواب کی تعبیر کا ظہور میں آنا اور سرگزشت کا خاتمہ-

(ا) ادھر کاروان بشارت نے کوچ کیا اور ادھر کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہنا شروع کر دیا: ﴿ انی لاجد ریح یوسف ﴾ مجھے یوسف کی مہک آ رہی ہے!

ولقد تھب لی الصبا من ارضھا
فیلذ مس ھبوبھا و یطیب!

اس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی نے انہیں مطلع کر دیا تھا کہ اب ایام فراق قریب الاختتام ہیں اور مژدۂ وصال جلد پہنچنے والا ہے-

(ب) جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے آگے عجز و اعتراف کا سر جھکایا تو انہوں نے بلا تامل کہہ دیا- ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ لیکن جب حضرت یعقوب علیہ السلام سے دعائے مغفرت کے طلب گار ہوئے تو کہا: ﴿ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ﴾ میں عنقریب تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا- یعنی طلب مغفرت کی دعا کو کسی آئندہ وقت پر ملتوی کر دیا- یہ اختلاف حال غالباً اس بات کا نتیجہ ہے کہ بھائیوں نے جو کچھ ظلم کیا تھا وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ذات خاص پر کیا تھا- اس لیے انہیں عفوو درگزر میں تامل نہیں ہوا- کیونکہ معاملہ خود ان کا معاملہ تھا- لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کو تامل ہوا کیونکہ معاملہ صرف انہی کا نہیں بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی تھا- پس فرمایا میں عنقریب ایسا کروں گا- یعنی عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ سب یکجا ہوں گے اور عفوو بخشش کا آخری فیصلہ ہو جائے گا- پھر میری دعائیں ہوں گی اور تم ہو گے-

(ج) تورات میں ہے کہ جب یوسف نے اپنے بھائیوں پر اپنے آپ کو ظاہر کر دیا تو وہ گھبرا گئے لیکن یوسف نے انہیں تسلی دی

الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ

کو صحرا سے نکال کر میرے پاس پہنچا دیا اور یہ سب کچھ اس واقعہ کے بعد ہوا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا! بلاشبہ میرا پروردگار ان باتوں کے لیے جو کرنی چاہے بہتر تدبیر کرنے والا ہے- بلاشبہ وہی ہے کہ (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے سارے کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!'' (۱۰۰)

(پھر یوسف نے دعا کی) ''پروردگار! تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور باتوں کا مطلب اور نتیجہ نکالنا تعلیم فرمایا اے آسمان و زمین کے بنانے والے تو ہی میرا کارساز ہے- دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی- تو (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیجیو کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرماں برداری کی حالت میں جاؤں- اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں!'' (۱۰۱)

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی تجھ پر وحی کر رہے ہیں- ورنہ (ظاہر ہے کہ) جس وقت یوسف کے بھائی سازش میں مصمم ہو گئے تھے اور پوشیدہ تدبیریں کر رہے تھے تو تم اس وقت کچھ ان کے پاس کھڑے نہ تھے (کہ سب کچھ دیکھ سن لیا ہو) (۱۰۲) اور (اس پر بھی یاد رکھو) اکثر آدمیوں کا حال یہ ہے کہ تم کتنا ہی چاہو (اور کتنی ہی

اور کہا اپنے دلوں میں پریشان نہ ہو، یہ خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے مجھے تم لوگوں سے پہلے اس سرزمین میں بھیج دیا- دو برس سے زمین پر کال ہے اور ابھی پانچ برس اور کال رہے گا- پس خدا نے مجھے اس لیے مصر کا حاکم بنا دیا کہ تمہاری اولاد باقی رہے اور تمہیں غموں سے نجات ملے- تم اب فوراً میرے باپ کے پاس جاؤ اور اسے مع اپنے پورے گھرانے کے میرے پاس لے آؤ- میں اسے جشن کی زمین میں رکھوں گا- (پیدائش ۴۵:۴)

تورات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب فرعون کو معلوم ہوا، یوسف کے بھائی آئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے یوسف (علیہ السلام) کو کہا اپنے بھائیوں سے کہہ- اپنے باپ اور اپنے گھرانے کو میرے پاس لے آئیں- میں انہیں مصر کی ساری اچھی چیزیں دوں گا- نیز حکم دیا کہ ان کے لانے کے لیے مصر کے رتھ اپنے ساتھ لے جائیں اور جو اسباب وہاں چھوٹ جائے اس کا افسوس نہ کریں- مصر کی ساری خوشیاں ان کے لیے ہوں گی (۴۵:۱۶)

(د) چنانچہ کنعان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا گھرانہ روانہ ہو گیا- تورات میں ہے کہ وہ سب ۶۷ تھے، اور اگر یوسف اور اس کے لڑکوں کو جو مصر میں پیدا ہوئے تھے ملا لیا جائے تو خاندان کی پوری تعداد ستر ہو جاتی ہے (پیدائش ۴۶:۲۷)

(ہ) جب قافلہ مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کا استقبال کیا- اس زمانہ میں مصر کا دارالحکومت رعمسیس تھا اور اسے جشن کا شہر کہتے تھے- کیونکہ سالانہ جشن وہیں ہوا کرتا تھا- پس یہ لوگ دارالحکومت میں آئے جہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے دربار منعقد کیا اور اپنے والدین کے لیے بلند مسند بچھائی- اب وہ وقت آ گیا تھا جس کا مرقع سالہا سال پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا- جونہی حضرت یوسف علیہ السلام

وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَيِّنْ ع ۵
مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ
اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ
تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا

وقف النبی علیہ السلام

دلیلیں پیش کرو) کبھی ایمان لانے والے نہیں! (۱۰۳)

حالانکہ تم ان سے اس بات کے لیے کوئی مزدوری نہیں مانگتے - یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام جہان کے لیے پند و وعظ ہے! (۱۰۴)

اور (دیکھو!) آسمانوں میں اور زمین میں (اللہ کی قدرت و حکمت کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے لوگ گزر جاتے ہیں اور نظر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں! (۱۰۵) اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ پر یقین لاتے ہیں تو اس حال میں لاتے ہیں کہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھہرائے جاتے ہیں! (۱۰۶)

پھر کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ اللہ کے عذاب میں سے کوئی آفت ان پر آئے اور چھا جائے؟ یا اچانک قیامت آ جائے اور وہ بے خبری میں پڑے ہوں؟ (۱۰۷)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو "میری راہ تو یہ ہے - میں اس روشنی کی بنا پر جو میرے سامنے ہے، اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور (اس راہ میں) جن لوگوں نے میرے پیچھے قدم اٹھایا ہے وہ بھی (اسی طرح) بلاتے ہیں - اللہ کے لیے پاکی ہو - میں شرک کرنے والوں

دربار میں نمودار ہوئے تمام درباریوں نے مصر کے دستور کے مطابق تعظیم دی اور تعظیم یہ تھی کہ سجدے میں گر پڑے - جب حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی سجدے میں جھک گئے اور درباریوں کا ساتھ دیا - تب حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے خواب کی بات یاد آ گئی - وہ بے اختیار پکار اٹھے! ﴿ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ﴾ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے ان کے آگے جھکے ہوئے ہیں - تو سورج اور چاند ان کے والدین تھے اور گیارہ ستارے گیارہ بھائی - آج یہ سب ان کی عظمت و جلال کے آگے جھک گئے اور وقت کی سب سے بڑی مملکت کے اوج و اقبال نے اپنا تخت ان کے لیے خالی کر دیا!

(د) حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کا یہ سجدہ تعظیم کا سجدہ تھا - دنیا میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ حکمرانوں اور پیشواؤں کے آگے سجدے کرتے ہیں اور اسے تعظیم و احترام کی خاص علامت سمجھتے ہیں - مصر، بابل، ایران، ہندوستان اور سلاطین بنی اسرائیل سب کے یہاں تعظیم و احترام کا یہی طریقہ رائج تھا اور ہندوستان میں اب تک رائج ہے - لیکن قرآن نے توحید کے اعتقاد و عمل کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا وہ اس طرح کے رسوم و اشکال کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا - اس نے سجدہ کی ہر قسم اور ہر صورت صرف اللہ ہی کی عبادت کے لیے مخصوص کر دی اور کسی حال میں جائز نہ رکھا کہ کسی دوسری ہستی کے لیے سر نیاز جھکایا جائے - اس نے صرف سجدہ ہی کو نہیں روکا جو پیشانی کے زمین پر رکھنے کا نام ہے بلکہ یہ بھی جائز نہ رکھا کہ کوئی انسان کسی دوسری ہستی کے آگے اپنا جسم دہرا کرے - ہر جھکاؤ، ہر خمیدگی، ہر رکوع، جو کسی قامت پر طاری ہو سکتا ہے، وہ کہتا ہے صرف اللہ ہی کے لیے ہے - اور کوئی دوسری ہستی اس میں شریک نہیں ہو سکتی!

پس یاد رہے کہ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ محض ایک گزشتہ واقعہ کی حکایت ہے - اسلامی احکام کی تشریح نہیں ہے -

وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۱۰۸ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ
اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۱۰۹ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ
قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۱۱۰ لَقَدْ كَانَ

میں نہیں ہوں!'' (۱۰۸)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا ہے مگر اسی طرح کہ وہ باشندگان شہر ہی میں سے ایک آدمی تھا اور ہم نے اس پر وحی اتاری تھی (ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آسمان سے فرشتے اترے ہوں) پھر کیا یہ لوگ (جو تمہارے اعلان رسالت پر متعجب ہو رہے ہیں) زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہو چکا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں؟ اور جو لوگ (برائیوں سے) بچتے ہیں تو یقیناً آخرت کا گھر ان کے لیے کہیں بہتر ہے۔ پھر (اے گروہ مخاطب!) کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ (۱۰۹)

(اور ان گزری ہوئی قوموں پر فوراً عذاب نہیں آ گیا تھا۔ انہیں مہلت ملتی رہی) یہاں تک کہ جب اللہ کے رسول (ان کے ایمان لانے سے) مایوس ہو گئے اور لوگوں نے خیال کیا ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا تو (پھر اچانک) ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی، پس ہم نے جسے بچانا چاہا بچا لیا اور (جو مجرم تھے تو) ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ مجرموں سے ہمارا عذاب ٹل جائے! (۱۱۰) یقیناً ان لوگوں

(ز) اس طرح یہ سرگزشت جس خواب کے ذکر سے شروع ہوئی تھی اسی کی تعبیر کے ظہور پر ختم ہو گئی!

(ح) حضرت یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر جو کچھ فرمایا اور اس کے بعد جو دعا فرمائی وہ ان کی سیرت مطہرہ کا سب سے زیادہ اہم مقام ہے اور اس کی مختصر تشریح آگے آئے گی۔

(۲۲) سورت کا خاتمہ۔

سرگزشت ختم ہو گئی۔ اب آیت (۱۰۲) سے خطاب پیغمبر اسلام ﷺ کی جانب ہے اور دعوت حق کی بعض مہمات واضح کی ہیں:

(ا) اس سرگزشت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، یہ سرتا سر غیب کی باتیں ہیں۔ اگر وحی الٰہی کا فیضان نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس واقعہ کی ایک ایک جزئیات پر تم مطلع ہوتے اور دنیا کے آگے اس طرح پیش کر دیتے۔ یہ ظاہر ہے کہ واقعہ تم سے دو ہزار سال پہلے کا ہے اور دنیا میں گزشتہ واقعات کے علم و سماعت کے جتنے وسائل ہو سکتے ہیں ان میں سے کوئی وسیلہ بھی تمہارے لیے موجود نہیں اور اگر موجود بھی ہو تو یہ قطعی ہے کہ اس باب میں کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔

(ب) لیکن کیا منکرین حق تمہاری سچائی کی یہ دلیل واضح دیکھ کر ایمان لے آئیں گے؟ نہیں، تم کتنا ہی چاہو، جو ماننے والے نہیں ہیں وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

(ج) خدا کی کائنات تو سرتا سر حقیقت کی نشانی ہے۔ آسمان و زمین کا کون سا گوشہ ہے جو اس کی نشانیوں سے خالی ہے اور شب و روز انسان کو دعوت فکر و عبرت نہیں دے رہا ہے؟ بایں ہمہ بندگان غفلت کا کیا حال ہے؟ یہ ہے کہ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور نگاہ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں!

قرآن نے یہاں اور دوسرے مقامات میں آسمان و زمین کی نشانیوں پر توجہ دلائی ہے اور ان کے مطالعہ و تفکر کو معرفت حق کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے اور یہی بات اس کے تمام استدلال کا مبدء و اساس ہے۔ چنانچہ پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں اس طرف اشارات گزر چکے ہیں اور تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

فِیۡ قَصَصِہِمۡ عِبۡرَۃٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ؕ مَا کَانَ حَدِیۡثًا یُّفۡتَرٰی وَ لٰکِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ
بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَ تَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

ع ۱۲

کے قصہ میں دانشمندوں کے لیے بڑی ہی عبرت ہے- یہ کوئی جی سے گھڑی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اس کتاب کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے آ چکی ہے- نیز ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں (ہدایت کی) ساری باتوں کی تفصیل ہے (یعنی الگ الگ کر کے واضح کر دینا ہے) اور رہنمائی ہے اور رحمت ہے! (۱۱۱)

(د) آیت (۱۰۶) کے پانچ چھ لفظوں میں وہ سب کچھ بیان کر دیا جو باب توحید میں دعوت قرآنی کا ماحصل ہے- فرمایا- اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر یقین بھی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی دوسروں کو اس کا شریک بھی ٹھہراتے ہیں- یعنی ان کا خدا کو ماننا ایسا ماننا نہیں ہے جو شرک سے انہیں باز رکھے-

دنیا کی تمام قوموں کی دینی ذہنیت کی یہ کیسی مکمل تعبیر ہے- جو چند لفظوں کے اندر بیان کر دی گئی ہے؟ نزول قرآن کے وقت دنیا کی تمام خدا پرست جماعتوں کی خدا پرستی کا یہی حال تھا- اور اب بھی دیکھ لو یہی حال ہے- وہ خدا پر ایمان رکھتے تھے لیکن ان کا ایمان طرح طرح کے مشرکانہ عقائد و اعمال سے آلودہ ہو گیا تھا- وہ نہیں سمجھتے تھے کہ ایمان صحیح کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا- عرب کے بت پرستوں کو بھی اس سے انکار نہ تھا کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں: ﴿ وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ فَاَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ﴾ (۲۹:۶۱) لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ کیوں صرف اسی کی ایک ہستی ہر طرح کی بندگیوں کی مستحق سمجھ لی جائے؟ کیوں دوسری ہستیوں کی بھی بندگی نہ کی جائے؟ کیوں خدا اور بندے کے درمیان کوئی درمیانی قوت وسیلہ تقرب و تزلف نہ ہو؟

قرآن کی دعوت توحید:

لیکن قرآن کی دعوت توحید یہ تھی کہ اس طرح کی خدا پرستی سچی خدا پرستی نہیں ہے- خدا پرستی یہ ہے کہ نہ صرف اسے مانا جائے بلکہ جو کچھ اس کے لیے مانا جائے اس میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے- اس نے کہا ہر طرح کی بندگی و نیاز کی مستحق صرف اسی کی ذات ہے- پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا تو سچی خدا پرستی باقی نہ رہی- اس نے کہا- دعا' استعانت' رکوع و سجود' عجز و نیاز' اعتماد و توکل اور اسی طرح کے تمام عبادت گزارانہ اور نیاز مندانہ اعمال وہ اعمال ہیں جو خدا اور اس کے بندوں کا باہمی رشتہ قائم کرتے ہیں- پس اگر ان اعمال میں دوسروں کو بھی شریک کر لیا تو خدا کے رشتہ عبودیت کی یگانگت باقی نہ رہی، اور جب یگانگت باقی نہ رہی تو سچی خدا پرستی بھی نہ ہوئی - اسی طرح عظمتوں' کبریائیوں' کارسازیوں اور بے نیازیوں کا جو تصور تمہارے اندر خدا کا اعتقاد پیدا کرتا ہے وہ صرف خدا ہی کے لیے مخصوص ہونا چاہیے- اگر تم نے ویسا ہی اعتقاد کسی دوسری ہستی کے لیے پیدا کر لیا تو تم نے اسے خدا کا شریک بنا دیا، اور جب شریک بنا دیا تو صرف اسی کو نہیں مانا دوسروں کو بھی مان لیا! حالانکہ اس کے ماننے کے معنی تو یہ تھے کہ صرف اسی کو مانا جائے!

دعوت وحی علم و بصیرت ہے:

(ہ) آیت (۱۰۸) میں جو بات کہی گئی ہے قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے- فرمایا- تم اعلان کر دو میری راہ یہ ہے کہ علم و یقین

کی بنا پر خدا پرستی کی دعوت دیتا ہوں اور کہتا ہوں میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں ہے- برخلاف اس کے تمہارا حال یہ ہے کہ شرک کے داعی ہو اور بنیاد دعوت علم و یقین نہیں ہے- جہل و ظن ہے- اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اور ایسے ہی فیصلے پچھلی قوموں کے لیے بھی ہو چکے ہیں-

یہاں ''بصیرۃ'' کا لفظ فرمایا- بصیرۃ کے معنی علم، معرفت اور یقین کے ہیں اور اسی لیے دلیل و حجت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے- پس قرآن کہتا ہے میں جس راہ کی طرف بلاتا ہوں اس کے لیے میرے سامنے علم و یقین ہے- پھر کیا تمہارے پاس بھی علم و یقین میں سے کچھ ہے؟ اگر نہیں ہے تو اتباع یقین و عرفان کا کرنا چاہیے یا جہل و کوری اور شک و گمان کا؟ اس مقام کی تشریح پچھلی سورتوں کی تشریحات میں بار بار گزر چکی ہے-

قرآن کے اوصاف اربعہ:

(و) آخری آیت میں فرمایا- قرآن انسان کی بناوٹ نہیں ہے بلکہ وحی الٰہی کی سچائی ہے، اور پھر اس کے چار وصف بیان کیے ہیں جو کبھی کذب و افتراء کے اوصاف نہیں ہو سکتے:

اولاً: وہ پچھلی صداقتوں کی تصدیق ہے- اگر بناوٹ ہوتی تو پچھلی کڑیوں کے ساتھ اس طرح نہ جڑ جاتی گویا ایک زنجیر کی مختلف قدرتی کڑیاں ہیں اور ہر کڑی دوسری کڑی کو سہارا دے رہی ہے-

ثانیاً: ارباب یقین کے لیے اس میں دین کی ساری باتوں کی تفصیل ہے- یعنی ہر بات اس طرح الگ الگ کر کے بیان کر دی گئی ہے کہ شبہ و التباس کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے-

ثالثاً: ارباب یقین کے لیے سرتاسر رہنمائی ہے- یعنی انسان کو کامیابی و سعادت کی منزلوں تک پہنچاتی اور ہر طرح کی گمراہیوں سے بچاتی ہے-

رابعاً: ارباب یقین کے لیے رحمت ہے- یعنی ہر طرح کی شقاوتوں اور نامرادیوں سے نجات دلانے والی ہے-

سورۂ یوسف کے مواعظ و حکم:

(۲۳) سورت کی ضروری تشریحات ختم ہو چکیں لیکن ضروری ہے کہ اب حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگزشت پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ اس کی موعظتیں اور عبرتیں پوری وضاحت کے ساتھ واضح ہو جائیں- اس سلسلہ میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

مصری تمدن کا عروج:

(۱) حضرت مسیح (علیہ السلام) سے تقریباً دو ہزار سال پہلے دنیا کے نقشہ کا یہ حال تھا کہ سرزمین مصر وقت کے تہذیب و تمدن کا مرکز بن چکی تھی لیکن اس کے اطراف و جوانب کی قومیں ابھی تمدن و حضارۃ سے آشنا نہیں ہوئی تھیں اور صحرا نشینی و بدویت کی زندگی بسر کر رہی تھیں- مصر سے ایک قریب تر علاقہ وہ تھا جو آگے چل کر فلسطین کے نام سے مشہور ہوا اور جسے خاکنائے سینا نے سرزمین افریقہ سے ملا دیا ہے- اس علاقہ کی تمام پچھلی آبادیاں مٹ چکی تھیں- اب محض ایک صحرائی علاقہ تھا جو مویشی کے لیے چراگاہوں کا کام دیتا تھا اور مختلف بدوی قبائل وہاں بود و باش رکھتے تھے- انہی قبائل میں ایک چھوٹا سا قبیلہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان کا بھی تھا-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبیلہ اور عہد الٰہی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظہور تمدن قدیم کے ایک دوسرے مرکز یعنی سرزمین دجلہ و فرات میں ہوا تھا- انہوں نے وہاں سے ہجرت کی

اور کنعان میں مقیم ہو گئے- کنعان سے مقصود وہ علاقہ ہے جو بحر میت کی مغربی جانب واقع ہے اور دریائے یردن سے سیراب ہوتا ہے- تورات میں ہے کہ انہوں نے یہ علاقہ وحی الٰہی سے منتخب کیا تھا اور اللہ نے فرمایا تھا ''تو جس جگہ کھڑا ہے اس کے چاروں طرف دیکھ- یہ تمام ملک میں تجھے اور تیری نسل کو دوں گا اور تیری نسل کو میں خاک کے ذروں کی مانند بنا دوں گا- اگر کوئی خاک کے ذروں کو گن سکتا ہے تو تیری نسل بھی گن لی جائے گی'' (پیدائش ۱۳:۱۵) قرآن نے بھی جا بجا اس بشارت کی طرف اشارہ کیا ہے-

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں مقیم ہو گئے تو وقتاً فوقتاً انہیں اور بشارتیں بھی ملتی رہیں- ان تمام بشارتوں کا ماحصل یہ تھا کہ اللہ نے انہیں امتوں کا پیشوا'نسلوں کا مورث اور بادشاہوں کا جد بنایا ہے اور ان کی نسل کو اپنی برکتوں کے لیے چن لیا ہے- جب تک ان کی نسل ظلم و ضلالت سے آلودہ نہ ہوگی وعدہ کی برکتوں کی مستحق رہے گی- یہ بشارتیں اس خاندان میں اللہ کا ''عہد'' سمجھی جاتی تھیں- یعنی اللہ کا وعدہ جو کبھی ٹل نہیں سکتا- خاندان کا ہر بزرگ اسے محفوظ رکھتا اور پھر اپنے وارث کو اس کی وصیت کرتا- یہ ''عہد'' دو باتوں پر مشتمل تھا- ایک یہ کہ نسل ابراہیمی اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور اس کی دعوت دے گی- دوسری یہ کہ اللہ اسے برکت دے گا اور اس کی دعوت کامیاب ہوگی- قرآن نے ان تمام بشارتوں کا جا بجا ذکر کیا ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت (۱۲۴) اور ہود کی آیت (۷۱) میں دو بشارتیں گزر چکی ہیں-

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایک موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص واقعہ کی خبر دی گئی تھی یعنی یہ کہ تیری اولاد ایک ایسے ملک میں جائے گی جو ان کا ملک نہ ہوگا- وہاں لوگ اسے غلام بنا لیں گے اور وہ چار سو برس تک وہاں رہے گی'' (پیدائش ۱۵:۱۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام پیدا ہوئے- حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حجاز میں بس گئے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کنعان میں خاندان کے جانشین ہوئے- حضرت اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے- یہ پہلے حاران گئے تاکہ اپنی خالہ زاد بہن سے نکاح کریں- پھر بیس برس کے بعد کنعان واپس آئے اور وہیں مقیم ہو گئے- تورات میں ہے کہ اللہ نے نسل ابراہیمی کا ''عہد'' ان سے تازہ کیا تھا اور قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے-

فلسطین کے تمام علاقہ کی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کی زندگی بھی بالکل بدویانہ زندگی تھی- مویشی چراتے تھے اور ان کے گوشت' اون اور دودھ پر گزران کرتے تھے-

مصریوں کا غرور تمدن:

لیکن اس علاقہ سے تھوڑے فاصلہ پر مصر کی سرزمین تمدن و حضارۃ میں شہرۂ آفاق ہو رہی تھی اور ایک بڑی مملکت کی پائے گاہ تھی- اس کا دار الحکومت رعمسیس وقت کے علوم و صنائع کا مرکز تھا اور وہاں کے باشندوں میں شہریت و امارت کی خصوصیتیں نشو و نما پا چکی تھیں- جیسا کہ قاعدہ ہے مصر کے لوگ اپنے آپ کو متمدن اور ترقی یافتہ سمجھتے اور اطراف و جوانب کے بدویوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے- خصوصاً کنعانی اور عبرانی ان کی نگاہوں میں بڑے ہی ذلیل تھے- وہ انہیں ''چرواہا'' کہہ کر پکارتے اور اس قابل نہ سمجھتے کہ اپنی مجلسوں میں جگہ دیں- یہ بات بھی ان میں عام تھی کہ کوئی مصری کنعانی کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نہ کھاتا (پیدائش ۴۳:۳۳) اور مصر کے دیہاتی بھی انہیں اس درجہ برا سمجھتے کہ اپنی آبادیوں میں ان کا بسنا گوارا نہ کرتے (پیدائش ۴۶:۳۴)

قدرت الٰہی کی کرشمہ سازی:

(ب) لیکن قدرت الٰہی سے ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا- کنعان کے اس بدوی قبیلہ کا ایک کم سن لڑکا بغیر اپنی خواہش اور مرضی

کے مصر پہنچ گیا اور کچھ عرصہ کے بعد دنیا نے دیکھا کہ اس عظیم الشان مملکت کی حکومت کی باگ اسی کنعانی کے ہاتھوں میں ہے اور بادشاہ سے لے کر مصر کی ادنیٰ رعایا تک سب اس کی عظمت و فضیلت کے آگے جھکے ہوئے ہیں! گویا وقت کی سب سے بڑی پرشوکت، سب سے بڑی متمدن، سب سے بڑی مغرور مملکت کے تخت حکمرانی پر اچانک کون پہنچ گیا؟ اسی بدوی قبیلہ کا ایک چرواہا جسے اس متمدن آبادی کا ہر فرد نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا!

اور پھر یہ عجیب و غریب معاملہ کن حالات میں ظہور پذیر ہوا؟ ایسے حالات میں جو اصل معاملہ سے بھی کہیں زیادہ عجیب و غریب تھے!

اسے سوتیلے بھائیوں نے ہلاک کرنے کے لیے کنوئیں میں ڈال دیا- کنواں خشک تھا اور شاہراہ سے الگ- اس لیے انہیں یقین تھا کہ کوئی انسان وہاں نہیں پہنچ سکے گا- لیکن اتفاق سے ایک قافلہ راہ بھول کر وہاں آ نکلتا ہے اور پانی کے لیے ڈول ڈالتا ہے- لڑکا سمجھتا ہے، میرے بھائیوں کو رحم آ گیا- اب مجھے نکالنے کے لیے ڈول ڈال رہے ہیں- وہ اس میں بیٹھ جاتا ہے اور اس طرح اس کی رہائی کا سامان ہو جاتا ہے!

کنعانی غلام:

لیکن کیسی رہائی؟ ایسی رہائی جس میں ایک ہلاکت سے جو تھوڑی دیر کی تھی نجات مل گئی لیکن دوسری ہلاکت جو عمر بھر جاری رہنے والی ہلاکت تھی نمودار ہو گئی- یعنی بھائیوں نے اسے اپنا بھاگا ہوا غلام ظاہر کر کے قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا- وہ اسے کسی دوسرے گاہک کے ہاتھ بیچنے کے لیے مصر لے آئے-

اس طرح مصر میں اس کا داخلہ ایک غلام کا داخلہ تھا، اور غلام بھی ایسا جو کم سے کم قیمت میں خریدا گیا اور اب کم سے کم قیمت پر فروخت کیا جا رہا ہے- نہ تو بیچنے والے اس کی قدر و قیمت بڑھانے کے خواہشمند تھے- نہ اب بازار مصر میں اس جنس کی گرانی کا کوئی سامان ہے!

لے جایئے دکھلانے اُسے مصر کا بازار
خواہاں نہیں پر کوئی وہاں جنس گراں کا!

غلامی کا خواجگی و آقائی ہو جانا:

بہر حال ایک خریدار کی نظر پڑ جاتی ہے- یہ اس کے گھر میں ایک نو خرید غلام کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے مگر اپنے حسن عمل سے خواجگی و آقائی کا درجہ حاصل کر لیتا ہے- یہ انقلاب حال بجائے خود عجیب و غریب تھا لیکن اس سے بھی عجیب تر معاملہ وہ تھا جب اس زرخرید غلام کے سامنے بیک وقت دو باتیں پیش کی گئیں کہ دونوں میں سے جسے چاہے اپنے لیے پسند کر لے: ﴿ وَ لَئِنۡ لَّمۡ یَفۡعَلۡ مَاۤ اٰمُرُہٗ لَیُسۡجَنَنَّ وَ لَیَکُوۡنًا مِّنَ الصّٰغِرِیۡنَ ﴾ (۳۲)

امتحانِ عصمت:

نفسانی زندگی کی سب سے بڑی عشرت و کامرانی اور انسانی زندگی کی سب سے بڑی محرومی و نامرادی- پہلی میں نفس کی عشرت مگر حق کی معصیت تھی- دوسری میں نفس کی محرومی مگر حق کی اطاعت تھی- وہ پہلی سے بھاگتا ہے اور دوسری کے لیے آرزوئیں کرتا ہے- پہلی سے اس طرح بھاگتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں، دوسری کے لیے اس طرح التجائیں کرتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی محبوب شے نہیں:

﴿ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ ﴾ (۳۳)

تمنت سلیمی ان نموت بحبها
و اھون شی عندنا ما تمنت!

مصر میں کسی انسان کی ذلت و نامرادی کے جتنے سامان ہو سکتے تھے اب وہ سب جمع ہو گئے- اول تو عبرانی قبیلہ کا ایک فرد- پھر کیسا فرد؟ زرخرید غلام- کیسا غلام؟ جسے اس کے آقا نے ایک بڑے جرم کا مرتکب پایا اور سزا کا مستحق تصور کیا- کیسی سزا؟ قید خانے میں ڈالے جانے کی سزا جو ذلت و خواری اور تعذیب و عقوبت کی بڑی سے بڑی سزا سمجھی جاتی تھی- اب وہ مصریوں کی نگاہ میں قابل نفرت عبرانی بھی ہے، غلام بھی ہے، مجرم بھی ہے، اور قیدی بھی-

قید خانہ اور تختِ مصر:

لیکن پھر غور کرو دنیا کی کون سی بات اس سے زیادہ عجیب ہو سکتی ہے کہ اسی قیدی کے لیے اچانک قید خانے کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور کھولنے والا کون ہوتا ہے؟ خود مصر کا بادشاہ- اور پھر کیوں کھولتا ہے؟ اس لیے کہ ایک عبرانی قیدی کو قید خانہ سے نکالے اور مصر کے تخت فرماں روائی پر بٹھا دے- گویا مصر کے قید خانے اور مصر کے تخت حکومت کا درمیانی فاصلہ ایک قدم سے زیادہ نہ تھا- اس نے قید خانہ سے قدم اٹھایا اور اس نے تخت فرماں روائی پر قدم رکھ دیا-

طے ی شود ایں رہ بہ درخشیدن برقے
ما بے خبراں منتظر شمع و چراغیم!

پھر اس عجیب و غریب انقلاب کا نتیجہ کیا نکلا؟ ایسا کہ ان ساری باتوں سے بھی زیادہ عجیب ہے اور جسے قرآن کی ایجاز بلاغت نے صرف ایک جملہ میں واضح کر دیا ہے: ﴿ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ﴾ (۵۶) اللہ نے سرزمین مصر میں اس کے قدم اس طرح جما دیے کہ اس کے جس حصے کو چاہے اپنے کام میں لائے- چنانچہ اس نے اپنے تمام خاندان کو کنعان سے مصر بلا لیا اور عین دارالحکومت میں کہ جشن کی سرزمین تھی عزت و احترام کے ساتھ وہ بسائے گئے- اب وہی صحرا کے بدوی جو مصر میں قابل نفرت سمجھے جاتے تھے مصری دارالحکومت کے معزز باشندے ہو گئے اور وہاں ان کی نسل میں اس درجہ برکت ہوئی کہ جب چار سو برس کے بعد مصر سے نکلے تو کئی لاکھ تک تعداد پہنچ چکی تھی!

کئی لاکھ انسانوں کی یہ قوم جو مصر سے نکلی، کن لوگوں کی نسل سے بنی تھی؟ اسی لڑکے کی نسل سے جو غلام بن کر آیا تھا اور فرماں روا بن کر چمکا تھا، اور اس کے گیارہ بھائیوں کی نسل سے جنہوں نے اسے ہلاک کرنا چاہا تھا، لیکن اس نے انہیں زندگی اور زندگی کی کامرانیاں بخش دیں-

(ج) اس طرح اس ''عہد'' کی کرشمہ سازیوں کا ظہور شروع ہو گیا جس کی بشارتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھیں اور پھر حضرت اسحق اور حضرت یعقوب علیہما السلام سے بھی ان کی تجدید ہوئی تھی-

روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ:

(د) سب سے پہلی بات جو اس سلسلہ میں سامنے آتی ہے وہ روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ ہے-

حضرت یعقوب علیہ السلام کا گھرانا دین حق کی امانت رکھتا تھا- وحی الٰہی کی برکتوں سے فیض یاب تھا لیکن مادی ترقیوں اور دنیوی شوکتوں میں سے کوئی بات بھی اسے میسر نہ تھی حتیٰ کہ شہری زندگی کی ابتدائی خصوصیات سے بھی آشنا نہیں ہوا تھا- اس کے تمام افراد صحرا میں رہتے تھے

مویشی چراتے تھے' اور قدرتی زندگی کی سادگی پر قانع تھے-

لیکن مصر کی حالت بالکل اس سے مختلف تھی- وہ دین حق کے علم وعمل اور وحی الٰہی کے فیضان سے محروم تھا لیکن وقت کی تمام مادی ترقیوں کا سرمایہ دار تھا- اس کے دارالحکومت کے لوگ لکھنے پڑھنے میں ماہر تھے، اس کے امراء واشراف حکمرانی ودانشوری میں ترقی یافتہ تھے- اس کے مندروں کے کاہن حقائق اشیاء کے بھید جاننے والے تھے اور اس کے حکیم علوم وصنائع کے عجائب وغرائب سکھلانے والے تھے- آج اثریات مصر نے ایک مدوّن علم کی حیثیت اختیار کر لی ہے- اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کا فرعون غالباً وہ شخص تھا جسے آثار مصر میں "آبوفی" کے نام سے پکارا گیا ہے- اس کے عہد میں مصری تمدن پوری طرح ترقی کر چکا تھا-

لیکن جب عجیب وغریب اتفاقات نے اس صحرائی گھرانے کے ایک فرد کو مصر پہنچا دیا اور ایسی حالتوں میں پہنچایا جو کسی حال میں بھی عزت وکامرانی کا ذریعہ نہیں ہو سکتی تھیں تو پھر کیا نتیجہ نکلا؟ یہ نکلا کہ دونوں قوتوں میں مقابلہ ہوا اور بالآخر دین حق کے علم وعمل اور وحی الٰہی کے فیضان نے وقت کی تمام مادی فضیلتوں کو مسخر کر لیا!

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس دین حق کے سوا اور کچھ نہ تھا- مصریوں کے پاس دین حق کے سوا اور سب کچھ تھا- یہ صرف دین حق کی فضیلت سے آراستہ تھے- وہ ہر طرح کی مادی فضیلتوں میں تفوق رکھتے تھے- بایں ہمہ ہر مقابلہ میں فتح مندی حضرت یوسف علیہ السلام ہی کی سیرت وعمل کو ہوئی اور قدم قدم پر مادی فضیلتوں کو اپنے تفوق سے دست بردار ہونا پڑا- حتیٰ کہ جب مملکت کی سلامتی خطرہ میں پڑ گئی تو اس کی نجات کے لیے مادی فضائل کی کوئی پیداوار بھی کام نہ دے سکی- اسی عبرانی نوجوان کے آگے مصر کو جھکنا پڑا کہ اس کی سلامتی کی راہ نکال دے!

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے کہا تھا: ﴿ **اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم** ﴾ (۵۵) تو فی الحقیقت یہ دین حق اور فیضان وحی کا ایک اعلان تھا جو وقت کے سب سے بڑے مرکز تمدن کے مقابلہ میں کیا گیا تھا یعنی آج مملکت کی نجات کے لیے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو علم وکاردانی کے ساتھ حفاظت کرنے والا ہو- لیکن ایسا شخص پیش کرنے سے مصر کی پوری مدنیت عاجز ہو گئی- اس کا عظیم الشان دارالحکومت' جو کارفرماؤں' دانشمندوں اور کاہنوں سے بھرا ہوا ہے ایک فرد بھی پیش نہ کر سکا جو یہ بوجھ اٹھانے کا اہل ہو، لیکن میں تیار ہوں کہ یہ بوجھ اٹھا لوں- میں دنیا کی سب سے بڑی مملکت کو اس کی ہلاکت کی گھڑیوں میں بچا لوں گا- کیونکہ میں حفاظت کرنے والا، علم رکھنے والا ہوں!

متمدن مصر نے کنعان کے صحرائی کا یہ اعلان سنا اور اس کے آگے سرنیاز خم کر دیا! یہی معنی ہیں اس آیت کے' کہ ﴿ **وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ٥** ﴾ (۵۷)

قوانین عمل ونتائج عمل:

(ہ) لیکن یہ معاملہ کتنا ہی عجیب معلوم ہوتا ہو اور کیسی ہی عجیب حالتوں میں پیش آیا ہو، قرآن کہتا ہے کہ قوانین الٰہی کے قدرتی نتائج کا ظہور تھا اور حقیقت شناسوں کے لیے اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں- یہ سب کچھ ٹھیک اسی طرح ہوا جس طرح آگ کے جلانے سے گرمی نکلے یا پانی پینے سے پیاس بجھ جائے- کیونکہ اللہ نے اشیاء کی طرح اعمال کے بھی خواص ونتائج ٹھہرا دیے ہیں اور جب کبھی ایک خاص طرح کا عمل وجود میں آتا ہے ایک خاص طرح کا نتیجہ بھی ضرور ظہور میں آ جاتا ہے- یہاں ہر گوشے میں علت کے ساتھ معلول کا دامن باندھ دیا گیا

ہے- بھائیوں نے جو کچھ یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ کیا وہ اس کے سوا کیا تھا کہ ایک خاص طرح کا انسانی عمل تھا، اور جب خاص طرح کا عمل تھا تو خاص طرح کا نتیجہ نکلنا ہی تھا اور نتیجہ نکلا- حضرت یوسف علیہ السلام زندگی کی مختلف آزمائشوں میں جو کچھ کرتے رہے اس کی حقیقت بھی اس کے سوا کیا تھی کہ ایک خاص سیرت کے خاص اعمال تھے، اور جب اعمال تھے تو ضروری تھا کہ جیسے کچھ اعمال ہوں ویسا ہی نتیجہ بھی نکلے اور ویسا ہی نتیجہ نکلتا رہا- اسی طرح سرگزشت کی تمام سیرتوں پر نظر ڈالو- ہر سیرت ایک خاص طرح کے عمل میں لگی ہوئی ہے اور ہر عمل ایک خاص طرح کا نتیجہ تیار کر رہا ہے- سب نے اپنے اپنے بیج بوئے تھے اس لیے سب کو اپنے اپنے پھل ملنے تھے اور سب نے اپنے اپنے پھل پا لیے- پس جہاں تک اعمال و نتائج کا تعلق ہے یہ تاریخ انسانیت کا کوئی مستثنیٰ حادثہ نہ تھا بلکہ سنت الٰہی کی وہی کارفرمائی تھی جو ہمیشہ سے کارفرما ہے اور ہمیشہ کارفرما رہے گی جب کبھی ایسے احوال و ظروف میں ایسے اعمال ظہور پذیر ہوں گے، ضروری ہے کہ اسی طرح کے نتائج بھی ظہور میں آئیں:

﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾ (۳۳:۶۲)

بلاشبہ حوادث کی نوعیت عجیب تھی اور نتائج بھی عجیب طرح کے نکلے لیکن سنت الٰہی کی کرشمہ سازیوں کا تو ہمیشہ ایسا ہی حال رہتا ہے- وہ اپنی کس بات میں عجیب نہیں؟ وہ تو سرتا سر معجزہ ہے- تم جب چاہو اپنے حسن عمل کی قوت سے ہر طرح کے کرشمے اور اچنبھے پیدا کر دے سکتے ہو لیکن مشکل یہ ہے کہ تم چاہتے ہی نہیں اور اسی لیے قانون عمل کے کرشمے تم پر کھلتے بھی نہیں- دنیا میں یوسف علیہ السلام کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ گزری لیکن یوسف علیہ السلام کے حسن عمل کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ کے لیے نہ تھی- بلاشبہ مصر کا بازار اب باقی نہیں رہا لیکن دنیا کا بازار کس نے بند کیا ہے؟ آج بھی جس کا جی چاہے شان یوسفیت پیدا کر کے دیکھ لے- دنیا کے تخت عظمت و اجلال اس کا استقبال کرتے ہیں یا نہیں!

ہر کس نہ شناسندہ رازست وگرنہ   ایں ہا ہمہ رازست کہ معلوم عوام است!

یہی وجہ ہے کہ سورت میں جابجا اس حقیقت کی طرف اشارات کیے گئے کہ ارباب دانش کے لیے اس میں عبرتیں ہیں، موعظتیں ہیں، نشانیاں ہیں- سرگزشت کی ابتدا ہی اس اعلان سے ہوتی ہے کہ ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴾ (۷) پھر خاتمہ بھی اسی پر ہوتا ہے کہ ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾ (۱۱۱) نیز جابجا اہم واقعات کے ظہور کے بعد وضاحت کر دی ہے کہ ﴿ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (۲۲) ﴿ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ (۲۳) ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (۹۰) یعنی یہ سب کچھ جو ظہور میں آیا، عمل کا نتیجہ ہے، بدلہ ہے، مکافات ہے- اور جب نتیجہ ہے تو ضروری ہے کہ ہمیشہ ظہور میں آئے- جب بدلہ ہے تو ضروری ہے کہ ہمیشہ کام کرنے والوں کو ملے!

حسد و بغض کا نتیجہ وہی ہے جو بھائیوں نے پایا- راست بازی اور نیک عملی کا نتیجہ وہی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو ملا- صبر جمیل کبھی اس نتیجہ سے محروم نہیں رہ سکتا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے حصے میں آیا تھا- معصیت کے بیج سے ہمیشہ وہی پھل پیدا ہوگا جو امرأۃ العزیز کو نصیب ہوا تھا- جھوٹ کتنا ہی سوچ سمجھ کر بنایا گیا ہو سچ نہیں ہو جا سکتا- سچ کتنے ہی ناموافق حالات میں اپنے کو پائے لیکن جھوٹ نہیں ہو جا سکتا- علم و فضیلت ہر حال میں ایک حکمراں قوت ہے- سب کو اس کے آگے جھکنا پڑے گا- حسن عمل ہر حال میں ایک فتح مند حقیقت ہے- سب کو اس کا لوہا ماننا پڑے گا!

سرگزشت کی شخصیتیں اور ان کی سیرت:

(د) سرگزشت کی اصلی عبرت اس کی خاص خاص شخصیتیں ہیں اور ضروری ہے انہیں اچھی طرح پہچان لیا جائے:

سب سے پہلے حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ اس میں درد و غم کی انتہا ہے مگر ساتھ ہی صبر اور یقین کی روح بھی چھائی ہوئی ہے اور اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے درد و غم کے طوفان اٹھ رہے ہیں' لیکن صبر و یقین سے ٹکرا کر رہ جاتے ہیں، اس پر غالب نہیں آسکتے۔ اور یہی صورت حال اس سیرت مقدس کا اسوۂ حسنہ ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام:

قرآن کی معجزانہ بلاغت یہ ہے کہ وہ داستان سرائی نہیں کرتا۔ ایک دو لفظوں کے اندر سب کچھ کہہ دیا کرتا ہے۔ پس غور کرو، صورت حال کے یہ تینوں عنصر کس طرح اپنی انتہائی اور کامل صورتوں میں نمایاں ہوئے ہیں؟ درد و غم کی شدت جب نمایاں ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے۔ آتش فراق کے شعلوں کا دھواں آنکھوں سے بے اختیار بہہ رہا ہے اور جسم کا ایک ایک ریشہ اس طرح گھل گیا ہے گویا سرتاپا جاں گدازی و ہلاکت کی تصویر ہے: ﴿ وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴾ (۸۴) اور یہ حالت ایک دن کی حالت نہ تھی بلکہ اس مدت فراق کی ہر صبح اور ہر شام اسی عالم میں بسر ہوئی تھی: ﴿ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴾ (۸۵)

يذكرني طلوع الشمس صخرا!

واذكره بكل غروب شمس

لیکن پھر جب یقین کی روشنی چمکتی ہے تو اس کی نمود کا یہ حال ہے کہ دنیا کے سارے سہارے جواب دے چکے ہیں، امید کے سارے رشتے یک قلم ٹوٹ چکے ہیں، ہر طرف سے صدا اٹھ رہی ہے کہ یوسف کی اب کوئی امید نہیں' لیکن ان کے دل کے ایک ایک ریشے کی صدا یہ ہے کہ ﴿ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (۸۶) اور ﴿ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ﴾ (۸۷) حتی کہ ہر زبان جھٹلا رہی ہے اور ہر نگاہ دیوانہ سمجھ رہی ہے' لیکن ان کی زبان سے بے اختیار نکل رہا ہے): ﴿ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ ﴾ (۹۴) مجھے یوسف کی مہک آ رہی ہے!

تفاوت است میان شنیدن من و تو

تو بستن در و من فتح باب می شنوم!

پھر دیکھو۔ جب صبر کا مقام نمایاں ہوتا ہے تو اس کی مضبوطی کیسی غیر متزلزل' کیسی اٹل ہے؟ جب یوسف علیہ السلام کے فراق کا داغ لگا تو اس وقت بھی زبان سے یہی نکلا کہ ﴿ ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴾ (۱۸) اور پھر جب بن یمین کی جدائی کی خبر سنی تو اس وقت بھی اس کے سوا کچھ زبان سے نہ نکلا کہ ﴿ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾ (۸۳) پھر باوجودیکہ بے خبر نہ تھے۔ علم و یقین کے ساتھ سمجھ چکے تھے کہ یوسف کے خلاف سازش کی گئی ہے لیکن پوری سرگزشت میں کہیں کوئی اشارہ اس کا نہیں ملتا کہ دو باتوں سے زیادہ اس باب میں کچھ زبان سے نکلا ہو۔ ایک تو یہ کہ ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا اور دوسرا وہ جو اس وقت زبان سے نکل گیا' جب بھائیوں نے بن یمین کو ساتھ لے جانا چاہا۔ ﴿ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ﴾ (۶۴) اور ان دونوں جملوں میں بھی نہ تو ملامت کی سختی ہے نہ شکایت کی تیزی۔ بلکہ صورت حال کی ایسی تعبیر ہے' جس سے زیادہ نرم اور دھیمی تعبیر ہو ہی نہیں سکتی۔ پہلے جملہ میں صرف اس کا اظہار تھا کہ جو بات کہہ رہے ہو اصلیت اس

کے خلاف ہے-لیکن خیر، صبر کے سوا چارہ نہیں- دوسرے میں صرف پہلے واقعہ کا نتیجہ یاد دلایا ہے- کسی طرح کا الزام نہیں دیا ہے- یعنی مجھے بھروسہ کرنے کے لیے کہتے ہو لیکن اگر بھروسہ کروں تو کیا اسی طرح کروں جس طرح پہلے کر چکا ہوں اور اس کا جو نتیجہ نکل چکا ہے تمہیں معلوم ہے؟

اتنا ہی نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو پہلے جملہ کا اسلوب ایسا واقع ہوا ہے کہ سرزنش سے کہیں زیادہ رحم و تاسف پر مبنی ہے اور مخاطبوں کے لیے ایک طرح کی معذرت کا پہلو پیدا کر رہا ہے- یعنی یہ نہیں فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو- یا تم نے یوسف کے خلاف سازش کی ہے- بلکہ کہا: تمہارے جی نے تمہارے لیے ایک بات بنا دی ہے اور اسے تمہارے خیال میں خوشنما دکھا دیا ہے- کیونکہ ''تسویل'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی بات کا جما دینا' خوشنما بنا کر دکھا دینا اور اس کے لیے طمع و خواہش کا پیدا ہو جانا- پس گویا یہ ایک ہمدرد دل کا تاسف تھا کہ افسوس، تم نفس کے دام میں پھنس گئے اور اس کے دھوکے سے بچ نہ سکے- پھر ساتھ ہی ان کے اس طرز عمل کے لیے معذرت کے پہلو کا بھی اعتراف ہے کہ طمع نفس میں آ کر ایسا کر بیٹھے ہو اور انسان نفس کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے!

ایک ایسے صدمہ جانکاہ میں جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ناگہاں پہنچا تھا، اور کسی طرح کی بات کا زبان پر نہ آنا، صرف اسی جملہ کا نکلنا صبر کا کیسا عظیم الشان مظاہرہ ہے؟ یہ ممکن ہے کہ صدمہ کے فوری تاثر کے بعد ایک ضابط اور متحمل آدمی اپنے دل و زبان کی نگرانی کر لے لیکن عین اس وقت جب صدمہ کی پہلی چوٹ لگ رہی ہو اور دل کی بے تابیاں بے اختیار زبان کی طرف اٹھنے لگی ہوں، ممکن نہیں کہ دل و زبان کی نگہداشت کی جا سکے- ضابط سے ضابط دل بھی اس عالم میں چیخ اٹھتا ہے- مضبوط سے مضبوط طبیعتیں بھی بے اختیار متزلزل ہو جاتی ہیں- لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کا مقام صبر ایسا نہ تھا جو کسی حال میں بھی متزلزل ہو سکے- اس عالم میں بھی زبان کھلتی ہے تو ایسا سنبھلا ہوا جملہ نکلتا ہے گویا بے حالی و جانکاہی کا کوئی معاملہ پیش ہی نہیں آیا ہے!

یہی وہ صبر ہے جسے ''صبر جمیل'' فرمایا-

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ یہ تینوں باتیں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں- اگر صبر کامل ہے تو پھر درد و غم کی شدتیں کیوں ہوں؟ اور اگر یقین موجود تھا تو درد و غم کو محو ہو جانا چاہیے تھا- یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس مقام میں مشکلات محسوس کیں اور طرح طرح کی توجیہوں کی جستجو میں نکلے- لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو معاملہ بالکل واضح ہے اور کسی ایسی توجیہ کی ضرورت نہیں جو بہ تکلف پیدا کی جائے- یہ ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مقام، صبر کا مقام تھا اور صبر جب ہی صبر ہو سکتا ہے جب بے صبری کے اسباب موجود ہوں اور زیادہ سے زیادہ موجود ہوں- اگر درد و غم کی ٹیس نہیں اٹھ رہی ہے تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ جھیلنے اور اف نہ کرنے کی حالت موجود ہے؟ جھیلنا تو اسی کا جھیلنا ہوگا جو برابر آگ کی جلن محسوس کر رہا ہو، لیکن پھر بھی زبان سے اف نہ نکالے- اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کا درد و غم اس طرح محو ہو جاتا کہ اس کی جلن باقی ہی نہ رہتی یا رہتی تو بہت دبی دبائی رہتی تو یہ مقام صبر کا مقام نہ ہوتا- موجبات غم سے متاثر نہ ہونے کا مقام ہوتا- اور ایسی حالت یا تو فرشتوں کی سی مخلوق کی ہو سکتی ہے، یا ایسے انسان کی جس کے احساسات معطل ہو چکے ہیں- لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام انسان تھے، فرشتہ نہ تھے اور اسی حیثیت سے قرآن نے ان کا اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے- ان کی روح صبر و یقین سے معمور تھی- وہ یوسف (علیہ السلام) کے خواب میں اس کا مستقبل دیکھ چکے تھے- وہ جانتے تھے کہ کسی نہ کسی دن یہ جدائی ختم ہونے والی ہے- تاہم دل کے ہاتھوں مجبور تھے- جس کی جدائی ایک گھڑی کے لیے شاق تھی وہ برسوں کے لیے ان سے جدا ہو گیا تھا- یہ جاننے پر بھی کہ وہ زندہ و سلامت موجود ہے، اس کے فراق کا زخم بھر نہیں سکتا تھا- بلکہ اس بات کے تصور نے کہ وہ زندہ موجود ہے مگر مجھ سے دور ہے، درد فراق کی چبھن اور زیادہ کر دی تھی:

کسے داند کہ چوں یوسف عزیزے در سفر دارد　　بلائے ہجر داند انتظارِ پیر کنعانی!

فی الحقیقت اس صورت حال کی ساری عظمت اسی میں ہے کہ یہ ایک ماورائے انسانیت سیرت نمودار نہیں کرتی بلکہ ایسی حالتوں میں ایک کامل صابر و مومن کی زندگی کی جو تصویر ہو سکتی ہے وہ سامنے آ گئی ہے- دل آتش فراق میں پھنکا جا رہا ہے اور ہزار کوشش کی جائے لیکن یہ آگ اس طرح بجھنے والی نہیں- لیکن ساتھ ہی روح ایمان و یقین سے معمور ہے اور دماغ صبر جمیل کا عزم کر چکا ہے- پس غم کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ ہے- صبر و یقین کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ ہے- اگر دل اپنی بے قراریوں میں کبھی کمی نہیں کرتا تو دماغ بھی اپنے شیوہ صبر و رضا میں کبھی متزلزل نہیں ہو سکتا- کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل کی بے تابیاں حد سے گزر جاتی ہیں اور "یااسفی علی یوسف" بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے- لیکن یہ بھی نکلتا ہے تو کس کے آگے نکلتا ہے؟ اس کے آگے جس کے آگے اپنا درد و غم پیش نہ کیجیے تو یہ بھی شان عبودیت کے خلاف ہے! ﴿ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (۸۶)

مکن تغافل ازیں بیشتر کہ می ترسم
گماں برند کہ ایں بندہ بے خداوندست!

یوسف علیہ السلام:

پھر حضرت یعقوب کے بعد حضرت یوسف ( ) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے اور یہی سرگزشت کی اصلی شخصیت ہے- یہاں پہنچتے ہی ایک خاص حقیقت کی جلوہ نمائی شروع ہو جاتی ہے اور جس جس رخ سے دیکھیے اور جہاں کہیں دیکھیے، اسی کی نمود سامنے آتی رہتی ہے- یعنی انسان کی سیرت (کیریکٹر) کی فضیلت اور اس فضیلت کی اٹل کامرانیاں- ان کی سیرت کا مطالعہ ہمیں بتلاتا ہے کہ انسانی زندگی کی سب سے بڑی قوت اس کی سیرت کی فضیلت ہے اور اگر یہ فضیلت موجود ہو تو پھر اس کے لیے فتح و کامرانی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا- دنیا کی ساری رکاوٹیں اس کی راہ روک لیں جب بھی وہ اپنی راہ نکال لے گا- دنیا کے سارے سمندر اور پہاڑ اس کی راہ میں حائل ہو جائیں جب بھی اس کی رفتار نہیں رکے گی- حوادث و وقائع اس پر قابو نہیں پا سکتے- احوال و ظروف اس پر غالب نہیں آ سکتے- افراد و جماعات کی کوششیں اسے مسخر نہیں کر سکتیں- اس کے لیے ہر حال میں کامرانی ہے- اس کے لیے ہر گوشہ میں فتح مندی ہے- اس کے لیے ہر طاقت پر فرماں روائی ہے- وہ اعمال و نتائج کی اس امتحان گاہ میں صرف اسی لیے ہے کہ سر بلند ہو- عجز و درماندگی کی آلودگی کبھی اسے چھو نہیں سکتی!

سترہ برس کا ایک کم سن لڑکا باپ کی آغوش محبت سے جبراً چھین لیا جاتا ہے اور اچانک اپنے آپ کو کن لوگوں میں پاتا ہے؟ ان میں جو چند سکوں کے بدلے اسے غلام بنا کر بیچ رہے ہیں- دنیا کی ایک لاکھ انسانی طبیعتیں ایسی حالت میں کیا کرتیں؟ مگر غور کرو- اس نے کیا کیا؟ اچانک ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک تجربہ کار دانشمند کی طرح اس نے صورت حال کا پورا جائزہ لے لیا ہو اور پھر فیصلہ کر لیا ہو کہ جو حالت بھی پیش آ جائے اسے صبر و سکون کے ساتھ جھیل لینا چاہیے اور اسی کے مطابق کام کیے جانا چاہیے- قافلہ والوں نے انہیں غلام کی حیثیت میں پیش کیا- وہ ایک غلام کی طرح پیش ہو گئے- عزیز مصر نے غلام کی طرح خرید لیا- انہوں نے غلام کی طرح خدمت شروع کر دی اور اس کے ساتھ اسی طرح پیش آئے جس طرح ایک طاعت شعار اور وفادار غلام کو اپنے آقا کے ساتھ پیش آنا چاہیے- کہیں سے بھی کوئی ایسی بات مترشح نہیں ہوتی کہ ایسا کرنے میں انہیں کوئی تامل ہوا ہو- گویا یہ ناگہانی مصیبت جو ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لیے پوری زندگی کی سوگواری بن جاتی ان کے لیے کوئی مصیبت ہی نہ تھی- باپ کے آغوش محبت سے نکل کر اچانک ایک اجنبی ملک میں ایک اجنبی کا غلام بن جانا ان کے لیے ایسی ہی بات ہوئی جیسے اپنی مرضی سے زندگی کا ایک عیش چھوڑ کر دوسرا عیش اختیار کر لینا- نہ پچھلی حالت کا ماتم ہے- نہ موجودہ

حالت سے جھجک - نہ گذشتہ کی یاد میں سوگواری ہوئی - نہ آیندہ کے اندیشہ میں بدحالی - اس عازم اور بے پروا ملاح کی طرح جسے نہ تو کنارہ چھوٹنے کا غم ستاتا ہے نہ آنے والے طوفان کا اندیشہ - اس نے اپنی کشتی چلانی شروع کر دی اور دیکھو بالآخر ساحل مقصود تک پہنچ کر رہی - حوادث وانقلاب کے ترکش میں اس سے بڑھ کر اور کون سا تیر ہو سکتا ہے جو اس پر چلایا گیا تھا؟ لیکن اس کے صبر و عزم نے اسے پر کاہ کے برابر بھی نہ سمجھا اور اس طرح بے داغ نکل گیا گویا گردش حوادث کا ہاتھ اس کے خلاف اٹھا ہی نہ تھا:

چیں بر جبیں ز جنبش ہر خس نمی رسد

دریا دلاں چو موج گہرا آرمیدہ اند!

غور کرو - ہر اس انسان کے لیے جو دنیا کی مصیبتوں اور ناموافقتوں میں اپنی راہ نکالنی چاہتا ہو اس معاملہ میں کیسی عظیم الشان عبرت ہے؟ اگر حضرت یوسف علیہ السلام نے مصائب ومحن کی پہلی ہی منزل میں صبر' عزم' اعتماد نفس اور توکل علی اللہ کی یہ روح عظیم اپنے اندر نہ پیدا کر لی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ اس منزل مقصود تک پہنچ سکتے جو بالآخر ان کی منزل مقصود ثابت ہوئی؟

پھر دیکھو - زمانہ کی گردشیں کس طرح آزمائشوں پر آزمائشیں پیدا کرتی رہیں اور ان کی غیر متزلزل اور بے داغ میرت کس طرح فتح مندیاں حاصل کرتی گئی؟

سب سے پہلے عزیز مصر کے ساتھ ان کا معاملہ سامنے آتا ہے - اس نے بحیثیت غلام کے انہیں خریدا تھا' اور مصر کے آثار ونقوش ہمیں بتلا رہے ہیں کہ مصریوں کا سلوک غلاموں کے ساتھ کیسا ہوا کرتا تھا - وہ غلاموں کے لیے اتنے ہی سنگدل تھے جتنی سنگ دل دنیا کی تمام پرانی قومیں رہ چکی ہیں - تاہم انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اپنے حسن میرت سے اس کا دل ایسا مسخر کر لیا کہ غلامی کی جگہ آقائی کرنے لگے اور اس نے اپنی بیوی سے کہا ﴿ اکرمی مثواہ عسی ان ینفعنا او نتخذہ ولدا ﴾ (۲۱)

غور کرو - یہ انقلاب حال کیونکر پیدا ہوا ہوگا؟ وہ کیسی وفاداری ودیانت اور راست بازی وامانت شعاری ہوگی جس نے ایک مصری امیر کو اس درجہ متاثر کر دیا کہ ایک عبرانی غلام کو اپنے فرزند کی طرح چاہنے لگا اور اپنے تمام گھر بار اور علاقہ کا مختار کل بنا دیا؟

پھر امرأۃ العزیز کا معاملہ رونما ہوتا ہے - پچھلی آزمائش ذہن ودماغ کی آزمائش تھی - یہ جذبات کی تھی اور انسان کے لیے سب سے بڑی آزمائش جذبات ہی کی آزمائش ہوتی ہے - وہ سمندر کی موجوں سے ہراساں نہیں ہوتا' پہاڑ کی چٹانوں سے نہیں گھبراتا، آسمان کی بجلیوں سے نہیں لرزتا' درندوں کے مقابلہ سے منہ نہیں موڑتا، تلواروں کے سایے میں کھیلنے لگتا ہے، لیکن نفس کی ایک چھوٹی سی ترغیب اور جذبات کی ایک ادنیٰ سی کشش کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی میرت کی چٹان یہاں بھی متزلزل نہ ہو سکی - ان کی بے داغ فضیلت پر نفس انسانی کا سب سے بڑا فتنہ بھی دھبہ نہ لگا سکا -

قرآن کی معجزانہ بلاغت نے چند لفظوں کے اندر صورت حال کی پوری تصویر کھینچ دی ہے اور اگر ان اشاروں کو تشریح وبیان کا پورا جامہ پہنایا جائے تو کئی صفحوں کی داستان بن جائے - تم چشم تصور سے کام لو اور دیکھو تر غیبات کی قہر وسلطانی کا کیا حال تھا اور عیش نفس کی یہ دعوت کیسے شکیب آزما سامانوں اور صبر ربا حالتوں کے ساتھ پیش آئی تھی؟ عمر عین عروج شباب کی عمر اور معاملہ محبت کا نہیں محبوبیت کا' طلب کا نہیں مطلوبیت کا - پھر طلب بھی ہوئی تو کیسی طلب؟ دیوانگی کی طلب اور دل باختگی کا تعاقب - پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ موانع بہ کلی مرتفع ہو گئے - کوئی انسانی آنکھ دیکھنے والی نہیں - کوئی پردۂ حجاب حائل ہونے والا نہیں - کون ہے جو ایسی حالت میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھ

سکتا ہے؟ عفت و پاکی کا کون سا پہاڑ ہے جو ان بجلیوں کی تاب لا سکتا ہے؟ لیکن ایک پہاڑ تھا جسے یہ بجلیاں بھی جنبش میں نہ لا سکیں - یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت تھی جو کسی حال میں بھی متزلزل نہیں ہو سکتی تھی - خود امرأۃ العزیز کے لفظوں میں (اور اس سے بڑھ کر اس معاملہ کا کون شاہد ہو سکتا ہے) ﴿ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ﴾ (۳۲) وہ اس حال میں بھی اپنی جگہ سے بے جگہ نہ ہوا - اس کوہ عصمت کے لیے ذرا سی بھی جنبش نہ تھی!

پھر دیکھو - امرأۃ العزیز کی دعوت عیش کے جواب میں جو کچھ ان کی زبان سے نکلا وہ کیا تھا؟ ﴿ معاذ الله انه ربی احسن مثوای ﴾ (۲۳) تیرا شوہر میرا آقا ہے - اس نے مجھ پر اعتماد کیا - عزت و احترام کے ساتھ رکھا - پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے حسن سلوک کا بدلہ میں یہ دوں کہ اس کی امانت میں خیانت کرنے لگوں؟ غور کرو - یہ برائی ایسی برائی تھی کہ اسے برائی دکھلانے کے لیے کتنی ہی باتیں کہی جا سکتی تھیں - لیکن ان کا ذہن اسی بات کی طرف گیا اور اسی کو قرآن نے نمایاں کر کے دکھایا - اس سے معلوم ہوا کہ ان کی سیرت کا اصلی جوہر یہیں ڈھونڈنا چاہیے - امانت داری، راست بازی اور ادائے فرض کی روح اس طرح ان پر چھائی ہوئی تھی کہ ہر موقع پر سب سے پہلے وہی سامنے آتی تھی -

پھر اس کے بعد لائمات کا معاملہ پیش آتا ہے - اب صرف ایک امرأۃ العزیز ہی کا فتنہ نہ تھا - دار الحکومت مصر کے تمام فتنہ گرانِ حسن جمع ہو گئے تھے کہ ان کی متاعِ ضبط و تحمل کی غارتگریوں میں حصہ لیں:

وائے بر صید کہ یک باشد وصیادے چند!

مگر یہاں بھی کیا نتیجہ نکلا؟ ﴿ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴾ (۳۱)

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو، آئے، کرے شکار مجھے!

پھر دیکھو - راست بازی و حق پرستی کی آزمائش نے اچانک کیسی صورت اختیار کر لی؟ دنیا میں انسانوں کو سزائیں اس لیے بھگتنی پڑتی ہیں کہ جرم و معصیت سے اپنے کو نہیں روک سکتے لیکن اب حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے قید کی سزا اس لیے لائی جا رہی ہے کہ جرم و معصیت سے کیوں اپنے آپ کو روک رہے ہیں! لوگوں کو قید و بند کی معصیت اس لیے برداشت کرنی پڑتی ہے کہ عیش حیات ڈھونڈتے ہیں اور جب نہیں ملتا تو جبراً لینا چاہتے ہیں - لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کو اس لیے قید خانے کی دھمکی دی جا رہی ہے کہ عیش حیات نے اپنی ساری دلفریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ انہیں دعوت دی اور انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا!

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت کا سب سے زیادہ عظیم مظاہرہ ہے - یہ عشق حق کا نمونہ ہے - یہ پرستاری صدق کا دستور العمل ہے - یہ ایمان کامل کا معیار ہے - جب ان کے سامنے دو باتیں پیش کی گئیں: زندگی کا عیش مگر معصیت حق کی راہ میں - زندگی کے شدائد مگر راست بازی کی راہ میں، تو ان کا فیصلہ قطعی اور بغیر کسی تامل کے یہ تھا کہ ﴿ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَيْهِ ﴾ (۳۳) قید خانہ مجھے محبوب ہے مگر وہ بات نہیں جس کی مجھے دعوت دی جا رہی ہے!

ہمارے مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بدشگونی تھی کہ خود قید خانہ کی بات بول اٹھے - اگر جلدی میں آ کر ایسا نہ کہہ دیتے تو یہ ابتلا پیش نہ آتی - افسوس کس درجہ حقیقت فراموشی ہے! حضرت یوسف علیہ السلام کی جو بات ان کی پاکی و عظمت کا سب سے بڑا جوہر تھی وہی

ان حقیقت نا آشناؤں کی نظر میں ان کی لغزش ہوگئی- گویا حضرت یوسف علیہ السلام کا قید خانہ کو معصیت پر ترجیح دینا' اور اسے خوشی خوشی اختیار کر لینا کوئی ایسی بات تھی جو نہ ہونی چاہیے تھی اور صرف اس لیے ہوگئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بدشگونی کی بات کہہ دی تھی! غور کرو- قرآن کہاں ہے اور اس کے شارح کہاں پہنچ گئے ہیں!

نز لوا بمكة فی قبائل هاشم
و نزلت بالبيداء ابعد منزل!

پھر دیکھو- حضرت یوسف علیہ السلام کی یہی سیرت ہے جو قید خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھری کو بھی اسی طرح روشن کر دیتی ہے جس طرح عزیز مصر کے ایوان عزت و اقبال کو اس نے روشن کر دیا تھا کیونکہ چراغ جہاں کہیں بھی رکھ دیا جائے روشنی ہی دے گا اور ہیرے کی چمک اس سے کم نہیں ہو جائے گی کہ جو امر خانہ شاہی میں رہنے کی جگہ کوڑے کرکٹ میں ڈال دیا گیا- تورات کی تصریح پڑھ چکے ہو کہ قید خانہ کا افسر ان کا معتقد ہو گیا تھا اور قید خانہ میں انہی کی افسری قائم ہوگئی تھی-

پھر دیکھو- عین قید خانہ کی زندگی میں دعوت حق کا داعیہ ان کے قلب مبارک میں اٹھتا ہے- اس وقت تک انہوں نے مصر میں دین حق کی تبلیغ نہیں کی تھی اگرچہ خود اسی پر قائم تھے- لیکن اب وقت آ گیا تھا کہ خاندانی نبوت کا ان میں ظہور ہو- چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب یکا یک اپنے قلب کو ولولہ تبلیغ سے معمور پایا- لیکن یہاں کون تھا جو اس تبلیغ کا مخاطب ہوتا؟ صرف قید خانہ کے چند ساتھی تھے جو طرح طرح کے جرموں کی پاداش میں یہاں پہنچا دیے گئے تھے- مگر غور کرو انہوں نے رہائی کا انتظار نہیں کیا- انہی قیدیوں میں تبلیغ حق شروع کر دی اور اب مصر کا قید خانہ دعوت حق کی تعلیم و تربیت کی ایک درس گاہ بن گیا!

پھر دیکھو- تبلیغ حق کے جوش و طلب کا کیا حال ہے؟ دو نئے قیدی آتے ہیں جو بادشاہ کے خاص پیش خدمتوں میں سے تھے اور اپنا اپنا خواب بیان کرتے ہیں- خواب سن کر حضرت یوسف علیہ السلام معلوم کر لیتے ہیں کہ ایک کی رہائی قریب ہے- دوسرے کی موت قریب ہے- پس چاہتے ہیں کہ فرصت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں اور تعلیم حق سے انہیں آشنا کر دیں- ممکن ہے کہ جو رہا ہونے والا ہے وہ حق کا بیج اپنے ساتھ لے جائے اور دربار شاہی میں تخم ریزی کر سکے- جس کی موت قریب ہے- ممکن ہے کہ سچائی قبول کر لے اور دنیا سے جائے تو راہ حق پر جائے- چنانچہ ہم دیکھتے ہیں انہوں نے خواب سنتے ہی اس کی تعبیر نہیں بتلا دی بلکہ ان کی توجہ و رجوع سے فائدہ اٹھا کر ایک دوسرا ہی بیان شروع کر دیا:

﴿ انی ترکت ملة قوم لا یومنون بالله و هم بالاخرة هم کا فرون ﴾ (۳۷)

ان کی سیرت کے اس مقام سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ دعوت حق کا فریضہ کیونکر ادا کرنا چاہیے اور داعی حق کے جوش و طلب دعوت کا کیا حال ہوتا ہے؟ قید خانے کی زندگی بھی ادائے فرض دعوت سے مانع نہ ہوئی- اس حالت میں بھی فکر اس کی نہ تھی کہ میں کیونکر قید سے رہائی پاؤں- بلکہ تمام تر اس کی تھی کہ خدا کے بندے جہل و گمراہی سے کیونکر نجات پائیں؟ مہلت جب کبھی ملی اور جس حال میں ملی معاً اسی مقصد کے لیے کام میں لائی گئی اور جس طرح اس آدمی کی ہدایت میں جلدی کی جو ابھی مدتوں زندہ رہنے والا تھا اسی طرح اس کی ہدایت کے لیے بھی صبر نہ کر سکے جس کے سر پر اجل کی تلوار لٹک رہی تھی- کیونکہ ہدایت پانا ہر انسان کا قدرتی حق ہے اور زندہ رہنے والا ہو یا مر رہا ہو اسے اس کا حق فوراً ملنا چاہیے!

پھر دیکھو- معاملہ صرف اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک پہنچا سکتے ہیں پہنچا دیں- جونہی یہ بات معلوم ہوئی کہ ان میں ایک آدمی بادشاہ کے ساتھیوں کا سردار ہے اور پھر اسی منصب پر مامور ہونے والا ہے- معاً ان کا ذہن اس طرف چلا گیا

کہ ایسے آدمی کو جو خلوت و جلوت میں بادشاہ کے حضور رہنے والا ہے کتنا اچھا موقع حاصل ہوگا کہ پیام حق پادشاہ کے کانوں تک پہنچا دے؟ چنانچہ تعبیر بیان کرنے کے بعد اس سے فرمایا: ﴿ اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ (۴۲) اپنے آقا کے پاس جائیو تو مجھے یاد رکھیو- یعنی میری یہ تعلیم و دعوت یاد رکھیو اور اپنے آقا سے بعنوان مناسب اس کا تذکرہ کر دیجیو- ممکن ہے کہ پیام حق کام کر جائے-

عام طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی رہائی کے لیے کہا تھا- یعنی اپنے آقا سے میری سفارش کیجیو- لیکن جس محل میں یہ بات کہی گئی ہے اس سے اس کی تائید نہیں ہوتی- قیدیوں سے جو کچھ بھی ان کی گفتگو ہوتی ہے، یا تو تعبیر کے بارے میں ہے یا دین حق کے بارے میں ہے- اس کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ انہوں نے اپنے قید و محن کے مصائب کا کوئی ذکر کیا ہو- پس اس بات کا وہی مطلب موزوں معلوم ہوتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے-

یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ قیدیوں کا خواب سن کر آپ نے تعبیر فوراً کیوں بیان نہیں کر دی تھی- مفسرین کہتے ہیں تاخیر اس لیے کی کہ وحی کا انتظار تھا- لیکن اگر آپ انتظار کی حالت میں ہوتے تو اس وثوق کے ساتھ کیونکر وعدہ کر لیتے کہ ﴿ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ ﴾ (۳۷) اور فیضان وحی سے تو آپ کا قلب معمور ہو رہا تھا- تعبیر کے لیے انتظار کرنے کی کیوں ضرورت پیش آتی؟ صاف بات یہی ہے کہ تاخیر قصداً کی تھی اور اس خیال سے کی تھی کہ تعبیر کی احتیاج نے ان دونوں کو میری طرف متوجہ کر دیا ہے- چاہیے کہ اس توجہ سے فوراً فائدہ اٹھایا جائے اور دین حق کی دعوت چھیڑ دی جائے- چنانچہ اس کا ذکر اس مناسبت سے شروع کر دیا کہ: ﴿ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴾ (۳۷) یعنی خواب کی تعبیر میں بہت جلد بتلا دوں گا- کیونکہ میرے پروردگار نے مجھے اس کا علم دیا ہے- لیکن میرے علم کو اس طرح کا علم نہ سمجھنا جس طرح اپنے کاہنوں اور جادوگروں کا سمجھا کرتے ہو- میری راہ دوسری ہے- میں تمہارے طریقہ پر کاربند نہیں- پھر اس طرح بات میں سے بات نکالتے ہوئے دین حق کی دعوت شروع کر دی کہ ﴿ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ (۳۹)

پھر دیکھو- اس سیرت کی فضیلت کا کیسا عجیب منظر سامنے آجاتا ہے جب بادشاہ مصر خواب دیکھتا ہے اور سردار ساقی آ کر یہ معاملہ انہیں سناتا ہے- دنیا کا ہر انسان ایسے موقع پر کیا کرتا؟ دنیا کا ہر وہ قیدی کیا کرتا جسے بغیر کسی جرم و گناہ کے قید خانے میں ڈال دیا گیا ہو اور سالہا سال سے اس حالت میں بے یار و مددگار پڑا ہو؟ یقیناً اسے تائید غیبی سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا اور کہتا- میں یہ مشکل حل کر سکتا ہوں- مجھے یہاں سے نکلنے اور بادشاہ کے حضور حاضر ہونے کا موقع دیا جائے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب سے کوئی اس طرح کی خواہش ظاہر نہیں ہوئی- انہوں نے خواب سنتے ہی اس کی تعبیر بیان کر دی- اس کا خیال بھی انہیں نہیں گزرا کہ اپنی مطلب براری کی یہ نہایت قیمتی بات تھوڑی دیر کے لیے بھی روک لوں- پھر صاف اتنا ہی نہیں کیا کہ جتنی بات پوچھی گئی تھی بتلا دی بلکہ اس سے بھی زیادہ علم و فضل کی بخشش سائل کے دامن میں ڈال دی- یعنی خواب میں ایک آنے والی ہولناکی کی خبر دی گئی تھی- انہوں نے تعبیر کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ اس ہولناک مصیبت سے بچنے کی سبیل کیا ہو سکتی ہے- سوال بادشاہ کی طرف سے تھا- لیکن دیکھو جس نے جواب دیا وہ قید خانہ کی کوٹھری میں بیٹھا ہوا اپنے علم و فضیلت کی بخشش میں بادشاہوں سے بھی زیادہ فیاض تھا:

عدیل ہمت ساقی ست فطرت عرفی
کہ حاتم دگران و گدائے خویشتن ست!

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا؟ اس لیے کہ دنیا نے ان کے ساتھ کچھ ہی کیا ہو وہ دنیا کی خدمت و ہدایت کے سوا اور کوئی شے اپنے سامنے نہیں رکھ سکتے تھے- جب انہوں نے خواب سنا اور خواب کا حل ان کے علم و بصیرت نے معلوم کرلیا تھا تو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی علم و ہدایت کا فیضان انسانوں پر نہیں روک سکتے تھے- ان کا فرض تھا کہ جب کبھی طلب اعانت کا ہاتھ ان کے آگے بڑھے وہ اس کی دستگیری کریں- اور انہوں نے دستگیری کی- اگر نہ کرتے تو داعی حق نہ ہوتے- ان کا بے لوث جذبہ خدمت اس خود غرضانہ مطلب براری کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک انسان کی مشکل اور احتیاج کو اپنی رہائی کا ذریعہ بنائیں-

پھر جب بادشاہ ملاقات کا مشتاق ہوا اور اپنا پیام بر بھیجا تو چاہیے تھا کہ جوش مسرت سے اس پیام کا استقبال کرتے کیونکہ اب خود بخود رہائی سامنے آ گئی تھی اور ایسی حالت میں آئی تھی کہ بادشاہ وقت مشتاق زیارت ہو رہا تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نگاہوں میں معاملہ نے دوسری ہی شکل اختیار کی- انہوں نے قید خانہ چھوڑنے اور بادشاہ کی ملاقات سے انکار کر دیا اور کہلایا کہ پہلے میرے معاملہ کی تحقیقات کرلی جائے-

اب یہاں پھر بے اختیار یہی سوال سامنے آ جاتا ہے کہ دنیا کا ہر مظلوم قیدی ایسی حالت میں کیا کرتا اور اس پیکر صدق وصفا نے کیا کیا؟ غور کرو- ان کی سیرت کیسے جوہروں سے گوندھی گئی تھی اور کس طرح صبر وضبط کی عدیم النظیر قوتوں کے ساتھ خودداری اور عزت نفس کی روح اس کے ایک ایک ذرہ میں رچی ہوئی تھی؟ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس انکار و انتظار میں ان کی اخلاقی ذہنیت کی ایک پوری دنیا پوشیدہ ہے- گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ قید سے رہائی بلاشبہ ایک خوشخبری ہے لیکن ایسی رہائی مجھے کیا خوش کرسکتی ہے جو میری بے جرمی کی وجہ سے ظہور میں نہ آ رہی ہو بلکہ محض بادشاہ کا ایک عطیہ اور بخشش ہو؟ میں تھا تو مجرم، لیکن چونکہ بادشاہ نے خواب دیکھا، کسی سے تعبیر بن نہ آئی، میں نے بتلا دی، اس لیے خوش ہو کر بادشاہ نے رہا کر دیا- پس یہ بادشاہ کا احسان ہوا- حق و انصاف کا فیصلہ نہ ہوا- نہیں میں اپنی رہائی بطور ایک احسان کے قبول نہیں کرسکتا- اگر میں مجرم ہوں تو سزا کا سزاوار ہوں- کیوں مجھے کوئی بخشے؟ اگر مجرم نہیں ہوں تو میری بے جرمی کا اعتراف کرنا چاہیے اور اس لیے رہا کرنا چاہیے کہ سزا کا مستحق نہ تھا- اس لیے نہیں کہ کسی نے بخش دیا-

عزت نفس اور استقامت حق کا کیسا بلند مقام ہے؟ اور اخلاقی سیرت کی کیسی عجیب مضبوطی ہے- جس میں کہیں سے بھی کوئی لچک پڑتی دکھائی نہیں دیتی؟ جس رخ سے دیکھو اور جہاں کہیں دیکھو اس کی بے داغ خصوصیتیں یکساں طور پر نمایاں ہیں اور اس سورج کی روشنی کبھی مدھم نہیں پڑسکتی!

کانه علم؛ فی راسه نار!

فی الحقیقت جمال یوسف کی یہی رعنائیاں تھیں جنہوں نے ایک ہی نظارہ میں بادشاہ کا دل مسخر کرلیا تھا ﴿ **انك اليوم لدينا مكين امين!** ﴾ (۵۴)

پھر سب سے آخر میں اس موقع کا مطالعہ کرو جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں- کون بھائی؟ جنہوں نے قتل کا سامان کیا اور پھر غلام بنا کر اجنبیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا- کس کے سامنے؟ اسی مظلوم کے سامنے جو آج مظلوم نہیں ہے بلکہ وقت کی سب سے بڑی مملکت کا مالک اور قحط سالی کی سب سے بڑی مصیبت میں سامان زندگی کا بخشنے والا ہے- کیسا عجیب موقع تھا اور نفس انسانی کے لیے ولولہ انتقام کی کیسی صبر آزما آزمائش؟ تاہم غور کرو- اول سے لے کر آخر تک حضرت یوسف علیہ السلام کا طرز عمل کیسا رہتا

ہے؟ کہیں بھی کوئی بات ایسی دکھائی دیتی ہے کہ کہہ سکو، بغض وانتقام کے جذبہ کی کوئی ہلکی سی بھی پر چھائیں پڑ رہی ہے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ تو ان کے لیے سرتاپا شفقت ورحمت ہو گئے تھے- انتقام وسرزنش کا کیا ذکر ہے- ان کی زبان سے تو ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلا جس سے بھائیوں کے دلوں کو ذراسی بھی ٹھیس لگتی - صاف نظر آ رہا ہے کہ ان کی شرمندگی و پشیمانی کا زخم ان سے کہیں زیادہ خود ان کے دل پر لگ رہا ہے اور اب فکر ہے تو اس بات کی کہ کس طرح ان کے دلوں کے لیے تسکین خاطر کے سامان پیدا کر دیں!

جب تیسری مرتبہ بھائی آئے اور اپنی مصیبتوں کی داستان سنائی: ﴿ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّر ﴾ اور پھر دست سوال بڑھایا کہ ﴿ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِی الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴾ (۸۸) تو جوش محبت سے بے قرار ہو گئے- اس وقت ان کے سامنے اور کوئی بات نہ تھی- صرف یہ تھی کہ میرے بھائی فقروفاقہ میں مبتلا ہیں- میں مسند عزت پر بیٹھا ہوں اور وہ دریوزہ گروں کی طرح دست سوال دراز کیے ہوئے ہیں- بے اختیار ان کا جی چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کر دیں- ﴿ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ ﴾ تمہیں وہ بات بھی یاد ہے جو یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کی تھی؟ کہنے کو تو یہ کہہ گئے اور یہ کہے بغیر چارہ بھی نہ تھا، کیونکہ یاد دلانا تھا کہ میں مصر کیونکر پہنچا، لیکن معاً خیال ہوا کہ اس معاملہ کی یاد میں ان کے لیے سرتاسر سرزنش وخجالت ہے- اس لیے فوراً ایک ایسی بات بھی کہہ دی کہ ان کے لیے ایک معذرت کا پہلو نکل آئے اور شرمندگی کا بوجھ محسوس نہ کریں: ﴿ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ ﴾ (۸۹) یہ اس وقت کی بات ہے جب تمہاری نادانیوں کا زمانہ تھا- یعنی اس معاملہ پر شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں- کیونکہ نادانیوں کے زمانے کی ایک بات ہے اور دنیا میں کون ہے جس پر کوئی نہ کوئی زمانہ نادانیوں کا نہ گزرا ہو؟

یہ سنتے ہی جب انہوں نے پہچان لیا اور عجز وندامت کا سر جھکا کر بولے- ﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴾ (۹۱) تو بلا تامل جواب ملا: ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ (۹۲) نہیں آج کا دن بچھڑے ہوؤں کے ملنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کے جڑنے کا دن ہے- ملامت والزام کی باتوں کا یہاں گزر نہیں- میرا دل تو ہر طرح کی رنجشوں سے صاف ہے- باقی رہا خدا کا معاملہ تو اس کے لیے بھی میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں- وہ تمہارے سارے قصور بخش دے- اور وہ ضرور بخش دے گا کیونکہ اس سے بڑھ کر رحم کرنے والا اور کون ہے!

پھر آگے چل کر جب وقت آیا کہ اللہ کے فضل وکرم کا شکر ادا کرتے ہوئے گزرے ہوئے واقعات کی طرف اشارہ کریں تو دیکھو اس معاملہ کی طرف کیونکر اشارہ کرتے ہیں؟ ﴿ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِیْ وَ بَيْنَ اِخْوَتِیْ ﴾ (۱۰۰) جب ایسا ہوا تھا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا- یعنی اول تو اس معاملہ کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا کہ بھائیوں پر اس کا بوجھ نہ پڑے- گویا یہ شیطان کا ایک فتنہ تھا اور نہ میرے بھائی ایسا کیوں کرتے- پھر سارے معاملہ کو محض ایک طرح کے اختلاف سے تعبیر کیا تاکہ اصل واقعہ کی شناعت کم ہو جائے- پھر جتنا کچھ بھی ہونا ظاہر کیا، وہ اس طریقہ پر کیا کہ ''مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف پڑ گیا تھا'' گویا یہ بھائیوں کا بلاوجہ جوروستم نہ تھا، کوئی ایسی بات تھی جیسے بھائیوں میں باہم دگر پیش آ جایا کرتی ہے اور دونوں جانبوں کو اختلاف کے وجوہ میں دخل ہوتا ہے- یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی ایک ہی جانب کا قصور تھا-

غور کرو- عفو وبخشش کا وہ کیسا مقام ہے' ہمت کا وہ کیسا علو ہے' ظرف کی وہ کیسی پہنائی ہے؟ خلق کی وہ کیسی عظمت ہے جو دشمنی کرنے والوں کے ساتھ ایسا سلوک کر سکتی ہے؟ اور جس سیرت کا یہ حال ہو اس کے لیے فضیلت کی اور کون سی بات باقی رہ گئی؟

شنیدم کہ مردان راہ خدا — دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام — کہ بادوستانت خلاف است اُو جنگ

مظلومی و بے چارگی کی حالت میں صبر کر لینا بلاشبہ ایک بڑائی ہے لیکن طاقت و اختیار کی حالت میں بدلہ نہ لینا اور بخش دینا سب سے بڑی بڑائی ہے: ﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (۴۲:۴۳) اور اس سیرت کی عظمت میں دونوں مقام جمع ہو گئے - جب بے چارگی تھی تو اف تک نہ کی - جب طاقت ملی تو انتقام کا وہم وگمان بھی نہ گزرا، اور بلاشبہ یہ اس زندگی کا سب سے بڑا اسوۂ حسنہ ہے!

سب سے آخر میں ان کی دعا نمایاں ہوتی ہے اور یہ فی الحقیقت ایک مرقع ہے جس میں ان کی سیرت کا ایک ایک خال وخط دیکھا جا سکتا ہے - عظمت و کامرانی کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بھی جو صدا ان کے دل و دماغ سے نکل سکتی تھی وہ یہی تھی کہ ﴿ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴾ (۱۰۱) یعنی زندگی کی ساری کامرانیوں کا آخری ماحصل جس کی طلب وآرزو سے کبھی دل خالی نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اطاعت حق پر خاتمہ ہو اور الحاق ان کے ساتھ ہو جو تیرے صالح بندے ہیں!

امرأۃ العزیز:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد سرگزشت کی نمایاں شخصیت امرأۃ العزیز کی شخصیت ہے - کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مصری زندگی کے حوادث میں بڑا حصہ اسی کا ہے - اس شخصیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ عشق و ہوس کے مختلف مراتب یکے بعد دیگرے نمایاں ہوئے ہیں اور قرآن حکیم نے ایک عجیب اسلوب بلاغت کے ساتھ انہیں ہر جگہ ابھارا ہے اور ہر مرتبہ کی خصوصیت واضح کر دی ہے -

سب سے پہلے وہ موقع سامنے آتا ہے جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دعوت عیش دی اور ناکام رہی - ﴿ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ﴾ (۲۴) اور جب پردہ فاش ہو گیا اور شوہر سامنے کھڑا نظر آیا تو اپنی ذلت و رسوائی برداشت نہ کر سکی - جھٹ اپنا جرم دوسرے کے سر ڈال دیا' اور پھر کس دوسرے کے سر؟ اسی کے سر جس کی محبت وشیفتگی کی مدعی بنی تھی: ﴿ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (۲۵) اس سے معلوم ہوا کہ محبت میں ابھی کچی تھی - اور ہوس سے معاملہ آگے نہیں بڑھا تھا - کیونکہ اگر محبت کامل ہوتی تو محبت کی راہ میں ذلت و رسوائی سے نہ ڈرتی اور خود اپنے محبوب کے سر جھوٹا الزام نہ لگاتی -

لیکن پھر جب کچھ دن گزر گئے تو معلوم ہوتا ہے اس حالت نے دوسرا رنگ اختیار کیا - اب اسے لائمات کے سامنے تو اقرار محبت میں عار نہ آیا - لیکن دنیا کے آگے اقرار نہ کر سکی: ﴿ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ﴾ (۳۲) ساتھ ہی محبت ابھی اس درجہ تک نہیں پہنچی تھی کہ اپنے نفس کی کامجوئیوں پر محبوب کی مرضی کو ترجیح دیتی!

قبول خاطر معشوق شرط دیدار است
بہ حکم شوق تماشا مکن کہ بے ادبی است!

اس لیے دھمکیاں دے کر رام کرنا چاہا: ﴿ وَ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴾ (۳۲)

لیکن پھر جب وہ وقت آیا کہ عشق کی خامیاں پختگی وکمال تک پہنچ گئیں تو اب نہ تو ننگ و ناموس کی جھجک باقی رہی تھی نہ زور و طاقت سے کام نکالنے کا گھمنڈ - جونہی سنا کہ یوسف (علیہ السلام) کے معاملہ کی پوچھ گچھ ہو رہی ہے بے پردہ اور صریح اعلان کر دیا: ﴿ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ

الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾[1] (۵۱) وہ تو سرتا سرسچا ہے جو کچھ بھی قصور تھا میرا تھا:

ہاں بانگ بلندست ایں ، پوشیدہ نمی گویم

اب اقرار محبت میں نہ تو کسی طرح کا عار محسوس ہوتا تھا - نہ عشق کی ذلت و رسوائی ذلت و رسوائی رہی تھی - اب تو ہر بات جو محبوب کی راہ میں پیش آئے محبوب ہی کی طرح محبوب ہوگئی تھی:

اجدالملامة فی هواك لذیذة حبا لذكرك فیلمنی اللوم

محبت کی خامی و پختگی کے یہ مراتب قدرتی ہیں اور عام ہیں جب کبھی اور جہاں کہیں بھی آئیں گے' ان تین حالتوں میں سے کوئی حالت ضرور ہوگی:

خام بودم ، پختہ شدم ، سوختم!

تاویل الاحادیث:

(ل) حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات میں جابجا ''تاویل الاحادیث'' کا لفظ آیا ہے اور اس طرح آیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہ ایک علم تھا جو اللہ نے انہیں سکھا دیا تھا - پس معلوم ہونا چاہیے کہ اس علم سے مقصود کون سا علم ہے؟

عربی میں تاویل کے معنی کسی بات کے نتیجہ اور مآل کار کے ہیں اور باتوں کے مطلب و مقصد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے - چنانچہ سورۂ یونس کی آیت (۳۹) کے نوٹ میں اس کی تشریح گزر چکی ہے - ''احادیث'' یعنی باتیں - پس تاویل الاحادیث کا مطلب یہ ہوا کہ باتوں کا مطلب، نتیجہ اور مآل، بوجھ لینے کا علم یعنی انسان میں علم و بصیرت کی ایسی قوت کا پیدا ہو جانا کہ ہر بات کے مطلب اور مآل کا شناسا ہو جائے - معاملات کی تہ تک پہنچ جانا، امور و مہمات کے بھیدوں کا رمز شناس ہو جانا، ہر بات کی نبض پہچان لینی' ہر واقعہ کا مطلب پا لینا' کوئی بات کتنی ہی الجھی ہوئی ہو لیکن اس طرح سلجھا لینا کہ ساری باتوں کی کل ٹھیک بیٹھ جائے -

حضرت یوسف علیہ السلام کا ظہور کنعان کے صحرا میں ہوا تھا اور ایک ایسے خاندان میں جو پشت ہا پشت سے صحرا کی بدویانہ زندگی بسر کر رہا تھا - پیدائش سے لے کر عنفوان شباب تک اسی عالم میں زندگی بسر ہوئی - نہ تو کسی طرح کی خارجی تعلیم و تربیت کا موقع ملا، نہ شہری زندگی کے رسم و راہ سے آشنا ہو سکے - جب شہری زندگی ہی سے آشنا نہ تھے تو ظاہر ہے اجتماعی زندگی کی تمدنی خصوصیات سے کیونکر باخبر ہو سکتے تھے؟ ملکی معاملات اور انتظامی مہمات کی تو ان کے کانوں میں بھنک بھی نہ پڑی ہوگی -

بسا اوقات خاندان کے موروثی اثرات خارجی اثرات سے بے نیاز کر دیتے ہیں لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا خاندانی ورثہ نبوت تھا - شہر یاری و ملک داری نہ تھی - اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے توطن کنعان کے بعد سے تو شہری زندگی کا علاقہ بھی یک قلم مفقود ہو گیا تھا -

بایں ہمہ جب گردش حوادث نے انہیں مصر جیسی متمدن سرزمین میں پہنچا دیا تو وہ نہ صرف اس کے نظم و نسق کے لیے سب سے بہتر حکمراں ثابت ہوئے بلکہ ان کی کاردانی و حقائق فہمی نے مملکت کو اس کی سب سے بڑی ہولناک بربادی سے بچا لیا اور ان کے فضل و کمال کے

---

[1] اس آیت کے بعد کی آیت ﴿ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ ﴾..... الخ اور ﴿ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ﴾ الخ امرأ العزیز کے قول کا بقیہ حصہ بھی ہو سکتا ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قول بھی ہو سکتا ہے۔ سیاق بیان پہلی بات کے حق میں ہے، اور بعض وجوہ قرائن دوسری کے حق میں۔ عام طور پر مفسرین نے دوسری صورت اختیار کی ہے۔ لیکن ہم نے پہلی کو ترجیح دی کیونکہ ظاہر سیاق یہی ہے۔

آگے سب نے سر جھکایا- خود پادشاہ وقت کو اپنے عجز و درماندگی کا اعتراف کرنا پڑا- ایک ایسے شخص میں جو ابھی چند سال ہوئے، صحرا کے ویرانوں سے نکل کر آیا تھا یہ قوت علمی کیسے پیدا ہوگئی کہ تمام باتوں کا نبض شناس اور تمام معاملات و مہمات کی کل بٹھانے والا ہوگیا؟ یقیناً مبدء فیاض کے کرشمہ فیضان سے- لیکن اس کرشمہ فیضان کا نام کیا ہے- علم ''تاویل الاحادیث'' کا سکھا دینا- اب جبکہ صناعی علوم کی تدوین اور فنی مصطلحات کی بناوٹوں نے ہمیں طرح طرح کی تعبیرات سکھا دی ہیں، ہم اس طرح کے علم و بصیرت کے لیے بہت سے مصطلحہ الفاظ بولیں گے- لیکن قرآن کی زبان صناعی مصطلحات کی زبان نہیں ہے- نہ علمی مصطلحات سے اس وقت عربی زبان آشنا ہوئی تھی- اس نے ان ساری باتوں کے لیے ایک ایسی ترکیب استعمال کی جو ادائے مطلب کا قدرتی اور سیدھا سادھا اسلوب ہوسکتا ہے- یعنی باتوں کے مطلب اور مآل پالینے کا علم- تعلیم کی ساری کاوشیں، ترتیب ذہنی کی ساری محنتیں، تجربہ و اختیار کی ساری کوششیں کس غرض سے ہوتی ہیں؟ اسی لیے کہ باتوں کا مطلب و مآل بوجھ لینے کی استعداد پیدا ہوجائے- علم و دانش کا تمام تر حاصل و مقصود کیا ہے؟ یہی کہ باتوں کی کل بٹھانی آجائے- جس کے لیے ہم نے بے شمار علمی اصطلاحیں بنالی ہیں قرآن نے اسی کو بغیر کسی پیچ و خم کے اس طرح کہہ دیا جو ادائے مطلب کا ایک صاف اور قدرتی طریقہ ہوسکتا ہے اور یہ اس کی بلاغت کی معجزانہ خصوصیت ہے-

چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیریں بتلائی تھیں اس لیے مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ خواب کی سچی تعبیر معلوم کرلینے کا علم تھا- بلاشبہ خواب کی بات بھی احادیث میں داخل ہے اور اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ ایک گوشہ اس کا یہ بھی تھا- لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کہ براہ راست علم تعبیر منام پر اس کا اطلاق ہوا ہو- یہ ظاہر ہے کہ خواب کی سچی تعبیر معلوم کرلینا نبوت کے عام خصائص میں سے ہے اور ہر نبی وحی الٰہی سے مطلع ہوکر خواب کی حقیقت معلوم کرلیتا ہے- خود حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب سنتے ہی حقیقت معلوم کرلی تھی اور حضرت دانیال اور عزرا علیہما السلام وغیرہما کی سرگزشتیں ہمیں معلوم ہیں- پس اگر یہی بات مقصود ہوتی تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ خصوصیت کے ساتھ تاویل الاحادیث کا ذکر کیا جاتا- یہ نبوت کے اعمال و خصائص میں سے تھی اور جب نبوت کا مقام مل رہا تھا تو لازمی طور پر اس طرح کی تمام باتوں کی قابلیت بھی مل رہی تھی- لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سن کر کہا: ﴿ وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ عَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ ﴾ (۶) یعنی اللہ تجھے برگزیدگی عطا فرمائے گا تاویل الاحادیث کا علم سکھائے گا اور جس طرح تیرے بزرگوں پر اپنی نعمتیں پوری کرچکا ہے اسی طرح تجھ پر اور آل یعقوب پر بھی کرے گا- اس بیان میں برگزیدگی سے مقصود امتیاز اور تفوق ہے اور اتمام نعمت سے مقصود نبوت ہے- پس تاویل الاحادیث کی تعلیم سے مقصود کوئی تیسری چیز ہونی چاہیے- اگر تعبیر خواب ہی کی بات ہوتی تو وہ حصول نبوت کی بشارت میں آگئی تھی- خصوصیت کے ساتھ الگ کرکے نہ دکھائی جاتی-

علاوہ بریں ایک نبی کے لیے تعبیر خواب کا ملکہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں کہ خصوصیت کے ساتھ اسے اللہ کا ایک خاص عطیہ قرار دیا جاتا- پھر اگر ان تینوں مقامات پر غور کیا جائے جہاں تاویل احادیث کا ذکر کیا گیا ہے تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے لیکن اس کی تفصیل البیان میں ملے گی-

عزیز مصر کا اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ:

(م) عزیز مصر کا اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ مفسرین کے لیے ایک حیرت انگیز معاملہ رہا ہے اور بعض مجبور ہوئے ہیں کہ طرح طرح کی دوراز کار توجیہیں کریں- وہ کہتے ہیں اس پر اپنی بیوی کی بدچلنی بالکل واضح ہوگئی تھی- اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ﴿ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴾ (۲۸) لیکن پھر بھی ہم دیکھتے ہیں اس نے اس معاملہ کو زیادہ اہمیت نہ دی کہ بیوی سے کہا: ﴿ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴾ (۲۹) اور پھر اسی طرح مختار و آزاد چھوڑ دیا جس طرح پہلے تھی- چنانچہ شہر کی عورتوں کی دعوت، مجلس طرب کی آراستگی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طلبی سب بعد کے واقعات ہیں- نیز اس کا اختیار و تصرف اس سے ظاہر ہے کہ قید کرنے کی دھمکی دیتی ہے اور اسے پورا کر کے دکھا دیتی ہے- گویا بیوی کی بدچلنی کوئی ایسی بات نہ تھی جو عزیز کو ﴿ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ﴾ کہنے سے زیادہ کسی سرزنش اور مخالفانہ اقدام پر آمادہ کرتی- کیونکر ممکن ہے کہ ایک شریف اور معزز آدمی اس بارے میں اس قدر بے حس اور بے پروا واقع ہو؟

لیکن اگر مفسرین کے سامنے اس عہد کی مصری معاشرت کی تفصیلات ہوتیں تو اس معاملہ پر انہیں ذرا بھی استغراب نہ ہوتا- انہوں نے دو ڈھائی ہزار پیشتر کی مصری معاشرت اور اس کے اخلاقی احساسات کو اپنے وقتوں کی معاشرت و احساسات پر قیاس کیا اور اسی کے مطابق توجیہات کے جامے تراشنے لگے-

اس بارے میں ہمارے پاس معلومات حاصل کرنے کے دو ذریعے ہیں، ایک براہ راست اسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے- دوسرا بعد کے عہدوں سے- پہلا اثریات مصر (ایجپٹیالوجیا) سے ماخوذ ہے- دوسرا بعض یونانی تحریرات سے جو سنہ مسیحی سے کچھ عرصہ پیشتر لکھی گئی ہیں- اور یہ دونوں ذریعے اس بارے میں متفق ہیں کہ اس عہد کی مصری معاشرت کی حالت ٹھیک ٹھیک ویسی ہی تھی جس کی تصویر اس موقع پر قرآن نے کھینچ دی ہے- یعنی امراء کے طبقہ کی معاشرتی اور ازدواجی حالت عامۃ الناس سے بالکل مختلف تھی- ان کی عورتیں اپنے اعمال و تصرف میں بالکل آزاد تھیں- مردوں کے دباؤ میں رہنا پسند نہیں کرتی تھیں- ازدواجی زندگی میں پلہ انہی کا بھاری رہتا- اخلاقی حیثیت سے معاملہ نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ عصمت و بے عصمتی کا معاملہ عملاً غیر اہم ہو گیا تھا- لوگ سب کچھ جانتے تھے اور پھر اسے ناگزیر حالت سمجھ کر برداشت کر لیا کرتے تھے- گویا اس اعتبار سے پندرہ سو سال قبل مسیح مصری سوسائٹی کا حال ٹھیک ٹھیک ویسا ہی تھا جیسا ایک ہزار سال بعد رومۃ الکبریٰ کے دارالحکومت میں ہمیں دکھائی دیتا ہے اور جس کا نمونہ خود جولیس سیزر کی بیویوں کی زندگی میں ہم دیکھ سکتے ہیں- انہیں شک و شبہ سے اس لیے بالاتر کہا گیا تھا کہ شک و شبہ کا سب سے بڑا محل انہی کی زندگی تھی! دراصل یونان اور روم کا تمدن، اور بہت سی باتوں کی طرح اس بات میں بھی بابل اور مصر ہی کے نقش قدم پر چلا تھا-

مصر کی یہ حالت برابر رہی- امرأۃ العزیز کے عہد سے لے کر کلیوپیٹرا تک وہ صرف نسوانی حسن و جمال ہی میں نہیں بلکہ ازدواجی زندگی کی بے باکیوں اور مطلق العنانیوں میں بھی شہرۂ آفاق رہا-

خود اس سرگزشت میں بھی اس کی اندرونی شہادت موجود ہے- عزیز پر جب معاملہ کھل گیا تو جو بات اس کی زبان پر بے اختیار آ گئی غور کرو، وہ کیا تھی؟ ﴿ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴾ (۲۸) ہاں معلوم ہو گیا یہ تم عورتوں کا چرتر ہے- تم لوگوں کے چرتر بڑے ہی چرتر ہوتے ہیں! اس سے معلوم ہو گیا کہ اس وقت عورتوں کی نسبت سوسائٹی کے عام خیالات کیا تھے اور کس طرح یہ بات دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی کہ مکر و فریب میں طاق ہیں- ان کے فریب سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں- اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس موقع پر اس طرح کی بات بے اختیار عزیز کی زبان سے نکل جاتی- چرتر جو کچھ بھی کیا تھا اس کی بیوی نے کیا تھا- تمام عورتوں نے نہیں کیا تھا- لیکن چونکہ وقت کی معاشرتی زندگی عام طور پر ایسی ہی ہو رہی تھی اس

لیے جب ایک عورت کا معاملہ سامنے آیا تو بے اختیار زبان سے نکل گیا ”تم سب کا یہی حال ہے۔تمہارے مکر وفریب سے خدا کی پناہ!“

پھر بعد کو جو معاملہ پیش آیا اس سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس بارے میں وقت کے نسوانی اخلاق کا معیار کیا تھا؟ شہر کی امیر زادیوں نے جونہی یہ خبر سنی کہ ایک عبرانی غلام ایسا طرحدار ہے کہ امراۃ العزیز جان دینے لگی ہے اور وہ قابو میں نہیں آتا تو بے اختیار اس سے ملنے کی مشتاق ہوگئیں اور پھر جب مجلس ضیافت آراستہ ہوئی اور یوسف علیہ السلام بلائے گئے تو کوئی نہ تھا جس نے اپنی دلربائیوں اور عشوہ طرازیوں کے بے باکانہ تیروں سے انہیں چھلنی نہ کرنا چاہا ہو۔ ظاہر ہے کہ سوسائٹی کی عورتوں کا اس طرح بے حجابانہ کھل کھیلنا اور بغیر کسی جھجک کے ایک پورے مجمع کا اظہار عشق کرنا جبھی ہو سکتا ہے جب کہ لکھنو کی اصطلاح میں ”شوقینی“ وقت کا فیشن ہوگئی ہو اور شوقین عورتیں پوری طرح آزاد ہوں۔

پس عزیز کے طرز عمل کے لیے اس کے سوا اور کسی توجیہ کی ضرورت نہیں کہ مصر کے ایک امیر کا طرز عمل تھا اور اسے ایسا ہی ہونا تھا۔ اس نے بیوی کو ملامت کر دی کہ قصور تیرا ہی ہے۔ یوسف علیہ السلام سے کہا اس بات کو اور آگے نہ بڑھانا اور معاملہ ختم ہوگیا۔ اس سے زیادہ نہ تو وہ کچھ کر سکتا تھا اور نہ وقت کے احساسات متقاضی تھے کہ کرے۔

تفسیر ”ان کیدکن عظیم“:

(ن) عزیز کے اس قول میں کہ ”ان کیدکن عظیم“ (۲۸) جو رائے ظاہر کی گئی ہے وہ ظاہر ہے کہ اپنے وقت اور اپنے شہر کی عورتوں کی نسبت ہے۔ نہ کہ دنیا جہان کی تمام عورتوں کے لیے۔ اور پھر جو کچھ بھی ہے عزیز کا قول ہے۔ خود قرآن کا حکم نہیں ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے اس مقولہ کا اس طرح استعمال شروع کر دیا' گویا عورتوں کے جنسی اخلاق کے لیے یہ قرآن کا فیصلہ ہے اور اس کے نزدیک عورتوں کی جنس مردوں کے مقابلہ میں زیادہ مکار اور بے عصمتی کی گھاتیں نکالنے میں زیادہ ہوشیار ہے۔ چنانچہ عام طور پر ہمارے مفسروں نے اس کا ایسا ہی مطلب قرار دیا ہے اور پھر حسب عادت وجوہ و مباحث کی دور دراز وادیوں میں گم ہو گئے ہیں۔ پہلے اسے عورتوں کی جنس کی نسبت قرآن کا عام و مطلق حکم قرار دیتے ہیں۔ پھر حیرانی میں پڑتے ہیں کہ شیطان کے کید کو تو ضعیف کہا ہے: ﴿ ان کید الشیطان کان ضعیفا ﴾ عورتوں کا کید کیسے ”عظیم“ ہوگیا؟ پھر تو جیہوں کی وادیوں میں قدم اٹھاتے ہیں اور جہاں تک نکل سکتے ہیں نکل جاتے ہیں۔ بعضوں کو ماننا پڑتا ہے کہ شیطان کے کید سے بھی عورتوں کا کید بڑا ہے۔ کیونکہ آیت اس بارے میں نص قطعی ہے! بعضوں کی دقیقہ سنجی اس پر مطمئن نہیں ہوتی۔ وہ کہتے ہیں۔ نہیں علی الاطلاق نہیں ہو سکتا۔ صرف جنسی تعلقات کے معاملہ میں ہے۔ اس میدان میں مرد ان سے بازی نہیں لے جا سکتے! حالانکہ نہ تو قرآن کا یہ حکم ہے۔ نہ عزیز کا قول ایسے محل میں ہے کہ اطلاق و عموم کے یہ سوالات پیدا ہوں۔ بحث و تفسیر کی یہ پوری عمارت بنیاد سے لے کر چوٹی تک بالکل بے اصل ہے۔

بلاشبہ مردوں نے اپنی ظالمانہ خود غرضیوں سے عورتوں کے بارے میں ہمیشہ ایسے ہی فیصلے کیے ہیں لیکن قرآن کا یہ فیصلہ نہیں ہے۔ اس نے ہر جگہ مرد اور عورت دونوں کا مساویانہ حیثیت سے ذکر کیا ہے اور فضائل و خصائل کے لحاظ سے وہ دونوں میں کسی طرح کی بھی تفریق نہیں کرتا۔ سورہ نساء میں جہاں ازدواجی زندگی کے احکام کی تشریح ہے وہاں صاف صاف تصریح کر دی ہے کہ فضائل و محاسن کے لحاظ سے دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی راہیں رکھتے ہیں اور دونوں کے لیے ایک ہی طرح پر فضیلتوں کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴾ (۳۲:۴) چنانچہ جس طرح وہ نیک مردوں کے فضائل و مدارج بتلاتا ہے اسی طرح نیک عورتوں کے بھی بتلاتا ہے اور جس طرح بدعمل مردوں کی برائیاں بتلائی ہیں اسی

طرح بد عمل عورتوں کی بھی بتلائی ہیں- کہیں بھی دونوں میں کسی طرح کا امتیاز اس نے جائز نہیں رکھا ہے- مردوں کے لیے اگر فرمایا: ﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ﴾ (۹:۱۱۲) تو عورتوں کے لیے بھی فرمایا: ﴿ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ﴾ (۶۶:۵) منافقوں کا ذکر کیا تو صرف مردوں ہی کا نہیں کیا' دونوں جنسوں کا کیا: ﴿ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ ﴾ (۹:۶۷) مومنوں کا ذکر کیا تو صرف مردوں ہی کا نہیں کیا' دونوں کا کیا: ﴿ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (۹:۷۱) مردوں اور عورتوں کی یہ اخلاقی مساوات اس کا عام اسلوب ہے- ہر جگہ تم دیکھو گے کہ وہ دونوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتا، ایک ہی درجہ میں رکھتا اور ایک ہی طرح پر ذکر و خطاب کرتا ہے: ﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (۳۳:۳۵) یعنی جس طرح مردوں میں مسلم و مومن ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی مسلمہ و مومنہ ہیں- جس طرح مردوں میں قانت مرد ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی قانتہ عورتیں ہیں- جس طرح مردوں میں صادق مرد ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی صادقہ عورتیں ہیں- جس طرح مردوں میں اللہ کا خوف رکھنے والے اور بکثرت اس کا ذکر کرنے والے ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی اللہ کا خوف رکھنے والیاں اور بکثرت ذکر کرنے والیاں ہیں، اور پھر جس طرح مردوں میں ایسے پاکباز ہیں کہ نفسانی خواہشوں کے غلبہ سے اپنی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی ایسی پاکباز ہستیاں ہیں جو اپنی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہوتیں- غور کرو- کسی وصف میں بھی تفریق نہیں، کسی فضیلت میں بھی امتیاز نہیں، کسی برائی میں بھی عدم مساوات نہیں- پھر کیا ممکن ہے کہ جس قرآن نے مردوں اور عورتوں کی اخلاقی مساوات اس درجہ ملحوظ رکھی ہو اسی قرآن کا یہ فیصلہ ہو کہ عورتوں کی جنس مردوں کے مقابلہ میں زیادہ بداخلاق ہے؟ اور مرد بڑے پاکباز ہوتے ہیں مگر بدبخت عورتیں ہیں جو نفس پرست اور مکار ہیں؟ تفسیر قرآن کی تاریخ کی یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ ایک مصری بت پرست کے قول کو اللہ کا فرمان سمجھ لیا گیا اور اس سے اس طرح استدلال کیا جا رہا ہے گویا عورتوں کی جنسی پستی و بداخلاقی کے لیے کتاب اللہ کا قطعی فیصلہ موجود ہے!

حقیقت یہ ہے کہ اگر پاکبازی و عصمت کے لحاظ سے دونوں جنسوں میں تفریق ہی کرنی ہو تو ہر طرح کی نفس پرستیوں اور مکاریوں کی حیوانیت مرد کے حصہ میں آئے گی اور ہر طرح کی پاکیوں اور عفتوں کی فرشتگی عورت کے لیے ثابت ہوگی- یہ مرد ہی ہے جس کی حیوانیت پر عورت کی فرشتگی شاق گزرتی ہے- وہ چاہتا ہے اسے بھی اپنی ہی طرح کا حیوان بنا دے- اس لیے اپنے کید عظیم کے سارے فتنے کام میں لاتا اور برائیوں کی ایک ایک راہ سے اسے آشنا کر کے چھوڑتا ہے- پھر جب وہ اس کے پیچھے قدم اٹھا دیتی ہے تو اس سے گردن موڑ لیتا ہے اور کہنے لگتا ہے اس کا کید تو سب سے بڑا کید اور اس کی برائی تو سب سے بڑی برائی ہے! فی الحقیقت سب سے بڑا کید تو مرد ہی کا کید ہے جو پہلے اسے اپنی کامجوئیوں کا آلہ بناتا ہے اور جب بن جاتی ہے تو خود پاک بنتا اور ساری ناپاکیوں کا بوجھ اس معصوم کے سر ڈال دیتا ہے!

دنیا میں کوئی عورت بری نہ ہوتی اگر مرد اسے برا بننے پر مجبور نہ کرتا- عورت کی برائی کتنی ہی سخت اور مکروہ صورت میں نمایاں ہوتی ہو، لیکن اگر جستجو کرو گے تو تہ میں ہمیشہ مرد ہی کا ہاتھ دکھائی دے گا اور اگر اس کا ہاتھ نظر نہ آئے تو ان برائیوں کا ہاتھ ضرور نظر آئے گا جو کسی نہ کسی

شکل میں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

تورات میں ہے کہ شجر ممنوعہ کے پھل کھانے کی ترغیب آدم علیہ السلام کو حوا نے دی تھی اس لیے نافرمانی کا پہلا قدم جو انسان نے اٹھایا وہ عورت کا تھا۔ اسی بنا پر یہودیوں اور عیسائیوں میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا کہ عورت کی خلقت میں مرد سے زیادہ برائی اور نافرمانی ہے اور وہی مرد کو سیدھی راہ سے بھٹکانے والی ہے۔ لیکن قرآن نے اس قصہ کی کہیں بھی تصدیق نہیں کی بلکہ ہر جگہ اس معاملہ کو آدم اور حوا دونوں کی طرف منسوب کیا۔ انہیں جو حکم دیا گیا تھا وہ بھی یکساں طور پر دونوں کے لیے تھا: ﴿وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (۳۵:۲) اور لغزش بھی ہوئی تو ایک ہی طرح دونوں سے ہوئی: ﴿ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ﴾ (۳۶:۲) شیطان نے دونوں کے قدم ڈگمگا دیئے اور دونوں کے نکلنے کا باعث ہوا۔ یعنی جو لغزش ہوئی اس میں یکساں طور پر دونوں کا حصہ تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ کسی ایک پر دوسرے سے زیادہ ذمہ داری ہو۔

بہرحال یہ بات یاد رہے کہ سورہ یوسف کی اس آیت سے جو استدلال کیا جا رہا ہے وہ قطعاً بے اصل ہے اور جہاں تک عورتوں کے جنسی اخلاق کا تعلق ہے قرآن میں کہیں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس سے مترشح ہوتا ہو کہ عورت کی جنس مرد سے فروتر ہے یا بے عصمتی کی راہوں میں زیادہ مکار اور شاطر ہے۔

امراۃ العزیز کا نام:

(ن) تورات میں ہے کہ مصر کے جس امیر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا اس کا نام فوطی فار تھا (پیدائش ۳۷:۳۶) لیکن اس کی بیوی کا نام نہیں لکھا ہے۔ نہیں معلوم ہمارے مفسرین نے کہاں سے یہ بات معلوم کر لی کہ اس کا نام زلیخا تھا؟ بہرحال اس کی کوئی قابل اعتنا اصلیت پائی نہیں جاتی۔ البتہ مفسرین کا یہ بیان بالکل صحیح ہے کہ اس وقت مصر کا حکمران خاندان عمالقہ میں سے تھا۔ یہ عمالقہ وہی ہیں جنہیں مصر کی تاریخ میں ہیکسوس کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور جن کی اصلیت یہ بتائی گئی ہے کہ چرواہوں کی ایک قوم تھی۔ یہ چرواہوں کی قوم مصر میں کہاں سے آئی تھی؟ جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب سے آئی تھی اور یہ دراصل عربی قبائل عاربہ ہی کی ایک شاخ تھی۔ قدیم قبطی اور عربی زبان کی مشابہت ان کے عرب ہونے کی ایک مزید دلیل ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا انتقال:

(س) تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندگی بھر مصر کے حکمران و مختار رہے اور جب ان کا آخری وقت آیا تو اپنے بھائیوں اور اپنی اولاد سے کہا "ایک وقت آئے گا جب خدا تمہیں پھر اسی زمین کنعان میں لے جائے گا، جس کا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام سے اس نے وعدہ کیا ہے، تو جب وہ وقت آئے تم میری ہڈیاں اپنے ساتھ لے جانا اور میرے بزرگوں کے پاس دفن کر دینا۔" چنانچہ ان کے خاندان کے لوگوں نے ان کی نعش میں خوشبو بھری اور ایک صندوق میں محفوظ کر دی (پیدائش ۵۰:۲۴)

خوشبو بھرنے کا غالباً مطلب یہ ہے کہ مصریوں کے طریقہ کے مطابق ممی کر کے رکھی گئی تھی۔ جب چار سو برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا اور وہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکلے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش بھی اپنے ساتھ لے لی تھی۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت کی تعمیل ظہور میں آ گئی۔

(ع) سورۂ یوسف کے بصائر و حکم کی طرح اس کے مباحث و مسائل کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔ لیکن مزید تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

آیَاتُهَا: 43 سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا: 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ
تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ

الف۔لام۔را۔

(اے پیغمبر!) یہ الکتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں اور جو کچھ تیرے پروردگار کی جانب سے تجھ پر نازل ہوا ہے وہ امر حق ہے (اس کے سوا کچھ نہیں) مگر اکثر آدمی ایسے ہیں کہ (اس پر) ایمان نہیں لاتے۔(۱)

یہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر دیا اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے۔ پھر وہ اپنے تخت (حکومت) پر نمودار ہوا (یعنی مخلوقات میں اس کے احکام جاری ہو گئے) اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا کہ ہر ایک اپنی ٹھہرائی ہوئی میعاد تک (اپنی اپنی راہ) چلا جا رہا ہے۔ وہی (اس تمام کارخانہ خلقت کا) انتظام کر رہا ہے اور (اپنی قدرت و حکمت کی) نشانیاں الگ الگ کر کے بیان کر دیتا ہے تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ (ایک دن) اپنے پروردگار سے ملنا ہے!(۲)

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے زمین کی سطح پھیلا دی اس میں پہاڑ بنا دیے نہریں جاری کر دیں اور ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے دو دو قسموں کے اگا دیے۔ اس نے رات اور دن (کے بتدریج ظاہر ہونے) کا ایسا قاعدہ بنا دیا کہ

یہ سورت بھی مکی ہے اور خطاب مشرکین مکہ سے ہے۔

(۱) تمام مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی دین حق کے بنیادی عقائد کا بیان ہے۔ یعنی توحید، رسالت، وحی اور جزائے عمل لیکن خصوصیت کے ساتھ جس بات پر زور دیا گیا ہے اور جو سورت کی تمام موعظت و تدبیر کے لیے مرکز بیان و خطاب ہے، وہ "حق" اور "باطل" کی حقیقت اور ان کی باہمی آویزش کا قانون ہے۔ چنانچہ سورت کی ابتداء بھی اسی اعلان سے ہوئی ہے کہ ﴿ وَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ ﴾ (۱) اور خاتمہ بھی اسی پر ہوا ہے کہ ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴾ (۴۰)

حق و باطل کے امتیاز کا یہی عالمگیر اور فیصلہ کن قانون ہے جو دعوت قرآنی کی حقانیت اور عدم حقانیت کا فیصلہ کر دے گا۔ اگر پیغمبر اسلام ﷺ کا اعلان رسالت "حق" ہے تو "حق" کا خاصہ یہی ہے کہ باقی رہے اور فتح مند ہو۔ اگر "باطل" ہے تو بلاشبہ "باطل" کے لیے مٹ جانا اور نامراد ہونا ہے۔ یہی اللہ کی شہادت ہے جس سے بڑھ کر کوئی فیصلہ کن شہادت نہیں ہو سکتی اور اب اس شہادت کے ظہور کا انتظار کرنا چاہیے۔

(۲) سورت کی ابتداء اس اعلان سے ہوئی ہے کہ قرآن فکر انسانی کی بناوٹ نہیں ہے اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے

اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٣﴾ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ
مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ
وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٤﴾ وَاِنْ
تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٥﴾

دن کی روشنی کو رات کی تاریکی ڈھانپ لیا کرتی ہے- یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے کتنی ہی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرنے والے ہیں! (۳)

اور دیکھو- زمین میں (طرح طرح کے) ٹکڑے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے- ان میں انگور کے باغ ہیں، (غلہ کی) کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں- باہم دگر ملتے جلتے ہوئے اور بعض ایسے کہ ملتے جلتے ہوئے نہیں ہیں- سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں مگر ہم بعض پھلوں کو بعض پر مزہ میں برتری دے دیتے ہیں- یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں! (۴)

اور (اے مخاطب!) اگر تو عجیب بات دیکھنی چاہتا ہے تو (سب سے زیادہ) عجیب بات ان منکروں کا یہ قول ہے کہ "جب ہم (مرنے کے بعد گل سڑ کر) مٹی ہو گئے تو پھر کیا ہم پر ایک نئی پیدائش طاری ہوگی؟" (یہ بات تو سمجھ میں آتی نہیں!) تو یقین کرو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا اور یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور یہی ہیں کہ

اور امر حق ہے لیکن مخاطبین دعوت میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسے نہیں مانتے، پس ضروری ہے کہ ان کے مقابلہ میں اس کی حقانیت آشکارا ہو جائے-

پھر اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی پر برہان حکمت و ربوبیت کا استدلال کیا ہے- اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کسی ایسی ہستی کی موجودگی کی شہادت دے رہی ہے جس نے جو کچھ بنایا ہے مصلحتوں اور حکمتوں کے ساتھ بنایا ہے اور یہاں کا ذرہ ذرہ اسی کی تدبیر و انتظام سے چل رہا ہے- پھر فرمایا ان نشانیوں کا تفکر دلوں میں یقین پیدا کر دیتا ہے کہ انسانی زندگی صرف اتنے ہی کے لیے نہیں ہو سکتی جتنی حیات دنیوی میں نظر آ رہی ہے- ضروری ہے کہ کوئی دوسرا مرحلہ بھی پیش آنے والا ہو اور وہ ایسا ہو کہ مخلوق کو خالق کے حضور پیش کر دے!

اس آیت میں قدرت و حکمت الٰہی کے تین مرتبے بیان کیے ہیں:

(ا) سب سے پہلے یہ کہ اجرام سماویہ کو پیدا کیا اور فضا میں پھیلا دیا- وہ بلند ہیں لیکن کوئی سہارا نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو- محض جذب و انجذاب کا قانون ہے جس کے توازن نے انہیں اپنی اپنی جگہ معلق و قائم رکھا ہے-

(ب) یہ ان کی پیدائش تھی لیکن اب ان کے قیام و اجراء کے لیے ضروری تھا کہ احکام و قوانین ہوں اور نافذ ہو جائیں پس اس تمام کائنات ہستی پر اللہ کی فرمانروائی نافذ ہو گئی یعنی اس کا تخت حکومت بچھ گیا- اس کے احکام کے آگے سب جھک گئے-

(ج) یہ احکام و قوانین کس طرح نافذ ہوئے؟ اس طرح کہ سورج اور چاند کو دیکھو، احکام الٰہی نے کس طرح انہیں مسخر کر رکھا ہے؟ ہاں

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ
مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ
ع اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۞ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى
وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۞ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

دوزخی ہوئے ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے!(۵)

اور (اے پیغمبر!) یہ تم سے برائی کے لیے جلدی مچاتے ہیں- قبل اس کے کہ بھلائی کے لیے خواستگار ہوں- حالانکہ ان سے پہلے ایسی سرگزشتیں گزر چکی ہیں جن کی (دنیا میں) کہاوتیں بن گئیں- (مگر یہ ہیں کہ عبرت نہیں پکڑتے) تو اس میں شک نہیں کہ تیرا پروردگار لوگوں کے ظلم سے بڑا ہی درگزر کرنے والا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ تیرا پروردگار سزا دینے میں بڑا ہی سخت ہے!(۶)

اور جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں ''اس آدمی پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری؟'' حالانکہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دینے والا ایک رہنما ہے اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہوا ہے- (۷) (اللہ کے علم کا تو یہ حال ہے کہ وہ) جانتا ہے ہر مادہ کے پیٹ میں کیا ہے (یعنی کیسا بچہ ہے) اور کیوں پیٹ گھٹتے ہیں اور کیوں بڑھتے ہیں (یعنی درجہ بدرجہ شکم مادر میں کیسی کیسی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں) اس کے یہاں ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے- (۸) وہ غیب اور شہادت (یعنی محسوس اور غیر محسوس

برابر ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے- ان کی سیر و گردش کے لیے جو میعادیں ٹھہرا دی گئی ہیں ٹھیک ٹھیک اس کے مطابق چل رہے ہیں-

پھر اس کے بعد اس معاملہ کی وضاحت کر دی کہ "یدبر الامر" اور یہاں یہی بات بنائے استدلال ہے- یعنی یہ سب کچھ جو ہوا اور ہو رہا ہے اس حقیقت کی شہادت ہے کہ یہاں تدبیر امور کرنے والا ایک ہاتھ موجود ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ یہ سب کچھ ظہور میں آ جاتا اور قائم و جاری رہتا اور اگر تدبیر امور کی قوت کام کر رہی ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اعمال انسانی کے لیے اس نے کوئی انتظام نہ کیا ہو اور انسانی زندگی ایک فعل عبث کی طرح رائگاں جائے؟

(۳) آیت (۲) میں عالم سماویہ کا ذکر کیا تھا- آیت (۳) میں فرمایا زمین کو دیکھو- وہ ایک گیند کی طرح مدوّر اور گول ہے لیکن اس کی سطح کا ہر حصہ ایسا واقع ہوا ہے کہ گولائی محسوس ہی نہیں ہوتی- ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ایک مسطح فرش بچھا ہوا ہو- پھر اس میں پہاڑ پیدا کر دیے گئے جن کی چوٹیوں پر برف جمتی اور پگھلتی رہتی ہے اور اس طرح ان نہروں کی روانی کا سامان ہوتا رہتا ہے جو میدانی زمینوں سے گزرتی ہیں اور انہیں سیراب کرتی رہتی ہیں!

پھر زمین میں روئیدگی کی کیسی عجیب و غریب قوت پیدا کر دی کہ اس کی تمام سطح طرح طرح کی خوش ذائقہ غذاؤں کا خوان نعمت بن گئی ہے؟ ہر طرح کے پھلوں کے درخت ہیں، ہر طرح کے دانوں کی فصلیں ہیں- سب میں دو دو قسموں اور جوڑوں کا قانون کام کر رہا ہے- اس اعتبار سے بھی کہ نباتات کی کوئی قسم نہیں جس میں حیوانات کی طرح نر اور مادہ کی جنسی تقسیم نہ ہو اور اس اعتبار سے بھی کہ ہر

الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ⑨ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ
بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ⑩ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ
لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ
السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

دونوں کا) جاننے والا ہے- سب سے بڑا بلند مرتبہ! (۹)

تم میں کوئی چپکے سے کوئی بات کہے یا پکار کے کہے، رات کی تاریکی میں چھپا ہو یا دن کی روشنی میں راہ چل رہا ہو، ساری حالتیں اس کے لیے یکساں ہیں (اس کے علم سے کوئی بات مخفی نہیں)- (۱۰)

انسان کے آگے اور پیچھے ایک کے بعد ایک آنے والی (قوتیں) ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتی ہیں- اللہ کبھی اس حالت کو نہیں بدلتا جو کسی گروہ کو حاصل ہوتی ہے جب تک کہ وہ خود ہی اپنی صلاحیت نہ بدل ڈالے- اور (پھر) جب اللہ چاہتا ہے کسی گروہ کو (اس کی تغیر صلاحیت کی پاداش میں مصیبت پہنچے تو مصیبت پہنچ ہی کر رہتی ہے- وہ) کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس کا کارساز ہو- (۱۱)

وہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے- وہ دلوں میں ہراس بھی پیدا کر دیتی ہے اور امید بھی- اور وہی ہے جو بادلوں کو (پانی سے) بوجھل کر دیتا ہے (۱۲) اور بادلوں کی گرج اس کی ستائش کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کی دہشت سے سرگرم ستائش رہتے

درخت کے پھل دو قسموں کے ضرور ہوتے ہیں- مثلاً کھٹے اور میٹھے- خوش ذائقہ اور بد ذائقہ- اچھی قسم کے اور گری ہوئی قسم کے- پھر اس کی حکمت فرمائی کا یہ کرشمہ دیکھو کہ رات دن کا دائمی انقلاب طاری ہوتا رہتا ہے جو نباتات کی روئیدگی اور پختگی کے لیے ضروری تھا- جب دن کی تپش انہیں خوب اچھی طرح گرم کر دیتی ہے، تو رات آتی ہے اور زمین کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس کی چادر کے تلے وہ خنکی و برودت کی مطلوبہ مقدار حاصل کر لیتے ہیں!

پھر ربوبیت الٰہی کی یہ کارفرمائی دیکھو کہ زمین کی سطح ایک ہے مگر اس کے مختلف قطعات یکساں نہیں- سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں لیکن اپنی روئیدگی اور پیداوار کی مختلف خدمتیں انجام دے رہے ہیں- ایک قطعہ میں باغ ہیں' ایک میں کھیت ہیں' ایک میں نخلستان ہیں- پھر اگرچہ زمین ایک ہے اور ایک ہی پانی سے ہر قطعہ سیراب ہوتا ہے لیکن ہر درخت کا پھل یکساں نہیں- کسی کا مزہ کچھ ہوتا ہے- کسی کا کچھ-

کائنات ہستی کے ان تمام کارخانوں کا اس نگرانی اور دقیقہ سنجی کے ساتھ نافع و کارآمد ہونا اور مخلوقات کی ضروریات زندگی کا اس عجیب و غریب کارفرمائی کے ساتھ انتظام پانا کیا اس حقیقت کا اعلان نہیں ہے کہ ایک پرورش کنندہ اور مدبر ہستی موجود ہے اور یہاں جو کچھ ہو رہا ہے کسی مقصد اور منتہیٰ کے لیے ہو رہا ہے؟

فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ
وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ
فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ سجدۃ

ہیں- وہ بجلیاں گراتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان کی زد میں لے آتا ہے لیکن یہ منکر ہیں کہ (اللہ کی قدرت وحکمت کی ان ساری نشانیوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے) اس (کی ہستی و یگانگت) کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں- حالانکہ وہ (اپنی قدرت میں) بڑا ہی سخت اور اٹل ہے! (۱۳)

اسی کو پکارنا سچا پکارنا ہے- جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ پکارنے والوں کی کچھ نہیں سنتے - ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی (پیاس کی شدت میں) دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے کہ بس (اس طرح کرنے سے) پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے گا حالانکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں-[1] اور (یقین کرو) منکرین حق کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں کہ ٹیڑھے رستوں میں بھٹکتے پھرنا! (۱۴)

اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے اللہ ہی کے آگے سجدہ میں گرا ہوا ہے (یعنی اللہ کے احکام وقوانین کے آگے جھکے بغیر اسے چارہ نہیں) خوشی سے ہو یا مجبوری سے- اور (دیکھو) ان کے سایے صبح وشام (کس طرح گھٹتے بڑھتے اور کبھی ادھر کبھی

(۴) آیت (۵) میں فرمایا کائنات ہستی کی ہر بات یقین دلا رہی ہے کہ یہ کارخانہ تدبیر وحکمت بغیر کسی مصلحت ومقصد کے نہیں ہو سکتا اور ضروری ہے کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو کہ پیدا ہوا' کھایا پیا اور فنا ہو گیا بلکہ اس کے بعد بھی کچھ نہ کچھ ہونے والا ہو- ورنہ تدبیر و مصلحت کا سارا کارخانہ باطل ہو جاتا ہے- لیکن اگر اس پر بھی لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے کہ حیات آخرت کی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تو اس سے زیادہ کون سی بات عجیب ہو سکتی ہے؟

عجب بات یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد پھر انسان پر ایک دوسری زندگی طاری ہوگی کیونکہ اس کی شہادت تو دنیا کی ہر چیز دے رہی ہے- عجیب بات یہ ہے کہ انسان صرف حیات دنیوی پر قانع ومطمئن ہو جائے اور سمجھ لے اس کی پیدائش سے جو کچھ مقصود تھا وہ صرف اتنا ہی تھا کہ ایک مرتبہ پیدا ہوا اور کچھ دنوں کھا پی کر مر گیا!

عقل وبینش کا مقتضا تو یہ تھا کہ اگر کہا جاتا، یہ زندگی صرف دنیا ہی کی زندگی ہے تو طبیعتیں کسی طرح مطمئن نہ ہوتیں اور شک وشبہ میں پڑ

[1] پانی کو مٹھی میں لینا چاہو تو وہ کسی جمی ہوئی چیز کی طرح کبھی مٹھی میں نہیں آئے گا- اس لیے عربی میں کہتے ہیں- فلاں آدمی قبض علی الماء کی کوشش کرتا ہے- یعنی ایسی بات کے درپے ہے جو ملنے والی نہیں- اردو میں بھی کہتے ہیں- پانی مٹھی میں بند کرنا چاہتا ہے- پس یہاں فرمایا- جو لوگ اپنے بنائے ہوئے معبودوں کو پکارتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا مٹھی میں پانی بند کرنا چاہے' حالانکہ یہ بات ہونے والی نہیں- وہ کتنی ہی مرتبہ پانی کو مٹھی میں لے گا' پانی ٹکے گا نہیں' اور اس کے لب تشنہ کے تشنہ ہی رہ جائیں گے-

قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلۡ اَفَاتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلۡ هَلۡ
يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ۙ اَمۡ هَلۡ تَسۡتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوۡرُ ۚ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ
خَلَقُوۡا كَخَلۡقِهٖ فَتَشَابَهَ الۡخَلۡقُ عَلَيۡهِمۡ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ۞ ١٦
اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌ ۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا

ادھر ہو جایا کرتے ہیں)۔ (۱۵)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے پوچھو ''آسمانوں کا اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ تم کہو ''اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں'' پھر ان سے کہو ''جب وہی پروردگار ہے تو پھر یہ کیا ہے کہ تم نے اس کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے جو خود اپنی جانوں کا نفع نقصان بھی اپنے اختیار میں نہیں رکھتے؟'' نیز ان سے کہو ''کیا اندھا اور دیکھنے والا دونوں برابر ہیں؟ یا ایسا ہو سکتا ہے کہ اندھیرا اور اجالا برابر ہو جائے؟

یا پھر یہ بات ہے کہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اسی طرح مخلوقات پیدا کی جس طرح اللہ نے پیدا کی ہے اور اس لیے پیدا کرنے کا معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا (کہ صرف اللہ ہی کے لیے نہیں ہے۔ دوسروں کے لیے بھی ہو سکتا ہے؟) تم ان سے کہو ''اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ (اپنی باتوں میں) یگانہ ہے' سب کو مغلوب رکھنے والا!'' ۔ (۱۶)

اس نے آسمان سے پانی برسایا تو اپنی سمائی کے مطابق وادیاں بہ نکلیں اور میل کچیل سے جھاگ بن بن کر پانی کی سطح پر اٹھا تو سیلاب کی رو اسے بہا لے گئی۔ اور دیکھو اسی طرح کا جھاگ (میل کچیل سے) اس وقت بھی اٹھتا ہے جب لوگ زیور یا کوئی

جاتیں کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ لیکن منکرین حشر کی عقل وبینش کا یہ حال ہے کہ انہیں کہا جا رہا ہے، زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے اور وہ ہیں کہ حیران ہو کر کہتے ہیں۔ جب مر گئے اور گل سڑ کر مٹی ہو گئے تو کیا پھر ہمیں زندگی کا ایک نیا جامہ مل جائے گا؟

(۵) آیت (۶) میں انکار وجود کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انسان بھلائی کی جگہ برائی کے لیے جلدی مچانے لگتا ہے۔ یعنی کہنے لگتا ہے اگر انکار وبدعملی کا برا نتیجہ نکلنے والا ہے تو وہ نتیجہ کہاں ہے؟ کیوں پیش نہیں آ جاتا؟ فرمایا اس لیے کہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور درگزر کرنے والا ہے پس فوراً نتیجہ بد پیش نہیں آ جاتا۔ مہلتوں پر مہلتیں دی جاتی ہیں لیکن جب وقت آ جائے تو وہ شدید العقاب بھی ہے۔ کیونکہ پاداش عمل کبھی ٹلنے والی نہیں اور نہ کسی طرح کی نرمی کرنے والی ہے۔

(۶) انسان کی ایک عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے کہ وہ سچائی کو سچائی میں نہیں ڈھونڈتا بلکہ دوسری چیزوں میں تلاش کرتا ہے۔ از اں جملہ یہ کہ اچنبھوں اور عجائب کاریوں کو سچائی کی دلیل سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے سب سے زیادہ سچا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ عجیب وغریب ہو!

قرآن نے جن بنیادی گمراہیوں کا ازالہ کیا' من جملہ ان کے ایک گمراہی یہ ہے۔ اس نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ دعوت حق کی شناخت خود دعوت ہے نہ کہ عجائب وغرائب کا ظہور جسے لوگوں نے دلیل صداقت سمجھ رکھا تھا۔

آیت (۷) میں فرمایا۔ یہ لوگ کہتے ہیں عجیب وغریب قسم کی نشانیاں اس شخص کے لیے کیوں ظاہر نہیں ہوتیں؟ لیکن وہ نہیں جانتے کہ انبیاء کا ظہور عجائب نمائیوں کے لیے نہیں ہوتا۔ ہدایت خلق کے لیے ہوتا ہے۔ جس طرح دنیا کی ہر قوم میں ایک ہدایت کرنے والا انسان پیدا

يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ
وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ
كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؔ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا
لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ
الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ع

وقف النبی علیہ السلام

اور چیز بنانے کے لیے (دھاتوں کو) آگ میں تپاتے ہیں- حق اور باطل کے معاملہ کی مثال ایسی ہی سمجھو جو اللہ بیان کر دیتا ہے- پس (میل کچیل کا) جھاگ (جو کسی کام کا نہ تھا) رائگاں گیا اور جس چیز میں انسان کے لیے نفع تھا وہ زمین میں رہ گئی- اسی طرح اللہ (لوگوں کی سمجھ بوجھ کے لیے) مثالیں بیان کر دیتا ہے! (۱۷)

جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم قبول کیا تو ان کے لیے سر تا سر خوبی ہے- جنہوں نے قبول نہیں کیا (ان کے تمام اعمال رائگاں جائیں گے- وہ نامرادی و بدحالی سے کسی طرح بچ نہیں سکتے) اگر کرۂ ارضی کی تمام دولت ان کے اختیار میں آ جائے اور اسے دوگنا کر دیا جائے تو یہ لوگ اپنے بدلہ میں ضرور اسے بطور فدیہ کے دے دیں (کہ کسی طرح عذاب نامرادی سے بچاؤ مل جائے مگر انہیں ملنے والا نہیں) یہی لوگ ہیں جن کے لیے حساب کی سختی ہے اور ٹھکانا جہنم، اور (جس کا ٹھکانا جہنم ہو تو) کیا ہی برا ٹھکانا ہے! (۱۸)

(اے پیغمبر!) کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ دونوں آدمی برابر ہو جائیں؟ وہ، جو یہ بات جان گیا ہے کہ جو بات تجھ پر تیرے پروردگار کی

ہو چکا ہے- اسی طرح تم بھی ہدایت کے لیے ظاہر ہوئے ہو- تمہارا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ میں اچنبھے دکھانے کے لیے آیا ہوں- دعویٰ یہ ہے کہ ہدایت کی راہ دکھانے آیا ہوں- پس طالب حق کو دیکھنا چاہیے کہ تمہاری زندگی، تمہاری تعلیم، تمہارا طور طریقہ واقعی ہدایت کا ہے یا نہیں ہے؟

یہی بات آگے چل کر آیت (۲۷) میں بھی فرمائی ہے اور وہاں زیادہ وضاحت ہو گئی ہے- فرمایا ﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ جو ایمان لائے ہیں وہ تو اس طرح لائے ہیں کہ ذکر الٰہی سے ان کے دلوں کو قرار مل گیا- تمام شکوک دور ہو گئے- انہیں اس کی ضرورت نہ ہوئی کہ اچنبھوں کی فرمائش کرتے-

پھر آیت (۸) میں فرمایا اللہ کے علم سے کوئی بات اور کوئی حالت پوشیدہ نہیں اور اس نے ہر بات کے لیے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے- اس سے باہر کوئی بات نہیں جا سکتی پس وہ تمہاری نیتوں اور خیالوں سے بے خبر نہیں- اس نے ہدایت و شقاوت کے معاملہ کے لیے بھی اندازے ٹھہرا دیے ہیں- جو ہدایت پائے گا اسی کے مطابق پائے گا، جو نہیں پائے گا اسی کے مطابق نہیں پائے گا-

(۷) ہدایت و شقاوت کا یہ اندازہ یعنی مقررہ قانون کیا ہے؟ آیت (۱۱) میں فرمایا عمل اور صلاحیت عمل کا قانون ہے- یہی ایک کے بعد ایک آنے والی قوتیں ہیں جو حکم الٰہی سے انسان کی حفاظت کرتی ہیں- یہ اس کے گزشتہ اعمال ہیں جن سے اس کا حال پیدا ہوتا ہے اور حال کے اعمال ہیں جو اس کا مستقبل بناتے ہیں-

پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل ڈالے- یعنی اصل اس بارے

الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝١٩ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا
يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝٢٠ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ
سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝٢١ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝٢٢ جَنّٰتُ
عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ

جانب سے اتری ہے، حق ہے اور وہ جو (اس حقیقت کے مشاہدہ سے) اندھا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہی لوگ سمجھتے بوجھتے ہیں جو دانشمند ہیں! (۱۹)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ اپنا عہد (عبودیت) پورا کرتے ہیں - اپنا قول وقرار توڑنے والے نہیں! (۲۰)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا انہیں جوڑے رکھتے ہیں، اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، حساب کی سختی کے خیال سے اندیشہ ناک رہتے ہیں! (۲۱) اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے محبت کرتے ہوئے (ہر طرح کی ناگواریوں اور سختیوں میں) صبر کیا، نماز قائم کی، جو کچھ روزی انہیں دے رکھی ہے اس میں سے خرچ کرتے رہے، پوشیدگی میں بھی اور کھلے طور پر بھی - انہوں نے برائی کے مقابلہ میں برائی نہیں کی - جب پیش آئے اچھائی ہی سے پیش آئے - تو (بلاشبہ) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے - (۲۲) ہیشگی کے باغ جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے آباؤ اجداد، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک کردار ہوں گے وہ بھی جگہ پائیں گے اور (وہاں کی زندگی ایسی ہوگی کہ) ہر دروازہ سے

میں خود انسان کا عمل ہے - وہ جیسی حالت چاہے اپنے عمل اور صلاحیت عمل سے حاصل کر لے سکتا ہے - اگر ایک قوم بدحال ہے اور وہ اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کر لیتی ہے جس سے خوشحالی پیدا ہو سکتی ہے تو خدا کا قانون یہ ہے کہ یہ تبدیلی فوراً اس کی حالت بدل دے گی - اور بدحالی کی جگہ خوشحالی آ جائے گی - اسی طرح خوشحالی سے بدحالی کا تغیر بھی سمجھ لو -

پھر فرمایا جب ایک قوم نے اپنی عملی صلاحیت کھو دی اور اس طرح تبدیل حالت کی مستحق ہوگئی تو ضروری ہے کہ اسے برائی پہنچے - یہ برائی کبھی ٹل سکتی نہیں کیونکہ یہ خود خدا کی جانب سے ہوتی ہے - یعنی اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کا نفاذ ہوتا ہے اور خدا کے قانون کا نفاذ کون ہے جو روک سکے اور کون ہے جو کسی کو اس کی زد سے بچا سکے؟

(۸) لیکن یہ برائی جو پہنچتی ہے تو کیا اس لیے پہنچتی ہے کہ اس نے برائیوں کا سامان کر دیا ہے؟ آیت (۱۲) میں فرمایا کہ نہیں، اس نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ بجز اچھائی اور خوبی کے اور کچھ نہیں ہے - لیکن اچھائی اور خوبی کی بڑی سے بڑی بات بھی تمہاری عاجز اور درماندہ نگاہوں کے لیے خوف و دہشت کی ہولناکی بن جاتی ہے - تم اپنی حالت اور اضافت کے لحاظ سے سمجھنے لگتے ہو کہ برائی ہے اور تمہارے لیے برائی ہو بھی جاتی ہے لیکن اس لیے نہیں کہ وہ فی نفسہ برائی ہے بلکہ اس لیے کہ تمہاری حالت اور اضافت کے لحاظ سے برائی ہوگئی:

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت ست
چوں بہ ما نسبت کنی کفر آفت ست

یہ مقام تشریح طلب ہے اور تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مبحث ''برہان رحمت'' دیکھنا چاہیے -

عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ
عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۙ
اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ع ۹
لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿٢٧﴾

فرشتے ان پر آئیں گے اور کہیں گے (۲۳) ''یہ جو تم نے (دنیا کی زندگی میں) صبر کیا تو اس کی وجہ سے (آج) تم پر سلامتی ہو'' پھر کیا ہی اچھا عاقبت کا ٹھکانا ہے جو ان لوگوں کے حصہ میں آیا؟ (۲۴)

اور جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کا عہد مضبوط کرنے کے بعد پھر اسے توڑ دیتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں قطع کر ڈالتے ہیں اور ملک میں شر و فساد برپا کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا ٹھکانا! (۲۵)

اللہ جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے۔ (جس کی چاہتا ہے) نپی تلی کر دیتا ہے۔ لوگ دنیا کی (چند روزہ) زندگی (اور اس کے عارضی فوائد) پر شادمانیاں کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی زندگی تو آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ محض تھوڑا سا برت لینا ہے! (۲۶)

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ کہتے ہیں ''ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس شخص پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی (عجیب و غریب) نشانی اترتی؟'' (اے پیغمبر ﷺ!) تم کہہ دو ''اللہ جسے چاہتا ہے (کامیابی و سعادت کی) راہ میں گم کر دیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع ہوتا ہے تو اسے اپنی طرف سے بڑھنے کی راہ دکھا دیتا ہے'' (۲۷)

چنانچہ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے ایک ایسی مثال بیان کی جو ہر انسان کے علم و مشاہدہ میں ہمیشہ آتی رہتی ہے۔ فرمایا بجلی کا چمکنا مایوسیوں کے لیے پیام امید ہوتا ہے۔ اگر نہ چمکے تو باران رحمت کے ظہور کا پیام بھی نہ ملے۔ لیکن تمہارے لیے یہ معاملہ خوف و امید کا معاملہ بن گیا۔ بارش کی امید سے خوش ہوتے ہو۔ لیکن ساتھ ہی بجلی کی تیزی سے ڈرنے بھی لگتے ہو۔ پھر وہی بجلی جو زمین کے لیے زندگیوں کا پیام ہے جب کسی انسان پر گرتی ہے تو اس کے لیے موت کا پیام بن جاتی ہے۔ اسی طرح بادل کا گرجنا تمہارے لیے سرتاسر دہشت و ہولنا کی ہے حالانکہ وہ فی الحقیقت ہولنا کی نہیں ہے۔ سرتاسر خدا کی محمودیت کا اعلان ہے۔ وہ گرج گرج کر اس کی ستائشوں کا اعلان کرتا، اس کی تقدیس و تسبیح میں رطب اللسان ہوتا ہے۔ فرشتے اس کے خوف سے نہیں ڈرتے' خدا کے خوف سے ترساں رہتے ہیں۔ مگر تمہارے لیے وہ کائنات جو کی سب سے بڑی ہولنا کی ہو گئی ہے!

''وهم يجادلون في الله'' یعنی اللہ کی قدرت و حکمت کی یہ نشانیاں ہمیشہ انسان کے علم و مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں۔ اس پر بھی اس کی غفلت کا یہ حال ہے کہ اللہ کی ہستی اور اس کی یگانگت کے بارے میں ہمیشہ جھگڑتا رہتا ہے گویا یہ حقیقتیں ثابت نہیں، یہ نشانیاں کبھی ظہور ہی میں نہیں آئیں!

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ
اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ

(جو اس کی طرف رجوع ہوئے تو یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو گئے- اور یاد رکھو یہ اللہ کا ذکر ہی ہے جس سے دلوں کو چین اور قرار ملتا ہے (اور شک و شبہ اور خوف و غم کے سارے کانٹے نکل جاتے ہیں!)(۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو ان کے لیے خوش حالیاں ہیں اور (بالآخر) بہت اچھا ٹھکانا!(۲۹)

اور (اے پیغمبر!) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے تجھے ایک امت کی طرف بھیجا جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں (اور ان سب میں سچائی کے پیغامبر اپنے اپنے وقتوں میں ظاہر ہو چکے ہیں) اور اس لیے بھیجا کہ جو بات تجھ پر اتاری ہے وہ ان لوگوں کو پڑھ کر سنا دے اور ان کا حال یہ ہے کہ سرے سے خدائے رحمٰن ہی کے قائل نہیں- تم (ان سے) کہہ دو "وہی میرا پروردگار ہے، کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی- اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں!"(۳۰)

اور (دیکھو) اگر ایسا ہو سکتا کہ کسی قرآن سے پہاڑ چلنے لگتے یا زمین کی (بڑی بڑی) مسافتیں طے ہو

---

(۹) قرآن کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ توحید ربوبیت و خالقیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی آیت (۱۴) سے سلسلہ بیان اسی طرف پھر گیا ہے- فرمایا عبودیت کی سچی پکار وہی ہے جس کا خطاب اللہ سے ہو- جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مٹھی میں پانی بند کرنا چاہے اور اسے اپنے تشنہ لبوں تک لے جانا چاہے- معلوم ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کبھی کامیاب نہ ہوگا، اس کی کوششیں بھٹک بھٹک کر رہ جائیں گی-

آیت (۱۵) میں فرمایا- تمام مخلوقات اسی کے آگے چار و ناچار جھکی ہوئی ہے- کوئی مانے یا نہ مانے لیکن ہر آنکھ دیکھ سکتی ہے کہ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں- تم جو احکام الٰہی سے سرتابی کرنی چاہتے ہو خود اپنے سایے کو دیکھ لو- جو اندازہ اس بارے میں بنا دیا گیا ہے اس سے کبھی وہ باہر نہیں جا سکتا- صبح کو چڑھتی دھوپ میں اس کا ایک خاص ڈھنگ ہوتا ہے، شام کو ڈھلتی دھوپ میں ایک خاص ڈھنگ- اگر غور کرو تو قدرت الٰہی کے احکام و قوانین کے آگے ٹھیک اسی طرح تمہاری ہستیاں بھی مسخر ہیں- خواہ تمہیں اقرار ہو خواہ انکار-

(۱۰) آیت (۱۷) مہمات معارف میں سے ہے اور سورت کے تمام مواعظ کے لیے مرکزی موعظت ہے- فرمایا- یہ جو کچھ بھی ہے "حق" اور "باطل" کی آویزش ہے- لیکن "حق" اور "باطل" کی حقیقت کیا ہے؟ کون سا قانون الٰہی ہے جو اس کے اندر کام کر رہا ہے؟ یہاں واضح کیا ہے کہ یہ "بقائے انفع" کا قانون ہے یعنی اللہ نے کائنات ہستی کے قیام و اصلاح کے لیے یہ قانون ٹھہرا دیا ہے کہ یہاں وہی چیز باقی رہ سکتی ہے جس میں نفع ہو- جس میں نفع نہیں وہ ٹھہر نہیں سکتی- اسے نابود ہو جانا ہے-

اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ
وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
ع ۵ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫

جاتیں یا مردے بول اٹھتے (تو ضرور اس قرآن سے بھی ایسا ہی ہوتا) مگر نہیں، ساری باتوں کا اختیار اللہ ہی کو ہے (اور اس کی یہ سنت نہیں کہ ایسا کرے- وہ اپنا کلام ارشاد وہدایت کے لیے نازل کرتا ہے- نہ کہ عجائب آفرینیوں کے لیے) پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں کیا وہ (اس بات سے) مایوس نہیں ہو گئے کہ (نہ ماننے والے کبھی ماننے والے نہیں؟ کیا انہوں نے یہ بات نہیں پالی کہ) اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو (ایک ہی) راہ حق دکھا دیتا؟ (مگر اس نے ایسا نہیں چاہا- اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں استعداد وعمل کی آزمائشیں ہوں) اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (وہ یوں ماننے والے نہیں) انہیں ان کے کرتوتوں کی پاداش میں کوئی نہ کوئی سخت عقوبت پہنچتی ہی رہے گی یا ایسا ہوگا کہ ان کے ٹھکانے کے قریب ہی آ نازل ہوگی یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے جب اللہ کا وعدہ ظہور میں آنے والا ہے- بلاشبہ (اس کا وعدہ سچا ہے) وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا! (۳۱) اور (اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے بھی ایسا ہی ہو چکا ہے کہ پیغمبروں کی ہنسی اڑائی گئی اور ہم نے (اپنے مقررہ قانون کے مطابق) پہلے انہیں ڈھیل دی، پھر گرفتار کر لیا-

اس نازک اور دقیق حقیقت کے لیے کیسی صاف اور عامۃ الورود مثال بیان کر دی جس کے معاینہ سے کوئی انسانی نگاہ بھی محروم نہیں ہو سکتی؟ فرمایا- جب پانی برستا ہے اور زمین کے لیے شادابی وگل ریزی کا سامان مہیا ہونے لگتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ تمام وادیاں نہروں کی طرح رواں ہو جاتی ہیں لیکن پھر کیا تمام پانی رک جاتا ہے؟ کیا میل کچیل اور کوڑا کرکٹ اپنی اپنی جگہ تھمے رہتے ہیں؟ کیا زمین کی گود ان کی حفاظت کرتی رہتی ہے؟ نہیں زمین کو اپنی نشوونما کے لیے جس قدر پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ جذب کر لیتی ہے، ندی نالوں میں جس قدر سمائی ہوتی ہے اتنا پانی وہ روک لیتے ہیں، باقی پانی جس تیزی کے ساتھ گرا تھا ویسی ہی تیزی سے بہ بھی جاتا ہے- میل کچیل کوڑا کرکٹ جھاگ بن بن کر سمٹتا اور ابھرتا ہے- پھر پانی کی روانی اسے اس طرح اٹھا کر لے جاتی ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد وادی کا ایک ایک گوشہ دیکھ جاؤ- کہیں ان کا نام ونشان بھی نہیں ملے گا!

اسی طرح جب چاندی، سونا یا اور کسی طرح کی دھات آگ پر تپاتے ہو تو کھوٹ الگ ہو جاتا ہے، خالص دھات الگ نکل آتی ہے- کھوٹ کے لیے نابود ہو جانا ہے- خالص دھات کے لیے باقی رہنا!

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ یہاں بقائے انفع کا قانون کام کر رہا ہے- یہاں باقی رہنا اسی کے لیے ہے جو نافع ہو- جو نافع نہیں وہ چھانٹ دیا جائے گا- یہی حقیقت ''حق'' اور ''باطل'' کی ہے- ''حق'' وہ بات ہے جس میں نفع ہے پس وہ کبھی ٹلنے والی نہیں- ٹکنا، ثابت ہونا، باقی رہنا اس کا قدرتی خاصہ ہے اور ''حقق'' کے معنی ہی قیام وثبات کے ہیں- لیکن باطل وہ ہے جو نافع نہیں اس لیے اس کا قدرتی خاصہ ہی یہ ہوا ہے کہ مٹ جائے، محو ہو جائے، ٹل جائے- ﴿ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا! ﴾

اسی حقیقت کا ایک گوشہ ہے جسے ہم نے ''بقائے اصلح'' کی شکل میں دیکھا ہے- لیکن قرآن نے ''اصلح'' نہیں کہا ''انفع'' کہا- کیونکہ صالح

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾ أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۖ قُلْ
سَمُّوهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا
مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُم مِّنَ اللّٰهِ مِن وَّاقٍ ﴿٣٤﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ

تو دیکھو ہمارا ٹھہرایا ہوا بدلہ کیسا تھا اور کس طرح ظہور میں آیا؟ (۳۲)

پھر جس ہستی کے علم و احاطہ کا یہ حال ہے کہ ہر جان پر نگاہ رکھتی ہے کہ اس نے اپنے عملوں سے کیسی کمائی کی؟ (وہ کیا ان ہستیوں کی طرح سمجھ لی جاسکتی ہے جنہیں ان لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے؟) اور انہوں نے اللہ کے لیے شریک ٹھہرا رکھے ہیں۔ (اے پیغمبر!) ان سے پوچھ "وہ کون ہیں؟ ان کے اوصاف بیان کرو۔ یا پھر تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دینی چاہتے ہو جو خود اسے بھی معلوم نہیں کہ زمین میں کہاں ہے؟ یا پھر محض ایک دکھاوے کی بات ہے جس کی تہ میں کوئی اصلیت نہیں؟" اصل یہ ہے کہ منکروں کی نگاہوں میں ان کی مکاریاں خوشنما بن گئیں اور راہ حق میں قدم اٹھانے سے رک گئے اور جس پر اللہ (کامیابی کی) راہ بند کر دے تو کون ہے جو اسے راہ دکھانے والا ہو سکتا ہے؟ (۳۳)

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت میں بھی، اور آخرت کا عذاب یقیناً بہت زیادہ سخت ہوگا۔ اور کوئی نہیں جو انہیں اللہ (کے قوانین کی پکڑ) سے بچا سکے! (۳۴) متقی انسانوں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے

وہی ہے جو نافع ہو۔ کارخانہ ہستی کی فطرت میں بناوٹ اور تکمیل ہے اور تکمیل جب ہی ہو سکتی ہے جب کہ صرف نافع اشیاء ہی باقی رکھی جائیں۔ غیر نافع چھانٹ دی جائیں۔

یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے جابجا "قضاء بالحق" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یعنی حق کا فیصلہ۔ مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

پھر آیت (۱۸) میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ اسی قانون کا یہ نتیجہ ہے کہ جو لوگ احکام حق قبول کرتے ہیں ان کے لیے خوبی ہوتی ہے۔ جو نہیں کرتے ان کے لیے محرومی ہوتی ہے۔ کیونکہ جنہوں نے قبول کیا ان کے اعمال نافع ہو گئے۔ اب نافع عمل مٹ نہیں سکتا جنہوں نے انکار کیا وہ غیر نافع ہو گئے۔ غیر نافع باقی نہیں رہ سکتا!

(۱۱) آیت (۱۹) میں فرمایا: جسے حق کا علم و عرفان حاصل ہو گیا اور جس نے جان لیا کہ یہ بات سچائی ہے یہ سچائی نہیں، کیا اس کا اور اس آدمی کا ایک ہی حکم ہو سکتا ہے جو تاریکی میں ہے اور حق کے مشاہدہ سے اندھا ہو رہا ہے؟ یعنی پہلا تو علم و بصیرت پیش کر رہا ہے۔ دوسرے کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں کہ کہتا ہے مجھے دکھائی نہیں دیتا۔ پس پہلے کی جگہ علم کی ہوئی۔ دوسرے کی جہل و کوری کی ہوئی۔ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ ﴿ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴾ نصیحت پذیر وہی ہو سکتے ہیں جو اصحاب دانش ہیں۔ جنہوں نے دانش و فہم سے منہ موڑ لیا ان سے کوئی توقع نہیں۔

(۱۲) اس کے بعد ان لوگوں کے اعمال گنائے ہیں جنہوں نے احکام حق قبول کیے اور دنیا کے لیے نافع ہو گئے۔ یہ اعمال کیا کیا ہیں؟

(ا) اللہ کی بندگی کا عہد پورا کرتے ہیں۔ اپنی عبودیت میں سچے اور کامل ہیں۔

(ب) اللہ نے جو رشتے جوڑ دیے ہیں انہیں ظلم و ناانصافی سے توڑتے نہیں بلکہ ہر رشتہ کا پاس کرتے اور ہر علاقہ کا حق ادا کرتے ہیں۔

الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ
النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ
اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَیْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا
عَرَبِیًّا ؕ وَ لَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے اور اس کے تلے نہریں رواں ہیں (جن کی آبیاری اسے ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھتی ہے) اس کے پھل دائمی ہیں (کبھی ختم ہونے والے نہیں) اس کے درختوں کی چھاؤں بھی ہیشگی کی (کبھی بدلنے والی نہیں) یہ ہے ان لوگوں کا انجام جنہوں نے تقویٰ کی راہ اختیار کی اور کافروں کا انجام آگ ہے! (۳۵)

اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں کو ہم نے کتاب (ہدایت) دی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں جو تجھ پر اتاری گئی ہے اور ان جماعتوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں اس کی بعض باتوں سے انکار ہے، تو تم کہہ دو "مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی بندگی کروں اور کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں - اسی کی طرف تمہیں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رخ ہے! (۳۶)

اور اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے اسے (یعنی قرآن کو) ایک عربی فرمان کی شکل میں اتارا (یعنی عربی زبان میں اتارا) اگر حصول علم کے بعد تو نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی تو سمجھ لے کہ پھر اللہ کے مقابلہ میں نہ تو تیرا کوئی کارساز ہوگا نہ بچانے والا! (۳۷)

اس عمل میں تمام حقوق العباد آ گئے جس طرح پہلی بات میں حقوق اللہ آ گئے ہیں-

(ج) آخرت کی فکر سے بے پروا نہیں ہوتے - جو کچھ کرتے ہیں، اس میں خوف آخرت کی کھٹک موجود ہوتی ہے - وہ یقین رکھتے ہیں کہ کسی کے آگے ایک دن حساب دینا ہے اور حساب کی سختی پیش آنے والی ہے-

(د) اللہ کی محبت میں ہر طرح کی ناگوار حالتیں صبر و ثبات کے ساتھ جھیل لیتے ہیں- شدتوں اور محنتوں سے منہ نہیں موڑتے - آزمائشوں کو پیٹھ نہیں دکھاتے -

(ہ) نماز اس کی ساری شرطوں کے ساتھ قائم رکھتے ہیں-

(و) جو کچھ کماتے ہیں اسے صرف اپنے نفس ہی پر خرچ نہیں کرتے - دوسروں پر بھی خرچ کرتے ہیں - اور ہر حال میں خرچ کرتے ہیں - کھلے طور پر بھی، پوشیدہ طور پر بھی-

(ز) بدی کے بدلے بدی کرنا ان کا شیوہ نہیں - کوئی ان کے ساتھ کتنی ہی برائی کرے یہ بھلائی ہی سے پیش آئیں گے!

(۱۳) آیت (۳۱) میں یہ حقیقت واضح کی کہ اللہ کی کتاب ہدایت خلق کے لیے نازل ہوتی ہے - عجائب آفرینیوں کے لیے نازل نہیں ہوئی - اگر کوئی کتاب اس لیے نازل ہوئی ہوتی کہ پہاڑوں کو چلا دے اور مردوں سے صدائیں نکال دے تو تم پر بھی ایسی ہی چیز اترتی، لیکن نہ ایسا ہوا ہے نہ اب ہوگا - اس طرح کی عجائب آفرینیوں کی فرمائش اس بات کی دلیل ہے کہ دلوں میں سچائی کی طلب نہیں - اگر طلب ہوتی تو پہاڑوں کے چلنے کا انتظار نہ کرتے - یہ دیکھتے کہ انسانوں کے دلوں کو کس راہ چلاتی ہے اور مردہ جسموں کی جگہ مردہ روحوں کو کس طرح زندہ کر دیتی ہے؟

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا
بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۳۸ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۳۹ وَاِنْ مَّا
نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۴۰ اَوَلَمْ يَرَوْا
اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۴۱

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے بھی (بے شمار) پیغمبر قوموں میں پیدا کیے اور (وہ تیری ہی طرح انسان تھے) ہم نے انہیں بیویاں بھی دی تھیں اور اولاد بھی، اور کسی پیغمبر کے لیے یہ بات نہ ہوئی کہ وہ (خود) کوئی نشانی لا دکھاتا مگر اسی وقت کہ اللہ کا حکم ہوا ہو- ہر وقت کے لیے ایک کتاب ہے- (۳۸) اللہ جو بات چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، جو چاہتا ہے نقش کر دیتا ہے- اور کتاب کی اصل و بنیاد اسی کے پاس ہے! (۳۹)

اور ہم نے ان لوگوں سے (یعنی کفار مکہ سے ظہور نتائج کے) جو وعدے کیے ہیں (کچھ ضرور نہیں کہ بیک دفعہ سب ظہور میں آ جائیں) ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض باتیں ہم تجھے تیری زندگی ہی میں دکھا دیں- ہوسکتا ہے کہ ان سے پہلے تیرا وقت پورا کر دیں- بہرحال جو کچھ تیرے ذمہ ہے وہ یہی ہے کہ پیام حق پہنچا دینا- ان سے (ان کے کاموں کا) حساب لینا ہمارا کام ہے- تیرا کام نہیں- (۴۰)

پھر کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم اس سرزمین کا قصد کر رہے ہیں؟ اسے اطراف سے گھٹاتے ہوئے (اور ظالموں پر عرصہ حیات تنگ کرتے ہوئے؟) اور اللہ ہے جو فیصلہ کرتا ہے- کوئی نہیں جو اس کا فیصلہ ٹال سکے- وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے! (۴۱)

---

(۱۴) آیت (۳۸) میں فرمایا: ﴿ لکل اجل کتاب ﴾ اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے- دوسرا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر بات کے مقررہ وقت کے لیے ایک نوشتہ ہے- یعنی طے شدہ میعاد ہے اور وہ اس سے پہلے ظہور میں نہیں آ سکتی-

(۱۵) آیت (۴۰) سے آخر سورت تک سورت کے تمام مواعظ کا خلاصہ ہے- فرمایا- تمہارے ذمے جو کچھ ہے وہ تو یہ ہے کہ پیام حق پہنچا دو- محاسبہ اللہ کا کام ہے اور وہ حساب لے کر رہے گا- ہوسکتا ہے کہ جن جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے تمہاری زندگی ہی میں ظاہر ہو جائیں- ہوسکتا ہے کہ تمہارے بعد ظہور میں آئیں- یہ بات کہ ان نتائج و عواقب کا ظہور تمہارے سامنے نہ ہوا، مواعید الٰہی کی صداقت پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتی-

یہ بات مختلف سورتوں میں بار بار کہی گئی ہے- معلوم ہوتا ہے اس سے مقصود صرف یہی نہیں تھا کہ مستقبل کی خبر دے دی جائے بلکہ یہ حقیقت بھی واضح کرنی تھی کہ کوئی شخصیت کتنی ہی اہم ہو لیکن پھر شخصیت ہے اور کاروبار حق کا معاملہ اس کی موجوگی و عدم موجودگی پر موقوف نہیں- جو کچھ ہونا چاہیے اور جو کچھ ہونے والا ہے بہرحال ہو کر رہے گا- خواہ پیغمبر اپنی زندگی میں اس کا ظہور دیکھ لے یا نہ دیکھ سکے-

پھر غور کرو، نتائج کا ظہور بھی ٹھیک ٹھیک اسی طرح ہوا- جن باتوں کی خبر دی گئی تھی ان کا بڑا حصہ تو خود پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی ہی میں ظاہر ہو گیا یعنی انہوں نے دنیا چھوڑنے سے پہلے تمام جزیرہ عرب کو حلقہ بگوش اسلام پایا- البتہ بعض باتوں کا ظہور آپ کے بعد ہوا- مثلاً منافقوں کا

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع

اور جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں انہوں نے بھی (دعوت حق کے مقابلہ میں) مخفی تدبیریں کی تھیں، سو (یاد رکھو) ہر طرح کی تدبیریں اللہ ہی کے لیے ہیں- وہ جانتا ہے کہ ہر انسان کیا کمائی کر رہا ہے- اور وہ وقت دور نہیں کہ کافروں کو معلوم ہو جائے گا کس کا انجام بہ خیر ہونے والا ہے! (۴۲)

(اے پیغمبر!) منکرین حق کہتے ہیں: تو خدا کا بھیجا ہوا نہیں- تو کہہ دے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے اور اس کی جس کے پاس کتاب کا علم ہے! (۴۳)

استیصال، بیرونی فتوحات کا حصول اور خلافت ارضی کے وعدہ کی تکمیل-

آیت (۴۱) میں خبر دی گئی ہے کہ وہ سریع الحساب ہے اس لیے ظہور نتائج کا وقت دور نہیں- نیز یہ کہ دعوت حق کی فتح مندی اس طرح ظہور میں آئے گی کہ بتدریج مکہ کے اطراف و جوانب قریش مکہ کے تسلط سے کٹتے جائیں گے اور بالآخر مکہ بھی فتح ہو جائے گا-

آخری آیت میں واضح کر دیا کہ حق و باطل کی موجودہ آویزش کا نقطہ نزاع کیا ہے؟ فرمایا- تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہو- منکر کہتے ہیں نہیں، تم بھیجے ہوئے نہیں- اب قانون قضاء بالحق کے مطابق فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اور اس کی شہادت بس کرتی ہے-

اللہ کی شہادت سے مقصود بھی قضاء بالحق اور بقائے انفع کے قانون کا نفاذ ہے جو ظاہر ہو کر بتلا دیتا ہے کہ حق کس کے ساتھ تھا اور باطل کا کون پرستار تھا- مزید تشریح کے لیے تفسیر سورہ فاتحہ کا مطالعہ کرو-

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُهَا: 52 سُوْرَةُ اِبْرٰهِیْمَ مَكِّیَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا: 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ
الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ وَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ
عَذَابٍ شَدِیْدِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۳﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ
لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۴﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى

الف-لام-را

یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے تا کہ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم کی تعمیل میں تاریکیوں سے نکالے اور روشنی میں لائے کہ غالب اور ستودہ خدا کی راہ ہے-(۱) وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے (اور سب اسی کے احکام کے آگے جھکے ہوئے ہیں) اور عذاب سخت کی خرابی ہے ان منکروں کے لیے(۲) جنہوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی پسند کرلی- جو اللہ کی راہ سے انسانوں کو روکتے ہیں اور چاہتے ہیں اس میں کجی ڈالیں- یہی لوگ ہیں کہ بڑی گہری گمراہی میں جا پڑے-(۳)

اور ہم نے کوئی پیغمبر دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ اپنی قوم ہی کی زبان میں پیام حق پہنچانے والا تھا تا کہ لوگوں پر مطلب واضح کردے- پس اللہ جس پر چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ گم کردیتا ہے، جس پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے- وہ غالب ہے حکمت والا!(۴)

اور دیکھو یہ واقعہ ہے کہ ہم نے اپنی نشانیوں کے ساتھ موسیٰ کو بھیجا تھا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکالے

---

(۱) اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انبیاء کے ظہور اور اس کے احوال و ظروف اور نتائج کو مجموعی طور پر پیش کیا گیا ہے-
بیان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ہے- یعنی اس باب میں ان کی موعظت نقل کی گئی ہے- پھر سلسلہ بیان دعوت قرآن کے ظہور پر متوجہ ہوگیا ہے اور واضح کیا ہے کہ جو نتائج ہمیشہ نکل چکے ہیں ویسے ہی نتائج اب بھی نکلیں گے-
آخر میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دعوت قرآن دراصل دعوت ابراہیمی کی تجدید ہے اور اسی عہد الٰہی کا ظہور ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا-
ایک خاص بات یہ بھی نمایاں ہے کہ خطاب کا رخ زیادہ تر روسائے قریش کی طرف ہے جن کے ہاتھ میں ملک کی ریاست و پیشوائی کی باگ تھی-

(۲) ہدایت روشنی ہے اور ضلالت تاریکی' سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تاریکی پھیل جاتی ہے تو وہ ہدایت وحی کے ذریعہ سے انسانوں کو تاریکی سے نکالتا اور روشنی میں لاتا ہے- چنانچہ قرآن کا ظہور اسی روشنی کا پیام ہے اور ایسا ہی پیام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی دیا تھا-

بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ
صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَظِيْمٌ ⑥ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ⑦ ع ۱۴

اور روشنی میں لانے - نیز یہ کہ اللہ کے (فیصلہ کن) واقعات کا تذکرہ کر کے وعظ و نصیحت کرے - کیونکہ ہر اس انسان کے لیے جو صبر و شکر کرنے والا ہے اس تذکرہ میں (عبرت و موعظت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں! (۵)

اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ موسیٰ نے اپنی قوم کو (وعظ و نصیحت کرتے ہوئے) کہا تھا: ''اللہ نے تم پر جو احسان کیے ہیں انہیں نہ بھولو - اس نے تمہیں خاندان فرعون (کی غلامی) سے نجات دی (اور یہ اس کا کتنا بڑا احسان ہے؟) وہ تمہیں کیسے جانکاہ عذابوں میں ڈالتے تھے؟ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے (تاکہ تمہاری تعداد بڑھنے نہ پائے) تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے (کہ ان کی باندیاں بن کر زندگی بسر کریں) دیکھو اس صورت حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے کیسی سخت آزمائش تھی؟'' (۶)

''اور کیا وہ وقت بھول گئے جب تمہارے پروردگار نے (اپنے اس قانون کا) اعلان کیا تھا ''اگر تم نے شکر کیا تو میں تمہیں اور زیادہ نعمتیں بخشوں گا اور اگر ناشکری کی تو پھر یاد رکھو میرا عذاب بھی بڑا ہی سخت عذاب ہے!'' (۷)

(۳) سورۂ ہود کے آخری نوٹ میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ کیوں گذشتہ اقوام کے وقائع و ایام کو ''ایام اللہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے - یہاں فرمایا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی الٰہی سے ایما ہوا تھا کہ اپنی قوم کو ''ایام اللہ'' کی عبرتیں اور بصیرتیں یاد دلائیں - کیونکہ ان میں صبر و شکر کرنے والوں کے لیے فتح و کامرانی کی بڑی بڑی نشانیاں پوشیدہ ہیں -

بنی اسرائیل مصر میں عرصہ تک مظلومی و مقہوری کی زندگی بسر کر چکے تھے - اس لیے طبیعتوں میں مایوسی و بے ہمتی سرایت کر گئی تھی - مستقبل کے فتح و اقبال کی بشارتیں سنتے مگر اپنے دل میں عزم و ثبات کے ولولے نہیں پاتے تھے - پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ انہیں ''ایام اللہ'' کے تذکرے سناؤ - ان تذکروں میں توانین حق کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں - یعنی بڑی بڑی دلیلیں ہیں - یہ دلیلیں واضح کر دیں گی کہ جو لوگ مصائب و محن کے مقابلہ میں ہمت نہیں ہار دیتے، سچائی کی راہ میں جمے رہتے ہیں اور سعی و عمل سے گھبراتے نہیں - ان کی کامیابی قطعی اور اٹل ہوتی ہے اور ہمیشہ ایسے ہی لوگ فتح و مراد سے ہم آغوش ہوتے ہیں!

یہی وجہ ہے کہ آیت (۵) میں فرمایا - اس تذکرہ میں صبر و شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں -

(۴) ''صبر'' کے معنی یہ ہیں کہ مشکلوں مصیبتوں کے مقابلہ میں جمے رہنا - ''شکر'' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں کی قدر کرنا اور انہیں ٹھیک ٹھیک کام میں لانا - آیت (۷) میں فرمایا - خدا کا یہ مقررہ قانون ہے کہ جو قوم شکر کرتی ہے - یعنی خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر بجا لاتی ہے اور انہیں ٹھیک طور پر کام میں لاتی ہے خدا اسے اور زیادہ نعمتیں عطا فرماتا ہے لیکن جو کفران نعمت کرتی ہے یعنی قدر شناسی نہیں

وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٨﴾ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا
الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا
تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٩﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ الثلثة
لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ قَالُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا
عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿١٠﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

اور موسیٰ نے کہا ''اگر تم اور وہ سب جو زمین میں بستے ہیں کفران نعمت کریں تو (اللہ کو اس کی کیا پروا ہو سکتی ہے؟) اللہ کی ذات تو بے نیاز اور ستودہ ہے (لیکن محرومی و ہلاکت خود تمہارے لیے ہوگی)'' (۸)

''پھر کیا تم تک ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں؟ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور وہ قومیں جو ان کے بعد ہوئیں اور جن کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے؟ ان تمام قوموں کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے لیکن انہوں نے ان کی باتیں انہی پر لوٹا دیں اور کان دھرنے سے انکار کر دیا - انہوں نے کہا - جو بات لے کر تم آئے ہو ہمیں اس سے انکار ہے اور جس بات کی طرف تم بلاتے ہو ہمیں اس پر یقین نہیں - ہم شک و شبہ میں پڑ گئے ہیں'' (۹)

ان رسولوں نے کہا ''کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے؟ وہ اللہ کہ آسمان و زمین کا بنانے والا ہے؟ وہ تمہیں بلا رہا ہے کہ تمہارے گناہ بخش دے اور ایک مقررہ وقت تک (زندگی و کامرانی کی) مہلتیں دے''

اس پر قوموں نے کہا ''تم اس کے سوا کیا ہو کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو - اور پھر چاہتے ہو جن معبودوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ان کی پوجا کرنے سے ہمیں روک دو - اچھا، (اگر ایسا ہی ہے تو) کوئی واضح دلیل پیش کرو'' (۱۰)

ان کے رسولوں نے جواب میں کہا ''ہاں ہم اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ تمہاری ہی طرح آدمی ہیں

کرتی، وہ محرومی و نامرادی کے عذاب میں گرفتار ہو جاتی ہے اور یہ اللہ کا سخت عذاب ہے، جو کسی انسانی گروہ کے حصے میں آتا ہے -

غور کرو حقیقت حال کی کتنی سچی تعبیر ہے؟ جو فرد یا گروہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر کرتا ہے - مثلاً خدا نے اسے فتح مندی و کامرانی عطا فرمائی ہے وہ اس نعمت کو پہچانتا، اسے ٹھیک طور پر کام میں لاتا اور اس کی حفاظت سے غافل نہیں ہوتا - وہ اور زیادہ نعمتوں کے حصول کا مستحق ہو جاتا ہے یا نہیں؟ جو ایسا نہیں کرتا کیا اس کی نامرادی و تباہی میں کوئی شک ہو سکتا ہے؟

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى
اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰٮنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ
اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ ع ۱۴
اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾

لیکن اللہ جس بندہ کو چاہتا ہے اپنے فضل و احسان کے لیے چن لیتا ہے- اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں کہ تمہیں کوئی سند لا دکھائیں مگر ہاں یہ کہ اللہ کے حکم سے ہو، اور اللہ ہی ہے جس پر ایمان رکھنے والوں کا بھروسہ ہے!''

''اور ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں؟ حالانکہ اسی نے ہماری (زندگی و معیشت کی) راہوں میں ہماری رہنمائی کی ہے- ہم ان ایذاؤں پر صبر کریں گے جو تم ہمیں دے رہے ہو، بس اللہ ہی ہے جس پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے!'' (۱۲)

اور منکروں نے اپنے رسولوں سے کہا ''ہم تمہیں اپنے ملک سے ضرور نکال باہر کریں گے یا پھر تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ'' (جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا) تو ہم نے رسولوں پر وحی بھیجی: ''اب ایسا ضرور ہوگا کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کر ڈالیں (۱۳) اور ان کے بعد تمہیں اس سرزمین میں جگہ دیں'' یہ ہے نتیجہ اس کے لیے جو ہماری (حکومت و عدالت کی) جگہ سے ڈرا- نیز (پاداش عمل کی) تنبیہ سے! (۱۴)

غرض کہ پیغمبروں علیہم السلام نے فتح مندی طلب کی اور ہر سرکش ضدی (جس نے حق کا مقابلہ کیا تھا) نامراد ہوا- (۱۵)

---

(۵) سورۂ ہود کے آخری نوٹ میں ایام و وقائع کا مبحث گزر چکا ہے- اسے پیش نظر رکھو اور دیکھو، یہاں تمام ایام و وقائع کے مجموعی نتائج و سنن کس طرح بیان کیے جا رہے ہیں اور کس طرح ان کے جزئیات کو ایک کلی حقیقت کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے- یعنی سب کا ظہور ایک ہی طرح ہوا تھا سب کے ساتھ ان کی قوموں نے ایک ہی طرح کا سلوک کیا تھا، سب کی دعوت ایک ہی تھی، سب کو جوابات ایک ہی طرح کے ملے تھے اور پھر نتیجہ بھی ہر واقعہ میں ایک ہی طرح کا نکلا- ہر رسول اور اس کے ساتھی کامیاب ہوئے، ہر سرکش اور مقابل نامراد ہوا-

قرآن کے یہی مقامات ہیں جنہوں نے ایام و وقائع کے سنن و بصائر صاف واضح کر دیے ہیں اور اس باب میں ہم نے جو مبادی و اصول مرتب کیے ہیں وہ تمام تر انہی تصریحات سے ماخوذ ہیں-

(۶) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا- کیا پچھلی قوموں کے ایام و وقائع تم تک نہیں پہنچے؟ یعنی تم نہیں سن چکے ہو؟ پھر تین قوموں کا ذکر کیا جن کے حالات سے نہ تو بنی اسرائیل بے خبر تھے نہ مصر کے باشندے بے خبر ہو سکتے تھے جہاں ان کی نشو و نما ہوئی تھی- بقیہ قوموں کا حال چونکہ اس درجہ مشہور نہ تھا اس لیے صرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا ﴿ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ میں یہ پہلو بھی موجود ہے

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۝١٦ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ
كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝١٧ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ
اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ
ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝١٨ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ
يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝١٩ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝٢٠ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ

اس کے پیچھے دوزخ ہے (یعنی دنیا کی نامرادی کے بعد آخرت کی نامرادی پیش آنے والی ہے) وہاں خون اور پیپ کا پانی پلایا جائے گا-(۱۶) وہ ایک ایک گھونٹ کر کے منہ میں لے گا اور گلے سے اتار نہ سکے گا- ہر طرف سے اس پر موت آئے گی مگر مرے گا نہیں-اس کے پیچھے ایک سخت عذاب لگا ہوا ہے!(۱۷)

جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا تو ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کا ڈھیر کہ آندھی کے دن ہوا لے اڑے- جو کچھ انہوں نے (اپنے اعمال کے ذریعہ سے) کمایا ہے اس میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آئے گا- یہی گمراہی کی حالت ہے جو بڑی ہی گہری گمراہی ہے!(۱۸)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو ایک فعل عبث کی طرح نہیں بنا دیا ہے، کسی مصلحت سے بنایا ہے- اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہٹا دے اور ایک نئی پیدائش نمودار کر دے-(۱۹) ایسا کرنا اس پر کچھ دشوار نہیں!(۲۰)

اور (دیکھو قیامت کے دن) سب لوگ اللہ کے روبرو حاضر ہو گئے- پس ناتوانوں نے سرکشوں سے کہا ''ہم (دنیا میں) تمہارے پیچھے چلنے والے تھے، پھر کیا آج تم ایسا کر سکتے ہو کہ اللہ کے عذاب سے کچھ بچاؤ کر دو؟''

کہ بہت سی قومیں تھیں جن کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے-تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے-

(۷) آیت (۱۰) پر غور کرو-قوموں کا ہمیشہ یہی جواب رہا کہ ہمیں تمہاری دعوت کی سچائی میں شک ہے، ہم نہیں مانتے لیکن پیغمبروں کی پکار بھی یہی رہی کہ ﴿ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ کس بارے میں تمہیں شک ہو رہا ہے؟ اللہ کے بارے میں جو آسمان و زمین کا بنانے والا ہے؟ یعنی اس ہستی کے بارے میں جس کا اعتقاد تمہاری فطرت کے خمیر میں موجود ہے اور تمہارے دل کا ایک ایک ریشہ کہہ رہا ہے کہ ایک ﴿ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ ہستی موجود ہے؟ دنیا کی ہر بات میں تم شک کر سکتے ہو لیکن اس بارے میں تم شک نہیں کر سکتے-تم کیونکر جرات کر سکتے ہو کہ اپنے دل کے یقین سے انکار کر دو، اپنی روح کے اعتقاد سے منکر ہو جاؤ' خود اپنی نسبت شک کرنے لگو؟

یہ قرآن کی معجزانہ بلاغت ہے کہ صرف ایک چھوٹے سے جملے اور استفہام تقریری میں وہ سب کچھ بیان کر دیا جو زیادہ سے زیادہ اس بارہ میں کہا جا سکتا ہے اور جو استدلال کی انتہا، اثبات کی تکمیل اور سارے برہانوں اور حجتوں کا جامع و مانع خلاصہ ہے-یعنی ﴿ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (تفصیل کے لیے دیکھو تفسیر سورۂ فاتحہ)

الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا كُنَّا لَـكُمۡ تَبَعًا فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّغۡنُوۡنَ عَنَّا مِنۡ عَذَابِ اللّٰهِ مِنۡ
شَیۡءٍ ؕ قَالُوۡا لَوۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ لَهَدَیۡنٰكُمۡ ؕ سَوَآءٌ عَلَیۡنَاۤ اَجَزِعۡنَاۤ اَمۡ صَبَرۡنَا مَا لَنَا مِنۡ مَّحِیۡصٍ ﴿۲۱﴾ ع ۳ ۹ ۱۵
وَقَالَ الشَّیۡطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الۡاَمۡرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمۡ وَعۡدَ الۡحَـقِّ وَ وَعَدْتُّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُكُمۡ ؕ وَمَا
كَانَ لِیَ عَلَیۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُكُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِیۡ ۚ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ
مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِكُمۡ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِیَّ ؕ اِنِّیۡ كَفَرۡتُ بِمَاۤ اَشۡرَكۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّ

انہوں نے کہا ''اگر اللہ ہم پر بچاؤ کی کوئی راہ کھولتا تو ہم بھی تمہیں کوئی راہ دکھاتے - (ہم تو خود بھی عذاب میں پڑے ہوئے ہیں) خواہ جھیل لیں، خواہ روئیں پیٹیں، ہمارے لیے دونوں حالتیں برابر ہوگئیں - ہمارے لیے آج کسی طرح چھٹکارا نہیں'' (۲۱)

اور (دیکھو) جب فیصلہ ہو چکا تو شیطان بولا ''بلاشبہ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا - سچا وعدہ - (اور وہ پورا ہو کر رہا) اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا مگر اسے پورا نہ کیا - مجھے تم پر کسی طرح کا تسلط نہ تھا (کہ تم میری پیروی پر مجبور ہو گئے ہو) جو کچھ پیش آیا وہ صرف یہ ہے کہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میرا بلاوا قبول کر لیا پس اب مجھے ملامت نہ کرو - خود اپنے آپ کو ملامت کرو - آج کے دن نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو - تم نے اب سے پہلے (دنیا میں) جو مجھے (اللہ کا) شریک ٹھہرا لیا تھا (کہ اس کے احکام کی طرح میرے حکموں کی بھی اطاعت کرنے لگے تھے) تو میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں - بلاشبہ ظلم کرنے والوں کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے!'' (۲۲) اور (دیکھو) جو لوگ ایمان لائے تھے اور جنہوں نے

---

(۸) آیت (۱۲) میں پیغمبروں کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿ وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَی اللّٰهِ وَ قَدۡ هَدٰٮنَا سُبُلَنَا ﴾ اس آیت میں ''ہدایت'' اور ''سبیل'' سے مقصود ہدایت وحی اور سبیل دین نہیں ہے جیسا کہ مفسروں اور مترجموں نے سمجھا ہے بلکہ ہدایت ربوبیت کا عام فیضان ہے اور اسی میں اسلوب خطاب کا استدلال پوشیدہ ہے - یعنی ہم تمہارے ظلم و تشدد سے کیوں ہراساں ہوں؟ کیوں اللہ کی تائید و نصرت پر بھروسہ نہ کریں؟ جس ہستی نے زندگی و معیشت کی تمام راہوں میں ہماری رہنمائی کا سامان کر دیا ہے، کیا حق و باطل کی اس آویزش میں ہم پر راہ نجات نہ کھول دے گی؟ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد کہا: ﴿ وَلَنَصۡبِرَنَّ عَلٰی مَاۤ اٰذَیۡتُمُوۡنَا ﴾ ہم ضرور صبر کریں گے اور ضرور ایسا ہوگا کہ صبر کا نتیجہ ہمارے حصہ میں آئے -

اگر یہاں ''ہدایت'' کو ''ہدایت وحی'' سمجھا جائے تو خطاب کا سارا زور اور استدلال مفقود ہو جاتا ہے -

(۹) آیت (۱۸) پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعظ اور ایام اللہ کا تذکرہ ختم ہو گیا - آیت (۱۹) سے نیا خطاب شروع ہوتا ہے - البتہ یہ خطاب بھی پچھلے بیان ہی کا تتمہ ہے - فرمایا کیا تم تخلیق بالحق کی حقیقت پر غور نہیں کرتے؟ یعنی اس بات پر غور نہیں کرتے کہ کائنات ہستی کی ہر چیز اس طرح واقع ہوئی ہے کہ صاف نظر آتا ہے یہ سب کچھ کسی خاص مصلحت و مقصد سے بنایا گیا ہے - ایسا نہیں ہے کہ بغیر کسی سوچے ہوئے مقصد اور ٹھہرائی ہوئی مصلحت کے ویسے ہی ظہور میں آ گیا ہو - پھر اگر تم دیکھ رہے ہو کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کسی مصلحت کے ساتھ بنائی گئی ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ خود تمہاری ہستی کی پیدائش میں کوئی خاص مصلحت پوشیدہ نہ ہو اور کرہ ارضی کی یہ سب سے بڑی اور اشرف مخلوق محض بے کار و عبث بنا دی گئی ہو؟

اگر وہ چاہے تو تمہیں چھانٹ دے اور ایک نئی قوم کی تخلیق کا سامان کر دے کیونکہ اس کا ٹھہرایا ہوا قانون یہی ہے کہ جو جماعت غیر نافع ہو جائے اسے مٹ جانا ہے اور اس کی جگہ نافع و اصلح جماعت کو ظہور میں آنا ہے - ﴿ وَمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیۡزٍ ﴾

الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَ اُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ
اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ مَثَلُ
كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ۫

نیک کام کیے تھے وہ (نعیم ابدی کے) باغوں میں داخل ہوگئے، ان کے تلے نہریں بہ رہی ہیں - اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ انہی میں رہیں گے (ان کی راحتوں کے لیے کبھی زوال نہیں) - وہاں ان کے لیے (ہر طرف سے) دعاؤں کی پکار یہی ہے کہ تم پر سلامتی ہو!" (۲۳)

کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کس طرح ایک مثال بیان کی؟ ایک اچھی بات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھا درخت - جڑ اس کی جمی ہوئی اور ٹہنیاں آسمان میں پھیلی ہوئیں - (۲۴) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل پیدا کرتا رہتا ہے - (اس کی ٹہنیاں کبھی بغیر پھل کے نہیں رہ سکتیں) اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ سوچیں سمجھیں! (۲۵)

اور نکمّی بات کی مثال کیا ہے؟ جیسے ایک نکما درخت - زمین کی سطح پر اس کی جڑ کھوکھلی - جب چاہا اکھاڑ پھینکا - اس کے لیے جماؤ نہیں - (۲۶) اللہ ایمان والوں کو جمنے اور مضبوط رہنے والی بات کے ذریعہ سے جماؤ اور مضبوطی دیتا ہے - دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی - اور نافرمانوں پر (جماؤ اور مضبوطی کی) راہ گم کر دیتا ہے -

---

(۱۰) آیت (۲۱) میں جماعتوں کی گمراہی کی ایک سب سے بڑی علت کی طرف اشارہ کیا ہے - یعنی اپنے گمراہ سرداروں امیروں بادشاہوں اور پیشواؤں کی اندھی تقلید و اطاعت کرنا اور خود اپنی عقل و بصیرت سے کام نہ لینا - فرمایا - کیا تمہارے یہ پیشوا تمہیں نتائج اعمال کی گرفت سے بچا سکتے ہیں؟ قیامت کے دن جماعتوں کے کمزور افراد یعنی عوام اپنے اپنے پیشواؤں اور سرداروں سے کہیں گے - دنیا میں ہم نے تمہاری پیروی کی تھی - آج عذاب الٰہی کی پکڑ سے ہمارا بچاؤ کر دو - وہ کہیں گے ہم خود اپنے کو نہیں بچا سکتے - تمہیں کس طرح بچائیں؟

آیت میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے جو قوم کے سردار و پیشوا تھے - اور نہ صرف قبائل حجاز بلکہ تمام باشندگان عرب ان کے طور طریقہ کی پیروی کرتے تھے - جب انہوں نے دعوت اسلام کی مخالفت میں قدم اٹھایا تو تمام قبائل عرب نے ان کی پیروی کی -

(۱۱) قرآن نے ہر جگہ ایمان کی خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ سرتا سر سلامتی ہے - اور کفر کی پہچان یہ بتلائی ہے کہ سرتا سر اضطراب و محرومی ہے - یہی وجہ ہے کہ جنت کی زندگی کے مرقع میں بھی سب سے زیادہ نمایاں بات یہی نظر آتی ہے - وہ سلامتی کی زندگی ہوگی اور وہاں ہر طرف سے سلامتی ہی کی پکاریں سنائی دیں گی -

(۱۲) آیت (۲۴) قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے - لیکن افسوس ہے ہمارے مفسروں کو اس کی مہلت نہ ملی کہ اس کے حقائق کی وسعت کا مشاہدہ کر سکتے -

ع ۱۶

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ
الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ
قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ

اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ایسا کرے!) (۲۷)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنہیں اللہ نے نعمت عطا فرمائی تھی مگر انہوں نے کفران نعمت سے اسے بدل ڈالا اور اپنے گروہ کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا؟ (۲۸) یعنی دوزخ میں جا اتارا جس میں وہ داخل ہوں گے؟ (پھر جس کا ٹھکانا دوزخ ہوا تو) کیا ہی برا ٹھکانا ہے! (۲۹)

اور انہوں نے اللہ کے لیے اس کے ہم درجہ بنائے کہ لوگوں کو اس کی راہ سے بھٹکائیں۔

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو "اچھا" (زندگی کے چند روزہ) فائدے برت لو۔ پھر بالآخر تمہاری راہ آتش دوزخ ہی کی طرف ہے!" (۳۰)

(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں یہ پیام پہنچا دو "اس سے پہلے کہ وہ (ہولناک) دن آ نمودار ہو جب کہ (نجات کے لیے) نہ تو کسی طرح کا لین دین کام دے گا نہ کسی طرح کی دوستی (اپنے لیے نجات کا سامان کرلیں یعنی) نماز قائم کریں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ظاہر و پوشیدہ خرچ کرتے رہیں۔" (۳۱)

فرمایا۔ عجائب آباد ہستی کا کوئی گوشہ دیکھو۔ تمہیں دو طرح کی باتیں نظر آئیں گی۔ ایک کو قرار ہے۔ دوسری کو قرار نہیں۔ ایک میں جماؤ ہے۔ دوسری میں جماؤ نہیں۔ ایک اس لیے ہے کہ پھلے پھولے۔ دوسری اس لیے ہے کہ پامال ہو۔ پہلی کلمہ طیبہ ہے۔ دوسری کلمہ خبیثہ ہے۔ یعنی پہلی اچھائی ہے' پاکیزگی ہے' نفع و فیضان ہے۔ دوسری برائی ہے' گندگی ہے' ضرر و نقصان ہے۔

پہلی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھا درخت، اچھے درخت کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں؟ جڑ کی مضبوطی کہ اکھڑنے والی نہیں۔ شاخوں کی بلندی کہ جھکنے والی نہیں۔

دوسری کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نکما درخت زمین میں جگہ پکڑ نہیں سکتا۔ ٹہنیاں معدوم' پھل نابود' جب چاہو پکڑ کے کھینچ لو' جڑ سمیت اکھڑ آئے۔

اس کے بعد فرمایا۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو ایمان لاتے ہیں وہ انہیں جمنے والی اور مضبوط باتوں کے ساتھ جماؤ دے دیتا ہے۔ ان کی یہ خصوصیت دنیا کی زندگی میں بھی نمایاں ہوتی ہے اور آخرت میں بھی نمایاں ہوگی۔ لیکن جو لوگ ظلم و نافرمانی کی راہ اختیار کرتے ہیں انہیں یہ بات نہیں مل سکتی۔ ان پر جماؤ اور استقرار کی راہ بند ہو جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی ساری باتیں جماؤ اور مضبوطی کی باتیں ہوتی ہیں۔ ٹلنے والی، اکھڑ جانے والی اور اپنی جگہ سے ہل جانے والی نہیں ہوتیں۔ ان کا اعتقاد' ان کا عمل' ان کا طور طریقہ' ان کے دلائل و شواہد' ان کے تمام کام القول الثابت

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ
وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا ع ۵/۱۷
الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ

یہ اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور (زمین پر) اوپر سے پانی برسایا جس کی آبیاری سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں کہ تمہارے لیے غذا کا سامان ہیں، اور جہاز تمہارے لیے مسخر کر دیے کہ اس کے حکم سے (یعنی اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے ماتحت) سمندر میں چلنے لگیں- نیز دریا بھی تمہارے لیے مسخر کر دیے- (۳۲) اسی طرح سورج اور چاند بھی مسخر کر دیے ہیں کہ ایک خاص دستور پر برابر چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کا ظہور بھی مسخر ہے- (۳۳) غرض کہ تمہیں (اپنی زندگی کی کاربراریوں اور کامرانیوں کے لیے) جو کچھ مطلوب تھا سب اس نے عطا فرما دیا- اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی ان کا احاطہ نہ کر سکو- حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناانصاف بڑا ہی ناشکرا ہے! (۳۴)

اور (یاد کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے دعا مانگی تھی "اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن کی جگہ بنا دیجیو' اور مجھے اور میری نسل کو اس بات سے دور رکھیو کہ بتوں کی پوجا کرنے لگیں" (۳۵) "پروردگار! ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو راہ حق سے بھٹکا دیا ہے- تو جو میرے پیچھے چلا (اور بت پرستی کی گمراہی میں نہ پڑا) وہ میرا ہوا'

ہوتے ہیں اور ان کی مثال شجرۂ طیبہ کی ہوتی ہے لیکن جو لوگ ایمان حق سے محروم ہیں ان کی کوئی بات بھی القول الثابت کی بات نہیں ہو سکتی- ان کی مثال شجرۂ خبیثہ کی ہوتی ہے کہ ﴿ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴾

(۱۳) اس کے بعد آیت (۲۸) میں قریش مکہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ملک کی ریاست و پیشوائی کی باگ انہی کے ہاتھ میں تھی اور عامۃ الناس انہی کے پیچھے چلتے تھے- فرمایا ان کی محرومی دیکھو کس طرح اللہ کی نعمت کی ناشکری کر رہے ہیں- اور کلمہ طیبہ کی جگہ کلمہ خبیثہ کو اپنا شعار بنا لیا ہے؟ اللہ نے انہیں قوم کی پیشوائی دی تھی- پس ان کا فرض تھا کہ دعوت حق کی قبولیت میں سب سے آگے ہوتے اور قوم کی سچی رہنمائی کرتے مگر انہوں نے استبدال نعمت کی راہ پسند کی- خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی گمراہی میں دھکیل دیا-

قریش مکہ کے کفران نعمت کے ذکر کے بعد ہی روئے سخن مومنوں کی طرف متوجہ ہو گیا ہے- آیت (۳۱) میں فرمایا- انہیں چاہیے نعمت الٰہی کی قدر بجا لائیں اور ناشکری سے بچیں- اس شکر گزاری نعمت کے سب سے بڑے اعمال کون سے ہیں؟ فرمایا- قیام صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ- ان دو عملوں میں سرگرم رہیں-

(۱۴) آیت (۳۲) میں برہان ربوبیت کا استدلال ہے- فرمایا- اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھو اور پھر ربوبیت الٰہی کی بخششوں اور کارفرمائیوں پر نظر ڈالو- زندگی کی کوئی قدرتی احتیاج ایسی نہیں ہے جس کا قدرتی انتظام نہ کر دیا گیا ہو اور کارخانہ عالم کا

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ
ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ
وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ
مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ

جس نے میرے طریقہ سے نافرمانی کی (اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں اور) تو بخشنے والا رحمت فرمانے والا ہے! (۳۶) اے ہم سب کے پروردگار! (تو دیکھ رہا ہے کہ) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام ونشان نہیں میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لاکر بسائی ہے، اور خدایا! اس لیے بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں (تاکہ یہ محترم گھر عبادت گزاران توحید سے خالی نہ رہے) پس تو (اپنے فضل وکرم سے) ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کے لیے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے تاکہ (بے آب وگیاہ ریگستان میں رہ کر بھی ضرورت معیشت سے محروم نہ رہیں اور) تیرے شکر گزار ہوں!'' (۳۷)

''اے ہمارے پروردگار! ہم جو کچھ چھپاتے ہیں وہ بھی تو جانتا ہے- جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی تیرے علم میں ہے- آسمان اور زمین کی کوئی چیز نہیں جو تجھ سے پوشیدہ ہو'' (۳۸)

(اور ابراہیم نے کہا) ''ساری ستائش اللہ کے لیے ہے جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھے اسماعیل اور اسحاق

کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو تمہارے لیے افادہ وفیضان نہ رکھتا ہو- حتیٰ کہ معلوم ہوتا ہے دنیا کی ہر چیز صرف اسی لیے بنی ہے کہ تمہاری کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کر دے اور کسی نہ کسی شکل میں خدمت ونفع رسانی کا ذریعہ ہو- پھر کیا ممکن ہے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی ارادہ کے ظہور میں آ گیا ہو اور کوئی ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟ اور اگر ایک ایسی ہستی موجود ہے تو ہر طرح کی عبادتوں کی مستحق اس کی ذات ہے یا ان کی جو اپنی احتیاجوں میں خود کسی پروردگار کی پروردگاریوں کے محتاج ہیں؟

اس مقام میں ﴿ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ کہہ کر جس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ نہایت اہم اور تشریح طلب ہے- تشریح اس کی سورۂ فاتحہ میں ملے گی-

(۵) پچھلی آیت میں انسان کی اس غفلت کا ذکر کیا تھا کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار نہیں- اور یہی گمراہی اس کی تمام محرومیوں کا سرچشمہ ہے: ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾ اب آیت (۳۵) میں اس ناشکری کی ایک مناسب مقام مثال بیان کر دی- فرمایا- اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے جو قریش مکہ نے کی ہے؟ وہ دنیا کے ایک ایسے گوشہ میں سکونت رکھتے ہیں جو انسانی آبادی کے لیے زیادہ سے زیادہ ناموزوں مقام تھا- کہ ایک بے آب وگیاہ ریگستان' جہاں درندے بھی بھٹ نہ بنائیں اور پرند بھی ہوا میں اڑنا پسند نہ کریں لیکن اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اسے ایسا دلچسپ اور معمور مقام بنا دیا کہ انسانی گروہوں کے دل بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگے اور زمین کی ساری پیداواریں جو کسی سرسبز وشاداب ملک میں مل سکتی ہیں اس بنجر سرزمین میں مہیا ہو گئیں- یہ انقلاب حال کیونکر ظہور میں آیا؟ اس طرح کہ حضرت

لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ
وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا ع ۶/۱۸
يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ
اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى
اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾

(دو فرزند) عطا فرمائے- بلاشبہ میرا پروردگار (اپنے بندوں کی) دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے!'' (۳۹)

''خدایا! مجھے توفیق دے کہ میں نماز قائم کروں اور میری نسل کو بھی اس کی توفیق ملے! پروردگار میری یہ دعا تیرے حضور قبول ہو!'' (۴۰)

''پروردگار! جس دن اعمال کا حساب لیا جائے گا تو مجھے اور میرے ماں باپ کو اور ان سب کو جو ایمان لائے (اپنے فضل و کرم سے) بخش دیجیو (اور حساب کی سختی میں نہ ڈالیو!)'' (۴۱)

اور (اے پیغمبر!) ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ ان ظالموں کے کاموں سے غافل ہے (یعنی رؤسائے مکہ کے کاموں سے) دراصل اللہ نے ان کا معاملہ اس دن تک کے لیے پیچھے ڈال دیا ہے جب (نتائج عمل کی ہلاکتیں ظہور میں آئیں گی- اس دن ان لوگوں کا یہ حال ہوگا کہ شدت خوف و حیرت سے) آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی- (۴۲) حیران سراسیمہ نظریں اٹھائے ہوئے دوڑ رہے ہوں گے- نگاہیں ہیں کہ لوٹ کر آنے والی نہیں اور دل ہیں کہ (خوف و حیرانی کے سوا ہر خیال سے) خالی ہو رہے ہیں! (۴۳)

اور (اے پیغمبر!) لوگوں کو اس دن کی آمد سے خبردار کر دو جب کہ ان پر عذاب نمودار ہو جائے گا- اس دن ظلم کرنے والے کہیں گے ''پروردگار! تھوڑی سی مدت کے لیے ہمیں مہلت دے دے- ہم (اب ہرگز انکار و سرکشی نہیں کریں گے اور) تیری پکار کا جواب دیں گے اور پیغمبروں کی پیروی کریں گے'' (لیکن انہیں جواب ملے گا:) ''کیا تم وہی نہیں ہو کہ اب سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے ہمیں کسی طرح کا زوال نہ ہوگا؟ (۴۴)

ابراہیم علیہ السلام نے یہاں دین حق کی عبادت گاہ بنائی اور اس کی پاسبانی اپنی اولاد کے سپرد کی- انہوں نے دعا مانگی تھی کہ خدایا! اس ویرانے کو آباد کر دیجیو- چنانچہ ان کی دعا مقبول ہوئی اور یہ ویرانہ اس طرح آباد ہو گیا کہ تمام عرب و اطراف عرب کے سالانہ اجتماع کا مرکز بن گیا-

رؤسائے قریش انہی کی نسل سے ہیں اور انہی کی برکتوں کا ظہور ہیں لیکن انہوں نے اس نعمت کا حق کس طرح ادا کیا؟ یوں ادا کیا کہ ملت ابراہیمی سے منحرف ہو گئے، ظلم و گمراہی کو اپنا شیوہ بنا لیا وہ دین حق جس کے قیام کے لیے یہ عبادت گاہ بنائی گئی تھی اصنام پرستی سے بدل گیا اور اب اپنی تمام طاقتیں اس دعوت کی مخالفت میں خرچ کر رہے ہیں جو اسی ملت ابراہیمی کی تجدید ہے-

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا
لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ
مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ
تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ
يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾
لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا
بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع ۱۹

تم انہی لوگوں کی بستیوں میں بسے تھے جنہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ ناانصافی کی تھی اور تم پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا نیز تمہیں سمجھانے کے لیے طرح طرح کی مثالیں بھی ہم نے بیان کر دیں (پھر بھی تم سرکشی سے باز نہ آئے) (۴۵) ان لوگوں نے اپنی ساری تدبیریں کر ڈالی تھیں اور اگرچہ ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ پہاڑوں کو جگہ سے ہلا دیں مگر اللہ کے پاس ان کی ساری تدبیروں کا جواب تھا''- (ان کی کوئی تدبیر بھی ظہورِ نتائج کو نہ روک سکی!) (۴۶)

پس ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے جو وعدہ کر چکا ہے اس کے خلاف کرے گا (ایسا ہونا ممکن نہیں) وہ (سب پر) غالب ہے اور (اعمالِ بد کی) سزا دینے والا ہے! (۴۷)

وہ دن کہ جب یہ زمین بدل کر ایک دوسری ہی زمین ہو جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب لوگ خدائے یگانہ وغالب کے حضور حاضر ہوں گے! (۴۸)

تم اس دن مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں- (۴۹) ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور چہرے آگ کے شعلوں سے ڈھنپے ہوئے- یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ ہر جان کو اس کی کمائی کے مطابق بدلہ دے دے- بلاشبہ وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے! (۵۱)

یہ انسانوں کے لیے ایک پیام ہے اور اس لیے بھیجا گیا ہے کہ لوگوں کو خبردار کیا جائے اور وہ معلوم کر لیں کہ ان کا معبود ایک ہی معبود ہے- نیز اس لیے کہ سمجھ بوجھ والے اس سے نصیحت پکڑیں! (۵۲)

---

(۱۶) آیت (۴۸) سے معلوم ہوا کہ جس حادثہ کو قرآن نے قیامت سے تعبیر کیا ہے وہ اجرامِ سماویہ کا کوئی ایسا حادثہ ہوگا جو کرۂ ارضی کو بالکل بدل دے گا- نہ تو زمین وہ زمین رہے گی جیسی کہ اب ہے- نہ آسمان ویسا آسمان ہوگا جیسا اب نظر آ رہا ہے-

(۱۷) آخری آیت میں فرمایا- یہ سورت ایک پیامِ حق ہے اور یہ پیام اس لیے بھیجا گیا ہے کہ:

(ا) لوگ فساد و بدعملی کے نتائج سے متنبہ کیے جائیں-

(ب) یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں-

(ج) اربابِ فہم و دانش کے لیے سرمایۂ نصیحت ہو-

اب سورت کے تمام مطالب پر از سرِ نو نظر ڈالو اور دیکھو ان تینوں مقاصد پر وہ مشتمل ہے یا نہیں؟

آیَاتُهَا: 99 سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ رُكُوعَاتُهَا: 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ① رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا
مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③ وَمَآ اَهْلَكْنَا
مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤

الف-لام-را-

یہ آیتیں ہیں الکتاب کی اور قرآن کی جو (اپنی ساری باتوں میں) واضح اور روشن ہے! (۱)

جن لوگوں نے (اس کتاب کی سچائی سے) انکار کیا ہے ایک وقت آنے والا ہے کہ آرزوئیں کریں گے، کاش ہم ماننے والوں میں ہوتے! (۲)

(اے پیغمبر!) انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو- کھائیں پییں، عیش و آرام کریں، (باطل) امیدوں پر بھولے رہیں- لیکن وہ وقت دور نہیں کہ انہیں معلوم ہو جائے گا (وہ کیسے دھوکے میں پڑے ہوئے تھے!) (۳)

ہم نے کبھی کسی بستی کے باشندوں کو ہلاک نہیں کیا مگر اسی طرح کہ اس کے لیے ایک ٹھہرائی ہوئی بات تھی (یعنی ایک مقررہ قانون تھا کہ جب کوئی حالت اس طرح کی ہوگی اور اس مقدار میں ہوگی تو ایسا نتیجہ ضرور نکلے گا) (۴) کوئی امت نہ تو اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے، نہ پیچھے رہ سکتی ہے! (۵)

---

(۱) قرآن نے جا بجا اپنے اس وصف پر زور دیا ہے کہ وہ "مبین" ہے- یعنی ظاہر ہے، نمایاں ہے، روشن ہے-

لیکن کس بات میں؟

اپنے مطالب میں، اپنی دعوت میں، اپنے دلائل و آیات میں- یعنی اس کی کوئی بات نہیں جو الجھی ہوئی ہو، مشکل ہو، نا قابل فہم ہو- ہر ذہن اسے بوجھ لے سکتا ہے، ہر دل اسے قبول کر لے سکتا ہے، ہر روح اس پر مطمئن ہو جا سکتی ہے- وہ زیادہ سے زیادہ سیدھی سادھی بات ہے جو انسان کے دل و دماغ کے لیے ہو سکتی ہے- کیونکہ وہ سچائی ہے اور سچائی کی کوئی بات مشکل اور الجھی ہوئی نہیں ہو سکتی!

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اپنے آپ کو "النور" بھی کہا ہے- یعنی روشنی- روشنی کا خاصہ ہے کہ ہر بات کو نمایاں کر دیتی ہے- کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی- اگر وضاحت اور نمود نہیں ہے تو پھر اجالا بھی نہیں- اجالا جب کبھی ہوگا نمود و وضاحت اپنے ساتھ لائے گا!

(۲) جن لوگوں نے اس کے خلاف انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی ہے وہ اپنی ہلاکت کا اپنے ہاتھوں سامان کر رہے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں- ایک دن آنے والا ہے جب وہ حسرت و ندامت کے ساتھ کہیں گے- کاش ہم نے انکار نہ کیا ہوتا!

وَ قَالُوۡا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡ نُزِّلَ عَلَیۡهِ الذِّکۡرُ اِنَّکَ لَمَجۡنُوۡنٌ ؕ﴿۶﴾ لَوۡ مَا تَاۡتِیۡنَا بِالۡمَلٰٓئِکَةِ اِنۡ کُنۡتَ
مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۷﴾ مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَةَ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ مَا کَانُوۡۤا اِذًا مُّنۡظَرِیۡنَ ﴿۸﴾ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا
الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ فِیۡ شِیَعِ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۰﴾ وَ مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ
رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۱۱﴾ کَذٰلِکَ نَسۡلُکُهٗ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿ۙ۱۲﴾ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ
وَ قَدۡ خَلَتۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَوۡ فَتَحۡنَا عَلَیۡهِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِیۡهِ یَعۡرُجُوۡنَ ﴿ۙ۱۴﴾
لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا سُکِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ ﴿۱۵﴾ وَ لَقَدۡ جَعَلۡنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا ع ۱

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں نے تم سے کہا ''اے وہ آدمی کہ تجھ پر نصیحت اتری ہے تو (ہمارے خیال میں) یقیناً دیوانہ ہے۔(۶)

اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ فرشتے اتار کر ہمیں دکھا دے؟''(۷)

ہم فرشتے بے کار کو نہیں اتارا کرتے۔جبھی اتارتے ہیں کہ کوئی مصلحت ہوتی ہے اور (جب فرشتے اتریں گے) تو اس وقت انہیں مہلت عمل نہیں ملے گی (وہ تو فیصلہ عمل کا دن ہوگا)(۸)

بلاشبہ خود ہم نے الذکر (یعنی قرآن کہ سرتا پا نصیحت ہے) اتارا ہے اور بلاشبہ خود ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔(۹)

اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی پچھلے گروہوں میں پیغمبر بھیجے۔(۱۰) لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی گروہ میں کوئی پیغمبر آیا ہو اور لوگوں نے اس کی ہنسی نہ اڑائی ہو (یہ پہلے سے ہوتا آیا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے)۔(۱۱)

تو دیکھو اس طرح ہم مجرموں کے دلوں میں کلام حق کی مخالفت بٹھا دیتے ہیں (یعنی ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون ایسا ہی ہے(۱۲) کہ جن دلوں میں جرم ہوتا ہے ان میں حق کی مخالفت بھی جم جاتی ہے) وہ اس پر ایمان لانے والے نہیں اور جو پہلے گزر چکے ہیں ان کا بھی ایسا ہی دستور رہ چکا ہے۔(۱۳)

اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیں اور یہ دن دہاڑے اس پر چڑھنے لگیں،(۱۴) جب بھی نہیں مانیں گے۔یہ کہنے لگیں گے ''ضرور ہماری آنکھیں متوالی ہوگئی ہیں یا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے''(۱۵)

اور (دیکھو) یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ آسمان میں برج بنا دیے (یعنی روشن کواکب پیدا کر دیے)

(۳) یہاں آیت (۱۶) میں، نیز دو اور مقامات میں بھی قرآن نے ''برج'' کا لفظ استعمال کیا ہے: ﴿ تَبٰرَکَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ

وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٦﴾ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿١٧﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ
شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا
عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢١﴾ وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

اور اسے دیکھنے والوں کے لیے خوشنما کر دیا-(۱۶) نیز ہر پھٹکارے ہوئے شیطان سے اس کی حفاظت کر دی-(۱۷) الا یہ کہ کوئی گن سن لینا چاہے تو پھر ایک چمکتا ہوا شعلہ ہے جو اس کا تعاقب کرتا ہے-(۱۸)

اور (دیکھو) ہم نے زمین (کی سطح) پھیلا دی (یعنی ایسی بنا دی کہ تمہارے لیے بچھے ہوئے فرش کی طرح ہو گئی) اور اس میں پہاڑ گاڑ دیے- نیز جتنی چیزیں اس میں اگائیں' سب وزن کی ہوئی اگائیں (۱۹) اور تمہارے لیے معیشت کا سارا سامان مہیا کر دیا اور ان مخلوقات کے لیے بھی کر دیا جن کے لیے تم روزی مہیا کرنے والے نہیں ہو! (۲۰)

اور (دیکھو) کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ اس کے ذخیرے ہمارے پاس نہ ہوں مگر ہم انہیں ایک ٹھہرائے ہوئے اندازہ کے مطابق ہی بھیجتے ہیں-(۲۱)

اور (دیکھو) ہم نے ہوائیں چلائیں کہ (پانی کے ذروں سے) باردار تھیں- پھر آسمان سے پانی برسایا اور وہ تمہارے پینے کے کام آیا اور تم نے اسے ذخیرہ کر کے نہیں رکھا تھا-(۲۲)

﴿ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴾ (۲۵:۶۱) ﴿ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴾ (۸۵:۱) چونکہ بعد کو عربی زبان میں ''برج'' کا لفظ ستاروں کی ان بارہ فرضی اشکال کے لیے مستعمل ہو گیا جو قدماء نے دورۂ شمسی کے انضباط کے لیے قرار دی تھیں اس لیے سوال پیدا ہوا کہ قرآن میں بھی یہ لفظ اسی مصطلحہ معنی میں بولا گیا ہے اور مقصود بارہ برج ہیں؟ یا لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے اور مقصود بڑے بڑے روشن ستارے ہیں جو بحر و بر کی ظلمتوں میں مسافروں کی رہنمائی کرتے ہیں!'

بارہ برجوں کی تقسیم سب سے پہلے اہل بابل نے کی، پھر سریانی اقوام ان سے آشنا ہوئیں اور بالآخر یونانیوں نے اختیار کر لیا- عربی زبان اپنی ابتدائی شکلوں میں عراق' مصر اور شام کی حکمراں زبان رہ چکی ہے اور ان ممالک کے ساتھ عربوں کے قدیم تجارتی تعلقات بھی معلوم و مسلم ہیں- پس اگر چاند کی منزلوں کی طرح سورج کے بارہ برجوں سے بھی عربی زبان آشنا ہو چکی ہو تو یہ کوئی عجیب بات نہ ہو گی لیکن اس میں شک نہیں کہ عرب جاہلیت کے کلام سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا- عبدالرحمٰن بن عمر الصوفی نے الکواکب والصور میں ان تمام کواکب کے نام جمع کر دیے ہیں جو عرب جاہلیت میں مشہور تھے اور جن کی تعداد ڈھائی سو کے قریب ہے لیکن ان میں بارہ برجوں کی صورتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے اور تبریزی نے ابوالعلاء کا قول نقل کیا ہے ''لم تکن العرب تعرفها فی القدیم''[1]

---

[1] شرح التبریزی علی الحماسہ جلد ۳، صفحہ ۱۳۵- طبع مصر- قس بن ساعدۃ الایادی کی طرف جو خطبہ منسوب ہے اس میں بلاشبہ ''برج'' کا لفظ آیا ہے: لیل داج' وسماء ذات ابراج- لیکن اول تو اس کی صحت بہت مشکوک ہے، ثانیاً اس میں بھی برج کا استعمال لغوی معنی میں ہو سکتا ہے- ضروری نہیں کہ مصطلحہ فلکیین ہو- عربی میں ''برج'' کے اصلی معنی ظہور و نمائش کے ہیں اور اسی سے ''تبرج'' ہے- یعنی زینت کی نمائش کرنا- پھر اس کا اطلاق قصر' محل' منزل اور شاہراہ پر بھی ہونے لگا کہ یہ تمام چیزیں ظاہر و نمایاں ہوتی ہیں-

مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَ مَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ نَحْنُ
الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اِنَّ
ع رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ
مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ
خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا

اور یہ ہم ہی ہیں کہ زندہ کرتے ہیں اور موت طاری کرتے ہیں اور ہمارے ہی قبضہ میں سب کی کمائی آتی ہے۔(۲۳)
اور بلا شبہ ہم نے ان لوگوں کو بھی جانا جو تم میں پہلے آنے والے تھے اور انہیں بھی جو پیچھے آنے والے ہیں!(۲۴)
اور (اے پیغمبر!) یہ تیرا پروردگار ہی ہے جو ان سب کو (قیامت کے دن اپنے سامنے) جمع کرے گا۔ وہ حکمت والا علم والا ہے!(۲۵)

اور بلاشبہ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے(۲۶) اور ہم "جان" کو اس سے پہلے جلتی ہوئی ہوا کی گرمی سے پیدا کر چکے تھے۔(۲۷)

اور (اے پیغمبر!) جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا "میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں (یعنی نوع انسانی پیدا کرنے والا ہوں)(۲۸) تو جب ایسا ہو کہ میں اسے درست کر دوں (یعنی وہ وجود تکمیل کو پہنچ جائے) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو چاہیے کہ تم سب

پس زیادہ صاف بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہاں برج سے مقصود روشن کواکب ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسی ہی تفسیر منقول ہے اور ترجمہ میں ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۴) اس آیت میں فرمایا۔ ﴿ وَزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴾ ہم نے اس فضا کو جو تمہارے اوپر پھیلی ہوئی ہے اس طرح بنا دیا کہ دیکھنے والوں کے لیے اس میں خوشنمائی پیدا ہو گئی۔ یہ مقام بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جہاں قرآن نے جمال فطرت سے استدلال کیا ہے۔ یعنی اس بات سے استدلال کیا ہے کہ کائنات ہستی کے تمام مظاہر اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ان میں حسن و جمال کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ رحمت و فیضان کا کوئی ارادہ یہاں ضرور کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے حسن و خوبی کے ساتھ بنے اور اس میں روحوں کے لیے سرور اور نگاہوں کے لیے عیش و نشاط ہو!

اگر ایک صاحب رحمت ہستی کی یہ کارفرمائی نہیں ہے تو پھر کس کی ہے؟ نہیں، تمہاری فطرت کہہ رہی ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسی ہستی کی کاری گری ہے جو حسن و جمال ہے اور جس نے چاہا ہے کہ حسن و جمال کا فیضان ہو!

یہاں فرمایا کہ آسمان کو دیکھو۔ عربی میں "سماء" کے معنی بلندی کے ہیں۔ مکان کے لیے اس کی چھت اس کی "سماء" ہوتی ہے۔ پس یہ جو بلندی تمہیں نظر آ رہی ہے کس طرح دیکھنے والوں کے لیے حسین و جمیل بنا دی گئی ہے؟ چاندنی راتوں میں چاند کی شب افروزیاں دیکھو۔ اندھیری راتوں میں ستاروں کی جلوہ ریزیوں کا نظارہ کرو۔ صبح جب اپنی ساری دلفریبیوں کے ساتھ آتی ہے، شام جب اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ

لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ
السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ
لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ
عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ
الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي
الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ

اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ'' (۲۹) چنانچہ جتنے فرشتے تھے سب اس کے آگے سربسجود ہو گئے- (۳۰) مگر ایک ابلیس- اس پر یہ بات شاق گزری کہ سجدہ کرنے والوں میں سے ہو- (۳۱)

اللہ نے فرمایا: ''اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟'' (۳۲)

کہا ''مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا ہے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے'' (۳۳)

حکم ہوا ''اگر ایسا ہے تو یہاں سے نکل جا کہ تو راندہ ہوا (۳۴) اور جزاء کے دن تک تجھ پر لعنت ہوئی'' (۳۵)

اس نے کہا ''خدایا! مجھے اس دن تک مہلت دے جب انسان (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے-'' (۳۶)

فرمایا ''اس مقررہ وقت کے دن تک تجھے مہلت دی گئی'' (۳۷-۳۸)

اس نے کہا ''خدایا! چونکہ تو نے مجھ پر (نجات وسعادت کی) راہ بند کر دی تو اب میں ضرور ایسا کروں گا کہ زمین میں ان کے لیے (جھوٹی) خوشنمائیاں بنا دوں اور (راہ حق سے) گمراہ کروں- (۳۹) ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہوں گے (میں جانتا ہوں) میرے بہکانے میں آنے والے نہیں'' (۴۰)

فرمایا ''بس یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے- (۴۱)، جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا

چھپتی ہے' گرمیوں میں صاف وشفاف آسمان کا نکھرنا' بارش میں بادلوں کا ہر طرف سے امنڈنا' شفق کی لالہ گونی' قوس قزح کی بوقلمونی' سورج کی زرافشانی' غرض کہ آسمان کا کون سا منظر ہے جس میں نگاہوں کے لیے زینت نہیں؟ جس میں دلوں کے لیے راحت وسکون نہیں؟

یہ استدلال مہمات دلائل قرآنی میں سے ہے اور ضروری ہے کہ تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث ''برہان فضل ورحمت'' کا مطالعہ کر لیا جائے-

(۵) آیت (۱۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ اجرام سماوی کی حفاظت کا سامان نہ کر دیا گیا ہوتا تو ایسی شیطانی قوتیں تھیں جو ان کے اعمال میں خلل انداز ہوتیں- نیز یہ کہ جب کوئی ایسی قوت ٹوہ لگانا چاہتی ہے تو شعلے بھڑکتے ہیں اور انہیں قریب نہیں آنے دیتے-

آیت میں ''شہاب مبین'' کا لفظ آیا ہے- شہاب شعلہ کو کہتے ہیں- لیکن چونکہ اس کا اطلاق اس ستارے پر بھی ہوتا ہے جو راتوں کو ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے اس لیے مفسرین نے خیال کیا یہاں شہاب سے مقصود وہی ستاروں کا ٹوٹنا ہے لیکن قرآن میں کوئی ایسی تفصیل نہیں جس سے یہ بات متعین کی جا سکے- صرف ''شہاب'' کا لفظ ہے اور اس کے معنی شعلے کے ہیں- باقی رہی اس معاملہ کی حقیقت تو یہ عالم غیب کے معاملات میں سے ہے جسے ہم اپنے وسائل علم وادراک سے معلوم نہیں کر سکتے- وحی الٰہی نے جس قدر تصریح کر دی ہے اس پر یقین کرنا چاہیے اور مزید

مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ
ع ۱۹ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ
جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى
سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾

کچھ زور نہیں چلے گا- صرف انہی پر چلے گا جو (بندگی کی) راہ سے بھٹک گئے (۴۲) اور ان سب کے لیے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے (۴۳) (جو کبھی ٹلنے والا نہیں) اس کے سات دروازے ہیں- ان کی ہر ٹولی کے حصہ میں ایک دروازہ آئے گا جس سے جہنم میں داخل ہوں گے-" (۴۴)

بلاشبہ متقی انسان (اس دن) باغوں اور چشموں (کے عیش و راحت) میں ہوں گے- (۴۵) (انہیں کہا جائے گا) سلامتی کے ساتھ اطمینان ان باغوں میں داخل ہو جاؤ (۴۶) ان کے دلوں میں جو کچھ (باہمی) رنجشیں تھیں سب ہم نے نکال دیں- وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے- (۴۷) وہاں کسی طرح کا صدمہ انہیں چھو نہیں سکے گا نہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے- (۴۸)

(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو آگاہ کر دے کہ بلاشبہ میں ہی ہوں کہ بخشنے والا رحمت والا ہوں (۴۹) اور بلاشبہ میرا عذاب بڑا دردناک عذاب ہوتا ہے! (۵۰) اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا معاملہ بھی سنا دو- (۵۱)

کاوش میں نہیں پڑنا چاہیے-

(۶) زمین گیند کی طرح گول ہے لیکن حکمت الٰہی نے اس کی کرویت کا نشیب و فراز اس طرح پھیلا دیا ہے کہ کوئی آنکھ اونچ نیچ محسوس نہیں کر سکتی اور اس کا ہر گوشہ اپنی جگہ ایک بچھے ہوئے فرش کی طرح مسطح ہے- اگر سطحیت کی یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو وہ تمام ارضی خصوصیات بھی ظہور میں نہ آتیں جنہوں نے زمین کو زندگی کی معیشت کے لیے خوشگوار بنا دیا ہے-

یہی وجہ ہے کہ قرآن جا بجا اس کی سطح کے پھیلاؤ پر زور دیتا ہے اور کہتا ہے خدا نے اسے فرش کی طرح بچھا دیا- یہاں بھی آیت (۱۹) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے-

لیکن زمین کے قابل معیشت و سکون ہونے کے لیے صرف اسی قدر کافی نہ تھا- اس کی بھی ضرورت تھی کہ اس میں جا بجا ایسی بلندیاں ہوتیں جو پانی کے خزانے جمع کرتیں اور پھر بلندی سے اس طرح گراتیں کہ سیکڑوں کوسوں تک بہتا ہوا چلا جاتا اور میدانی علاقوں کو سرسبز و شاداب کر دیتا' پس فرمایا: ﴿ والقینا فیها رواسی ﴾ ہم نے اس کی سطح پھیلا دی، پھر اس میں پہاڑ پیدا کر دیے جو اس لحاظ سے بھی کہ طرح طرح کی معدنیات کا سرچشمہ ہیں' اور اس لحاظ سے بھی کہ دریاؤں کی روانی کا منبع ہیں زمین کی افادی نوعیت کے لیے ایک ضروری عنصر تھے-

(۷) آیت (۱۹) میں زمین کی نسبت تین باتیں ہیں- پہلی یہ کہ بچھی ہوئی ہے- دوسری یہ کہ پہاڑوں کی بلندیاں ہیں- تیسری یہ کہ جتنی چیزیں اس میں اگتی ہیں سب موزوں ہیں- "موزوں" یعنی وزن کی ہوئی - اگر کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک کسی خاص

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ
عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ
مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا
الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ

جب یہ مہمان اس کے پاس آئے تو کہا ''تم پر سلامتی ہو''

ابراہیم نے کہا ''ہمیں تم سے اندیشہ ہے'' (کہ تم کون لوگ ہو؟) (۵۲)

انہوں نے کہا ''ڈرو مت - ہم تو تمہیں ایک علم والے فرزند کی پیدائش کی خوش خبری سناتے ہیں'' (۵۳)

ابراہیم نے کہا ''تم مجھے اس بات کی خوشخبری دیتے ہو حالانکہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو گیا ہے، کون سی امید اب رہ گئی ہے کہ یہ خوشخبری مجھے سناؤ'' (۵۴)

انہوں نے کہا ''ہم نے تمہیں سچائی کے ساتھ خوشخبری سنائی - پس تمہیں ناامید نہ ہونا چاہیے'' (۵۵)

ابراہیم نے کہا ''نہیں، میں اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں - کیونکہ گمراہوں کے سوا کون ہے جو اپنے پروردگار کی رحمت سے مایوس ہو سکتا ہے؟ (۵۶)

پھر اس نے پوچھا ''تم لوگ جو بھیجے ہوئے آئے ہو تو تمہیں (اور) کون سی مہم درپیش ہے؟'' (۵۷)

انہوں نے کہا ''ہم ایک مجرم گروہ کی طرف بھیجے گئے ہیں (کہ ہلاک ہونے والا ہے) (۵۸)

مگر (ہاں) ایک خاندان وہاں لوط کا ہے - اس کے تمام افراد کو ہم بچا لیں گے - البتہ اس کی بیوی نہیں بچے گی - (۵۹)

اندازہ پر رکھنا ہوتا ہے تو اسے کانٹے میں تول لیا کرتے ہیں کہ رتی بھر بھی ادھر ادھر نہ ہو جائے - پس ہر چیز کے موزوں ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ زمین میں جتنی نباتات اگتی ہیں سب کے لیے حکمت الٰہی نے ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا ہے - ہر چیز اپنی نوعیت، اپنی کمیت، اپنی کیفیت میں ایک جچی تلی حالت رکھتی ہے جس سے کبھی باہر نہیں جا سکتی - ممکن نہیں کہ گھاس کی ایک شاخ بھی ایسی اگ آئے جو گھاس کے مقررہ اندازہ اور تناسب کے خلاف ہو -

طرح طرح کے غلے، طرح طرح کے پھول، طرح طرح کے پھل، طرح طرح کی سبزیاں، طرح طرح کے درخت، طرح طرح کی گھاسیں ہر طرف اگ رہی ہیں اور نہیں معلوم کب سے اگ رہی ہیں لیکن کوئی چیز بھی ان میں ایسی ہے جس کی شکل، ڈیل ڈول، رنگت، خوشبو، مزہ اور خاصہ ایک خاص مقررہ اندازہ پر نہ ہو؟ اور ٹھیک کانٹے کی تول نہ ہو؟ گیہوں کا ایک دانہ اٹھاؤ، پھول کی ایک کلی توڑ لو، گھاس کی ایک پتی سامنے رکھ لو اور دیکھو ان کی ساری باتیں کس طرح تلی ہوئی اور کس دقیقہ سنجی کے ساتھ سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں؟ اگر جسم ہے تو اس کا ایک مقررہ اندازہ ہے - لاکھ مرتبہ بوؤ - کروڑ مرتبہ بوؤ - اس اندازہ میں فرق آنے والا نہیں - اگر شکل ہے تو اس کا ایک خاص اندازہ ہے - وہ چیز جب اگے گی اسی شکل میں اگے گی - اگر رنگت ہے، خوشبو ہے، مزہ ہے، خاصہ ہے، گو سب کا ایک مقررہ اندازہ ہے اور یہ اندازہ قطعی ہے، دائمی ہے، اٹل ہے، انمٹ ہے اور ہمیشہ اس یکسانی کے ساتھ ظہور میں آتا ہے گویا مٹی کے ایک ایک ذرہ میں ایک ایک ترازو رکھ دیا گیا ہے اور وہ ایک ایک دانے، ایک ایک پتی، ایک ایک پھل کو تول تول کر بانٹ رہا ہے - ممکن نہیں اس تول میں کبھی خرابی پڑے!

''موزوں'' میں تناسب و اعتدال کا مفہوم بھی داخل ہے - یعنی جتنی چیزیں اگتی ہیں اپنی ساری باتوں میں تناسب و اعتدال

ع قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾
قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَ اَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ
بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّ امْضُوْا حَيْثُ
تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَ قَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَ جَآءَ

اس کے لیے ہمارا اندازہ ہو چکا- وہ پیچھے رہ جانے والوں کا ساتھ دے گی-'' (۶۰)

پھر جب ایسا ہوا کہ یہ بھیجے ہوئے (فرشتے) خاندان لوط کے پاس پہنچے (۶۱) تو اس نے کہا ''تم لوگ اجنبی آدمی معلوم ہوتے ہو'' (۶۲)

انہوں نے کہا ''نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ ہم تمہارے پاس وہ بات لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کیا کرتے تھے (یعنی ہلاکت کے ظہور کی خبر جس کا لوگوں کو یقین نہ تھا) (۶۳) ہمارا آنا ایک امر حق کے لیے ہے اور اپنے بیان میں سچے ہیں- (۶۴) پس چاہیے کہ کچھ رات رہے اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر نکل جاؤ اور ان کے پیچھے قدم اٹھاؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ کوئی پیچھے مڑ کے نہ دیکھے- جہاں جانے کا حکم دے دیا گیا ہے (اسی طرف رخ کیے) چلے جائیں'' (۶۵)

غرض کہ ہم نے لوط پر حقیقت حال واضح کر دی کہ ہلاکت کا ظہور ہونے والا ہے اور باشندگان شہر کی بیخ و بنیاد صبح ہوتے ہوتے اکھڑ جانے والی ہے- (۶۶) اور (اس اثناء میں ایسا ہوا کہ) شہر کے لوگ خوشیاں

کی حالت رکھتی ہیں- کوئی شے نہیں جو اپنی کمیت و کیفیت میں غیر متناسب اور غیر معتدل ہو-

(۸) تفسیر سورۂ فاتحہ میں ''نظام ربوبیت'' کی بحث گزر چکی ہے- آیت (۲۰) کا اسی روشنی میں مطالعہ کرو اور دیکھو کتنے مختصر اور کیسے سیدھے سادھے لفظوں میں کتنی بڑی حقیقت بیان کر دی گئی؟ فرمایا- ﴿ **جعلنا لكم فيها معايش** ﴾ ہم نے زمین میں تمہارے لیے زندگی و معیشت کے سارے سروسامان مہیا کر دیے- لیکن کس طرح مہیا کیے؟ اس طرح کہ اگرچہ ہر چیز کے ہمارے پاس ذخیرے ہیں لیکن ان کی بخشش ایک مقررہ اندازے ہی کے ساتھ ہوتی ہے- ایسا نہیں ہوتا کہ بغیر کسی اندازہ اور نظام کے تمام چیزیں بکھیر دی ہوں- اور یہ جو ایک مقررہ اندازہ کا نظام ہے- یعنی تقدیر اشیاء کا، تو یہی ہے جو بتلا رہا ہے کہ یہاں کوئی اندازہ مقرر کرنے والی اور اسے قائم رکھنے والی ہستی ضرور ہے- کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس اندازہ شناسی اور انضباط کے ساتھ ہر ضروری چیز کی بخشش کا نظام قائم ہو جاتا-

پھر اس کے بعد بارش کی مثال دے کر مزید وضاحت فرما دی- فرمایا بارش زمین کی شادابی اور روئیدگی کا ذریعہ ہے- اگر یہ نہ ہو تو زمین کی روئیدگی بھی نہ ہو- لیکن دیکھو- کس طرح یہ معاملہ ظہور میں آتا ہے اور کس طرح مقررہ اندازوں اور پیمانوں کا ایک پورا نظام کام کر رہا ہے؟ پہلے سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے- وہ پانی کے ذروں سے باردار ہو کر (یعنی انہیں اپنے اندر لے کر) بلندی کی طرف چڑھتی ہے- پھر بلندی میں ابر کی چادریں بنتی ہیں اور چادریں فضا میں پھیل جاتی ہیں- پھر وہی چادریں بارش کے قطرے بن کر گرنے لگتی ہیں اور زمین کے ایک ایک ذرے کو شاداب کر دیتی ہیں- تم نے پانی کے ذخیرے جمع کر کے نہیں رکھے تھے لیکن آسمان جمع کرتا رہتا ہے اور پھر ٹھیک ٹھیک تمہاری احتیاج کے مطابق مطلوبہ مقدار تمہیں بخش دیتا ہے!

اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِىْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا
تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِىْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾
لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا
سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾

مناتے ہوئے آ پہنچے- (٦٧) لوط نے کہا ''دیکھو یہ (نئے آدمی) میرے مہمان ہیں تو میری فضیحت نہ کرو- (٦٨) اللہ سے ڈرو- تم میری رسوائی کے کیوں درپے ہو گئے ہو؟'' (٦٩)

انہوں نے کہا ''کیا ہم نے تجھے اس بات سے نہیں روک دیا تھا کہ کسی قوم کا آدمی ہو لیکن اپنے یہاں نہ ٹھہراؤ'' (اگر ٹھہراؤ گے تو پھر جو کچھ ہمارے جی میں آئے گا کر گزریں گے)- (٧٠)

لوط نے کہا ''اگر ایسا ہی ہے تو دیکھو یہ میری بیٹیاں (کھڑی) ہیں (یعنی باشندگان شہر کی بیویاں جن کی طرف وہ ملتفت نہیں ہوتے تھے) ان کی طرف ملتفت ہو-'' (٧١)

(تب فرشتوں نے لوط سے کہا) ''تمہاری زندگی کی قسم یہ لوگ تو اپنی بدمستیوں میں کھوئے گئے ہیں'' (تمہاری باتیں ماننے والے نہیں)- (٧٢)

غرض کہ سورج نکلتے نکلتے ایک ہولناک آواز نے انہیں آ لیا- (٧٣) پس ہم نے وہ بستی زیروزبر کر ڈالی اور پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی ان پر بارش کی- (٧٤) بلاشبہ اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو (حقیقت کی) پہچان رکھنے والے ہیں! (٧٥)

یہ بات کہ پانی کے جمع ہونے اور ایک خاص ترتیب اور اندازہ کے ساتھ برستے رہنے کا ایک پورا کارخانہ بنا ہوا ہے اور وہ زمین کی احتیاج کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہے، یہاں استدلال کا اصلی نقطہ ہے- کیونکہ تقدیر و نظم کی یہ حالت بغیر اس کے نہیں ہو سکتی کہ ربوبیت کا کوئی ارادہ پس پردہ کام کر رہا ہو- اسی حقیقت کو ہم نے تفسیر سورۂ فاتحہ میں ''نظام ربوبیت'' سے تعبیر کیا ہے اور ضروری ہے کہ اس پر نظر ڈال لی جائے-

اس کے بعد فرمایا- ہم ہی ہیں کہ جلاتے ہیں اور موت طاری کرتے ہیں اور اس کا علم رکھتے ہیں کہ کون پہلے آنے والوں میں ہوئے، کون پیچھے آنے والوں میں- یعنی جس طرح ہم نے تمام چیزوں کی تقدیر کر دی ہے یعنی مقررہ اندازہ ٹھہرا دیا ہے، اسی طرح موت و حیات کا بھی ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا ہے اور قوموں کے تقدم و تاخر کے لیے بھی مقررہ اندازہ ہے- ہر ہستی جو پیدا ہوتی ہے اپنے مقررہ اندازہ کے مطابق پیدا ہوتی ہے اور ہستی جو مرتی ہے مقررہ اندازہ کے مطابق مرتی ہے- تقدیر اشیاء و اجسام کا قانون عالمگیر قانون ہے- ہستی کا کوئی گوشہ نہیں جو اس سے باہر ہو- یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن میں ''قدر'' اور ''تقدیر'' کا مطلب کیا ہے؟ نیز ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا جو اس بارہ میں پھیلی ہوئی ہیں-

(۹) اس کے بعد آیت (۲۵) میں فرمایا: ﴿ وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ یعنی ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ تمہارا پروردگار جزائے عمل کے لیے انہیں اپنے حضور جمع کرے کیونکہ تمام باتوں کی طرح اس بات کے لیے بھی اس نے ایک اندازہ ٹھہرا دیا ہے- وہ حکیم و علیم ہے اور جب وہ حکیم ہے تو ممکن نہیں کہ اس نے انسان کے اعمال کے لیے کوئی اندازہ نہ ٹھہرا دیا ہو اور جب وہ علیم ہے تو ممکن نہیں کہ انسان کے اعمال اس کی نظر سے پوشیدہ رہ سکیں-

وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَ اِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ
لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَ اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

وقف لازم ع ۵

اور (قوم لوط کی) یہ بستی (کسی غیر معروف گوشہ میں نہ تھی، وہ) ایسی راہ پر واقع ہے جہاں آمد و رفت کا (اب بھی) سلسلہ قائم ہے (اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو) (۷۶) بلاشبہ اس (بستی کی حالت) میں ایمان رکھنے والوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے! (۷۷)
اور (اسی طرح) گھنے جنگل کے باشندے بڑے ظالم تھے (یعنی قبیلہ مدین کے لوگ) (۷۸) انہیں بھی ہم نے ظلم و سرکشی کی) سزا دی اور یہ دونوں بستیاں (یعنی قوم لوط کی اور قبیلہ مدین کی) شارع عام پر سب کو دکھائی دیتی ہیں۔ (۷۹)
اور (دیکھو) حجر کے لوگوں نے بھی رسولوں کی بات جھٹلائی۔ (۸۰) ہم نے اپنی نشانیاں انہیں دکھائیں مگر وہ روگردانی ہی کرتے رہے۔ (۸۱) وہ پہاڑ تراش کے گھر بناتے تھے کہ محفوظ رہیں۔ لیکن (یہ حفاظتیں کچھ بھی کام نہ آئیں) (۸۲) ایک دن صبح کو اٹھے تو ایک ہولناک آواز نے آ پکڑا تھا (۸۳) اور جو کچھ انہوں نے اپنی سعی و عمل سے کمایا تھا وہ کچھ بھی ان کے کام نہ آیا۔ (۸۴)

---

(۱۰) اس کے بعد یہ حقیقت واضح کی کہ قدرت الٰہی نے کس طرح ایک حقیر ترین چیز سے جو ہمیشہ تمہارے قدموں سے پامال ہوتی رہتی ہے تمہاری ہستی پیدا کی اور اسے اس درجہ تک بلند کیا کہ ملائکہ کی مسجود ہوگئی اور دنیا کی تمام قوتیں اس کے اعتبار و تصرف میں دے دی گئیں البتہ ایک قوت تمہارے آگے نہیں جھکی۔ وہ ابلیس کی تھی۔ یہ تمہارے آگے جھکتی نہیں بلکہ تمہیں اپنے آگے جھکانا چاہتی ہے۔ فرمایا جو انسان اس سے مغلوب ہوگیا اس نے راہ سعادت گم کر دی، جو مغلوب نہیں ہوا بلکہ اسے اپنے سے مغلوب رکھا وہ اللہ کا سچا بندہ ہوا۔ یعنی اس نے انسانیت کا وہ بلند ترین مقام پا لیا جو حکمت الٰہی نے اسے عطا فرمایا ہے۔

نیز فرمایا۔ جو اللہ کے مخلص بندے ہیں۔ ان پر ابلیس کا داؤ چلنے والا نہیں۔ مغلوب وہی ہوتے ہیں جو راہ عبودیت سے بھٹک گئے۔

قرآن حکیم نے مختلف سورتوں میں نوع انسانی کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ ضروری ہے کہ ان تمام مقامات پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے، اور معلوم کیا جائے کہ اس بارے میں قرآن کی تصریحات کیا کیا ہیں۔ چونکہ آگے چل کر سورۂ ص میں یہ بیان پھر آنے والا ہے اس لیے یہاں صرف ربط مطالب کی تشریح پر اکتفا کرتے ہیں۔ باقی تمام تشریحات سورۂ مذکورہ کے تشریحی نوٹ میں ملیں گی۔

اس آیت میں "جان" کی پیدائش کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ "جان" اور "جن" کے لیے سورۂ جن کا نوٹ دیکھنا چاہیے۔

(۱۱) پھر آیت (۴۹) میں واضح کر دیا کہ اس بارے میں قانون الٰہی کیا ہے؟ فرمایا۔ بخشش اور رحمت ہے، لیکن جو لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو ان کے لیے عذاب بھی ہے اور یہ عذاب بڑا ہی دردناک ہوتا ہے۔

اس کے بعد گزشتہ قوموں کے ایام و وقائع کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انکار و بدعملی اور شرارت و سرکشی کا نتیجہ کیسے دردناک عذابوں کی شکل میں ظاہر ہوا؟ اس سلسلہ میں صرف تین قوموں کا ذکر کیا ہے جن کی آبادیوں پر سے عرب کے قافلے گزرتے رہتے تھے اور ان کی ہولناک ہلاکتوں کے مناظر ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھے۔ یعنی قوم لوط جس کی بستیاں عرب اور فلسطین کے درمیان شاہراہ عام پر واقع تھیں، قبیلہ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ
الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ
الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ
لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَ قُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾

ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے کسی مصلحت ہی سے بنایا ہے (بے کار کو نہیں بنایا ہے) اور یقیناً مقررہ وقت آنے والا ہے۔ پس (اے پیغمبر!) چاہیے کہ حسن و خوبی کے ساتھ (مخالفوں کی مخالفتوں سے) درگزر کرو۔ (۸۵) تمہارا پروردگار ہی ہے جو (سب کا) پیدا کرنے والا اور (سب کی حالت) جاننے والا ہے! (۸۶)

اور بلاشبہ ہم نے تمہیں دہرائی جانے والی آیتوں میں سے سات آیتوں کی سورت عطا فرمائی ہے (یعنی سورۂ فاتحہ) اور قرآن عظیم (اور اس کا دہرا دہرا کر نماز میں پڑھنا تمہارے لیے کفایت کرتا ہے) (۸۷)

(اور) یہ جو ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو (فوائد زندگی سے) بہرہ مند کر دیا ہے تو تم (رشک کی نظر سے انہیں نہ دیکھو اور نہ ایسا ہو کہ ان کی حالت پر بے کار کو غم کھانے لگو۔ تم مومنوں کے لیے اپنے بازو پھیلا دو (یعنی انہی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ) (۸۸) اور اعلان کر دو کہ میں (انکار و بد عملی کے نتائج سے) خبردار کرنے والا ہوں، آشکارا۔ (۸۹)

مدین جس کی بستی بحر قلزم کے کنارے تھی اور حجاز سے فلسطین کی طرف جائیں خواہ مصر کی طرف، ان کے کھنڈر راہ میں ضرور پڑتے تھے شہر حجر میں بسنے والی قوم یعنی قوم ثمود جس کا مقام بھی اسی شاہراہ پر واقع تھا۔ یعنی حجاز اور شام کی شاہراہ پر۔

(۱۲) قرآن میں "الساعة" کا لفظ کہیں تو روز قیامت کے لیے بولا گیا ہے کہیں ایک ایسے فیصلہ کن دن کے لیے جو دعوت حق اور اس کے مخالفوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ آیت (۸۵) میں "الساعة" سے مقصود ایسا ہی دن ہے۔ قیامت کا دن نہیں ہے جیسا کہ اکثر مفسروں اور مترجموں نے قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح پچھلے رسولوں سے مقابلہ کرنے والے ناکام رہے، اسی طرح اب بھی مخالف و سرکش ناکام رہیں گے اور وہ دن دور نہیں جب حق و باطل کی اس کشمکش کا فیصلہ ہو جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ o اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ o ﴾ یعنی جب صورت حال ایسی ہے تو چاہیے کہ لوگوں کی سرکشی و شرارت سے آزردہ خاطر نہ ہو اور حسن و خوبی کے ساتھ درگزر کرتے رہو۔ اللہ سب کا پیدا کرنے والا اور سب کی حالت جاننے والا ہے۔ پس اس کے بندوں کا معاملہ اسی پر چھوڑ دینا چاہیے۔

کسی بات سے درگزر کرنے کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی بے بس ہوتا ہے اس لیے مجبور ہو کر بدلہ نہیں لیتا۔ درگزر کر دیتا ہے لیکن دل نفرت و انتقام سے لبریز رہتا ہے۔ یہ "صفح" ہے۔ مگر "صفح جمیل" نہیں ہے۔

"صفح جمیل" یہ ہے کہ مجبور ہو کر نہیں بلکہ خود اپنی مرضی اور خواہش سے درگزر کر لیا جائے اور نفرت و انتقام کا کوئی جذبہ دل میں نہ اٹھے۔ اگر اٹھے تو غالب نہ آ سکے۔ مغلوب ہو کر رہ جائے۔ پس فرمایا تمہیں مخالفوں کے ساتھ "صفح جمیل" کرنا چاہیے۔

(۱۳) آیت (۸۷) سے آخر تک سورت کا خاتمہ ہے اور اس کی تمام موعظت و ارشاد کا خلاصہ۔ خطاب اگرچہ پیغمبر اسلام ﷺ سے ہے مگر فی الحقیقت مومنوں کی وہ ابتدائی جماعت مخاطب ہے جو مکہ میں ایمان لائی تھی اور مظلومی و بے سروسامانی کی زندگی بسر کر رہی

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿٩٠﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿٩١﴾ فَوَ رَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾ اِنَّا
كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾

(اے پیغمبر! ہم نے اسی طرح یہ کلام تم پر نازل کیا ہے) جس طرح ان لوگوں پر نازل کیا تھا جنہوں نے (دین حق کے) ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں (۹۰) اور (اپنے) قرآن کو پارہ پارہ کر دیا ہے- (۹۱) تو دیکھو تمہارا پروردگار شاہد ہے کہ ان سب سے ضرور ان کے کاموں کی باز پرس ہوگی- (۹۲)

پس جو کچھ تمہیں حکم دیا گیا ہے لوگوں پر آشکارا کرو اور مشرکوں کی کچھ پروانہ کرو- (۹۳-۹۴) ان ہنسی اڑانے والوں کے لیے ہم تمہاری طرف سے بس کرتے ہیں- (۹۵) (یہ ہنسی اڑانے والے) جو اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو بھی معبود بناتے ہیں عنقریب معلوم کرلیں گے کہ حقیقت حال کیا تھی؟ (۹۶)

تھی- فرمایا تم دیکھتے ہو کہ مخالفوں کے پاس ہر طرح کی دنیوی آسائشیں اور دنیوی طاقتیں ہیں- تمہارے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، لیکن تم بھولتے ہو- تمہارے پاس بھی ایک چیز ہے جس سے تمہارے مخالف یک قلم تہی دست ہیں- اور وہ اللہ کا کلام ہے: ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴾ اور اگر یہ نعمت تمہارے پاس موجود ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم مخالفوں کی موجودہ خوشحالیوں کو حسرت و رشک کی نظر سے دیکھو- یہی ایک نعمت تمہیں دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے سرفراز کر دینے والی ہے-

احادیث سے ثابت ہے کہ یہاں ﴿ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ ﴾ سے مقصود سورۂ فاتحہ ہے-

یہاں خصوصیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ کا اس لیے ذکر کیا کہ وہ قرآن کی تمام تعلیم کا خلاصہ اور ایمان و عمل کی زندگی کا روزانہ دستور العمل ہے اور جس فرد اور جماعت کی زندگی ان سات آیتوں کی ورد و مداومت میں بسر ہو رہی ہو ممکن نہیں کہ وہ دینی و دنیوی سعادتوں سے محروم رہے-

نیز اس کے اس وصف پر زور دیا کہ وہ دہرائی جانے والی چیز ہے- یعنی ایک مومن زندگی کے لیے شب و روز کا ورد اسی میں ہے- وہ ہر روز اپنی نمازوں میں اور نماز کی ہر رکعت میں اسے دہراتا رہتا ہے- اس پر صبح آتی ہے تو اسی کی صدائیں چھیڑتی ہے' شام ہوتی ہے تو اسی کی صدائیں اٹھتی ہیں- اس کی دوپہر کا نغمہ بھی یہی ہوتا ہے' اور اس کی راتوں کا ترانہ بھی اس کے سوا کوئی نہیں:

جز نغمہ محبت سازم نوا نہ دارد!

اس آیت سے سورۂ فاتحہ کی بڑی ہی خصوصیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے- لیکن تشریح کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ یہ مبحث تفسیر فاتحہ میں گزر چکا ہے-

(۱۴) اس آیت سے یہ بات بھی محقق ہوگئی کہ سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور اس کے کلمات کی کوئی ایسی تقسیم صحیح نہیں ہوسکتی جس سے آیتوں کی یہ تعداد گھٹ جائے یا بڑھ جائے- چنانچہ جب اس اعتبار سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے یا تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بھی اس میں شامل ہے، یعنی اس کی پہلی آیت ہے یا پھر ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ اور ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ دو آیتیں ہیں، ایک آیت نہیں ہے- کیونکہ بغیر اس کے سات آیتوں کی تعداد بنتی نہیں- روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے کہ بسم اللہ اس کی پہلی آیت ہے- مفصل بحث البیان میں ملے گی-

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ
السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع ۶/۲۰

ہم اس سے بے خبر نہیں کہ ان لوگوں کی باتوں سے تمہارا دل رکنے لگتا ہے۔(۹۷) سو چاہیے کہ اپنے پروردگار کی ستائش کو (شب و روز) ورد زبان کر لو، اس کے حضور سجدے میں گرے رہو۔(۹۸) اس کی بندگی میں لگے رہو۔ یہاں تک کہ یقین تمہارے سامنے آ جائے!(۹۹)

اور پھر یہی وجہ ہے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سورۂ فاتحہ ہمیشہ سات وقفوں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور ہر آیت کا آخری لفظ کسی قدر کھینچ کر ختم کرتے تھے جو اختتام صوت کی قدرتی صورت ہے۔ ایسا نہیں کرتے تھے کہ صرف تین وقفوں میں پوری سورت ختم کر دیں۔ یعنی **الحمد** سے لے کر **یوم الدین** تک ایک سانس میں اور پھر **اھدنا الصراط المستقیم** سے لے کر **ولا الضالین** تک ایک سانس میں۔ جیسا کہ آج کل قراءت کا عام طریقہ اختیار کر لیا گیا ہے۔ راوی نے صرف اتنی ہی تصریح پر قناعت نہیں کی ہے بلکہ آیتیں پڑھ کر بتلا بھی دیا ہے کہ آپ اس طرح ہر آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے اور اس طرح ہر آیت پر وقفہ کرتے تھے۔ یعنی **الحمد لله رب العلمین** (وقف) **الرحمن الرحیم** (وقف) **مالك یوم الدین** (وقف) **ایاك نعبدو ایاك نستعین** (وقف) **اھدنا الصراط المستقیم** (وقف)

اور فی الحقیقت سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا قدرتی اور صحیح طریقہ یہی ہو سکتا ہے۔ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے اور اس کی ہر آیت سائل کی زبان سے نکلی ہوئی طلب و الحاح کی ایک صدا کا حکم رکھتی ہیں۔ جب ایک سائل کسی کے آگے کھڑا ہوتا ہے اور اس کی مدح و ثنا کر کے حرف مطلب زبان پر لاتا ہے تو ایسا نہیں کرتا کہ ایک خطیب کی طرح مسلسل تقریر کرنا شروع کر دے اور ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے بلکہ طلب و نیاز کے لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک بات کہے گا۔ طلب و نیاز اور عجز و الحاح کی حالت اسے مہلت ہی نہ دے گی کہ ایک مرتبہ میں سب کچھ کہہ جائے مثلاً کہے گا۔ آپ فیاض ہیں۔ آپ کریم ہیں۔ آپ کی جود و سخا کی دھوم ہے۔ اگر آپ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں؟ اور ان میں سے ہر بول دوسرے بول سے ملا کر نہیں کہے گا الگ الگ کر کے اور ٹھہر ٹھہر کر کہے گا۔ بلاشبہ ان میں سے ہر جملہ باعتبار مطلب کے دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ بات ایک ہی جملہ میں پوری نہیں ہو جاتی۔ لیکن وقف و اتصال کے لیے صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے۔ طریق خطاب و کلام کا اداشناس جانتا ہے کہ زور کلام اور حسن خطاب کے لیے کہاں وقفہ کرنا چاہیے۔ کہاں نہیں کرنا چاہیے۔

یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب قرآن کے ان تمام مقامات پر نظر ڈالی جائے جہاں آنحضرت (ﷺ) کا وقف کرنا روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ ان میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں متاخرین قراء کے نزدیک وقف نہیں ہونا چاہیے لیکن آنحضرت ﷺ کا وقف کرنا ثابت ہے اور اگر مقام کی نوعیت پر غور کرو گے تو واضح ہو جائے گا کہ طریق کلام کا خطیبانہ اسلوب یہی چاہتا ہے کہ یہاں وقفہ ہو۔ بغیر اس کے زور کلام ابھرتا نہیں۔ اور گو آیت میں بات پوری نہیں ہوئی ہے لیکن موقع کا قدرتی اسلوب خطاب یہی ہے کہ وقفہ کیا جائے۔ اتصال صوت نہ ہو۔

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُھَا: 128 | سُوْرَۃُ النَّحْلِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا: 16

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ① یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی
مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ
تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ③ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ④ وَ الۡاَنۡعَامَ خَلَقَھَا ۚ لَکُمۡ

اللہ کا حکم آ پہنچا- پس اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ (اور انتظار کرو) (اے مخاطب!) اس کی ذات پاک اور بلند ہے جو یہ لوگ شرک کی باتیں کر رہے ہیں! (۱)

وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس غرض سے چن لیتا ہے کہ اپنے حکم سے فرشتے الروح کے ساتھ اس پر بھیجے (یعنی وحی کے ساتھ بھیجے) اور اسے حکم دے کہ لوگوں کو اس حقیقت سے خبردار کر دو- ''میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس مجھ سے ڈرو'' (اور انکار و بدعملی سے باز آ جاؤ) (۲)

اس نے آسمان و زمین کا یہ تمام کارخانہ تدبیر و مصلحت سے پیدا کیا ہے- (بے کار کو نہیں بنایا) اس کی ذات اس بات سے (پاک و) بلند ہے جو لوگ شرک کی بات کر رہے ہیں! (۳) اس نے انسان کو نطفہ (کے ایک قطرہ) سے پیدا کیا- پھر دیکھو وہ ایک جھگڑنے والا اور ابھرنے والا وجود ہو گیا! (۴) اور دیکھو- اس نے چارپائے پیدا کیے-

☆☆ (۱) یہ سورت من جملہ ان سورتوں کے ہے جو مکی عہد کے آخری ایام میں نازل ہوئیں-

''امر اللہ'' سے مقصود اللہ کی یہ ٹھہرائی ہوئی بات ہے کہ دعوت وحی کامیاب ہوتی ہے اور اس کی مخالف قوتیں ناکام رہتی ہیں- اسی حقیقت کو قرآن نے قضاء بالحق اور شہادت الٰہی سے بھی تعبیر کیا ہے- منکر اس بات کی ہنسی اڑاتے تھے اور کہتے تھے اگر سچ مچ کو ایسا ہونے والا ہے تو کیوں نہیں ہو چکتا؟ یعنی کیوں اللہ کا حکم ظہور میں نہیں آ جاتا؟ ابتدائی عہد کی سورتوں میں کہا گیا تھا کہ قانون حق نے ہر بات کے لیے ایک وقت ٹھہرا دیا ہے اور وہ اپنے وقت ہی پر ظاہر ہوتی ہے- اس سورت میں فرمایا- وہ وقت آ گیا ہے- یعنی اب بالکل قریب ہے- کیونکہ اب مخالفوں کا ظلم و تشدد انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا، مومنوں پر زندگی دشوار ہو گئی تھی، عنقریب ہجرت مدینہ کا معاملہ ظہور میں آنے والا تھا اور اس کا ظہور فیصلہ امر کا اعلان تھا-

(۲) قرآن نے جا بجا وحی الٰہی کو ''الروح'' سے تعبیر کیا ہے- یہاں آیت (۲) میں بھی ''الروح'' سے مقصود وحی ہے اور ظاہر ہے کہ وحی کے لیے اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی- وہ نظر نہیں آتی لیکن جس جسم پر اترتی ہے وہ اس سے معمور ہو جاتا ہے اور اس کے اندر سے اس کی صدائیں اٹھنے لگتی ہیں- نیز اس اعتبار سے بھی وہ الروح ہے کہ انسانی سعادت کی زندگی اسی سے قائم ہے- ﴿ اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ ﴾ (۸:۲۴)

فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَ تَحْمِلُ
اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ
الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ

ان میں (یعنی ان کی کھال اور اون میں) تمہارے لیے گرم کرنے والی پوشش ہے- نیز طرح طرح کے فائدے- اور انہی میں ایسے جانور بھی ہیں جن کا تم گوشت کھاتے ہو- (۵)

اور دیکھو (انہیں کس طرح پیدا کیا کہ) ان میں تمہاری نگاہوں کے لیے خوش نمائی پیدا ہوگئی ہے- جب تم شام کے وقت انہیں (میدانوں سے چرا کر) واپس لاتے ہو اور جب صبح کو (میدانوں میں) چھوڑ دیتے ہو (تو اس وقت ان کا منظر کیسا خوش نما ہوتا ہے؟) (۶)

اور (پھر دیکھو) یہی جانور ہیں جو تمہارا بوجھ اٹھا کر ایسے (دور دراز) شہروں تک لے جاتے ہیں کہ تم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے مگر بڑی ہی جانکاہی کے ساتھ- بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت رکھنے والا بڑا ہی رحمت رکھنے والا ہے! (۷)

اور (دیکھو) گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کر دیے ہیں کہ تم ان سے سواری کا کام لو اور ویسے ان میں خوشنمائی اور رونق بھی ہے- وہ اور بہت سی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جن کی تمہیں خبر نہیں- (۸) اور یہ اللہ کا کام ہے کہ راہ حق واضح کر دے- اور راہوں میں ٹیڑھی راہیں بھی ہیں- وہ اگر چاہتا تو تم سب کو (ایک ہی) راہ دکھا دیتا (اور مختلف راہیں یہاں پیدا ہی نہ ہوتیں، لیکن تم دیکھ رہے ہو

حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی حقیقت کو "روح القدس" سے تعبیر کیا ہے اور حواریوں نے بھی اسی معنی میں اسے استعمال کیا ہے- اگرچہ بعد میں اس کی حقیقت عیسائیوں پر مشتبہ ہوگئی-

(۳) آیت (۲) میں فرمایا تھا کہ یہ اللہ کی مقررہ سنت ہے کہ وہ ہدایت خلق کے لیے کسی بندہ کو چن لیتا ہے اور اسے وحی کی روح سے معمور کر دیتا ہے- اور اس ہدایت وحی کی دعوت کیا ہوتی ہے؟ توحید الٰہی کی تلقین یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں پس صرف اسی کی بندگی کرو-

اب آیت (۳) سے توحید الٰہی کے دلائل کا بیان شروع ہوتا ہے- مبدءِ استدلال "تخلیق بالحق" کی حقیقت ہے جس کی تشریح پہلے گزر چکی اور مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے-

(۴) آیت (۴) میں قدرت الٰہی کی اس کرشمہ سازی پر توجہ دلائی ہے کہ نطفہ کے ایک قطرۂ حقیر سے ایک ایسا عقیل و مفکر وجود پیدا ہو جاتا ہے جس میں بحث و نزاع کی قوت ہوتی ہے اور جو بال کی کھال اتارنے لگتا ہے- پس یہاں "فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ" سے مقصود بیان واقعہ ہے نہ کہ مذمت و ملامت جیسا کہ بعض دوسرے مقامات میں ہے-

(۵) پہلے تخلیق بالحق کی حقیقت پر توجہ دلائی کہ کارخانۂ ہستی کی ہر چیز کسی سوچی سمجھی ہوئی مصلحت سے بنائی گئی ہے- بے کار و عبث نہیں بنی ہے- اس کے بعد فرمایا- انسان خود اپنی ہستی کو دیکھے اور اپنے چاروں طرف نظر ڈالے- کس طرح ہر شے بول رہی ہے کہ مجھے کسی رب و

ع ۹/۷

لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ
فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ
كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ
الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾
وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ
سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ

کہ مختلف راہیں اور اس کی حکمت کا ایسا ہی فیصلہ ہوا)-(۹)

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا- اس میں سے کچھ تو تمہارے پینے کے کام آتا ہے- کچھ زمین کو سیراب کرتا ہے-اس سے درختوں کے جنگل پیدا ہو جاتے ہیں اور تم اپنے مویشی ان میں چراتے ہو!(۱۰)

اسی پانی سے وہ تمہارے لیے (ہر طرح کے غلوں کی) کھیتیاں بھی پیدا کر دیتا ہے- نیز زیتون' کھجور' انگور اور ہر طرح کے پھل- یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے جو غور و فکر کرنے والے ہیں!(۱۱)

اور (دیکھو) اس نے تمہارے لیے رات' دن' سورج اور چاند مسخر کر دیے (تمہاری کار برایوں کے لیے کام کر رہے ہیں) اور اسی طرح ستارے بھی اس کے حکم سے تمہارے لیے مسخر ہو گئے ہیں- یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں!(۱۲)

اور زمین کی سطح پر طرح طرح کے رنگوں کی پیداوار جو تمہارے لیے پیدا کر دی ہیں (ان پر غور کرو)- بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں!(۱۳)

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے سمندر تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ اس سے تر و تازہ گوشت نکالو اور کھاؤ' اور زیور کی (قیمتی اور خوشنما) چیزیں نکالو جنہیں آرائش کے لیے پہنتے ہو- نیز تم دیکھتے ہو کہ جہاز پانی چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اس کا فضل تلاش کرو (یعنی جہازوں کے ذریعہ سے تجارت کرو) اور (اس کی نعمتوں کی قدر بجا لا کر) شکر گزار رہو!(۱۴)

رحیم ہستی نے بنایا ہے جو پرورش کرنا چاہتی ہے' فائدہ پہنچانا چاہتی ہے' ساری احتیاجیں اور ضرورتیں پوری کر رہی ہے اور سرتاسر بخشش' فضل' احسان اور رحمت ہے؟

پھر ایک ایسی ربوبیت و رحمت رکھنے والی ہستی موجود ہے تو ہر طرح کی پرستاریوں کا مستحق اسے ہونا چاہیے یا انہیں جو خود اپنی پرورش کے لیے اس کی پروردگاری کے محتاج ہیں؟ اور اگر وہ پروردگار ہستی تمہاری تمام جسمانی ضرورتوں اور آسائشوں کا انتظام کر رہی ہے تو کیا ضروری نہ تھا کہ تمہاری روحانی سعادت و زندگی کا بھی سروسامان کر دیتی؟ یہی سروسامان ہے جو ہدایت وحی اور ترسیل رسل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے- پھر کیوں تمہیں اس پر انکار و تعجب ہو؟

مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ
اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾
اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ
يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ ع ۲

اور (دیکھو) اسی نے زمین میں پہاڑ قائم کر دیئے کہ وہ تمہیں لے کر (کسی طرف کو) جھک نہ پڑے- اور اس نے نہریں رواں کر دیں اور راستے نکال دیے تاکہ تم (تری اور خشکی کی راہیں قطع کر کے) اپنی منزل مقصود تک پہنچو- (۱۵)

اور دیکھو، اس نے (قطع مسافت کے لیے طرح طرح کی) علامتیں پیدا کر دیں اور ستاروں سے لوگ رہنمائی پاتے ہیں- (۱۶)

پھر بتلاؤ کیا دونوں ہستیاں برابر ہوگئیں؟ وہ جو پیدا کرتی ہے (یعنی جس نے ربوبیت و فیضان کا یہ تمام کارخانہ بنا دیا ہے) اور وہ جو کچھ پیدا نہیں کرتی (بلکہ خود اپنی ہستی کے لیے پروردگار عالم کی ربوبیت کی محتاج ہے؟) پھر کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ (۱۷)

اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی گن نہ سکو- بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا' بڑا ہی رحمت والا ہے! (۱۸)

اور اللہ سب کچھ جانتا ہے، جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو، کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں! (۱۹)

اور اللہ کے سوا جن ہستیوں کو یہ پکارتے ہیں ان کا تو حال یہ ہے کہ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے- خود کسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں- (۲۰)

وہ مردے ہیں نہ کہ زندگی رکھنے والے- انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ کب (موت سے) اٹھائے جائیں گے! (۲۱)

تمہارا معبود تو ایک ہی معبود ہے (اس کے سوا کوئی نہیں) پھر جو لوگ آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے' تو ضرور ان کے دل انکار میں ڈوبے ہوئے ہیں-

---

(۶) آیت (۲۰) اور اس کے بعد کی آیتوں میں دلائل سے نتیجہ نکلا ہے- ایسا نتیجہ جو خود بخود ابھر رہا اور ہر نگاہ کے سامنے آ رہا تھا- یعنی جس پروردگار نے اپنی پروردگاریوں کا یہ تمام کارخانہ پیدا کر دیا ہے کیا کوئی دوسری ہستی اس کے برابر ہو سکتی ہے؟ کیا وہ ہستی جو یہ سب کچھ پیدا کر رہی ہے' اور وہ جو پیدا نہیں کر سکتی' دونوں برابر ہو سکتی ہیں؟ اگر نہیں ہو سکتیں' تو اس سے بڑھ کر عقل کی کوری اور روح کی موت کیا ہو سکتی ہے

مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٤﴾ لِيَحْمِلُوْۤا
اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا
يَزِرُوْنَ ﴿٢٥﴾ ع قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ
السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ

وہ (سچائی کے مقابلہ میں) گھمنڈ کر رہے ہیں۔ (۲۲)

یقیناً (اللہ ان کے حال سے بے خبر نہیں) یہ جو کچھ (اپنے دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ (زبان پر) ظاہر کرتے ہیں سب اس کے علم میں ہے۔ وہ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۲۳)

اور جب ان لوگوں سے پوچھا جاتا ہے "وہ کیا بات ہے جو تمہارے پروردگار نے اتاری ہے؟" تو کہتے ہیں "کچھ نہیں، محض اگلے وقتوں کے افسانے ہیں" (۲۴) (ان کے اس کہنے کا نتیجہ کیا ہے؟) یہ کہ قیامت کے دن پورا پورا (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ کا بھی ایک حصہ جنہیں (اس طرح کی باتیں کہہ کہہ کر) یہ بغیر علم و روشنی کے گمراہ کر رہے ہیں۔ تو دیکھو، کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ اپنے اوپر لادے چلے جا رہے ہیں! (۲۵)

ان سے پہلے جو گزر چکے ہیں، انہوں نے بھی (دعوت حق کے خلاف) تدبیریں کی تھیں لیکن (کیا نتیجہ نکلا؟) انہوں نے اپنی تدبیروں کی جو عمارت بنائی تھی اللہ نے اس کی بنیاد کی اینٹیں تک ہلا دیں۔ پس ان کے اوپر (انہی کی بنائی ہوئی) چھت آ گری، اور ایسی راہ سے عذاب نمودار ہوا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا! (۲۶)

پھر (اس کے بعد) قیامت کا دن (پیش آنے والا) ہے جب وہ انہیں رسوائی میں ڈالے گا اور

کہ تم دوسری ہستیوں کو بھی پروردگار عالم کے ساتھ معبودیت میں شریک کر رہے ہو؟

آیت (۱۸) میں فرمایا۔ ان چند اشیاء کی پیدائش ہی پر موقوف نہیں۔ اس کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ اگر گننا چاہو تو تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ گن سکو۔ تمہاری زندگی کا ہر سانس اس کی کسی نہ کسی نعمت کا رہین منت ہے۔ کارخانۂ ہستی کا ہر ذرہ کسی نہ کسی بخشش و کرم کی نشانی ہے۔

درختوں کا ہر پھول، دھوپ کی ہر کرن، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، چاند کی ہر نمود، ستاروں کی ہر چمک، پرندوں کی ہر چہچہاہٹ اس کی ربوبیت کی ایک پروردگاری اور اس کی رحمت کی ایک چارہ سازی ہے۔ تم اگر درختوں کے سبز پتے، پھولوں کے رنگین ورق اور سورج کی سنہری کرنیں گن سکتے ہو تو اس کی نعمتیں بھی گن لو۔ تم درختوں کے ہر پتے سے پوچھو، بارش کے ہر قطرہ سے سوال کرو، سورج کی ہر کرن کا منہ دیکھو، تمہیں یہی جواب ملے گا کہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا بڑی ہی رحمت والا ہے!

وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَ
السُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ
مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا
فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا

پوچھے گا ''بتلاؤ آج وہ ہستیاں کہاں گئیں جنہیں تم نے میرا شریک بنایا تھا اور جن کے بارے میں تم (اہل حق سے) لڑا کرتے تھے؟'' اس وقت وہ لوگ جنہیں (حقیقت کا) علم دیا گیا تھا پکار اٹھیں گے ''بے شک آج کے دن کی رسوائی اور خرابی سرتاسر کافروں کے لیے ہے۔ ان کافروں کے لیے کہ فرشتوں نے جب ان کی روحیں قبض کی تھیں تو اپنی جانوں پر خود اپنے ہاتھوں ظلم کر رہے تھے'' (۲۷)

تب وہ اطاعت کا اظہار کریں گے اور کہیں گے ''ہم نے تو (اپنی دانست میں) کوئی برائی کی بات نہیں کی تھی۔'' (لیکن اہل علم جواب دیں گے) ''ہاں تم نے ضرور کی اور تم جو کچھ کرتے رہے ہو اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہے!'' (۲۸)

''پس اب تمہارے لیے یہی ہے کہ جہنم کے دروازوں میں (گروہ گروہ ہو کر) داخل ہو جاؤ۔ تمہیں ہمیشہ کے لیے اسی میں رہنا ہے'' تو دیکھو (حق کے مقابلہ میں) گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہوا! (۲۹)

اور (جب) متقیوں سے پوچھا گیا ''وہ کیا بات ہے جو تمہارے پروردگار نے نازل کی ہے؟'' تو انہوں نے کہا ''سرتاسر خیر و برکت کی بات'' سو (دیکھو) جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لیے اچھائی ہی ہے اور یقیناً (ان کے لیے) آخرت کا گھر بھی خیر و برکت ہی کا گھر ہے۔ پس متقیوں کا ٹھکانا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہوا! (۳۰) دائمی (راحت و سرور کے) باغ جن میں وہ داخل ہوں گے۔

---

(۷) برائی اور معصیت کرنے کو ہر جگہ قرآن نے ﴿ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ اور ﴿ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ﴾ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ ناانصافی کی اور اپنی جانوں پر زیادتی کی۔ یہاں بھی آیت (۲۸) میں ایسی ہی تعبیر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک کفر و بدعملی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ خود اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو نقصان و ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اس بات کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی آدمی کو ہم سنکھیا کھاتے دیکھتے ہیں تو بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہو؟ قرآن کے نزدیک کفر و معصیت بھی ایسی ہی چیز ہے۔ یہ دودھ پینے کی جگہ سنکھیا کھانا ہے اور جو کھاتا ہے وہ خود ہی اپنی جان کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے اور خود اپنے اوپر زیادتی کرنے والا ہوتا ہے۔

(۸) آیت (۲۴) سے آیت (۳۲) تک دو گروہوں کی دو متضاد حالتیں اور متضاد نتیجے بیان کیے ہیں:

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ
الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ
تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ع

ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اس لیے کبھی خشک ہونے والے نہیں) جو کچھ چاہیں گے وہاں ان کے لیے مہیا ہو جائے گا- اسی طرح اللہ متقیوں کو (ان کی نیک عملی کا) بدلہ دیتا ہے! (۳۱)

وہ (متقی) جنہیں فرشتے اس حال میں وفات دیتے ہیں کہ (دل کے اطمینان اور ایمان کے یقین کی وجہ سے) خوشحال ہوتے ہیں- فرشتے انہیں کہتے ہیں "تم پر سلامتی ہو! جنت میں داخل ہو جاؤ، یہ نتیجہ ہے ان کاموں کا جو تم کرتے رہے ہو!" (۳۲)

(اے پیغمبر!) یہ لوگ جو انتظار کر رہے ہیں تو اس بات کے سوا اور کون سی بات اب باقی رہ گئی ہے کہ فرشتے ان پر اتر آئیں یا تیرے پروردگار کا (مقررہ) حکم ظہور میں آ جائے؟ ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (کہ سرکشی و فساد سے باز نہ آئے یہاں تک (حکم الٰہی ظہور میں آ گیا) اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے! (۳۳)

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ جیسے کچھ ان کے کام تھے ویسے ہی برے نتیجے بھی ملے اور جس بات کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی انہیں آ لگی! (۳۴)

ایک گروہ منکروں کا ہے- ایک متقی انسانوں کا-

منکروں کے نزدیک وحی الٰہی کی حقیقت کیا ہے؟ ﴿ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ یہ تو وہی اگلوں کے افسانے ہیں- اس کے سوا کچھ نہیں- لیکن جو لوگ متقی ہیں ان کے نزدیک اس کی حقیقت کیا ہے؟ قالوا خیرا - سرتا سر خیر و برکت!

پہلے گروہ پر جب موت آتی ہے تو اس حال میں آتی ہے کہ برائیوں میں سرگرم ہوتے ہیں: ﴿ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ﴾ لیکن دوسرے گروہ پر جب آتی ہے تو وہ ایمان و یقین اور پاکی عمل کی روح سے خوش حال ہوتے ہیں

﴿ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ! ﴾

جزاء عمل کے لحاظ سے بھی دونوں کی حالتیں متضاد ہوئیں- پہلے گروہ کو کہا جائے گا: ﴿ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ ﴾ دوسرے سے کہا جائے گا: ﴿ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾-

پہلے کے لیے خواری و عذاب کا پیام ہوگا: ﴿ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴾ دوسرے کے لیے سلامتی کا پیام:

﴿ سَلٰمٌ عَلَيْكُم ادْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾

پہلے نے گھمنڈ کیا تھا تو گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہوا: ﴿ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴾ دوسرے نے تقویٰ کی روش اختیار کی تھی تو تقویٰ کی راہ چلنے والوں کا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہوا! ﴿ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ! ﴾

پہلے کے لیے عذاب دائمی ہوا: ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ دوسرے کے لیے نعیم و سرور کی زندگی دائمی ہوئی: ﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا! ﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا
حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا
الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ

اور مشرکوں نے کہا "اگر اللہ چاہتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا کہ ہم یا ہمارے باپ دادا اس کے سوا دوسری ہستیوں کی پوجا کرتے اور نہ ایسا ہوتا کہ بغیر اس کے حکم کے کسی چیز کو (اپنے جی سے) حرام ٹھہرا لیتے" ایسی ہی روش ان لوگوں نے بھی اختیار کی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں- پھر (بتلاؤ) پیغمبروں کے ذمے اس کے سوا اور کیا ہے کہ صاف صاف پیام حق پہنچا دیں؟ (۳۵)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے (دنیا کی) ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول ضرور پیدا کیا (تاکہ اس پیام حق کا اعلان کر دے) کہ اللہ کی بندگی کرو- اور سرکش قوتوں سے بچو- پھر ان امتوں میں سے بعض ایسی تھیں جن پر اللہ نے (کامیابی کی) راہ کھول دی- بعض ایسی تھیں جن پر گمراہی ثابت ہوگئی- پس ملکوں کی سیر کرو اور دیکھو جو قومیں (سچائی کو) جھٹلانے والی تھیں انہیں بالآخر کیسا انجام پیش آیا؟ (۳۶)

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں کے ہدایت پانے کے کتنے ہی خواہشمند ہو لیکن (یہ راہ پانے والے نہیں- کیونکہ) اللہ اس آدمی پر (کامیابی کی) راہ کبھی نہیں کھولتا جس پر (اس کے انکار و سرکشی کی وجہ سے) راہ گم کر دیتا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے

---

(۹) قرآن نے جا بجا مشرکوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اگر شرک برائی ہے تو خدا کیوں ہمیں برائی کرنے دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا کہ اس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کی جائے تو کبھی ایسا نہ ہو سکتا کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد ایسی بات کر سکتے- اگر وہ چاہے تو اب بھی ہمیں روک دے سکتا ہے- اس شور و ہنگامہ کی جگہ جو تم نے بپا کر رکھا ہے' کیوں خدا سے نہیں کہتے کہ ہمیں روک دے؟" چنانچہ یہاں بھی آیت (۳۵) میں ان کا یہی قول نقل کیا ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے-

فرمایا- یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو انہوں نے کہہ دی- پہلے بھی لوگ ایسی ہی روش اختیار کر چکے ہیں- لیکن یہ روش گمراہی اور ہٹ دھرمی کی روش ہے- اللہ کے رسول اس لیے نہیں آتے کہ لوگوں سے برائی کرنے کی طاقت سلب کر لیں اور انہیں ایسا بنا دیں کہ برائی کر ہی نہ سکیں- وہ تو پیام حق پہنچانے والے ہیں اور پیام پہنچانے والے کا کام صرف یہ ہے کہ صاف صاف اور روشن طریقہ پر پیام پہنچا دے- اب اسے ماننا یا نہ ماننا یہ سننے والوں کا کام ہے- پیام پہنچانے والا اس کے لیے ذمہ دار نہیں-

اور جب اللہ کی مشیت یہی ہوئی کہ انسان کو کسی ایک حالت پر مجبور نہ کر دیا جائے بلکہ ہر طرح کی حالت اختیار کرنے کی قدرت دی جائے تو اللہ کے رسولوں سے کیوں اس کی توقع کی جائے کہ لوگوں سے یہ قدرت سلب کر لیں؟

پھر فرمایا- دنیا کی کوئی امت نہیں جس میں اللہ کا رسول نہ آیا ہو اور اس نے توحید و خدا پرستی کی تعلیم نہ دی ہو- پھر کسی نے مانا اور

مَنْ يُّضِلُّ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝٣٧ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ
يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٣٨ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ
يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝٣٩ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ
اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝٤٠ وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي ع ۵
الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝٤١ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ وقف لازم

مددگار بھی نہیں ہوتا (کہ انہیں نتائج عمل سے بچالے)-(۳۷)

اور (دیکھو) ان لوگوں نے اللہ کی سخت سے سخت قسمیں کھائیں کہ "جو مر جاتا ہے اسے اللہ کبھی دوبارہ نہیں اٹھائے گا" ہاں ضرور اٹھائے گا- یہ اس کا وعدہ ہے اور اس کا پورا کرنا اس پر لازم ہے- لیکن اکثر آدمی ہیں جو اس بات کا علم نہیں رکھتے!(۳۸)

(اور پھر کیوں اٹھائے گا؟) اس لیے کہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں ان کی حقیقت کھول دے اور اس لیے کہ منکر جان لیں وہ (اپنی روش میں) جھوٹے تھے-(۳۹)

جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کوئی چیز پیدا کردیں تو اس کے سوا ہمیں اور کچھ کہنا نہیں ہوتا کہ کہہ دیتے ہیں "ہو جا" اور بس وہ ہو جاتا ہے!(۴۰)

اور (یاد رکھو) جن لوگوں پر (ان کے ایمان لانے کی وجہ سے) ظلم ہوا اور ظلم سہنے کے بعد انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی تو ہم ضرور انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا بدلہ تو کہیں بڑھ کر ہے، اگر یہ لوگ جان لیتے!(۴۱)

یہ لوگ جو (ہر طرح کی مصیبتوں میں) ثابت قدم رہے اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں!(۴۲)

اللہ نے فلاح و سعادت کی راہ اس پر کھول دی- کسی نے نہیں مانا اور گمراہی کی بات ثابت ہوگئی اور گمراہی کا نتیجہ پیش آ گیا- پس اللہ کا قانون ہدایت و شقاوت ایسا ہی چلا آیا ہے- یہ کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنا دیا گیا ہو-

(۱۰) یہ اعتقاد کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی دنیا میں بسر کرتا ہے بلکہ اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی میں جزائے عمل کا معاملہ پیش آنے والا ہے تمام مذاہب عالم کا عالمگیر اعتقاد ہے، لیکن مشرکین عرب اس سے بے خبر تھے اس لیے جب قرآن نے آخرت کی زندگی اور حشر اجساد کا اعلان کیا تو انہیں بڑی ہی عجیب بات معلوم ہوئی- وہ کہتے تھے جب آدمی مر گیا تو مر گیا پھر اس کے بعد زندگی کیسے ہو سکتی ہے؟ چنانچہ قرآن نے جا بجا ان کے اقوال نقل کیے ہیں اور جواب دیا ہے- یہاں آیت (۳۸) میں فرمایا- یہ لوگ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ مردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا لیکن نہیں جانتے کہ اللہ کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے- کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے یعنی اس کی ٹھہرائی ہوئی بات ہے اور ضروری ہے کہ ظہور میں آئے-

یہ اس کا وعدہ کیونکر ہے؟ اس طرح کہ خود دنیوی زندگی کی ہر بات کہہ رہی ہے کہ اسے ایسا کرنا ہے اور وہ ضرور کرے گا- چنانچہ اس کے بعد فرمایا: ﴿ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴾ تاکہ جن حقیقتوں کا انسان دنیوی زندگی میں

يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۴۲ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴ اَ فَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ النصف
يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۴۵ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۴۶

اور (اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسولوں کو بھیجا تو اسی طرح بھیجا کہ آدمی تھے - ان پر ہم وحی بھیجتے تھے - (ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آسمان کے فرشتے اتر آئے ہوں) پس (اے منکرین حق!) اگر خود تمہیں (یہ بات) معلوم نہیں تو ان لوگوں سے دریافت کر لو جو (آسمانی کتابوں کی) سمجھ بوجھ رکھتے ہیں (یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے) - (۴۳)

ہم نے ان رسولوں کو روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا اور (اسی طرح) تجھ پر بھی "الذکر" (یعنی قرآن) نازل کیا تا کہ جو تعلیم لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے وہ ان پر واضح کر دے نیز اس لیے کہ وہ غور وفکر کریں (اور ہدایت کی راہ پالیں) - (۴۴)

پھر جن لوگوں نے (اپنے) برے مقصدوں کے لیے تدبیریں کی ہیں کیا وہ اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ یا ایک ایسی راہ سے عذاب آ نازل ہو جس کا انہیں وہم وگمان بھی نہ ہو؟ (۴۵)

یا ایسا ہو کہ عین اس وقت جب وہ (اپنی کوششوں میں) تگ ودو کر رہے ہوں عذاب الٰہی انہیں آ پکڑے؟ کہ وہ اللہ کو (اپنی تدبیروں سے) عاجز نہیں کر دے سکتے - (۴۶)

فیصلہ نہیں کر سکتا اور اختلاف پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کا فیصلہ ہو جائے اور حقیقت سب کے سامنے آ جائے - نیز اس لیے کہ گمراہ اور بدعمل اپنی گمراہی وبدعملی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں - یعنی دنیوی زندگی میں پردوں کا نہ اٹھنا اور مشاہدہ حقیقت کا نہ ہونا بتلا رہا ہے کہ کوئی اور زندگی ضرور ہے جہاں بالآخر پردے اٹھیں گے - پس یہ صورت حال گویا خالق ہستی کی طرف سے ایک وعدہ ہوئی کہ اب نہیں لیکن آئندہ ایسا ہونے والا ہے اور ضروری ہے کہ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے -

(۱۱) آیت (۴۰) میں فرمایا تمہیں انسان کے دوبارہ زندہ ہونے پر اس لیے تعجب ہو رہا ہے کہ اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں - تم اسی ترازو سے اس کے کام بھی تولنا چاہتے ہو جس سے اپنے کام تولا کرتے ہو -

وہ کسی چیز کے ظہور میں لانے کے لیے نہ تو کسی سروسامان کا محتاج ہے نہ کسی دوسری ہستی کی موجودگی کا - صرف اس کا ارادہ ہی ہر طرح کی علت ہے، ہر طرح کا سروسامان ہے، ہر طرح کا مواد ہے - وہ جب چاہتا ہے کہ ایک چیز ظہور میں آ جائے تو بس اس کا چاہنا ہی سب کچھ ہے - جونہی اس کی مشیت کا فیصلہ ہوا، ہر چیز ظہور میں آ گئی!

یاد رہے کہ "ان یقول له کن" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عربی کا لفظ "کن" جو کاف اور نون سے مرکب ہے بولنے میں آتا ہے - یا کلمہ خطاب وامر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چیزیں وجود میں آ جاتی ہیں بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ صرف اس کا ارادہ تخلیق کے لیے کافی ہے اور اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ جس بات کا حکم دے دیتا ہے وہ بمجرد حکم ظہور میں آ جاتی ہے - وہ اپنے ارادہ اور حکم کے نفاذ میں کسی دوسری

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٤٧﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ يَّتَفَيَّؤُا
ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي
الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا
يُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾ وَ لَهٗ مَا فِي ع
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا

یا ایسا ہو کہ انہیں (پہلے) ڈرادے پھر پکڑے کیونکہ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت والا بڑا ہی رحمت والا ہے! (۴۷)

کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے کسی چیز پر بھی غور نہیں کیا؟ (انہوں نے نہیں دیکھا) کہ ہر چیز کا سایہ داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے ڈھلتا رہتا ہے اور اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتا رہتا ہے اور یہ کہ سب اس کے آگے عاجز و درماندہ ہیں؟ (۴۸)

اور آسمانوں میں جتنی چیزیں ہیں اور زمین میں جتنے جانور ہیں سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں، نیز فرشتے، اور وہ سرکشی نہیں کرتے۔ (۴۹)

وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر موجود ہے۔ اور جو کچھ حکم انہیں دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں! (۵۰)

اور اللہ نے فرمایا۔ دو دو معبود اپنے لیے نہ بناؤ۔ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہی ایک معبود ہے۔ تو دیکھو صرف میں ہی ہوں، پس صرف مجھی سے ڈرو! (۵۱)

اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور اسی کے لیے دین ہے دائمی۔ پھر کیا تم اللہ کے سوا دوسری ہستیوں سے ڈرتے ہو؟ (۵۲)

اور نعمتوں میں سے جو کچھ تمہارے پاس ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر جب تمہیں کوئی دکھ

چیز کا محتاج نہیں۔

پس ہمارے مفسرین نے یہاں جس قدر فلسفیانہ کاوشیں کی ہیں اور خطاب بہ معدوم وغیرہ کے سوالات اٹھائے ہیں سب بے محل اور بے معنی ہیں اور درخور التفات نہیں۔

غور کرو کس طرح چند لفظوں کے اندر اللہ کی خالقیت و قدرت کی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟ ایسی تصویر کہ اس سے زیادہ انسانی تصور نہ تو کچھ سوچ سکتا ہے نہ سوچ سکنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس نے تمام کارخانۂ ہستی کیونکر پیدا کیا؟ وہ جو کچھ پیدا کرنا چاہتا ہے کس طرح ظہور میں آجاتا ہے؟ اس طرح کہ اس کا حکم ہوتا ہے اور اس کا حکم ہی ساری علتوں کی علت اور سارے سببوں کا آخری سبب ہے!

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ
يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ يَجْعَلُوْنَ لِمَا
لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَ يَجْعَلُوْنَ
لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَ لَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ إِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ

پہنچتا ہے تو اسی کے آگے زارنالی کرتے ہو!(۵۳)

پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ وہ تم سے دکھ دور کر دیتا ہے تو دیکھو تم میں سے ایک گروہ معاً اپنے پروردگار کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک بنانے لگتا ہے- تاکہ جو نعمت ہم نے اسے دی تھی اس کی (پوری طرح) ناشکری کرے!(۵۴)

اچھا (زندگی کے چند روزہ) فائدے اٹھالو- پھر ایک وقت آئے گا کہ (اپنی ان ناشکریوں کا نتیجہ) معلوم کرلوگے!(۵۵)

اور پھر (دیکھو) ہم نے جو کچھ رزق انہیں عطا کیا ہے اس میں یہ ان ہستیوں کا بھی حصہ ٹھہراتے ہیں جن کی حقیقت کی انہیں خبر نہیں- بخدا تم سے ضرور اس بارے میں باز پرس ہوگی کہ (حقیقت کے خلاف) کیسی کیسی افترا پردازیاں کرتے رہتے ہو!(۵۶)

اور یہ اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں! اس کے لیے پاکی ہو! (بھلا اللہ کے لیے بیٹیاں!) اور خود ان کے لیے کیا؟ وہ جس کے یہ بڑے خواشمند ہیں! (یعنی بیٹے)(۵۷)

جب ان لوگوں میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو (مارے رنج کے) اس کا چہرہ

---

(۱۲) جب دشمنوں کا ظلم و تشدد اس حد تک پہنچ گیا کہ مسلمانوں پر زندہ رہنا دشوار ہوگیا تو پیغمبر اسلام ﷺ نے اجازت دے دی کہ حبش (ابی سینا) کی طرف ہجرت کر جائیں چنانچہ پہلے بارہ مرد اور چار عورتوں کا قافلہ مکہ سے نکلا جس کے رئیس حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے اس کے بعد اور لوگ نکلے جن کی تعداد ۸۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں تک پہنچ گئی-

تاریخ اسلام کی یہ پہلی ہجرت ہے- دوسری ہجرت یثرب کی ہجرت تھی-

آیت (۴۱) میں جن مہاجرین کا ذکر کیا ہے اس سے مقصود ابی سینا کے مہاجرین ہیں- فرمایا- انہوں نے اللہ کی سچائی کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا ہے اور ہجرت کی مصیبتیں برداشت کی ہیں تو ضروری ہے کہ اللہ ان کا مددگار ہو اور ان کے لیے دنیا میں اچھا ٹھکانا پیدا کر دے-

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ابی سینا کا دار غربت ان کے لیے امن و عزت کا مہماں سرا بن گیا- یہ وہی ابی سینا ہے جس کے ایک سپہ سالار ابرہہ نے پچاس برس پہلے مکہ پر حملہ کیا تھا لیکن اب اسی مکہ کے مظلوموں کا اخلاص و محبت کے ساتھ استقبال کر رہا ہے!

اتنا ہی نہیں بلکہ مظلومیت کی یہ ہجرت تبلیغ حق کی کامرانیوں کا ایک عجیب و غریب وسیلہ بن گئی- یعنی ابی سینا کے بادشاہ کا دل قبولیت حق کے لیے کھل گیا اور دعوت اسلام پر ایمان لے آیا- چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیت (۸۳) میں اس کا ذکر گزر چکا ہے-

(۱۳) قوانین الٰہی کی عجائب آفرینیوں میں سے ایک عجیب و غریب منظر ''ظل'' یعنی اجسام کے سایے کا ہے- نظام شمسی کے تمام کرشمے

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى
التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٥٩﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى
اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ

ع ۱۴

کالا پڑ جاتا ہے اور وہ غم میں ڈوب جاتا ہے۔ (۵۸)

جس بات کی اسے خوش خبری دی گئی ہے وہ ایسی برائی کی بات ہوئی کہ (شرم کے مارے) لوگوں سے چھپتا پھرے (اور سوچ میں پڑ جائے کہ) ذلت قبول کر کے بیٹی کو لیے رہے یا مٹی کے تلے گاڑ دے۔ افسوس ان پر! کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں! (۵۹)

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لیے یہی ہے کہ (اللہ کی صفتوں کا) برا تصور کریں حالانکہ اللہ کے لیے تو (ہر اعتبار سے) بلند ترین تصور ہے، وہ سب پر غالب ہے حکمت والا ہے! (۶۰)

اور اگر ایسا ہوتا کہ اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر (فوراً) پکڑتا تو ممکن نہ تھا کہ زمین کی سطح پر ایک حرکت کرنے والی ہستی بھی باقی رہتی لیکن وہ انہیں ایک خاص ٹھہرائے ہوئے وقت تک ڈھیل دے دیتا ہے۔ پھر جب وہ مقررہ وقت آ پہنچا تو نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے! (۶۱)

اور (دیکھو) یہ اللہ کے لیے ایسی باتیں ٹھہراتے ہیں جنہیں خود (اپنے لیے) پسند نہیں کرتے ان کی

اس چیز میں ہم دیکھ لے سکتے ہیں۔ یہ ہمارے جسم کے ساتھ ساتھ رہتا اور ساتھ ساتھ چلتا ہے لیکن لاکھوں میل فاصلہ کی خبر دے دیتا ہے۔ سورج کا طلوع، عروج، زوال، غروب، ساری حالتیں ہم اس آئینہ میں دیکھ سکتے ہیں!

یہ کبھی بڑھتا ہے، کبھی گھٹتا ہے۔ کبھی ابھرتا ہے، کبھی غائب ہو جاتا ہے۔ کبھی کھڑا ہوتا ہے، کبھی جھکتا ہے۔ کبھی داہنے ہوتا ہے، کبھی بائیں۔ اس کی ان تمام حالتوں کا قانون اس درجہ قطعی، اس درجہ یکساں، اس درجہ منظم ہے کہ اس میں فتور پڑنے کا ہمیں وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ جس وقت تک گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں یہی سایہ گھڑی کا کام دیتا تھا اور اسی سے دھوپ گھڑی بنی تھی۔ آج کل بھی میدانوں اور دیہاتوں میں جہاں گھڑیاں نہیں ہوتیں دہقان سایہ دیکھ کر معلوم کر لیتا ہے کہ کتنا دن چڑھ چکا ہے، کتنا ڈھل چکا ہے۔ سایہ جب مساوی ہو جائے تو دوپہر کا وقت ہے۔ جب گھٹنے بڑھنے لگے تو اس کی ہر مقدار گھڑی کی سوئی ہے!

یہی وجہ ہے کہ قرآن قوانین الٰہی کے احاطہ و نفاذ کا ذکر کرتے ہوئے سایے کی طرف توجہ دلاتا ہے اور کہتا ہے یہ تم سے دور نہیں۔ ہر وقت تمہارے جسم کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے ہمیشہ اس پر تمہاری نگاہیں رہتی ہیں۔ کیونکہ اسی سے وقت کا اندازہ لگایا کرتے ہو۔ پس غور کرو اس کی حقیقت کیا ہے؟ کس طرح یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کی ہر چیز کسی مدبر و حکیم ہستی کے احکام کے آگے سر بسجود ہے۔ اور اس نے جس چیز کے لیے جو حکم نافذ کر دیا ہے، ممکن نہیں کہ اس کی تعمیل میں بال برابر بھی انحراف ہو! یہاں بھی آیت (۴۸) میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا: وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ

وَتَصِفُ اَلۡسِنَتُهُمُ الۡكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الۡحُسۡنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمۡ
مُّفۡرَطُوۡنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ
فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الۡيَوۡمَ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۶۳﴾ وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ
الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَ اللّٰهُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا
بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۵﴾ وَ اِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ ع ۸ ۵ ۱۴

زبانیں جھوٹے دعووں میں بے باک ہیں- (یہ کہتے ہیں) کہ ان کے لیے (ہر حال میں) اچھائی ہی اچھائی ہے- ہاں البتہ ان کے لیے (دوزخ کی) آگ ہے- البتہ یہ سب سے پہلے اس میں پہنچنے والے ہیں! (۶۲)

(اے پیغمبر!) اس بات کی سچائی پر ہم شاہد ہیں کہ ہم نے تجھ سے پہلے کتنی ہی امتوں کی طرف رسول بھیجے- پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے لوگوں کو ان کی بدعملیاں اچھی کر دکھائیں (اور وہ سچائی کی دعوت پر کاربند نہ ہوئے) سو وہی حال آج بھی ہو رہا ہے- وہی شیطان ان منکروں کا رفیق ہے اور (بالآخر) ان کے لیے عذاب دردناک ہے- (۶۳)

اور ہم نے تجھ پر الکتاب نہیں اتاری ہے مگر اس لیے کہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کی حقیقت ان پر واضح کر دے- اور ایمان والوں کے لیے یہ ہدایت ہے اور رحمت! (۶۴)

اور (دیکھو) اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کی آب پاشی سے زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی (از سرِ نو) زندہ کر دیا- بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے جو (صدائے حق کو جی لگا کر) سنتے ہیں! (۶۵) اور بلاشبہ تمہارے لیے چار پایوں میں

☆☆ (۱۴) انسان میں مرد اور عورت کا امتیاز ہے- لوگوں نے خیال کیا کہ اسی طرح روحانی قوتوں میں بھی دونوں جنسیں ہونی چاہییں- مرد دیوتا ہیں- عورتیں بیبیاں ہیں- چنانچہ دنیا کی تمام اصنام پرست اقوام کی دیو بانیوں میں یہ خیال عام طور پر نمایاں رہا ہے- مشرکین عرب میں بھی یہ تخیل پیدا ہو گیا تھا- قبیلہ خزاعہ اور کنانہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کا تصور بیبیوں کی شکل میں کرتے تھے اور کہتے تھے یہ خدا کی بیٹیاں ہیں- قرآن نے جابجا یہ خیال نقل کیا ہے اور اس کی سخافت پر توجہ دلائی ہے- یہاں (۵۷) میں بھی اسی طرف اشارہ ہے-

وہ فرشتوں کو تو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے لیکن خود عورتوں کی جنس کے لیے ان کے تصورات کیا تھے؟ یہ کہ زیادہ سے زیادہ ذلیل و حقیر مخلوق ہے- جب کسی کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اسے بڑی غمگینی اور بدنصیبی کی بات سمجھتا- بعض قبائل جنہیں اپنے نسلی شرف کا بڑا گھمنڈ تھا بیٹی کے باپ ہونے میں ایسی ذلت سمجھتے کہ اکثر حالتوں میں اسے خود اپنے ہاتھ سے زندہ گاڑ کر مار ڈالتے- جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی تو مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہ آتا اور سوچنے لگتا کہ ذلت گوارا کر کے بیٹی والا بن جائے یا ایک باعزت آدمی کی طرح اسے زمین میں زندہ دفن کر دے!

یہاں ایک طرف تو ان کے عقیدے کی سخافت دکھلائی ہے کہ جس بات کو خود اپنے لیے ذلت کی بات سمجھتے ہیں اسے خدا کے لیے تجویز

لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَ
مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ
مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْۢ
بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾

سوچنے سمجھنے کی بڑی عبرت ہے- ہم ان کے جسم سے خون اور کثافت کے درمیان دودھ پیدا کردیتے ہیں- یہ پینے والوں کے لیے ایسی لذیذ چیز ہوتی ہے کہ بےغل وغش اٹھا کر پی لیتے ہیں-(۶۶)

اسی طرح کھجور اور انگور کے درختوں کے پھل ہیں کہ ان سے نشہ آور عرق اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں تم حاصل کرتے ہو، بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لیے (فہم وبصیرت کی) ایک نشانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں!(۶۷)

اور (دیکھو) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلندی میں بنادی جاتی ہیں اپنا چھتہ بنائے-(۶۸) پھر ہر طرح کے پھولوں سے رس چوستی پھرے پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقہ پر پوری فرماں برداری کے ساتھ گامزن ہوجائے-(تو دیکھو) اس کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا رس نکلتا ہے- اس میں انسان کے لیے شفا ہے- بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے جو غور وفکر کرنے والے ہیں!(۶۹)

کرنے میں انہیں باک نہیں- دوسری طرف اس گمراہی کا ابطال کیا ہے کہ عورت کی جنس کو جو مرد ہی کی طرح ایک انسانی جنس ہے ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں- حتی کہ اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں قتل کردینے کے لیے آمادہ ہوجاتے ہیں! چنانچہ آیت (۵۹) میں فرمایا: ﴿ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾ دیکھو کیا ہی برا فیصلہ ہے جو انہوں نے اس معاملہ میں کیا!

مردوں کا عورتوں کے ساتھ معاملہ ظلم ومعصیت کی ایک مسلسل سرگزشت ہے- اور اس سرگزشت کا ایک سب سے زیادہ وحشیانہ واقعہ دختر کشی کی رسم ہے- اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب کے اکثر قبیلوں میں یہ رسم اسی طرح جاری تھی جس طرح ہندوستان کی مختلف قوموں میں پچھلی صدی تک جاری رہ چکی ہے- لوگ اس پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے ہمارے قبیلہ کے افراد بیٹی کے باپ ہونے کا ننگ گوارا نہیں کر سکتے- لیکن اسلام نے نہ صرف یہ رسم مٹادی بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹادی جو ان تمام وحشیانہ مظالم کے اندر کام کررہی تھی- اس نے اعلان کیا کہ مرد اور عورت کا جنسی اختلاف کسی فضیلت اور محرومی کی بنیاد نہیں ہوسکتا- دونوں کو اللہ نے بحیثیت انسان ہونے کے ایک ہی درجہ میں رکھا ہے اور دونوں کے آگے یکساں طریقہ پر ہر طرح کی فضیلتوں کی راہ کھول دی ہے: ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ (۳۲:۴)

سورۂ تکویر میں جہاں قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا نقشہ کھینچا ہے وہاں پرسش اعمال میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ اسی ظلم کو دی

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ
شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۧ ﴿۷۰﴾ وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا ع ۹ ۱۵
بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَ فَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾
وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً

اور (دیکھو) اللہ ہی نے تمھیں پیدا کیا پھر وہی ہے جو تمھاری زندگی پوری کر دیتا ہے- اور تم میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو (بڑھاپے کی) بدترین عمر تک پہنچ جاتا ہے کہ (ذہن و عقل کی) سمجھ بوجھ رکھنے کے بعد پھر نادان ہو جائے- بے شک اللہ (سب کچھ) جاننے والا، ہر بات کی قدرت رکھنے والا ہے! (۷۰)

اور (دیکھو) اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بہ اعتبار روزی کے برتری دی ہے (کہ کوئی زیادہ کماتا ہے- کوئی کم کماتا ہے) پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے زیردستوں کو لوٹا دے حالانکہ سب اس میں برابر کے حقدار ہیں- پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے صریح منکر ہو رہے ہیں؟ (۷۱)

اور (دیکھو) اللہ نے تم ہی میں سے تمھارے لیے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) اور تمھارے جوڑوں سے تمھارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کر دیے (کہ ان سے تمھاری زندگی ایک وسیع خاندان کی نوعیت اختیار کر لیتی ہے) نیز تمھاری روزی کے لیے اچھی اچھی چیزیں مہیا کر دیں- پھر یہ لوگ جھوٹی باتیں تو مان لیتے ہیں

ہے: ﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ؟ ﴾ (۸:۸۱)

(۱۵) انسان کے لیے اس بات کے تصور سے بڑھ کر اور کوئی تصور قدرتی اور حقیقی نہیں ہو سکتا کہ ایک خالق و پروردگار ہستی موجود ہے لیکن وہ ہستی کیسی ہے؟ اس کی صفتوں کا بھی تصور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کیا جا سکتا ہے تو وہ صفتیں کیا کیا ہیں اور کس نوعیت کی ہیں؟ یہاں سے انسانی عقل کی درماندگیاں شروع ہو جاتی ہیں اور پھر کوئی گمراہی ایسی نہیں ہے جس میں وہ گم ہو جانے کے لیے مستعد نہ ہو جاتا ہو، حتیٰ کہ بعض اوقات بھٹکتے بھٹکتے اتنا دور چلا جاتا ہے کہ جس درجہ پر خود کھڑا ہے اس سے بھی خدا کا تصور نیچے گرا دیتا ہے: ﴿ وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ ﴾

مشرکین عرب کی سخافت تصور کا ذکر کرنے کے بعد آیت (۶۰) میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے-

(۱۶) آیت (۶۱) میں قانون امہال کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہے اور مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے-

(۱۷) قرآن نے جابجا کہا ہے کہ ہدایت وحی کا ظہور تبیین حقیقت اور رفع اختلاف کے لیے ہوتا ہے- یعنی جن باتوں کو انسان اپنی عقل و ادراک سے نہیں پا سکتا، اور اس لیے طرح طرح کے اختلافات میں مبتلا ہو جاتا ہے- کوئی کچھ سمجھنے لگتا ہے کوئی کچھ وحی الٰہی نمودار ہوتی ہے تاکہ ان اختلافات کو دور کر دے اور بتلا دے کہ اصل حقیقت کیا ہے- چنانچہ یہاں بھی آیت (۶۴) میں قرآن کے نزول کا ایک مقصد یہ بتلایا کہ ﴿ لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾

وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾
وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ
مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ
جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ
اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ

اور اللہ کی نعمتوں کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں؟ (۷۲)

یہ اللہ کے سوا ان ہستیوں کی پوجا کرتے ہیں جو آسمان و زمین سے رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ انہیں کسی بات کا مقدور ہے۔ (۷۳)

پس (دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے) اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو۔ اللہ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے! (۷۴)

اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے (اس پر غور کرو) ایک غلام ہے کسی دوسرے آدمی کی ملکیت میں۔ وہ خود کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا، اور ایک دوسرا آدمی ہے (خود مختار) ہم نے اپنے فضل سے اسے اچھی روزی دے رکھی ہے اور وہ ظاہر و پوشیدہ (جس طرح چاہتا ہے) اسے خرچ کرتا ہے۔ اب بتلاؤ کیا یہ دونوں آدمی برابر ہو سکتے ہیں؟ ساری ستائش اللہ کے لیے ہے! (اس کے برابر کوئی نہیں) مگر اکثر آدمی ہیں جو نہیں جانتے! (۷۵) اور (دیکھو) اللہ نے ایک (اور) مثال بیان فرمائی: دو آدمی ہیں۔ ایک گونگا ہے۔ کسی بات کے کرنے کی قدرت نہیں اپنے آقا پر ایک بوجھ جہاں کہیں بھیجے کوئی خوبی کی بات اس سے بن نہ آئے۔

یہ باتیں کون سی ہیں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں اور جن کا اختلاف بغیر اس کے دور نہیں ہو سکتا کہ کتاب الٰہی آئے اور پردہ اٹھا دے؟ وہ تمام باتیں جو انسان کے عقل و ادراک کی سرحد سے ماورئی ہیں۔ اللہ کی صفات، مرنے کے بعد کی زندگی، عالم معاد کے احوال و واردات جزائے عمل کا قانون، عالم غیب کے حقائق، یعنی وہ ساری باتیں جن کے اعتقاد و عمل کی درستی سے روحانی سعادت کی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔ انسان جب کبھی اس راہ میں وحی الٰہی کی روشنی سے الگ ہو کر قدم اٹھاتا ہے اختلاف کی تاریکیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ لیکن جونہی اس روشنی کی نمود میں آ جاتا ہے حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور ہر طرح کے اختلافات و شکوک معدوم ہو جاتے ہیں!

(۱۸) آیت (۶۴) میں فرمایا تھا کہ الکتاب کا نزول ہدایت و رحمت ہے۔ آیت (۶۵) میں فرمایا۔ یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے باران رحمت کا نزول۔ وہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے۔ یہ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ اس اسلوب موعظت کی تشریح پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہے۔ نیز تفسیر فاتحہ میں۔

(۱۹) آیت (۶۶) سے (۶۹) تک ربوبیت الٰہی کی بخشائشوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ ساتھ ہی اس کی صنعت و حکمت کی کرشمہ سازیوں پر بھی توجہ دلائی ہے اور بحیثیت مجموعی ربوبیت، رحمت اور حکمت کا استدلال ہے۔ فرمایا۔ تمہاری غذا میں تین چیزیں سب سے زیادہ مفید اور لذیذ

هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَ مَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ ع ۲ ۱۶
وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٧٧﴾ وَ
اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ
الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ
اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا

دوسرا ایسا ہے کہ (گونگے ہونے کی جگہ) لوگوں کو عدل و انصاف کی باتوں کا حکم دیتا ہے اور خود بھی (عدل و راستی کے) سیدھے راستے پر ہے- کیا پہلا آدمی اور یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟(۷۶)

اور آسمانوں اور زمین کی جتنی مخفی باتیں ہیں سب کا علم اللہ ہی کے پاس ہے- اور (آنے والے) مقررہ وقت کا معاملہ بس ایسا سمجھو جیسے آنکھ کا جھپکنا' بلکہ اس سے بھی جلدتر- بے شک اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں!(۷۷)

اور (دیکھو) اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے نکالا اور اس حال میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے (یعنی علم و ادراک سے محروم تھے) پھر تمہارے لیے شنوائی' بینائی اور عقل کی قوتیں پیدا کر دیں تا کہ تم شکر گزار ہو!(۷۸)

کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے جو آسمان کی فضا میں مطیع و منقاد (اڑ رہے) ہیں؟ اللہ کے سوا کون ہے جو انہیں تھامے ہوئے ہے؟ بلاشبہ ایمان والوں کے لیے اس بات میں (قدرت حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!(۷۹) اور (دیکھو) اللہ نے تمہارے گھروں

ہیں: دودھ' پھلوں کا عرق اور شہد- تم میں سے کوئی نہیں جو ان تین نعمتوں سے آشنا نہ ہوا ہو- یہ تمہاری روزانہ غذا کا جوہر' لذت طعم کا ذریعہ اور جسمانی شفا کا نسخہ ہے:

(ا) لیکن یہ دودھ جو طفولیت سے لے کر بڑھاپے تک تمہاری سب سے زیادہ دل پسند غذا ہوتی ہے' کس طرح اور کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ تم نے کبھی غور کیا؟ اگر غور کرتے' تو تمہارے فہم و عبرت کے لیے صرف یہی ایک بات کافی تھی- یہ اسی جسم میں بنتا ہے جس میں غلاظت بنتی ہے' جو طرح طرح کی آلائشوں سے بھرا ہوا ہے- جس میں اگر کوئی سیال شے موجود ہوتی ہے تو خون ہے جسے کبھی ہونٹوں سے لگانا پسند نہ کرو- پھر دیکھو جانوروں میں اس کے اترنے کا مخرج کہاں ہے؟ وہیں جس کے قریب ہی بول و براز کا مخرج ہے- یعنی ایک ہی کارخانہ میں' ایک ہی مادہ سے اور ایک ہی طرح کے ظروف میں' ایک طرف تو غلاظت بنتی اور نکلتی رہتی ہے جسے تم دیکھنا بھی پسند نہ کرو- دوسری طرف ایک ایسا جو ہر غذا و لذت بھی بنتا اور نکلتا ہے جسے تم دیکھتے ہی اٹھا لو اور بے غل و غش ایک ایک قطرہ پی جاؤ!

کون ہے جس کی حکمت نے یہ عجیب و غریب کارخانہ بنا دیا؟ کون ہے جو ایسے عجیب طریقوں سے زندگی کے بہترین وسائل بخش رہا ہے اور پھر کیا ممکن ہے کہ قدرت کی یہ کارفرمائی' حکمت کی یہ صنعت طرازی' ربوبیت کی یہ چارہ سازی' بغیر کسی قدیر' حکیم اور رب العالمین ہستی کے ظہور میں آ گئی ہو؟

(ب) پھلوں میں طرح طرح کے خوش ذائقہ عرق پیدا ہوتے ہیں اور انہیں مختلف طریقوں سے تم کام میں لاتے ہو- مثلاً کھجور اور انگور

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ
اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ
ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ
تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ

کو تمہارے لیے سکونت کی جگہ بنا دیا- نیز تمہارے لیے چار پایوں کی کھالوں سے گھر بنا دیے (یعنی خیمے' جنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے ساتھ لیے پھرتے ہو) کوچ کرو یا اقامت کی حالت میں ہو' دونوں حالتوں میں نہایت سبک- اور پھر چار پایوں کی اون سے اور رُوں سے اور بالوں سے کتنے ہی سامان اور مفید چیزیں بنا دیں کہ ایک خاص وقت تک کام دیتی ہیں! (۸۰)

اور اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے تمہارے لیے سایے پیدا کر دیے (کہ جنہیں خیمے میسر نہیں ہوتے وہ درختوں' مکانوں اور پہاڑوں کے سایے میں پناہ لیتے ہیں) اور پہاڑوں میں پناہ لینے کی جگہیں بنا دیں اور لباس پیدا کر دیا کہ (لو کی) گرمی سے بچاتا ہے- نیز آہنی لباس جو (ہتھیاروں کی) زد سے بچاتا ہے (سو دیکھو) اس طرح اللہ اپنی نعمتیں پوری طرح بخش رہا ہے تاکہ اس کے آگے (اطاعت میں) جھک جاؤ! (۸۱) پھر (اے پیغمبر!) اگر اس پر بھی لوگ اعراض کریں (اور سمجھنے بوجھنے کے لیے تیار نہ ہوں) تو (ان کی فکر چھوڑ دو) تمہارے ذمے جو کچھ ہے وہ صرف یہی ہے کہ

کے درخت ہیں- ان کے عرق سے نشہ کی چیز بنا لیتے ہو اور اچھی اور جائز غذائیں بھی اس سے بنتی ہیں- لیکن یہ پھل پیدا کس طرح ہوئے؟ کھجور اور انگور کا ہر دانہ شیرینی اور غذائیت کی ایک سربہ مہر شیشی ہے جو درختوں میں لٹکنے لگتی ہے اور تم ہاتھ بڑھا کر لے لیتے ہو، لیکن یہ بنتی کس کارخانہ میں ہے؟ زمین اور مٹی میں، یعنی اسی مٹی میں جس کا ایک ذرہ بھی تمہارے منہ میں پڑ جاتا ہے تو بے اختیار ہو کر تھوکنے لگتے ہو!

تم خشک گٹھلیاں مٹی میں پھینک دیتے ہو- مٹی وہی گٹھلی ان نعمتوں کی شکل میں تمہیں واپس دے دیتی ہے!

کون ہے جس کی ربوبیت وحکمت مٹی کے ذروں سے یہ خزانے اگلوا رہی ہے؟ خوشبو' ذائقہ' اور غذائیت کے خزانے؟

(ج) پھر شہد کے چھتوں کو دیکھو- یہ کارخانے ہیں جن میں تمہارے لیے شب و روز شہد تیار ہوتا رہتا ہے- تم دنیا کے سارے پھول اور پھل جمع کر کے چاہو کہ شہد کا ایک قطرہ بنا لو تو کبھی نہ بنا سکو گے لیکن ایک چھوٹی سی مکھی بناتی رہتی ہے اور اس نظم و انضباط' محنت و استقلال' تحسین و تدقیق' ترتیب و تناسب' اجتماع و اشتراک اور یکسانی وہم آہنگی کے ساتھ بناتی رہتی ہے کہ اس کی ہر بات ہماری عقلوں کو درماندہ کر دینے والی اور ہماری فکروں کی ساری توجیہوں اور تعلیلوں پر دروازہ بند کر دینے والی ہے!

قرآن کے الفاظ پر غور کرو، کس طرح معاملہ کے دقائق واضح کر دیے ہیں؟ چونکہ شہد کی مکھی کی یہ صنعت گری جدوجہد' نظم و انضباط اور سرگرمی و باقاعدگی کا ایک پورا سلسلہ ہے جو عرصہ تک جاری رہتا ہے اور یکے بعد دیگرے بہت سی منزلوں سے گزر کر مکمل

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَ يَوْمَ
نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِذَا رَاَ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ
اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ٍالسَّلَمَ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾

صاف صاف پیغام حق پہنچا دینا- (۸۲)

یہ اللہ کی نعمتیں پہچانتے ہیں- پھر بھی اس سے انکار کرتے ہیں اور اکثر ایسے ہیں جنہیں سچائی سے (قطعاً) انکار ہے! (۸۳) اور جس دن ایسا ہوگا کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا (یعنی پیغمبر) اٹھا کھڑا کریں گے پھر کافروں کو اجازت نہ دی جائے گی (کہ زبان کھولیں) نہ ہی ان سے کہا جائے گا کہ توبہ کریں- (۸۴)

جن لوگوں نے ظلم کیا ہے جب وہ عذاب اپنے سامنے دیکھیں گے' تو ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ ان پر عذاب ہلکا کر دیا جائے- نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی- (۸۵)

اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے ہیں جب (قیامت کے دن) اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے "اے پروردگار! یہ ہیں ہمارے (بنائے ہوئے) شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے" اس پر وہ بنائے ہوئے شریک ان کی طرف اپنا جواب بھیجیں گے "نہیں' تم سراسر جھوٹے ہو!" (۸۶)

اور اس دن سب اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیں گے- وہ ساری افترا پردازیاں ان سے کھوئی جائیں گی جو (دنیا میں) کیا کرتے تھے! (۸۷)

ہوتا ہے اس لیے اس کے کاموں کو "سبل" سے تعبیر کیا- یعنی عمل کی راہوں سے- ﴿ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ﴾ اور پھر چونکہ اس بات پر توجہ دلانا مقصود تھا کہ جو راہ عمل ٹھہرا دی گئی ہے اس پر ٹھیک ٹھیک چلتی رہتی ہے- کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ذرا بھی ادھر ادھر ہو اس لیے فرمایا "ذللا" حکم الٰہی کے آگے جھکی ہوئی کام کیے جا- چنانچہ اس کا ہر فرد اس طرح حکم الٰہی کے آگے جھک گیا ہے کہ ممکن نہیں کسی کو راہ عمل سے منحرف ہوتا ہوا پاؤ!

یاد رہے کہ جس وقت تک ہندوستان کا گنا دوسرے ملکوں میں نہیں پہنچا تھا میٹھی غذاؤں کے بنانے کا تمام تر دارومدار شہد ہی پر تھا- یا پھر ایسے پھلوں پر جو بہت زیادہ میٹھے ہوتے ہیں- جیسے کھجور- سکندر اعظم جب ہندوستان آیا تھا اور یونانیوں نے یہاں کی قند کھائی تھی تو خیال کیا تھا یہ بلور کی طرح کوئی معدنی چیز ہے جس کا مزہ شہد کی طرح میٹھا ہوتا ہے- غالباً سب سے پہلے عربوں نے ہندوستانی گنے کی کاشت مصر میں کی اور پھر مصر سے "مصری" یورپ میں پہنچی-

پس شہد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے کیا گیا کہ دنیا کے اکثر حصوں میں مٹھاس کا مادہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا- نیز یہ محض لذیذ غذا ہی نہیں ہے بلکہ کتنی ہی بیماریوں کے لیے نسخہ شفا بھی ہے-

"وحی" مخفی اشارہ کو کہتے ہیں اور یہاں لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے- فرمایا- یہ ربوبیت الٰہی کی وحی ہے جو تمام مخلوقات کو ان کے کاموں پر لگاتی ہے اور جس نے ایک حقیر سے جانور میں سعی و عمل کی ایسی حیرت انگیز قوت پیدا کر دی ہے-

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَ يَوْمَ
نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ
الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ ع ۱۲ ۱۸

جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا تو ان کی شرارتوں کی پاداش میں ہم نے ان کے عذاب پر ایک اور عذاب بڑھا دیا (کہ ایک عذاب کفر کا ہوا - دوسرا راہ حق سے روکنے کا)- (۸۸)

اور وہ (آنے والا) دن جب ہم ہر ایک امت میں ایک گواہ (یعنی پیغمبر) اٹھا کھڑا کریں گے جو انہی میں سے ہوگا (اور جو بتلائے گا کہ کس طرح اس نے پیام حق پہنچایا اور کس طرح لوگوں نے اس کا جواب دیا) اور (اے پیغمبر!) تجھے ان لوگوں کے لیے (جو آج تجھے جھٹلا رہے ہیں) گواہ بنائیں گے (یہی بات ہے کہ) ہم نے تجھ پر الکتاب نازل کی (دین کی) تمام باتیں بیان کرنے کے لیے اور اس لیے کہ مسلمانوں کے لیے رہنمائی ہو اور رحمت اور خوش خبری! (۸۹)

(مسلمانو!) اللہ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملہ میں) انصاف کرو، (سب کے ساتھ) بھلائی کرو اور قرابت داروں

---

(۱۹) دنیا میں انسانی معیشت کا کارخانہ اس طرح چل رہا ہے کہ ہر طرح کے فوائد و وسائل کے حصول کا دروازہ ہر انسان اور ہر گروہ پر کھول دیا گیا ہے مگر کوئی چیز کسی کو خود نہیں مل جاتی - اسی کو ملتی ہے جو اس کے لیے جدوجہد کرے اور وہ تمام طریقے کام میں لائے جو حصول مقصد کے لیے ضروری ہیں-

لیکن ہر انسان کی ذہنی و جسمانی استعداد یکساں نہیں ہوتی اور چونکہ یکساں نہیں ہوتی اس لیے وسائل معیشت کے حصول کے اعتبار سے بھی سب کی حالت یکساں نہیں ہوئی - کسی نے وسائل معیشت پر زیادہ قابو پالیا کسی نے کم - کسی کو کمانے کے زیادہ مواقع حاصل ہو گئے کسی کو تھوڑے - پہلے جسمانی قوت میں مقابلہ ہوا اور طاقتور نے کمزور کو مغلوب کر لیا - پھر ذہن و جسم کا مقابلہ شروع ہوا اور ذہنی قوت نے جسمانی قوت کو مقہور کر لیا-

آیت (۷۱) بھی قرآن کی ان آیتوں میں سے ہے جن سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ اس بارے میں قرآن کی تعلیم کا رخ کس طرف ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن اس صورت حال سے تو تعرض نہیں کرتا کہ معیشت کے اعتبار سے تمام انسانوں کی حالت یکساں نہیں - کسی کے پاس زیادہ سامان معیشت ہے - کسی کے پاس کم - لیکن وہ یہ صورت حال برداشت نہیں کر سکتا کہ حصول رزق کے اعتبار سے لوگوں کی حالت یکساں نہ ہو - کسی کو ملے، کسی کو نہ ملے - وہ کہتا ہے ہر انسان جو دنیا میں پیدا ہوا، دنیا کے سامان و رزق سے حصہ پانے کا یکساں طور پر حقدار ہے اور کسی فرد اور گروہ کو حق نہیں کہ اس سے اسے محروم کر دے - خواہ وہ طاقتور ہو یا کمزور، تندرست ہو یا بیمار، قابل ہو یا نا قابل، دولت مندوں کے گھر پیدا ہو یا فقیروں کے، لیکن اگر انسان ہے تو ماں کے پیٹ سے وہ یہ حق لے کر آیا ہے کہ زندہ رہے اور زندگی کا سروسامان پائے!

لیکن ہر فرد زندگی کا سروسامان کیونکر پا سکتا ہے؟ جو کمزور ہے یا جو ایسے حالات میں پڑ گیا ہے کہ کمانے کا موقع نہیں پاتا، یا جو معذور اور لاچار ہو گیا ہے وہ سروسامان معیشت کہاں سے پائے گا؟ قرآن کہتا ہے اس طرح کہ جن لوگوں کو کمائی کا زیادہ موقع ملا ہے

وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾
وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ
اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٩١﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ
غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ

کے ساتھ سلوک کرو- اور تمہیں روکتا ہے- (کن باتوں سے؟) بے حیائی کی باتوں سے' ہر طرح کی برائیوں سے اور ظلم و زیادتی کے کاموں سے- وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ (سمجھو اور) نصیحت پکڑو! (۹۰)

اور جب تم آپس میں قول قرار کر دو تو (سمجھ لو کہ یہ اللہ کے نزدیک ایک عہد ہو گیا تو) چاہیے کہ اللہ کا عہد پورا کرو اور ایسا نہ کرو کہ قسمیں پکی کر کے انہیں توڑ دو حالانکہ تم اللہ کو اپنے اوپر نگہبان ٹھہرا چکے ہو (یعنی اس کے نام کی قسم کھا کر اسے شاہد قرار دے چکے ہو) یقین کرو- تم جو کچھ کرتے ہو اللہ سے پوشیدہ نہیں- اس کا علم ہر بات کا احاطہ کیے ہوئے ہے! (۹۱)

اور دیکھو تمہاری مثال اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے بڑی محنت سے سوت کاتا- پھر توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا- تم آپس کے معاملہ میں اپنی قسموں کو مکر و فساد کا ذریعہ بناتے ہو- اس لیے کہ ایک گروہ (کسی) دوسرے

ان کے ذمے خرچ کرنے کا فرض بھی زیادہ عائد ہو گیا ہے- وہ اپنی کمائی کا ایک حصہ کمزوروں کو لوٹا دیں- "لوٹا دیں" کیونکہ فی الحقیقت کمائی کی یہ زیادہ مقدار ان افراد کے لیے تھی جو کمزوری کی وجہ سے حاصل نہ کر سکے- اب چلی گئی ہے طاقتور افراد کے پاس اس لیے چاہیے کہ حقداروں کو لوٹا دی جائے- یعنی جو ان کا حق ہے وہ انہیں مل جائے-

وہ کہتا ہے یہ بات کہ تمہیں سامان معیشت کے زیادہ کمانے کا موقع مل گیا ہے تمہیں اس بات کا حقدار نہیں بنا دیتی کہ اپنی ساری کمائی صرف اپنی انفرادی زندگی ہی کے لیے روک لو- کیونکہ دنیا کے وسائل زندگی کسی خاص انسان کی حقیقی ملکیت نہیں ہو سکتے- یہاں جو کچھ ہے تمام نوع کے لیے ہے- پس اگر ایک فرد نے زیادہ کما لیا تو کما لے سکتا ہے لیکن ایسا نہیں سمجھ سکتا کہ ساری کمائی اسی کی ہو گئی- جو کچھ اس نے کمایا ہے دراصل نوع انسانی کی ایک امانت ہے اور اس کے قبضہ میں آ گئی ہے- وہ اس پر قابض ہو سکتا ہے لیکن اسے صرف اپنے ہی لیے خاص نہیں کر سکتا- اس کا فرض ہے کہ خود بھی کھائے اور ان کمزوروں کو بھی کھلائے جو حصول معیشت سے محروم رہ گئے ہیں-

دراصل قرآن کی اس تعلیم کی تہ میں یہ بنیادی اصل کام کر رہی ہے کہ وہ نوع انسانی کے مختلف افراد اور جماعتوں کو ایک دوسرے سے الگ اور منقطع تسلیم نہیں کرتا بلکہ سب کو ایک گھرانے کے مختلف افراد قرار دیتا ہے- ایسے افراد جو آپس میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، ایک دوسرے کے شریک حال ہیں اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے والے ہیں- بلاشبہ ان میں کا ہر فرد اپنے اپنے طور پر اپنی اپنی استعداد کے مطابق جدوجہد معیشت میں لگا ہوا ہے اور کوئی زیادہ کامیاب ہوتا ہے کوئی کم لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک فرد دوسرے فرد کی حالت سے بے پروا ہو جائے- جو زیادہ کماتا ہے وہ اپنی کمائی دوسرے کو اٹھا کر نہیں دیتا- لیکن ایسا بھی نہیں کر سکتا کہ دوسرے کی یک قلم محرومی برداشت کر لے' اور اس کے لیے اپنے کو ذمہ دار نہ سمجھے- جو زیادہ کماتا ہے اس کے پاس زیادہ کمائی رہتی ہے جو کم کماتا ہے اس کے پاس کم رہتی ہے لیکن کھاتے پیتے سب ہیں- بھوکا کوئی نہیں رہ سکتا- کمائی میں سب الگ

اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ
اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

گروہ سے (طاقت میں) بڑھ چڑھ گیا ہے (یاد رکھو) اللہ اس معاملہ میں تمہاری (راست بازی و استقامت کی) آزمائش کرتا ہے (کہ تم طاقتور گروہ کا پاس کرنے لگتے ہو یا اپنے قول و قرار کا) جن جن باتوں میں تمہارے اختلافات ہیں ضرور ایسا ہوگا کہ وہ قیامت کے دن (حقیقت حال) تم پر آشکارا کر دے! (۹۲)

اور (دیکھو) اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا (یعنی مختلف گروہوں اور مختلف طریقوں کا اختلاف ظہور ہی میں نہ آتا) لیکن (تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں چاہا) وہ جس کسی پر چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ گم کر دیتا ہے۔ جس کسی پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے اور (پھر) ضرور ایسا ہونا ہے کہ تم سے ان کاموں کی باز پرس ہو جو (دنیا میں) کرتے رہتے ہو! (۹۳)

الگ جدوجہد کریں گے۔ کھانے میں سب ایک دوسرے کے شریک ہو جائیں گے۔

دنیا میں نسل و توارث کے قریبی رشتوں نے خاندانوں کی بنیاد ڈال دی ہے۔ یہ خاندانی زندگی ٹھیک ٹھیک اس زندگی کا ایک نمونہ ہے جو قرآن چاہتا ہے کہ تمام نوع انسانی کی ہو جائے۔ ایک خاندان میں مختلف افراد ہوتے ہیں اور استعداد کار کے لحاظ سے تمام افراد کی حالت یکساں نہیں ہوتی۔ کوئی فرد زیادہ کماؤ ہوتا ہے کوئی کم۔ کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ نہیں کماتا' یا کچھ نہیں کما سکتا۔ جو زیادہ کماتا ہے وہ اپنی کمائی اپنے ہی پاس رکھتا ہے۔ ایسا نہیں کرتا کہ اٹھا کر دوسرے کو دے دے۔ لیکن باہمی رشتہ داری نے باہمی فرائض و تعاون کا جو فرض عائد کر دیا ہے اسے خاندان کا کوئی فرد نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ خاندان کا ایک فرد خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے لیکن دوسروں کو فقر و فاقہ کی حالت میں ہلاک ہونے کے لیے چھوڑ دے۔ کمانے میں سب کی راہیں الگ ہوتی ہیں اور نتائج بھی سب کو ایک طرح کے پیش نہیں آتے لیکن کھانے میں سب ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی فکر سے غافل نہیں ہو سکتے۔ اگر خاندان کا ایک فرد زیادہ کماتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خرچ کرنے کی ذمہ داری بھی اس پر زیادہ عائد ہو گئی ہے اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ یہ زیادہ کماتا ہے تو اسے ہماری خبر گیری بھی دوسروں سے زیادہ کرنی چاہیے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی خاندان کے مختلف افراد ہوتے ہیں مگر باہمی تعاون و اشتراک کا فرض بھلا دیتے ہیں۔ ایک بھائی لاکھوں کماتا ہے۔ دوسرا بھائی بھوکا مرتا ہے۔ لیکن دنیا ایسے آدمی کو ملامت کرے گی' وہ کہے گی یہ ننگ خاندان ہے۔ اس نے یہ بات کیسے گوارا کر لی کہ خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے اور اس کا بھائی ایک ایک دانہ کو ترسے۔

قرآن چاہتا ہے۔ ایسا ہی اعتقاد نوع انسانی کے تمام افراد میں پیدا ہو جائے۔ وہ کہتا ہے۔ تمام افراد انسانی دراصل ایک ہی گھرانے کے مختلف افراد ہیں۔ انسانیت ان کی نسل ہے اور کرۂ ارضی ان کا وطن ہے۔ بلاشبہ ان کا ہر فرد حق رکھتا ہے کہ اپنی اپنی حالت اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے وسائل حاصل کرے' لیکن اس کا حق نہیں رکھتا کہ اپنی کمائی کو صرف اپنے ہی لیے سمجھ لے اور اپنے کمزور بھائی کے لیے کچھ نہ نکالے۔ کمانے میں سب کی راہیں الگ ہوں گی۔ قبضہ و تصرف میں بھی سب الگ الگ رہیں گے لیکن کھانے میں الگ نہیں رہ

وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۹۴﴾ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ

اور (دیکھو) آپس کے معاملات میں اپنی قسموں کو مکروفریب کا ذریعہ نہ بناؤ کہ لوگوں کے پاؤں جمنے کے بعد اکھڑ جائیں اوراس بات کی پاداش میں کہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا' بُرے نتیجوں کا تمہیں مزہ چکھنا پڑے اور (بالآخر) ایک بڑے عذاب کے سزاوار ہو! (۹۴)

اور اللہ کے نام پر کیے ہوئے عہد (دنیا کے) بہت تھوڑے فائدے کے بدلے نہ بیچو- (راست بازی کا) جو اجر اللہ کے

سکتے -یہ خدا کے اس عالمگیر گھرانے کے ہر فرد کا قدرتی حق ہے-وہ کما سکے یا نہ کما سکے لیکن اسے زندہ رہنے کا سامان ملنا چاہیے-

وہ کہتا ہے- کمائی کے حق کا دامن انفاق کی ذمہ داری سے بندھا ہوا ہے- یہ دونوں لازم وملزوم ہیں-تم انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے - یہاں کمائی کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ خرچ کرنے کی ذمہ داری اٹھائی جائے- اگر تم کچھ نہیں کما سکتے تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے- جونہی تم کمانے لگو تم پر ذمہ داری عائد ہوگئی- اب یہ جتنی بڑھتی جائے گی انفاق کی ذمہ داری بھی بڑھتی جائے گی- ہر پیسہ جو تمہاری جیب میں آئے گا انفاق کی ایک تازہ ذمہ داری اپنے ساتھ لائے گا- تمہاری کمائی کی راہ میں کوئی روک نہیں-تم جس قدر کما سکتے ہو کماؤ- بلکہ چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ کماؤ لیکن یہ نہ بھولو کہ زیادہ سے زیادہ کمانا زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں!

وہ کہتا ہے افراد کے ہاتھ کمائی کے لیے ہیں لیکن جماعت کا حق خرچ کرانے کا ہے- افراد جتنا کما سکتے ہیں کمائیں لیکن ڈھیر لگانے کے لیے نہیں-خرچ کرنے کے لیے-

یہی وجہ ہے کہ وہ ''اکتناز'' کو روکنا چاہتا ہے- یعنی چاندی سونے کے ڈھیر لگانے کو، اور کہتا ہے' ان کے لیے عذاب الیم کی بشارت ہے جو ڈھیر لگاتے ہیں اور خرچ نہیں کرتے: ﴿ وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا ﴾ (۹:۳۴) شرح اس کی سورۂ توبہ میں گزر چکی-

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا کہ جہاں تک نظام معیشت کا تعلق ہے قرآن نے اکتساب مال کا معاملہ انفاق مال کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے- وہ فرد کے حق اکتساب سے تعرض نہیں کرتا لیکن اس حق کو انفاق کی ذمہ داری کے ساتھ باندھ دیتا ہے- جس قدر کما سکتے ہو کماؤ لیکن کوئی کمائی جائز تسلیم نہیں کی جا سکتی اگر انفاق سے انکار کرتی ہو- ہر وہ کمائی جو محض ''اکتناز'' کے لیے ہو اور انفاق کے لیے دروازہ کھلا نہ رکھے قرآن کے نزدیک ناجائز' ناپاک' اور مستحق عقوبت ہے!

چنانچہ یہاں آیت (۷۱) میں فرمایا ﴿ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ﴾ سروسامان رزق کے اعتبار سے سب کی حالت یکساں نہ ہوئی- کسی کے پاس زیادہ ہے، کسی کے پاس کم ہے، کوئی بالکل محروم ہے- ﴿ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ ﴾ پھر جن لوگوں کو رزق میں برتری دی گئی ہے وہ ایسا کرنے والے نہیں کہ اپنے کمائے ہوئے رزق اپنے غلاموں اور زیر دستوں کو دے دیں- ﴿ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ﴾ حالانکہ جو رزق انہوں نے کمایا ہے وہ کچھ ان کا خلق کیا ہوا نہیں ہے- اللہ ہی کا دیا ہوا ہے اور اس لیے رزق کے حقدار ہونے میں وہ سب برابر ہیں- خواہ کوئی زیر دست ہو کر محروم ہو گیا ہو خواہ کوئی زبردست ہو کر خوشحال ہو گیا ہو- ﴿ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ؟ ﴾ پھر کیا یہ اللہ کی نعمت کے منکر ہیں؟ اللہ کی نعمت کے- کیونکہ دنیا میں جس قدر سروسامان معیشت ہے وہ در اصل فطرت ہی کی پیداوار

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ
صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ
مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا

پاس ہے وہی تمہارے حق میں بہتر ہے- بشرطیکہ تم سمجھتے بوجھتے ہو! (۹۵)

جو کچھ تمہارے پاس ہے (ایک نہ ایک دن) ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ختم ہونے والا نہیں- جن لوگوں نے صبر کیا (اور زندگی کی عارضی مشکلیں جھیل گئے) ہم ضرور انہیں ان کا اجر عطا فرمائیں گے انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کیے ہیں اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا! (۹۶)

جس کسی نے اچھا کام کیا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو (یاد رکھو) ہم ضرور اسے (دنیا میں) اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں بھی ضرور اسے اجر دیں گے- انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کیے ہیں اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا- (۹۷)

ہے- کسی فرد انسانی کی پیدا کی ہوئی نہیں ہے اور اگر ایک فرد کے قبضہ میں آ جاتی ہے تو یہ ایک اللہ کا فضل ہے' پس چاہیے کہ اس کی شکر گزاری بجا لائی جائے- نہ یہ کہ کفران نعمت کیا جائے- اس کی شکر گزاری کیا ہے؟ ان افراد پر خرچ کرنا جو اس کے حصول سے محروم ہیں-

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں- ایک یہ کہ سرو سامان معیشت سب کے پاس یکساں نہیں اور یہ اختلاف حال قدرتی ہے- اسی لیے اسے اللہ نے براہ راست اپنی طرف منسوب کیا- دوسری یہ کہ رزق کے حقدار ہونے میں سب برابر ہوئے- خواہ کوئی آقا ہو' کوئی مملوک' کوئی طاقتور ہو' کوئی زیردست- چونکہ یہ دونوں باتیں یک جا ہو کر اس سوال پر روشنی ڈالتی ہیں کہ نظام معیشت کے معاملہ میں قرآن کا رخ کس طرف ہے اس لیے ضروری تھا کہ مندرجہ صدر تشریحات اسی محل میں کر دی جائیں-

اس آیت میں ﴿ فهم فيه سواء ﴾ کا مطلب قرار دیتے ہوئے بعض مفسرین نے اسے عدم تساوی حال پر محمول کیا ہے اور تقدیر عبارت یوں قرار دی ہے کہ ا فهم فيه سواء؟ بعضوں نے فهم کی فاء کو حتی کے معنوں میں لیا ہے لیکن جملہ کا صاف صاف مطلب وہی ہے جو ہم نے قرار دیا ہے- یعنی یہ صریح تساوی حال کی خبر ہے نہ کہ اس کی نفی! اور جب مطلب ٹھیک ٹھیک بیٹھ رہا ہے تو پھر کون سی وجہ ہے کہ جگہ سے ہٹنے کے لیے مضطرب ہوں-

(۲۰) آیت (۷۲) میں ربوبیت الٰہی کی نعمتوں میں سے تین نعمتوں کا ذکر کیا ہے- ایک یہ کہ اس نے انسان کی زندگی دو مختلف جنسوں مرد اور عورت میں تقسیم کر دی- اور پھر ایک کو دوسرے کا ساتھی بنا دیا- یعنی ازدواجی زندگی کا نظام قائم کر دیا- دوسری یہ کہ ازدواجی زندگی سے خاندانی زندگی پیدا ہو گئی- اولاد پیدا ہوتی ہے پھر ان کی اولاد ہوتی ہے اور اس طرح ایک دائرہ قریبی رشتہ داروں کا بن جاتا ہے جس کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہوتا ہے اور اسی وابستگی سے اجتماعی زندگی کی ساری برکتیں اور راحتیں حاصل ہوتی ہیں- تیسری یہ کہ اس کی غذا کے لیے اچھی چیزیں پیدا کر دیں جو نہ صرف مفید ہیں بلکہ خوشگوار ہیں' خوش رنگ ہیں' خوشبو ہیں-

اس مقام کی تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مبحث "تسکین حیات" دیکھنا چاہیے-

(۲۱) آیت (۷۴) میں فرمایا ﴿ لَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ﴾ اپنے جی سے اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو-

انسان کی ساری درماندگی اس راہ میں یہ ہے کہ اپنے معیار خیال سے اللہ کا تصور آراستہ کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے مثالیں تراشتا ہے

قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۱۳
وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۱ / ۱۹

پس جب تم قرآن پڑھنے لگو تو چاہیے کہ شیطان مردود (کے وسوسوں سے) اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو- (۹۸) جو لوگ ایمان والے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ ان پر اس کا زور چلے- (۹۹)

اس کا زور تو انہی پر چلتا ہے جو اسے اپنا رفیق بناتے ہیں اور جو اس کی وجہ سے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں- (۱۰۰)

حالانکہ اس کے سارے تصور، اس کے سارے قیاسات اس کی ساری تمثیلیں اس کے لیے ٹھوکروں پر ٹھوکریں اور گمراہیوں پر گمراہیاں ہو جاتی ہیں- وہ اپنی سوچی ہوئی تمثیلوں میں جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی حقیقت سے دور ہوتا جاتا ہے کیونکہ وہ جتنی بھی تمثیلیں بناتا ہے اپنے ادراک و احساسات کے اندر رہ کر بناتا ہے اور ذات مطلق اس دائرہ کی رسائی سے ماوریٰ ہے:

اے بروں از وہم و قال و قیل من

خاک بر فرق من و تمثیل من!

جہاں تک تصور الٰہی کی تنزیہہ کا تعلق ہے قرآن کی دو چھوٹی چھوٹی آیتوں میں سب کچھ کہہ دیا گیا ہے جن میں سے ایک آیت یہ ہے دوسری ﴿ لیس کمثله شیء ﴾ (۱۱:۴۲) تنزیہہ کے بارے میں تم جو کچھ بھی کہو اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتے- اس کے لیے تمثیلیں نہ گھڑو- وہ ان ساری چیزوں میں سے کسی چیز کے بھی مثل نہیں ہے جس کا تم تصور کر سکتے ہو!

لیکن اگر قرآن کے تصور الٰہی کی تنزیہہ کا یہ حال ہے تو پھر کیوں اس نے صفات کا اثبات کیا؟ صفات کے اثبات کا لازمی نتیجہ تشخص[1] ہے اور تشخص پیدا ہوا تو اطلاق باقی نہ رہا اور اطلاق باقی نہیں رہا تو تنزیہہ بھی اپنی بلندی سے نیچے اتر آئی-

اس لیے کہ اگر تنزیہہ کا مطلب یہ سمجھا جائے تو انسان کے تصور کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا- خدا کا تصور محض ایک سلبی تصور[2] ہو جاتا ہے اور سلبی تصور سے خدا پرستی کی زندگی پیدا نہیں ہوسکتی- خدا کا ایسا تصور اس کی فطرت کے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ ہو جائے گا- وہ وجدانی طور پر ایک خالق و پروردگار ہستی کا یقین رکھتا ہے اور جب یقین رکھتا ہے تو ناگزیر ہے کہ اس کا تصور بھی کرے، اور جب تصور کرے گا تو تشخص کے ساتھ ہی کرے گا- غیر مشخص اور سلبی حقیقت کا تصور اس کی فطری طاقت سے باہر ہے اور اگر بہ تکلف وہ ایسا تصور پیدا بھی کرنا چاہے تو یہ اس کے لیے کوئی زندہ اور عامل تصور نہیں ہوسکتا-

یہ بات کہ اس کی فطرت میں ایک ایسی ہستی کا وجدانی اعتقاد موجود ہے اس بات کا بھی فطری ثبوت ہے کہ اسے اس کا تصور کرنا چاہیے- یعنی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ تصور کرے، وہ وجدانی طور پر مجبور ہے کہ تصور کرے لیکن جب وہ تصور کرے گا تو یہ ایک انسان ہی کا تصور ہوگا- ماورائے انسانیت تصور نہیں ہوگا اور انسانی تصور تشخص کی پرچھائیں سے منزہ نہیں ہوسکتا-

اس تصور کا ولولہ انسان کی فطرت میں کیوں ابل رہا ہے اس لیے کہ اس کے معنوی ارتقاء کے لیے ایک نصب العین کی ضرورت تھی اور یہ نصب العین اللہ کی ہستی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا- مخلوقات میں جتنی چیزیں ہیں سب اس سے پست ہیں- وہ بلند ہونے کے لیے ان

---

۱ ''تشخص'' سے یہاں مقصود تصور کی وہ نوعیت ہے جسے انگریزی میں ''پرسنل گاڈ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے-

۲ سلبی تصور سے مقصود یہ ہے کہ صرف نفی کی جائے- اثبات نہ ہو- یعنی کہا جائے، وہ ایسا نہیں ہے ایسا نہیں ہے- مگر یہ نہ کہا جائے کہ اس میں یہ یہ صفتیں ہیں مثلاً وہ رحیم ہے، علیم ہے، پروردگار ہے-

وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے کہ وہ کیا نازل کر رہا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں ''تم تو بس اپنے جی سے گھڑ لیا کرتے ہو'' حالانکہ ان میں سے اکثروں کو معلوم نہیں کہ حقیقت حال کیا ہے- (۱۰۱)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو (''یہ میرے جی کی بناوٹ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے) یہ تو فی الحقیقت تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس نے اتاری ہے اور اس لیے اتاری ہے کہ ایمان والوں کے دل جما دے، فرماں بردار بندوں

کی طرف نہیں دیکھ سکتا- اسے ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو سب سے بلند تر ہو اور زیادہ سے زیادہ بلندیوں تک اسے کھینچنے والی ہو- یہ صرف اللہ کا تصور ہے- یہی تصور ہے جو اس کے لیے اڑنے اور اونچے ہونے کا ایک ایسا نصب العین بہم پہنچا دیتا ہے جس سے بلند تر کوئی نصب العین نہیں ہو سکتا اور یہاں جو کچھ ہے سب اس سے فروتر ہے- یہ اس کے آگے مقام انسانیت کی غیر محدود ترقیوں کی شاہراہ کھول دیتا ہے- پس ضروری ہے کہ وہ اپنے سامنے ایک تصور رکھے- اور تصور رکھے تو یہ ایک ایجابی تصور ہو- محض نفی و سلب نہ ہو- نفی و سلب اسے کچھ نہیں دے سکتا- اسے کھینچ نہیں سکتا' اسے اپنی آغوش میں لے نہیں سکتا- اور اس کا وجدان ایک ایسی ہستی کے لیے تشنہ ہے جو دینے والی ہو' بلانے والی ہو' کھینچنے والی ہو' اپنے حسن و جمال کی صفتوں کے اندر سے جھانکنے والی ہو!

اس کی پیاس صرف اس سے نہیں بجھ سکتی کہ اسے بتلا دیا جائے خدا کی ذات ایسی نہیں ہے، ایسی نہیں ہے- اس کی طلب و احتیاج تو کسی ایسے کو ڈھونڈ رہی ہے جو بتلائے میں ایسا ہوں' اور مجھ میں ایسی ایسی صفتیں ہیں!

پھر تمام کائنات ہستی کی پکار کیا ہے جو انسان کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے؟ اور خود اس کی ہستی کا ایک ایک لمحہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا ممکن ہے کہ انسان اس کی طرف سے کان بند کر لے؟ کیا ہو سکتا ہے کہ وہ آنکھیں کھولنے سے انکار کر دے؟ یہاں کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ کسی بنانے والے میں بنانے اور سنوارنے کی صفتیں ہیں اور اس کی صفتوں کے ہم نقش و نگار ہیں- انسان یہ سارے نقش و نگار دیکھتا ہے اور ان میں حقیقتیں پاتا ہے- پس ان کا تصور اسے کرنا ہی پڑے گا- وہ دیکھتا ہے کہ یہاں حسن و جمال ہے' اس لیے اسے تصور کرنا ہی پڑے گا کہ اس میں حسن و جمال ہے- وہ دیکھتا ہے کہ یہاں پروردگاری ہے' اس لیے اسے تصور کرنا ہی پڑے گا کہ وہ پروردگار ہے!

پس اس راہ کی ٹھوکر اثبات صفات میں نہ ہوئی- اس میں ہوئی کہ صفات کیسی ہونی چاہییں؟ ذہن انسانی نے جب کبھی نقشہ کھینچنا چاہا تو اپنی رسائی فکر کے مطابق تمثیلیں بنائیں اور اسی میں گمراہ ہوا- انبیائے کرام کی دعوت کا مقصد یہ رہا کہ اس گمراہی سے دنیا کو نجات دلائیں اور صفات الٰہی کا صحیح تصور پیدا کر دیں- قرآن کا تصور الٰہی اسی لیے تصور کی تکمیل ہے کہ اس نے تنزیہہ کا مقصد بھی پورا کر دیا اور صفات الٰہی کا کامل نقشہ بھی کھینچ دیا- اس نے ایک طرف تو ہر طرح کے تمثل و تجسم کا دروازہ بند کر دیا کہ ﴿ لَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اور لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ اور دوسری طرف اس کی صفتوں سے بھی ہمیں آشنا کر دیا جو تمام تر ''حسنی'' ہیں- یعنی حسن و خوبی کی صفتیں ہیں اور جنہیں ہم کائنات ہستی کے ایک ایک ذرہ سے پوچھ سکتے ہیں اور ایک ایک ذرہ کے منہ سے سن سکتے ہیں! ﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (۳:۱۸)

اس کی تنزیہہ بھی کامل ہے کیونکہ تشبیہ اور تجسم کی پرچھائیں بھی برداشت نہیں کر سکتی- اس کی بتلائی ہوئی صفتیں بھی اعلیٰ ہیں- کیونکہ

وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٣﴾

کے لیے رہنمائی ہو اور (نجات و سعادت کی) خوش خبری! (۱۰۲) اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ (قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہ) کہتے ہیں "اس شخص کو تو ایک آدمی (یہ باتیں) سکھا دیتا ہے" حالانکہ اس آدمی کی زبان جس کی طرف اسے منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ صاف اور آشکارا عربی زبان ہے! (۱۰۳)

سرتاسر حسن، سرتاسر کبریائی، سرتاسر عظمت و جلال ہیں!

اسی سورت کی آیت (۶۰) میں گزر چکا ہے: ﴿ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ﴾ افسوس ہے کہ اس آیت کا مطلب لوگوں نے نہیں سمجھا۔ اس میں بھی یہی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ قرآن اس سے نہیں روکتا کہ انسان خدا کے تصور کے لیے ایک بات دھیان میں لائے لیکن وہ بات کیسی ہونی چاہیے؟ یہیں اسے ہمیشہ ٹھوکر لگی۔ وہ اسے نہیں پا سکا۔ وہ حسن و جمال، کبریائی و کمال اور علو و عظمت کی بات تھی لیکن اس نے گمراہی فکر سے بری باتیں، گری ہوئی باتیں، ناسزا باتیں گھڑ لیں۔ یعنی "مثل السوء" سے کام لیا۔ "المثل الاعلیٰ" نہ پا سکا۔ حالانکہ اللہ کے لیے جو بات ہوگی "المثل الاعلیٰ" ہی کی ہوگی "مثل السوء" کی نہیں ہو سکتی۔ قرآن نے اسی "المثل الاعلیٰ" کا جمال حقیقت نمایاں کر دیا ہے۔ اور یہی "المثل الاعلیٰ" ہے جسے سورۂ اعراف میں "الاسماء الحسنیٰ" سے تعبیر کیا اور "مثل السوء" کے لیے الحاد فی الاسماء کی تعبیر اختیار کی: ﴿ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (۷:۱۸۰)

ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (۵۹:۲۴)

اس کے لیے حسن و خوبی کی صفتیں ہیں اور آسمانوں میں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں سب اس کی تسبیح کر رہی ہیں یعنی تمام کائنات ہستی ان صفتوں کی شہادت دے رہی ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز ان صفتوں کا اعتراف ہے، ان صفتوں کی نمود ہے، اس کی پاکی و کبریائی کے اعلان میں تسبیح کی زبان ہے۔ تقدیس کی پکار ہے!

بہر حال اثبات صفات ایک ایسی حقیقت ہے جس کی وجدانی طلب فطرت انسانی میں موجود ہے اور اس لیے اس حد تک تشخص کا ہونا فطری مطالبہ پورا کرنا ہے۔ اگر اس سے اعراض کیا جائے گا، تو غیر فطری بات ہو جائے گی اور انسان کی وجدانی پیاس کبھی نہیں بجھے گی۔ ہندوستان کے فلسفہ ویدانت نے اور اس کے بعد بدھ مذہب کے حکماء[1] نے نفی صفات کا مسلک اختیار کیا اور تشخص کو مٹانا

---

[1] انیسویں صدی میں جن مستشرقین نے بدھ مذہب کی تحقیقات کی ان میں سے اکثر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ گوتم بدھ کے عقیدہ میں خدا کے لیے کوئی جگہ نہ تھی، لیکن اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ یہ بدھ مذہب کی زیادہ سے زیادہ غلط تعبیر ہے۔ جہاں تک خدا کے اعتقاد و تصور کا تعلق ہے گوتم بدھ نے بھی وہی راہ اختیار کی جو اپنشد کی ہے لیکن اس پر حقیقت کے اطلاق کا استغراق اس درجہ طاری ہو گیا تھا کہ کوئی مثبت بات اس بارے میں نہ کہہ سکا۔ اس کا مسلک انکار ذات کا نہ تھا۔ نفی صفات کا تھا۔

یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ اس نے زندگی میں رنج و عذاب کے سوا کچھ نہ دیکھا اور نجات کی راہ اس کے نزدیک ترک و فنا میں ہے۔ وہ زندگی کے رنج و عذاب کا یقین ضرور پیدا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس لیے کہ رنج و عذاب سے نکلنے اور طمانیت و سعادت حاصل کرنے کی طلب پیدا کرے۔ اس نے نجات کی راہ ترک خواہشات نہیں قرار دی ہے بلکہ "درمیانی راہ" پر زور دیا ہے۔ یعنی نہ تو خواہشوں کا استغراق اور نہ ترک، بیچ کی راہ۔

میں خود بھی عرصہ تک اسی غلط فہمی میں مبتلا رہا۔ لیکن اب مطالعہ و تحقیق کے بعد اس رائے کی غلطی واضح ہو گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي
الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اصل یہ ہے کہ جو لوگ (دیدہ و دانستہ) اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں کرتے، اللہ انہیں (کامیابی کی) راہ کبھی نہیں دکھاتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہونا ہے۔ (۱۰۴)

اپنے جی سے جھوٹ گھڑنا تو انہی کا کام ہے جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے (اللہ پر ایمان رکھنے والا تو کبھی افترا پردازی نہیں کر سکتا) یہی ہیں کہ سرتاسر جھوٹے ہیں! (۱۰۵)

چاہا' لیکن عملاً نتیجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ نہ صرف تشخص کی بلکہ تجسم تک کی لوگوں کو اجازت دے دینی پڑی۔ کیونکہ انہوں نے محسوس کیا کہ غیر متشخص تصور سے خدا پرستی کی پیاس بجھ نہیں سکتی اور ضروری ہے کہ فکر انسانی کے سامنے ایک چیز لائی جائے۔ اس کا وجدان بغیر اس کے مطمئن نہیں ہو سکتا کہ کوئی نہ کوئی صورت سامنے دیکھے۔ اگر صفات کی صورت نہ ہوگی تو پتھر کی مورتی تراش لے گا:

کرے کیا کعبہ میں، جو سرِ بت خانہ سے آگہ ہے
یہاں تو کوئی صورت بھی ہے، واں اللہ ہی اللہ ہے!

یا تو تنزیہہ میں اس قدر بلند ہونا چاہا تھا کہ اثبات صفات بھی ان پر شاق گزرا حتی کہ اس کے بھی روادار نہ ہوئے کہ اس کی طرف ''وہ'' کہہ کے اشارہ کریں کیونکہ ہمارا ''وہ'' بھی تشخص کی آلودگی سے منزہ نہیں ہو سکتا۔ یا پھر تجسم کی پستی میں گرے تو ایسے گرے کہ نہ صرف تشخص کو اس کی ساری تمثیلوں اور جسمانیتوں کے ساتھ جائز کر دیا بلکہ اس کے سب سے زیادہ ادنیٰ اور اسفل درجہ کی بھی اجازت دے دی۔ یعنی مورتی پوجا کی! چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ویدانت کی توحید وجودی کا مسلک اور بودھسٹ حکماء کے سلب و نفی کا تصور فلسفہ کا ایک مذہب بن گیا لیکن انسان کا عملی مذہب نہ بن سکا۔ عملی مذہب کے لیے اصنام پرستی ہی اختیار کرنی پڑی۔

نفی صفات اور استغراق اطلاق کا یہی مسلک ہے جسے اصحاب حدیث نے ''تعطیل'' سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن کی توحید تنزیہہ پر مبنی ہے، تعطیل پر نہیں ہے۔

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے نفی صفات کی صدا جہم بن صفوان نے بلند کی جس کی طرف جہمیہ منسوب ہیں پھر متکلمین و نظار کے مختلف گروہ اس سے کم و بیش متاثر ہوئے۔ باطنیہ کا مذہب اثبات و نفی بھی اسی پر مبنی تھا۔ یعنی وہ اثبات کے ساتھ نفی بھی کر دیتے تھے ''النور لانور'' اور ''الحکیم لاحکیم'' توجیہ اس کی یہ کرتے تھے کہ اثبات، حقیقت صفات کے لیے ہے۔ نفی تشبہ کے لیے۔

(۲۲) اس آیت کے بعد دو مثالیں بیان کی ہیں ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا ﴾ اور ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ ﴾

(ا) پہلی مثال میں فرمایا۔ اگر تمہیں احتیاج ہو تو تم کس کے پاس جاؤ گے؟ ایک غلام کے پاس جو کسی دوسرے کے اختیار میں ہے اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتا، یا اس کے پاس جو مالک و مختار ہے اور جس طرح چاہے اپنا مال خرچ کر سکتا ہے۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ایک بے بس غلام اور ایک مالک و مختار آقا؟ اگر نہیں ہو سکتے' تو اس سے بڑھ کر عقل کی ہلاکت اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں ان کے آگے جھکتے ہو جو خود اللہ کے بندے ہیں اور اپنی ساری احتیاجوں میں اس کی بخشائش کے محتاج، اور اس کی طرف سے گردن موڑ لیتے ہو جس کے اختیار میں سب کچھ ہے' اور کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑنے والا ہو؟

(ب) دوسری مثال ایمان اور کفر کی مثال ہے۔ فرمایا، فرض کرو دو آدمی ہوں۔ ایک گونگا بہرا' اپنے ساتھیوں کے لیے بوجھ۔ کوئی کام

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

جوکوئی ایمان لانے کے بعد پھر اللہ سے منکر ہوا اور اس کا دل اس انکار پر رضامند ہوگیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے-مگر ہاں، جوکوئی کفر پر مجبور کیا جائے (اور بے بس ہوکر بخوف جان کوئی ایسی بات کہہ دے) اور اس کا دل اندر سے ایمان پر مطمئن ہو (تو ایسے لوگوں سے مواخذہ نہیں)-(۱۰۶)

بھی اس سے بن نہ پڑے- دوسرا متکلم اور رہنما- فلاح وکامیابی کی راہ چلنے والا اور دوسروں کو بھی راہ دکھانے والا- تو کیا ان دونوں کی حالت میں تمہیں کوئی فرق نہیں دکھائی دے گا؟ تمہاری نگاہ میں دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟ اگر نہیں ہوگا اور تم بے اختیار بول اٹھو گے کہ کہاں ایک گونگا بہرا اور کہاں ایک گویا اور کارفرما تو پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم ایمان کی زندگی پر کفر کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو؟ ایمان کی زندگی کیا ہے؟ عقل و بصیرت کی زندگی جو خدا کے دیے ہوئے حاسوں سے کام لیتی، خود بھی سیدھی راہ چلتی اور دوسروں کی بھی رہنمائی کرتی ہے- کفر کی زندگی کیا ہے؟ بہری گونگی زندگی' عقل وحواس تاراج کر دینے والی- جس راہ میں قدم اٹھائے' کوئی خوبی کی بات حاصل نہ کر سکے-

قرآن ہر جگہ ایمان کو عقل وبصیرت اور ہدایت ورہنمائی کی راہ قرار دیتا ہے اور کفر کو جہل وہیچ کاری سے تعبیر کرتا ہے-

(۲۳) آیت (۸۷) میں فرمایا- وہ کون ہے جس نے عقل وحواس کا چراغ تمہارے نہاں خانہ دماغ میں روشن کر دیا ہے؟ جب تم پیدا ہوتے ہو' تو تمہاری تمام ذہنی قوتیں بظاہر معدوم ہوتی ہیں لیکن پھر جوں جوں بڑھتے جاتے ہو، حواس کی قوتیں ابھرنے لگتی ہیں' ادراک کا جوہر اجلنے لگتا ہے اور عقل کا چراغ روشن ہو جاتا ہے-

اس آیت اور اس کی ہم معنی آیات میں ربوبیت الٰہی کی معنوی پروردگاریوں سے استدلال کیا ہے اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اللہ کی ربوبیت نے انسان کے لیے عقلی ہدایت کا سروسامان کر دیا اور یہی ہدایت ہے جس نے اسے تمام مخلوقات ارضی میں سب سے بلند مقام پر پہنچا دیا ہے- تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کے مبحث ''برہان ربوبیت'' کا مطالعہ کرو-

اس کے بعد کی آیات میں بھی ربوبیت الٰہی کی بخشائشوں پر توجہ دلائی ہے کہ کس طرح کرۂ ارضی کی ہر پیداوار میں تمہارے لیے افادہ وفیضان کی نوعیت پیدا ہوگئی ہے اور کوئی شے نہیں جو تمہاری کسی نہ کسی کاربرآری کا ذریعہ نہ ہو- اس مقام کی تشریح تفسیر فاتحہ کے مبحث ''افادہ وفیضان فطرت'' میں ملے گی-

(۲۴) آیت (۸۹) میں سلسلہ بیان نے یہ رخ اختیار کیا تھا کہ ﴿ نزلنا علیك الكتاب ﴾ ہم نے تجھ پر ایک کتاب نازل کی جو دین کی تمام باتیں واضح کرتی ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت' رحمت اور بشارت ہے-

لیکن وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت' رحمت اور بشارت کیونکر ہوئی؟ اس طرح ہوئی کہ انہیں فلاح وسعادت کی راہ پر چلاتی ہے- بدعملیوں کی راہوں سے روکتی ہے- چنانچہ اس کے بعد ہی سلسلہ بیان مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوگیا اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ اللہ کا تمہارے لیے فرمان یہ ہے کہ عدل کو اپنا شیوہ بناؤ' نیک کرداری میں سرگرم رہو' قرابت والوں کے ساتھ حسن سلوک

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۰۷
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝۱۰۸

یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی سے محبت کی- نیز اس وجہ سے کہ اللہ (کا قانون ہے وہ) منکروں پر (فلاح وسعادت کی) راہ نہیں کھولتا! (۱۰۷)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر کانوں پر اور آنکھوں پر مہر کردی (کیونکہ اس کا مقررہ قانون ہے کہ جو عقل و حواس سے کام نہیں لیتے وہ اس کی روشنی سے محروم ہو جاتے ہیں) اور یہی ہیں کہ غفلت میں ڈوب گئے ہیں! (۱۰۸)

کرو فحش کاموں سے بچو- ہر طرح کی برائیوں سے اجتناب کرو ظلم و زیادتی سے کبھی آلودہ نہ ہو-

جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کے لیے اب آزمائش عقائد میں نہ تھی اعمال میں تھی اس لیے اس آیت میں عملی زندگی کی تمام مہمات بیان کردیں- یہ گویا قرآن کے اس وصف کی تفسیر ہے جو پچھلی آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ ﴿ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ اسی لیے مفسرین نے اسے جوامع آیات میں شمار کیا ہے-

عدل تمام محاسن اعمال کی اصل ہے- جس انسان کے اندر یہ بات پیدا ہوگئی کہ جو بات کرنی چاہیے انصاف کے ساتھ کرنی چاہیے اس نے سب کچھ پالیا- احسان سے یہاں مقصود حسن عمل ہے- جو بات کرو حسن و خوبی کی کرو نیکی اور بھلائی کی کرو، یعنی بنیاد و عمل بھلائی ہو- برائی نہ ہو- جس نے یہ بات پالی اس کے لیے اور کیا باقی رہا؟ پھر جو ہم سے قریب کا رشتہ رکھتے ہیں وہ ہمارے حسن سلوک کے زیادہ حقدار ہیں اس لیے وایتائے ذی القربی کی رعایت بھی ضروری ہوئی اور اس حکم پر اوامر کا معاملہ پورا ہو گیا- پھر فحشاء منکر اور بغی سے روک کر نواہی کے سارے مقاصد پورے کردیے- فحش سے مقصود وہ برائیاں ہیں جو حد درجہ کی برائیاں تسلیم کرلی گئی ہیں- مثلاً زنا کنجوسی افترا پردازی- منکر میں ہر طرح اور ہر قسم و درجہ کی برائیاں آگئیں- بغی میں ہر طرح کی زیادتی آگئی- کسی گوشہ اور کسی شکل میں کی گئی ہو-

جو کتاب ایسے سانچے لے کر آئی ہو جس سے ایسے اعمال ڈھلتے ہوں، جو ایسی زندگیاں بناتی ہو، اگر وہ ہدایت رحمت اور بشارت نہیں ہے تو اور کس نام سے اسے پکارا جا سکتا ہے؟

(۲۵) اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ ایک خاص معاملہ پر زور دیا جو عموماً طرح طرح کی لغزشوں کا باعث ہوتا ہے اور مسلمانوں کو بحیثیت ایک جماعت کے سب سے زیادہ اس میں سرگرم و استوار ہونے کی ضرورت تھی- یعنی ایفائے عہد پر- جب تم نے کسی فرد سے یا جماعت سے کوئی قول و قرار کرلیا، تو اب یہ قرآن کے نزدیک ''عہد اللہ'' ہو گیا- یعنی ایسا عہد جس کے لیے تم اللہ کے آگے ذمہ دار ہو گئے- اگر تم نے اسے پورا نہیں کیا تو اللہ کے آگے جوابدہ ہو گے- چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ ﴾

عہد و میثاق کے معاملات میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ نازک معاملہ جماعتوں کے معاہدوں کا ہے- اور اسی میں اس کی اصلی آزمائش ہے- افراد بحیثیت فرد کے بہت کم عہد شکنی کرتے ہیں اور کریں تو اس کے نتائج شخصی دائرہ سے باہر نہیں جاتے، لیکن جماعتیں بحیثیت جماعت کے اکثر عہد شکن ہوتی ہیں اور اس کے نتائج سیکڑوں ہزاروں افراد کے حصہ میں آتے ہیں- بسا اوقات ایک جماعت کے افراد کبھی گوارا نہیں کریں گے کہ اپنی انفرادی زندگی کے معاملات میں عہد شکنی کا عار گوارا کریں- لیکن اگر انہی لوگوں کو بحیثیت ایک

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ
بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۴/۲۰

لامحالہ یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں تباہ حال ہوں گے! (۱۰۹)

اور پھر جن لوگوں کا یہ حال ہوا کہ (کفر و ایمان کی) آزمائشوں میں پڑنے کے بعد ہجرت کی اور پھر (راہ حق میں) جہاد بھی کیا اور (ہر طرح کی مصیبتوں میں) صابر رہے تو بلاشبہ تمہارا پروردگار ان اعمال کے بعد ضرور بخشنے والا ضرور رحمت فرمانے والا ہے! (۱۱۰)

جماعت، قوم اور حکومت کے بدعہدی کرنی پڑے تو ایک لمحہ کے لیے بھی اس میں تامل نہیں کریں گے اور اسے جماعتی کام جوئی فتح مندی کی ایک ہشیاری اور دانشمندی سمجھیں گے۔ خصوصاً اگر بدعہدی کسی ایسے گروہ کے ساتھ کرنی پڑے جس سے دشمنی اور لڑائی ہو۔ آج بیسویں صدی میں دنیا کی متمدن اقوام کا سیاسی اخلاق ہمارے سامنے ہے۔ ان کے جو افراد چھوٹی سی چھوٹی بات میں بھی یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ وعدہ خلاف ثابت ہوں، قومی اور سیاسی معاملات میں ہر طرح کی بدعہدیاں اور خلاف ورزیاں جائز سمجھتے ہیں اور تاریخ کے اوراق کو آج تک اس کی مہلت نہیں ملی ہے کہ سیاسی معاہدوں کی شکست کی افسانہ سرائی سے فارغ ہو جائے!

ایک انگریز، ایک فرنچ، ایک جرمن کی انفرادی زندگی کی سیرت (کیریکٹر) دیکھو، وہ اپنے وعدوں میں سچا اور اپنے قول و قرار میں بے داغ ہوگا۔ اس کے لیے اس سے بڑھ کر توہین کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ اس کے وعدہ میں شک کیا جائے، لیکن انہی افراد کا مجموعہ جب ایک جماعتی ذہنیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور قومی اور سیاسی معاہدوں کی پابندی اس کی خود غرضانہ کام جوئیوں کی راہ میں حائل ہونے لگتی ہے تو پھر کیا ہوتا ہے؟ کیا ایک لمحہ کے لیے بھی یہ انفرادی سیرت جماعتی بدعہدی کی راہ روک سکتی ہے؟ نہیں بلکہ سب سے بڑا مدبر انسان وہی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ عہد شکنیوں میں بے باک ہو!

جس جماعت کے افراد ایک فرد واحد کے ساتھ بدعہدی کرنا گوارا نہیں کر سکتے وہ لاکھوں کروڑوں افراد کے ساتھ بدعہدی کرنے میں کوئی بداخلاقی محسوس نہیں کرتے!

ہندوستان میں انگریزی اقتدار کی تخم ریزی اس وقت شروع ہوئی جب کہ انگریزی قوم کی قومی سیرت اپنے بہترین سانچوں میں ڈھل رہی تھی اور ان کا اخلاقی پیمانہ روز بروز اونچا ہو رہا تھا۔ یعنی اٹھارویں صدی کے اوائل میں۔ لیکن ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں، ہم صرف ہندوستان کی گزشتہ دو صدیوں کی تاریخ ہی میں دیکھ سکتے ہیں کہ اس بارے میں انگریزی قوم کے جماعتی اخلاق کا معیار کیا رہا ہے؟ ہر معاہدہ جو طاقتور فریق کے ساتھ کیا گیا اور وہ طاقتور رہا، معاہدہ تھا۔ ہر معاہدہ جو کمزور فریق کے ساتھ کیا گیا اور وہ کمزور ہی رہا، معاہدہ نہ تھا۔ امی چند، میر جعفر، میر قاسم، شاہ عالم، راجہ چیت سنگھ، نواب فیض اللہ، سعادت علی خاں، نظام علی خاں، برار، جے پور، میران سندھ کے لیے معاہدے کچھ مفید نہ ہو سکے۔ لیکن حیدر علی، ہلکر اور رنجیت سنگھ کے معاہدوں کی اخلاقی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا گیا۔ جماعتی معاہدے اگر پورے کیے جاتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ معاہدے ہیں اور معاہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے بلکہ اس لیے کہ طاقتور فریق سے کیے گئے ہیں اور ان کی شکست مفید ہونے کی جگہ مضر ہوگی!

عہد جاہلیت میں عربوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ وفائے عہد کی اخلاقی قیمت سے بے خبر نہ تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے اور اپنے قبیلہ کے مفاخر میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ وفائے عہد ہی کو دیتے تھے لیکن جہاں تک جماعتی معاہدوں کا تعلق ہے وفائے عہد کا عقیدہ کوئی عملی قدر و قیمت نہیں رکھتا تھا۔ آج ایک قبیلہ ایک قبیلہ سے معاہدہ کرتا تھا۔ کل دیکھتا تھا کہ اس کے مخالف زیادہ طاقتور ہو

مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ
لَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ
عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ
وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا
حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

کھاتا پیتا تھا- لیکن پھر ایسا ہوا کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی- تو اللہ نے بھی ان کے کاموں کی پاداش میں انہیں نعمتوں سے محروم کردیا- (تنعم کی جگہ) فاقہ اور (اطمینان کی جگہ) خوف ان پر چھا گیا! (۱۱۲)

اور پھر خود انہی میں سے ایک رسول بھی ان کے سامنے آیا (اور کامیابی و سعادت کی راہ کی دعوت دی) مگر انہوں نے اسے جھٹلایا- پس عذاب میں گرفتار ہو گئے' اور وہ (خود اپنے اوپر) ظلم کرنے والے تھے! (۱۱۳)

پس چاہیے کہ اللہ نے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے اسے شوق سے کھاؤ- حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں- اور (ساتھ ہی) چاہیے کہ اللہ کی نعمت کا شکر بھی بجالاؤ' اگر فی الحقیقت تم صرف اسی کے پجاری ہو- (۱۱۴)

جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ مردار جانور' لہو' سور کا گوشت اور وہ جانور جسے خدا کے سوا کسی دوسری ہستی کے لیے پکارا جائے- پھر جو کوئی (حلال غذا نہ ملنے کی وجہ سے) ناچار ہو جائے اور نہ تو (حکم الٰہی سے) سرتابی کرنے والا ہو، نہ (حد ضرورت سے) گزر جانے والا (اور وہ جان بچانے کے لیے کچھ کھالے) تو اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے! (۱۱۵)

اور (دیکھو) ایسا نہ کرو کہ تمہاری زبانوں پر جو جھوٹی بات آ جائے بے دھڑک نکال دیا کرو اور (اپنے جی سے ٹھہرا کر) حکم لگا دو- یہ چیز حلال ہے- یہ چیز حرام ہے- اس طرح حکم لگانا اللہ پر افترا پردازی کرنا ہے-

---

جائے گا- وہ کہیں گے ایسے لوگوں کا دین کیا جو اپنی بات کے پکے نہیں- اس طرح تم نہ صرف بدعہدی کے مجرم ہو گے بلکہ راہ حق سے لوگوں کو روکنے کا باعث ہو گے-

(۲۶) سورۂ انعام میں گزر چکا ہے کہ مشرکین عرب نے اپنے اوہام سے طرح طرح کی چیزیں حرام ٹھہرا دی تھیں- یہودیوں نے بھی کھانے پینے میں طرح طرح کی رکاوٹیں اختیار کر لی تھیں اور سمجھتے تھے یہ شریعت کا حکم ہے-

لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ
قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ
تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ ع ۱۵ ۲۱
حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

(اور یاد رکھو) جو لوگ اللہ پر افترا پردازیاں کرتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں!(۱۱۶)

(یہ دنیا کے) بہت تھوڑے فائدے ہیں جو اٹھالیں۔ (آخرکار) انہیں عذاب دردناک پیش آنے والا ہے!(۱۱۷)

اور (اے پیغمبر!) یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کردی تھیں جن کی سرگزشت تجھے پہلے سنا چکے ہیں۔ اور (یہ پابندیاں جو ان پر لگائی گئیں تو خود انہی کی گمراہیوں کا نتیجہ تھیں) ہم نے ان پر زیادتی نہیں کی (کیونکہ یہ ہمارا شیوہ نہیں) وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔ (۱۱۸)

ہاں جو لوگ نادانی سے برائیوں میں پڑ گئے لیکن اس کے بعد تائب ہو گئے اور توبہ کے بعد اپنی حالت بھی سنوار لی تو تمہارا پروردگار، ہاں بلاشبہ تمہارا پروردگار اس صورت حال کے بعد ضرور بخشنے والا رحمت فرمانے والا ہے!(۱۱۹)

بلاشبہ ابراہیم (اپنی شخصیت میں) ایک پوری امت تھا۔ اللہ کے آگے جھکا ہوا، تمام (بناوٹی) راہوں سے ہٹا ہوا، اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔ (۱۲۰)

وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانے والا تھا۔ اللہ نے اسے برگزیدگی کے لیے چن لیا اور (سچائی کے) سیدھے راستے پر لگا دیا!(۱۲۱)

آیت (۱۱۶) میں فرمایا۔ اپنی زبانوں کو کذب سرائی کے لیے بے لگام نہ چھوڑ دو کہ جس چیز کو چاہا اپنی رائے اور قیاس سے حرام ٹھہرا دیا' جس کو چاہا حلال کہہ دیا۔ حلال و حرام ٹھہرانے کا حق تو صرف وحی الٰہی کو ہے اور تمہارے پاس اپنے اوہام و آراء کے سوا کوئی وحی کی روشنی نہیں جو قرآن کے خلاف پیش کر سکو۔

یہ آیت ان لوگوں کے خلاف حجت قاطع ہے جو محض اپنے گھڑے ہوئے قیاسوں کی بنا پر جس چیز کو چاہتے ہیں حرام ٹھہرا دیتے ہیں۔ اگرچہ کوئی نص قطعی موجود نہ ہو۔ اصل قرآنی اس بارے میں یہ ہے (جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت (۳۲) میں تصریح گزر چکی ہے) کہ خدا کی تمام پیدا کی ہوئی چیزیں انسان کے برتنے کے لیے ہیں، الا وہ جو مضر ہیں اور وحی الٰہی نے ان سے روک دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر چیز مباح ہے جب تک کہ شریعت اسے حرام نہ ٹھہرا دے۔ اور شریعت کے معنی قرآن و سنت کے نصوص قطعیہ ہیں نہ کہ کسی فرد یا گروہ کی مجرد رائے اور قیاس۔

(۲۷) مشرکین عرب اپنے اوہام و خرافات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ آیت (۱۲۰) میں اس نسبت کی تغلیط کی ہے اور واضح کیا ہے کہ ان کی راہ وہی راہ تھی جس کی طرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دے رہے ہیں۔

ایک اور شبہ جو حلت و حرمت کے بارے میں کیا گیا تھا یہ تھا کہ سبت کے دن کا شکار یہودیوں پر حرام کر دیا گیا تھا۔ پس کیوں

وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَي الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ
جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

اسے دنیا میں بھی بہتری دی اور بلاشبہ آخرت میں بھی اس کی جگہ صالح انسانوں میں ہوگی! (۱۲۲)

اور پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ (اسی) ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو- ہر طرف سے ہٹا ہوا (صرف دین حق ہی پر کاربند رہنے والا) اور جو مشرکوں میں سے نہ تھا- (۱۲۳)

''سبت'' منانے کا حکم تو صرف انہی لوگوں کو دیا گیا تھا جو اس بارے میں اختلاف کرنے لگے تھے- اور بلاشبہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کردے گا کہ جن جن باتوں میں اختلاف کرتے رہے ان کی اصل حقیقت کیا تھی- (۱۲۴)

(اے پیغمبر!) اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ- اس طرح کہ حکمت کی باتیں کرو اور اچھے طریقہ پر پند و نصیحت کرو اور مخالفوں سے بحث و نزاع کرو تو (وہ بھی) ایسے طریقہ پر کہ حسن و خوبی کا طریقہ ہو- تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کون راہ راست پر ہے- (۱۲۵)

قرآن اس سے نہیں روکتا؟ فرمایا- یہودیوں کو جو اس سے روکا گیا تھا تو اس لیے نہیں کہ سبت کے دن حلال جانور شکار کیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے بلکہ یہ ان کے اختلاف اور عدم اطاعت کی ایک سزا تھی- یعنی جب انہوں نے احکام سبت کی تعمیل نہ کی اور حیلے بہانے نکال کر شکار کرنے لگے تو سدا سبت کے شکار کا گوشت ممنوع قرار دیا گیا-

(۲۸) آیت (۱۲۵) میں واضح کیا ہے کہ دعوت الی الحق کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا سرتاسر حکمت اور موعظہ حسنہ ہے ''حکمت'' یعنی دانائی کی باتیں- ''موعظہ حسنہ'' یعنی پند و نصیحت کی باتیں جو حسن و خوبی کے ساتھ کی جائیں- اس کے بعد فرمایا: ﴿ وجادلهم بالتي هي احسن ﴾ اور اگر بحث و نزاع کرنی پڑے تو کر سکتے ہو لیکن ایسی ہی بحث و نزاع جو نہایت اچھے طریقہ پر ہو- اس سے معلوم ہوا کہ دعوت حق کا طریقہ حکمت اور موعظہ حسنہ کا طریقہ ہے- اور بحث و نزاع کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ احسن طریقہ پر ہو- پس ہر بحث و نزاع جو احسن طریقہ پر نہ ہو دعوت کا طریقہ نہیں ہوگی-

احسن طریقہ سے مقصود کیا ہے؟ یہ کہ مقصود طلب حق ہو' اپنی بات کی پچ نہ ہو- مخالف کے اندر یقین پیدا کرنا ہو' اسے باتوں سے ہرانا نہ ہو- اگر وہ چپ ہو گیا اور دل کا کانٹا نہ نکلا تو بحث بے کیا فائدہ ہوا؟ ایسا اسلوب' ایسا طریق خطاب' ایسا لب ولہجہ' اس طرح کے الفاظ اختیار نہ کیے جائیں جو مخالف کے دل کو دکھ پہنچانے والے ہوں یا اسے سننے والوں کی نظروں میں ذلیل و رسوا کرنے والے ہوں- کیونکہ اگر بحث سے

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾
وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ ع ۱۶ / ۹ / ۲۲
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

اور مخالفوں کی سختی کے جواب میں سختی کرو تو چاہیے کہ ویسی ہی اور اتنی ہی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہے- اور اگر تم نے صبر کیا (یعنی جھیل گئے اور سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا) تو بلاشبہ صبر کرنے والوں کے لیے صبر ہی بہتر ہے! (۱۲۶)

(اے پیغمبر!) صبر کر اور تیرا صبر کرنا نہیں ہے مگر اللہ کی مدد سے اور ان لوگوں کے حال پر غم نہ کھا، نہ ان کی مخالفانہ تدبیروں سے دل تنگ ہو- (۱۲۷) یقیناً اللہ انہی کا ساتھی ہے جو متقی ہیں اور نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں! (۱۲۸)

مقصود دعوت حق ہے تو مخاطب کے دل کو نرمی و محبت سے حق کی طرف متوجہ کرنا چاہیے نہ یہ کہ صدمہ پہنچانا' ضد میں لانا اور جوش نفرت سے بھر دینا- بدقسمتی سے دنیا میں طلب حق کی راہ بھی محض جدل و نزاع کی راہ بن گئی ہے- ہم اپنے دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے لڑنے جھگڑنے کے عادی ہیں جب کبھی کوئی ایسا جھگڑا پیش آ جاتا ہے تو صرف اپنی جیت ہی کے لیے لڑتے ہیں- اس خیال سے نہیں لڑتے کہ حق و انصاف کیا ہے؟ اکثر اوقات خود ہمارا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ ہم برسر حق نہیں ہیں اور انصاف مخالف کے ساتھ ہے لیکن چونکہ اپنا مطلب کسی نہ کسی طرح حاصل کرنا ہوتا ہے اس لیے کبھی اعتراف حقیقت کے لیے تیار نہیں ہوتے- حق اور انصاف ہم سے جس قدر الگ ہوتا جاتا ہے بحث و نزاع کی سرگرمی اتنی ہی زیادہ بڑھتی جاتی ہے- اگر ہمارا مقدمہ سب سے زیادہ کمزور ہوگا تو ہم خیال کریں گے کہ ہماری بحث و نزاع کی سرگرمی سب سے زیادہ ہونی چاہیے!

چاہیے تو یہ تھا کہ کم از کم دین کے معاملہ میں ہم ایسا نہ کرتے- دنیوی معاملات میں کچھ نہ کچھ لینا دینا ہوتا ہے اس لیے غرض پرست آدمی اپنی بات کی پچ کرتا ہی رہے گا- لیکن دین کی راہ نہیں ہے سچ کو سچ مان لینے کی راہ ہے- اور جونہی ہم نے کسی بات کو سچ نہ سمجھ کر بھی سچ ثابت کرنا چاہا، دین کی راہ نہ رہی- عین اس کی ضد ہوگئی- لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم نے سچائی کے کام کو بھی جھوٹ کا کاروبار بنا دیا ہے- ہم دین کے بارے میں بھی ٹھیک اسی طرح جھگڑتے ہیں جس طرح دنیا کے معاملات میں- ہم جب کبھی کسی سے بحث کریں گے تو ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہیں گزرے گا کہ اس راہ میں اصل مقصود طلب حق ہے اور جونہی حق سامنے آ جائے ہمارا فرض ہے کہ اعتراف کر لیں، بلکہ بحث کریں گے ہی، اس لیے کہ اپنی اور اپنے فریق کی بات منوانی ہے اور خواہ کچھ ہو فریق مخالف کو ہرانا ہے- اگر دیکھیں گے کہ حق اور معقولیت ہمارے ساتھ نہیں ہے' تو غیر متعلق باتوں پر زور دینے لگیں گے، بدزبانی پر اتر آئیں گے، مارنے مرنے کے لیے تیار ہو گے اور پھر کہیں گے کہ ہم جیت گئے!

قرآن کہتا ہے- یہ ''جدل'' کا طریقہ ہے- ''دعوت'' کا طریقہ نہیں ہے' اور دین کی راہ دعوت کی راہ ہے- جدل کی نہیں ہے- اگر جدل کرنا ہی پڑے تو صرف اسی حالت میں کیا جا سکتا ہے کہ احسن طریقہ پر ہو- یعنی راست بازی' دیانت' شیریں زبانی' اور شائستگی کے ساتھ کیا جائے- آگے چل کر سورۂ عنکبوت میں بھی تمہیں یہی حکم ملے گا: ﴿ وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ (۴۶)

اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ﴾ اگر مخالف ناحق کوشی میں سرگرم ہے اور سختی و زیادتی پر اتر آیا ہے تو ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ تم بھی آپے سے باہر ہو جاؤ- ایسا کرنا راست بازی کا طریقہ نہ ہوگا- ایک برائی کے جواب میں دوسری برائی کا ارتکاب ہوگا جو ممکن ہے کہ پہلی سے بھی زیادہ سخت برائی ہو جائے- بہتری تو اس میں ہے کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دو، جھیل جاؤ- پروا نہ کرو، بخش دو- اسی میں تمہاری اصلی جیت ہے- لیکن اگر طبیعت پر قابو نہیں پاتے اور سختی کا جواب سختی سے دینا ہی چاہتے ہو تو پھر انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے- جتنی اور جیسی سختی تمہارے ساتھ کی گئی ہے ویسی ہی اور اتنی ہی تم بھی کر لو- اس سے آگے نہ بڑھو- ذرا بھی بڑھے تو یہ ظلم ہوگا اور ظلم راستی کے ساتھ جمع نہیں سکتا-

غور کرو- قرآن کا محض ایک لفظ یا محض ایک ترکیب کس طرح مقاصد و مسائل کے فیصلے کر دیا کرتی ہے؟ پہلے بصیغہ امر دعوت کا حکم دیا گیا تھا: ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ ﴾ پس چاہیے تھا کہ یہاں بھی بدلہ لینے کا حکم دیا جاتا اور کہا جاتا، اگر تمہارے ساتھ سختی کی گئی ہے تو تم بھی ویسی ہی سختی کرو- مگر نہیں ایسا نہیں فرمایا' بلکہ کہا: ﴿ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ ﴾ اگر ایسا ہو کہ تم مخالف کی سختی کے جواب میں سختی کرنا چاہو تو چاہیے کہ حد سے نہ بڑھو- اس سے معلوم ہوا کہ سختی کے جواب میں سختی کا حکم نہیں ہے- محض اجازت ہے- یعنی اگر ایک آدمی وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جو اس بارے میں بہتری اور خوبی کا اصلی مقام ہے: جھیل جانا اور بخش دینا' تو پھر اسے بدلے کی اجازت دے دی گئی ہے لیکن اجازت کو ﴿ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ ﴾ سے مقید کر دیا ہے تاکہ زیادتی کا دروازہ بکلی بند ہو جائے- اب دو ہی راہیں کھلی رہ گئیں: عزیمت تو اس میں ہوئی کہ جھیل جاؤ اور بخش دو- رخصت اس کی ہوئی کہ جتنی سختی کی گئی ہے اتنی ہی تم بھی کر لو- اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے-

اس آیت کی تفسیر میں امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک تقریر بہت مقبول ہوئی ہے جو انہوں نے قسطاس المستقیم میں لکھی ہے اور بعد کے مفسرین نے عموماً اسے اختیار کر لیا ہے- وہ کہتے ہیں استعداد و فہم کے لحاظ سے ہر انسان کی طبیعت یکساں نہیں اور ہر ذہنی حالت ایک خاص طرح کا اسلوب خطاب چاہتی ہے- ارباب دانش کے لیے استدلال کی ضرورت ہوتی ہے' عوام کے لیے موعظت کی' اور اصحاب خصومت کے لیے جدل کی- پس اس آیت میں قرآن نے تینوں جماعتوں کے لیے یہ تینوں طریقے بتلا دیے ہیں' ارباب دانش کو حکمت کے ساتھ مخاطب کرو- عوام کو موعظت کے ساتھ- اور ارباب خصومت کے لیے جدل کی بھی اجازت ہے مگر بطریق احسن-

(۲۹) آخر میں سورت ختم کرتے ہوئے پیغمبر اسلام ﷺ کو مخاطب کیا ہے کہ:

(ا) صبر کر اور تیرا صبر کرنا اللہ ہی کی مدد و توفیق سے ہے-

(ب) منکروں کی محرومی پر غم نہ کھا- جو ماننے والے نہیں ہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے-

(ج) دعوت حق کی مخالفت میں وہ جو کچھ مخفی تدبیریں اور سازشیں کر رہے ہیں' ان سے بھی دل تنگ نہ ہو-

(د) یہ قانون الٰہی یاد رکھ کہ اللہ کی نصرت انہی کا ساتھ دیتی ہے جو برائیوں سے بچتے ہیں اور جن کی زندگی نیک کرداروں کی زندگی ہوتی ہے!

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُھَا : 111	سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّۃٌ	رُکُوْعَاتُھَا : 12

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا النصف
حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ① وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی
لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ② ذُرِّیَّۃَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا
شَکُوْرًا ③ وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْکِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ

پاکی ہے اس ذات کے لیے جس نے اپنے بندے کو (یعنی پیغمبر اسلام کو) راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کہ اس کے اطراف کو ہم نے بڑی ہی برکت دی ہے سیر کرائی، اور اس لیے سیر کرائی کہ اپنی نشانیاں اسے دکھا دیں- بلاشبہ وہی ذات ہے جو سننے والی دیکھنے والی ہے!(۱)

اور (اسی طرح) ہم نے موسیٰ کو کتاب (شریعت) دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ ٹھہرایا (اور حکم دیا) کہ (دیکھو!) میرے سوا اور کسی کو اپنا کارساز نہ ٹھہراؤ!(۲)

تم ان لوگوں کی نسل ہو جنہیں ہم نے (طوفان کی ہلاکت سے نجات دی تھی اور) نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کرایا تھا- اور وہ ایک شکر گزار بندہ تھا!(۳)

اور (دیکھو) ہم نے کتاب میں (یعنی تورات میں) بنی اسرائیل کو اس فیصلہ کی خبر دے دی تھی کہ تم ضرور ملک میں دو مرتبہ خرابی پھیلاؤ گے

---

(۱) ہجرت مدینہ سے تقریباً ایک سال پہلے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اسریٰ کا معاملہ پیش آیا جو عام طور پر معراج کے نام سے مشہور ہے- اس سورت کی ابتداء اسی واقعہ کے ذکر سے کی گئی ہے اور واضح کیا ہے کہ اس معاملہ سے مقصود کیا تھا- ﴿ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ﴾ تا کہ اللہ کی نشانیاں ان کے مشاہدہ میں آ جائیں- یعنی دلائل حقیقت کا عینی مشاہدہ کر لیں- اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ وحی کی تکمیل تھا- چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: ﴿ واتینا موسیٰ الکتاب ﴾ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ وحی بھی کوہ طور کے اعتکاف میں مکمل ہوا تھا کہ ﴿ ولما جاء موسی لمیقاتنا و کلمه ربه ﴾ (۷:۱۴۷) اور انہیں کتاب شریعت دی گئی تھی-

﴿ انه هو السمیع البصیر ﴾ وہی ہے جو سننے والا' دیکھنے والا ہے- پس جسے چاہے اس سے زیادہ سنا دے' جتنا سب سن رہے ہیں' اور اس سے زیادہ دکھا دے' جتنا سب دیکھ رہے ہیں!

یہاں مسجد حرام سے مقصود مکہ ہے' اور مسجد اقصیٰ سے بیت المقدس کا ہیکل- اسے اقصیٰ اس لیے فرمایا کہ عرب کے لیے قریب کی عبادت گاہ خانہ کعبہ تھی اور دور کی عبادت گاہ ہیکل-

(۲) آیت (۴) میں کتاب سے مقصود انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفے ہیں- چنانچہ یسعیاہ' یرمیاہ اور حزقیل کی کتابوں میں بنی اسرائیل کے دو بڑے فسادوں اور دو بڑی بربادیوں کی خبر دی گئی تھی- پہلی بربادی بابل کے بادشاہ نبوکدزر (بخت نصر)

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ اُولٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا
خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَ
جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ⑥ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ
الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦
عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ⑧ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ

اور بڑی ہی سخت درجہ کی سرکشی کرو گے-(۴) پھر جب ان دو وقتوں میں سے پہلا وقت آ گیا تو (اے بنی اسرائیل) ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے بھیج دیے جو بڑے ہی خوفناک تھے- پس وہ تمہاری آبادیوں کے اندر پھیل گئے اور اللہ کا وعدہ تو اسی لیے تھا کہ پورا ہو کر رہے!(۵)

پھر (دیکھو) ہم نے زمانہ کی گردش تمہارے دشمنوں کے خلاف اور تمہارے موافق کر دی اور مال و دولت اور اولاد کی کثرت سے تمہاری مدد کی- اور تمہیں (پھر) ایسا بنا دیا کہ بڑے جتھے والے ہو گئے-(۶)

اگر تم نے بھلائی کے کام کیے' تو اپنے ہی لیے کیے اور اگر برائیاں کیں' تو بھی اپنے ہی لیے کیں-

پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو بھیج دیا) تاکہ تمہارے چہروں پر رسوائی پھیر دیں اور اسی طرح (ہیکل کی) مسجد میں داخل ہو جائیں جس طرح پہلی مرتبہ حملہ آور گھسے تھے اور جو کچھ پائیں' توڑ پھوڑ کر برباد کر ڈالیں-(۷)

کچھ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے (اگر اب بھی باز آ جاؤ) لیکن اگر تم پھر سرکشی و فساد کی طرف لوٹے تو (اللہ فرماتا ہے) ہماری طرف سے بھی پاداش عمل لوٹ آئے گی، اور (یاد رکھو) ہم نے منکرین حق کے لیے جہنم کا قید خانہ تیار کر رکھا ہے!(۸) بلاشبہ یہ قرآن اس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے- جو سب سے زیادہ سیدھی راہ ہے اور ایمان والوں کو جو

کے حملہ سے ہوئی' دوسری رومیوں کے حملہ سے جوٹیٹس کے زیر قیادت ہوئی تھی-

(۳) بابل کے حملے نے صرف یہودیا کی آبادیوں ہی کو پامال نہیں کیا تھا بلکہ بنی اسرائیل کی نسل و قومیت بھی ہلاک و منتشر ہو سی تھی- لیکن ایک صدی کے بعد گردش زمانہ نے پھر پلٹا کھایا اور کارساز قدرت نے وقت کی سب سے بڑی فاتح شہنشاہیت کو ان کی اعانت و دستگیری کے لیے کھڑا کر دیا یعنی شہنشاہ فارس کو- اب یہودیا کی تمام اجڑی بستیاں پھر آباد ہو گئیں اور یہودی جمعیت کا جسم مردہ پھر زندہ ہو گیا-

آیت (۶) میں اسی عہد کی طرف اشارہ کیا ہے- فرمایا- اگر تم نے اچھے کام کیے تھے تو اپنے ہی لیے کیے تھے- یعنی اس کے نتائج تمہارے ہی حصہ میں آئے اور بدعملیاں کی تھیں تو وہ بھی اپنے ہی لیے کی تھیں- اس کی پاداش بھی تمہارے ہی حصہ میں آئی- چنانچہ جب ایسا ہوا کہ اس دوسری مہلت کی بھی تم نے قدر نہ کی اور اپنی توبہ و انابت کے وہ تمام عہد بھلا دیے جو بابل کی اسیری کے

يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ⑨ وَّ
ع اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑩ وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ
بِالْخَيْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪ وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَاۤ اٰيَةَ
النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَيْءٍ

نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے! (۹)
اور (نیز اس بات کا بھی اعلان کرتا ہے کہ) جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے! (۱۰)
اور (دیکھو) جس طرح انسان اپنے لیے بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے اسی طرح (بسا اوقات) برائی بھی مانگنے لگتا ہے (اگرچہ نہیں جانتا کہ یہ اس کے لیے برائی ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی جلد باز ہے! (۱۱) اور (دیکھو) ہم نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ (ہماری قدرت و حکمت کی) دو نشانیاں ہو گئیں۔ سو رات کی نشانی دھیمی کر دی (کہ راحت و سکون کا وقت بن جائے) اور دن کی نشانی روشن کر دی کہ (اس کے اجالے میں) اپنے پروردگار کا فضل ڈھونڈو (یعنی معیشت کا سروسامان مہیا کرو) نیز (رات دن کے اختلاف سے) برسوں کی گنتی اور (برسوں کی گنتی سے ہر طرح کا) حساب بھی معلوم کر لو۔ ہم نے (قرآن میں) ہر چیز کا بیان

زمانہ میں کیے تھے تو پھر دوسری ہلاکت کا وقت نمودار ہو گیا یعنی رومی حملہ کا۔ یہ بنی اسرائیل کی آخری ہلاکت تھی۔ اس کے بعد پھر نہ سنبھل سکے۔

(۴) آیت (۸) نے دو لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو جزائے عمل کے بارے میں کہا جا سکتا ہے اور اس سے قرآن کی معجزانہ بلاغت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے: ﴿ وان عدتم عدنا ﴾ اگر تم پھر انہی شرارتوں کی طرف لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے۔ یعنی اگر تم بدعملیوں کی طرف لوٹو گے تو اللہ کا قانون مجازات بھی پاداش و عقوبت کی طرف لوٹے گا۔ جونہی تم نے برائی کا رخ کیا، نتائج عمل کا قانون بھی پاداش و عقوبت میں سرگرم ہو گیا۔ ''عمل'' اور ''نتیجہ'' دو ایسی لازم و ملزوم حقیقتیں ہیں جو کسی حال میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں۔ ''نتیجہ'' عمل کا سایہ ہے۔ جہاں عمل آیا اس کا سایہ بھی ساتھ آ گیا۔ تم نے اچھے عمل کی طرف رخ کیا، اور اچھے نتائج بھی تمہاری طرف تکنے لگے۔ تم نے برے عمل کی طرف قدم اٹھایا، برے نتائج کے بھی قدم اٹھ گئے۔ اس راہ میں جتنے بڑھتے جاؤ اور جس قدر بھی غور کرو' حقیقت ہر جگہ یہی نظر آئے گی کہ ﴿ ان عدتم عدنا ﴾

آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو ہلاکتیں ہو چکیں۔ اب تیسری مہلت تمہیں ملی ہے۔ یعنی دعوت حق کے ظہور نے رحمت الٰہی کی بخشائشوں کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اگر انکار و سرکشی سے باز آ جاؤ تو تمہارے لیے سعادت و کامرانی ہے۔ باز نہ آؤ گے تو پھر جس طرح دو مرتبہ نتائج عمل کا قانون اپنی عقوبتیں دکھلا چکا ہے۔ تیسری مرتبہ بھی دکھلائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہودیوں نے جس طرح اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور نے انہیں

فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾ وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ
اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ
اُخْرٰى ؕ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا
مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ
الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ
الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا

کھول کھول کرُ الگ الگ واضح کر دیا ہے! (۱۲)

اور ہم نے ہر انسان کی شامت خود اس کی گردن سے باندھ دی ہے (کہیں باہر سے اس پر آ کر نہیں گرتی) قیامت کے دن ہم اس کے لیے (نامہ اعمال کی) ایک کتاب نکال کر پیش کر دیں گے- وہ اسے اپنے سامنے کھلا دیکھ لے گا- (ہم کہیں گے) ''اپنا نامہ اعمال پڑھ لے- آج کے دن خود تیرا وجود ہی تیرے احتساب کے لیے بس کرتا ہے!'' (۱۴-۱۳)

جو سیدھے رستے چلا' تو اپنے ہی لیے چلا اور جو بھٹک گیا تو بھٹکنے کا خمیازہ بھی وہی اٹھائے گا' کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا (ہر جان کو خود اپنے ہی اعمال کا بوجھ اٹھانا ہے) اور ہم کبھی ایسا نہیں کرتے کہ (کسی قوم کو) عذاب دیں مگر اسی وقت جب کہ اس میں ایک رسول پیدا کر دیتے ہیں (اور پھر بھی لوگ سرکشی و فساد سے باز نہیں آتے)- (۱۵)

اور جب ہمیں منظور ہوتا ہے کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں (یعنی وحی کے ذریعہ سے احکام حق پہنچا دیتے ہیں) پھر وہ بجائے اس کے کہ اس کی تعمیل کریں' نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں- پس ان پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے اور (پاداش عمل میں) انہیں برباد و ہلاک کر ڈالتے ہیں! (۱۶)

اور (دیکھو) نوح کے بعد قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی خبر داری اور نگرانی اس کے بندوں کے (گناہوں کے) لیے بس کرتی ہے! (۱۷) جو کوئی فوری فائدہ (اسی دنیا میں) چاہتا ہے تو جس کسی کو ہم دینا چاہیں اور جتنا دینا چاہیں اسی دنیا میں دے دیتے ہیں- پھر آخر کار اس کے لیے جہنم بنا دی ہے- اس میں داخل ہو گا

دی تھی اسی طرح دعوت اسلام سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور محرومی و نامرادی کی مہر ہمیشہ کے لیے ان کی قسمت پر لگ گئی!

مَّدۡحُوۡرًا ۱۸ وَ مَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَ سَعٰی لَهَا سَعۡیَهَا وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعۡیُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ۱۹
كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَ هٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا ۲۰ اُنۡظُرۡ كَیۡفَ فَضَّلۡنَا
بَعۡضَهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ؕ وَ لَلۡاٰخِرَةُ اَكۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكۡبَرُ تَفۡضِیۡلًا ۲۱ لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا ۲۲ وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ

بدحال ٹھکرایا ہوا! (۱۸) لیکن جو کوئی آخرت کا طالب ہوا اور اس کے لیے جیسی کچھ کوشش کرنی چاہیے ویسی کوشش کی نیز ایمان بھی رکھتا ہے تو (اس کے لیے دائمی کامیابیاں ہیں اور) ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی! (۱۹)

ہم ہر فریق کو اپنی پروردگاری کی بخشائشوں سے (دنیا میں) مدد دیتے ہیں- ان کو بھی (کہ صرف دنیا ہی کے پیچھے پڑ گئے) اور ان کو بھی (کہ آخرت کے طالب ہوئے اور راہ حق پر چلے) اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی بخشش عام کسی پر بند نہیں! (۲۰)

دیکھو! ہم نے کس طرح (یہاں) بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر برتری دے دی ہے (کہ کوئی کسی حال میں نظر آتا ہے کوئی کسی میں) اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے درجے سب سے بڑھ کر ہیں اور سب سے برتر! - (۲۱) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ- ورنہ ایسے ہو رہو گے کہ ہر طرف سے نفرت کے مستحق اور ہر طرف سے درماندگی میں پڑے ہوئے! (۲۲) اور تمہارے پروردگار نے یہ

---

(۵) آیت (۸) میں فرمایا تھا- عجب نہیں کہ پروردگار تم پر رحم فرمائے اگر سرکشی و فساد سے باز آ جاؤ اور دعوت حق پر لبیک کہو- پس آیت (۹) میں اس کی مزید تشریح کی اور فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَهۡدِیۡ لِلَّتِیۡ هِیَ اَقۡوَمُ ﴾ قرآن ہدایت کی ایسی راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی راہ ہے اور ان لوگوں کے لیے جو اس راہ پر چلیں ہر طرح کی کامیابیوں کی بشارت ہے!

قرآن نے اپنے جس قدر اوصاف بیان کیے ہیں ان سب میں جامع ترین وصف یہی ہے- زندگی اور سعادت کے ہر گوشہ میں اس کی راہنمائی سیدھی سے سیدھی بات کے لیے ہے- کسی طرح کی کجی، کسی طرح کا پیچ و خم، کسی طرح کا الجھاؤ، کسی طرح کی افراط تفریط اس کی رہنمائی میں نہیں ہو سکتی- یہی حقیقت دوسری جگہ صراط مستقیم اور دین القیم سے تعبیر کی گئی ہے-

(۶) آیت (۱۱) میں انسان کی اس کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ خیر و شر میں امتیاز نہیں کرتا اور بسا اوقات شر کا اس طرح طالب ہو جاتا ہے جس طرح اسے خیر کا خواستگار ہونا چاہیے-

یہ حالت اسے کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہے یعنی ایسی خواہشیں ہیں جو فوراً پورا ہونا چاہتی ہیں اور جب چھا جاتی ہیں تو ایک لمحہ کے لیے بھی صبر و انتظار نہیں کر سکتیں- نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اچھائی کی طلبگاری کرتے ہوئے برائیوں کا طلبگار ہو جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کی طلبگاری اسے برائیوں کی طرف لے جا رہی ہے-

پس معلوم ہوا کہ اسے ایسی رہنمائی کی ضرورت ہے جو خیر و شر کا امتیاز سکھلائے اور خواہشوں کی ٹھوکروں سے اس کی حفاظت کرے-

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ
لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا
رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ إِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَإِنَّهٗ كَانَ لِلْأَوَّابِيْنَ
غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ إِنَّ
الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَ إِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ

بات ٹھہرادی کہ اس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو- اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہاری زندگی میں بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائیں (اور ان کی خدمت کا بوجھ تم پر آ پڑے) تو ان کی کسی بات پر اف نہ کرو (یعنی کوئی بات کتنی ہی ناگوار گزرے مگر حرف شکایت زبان پر نہ لاؤ اور نہ (تیزی میں آ کر) جھڑ کنے لگو، ان سے بات چیت ادب و عزت کے ساتھ کرو- (۲۳) ان کے آگے محبت اور مہربانی کے ساتھ عاجزی کا سر جھکائے رکھو- ان کے حق میں (ہمیشہ) دعا کرو کہ پروردگار! جس طرح انہوں نے مجھے صغر سنی میں پالا پوسا اور بڑا کیا تو اسی طرح تو بھی ان پر رحم کیجیو! (۲۴)

تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے جی میں ہوتا ہے- اگر تم نیک کردار رہوئے (اور بغیر قصد کے تم سے کوئی فروگزاشت ہو گئی) تو (اس کی وجہ سے تمہیں مضطرب نہیں ہونا چاہیے) وہ بلاشبہ توبہ کرنے والوں کے لیے بڑا ہی بخشنے والا ہے! (۲۵)

اور (دیکھو) جو لوگ تمہارے قرابت دار ہیں، جو مسکین ہیں، جو (بے یار و مددگار) مسافر ہیں، ان سب کا تم پر حق ہے ان کا حق ادا کرتے رہو اور مال و دولت کو بے محل خرچ نہ کرو جیسا کہ بے محل خرچ کرنا ہوتا ہے- (۲۶)

بے محل خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کی نعمتوں کا کفران کرنے والا ہے- (۲۷) اور اگر ایسا ہو کہ تم اپنے پروردگار کی مہربانی کی راہ دیکھ رہے ہو (یعنی تنگ دستی کی حالت میں ہو

یہی رہنمائی ہدایت وحی کی رہنمائی ہوئی اور اسی لیے انسان کسی ایسی رہنمائی کا بالطبع محتاج ہوا-

(۷) اس کے بعد آیت (۱۲) میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کس طرح ربوبیت الٰہی نے تمہاری ہدایت کا فطری سامان کر دیا ہے اور کس طرح کارخانہ ہستی کا ہر معاملہ تمہاری کار براریوں کا ذریعہ ہے- اور جب ربوبیت الٰہی کی یہ کارفرمائیاں شب و روز دیکھ رہے ہو تو اس سے تمہیں کیوں انکار ہوا گر وہ وحی و نبوت کے قیام کے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کا مزید سامان کر دے؟

ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى
عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
ع ۳ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ
وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا
فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَ لَا تَقْرَبُوْا

اور رزق کی جستجو کر رہے ہو) اور اس لیے تمہیں (ان حقداروں سے) منہ پھیرنا پڑے تو چاہیے کہ نرمی سے انہیں سمجھا دو (سختی سے پیش نہ آؤ) (۲۸)

اور (دیکھو) نہ تو اپنا ہاتھ اتنا سکیڑ لو کہ گردن میں بندھ جائے اور نہ بالکل ہی پھیلا دو- دونوں صورتوں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر طرف سے ملامت پڑے اور درماندہ ہو کر رہ جاؤ! (۲۹)

تمہارا پروردگار جس کسی کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے نپی تلی- وہ اپنے بندوں (کی حالت) کی خبر رکھنے والا اور (سب کچھ) دیکھنے والا ہے! (۳۰)

اور (دیکھو) افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو ہلاک نہ کرو- ہم ہی ہیں کہ انہیں بھی اور تمہیں بھی روزی دیتے ہیں- انہیں ہلاک کرنا بڑے ہی گناہ کی بات ہے! (۳۱)

اور زناکاری کے قریب بھی نہ جاؤ- یقین کرو وہ بڑی ہی بے حیائی کی بات اور بڑی برائی کا چلن ہے! (۳۲)

اور کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو جسے قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرا دیا ہے- جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو (قصاص کے مطالبہ کا) اختیار دے دیا ہے- پس چاہیے کہ خوں ریزی میں زیادتی نہ کرے (یعنی حق سے زیادہ بدلہ لینے کا قصد نہ کرے) وہ (حد کے اندر رہنے میں) فتح مند ہے- (۳۳) اور یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ

---

(۸) آیت (۱۲) سے آیت (۱۷) تک یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسان اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے اور جو برائی بھی اسے پیش آتی ہے خود اسی کے اعمال کی پیداوار ہے- یہ مقام تشریح طلب ہے- اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی-

(۹) آیت (۱۸) میں فرمایا کہ نتائج عمل کے لحاظ سے انسان کے دو گروہ ہو گئے ہیں- ایک وہ ہے جس کی ساری طلب دنیا کی چندروزہ زندگی ہی کے لیے ہے- دوسرا وہ ہے جو یقین رکھتا ہے کہ اس زندگی کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس لیے اس دوسری زندگی کی سعادت کا بھی طالب ہے- جہاں تک دنیا کی زندگی کا تعلق ہے ہمارا قانون یہ ہے کہ دونوں کے آگے یکساں طریقہ پر دنیوی نتائج کا دروازہ کھول دیا ہے اور سب کو کارخانہ ربوبیت کا فیضان مل رہا ہے- انہیں بھی جو صرف دنیا کے ہو رہے- انہیں بھی جو آخرت کے بھی طالب ہوئے- لیکن جہاں تک آخرت کی سعادتوں کا تعلق ہے، پہلے کے لیے محرومیاں ہوں گی- دوسرے کے لیے کامرانیاں!

مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا
الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ
بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ
تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ

(یعنی اسے خرچ کرنے کا ارادہ بھی نہ کرنا) مگر ہاں ایسے طریقہ پر جو بہتر ہو- یہاں تک کہ یتیم جوان ہو جائیں (اور تم ان کی امانت ان کے حوالہ کر دو) اور (دیکھو) اپنا عہد پورا کیا کرو- عہد کے بارے میں تم سے باز پرس کی جائے گی! (۳۴)

اور جب کوئی چیز ماپو تو پیمانہ بھر پور رکھا کرو- (اس میں کمی نہ کرو) اور جب تولو تو درست ترازو سے تولو (یعنی نہ تو ترازو غلط ہو نہ تولنے میں ڈنڈی دبائی جائے) یہ (معاملہ کا) بہتر طریقہ ہے اور اچھا انجام لانے والا ہے! (۳۵)

اور دیکھو جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو (اپنی حد کے اندر رہو) یاد رکھو کان' آنکھ' عقل ان سب کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے! (۳۶)

اور زمین پر اکڑ کے نہ چلو- یقیناً تم زمین میں شگاف نہیں ڈال سکتے اور نہ پہاڑوں کی لمبائی تک پہنچ جا سکتے ہو! (۳۷)

ان ساری باتوں کا یہ حال ہے کہ ان کی برائی تمہارے پروردگار کے نزدیک بڑی ہی ناپسندیدہ ہے- (۳۸)

آیت (۱۹) نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ سعادت اخروی کی شرائط کیا ہیں- فرمایا دو شرطیں ہیں- اول یہ کہ سعادت اخروی کے لیے کوشش کرے- لیکن کیسی کوشش؟ ویسی کوشش جو اس کے لیے صحیح کوشش ہو سکتی ہے- یعنی جو اللہ کی وحی نے بتلا دی ہے- دوسری یہ کہ اللہ پر اور اس کی صداقتوں پر ایمان ہو- اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کی سعادت کی کوئی سعی بغیر ان دو شرطوں کے مقبول نہیں ہو سکتی-

(۱۰) آیت (۲۲) سے سلسلہ بیان اوامر و نواہی کی طرف متوجہ ہوا ہے اور واضح کیا ہے کہ طالب آخرت گروہ کے اعمال کیسے ہونے چاہییں- طالبین آخرت کی کامیابی اس سے مشروط کر دی تھی کہ ﴿ وسعیٰ لها سعیها ﴾ اب اس کی تشریح کی ہے کہ سعادت اخروی کے لیے سعی اس طرح کرنی چاہیے-

سب سے پہلے توحید فی العبادت کی تلقین کی کہ اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو- کیونکہ نفس توحید کا اعتقاد تو تمام پیروان مذاہب میں موجود تھا- لیکن توحید فی العبادت کی حقیقت مفقود ہو گئی تھی- پھر والدین کے حقوق پر توجہ دلائی- کیونکہ انسان کے لیے والدین کی ربوبیت ربوبیت الٰہی کا پرتو ہے اور اس لیے عبودیت الٰہی کے بعد جو عمل اس کے لیے مقدم ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ والدین کے حقوق پرورش سے غافل نہ ہو-

اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا
مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ
قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ؒ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَ مَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ ع
قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ
وَ تَعٰلٰى عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ
وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

(اے پیغمبر!) یہ ان دانائی کی باتوں میں سے ہیں - جو تیرے پروردگار کی جانب سے تجھ پر وحی کی گئی ہیں اور (تمام باتوں کی جڑ یہ ہے کہ) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ کہ بالآخر دوزخ میں ڈالے جاؤ، ملامت کے مستوجب اور ٹھکرائے ہوئے! (۳۹)

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں تو اس برگزیدگی کے لیے چن لیا ہو کہ بیٹے والے ہو اور خود اپنے لیے یہ پسند کیا ہو کہ فرشتوں کو بیٹیاں بنائے؟ (افسوس تم پر!) کیسی سخت بات ہے جو تم کہہ رہے ہو! (۴۰)

اور (دیکھو) ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے طریقوں سے (مطالب حق) بیان کیے تا کہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا - ہوا تو یہ ہوا کہ (سچائی سے) اور زیادہ نفرت بڑھ گئی! (۴۱)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو ''اگر اللہ کے ساتھ اور بہت سے معبود ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس صورت میں ضروری تھا کہ وہ فوراً صاحب تخت ہستی تک (مقابلہ کی) راہ نکال لیتے'' (اور کارخانہ ہستی میں فساد پڑ جاتا) - (۴۲)

ان ساری باتوں سے جو یہ کہتے ہیں اس کی ذات پاک اور بلند ہے - بے حد بلند ہے! (۴۳)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے سب اس کی پاکی و کبریائی کا زمزمہ بلند کر رہے ہیں - یہاں کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج نہ ہو - مگر تم ان کی زمزمہ سنجیاں سمجھتے نہیں - بلاشبہ وہ بڑا ہی بردبار ہے بڑا ہی بخشنے والا! (۴۴)

والدین کی خدمت واطاعت کی آزمائش کا اصلی وقت ان کے بڑھاپے کا وقت ہوتا ہے - کیونکہ بڑھاپے کی کمزوریاں انہیں دوسروں کی خدمت و اعانت کا محتاج بنا دیتی ہیں اور اولاد اپنی جوانی کی امنگوں اور عیش پرستیوں میں اس کی بہت کم مہلت پاتی ہے کہ اپنے محتاج اور معذور ماں باپ کی خبر گیری کرے - پس یہاں سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیا - کیونکہ جو اولاد اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت و اطاعت میں کوتاہی نہیں کرے گی وہ دوسرے وقتوں میں کب کوتاہی گوارا کر سکتی ہے -

انسان کی احتیاج کے دو ہی وقت ہوتے ہیں - طفولیت اور بڑھاپا - طفولیت میں ماں باپ نے خدمت کی تھی، بڑھاپے میں اولاد کو کرنی چاہیے - یہی وجہ ہے کہ فرمایا ﴿ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِیْ صَغِیْرًا ﴾

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ
نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ
تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ ع ۵

(اے پیغمبر!) جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تجھ میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کردیتے ہیں (یعنی ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون یہ ہے کہ ایسے لوگوں میں اور صدائے حق میں ایک پردہ سا حائل ہو جاتا ہے)۔ (۴۵)

اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف ڈال دیے کہ سمجھ کام نہیں دیتی اور کانوں میں گرانی کہ کچھ سنائی نہیں دیتا۔ جب تو قرآن میں تن تنہا صرف اپنے پروردگار ہی کا ذکر کرتا ہے (اور یہ اپنے ٹھہرائے شریکوں کا ذکر نہیں پاتے) تو پیٹھ پھیر کے بھاگنے لگتے ہیں۔ نفرت میں بھرے ہوئے! (۴۶)

جب یہ لوگ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو جو کچھ ان کا سننا ہوتا ہے اسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں، اور جب یہ ظالم باہم سرگوشیاں کرتے ہیں اور سرگوشیاں کرتے ہوئے کہتے ہیں ''تم جس آدمی کے پیچھے پڑے ہو وہ اس کے سوا کیا ہے کہ جادو سے مارا ہوا ہے'' تو اس سے بھی ہم بے خبر نہیں ہیں! (۴۷)

(اے پیغمبر!) غور کر! ان لوگوں نے تیری نسبت کیسی کیسی باتیں بنائی ہیں جس کی وجہ سے گمراہی میں پڑ گئے۔ پس اب راہ نہیں پا سکتے۔ (۴۸)

---

(۱۱) ماں باپ کے بعد قرابت داروں کے حقوق ہیں اور پھر ان سب کے ہیں جو ہماری خبرگیری کے محتاج ہوں۔ پس آیت (۲۶) میں اس کا حکم دیا اور فرمایا ﴿ ولا تبذر تبذیرا ﴾ تمہارے خرچ کرنے کا صحیح محل یہ ہے۔ پس مال و دولت بے محل خرچ نہ کرو۔

پھر فرمایا جو لوگ تبذیر کرتے ہیں۔ یعنی خدا کی دی ہوئی دولت بے محل خرچ کر ڈالتے ہیں۔ مثلاً محض اپنے نفس کی عیش پرستیوں میں اڑا دیں گے۔ تو وہ شیطان کے بھائی بندوں میں سے ہیں کیونکہ شیطان کی راہ کفران کی راہ ہے اور انہوں نے بھی کفران نعمت کی راہ اختیار کی۔

مال و دولت کے بے جا استعمال کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی نہ تو اپنے اوپر خرچ کرے نہ دوسروں پر، محض جمع کر کے رکھے۔ دوسری یہ کہ صرف اپنے اوپر خرچ کرے، دوسروں پر خرچ نہ کرے۔ قرآن نے دونوں صورتوں کو معصیت قرار دیا ہے۔ پہلی صورت ''اکتناز'' کی ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ﴾ (۹:۳۴) دوسری تبذیر کی۔ یہاں تبذیر سے روکا ہے۔

(۱۲) آیت (۲۹) جوامع مواعظ میں سے ہے۔ فرمایا: مال و دولت خرچ کرنے میں اور ہر بات میں اعتدال کی راہ اختیار کرو۔ کسی ایک ہی طرف کو جھک نہ پڑو۔ مثلاً خرچ کرنے پر آئے تو سب کچھ اڑا دیا۔ احتیاط کرنی چاہی تو اتنی کی کہ کنجوسی پر اتر آئے۔

دراصل تمام محاسن و فضائل کی بنیادی حقیقت توسط و اعتدال ہے اور جتنی برائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں افراط و تفریط سے پیدا ہوتی ہیں۔

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً
اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ
فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰٓى اَنْ
يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع ۵

اور (دیکھ) انہوں نے کہا ''جب ہم (مرنے کے بعد) محض چند ہڈیوں کی شکل میں رہ گئے اور گل سڑ گئے تو پھر کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ از سرِ نو اٹھا کھڑے کیے جائیں؟'' (۴۹)

تم کہہ دو ''ہاں تم (مرنے کے بعد) کچھ ہی کیوں نہ ہو جاؤ- پتھر ہو جاؤ' لوہا ہو جاؤ' یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں (دوبارہ زندہ ہونے کے لیے) بہت ہی سخت ہو' (لیکن قدرت الٰہی تمہیں دوبارہ زندہ کر کے رہے گی) (۵۰)

یہ سن کر وہ کہیں گے ''لیکن کون ہے جو اس طرح ہمیں دوبارہ زندہ کر دے گا؟''

تم کہو ''وہی جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا؟''

اس پر یہ لوگ تیرے آگے سر مٹکانے لگیں گے' اور کہیں گے ''ایسا کب ہوگا؟'' تم کہو ''عجب نہیں کہ اس کا وقت قریب ہو'' (۵۱)

وہ دن کہ اللہ تمہیں بلائے گا اور تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کا جواب دو گے اور ایسا خیال کرو گے کہ (دونوں زندگیوں کے درمیان) تم نے جو وقت گزارا' وہ کوئی بڑی مدت نہ تھی- تھوڑا سا وقت تھا! (۵۲)

---

(۱۳) قرآن نے قتل نفس کو انسان کی سب سے بڑی معصیت قرار دیا ہے- شرک کے بعد اگر کوئی برائی ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ (۶۸:۲۵) اس بارے میں طبیعت انسانی کے لیے اصلی آزمائش کا وقت وہ ہوتا ہے جب انتقام کا جوش ابھر آتا ہے اور بسا اوقات ایک قتل کے بدلے سیکڑوں جانوں کا خون بہا دیا جاتا ہے- پس یہاں آیت (۳۳) میں خصوصیت کے ساتھ اس فتنہ پر توجہ دلائی: ﴿ فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ ﴾ جو شخص ظلم سے مارا جائے تو اس کے وارثوں کو قصاص کے مطالبہ کا حق دیا گیا ہے لیکن اس حق کا بے جا استعمال نہیں ہونا چاہیے کہ ایک خونریزی کے بدلے بہت سی خوں ریزیاں ہو جائیں-

(۱۴) آیت (۳۶) مہمات معارف قرآنی میں سے ہے- اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی-

(۱۵) آیت (۴۴) میں فرمایا- کائنات ہستی میں کوئی چیز نہیں جو اللہ کی حمد و تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم میں سمجھ نہیں کہ ان کی تسبیح و تقدیس پر غور کرو-

یہ تسبیح جو کائنات ہستی کی ہر چیز کر رہی ہے کیا محض صداؤں کی تسبیح ہے؟ نہیں وہ اپنی ہستی میں' اپنی بناوٹ میں' اپنی صورت میں' اپنے افعال و خواص میں مجسم تسبیح و تقدیس ہیں- ان کی ہستی ہی تسبیح کا ترانہ اور ان کی موجودگی ہی سرتا سر حمد و ثنا ہے- وہ اپنی ہر بات میں کسی بنانے والے کی صنعت' کسی پرورش کرنے والے کی پرورش اور کسی حسین کے کمال کی حسن افروزیاں ہیں' اور اس لیے زبان حال سے اس کی خالقیت و حکمت اور ربوبیت و رحمت کی تحمید و تسبیح کر رہی ہیں-

وَ قُلۡ لِّعِبَادِیۡ یَقُوۡلُوا الَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ کَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِکُمۡ ؕ اِنۡ یَّشَاۡ یَرۡحَمۡکُمۡ اَوۡ اِنۡ یَّشَاۡ یُعَذِّبۡکُمۡ ؕ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ وَکِیۡلًا ﴿۵۴﴾ وَ رَبُّکَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ لَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعۡضٍ وَّ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ فَلَا یَمۡلِکُوۡنَ کَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡکُمۡ وَ لَا تَحۡوِیۡلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ

اور (اے پیغمبر!) میرے بندوں سے کہہ دو (یعنی ان سے جو دعوت حق پر ایمان لائے ہیں- مخالفوں سے گفتگو کرتے ہوئے) جو بات کہو، ایسی کہو کہ خوبی کی بات ہو- شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے- یقیناً شیطان انسان کا صریح دشمن ہے- (۵۳)
تمہارا پروردگار تمہارے حال سے خوب واقف ہے وہ چاہے تو تم پر رحم کرے' چاہے تو عذاب میں ڈالے- اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے ان لوگوں پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے (کہ تو ان کے ہدایت پانے نہ پانے کے لیے جواب دہ ہو)- (۵۴)
آسمان و زمین میں جو کوئی ہے تیرا پروردگار سب کا حال بہتر جاننے والا ہے- ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر برتری دی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی- (۵۵) (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو "تم نے اپنے خیال میں اللہ کے سوا جن ہستیوں کو معبود سمجھ رکھا ہے، انہیں (اپنی حاجتوں اور مشکلوں میں) پکار دیکھو- نہ تو وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں کہ تمہارا کوئی دکھ دور کر دیں اور نہ تمہاری حالت بدل سکتے ہیں"- (۵۶) یہ لوگ جن ہستیوں کو پکارتے ہیں' (اور اللہ کے

عربی میں من ذوی العقول کے لیے آتا ہے اس لیے پہلے فرمایا آسمان اور زمین میں جتنی ذوی العقول ہستیاں ہیں سب تسبیح الٰہی میں سرگرم ہیں- پھر فرمایا- ﴿وان من شیء﴾ اور کائنات ہستی میں کوئی شے نہیں جو اس تسبیح میں ان کی شریک نہ ہو- عربی میں "شے" کا اطلاق نہ صرف ان چیزوں پر ہوتا ہے جو جسم و حجم رکھتی ہوں بلکہ ہر بات اور ہر حادثہ پر ہوتا ہے- حتی کہ دروازہ کھلنے کی آواز کو بھی شے کہیں گے- پس مطلب یہ ہوا کہ کائنات ہستی کا ہر وجود' ہر ہستی' ہر چیز' ہر حالت' ہر حادثہ اپنے بنانے والے کی یکتائی اور صنعت گری کی تصویر ہے اور خود تصویر سے بڑھ کر اور کس کی زبان ہو سکتی ہے جو مصور کے صنعت و کمال کا اعلان کرے؟

اگر ایک باکمال سنگ تراش موجود ہے تو اس کی صناعی و کمال کی تعریف تم زبانوں سے نہیں کر سکتے- اس کی مجسم تعریف و توصیف خود اس کی بنائی ہوئی مورتی ہوتی ہے- اس مورتی کا حسن' اس کا تناسب' اس کا انداز' اس کی ساری باتیں اپنے سنگ تراش کے دست صناعی کی ابھرتی ہوئی تعریف اور ابلتی ہوئی مدح و ثنا ہوتی ہے!

اس آیت نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ کارخانہ ہستی میں جو کچھ ہے سرتاسر حسن و خوبی ہی ہے- کیونکہ حمد کے معنی ثنائے جمیل کے ہیں اور تمام چیزوں کا صدائے حمد ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ بنانے والے نے جتنی چیزیں بنائی ہیں حسن و خوبی ہی کی بنائی ہیں اگرچہ تمہاری کوتاہ بینی اسے نہ پا سکے- اس مقام کی مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مبحث برہان رحمت دیکھنا چاہیے-

لیکن کیا کائنات ہستی کی یہ تسبیح محض صدائے حال ہی کی تسبیح ہے، صدائے مقال کا اس میں کوئی حصہ نہیں؟ کون ہے جو ایسا کہنے کی

يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ
كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَ اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ
كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَ مَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ
وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ

حضور انہیں وسیلہ تقرب سمجھتے ہیں) وہ تو خود اپنے پروردگار کے حضور (بندگی واطاعت کے ذریعہ سے) وسیلہ ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ کون اس راہ میں زیادہ قریب ہوتا ہے- نیز اس کی رحمت کے متوقع رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ترساں- فی الحقیقت تمہارے پروردگار کا عذاب بڑے ہی ڈرنے کی چیز ہے!(۵۷)

اور روز قیامت سے پہلے ضرور ایسا ہونے والا ہے کہ (نافرمانوں کی) جتنی بستیاں ہیں ہم انہیں ہلاک کر دیں یا عذاب سخت میں مبتلا کر دیں- یہ بات (قانون الٰہی کے) نوشتہ میں لکھی جا چکی ہے!(۵۸)

اور (جو نشانیاں منکر طلب کرتے ہیں' ان) نشانیوں کے بھیجنے سے ہمیں کون روک سکتا ہے؟ مگر یہ کہ ہم جانتے ہیں پچھلے عہد کے لوگ ایسی ہی نشانیاں جھٹلا چکے ہیں- ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی کہ ایک آشکارا نشانی تھی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا (اور نشانی سے عبرت نہ پکڑی) اور ہم نشانیاں تو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ لوگ (انکار وسرکشی کے نتائج سے) ڈریں-(۵۹)

اور (اے پیغمبر! وہ وقت یاد کر) جب تیرے پروردگار نے تجھ سے کہا تھا "یقین کر، تیرے پروردگار نے

جرأت کر سکتا ہے؟ ابھی چند آیتوں کے بعد اسی سورت میں تم پڑھو گے: ﴿ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾

(۱۴) پچھلی آیت میں منکرین حق کی یہ حالت بیان کی تھی کہ ﴿ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾ اب آیت (۴۵) میں فرمایا- یہی حال ان کا قرآن کے بارے میں ہے کہ اس کی طرف رخ نہیں کرتے' اسے سننا نہیں چاہتے' اسے سمجھنے کے لیے تیار نہیں-

اللہ کا مقررہ قانون یہ ہے کہ اگر تم آنکھیں نہیں کھولو گے تو تمہارے آگے ایک سیاہ پردہ حائل ہو جائے گا- اگر تم سننا نہیں چاہو گے تو تمہارے کان بہروں کے کان ہو جائیں گے- اگر تم سوچنے سے انکار کر دو گے' تو تمہاری عقل پر پردے پڑ جائیں گے- اس کی روشنی کام نہیں دے سکے گی- قرآن نے انکار واعراض کی یہ حالت جابجا بتلائی ہے' اور یہاں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے-

منکروں کی یہ حالت خود انہی کی پسند کی ہوئی حالت تھی- یہ قانون اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے کہ نہ دیکھنے والے کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے لیکن اسی وقت پڑتا ہے جب دیکھنے والا دیکھنے سے انکار کر دیتا ہے- یہاں تین باتیں بیان کی گئی ہیں- آنکھوں کے آگے حجاب' کانوں میں گرانی اور عقل پر تہ در تہ غلافوں کا چڑھ جانا- لیکن یہ وہی تین حالتیں ہیں جو خود منکروں نے اپنے لیے پسند کر لی تھیں: ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ﴾ (۴۱:۵)

﴿ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴾ یعنی ایسا پردہ جو حائل تو ہو جاتا ہے مگر دکھائی نہیں دیتا- اور دکھائی دے کس طرح؟ وہ لکڑی کا یا اینٹوں کا پردہ تو ہوتا

أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۚ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ
وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿٦٠﴾ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ ع
إِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿٦١﴾ قَالَ أَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ
إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ

لوگوں کو گھیرے میں لے لیا ہے (یعنی اب وہ دعوت حق کے دائرے سے باہر نکل نہیں سکتے) اور رؤیا جو ہم نے تجھے دکھائی تو اسی لیے دکھائی کہ لوگوں کے لیے ایک آزمائش ہو- اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے- ہم انہیں (طرح طرح سے) ڈراتے ہیں لیکن ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا- پڑتا ہے تو صرف یہی کہ اپنی سرکشیوں میں اور زیادہ بڑھتے جاتے ہیں! (۶۰)

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا "آدم کے آگے جھک جاؤ!" اس پر سب جھک گئے مگر ایک ابلیس نہ جھکا- اس نے کہا "کیا میں ایسی ہستی کے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟" (۶۱)

نیز اس نے کہا "کیا تیرا یہی فیصلہ ہوا کہ تو نے اس (حقیر) ہستی کو مجھ پر بڑائی دی؟"

"اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دے تو میں ضرور اس کی نسل کی بیخ بنیاد اکھاڑ کے رہوں- تھوڑے آدمی اس ہلاکت سے بچیں، اور کوئی نہ بچے" (۶۲)

اللہ نے فرمایا "جا، اپنی راہ لے- جو کوئی بھی ان میں سے تیرے پیچھے چلے گا تو اس کے لیے اور تیرے لیے جہنم کی سزا

نہیں- وہ تو اعراض و غفلت کا پردہ ہوتا ہے جسے تمہاری ظاہر بیں نگاہیں پا نہیں سکتیں-

(۱۵) قرآن حکیم نے جابجا نشأۃ اولی سے نشأۃ ثانیہ پر استدلال کیا ہے- یعنی جس خالق و قدیر نے تمہیں پہلی مرتبہ زندگی دی کیا وہ تمہیں دوبارہ زندگی نہیں دے سکتا؟ پھر اس پر اچنبھا کیوں ہو؟

یہاں بھی آیت (۵۱) میں یہی استدلال ہے- پہلی زندگی سے مراد نوع کی زندگی بھی ہو سکتی ہے اور فرد کی بھی- ہر فرد اپنی ہستی میں غور کر سکتا ہے- اس کا وجود نہ تھا مگر ظہور میں آ گیا اور کس طرح ظہور میں آیا؟ محض نطفہ کے ایک خرد بینی کیڑے سے جو "علقہ" کی طرح ہوتا ہے- یعنی جونک کی طرح- پھر اگر کیڑے کے ایک ذرہ سے اس کا وجود بن جا سکتا تھا تو کیا اس کے پورے وجود کے ذرات سے دوبارہ وجود نہیں بن سکتا؟ ﴿ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ؟ ﴾

(۱۶) آیت (۵۳) میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ منکرین اسلام سے گفتگو کرو تو پسندیدہ طریقہ پر کرو- اس طرح کی باتیں نہ کہو جس سے باہم فتنہ و فساد پیدا ہو اور بجائے کھنچنے کے اور زیادہ لوگ متنفر ہو جائیں-

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے بعض مشرکوں سے کہا تھا ﴿ إِنَّكُمْ مِنْ أَهْلِ النَّارِ ﴾ تم جہنمی ہو- اس پر یہ آیت نازل ہوئی- اور مسلمانوں کو اس بات سے روکا گیا کہ تعین کے ساتھ کسی انسان یا جماعت کو ایسا نہ کہیں کہ تم جہنمی ہو- کیونکہ کوئی نہیں جانتا کس آدمی کا

جَزَآؤُكُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا ﴿۶۳﴾ وَ اسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ وَ اَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَ
رَجِلِكَ وَ شَارِكۡهُمۡ فِى الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ وَ عِدۡهُمۡ‌ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِىۡ
لَـيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ‌ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيۡلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّكُمُ الَّذِىۡ يُزۡجِىۡ لَـكُمُ الۡـفُلۡكَ فِى الۡبَحۡرِ لِتَبۡتَغُوۡا
مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ‌ ۚ فَلَمَّا

ہوئی - پوری پوری سزا'' (۶۳)

''ان میں سے جس کسی کو تو اپنی صدائیں سنا کر بہکا سکتا ہے بہکانے کی کوشش کر لے - اپنے لشکر کے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر' ان کے مال اور اولاد میں شریک ہو جا' ان سے (طرح طرح کی باتوں کے) وعدے کر، اور شیطان کے وعدے تو اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ سرتاسر دھوکا'' - (۶۴)

''جو میرے (سچے) بندے ہیں ان پر تو قابو پانے والا نہیں - تیرا پروردگار کارسازی کے لیے بس کرتا ہے'' - (۶۵)

(اے لوگو!) تمہارا پروردگار تو وہ ہے جو تمہاری کاربراریوں کے لیے سمندر میں جہاز چلاتا ہے تاکہ تم (سیر و سیاحت کے ذریعہ سے) اس کا فضل تلاش کرو - بلاشبہ وہ تم پر بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے! (۶۶)

اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم سمندر میں ہوتے ہو اور مصیبت آ لگتی ہے تو اس وقت وہ تمام ہستیاں تم سے کھوئی جاتی ہیں جنہیں تم پکارا کرتے ہو - صرف ایک اللہ ہی کی یاد باقی رہ جاتی ہے - پھر جب وہ تمہیں مصیبت سے نجات دے دیتا اور خشکی پر پہنچا

خاتمہ کس حال پر ہونے والا ہے؟ بہت ممکن ہے جسے تم جہنمی کہہ رہے ہو' اسے ہدایت کی توفیق ملنے والی ہو اور اس کی جگہ جنتیوں میں ہو - بلاشبہ تم کہہ سکتے ہو - یہ بات حق ہے اور یہ حق نہیں - لیکن کسی خاص جماعت یا فرد کی نسبت حکم نہیں لگا سکتے کہ یہ ضرور جہنمی ہے - ایسا کہنے کا کسی انسان کو حق نہیں -

اس موقع پر سورۂ انعام کی یہ آیت بھی یاد کر لو کہ ﴿ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدۡوًاۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ‌ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمۡ مَّرۡجِعُهُمۡ فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴾ (۶:۱۰۸) اور یہ حکم بھی نہ بھولو کہ ﴿ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ‌ ﴾ جو پچھلی سورت کے خاتمہ میں گزر چکا ہے -

غور کرو! کس طرح قرآن قدم قدم پر یہ بات یاد دلاتا رہتا ہے کہ فکر میں رواداری ہونی چاہیے - حکم میں احتیاط ہونی چاہیے - تم جس بات کو حق سمجھتے ہو اس پر جم جاؤ اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دو مگر یہ نہ بھولو کہ انسان کی نجات و عدم نجات کی ٹھیکے داری تمہیں نہیں دے دی گئی ہے - کون نجات پانے والا ہے اور کس کے لیے بالآخر محرومی ہے؟ اس کا علم خدا ہی کو ہے' تمہیں حق نہیں کہ اس طرح کے حکم لگاتے پھرو - علاوہ ازیں اگر ایک انسان غلط راہ پر چل رہا ہے تو تمہارے جہنمی کہہ دینے سے وہ جنتی نہیں بن جائے گا' بلکہ بہت ممکن ہے، اور زیادہ اپنی غلطی میں ضدی ہو جائے - پس جو کچھ بھی زبان سے نکالو' حسن و خوبی کی بات ہو' سختی و خشونت کی بات نہ ہو -

چنانچہ فرمایا ﴿ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ يَنۡزَغُ بَيۡنَهُمۡ‌ؕ ﴾ شیطان چاہتا ہے لوگوں میں تفرقہ و فساد ڈالے - یعنی اس طرح کا طریق کلام تفرقہ و فساد پیدا کرتا ہے اور اصل مقصود کہ ہدایت و ارشاد ہے' مفقود ہو جاتا ہے - اس کے بعد فرمایا: ﴿ رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِكُمۡ‌ؕ ﴾ یہ اللہ کا کام ہے کہ جسے چاہے

نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ
یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى
فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿۶۹﴾
وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا
تَفْضِیْلًا ﴿۷۰﴾ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ ع ۷

دیتا ہے تو تم اس سے گردن موڑ لیتے ہو- حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے! (۶۷)

پھر کیا تمہیں اس سے امن مل گیا ہے کہ وہ تمہیں خشکی کے کسی گوشے میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھیاں بھیج دے اور تم اس حال میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاؤ؟ (۶۸) یا تم اس بات سے بے خوف ہوگئے ہو کہ اللہ تمہیں دوبارہ ویسی ہی مصیبت میں ڈال دے اور ہوا کا ایک سخت طوفان بھیج دے اور تمہاری ناشکری کی پاداش میں تمہیں غرق کر دے اور پھر کسی کو نہ پاؤ جو اس کے لیے ہم پر دعویٰ کرنے والا ہو؟ (۶۹)

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور خشکی اور تری دونوں کی قوتیں اس کے تابع کر دیں کہ اسے اٹھائے پھرتی ہیں اور اچھی چیزیں اس کی روزی کے لیے مہیا کر دیں نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہیں ان میں سے اکثر پر اسے برتری دے دی، پوری برتری جیسی کہ ہونی چاہیے! (۷۰)

وہ (آنے والا) دن جب کہ ہم تمام انسانوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے (اور اپنے حضور جمع کریں گے) پھر جو کوئی اپنا نوشتہ (اعمال) اپنے داہنے ہاتھ میں پائے گا تو وہ ان لوگوں میں ہوگا جو اپنا نوشتہ پڑھ لیں گے، اور ان پر رائی برابر بھی

نجات دے- جسے چاہے عذاب میں ڈالے- ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴾ اے پیغمبر! ہم نے تجھے لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ لوگوں کی نجات و عدم نجات کے لیے ذمہ دار ہو- اور جب خود پیغمبر کو یہ منصب حاصل نہیں تو اور کسی کے لیے کب جائز ہوسکتا ہے کہ اپنے کو جنت و دوزخ کا داروغہ سمجھ لے-

(۱۷) آیت (۵۸) میں افراد کا ذکر نہیں ہے- جماعتوں اور قوموں کی بستیوں کا ہے- اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ہر بداعمال گروہ کو اس کے اعمال بد کی پاداش کامل جانا ضروری ہے- خواہ ہلاکت کی صورت میں ہو- خواہ کسی دوسرے عذاب کی صورت میں-

(۱۸) آیت (۵۹) نے قطعی طور پر یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ پیغمبروں نے جو نشانیاں دکھائی تھیں ان کی حقیقت کیا تھی؟ فرمایا: ﴿ وما نرسل بالا یات الا تخویفا ﴾ نشانیاں اس لیے نہیں دی گئیں کہ سچائی کی دلیل تھیں یا ہدایت کا معاملہ ان پر موقوف ہوتا ہے بلکہ صرف اس لیے کہ وہ ظہور عذاب کا مقدمہ تھیں- یعنی جو قومیں سرکشی سے باز نہیں آئیں انہیں ظہور نتائج کی خبر دے دی گئی اور اس خبر کا ظہور ایک نشانی کی صورت میں ہوا- چنانچہ قوم ثمود جب سرکشی سے باز نہ آئی تو اونٹنی کا معاملہ اس کے لیے ایک فیصلہ کن نشانی ہوگئی اور اس نشانی کے بعد موعودہ عذاب ظہور میں آ گیا-

آیت میں خطاب منکرین عرب سے ہے جو اپنی بات بنانے کے لیے نشانیوں کی فرمائشیں کرتے تھے- فرمایا جو طالب حق ہیں ان کے لیے سچائی کی دعوت ہی سب سے بڑی نشانی ہے اور جو ماننے والے نہیں ان کے لیے کوئی نشانی سودمند نہیں ہوتی- چنانچہ پچھلے عہدوں میں

وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧١﴾ وَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٧٢﴾ وَ اِنْ كَادُوْا
لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖۗ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿٧٣﴾ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ
ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿٧٤﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ
لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾ وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا
يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿٧٧﴾ ع ٨

زیادتی نہیں ہوگی۔ (۷۱)

اور جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا (اور اس نے اللہ کے دیے ہوئے ہوش وحواس سے کام نہیں لیا) تو یقین کرو۔ آخرت میں بھی وہ اندھا ہی رہے گا اور راستہ سے یک قلم بھٹکا ہوا! (۷۲)

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں نے تو اس میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی کہ تجھے فریب دے کر اس کلام (کی تبلیغ) سے باز رکھیں جو ہم نے بذریعہ وحی نازل کیا ہے، اور مقصود ان کا یہ تھا کہ اس کلام کی جگہ دوسری باتیں کہہ کر تو ہم پر افترا پردازی کرے اور پھر اس سے خوش ہو کر یہ تجھے اپنا دوست بنا لیں۔ (۷۳)

اور اگر (راہ حق میں) ہم نے تجھے جما نہ دیا ہوتا تو تو ضرور ان کی طرف کچھ نہ کچھ میلان کر ہی بیٹھتا۔ (۷۴) اور اس صورت میں ضرور ایسا ہوتا کہ ہم تجھے زندگی کا بھی دوہرا عذاب چکھاتے اور موت کا بھی، اور پھر تجھے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ ملتا۔ (۷۵)

اور انہوں نے اس میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی کہ تجھے اس سرزمین سے عاجز کر کے نکال دیں۔ اور اگر ایسا کر بیٹھتے تو (یاد رکھ) تیرے (نکالے جانے کے) پیچھے مہلت نہ پاتے مگر بہت تھوڑی سی۔ ہم تجھ سے پہلے جو پیغمبر بھیج چکے ہیں ان سب کے معاملہ میں ہمارا ایسا ہی قاعدہ رہا ہے، اور ہمارے ٹھہرائے ہوئے قاعدوں کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائے گا! (۷۶-۷۷)

ہمیشہ ایسا ہی ہو چکا ہے۔ کوئی نشانی بھی سرکشوں کے لیے سودمند نہ ہو سکی۔

نیز فرمایا ہمارا قانون یہ ہے کہ اس طرح کی نشانیاں تخویف وانذار ہی کے لیے نمودار ہوتی ہیں۔ پس اگر اب بھی ان تک نوبت پہنچی تو منکروں کے لیے ظہور عذاب ناگزیر ہوگا اور مشیت الٰہی کا یہ فیصلہ نہیں ہے کہ عذاب ظہور میں آئے۔

اس کے بعد آیت (۶۰) میں دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے: اِسریٰ کا واقعہ اور اس درخت کا معاملہ جس کا قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی ﴿ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴾ جہنم میں تھوہر کا درخت مجرموں کی غذا ہوگی۔ منکروں نے ان دونوں باتوں کی ہنسی اڑائی تھی، جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے۔ اسریٰ کا معاملہ جب بیان کیا گیا تو کہنے لگے یہ جنون کی انتہا ہے اور جہنم کے اہوال وشدائد کی جب آیتیں سنائی گئیں تو کہنے لگے، جہنم بھی عجیب جگہ ہوئی جہاں آگ کے شعلوں میں درخت پیدا ہوں گے!

فرمایا ان دونوں باتوں میں ان لوگوں کے لیے آزمائش ہوئی۔ اگر طالب حق ہوتے تو ہنسی اڑانے کی جگہ عقل وبصیرت سے کام لیتے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ
مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖۗ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَ قُلْ
رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾
وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ

(اے پیغمبر!) نماز قائم کر۔ سورج کے ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک (یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشا کے وقتوں میں) نیز صبح کی تلاوت قرآن (یعنی صبح کی نماز) بلاشبہ صبح کی تلاوت قرآن ایک ایسی تلاوت ہے جو (خصوصیت کے ساتھ) دیکھی جاتی ہے! (۷۸)

اور (اے پیغمبر!) رات کا کچھ حصہ (یعنی پچھلا پہر) شب بیداری میں بسر کر۔ یہ تیرے لیے ایک مزید عمل ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تجھے ایک ایسے مقام میں پہنچا دے جو نہایت پسندیدہ مقام ہو! (۷۹)

اور تیری دعا یہ ہونی چاہیے کہ ''اے پروردگار! مجھے (جہاں کہیں پہنچا تو) سچائی کے ساتھ پہنچا اور (جہاں کہیں سے نکال تو) سچائی کے ساتھ نکال اور مجھے اپنے حضور سے قوت عطا فرما۔ ایسی قوت کہ (ہر حال میں) مددگاری کرنے والی ہو!'' (۸۰)

اور تیرا اعلان یہ ہو کہ ''دیکھو حق ظاہر ہو گیا اور باطل نابود ہوا، اور باطل اسی لیے تھا کہ نابود ہو کر رہے!'' (۸۱)

اور ہم نے جو کچھ قرآن میں سے نازل کیا ہے تو وہ یقین کرنے والوں کے لیے (روح کی ساری بیماریوں کی)

(۱۷) آیت (۶۱) میں ابلیس کی سرکشی کا تذکرہ کیا تا کہ واضح ہو جائے احکام حق کے مقابلہ میں سرکشی کی چال چلنا، ابلیس کی چال ہے اور یہ قدیم سے چلی آتی ہے۔ پھر آیت (۶۶) سے سلسلہ بیان انسان کی غفلت و گمراہی کے تذکرہ پر متوجہ ہو گیا ہے اور جن حالات کی طرف اشارہ کیا ہے ان کی تشریحات گزشتہ سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہیں۔

(۱۸) آیت (۷۳) میں فرمایا۔ اگر وحی الٰہی کی روشنی تیری رہنمائی کے لیے موجود نہ ہوتی تو وقت کی تاریکی اتنی شدید تھی کہ ممکن نہ تھا اس بے لاگ ثبات و استقامت کے ساتھ اپنی راہ چلتا رہتا۔ کام کی دشواریاں ضرور تجھے مغلوب کر لیتیں، لوگوں کی مقاومتیں ضرور تجھے تھکا دیتیں، طاقتور افراد کی منتیں اور التجائیں ضرور تجھے متوجہ کر لیتیں، طرح طرح کی مصلحتیں ضرور دامن گیر ہو جاتیں، لغزشیں ٹھوکریں قدم قدم پر نمودار ہوتیں۔ لیکن اب کوئی چیز بھی تیری راہ نہیں روک سکتی۔ کوئی فتنہ بھی تجھے قابو میں نہیں لا سکتا۔ یہ وحی الٰہی کی رہنمائی ہے۔ اور وحی الٰہی کی رہنمائی پر کوئی انسانی طاقت غالب نہیں آ سکتی۔

(۱۹) آیت (۷۸) نے نماز کے اوقات معین کر دیے۔ فرمایا سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز کے اوقات ہیں۔ یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کے اوقات۔ نیز صبح کی تلاوت ہے یعنی صبح کی نماز ہے۔

''نفل'' کے معنی کسی ایسی بات کے ہیں جو اصل مطلوب سے زیادہ ہو۔ پس فرمایا ﴿ نَافِلَةً لَّكَ ﴾ رات کا بھی کچھ حصہ جاگنے اور عبادت میں صرف کیا کرو۔ یہ تمہارے لیے عبادت کی مزید زیادتی ہوگی۔

اس آیت میں خطاب اگرچہ پیغمبر اسلام ﷺ سے ہے لیکن حکم عام ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ شب بیداری کی عبادت یعنی تہجد ایک مزید عبادت ہے اگر بن پڑے۔

(۲۰) آیت (۷۹) میں مقام محمود سے مقصود ایسا درجہ ہے جس کی عام طور پر ستائش کی جائے۔ فرمایا۔ کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار

شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ
اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ
ع فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ
رَبِّيْ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ
ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾

شفا اور رحمت ہے، اور جو نافرمان ہیں تو انہیں کچھ فائدہ ہونے والا نہیں- بجز اس کے کہ (انکار و شقاوت کی وجہ سے) اور زیادہ تباہ ہوں! (۸۲) اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے اور جب اسے دکھ پہنچ جائے تو دیکھو، بالکل مایوس ہو کر بیٹھ رہتا ہے- (۸۳)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو "ہر انسان اپنے طور طریقہ کے مطابق عمل کرتا ہے- پس تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کون سب سے زیادہ ٹھیک راہ پر ہے! (۸۴)

اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تجھ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں- تو کہہ دے "روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے- اور تمہیں (اسرار کائنات کا) علم جو کچھ دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے (اس سے زیادہ تم نہیں پا سکتے)" (۸۵)

اور (اے پیغمبر!) جو کچھ ہم نے تجھ پر وحی کی ہے اگر ہم چاہیں تو اسے بھی سلب کر لیں- پھر تجھے کوئی نہ ملے جو اس کے لیے ہم پر اپنی وکالت چلائے- (۸۶)

مگر یہ محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے (کہ وہ ایسا نہیں کرتا) اس میں شک نہیں کہ اس کا تجھ پر بڑا ہی فضل ہے! (۸۷)

تمہیں ایسے مقام پر پہنچا دے جو عالمگیر اور دائمی ستائش کا مقام ہو-

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام ﷺ کی مکی زندگی کے آخری سال گزر رہے تھے اور مظلومیت اور بے سروسامانی اپنے انتہائی درجوں تک پہنچ چکی تھی- حتی کہ مخالف قتل کی تدبیروں میں سرگرم تھے- ایسی حالت میں کون امید کر سکتا تھا کہ انہی مظلومیتوں سے فتح و کامرانی پیدا ہو سکتی ہے؟ لیکن وحی الٰہی نے صرف فتح و کامرانی ہی کی بشارت نہیں دی کیونکہ فتح و کامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی- بلکہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع انسانی کے لیے عظمت و ارتفاع کی سب سے آخری بلندی ہے- یعنی ﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾ حسن و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالمگیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی- کوئی عہد ہو کوئی ملک ہو کوئی نسل ہو لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہوگی ان گنت زبانوں پر اس کی مدحت طرازی ہوگی محمود یعنی سرتا سر ممدوح ہستی ہو جائے گی:

ما شئت قل فيه ، فانت مصدق فالحب يقضى و المحاسن تشهدا

یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے- اس سے زیادہ اونچی جگہ اولاد آدم کو نہیں مل سکتی- اس سے بڑھ کر انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا- انسان کی سعی و ہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ جا سکتی ہے لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے- سکندر کی ساری فتوحات خود اس کے عہد و ملک کی ستائش اسے نہ دلا سکیں اور نپولین کی ساری جہاں ستانیاں اتنا بھی نہ کر سکیں کہ کورسیکا

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ٘ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ
اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ
مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا اَوْ
تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِیْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِ٘ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ
ع ۱۰ لِرُقِیِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ٘ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

(اے پیغمبر!) اس بات کا اعلان کر دے کہ ''اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہو کر چاہیں کہ اس قرآن کے مانند کوئی کلام پیش کر دیں تو کبھی پیش نہیں کر سکیں گے- اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو'' (۸۸)

اور ہم نے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بار بار لوٹا کر بیان کیں (کہ لوگ سمجھیں بوجھیں) لیکن (ان میں سے) اکثروں نے کوئی بات قبول نہیں کی اور قبول کی تو صرف ناسپاسی! (۸۹)

اور انہوں نے کہا ''ہم تو اس وقت تک تجھے ماننے والے نہیں جب تک کہ تو اس طرح کی باتیں کر کے نہ دکھا دے- (مثلاً) ایسا ہو کہ تو حکم کرے اور زمین سے ایک چشمہ پھوٹ نکلے- (۹۰) یا تیرے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے درمیان بہت سی نہریں رواں کر کے دکھا دے- (۹۱) یا جیسا کہ تو نے خیال کیا ہے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہم پر آ گرے، یا اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے سامنے آ کھڑے ہوں- (۹۲) یا ہم دیکھیں کہ سونے کا ایک محل تیرے لیے مہیا ہو گیا ہے یا ایسا ہو کہ تو بلند ہو کر آسمان پر چلا جائے- اور اگر تو آسمان پر چلا بھی گیا تو بھی ہم یہ بات ماننے والے نہیں جب تک کہ تو ایک (لکھی ہوئی) کتاب ہم پر نہ اتار لائے اور ہم خود اسے پڑھ کر جانچ نہ لیں'' (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دے ''سبحان اللہ! (میں نے کچھ خدائی کا دعویٰ تو کیا نہیں) میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ایک آدمی ہوں پیغام حق پہنچانے والا''! (۹۳)

کے چند غدار باشندوں ہی میں اسے محمود و ممدوح بنا دیتیں جہاں وہ پیدا ہوا تھا- محمودیت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس میں حسن و کمال ہو کیونکہ روحیں حسن ہی سے عشق کر سکتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی ستائش میں کھل سکتی ہیں، لیکن حسن و کمال کی مملکت وہ مملکت نہیں جسے شہنشاہوں اور فاتحوں کی تلواریں مسخر کر سکیں! غور کرو جس وقت سے نوع انسانی کی تاریخ معلوم ہے نوع انسانی کے دلوں کا احترام اور زبانوں کی ستائشیں کن انسانوں کے حصے میں آئی ہیں؟ شہنشاہوں اور فاتحوں کے حصہ میں یا خدا کے ان رسولوں کے حصے میں جنہوں نے جسم و ملک کو نہیں روح و دل کو فتح کیا تھا؟

یہ مقام محمود ہے جس کی خبر ہمیں ایک دوسری آیت میں دی گئی ہے اور خبر کے ساتھ امر بھی ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴾ (۳۳:۵۶)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا ایک مشہد وہ معاملہ ہوگا جو قیامت کے دن پیش آئے گا- جب کہ اللہ کی حمد و ثنا کا علم آپ بلند کریں گے اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہے- جو ہستی یہاں محمود خلائق ہے وہاں بھی محمود و ممدوح ہوگی-

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ
فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ
شَهِيْدًاۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ
فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا
كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

النصف

اور حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کی ہدایت (دنیا میں) ظاہر ہوئی تو صرف اسی بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا کہ (متعجب ہوکر) کہنے لگے "کیا اللہ نے (ہماری طرح کا) ایک آدمی پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے؟" (۹۴)

(اے پیغمبر!) کہہ دے "اگر ایسا ہوا ہوتا کہ زمین میں (انسانوں کی جگہ) فرشتے بسے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ضرور آسمان سے ایک فرشتہ پیغمبر بنا کر اتار دیتے" (۹۵)

(نیز) کہہ دے "میرے اور تمہارے درمیان (اب) اللہ کی گواہی بس کرتی ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں کے حال سے واقف اور سب کچھ دیکھنے والا ہے!" (۹۶)

جس کسی کو اللہ (سعادت و کامیابی کی) راہ پر لگا دے فی الحقیقت وہی راہ پر ہے اور جس کسی پر اس نے (کامیابی کی) راہ گم کر دی تو تم اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔ قیامت کے دن ہم ایسے لوگوں کو ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے۔ اندھے، گونگے، بہرے۔ ان کا آخری ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ جب کبھی اس کی آگ بجھنے کو ہوگی اسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے؟ (۹۷)

یہ ان کی سزا ہوئی۔ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا تھا اور کہا تھا "بھلا جب (مرنے کے بعد گل سڑ کر) محض ہڈیاں ہی ہڈیاں ہوگئے اور ریزہ ریزہ تو ایسا ہو سکتا ہے کہ از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں؟" (۹۸)

کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمان و زمین کی یہ تمام کائنات پیدا کر دی ہے ضرور اس پر قادر ہے کہ ان کی موجودہ زندگی کی طرح ایک دوسری زندگی پیدا کر دے؟ نیز یہ بات کہ ضرور اس نے ان کے لیے (آخری فیصلہ کی) ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے جس میں کسی طرح کا شک نہیں کیا جا سکتا؟ اس پر بھی دیکھو، ان ظالموں نے کوئی چال چلنی نہ چاہی مگر انکار حقیقت کی! (۹۹)

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ وَ
لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْــٴَـلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ
یٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآىِٕرَۚ وَ اِنِّیْ
لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّ
قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾
وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى

(اے پیغمبر!) کہہ دے ''اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم ضرور خرچ ہو جانے کے ڈر سے انہیں روکے رکھتے (لیکن وہ اپنی رحمت کا فیضان روکنے والا نہیں- اس کی بخششیں اتنی نپی تلی نہیں ہیں کہ صرف دنیا کی چندروزہ زندگی ہی میں خرچ ہو جائیں) حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی تنگ دل ہے (وہ رحمت الٰہی کی وسعت کا اندازہ نہیں کر سکتا!)-(۱۰۰)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے موسیٰ کو نو آشکارا نشانیاں دی تھیں جب وہ بنی اسرائیل میں ظاہر ہوا تھا، تو بنی اسرائیل سے دریافت کر لے (کہ کیا ماجرا گزر چکا ہے) فرعون نے اس سے کہا تھا ''اے موسیٰ! میں خیال کرتا ہوں ضرور تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے''-(۱۰۱)

موسیٰ نے اس پر کہا تھا ''تو یقیناً جان چکا ہے کہ یہ نشانیاں مجھ پر کسی اور نے نہیں اتاری ہیں مگر اسی نے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے اور (ان میں عبرت و تذکیر کے لیے) سمجھنے بوجھنے کی روشنی ہے- اور اے فرعون! میں تو سمجھتا ہوں تو نے اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے!''-(۱۰۲)

تو (دیکھو) فرعون نے چاہا تھا کہ بنی اسرائیل پر ملک میں رہنا دشوار کر دے لیکن ہم نے اسے اور ان سب کو جو اس کے ساتھ تھے (سمندر) میں غرق کر دیا!(۱۰۳)

اور ہم نے اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل سے کہا تھا ''اب اس سرزمین میں (فارغ البال ہو کر) بسو (تمہارے لیے کوئی کھٹکا نہیں رہا) پھر جب آخرت کا وعدہ وقوع میں آجائے گا تو ہم تم سب کو اپنے حضور اکٹھا کر لیں گے''(۱۰۴)

اور ہم نے قرآن کو سچائی کے ساتھ اتارا اور وہ سچائی ہی کے ساتھ اترا بھی، اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر صرف اسی حیثیت سے کہ (ایمان و عمل کے نتائج کی) بشارت دینے والا اور (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دینے والا ہے-(۱۰۵)

اور ہم نے قرآن کو الگ الگ ٹکڑوں میں منقسم کر دیا تاکہ تم ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو سناتے رہو، اور (یہی وجہ ہے کہ)

النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ وَّ نَزَّلۡنٰہُ تَنۡزِیۡلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلۡ اٰمِنُوۡا بِہٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ
مِنۡ قَبۡلِہٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّ یَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ
رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ وَ یَزِیۡدُہُمۡ خُشُوۡعًا ﴿۱۰۹﴾ قُلِ ادۡعُوا اللّٰہَ
اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَیًّامَّا تَدۡعُوۡا فَلَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ۚ وَ لَا تَجۡہَرۡ بِصَلَاتِکَ وَ لَا تُخَافِتۡ بِہَا
وَ ابۡتَغِ بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۱۰﴾ وَ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی
الۡمُلۡکِ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ کَبِّرۡہُ تَکۡبِیۡرًا ﴿۱۱۱﴾

اسے یک دفعہ نہیں اتار دیا- بتدریج اتارا- (۱۰۶)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دے "تم قرآن کو (کلام الٰہی) مانو یا نہ مانو' لیکن جن لوگوں کو پچھلی کتابوں کا علم دیا گیا ہے (یعنی اہل کتاب) انہیں جب یہ کلام سنایا جاتا ہے تو وہ بے اختیار سجدہ میں گر پڑتے ہیں (۱۰۷) اور پکار اٹھتے ہیں کہ "ہمارے پروردگار کے لیے پاکی ہو! بلاشبہ ہمارے پروردگار کا وعدہ اسی لیے تھا کہ پورا ہو کر رہے!" (۱۰۸)

وہ ٹھوڑیوں کے بل (اس کے آگے) گر پڑتے ہیں- ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں- کلام حق کی سماعت ان کی عاجزی اور زیادہ کر دیتی ہے! (۱۰۹)

(اے پیغمبر!) کہہ دے "تم اللہ کہہ کر (اسے) پکارو یا رحمان کہہ کر- جس نام سے پکارو، اس کے سارے نام حسن وخوبی کے نام ہیں" اور (اے پیغمبر!) تو جب نماز میں مشغول ہو تو نہ تو چلا کر پڑھ نہ بالکل چپکے چپکے- چاہیے کہ درمیان کی راہ اختیار کی جائے- (۱۱۰)

اور کہہ "ساری ستائشیں اللہ کے لیے ہیں جو نہ تو اولاد رکھتا ہے' نہ اس کی فرمانروائی میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کوئی ایسا ہے کہ اس کی درماندگی کی وجہ سے اس کا مددگار ہو- (وہ ان ساری باتوں سے بے نیاز ہے) اس کی بڑائی کی پکار بلند کر- جیسی پکار بلند کرنی چاہیے! (۱۱۱)

---

(۱۹) اس سورت کے بعض مقامات کی تشریحات رہ گئی ہیں- ضروری ہے کہ ان پر ایک نظر ڈال لی جائے:

واقعہ اسریٰ:

(۱) واقعہ اسریٰ کی نوعیت کیا تھی؟ یہ عالم بیداری میں پیش آیا یا عالم خواب میں؟ صرف روح پر طاری ہوا تھا یا جسم بھی اس میں شریک تھا! اس بارے میں صحابہ وسلف کا اختلاف معلوم ہے- اکثر صحابہ وتابعین اس طرف گئے ہیں کہ روح وجسم دونوں پر طاری ہوا لیکن حضرت عائشہ' حذیفہ بن الیمان' حسن' معاویہ' ابن اسحاق وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ ایک روحانی معاملہ تھا-

اصل یہ ہے کہ انبیائے کرام (علیہم السلام) کے احوال وواردات ایک ایسے عالم سے تعلق رکھتے ہیں جس کے لیے ہماری عام تعبیرات کام

نہیں دے سکتیں- ہماری ہر تعبیر کسی ایسی حالت کا تصور پیدا کر دے گی جو عام طور پر ہمیں پیش آتی رہتی ہیں لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کو جو حالات پیش آتے ہیں ان کی نوعیت ہی دوسری ہوتی ہے- وہ ہمارے محسوسات و مفہومات کے دائرہ سے باہر کے معاملات ہیں-

خود نبوت کی حقیقت کیا ہے؟ وحی کا معاملہ کیونکر انجام پاتا ہے؟ کیا اس بارے میں ہماری کوئی تعبیر بھی حقیقت حال کی کامل تعبیر ہو سکتی ہے؟ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب وحی آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے **صلصلة الجرس** کی آواز ہو- ظاہر ہے کہ یہ ایک تمثیل ہے جو اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ اس معاملہ کا ایک قریبی تخیل ہمارے اندر پیدا ہو جائے- ورنہ وحی کی آمد محض گھنٹیوں کی آواز کی طرح نہیں ہو سکتی-

پس اسریٰ کے معاملہ کے لیے بھی ہماری محدود تعبیرات کام نہیں دے سکتیں- یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے تاثرات مختلف ہوئے- جن لوگوں نے اس کی نفی کی کہ بیداری میں پیش آیا تھا وہ اس طرف گئے کہ یہ ہماری جسمانی نقل و حرکت کی طرح کا معاملہ نہ تھا- جن لوگوں نے اس پر زور دیا کہ بیداری میں پیش آیا تھا وہ اس طرف گئے کہ اسے محض خواب کی طرح کا معاملہ نہیں کہہ سکتے- اور اس میں شک نہیں دونوں اپنے تاثرات میں برسرحق تھے- خود صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا- میں اس وقت ایک ایسے عالم میں تھا کہ نہ تو سوتا تھا نہ جاگتا تھا- "**بین النائم و الیقظان**" اس سے معلوم ہو گیا کہ اس معاملہ کو نہ تو ایسا معاملہ قرار دے سکتے ہیں جیسا ہمیں جاگتے میں پیش آیا کرتا ہے نہ ایسا جیسا سوتے میں دیکھا کرتے ہیں- وہ ان دونوں حالتوں سے ایک مختلف قسم کی حالت تھی اور ہماری تعبیرات میں اس کے لیے کوئی تعبیر نہیں ہے-

اس مقام کی مزید تشریح البیان میں ملے گی-

(ب) آیت (٦٠) ﴿ وَما جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاس ﴾ میں "رؤیا" سے مقصود یہی واقعہ ہے- چنانچہ عبداللہ ابن عباس، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج وغیرہم سے ایسا ہی مروی ہے اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس پر محققین تفسیر کا اجماع ہو چکا ہے- پس جن مفسروں نے یہاں رؤیا سے مراد کوئی دوسری رویاء لی ہے، مثلاً فتح مکہ کی رؤیا، وہ قابل اعتناء نہیں- کیونکہ سورت بالاتفاق مکی ہے، اور وہ معاملہ ایک عرصہ کے بعد مدینہ میں پیش آیا تھا، اور تطبیق کے لیے طرح طرح کے تکلفات کرنا قرآن کو چیستان بنا دینا ہے- ان مفسروں نے یہ تکلفات اس لیے کیے کہ رؤیا کا اطلاق خواب پر ہوتا ہے، اور اگر اس رؤیا سے مقصود واقعہ اسریٰ ہو تو پھر ان صحابہ کا قول تسلیم کر لینا پڑے گا جو اس کے بیداری میں ہونے کے قائل نہیں- لیکن تعجب ہے کہ ان لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر نظر نہ ڈالی- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں ہیں جو معراج کو عالم بیداری کا معاملہ سمجھتے تھے اور اس مذہب کے سب سے بڑے پیشرو تھے- بایں ہمہ انہوں نے بھی اس آیت میں "رؤیا" کی یہی تفسیر کی ہے کہ واقعہ اسریٰ مراد ہے- **رؤیا عین اریها رسول الله صلی الله علیه و سلم** (بخاری) ایک آنکھوں سے دیکھی ہوئی رؤیا جو لیلة الاسری میں آنحضرت ﷺ کو دکھائی گئی تھی- اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس آیت کی اس تفسیر میں کوئی دقت پیش نہ آئی جو اس مذہب کے سب سے بڑے قائل تھے تو پھر اور لوگوں کو کیوں دور از کار توجیہوں کی ضرورت پیش آئے؟

اور یہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "**رؤیا عین اریها**" تو اس نے سارا مسئلہ حل کر دیا اور وہ حقیقت آشکارا ہو گئی جس کی طرف ابھی ابھی ہم اشارہ کر چکے ہیں- یعنی یہ جو کچھ پیش آیا، تھا تو رؤیا، لیکن کیسی رؤیا؟ ویسی ہی رؤیا جیسی عالم خواب میں ہم دیکھا کرتے ہیں؟

نہیں "رویا عین" ایسی رویا جس میں آنکھیں غافل نہیں ہوتیں - بیدار رہتی ہیں - جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسے آنکھوں سے دیکھا جارہا ہو- ﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝ ﴾ (۵۳:۱۸)

اعراض اور مایوسی دونوں میں ہلاکت ہے:

(ج) آیت ﴿ وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَئُوْسًا ﴾ (۸۳) میں انسان کی اس کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب اسے خوش حالی ملتی ہے تو غافل ہو جاتا ہے اور جب رنج و غم پہنچتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے- حالانکہ دونوں حالتوں میں اس کے لیے نامرادی ہے- سعادت کی راہ یہ ہے کہ خوش حالی میں غافل نہ ہو، کیونکہ غفلت کا نتیجہ محرومی ہے- بدحالی میں مایوس ہو کر بیٹھ نہ رہے- کیونکہ مایوسی کا نتیجہ ہلاکت ہے-

غور کرو، طبیعت انسانی کی کیسی سچی تصویر ہے؟ انسان جب اپنی کوششوں میں کامیاب ہوتا ہے تو خوش حالی کا گھمنڈ اسے غافل و سرشار کر دیتا ہے- وہ سمجھنے لگتا ہے اب میرے لیے کوئی کھٹکا نہیں رہا- حالانکہ نہیں جانتا کتنا ہی خوش حال ہو جائے، اگر غفلت میں پڑ گیا ہے تو اس کے لیے کھٹکا ہی کھٹکا ہے- اس کی خوش حالیاں کبھی پائدار نہیں ہوسکتیں- پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ اس کی کوششیں کامیاب نہیں ہوتیں تو بجائے اس کے کہ اپنی طلب و سعی میں اور زیادہ سرگرم ہو جائے یک قلم مایوس ہو جاتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے اب میرے لیے کچھ نہیں رہا- حالانکہ نہیں جانتا کہ اس کے لیے سب کچھ ہے بشرطیکہ ہمت نہ ہارے اور اللہ کے فضل و کرم سے مایوس نہ ہو-

کتنے ہی انسان ہیں جنہوں نے خوش حالیاں پائیں لیکن ان کی خوش حالیاں بدحالیوں سے بدل گئیں کیونکہ غفلت میں پڑ گئے اور خوشحالی کی قدر نہ کی- کتنے ہی ناکام انسان ہیں جو اچانک کامیاب ہو گئے کیونکہ ناکامیاں انہیں مایوس نہ کر سکیں اور کسی حال میں بھی وہ خدا کے فضل سے ناامید نہ ہوئے!

فی الحقیقت انسانی سعی و طلب کی ساری نامرادیاں انہی دو دروازوں سے آتی ہیں- غفلت اور مایوسی- کامرانیوں اور خوش حالیوں کے متوالے غفلت کے زہر سے مرتے ہیں اور ناکامیوں اور بدحالیوں کے نامراد مایوسی کے زہر سے- جس فرد اور گروہ نے ان دو ہلاکتوں سے اپنی نگرانی کر لی اس نے فلاح و سعادت کی ساری دولتیں پالیں- اس کی کامرانیوں کے لیے کبھی زوال نہ ہوگا- اس کی سعی و طلب ضرور بارآور ہو کر رہے گی!

مادیات کی طرح روحانیات میں بھی یہی قانون کام کر رہا ہے- دنیا کی طرح آخرت کی محرومیاں بھی انہی دو مہلک راہوں سے آتی ہیں- عابدوں اور پارساؤں کے لیے گھمنڈ میں موت ہے اور گناہگاروں کے لیے مایوسی میں- جو نیک و پارسا ہو کر غرور میں مبتلا ہو گیا، اس نے اپنی پارسائی کی ساری کمائی ضائع کر دی- جو گناہوں کے بوجھ سے دب کر مایوسی میں پڑ گیا اس نے رحمت الٰہی کی چارہ سازیوں سے اپنے کو محروم کر دیا- جس فرد نے ان دو ہلاکتوں سے اپنی نگہداشت کر لی، پارسائی کی کمائی پر مغرور نہ ہوا نافرمانی و گناہ کی حالت میں مایوس نہ ہوا اس نے جاودانی سعادت پالی اور اس کے لیے نامرادی کا کوئی کھٹکا باقی نہ رہا!

تفسیر ﴿ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ ﴾:

(د) عربی میں "شِکل" بکسر کے معنی ہیئت کے ہیں اور "شَکل" بالنصب کے معنی طریقہ کے- چنانچہ ایسے راستے کو جس سے بہت سی راہیں ادھر ادھر نکلی ہوں طریق ذو شواکل کہتے ہیں، اور بول چال میں عام طور پر کہا جاتا ہے: لست علی شکلی ولا علی شاکلتی- پس

آیت ﴿ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴾ (۸۴) کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں ہر انسان کا کوئی نہ کوئی طریقہ ہے اور وہ اسی کے مطابق کام کر رہا ہے- کوئی اس طرف جا رہا ہے' کوئی اس طرف- کسی نے ایک ڈھنگ اختیار کیا ہے کسی نے دوسرا- کسی کو ایک طرح کی بات بھاتی ہے' کسی کو دوسری طرح کی- اور اللہ جانتا ہے، کون سیدھی راہ پر ہے- کون کامیاب ہونے والا ہے-

بعض مفسرین نے ''شاکلہ'' کو ''جبلت'' کے معنوں میں لیا ہے- یعنی ہر آدمی کی ایک فطری بناوٹ ہے اور وہ اسی کے مطابق کام کرتا ہے- لیکن مندرجہ صدر تصریح سے واضح ہو گیا کہ ''شاکلہ'' کے معنی جبلت کے نہیں ہو سکتے- طریقہ اور مسلک کے ہیں-

﴿ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾ :

(ہ) ترمذی' نسائی اور مسند میں ہے کہ قریش مکہ نے علمائے یہود سے سن کر یہ سوال کیا تھا کہ روح کیا ہے؟ اس پر یہ آیت اتری: ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾ (۸۵) تورات اور انجیل میں ''روح'' کا لفظ فرشتہ کے لیے بولا گیا ہے اور قرآن نے فرشتہ اور وحی دونوں کے لیے استعمال کیا ہے- پس یہاں ''الروح'' سے مقصود جسم انسانی کی روح ہے یا فرشتہ؟ اس بارے میں ائمہ تفسیر کی رائیں مختلف ہوئیں- لیکن اکثر مفسر اس طرف گئے ہیں کہ یہاں ''الروح'' سے مقصود جسم انسانی کی روح ہے نہ کہ فرشتہ - بہر حال سوال دونوں کی نسبت ہو سکتا ہے اور جواب بھی دونوں کے لیے مطابقت رکھتا ہے، اور آیت کی اصلی موعظت سوال کی تفصیل میں نہیں ہے، جواب کی نوعیت میں ہے- فرمایا ﴿ من امر ربی ﴾ اس معاملہ کے لیے جو کچھ بھی تمہیں بتلایا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا حکم کام کر رہا ہے- اس سے زیادہ تم پا نہیں سکتے اور اس سے زیادہ پانے کی کاوش کیوں کرو؟ ﴿ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ تمہارا دائرۂ علم نہایت محدود ہے- تم اپنے علم و ادراک میں ایک خاص حد سے آگے بڑھ نہیں سکتے- تم علم میں سے جو کچھ پا سکتے ہو وہ اصل حقیقت کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑا ہے- وہ اس سمندر میں چند قطروں سے زیادہ نہیں اور تمہیں اسی پر قناعت کرنا ہے!

انسان کے علم و ادراک کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کہ اسے حواس دیے گئے ہیں- انہی کے ذریعہ سے وہ محسوسات کا ادراک حاصل کرتا ہے- لیکن خود محسوسات کے دائرہ کا کیا حال ہے؟ یہ کہ کائنات ہستی کے سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ نہیں پھر اگر انسان تمام عالم محسوسات کا علم حاصل بھی کر لے تو اس کی مقدار حقیقت کے مقابلہ میں کیا ہوگی؟ ایک قطرہ کا علم' اس سے زیادہ نہیں- اور حالت یہ ہے کہ انسان محسوسات کے بھی کامل علم کا دعویٰ نہیں کر سکتا- وہ ہمیشہ اسی ایک قطرہ کے لیے پیاسا رہا اور آج تک پیاسا ہے!

اس پہلو پر بھی نظر رہے کہ فرمایا ﴿ من امر ربی ﴾ میرے پروردگار کے حکم سے- یعنی وہ پروردگار ہے اور پروردگاری یہی چاہتی تھی کہ یہ جوہر پیدا ہو-

(و) آیت (۸۹) سے (۹۶) تک جو بات بیان کی گئی ہے وہ اگرچہ پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی لیکن یہاں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور مہمات معارف میں سے ہے-

اچنبھوں کی فرمائش اور قرآن کا جواب:

قرآن نے جا بجا منکرین حق کے عقائد و اقوال نقل کر کے دو خاص گمراہیوں پر توجہ دلائی ہے-

ایک یہ کہ لوگ سمجھتے ہیں روحانی ہدایت کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جو محض ایک انسان کے ذریعہ سے ظاہر نہیں ہو سکتا- ضروری ہے کہ انسانیت سے کوئی بالاتر ہستی ہو- اسی خیال نے دیوتاؤں کے ظہور اور ان کی عجائب آفرینیوں کا اعتقاد پیدا کیا- چنانچہ سورۂ اعراف اور ہود میں

گزر چکا ہے کہ ہر داعی حق کے منکروں نے یہ بات ضرور کہی- ﴿ مانراك الابشر امثلنا ﴾ تم تو ہماری ہی طرح کے ایک بشر ہو- پھر تمہارا یہ دعوی کیسے مان لیں- مشرکین مکہ بھی یہی کہتے تھے ﴿ مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْاَسْوَاقِ ﴾ یہ کیسا خدا کا فرستادہ ہے کہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے-

دوسری یہ کہ سچائی کو خود سچائی میں نہیں ڈھونڈتے- اچنبھوں اور کرشموں کی ڈھونڈ میں رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں جو آدمی سب سے زیادہ عجیب قسم کی باتیں کر دکھائے وہی سب سے زیادہ سچائی کی بات بتلانے والا ہے! گویا سچائی اس لیے سچائی نہ ہوئی کہ وہ سچائی ہے- بلکہ اس لیے کہ عجیب عجیب طرح کے کرشمے اس کے پیچھے کھڑے ہیں:

چنانچہ یہاں بھی فرمایا- ﴿ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا وَ مَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴾ ہم نے قرآن میں عبرت وموعظت کی تمام باتیں دہرا دہرا کر بیان کر دیں، مگر یہ باتیں انہی کے دلوں کو پکڑ سکتی ہیں جن میں سچائی کی طلب ہے- ورنہ اکثروں کا یہ حال ہے کہ انکار و سرکشی میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں- پھر ان کی انکار و سرکشی کی باتیں نقل کی ہیں- فرمایا وہ کہتے ہیں ہم تو جبھی مانیں گے جب تم ہمیں اس اس طرح کی باتیں کر دکھاؤ- مثلاً مکہ کی ریگستانی زمین میں اچانک ایک نہر پھوٹ نکلے- آسمان کے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں- اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے سامنے آ جائیں- سونے کا ایک بنا بنایا محل نمودار ہو جائے- تم ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ دوڑو اور وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب لا کر ہمارے ہاتھوں میں پکڑا دو- پھر پیغمبر اسلام ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ان فرمائشوں کے جواب میں کہہ دو: ﴿ سبحان ربی هل كنت الا بشرا رسولا ﴾ میرے پروردگار کے لیے پاکی ہو! میری حیثیت اس کے سوا کیا ہے کہ ایک آدمی ہوں خدا کا بھیجا ہوا-

دعویٰ اور دلیل کی مطابقت:

سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت کہ اس جملہ کے اندر وہ سارے دفتر آ گئے جو انکار و سرکشی کی ان صداؤں کے جواب میں کہے جا سکتے تھے- ﴿ هل كنت الا بشرا رسولا ﴾ میں نے کچھ خدائی کا دعویٰ نہیں کیا ہے- میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان بنا دینے والا ہوں اور دنیا کی ساری قوتیں میرے تصرف و اختیار میں ہیں- میرا دعویٰ جو کچھ ہے وہ تو یہ ہے کہ ایک آدمی ہوں پیام حق پہنچانے والا- پھر تم مجھ سے یہ فرمائشیں کیوں کرتے ہو؟ کیوں میرے لیے ضروری ہو کہ میں سونے کا محل دکھاؤں اور آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جاؤں؟

اس پہلو پر غور کرو جس پر جواب کا اصلی زور پڑ رہا ہے-

اگر ایک شخص نے کسی بات کا دعوی کیا ہے' تو ہم دیکھیں گے' اس کا دعویٰ کیا ہے اور اسی کے مطابق اس سے دلیل مانگیں گے- اگر اس شخص نے دعوی کیا ہے کہ لوہار ہے- تو ہم دیکھیں گے کہ وہ لوہے کا سامان بنا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ طبیب ہے' تو ہم دیکھیں گے کہ علاج میں ماہر ہے یا نہیں اور بیماروں کو اس سے شفا ملتی ہے یا نہیں- ایسا نہیں کریں گے کہ کسی نے دعوی تو کیا ہو طبابت کا اور ہم اس سے دلیل وہ مانگنے لگیں جو ایک لوہار سے مانگی چاہیے- یعنی کہیں، ہمیں لوہے کے شہتیر بنا کر دکھا دو- اگر ایسا کریں گے تو یہ صریح بے عقلی کی بات ہوگی- یہ بات' یعنی دعویٰ اور دلیل کی مطابقت، ایک ایسی عام اور قدرتی بات ہے کہ ہر آدمی خواہ کتنی ہی موٹی عقل کا ہو، خود بخود اسے پا لیتا ہے- جونہی ایک آدمی کہے گا میں لوہار ہوں، وہ سنتے ہی فرمائش کرے گا کہ قفل بنا دو- کبھی اس کی زبان سے یہ نہیں نکلے گا کہ شیشے کا برتن بنا دو-

اچھا، ایک انسان آتا ہے اور کہتا ہے میں رسول ہوں- پیام حق پہنچانے والا ہوں- اب اس کا دعویٰ کیا ہوا؟ یہ کہ خدا نے اس پر سچائی کی راہ کھول دی ہے اور وہ دوسروں کو بھی اسی راہ چلانا چاہتا ہے- جب دعویٰ یہ ہوا تو اسی کے مطابق دلیل بھی ہونی چاہیے- قدرتی طور پر اس کی دلیل یہی ہوسکتی ہے کہ دیکھا جائے وہ سچائی کی راہ پر ہے یا نہیں، اور اس کی بتلائی ہوئی راہ پر چل کر سچائی ملتی ہے یا نہیں- یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دعویٰ تو اس نے سچائی کی راہ دکھانے کا کیا ہو اور ہم دلیل یہ مانگنے لگیں کہ پہاڑ کو سونا بنا دے یا آسمان پر اڑ کر چلا جائے؟

طبیب کہتا ہے میں بیماروں کو چنگا کر دیتا ہوں اور ہم دیکھتے ہیں اس کے علاج سے بیمار چنگے ہوئے یا نہیں- اسی طرح خدا کا رسول کہتا ہے میں روح و دل کی بیماریاں دور کر دیتا ہوں اور اگر ہم طالب حق ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیے اس کے علاج سے روح و دل کے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ اگر ہم طبیب سے کہیں تیرا دعویٰ ہم جبھی مانیں گے جب تو آسمان پر اڑ کر چلا جائے تو یقیناً وہ کہے گا 'میں نے طبابت کا دعویٰ کیا ہے، آسمان پر اڑنے کا نہیں کیا ہے- ہوسکتا ہے کہ خدا مجھے اڑنے کی بھی طاقت دے دے لیکن طبابت کے دعوے کا اڑنے سے کیا واسطہ؟ اگر میرا دعویٰ پرکھنا چاہتے ہو تو آؤ تمہارا علاج کر کے اپنی طبابت کا ثبوت دے دوں-

ٹھیک یہی معنی اس جواب کے ہیں کہ ﴿ هل كنت الا بشرا رسولا ﴾ میں نے یہ کب کہا ہے کہ میں آسمان و زمین کے قلابے ملا دوں گا؟ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ پیام حق پہنچانے والا ہوں- پس اگر طالب حق ہو تو میرا پیام پرکھ لو- میرے پاس نسخہ شفا ہے کہ نہیں؟ میں صراط مستقیم پر چلا دے سکتا ہوں کہ نہیں؟ میں سرتا سر ہدایت اور رحمت ہوں کہ نہیں!

پھر اس جواب میں صرف یہی نہیں کہا کہ میں رسول ہوں بلکہ "بشرا" کے لفظ پر بھی زور دیا، کیونکہ جو بات منکروں کے دماغ میں کام کر رہی تھی وہ یہی تھی کہ ایک آدمی جس میں کوئی مافوق انسانیت کرشمہ نہیں پایا جاتا، خدا کا فرستادہ کیسے ہوسکتا ہے اور کیوں ہم اس پر ایمان لائیں؟ فرمایا میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ ایک آدمی ہوں، پیام حق پہنچانے والا آدمی- میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ فرشتہ ہوں یا کوئی ماورائے انسانیت مخلوق-

اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰۤی اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا جب کبھی دنیا میں خدا کی ہدایت نمودار ہوئی 'تو ہمیشہ اسی خیال فاسد نے لوگوں کو قبولیت حق سے روکا کہ کہنے لگے' 'کیا خدا نے ایک آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے؟' 'یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک کھانے پینے والا آدمی خدا کا پیغمبر ہو جائے- پھر اس کا جواب دیا ہے کہ ﴿ قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِی الۡاَرۡضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّیۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَیۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوۡلًا ﴾ اگر زمین میں انسانوں کی جگہ فرشتے بسے ہوتے تو ان کی ہدایت کے لیے فرشتے ہی اترتے، لیکن یہاں تو انسان بستے ہیں اور انسانوں ہی کی ہدایت مقصود ہے، پس ان کی ہدایت کی صدائیں انسانوں ہی کی زبان سے نکلیں گی- فرشتے نہیں اتر سکتے اور نہ کبھی فرشتے اترے ہیں-

یہ بھی واضح رہے کہ منکروں کی یہ فرمائشیں حجت و برہان کے طلب میں نہ تھیں بلکہ محض سرکشی اور ہٹ دھرمی کی باتیں تھیں جو اس لیے کہی جاتی تھیں کہ کوئی نہ کوئی بات کہہ کر اپنے انکار کے لیے سہارا پیدا کیا جائے- اور ہمیشہ راست بازوں کے مقابلہ میں نہ ماننے والوں کا ایسا ہی طرز عمل رہا ہے- جب کبھی سچائی کی کوئی بات کہی جاتی ہے تو طلب حق رکھنے والی طبیعتیں اور کسی طرف نہیں جاتیں- خود اسی بات پر غور کرتی ہیں اور جب سچائی پا لیتی ہیں تو فوراً قبول کر لیتی ہیں- لیکن ایک سرکش اور ہٹ دھرم آدمی کبھی ایسا نہیں کرتا- وہ پہلے سے طے کر لیتا ہے کہ کبھی ماننے والا نہیں- پھر کوشش کرتا ہے کہ اپنے نہ ماننے کے لیے کوئی بات بنا لے- وہ طرح طرح کی باتیں ادھر ادھر کی نکالے گا- کبھی ایک بات

کہے گا، کبھی دوسری- پہلے کسی ایک بات پر زور دے گا کہ اس کا جواب کیا ہے؟ جب اس کا جواب مل جائے گا تو کوئی دوسری بات ڈھونڈ نکالے گا اور کہے گا، اس کا جواب تمہارے پاس کوئی نہیں- یہاں تک کہ اگر تم اس کی ساری کٹ حجتیوں کا جواب دے دو اور ساری شرطیں اور فرمائشیں پوری کر دو جب بھی وہ کوئی نہ کوئی اور بات ڈھونڈ نکالے گا اور راست بازی کی راہ کبھی نہیں چلے گا- چنانچہ قرآن نے جابجا منکروں کی اس حالت کا ذکر کیا ہے- اور واضح کیا ہے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں- اگر ماننے والے ہوتے تو اس طرح کی روش کبھی اختیار نہ کرتے- سورۂ انعام کی آیت (۱۱۱) میں گزر چکا ہے: ﴿ وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴾

ان آیات میں ان کے جو اقوال نقل کیے ہیں' ان پر غور کرو- پہلے کہا' نہر بہادو' باغ اگادو' سونے کا محل لا دکھاؤ' خود اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو- پھر کہا آسمان پر چڑھ جاؤ- لیکن کیا آسمان پر چڑھ جانا کافی ہوگا؟ نہیں، اس پر بھی وہ ماننے والے نہیں- یہ بھی ہونا چاہیے کہ وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب اپنی بغل میں دابے ہوئے واپس آؤ، اور پھر وہ لکھی ہوئی بھی ایسی ہو کہ وہ خود اسے پڑھ کر جانچ سکیں- تب کہیں جا کر ان کی شرط پوری ہوگی- ظاہر ہے کہ کسی راست باز آدمی کی زبان سے ایسی باتیں نہیں نکل سکتیں- اس کے معنی صریح یہی تھے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں-

برہان رحمت اور حیات اخروی:

(ز) آیت (۱۰۰) میں حیات اخروی پر رحمت الٰہی کی وسعت سے استدلال کیا ہے- اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہیے-

انسان کی زندگی کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے اللہ کی رحمت کا فیضان ہے- یہ رحمت جو چاہتی تھی کہ وجود ہو' بناؤ ہو' حسن ہو' کمال ہو' اور اس لیے سب کچھ ظہور میں آ گیا-

اچھا، اگر رحمت الٰہی کا یہ مقتضا ہوا کہ انسان کو زندگی ملی تو کیا اسی رحمت کا مقتضا یہ نہیں ہونا چاہیے کہ زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو، اس کے بعد بھی ہو اور رحمت کا فیضان برابر جاری رہے؟ اس کی رحمت ابدی ہے- پھر کیا اس کا فیضان دائمی نہ ہوگا؟ اگر دائمی ہونا چاہیے تو کیوں انسانی زندگی اس سے محروم رہ جائے؟ کیوں اس گوشہ میں کہ مخلوقات ارضی کا سب سے بلند گوشہ ہے' وہ ایک بہت ہی محدود اور حقیر حد سے آگے نہ بڑھے؟

انسان کی دنیوی زندگی کی مقدار کیا ہے؟ محض چند گنے ہوئے دنوں کی زندگی- پھر کیا خدا کی رحمت کا فیضان اتنا ہی تھا کہ چار دن کی زندگی پیدا کر دے- اور وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے؟ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں دے سکتی تھی؟

چنانچہ فرمایا- ﴿ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ان منکروں سے کہہ دو اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو ضرور تم ہاتھ روک روک کے خرچ کرتے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے- لیکن وہ تمہارے قبضہ میں نہیں ہیں- وہ اس کے قبضہ میں ہیں جس کی بخشش کی کوئی انتہا نہیں، جس کے خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں، جس کا فیضان دائمی اور لگاتار ہے-

اس مقام کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ تفسیر فاتحہ کے مبحث ''برہان فضل و رحمت'' کا مطالعہ کر لیا جائے- تفسیروں میں یہ چیز نہیں ملے گی۔

وحدت مسمّی اور کثرت اسماء:

(ح) آیت (۱۱۰) ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾ میں ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور افسوس ہے کہ لوگوں کی نظر بحث و تفسیر میں اس طرف نہیں گئی۔

دنیا میں انسان کے اکثر اختلافات محض لفظ و صورت کے اختلافات ہیں۔ وہ معنی پر نہیں لڑتا، لفظ پر لڑتا ہے۔ بسا اوقات ایک ہی حقیقت سب کے سامنے ہوتی ہے لیکن چونکہ نام مختلف ہوتے ہیں، صورتیں مختلف ہوتی ہیں، اسلوب اور ڈھنگ مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ہر انسان دوسرے انسان سے لڑنے لگتا ہے اور نہیں جانتا کہ یہ ساری لڑائی لفظ کی لڑائی ہے، معنی کی لڑائی نہیں ہے۔ مولانا روم نے چار دوستوں کی نزاع کا قصہ سنایا ہے جن میں سے ہر شخص انگور کا خواہشمند تھا، لیکن چونکہ ایک آدمی "عنب" کہتا تھا، دوسرا "تاک" اس لیے تلواریں نیام سے نکل آئی تھیں۔

اگر دنیا صرف اتنی بات پالے تو نوع انسانی کے دو تہائی اختلافات جنہوں نے دائمی نزاعوں اور جنگوں کی صورت اختیار کر لی ہے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔

اس آیت میں اور اس کی ہم معنی آیات میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مشرکین عرب "اللہ" کے لفظ سے آشنا تھے کیونکہ یہ لفظ پروردگار عالم کے لیے بطور اسم ذات کے قدیم سے مستعمل رہا ہے لیکن دوسرے ناموں سے آشنا نہ تھے جن کا قرآن نے اس کی صفتوں کے لیے اعلان کیا تھا۔ مثلاً "الرحمٰن"، رحمٰن کا لفظ بولا جاتا تھا لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ اسے اللہ کے لیے بولنا چاہیے۔ پس جب ایسے اسماء سنتے تو متعجب ہوتے اور طرح طرح کے اعتراضات کرتے۔ قرآن کہتا ہے، تم اسے "اللہ" کہہ کر پکارو، یا "الرحمٰن" کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو، پکار اسی کے لیے ہے اور ناموں کے تعدد سے حقیقت متعدد نہیں ہو جا سکتی۔ اس کا نام ایک ہی نہیں، اس کے بہت سے نام ہیں لیکن جتنے نام ہیں حسن و خوبی کے نام ہیں۔ کیونکہ وہ سرتاسر حسن و کمال اور کبریائی و جلال ہے۔ تم ان ناموں میں سے کوئی نام بھی لو، تمہارا مقصود و مطلوب وہی ہوگا۔

عباراتنا شتّٰی و حسنك واحد　　　و کل الٰی ذاك الجمال یشیرُ!

✻ ✻ ✻

اٰیَاتُھَا : 110 | سُوْرَۃُ الْکَھْفِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا : 12

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۞ ① قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ
لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ② مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ
اَبَدًا ③ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ④ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ ؕ كَبُرَتْ
كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ⑤ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ
یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ⑥ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ⑦

ساری ستائشیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر الکتاب اتاری (یعنی قرآن اتارا) اور اس میں کسی طرح کی بھی کجی نہ رکھی-(۱) بالکل سیدھی بات! (ہر طرح کے پیچ وخم سے پاک!) اور اس لیے اتاری کہ لوگوں کو خبردار کردے اللہ کی جانب سے ایک سخت ہولناکی (ان پر) آسکتی ہے، اور مومنوں کو جو اچھے اچھے کام کرتے ہیں' خوش خبری دے دے کہ یقیناً ان کے لیے بڑی ہی خوبی کا اجر ہے-(۲) ہمیشہ اس میں خوش حال رہیں گے!(۳)

نیز ان لوگوں کو متنبہ کردے جنہوں نے (ایسی سخت بات منہ سے نکالی کہ) کہا، اللہ بھی اولاد رکھتا ہے!(۴) اس بارے میں انہیں کوئی علم نہیں' نہ ان کے باپ دادوں کے پاس کوئی علم تھا- کیسی سخت بات ہے جو ان کی زبانوں سے نکلتی ہے! یہ کچھ نہیں کہتے مگر سرتاسر جھوٹ!(۵)

(اے پیغمبر!) تیری حالت تو ایسی ہو رہی ہے کہ جب لوگ یہ (واضح) بات بھی نہ مانیں' تو عجب نہیں ان (کی ہدایت) کے پیچھے مارے افسوس کے اپنی جان ہلاکت میں ڈال دے (حالانکہ یہ ماننے والے نہیں)-(۶)

روئے زمین میں جو کچھ بھی ہے' اسے ہم نے زمین کی خوشنمائی کا موجب بنایا ہے اور اس لیے بنایا ہے کہ لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں' کون ایسا ہے' جس کے کام سب سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں-(۷)

---

(۱) سچائی کے لیے دنیا کی عالمگیر تعبیر یہ ہے کہ وہ سیدھی بات ہے- اس میں ٹیڑھ پن نہیں-
جس بات میں کجی ہو' پیچ وخم ہو' الجھی ہوئی ہو' وہ سچائی کی بات نہیں ہوسکتی-
یہی وجہ ہے کہ قرآن نے سعادت کی راہ کو صراط مستقیم سے تعبیر کیا اور ہر جگہ وہ اپنا وصف یہ بیان کرتا ہے کہ اس میں کوئی بات بھی کجی کی بات نہیں ہے- وہ اپنی ہر بات میں دنیا کی زیادہ سے زیادہ سیدھی بات ہے!
چنانچہ اس سورت کی ابتدا میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے-
اس کے بعد اس کے نزول کا مقصد واضح کیا کہ ''تبشیر'' اور ''تنذیر'' ہے- کیونکہ ہدایت وحی جب کبھی ظاہر ہوئی ہے' اسی لیے ظاہر ہوئی ہے کہ ایمان وعمل کے نتائج کی بشارت دے- انکار و بدعملی کے نتائج سے متنبہ کردے-

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ
اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ
اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ
الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ ع ۱۲
وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ
نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا يَاْتُوْنَ

اور پھر ہم ہی ہیں کہ جو کچھ زمین پر ہے اسے (نابود کر کے) چٹیل میدان بنا دیتے ہیں-(۸)

(اے پیغمبر!) کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے کوئی عجیب نشانی تھے؟(۹)

جب ایسا ہوا تھا کہ چند جوان غار میں جا بیٹھے تھے اور انہوں نے دعا کی تھی "پروردگار! تیرے حضور سے ہم پر رحمت ہو- اور تو ہمارے اس کام کے لیے کامیابی کا سامان مہیا کر دے!"(۱۰) پس غار میں کئی برسوں تک ہم نے ان کے کان (دنیا کی طرف سے) بند کر رکھے-(۱۱) پھر انہیں اٹھا کھڑا کیا تا کہ واضح ہو جائے' دونوں جماعتوں میں سے کون ہے جو گزری ہوئی مدت کا زیادہ بہتر طریقہ پر احاطہ کر سکتا ہے-(۱۲)

(اے پیغمبر!) ہم ان لوگوں کی خبر ٹھیک ٹھیک تیرے آگے بیان کر دیتے ہیں- وہ چند نوجوان تھے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے- ہم نے انہیں ہدایت میں زیادہ مضبوط کر دیا(۱۳) اور ان کے دلوں کی (صبر و استقامت میں) بندش کر دی- وہ جب (راہ حق میں) کھڑے ہوئے تو انہوں نے (صاف صاف) کہہ دیا "ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے- ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں- اگر ہم ایسا کریں تو یہ بڑی ہی بے جا بات ہوگی"-(۱۴)

"یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکڑے بیٹھے ہیں- وہ اگر معبود ہیں تو کیوں اس کے لیے

(۲) یہ سورت بھی مکی عہد کی آخری سورتوں میں سے ہے- یہ وہ وقت تھا کہ منکروں کی سرکشی انتہائی حد تک پہنچ چکی تھی' اور پیغمبر اسلام ﷺ کا قلب مبارک لوگوں کی شقاوت و محرومی کے غم سے بڑا ہی دلگیر ہو رہا تھا' ان کے جوش دعوت و اصلاح کا یہ حال تھا کہ چاہتے تھے ہدایت گھونٹ بنا کر پلا دوں، اور منکروں کا یہ حال تھا کہ سیدھی سے سیدھی بات بھی ان کے دلوں کو نہیں پکڑتی تھی-

انبیاء کرام علیہم السلام ہدایت و اصلاح کے صرف طالب ہی نہیں ہوتے' عاشق ہوتے ہیں- انسان کی گمراہی ان کے دلوں کا ناسور ہوتی ہے اور انسان کی ہدایت کا جوش ان کے دل کے ایک ایک ریشہ کا عشق- اس سے بڑھ کر ان کے لیے کوئی غمگینی نہیں ہو سکتی کہ ایک انسان سچائی سے منہ موڑ لے- اس سے بڑھ کر ان کے لیے کوئی شادمانی نہیں ہو سکتی کہ ایک گمراہ قدم راہ راست پر آ جائے!

قرآن میں اس صورت حال کی جا بجا شہادتیں ملتی ہیں- یہاں آیت (۶) میں اسی طرف اشارہ کیا ہے- ان کی یہ گمراہی عجب نہیں تجھے شدت غم سے بے حال کر دے لیکن جو گمراہی میں ڈوب چکے ہیں وہ کبھی اچھلنے والے نہیں- پھر اس کے بعد آیت (۷) میں واضح کیا ہے کہ قانون الٰہی اس بارے میں ایسا ہی واقع ہوا ہے- یہ دنیا آزمائش گاہ عمل ہے- یہاں جو چیز کار آمد نہیں ہوتی چھانٹ دی جاتی ہے- پس جن لوگوں نے اپنی ہستی خراب کر دی ہے ضروری ہے کہ وہ چھانٹ دیے جائیں- ان کی محرومی پر غم کرنا لا حاصل ہے-

عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝۱۵ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ
اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝۱۶
وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ
الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ
لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝۱۷ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ڰ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ
الشِّمَالِ ڰ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا

کوئی روشن دلیل پیش نہیں کرتے؟ (ان کے پاس تو کوئی دلیل نہیں) پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ کہہ کر بہتان باندھے؟'' (۱۵) (پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ) جب ہم نے ان لوگوں سے اور ان سے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کنارہ کشی کر لی، تو چاہیے کہ غار میں چل کر پناہ لیں- ہمارا پروردگار اپنی رحمت کا سایہ ہم پر پھیلائے گا اور ہمارے اس معاملہ کے لیے (سارے) سروسامان مہیا کر دے گا'' -(۱۶)

اور وہ جس غار میں جا کر بیٹھے وہ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ جب سورج نکلے تو تم دیکھو کہ ان کے داہنے جانب سے ہٹا ہوا رہتا ہے اور جب ڈوبے تو بائیں طرف کترا کر نکل جاتا ہے (یعنی کسی حال میں بھی اس کی شعاعیں اندر نہیں پہنچتیں) اور وہ اس کے اندر ایک کشادہ جگہ میں پڑے ہیں- یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے (کہ انہوں نے حق کی خاطر دنیا اور دنیا کے سارے علاقے چھوڑ دیے) جس کسی پر وہ (کامیابی کی) راہ کھول دے تو وہی راہ پر ہے، اور جس پر گم کر دے تو تم کسی کو اس کا کارساز اس کا راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے! -(۱۷) اور تم انہیں دیکھو تو خیال کرو یہ جاگ رہے ہیں (یعنی زندہ ہیں) حالانکہ وہ سو رہے ہیں- (یعنی مردہ ہیں) ہم انہیں داہنے بائیں پلٹتے رہتے ہیں (یعنی ان کی کروٹ بدلتی رہتی ہے) اور ان کا کتا چوکھٹ کی جگہ اپنے دونوں بازو پھیلائے بیٹھا ہے- اگر تم انہیں جھانک کر دیکھو تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو-

(۳) آیت (۹) سے اصحاب کہف کی سرگزشت شروع ہوئی- اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی-

فرمایا یہ چند نوجوان تھے جنہوں نے اللہ کی رحمت پر بھروسہ کیا تھا اور ایک پہاڑ کے غار میں جا چھپے تھے- کئی برسوں تک یہ اس میں پوشیدہ رہے، آبادی سے ان کا کوئی علاقہ نہیں رہا- زندگی کی کوئی صدا ان کے کانوں تک نہیں پہنچتی تھی- پھر وہ اٹھائے گئے- یعنی ظاہر ہوئے اور یہ سارا معاملہ اس لیے ہوا کہ واضح ہو جائے دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت ایسی تھی جو وقت کے واقعات اور ان کے نتائج کا بہتر اندازہ کر سکتی تھی-

دو جماعتوں سے مقصود اصحاب کہف اور ان کی قوم و ملک کے لوگ ہیں-

یہ گویا اس تمام معاملہ کا ماحصل ہے- اس کے بعد اس کی ضروری تفصیلات آتی ہیں- چنانچہ آیت (۱۳) میں فرمایا ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ﴾

(۱) ایک گمراہ اور ظالم قوم سے چند حق پرست نوجوانوں کا کنارہ کشی کر لینا اور ایک پہاڑ کے غار میں جا کر پوشیدہ ہو جانا- ان کی قوم چاہتی تھی انہیں سنگسار کر دے یا جبراً اپنے دین میں واپس لے آئے- انہوں نے دنیا چھوڑ دی مگر حق سے منہ نہ موڑا-

وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ⑱ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ
قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ
هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ
بِكُمْ اَحَدًا ⑲ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا
اِذًا اَبَدًا ⑳ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ
فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف
يا تلطف والتاء منه من النصف الاول
واللام الثانية من النصف الآخر

تم پر (ان کے منظر سے) دہشت چھا جائے! (۱۸)

اور (دیکھو) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے انہیں پھر اٹھا کھڑا کیا تا کہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں- ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا "ہم یہاں کتنی دیر تک رہے ہوں گے؟" سب نے کہا "ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ" پھر (جب ٹھیک ٹھیک مدت معلوم نہ کر سکے تو) بولے "ہمارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کتنی دیر تک یہاں پڑے رہے ہیں- اچھا ایک آدمی کو یہ سکہ[1] دے کر شہر میں بھیجو- جا کر دیکھے کس کے یہاں اچھا کھانا ملتا ہے اور جہاں کہیں سے ملے تھوڑی بہت غذا لے آئے- (۱۹) اور وہاں چپکے سے لائے، کسی کو ہماری خبر نہ ہونے پائے- اگر لوگوں نے خبر پالی تو وہ چھوڑنے والے نہیں- یا تو سنگسار کریں گے یا مجبور کریں گے کہ پھر ان کے دین میں واپس چلے جائیں اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی تم فلاح نہ پا سکو گے"- (۲۰)

اور (پھر دیکھو) اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے واقف کر دیا- (ان کی بات پوشیدہ نہ رہ سکی) اور اس لیے واقف کر دیا کہ لوگ جان لیں اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں! اسی وقت کی بات ہے کہ لوگ آپس میں بحث کرنے لگے ان لوگوں کے معاملہ میں کیا کیا جائے لوگوں نے کہا "اس غار پر ایک عمارت بنا دو (کہ یادگار رہے اس سے زیادہ اس معاملہ کے پیچھے نہ پڑو) ان پر جو کچھ گزری ان کا پروردگار ہی اسے بہتر جانتا ہے" تب ان لوگوں نے کہ معاملات

(ب) وہ جب غار میں اٹھے تو اس کا اندازہ نہ کر سکے کہ کتنے عرصہ تک یہاں رہے ہیں- انہوں نے اپنا ایک آدمی شہر میں کھانا لانے کے لیے بھیجا، اور کوشش کی کہ کسی کو خبر نہ ہو لیکن حکمت الٰہی کا فیصلہ دوسرا تھا- خبر ہو گئی اور یہ معاملہ لوگوں کے لیے تذکیر و عبرت کا موجب ہوا-

(ج) جس قوم کے ظلم سے عاجز ہو کر انہوں نے غار میں پناہ لی تھی وہی ان کی اس درجہ معتقد ہوئی کہ ان کے مرقد پر ایک ہیکل تعمیر کیا گیا-

(د) اس واقعہ کی تفصیلات لوگوں کو معلوم نہیں- طرح طرح کی باتیں مشہور ہو گئی ہیں- بعض کہتے ہیں وہ تین آدمی تھے- بعض کہتے

---

[1] قرآن میں "ورق" کا لفظ ہے- "ورق" چاندی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں- خواہ مسکوک ہو خواہ مسکوک نہ ہو- لیکن قرینہ کہہ رہا ہے کہ مقصود سکہ تھا، اس لیے ہم نے ترجمہ میں یہی لفظ اختیار کیا-

الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ
خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۖ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا
يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ ع ۵ ۱۵
إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ
مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴿٢٥﴾ قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا

پر غالب آ گئے تھے کہا ''ٹھیک ہے- ہم ضرور ان کے مرقد پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے'' -(۲۱)

کچھ لوگ کہیں گے غار والے تین آدمی تھے، چوتھا ان کا کتا تھا- کچھ لوگ ایسا بھی کہتے ہیں: نہیں پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا- یہ سب اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں- بعض کہتے ہیں سات تھے، آٹھواں ان کا کتا- (اے پیغمبر!) کہہ دے ''ان کی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ ان کا حال بہت کم لوگوں کے علم میں آیا ہے'' (اور جب صورت حال یہ ہے) تو لوگوں سے اس بارے میں بحث ونزاع نہ کر- مگر صرف اس حد تک کہ صاف صاف بات میں ہو- (یعنی باریکیوں میں نہیں پڑنا چاہیے کہ کتنے آدمی تھے کتنے دنوں تک رہے تھے) اور نہ ان لوگوں میں سے کسی سے اس بارے میں کچھ دریافت کر- (۲۲) اور کوئی بات ہو مگر کبھی ایسا نہ کہو ''میں کل اسے ضرور کر کے رہوں گا'' الا یہ کہ سمجھ لو ہو گا وہی جو اللہ چاہے گا (۲۳) اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کی یاد تازہ کر لو- تم کہو ''امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ مجھ پر کھول دے گا'' -(۲۴) اور (کہتے ہیں) وہ غار میں تین سو برس تک رہے، اور لوگوں نے نو برس اور بڑھا دیے ہیں- (۲۵) (اے پیغمبر!) تو کہہ دے اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ کتنی مدت تک رہے

ہیں پانچ تھے- بعض کہتے ہیں سات تھے- مگر یہ سب اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں- حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے اور غور کرنے کی بات یہ نہیں ہے کہ ان کی تعداد کتنی تھی؟ دیکھنا چاہیے کہ ان کی حق پرستی کا کیا حال تھا؟

آیت (۲۲) میں فرمایا جو کھلی ہوئی اور پکی بات ہے وہ تذکیر وعبرت کے لیے کفایت کرتی ہے- اس سے زیادہ کاوش میں نہ پڑو اور نہ بحث ونزاع کرو اور نہ کبھی کسی ایسی بات کے لیے جس کا علم اللہ ہی کو ہے زور دے کر کہو کہ میں ضرور ایسا کر کے رہوں گا- یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ جتنی باتیں چاہے وحی کے ذریعہ سے بتلا دے- غیبی امور میں انسان کی کاوشیں کچھ کام نہیں دے سکتیں-

(ہ) آیت (۲۳) میں اس طرف اشارہ ہے کہ عنقریب ایسا ہی معاملہ تمہیں بھی پیش آنے والا ہے یعنی اپنی قوم سے راہ حق میں کنارہ کشی کرو گے اور غار ثور میں کئی دن تک مقیم رہو گے- پھر تم پر فتح وکامرانی کی ایسی راہ کھولی جائے گی جو اس معاملہ سے بھی کہیں عظیم تر ہو گی-

(۴) آیت (۲۷) میں فرمایا اللہ کی کتاب کی تلاوت میں مشغول رہو- کلمات وحی نے جن باتوں کا اعلان کیا ہے انہیں کوئی بدل نہیں سکتا- اور انقلاب حال کا وقت اب دور نہیں ہے-

جو ماننے والے نہیں ان کی فکر نہ کرو، جو ایمان لائے ہیں اور شب وروز اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں وہی تمہارے لیے بہت ہیں- انہی میں جی لگاؤ یہی دعوت حق کے چند بیج ہیں جو عنقریب ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لیں گے-

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ؗ وَّ لَا يُشْرِكُ فِیْ
حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَ اتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ۫ وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ
مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا
تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ
هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ
اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی
الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا
نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا

الربع

وہ آسمان وزمین کی ساری پوشیدہ باتیں جاننے والا ہے- بڑا ہی دیکھنے والا' بڑا ہی سننے والا! اس کے سوا لوگوں کا کوئی کارساز نہیں، اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے! (۲۶)

اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی کتاب جو تجھ پر وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت میں لگا رہ- اللہ کی باتیں کوئی بدل نہیں سکتا اور تجھے اس کے سوا کوئی پناہ کا سہارا ملنے والا نہیں! (۲۷)

اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اور اس کی محبت میں سرشار ہیں تو انہی کی صحبت پر اپنے جی کو قانع کر لو- ان کی طرف سے کبھی تمہاری نگاہ نہ پھرے کہ دنیوی زندگی کی رونقیں ڈھونڈنے لگو- جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا (یعنی ہمارے ٹھہرائے ہوئے قانون نتائج کے مطابق جس کا دل غافل ہوگیا) اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑ گیا تو ایسے آدمی کی باتوں پر کان نہ دھرو- اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے- (۲۸)

اور کہہ دو "یہ سچائی تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے- اب جو چاہے مانے' جو چاہے نہ مانے" ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی چادریں چاروں طرف سے انہیں گھیر لیں گی- وہ (پانی کے لیے) فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کے جواب میں ایسا پانی ملے گا جیسے پگھلا ہوا سیسہ ہو! وہ ان کے منہ (گرمی سے) پکا دے گا- تو دیکھو پینے کی کیا ہی بری چیز انہیں ملی' اور بیٹھنے کی کیا ہی بری جگہ! (۲۹) مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو (ان کے لیے کوئی اندیشہ نہیں) جس نے اچھے کام کیے ہوں ہم کبھی اس کا اجر ضائع نہیں کرتے! (۳۰)

یہ لوگ ہیں جن کے لیے ہمیشگی کے باغ ہوں گے- اور باغوں کے تلے نہریں بہ رہی ہوں گی- یہ (بادشاہوں کی طرح)

آیت (۲۸) میں مزید تشریح کی- فرمایا آخری اعلان کردو کہ خدا کی سچائی سب کے سامنے آگئی- اب جس کا جی چاہے مانے' جس کا جی چاہے نہ مانے- جو مانیں گے ان کے لیے ان کا اجر ہوگا- جو نہیں مانیں گے ان کے لیے ان کا عذاب!

مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ يَلۡبَسُوۡنَ ثِيَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَّكِـِٕيۡنَ فِيۡهَا عَلَى
الۡاَرَآئِكِ ؕ نِعۡمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۳۱﴾ وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَيۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِهِمَا
جَنَّتَيۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّ حَفَفۡنٰهُمَا بِنَخۡلٍ وَّ جَعَلۡنَا بَيۡنَهُمَا زَرۡعًا ﴿۳۲﴾ كِلۡتَا الۡجَـنَّتَيۡنِ اٰتَتۡ اُكُلَهَا
وَلَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡهُ شَيۡـًٔـا ۙ وَّ فَجَّرۡنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ
اَنَا اَكۡثَرُ مِنۡكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنۡ تَبِيۡدَ
هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنۡ رُّدِدۡتُّ اِلٰى رَبِّىۡ لَاَجِدَنَّ خَيۡرًا مِّنۡهَا مُنۡقَلَبًا ﴿۳۶﴾

سونے کے کنگن پہنے ہوئے' سبز ریشم کے باریک اور دبیز کپڑوں سے آراستہ مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے! تو کیا ہی اچھا ان کا ثواب ہوا اور کیا ہی اچھی انہوں نے جگہ پائی! (۳۱)

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو ایک مثال سنا دو- دو آدمی تھے- ان میں سے ایک کے لیے ہم نے انگور کے دو باغ مہیا کر دیے- گرداگرد کھجور کے درختوں کا احاطہ تھا- بیچ کی زمین میں کھیتی تھی- (۳۲) پس ایسا ہوا کہ دونوں باغ پھلوں سے لد گئے- پیداوار میں کسی طرح کی بھی کمی نہ ہوئی ہم نے ان کے درمیان (آب پاشی کے لیے) ایک نہر جاری کر دی تھی- نتیجہ یہ نکلا کہ آدمی دولت مند ہو گیا- (۳۳)

تب ایک دن (گھمنڈ میں آ کر) اپنے دوست سے (جسے یہ خوشحالیاں میسر نہ تھیں) باتیں کرتے کرتے بول اٹھا "دیکھو! میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرا جتھا بھی بڑا طاقتور جتھا ہے" (۳۴)

پھر وہ (یہ باتیں کرتے ہوئے) اپنے باغ میں گیا اور وہ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہا تھا- اس نے کہا میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران ہو سکتا ہے- (۳۵) مجھے تو توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی برپا ہو- اور اگر ایسا ہوا بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو (میرے لیے کیا کھٹکا ہے؟) مجھے ضرور (وہاں بھی) اس سے بہتر ٹھکانا ملے گا"- (۳۶)

(۵) پہلے فرمایا تھا جس کا جی چاہے مانے' جس کا جی چاہے نہ مانے- جو نہ مانیں گے انہیں اپنی بدعملیوں کا نتیجہ بھگتنا ہے- جو مانیں گے ان کے لیے ان کی نیک عملیوں کا اجر ہے- پھر اخروی عذاب و ثواب کا نقشہ کھینچا تھا کہ منکروں کے لیے آگ کی جلن ہوگی- مومنوں کے لیے ہیشگی کے باغ- اب یہ حقیقت واضح کی ہے کہ آخرت کی طرح دنیا میں بھی منکرین دعوت کو محرومیاں ملنے والی ہیں- وہ اپنی موجودہ خوشحالیوں پر مغرور نہ ہوں اور نہ مومن اپنی موجودہ بے سروسامانیاں دیکھ کر دل تنگ ہو جائیں- دنیا کی خوشحالیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے- وہ جب مٹنے پر آتی ہیں تو لمحوں میں مٹ جاتی ہیں اور انسان کی کوئی سعی و تدبیر انہیں بچا نہیں سکتی-

چنانچہ اس حقیقت کے لیے ایک مثال بیان کی- فرض کرو دو آدمی تھے- ایک کو سب کچھ میسر تھا- دوسرے کو کچھ میسر نہ تھا- پہلا گھمنڈ میں آ کر دوسرے کو حقیر سمجھتا اور کہتا میں تم سے زیادہ خوش حال ہوں اور میری خوشحالی کبھی بگڑنے والی نہیں- دوسرا اسے سمجھاتا کہ ان خوش حالیوں پر مغرور نہ ہو- کون جانتا ہے پل کے پل میں کیا سے کیا ہو جائے؟ چنانچہ ایک دن کیا ہوا کہ اس کے سارے باغ جن کی شادابیوں پر اسے ناز تھا اچانک اجڑ گئے اور وہ اپنی نامرادیوں پر کف افسوس ملتا رہ گیا!

اس مثال میں خوشحال آدمی سے مقصود رؤسائے مکہ ہیں اور دوسرے آدمی سے مقصود مومنوں کی جماعت ہے- یہی وجہ ہے کہ خوشحالیوں کے لیے باغوں کا تصور پیدا کیا گیا- عرب میں اس سے بڑھ کر تمول و خوشحالی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ شام کے تاکستانوں کی طرح باغ ہوں- گرداگرد کھجور کے درختوں کا احاطہ' وسط میں قدرتی نہر' نہر کے دونوں طرف لہلہاتی ہوئی کھیتیاں-

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ
رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَ لَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا
شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ
خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ
مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ
فِيْهَا وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ
فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ
ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ ع ۵ ۱۷

یہ سن کر اس کے دوست نے کہا اور باہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا "کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں پہلے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا اور پھر آدمی بنا کر نمودار کر دیا؟ (۳۷) لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (۳۸) اور پھر جب تم اپنے باغ میں آئے (اور اس کی شادابیاں دیکھیں) تو کیوں تم نے یہ نہ کہا کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اس کی مدد کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا؟ اور یہ جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے کہ میں تم سے مال اور اولاد کمتر رکھتا ہوں (۳۹) تو (اس پر مغرور نہ ہو) کیا عجب ہے میرا پروردگار تمہارے اس باغ سے بھی بہتر (باغ) مجھے دے دے اور تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی ایسی اندازہ کی ہوئی بات اتار دے کہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے۔ (۴۰) یا پھر (بربادی کی کوئی اور ناگہانی صورت نکل آئے۔ مثلاً) اس کی نہر کا پانی بالکل نیچے اتر جائے اور تم کسی طرح بھی اس تک نہ پہنچ سکو"۔ (۴۱)

اور پھر (دیکھو) ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت (بربادی کے) گھیرے میں آ گئی۔ وہ ہاتھ مل مل کر افسوس کرنے لگا کہ ان باغوں کی درستی پر میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا (وہ سب برباد گیا) اور باغوں کا یہ حال ہوا کہ ٹٹیاں گر کے زمین کے برابر ہو گئیں۔ اب وہ کہتا ہے اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا! (۴۲) اور دیکھو کوئی جتھا نہ ہوا کہ اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ خود اس نے یہ طاقت پائی کہ بربادی سے جیت سکتا! (۴۳)

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت سارا اختیار اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہی ہے جو بہتر ثواب دینے والا ہے اور اسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے! (۴۴) اور (اے پیغمبر!) انہیں دنیا کی مثال سنا دو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے (زمین کی روئیدگی کا معاملہ) آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (اور خوب پھلی پھولی)

---

(٦) پھر جو کچھ بھی ہو دنیا کی یہ خوش حالیاں ہیں کیا؟ محض چار گھڑی کی دھوپ! اس سے زیادہ انہیں قرار نہیں۔ اس سے زیادہ انکی کوئی قدر و قیمت نہیں:
دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے زمین کی روئیدگی۔ آسمان سے پانی برستا ہے اور طرح طرح کی سبزیوں اور لالیوں سے زمین کا

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾
اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا
وَّ خَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ
مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ بَلْ
زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ

پھر (کیا ہوا؟ یہ کہ) سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا- ہوا کے جھونکے اسے اڑا کے منتشر کر رہے ہیں! اور کون سی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں؟ (۴۵)

مال و دولت اور آل اولاد دنیوی زندگی کی دلفریبیاں ہیں (مگر چند روزہ ناپائدار) اور جو نیکیاں باقی رہنے والی ہیں تو وہی تمہارے پروردگار کے نزدیک بہ اعتبار ثواب کے بہتر ہیں اور وہی ہیں جن کے نتائج سے بہتر امید رکھی جا سکتی ہے! (۴۶)

اور (دیکھو وہ آنے والا) دن جب ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور زمین کو تم دیکھو گے کہ اپنی اصلی حالت میں ابھر آئی ہے اور (اس وقت) ہم تمام انسانوں کو (اپنے حضور) اکٹھا کر دیں گے- کوئی نہ ہوگا جسے چھوڑ دیا ہو- (۴۷)

اور ان کی صفیں (ایک کے بعد ایک) تمہارے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گی- (تب ان سے کہا جائے گا) ''جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح تمہیں آج ہمارے سامنے حاضر ہونا پڑا- مگر تم نے خیال کیا تھا ہم نے تمہارے لیے اس کا کوئی وقت نہیں ٹھہرایا ہے!'' (۴۸)

اور (اس وقت) نوشتے لائے جائیں گے- تو تم دیکھو گے جو کچھ ان میں لکھا ہے اس سے مجرم ہراساں ہو رہے ہیں-

---

گوشہ گوشہ بہشت زار ہو جاتا ہے- جس طرف نگاہ اٹھاؤ پھولوں کا حسن و جمال ہے یا دالوں اور پھلوں کا فیضان و نوال! لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ وہی کھیت جن کا ایک ایک درخت زندگی کا سرمایہ اور بخشش نوال کا کارخانہ تھا اچانک کس عالم میں نظر آنے لگتے ہیں؟ ﴿ هشيما تذروه الرياح ﴾ ''بھوسے کے ذرے جنہیں ہوا کے جھونکے اڑا کے منتشر کر دیتے ہیں!'' نہ کوئی انہیں بچانا چاہتا ہے نہ وہ کسی مصرف کے ہوتے ہیں- بہت کام دیں گے تو چولھے میں جلنے کے لیے ڈال دیئے جائیں گے!

انسان کی دنیوی زندگی اور اس کی جدوجہد کی یہ کیسی جامع مثال ہے؟ جس پہلو سے بھی دیکھو گے اس سے بہتر مثال نہیں ملے گی-

(ا) دنیوی زندگی کی دلفریبیاں جب نکھرتی ہیں تو ٹھیک ان کا ایسا ہی حال ہوتا ہے-

(ب) لیکن عارضی ہوتی ہیں- پائدار نہیں- قدرت نے جو وقت مقرر کر رکھا ہے جونہی وہ پورا ہوا پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا!

(ج) زمین ایک ہے، پانی بھی ایک ہی طرح کا ہے، روئیدگی بھی ایک ہی طرح پر ہوتی ہے، مگر پھل یکساں نہیں- یہی حال دنیوی زندگی کا ہے- زندگی ایک طرح کی ہے مگر ہر زندگی کا پھل یکساں نہیں- فطرت کی بخشش سب کی یکساں طور پر رکھوالی کرتی ہے مگر سب ایک طرح کا پھل نہیں لاتے- کوئی اچھا ہوتا ہے، کوئی ناقص، کوئی بالکل نکما!

(د) عذاب و ثواب اور سعادت و محرومی کا مسئلہ بھی حل ہو گیا- تم زمین میں کاشت کرتے ہو- لیکن کیوں کرتے ہو؟ دانے اور پھل کے لیے، پتوں اور شاخوں کے لیے نہیں- جب فصل پکتی ہے تو دانے لے لیتے ہو، جس میں تمہارے لیے نفع ہے- باقی سب کچھ چھانٹ دیتے

وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا
ع ۶ ۱۸ عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ
اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ
لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ
اَنْفُسِهِمْ ۪ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَ يَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَ رَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ
ع ۷ ۱۹ مُّوَاقِعُوْهَا وَ لَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ

وہ بول اٹھیں گے "افسوس ہم پر! یہ کیسا نوشتہ ہے کہ کوئی بات چھوٹی ہوئی نہیں - بڑی ہو یا چھوٹی، سب کو اس نے ضبط کر لیا ہے!" غرض کہ جو کچھ انہوں نے (دنیا میں) کیا تھا سب اپنے سامنے موجود پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر زیادتی نہیں کرتا (جو جس نے کیا ہے، ٹھیک ٹھیک وہی اس کے آگے آئے گا)-(۴۹)

اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا "آدم کے آگے جھک جاؤ" اور سب جھک گئے تھے مگر ابلیس نہیں جھکا تھا - وہ جنوں میں سے تھا - پس اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا - پھر کیا تم مجھے چھوڑ کر (کہ تمہارا پروردگار ہوں) اسے اور اس کی نسل کو اپنا کارساز بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ (دیکھو) ظلم کرنے والوں کے لیے کیا ہی بری تبدیلی ہوئی! (۵۰)

میں نے انہیں اپنے ساتھ شریک نہیں کیا تھا جب آسمان و زمین کو پیدا کیا اور نہ اس وقت وہ شریک ہوئے جب خود انہیں پیدا کیا (اور جب وہ خود مخلوق ہیں تو اپنی خلقت کے وقت کیسے موجود ہو سکتے تھے؟) میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بناتا! (۵۱)

اور (دیکھو) اس دن جب اللہ فرمائے گا "جن ہستیوں کو تم سمجھتے تھے، میرے ساتھ شریک ہیں اب انہیں بلاؤ" وہ پکاریں گے مگر کچھ جواب نہیں پائیں گے - ہم نے ان دونوں کے درمیان آڑ کر دی ہے - (ایک دوسرے کی سننے والے نہیں) - (۵۲)

اور مجرم دیکھیں گے آگ بھڑک رہی ہے اور سمجھ جائیں گے اس میں انہیں گرنا ہے - وہ کوئی گریز کی راہ نہ پائیں گے! (۵۳)

اور (دیکھو) ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لیے ہر طرح کی مثالیں لوٹا لوٹا کر بیان کر دیں مگر انسان بڑا ہی

ہو جس میں نفع نہیں - یہی حال دنیوی زندگی کا بھی ہے - فطرت نے وجود انسانی کی کاشت کی ہے اور اس لیے کی ہے کہ ﴿ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ کون درخت ہے جو اچھے عمل کا پھل لاتا ہے - پس وہ پھل لے لیتی ہے - باقی جو کچھ بچ جاتا ہے چھانٹ دیتی ہے - تم سوکھی شاخوں اور پتوں کو کیا کرتے ہو؟ چولھے میں جلاتے ہو - اس نے بھی ایک چولھا گرم کر رکھا ہے اسی کا نام دوزخ ہے!

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا
رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا
مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ
اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾
وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا

جھگڑالو واقع ہوا ہے! (۵۴) اور جب لوگوں کے سامنے ہدایت آ گئی تو ایمان لانے اور طلب گار مغفرت ہونے سے انہیں کون سی بات روک سکتی ہے؟ مگر یہی کہ اگلی قوموں کا سا معاملہ انہیں بھی پیش آ جائے یا ہمارا عذاب سامنے آ کھڑا ہو! (۵۵)

اور ہم تو پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ (ایمان وعمل کی کامرانیوں کی) بشارت دیں اور (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دیں مگر جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ جھوٹی باتوں کی آڑ پکڑ کے جھگڑنے لگتے ہیں کہ اس طرح سچائی کو متزلزل کر دیں- انہوں نے ہماری نشانیوں کو اور اس بات کو جس سے انہیں خبردار کیا گیا ہے تمسخر کی بات بنا رکھا ہے! (۵۶)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جسے اس کے پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جائیں اور وہ ان سے گردن موڑ لے اور اپنی بدعملیاں بھول جائے جو پہلے کر چکا ہے؟ بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ کوئی بات پا نہیں سکتے اور کانوں میں گرانی (کہ صدائے حق سن نہیں سکتے[1]) - تم انہیں کتنا ہی سیدھی راہ کی طرف بلاؤ مگر وہ کبھی راہ پانے والے نہیں! (۵۷)

مگر (اے پیغمبر!) تیرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا' بڑا ہی رحمت والا ہے- اگر وہ ان لوگوں کو ان کے عمل کی کمائی پر پکڑنا چاہتا تو فوراً عذاب نازل کر دیتا لیکن ان کے لیے ایک میعاد ٹھہرا دی گئی ہے- اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہیں

---

(۷) قرآن کا یہ اسلوب کیوں ہوا کہ ایک ہی مطلب بار بار دہرایا جاتا ہے اور مختلف موقعوں پر اور مختلف شکلوں میں ایک ہی بات لوٹ لوٹ کر آتی ہے؟ ایسا نہ ہوا کہ ہماری علمی کتابوں کی طرح ضبط و ترتیب کے ساتھ تمام مطالب مدون کر دیے جاتے؟

قرآن خود اس بات کو جا بجا آیتوں' مثالوں اور نصیحتوں کی "تصریف" سے تعبیر کرتا ہے یعنی لوٹا لوٹا کر بیان کرنے سے- چنانچہ یہاں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے اور ان مقامات پر غور کرنے سے اس کے اسلوب بیان کی علت واضح ہو جاتی ہے-

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت (۴۱) میں گزر چکا ہے: ﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ﴾ یعنی قرآن میں مطالب کا لوٹ لوٹ کر بیان میں آنا اس لیے ہے کہ تذکیر و موعظت کا ذریعہ ہو- پس معلوم ہوا اس اسلوب بیان کی علت تذکیر ہے- اس بات پر غور کرتے جاؤ قرآن کے اسلوب بیان کے سارے بھید کھلتے جائیں گے قرآن کا مقصد تذکیر تھا- اور تذکیر کا مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا تھا کہ اسلوب بیان ایک واعظ و خطیب کی موعظت کا ہو- ایک فلسفی کے درس کا نہ ہو-

---

[1] یعنی ہم نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ جو سچائی سے اعراض کرتا ہے اس کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں تشریح اس کی پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں بار بار گزر چکی ہے-

مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ وَ اِذْ قَالَ ع ۸
مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا نَسِیَا
حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا٘ لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا
هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ٘ وَ مَاۤ اَنْسٰىنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ
وَ اتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا

پائیں گے (یعنی سب کو بالآخر اس مقررہ میعاد کی جگہ پہنچنا ہے)-(۵۸)

اور دیکھو یہ (پرانی) بستیاں ہیں- جب ان کے باشندوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا- ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک میعاد ٹھہرا دی تھی-(۵۹)

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ موسیٰ نے اپنے ساتھی خادم سے کہا تھا "میں اپنی کوشش سے باز آنے والا نہیں جب تک اس جگہ نہ پہنچ جاؤں جہاں دونوں سمندر آ ملے ہیں- میں تو (اپنی راہ) چلتا ہی رہوں گا"-(۶۰)

پھر جب وہ دونوں سمندروں کے ملنے کی جگہ پہنچ گئے تو اس مچھلی کا انہیں خیال نہ رہا جو اپنے ساتھ رکھ لی تھی- اس نے سمندر میں جانے کے لیے سرنگ کی طرح ایک راہ نکال لی-(۶۱)

جب وہ آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے آدمی سے کہا "آج کے سفر نے ہمیں بہت تھکا دیا- لاؤ صبح کا کھانا کھالیں"(۶۲)

اس نے کہا "کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ جب ہم (سمندر کے کنارے) چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو مجھے مچھلی کا کچھ خیال نہیں رہا تھا- اس نے عجیب طریقہ پر سمندر میں جانے کی راہ نکال لی- اور یہ شیطان ہی کا کام ہے کہ میں اس کا ذکر کرنا بالکل بھول گیا"-(۶۳) موسیٰ نے کہا "جو بات ہم چاہتے تھے وہ یہی ہے" پس وہ اپنے پاؤں کا نشان دیکھتے ہوئے لوٹ گئے-(۶۴)

---

(۸) آیت (۵۴) سے (۵۷) تک فرمایا تھا کہ منکرین قرآن کی شقاوت انتہائی حد تک پہنچ چکی ہے- طلب حق کی جگہ جدل ونزاع اور عبرت پذیری کی جگہ تمسخر واستہزاء ان کا شیوہ ہے- ان کی عقلیں ماری گئی ہیں اور حواس معطل ہو چکے ہیں- تم کتنی ہی رہنمائی کرو، راہ پانے والے نہیں! پھر آیت (۵۸) میں فرمایا- منکروں کی ان سرکشیوں کا نتیجہ کیوں اچانک ظہور میں نہیں آ جاتا؟ کیوں ان کے لیے خوشحالیاں ہیں اور پیروان حق کے لیے درماندگیاں؟ اس لیے کہ تمہارا پروردگار رحمت والا ہے اور یہاں رحمت کا قانون کام کر رہا ہے- رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ ایک خاص وقت تک سب کو مہلت کار ملے- چنانچہ مہلت کی رسّی ڈھیل دے رہی ہے- لیکن جونہی مقررہ وقت آ گیا پھر نتائج کا ظہور ٹلنے والا نہیں! اب آیت (۶۰) میں اسی معاملہ کا ایک دوسرا پہلو واضح کیا ہے اور یہ فی الحقیقت کائنات ہستی کے مسائل میں سے ایک نہایت اہم مسئلہ کا حل ہے-

فرمایا- بلاشبہ موجودہ حالت ایسی ہی ہے کہ سرکشوں کے لیے کامرانیاں دکھائی دیتی ہیں' مومنوں کے لیے محرومیاں، لیکن صرف اتنی ہی بات دیکھ کر حقیقت حال کا فیصلہ نہ کر لو- یہاں معاملات کی حقیقت وہی نہیں ہوا کرتی جو بظاہر دکھائی دیا کرتی ہے- کتنی ہی اچھائیاں ہیں جو فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں- تمہاری عقل صرف ظواہر دیکھ کر حکم لگا دیتی ہے مگر نہیں جانتی ان ظواہر کی تہ میں کیسے بواطن پوشیدہ ہیں؟

مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ
تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ
خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ
عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا ع
لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿٧١﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ لَا
تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿٧٣﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ

(پھر جب چٹان کے پاس پہنچے) تو انہیں ہمارے (خاص) بندوں میں سے ایک بندہ مل گیا- اس شخص پر ہم نے خصوصیت کے ساتھ مہربانی کی تھی- اسے اپنے پاس سے (براہ براست) ایک علم عطا فرمایا تھا- (۶۵)

موسیٰ نے اس سے کہا "آپ اجازت دیں تو آپ کے ساتھ رہوں- بشرطیکہ جو علم آپ کو اس خوبی کے ساتھ سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیں"- (۶۶)

اس نے جواب دیا "ہاں مگر تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے- (۶۷) جو بات تمہاری سمجھ کے دائرہ سے باہر ہے تم دیکھو اور صبر کر و یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"- (۶۸)

موسیٰ نے کہا "اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے- میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا"- (۶۹)

اس نے کہا "اچھا اگر تمہیں میرے ساتھ رہنا ہی ہے تو اس بات کا خیال رکھو کہ جب تک میں خود تم سے کچھ نہ کہوں تم کسی بات کی نسبت سوال نہ کرنا"- (۷۰)

پھر ایسا ہوا کہ دونوں سفر میں نکلے- یہاں تک کہ سمندر کے کنارے پہنچے اور کشتی میں سوار ہوئے- اب موسیٰ کے ساتھی نے یہ کیا کہ کشتی میں ایک جگہ ڈرار نکال دی- یہ دیکھتے ہی موسیٰ بول اٹھا "آپ نے کشتی میں ڈرار نکال دی کہ مسافر غرق ہو جائیں؟ آپ نے کیسی خطرناک بات کی"- (۷۱) اس نے کہا "کیا میں نے نہیں کہا تھا تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے؟" (۷۲) موسیٰ نے کہا "بھول ہو گئی- اس پر نہ پکڑیے- اگر ایک بات بھول چوک میں ہو جائے تو آپ سخت گیری کیوں کریں؟" (۷۳) پھر وہ دونوں آگے چلے- یہاں تک کہ (ایک بستی کے قریب پہنچے اور) انہیں ایک لڑکا ملا- موسیٰ کے ساتھی نے اسے قتل کر ڈالا- اس پر موسیٰ بول اٹھا:

سرکشوں کے لیے اس وقت کامرانیاں ہیں' مومنوں کے لیے محرومیاں- لیکن کیا فی الحقیقت سرکشوں کی کامرانیاں' کامرانیاں ہیں' اور مومنوں کی محرومیاں' محرومیاں؟ اس کا تم فیصلہ نہیں کر سکتے- جب پردہ اٹھے گا تو دیکھ لو گے کہ حقیقت حال کیا تھی-

اس حقیقت کی وضاحت کے لیے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیش آیا تھا-

(۹) حضرت موسیٰ کی ملاقات جس شخص سے ہوئی اس کی نسبت فرمایا "ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک علم عطا فرمایا تھا" قرآن جب کبھی کسی ایسی بات کو اس طرح بولتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بات براہ راست ظہور میں آئی تھی- یعنی دنیوی وسائل کو اس میں

اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ
تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ
عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ۟اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا
جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ
وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

''آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی حالانکہ اس نے کسی کی جان نہیں لی تھی- آپ نے کیسی برائی کی بات کی؟ (۷۴) اس نے کہا ''کیا میں نے نہیں کہہ دیا تھا تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے؟'' (۷۵) موسیٰ نے کہا ''اگر پھر میں نے کچھ پوچھا تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا- اس صورت میں آپ پوری طرح معذور سمجھے جائیں گے''- (۷۶)

وہ دونوں اور آگے بڑھے- یہاں تک کہ ایک گاؤں کے پاس پہنچے- گاؤں والوں سے کہا ہمارے کھانے کا انتظام کرو- انہوں نے مہماں نوازی کرنے سے صاف انکار کر دیا- پھر ان دونوں نے دیکھا گاؤں میں ایک (پرانی) دیوار ہے اور گرا چاہتی ہے- یہ دیکھ کر موسیٰ کے ساتھی نے (اس کی مرمت شروع کر دی اور) اسے از سر نو مضبوط کر دیا- اس پر موسیٰ (سے نہ رہا گیا) بول اٹھا ''اگر آپ چاہتے تو اس محنت کا کچھ معاوضہ ان لوگوں سے وصول کرتے'' (بغیر معاوضہ کے بے کار کی محنت کیوں کی؟) (۷۷) تب موسیٰ کے ساتھی نے کہا ''بس اب مجھ میں اور تم میں جدائی کا وقت آ گیا- ہاں جن باتوں پر تم سے صبر نہ ہو سکا ان کی حقیقت تمہیں بتلا دیتا ہوں''- (۷۸)

''سب سے پہلے کشتی کا معاملہ لو- وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کرتے ہیں- وہ جس طرف بڑھ رہے تھے وہاں ایک بادشاہ ہے (ظالم) جس کسی کی (اچھی) کشتی پاتا ہے زبردستی لے لیتا ہے- میں نے چاہا اس کی کشتی میں ایک عیب نکال

دخل نہ تھا- پس معلوم ہوا، وہ شخص صاحب وحی تھا اور اللہ نے اسے براہ راست علم عطا فرمایا تھا- چنانچہ آگے چل کر اس کا قول آتا ہے- ﴿ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ﴾ میں نے جو کچھ کیا اللہ کے حکم سے کیا اپنی سمجھ سے نہیں کیا-

یہ علم خاص جو اسے دیا گیا تھا یقیناً یہ تھا کہ بعض امور کے بواطن و اسرار اس پر کھول دیے گئے تھے-

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا تھا کہ خاموش رہیں گے لیکن ان کا ارادہ چل نہ سکا- ہر مرتبہ بول اٹھے- اس سے معلوم ہوا انسانی عقل مجبور ہے کہ ظواہر پر حکم لگائے- وہ اس سے رک نہیں سکتی مگر یہیں ٹھوکر کھاتی ہے- کیونکہ بواطن و حقائق تک نہیں پہنچ سکتی!

(۱۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی نے تین باتیں کیں- تینوں کا ظاہر برا تھا لیکن تینوں کی تہہ میں بہتری ہی بہتری تھی- حضرت موسیٰ علیہ السلام ظاہر دیکھ رہے تھے لیکن ان کے ساتھی پر اللہ نے باطن روشن کر دیا تھا- اگر اسی طرح ظواہر کا پردہ اٹھ جائے اور وہ حقیقتیں سب کے سامنے آ جائیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے سامنے آ گئی تھیں تو دنیا کا کیا حال ہو؟ سارے احکام کس طرح بدل جائیں؟ لیکن نہیں، حکمت الٰہی یہی ہے کہ

وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا
رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ
كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا
كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾ ع ۱۱
وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ
وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ

دوں'' (تا کہ عیبی دیکھ کر بادشاہ کے آدمی چھوڑ دیں)-(۷۹)

''باقی رہا لڑکے کا معاملہ تو اس کے ماں باپ مومن ہیں- میں یہ دیکھ کر ڈرا کہ انہیں سرکشی اور کفر کر کے اذیت پہنچائے گا-(۸۰) پس میں نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس لڑکے سے بہتر انہیں لڑکا دے- دینداری میں بھی اور محبت کرنے میں بھی''-(۸۱)

''اور وہ جو دیوار درست کر دی گئی تو (اس کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے- وہ) شہر کے دو یتیم لڑکوں کی ہے- جس کے نیچے ان کا خزانہ گڑا ہوا ہے- ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا پس تمہارے پروردگار نے چاہا دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ محفوظ پا کر نکال لیں- (اگر وہ دیوار گر جاتی تو ان کا خزانہ محفوظ نہ رہتا اس لیے ضروری ہوا کہ اسے مضبوط کر دیا جائے) یہ ان لڑکوں کے حال پر پروردگار کی ایک مہربانی تھی جو اس طرح ظہور میں آئی- اور یاد رکھو میں نے جو کچھ کیا اپنے اختیار سے نہیں کیا (اللہ کے حکم سے کیا) یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکے!''-(۸۲)

(اے پیغمبر!) تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں- تم کہہ دو- میں اس کا کچھ حال تمہیں (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سنا دیتا ہوں-(۸۳) ہم نے اسے زمین میں حکمرانی دی تھی- نیز اس کے لیے ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا-(۸۴)

تو (دیکھو) اس نے (پہلے) ایک (مہم کے لیے) ساز و سامان کیا-(۸۵) (اور پچھم کی طرف نکل کھڑا ہوا) یہاں تک کہ (چلتے چلتے) سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا- وہاں اسے سورج ایسا دکھائی دیا جیسے ایک سیاہ دلدل کی جھیل میں

پردہ نہ اٹھے کیونکہ اسی پردہ سے عمل کی ساری آزمائش قائم ہے اور ضروری ہے کہ آزمائش ہوتی رہے-

(۱۲) اہل کتاب سے معلومات حاصل کر کے لوگوں نے بعض سوالات کیے تھے- انہی میں ایک سوال ذوالقرنین کی نسبت تھا- یہاں اس کا جواب دیا ہے- فرمایا ہم نے اسے زمین میں حکمرانی دی تھی اور فتوحات کے سارے ساز و سامان مہیا کر دیے تھے-

پھر اس کی تین مہموں کا ذکر کیا ہے:

(ا) وہ پچھم کی طرف بڑھتا گیا- یہاں تک کہ ایک ایسے سمندر کے کنارے پہنچ گیا جس کا پانی کیچڑ سے ملا ہوا گدلا تھا اور معلوم ہوتا تھا روز سورج اسی پانی میں ڈوب جاتا ہے- کیونکہ حد نگاہ تک خشکی دکھائی نہیں دیتی تھی-

(ب) پھر وہ اتر کی طرف چلا- یہاں تک کہ وحشی قبائل کی ٹولیاں اسے ملیں- وہ کھلے میدانوں میں زندگی بسر کرتے تھے-

(ج) پھر وہ نکلا اور ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں دو پہاڑوں نے دو دیواروں کی شکل اختیار کر لی ہے- یاجوج اور ماجوج اسی راہ سے آتے

فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ؕ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ
حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ
اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰی ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ﴿ؕ۸۸﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤی
اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿ۙ۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ قَدْ
اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ
لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ
فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ

ڈوب جاتا ہے اور اس کے قریب ایک گروہ کو بھی آباد پایا- ہم نے کہا ''اے ذوالقرنین! (اب یہ لوگ تیرے اختیار میں ہیں) تو چاہے انہیں عذاب میں ڈالے چاہے اچھا سلوک کر کے اپنا بنا لے-(۸۶)

ذوالقرنین نے کہا ''ہم ناانصافی کرنے والے نہیں- جو سرکشی کرے گا اسے ضرور سزا دیں گے- پھر اسے اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے- وہ (بداعمالوں کو) سخت عذاب میں مبتلا کرے گا-(۸۷) اور جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا تو اس کے بدلے اسے بھلائی ملے گی اور ہم اسے ایسی ہی باتوں کا حکم دیں گے جس میں اس کے لیے آسانی و راحت ہو''-(۸۸)

اس کے بعد پھر اس نے تیاری کی (۸۹) اور (پورب کی طرف) نکلا- یہاں تک کہ سورج نکلنے کی آخری حد تک پہنچ گیا- اس نے دیکھا سورج ایک گروہ پر نکلتا ہے جس سے ہم نے کوئی آڑ نہیں رکھی ہے-(۹۰) ان کی حالت ایسی ہی تھی اور جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا اس کی ہمیں پوری پوری خبر ہے!(۹۱)

اس نے پھر ساز و سامان تیار کیا (اور تیسری مہم میں نکلا)(۹۲) یہاں تک کہ دو (پہاڑوں کی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا- وہاں اس نے دیکھا پہاڑوں کے اس طرف ایک قوم آباد ہے، جس سے بات کہی جائے تو بالکل نہیں سمجھتی-(۹۳) اس قوم نے (اپنی زبان میں) کہا ''اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس ملک میں آ کر لوٹ مار کرتے ہیں- کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دیں اور اس غرض سے ہم آپ کے لیے کچھ خراج مقرر کر دیں؟''(۹۴) ذوالقرنین نے کہا ''میرے پروردگار نے جو کچھ میرے قبضہ میں دے رکھا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے (تمہارے خراج کا محتاج نہیں) مگر تم اپنی قوت سے (اس کام میں) میری مدد کرو- میں تمہارے اور یاجوج و ماجوج کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں گا-''(۹۵)

(اس کے بعد اس نے حکم دیا) ''لوہے کی سلیں میرے لیے مہیا کر دو''

تھے اور اس طرف کی بستیوں میں لوٹ مار کرتے تھے- وہاں کے باشندوں کی استدعا پر اس نے وہاں ایک دیوار بنا دی جس کی وجہ سے حملہ آوروں کا رستہ بالکل بند ہو گیا-

فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى
بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا
اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ
وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ
وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ
كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا ع ۱۹ / ۲

پھر جب (تمام سامان مہیا ہوگیا اور) دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کر ان کے برابر کر دی تو حکم دیا "(بھٹیاں سلگاؤ اور) اسے دھونکو" پھر جب (اس قدر دھونکا گیا کہ) بالکل آگ (کی طرح لال) ہوگئی تو کہا "گلا ہوا تانبا لاؤ - اس پر انڈیل دیں"۔ (۹۶)

چنانچہ (اس طرح) ایک ایسی سد بن گئی کہ (یاجوج اور ماجوج) نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے نہ اس میں سرنگ لگا سکتے تھے! (۹۷)

ذوالقرنین نے (تکمیل کار کے بعد) کہا "یہ (جو کچھ ہوا' تو فی الحقیقت) میرے پروردگار کی مہربانی ہے جب میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات ظہور میں آئے گی تو وہ اسے ڈھا کر ریزہ ریزہ کر دے گا (مگر اس سے پہلے کوئی اسے ڈھا نہیں سکتا) اور میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات سچ ہے - ٹلنے والی نہیں!" (۹۸)

اور جس دن وہ بات ظہور میں آئے گی' تو اس دن ہم ایسا کریں گے کہ (سمندر کی لہروں کی طرح ان قوموں میں سے) ایک (قوم) دوسری (قوم) کے درمیان بہنے لگے گی' اور نرسنگھا پھونکا جائے گا اور ساری قوموں کی بھیڑ اکٹھی ہو جائے گی! (۹۹)

اس دن ہم منکروں کے سامنے دوزخ اس طرح نمودار کر دیں گے جیسے ایک چیز بالکل سامنے دکھائی دے (۱۰۰) وہ منکر جن کی نگاہوں پر ہمارے ذکر سے پردہ پڑ گیا تھا' اور (کانوں میں ایسی گرانی کہ) کوئی بات سن نہیں سکتے تھے! (۱۰۱) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار

---

(۴۳) جب دیوار تیار ہوگئی تو ذوالقرنین نے کہا یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ ایسا عظیم الشان کام میرے ہاتھوں انجام پا گیا - اب اسے کوئی ڈھا نہیں سکتا - ہاں جب وہ مقررہ وقت آئے گا جس کی اللہ نے خبر دے دی ہے تو بلاشبہ یہ ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے گی اور یہاں ہر چیز کو بالآخر فنا ہونا ہے!

ذوالقرنین کے اس قول پر اس کی سرگزشت ختم ہوگئی - اب آیت (۹۹) میں فرمایا' مقررہ وقت آئے گا تو یہ قومیں نکلیں گی اور سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے پر آ پڑیں گی - پھر ایک وقت آئے گا جب سب کو اکٹھا ہو جانا ہے اور اس وقت منکرین حق دیکھ لیں گے کہ دوزخ ان کے سامنے ہے!

جب لوگوں کو جمع کرنا مقصود ہوتا ہے' تو نرسنگھا پھونکا جاتا ہے - اور اس کی آواز سنتے ہی ہر گوشہ سے لوگ نکل آتے ہیں - فرمایا - ایک ایسی ہی بات اس دن بھی ہونے والی ہے - نرسنگھا پھونکا جائے گا کہ سب اکٹھے ہو جائیں!

اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ
بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾
اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآىٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾
ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَ اتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَ رُسُلِیْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ
لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ
رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى

کی ہے کیا انہوں نے خیال کیا ہے ہمیں چھوڑ کر ہمارے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں؟ (انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ) ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے! (۱۰۲)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے ''ہم تمہیں خبر دے دیں کون لوگ اپنے کاموں میں سب سے زیادہ نامراد ہوئے؟ (۱۰۳) وہ جن کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی میں کھوئی گئیں اور وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ بڑا اچھا کارخانہ بنا رہے ہیں!'' (۱۰۴)

یہی لوگ ہیں کہ اپنے پروردگار کی آیتوں سے اور اس کے حضور حاضر ہونے سے منکر ہوئے- پس ان کے سارے کام اکارت گئے اور اس لیے قیامت کے دن ہم ان (کے اعمال) کا کوئی وزن تسلیم نہیں کریں گے- (۱۰۵) انہوں نے جیسی کچھ کفر کی راہ اختیار کی تھی' اور ہماری آیتوں اور رسولوں کی ہنسی اڑائی تھی تو عذاب دوزخ' اس کا (لازمی) نتیجہ ہے! (۱۰۶)

لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغ ہوں گے- (۱۰۷) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے- کبھی نہیں چاہیں گے کہ اپنی جگہ بدلیں! (۱۰۸)

(اے پیغمبر!) اعلان کر دے اگر میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لیے دنیا کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں تو سمندر کا پانی ختم ہو جائے گا' مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں گی- اگر ان سمندروں کا ساتھ دینے کے لیے ویسے ہی سمندر اور بھی پیدا کر دیں جب بھی وہ کفایت نہ کریں! (۱۰۹)

(نیز) کہہ دے ''میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں- البتہ اللہ نے مجھ پر وحی

---

(۱۴) آیت (۱۰۲) سے سلسلہ خطاب پھر منکرین دعوت کی طرف متوجہ ہو گیا ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کی تمام کوششیں اکارت جانے والی ہیں اور کلمہ حق کی کامیابی اٹل ہے-

آیت (۱۰۳) میں انسان کی نامرادیوں کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟ ''جن لوگوں کی کوششیں اس زندگی میں کھوئی جاتی ہیں اور وہ اس دھوکے میں رہتے ہیں کہ ہم بڑے بڑے کارخانے بنا رہے ہیں!''

غور کرو! کتنی ہی زندگیاں ہیں جن کا ہر لمحہ طرح طرح کی کوششوں میں بسر ہوتا ہے لیکن ان کی کوئی کوشش بھی کامیاب نہیں ہوتی اور جب پردۂ غفلت ہٹتا ہے تو صاف دیکھ لیتے ہیں کہ جدوجہد کی ساری زندگی رائگاں گئی! وہ ہمیشہ اسی دھوکے میں رہتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات بنالی اور فلاں کارخانہ درست کر لیا' حالانکہ بنتا ونتا کچھ بھی نہیں- سرتاسر بگڑتا ہی جاتا ہے!

إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُوا۟ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا ﴿١١٠﴾

کی ہے کہ ''تمہارا معبود وہی ایک ہے- اس کے سوا کوئی نہیں'' پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے چاہیے کہ اچھے کام انجام دے اور اپنے پروردگار کی بندگی میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرے (بس اس کے سوا میری کوئی پکار نہیں!)- (۱۱۰)

اصحاب کہف:

(۱۵) مسیحی مذہب کے ابتدائی قرنوں میں متعدد واقعات ایسے گزرے ہیں کہ راسخ الاعتقاد عیسائیوں نے مخالفوں کے ظلم و وحشت سے عاجز آ کر پہاڑوں کے غاروں میں پناہ لے لی اور آبادیوں سے کنارہ کش ہو گئے- یہاں تک کہ وہیں وفات پا گئے، اور ایک عرصہ کے بعد ان کی نعشیں برآمد ہوئیں- چنانچہ ایک واقعہ خود روم کے اطراف میں گزرا تھا- ایک انطاکیہ کی طرف منسوب ہے- ایک افسس میں بیان کیا جاتا ہے-

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سورت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ کہاں پیش آیا تھا؟

قرآن نے ''کہف'' کے ساتھ ''الرقیم'' کا لفظ بھی بولا ہے اور بعض ائمہ تابعین نے اس کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ یہ ایک شہر کا نام ہے لیکن چونکہ اس نام کا کوئی شہر عام طور پر مشہور نہ تھا' اس لیے اکثر مفسر اس طرف چلے گئے کہ یہاں ''رقیم'' کے معنی کتابت کے ہیں- یعنی ان کے غار پر کوئی کتبہ لگا دیا گیا تھا- اس لیے کتبہ والے مشہور ہو گئے-

الرقیم:

لیکن اگر انہوں نے تورات کی طرف رجوع کیا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ ''رقیم'' وہی لفظ ہے جسے تورات میں ''راقیم'' کہا گیا ہے اور یہ فی الحقیقت ایک شہر کا نام تھا جو آگے چل کر ''پیٹرا'' کے نام سے مشہور ہوا اور عرب اسے ''بطرا'' کہنے لگے-

عالمگیر جنگ کے بعد آثار قدیمہ کی تحقیقات کے جو نئے نئے گوشے کھلے ہیں ان میں ایک پیٹرا بھی ہے اور اس کے انکشافات نے بحث و نظر کا ایک نیا میدان مہیا کر دیا ہے-

جزیرہ نمائے سینا اور خلیج عقبہ سے سیدھے شمال کی طرف بڑھیں' تو دو پہاڑی سلسلے متوازی شروع ہو جاتے ہیں اور سطح زمین بلندی کی طرف اٹھنے لگتی ہے- یہ علاقہ نبطی قبائل کا علاقہ تھا اور اسی کی ایک پہاڑی سطح پر ''راقیم'' نامی شہر آباد تھا- دوسری صدی عیسوی میں جب رومیوں نے شام اور فلسطین کا الحاق کر لیا تو یہاں کے دوسرے شہروں کی طرح راقیم نے بھی ایک رومی نو آبادی کی حیثیت اختیار کر لی اور یہی زمانہ ہے جب پیٹرا کے نام سے اس کے عظیم الشان مندروں اور تھیٹروں کی شہرت دور دور تک پہنچی- ۶۴۰ء میں جب مسلمانوں نے یہ علاقہ فتح کیا تو راقیم کا نام بہت کم زبانوں پر رہا تھا- یہ رومیوں کا پیٹرا اور عربوں کا بطرا تھا-

جنگ کے بعد سے اس علاقہ کی از سر نو اثری پیمائش کی جا رہی ہے اور نئی نئی باتیں روشنی میں آ رہی ہیں- از اں جملہ اس علاقہ کے عجیب و غریب غار ہیں جو دور دور تک چلے گئے ہیں اور نہایت وسیع ہیں- نیز اپنی نوعیت میں ایسے واقع ہوئے ہیں کہ دن کی روشنی کسی طرح بھی ان کے اندر نہیں پہنچ سکتی- ایک غار ایسا بھی ملا ہے جس کے دہانے کے پاس قدیم عمارتوں کے آثار پائے جاتے ہیں اور بے شمار ستونوں کی کرسیاں شناخت کی گئی ہیں- خیال کیا گیا ہے کہ یہ کوئی معبد ہو گا جو یہاں تعمیر کیا گیا تھا-

اس انکشاف کے بعد قدرتی طور پر یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ اصحاب کہف کا واقعہ اسی شہر میں پیش آیا تھا اور قرآن نے صاف صاف اس کا نام ''الرقیم'' بتلا دیا ہے- اور جب اس نام کا ایک شہر موجود تھا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ رقیم کے معنی میں تکلفات کیے جائیں اور بغیر کسی بنیاد

کے اسے کتبہ پر محمول کیا جائے-

علاوہ بریں دوسرے قرائن بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں-

قرآن نے جس طرح اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی عرب میں شہرت تھی، لوگ اس بارے میں بحثیں کیا کرتے تھے' اور اسے ایک نہایت ہی عجیب بات تصور کرتے تھے- اب یہ ظاہر ہے کہ مشرکین عرب کے وسائل معلومات محدود تھے- بہت کم امکان ہے کہ دور کی باتیں ان کے علم میں آئی ہوں- پس ضروری ہے کہ قرب و جوار ہی کی کوئی بات ہو اور ان لوگوں کی زبانی سنی جا سکے جن سے ہمیشہ عربوں کا ملنا جلنا رہتا ہو- ایسے لوگ کون ہو سکتے تھے؟ اگر اسے پیٹرا کا واقعہ قرار دیا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے- اول تو خود یہ مقام عرب سے قریب تھا- یعنی عرب کی سرحد سے ساٹھ ستر میل کے فاصلہ پر- ثانیاً نبطیوں کی وہاں آبادی تھی اور نبطیوں کے تجارتی قافلے برابر حجاز میں آتے رہتے تھے- یقیناً نبطیوں میں اس واقعہ کی شہرت ہوگی اور انہی سے عربوں نے سنا ہوگا-

خود قریش مکہ کے تجارتی قافلے بھی ہر سال شام جایا کرتے تھے اور سفر کا ذریعہ وہی شاہراہ تھی جو رومیوں نے ساحل خلیج سے لے کر ساحل مارمورا تک تعمیر کر دی تھی[1] پیٹرا اسی شاہراہ پر واقع تھا- بلکہ اس نواح کی سب سے پہلی تجارتی منڈی تھی- اس لیے اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ ان کے علم میں آ گیا ہو- اس سلسلہ میں چند باتیں اور تشریح طلب ہیں:

اصل واقعہ:

(الف) آیت (۹) ﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴾ کا اسلوب خطاب صاف کہہ رہا ہے کہ کچھ لوگ ''اصحاب کہف'' والرقیم کے نام سے مشہور ہیں- ان کا معاملہ قدرت الٰہی کا ایک عجیب و غریب کرشمہ سمجھا جاتا ہے- لوگوں نے پیغمبر اسلام ﷺ سے ان کا ذکر کیا ہے اور اب وحی الٰہی اس معاملہ کی حقیقت واضح کر رہی ہے- چنانچہ پہلے مجملاً اس کا خلاصہ اور نتیجہ بتلا دیا کہ جو کچھ پیش آیا تھا وہ اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو کچھ عبرت و تذکیر کی بات ہے وہ یہ ہے- پھر آیت (۱۳) میں فرمایا ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ﴾ اب ہم تجھے ان کی سچی خبر سنا دیتے ہیں- یعنی واقعہ کی چند ضروری تفصیلات بیان کر دیتے ہیں چنانچہ اس کے بعد تفصیلات بیان کی ہیں-

یہ مجمل خلاصہ جو آیت (۱۰) سے (۱۲) تک بیان کیا ہے' تمام سرگزشت کا ماحصل ہے- اسی کی روشنی میں بقیہ تفصیلات پڑھنی چاہییں- فرمایا چند نوجوان تھے جنہوں نے سچائی کی راہ میں دنیا اور دنیا کی راحتوں سے منہ موڑا اور ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے- ان کے پیچھے ظلم و ستم کی قوتیں تھیں سامنے غار کی تاریکی و وحشت- تاہم وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے- انہوں نے کہا ''خدایا! تیری ہی رحمت کا آسرا ہے' اور تیری ہی چارہ سازی پر بھروسہ!'' چنانچہ کئی سال تک وہ وہیں رہے اور اس طرح رہے کہ دنیا کی صداؤں کی طرف سے ان کے کان بالکل بند تھے- پھر ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا تاکہ واضح ہو جائے ان دونوں جماعتوں میں سے کون گروہ تھا جس نے اس عرصہ میں نتائج عمل کا بہتر اندازہ کیا ہے؟

اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى ؟

یعنی صورت حال نے دو جماعتیں پیدا کر دی تھیں- ایک اصحاب کہف تھے- ایک ان کے مخالف- ایک نے حق کی پیروی کی- دوسرے نے ظلم و تشدد پر کمر باندھی- یہ چند برسوں کی مدت دونوں جماعتوں پر گزری تھی- اس پر بھی جو غار میں پناہ لینے پر مجبور ہوئی، اور اس پر

[1] جنگ کے بعد اس شاہراہ کا سراغ لگایا گیا تو پوری طرح نمایاں ہوگئی- اب یہ اپنے اصلی خط پر دوبارہ تعمیر کی جارہی ہے' اور عقبہ سے عمان تک تعمیر ہو چکی ہے- آج کل جہاں عقبہ ہے' وہاں پہلے ترسیس آباد تھا' جہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جہاز ہندوستان جایا کرتے تھے' اور بحر احمر کے تجارتی بیڑے کا مرکز تھا-

بھی جس نے غار میں پناہ لینے کے لیے انہیں مجبور کیا- اب دیکھنا یہ تھا کہ دونوں میں سے کس نے کمایا ہے؟ اور کس نے کھویا ہے؟ کون ان دونوں میں وقت کا بہتر اندازہ شناس تھا؟

چنانچہ آگے چل کر جو تفصیلات آتی ہیں ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ ظالم جماعت کی عمر بہت تھوڑی تھی اور بالآخر وہی راہ فتح مند ہونے والی تھی جو اصحاب کہف نے اختیار کی تھی- کیونکہ بالآخر مسیحی دعوت تمام ملک میں پھیل گئی اور جب کچھ عرصہ کے بعد وہ غار سے نکلے اور ایک آدمی کو آبادی میں بھیجا، تو اب مسیحی ہونا کوئی ناقابل معافی جرم نہیں تھا- عزت وسربراہی کی سب سے بڑی عظمت تھی!

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان پرستاران حق کی استقامت ہی تھی جس نے دعوت حق کو فتح مند کیا- اگر وہ مظالم سے تنگ آ کر اتباع حق سے دست بردار ہو جاتے تو یقیناً یہ انقلاب ظہور میں نہ آتا-

(ب) اس کے بعد واقعہ کی بعض تفصیلات واضح کر دی ہیں- جو لوگ خدا پرستی کی راہ اختیار کرتے تھے ان کی مخالفت میں تمام باشندے کمر بستہ ہو جاتے- اور اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آتے تو سنگ سار کرتے- یہ حالت دیکھ کر انہوں نے فیصلہ کیا، آبادی سے منہ موڑیں اور کسی غار میں معتکف ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں- چنانچہ ایک غار میں مقیم ہو گئے-

غار کی نوعیت:

ان کا ایک وفادار کتا تھا- وہ بھی ان کے ساتھ غار میں چلا گیا- جس غار میں انہوں نے پناہ لی وہ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اگرچہ اندر سے کشادہ ہے اور وہانہ کھلا ہوا لیکن سورج کی کرنیں اس میں راہ نہیں پا سکتیں- نہ تو چڑھتے دن میں نہ ڈھلتے میں- جب سورج نکلتا ہے تو داہنی جانب رہتے ہوئے گزر جاتا ہے- جب ڈھلتا ہے تو بائیں جانب رہتے ہوئے غروب ہو جاتا ہے- یعنی غار اپنے طول میں شمال وجنوب رویہ واقع ہے- ایک طرف دہانہ ہے، دوسری طرف منفذ- روشنی اور ہوا دونوں طرف سے آتی ہے لیکن دھوپ کسی طرف سے بھی راہ نہیں پا سکتی-

اس صورت حال سے بیک وقت دو باتیں معلوم ہوئیں- ایک یہ کہ زندہ رہنے کے لیے وہ نہایت محفوظ اور موزوں مقام ہے- کیونکہ ہوا اور روشنی کی راہ موجود ہے مگر دھوپ کی تپش پہنچ نہیں سکتی- پھر اندر سے کشادہ ہے- جگہ کی کمی نہیں- دوسری یہ کہ باہر سے دیکھنے والوں کے لیے اندر کا منظر بہت ڈراؤنا ہو گیا ہے- کیونکہ روشنی کے منافذ موجود ہیں اس لیے بالکل اندھیرا نہیں رہتا- سورج کسی وقت سامنے آتا نہیں اس لیے بالکل اجالا بھی نہیں ہوتا- روشنی اور اندھیری کی ملی جلی حالت رہتی ہے، اور جس غار کی اندرونی فضا ایسی ہو، اسے باہر سے جھانک کر دیکھا جائے تو اندر کی ہر چیز ضرور ایک بھیانک منظر پیش کرے گی-

انقلاب حال:

یہ لوگ کچھ عرصہ تک غار میں رہے- اس کے بعد نکلے تو انہیں کچھ اندازہ نہ تھا کتنے عرصہ تک اس میں رہے ہیں- وہ سمجھتے تھے باشندوں کا وہی حال ہوگا جس حال میں انہیں چھوڑا تھا- لیکن اس عرصہ میں یہاں انقلاب ہو چکا تھا- اب غلبہ ان لوگوں کا تھا جو اصحاب کہف ہی کی طرح خدا پرستی کی راہ اختیار کر چکے تھے- جب ان کا ایک آدمی شہر میں پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی- اب وہی لوگ جنہوں نے انہیں سنگ سار کرنا چاہا تھا' ان کے ایسے معتقد ہو گئے کہ ان کی غار نے زیارت گاہ عام کی حیثیت اختیار کر لی اور امرائے شہر نے فیصلہ کیا کہ یہاں ایک ہیکل تعمیر کیا جائے-

ضرب علی الآذان:

(ج) اصحاب کہف نے یہ مدت کس حال میں بسر کی تھی؟ اس بارے میں قرآن نے صرف اس قدر اشارہ کیا ہے کہ ﴿ فَضَرَبْنَا عَلَى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴾ (۱۱) ''ضرب علی الاذن'' کے صاف معنی تو یہ ہیں کہ ان کے کان دنیا کی طرف سے بند ہو گئے تھے- یعنی دنیا کی کوئی صدا ان تک نہیں پہنچتی تھی لیکن مفسرین نے اسے نیند پر محمول کیا ہے یعنی ان پر نیند طاری ہو گئی تھی اور چونکہ نیند کی حالت میں آدمی کوئی آواز نہیں سنتا اس لیے اس حالت کو ''ضرب علی الاذان'' سے تعبیر کیا گیا- اس تفسیر میں اشکال یہ ہے کہ عربی میں نیند کی حالت کے لیے ''ضرب علی الآذان'' کی تعبیر ملتی نہیں- لیکن وہ کہتے ہیں یہ ایک طرح کا استعارہ ہے- گہری نیند کی حالت کو ضرب علی الاذان کی حالت سے تشبیہ دی گئی ہے- ففی الکلام تجوز بطریق الاستعارة التبعیه-

اصل یہ ہے کہ اصحاب کہف کا جو قصہ عام طور پر مشہور ہو گیا تھا وہ یہی تھا کہ غار میں برسوں تک سوتے رہے اس لیے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ بعد کو بھی اسی طرح کی روایتیں مشہور ہو گئیں- عرب میں قصہ کے اصلی راوی شام کے نطی تھے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس قصہ کی اکثر تفصیلات تفسیر کے انہی راویوں پر جا کر منتہی ہوتی ہیں جو اہل کتاب کے قصوں کی روایت میں مشہور ہو چکے ہیں مثلاً ضحاک اور سدی- بہر حال اگر یہاں ضرب علی الآذان سے مقصود نیند کی حالت ہو تو پھر مطلب یہ قرار پائے گا کہ وہ غیر معمولی مدت تک نیند کی حالت میں پڑے رہے اور ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ ﴾ کا مطلب یہ کرنا پڑے گا کہ اس کے بعد نیند سے بیدار ہو گئے-

یہ بات کہ ایک آدمی پر غیر معمولی مدت تک نیند کی حالت طاری رہے اور پھر بھی زندہ رہے طبی تجارب کے مسلمات میں سے ہے اور اس کی مثالیں ہمیشہ تجربہ میں آتی رہتی ہیں- پس اگر اصحاب کہف پر قدرت الٰہی سے کوئی ایسی حالت طاری ہو گئی ہو جس نے غیر معمولی مدت تک انہیں سلائے رکھا تو یہ کوئی مستبعد بات نہیں- البتہ قرآن حکیم کی تصریح اس بارے میں ظاہر اور قطعی نہیں ہے اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ جزم و یقین کے ساتھ کچھ نہ کہا جائے-

(د) آیت (۱۸) ﴿ وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ..... ﴾ الخ میں اس صورت حال کی طرف اشارہ کیا ہے جو نزول قرآن کے وقت تھی یا جو حالت اس غار کی ایک مدت تک رہی-

اس سے معلوم ہوا کہ انقلاب حال کے بعد اصحاب کہف نے غار کی گوشہ نشینی ترک نہیں کی تھی- اسی میں رہے- یہاں تک کہ انتقال کر گئے- ان کے انتقال کے بعد غار کی حالت ایسی ہو گئی کہ باہر سے کوئی دیکھے تو معلوم ہو زندہ آدمی موجود ہیں- دہانے کے قریب ایک کتا دونوں ہاتھ آگے کیے بیٹھا ہے- حالانکہ نہ تو آدمی زندہ ہیں نہ کتا ہی زندہ ہے!

تفسیر ﴿ وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ﴾:

لیکن باہر سے دیکھنے والا انہیں زندہ اور جاگتا کیوں سمجھے؟ اگر ان کی نعشیں پڑی ہیں تو نعشوں کو کوئی زندہ تصور نہیں کر سکتا- اگر ''رقود'' سے مقصود سونے کی حالت ہے اور وہ لیٹے ہوئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک لیٹا ہوا آدمی دیکھنے والے کو جاگتا دکھائی دے-

مفسرین نے یہ اشکال محسوس کیا لیکن اس کا کوئی حل دریافت نہ کر سکے- بعضوں نے کہا وہ اس لیے جاگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں لیکن اگر ایک بے حس و حرکت نعش پڑی دکھائی دے اور اس کی آنکھیں کھلی ہوں تو دیکھنے والا اسے ہوشیار و بیدار کیوں سمجھنے لگا؟ یہی سمجھے گا کہ مر گیا ہے مگر آنکھیں کھلی رہ گئی ہیں- بعضوں نے کہا ﴿ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ﴾ کی وجہ سے وہ

بیدار دکھائی دیتے ہیں یعنی چونکہ دہنے بائیں کروٹ بدلتی رہتی ہے اس لیے دیکھنے والا خیال کرتا ہے یہ بیدار ہیں- لیکن یہ توجیہ پہلے سے بھی زیادہ بے معنی ہے- اول تو کروٹ بدلنا بیداری کی دلیل نہیں- آدمی گہری سے گہری نیند میں ہوتا ہے اور کروٹ بدلتا ہے- ثانیاً اگر کروٹ بدلتے ہوں گے تو کچھ وقفہ کے بعد بدلتے ہوں گے- یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ہر آن کروٹ بدلتے ہی رہتے ہوں اور جب کبھی کوئی جھانک کر دیکھے انہیں کروٹ بدلتا ہی پائے! لطف یہ ہے کہ ﴿ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ﴾ کی تفسیر میں یہی مفسر ہمیں بتلاتے ہیں کہ بعضوں کے نزدیک سال میں دو دفعہ کروٹ بدلتی ہے- بعضوں کے نزدیک ایک مرتبہ- بعض کہتے ہیں تین سال بعد- بعض کہتے ہیں نو سال بعد!

علاوہ بریں قرآن نے یہ بات جس اسلوب و شکل میں بیان کی ہے اس پر ان نکتہ سنجوں نے غور نہیں کیا- ﴿ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴾ یعنی غار کے اندر کا منظر اس درجہ دہشت انگیز ہے کہ اگر تم جھانک کر دیکھو تو خوف کے مارے کانپ اٹھو اور الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو- اس سے معلوم ہوا، غار کے اندر اصحاب کہف کے اجسام نے ایسا منظر پیدا کر دیا ہے جو بے حد دہشت انگیز ہے- اگر کوئی آدمی باہر سے دیکھے تو دیکھنے کے ساتھ ہی اس پر دہشت چھا جائے- معاً الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو- اب اگر اندر کا منظر صرف اتنا ہی تھا کہ چند آدمی لیٹے ہوئے ہیں اور آنکھیں کھلی ہوئی ہیں تو یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے اس درجہ دہشت انگیزی پیدا ہو سکے- علاوہ بریں جو آدمی باہر سے جھانکے گا وہ اتنا باریک بیں نہیں ہوسکتا کہ غار کی تاریکی میں لیٹے ہوئے آدمیوں کی آنکھیں بھی بہ اول نظر دیکھ لے اور وہ بھی اس حالت میں کہ دہنے یا بائیں کروٹ پر لیٹے ہوئے ہوں!

مفسرین کی حیرانیاں اور انکشاف حقیقت:

دراصل یہ سارا معاملہ ہی دوسرا ہے اور جب تک مفسرین کے پیدا کیے ہوئے تخیل سے بالکل الگ ہو کر تحقیق نہ کی جائے' اصلیت کا سراغ نہیں مل سکتا-

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو حالت اس آیت میں بیان کی گئی ہے وہ کس وقت کی ہے؟ اس وقت کی ہے جب وہ نئے نئے غار میں جا کر مقیم ہوئے تھے؟ یا اس وقت کی جب انکشاف حال کے بعد دوبارہ معتکف ہو گئے؟ مفسرین نے خیال کیا اس کا تعلق پہلے وقت سے ہے اور یہی بنیادی غلطی ہے جس نے سارا الجھاؤ پیدا کر دیا ہے- دراصل اس کا تعلق بعد کے حالات سے ہے- یعنی جب وہ ہمیشہ کے لیے غار میں گوشہ نشین ہو گئے- اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وفات پا گئے' تو غار کے اندرونی منظر کی یہ نوعیت ہو گئی تھی- ﴿ وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ﴾ میں ''ایقاظ'' سے مقصود ان کا زندہ ہونا ہے اور ''رقود'' سے مردہ ہونا- نہ کہ بیداری اور خواب- چنانچہ عربی میں زندگی و موت کے لیے یہ تعبیر عام و معلوم ہے-

پھر یہ بات سامنے لانی چاہیے کہ یہ واقعہ مسیحی دعوت کی ابتدائی صدیوں کا ہے' اور جنہیں پیش آیا تھا وہ عیسائی تھے- صرف اتنی بات پر غور کرنے سے سارا معاملہ حل ہو جاتا ہے-

مسیحی دعوت کے ابتدائی قرنوں ہی میں زہد وانزوا کی ایک خاص زندگی شروع ہو گئی تھی جس نے آگے چل کر رہبانیت (مناسٹک ازم) کی مختلف شکلیں اختیار کر لیں- اس زندگی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ لوگ ترک علائق کے بعد کسی پہاڑ کی غار میں یا کسی غیر آباد گوشہ میں معتکف ہو جاتے تھے- اور پھر ان پر استغراق عبادت کی ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ وضع ونشست کی جو حالت اختیار کر لیتے اسی میں پڑے رہتے- یہاں تک کہ زندگی ختم ہو جاتی- مثلاً اگر قیام کی حالت میں مشغول ہوئے تھے' تو برابر کھڑے ہی رہتے اور اسی حالت میں جان

دے دیتے - اگر گھٹنے کے بل رکوع کی حالت اختیار کی تھی تو یہی حالت آخر تک قائم رہتی - اگر سجدے میں سر رکھ دیا تھا تو پھر سجدے ہی میں پڑے رہتے اور مرنے کے بعد بھی اسی وضع میں نظر آتے - زیادہ تر گھٹنے کے بل رکوع کی وضع اختیار کی جاتی تھی - کیونکہ عیسائیوں میں تعبد و تضرع کے لیے یہی وضع رائج ہوگئی تھی -[1]

غذا کی طرف سے یہ لوگ بالکل بے پروا ہوتے تھے - اگر آبادی قریب ہوتی تو لوگ روٹی اور پانی پہنچا دیا کرتے - نہیں ہوتی تو یہ اس کی جستجو نہیں کرتے - عبادت کا استغراق جستجو کی مہلت ہی نہیں دیتا - اس اعتبار سے ان کی حالت ویسی ہی تھی' جیسی ہندوستان کے یوگیوں کی رہ چکی ہے اور اب بھی گاہ گاہ نظر آ جاتی ہے -

جس طرح زندگی میں انہیں کوئی نہیں چھیڑتا تھا' اسی طرح مرنے کے بعد بھی کوئی اس کی جرأت نہ کرتا - مدتوں تک ان کی نعشیں اسی حالت میں باقی رہتیں' جس حالت میں انہوں نے زندگی کے آخری لمحے بسر کیے تھے - اگر موسم موافق ہوتا اور درندوں سے حفاظت ہوتی تو صدیوں تک ڈھانچے باقی رہتے اور فاصلہ سے دیکھنے والا انہیں زندہ انسان تصور کرتا - چنانچہ ویٹی گان کے تہ خانوں میں بے شمار ڈھانچے آج تک محفوظ ہیں جو اسی طرح کے مقامات سے برآمد ہوئے تھے اور اپنی اصلی وضع و ہیئت پر باقی تھے -

ابتداء میں اس غرض سے زیادہ تر پہاڑوں کی غاریں یا پرانی عمارتوں کے کھنڈر اختیار کیے گئے تھے' لیکن آگے چل کر یہ طریقہ اس درجہ عام ہوگیا کہ خاص خاص عمارتیں اس غرض سے تعمیر کی جانے لگیں - یہ عمارتیں اس طرح بنائی جاتی تھیں کہ ان میں آمدورفت کے لیے کوئی دروازہ نہیں ہوتا تھا - کیونکہ جو جاتا تھا وہ پھر باہر نہیں نکلتا تھا - صرف ایک چھوٹی سی سلاخ دار کھڑکی رکھی جاتی تھی جو ہوا اور روشنی کا ذریعہ ہوتی اور اسی کے ذریعہ سے لوگ غذا بھی پہنچا دیتے -

بعد کو جب مناسٹک ازم (رہبانیت) کے باقاعدہ ادارے قائم ہوگئے تو اس طرح کے انفرادی انزوا کی مثالیں کم ہوتی گئیں - تاہم تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ از منہ وسطی تک یہ طریقہ عام طور پر جاری تھا اور یورپ کی کوئی آبادی ایسی نہ تھی جو اس طرح کی عمارتوں سے خالی ہو - ان مقامات کو عام طور پر Logette کہتے تھے اور جب ایک راہب یا راہبہ کا ان میں انتقال ہو جاتا تو ان پر یہ لاطینی لفظ کندہ کر دیا جاتا کہ TU-ORA یعنی اس کے لیے دعا کرو!

تمام تاریخیں متفق ہیں کہ مسیحی رہبانیت سب سے پہلے مشرق میں شروع ہوئی اور اس کا بڑا مرکز فلسطین اور مصر تھا - پھر چوتھی صدی مسیحی میں یہ یورپ پہنچی اور سینٹ بنی ڈکٹ (Benedict) نے سب سے پہلے اس کے قواعد وضوابط منضبط کیے - سینٹ بنی ڈکٹ نے بھی ایک پہاڑ کی غار ہی میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی -

مسیحی رہبانیت کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس کی ابتدا اضطراری حالات سے ہوئی تھی - آگے چل کر اس

---

[1] عیسائیوں نے عبادت کی یہ وضع غالباً رومیوں سے لی - کیونکہ یہودیوں کے اوضاع نماز میں اس وضع کا پتہ نہیں چلتا - ان کا رکوع تقریباً ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ہم نماز میں کیا کرتے ہیں -

دنیا کی مختلف قوموں نے بندگی و نیازمندی کے اظہار کے لیے مختلف وضعیں اختیار کرلی تھیں - رومی گھٹنا ٹیک کر جھک جاتے اور بادشاہ کے قدموں کو یا دامن کو بوسہ دیتے - مجرموں کے لیے بھی ضروری تھا کہ مجسٹریٹ کا فیصلہ گھٹنے ٹیک کر سنیں - مصر' بابل اور ایران میں سجدہ کی رسم پیدا ہوئی اور ہندوستان میں اوندھے منہ ہو کر بالکل لیٹ جانے کی - ﴿ وَكُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴾

نے ایک اختیاری عمل کی نوعیت پیدا کر لی- یعنی ابتدا میں لوگوں نے مخالفوں کے ظلم وتشدد سے مجبور ہو کر غاروں اور جنگلوں میں گوشہ نشینی اختیار کی- پھر ایسے حالات پیش آئے کہ یہ اضطراری طریقہ زہد وتعبد کا ایک اختیاری اور مقبول طریقہ بن گیا- مزید تشریح اس مقام کی سورۂ حدید کی تشریحات میں ملے گی-

بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کا معاملہ بھی تمام تر اسی نوعیت کا تھا- ابتدا میں قوم کے ظلم نے انہیں مجبور کیا تھا کہ غار میں پناہ لیں، لیکن جب کچھ عرصہ تک وہاں مقیم رہے تو زہد وعبادت کا استغراق کچھ اس طرح ان پر چھا گیا کہ پھر دنیا کی طرف لوٹنے پر آمادہ نہ ہو سکے اور گو ملک کی حالت بدل گئی تھی لیکن وہ بدستور غار ہی میں معتکف رہے- یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا- انتقال اس حال میں ہوا کہ جس شخص نے ذکر وعبادت کی جو وضع اختیار کر لی تھی وہی وضع آخری لمحوں تک باقی رہی- ان کے وفادار کتے نے بھی آخر تک ان کا ساتھ دیا- وہ پاسبانی کے لیے دہانے کے قریب بیٹھا رہتا تھا- جب اس کے مالک مر گئے تو اس نے بھی وہیں بیٹھے بیٹھے دم توڑ دیا-

اب اس واقعہ کے بعد غار کے اندرونی منظر نے ایک عجیب دہشت انگیز نوعیت پیدا کر لی- اگر کوئی باہر سے جھانک کر دیکھے تو اسے راہبوں کا ایک پورا مجمع ذکر وتعبد میں مشغول دکھائی دے گا- کوئی گھٹنے کے بل رکوع کی حالت میں ہے- کوئی سجدے میں پڑا ہے- کوئی ہاتھ جوڑے اوپر کی طرف دیکھ رہا ہے- دہانے کے قریب ایک کتا ہے- وہ بھی بازو پھیلائے باہر کی طرف منہ کیے ہوئے ہے- یہ منظر دیکھ کر ممکن نہیں کہ آدمی دہشت سے کانپ نہ اٹھے- کیونکہ اس نے یہ سمجھ کر جھانکا تھا کہ مردوں کی قبر ہے- مگر منظر جو دکھائی دیا وہ زندہ انسانوں کا ہے!

(ز) یہ تفسیر سامنے رکھ کر معاملہ کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالو- ہر بات اس طرح واضح ہو جاتی ہے گویا تمام قفلوں کو کھلنے کے لیے صرف اسی ایک کنجی کا انتظار تھا ﴿ وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ﴾ کا مطلب بھی ٹھیک ٹھیک اپنی جگہ بیٹھ گیا- کسی دور از کار توجیہ کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ اس طرح کا منظر یہی خیال پیدا کرے گا کہ لوگ زندہ ہیں- حالانکہ زندہ نہیں- ﴿ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴾ کی علت بھی سامنے آ گئی اور وہ تمام بے معنی توجیہیں غیر ضروری ہو گئیں جن پر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ مجبور ہوئے ہیں- اگر تم کسی قبر کے اندر جھانک کر دیکھو اور تمہیں مردہ نعش کی جگہ ایک آدمی نماز پڑھتا دکھائی دے تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ یقیناً مارے دہشت کے چیخ اٹھو گے! اسی طرح ﴿ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ﴾ کی تفسیر میں بھی کسی تکلف کی احتیاج باقی نہ رہی- غار شمال وجنوب رویہ واقع تھا- اور ان دونوں جہتوں میں ہوا اور روشنی کے منافذ تھے جیسا کہ آیت ﴿ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ ﴾ سے متبادر ہوتا ہے- پس بالمقابل منافذ ہونے کی وجہ سے ہوا برابر اندر چلتی رہتی تھی اور ان کے ڈھانچے دہنے سے بائیں اور بائیں سے دہنی جانب اس طرح متحرک رہتے تھے جیسے ایک زندہ آدمی ایک طرف سے پلٹ کر دوسری طرف دیکھے-

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾:

اس تفسیر کے بعد اس سوال کا جواب بھی خود بخود مل گیا کہ قرآن نے خصوصیت کے ساتھ یہ بات کیوں بیان کی کہ سورج کی کرنیں غار کے اندر نہیں پہنچتیں جیسا کہ آیت (۱۷) میں ہے اور کیوں اسے قدرت الٰہی کی ایک نشانی فرمایا کہ ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ معلوم ہو گیا کہ یہ دراصل اس بات کی تمہید تھی جو بعد کو آیت (۱۸) میں بیان کی گئی ہے کہ ﴿ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ﴾ یعنی چونکہ یہ بات بیان کرنی تھی کہ مرنے کے بعد ان کی نعشیں عرصہ تک باقی رہیں حتیٰ کہ دیکھنے والوں کو زندہ انسانوں کا گمان ہوتا تھا اس لیے پہلے اس کی علت واضح کر دی کہ جس غار میں معتکف ہوئے تھے وہ اس طرح کی غار تھی کہ انسانی جسم زیادہ سے زیادہ عرصہ تک اس میں قائم رہ سکتا تھا- کیونکہ

سورج کی روشنی اس میں پہنچتی رہتی تھی- لیکن سورج کی تپش کا اس میں گزر نہ تھا- جو چیز نعش کو جلد گلا سڑا دیتی ہے' وہ سورج کی تپش ہے اور جو چیز تازگی پیدا کرتی ہے' وہ ہوا اور روشنی ہے- ہوا چلتی رہتی تھی- روشنی پہنچتی رہتی ہے مگر تپش سے پوری حفاظت تھی' و ذلك من ایات الله!

﴿ ثَلاثَ مِائَةٍ سِنِيْن ﴾ کی تفسیر:

(ح) ﴿ وَ لَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَ ازْدَادُوْا تِسْعًا ﴾ (۲۵) کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ خود قرآن کی تصریح ہے کہ وہ لوگ اتنی مدت تک غار میں پڑے رہے؟ لیکن اگر ایسا ہے تو پھر اس کے بعد کیوں فرمایا کہ ﴿ قل الله اعلم بما لبثوا؟ ﴾ مفسرین کو اس اشکال کے دور کرنے میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے حالانکہ صاف مطلب وہی ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے- یعنی جس طرح پہلے ان کی تعداد کے بارے میں لوگوں کے مختلف اقوال نقل کیے تھے اسی طرح یہاں مدت بقا کے بارے میں لوگوں کا قول نقل کیا ہے- یعنی لوگ کہتے ہیں غار میں تین سو برس تک رہے- بعضوں نے اس پر نو برس اور بڑھا دیے- تم کہہ دو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ فی الحقیقت کتنی مدت گزر چکی ہے- پس یہ قرآن کی تصریح نہیں ہے، لوگوں کا قول ہے اور "سیقولون" سے نقل اقوال کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اسی سلسلہ کی یہ آخری کڑی ہے-[1] حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی تفسیر مروی ہے-[2]

(ط) امام قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ "اولئك قوم فنوا وعدموا منذ مدة طويله" یعنی اصحاب کہف کی موت پر ایک مدت گزر چکی ہے- ان کے اجسام فنا ہو گئے جس طرح ہر جسم فنا ہو جاتا ہے- ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شام کی غزوات میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا گزر اصحاب کہف کی غار پر ہوا تھا اور انہیں ان کی ہڈیاں ملی تھیں- اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس سے اس کی بھی مزید تصدیق ہو گئی کہ یہ واقعہ پیٹرا میں پیش آیا تھا-

(مسیحی رہبانیت کے طریقہ کی نسبت مندرجہ صدر بیان میں جو اشارات کیے گئے ہیں، ان کی تفصیلات کے لیے حسب ذیل کتابیں دیکھنی چاہییں:

The Paradise or Garden of the Holy Fathers, By E.A.W Budge.

The Evolution of the Monaste Ideal, By H.Workman.

Five Centuries of Religion, By G.G. Coulton.

The Medieval Mind, By H.O Taylor.

صاحب موسیٰ علیہ السلام:

(۱۶) آیت (۶۵) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جس شخص سے ملنے کا ذکر کیا گیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم عطا فرمایا تھا' وہ

---

[1] اخرج ابن ابی حاتم وابن مردویه عن ابن عباس- قال ان الرجل لیفسر الایت یری انها كذلك فیهوی ابعد ما بین السماء والارض ثم تلا "و لبثوا فی كهفهم" ثم قال كم لبث القوم؟ قالوا ثلاث مائة وتسع سنین- قال لو كانوا لبثوا كذلك :لم یقل الله "قل الله اعلم بما لبثوا" و لكنه حكی مقالة القوم فقال "سیقولون ثلاثة" الی قوله "رجما بالغیب" فاخبر انهم لا یعلمون- ثم قال سیقولون "ولبثوا فی كهفهم ثلاثمانه سنین وازدادوا تسعا" (فتح القدیر) اس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ جو لوگ اس آیت کو قرآن کی تصریح قرار دیتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک وہ سخت غلطی میں تھے- اور حقیقت سے بالکل دور ہو گئے تھے-

[2] اخرج ابن جریر عن قتاده فی حرف ابن مسعود- وقالوا "ولبثوا فی كهفهم" یعنی انما قاله الناس الا تری انه قال "قل الله اعلم بما لبثوا-

کون تھا؟ اس بارے میں قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی ہے' لیکن صحیحین کی روایت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام خضر تھا۔ اس بارے میں بہت سی روایتیں مفسرین نے نقل کی دی ہیں جن کی صحت محل نظر ہے اور تصریحات متناقض' اور زیادہ تر اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

ذوالقرنین:

(۱۷) اس سورت میں تیسرا واقعہ جو بیان کیا گیا ہے وہ ذوالقرنین کا ہے۔ کیونکہ لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ تمام مفسرین متفق ہیں کہ سوال یہودیوں کی جانب سے تھا۔ اگرچہ غالباً مشرکین مکہ کی زبانی ہوا۔ کیونکہ سورت مکی ہے۔

(الف) قرآن نے ذوالقرنین کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے اس پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل امور سامنے آجاتے ہیں:

اولاً، جس شخصیت کی نسبت پوچھا گیا ہے وہ یہودیوں میں ذوالقرنین کے نام سے مشہور تھی یعنی ذوالقرنین کا لقب خود قرآن نے تجویز نہیں کیا ہے' پوچھنے والوں کا مجوزہ ہے کیونکہ فرمایا ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ﴾ (۸۳)

ثانیاً، اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے حکمرانی عطا فرمائی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان جو ایک حکمراں کے لیے ہوسکتا تھا اس کے لیے فراہم ہوگیا تھا۔

ثالثاً، اس کی بڑی مہمیں تین تھیں۔ پہلے مغربی ممالک فتح کیے۔ پھر مشرقی۔ پھر ایک ایسے مقام تک فتح کرتا ہوا چلا گیا جہاں پہاڑی درہ تھا اور اس کی دوسری طرف سے یاجوج اور ماجوج آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔

رابعاً، اس نے وہاں ایک نہایت محکم سد تعمیر کردی اور یاجوج و ماجوج کی راہ بند ہوگئی۔

خامساً، وہ ایک عادل حکمراں تھا۔ جب وہ مغرب کی طرف فتح کرتا ہوا دور تک چلا گیا تو ایک قوم ملی جس نے خیال کیا کہ دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح ذوالقرنین بھی ظلم و تشدد کرے گا۔ لیکن ذوالقرنین نے اعلان کیا کہ بے گناہوں کے لیے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ جو لوگ نیک عملی کی راہ چلیں گے' ان کے لیے ویسا ہی اجر بھی ہوگا۔ البتہ ڈرنا انہیں چاہیے جو جرم و بدعملی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (۸۵)

سادساً' وہ خدا پرست اور راست باز انسان تھا اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا تھا۔ (۸۷) و (۹۸)

سابعاً' وہ نفس پرست پادشاہوں کی طرح طامع اور حریص نہ تھا۔ جب ایک قوم نے کہا یاجوج اور ماجوج ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک سد تعمیر کردیں' ہم خراج دیں گے' تو اس نے کہا ﴿ ما مكنى فيه ربى خير ﴾ جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے۔ میں تمہارے خراج کا طامع نہیں۔ یعنی میں خراج کی طمع سے یہ کام نہیں کروں گا۔ اپنا فرض سمجھ کر انجام دوں گا۔

تاریخ قدیم کی جس شخصیت میں یہ تمام اوصاف و اعمال پائے جائیں' وہی ذوالقرنین ہوسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کون شخص تھا؟

مفسرین کی حیرانی:

سب سے پہلا حل طلب مسئلہ جو مفسرین کے سامنے آیا وہ اس کے لقب کا تھا۔ عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی ''قرن'' کے صاف معنی سینگ کے ہیں۔ پس ''ذوالقرنین'' کا مطلب ہوا دو سینگوں والا' لیکن چونکہ تاریخ میں کسی ایسے بادشاہ کا سراغ نہیں ملا جس کا ایسا لقب رہا ہو اس لیے مجبوراً ''قرن'' کے معنی میں طرح طرح کے تکلّفات کرنے پڑے۔ پھر چونکہ فتوحات کی وسعت اور مغرب و مشرق کی حکمرانی کے لحاظ

سے سکندر مقدونی کی شخصیت سب سے زیادہ مشہور رہی ہے اس لیے متاخرین کی نظریں اسی کی طرف اٹھ گئیں چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سکندر ہی کو ذوالقرنین قرار دیا ہے- اور اگرچہ حسب عادت وہ تمام اعتراضات نقل کر دیے ہیں جو اس تفسیر پر وارد ہوتے ہیں لیکن پھر حسب عادت ان کے بے محل جوابات پر مطمئن بھی ہو گئے ہیں- حالانکہ کسی اعتبار سے بھی قرآن کا ذوالقرنین سکندر مقدونی نہیں ہو سکتا- نہ تو وہ خدا پرست تھا- نہ عادل تھا- نہ مفتوح قوموں کے لیے فیاض تھا اور نہ اس نے کوئی سد ہی بنائی-

بہرحال مفسرین ذوالقرنین کی شخصیت کا سراغ نہ لگا سکے-

دانیال نبی کا خواب:

اگر ذوالقرنین کے مفہوم کا کوئی سراغ ملتا تھا تو وہ صرف ایک دُور کا اشارہ تھا جو حضرت دانیال علیہ السلام کی کتاب میں ملتا ہے- یعنی ایک خواب جو انہوں نے بابل کی اسیری کے زمانے میں دیکھا تھا-

بابل کی اسیری کا زمانہ یہودیوں کے لیے نہایت مایوسی کا زمانہ تھا- ان کی قومیت پامال ہو چکی تھی ان کا ہیکل منہدم ہو چکا تھا' ان کے شہر اجاڑ تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس ہلاکت کے بعد ان کی زندگی کا کیا سامان ہو سکتا ہے- اسی زمانہ میں حضرت دانیال علیہ السلام کا ظہور ہوا جو اپنے علم وحکمت کی وجہ سے شاہان بابل کے دربار میں نہایت مقرب ہو گئے تھے- انہی کی نسبت تورات میں بیان کیا گیا ہے کہ بیلشضار شاہِ بابل کی سلطنت کے تیسرے برس انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا اور اس خواب میں انہیں آنے والے واقعات کی بشارت دی گئی تھی-

چنانچہ کتاب دانیال میں ہے ''میں کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں- دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے پیچھے تھا- میں نے دیکھا کہ پچھم' اتر اور دکھن کی طرف وہ سینگ مارتا ہے- یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا اور وہ بہت بڑا ہو گیا- میں یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ دیکھو' پچھم کی طرف سے ایک بکرا آ کے تمام روئے زمین پر پھر گیا- اس بکرے کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک عجیب طرح کا سینگ تھا- وہ دو سینگ والے مینڈھے کے پاس آیا اور اس پر غضب سے بھڑکا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈھے کو قوت نہ تھی کہ اس کا مقابلہ کرے'' (دانیال ۸:۱) پھر اس کے بعد ہے کہ جبریل نمایاں ہوا اور اس نے اس خواب کی یہ تعبیر بتلائی کہ دو سینگوں والا مینڈھا مادہ اور فارس کی بادشاہت ہے اور بال والا بکرا یونان کی- جو بڑا سینگ اس کی آنکھوں کے درمیان دکھائی دیا ہے وہ اس کا پہلا بادشاہ ہوگا (۸:۱۵)

دو سینگوں والی شہنشاہی:

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مادہ (میڈیا) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی اور چونکہ یہ دونوں مملکتیں مل کر ایک شہنشاہی بننے والی تھیں اس لیے شہنشاہ مادہ وفارس کو دو سینگوں والے مینڈھے کی شکل میں ظاہر کیا گیا- پھر اس مینڈھے کو جس نے شکست دی وہ یونان کے بکرے کا پہلا سینگ تھا یعنی سکندر مقدونی تھا جس نے فارس پر حملہ کیا اور کیانی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا-

اس خواب میں بنی اسرائیل کے لیے بشارت یہ تھی کہ ان کی آزادی وخوشحالی کا نیا دور اسی دو سینگوں والی شہنشاہی کے ظہور سے وابستہ تھا- یعنی شہنشاہ فارس بابل پر حملہ کر کے فتح مند ہونے والا تھا' اور پھر اسی کے ذریعہ سے بیت المقدس کی از سر نو تعمیر اور یہودی قومیت کی دوبارہ شیرازہ بندی ہونے والی تھی- چنانچہ چند برسوں کے بعد سائرس کا ظہور ہوا- اس نے میڈیا اور پارس کی مملکتیں ملا کر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کر دی اور پھر بابل پر پے در پے حملے کر کے اسے مسخر کر لیا-

چونکہ اس خواب میں میڈیا اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی' اس لیے خیال ہوتا تھا کہ عجب نہیں فارس کے شہنشاہ کے

لیے یہودیوں میں ذوالقرنین کا تخیل پیدا ہو گیا ہو- یعنی دو سینگوں والی شہنشاہی، اور وہ اسے اس لقب سے پکارتے ہوں- تاہم یہ محض ایک قیاس تھا- اس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہ تھی-

سائرس کے مجسمہ کا انکشاف:

لیکن ۱۸۳۸ء کے ایک انکشاف نے جس کے نتائج بہت عرصہ کے بعد منظر عام پر آئے' اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا لقب ذوالقرنین تھا اور یہ محض یہودیوں کا کوئی مذہبی تخیل نہ تھا بلکہ خود سائرس کا یا باشندگان فارس کا مجوزہ اور پسندیدہ نام تھا-

اس انکشاف نے شک و تخمین کے تمام پردے اٹھا دیے- یہ خود سائرس کی ایک سنگی تمثال ہے جو اصطخر کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی اس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں- اوپر خط میخی میں جو کتبہ کندہ تھا اس کا بڑا حصہ ٹوٹ کر ضائع ہو چکا ہے مگر جس قدر باقی ہے وہ اس کے لیے کافی ہے کہ تمثال کی شخصیت واضح ہو جائے-[1] اس سے معلوم ہو گیا کہ ماد اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دینے کا تخیل ایک مقبول اور عام تخیل تھا' اور یقیناً سائرس کو "ذوالقرنین" کے لقب سے پکارا جاتا تھا- تمثال میں پروں کا ہونا اس کے ملکوتی صفات و فضائل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نہ صرف پارسیوں میں بلکہ تمام معاصر قوموں میں یہ اعتقاد عام طور پر پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ایک غیر معمولی نوعیت کا انسان ہے-

دو سینگوں کا تخیل ابتدا میں کیونکر پیدا ہوا؟ کیا اس کی بنیاد دانیال نبی علیہ السلام کا خواب تھا یا بطور خود سائرس نے یا باشندگان پارس نے یہ تصور پیدا کیا؟ اس کا فیصلہ مشکل ہے لیکن اگر تورات کی روایات تسلیم کر لی جائیں تو سائرس سے لے کر ارتازرکسیز[2] (ارتخششت) اول تک تمام شہنشاہان پارس انبیائے بنی اسرائیل سے عقیدت رکھتے تھے' اور اس لیے ہو سکتا ہے کہ اسی خواب سے "ذوالقرنین" کا لقب پیدا ہو گیا ہو- بہرحال اب اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ سائرس کو ذوالقرنین سمجھا جاتا تھا اور یقیناً عرب کے یہودی بھی اسے اسی لقب سے پکارا کرتے تھے-

(ب) اس حقیقت کی وضاحت کے بعد جب سائرس کے ان حالات پر نظر ڈالی جاتی ہے جو یونانی مورخوں کی زبانی ہم تک پہنچے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے بیان کی ہو بہو تصویر ہے اور دونوں بیان اس درجہ باہم مطابقت رکھتے ہیں کہ ممکن نہیں کسی دوسری شخصیت کا وہم و گمان بھی کیا جا سکے-

سائرس کے حالات کے تاریخی مصادر:

زمانہ حال کے محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے- پہلا عہد حملہ اسکندر سے پہلے کا ہے- دوسرا پارتھوی یا

---

[1] اس تمثال کے لیے فرنچ مصنف Dieulaf Marcel کی L'art anti en Perse دیکھنی چاہیے-

[2] یاد رکھنا چاہیے کہ شاہان فارس کے ناموں نے مختلف زبانوں میں مختلف صورتیں اختیار کر لی ہیں اور اس کی وجہ سے مورخوں نے سخت غلطیاں کی ہیں- سائرس کا اصلی نام غالباً گورو یا گورش تھا جیسا کہ دارا کے کتبہ بے ستون سے معلوم ہوتا ہے' لیکن یونانی اسے سائرس Cyrus کہنے لگے اور یہودیوں نے اس کا تلفظ خورس کی شکل میں کیا- چنانچہ یسعیاء ارمیا اور دانیال کے صحائف میں جا بجا یہ نام آیا ہے- اور یہی گورش ہے جس نے عربی میں خسرو کی شکل اختیار کر لی چنانچہ عرب مورخ اسے کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں- سائرس کا لڑکا کیم بی سیز Cambyses ہوا- یہ بھی یونانی تلفظ ہے- اس کا پارسی نام کمبوچیہ تھا' جس نے یہودیوں اور عربوں کی زبان پر کیقباد کی شکل اختیار کر لی- شاہنامہ نے بھی اسی کو اختیار کیا- کیونکہ اس کی بنیاد عربی تراجم پر تھی- کیقباد کے بعد دارا یوش ہوا- جسے عام طور پر دارا کے نام سے پکارا جاتا ہے اور تورات میں بھی یہی نام آیا ہے- دارا کے بعد ارتازرکسیز ہے- اسے تورات میں ارتخششت کے نام سے یاد کیا ہے اور عربوں میں اردشیر مشہور ہو گیا-

ملوک الطّوائف کا - تیسرا ساسانی سلاطین کا - فارسی شہنشاہی کی عظمت کا اصلی عہد وہی ہے جو حملہ اسکندر سے پہلے گزرا اور جس کی تاریخ سائرس کے ظہور سے شروع ہوتی ہے لیکن بدقسمتی سے اس عہد کے حالات معلوم کرنے کے براہ راست ذرائع مفقود ہو گئے ہیں۔[۱] جس قدر بھی حالات روشنی میں آئے ہیں تمام تر یونانی تحریروں سے ماخوذ ہیں - ان میں زیادہ معتمد تین مورخ ہیں: ہیروڈوٹس (Herdotus) ٹی سیاز (Ctesias) اور زینوفون (Xenophon)

فتح ایران کے بعد جب مورخین نے ایران کی تاریخ مرتب کرنی چاہی تو انہیں جس قدر مواد ہاتھ آیا' وہ تمام تر پارسیوں کی قومی روایات پر مشتمل تھا - ان روایات میں حملہ اسکندر سے پہلے کا زمانہ اسی طرح کے قومی افسانوں کی نوعیت رکھتا ہے جس طرح ہندوستان میں پرانوں کے افسانے یا مہابھارت اور راماین کے قصے ہیں - البتہ پچھلے دو عہدوں کی روایتیں تاریخی بنیادوں پر مبنی تھیں - جب دقیقی اور فردوسی نے شاہنامہ نظم کرنا چاہا تو انہیں عربی میں یہی مواد ملا اور اسی کو انہوں نے نظم کا جامہ پہنا دیا - پس یہ تمام ذخیرہ قبل از سکندر عہد کے لیے کچھ سودمند نہیں ہے - اور سائرس کے حالات کے لیے تمام تر یونانی مورخین کی شہادت ہی پر اعتماد کرنا ہے -

حضرت مسیح علیہ السلام سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے ایران کی سرزمین دو مملکتوں میں بٹی ہوئی تھی - جنوبی حصہ پارس کہلاتا تھا اور شمال مغربی میڈیا -[۲] چونکہ ان کے ہمسایہ میں آشوری اور بابلی حکومتیں انتہا عروج تک پہنچ چکی تھیں اس لیے قدرتی طور پر ان سے دبی ہوئی تھیں - دونوں مملکتوں میں مختلف قبائل کے امراء تھے جو اپنے اپنے حلقوں میں قبائلی حکومت رکھتے تھے - ۶۱۲ قبل مسیح میں جب نینویٰ تباہ ہو گیا اور آشوری فرماں روائی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی تو میڈیا کے باشندے آزاد ہو گئے اور بتدریج ایک قومی حکومت نشوونما پانے لگی - اسی طرح پارس کے امرائے قبائل میں سے بھی بعض امیروں کو سر اٹھانے کا موقع ملا اور حکمراں خاندان پیدا ہو گیا - تاہم یہ دونوں مملکتیں وقت کی بے اثر حکومتیں تھیں اور بابل کی شہنشاہی جسے نبوکدرزر (بخت نصر) کی قہارانہ فتح مندیوں نے تمام ایشیا میں سربلند کر دیا تھا سب پر چھائی ہوئی اور سب کو مقہور کیے ہوئے تھی -

سائرس کا ظہور:

لیکن ۵۵۹ قبل از مسیح میں ایک غیر معمولی شخصیت غیر معمولی حالات کے اندر ابھری اور اچانک تمام دنیا کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں - یہ پارس کے اکیمی نیز[۳] خاندان کا ایک نوجوان گورش تھا جسے یونانیوں نے سائرس' عبرانیوں نے خورس اور عربوں نے کے خسرو کے نام سے پکارا - اسے پہلے پارس کے تمام امیروں نے اپنا فرماں روا تسلیم کر لیا - پھر بغیر کسی خوں ریزی کے میڈیا کی مملکت پر فرماں روا ہو گیا اور اس طرح دونوں مملکتوں نے مل کر ایران کی ایک عظیم الشان شہنشاہی کی صورت اختیار کر لی!

پھر اس کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا - وہ فتوحات نہیں جو ظلم و قہر کی خوں ریزیوں کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی تھیں بلکہ انسانیت و عدالت کی فتوحات جو تمام تر اس لیے تھیں کہ مظلوم قوموں کی دادرسی اور پامال ملکوں کی دستگیری ہو - چنانچہ ابھی بارہ برس کی مدت بھی پوری نہیں ہوئی

۱۔ دارا اور اردشیر کے چند کتبوں کو اس سے مستثنیٰ کر دینا چاہیے جو مرودشت کے گردونواح میں موجود ہیں جہاں قدیم دارالحکومت اصطخر آباد تھا - ان کتبوں سے خصوصاً دارا کے کتبہ بے ستون سے بعض اہم تاریخی انکشافات ہوئے ہیں اور ہیروڈوٹس کے بعض بیانات کی بھی تصدیق ہو گئی ہے۔

۲۔ دارا کے کتبہ بے ستون میں اس کا نام مادا آیا ہے' اس لیے میڈیا یونانی تلفظ سمجھنا چاہیے - عرب مورخوں نے اسے ماہات سے تعبیر کیا ہے -

۳۔ دارا نے بے ستون کے کتبہ میں اپنا سلسلہ نسب ہخامنش نامی بادشاہ سے ملایا ہے - یہی ہخامنش یونانی میں (Achaemenes) ہو گیا - ہیروڈوٹس کی روایت کے مطابق یہ سائرس کا پڑدادا تھا - یعنی اکیمی نیز سے ٹیز پیز (چائش پش) پیدا ہوا - اس سے کم بی سیز (کمبوجیہ یا کیقباد) اول اور کم بی سیز سے سائرس - سائرس نے اپنے بڑے لڑکے کا نام بھی کم بی سیز رکھا تھا -

تھی کہ بحر اسود سے لے کر بکڑیا (باختر) تک ایشیا کی تمام عظیم الشان مملکتیں اس کے آگے سر بہ سجود ہو چکی تھیں!

ابتدائی زندگی:

دنیا کی تمام غیر معمولی شخصیتوں کی طرح سائرس کے ابتدائی حالات نے بھی ایک پراسرار افسانہ کی نوعیت اختیار کر لی ہے- اور ہمیں اس کی جھلک شاہنامہ کے افسانوں میں صاف صاف نظر آ جاتی ہے- اس کا اٹھان زندگی کے عام اور معمولی حالات میں نہیں ہوا بلکہ ایسے عجیب حالات میں جو ہمیشہ پیش نہیں آتے اور جب کبھی پیش آتے ہیں تو یہ قدرت کی ایک غیر معمولی کرشمہ سنجی ہوتی ہے- قبل اس کے کہ وہ پیدا ہو اس کے نانا اسٹیاگس (Astyages) نے اس کی موت کا سامان کر دیا تھا لیکن وہ ایک حیرت انگیز طریقہ پر بچا لیا جاتا ہے اور اس کی ابتدائی زندگی جنگلوں اور پہاڑوں میں بسر ہوتی ہے- پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس کی غیر معمولی قابلیتیں اور اعلیٰ اخلاق و خصائل اسے ملک میں نمایاں کرتے ہیں اور اس کی خاندانی شخصیت پہچان لی جاتی ہے- اب اسے پورا موقع حاصل تھا کہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے لیکن اسے ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا خیال نہیں گزرتا- حتیٰ کہ خود اسٹیاگس کی زندگی بھی اس کے ہاتھوں محفوظ رہتی ہے-

لیڈیا کی فتح:

تخت نشینی کے بعد سب سے پہلی جنگ جو اسے پیش آئی وہ لیڈیا (Lydia) کے بادشاہ کروئیسس (Croesus) سے تھی- لیکن تمام مورخین متفق ہیں کہ حملہ کروئیسس کی طرف سے ہوا تھا اور اس نے سائرس کو دفاع پر مجبور کر دیا تھا- لیڈیا سے مقصود ایشیائے کوچک کا مغربی اور شمالی حصہ ہے جو یونانی تمدن کا ایشیائی مرکز بن گیا تھا اور اس کی حکومت بھی اپنے تمام خصائص میں ایک یونانی حکومت تھی- جنگ میں سائرس فتح یاب ہوا- لیکن رعایا کے ساتھ کسی طرح کی بدسلوکی نہیں کی گئی- انہیں محسوس بھی نہیں ہوا کہ ملک ایک انقلاب جنگ کی حالت سے گزر رہا ہے- البتہ کروئیسس کی نسبت یونانی روایت یہ ہے کہ اس کے عزم و ہمت کی آزمائش کے لیے سائرس نے حکم دیا تھا، چتا تیار کی جائے اور اسے جلا دیا جائے لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ مردانہ وار چتا پر بیٹھ گیا ہے تو فوراً اس کی جاں بخشی کر دی اور اس نے بقیہ زندگی عزت و احترام کے ساتھ بسر کی-

مشرقی فتوحات:

اس جنگ کے بعد اسے مشرق کی طرف متوجہ ہونا پڑا کیونکہ گیڈروسیا (مکران) اور بکٹریا (بلخ) کے وحشی قبائل نے سرکشی کی تھی- یہ مہم ۵۴۵ اور ۵۴۰ قبل مسیح کی درمیانی مدت میں واقع ہوئی ہوگی-

فتح بابل:

تقریباً یہی زمانہ ہے جب باشندگان بابل نے اس سے درخواست کی ہے کہ بیل شازار (Belshazzar)[1] کے مظالم سے انہیں نجات دلائے-

---

[1] دانیال نبی کی کتاب میں اسے جا بجا بیلشضار کے نام سے پکارا گیا ہے لیکن بابل کے کتبوں سے اس کا صحیح نام جو معلوم ہوا ہے یہی ہے- علاوہ بریں معلوم ہوتا ہے کہ نوشتہ کے لکھنے والوں نے سائرس اور دارا کے دو مختلف حملوں کا امتیاز ملحوظ نہیں رکھا ہے اور کہیں سائرس کی جگہ دارا کا نام آ گیا ہے کہیں دارا کی جگہ سائرس کا- تاریخی حیثیت سے جو واقعہ ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بابل پر فارس کے دو حملے ہوئے ہیں- پہلا سائرس نے کیا- دوسرا دارا نے- سائرس نے بابل فتح کر کے اس کی اندرونی حکومت وطنی امرا کے ہاتھ چھوڑ دی تھی- پھر تقریباً بیس برس بعد امرائے بابل نے بغاوت کی اور دارا مجبور ہوا کہ دوبارہ بابل کو فتح کرے-

نینوی کی تباہی نے ایک نئی بابلی شہنشاہی کی بنیادیں استوار کر دی تھیں اور نبوکدرزار (بخت نصر) کی قاہرانہ فتوحات نے تمام مغربی ایشیا کو مسخر کر لیا تھا- اس کا حملہ بیت المقدس تاریخ کا ایک انقلاب انگیز واقعہ ہے- وہ صرف بادشاہوں کو مسخر ہی نہیں کرتا تھا بلکہ قوموں کو غلام بناتا اور ملکوں کو تباہ کر ڈالتا تھا- لیکن اس کے مرنے کے بعد کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی جو اس کی جنگ جویانہ قوتوں کی جانشین ہوتی- اس کے بعد بابل کے مندروں کے پجاریوں نے (جو ملک میں سب سے زیادہ اثر و مقبولیت رکھتے تھے) نابونی دس (Nabonidus) کو تخت نشین کیا تھا لیکن اس نے حکومت کا تمام کاروبار بیل شازار کے ہاتھ چھوڑ دیا جو ظلم و عیاشی کا مجسمہ تھا- اسی کی نسبت دانیال نبی کے صحیفہ میں ہم پڑھتے ہیں کہ بیت المقدس کے ہیکل کے مقدس پیالوں میں اس نے شراب پی تھی اور ایک غیبی ہاتھ نے نمایاں ہو کر ''منے منے تقیل وفرسین'' کے الفاظ دیوار پر لکھ دیے تھے (دانیال ۵:۱)

تمام مورخین متفق ہیں کہ اس عہد میں بابل سے زیادہ مستحکم اور نا قابل فتح کوئی شے نہ تھی اس کی چار دیواری اتنی موٹی' تہ در تہ اور اونچی تھی کہ اسے مسخر کرنے کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا- بایں ہمہ سائرس نے باشندگان بابل کی فریاد پر لبیک کہا اور دوآبہ کا تمام علاقہ فتح کرتا ہوا شہر کے سامنے نمودار ہو گیا- چونکہ خود باشندگان شہر بیل شازار کے مظالم سے تنگ آ گئے تھے اور سائرس کے لیے چشم براہ تھے اس لیے انہوں نے ہر طرح اس کا ساتھ دیا- خود بابلی مملکت کا ایک سابق گورنر گوب ریاس (Gobryas) اس کی فوج کے ساتھ تھا- ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ اسی شخص نے دریا میں نہریں کاٹ کر اس کا بہاؤ دوسری طرف ڈال دیا اور دریا کی جانب سے فوج شہر میں داخل ہو گئی- قبل اس کے کہ خود سائرس شہر میں پہنچے شہر فتح ہو چکا تھا!

بنی اسرائیل کی رہائی اور ہیکل کی تعمیر:

تورات کی شہادت یہ ہے کہ سائرس کا ظہور اور بابل کی فتح بنی اسرائیل کے لیے زندگی و خوشحالی کا نیا پیام تھا اور یہ ٹھیک اسی طرح ظہور میں آئی جس طرح یسعیاہ نبی نے ایک سو ساٹھ برس پہلے اور یرمیاہ نے ساٹھ برس پہلے وحی الٰہی سے مطلع ہو کر خبر دے دی تھی- چنانچہ سائرس نے دانیال نبی کی نہایت توقیر کی، یہودیوں کو یروشلم میں بسنے کی اجازت دے دی- نیز اپنی تمام مملکت میں اعلان کیا کہ ''خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یروشلم میں اس کے لیے ایک ہیکل بناؤں (یعنی قدیم برباد شدہ ہیکل سلیمان کو از سر نو تعمیر کروں) پس تمام لوگوں کو ہر طرح کا ساز و سامان اس کے لیے مہیا کرنا چاہیے'' اس نے سونے چاندی کے وہ تمام ظروف جو نبوکدرزار ہیکل سے لوٹ کر لایا تھا بابل کے خزانہ سے نکلوائے اور یہودیوں کے ایک امیر شیش بضر کے حوالے کر دیے کہ ہیکل کی تعمیر کے بعد اس میں بدستور رکھ دیے جائیں (عزرا- باب اول)

بابل کی فتح کے بعد سائرس کی عظمت تمام مغربی ایشیا میں مسلم ہو گئی- ۵۳۹ قبل مسیح میں صرف اسی کی تنہا شخصیت عظمت و حکمرانی کے عالمگیر تخت پر نمایاں نظر آتی ہے- بارہ برس پہلے وہ پارس کے پہاڑوں کا ایک گمنام انسان تھا لیکن اب ان تمام مملکتوں کا تنہا فرمانروا ہے جو صدیوں تک قوموں کی ابتدائی عظمتوں اور فتح مندیوں کا مرکز رہ چکی ہیں- فتح بابل کے بعد وہ تقریباً دس برس تک زندہ رہا اور ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال کر گیا-

سائرس کے ظہور کی پیشین گوئیاں:

(۱۸) اب قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ حالات پر نظر ڈالی جائے اس بات پر غور کر لینا چاہیے کہ انبیائے بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں اس شخصیت کے بارے میں کیا تھیں اور یہودیوں کے اعتقاد میں کس طرح وہ حرف بہ حرف پوری ہوئیں؟

اس سلسلہ میں سب سے پہلی پیشین گوئی یسعیاہ نبی کی ہے جن کا ظہور سائرس کے فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے ہوا تھا- انہوں نے پہلے بیت المقدس کی تباہی کی خبر دی ہے کہ بابل کے ہاتھوں ظہور میں آئے گی- اس کے بعد اس کی دوبارہ تعمیر کی بشارت دی ہے اور اس سلسلہ میں خورس (سائرس) کے ظہور کا ذکر کیا ہے: "خداوند تیرا نجات دینے والا یوں فرماتا ہے کہ......... یروشلم پھر آباد کیا جائے گا- یہودا کے شہر بنائے جائیں گے- میں اس کے ویران مکانوں کو تعمیر کروں گا......... میں خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے- وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا......... خداوند اپنے مسیح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا تا کہ قوموں کو اس کے قابو میں کر دوں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا دوں اور دہرے دروازے اس کے لیے کھول دوں- ہاں میں تیرے آگے چلوں گا- میں ٹیڑھی جگہوں کو سیدھا کروں گا- میں پیتل کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا- میں گڑھے ہوئے خزانے اور چھپے ہوئے مکانوں کے گنج تجھے عطا کروں گا- اور یہ سب کچھ اس لیے کروں گا تا کہ تو جان لے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں جس نے اپنی برگزیدہ قوم اسرائیل کے لیے تجھے تیرا نام صاف صاف لے کے بلایا ہے" (یسعیاہ ۲۱:۲۴)

اس پیشین گوئی میں خدا کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ خورس (سائرس) میرا چرواہا ہوگا اور میں نے اسے اس لیے پکارا ہے کہ بنی اسرائیل کو بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے- نیز اسے "خدا کا مسیح" بھی کہا ہے-

اسی طرح یرمیاہ نبی نے ساٹھ برس پہلے پیشین گوئی کی تھی "قوموں کے درمیان منادی کرو اور اسے مت چھپاؤ- تم کہو بابل لے لیا گیا- بعل رسوا ہوا- مردوک سراسیمہ کیا گیا- اس کے بت خجل ہوئے- اس کی مورتیں پریشان کی گئیں- کیونکہ اتر سے ایک قوم اس پر چڑھتی ہوئی آ رہی ہے جو اس کی سرزمین اجاڑ دے گی یہاں تک کہ اس میں کوئی نہیں رہے گا" (۵۰:۱)

یرمیاہ نبی نے اس کی بھی پیشین گوئی کر دی تھی کہ ستر برس تک یہودی بابل میں قید رہیں گے' اور اس کے بعد بیت المقدس کی نئی تعمیر ہوگی' خداوند کہتا ہے- جب بابل پر ستر برس گزر چکیں گے تو میں تمہاری خبر لینے آؤں گا- تب تم مجھے پکارو گے اور میں جواب دوں گا- تم مجھے ڈھونڈو گے اور مجھے پالو گے- میں تمہاری اسیری ختم کر دوں گا- تمہیں مکانوں میں واپس لے آؤں گا" (۲۹:۱۰)

اس پیشین گوئی میں خدا نے اپنی رحمت کی واپسی کو فتح بابل کے واقعہ سے وابستہ کر دیا ہے- گویا سائرس کا ظہور اس کی رحمت کا ظہور ہوگا جو بنی اسرائیل پر پھر لوٹ آئے گی-

پیشین گوئیوں کی تاریخی حیثیت:

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب سائرس نے بابل فتح کیا تو دانیال نبی نے (جو شاہان بابل کے وزراء میں داخل ہو گئے تھے) اسے یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی دکھائی کہ ایک سو ساٹھ برس پہلے اس کے ظہور کی خبر دے دی گئی تھی- یہ بات دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اسی کا نتیجہ وہ فرمان تھا جو اس نے تعمیر ہیکل کے لیے جاری کیا-

زمانہ حال کے نقادوان پیشین گوئیوں کی اصلیت پر مطمئن نہیں ہیں- وہ کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ یہ پیشین گوئیاں واقعات کے ظہور کے بعد بڑھا دی گئی ہوں- خصوصاً یسعیاہ کی پیشین گوئی جس میں صریح خورس (سائرس) کا نام موجود ہے- لیکن وہ اس اشتباہ کی تائید میں عقلی استغراب کے سوا اور کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے اور محض عقلی استغراب ان صحائف کے خلاف حجت نہیں ہوسکتا جن کی نسبت یقین کیا گیا ہے کہ الہام سے لکھے گئے تھے- علاوہ بریں تورات کے آخری صحائف جو فتح بیت المقدس کے اثنا میں یا اسیری بابل کے زمانے میں لکھے گئے ہیں

تاریخی حیثیت سے محفوظ تسلیم کر لیے گئے ہیں- کیونکہ وہ اس وقت سے برابر یہودیوں میں متداول رہے اور کوئی حادثہ ایسا رونما نہیں ہوا کہ ان کے نسخے نابود ہو گئے ہوں- ممکن ہے کہ یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں بھی دانیال نبی کے خواب کی طرح خورس کا نام نہ بتلایا گیا ہو- صرف قوم و ملک کا ذکر ہو اور بعد کو یہ نام بڑھا دیا گیا ہو لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد برابر یہی رہا کہ سائرس کا ظہور نبیوں کی پیشین گوئی کے مطابق ہوا تھا اور وہ خدا کی ایک پسندیدہ ہستی تھی جو اسی لیے پیدا کی گئی تھی کہ مظلوموں کی دادرسی ہو اور بابلیوں کے ظلم و شرارت سے قوموں کو نجات ملے-

قرآن کی تصریحات اور سائرس:

(١٩) اب غور کرو- قرآن کی تصریحات نے جو جامہ تیار کیا ہے وہ کس طرح ٹھیک ٹھیک صرف سائرس ہی کے جسم پر راست آتا ہے؟ ہم نے اس مبحث کے آغاز میں تصریحات قرآنی کا خلاصہ دے دیا ہے جو سات دفعات پر مشتمل ہیں- ان پر پھر ایک نظر ڈال لو-

(١-) سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ ذوالقرنین کی نسبت سوال بالاتفاق یہودیوں کی جانب سے ہوا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر یہودی بادشاہ کی شخصیت یہودیوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جا سکتی تھی تو وہ صرف سائرس ہی کی تھی- نبیوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق، دانیال نبی کے خواب کا ظہور، رحمت الٰہی کی واپسی کی بشارت، بنی اسرائیل کا نجات دہندہ، خدا کا فرستادہ چرواہا اور مسیح، یروشلم کی تعمیر ثانی کا وسیلہ! پس اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسی کی نسبت ان کا سوال ہو؟

سدی کی ایک روایت میں بھی جو قرطبی وغیرہ نے نقل کی ہے اس طرف صریح اشارہ ملتا ہے: **قال 'قالت اليهود- اخبرنا عن نبي لم يذكره الله في التورات الا في مكان واحد- قال و من؟ قالوا ذو القرنين**- یعنی یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا- اس نبی کی نسبت ہمیں خبر دیجیے جس کا نام تورات میں صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے- آپ نے فرمایا' وہ کون؟ کہا ذوالقرنین- چونکہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا اشارہ صرف دانیال نبی کے خواب ہی میں آیا ہے اس لیے یہودیوں کا یہ بیان ٹھیک اسی طرف اشارہ تھا-

علاوہ بریں سائرس کے تمثال کے انکشاف نے قطعی طور پر یہ بات آشکارا کر دی ہے کہ اس کے سر پر دو سینگوں کا تاج رکھا گیا تھا اور یہ فارس اور مادہ کی مملکتوں کے اجتماع و اتحاد کی علامت تھی-

تفسیر ﴿ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ ﴾:

(٢) اس کے بعد قرآن کی تصریحات سامنے لاؤ- سب سے پہلا وصف جو اس کا بیان کیا ہے یہ ہے کہ ﴿ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴾ (٨٤) ہم نے اسے زمین میں قدرت دی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا- قرآن جب کبھی انسان کی کسی کامرانی و خوشحالی کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے جیسا کہ یہاں کہا ہے تو اس سے مقصود عموماً کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو عام حالات کے خلاف محض اس کے فضل و کرم سے ظہور میں آئی ہو- مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت فرمایا- ﴿ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ﴾ (١٢:٥٦) اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف کو حکومت دے دی- ''ہم نے دے دی'' کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہر طرح کے ناموافق حالات میں محض فضل الٰہی سے ایک غیر معمولی بات حاصل ہو گئی تھی- یہ بات نہ تھی کہ عام حالات کے مطابق ظہور میں آئی ہو- پس ضروری ہے کہ ذوالقرنین کو بھی حکمرانی کا مقام ایسے ہی حالات میں ملا ہو جو بالکل غیر معمولی قسم کے ہوں اور انہیں محض توفیق الٰہی کی کرشمہ سازی سمجھا جا سکے- کیونکہ اس کے تمکن فی الارض کو براہ راست خدا کی طرف

نسبت دی ہے-

لیکن اس اعتبار سے سائرس کی زندگی ٹھیک ٹھیک اس آیت کی تصویر ہے-اس کی ابتدائی زندگی ایسے حالات میں بسر ہوئی جنہیں حیرت انگیز حوادث نے ایک افسانہ کی شکل دے دی ہے-قبل اس کے کہ پیدا ہو خود اس کا نانا اس کی موت کا خواہشمند ہو گیا تھا-ایک وفادار آدمی اس کی زندگی بچاتا ہے اور وہ شاہی خاندان سے بالکل الگ ہو کر ایک گمنام گڈریے کی طرح پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا ہے- پھر اچانک نمایاں ہوتا ہے اور بغیر کسی جنگ و مقابلہ کے میڈیا کا تخت اس کے لیے خالی ہو جاتا ہے! یقیناً یہ صورت حال واقعات و حوادث کی عام رفتار نہیں ہے جو ہمیشہ پیش آتی ہو-نوادر ہستی کی ایک غیر معمولی عجائب آفرینی ہے اور صاف نظر آ رہا ہے کہ قدرت کا مخفی ہاتھ کسی خاص مقصد سے ایک خاص ہستی تیار کر رہا ہے اور زمانہ کی عام رفتار تھم گئی ہے تا کہ اس کی راہ صاف ہو جائے!

تین مہمیں:

(۳) اس کے بعد اس کی تین بڑی مہموں کا ذکر آتا ہے-ایک مغرب الشمس کی طرف یعنی پچھم کی طرف-ایک مطلع الشمس کی طرف یعنی پورب کی طرف[۱] تیسری ایک ایسے مقام تک جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی اور یاجوج اور ماجوج وہاں آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے-اب دیکھو یہ تمام تفصیلات کس طرح ٹھیک ٹھیک سائرس کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں؟

مغربی مہم:

اوپر پڑھ آئے ہو کہ سائرس نے ابھی فارس اور میڈیا کا تاج سر پر رکھا ہی تھا کہ ایشیائے کوچک کے بادشاہ کروئسس نے حملہ کر دیا-

ایشیائے کوچک کی یہ بادشاہت جو لیڈیا کے نام مشہور ہوئی پچھلی صدی کے اندر ابھری تھی- اس کا دارالحکومت سارڈیس (Sarrdis) تھا- سائرس کی تخت نشینی سے پہلے میڈیا اور لیڈیا میں کئی جنگیں ہو چکی تھیں- بالآخر کروئسس کے باپ نے سائرس کے نانا اسٹیاگس کے باپ سے صلح کر لی اور باہمی اتحاد کے استحکام کے لیے باہمی ازدواج کا رشتہ بھی قائم ہو گیا-لیکن کروئسس نے یہ تمام عہد و پیمان اور باہمی علائق بھلا دیے- وہ سائرس کی یہ کامرانی برداشت نہ کر سکا کہ فارس اور میڈیا کی مملکتیں متحد ہو کر ایک عظیم مملکت کی حیثیت اختیار کر رہی ہیں-اس نے پہلے بابل، مصر اور اسپارٹا کی مملکتوں کو اس کے خلاف ابھارا اور پھر اچانک حملہ کر کے سرحدی شہر پٹیریا (Pteria) پر قبضہ کر لیا-

اب سائرس مجبور ہو گیا کہ بلا توقف اس حملہ کا مقابلہ کرے- وہ میڈیا کے دارالحکومت ہگ متانہ[۲] سے (جو اب ہمدان کے نام سے پکارا جاتا ہے) نکلا اور اس تیزی کے ساتھ بڑھا کہ صرف دو جنگوں کے بعد جو پٹیریا اور سارڈیس کے قریب واقع ہوئی تھیں لیڈیا کی تمام مملکت پر قابض ہو گیا!

ہیروڈوٹس نے اس جنگ کی سرگزشت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اس کی بعض تفصیلات نہایت دلچسپ اور اہم ہیں لیکن یہ موقع اطناب کا نہیں- وہ کہتا ہے سائرس کی فتح مندی ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پٹیریا کے معرکہ کے بعد صرف چودہ دن کے اندر لیڈیا کا مستحکم

---

۱ یاد رہے کہ پچھم اور پورب کے لیے مغرب الشمس اور مطلع الشمس کی تعبیر تورات میں بھی جا بجا آئی ہے مثلاً زکریاہ نبی کی کتاب میں ہے "رب الافواج فرماتا ہے میں اپنے لوگوں کو سورج نکلنے کے ملک اور اس کے ڈوبنے کے ملک سے چھڑا لوں گا- (۸:۷)

۲ دارا کے کتبوں میں اس کا نام یہی آیا ہے مگر ہیروڈوٹس وغیرہ یونانی مورخوں نے اسے اک بتانا (Acbatana) لکھا ہے اور یہی نام یورپ میں مشہور ہو گیا تھا-

دارالحکومت مسخر ہو گیا اور کروئسس ایک جنگی قیدی کی حیثیت میں سائرس کے آگے سرنگوں کھڑا تھا![1]

وجدها تغرب في عين حمئة:

اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگین تھا - وہ برابر بڑھتا گیا - یہاں تک کہ مغربی ساحل تک پہنچ گیا - قدرتی طور پر اس کے قدم یہاں پہنچ کر اسی طرح رک گئے جس طرح بارہ سو سال بعد طارق کے قدم افریقہ کے شمالی ساحل پر رک جانے والے تھے - اس کے فتح مند قدموں کے لیے صحراؤں کی وسعتیں اور پہاڑوں کی بلندیاں روک نہ ہو سکیں - اس نے فارس سے لے کر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا لیکن سمندر کی موجوں پر چلنے کے لیے اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی - اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور سورج اس کی لہروں میں ڈوب رہا تھا!

یہ لشکر کشی جو اسے پیش آئی' صریح مغرب کی لشکر کشی تھی - کیونکہ وہ ایران سے مغرب کی طرف چلا اور خشکی کے مغربی کنارہ تک پہنچ گیا - یہ اس کے لیے مغرب الشمس کی آخری حد تھی -

ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل نقشہ میں نکالو - تم دیکھو گے کہ تمام ساحل اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ہو گئے ہیں اور سمرنا کے قریب اس طرح کے جزیرے نکل آئے ہیں جنہوں نے ساحل کو ایک جھیل یا حوض کی سی شکل دے دی ہے - لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا اور اس کا محل موجودہ سمرنا سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہ تھا - پس جب سائرس سارڈیس کی تسخیر کے بعد آگے بڑھا ہو گا تو یقیناً بحر ایجین کے اسی ساحلی مقام پر پہنچا ہو گا جو سمرنا کے قرب و جوار میں واقع ہے - یہاں اس نے دیکھا ہو گا کہ سمندر نے ایک جھیل کی سی شکل اختیار کر لی ہے، ساحل کے کیچڑ سے پانی گدلا ہو رہا ہے' اور شام کے وقت اسی میں سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے - اسی صورت حال کو قرآن نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ ﴿ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ ﴾ (۸۶) اسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج ایک گدلے حوض میں ڈوب رہا ہے!

یہ ظاہر ہے کہ سورج کسی مقام میں بھی ڈوبتا نہیں لیکن ہم سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں تو ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ ایک سنہری تھالی آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہی ہے -

مشرقی مہم:

دوسری لشکر کشی مشرق کی طرف تھی چنانچہ ہیروڈٹس اور ٹی سیاز[2] دونوں اس کی مشرقی لشکر کشی کا ذکر کرتے ہیں جو لیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے پیش آئی تھی اور دونوں نے تصریح کی ہے کہ "مشرق کے بعض وحشی اور صحرا نشین قبائل کی سرکشی اس کا باعث ہوئی تھی" یہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے اس اشارہ کی تصدیق ہے کہ ﴿ حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴾ (۹۰) جب وہ مشرق کی طرف پہنچا تو اسے ایسی قوم ملی جو سورج کے لیے کوئی آڑ نہیں رکھتی تھی - یعنی خانہ بدوش قبائل تھے -

---

۱ ہیروڈوٹس مترجمہ اے - ڈی - گاڈلی -

۲ ٹی سیاز (Ctesias) ایک یونانی تھا جو (Luebedition) godley ۴۱۴ قبل مسیح سے لے کر ۳۹۸ ق م تک شہنشاہان پارس کا درباری طبیب رہا اور اس زمانہ کے کچھ عرصہ بعد اس نے اپنی مشہور تاریخ لکھی - بعد کے یونانی مورخوں نے اس کے بعض بیانات شبہ کی نگاہ سے دیکھے ہیں اور اس لیے اسے استناد کا وہ درجہ حاصل نہ ہو سکا جو ہیروڈوٹس (التولد ۴۸۴ قبل مسیح) کی تاریخ کو حاصل ہوا ہے مگر موجودہ زمانے کے محققین تاریخ کا ایسا خیال نہیں ہے -

یہ خانہ بدوش قبائل کون تھے؟ ان مورخین کی صراحت کے مطابق بکٹر یا یعنی بلخ کے علاقہ کے قبائل تھے- نقشہ پر اگر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آ جائے گا کہ بکٹر یا ٹھیک ٹھیک ایران کے لیے مشرق اقصیٰ کا حکم رکھتا ہے کیونکہ اس کے آگے پہاڑ ہیں اور انہوں نے راہ روک دی ہے- اس کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ گیڈروسیا کے وحشی قبیلوں نے اس کی مشرقی سرحد میں بدامنی پھیلائی تھی اور ان کی گوشمالی کے لیے اسے نکلنا پڑا - گیڈروسیا سے مقصود وہی علاقہ ہے جو آج کل مکران کہلاتا ہے- اس سلسلہ میں ہندوستان کی طرف ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا- اس لیے قیاس کہتا ہے کہ مکران سے نیچے اس کے قدم نہیں اترے ہوں گے- اور اگر اترے ہوں گے تو دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھے ہوں گے- کیونکہ دارا کے زمانہ میں بھی اس کی جنوب مشرقی سرحد دریائے سندھ ہی تک معلوم ہوتی ہے-

شمالی مہم:

تیسری لشکر کشی اس نے ایسے علاقہ تک کی جہاں یاجوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے- یہ یقیناً اس کی شمالی مہم تھی جس میں وہ بحر خزر (کاسپین) کو داہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا (Caucasus) کے سلسلہ کوہ تک پہنچ گیا تھا اور وہاں اسے ایک درہ ملا تھا جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا- اسی راہ سے یاجوج ماجوج آ کر اس طرف کے علاقہ میں تاخت وتاراج کیا کرتے تھے اور یہیں اس نے سد تعمیر کی-

قرآن نے اس مہم کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ ﴿ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴾ (۹۳) یہاں تک کہ وہ دو (پہاڑی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا- ان کے اس طرف اسے ایک قوم ملی جو کوئی بات بھی سمجھ نہیں سکتی تھی- پس صاف معلوم ہوتا ہے "سدین" سے مقصود کاکیشیا کا پہاڑی درہ ہے- کیونکہ اس کے داہنی طرف بحر خزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روک رکھی ہے- بائیں جانب بحر اسود ہے جو شمال مغرب کے لیے قدرتی روک ہے- درمیانی علاقے میں اس کا سر بہ فلک سلسلہ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے- پس اگر شمالی قبائل کے حملوں کے لیے کوئی راہ باقی رہی تھی تو وہ صرف اس سلسلہ کوہ کا ایک عریض درہ یا وسطی وادی تھی اور یقیناً وہیں سے یاجوج ماجوج کو دوسری طرف پہنچنے کا موقع ملتا تھا- اس راہ کے بند ہو جانے کے بعد نہ صرف بحر خزر سے لے کر بحر اسود تک کا علاقہ محفوظ ہو گیا بلکہ سمندروں اور پہاڑوں کی ایک ایسی دیوار قائم ہو گئی جس نے تمام مغربی ایشیا کو اپنی پاسبانی میں لے لیا اور شمال کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا اب ایران، شام، عراق، عرب، ایشیائے کوچک، بلکہ مصر بھی شمال کی طرف سے بالکل محفوظ ہو گیا تھا-

نقشہ میں یہ مقام دیکھو، تمام مغربی ایشیا نیچے ہے اوپر شمال میں بحر خزر ہے اس سے بائیں جانب شمال مغرب میں بحر اسود ہے- درمیان میں بحر خزر کے مغربی ساحل سے بحر اسود کے مشرقی ساحل تک کا کیشیا کا سلسلہ کوہ چلا گیا ہے- ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلہ کوہ نے مل کر سیکڑوں میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کر دی ہے- اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا جہاں سے شمالی اقوام کے قدم اس روک کو پھلانگ سکتے تھے تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کے درمیان کی راہ تھی- ذوالقرنین نے اسے بھی بند کر دیا اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا یہ درمیانی پھاٹک پوری طرح مقفل ہو گیا!

شمالی قوم:

باقی رہا یہ سوال کہ وہاں جو قوم ذوالقرنین کو ملی تھی اور جو بالکل ناسمجھ تھی وہ کون سی قوم تھی؟ تو اس سلسلہ میں دو قومیں نمایاں ہوتی ہیں اور دونوں کا اس زمانہ میں وہاں قریب قریب آباد ہونا تاریخ کی روشنی میں آ چکا ہے- پہلی قوم وہ ہے جو بحر خزر کے مشرقی ساحل پر آباد تھی- اسے یونانی مورخوں نے "کاسپین" کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے نام سے بحر خزر کا نام بھی "کاسپین" پڑ گیا ہے- دوسری قوم وہ ہے جو اس مقام

سے آگے بڑھ کر عین کا کیشیا کے دامن میں آباد تھی- یونانیوں نے اسے ''کولچی'' یا ''کول شی'' کے نام سے پکارا ہے' اور دارا کے کتبہ اصطخر میں اس کا نام ''کوشیہ''[1] آیا ہے- انہی دو قوموں میں سے کسی نے یا دونوں قوموں نے ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی شکایت کی ہوگی' اور چونکہ یہ غیر متمدن قومیں تھیں' اس لیے ان کی نسبت فرمایا کہ ﴿ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴾

سائرس کے غیر معمولی فضائل:

(۴) اس کے بعد ذوالقرنین کا جو وصف سامنے آتا ہے وہ اس کی عدالت گستری اور خدمت انسانی کی فیاضانہ سرگرمی ہے اور یہ اوصاف سائرس کی تاریخی سیرت کی اس درجہ آشکارا حقیقتیں ہیں کہ مورخ کی نگاہ کسی دوسری طرف اٹھ ہی نہیں سکتی!

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مغرب میں جو قوم ملی تھی اس کی نسبت حکم الٰہی ہوا تھا: ﴿ يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴾ (٨٦) یعنی یہ قوم اب تیرے بس میں ہے- جس طرح چاہے تو ان کے ساتھ سلوک کر سکتا ہے- خواہ سزا دے' خواہ انہیں اپنا دوست بنا لے- یقیناً یہ لیڈیا کی یونانی قوم تھی- اس کے بادشاہ کروسس نے تمام عہد و پیمان اور باہمی رشتہ داریاں بھلا کر بلاوجہ سائرس پر حملہ کر دیا تھا اور صرف خود ہی حملہ آور نہیں ہوا تھا بلکہ وقت کی تمام طاقتور حکومتوں کو بھی اس کے خلاف ابھار کر اپنے ساتھ کر لیا تھا- اب جب تائید الٰہی نے اپنا کرشمہ دکھایا اور تمام لیڈیا مسخر ہو گیا تو حکم الٰہی ہوا- یہ لوگ بالکل تیرے رحم پر ہیں- تو جو چاہے ان کے ساتھ کر سکتا ہے- کیونکہ یہ اپنے ظلم و شرارت کی وجہ سے ہر طرح سزا کے مستحق ہیں- مطلب یہ تھا کہ تائید الٰہی نے تیرا ساتھ دیا- دشمنوں کو مسخر کر دیا- اب وہ بالکل تیرے اختیار میں ہیں لیکن تجھے بدلہ نہیں لینا چاہیے- وہی کرنا چاہیے' جو نیکی و فیاضی کا مقتضا ہے- چنانچہ ذوالقرنین نے ایسا ہی کیا: ﴿ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ٥ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰى وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ٥ ﴾ (٨٨) اس نے اعلان کیا کہ میں پچھلے جرم کی بنا پر کسی کو سزا نہیں دینا چاہتا- میری جانب سے عام بخشش کا اعلان ہے- البتہ آئندہ جو کوئی برائی کرے گا بلاشبہ اسے سزا دوں گا- پھر اسے مرنا ہے اور آخرت کا عذاب سخت جھیلنا ہے- اور جو لوگ میرے احکام مانیں گے اور نیک کردار ثابت ہوں گے تو ان کے لیے ویسا ہی بہتر اجر بھی ہوگا اور وہ میرے احکام بھی بہت آسان پائیں گے- میں بندگان خدا پر سختی کرنا نہیں چاہتا- یہ ہو بہو اس طرز عمل کی تعبیر ہے' جس کی تفصیل ہمیں یونانی تاریخوں کے صفحات میں ملتی ہے اور جسے زمانہ حال کے تمام محققین تاریخ نے ایک مسلمہ تاریخی حقیقت تسلیم کر لیا ہے-

تمام یونانی مورخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ سائرس نے فتح کے بعد باشندگان لیڈیا کے ساتھ جو سلوک کیا' وہ صرف منصفانہ ہی نہ تھا- وہ اس سے بھی زیادہ تھا- وہ فیاضانہ تھا- وہ اگر اپنے دشمنوں کے ساتھ سختی کرتا' تو یہ انصاف ہوتا کیونکہ زیادتی انہی کی تھی- لیکن وہ صرف منصف ہونے پر قانع نہیں ہوا- اس نے رحم و بخشش کا شیوہ اختیار کیا- ہیرو ڈوٹس لکھتا ہے کہ سائرس نے اپنی فوج کو حکم دے دیا تھا کہ دشمن کی فوج کے سوا اور کسی انسان پر ہتھیار نہ اٹھائیں اور دشمن کی فوج میں سے بھی جو کوئی نیزہ جھکا دے اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے- کروسس شاہ لیڈیا کی نسبت صریح حکم تھا کہ کسی حال میں بھی اسے گزند نہ پہنچائی جائے- اگر وہ مقابلہ کرے' جب بھی اس پر تلوار نہیں اٹھانی چاہیے- اس حکم کی فوج نے اس دیانت داری کے ساتھ تعمیل کی کہ باشندوں کو جنگ کی مصیبت ذرا بھی محسوس نہ ہوئی- یہ گویا محض فرماں روا خاندان کا ایک شخصی انقلاب تھا کہ کروسس کی جگہ سائرس نے لے لی- اس سے زیادہ کوئی انقلاب ملک و قوم کو محسوس ہی نہیں ہوا!

---

[1] دارا یوش اول کا یہ کتبہ تاریخ کا ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہے- اس میں اس نے اپنے تمام مفتوحہ ممالک اور زیر حکومت صوبوں کے نام گنا دیے ہیں جو تعداد میں ۲۸ ہیں- ان میں سے اکثر ناموں کا جغرافیائی محل روشنی میں آ چکا ہے- صرف ایک دو ناموں کی حقیقت اب تک محل غور و بحث ہے-

کروئسس کا واقعہ اور یونانی روایات:

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سائرس کی فتح یونانی دیوتاؤں کی شکست تھی' کیونکہ وہ اس مصیبت سے اپنے پرستار کروئسس کو نہ بچا سکی' حالانکہ حملہ سے پہلے اس نے مندروں کے ہاتف[1] سے استصواب کر لیا تھا' اور ڈلفی کے ہاتف نے فتح و کامرانی کی بشارت دی تھی- پس قدرتی طور پر واقعات کی یہ رفتار یونانیوں کے لیے خوشگوار نہ ہوسکی اور اس امر کی کوشش شروع ہوگئی کہ اس شکست میں بھی اخلاقی اور مذہبی فتح مندی کی شان پیدا کر دی جائے- چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کروئسس کا معاملہ اچانک ایک پراسرار افسانہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یونانی دیوتا اپنے سارے معجزوں کے ساتھ نمایاں ہو جاتے ہیں- ہیروڈوٹس لیڈیا کے باشندوں کی یہ روایت نقل کرتا ہے کہ ڈلفی کے ہاتف کا جواب غلط نہ تھا مگر کروئسس نے جنگ کے جوش وطلب میں اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھا- ہاتف نے کہا تھا ''اگر اس نے پارسیوں پر حملہ کیا تو وہ ایک بڑی مملکت تباہ کر دے گا'' یعنی خود اپنی مملکت تباہ کر دے گا' مگر اس نے خیال کیا بڑی مملکت سے مقصود پارسیوں کی مملکت ہے- نیز وہ کہتا ہے- پہلے سائرس نے حکم دیا تھا کہ لکڑیوں کی چتا تیار کی جائے اور اس پر کروئسس کو بٹھا کر آگ لگا دی جائے- چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آگ لگا دی گئی لیکن پھر جب کروئسس کی بعض باتیں سنیں تو بے حد متاثر ہوا اور آگ بجھانے کا حکم دیا- لیکن اب آگ پوری طرح مشتعل ہوگئی تھی- ممکن نہ تھا کہ اسے بجھا دیا جائے- یہ حال دیکھ کر کروئسس نے اپالو دیوتا کو پکارا اور باوجودیکہ آسمان بالکل صاف تھا اچانک بارش شروع ہوگئی اور اس طرح اس معجزے نے بروقت ظاہر ہو کر اس کی جان بچالی!

لیکن خود ہیروڈوٹس اور زینوفن کی تصریحات سے جو حقیقت معلوم ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ سائرس یا تو کروئسس کے عزم وصبر کا امتحان لینا چاہتا تھا یا یہ بات آشکارا کر دینی چاہتا تھا کہ یونانیوں کے خود ساختہ دیوتا اپنے عبادت گزاروں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے اور جن دیوتاؤں کی مزعومہ بشارت پر اعتماد کر کے جنگ کی گئی تھی ان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ اپنے پرستار کو زندہ جلنے کے عذاب سے بچا لیں- یعنی مقصود یہ تھا کہ پہلے اسے چتا پر بٹھایا جائے' آگ بھی لگا دی جائے لیکن جب وہ خود اور تمام لوگ دیکھ لیں کہ دیوتاؤں کا کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا' تو پھر اسے بخش دے اور عزت واحترام کے ساتھ اپنے ہمراہ لے جائے- دوسری علت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے کیونکہ خود ہیروڈوٹس کی روایت میں اس کی جھلک موجود ہے' اور یونانی افسانہ میں اپالو کے معجزہ کی نمود بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے- صاف معلوم ہوتا ہے کہ سائرس نے اپنے عمل سے جو حقیقت آشکارا کر دی تھی یونانی افسانہ نے اسی کا توڑ کرنے کے لیے اپالو کا معجزہ گھڑ لیا-

سائرس کے احکام وقوانین:

قرآن نے ذوالقرنین کا یہ اعلان نقل کیا ہے کہ آئندہ جو ظلم کرے گا' سزا پائے گا' جو حکم مانے گا اور نیک عمل ہوگا اسے انعام ملے گا- بعینہ زینوفن کی بھی ایسی ہی روایت ہے- قرآن میں ہے کہ ﴿ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴾ اگر لوگوں نے نیک عملی اختیار کی' تو دیکھ لیں گے میرے احکام وقوانین میں ان کے لیے سختی نہ ہوگی- تمام مورخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ اس کے احکام وقوانین ایسے ہی تھے- وہ مفتوحہ ممالک کے باشندوں کے لیے سرتاسر شفقت ورحمت تھا- اس نے ان تمام بوجھل ٹیکسوں اور خراجوں سے رعایا کو نجات دے دی جو اس عہد کے تمام حکمراں وصول کیا کرتے تھے، اس نے جس قدر احکام وفرامین نافذ کیے وہ زیادہ سے زیادہ نرم زیادہ سے زیادہ ہلکے تھے!

---

[1] ہم نے Oracle کے لیے ہاتف کا لفظ استعمال کیا ہے- یہ اگرچہ اس کے لیے مرادف لفظ نہیں ہے' لیکن اصطلاح کا مطلب بہتر طریقہ پر واضح کرتا ہے- یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ مندروں میں ہاتف غیبی کی صدائیں سنی جاتی ہیں اور خاص پجاریوں پر دیوتاؤں کا الہام ہوتا ہے- اس غرض سے خاص خاص مندروں کی شہرت تھی- لوگ چڑھاوے چڑھا کر اپنے سوالات پیش کرتے اور مجاور دیوتاؤں کی طرف سے جوابات سنا دیتے-

(۵) یہ تو اس کی مغربی فتح مندی کی سرگزشت تھی- اب دیکھنا چاہیے کہ اس کے اعمال کی عام رفتار کیسی رہی؟ اور قرآن کا بیان کردہ وصف کہاں تک اس پر راست آتا ہے؟

مؤرخین کی عام شہادت:

لیکن قبل اس کے کہ ہم یونانی مورخوں کی شہادتوں پر متوجہ ہوں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ یونانی مورخ سائرس کے ہم قوم نہیں تھے- ہم وطن نہیں تھے- ہم مذہب نہیں تھے- اتنا ہی نہیں بلکہ دوست بھی نہیں تھے- سائرس نے لیڈیا کو شکست دی تھی اور لیڈیا کی شکست یونانی قومیت' یونانی تہذیب اور سب سے زیادہ یہ کہ یونانی مذہب کی شکست تھی- پھر سائرس کے جانشینوں نے براہ راست یونانیوں کو زیر کیا تھا اور ہمیشہ کے لیے دونوں قومیں ایک دوسرے کی حریف ہو گئی تھیں- ایسی حالت میں قدرتی طور پر یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ یونانی دماغ اپنے حریف کی مدحت سرائی کا شائق ہوگا- تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر مورخ اس کی غیر معمولی عظمتوں اور ملکوتی صفتوں کی مدحت سرائی میں رطب اللسان ہے' اور اس لیے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کے محاسن نے ایک ایسے عالمگیر اعتراف و تاثر کی نوعیت اختیار کر لی تھی کہ دوست و دشمن کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہا تھا- سب کے دلوں میں ان کا اعتقاد پیدا ہو گیا تھا' سب کی زبانوں پر ان کی مدحت سرائی تھی اور محاسن وہی ہیں جن کی حریفوں کو بھی شہادت دینی پڑے:

ومليحة ، شهدت بها ضراتها والفضل ما شهدت به الاعداء!

زینوفن لکھتا ہے "سائرس ایک نہایت دانشمند' سنجیدہ اور ساتھ ہی رحم دل فرمانروا تھا- اس کی شخصیت ہر طرح کے شاہی اوصاف اور حکیمانہ فضائل کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ تھی- یہ بات عام طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ اس کی شوکت وحشمت سے کہیں زیادہ اس کی عالی حوصلگی اور سیر چشمی تھی اور اس کی فیاضی اور رحم دلی اپنی کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی- انسان کی خدمت اور ہمدردی اس کی شاہانہ طبیعت کا سب سے بڑا جوہر تھا- وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ مصیبت زدہ انسانوں کی خبر گیری کرے' مظلوموں کو ظلم سے نجات دلائے' درماندہ انسانوں کا ہاتھ پکڑے' غم زدوں کے دکھ درد میں شریک ہو- پھر ان تمام عالی صفتوں کے ساتھ عاجزی و خاکساری اس کے حسن و کمال کا سب سے بڑا زیور تھی- اس نے ایک ایسے تخت پر بیٹھ کر جس کے آگے تمام قوموں کے سر جھک گئے تھے اور ایک ایسے خزانہ کا مالک ہو کر جس میں تمام دنیا کی دولت سمٹ آئی تھی کبھی گوارا نہیں کیا کہ فخر و غرور کو اپنے دماغ میں جگہ دے"

ہیرو ڈوٹس لکھتا ہے "وہ ایک نہایت ہی مخیّر بادشاہ تھا- اسے دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح دولت جمع کرنے کی حرص نہیں تھی بلکہ جود و سخاوت کا جوش تھا- وہ کہتا تھا' سب سے بڑی دولت یہ ہے کہ نوع انسانی کی بھلائی کا موقع ملے اور مظلوموں کی دادرسی ہو!"

ٹی سیاز لکھتا ہے "اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دولت بادشاہوں کے ذاتی عیش و آرام کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کی جائے اور ماتحتوں کو اس سے فیض پہنچے- چنانچہ اس کی اسی فیض رسانی نے اس کی تمام رعایا کے دل اس کے ہاتھوں میں دے دیے تھے- وہ اس کے لیے خوشی خوشی اپنی گردنیں کٹوا دیتے-"

سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود:

سب سے زیادہ نمایاں بات جو ان تمام مورخوں کے صفحات پر ملتی ہے وہ سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود ہے- سب کہتے ہیں کہ وہ جس عہد میں پیدا ہوا اس کی مخلوق نہیں تھا- ایک بالاتر شخصیت تھی جسے قدرت نے اپنا کرشمہ دکھانے کے لیے نمودار کر دیا تھا- دنیا کے کسی حکیم نے اس کی تربیت نہیں کی- وقت کے متمدن ملکوں میں سے کسی ملک میں اس کی پرورش نہیں ہوئی- وہ محض قدرت کا پروردہ تھا اور قدرت ہی

کے ہاتھوں نے اسے اٹھایا تھا- اس کی تمام ابتدائی زندگی صحراؤں کی گود اور پہاڑوں کی آغوش میں بسر ہوئی - وہ فارس کے مشرقی پہاڑوں کا چرواہا تھا- تاہم یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہی چرواہا جب دنیا کے سامنے آیا تو حکمرانی کا سب سے بڑا جلوہ' دانش کا سب سے بڑا پیکر' فضیلت کا سب سے بڑا نمونہ ان کے سامنے تھا!

سائرس اور سکندر:

سکندر اعظم کو ارسطو کی تعلیم و تربیت نے تیار کیا تھا اور بلاشبہ وہ بہت بڑا فاتح نکلا لیکن کیا انسانیت و اخلاق کا بھی کوئی گوشہ فتح کر سکا؟ سائرس کے لیے ہمیں کوئی ارسطو نہیں ملتا- اس نے انسانی حکمت کی درسگاہ کی جگہ قدرت کی درسگاہ میں پرورش پائی تھی تاہم اس نے سکندر کی طرح صرف ملکوں ہی کو نہیں بلکہ انسانیت و فضائل کی مملکتوں کو بھی مسخر کر لیا تھا!

سکندر کی تمام فتوحات کی عمر اس سے زیادہ نہ تھی جتنی خود اس کی عمر تھی لیکن سائرس کی فتوحات نے جو اینٹیں چن دی تھیں وہ دو سو برس تک نہ ہل سکیں- سکندر کے دم توڑتے ہی اس کی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لیکن سائرس نے جب دنیا چھوڑی تو اس کی مملکت روز بروز وسیع و مستحکم ہونے والی تھی- اس کی فتوحات میں صرف مصر کا خانہ خالی رہ گیا تھا- اس کے فرزند کیقباد نے اسے بھی بھر دیا اور پھر چند برسوں کے بعد دنیا کی وہ عالمگیر سلطنت ظہور میں آ گئی جو ایشیا' افریقہ اور یورپ کے اٹھائیس ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی اور اس پر سائرس کا جانشین دارا یوش تن تنہا حکمران تھا!

سکندر کی فتوحات صرف جسم کی فتوحات تھیں جنہیں قہر و طاقت نے سر کیا تھا لیکن سائرس کی فتوحات روح و دل کی فتوحات تھیں جنہیں انسانیت و فضیلت نے سر کیا تھا- پہلی سر اٹھاتی ہے لیکن ٹک نہیں سکتی- دوسری ٹک جاتی ہے اور پھر ٹلتی نہیں!

سائرس فتح بابل کے بعد دس برس تک زندہ رہا- اب اس کی حکومت عرب سے لے کر بحر اسود تک اور ایشیائے کوچک سے بلخ تک پھیلی ہوئی تھی' اور ایشیا کی تمام قومیں اس کے ماتحت آ چکی تھیں لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس تمام عرصہ میں بغاوت اور سرکشی کا ایک حادثہ بھی نہیں ہوا کیونکہ زینوفن کے لفظوں میں ''وہ صرف بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ انسانوں کا شفیق مربی اور قوموں کا رحیم باپ تھا'' اور رعایا سخت گیر حکمرانوں سے بغاوت کر سکتی ہے لیکن اولاد اپنے شفیق باپ سے باغی نہیں ہو سکتی- موجودہ زمانے کے تمام مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ایک حیرت انگیز خصوصیت تھی' یہ ایسی خصوصیت تھی جو آگے چل کر رومن امپائر کو بھی نصیب نہ ہوئی-

سب متفقہ شہادت دیتے ہیں کہ اس عہد کے بادشاہوں کی سخت گیری' قساوت قلبی اور ہیبت انگیز طریق تعذیب کی چھوٹی سے چھوٹی مثال بھی سائرس کے عہد میں نہیں ملتی-

زمانہ حال کے محققین کی شہادت:

یاد رہے کہ یہ محض قدیم یونانی مورخوں کی روایات ہی نہیں ہیں بلکہ موجودہ زمانے کے تمام محققین تاریخ کی تاریخی مسلمات ہیں- بالاتفاق یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ سائرس تاریخ قدیم کی سب سے بڑی شخصیت ہے جس میں بیک وقت فتوحات کی وسعت' فرمانروائی کی عظمت' اور اخلاق و انسانیت کی فضیلت جمع ہو گئی تھی اور وہ جس عہد میں ظاہر ہوا اس عہد میں اس کی شخصیت ہر اعتبار سے انسانیت کا ایک پیام اور قوموں کی نجات تھی!

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جی- بی گرنڈی (G.B Grundy) جو موجودہ زمانہ میں تاریخ قدیم کے ایک مستند ماہر ہیں اور جن کی کتاب ''گریٹ پرشین وار'' نہایت مقبول ہو چکی ہے لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت بالکل آشکارا ہے کہ سائرس کی شخصیت اپنے عہد کی ایک غیر معمولی شخصیت تھی- اس نے اپنی تمام معاصر قوموں کے دلوں پر اپنا حیرت انگیز تاثر نقش کر دیا- اس کی ابتدائی نشو ونما بالائی فارس کے غیر آباد اور دور دراز گوشوں میں ہوئی جس کی سرگزشت نے ایک افسانہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے- اس کی ابتدائی تربیت کی روایتیں اس سے ڈیڑھ سو برس بعد زینوفن نے مدون کیں جو سقراط کا شاگرد تھا اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام روایتوں میں اس کے فضائل انسانیت کا جوہر عام طور پر نمایاں ہے- خواہ ہم ان روایتوں کو اہمیت دیں یا نہ دیں تاہم یہ حقیقت ہر حال میں غیر متزلزل رہتی ہے کہ اس کی تدبیر و سیاست کا دامن اس کی انسانیت وفضیلت کے جوہر سے بندھا ہوا تھا اور جب یہ خصوصیت آشوری اور بابلی شہنشاہوں کی بدعملیوں کے مقابلہ میں لائی جاتی ہے' تو اس کی شریفانہ نمود اور زیادہ درخشندہ ہو جاتی ہے-''

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

''یہ فی الحقیقت ایک حیرت انگیز کامیابی تھی- بارہ برس پہلے وہ ایک چھوٹی سی ریاست انشان کا ایک گمنام رئیس تھا اور اب ایشیا کی وہ تمام مملکتیں اس کے زیر فرمان تھیں جہاں پچھلی قوموں کی بڑی بڑی عظمتیں ظہور میں آچکی تھیں- ان تمام بادشاہتوں میں جنہوں نے زمین کے مالک ہونے کے دعوے کیے' ایک بادشاہت بھی ایسی نہ تھی جو اب اپنی ہستی کا کوئی موثر ظہور رکھتی ہو- آکادی مملکت کے نیم اصنامی سارگون سے لے کر نبوکدرزار (بخت نصر) تک سب کی مملکتیں اس کے آگے سربسجود ہو گئی تھیں- وہ صرف ایک بڑا فاتح ہی نہیں تھا- وہ ایک بڑا حکمراں تھا- قوموں نے یہ نیا دور صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کا استقبال کیا- ان دس برسوں میں جو فتح بابل کے بعد گزرے اس کی تمام وسیع مملکت میں ایک بغاوت کا واقعہ بھی نظر نہیں آتا- بلاشبہ اس کی رعایا پر اس کی طاقت کا رعب چھایا ہوا تھا لیکن وہ کوئی وجہ نہیں رکھتی تھی کہ اس کی سخت گیری سے ہراساں ہو- اس کی حکومت قتل وسلب کی سزاؤں سے بالکل ناآشنا رہی- اب تازیانوں سے مجرموں کو نہیں پیٹا جاتا تھا' اب قتل عام کے احکام صادر نہیں ہوتے تھے' اب قوموں اور قبیلوں کو جلاوطن نہیں کیا جاتا تھا- برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے آشوری اور بابلی بادشاہوں کے تمام مظالم کے اثرات یک قلم محو کر دیے- جلاوطن قومیں اپنے وطنوں میں لوٹائی گئیں' ان کے معبد اور معبود انہیں واپس دے دیے گئے' قدیم رسموں اور عبادتوں کے خلاف کوئی جبر و تشدد باقی نہیں رہا' ہر قوم کے ساتھ پوری طرح دادرسی کی گئی' ہر مذہب کے پیروؤں کو پوری مذہبی آزادی دی گئی' دنیا کی گزشتہ عالمگیر دہشت ناکی کی جگہ ایک عالمگیر رواداری اور عفو و بخشش کا مبارک دور شروع ہو گیا!''[1]

غور کرو' قرآن نے چند لفظوں کے اندر جو اشارات کر دیے ہیں' آج تاریخ کا داستان سرا کس طرح اس کے ایک ایک حرف کی شرح و تفصیل سنا رہا ہے!

صحائف تورات کی تصریحات:

(٦) اب چند لمحوں کے لیے ان تصریحات پر غور کرو جو تورات کے صحائف میں مندرج ہیں- کس طرح وہ سائرس کی شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت واضح کر رہے ہیں اور کس طرح قرآن کے اشارات بھی ٹھیک ٹھیک ان کی تصدیق ہیں؟ یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے کہ ''خداوند کہتا ہے خورس میرا چرواہا ہے'' اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ ''وہ میرا مسیح ہے'' اور یرمیاہ نبی کا بیان اوپر گزر چکا ہے کہ وہ بابلیوں کے ظلم سے

---

[1] پروفیسر موصوف کے اس مقالہ کے لیے یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ کی دوسری جلد (صفحہ ١٠٨٥) کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو جے- اے- ہمرٹن (J.A.Hammerton) نے مرتب کی ہے اور حال میں شائع ہوئی ہے-

نجات دلائے گا- اب دیکھو اس کی شخصیت ٹھیک ٹھیک ایک موعود اور منتظر نجات دہندہ کی شخصیت تھی یا نہ تھی؟

موعود و منتظر ہستی:

جب ہم اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور پھر سائرس کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں' تو بہ اول نظر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ اس کا ظہور ٹھیک ٹھیک ایک ایسی شخصیت کا ظہور تھا جس کے لیے وقت کی تمام قومیں چشم براہ ہوں- قوموں کا انتظار ان کی زبانوں پر نہیں ہوتا- ان کے حالات کے قدرتی تقاضے میں ہوتا ہے- غور کرو اس عہد کی رفتار زمانہ کا قدرتی تقاضا کیا تھا؟ یہ تاریخ کے صبح تمدن کی وہ نمود تھی جس کی روشنی میں ہم انسانی حکمرانی کی ساری تاریکیاں پھیلی ہوئی دیکھتے ہیں- صاف دکھائی دیتا ہے کہ اس وقت تک انسانی فرمانروائی کی عظمت صرف قہر و غضب ہی کی نقاب میں رونما ہوئی تھی اور سب سے بڑا حکمراں وہی سمجھا جاتا تھا جو سب سے زیادہ انسانوں کے لیے خوفناک ہو- آشور بنی پال نینوا کا سب سے بڑا بادشاہ تھا اس لیے کہ وہ شہروں کے جلانے اور آبادیوں کے ویران کرنے میں سب سے زیادہ بے باک تھا- بابل کی نشاۃ ثانیہ میں نبوکدرزار سب سے بڑا فاتح تھا- اس لیے کہ قوموں کی ہلاکت اور مملکتوں کی ویرانی میں سب سے زیادہ قہرمان تھا- مصریوں' آکادیوں' ایلامیوں' آشوریوں اور بابلیوں سب میں انسانی حکومت و عظمت کے مظاہر خوفناکی اور دہشت انگیزی کے مظاہر تھے اور ان کی شخصیتوں نے دیوتائی الوہیت کی تقدیس سے مل کر انسانوں کے قتل و تعذیب کا ہولناک استحقاق حاصل کر لیا تھا- سائرس کے ظہور سے پچاس برس پہلے نبوکدرزار کی شہنشاہی کا ظہور ہوا اور ہمیں معلوم ہے کہ اس نے بیت المقدس پر پیہم تین حملے کر کے نہ صرف دنیا کا سب سے بڑا زرخیز علاقہ تاراج و ویران کر دیا' بلکہ فلسطین کی پوری آبادی کو اس طرح ہنکا کر بابل لے گیا کہ جوزیفس کے لفظوں میں "کوئی سخت سے سخت بے رحم قسائی بھی اس وحشت و خونخواری کے ساتھ بھیڑوں کو مذبح میں نہیں لے جاتا!" پھر کیا ان حالات کا قدرتی تقاضا یہ نہ تھا کہ دنیا ایک نئی شخصیت کے لیے چشم براہ ہو؟ قومیں ایک نجات دہندہ کی راہ تک رہی ہوں؟ ایک ایسے نجات دہندہ کی جو انسانوں کے گلہ کے لیے خدا کا بھیجا ہوا "چرواہا" ہو' جو ان کی بیڑیاں کاٹے اور ان کے سروں کا بوجھ ہلکا کر دے، جو دنیا کو اس ربانی صداقت کا سبق دے دے کہ انسانی حکمرانی نوع انسانی کی خدمت کے لیے ہونی چاہیے- دہشت انگیزی اور خوفناکی کے لیے نہیں؟

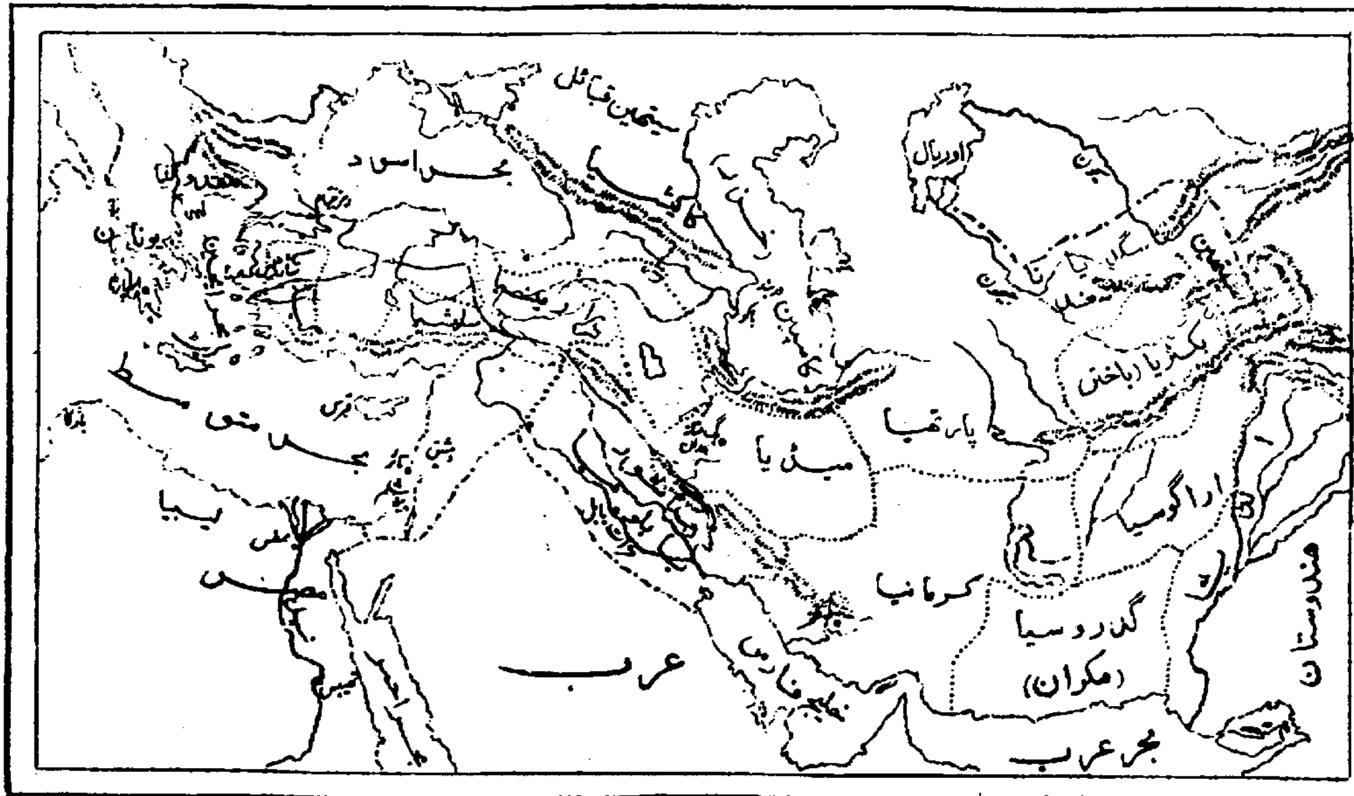
خدا کا بھیجا ہوا چرواہا:

دنیا بادشاہوں کے ہاتھوں سے تنگ آ چکی تھی- اب وہ ایک "چرواہے" کے لیے مضطرب تھی اور یسعیاہ نبی کے لفظوں میں خدا کا وہ فرستادہ چرواہا نمودار ہو گیا!

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ زینوفن کے لفظوں میں "قوموں نے اسے قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کے استقبال کے لیے بے اختیار لپکیں" کیونکہ وہ وقت کی جستجو کا قدرتی سراغ اور زمانہ کی طلب کا قدرتی جواب تھا اور اگر رات کی تاریکی کے بعد صبح کی روشنی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے تو ممکن نہ تھا کہ انسانی شقاوت کی اس طولانی تاریکی کے بعد صبح سعادت کی اس جہاں تابی کا استقبال نہ کیا جاتا!

غور کرو- یسعیاہ نبی کا یہ جملہ صورت حال کی کیسی ہو بہو تصویر ہے کہ "وہ میرا چرواہا ہوگا- وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا- میں اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کے قوموں کو اس کے قابو میں دے دوں گا اور بادشاہوں کی کمریں اس کے آگے کھلوا ڈالوں گا- میں اس کے آگے چلوں گا- میں ٹیڑھے راستے اس کے لیے سیدھے کر دوں گا" (۴۴: ۲۸) سارے مؤرخ گواہی دے رہے ہیں کہ وہ ایک چرواہے کی طرح آیا اور اس نے بندگان خدا کی رکھوالی کی- سب کہہ رہے ہیں کہ اس نے جس ملک کا رخ کیا اس کی شقاوت ختم ہو گئی' وہ جس قوم کی طرف بڑھا' اس کی بیڑیاں کٹ گئیں' اس نے جس گروہ کے سر پر ہاتھ رکھا' اس کے سارے بوجھ ہلکے ہو گئے- وہ صرف بنی اسرائیل ہی کا نہیں بلکہ تمام قوموں کا

ذوالقرنین کی مغربی، مشرقی، اور شمالی فتوحات



اس نقشہ میں فارسی شہنشاہی کا وہ رقبہ دکھایا گیا ہے جو سائرس کی فتوحات سے پندرہ برس بعد دارا کے زمانہ میں قائم ہو گیا تھا۔ اس میں صرف مصر اور یونان کی ماوراء البحر آبادیاں سائرس کے بعد فتح ہوئی ہیں۔ باقی ممالک خود اس نے فتح کیے تھے۔ اس کا دارالحکومت میڈیا کا ایک مستقر تھا۔ یعنے ہمدان۔ یہاں سے نکل کر شمال مغرب رویہ سلیشیا پہنچا اور پھر مغرب رویہ سارڈیس تک پہنچ گیا جو لیڈیا کا دارالحکومت تھا۔ پھر مشرق کی طرف نکلا اور بکٹریا (باختر) تک پہنچ گیا۔ آخری مہم شمال کی تھی جس میں وہ کاکیشیا کے علاقہ تک پہنچ گیا۔ یہیں یاجوج و ماجوج کی سد بنائی۔ (یہ نقشہ یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ جلد دوم سے نقل کیا گیا ہے) لہ دارا کے کتبہ اصطخر میں ایک علاقہ کا نام ہندو آیا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے مقصود دریائے سندھ کا علاقہ ہے۔

نجات دہندہ تھا!

خدا کا مسیح:

یاد رہے کہ یسعیاہ نبی کی اسی پیشین گوئی میں اسے ''خدا کا مسیح'' بھی کہا ہے اور تورات کی اصطلاح میں ''مسیح'' وہ ہوتا ہے جسے خدا اپنی برکتوں کے ظہور کے لیے برگزیدہ کرلے اور خدا کے براہ راست ممسوح ہونے کی وجہ سے مقدس ہو۔ چنانچہ حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَامُ کی نسبت بھی آیا ہے کہ ''مسیح'' تھے سائرس کی نسبت بھی یہی کہا ہے اور اسی طرح بنی اسرائیل کی نجات کے لیے ایک آخری مسیح کی بھی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

سائرس کو مسیح کہنا، اس میں شک نہیں کہ اس کے تقدس اور الٰہی برگزیدگی کی سب سے زیادہ واضح اور قطعی اسرائیلی شہادت ہے۔

(۷) اس سلسلہ میں آخری وصف جو ذوالقرنین کا سامنے آتا ہے وہ اس کا ایمان باللہ ہے۔ قرآن کی آیتیں اس بارے میں ظاہر و قطعی ہیں کہ وہ ایک خدا پرست انسان تھا' آخرت پر یقین رکھتا تھا' احکام الٰہی کے مطابق عمل کرتا تھا اور اپنی تمام کامرانیوں کو اللہ کا فضل و کرم سمجھتا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سائرس کا بھی ایسا ہی اعتقاد و عمل تھا؟

لیکن تمام پچھلی تفصیلات پڑھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ نہیں تھا؟

یہودیوں کے صحائف کی واضح شہادت موجود ہے کہ خدا نے اسے اپنا فرستادہ اور ''مسیح'' کہا' اور وہ نبیوں کا موعود و منتظر تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی ہستی خدا کی نافرمان ہستی نہیں ہو سکتی۔ جس کا ''داہنا ہاتھ خدا نے پکڑا ہو'' اور جس کی ''ٹیڑھی راہیں وہ درست کرتا جائے'' یقیناً وہ خدا کا ناپسندیدہ بندہ نہیں ہو سکتا۔ خدا صرف انہی کا ہاتھ پکڑتا ہے جو برگزیدہ اور مقدس ہوتے ہیں اور صرف انہی کو اپنا فرستادہ کہتا ہے جو اس کے چنے ہوئے اور اس کی ٹھہرائی ہوئی راہوں پر چلنے والے ہوتے ہیں۔

اسرائیلی نبیوں کی شہادت:

آج کل کے اصحاب نقد و نظر یسعیاہ نبی کی اس پیشین گوئی کو مشتبہ سمجھتے ہیں کیونکہ یہ سائرس سے ڈیڑھ سو برس پہلے کی گئی تھی۔ لیکن اگر اس سے قطع نظر کرلی جائے جب بھی صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ خود سائرس کے عہد میں جو اسرائیلی نبی موجود تھے ان کی شہادتیں موجود ہیں اور وہ صاف کہہ رہی ہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد یہی تھا۔ اور اسی حیثیت سے اس کا استقبال کیا تھا۔ حزقی ایل اور دانیال سائرس کے معاصر تھے۔ اور دانیال دارا کے عہد تک زندہ رہے۔ ان دونوں کی تصریحات سائرس کی نسبت موجود ہیں۔ پھر دارا کے زمانہ میں حجی اور زکریاہ کے صحیفے مرتب ہوئے اور زرکسیس (اردشیر یا ارتخششت) کے عہد میں عزرا اور نحمیاہ کا ظہور ہوا۔ ان سب کی شہادتیں بھی موجود ہیں، اور ان سب سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائرس بنی اسرائیل کی ایک موعود ہستی تھی اور خدا نے اسے برگزیدگی کے لیے چن لیا تھا۔

اگر یہودیوں کا عام اعتقاد یہ تھا تو کیا ایک لمحہ کے لیے یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک بت پرست انسان کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے کی جرأت کرتے؟ فرض کرو یہ تمام پیشین گوئیاں سائرس کے ظہور کے بعد بنائی گئیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں ہی نے بنائیں اور یہودیوں ہی میں پھیلیں حتیٰ کہ ان کی مقدس کتاب میں داخل ہوگئیں۔ پھر کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست انسان کے لیے ایسی پیشین گوئیاں بنائی جا سکتیں؟ کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست کو اسرائیلی وحی کا ممدوح اور اسرائیلی نبیوں کا موعود بنا دیا جاتا؟

یہودیوں کا اعتراف:

یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اجنبیوں اور غیر اسرائیلیوں کے خلاف یہودیوں کا تعصب بہت ہی سخت تھا۔ ان کے نسلی غرور پر اس سے زیادہ کوئی بات شاق نہیں گزرتی تھی کہ کسی غیر اسرائیلی انسان کی بزرگی کا اعتراف کریں۔ ظہور اسلام کے وقت بھی یہی عصبیت

انہیں اعتراف حق سے روکتی تھی کہ ﴿ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ﴾(۳:۷۳) تاہم وہ سائرس کی فضیلت کے آگے جھک گئے جو ان کے لیے ہر اعتبار سے اجنبی تھا اور نہ صرف اس کی بزرگی ہی کا اعتراف کیا بلکہ نبیوں کا موعود اور خدا کا برگزیدہ تسلیم کر لیا۔ یہ صورت حال اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ سائرس کی شخصیت ان کے لیے بڑی ہی محبوب شخصیت تھی اور اس کی فضیلتیں ایسی قطعی اور آشکارا تھیں کہ ان کے اعتراف میں نسلی عصبیت کا جذبہ بھی حائل نہ ہو سکا۔ ظاہر ہے کہ ایک بت پرست انسان کے لیے جو اجنبی بھی ہو یہودیوں میں ایسی محبوبیت نہیں پیدا ہو سکتی تھی۔ اگر ایک بت پرست بادشاہ نے انہیں نجات دلائی تھی تو وہ اس کی شاہانہ عظمتوں کی مداحی کرتے مگر خدا کا مسیح اور برگزیدہ کبھی نہ سمجھتے۔ ضروری ہے کہ اس کی فضیلتیں مذہبی ہوں۔ ضروری ہے کہ مذہبی حیثیت سے بھی عقائد کا توافق موجود ہو۔ یہ یہودیوں کی پوری تاریخ میں غیر اسرائیلی فضیلت کے اعتراف کا تنہا واقعہ ہے' اور ممکن نہیں کہ ایک ایسے انسان کے لیے ہو جسے وہ مذہبی حیثیت سے محترم نہ سمجھتے ہوں۔

سائرس کے دین کا تعین:

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سائرس کے دینی عقائد کے بارے میں ہماری معلومات کیا ہیں!

تاریخی حیثیت سے یہ قطعی ہے کہ سائرس زردشت کا پیرو تھا جسے یونانیوں نے زاروسترو کے نام سے پکارا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ غالباً اسی کی شخصیت ہے جو اس نئی دعوت کی تبلیغ و عروج کا ذریعہ ہوئی۔ اس نے فارس اور میڈیا میں نئی شہنشاہی کی بنیاد ہی نہیں رکھی تھی بلکہ قدیم مجوسی دین کی جگہ نئے زردشتی دین کی بھی تخم ریزی کی تھی۔ وہ ایران میں نئی شہنشاہی اور نئے دین دونوں کا بانی تھا۔

زردشت کے ظہور کا زمانہ:

زردشت کی ہستی کی طرح اس کے ظہور کا زمانہ اور محل بھی تاریخ کا ایک مختلف فیہ موضوع بن گیا ہے اور انیسویں صدی کا پورا زمانہ مختلف نظریوں اور قیاسوں کے ردوکد میں بسر ہو چکا ہے۔ بعضوں کو اس کی تاریخی ہستی ہی سے انکار رہا۔ بعضوں نے شاہنامہ کی روایت کو ترجیح دی اور گشتاسپ والا قصہ تسلیم کر لیا۔ بعضوں نے اس کا زمانہ ایک ہزار برس قبل مسیح قرار دیا۔ بعضوں نے یہ مدت دو ہزار برس قبل مسیح تک بڑھا دی۔ اسی طرح محل کے تعین میں بھی اختلاف ہوا۔ بعضوں نے باختر' بعضوں نے خراسان' بعضوں نے میڈیا اور شمالی ایران قرار دیا۔ لیکن اب بیسویں صدی کی ابتدا سے اکثر محققین تاریخ گلڈنر کی رائے پر متفق ہو گئے ہیں اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ زردشت کا زمانہ وہی تھا جو سائرس کا تھا۔ اور گشتاسپ[1] والی روایت اگر صحیح ہے تو اس سے مقصود وہی گشتاسپ ہے جو دارا کا باپ اور ایک صوبہ کا گورنر تھا۔ زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران یعنی آذربائجان میں ہوا جسے اوستا کے حصہ ''وینِدی داد'' میں ''ایریانہ ویجو'' سے تعبیر کیا ہے البتہ کامیابی باختر میں ہوئی جس کا گورنر گشتاسپ تھا۔[2]

اس تحقیق کے مطابق زردشت کا سال وفات تقریباً ۵۵۰ قبل مسیح سے لے کر ۵۸۳ قبل مسیح تک ہونا چاہیے اور سائرس کی تخت نشینی بالاتفاق ۵۵۰ ق۔م میں ہوئی۔ یعنی زردشت کی وفات کے بیس سال بعد یا عین اسی سال۔

سائرس دین زردشتی کا پہلا حکمراں تھا:

لیکن اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا تو کیا کوئی براہ راست تاریخی شہادت موجود ہے جس سے اس کا دین زردشتی قبول کرنا ثابت ہو؟

---

[1] گشتاسپ کو یونانیوں نے ہسٹاس پیز (Hystaspes) لکھا ہے۔

[2] اے۔ وی۔ ولیمس جیکسن پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی کی کتاب ''انشینٹ پرشیا اینڈ ہیز پرافٹ'' کا مطالعہ اس باب میں کفایت کرے گا۔

نہیں ہے لیکن اگر وہ تمام قرائن جمع کیے جائیں جو خود تاریخ کی روشنی نے مہیا کر دیے ہیں' تو یقیناً ایک بالواسطہ شہادت نمایاں ہو جاتی ہے اور اس میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ سائرس نہ صرف دین زردشتی پر عامل تھا بلکہ اس کا پہلا حکمراں داعی تھا اور اسی نے یہ ورثہ اپنے جانشینوں کے لیے چھوڑا جو دو سو برس تک بلا استثنا دین زردشتی پر عمل پیرا رہے-

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ روشنی جن واقعات سے پڑتی ہے وہ دو ہیں اور دونوں کی تاریخی نوعیت مسلم ہے- پہلا واقعہ ''گوماتہ'' کی بغاوت کا ہے جو سائرس کی وفات کے آٹھ برس بعد ظہور میں آئی- دوسرا دارا کے کتبے ہیں جن سے اس کے دینی عقائد کی نوعیت آشکارا ہو گئی ہے-

سائرس کا بالاتفاق ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال ہوا- اس کے بعد اس کا بیٹا کم بی سیز (کمبوجیہ یا کیقباد) تخت نشین ہوا- اس نے ۵۲۵ ق م میں مصر فتح کیا- لیکن ابھی مصر ہی میں تھا کہ معلوم ہوا ایران میں بغاوت ہو گئی ہے اور ایک شخص ''گوماتہ'' نامی نے اپنے آپ کو سائرس کا دوسرا لڑکا سمرڈیز (فارسی: بردیہ) مشہور کر دیا ہے جو بہت پہلے مر چکا تھا یا مار ڈالا گیا تھا- یہ خبر سن کر وہ مصر سے لوٹا لیکن ابھی شام میں تھا کہ ۵۲۲ ق- م میں اچانک انتقال کر گیا- اب چونکہ سائرس کی براہ راست نسل سے کوئی شہزادہ موجود نہ تھا اس لیے اس کا عم زاد بھائی دارا بن گشتاسپ تخت نشین ہو گیا- دارا نے بغاوت فرو کی' گوماتہ کو قتل کیا' اور نئی مملکت کو اس کے عروج و کمال تک پہنچا دیا- دارا کی تخت نشینی بالاتفاق ۵۲۱ ق-م میں ہوئی ہے- پس اس کا عہد سائرس کے انتقال سے آٹھ برس بعد شروع ہو گیا تھا-

یونانی مورخوں کی شہادت موجود ہے کہ یہ بغاوت میڈیا کے قدیم مذہب کے پیروؤں کی بغاوت تھی اور خود دارا اپنے کتبہ بے ستون میں ''گوماتہ'' کو ''موگوش'' لکھتا ہے- یعنی مجوس، اور مجوسی مذہب سے مقصود قدیم مذہب ہے-[1] تاریخ میں اس کا بھی سراغ ملتا ہے کہ پرانے مذہب کے پیروؤں کی سرکشی اس کے بعد بھی جاری رہی- چنانچہ دوسری بغاوت ''پراورتش'' نامی مجوسی نے کی تھی جسے دارا نے ہمدان میں قتل کیا اور تیسری ''چترت خمہ'' نامی نے جواربیل میں قتل ہوا-

دوسرا واقعہ دارا کے کتبوں سے روشنی میں آیا ہے- یہ دنیا کی خوش قسمتی ہے کہ دارا نے بعض کتبے پہاڑوں کی محکم چٹانوں پر نقش کرائے جنہیں سکندر کا حملہ بھی برباد نہ کر سکا- ان میں سب سے زیادہ اہم کتبہ بے ستون کا ہے- جس میں دارا نے گوماتہ مجوسی کی بغاوت اور اپنی تخت نشینی کی سرگزشت قلمبند کی ہے- دوسرا استخر کا ہے جس میں اپنے تمام ماتحت ممالک کے نام گنوائے ہیں- ان دونوں میں وہ بار بار ''اہورموزدہ'' کا نام لیتا ہے اور اپنی تمام کامرانیوں کو اس کے فضل و کرم سے منسوب کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ''اہورمزدہ'' زردشت کی تعلیم کا ''اللہ'' ہے-

ان دو واقعوں پر ایک تیسرے واقعہ کا بھی اضافہ کر دینا چاہیے- یعنی تاریخ میں کوئی اشارہ اس کا نہیں ملتا کہ کم بی سیز نے کوئی نیا دین قبول کیا تھا یا دارا کو اس طرح کا کوئی معاملہ پیش آیا تھا- ہیروڈوٹس نے دارا کی وفات سے پچاس ساٹھ برس بعد اپنی تاریخ لکھی ہے-[2] اس کے لیے دارا کے عہد کے واقعات بالکل قریبی زمانے کے واقعات تھے اور لیڈیا میں فارسی حکومت قائم ہو جانے کی وجہ سے یونانیوں اور فارسیوں کے تعلقات بھی روز بروز بڑھ رہے تھے- تاہم وہ کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہیں کرتا- پس سائرس کی وفات اور دارا کی تخت نشینی کے درمیان آٹھ برس کی جو مدت گزری ہے ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس عرصہ میں کسی نئی مذہبی دعوت کے ظہور و قبول کا کوئی واقعہ

---

[1] موگوش کا لفظ ایک جگہ اوستا میں بھی آیا ہے اور یہ بات اب قطعی طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ ''موگوش'' سے مقصود میڈیا کے اس مذہب کے پیرو ہیں جو زردشت کے ظہور سے پہلے وہاں رائج تھا- چونکہ میڈیا کے باشندے بابل اور شام میں موگوش مشہور ہو گئے تھے اس لیے عربوں میں بھی یہی نام مشہور ہو گیا اور موگوش نے مجوس کی شکل اختیار کر لی- پھر تمام ایرانیوں کو مجوس کہنے لگے- زردشتی اور غیر زردشتی کا امتیاز باقی نہیں رہا- حالانکہ اصلاً مجوسی زردشتیوں کے مخالف تھے-

[2] دارا کی وفات بالاتفاق ۴۸۶ قبل مسیح میں ہوئی' اور ہیروڈوٹس ۴۸۴ ق م میں پیدا ہوا تھا- یعنی دارا کی وفات سے صرف دو سال بعد-

نہیں گزرا۔

اب غور کرو ان واقعات کا لازمی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر سائرس کے بعد کم بی سیز اور دارا نے کوئی نئی دعوت قبول نہیں کی تھی' اور دارا دین زردشتی پر عامل تھا تو کیا اس سے ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ دارا اور کم بی سیز سے پہلے زردشتی دین خاندان میں آ چکا ہے؟ اگر سائرس کی وفات کے چند سال بعد قدیم مذہب کے پیرو اس لیے بغاوت کرتے ہیں کہ کیوں ایک نیا مذہب قبول کر لیا گیا ہے تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ سائرس نیا مذہب قبول کر چکا تھا اور تبدیل مذہب کا معاملہ نیا نیا پیش آیا تھا؟ پھر اگر زردشت سائرس کا معاصر تھا تو کیا یہ اس بات کا مزید ثبوت نہیں ہے کہ سب سے پہلے سائرس ہی نے یہ دعوت قبول کی تھی اور وہ فارس اور میڈیا کا نیا شہنشاہ بھی تھا اور نئی دعوت کا پہلا حکمراں داعی بھی؟

زردشت اور سائرس:

اتنا ہی نہیں بلکہ ہم غور کرتے ہیں تو اس زنجیر کی کڑیاں اور آگے تک بڑھتی جاتی ہیں۔ البتہ ہم اسے ایک قیاس سے زیادہ کہنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا اور سائرس کا ابتدائی زمانہ خاندان سے الگ اور گمنامی میں بسر ہوا تو کیا اسی زمانہ میں دونوں شخصیتیں ایک دوسرے کے قریب نہیں پہنچ جاتیں؟ اور کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اسی زمانہ میں سائرس زردشت کی تعلیم و صحبت سے بہرہ مند ہوا؟ سائرس کی ابتدائی زندگی کی سرگزشت تاریخ کی ایک گم شدہ داستان ہے۔ پھر کیا اس داستان کا سراغ ہمیں ان دونوں شخصیتوں کی معاصرت کے واقعہ میں نہیں مل جاتا؟

مورخ زینوفن نے سائرس کی ابتدائی زندگی کا افسانہ ہمیں سنایا ہے۔ اس افسانہ میں ایک پراسرار شخص کی پرچھائیں صاف نظر آ رہی ہے جو دشت و جبل کے اس پروردۂ قدرت کو آنے والے کارناموں کے لیے تیار کر رہا تھا۔ کیا اس پرچھائیں میں ہم خود زردشت کی مقدس شخصیت کی نمود نہیں دیکھ رہے؟ اگر زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران میں ہوا تھا اور اگر سائرس کی ابتدائی گمنامی کا زمانہ بھی شمالی کوہستانوں میں بسر ہوا' تو کیوں یہ دونوں کڑیاں باہم مل کر ایک گم شدہ داستان کا سراغ نہ بن جائیں؟

سائرس کی شخصیت وقت کے تمام ذہنی اور اخلاقی رجحانات کے برخلاف ایک انقلاب انگیز شخصیت تھی۔ ایسی شخصیت کسی انقلاب انگیز داعی کی دعوت ہی سے پیدا ہو سکتی ہے اور صاف نظر آ رہا ہے کہ وہ داعی شخصیت زردشت ہی کی تھی۔

بہر حال سائرس نے اپنی ابتدائی گمنامی کے عہد میں نئی دعوت قبول کی ہو یا تخت نشینی کے بعد لیکن یہ قطعی ہے کہ وہ دین زردشتی پر عامل تھا۔

دین زردشتی کی حقیقی تعلیم:

لیکن اگر ذوالقرنین دین زردشتی پر عامل تھا اور قرآن ذوالقرنین کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا اثبات کرتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اسے ملہم من اللہ قرار دیتا ہے تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زردشت کی تعلیم دین حق کی تعلیم تھی؟ یقیناً لازم آتا ہے لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اس لزوم سے بچنے کی ہم کوشش کریں۔ کیونکہ یہ حقیقت اب پوری طرح روشنی میں آ چکی ہے کہ زردشت کی تعلیم سرتاسر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی اور آتش پرستی اور ثنویت کا اعتقاد اس کا پیدا کیا ہوا اعتقاد نہیں ہے بلکہ قدیم میدی مجوسیت کا ردعمل ہے۔

جس طرح روم کی مسیحیت قدیم رومی بت پرستی کے ردعمل سے محفوظ نہ رہ سکی اسی طرح زردشت کی خالص خدا پرستانہ تعلیم بھی قدیم مجوسیت کے ردعمل سے بچ نہ سکی۔ خصوصاً ساسانی عہد میں جب وہ از سر نو مدون ہوئی تو اصل تعلیم سے بالکل ایک مختلف چیز بن چکی تھی۔

میڈیا کا قدیم مذہب:

زردشت کے ظہور سے پہلے فارس اور میڈیا کے باشندوں کے عقائد کی بھی نوعیت وہی تھی جو انڈو یوروپین آریاؤں کی تمام دوسری شاخوں کی رہ چکی ہے- ہندوستان کے آریوں کی طرح ایران کے آریوں میں بھی پہلے مظاہر قدرت کی پرستش شروع ہوئی، پھر سورج کی عظمت کا تصور پیدا ہوا' پھر زمین میں آگ نے سورج کی قائم مقامی پیدا کر لی کیونکہ تمام مادی عناصر میں روشنی اور جرأت کا سرچشمہ وہی تھی- یونانیوں میں ایسے دیوتاؤں کا تصور پیدا ہوا جن سے اچھائی اور برائی دونوں ظہور میں آتی تھیں لیکن ایرانیوں کے تصور نے دیوتاؤں کو دو متقابل قوتوں میں تقسیم کر دیا- ایک قوت پاک روحانی ہستیوں کی تھی جو انسان کو زندگی کی تمام خوشیاں بخشتی تھی' دوسری قوت برائی کے عفریتوں کی تھی جو نوع انسانی کے جانی دشمن تھے- روحانی ہستیوں کی نمود روشنی میں ہوئی اور شیطانوں کی تاریکی میں- نور و ظلمت کی یہی کشمکش ہے جس سے تمام اچھے برے حوادث ظہور میں آتے ہیں- چونکہ روشنی پاک روحانیتوں کی نمود ہے اس لیے ہر طرح کی عبادتیں اور قربانیاں اسی کے لیے ہونی چاہییں- اس روشنی کا مظہر آسمان میں سورج اور زمین میں آگ تھی-

اچھائی برائی کا جس قدر تصور تھا وہ یونانیوں کی طرح صرف مادی زندگی کی راحتوں اور محرومیوں ہی میں محدود تھا- روحانی زندگی اور اس کی سعادت و شقاوت کا کوئی تصور پیدا نہیں ہوا تھا-

آگ کی پرستش کی قربان گاہیں بنائی جاتی تھیں اور اس کے خاص پجاریوں کا ایک مقدس گروہ بھی پیدا ہو گیا تھا- اس کے افراد ''موگوش'' کے لقب سے پکارے جاتے تھے- آگے چل کر اسی لقب نے آتش پرستی کا مفہوم پیدا کر لیا-

زردشت کی تعلیم:

لیکن زردشت نے ان تمام عقائد سے انکار کر دیا- اس نے خدا پرستی' روحانی سعادت و شقاوت اور آخرت کی زندگی کا عقیدہ پیدا کیا- اس نے کہا- یہاں نہ تو خیر کی بہت سی روحانی ہستیاں ہیں- نہ شر کے بہت سے عفریت- یہاں صرف ایک ''اہورموزدہ'' کی ہستی ہے' جو یگانہ ہے' نور ہے' قدوس ہے' حق ہے' حکیم ہے' قدیر ہے اور تمام کائنات ہستی کی خالق ہے- کوئی ہستی نہیں جو اس کے مثل ہو یا اس کے ہمتا ہو یا اس کی شریک ہو تم نے جن روحانی قوتوں کو خیر کا خالق سمجھ رکھا ہے وہ خالق و قادر نہیں ہیں بلکہ ''اہورموزدہ'' کے پیدا کیے ہوئے ''امش سپند'' ہیں- یعنی ملائکہ ہیں' اور شر کا ذریعہ دیووں کی خوفناک قوت نہیں ہے' بلکہ ''انردمین'' (اہرمن) کی ہستی ہے- یعنی شیطان کی ہستی ہے- یہ اپنی وسوسہ اندازیوں سے انسان کو تاریکی کی طرف لے جاتی ہے-

تعلیم کی عملی خصوصیت:

زردشت کی تعلیم کا عملی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے- یونانیوں کی طرح اس کا اخلاقی تصور مذہب سے الگ نہیں تھا بلکہ عین مذہب میں تھا- اس نے مذہب کو محض ایک قومی اور ملکی مذہب کی شان نہیں دی بلکہ انفرادی زندگی کا روزانہ دستور العمل بنا دیا- نفس کی طہارت اور اعمال کی درستی اس کی تعلیم کا اصلی محور ہے انسانی زندگی کا ہر خیال' ہر قول' ہر فعل ضروری ہے کہ اس معیار پر پورا اترے- ''فکر کی راستی' گفتار کی راستی اور کردار کی راستی'' پرستاران اہورموزدہ کے لیے تین بنیادی اصول تھے- پروفیسر گرنڈی کے لفظوں میں ''اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا- یونانی مذہب کی طرح محض رسموں اور ریتوں کا مذہب نہ تھا- اس نے مذہب کو ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا اور اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر تھا''[1]

---

[1] دیکھو پروفیسر گرنڈی کا مقالہ ''یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ'' جلد ۲ صفحہ ۱۱۳۰-

عبادت کا تصور:

اس کی عبادت کا تصور ہر طرح کے اصنامی اثرات سے پاک تھا- عبادت ہمیں اس لیے نہیں کرنی چاہیے کہ خدا کے غضب وانتقام سے بچیں بلکہ اس لیے کہ برکتیں اور سعادتیں حاصل کریں- اگر ہم اہورموزدہ کی عبادت نہیں کریں گے تو وہ ہمیں یونانی اور ہندوستانی دیوتاؤں کی طرح اپنے غضب کا نشانہ نہیں بنائے گا' لیکن خود ہم سعادت سے محروم رہ جائیں گے-

آخرت کی زندگی:

اس کی تعلیم کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو آخرت کی زندگی کا اعتقاد ہے' وہ کہتا ہے انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی اس دنیا میں گزرتی ہے- اس کے بعد بھی ایک زندگی پیش آئے گی- اس زندگی میں دو عالم ہوں گے ایک اچھائی اور سعادت کا- دوسرا برائی اور شقاوت کا- جن لوگوں نے اس زندگی میں نیک عمل کیے ہیں وہ پہلے عالم میں جائیں گے- جنہوں نے برے عمل کیے ہیں' دوسرے عالم میں اور اس کا فیصلہ اس دن ہوگا جسے وہ ''آخری فیصلہ'' کا دن قرار دیتا ہے-

بقائے روح کا مسئلہ اس کے مذہب کی بنیادی چٹان ہے- انسان فانی ہے مگر اس کی روح فانی نہیں- وہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور ثواب وعقاب کے دو عالموں میں سے کسی عالم میں داخل ہو جاتی ہے-

پیروان زردشت کا اخلاقی تقدم:

موجودہ عہد کے تمام محققین تاریخ متفق ہیں کہ زردشت کی تعلیم نے انسان کے اخلاقی اور فکری ارتقا میں نہایت موثر حصہ لیا ہے اس نے پانچ سو برس قبل مسیح ایرانیوں کو اخلاقی پاکیزگی کی ایک ایسی سطح پر پہنچا دیا تھا جہاں سے ان کے معاصر یونانیوں اور رومیوں کی زندگی بہت ہی پست دکھائی دیتی ہے- ایک ایسا مذہب جس کی تعلیم کا رخ سرتاسر انفرادی زندگی کی پاکیزگی کی طرف تھا اور جو اپنے پیروؤں کی اخلاقی روش کے لیے نہایت بلند مطالبے رکھتا تھا ضروری تھا کہ اعمال وخصائل کے بہتر سانچے ڈھال دے اور تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس نے ڈھال دیے تھے- یہ شہادت کن لوگوں کے قلم سے نکلی ہے؟ ان لوگوں کے قلم سے جو کسی طرح بھی ایرانیوں کے دوست نہیں سمجھے جا سکتے- پانچویں اور چوتھی صدی قبل مسیح کا تمام زمانہ ایرانیوں اور یونانیوں کی مسلسل آویزش کا زمانہ رہا ہے اور ہیروڈوٹس اور زینوفون نے جب تاریخیں لکھی ہیں تو یونان کے حریفانہ جذبات پوری طرح ابھرے ہوئے تھے- تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایرانیوں کی اخلاقی فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے- انہیں ماننا پڑتا ہے کہ ''ان میں بعض ایسی عظیم فضیلتیں ہیں جو یونانیوں میں نہیں پائی جاتیں'' ہم یہاں پروفیسر گرنڈی کے الفاظ پھر مستعار لیں گے کہ ''ایرانی سچائی اور دیانت کی ایسی فضیلتیں رکھتے تھے جو اس عہد کی قوموں میں عام طور پر دکھائی نہیں دیتی''

ان کی راست بازی' رحم دلی' شجاعت' اور بلند نظری کا سب اعتراف کرتے ہیں اور یہ یقیناً زردشت کی تعلیم کے لازمی نتائج تھے-

دارا کے فرامین:

دارائے اول کا زمانہ اس مذہب کی بلند آہنگی کا شاندار زمانہ ہے- اس کے کتبوں میں ہمیں زردشتی تعلیم کی صدائیں صاف سنائی دے رہی ہیں اور ان سے ہم حقیقت حال معلوم کر لے سکتے ہیں- استخر کا کتبہ ڈھائی ہزار برس پیشتر کی یہ منادی آج تک بلند کر رہا ہے:

''خدائے برتر اہورموزدہ ہے- اسی نے زمین پیدا کی' اسی نے آسمان بنایا' اسی نے انسان کی سعادت بنائی اور وہی ہے جس نے دارا کو بہتوں کا تنہا حکمران اور آئین ساز بنایا''

''دارا اعلان کرتا ہے کہ اہورموزدہ نے اپنے فضل سے مجھے بادشاہت دی- اور اسی کے فضل سے میں نے زمین میں امن وامان قائم

کیا- میں اہورموزدہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے' میرے خاندان کو' اوران ملکوں کو محفوظ رکھے- اے اہورموزدہ! میری دعا قبول کر!''

صراط مستقیم کی دعوت:

''اے انسان! اہورموزدہ کا تیرے لیے حکم یہ ہے کہ برائی کا دھیان نہ کر- صراط مستقیم کو نہ چھوڑ- گناہ سے بچتا رہ!''[1]

یادرہے کہ دارا سائرس کا معاصر تھا اوراس کی وفات سے صرف آٹھ برس بعد تخت نشین ہوا- پس دارا کی صداؤں میں ہم خود سائرس کی صدائیں سن رہے ہیں- اس کا بار بار اپنی کامرانیوں کو اہورموزدہ کے فضل وکرم سے منسوب کرنا ٹھیک ٹھیک ذوالقرنین کے اس طریق خطاب کی تصدیق ہے کہ ﴿ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ﴾ (٩٨)

زردشتی مذہب کا انحطاط وتغیر:

لیکن چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زردشتی مذہب کا تنزل شروع ہوگیا- ایک طرف قدیم مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا- دوسری طرف خارجی اثرات بھی کام کرنے لگے- یہاں تک کہ انٹانین (Antonine) شہنشاہ روم کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائرس اور دارا کے عہد کے زردشتی مذہب نے بالکل ایک دوسری ہی شکل اختیار کرلی ہے- پھر سکندر اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا اور وہ ایران کی دوصد سالہ شہنشاہی ہی نہیں بلکہ اس کا مذہب بھی بہالے گیا- ایرانیوں کا قومی افسانہ کہتا ہے کہ زردشت کا مقدس صحیفہ اوستا بارہ ہزار بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آب زر سے لکھا ہوا تھا جو سکندر کے حملہ استخر میں جل کر رکھ ہوگیا- بارہ ہزار بیلوں کی کھال کا قصہ تو محض مبالغہ ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ بخت نصر کے حملہ بیت المقدس نے جو سلوک تورات کے ساتھ کیا تھا وہی سکندر کے حملہ ایران نے اوستا کے ساتھ کیا- یعنی دونوں جگہ مذہب کا اصلی نوشتہ مفقود ہوگیا-

پھر جب پانچ سو پچاس برس کے بعد ساسانی دور حکومت شروع ہوا تو مذہب زردشت کی از سرنو تدوین کی گئی اور جس طرح قید بابل کے بعد عزرا نے نئی تورات مرتب کی تھی اسی طرح اُردشیر بابکانی نے از سرنو اوستا کا نسخہ مرتب کرایا لیکن اب مذہب کی تمام حقیقی خصوصیات طرح طرح کی تبدیلیوں' تحریفوں اور اضافوں سے یک قلم مسخ ہوچکی تھیں- چنانچہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ساسانی عہد کا مذہب قدیم مجوسیت' زردشتیت اور یونانیت کا ایک مخلوط مرکب ہے- اوراس کا بیرونی رنگ وروغن تو تمام تر مجوسیت ہی نے فراہم کیا ہے- اسی ساسانی اوستا کا ایک ناقص اور محرّف ٹکڑا ہے جو ہندوستان کے پارسیوں کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے اور جس کے لیے ہم ایک فرنچ مستشرق آنک تیل کی اولوالعزمیوں اور علمی قربانیوں کے شکرگزار ہیں-

اہورموزدہ کی مزعومہ شبیہ:

اس سلسلہ میں ایک بحث طلب سوال اور ہے اور ضروری ہے کہ اس پر بھی نظر ڈال لی جائے- یہ مسلم ہے کہ پیروان زردشت میں بت پرستی کی کوئی شکل بھی سر نہ اٹھا سکی- قدیم مجوسی مذہب میں بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا- لیکن ایران میں دارا اوراس کے بعد کے جو آثار ملے ہیں ان میں ایک خاص صورت کا نقش پایا جاتا ہے- یہ بادشاہ کی تصویر نہیں ہوسکتی کیونکہ بادشاہ کی شخصیت مرقع میں الگ نمایاں ہے- اس کا محل ہر جگہ بلندی میں اور سب سے اوپر واقع ہوا ہے- اس لیے ضروری ہے کہ وہ خود بادشاہ سے بھی ایک بلند تر ہستی ہو- سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون ہستی ہے؟ سب سے پہلے یہ صورت بے ستوں کے مرقع میں زیر بحث ہوئی' جب ١٨٤٧ء میں کرنیل رالینس نے اپنی شرح وحل کے ساتھ اصل مرقع کا چربہ شائع کیا- پھر یہی صورت متعدد نقوش میں ملی- مثلاً دارا کی سرکاری مہر کے مرقع میں' نقش رستم میں جو

[1] جی- رالینس (Rawlinson) ''فائیو گریٹ منارکیز آف دی انشینٹ ایسٹرن ورلڈ''

دراصل دارا کی قبر ہے، اسخر کے محل شاہی کے دروازہ پر جو غالباً درمیانی دروازہ ہے-

رالین سن سے پہلے سر رابرٹ کیر پورٹر نے یہ نظریہ قائم کرلیا تھا کہ یہ کوئی مافوق انسانیت ہستی ہونی چاہیے جو خود بادشاہ سے بھی اوپر اپنی جگہ رکھتی ہے- رالین سن ایک قدم اور آگے بڑھا اور اس نے فیصلہ کرلیا کہ یہ اہورموزدہ کی ہستی ہے یعنی خدا کی- چنانچہ اس وقت سے یہ رائے برابر مقبول ہوتی گئی- اب عام طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ ایرانی اگرچہ بت پرستی سے مجتنب رہے، لیکن انہوں نے اہورموزدہ کی ہستی کے لیے ایک مرموز (یعنی Symbolic) تشخص کا تصور ضرور قائم کرلیا تھا جو ان تصویروں میں نمایاں ہے اور یہ مصریوں اور آشوریوں کے مرموز تجسم کا اثر تھا جس سے وہ بھی متاثر ہوگئے-[1]

لیکن ۱۹۱۲ء سے (جب کہ میں نے پہلے پہل ایرانی آثار قدیمہ کا بغور مطالعہ کیا) میں محسوس کررہا ہوں کہ یہ قیاس اول دن سے غلط رخ پر چلا ہے اور تمام تاریخی اور عقلی قرائن اس کے خلاف ہیں:

اولاً تمام تاریخی شہادتیں اور خود پارسیوں کا مسلسل تعامل ثابت کررہا ہے کہ انہوں نے الوہیت کا تصور کبھی کسی انسانی جسم وصورت میں نہیں کیا، اور کبھی کسی مجسمہ کو تقدیس کی نظر سے نہیں دیکھا-

ثانیاً اگر امتداد زمانہ سے یہ چیز پیدا بھی ہوگئی ہو، جب بھی کسی طرح یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ خود دارا کے عہد میں پیدا ہوگئی ہو جو زردشت کی تعلیم کا ابتدائی عہد تھا اور جب یونانی مورخوں کی شہادت کے مطابق ایرانی، یونانی بت پرستی کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے-

ثالثاً اس شبیہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو معبودیت والوہیت کی کوئی خاص شان رکھتی ہو- ہر جگہ اس کی ایک ہی صورت اور وضع ہے اور وہ ایک معمولی انسان کی ہے جس نے اس زمانہ کا عام لباس پہن رکھا ہے- وہی لباس جو خود دارا اور اس کے جانشینوں کا تصویروں میں دکھایا گیا ہے- صرف اتنی بات اس میں زیادہ ہے کہ ایک حلقہ اس کی کمر سے نیچے چاروں طرف بنایا گیا ہے، اور عقب میں ایک ایسا طولانی نقش ہے، جس میں لہروں کی سی شان پیدا ہوگئی ہے- اس حلقہ اور لہروں کو سورج کی مرموز شکل قرار دیا گیا ہے- اگر یہ رائے تسلیم بھی کرلی جائے، جب بھی یہ اس کے لیے کافی نہیں کہ محض یہ مشتبہ حلقہ اور مشتبہ لہریں ایک خالق ہستی کے تصور کے لیے پیروان زردشت کا منتہائے خیال تھا-

رابعاً اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ اس حلقہ اور لہروں میں ایک ماورائے انسانیت ہستی کا تصور مرموز تھا جب بھی یہ اہورموزدہ کی ہستی کیوں ہو جس کی نسبت زردشت نے تقدیس وعلو کا اس درجہ بلند تصور قائم کیا ہے؟ کیوں یہ کسی ایسے انسان کی صورت نہ ہو جو اگرچہ انسان تھا مگر اپنی انسانیت کی رفعت وتقدیس کی وجہ سے ایک غیر معمولی ہستی سمجھا جاتا تھا؟ مثلاً خدا کی ایک فرستادہ ہستی؟

بہرحال اس رخ پر ہم جس قدر بڑھتے ہیں یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے کہ اسے اہورموزدہ کی ہستی سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے- یہ یا تو خود زردشت کی تصویر ہے جو ایرانی مذہب کا بانی تھا، یا سائرس کی ہے جو اس مذہب کا حکمراں پیغمبر اور ہخامنشی شہنشاہی کا پہلا تاجدار تھا-

---

[1] عام رائے یہی ہوگئی ہے، لیکن ایسی صدائیں برابر اٹھتی رہی ہیں جنہیں اس رائے سے اختلاف ہوا- کرنیل رالین سن کی اشاعات کے چند سال بعد لغات شرقیہ کے ایک عالم ریورنڈ چارلس فارسٹر (Forster) نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ تصویر اس نقاش کی ہے جس نے مرقع نقش کیا تھا اور جو حلقہ اس کی کمر کے گرد نظر آرہا ہے یہ معماروں کی ٹوکری ہے جس میں بیٹھ کر بلندی پر کام کیا کرتے تھے- (دیکھو مصنف مذکور کی کتاب One Primeval Language جلد سوم، صفحہ:۱۷۹-

چونکہ اس صورت کے بائیں ہاتھ میں ہر جگہ ایک حلقہ دکھلایا گیا ہے اور قدیم تصورات میں حلقہ کی شکل حکومت و مالکیت کی علامت سمجھی جاتی تھی اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سائرس کی تصویر ہو-[1]

کیا ذوالقرنین نبی تھا؟

(۸) جہاں تک قرآن کی تصریحات کا تعلق ہے' ایک اہم سوال اور باقی رہ گیا ہے- قرآن میں ہے ﴿ قُلْنَا يَا ذَالْقَرْنَيْنِ ﴾ ہم نے کہا اے ذوالقرنین- اس خطاب کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین براہ راست وحی الٰہی سے مخاطب تھا؟ مفسرین نے اس پر طبع آزمائیاں کی ہیں اور چونکہ امام رازی سکندر مقدونی کو ذوالقرنین بنانا چاہتے ہیں' اور وہ بنتا نہیں' اس لیے مجبور ہوئے ہیں کہ یہاں **قلنا** کے منطوق پر اس کے مفہوم کو ترجیح دیں-

اس میں شک نہیں کہ **قلنا** کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بالواسطہ خطاب ہو- یعنی اس عہد کے کسی پیغمبر کے ذریعہ سے ذوالقرنین کو مخاطب کیا گیا ہو- جیسا کہ ﴿ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ﴾ (۲:۷۳) میں ہے- یا خطاب قولی نہ ہو- تکوینی ہو- جیسا کہ ﴿ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ ﴾ (۱۱:۴۴) اور ﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴾ (۲۱:۶۹) وغیرہا آیات میں ہے- لیکن اس طرح کا مطلب جب ہی قرار دینا چاہیے کہ اس کے لیے قوی وجوہ موجود ہوں- اور یہاں کوئی وجہ موجود نہیں- آیت کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ ذوالقرنین کو اللہ نے براہ راست مخاطب کیا اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوئی تھی- باقی رہی یہ بات کہ یہ وحی نبوت کی وحی تھی یا اس طرح کی وحی تھی جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی نسبت بیان کی گئی ہے کہ ﴿ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ﴾ (۲۸:۷) تو صحابہ وسلف سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا اور متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی تفسیر کی تائید کرتے ہیں-

اور غور کرو قرآن کا یہ بیان سائرس کی شخصیت پر کس طرح ٹھیک ٹھیک منطبق ہو رہا ہے؟ تاریخ اس کی پیغمبرانہ شخصیت کی شہادت دے رہی ہے اور عہد عتیق کے انبیاء اسے صریح خدا کا برگزیدہ' اس کا مسیح اور اس کی مرضی پوری کرنے والا کہہ رہے ہیں- عزرا نبی کی کتاب میں اس کا جو فرمان تعمیر بیت المقدس کے لیے نقل کیا گیا ہے اس میں وہ خود اعلان کرتا ہے ''خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہودیا کے ملک میں اس کی عبادت کے لیے ایک ہیکل تعمیر کروں''' اس کا یہ کہنا کہ ''خدا نے مجھے حکم دیا ہے'' ٹھیک ٹھیک ﴿ قُلْنَا يَا ذَالْقَرْنَيْنِ ﴾ کی تصدیق ہے- ہم اس سے پہلے اس کی خدا پرستی کے اثبات میں جو کچھ لکھ چکے ہیں اس میں سے ہر بات ٹھیک ٹھیک اس کی نبوت کے ثبوت میں بھی کہی جاسکتی ہے-

یاجوج و ماجوج:

(۹) اب صرف ایک معاملہ کی تشریح باقی رہ گئی ہے یعنی یاجوج اور ماجوج سے کون سی قوم مراد ہے؟ اور جو سد سائرس نے بنائی تھی اس کی تاریخی نوعیت کیا ہے؟

قرآن مجید نے یاجوج اور ماجوج کا دو جگہ ذکر کیا ہے- ایک تو یہاں ہے- دوسرا سورۂ انبیاء میں ہے: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ

---

[1] ۱۹۱۳ء میں میں نے اپنا یہ خیال مسٹر اڈرڈ براؤن (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی و مصنف لٹریری ہسٹری آف پرشیا وغیرہ) کو لکھا تھا- انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا تھا اور بہت اصرار کے ساتھ لکھا تھا کہ بعض مستشرقین جرمنی سے اس بارے میں مراسلت کروں- پھر کچھ دنوں کے بعد انہوں نے لکھا وہ خود اس بارے میں خط و کتابت کر رہے ہیں- لیکن اس کے بعد جنگ عظیم شروع ہوگئی اور میری خط و کتابت کا سلسلہ سنسر کی سخت گیریوں نے بالکل مسدود کر دیا- پھر میں نظر بند ہوگیا' اور جب چھوٹا تو اس کے چند دنوں بعد ان کے انتقال کی خبر آ گئی-

وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴾ (٩٦:٢١)

یاجوج اور ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق میں آیا ہے- حزقیل نبی کی کتاب میں جنہیں بخت نصر اپنے آخری حملہ بیت المقدس میں گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا اور جو سائرس کے ظہور تک زندہ رہے' یہ پیشین گوئی ملتی ہے:

حزقی ایل نبی کی پیشین گوئی:

''اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا- اس نے کہا اے آدم زاد! تو جوج کی طرف اپنا منہ کر کے اس کے برخلاف نبوت کر- جوج کی طرف جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روس' مسک اور توبال کا سردار ہے- خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ میں تیرا مخالف ہوں- میں تجھے پھرا دوں گا- تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا، تیرے سارے لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو جنگی پوشاک پہنے چوپھریاں اور سپر لیے ہوئے ہیں اور سب شمشیر بکف ہیں' کھینچ نکالوں گا- اور میں ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط کو بھی کھینچ نکالوں گا جو سپر لیے ہوئے اور خود پہنے ہوں گے- نیز جومر اور شمال بعید کے اطراف کے باشندگان تجرمہ اور ان کا سارا لشکر''

اس کے بعد دور تک تفصیلات چلی گئی ہیں- اور چار باتیں خصوصیت کے ساتھ کہی گئی ہیں- ایک یہ کہ جوج شمال کی طرف سے آئے گا تا کہ لوٹ مار کرے- دوسری یہ کہ ''ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں سکونت رکھتے ہیں تباہی آئے گی'' تیسری یہ کہ جو لوگ اسرائیل کے شہروں میں بسنے والے ہیں وہ بھی ماجوج کے مقابلہ میں حصہ لیں گے اور ان کے بے شمار ہتھیار ان کے ہاتھ آئیں گے- چوتھی یہ کہ ماجوج کی تباہی کا گورستان ''مسافروں کی وادی'' میں بنے گا جو ''سمندر کے پورب میں ہے'' ان کی لاشیں عرصہ تک وہاں پڑی رہیں گی- لوگ انہیں گاڑتے رہیں گے تا کہ رہ گزر صاف ہو جائے- (باب ٣٨: ٣٩)

یہ واضح رہے کہ اس پیشین گوئی سے پہلے سائرس کے ظہور اور یہودیوں کی آزادی و خوش حالی کی پیشین گوئی بیان کی جا چکی ہے اور اس پیشین گوئی کا محل ٹھیک اس مکاشفہ کے بعد ہے جس میں حزقی ایل نبی نے بنی اسرائیل کی سوکھی ہڈیوں کو زندہ ہوتے دیکھا تھا اور جسے قرآن نے بھی سورۂ بقرہ کی آیت ﴿ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ﴾ (٢: ٢٥٩) میں بیان کیا ہے- پس ضروری ہے کہ جوج اور ماجوج کا معاملہ بھی اسی زمانے کے لگ بھگ پیش آنے والا ہو- یعنی سائرس کے زمانہ میں- اور یہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا ایک مزید ثبوت ہے- کیونکہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ اسی نے یاجوج و ماجوج کے حملوں کی روک تھام کے لیے ایک سد تعمیر کی تھی-

عہد عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفات یوحنا میں ملتا ہے- جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ''جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی' یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑنے کے لیے جمع کرنے نکلے گا- ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہو گا- وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائیں گی'' (٢٠: ٧)

گاگ اور مے گاگ:

یاجوج اور ماجوج کے لیے یورپ کی زبانوں میں (Gog) اور (Magog) کے نام مشہور ہو گئے ہیں اور شارحین تورات کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے تورات کے ترجمہ سبعینی[1] میں اختیار کیے گئے تھے- لیکن کیا اس لیے اختیار کیے گئے کہ جوج اور ماجوج کا یونانی تلفظ یہی ہو سکتا تھا یا خود یونانی میں پہلے سے یہ نام موجود تھے؟ اس بارے میں شارحین کی رائیں مختلف ہیں- لیکن زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں نام اسی طرح یا اس کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے-

---

[1] ترجمہ سبعینی سے مقصود تورات کا وہ پہلا یونانی ترجمہ ہے جو اسکندریہ میں شاہی حکم سے ہوا تھا' اور جس میں ستر علمائے یہود شریک تھے-

سنہ ۶۰۰ قبل مسیح میں یاجوج و ماجوج کے مغربی ایشیا پر حملے اور سد ذوالقرنین کی تعمیر



شمال مشرقی قبائل:

اب سوال یہ ہے کہ یہ کون قوم تھی؟ تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے- اس کے سوا کوئی نہیں- یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا، جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چینیوں سیکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی، جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں- اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے- اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین (Scythian) کے نام سے پکارا ہے' اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی تھی-

منگولیا:

شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب ''منگولیا'' کہلاتا ہے- لیکن ''منگول'' لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ اس کے لیے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں' (اور ہمیں اسی طرف رجوع ہونا چاہیے کیونکہ وہ منگولیا کے ہم سایہ میں ہے) تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام ''موگ'' تھا- یقیناً یہی ''موگ'' ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں ''میگ'' اور ''مے گاگ'' پکارا جاتا ہوگا' اور یہی عبرانی میں ''ماجوج'' ہو گیا-

چین کی تاریخ میں ہمیں اس علاقہ کے ایک اور قبیلہ کا ذکر بھی ملتا ہے جو 'یواچی' (Yueh-Chi) کے نام سے پکارا جاتا تھا- یہی ''یواچی'' ہے جس نے مختلف قوموں کے مخارج وتلفظ سے گزر کر کوئی ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ عبرانی میں 'یاجوج'' ہو گیا-

اس امر کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ ان نتائج پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے جو مختلف قوموں کے نسلی، جغرافیائی اور لغوی علائق کی بحث وتنقیب سے پیدا ہوئے ہیں اور جو موجودہ زمانے میں تاریخ اقوام کے طے شدہ مبادیات ہیں-

منگولیا کا قبائلی سرچشمہ اور اقوام قدیم کا انشعاب:

کرۂ ارضی کی بلند سطح وہ حصہ جو شمال مشرق میں واقع ہے اور جسے آج کل منگولیا اور چینی ترکستان کے نام سے پکارا جاتا ہے تاریخ قدیم کی بے شمار قوموں کا ابتدائی گہوارہ رہ چکا ہے- یہ نسل انسانی کا ایک ایسا سرچشمہ تھا جہاں پانی برابر ابلتا اور جمع ہوتا رہتا اور جب بہت بڑھ جاتا تو مشرق ومغرب کی طرف امنڈنا چاہتا- اس کے مشرق میں چین تھا' مغرب وجنوب میں مغربی اور جنوبی ایشیاء اور شمال مغرب میں یورپ- چنانچہ یکے بعد دیگرے قوموں اور قبیلوں کے سیلاب امنڈتے رہے- کچھ وسط ایشیا میں آباد ہو گئے- کچھ آگے بڑھے اور شمالی یورپ تک پہنچ گئے- کچھ وسط ایشیا سے نیچے اتر گئے اور جنوبی اور مغربی ایشیا پر قابض ہو گئے- یہ قبائل جو اس علاقہ سے نکلتے تھے مختلف ملکوں میں بس کر وہاں کی خصوصیت اختیار کر لیتے تھے اور رفتہ رفتہ ایک مقامی قوم بن جاتے تھے لیکن ان کا وطنی سرچشمہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا- یہاں تک کہ پھر قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا اور کسی نئے علاقہ میں پہنچ کر نئی مقامی قومیت کی تخلیق کر دیتا-

یہ علاقہ صدیوں تک اپنی اصلی وحشیانہ حالت پر باقی رہا لیکن جو قبائل یہاں سے نکل نکل کر مختلف ملکوں میں بستے گئے انہوں نے مقامی خصوصیات اختیار کر کے تہذیب وتمدن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا- یہاں تک کہ چند صدیوں کے بعد ان کی حالت اس درجہ مختلف ہو گئی کہ ان میں اور ان کے قدیم ہم وطنوں میں کوئی بات بھی مشترک باقی نہیں رہی- وہ اب مہذب ہو رہے تھے- یہ بدستور وحشی تھے- وہ تہذیب کے صناعی ہتھیاروں سے لڑتے تھے- یہ وحشت کی قدرتی ہجیت اور درندگی سے- ان میں زراعت' صناعت اور ذہنی ترقی کی مختلف شاخیں ابھر

رہی تھیں- وہ ان سب سے ناآشنا تھے- سرد علاقہ کی صحرائی زندگی اور وحشیانہ خصائل کی خشونت نے انہیں وقت کی شائستہ اقوام کے لیے ایک خوفناک ہستی بنا دیا تھا- قبل اس کے کہ تاریخی عہد کی صبح طلوع ہو' شمال مشرقی قبائل کی یہ مہاجرت شروع ہو چکی تھی اور اس کا سلسلہ تاریخی عہد میں بھی بدستور جاری رہا-

آریا:

انہی قبائل کا ایک ابتدائی گروہ وہ تھا جو آرین نسل کے نام سے پکارا گیا ہے- اس کا ایک حصہ وسط ایشیا سے یورپ کی طرف بڑھ گیا- ایک نیچے اتر کر پنجاب میں آباد ہو گیا- ایک مغرب کی طرف بڑھا اور فارس اور میڈیا اور اناتولیا میں بس گیا- اسے اب انڈو یوروپین آریا کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے' کیونکہ یہ ہندوستان اور یورپ' دونوں کی آریائی اقوام کے مورث اعلیٰ تھے- ان کا جو حصہ شمالی ہند میں بس گیا تھا' اس نے اپنا نسلی خطاب برابر یاد رکھا اور اپنے کو آریا ورتھ کہتا رہا- جو فارس اور میڈیا میں بسا اس نے اپنی ابتدائی قیام گاہ کو ایریانہ کے نام سے موسوم کیا (جسے اوستا میں ایریانہ ویگو کہا گیا ہے) اور یہی ایریانہ ایران ہو گیا- جو قبائل اناتولیا تک پہنچ گئے تھے' وہ (غالباً) ہٹی (Hittite) کے نام سے پکارے گئے' جنہیں تورات کی کتاب پیدائش میں حتی کہا گیا ہے اور مصر کے قدیم نوشتوں میں ختی پایا گیا-

یورپ کے قبائل:

جو قبائل یورپ میں پہنچے' وہ گوتھ' فرانک' الامان' ونڈال' ٹیوٹان' اور ہن کے نام سے مشہور ہوئے اور انہی کی ایک وسیع شاخ وہ تھی جو بحر اسود سے لے کر دریائے ڈینیوب کی بالائی وادی تک پھیل گئی اور سیتھین کے نام سے پکاری گئی- وسط ایشیا کے مشرقی قبائل بھی جو بکٹر یا (بلخ) پر تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے' سیتھین ہی تسلیم کیے گئے ہیں اور خود دارا نے اپنے کتبہ اصطخر میں انہیں اسی نام سے پکارا ہے-

اقسام ثلاثہ:

ان قبائل کی جو تین شاخیں شمالی ہند' اناتولیا (ایشیائے کوچک) اور ایران میں بس گئی تھی انہیں ایسا ماحول ملا جو زراعت کے لیے موزوں تھا- اس لیے بہت جلد انہوں نے زراعتی زندگی اختیار کر لی اور پھر تہذیب و حضارت کی طرف بڑھنے لگیں لیکن جو شاخیں یورپ کی طرف بڑھیں انہیں ایسا ماحول میسر نہیں آیا- اس لیے صحرائی زندگی کی تمام خصوصیات ان میں بدستور باقی رہیں اور صدیوں تک متغیر نہ ہوئیں- اب گویا ان قبائل کی تین حالتیں ہو گئی تھیں-

اولاً' منگولیا کے اصلی باشندے جو یک قلم وحشی اور صحرائی تھے اور ان کی یہ حالت بغیر کسی تغیر کے برابر قائم رہی-

ثانیاً' بحر اسود کے شمالی ساحل اور شمالی یورپ کے قبائل جو گو اپنے مولد اصلی سے الگ ہو گئے تھے لیکن ان کی وحشیانہ خصوصیات نہیں بدلی تھیں-

ثالثاً' ہندوستان' ایران اور اناتولیا کے قبائل جو بتدریج شہریت و حضارت میں ترقی کرنے لگے اور پھر آگے چل کر تین قدیم تہذیبوں کے بانی ہوئے-

یاجوج ماجوج کا اطلاق:

تقریباً ۷۰۰ قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی مسیحی تک یاجوج اور ماجوج یا گواگ اور مے گگ کا اطلاق پہلی دو قسموں پر ہوتا رہا- پہلی پر اس لیے کہ قومیت اور مقام کے لحاظ سے وہی یاجوج و ماجوج تھی- دوسری پر اس لیے کہ گو اپنے مولد و مقام سے الگ ہو چکی تھی لیکن اپنی وحشیانہ خصوصیات میں بالکل متغیر نہیں ہوئی تھی- تیسری قسم چونکہ یک قلم منقلب ہو چکی تھی اس لیے اب وہ یاجوج و ماجوج نہیں رہی تھی بلکہ خود

یاجوج وماجوج کی غارت گریوں کا نشانہ بن گئی تھی- البتہ جب پانچویں صدی مسیحی میں یورپ کے قبائل کی حالت بھی منقلب ہونا شروع ہو گئی اور مسیحیت اختیار کر کے تہذیب وحضارت کی طرف بڑھنے لگے تو قوموں کے حافظہ سے ان کا نام بھی اتر گیا اور یاجوج وماجوج کا اطلاق صرف اسی خطہ میں سمٹ آیا جہاں سے پھیلنا شروع ہوا تھا- یعنی صرف منگولیا کے صحرانورد قبائل ہی یاجوج وماجوج سمجھے جانے لگے- چنانچہ قرآن نے سورۂ انبیاء میں ان کے جس خروج کی خبر دی ہے وہ منگولیا کے تاتاریوں کا آخری خروج تھا-

یورپ کی تمام موجودہ قومیں (لاطینی نسل مستثنیٰ کر دینے کے بعد) براہ راست انہی قبائل کی نسل سے ہیں- جیسا کہ معلوم ومسلم ہے-

صحرانوردی اور توطن کا اختلاف معیشت:

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نسل انسانی نے اکثر حالتوں میں پہلے صحرانوردی اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی ہے- پھر توطن اور اقامت گزینی اختیار کی ہے اور اس اختلاف حالت نے ہمیشہ دو طرح کے انسانی گروہوں سے دنیا کو آباد رکھا ہے- صحرانورد قبائل کے گروہ اور اقامت گزین قبائل کے گروہ- معیشت کی یہ دونوں حالتیں اس درجہ مختلف تھیں کہ ایک ہی نسل کے دو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ اگر صحرانورد رہتا تھا اور دوسرا اقامت گزین ہو جاتا تھا تو چند صدیوں کے بعد نہ صرف ایک دوسرے سے اجنبی ہو جاتے تھے بلکہ بالکل متضاد قسم کی مخلوق بن جاتے تھے- صحرانورد قبائل کو غذا کے لیے جانوروں کے دودھ اور شکار کے گوشت پر اعتماد کرنا پڑتا تھا- اقامت گزین قبائل کو اناج پر- وہ گھوڑوں کی برہنہ پیٹھ پر زندگی بسر کرتے- یہ کھیتوں میں اور مکانوں کی چار دیواری میں- ان کی زندگی کا ماحول صحرائیت تھی- ان کا ماحول شہریت- ان کو نشو ونما کے لیے جنگ کی ضرورت تھی- ان کو امن کی- ان کا جسم روز بروز طاقتور اور محنت پسند ہوتا جاتا تھا- ان کا روز بروز کمزور اور راحت پسند- وہ روز بروز وحشت وخونخواری میں بڑھتے جاتے تھے- یہ روز بروز تہذیب وحضارت میں- تہذیب وحضارت کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات وخصائل میں لطافت اور نرمی پیدا ہو- صحرائیت وخانہ بدوشی کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات تند اور خصائل میں وحشت وخشونت ہو- نتیجہ یہ نکلتا کہ جوں جوں اقامت گزیں قبائل شائستہ ہوتے جاتے' صحرانورد قبائل کی ہستی ان کے لیے ہولناک اور ناقابل مزاحمت ہوتی جاتی' جب کبھی دونوں میں مقابلہ ہوتا' تو شہری قبائل دیکھتے کہ صحرانورد قبائل عفریتوں کی طرح خوفناک اور درندوں کی طرح خونخوار ہیں، اور صحرانورد قبائل معلوم کر لیتے کہ ان کی غارت گریوں کے لیے شہری آبادیوں سے زیادہ کوئی سہل شکار نہیں!

البتہ صحرانورد قبائل منتشر تھے اور اقامت گزینی کے طریقوں سے ناآشنا' اقامت گزین قبائل باہم مربوط تھے اور معیشت کے منظم طریقوں سے آشنا' اس لیے قدرتی طور پر صحرانوردوں کے حملے ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے- وہ خوفناک درندوں کی طرح آبادیوں پر گرتے اور قتل وغارت کر کے نکل جاتے- لیکن جم کر ٹک نہیں سکتے تھے اور نہ علاقے فتح کر کے اپنے قبضے میں رکھ سکتے تھے- مگر جب کبھی صدیوں کے بعد ان میں کوئی حکمراں قائد پیدا ہو جاتا اور وہ بہت سے قبیلوں کو متحد کر کے ایک فوج کی نوعیت دے دیتا تو پھر قتل وغارت گری کی ایک ایسی منظم طاقت پیدا ہو جاتی جو صرف وقتی حملوں ہی پر قانع نہیں رہتی بلکہ مملکتوں اور قوموں پر قابض ہو جاتی اور شہری آبادیوں کی بڑی قوتیں بھی اس کی راہ نہیں روک سکتیں!

تاریخ شاہد ہے کہ صحرانورد اور غیر متمدن اقوام کے مقابلہ میں شہری اور متمدن اقوام کا ہمیشہ ایسا ہی حال رہا- یہاں تک کہ علم وصناعت نے ایسے ہتھیار اور جنگی وسائل پیدا کر دیے جن کے مقابلے سے غیر متمدن اقوام عاجز آ گئیں-

یاجوج ماجوج صحرانوردی کی خوفناک قوت تھی:

چنانچہ ان شمال مشرقی قبائل کی پوری تاریخ اسی حقیقت کا افسانہ ہے- ان کی جن شاخوں نے اقامت گزینی کی زندگی اختیار کر لی تھی وہ

بالکل ایک دوسری قوم بن گئیں اور جنہیں ایسے حالات میسر نہیں آئے وہ بدستور صحرانورد رہیں- اقامت گزین قبائل کے لیے صحرانورد قبائل صرف اجنبی ہی نہیں ہو گئے تھے بلکہ خوفناک بھی ہو گئے تھے کیونکہ ان کی روز افزوں شہریت ان کی صحرائی وحشت ناکیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی- یہ جب کبھی موقع پاتے قرب و جوار کی آبادیاں غارت کرتے اور اگر قبائل کا کوئی قائد نکل آتا تو ان کی غارت گریاں دور دور تک بھی پہنچ جاتیں- صدیوں تک ان کی حالت ایسی ہی رہی- پھر جب چوتھی صدی مسیحی سے ان کے اندر ایسے قائد پیدا ہونے لگے جنہوں نے نظم و اطاعت کا راز پالیا تھا تو اچانک ان کی طاقت کا ایک نیا دور شروع ہو گیا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پانچویں صدی میں اٹیلا (Attila) نے جو ہن قبیلہ کا قائد تھا ایک عظیم فاتح کی حیثیت اختیار کر لی اور رومن امپائر کی دونوں مشرقی و مغربی مملکتوں کو لرزہ براندام کر دیا- پھر یہی قبائل ہیں جو بالآخر اس طرح تمام یورپ پر چھا گئے کہ نہ صرف رومن امپائر کو بلکہ رومی تمدن کو ہمیشہ کے لیے پامال کر دیا-

چند صدیوں کے بعد تاریخ یہ منظر پھر دہراتی ہے- ہم دیکھتے ہیں کہ خود منگولیا میں ایک نیا منگولی قائد چنگیز خاں پیدا ہو گیا ہے- وہ تمام تاتاری قبائل کو اپنے ماتحت ایک قوم بنا دیتا ہے اور پھر فتح و تسخیر کا ایک ایسا ہولناک سیلاب امنڈتا ہے جسے اسلامی ممالک کی کوئی متمدن قوت بھی نہ روک سکی- وسط ایشیا سے لے کر عراق تک جو ملک اس کے سامنے آیا' خس و خاشاک کی طرح بہ گیا!

منگولی نسل کے انشعاب کے مختلف دور:

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یاجوج و ماجوج سے مقصود یہی منگولین قوم اور اس کی تمام صحرانورد اور وحشی شاخیں ہیں- اب ہم چاہتے ہیں ان کے خروج و ظہور کے مختلف دور تاریخی ترتیب سے منضبط کر لیں- اسی ضمن میں یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ سائرس کے زمانہ میں یہ قوم کہاں تھی' اور کیوں اسے سد تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ اس بارے میں تاریخ کی شہادتوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) پہلا دور تاریخی عہد سے پہلے کا ہے جب شمال شرق سے ان قبائل کے ابتدائی گروہ نکلے اور وسط ایشیا میں آباد ہو گئے پھر جنوب اور مغرب میں پھیلنے لگے- اس خروج و انشعاب کی رفتار بہت سست رہی ہو گی اور بے شمار منزلیں پیش آئی ہوں گی-

(۲) دوسرا دور صبح تاریخ کا ہے لیکن روشنی ابھی دھندلی ہے- اب اقامت گزینی اور صحرانوردی کی دو مختلف اور متوازی معیشتوں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے- شمالی ہند' ایران اور اناتولیا کے قبائل اقامت گزینی کی زندگی میں بدل چکے ہیں مگر وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود تک صحرانورد قبائل کے جتھے پھیلتے جاتے ہیں اور مشرق سے نئے نئے قبیلوں کے اقدام کا سلسلہ برابر جاری ہے- یہ زمانہ تقریباً ۳۰۰۰ قبل مسیح سے ۱۵۰۰ قبل مسیح تک کا تصور کرنا چاہیے-[۱]

(۳) تیسرا دور تاریخ کی روشنی میں پوری طرح نمایاں ہے- یہ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے- اب بحر خزر اور بحر اسود کا علاقہ ایک وحشی اور خونخوار قوم کا مرکز بن چکا ہے اور وہ مختلف ناموں میں اور مختلف جہتوں سے نمایاں ہوتی رہتی ہے- پھر اچانک تاریخ کے افق پر ''سیتھین'' قوم کا نام ابھرتا ہے یہ وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود کے شمالی کناروں تک آباد ہے اور اطراف و جوانب میں برابر حملہ آور ہوتی رہتی ہے- یہ زمانہ اشوری تمدن کے ظہور اور بابل اور نینوی کے عروج کا تھا اور ہیروڈوٹس کی زبانی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آشورین کی شمالی

---

[۱] یہ تعین اس طرح کے تمام تعینات کی طرح محض تاریخی قیاسات پر مبنی ہے اور اسی لیے اس بارے میں نظار تاریخ کی راہیں مختلف ہوئیں- البتہ حال کے انکشافات سے ایک بات تقریباً پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے- یعنی ڈھائی ہزار سال قبل مسیح اناتولیا میں ''حتی'' یا ''حتتی'' تمدن شروع ہو چکا تھا اور قدیم مصری تمدن کا معاصر تھا- بوغاز کوئی میں جو حتی کتب خانہ برآمد ہوا ہے اور جس میں بیس ہزار کے قریب منقوش تختیاں نکلی ہیں اس نے انیسویں صدی کے تاریخی تخمینے بہت کچھ بدل دیے ہیں اور اب یہ رجحان کہ اس زمانے کی مدت گھٹائی جائے' تقریباً مفقود ہو رہا ہے-

سرحد پر سیتھین قبائل کی غارت گریاں برابر جاری ہیں- یہ شمالی سرحد بحر خزر کے جنوبی ساحل اور آرمینیا کے سلسلہ کوہ تک پہنچی ہوئی تھی اور وہ کاکیشیا کے درے سے اتر کر آشوری آبادیوں پر حملہ آور ہوتے تھے پھر ٦٣٠ قبل مسیح میں اچانک ان کا ایک عظیم گروہ اسی راہ سے اترتا ہے اور ایران کا تمام مغربی حصہ پامال کر دیتا ہے- یونانی مورخ کہتے ہیں کہ آشوری مملکت کی تباہی کا ایک بڑا باعث یہی غارت گری تھی-[1]

(۴) چوتھا دور ٥٥٠ قبل مسیح کا قرار دینا چاہیے جب سائرس کا ظہور اور فارس اور میڈیا کی متحدہ شہنشاہی کی بنیاد پڑی- اس عہد میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور صدیوں تک ان کے حملوں کی کوئی صدا تاریخ کی سماعت تک نہیں پہنچتی- اس عہد میں صرف دو موقعوں پر ان کا ذکر آتا ہے- پہلا سائرس کے زمانہ میں جب وہ فتح بابل سے پہلے ''سیتھین'' قبائل کے سرحدی حملوں کا تدارک کرتا ہے- دوسرا دارا کے زمانے میں جب وہ باسفورس عبور کر کے دریائے ڈینیوب کی وادیوں میں پہنچ جاتا ہے اور ان قبائل کو دور تک بھگا دیتا ہے-

دارا کے حملہ کے بعد ان کا دباؤ شمالی یورپ کی طرف بڑھنے لگا-

(۵) پانچواں دور تیسری صدی قبل مسیح کا ہے- اس عہد میں منگولین قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا ہے اور پہلے چین کی آبادیوں پر ٹوٹتا ہے- پھر آہستہ آہستہ وسط ایشیا کی قدیم شاہراہ اختیار کرتا ہے- چین کی تاریخ میں انہیں ہیونگ نہ (Hiung nu) کے نام سے پکارا گیا ہے' اور یہی نام آگے چل کر ہن ہو گیا ہے-

یہی زمانہ ہے جب شہنشاہ چین شین ہوانگ ٹی نے ان حملوں کے روکنے کے لیے وہ عظیم الشان دیوار تعمیر کی جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے اور پندرہ سو میل تک چلی گئی ہے- اس کی تعمیر ٢١٤ قبل مسیح میں شروع ہوئی' اور بیان کیا جاتا ہے کہ دس برس میں ختم ہوئی- اس نے شمال اور مغرب کی طرف سے منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں- اس لیے ان کا رخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا-

(٦) چھٹا دور تیسری صدی مسیحی کا ہے جب ان قبائل نے یورپ میں ایک نئی کروٹ لی اور بالآخر رومی مملکت اور رومی تمدن کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا-

(۷) ساتواں اور آخری دور بارہویں صدی مسیحی اور چھٹی صدی ہجری کا ہے جب منگولیا میں تازہ دم قبائل کی ایک بڑی تعداد پھر تیار ہو گئی اور چنگیز خاں نے انہیں متحد کر کے ایک نئی فتح مند طاقت پیدا کر دی-

ذوالقرنین کے عہد میں یاجوج ماجوج:

مندرجہ صدر خلاصہ سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین قبائل کے حملوں سے غارت ہو رہا تھا اور جس ہاتھ نے اچانک ظاہر ہو کر ان کے حملے روک دیے اور پھر ہمیشہ کے لیے مغربی ایشیا یک قلم محفوظ ہو گیا وہ سائرس کا ہاتھ تھا- پس یقیناً منگولین نسل کے یہی سیتھین قبائل تھے جو یاجوج وماجوج کے نام سے پکارے جاتے تھے اور ذوالقرنین یعنی سائرس نے انہی کی راہ روکنے کے لیے سد تعمیر کی- جس طرح تین صدیوں کے بعد چینی مجبور ہوئے کہ انہیں روکنے کے لیے ایک دیوار تعمیر کریں-

سیتھین قبائل اور درہ کاکیشیا:

اب غور کرو سیتھین قبائل کے یہ حملے کس جانب سے ہوتے تھے؟ ہیرو ڈوٹس وغیرہ یونانی مورخ بتلاتے ہیں کہ صرف ایک راہ سے، یعنی کاکیشیا کے درہ سے- یہی مقام صدیوں تک دونوں علاقوں میں درمیان کا پھاٹک رہا ہے- اب اگر سائرس ان حملوں سے محفوظ ہونا چاہتا تھا تو

[1] ہیرو ڈوٹس-١-١٠۴-

کیا اس کے لیے ضروری نہ تھا کہ یہ پھاٹک بند کر دے؟ قدرتی طور پر ضروری تھا اور اس لیے اس نے سد تعمیر کر کے یہ راہ مسدود کر دی- چونکہ ان حملوں کی صرف یہی ایک راہ تھی اور وہ اس طرح بند کر دی گئی- اس لیے یاجوجی حملوں کا بھی یک قلم خاتمہ ہو گیا-

حزقیل کی پیشین گوئی کا مصداق:

اب پھر حزقی ایل نبی کی پیشین گوئی پر ایک نظر ڈال لو- اس میں جوج کو روش' مسک اور توبال کا سردار کہا ہے اور یہ ٹھیک انہی قبائل کے نام ہیں- ''روش'' وہی ہے جس سے ''رشیا'' نکلا- ''مسک'' وہی ہے جو ''موسکو'' ہوا' اور ''توبال'' بحر اسود کا بالائی علاقہ تھا- پھر کہا ہے کہ ''میں تجھے پھرا دوں گا'' اور ''تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا'' یہ وہی واقعہ ہے کہ سائرس نے سیتھین قبائل کے منہ پھرا دیے اور سد تعمیر کر کے ان پر ان کی راہ روک دی- پھر کہا ہے ''ایسا معاملہ واقع ہو گا کہ ان کے تمام ہتھیار جلا دیے جائیں گے'' اور ''رہ گزروں کی ایک وادی میں جو سمندر کے پورب میں ہے ان قوموں کا گورستان بنے گا'' نیز عرصہ تک لوگ لاشیں گاڑتے رہیں گے تاکہ ''راہ صاف کریں'' یہ وہ واقعہ ہے جو دارا کے حملہ یورپ میں پیش آیا- دارا کی فوج مملکت کی تمام اقوام سے مرکب تھی- اس میں یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی- وہ باسفورس عبور کر کے مشرقی یورپ میں پہنچ گیا تھا اور اگرچہ یونانیوں کی بے وفائی کی وجہ سے اسے واپس ہونا پڑا' لیکن اس لشکر کشی میں بے شمار سیتھین مارے گئے اور ان کی قوت عرصہ تک کے لیے مضمحل ہو گئی-

مکاشفات یوحنا کا معمہ:

باقی رہی وہ پیشین گوئی جو مکاشفات یوحنا میں ملتی ہے- تو مکاشفات کے اکثر مقامات کی طرح اس مقام کی بھی کوئی جمتی ہوئی تفسیر شارحین انجیل نہ کر سکے- اس میں ایک ہزار برس کی مدت بتلائی گئی ہے- سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مدت سے مقصود کون سی مدت ہے اور کب سے شروع ہوتی ہے؟ اگر حضرت مسیح علیہ السلام سے شروع ہوتی ہو تو ظاہر ہے کہ دسویں صدی مسیحی میں کوئی ایسا واقعہ ظہور میں نہیں آیا- ہو سکتا ہے کہ ہزار برس سے مقصود وہ مدت ہو جو سقوط بابل سے شروع ہوتی ہے کیونکہ اس معاملہ سے پہلے بابل کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے- اگر ایسا ہی ہے تو پھر ایک بات بن سکتی ہے- بابل کا سقوط چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا ہے اور چوتھی صدی مسیحی میں یورپ کے منگولین قبائل نے رومی مملکت پر حملے شروع کر دیے ہیں- پس یاجوج و ماجوج کا یہ خروج سقوط بابل کے ہزار برس بعد ضرور ہوا ہے-

کتاب پیدائش کی تفریح:

''ماجوج'' کا ذکر تورات کی کتاب پیدائش میں بھی آیا ہے جہاں حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکوں سام' حام اور یافث سے اقوام عالم کا پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے- چنانچہ یافث کی نسبت لکھا ہے کہ اس سے ''جمر' ماجوج' مادی' یونان' توبال' مسک اور تیراس پیدا ہوئے'' (۱۰:۲) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماجوج سے مقصود منگولین نسل ہے- کیونکہ قدیم مورخوں نے اسی تصریح کی بنا پر انہیں یافثی نسل قرار دیا ہے- علاوہ بریں اگر یہ صحیح ہے کہ کتاب پیدائش کا مواد قید بابل کے زمانے میں تیار ہوا ہے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ماجوج اور مادیوں کو ہم نسل سمجھا جاتا تھا-

یہ یاد رہے کہ اگرچہ دنیا عرصہ تک کتاب پیدائش کے اس بیان پر مطمئن رہی اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا کہ تمام قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکوں ہی سے پیدا ہوئی ہیں لیکن اب اس کی علمی قدر و قیمت یک قلم مشتبہ ہو گئی ہے اور اسے کوئی بھی اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے ایک تاریخی بیان کو دیکھنا چاہیے- زیادہ سے زیادہ یہ ایک ایسا نوشتہ ہے جس میں ہمیں ۵۰۰ قبل مسیح کے یہودی تصورات نظر آ جاتے ہیں- بلاشبہ ان میں ایک عنصر ان مقدس روایتوں کا بھی ہے جو قومی حافظہ نے محفوظ رکھی تھیں لیکن ساتھ ہی بابلی اور آشوری روایتوں کا

بھی ایک عنصر شامل ہو گیا ہے جو قیام بابل کی طویل مدت کا قدرتی نتیجہ تھا۔

سد یاجوج:

(۱۰) اب ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا صحیح محل کیا تھا اور موجودہ زمانہ کے نقشہ میں اسے کہاں ڈھونڈنا چاہیے؟

دیوار دربند:

بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد ہے یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کاکیشیا کا سلسلہ کوہ ختم ہوتا اور بحر خزر سے مل جاتا ہے۔ اس مقام پر قدیم زمانے سے ایک عریض و طویل دیوار موجود ہے جو سمندر سے شروع ہو کر تقریباً تیس میل تک مغرب میں چلی گئی ہے اور اس مقام تک پہنچ گئی ہے جہاں کاکیشیا کا مشرقی حصہ بہت زیادہ بلند ہو گیا ہے۔ اس طرح اس دیوار نے ایک طرف بحر خزر کا ساحلی مقام بند کر دیا تھا دوسری طرف پہاڑ کا تمام وہ حصہ بھی روک دیا تھا جو ڈھلوان ہونے کی وجہ سے قابل عبور ہو سکتا تھا۔ ساحل کی طرف یہ دیوار دہری ہے یعنی اگر آذربائجان سے ساحل ہوتے ہوئے آگے بڑھیں تو پہلے ایک دیوار ملتی ہے جو سمندر سے برابر مغرب کی طرف چلی گئی ہے۔ اس میں پہلے ایک دروازہ تھا۔ دروازہ سے جب گزرتے تھے تو شہر دربند ملتا تھا۔ اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔ دربند سے آگے پھر اسی طرح کی ایک دیوار ملتی ہے لیکن یہ دہری دیوار صرف دو میل تک گئی ہے۔ اس کے بعد اکہری دیوار کا سلسلہ ہے۔ دونوں دیواریں جہاں جا کر ملی ہیں وہاں ایک قلعہ ہے۔ قلعہ تک پہنچ کر دونوں کا درمیانی فاصلہ سو گز سے زیادہ نہیں رہتا لیکن ساحل کے پاس پانچ سو گز ہے اور اسی پانچ سو گز کے عرض میں دربند آباد ہے۔ اس دہری دیوار کو ایرانی قدیم سے ''دوبارہ'' کہتے آئے ہیں۔ یعنی دہرا سلسلہ۔

یہ قطعی ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے ساسانی عہد میں یہ مقام موجود تھا اور اسے ''دربند'' کہا جاتا تھا یعنی ''بند دروازہ'' کیونکہ مقدسی، ہمدانی، مسعودی، اصطخری، یاقوت اور قزوینی وغیرہ تمام مسلمان مورخوں اور جغرافیہ نویسوں نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ہے اور سب لکھتے ہیں کہ ساسانی عہد میں یہ مقام شمالی سرحد کا سب سے زیادہ اہم مقام تھا۔ کیونکہ اسی راہ سے شمال کے حملہ آور ایران کی طرف بڑھ سکتے تھے۔ یہ ایرانی مملکت کی کنجی تھی۔ جس کے ہاتھ یہ کنجی آ جاتی۔ وہ پوری مملکت کا مالک ہو جاتا۔ اسی لیے ضروری ہوا کہ اس کی حفاظت کا اس درجہ اہتمام کیا جائے۔[1]

باب الابواب:

مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں جب یہ علاقہ فتح کیا تو ساسانیوں کی طرح انہوں نے بھی اس مقام کی اہمیت محسوس کی۔ وہ اسے ''باب الابواب'' اور ''الباب'' کے نام سے پکارنے لگے۔ کیونکہ مملکت کے لیے یہی مقام شمال کا دروازہ تھا اور ان بہت سے دروازوں میں سے آخری دروازہ جو اس دیوار کے طول میں بنائے گئے تھے۔ بعضوں نے اسے ''باب الترک'' اور ''باب الخزر'' کے نام سے بھی پکارا ہے کیونکہ تاتاریوں اور تاتاری النسل کاکیشین قبیلوں کی آمد و رفت کی راہ یہی تھی۔

درۂ داریال کی دیوار:

اس مقام سے جب مغرب کی طرف کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں اور آگے بڑھتے ہیں تو ایک اور مقام ملتا ہے جو درۂ داریال

[1] عرب جغرافیہ نویس دربند ہی کے نام سے اس کا ذکر کرتے ہیں لیکن چونکہ عام نام باب الابواب پڑ گیا تھا اس لیے عنوان کے لیے اکثروں نے باب الابواب اختیار کیا ہے۔ چنانچہ یاقوت نے معجم البلدان میں اس مقام کا حال ''باب الابواب'' ہی کے نام سے لکھا ہے۔ پس حرف ''با'' میں دیکھنا چاہیے نہ کہ ''دال'' میں۔

(Darial Pass) کے نام سے مشہور ہے' اور موجودہ زمانہ کے نقشہ میں اس کا محل ولاڈی کیوکز (Vladi Kaukaz) اور تفلس کے درمیان دکھایا جاتا ہے- یہ کاکیشیا کے نہایت بلند حصوں میں سے ہو کر گزرا ہے اور دور تک دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے- یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار موجود ہے' اور ارمنی روایتوں میں اسے ''آہنی دروازہ'' کے نام سے پکارا گیا ہے-

نوشیرواں کا انتساب:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دیوار کس نے تعمیر کی تھی؟ تمام عرب مورخوں کا بیان ہے کہ نوشیراں نے تعمیر کی تھی- چنانچہ مسعودی نے اس کی تعمیر کی بعض تفصیلات بھی بیان کی ہیں[1] اور بعد کے تمام مصنف اسے نقل کرتے آئے ہیں- لیکن جب ہم قبل از اسلام عہد کے تاریخی نوشتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نوشیراں کے عہد سے بہت پہلے یہاں ایک دیوار موجود تھی اور اس نے شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا- چنانچہ سب سے پہلے پہلی صدی مسیحی میں مشہور عبرانی مورخ جوزیفس اس کا ذکر کرتا ہے- پھر پروکوپیئس (Procopius) چھٹی صدی مسیحی کے اوائل میں خود اپنا عینی مشاہدہ نقل کرتا ہے- کیونکہ ۵۲۸ مسیحی میں جب رومن جنرل بلی ساریوس (Belisarius) نے اس علاقہ پر حملہ کیا ہے تو یہ اس کے ہمراہ تھا- نوشیرواں کا زمانہ ۵۳۱م سے ۵۷۹م تک تھا- اس لیے ظاہر ہے کہ یہ استحکامات اس کے بنائے ہوئے نہیں ہو سکتے -

سکندر کا انتساب:

اب یہاں ایک اور الجھاؤ پڑتا ہے- جوزیفس اور پروکوپیئس دونوں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا- حالانکہ سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ تاریخ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اور کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس علاقہ میں آیا ہو یا یہاں کوئی جنگ کی ہو-[2]

زمانہ حال کے ایک مورخ مسٹر اے وی- ولیمس جیکسن (پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی) نے اس علاقہ کی سیاحت کی ہے اور اس کے تفصیلی حالات اپنے سفرنامہ میں بیان کیے ہیں- وہ اس مشکل کا یہ حل تجویز کرتے ہیں کہ سکندر کے کسی جنرل نے یہ استحکامات تعمیر کیے ہوں گے- کم از کم درۂ داریال کے استحکامات- بعد کو ساسانی فرمانرواؤں نے انہیں اور زیادہ وسیع اور مکمل کر دیا- چونکہ ابتدائی تعمیر سکندر کے عہد کی تھی اس لیے سکندر کی طرف منسوب ہوگئی-[3]

لیکن جب سکندر کے تمام فوجی اعمال خود اس کے عہد میں اور خود اس کے ساتھیوں نے قلمبند کر دیے ہیں اور ان میں کہیں بھی کاکیشیا کی لڑائی یا کاکیشیا کے استحکامات کی تعمیر کا اشارہ نہیں ملتا تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس طرح کی توجیہات قابل اطمینان تسلیم کر لی جائیں؟

اس طرح کے غیر معمولی استحکامات جبھی تعمیر کیے جا سکتے ہیں جب کہ امن و حفاظت کی ضرورت نے انہیں ناگزیر کر دیا ہو- لیکن سکندر کو اپنی تمام فتوحات میں اس طرح کی کوئی ضرورت پیش ہی نہیں آئی- اس کے زمانے میں یہ علاقہ ایران کی قدیم شہنشاہی کے ماتحت تھا- اس نے شام کی راہ سے ایران پر حملہ کیا اور پھر وسط ایشیا ہوتا ہوا ہندوستان چلا گیا- ہندوستان سے واپسی پر ابھی بابل ہی میں تھا کہ انتقال کر گیا-

---

۱ مروج الذہب صفحہ ۲۰

۲ بہت ممکن ہے کہ سکندر کی نسبت یہ خیال اس بنا پر پیدا ہو گیا ہو کہ بعد کے بعض مورخوں نے غلطی سے اس سلسلہ کوہ کو کاکیسس لکھ دیا ہے جو بحر خزر کے مشرقی جانب واقع ہے اور جسے سکندر نے وسط ایشیا سے ہندوستان جاتے ہوئے طے کیا تھا- اسٹرابو نے اس غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے-

۳ دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب ''فروم کونسٹنٹی نوپل ٹو دی ہوم آف عمر خیام'' صفحہ ۶۲ - ہم ان کی ایک دوسری تصنیف کا زردشت کے حالات میں حوالہ دے چکے ہیں- یونانی کاکیشیا' روسی کیوکز اور فارسی قفقاز ایک ہی لفظ ہے-

ایسی حالت میں وہ کون سے حالات ہو سکتے ہیں جو کا کیشیا کے استحکامات پر اسے مجبور کر سکتے تھے؟ اور اگر پیش آئے تو کب؟

سکندر کا انتساب صحیح نہیں:

اصل یہ ہے کہ یہ استحکامات سکندر سے دو سو برس پہلے سائرس نے تعمیر کیے تھے اور درۂ داریال کی سد وہی سد ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔

حسب ذیل وجوہ و قرائن سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے:۔

اولاً' سائرس اور سکندر کی دو باتیں تاریخ کی قطعی روشنی میں آ چکی ہیں۔ سائرس کے زمانے میں یہاں سے سیتھین قوم کے حملے ہو رہے تھے۔ سکندر کے زمانے میں کوئی حملہ آور نہیں تھا۔ سائرس کے لیے ضروری تھا کہ یہ راہ روکے۔ سکندر کو کوئی ایسی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سائرس کی نسبت ہیروڈوٹس اور زینوفن کی شہادت موجود ہے کہ فتح لیڈیا کے بعد سیتھین قوم کے سرحدی حملوں کی روک تھام کی۔ سکندر کی نسبت کوئی ایسی شہادت موجود نہیں۔ ان باتوں کے جمع کرنے سے جو تاریخی قرینہ پیدا ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ یہ سد سائرس نے تعمیر کی ہوگی۔ نہ کہ سکندر کے حکم سے اس کے کسی افسر نے۔

ثانیاً' پروکوپیس کے علاوہ قدیم مورخوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً ٹسی ٹس (Tacitus) اور لیڈس (Lydus) نے۔ وہ ہمیں بتلاتے ہیں کہ رومی اسے ''کاسپین پورٹا'' کے نام سے پکارتے تھے۔ یعنی ''باب کاسپین'' لیکن اس طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے کہ یہ سکندر کے عہد کی تعمیر ہے۔

ثالثاً' ایک مثبت شہادت بھی موجود ہے جو سائرس کی طرف ذہن منتقل کر دیتی ہے۔ یہ ارمنی نوشتوں کی شہادت ہے جسے قرب محل کی وجہ سے مقامی شہادت تصور کرنا چاہیے۔ ارمنی زبان میں اس کا قدیم نام ''پھاک کورائی'' اور ''کاپان کورائی'' چلا آتا ہے۔ دونوں ناموں کا مطلب یہ ہے کہ ''کور کا درہ'' [1] سوال یہ ہے کہ ''کور'' سے مقصود کیا ہے؟ کیا یہ ''گورش'' کی بدلی ہوئی شکل نہیں ہے جو سائرس کا اصلی نام تھا جیسا کہ دارا کے کتبہ اصطخر میں پڑھا جا چکا ہے؟

پروفیسر جیکسن اس ارمنی نام کا ذکر کرتے ہیں' لیکن وہ ''کور'' کا تلفظ ''سور'' کرتے ہیں' اور پھر عربی کے ایک نام ''سول'' کا اسے ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح لفظ کی حقیقت گم ہو جاتی ہے۔

اب ایک سوال اور غور طلب ہے۔ ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تھی وہ درۂ داریال کی سد ہے' یا دربند کی دیوار؟ یا دونوں؟

متذکرۂ قرآن سد درۂ داریال کی سد ہے نہ کہ دربند کی:

قرآن میں ہے کہ ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا' اس نے آہنی تختیوں سے کام لیا' اس نے درمیان کا حصہ پاٹ کے برابر کر دیا' اس نے پگھلا ہوا تانبا استعمال کیا۔ تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی دربند کی دیوار پر صادق نہیں آتیں۔ یہ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کی دیوار ہے اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان نہیں ہے بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصے تک چلی گئی ہے۔ اس میں آہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پس یہ قطعی ہے کہ ذوالقرنین والی سد کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا۔

البتہ درۂ داریال کا مقام ٹھیک ٹھیک قرآن کی تصریحات کے مطابق ہے۔ یہ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان ہے اور جو سد تعمیر کی گئی ہے

---

[1] دربند نامہ صفحہ ۲۱۔ دربند کی تاریخ میں یہ ایک نہایت جامع کتاب ہے جو ۱۸۴۵ء میں ایک ترک مصنف کاظم بک نے لکھی ہے۔ یہ سینٹ پیٹرز برگ یونیورسٹی میں ترکی و فارسی کا پروفیسر تھا' اور خود دربند کا باشندہ تھا۔ ۱۸۵۱ء میں اس کا انگریزی ترجمہ ہسٹری آف دربند کے نام سے شائع ہوا۔

اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کر دی ہے- چونکہ اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا' اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں ''آہنی دروازہ'' کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے- اسی کا ترجمہ ترکی میں ''دامر کپو'' مشہور ہو گیا-[1]

بہر حال ذوالقرنین کی اصلی سد یہی سد ہے- ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد خود اس نے یا اس کے جانشینوں نے یہ دیکھ کر کہ کیشیا کا مشرقی ڈھلوان بھی خطرہ سے خالی نہیں دربند کی دیوار تعمیر کر دی ہو اور نوشیرواں نے اسے اور مضبوط کیا ہو- یا ممکن ہے کہ فی الحقیقت نوشیرواں ہی کی تعمیر ہو-

دربند کی دہری دیوار ۱۷۹۶ء تک موجود تھی جس کی تصویر ایک روسی سیاح کی بنائی ہوئی ایچ والڈ (Eichwald) نے اپنی کتاب ''کواکیسیس''، میں نقل کی ہے' لیکن ۱۹۰۴ء میں جب پروفیسر جیکسن نے اس کا معاینہ کیا تو گو آثار باقی تھے لیکن دیوار گر چکی تھی- البتہ اکہری دیوار اکثر حصوں میں اب تک باقی ہے-

(۱۱) موجودہ زمانہ کے شارحین تورات میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے کہ یاجوج و ماجوج سے سیتھین قوم مراد تھی- لیکن وہ حزقی ایل کی پیشین گوئی کا محل ان کا وہ حملہ قرار دیتے ہیں جو ہیروڈوٹس کے قول کے مطابق ۶۳۰ قبل مسیح میں ہوا تھا- لیکن اس صورت میں یہ مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ حزقی ایل کی کتاب بابل کی اسیری کے زمانہ میں لکھی گئی ہے- کیونکہ وہ خود بھی بخت نصر کے اسیروں میں سے تھے اور سیتھین حملہ اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا- اس باب میں مزید تفصیلات کے لیے انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا اور جیویش انسائیکلوپیڈیا میں لفظ (Gog) کا مقالہ دیکھنا چاہیے-

(۱۲) ہم نے ذوالقرنین کے مبحث میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے- کیونکہ زمانہ حال کے معترضین قرآن نے اس مقام کو سب سے زیادہ اپنے معاندانہ استہزاء کا نشانہ بنایا ہے- وہ کہتے ہیں ذوالقرنین کی کوئی تاریخی اصلیت نہیں ہے- یہ محض عرب یہودیوں کی ایک کہانی تھی جو پیغمبر اسلام نے اپنی خوش اعتقادی سے صحیح سمجھ لی اور نقل کر دی- اس لیے ضروری تھا کہ ایک مرتبہ یہ مسئلہ اس طرح صاف کر دیا جائے کہ شک و تردد کا کوئی پہلو باقی نہ رہے-

استدراک

(۱) ہم نے سائرس کے جس مجسمہ کا اوپر ذکر کیا ہے اور جس سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ''ذوالقرنین'' اسی کا لقب تھا وہ قدیم سنگ تراشی کی صناعیوں کا ایک نہایت نادر نمونہ ہے اور موجودہ عہد کے تمام اہل نظر کا فیصلہ ہے کہ یونانی سنگ تراشی کے نمونوں کی صف میں اگر کوئی ایشیائی نمونہ رکھا جاسکتا ہے تو وہ یہی سائرس کا مرمری مجسمہ ہے- یہ ایران کے قدیم دارالحکومت استخر سے تقریباً پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے- یہاں دارا نے شاہی محل تعمیر کیا تھا- اب اس کا بقیہ صرف چند مرمری ستون رہ گئے ہیں- انہی میں سے ایک مربع ستون پر یہ مجسمہ ابھارا گیا تھا-

سب سے پہلے ۱۸۳۷ء میں جیمس موریر (Morior) نے اس کی موجودگی سے علمی دنیا کو روشناس کیا- پھر چند سال بعد سر رابرٹ کیر

---

[1] ترجمہ دربند نامۂ کاظم بک صفحہ ۲۱- پروفیسر جیکسن نے بھی اس نام کا ذکر کیا ہے' اور اسے قدیم ایام کے نام سے تعبیر کیا ہے (فروم کونسٹنٹی نوپل ٹو ہوم آف عمر خیام صفحہ ۶۱)

پورٹر (Robert Kerr Porter) نے اس مقام کی علمی پیائش و تحقیق کر کے مفصل معلومات بہم پہنچائیں اور اپنے سفر نامہ جارجیا و ایران میں مجسمے کی وہ نقل بھی شائع کر دی جو اس نے پنسل سے تیار کی تھی- اس وقت تک قدیم پہلوی زبان اور میخی خطوط کا مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہوا تھا- تاہم یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ مجسمہ سائرس ہی کا ہے- بعد کی تحقیقات نے مزید تصدیق کر دی- پھر ۱۸۸۴ء میں ڈی لافو (Dieulafoy) نے اپنی مشہور کتاب (L"art antique en Perse) میں اس کا اصلی عکس شائع کر دیا اور اس طرح مجسمہ کی اصلی نوعیت دنیا کے سامنے آ گئی-

اس وقت سے لے کر یہ مجسمہ تاریخ قدیم کے مباحث کا ایک عام موضوع رہا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج تک کسی یورپین مستشرق کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ اس کی نوعیت میں قرآن کے ''ذوالقرنین'' کی صریح اور قطعی تصدیق نمایاں ہو گئی ہے- ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ تغافل مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے- کیونکہ ان میں کافی تعداد ایسے اہل علم کی ہے جو یقیناً ان تعصبات کی آلودگیوں سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں- تاہم اس میں شک نہیں، یہ تغافل علم و نظر کے عجائب مستثنیات میں سے ہے!

(۲) اس مجسمہ میں سائرس کے سر پر دو سینگ نکلے ہوئے ہیں اور اطراف میں عقاب کے سے پر- سینگوں کا مطلب واضح ہو چکا، لیکن عقاب کے سے پر کیوں بنائے گئے؟

اس کا جواب بھی ہمیں یسعیاہ نبی کے صحیفہ سے مل جاتا ہے- اس میں جہاں سائرس کے ظہور کی خبر دی گئی ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ:

''دیکھو، میں ایک عقاب کو پورب سے بلاتا ہوں- اس شخص کو جو ایک دور کے ملک سے آ کر میری ساری مرضی پوری کرے گا''

(باب ۴۶:۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح دو سینگوں کا معاملہ دانیال نبی کے مکاشفہ سے تعلق رکھتا ہے اسی طرح عقاب کی تشبیہ یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں آ چکی ہے- خواہ یہ پیشین گوئیاں بعد میں بنائی گئی ہوں خواہ فی الحقیقت پیشتر کی ہوں، لیکن یہ ظاہر ہو گیا کہ سائرس کے لیے دو سینگوں کا اور عقاب کا تخیل پیدا ہو چکا تھا اور ٹھیک ٹھیک یہی تخیل ہے جو اس مجسمہ میں متشکل ہو گیا ہے-

❋ ❋ ❋

اٰيَاتُهَا : 98 | سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا : 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝١ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝٢ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝٣ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ
الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝٤ وَاِنِّىْ خِفْتُ الْمَوَالِىَ
مِنْ وَّرَآءِىْ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا فَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝٥ يَّرِثُنِىْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ
يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝٦ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ
قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝٨

کاف-ہا-یا-عین-صاد-(۱)

(اے پیغمبر!) تیرے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر جو مہربانی کی تھی' یہ اس کا بیان ہے-(۲)

جب ایسا ہوا تھا کہ زکریا نے چپکے چپکے اپنے پروردگار کو پکارا- اس نے عرض کیا "پروردگار! میرا جسم کمزور پڑ گیا ہے-(۳) میرے سر کے بال بڑھاپے سے بالکل سفید ہو گئے- خدایا! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تیری جناب میں دعا کی ہو اور محروم رہا ہوں-(۴) مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے بھائی بندوں سے اندیشہ ہے (کہ نہیں معلوم وہ کیا کریں) اور میری بیوی بانجھ ہے (اس لیے بظاہر حالات اولاد کی امید نہیں) پس تو اپنے خاص فضل سے مجھے ایک وارث بخش دے-(۵) ایسا وارث جو میرا بھی وارث ہو اور خاندان یعقوب (کی برکتوں) کا بھی- اور پروردگار! اسے ایسا کر دیجیو کہ (تیرے اور تیرے بندوں کی نظر میں) پسندیدہ ہو!"(۶)

(اس پر حکم ہوا) "اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی (پیدائش کی) خوشخبری دیتے ہیں- اس کا نام یحییٰ رکھا جائے- اس سے پہلے ہم نے کسی کے لیے یہ نام نہیں ٹھہرایا ہے"-(۷)

زکریا نے (متعجب ہو کر) کہا "پروردگار! میرے یہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے- میری بیوی بانجھ ہو چکی اور میرا بڑھاپا دور تک پہنچ چکا"-(۸)

---

(۱) نزول کے اعتبار سے یہ پہلی سورت ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے حالات بہ تفصیل بیان کیے گئے ہیں' اور ان گمراہیوں کا ازالہ کیا ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں میں اس مقدس شخصیت کے بارے میں پھیلی ہوئی تھیں-

تمام انجیلیں متفق ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام (یوحنا) کا ظہور دعوت مسیحی کے ظہور کا مقدمہ تھا- چنانچہ لوقا کی انجیل میں پہلے حضرت یوحنا کی پیدائش کا واقعہ بیان کیا ہے- پھر اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا- قرآن نے بھی یہاں اسی طریقہ پر بیان شروع کیا ہے-

(۲) لوقا کی انجیل میں ہے کہ "ابیاہ کی جماعت میں سے زکریاہ نام ایک کاہن تھا- اس کی بیوی الیشبع ہارون کی اولاد میں سے تھی- دونوں راست باز اور خداوند کے حکموں پر بے عیب چلنے والے تھے- ان کے اولاد نہ تھی- کیونکہ الیشبع بانجھ تھی' اور دونوں عمر رسیدہ تھے"(۱:۵) ہیکل کی مقدس رسوم ادا کرنے کے لیے کاہن مقرر تھے- اور ہر جماعت کے آدمی کی نوبت مقرر تھی- ایک مرتبہ جب حضرت زکریا کی نوبت آئی اور وہ قربان گاہ میں خوشبو جلانے کے لیے داخل ہوئے تو خداوند کا فرشتہ انہیں نظر آیا- اس نے کہا "تیری دعا قبول ہوئی' تیری

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ
قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ
سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَ
كَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ
يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ

وقف لازم ع ۵

ارشاد ہوا ''ایسا ہی ہوگا - تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے کچھ مشکل نہیں - میں نے اس سے پہلے خود تجھے پیدا کیا حالانکہ تیری ہستی کا نام ونشان نہ تھا-'' (۹) اس پر زکریا نے عرض کیا ''خدایا! میرے لیے (اس بارے میں) ایک نشانی ٹھہرا دے'' - فرمایا ''تیری نشانی یہ ہے کہ تین رات لگا تار لوگوں سے بات نہ کر'' (۱۰)

پھر وہ قربان گاہ سے نکلا اور اپنے لوگوں میں آیا (جو حسب معمول اس کا انتظار کر رہے تھے) اس نے (زبان نہ کھولی) اشارہ سے کہا - ''صبح شام خدا کی پاکی وجلال کی صدائیں بلند کرتے رہو!''

''اے یحییٰ!'' (خدا کا حکم ہوا' کیونکہ وہ خوشخبری کے مطابق پیدا ہوا اور بڑھا) ''کتاب الٰہی کے پیچھے مضبوطی کے ساتھ لگ جا'' (۱۲) چنانچہ وہ ابھی لڑکا ہی تھا کہ ہم نے اسے علم وفضیلت بخش دی - نیز اپنے فضل خاص سے دل کی نرمی اور نفس کی پاکی عطا فرمائی - (۱۳) وہ پرہیزگار اور ماں باپ کا خدمت گزار تھا - سخت گیر اور نافرمان نہ تھا - (۱۴) اس پر سلام ہو (یعنی سلامتی ہو) جس دن پیدا ہوا' اور جس دن مرا' اور جس دن پھر زندہ اٹھایا جائے گا - (۱۵) اور (اے پیغمبر!) کتاب میں مریم کا معاملہ بیان کر - اس وقت کا معاملہ جب وہ ایک مکان میں کہ پورب کی طرف تھا اپنے گھر کے آدمیوں سے الگ ہوگئی - (۱۶)

پھر اس نے ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا - پس ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا' اور وہ ایک بھلے

بیوی بیٹا جنے گی - تو اس کا نام یوحنا رکھیو'' - (لوقا: ۸)

(۳) انجیل میں ہے ''زکریا نے کہا' میں یہ بات کس طرح جانوں کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟ جبریل نے کہا..... جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا..... جب زکریا باہر آیا تو وہ لوگوں سے اشارے کرتا تھا - بول نہیں سکتا تھا'' (لوقا: ۱۸) قرآن نے یہ نہیں کہا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام گونگے ہو گئے تھے - یہ یقیناً بعد کی تعبیرات ہیں جو حسب معمول پیدا ہو گئیں - صاف بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو روزہ رکھنے اور مشغول عبادت رہنے کا حکم ہوا' اور یہودیوں کے یہاں روزہ کے اعمال میں سے ایک عمل خاموشی بھی تھی -

چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے - لڑکپن ہی سے ان کی زندگی زہد وعبادت اور گوشہ نشینی واعتکاف کی زندگی تھی -

انجیل میں ہے کہ ان کی تمام ابتدائی زندگی صحرا میں بسر ہوئی - پھر وہیں ان پر اللہ کا کلام نازل ہوا' تب انہوں نے دریائے یردن کے نواح میں توبہ وانابت کی منادی شروع کر دی - وہ پکارتے تھے کہ آنے والے وقت کے لیے تیار ہو جاؤ - (لوقا باب ۳)

(۴) انجیل میں ہے کہ مندرجہ صدر واقعہ کے چھ ماہ بعد جبریل علیہ السلام مریم علیہا السلام پر نمودار ہوا' جس کی منگنی یوسف نامی ایک نوجوان سے ہو چکی تھی' اور اسے کہا ''تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی - اس کا نام یسوع رکھیو'' - (لوقا: ۲۶)

حِجَابًا ۗ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ
كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ
غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ
اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾
فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾
فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ

چنگے آدمی کے روپ میں نمایاں ہوگیا۔ (۱۷) مریم اسے دیکھ کر (گھبرا گئی۔ وہ) بولی "اگر تو نیک آدمی ہے، تو میں خدائے رحمان کے نام پر تجھ سے پناہ مانگتی ہوں!" (۱۸)

فرشتہ نے کہا "میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں، اور اس لیے نمودار ہوا ہوں کہ تجھے ایک پاک فرزند دے دوں" (۱۹) مریم بولی "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو، حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا نہیں اور نہ میں بدچلن ہوں؟" فرشتے نے کہا "ہوگا ایسا ہی۔ تیرے پروردگار نے فرمادیا کہ یہ میرے لیے کچھ مشکل نہیں۔ وہ کہتا ہے، یہ اس لیے ہوگا کہ اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنادوں، اور میری رحمت کا اس میں ظہور ہو۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا ہونا طے پاچکا!" (۲۱) پھر اس ہونے والے فرزند کا حمل ٹھہر گیا۔ وہ (اپنی حالت چھپانے کے لیے) لوگوں سے الگ ہوکر دور چلی گئی۔ (۲۲) پھر اسے دردِزہ (کا اضطراب) کھجور کے ایک درخت کے نیچے لے گیا (وہ اس کے تنا کے سہارے بیٹھ گئی)۔ اس نے کہا "کاش میں اس سے پہلی مرچکی ہوتی۔ میری ہستی لوگ یک قلم بھول گئے ہوتے!" (۲۳)

اس وقت (ایک پکارنے والے فرشتہ) نے اسے نیچے سے پکارا (یعنی نخلستان کے نشیب سے پکارا) "غمگین نہ ہو۔ تیرے پروردگار نے تیرے تلے ایک بڑی ہستی پیدا کردی ہے۔[1] تو کھجور کے درخت کا تنا پکڑ کے اپنی طرف ہلا۔ تازہ اور پکے ہوئے

نیز یہ کہ "مریم زکریاہ کی بیوی الیشبع کی رشتہ دار تھی، اور بشارت کے بعد اس سے ملنے گئی (۱:۳۹)

(۵) آیت (۱۶) میں ﴿ مكانا شرقيا ﴾ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام ہیکل چھوڑ کر جہاں ان کی پرورش ہوئی تھی اپنے آبائی وطن ناصرہ میں چلی گئیں۔ یہ یروشلم کے شمال مشرق میں واقع ہے اور باشندگانِ یروشلم کے لیے مشرق کا حکم رکھتا ہے۔ انجیل سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ وہ اس معاملہ کا محلِ وقوع ناصرہ ہی بتلاتے ہیں۔ (لوقا ۱:۲۶)

(۶) آیت (۲۱) میں حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت دو باتیں فرمائی ہیں۔ اللہ کی نشانی ہوں گے، اور اس کی رحمت۔ غور کرو، ان دو لفظوں نے کس طرح ان کی شخصیت کی پوری تصویر نمایاں کردی ہے؟ وہ اپنی ساری باتوں میں کرشمہ سازِ قدرت کی ایک نشانی تھی۔ ان کے ظہور کا تمام تر پیام نوعِ انسانی کے لیے رحم و محبت کا پیام تھا!

گویا ان کی شخصیت کی پوری تاریخ ان دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے ﴿ اية للناس ورحمة منا! ﴾

[1] اصل میں "سریا" ہے۔ عربی میں "السری" عظیم الشان انسانوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ من قولهم فلان سری۔ ای عظیم ومن قوم سراة۔ ای عظام (ابن سیدہ) لیکن چونکہ "سریا" کے ایک معنی چھوٹی نہر کے بھی ہیں، اس لیے عام طور پر یہاں سریا کا ترجمہ نہر اور چشمہ کیا گیا ہے۔ ہم نے پہلے مطلب کو ترجیح دی۔ ح

تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۙ فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ
لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾
يٰأُخْتَ هٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ
كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ ۖ آتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَّجَعَلَنِي مُبٰرَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَ
أَوْصٰنِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَتِي ۠ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ

پھلوں کے خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے۔ (۲۵) کھا پی، (اپنے بچے کے نظارہ سے) آنکھیں ٹھنڈی کر (اور سارا غم و ہراس بھول جا)۔ پھر اگر کوئی آدمی نظر آ جائے (اور پوچھ گچھ کرنے لگے) تو (اشارہ سے) کہہ دے میں نے خدائے رحمان کے حضور روزہ کی منت مان رکھی ہے۔ میں آج کسی آدمی سے بات چیت نہیں کر سکتی"۔ (۲۶)

پھر ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے پاس آئی۔ لڑکا اس کی گود میں تھا۔ لوگ (دیکھتے ہی) بول اٹھے "مریم! تو نے بڑی ہی عجیب بات کر دکھائی۔ (۲۷) اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا۔ نہ تیری ماں بدچلن تھی" (یہ تو کیا کر بیٹھی!) (۲۸)

اس پر مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا (کہ یہ تمہیں بتلا دے گا حقیقت کیا ہے) لوگوں نے کہا "بھلا اس سے ہم کیا بات کریں جو ابھی گود میں بیٹھنے والا بچہ ہے"۔ (۲۹)

(مگر) لڑکا بول اٹھا "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔ (۳۰) اس نے مجھے بابرکت کیا' خواہ میں کسی جگہ ہوں۔ اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کہ جب تک زندہ رہوں' یہی میرا شعار ہو۔ (۳۱) اس نے مجھے اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا۔ ایسا نہیں کیا کہ خودسر اور نافرمان ہوتا۔ (۳۲) مجھ پر اس کی طرف سے سلامتی کا پیام ہے جس دن پیدا ہوا' جس

(۷) آیت (۲۶) سے واضح ہو گیا کہ ایک طرح کا یہودی روزہ یہ بھی تھا کہ آدمی خاموش رہے۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی ایسا ہی روزہ رکھنے کا حکم ہوا تھا۔ یہودیوں کے یہاں روزہ کی یہ صورت اب بھی تسلیم کی جاتی ہے۔

(۸) آیت (۲۸) میں "اخت ہارون" سے مقصود حضرت مریم علیہا السلام کا ایک رشتہ دار ہے جو نہایت پارسا شخص تھا۔ اس لیے ملامت کرنے والوں نے اس کی طرف نسبت دے کر ملامت کی۔ مسلم و ترمذی کی حدیث مغیرہ بن شعبہ میں یہ تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

لہ کیونکہ محل بیان کا مقتضا ایسی ہی کوئی بات چاہتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا غم پانی نہ ملنے کی وجہ سے نہ تھا اس حالت کی وجہ سے تھا جس میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ پس فرشتہ کا یہ کہنا کہ "غمگین نہ ہو۔ تیرے لیے ایک نہر جاری کر دی ہے" بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ جب پانی کا فقدان غم کا سبب ہی نہ تھا تو اس کی موجودگی کیوں وجہ تسکین ہو؟ البتہ جو مطلب ہم نے اختیار کیا ہے' اس سے وجہ تسکین بالکل واضح ہو جاتی ہے یعنی غمگین نہ ہو، تیری گود میں ایک عظیم انسان پیدا کر دیا گیا ہے۔

ائمہ تابعین میں سے ایک جماعت نے یہی تفسیر اختیار کی ہے۔ (فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۳۲۰)

يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ
يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ
رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾
وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ وقف لازم

دن مروں گا اور جس دن (پھر) زندہ اٹھایا جاؤں گا!''- (۳۳) یہ ہے مریم کے بیٹے عیسیٰ کی سرگزشت سچائی کی بات جس میں لوگ اختلاف کرنے لگے ہیں- (۳۴)

اللہ کے لیے کبھی یہ بات نہیں ہوسکتی کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے- اس کے لیے پاکی ہو- (وہ کیوں مجبور ہونے لگا کہ کسی فانی ہستی کو اپنا بیٹا بنائے؟) اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے' تو بس حکم کرتا ہے کہ ہو جا! اور اس کا حکم کرنا ہی ہو جاتا ہے! (۳۵) اور (مسیح کی تو ساری پکار یہ تھی:) بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا' سب کا پروردگار ہے- بس اسی کی بندگی کرو- یہی (سچائی کا) سیدھا راستہ ہے!'' (۳۶) مگر پھر اس کے بعد مختلف فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے- تو جن لوگوں نے حقیقت حال سے انکار کیا' ان کی حالت پر افسوس! اس دن کے منظر پر افسوس جو (آنے والا ہے' اور جو) بڑا ہی سخت دن ہوگا! (۳۷)

جس دن یہ ہمارے حضور حاضر ہوں گے' اس دن ان کے کان کیسے سننے والے اور ان کی آنکھیں کیسی دیکھنے والی ہوں گی! لیکن آج کے دن ان ظالموں کا کیا حال ہے؟ آشکارا گمراہی میں کھوئے ہوئے! (۳۸) اور (اے پیغمبر!) انہیں اس (آنے والے) دن سے بھی خبردار کر دے جو بڑا ہی پچھتانے کا دن ہوگا' اور جب ساری باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا- اس وقت تو یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور (اس بات پر) یقین لانے والے نہیں- (۳۹) ہم ہی زمین کے (بالآخر) وارث ہوں گے' اور ان تمام

(۹) آیت (۳۳) تک حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور اور دعوت کا بیان تھا- اب فرمایا اس بارے میں قول حق صرف یہ ہے- اس سے زیادہ عیسائیوں نے جو کچھ بنالیا ہے' وہ جہل و گمراہی ہے- چنانچہ اس کے بعد عیسائیوں کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنالیا-

سینٹ پال کی طرف اہنیت کی جو تعلیم منسوب ہے اس کی تمام تر بنیاد اس خیال پر رکھی گئی ہے کہ نوع انسانی کی سرشت میں گناہ ہے' پس اس کی نجات کے لیے ضروری تھا کہ کفارہ ہو- کفارہ کی یہی صورت ہوسکتی تھی کہ خدا کی صفت رحمت ابن اللہ کی شکل میں اترے' اور اپنی قربانی کے خون سے اولادِ آدم کا گناہ دھوڈالے- قرآن اس اصنامی تخیل کا رد کرتے ہوئے خدا کی بے نیازی اور قدرت کا اثبات کرتا ہے- وہ کہتا ہے تم نے خدا کو اتنا بے بس اور محتاج کیوں سمجھ لیا کہ جب تک ایک انسان کو اپنا بیٹا بنا کر سولی پر نہ چڑھادے وہ اپنے بندوں کو نجات دینے کی راہ نہیں پاسکتا! یہ تو وہ کرے جو اپنے کاموں کی انجام وہی میں دوسروں کا محتاج ہو- لیکن تم خود مانتے ہو کہ خدا محتاج نہیں ہوسکتا- صرف اس کا چاہنا ہی کاموں کا انجام پا جانا ہے-

(۱۰) آیت (۳۷) اور (۳۸) میں قیامت کے دن کا ذکر ہو چکا ہے کہ

ع ۵ عَلَيۡهَا وَ اِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ ﴿۴۰﴾ وَ اذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ
يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَ لَا يُبۡصِرُ وَ لَا يُغۡنِيۡ عَنۡكَ شَيۡـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيۡ قَدۡ جَآءَنِيۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا
لَمۡ يَاۡتِكَ فَاتَّبِعۡنِيۡۤ اَهۡدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّيۡطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ
عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيۡۤ اَخَافُ اَنۡ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ فَتَكُوۡنَ لِلشَّيۡطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ
عَنۡ اٰلِهَتِيۡ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَ اهۡجُرۡنِيۡ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيۡكَ ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ

لوگوں کے بھی جو زمین پر بسے ہوئے ہیں' اور ہماری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے! (۴۰)

اور (اے پیغمبر!) الکتاب میں ابراہیم کا ذکر کر- یقیناً وہ مجسم سچائی تھا اور اللہ کا نبی تھا- (۴۱)

اس وقت کا ذکر جب اس نے اپنے باپ سے کہا "اے میرے باپ! تو کیوں ایک ایسی چیز کی پوجا کرتا ہے جو نہ تو سنتی ہے نہ دیکھتی ہے' نہ تیرے کسی کام آ سکتی ہے؟ (۴۲) اے میرے باپ! میں سچ کہتا ہوں' علم کی ایک روشنی مجھے مل گئی ہے' جو تجھے نہیں ملی- پس میرے پیچھے چل' میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا- (۴۳) اے میرے باپ! شیطان کی بندگی نہ کر- شیطان تو خدائے رحمان سے نافرمان ہو چکا- (۴۴) اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں' کہیں ایسا نہ ہو' خدائے رحمان کی طرف سے کوئی عذاب تجھے آ لگے اور تو شیطان کا ساتھی ہو جائے!" (۴۵) باپ نے (یہ باتیں سن کر) کہا "ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ! اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر کے چھوڑوں گا- اپنی خیر چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا" (۴۶)

ابراہیم نے کہا "اچھا میرا سلام قبول ہو- (میں الگ ہو جاتا ہوں) اب میں اپنے پروردگار سے تیری بخشش کی

﴿ مِنۡ مَّشۡهَدِ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴾ اور ﴿ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا ﴾ اس کے بعد (۳۹) میں فرمایا: وانذرھم یوم الحسرۃ "اور انہیں یوم الحسرت کے دن سے بھی خبردار کر دے" اس سے معلوم ہوا کہ اس "یوم الحسرت" سے مقصود قیامت کا دن نہیں ہے- یہ کوئی دوسرا آنے والا دن ہے- چنانچہ بعد کی آیت نے اس دن کی نوعیت ظاہر کر دی ہے-

یہ کون سا دن تھا؟ یقیناً کوئی ایسا دن جو عیسائیوں کو عنقریب پیش آنے والا تھا' اور جس میں ان کے لیے بڑی ہی حسرت و مایوسی تھی! چنانچہ سورۂ مریم کے نزول پر ابھی پچیس برس بھی نہیں گزرے تھے کہ یہ دن نمودار ہو گیا' اور تمام عیسائی دنیا یہ سن کر ششدر رہ گئی کہ مسیحیت کا صدر مقام اور قبلہ و مرکز اچانک اس کے ہاتھوں سے نکل کر ایک نئی قوم کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے- مشہور مورخ گبن کے لفظوں میں "تمام مسیحی دنیا پر سکتہ کی حالت طاری ہو گئی- کیونکہ مسیحیت کی اس سب سے بڑی توہین کو نہ تو مذہب کا کوئی متوقع معجزہ روک سکا، نہ بازنطینی شہنشاہی کا لشکر جرار" - پھر یہ صرف بیت المقدس ہی کی فتح نہ تھی' تمام ایشیا اور افریقہ میں مسیحی فرمانروائی کا خاتمہ تھا- ہرقل (ہرکولس) کے یہ الفاظ جو اس نے تختہ جہاز پر لبنان کی چوٹیوں کو مخاطب کر کے کہے تھے' آج تک مورخوں کی زبانوں پر ہیں "الوداع سرزمین شام! ہمیشہ کے لیے الوداع!" غور کرو' کیا یہ دن اپنے کامل معنوں میں مسیحیت کے لیے یوم الحسرۃ نہ تھا؟

پھر آیت کے اس ٹکڑے پر غور کرو کہ ﴿ وَهُمۡ فِيۡ غَفۡلَةٍ وَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ اے پیغمبر! یہ لوگ اس وقت اپنی کامرانیوں کی غفلت میں سرشار ہیں- یقین کرنے والے نہیں- تاہم تم اعلان کر دو- نیز بعد کی آیت کہ انا نحن نرث الارض ومن علیھا کس طرح یہ تمام مطلب آشکارا کر رہی ہے؟ افسوس ہمارے مفسروں کو اس عالم کی خبر ہی نہیں- وہ جہاں "یوم" کا لفظ دیکھتے ہیں، جھٹ اسے یوم القیامہ سمجھ لیتے ہیں-

رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾ وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّیْ ۖؗ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ
رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا
نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى ؗ اِنَّهٗ ع
كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ﴿۵۱﴾ وَ نَادَیْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا ﴿۵۲﴾ وَ وَهَبْنَا لَهٗ
مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِیًّا ﴿۵۳﴾ وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ؗ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا
نَّبِیًّا ﴿۵۴﴾ وَ كَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۪ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا ﴿۵۵﴾ وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ ؗ
اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ﴿۵۶﴾ وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ

دعا کروں گا- وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے- (۴۷) میں نے تم سب کو چھوڑا اور انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے ہو- میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں- امید ہے اپنے پروردگار کو پکار کے میں محروم ثابت نہیں ہوں گا!" (۴۸)

پھر جب ابراہیم ان لوگوں سے اور ان سب سے جن کی اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے الگ ہو گیا تو ہم نے (اس کی نسل میں برکت دی اور) اسے اسحٰق اور (اسحاق کا بیٹا) یعقوب عطا فرمایا- ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نبوت دی تھی (۴۹) اور اپنی رحمت کی بخشش سے سرفراز کیا تھا- نیز ان سب کے لیے سچائی کی صدائیں بلند کر دیں (جو کبھی خاموش ہونے والی نہیں!) (۵۰) اور (اے پیغمبر!) کتاب میں موسیٰ کا ذکر کر- بلاشبہ وہ ایک بندۂ خاص اور فرستادہ نبی تھا- (۵۱) ہم نے اسے کوہ طور کی داہنی جانب سے پکارا اور (وحی کی) سرگوشیوں کے لیے اپنے سے قریب کیا- (۵۲) نیز اپنی رحمت سے (رفاقت و مددگاری کے لیے) ہارون عطا فرمایا کہ اس کا بھائی تھا اور نبی تھا- (۵۳) اور (اے پیغمبر!) الکتاب میں (یعنی قرآن میں) اسماعیل کا ذکر کر- بلاشبہ وہ اپنے قول کا سچا تھا اور (اللہ کا) فرستادہ نبی تھا- (۵۴) وہ اپنے گھر کے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور وہ (اپنی ساری باتوں میں) اپنے پروردگار کے حضور پسندیدہ تھا- (۵۵) اور (اے پیغمبر!) کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کر- بلاشبہ وہ بھی سچائی مجسم اور نبی تھا (۵۶) اور ہم نے اسے بڑے ہی اونچے مقام تک پہنچا دیا تھا! (۵۷)

یہ ہیں وہ لوگ جو ان نبیوں میں سے ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا- آدم کی نسل میں سے اور ان کی نسل سے

---

(۱۱) اس کے بعد آیت (۴۱) سے (۵۷) تک حضرت ابراہیم' اسحاق' یعقوب' موسیٰ' ہارون' اسماعیل اور ادریس (علیہم السلام) کی نبوتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور پھر آیت (۵۸) میں اس تمام تذکرہ کا نتیجہ نکالا ہے-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، زیادہ تفصیل کے ساتھ سورۂ انعام کی آیت ۷۴ میں گزر چکا ہے اور آیندہ سورتوں میں بھی آئے گا- ماحصل اس کا یہ ہے کہ اُور کے تمام باشندوں کی طرح ان کا چچا بھی بت پرست تھا- اس نے غیظ و غضب میں آ کے انہیں نکال دیا- انہوں نے بھی راہ حق میں تمام ملک و قوم سے کنارہ کشی کر لی اور کنعان آ کر مقیم ہو گئے- پھر اللہ نے ان کی نسل میں برکت دی اور اسرائیلی اور اسماعیلی سلسلوں کے بانی ہوئے-

جزیرہ نمائے سینا کے داہنی جانب عرب ہے- بائیں جانب مصر ہے- اسی داہنی جانب کے ساحل پر قبیلہ مدین کی بستی آباد تھی

مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا
تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا
الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا
يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ
فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا

جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، نیز ابراہیم اور اسرائیل (یعنی یعقوب) کی نسل سے اور ان گروہوں میں سے جنہیں ہم نے راہ راست دکھائی اور (کامرانیوں کے لیے) منتخب کرلیا- یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدائے رحمان کی آیتیں انہیں سنائی جاتی تھیں تو بے اختیار سجدے میں گر جاتے تھے اور ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں! (۵۸)

لیکن پھر ان کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز (کی حقیقت) کھودی اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے- سو قریب ہے کہ ان کی سرکشی ان کے آگے آئے! (۵۹) ہاں جو کوئی باز آ گیا' ایمان لایا اور نیک عملی میں لگ گیا تو بلاشبہ ایسے لوگوں کے لیے کوئی کھٹکا نہیں- وہ جنت میں داخل ہوں گے- ان کے حقوق میں ذرا بھی ناانصافی نہ ہوگی- (۶۰)

ہمیشگی کی جنت' جس کا اپنے بندوں سے خدائے رحمان نے وعدہ کر رکھا ہے اور وعدہ ایک غیبی بات کا ہے (جسے وہ اس زندگی میں محسوس نہیں کر سکتے -مگر) یقیناً اس کا وعدہ ایسا ہے جیسے ایک بات وقوع میں آ گئی! (۶۱) اس زندگی میں کوئی ناشائستہ بات ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی- جو کچھ سنیں گے وہ سلامتی ہی کی صدا ہوگی- وہاں صبح و شام ان کا رزق ان کے لیے برابر مہیا رہے گا! (۶۲) سو (دیکھو) یہ جنت ہے جس کا ہم اسے وارث کر دیتے ہیں جو ہمارے بندوں میں سے متقی[1] ہوتا ہے! (۶۳)

جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کر مقیم ہو گئے تھے- پس ﴿ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ یہ معاملہ طور کی مشرقی جہت میں پیش آیا تھا- نہ کہ مغربی میں جو مصر کے مقابل ہے-

(۱۲) آیت (۵۸) اور اس کے بعد کی آیتیں اس تذکرہ کا خلاصہ ہیں- فرمایا ان تمام نبیوں نے خدا پرستی اور نیک عملی کی دعوت دی تھی- وہ ان میں سے تھے جن پر خدا کا انعام ہوا اور کامیابیوں کے لیے چن لیے گئے- لیکن ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے حقیقت ضائع کر دی اور اپنی خواہشوں کے پرستار ہو گئے- اب ان کے نام لیواؤں کے جتنے گروہ ہیں سب کا یہی حال ہے اور سب کو اپنی بدعملیوں کا نتیجہ بھگتنا ہے- ہاں جو گمراہیوں سے باز آ جائیں گے' اور دعوت حق پر عمل کریں گے ان پر ہر طرح کی کامرانیوں کی راہ کھل جائے گی- اسی طرح جس طرح پہلے کھل چکی ہے-

آیت (۵۹) میں پچھلوں کی گمراہی بیان کرتے ہوئے صرف ﴿ اضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات ﴾ فرمایا- اس سے معلوم ہوا کہ نماز یعنی عبادت کا جوہر ایمان ہے- اس کی حقیقت گئی تو سب کچھ چلا گیا-

دراصل ایک خدا پرست اور ایک غیر خدا پرست میں عملی امتیاز اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ پہلا کسی کی بندگی میں لگا رہتا اور کسی کو پکارتا

---

[1] متقی کے معنی سورۂ بقرہ کے نوٹ هدى للمتقين (۲) میں دیکھو-

مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ
ع ۱۵ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ وَيَقُوْلُ
الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾
فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ
اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ

اور (فرشتے جنتی سے کہیں گے:)[1] ہم (تمہارے پاس) نہیں آتے مگر تمہارے پروردگار کے حکم سے- جو کچھ ہمارے سامنے ہے جو کچھ ہمارے پیچھے گزر چکا ہے اور جو کچھ ان دونوں وقتوں کے درمیان ہوا، سب اسی کے حکم سے ہے- اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں کہ بھول جانے والا ہو! (۶۴) آسمان اور زمین کا پروردگار اور ان سب کا پروردگار جو آسمان و زمین میں ہیں- سو (اے پیغمبر!) اسی کی بندگی کر اور اس کی بندگی کی راہ میں جو کچھ پیش آئے جھیلتا رہ- کیا تیرے جانتے کوئی دوسرا بھی اس کا ہم نام ہے؟ (یعنی اس جیسا ہے؟)- (۶۵) اور (حقیقت سے غافل) انسان کہتا ہے "جب میں مرگیا تو پھر کیا ایسا ہونے والا ہے کہ زندہ اٹھایا جاؤں؟" (۶۶) (افسوس اس پر!) کیا انسان کو یہ بات یاد نہ رہی کہ ہم اسے پہلے پیدا کر چکے ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟ (۶۷) سو (اے پیغمبر!) تیرا پروردگار شاہد ہے کہ ہم ان سب کو اور ان کے ساتھ سارے شیطانوں کو ضرور اکٹھا کریں گے- پھر ان سب کو دوزخ کے گرد حاضر ہونے کا حکم دیں گے- زانوؤں پر گرے ہوئے! (۶۸)

پھر ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو (چن چن کر) الگ کرلیں گے جو (اپنی زندگی میں) خدائے رحمان سے بہت ہی سرکش تھے (۶۹) اور پھر یہ بات بھی ہم ہی جاننے والے ہیں کہ کون دوزخ میں جانے کا زیادہ سزاوار ہے- (۷۰) اور (یاد رکھو) تم میں کوئی نہیں جو

رہتا ہے- دوسرا اس سے بے پروا رہتا ہے- اسی لیے دعا اور عبادت ایمان باللہ کی اصلی علامت ہوئی اور اسی لیے تمام مذاہب نے اسی عمل پر مذہبی زندگی کی ساری عمارتیں اٹھائیں- جونہی یہ عمل بگڑا، مذہبی زندگی کی ساری بنیادیں ہل گئیں-

(۱۳) آیت (۶۲) میں فرمایا تھا کہ جنت کی زندگی سلامتی اور طہارت کی زندگی ہوگی- وہاں سلام کی صداؤں کے سوا اور کوئی صدا سننے میں نہیں آئے گی- پھر آیت (۶۴) میں فرمایا: جنتیوں پر فرشتوں کا نزول ہوگا جو سلامتی کا پیام پہنچائیں گے- وہ کہیں گے تمہارا پروردگار بھول جانے والا نہ تھا- دیکھ لو، جو کچھ تم نے ماضی میں کیا تھا آج اس کے نتائج تمہارے دامن میں ہیں اور قانون نتائج کے حافظہ نے کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی نہیں بھلایا ہے!

﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴾ کی حقیقت پر غور کرو- علم و قدرت کے جو ازلی قوانین ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ان کا حافظہ کیسا اٹل اور ان کا حساب و کتاب کیسا بے داغ ہے؟ کیا ممکن ہے کہ ایک پل کے لیے بھی ان پر سہو و نسیان طاری ہو جائے؟

(۱۴) آیت (۶۵) میں خطاب پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے ہے- فرمایا- دو باتوں میں لگے رہو- ساری کامیابیاں انہی سے

---

[1] اس ترجمہ پر یہ شبہ وارد نہ ہو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت مندرجہ بخاری میں اس قول کا مخاطب خود آنحضرت ﷺ کو قرار دیا ہے- اس میں صرف یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے وحی کے جوش طلب میں مزید تنزیل کی خواہش ظاہر کی تھی- اس پر یہ جواب ملا- اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت کا ابتدائی شان نزول یہی ہو- چونکہ آیت میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ملائکہ کا ورود بغیر حکم الٰہی کے نہیں ہو سکتا اس لیے جب آنحضرت ﷺ نے مزید تنزیل کا جوش ظاہر فرمایا تو جواب میں یہی آیت دہرائی گئی-

كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَ
كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ
مَدًّا ۚ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ
جُنْدًا ﴿٧٥﴾ وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ

اس منزل سے گزرنے والا نہ ہو- ایسا کرنا تمہارے پروردگار نے ضروری ٹھہرالیا- یہ ایک طے شدہ فیصلہ ہے! (۷۱)

پھر ہم ایسا کریں گے کہ جو متقی ہیں انہیں نجات دے دیں- جو ظالم ہیں انہیں دوزخ میں چھوڑ دیں- گھٹنوں کے بل گرے ہوئے! (۷۲)

اور (دیکھو) جب ہماری روشن آیتیں لوگوں کو سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ کفر میں پڑے ہیں وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں "یہ تو بتلاؤ ہم دونوں فریقوں میں کون ہے جو بہتر جگہ رکھتا ہے اور بہتر جمگھٹا؟" (۷۳)

حالانکہ ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے جو ان سے کہیں بہتر ساز و سامان رکھتی تھیں اور ان سے کہیں بہتر ان کی نمود تھی! (۷۴)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے جو کوئی گمراہی میں پڑا تو خدائے رحمان کا قانون یہی ہے کہ اسے برابر ڈھیل دیتا جاتا ہے- وہ اسی حال میں رہے گا- یہاں تک کہ اپنی آنکھوں سے وہ بات دیکھ لے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا تھا- یعنی عذاب یا قیامت کی گھڑی تو اس وقت اسے پتہ چلے گا کون تھا جس کی جگہ سب سے زیادہ بدتر ہوئی اور جس کا جتھا سب سے زیادہ بودا نکلا! (۷۵)

اور جن لوگوں نے راہ پالی تو وہ ان پر اور زیادہ راہ کھول دیتا ہے (یعنی ان کی فلاح و سعادت بڑھتی ہی جاتی ہے)

ملیں گی اس کی عبادت کرو- اس کی عبادت کی راہ میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں جھیلتے رہو-

(۱۵) آیت (۷۱) میں "وان منکم الا واردھا" کا خطاب تمام نوع انسانی سے نہیں ہے بلکہ ان منکرین حق سے ہے جن کا ذکر پہلے سے چلا آتا ہے اور جن کی نسبت پچھلی آیت میں فرمایا ﴿ الذین ھم اولی بھا صلیا ﴾ اور اسی لیے اس درجہ زور دے کر فرمایا ﴿ کان علی ربك حتما مقضیا ﴾ جزائے عمل کا قانون طے شدہ قانون ہے- کبھی ٹلنے والا نہیں-

(۱۶) سورۂ مریم مکی عہد کی وسطی تنزیلات میں سے ہے- اس وقت پیروان دعوت کمزور اور بے سروسامان تھے- منکروں کو ہر طرح کی دنیوی خوشیاں حاصل تھیں- پیغمبر اسلام ﷺ مومنوں کے ساتھ بیٹھتے تو فقیروں اور بے نواؤں کی مجلس ہوتی- منکرین حق دارالندوہ میں جمع ہوتے تو سرداروں اور امیروں کا مجمع ہوتا- اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ قرآن کی بشارتیں سن کر کفار ہنسی اڑاتے- وہ کہتے بتلاؤ ہم دونوں میں سے کس کا مقام بلند ہے اور کس کی مجلس معزز؟

آیت (۷۳) سے (۷۶) تک منکروں کی اسی سرکشی کا بیان ہے- فرمایا انہیں خدا کے قانون کی خبر نہیں- اس نے نتائج عمل کا قانون ایسا ٹھہرا دیا ہے کہ گمراہوں کو ڈھیل پر ڈھیل دی جاتی ہے- راہ روؤں کو رہنمائی پر رہنمائی ملتی ہے- جس نے آنکھیں بند کر لیں اس کے لیے تاریکی

مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ
عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ ع ۵/۸
اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾

اور تمہارے پروردگار کے حضور تو باقی رہنے والی نیکیاں ہی بہتر ہیں- ثواب کے اعتبار سے بھی اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی!(۷۶)

(اے پیغمبر!) تو نے دیکھا اس آدمی کا کیا حال ہے جس نے ہماری آیتوں سے انکار کیا اور کہا ''خدا کی قسم! میں ضرور مال و دولت پاؤں گا- میں ضرور صاحب اولاد ہوں گا؟(۷۷)

وہ جو ایسا کہتا ہے تو کیا اس نے غیب کو جھانک کے دیکھ لیا ہے؟ یا خدا سے کوئی عہد لے لیا ہے کہ اسے ایسا کرنا ہی پڑے گا؟(۷۸) ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہیں ہوسکتا) اچھا وہ جو کچھ کہتا ہے ہم اسے لکھ لیں گے (یعنی اس کی یہ بات بھلائی نہیں جائے گی- اس کے آگے آئے گی) اور اس کے عذاب کی رسّی لمبی کرتے جائیں گے-(۷۹) یہ جس مال و اولاد کا دعوٰی کرتا ہے (اگر اسے میسر بھی آجائے' تو بالآخر) ہمارے ہی قبضہ میں آئے گا اور اسے تو ہمارے سامنے تن تنہا حاضر ہونا ہے!(۸۰)

اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا لیا ہے کہ ان کے مددگار رہوں-(۸۱) لیکن ہرگز ایسا ہونے والا نہیں- وہ (قیامت کے دن) ان کی بندگی سے صاف انکار کرجائیں گے- وہ الٹے ان کے مخالف ہوں گے!(۸۲)

(اے پیغمبر!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے- وہ انہیں برابر اکساتے رہتے ہیں؟(۸۳) پس تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر- (فیصلہ امر میں جو دیر ہو رہی ہے تو) یہ صرف اس لیے ہے کہ ہم ان کے دن گن رہے ہیں (قریب ہے کہ مقررہ وقت ظہور میں آجائے)-(۸۴)

ہی ہوگی- لیکن فوراً نہیں گرے گا یکے بعد دیگرے مہلتیں پائے گا- جس نے آنکھیں کھلی رکھیں' اسے راہ ملے گی' لیکن فوراً منزل مقصود پر نہیں پہنچ جائے گا' درجہ بدرجہ رہنمائی پائے گا- یہاں اچھائی اور برائی' دونوں کے لیے تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے- پس ایک خاص وقت کی حالت دیکھ کر مغرور نہیں ہونا چاہیے- ظہور نتائج کا انتظار کرنا چاہیے-

تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ میں ''قانون امہال'' کا مبحث پڑھنا چاہیے یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے-

(۱۷) آیت (۷۷) میں انسان کی غفلت اور سرکشی کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جب کہ وہ اپنی عارضی خوشحالیوں کے گھمنڈ میں سمجھنے لگتا ہے ہر طرح کی خوش حالیاں میرے ہی حصہ میں آنے والی ہیں اور بھول جاتا ہے کہ زندگی اور زندگی کے حوادث کا ایک پل بھی اس کے اختیار میں نہیں!

یہاں فرمایا کیا اس سرکش نے غیب کی باتیں دیکھ لی ہیں یا خدا سے کوئی پٹہ لکھوا لیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کیا ہے جس پر بھولا بیٹھا ہے؟

(۱۸) آیت (۸۴) کے چند لفظوں نے جزائے عمل کے قانون کی ساری حقیقت کس طرح واضح کر دی ہے؟ فرمایا ﴿ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴾ جلدی نہ کر- یہ دیر صرف اس لیے ہے کہ ان کے دن گنے جا رہے ہیں- یعنی ہر حالت کی تکمیل و ظہور کے لیے ایک مقررہ مدت ہے اور نتائج عمل کا قانون بھی اس سے باہر نہیں- کفار مکہ کو جو ڈھیل مل رہی ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ دن گنے جا رہے

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَّنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ
إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ
يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ
وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾
وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾

وقف لازم وقف لازم

وہ دن کہ متقی انسانوں کو اپنے حضور مہمانوں کی طرح جمع کریں گے (۸۵) اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح ہنکائیں گے- (۸۶) اس دن شفاعت کرنا کرانا کسی کے اختیار میں نہ ہوگا- ہاں جس کسی نے خدا کے حضور سے وعدہ پالیا (تو وہ وعدہ ضرور اس کے کام آئے گا)- (۸۷) اور ان لوگوں نے (یعنی عیسائیوں نے) کہا "خدائے رحمان نے اپنا ایک بیٹا بنا رکھا ہے"- (۸۸) بڑی ہی سخت بات ہے جو تم گھڑ لائے ہو! (۸۹) قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین کا سینہ چاک ہو جائے، پہاڑ جنبش میں آ کر گر پڑیں! (۹۰) کہ لوگ اللہ کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں! (۹۱)

اللہ کی یہ شان کب ہوسکتی ہے کہ اپنے لیے ایک بیٹا بنائے- (۹۲) آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ اسی لیے ہے کہ اس کے آگے بندگی کا سر جھکائے حاضر ہو- (۹۳) اس نے (اپنی قدرت سے) انہیں گھیر رکھا ہے اور (اپنے علم سے) ایک ایک کی ہستی گن رکھی ہے (۹۴) قیامت کے دن سب اس کے حضور تن تنہا آ کر کھڑے ہوں گے- (کوئی ان کا ساتھی اور مددگار نہ ہوگا!)- (۹۵) (اے پیغمبر!) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عملوں میں لگ گئے ہیں یہ یقینی ہے کہ خدائے رحمان ان کے لیے (دلوں میں) محبت پیدا کر دے (یعنی لوگ ان کی طرف کھنچیں گے اور انہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے)- (۹۶)

ہیں- وقت قریب آ گیا ہے مگر دن ابھی پورے نہیں ہوئے- جونہی پورے ہوں گے نتیجہ خود بخود اچھل کر آشکارا ہو جائے گا-

چنانچہ ایسا ہی ہوا- دشمنان حق کی خوش حالیوں کے صرف گنے ہوئے دن باقی رہ گئے تھے- سورۂ مریم کے نزول پر پورے دس برس بھی نہیں گزرے تھے کہ سارے معاملہ کا فیصلہ ہوگیا!

(۱۹) اب کہ سورت ختم ہو رہی ہے سلسلہ بیان پھر اسی مطلب کی طرف رجوع ہوگیا ہے جو اوائل سورت میں چھڑ گیا تھا- یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں عیسائیوں کی گمراہی- چنانچہ آیت (۸۵) میں فرمایا- قیامت کے دن تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے- ایک متقیوں کا ہوگا- دوسرا مجرموں کا- متقی اپنے ایمان و عمل کی جزا میں نجات پائیں گے- مجرم اپنے انکار و بد عملی کی پاداش میں عذاب- یہ بات کسی کے اختیار میں نہ ہوگی کہ دنیا کے درباروں کی طرح جسے چاہے اپنی سفارش سے چھڑا لے- پس عیسائیوں نے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو نوع انسانی کے گناہوں کا کفارہ دینے والا اور اس کا شفیع و منجی تصور کر لیا ہے وہ صریح گمراہی نہیں ہے تو کیا ہے-

پھر الوہیت اور ابنیت مسیح کی گمراہی کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا- انسانی گمراہی کی یہ انتہا ہے- اس سے زیادہ سخت گمراہی اور کیا ہوسکتی ہے کہ فاطر السماوات والارض کو ایک بیٹے کی ہستی کا محتاج تصور کر لیا جائے-

اس کے بعد صرف ایک آیت کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو اس عقیدے کے رد میں کہا جا سکتا ہے- یہ زیادہ سے زیادہ واضح اور فیصلہ کن حجت ہے مگر منطقی طریقہ کی نہیں جو دلوں کو نہیں پکڑ سکتی- قرآنی طریقہ کی جو دل کے ایک ایک ریشہ میں اتر جاتی ہے: ﴿ ان کل من فی

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا
قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾ ع ٦ النصف

اسی غرض سے ہم نے قرآن تیری زبان (عربی) میں اتار کر آسان کر دیا کہ متقی انسانوں کو (کامیابی کی) خوش خبری دے دے اور جو گروہ سچائی کے مقابلہ میں ہٹ کرنے والا اور اڑ جانے والا ہے اسے (انکار و سرکشی کے نتیجہ سے) خبردار کر دے- (٩٧)

ان (سرکشوں) سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں جنہیں ہم نے (پاداش بدعملی میں) ہلاک کر دیا- کیا ان میں سے کسی کی ہستی بھی اب تم محسوس کرتے ہو؟ کیا ان کی بھنک بھی سنائی دیتی ہے؟ (٩٨)

السموات والارض' الا اتی الرحمن عبدا ﴾ تم خود تسلیم کرتے ہو کہ کائنات خلقت میں جو کوئی بھی ہے اس کے حضور بندہ ہی کی حیثیت رکھتا ہے- اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا- یعنی یہاں آقائی و معبودیت صرف خدا کے لیے ہے- باقی سب کے لیے بندگی و نیازمندی ہے- اچھا اگر اس سے تمہیں انکار نہیں تو پھر مسیح کو بھی عبد ہونا چاہیے نہ کہ معبود- غلام ہونا چاہیے نہ کہ آقا- محکوم ہونا چاہیے نہ کہ حکم فرما- یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کے آگے تو سب بندے ہوں مگر مسیح بندہ نہ ہو؟

(٢٠) آیت (٩٦) سے آخر تک سورت کی اختتامی موعظت ہے- اس میں دو باتوں کی خبر دی گئی ہے- ایک یہ کہ جو لوگ ایمان و عمل کی راہ اختیار کریں گے عنقریب خدا ان کے لیے انسانوں کے دل کھول دے گا اور وہ قوموں اور ملکوں کے محبوب ہو جائیں گے- ﴿ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ ودا ﴾ دوسری یہ کہ حق کے مقابلہ میں ہٹ دھرمی کرنے والوں کو وہی نتیجہ پیش آنے والا ہے- جو پچھلی تباہ شدہ جماعتوں کو پیش آ چکا ہے کہ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں- ﴿ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴾

شرح ﴿ سیجعل لهم الرحمٰن ودا ﴾:

تاریخ کا داستاں سرا شہادت دیتا ہے کہ دنیا نے یہ دونوں باتیں چند برسوں کے اندر دیکھ لیں-

ایمان و عمل کی اس دعوت نے مسلمانوں کا جو گروہ پیدا کر دیا تھا' انسانوں نے اسے قبول ہی نہیں کیا' بلکہ اس کا والہانہ استقبال کیا- وہ خوف و دہشت کی طاقت نہ تھے جس سے لوگ بھاگتے- نیکی و عدالت کا پیام تھے جس کی طرف لوگ دوڑتے تھے- قوموں نے انہیں بلا دے بھیجے' شہروں نے ان کے لیے پھاٹک کھولے' قلعوں نے اپنی کنجیاں آگے رکھ دیں اور وقت کی ساری مظلوم آبادیوں نے انہیں نجات دہندہ سمجھا-

اجنادین اور یرموک کے میدانوں میں بازنطینی شہنشاہی ان سے لڑ رہی تھی لیکن شام کی آبادیاں محبت کے پیام بھیج رہی تھیں- بصریٰ نے اپنے دروازے خود کھول دیے تھے' حمص کے باشندوں نے منتیں کی تھیں' طرابلس پہلے سے چشم براہ تھا' صور کے پھاٹک بند ہی نہیں کیے گئے- اسی طرح جب انہوں نے مصر کا رخ کیا' تو خود مصر کے عیسائی ہی تھے جنہوں نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا تھا- وہ جن جن راستوں سے گزرتے' سڑکوں کو درست اور پلوں کو تیار پاتے اور ہر طرح کی رسد فوج کے لیے مہیا ہوتی!

باقی رہی دوسری بات، تو محتاج تشریح نہیں- اس آیت کے نزول پر پورے پندرہ برس بھی نہیں گزرے تھے کہ دعوت قرآن کی تمام معاند قوتیں بے نام ونشان ہو چکی تھیں!

حضرت مریم علیہا السلام کی ابتدائی سرگزشت اور انجیل:

(۲۱) حضرت مسیح (علیہ السلام) اور مسیحیت کی نسبت بعض مہمات مباحث ہیں جن کے اشارات آیندہ سورتوں کی تشریحات میں ملیں گے- لیکن یہاں دو باتوں کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے:

(الف) قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ دو جگہ کیا ہے- یہاں، اور سورۂ آل عمرآن کی آیات (۳۵-۶۳) میں- یہاں یہ ذکر حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور حضرت یحیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بیان سے شروع ہوا ہے، اور اناجیل اربعہ میں سے سینٹ لوقا کی انجیل ٹھیک ٹھیک اسی طرح یہ تذکرہ شروع کرتی ہے- لیکن سورۂ آل عمران میں یہ تذکرہ اس سے بھی پیشتر کے ایک واقعہ سے شروع ہوتا ہے- یعنی حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش اور ہیکل میں پرورش پانے کے واقعہ سے اور اس بارے میں چاروں انجیلیں خاموش ہیں-

لیکن انیسویں صدی میں متروک اناجیل کا جو نسخہ ویٹیکان کے کتب خانہ سے برآمد ہوا اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کا یہ مفقود ٹکڑا مہیا کر دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک سرگزشت کا یہ ٹکڑا بھی اسی طرح الہامی یقین کیا جاتا تھا جس طرح بقیہ ٹکڑے یقین کیے جاتے ہیں-

''متروک اناجیل'' سے مقصود وہ اکیس سے زیادہ انجیلیں ہیں جو پہلی صدی سے لے کر چوتھی صدی کے اوائل تک عیسائیوں میں رائج اور معمول بہ تھیں، لیکن ۳۲۵ میں نائسیا کی کونسل نے چار منتخب کر لیں اور باقی متروک سمجھ لی گئیں- یہ انتخاب کسی تاریخی یا علمی اصل کی بنا پر نہیں کیا گیا تھا بلکہ ایک طرح کی فال دیکھی گئی تھی اور اس کا اشارہ فیصلہ کن تھا-

قرآن اور حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش:

(ب) قرآن کا جب ظہور ہوا تو حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے عام بنیادی عقائد یہ تھے:

(اولاً) بغیر باپ کے پیدائش-

(ثانیاً) مصلوب ہونے کے بعد پھر زندہ ہو جانا-

(ثالثاً) الوہیت مسیح اور اقانیم ثلاثہ-

(رابعاً) کفارہ اور یہ اعتقاد کہ اب نجات کی راہ عمل نہیں بلکہ مسیح (علیہ السلام) کے کفارہ پر ایمان ہے-

قرآن نے واقعہ صلیب کا رد کیا اور کہا کہ وہ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ حقیقت حال لوگوں پر مشتبہ ہو گئی- الوہیت اور ابنیت کا بھی رد کیا اور کہا ایسا کہنا صریح کفر ہے- کفارہ کا بھی رد کیا اور جا بجا اس پر زور دیا کہ نجات کی بنیاد ایمان باللہ اور عمل ہے نہ کہ مسیح کے کفارہ کا اعتقاد- اب قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بغیر باپ کے پیدائش کا اعتقاد بھی انہی عقائد کی طرح باطل تھا تو کیا ضروری نہ تھا کہ قرآن اسی صراحت کے ساتھ اس کا بھی رد کر دیتا جس صراحت کے ساتھ دوسرے عقائد کا کیا ہے؟ یقیناً ضروری تھا-

لیکن قرآن نے اس کے رد میں ایک حرف نہیں کہا- اتنا ہی نہیں بلکہ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اگر اس پر نظر ڈالی جائے اور یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھی جائے کہ تذکرہ ایک ایسی پیدائش کا ہو رہا ہے جو بغیر باپ کے تسلیم کر لی گئی ہے تو بغیر کسی تامل کے تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ بیان کی صاف روح یہی ہے کہ قرآن اس عام اعتقاد کا منکر نہیں- کم از کم اس کا رجحان اس کے خلاف نہیں جا رہا-

بلاشبہ قرآن میں یہ الفاظ کہیں نہیں ملتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے - یعنی کوئی ایسی مثبت تصریح نہیں جو اپنے منطوق میں ظاہر و قطعی ہو - اس کی جتنی آیتوں سے اس طرح کے اشارات نکل رہے ہیں اگر انہیں ایک دوسرے سے الگ کر لیا جائے تو ہر آیت کے مطلب کے لیے ایک دوسرا جامہ بھی تراش لیا جا سکتا ہے - جیسا کہ مرحوم سید احمد خاں اور ڈاکٹر توفیق صدقی وغیر ہما نے کوشش کی ہے - لیکن جب تمام بیان پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے اور محل کے قدرتی متقضیات اور قرائن بھی پیش نظر ہوں تو بلا تامل تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ قرآن اس اعتقاد کے حق میں ہے، اس سے منکر نہیں -

پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا معاملہ یہودیوں اور عیسائیوں میں بالکل متضاد سمتوں کا انتہائی گوشہ بن گیا تھا - یہودی ان کی پیدائش کو ناجائز تعلق کا نتیجہ قرار دیتے تھے - برخلاف اس کے عیسائی نہ صرف جائز بلکہ ایک ربانی معجزہ تصور کرتے تھے - قرآن کا فرض تھا کہ بہ حیثیت ایک ثالث کے دونوں میں فیصلہ کر دے - چنانچہ اس نے فیصلہ کر دیا - اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی پاکی کا اعلان کیا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (۴۲:۳) یہودیوں کے الزام کو افترائے عظیم قرار دیا: ﴿ وَّبِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴾ (۱۵۶:۴) اور پیدائش مسیح علیہ السلام کی سرگزشت ٹھیک اسی طرح بیان کر دی جس طرح انجیل میں بیان کی گئی ہے - ﴿ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ ﴾ (۲۱) ''مریم نے فرشتہ سے کہا - ایسا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ میں مرد سے واقف نہیں؟ اس نے کہا ایسا ہی ہوگا - روح القدس تجھ پر نازل ہوگی اور خدا کی قدرت تجھے اپنے سایہ میں لے لے گی'' (لوقا ۱:۳۴) اب اگر یہودیوں کی طرح عیسائیوں کا اعتقاد بھی قرآن کے نزدیک غلط تھا تو کیا ضروری نہ تھا کہ جس طرح اس نے یہودیوں کے الزام کا رد کیا اسی طرح عیسائیوں کے غلو کا بھی صاف صاف رد کر دیتا؟ لیکن وہ اس کے رد میں ایک حرف نہیں کہتا بلکہ پیدائش کی جس روداد سے عیسائیوں نے یہ اعتقاد پیدا کیا تھا اسے حرف بہ حرف انجیل ہی کی طرح بیان کر دیتا ہے -

اگر اس کے نزدیک حقیقت نہ تو وہ تھی جو یہودیوں نے بنائی اور نہ وہ جو عیسائیوں نے سمجھی بلکہ ایک تیسری ہی بات تھی، یعنی مریم علیہا السلام کا اپنے شوہر یوسف سے حاملہ ہونا، تو کیونکر اس کے لیے جائز ہو سکتا تھا کہ وہ سب کچھ کہہ دے لیکن اس بارے میں کچھ نہ کہے؟ وہ اس فریق کا صاف صاف رد کر دے جو اس میں تفریط کر رہا ہے مگر اس کا رد نہ کرے جو افراط کا مرتکب ہو رہا ہے؟ اور پھر اصل حقیقت پر اسی طرح پردہ پڑا رہنے دے جس طرح پہلے سے پڑا ہوا تھا اور اپنا یہ وصف یک قلم بھول جائے کہ وہ تمام پچھلے اختلافات کے لیے حکم اور تمام ظنون و شکوک کے لیے علم و حقیقت کا اعلان ہے؟

یہودیوں اور عیسائیوں کی نزاع صرف اسی باب میں نہیں ہوئی بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ساری باتوں میں ہوئی - دونوں نے تفریط و افراط کی دو انتہائی جہتیں اختیار کر لی تھیں - یہودی انکار میں اتنے دور نکل گئے کہ انہیں شعبدہ باز اور فریبی سمجھ لیا - عیسائی اعتقاد میں اتنے دور نکل گئے کہ انہیں خدا بنا لیا - قرآن دونوں کا رد کرتا ہے اور کہتا ہے دونوں افراط و تفریط میں کھو گئے - پھر اگر پیدائش مسیح (علیہ السلام) کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا تو کیا ضروری نہ تھا کہ جس طرح اس بارے میں دونوں کا رد کیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ دونوں حقیقت سے محروم ہیں اسی طرح پیدائش کے بارے میں بھی یکساں طور پر دونوں کا رد کر دیتا اور صاف صاف بتلا دیتا کہ حقیقت سے دونوں محروم ہیں؟

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عیسائیوں نے الوہیت کے اعتقاد کے لیے جو سہارے ڈھونڈے تھے ان میں سب سے بڑا سہارا اسی پیدائش

کے اچنبھے کا تھا - اسکندریہ کے فلسفہ آمیز اصنامی تخیل سیراپیز (Serapis) سے تثلیثی وحدت کی اصل لی گئی اور ایزیز (Isis) کی جگہ حضرت مریم علیہا السلام کو، اور ہورس (Horus) کی حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی - پس اگر قرآن کے نزدیک یہ اعتقاد بے اصل ہوتا تو وہ الوہیت وابنیت کا رد کرتے ہوئے سب سے پہلی ضرب اسی سہارے پر لگاتا - کیونکہ اس کے گرنے کے بعد اصنامی مسیحیت کی ساری عمارت خود بخود گر جاتی - لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ایسا نہیں کیا - وہ صرف ایک لفظ کہہ کر کہ یوسف مسیح کا باپ تھا، سارا کارخانہ درہم برہم کر دے سکتا تھا، مگر وہ یہ نہیں کہنا چاہتا - وہ اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا - اس کے بحث واحتجاج کا اسلوب ہر جگہ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے اسے غیر معمولی پیدائش کے معاملہ سے تو انکار نہیں - لیکن وہ کہتا ہے اس سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ ایک بندہ، خدا یا خدا کا بیٹا ہو جائے؟ ایک انسان جو تمام انسانوں کی طرح انسان تھا اور اپنی پیدائش کے لیے ماں کے پیٹ کا محتاج، بہر حال انسان ہی ہوگا - خدا یا خدا کا بیٹا کیوں مانا جائے؟

جو لوگ قرآن کو غیر معمولی پیدائش کا منکر ثابت کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے اپنی توجیہات کی ساری بنیاد اس مقدمہ پر رکھی ہے کہ رخصتی سے پہلے یوسف اور مریم علیہا السلام میں زوجیت کا تعلق قائم ہو گیا تھا اور یہ اگرچہ شریعت موسوی کے خلاف نہ تھا لیکن وقت کے رواج کے خلاف ضرور تھا - اسی لیے لوگوں پر بچہ کی پیدائش گراں گزری - وہ اسے ناجائز حمل کا نتیجہ قرار دینے لگے - لیکن اول تو یہ محض ایک ظنی بنیاد ہے جس کے لیے تاریخی قرائن کا کوئی سہارا موجود نہیں، ثانیاً خود یہودیوں کی قدیم روایات بالکل اس کے خلاف جا رہی ہیں - انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو متہم کرتے ہوئے یوسف کا نام نہیں لیا تھا بلکہ پنتھر اتالی کی طرف اشارہ کرتے تھے -[1]

بہر حال قرآن کو اس بارے میں منکر قرار دینا، شرح وتفسیر کا ایک ایسا اقدام ہے جس پر کسی طرح ایک دیانت دار شارح کا ضمیر مطمئن نہیں ہو سکتا -

ہمیں قرآن کا مطالعہ نہ تو اس طرح کرنا چاہیے کہ اسے عجائب پرستیوں کی داستان بنانے کے خواہشمند ہوں - نہ عجائب پرستی کے الزام سے بچنے کے لیے اس درجہ مضطرب ہونا چاہیے کہ ہر بے محل سے بے محل توجیہ قبول کر لیں - قرآن عربی زبان کی ایک کتاب ہے اور دنیا کی تمام زبانوں کی طرح عربی الفاظ وتراکیب کے بھی ڈھلے ہوئے سانچے ہیں اور اسلوب بیان کے معین اور قطعی دلالات - پس چاہیے کہ علم و دیانت کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں اور جو مطلب صاف صاف نکل رہا ہو اسے بغیر کسی جھجک کے قبول کر لیں - اگر ہم نے بہ تکلف ایک بات اس کے منہ میں رکھ دی جسے خود اس کی زبان قبول نہیں کر رہی تو گو ہم نے اپنے خیال میں ایک بات بنالی ہو مگر فی الحقیقت بننے والی نہیں - یہاں علم وحقیقت کی بے لاگ عدالت موجود ہے - وہ ہر بناوٹ کو اصلیت سے جدا کر لے گی؟

باقی رہا یہ سوال کہ یہ اور اس طرح کے دوسرے معاملات کیونکر عقلاً تسلیم کیے جا سکتے ہیں؟ تو یہ ایک اصولی مبحث ہے اور اس کا محل ترجمان القرآن نہیں، مقدمہ تفسیر ہے -

***

---

[1] Encyclopaedia Biblica

اٰیَاتُھَا : 135 | سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا : 8

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰہٰ ﴿١﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ﴿٢﴾ اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ﴿٣﴾ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ
الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ﴿٤﴾ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ﴿٥﴾ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی
الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَھُمَا وَ مَا تَحْتَ الثَّرٰی ﴿٦﴾ وَ اِنْ تَجْھَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰی ﴿٧﴾ اَللّٰہُ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ﴿٨﴾ وَ ھَلْ اَتٰىکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ﴿٩﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَھْلِہِ

وقف لازم

طاہا (یعنی اے شخص مخاطب! [1]) (۱) ہم نے تجھ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ رنج و محنت میں پڑ- (۲) وہ تو اس لیے نازل ہوا ہے کہ جو دل (انکار و بدعملی کے نتائج سے) ڈرنے والا ہے اس کے لیے نصیحت ہو- (جو ڈرنے والے نہیں وہ کبھی اس کی صداؤں پر کان نہیں دھریں گے) - (۳) یہ اس ہستی کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین پیدا کی اور بلندی کے آسمان- (۴) الرحمان کہ (جہانداری کے) تخت پر متمکن ہے! (۵) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اور جو کچھ مٹی کے نیچے ہے (یعنی زمین کے نیچے ہے) سب اسی کا ہے اور اسی کے لیے ہے! (۶)

اور اگر تم پکار کے بات کہو (تو اس کی سماعت اس کی محتاج نہیں) کیونکہ وہ بھیدوں کا جاننے والا ہے- زیادہ سے زیادہ چھپے بھیدوں کو بھی! (۷) وہی اللہ ہے- کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف وہی- اس کے لیے حسن و خوبی کے نام ہیں- (۸) اور (اے پیغمبر!) کیا موسیٰ کی حکایت تو نے سنی؟ (۹) جب اس نے (دور سے) آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے

---

(۱) بالاتفاق یہ سورت سورۂ مریم کے بعد نازل ہوئی ہے اور مکی عہد کی وسطی تنزیلات میں سے ہے-

یہ زمانہ تاریخ دعوت کا سب سے زیادہ پر آشوب زمانہ تھا- انکار و جحود کا ہر طرف سے ہجوم تھا اور قبولیت کی رفتار بہت ہی دھیمی اور محدود تھی- قدرتی طور پر یہ صورت حال پیغمبر اسلام ﷺ پر گراں گزرتی تھی- جو دل تمام نوع انسانی کی ہدایت کے لیے پھنک رہا تھا وہ اپنے قریبی ابنائے وطن کو بھی قبولیت کے لیے آمادہ نہ پاتا تھا- کون ہے جو اس غم و اضطراب کا اندازہ کر سکتا ہے جس کی مقدس آگ آپ کے قلب مبارک میں سلگ رہی ہوگی؟

یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی تمام تنزیلات تسکین و تشفی کی روح سے معمور ہیں اور یہی روح اس سورت میں بھی بول رہی ہے- خطاب براہ راست آپ سے ہے اور بالواسطہ آپ کے ساتھیوں سے-

فرمایا- قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا ہے کہ تم اپنے کو رنج و محنت میں ڈالو- وہ تو نصیحت کی بات ہے- جو مستعد ہیں قبول کریں گے-

---

[1] عربی میں "طاھا" ایک کلمہ ندا ہے- کسی کو مخاطب کرنا ہو تو پکارتے ہیں "طاہا" یعنی اے شخص! چنانچہ ابن جریر نے اس شعر سے استشہاد کیا ہے!

دعوت بطاھا فی القتال فلم یجب   فخفت علیه ان یکون موائلا

کلبی اور قطرب اس طرف گئے ہیں کہ یہ قبائل عکل، عک اور طے کی زبان میں بولا جاتا ہے، اور ابن الانباری نے تصریح کی ہے کہ **لغة قریش وافقت تلك اللغة فی هذا المعنی**- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اکثر ائمہ تابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے (ابن جریر)

امۡكُثُوۡۤا اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّیۡۤ اٰتِیۡكُمۡ مِّنۡهَا بِقَبَسٍ اَوۡ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی ﴿۱۰﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوۡدِیَ
یٰمُوۡسٰی ﴿۱۱﴾ اِنِّیۡۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡكَ ۚ اِنَّكَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۲﴾ وَ اَنَا اخۡتَرۡتُكَ فَاسۡتَمِعۡ
لِمَا یُوۡحٰی ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِیۡ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ
اَكَادُ اُخۡفِیۡهَا لِتُجۡزٰی كُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا تَسۡعٰی ﴿۱۵﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنۡهَا مَنۡ لَّا یُؤۡمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ
فَتَرۡدٰی ﴿۱۶﴾ وَ مَا تِلۡكَ بِیَمِیۡنِكَ یٰمُوۡسٰی ﴿۱۷﴾ قَالَ هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَیۡهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیۡ

کہا ''ٹھہرو- مجھے آگ دکھائی دی ہے- میں جاتا ہوں- ممکن ہے تمہارے لیے ایک انگارا لے آؤں یا (کم از کم) الاؤ پر کوئی راہ دکھانے والا ہی مل جائے-'' (۱۰) پھر جب وہ وہاں پہنچا تو اس وقت پکارا گیا (ایک آواز اٹھی کہ) ''اے موسیٰ! (۱۱) میں ہوں تیرا پروردگار! پس اپنی جوتی اتار دے- تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے- اور دیکھ! (۱۲) میں نے تجھے (اپنی رسالت کے لیے) چن لیا ہے- پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اسے کان لگا کر سن- (۱۳) میں ہی اللہ ہوں- میرے سوا کوئی معبود نہیں- پس میری ہی بندگی کر اور میری ہی یاد کے لیے نماز قائم کر- (۱۴) بلاشبہ (مقررہ) وقت آنے والا ہے- میں اسے پوشیدہ رکھنے کو ہوں- تا کہ (لوگوں کے یقین و عمل کی آزمائش ہو جائے اور) جس شخص کی جیسی کچھ کوشش ہو، اسی کے مطابق بدلہ پائے''- (۱۵)

''پس دیکھ! ایسا نہ ہو کہ جو لوگ اس وقت کے ظہور پر یقین نہ رکھتے ہوں اور اپنی خواہش کے بندے ہوں وہ تجھے بھی (قدم بڑھانے سے) روک دیں اور نتیجہ یہ نکلے کہ تو تباہ ہو جائے!''- (۱۶)

''اور (صدائے غیبی نے پوچھا:) اے موسیٰ! تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟'' (۱۷)

عرض کیا ''میری لاٹھی ہے- چلنے میں اس کا سہارا لیتا ہوں- اسی سے اپنی بکریوں کے لیے درختوں کے پتے جھاڑ لیتا

جنہوں نے استعداد کھو دی وہ سننے والے نہیں- اور نتیجہ کا ظہور اپنے وقت پر ہوگا-

(۲) آیت (۹) میں فرمایا- کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت پر تم نے غور نہیں کیا؟ ان کی پوری سرگزشت کس طرح اس حقیقت کی مجسم شہادت ہے! پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی کا وہ واقعہ بیان کیا ہے جب وہ مدین کی بستی میں مقیم تھے اور اپنے خسر کا گلہ چرایا کرتے تھے- اسی زمانہ میں ان کا گزر سینا کے قرب و جوار میں ہوا اور وہیں یہ معاملہ پیش آیا- تورات میں اس جگہ کو ''حورب'' کہا ہے- یہ سینا کا مشرقی گوشہ تھا-

تورات میں ہے کہ انہوں نے درخت میں آگ دیکھی اور متعجب ہو کر قریب گئے (خروج ۳:۳) لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے محض رفع تعجب کے لیے نہیں گئے تھے بلکہ آگ کی جستجو میں تھے- سورۂ نمل کی آیت (۷) سے مزید وضاحت ہو گئی ہے- وہ مع اہل و عیال کے بیابان میں تھے- رات ٹھنڈی تھی اور سوچ رہے تھے کہیں سے آگ مل جائے تو تاپنے کے لیے الاؤ جلائیں- اتنے میں دور پر ایک روشنی آگ کی طرح نظر آئی- یہ سمجھے وہ آگ ہے- لیکن جب قریب پہنچے تو کارفرمائے قدرت نے پکارا- اے موسیٰ! تو اس آگ کی چنگاری لے کر کیا کرے گا؟ تیرے ہاتھوں ایک دوسری ہی آگ روشن ہونے والی ہے! ﴿ انا اخترتك فاستمع لما یوحی ﴾:

بال بکشاؤ صفیر از شجر طوبیٰ زن! حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسے!

(۳) جوتی اتار دینے کا حکم اس لیے ہوا کہ تعظیم کی جگہ ننگے پاؤں ہو جانا قدیم اور عام رسم تھی- چنانچہ بابل اور مصر میں بادشاہ کے حضور برہنہ پا ہو کر آتے تھے- تورات میں بھی اس حکم کا ذکر ہے- (خروج ۳:۶)

(۴) آیت (۱۵) میں ''الساعة'' سے مقصود روز قیامت نہیں ہے جیسا کہ مفسروں نے سمجھا ہے بلکہ وہ وقت ہے جو بنی اسرائیل کی نجات

وَلِيَ فِيهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ⑱ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ⑲ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ⑳ قَالَ
خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ㉑ وَ اضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ
بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ㉒ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ㉓ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ
ع ۱۰ طَغٰى ㉔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ㉕ وَ يَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ㉖ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ㉗
يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ㉘ وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ㉙ هٰرُوْنَ اَخِي ㉚ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ㉛
وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ㉜ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ㉝ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ㉞ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ㉟

ہوں-میرے لیے اس میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں"[ا] (۱۸)

حکم ہوا "اے موسیٰ! اسے ڈال دے"-(۱۹)

موسیٰ نے ڈال دیا اور کیا دیکھتا ہے' ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے! (۲۰) حکم ہوا "اسے اب پکڑ لے-خوف نہ کھا-ہم اسے پھر اس کی اصلی حالت پر کیے دیتے ہیں"-(۲۱)

اور (نیز حکم ہوا) "اپنا ہاتھ اپنے پہلو میں رکھ اور پھر نکال-بغیر اس کے کہ کسی طرح کا عیب ہو، چمکتا ہوا نکلے گا-یہ (تیرے لیے) دوسری نشانی ہوئی (۲۲) (اور یہ دونوں نشانیاں) اس لیے (دی گئی ہیں) کہ آیندہ تجھے اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں-" (۲۳) (نیز حکم ہوا) "اے موسیٰ! تو فرعون (یعنی بادشاہ مصر) کی طرف جا-وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے"-(۲۴)

موسیٰ نے عرض کیا "اے پروردگار! میرا سینہ کھول دے (کہ بڑے سے بڑا بوجھ اٹھانے کے لیے مستعد ہو جاؤں)-(۲۵) میرا کام میرے لیے آسان کردے (کہ راہ کی کوئی دشواری بھی غالب نہ آسکے)-(۲۶) میری زبان کی گرہ کھول دے کہ (خطاب وکلام میں پوری طرح رواں ہو جائے' (۲۷) اور) میری بات لوگوں کے دلوں میں اتر جائے-(۲۸) نیز میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے-(۲۹-۳۰) اس کی وجہ سے میری قوت مضبوط ہو جائے-(۳۱) وہ میرے کام میں میرا شریک ہو-(۳۲) ہم (دونوں یک دل ہو کر) تیری پاکی اور بڑائی کا بکثرت اعلان کریں-(۳۳) تیری یاد میں زیادہ سے زیادہ لگے رہیں-(۳۴) اور بلاشبہ تو ہمارا حال دیکھ رہا ہے" (ہم سے کسی حال میں غافل نہیں)-(۳۵)

اور فرعون کی شکست کے لیے ظہور میں آنے والا تھا-چنانچہ سیاق وسباق صاف اس کی شہادت دے رہا ہے-

(۵) مصر کی غلامی نے بنی اسرائیل کے اخلاق وعواطف بالکل پژمردہ کر دیے تھے-عزم وہمت کا کوئی ولولہ ان میں باقی نہیں رہا تھا-جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فتح واقبال کے آنے والے وقت کی بشارت سنائی تو اکثروں کو یقین نہیں آیا-چونکہ یہ بات علم الٰہی میں تھی اس لیے یہاں آیت (۱۶) میں پہلے سے خبردار کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو، ایسے لوگوں کی محرومیاں تمہیں بھی اقدام عمل سے روک دیں-

(۶) لاٹھی کے سانپ بننے، ہتھیلی کے چمک اٹھنے اور ہارون علیہ السلام کے وزیر و شریک ہونے کا ذکر تورات میں بھی ہے (خروج ۴) نیز یہ کہ خدا نے فرمایا "اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں (خروج ۳:۱۰)" رب اشرح لی صدری" کی تشریح سورۃ الم نشرح میں ملے گی-

---

[ا] و للہ در ما قال: لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم چنانچہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور!

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤى ﴿٣٧﴾ اِذْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا
يُوْحٰۤى ﴿٣٨﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَ
عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿٣٩﴾ اِذْ تَمْشِيْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ
اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ؕ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا
فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ
يّٰمُوْسٰى ﴿٤٠﴾ وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَ لَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾

ارشاد ہوا "اے موسیٰ! تیری درخواست منظور ہوئی (٣٦) اور (تجھے معلوم ہے) ہم تجھ پر پہلے بھی ایک مرتبہ کیسا احسان کر چکے ہیں؟ (٣٧) ہم تجھے بتاتے ہیں، اس وقت کیا ہوا تھا جب ہم نے تیری ماں کے دل میں بات ڈال دی تھی- (٣٨) ہم نے اسے سجھا تھا کہ بچے کو ایک صندوق میں ڈال دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے- دریا اسے کنارے پر دھکیل دے گا- پھر اسے وہ اٹھا لے گا جو میرا (یعنی میری قوم کا) دشمن ہے- نیز اس بچہ کا بھی دشمن- اور (اے موسیٰ!) ہم نے اپنے فضل خاص سے تجھ پر محبت کا سایہ ڈال دیا تھا (کہ اجنبی بھی تجھ سے محبت کرنے لگے) اور یہ اس لیے تھا کہ ہم چاہتے تھے تو ہماری نگرانی میں پرورش پائے- (٣٩) تیری بہن جب وہاں سے گزری تو (یہ ہماری ہی کارفرمائی تھی کہ) اس نے (فرعون کی لڑکی سے) کہا: میں تمہیں ایسی عورت بتلا دوں جو اسے پالے پوسے؟ اور اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کی گود میں لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور (بچے کی جدائی سے) غمگین نہ ہو- پھر دیکھ! ایسا ہوا کہ تو نے (مصر میں) ایک آدمی مار ڈالا- ہم نے تجھے اس معاملہ کے غم سے نجات دی اور تجھے ہر طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا- پھر تو کئی برس تک مدین کے لوگوں میں رہا- بالآخر (وہ وقت آ گیا) کہ اے موسیٰ! تو (مقررہ) اندازہ پر پورا اتر آیا"- (٤٠)

"اور (دیکھ اس طرح) میں نے تجھے اپنے لیے (یعنی اپنے خاص کام کے لیے) بنایا اور تیار کیا ہے- (٤١) اب تو اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں کوتاہی نہ کریں"- (٤٢)

(٧) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی پیدائش کا واقعہ اس لیے یاد دلایا گیا کہ انہیں معلوم ہو جائے مشیت الٰہی کا ہاتھ اول دن سے انہیں چن چکا ہے اور ایسے عجیب و غریب حالات میں ان کی پرورش ہوئی ہے جو بغیر قدرت کی کرشمہ سازیوں کے ظہور میں نہیں آ سکتے- پھر ان کا مصر سے نکلنے پر مجبور ہونا اور مدین کے بیابانوں میں صحرا کی زندگی بسر کرنا اسی لیے تھا کہ پیش آنے والے معاملہ کے لیے ان ساری باتوں کی ضرورت تھی- جب یہ سب کچھ ہو چکا اور شخصیت تیار ہو گئی تو پردۂ غیب چاک ہوا اور ندائے حق نے نمودار ہو کر کام پر لگا دیا- چنانچہ اسی لیے فرمایا ﴿ **وفتناك فتونا** ﴾ ہم نے تجھے ہر طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا- ﴿ **ثم جئت علی قدر یاموسیٰ** ﴾ (٤٠) پھر بالآخر تم اس اندازہ پر ٹھیک اتر آئے جو تمہاری تکمیل کے لیے ٹھہرا دیا گیا تھا-

اس کے بعد فرمایا: ﴿ **واصطنعتك لنفسی** ﴾ میں نے تجھے اپنے لیے بنایا اور تیار کیا- "اپنے لیے" یعنی اپنے کام کے لیے- کائنات کی ہر چیز اللہ ہی کے لیے بنتی ہے لیکن جن انسانوں کا ظہور اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی سچائی اور عدالت کے قیام کا ذریعہ ہوں انہیں وہ خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ وحی کی عام اصطلاح ہے- گویا قدرت انہیں اس لیے بناتی ہے کہ

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا
نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِىْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ
اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ
وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِىَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾
قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ

''ہاں تم دونوں (یعنی موسیٰ اور ہارون) کیونکہ اب دونوں اکٹھے ہوگئے تھے اور مصر کے قریب وحی الٰہی نے انہیں دوبارہ مخاطب کیا تھا) فرعون کے پاس جاؤ- وہ سرکشی میں بہت بڑھ چلا ہے-(۴۳) پھر جب اس کے پاس پہنچو تو (سختی کے ساتھ پیش نہ آنا) نرمی سے بات کرنا (تمہیں کیا معلوم؟) ہوسکتا ہے کہ نصیحت پکڑ لے یا (عواقب سے) ڈر جائے''-(۴۴)

دونوں نے عرض کیا ''پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے فرعون ہماری مخالفت میں جلدی نہ کرے یا سرکشی سے پیش آئے''-(۴۵)

ارشاد ہوا ''کچھ اندیشہ نہ کرو- میں تمہارے ساتھ ہوں- میں سب کچھ سنتا ہوں- سب کچھ دیکھتا ہوں!(۴۶) تم اس کے پاس (بے دھڑک) جاؤ اور کہو: ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں- پس بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت کردے اور ان پر سختی نہ کر- ہم تیرے پروردگار کی نشانی لے کر تیرے سامنے آگئے- اس پر سلامتی ہو جو سیدھی راہ اختیار کرے-(۴۷) جو کوئی جھٹلائے اور سرتابی کرے تو ہم پر وحی اتر چکی اس کے لیے عذاب کا پیام ہے!''-(۴۸)

(چنانچہ وہ گئے اور) فرعون نے پوچھا ''اگر ایسا ہی ہے تو بتلاؤ تمہارا پروردگار کون ہے اے موسیٰ؟''-(۴۹)

موسیٰ نے کہا ''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی- پھر اس پر (زندگی و عمل کی) راہ کھول دی''-(۵۰) فرعون نے کہا ''پھر ان کا کیا حال ہونا ہے-

---

اور کسی کام کے لیے نہ ہوں، صرف اسی ایک کام کے لیے پیدا ہوں' زندہ رہیں اور جان دے دیں!

(۸) آیت (۴۴) انبیاء کے طریق دعوت کی اصل الاصول ہے- تشریح اس کی پچھلی سورتوں میں گزر چکی-

یاد رہے جس فرعون کی طرف اب حضرت موسیٰ علیہ السلام جا رہے ہیں' یہ وہ نہیں ہے جس کے محل میں ان کی پرورش ہوئی تھی- وہ مر چکا تھا اور دوسرا فرعون تخت نشین ہو چکا تھا-

(۹) ادھر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ہوا اور مصر کی طرف چلے- ادھر مصر میں حضرت ہارون علیہ السلام کو اشارۂ غیبی ہوا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی جستجو میں نکلیں- چنانچہ راہ میں دونوں کی ملاقات ہوگئی- اب چونکہ دونوں یک جا ہو چکے تھے اس لیے وحی الٰہی نے دوسری مرتبہ مخاطب کیا تو دونوں کو کیا- پس آیت (۴۳) میں ''اذھبا'' کا خطاب پہلے واقعہ سے تعلق نہیں رکھتا، بعد کا واقعہ ہے-

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تین چار لفظوں میں جو کچھ کہہ دیا کیا اس سے زیادہ دنیا کی کوئی زبان خدا کے بارے میں کچھ کہہ سکتی ہے؟ ''پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کا وجود بخشا اور پھر اس کی زندگی و بقا کے لیے جن جن باتوں کی ضرورت تھی ان سب کی راہ انہیں

الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ
لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ
اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع
مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَ لَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا
فَكَذَّبَ وَ اَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ
بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

جو پچھلے زمانوں میں گزر چکے ہیں؟'' (یعنی انہیں تو تمہارے اس پروردگار کی خبر بھی نہ تھی)-(۵۱) موسیٰ نے کہا ''اس بات کا علم میرے پروردگار کے پاس نوشتہ میں ہے- میرا پروردگار ایسا نہیں کہ کھویا جائے یا بھول میں پڑ جائے''-(۵۲)

''وہ پروردگار جس نے تمہارے لیے زمین بچھونے کی طرح بچھا دی' نقل و حرکت کے لیے اس میں راہیں نکال دیں' آسمان سے پانی برسایا' اس کی آب پاشی سے ہر طرح کی نباتات کے جوڑے پیدا کر دیے-(۵۳) خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشی بھی چراؤ- اس بات میں عقل والوں کے لیے کیسی کھلی نشانیاں ہیں؟(۵۴) اس نے اسی زمین سے تمہیں پیدا کیا' اسی میں لوٹاتا ہے اور پھر اسی سے دوسری مرتبہ اٹھائے جاؤ گے''-(۵۵) اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے فرعون کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں مگر اس پر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا-(۵۶) اس نے کہا ''اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال باہر کر دے؟(۵۷) اچھا ہم بھی اسی طرح کے جادو کا کرتب تجھے لا دکھائیں گے- ہمارے اور اپنے درمیان ایک دن (مقابلہ کا) مقرر کر دے- نہ تو ہم اس سے پھریں نہ تو- دونوں کی جگہ برابر ہوئی''[1] (۵۸)

دکھا دی' یعنی ایسا وجدان' ایسے حواس' ایسی معنوی قوتیں دیدیں جوان کی رہنمائی کرتی ہیں: ﴿ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ﴾ (۸۰:۱۹) ﴿ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝ ﴾ (۸۷:۲) مزید تشریح کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ-

(۱۱) پھر ان کا کیا حال ہونا ہے جو پچھلے زمانوں میں گزر چکے ہیں؟''(۵۱) یعنی اگر پروردگار عالم وہی ہے جس کا تم نام لے رہے ہو تو یہ بات پہلوں نے کیوں نہ کہی؟ کیا وہ سب گمراہی میں پڑے؟''علمها عند ربی فی کتاب ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا'' مجھے کیا معلوم ان کا کیا حال تھا اور انہیں کیا پیش آئے گا؟ اور تمہیں اس کی فکر کیوں ہو؟ اس کا علم اللہ کے نوشتہ میں ہے- ہر فرد اور ہر گروہ اپنی حالت کے مطابق اپنا نتیجہ پائے گا- ہم اپنی فکر کریں- پچھلوں کی فکر میں کیوں پڑیں؟ ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (۲:۱۳۴)

اس مکالمہ سے اندازہ کرو کہ انبیاء کا طریق موعظت مجادلہ و مناظرہ کے طریقہ سے کس درجہ مختلف ہے؟

---

[1] اصل میں ''مکانا سوی'' ہے- اس کا ترجمہ مفسروں نے ہموار جگہ کیا ہے' لیکن اسلوب کلام اس ترجمہ کے حق میں ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے- قال سیبویہ:یقال سوی وسوی- ای عدل- یعنی عدلا بین المکانین- قال زهیر:

ارونا خطة لا ضیم فیها　　　یستوی بیننا فیها السواء

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ
لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا
اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا
وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾
قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ
يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ
الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾

موسیٰ نے کہا ''جشن کا دن تمہارے لیے مقرر رہا- دن چڑھے لوگ اکٹھے ہو جائیں''-(۵۹)

پھر فرعون نے ان سے رخ پھیرا، اپنے تمام داؤ جمع کیے پھر (وقت مقررہ پر مقابلہ کے لیے) نمودار رہوا-(۶۰)

موسیٰ نے (میدان کی بھیڑ کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا: ''افسوس تم پر! (تم کیا کررہے ہو) دیکھو! اللہ پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ- ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی عذاب بھیج کر تمہاری جڑ اکھاڑ دے- جس کسی نے جھوٹ بات بنائی وہ ضرور نامراد ہوا''-(۶۱)

(یہ سن کر) لوگ آپس میں ردوکد کرنے لگے اور پوشیدہ سرگوشیاں شروع ہو گئیں-(۶۲) پھر (درباری) بولے ''یہ دونوں بھائی ضرور جادوگر ہیں- یہ چاہتے ہیں اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں اور پھر تمہاری شرف وعظمت کے مالک ہو جائیں-(۶۳) پس اپنے سارے داؤ جمع کرو، اور پرا باندھ کر ڈٹ جاؤ- جو آج بازی لے گیا' وہی کامیاب ہوگا''-(۶۴)

جادوگروں نے کہا ''اے موسیٰ! یا تو تم پہلے اپنی لاٹھی پھینکو یا پھر ہماری ہی طرف سے پہل ہو''-(۶۵)

موسیٰ نے کہا ''نہیں تم ہی پہلے پھینکو''- چنانچہ (انہوں نے اپنا کرتب دکھایا اور) اچانک موسیٰ کو ان کے جادو کی وجہ سے ایسا دکھائی دیا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں (سانپ کی طرح) دوڑ رہی ہیں!(۶۶)

موسیٰ نے اپنے اندر ہراس محسوس کیا (کہ اس منظر سے لوگ متاثر نہ ہو جائیں)(۶۷) ہم نے کہا ''اندیشہ نہ کر- تو ہی غالب رہے گا-(۶۸) تیرے داہنے ہاتھ میں جو لاٹھی ہے فوراً پھینک- وہ جادوگروں کی تمام بناوٹیں نگل جائے گی- انہوں نے جو کچھ بنایا ہے محض جادوگروں کا فریب ہے، اور جادوگر کسی راہ سے آئے کبھی کامیابی نہیں پا سکتا''-(۶۹)

---

(۱۲) ''یخیل الیه من سحرھم'' (۶۶) یعنی جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ نہیں بن گئی تھیں بلکہ ان کی شعبدہ گری کی وجہ سے دیکھنے والا خیال کرنے لگتا سانپ کی طرح کر رہی ہیں- چنانچہ آگے چل کر کہا: ﴿ انما صنعوا کید ساحر' ولا یفلح الساحر حیث اتی ﴾ یہ جادوگروں کا فریب نظر ہے اور جادوگر کیسا ہی تماشہ دکھائے، حقیقت کی طرح کامیاب نہیں ہو سکتا- سورۂ اعراف میں اس واقعہ کی تشریحات گزر چکی ہیں اور آیندہ سورتوں میں مزید تشریحات ملیں گی-

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ۝٧٠ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ
لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ
جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَ لَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ۝٧١ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ
الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝٧٢ ۭ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَ
مَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝٧٣ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا الثلثة
وَ لَا يَحْيٰى ۝٧٤ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝٧٥ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ

چنانچہ (ایسا ہی نتیجہ نکلا) تمام جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور پکارے "ہم ہارون اور موسیٰ کے خدا پر ایمان لائے!" - (۷۰)

فرعون نے کہا "تم بغیر میرے حکم کے موسیٰ پر ایمان لے آئے؟ ضرور یہ تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے - اچھا دیکھو میں کیا کرتا ہوں - میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں گا اور کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا -[1] پھر تمہیں پتہ چلے گا ہم دونوں میں کون سخت عذاب دینے والا ہے اور کس کا عذاب دیر پا ہے!" - (۷۱)

انہوں نے کہا "ہم یہ کبھی نہیں کر سکتے کہ (سچائی کی) جو روشن دلیلیں ہمارے سامنے آ گئی ہیں اور جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے اس سے منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں - تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر گزر - تو زیادہ سے زیادہ جو کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ دنیا کی اس زندگی کا فیصلہ کر دے - (اس سے زیادہ تیرے اختیار میں کچھ نہیں) (۷۲) ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے کہ ہماری خطائیں بخش دے - خصوصاً جادوگری کی خطا جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا - (ہمارے لیے) اللہ ہی بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے!" - (۷۳) کچھ شک نہیں جو شخص اپنے پروردگار کے حضور مجرم ہو کر حاضر ہوگا تو یقیناً اس کے لیے دوزخ ہوگی - نہ تو اس میں مرے گا، نہ زندہ رہے گا - (دونوں حالتوں کے درمیان سسکتا رہے گا!) (۷۴) اور جو کوئی اس کے حضور مومن ہو کر حاضر ہوگا اور اس کے کام بھی اچھے رہے ہوں گے تو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑے بڑے درجے ہوں گے - (۷۵) ہیشگی کے گلزار جن کے تلے نہریں رواں ہیں! وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے - یہ ہے اس کا بدلہ جو (زندگی میں)

---

(۱۳) سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے کہ شکست کھانے کے بعد فرعون نے جادوگروں سے کہا - یہ تمہاری ملی بھگت ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو جتا دیا (۷:۱۲۳) یہاں اس کے قول کا دوسرا حصہ نقل کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے موسیٰ (علیہ السلام) تمہارا سردار ہے - تم جادو میں اس کے شاگرد ہو - اسی لیے اس کے آگے گر پڑے - مقصود اس سے یہ تھا کہ عوام پر حقیقت حال مشتبہ کر دے اور شکست کی ذلت چھپائے -

(۱۴) جادوگروں کا مقولہ آیت (۷۳) پر ختم ہوگیا - اس کے بعد کی تین آیتوں میں ان کے ایمان باللہ اور امید مغفرت و رضوان کی

---

[1] جس طرح اردو میں کہتے ہیں: تمہاری لاش درخت پر لٹکائی جائے گی اسی طرح عربی محاورہ ہے کہ کھجور کے تنا پر سولی دی جائے گی - کیونکہ وہاں زیادہ تر درخت کھجور ہی کے ہوتے ہیں - سوید بن ابی کاہل کہتا ہے:

و هم صلبوا العبدی فی جذع نخلة فلا عطست شیبان الا باجدعا

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۥ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ
فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ
فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ
مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ
لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ اُولَاۗءِ

ہر طرح کی آلودگیوں سے) پاک رہا! (۷۶)

اور (پھر دیکھو) ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی تھی کہ (اب) میرے بندوں کو راتوں رات (مصر سے) نکال لے جا- پھر سمندر میں ان کے گزرنے کے لیے خشکی کی راہ نکال لے- نہ تو تعاقب کرنے والوں سے اندیشہ ہو گا نہ اور کسی طرح کا خطرہ- (۷۷)

پھر (جب موسیٰ اپنی قوم کو لے کر نکل گیا' تو) فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کا پیچھا کیا، پس پانی کا ریلا جیسا کچھ ان پر چھانے والا تھا چھا گیا (یعنی جو کچھ ان پر گزرنی تھی گزر گئی) (۷۸) اور فرعون نے اپنی قوم پر راہ (نجات) گم کر دی- انہیں سیدھی راہ نہیں دکھائی! (۷۹)

اے بنی اسرائیل! میں نے تمہارے دشمن سے تمہیں نجات بخشی- تم سے (برکتوں اور کامرانیوں کا) وعدہ کیا جو کوہ طور کے داہنی جانب ظہور میں آیا تھا- تمہارے لیے (صحرائے سینا میں) "من" اور "سلویٰ" مہیا کر دیا- (۸۰) تمہیں کہا گیا یہ پاک غذا مہیا کر دی گئی ہے- شوق سے کھاؤ مگر اس بارے میں سرکشی نہ کرو- کرو گے تو میرا غضب نازل ہو جائے گا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تو بس وہ (ہلاکت میں) گرا! (۸۱)

اور (میں نے کہا) جو کوئی توبہ کرے' ایمان لائے' نیک عمل ہو' تو میں یقیناً اس کے لیے بڑا ہی بخشنے والا ہوں! (۸۲)

اور (جب موسیٰ طور پر حاضر ہوا تو ہم نے پوچھا:) "اے موسیٰ! کس بات نے تجھے جلدی پر ابھارا اور تو قوم کو پیچھے چھوڑ کر چلا آیا؟" (۸۳)

تصدیق کی ہے اور واضح کیا ہے کہ عذاب اخروی انہی کے لیے ہے جو زندگی میں مجرم رہے- جو ایمان لے آئے اور نیک عملی اختیار کر لی تو ان کے لیے درجوں کی بلندی اور روحانی زندگی کی کامرانیاں ہوں گی-

اس میں اشارہ ہے کہ سحرۂ فرعون کا اللہ کے حضور بڑا درجہ ہوا- کیونکہ انہوں نے قبولیت حق کی استعداد اور اس کی استقامت دونوں کا ثبوت دے دیا- ان کا کفر ساری زندگی کا کفر تھا اور ایمان صرف چند لمحوں کا ایمان لیکن چند لمحوں کے ایمان نے عمر بھر کا کفر محو کر دیا- ان کا دل صدیقوں کا دل اور ان کی صدا شہدائے حق کی صدا ہو گئی- مصری شہنشاہی کا سارا قہر و جلال ایک پل کے لیے بھی ان کی استقامت ایمانی پر غالب نہ آ سکا!

(۱۵) آیت (۷۷) اور (۷۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے معاملہ کا خلاصہ و ماحصل ہے- اس کے بعد ان حالات کی طرف اشارہ کیا ہے جو مصر سے خروج کے بعد دشت سینا میں پیش آئے تھے اور آیت (۸۳) سے سامری کا واقعہ شروع ہوتا ہے-

عَلٰٓى اَثَرِىْ وَ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ
السَّامِرِىُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا
حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ
مَّوْعِدِىْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا
فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِىُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬

موسیٰ نے عرض کیا ''وہ مجھ سے دور نہیں - میرے نقش قدم پر ہیں - اور اے پروردگار! میں نے تیرے حضور آنے میں جلدی کی کہ تو خوش ہو''۔(۸۴) فرمایا ''مگر ہم نے تیرے پیچھے تیری قوم کی (استقامت کی) آزمائش کی اور سامری نے اسے گمراہ کر دیا ہے''۔(۸۵) پس موسیٰ خشم ناک اور افسوس کرتا ہوا قوم کی طرف لوٹا - اس نے کہا ''اے میری قوم کے لوگو! (یہ تم نے کیا کیا؟) کیا تم سے تمہارے پروردگار نے ایک بڑی بھلائی کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ پھر کیا ایسا ہوا کہ تم پر بڑی مدت گزر گئی (اور تم اسے یاد نہ رکھ سکے؟) یا یہ بات ہے کہ تم نے چاہا تمہارے پروردگار کا غضب تم پر نازل ہو اور اس لیے تم نے مجھ سے ٹھہرائی ہوئی بات توڑ ڈالی؟''(۸۶) انہوں نے کہا ''ہم نے خود اپنی خواہش سے عہد شکنی نہیں کی بلکہ (ایک دوسرا ہی معاملہ پیش آیا - مصری) قوم کی زیب و زینت کی چیزوں کا ہم پر بوجھ پڑا تھا (یعنی بھاری بھاری زیوروں کا جو مصر میں پہنے جاتے تھے - ہم اس بوجھ کے رکھنے کے خواہشمند نہ تھے) وہ ہم نے پھینک دیا'' (بس ہمارا اتنا ہی قصور ہے)

چنانچہ اس طرح (جب سونا فراہم ہو گیا تو) سامری نے اسے (آگ میں) ڈالا (۸۷) اور ان کے لیے ایک (سنہرا) بچھڑا (بنا کر) نکال لایا - محض ایک بے جان دھڑ جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی! لوگ یہ دیکھ کر بول اٹھے: یہ ہے ہمارا[1] معبود اور موسیٰ

پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر معتکف ہونے کے لیے گئے تو قوم کو حضرت ہارون علیہ السلام کی نگرانی میں چھوڑ گئے تھے - ان کی عدم موجودگی میں سامری کا فتنہ ظہور میں آیا - یہاں آیت (۸۳) میں اسی طرف اشارہ کیا ہے - حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم کو پیچھے چھوڑ کر طور پر پہنچ گئے تو وحی الٰہی نے انہیں مخاطب کیا ''کس بات نے تجھے قوم کی طرف سے اس درجہ مطمئن کر دیا کہ فوراً انہیں چھوڑ کر چلا آیا؟'' حضرت موسیٰ علیہ السلام جو پیش آنے والے واقعہ سے بے خبر تھے بولے ''میں نے مقررہ وقت پر آنے میں جلدی کی کہ تو رضا مند ہو اور قوم میرے نقش قدم پر چل رہی ہے -'' فرمایا ''ہاں مگر قوم کا یہ حال ہے کہ اتنے ہی دنوں میں گمراہ ہو گئی''

(۱۶) آیت (۸۷) میں ''فقذفناها'' تک لوگوں کا جواب ہے اس کے بعد ''فذالك'' سے قرآن واقعہ کی تفصیل بیان کرتا ہے - یہ لوگوں کے جواب کا ٹکڑا نہیں - صرف اتنی سی بات پر غور نہ کرنے کی وجہ سے مفسروں اور مترجموں نے اس مقام کا پورا مطلب خبط کر دیا اور اسلوب کلام کی بھی ساری کل بگڑ گئی - اب ہم نے جس طرح ترجمہ کیا ہے اس پر غور کرو - مصری گردن اور سر پر سونے کے بھاری بھاری زیور

---

[1] جب لوگ آپس میں باتیں کرتے ہیں تو اردو محاورہ یہ ہے کہ کہتے ہیں ''ہمیں ایسا کرنا چاہیے'' اور ''ہمارا ایسا حال ہو رہا ہے'' لیکن عربی میں اس موقع پر ''ہم'' نہیں بلکہ ''تم'' کہیں گے - مثلاً ''آپس میں لوگوں نے کہا تمہیں ایسا کرنا چاہیے'' چنانچہ برادران یوسف (علیہ السلام) نے آپس میں مشورہ کرتے ہوئے کہا تھا ﴿ اقتلوا یوسف ﴾ اور ﴿ تکونوا من بعدہ قوماً صالحین ﴾(۹) آؤ یوسف کو مار ڈالیں - اس کے بعد ''ہماری'' ساری باتیں سدھر جائیں گی - اسی طرح اسی سورت کی آیت (۶۲) میں بھی اردو کے محل متکلم کی جگہ ضمیر خطاب جا بجا آ چکی ہے - یہاں بھی اصل میں ''الاھکم'' تھا - ہم نے وضاحت کے لیے اردو محاورہ کی رعایت کی اور ''ہمارا'' ترجمہ کیا - اتنی سی بات کی عدم وضاحت نے مترجموں کو بے شمار مشکلوں میں ڈال دیا ہے -

ع ۱۴ فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ
مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَأَطِيْعُوْٓا أَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ
عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ أَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ
أَفَعَصَيْتَ أَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ ۚ إِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ
إِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ

کا بھی مگر وہ بھول میں پڑ گیا-(۸۸)

(افسوس ان کی سمجھ پر!) کیا انہیں یہ (موٹی سی) بات بھی دکھائی نہ دی کہ بچھڑا (آواز تو نکالتا ہے مگر) ان کی بات کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ انہیں فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان؟ (۸۹)

اور ہارون نے اس سے پہلے انہیں (صاف صاف) جتا دیا تھا "بھائیو! یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمہاری (استقامت کی) آزمائش ہو رہی ہے- تمہارا پروردگار تو خدائے رحمان ہے- دیکھو! میری پیروی کرو اور میرے کہے سے باہر نہ ہو" (۹۰) مگر انہوں نے جواب دیا تھا "جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آ جائے ہم اس کی پرستش پر جمے ہی رہیں گے"-(۹۱)

(بہر حال) موسیٰ نے (اب ہارون سے) کہا "اے ہارون! جب تو نے دیکھا یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں تو کیا بات ہوئی کہ انہیں روکا نہیں؟ (۹۲) کیا تو نے پسند کیا کہ میرے حکم سے باہر ہو جائے؟"-(۹۳)

ہارون بولا "اے میرے عزیز بھائی! میری ڈاڑھی اور سر کے بال نہ نوچ (میں نے اگر سختی میں کمی کی تو صرف اس خیال سے کہ) میں ڈرا کہیں تم یہ نہ کہو، تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کی راہ نہ دیکھی"-(۹۴)

تب موسیٰ نے (سامری سے) کہا "سامری! یہ تیرا کیا حال ہوا؟"-(۹۵)

کہا "میں نے وہ بات دیکھ لی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی- اس لیے (اللہ کے) رسول کی پیروی میں میں نے بھی کچھ

پہنتے تھے- یہودیوں نے بھی وہ اختیار کر لیے تھے اور جب نکلے تو پہنے ہوئے نکلے- انہی کو گلا کر سامری نے بچھڑا بنایا تھا- اب جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پرسش کی تو لوگوں نے اپنا بچاؤ یہ کہہ کر کرنا چاہا کہ ہمارا اور کچھ قصور نہیں- مصری زیوروں کا بڑا بوجھ ہمارے سروں پر پڑا تھا- ہم نے چاہا اسے پھینک دیں- ہمیں کیا معلوم تھا کہ سامری اس سے ایک عجیب و غریب چیز بنا کر ہمیں گمراہ کر دے گا-

قرآن کہتا ہے- ہوا تھا ایسا ہی- انہوں نے اپنا سب زیور اتار دیا اور سامری نے اسے گلا کر بچھڑا بنا لیا-

۱۷) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا- تو دین حق سے کیوں پھر گیا؟ تو اس نے کہا- میں نے اللہ کے رسول کی (یعنی آپ کی) ایک حد تک پیروی کی- کیونکہ جو بات میری قوم کے دوسرے آدمی نہ پا سکے تھے میں نے پالی تھی- مگر پھر میں نے آپ کا طریقہ چھوڑ دیا- میری

قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِىۡ نَفۡسِىۡ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَكَ فِى الۡحَيٰوةِ
اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ وَانۡظُرۡ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِىۡ ظَلۡتَ عَلَيۡهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ
ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِى الۡيَمِّ نَسۡفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ
نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ مَا قَدۡ سَبَقَ وَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ مِنۡ لَّدُنَّا ذِكۡرًا ﴿۹۹﴾ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡهُ فَاِنَّهٗ يَحۡمِلُ
يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وِزۡرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهِ وَسَآءَ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ حِمۡلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ وَنَحۡشُرُ
الۡمُجۡرِمِيۡنَ يَوۡمَئِذٍ زُرۡقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ اِذۡ

حصہ لیا تھا، پھر چھوڑ دیا- (کیا کہوں) میرے جی نے ایسی ہی بات مجھے سجھائی"- (۹۶)

موسیٰ نے کہا "اگر ایسا ہے تو پھر جا- زندگی میں تیری لیے یہ ہونا ہے کہ کہے، میں اچھوت ہوں- اور (آخرت میں عذاب کا) ایک وعدہ ہے جو کبھی ٹلنے والا نہیں- اور دیکھ تیرے (گھڑے ہوئے) معبود کا اب کیا حال ہوتا ہے جس کی پوجا پر جم کر بیٹھ رہا تھا- ہم اسے جلا کر راکھ کر دیں گے اور راکھ سمندر میں اڑا کر بہا دیں گے- (۹۷) معبود تو تمہارا بس اللہ ہی ہے- اس کے سوا کوئی نہیں- وہی ہے جو ہر چیز پر اپنے علم سے چھایا ہوا ہے!"- (۹۸)

(اے پیغمبرؐ!) اس طرح ہم گزری ہوئی سرگزشتوں میں سے (خاص خاص واقعات کی) خبریں تجھے سناتے ہیں- اور بلاشبہ ہم نے اپنے پاس سے تجھے ایک سرمایہ نصیحت عطا فرما دیا ہے (یعنی قرآن) (۹۹) تو جس کسی نے اس سے رخ پھیرا، یقیناً وہ قیامت کے دن ایک (بہت بڑے جرم کا) بوجھ اٹھائے ہوگا- (۱۰۰) اور ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا- کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ قیامت کے دن اپنے اوپر لادے ہوں گے! (۱۰۱)

وہ دن کہ نرسنگھا پھونکا جائے گا ہم مجرموں کو جمع کریں گے اور ان کی آنکھیں مارے دہشت کے بے نور ہوں گی- (۱۰۲) وہ آپس میں چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے "ہم (اس حالت میں یعنی پہلی اور دوسری زندگی کی درمیانی حالت میں) ہفتہ عشرہ سے زیادہ کیا رہے ہوں گے؟"- (۱۰۳) یہ (اس دن) جیسی جیسی باتیں کریں گے ہم اس سے

طبیعت کے بے اختیارانہ ولولے نے مجھے اس کے لیے مجبور کر دیا تھا- کیونکہ میرا آبائی طریق عبادت یہی ہے-

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جماعت سے باہر کر دیا اور حکم دیا کوئی اس سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھے- "ان تقول لا مساس" (۹۷) کا مطلب ہے کہ لوگ تجھ سے اس درجہ نفرت کرنے لگیں گے کہ تیری چھوت سے بھاگیں گے- تو "لا مساس" یعنی اچھوت ہو جائے گا- کہتا پھرے گا مجھے کوئی نہ چھوئے-

(۱۸) آیت (۹۸) پر سرگزشت ختم ہو گئی ہے اور اس کے بعد سلسلہ بیان منکرین دعوت کی طرف متوجہ ہو گیا ہے- فرمایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہدایت وحی اتری تھی اسی طرح ہم نے تجھے بھی ایک سرمایہ نصیحت یعنی قرآن عطا فرمایا ہے اور اس کے منکروں کے لیے بھی وہی ہونا ہے جو پہلے ہو چکا ہے-

(۱۹) لوگوں کو اکٹھا کرنے کا پرانا دستور یہ چلا آتا ہے کہ نرسنگھا پھونکا کرتے ہیں- آشوریوں، مصریوں، ہندوستانیوں، ایرانیوں، چینیوں سب میں یہ طریقہ پایا گیا ہے اسی لیے نرسنگھا پھونکنے کا مطلب یہ ہو گیا کہ جمع ہونے کی پکار بلند ہوئی- تورات اور انجیل کی یہ عام اصطلاح

ع ١٥
يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾
فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَ
خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ
وَ رَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ
الْقَيُّوْمِ ؕ وَ قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا

بے خبر نہیں- ان میں جو سب سے بہتر سراغ پر ہوگا وہ بول اٹھے گا ''نہیں ہم بہت رہے ہوں گے تو بس ایک دن'' (اس سے زیادہ یہ مدت نہیں ہو سکتی)- (١٠٤)

اور یہ پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ ان کا حال کیا ہوگا) تو کہہ دے ''میرا پروردگار (ریزہ ریزہ کر کے) بالکل اڑا دے گا- (١٠٥) پھر انہیں ایسا کر دے گا جیسے صاف ہموار میدان ہو جائے- (١٠٦) کہیں تم کجی نہ پاؤ اور نہ اونچ نیچ- (١٠٧)

اس دن سب پکارنے والے کے پیچھے ہولیں گے- اس سے منحرف نہ ہو سکیں گے- اور خدائے رحمان کے جلال کے آگے سب کی آوازیں خاموش[1] ہو جائیں گی- اس سناٹے میں کوئی آواز سنائی نہیں دے گی مگر صرف قدموں کی آہٹ[2]! (١٠٨)

اس دن سفارشیں کچھ کام نہ دیں گی- مگر ہاں جس کو خدائے رحمان اجازت دے اور اس کا زبان کھولنا پسند فرمائے! (١٠٩) جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا سب کا وہ علم رکھتا ہے- مگر انسان اپنے علم سے اس پر چھا نہیں سکتا! (١١٠) اس حی و قیوم کے آگے سب کے سر جھک گئے- جس نے ظلم کا بوجھ لا دلیا تھا، دیکھو وہ نامراد ہوا! (١١١)

اور (ہاں) جس کے عمل اچھے ہوئے اور وہ مومن بھی ہے تو اس کے لیے کوئی اندیشہ نہ ہوگا- نہ تو ناانصافی

ہے اور قرآن نے بھی جابجا ''نفخ فی الصور'' کی ترکیب استعمال کی ہے-

(٢٠) آیت (١٠٣) کا وہی مطلب ہے جو پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے- آدمی سو کر اٹھتا ہے تو نہیں جانتا کتنی دیر سویا- یہی حال دوسری زندگی میں ہوگا- انسان اپنی پچھلی زندگی یاد کرے گا تو ایسا معلوم ہوگا جیسے چند دن پہلے کی بات ہو- ایک کہے گا ہفتہ عشرہ کی بات ہے- دوسرا جو اندازہ لگانے میں زیادہ تیز ہوگا، کہے گا: نہیں صرف ایک دن کی بات! دوسری جگہ اس سے بھی کم اندازہ کی تعبیر آئی ہے- ﴿ عشية او ضحاها ﴾

(٢١) آیت (١٠٨) میں قیامت کے منظر کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اس کا سارا زور مترجموں نے ضائع کر دیا- ایک میدان میں بے شمار آدمی چل رہے ہوں، مگر سب کے ہوش اڑے ہوئے ہوں اور سب کی زبانیں ہیبت نے گونگی کر دی ہوں، تو اس منظر کا کیا حال ہوگا؟ ایک دہشت انگیز سناٹا، جس میں قدموں کی آہٹ کے سوا اور کوئی آواز مخل نہ ہوگی! اور یہ آواز بھی زندگی کی خوشگواری پیدا نہیں کرے گی بلکہ منظر کی دہشت میں اور اضافہ کر دے گی!

لیث یدق الاسد الهموسا ولایهاب الفیل والجاموسا

---

[1] ''خشعت'' ای سکتت- و منه قول الشاعر: لما أتی خبر الزبیر، تواضعت سور المدینة و الجبال الخشع!

[2] ''الهمس'' صوت نقل الاقدام- یقال للاسد الهموس- لانه یهمس فی الظلمة- قال رؤبه یصف نفسه:

وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ
لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَ
قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ وَاِذْ قُلْنَا ع ٦ ١٥
لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿١١٦﴾ فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ
فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا
فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ

ہوگی نہ حق تلفی! (١١٢)

اور (دیکھو) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے اس (سرمایہ نصیحت) کو قرآن عربی کی شکل میں اتارا اور مختلف طریقوں سے اس میں (انکار و بدعملی کی) پاداش کی خبر دے دی تاکہ لوگ (گمراہی سے) بچیں، یا پھر ایسا ہو کہ نصیحت پذیری کی روشنی ان میں نمودار ہو جائے! (١١٣)

پس ہر طرح کی بلندی اللہ ہی کے لیے ہے- وہی جہاندار حقیقی ہے! اور (اے پیغمبر!) جب تک قرآن کی وحی تجھ پر پوری نہ ہو جائے تو اس میں جلدی نہ کر- تیری پکار یہ ہو کہ پروردگار میرا علم اور زیادہ کر!'' - (١١٤)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے آدم کو پہلے سے جتا کر عہد لے لیا تھا' پھر وہ بھول گیا اور ہم نے (نافرمانی کا) قصد اس میں نہیں پایا تھا- (١١٥)

اور (پھر) وہ معاملہ یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا ''آدم کے آگے جھک جاؤ'' سب جھک گئے تھے مگر ابلیس نہیں جھکا- اس نے انکار کیا- (١١٦)

اس پر ہم نے کہا ''اے آدم! (دیکھ لے) یہ (ابلیس) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے- ایسا نہ ہو یہ تمہیں جنت سے نکال کے رہے اور تم محنت میں پڑ جاؤ- (١١٧) تمہارے لیے اب ایسی زندگی ہے کہ نہ تو اس میں بھوکے رہتے ہو نہ برہنہ- (١١٨) نہ تمہارے لیے پیاس کی جلن ہے نہ سورج کی تپش'' (اگر اس سے نکلے تو سرتا سر محنت میں مبتلا ہو جاؤ گے) - (١١٩)

لیکن پھر شیطان نے آدم کو وسوسہ میں ڈالا- اس نے کہا- '' اے آدم! میں تجھے ہمیشگی کے درخت کا نشان

---

(٢٢) آیت (١١٤) میں فرمایا جب تک سلسلہ وحی پورا نہ ہو جائے اس بارے میں جلدی نہ کر اور منتظر رہ کہ فیضان غیب کی بخشائشیں کہاں تک مالا مال کرتی ہیں- تیری زبان حال کی صدا تو یہ ہونی چاہیے کہ ﴿ رب زدنی علما ﴾ یعنی میری تشنگی کی سیرابی کے لیے علم کے یہ سارے دریا اور عرفان حقیقت کی یہ ساری بارشیں بھی کافی نہیں- اے علم کی لاانتہائی اور حقیقت کی ناپیدا کناری! اپنی بخششیں اور زیادہ کر!

اس آیت نے واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے مقام علم و عرفان کی وسعت و عظمت کا کیا حال تھا؟ وہ کسی حد پر بھی رکنا نہیں چاہتی تھی- اس کے لیے کوئی زیادتی بھی زیادتی نہ تھی- اس کے لیے ہر افاضہ نئے استفاضہ کا اشارہ تھا- اس کے لیے ہر عطیہ نئے عطیہ کا تقاضا تھا- وہ یکسر طلب تھی- پیہم رب زدنی کا سوال تھی- یہ معلوم ہے کہ یہاں مطلوب کی وسعت کے لیے کوئی انتہا نہیں ہو سکتی لیکن یہ کیونکر معلوم کیا جائے کہ طالب کی طلب کہاں جا کر منتہی ہوئی تھی؟

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝١٢٠ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰٓى
اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝١٢١ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝١٢٢ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝١٢٣ وَمَنْ اَعْرَضَ
عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝١٢٤ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى
وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝١٢٥ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝١٢٦ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ

دے دوں؟ اور ایسی پادشاہی کا جو کبھی زائل نہ ہو؟'' (۱۲۰)

چنانچہ دونوں نے (یعنی آدم اور اس کی بیوی نے) اس درخت کا پھل کھالیا اور دونوں کے ستر ان پر کھل گئے- تب ان کی حالت ایسی ہوگئی کہ باغ کے پتے توڑنے لگے اور ان سے اپنا جسم ڈھانکنے لگے- غرض کہ آدم اپنے پروردگار کے کہنے پر نہ چلا- پس وہ (جنت کی زندگی سے) بے راہ ہوگیا- (۱۲۱)

(لیکن) پھر اس کے پروردگار نے اسے برگزیدہ کیا- اس پر (اپنی رحمتوں سے) لوٹ آیا- اس پر (زندگی و عمل کی) راہ کھول دی- (۱۲۲)

(چنانچہ) اللہ نے حکم دیا تھا ''تم دونوں اکٹھے یہاں سے نکل چلو- تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوا- (اب تم پر ایک دوسری زندگی کی راہ کھلے گی) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس (یعنی تمہاری نسل کے پاس) کوئی پیام ہدایت آیا تو (اس بارے میں میرا قانون یاد رکھو) جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا وہ نہ تو راہ سے بے راہ ہوگا' نہ دکھ میں پڑے گا- (۱۲۳) اور جو کوئی میری یاد سے روگرداں ہوگا تو اس کی زندگی ضیق میں گزرے گی اور قیامت کے دن بھی میں اسے اندھا اٹھاؤں گا''- (۱۲۴)

وہ کہے گا ''پروردگار! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو اچھا خاصا دیکھنے والا تھا''- (۱۲۵) ارشاد ہوگا ''ہاں اسی طرح ہونا تھا- ہماری نشانیاں تیرے سامنے آئیں مگر تو نے انہیں بھلا دیا- سو اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا گیا ہے!'' (۱۲۶)

---

(۲۳) آیت (۱۲۳) اور (۱۲۴) مہمات معارف میں سے ہے- ان دو آیتوں سے ہم وہ سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں جو قرآن انسان کی روحانی سعادت و شقاوت کے بارے میں بتلانا چاہتا ہے-

فرمایا- جو ہدایت وحی پر چلے گا نہ تو کامیابی کی راہ سے بے راہ ہوگا' نہ دکھی- پس معلوم ہوا کہ یہ ہدایت اس لیے ہے کہ انسان کو بے راہی اور اس کے لازمی نتیجہ سے محفوظ کر دے-

غور کرو- انسان کی ساری محرومیوں کی تصویر کس طرح صرف دو لفظوں کے اندر کھینچ دی ہے؟ ضلالت اور شقاوت- انسان کو جتنی ٹھوکریں بھی لگتی ہیں بے راہ ہو جانے سے لگتی ہیں ہر گوشہ میں کامیابی و سعادت کی ایک مقررہ راہ ہے- جونہی اس سے قدم بے راہ ہوئے شقاوت میں گر گئے!

پھر فرمایا- جس نے ہمارے ذکر سے اعراض کیا تو اسے دو حالتیں پیش آئیں گی- دنیا میں اس کی زندگی ضیق میں پڑ جائے گی- یعنی وہ بظاہر کتنا ہی نہال ہو جائے لیکن دل کی طمانیت اور روح کا انبساط اسے کبھی نہیں ملے گا- اور آخرت میں بینائی سے محروم ہو جائے گا- سعید انسانوں کی نگاہیں روشن ہوں گی- اس کی اندھی! وہ جمال الٰہی کا نظارہ کریں گی- اس کے آگے پردہ پڑا ہوگا ﴿ كلا انهم عن ربهم يومئذ

مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا
قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ ع
مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ ط فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ
الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ
عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ

اور (دیکھو) جو کوئی (سرکشی میں) بڑھ نکلتا ہے اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر یقین نہیں کرتا تو اس طرح ہم اسے (اس کی حالت کا) بدلہ دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ سخت ہے۔ بہت دیر تک رہنے والا ہے! (۱۲۷)

کیا ان لوگوں کو اس بات سے بھی ہدایت نہ ملی کہ ان سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں جنہیں ہم (پاداش جرائم میں) ہلاک کر چکے؟ یہ ان کی بستیوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ (ان کے آثار ان کی نگاہوں کے سامنے ہیں!) جو لوگ دانشمند ہیں ان کے لیے اسی ایک بات میں (تذکیر و عبرت کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں! (۱۲۸)

اور (اے پیغمبر!) اگر ایسا نہ ہوتا کہ پہلے سے تیرے پروردگار نے (اس بارے میں) ایک بات ٹھہرا دی ہوتی (یعنی ایک قانون ٹھہرا دیا ہوتا) تو اسی گھڑی ان پر (جرم کا) الزام لگ جاتا اور مقررہ وقت نمودار ہو جاتا! (۱۲۹)

پس چاہیے کہ ان کی ساری باتوں پر صبر کر اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کی پکار میں لگا رہ۔ صبح کو سورج نکلنے سے پہلے، شام کو ڈوبنے سے پہلے۔ رات کی گھڑیوں میں بھی۔ اور دوپہر کے لگ بھگ بھی۔ بہت ممکن ہے کہ تو بہت جلد (ظہور نتائج سے) خوشنود ہو جائے۔ (۱۳۰) اور یہ جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دنیوی زندگی کی آرائشیں دے رکھی ہیں اور ان سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں تو تیری نگاہیں اس پر نہ جمیں۔ (یعنی یہ بات تیری نگاہ میں نہ جچے) یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا ہے اور جو کچھ تیرے پروردگار کی بخشی ہوئی روزی ہے وہی (تیرے لیے) بہتر ہے اور

لمحجوبون ﴾ (۱۵:۸۳)

وہ اندھا کیوں ہو جائے گا؟ اس لیے کہ آخرت کی زندگی دنیوی زندگی کا نتیجہ ہے۔ اس نے دنیا میں قدرت کی نشانیوں سے آنکھیں بند کر لی تھیں اس لیے آخرت میں بھی اس کی آنکھیں بند رہیں گی۔ ﴿ **من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا** ﴾

یہاں سے معلوم ہوگیا کہ قرآن کے نزدیک ثواب آخرت کی حقیقت یہ ہے کہ نگاہیں جمال الٰہی کے نظارہ سے شادکام ہوں گی۔ عذاب کی یہ ہے کہ اندھی ہو کر محجوب ہو جائیں گی۔

(۲۴) آیت (۱۲۹) میں فرمایا اگر پہلے سے اللہ کا یہ قانون موجود نہ ہوتا کہ انکار و بدعملی کے نتائج اپنے مقررہ وقت اور مقررہ حالت کے مطابق ظہور میں آئیں تو یہ لوگ اپنی سرکشیوں کی وجہ سے کب کے ملزم ہو چکے تھے لیکن یہاں ہر گوشہ میں رحمت الٰہی نے ڈھیل دے رکھی ہے اور ضروری ہے کہ مقررہ وقت کا انتظار کیا جائے۔

لیکن یہ انتظار کس طرح کیا جائے؟ اس طرح کہ صبر اور صلوٰۃ کی روح سے معمور ہو جاؤ۔ یہی وہ دو عنصر ہیں جن سے ہر طرح کی کامرانی و فتح مندی ڈھل سکتی ہے اور ظہور میں آ سکتی ہے۔

وَّ اَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ
لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَ لَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَ لَوْ اَنَّاۤ
اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ
نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَ مَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع

(باعتبار نتیجہ کے) باقی رہنے والی! (١٣١)

اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جا- ہم تجھ سے روزی کا سوال نہیں رکھتے - تو ہم سے سائل ہے- ہم بخشنے والے ہیں- اور انجام کار تقویٰ[1] ہی کے ہاتھ ہے! (١٣٢)

اور ان لوگوں نے کہا ''کیوں یہ اپنے پروردگار کی کوئی نشانی اپنے ساتھ نہیں لایا؟''

لیکن کیا ان تک وہ روشن دلیلیں نہیں پہنچ چکیں جو اگلی کتابوں میں موجود ہیں؟ (١٣٣)

اور اگر ہم انہیں اس سے پہلے (یعنی نزول قرآن سے پہلے) عذاب نازل کر کے ہلاک کر ڈالتے تو یہ ضرور کہتے خدایا! اس سے پہلے کہ ہم ظہور عذاب سے ذلیل و رسوا ہوں تو نے ایک پیغمبر کیوں نہ بھیج دیا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے اور ہلاک نہ ہوتے؟ (١٣٤)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے ''یہاں ہر ایک کے لیے (مستقبل کا) انتظار کرنا ہے پس تم بھی انتظار کرو- بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کون سیدھے راستہ پر ہے اور کون منزل مقصود پر پہنچتا ہے؟'' (١٣٥)

سورت ختم ہوگئی لیکن چند مقامات کی مزید تشریح ضروری ہے:

فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ:

(الف) آیت (٤٩) میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا جو مکالمہ نقل کیا ہے وہ اگرچہ دو تین جملوں سے زیادہ نہیں ہے لیکن حقائق و معارف کے دفاتر اس میں پنہاں ہیں-

فرعون کا پہلا سوال یہ تھا کہ ((من ربکما یا موسیٰ)) جس پروردگار کا ذکر کرتے ہو وہ کون ہے؟

اس سوال کی نوعیت سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے معلوم کر لیا جائے، مصریوں کے عقائد کیا تھے؟

مصری مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے جن میں سے بعض تو خاص خاص قبیلوں اور علاقوں کے تھے' جیسے نیفات' فتا' اور مات' اور بعض عالمگیر قوتوں کے الگ الگ مظاہر تھے- جیسے اوزیرس (عالم آخرت کا خدا) میہ اورت (آسمان کا خدا) کنیمو (جسم بنانے والا) ایزیز (روح بخشنے والی دیبی) طوط (عمر کی مقدار مقرر کرنے والا) ہوراس (درد و غم دور کرنے والا) حاثور (گائے) رزق بخشنے والا- اور ان سب سے بلند تر آمن رع تھا- یعنی سورج دیوتا-

نیز مصریوں میں الوہیت آمیز شاہی کا تصور بھی پوری طرح نشو و نما پا چکا تھا اور تاجداران مصر نے نیم خدا کی حیثیت اختیار کر لی

[1] ''تقویٰ'' کے لیے دیکھو سورۂ بقرہ کا ابتدائی نوٹ-

تھی- ان کا لقب ''فاراع'' اسی لیے ہوا کہ وہ ''راع'' یعنی سورج دیوتا کے اوتار سمجھے جاتے تھے-[1]

من ربکما یا موسیٰ:

پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں خدا کا فرستادہ ہوں تو فرعون نے متعجب ہو کر پوچھا- کس خدا کے؟ آمن رع' جس نے مجھے اپنا مظہر ٹھہرایا ہے؟ ایزیز دیبی کے' جو روح پیدا کرنے والی ہے؟ کنیمو دیوتا کے' جو جسم و خلقت بنانے والا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، ﴿ الَّذِيٓ اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴾ ہمارا پروردگار تو وہ ایک ہی پروردگار ہے جس نے دنیا کی ہر چیز کو اس کا جسم و وجود بھی بخشا' اور پھر ہر طرح کی ضروری قوتیں دے کر اس پر زندگی و عمل کی راہ بھی کھول دی!

غور کرو! فرعون کے استفسار میں اس کے عقائد و تصورات کے بے شمار پہلو پوشیدہ تھے- اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طریقہ جدل و مناظرہ کا ہوتا تو ان میں سے ہر بات الجھا لینے کے لیے کافی تھی لیکن انہوں نے اور کسی بات سے تعرض نہیں کیا- صرف ایک ہی بات کہی- مگر ایسی بات جو اس کے سوال کا براہ راست جواب بھی تھی، اس کے تمام تصورات کا بالواسطہ ابطال بھی تھا اور صرف دعوی ہی نہ تھا- دعوے کے ساتھ اس کی خاموش دلیل بھی موجود تھی!

اس کے تمام تصورات کا ابطال کیونکر ہوا؟ اس طرح کہ میں تمہارے ان گھڑے ہوئے معبودوں کا قائل نہیں جن میں سے کسی کو تم نے خلقت دینے والا سمجھ رکھا ہے، کسی کو روح بخشنے والا' کسی کو رزق و تندرستی کا سرچشمہ' میں تو صرف اس ایک ہی ہستی کا پرستار ہوں جو جسم بھی دیتی ہے اور وہ سب کچھ بھی دیتی ہے جو جسم کے نشو و نما و قیام کے لیے ضروری ہے- خالق بھی وہی ہے' راہنمائے زندگی بھی وہی ہے- اس کے سوا کوئی نہیں- چنانچہ پھر آگے چل کر انہوں نے اس اعتقاد کی تفصیل بھی کر دی ہے-

پھر اس جملہ کی جامعیت اور مانعیّت دیکھو- کائنات ہستی میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کے سوا کیا ہے کہ یا تو وجود ہے یا وجود کی وہ معنوی قوتیں ہیں جو اسے قائم و باقی رکھتیں اور قیام و عمل کی راہوں پر لگاتی رہتی ہیں- انہی دو حقیقتوں کو یہاں خلقت اور ہدایت سے تعبیر کیا ہے اور ان دو لفظوں نے وجود اور حیات کے تمام گوشے سمیٹ لیے ہیں-

دعوے کے ساتھ دلیل کیونکر ہوئی؟ اس کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ کا مبحث ''ربوبیت'' دیکھنا چاہیے-

فما بال القرون الاولیٰ؟

اس کے بعد فرعون نے دوسرا سوال کیا اور بطریق جدل کیا: ﴿ فما بال القرون الاولی؟ ﴾ اچھا اگر حقیقت حال ایسی ہی ہے تو جو لوگ پچھلے عہدوں میں گزر چکے ان کے لیے کیا ہونا ہے؟ وہ راہ صواب پر تھے یا گمراہی پر؟ انہیں تو تمہارے اس نئے اعتقاد کی خبر بھی نہ تھی- اب دیکھو- یہاں پھر وہی صورت پیدا ہو گئی ہے- اگر یہ سوال امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا جاتا تو اسی بحث میں صبح کر دیتے اور سارا معاملہ اسی میں الجھ کر رہ جاتا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام داعی تھے- مجادل اور مناظر نہ تھے- انہوں نے صرف ایک بات کہہ کر ساری بحث ہی ختم کر دی ﴿ علمها عند ربی فی کتاب! ﴾ اس کا علم اللہ کو ہے- ہم کچھ نہیں کہہ سکتے- اور ہمیں اس کی فکر کیوں ہو؟ ہمارے جاننے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ ﴿ لا یضل ربی ولا ینسی ﴾ خدا انسانوں کی طرح نہیں ہے کہ غلطی میں کھویا جائے یا کوئی بات بھول جائے-

---

[1] ڈیوے لاپ منٹ آف ریلیجن اینڈ تھواٹ ان انشینٹ ایجپٹ (Development of Religion and Thought in Ancient Egypt) مصنفہ جے- ایچ- بریسٹڈ (Breasted)- اور انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھیکس- جے- ہسٹنگس-

اس کا قانون یہ ہے کہ ہر انسان کا جیسا اعتقاد وعمل ہوگا ٹھیک اسی کے مطابق اسے نتائج بھی ملیں گے۔ پس پچھلوں کا جیسا حال رہا ہوگا ویسا ہی نتیجہ بھی بھگتیں گے۔ ہم کو اپنا حال دیکھنا ہے۔ اور اپنے ہی سامنے کی باتوں کا ہم علم بھی رکھتے ہیں۔ ہم اس کاوش میں کیوں پڑیں کہ پچھلوں کا کیا حال تھا اور وہ بخشے جائیں گے یا نہیں۔

غور کرو۔ فرعون کا سوال مجادلانہ تھا اور ایسا تھا کہ بحث وکاوش کی قسم کا کوئی جواب بھی دیا جاتا، مسکت اور مختتم کبھی نہیں ہوسکتا تھا۔ جو بات بھی کہی جاتی بحث طلب ہوتی اور ایک نیا سوال پیدا کر دیتی۔ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کا طریق دعوت یہ نہیں ہوتا کہ بحث میں الجھیں یا دوسرے کو الجھائیں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کاوش میں پڑنے ہی سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا۔ ہم یہ جانتے ہی نہیں اور ہمیں اس کا خواہشمند بھی نہیں ہونا چاہیے کہ اسے جانیں۔

اور پھر غور کرو۔ انہوں نے اس جملہ کے اندر جو بات کہہ دی وہ انسان کی فکری گمراہیوں کی کتنی راہیں بند کر دیتی ہے بشرطیکہ لوگ اسے سمجھیں؟ مگر مصیبت یہ ہے کہ لوگ ہمیشہ اسی کاوش کی پیروی کرتے رہے جو فرعون کے سوال سے ٹپک رہی ہے، وہ حقیقت نہ پاسکے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں مضمر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب نے ہمیں یہ اصل عظیم بتلا دی ہے کہ جن گوشوں کا ہمیں علم نہیں اور جن کی کاوش ہمارے لیے سودمند بھی نہیں ان کی فکر میں ہمیں نہیں پڑنا چاہیے اور ان کا حکم اللہ کے حوالہ کر دینا چاہیے۔ اگر لوگ اس اصل عظیم پر عامل ہو جائیں تو مذاہب کے کتنے ہی گمراہ کن جھگڑے ختم ہو جائیں۔

ابھی دور نہ نکلو، اسی گوشہ میں رہو جو فرعون کے اس مجادلانہ سوال کی اصلی جگہ ہے۔ اور غور کرو مذہب کے نام سے کتنے جھگڑے بنا لیے گئے ہیں جن میں سے ہر جھگڑا ﴿ فما بال القرون الاولی ﴾ کی فرعونی صدا کا ٹھیک اعادہ ہے؟ اب سے پہلے فلاں گروہ جو گزر را ہے اہل حق میں تھا یا اہل باطل میں؟ فلاں انسان جو گزر چکا، نیک تھا یا بد؟ فلاں بزرگ کا رتبہ خدا کے نزدیک زیادہ ہے یا فلاں بزرگ کا؟ افضل کون ہے؟ زید یا عمرو؟ ولایت وطریقت میں سب سے بڑا کون رہا؟ فلاں یا فلاں؟ پھر اس میں بحثیں ہیں، تصنیفیں ہیں، لڑائیاں ہیں، فرقہ بندیاں ہیں۔ گویا انسان کی نجات کے لیے صرف یہی فکر کافی نہیں کہ خود اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ اس فیصلہ کے لیے بھی ذمہ دار بنا دیا گیا ہے کہ اب سے پانچ سو برس پہلے کسی نے کیا کیا تھا اور ایک ہزار برس پہلے کون کیسا تھا۔ پھر ان میں سے ہر فریق اس طرح حکم لگانا شروع کر دیتا ہے، گویا خدا کے دفتر کا رجسٹر ابھی ابھی پڑھ کر اٹھا ہے اور اسے علم قطعی حاصل ہو گیا ہے کہ فلاں کا نام فلاں درجہ میں لکھا ہوا ہے، فلاں کا فلاں درجہ میں:

پچاس برس ہوئے شام میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے دوسرے گروہ کی بستیاں صرف اس لیے جلا دی تھیں کہ ایک کہتا تھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) سب سے بڑے ولی ہیں۔ دوسرا کہتا تھا۔ نہیں شیخ احمد رفاعی (رحمۃ اللہ علیہ)۔ ہندوستان کا یہ حال ہے کہ آج تک میرے پاس نہایت سنجیدہ عبارت میں لکھے ہوئے استفتاء آتے رہتے ہیں ''زید کہتا ہے بڑے پیر صاحب سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ عمرو کہتا ہے مجدد الف ثانی سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ نماز کس کے پیچھے جائز ہے؟''

ایک مرتبہ میرے جی میں آیا۔ لکھ دوں، دونوں کے پیچھے نہیں!

فقہ کے مذاہب اربعہ جب مشخص ومدون ہو گئے اور تقلید شخصی کا التزام قائم ہو گیا تو سوال پیدا ہوا۔ ان چاروں اماموں میں افضل کون ہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہ یا امام شافعی؟ اب بحث شروع ہوئی اور بحث نے جنگ وقتال کی شکل اختیار کی۔ چنانچہ ہلاکو خاں کو اسلامی ممالک پر

حملہ کی سب سے پہلی ترغیب خراسانیوں کے اسی جھگڑے سے ملی تھی- حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آ کر بلاوا بھیجا اور شہر کے پھاٹک کھول دیے- پھر جب تا تاریوں کی تلوار چل گئی تو اس نے نہ شافعی کو چھوڑا نہ حنفی کو ﴿ فجاسوا خلال الدیار' و کان وعدا مفعو لا ﴾
شیعہ سنی کے اختلاف نے مسلمانوں کو دو مختلف امتوں میں متفرق کر دیا- لیکن اس تمام اختلاف کا ماحصل بھی کیا ہے؟ یہی کہ ﴿ فما بال القرون الاولی ﴾ اور تیرہ سو برس گزر گئے مگر اتنی بات کسی کے سمجھ میں نہیں آتی کہ ﴿ علمها عندربی فی کتاب- لا یضل ربی و لا ینسٰی ﴾
بہر حال یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح کی تمام کاوشوں کے اندر وہی فرعون والی مجادلانہ روح کام کیا کرتی ہے اور طریق موسوی یہ ہے کہ ﴿ علمها عندی ربی فی کتاب ﴾ کہہ کر سارے جھگڑے ختم کر ڈالنا اور سرے سے ان کاوشوں میں پڑنا ہی نہیں-

قرآن اور صاحب وحی نے ہمیں جن امور کی خبر دے دی ہے ان کا علم ہمیں حاصل ہو گیا ہے- اور ہمارا فرض ہے کہ ان باتوں کو اسی طرح یقین کریں جس طرح بتلا دی گئی ہیں- لیکن ان سے زیادہ جو سوال بھی دینی عقائد کی بنا پر اٹھایا جائے گا، ہمارا جواب یہی ہوگا- ﴿ علمها عند ربی فی کتاب- لا یضل ربی و لا ینسی ﴾ خدا نے اپنے دفتر کی مثلیں ہمارے پاس نہیں بھیج دی ہیں اور نہ ہمیں لوگوں کی سعادت و شقاوت اور مدارج و فضائل کے فیصلہ کی ٹھیکیداری عنایت فرمائی ہے- ہمیں معلوم نہیں، حقیقت حال کیا ہے- البتہ خوش قسمتی سے معاملہ ایسے محاسب کے ہاتھ ہے جو نہ تو غلطی کر سکتا ہے، نہ بھول چوک میں پڑ سکتا ہے- پس دوسروں کی فکر میں تمہیں گھلنے کی ضرورت نہیں- اپنی خبر لو اور ان کا معاملہ ان کے خدا پر چھوڑ دو!

سامری اور گوسالہ پرستی کا معاملہ:

(ب) آیت (۸۷) میں بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور یہ مقام بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جن میں قرآن کی تصریحات تورات کے موجودہ نسخہ سے مختلف واقع ہوئی ہیں اور اس کی صریح تحریفات نمایاں کرتی ہیں- خروج (۳۲:۱) میں ہے کہ سنہرا بچھڑا خود حضرت ہارون علیہ السلام نے بنایا تھا- لیکن قرآن نے یہاں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا دامن اس شرک سے پاک تھا- یہ دراصل سامری کی کارستانی تھی-

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سامری کون تھا؟ یہ اس کا نام تھا یا قومیت کا لقب؟

قیاس کہتا ہے کہ یہاں ''سامری'' سے مقصود سمیری قوم کا فرد ہے- کیونکہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے نام سے پکارنا شروع کر دیا ہے عربی میں اس کا نام قدیم سے سامری آ رہا ہے اور اب بھی عراق میں ان کا بقایا اسی نام سے پکارا جاتا ہے- یہاں قرآن کا ''السامری'' کہہ کے اسے پکارنا صاف کہہ رہا ہے کہ یہ نام نہیں ہے، اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے- یعنی وہ شخص اسرائیلی نہ تھا- سامری تھا-

سمیری تمدن:

حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے تین ہزار برس پہلے دجلہ و فرات کے دوآبہ میں دو مختلف قومیں آباد ہو رہی تھیں اور ایک عظیم الشان تمدن کی بنیادیں اٹھا رہی تھیں- ان میں سے ایک قوم جو جنوب سے آئی تھی عرب تھی- دوسری جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ شمال سے اتری سمیری تھی- اسی قوم کے نام سے تاریخ قدیم کا شہر سامرا اُور آباد ہوا تھا جس کا محل اب تَلُّ الْعُبَیْد میں دریافت ہوا ہے اور وہاں سے پانچ ہزار برس پیشتر کے بنے ہوئے زیور اور سنہری ظروف برآمد ہو رہے ہیں-

سمیری قوم کی اصل:

سمیری قوم کی اصل کیا تھی؟ اس بارے میں اس وقت تک کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکی ہے لیکن نینوا میں آشور بنی پال[1] (متوفی ۶۲۶ قبل مسیح) کا جو کتب خانہ نکلا ہے، اس میں تختیوں کا ایک مجموعہ لغت[2] کی کتاب کا بھی ہے جس میں آکادی اور سمیری زبان کے ہم معنی الفاظ جمع کیے گئے ہیں- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمیری زبان کے اصوات سامی حروف کے اصوات سے چنداں مختلف نہیں تھے، بہت ممکن ہے کہ وہ بھی دراصل انہی قبائل کے مجموعہ سے کوئی بعیدی تعلق رکھتے ہوں جن کے لیے ہم نے تورات کی اصطلاح ''سامی'' اختیار کر لی ہے-

نسل انسانی کے دو قبائلی سرچشمے:

اصل یہ ہے کہ جس طرح عہد قدیم میں منگولیا کا علاقہ صحرا نورد قبائل کا ابتدائی سرچشمہ رہا ہے، اور یہاں سے انسانی گروہوں کے قافلے نکل کر وسط ایشیا، ہندوستان، ایران، اناتولیا، اور پھر تمام یورپ میں پھیل گئے، ٹھیک اسی طرح نسل انسانی کے اقدام وانشعاب کا ایک مرکزی سرچشمہ جزیرہ نمائے عرب بھی رہ چکا ہے- یہاں کے صحراؤں میں یکے بعد دیگرے نسل انسانی کا مواد بنتا رہا اور پھر ابل ابل کر دور دور تک پھیلتا گیا- فلسطین، شام، مصر، عراق، آرمینیا، اور خلیج فارس کی ساحلی آبادیاں، سب اسی مرکزی نسل کا انشعاب تھیں اور سب کا تمدن اسی عربی نسل کا تمدن تھا- قوم ''عیلام''، جس کا ذکر کتاب پیدائش میں آیا ہے اور جو جنوبی ایران میں آباد تھی، عجب نہیں، دراصل اسی نسل کی ایک شاخ ہو (اس مقام کی مزید تفصیل سورۂ نوح کی تشریحات میں ملے گی)-

بہرحال سمیری قبائل کا اصلی وطن عراق تھا- مگر یہ دور دور تک پھیل گئے تھے- مصر سے ان کے تعلقات کا سراغ ایک ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آ چکا ہے- پس معلوم ہوتا ہے، اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی معتقد ہو گیا، اور جب بنی اسرائیل نکلے، تو یہ بھی ان کے ساتھ نکل آیا- اسی کو قرآن نے ''السامری'' کے لفظ سے یاد کیا ہے-

سامری کا ایمان اور پھر ارتداد:

گائے، بیل، اور بچھڑے کی تقدیس کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی- مصری اپنے دیوتا حورس کا چہرہ گائے کی شکل کا بناتے تھے، اور خیال کرتے تھے، کرۂ زمین ایک گائے کی پشت پر قائم ہے- جب سامری نے دیکھا، بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی سے مضطرب ہو رہے ہیں- تو اس نے کہا مجھے سونے کے زیور لا دو- پھر انہیں گلا کر بچھڑے کی ایک مورتی بنا دی- مصری مندروں کی مخفی کاریگریاں اسے معلوم تھیں- اس نے مورتی کے اندر ہوا کے نفوذ و خروج کی ایسی کل بٹھا دی کہ اس سے ایک طرح کی آواز نکلنے لگی-

سامری حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معتقد ہو گیا تھا لیکن اسرائیلی توحید پر اس کا دل جما نہیں تھا- چند دنوں اسی طریقہ پر کاربند رہا- پھر منحرف ہو

---

[1] یہ نینوا کا وہی عظیم الشان شاہنشاہ ہے جسے یونانی نوشتوں میں سردانا پالس (Sardanpalus) کے نام سے پکارا گیا ہے-

[2] یہ لغت کی کتاب قدیم اقوام کے علوم و ادبیات میں اپنی کوئی دوسری نظیر نہیں رکھتی اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اب سے تین ہزار سال پہلے دوآبہ وفرات کی علمی ترقیاں کہاں تک پہنچ چکی تھیں- اس لغت میں صرف آکادی اور سمیری زبان ہی کے ہم معنی الفاظ جمع نہیں کیے گئے ہیں بلکہ حتی، قاصی اور مصری زبان کے ہم معنی الفاظ بھی آ گئے ہیں- اس کتاب کے انکشاف نے قدیم زبانوں کے حروف و اصوات کے لیے ایک مستند اور قطعی ذریعہ بہم پہنچا دیا- (حتی وہی قوم ہے جسے آج کل (Hittite) لکھا جاتا ہے- اور قاصی سے مقصود (Kassite) ہے- ان دونوں کے لیے تورات میں حتی اور قاصی کے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں- اس لیے ہم نے بھی وہی اختیار کیے- تفصیل کے لیے دیکھو ایم جسٹرو کی دی سویلیزیشن آف بابلونا اینڈ اسیریا مطبوعہ ۱۹۱۵ء اور سر ای- اے- ڈبلیو Budge کی ''بابل، نائیل اینڈ ٹائگریز مطبوعہ ۱۹۳۰ء)-

گیا- اسی لیے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا- یہ تو نے کیا کیا؟ تو اس نے کہا- ﴿ بصرت بما لم یبصروا به ﴾ مجھے ایسی بات سجھائی دی جو دوسروں کو نہیں سوجھی- یعنی بچھڑا بنانا- ﴿ فقبضت قبضة من اثر الرسول فنبذتها ﴾ میں نے رسول کی پیروی میں تھوڑا بہت حصہ لے لیا تھا مگر پھر چھوڑ دیا- یعنی گو میں نے آپ کی پیروی میں چند قدم اٹھا دیے تھے مگر میرا دل اس پر جما نہیں تھا- ﴿ وکذلك سولت لی نفسی ﴾ کیا کروں، میری طبیعت کا ایسا ہی تقاضا ہوا- میں آپ کے پیچھے چل نہ سکا-

عربی میں جب کہیں گے قبضت قبضة میں نے صرف ایک مٹھی اٹھائی' تو اس کے معنی تقلیل کے ہوں گے- قبضت قبضة- ای شیء قلیل 'والقبضة القدر المقبوض (ابن سیدہ) اردو کا بھی محاورہ ہے''میں نے تو صرف ایک ہی مٹھی اٹھائی ہے''یعنی بہت تھوڑا حصہ لیا ہے-

گوسالہ کی نسبت یہودی خرافہ:

یہودیوں نے اپنی قومی بریت کے لیے یہ کہانی گھڑ لی تھی کہ گوسالہ پرستی کے معاملہ میں ایک روحانی طاقت کا ہاتھ کام کر رہا تھا- ورنہ ہمارے اسلاف کیوں ایسی گمراہی میں پڑتے؟ وہ کہتے تھے- بچھڑے کی گویائی اس مٹی کا معجزہ تھا جو حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں سے پامال ہوئی تھی- جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو ان کے آگے آگے جبریل جا رہے تھے اور زندگی کے فرشتہ پر سوار تھے جس نے گھوڑے کی شکل اختیار کر لی تھی- اس گھوڑے کے سم جس مٹی پر پڑتے تھے اس میں زندہ کر دینے کی خاصیت پیدا ہو جاتی تھی- یہ بات کسی نے نہیں دیکھی لیکن سامری نے دیکھ لی- پس اس نے بچھڑا بنا کر اس میں (آب حیات کی جگہ) اس خاک حیات کی ایک مٹھی ڈال دی- بس پھر کیا تھا- وہ زندہ ہو کر بولنے لگا!

مفسرین کا تسامح:

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ کہانی تفسیر کی روایتوں میں بھی داخل ہو گئی اور اثر الرسول کا مطلب یہ بنا لیا کہ ''جبریل کے نقش قدم'' کی ایک مشت خاک سامری نے اٹھالی تھی- لیکن یاد رہے کہ یہ تفسیر کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتی- اتنا ہی نہیں بلکہ ایسی تفسیر کرنا قرآن کے اس مقام کو تمسخر انگیز حد تک بے معنی بنا دینا ہے-

اولاً: قرآن نے اس معاملہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے اور یہ بات بلاغت قرآنی کے صریح خلاف ہے کہ ایک ایسا واقعہ جو قیاس اور قرینہ سے معلوم نہیں کیا جا سکتا بیان نہ کرے اور پھر اچانک صرف ''اثر الرسول'' کہہ کر اس کی طرف اشارہ کر دے-

ثانیاً: قرآن میں جہاں کہیں بھی بغیر اضافت و اسناد کے ''الرسول'' کہا گیا ہے، اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے یعنی پیغمبر' پس یہاں ''الرسول'' سے فرشتہ سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا-

ثالثاً: ایسا سمجھنا صریح قرآن کو جھٹلانا ہے- اس لیے کہ قرآن کہیں یہ نہیں کہتا کہ بچھڑے کی مورتی میں زندگی پیدا ہو گئی تھی بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ ﴿ جسدا له خوار ﴾ ایک بے جان دھڑ تھا جس سے آواز نکلتی تھی- اگر ایک ملکوتی کرشمہ نے اسے زندہ کر دیا ہوتا تو قرآن اسے ﴿ عجلا جسدا ﴾ کیوں کہتا؟

رابعاً: قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ اس مورتی میں کوئی بات نہ تھی- محض ایک شعبدہ تھا- کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے استعجاب و تاثر کو ان کی حد درجہ بے وقوفی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے- ﴿ افلا یرون الا یرجع الیهم قولا؟ ﴾ یعنی ان عقل کے اندھوں نے اتنی بات بھی نہ

دیکھی کہ اگر یہ کوئی زندہ وجود ہے تو ان کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا؟ خالی بھاں بھاں کیوں کرتا رہتا ہے؟ پھر اگر مفسروں کی یہ کہانی مان لی جائے تو تسلیم کر لینا پڑے گا کہ قرآن کا یہ بیان یک قلم غلط ہے۔ کیونکہ اس میں تو ایک ملکوتی معجزہ تھا۔ اس کے اندر تو جبریلی زندگی کی ایک روح دوڑ رہی تھی!

خامسا: یہ کہانی خود اپنی بناوٹ ہی میں ناقابل تسلیم ہے۔ اگر فی الحقیقت کوئی ایسا ملکوتی مظاہرہ ہوا تھا اور ﴿ بصرت بما لم یبصروا به ﴾ کے یہی معنی ہیں تو ماننا پڑے گا کہ سامری کی روحانی بصیرت تمام بنی اسرائیل سے حتی کہ حضرت ہارون سے بھی کہ پیغمبر تھے بڑھی ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ کرشمہ الٰہی کوئی نہ دیکھ سکا۔ صرف اس کی نگاہ حقیقت شناس کام کر گئی۔ بلکہ کہنا پڑے گا، خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ بھی یہ بات نہ پاسکے۔ لیکن کیا ایسا مانا جاسکتا ہے؟ حمزہ کسائی اور اعمش کی قراءت میں ﴿ بما لم یبصروا به ﴾ کی جگہ ﴿ بمالم تبصروا به ﴾ (بالمثناۃ) ہے۔ اگر یہ قراءت اختیار کر لی جائے تو صریح مطلب یہ ہوگا کہ ''میں نے وہ بات دیکھ لی جو تم نہ دیکھ سکے''، یعنی حضرت موسیٰ بھی نہ دیکھ سکے۔ پھر کیا ''بصرت'' کو اس کہانی پر لے جانا صحیح ہوسکتا ہے؟

سادسا: خود یہی مفسر ﴿ عجلا جسدا له خوار ﴾ کی تفسیر میں یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ ''خواره کان بالریح - لانه کان عمل فیه خروقافاذا دخلت الریح جوفه خارولم یکن فیه حیاۃ'' یعنی اس میں زندگی نہ تھی۔ محض ہوا کے نفوذ سے بچھڑے کی سی آواز نکلنے لگی تھی۔ پھر جب یہ تفسیر بھی موجود ہے تو کون سی وجہ ہے کہ خواہ مخواہ حضرت جبریل کو گھسیٹا جائے اور فرشتوں کو گھوڑا بننے کی زحمت دی جائے۔

سابعاً: جن روایتوں کی بنا پر یہ کہانی چلی ہے، اگر ان کے متن سے قطع نظر کر لی جائے تو باعتبار اسناد کے بھی لائق اعتنا نہیں۔ سب سے زیادہ زور ابن منذر، ابن ابی حاتم اور حاکم کی روایت پر دیا جاتا ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے لیکن وہ بھی مجروح ہے اور حاکم کی تصحیح کی جو قدر و قیمت ہے وہ ہم امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سن چکے ہیں۔

***

آیاتھا: 112 | سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوعَاتُهَا: 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الجزء ۱۷

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا
اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ

وقت قریب آلگا ہے کہ لوگوں سے (ان کے اعمال کا) حساب لیا جائے- اس پر بھی ان کا یہ حال ہے کہ رخ پھیرے غفلت میں متوالے چلے جا رہے ہیں!(۱)

ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نصیحت کی باتیں پیہم آتی رہیں مگر کبھی ایسا نہ ہوا کہ انہوں نے جی لگا کر سنا ہو! وہ سنتے ہیں مگر اس طرح کہ کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں (۲) اور دل ہیں کہ یک قلم غافل- اور (دیکھو) ظلم کرنے والوں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں "یہ آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک آدمی ہے؟ پھر کیا تم جان بوجھ کر ایسی جگہ آتے ہو جہاں جادو کے سوا اور کچھ نہیں؟"- (۳)

(پیغمبر نے) کہا "آسمان وزمین میں جو بات بھی کہی جاتی ہے (خواہ پوشیدہ کہی جائے- خواہ علانیہ) میرے پروردگار کو سب معلوم ہے- وہ سننے والا جاننے والا ہے!"- (۴)

(اتنا ہی نہیں) بلکہ انہوں نے کہا "یہ محض خواب وخیال کی باتیں ہیں- بلکہ من گھڑت دعویٰ ہے- نہیں بلکہ یہ شاعر ہے- اگر ایسا نہیں ہے تو کوئی (نزول ہلاکت کی) نشانی ہمیں لا دکھائے جس طرح اگلے وقتوں کے لوگ نشانیوں

---

(۱) یہ سورت بھی ان سورتوں میں سے ہے جو مکی عہد کے اواخر میں نازل ہوئی ہیں- یہ بالاتفاق سورۂ ابراہیم کے بعد اور مومنون سے پہلے اتری- سورت کی ابتدا' اس کا وسط' اس کا خاتمہ سب اعلان کر رہے ہیں کہ محاسبہ کا وقت قریب آ گیا اور ضروری ہے کہ فیصلہ کن معاملہ ظہور میں آ جائے- چنانچہ وقت فی الحقیقت قریب آ گیا تھا- تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہجرت مدینہ کا واقعہ ظہور میں آیا اور دعوت حق کے فتح واقبال اور معاندین حق کے خسران وادبار کا دور شروع ہو گیا!

(۲) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کے سخت سے سخت معاند بھی اس عجیب وغریب کشش وتاثیر سے انکار نہیں کر سکتے تھے جو آپ کی شخصیت اور آپ کی تعلیم میں پائی جاتی تھی؟ اور چونکہ اعتراف حقیقت کے لیے تیار نہ تھے اس لیے مجبور ہو جاتے تھے کہ اسے جادو سے تعبیر کریں یہاں آیت (۳) میں فرمایا وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور کہتے ہیں تم ان کے پاس گئے اور جادو میں پھنسے- وہاں تو جادو ہی جادو بھرا ہے- نیز وہ کہتے ہیں اس آدمی میں وحی ونبوت کی تو کوئی

الْاَوَّلُوْنَ ﴿۵﴾ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ
اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷﴾ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا
لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿۸﴾ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ
وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۹﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع
وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ

کے ساتھ بھیجے جا چکے ہیں''۔(۵)

لیکن ان سے پہلے جن جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا ان میں سے تو کوئی بھی (نزول ہلاکت کی نشانیاں دیکھ کر) ایمان نہیں لے آیا تھا۔ پھر کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟(۶)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی طرح کہ آدمی تھے۔ ان پر ہماری وحی اترتی تھی۔ پھر (اے گروہ منکرین!) اگر تمہیں یہ بات معلوم نہیں تو ان لوگوں سے پوچھ کر معلوم کرلو جو اہل کتاب ہیں!(۷) اور ہم نے ان پیغمبروں کو کبھی ایسے جسم کا نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے تھے۔(۸)

(ہم نے تمہاری ہی طرح کے آدمیوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور) پھر جس بات کا وعدہ کیا تھا وہ انہیں سچا کر دکھایا۔ ہم نے انہیں اور (ان کے ساتھ) جس کسی کو چاہا نجات دے دی اور حد سے نکل چلنے والوں کو ہلاک کر ڈالا!(۹)

ہم نے تمہارے لیے ایک کتاب نازل کر دی ہے اس میں تمہارے لیے موعظت ہے۔ (پھر اس سے زیادہ تمہیں اور کیا چاہیے؟) کیا تم سمجھتے نہیں؟ (۱۰) اور کتنی ہی بستیاں جو ظلم و شرارت میں غرق تھیں ہم نے پامال کر ڈالیں اور ان کے بعد دوسرے گروہوں کو اٹھا کھڑا کیا!۔(۱۱) جب ہمارا عذاب انہوں نے محسوس کیا

بات نظر نہیں آتی۔ کیونکہ یہ ہماری ہی طرح ایک آدمی ہے۔ پس جو کچھ بھی اس کا اثر و نفوذ ہے جادو ہی کی وجہ سے ہے۔

(۳) سچائی کی سب سے بڑی شناخت یہ ہے کہ اسے سچائی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر کچھ اور کہنا چاہو گے تو خواہ کتنا ہی زور لگاؤ، بات بنے گی نہیں۔ بنے گی اسی وقت جب سر جھکا دو گے کہ ہاں یہ سچائی ہے! لیکن مشکل یہ ہے کہ نفس انسانی کی گمراہی و سرکشی پر حقیقت کا اعتراف ہمیشہ گراں گزرتا ہے۔ وہ بغیر لڑے کبھی ہتھیار نہیں رکھے گی۔ وہ مانے گی (کیونکہ سچائی بغیر منوائے رہ نہیں سکتی) مگر اسی وقت جب ماننے پر مجبور ہو جائے گی! پیغمبر اسلام ﷺ نے جب کلام حق کی منادی شروع کی تو قریش مکہ کا یہی حال ہوا۔ وہ سچائی دیکھ رہے تھے مگر اسے سچائی کہنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ کبھی کہتے یہ مجنون ہو گیا ہے۔ خواب و خیال کو وحی و نبوت سمجھ رہا ہے۔ پھر تاثیر و نفوذ دیکھتے تو کہتے یہ جادوگر ہے۔ پھر یہ بات بھی نہ بنتی تو کہتے، چالاک مفتری ہے۔ من گھڑت باتوں کو خدا کا پیغام بتلاتا ہے۔ پھر یہ بات بھی چل نہ سکتی تو کہتے، کچھ نہیں یہ شاعری کا کرشمہ ہے!

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے اور یہ ساری باتیں آپس میں کہیں (ابن ہشام)

(۴) قرآن نے پچھلی قوموں کی ہلاکتوں کی سرگزشتیں سنائی ہیں اور کہا ہے جب خدا کے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے ظہور عذاب کی خبر دی۔ یہ سرگزشت سن کر قریش مکہ کہتے تھے۔ ایسی ہی کوئی نشانی تم کیوں نہیں لا دکھاتے؟ آیت (۶) میں فرمایا۔ اگر کوئی ایسی خبر دے دی جائے تو کیا تم فوراً ایمان لے آؤ گے؟ تم سے پہلے جتنی سرکش قومیں ہلاک ہوئیں ان میں سے تو کوئی بھی ایمان نہیں لایا تھا اور پرستاران حق کی

إِذَا هُم مِّنْهَا يَرْكُضُونَ ﴿١٢﴾ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تُسْأَلُونَ ﴿١٣﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَت تِّلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ
حَصِيدًا خَامِدِينَ ﴿١٥﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ﴿١٦﴾ لَوْ أَرَدْنَا أَن
نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنَاهُ مِن لَّدُنَّا ۖ إِن كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٧﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ
فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ

تو دیکھو، اچانک بستیوں سے بھاگے جا رہے ہیں! (۱۲)

اب بھاگتے کہاں ہو؟ اپنے اسی عیش وعشرت میں لوٹو (جس نے تمہیں اس قدر سرشار کر رکھا تھا) اور انہی مکانوں میں (جن کی مضبوطی کا تمہیں غرہ تھا) شاید (وہاں تدبیر ومشورہ میں تمہاری ضرورت ہو اور) تم سے کچھ دریافت کیا جائے! (۱۳)

بستیوں کے باشندوں نے پکارا "افسوس ہم پر! بلاشبہ ہم ظلم کرنے والے تھے!" (۱۴) تو (دیکھو) وہ برابر یہی پکارا کیے- یہاں تک کہ ہم نے (انہیں ہلاک) کر دیا- کٹے ہوئے کھیت کی طرح- بجھے ہوئے انگاروں کی طرح! (۱۵) اور (دیکھو) ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کچھ کھیل تماشا کرتے ہوئے نہیں بنایا ہے (بلکہ کسی مصلحت ومقصد سے بنایا ہے) (۱۶) اگر ہمیں کھیل تماشا بنانا منظور ہوتا تو (ہمیں اس سے کون روک سکتا تھا؟) ہم خود اپنی جانب سے ایسا ہی کارخانہ بناتے- مگر ہم ایسا کرنے والے نہ تھے! (۱۷)

بلکہ (یہاں حقیقت حال ہی دوسری ہے) ہم حق سے باطل پر چوٹ لگاتے ہیں تو وہ باطل کا سر کچل ڈالتا ہے اور اچانک اسے فنا کر دیتا ہے- افسوس تم پر- تم کیسی کیسی باتیں بیان کرتے ہو! (۱۸) آسمانوں میں جو کوئی ہے اور زمین میں جو کوئی

طرح پرستاران باطل کی سنت بھی ہمیشہ ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ ایک ہی رہے گی!

(۵) آیت (۷) میں ان کے اس وہم کا رد کیا ہے کہ نبیوں کو آدمیوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے- کچھ اور ہونا چاہیے- فرمایا: یہودیوں اور عیسائیوں سے پوچھ لو- خدا کے جو پیغمبر پہلے آ چکے ہیں وہ آدمیوں ہی کی طرح تھے- یا ہوا میں اڑا کرتے تھے؟

مشرکین مکہ از راہ تحقیر کہا کرتے تھے ﴿ ما لهذا الرسول ياكل الطعام و يمشي في الاسواق؟ ﴾ یہ کیسا نبی ہے کہ آدمیوں کی طرح غذا کا محتاج ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے؟ فرمایا- ہم نے کسی کو ایسا دھڑ نہیں دیا کہ اسے غذا کی احتیاج نہ ہو اور ہمیشہ زندہ رہے- ہمارا قانون حیات یہی ہے کہ جسم ہوگا تو اسے قائم رہنے کے لیے غذا کی احتیاج بھی ہوگی-

(۶) پھر آیت (۱۰) میں صاف صاف کہہ دیا- اگر سچائی کی طلب ہے تو قرآن کو دیکھو- اس کی موعظت سے بڑھ کر سچائی کی اور کون سی نشانی ہو سکتی ہے؟ اس مقام نے اور اسی طرح کے اور بے شمار مقامات نے یہ حقیقت قطعی طور پر واضح کر دی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی صداقت کے لیے جس چیز پر بطور ایک نشانی کے زور دیا ہے وہ صرف قرآن ہے- چنانچہ سورۂ عنکبوت میں اس کی مزید وضاحت ملے گی-

(۷) آیت (۱۶) قرآن کے مہمات دلائل میں سے ہے لیکن ہمارے مفسروں کو اس پر حسب عادت غور کرنے کی مہلت نہ ملی- اس سے پہلے پچھلی قوموں کی ہلاکت اور ان کی جگہ نئی جماعتوں کے ابھرنے کا ذکر کیا تھا- فرمایا یہ انقلاب حال کیوں پیدا ہوا؟ آباد وخوشحال بستیاں کیوں کٹے ہوئے کھیتوں کی طرح اجڑ گئیں؟ زندگی اور حرکت کے بھڑکتے ہوئے شعلے کیوں بجھ کے رہ گئے؟ اس لیے کہ یہاں ہمارا ایک عالمگیر قانون کام کر رہا ہے- یعنی حق وباطل کے تزاحم وکشاکش کا قانون-

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا
يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ
فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ

ہے سب اسی کے لیے ہیں- جو (فرشتے) اس کے حضور ہیں وہ کبھی گھمنڈ میں آ کر اس کی بندگی سے سرتابی نہیں کرتے- نہ کبھی (بندگی سے) تھکتے ہیں! (۱۹)

وہ رات دن اس کی پاکی کے ترانوں میں زمزمہ سنج رہتے ہیں- وہ کبھی تھمتے نہیں! (۲۰)

کیا ان لوگوں نے زمین (کی مخلوقات میں) سے ایسے معبود بنا لیے ہیں جو مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں؟ (۲۱)

اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا تو (ممکن نہ تھا کہ ان کا کارخانہ اس نظم و ہم آہنگی کے ساتھ چلتا) وہ یقیناً بگڑ کے برباد ہو جاتے!

پس اللہ کے لیے کہ (جہانبانی عالم کے) تخت کا مالک ہے، پاکی ہو- ان ساری باتوں سے پاکی ہو جو اس کی نسبت بیان کرتے ہیں! (۲۲)

وہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں- اور سب (اس کے آگے جوابدہ ہیں- ان) سے بازپرس ہونی ہے! (۲۳)

پھر کیا ان لوگوں نے اس کے سوا دوسرے معبود پکڑ رکھے ہیں؟ (اے پیغمبر!) تو ان سے کہہ دے ''اگر ایسا ہی ہے تو بتلاؤ- تمہاری دلیل کیا ہے؟ یہ ہے وہ کلام جو میرے ساتھیوں کے ہاتھ میں ہے (یعنی قرآن) اور جو مجھ سے پہلوں کے لیے اتر چکا ہے (یعنی پچھلی کتابیں- تم ان میں کوئی بات بھی میری دعوت کے خلاف نکال سکتے ہو؟)

ہم نے کائنات ہستی کا یہ پورا کارخانہ ایک فعل عبث کی طرح نہیں بنایا ہے- کسی طے شدہ مصلحت و مقصد ہی سے بنایا ہے- وہ مقصد کیا ہے؟ یہ کہ کائنات ہستی پستی سے بلندی کی طرف برابر ترقی کرتی جائے- یہاں تک کہ علو و رفعت کے اس انتہائی نقطہ تک پہنچ جائے جو کارفرمائے قدرت نے اس کے لیے ٹھہرا دیا ہے- اس مقصد کے لیے کون سا ہاتھ کام کر رہا ہے؟ حق و باطل کی کشاکش کے قانون کا ہاتھ- یعنی یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس لیے ہوتا ہے کہ حق باقی رہے اور باطل نابود ہو جائے- ''حق'' اس لیے باقی رہتا ہے کہ اسی سے بقا اور علو و ارتفاع ہے- ''باطل'' اس لیے نابود ہو جاتا ہے کہ وہ نقص، فساد اور زوال ہے-

چنانچہ زندگی اور وجود کے ہر گوشہ میں یہ کشاکش جاری ہے- فطرت ''حق'' کے ہتھیار سے ''باطل'' پر ضرب لگاتی ہے اور وہ ٹک نہیں سکتا' کیونکہ ''حق'' کے مقابلہ میں اس کے لیے ٹکنا نہیں- پھر اچانک ایسا ہوتا ہے کہ ''باطل'' ملیامیٹ ہو گیا اور میدان میں صرف ''حق'' ہی کی نمود باقی رہ گئی!

(۸) آیت (۲۴) پر ہمارے مفسروں نے زیادہ غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی' لیکن تم سرسری نظر ڈال کے گزر نہ جاؤ- ایک لمحہ کے لیے رک جاؤ- یہ استدلال وحدت ادیان کی اصل عظیم کا استدلال ہے جس پر قرآن نے اپنی دعوت کی تمام بنیادیں استوار کی ہیں- وہ کہتا

الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا
فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ
بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ
خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ

اصل یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثروں کو حقیقت کا پتہ ہی نہیں- یہی وجہ ہے کہ (سچائی سے) رخ پھیرے ہوئے ہیں! (۲۴)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس پر اس بات کی وحی ہم نے نہ بھیجی ہو کہ "کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف میری ذات- پس چاہیے کہ میری ہی بندگی کرو!"- (۲۵)

اور (دیکھو) انہوں نے کہا "خدائے رحمان نے اپنے لیے اولاد بنائی ہے" پاکی ہو اس کے لیے- (یہ جنہیں اس کی اولاد بناتے ہیں وہ اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتے) بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں- (۲۶) وہ اس کے آگے بڑھ کے بات نہیں کر سکتے- وہ اس کے حکم پر سرتاسر کاربند رہتے ہیں- (۲۷) جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ پیچھے چھوڑ آئے (یعنی ان کا ماضی بھی اور مستقبل بھی) سب اللہ جانتا ہے- ان کی مجال نہیں کہ کسی کو اپنی سفارش سے بخشوالیں مگر ہاں جس کسی کی بخشش اللہ پسند فرمائے، اور وہ تو اس کی ہیبت سے خود ہی ڈرتے رہتے ہیں! (۲۸) اور ان میں سے اگر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کہ کہے "اللہ کے سوا میں معبود ہوں" تو اس کی پاداش میں ہم اسے جہنم کی سزا دیں- ہم اسی طرح ظلم کرنے والوں کو ان کے ظلم کا بدلہ دیتے ہیں! (۲۹)

جو لوگ منکر ہیں کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین دونوں (اپنی ابتدائی خلقت میں) ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں الگ الگ کیا اور پانی سے تمام جاندار چیزیں پیدا کر دیں؟

ہے- یہ تعلیم حق ہے جو میرے ساتھیوں کے پاس ہے اور اسی طرح وہ تمام تعلیمیں بھی موجود ہیں جو مجھ سے پہلے دی جا چکی ہیں- تم کسی تعلیم سے بھی یہ بات ثابت کر دکھاؤ کہ سچائی کی بات وہ نہیں ہے جو میں پیش کر رہا ہوں؟ - پھر اگر بغیر کسی اختلاف کے دنیا کے ہر عہد اور ہر گوشہ کی دینی تعلیم ایک ہی رہی ہے اور سب نے توحید و خدا پرستی ہی کی طرف بلایا ہے تو کیا یہ عالمگیر وحدت تعلیم اور باہم دگر تصدیق و توثیق حقیقت کی موجودگی کا ایک قطعی ثبوت نہیں ہے؟ چنانچہ آیت (۲۵) میں وضاحت کر دی کہ دعوت قرآن سے پہلے جتنی دعوتیں بھی دنیا میں آ چکی ہیں ان سب کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں رہی ہے کہ ﴿ لا اله الا انا فاعبدون ﴾

یہی بات آگے چل کر سورۂ احقاف میں بھی ملے گی: ﴿ ائتونی بکتاب من قبل هذا او اثارة من علم ان کنتم صٰدقین ﴾ (۴:۴۶) مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ مبحث وحدت ادیان دیکھو۔

(۹) قرآن کا عام اسلوب موعظت یہ ہے کہ توحید ربوبیت وخالقیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے- چنانچہ آیت (۳۰) میں فرمایا- کیا منکرین حق اس بات پر غور نہیں کرتے کہ کس کی قدرت وحکمت نے یہ تمام کارخانۂ خلقت پیدا کیا ہے اور کس کی ربوبیت نے اسے

الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا
فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۚ وَهُمْ عَنْ آيٰتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾
وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ
مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ
وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا رَاٰكَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهٰذَا

پھر کیا یہ (اس بات پر) یقین نہیں رکھتے؟ (۳۰)

اور ہم نے زمین میں جمے ہوئے[1] پہاڑ بنا دیے کہ ایک طرف کو ان کے ساتھ جھک نہ پڑے اور ہم نے ان میں (یعنی پہاڑوں میں) ایسے درے[2] بنا دیے کہ راستوں کا کام دیتے ہیں- تاکہ لوگ اپنی منزل مقصود پالیں- (۳۱)

اور ہم نے آسمان کو ایک چھت کی طرح بنا دیا- (ہر طرح کے نقص اور خرابی سے) محفوظ! مگر یہ لوگ اس کی نشانیوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں! (۳۲)

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے رات اور دن کا اختلاف پیدا کیا اور سورج اور چاند بنائے- یہ تمام (ستارے) اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں- (۳۳)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی (اور نہ تیرے لیے ہمیشہ زندہ رہنا ہے) پھر اگر تجھے مرنا ہے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ (۳۴)

ہر جان کے لیے موت کا مزہ چکھنا ہے- اور ہم تمہیں (زندگی کی) اچھی بری حالتوں کی آزمائشوں میں ڈالتے ہیں تاکہ تمہارے لیے (یعنی تمہاری سعی وطلب کے لیے) آزمائشیں ہوں- اور پھر (بالآخر) تم سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے! (۳۵)

اور (اے پیغمبر!) جب تجھے وہ لوگ دیکھتے ہیں جنہوں نے انکار حق کی راہ اختیار کی ہے تو انہیں اور تو کچھ سوجھتا نہیں، بس تجھے اپنی ہنسی ٹھٹھے کی بات بنا لیتے ہیں "کیا- یہی وہ آدمی ہے جو ہمارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟" اور ان کا حال یہ ہے کہ

زندگی اور زندگی کی ساری احتیاجوں کے لیے اس درجہ اوفق واصلح بنا دیا ہے؟ اس طریق استدلال کی تشریح تفسیر فاتحہ میں ملے گی- تخلیق کائنات کی جو حالت یہاں بیان کی گئی ہے اس کی تشریح سورۂ یونس کے آخری نوٹ میں گزر چکی ہے-

(۱۰) جب انسان کسی کے بغض وعناد میں کھویا جاتا ہے تو پھر اپنی زندگی کا اتنا خواہشمند نہیں رہتا جتنا اس کی موت کا آرزومند ہو جاتا ہے- دعوت حق کے معاندوں کا بھی یہی حال تھا- وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی موت کے خیال سے اپنا جی خوش کرتے تھے اور کہتے تھے- اور تو کچھ ہونے والا نہیں، ہاں اسی طرح دعوے کرتے کرتے ختم ہو جاؤ گے- آیت (۳۴) میں منکروں کی انہی خام خیالیوں کی طرف اشارہ کیا ہے- فرمایا: دنیا میں ہر جان کے لیے مرنا ہے- یہاں کسی کے لیے دائمی زندگی نہ ہوئی- پس اصلی سوال مرنے کا نہیں ہے- سوال تو یہ ہے کہ ﴿ نبلوکم بالشر والخیر فتنة ﴾ ہم نے آزمائش عمل میں ڈالنے کے لیے خیر وشر کی آزمائشیں پیدا کر دی ہیں- ان آزمائشوں سے کون کس

---

[1] یقال رسا یرسو- اذا ثبت واقام- قال الشاعر: فصبرت عارفة لذالك حرّة- ترسو اذا نفس الجبان تطلع

[2] قال الزجاج: کل مخرّق بین جبلین "فهو" "فج"-

الَّذِیۡ یَذۡکُرُ اٰلِهَتَکُمۡ ۚ وَ هُمۡ بِذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ هُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیۡکُمۡ
اٰیٰتِیۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ ﴿۳۷﴾ وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۸﴾ لَوۡ یَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ
کَفَرُوۡا حِیۡنَ لَا یَکُفُّوۡنَ عَنۡ وُّجُوۡهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ وَلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ بَلۡ تَاۡتِیۡهِمۡ
بَغۡتَةً فَتَبۡهَتُهُمۡ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۴۰﴾ وَ لَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ
فَحَاقَ بِالَّذِیۡنَ سَخِرُوۡا مِنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۴۱﴾ قُلۡ مَنۡ یَّکۡلَؤُکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّهَارِ مِنَ ع۳

خدائے رحمان کے ذکر سے یک قلم منکر ہیں!(۳۶)

آدمی کی سرشت ہی میں جلد بازی ہے-(وہ مستقبل کا انتظار کرنا نہیں چاہتا) اچھا عنقریب تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھا دیں گے-اتنی جلدی نہ کرو!(۳۷)

اور یہ کہتے ہیں "اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ یہ وعدہ کب ظہور میں آئے گا؟"-(۳۸)

اگر یہ منکر اس گھڑی کا حال معلوم کرلیں جب آتش (عذاب بھڑکے گی اور اس) کے شعلے نہ تو اپنے آگے سے ہٹا سکیں گے نہ پیچھے سے اور نہ کہیں سے مدد پائیں گے (تو کبھی اس شوخی و شرارت سے ظہور نتائج کا مطالبہ نہ کریں!)-(۳۹)

بلکہ وہ گھڑی تو ان پر اچانک آموجود ہوگی اور انہیں مبہوت کردے گی- پھر نہ تو اس وقت کو پھرا دے سکیں گے اور نہ مہلت ہی پائیں گے!(۴۰)

اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ تجھ سے پہلے بھی پیغمبروں کی ہنسی اڑائی جا چکی ہے-لیکن اس کا نتیجہ یہی نکلا ہے کہ جس بات کی ہنسی اڑاتے تھے (یعنی ظہور نتائج کی) وہی بات ان پر چھا گئی!(۴۱)

(اے پیغمبر!) ان سے پوچھ "رات کا وقت ہو یا دن کا مگر کون ہے جو خدائے رحمان سے تمہاری نگہبانی کرسکتا ہے"

طرح عہدہ برآ ہوتا ہے؟ خیر کا سرمایہ جمع کرتا ہے یا شر کا؟ یہ تمہاری موت کے خیال سے اپنا جی خوش کرتے ہیں مگر خود اپنی زندگی کی خبر نہیں لیتے!

☆☆ (۱۱) قرآن نے جابجا انسانی طبیعت کے اس خاصہ کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی خواہشوں' رایوں اور اقدام عمل میں جلد باز واقع ہوا ہے- یہاں بھی آیت (۳۷) میں اس طرف اشارہ کیا-فرمایا- جن نتائج کے ظہور کی خبر دی جارہی ہے وہ عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں لیکن یہ منکر شور مچا رہے ہیں کہ فوراً ظاہر کیوں نہیں ہوجاتے؟ اچھا تھوڑا سا انتظار اور کریں- بہت جلد سامنے آجائیں گے-اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر انسانی طبیعت میں جلد بازی ہے تو قرآن اس خاصہ کی مذمت نہیں کرتا- کیونکہ اس کے نزدیک فطرت انسانی کا کوئی خاصہ بھی فی نفسہٖ برائی کے لیے نہیں ہے-﴿ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ﴾ (۹۵:۴) ضروری تھا کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہوتی- کیونکہ یہی جلد بازی ہے جو اس کے اندر سعی عمل کا فوری ولولہ پیدا کرتی ہے اور اس کی ساری سرگرمیوں کے لیے ایک محرک کا کام دیتی ہے-لیکن خواص طبیعت کے ہر گوشہ کی طرح یہاں بھی اسے ٹھوکر اصل خاصہ کے تقاضا میں نہیں لگتی بلکہ اس کے بے محل اور بے اعتدالانہ استعمال میں لگتی ہے- اسے جہاں صبر کرنا چاہیے وہاں بے صبری کرنے لگتا ہے' اور جب فیصلہ کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے تو بے دھڑک فیصلہ کردیتا ہے- پس قرآن انسان کی ہر گمراہی کی طرح اس گمراہی میں بھی سوء استعمال کی مذمت کرتا ہے نہ کہ طبیعت اور خواص طبیعت کی-

الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۴۲ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۴۳ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ
اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۴۴ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ ۖ وَ
لَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۴۵ وَ لَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ
يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۴۶ وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ

(اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے؟) مگر (ان سے کیا پوچھو گے!) یہ تو اپنے پروردگار کی یاد سے بالکل رخ پھیرے ہوئے ہیں! (۴۲)

پھر کیا ان کے لیے معبود ہیں جو ہم سے انہیں بچا سکتے ہیں؟ (بھلا وہ کیا بچائیں گے؟) وہ خود اپنی مدد تو کر نہیں سکتے اور نہ ہماری ہی طرف سے حفاظت پا سکتے ہیں! [1] (۴۳)

اصل یہ ہے کہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو (فوائد زندگی سے) بہرہ ور ہونے کے موقعے دیے یہاں تک کہ (خوش حالیوں کی سرشاری میں) ان کی بڑی بڑی عمریں گزر گئیں (اور اب غفلت ان کی رگ رگ میں رچ گئی ہے) مگر کیا یہ لوگ نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو چاروں طرف سے ان پر تنگ کرتے ہوئے چلے آ رہے ہیں؟ پھر کیا وہ (اس مقابلہ میں) غالب ہو رہے ہیں؟

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے "میری پکار اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی وحی سے علم پا کر تمہیں متنبہ کر رہا ہوں" اور (یاد رکھ) جو بہرے ہیں انہیں کتنا ہی خبر دار کیا جائے کبھی سننے والے نہیں!" (۴۵)

اور اگر ان پر تیرے پروردگار کے عذاب کی ایک چھینٹ بھی پڑ جائے تو (ساری سرکشی و شرارت بھول جائیں اور) بے اختیار پکار اٹھیں "ہائے افسوس! بلاشبہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھے!" [2] (۴۶)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو کھڑے کر دیں گے- پس کسی جان کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہ ہو گی-

(۱۲) آیت (۳۸) سے (۴۷) تک مشرکین مکہ کو ان کی سرکشی و غفلت پر سرزنش کی ہے کہ سچائی کی نشانیاں دیکھتے تھے بشارت و نذارت کے پیہم اعلانات سنتے تھے مگر شرارت سے باز نہیں آتے تھے اور نصیحت پکڑنے کی جگہ اعلان حق کی ہنسی اڑاتے تھے-

(۱۳) آیت (۴۵) نے دعوت حق کی پوری حقیقت واضح کر دی ہے "میں تمہیں وحی الٰہی سے خبر پا کر متنبہ کر رہا ہوں- مگر جانتا ہوں، جو بہرے ہیں، انہیں کتنا ہی خبر دار کیا جائے، سننے والے نہیں!"

(۱۴) آیت (۴۷) میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ فطرت کا ترازو بڑا ہی دقیقہ سنج ہے- ایک ذرہ بھی اس کی تول میں کم نہیں ہو سکتا- کوئی عمل کتنا ہی حقیر ہو- مثلاً تم نے کسی مصیبت زدہ پر ہمدردی کی ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال دی، راہ چلتے ایک پتھر ہٹا دیا، ایک پیاسی چیونٹی کے

[1] العرب تقول "صحبك الله" ای حفظك واجارك - قال الشاعر:

ينادی باعلی صوته متعوذا — ليصحب منا و الرماح دوانی!

[2] قال ابن كيسان "النفحه" ای الشی القليل ماخوذ من نفح المسك - وقال المبرد "النفحة" الدفعة من الشیء التی دون معظمه - يقال نفحه نفحة بالسيف اذا ضربه ضربة خفيفة-

وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝۴۷ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى
وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاۗءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۸ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ
مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝۴۹ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝۵۰ وَلَقَدْ ع۹ ۴ ۴ نصف
اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝۵۱ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ
التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝۵۲ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝۵۳ قَالَ لَقَدْ
كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۵۴ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝۵۵

اگر رائی برابر بھی کسی کا عمل ہوگا تو ہم اسے وزن میں لے آئیں گے- جب ہم (خود) حساب لینے والے ہوں تو پھر اس کے بعد کیا باقی رہا؟ (۴۷) اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان (یعنی حق کو باطل سے الگ کر دینے والی قوت) اور (وحی الٰہی کی) روشنی اور متقیوں کے لیے نصیحت دی تھی- (۴۸) ان متقیوں کے لیے جو اپنے پروردگار کی ہستی سے بغیر اسے دیکھے ہوئے ڈرتے رہتے ہیں اور آنے والی گھڑی کے تصور سے بھی لرزاں رہتے ہیں! (۴۹)

اور یہ (قرآن) بھی نصیحت ہے برکت والی- ہم نے اسے نازل کیا- پھر کیا تمہیں اس سے انکار ہے؟ (۵۰)

اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کے درجہ کے مطابق[1] سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی اور ہم اس کی حالت سے بے خبر نہ تھے- (۵۱) جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا "یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پر تم جم کر بیٹھ گئے ہو؟" (۵۲) تو انہوں نے جواب دیا تھا "ہم نے اپنے باپ دادوں کو دیکھا انہی کو پوجا کرتے تھے"- (۵۳)

ابراہیم نے کہا "یقین کرو- تم خود بھی اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے"- (۵۴)

اس پر انہوں نے کہا "تو ہم سے سچ مچ کہہ رہا ہے یا مزاح کر رہا ہے؟"- (۵۵)

آگے پانی کا قطرہ ٹپکا دیا' مگر ضروری ہے کہ اس کے وزن میں آجائے- ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ رائگاں جائے- اور تم خود اپنی زندگی ہی میں دیکھ لو- فطرت کے قانون مجازات کی دقائق اندیشیوں کا کیا حال ہے؟ تم نے ایک پل کے لیے کسی پر ہمدردی کی نظر ڈالی اور معاً تمہارے اندر حسن اخلاق کا ایک نقش جم گیا- تم نے کسی جانور پر بھی بے رحمی کی نگاہ ڈالی اور تمہارے آئینہ اخلاق میں قساوت کا بال پڑ گیا- تمہاری کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی تمہیں بدلہ دیے بغیر نہیں رہ سکتی اور بدلہ ٹھیک ٹھیک نپا تلا ہوتا ہے- رائی برابر بھی ادھر ادھر نہیں!

(۱۵) آیت (۴۸) سے سلسلہ بیان اس طرف متوجہ ہوگیا ہے کہ متذکرہ صدر مقاصد پر گزشتہ دعوتوں اور قوموں کی سرگزشتوں سے استشہاد کیا جائے- چنانچہ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کی طرف اشارہ کیا جن کی کتاب وحی کا حال عام طور پر معلوم و مسلم تھا- فرمایا- اسی طرح قرآن کا بھی نزول ہوا ہے- پھر اگر یہ اس سے منکر ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام سلسلہ وحی و تنزیل سے منکر ہیں-

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا وہ ابتدائی واقعہ بیان کیا ہے جو ان کے وطن "اُور" میں پیش آیا تھا جہاں سے ہجرت کر کے وہ کنعان آئے اور وہیں بقیہ عمر کے لیے بس گئے-

---

[1] "ولقد اتینا ابراھیم رشدہ" ای الرشد اللائق بہ و بامثالہ من الرسل- مترجموں نے "رشدہ" کی ضمیر کا مطلب بالکل ضائع کر دیا-

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَتَاللّٰهِ
لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ
يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ
اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْــَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾

ابراہیم نے کہا ''نہیں میں کہتا ہوں، آسمان اور زمین کا پروردگار جس نے ان سب کو پیدا کیا - وہی تمہارا بھی پروردگار ہے - میں اس حقیقت پر تمہارے آگے گواہ ہوں!'' - (٥٦)

''اور (ابراہیم نے کہا) بخدا میں ضرور تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا جب تم سب پیٹھ پھیر کے چل دو گے'' - (٥٧)

چنانچہ (اس نے ایسا ہی کیا) اس نے بتوں کو توڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا - صرف ایک بت جو ان میں بڑا سمجھا جاتا تھا چھوڑ دیا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں - (٥٨)

انہوں نے کہا (یعنی جب لوگ معبد میں واپس آئے تو یہ حال دیکھ کر کہنے لگے) ''ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ جس کسی نے کی ہو وہ بڑا ہی ظالم آدمی ہے'' - (٥٩)

چند آدمیوں نے کہا ''ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے میں کچھ کہتے سنا تھا - اسے ابراہیم کہہ کے پکارتے ہیں -'' (٦٠)

لوگوں نے کہا ''اسے یہاں تمام آدمیوں کے سامنے بلا لاؤ - تاکہ سب گواہ رہیں'' - (٦١)

ان لوگوں نے ابراہیم سے کہا (کیونکہ اب اسے بلا لائے تھے) ''ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی؟'' (٦٢)

ابراہیم نے کہا ''بلکہ (یوں سمجھو) اس بت نے کی جو ان میں سب سے بڑا ہے - اگر بت بول سکتے ہیں تو خود اسی سے دریافت کرلو'' - (٦٣)

تب وہ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے - انہوں نے کہا ''اس میں شک نہیں ناانصافی کی بات تو ہم ہی سے ہوگئی'' (٦٤)

پھر وہ اس حال میں پڑ گئے کہ (شرم و خجالت سے) سر جھکے ہوئے تھے - انہوں نے کہا ''تو اچھی طرح جانتا ہے، یہ بت بات نہیں کیا کرتے'' - (٦٥)

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا
وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ
بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً
يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا
عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ

ابراہیم نے کہا ''پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ تو کسی طرح کا نفع پہنچائیں نہ نقصان؟(٦٦) تمہاری حالت کتنی ناقابل برداشت ہے اور ان کی بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، کیا تم عقل سے بالکل کورے ہو گئے؟'' (٦٧)

انہوں نے (آپس میں) کہا ''اگر ہم میں کچھ بھی ہمت ہے تو آؤ' اس آدمی کو آگ میں ڈال کر جلا دیں اور اپنے معبودوں کا بول بالا کریں'' - (٦٨)

(مگر) ہمارا حکم ہوا ''اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لیے سلامتی!'' - (٦٩)

اور (دیکھو) انہوں نے چاہا تھا ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلیں لیکن ہم نے انہیں نامراد کر دیا - (٧٠) ہم نے اسے اور (اس کے بھتیجے) لوط کو (دشمنوں سے) نجات دلا کر ایک ایسے ملک میں پہنچا دیا جسے قوموں کے لیے (بڑا ہی) بابرکت ملک بنایا ہے (یعنی سرزمین کنعان) (٧١)

اور (پھر) ہم نے اسے (ایک فرزند) اسحاق عطا فرمایا اور مزید برآں (پوتا) یعقوب - ان سب کو ہم نے نیک کردار بنایا تھا - (٧٢) ہم نے انہیں (انسانوں کی) پیشوائی دی تھی - ہمارے حکم کے مطابق وہ راہ دکھاتے تھے - ہم نے ان پر وحی بھیجی کہ ہر طرح کی بھلائی کے کام انجام دیں - نیز نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں - وہ ہماری بندگی میں لگے رہتے تھے! (٧٣)

اور (اسی طرح) لوط کو بھی ہم نے (احکام حق دینے کا) علم عطا فرمایا - ہم نے اس بستی سے اسے نجات دے دی جس کے باشندے بڑے ہی گندے کام کیا کرتے تھے - اور کچھ شک نہیں بڑے ہی بدراہ' حد سے گزرے ہوئے

☆☆ (١٦) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بتوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں اس طرح جم گئی ہے کہ عقل و بصیرت کی کوئی صدا بھی اسے متزلزل نہیں کر سکتی' تو اعلان حقیقت کے لیے انہوں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا - ایسا طریقہ کہ تمام لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا' ان کے معبود خود ان سے بھی زیادہ عاجز اور بے بس ہیں اور وہمی اور روایتی عقیدت کے سوا کوئی حقیقت موجود نہیں - تشریح اسی سورت کے آخر میں ملے گی -

جب لوگ اس مقابلہ میں عاجز و درماندہ ہو گئے تو پھر جیسا کہ جہل و تعصب کا قاعدہ ہے ظلم و تشدد پر اتر آئے - انہوں نے چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ آگ میں جلا دیں - لیکن اللہ نے ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ سلامت وہاں سے نکل کر کنعان چلے گئے - ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے - ان دونوں کے توطن کنعان کی تفصیل

كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَ اَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ ع ۵
قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي
الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا
حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۫ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ
لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً

لوگ تھے-(۷۴)(ہم نے ان سے لوط کو نجات دی) اور اپنی رحمت کی پناہ میں لے لیا- یقیناً وہ نیک کردار انسانوں میں سے ایک انسان تھا!(۷۵)

اور (اسی طرح) نوح کا معاملہ (بھی یاد کرو) جو ان (نبیوں) سے پیشتر کا ہے- جب اس نے ہمیں پکارا تھا تو (دیکھو) ہم نے اس کی پکار سن لی- اور اسے اور اس کے گھرانے کو ایک بڑی ہی سختی سے نجات دے دی-(۷۶) نیز ان لوگوں کے مقابلہ میں جو ہماری نشانیاں جھٹلاتے تھے اس کی مدد کی- وہ بڑے ہی بدراہ لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا!(۷۷)

اور داؤد اور سلیمان (کا معاملہ بھی یاد کرو) جب وہ (ملک کے) کھیت میں کہ لوگوں کی بکریاں اس میں منتشر ہو گئی تھیں حکم چلاتے تھے اور ہم ان کی حکم فرمائی دیکھ رہے تھے-(۷۸) پس ہم نے سلیمان کو اس بات کی پوری سمجھ دے دی اور ہم نے حکم دینے کا منصب اور (نبوت کا) علم ان میں سے ہر ایک کو عطا فرمایا تھا- نیز ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے لیے مسخر کر دیا تھا- وہ اللہ کی پاکی کی صدائیں بلند کرتے تھے اور اسی طرح پرندوں کو بھی- اور ہم (ایسا ہی) کرنے والے تھے-(۷۹)

اور (دیکھو) ہم نے داؤد کو تمہارے لیے زرہ بکتر بنانا سکھا دیا کہ تمہیں ایک دوسرے کی زد سے بچائے پھر کیا تم (ہماری بخششوں کے) شکر گزار ہو؟(۸۰) اور (دیکھو) ہم نے (سمندر کی) تند ہواؤں کو بھی سلیمان کے لیے کیسا مسخر کر دیا تھا کہ اس کے

بہ ضمن آیت (۶۹) سورۂ ہود میں گزر چکی ہے-

(۱۷) اگر ایک آدمی ایک طرف کھیت بوئے' دوسری طرف رات کو اپنی بکریاں بھی کھول دیا کرے تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ یہی کہ ساری فصل تباہ ہو جائے گی- وہ جتنا چر سکیں گی چر لیں گی' جتنا روند سکیں گی' روند جائیں گی!

یہی حال یہودیوں کا تھا- وہ ایک طرف بناتے تھے' دوسری طرف خود اپنے ہی ہاتھوں اسے اجاڑ دیتے تھے- حضرت داؤد علیہ السلام نے انہیں فلسطینیوں پر فتح مند کرایا اور تمام ملک ساحل بحر تک ان کے قبضہ میں آ گیا لیکن پھر بھی ان میں نظم و اطاعت کی روح پیدا نہ ہوئی-

البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک نیا انقلاب رونما ہوا' اور انہوں نے اپنی دانش و حکمت نبوت سے یہودیوں کی حالت ایسی پلٹ دی کہ ایک عظیم الشان عبرانی مملکت قائم ہو گئی-

آیت (۷۸) میں اسی صورت حال کی طرف غالباً اشارہ کیا گیا ہے-

آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "الحرث" سے مقصود کوئی خاص کھیتی ہو' اور "غنم القوم" سے کسی خاص گروہ کی بکریاں یعنی کسی کا کھیت تھا اور کسی کی بکریاں اس میں جا پڑی تھیں- اس جھگڑے کا فیصلہ دونوں نے کیا- حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام

تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ مِنَ
الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ یَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۲﴾
وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا
مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾
وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ

حکم پر چلتی تھیں اور اس سرزمین کے رخ پر جس میں ہم نے بڑی ہی برکت رکھ دی ہے (یعنی فلسطین اور شام کے رخ پر جہاں بحر احمر اور بحر متوسط سے دور دور کے جہاز آتے تھے) اور ہم ساری باتوں کی آگاہی رکھتے ہیں! (۸۱)

اور شیطانوں میں سے ایسے شیطان جو اس کے لیے غوطے لگاتے اور اس کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے کام کرتے اور ہم انہیں اپنی پاسبانی میں لیے ہوئے تھے- (۸۲)

اور ایوب (کا بھی معاملہ یاد کرو) جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا ''میں دکھ میں پڑ گیا ہوں اور خدایا! تجھ سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں!'' (۸۳)

پس ہم نے اس کی پکار سن لی اور جس دکھ میں پڑ گیا تھا وہ دور کر دیا- ہم نے اس کا گھرانا (پھر سے) بسا دیا اور اس کے ساتھ ویسے ہی (عزیز و اقارب) اور بھی دیے- یہ ہماری طرف سے اس کے لیے رحمت تھی اور یہ نصیحت ہے ان کے لیے جو اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں! (۸۴)

اور (اسی طرح) اسماعیل' ادریس اور ذوالکفل- سب (راہ حق میں) صبر کرنے والے تھے- (۸۵)

نے بھی اور فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا زیادہ قوی اور اوفق تھا- مزید تشریح عام تفاسیر میں ملے گی-

(۱۸) آیت (۷۹) میں ''یسبحن'' کے دو مطلب ہو سکتے ہیں- ایک وہ جو'' ان من شیء الا یسبح بحمده'' میں ہے- دوسرا یہ کہ جب حضرت داوَد علیہ السلام حمد الٰہی کے نغمے گاتے تھے تو سماں بندھ جاتا تھا اور چٹانیں تک وجد میں آ جاتی تھیں![1]

حضرت داوَد علیہ السلام بڑے ہی خوش آواز تھے- وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عبرانی موسیقی مدون کی اور مصری اور بابلی مزامیر کو ترقی دے کر نئے نئے آلات ایجاد کیے- تورات اور روایات یہود سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھ کر حمد الٰہی کے ترانے گاتے اور اپنا بربط بجاتے تو شجر و حجر جھومنے لگتے تھے- روایات تفسیر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہیں۔ پرندوں کی تسخیر کو بھی دونوں باتوں پر محمول کیا جا سکتا ہے- اس پر بھی کہ ہر طرح کے پرندان کے محل میں جمع ہو گئے تھے اور اس پر بھی کہ ان کی نغمہ سرائیوں سے متاثر ہوتے تھے-

کتاب زبور در اصل ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو حضرت داوَد علیہ السلام نے الہام الٰہی سے نظم کی تھیں- ہم نے انہیں اپنی رحمت کے سایہ میں

---

[1] التسبیح اما حقیقة او مجاز- وقد قال بالاول جماعة و هو الظاهر- وقال بالمجاز آخرون- و حملوا التسبیح علی تسبیح من رآها تعجبا من عظم خلقها وقدرة خالقها (فتح القدیر للشوکانی) قلت و لکل وجهة هو مو لیها فاستبقوا الخیرات-

اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي
الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ
وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ

لے لیا- یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے-(۸۶)

اور (اسی طرح) ذوالنون (کا معاملہ یاد کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ وہ (راہ حق میں) خشم ناک ہو کر چلا گیا- پھر اس نے خیال کیا ہم اسے تنگی میں نہیں ڈالیں گے- لیکن پھر (جب اس پر حالت تنگ ہوئی تو مایوسی کی) تاریکیوں میں اس نے پکارا "خدایا! تیرے سوا کوئی معبود نہیں! تیرے لیے (ہر طرح کی) پاکی ہو! حقیقت یہ ہے کہ میں نے (اپنے اوپر بڑا ہی) ظلم کیا!"(۸۷)

تب ہم نے اس کی پکار سن لی اور غمگینی سے اسے نجات دی (دیکھو) ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں!(۸۸) اور (اسی طرح) زکریا (کا معاملہ یاد کرو) جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا "خدایا! مجھے (اس دنیا میں) اکیلا نہ چھوڑ (یعنی بغیر وارث کے نہ چھوڑ) اور (ویسے تو) تو ہی (ہم سب کا) بہتر وارث ہے!"(۸۹)

تو (دیکھو) ہم نے اس کی پکار سن لی- اسے (ایک فرزند) یحییٰ عطا فرمایا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے تندرست کر دیا- یہ تمام لوگ نیکی کی راہوں میں سرگرم تھے (ہمارے فضل سے) امید لگائے ہوئے اور (ہمارے جلال سے) ڈرتے ہوئے دعائیں

(۱۹) جس وقت تک آتشیں اسلحہ ایجاد نہیں ہوا تھا جنگ میں حفاظت کا بڑا ذریعہ آہنی لباس کا استعمال تھا یعنی زرہ کا- آیت (۸۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس صنعت کو بہت فروغ دیا تھا' اور اس میں طرح طرح کی نئی ایجادات کی تھیں- تاریخی آثار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے- ایک ہزار سال قبل مسیح تک زرہ کا استعمال قوموں میں دکھائی نہیں دیتا- لیکن اس کے بعد سے خود کا استعمال شروع ہو جاتا ہے اور پھر دوسری چیزیں بھی مستعمل ہونے لگتی ہیں- یہاں تک کہ سکندر کے عہد میں یونانی اور ایرانی' دونوں سرتاپا آہن پوش ہو گئے تھے-

(۲۰) آیت (۸۱) میں فرمایا- ہم نے سمندر کی بادتند سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دی تھی- یعنی بادبانی کے بڑے بڑے جہاز چلنے لگے تھے- اور خشکی کے جانوروں کی طرح سمندر کی ہوائیں بھی ان کے لیے بار برداری اور نقل و حرکت کا ذریعہ ہو گئی تھیں-

سمندر کی ہواؤں کا معاملہ بھی قدرت کے عجائب مظاہر میں سے ہے-- جس وقت تک دخانی قوت کا انکشاف نہیں ہوا تھا' بحری سیر و سیاحت کا ذریعہ یہی ہوائیں تھیں- یہ مختلف جہتوں میں چلتی ہیں اور مختلف وقتوں میں چلتی ہیں اور ان کی جہتیں اور اوقات اس درجہ معین اور منضبط ہیں کہ کبھی ان میں فرق نہیں پڑ سکتا- پھر ان کی تندی و طاقت کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے جہازوں کو تنکوں کی طرح سمندر کی سطح پر دوڑاتے ہوئے لے جاتی ہیں!

قدیم عہدوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے جہازوں سے اس طرح کام لینا شروع کیا کہ ہندوستان اور مغربی جزائر تک بحری آمد و رفت کا منظم سلسلہ قائم ہو گیا- تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تجارتی بیڑہ وقت کا سب سے زیادہ طاقتور بیڑہ تھا- بحر احمر میں

لے "لن نقدر علیه" ای لن نضیق علیه- یقال قدر وقدر' وقتر وفتر' ای ضیق- ومنه قوله "یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر" ای یضیق- "ومن قدر علیه رزقه"

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا
مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ۖ وَّ اَنَا
رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَ تَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ ع ۶/۸
الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَ حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ

مانگتے تھے اور ہمارے آگے عجز و نیاز سے جھکے ہوئے تھے!(۹۰)

اور (اسی طرح) اس عورت کا معاملہ جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی (یعنی مریم علیہا السلام کا معاملہ) پس ہم نے اپنی روح میں سے (یعنی اپنے ملائکہ کے جوہر ملکوتیت میں سے ایک جوہر) اس میں پھونک دیا اور اسے اور اس کے بیٹے (مسیح علیہ السلام) کو تمام دنیا کے لیے (سچائی کی) ایک نشانی بنا دیا!(۹۱)

(ان تمام رسولوں کے ذریعہ سے ہم نے جو تعلیم دی تھی وہ یہی تھی کہ) ''یہ تم سب کی امت فی الحقیقت ایک ہی امت ہے (الگ الگ دین اور الگ الگ گروہ بندیاں نہیں ہیں) اور میں ہی تم سب کا (تن تنہا) پروردگار ہوں۔ پس چاہیے کہ میری ہی بندگی کرو'' (اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو)۔(۹۲) مگر لوگوں نے آپس میں اختلاف کر کے اپنے (ایک ہی) دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ (بالآخر) سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔(۹۳)

پس (یاد رکھو۔ اصل اس باب میں یہ ہے کہ) جس کسی نے نیک کام کیے اور وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو اس کی کوشش اکارت جانے والی نہیں۔ ہم اس کی نیکیاں لکھ لینے والے (موجود) ہیں!(۹۴) اور (دیکھو) جس آبادی کے لیے ہم نے ہلاکت ٹھہرا دی

اس کا مرکز ''ترسیس'' تھا جو خلیج عقبہ میں واقع تھا' اور بحر متوسط میں صور' طائر' یافہ کی بندرگاہیں۔

فلسطین کا علاقہ ایسے گوشہ میں واقع ہوا ہے کہ اس کے مغرب و شمال میں بحر متوسط ہے اور جنوب میں بحر احمر۔ پس اسے متضاد سمتوں کی ہوائیں چاہییں تاکہ دنیا کے جہاز اس کے ساحلوں تک پہنچ سکیں۔ یعنی بحر احمر میں شمالی ہوا اور متوسط میں جنوبی اور مشرقی۔ اور اگرچہ دونوں سمندروں کا باہمی فاصلہ کچھ زیادہ نہیں لیکن قدرت الٰہی نے ان کی ہواؤں کی سمتیں ایسی ہی رکھ دی ہیں، بیک وقت بحر احمر میں باد شمال کے جھونکے چلتے ہیں اور متوسط میں باد جنوب کے اور دونوں یکساں طور پر سواحل شام و فلسطین کے لیے مفید ہیں۔

اس تفصیل کے بعد ''الی الارض التی بارکنا فیھا'' کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

(۲۱) قرآن میں شیطان کا اطلاق شیاطین الجن پر بھی ہوا ہے اور شیاطین الانس پر بھی۔ مثلاً ﴿ انما ذلکم الشیطان یخوف اولیاءہ ﴾ (۳: ۱۶۹) میں شیطان سے مقصود قریش مکہ کا بھیجا ہوا جاسوس ہے یا ﴿ وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ﴾ (۸:۴۸) میں شیطان کا اطلاق سراقہ بن مالک ابن جعشم پر کیا گیا جو قریش کو لڑائی پر ابھارتا تھا مگر پھر بھاگ گیا۔

پس یہاں آیت (۸۲) میں بھی معلوم ہوتا ہے شیاطین کا اطلاق شیاطین الانس ہی پر ہوا ہے۔ یعنی فلسطین اور شام کی ان شریر اور سرکش قوموں پر جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں بالکل مطیع و منقاد ہو گئی تھیں اور انہوں نے ہیکل کی تعمیر میں تیرہ برس تک ہر طرح کی سخت سخت خدمتیں انجام دی تھیں۔

ہیکل کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام نے ڈال دی تھی لیکن تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی۔ تورات کی کتاب سلاطین اول سے معلوم ہوتا

اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَ
اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا
بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٩٧﴾ اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿٩٨﴾ لَوْ
كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَ كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ هُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَ هُمْ

تو اس کے لیے (کامیابی وسعادت) ممکن نہیں- وہ کبھی (اپنی سرکشی وغفلت سے) لوٹنے والے نہیں! (۹۵)

جب وہ وقت آ جائے گا کہ یاجوج اور ماجوج کی راہ کھل جائے گی (زمین کی) تمام بلندیوں سے وہ دوڑتے ہوئے اتر آئیں گے (۹۶) اور (خدا کے ٹھہرائے ہوئے) سچے وعدہ کی گھڑی قریب آ جائے گی تو اس وقت اچانک ایسا ہوگا کہ لوگوں کی آنکھیں (شدت دہشت وحیرت سے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی- ان لوگوں کی آنکھیں جنہوں نے (سچائی سے) انکار کیا تھا- (وہ پکار اٹھیں گے) ''افسوس ہم پر! ہم اس (ہولناک گھڑی) سے غفلت میں رہے- بلکہ ہم ظلم وشرارت میں سرشار تھے!'' - (۹۷)

تم اور وہ تمام چیزیں جن کی اللہ کو چھوڑ کر پوجا کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہیں، تم سب وہاں پہنچنے والے ہو- (۹۸)

اگر یہ چیزیں سچ مچ کو معبود ہوتیں تو کبھی دوزخ میں نہ پہنچتیں حالانکہ سب اس میں ہمیشہ کے لیے رہنے والے ہیں! (۹۹) ان کے لیے دوزخ میں (صرف دکھ اور جلن کی) چیخیں ہوں گی اور وہ (اور کچھ) نہیں سنیں گے! (۱۰۰) (مگر) جن لوگوں کے لیے ہم نے پہلے سے بھلائی کا حکم دے دیا تو وہ یقیناً دوزخ سے دور کر دیے گئے- (۱۰۱) وہ (اس سے اتنے دور ہوں گے کہ) وہاں

ہے کہ تیس ہزار آدمی تیرہ برس تک کام میں لگے رہے تب کہیں جا کر عمارت تیار ہوئی تھی-

(۲۲) عہد عتیق میں ''ایوب'' کے نام سے ایک صحیفہ ہے اور اس میں اس نام کے ایک راست باز اور صابر انسان کی سرگزشت لکھی ہے- آیت (۸۳) میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے-

سرگزشت کا خلاصہ یہ ہے کہ ''عوض کے ملک میں ایوب ایک کامل اور راست باز انسان تھا- خدا نے اسے بڑا خاندان اور بڑی دولت دے رکھی تھی- اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں- سات ہزار بھیڑیں، تین ہزار اونٹ' ایک ہزار بیل' اور پانچ سو بار برداری کے گدھے تھے- اس کے نوکر چاکر بھی بے شمار تھے' اور اہل مشرق میں اس درجہ مال دار کوئی نہ تھا- وہ اس دولت وشوکت کے لیے خداوند کا شکر گزار تھا اور ہمیشہ بدی سے دور رہتا تھا''

لیکن پھر زندگی کی ساری مصیبتیں ان پر آ پڑیں- ان کے مویشی لوٹ لیے گئے- نوکر چاکر قتل ہو گئے- اولاد مر گئی- جاہ وحشم نابود ہو گیا' اور زندگی کی خوش حالیوں میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہی- پھر بربادیوں کے یہ تمام زخم ایک ایک کر کے نہیں لگے کہ سنبھلنے اور جھیلنے کی مہلت ملی ہو- بہ یک وقت لگے اور اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی!

لیکن عین اس حالت میں بھی حضرت ایوب علیہ السلام کی زبان سے کلمہ صبر وشکر کے سوا اور کچھ نہیں نکلا: ''وہ سجدے میں گر پڑا' اور کہا- میں اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا اور برہنہ ہی دنیا سے جاؤں گا- خداوند نے مجھے دیا تھا اور خداوند نے لے لیا- اس کے نام کے لیے ساری پاکیاں اور مبارکیاں ہوں!'' (ایوب ۱:۲۲)

فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝١٠٢ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا
يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝١٠٣ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ
اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝١٠٤ وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ
الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝١٠٥ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝١٠٦ وَ مَآ
اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٧ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

کی (اذیتوں کی) بھنک بھی ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔

وہ اپنی پسند اور خواہش کی تمام نعمتوں میں ہمیشہ کے لیے مگن رہیں گے! (۱۰۲)

انہیں (روز قیامت کی) بڑی سے بڑی ہولناکی بھی ہراساں نہ کرے گی۔ فرشتے انہیں بڑھ کر لیں گے۔ (اور کہیں گے:) ''یہ ہے وہ تمہارا دن، جس کا (کلام حق میں) وعدہ کیا گیا تھا!'' - (۱۰۳)

وہ دن جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے بہی کھاتوں کے طومار لپیٹ لیے جاتے ہیں، ہم نے جس طرح پہلی پیدائش شروع کی تھی اسی طرح اسے دہرائیں گے بھی۔ اس وعدہ کا پورا کرنا ہم پر ہے اور ہم پورا کر کے رہیں گے! (۱۰۴)

اور (دیکھو) ہم نے زبور میں تذکیر و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ ''زمین کی وراثت انہی بندوں کے حصے میں آئے گی جو نیک ہوں گے'' - (۱۰۵) اس بات میں ان لوگوں کے لیے جو عبادت گزار ہیں ایک بڑا ہی پیام ہے (۱۰۶) اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر اس لیے کہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہوا (۱۰۷) تو کہہ دے ''مجھ پر جو کچھ وحی کیا گیا ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی تنہا معبود ہے (اس کے سوا کوئی نہیں) پس بتلاؤ، تم اس کے آگے سر جھکاتے ہو

سب کچھ جا چکا تھا۔ صرف جسم کی تندرستی باقی رہ گئی تھی۔ اب اس نے بھی جواب دے دیا: ''اور ایوب کے تلوے سے لے کر سر کی چاندی تک سارے جسم میں جلتے ہوئے پھوڑے نکل آئے۔ وہ ایک ٹھیکرا لے کر اپنا جسم کھجاتا اور راکھ پر بیٹھا رہتا'' (۲:۸)

لیکن اس پر بھی ان کی زبان ایک لمحہ کے لیے شکوہ و شکایت سے آلودہ نہ ہوئی!

اب درد و مصیبت کی یہ حالت برابر بڑھتی ہی جاتی ہے۔ لیکن جوں جوں بڑھتی جاتی ہے روح کا یقین، دل کا صبر اور زبان کا زمزمہ شکر بھی بڑھتا جاتا ہے۔ چنانچہ تمام صحیفہ ایوب انہی دلنشین مواعظ کا مجموعہ ہے جو ان کے درد و غم کی آہوں اور کرب و اذیت کی صداؤں کے اندر نمایاں ہوئے۔ ان کی ہر آہ حمد و ثنا کا نغمہ تھی اور ہر پکار صبر و شکر کی تلقین۔ اسلوب بیان یہ ہے کہ تین دوست مصیبت کا حال سن کر آتے ہیں اور اللہ کے کاموں اور حکمتوں پر ان سے ردوکد کرتے ہیں۔ پھر اللہ کی وحی انہیں مخاطب کرتی ہے اور ان کی آزمائش کا دور ختم ہو جاتا ہے: ''اور خداوند نے ایوب کی حالت بدل دی۔ اسے پہلے کی نسبت دو چند دولت عنایت کی۔ اس کے تمام عزیزوں کو اس کے گرد جمع کر دیا۔ اسے آخری عمر میں پہلے کی طرح اولاد ملی۔ وہ ایک سو چالیس برس تک جیا اور اپنی نسل کی چار پشتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں'' (۴۲:۱۰)

اس بات کے اظہار کے لیے کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے ایک آزمائش تھی پیرایہ بیان یہ اختیار کیا گیا ہے کہ ''شیطان نے کہا: ایوب کی خدا پرستی و راست بازی اس لیے ہوئی کہ خدا نے اسے ہر طرح کی خوشحالیاں دے رکھی ہیں۔ اگر وہ ان سے محروم ہو جائے تو پھر بھی خدا کا شکر گزار نہ ہو'' لیکن وہ خوشحالیوں سے محروم ہو گئے۔ پھر بھی ان کا ایمان و یقین گھٹنے کی جگہ اور زیادہ بڑھ گیا!

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا
تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ
وَ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۷

یا نہیں؟"-(۱۰۸)

پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دے "میں نے تمہیں (انکار و سرکشی کے نتائج سے یکساں طور پر) خبردار کر دیا ہے۔ میں نہیں جانتا جس بات کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا وقت قریب آ لگا ہے یا ابھی دور ہے۔ (تاہم وہ ٹلنے والا نہیں) (۱۰۹) اللہ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ جو کچھ پکار کے (علانیہ) کہا جاتا ہے وہ بھی اور جو کچھ تم (دلوں میں) چھپائے ہوئے ہو وہ بھی۔ (۱۱۰) اور مجھے کیا معلوم؟ ہوسکتا ہے کہ اس (تاخیر) میں تمہارے لیے آزمائش رکھ دی گئی ہو اور یہ بات ہو کہ ایک مقررہ وقت تک زندگی کا لطف اٹھالو! (۱۱۱)

اس نے کہا (یعنی پیغمبر نے دعا کرتے ہوئے عرض کیا:) "خدایا! اب (دیر نہ کر!) سچائی کے ساتھ فیصلہ کر دے اور ہمارا پروردگار تو (وہی) الرحمٰن ہے۔ اسی سے مدد مانگی گئی ہے۔ جیسی کچھ باتیں تم بنا رہے ہو ان کے خلاف اسی کی مددگاری فیصلہ کر دے گی! (۱۱۲)

قرآن نے صبر و شکر کی یہ پوری داستان صرف چند جملوں میں بیان کر دی ہے اور اس کا ایجاز بلاغت اتنا ہی موثر ہے جتنا صحیفہ ایوب کے پچاس صفحوں کا شاعرانہ اطناب ہے۔ آیت (۸۱) اور (۸۴) پر مکرر نظر ڈالو: ﴿ وایوب اذ نادی ربه: انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین: فاستجبنا له' فکشفنا ما به من ضر واتیناه اهله' ومثلهم معهم؛ رحمة من عندنا و ذکریٰ للعابدین! ﴾

" انی مسنی الضر" میں ان کے درد و مصیبت کی ساری داستان آ گئی۔ کوئی گوشہ بھی نہیں چھوٹا۔ ساتھ ہی اسلوب خطاب یہ ہوا کہ "میں دکھ میں پڑ گیا ہوں" یہ نہ ہوا کہ "تو نے مجھے دکھ میں ڈال دیا ہے" کیونکہ وہ تو کسی کو بھی دکھ میں نہیں ڈالتا۔ اس نے جو کچھ بھی بخشا ہے سرتاسر سکھ اور راحت ہی ہے۔ جو حالت بھی ہمارے لیے دکھ ہو جاتی ہے خود ہماری ہی صورت حال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے مخاطبات میں ہر جگہ یہ حقیقت نمایاں ہوئی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا' ﴿ربنا ظلمنا انفسنا، وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ﴾ (۷:۲۳) خدایا! ظلم ہم نے کیا اور مغفرت کی طلبگاری تجھ سے ہے! اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موعظت سورۂ شعراء میں آئے گی ﴿ واذا مرضت فهو یشفین ﴾ (۸:۲۶) جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہی ہے جو مجھے شفا دیتا ہے۔ یعنی بیماری میں پڑنا میری حالت ہوئی۔ شفا دینا اس کا کام ہوا۔ کیونکہ اس کے پاس جو کچھ ہے شفا ہی شفا ہے۔ اس کی رحمت نے دار الشفا بنایا ہے۔ بیماریاں بانٹنے کا کوئی گھر نہیں بنایا ہے۔ وما احسن قول الشاعر العارف:

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت ست   چوں بہ ما نسبت کنی' کفر آفت ست!

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا اور شرح انی مسنی الضر:

اور یہی وجہ ہے کہ فرمایا: **تعزمن تشاء و تذل من تشاء- بیدك الخیر!** (٢٦:٣) ''تو جسے چاہے عزت دے دے- جسے چاہے ذلیل کر دے ہر طرح کا ''خیر'' تیرے ہی ہاتھ ہے'' یعنی جسے عزت ملی وہ بھی خیر کی بات ہوئی، جسے ذلت ملی- وہ بھی خیر کی بات ہوئی- حالانکہ جسے ذلت ملی اس کے لیے تو ''شر'' ہی کی بات ہوئی ''خیر'' کی بات نہیں ہوئی- لیکن قرآن کہتا ہے اس کے لیے اور اس کی اضافت سے ''شر'' کی بات ہوئی- فی الحقیقت ''شر'' کی بات نہ ہوئی- کیونکہ خدا جو کچھ کرتا ہے خیر ہی خیر ہے- شر کا یہاں گزر ہی نہیں- یہ ہم ہیں اور ہماری حالت ہے جو ''شر'' کا جامہ پہن لیا کرتی ہے:

ہر چہ ہست از قامت ناساز و بے اندام ماست   ورنہ تشریف تو بر بالائے کس دشوار نیست!

مسلم کی حدیث ابوذر میں یہی حقیقت واضح کی گئی ہے: ''**یا عبادی انماھی اعمالکم' احصیھا لکم ثم اوفیکم ایاھا فمن وجد خیرًا' فلیحمد اللہ' و من وجد غیر ذلك' فلا یلومن الا نفسہ**'' ''اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں میں تمہارے لیے ضبط کرتا ہوں اور پھر ان کے نتائج پورے پورے لوٹا دیتا ہوں- پس تم میں سے جو کوئی خیر پائے تو اللہ کی ستائش کرے اور جس کسی کو کوئی دوسری حالت پیش آ جائے تو اور کسی کا شکوہ نہ کرے- خود اپنے نفس کو ملامت کرے''

وانت ارحم الراحمین:

اس کے بعد کہا ﴿ **وانت ارحم الراحمین** ﴾ اور غور کرو اس ایک جملہ میں سفر ایوب کے کتنے صفحے آ گئے؟ اس میں حمد و ثنا بھی آ گئی، صبر و شکر کا دامن بھی نہیں چھوٹا' طلب والحاح کا ہاتھ بھی دراز ہو گیا' اور عجز و نیاز کی پیشانی بھی بندگی و تذلل کی زمین پر پڑ گئی ''خدایا! میں دکھی ہوں اور تجھ سے بڑھ کر کون ہے جو رحم کرنے والا ہو؟''

طوبی لعبد تکون مولاہ!

اگر ایک فقیر بادشاہ سے کہے ''میں محتاج ہوں اور تجھ سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں'' تو پھر اس کے بعد اور کیا رہ گیا جو اس نے نہیں کہا؟ اور کیوں اس سے زیادہ اس کی زبان سے کچھ نکلے؟ بلاشبہ یہ عرض حال ہے- طلب و سوال نہیں- لیکن

در حضرت کریم تقاضا چہ حاجت است؟

آیت ٨٤ کی جامعیت:

اس کے بعد صرف ایک آیت کے اندر پوری سرگزشت اور اس کا ماحصل بیان کر دیا- غور کرو کس طرح یہ آیت ایک پورے صحیفہ کا کام دے رہی ہے اور کس طرح اس کا ہر جملہ اپنی جگہ ایک پورا باب ہے؟

(ا) **فاستجبنا لہ**- ہم نے اس کی پکار سن لی- یعنی وحی الٰہی کی وہ اجابت جو سفر ایوب کے چار بابوں میں بیان کی گئی ہیں- ٣٨ سے ٤٢ تک-

(ب) **فکشفنا ما بہ من ضر**- پس درد و مصیبت میں سے جو کچھ اسے پیش آیا تھا' سب ہم نے دور کر دیا- اس میں وہ ساری مصیبتیں آ گئیں جن کی تفصیلات دو بابوں میں آئی ہیں-

(ج) **واتیناہ اھلہ**- اس کا گھرانا اسے دے دیا- ''دے دیا'' یعنی اس سے کھویا گیا تھا- پھر اسے واپس مل گیا- اس اشارے نے

خاندانی مصیبت اور تفرقہ کی ساری داستان بتلا دی-

(ہ) ومثلھم معھم اتنا ہی اور بھی۔یعنی گھر بار کا جمگھٹا پہلے سے دو چند کر دیا-

(د) لیکن یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اور اس سرگزشت کا ماحصل کیا ہے؟ ﴿ رحمۃ من عندنا ﴾ یہ ہماری طرف سے رحمت کا ظہور تھا- کیونکہ رحمت کو پکارا گیا تھا "وانت ارحم الراحمین!" پس ضروری تھا کہ رحمت جواب دے-

(ز) ﴿ وذکری للعابدین ﴾ اور اس لیے کہ بندگی کرنے والوں کے لیے اس میں نصیحت ہو- یعنی یہ حقیقت آشکارا ہو جائے کہ جو عبادت گزارانِ حق ہیں' وہ کبھی رحمت الٰہی کی بخششوں سے محروم نہیں رہ سکتے!

قرآن کے قصص اور اشارات قصص کا یہی حال ہے- ترجمان القرآن میں اس کی گنجائش نہیں نکل سکتی تھی کہ ہر مقام کی تفسیر اس تفصیل کے ساتھ کی جائے- پس صرف اس مقام کی تفسیر کر دی گئی' تا کہ اہل نظر کے لیے ایک نمونہ کا کام دے اور تمام مقامات کا مطالعہ اسی روشنی میں کر سکیں-

اس سلسلہ میں چار باتیں اور یاد رکھنی چاہییں۔

حضرت ایوب علیہ السلام عرب تھے:

اولاً' محققین تورات میں سے اکثر اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام عرب تھے' عرب میں ظاہر ہوئے تھے اور سفر ایوب اصلاً قدیم عربی میں لکھی گئی تھی- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا-

سفر ایوب میں ہے کہ وہ "عوض" کے ملک میں رہتے تھے اور آگے چل کر تصریح کی ہے کہ ان کے مویشی پر شیبا (سبا) کے لوگوں نے اور کسدیوں (بابلیوں) نے حملہ کیا تھا (۱:۱۵) ان دونوں تصریحوں سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے- کیونکہ کتاب پیدائش اور تواریخ اول میں "عوض" کو ارام بن سام بن نوح کا بیٹا کہا ہے- اور "ارامی" بالاتفاق عرب عاربہ کی ابتدائی جماعتوں میں سے ہیں- انیسویں صدی کے اواخر تک یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی لیکن اب اس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا ہے- پھر اس مقام کا ایسی جگہ ہونا جہاں سبا اور بابل کے باشندے آ کر حملہ آور ہوتے تھے ایک مزید جغرافیائی روشنی ہے- کیونکہ ایسا مقام بجز عرب کے اور کوئی نہیں ہو سکتا- یقیناً یہ عرب کا وہی مقام ہوگا جو قوم عاد کا مسکن تسلیم کیا گیا ہے- یعنی عمان سے لے کر حضر موت تک کا علاقہ-

یوباب:

کتاب پیدائش اور تواریخ اول میں ایک اور سامی نام بھی ہمیں ملتا ہے- یعنی "یوباب" یہ بنی یقطان میں سے تھا- یقطان عبر سے پیدا ہوا' اور عبر سلح بن ارفکسد بن سام سے- سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا "یوباب" اور "ایوب" ایک ہی نام نہیں ہیں؟

بالاتفاق یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ تورات میں سب سے زیادہ قدیم صحیفہ یہی ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے تھا- لیکن اگر "یوباب" سے مقصود "ایوب" ہیں تو انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر ہونا چاہیے- یا کم از کم حضرت اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کا-

سفر ایوب منظوم کتاب ہے:

ثانیاً' سفر ایوب کا ایک ایک جملہ کہہ رہا ہے کہ میں شعر ہوں- نثر نہیں ہو سکتا- اسی لیے محققین تورات نے اسے بھی امثال اور زبور کی طرح اصلاً کتاب منظوم ہی قرار دیا ہے- بلاغت کلام' شعریت بیان اور بلندیٔ اسلوب کے لحاظ سے یہ اس درجہ کی کتاب ہے کہ عہد عتیق کا کوئی صحیفہ امثال وزبور مستثنیٰ کر دینے کے بعد' اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا-

عربی علم ادب کی قدامت:

ثالثاً' معلوم ہو گیا کہ عربی علم ادب کی تاریخ اس عہد سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہے جو عہد عام طور پر سمجھ لیا گیا تھا- کیونکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے سفر ایوب جیسی نظم عربی میں لکھی جا سکتی تھی تو یقیناً عبرانی علم وادب کے نشوونما سے صد ہا سال پہلے عربی علم ادب پوری طرح ترقی یافتہ ہو چکا تھا- بلاشبہ سفر ایوب کی عربی وہ عربی نہ ہوگی جو نزول قرآن کے وقت بولی جاتی تھی- یقیناً عربی کی کوئی ابتدائی شکل ہو گی جس کی اخوات ہمیں آرامی' کلدانی اور آشوری کتبات کے الفاظ واسماء میں نظر آ رہی ہیں- اور قدیم مصری بھی اس کی جھلک سے خالی نہیں -تاہم وہ عربی زبان ہی ہوگی اور اسی عربی نے موجودہ عربی کے تمام عناصر ومواد بہم پہنچائے ہوں گے۔

اصل یہ ہے کہ عہد جاہلیت کی عربی اگر چہ صحرائیوں کی عربی تھی لیکن زبان کی نوعیت بول رہی ہے کہ یہ صحرائی قبائل کی پروردہ نہیں ہو سکتی- اتنی وسیع' اتنی ہمہ گیر' اتنی دقیقہ سنج' اس درجہ متمول زبان ضروری ہے کہ صدیوں کی متوارث اور مسلسل ادبی زندگی سے ظہور پذیر ہوئی ہو- جو زبان قرآن کے معانی ودقائق کی متحمل ہوگئی کیونکر ممکن ہے کہ اسے غیر متمدن قبائل کی ایک بدوی زبان تسلیم کر لیا جائے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے جس عربی میں امرء القیس نے اشعار کہے ہیں اس عربی کی لغوی تاریخ اس سے بہت زیادہ قدیم اور بہت زیادہ متمدن ہونی چاہیے جتنی اس وقت تک سمجھی گئی ہے-

جدید اثری انکشافات اور عربی کی قدامت:

گزشتہ صدی تک عربی کی لغوی تاریخ کا یہ مسئلہ ایک لاینحل مسئلہ سمجھا جاتا تھا- حتی کہ بعض محققین نے مجبور ہو کر یہ رائے قائم کر لی تھی کہ زبانوں کی تخلیق اور نشوونما کا اسے ایک فوری تحول تسلیم کر لینا چاہیے لیکن اب اثری تحقیقات کے آخر میں مواد نے بحث وتعلیل کا ایک نیا میدان پیدا کر دیا ہے اور عربی نسل اور عربی زبان کی تاریخ بالکل ایک نئی شکل میں نمودار ہو رہی ہے- یہ زبان جس پر زندگی وخلود کی آخری مہر قرآن نے لگائی، دراصل مدنی نشوونما کے اتنے مرحلوں سے گزر چکی ہے کہ دنیا کی کوئی زبان بھی اس وصف میں اس کی شریک نہیں۔ سمیری اور اکادی اقوام کا تمدن، نینوا اور بابل کی علمی کامرانیاں' قدیم مصری لغات کا عمرانی سرمایہ' آرامی زبان کا عروج واحاطہ' کلدانی اور سریانی کا ادبی تمول، دراصل ایک ہی زبان کی لغوی تشکیل وتکمیل کے مختلف مرحلے تھے اور اسی نے آگے چل کر چوتھی صدی قبل مسیح کی عربی کا بھیس اختیار کیا- جو زبان حضارۃ وتمدن کی اتنی بھٹیوں میں سے پک کر نکلی ہو، ظاہر ہے کہ اس کے اسماء ومصادر کسی مفلس اور خام زبان کے اسماء ومصادر نہیں ہو سکتے۔

تابوت احیرام کا انکشاف اور عربی کتبہ:

آج ہم تعجب کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ ظہور مسیح سے آٹھ نو سو برس پہلے آشوری اور بابلی زبان میں طبق' ملک' شمس' سماء' فلک' نجم' ارض وغیرہ الفاظ ٹھیک ٹھیک انہی معنوں میں مستعمل تھے جن معنوں میں آج مستعمل ہیں! اتنا ہی نہیں بلکہ ۱۹۲۳ء کے ایک جدید انکشاف نے تو ہمیں تیرہ سو برس قبل مسیح تک پیچھے ہٹا دیا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان کے ابتدائی مواد نے ایک کتابی اور ادبی زبان کی حیثیت حاصل کر لی ہے اور اس میں نہ صرف موجودہ اسماء ومصادر ہی پائے جاتے ہیں بلکہ بعض حروف نحویہ[1] تک موجود ہیں- مثلاً حرف عطف وہی ''وْ'' ہے اور اپنی ابتدائی فینیقی شکل y میں لکھا جا رہا ہے- الف لام بدستور حرف تعریف ہے اور ہر اسم کے پہلے اپنی نمود رکھتا ہے- مثلاً الملک' الجبل۔

---

[1] حروف نحویہ یعنی مصطلحہ نحو، ورنہ حروف ابجد تو سب کے سب موجود ہیں-

''ذی'' (بمعنی ذو- ذوالجلال وذوالقرنین) ہر جگہ نمودار ہے- اسم اشارہ وہی ''ھُوَ'' ہے- ''علی'' اسی معنی میں مستعمل ہے جس میں اب مستعمل ہوتا ہے- نیز ملک، [1] فعل، طمع، فتح، ٹھیک انہی معنوں میں بولے گئے ہیں جو بعد کو لغت قریش میں بولے گئے!

عربی کا یہ کتبہ ایک تابوت پر منقش ہے- اس میں ''احیرام'' ملک ببلس کی نعش رکھی گئی تھی اور اس کے بیٹے ''ٹو بعل'' کے حکم سے تیار ہوا تھا- ''احیرام'' کا نام تورات میں بھی آیا ہے اور تاریخی حیثیت سے اس کا زمانہ بالاتفاق ۱۲۵۰ قبل مسیح ہے- کتبہ کا خط وہی ابتدائی عربی خط ہے جسے عام طور پر فینیقی خط کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جس نے آگے چل کر آرامی، سریانی اور نبطی خطوط کی شکلیں اختیار کی ہیں- [2]

اس انکشاف نے تاریخ کے متعدد گوشوں کے لیے بحث ونظر کے نئے نئے چراغ روشن کر دیے- ازاں جملہ یہ کہ معلوم ہو گیا، تورات کے نزول اور کتب خانہ بابل کی الواح سے بھی پہلے عربی زبان کے مواد ومصادر نے ایک مکتوب ومرسوم زبان کی نوعیت اختیار کر لی تھی یعنی اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ اس میں اعلانات وفرامین لکھے جاتے تھے- محض بول چال ہی کی زبان نہ تھی- نیز یہ کہ اگر ۱۲۵۰ قبل مسیح عربی زبانی کی ایک ابتدائی شکل کا یہ حال تھا تو یہ بات کیوں عجیب سمجھی جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرت ایوب علیہ السلام نے عربی میں کوئی منظوم صحیفہ لکھا تھا اور شریعت حمورابی بھی اصلاً عربی کی کتابت ہے-

قرآن کا عربی میں نزول:

علاوہ بریں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کا عربی میں نازل ہونا اور جابجا اس پر زور دینا کہ ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ﴾ (۱۲:۲) ''ہم نے قرآن کسی اور زبان میں نازل نہیں کیا، عربی میں نازل کیا'' صرف اتنے ہی معنی نہیں رکھتا جس قدر اس وقت تک سمجھے گئے ہیں بلکہ ایک بہت زیادہ وسیع اور گہری حقیقت اس میں مضمر ہے، تفصیل اس مقام کی مقدمہ میں ملے گی۔

دنیا کی قدیم ترین نظم سفر ایوب ہے:

رابعاً اگر سفر ایوب کی یہ نوعیت تسلیم کر لی جائے تو ماننا پڑے گا کہ شعروادب کا سب سے قدیم نمونہ یہی ہے جو اس وقت تک ہماری معلومات میں آیا ہے- اور اگر قدامت کے اعتبار سے دنیا کی کوئی کتاب منظوم اس سے معارضہ کر سکتی ہے، تو وہ صرف ہندوستان کا رگ وید

---

[1] ملک بمعنی پادشاہ نے تو ایسی لفظی صولت وتاثیر حاصل کر لی تھی کہ ایران کی آرین زبان بھی اسے برتنے پر مجبور ہو گئی- چنانچہ دارائے اعظم اپنے کتبوں میں اپنے کو ''شہنشاہ'' کہنے کی جگہ ''ملک ملکان'' کہتا ہے- (دیکھو کتبہ استخر و بے ستون) بعد کو اردشیر بابکاں نے ''شاہِ شاہان'' کا لقب اختیار کیا- جسے عربوں نے ''ساسان'' بنا دیا، تاہم ''ملک ملکان'' کا لقب بھی شاپور ساسانی کے کتبوں میں بار بار آتا ہے- جیسا کہ حاجی آباد کے کتبوں سے ظاہر ہے-

علاوہ بریں ساسانی عہد میں عربی اسماء والفاظ کے غلبہ ورسوخ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ خود اوستا کی زبان عربی آمیز ہو گئی- ساسانی اوستا کے جو اجزاء ہندوستان کے پارسیوں سے ملے ہیں ان میں جابجا عربی الفاظ واصوات پائے جاتے ہیں- ایک مدت تک یہ آمیزش محل تعجب رہی- حتیٰ کہ سر ولیم جونس نے ان اجزاء کی اصلیت ہی سے انکار کر دیا- مگر اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جس طرح بعد از اسلام کی فارسی جدید عربی سے مخلوط ہوئی ہے، اسی طرح قبل از اسلام کی قدیم فارسی قدیم عربی الفاظ سے مخلوط ہو گئی تھی- پوری شرح اس مسئلہ کی مقدمہ میں ملے گی-)

[2] یہ جنگ کے بعد نہایت اہم انکشافات میں سے ہے- اس وقت تک حروف ابجدی (یعنی غیر تصویری وغیر مسماری) کی منضبط کتابت کا سب سے قدیمی نمونہ ''حجر سینا'' سمجھا جاتا تھا- یعنی وہ پتھر جو ۱۸۳۴ء میں جزیرہ نمائے سینا میں ملا اور جس پر ''میشا'' شاہ موآب نے ۹۰۰ قبل مسیح میں اپنی ایک فتح کا حال کندہ کرایا ہے- یہ فتح اسے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حاصل ہوئی تھی- لیکن اب اس تابوت کے انکشاف نے اس سے ساڑھے تین سو برس پیشتر کی کتابت مہیا کر دی، اور اس طرح معاملہ ۹۰۰ ق م کی جگہ ۱۲۵۰ ق م تک پہنچ گیا- گویا دست انسانی کی علمی کتابت کا سب سے زیادہ قدیمی نمونہ جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے وہ ۱۲۵۰ ق م کا ہے، اور عربی زبان اور عربی کے فینیقی رسم الخط میں ہے-

ہے بشرطیکہ اسفار ہند کی قدامت کا وہ مذہب تسلیم کر لیا جائے جو رگ وید کو ۱۵۰۰ قبل مسیح یا اس سے بھی پیچھے لے جانا چاہتا ہے۔[1]

اس وقت تک غیر غنائی شاعری کا سب سے زیادہ قدیم نمونہ ہومر کی الیڈ تسلیم کی گئی ہے۔ لیکن اگر ہومر کا عہد وہی قرار دیا جائے جو ہیروڈٹس کے بیان سے متبادر ہوتا ہے' تو زیادہ سے زیادہ ۹۰۰ قبل مسیح ہے لیکن سفر ایوب کا زمانہ اس سے بھی پہلے کا زمانہ ہونا چاہیے۔ پس قدیم ترنظم ہومر کی نہ ہوئی، سفر ایوب کی ہوئی۔

ہندوستان کی دو رزمیہ نظمیں مہابھارت اور رامائن بھی قدیم نظمیں ہیں لیکن ان کا زمانہ تصنیف بھی محققین عصر کے نزدیک چوتھی صدی قبل مسیح سے زیادہ پیچھے نہیں جا سکتا، اور زمانہ تدوین بہ شکل کتاب تو اکثروں کے نزدیک زیادہ سے زیادہ سنہ مسیحی کے ابتدائی قرون ہیں۔[2]

یونس علیہ السلام:

(۲۳) آیت (۸۷) میں ''ذوالنون'' سے مقصود بالاتفاق حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ عہد عتیق میں ان کا عبرانی نام ''یوناہ'' آیا ہے اور ان کے نام سے ایک صحیفہ بھی موجود ہے۔ یہاں انہیں ''ذوالنون'' کے نام سے پکارا گیا کیونکہ ان پر مچھلی کا حادثہ گزرا تھا اور قدیم عربی میں ''نون'' مچھلی کو کہتے تھے۔ چنانچہ آرامی' کلدانی اور مصری میں بھی مچھلی کا یہی نام بولا گیا ہے۔

اس صحیفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یروشلم میں تھے کہ وحی الٰہی نے انہیں مخاطب کیا اور حکم دیا' باشندگان نینوا کو نزول عذاب کی خبر پہنچا دیں۔ نینوا اس زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ عظیم الشان آبادی تھی۔ مہم کی گرانباری اور اپنی بے سروسامانی دیکھ کر بہ مقتضائے بشریت طبیعت ہراساں ہوئی۔ بہرحال یافہ سے ایک جہاز پر سوار ہو گئے جو ترسیس جا رہا تھا۔ اثنائے راہ میں طوفان نے گھیر لیا۔ قدیم زمانے میں جہاز رانوں کا اعتقاد تھا اگر طوفان عرصہ تک نہ تھمے تو یہ اس کا ثبوت ہوتا ہے کہ کوئی گنہگار آدمی جہاز میں سوار ہے۔ جب تک وہ موجود رہے گا اس کی نحوست سے طوفان بھی جاری رہے گا۔ چنانچہ یہی خیال اس جہاز کے مسافروں کو بھی ہوا۔ وہ قرعہ ڈالنے لگے کہ کون مجرم ہے اور کسے سمندر کے حوالے کریں۔ جب حضرت یونس علیہ السلام نے سنا تو کہا۔ ایسا ہی کرنا ہے تو مجھے سمندر میں پھینک دو۔ مجھ سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے! صحیفہ میں ہے کہ قرعہ کا فیصلہ بھی یہی ہوا تھا۔

جب طوفان نہیں تھما تو لوگوں نے انہیں سمندر میں ڈال دیا۔ سمندر میں ایک بہت بڑی مچھلی تھی۔ وہ نگل گئی۔ یہ تین دن تک اس کے اندر رہے۔ پھر وہ ساحل کی طرف گئی' اور خشکی پر انہیں اگل دیا۔ اس طرح قدرت الٰہی نے موت کے منہ میں ڈال کر پھر اس سے زندہ و سلامت نکال لیا۔

---

[1] ویدوں کے عہد تصنیف و تدوین کی نسبت میکس مولر کا مسلک اس وقت تک ماہرین موضوع میں مقبول چلا آتا ہے، اور علمی حیثیت سے اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ میکس مولر نے ویدوں کی تصنیف کا زمانہ چار عہدوں پر منقسم کر دیا ہے۔ سوتر کا زمانہ ۶۰۰ سے ۲۰۰ ق م تک۔ برہمن' ۸۰۰ سے ۶۰۰ ق م تک۔ منتر اور رگ وید کا آخری باب' ۱۰۰۰ سے ۸۰۰ ق م تک۔ چھند' ۱۲۰۰ سے ۱۰۰۰ ق م تک۔ رگ وید کی سب سے قدیم نظمیں ۱۲۰۰ ق م سے زیادہ پیچھے نہیں جاتیں۔ حال میں مسٹر اے۔ بی۔ کیتھ Keith پروفیسر سنسکرت ایڈنبرا یونیورسٹی نے اس موضوع پر جو مقالہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے لیے لکھا ہے' اس میں بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ وہ تمام بحث کا خاتمہ اس نتیجہ پر کرتے ہیں کہ ''رگ وید کے قدیم ترین ترانے' مثلاً ''اُشا'' ممکن ہے' ۱۲۰۰ ق م تک پیچھے لے جائے جا سکیں۔ لیکن اس سے زیادہ اسے پیچھے لے جانا موجودہ معلومات کی روشنی میں ممکن نہیں'' (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ جلد اول صفحہ ۱۱۳)

[2] دیکھو پروفیسر ای واشبرن ہاپکنس Washburn Hopkins کا مقالہ ''رزمیہ نظموں کا عہد'' مندرجہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول صفحہ ۲۵۸۔

یوناہ نبی کے صحیفہ میں ہے کہ ''اس نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے دعا مانگی تھی اور اس نے اس کی پکار سن لی-وہ پاتال کے بطن میں سے چلایا اور اس کی آواز سنی گئی'' (۱:۲)

قرآن نے یہاں غالبًا اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے-'' **اذ ذهب مغاضبا**'' **ای مغاضبا من اجل ربه- كما يقولون** ''**غضبت لك ای من اجلك**-یعنی اللہ کی خاطر خشم ناک ہو کر روانہ ہوا-﴿ **فظن ان لن نقدر عليه** ﴾ **ای لن نضيق عليه**- اس نے گمان کیا کہ ہم اسے تنگی میں نہیں ڈالیں گے-حالانکہ اسے ایک آزمایش پیش آنے والی تھی-

یاد رہے اس جملہ کا مطلب وہ نہیں ہے جو تفسیر کی روایات میں سعید بن جبیر اور حسن رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ **ان الله لا يقدر على معاقبته**-یعنی یونس (علیہ السلام) نے خیال کیا، خدا اس پر قابو نہیں پا سکتا-کیونکہ ایسا اعتقاد تو صریح کفر ہے اور ممکن نہیں ایک لحہ کے لیے کسی نبی کے قلب میں گزر سکے-یقینًا یہ ان ائمہ تفسیر کا قول نہیں ہو سکتا-بعد کے راویوں کی کج فہمی ہے-

اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے-اسی طرح ایک دوسری تفسیر بھی ہو سکتی ہے اور شاید پہلی سے زیادہ موزوں-

تورات کے اسی صحیفہ میں ہے کہ اس حادثہ کے بعد پھر انہیں نینوا کے لیے حکم ہوا-وہ نینوا گئے اور اعلان کیا ''چالیس دن کے بعد یہ شہر برباد ہو جائے گا''، لیکن یہ بات سن کر باشندگان نینوا نے سرکشی نہیں کی بلکہ بادشاہ سے لے کر ادنیٰ باشندے تک سب کانپ اٹھے-

''سب نے خدا کی ہستی پر اعتقاد کیا-بادشاہ نے شاہی لباس اتار کر ٹاٹ کا پیرہن پہن لیا اور تمام باشندوں کے نام فرمان جاری کیا کہ ہر کوئی اپنی بری راہ سے اور ظلم و شرارت کی بات سے باز آ جائے-روزہ رکھے-خدا کے حضور زار نالی کرے-توبہ و انابت کا سر جھکائے'' (۵:۳)

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب ٹل گیا-چالیس دن گزر گئے مگر کوئی ہلاکت ظہور میں نہیں آئی-یہ بات حضرت یونس علیہ السلام پر گراں گزری-وہ مضطرب ہوئے کہ اعلان حق میں تخلف کیوں ہوا؟

وہ شہر کے باہر ایک چھپر بنا کے مقیم ہو گئے تھے-رینڈی کے ایک درخت کی شاخیں چھپر پر پھیل گئی تھیں-قضارا اس درخت کی جڑ میں کیڑا لگ گیا-ایک دن صبح اٹھے تو کیا دیکھتے ہیں اس کی شاخیں بالکل سوکھ گئی ہیں اور سایہ کی جگہ دھوپ ہے-یہ حال دیکھ کر نہایت رنجیدہ ہوئے-''تب خداوند نے کہا: تو اس رینڈی کے درخت کے سوکھ جانے پر اتنا رنجیدہ ہو رہا ہے حالانکہ اس کے بونے اور اگانے میں تو نے کچھ بھی محنت نہیں کی تھی-پھر غور کر میرے لیے ضروری نہیں کہ اس عظیم الشان نینوا پر رحم و شفقت کروں؟ اس نینوا پر جس میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی اور بے شمار مویشی بستے ہیں؟ جنہیں میں نے پیدا کیا اور پروان چڑھایا؟'' (۵:۴)

یعنی عذاب والی بات اپنی جگہ صحیح تھی، وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتی تھی-لیکن عذاب کا ظہور لوگوں کے انکار و بدعملی ہی کا نتیجہ تھا-جب وہ اس سے باز آ گئے تو عذاب بھی ٹل گیا، اور یہاں اصل کارفرمائی ہر حال میں عفو و بخشش کی ہے-سرزنش و عقوبت کی نہیں ہے-جب یہ حقیقت ان پر کھل گئی تو ان کا سارا رنج و غم دور ہو گیا-

پس ہو سکتا ہے کہ آیت میں ان کی خشم ناکی سے مقصود وہ حالت ہو جو باشندگان نینوا کا حال دیکھ کر ان پر طاری ہوئی تھی اور ''ظلمات'' سے مقصود رنج و غم کی تاریکیاں ہوں-اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے درد و غم کی حالت میں اللہ کو پکارا اور اللہ نے حقیقت حال منکشف کر کے ان کے دل مضطر کو تسکین دے دی-

تفسیر آیت ۹۲:

(۲۴) آیت (۹۲) اس تمام تذکرہ کا خلاصہ ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کا اوپر گزر چکا ہے۔ یعنی اللہ کے یہ تمام رسول جو مختلف عہدوں اور قوموں میں ظاہر ہوئے ان سب کی دعوت کا ماحصل کیا تھا؟ انہوں نے نسل انسانی کے مختلف عہدوں اور گروہوں کو کس بات کا پیام پہنچایا؟ وہ بات ایک ہی تھی یا ایک سے زیادہ؟ یہ آیت اپنے سنے تلے لفظوں میں جواب دیتی ہے کہ ان سب کا پیام ایک ہی تھا اور وہ یہی تھا کہ ﴿ ان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاعبدون ﴾ تم سب ایک ہی امت ہو تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے پس الگ الگ نہ ہو، اسی کی بندگی کرو۔ ﴿ وتقطعوا امرهم بينهم ﴾ لیکن قوموں نے یہ تعلیم بھلا دی اور اپنے دین کا معاملہ آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا یعنی ایک ہی دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سے دین بنا لیے اور ہر گروہ دوسرے گروہ سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ وحدت کی جگہ تفرقہ اور اجتماع کی جگہ اشتات ان کا شعار رہا۔ ﴿ كل الينا راجعون ﴾ مگر بالآخر سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے۔ اس وقت حقیقت حال آشکارا ہو جائے گی۔ ہر گروہ دیکھ لے گا کہ اس کی حقیقت فراموشیوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا؟

مبادی ثلاثہ توحید:

سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت ایک چھوٹی سی آیت کے اندر اس معاملہ کے سارے دفتر کس طرح سمیٹ دیے ہیں؟ اور پھر صرف امر و خبر ہی نہیں ہے بلکہ ترتیب بیان نے خود بخود استدلال کی روشنی بھی پیدا کر دی ہے:

(ا) ﴿ ان هذه امتكم امة واحدة ﴾ تم نے کتنے ہی تفرقے پیدا کر رکھے ہوں مگر تمہاری امت اصلاً ایک ہی امت ہے۔

(ب) ﴿ وانا ربكم ﴾ اور میں ہی تم سب کا تنہا پروردگار ہوں۔ میرے سوا کوئی نہیں۔

(ج) ﴿ فاعبدون ﴾ جب تمام نوع انسانی ایک ہی امت ہوئی اور سب کا پروردگار بھی ایک ہی ہوا تو پھر سب کے لیے بندگی و نیاز کی چوکھٹ بھی ایک ہی کیوں نہ ہو؟ ایک سے دو کیوں ہو؟ پس اسی ایک کی بندگی کرو، کیونکہ تم سب ایک ہی ہو اور ایک ہی کے لیے ہو۔ یہاں ایک سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں ہے! غور کرو "فاعبدون" کی "ف" یہاں کس طرح بول رہی ہے؟ کس طرح اس نے استدلال کا پہلو پکار دیا ہے؟

توحید امت، توحید ربوبیت، توحید عبادت:

ایک آیت کے اندر تینوں توحیدوں کا بیان جمع ہو گیا: توحید امت۔ توحید ربوبیت۔ توحید دین و عبادت۔ اور یہی تین توحیدیں دعوت قرآنی کا اصل الاصول ہیں۔ وہ ہر جگہ انہی کی صدا بلند کرتا ہے اور انہی پر اپنی تعلیم و تذکیر کی ساری بنیادیں استوار کرتا ہے۔

توحید امت سے مقصود یہ ہے کہ افراد انسانی کی کثرت و انتشار کے پردے میں اس کی وحدت چھپی ہوئی ہے۔ اسے نہ بھولو۔ تمہاری نسل، تمہارا وطن، تمہاری بولیاں کتنی ہی الگ الگ ہو گئی ہوں مگر تم سب ایک ہی نسل انسانی کا گھرانا ہو اور تمہارا گروہ اصل میں ایک ہی گروہ ہے۔

توحید ربوبیت سے مقصود یہ ہے کہ تم نے کتنے ہی مختلف نام رکھ لیے ہوں، کتنی ہی مختلف عبادت گاہیں بنا رکھی ہوں، کتنے ہی مختلف تصور گھڑ لیے ہوں، مگر تمہارے پیدا کیے ہوئے اختلاف سے حقیقت مختلف نہیں ہو جا سکتی۔ جس طرح تم سب کا گروہ ایک ہی ہے اس طرح تمہارا پروردگار بھی ایک ہی ہے۔ اس ایک کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

توحید عبادت سے مقصود یہ ہے کہ جب گروہ ایک ہی گروہ ہے اور پروردگار ایک ہی پروردگار ہے تو دین بھی ایک ہی ہونا چاہیے- وہ ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتا- پس سچائی کی راہ یہ ہوئی کہ اسی ایک کی بندگی کرو اور اس راہ میں مختلف اور متفرق نہ ہو جاؤ!

شرط نجات صرف ایمان و عمل ہے:

پھر ایک آیت کے اندر صاف صاف واضح کر دیا کہ نجات و سعادت کا قانون کیا ہے؟ یعنی قوموں کے اس تقطع اور گروہوں کے اس تفرق کے بعد بھی قانون نجات و سعادت کیا ہے؟ فرمایا وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی یہی ہے کہ ﴿ **فمن یعمل من الصالحات و ھو مومن فلا کفران لسعیه** ﴾ نجات کی شرط صرف دو باتیں ہیں- ایمان اور عمل صالح- جس انسان نے نیک عمل کیے اور اس کے اندر ایمان بھی ہوا تو اس کی سعی کبھی رائگاں جانے والی نہیں- ضروری ہے کہ مقبول ہو- **فمن** کے زور پر غور کرو- یہودی کہتے تھے "**کونوا ھودًا**" نصاریٰ کہتے تھے "**کونوا نصارٰی**" قرآن کہتا ہے نہیں "**فمن یعمل من الصالحات و ھو مومن**" کوئی ہو لیکن اگر وہ مومن ہوا اور اس نے نیک عملی کی راہ اختیار کی تو اس کا ایمان و عمل کبھی ضائع نہیں ہوسکتا- وہ اپنا اجر ضرور پائے گا- ﴿ **و انا له کاتبون** ﴾ یہ ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون ہے- ہم اس کا ایمان و عمل لکھ دینے والے ہیں- پھر کون ہے جو اسے رائگاں ٹھہرا سکتا ہے؟ دنیا کا ہر انسان ٹھہرا دے لیکن ہمارے دفتر میں وہ ثبت ہو جائے گا-

کتنا اہم مقام ہے مگر تفسیریں اٹھا کر دیکھو، کس طرح اس کی ساری اہمیت بے محل بحثوں میں ضائع کر دی گئی ہے- اہمیت کی وضاحت کے لیے یہ سطریں بھی کافی نہیں ہیں لیکن اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں-

فتح یاجوج و ماجوج:

(۴۵) سورۂ کہف کے آخر میں یاجوج و ماجوج کی تحقیق گزر چکی ہے- اس سورت کی آیت (۹۶) میں جس خروج کی خبر دی گئی ہے یہ ان کا آخری خروج تھا- یعنی منگولی تاتاریوں کا وہ خروج جو چھٹی صدی ہجری میں منگولیا کی بلندیوں سے امنڈا اور پھر آناً فاناً تمام مشرق و مغرب پر چھا گیا- مشرق میں چین کی تمام مملکت اس نے مسخر کر لی- مغرب میں بحر اسود کے شمالی ساحل سے گزرتا ہوا ڈینیوب کی وادیوں تک پھیل گیا پھر ہنگری و روس پر قابض ہو کر جرمنی کی سرحد تک پہنچ گیا- پھر اسلامی ممالک کی طرف متوجہ ہوا اور چھ صدیوں کے اندر اسلامی تمدن نے جو کچھ تعمیر کیا تھا، جیحون سے لے کر دجلہ تک چشم زدن میں پامال کر دیا- ﴿ **و کان وعدا مفعولا** ﴾

تعبیر بیان کے بعض دقائق:

غور کرو- یہاں صرف چند لفظوں کے اندر اس معاملہ کی خصوصیات کس طرح واضح کر دی ہیں؟ یاجوج و ماجوج کے اس ظہور کو "خروج" یا اسی طرح کے کسی دوسرے لفظ سے تعبیر نہیں کیا- بلکہ "فتح" کا لفظ استعمال کیا- "**حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج**" عربی میں جب "فتح" کا لفظ اشیا کے لیے کہا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف کھلنے کے ہوتے ہیں- مثلاً "فتح الباب" لیکن جب حیوانات کے لیے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف کھلنے ہی کے نہیں ہوتے بلکہ کھل کر اچانک نکل پڑنے کے ہوتے ہیں- مثلاً ٹڈیوں کا دل کسی گوشہ سے نکل پڑتا ہے تو کہتے ہیں " **فتحت الجراد** "- پس مطلب یہ ہوا کہ یاجوج ماجوج کسی گوشہ میں الگ تھلگ پڑے ہیں- ایک وقت آئے گا کہ اچانک نکل پڑیں گے اور اس طرح نکل پڑیں گے- جیسے مدتوں سے پانی بند پڑا ہو- بند ٹوٹ جائے اور ہر طرف سیلاب امنڈ آئے-

اب دیکھو کس طرح اس ایک لفظ نے معاملہ کی پوری تاریخی نوعیت آشکارا کر دی ہے؟

فتنہ تاتار:

سورۂ کہف کی تشریحات میں پڑھ چکے ہو کہ ظہور اسلام سے پہلے منگولیا کا آخری قبائلی سیلاب وہ تھا جو چوتھی صدی مسیحی میں مغرب و شمال کی طرف پھیلنا شروع ہوا اور پھر یورپ کے مختلف قطعات میں منقسم ہو کر ختم ہو گیا- اس کے بعد قبائل کے نئے سیلابوں کا خروج رک گیا تھا- البتہ جو قبائل وسط ایشیا اور سواحل یورال و خزر کے مختلف حصوں میں متوطن ہو گئے تھے ان کی نسل وہاں نشو و نما پاتی رہی- اسلامی فتوحات نے جب ان اطراف کا رخ کیا تو انہی قبائل کو وہاں آباد پایا- یہ بتدریج مسلمان ہوتے گئے- چنانچہ ترک' کرغز' خزر/قجر' تاجیک' چرکس' کرد' اوزبک' سلجوق وغیرہ سے مقصود یہی قبائل ہیں- یہ سب اگرچہ منگولیا کی پچھلی ہجرتوں کا بقایا تھے لیکن اب ان کا کوئی تعلق اپنے وطن قدیم سے نہیں رہا تھا- بلکہ ایک دوسرے کو اجنبیوں اور دشمنوں کی نظر سے دیکھتے تھے-

اس عرصہ میں منگولیا کا گوشہ بدستور صحرا نشین قبائل کے نئے گروہ پیدا کرتا رہا- اب یہ دنیا سے الگ تھلگ تھے- اطراف کے سرحدی قطعات پر لوٹ مار کے لیے نکل جاتے مگر اس سے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرتے- بعض گروہ جنوب میں پنجاب تک اور مغرب میں بلخ و ماوراء النہر تک بھی پہنچ گئے، اور ایک قبیلہ کی ترکتازیاں تو بنارس تک پہنچ گئی تھیں- لیکن جیسے قبائلی سیلاب پہلے اٹھ چکے تھے ویسا کوئی سیلاب اب نہ اٹھ سکا- تمام قبائلی مواد منگولیا ہی میں سمٹا اور بندھا رہا-

لیکن چھٹی صدی ہجری میں ایک طرف تو ان کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی، دوسری طرف ایک غیر معمولی عزم و استعداد کا قائد بھی پیدا ہو گیا- یہ مشہور منگولی قائد چنگیز خاں تھا- اس نے تمام منتشر قبائل کو ایک رشتہ اطاعت میں منظم کر دیا اور اس طرح ایک عظیم الشان عسکری قوت پیدا ہو گئی- اب یہ قتل و غارت کا ایک ایسا منظم سیلاب تھا جسے دنیا کی کوئی انسانی قوت روک نہیں سکتی تھی- چنگیز خاں کے بیٹے اوکتائی خاں کے عہد میں اس سیلاب کا بند ٹوٹا اور پھر اچانک اس طرح ہر طرف پھیل گیا، گویا دنیا اپنی بربادی کے لیے صرف اسی بند کے ٹوٹنے کی منتظر تھی!

اس کے بعد فرمایا- ﴿ من كل حدب ينسلون ﴾ "حدب" کے معنی کسی چیز کا اٹھا ہوا اور ابھرا ہوا ہونا ہے- چنانچہ زمین کے مرتفع حصوں کو "حدبة الارض" کہتے ہیں- ای کل اکمة من الارض مرتفعه- "نسل" کے معنی تیزی کے ساتھ دوڑنے کے ہیں- بھیڑیے کے لپکنے کو "نسلان الذئب" کہیں گے- پس مطلب یہ ہوا کہ وہ زمین کے تمام مرتفع حصوں سے دوڑتے ہوئے آگریں گے-

غور کرو، تاتاریوں کے حملے کی یہ کیسی مکمل تصویر ہے؟ تمام مورخ متفق ہیں کہ ان کے خروج کی سب سے بڑی خصوصیت یہی تھی- ان کا ظہور منگولیا میں ہوا جو کرۂ ارضی کی سطح مرتفع ہے- مشرق کی طرف بڑھے تو یہ بھی بلندی سے اترنا تھا- مغرب کی طرف چلے تو یہ بھی بلندی سے اترنا تھا- پھر شمال میں روس تک پہنچ گئے، اور جنوب میں تمام مغربی ایشیا کے میدانوں پر چھا گئے- یہ بھی بلندیوں سے گرنا ہی تھا- کیونکہ وسط ایشیا کی بلندیوں پر نمودار ہوئے اور پھر شمال و جنوب کے زیریں میدانوں پر ٹوٹ پڑے- پھر ان کے ظہور کے لیے "ینسلون" کا لفظ کس درجہ موزوں واقع ہوا ہے؟ ان کی شب و روز کی زندگی منگولیا کے بادرفتار گھوڑوں کی پیٹھ پر بسر ہوتی تھی اور سو سو میل تک بغیر دم لیے چلے جاتے تھے- جب ان کے جتھے اسلامی ملکوں پر گرے تو ان کی برق رفتاری کا یہ حال تھا کہ ایک شہر کی تباہی کی خبر دوسرے شہر تک پہنچنے نہیں پاتی تھی کہ وہ خود اس کے دروازے پر نمودار ہو جاتے تھے!

علمائے عہد کی تصریحات:

یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے اکثر اصحاب نظر ان کی حالت دیکھتے ہی بے اختیار پکار اٹھے کہ یاجوج و ماجوج کا موعود خروج یہی ہے- امام

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں متعدد علماء کا یہ تاثر نقل کیا ہے اور حافظ علم الدین برزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ دمشق میں اور مقریزی رحمۃ اللہ علیہ نے درر المضیۃ میں تصریح کی ہے کہ اس عہد میں ''ایک کثیر جماعت'' اہل علم کی اس فتنہ کو فتح یاجوج و ماجوج قرار دیتی تھی- نیز حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ فضائل بنی عباس میں مقریزی کے ایک رسالہ 'ما ورد فی بنی امیہ وبنی العباس من الروایات و الاقوال'' کا حوالہ دیا ہے اور اس سے یہی قول نقل کیا ہے- شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے جد مجد الدین ابن تیمیہ صاحب منتقیٰ کہا کرتے تھے- اگر یہ خود یاجوج و ماجوج نہیں ہیں تو ظاہر ہونے والے یاجوج و ماجوج ایسے ہی ہوں گے- صاحب تاریخ گزیدہ نے بھی دبے لفظوں میں اس طرف اشارہ کیا ہے-

''فتح'' سے مقصود کسر سد نہیں ہے:

ہمارے مفسروں نے چونکہ سد ذوالقرنین کی تعمیر کا مطلب یہ سمجھ رکھا تھا کہ جس طرح قیدیوں کو دیوار چن کر بند کر دیتے ہیں اسی طرح ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کو بند کر دیا ہے اس لیے یہاں ''فتحت'' کا لفظ دیکھ کر جھٹ انہوں نے یہ مطلب ٹھہرا دیا کہ جب دیوار کھل جائے گی اور یاجوج ماجوج آزاد ہو کر نکل پڑیں گے- حالانکہ نہ تو سد سے مقصود قید خانہ کی دیواریں ہیں، اور نہ یاجوج ماجوج سے مقصود بھیڑوں کا کوئی گلہ ہے جسے باڑ کھینچ کر بند کر دیا گیا ہو- دنیا میں اس طرح کوئی کسی قوم کو دیواروں میں چن نہیں دے سکتا- ذوالقرنین کے زمانہ میں یاجوج ماجوج کا حملہ ایک خاص راہ سے ہوتا تھا- دوسری راہیں ان پر نہیں کھلی تھیں اس لیے اس نے سد تعمیر کر کے اسے بند کر دیا اور صدیوں تک کے لیے ملک محفوظ ہو گیا- اسی طرح چینیوں نے بارہ سو میل لمبی دیوار تعمیر کر کے شمال اور مغرب کی ساری سرحد بند کر دی- لیکن اب یہ دونوں رکاوٹیں بیکار ہو گئی تھیں کیونکہ چین کے لیے جنوب کی راہ اور مغربی ایشیا کے لیے خراسان کی راہ کھل گئی تھی- **والقصہ بطولہا-**

فتح یاجوج اور تاریخ اسلام:

اس واقعہ نے تاریخ اسلام کو دو بڑی قسموں میں منقسم کر دیا ہے- قبل از فتنہ تاتار اور بعد از فتنہ تاتار- پہلے عہد کی تمام دینی، تمدنی، ذہنی اور عملی خصوصیات دوسرے عہد میں یک قلم معدوم ہو گئیں- پہلا عہد صرف عروج ہی کا عہد نہ تھا بلکہ تنزل کا بھی تھا- تاہم مسلمانوں کے فکر و عمل کی جو معنوی روح اوائل میں پیدا ہو گئی تھی وہ کسی نہ کسی شکل میں کم و بیش قائم تھی- لیکن اس فتنہ نے پچھلا دور بالکل ختم کر دیا اور عالم اسلامی کی خون آلود سرزمین سے جو نیا دور بنا، وہ ہر اعتبار سے ایک مختلف اور متضاد دور تھا اور سر تا سر عہد تنزل کی پیداوار- آج مسلمانوں کے فکر و عمل کا جو ڈھانچا نظر آ رہا ہے یہ اسی دور کی پیداوار ہے-

اس انقلاب حال کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ عربی خلافت کا بلکلی خاتمہ ہو گیا- عربی خلافت اس سے پہلے بھی خلافت نہیں رہی تھی- خلافت کا محض سایہ تھی- تاہم سایہ باقی تھا اور وہ اصلیت کی یاد تازہ کرتا رہتا تھا- لیکن سقوط بغداد سے یہ سایہ بھی معدوم ہو گیا-

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

بخاری کی حدیث زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا میں اس صورت حال کی طرف صاف صاف اشارہ موجود ہے- **استیقظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم محمرا وجھہ 'یقول لا الہ الا اللہ' ویل للعرب من شر قد اقترب- فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل ھذہ (وعقد سفیان تسعین او مائۃ)** ''قیل انھلك وفینا الصالحون؟ قال ''نعم' اذا کثر الخبث'' یعنی آنحضرت (ﷺ) ایک دن سو کر اٹھے تو ان کا چہرۂ مبارک شدت تاثر سے سرخ ہو رہا تھا' اور فرما رہے تھے ''لا الہ الا اللہ! اس شر سے جو قریب آ گیا، عرب کے لیے افسوس! آج یاجوج و ماجوج کی روک کھل گئی'' پھر انگلیوں سے حلقہ بنا کر بتلایا کہ ابھی صرف اتنی راہ کھلی ہے- یہ حلقہ روپیہ کے

برابر یا اس سے کچھ چھوٹا تھا-[1] آخری راوی کو اس بارہ میں شبہ پڑ گیا- بہر حال مطلب یہ تھا کہ ابھی صرف رخنہ پڑا ہے، پوری راہ نہیں کھلی- اس پر عرض کیا گیا ''کیا ہم ہلاکت میں پڑ جائیں گے حالانکہ ہم میں صالح انسان بھی ہوں گے؟ فرمایا'' ہاں جب گندی بڑھ جائے گی۔''

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

اولاً آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یعنی ساتویں صدی مسیحی میں یاجوج ماجوج کی روک کھلنا شروع ہو گئی تھی لیکن اتنی نہیں کھلی تھی کہ قدم باہر بڑھا سکیں- یہ حقیقت خواب میں اس طرح دکھائی گئی' جیسے ایک دیوار ہے اور اس میں ذرا سا سوراخ بن گیا ہے- چنانچہ تاریخ اس کی ہو بہو تصدیق کرتی ہے- ٹھیک یہی زمانہ ہے جب منگولی قبائل نے اس راہ کے علاوہ جسے ذوالقرنین بند کر چکا تھا، ایک دوسری راہ کا سراغ پالیا- یعنی بحر خزر اور بحر اسود کی درمیانی راہ کی جگہ بحیرۂ یورال اور بحر خزر کا درمیانی راستہ- چھٹی صدی میں تاتاریوں کے بعض قبائل اس طرف بڑھ آئے اور دریائے جیحوں کی وادیوں میں آباد ہو گئے-

ثانیاً یاجوج ماجوج کے ظہور میں عرب کے لیے ہلاکت تھی- کیونکہ ویل للعرب فرمایا،''للمسلمین''نہیں فرمایا- چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو نسل عربی اقتدار و عروج کے انقراض کا باعث ہوئی وہ یہی منگولی نسل ہے، اور اس لیے یقیناً یاجوج و ماجوج سے مقصود یہی نسل تھی -عربی اقتدار کی ہلاکت کی ابتدا بھی اسی نسل کی مختلف شاخوں سے ہوئی -یعنی ترکوں اور سلجوقیوں سے، اور انتہا بھی اسی کے نئے ظہور سے ہوئی- یعنی منگولی تاتاریوں سے-

تاریخ کی ایک ناقابل فراموش عبرت:

اس باب میں بہت سے امور تفصیل طلب ہیں لیکن یہاں مزید اطناب کا موقع نہیں' البتہ تذکیر و عبرت کے لیے ایک تاریخی حقیقت یاد رکھنی چاہیے- اسلام کا مورخ کبھی اس واقعہ کے ماتم سے فارغ نہیں ہو سکتا کہ تاتاریوں کی ابتدائی تاخت اور آخری تاخت دونوں کا باعث خود مسلمانوں کی فرقہ بندی اور اس کی جاہلی عصبیت ہوئی -یعنی بربادی کا پہلا دروازہ حنفیوں اور شافعیوں کے باہمی جدال سے کھلا اور بربادی کی آخری تکمیل یعنی بغداد کا قتل عام سنیوں اور شیعوں کے اختلاف کا نتیجہ تھا!

چنگیز خاں نے وسط ایشیا کا بالائی علاقہ خوارزم تک (یعنی خیوا تک) فتح کر لیا تھا لیکن اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکا تھا- بعد کو جب اس کے پوتوں میں سلطنت تقسیم ہوئی تو وسط ایشیا اور اس کے ملحقات ہلاکو خاں کے زیر حکومت آئے -لیکن اسے بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہیں ہوئی کیونکہ اسلامی مملکتوں کی شش صد سالہ عظمت کا رعب ابھی تک دلوں سے محو نہیں ہوا تھا- مگر اس اثنا میں اچانک ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے خود بخود ہلاکو کے آگے فتح و تسخیر کی راہیں کھول دیں- خراسان میں حنفیوں اور شافعیوں میں باہمی جنگ و جدال کا بازار گرم تھا- طوس کے حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آ کر ہلاکو کو حملہ کی دعوت دی اور شہر کے دروازے کھول دیے۔ پھر جب تاتاریوں کی تلوار چمک گئی تو اس نے نہ حنفیوں کو چھوڑا نہ شافعیوں کو-[2] دونوں کا خاتمہ کر دیا!

---

[1] ذکر کے شمار کے لیے عربوں میں تسبیح کا رواج نہ تھا- تسبیح پیروان بودھ کی ایجاد ہے اور انہی سے مسلمانوں نے لی۔ عرب جب شمار کرنا چاہتے تو انگلیوں پر شمار کرتے- اسی کو عقد انامل کا طریقہ کہتے ہیں- عقد انامل میں ایک علامت نوے کی ہے، ایک سو کی- دونوں میں حلقہ بن جاتا ہے- ایک ذرا بڑا ایک چھوٹا۔ سفیان نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے ایسا ہی حلقہ بنا کر دکھایا تھا- لیکن آخری راوی کو شبہ پڑ گیا کہ نوے والا تھا یا سو والا- اس لیے اس نے دونوں کا ذکر کر دیا-

[2] اس واقعہ کی طرف اشارہ اگرچہ تمام مورخوں نے کیا ہے لیکن تفصیل ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغ میں ملے گی جو ایران اور مصر میں چھپ گئی ہے-

خراسان کی تسخیر نے بغداد کی شاہراہ کھول دی تھی- پھر بھی ہلاکو اس کی جرأت نہ کر سکا کہ عباسی دارالخلافہ پر حملہ کرے لیکن اب پھر خود مسلمانوں کے باہمی قتال نے اسے بلاوا بھیجا- بغداد سنیوں اور شیعوں کے باہمی پیکار کا میدان جنگ بن چکا تھا- خلیفہ مستعصم کا وزیر ابن علقمی شیعہ تھا اور سنیوں کے ہاتھوں اذیتیں برداشت کر چکا تھا، اس نے خواجہ نصیر الدین طوسی کے ذریعہ سے (کہ ہلاکو کا وزیر اور معتمد تھا) ہلاکو کو بغداد آنے کی ترغیب دی اور اس طرح تاریخ اسلام کی سب سے بڑی بربادی اپنی آخری تکمیل تک پہنچ گئی!

یہی معنی ہیں سورۂ انعام کی اس آیت کے جس میں جماعتی زندگی کے عذابوں میں سے ایک عذاب یہ بتلایا ہے کہ کسی ایک جماعت کا مختلف جماعتوں میں متشیّع اور متحزب ہو جانا اور پھر ہر گروہ کا دوسرے گروہ کو اپنی شدت کا مزہ چکھانا: ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ﴾ (۶:۶۵)

تاریخی حیثیت سے یہ واقعہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ چنگیز خاں کو خوارزم پر حملہ کرنے کی ترغیب خود خلیفہ الناصر لدین اللہ عباسی نے دی تھی- کیونکہ سلجوقیوں کے بعد خوارزم شاہیوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا، خلیفہ بغداد اس اقتدار کی وجہ سے سخت ضیق میں تھا-

چنگیز خاں کا نام تیموجن تھا- ۶۰۱ھ مطابق ۱۲۰۶ء میں اس نے چنگیز خاں کا شہنشاہی لقب اختیار کیا، ۶۱۴ھ مطابق ۱۲۱۹ء میں خوارزم فتح کر لیا- سال وفات ۶۲۲ھ مطابق ۱۲۲۷ء ہے-

اس کے بعد اس کا بیٹا اوکتائی خان جانشین ہوا- اوکتائی کے بعد منکو- منکو کے بعد قبلائی- قبلائی کے بھائی ہلاکو کے حصہ میں وسط ایشیا کی فرمانروائی آئی- اسی نے ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ء میں بغداد پر حملہ کیا اور عربی خلافت کا آخری نقش قدم بھی مٹ گیا-

قانون وراثت ارض:

(۲۶) آیت (۱۰۵) سے آخر تک سورت کے مواعظ کا خاتمہ ہے- فرمایا ﴿ **ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحون** ﴾ ہم نے زبور میں اپنے اس مقرر قانون کا اعلان کر دیا تھا کہ زمین کے وارث خدا کے صالح بندے ہوتے ہیں'' 'یعنی جماعتوں اور قوموں کے لیے یہاں یہ قانون الٰہی کام کر رہا ہے کہ انہی لوگوں کے حصہ میں ملک کی فرمانروائی آتی ہے جو صالح ہوتے ہیں- ''صلح'' کے معنی سنور نے سنوارنے کے ہیں ''فسد'' کے معنی بگڑنے بگاڑنے کے- ''صالح'' انسان وہ ہے جو اپنے کو سنوار لیتا ہے اور دوسروں کو سنوارنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے' اور یہی حقیقت نیک عملی کی ہے- ''مفسد'' وہ ہے جو بگاڑ میں پڑتا اور بگاڑنے والا ہوتا ہے اور یہی حقیقت بدعملی کی ہے- پس قانون یہ ہوا کہ زمین کی وراثت سنور نے سنوارنے والوں کی وراثت میں آتی ہے- ان کی وراثت میں نہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں بگڑ جاتے ہیں اور سنوارنے کی جگہ بگاڑنے والے ہوتے ہیں-

زبور کا اعلان:

زبور کا جو مجموعہ آج موجود ہے اس کے بے شمار ترانوں میں یہ حقیقت صاف صاف بول رہی ہے- مثلاً زبور ۳۷ میں ہے ''بدعمل کاٹ ڈالے جائیں گے- مگر وہ جو خداوند کی بات کی راہ دیکھتے ہیں زمین کو میراث میں لیں گے- قریب ہے کہ شریر نابود ہو جائے- تو اس کا ٹھکانا ڈھونڈے اور نہ پائے- پر وہ جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہوں گے اور ہر طرح کی راحتوں سے خوش دل ہوں گے'' - (۳۷:۹)

انسانی زندگی سرتاسر ارث و میراث ہے:

تورات' انجیل اور قرآن' تینوں نے زمین کی ''وراثت'' کی ترکیب جابجا استعمال کی ہے اور غور کرو، یہ ترکیب صورت حال کی کتنی سچی

اور قطعی تعبیر ہے؟ دنیا کے ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں، ایک طرح کی بدلتی ہوئی میراث کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے- یعنی ایک فرد اور ایک گروہ طاقت واقتدار حاصل کرتا ہے- پھر وہ چلا جاتا ہے اور دوسرا فرد اور گروہ اس کی ساری چیزوں کا وارث ہو جاتا ہے- حکومتیں کیا ہیں؟ محض ایک ورثہ ہیں جو ایک گروہ سے نکلتا اور دوسرے کے حصہ میں آجاتا ہے- اگر زمین کا کوئی ایک قطعہ سامنے رکھ لو اور جس وقت سے اس کی تاریخ روشنی میں آئی ہے اس کے حالات کا کھوج لگاؤ تو تم دیکھو گے اس کی پوری تاریخ کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ارث ومیراث کی ایک مسلسل داستان ہے- ایک قوم قابض ہوئی، پھر مٹ گئی- دوسری اس کی وارث ہوگئی پھر اس کے لیے بھی مٹنا ہوا اور تیسرے وارث کے لیے جگہ خالی ہوگئی- وھلّم جرا-

پس قرآن کہتا ہے- یہاں ارث ومیراث کے سوا اور کچھ نہیں ہے- اب سوچنا یہ چاہیے کہ جو ورثہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں، کیوں ہوتے ہیں؟ اور جو وارث ہوتے ہیں کیوں وراثت کے حقدار ہو جاتے ہیں؟ فرمایا اس لیے کہ یہاں خدا کا ایک اٹل قانون کام کر رہا ہے:

﴿ان الارض[1] یرثھا عبادی الصالحون ﴾ وراثت ارضی کی شرط اصلاح وصلاحیت ہے- جو صالح نہ رہے ان سے نکل جائے گی- جو صالح ہوں گے ان کے ورثہ میں آئے گی! ﴿ ولن تجد لسنة الله تبدیلا ﴾

عابدین حق کے لیے پیغام:

اس کے بعد فرمایا: ﴿ ان فی ھذا لبلا غا القوم عابدین ﴾ اس بات میں عبادت گزاران حق کے لیے ایک بڑا پیام حقیقت مضمر ہے- یعنی اس قانون الٰہی کے تذکرہ میں ان کے لیے وراثت ارضی کا پیام ہے کہ ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِیۡنَهُمُ الَّذِی ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ﴾ (٢٤:٥٥) جس طرح ان سے پہلے خدا کے صالح بندوں کی وراثت میں زمین آچکی ہے اسی طرح عنقریب ان کی وراثت میں بھی آنے والی ہے- اور پھر یہ انقلاب کیوں ہونے والا ہے؟ اس لیے کہ ﴿ ما ارسلناك الا رحمة للعالمین ﴾ پیغمبر اسلام ﷺ کا ظہور کرۂ ارضی کے لیے رحمت الٰہی کا ظہور ہے- پس ضروری ہے کہ انسانی شقاوت کا خاتمہ ہو- ضروری ہے کہ اس کی جگہ رحمت الٰہی کا سایہ کرۂ ارضی پر چھا جائے!

اس کے بعد واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت کا ماحصل کیا ہے؟ ﴿ انما الٰھکم اله واحد فھل انتم مسلمون؟ ﴾ باقی رہی یہ بات کہ یہ انقلاب حال کب ظہور میں آنے والا ہے؟ تو: ﴿ ان ادری 'اقریب ام بعید ماتوعدون ﴾ میں جانتا ہوں کہ یقیناً ایسا ہونے والا ہے- لیکن ابھی اس میں کچھ دیر ہے یا بالکل سامنے آ گیا؟ یہ میں نہیں کہہ سکتا- کیونکہ اس بارہ میں بھی اللہ کے مقررہ قوانین ہیں اور وہ کام کر رہے ہیں- ﴿ وان ادری 'لعله فتنة لکم او متاع الی حین ﴾ کون جانتا ہے، ہوسکتا ہے کہ جو تاخیر ہو رہی ہے وہ اس لیے ہو کہ تمہیں ابھی کچھ دنوں اور آزمائش میں ڈالنا ہے- یا اس لیے کہ تمہارے تمتع حیات کے کچھ دن ابھی باقی ہیں-

یہ سورت کا کتنا اہم مقام ہے؟ سورت کے تمام بیانات کس طرح کی سب سے بڑی موعظت پر ختم ہو رہے ہیں؟ اور پھر کیسی فیصلہ کن بات ہے جس میں مومنین صالحین کے لیے پیام اقبال اور منکرین مفسدین کے لیے پیام ادبار ہے؟ لیکن تفسیریں اٹھا کر پڑھو- ہمارے مفسر

---

[1] غیر ضروری ہے کہ یہاں ''الارض'' سے مقصود فلسطین کا ملک قرار دیا جائے- جیسا کہ مفسرین نے قرار دیا ہے- کیونکہ اسلوب بیاں عموم کا طالب ہے، اور صاف نظر آ رہا ہے کہ ''الارض'' سے مقصود روئے زمین ہے- علاوہ بریں حوالہ زبور کا ہے اور زبور میں عموم واستغراق کے ساتھ زمین ہے، نہ کہ ارض موعود-

اس تیزی سے نکل گئے ہیں گویا رکنے اور نظر و تدبر سے کام لینے کی اس میں کوئی بات ہی نہیں ہے۔

رحمۃ للعالمین:

یہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا ایک ایسا وصف بیان کیا گیا ہے جو قرآن کے بیان کردہ اوصاف میں سب سے زیادہ اہم اور نمایاں ہے۔ یعنی رحمة للعالمین! یہ ظہور صرف کسی ایک ملک کسی ایک قوم کسی ایک نسل ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہے۔ یہ وصف بیان کر کے قرآن نے ایک کسوٹی ہمارے حوالہ کر دی ہے۔ اس پر ہم اس ظہور کی ساری صداقتیں پرکھ لے سکتے ہیں۔ اگر یہ فی الحقیقت تمام نوع انسانی کے لیے رحمت کا ظہور ثابت ہوا ہے تو اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو پھر سچائی نے قرآن کا ساتھ نہیں دیا۔ ہمارا فرض ہے کہ حقیقت کا حقیقت کے لیے اعتراف کریں۔

یہ جانچ تاریخ کی بے لاگ اور بے رحم جانچ ہونی چاہیے۔ ہر طرح کی مذہبی خوش اعتقادیوں سے منزہ ہر طرح کی خود پرستانہ طرف داریوں سے پاک۔ کیونکہ یہاں حقیقت کی عدالت موجود ہے اور وہ صرف حقیقت ہی کی شہادت پر کان دھرتی ہے؟

تاریخ کا فیصلہ:

جہل و تعصب نے ہمیشہ اعلان حقیقت کی راہ روکنی چاہی ہے لیکن روک نہیں سکی ہے۔ اس فیصلہ میں بھی تاریخ نے دیر لگائی لیکن بالآخر اسے کرنا پڑا۔ ضروری ہے کہ یہ فیصلہ خود اسی کی زبانی سنا جائے اور ایک معتقد کی طرح نہیں بلکہ ایک مورخ کی طرح عالم انسانیت کے ایک ایک گوشہ سے شہادت طلب کی جائے۔ افسوس ہے کہ اس وقت تک کوئی کوشش ایسی نہیں کی گئی جو اس موضوع پر علمی حیثیت سے وقیع سمجھی جاسکے۔ ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس کی کوشش کی ہے اور ایک خاص باب کا موضوع بحث یہی مسئلہ ہے۔ یہاں اتنی تفصیل کی گنجائش نہیں اور اختصار مفید مدعا نہیں اس لیے مجبوراً قلم روک لینا پڑتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا واقعہ:

(۲۷) سورت کی تشریحات ختم ہوگئیں مگر ایک نہایت اہم مبحث باقی رہ گیا ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی بت شکنی کا واقعہ جو آیت (۵۷) سے (۶۷) تک بیان کیا گیا ہے۔ عام طور پر مفسروں نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین موقعوں پر ایسی بات کہی جس پر بظاہر جھوٹ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ اس میں سے ایک موقع یہ ہے جب ان سے پوچھا گیا "ء انت ا فعلت هذا" کیا تو نے بتوں کو توڑا ہے؟ تو انھوں نے کہا "بل فعله كبيرهم هذا" بلکہ اس بڑے بت نے ایسا کیا۔ حالانکہ فی الحقیقت فعل خود انہی کا تھا۔

اس بارے میں استدلال صحاح کی ایک روایت سے کیا جاتا ہے لیکن سب سے پہلے ہمیں خود اس مقام پر تدبر کرنا چاہیے کہ کیا فی الحقیقت یہاں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہو؟ خواہ وہ جھوٹ کسی درجہ اور کسی نوعیت کا ہو۔

کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ بولا تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کی تاریخ کی بوالعجبیوں میں اس سے بڑھ کر اور کوئی ناقابل توجیہ بوالعجبی نہیں۔ قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اس اصدق الصادقین کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو۔ لیکن بہ تکلف ایک آیت کو توڑ مروڑ کر ایسا بنایا جا رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ بولنے کی بات بن جائے۔ اور اثبات کذب کی یہ مبارک کوشش کیوں کی جارہی ہے؟ صرف اس لیے کہ ایک مزعومہ حدیث موجود ہے۔ پس

کہیں یہ قیامت نہ ٹوٹ پڑے کہ اس کے غیر معصوم راویوں کی روایت کمزور مان لینی پڑے- گویا اصل اس باب میں غیر معصوم راویوں کا تحفظ ہے، نہ کہ معصوم رسولوں کا، اور اگر قرآن میں اور کسی روایت میں اختلاف واقع ہو جائے تو قرآن کو روایت کے مطابق بننا پڑے گا- راوی کی شہادت اپنی جگہ سے کبھی نہیں ہل سکتی!

اب غور کرو- یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ خود قرآن کے صاف صاف لفظوں میں کیا ہے؟

شہر اُور کی بت پرستی:

سرزمینِ دجلہ وفرات میں نینوا اور بابل سے پہلے جو شہر آباد ہوئے ان میں ایک شہر اُور تھا- یہ جنوبی عراق میں فرات کے کنارے آباد تھا اور محل وقوع وہ مقام تھا جو آج کل ''تل العبید'' کے نام سے پکارا جاتا ہے- اس کی تنقیب و تحقیق کا سلسلہ ابھی جاری ہے لیکن جس قدر آثار وکتبات روشنی میں آ چکے ہیں ان سے باشندگان شہر کے عقائد و اعمال کے بہت سے گوشے واضح ہو چکے ہیں- یہاں بت پرستی کی وہ ساری بنیادیں استوار ہو چکی تھیں جو آگے چل کر نینوا اور بابل میں زیادہ وسیع اور منظم شکل اختیار کر لیتی ہیں- پرستش کا مبدء کواکب تھے- سب سے بڑا بت ''شمش'' کا تھا یعنی شمس (سورج) کا- اس کے نیچے بہت سے بت مختلف طاقتوں یا مختلف قبیلوں اور آبادیوں کے تھے- خود شہر اُور کا محافظ خدا ''نانعار'' تھا، یعنی چاند- ''تل العبید''[1] کے ٹیلہ میں جس مندر کے آثار ملے ہیں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ ''نانعار'' کا مندر تھا-

مندر کے خاص پجاریوں اور محافظوں کا ممتاز گروہ بھی پیدا ہو چکا تھا اور انہیں دینی ریاست پیشگی (Priest hood) کی نوعیت حاصل ہو گئی تھی-

آزر نام نہیں، لقب تھا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظہور اسی شہر میں ہوا- ان کے والد تارخ کا بچپنے ہی میں انتقال ہو گیا تھا- چچا نے پرورش کی تھی اور چونکہ وہ مندر کے پجاریوں میں سے تھا اس لیے ''آدار'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا- ''آدار'' قدیم کالدی زبان میں بڑے پجاری یا محافظ معبد کو کہا کرتے تھے- یہی ''آدار'' ہے جس نے بعد کی عربی میں ''آزر'' کی شکل اختیار کر لی اور اسی لیے قرآن نے اس کا ذکر ''آزر'' کے نام سے کیا-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھرانا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آنکھ کھولی تو خود اپنے گھر میں بت پرستی پائی- لیکن اللہ نے سچائی کی حجتوں اور دلیلوں کی وحی سے ان کا قلب سلیم اس طرح معمور کر دیا تھا کہ نہ تو قوم و وطن کی جہالت و گمراہی اسے چھو سکی نہ خود اپنے عزیزوں اور بزرگوں کا اعتقاد راسخ اسے متاثر کر سکا- انہوں نے پہلے اپنے گھرانے میں تبلیغ کی، پھر تمام قوم کو پیام حق پہنچایا-

دعوت و تبلیغ حق:

انہوں نے پہلے شرک و بت پرستی کے خلاف عقل سلیم کی حجتیں اور وجدان صادق کی شہادتیں پیش کیں: ﴿ وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ (٦ : ٨٣) لیکن پھر دیکھا کہ آباؤ اجداد کی تقلید کی

---

[1] فلاڈلفیا یونیورسٹی (امریکہ) کے عجائب خانہ اور برطانوی عجائب خانہ کی ایک مشترک اثری مہم نے تل العبید کی کھدائی کا کام شروع کیا تھا جو جنگ کی وجہ سے رک گیا تھا مگر اب پھر جاری ہو گیا ہے- اس کے انکشافات نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت متذکرۂ قرآن کے متعدد گوشوں پر نہایت اہم روشنی ڈالی ہے- سورۃ الصافات کی تشریحات میں مختصراً اس کا ذکر کیا جائے گا اور تفصیل مقدمہ میں ملے گی-

ظلمت اس طرح دلوں پر چھا گئی ہے کہ عقل بینش کی کوئی روشنی بھی انہیں دکھائی نہیں دیتی - ہر حجت و آیت کا جواب ان کی زبانوں سے یہی نکلتا ہے کہ ﴿ وجدنا اباء نالها عابدين ﴾ (۵۳) نیز انہوں نے دیکھا ایک عرصہ کے تعامل و توارث نے لوگوں کی عقلیں یکسر مفلوج کر دی ہیں - بتوں کے روحانی اقتدار و تصرف کا عقیدہ ان کی رگ رگ میں سرایت کر گیا ہے - ان کی سمجھ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ الوہیت و قدوسیت کی یہ متمثّل روحانیتیں جو طرح طرح کے روایتی معجزوں اور الہامی اچنبھوں کا سر چشمہ چلی آتی ہیں محض بے اختیار مورتیاں ہو جائیں، اور جو حقیقت ہمارے آباواجداد اور ان کے آباواجداد نہ پا سکے وہ کل کا ایک نوجوان لڑکا پالے - چنانچہ وہ ان کی دعوت و تبلیغ کا تمسخر اڑاتے اور کہتے: ﴿ اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبين ﴾ (۵۵) فی الحقیقت تمہارا ایسا ہی عقیدہ ہے یا ہم سے ہنسی تمسخر کر رہے ہو؟ یعنی بتوں کی عظمت اور ان کے روحانی اقتدار و تصرف کی ہیبت دلوں پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ اس کے خلاف کسی کا بے دھڑک زبان کھولنا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا - وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتیں سنتے تو متعجب ہو کر کہتے: تمہارے ہوش و حواس کہاں گئے؟ تم سنجیدگی سے ایک بات کہہ رہے ہو یا ہم سے مزاح کر رہے ہو؟

ان کا محسوس کرنا کہ مقلدین جہل کے لیے دلائل بیکار ہیں:

جب ابنائے قوم کے جہل و کوری کی یہ حالت دکھائی دی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محسوس کیا، حجتوں اور دلیلوں کی روشنی ایسے لوگوں کے لیے بالکل بیکار ہے - ان کے دلوں میں بتوں کے اقتدار و تصرف کا وہم اعتقاد بن کر جم گیا ہے - جب تک اس پر چوٹ نہیں لگے گی، ان کی آنکھیں کھلنے والی نہیں - پس ضروری ہے کہ اعلاء حقیقت کے لیے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے اور وہ طریقہ ایسا ہو کہ میری دلیلوں اور موعظوں کی روشنی سے نہیں بلکہ خود اپنی اندھی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ صدیوں کی یہ گھڑی ہوئی عظمتیں اور نسلوں کی مانی ہوئی معبودیتیں بے اختیار مورتیوں اور بے جان پتھروں سے زیادہ کچھ نہیں ہیں - اور انسانوں کی کسی بڑی تعداد کا کسی بڑی مدت تک ایک بات مان لینا اور کیے جانا سچائی کا ثبوت نہیں - سچائی کا ثبوت صرف عقل سلیم کی حجت ہے -

قیام حجت کا عملی طریقہ:

یہ طریقہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ انہوں نے تمام لوگوں کو کھلا کھلا چیلنج دے دیا: ﴿ تالله لاكيدن اصنامكم بعد ان تولو امدبرين ﴾ یعنی اگر عقل کی کوئی دلیل بھی تمہارے لیے سود مند نہیں - تم اپنے اس وہم باطل میں جمے ہوئے ہو کہ یہ مورتیاں طاقت و تصرف رکھتی ہیں، تو اچھا، خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو، نتیجہ کیا نکلتا ہے - جونہی تم آج اپنے بڑے میلہ میں گئے میں تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک داؤ کھیلوں گا - اگر فی الحقیقت ان میں طاقت و تصرف ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا کر اپنے کو بچا لیں - یا میرے ہاتھ پاؤں شل کر دیں -

جب ایک جماعت تقلید و وہم پرستی میں اس درجہ ڈوب جائے کہ عقل و بصیرت کی کوئی بات بھی اس کے اندر نہ اتر سکے تو پھر اقناع فکر کی صرف یہی ایک راہ رہ جاتی ہے کہ ان کی عقل کی جگہ ان کے حواس کو مخاطب کیا جائے اور کوئی ایسی بات کر کے دکھا دی جائے جس سے ان کی ساری وہم پرستیوں کا بطلان ہو جائے - مثلاً ایک بچہ چڑیا کو دیکھ کر ڈرنے لگتا ہے، تم ہزار اسے سمجھاؤ کہ چڑیا کاٹتی نہیں لیکن وہ ماننے والا نہیں - اب ایک دانشمند آدمی کیا کرے گا؟ یہ کرے گا کہ دلیلوں کی جگہ مشاہدہ سے کام لے گا - وہ اپنی انگلی چڑیا کی چونچ میں ڈال دے گا اور پھر نکال کر بچہ کو دکھا دے گا کہ دیکھ لے، اس نے کاٹا ہے یا نہیں کاٹا ہے - یہ ایک مشاہدہ بچہ کے اندر جس درجہ یقین پیدا کر دے گا وہ ایک سو آدمیوں کی ایک ہزار دلیلوں سے بھی پیدا نہیں ہو سکتا - یہی حال عقول فاسدہ کا ہے - تم ان کی عقل و فکر سے کچھ نہیں پا سکتے - لیکن تم انہیں مشاہدہ کے ذریعہ

سے عاجز کر دے سکتے ہو- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بالآخر یہی طریقہ اختیار کیا- انہوں نے کہا' جس حقیقت کو تم عقل وفکر سے نہیں پا سکے میں تمہارے مشاہدہ میں لا کر خود تمہاری زبانوں سے اگلوا لوں گا- تمہارے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ ان میں طاقت وتصرف ہے- اچھا میں ان پر ہاتھ اٹھاتا ہوں- اب اگر سچ مچ کو ان میں اختیار وتصرف ہے تو یہ اپنے سارے معجزے لے کر نمودار ہو جائیں اور مجھے اس سے روک دیں یا مجھ پر کوئی آسمانی عذاب اتار دیں-

لوگوں نے ان کا یہ اعلان سنا لیکن چونکہ دلوں میں بتوں کی عظمت وتقدیس رچی ہوئی تھی اس لیے قابل التفات نہیں سمجھا- وہ سمجھے یہ ایک مجنونانہ بڑ ہے- بھلا کون ہے جو ان قادر وتوانا معبودوں کی جناب میں ایسی جرأت کر سکتا ہے؟ اور اگر کرے تو اسے اس کی مہلت ہی کب ملے گی؟ نہیں معلوم، کیا سے کیا ہو جائے؟

پہلے چیلنج دیا، پھر کر کے دکھا دیا:

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فیصلہ کا اعلان کر چکے تھے اور اسے کر کے دکھا دینا تھا- جونہی معبد خالی ہوا انہوں نے ایک ایک کر کے تمام بت توڑ دیے- صرف بڑے بت یعنی "شمش" کو چھوڑ دیا- اس میں مصلحت یہ تھی کہ **"لعلھم الیہ یرجعون"** اگر یہ باقی رہے گا' تو شاید اس کی طرف لوگ رجوع کریں- یعنی یہ سوال اٹھایا جا سکے کہ اس کے سامنے بتوں پر آفت آئی- اور خود یہ بھی کہ رب الارباب تھا، کچھ نہ کر سکا- اب اسی سے بتوں کی تباہی کی کہانی سن لی جائے!

پجاریوں کی حیرانی اور پھر تجاہل:

جب لوگ واپس آئے اور انہوں نے دیکھا، جو بات ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آتی تھی وہ وقوع میں آ گئی اور سچ مچ کو ابراہیم علیہ السلام نے سارے بت پاش پاش کر دیے- تو غور کرو، ان کے دل ودماغ کا کیا حال ہوا ہوگا؟ اور ایسی حالت میں کیا ہونا چاہیے؟ پہلے حیرت چھائی ہوگی کہ یہ کیا سے کیا ہو گیا؟ کیا یہ مقدس مورتیاں اس طرح توڑ پھوڑ ڈالی جا سکتی تھیں؟ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری باتیں سامنے آ گئی ہوں گی- صاف نظر آ گیا ہوگا کہ اس بارے میں سچا وہی نکلا- ہم جھوٹے ہوئے- پھر اپنی شکست کے خیال نے غم وغصہ کی شکل اختیار کر لی ہوگی- فتح مند آدمی اتنا غضب ناک نہیں ہوتا جتنا شکست خوردہ ہو جاتا ہے- خصوصاً جبکہ یہ شکست سخت ذلت وندامت کی شکست ہو- اب پجاریوں کے لیے سب سے زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ معاملہ کی شناعت عامۃ الناس سے پوشیدہ رکھی جائے- اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے پہلے چیلنج دے دیا تھا اور پھر کر کے دکھا دیا تو ان کے عقیدے فوراً متزلزل ہو جائیں گے- پس دکھاوے کے لیے پجاریوں نے ایسا انداز اختیار کر لیا گویا ابراہیم علیہ السلام والی بات کی انہیں خبر ہی نہیں- آپس میں پوچھنے لگے: یہ شرارت کس نے کی ہے؟ جس کسی نے کی ہے، وہ بڑا ہی مجرم ہے- وہ دیوتاؤں کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا- اس پر بعض دکھاوے کے لیے بول اٹھے ﴿ **سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم** ﴾ (۶۰) ہمارے سننے میں آیا ہے، ایک نوجوان ان مورتیوں کے بارے میں کچھ باتیں کہتا تھا- غالباً اسی نے کیا ہو- اسے ابراہیم کہہ کر پکارتے ہیں- غور کرو، کہنے والا اب بھی یہ نہیں کہتا کہ اس نے مورتیوں کے خلاف ایک داؤ کھیلنے کی دھمکی دی تھی- بلکہ صرف **یذکرھم** کہہ کر چپ ہو جاتا ہے- کیونکہ کوشش یہ ہے کہ اصل معاملہ عوام سے چھپایا جائے جو اس حادثۂ عظیم کی خبر سن کر وہاں جمع ہو گئے تھے اور جس کا پتہ ﴿ **فاتوا بہ علی اعین الناس** ﴾ (۶۱) سے لگتا ہے- یعنی پجاریوں نے کہا ابراہیم کو یہاں لوگوں کے سامنے لاؤ- بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام بلائے گئے- وہ اب تمام مجمع کے سامنے کھڑے ہیں- مجمع میں پجاری اور عوام دونوں ہیں- پجاریوں کو سب کچھ معلوم

ہے-عوام کو تفصیلات معلوم نہیں-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مجمع عام میں آنا اور پجاریوں سے مکالمہ:

اب وہ وقت آ گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انکشاف حقیقت کا جو طریقہ اختیار کیا تھا - اس کا نتیجہ آشکارا ہو جائے اور جس حقیقت کے اعتراف سے لوگوں کو انکار تھا' وہ خود انہی کے حلقوں سے اگلوالی جائے - اور دیکھو کیسے صاف اور قدرتی طریقہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اس عملی اور قوی حجت کی سلطانی کا اعتراف کراتے ہیں؟ پجاریوں نے دکھاوے کے لیے بے خبر بن کر پوچھا ﴿ ء انت فعلت هذا بالهتنا يا ابراهيم ﴾ (۶۲) کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تو نے یہ حرکت کی ہے؟ اب اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے جواب میں کہتے - میں تمہیں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ ایسا کروں گا - اس میں پوچھنے کی بات کیا ہے؟ تو انہیں ردوکد کرنے کا موقع مل جاتا - مثلاً وہ عوام کے سامنے انکار کر دیتے کہ تم نے کبھی ایسا نہیں کہا تھا اور اس طرح اصل مسئلہ کی جگہ ایک دوسری بات میں سوال و جواب ہونے لگتا - پس انہوں نے جواب میں حجت الزامی کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ ردوکد کے سارے دروازے بند ہو گئے اور حقیقت آشکارا ہو گئی: ﴿ بل فعله كبيرهم هذا فاسئلوهم ان كانوا ينطقون ﴾ (۶۳) بلکہ اس سب سے بڑے بت ''شمش'' نے کیا ہے جس کے آگے تم ہمیشہ اپنے سوالات پیش کرتے رہتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ اس کی پراسرار صدائیں تمہیں (یعنی تم پجاریوں کو) سنائی دیتی ہیں - یہ ابھی زندہ وسلامت موجود ہے - اگر فی الحقیقت مورتیاں سوالوں کا جواب دیا کرتی ہیں تو اسی مورتی سے پوچھ لو - مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو؟

پجاریوں کا اعتراف پر مجبور ہونا:

یہ جواب سنتے ہی سب پر سناٹا چھا گیا - کیونکہ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا - نہ تو یہ کہہ سکتے تھے کہ مورتی سے امید جواب نہیں - نہ مورتی سے سوال ہی کر سکتے تھے - ادھر عوام نتیجہ کے منتظر تھے - ﴿ فرجعوا الى انفسهم ﴾ ''انفسھم'' یعنی پجاریوں کی جماعت عوام سے الگ ہو کر آپس میں باتیں کرنے لگی اور چونکہ اب حضرت ابراہیم کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگ چکا تھا، اس لیے انہیں اقرار کرنا پڑا: ﴿ فقالوا انكم انتم الظالمون ﴾ بلاشبہ حق سے نافرمانی کرنے والے ہم ہی ہیں - ٹھیک بات تو وہی ہے جو ابراہیم کہہ رہا ہے - بالآخر مجبور ہوئے کہ جو بات حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے کہلوانی چاہتے تھے وہ سر جھکا کر دبی زبان سے کہہ دیں: ﴿ لقد علمت ما هؤلاء ينطقون ﴾ ''لقد علمت'' یعنی یہ حقیقت تو تجھے معلوم ہی ہو چکی ہے کہ مورتیوں کی صداؤں اور مندر کے ہاتف غیبی کے جوابوں کا معاملہ وہ نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے - مورتیاں بولا نہیں کرتیں - پھر تیرا یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھ کر فیصلہ کرو، کیا معنی رکھتا ہے؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام مجمع سے مخاطب ہو کر ندائے حق بلند کر دی: ﴿ افتعبدون من دون الله ما لاينفعكم شيئا ولا يضركم؟ اف لكم ولما تعبدون من دون الله - افلا تعقلون؟ ﴾ (۶۷) جب ان مورتیوں کے نطق والہام کے سارے قصے من گھڑت ہیں اور ان کی عجز و درماندگی کا یہ حال ہے جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش پر جم گئے ہو؟ کیا اتنی موٹی بات بھی سمجھ نہیں سکتے؟

تفسیر ﴿ ان كانوا ينطقون ﴾:

ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ کالڈیا میں پجاریوں کی خاص جماعت پیدا ہو چکی تھی اور بت پرستی کی تاریخ میں اصلی کار فرما جماعت ہمیشہ یہی رہی ہے - یہ لوگ عوام سے الگ ہو جاتے تھے' اور پھر عوام کو اپنے قبضہ و اقتدار میں رکھنے کے لیے مندروں کی معجزانہ قوتیں برابر بڑھاتے

رہتے تھے- چنانچہ مختلف طریقے کام میں لا کر لوگوں کو یقین دلاتے کہ مورتیاں بولتی ہیں- سوالوں کا جواب دیتی ہیں- نذرانے قبول کرتی ہیں- ہر طرح کے عجائب وخوارق شب وروز ان سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصلی خطاب انہی پجاریوں سے تھا- وہ گھر کے بھیدی تھے- کیونکہ خود ان کا چچا مندر کے پجاریوں میں سے تھا اور اس طرح وہاں کے تمام حالات سے باخبر ہونے کا پورا موقع انہیں حاصل ہو گیا تھا- انہوں نے چاہا' عوام کے سامنے حقیقت حال کا پجاریوں سے اعتراف کرائیں اور انہوں نے اعتراف کرا کے چھوڑا' پس ان کے اس قول کا کہ "ان کانوا ینطقون" یہ مطلب سمجھنا چاہیے کہ اگر مورتیوں کی پراسرار نداؤں کی وہ بات ٹھیک ہے جس کا تم عوام کو یقین دلاتے رہتے ہو تو اس بڑے بت سے ندائے حق کا مطالبہ کرو- اگر یہ ہمیشہ تمہارے سوالوں کا جواب دیتا ہے تو آج کیوں نہ دے؟ اور ایسے موقع پر کیوں نہ دے جب تمام مندر تہ و بالا ہو گیا؟ یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر بت عام طور پر نطق وکلام کرتے ہیں تو ان سے بات کرالو- کیونکہ بتوں کا عام طور پر آدمیوں کی طرح بات نہ کرنا تو عام طور پر مسلم تھا- کوئی بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا تھا کہ یہ ہماری طرح بولتے چالتے ہیں- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ بات عوام کے دلوں میں قطعاً اتر گئی ہوگی- ہر شخص بول اٹھا ہوگا کہ بات ٹھیک کہہ رہا ہے- بڑی مورتی سے اس حادثہ میں کیوں نہ رجوع کیا جائے-

لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مجمع عام میں بت پرستی کے خلاف وعظ شروع کر دیا تو پجاری ڈرے اور انہوں نے چاہا عوام کے بت پرستانہ جذبات بھڑکا کر اپنا کام نکال لیں- انہوں نے کہا: ﴿ حرقوه وانصروا الهتكم ان كنتم فاعلين ﴾ اسے زندہ آگ میں جلا دو- کیونکہ تمام قدیم قوموں میں دستور تھا کہ مذہبی اور سیاسی مجرموں کو زندہ جلا دینے کی سزا دیا کرتے تھے- چنانچہ کالڈیا میں آخری زمانے تک یہی دستور رہا- کتاب دانیال سے معلوم ہوتا ہے کہ کالڈیوں نے ان یہودیوں کو زندہ جلا دینا چاہا تھا جنہوں نے بادشاہ کی معبودیت سے انکار کر دیا تھا-

فرض الباطل مع الخصم کذب نہیں ہے:

اب غور کرو- اس تمام سرگزشت میں کون سی بات ایسی ہے جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو؟ بتوں کو انہوں نے کچھ چوری چھپے نہیں توڑا تھا کہ خلاف واقعہ بات کہہ کے اسے چھپانا چاہتے- تمام پجاریوں کے سامنے صاف صاف اعلان کر دیا تھا اور اعلان بھی اس تاکید کے ساتھ کہ ﴿ تالله لاكيدن اصنامكم ﴾ خدا کی قسم! میں ضرور تمہارے بتوں کو اپنے داؤ کا نشانہ بناؤں گا- پھر جو بات اس طرح صاف صاف کہہ دی گئی ہو اور علانیہ کی گئی ہو اس میں جھوٹ بولنے کی بات کہاں سے نکل آئی؟ باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ ﴿ بل فعله كبيرهم هذا ﴾ تو ظاہر ہے کہ ایک لمحہ کے لیے اس سے مقصود انکار فعل نہیں ہو سکتا- کیونکہ فعل کا تو وہ پہلے سے اعلان کر چکے تھے اور خود پوچھنے والوں میں ایک ایک فرد جانتا تھا کہ انہی کا کیا دھرا ہے- بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ محض حجت الزامی تھی- اور حجت الزامی کا وہ طریقہ جسے ہمارے مناظر "فرض الباطل مع الخصم حتى تلزمه الحجة" سے تعبیر کرتے ہیں- صدق وکذب کا سوال یہاں کیونکر پیدا ہو سکتا ہے-

اثبات کذب کے لیے ایک غلط توجیہ:

چونکہ ہمارے مفسروں کے سامنے ایک روایت موجود تھی اور اس کی تعمیل میں ضروری سمجھتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ کی بات بن جائے اس لیے انہوں نے کوشش کی کہ جو بات قرآن میں نہیں ہے وہ محذوف بنا کر بڑھا دی جائے- چنانچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول

﴿ تالله لاکیدن اصنامکم ﴾ کو سلسلہ بیان سے الگ کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ بات انہوں نے مخاطبوں سے نہیں کہی تھی - اپنے جی میں کہی تھی - یعنی ان کا اعلان نہ تھا - جی ہی جی میں ایک سازش سوچی تھی - لیکن یہ محض رائے سے قرآن کے مطالب میں اضافہ کرنا ہے - قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جی میں کہا تھا - وہ تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ موقع مخاطبہ اور مکالمہ کا تھا - اور جب پجاریوں نے یہ بات کہی کہ ﴿ اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبین ﴾ تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا - علاوہ بریں اس طرح کے محذوفات جبھی تسلیم کیے جا سکتے ہیں جبکہ کوئی قطعی قرینہ موجود ہو - یہاں بجز اس ضرورت کے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کذب گو بنایا جائے اور کون سی ضرورت لاحق ہوگئی ہے کہ یہ محذوف گھڑ لیا گیا؟

روایت صحیحین:

باقی رہی صحیحین کی روایت کہ "لم یکذب ابراهیم فی شیء قط الا ثلاث کلهن فی الله" - الخ تو اگرچہ اس کی توجیہ و تاویل کی بہت سی راہیں لوگوں نے کھول لی ہیں مگر صاف بات وہی ہے جو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام رازی نے بھی دہرایا ہے - یعنی ہمارے لیے یہ تسلیم کر لینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم و تعبیر حدیث میں غلطی ہوگئی' بمقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کر لیں؟ اگر ایک راوی کی جگہ سینکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھہر جائے' تو بہرحال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہوگی - لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلط بیان تسلیم کر لیا گیا تو نبوت و وحی کی ساری عمارت درہم برہم ہوگئی!

صحت اور عصمت:

بلاشبہ روایت صحیحین کی ہے لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے بھی راویان حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے نہ امام بخاری و مسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے - کسی روایت کے لیے بڑی سے بڑی بات جو کہی گئی ہے وہ اس کی ''صحت'' ہے - ''عصمت'' نہیں ہے - اور ''صحت'' سے مقصود صحت مصطلحۂ فن ہے - نہ کہ صحت قطعی و یقینی مثل صحت قرآن -

اصل معیار رد و قبول:

پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں، لیکن بہرحال غیر معصوم انسانوں کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے - ایسا فیصلہ ہر بات کے لیے مفید حجت ہو سکتا ہے مگر یقینیات و قطعیات کے خلاف نہیں ہو سکتا - جب بھی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیات قطعیہ سے معارض ہو جائے گی تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی - غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی -

نبوت اور سچائی لازم و ملزوم ہیں:

نبی کا سب سے بڑا وصف جو قرآن نے بتلایا ہے وہ اس کی سچائی ہے اور احتیاج تفصیل نہیں - نبوت ایک سیرت ہے جو صرف سچائی ہی سے بنتی ہے اور صرف سچائی ہی کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے - ایک نبی کسی بات سے عاجز نہیں ہوتا مگر اس بات سے کہ سچ نہ بولے - حقیقت اور سچائی کے خلاف جو کچھ ہے خواہ کسی شکل اور کسی درجہ میں ہو، نبوت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا - اگر نبوت ہوگی تو سچائی بھی ہوگی - اگر سچائی نہیں ہے تو نبوت بھی نہیں - پس انبیائے کرام علیہم السلام کی سچائی اور عصمت یقینیات دینیہ و نقلیہ میں سے ہے - روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو، بہرحال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کے لیے بھی یقینیات دینیہ

کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی- ہمیں مان لینا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہوسکتا- یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے- اور ایسا مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شق ہو جائے گی۔

صحیحین کے باب میں افراط وتفریط:

اصل یہ ہے کہ ہر گوشہ کی طرح اس گوشہ میں بھی متاخرین افراط وتفریط میں پڑ گئے ہیں اور اس کی وجہ سے عجیب عجیب الجھاؤ پیش آ رہے ہیں- ایک طرف فقہائے حنفیہ ہیں جنہوں نے یہ دیکھ کر کہ صحیح بخاری ومسلم کی مرویات کی زد ان کے مذہب پر پڑ رہی ہے اس امر کی کوشش شروع کر دی کہ ان دونوں کتابوں کی صحت کی قوت کسی نہ کسی طرح کمزور کی جائے- چنانچہ ابن ہمام وغیرہ نے اس طرح کے اصول بنانا شروع کر دیے کہ صحیحین کی ترجیح صحیحین کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ محض ان کی شروط کی وجہ سے ہے- پس اگر کسی دوسری کتاب کی روایت بھی ان شرطوں پر اتر آئی تو قوت میں صحیحین کی روایت کے ہم پلہ ہو جائے گی- حالانکہ صحیحین کی ترجیح محض ان کی شروط کی بنا پر نہیں ہے بلکہ ''شہرت'' اور ''قبول'' کی بنا پر ہے اور اس پر تمام امت کا اتفاق ہو چکا ہے- دوسری طرف عامہ اصحاب حدیث ہیں جنہوں نے اس باب میں ٹھیک ٹھیک تقلید کی وہی چادر اوڑھ لی ہے جو فقہائے مقلدین کے سروں پر انہوں نے دیکھی تھی، اور اسے پارہ پارہ کر دینا چاہا تھا- ان کے سامنے جونہی بخاری ومسلم کا نام آ جاتا ہے بالکل درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں اور پھر کوئی دلیل وحجت بھی انہیں اس پر تیار نہیں کر سکتی کہ اس کی کسی روایت کی تضعیف پر اپنے آپ کو راضی کر سکیں!

یہ محل تفصیل کا نہیں لیکن چونکہ ایک اہم اور اصولی سوال ہے اس لیے ضروری ہے کہ مختصراً اشارات کر دیے جائیں۔ پس اس باب میں تحقیق کی راہ یہ سمجھنی چاہیے کہ:

مسلک تحقیق:

(ا) قرآن کے بعد دین کی ان تمام کتابوں میں جو انسانوں کی ترتیب دی ہوئی ہیں سب سے زیادہ صحیح کتاب جامع بخاری اور جامع مسلم ہے اور ان کی ترجیح محض ان کی شروط ہی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ شہرت اور قبول کی بنا پر ہے- ''شہرت'' یہ کہ ایک کتاب علم ونظر کے تمام عہدوں اور طبقوں میں عالمگیر طور پر مشہور رہی ہو اور اہل علم نسلاً بعد نسلٍ اس کی صحت وفضیلت پر مہریں لگاتے رہے ہوں- قبول یہ کہ وہ تمام امت کی نظر و بحث کا مرکز بن گئی ہو- ہر عہد اور ہر طبقہ میں بے شمار ناقدوں اور محققوں نے اس کی ایک ایک روایت، ایک ایک راوی، ایک ایک متن، ایک ایک لفظ پر ہر طرح کی بحثیں کی ہوں، ہر طریقہ سے جانچا ہو، ہر طرح کی نگاہیں رد وقبول کی ڈالی ہوں، زیادہ سے زیادہ موافق ومخالف شرحیں لکھی ہوں، زیادہ سے زیادہ درس وتدریس میں مانجھتے رہے ہوں، اور پھر بھی اس کی مقبولیت یک قلم بے داغ رہی ہو- چونکہ یہ دو باتیں تاریخ اسلام میں صرف انہی دو کتابوں کے حصے میں آئی ہیں ولیس لھما ثالث، اس لیے ان کی ہستی بجائے خود ایک دلیل صحت ہو گئی ہے اور بلاشبہ جب کبھی اختلاف ہو گا تو صحیحین کی روایت محض اس لیے بھی قوی تر سمجھی جائے گی کہ وہ صحیحین کی روایت ہے- دوسرے مجامیع کی روایات کتنی ہی شروط بخاری ومسلم پر نکال کر دکھا دی جائیں لیکن وہ اس کی قوت کا ہم پلہ نہیں ہو سکتیں-

(ب) لیکن یہ جو کچھ ہے ان کی صحت کا اعتقاد ہے- یعنی ایسی صحت کا جیسی اور جس درجہ کی صحت ایک غیر معصوم انسان کے اختیارات کی ہو سکتی ہے- عصمت کا اعتقاد نہیں ہے اور اس لیے اگر کوئی روایت شاذ یقینیات قطعیہ قرآنیہ سے معارض ہو جائے گی تو ہم ایک لمحہ کے لیے

بھی اس کی تضعیف میں تامل نہیں کریں گے- کیونکہ اصل ہر حال میں قرآن ہے جس کا تواتر یقینی اور جس کی قطعیت شک وشبہ سے بالاتر ہے- ہر انسانی شہادت اس پر کسی جائے گی- وہ کسی غیر معصوم شہادت اور رائے پر کسا نہیں جاسکتا کہ:

غرض اندر میان سلامت اوست!

اور پھر ہم دیکھ رہے ہیں کہ محققین حدیث نے اس باب میں کبھی ارباب جمود وتقلید کا شیوہ اعمیٰ اختیار نہیں کیا- یہ بخاری کی روایت اسریٰ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر والی ہے جس کی نسبت تمام محققین نے بے تامل تصریح کر دی کہ شریک کو غلط فہمی ہوئی اور صحیح بات وہی ہے جو مسلم کی روایت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) میں ہے- اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث "خلق الله التربة يوم السبت" کی نسبت تمام محققین نے اتفاق کیا، اس کا رفع ثابت نہیں اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے- پھر اگر اسی طرح صحیحین کی روایت بھی رد کر دی گئی کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کی صداقت رد نہ کرنی پڑے تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی؟

قال "اني سقيم":

اس روایت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین باتوں کو "کذب" سے تعبیر کیا ہے- ایک تو یہی بات' دوسری وہ جو سورۂ صافات میں ہے: ﴿ فَقَالَ اِنِّی سَقِیۡمٌ ﴾ (۸۹:۳۷) تیسری یہ کہ انہوں نے بادشاہ مصر کے آگے اپنی بیوی سارہ کو بہن کہا تھا- آخری بات قرآن میں کہیں نہیں ہے- تورات میں ہے، اور ہم اس کے موجودہ نسخہ کی صحت کے ذمہ دار نہیں- باقی رہا ﴿ اِنِّیۡ سَقِیۡمٌ ﴾ والا قول؛ تو اس کی شرح صافات میں ملے گی- یہاں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اس کا کوئی مطلب بھی ٹھہرایا جائے' لیکن اس میں جھوٹ کا پہلو کہاں سے نکل آیا؟ ایک شخص نے کہا میں سقیم ہوں- پھر کیوں اسے جھوٹ پر محمول کیا جائے؟

ہم نے یہاں اصل واضح کر دی- لیکن یہ بھی ضروری کہ روایت مشہورہ کے متن واسناد پر نظر ڈالی جائے- اس کے لیے البیان کا انتظار کرنا چاہیے-

***

أياتها: 78 | سُورَةُ الْحَجِّ مَكِّيَّةٌ | رُكُوعَاتُهَا: 10

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ
اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ
شَدِيْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ
مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ

لوگو! اپنے پروردگار (کے عذاب سے) ڈرو- یقین کرو، آنے والی گھڑی کا بھونچال بڑا ہی سخت واقعہ ہوگا! (۱)
جس دن وہ تمہارے سامنے آموجود ہوگی اس دن (کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہے گا) دودھ پلانے والی مائیں اپنا دودھ پیتا بچہ بھول جائیں گی- حاملہ عورتیں (وقت سے پہلے) اپنا حمل گرا دیں گی- لوگوں کو تم اس حال میں دیکھو گے کہ بالکل متوالے ہوگئے- حالانکہ وہ متوالے نہیں ہوئے مگر اللہ کے عذاب کی ہولناکی بڑی ہی ہولناک ہے (جس نے انہیں متوالوں کی طرح بے ہوش کردیا!) (۲)
اور (دیکھو) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور ان کے پاس کوئی علم نہیں- وہ ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں- (۳) شیطان کے لیے یہ بات لکھ دی گئی ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہوا، وہ ضرور اسے گمراہی میں ڈالے گا اور عذاب جہنم تک پہنچا کر رہے گا! (۴)
لوگو! اگر تمہیں اس بارے میں شک ہے کہ آدمی (دوبارہ) جی اٹھے گا تو (اس بات پر غور کرو) ہم نے تمہیں (کس

☆☆ (۱) سورت کی ابتدا حیات اخروی کے اثبات اور قیامت کی ہولناکی کی تذکیر سے ہوئی ہے- غور کرو- صرف ایک آیت کے اندر اس ہولناک ترین حادثہ کائنات کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟

ماں کی محبت سے بڑھ کر طبیعت انسانی کا کوئی علاقہ نہیں اور اس محبت کے جوش کی سب سے زیادہ تیزی اس وقت ہوتی ہے جب بچہ دودھ پیتا ہوتا ہے اور ہر وقت ماں کی چھاتی سے لگا رہتا ہے- پس ہولناکی کی شدت کی یہ کس درجہ حقیقی اور فطری تصویر ہے کہ ماؤں کو اپنے دودھ پیتے بچوں تک کا ہوش نہ رہا- دہشت میں ایسی کھوئی گئیں کہ اپنی گود کے بچوں کو بھول گئیں! جس ہولناکی کا یہ حال ہو اس سے بڑھ کر طبیعت بشری کے لیے اور کون سی ہولناکی ہوسکتی ہے؟

اس کے بعد فرمایا- حاملہ عورتیں کہ ابھی ان کے وضع حمل کا وقت نہیں آیا شدت ہول سے بے اختیار جنین گرا دیں گی- اور یہ دہشت کی انتہا ہے- جسم انسانی پر اس سے زیادہ دہشت کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا- اور لوگ کس حال میں ہوں گے؟ ایسے جیسے متوالے ہوگئے ہوں- یہ حالت فی الحقیقت متوالے ہونے کی حالت نہ ہوگی بلکہ ہولناکی کی شدت انہیں مخبوط الحواس کردے گی!

گذشتہ جنگ میں جب جرمن فوج نے پیڑ اور انیٹورپ پر گولہ باری کی تھی تو وہاں کے بہت سے باشندے بالکل پاگل ہوگئے تھے- اگر گولہ باری کی ہولناکی کا یہ اثر ہوتا ہے تو اس حادثہ کا اثر کیسا ہوگا جس میں اجرام ساویہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے؟

(۲) پیدائش سے پہلے جنین پر جو مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں ان کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے:

فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ
لَكُمْ ۚ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ
وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۚ وَ تَرَى
الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿٥﴾ ذٰلِكَ
بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٦﴾ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ

چیز سے) پیدا کیا(؟) مٹی سے- پھر (تمہاری پیدائش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا؟) اس طرح کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے- پھر علقہ بنتا ہے (یعنی جونک کی طرح کی ایک چیز) پھر متشکل اور غیر متشکل گوشت کا ایک ٹکڑا- اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ تم پر (اپنی قدرت کی کارفرمائیاں) واضح کر دیں۔ پھر دیکھو جس نطفہ کو ہم چاہتے ہیں (تکمیل تک پہنچائیں) اسے عورت کے رحم میں ایک مقررہ وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں- پھر (جب نطفہ تکمیل کے تمام اندرونی مراتب طے کر لیتا ہے تو) طفولیت کی حالت میں تمہیں باہر نکالتے ہیں- پھر تم پر (یکے بعد دیگرے) ایسی حالتیں طاری کرتے ہیں کہ (بالآخر) اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاتے ہو- پھر تم میں کوئی تو ایسا ہوتا ہے جو (بڑھاپے سے پہلے ہی) مر جاتا ہے- کوئی ایسا ہوتا ہے جو (بڑھاپے تک پہنچتا اور اس طرح) عمر کی نکمی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے کہ سمجھ بوجھ کا درجہ پا کر پھر ناسمجھی کی حالت میں پڑ جائے-

اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے- پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو اچانک لہلہانے اور ابھرنے لگتی ہے- ہر قسم کی روئیدگیوں میں سے حسن و خوبی کا منظر اگ آتا ہے!(۵)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی ہستی ایک حقیقت ہے اور وہ بلاشبہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے-(۶) نیز اس بات کی' کہ مقررہ گھڑی آنے والی ہے- اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں اور اس کی کہ اللہ ضرور

"نطفة" لغت میں پانی کے ایک قطرے کو کہتے ہیں۔ چونکہ جنین کی تکوین کا ابتدائی مادہ پانی کے چند قطروں کی طرح ہوتا ہے اس لیے اسے نطفہ کہنے لگے-

"علقة" جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کو بھی کہتے ہیں اور جونک کو بھی-

"مضغة" کے معنی ہیں گوشت کا ایک ٹکڑا-

"مخلقة" یعنی اس ٹکڑے میں شکل و صورت کی شان کا پیدا ہو جانا-

"غير مخلقة" بگڑ کے رہ جانا اور متشکل نہ ہونا-

پیدائش کے بعد کی تین حالتیں بیان کی ہیں: طفولیت' رشد و عقل' ارذل العمر- یعنی بڑھاپا- بڑھاپے کو عربی میں ارذل العمر کہتے ہیں کیونکہ اس عمر میں تمام قوتیں جواب دے دیتی ہیں اور طاقت کے بعد پھر کمزوری و بے حسی کا عہد طاری ہو جاتا ہے-

اس کے بعد اس کی تعلیل واضح کر دی کہ یہ رشد و عقل کے بعد پھر طفولیت کی نادانی و بے عقلی کی طرف لوٹ جانا ہے- گویا انسان کی عمر طفولیت کی نادانی سے شروع ہوتی ہے اور بتدریج بڑھتے بڑھتے رشد و عقل کے بلوغ و کمال تک پہنچ جاتی ہے- اس کمال کے بعد پھر زوال شروع ہو جاتا ہے اور جس حالت سے عمر چلی تھی' اسی کی طرف لوٹ آتی ہے-

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۞۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا
كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۞۸ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ نُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۞۹ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۞۱۰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ ع ۸
يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۞۱۱ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ
ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۞۱۲ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۞۱۳

انہیں اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں پڑ گئے (یعنی مرگئے) (۷)

اور دیکھو کچھ لوگ ایسے ہیں کہ نہ تو ان کے پاس علم کی کوئی روشنی ہے نہ کسی طرح کی رہنمائی، نہ کوئی کتاب روشن (۸) مگر گھمنڈ کرتے ہوئے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اس کی راہ سے بھٹکا دیں- ایسے آدمی کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اسے عذاب آتش کا مزہ چکھائیں گے: (۹) ''یہ اس کا نتیجہ ہے جو خود تیرے ہاتھوں نے پہلے سے مہیا کر رکھا تھا اور اللہ تو اپنے بندوں کے لیے کبھی ظالم نہیں ہو سکتا''- (۱۰)

اور (دیکھو) کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی تو کرتے ہیں مگر دل کے جماؤ سے نہیں-[1] اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچ گیا تو مطمئن ہو گئے- اگر کوئی آزمائش آ لگی تو الٹے پاؤں اپنی (کفر کی) حالت پر لوٹ پڑے- وہ دنیا میں بھی نامراد ہوئے اور آخرت میں بھی، اور یہی ~~ہے جو~~ آشکارا نامرادی ہے! (۱۱) وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو (اپنی حاجت روائی کے لیے) پکارتے ہیں جو نہ تو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع- یہی گمراہی ہے جسے سب سے زیادہ گہری گمراہی سمجھنا چاہیے! (۱۲)

وہ ایسی ہستی کو پکارتے ہیں جس کے نفع سے زیادہ اس کا نقصان قریب تر ہے (یعنی واضح و آشکارا ہے) سو کیا ہی برا کارساز ہوا اور کیا ہی برا ساتھی! (۱۳)

---

(۳) قرآن نے جا بجا انسان کی ایک ذہنی حالت کو ''جدال فی اللہ بغیر علم'' سے تعبیر کیا ہے' تشریح اس کی آخری نوٹ میں ملے گی-

(۴) قرآن نے ہر جگہ یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ایمان امید اور یقین ہے اور کفر شک اور مایوسی ہے، اور وہ بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ مایوس نہ ہو- امید کا چراغ روشن رکھو- ہر حال میں امیدوار فضل وسعادت رہو- یہی مقتضائے ایمان ہے- یہی سرچشمہ زندگی ہے- اسی سے تمام دنیوی اور اخروی کامرانیوں کی دولت حاصل ہو سکتی ہے- اگر مایوس ہو گئے، اگر مایوسی کی پرچھائیں بھی دل پر پڑنے دی تو پھر یہ زندگی کا خاتمہ ہوگا، دنیا کی نامرادی ہوگی' عاقبت کا خسران ہوگا! وہ کہتا ہے' زندگی امید ہے اور موت مایوسی - جونہی تم نے امید کی شمع جلائی زندگی وسعادت کے دائرہ میں آ گئے- جونہی یہ شمع بجھی، موت اور نامرادی کی ظلمت میں گر گئے-

غور کرو- قرآن جو کچھ کہتا ہے کیا اس کے علاوہ بھی کچھ اس بارے میں کہا جا سکتا ہے؟ کیا انسانی زندگی کی ساری کامرانیوں اور فتح مندیوں کی اصل واساس امید ہی نہیں ہے؟ اور کیا ناامیدی سے بڑھ کر کوئی موت کا سرچشمہ ہو سکتا ہے؟

---

[1] ''الحرف'' الشک - اصلہ من حرف الشیٔ وھو طرفہ - مثل حرف الجبل والحائط فان القائم علیہ غیر مستقر-

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا
يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ
لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ
مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِئِيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۖ
إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کیے تو ضرور اللہ انہیں ایسے باغوں میں پہنچا دے گا جن کے تلے نہریں بہ رہی ہوں گی (اور اس لیے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (وہ مالک و مختار ہے!)۔ (۱۴)

جو آدمی (مایوس ہو کر) ایسا خیال کر بیٹھتا ہے کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد کرنے والا نہیں، تو (اس کے لیے زندگی کی کوئی راہ باقی نہ رہی) اسے چاہیے ایک رسّی چھت تک لے جا کر باندھ دے۔ اور (اس میں گردن لٹکا کر زمین سے) رشتہ کاٹ لے۔ پھر دیکھے اس تدبیر نے اس کا غم و غصہ دور کر دیا یا نہیں؟ (۱۵)

اور دیکھو، اس طرح ہم نے یہ کلام روشن دلیلوں کی شکل میں اتارا، اور اس لیے اتارا کہ اللہ جسے چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ پر لگا دیتا ہے! (۱۶)

جو لوگ ایمان لائے (یعنی مسلمان) جو یہودی ہوئے، جو صابی ہیں، جو نصاریٰ ہیں، جو مجوسی ہیں، جو مشرک ہیں؛ قیامت کے دن ان سب کے درمیان اللہ فیصلہ کر دے گا (اور ان کے اعمال کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی) اللہ سے کوئی بات چھپی نہیں۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے! (۱۷)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی بھی زمین میں ہے۔ نیز سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت،

یہاں آیت (۱۱) میں یہی حقیقت واضح کی ہے۔ فرمایا کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی بندگی تو کرتے ہیں مگر اس طرح کہ دل میں جماؤ نہیں ہے اور ایمان کی بنیاد یقین پر نہیں ہے۔ زندگی کے عارضی اور وقتی حالات پر ہے۔ اگر آرام و خوشحالی کی کوئی بات پیش آ گئی تو مطمئن ہو گئے، مصیبت پیش آ گئی تو اکھڑ گئے۔ ایسا آدمی نہ تو دنیا کی زندگی میں کامیاب ہو سکتا ہے نہ آخرت میں۔ کیونکہ بنائے کامیابی یقین اور امید ہے۔ جو اس روح سے محروم رہا وہ دونوں جگہ نامراد ہوگا اور زندگی کی سب سے نمایاں نامرادی یہی ہے! پھر فرمایا۔ زندگی کی ذرا سی مصیبت بھی انہیں اللہ کی طرف سے ہٹا کر دوسری چوکھٹوں پر گرا دیتی ہے۔ جہاں نہ ان کے لیے نفع ہے نہ نقصان۔ اور گمراہی میں سب سے زیادہ گہری گمراہی یہی ہے!

(۵) آیت (۱۱) پر غور کرو۔ انسانی زندگی کی گمراہیوں کی کیسی سچی تصویر ہے؟ کتنے ہی آدمی ہیں جو بظاہر خدا پرستی کے دعوے میں کسی سے پیچھے نہیں ہوتے لیکن جہاں زندگی کے کسی الجھاؤ میں پڑے اور وہ حسب خواہش دور نہیں ہوا، معاً انہوں نے خدا سے منہ موڑ لیا، اور گو زبان سے اقرار نہ کریں لیکن ان کی اعتقادی حالت ایسی ہی ہو جاتی ہے کہ اب حاجت براری کے لیے دوسرے آستانے ڈھونڈنے چاہییں۔ چنانچہ جو چوکھٹ سامنے نظر آ جائے گی فوراً جھک جائیں گے اور اسے اپنی بندگی و نیاز کا کعبہ بنا لیں گے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿ **ذلك هو الضلال البعيد** ﴾ یہی گمراہی کی سب سے زیادہ گہری حالت ہے۔

آیت (۱۲) میں فرمایا۔ وہ ایسی ہستیوں کو پکارنے لگتے ہیں جن کے نفع سے زیادہ ان کا نقصان اقرب ہے۔ یعنی اگر وہ ذرا بھی سمجھ بوجھ

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ
السجدة ۲ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾
هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ
رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ؕ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ
ع ۲ ۱۴ ۹ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

چار پائے؛ سب اللہ کے آگے سر بہ سجود ہیں؟ اور کتنے ہی انسان بھی؟ ہاں بہت سے انسان ایسے بھی ہیں کہ ان پر عذاب کی بات ثابت ہوگئی' اور جس کسی کو اللہ ذلت میں ڈالے تو پھر کوئی نہیں جو اسے عزت دینے والا ہو- وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے! (۱۸)

(دیکھو) یہ دو مخالف (فریق) ہیں جو اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے مخالف باتیں کہتے ہیں- ان میں سے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان کے لیے آگ کا پہناوا قطع کر دیا گیا- ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا- (۱۹) اس (کی گرمی کی شدت) سے جو کچھ ان کے شکم میں ہے جل کر گل اٹھے گا- ان کے جسم کے چمڑے کا بھی یہی حال ہوگا- (۲۰) نیز ان کی روک تھام کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے- (۲۱) جب کبھی (عذاب کے) دکھ سے بیقرار ہو کر نکلنا چاہیں گے' تو اسی میں لوٹا دیے جائیں گے کہ (اب نکلتے کیوں ہو؟) ''عذاب سوزاں کا مزہ چکھو!'' (۲۲)

جو فریق ایمان لایا اور نیک عمل ہوا' تو یقیناً اللہ اسے (نعیم ابدی کے) باغوں میں داخل کرے گا- ان کے تلے نہریں

سے کام لیں تو دیکھ لیں، ان سے نفع پہنچنے کے لیے تو کوئی دلیل موجود نہیں لیکن نقصان میں پڑ جانا بالکل واضح اور آشکارا ہے- کون سا نقصان؟ ایمان و عقل کا نقصان- اگر ایک انسان اپنے ہی جیسی عاجز و محتاج ہستی کو حاجت روائی کے پکارتا ہے تو حاجت پوری ہو یا نہ ہو لیکن اس کے ایمان و عقل کا تو فوراً خاتمہ ہو ہی گیا- اس نے سچائی اور حقیقت سے منہ موڑا- نجات و سعادت کی راہ اپنے اوپر بند کر لی- یہ تو ہوا فوری نقصان- باقی رہا نفع، تو اس کے لیے کوئی روشنی موجود نہیں- محض اوہام و ظنون ہیں جو اسے ان چوکھٹوں پر گرا رہے ہیں! پس نقصان یقینی اور فوری ہوا' اور نفع محض مظنون و موہوم!

(۶) آیت (۱۵) پچھلے بیانات کا خلاصہ ہے- فرمایا جس انسان نے امید و یقین کی جگہ شک و مایوسی کی راہ اختیار کی، خواہ دنیا کی زندگی کے لیے ہو خواہ آخرت کے لیے، اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اب اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں- ایسے آدمی کے لیے صرف یہی چارۂ کار رہ جاتا ہے کہ گلے میں پھندا ڈالے اور زندگی ختم کر ڈالے! سبحان اللہ! انسانی زندگی کے تمام مسائل اس ایک آیت نے حل کر دیے- زندگی امید اور سعی ہے- موت مایوسی اور ترک سعی ہے- پس اگر ایک بدبخت نے یہ فیصلہ کر لیا کہ خدا کے پاس اس کے لیے کچھ نہیں- دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی- تو پھر اس کے لیے باقی کیا رہا؟ کیا ہے جس کے سہارے وہ زندہ رہ سکتا ہے؟ اور زندہ رہے تو کیوں زندہ رہے؟

لیکن نہیں' ایمان نام ہی امید کا ہے اور مومن وہ ہے جو مایوسی سے کبھی آشنا نہیں ہو سکتا- اس کا ذہنی مزاج کسی چیز سے بھی اتنا بیگانہ نہیں جس قدر مایوسی سے- زندگی کی مشکلیں اسے کتنا ہی ناکام کریں لیکن وہ پھر سعی کرے گا- لغزشوں اور گناہوں کا ہجوم اسے کتنا ہی گھیر لے لیکن وہ پھر توبہ کرے گا- نہ تو دنیا کی کامیابی سے وہ مایوس ہو سکتا ہے' نہ آخرت کی نجات سے- وہ جانتا ہے کہ دنیا کی مایوسی موت ہے اور آخرت کی مایوسی شقاوت- وہ دونوں جگہ رحمت الٰہی کو دیکھتا اور اس کی بخششوں پر یقین رکھتا ہے کہ ﴿ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡہَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَہَبٍ وَّ لُؤۡلُؤًا ؕ وَ
لِبَاسُہُمۡ فِیۡہَا حَرِیۡرٌ ﴿۲۳﴾ وَ ہُدُوۡۤا اِلَی الطَّیِّبِ مِنَ الۡقَوۡلِ ۚۖ وَ ہُدُوۡۤا اِلٰی صِرَاطِ الۡحَمِیۡدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ
الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ الَّذِیۡ جَعَلۡنٰہُ لِلنَّاسِ سَوَآءَۨ
الۡعَاکِفُ فِیۡہِ وَ الۡبَادِ ؕ وَ مَنۡ یُّرِدۡ فِیۡہِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡہُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۵﴾ وَ اِذۡ بَوَّاۡنَا
لِاِبۡرٰہِیۡمَ مَکَانَ الۡبَیۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِکۡ بِیۡ شَیۡئًا وَّ طَہِّرۡ بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡقَآئِمِیۡنَ وَ الرُّکَّعِ
السُّجُوۡدِ ﴿۲۶﴾ وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ

بہ رہی ہیں۔ (اس لیے ان کی بہار کبھی ختم ہونے والی نہیں) انہیں وہاں (آگ کے پہناوے کی جگہ) سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے اور لباس ان کا ریشمی ہوگا۔ (۲۳) انہیں باتوں میں سے ایسی بات کی رہنمائی ملی جو نہایت پاکیزہ ہے۔ انہیں راہوں میں سے ایسی راہ پر چلایا گیا جس کی ستائش کی گئی! (۲۴) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جو اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں نیز مسجد حرام سے جسے ہم نے بلا امتیاز تمام انسانوں کے لیے (عبادت گاہ) ٹھہرایا ہے۔ خواہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے (تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم انہیں) اور ہر اس آدمی کو جو اس میں ازراہ ظلم حق سے منحرف ہونا چاہے گا عذاب دردناک کا مزہ چکھائیں گے۔ (۲۵)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی (اور حکم دیا) کہ "میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر اور میرا یہ گھر ان لوگوں کے لیے پاک رکھ جو طواف کرنے والے ہوں عبادت میں سرگرم رہنے والے ہوں رکوع و سجود میں جھکنے والے ہوں!" (۲۶) اور (حکم دیا تھا کہ) "لوگوں میں حج کا اعلان پکار دے۔ لوگ تیرے پاس دنیا کی تمام دور دراز راہوں سے آیا کریں گے

الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴾ (۳۹:۵۳)

(۷) اس کے بعد آیت (۱۷) میں فرمایا کہ دنیا دار العمل ہے اور ہر فرد اور گروہ کو اس کے ایمان و عمل کے مطابق نتیجہ ملنا ہے۔ یہاں حقیقت کا فیصلہ نہیں ہوتا کیونکہ آنکھوں کے آگے پردے پڑے ہیں لیکن قیامت کے دن تمام پردے اٹھ جائیں گے اور سب دیکھ لیں گے کہ اللہ کا فیصلہ حق کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے علاوہ ان مذہبی گروہوں کا بھی ذکر کیا جو عرب اور عرب کے جوار میں موجود تھے: یہودی، صابی، مسیحی، مجوس اور مشرک یعنی عرب کے بت پرست۔ آیت (۱۸) نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک اتباع حق کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا کائنات ہستی میں جس قدر مخلوق ہے سب اللہ کے احکام و قوانین کے آگے جھکی ہوئی ہے۔ اجرام سماویہ سے لے کر درختوں اور پتھروں تک کوئی چیز نہیں جس کے لیے اس نے احکام و قوانین نہ ٹھہرا دیے ہوں اور ان کے مطابق ان کی ہستی کا کارخانہ نہ چل رہا ہو۔ پھر اگر یہاں درخت کے ایک پتہ اور پہاڑ کی ایک چٹان کے لیے بھی کسی کے ٹھہرائے ہوئے احکام ہیں تو کیا انسان کے لیے نہیں ہوں گے جو کرۂ ارضی کے تمام سلسلہ خلقت کا ماحصل اور تمام کارخانہ تخلیق و تکمیل کا آخرین مظہر ہے؟ اور اگر سب کی ہستی و بقا اس پر موقوف ہوئی کہ احکام حق کے آگے سربسجود رہیں تو کیا انسان کی ہستی و سعادت کے لیے ایسا ہونا ضروری نہیں؟

عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ
الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا
بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا
يُتْلَى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿٣٠﴾ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَ
مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣١﴾ ذَلِكَ

یا پیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر جو (مشقت سفر سے) تھکی ہوئی ہوں گی۔ (٢٧) وہ اس لیے آئیں گے کہ اپنے فائدہ پانے کی جگہ میں حاضر ہو جائیں اور ہم نے جو پالتو چار پائے ان کے لیے مہیا کر دیے ہیں ان کی قربانی کرتے ہوئے مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔ پس قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔ (٢٨) پھر قربانی کے بعد وہ اپنے جسم ولباس کا میل کچیل دور کر دیں (یعنی احرام اتار دیں) نیز اپنی نذریں پوری کریں اور اس خانہ قدیم (یعنی خانہ کعبہ) کے گرد پھیرے پھر لیں۔" (٢٩)

تو دیکھو (حج کی) بات یوں ہوئی۔ اور جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حرمتوں کی عظمت مانے تو اس کے لیے اس کے پروردگار کے حضور بڑی ہی بہتری ہے۔ اور (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) ان جانوروں کو چھوڑ کر جن کا حکم قرآن میں سنا دیا گیا ہے، تمام چار پائے تمہارے لیے حلال کیے گئے ہیں۔ پس چاہیے کہ بتوں کی ناپاکی سے بچتے رہو۔ نیز جھوٹ بولنے سے۔ (٣٠) صرف اللہ ہی کے لیے ہو کر رہو۔ اس کے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہ کرو۔ جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس کا حال ایسا سمجھو جیسے بلندی سے اچانک نیچے گر پڑا۔ جو چیز اس طرح گرے گی اُسے یا تو کوئی اچک لے گا یا ہوا کا جھونکا کسی دور دراز گوشہ میں لے جا کر پھینک دے گا! (٣١)

اس آیت کے اسلوب بیان پر غور کرو۔ انسان کو مخلوقات ہستی کی عام صف سے الگ کھڑا نہیں کیا ہے بلکہ ایک ہی سلسلہ میں سب کا ذکر کیا ہے: ﴿ والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب و كثير من الناس ﴾ یعنی اس اعتبار سے سب ایک ہی صف میں ہیں۔ انسان کا گوشہ عام سلسلہ قوانین فطرت سے کوئی الگ گوشہ نہیں ہے۔ جس طرح سورج، چاند، ستارے، نباتات، جمادات، احکام فطرت کے آگے سر بسجود ہیں، اسی طرح صحیح الفطرت انسانوں کے بھی سر جھکے ہوئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہاں حقیقت کی راہ عمل صرف یہی ہے؟

یہ مقام مہمات معارف قرآنی میں سے ہے اور صرف اس ایک آیت کی تفسیر میں پوری ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿ و كثير حق عليه العذاب ﴾ بہت سے انسان ایسے ہیں جو اس دائرۂ اطاعت سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان پر تعذیب کا قانون لازم آ جاتا ہے۔ ﴿ و من يهن الله فما له من مكرم ﴾ اور جس کسی پر اللہ کے قانون تذلیل کی مہر لگ گئی تو پھر کوئی نہیں جو اسے سر بلند کر سکے!

(٨) آیت (١٩) میں فرمایا۔ دین کے کتنے ہی جتھے بن گئے ہوں مگر راہیں صرف دو ہی ہیں اور دو ہی منزلوں پر ختم ہوتی ہیں۔ ایک منکروں کی ہے۔ ایک مومنوں کی ہے۔ پہلی انکار، مایوسی اور بد عملی کی راہ ہے۔ دوسری ایمان، امید اور نیک عملی کی۔ پہلی کو بالآخر عذاب کی منزل پر پہنچنا ہے۔ دوسری کو نعیم و سرور ابدی پر۔ انہی دو راہوں پر چلنے والوں کو ﴿ خصمان اختصموا في ربهم ﴾ سے تعبیر کیا۔

(٩) اس کے بعد آیت (٢٥) سے سلسلہ بیان کفار مکہ کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ یہ گویا اذن قتال کی تمہید ہے جو آیت (٣٩) میں آنے والا ہے۔ فرمایا: یہ صرف کفر ہی پر قانع نہیں رہے بلکہ ظلم و تشدد پر اتر آئے۔ یہ مسجد حرام کا اپنے کو مالک سمجھتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا
رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾
الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ

(حقیقت حال) یہ ہے پس (یاد رکھو) جس کسی نے اللہ کی نشانیوں کی عظمت مانی تو اس نے ایسی بات مانی جو فی الحقیقت دلوں کی پرہیز گاری کی باتوں میں سے ہے۔ (۳۲) ان (چارپایوں) میں ایک مقررہ وقت تک تمہارے لیے (طرح طرح کے) فائدے ہیں۔ پھر (اس) خانہ قدیم تک پہنچا کر ان کی قربانی کرنی ہے۔ (۳۳)

اور (دیکھو) ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طور طریقہ ٹھہرا دیا کہ ہمارے دیے ہوئے پالتو چارپائے ذبح کرے تو اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرلے۔ پس (یاد رکھو) تمہارا معبود وہی ایک معبود یگانہ ہے (اور جب اس کے سوا کوئی نہیں تو چاہیے کہ) اسی کے آگے فرماں برداری کا سر جھکا دو!

اور (اے پیغمبر!) عاجزی اور نیاز مندی کرنے والے بندوں کو (کامرانی وسعادت کی) خوشخبری دے دو۔ (۳۴) ان (نیاز مندان حق) کو جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں، جو ہر طرح کی مصیبتوں میں صبر کرنے والے ہیں، جو نماز کے پڑھنے اور درستی میں کوشاں رہتے ہیں، جو اس رزق میں سے کہ اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے (نیک کاموں کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں! (۳۵) اور (دیکھو قربانی کے یہ) اونٹ (جنہیں دور دور سے حج کے موقع پر لایا جاتا ہے) تو ہم نے اسے ان چیزوں میں سے ٹھہرا دیا ہے جو تمہارے لیے اللہ کی (عبادت کی) نشانیوں میں سے ہیں۔ اس میں تمہارے لیے بہتری کی بات ہے۔

وہاں آنے اور عبادت کرنے سے روک دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ انسان کے لیے معبد عام ہے۔ وہ صرف باشندگان مکہ ہی کے لیے نہیں بنایا گیا ہے۔ تمام انسانوں کے لیے بنایا گیا ہے۔ کسی انسان کو حق نہیں کہ اس کا دروازہ عبادت گزاروں پر بند کردے۔

اس کے بعد آیت (۲۶) سے (۲۹) تک سے واضح کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عبادت گاہ کی بنیاد رکھی تو کیا مقاصد ان کے پیش نظر تھے اور وحی الٰہی نے کس راہ کی تلقین کی تھی؟ اور پھر حج کا اعلان کیا گیا تو اس کے بنیادی اعمال و مقاصد کیا کیا تھے؟ اور کس طرح وحی الٰہی نے اس کی رہنمائی کی تھی؟ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ:

(ا) توحید کا اعتقاد۔ (ب) عبادت گزاران حق کے لیے معبد کی تطہیر۔ (ج) حج کا اجتماع تا کہ اس کے گوناگوں منافع سے لوگ مستفید ہوں اور معین ایام میں ذکر الٰہی کا ولولہ تازہ ہوتا رہے۔ (د) جو لوگ اس موقع پر جمع ہوں جانوروں کی قربانیاں کریں اور محتاجوں کے لیے غذا کا اہتمام ہو۔

پس جس مرکز عبادت کا قیام اول دن سے ان مبادی و مقاصد کے لیے ہوا ہے کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ قریش مکہ اس کے مالک بن بیٹھیں اور جنہیں چاہیں وہاں آنے دیں، جنہیں چاہیں روک دیں۔

(۱۰) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت (۲۶) سے (۳۷) تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سب ان احکام کی حکایت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیے گئے تھے لیکن عام طور پر مفسروں نے آخری حصہ کو براہ راست خطاب قرار دیا ہے۔ بہرحال دونوں صورتوں میں یہ تمام تفصیلات اسی بات کی شرح ہے کہ ﴿سواء العاکف فیہ والباد﴾ یعنی یہ عبادت گاہ صرف باشندگان مکہ ہی کے لیے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ
سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ
كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ ع ۵

پس چاہیے کہ انہیں قطار در قطار ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام یاد کرو۔ پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں (یعنی ذبح ہو جائیں) تو ان کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور فقیروں اور زائروں کو بھی کھلاؤ۔ اس طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تا کہ (احسان الٰہی کے) شکر گزار رہو! (۳۶)

یاد رکھو! اللہ تک ان قربانیوں کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے نہ خون، اس کے حضور جو کچھ پہنچ سکتا ہے وہ تو صرف تمہارا تقویٰ ہے (یعنی تمہارے دل کی نیکی ہے) ان جانوروں کو اس طرح تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ اللہ کی رہنمائی پر اس کے شکر گزار رہو اور اس کے نام کی بڑائی کا آوازہ بلند کرو اور نیک کرداروں کے لیے (قبولیت حق کی) خوش خبری ہے! (۳۷)

جو لوگ ایمان لائے ہیں یقیناً اللہ (ظالموں کے ظلم و تشدد سے) ان کی مدافعت کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ امانت میں خیانت کرنے والوں کو کہ کفران نعمت کر رہے ہیں کبھی پسند نہیں کر سکتا! (۳۸)

جن (مومنوں) کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے، اب انہیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی رخصت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے! (۳۹)

بلا امتیاز سب کے لیے، خواہ مکہ کے رہنے والے ہوں یا دوسری جگہوں کے۔ چنانچہ اسی لیے حج اور قربانی کا حکم دیا گیا۔ لوگ دور دور سے یہاں آنے لگے اور قربانی کے جانور لانے لگے۔ خصوصاً قربانی کے اونٹ جو صحرا اور جبال طے کر کے حرم مکہ میں پہنچائے جاتے اور لوگ انہیں اس معبد کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی تصور کرتے۔ اب اگر قریش مکہ کا یہ اختیار تسلیم کر لیا جائے کہ جسے چاہیں آنے دیں، جسے چاہیں روک دیں تو پھر نہ کعبہ کعبہ رہا، نہ حج حج۔

(۱۱) ضمناً یہ بات بھی واضح کر دی کہ قربانی کی حقیقت کیا ہے؟ آیت (۲۸) اور (۳۶) میں فرمایا تھا کہ اس کا گوشت خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ یعنی مقصود اس سے جانوروں کا خون بہانا نہیں ہے جیسا کہ لوگ سمجھتے تھے بلکہ یہ ہے کہ لوگوں کے لیے غذا کا سامان ہو۔ پھر آیت (۳۷) میں صاف صاف کہہ دیا کہ اصل عبادت تمہارے دلوں کا تقویٰ ہے۔ نہ کہ قربانی کا گوشت اور خون۔

بت پرست اقوام میں قربانی کی رسم اس طرح چلی تھی کہ انہوں نے خیال کیا انسانوں کی طرح دیوتاؤں کو بھی چڑھاووں کی ضرورت ہے اور جانوروں کا خون بہانا ان کا غضب و قہر ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے نہ تو خدا تک گوشت کا چڑھاوا پہنچ سکتا ہے، نہ وہ خون بہانے کا شائق ہے۔ اصل شے جو اس کے حضور مقبول ہو سکتی ہے، دل کی نیکی اور طہارت ہے۔

ل "صواف" صف سے ہے۔ چونکہ اونٹ کو کھڑے کھڑے ذبح کرتے ہیں، اس لیے اس لفظ سے تعبیر کرنے لگے۔ یعنی صفت توائمها۔ گھوڑے کے لیے بھی بولتے ہیں صفن الفرس فهو صافن اذا قام على ثلاث قوائم وثنى الرابعة۔

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ
يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا
بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ
نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ

یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دیے گئے- ان کا کوئی جرم نہ تھا- اگر تھا تو صرف یہ کہ وہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے! اور دیکھو، اگر اللہ بعض آدمیوں کے ہاتھوں بعض آدمیوں کی مدافعت نہ کراتا رہتا (اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ظلم وتشدد کرنے کے لیے بے روک چھوڑ دیتا) تو کسی قوم کی عبادت گاہ زمین پر محفوظ نہ رہتی- خانقاہیں' گرجے' عبادت گاہیں' مسجدیں جن میں اس کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے سب کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے- (یاد رکھو) جو کوئی اللہ (کی سچائی) کی حمایت کرے گا ضروری ہے کہ اللہ بھی اس کی مدد فرمائے- کچھ شبہ نہیں وہ یقیناً قوت رکھنے والا اور سب پر غالب ہے! (۴۰)

یہ (مظلوم مسلمان) وہ ہیں کہ اگر ہم نے زمین میں انہیں صاحب اقتدار کر دیا (یعنی ان کا حکم چلنے لگا) تو وہ نماز (کا نظم) قائم کریں گے' زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم ہوں گے' نیکیوں کا حکم دیں گے' برائیاں روکیں گے، اور تمام باتوں کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے! (۴۱)

اور (اے پیغمبر!) اگر یہ (منکر) تجھے جھٹلائیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) ان سے پہلے کتنی ہی قومیں اپنے اپنے وقتوں کے رسولوں کو جھٹلا چکی ہیں- قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود' (۴۲) قوم ابراہیم' قوم لوط (۴۳) اصحاب مدین اور موسیٰ بھی جھٹلایا گیا (اگرچہ خود اس کی قوم نے نہیں جھٹلایا) اور ہم نے (ہمیشہ ایسا ہی کیا کہ) پہلے منکروں کو (کچھ عرصہ کے لیے)

---

(۱۲) آیت (۳۸) اور (۳۹) میں مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے دفاع میں اب ہتھیار اٹھا سکتے ہیں- بالاتفاق یہ پہلی آیت ہے جو اذن قتال کے بارے میں نازل ہوئی- اس سے پہلے قریش مکہ کا یہ ظلم بیان کر دیا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں پر حج کی راہ بند کر دی ہے جس کا انہیں کوئی حق نہیں- اب یہاں صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا کہ جواز قتال کی علت کیا ہے؟ فرمایا: ﴿ بانهم ظلموا ﴾ اس لیے کہ مسلمان مظلوم ہیں اور مظلوم کا حق ہے کہ ظالم کے مقابلہ میں اپنا بچاؤ کرے- یہ مظلوم تیرہ برس تک قریش مکہ کے ظلم وتشدد کا نشانہ رہے - بالآخر ترک وطن پر مجبور ہوئے- لیکن غربت میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا گیا- ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا- آخر ان کا قصور کیا تھا - صرف یہ کہ یقولوا "ربنا اللہ" وہ کہتے تھے ہم اپنے یقین کے مطابق اپنے پروردگار کو یاد کرنا چاہتے ہیں- ہم دوسروں کو مجبور نہیں کرتے کہ ہمارا اعتقاد تسلیم کر لیں- لیکن دوسرے ہمیں کیوں مجبور کرتے ہیں کہ اپنے اعتقاد سے دست بردار ہو جائیں؟

اس کے بعد واضح کیا کہ یہ مظلوموں کا قدرتی حق ہے- اگر وہ اس حق سے محروم کر دیے جائیں تو دنیا میں انسانی ظلم واستبداد کی مدافعت کا کوئی سامان باقی نہ رہے- جس گروہ کی بن پڑے دوسرے گروہ کے اعتقاد وعمل کی آزادی ہمیشہ کے لیے پامال کر دے- چنانچہ فرمایا- یہاں اللہ نے ایک جماعت کے ہاتھوں دوسری جماعت کے ظلم وتشدد کو دفع کرانے کا نظام قائم کر رکھا ہے- اگر یہ سلسلہ مدافعت بعض ببعض نہ ہوتا تو

لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ
عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ
يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي
الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ
مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا ع ۶ ۱۳

ڈھیل دے دی پھر (مواخذہ میں) پکڑ لیا تو دیکھ! ہماری ناپسندیدگی ان کے لیے کیسی سخت ہوئی؟ (۴۴)

پھر دیکھو، کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور وہ ظلم کرنے والی تھیں - وہ ایسی اجڑیں کہ اپنی چھتوں پر گر کے رہ گئیں - کنویں ناکارہ ہو گئے - سر بہ فلک محل کھنڈر بن گئے - (۴۵) کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ عبرت حاصل کرتے؟ ان کے پاس دل ہوتے اور سمجھتے بوجھتے - کان ہوتے اور سنتے اور پاتے - حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی اندھے پن میں پڑتا ہے تو آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں (جو سروں میں ہیں) دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں! (۴۶)

اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تجھ سے عذاب کے مطالبہ میں جلدی مچا رہے ہیں (یعنی کہتے ہیں اگر سچ مچ کو عذاب آنے والا ہے تو کیوں نہیں آ چکتا؟) اور اللہ کبھی ایسا کرنے والا نہیں کہ اپنا وعدہ پورا نہ کرے - مگر تیرے پروردگار کے یہاں ایک دن کی مقدار ایسی ہے جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ایک ہزار برس - (۴۷)

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے (ابتدا میں) ڈھیل دی اور وہ ظالم تھیں - پھر ہم نے مواخذہ میں پکڑ لیا اور بالآخر سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے! (۴۸) (اے پیغمبر!) کہہ دے "اے لوگو! میں اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ (انکار و شرارت

دنیا میں خدا پرستی کا خاتمہ ہو جاتا - کسی گروہ کی عبادت گاہ انسانی ظلم و استبداد کے ہاتھوں محفوظ نہ رہتی -

(۱۳) آیت (۴۱) نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے اقتدار و حکومت کا اصلی مقصد کیا تھا؟ فرمایا - ان مظلوم مسلمانوں کے اگر قدم جم گئے تو یہ کیا کریں گے؟ یعنی تمکن فی الارض کو کن مقاصد کے لیے کام میں لائیں گے؟ اس لیے کہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں، برائیوں سے روکیں اور ظلم و بد عملی کی جگہ عدالت و نیکی کی مملکت قائم ہو جائے!

(۱۴) اس کے بعد فرمایا - یہ انقلاب اسی سلسلہ انقلاب کی ایک کڑی ہے، جو دنیا میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے پس اگر منکرین حق اسے جھٹلائیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں، پہلے بھی ہمیشہ ظلم و غرور کے متوالوں نے حق و صداقت کی آوازیں جھٹلائی ہیں - اگر ان کے دل اندھے نہ ہو گئے ہوتے تو یہ پچھلوں کی سرگزشتوں سے عبرت پکڑتے مگر انسان کے ظلم و غرور کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ دوسروں کی حالت سے کبھی عبرت نہیں پکڑتا - یہاں تک کہ خود اس پر بھی وہ سب کچھ گزر جائے جو دوسروں پر گزر چکا ہے!

اس بات پر غور کرو کہ یہاں اسلامی اعمال میں سے اور کسی عمل کا ذکر نہیں کیا - صرف قیام صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا ذکر کیا - اس سے معلوم ہوا قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے جماعتی اقتدار کی اصلی علامت یہی دو عمل ہیں - جس گروہ کا اقتدار ان دو عملوں کے قیام سے خالی ہو اس کا اقتدار اسلامی اقتدار نہیں سمجھا جا سکتا -

(۱۵) آیت (۴۶) نے انسان کے ذہنی تعطل اور قلبی غفلت کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟ فرمایا - اگر فہم و بصیرت کی ساری دلیلیں ان کے لیے بے سود ہیں تو کیا آنکھوں کا مشاہدہ بھی کچھ کام نہیں دیتا؟ کیا انہوں نے زمین میں سیر و گردش نہیں کی، حوادث و انقلابات عالم کے

النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ
كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ
اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ

کے نتائج سے) تمہیں علانیہ خبردار کر دینا چاہتا ہوں!'' (۴۹)

پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی- (۵۰) جن لوگوں نے اللہ کی نشانیوں کے خلاف لڑ کر کامیاب ہونا چاہا، وہ دوزخی ہیں (ان کے لیے ہر طرح کی کامیابیوں اور سعادتوں سے محرومی ہے!) (۵۱)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول اور جتنے نبی بھیجے سب کے ساتھ یہ معاملہ ضرور پیش آیا کہ جونہی انہوں نے (اصلاح وسعادت کی) آرزو کی، شیطان نے ان کی آرزو میں کوئی نہ کوئی فتنہ کی بات ڈال دی اور پھر اللہ نے اس کی وسوسہ اندازیوں کا اثر مٹایا اور اپنی نشانیوں کو اور زیادہ مضبوط کر دیا- وہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے سارے کاموں میں) حکمت والا ہے! (۵۲)

اس میں (ایک بڑی) مصلحت یہ رہی ہے کہ شیطان کی وسوسہ اندازی ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہو جائے جن کے دل روگی ہیں اور (سچائی کی طرف سے) سخت پڑ گئے ہیں اور بلاشبہ یہ ظلم کرنے والے بڑی ہی گہری مخالفت میں پڑے ہیں- (۵۳)

نیز (اس میں) یہ مصلحت بھی تھی کہ (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے علم پایا ہے وہ جان لیں کہ یہ معاملہ فی الحقیقت تیرے

نتائج نہیں دیکھے؟ کیا ان کے کان بہرے ہو گئے کہ سن نہیں سکتے اور عقلیں ماری گئیں کہ سمجھ کام نہیں دیتی- پھر خود ہی ان سارے سوالوں کا جواب دے دیا کہ ﴿ فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور ﴾ اصل یہ ہے کہ جب کسی پر اندھے پن کا وقت آتا ہے تو آنکھوں کی بصارت نہیں جاتی- دل کی بصیرت جاتی رہتی ہے اور اسی کی بصیرت سے ساری بصارت ہے!

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ! تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے!

(۱۶) آیت (۴۷) میں قوانین کائنات کی ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مفسروں نے اس کی ساری اہمیت ضائع کر دی- فرمایا- یہ عذاب کے لیے جلدی مچاتے ہیں- یعنی از راہ شرارت کہتے ہیں- اگر سچ مچ کو بدعملیوں کا برا نتیجہ پیش آنے والا ہے تو کیوں نہیں آ چکتا؟ لیکن یہ نہیں جانتے کہ فطرت کائنات کی اوقات شماری کا وہ حساب نہیں جو دنیا میں لوگوں نے بنا رکھا ہے- اس کی گھڑی کا کانٹا بہت دیر میں چلتا ہے- تمہاری تقویم میں ہزار برس گزر جائیں تو اس کی تقویم کا بمشکل ایک دن گزرے- پس ظہور نتائج کا فیصلہ اپنی صبح وشام دیکھ کر نہ کر لیا کرو- ٹھہرو اور انتظار کرو- ایک دوسرے موقع پر ہزار برس کی جگہ پچاس ہزار برس کی بھی مدت فرمائی ہے- یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے- تشریح کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ دیکھو-

مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا
يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾
اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْۤا اَوْ ع ۹
مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ

پروردگار ہی کی طرف سے ہے- اس طرح اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دلوں میں عجز و نیاز پیدا ہو جائے- یقیناً اللہ ایمان والوں کو (سعادت و کامرانی کی) سیدھی راہ چلانے والا ہے! (۵۴)

(یاد رکھ) جو لوگ منکر ہیں وہ اس بارے میں برابر شک ہی کرتے رہیں گے- یہاں تک کہ (فیصلہ کن) گھڑی اچانک ان کے سروں پر آ جائے یا کسی منحوس دن کا عذاب آ نمودار ہو! (۵۵)

اس دن بادشاہی صرف اللہ ہی کی ہوگی- وہ ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا- پھر ان لوگوں کے لیے نعیم و سرور کے باغ ہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے- (۵۶) اور ان لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے جنہوں نے انکار کیا اور ہماری نشانیاں جھٹلائیں! (۵۷) اور (دیکھو) جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر لڑائی میں قتل ہوئے یا اپنی موت مر گئے تو (دونوں صورتوں میں) ضروری ہے کہ اللہ انہیں (آخرت میں) بہتر سے بہتر روزی دے، اور یقیناً اللہ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی بخشنے والا ہے! (۵۸) وہ ضرور انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوشنود ہوں گے-

---

(۱۷) آیت (۴۹) پچھلے ارشادات کا خلاصہ ہے- فرمایا اعلان کر دو، میرا ظہور تمہارے لیے ایک آشکارا انذار ہے- اور اب راہیں صرف دو ہی ہیں اور نتیجے بھی دو ہی پیش آنے والے ہیں- ایمان و عمل والوں کے لیے آخرت میں مغفرت اور دنیا میں رزق کریم کی بشارت ہے اور سچائی کی نشانیوں سے لڑنے والوں کے لیے نامرادی و عذاب کی وعید- اب جو راہ چاہو، اختیار کر لو-

(۱۸) پھر آیت (۵۲) میں مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ راہ کی ٹھوکروں سے غافل نہ ہو جائیں- نتائج کا ظہور یقینی ہے لیکن ساتھ ہی کشمکش بھی ناگزیر ہے- کیونکہ اس بارے میں سنت الٰہی کی نمود ہمیشہ ایسی ہی رہی ہے- ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ حق و باطل کی کشمکش کے بغیر حق کی فتح مندی آشکارا ہو جائے-

چنانچہ فرمایا- کوئی رسول اور نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا کہ اس کی طلبگاریوں کی راہ میں یعنی اصلاح و ہدایت کی راہ میں شیطان کی فتنہ پردازیوں نے رخنہ ڈالنا نہ چاہا ہو اور مفسدانہ قوتیں پوری طرح آمادۂ پیکار نہ ہو گئی ہوں- پس اس معاملہ کی سچائی کا معیار یہ نہیں ہے کہ شیطانی وسوسہ اندازی خلل انداز ہوتی ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ ہے کہ بالآخر کامیاب ہوتی ہے یا نہیں اور وحی و نبوت کی ربانی قوتیں اس کے اثرات ملیامیٹ کر دیتی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ شیطانی قوتیں کسی حال میں بھی نابود نہیں ہو جا سکتیں- جب تک انسان موجود ہے شیطان اور اس کی وسوسہ اندازیاں بھی موجود ہیں- لیکن وحی و نبوت کے اعمال کی خصوصیت یہ ہے کہ شیطانی قوتیں کتنی ہی ابھریں، فتح مند نہیں ہو سکتیں- فینسخ الله ما یلقی الشیطان ثم یحکم الله اٰیاته- وہ جتنے فتنے بھی اٹھاتی ہیں اللہ ان کے اثرات محو کر دیتا ہے، اور پھر اپنی نشانیوں کو اور زیادہ

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿٥٩﴾ ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ
لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ
فِي الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫
فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ

یقیناً وہ (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے کاموں میں) بڑا بردبار ہے!(۵۹)

(بہرحال) حقیقت حال یہ ہے-پس جس کسی نے خود زیادتی نہیں کی، بلکہ جتنی سختی اس کے ساتھ کی گئی تھی ٹھیک اتنی ہی بدلے میں کرنی چاہیے اور پھر دشمن مزید زیادتی پر اتر آیا تو ضروری ہے کہ اللہ مظلوم کی مدد کرے-اللہ یقیناً معاف کر دینے والا بخش دینے والا ہے!(۶۰)

اور یہ (صورت حال) اس لیے ہوئی کہ اللہ رات کو دن کے اندر نمایاں کرتا ہے اور دن کو رات کے اندر (یعنی یہاں ہر گوشہ میں حالات کی متضاد تبدیلی کا قانون جاری ہے) نیز اس لیے کہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے!(۶۱)

نیز اس لیے بھی کہ حق اللہ ہی کی ہستی ہے اور جن ہستیوں کو اس کے سوا پکارتے ہیں باطل ہیں، اور پھر اس لیے بھی کہ اللہ ہی کی ہستی بلند مرتبہ ہے بڑائی والی!(۶۲)

کیا تم نے (یہ منظر) نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور (سوکھی) زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے؟ یقین کرو، اللہ بڑا ہی لطف کرنے والا ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے!(۶۳) آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے-

---

مضبوط کر دیتا ہے-یعنی شیطانی فتنہ جتنا بڑھتا جاتا ہے‘ اللہ کی نشانیوں کا نقش اور زیادہ جمتا اور گہرا ہوتا جاتا ہے-

پھر آیت (۵۳) اور (۵۴) میں واضح کر دیا کہ اس صورت حال میں لوگوں کے لیے آزمائش ہوتی ہے-جن کے دل روگی ہیں وہ اور زیادہ ضد اور عناد میں بڑھ جاتے ہیں-جو اصحاب علم و بصیرت ہیں ان کا ایمان اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے!

(۱۹) آیت (۶۰) سے (۶۲) تک تین آیتوں میں تین ”ذالک“ آئے ہیں-ان کا مطلب سمجھ لینا چاہیے-

﴿ ذلک ومن عاقب بمثل ما عوقب به ﴾ یعنی اب صورت حال یہ ہے جو اوپر بیان کر دی گئی ہے-اور ایسی حالت میں ضروری ہے کہ مظلوموں کو دفع ظلم و تشدد کا موقع دیا جائے-پس جو مظلوم مدتوں تک ستائے جانے کے بعد دفع کے لیے آمادہ ہوں گے اور جس طرح ان پر تلوار اٹھائی گئی ہے‘ ٹھیک اسی طرح خود بھی تلوار اٹھائیں گے اور پھر اس کی وجہ سے ظالم ازسرنو ظلم و تعدی پر آمادہ ہو جائیں گے‘ تو وہ یقین رکھیں-اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا‘ کیونکہ وہ ظالم نہیں ہیں-ظلم کا دفاع کرنے والے ہیں-آخر میں کہا ﴿ ان الله لعفو غفور ﴾ اللہ کی بخشش پر بھروسہ رکھیں-یعنی وہ جو قدم اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں‘ وہ کتنی ہی مجبوری کی حالت میں اٹھایا ہو‘ مگر پھر قتل و خونریزی کا قدم ہے-لیکن چونکہ بڑی برائی کو دور کرنے کے لیے چھوٹی برائی اختیار کر لینی پڑتی ہے‘ اس لیے وہ یقین رکھیں-اللہ درگزر کرنے والا بخش دینے والا ہے-

﴿ ذلک بان الله یولج الیل فی النهار ﴾ اور اللہ کی مدد کیوں ان کا ساتھ دے گی؟ اس لیے کہ قانون الٰہی یہی ہے کہ یہاں حالت پلٹتی رہے-وہ دن کے اندر سے رات کو ابھارتا‘ اور رات کے اندر سے دن کو نمایاں کرتا ہے-ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ہی حالت سدا قائم

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِيْ ع ۸/۱۵
فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۫ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ
اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

وہی ہے جو بے نیاز ہے، ہر طرح کی ستائشوں کا سزاوار! (۶۴)

کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ کس طرح اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لیے مسخر کر دی ہیں؟ جہاز کو دیکھو، کس طرح وہ اس کے حکم سے سمندر میں تیرتا چلا جاتا ہے؟ پھر کس طرح اس نے آسمان کو (یعنی فضائے سماوی کے اجرام کو) تھامے رکھا کہ زمین پر گریں نہیں، اور گریں تو اس کے حکم سے؟ بلاشبہ اللہ انسان کے لیے بڑی ہی شفقت رکھنے والا بڑی ہی رحمت والا ہے! (۶۵)

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی پھر وہ موت طاری کرتا ہے۔ پھر (دوبارہ) زندہ کرے گا۔ دراصل انسان بڑا ہی ناشکرا ہے! (۶۶)

(اے پیغمبر!) ہم نے ہر امت کے لیے (عبادت کا) ایک طور طریقہ ٹھہرا دیا ہے جس پر وہ چل رہی ہے، پس لوگوں کو اس معاملہ میں (یعنی اسلام کے طور طریقہ میں) تجھ سے جھگڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تو اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو دعوت دے (کہ اصل دین یہی ہے) یقیناً تو ہدایت کے سیدھے راستے پر گامزن ہے! (۶۷)

اگر (اس پر بھی) لوگ تجھ سے جھگڑا کریں تو کہہ دے "اللہ تمہارے کاموں سے بےخبر نہیں۔ (۶۸) تم جن باتوں میں

رہے۔ پس ضروری ہے کہ تمہاری حالت میں بھی اب انقلاب ہو۔ ﴿ وان اللہ سمیع بصیر ﴾ نیز اس لیے کہ وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ یعنی یہاں اندھے بہرے قوانین کی حکومت کام نہیں کر رہی ہے جو نہ تو ظالموں کا ظلم دیکھتی ہو، نہ مظلوموں کی فریاد سنتی ہو۔ بلکہ ایک سمیع و بصیر عدالت کی کارفرمائی ہے۔ پس ضروری ہے کہ دیکھا جائے اور سنا جائے!

﴿ ذلک بان اللہ ھو الحق ﴾ کیوں دیکھا جائے؟ کیوں سنا جائے؟ کیوں دیکھنے اور سننے کا نتیجہ یہی نکلے؟ اس لیے کہ حق اللہ ہی کی ہستی ہے اور یہ منکرین رسالت جنہیں پکار رہے ہیں وہ بطلان کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ پس ضروری ہے کہ حقیقت دیکھے اور سنے اور بطلان اپنے بطلان کا ثبوت دے دے ﴿ وان اللہ ھو العلی الکبیر ﴾۔ نیز اس لیے کہ رفعت و کبریائی اللہ ہی کے لیے ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس کے کلمہ حق کی رفعت اور بڑائی آشکارا ہو کر رہے۔

(۲۰) آیت (۶۳) میں اس انقلاب حال کی مثال دے دی۔ کیا تم نے یہ منظر نہیں دیکھا ہے کہ سوکھی زمین پر پانی برستا ہے اور پھر وہ اچانک سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے؟ ایسا ہی حال اس معاملہ کا بھی سمجھو۔ انسانی سعادت کی زمین پر بھی خشک سالی کا عالم چھا جاتا ہے۔ پھر جب سرسبزی کا موسم آتا ہے تو بارش کا ایک چھینٹا انقلاب حال پیدا کر دیتا ہے۔ وہ موسم اب آ چکا اور انقلاب کچھ دور نہیں۔

(۲۱) آیت (۶۷) میں اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصل دین ایک ہے۔ البتہ "مناسک" میں یعنی عبادت کے طور طریقہ میں اختلاف ہوا کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی۔ جس کی جیسی حالت تھی اس کے مطابق ایک طور طریقہ اسے دے دیا گیا۔ پس طالب حق کو چاہیے کہ سب سے پہلے اصل کو دیکھے نہ یہ کہ فرع کے پیچھے پڑ جائے۔ فرمایا ﴿ فلا ینازعنک فی الامر ﴾ اس بارے میں تم سے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ
ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا
لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ
وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ
بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ ع ۸ ۱۶
مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ

باہم گر اختلاف کر رہے ہو قیامت کے دن وہ تمہارے درمیان فیصلہ کر کے حقیقت حال آشکارا کر دے گا'' (۶۹)

''(اے پیغمبر!) کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ پر سب کچھ روشن ہے- جو کچھ آسمان میں ہے، جو کچھ زمین میں ہے؟ یہ ساری باتیں نوشتہ میں ضبط ہیں- اور ایسا کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں!'' - (۷۰)

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جن کے لیے نہ تو اس نے کوئی سند اتاری اور نہ ان کے پاس علم کی کوئی روشنی ہے- اور بے انصافوں کو مددکا کوئی سہارا نہیں مل سکتا! (۷۱)

اور جب انہیں ہماری روشن آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کفر ہے ان کے چہروں پر ناپسندیدگی ابھرتی ہوئی دیکھ کر تم پہچان لیتے ہو- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مارے ناپسندیدگی کے یہ پڑھنے والوں پر حملہ کر بیٹھیں گے- (اے پیغمبر!) تو کہہ دے ''کیا میں تمہیں اس سے بھی ایک بدتر صورت حال کی خبر دوں؟ آگ کے شعلے! جس کا اللہ نے منکروں کے لیے وعدہ کر لیا اور جس کا ٹھکانا یہ ہوا تو کیا ہی برا ٹھکانا ہے!'' (۷۲) اے لوگو! ایک مثال سنائی جاتی ہے- غور سے سنو! اللہ کے سوا جن (خود ساختہ) معبودوں کو تم پکارتے ہو انہوں نے ایک مکھی تک پیدا نہیں کی- اگر تمہارے یہ سارے معبود اکٹھے ہو کر زور لگائیں جب بھی پیدا نہ کر سکیں- اور (پھر اتنا ہی نہیں بلکہ) اگر ایک مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو ان میں قدرت نہیں

نزاع کرنے کا لوگوں کو حق نہیں- جس بات پر انہیں غور کرنا چاہیے وہ تو یہ ہے کہ اصل دعوت کیا ہے؟ ﴿ **وادع الی ربلک - انلک لعلی هدی مستقیم** ﴾ اصل دین دعوت الی اللہ ہے اور یہی ہے جو ہدایت کی سیدھی راہ ہے!

اس کے بعد فرمایا- اگر لوگ اس پر بھی نہ مانیں اور جھگڑا کریں تو پھر اللہ پر معاملہ چھوڑ دینا چاہیے- وہ قیامت کے دن ان تمام نزاعات کا آخری فیصلہ کر دے گا- اس سے معلوم ہوا کہ اگر دین کے بارے میں لوگ جدل و نزاع سے باز نہ آئیں تو پھر ﴿ **الله أعلم بما تعملون** ﴾ کہہ کر جھگڑا ختم کر دینا چاہیے- اس سے زیادہ کسی کے پیچھے پڑنے کا کسی کو اختیار نہیں- اور اگر اللہ کے رسول کے لیے بھی یہی راہ اختیار کرنی تھی تو اور کسی کو اس سے آگے بڑھنے کا کب حق مل سکتا ہے- اگر پیروان مذاہب صرف اتنی بات سمجھ لیں کہ ﴿ **ان جادلوک فقل الله اعلم بما تعملون** ﴾ تو مذہبی نزاع و منافرت کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں-

(۲۳) آیت (۷۳) سے آخر تک سورت کے مواعظ کا خاتمہ ہے- فرمایا:

وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ
حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ
بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ
جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِی الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ
الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ

السجدۃ عند الشافعی

کہ اس سے چھڑا لیں- تو دیکھو طلبگار بھی یہاں درماندہ ہوا اور مطلوب بھی درماندہ (یعنی پرستار بھی عاجز ہیں اور ان کے معبود بھی عاجز)(۷۳)

اللہ کے مقام کی جو عزت کرنی تھی یہ نہ کر سکے- وہ تو سرتاسر قوت ہے، سب پر غالب!(۷۴)

اللہ نے فرشتوں میں سے بعض کو پیام رسانی کے لیے برگزیدہ کر لیا- اسی طرح بعض انسانوں کو بھی (لیکن اس برگزیدگی سے انہیں معبود ہونے کا درجہ نہیں مل گیا جیسا ان گمراہوں نے سمجھ رکھا ہے) بلاشبہ اللہ ہی ہے سننے والا' دیکھنے والا!(۷۵) وہ جانتا ہے، جو کچھ انہیں پیش آنے والا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا- اور ساری باتوں کا آخری سررشتہ اسی کے ہاتھ ہے!(۷۶) مسلمانو! رکوع میں جھکو' سجدے میں گرو' اپنے پروردگار کی بندگی کرو' جو کچھ کرو' نیکی کی بات کرو' عجب نہیں کہ اس طرح بامراد ہو!(۷۷)

اور اللہ کی راہ میں جان لڑا دو- اس کی راہ میں جان لڑا دینے کا جو حق ہے پوری طرح ادا کرو- اس نے تمہیں برگزیدگی کے لیے چن لیا- تمہارے لیے دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی- وہی طریقہ تمہارا ہوا جو تمہارے باپ ابراہیم کا تھا- اس نے تمہارا نام ''مسلم'' رکھا- پچھلے وقتوں میں بھی اور اس (قرآن) میں بھی- اور یہ اس لیے کیا تا کہ رسول تمہارے لیے (حق کا) گواہ ہو (یعنی معلم ہو) اور تم تمام انسانوں کے لیے-

(ا) اللہ کی بندگی و نیاز میں سرگرم رہو- تمہارے سارے کام خیر و صلاح پر مبنی ہوں- اگر حسن عمل کی یہ روح تم میں بس گئی تو پھر تمہارے لیے فلاح ہی فلاح ہے!

(ب) جہد فی اللہ تمہاری زندگی کا شعار ہو- ''جہد'' کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں- پس مطلب یہ ہوا کہ زیادہ سے زیادہ کوشش جو ایک انسان کسی مقصد کے لیے کر سکتا ہے وہ تمہیں اللہ کے لیے کرنی چاہیے- کیونکہ تمہارے مساعی کا نصب العین اس کے سوا اور کچھ نہیں- یہ کوشش نیت سے بھی ہے' زبان سے بھی' مال سے بھی' ہاتھ پاؤں سے بھی-

(ج) اس نے تمہیں برگزیدگی کے لیے چن لیا-

(د) اس نے تمہیں دین کی بہتر سے بہتر راہ دکھا دی- اس بہتری کا معیار کیا ہے؟ یہ کہ کسی طرح کی بھی تنگی اور رکاوٹ اس میں نہیں ہے-

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾

پس نماز کا نظام قائم کرو' زکوٰۃ کی ادائیگی کا سامان کرو- اللہ کا سہارا مضبوط پکڑ لو- وہی تمہارا کارساز ہے- اور جس کا کارساز اللہ ہوا، تو کیا ہی اچھا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا مددگار! (۷۸)

سب سے زیادہ سہل' سب سے زیادہ سبک' سب سے زیادہ واضح' سب سے زیادہ فکروعمل کی وسعت رکھنے والی- **حنيفية السمحة ليلها كنهارها!**

انسان پر فکروعمل کے ارتقاء کی راہ جس بات نے روک رکھی ہے وہ یہی دین کی تنگی اور رکاوٹ ہے- اس تنگی نے اس طرح انہیں جکڑ بند کر رکھا ہے کہ ایک قدم بھی وسعت و بلندی کی طرف نہیں اٹھا سکتے- اللہ نے اس جکڑ بندی سے تمہیں نجات دے دی- اور یہ اس کا بڑے سے بڑا احسان ہے جو کسی انسانی گروہ پر ہو سکتا ہے-

(ہ) یہ تنگیاں جس قدر ہیں بعد کو پیدا کر لی گئیں- اصل دین میں نہ تھیں جو تمہارے بزرگ ابراہیم (علیہ السلام) کا دین تھا- اسی دین خالص کی راہ تم پر کھول دی گئی-

(و) اس نے تمہارا نام "مسلم" رکھا- کیونکہ دین خالص اول دن سے "اسلام" ہی ہے- یعنی قوانین حق کی اطاعت- یہی نام پہلے تھا- یہی اب ہوا-

(ز) تمہیں اس لیے چنا گیا' کہ اللہ کا رسول تمہارے لیے شاہد ہو- تم تمام انسانوں کے لیے اپنا چراغ اس سے روشن کرو گے' تمہارے چراغ سے تمام دنیا کے چراغ روشن ہو جائیں گے:

یک چراغ ست دریں خانہ' کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری' انجمنے ساختہ اند!

(ح) یہ فرض کیونکر انجام پا سکتا ہے؟ اس طرح کہ نماز قائم کرو- زکوٰۃ کا نظام استوار کرو- اللہ کا سہارا مضبوط پکڑ لو- ﴿ **هو مولكم فنعم المولى و نعم النصير** ﴾

یہاں سے دو باتیں قطعی طور پر معلوم ہو گئیں- ایک یہ کہ دین کی سچائی کی سب سے بڑی کسوٹی یہ ہے کہ اس میں تنگی و رکاوٹ نہ ہو- دوسری یہ کہ مسلمانوں کے لیے دینی نام صرف "مسلمان" ہی ہے- اس کے سوا جو نام بھی اختیار کیا جائے گا وہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے نام کی نفی ہوگا- پس مسلمانوں کے مختلف فرقوں' مذہبوں اور طریقوں نے جو طرح طرح کے خودساختہ نام گھڑ لیے ہیں اور اب انہی سے اپنے پہچوانا چاہتے ہیں' وہ صریح "**سماكم المسلمين**" سے انحراف ہے-

بعث بعد الموت اور قرآن کا استدلال:

سورت کی ضروری تشریحات ختم ہو گئیں لیکن بعض مقامات کی اہمیت مزید تفصیل کی طالب ہے خصوصاً سورت کا ابتدائی حصہ جس میں بعث بعد الموت کا اثبات ہے- اس میں پہلے دلائل بیان کیے ہیں، پھر ان سے نتائج نکالے ہیں- یہ نتائج حسب ذیل ہیں- آیت (۶) پر غور کرو:

(ا) ﴿ **ذلك بان الله هو الحق** ﴾ اللہ کی ہستی ایک حقیقت ہے-

(ب) ﴿ وانه یحیی الموتی ﴾ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے-

(ج) ﴿ وانه علی کل شیء قدیر ﴾ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں-

(د) ﴿ وان الساعة اتية لاریب فیها ﴾ ایک مقررہ گھڑی آنے والی ہے-اس میں کوئی شبہ نہیں-

(ہ) ﴿ وان اللہ یبعث من فی القبور ﴾ جو مر گئے ہیں اللہ انہیں اٹھا کھڑا کرے گا-

یہ پانچ باتیں ہیں جن پر اس مقام کی موعظت نے روشنی ڈالی ہے-یہ شک کو دور کرتی اور اذعان ویقین کی طمانیت پیدا کر دیتی ہے-جو موعظت ایسی ہو اسے قرآن اپنی اصطلاح میں دلیل، برہان اور حجۃ سے تعبیر کرتا ہے-نہ کہ دلیل مصطلحۂ منطق وفنون جدلیہ-اب غور کرو-ان پانچوں باتوں کے لیے یہاں دلیل کی روشنی کس طرح نمایاں ہوئی ہے؟ فرمایا: ﴿ ان کنتم فی ریب من البعث ﴾ اگر تم شک میں پڑے ہو کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ اٹھنا کیسے ہو سکتا ہے تو اس بات پر غور کرو جو بیان کی جاتی ہے-تمہارا سارا شک اور استغراب دور ہو جائے گا-

تخلیق حیات اور اعادۂ حیات:

﴿ فانا خلقنا کم من تراب ﴾ تمہیں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ انسان مر کر پھر اٹھ کھڑا ہو-یعنی زندگی کا دوسرا اٹھان تمہیں عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن اگر یہ بات عجیب ہے تو کیا اس سے زیادہ یہ بات عجیب نہیں کہ زندگی کا پہلا اٹھان ظہور میں آ گیا؟ تم اپنی ہستی میں تو شک نہیں کر سکتے؟ اچھا یہ ہستی کس طرح ظہور میں آئی؟ دوسری مرتبہ اگر انسانی ہستی اٹھے گی تو یہ زندگی کی ابتدا نہیں ہوگی-زندگی کا اعادہ ہو گا-لیکن اس کی ابتدا کیونکر ہوئی؟ من تراب امٹی سے-یعنی ﴿ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ ﴾ (۱۵:۲۸) مٹی کا گارا جس میں مدتوں تک خمیر اٹھتا رہا اور پھر سوکھ کر کھنکھنانے لگا-سب سے پہلے زندگی کا جرثومہ اسی میں نمودار ہوا تھا-پھر حکمت الٰہی نے اسے درجۂ تکمیل تک پہنچایا-سوال یہ ہے کہ اگر زندگی عدم حقیقی سے وجود میں آ سکتی تھی تو کیا ایک مرتبہ وجود میں آ کر پھر دہرائی نہیں جا سکتی؟ زیادہ عجیب بات کون سی ہے؟ کسی چیز کی ابتدائی پیدائش، یا پیدائش کے بعد اعادہ؟ اگر تمہارے لیے ابتدائی پیدائش میں کوئی اچنبھا نہیں تو اعادہ میں کیوں ہو؟ کیوں تم قطعی فیصلہ کر دو کہ ایسا نہیں ہو سکتا؟ جس قدرت پر یہ دشوار نہ ہوا کہ زندگی پیدا کر دے اس پر یہ کیوں دشوار ہونے لگا کہ پیدا شدہ زندگی کو کہ بکھر گئی ہے پھر سمیٹ دے؟ اگر کمہار نئی مٹی سے نیا برتن بنا سکتا ہے تو ٹوٹے ہوئے برتن کے ٹکڑوں کو بھی دوبارہ ڈھال لے سکتا ہے!

پیدائش کا تناسلی سلسلہ اور قانونِ تحول:

اچھا یہ تو ابتدائی پیدائش ہوئی-اس کے بعد پیدائش کا جو سلسلہ قائم ہوا اس کا کیا حال ہے؟ اس کا حال یہ ہے کہ دو حقیقتیں ہر وقت تمہارے سامنے آتی رہتی ہیں-ایک یہ کہ انسانی وجود کا پورا درخت صرف ایک بیج سے پیدا ہو جاتا ہے جس کا نام ''نطفہ'' ہے-لیکن ''نطفہ'' کیا ہے؟ کیا گوشت پوست ہے؟ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے؟ ڈیل ڈول ہے؟ شکل وصورت ہے؟ عقل وحواس ہے؟ نہیں کچھ بھی نہیں ہے اور پھر سب کچھ ہے-ایک قطرۂ حقیر مگر اسی سے انسان کا جسم، اس کی صورت، اس کی قامت، اس کی ساری معنوی قوتیں ظہور میں آ جاتی ہیں-دوسری بات یہ کہ یہاں یکسر تغیر وتحول کا قانون جاری ہے-شکم مادر میں جنین کو دیکھو-کتنی مختلف حالتوں سے گزرتا ہے؟ نطفہ سے علقہ-علقہ سے مضغہ، مضغہ سے عظم ولحم، عظم ولحم سے تشکل وصورت-پھر پیدائش کے بعد بچے کو دیکھو-کس طرح یکے بعد دیگرے نشو وبلوغ کے درجے بدلتا رہتا ہے؟ جوان آدمی کو دیکھو-کس طرح جسم وعقل کے کمال تک پہنچتا اور پھر زوال کی طرف پلٹتا ہے؟ گویا انسان کی ہستی سراسر تبدل ہے، تطور ہے، تحول ہے، ایک حالت سے بدل کر دوسری حالت میں داخل ہوتے رہنا ہے!

عالم نباتات اور اعادہ وتحول:

یہی حال عالم نباتات کا ہے- زمین کی گود میں بھی زندگیاں اور پیدائشیں ہیں- جس طرح یہاں ''نطفہ'' ہے' وہاں بھی تخم اور تخم کے ذرات ہیں- تم دیکھتے ہو کہ اس کی گود زندگیوں کی نمود سے بالکل خالی ہوگئی- پھر دیکھتے ہو کہ زندگیوں کی فراوانی سے شاداب ہوگئی- یہ انقلاب کس طرح ظہور میں آیا؟ اسی طرح کہ محض ایک تخم سے' تخم کے ایک ذرہ سے' حیات نباتی کی ایک جوہری تلقیح سے پورا وجود نباتی پیدا ہو گیا اور تبدل وتحول کی تمام حالتیں اس پر بھی اسی طرح گزریں جس طرح تمہاری ہستی پر گزرتی رہتی ہیں-

قانون تاجیل:

ساتھ ہی غور کرو- یہاں ایک تیسرا قانون بھی کام کر رہا ہے- تم دیکھتے ہو کہ ہر تبدل کے لیے ایک **اجل مسمی**- یعنی ایک مقررہ وقت ہے جونہی وہ وقت آیا احیا و اجسام ظہور میں آ گئے- ''نطفہ'' کو دیکھو- ﴿ **نقر فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمی** ﴾ وہ اندرونی طور پر بنتا رہتا ہے مگر ایک مقررہ وقت تک ارحام کے اندر چھپا رہتا ہے- اجسام نباتیہ کو دیکھو- ان کی زندگی کا جوہر موجود ہوتا ہے مگر ابھرتا نہیں - ابھرتا کب ہے؟ ﴿ **اذا انزلنا علیھا الماء** ﴾ جب بارش کی گھڑی آتی ہے اور زندگی کے بروز ونمود کا اعلان کر دیتی ہے- اس وقت ﴿ **اھتزت وربت وانبتت من کل زوج بھیج** ﴾ کا عالم نمایاں ہو جاتا ہے!

تخم حیات اور اعادۂ نشاۃ:

یہ انسان وحیوان کی کامل ہستی جو محض ''نطفہ'' سے ظہور میں آتی ہے کیوں ظہور میں آتی ہے؟ اس لیے کہ اس میں جوہر حیات بالقوۃ موجود ہے اور پھر وہ بالفعل نمود کرتا ہے- اچھا اگر تمہاری روزانہ زندگی کا یہ معاملہ تمہارے لیے عجیب نہیں تو یہ بات کیوں عجیب ہو جائے کہ اسی طرح کوئی نطفہ حیات ہے جو مرنے کے بعد بھی موجود رہتا ہے، اور اس سے دوبارہ وجود انسانی ظہور میں آ جائے گا؟ تم کہو گے اس کی کوئی مثال نہیں لیکن تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو جبکہ اس کی مثال ہمیشہ تمہاری نگاہوں سے گزرتی رہتی ہے؟ ﴿ **وتری الارض ھامدۃ** ﴾ تم زمین کو دیکھتے ہو- وہی زمین جو کچھ عرصہ پہلے شاداب تھی، یک قلم سوکھ گئی ہے- پھر جب اس کی زندگی کی اجل مسمّٰی آ جاتی ہے' یعنی پانی برسنے لگتا ہے' تو اچانک مری ہوئی شادابی دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے اور ہر تخم نباتی اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے- جس طرح نباتات کے اعادۂ نشاۃ کا یہ منظر ہمیشہ دیکھتے رہتے ہو ٹھیک اسی طرح انسانی زندگی کے اعادۂ نشاۃ کا معاملہ بھی سمجھو- بارش نے نئی زندگی پیدا نہیں کر دی، اسی پیدا شدہ زندگی کو دہرا دیا جو زمین کی آغوش میں محفوظ موجود تھی- قیامت کی اجل مسمّٰی بھی نئی زندگی پیدا نہیں کرے گی- اسی پیدا شدہ زندگی کو دہرا دے گی جو کائنات کی آغوش میں موجود ہے- اب تم کہو گے- اگر موجود ہے تو وہ دکھائی کیوں نہیں دیتی؟ لیکن تمہیں کون سی چیز دکھائی دیتی ہے؟ تمہیں نطفہ میں انسان اور تخم میں درخت دکھائی دیتا ہے؟ تم کہو گے مگر نطفہ اور تخم تو دکھائی دیتا ہے- اور زندگی کے جو جراثیم آنکھوں سے نہیں دیکھے جا سکتے' آلات کے ذریعہ سے دیکھ لیے جا سکتے ہیں- ہاں دیکھ لیے جا سکتے ہیں مگر اس لیے کہ زیادہ دقیق نہیں- جو دقیق نہیں تھے' وہ تمہیں صاف نظر آتے رہے- جو دقیق تھے' وہ ہزاروں برس تک نظر نہیں آئے- یہاں تک کہ تم نے طاقتور فردبینیں ایجاد کیں- پس تم کیسے حکم لگا دے سکتے ہو کہ ان سے بھی دقیق تر تخم ہائے حیات موجود نہیں؟ اگر تمہیں صرف اتنی سی بات کے لیے دس ہزار برس تک انتظار کرنا پڑا کہ نطفہ حیوانی کے جراثیم دیکھ لو، تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان سے بھی دقیق تر تخم ہائے حیات کے لیے تمہیں چند ہزار برس اور مطلوب نہیں؟ اور ان کا مرئی نہ ہونا ان کی معدومیت کا قطعی ثبوت ہے؟

تفصیل استدلال:

اب دیکھو، مندرجہ صدر موعظت سے ان پانچوں باتوں پر کس طرح اذعان ویقین کی روشنی پڑ رہی ہے؟

(ا) ﴿ ان الله هو الحق ﴾ کیونکہ یہ سب کچھ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ خالقیت اور قدرت کی ایک حقیقت کام کر رہی ہو۔ تم وجدانی طور پر ایسا اعتقاد رکھنے پر مجبور ہو۔

(ب) ﴿ انه يحيى الموتى ﴾ کیونکہ زندگی نہ تھی۔ اس نے پیدا کی اور پھر برابر اسے دہراتا رہتا ہے۔

(ج) ﴿ انه على كل شي قدير ﴾ کیونکہ جس کی قدرت نے ایک ایسے مواد سے جو مٹی اور پانی کی ملی جلی کیچڑ تھی' زندگی کا شعلہ روشن کیا اور اس کا ایسا نظم قائم کر دیا کہ نطفہ کے ایک قطرہ اور تخم کے ایک ذرہ سے پیدائشیں نکلتی اور زندگیاں بنتی رہتی ہیں اس کی قدرت سے کون سی بات بعید ہو سکتی ہے؟

(د) ﴿ ان الساعة اتية لاريب فيها ﴾ ایک مقررہ گھڑی قیامت کی ضرور آنے والی ہے۔ کیونکہ یہاں تبدیلی کا قانون نافذ ہے اور ہر تبدیلی کے لیے ایک اجل مسمّٰی مقرر ہے۔ پس جس طرح بارش کی مقررہ گھڑی تمام اجسام نباتیہ کو موت کی حالت سے زندگی کی حالت میں لے آتی ہے ضروری ہے کہ نوع انسانی کے لیے بھی ایک ایسی ہی اجل مسمّٰی ہو۔

(ہ) ﴿ وان الله يبعث من في القبور ﴾[1] اور جب وہ گھڑی آئے تو تمام اموات لہلہاتی ہوئی کونپلوں کی طرح اٹھ کھڑی ہوں۔

قرآن کی اس موعظت کو ٹھیک طور پر سمجھ لینے کے لیے ضروری ہے کہ چند مقامات واضح ہو جائیں۔

قرآن کی اصطلاح میں بعث:

اولاً' قرآن نے جا بجا حیات بعد الموت کو "بعث" سے تعبیر کیا ہے۔ بعث کے معنی اٹھ کھڑے ہونے کے ہیں۔ گویا اس کے نزدیک یہ معاملہ ایسا ہوگا جیسے کوئی سو رہا تھا، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسے خلقت کے "اعادہ" سے بھی تعبیر کرتا ہے۔ ﴿ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ﴾ (۲۱: ۱۰۴)

موت اور حیات:

ثانیاً' موت اور حیات کا اطلاق وہ صرف انہی حالتوں پر نہیں کرتا جو فلسفیانہ اصطلاح کی معدومیت اور تخلیق ہیں بلکہ ہر ایسی حالت پر کرتا ہے جس میں زندگی کی نمود مفقود ہو جائے یا بالفاظ دیگر صورت معدوم ہو جائے اور پھر نمایاں اور متشکل ہو جائے۔ اس باب میں اس کا اطلاق اس درجہ وسیع ہے کہ نیند کی حالت پر بھی اس نے موت کا اطلاق کیا ہے اور دراصل یہ خود عربی زبان کا لغوی اطلاق ہے۔ بعد کو موت اور حیات نے جو فلسفیانہ معانی پہن لیے وہ قرآن کی زبان نہیں ہے۔

انسان کا عام مشاہدہ اور اعتقاد بھی یہی ہے۔ "نطفہ" کو ہم زندہ نہیں کہتے۔ حالانکہ اس میں زندگی کا جرثومہ موجود ہے۔ آم کی گٹھلی اور پتھر کے ایک ٹکڑے میں ہم کوئی فرق نہیں کرتے۔ دونوں ہماری زبان' ہمارے اعتقاد اور ہمارے مشاہدہ میں بے جان ہیں' حالانکہ علمی اصطلاح میں گٹھلی بے جان نہیں۔ اس میں نباتی زندگی کا تخم موجود ہے۔ پس قرآن کے اختیارات لغویہ کو کہ لغت کے اعتبار سے ہیں' علمی

---

[1] ﴿ من في القبور ﴾ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو مردے قبر نامی محل دفن میں مدفون کیے گئے بلکہ یہ عربی کا محاورہ ہے کہ مردوں کو اصحاب قبور کہتے ہیں۔ ماانت بمسمع من في القبور یعنی تو مردوں کو مخاطب نہیں کر سکتا۔ زندوں ہی سے بات چیت کی جاتی ہے۔

مصطلحات پر ڈھالنا نہیں چاہیے- اس کی زبان میں ''موت'' عام ہے- خواہ انعدام محض ہو خواہ انعدام صورت ہو- اسی طرح ''حیات'' بھی عام ہے- خواہ معدومیت محضہ سے تخلیق ہو- خواہ کسی جوہر حیات سے بروز وانبعاث ہو- چنانچہ جس طرح وہ اس ابتدائی حالت کو موت سے تعبیر کرتا ہے جو عدم محض کی حالت تھی' اسی طرح نطفہ کی اور تخم ائے نباتات کی حالت کو بھی موت سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے- پہلے زندگی مٹی سے ہوئی' جبکہ حیات حیوانی میں سے کچھ نہ تھا- پھر نطفہ سے ہوتی ہے' جبکہ نطفہ کا جوہر حیات موجود ہوتا ہے-

''انبعاث'' تخلیق نہیں ہے اعادہ وتبدل حیات ہے:

ثالثاً' اس نے حشر اجساد کے معاملہ کو بھی اسی حالت سے تشبیہ دی ہے' جو نطفہ سے زندگی کے ابھرنے اور تخم سے درختوں کے نکلنے کی حالت ہوتی ہے- اس سے معلوم ہوا انسان کی دوسری زندگی کا ظہور اس طرح کا ظہور نہ ہوگا جیسا ابتدائی تخلیق کا ظہور تھا- یعنی بغیر کسی اصل حیات کے حیات ظہور میں آ گئی تھی- بلکہ ایسا ہوگا' جیسا نطفہ سے ایک نئی پیدائش اور بزور نباتات سے ایک نیا انبعاث ظہور میں آ جاتا ہے- یعنی اصل حیات بالقوہ موجود ہوتی ہے اور بالفعل ظہور میں آ جاتی ہے- اسی لیے وہ اسے ''بعث'' سے تعبیر کرتا ہے- جیسے کوئی آدمی دیر تک سوتا رہا تھا' پھر اٹھ کھڑا ہوا- اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اس انبعاث کے احساسات وواردات ایسے بیان کیے ہیں جیسے نیند کے بعد بیدار ہونے پر طاری ہوا کرتے ہیں- مثلاً جابجا کہا ہے- اس وقت لوگ سوچیں گے- ہم کتنے عرصہ تک بےخبر رہے؟ کوئی کہے گا' تھوڑی دیر- کوئی کہے گا زیادہ عرصہ تک- اور پھر یہی وجہ ہے کہ وہ اس حالت کو اعادۂ حیات سے تعبیر کرتا ہے' اور عالم ہستی کے تبدل وتحول سے استدلال کرتا ہے- یعنی جب فطرت کائنات کے ہر گوشہ میں تبدل حالت کا قانون کام کر رہا ہے' اور یہاں ہر قدم پر تبدل اور ہر منزل پر تجدد ہے تو کیوں تمہیں اس سے انکار ہو کہ ایک اور تبدل بھی پیش آنے والا ہے اور اس کا نام بعث وحشر ہے؟

انسان اپنی ہستی کی جس منزل تک پہنچ چکا ہے وہاں سے گردن موڑ کر پیچھے کی طرف دیکھے- کتنے بےشمار تبدلات ہیں جن سے اس کی ہستی گزرتی رہی ہے؟ پھر اگر ماضی میں بےشمار تبدلات ہو چکی ہیں تو کیوں مستقبل میں بھی نہ ہوں؟ کیوں تبدلات کا سفر اسی منزل تک پہنچ کر رک جائے؟ کیوں اس پر تعجب ہو کہ جہاں ایک ہزار تبدیلیاں ہو چکی ہیں وہاں ایک آخری تبدیلی اور بھی ہونے والی ہے؟ ہم نے اضافی حیثیت سے یہاں ''آخری'' کہہ دیا- ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ تبدل بھی آخری ہوگا؟ ﴿ و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا ﴾

یہاں وجود کی حقیقت نہیں مٹتی ،صورت مٹتی ہے:

رابعاً' ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں جو چیز بھی اپنا وجود پالیتی ہے پھر اس کی حقیقت معدوم نہیں ہوتی- صرف صورت معدوم ہو جاتی ہے- اور اسی صورت کا انعدام ہمارے لیے اس کا معدوم ہو جانا ہوتا ہے- تم درخت کو چیر کر تختہ بنا لیتے ہو- اب درخت معدوم ہو گیا- تختہ پیدا ہو گیا- مگر جو چیز معدوم ہو گئی' وہ کیا تھی؟ صورت یا حقیقت؟ محض صورت- جو پیدا ہو گئی' وہ کیا پیدا ہوئی؟ نئی حقیقت یا نئی صورت؟ نئی صورت- کیونکہ درخت پر جو تبدیلی طاری ہوئی وہ صرف صورت کی ہوئی- حقیقت تختے کی بھی وہی ہے جو درخت کی تھی- اب تختہ جلا دو- تختہ نابود ہو گیا' راکھ پیدا ہو گئی- راکھ بھی اڑا دو- راکھ نابود ہو گئی' منتشر ذرات پیدا ہو گئے- مگر ان دونوں حالتوں میں بھی جو انعدام ہوا' وہ کس چیز کا ہوا؟ محض صورت کا- اگر تم منتشر ذروں کا بھی تعاقب کر سکتے ہو تو کر دیکھو- صورت بدلتی جائے گی' حقیقت کبھی معدوم نہیں ہوگی- کیونکہ یہاں ہر گوشہ میں تبدل صرف صورت کے لیے ہے- حقیقت کے لیے نہیں ہے-

لیکن صورت کے اس تبدل کا سلسلہ کس نقطہ پر جا کر ختم ہوتا ہے؟ اس کا کھوج ہم آج تک نہ پا سکے- ہماری جستجو کا قافلہ ہمیشہ کی طرح

اب بھی رواں ہے- ہم نے عرصہ تک عناصر کا خواب دیکھا- ہم مدتوں جزء لا یتجزی کی سراغ رسانی میں رہے- ہم نے ذی مقراطیسی سالمات پر صدیوں تک اعتماد کیا- اب ہم الیکٹرون کی مثبت اور منفی لہروں میں اسے دیکھ رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ آگے بڑھیں گے یا یہیں رک رہیں گے- البتہ اس آخری منزل نے حقیقت کا ایک نیا جلوہ آشکارا کر دیا ہے یعنی یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مادہ کا آخری بقایا محض ایک جامد ذرہ ہی نہیں ہے بلکہ حرکت وخواصِ حرکت کی ایک مشتعل قوت ہے اور نہیں معلوم اس نقطہ قوت میں فعل وانفعال کی کتنی دنیا ئیں پوشیدہ ہیں!

تبدل صورت اور بقائے حقیقت سے استدلال:

قرآن کہتا ہے جب تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں تبدل صورت اور بقائے حقیقت کا قانون ہر گوشہ میں کام کر رہا ہے- تو پھر تم نے کیسے سمجھ لیا کہ ایک انسانی ہستی وجود میں آ کر پھر مطلقاً نابود ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی حقیقت جوہری باقی نہیں رہتی؟ فطرت کا جو قانون وجود وہستی کے ہر گوشہ میں نافذ ہے وہ زندگی اور روح کے لیے کیوں معطل ہو جائے؟ وہ انسان کی زندگی کے لیے کیوں معطل ہو جائے جو کرۂ ارضی کی تمام مخلوقات کا ماحصل اور سلسلہ تخلیق کا منتہا اور مقصود ہے؟ نہیں یہاں کوئی ہستی بھی جو وجود میں آ جائے' نابود محض نہیں ہو سکتی- بلاشبہ اس کی صورت مٹ جاتی ہے مگر حقیقت نہیں مٹے گی- اس کی صورت پر ہزار تبدیلیاں طاری ہو جائیں مگر بالآخر کوئی نہ کوئی حقیقت جوہری ضرور باقی رہے گی- وہ ایک دانہ تخم کی طرح ہو' ایک نطفہ پیدائش کی طرح ہو' ایک ذرۂ حیات کی طرح ہو' مگر ممکن نہیں کہ موجود نہ ہو- وہ کسی نہ کسی حالت میں ضرور موجود رہتی ہے اور پھر جونہی بعث واعادہ کی گھڑی آئے گی اور زندگی کا صور پھونکا جائے گا- ہر انسانی زندگی اس سے نمودار ہو کر اٹھ کھڑی ہو گی- ٹھیک اسی طرح جس طرح نطفہ پیدائش سے شکم مادر میں اور تخم نباتی سے آغوش ارضی میں اٹھ کھڑی ہوتی ہے!

یہاں کوئی ہستی جو پیدا ہو جائے' پھر نابود نہیں ہو جاتی- وہ کسی مخفی نشیمن میں سوئی رہتی ہے- اب اسے دوبارہ خلق کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی- صرف اٹھا دینے کی ضرورت ہوتی ہے- نباتات کی ہستی ذرات تخم کے نشیمنوں میں سوئی رہتی ہے- جب نمود وبروز کا موسم آتا ہے تو وہ نئی ہستیاں پیدا نہیں کر دیتا' سوئی ہوئی ہستیوں کو بیدار کر دیتا ہے- اسی طرح انسان کی ہستی بھی کسی نہ کسی ذرۂ تخم میں بند ہو کر سو رہتی ہے- اور جب وقت آئے گا تو اٹھ کھڑی ہو گی- تم اسے دیکھتے نہیں- لیکن تم اور کتنی حقیقتوں کو دیکھ رہے ہو؟ تمہیں اس کا پتہ نہیں- لیکن تم نے اور کتنی حقیقتوں کا پتہ لگا لیا ہے؟ تمہارے عدم ادراک سے حقیقت معدوم نہیں ہو سکتی- تم اگر اعتقاد وجود کے لیے مشاہدۂ وجود کو شرط سمجھ لو گے تو تمہیں آدھی دنیا سے انکار کر دینا پڑے گا- تم نے اگر ایسا سمجھ لیا ہوتا تو آج حقائق مادیہ کی دو تہائی حقیقتیں غیر معلوم ہوتیں- تم عرفان حقیقت کی راہ میں صرف حواس کے سہارے چل نہیں سکتے- تمہیں ادراک عقلی کا سہارا پکڑنا پڑتا ہے- اور پھر جب یہ سہارا بھی جواب دے دیتا ہے تو تم رک جاتے ہو اور انتظار کرتے ہو- تمہیں اس گوشہ میں بھی مان لینا چاہیے اور انتظار کرنا چاہیے-

مواسم ہستی کی گردش اور تقویم فطرت:

خامساً' قرآن نے بعث وحشر کے معاملہ کا جس طرح ذکر کیا ہے اور عالم نباتات کے اعادۂ حیات کی مقررہ گھڑی سے جس طرح اسے تشبیہ دی ہے اس سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ تبدل کائنات کے معاملہ کو بھی موسموں کی تبدیلیوں کا سا معاملہ تصور کرنا چاہیے- دنیا میں ہم دیکھتے ہیں' خزاں وبہار' خشک سالی وسیرابی' گرمی وسردی کے مختلف موسم آتے رہتے ہیں- اسی طرح تبدل کائنات کا بھی ایک موسم ہے اور ہمارے سال کی طرح اس کا بھی کوئی سال اور ہماری روز شماریوں کی طرح اس کی بھی کوئی روز شماری ہے- لیکن ہم اپنی تقویم پر جو کائنات کے صرف ایک حقیر کرہ کی سیر وگردش کا نتیجہ ہے اس کی تقویم کو قیاس نہیں کر سکتے- اس کی مدت کوئی بڑی ہی طولانی مدت ہے- اتنی طولانی کہ ہماری دقت

شماری کا پچاس ہزار سال اور اس کا صرف ایک دن- چنانچہ آگے چل کر سورۂ معارج میں پڑھو گے: ﴿ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾ (۷۰:۴) ہمارے سال کے موسموں کی طرح اس کا بھی ایک موسم ختم ہوتا اور دوسرا موسم شروع ہوتا ہے- یہاں جب حیات ارضی کا موسم آتا ہے تو اس کی محرک اول بارش ہوتی ہے- بارش گرتی ہے اور اموات نباتات کو زندگی کا حکم مل جاتا ہے- ﴿ اهتزت وربت وانبتت من كل زوج بهيج ﴾ ٹھیک اسی طرح جب سال کائنات کا وہ مقررہ موسم آئے گا تو بارش ہی کی طرح زندگی کا کوئی صور پھونک دیا جائے گا: ﴿ فاذا نفخ في الصور نفخة واحدة ﴾ (۶۹:۱۳) اور بہ مجرد حکم تمام اموات انسانی اٹھ کھڑی ہوں گی: ﴿ يخرجون من الاجداث كانهم جراد منتشر مهطعين الى الداع ﴾ (۵۴:۷،۸)

علم اس مقام میں نہیں کہ جرأت انکار کرے:

آخر میں ایک اصل عظیم نہیں بھولنی چاہیے- جہاں تک مسئلہ حیات کی حقیقت کا تعلق ہے علم انسانی کے سامنے کوئی یقینی روشنی موجود نہیں- ہم اس وقت تک یہ بھی نہ جان سکے کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ ارنست ہیگل (Ernst Haeckel) کے لفظوں میں ہم زیادہ سے زیادہ جو کر سکتے ہیں وہ صرف یہی ہے کہ ''اس کے آنے کا انتظار کریں، اور جب آ جائے تو اس کے اطوار و احوال اور خواص و افعال کے تعاقب میں نکل جائیں'' لیکن وہ کیا ہے؟ وہ آتی کہاں سے ہے؟ وہ جاتی کہاں ہے؟ تو اس بارے میں علم انسانی کا قدم اس جگہ سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکا جہاں ہزاروں برس سے متحیر و درماندہ کھڑا ہے!

جب حقیقت حیات کے بارے میں ہماری عقلی معلومات کا یہ حال ہے تو کیا ہمیں ایسا مقام حاصل ہے کہ وحی الٰہی کے اعلانات علم و یقین کے مقابلہ میں نفی و انکار کی جرأت کریں؟ اگر کریں گے تو یہ ویسی ہی جرأت ہوگی جسے اسی سورت میں جدال فی اللہ بغیر علم سے تعبیر کیا ہے: ﴿ ومن الناس من يجادل في الله بغير علم ولا هدى ولا كتاب منير ﴾

(۲) دلائل بعث کے بیان کے بعد فرمایا: ﴿ ومن الناس من يجادل في الله بغير علم ولا هدى ولا كتاب منير ﴾(۸) اور کتنے ہی آدمی ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑنے لگتے ہیں اور ان کی حالت کیا ہوتی ہے؟ یہ کہ نہ تو علم کی روشنی رکھتے ہیں نہ کوئی رہنمائی کی راہ اور نہ کوئی کتاب روشن- اور عرفان حق کے یہی تین وسائل ہیں جو انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں- پس ایسے لوگوں کے لیے سچائی کی کوئی دلیل بھی سودمند نہیں، وہ دلائل بعث کی یہ تمام موعظت سن کر بھی سر ہلا دیں گے کہ بات سمجھ میں نہیں آتی-

یہ آیت مہمات معارف قرآنی میں سے ہے کیونکہ اس نے جدال فی اللہ بغیر علم کی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہی حالت قرآن کے نزدیک جہل و ضلالت انسانی کا سب سے بڑا مبدء ہے۔ لیکن چونکہ یہ مقام زیادہ تفصیل کے ساتھ آیندہ سورتوں میں آنے والا ہے اس لیے یہاں اس کی تشریح میں جانا ضروری نہیں-

❊ ❊ ❊

آیاتُھَا : 118　سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَکِّیَّۃٌ　رُکُوْعَاتُھَا : 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝٣
وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝٥ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝٦ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧
وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝٨ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝٩ اُولٰٓىِٕكَ
هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝١٠ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١١ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ

بلاشبہ ایمان لانے والے کامیاب ہوئے-(۱) (کون ایمان لانے والے؟) جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع رکھتے ہیں' (۲) جو نکمّی باتوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں (۳) جو زکوٰۃ ادا کرنے میں سرگرم ہیں (۴) جو اپنے ستر کی نگہداشت سے کبھی غافل نہیں ہوتے- ہاں اپنی بیبیوں سے زناشوی کا علاقہ رکھتے ہیں یا ان سے جو ان کی ملکیت میں آگئیں (یعنی غلامی کی حالت میں پڑی ہوئی عورتیں' جو ان کے نکاح میں آگئیں) تو ان سے علاقہ رکھنے پر ان کے لیے کوئی ملامت نہیں-(۶) اور جو کوئی (اس معاملہ میں) اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نکالے' تو ایسی صورتیں نکالنے والے ہی ہیں جو حد سے باہر ہوگئے-(۷)

نیز جن کا حال یہ ہے کہ اپنی امانتوں اور عہدوں کا پاس رکھتے ہیں (۸) اور اپنی نمازوں کی حفاظت میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے (۹) تو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنا ورثہ پانے والے ہیں-(۱۰) یہ فردوس کی زندگی میراث میں پائیں گے ہمیشہ کے لیے اس میں بسنے والے! (۱۱) اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا

(۱) یہ مکی زندگی کی آخری تنزیلات میں سے ہے- بالاتفاق الانبیاء کے بعد اتری-

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت مکہ میں پیدا ہوگئی تھی اور دعوت حق کے فیضان نے اس کے خصائص اسلامی آشکارا کر دیے تھے- یہ گویا مریضوں کی پہلی جماعت تھی جو اس شفاخانہ سے تندرست ہو کر نکلی- اب طبیب ان کی طرف اشارہ کر کے کہہ سکتا تھا کہ جسے میری طبابت میں شک ہو وہ انہیں دیکھ لے- جو طبیب اپنے نسخہ شفا سے ایسی تندرست روحیں پیدا کر دیتا ہے وہ طبیب ہے یا نہیں؟

یعنی یہ جماعت اپنے خصائص ایمانی و عملی میں دعوت حق کی صداقت کی ایک مشہور دلیل بن گئی تھی- یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی سورتوں میں جابجا اس کے اعمال و خصائص کی طرف اشارات کیے ہیں-

اس سورت کی ابتدا اسی مرقع سے ہوتی ہے- غور کرو- اس مرقع کے اصلی نقش ونگار کیا کیا ہیں؟

(۲) یہاں خصوصیت کے ساتھ پانچ وصف بیان کیے- گویا قرآن کے نزدیک ایمان و عمل کے مرقع میں سب سے زیادہ نمایاں یہی خط وخال ہیں جس زندگی میں یہ خصائص نہ ہوں وہ مومن زندگی نہیں سمجھی جا سکتی-

(الف) نماز کی محافظت اور اس کا خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا- ''خشوع'' کا پورا مفہوم کسی ایک لفظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا- تم کسی

سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ
مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ
الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا
فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ
فِي الْاَرْضِ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وقف لازم

(یعنی زندگی کی ابتدا مٹی کے خلاصہ سے ہوئی) (۱۲) پھر ہم نے اسے "نطفہ" بنایا - ایک ٹھہر جانے اور جماؤ پانے کی جگہ میں - (۱۳) پھر "نطفہ" کو ہم نے "علقہ" بنایا - پھر "علقہ" کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا - پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچہ پیدا کیا - پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہ چڑھا دی - پھر دیکھو کس طرح اسے بالکل ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کر دیا؟ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ کی - پیدا کرنے والوں میں سب سے بہتر پیدا کرنے والا! (۱۴)

پھر (دیکھو اس پیدائش کے بعد) تم سب کو ضرور مرنا ہے - (۱۵) اور پھر (مرنے کے بعد) ایسا ہونا ہے کہ قیامت کے دن اٹھائے جاؤ - (۱۶) اور (دیکھو) یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ تمہارے اوپر (گردش) کے سات راستے بنا دیے اور ہم مخلوق کی طرف سے غافل نہ تھے - (۱۷)

اور ہم نے ایک خاص اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی برسایا اور اسے زمین میں (حسب ضرورت) ٹھہرائے رکھا - اور ہم یقیناً قادر ہیں کہ اسے (جس طرح نمودار کیا اسی طرح اڑا) لے جائیں - (۱۸)

پھر اسی پانی کی آبیاری سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغوں کو نشو و نما دے دی - ان باغوں میں

باہیبت و اجلال مقام میں کھڑے ہو جاؤ' تو تمہارے ذہن و جسم پر کیسی حالت طاری ہو جائے گی؟ ایسی ہی حالت کو عربی میں "خشوع" کی حالت کہتے ہیں -

(ب) ہر اس بات سے مجتنب رہنا جو لغو ہو - صرف انہی باتوں کا اشتغال رکھنا جو دین و دنیا میں نافع ہوں -

(ج) اپنی کمائی اپنے محتاج بھائیوں کے لیے خرچ کرنا - (د) زنا سے کبھی آلودہ نہ ہونا - (ہ) امانت دار ہونا' اپنے عہدوں کو پورا کرنا -

آیت (۷) سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک اتحاد تناسلی کا جائز طریقہ صرف ایک ہی ہے - اور وہ ازدواج کا طریقہ ہے - اس کے علاوہ جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا ناجائز ہوگا - خواہ کسی شکل اور کسی نوعیت کا ہو -

تمام دنیا کی طرح عرب میں بھی غلامی کی رسم جاری تھی اور لونڈی غلاموں کے معاملہ کو ملک یمین سے تعبیر کرتے تھے - یعنی کسی چیز پر قابض ہو جانے سے - یہاں فرمایا - وہ زناشوئی کا علاقہ بجز منکوحہ عورتوں کے اور کسی سے نہیں رکھتے - ان کی بیبیاں ہوں جو سوسائٹی کے آزاد افراد میں سے ہیں - یا لونڈیاں ہوں جو ان کے نکاح میں آ گئی ہیں -

چونکہ وقت کی سوسائٹی میں آزاد اور غلام افراد کی یہ دو قسمیں پیدا ہو گئی تھیں، اس لیے ان کا ذکر نا گزیر تھا - باقی رہی یہ بات کہ خود قرآن نے رسم غلامی کے باب میں کیا حکم دیا؟ اور کس طرح اسے مٹانا چاہا؟ تو اس کا جواب سورۂ محمد کی تشریحات میں ملے گا -

(۳) آیت (۱۲) میں وہی بات کہی جو سورۂ حج میں گزر چکی ہے - یعنی انسان کی ابتدائی پیدائش کس چیز سے ہوئی؟ ﴿ سلالة من

لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ
وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ
ع ۲ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ
فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ

تمہارے لیے بہت سے پھل پیدا ہوتے ہیں-بعض تمہارے کھانے میں کام آتے ہیں-(۱۹)

اور وہ درخت جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے (یعنی زیتون کا درخت) جو چکنائی اگاتا ہے' اور کھانے والوں کے لیے (نہایت اچھا) سالن! (۲۰) اور (دیکھو) تمہارے لیے چار پایوں کی خلقت میں بھی بڑی ہی عبرت ہے- جو کچھ ان کے شکم میں بھرا ہے (یعنی ناگوار آلائشیں) اسی میں سے تمہارے لیے پینے کی (خوشگوار) چیز پیدا کر دیتے ہیں (یعنی دودھ) اور تمہارے لیے ان کے وجود میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں- انہی میں سے بعض تمہارے لیے غذا کا بھی کام دیتے ہیں-(۲۱) تم (خشکی میں) ان پر اور جہازوں پر (سمندر میں) سوار بھی ہوتے ہو-(۲۲)

اور (پھر دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف (ہدایت کے لیے) بھیجا تھا- اس نے کہا تھا "بھائیو! اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں- کیا تم (بدعملی کے نتائج سے) ڈرتے نہیں؟" (۲۳) اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی وہ یہ سن کر (لوگوں سے) کہنے لگے "یہ آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے؟ مگر چاہتا ہے تم پر اپنی بڑائی جتائے- اگر اللہ کو کوئی ایسی ہی بات منظور ہوتی تو کیا وہ فرشتے نہ اتار دیتا؟ (وہ ہماری ہی

طین ﴾ ایک ایسے جوہر سے جو کیچڑ کا خلاصہ تھا- یعنی مرطوب مٹی مدتوں تک خمیر کی حالت میں رہی- پھر اس میں کوئی ایسی چیز پیدا ہوگئی جسے اس کا خلاصہ اور ست سمجھنا چاہیے- اسی خلاصہ سے زندگی کی اولین نمود ہوئی اور اسی سے بالآخر وجود انسانی متشکل ہوا-

یہ تو پہلی پیدائش ہوئی- اس کے بعد پیدائش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا؟ توالد و تناسل سے- چنانچہ پہلے "نطفہ" رحم مادر میں جگہ پکڑتا ہے- پھر اس پر نشوونما کے مختلف دور طاری ہوتے ہیں- قرآن نے یہاں اور دوسرے مقامات میں تشکیل جنین کے جو مراتب خمسہ بیان کیے ہیں گزشتہ زمانے میں ان کی پوری حقیقت واضح نہیں ہوئی تھی' کیونکہ علم تشریح جنین (Embryology) بالکل ناقص حالت میں تھا' لیکن اب انیسویں صدی کی تشریحی تحقیقات نے تمام پردے اٹھا دیے ہیں' اور ان سے پوری طرح ان تطورات کی تصدیق ہوگئی ہے- خصوصاً ﴿ ثم انشاناہ خلقا اخر ﴾ کی تفصیل اسی سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی-

(۴) انسان اگر غور کرے تو حقیقت کے دلائل و شواہد اسے تین راہوں سے گھیرے ہوئے ہیں- خود اس کی ہستی کا ہر گوشہ سرتاسر دلیل حقیقت ہے- یہ قرآن کی اصطلاح میں "عالم انفس" ہے- اس سے باہر جو کچھ ہے وہ بھی حقیقت کا پیام ہے- یہ "عالم آفاق" ہے- پھر عالم آفاق کے دلائل کی بھی دو قسمیں ہوئیں- کائنات ہستی کی خلقت و قوانین کے مظاہر- یہ آیات کونیہ ہیں- اقوام ماضیہ کے احوال و تجارب- یہ براہین عملیہ ہیں-

قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ان تمام اقسام سے استدلال کرتا اور ایک قسم کے دلائل کے بعد دوسری قسم کے دلائل لاتا ہے- اس

مَّا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِىۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۲۴﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوۡا بِهٖ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ
انۡصُرۡنِىۡ بِمَا كَذَّبُوۡنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ اَنِ اصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا وَوَحۡيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَ
التَّنُّوۡرُ ۙ فَاسۡلُكۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ مِنۡهُمۡ ۚ وَلَا
تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسۡتَوَيۡتَ اَنۡتَ وَمَنۡ مَّعَكَ عَلَى الۡفُلۡكِ
فَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ نَجّٰنَا مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلۡ رَّبِّ اَنۡزِلۡنِىۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنۡتَ

طرح کے ایک آدمی کو اپنا پیام بر کیوں بنانے لگا؟) ہم نے اپنے اگلے بزرگوں سے تو کوئی ایسی بات کبھی سنی نہیں- (۲۴) کچھ نہیں یہ پاگل ہوگیا ہے- پس (اس کی باتوں پر کان نہ دھرو) کچھ دنوں تک انتظار کرکے دیکھ لو، اس کا انجام کیا ہوتا ہے-" (۲۵)

اس پر نوح نے دعا مانگی "خدایا! انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو تو میری مدد کر!" - (۲۶)

پس ہم نے نوح کی طرف وحی بھیجی کہ "ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا- پھر جب ایسا ہو کہ ہمارے حکم کا وقت آ جائے اور تنور کے شعلے بھڑک اٹھیں (یعنی ظہور نتائج کا معاملہ پختہ ہو جائے) تو کشتی میں ہر جانور کے دو دو جوڑے ساتھ لے لے اور اپنے گھر والوں کو بھی- مگر گھر کے ایسے آدمی کو نہیں جس کے لیے پہلے فیصلہ ہو چکا- اور دیکھ! جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں ہم سے کچھ عرض معروض نہ کیجیو- وہ ڈوب کر رہیں گے!" (۲۷) "اور جب تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جائے تو اس وقت تیری زبان سے یہ صدا اٹھے: ساری ستائشیں اللہ کے لیے جس نے ہمیں ظالم قوم (کی معیت) سے نجات دی! (۲۸) نیز یہ دعا بھی مانگیو کہ "خدایا! مجھے اب زمین پر اس طرح اتار کہ برکت کا اترنا ہو اور تو سب سے بہتر

سورت میں علی الترتیب تینوں قسموں کے دلائل جمع ہو گئے ہیں- آیت (۱۲) سے (۱۷) تک عالم آفاق کے دلائل کونیہ بیان کیے ہیں کہ اپنے نفس سے باہر کے عالم میں تفکر کرے- آیت (۲۳) سے (۵۳) تک گزشتہ دعوتوں کی سرگزشتوں سے استدلال کیا ہے کہ حوادث ماضیہ سے حال و مستقبل کے لیے عبرت پکڑے۔ اس کے بعد آخر سورت تک جو کچھ بیان ہے وہ اسی سلسلہ استدلال کے قدرتی نتائج و عبر ہیں-

(۵) آیت (۱۷) سے (۲۲) تک جن دلائل کونیہ پر توجہ دلائی ہے وہ برہان ربوبیت کا استدلال ہے- تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھو- آیت (۱۷) میں فرمایا: ﴿ خلقنا فوقكم سبع طرائق ﴾ "طرائق" کے صاف معنی عربی میں راہ کے ہیں- لیکن چونکہ ہمارے مفسروں کے سامنے نظام بطلیموسی موجود تھا اور اس میں کواکب کی جگہ طبقات ساوی کی گردش تسلیم کی گئی تھی' اس لیے مجبور ہوئے کہ کسی نہ کسی طرح اسے طبقات کے معنوں میں لے جائیں- مگر اب نظام بطلیموسی کا پورا کارخانہ ہی ملیامیٹ ہوگیا-

سات بڑے ستاروں کا تعین انسانی علم کی نہایت قدیم معلومات میں سے ہے- اسی لیے قرآن جابجا ان کی سیر و گردش اور عجائب آفرینش پر توجہ دلاتا ہے- خصوصیت کے ساتھ ان کی خلقت پر اس لیے بھی زور دیا گیا کہ تمام قدیم قوموں میں ان کی پرستش کا اعتقاد پیدا ہو گیا تھا- اس لیے ضروری تھا کہ ان کی مخلوقیت کے پہلو پر بار بار زور دیا جاتا-

(٦) آیت (۲۰) میں خصوصیت کے ساتھ زیتون کے درخت کا ذکر کیا ہے-

فطرت کے افادہ و فیضان عام کا یہ ایک خاص گوشہ ہے- اس نے دانوں اور پھلوں میں ہر طرح کی ٹھوس غذا ہی پیدا نہیں کر دی بلکہ

خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾
فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ ع۲
مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ
يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾
اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾

جگہ دینے والا ہے!" (۲۹)

بلاشبہ اس واقعہ میں (سمجھنے والوں کے لیے) بڑی ہی نشانیاں ہیں- نیز یہ کہ یہاں ضرور ایسا ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں- (۳۰) پھر ہم نے قوم نوح کے بعد قوموں کا ایک دوسرا دور پیدا کر دیا- (۳۱) ان میں بھی اپنا رسول بھیجا جو خود انہی میں سے تھا- (اس کی پکار بھی یہی تھی:) کہ "اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں- کیا تم (انکار و فساد کے نتائج بد سے) ڈرتے نہیں؟" (۳۲)

اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور آخرت کے پیش آنے سے منکر تھے اور جنہیں دنیا کی زندگی میں ہم نے آسودگی دے رکھی تھی (لوگوں سے) کہنے لگے "اس سے زیادہ اس کی کیا حیثیت ہے کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے- جو کچھ تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا ہے- جو کچھ تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے- (۳۳) اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی اطاعت کر لی تو بس سمجھ لو، تم تباہ ہوئے- (۳۴)

تم سنتے ہو، یہ کیا کہتا ہے؟ یہ تمہیں امید دلاتا ہے کہ جب مرنے کے بعد محض مٹی اور ہڈیوں کا چورا ہو جاؤ گے تو پھر تمہیں موت سے نکالا جائے گا- (۳۵) کیسی انہونی بات ہے- کیسی انہونی بات ہے جس کی تمہیں توقع دلاتا ہے! (۳۶) (بھلا دوبارہ زندہ

دہنیت کے ایسے ذخیرے بھی مہیا کر دیے جن سے بکثرت تیل نکلتا ہے اور انسان کے لیے نہایت مقوی غذا اور دوا کا کام دیتا ہے- ان میں سب سے زیادہ عجیب و نافع درخت زیتون کا درخت ہے- اس کا دانہ سرتا سر دہنیت ہے- حتیٰ کہ اگر چٹکی میں لے کر زور سے مسل ڈالو تو تیل کے قطرے ٹپکنے لگیں گے- خواص کے لحاظ سے کوئی چکنائی اتنی معتدل اور موافق نہیں جتنی زیتون کی ہے-

شاید بہت کم لوگوں نے اس بات پر غور کیا ہوگا کہ دہنیت کے لیے تمام دنیا کا اعتماد ہمیشہ سے نباتاتی دہنیت ہی پر رہا ہے- اور اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ زیتون پر- یہ صرف ہندوستان ہے جہاں مکھن کو گھی بنا کر استعمال کرنے کا رواج پیدا ہوا اور لوگ اسے نباتاتی دہنیت پر ترجیح دینے لگے- یہی وجہ ہے کہ دنیا کی دوسری زبانوں میں گھی کے لیے کوئی خاص لفظ نہیں ملتا- وہ اس سے آشنا ہی نہ تھے-

زیتون کے لیے طور سینا کی طرف اس لیے اشارہ کیا کہ منابت زیتون میں سے قریب تر مقام جزیرہ نمائے سینا ہی کا علاقہ تھا- گویا زیتون کی اصلی دنیا یہاں سے شروع ہو جاتی ہے-

(۷) آیت (۲۳) سے اقوام ماضیہ کی سرگزشتوں کا جو بیان شروع ہوا ہے وہ تمام تر مجمل اشارات پر مشتمل ہے- کیونکہ یہاں یہ موعظت مقصود بالذات نہیں ہے- پچھلی دو موعظتوں کو دلائل قصص سے مزید تقویت دینی ہے-

چونکہ گزشتہ دعوتوں کا تذکرہ ہر جگہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت سے شروع کیا گیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت پر ختم ہو جاتا ہے اس

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۷﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ
كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ
نَادِمِينَ ﴿۴۰﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ
بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ
كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِقَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۴۴﴾

ہونا کیسا؟) زندگی تو بس یہی زندگی ہے جو دنیا میں ہم بسر کرتے ہیں- یہیں مرتے ہیں- یہیں جینا ہے- ایسا کبھی ہونے والا نہیں کہ مرکر پھر جی اٹھیں- (۳۷) کچھ نہیں یہ ایک مفتری آدمی ہے جس نے اللہ کے نام سے جھوٹ موٹ بات بنا دی- ہم کبھی اس پر یقین لانے والے نہیں!'' - (۳۸) اس پر اس رسول نے دعا مانگی ''خدایا! انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے- پس تو میری مدد کر!'' - (۳۹)

حکم ہوا ''عنقریب ایسا ہونے والا ہے کہ یہ اپنے کیے پر شرمسار ہوں گے'' - (۴۰) چنانچہ فی الحقیقت ایک ہولناک آواز نے انہیں آ پکڑا اور ہم نے خس و خاشاک کی طرح انہیں پامال کر دیا- تو محرومی ہو اس گروہ کے لیے کہ ظلم کرنے والا ہے! (۴۱)

پھر ہم نے ان کے بعد قوموں کے اور بہت سے دور پیدا کیے- (۴۲) کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے (سب کو قانون الٰہی کے مطابق اپنا دور پورا کرنا ہے!) (۴۳) پھر ہم نے لگاتار یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے- لیکن جب کبھی کسی قوم میں اس کا رسول ظاہر ہوا معاً وہ جھٹلانے پر آمادہ ہو گئی- پس ہم بھی ایک کے بعد ایک کر کے انہیں ہلاک کرتے گئے اور ان کی ہستیاں (روایت کا) افسانہ بن گئیں- تو ان کے لیے محرومی و نامرادی ہو جو آیات حق پر یقین نہیں کرتے! (۴۴)

لیے یہاں بھی ابتدا دعوت نوحی ہی سے ہوئی اور حضرت مسیح علیہ السلام کے تذکرہ پر ختم ہو گئی - درمیان میں جو دعوتیں اور قومیں گزریں ان کی طرف صرف اجمالی اشارہ کر دیا گیا - البتہ موسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت کے ساتھ نام لیا گیا - کیونکہ ان سے سلسلہ دعوت کے ایک نئے دور کی ابتدا ہوئی تھی-

(۸) ایک صورت حال یہ ہے کہ افراد انسانی پیدا ہوں اور آباد ہوں- ایک یہ ہے کہ ان کی جماعتی زندگی اور اس کی مدنی خصوصیات اس طرح ابھریں اور عروج تک پہنچیں کہ ایک خاص قومی عہد پیدا ہو جائے - عربی میں دوسری حالت کو کسی قوم و ملک کے ''قرن'' سے تعبیر کریں گے- یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا ''قرن'' اور ''قرون'' کا لفظ اختیار کیا ہے- یعنی صرف قوموں کا پیدا ہونا اور آبادیوں میں بسنا ہی نہیں بلکہ قومی عروج و اقبال کے دور اور عہد- ہمارے مترجموں اور عام مفسروں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا - وہ قرن اور قرون کا مطلب ادا کرنے کے لیے صرف قوم و اقوام کے الفاظ پر قناعت کر لیتے ہیں-

(۹) منکرین حق کے یہاں جو عقائد و اقوال نقل کیے ہیں ان پر غور کرو - یہ گویا تمام منکرین رسالت کے وجوہ انکار و اعراض کا خلاصہ ہے اور سب کا مشترک اور متفقہ مسلک - کیونکہ یہاں کسی خاص دعوت اور اس کے منکروں ہی کا ذکر نہیں ہو رہا ہے بلکہ ان سب کا جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اپنے اپنے وقتوں اور اپنے اپنے ملکوں میں دعوت وحی سے روگردانی کی - یہ انکار دو باتوں پر مشتمل ہے - ایک یہ کہ ہماری طرح کا ایک آدمی جو ہماری ہی طرح کھاتا پیتا ہے خدا کی سچائی کا پیام بر کیسے ہو سکتا ہے - دوسری یہ کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا اور عذاب و ثواب کا پیش آنا نہایت ہی عجیب بات ہے - ایسی بات کیونکر مانی جا سکتی ہے-

(۱۰) حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قومی نشاۃ کے جس عہد کا ذکر کیا ہے یہ غالباً قوم عاد و ثمود کا عہد تھا - کیونکہ دوسری جگہ انہیں قوم نوح کا

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ
كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا
مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً
وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ ع۳ ۱۸ ۳
بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ

پھر (دیکھو) ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور آشکارا دلیلیں دیں (۴۵) اور فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا- لیکن انہوں نے گھمنڈ کیا- وہ سرکشوں کا گروہ تھا- (۴۶)

وہ (آپس میں) کہنے لگے "کیا ہم اپنے ہی طرح کے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟ حالانکہ ان کی قوم ہمارے آگے جھکی ہوئی اور ہماری پرستار ہے؟" (۴۷)

پس انہوں نے موسیٰ اور ہارون کو جھٹلایا- نتیجہ یہ نکلا کہ ہلاک ہو جانے والوں میں سے ہوئے! (۴۸)

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے (اس واقعہ کے بعد) موسیٰ کو الکتاب (یعنی تورات) دی تھی تا کہ لوگ ہدایت پائیں- (۴۹)

اور (اسی طرح) ابن مریم (یعنی مسیح) اور اس کی ماں کو (اپنی سچائی کی) ایک بڑی نشانی بنایا اور انہیں ایک مرتفع مقام میں پناہ دی جو بسنے کے قابل اور شاداب تھی- (۵۰)

"اے گروہ پیغمبراں! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو- جیسے کچھ تمہارے اعمال ہوتے ہیں مجھ سے پوشیدہ نہیں- (۵۱) اور دیکھو یہ تمہاری امت دراصل ایک ہی امت ہے اور تم سب کا پروردگار میں ہی ہوں- پس (انکار و بدعملی کے نتائج سے) ڈرو" (ان تمام پیغمبروں کے ذریعہ سے جو تعلیم دی گئی وہ یہی تعلیم تھی)- (۵۲) لیکن لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کٹ

جانشین کہا ہے- پھر ان کے بعد جن "قرون" کی طرف اشارہ کیا ہے، اس سے مقصود وہ بے شمار قومیں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ظہور سے پہلے گزری ہیں اور جن کی نسبت سورۂ ابراہیم کی آیت (۹) میں گزر چکا ہے کہ ﴿ والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ ﴾

آیت (۴۴) سے معلوم ہوا کہ ان عہدوں میں بے شمار قومیں ابھریں اور پامال ہوئیں اور خدا کے رسولوں کا بھی بکثرت اور لگاتار ظہور ہوا کیونکہ فرمایا: ﴿ ارسلنا رسلنا تترا ﴾ اور ﴿ اتبعنا بعضھم بعضا ﴾ یکے بعد دیگرے لگاتار رسول ظاہر ہوتے رہے اور ایک کے بعد ایک قومیں ابھرتی اور پاداش عمل میں پامال ہوتی رہیں-

(۱۱) آیت (۵۰) میں حضرت مسیح اور ان کی والدہ (علیہما السلام) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ واٰوینٰھما الی ربوۃ ذات قرار و معین ﴾ ہم نے انہیں ایک مرتفع مقام میں پناہ دی جو بسنے کی اچھی جگہ اور پانی کی فروانی سے شاداب تھی-

غالباً اس سے مقصود وادیٔ نیل کی بالائی سطح ہے- یعنی مصر کا بالائی حصہ- اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے بعد "مریم کے شوہر یوسف نے ماں بیٹے کو ساتھ لیا اور فلسطین سے مصر چلا گیا" چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کا بچپن اور شباب وہیں گزرا- جب فلسطین واپس آئے تو جوانی کی عمر تک پہنچ چکے تھے- غالباً ان کی زندگی کے اسی واقعہ کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے-

دریائے نیل کے پانی کی فروانی اور اس کے سالانہ سیلابوں کی عجیب و غریب نوعیت سرزمین مصر کا ایک امتیازی وصف رہی ہے- اس کی

بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ
اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ
بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾
اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ هُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ لَدَيْنَا

کر الگ ہوگئے اور اپنا دین الگ الگ کرلیا- اب جو جس کے پلے پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے! (۵۳)

پس (اے پیغمبر!) ان منکروں کو ان کی غفلت و سرشاری میں پڑا رہنے دے- ایک مقررہ وقت تک (یہ اسی حالت میں رہیں گے- پھر حقیقت حال کا فیصلہ ہوجائے گا- جیسا کہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے)- (۵۴)

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں ہم مال اور اولاد (کی فراوانی) سے اس لیے ان کی امداد کر رہے ہیں (۵۵) کہ بھلائی پہنچانے میں سرگرمی دکھائیں؟ نہیں (حقیقت حال دوسری ہی ہے مگر) وہ شعور نہیں رکھتے! (۵۶)

جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں (۵۷) جو اپنے پروردگار کی نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں- (۵۸) جو اپنے پروردگار کے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہیں ٹھہراتے (۶۰) جو (اس کی راہ میں) جتنا کچھ دے سکتے ہیں بلا تامل دیتے ہیں اور (پھر بھی) ان کے دل ترساں رہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے حضور لوٹنا ہے، تو بلاشبہ یہ لوگ ہیں جو بھلائیوں کے لیے تیز گام ہیں اور یہی ہیں جو اس راہ میں سب سے آگے نکل جانے والے ہیں! (۶۱) اور ہم کسی جان پر ذمہ داری نہیں ڈالتے مگر اتنی ہی، جتنی کی اس میں طاقت ہے (یعنی استعداد ہے) ہمارے پاس (ان سب کی حالت و استعداد کے لیے)

آبادی و سیرابی یعنی اس کا ذات قرار و معین ہونا ضرب المثل کی طرح زبان زد ہوگیا تھا- چنانچہ عبرانی کی یہ قدیم مثل آج تک ملتی ہے کہ "فلاں ملک میں پانی کی اتنی فراوانی ہے جیسے مصر میں" چونکہ یہ مصر کا ایک امتیازی وصف ہوگیا تھا اس لیے اسی وصف سے اسے یاد کیا گیا- اس تعبیر میں یہ پہلو بھی پوشیدہ ہے کہ وہ فلسطین جیسا سرسبز ملک ترک کر دینے پر مجبور ہوگئے- لیکن اللہ کے فضل نے ایسی جگہ پناہ دے دی جو فلسطین ہی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ذات قرار و معین تھی!

حضرت مریم علیہا السلام اس سفر پر کیوں مجبور ہوئیں؟ اناجیل میں اس کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہیرودس حاکم شام کے ظلم و تشدد سے- اسے نجومیوں نے پیدائش مسیح کی خبر دے دی تھی اور وہ چاہتا تھا انہیں قتل کر دے- تب "فرشتہ نے یوسف کو خواب میں حکم دیا- اٹھ اور بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر بھاگ جا" (متی ۲:۱۳) لیکن قرآن نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا ہے-

(۱۲) آیت (۵۱) میں وحدت دین و امت کی وہی اصل عظیم بیان کی گئی ہے جو پچھلی سورتوں میں جا بجا گزر چکی ہے اور ابھی ابھی سورۂ انبیاء میں پڑھ چکے ہو- فرمایا- ان تمام رسولوں پر جو ان بے شمار قوموں میں آتے رہے جو تعلیم نازل کی گئی تھی وہ کیا تھی؟ یہی کہ اچھی چیزیں کھاؤ- نیک عملی کی زندگی بسر کرو- الگ الگ نہ ہو- تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہاری امت بھی ایک ہی امت ہے- یہی سچائی کی سیدھی راہ ہے-

لیکن لوگوں نے وحدت کی جگہ تفرقہ کی اور جمعیت کی جگہ تشتت و تحزب کی راہ اختیار کی- اب جو جس کے پلے پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے!

غور کرو، آیت (۵۳) میں کل حزب فرمایا، کل امة نہیں کہا- کیونکہ قرآن کے نزدیک نوع انسانی کی امت ایک ہی ہے- ایک

كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ
مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ
يَجْــَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْــَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا
الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ

نوشتہ ہے جو ٹھیک ٹھیک (حقیقت حال کے مطابق) حکم لگا دیتا ہے - ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی جان کے ساتھ ناانصافی ہو! (۶۲) لیکن (اصل یہ ہے کہ) ان لوگوں کے دل اس حقیقت کی طرف سے غفلت و سرشاری میں پڑ گئے، ان کے اور بھی اعمال (بد) ہیں جو ہمیشہ کرتے رہتے ہیں - (۶۳) یہ کرتے رہیں گے، یہاں تک (کہ ظہور نتائج کی گھڑی سامنے آ جائے) جب ہم ان کے خوش حال آدمیوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو پھر اچانک دیکھو گے کہ (سرکشی کی جگہ) آہ وزاری کر رہے ہیں! (۶۴)

''اب آج آہ وزاری نہ کرو (اس سے کیا فائدہ؟) تم ہماری طرف سے مدد پانے والے نہیں!'' (۶۵)

''ایک وقت تھا کہ ہماری آیتیں تمہارے آگے پڑھی جاتی تھیں اور تم الٹے پاؤں بھاگنے لگتے تھے - (۶۶) تمہارے اندر ان (کی سماعت) سے گھمنڈ پیدا ہو جاتا تھا - تم اپنی مجلسوں کی داستاں سرائیوں میں انہیں مشغلہ بناتے - تم ان کے حق میں ہذیان بکتے تھے!'' (۶۷)

پھر (انہیں کیا ہو گیا ہے؟) کیا انہوں نے اس بات پر (یعنی قرآن پر) غور نہیں کیا؟ یا ان کے سامنے کوئی ایسی عجیب بات آ گئی ہے جو ان کے اگلے بزرگوں کے سامنے نہیں آئی تھی؟ (۶۸) یا یہ اپنے رسول کو پہچان نہ سکے اس لیے

سے دو نہیں ہو سکتی - یہ تفرقے جو لوگوں نے گمراہ ہو کر پیدا کر لیے ہیں، حزب ہیں، یعنی جتھے ہیں - امت نہیں -

(۱۳) آیت (۵۴) میں خطاب پیغمبر اسلام ﷺ سے ہے - فرمایا - ہدایت کی طرح شقاوت کا مزاج بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہتا ہے - پس جس طرح پہلے ہوتا رہا ہے اب بھی ہو گا، اور جو ماننے والے نہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے - پس انہیں ان کی حالت میں چھوڑ دو اور اپنا کام کیے جاؤ -

(۱۴) آیت (۵۵) سے (۶۱) تک قانون امہال کی طرف اشارہ کیا ہے - جس کی تشریح سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے - نیز پچھلی سورتوں کی تشریحات میں بھی - فرمایا: یہاں مہلت سب کے لیے ہے - اچھوں کے لیے بھی - بروں کے لیے بھی - پس اگر مفسدوں کو دنیوی زندگی کی خوش حالیاں مل رہی ہیں تو یہ اس لیے نہیں ہے کہ ہمارا قانون مجازات معطل ہو گیا ہے اور ہم چاہتے ہیں بدعملیوں پر بھی انہیں فوائد سے بہرہ اندوز کریں - بلکہ محض اس لیے کہ مقررہ وقت ابھی آیا نہیں - اور یہاں ہر نتیجہ کے لیے ایک اجل مسمّی کا قانون کام کر رہا ہے -

اس کے بعد فرمایا خیرات و برکات کے حصول کی اصلی راہ تو ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کی - ان کی کامرانیاں کبھی ختم ہونے والی نہیں - ان کی بھلائیاں عارضی اور موجل نہیں - وہ اس لیے بلند نہیں ہوتے کہ زیادہ بلندی سے گریں بلکہ اس لیے کہ اور زیادہ بلند ہوں -

(۱۵) آیت (۶۲) میں فطرت کائنات کی ایک بہت بڑی حقیقت چند لفظوں کے اندر بیان کر دی ہے - فرمایا یہاں فطرت کا یہ قانون کام کر رہا ہے کہ کسی جان پر اس کی جسمانی اور معنوی استطاعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی - ہر جان سے فطرت کا مطالبہ عمل اتنا ہی ہے جتنے کی اس میں استعداد ودیعت کر دی گئی ہے -

مُنۡكِرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَاَكۡثَرُهُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الۡحَقُّ
اَهۡوَآءَهُمۡ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ بَلۡ اَتَيۡنٰهُمۡ بِذِكۡرِهِمۡ فَهُمۡ عَنۡ ذِكۡرِهِمۡ
مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۱﴾ ؕ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ خَرۡجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيۡرٌ ۖ وَّهُوَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوۡنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوۡ ع
رَحِمۡنٰهُمۡ وَكَشَفۡنَا مَا بِهِمۡ مِّنۡ ضُرٍّ لَّلَجُّوۡا فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدۡ اَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ

منکر ہو گئے؟ (۶۹) یا یہ کہتے ہیں اسے جنون ہو گیا؟ نہیں (ان میں سے کوئی بات نہیں ہو سکتی) اللہ کا رسول ان کے پاس سچائی کے ساتھ آیا مگر ان میں سے اکثروں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ سچائی کا ماننا انہیں گوارا ہی نہیں ہے! (۷۰)

اور اگر ایسا ہوتا کہ سچائی ان کی خواہشوں کی پیروی کرتی تو یقیناً آسمان و زمین اور وہ سب جو ان میں ہے یک قلم درہم برہم ہو جاتا۔ ہم نے ان کے لیے ان کی نصیحت کی بات مہیا کر دی تو یہ اپنی نصیحت کی بات سے گردن پھیرے ہوئے ہیں! (۷۱)

(اے پیغمبر!) کیا وہ سمجھتے ہیں، تو ان سے مال و دولت کا طالب ہے؟ تیرے لیے تو تیرے پروردگار کا دیا مال ہی بہتر ہے (تو ان سے کیوں طالب زر ہونے لگا؟) وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے! (۷۲)

بلاشبہ یقیناً تو انہیں (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ کی طرف بلا رہا ہے (۷۳) اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ یقیناً راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں! (۷۴) اور اگر ہم ان پر (مزید) رحم کریں اور جو کچھ انہیں دکھ پہنچتے رہتے ہیں دور کر دیں تو (کیا یہ شکر گزار ہوں گے؟ نہیں) یہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے اور زیادہ بڑھ چلیں گے! (۷۵) اور (دیکھو) ہم نے انہیں عذاب میں مبتلا بھی

یعنی فطرت نے ہر وجود کو استعداد دی ہے اور اس استعداد کے جواب میں عمل چاہتی ہے لیکن عمل کا یہ تقاضا ٹھیک ٹھیک اتنا ہی ہوتا ہے جتنے کی استعداد اسے دے دی گئی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی کو استعداد عمل تو چھٹانک بھر دی ہو اور مطالبہ عمل کا بوجھ اس پر سیر بھر کا ڈال دیا جائے۔

یہ مطالبہ عمل کس بات میں ہوتا ہے؟ فرائض ہستی کی انجام دہی میں ہر وجود کو اپنی بقا و تکمیل کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ لیکن جتنی کچھ اور جیسی کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے اتنی ہی اور اسی کیفیت کی استعداد بھی اسے دے دی گئی ہے۔ ادائے فرض کا مطالبہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جتنی اس کی طاقت و گنجائش ہے۔ اگر استعداد اور مطالبہ عمل میں یہ تطابق کلی نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ کوئی جان یہاں زندہ رہ سکتی۔

قرآن کہتا ہے۔ جب اللہ کا یہ قانون ہر جان کے لیے ہے تو ضروری ہے کہ انسان کے لیے بھی ہو۔ اور جس طرح عالم جسم و صورت میں جاری ہے، ضروری ہے کہ روح و معنی میں بھی ہو۔ پس سعادت روحانی کے لیے بھی جو مطالبہ عمل ہے، وہ ٹھیک ٹھیک انسان کی استعداد عمل کے مطابق ہے۔ اور یہاں عالم جسم و روح، دونوں کے لیے اس کا قانون ایک ہی ہے۔ یاد رہے کہ اس آیت میں ''تکلیف'' کو صرف تکلیف شرعی پر لے جانا صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہاں ''تکلیف'' عام معنوں میں بولا گیا ہے اور اس میں ہر طرح کی تکلیف آ گئی ہے۔ تکلیف کے لیے ہمیں کوئی موزوں لفظ نہیں ملا۔ اس لیے مجبوراً ہم نے ''ذمہ داری'' کی ترکیب اختیار کی۔ یہ نئی اردو ترکیب ہے لیکن ادائے مفہوم کے لیے نسبتاً بہتر اور جامع ہے۔

(۱۶) آیت (۶۴) میں فرمایا: ﴿ حتى اذا اخذنا مترفيهم بالعذاب ﴾ جب ان میں سے خوش حال اور دولت مند لوگوں کو ہم نے مواخذہ میں پکڑا۔ نیز جا بجا ان لوگوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جو قوم کے دولت مند طبقہ میں سے ہوتے ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی

فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٧٦﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ
اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٧﴾ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا ع
تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ
وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٨٠﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿٨١﴾
قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا

کیا، اس پر بھی وہ اپنے پروردگار کے آگے نہ جھکے-اور نہ عاجزی کی! (۷٦)

پھر جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا کہ ہم ان پر ایک بڑے ہی سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں تو اس وقت اچانک متحیر ہو کر رہ جائیں گے! (۷۷)

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے تمہارے (سننے کے) لیے کان، (دیکھنے کے لیے) آنکھ، (سوچنے کے لیے) دل[1] پیدا کر دیے-مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم شکر بجالاؤ! (۷۸) اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین کی سطح پر ہر طرف پھیلا دیا ہے (اور گزران ومعیشت کے مختلف سامان پیدا کر دیے ہیں) اور پھر وہی ہے جس کے حضور اکٹھا کر کے لائے جاؤ گے! (۷۹)

اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے-اسی کی کارفرمائی ہے کہ رات دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں-کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ (۸۰) نہیں، انہوں نے تو ویسی ہی بات کہی جیسی ان سے پچھلے کہہ چکے ہیں- (۸۱) انہوں نے کہا ''جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیوں کا چورا ہو گئے تو پھر کیا ہم (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے؟ (۸۲) ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے

آیت (۱٦) میں گزر چکا ہے: ﴿ امرنا مترفيها ففسقوا فيها، فحق عليها القول ﴾ اس سے معلوم ہوا انفرادی زندگی میں بدعملی کا بڑا مرکز دنیوی خوش حالی کی زندگی ہو جاتی ہے اور ہمیشہ حق وصداقت کی مخالفت وہیں سے شروع ہوتی ہے-

سبب اس کا ظاہر ہے-خوش حالی وثروت کی حالت ایک ایسی حالت ہے کہ اگر کسی جماعت میں پھیلی ہوئی ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی برکت نہیں، اور اگر صرف چند افراد میں سمٹی ہوئی ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں-کیونکہ جب دولت صرف چند افراد ہی کے قبضہ میں آ گئی باقی افراد جماعت محروم رہ گئے' تو قدرتی طور پر ہر طرح کا غلبہ وتسلط چند افراد کے ہاتھ جائے گا-اور ایسے غلبہ وتسلط کا نتیجہ غرور باطل اور استکبار عن الحق ہے-

یہی وجہ ہے کہ قرآن جس جماعتی خوش حالی کو اللہ کا سب سے بڑا فضل قرار دیتا ہے، اسی کو انفرادی حالت میں فتنہ اور متاع غرور بھی کہتا ہے-چونکہ ہمارے مفسروں کی نظر اس پہلو پر نہ تھی اس لیے یہ مقام واضح نہ ہو سکا-آج تمام دنیا میں شور مچ رہا ہے کہ انفرادی سرمایہ داری دنیا کے لیے مصیبت ہے-لیکن قرآن تیرہ سو برس پہلے اسے فتنہ قرار دے چکا اور اس کے لیے ''اکتناز'' کا لفظ بول چکا ہے- ﴿ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا ﴾ (۹ : ۳٤) مشکل یہ ہے کہ جب تک قرآن کی صدا صرف قرآن کی صدا ہے' تمہاری نظر میں جچتی نہیں-جب وہی بات وقت کے ذہن وفکر کے حلقوں سے اٹھنے لگتی ہے، تو تم فوراً اس کی پرستش شروع کر دیتے ہو!

---

[1] یاد رہے کہ عربی میں ''قلب'' اور ''فواد'' کا اطلاق صرف اس عضو ہی پر نہیں ہوتا جو علم تشریح کا دل ہے بلکہ قوت مدرکہ وعاقلہ پر بھی ہوتا ہے-یعنی ذہن وعقل پر-

هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

باپ دادوں سے ایسی ہی بات کا وعدہ ہوتا آیا ہے- کچھ نہیں- پچھلے عہدوں کے افسانے ہیں''- (۸۳)

(اے پیغمبر!) ان منکروں سے کہہ دے ''اچھا اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ زمین اور وہ تمام مخلوقات جو اس میں ہیں، کس کے لیے ہیں؟'' (۸۴) وہ فوراً کہیں گے ''اللہ کے لیے''

تو کہہ ''پھر کیا ہے کہ تم غور نہیں کرتے؟'' (۸۵)

تو ان سے پوچھ ''وہ کون ہے جو ساتوں آسمانوں کا پروردگار ہے؟ اور (جہانداری کے) عرش عظیم کا مالک ہے؟'' (۸۶)

وہ فوراً کہیں گے ''یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے'' تو کہہ ''پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ (شرک و انکار کے نتیجہ سے) ڈرتے نہیں؟'' (۸۷)

تو ان سے پوچھ ''اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ، وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمام چیزوں کی بادشاہی ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور کوئی نہیں جو اس سے اوپر پناہ دینے والا ہو؟'' (۸۸)

وہ فوراً کہیں گے ''یہ صفتیں تو اللہ ہی کے لیے ہیں'' تو کہہ ''پھر یہ کیا ہے کہ تمہاری عقل ماری گئی؟''- (۸۹)

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے سچائی انہیں جتلا دی اور یہ اپنے (انکار و ادعا میں) قطعاً جھوٹے ہیں! (۹۰)

---

(۱۷) آیت (۶۸) پر غور کرو کس طرح قرآن بار بار اس پہلو پر زور دیتا ہے کہ کیا لوگوں نے اس پر تدبر نہیں کیا؟ کیونکہ اس کا سارا مطالبہ تدبر و تعقل ہی سے ہے- وہ کہتا ہے سچائی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ عقل و بصیرت اسے پالے گی اور جہل و کوری اس سے روگرداں رہے گی- پس اگر لوگ قرآن میں تدبر و تفکر کریں تو ممکن نہیں کہ اس کی سچائی انہیں گرویدہ نہ کر لے-

یہاں سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ قرآن کا مطالبہ غور و فکر کا ہے، نہ کہ تقلید کا- پس جو شخص قرآن کے مطالب میں غور و فکر نہیں کرتا وہ اس کا مطالبہ پورا نہیں کرتا اور پھر جب قرآن کے لیے کہ وحی الٰہی ہے تدبر ضروری ہوا تو کیونکر یہ بات جائز ہو سکتی ہے کہ کسی مجتہد اور امام کی تحقیق میں تدبر ضروری نہ ہو؟ اور اہل علم کے لیے ضروری ہو کہ از روئے تقلید سر اطاعت خم کر دیں؟

(۱۸) یہاں تین باتیں فرمائیں- کیا انہوں نے قرآن پر غور نہیں کیا؟ اگر غور کرتے تو یقیناً حقیقت پا لیتے- کیا انہیں رسول کی معرفت نہ ہوئی؟ اگر ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں تو اس کی پاکی و صداقت کی معرفت سے کبھی انکار نہیں کر سکتے- پھر کیا یہ سمجھتے ہیں یہ مجنون ہو گیا ہے کہ ایسی باتیں کرنے لگا ہے؟ لیکن کیا راست بازی کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ سچ مچ کو وہ مجنون ہے؟

یہاں سے معلوم ہوا کہ دعوت اسلام کی معرفت کی دو راہیں ہیں- قرآن میں تدبر کیا جائے، اور صاحب قرآن (ﷺ) کی زندگی میں-

(۱۹) آیت (۷۱) میں ایک بہت بڑی اصل کائنات کی طرف اشارہ کیا ہے جو قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے- یعنی قرآن جس حقیقت کو ''حق'' سے تعبیر کرتا ہے وہ محض کسی ایک گوشہ ہی کی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے بلکہ اصل کائنات کی ایک عالمگیر حقیقت ہے- وہ کہتا ہے، یہاں اصل تخلیق و تکوین ''حق'' اور قیام حق کا قانون ہے- اسی کا نام عدل و قسط بھی ہے- اور اسی پر تمام نظام

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ ع ۵/۵
اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ اِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا
نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ قُلْ رَّبِّ
اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ
الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ

نہ تو اللہ نے کسی ہستی کو اپنا بیٹا بنایا- نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہو سکتا ہے- اگر ہوتا تو ہر معبود اپنی ہی مخلوق کی فکر میں رہتا اور ایک معبود دوسرے معبود پر چڑھ دوڑتا- اللہ کی ذات ان باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں! (۹۱)

وہ غیب اور شہادت دونوں کا جاننے والا ہے (یعنی محسوسات اور غیر محسوسات سب کا جاننے والا ہے۔ اس کے لیے کوئی چیز غیر محسوس نہیں) انہوں نے جو کچھ شرک کی باتیں بنا رکھی ہیں وہ ان سب سے بالاتر ہے! (۹۲)

(اے پیغمبر!) تو کہہ "خدایا! جن باتوں کا تو نے وعدہ کیا ہے اگر ان کا ظہور میرے سامنے ہونے والا ہے (۹۳) تو خدایا مجھے اس گروہ میں نہ رکھیو جو ظالم گروہ ہے!" - (۹۴)

اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ جن جن باتوں کا ان سے وعدہ کیا ہے انہیں (تیری زندگی ہی میں ظاہر کر کے) تجھے دکھا دیں- (۹۵)

(اے پیغمبر!) برائی کو برائی سے نہیں بلکہ ایسے طرز عمل کے ذریعہ سے دور کر جو بہتر طرز عمل ہو (یعنی عفو و درگزر کر کے) ہم ان باتوں سے بے خبر نہیں جو یہ تیری نسبت کہتے رہتے ہیں- (۹۶) تیری دعا (ہمارے حضور یہ) ہو کہ "خدایا! میں شیطانی وسوسوں سے تیرے دامن میں پناہ لیتا ہوں- (۹۷) میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں!" (۹۸)

ان منکروں کا حال ایسا ہی رہے گا- یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سرہانے موت آ کھڑی ہو گی تو اس وقت کہنے لگے گا "خدایا! مجھے پھر (دنیوی زندگی میں) لوٹا دے (۹۹) کہ زندگی کے جو موقعے میں نے کھو دیے شاید (اس

کائنات قائم ہے- عالم جسم و مادہ کا ایک ایک گوشہ دیکھو، تمہیں ہر گوشہ میں وجود، تکوین، تعمیر، ایجاب، زندگی، بناؤ کی اصل یہی حقیقت ملے گی- یہی حقیقت جب افکار و اعمال انسانی میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کا نام ایمان اور عمل صالح ہو جاتا ہے، اور یہی حقیقت ہے جس کی طرف ہدایت وحی بلاتی ہے-

یہاں فرمایا اگر حقیقت ان منکرین حق کی خواہشوں کی پیروی کرے تو تمام نظام ارضی و سماوی درہم برہم ہو جائے کیونکہ انہیں معلوم نہیں، جس حقیقت سے یہ انکار کر رہے ہیں وہی حقیقت ہے جس پر یہ تمام کارخانہ ہستی چل رہا ہے-

یہ مقام بہت دقیق ہے- تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہیے-

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا
يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِیْ تُتْلٰی
عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

دفعہ) ان میں نیک کام کرسکوں"

حکم ہوگا "ہرگز نہیں- یہ محض ایک کہنے کی بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے- اب ایسا ہونے والا نہیں- ان لوگوں کے (مرے) پیچھے ایک آڑ ہے جو اس دن تک رہے گی کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں"-(۱۰۰)

پھر جب وہ گھڑی آ جائے گی کہ نرسنگا پھونکا جائے (یعنی تمام انسانی ہستیوں کو دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے اور اکٹھا ہو جانے کا حکم ہو) تو اس دن نہ تو ان لوگوں کی باہمی رشتہ داریاں باقی رہیں گی نہ کوئی ایک دوسرے کی بات ہی پوچھے گا-(۱۰۱)

اس دن جن لوگوں (کے نیک عملوں) کا پلہ بھاری نکلا بس وہی ہیں جو کامیاب ہوں گے-(۱۰۲) اور جن کا پلہ ہلکا ہوا تو وہی ہیں جنہوں نے اپنے کو بربادی میں ڈال دیا، ہمیشہ جہنم میں رہنے والے!(۱۰۳)

آگ کے شعلوں کی لپٹ ان کے چہروں کو جھلستی ہوگی- وہ ان میں منہ بگاڑے پڑے ہوں گے!(۱۰۴)

"کیا ایسا نہیں ہو چکا ہے کہ میری آیتیں تمہارے آگے پڑھی جاتی تھیں اور تم انہیں جھٹلاتے رہتے تھے؟" (ان سے یہ بات کہی جائے گی)-(۱۰۵) وہ کہیں گے "اے ہمارے پروردگار! دراصل ہماری بدبختی ہم پر چھا گئی تھی- ہمارا گروہ گمراہوں کا گروہ تھا-(۱۰۶) اب ہمیں اس حالت سے نکال دے- اگر ہم پھر ایسی گمراہی میں پڑیں

---

(۲۰) آیت (۸۰) کے چند لفظوں کے اندر قرآن کا ایک بہت بڑا استدلال پوشیدہ ہے- جلد نہ گزر جاؤ- اس پر غور کرلو- فرمایا وہی ہے جو جلاتا ہے اور موت طاری کرتا ہے- اور یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ رات دن کے پیچھے آتی رہتی ہے اور دن رات کے پیچھے-

یہاں "اختلاف اللیل و النہار" کہہ کر اس قانون ہستی کی طرف اشارہ کیا ہے جسے قرآن قانون ازواج سے تعبیر کرتا ہے- ہم نے اپنی مقررہ مصطلحات میں اسے قانون تثنیہ کہا ہے- یعنی کارخانہ ہستی کے ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں یہاں کوئی حقیقت اکہری اور طاق نہیں ہے- کسی نہ کسی شکل میں دو دو ہونے کی نوعیت ضرور پائی جاتی ہے- ہر چیز کی تکوین و تشکیل اسی طرح ہوگی کہ دو متماثل اور متقابل نوعیتیں ابھریں گی اور اسی تماثل و تقابل کا تثنیہ ایک مکمل حقیقت کی شکل اختیار کرلے گا- مثلاً نر کے لیے مادہ- مرد کے لیے عورت- زندگی کے لیے موت' رات کے لیے دن' صبح کے لیے شام' مثبت کے لیے منفی' تکوین کے لیے افساد- جس گوشہ میں بھی دیکھو گے ہر حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی نہ کوئی مثنیٰ بھی ضرور موجود ہے- ﴿ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (۵۱ : ۴۹)

قرآن کا استدلال یہ ہے کہ اگر کارخانہ ہستی کے ہر گوشہ میں دو دو ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے اور یہاں ہستی کی کوئی نمود بغیر اپنے مثنیٰ اور زوج کے نہیں ہے تو پھر تمہیں اس بات پر کیوں تعجب ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کی نمود بھی اکہری نہیں ہے دوہری ہے اور دنیوی زندگی کے لیے بھی ایک مثنیٰ ہے، اس کا نام آخرت ہے؟ جس حقیقت کو تم بیس بھیسوں میں دیکھتے ہو اور پہچانتے رہتے ہو، اسی کو اکیسویں بھیس میں دیکھ کر کیوں چونک اٹھتے ہو؟ اسی لیے آیت کا خاتمہ اس پر ہوا کہ ﴿ افلا تعقلون؟ ﴾ کیونکہ اس معاملہ میں خطاب تعقل سے تھا اور وہی مفقود ہو جاتی ہے-

مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى
اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ
الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ
فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا
خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ
الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع ۶

تو بلاشبہ نافرمان ہوئے"-(۱۰۷)

اللہ فرمائے گا "! جہنم میں جاؤ اور زبان نہ کھولو"-(۱۰۸) "ہمارے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کہتا تھا- خدایا ! ہم ایمان لے آئے- پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما- تجھ سے بہتر رحم کرنے والا کوئی نہیں !(۱۰۹) لیکن تم نے انہیں اپنے تمسخر کا مشغلہ بنالیا تھا- یہاں تک کہ اس مشغلہ نے ہماری یاد بھی بھلادی تھی- تم ان لوگوں کی باتوں پر ہنسا کرتے تھے-(۱۱۰) آج دیکھو ہم نے انہیں ان کے صبر کا بدلہ دے دیا- وہی ہیں جو فیروز مند ہوئے !"(۱۱۱)

ان سے کہا جائے گا "تمہیں خیال ہے، زمین میں کتنے برس تک رہے؟"-(۱۱۲)

وہ کہیں گے "بس ایک دن یا ایک دن کا بھی کچھ حصہ (ہمیں ٹھیک وقت کا اندازہ نہیں) ان سے پوچھو جو گنتے رہے ہیں"-(۱۱۳) ان سے کہا جائے گا "ہاں تمہارا زمین میں رہنا اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک بہت ہی تھوڑے زمانہ کا رہنا- کاش تم نے یہ بات جانی ہوتی !"(۱۱۴)

کیا تم خیال کرتے ہو ہم نے تمہیں بیکار کو پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں؟(۱۱۵) اللہ کہ پادشاہ حقیقی ہے ایسی بات کرنے سے پاک و بلند ہے- وہ کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر اسی کی ایک ذات' جہانداری کے تخت عزت کا مالک !(۱۱۶)

اور جو کوئی اللہ کے سوا کسی دوسرے (من گھڑت) معبود کو پکارتا ہے تو اس کے پاس اس کے لیے کوئی دلیل نہیں- اس کے پروردگار کے حضور اس کا حساب ہونا ہے- یقیناً کفر کرنے والے کبھی کامیابی نہیں پائیں گے !(۱۱۷)

اور (اے پیغمبر!) تو کہہ "خدایا! مجھے بخش دے' رحم فرما! تجھ سے بڑھ کر کوئی رحم کرنے والا نہیں !"(۱۱۸)

اب غور کرو، اس کے بعد کی آیت کس طرح اس آیت سے مربوط ہوگئی؟ اور اس کی ابتدا میں حرف "بل" کا آنا کس طرح ٹھیک اپنی جگہ میں بیٹھ گیا؟ ﴿ بل قالوا مثل ما قال الاولون - قالوا ءاذا متنا و کنا ترابا و عظاما ءانا لمبعوثون؟ ﴾

مزید تشریح کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ مبحث تسکین حیات۔

☆☆☆

سورت کا ترجمہ ختم ہو گیا۔ مگر چند مہمات کی تشریحات باقی رہ گئی ہیں:

تخلیق و تکمیل جنین کے مراتب ستہ:

قرآن حکیم نے اس سورت میں اور دوسرے مقامات میں انسانی پیدائش کے مختلف احوال و مراتب پر توجہ دلائی ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور بعث بعد الموت کے وقوع پر استشہاد کیا ہے۔ یہ مراتب تطور چھ ہیں۔ جیسا کہ یہاں آیت (۱۴) میں بیان کیے گئے ہیں:

(ا) "نطفه" کی حالت جبکہ وہ "قرار مکین" میں ہوتا ہے۔

(ب) "علقه" کی حالت۔

(ج) "مضغه" کی حالت۔

(د) "خلقنا المضغة عظامًا" کی حالت۔

(ہ) "کسونا العظام لحمًا"

(و) ایک ایسی آخری حالت جسے "خلقًا اٰخر" سے تعبیر کیا ہے۔

مفسرین کی حیرانی:

ان میں سے آخری حالت کو قرآن نے "خلقا اخر" سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اس مرتبہ میں پہنچ کر کوئی ایسا انقلاب طاری ہو جاتا ہے کہ بالکل ایک دوسری ہی طرح کی خلقت ظہور میں آ جاتی ہے۔ گویا مرتبہ (الف) سے لے کر مرتبہ (ہ) تک جنین کی جو حالتیں رہیں اور جس نوعیت کی مخلوق بنتی رہی، وہ کوئی دوسری طرح کی چیز تھی اور اب اس مرتبہ میں آ کر بالکل ایک دوسری طرح کی چیز نمایاں ہو گئی۔ چونکہ مراتب پیدائش کی کوئی ایسی انقلابی حالت ہمارے مفسروں کے سامنے نہ تھی اس لیے قدرتی طور پر اس کی کوئی جچتی ہوئی تفسیر ان سے بن نہ آئی اور مختلف وادیوں میں نکل گئے۔ بعضوں نے کہا۔ اس سے مقصود نفخ روح کی حالت ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ سے پہلے روح نہیں ہوتی۔ بعضوں نے کہا۔ یہ شکم مادر سے باہر نکلنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ وضع حمل اسی کے بعد ہوتا ہے۔ بعضوں نے کہا۔ مقصود بالوں کا پیدا ہونا ہے۔ اس سے پہلے بال نہیں ہوتے۔ بعضوں نے کہا۔ نہیں مقصود دانت ہیں۔ دانت اسی مرتبہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ بعضوں نے جمع و تطبیق آراء کی راہ اختیار کرنی چاہی تو کہا۔ دراصل مقصود تمام قویٰ کی تکمیل ہے۔ اس میں بال بھی آ گئے، دانت بھی آ گئے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی تفسیر بھی "خلقا اخر" کا تقاضا پورا نہیں کرتی۔ منطوق کے اعتبار سے بھی اور مفہوم کے اعتبار سے بھی۔

اسی طرح پچھلے مراتب تطور کی بھی حقیقت واضح نہ ہو سکی۔ "علقہ" کو جمے ہوئے خون کے معنوں میں لے گئی اور "مضغہ" کو گوشت بن جانے کے معنوں میں۔ اور ترتیب نشاۃ یوں سمجھی گئی کہ پہلے خون پیدا ہوتا ہے اور وہ کلیجی کی طرح جما ہوا ہوتا ہے۔ پھر یہ منجمد خون گوشت بن جاتا ہے۔ پھر اس گوشت میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر ہڈیوں پر چمڑا چڑھ جاتا ہے۔ اس چمڑے کو "کسونا العظام لحما" میں مجازاً "لحم" کہا ہے۔

مفسرین قدیم معذور تھے:

لیکن اگر اس مقام کی شرح وتحقیق کا حق ادا نہ ہو سکا تو اسے مفسروں کے قصور فہم پر محمول نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس باب میں وہ یقیناً معذور تھے۔ علم وتحقیق کا یہ گوشہ تمام تر زمانہ حال کی پیداوار ہے اور زمانہ حال کی پیداوار میں بھی سب سے آخری عہد کی پیداوار۔ انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ جو تمام علوم حدیثہ کے انکشاف وتکمیل کا سب سے زیادہ شاندار زمانہ ہے' پورا گزر گیا اور کارخانہ فطرت کے اس گوشہ مستور کے تمام حجاب نہ اٹھ سکے۔ پس اگر اٹھارویں صدی کے حکماء معذور تصور کیے جاسکتے ہیں کہ اس بارے میں بالکل غلط رخ پر جا رہے تھے حالانکہ خوردبین ایجاد ہو چکی تھی اور انسانی نعش کی تشریح کا بابِ مسدود کھل چکا تھا' تو ظاہر ہے نوویں اور دسویں صدی کے مفسرین قرآن کیوں معذور تصور نہ کیے جائیں جن کے سامنے اس سے زیادہ کچھ نہ تھا جتنا ارسطو اپنی کتاب الحیوانات میں اور جالینوس اپنے مقالات میں لکھ چکا ہے؟

علم الجنین کی مختصر تاریخ:

دراصل پیدائش حیوانات کے بارے میں گزشتہ دو ہزار سال تک انسانی علم کی پرواز اسی حد تک رہی۔ علم ونظر کی تمام شاخوں کی طرح علم الجنین (Embryology) میں بھی ارسطو ہی کی تحقیقات پر تمام تر دارومدار تھا۔ سترہویں صدی میں جب خردبین کی ایجاد ایک خاص حد تک ترقی پذیر ہوئی تو پرندوں کے انڈوں کا خردبینی مطالعہ شروع ہوا اور بتدریج ایک نئے نظریہ کی بنیاد پڑ گئی جسے اس وقت نظریہ ارتقاء سے تعبیر کیا گیا تھا لیکن اب ''نمود بروز'' کے نظریہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی (Preformation Theory) سے۔ اس نظریہ کا ماحصل یہ تھا کہ اصل پیدائش جنس اناث کا مبیض (Ovary) ہے۔ جنین پر تطورات کی کوئی نئی حالت طاری نہیں ہوتی بلکہ مبیض میں جو کامل وجود موجود ہوتا ہے وہی کھلنے اور بڑھنے لگتا ہے۔ مثلاً انسان کے تخم حیات میں ایک کامل انسان اپنے تمام خارجی وداخلی اعضاء کے ساتھ موجود ہوتا ہے لیکن اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ خردبین سے بھی اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ اسی کامل ومتشکل ذرۂ وجود کا بڑھ جانا نطفہ کا انسان بن جانا ہے۔ ۱۶۹۰ء میں جب ایک ڈچ عالمِ خردبینی لیون ہاک (Leeuwenhock) نے جنس رجال کے مادۂ منویہ کے جراثیم کا انکشاف کیا' تو ایک گروہ پیدا ہو گیا جس نے مبیض اُناث کی جگہ جراثیم منویہ کو اصل حیات قرار دیا۔ تاہم اس رائے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی کہ جنین پر تطور کی نہیں بلکہ محض بروز ونمو کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اٹھارویں صدی کے وسط تک یہی رائے وقت کی مقبول ومعتمد رائے رہی۔ یہاں تک کہ ۱۷۵۹ء میں ایک جرمن محقق فریڈرک ولف نے یہ پورا نظریہ غلط ٹھہرایا اور تولید وتطور کے اصل پر زور دیا۔ پھر ۱۸۱۷ء میں پانڈر نے اور ۱۸۲۸ء میں بیر نے اسے مزید ترقی دی۔ اس کے بعد سے اسی رخ پر قدم اٹھنا شروع ہو گئے۔ پھر جب ۱۸۵۹ء میں ڈارون کی کتاب ''اصلیت انواع'' شائع ہوئی' تو اس نے علم کے تمام گوشوں کی طرح اس گوشہ کے لیے بھی ایک نئی روشنی مہیا کر دی اور بالآخر انیسویں صدی کے آخری سالوں میں ارنسٹ ہیکل (Ernst Haeckel) کے ہاتھوں یہ تحقیقات تکمیل تک پہنچ گئی۔ اب علم الجنین کا ہر گوشہ نظریوں اور قیاسوں کے سہاروں سے بالکل بے پروا ہو گیا ہے اور جو کچھ ہے تمام تر استقراء ومشاہدات پر مبنی ہے۔ یہ اب فلسفہ کی بحث وتعلیل کا محتاج نہیں۔ کیونکہ خود علم کی ایک حقیقت ہے۔

اس باب میں سب سے زیادہ معتمد خود ارنسٹ ہیکل کی دو کتابیں ہیں۔ نیچرل ہسٹری آف کریئیشن اور ایولیوشن آف مین۔ اس مبحث میں ہمارا اعتماد انہی پر ہے۔

جدید تحقیقات:

قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ مراتب پر نظر ڈالی جائے معلوم کر لینا چاہیے کہ انسانی وجود کی پیدائش اور اس کے جنین کے احوال

وتطورات کے باب میں علم کے حقائق کیا ہیں؟ یہ مبحث بہ تفصیل مقدمہ میں ملے گا- یہاں مختصر اشارات کریں گے۔

تمام حیوانات کی طرح انسان کی پیدائش بھی ایک بیضہ سے ہوتی ہے جسے اصطلاح میں (Ovum) کہتے ہیں- یعنی خلیہ تخم (خلیہ یعنی Cell) یہ خلیہ تخم جنس اناث میں بھی پیدا ہوتا ہے اور جنس رجال میں بھی- فعل تلقیح اس وقت واقع ہوتا ہے جب جنس رجال کے خلیات تخم جنس اناث کے بیضہ میں پہنچ جاتے ہیں- یہ خلیہ تخم ایک بہت ہی دقیق ذرہ کا سا حجم رکھتا ہے- یعنی اس کا قطر ایک انچ کا ایک سو بیسواں حصہ بلکہ اس سے بھی کم ہوتا ہے- یہی خلیہ زندگی اور وجود کا اصلی تخم ہے-

نطفہ کے قرار پانے کے معنی یہ ہیں کہ جنس رجال کا خلیہ تخم جنس اُناث کے مبیض میں جگہ پائے- استقرار کے بعد جنین کا تطور شروع ہوتا ہے- ابتداء میں وہ محض خلیات کا ایک کروی مجموعہ ہوتا ہے- پھر ایک مجوف گیند کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کے اطراف کی دیوار خلیات سے مرکب ہوتی ہے- اس کے بعد یہ خلیات ایک دوسرے سے بالکل مل جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان میں طولانیت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے- یہاں تک کہ بالکل ایک نعل نما (Sole Shaped) صورت اختیار کر لیتے ہیں- اب ان میں ایک ایسی ہیکلی ہیئت پیدا ہوتی ہے جیسی مچھلی کی ہوتی ہے - پھر یہ ہیئت حیواناتِ قوازب (Amphibia)[1] کا سا ہیکل اختیار کر لیتی ہے - اس کے بعد حیوانات لبونہ (Mammals) کا ہیکل نمایاں ہوتا ہے- لیکن پہلے ادنی درجہ کے حیوانات لبونہ کا - مثلاً ایسا جیسا آسٹریلیا کے خلد آبی (Duck Bill) کا ہوتا ہے- یا ان حیوانات کا جنہیں ذوات الکیس (Marsupils) کہتے ہیں- پھر اونچے درجہ کے حیوانات لبونہ کا - مثلاً گھوڑا، کتا، بیل - پھر یہ مرتبہ ترقی کر کے ایک ایسے ہیکل تک پہنچتا ہے جو ٹھیک ٹھیک بندر کا سا ہوتا ہے- دم بھی موجود ہوتی ہے- پھر اس میں تبدیلی شروع ہوتی ہے اور بندر کے ترقی یافتہ اعلیٰ اقسام کا سا ہیکل نمایاں ہونے لگتا ہے- یعنی گوریلا، شمپازی، گبون وغیرہ اقسام کا - اب اس کے بعد آخری مرتبہ تطور آتا ہے اور اچانک ایک انقلابی حالت طاری ہونے لگتی ہے- یعنی تمام حیوانی و میمونی خصوصیات مفقود ہو جاتی ہیں، ایک نئی نوعیت کا ہیکل نمایاں ہو جاتا ہے اور وجود انسانی اپنی ساری خصوصیتوں اور رعنائیوں کے ساتھ ابھر آتا ہے!

ابتداء کے تمام تطورات ایک مہینے کے اندر طاری ہو جاتے ہیں- آخری تطورات دوسرے مہینے کے اندر اور پھر حمل کا بقیہ زمانہ جس قدر گزرتا ہے صورت انسانی ہی کی تکمیل پر گزرتا ہے-

قانون حیات کی عالمگیر وحدت:

اس سلسلہ میں جو حقیقت سب سے زیادہ اہم نمایاں ہوئی ہے اور جس نے علم و نظر کے بہت سے گوشوں میں انقلاب پیدا کر دیا، وہ پیدائش حیات کے قانون کی عالمگیر وحدت ہے- نباتات سے لے کر وجود انسانی تک اصل و بنیاد حیات ایک ہی ہے اور جس قدر امتیازی اختلافات پیدا ہوتے ہیں ٹھیک ٹھیک انہی حدود کے اندر اور انہی ترتیبات سے جو قانون نشو و نما ارتقاء کی بنا پر ضروری ہیں- اس اعتبار سے اگر انسان کے جنین پر نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل مدارج اور ان کے احکام سامنے آئیں گے-

مدارج تطور:

(۱) پہلا درجہ وہ ہے جس میں خلیہ تخم کی حالت ٹھیک ٹھیک ویسی ہی ہوتی ہے جیسی تمام نباتات اور حیوانات کی- گویا اس ابتدائی درجہ میں ایک انسان کا جنین بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ایک درخت کا، ایک مچھلی کا، ایک چار پائے کا، ایک پرندکا-

---

[1] Amphibia کا لفظی ترجمہ ذوات الحیاتین ہے یعنی ایسے جانور جو خشکی اور تری دونوں کے گرد و پیش میں رہتے ہیں ہم نے اس کے لیے قوازب کا لفظ اختیار کیا جو میجر جنرل امین معلوف صاحب معجم الحیوانات کے اختیارات میں سے ہے-

یہ حالت نطفہ کی ابتدائی حالت ہوتی ہے-

(ب) پھر خلیات کا کروی مجموعہ ایک دوسرے درجہ میں داخل ہوتا ہے- اس درجہ میں پہلا امتیاز نمایاں ہوتا ہے- یعنی اب جنین نباتات کے دائرہ سے بلند ہو کر صرف حیوانات کے دائرہ کی چیز بن جاتا ہے- ہم تمام حیوانات کا جنین ایسا ہی پاتے ہیں مگر نباتات کا نہیں-

یہ حالت دو ہفتہ کے اندر طاری ہو جاتی ہے-

(ج) تیسرے ہفتہ میں جنین دوگنی طوالت پیدا کر لیتا ہے اور نعل کی سی شکل بن جاتی ہے- نیز ایک نشان ظاہر ہو جاتا ہے جو آگے چل کر سر بننے والا ہوتا ہے- یہی نشان تین بنیادی حاسوں کی پہلی داغ بیل ہے-

اس درجہ میں دوسرا امتیاز نمایاں ہوتا ہے- یعنی اب جنین حیوانات کے عام دائرہ سے نکل کر حیوانات لبونہ کے خاص دائرہ میں آ جاتا ہے- لیکن ادنیٰ درجہ کے دائرہ میں-

(د) چوتھے ہفتہ میں سر کا نشان ایک غیر متشکل گنبد کی سی ہیئت پیدا کرنے لگتا ہے- اس کے اندر بھیجے کے چاروں خانے بھی نمایاں ہو جاتے ہیں، عنصری نالیاں بھی ابھر آتی ہیں' دل کے چاروں حصے بھی وجود پذیر ہو جاتے ہیں- اور سب سے زیادہ یہ کہ ریڑھ کی ہڈی کا ڈھانچہ پوری طرح نشو ونما پانے لگتا ہے-

اس درجہ میں پہنچ کر جنین اعلیٰ درجہ کے حیوانات لبونہ کی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے- یعنی اب انسان کا جنین ایسا ہو جاتا ہے جیسا گھوڑے' بیل' کتے وغیرہ شیر خوار جانوروں کا ہوتا ہے-

اب حمل کا پہلا مہینہ ختم ہو گیا-

(ہ) پانچویں ہفتہ سے صورت آرائی کا زیادہ متشخص دور شروع ہوتا ہے- لیکن یہ بندر کے سے ہیکل کا ہوتا ہے- اس درجہ کے جنین کی تصویر بندر کے جنین کی تصویر کے ساتھ رکھی جائے تو دونوں میں کوئی نمایاں فرق دکھائی نہیں دے گا۔

(و) پھر یہ ہیکل بندر کی اونچی قسم کے ہیکلوں کی طرف بڑھتا ہے اور گوریلا اور شمپازی وغیرہ کے جنین کی سی ہیئت پیدا کرنے لگتا ہے-

(ز) اس کے بعد ایک آخری انقلاب طاری ہوتا ہے اور انسانی جسم وصورت کی خصوصیات یکایک ابھرنے لگتی ہیں حتیٰ کہ بالکل ایک نئی قسم کا تناسب واعتدال ظہور میں آ جاتا ہے-

دوسرے مہینے کے اختتام پر یہ درجہ پوری طرح صورت پذیر ہو جاتا ہے-

(ح) اس کے بعد فطرت کی نقاشی زیادہ دقیق قسم کے امتیازات کا نوک پلک درست کرنے لگتی ہے- یعنی نوع انسانی کے مختلف وطنی، موسمی' نسلی اور معنوی اختلافات ابھرنے اور بننے لگتے ہیں- پھر جدی اور آبائی اثرات کی نمود شروع ہوتی ہے اور ہر والدین کو اپنی قوم' اپنے ملک' اپنی نسل اور اپنے ماحولی موثرات کا مولود میسر آ جاتا ہے-

یہ آخری انسانی دور سب سے بڑا دور ہے- یعنی ابتدا کے دو مہینے چھوڑ کر باقی تمام ایام حمل جن کی مدت چار سے سات مہینوں تک پہنچ جاتی ہے اسی دور میں بسر ہوتے ہیں-

قرآن کی تصریحات:

اب ان تمام تفصیلات کو پیش نظر رکھ کر قرآن کی تصریحات پر غور کرو- اور پچھلی تفاسیر پر بھی ایک نظر ڈال لو- جس وقت تک انسانی جنین

کے یہ تمام حقائق منکشف نہیں ہوئے تھے قرآن کے بیان کردہ مدارج ستہ کی تشریح کس درجہ دشوار تھی؟ قدیم نظریوں کا ساتھ دینے کے لیے مفسروں کو کیسی کیسی توجیہیں ڈھونڈنی پڑیں اور پھر بھی بات بنی نہیں؟ لیکن اب ان انکشافات کے بعد کس طرح سارا معاملہ صاف ہو گیا ہے؟ کس طرح دونوں بیان ٹھیک ٹھیک ایک دوسرے کے مطابق ہیں اور ایک کے اجمال کی دوسرا تفصیل کر رہا ہے؟ کس طرح آج علم کی آنکھیں بھی وہی دیکھ رہی ہیں جو وحی کی زبان نے آشکارا کر دیا تھا؟

وحی کی یہ صدا کس کی زبان سے نکلی تھی؟ ساتویں صدی عیسوی کے ایک اُمی کی زبان سے جو ریگستان عرب کے بادیہ نشینوں میں پیدا ہوا اور جس کی ساری زندگی انہی بادیہ نشینوں میں بسر ہوئی تھی!

قرآن کا سترھویں صدی کے نظریہ سے انکار:

سترہویں صدی میں خرد بینی مطالعہ سے جراثیم حیات کا انکشاف ہوا' لیکن حکمائے اصل عہد حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے اور ''مذہب ظہور وبروز'' کا نظریہ قائم کر لیا گیا- اب دیکھو جس طرح قدیم قیاسات قرآن کا ساتھ نہیں دیتے تھے اسی طرح یہ مذہب بھی ساتھ چلنے سے صاف انکار کر رہا تھا- قرآن جنین کے تمام تغیرات کو صاف صاف ایک انقلابی تطور قرار دے رہا ہے: ﴿ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ ﴾ (۲۲ : ۵) اور: ﴿ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً ﴾ (۲۳ : ۱۴) یعنی تخلیق کی ایک حالت نطفہ کی ہوتی ہے- پھر تخلیق کی دوسری حالت علقہ کی ہوتی ہے- پھر تخلیق کی تیسری حالت مضغہ کی ہوتی ہے- پس یہ محض کسی ایسے کیڑے کا نشو و بروز نہیں ہو سکتا جس کے اندر وجود انسانی اپنے تمام اصول و جزئیات کے ساتھ موجود ہو بلکہ ایک حالت کے بعد صریح دوسری حالت کی پیدائش اور دوسرے کے بعد تیسرے کی اور تیسرے کے بعد چوتھے کی پیدائش ہے اور ہر پیدائش تخلق و تطور کی نوعیت میں ظاہر ہوئی ہے- ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے طرح طرح کے تطورات طاری ہوں- ضروری ہے کہ ہر تطور ایک نئی پیدائش کا حکم رکھتا ہو-

جدید مفسرین کی بے نتیجہ قطع و برید:

چونکہ انیسویں صدی کے اواخر تک یہی نظریہ ''ظہور و بروز'' عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا اور فن طب و تشریح نے بھی اسی کو اختیار کر لیا تھا اس لیے جس طرح قدیم مفسروں کو شرح و تحقیق آیت میں دشواریاں پیش آئیں اور طرح طرح کی توجیہات کرنی پڑیں، اسی طرح مصر اور ہندوستان کے بعض نئے مفسروں کو بھی ٹھوکر لگی اور رفاعہ بک طہطاوی' حسن پاشا محمود' سر سید احمد خاں' شیخ محمد عبدہ وغیرہم اسی نظریہ کی وادیوں میں گم ہو گئے- انہوں نے کوشش کی کہ قرآن کی تصریحات کو اس کے مطابق کر دکھائیں- مطابق ہو نہیں سکتی تھیں اس لیے ہر طرح کا تجوز و تکلف جو لغت و زبان سے کیا جا سکتا ہے' جائز کر لیا گیا- اور نہیں سمجھے کہ یہ تمام قطع و برید چند سالوں کے بعد یکسر بیکار ہو جائے گی۔

قرآن اپنی جگہ سے نہیں ہلا مگر علم کو ہلنا پڑا:

لیکن قرآن کی تصریحات اپنی جگہ بدستور قائم رہیں- جس طرح قدیم جامہ ان پر راست نہیں آیا تھا اسی طرح نئے جامے سے بھی انہوں نے انکار کر دیا- یہاں تک کہ جمال حقیقت بے پردہ ہوا' اور نظریوں کی شب کوری کی جگہ انکشاف و مشاہدہ کی صبح نمودار ہو گئی- اب ہر نگاہ دیکھ لے سکتی ہے کہ قرآن کو اپنی جگہ سے ہلنے کی کوئی ضرورت نہ تھی- یہ علم کا نقص تھا کہ صحیح جگہ نہ پا سکا- آخر اسے اپنی جگہ چھوڑنی پڑی اور وہیں آ گیا جہاں تیرہ صدیوں سے قرآن کی صداقت جمی کھڑی ہے! ﴿ لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه' تنزیل من

حکیم حمید ﴾

تم علم کی ایک ذرا سی نمود دیکھ کر مرعوب ہو جاتے ہو اور چاہتے ہو، قرآن کو فوراً اس کی جگہ سے ہٹا دو- لیکن اگر تم جلدی نہ کرو تو قرآن کو ہلنے کی ضرورت کبھی نہ ہوگی- جلد یا بہ دیر علم اپنی جگہ چھوڑے گا اور آگے بڑھ کر قرآن کی تصدیق کرے گا!

اب غور کرو- علم کی روشنی میں کس طرح قرآن کی تمام تصریحات واقع ہو رہی ہیں، بغیر اس کے کہ لغت و زبان کے قدرتی مقتضیات سے رائی برابر بھی انحراف کیا جائے؟

قرآن کے مدارج ستہ:

(۱) سب سے پہلے ﴿ جعلناه نطفة فی قرار مکین ﴾ پر غور کرو- استقرار حمل یوں ہوتا ہے کہ جنس رجال کا جنسی خلیہ جنسی اناث کے مبیض میں پہنچتا ہے اور اس طرح ٹک جاتا ہے گویا اپنے اصلی مکان میں پہنچ گیا- اس صورت حال کے لیے ﴿ فی قرار مکین ﴾ کی ترکیب کس درجہ صحیح اور ادقق ہے؟ دو لفظوں کے اندر پوری وضاحت کے ساتھ دونوں حالتیں آ گئیں- اس کا ٹھہر جانا اور تمکن کے ساتھ قرار پا جانا- یہ استقرار و تمکن کس طرح پیدا ہوا؟ دونوں جنسوں کے خلیوں کے اتحاد سے- اس اتحاد و امتزاج کی ان میں قدرتی طلب تھی- بغیر اس کے قرار نہیں پا سکتے تھے-

اس وقت تک ہم نے اس کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ نطفہ رحم میں قرار پا جاتا ہے لیکن فی الحقیقت بات پوری طرح جمتی نہ تھی- رحم تو ایک طرح کا مجوف خول ہے- اس میں ایک ذرۂ تخم کا پڑ جانا ﴿ فی قرار مکین ﴾ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا- یہ تعبیر کہہ رہی ہے کہ کوئی نطفہ ہی کی طرح کا دقیق محل ہونا چاہیے جہاں وہ پہنچ کر اس طرح ٹک جائے جیسے ٹھیک اپنے حجم اور اپنی نوعیت کے مطابق ایک جگہ اسے مل گئی- پس یقیناً اس سے مقصود مبیض کا خلیہ ہے- نہ کہ پورا عضو رحم-

(۲) اس کے بعد ''نطفہ'' پر مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں لیکن سب سے پہلی انقلابی حالت کون سی ہوتی ہے جو بالکل ایک نئی قسم کی نوعیت پیدا کر دیتی ہے؟ اور جو تمام آئندہ انقلابوں کے لیے سنگ بنیاد کا کام دیتی ہے؟ وہ حالت، جب خلیات کا کروی مجموعہ اچانک طول میں بڑھنے لگتا ہے اور پھر اس طرح کی لمبی چیز بن جاتا ہے جس کے دونوں سرے کسی قدر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں- پروفیسر ہیکل نے اس مرتبہ کی ابتدائی حالت کو (Sole-Shaped) سے اور پختہ حالت کو (Sandal-Shaped) سے تعبیر کیا ہے- [1] اور ہم نے اس کے لیے صرف ''نعل نما'' حالت کی تعبیر اختیار کی ہے- اسی مرتبہ تحول کو قرآن نے ''علقہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے- ''علقہ'' کی تعبیر اس مرتبہ کے لیے ہر اعتبار سے اتنی صاف اور چسپاں تعبیر ہے کہ جونہی میری پہلی نظر اس نعل نما جنین کی تصویر پر پڑی تھی' میری زبان سے بے اختیار خلق الانسان من ''علق'' نکل گیا تھا!

جونک کے لیے علوق' علوقه' عولق' علقه سامی زبانوں کی نہایت قدیم تعبیر ہے- عبرانی میں اسے علوقہ کہتے تھے اور بجنسہٖ علقہ کا نام بھی ملتا ہے- چنانچہ سفر امثال میں ایک جگہ آیا ہے ''جونک کی دو بیٹیاں ہیں جو چلاتی رہتی ہیں کہ لاؤ' لاؤ'' (۳۰:۱۵) عبرانی نسخہ میں یہاں ''جونک'' کے لیے علوقہ کا لفظ ہے- یہی علوقہ عربی میں علق اور علقہ ہے، اور جونک کے لیے مستعمل ہے- اب جونک کی حالت اور صورت کا معاینہ کرو- اس میں ہڈی نہیں ہوتی- محض ایک لوتھڑے کی لسبان ہوتی ہے' اور خون پی کر جب سیراب ہو جاتی ہے تو ٹھیک ٹھیک ویسی ہی صورت ہو جاتی ہے جیسی اس مرتبہ جنین کی تصویر میں نظر آتی ہے-

علقہ کی تعبیر:

ہیکل نے اس حالت کو محض اس کی جزئی مشابہت کی بنا پر ''نعل نما صورت'' سے تشبیہ دی لیکن قرآن نے ''علقہ'' سے دی جو خود سلسلہ حیوانات کی ایک خاص زندہ کڑی ہے، اور اس طرح عجب نہیں کہ ایک دوسری مخفی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہو-

پیدائش انسانی کے مختلف مدارج کی جو تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں ان سے تمہیں پتہ لگ گیا ہوگا کہ قانون نشو وارتقا کے مختلف مدارج کس طرح نطفہ انسانی کے مدارج میں جمع ہو گئے ہیں اور کس طرح ہر انسان کا جنین اب بھی ان مدارج سے گزر کر انسان بنتا ہے جن مدارج سے گزر کر انسان اپنے موجودہ مرتبہ خلقت تک پہنچا ہے- اچھا اب غور کرو، ان مدارج خلقت میں ابتدائی مخلوقات کا درجہ کون سا ہے؟ آبی مخلوقات کا - یعنی بحکم ﴿ وجعلنا من الماء كل شئ حي ﴾ زندگی کا سب سے پہلا ظہور پانی میں ہوا - اور پہلی مخلوقات آبی مخلوقات ہوئی - ان کے بعد خشکی کی مخلوقات کا سلسلہ شروع ہوا - اچھا آبی مخلوقات میں ابتدائی مراتب کی مخلوقات کون سی ہیں؟ جونک کی قسم کی غیر عظمی مخلوقات - انہی کے ارتقاء سے تمام اونچی قسم کی آبی کڑیاں وجود پذیر ہوئیں - پس اگر حیوانی نطفہ اپنے تمام ارتقائی تطورات سے گزر کر آخری درجہ تک پہنچا کرتا ہے تو کیا ضروری نہیں کہ اس کا ابتدائی درجہ آبی مخلوقات کی حالت کے درجہ کا ہو؟ اور اس میں بھی سب سے پہلے جونک کی قسم کی نوعیت اپنی نمود دکھائے؟ یقیناً ضروری ہے اور یقیناً یہی نوعیت ہے جو اس نعل نما صورت کے درجہ میں نمایاں ہوتی ہے - پس اسے ''علقہ'' سے تعبیر کرنا گویا اس کے درجہ خلقت کو ٹھیک ٹھیک اس کے اصلی نام سے پکار دینا ہے!

(۳) اس کے بعد تیسرا انقلابی تطور وہ ہے، جب یہ نعل نما چیز اور زیادہ بڑھتی ہے اور اس کے مادہ میں گوشت کی صلابت پیدا ہو جاتی ہے- اسی حالت کو قرآن نے ''مضغہ'' سے تعبیر کیا ہے- کیونکہ اب جنین بوٹی کی طرح بن جاتا ہے اور چونکہ یہی مرتبہ ہے جس میں ارتسام وانقسام اعضاء کی پہلی داغ بیل پڑتی ہے، اس لیے سورۂ حج میں اشارہ کر دیا کہ ﴿ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ ﴾ (۲۲:۵) یعنی یہی مضغہ کا درجہ ہے جس میں یا تو داغ بیل پڑ جاتی ہے یا بگڑ کے رہ جاتا ہے-

(۴) چوتھا درجہ وہ ہے جب اس مضغہ میں ریڑھ کی ہڈی کا ڈھانچہ نشو ونما پانے لگتا ہے اور ایک ایسا ہیکل نمایاں ہو جاتا ہے جسے مچھلی سے مشابہ کہا گیا ہے- اسی کو ﴿ فخلقنا المضغة عظاما ﴾ سے تعبیر کیا ہے- اسی درجہ میں آ کر جنین حیوانات فقاریہ (Vertebrate) کی امتیازی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے-

(۵) پھر اس کے بعد ہڈیوں اور گوشت پوست کا التحاق تکمیل تک پہنچتا اور ایک حیوانی صورت متشکل ہو کر نمایاں ہو جاتی ہے- اسی کو ﴿ فكسونا العظام لحما ﴾ کے درجہ سے تعبیر کیا ہے-

خلقا آخر:

(۶) لیکن جو صورت اب بنتی ہے وہ کیا انسان کی صورت ہوتی ہے؟ نہیں ایسی جو تمام حیوانات لبونہ کی مشترک صورت ہوتی ہے، وہ ترقی بھی کرتی ہے تو بندر کی صورت کی طرف - لیکن اس کے بعد نقاش قدرت کی دستکاری اچانک ایک نیا انقلاب وتحول پیدا کر دیتی ہے- وہی جنین جو محض مضغہ تھا، وہی مضغہ جو مچھلی کی طرح کا ایک ڈھانچا تھا، وہی ڈھانچا جس نے عام حیوانی ہیکل کی شکل اختیار کر لی تھی، وہی حیوانی ہیکل جو بندر کی سی صورت میں ابھر آیا تھا، اچانک انسانی جسم وصورت کی ساری خصوصیتیں اور رعنائیاں پیدا کر لیتا ہے: ﴿ فتبارك الله احسن الخالقين ﴾ یہی آخری مرتبہ تحول ہے جسے ﴿ ثم انشأناه خلقا اٰخر ﴾ سے تعبیر کیا ہے-

---

۱ دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب دی ایوولیوشن آف مین کا انگریزی ترجمہ مترجمہ جوزف مکب جلد اول صفحہ ۲۵۴ (مطبوعہ ۱۹۱۰ء)

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ

إِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ أَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ

اسلامی اکادمی

وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ۝

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالبِ اُردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ



از

امام الہند مولانا ابوالکلام احمد آزاد رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی اکادمی

بسم الله الرحمن الرحيم

إن الله يرفع بهذا الكتاب أقواما ويضع به آخرين

ترجمان القرآن

یعنی

قرآن حکیم کے مطالب اردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ

از

ابو الکلام احمد

جلد سوم

سورۂ نور سے سورۂ والناس تک

اسلامی اکادمی

۷ اردو بازار لاہور فون: ۰۴۲-۷۳۵۷۵۸۷

نام کتاب:

ترجمان القرآن

مصنف:

ابوالکلام احمد

جلد سوم

سورۂ اعراف سے سورۂ مومنون تک

اہتمام: محمد رمضان محمدی، محمد سلیم جلالی

تعداد: 1000

ناشر: .... ابومومن منصور احمد

مطبع: .... عرفان افضل پریس

ملنے کا پتہ:

اسلامی اکیڈیمی، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

Phone: 042-7357587

فہرست مضامین

سورۃ النور

سورۃ الفرقان

سورۃ الشعراء

سورۃ النمل

سورۃ القصص

سورہ عنکبوت

سورۃ الروم

سورۃ لقمان

سورۃ السجدہ

سورۃ الاحزاب

سورۃ سبا

سورۃ الفاطر

سورۃ یٰس

سورۃ الصافات

سورۃ ص

سورۃ الزمر

سورۃ المؤمن

سورۃ حم السجدہ

سورۃ الشوریٰ

سورۃ الزخرف

سورۃ الدخان

سورۃ الجاثیہ

سورۃ الاحقاف

سورۃ محمد

سورۃ الفتح

سورۃ الحجرات

سورۃ ق

سورۃ الزاریات

سورۃ الطّور

سورۃ النجم

سورۃ القمر

سورۃ الرحمٰن

سورۃ الواقعہ

سورۃ الحدید

سورۃ المجادلۃ

سورۃ الحشر

سورۃ الممتحنۃ

سورۃ الصف

سورۃ الجمعہ

سورۃ المنافقون

سورۃ التغابن

سورۃ الطلاق

سورۃ التحریم

سورۃ الملک

سورۃ القلم

سورۃ الحاقۃ

سورة المعارج

سورة نوح

سورة الجن

سورة المزمل

سورة المدثر

سورة القیامة

سورۃ الدھر

سورۃ المرسلات

سورۃ النبا

سورۃ النازعات

سورۃ عبس

سورۃ التکویر

سورۃ الانفطار

سورۃ المطفّفین

سورۃ الانشقاق

سورۃ البروج

سورۃ الطارق

سورۃ الاعلیٰ

سورۃ الغاشیہ

سورۃ الفجر

سورۃ البلد

سورۃ الشمس

سورۃ اللیل

سورۃ الضحیٰ

سورۃ الم نشرح

سورۃ التین

سورۃ الاعلیٰ

سورۃ القدر

سورۃ البینہ

سورۃ الزلزال

سورۃ العٰدیٰت

سورۃ القارعہ

سورۃ التکاثر

سورۃ العصر

سورۃ الھمزہ

سورۃ الفیل

سورۃ القریش

سورۃ الماعون

سورۃ الکوثر

سورۃ الکافرون

سورۃ النصر

سورۃ اللّھب

سورۃ الاخلاص

سورۃ فلق والناس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمدللہ ثم الحمدللہ!

کہ آج کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''ترجمان القرآن'' کی تیسری اور آخری جلد قارئین کے ہاتھوں میں پہنچانے میں کامیاب ہوسکا ہوں۔ میری آنکھوں میں تشکر وامتنان کے آنسو ہیں اور لب پر خدائے واحد کی حمد کے ترانے، کہ اس کے خصوصی فضل واحسان کے بغیر مجھ جیسے ناکارہ اور وسائل سے تہی دست انسان کے لیے یہ ناممکن تھا کہ اتنا بڑا کام پایہ تکمیل کو پہنچ پاتا......اس پر اللہ رب العزت کا جس قدر بھی شکر یہ ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے وقت کی ایک اہم دینی خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔

چند سال پہلے جب میں نے ''ترجمان القرآن'' کی دو جلدیں (اوّل اور دوم) اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور سے شائع کی تھیں تو میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس تفسیر کو مکمل صورت میں پیش کرنے کی بھی کوئی صورت نکل آئے گی لیکن اچانک ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور غور کیا تو معلوم ہوا کہ قلب میں ایک خیال راسخ ہو چکا ہے۔ خیال یہ تھا کہ ترجمان القرآن کی تیسری جلد کی تالیف واشاعت کی کوئی صورت نکلنی چاہیے لیکن یہ خیال رہ رہ کر ذہن کو کچو کے دیتا تھا کہ میاں ''ترجمان القرآن'' کی دو جلدیں تو تم نے شائع کرلیں اور یہ کام کوئی بھی ناشر کرسکتا تھا مولانا آزاد کی زندگی میں یہ طبع ہو چکی تھیں اور دستیاب بھی ہیں...... اٹھاؤ، کتابت کراؤ اور پریس کے حوالے کر دو، کتاب تیار ہے:......لیکن یہاں صورت حال بالکل مختلف تھی......مولانا آزاد رحمہ اللہ اپنی زندگی میں ''ترجمان القرآن'' کو دوسری بار مکمل کر لینے کے باوجود شائع نہ کرا سکے تھے۔ مطبوعہ صورت میں یہ تفسیر صرف ''سورۃ مومنون'' تک پیش کی جاسکی تھی (اس کی تفصیل ''ترجمان القرآن'' جلد اول کے شروع میں مولانا آزاد رحمہ اللہ کے دیباچہ میں موجود ہے)......اب مولانا آزاد رحمہ اللہ تو جنت الفردوس کو سدھارے، پھر تم یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچاؤ گے؟ خیال یہ تھا کہ مولانا رحمہ اللہ کے مسودات میں سورۂ مومنون کے بعد کا ترجمہ اور تفسیر موجود ہوگی لیکن مولانا رحمہ اللہ کے سیکریٹری محمد اجمل خاں نے یہ خبر سنا کر بہت مایوس کیا کہ تفسیر مولانا نے مکمل ہی نہ کی تھی۔ خاں صاحب کے بیان کا درجہ استناد کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سورۂ نور کی تفسیر تو مولانا کے کاغذات سے دستیاب ہوگئی۔ بہر حال سورۂ نور کی تفسیر کی دستیابی تو بعد کی چیز ہے، ترجمان القرآن کی دو جلدوں کی اشاعت کے بعد جو اسلامی اکادمی نے شائع کی ہیں) سوال یہ تھا کہ مولانا آزاد رحمہ اللہ کے شروع کیے ہوئے کام کی تکمیل کیونکر ہو؟ سو اللہ تعالیٰ نے وقت کی اس اہم ضرورت کی تکمیل کی طرف خود ہی ذہن کی رہنمائی فرمادی خیال آیا کہ تیسری جلد کے متعلق بے شمار

آیات کا ترجمہ وتشریحات مولانا رحمہ اللہ کے اپنے قلم سے الہلال و البلاغ کے مختلف مضامین کے تفسیری مباحث و مقالات میں موتیوں کی طرح بکھری پڑی تھیں میں یہ اہتمام تو کر ہی سکتا ہوں کہ ''سورۂ مومنون'' کے بعد ''سورۂ والناس'' تک متعلقہ آیات کی تفاسیر کو چن چن کر ایک لڑی میں پرو دیا جائے...... آخر مولانا شبلی کی ''سیرۃ النبی'' کو سید سلیمان ندوی نے بھی تو ان کی وفات کے بعد تکمیل کے مراحل تک پہنچایا تھا۔ اب مجھے کسی ایسے عالم دین کی تلاش تھی جو ''سورۃ النور'' سے تفسیر کی ابتداء کرتا...... جن آیات کا ترجمہ وتفسیر مولانا آزاد کا لکھا ہوا فراہم ہو سکے، درج کرتا جائے اور باقی آیات کا ترجمہ وتفسیر اسی انداز میں اپنی طرف سے لکھتا جائے۔ اس سلسلہ میں میری نظر انتخاب شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد عبدہ پر پڑی، ان سے ملا اور انہوں نے حامی بھی بھر لی، چنانچہ انہوں نے اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔

اوائل ۱۴۰۱ء (مطابق ۱۹۸۱ء) میں مولانا نے کام ختم کر لیا اور جس محنت سے انہوں نے یہ کام سرانجام دیا، میں ان کا خصوصی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اب کتابت کا مرحلہ باقی تھا۔ خوش قسمتی سے مجھے ایک ایسے خوشنویس (اکرام اللہ ساجد کیلانی) مل گئے جو اس سے پہلے دو ماہناموں محدث اور ترجمان الحدیث (لاہور) میں خاصی مدت تک ان کی ایڈیٹنگ کا کام بھی کرتے رہے تھے۔ اگر میں یہ کہوں کہ ''ترجمان القرآن'' کی تیسری جلد کی ترتیب اور اس کو عام فہم بنانے میں ان کی کاوشوں کو بہت زیادہ دخل ہے، تو بے جا نہ ہوگا رہی سہی کسر پروف ریڈر (مولانا عبدالصمد ریالوی) نے پوری کر دی، جنہوں نے بڑی محنت کے ساتھ تفسیری حواشی کے نمبر دے کر انہیں متعلقہ آیات کے ساتھ مربوط کر دیا۔ جبکہ پہلی صورت میں قارئین کو کسی آیت کی متعلقہ تفسیر خود تلاش کرنے کی ضرورت تھی!

اس تفسیر سے استفادے کے لیے چند باتوں پر نظر رہنی چاہیے تا کہ قارئین کو مطالب کی تفہیم میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے:

۱۔ ترجمہ اور تفسیر میں خط کشیدہ عبارات مولانا آزاد کی اپنی ہیں، جبکہ بقیہ عبارات (ترجمہ اور تفسیر میں) مولانا محمد عبدہ کی ہیں۔

۲۔ دو ایک جگہ، جہاں مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کا تفسیری حاشیہ کافی طویل ہے، اسے انڈر لائن کیے بغیر صفحہ کے دونوں جانب حاشیہ چھوڑ کر واوین کے درمیان لکھا گیا ہے۔ کیونکہ اتنی زیادہ عبارت کو انڈر لائن کرنا کافی وقت طلب تھا۔

۳۔ سورۂ نور، سورۃ التین، سورۃ القدر اور سورۃ العصر کی تفاسیر مع ترجمہ، تمام کی تمام مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کردہ ہیں۔

۴۔ عربی متن میں ہر آیت کا نمبر دیا گیا ہے، پھر اسی نمبر کے تحت اس آیت کا ترجمہ دیا گیا ہے اور ترجمہ پر ۱۔۲۔۳ کا مسلسل نمبر اور نشان دے کر انہی نشانات کے تحت نمبر وار، متعلقہ آیات کی تفسیر درج کی گئی ہے۔

۵۔ ترجمہ اور تفسیر میں جہاں جہاں مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات مل سکیں، ہر صفحہ کے آخر میں ان کے مآخذ کا حوالہ کا نشان دے کر درج کیا گیا ہے اس طرح تقریباً ہر صفحہ چار حصوں پر مشتمل ہے:

سب سے اوپر عربی متن

اس کے نیچے ترجمہ

پھر تفسیری حاشیہ

اور سب سے آخر میں مآخذ کا حوالہ......

ہر حصہ کو موٹے خط کے ذریعہ علیحدہ کر دیا گیا ہے۔

امید ہے کہ اس وضاحت کے بعد زیرِ نظر ترجمان القرآن کی تیسری جلد کے اسلوب تالیف اور مطالب تالیف کو سمجھنے میں قارئین کو قطعاً کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔

امید ہے کہ اس وضاحت کے بعد تفسیر کے انداز کو سمجھنے میں قارئین کو قطعاً کوئی دقت نہ ہوگی۔

آخر میں یہ غرض کرنا ضروری ہے کہ میں نے ''ترجمان القرآن'' کی اس تیسری جلد کو کاروباری بنیادوں پر ہرگز ہرگز شائع نہیں کیا۔ بلکہ (اگر اسے خودستائی پر محمول نہ کیا جائے تو) میں یہ کہوں گا کہ ان تمام مراحل میں ثواب کے حصول کی تمنا کو سب سے زیادہ دخل رہا۔ یہی وجہ ہے کہ کتابت مکمل ہونے کے بعد بھی مجھے اگر کہیں سے مولانا آزاد رحمہ اللہ کی کسی آیت کی، تفسیر کے متعلق معلوم ہوا تو اسے ہر ممکن قیمت پر حاصل کیا اور اخراجات کی پروا کیے بغیر، مولانا عبدہ کی عبارات نکال کر، اسے دوبارہ کتابت کروا کر اس کی جگہ پر اسے فٹ کیا۔ چنانچہ سورۂ نور (مکمل) تین مرتبہ کتابت کروائی گئی۔ پہلی تفسیر میں مولانا آزاد کی عبارات بہت کم تھیں۔ پھر مجھے ایک ایسی کتاب مل گئی جس میں سورۂ نور کا بیشتر حصہ مولانا آزاد کا اپنا لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ پہلی کتابت کو ختم کر کے اسے دوبارہ کتابت کروا کر تفسیر میں شامل کیا گیا۔ لیکن اِدھر یہ کام مکمل ہوا، اُدھر مجھے پتہ چلا کہ انڈیا کے ایک ادارہ ساہتیہ اکادمی نے مولانا آزادؒ کی تحریر کردہ سورۂ نور کی مکمل تفسیر شائع کی ہے، تو بڑی محنت کے ساتھ اس کی فوٹوسٹیٹ کاپی حاصل کی اور پھر تیسری مرتبہ اس کی کتابت کروا کر اسے شاملِ اشاعت کیا۔

میں مولانا محمد حنیف ندوی (ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور) کا بہت مشکور ہوں جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیت کے باوجود ترجمان القرآن کی تیسری جلد کا مطالعہ کیا، پھر اس پر ایک مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا۔

میں ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری، کراچی) کا ممنون ہوں جنہوں نے ترجمان القرآن جلد سوم، کو دیکھ کر، ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح اور جملہ تصانیف کا تعارف بھی تحریر فرما دیا ہے ان تمام معروضات سے مقصود کسی صلہ کی تمنا نہیں، بلکہ اظہارِ حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس ادنیٰ سی خدمت کو قبول فرما کر میرے معاصی سے درگزر فرمائے اور آخرت میں مجھے اپنی خوشنودی سے نواز دے تو یہ اس کا انتہائی لطف و احسان ہوگا...... ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

اورع..................

گر قبول افتد زہے عز و شرف!

ابو مومن

اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور

مقدمہ

تفسیر کیا ہے اور معانی و مطالب کے کن کن خزانوں کو اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہے؟ اس کی تحدید و تعیین مشکل ہے۔ ابوالخیر، ابن صدر الدین اور تفتازانی نے ہر چند تفسیر کے دائرے کو تعریف و حد کی تنگنائے میں محصور کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن بقول علامہ فناری کے فن تفسیر کی کوئی ایسی جامع و مانع تعریف بیان نہیں کی جاسکتی، جو اس کے تمام گوشوں اور لوازم کا احاطہ کرے۔ اس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو یہ کہ یہ کلام تنزیل وحی کا ایسا شاہ کار ہے جو اتنا متمول (Rich) اور بوقلموں مضامین کا حامل ہے کہ کوئی بھی انسان اس کی گیرائی و گہرائی کی وسعتوں کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ معانی و مطالب کا ایسا بحر بے پایاں ہے کہ چودہ صدیاں ہوتی ہیں اور ہر چند مفسرین نے ہر ہر دور میں اس سے اخذ فیض کیا ہے، اس سے استخراج و استنباط کے وہ وہ لآلی اور موتی چنے ہیں کہ عقل و دانش حیران و ششدر ہے۔ لیکن اس کے باوجود نہ صرف یہ سمندر پایاب نہیں ہوا، اور اس سے استفادہ و استفاضہ کا عمل برابر جاری ہے، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ہر موج اور لہر کی تہہ میں معنی و مطلوب ایسے نئے اور نادر آفاق لیے ہوئے ہے، جن تک ابھی نوع انسانی کی رسائی نہیں ہو پائی۔ قرآن حکیم اللہ کا پیغام آخرین ہے، اس بنا پر یہ نئی نئی منزلوں کو مسلسل نشان دہی کرتا رہے گا، اور فکر و نظر کے سامنے ان اچھوتے مناظر کو لامحالہ لاتا رہے گا، جو عقل و خرد کو تازہ تابانیوں سے آشنا کرتے رہیں اس کتاب حکم و معارف کے تمام جلوے ہنوز پردۂ خفا میں ہیں جنہیں اپنے اپنے وقف پر ضوفشاں ہونا اور نکھرنا ہے، گویا اس جوئے رواں سے ابھی بہت کچھ اچھلنا ہے اور اس تاک سکر آفریں سے بے شمار ایسے جرعوں کو کام و دہن کی لذت کا سامان فراہم کرنا ہے، جو فی الحال ناخوردہ ہیں۔

دوسرے لفظوں میں تفسیر کسی ایک کتاب کا نام نہیں بلکہ ایک عمل، ایک تسلسل اور فکر و تدبر کے ایسے تواتر سے تعبیر ہے، جسے تابہ قیام قیامت جاری رہنا ہے اور ہر دور میں اپنے علمی تقاضوں کے مطابق نوع انسانی کے ذخیرہ علمی میں اضافہ کرتے رہنا ہے۔

دوسری وجہ جو اس کی تعریف وحد بیان کرنے کی راہ میں دراصل مانع و حائل ہے، وہ انسانی ذوق کا تنوع و اختلاف ہے۔

نحویوں نے قرآن حکیم میں اعراب کے نکتوں کی نشان دہی کی اور ان مختلف وجوہ و فروع پر روشنی ڈالی، جن کا تعلق اس فن سے ہے جیسے زجاج، واحدی اور ابوحیان۔ اور ابوالبقا عبداللہ ابن الحسین العکبری، اخباریین نے قصص اور اسرائیلیات سے تعرض کیا جیسے اسدی اور ثعلبی وغیرہ۔ فقہ سے ذوق رکھنے والوں نے قرآن حکیم میں مذکور ادلہ فقیہ کے استیفا کی کوشش کی، اور ان میں راجح اور مرجوح کا فرق نمایاں کیا، جیسے قرطبی اور جصاص۔

آشنایانِ ادب ولسان نے آیات قرآنی میں دمکنے والی طرفہ طرازیوں کی طرف اشارہ کیا جیسے زمخشری۔

اور رازی نے اپنے دور کے فلسفیانہ افکار کی تائید کے لیے قرآن حکیم سے دلائل ڈھونڈنے کی کوشش کی اور ایسی دور کی کوڑی

لائے کہ بقول ابوحیان کے ان کا قرآن کی تفسیر سے براہ راست کوئی تعلق نظر نہیں آتا، تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ رازی نے تفسیر کبیر میں ان تمام افکار ورجحانات کو بیان کر دیا ہے جو ان کے عصر تک نہ صرف علمی مجالس کی زینت تھے، بلکہ جن پر بحث وتمحیص سے کام لینا اس دور کی ثقافت کا لازمی تقاضا تھا۔ اس کے علاوہ ذوق واحاطہ ادراک کی بوقلمونی نے، اور متعدد علوم ومعارف کو تفسیر کے دائرے میں لا ڈالا، مثلاً قرأت وتجوید، مسائل واحکام قرآنی، توجیہ آیات مختلفہ، امثال، اقسام القرآن، محکمات ومتشابہات، ناسخ ومنسوخ، غرائب قرآن، علوم قرآن، اسباب نزول وغیرہ۔

لطف یہ کہ یہ تمام علوم ولوازم جن کے بل پر مختلف ادوار میں قرآن فہمی کا سلسلہ آگے بڑھا، اب بھی قرآن کی بدولت محفوظ، زندہ اور کتب وصحائف کی پیشانی پر تابندہ ہیں۔

تاریخی سطح پر تفسیر کو کئی ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور صحابہ کے اس مقدس گروہ کا ہے جنہوں نے براہِ راست آنحضرت ﷺ کے سرچشمہ فیض سے استفادہ کیا، جنھوں نے ایسے مثالی معاشرے میں زندگی بسر کی، جس میں قرآن کی تعلیمات لوگوں کے رگ وپے میں رچی بسی تھیں، اوراس کی برکات اور تابش وضو سے زندگی کا ہر ہر گوشہ منور تھا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے جمال رشد وہدایت کو دیکھا تھا، ان کے لب مبارک سے نکلے ہوئے ہر لفظ کو آویزہ گوش بنایا تھا اور اس چیز کا اہتمام کیا تھا کہ سحاب وحی وتنزیل سے ٹپکا ہوا ہر کلمہ کشت دل کی بالیدگی ونمو کا باعث ہو۔ یہ وہ پاک نہاد اور لائق صد احترام گروہ تھا، جس کو قرآن نے سند رضا بخشی اور تمام دنیائے انسانیت کے لیے مجسمہ رحمت گردانا۔

صحابہ میں جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تفسیر وتعبیر کے سلسلے کو آگے بڑھایا، ان میں خلفاء اربعہ، عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور جابر سرفہرست ہیں۔ ان کے بعد تابعین کا دور آتا ہے، اس میں جن حضرات نے تفسیر میں شہرت حاصل کی، ان میں مجاہد ابن حبر المکی (التوفی ۱۰۳) سعید بن جبیر (التوفی ۹۴) عکرمہ (التوفی ۱۰۵) طاوس بن کیسان الیمانی (التوفی ۱۰۶) اور عطا بن ابی رباح (التوفی ۱۱۴) رحمہم اللہ شامل ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں، جنہوں نے مکہ مکرمہ میں تفسیر وتاویل کی مسندیں سجائیں۔ مدینے اور کوفے میں جن لوگوں نے پیغام الٰہی کی تبیین وتشریح کے حلقے قائم کیے، ان کی فہرست اس پر مستزاد ہے۔

اس کے بعد کے دور میں ایسے حضرات آتے ہیں جنہوں نے اپنی تفاسیر میں صحابہ وتابعین کے ملے جلے اقوال کی روایت کی، جیسے سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن الحجاج، اسحاق بن راہویہ وغیرہ۔

اور پھر اس دور کا آغاز ہوا جس نے تفسیر کو ایک باقاعدہ فن کی حیثیت بخشی اور اس کے نتیجے میں دو مستقل مدرسہ ہائے فکر قائم ہو گئے یعنی تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے۔ تفسیر بالماثور کا دائرہ اگرچہ صرف منقولات صحابہ وتابعین ہی تک سمٹا رہا، تاہم تفہیم وتبیین کے نقطہ نظر سے ان تفاسیر کی اہمیت وافادیت بہرحال مسلمہ ہے، ان میں لغت، ادب، مواقع نزول اور تطبیق آیات کے ضمن میں مذکورہ نکات بہت عمدہ اور نادر ہیں۔ ان کے مطالعے سے خصوصیت سے یہ حقیقت ابھر کر فکر ونظر کے سامنے آجاتی ہے کہ کسی معنی کے تعیین

کے لیے صحابہ اور تابعین نے جو رائے قائم کی ہے، وہ اصمعی و کسائی اور بعد کے آنے والے اہل لغت سے کہیں زیادہ مستند اور صحیح ہے۔ ان تفاسیر میں اسرائیلیات کی بھرمار البتہ نگاہوں میں کھٹکتی ہے، لیکن اس کو شاید اس دور کی مجبوری قرار دیا جائے گا۔

تفسیر بالرائے کے دائرے نسبتاً بہت زیادہ پھیلے ہوئے اور متنوع ہیں، ان میں لغت کے نوادر، ادب کی اعجوبہ طرازیاں اور روایت و عقل کی نادرہ کاریوں کے علاوہ ہر شخص کے اپنے ڈھب اور ذوق کی کار فرمائی بھی صاف جھلکتی نظر آتی ہے۔ بلاشبہ قرآن حکیم کا دامن معانی بہت پھیلا ہوا اور وسیع و جامع ہے اور اس میں قطعی اس بات کی گنجائش پائی جاتی ہے کہ حضرات مفسرین ہر دور کے مذاق ہی کے مطابق اس سے کسب فیض کریں، لیکن ہر فن کے لیے کچھ شرائط و حدود کا ہونا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن کی تشریح و تفہیم کے لیے چند باتیں بہت ضروری ہیں، ذوق ادب کی اصابت، فہم قرآن کا خاص ملکہ، روحِ قرآن کا عرفان، سلف کی تصریحات و تشریحات سے آشنائی، دلالت الفاظ کا صحیح صحیح علم اور سیاق و سباق کے معنوی تقاضوں کا ادراک اور سب سے آخر میں، لیکن سب سے اہم یہ کہ قرآن سے حد درجہ کی محبت و شیفتگی۔ ایک مغربی دانش ور اور صوفی کے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ قرآن جمال معنوی سے آراستہ و پیراستہ وہ عروس ہے جو غیر محرم کے سامنے اپنا چہرہ نہیں کھولتی۔

جن حضرات نے فن تفسیر کی ان نزاکتوں کا خیال رکھا، انہوں نے بلاشبہ اپنی تفاسیر میں علوم و معارف کے دریا بہائے، لیکن جنھوں نے ان اصولوں سے انحراف کیا، وہ خود بھی منحرف ہوئے اور قارئین کو بھی گمراہی کی جانب ڈھکیلا۔

تفسیر بالرائے کے سلسلے میں پچھلی صدیوں میں دو بہت بڑے فتنے اُبھرے، ایک تعلیمیہ کا اور دوسرے برخود غلط تصوف کا۔ تعلیمیہ سے مراد وہ فلسفہ زدہ اور الحاد گزیدہ گروہ ہے جس نے قرآن حکیم اور اس کے پیغام رشد و ہدایت کو اپنے عقاید فاسدہ اور مزعومات باطلہ کی خاطر بالکل مسخ کر ڈالا اور لغت، اصطلاح، سیاق و سباق اور اسلامی روایات صریحہ سے قطع نظر کر کے قرآنی الفاظ اور مفہوم کو قطعی بدل ڈالا۔ تفسیر و تعبیر کا یہ انداز چوں کہ اسلام کے ذوق دعوت و ارشاد اور اس کی تاریخ و عقاید کے چوکھٹے سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا، اس لیے جلد ہی مٹ گیا۔

ان لوگوں کا اصل موضوع چوں کہ فلسفہ تھا، اس کے موضوع پر انہوں نے ''اخوان الصفا'' ایسی کتابیں ضرور ترتیب دیں، جن سے ان افکار میں خاصہ نکھار آیا، لیکن دین کی تشریح ان کے بس کا روگ نہیں تھا۔

برخود غلط تصوف نے علوم باطنہ کے نام سے قرآن حکیم کے ظواہر احکام کو نہ صرف نظر انداز کیا بلکہ قرآن سے ایسے نئے نئے اور ملحدانہ معانی اور مفاہیم کو مستنبط کرنے کی کوشش کی جو قرآن کی روحِ جہاد و عمل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن حکیم صرف فقہ و قانون، اور ضابطہ و حکم اور لفظ و سیاق کو نحو و لغت کی مدد سے سمجھنے ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ ان کے علاوہ اس کی ایک روح، اس کا ایک باطن اور اس کا ایک فلسفہ حیات بھی ہے، جو درحقیقت مقصود ہے، لیکن یہ ظواہر احکام سے کسی طرح الگ تھلگ نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک صوفیا کا وہ گروہ بہر حال قابل قدر رہے، جس نے اس روح اور باطن تک رسائی حاصل کر کے ان معارف کی

نشان دہی کی، جن پر ایک عام عالم کی نظریں نہیں پڑتیں اوران معارف کو اپنے عمل وکردار میں سمو کر مکارم اخلاق کی بلند تر چوٹیوں کو سر کیا۔لیکن یہ اس وقت ہوسکا جب ان کو معارف کتاب وسنت کی کسوٹی پر جانچا گیا اور دیکھا گیا کہ ظاہر و باطن میں فرق صرف اصطلاح کا ہے، ورنہ یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے وابستہ اور ایک دوسرے کے موید اور شارح ہیں یا ایک ہی سوتے کے دو دھارے ہیں جوالگ الگ بہنے کے باوجود ایک ہی سمت اور منزل کی جانب رواں دواں ہیں۔لیکن جب ان معارف باطنہ کی کتاب اللہ اور سنت کی شاہراہ سے ہٹ کر پیش کیا گیا، تو وہ نہ صرف معارف نہ رہے بلکہ کھلا ہوا الحاد قرار پائے۔ یہی وجہ ہے، امام واحدی نے جب سلّمی کی ''حقایق التفسیر'' دیکھی تو پکار اٹھے، جوشخص اس کوتفسیر سمجھتا ہے، وہ کفر کا مرتکب ہوا۔

تصوف کا اصل ہدف احوالِ قلب کا مشاہدہ، دقائق اخلاق کی رعایت اور واردات وکشوف کی حقیقت کو پہچاننا ہے اور اس باب میں ان کی مساعی ایسی گراں قدر ہیں کہ ان سے انسانی نفسیات کی بلند تر سطح کو جاننے میں بڑی مدد ملتی ہے۔تفسیر اور علوم وفنون سے کما حقہ، آشنائی صوفیا کے دائرہ تحقیق وتفحص سے بالکل خارج ہے۔ان کی اصل منزل مکارم اخلاق ہے اور اسی نظر سے ان کو دیکھنا بھی چاہیے۔ان کی یہی اخلاقی بلندیاں اور مکارم اخلاق کے اثر آفریں نمونے تھے جن کو دیکھ کر لاکھوں انسان حلقہ بدوش اسلام ہوئے اور بت پرستی کی خانہ ویرانیوں سے دامن چھڑا کر اس لائق ہوئے کہ توحید الٰہی کے انوار وتجلیات سے دل کی بستیاں سجائیں۔

اس دور میں جن حضرات نے قرآن حکیم کی تشریح وتفسیر کی گراں قدر خدمات انجام دیں، ان میں علامہ رشید رضا، طنطاوی، مولانا حمید الدین الفراہی، محمد اسد، مولانا مودودی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا ابوالکلام آزاد کا نام نامی سرفہرست ہے۔

مولانا حمید الدین الفراہی مرحوم نے ادب جاہلی کے اشعار وشواہد اور صحائف انبیاء کی تصریحات کی روشنی میں قرآن حکیم کے مطالب ومعانی پر غور وفکر کی طرح ڈالی اور ایسے ایسے غوامض اور مشکلات کا حل ڈھونڈ نکالا، جو بادی النظر میں فہم وادراک کی راہ میں سنگ گراں معلوم ہوتے تھے۔قرآن کی آیات اور سور میں باہمی رشتہ وتعلق کی نوعیتوں کو دریافت کرنا اور پورے قرآن کو مضامین و معانی کے اعتبار سے ایک خاص ترتیب میں منسلک ثابت کرنا ان کا سب سے بڑا تفسیری کارنامہ ہے۔مزید برآں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن فہمی کو اپنی پوری زندگی کا نصب العین ٹھہرایا اور اس راہ کی دشواریوں پر قابو پایا۔

محمد اسد نے انگریزی زبان میں قرآن کے مبیج اور پیغام کو اچھی طرح واضح کیا ہے اور اس میں ان تمام شکوک وشبہات کو دور کیا ہے، جو مغربی ذہن میں قرآن فہمی کے سلسلے میں ابھرتے اور کھٹکتے ہیں۔ان کی یہ کوشش اس لحاظ سے خصوصیت سے تحسین کے لائق ہے کہ اس نے ہمیں مولانا محمد علی لاہوری کے ترجمہ قرآن سے یکسر بے نیاز کر دیا ہے۔

مولانا مودودی کی تفہیم القرآن نے اسلامی حلقوں میں خاصی پذیرائی حاصل کی ہے، اس کا مخاطب دراصل وہ طبقہ ہے جو مغرب گزیدہ ہے، یا جو براہِ راست عربی تفاسیر کے جوہر پاروں سے استفادے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔مولانا نے نہایت ہلکے پھلکے اور سمجھ میں آنے والے انداز میں قرآن حکیم کے مطالب کو نکھارا اور اجالا ہے۔اس تفسیر کی اہم خوبی یہ ہے کہ اس سے قرآن کا یہ پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے کہ یہ کتاب ہدیٰ ایک مربوط، نظام دعوت وارشاد کی حامل ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی منجھے ہوئے ادیب اور مشرق ومغرب کا بہترین سنگھم ہیں۔ یہ جہاں کفر وانکار کی وادیوں میں بھٹکے ہیں، وہاں انہوں نے دبستان ایمان کی شمیم آرائیوں سے بھی مشام جاں معطر کیا ہے، اس لیے خوب جانتے ہیں کہ شک وارتیاب کے کانٹے کہاں کہاں دلوں میں چبھتے اور کن کن تصورات کو زخمی کرتے ہیں۔ ان کی تفسیر انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں اس بات کی خاص رعایت رکھی گئی ہے کہ ان تمام مقامات کی تشریح کی جائے، جہاں ایمان وعقیدے کا پاؤں پھسلتا اور لچکا کھاتا ہے۔

مولانا آزاد رحمہ اللہ کی تفسیر ترجمان القرآن کی دو ضخیم جلدیں اہل علم اور اصحاب فکر سے مدت ہوئی داد حاصل کر چکی ہیں، ان کے اسلوب فہم وادراک کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی شخصیت کے بارے میں اس تجزیے پر غور کر لیا جائے کہ گو وہ اس دور میں پلے بڑھے اور آفتاب علم بن کر چمکے، لیکن ان کے قلم پر صدیوں کی علمی وتہذیبی روایات مچل رہی ہیں، ان کا علمی رابطہ جہاں اسلاف کی عظیم شخصیتوں سے استوار ہے، وہاں دور حاضر کے رجحانات، علوم اور تحریکوں سے بھی ان کی شناسائی مسلم ہے۔ ان کے مطالعے وتحقیق کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ قرآن، حدیث، فقہ، کلام، تاریخ، ادب اور فلسفے کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو ان کی نظروں سے اوجھل ہو۔ یہ جب بھی کسی فن یا موضوع پر بات کرتے ہیں۔ تو ایسی جچی تلی اور مجتہدانہ کہ اس پر کسی بھی اضافے کا امکان باقی نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے دو نعمتوں سے انہیں خصوصیت سے نواز رکھا ہے، ذہنی جلا۔ (Cleamity of Thought) اور اسلوب و زبان کی سحر آفرینی۔ یہ دونوں جوہر ان کی تحریر وتقریر میں صاف جھلکتے اور دمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے ان کے افکار و خیالات میں کہیں جھول، تضاد اور راہمال پایا نہیں جاتا۔ جو بات ہے واضح، اور جو رائے ہے دوٹوک اور حکیمانہ۔ ان کی یہی ادا اور عربدہ دلوں کو لبھاتا اور نظروں کو تابش وضوعطا کرتا ہے۔

ترجمان القرآن کی یہ تیسری جلد، جو قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، اگرچہ براہ راست مولانا کی تصنیف نہیں کہلائے گی، مگر ان معنوں میں مولانا کے افکار کی آئینہ دار ہے کہ (محترم مولانا منصور احمد) ناشر نے بہ کمال محنت وکاوش الہلال، البلاغ اور ترجمان القرآن میں جابہ جا بکھرے ہوئے ان تمام موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے، جن کا تعلق تفسیری فوائد سے تھا اور جہاں مولانا کی کوئی تحریر نہیں ملی، وہاں مولانا محمد عبدہ نے تسلسل کو قائم رکھنے کی خاطر توضیحی نوٹ لکھ کر کتاب کی افادیت کو بڑھ دیا ہے۔ یعنی اگر بارش کی ارزانیوں سے کشت فکر شگفتہ وشاداب نہیں ہوتی تو پھوار کیا کم ہے۔

فان لم یصبھا وابل فطل

محمد حنیف ندوی

۱۴ مارچ ۱۹۸۴ء

عرض ناشر

الحمدللہ ثم الحمدللہ! تفسیر ترجمان القرآن ابوالکلام آزاد کی جلد سوم کا دوسرا ایڈیشن پیش ہے، قارئین کی طرف سے مبارکباد کے خطوط موصول ہوئے۔ اخبارات نے تبصرے شائع کیے۔ جس طرح قارئین نے حوصلہ افزائی کی ہے میں ان سب کا ممنون ہوں۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے عقیدت مندوں نے تفسیر ترجمان القرآن جلد سوم کو بہت پسند کیا ہے اور اس سلسلہ میں بہت سے خطوط موصول ہوئے۔ ایک خط آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں جس سے آپ اندازہ کرسکیں گے کہ تفسیر ترجمان القرآن کی کیا افادیت ہے۔

مکرمی ومحترمی جناب ابومومن منصور احمد صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ: میں نے ''ترجمان القرآن'' ''جلد سوم از مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ '' ملتے ہی ذوق وشوق سے پڑھنی شروع کردی۔ ایک تو خداوند تعالیٰ کا کلام بلاغت نظام اور پھر مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے رنگ میں ترجمہ وتفسیر حاشیہ، خوب ڈٹ کر پڑھا۔ خلاف امید، اس کو واقعی مولانا مرحوم کے رنگ میں پاکر اطمینان قلب وروح حاصل کیا۔

گو اس کا اشتہار پڑھتے ہی اس کے کوائف کا آپ سے استفسار کرلیا تھا۔ لیکن طبیعت بوجوہ اس کی خریداری کے لیے تیار نہ ہو سکی میں ۸۵ سالہ ابوالکلامی ہوں۔ مرحوم کی ذات سے عقیدت جسم کے ریشے ریشے میں رچی بسی ہوئی ہے۔ ان کا قد وقامت اور ان کی ہر اداتقریر وتحریر دل پر کندہ ہے۔ ان کی ہر تقریر اور تحریر کے خزانے جمع کرتا رہا۔ لیکن اس کتاب کی خریداری سے ہچکچاہٹ کا باعث یہ تھا کہ آپ کی جملہ تحریرات، ترجمان القرآن جلد سوم، تفسیر البیان اور مقدمہ تفسیر مکمل شرح، ان کی وفات کے بعد سب ضائع ہوچکی تھیں۔ نہ معلوم ان کو زمین کھا گئی یا آسمان؟ اور اس خلاء (ترجمان القرآن جلد سوم) کو پورا کرنے کے لیے ان کے مرید اور خلیفہ مولانا غلام رسول مہرؔ نے ''الہلال'' و''البلاغ'' سے تلاش کرکے ایک کتاب موسوم ''باقیات ترجمان القرآن'' شائع بھی کردی تھی لیکن وہ بات نہ بن سکی۔ اور محبوب کے نام سے منسوب اگر کوئی چیز اس کے معیار خوبی کے برابر نہ ہو تو جو مایوسی اور دل شکنی ہوتی ہے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے لیکن مداوا نہیں کیا جاسکتا۔

- تفسیر ترجمان القرآن جلد سوم منگائی گئی۔ مطالعہ کے بعد دیانتدارانہ جذبہ کے تحت اپنے تاثرات کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔ اس کتاب ''ترجمان القرآن'' جلد سوم کی تکمیل مولانا عبدہ (پاکستانی) کے ہاتھوں سے ہوئی اور خوب ہوئی۔ انہوں نے جس کمال علم اور بلاغت بیان سے مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمان القرآن کے خلاء کو پورا کیا یہ ان ہی کا حصہ ہے۔ اور بعض مقامات پر تو ایسے ابوالکلامی انداز سے ترجمہ کیا اور بلاغت قرآنی کی ایسی رونمائی کی کہ دل باغ باغ ہوگیا اور وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور بے

اختیارانہ ''بہت خوب'' کے الفاظ زبان پر جاری ہو گئے۔اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ واقعی پاکستان کے محمد عبدہ ہیں۔

ناشر کی ہمت اور حوصلہ افزائی کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے ''الہلال و البلاغ'' ''و ترجمان القرآن'' کے صفحات پر بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو اس دیدہ ریزی سے چن کر اور جمع کر کے ایک خوش نما سلسلہ مروارید تیار کر دیا اور چیونٹیوں کے مونہوں سے ذرات جمع کر کے مٹھائی کا ایک خوان تیار کر دیا۔

اس کتاب کا مقدمہ اور تعارف جامع ذخیرہ معلومات سے لبریز ہے۔''تعارف'' (جو ڈاکٹر ابوسلمان صاحب شاہ جہانپوری نے لکھا ہے میں تو ذات وصفات مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کو دریا بہ حباب اندر، منعکس کر دیا ہے

ڈاکٹر شیر بہادر خان ایبٹ آباد

دوسرے ایڈیشن میں تصحیح کا دوبارہ اہتمام کیا گیا ہے۔پھر بھی قارئین سے التماس ہے کہ پڑھنے کے بعد جو خامی نظر آئے، مطلع کریں۔ممنون ہوں گا۔مشوروں دعاؤں کا طالب

ابومومن منصور احمد ۱۲/۲/۸۶

❀❀❀❀

تعارف

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل اور فکر وسیرت کے اعلیٰ محاسن اور نظر وبصیرت کی بہترین دولتوں سے نوازا تھا۔ وہ ادیب وشاعر تھے، صحافی وخطیب تھے، مدبر ومفکر تھے، عالم ومورخ تھے، وہ فلسفی اور ماہر تعلیم تھے اور علم وفن اور فکر ونظر کے ہر دائرے میں اپنا بلند مقام رکھتے تھے۔ پھر وہ مختلف علوم وفنون کے صرف اصول ومبادی ہی سے واقف نہ تھے بلکہ بعض علوم کی متعدد فروع میں بھی ان کی نظر وبصیرت کا پیمانہ ان علوم کے متخصصین سے زیادہ بلند تھا، علم دین ہی کو لیجئے تو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول وغیرہ فروع میں ان کے مقالات ومکالمات ان کی مجتہدانہ ومحققانہ بصیرت اور شانِ علم وتبحر کا بہترین ثبوت اور کمال تفقہ کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی ایک ذات میں ایسی بہت سی خوبیاں جمع ہوگئی تھیں جو ایک عہد میں ایک قوم کے بہت سے افراد میں بھی شاذ کے درجے میں ہوتی ہیں۔ اسی لیے وقت کے ایک صاحب نظر نے ان کی شخصیت کو جامع جہات اور جامع صفات قرار دیا ہے۔

مولانا کے والد مولوی خیر الدین مرحوم نے ان کا تاریخی نام "فیروز بخت" (۱۳۰۵ھ) رکھا تھا۔ ان کے نام کی فیروز بختی کو ہم ان کی زندگی کے ہر دور میں ان کی ذات پر سایہ افگن دیکھتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی فیروز بختی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فکر سلیم کی دولت اور دین کے اعلیٰ ذوق سے نوازا تھا، نیز اوائل عمر ہی میں انہیں بعض ایسی صحبتیں میسر آگئیں جن کے فیضان سے کتاب و سنت کا وہ باب مقصود ان پر کھل گیا جو شاید ان کے گھر کی رسمی وروایتی زندگی اور ان کے والد کے عقیدہ وفکر کی رہنمائی سے کبھی وا نہ ہو سکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کو علم وفکر کے جن بہت سے فضائل سے نوازا تھا، ان کی ذات میں نظر وبصیرت کی جن بہت سی خوبیوں کو جمع فرما دیا تھا اور جن اعمال حقہ اور خدمات دین وملت کی توفیق ارزانی فرمائی تھی، اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں ایک کمال بھی نظر آجائے گا، جسے جامع الکمالات کہنا چاہیے یا ان کی بنیادی شخصیت اور شخصیت کے تمام محاسن کا محور زندگی کا اصل الاصول اور تمام خدمات اسلامی اور اعمال قومی کی جوئے بہار آفرین کا سرچشمہ فیض سمجھنا چاہیے، یہی مولانا کی شخصیت کی تعمیر کا بنیادی پتھر ہے اور یہی اس خانقاہِ عظمت اسلاف کا سب سے اونچا کنگرہ ہے۔ مولانا کی شخصیت کا یہ کمال، فضائل کا یہ محور، تعمیر کا بنیادی پتھر، عظمت کا سب سے اونچا کنگرہ، زندگی کا اصل الاصول، فکر کا حسن، ذوق عمل کا سرچشمہ اور مولانا کی بنیادی شخصیت کو ان کی داعی الی القرآن کی حیثیت میں، ان کے حسن سیرت کو ذوق تمسک بالکتاب والسنۃ میں اور ان کی تمام اسلامی اور قومی خدمات کا سرچشمہ تعلیمات قرآن وسیرت نبویؐ میں تلاش کرنا چاہیے لیکن یہاں ہمارے پیش نظر مقصد مولانا کی تمام اسلامی وقومی خدمات پر

تبصرہ اوران پرنظر و بحث کی محفل آراستہ کرنا نہیں۔صرف مولانا کی دعوت الی القرآن،مولانا کے فلسفہ عمرانیات میں علم وعمل قرآن کی اہمیت اور تعلیم و اشاعت اور علوم و معارف قرآن میں مولانا کی تالیفات کے بارے میں چند ضروری اشارات قارئین کرام کے سامنے کرنا چاہتا ہوں کہ ترجمان القرآن جلد سوم کی اس سے عمدہ تقدیم کچھ اور نہیں ہوسکتی۔

الہلال:

اگر چہ مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و عملی زندگی کا آغاز ان کے عنفوانِ شباب کی منزل کو پہنچنے سے بھی پہلے صرف بارہ برس کی عمر میں ہوگیا تھا اور انہوں نے شعر و ادب کے ذوق کے ساتھ رسوم و بدعات کے خلاف جہاد بھی شروع کر دیا تھا لیکن کل ہند سطح پر ان کی دینی دعوت کا ظہور و انبعاث ہفت روزہ ''الہلال'' کلکتہ کی اشاعت (۱۹۱۲ء) سے ہوا۔الہلال کا اجراء تاریخ صحافت ہی کا ایک یادگار واقعہ نہیں بلکہ وہ ایک ادبی صحیفہ، سیاسی مربی اور مسلمانوں کی تحریک استقلال وطن میں اپنے برادرانِ وطن کے ساتھ بے باکانہ کود پڑنے کا داعی بھی تھا۔بلاشبہ یہ اس کے ایسے خصائص ہیں جن کا تذکرہ کرنا چاہیے اور اس حکایت لذیذ کو دراز سے دراز تر کر دینا ایک پسندیدہ اور مفید عمل ہے لیکن اس کی یہ تمام خصوصیات ضمنی اور ذیلی ہیں۔اس کی پہلی اور آخری خصوصیت،اس کا مقصد اصلی اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو ان کے تمام اعمال و معتقدات میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا تھا۔اس کی یہ دعوت الی القرآن اصل اور باقی سب کچھ اور تمام خصائص اس اصل کی فرع تھے۔الہلال کے مقصد کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

''الہلال کا مقصد اصلی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے تمام اعمال و معتقدات میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور خواہ تعلیمی مسائل ہوں خواہ تمدنی، سیاسی ہوں خواہ اور کچھ، وہ ہر جگہ مسلمانوں کو صرف مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔اس کی صورت صرف یہی ہے کہ ﴿ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ﴾ (۳:۵۷) اس کتاب اللہ کی طرف آؤ جو ہم اور تم، دونوں میں مشترک ہے اور جس سے کسی کو اعتقاداً انکار نہیں......اس کے سوا الہلال کی کوئی تعلیم اور کوئی مقصد نہیں۔ ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ (۴۱:۳۳) اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو خدا کی طرف دعوت دے اور عمل اچھے کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔''[1]

''الہلال کی دعوت'' کے عنوان سے مولانا ایک اور شذرہ میں لکھتے ہیں:

''الہلال کا دائرۂ بحث تو صرف ایک ہی ہے یعنی احیاء تعلیم اسلامی اور اتباع مَا جَاءَ بِهِ الْقُرْآن کی دعوت۔ساتھ ہی اس کا عقیدہ ہے کہ اگر قرآن خدا کی کتاب ہے اور اگر اس کا دعویٰ قابل تسلیم ہے تو مسلمانوں کی تعلیم، پالیٹکس، اخلاق، تمدن جو کچھ ہے، اس کے اندر ہے۔''[2]

ایک مقالے میں مولانا نے الہلال کی دعوت اصلی اور خصائص متفرقہ کی نسبت فرمایا:

---

[1] الہلال کے مقاصد اور پولیٹیکل تعلیم، الہلال، ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۶

[2] الہلال کی دعوت (مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کے مراسلے کے جواب میں، الہلال ۲۳ اکتوبر ۱۲ء صفحہ ۴

''الہلال صرف خبروں کے ایک ہفتہ وار اخبار اور دلچسپ مقالات ورسائل کے کسی مجموعے کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک دعوت ہے، جو قوم کو بلاتی ہے اور ایک تحریک ہے جو جماعتوں میں انقلاب وتغیر دیکھنا چاہتی ہے۔ پس آج کہ اس کی عمر کا پہلا سال ختم ہو چکا ہے اور دوسرے سال میں قدم رکھ رہا ہے، ضرور ہے کہ......اس پر ایک نظر ڈالی جائے کہ اس کی گزشتہ حالت کیسی رہی اور اس کا ماضی اپنے مستقبل کے لیے کن علائم وآثار کو نمایاں کرتا ہے اس نے روز اول ہی سے اپنے لیے صرف ایک راہ اختیار کر لی ہے۔ پس اس کو اپنے اغراض ومقاصد کے لیے کسی لمبی چوڑی فہرست کی ضرورت نہ تھی، جیسی کہ بہت سے لوگوں کو ہوا کرتی ہے۔ وہ ''علمی، تمدنی، اخلاقی، سیاسی، ادبی، اصلاحی وکذا وکذا کو اپنے لوح پر لکھوانے کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا۔ اس نے الہلال کی لوح کی جگہ صرف لوحِ دل پر ایک ہی مقصد لکھ لیا تھا، یعنی ''دعوت الی القرآن'' یا ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' اور یہ ایک ایسا چراغ ہدایت اسے میسر آ گیا تھا، جس سے اصلاح ودعوت کی ہر شاخ کو وہ روشن کر سکتا تھا۔ پس اس کے لیے تمدن، معاشرت، علم، اخلاق اور سیاست کے الفاظ بالکل بے کار تھے۔ کیونکہ اس کے پاس وہ تھا، جس سے وہ اپنے عقیدے میں سب کچھ حاصل کر سکتا ہے پر جن کے پاس وہ نہیں ہے، انہیں گھر گھر کی ٹھوکریں کھانی اور دروازے دروازے کی دریوزہ گری کرنی پڑتی ہے۔ ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴾؟[1]

ایک اور مقالے میں مولانا نے الہلال کی اس خصوصیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

''اس نے روز اول ہی سے اعلان کر دیا ہے کہ احیاء وتجدید ملت کے لیے جس قدر تحریکیں ملک میں موجود ہیں وہ ان میں سے کسی کو بھی تنزل وانحطاط کے اصلی مرض کا کامل علاج نہیں سمجھتا بلکہ ان میں سے اکثر اس طرح کا علاج ہیں جن کے اندر خود نئی بیماریوں کے پیدا کرنے کی ہلاکت موجود ہے۔ پس وہ ان تمام راستوں سے بالکل الگ ہو گیا جو کاروبار اصلاح وترقی کے پیشتر سے موجود تھے اور پھر نہ تو اس نے تعلیم کو اپنا کعبہ مقصود بنایا، نہ سیاست کو قبلہ آمال، نہ علم کی راہنمائی قبول کی، نہ تہذیب وتمدن سے دستگیری چاہی۔ صرف یہی ایک صدا بلند کی کہ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴾ (۸:۲۰)

''مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کے لائے ہوئے حکموں پر عمل کرو اور اس کی طرف سے منہ نہ موڑو اور تم اس کی بھیجی ہوئی آیتیں سن رہے ہو۔''

کیونکہ اس کو یقین ہو گیا کہ جب تک مسلمانوں کے اعتقادات واعمال مذہبی کی اصلاح ودرستگی نہ ہو گی اس وقت تک کوئی سعی اصلاح مفید نہیں ہو سکتی۔ پس اس نے اپنے مقصد کو ایک ہی مختصر جملے میں بار بار دہرایا یعنی ''دعوۃ الی القرآن یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر، اور پھر اعمالِ قومی کی ہر شاخ میں اصل الاصول کو پیش نظر رکھ کر دعوت شروع کی۔''[2]

---

[1] فاتحة السنة الثانية (۲) الہلال، ۹ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۹

[2] اذکارِ آزاد (مرتبہ سید عباس حامی مدراسی) لاہور، شیخ قمر الدین، ۱۳۶۵، صفحہ ۳۶، ۳۷ (فوری طور پر الہلال میں یہ حوالہ تلاش نہیں کر سکا۔ شاہ جہانپوری۔

مولانا آزاد نے الہلال کے جو یہ مقاصد قرار دیے تھے تو محض اخبار نویسی کے لیے ایک میدان کی تلاش اور اس کا اعلان نہ تھا بلکہ برسوں کے غور وفکر اور مسلمانوں کے تمام امراض ملی کی واقعی تشخیص ان کے دفع وانسداد کا ایسا علاج تھا کہ اس کے سوا چارہ اور اس سے مفر نہ تھا۔ یہ امراض اور ان کا علاج کیا تھا۔ مولانا ہی کے الفاظ مستعار لیجئے:

''آج تک ان کی تمام ناکامیوں کی علت حقیقی یہ رہی ہے کہ انہوں نے اپنے اعمال زندگی کی کسی شاخ کو ''سلطان قرآن'' کے ماتحت نہیں رکھا اور جب کبھی کوئی تحریک شروع کی یا اپنے لیے کسی پالیسی کا پروگرام مرتب کیا تو قرآن کریم کو اس طرح بھولے رہے، گویا اس کا نزول تاریخ عالم کا کوئی واقعہ ہے ہی نہیں۔'' [1]

اسی مقالے میں آگے چل کر فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کے تمام موجودہ امراض کی اصلی علت جس نے مختلف عوارض کی شکلیں اختیار کر لی ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہوں نے تعلیم الٰہی کے ''عروۃ الوثقیٰ'' کو چھوڑ دیا ہے اور اس کے ساتھ مہلک بد پرہیزی یہ ہے کہ سعی اصلاح وترقی کا جو قدم اٹھایا وہ مذہب سے الگ رہ کر اٹھایا، نتیجہ یہ نکلا کہ صحت وتندرستی ہی سے محروم ہو گئے۔'' [2]

اسی سلسلے میں مزید لکھتے ہیں:

''قرآن کریم صرف نماز اور روزے کے فرائض بتلانے ہی کے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ انسانوں کے لیے ایک کامل و اکمل قانون فلاح ہے۔ جس سے انسانی زندگی کی کوئی شے باہر نہیں۔ پس مسلمانوں کی ہر وہ پالیسی اور ہر وہ عمل جو قرآنی تعلیم پر مبنی نہ ہوگا، ان کے لیے کبھی موجب فوز وفلاح نہیں ہو سکتا۔'' [3]

مسلمانوں کے اجتماعی امراض کی تشخیص اور ان کے اسباب کی جستجو کے بعد مولانا نے اس نسخہ شفاء کا اعلان بھی کر دیا جو ان کے نزدیک امراض کے خاتمے اور ان کے کلی استیصال کے لیے ناگزیر تھا۔

مولانا لکھتے ہیں:

''اگر تشخیص کے بعد علاج آسان ہے اگر گزشتہ امراض کی دریافت کے بعد آئندہ کے لیے حصول صحت میں کوئی دشواری نہیں اور اگر صحت کی آرزو کے ساتھ مرض کے حصول کی خواہش کبھی جمع نہیں ہو سکتی تو مسلمانوں کے لیے ان کے آئندہ شاہراہ مقصود کا سوال بالکل صاف ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ آج تک ان کی تمام کوششیں اس لیے بار آور نہ ہوئیں کہ ان کو آگ کی تلاش تھی۔ چاہیے تھا کہ چنگاریوں کو پھونکتے تاکہ آگ بھڑکتی اور تنور گرم ہو جاتا۔ لیکن وہ ہمیشہ راکھ کے ڈھیر کے پھونکتے رہے۔ ان کی محنت میں کوئی شک نہیں مگر اس کو کیا کیجئے کہ راکھ کو پھونکنے سے آگ نہیں پیدا ہو سکتی۔''

---

[1] القسطاس المستقیم۔ مسلمانوں کی آئندہ شاہراہ مقصود کیا ہونی چاہیے؟ (۱) الہلال ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۶۔

[2] ایضاً (۳) ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۵۔ [3] ایضاً (۳) ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۷۔

ونـــار لـــو نـــفـــخـــت بـهـــا اضـــاء ت
ولـــكـــن انـــت تـــنـــفـــخ فـــي الـــرمـــاد[1]

اس سلسلے میں مولانا اپنے عقیدے کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں:

''انسانی اعمال کی خواہ کوئی شاخ ہو۔ ہم تو اسے مذہب ہی کی نظر سے دیکھتے ہیں، ہمارے پاس اگر کچھ ہے تو صرف قرآن ہے اس کے سوا ہم اور کچھ نہیں جانتے۔ ساری دنیا کی طرف سے ہماری آنکھیں بند ہیں اور تمام آوازوں سے کان بہرے ہیں۔ اگر دیکھنے کے لیے روشنی کی ضرورت ہے تو یقین کیجیے کہ ہمارے پاس تو سراج منیر کی بخشی ہوئی ایک ہی روشنی ہے اس سے ہٹا دیجیے گا تو بالکل اندھے ہو جائیں گے۔''

﴿ كِتَابٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ﴾ (۱۴:۱)

''قرآن ایک کتاب ہے جو تم پر نازل کی گئی، اس لیے کہ انسان کو تاریکی سے نکالے اور روشنی میں لائے۔''

ہمارے عقیدے میں تو ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا کسی اور تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو، ایک کفر صریح ہے...... اسلام انسان کے لیے ایک جامع اور اکمل قانون لے کر آیا اور انسانی اعمال کا کوئی مناقشہ ایسا نہیں جس کے لیے وہ حکم نہ ہو...... مسلمانوں کی اخلاقی زندگی ہو یا علمی، سیاسی ہو یا معاشرتی، دینی ہو یا دنیاوی، حاکمانہ ہو یا محکومانہ، وہ ہر زندگی کے لیے اکمل ترین قانون اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ دنیا کا آخری اور عالمگیر مذہب نہ ہو سکتا۔ وہ خدا کی آواز اور اس کی تعلیم گاہ خدا کا حلقہ درس ہے جس نے خدا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا وہ پھر کسی انسانی دستگیری کا محتاج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ہر جگہ اپنے تئیں **امام مبین حق الیقین نور و کتابِ مبین، تبیاناً لکل شی، بصائر للناس، ھادی واھدی الی السبیل، جامع اضراب و امثال، بلاغ للناس، حاوی بحر و بر** اور اسی طرح کے ناموں سے یاد کیا ہے۔ اکثر موقعوں پر کہا ہے کہ وہ ایک روشنی ہے اور روشنی جب نکلتی ہے تو ہر طرح کی تاریکی دور ہو جاتی ہے، خواہ مذہبی برائیوں کی ہو خواہ سیاسی۔

﴿ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ. يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴾ (۵: ۱۸)

''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور ہر بات کو بیان کرنے والی کتاب آئی ہے۔ اللہ اس کے ذریعے سلامتی کے راستوں پر ہدایت کرتا ہے اس کی، جو اس کی رضا چاہتا ہے اور اس کو ہر طرح کی گمراہی کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتا ہے اور صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔''[2]

اسی مقالے میں آگے چل کر مولانا نے دوٹوک لفظوں میں اپنے اس اعتقاد کا اظہار پھر کیا ہے:

---

[1] القسطاس المستقیم (۳) الہلال ۲۳ اکتوبر ۱۲ء صفحہ ۷

[2] الہلال کے مقاصد اور پولیٹیکل تعلیم، الہلال ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۵

''ہمارا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان اپنے کسی عمل واعتقاد کے لیے بھی اس کتاب کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا راہنما بنائے وہ مسلم نہیں بلکہ شرک فی الصفات کی طرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم اور اس لیے مشرک ہے۔

﴿ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ ﴾ (۷:۴۳) [1]

ایک اور مقالے میں قرآن حکیم کی جامعیت اور کمالِ تعلیم پر خدائے تعالیٰ کی وحدتِ ذات وصفات سے استدلال کیا ہے:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ جس طرح اسلام کا خدا اپنی ذات وصفات میں وحدہ لاشریک ہے.....'' [2]

اس سلسلے میں انہوں نے اپنے اس اعتقاد کا اظہار بھی کر دیا کہ:

''ہمارا اعتقاد ہے کہ ہر وہ انسانی عمل جو تعلیم الٰہی کی ہدایت بخشی سے خالی ہے، کبھی فوز وفلاح نہیں پا سکتا۔ اگر ہم اپنی دعوت کی خوبیاں ثابت نہ کر سکیں تو کچھ ہرج نہیں کیونکہ اس کے لیے یہی ایک خوبی کافی ہے کہ اوروں کی دعوت انسانوں کی طرف ہے اور اس کی پکار تعلیم الٰہی کی طرف۔

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ (۴۱-۳۳)

''اور اس سے بہتر اور کس کی پکار ہو سکتی ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا، اعمال نیک انجام دیے اور اپنے تئیں کسی انسانی نسبت کی طرف نہیں، بلکہ خدا کی طرف منسوب کر کے کہا کہ میں صرف ''مسلم'' ہوں۔'' [3]

مولانا کے نزدیک مسلمانوں کے تمام اجتماعی وملی مسائل کا حل ان کے فکر وعمل کے تمام امراض کا علاج صرف قرآن حکیم کی تعلیمات اور اسوۂ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہے۔ اس لیے انہیں زندگی میں پیش آنے والے اپنے تمام سوالوں کا جواب اسی امام مبین، تبیانا لکل شی سے پوچھنا چاہیے اور اپنے ہر اختلاف ونزاع کے فیصلے کے لیے صرف اسی ایک حاکم ناطق کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ جس کے سوا نہ کوئی کچھ بتانے والا ہے نہ ہدایت دینے اور راہنمائی کرنے والا ہے اور نہ جس کے فیصلے کے سوا کسی کا فیصلہ اور اس قابل ہو سکتا ہے کہ بے چون وچرا اس کے سامنے سرِ اطاعت وتسلیم جھکا دیا جائے۔ مولانا فرماتے ہیں:

''ہم تو دنیا کی ہر شے کو مذہب ہی میں ڈھونڈتے ہیں اور پھر اس کے بعد نہیں جانتے کہ دنیا میں اور کیا کہا جاتا ہے؟ ہمارے ہاتھ میں قرآن کریم ایک امامِ مبین، تبیانا لکل شی، بیان للناس، نور و کتاب مبین اور انسان کے ہر اختلاف ونزاع کے لیے ایک حاکم ناطق ہے اور پھر اس کا عملی نمونہ اور وجود ظلی اس کے حامل ومبین کی زندگی کے اعمال ہیں کہ ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ '' [4]

---

[1] الہلال کے مقاصد اور پولیٹیکل تعلیم، الہلال ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۷

[2] القسطاس المستقیم.....(۱) الہلال ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۷

[3] ایضاً (۴) الہلال ۲ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۵

[4] الامر بالمعروف ونہی عن المنکر، الہلال، ۱۱ اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۵، ۶

مولانا آزاد نے دعوت الہلال کے ان مبادی وخصائص کی وضاحت کے بعد صاف صاف اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کے فکر وعمل کی تمام گمراہیوں کا انسداد، تمام امراض ذہن وقلب کا علاج اور ہر قسم کے مسائل قومی وملی کا حل صرف اسی نور وکتاب کی راہنمائی میں ہے جسے قرآن حکیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کا کام اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتا کہ وہ ہر طرف سے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنے ہاتھ کو ہادی مطلق کے ہاتھ میں دے دیں۔ اسی طرح مسلمان اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کر سکتے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

''پس اگر مسلمان زندگی حاصل کر سکتے ہیں تو مسلمان بن کر، ہندو یا مسیحی بن کر نہیں، آپ کے ہاں اگر شمع کافوری جل رہی ہے تو آپ کو کسی فقیر کے جھونپڑے سے اس کا ٹمٹماتا ہوا دیا چرانے کی کیا ضرورت ہے؟'' [1]

اسی مقالے میں مولانا آگے چل کر لکھتے ہیں:

''ان کا کام صرف یہ ہے کہ اتباع کلمات اللہ وجمیع ماجاء بہ القرآن کے لیے تیار ہو جائیں اور اپنے تئیں تمام انسانی تعلیموں کے اتباع ومحاکات کے ولولوں سے خالی کر کے صرف اس ایک ہی معلم کی تعلیم پر چھوڑ دیں۔'' [2]

کچھ اور آگے چل کر مسلمانوں کے لیے قسطاس مستقیم کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

''ان کی خواہش اور پالیسی صرف اتباع قرآن ہو۔ وہ اس تنکے کی طرح جس کو کسی بحر طوفان خیز میں ڈال دیا گیا ہو، اپنے تئیں تعلیم الٰہی کے سمندر میں چھوڑ دیں، جس طرف وہ چاہے، لے جائے اور جس کنارے سے چاہے، انہیں لگا دے۔ جب خدا ان کا تمام بوجھ اپنے سر لیتا ہے تو وہ خود اپنے کاندھوں کو کیوں تھکاتے ہیں۔'' [3]

الہلال کی تعلیم و مقاصد کے سلسلے میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے افکار وافادات کو قدرے تفصیل کے ساتھ اس لیے پیش کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ بیسویں صدی میں الہلال کی دعوت "اتباع کلمات الله و جميع ماجاء به القرآن" کے سوا کچھ اور نہ تھی۔ انہوں نے اپنی تحریر وانشاء کی بہترین صلاحیتوں کو اسی دعوت کو عام کرنے میں صرف کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو اسی کی دعوت دی کہ کلام الٰہی کی راہنمائی کو چھوڑ کر انہیں سیاسی وسماجی اور تعلیمی وتمدنی مسائل میں بھی کسی اور تعلیم گاہ کو اپنا قبلہ مقصود نہیں بنانا چاہیے اور صرف ایک امام مبین، بصار وہدایت للناس اور ہادی الی السبیل سے رخ موڑ کر کسی اور مدعی تعلیم وسیاست کو اپنے معاملات قومی وملی کی باگ ڈور نہ سونپ دینی چاہیے۔

الہلال کے ایک نمبر میں مولانا نے لکھا تھا کہ الہلال میں:

''ایک باب مذاکرہ علمیہ ہے۔ اس کے نیچے علمی اور مذہبی تحقیقات کے مضامین ایک خاص اصول ورنگ کے درج کرنا چاہتے ہیں۔ علی الخصوص ان غلط فہمیوں کی نسبت جنہوں نے برسوں سے قرآن وحدیث کے اصلی حقائق ومعارف پر پردے ڈال دیے ہیں۔'' [4]

---

[1] القسطاس المستقیم......(۱) الہلال، ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۸
[2] ......(۲)......۱۶......صفحہ ۷
[3] ......صفحہ ۷
[4] شذرات، الہلال، ۱۱ اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۱

یہ تو الہلال کے ایک خاص باب کا عنوان اور اس کے مندرجات کی نوعیت تھی۔ جہاں تک مولانا کے اندازِ فکر اور ذوق و رجحان کا تعلق ہے تو الہلال کے تمام ابواب و مقالات، سوانح و تراجم، مباحث و مذاکرات حتیٰ کہ احیائے ملت اسلامیہ کی تمام کوششوں میں یہی ایک دعوت اور تعلیم جلوہ فگن تھی۔ صرف مناظر و مظاہر مختلف تھے۔ یہ تعلیم اور دعوت نہ صرف الہلال کی تعلیم و مقاصد کا بنیادی نقطہ تھے بلکہ مولانا کی فکر و سیرت کے خصائص و محاسن بھی ہمیں ان کے انہی اعتقادات اور علمی و دینی افادات میں تلاش کرنا چاہیے۔ یہی مولانا کی شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت تھی، یہی ان کی زندگی کی تمام مشغولیتوں کا مرکز اور ان کے تمام افکار و افادات کا سر چشمہ تھا چنانچہ ہم ایک نظر میں یہ دیکھ سکتے ہیں کہ انہوں نے البیان والبصائر کے اجراء کا فیصلہ کیا تو انہی مقاصد کے لیے جماعت حزب اللہ کا قیام عمل میں آیا تو صرف سلطان قرآن کی سلطنت کے قیام کی منادی کے لیے، دارالارشاد کا وجود نقش پذیر ہوا تو اسی دعوت کے درس و تربیت کے لیے، رانچی کی نظر بندی کے زمانے میں تصنیف و تالیف کی سب سے بڑی مصروفیت اسی حاکم ناطق کے ترجمہ و تفسیر کا شغل تھا۔ علی پور سنٹرل جیل میں غور و فکر اور تصنیف و تالیف کا موضوع یہی البیان والبصائر تھا۔ میرٹھ کا زمانہ اسارت اسی کے عشق میں کروٹیں بدلتے اور تعلیم و اشاعت قرآن کے لیے ایک ادارے کے قیام کا منصوبہ بنانے میں گزرا تھا۔[1] احمد نگر جیل کی شب ہائے دراز میں فکر و تدبر اور اصلاح و تزئین کا موضوع ترجمان القرآن تھا۔[2] اور زندگی کے آخری لمحوں تک جو ذوق جواں رہا اور جس کے عشق کے لیے کوئی زوال نہ تھا وہ یوسف مقصود قرآن حکیم اور سیرت نبوی ﷺ کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ اس لیے نامناسب نہ ہوگا کہ مولانا آزاد علیہ الرحمتہ کے عزائم وقت اور افکار و مشاغل علمیہ میں ان خصائص کی نشان دہی کر دی جائے۔

البلاغ:

الہلال اور البلاغ میں اختلاف صرف اسم کا ہے مسمی کا نہیں۔ وہی ایک صہبائے قرآنی تھی جو پہلے اہل میخانہ کو الہلال کے جام میں ملتی تھی اب البلاغ کے جام میں پیش کی جا رہی تھی۔ وہی حروف و سواد، وہی صورت و آہنگ، وہی پیام و دعوت اور وہی داعی الی القرآن والسنّت تھا جو اپنی دردانگیز و پرزور آواز میں مسلمانوں کو ان کی تباہ حالیوں اور بدبختیوں کا مرثیہ سنا رہا تھا، ان کی تکلیف و نامرادی کے اسباب و علل بتا رہا تھا اور ان کی نئی زندگی کے قیام کے لیے انہیں قرآن حکیم کے اصلی و حقیقی معارف سے آشنا کر رہا تھا اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے الفاظ میں انہیں اسی نسخہ کیمیا کے استعمال کی ترغیب دے رہا تھا جس سے پہلوں نے شفا پائی تھی اور پچھلوں کی نشست کا دار و مدار بھی اسی کے استعمال پر تھا۔ البلاغ کے پہلے نمبر ہی میں مولانا نے فرما دیا تھا۔[3]

"اگر ایک شخص مسلمانوں کی تمام موجودہ تباہ حالیوں اور بدبختیوں کی علت حقیقی دریافت کرنا چاہے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دے کہ صرف ایک ہی علت اصلی ایسی بیان کی جائے جو تمام علل و اسباب پر حاوی و جامع ہو، تو اس کو بتایا جا سکتا ہے کہ علماء حق و

---

[1] دیباچہ ترجمان القرآن، جلد اول، بحولہ بالا، ج۶۷-۵۲۔

[2] استدراک ترجمان القرآن جلد اول (از محمد اجمل خان) دہلی، ساہتیہ اکادیمی ۱۹۶۴ء، صفحہ ۵۴۷

[3] مولانا ابوالکلام آزاد کی مذہبی زندگی (مضمون) مولانا سعید احمد اکبرآبادی مشمولہ مولانا آزاد اور اُن کے ناقد، مرتبہ ایم اے شاہد کراچی ۱۹۸۱ء صفحہ ۶۶ و حضرت مولانا آزاد کی اسلامی سیرت (مضمون) از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مشمولہ مولانا آزاد اور ان کے ناقد، بحولہ بالا، صفحہ ۵۷

مرشدین صادقین کا فقدان اور علماء سوومفسدین دجالین کی کثرت......ربنا انا اطعنا سادتنا و کبراء نا فاضلونا السبیل۔

اور پھر اگر وہ پوچھے کہ ایک ہی جملہ میں اس کا علاج کیا ہے؟ تو اس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں جواب ملنا چاہیے کہ

"لا یصلح اخر ھذہ الامۃ الابما صلح بہ اولھا۔"

"یعنی امت مرحومہ کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہ ہو سکے گی۔"

تاوقتیکہ وہی طریق اختیار نہ کیا جائے جس سے اس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی تھی اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ قرآن حکیم کے اصلی وحقیقی معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدین صادقین پیدا کیے جائیں۔" [1]

دعوت الہلال اور اس کے نتائج:

اس مقام پر پہنچ کر الہلال اور البلاغ کی دعوت قرآنی کے نتائج پر بھی نظر ڈال لیجیے، بیج بویا جاتا ہے تو توقع کی جاتی ہے کہ قدرت نے اس میں جو نشوونما کی استعداد رکھی ہے، وہ ہدایت پائے گی اور سرسبز پتیوں اور شاخوں کا ظہور وانبعاث ہوگا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ مولانا نے تعلیم قرآن کا جو تخم الہلال والبلاغ کے حروف وسواد کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں کی سرزمین میں بویا تھا اور اپنے اندر نشوونما کی قوی استعداد رکھتا تھا برگ وبار پیدا نہ کرے۔ بلاشبہ اس نے برگ وبار پیدا کیے اور مسلمانوں میں ایک نئی زندگی کے تمام آثار وعلائم پیدا ہو گئے۔ تذکرہ کے مقدمہ میں "عام مذہبی انقلاب" کے زیر عنوان فضل الدین احمد لکھتے ہیں:

"الہلال کا سب سے بڑا کارنامہ جو ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گا، وہ پائیدار مذہبی انقلاب ہے جو یکایک مسلمانوں میں اس کی دعوت حق سے پیدا ہو گیا۔ لاکھوں کروڑوں مسلمان ہمیشہ قرآن شریف پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں مگر قرآن کی اصلی حقیقت سب سے پہلے اسی نے آشکارا کی اور یکایک سب کے دل میں یہ بات اتر گئی کہ ہماری دینی و دنیوی ترقی کی طرف وہی راہ صحیح ہو سکتی ہے جو اس کی راہنمائی سے کھلی ہو۔ رسمی طور پر یہ بات پہلے بھی کہی جاتی تھی لیکن اس طرح کسی نے نہیں بتلائی تھی کہ جاہل سے لے کر عالم تک سب کے دلوں کو مسحور کرے اور سب بے اختیار ہو کر اس کی طرف کھینچ جائیں۔ اس نے نہ صرف اس کی پکار بلند کی بلکہ قومی زندگی کی ہر بات میں قرآن کی تعلیم دنیا کے سامنے پیش بھی کر دی اور ہر طرف سے ہٹا کر قوم کو صرف مذہب کی سچی راہ پر لگا دیا۔ سیاست، معاشرت، تعلیم، ساری باتوں کی اصلی بنیاد صرف مذہب اور قرآن کی تعلیم قرار پا گئی۔ گو ابتداء میں بہت سے لوگوں نے مخالفتیں بھی کیں لیکن رفتہ رفتہ سب نے اس کے آگے سر جھکا دیا اور آج تمام مسلمانوں پر جو رنگ چھایا ہوا ہے، خواہ اس کا ظہور سیاسی مذاہب میں ہو یا کسی دوسری شکل میں مگر سب چل رہے ہیں اسی راہ پر۔"

فضل الدین احمد نے ان جماعتوں کی نشاندہی بھی کر دی ہے جو الہلال کی دعوت سے متاثر ہوئیں اور اس انقلاب حالت کی تصویر بھی کھینچ لی ہے جو دعوت الہلال سے نقش پذیر ہوئی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

---

[1] (دارالارشاد) البلاغ۔۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء، صفحہ ۱۵، ۱۶۔

''سب سے زیادہ یادگار اور تعجب انگیز اثر اس نے دو جماعتوں پر ڈالا اور یہی تمام جماعتیں تمام قوم کے لیے بمنزلہ اصل وبنیاد کے ہیں یعنی علماء ومشائخ کا گروہ اور انگریزی تعلیم یافتہ جماعت۔ اگر الہلال شائع ہوکر اور کوئی کام نہ کرتا۔ ایک عالم ایک پیر، ایک بااثر جدید تعلیم یافتہ شخص کو اس رنگ میں رنگ دیتا جس میں اس نے تمام قوم کو رنگ دیا ہے، تو صرف یہی کارنامہ اس کی انقلابی قوت کے اعتراف کے لیے کافی تھا۔ علماء ومشائخ کا گروہ جو اپنے مدرسوں اور حجروں سے جھانک کر بھی دنیا کی حالت پر نظر نہیں ڈالتا تھا۔ الہلال نے ان کو یکا یک نکال کر جدوجہد کے میدانوں میں کھڑا کر دیا اور ان میں سے ہر شخص نے محسوس کر لیا کہ ہم اپنے اصلی فرض کو آج تک بھولے ہوئے تھے۔ جدید تعلیم یافتہ جماعت کا یہ حال ہوا کہ یا تو یہ گروہ مذہب کے نام سے متوحش تھا یا اب ہزاروں سر خدا کے آگے جھک گئے اور بعض کا تو یہ حال ہوا کہ بڑے بڑے عابدوں، زاہدوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔ شب وروز قرآن کی صدائیں ان کی زبانوں سے نکلنے لگیں۔ اس بارے میں جیسے جیسے عجیب واقعات دیکھے اور سنے گئے ہیں اور الہلال کے ایک ایک مضمون بلکہ ایک ایک سطر نے جیسے جیسے ہوش ربا اثر لوگوں پر ڈالے ہیں، ان کو اگر بیان کیا جائے تو ایک پورا رسالہ بن جائے۔''[1]

تاریخ مسلمانانِ ہند پاکستان کے دورِ آخر میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمتہ کی شخصیت اپنے خصائص علم وفکر کے لحاظ سے ایک نادرِ روزگار شخصیت تھی۔ اگرچہ ان کی علمی زندگی کا آغاز ہونے کے انجام سے بہت زیادہ شاندار تھا۔ ان کی زندگی کے آخری شب وروز جن صحبتوں میں بسر ہوئے اس کے بعد ان کے فیضانِ علم وتحقیق بخشائشوں کا وہ عالم رنگ وبو باقی نہیں رہا۔ مرحوم کو مولانا نے ہمیشہ ''اخی'' اور ''اخی العزیز'' کے الفاظ سے مخاطب کیا اور حضرت علامہ مرحوم کے نکتہ چین قلم اور زبان نے مغائرت اور معاصرت کی شکررنجی کا ثبوت پیش کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ جہاں انہوں نے مولانا کی خدمات علم وعمل کا اعتراف کیا ہے وہاں انہوں نے حروف وسواد پر ''ذاتی رنجش'' کی پرچھائیں بھی نہیں پڑنے دی ہے۔ الہلال کی خدمت قرآن کے بارے میں حضرت سید صاحب لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نوجوان مسلمانوں میں قرآن پاک کا ذوق مولانا ابوالکلام کے الہلال والبلاغ نے پیدا کیا اور جس اسلوب بلاغت، کمال انشاء پردازی اور زورِ تحریر کے ساتھ انہوں نے انگریزی خواں نوجوانوں کے سامنے قرآن پاک کی ہر آیت کو پیش کیا۔ اس نے ان کے لیے ایمان ویقین کے نئے نئے دروازے کھول دیے اور ان کے دلوں میں قرآن پاک کے معنی ومطالب کی بلندی اور وسعت پوری طرح نمایاں کر دیا۔''[2]

حضرت سید صاحب نے بیسویں صدی میں تاریخ دعوت قرآنی کے جس پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تاریخ مسلمانانِ ہند پاکستان کے انقلابِ فکری کا بہت اہم موضوع ہے اور اس انقلاب میں مولانا آزاد اور ان کے الہلال کی خدمات کا اعتراف وقت

---

1 تذکرہ، دہلی، ساہتیہ اکیڈیمی، ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۴ | 2 ایضاً صفحہ ۱۵

2 ترجمان القرآن (مقالہ) مشمولہ ''ابوالکلام آزاد'' مرتبہ عبداللہ بٹ، لاہور ۱۹۴۳ء، صفحہ ۸۰۔

کے تمام اکابر اور اہل نظر نے کیا ہے لیکن حضرت سید صاحب کا یہ اعتراف تو الہلال کے خاص موضوع اور دعوت کے متعلق تھا۔ الہلال میں دعوت الی القرآن کے سوا جو کچھ تھا وہ بھی اپنے اندر دعوت اور تمسک بالکتاب کے جو خصائص اور کشش رکھتا تھا اس کی دلربائیوں پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔اس سلسلے میں حضرت علامہ مولانا محمد حنیف ندوی مدظلہ کا یہ بیان کافی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''آج جس قدر بولنے والی زبانیں، خوددارانہ انداز میں سوچنے والے دماغ اور اسلامیات پر لکھنے والے علم ہیں، ان سب کی تعمیر و تربیت میں الہلال نے بڑا حصہ لیا ہے۔ان سب کو گویائی اور صحیح اندازِ فکر الہلال نے بخشا ہے۔اس کی اشاعت اور اس کے یقین پرور مقالوں سے نفسیاتی طور پر اس کی فضا پیدا ہوگئی کہ لوگوں نے پھر سے اسلامی علوم و معارف اور اسلامی تاریخ و رجال کی عزت و توقیر کی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا، بلکہ یہ شوق پیدا ہوا کہ اسی انداز میں از سرِ نو تمام تنظیمات اسلامیہ کو مرتب کیا جائے۔مولانا نے اس میں اگرچہ ہر نوع کے مضامین لکھے اور ادبی، ثقافتی، تاریخی اور سیاسی میدانوں میں اپنی جولانی طبع کے جوہر دکھائے مگر قرآن کی آیات کی تفسیر اور اس کے موزوں استعمال میں آپ نے جو جدت پیدا کی وہ آپ کی مایہ ناز خصوصیت ہے، آپ نے مضامین آیات قرآن کو اس طریق سے استعمال کیا کہ ان میں ایک نئی معنویت پیدا ہوگئی۔'' [1]

البیان والبصائر:

الہلال میں چونکہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے متعدد گوشے اور فکر و راہنمائی کے لیے مسلمانوں کی علمی و عملی زندگی کے بہت سے مسائل تھے اور ایک ہفتہ وار صحیفہ اپنے صفحات کی زیادہ سے زیادہ گنجائش کے باوجود صرف ایک دعوت کے لیے وقف نہیں ہوسکتا تھا۔اس لیے دعوت قرآن کے موضوع کا خاص ذوق رکھنے والوں کی راہنمائی اور تعلیم کے لیے ایک ایسے قرآنی علمی مجلّہ کی ضرورت تھی جو صرف اسی دعوت اور درس و تعلیم کے لیے وقف ہو اور جو طبائع الہلال کے عام دعوتی اسلوب سے استفادے کے ساتھ موضوع کا علمی مطالعہ بھی کرنا چاہیں۔ان کے ذوق قرآنی کی تسکین کا سامان فراہم ہو جائے۔البیان کے اجراء کا فیصلہ اسی مقصد سے کیا گیا تھا۔الہلال کی پہلی جلد کی دوسری سہ ماہی میں الہلال میں مولانا ان الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے ہیں:

''البیان'' دفتر الہلال کا ماہوار مصور رسالہ

جس کا اصلی موضوع یہ ہوگا کہ قرآن کریم اور اس کے متعلق تمام علوم و معارف پر تحقیقات کا ایک نیا ذخیرہ فراہم کرے اور ان موانع و مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کرے جن کی وجہ سے موجودہ طبقہ روز بروز قرآن کریم کی تعلیمات سے ناآشنا ہوا جاتا ہے۔'' [2]

اور جب مولانا نے البصائر نکالنے کا فیصلہ و اعلان کیا تو منجملہ دیگر مقاصد کے قرآن حکیم کے تمام علوم و معارف پر تحقیقات اور تعلیم و اشاعت کا یہ منصوبہ اس میں بھی موجود تھا۔

اور جس طرح رسالہ کا نام البیان، قرآن کی آیت ﴿ هـذا بيـان للناس و هدى و موعظه للمتقين ﴾ (۳:۱۳۸) سے

---

[1] چند خیالات (مقالہ) مشمولہ ''ابوالکلام آزاد'' محولہ بالا، صفحہ ۱۶۹

[2] اشتہار ''البیان''، الہلال ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۲ء بالمقابل صفحہ ۱۶

ماخوذ تھا اسی طرح ''البصائر'' کا نام بھی ﴿ هـذا بصائر للناس وهدى ورحمة لقوم يوقنون ﴾ (۲۰:۴۵) سے مقتبس تھا۔ اسی رسالے کے مقاصد کے تعارف میں اس کے اصلی وحقیقی مقصد واحدہ کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

''اس سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے بدفعہ واحدہ قرآن کریم کو مختلف اشکال ومباحث میں اس طرح پیش کیا جائے کہ عظمت کلام الٰہی کا وہ اندازہ کر سکیں۔'' [1]

البصائر، شوال ۱۳۳۱ھ (مطابق اکتوبر ۱۹۱۳ء) سے جاری کرنے کا ارادہ تھا۔ اس کے لیے مشینیں منگوالی گئی تھیں۔ مشین روم تیار ہو گیا لیکن موٹر نہ لگنے کی وجہ سے تاخیر ہوئی اور ذیقعدہ سے البصائر کے اجراء کا اعلان کیا ہے۔ [2] اس کے بعد بھی چند در چند موانع پیش آتے رہے، اور رسالہ کا اجراء عمل میں نہ آسکا۔ مولانا نے ۱۷ دسمبر ۱۹۱۳ء کے شمارے میں بجواب مراسلہ حکیم غلام غوث طبیب خان پور ور یاست بہاولپور) تفصیل کے ساتھ ان موانع کا ذکر کیا ہے۔ ان کے دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں لیکن اس رسالہ کے اجراء سے مولانا کے پیش نظر مقاصد اور قرآن حکیم کی اشاعت کے سلسلے میں مولانا کے جن عزائم پر روشنی پڑتی ہے، وہ مولانا کی سیرت اور ان کے معتقدات کا خاص حصہ ہیں، اس لیے ان کا مطالعہ خالی از افادہ نہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

کسے معلوم ہے کتنے ولولے ہیں جو اٹھتے ہیں اور انہیں دل سے زبان تک پہنچنے کی مہلت بھی نہیں دی جاتی کہ وقت دوسرا اور موسم موافق نہیں:

کہ اہل شوق عوام اند و گفتگو عربی ست

لیکن ایک مخصوص دینی رسالے کے خیال کو ضبط نہ کر سکا کہ ضرورت اشد شدید نظر آئی۔ الہلال میں جب کبھی کسی دینی وعلمی موضوع پر کچھ لکھتا ہوں تو قلت ضخامت وتنوع مطالب کے خیال سے قدم قدم پر دامن الجھتا ہے اور مجبوراً ارادوں کو ملتوی کر دینا پڑتا ہے۔ سب سے بڑی مقدم شے یہ ہے کہ قرآن حکیم کے متعلق بے اختیار جی چاہتا ہے کہ نہایت کثرت سے ہر پہلو پر بحث کی جائے اور صدہا مباحث ومعارف ہیں جو اس کے متعلق پیش نظر ہیں بلکہ بہت سے بصورت تحریر مدوّن بھی ہو چکے ہیں مگر ان کی اشاعت کا کوئی ذریعہ نہیں۔

ضرورت ہے کہ ایک ہی وقت میں قرآن حکیم کو مختلف اشکال ومباحث ومعارف میں اس طرح پیش کیا جائے کہ اس کے جمال عظمت کا نظارہ عام ہو جائے۔

غرضیکہ انہی خیالات کی بنا پر پہلے باسم البیان اور پھر البصائر، اس کا اعلان کیا گیا ارباب تجربہ کار جانتے ہیں کہ اس قسم کے کاموں کے لیے تحریر مقالات وتالیف مضامین سے زیادہ صرف وقت کی چیز محض ترتیب اور اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ میں نے البصائر کا اعلان تو کر دیا کہ کسی نہ کسی طرح اس کے لیے بھی وقت نکال لوں گا لیکن پھر اپنی حالت کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ موجودہ اشغال نے جو حالت مصروفیت وانہماک کی کر رکھی ہے۔ اب وہ اس آخری درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ اگر تھوڑا سا بھی کام اپنے ذمہ اور

---

[1] ۱۹۱۳ء میں الہلال کے متعدد شماروں میں البصائر کا اشتہار آتا رہا ہے مثلاً ۳۰ جولائی، صفحہ ۲، ۶ اگست صفحہ ۲، ۲۴ ستمبر، صفحہ ۲۰۔

[2] البصائر، (اعلان) الہلال، ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۳ء، صفحہ ۲۔

لے لیا تو کام کسی نہ کسی طرح ہو رہے گا لیکن ساتھ ہی رات کے چند گھنٹے جو آرام کے بمشکل میسّر آ جاتے ہیں، ان سے بھی محروم ہو جاؤں گا......پس کسی قدر متوقف ہوا کہ اگر الہلال کے لیے نہیں تو کم از کم البصائر ہی کے لیے اتنی اعانت میسر آ جائے کہ کم از کم اس کی ترتیب اور ذمہ داری ہی سے سبکدوش ہو جاؤں۔ اسی فکر و انتظار میں ادھر کئی مہینے صرف ہو گئے لیکن بالآخر نتیجہ یہی نکلا کہ اپنے سوا نہ کسی اور کا انتظار کیجیے، اور نہ یاس بنیاد امیدوں کا اپنے دل کو مدفن بنائیے!

یہی سبب ہے کہ البصائر کا اعلان الہلال میں روک دیا گیا کہ اس بارے میں احباب کرام سے میری شرمندگی حد تحمل سے گزر چکی تھی۔[1]

اگرچہ اس وقت صرف اعلان روکا گیا تھا۔ عزائم پر موانع کا اثر اور مایوسی کی پرچھائیں نہ پڑی تھی، مولانا فرماتے ہیں:

''میں نے البصائر کا اعلان کیا ہے تو ان شاء اللہ یہ اعلان کبھی ذلیل و شرمندہ نہ ہوگا۔ بغیر تعین وقت کے کہتا ہوں کہ جلد سے جلد البصائر کو جس کا اعلان ہو چکا ہے، اور وہ بھی جس کا اعلان نہیں ہوا ہے، پیشکش ارباب ذوق و بصیرت کروں گا۔''[2]

حزب اللہ:

۱۹۱۳ء میں جب مولانا نے جماعت حزب اللہ کے قیام کا اعلان کیا تو دراصل اس کا مقصد قیام ملت کے لیے احیائے کتاب و سنت اور اتباع شریعت مطہرہ کی ایک دعوت عام کا اعلان تھا۔ حزب اللہ کے نام سے مولانا جس قسم کی جماعت قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس پر الہلال کے پانچ نمبروں میں نہایت تفصیل کے ساتھ انہوں نے روشنی ڈالی ہے۔[3] خصوصاً سلسلہ مضمون کے تیسرے نمبر میں بہ ضمن ''مقصد و حید لمۃ مرحومہ'' اس جماعت کے مقاصد و خصائص پر تفصیل سے بحث کی ہے۔[4] اسی مضمون کی چوتھی قسط میں مولانا لکھتے ہیں:

''تمہارے پاس ایک ایسی مشتعل چنگاری موجود ہے کہ قرینے سے ہوا دو تو اس سے ہزاروں آتش کدے روشن کر سکتے ہو۔ تم آج مسلمانوں کے اعمال میں تبدیلی کر سکتے ہو۔ ان کے برگشتہ سروں کو خدا کے آگے جھکا سکتے ہو، ان کا گم گشتہ اخلاق، ان کا کھویا ہوا علم اور ان کی مفقود روح حیات اسلامی کو پھر لا سکتے ہو۔''[5] آگے چل کر لکھتے ہیں:

''پس آج بھی ہم کو اپنے ہر عمل میں صرف تجدید احکام شریعت اور احیائے سنت سلف صالح کی ضرورت ہے...... ہمارے پاس قرآن حکیم اپنی ہیئت و حقیقت اولیٰ میں موجود ہے۔ جب کہ اس کی آیتیں بطحاء و یثرب کے ریگستانوں میں اسرار الٰہی سے پردے اٹھا رہی تھیں اور دنیا کو انسانیت اعلیٰ کے اصولوں کا سبق دے رہی تھیں۔ پھر کیا ہے کہ ہم نئے مقصدوں کے متلاشی ہوں؟ اور کیوں

---

[1] البصائر (مراسلات) الہلال، ۱۷ دسمبر ۱۹۱۳ء، صفحہ ۱۳

[2] ایضاً صفحہ ۱۳، ۱۴۔

[3] الداء والدواء یعنی جماعت حزب اللہ کے اغراض و مقاصد (۱) ۲۵ جون ۱۹۱۳ء (۲) ۲ جولائی (۳) ۹ جولائی (۴) ۳۰ جولائی (۵) ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء

[4] الداء والدواء (۳) الہلال ۹ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۶، ۷۔

[5] الداء والدواء (۴) الہلال ۳۰ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۷

نئے اصولوں کی دعوت کی طرف ہمیں بلایا جائے؟ نئے دلولوں اور نئے تماشوں کا بھی ہم نے تجربہ کرلیا۔ اب ہم اکتا گئے ہیں اور، اور زیادہ تجربے کی ہم میں سکت نہیں، ہمیں چھوڑ دو تا کہ اپنی قدیمی وحشت کی ایک ادنیٰ ادا پر، تمہاری نئی دل فریبیوں کو قربان کرڈالیں:

من و بیدل حریف سعی بے جا نیستم زاہد
تو و قطع منازلہا ، من و یک لغزش پائے [1]

اور جب حزب اللہ کے مختلف مدارج اور جماعتوں کا قیام عمل میں آیا تو ان کا پہلا درجہ سیاست و تعلیم تھا'' اور پہلی جماعت جو اس مقصد کے لیے نکلی وہ ''السائحون العابدون'' کی جماعت تھی۔ اس کے مقصد اور طریق کار کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

''حزب اللہ کے مختلف مدارج اور جماعتوں میں سے ایک جماعت ''السائحون العابدون'' کی ہے جن کا کام یہ ہے کہ تبلیغ وہدایت اور نشر واشاعت تعلیم قرآن وسنت کے لیے ہمیشہ سفر وگردش میں رہیں اور جس جگہ زیادہ ضرورت دیکھیں وہاں ایک روز سے لے کر سالہا سال تک کے لیے اس طرح مقیم ہو جائیں کہ

نشستہ ایم کہ از ما غبار برخیزد [2]

ان کے طریق درس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کا طریق درس قرآن وسنت وعموم تعلیم وتبلیغ انہی اصولوں کے ماتحت ہوگا جو دعوت الہلال کے اصل الاصول ہیں۔'' [3]

اس کے بعد جب مولانا نے دارالارشاد جو حزب اللہ کے دارالجماعۃ کا ایک شعبہ تھا، قائم کیا تو اسی لیے کہ تعلیم کتاب وحکمت اور تربیت اصحاب استعداد کا کام کسی مرکز اور تعلیم وتربیت گاہ کے قیام کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا۔ [4]

مدرسہ دارالارشاد:

الہلال نے دعوت الی القرآن کی جو صدائے حق بلند کی تھی اور اس دعوت کے شجر طیبہ نے جو برگ وبار پیدا کیے تھے، وہی سب کچھ مقصود نہ تھا، درحقیقت، یہ دعوت کی پہلی منزل تھی۔ یہ زمین کا تیار کرنا تھا اور جب یہ عمل حق ظہور میں آ چکا تھا تو ضروری تھا کہ منصوبے کے دوسرے مرحلے یا سفر کی دوسری منزل کا آغاز کر دیا جائے۔ مدرسہ دارالارشاد کا قیام اسی دوسری منزل کا ظہور اور دعوت حق کے دوسرے مرحلے کا آغاز تھا۔ اس نئی منزل کے ظہور اور دعوت کے دوسرے مرحلے کے آغاز کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں:

''دارالارشاد'' کے قیام کا مقصد یہی ہے کہ دعوت الی القرآن کی اس دوسری منزل کا سر وسامان ہو اور تھوڑے وقت اور بہت زیادہ صرف علم وفکر سے ایک ایسی جماعت پیدا کی جائے جو قرآن حکیم دعوت وتبلیغ کی خدمت اور اصلاح وارشادِ امت کا فرض انجام دے سکے......'' [5]

---

[1] ایضاً صفحہ ۹

[2] اعلان جماعت حزب اللہ، الہلال، ۸ جولائی ۱۹۱۴ء صفحہ ۴۔

[3] اعلان جماعت حزب اللہ، الہلال ۸ جولائی ۱۹۱۴ء صفحہ ۵۔

[4] حزب اللہ، دارالجماعۃ کی تاسیس، الہلال، ۲۹ جولائی ۱۹۱۴ء صفحہ ۸۔

[5] دارالارشاد، البلاغ ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۶

اس سلسلے میں مزید لکھتے ہیں:

''چار سال پیشتر کا واقعہ ہے کہ مشیت الٰہی نے اس عاجز کی راہنمائی کی اور الہلال نے قرآن حکیم کی تبلیغ و دعوت کی صدا از سر نو بلند کی لیکن اس عرصے میں جو کچھ ہوا وہ ایک دعوت عام تھی جس کے ذریعے فہم و بصیرت قرآن کی نئی راہیں عوام و خواص نے اپنے سامنے دیکھیں اور قرآن حکیم کے عشق و شیفتگی کا ایک نیا ولولہ دلوں میں پیدا ہو گیا۔ تاہم اس دعوت کی دوسری منزل ابھی باقی ہے اور وہی فی الحقیقت اہم تر مقام سعی و تعب ہے۔ یعنی قوم میں بکثرت ایسے افراد پیدا کیے جائیں جو انہی راہوں پر چل کر قرآن حکیم کے علوم و معارف کو بہ تکمیل حاصل کریں اور ان کے ذریعے قوم میں ارشاد و ہدایت اور احیائے دعوت و ذکر کا عملی سلسلہ بالعموم شروع ہو سکے۔'' [1]

حزب اللہ کے درجات و مراتب، اس کے مدرسہ اور مرکز تعلیم و تربیت کے قیام، اس میں طلبہ کی شرائط داخلہ، نصاب، طریق تعلیم، مدت تعلیم، طلبہ کے قیام و رہائش کے انتظامات کا جو ایک پورا نظام اور نقشہ کار مولانا کے سامنے تھا، جسے انہوں نے مختلف دفعات میں مرتب کر کے چھاپ دیا تھا۔ مدرسہ دارالارشاد میں داخلے کے اصول و شرائط یہ تھے:

''دارالارشاد میں دو جماعتیں علوم عربیہ اور انگریزی مدارس کے فارغ التحصیل طلباء کی قائم کی گئی ہیں، تاکہ انہیں قرآن حکیم کا درس دے کر ارشاد و ہدایت امت کے لیے تیار کیا جائے، پس یہ ایک طرح کا درجہ تکمیل یا علوم القرآن کا ایم۔ اے کلاس ہے۔'' [2]

اصول و قواعد مدرسہ کی دفعہ ۸ تا ۱۱ طریق تعلیم، مدت تعلیم اور قیام طلبہ کے انتظامات سے متعلق ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۸) مرکز تعلیم صرف قرآن حکیم ہے۔ آیات بنیات، ﴿ تبیانا لکل شیء ، هدی ورحمة لقوم یذکرون ﴾ لیکن اس مرکز کے دائرے میں وہ تمام چیزیں آ جائیں گی جو فہم و تبلیغ قرآن کے لیے ضروری ہیں اور جو چیزیں ضروری نہیں ہیں، ظاہر ہے کہ انہیں اس قوم سے کوئی واسطہ نہ ہونا چاہیے جو صرف قرآن کے علم و عمل کے لیے دنیا میں آئی ہے۔

(۹) گو اصل تعلیم صرف قرآن حکیم ہے، لیکن یہ بمنزلہ نقطہ کے ہے اور اس کا دائرہ وسیع ہے۔

(۱۰) دارالارشاد کی بڑی سے بڑی مدت تعلیم ایک سال ہے......

(۱۱) جو طلباء منتخب ہوئے ہیں، سر دست ان کے کھانے پینے اور قیام کا بار مدرسہ اپنے سر لیتا ہے۔ ایک پختہ دو منزلہ ہوادار مکان جو شہر کے یوروپین کوارٹر میں واقع ہے، وہ ٹھہرائے جاتے ہیں۔ [3]

---

[1] ایضاً، صفحہ ۱۶

[2] ایضاً، ص ۱۶۔

[3] دارالارشاد، البلاغ ۱۲ نومبر ۱۵ء صفحہ ۱۷۔

چنانچہ اس منصوبے کے سلسلے میں کلکتہ کے مشرقی جانب میونسپلٹی کے حدود سے باہر ایک قطعہ زمین حاصل کر لیا گیا تھا جس میں ایک مسجد کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تھی۔ یکم رمضان ۱۳۳۰ھ (جولائی ۱۹۱۴ء) کو مدرسہ کے ''دارالجماعۃ'' لیکچر روم) کا سنگ بنیاد بھی رکھ دیا گیا تھا اور کوشش کی گئی تھی کہ دارالجماعۃ کی تعمیر جلد مکمل ہو جائے تا کہ تعلیم و تدریس اور تربیت اصحاب استعداد طالبانِ حق کا کام شروع کر دیا جائے۔[1] لیکن جب چند در چند موانع کے باعث یہ ممکن نہ ہوا تو کرایہ کی ایک عمارت میں درس و تعلیم قرآن کا آغاز کر دیا گیا۔ البلاغ کے پہلے نمبر ہی میں مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''گزشتہ سال رمضان میں دارالارشاد کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ ارادہ تھا کہ اسی سال سے تعلیم و ارشاد کا سلسلہ بھی شروع کر دیا جائے لیکن مشیت الٰہی مساعد نہ ہوئی...... موجود حالت یہ ہے کہ مدرسہ کا ہال تیار ہو چکا ہے۔ صرف جزئی و بیرونی تکمیل باقی ہے، لیکن جب تک اس کے ساتھ ایک دوسری عمارت طلباء کے قیام کے لیے بھی تیار نہ ہو جائے، اس وقت تک دہاں کام شروع نہیں ہو سکتا۔ عمارت کا مقام شہر سے باہر ہے اور یہ ممکن نہیں کہ شہر میں قیام کر کے اس سے کام لیا جائے۔ طلباء کے کمروں کی تیاری کے لیے اقلاً دس پندرہ ہزار روپے اور ہونا چاہئیں...... کمروں کی تیاری کا انتظار میں کر سکتا ہوں لیکن نہ تو میری زندگی کر سکتی ہے، جس کا قیام نا معلوم ہے اور نہ زمانہ کر سکتا ہے، جس کی رفتار ہمارے ارادوں اور امیدوں کی پابند نہیں۔ پس متوکلاً علی اللہ اس عاجز نے پچھلے دنوں فیصلہ کر لیا کہ سر دست ایک کرایہ کے مکان ہی میں سلسلہ تدریس و ارشاد شروع کر دیا جائے......''[2]

مولانا نے سلسلہ تدریس و ارشاد کے آغاز کا صرف عزم ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ آغاز کر بھی دیا تھا۔ البلاغ کا پہلا شمارہ اس ضروری اطلاع کے ساتھ نمودار ہوا تھا:

''دارالارشاد کا سلسلہ جاری ہو چکا ہے اور ابھی صرف روزانہ درس قرآن حکیم ہی کا سلسلہ شروع ہوا ہے...... دوسرا اہم سلسلہ تصنیف و تالیف کا ہے۔ یہ پہلے بھی تھا لیکن قرآن حکیم کے ترجمہ و تفسیر کے دو مختلف کام اب ایک ہی وقت میں شروع ہو گئے ہیں اور بلا استثناء ہر روز تھوڑا سا وقت ان کے لیے بھی نکالنا پڑتا ہے۔ علی الخصوص ترجمۃ القرآن کے لیے کہ جہاں تک جلد ہو سکے، اسے مکمل کر دیا جائے کیونکہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ وہ چھپتا بھی جاتا ہے۔''[3]

افسوس کہ مارچ ۱۹۱۶ء میں مولانا کے کلکتہ سے اخراج کی وجہ سے یہ مدرسہ بند ہو گیا، لیکن نہ صرف مولانا ابوالکلام آزاد کے ذوق تعلیم کتاب و سنت کا نقش تاریخ دعوت قرآن میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا، بلکہ تحریک استقلال وطن کی تاریخ میں بھی اس کا نام

---

[1] حزب اللہ۔ دارالجماعۃ کی تاسیس، الہلال ۲۹ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۵۔

[2] دارالارشاد، البلاغ، ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۵۔

[3] اطلاع ضروری، البلاغ ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء، سرورق صفحہ ۲۔

ہمیشہ کے لیے لکھ دیا گیا۔ الہلال کی دعوت دینی وسیاسی سے برٹش حکومت پہلے ہی مشوش تھی۔ مدرسہ دارالارشاد میں نوجوان طالبان حق کا اجتماع حکومت کی نظروں میں اور زیادہ کھٹکنے لگا۔ اس وقت تو اس کا پتہ نہیں چل سکا لیکن سال ڈیڑھ سال کے بعد ریشمی رومال تحریک کے اسرار کا افشاء ہوا تو معلوم ہوا کہ مولانا کے فردِ جرم میں مدرسہ دارالارشاد کا قیام اور اس میں طالبانِ حق کا اجتماع بھی تھا۔ ریشمی رومال سازش کے مقدمے سے مدرسہ کے مقصد قیام اور شرائط داخلہ کے علاوہ چند طالبانِ حق کے نام بھی معلوم ہو جاتے ہیں جو ۱۹۱۵۔۱۹۱۴ء میں مولانا کے زیرِ تعلیم دارشاد تھے۔ چند معلومات یہ ہیں:

''مدرسہ دارالارشاد مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۵ء میں کلکتہ میں قائم کیا۔ دیکھنے میں یہ ایک تعلیمی ادارہ ہے جو قرآن و حدیث کی ہدایات کے عین مطابق چلایا جاتا ہے لیکن شرائط داخلہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقوف علم کے ساتھ اتحادِ اسلامی کا فروغ بھی اس کالج کا مقصد ہے...... کالج میں داخلہ تمام میٹرک پاس، انڈر گریجویٹ اور گریجویٹ مسلمانوں کے لیے کھلا ہے۔ تمام طلبہ پر چھ ماہ کی ٹریننگ کا کورس پورا کرنے کی پابندی ہے۔ اس کے بعد وہ آزاد ہیں چاہے دارالارشاد کے مقاصد کے لیے کام کریں یا کوئی پیشہ خود اختیار کریں۔''[1]

ترجمان القرآن:

مدرسہ دارالارشاد کے آغاز کار ہی سے مولانا کو الہلال والبلاغ کے دعوتی و تعلیمی مقالات کی اشاعت کے ساتھ قرآن حکیم کے مستقل ترجمہ وتفسیر کی ضرورت کا احساس ہو گیا تھا اور انہوں نے اس کے لیے سر وسامان کا آغاز بھی کر دیا تھا۔ اس کے لیے سب سے پہلے ہمیں دسمبر ۱۹۱۳ء کے الہلال میں بسلسلہ ذکر البصائر اشارہ ملتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

''بغیر تعینِ وقت کے کہتا ہوں کہ جلد سے جلد البصائر کو جس کا اعلان ہو چکا ہے، اور وہ بھی جس کا اعلان نہیں ہوا ہے، پیشکش اربابِ ذوق وبصیرت کروں گا۔''[2]

''وہ بھی جس کا اعلان نہیں ہوا'' سے ارشارہ یقیناً ''ترجمۂ قرآن'' کی طرف ہے، قرآن حکیم کی عام تعلیم واشاعت کے لیے جس کی ضرورت کا احساس مولاناؒ کے قلب سلیم میں جاگزیں ہو چکا ہے اور ممکن ہے یہی احساس البصائر کی اشاعت میں التواء کا باعث ہوا ہو کہ دارالارشاد کا کام بغیر ایک رسالہ کے چل سکتا تھا لیکن ترجمہ قرآن، تفسیر اور مقدمہ تفسیر کی ضرورت اس کے لیے ناگزیر تھی چنانچہ الہلال کے یکسالہ تعطل کے بعد جب البلاغ کے ذریعہ دعوت الی القرآن کا احیاء ہوا تو اس کا پہلا شمارہ ہی ترجمان القرآن اور تفسیر کے ایمان پرور اور مسرت انگیز اعلان واشتہار کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔ ترجمان القرآن کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا تھا:

---

[1] محمد میاں، مولانا سید (مرتب) تحریک شیخ الہند، دہلی، ۱۹۷۴ء، صفحہ ۱۷۔۴۷۔

[2] البصائر (مراسلات) الہلال ۱۷ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۳، ۱۴۔

''ہندوستان کی گزشتہ قرون اخیرہ میں سب سے پہلے جس مقدس خاندان کو اس خدمت کی توفیق ملی، وہ حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان تھا۔ ان کے فرزند حجۃ الاسلام، امام الاعلام، مجدد العصر، حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ تھے۔ جنھوں نے سب سے پہلے قرآن حکیم کے ترجمے کی ضرورت الہام الٰہی سے محسوس کی اور فارسی میں اپنا عدیم النظیر ترجمہ مرتب کیا۔ ان کے بعد حضرت شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہما کا ظہور ہوا اور اردو زبان میں ترجمۃ القرآن کی بنیاد استوار ہوئی۔ شکر اللہ سعیهم وجعل الجنة مسواهم!

اس واقعہ پر ٹھیک ایک صدی گزر چکی ہے۔ لیکن یہ کہنا کسی طرح مبالغہ آمیز نہ سمجھا جائے گا کہ نشر و اشاعت قرآن حکیم کی جو بنیاد اس خاندانِ بزرگ نے رکھی تھی اس کی تکمیل کا شرف حق تعالیٰ نے ایڈیٹر الہلال کے لیے مخصوص کر دیا تھا جنھوں نے بعض داعیانِ حق و علم کے اصرار سے اپنے اندازِ ممتاز و بلاغت و انشا مخصوص و فہم حقائق و معارف قرآنیہ و ضروریات و احتیاجاتِ وقت کو ملحوظ رکھ کر قرآن حکیم کا یہ اردو ترجمہ نہایت سلیس، عام فہم، معنی خیز، حقیقت فرما عبارت میں مرتب کیا ہے اور بحمد اللہ زیر طبع ہے۔'' [1]

تفسیر کا اشتہار ان الفاظ میں تھا:

''اس تفسیر کے متعلق صرف اس قدر ظاہر کر دینا کافی ہے کہ قرآن حکیم کے حقائق و معارف اور اس کی محیط الکل معلمانہ دعوت کا موجودہ دور جس قلم کے فیضان سے پیدا ہوا ہے، یہ اسی قلم سے نکلی ہوئی، مفصل اور مکمل تفسیر القرآن ہے۔'' [2]

مولانا نے البلاغ میں ترجمہ و تفسیر کا اعلان کیا تو اس وقت ترجمہ پانچ پاروں تک پہنچ چکا تھا، تفسیر سورۂ آل عمران تک مکمل ہو چکی تھی اور مقدمہ یادداشتوں کی شکل میں قلمبند تھا۔ اس خیال سے کہ تھوڑے وقت کے اندر زیادہ سے زیادہ کام انجام پائے۔ مولانا نے ترجمہ و تفسیر کی تالیف و تصنیف کے ساتھ چھپائی کا سلسلہ بھی شروع کرا دیا تھا۔ مولانا کا خیال تھا کہ اس طرح سال بھر کے اندر ترجمہ مکمل بھی ہو جائے اور چھپ بھی جائے گا۔ نیز تفسیر کی بھی کم از کم پہلی جلد شائع ہو جائے گی اس منصوبے کے مطابق کام کی انجام دہی کے لیے مولانا نے ہر سات دن کی مشغولیت کی تقسیم اس طرح کی تھی کہ تین دن البلاغ کی ترتیب کے لیے وقف تھے۔ دو دن ترجمہ کی تالیف کے لیے اور دو دن تفسیر کے کام کے لیے مقرر کر دیے تھے۔'' [3]

---

[1] ترجمان القرآن، البلاغ، ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء، سرورق، صفحہ ا یہ اعلان البلاغ کے پہلے شمارے سے لے کر ۱۷، ۲۴، ۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء کے آخری شمارے تک سرورق صفحہ ا پر چھپتا رہا۔

[2] البیان فی مقاصد القرآن، البلاغ، ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء سرورق، صفحہ ۴، یہ اعلان بھی البلاغ کے پہلے شمارے سے لے کر آخری شمارے تک سرورق صفحہ ۴ پر مسلسل چھپتا رہا۔

[3] ترجمان القرآن، دہلی، دفتر ترجمان القرآن، ۱۳۵۰ھ (اشاعت اول جلد اول) صفحہ ۵۹، ۶۰۔

مولانا اسی نظام الاوقات کے مطابق دارالارشاد میں طلبہ کی تدریس وارشاد، البلاغ کی ترتیب اور ترجمہ وتفسیر کی تالیف و تصنیف کے اعمال حقہ میں مصروف تھے کہ ۲۸ مارچ (۱۹۱۶ء) کو گورنمنٹ بنگال کا حکم زیر دفعہ ۳ ڈیفنس ایکٹ پہنچا کہ مولانا چار دن کے اندر کلکتہ کا قیام ترک کر دیں اور حدود بنگال سے باہر چلے جائیں۔[1] مولانا جس وقت کلکتہ سے روانہ ہوئے تو تفسیر کے چھ فارم چھپ چکے تھے اور ترجمہ کی کتاب شروع ہوگئی تھی۔[2] مقدمہ تفسیر بھی چھپ رہا تھا۔ اس وقت تک اس کے کم از کم بارہ ابواب نہ صرف لکھے جا چکے تھے بلکہ چھپ بھی گئے تھے اس لیے کہ مولانا کے انتقال کے بعد ان کے کاغذات سے مقدمہ کے چھپے ہوئے جو ناقص اجزاء دستیاب ہوئے ہیں وہ بارہویں باب کے کچھ اوراق ہیں جو ترجمان القرآن کے ساھتیہ اکیڈیمی ایڈیشن کی جلد اول کے ۴۹ صفحات بنے ہیں ان بارہ ابواب کے صفحات کو کتنا ہی کم تصور کر لیا جائے تب بھی ان کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچتی ہے۔ مولانا کا ارادہ تھا کہ اس کے ابتدائی (اجزاء بھی تفسیر البیان فی مقاصد القرآن) کی پہلی جلد کے ساتھ شائع ہو جائیں اور پھر ہر جلد کے ساتھ شائع ہوتے رہیں گے۔[3] بعض نکتہ چیں حضرات کا خیال تھا کہ مقدمہ تفسیر مولانا کا خیال تھا جو وجود پذیر نہیں ہو سکا، لیکن اب اس کے بارہویں باب کے کچھ مطبوعہ اوراق کی دستیابی نے اس بدگمانی کو دور کر دیا ہے۔

کلکتہ سے نکلنے کے بعد مولانا نے یہ کوشش کی کہ ان کی عدم موجودگی میں ترجمہ وتفسیر کی طباعت و اشاعت کا کام جاری رہے۔ چنانچہ جون ۱۹۱۶ء میں پریس کے دوبارہ اجراء کا انتظام کر دیا گیا، اور رانچی کے گوشہ خلوت میں مسودات کی ترتیب میں مشغول ہو گئے۔ لیکن حکومت کو مولانا کے پیش نظر مقاصد کی دعوت و اشاعت کا یہ کام کسی صورت میں گوارا نہ ہوا اور اس نے ۸ جولائی ۱۶ کو مولانا کی نظر بندی کے احکام جاری کر دیے جن کے تحت مولانا بیرونی دنیا سے اس قسم کا کوئی علاقہ نہ رکھ سکتے تھے۔ اس طرح اس امید کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اب مولانا کے اختیار میں صرف ایک ہی کام رہ گیا تھا یعنی تصنیف وتسوید کا مشغلہ۔ مولانا لکھتے ہیں:

نظر بندی کی انیس دفعات میں سے کوئی دفعہ بھی مجھے اس سے نہیں روکتی تھی۔ میں نے اس پر قناعت کی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ میں نے خیال کیا، اگر زندگی کی تمام آزادیوں سے محروم ہونے پر بھی لکھنے پڑھنے کی آزادی سے محروم نہیں ہوں اور اس کے نتائج محفوظ ہیں تو زندگی کی راحتوں میں سے کوئی راحت بھی مجھ سے الگ نہیں ہوئی۔ میں اس عالم میں پوری زندگی بسر کر دے سکتا ہوں، لیکن ابھی اس صورت حال پر تین مہینے بھی نہیں گزر رہے تھے کہ معلوم ہو گیا، اس گوشے میں بھی مجھے محرومی سے دو چار ہونا تھا۔''[4]

---

[1] اداریہ البلاغ، ۱۷، ۲۴، ۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء (آخری شمارہ) صفحہ ا۔

[2] دیباچہ ترجمان القرآن، دہلی دفتر ترجمان القرآن جلد اول صفحہ ۶۰۔

[3] اجمل خان محمد، مقدمہ البیان کے بارہویں باب کا ایک حصہ (ملحقات) ترجمان القرآن دہلی، ساہتیہ اکیڈمی ۱۹۶۴ء جلد اول صفحہ ۵۵۳۔

[4] ترجمان القرآن (اشاعت اوّل) جلد اوّل صفحہ ۶۰۔

مولانا نے مسودات کی ضبطی اور ان سے محرومی کی نہایت الم ناک داستان ترجمان القرآن کے دیباچے میں بیان کردی ہے۔ اس کا تفصیلی مطالعہ وہیں کرنا چاہیے۔ یہاں ربط مطالب کے لیے یہ بیان کرو ینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ جس وقت جلاوطنی کا معاملہ پیش آیا، ترجمہ کا مسودہ آٹھ پاروں تک اور تفسیر کا مسودہ سورۂ نساء تک پہنچ چکا تھا۔

۲۔ نظر بندی کے احکام جس وقت نافذ کیے گئے تو مولانا کے مکان کی تلاشی میں ترجمہ وتفسیر کے مسودات افسران تفتیش کے قبضے میں چلے گئے تھے لیکن جب ان میں کوئی خاص بات انہیں نظر نہ آئی تو دو ہفتے کے بعد مولانا کو واپس مل گئے۔

۳۔ مرکزی حکومت صوبائی حکومت کی اس کارروائی سے مطمئن نہ ہوئی تو حکومت ہند کے محکمہ تفتیش کا افسر اعلیٰ بذات خود پہلے کلکتہ پہنچا اور پھر رانچی جا کر از سر نو مولانا کے مکان کی تلاشی لی اور وہ تمام کاغذات جو پہلی تلاشی کے بعد واپس کر دیے گئے تھے دوبارہ اپنے قبضے میں کر لیے۔

۴۔ مولانا نے اس امید پر کہ ترجمہ وتفسیر کا مسودہ واپس مل جائے گا۔ نویں پارے سے ترجمہ کا کام شروع کر دیا اور ۱۹۱۸ء کے اواخر میں اس سے فارغ ہو گئے۔

۵۔ اس زمانے میں مولانا نے کاغذات کی واپسی کی کوشش کی لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی تو چند ماہ کی محنت کے بعد مولانا نے ابتدائی آٹھ پاروں کا ترجمہ بھی مکمل کر لیا اور پھر اردو ٹائپ رائٹر منگوا کر اسے ٹائپ کرانا بھی شروع کر دیا چنانچہ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو حکومت نے مولانا کو رہا کیا تو نصف سے زیادہ ترجمہ ٹائپ میں ہو چکا تھا۔

۶۔ ۱۹۲۰،۲۱ء تحریک خلافت اور تحریک لا تعاون کی سرگرمیوں کے سال تھے اور چونکہ یہ حرکت اور سرگرمی الہلال کی دعوت سیاسی کی صدائے بازگشت تھی۔ اس لیے مولانا ان سرگرمیوں سے صرف نظر نہ کر سکتے تھے۔ اس کے باوجود مولانا نے ترجمان القرآن کا کام جاری رکھا۔ نومبر ۲۱ء تک متن کی کتابت مکمل ہوگئی تھی ترجمہ کی کتابت شروع ہوئی تھی۔ ۱۰ دسمبر ۲۱ کو تحریک کے دوسرے رہنماؤں کے ساتھ مولانا کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن مولانا مطمئن تھے کہ اس مرتبہ ان کی گرفتاری سے پریس کے انتظامات میں خلل نہیں پڑے گا۔ کیونکہ کتاب مکمل موجود تھی اور اس کا پورا انتظام کر دیا گیا تھا کہ مولانا کی عدم موجودگی میں بھی کام بدستور ہوتا رہے۔

۷۔ مولانا کی گرفتاری کے بعد حکومت نے محسوس کیا کہ مقدمہ چلانے اور سخت سزا کا مستوجب ٹھہرانے کے لیے کافی مواد موجود نہیں ہے۔ اس لیے مولانا کے مطبع اور مکان کی تلاشی لی گئی اور دیگر کاغذات کے ساتھ ترجمان القرآن کی تمام لکھی ہوئی کاپیاں اور مسودات بھی توڑ مروڑ کر کاغذات میں ملا دیے اور ''متفرق کاغذات'' کی رسید دے کر افسران تفتیش اپنے ساتھ لے گئے۔

۸۔ پندرہ ماہ کی رہائی کے بعد مولانا نے کاغذات کی واپسی کے لیے کوشش کی لیکن جو کچھ ہاتھ آیا، وہ محض اوراق پریشان کا ایک ڈھیر تھا اور نصف سے زیادہ اوراق یا تو ضائع ہو چکے تھے یا اطراف سے پھٹے ہوئے اور پارہ پارہ تھے۔

۹۔ اب ترجمان القرآن اور تفسیر کی ہستی اس کے سوا ممکن نہ تھی کہ از سرِ نو محنت کی جائے لیکن اس حادثہ کے بعد طبیعت کچھ اس طرح افسردہ ہوگئی کہ ہر چند کوشش کی مگر ساتھ نہ دے سکی۔ اس طرح کئی سال گزر گئے لیکن مولانا اپنے آپ کو اس کام کے لیے آمادہ نہ کر سکے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''بارہا ایسا ہوا کہ ترجمہ وتفسیر کے بچے کھچے اوراق نکالے، لیکن جوں ہی برباد شدہ کاغذات پر نظر پڑی، طبیعت کا انقباض تازہ ہو گیا اور دو چار صفحے لکھ کر چھوڑ دینا پڑا لیکن ایک ایسے کام کی طرف سے جس کی نسبت میرا یقین تھا کہ مسلمانوں کے لیے وقت کا سب سے زیادہ ضروری کام ہے، ممکن نہ تھا کہ زیادہ عرصہ تک طبیعت غافل رہتی، جس قدر وقت گزرتا جاتا تھا اس کام کی ضرورت کا احساس میرے لیے ناقابل برداشت ہوتا جاتا تھا۔ میں محسوس کرتا تھا کہ اگر یہ کام مجھ سے انجام نہ پایا تو شاید عرصہ تک اس کی انجام دہی کا کوئی سامان نہ ہو۔ ۱۹۲۷ء قریب الاختتام تھا، کہ اچانک مدتوں کی رکی ہوئی طبیعت میں جنبش ہوئی اور رشتہ کار کی جو گرہ ذہن ودماغ کی پیہم کوششیں نہ کھول سکی تھیں، دل کی جوشش سے بے اختیار خود بخود کھل گئی۔ کام شروع کیا تو ابتداء میں چند دنوں تک طبیعت رکی رکی رہی، لیکن جونہی ذوق وفکر کے دو چار جام گردش میں آئے، طبیعت کی ساری رکاوٹیں دور ہوگئیں اور پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا، گویا اس شورش کدہ مستی میں کبھی افسردگی وخمار آلودگی کا گزر ہی نہیں ہوا تھا۔

۱۰۔ بہر حال کام شروع ہو گیا اور اس خیال سے کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ترجمہ کے لیے بھی ضروری ہے۔ مولانا سب سے پہلے اس کی طرف متوجہ ہوئے پھر ترجمہ کی ترتیب شروع کی۔ حالات اب بھی موافق نہ تھے تاہم کام کا سلسلہ کم وبیش جاری رہا اور ۲۰ جولائی ۱۹۳۰ء کو آخری سورت کے ترجمہ وترتیب سے فارغ ہوگئے۔ [1]

مولانا مرحوم کے پیشِ نظر قرآن کے درس ومطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں تھیں اور مولانا نے انہیں تین مختلف کتابوں میں منقسم کر دیا تھا۔

۱:......مقدمہ تفسیر البصائر۔ قرآن کے مقاصد ومطالب پر اصول ومباحث کا مجموعہ، جس میں کوشش کی گئی ہے کہ مطالب قرآنی کے جوامع وکلیات مدون ہو جائیں۔

۲:......تفسیر البیان فی مقاصد القرآن۔ عام اور تفصیلی نظر ومطالعہ کے لیے تھی۔

۳:......ترجمان القرآن۔ قرآن کی عالمگیر تعلیم واشاعت کے لیے۔ [2]

مقدمہ تفسیر کے بارے میں گزر چکا ہے کہ اس کے کم از کم بارہ ابواب نہ صرف لکھے گئے تھے بلکہ چھپ بھی گئے تھے، جس کے

---

[1] ترجمان القرآن، اشاعت اوّل، جلد اوّل، صفحہ ۶۰، ۶۴۔

[2] ترجمان القرآن، محولہ بالا، جلد اوّل، صفحہ ۲۷۔

کچھ صفحات دستیاب ہو گئے ہیں۔ان بارہ ابواب کے صفحات کتنے ہی کم تصور کر لیے جائیں، ان کی تعداد سینکڑوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔رانچی کی نظر بندی کے زمانے میں ترجمہ وتفسیر کی تالیف وتصنیف کی مصروفیت کے ساتھ کئی اور قرآنی تالیفات اور مقدمہ کی تالیف کا شغل بھی جاری تھا، تذکرہ میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے۔ایک مقام پر اس کے اکیسویں باب کا حوالہ آیا ہے۔مولانا لکھتے ہیں:

''شرح حقیقت تحریف شریعت علی الخصوص فتنتین عظیمتین یونانیہ وعجمیہ کے لیے مقدمہ تفسیر باب بست ویکم اور تفسیر فاتحۃ الکتاب کو دیکھنا چاہیے۔'' [1]

مقدمہ کا نام ''البصائر'' تھا۔ [2]

ترجمان القرآن جلد دوم میں بھی متعدد مقامات پر مقدمہ کے مباحث ومطالب کی طرف اشارات آئے ہیں [3] اور ۱۹۳۰ء میں جبکہ ترجمان القرآن کی تالیف سے فارغ ہو چکے تھے۔مقدمہ کے قدیم مسودات کی تہذیب وترتیب میں مشغول تھے۔ [4] تذکرہ اور ترجمان کے اگر ان تمام حوالہ جات اور مقدمہ کے بارھویں باب کے دستیاب شدہ صفحات کو سامنے رکھا جائے تو مقدمہ کے ابواب اور ان کے مضامین ومباحث کی ایک جامع فہرست تیار کر لی جاسکتی ہے اور اندازہ کر لیا جاسکتا ہے کہ اس کے مطالب کی نوعیت، مضامین کی اہمیت، مباحث کی جامعیت، مسائل کی تحقیق، دعوت کی دل نشینی، زبان کی لطافت اور اسلوب نگارش کی دلربائیوں کا کیا عالم ہوگا۔

تفسیر البیان کی ترتیب بعد میں مولانا نے بدل دی تھی اور ترجمان القرآن کی دوسری جلد میں متعدد سورتوں کے بعد ان کے اہم مقامات ومباحث پر جو تفصیلی مقالات نظر آتے ہیں درحقیقت یہ البیان ہی کے اجزاء تفسیر ہیں۔

سلسلہ درس ومطالعہ قرآن کی سب سے اہم چیز ''ترجمان القرآن'' تھا۔آج یہی ہمارے سامنے ہے اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب اور بعض خصائص کے بارے میں چند ضروری اشارات کر دیے جائیں، اس کے لیے بھی ہمیں کسی تحقیق کی زحمت کی ضرورت نہیں۔حضرت مولانا ہی کے الفاظ کافی ہیں۔مولانا فرماتے ہیں:

''اس کی ترتیب سے مقصود یہ ہے کہ مطالب قرآن کے فہم وتدبر کے لیے ایک ایسی کتاب تیار ہو جائے جس میں کتب تفسیر کی سی تفصیلات تو نہ ہوں لیکن وہ سب کچھ ہو، جو قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کے لیے ضروری ہے۔اس غرض سے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے امید ہے کہ اہل نظر اس کی موزونیت بیک نظر محسوس کر لیں گے۔

---

[1] تذکرہ، کلکتہ، البلاغ پریس ۱۹۱۹ء صفحہ ۱۹۳ (حاشیہ)۔

[2] ایضاً صفحہ ۱۷۳۔

[3] ترجمان القرآن، لاہور، مکتبہ مصطفائی، ۱۹۳۶ء جلد دوم صفحہ ۱۸۰، ۲۱۵، ۴۴۵، ۴۸۸، ۴۹۵ وغیرہ۔

[4] ترجمان القرآن، جلد اوّل، صفحہ ۶۵۔

پہلے کوشش کی ہے کہ قرآن کا ترجمہ اردو میں اس طرح مرتب ہو جائے کہ اپنی وضاحت میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہ رہے۔ اپنی تشریحات خود اپنے ساتھ رکھتا ہو۔ پھر جا بجا نوٹوں کا اضافہ کیا ہے، جو سورت کے مطالب کی رفتار کے ساتھ ساتھ برابر چلے جاتے ہیں اور جہاں کہیں ضرورت دیکھتے ہیں، مزید رہنمائی کے لیے نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ قدم قدم پر مطالب کی تفسیر کرتے ہیں، اجمال کو تفصیل کا رنگ دیتے ہیں، مقاصد و وجوہ سے پردے اٹھاتے ہیں۔ دلائل و شواہد کو روشنی میں لاتے ہیں، احکام و نواہی کو مرتب و منضبط کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ مختصر لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی و معارف کا سرمایہ فراہم کرتے جاتے ہیں۔ یہ گویا قاری قرآن کے لیے تفکر و تدبر کی روشنی ہے، جو بحکم ﴿ نور هم يسعى بين ايديهم و بايمانهم ﴾ (۱۲:۵۷) اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے اور کہیں بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی...... یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ ترجمان القرآن کے نوٹ تشریح و وضاحت کا ایک مزید درجہ ہیں، ورنہ قرآن کا صاف صاف مطلب سمجھ لینے کے متن کا ترجمہ پوری طرح کفایت کرتا ہے۔

نوٹس کی ترتیب کا معاملہ نفس ترجمہ سے کم مشکل نہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ان کے لیے ایک محدود مقدار سے زیادہ جگہ نہیں نکل سکتی تھی اور نوٹ نوٹ نہ رہتے اگر ایک خاص مقدار سے کمیت یا تعداد میں زیادہ ہو جاتے۔ لیکن ساتھ ہی ضروری تھا کہ کوئی ضروری مقام تشنہ نہ رہ جائے اور مطالب و مقاصد قرآنی کی تمام مہمات واضح ہو جائیں۔ پس پوری احتیاط کے ساتھ ایسا طریق بیان اختیار کیا گیا کہ لفظ کم سے کم ہیں لیکن اشارات زیادہ سے زیادہ سمیٹ لیے گئے ہیں۔ جس چیز کی لوگ کمی پائیں گے وہ صرف مطالب کا پھیلاؤ ہے۔ نفس مطالب میں کوئی کمی محسوس نہ ہوئی۔ ہر لفظ اور ہر جملہ پر جس قدر غور کیا جائے گا، مطالب و مباحث کے نئے نئے دفتر کھلتے جائیں گے۔'' [1]

دیباچے کے آخر میں مولانا نے پورے سلسلہ ترجمہ و تفسیر اور دعوت و حقیقت قرآنی کے بارے میں اپنے اعتقاد کا اظہار کیا ہے، مولانا فرماتے ہیں:

''کامل ستائیس برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے اس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلے پر مرحلے طے کئے ہیں۔ تفسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ و غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے اور علوم قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف سے ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔ علم و نظر کی راہوں میں آج کل قدیم و جدید کی تقسیمیں کی جاتی ہیں، لیکن میرے لیے یہ تقسیمیں بھی کوئی تقسیم نہیں۔ جو کچھ قدیم ہے وہ مجھے ورثے میں ملا اور جو کچھ جدید ہے، اس کے لیے اپنی راہیں آپ نکالی ہیں، میرے لیے وقت کی جدید راہیں بھی ویسی ہی دیکھی بھالی ہیں، جس طرح قدیم راہوں کے چپہ چپہ کا شناسا ہوں۔

رہا ہوں رند بھی میں اور پارسا بھی میں
مری نظر میں ہیں رندان و پارسا اک ایک

خاندان، تعلیم اور سوسائٹی کے اثرات نے جو کچھ میرے حوالے کیا تھا، میں نے اوّل دن ہی اس پر قناعت کرنے سے انکار کر

دیااور تقلید کی بندشیں کسی گوشے میں بھی روک نہ سکیں اور تحقیق کی تشنگی نے کسی میدان میں بھی ساتھ نہ چھوڑا:

ہیچ گہ ذوق طلب از جستجو بازم نہ داشت
ورنہ می چیدم وراں روزے کہ خرمن داشتم

میرے دل کا کوئی یقین ایسا نہیں ہے، جس میں شک کے سارے کانٹے نہ چبھ چکے ہوں اور میری روح کا کوئی اعتقاد ایسا نہیں ہے جو انکار کی ساری آزمائشوں میں سے نہ گزر چکا ہو۔ میں نے زہر کے گھونٹ بھی ہر جام سے پیے ہیں اور تریاق کے نسخے بھی ہر دارالشفاء کے آزمائے ہیں۔ میں جب پیاسا تھا تو میری لب تشنگیاں دوسروں کی طرح نہ تھیں اور جب سیراب ہوا تو میری سیرانی کا سرچشمہ بھی شاہراہِ عام پر نہ تھا۔

راہے کہ خضر داشت، ز سر چشمہ درد بود
لب تشنگی زراہ و گر بردہ ایم ما!

اس تمام عرصے کے جستجو وطلب کے بعد قرآن کو جیسا کچھ اور جتنا کچھ سمجھ چکا ہوں، میں نے ان کتابوں کے صفحوں پر پھیلا دیا ہے-ترجمان القرآن، البیان، مقدمہ تفسیر:

سبک ز جائے نگیری کہ بس گراں گہرست
متاع من کہ تـــــصیبـــــــــش مبادارزانی!

آخر میں مولانا نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا ہے:

''میرا یقین ہے کہ مسلمانوں کی زندگی اور سعادت کے لیے سرچشمہ حیات، حقیقت قرآنی کا انبعاث ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ اس کے فہم وبصیرت کا دروازہ ان پر کھل جائے۔ میں ترجمان القرآن شائع کرتے ہوئے محسوس کرتا ہوں کہ اس بارے میں جو کچھ میرا فرض تھا، توفیق الٰہی کی دستیاری سے میں نے ادا کر دیا۔ اب اس کے بعد جو کچھ ہے، وہ مسلمانوں کا فرض ہے اور یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے کہ انہیں ادا فرض کی توفیق دے۔

حدیث عشق و سرمتی زمن بشنو نہ از واعظ
کہ با جام و سبو ہر شب قرین ماہ و پردینم!

﴿ ما كان حديثا يفترى و لكن تصديق الذى بين يديه و تفصيل كل شىء وهدى ورحمة لقوم يوقنون. ﴾ (۱۱۲-۱۱۱) [1]

---

[1] ترجمان القرآن، جلد اوّل، صفحہ ۷۵، ۷۶

ترجمان القرآن کے بارے میں یہ تو مولانا کا اعتقاد تھا، علمی دنیا نے اسے کس نظر سے دیکھا اور کس طرح اس کی پذیرائی کی یہ ایک طویل داستان ہے۔ پیش نظر مقصد کے لیے بہت سے حوالوں کا نقل کر دینا ضروری نہیں۔ البتہ اس عہد کے سب سے بڑے اسلامی محقق کی رائے کے اقتباس کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ ترجمان القرآن کی علمی حیثیت، تفسیری نوعیت اور دعوت قرآن کی تاریخ میں اس کی تعلیمی اہمیت اور افادیت کیا ہے: مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مصنف ترجمان القرآن کی یہ دیدہ داری داد کے قابل ہے کہ انہوں نے وقت کی روح کو پہچانا اور اس فتنہ فرنگ کے عہد میں اس طرز وروش کی پیروی کی جس کو ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ نے فتنہ تاتار میں پسند کیا تھا اور جس طرح انہوں نے اس عہد کے مسلمانوں کی تباہی کا راز فلسفہ یونان کی دماغی پیروی کو قرار دیا تھا۔ اسی طرح اس عہد کے مسلمانوں کی بربادی کا سبب ترجمان القرآن کے مصنف نے فلسفہ یونان وفرنگ کی ذہنی غلامی کو قرار دیا اور نسخہ علاج وہی تجویز کیا کہ کلام الٰہی کو رسول کی زبان واصطلاح اور فطرت کی عقل اور فلسفہ سے سمجھنا چاہیے۔'' [1]

آخر میں ترجمان القرآن کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ترجمان القرآن وقت کی ایک اہم چیز ہے، ضرورت ہے کہ اس کو گھر گھر پھیلایا جائے اور نوجوانوں کو اس کے مطالعے کی ترغیب دی جائے اور ہر اسلامی دار المطالعہ میں اس کا ایک نسخہ منگوا کر رکھا جائے۔'' [2]

دیگر قرآنی تصنیفات:

مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ نے ترجمان، البیان، مقدمہ کی صورت میں قرآن حکیم کی دعوت کا جو کارنامہ انجام دیا اور جو کچھ آج دنیا کے سامنے ہے، اگر صرف وہی کچھ ہوتا تب بھی ان کے شرف وفضیلت کے لیے کافی تھا لیکن مولانا آزاد کی خدمت قرآن اور دعوت وارشاد تعلیمات الٰہی کی داستان ابھی ختم کہاں ہوئی اور ان کے ذوق تمسک بالکتاب کی حکایت کے آخری باب تک ابھی ہم کہاں پہنچے، مولانا کے ناصیہ سعادت میں ابھی اور بھی کئی مولفاتِ جواہر قرآنی ہیں جن کے نظارۂ جمال کے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس لیے قارئین کرام ہمیں اجازت دیں کہ ان پر بھی ایک نگاہ ذوق آشنا ڈالتے چلیں۔

۱۔ مراتب ہدایت وشقاوت امم وملل از روئے قرآن، یہ ایک رسالہ کا موضوع ہے نام نہیں مولانا نے ۱۹۱۲ء میں تحریر فرمایا تھا [3] یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مطبع الہلال میں زیر طبع تھا۔ بعد میں اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اگرچہ مراتب ہدایت پر نہایت ایمان افروز بحث تفسیر سورۂ فاتحہ میں آئی ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

---

[1] ترجمان القرآن، (مقالہ) ابو الکلام آزاد (مرتبہ عبد اللہ بٹ) ۱۹۴۳ء، صفحہ ۸۳

[2] ایضاً صفحہ ۸۵

[3] الہلال، ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۲ء، صفحہ ۶ (حاشیہ)

۲۔ تفسیر سورۂ واقعہ: مولانا نے ۱۹۱۴ء میں سورۂ واقعہ کی تفسیر میں ایک رسالہ لکھا تھا[۱] آج یہ رسالہ تو ہمارے پیش نظر نہیں، لیکن اس کی تیس سے زیادہ آیات کی تفسیر جو آپ زیر نظر تالیف میں ملاحظہ فرمائیں گے اس سے بھی اس کی عبرت آموزی، معنی آفرینی اور فکر انگیزی کا اندازہ کرلیا جاسکتا ہے۔

۳۔ خصائص مسلم: مسلم زندگی کا کریکٹر، حسب تصریحات قرآن[۲]

۴۔ امثال القرآن: [۳] امثالِ قرآنی کی حکمت پذیری اور سبق آموزی۔

۵۔ تحصیل السعادتین: شریعت مطہرہ میں تحریف کی حقیقت خصوصاً فتنہ ہائے یونان و عجم کے سلسلے میں مقدمہ تفسیر کے اکیسویں باب میں مولانا نے تفصیل کے ساتھ بحث کی تھی اور پھر اسے ایک مستقل رسالہ کی صورت میں الگ ''تحصیل السعادتین'' کے نام سے بھی مرتب کردیا تھا۔[۴] افسوس کہ آج نہ مقدمہ تفسیر موجود ہے نہ یہ رسالہ۔ البتہ تذکرہ میں تقریباً چھ صفحے کا ایک حاشیہ اسی موضوع پر اور متن تذکرہ میں ترجمان القرآن جلد اول کے دیباچے میں نیز مختلف مقالات میں ''فتنتین عظیمتین یونانیه و عجمیه'' پر نہایت فکر انگیز مفصل بحثیں اور مختصر اشارات آگئے ہیں اور جس طرح اس انداز فکر نے فہم قرآن کے راستے مسدود کیے، ان کے بارے میں ایمان افروز افادات مرتب ہوگئے ہیں۔ اگر کوشش کی جائے تو ان مطالب پر مشتمل ایک عمدہ رسالہ مرتب کردیا جاسکتا ہے۔

۶۔ اتحاف الخلف بطريقة السلف: یہ رسالہ ۱۹۱۶ء میں مولانا نے رانچی میں تحریر کیا تھا۔ اس کا موضوع ''اصحاب تاویل ورائے اور متکلمین واتباع فلاسفہ کی بے حاصلی و نامرادی اور سلف امت واصحاب تفویض کے مذہب حق وطریق حکمت اور عقلیات صادقہ وفاضلہ کا اثبات ونصرت ہے۔[۵] تذکرہ میں اور ترجمان القرآن جلد اوّل کے دیباچہ واصل تفسیر میں مختصراً یہ بیان آیا ہے۔

۷۔ الكلم الطيب: تذکرہ میں مولانا نے ان دونوں رسائل کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان میں علوم سماویہ کے خلاف انسان کے شکوک وشبہات کو جن کا قرآن نے ذکر کیا، مرتب کیا ہے، پھر ان کا جواب بھی از روئے قرآن دیا ہے۔ پھر دکھایا ہے کہ جس وقت سے انسانی علوم اور علوم سماویہ کی آویزش کا حال معلوم ہے، اس وقت سے لے کر آج تک کوئی شبہ واعتراض ایسا نہیں کیا

---

۱ الہلال، ۲۲ جولائی ۱۹۱۴ء، صفحہ ۶ (حاشیہ)

۲ تذکرہ صفحہ ۲۲۰ ذکر آزاد، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، کلکتہ، ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۸۴، والہلال ۲۴ جون ۱۹۲۷ء صفحہ ۴

۳ الہلال، ۲۴ جون ۱۹۲۷ء صفحہ ۴۔

۴ تذکرہ، صفحہ ۱۹۲ء (حاشیہ)

۵ تذکرہ، صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱ و ذکر آزاد محولہ بالا ص ۲۸۶

گیا ہے جس کا اصولاً جواب قرآن میں نہ دے دیا گیا ہو۔[1]

۸۔ **القول الثابت:** اس کا زمانہ تصنیف بھی رانچی کا عہد اسارت ہے اور اس کا موضوع الکلم الطیب سے ملتا جلتا ہے۔ ذکر آزاد میں مولانا اس رسالے کے موضوع کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ اس میں مذہب اور عقل کی باہمی آویزش پر بحث کی ہے اور دکھایا ہے کہ سائنس کی حد ''محسوسات'' ہے اور مذہب کی ماورائے محسوسات، اس لیے دونوں کا دائرہ نظر و علم الگ ہے اور دونوں میں اصلاً کوئی نزاع نہیں۔ البتہ نزاع اس وقت ہوتی ہے جب پیروانِ مذہب تہذیب کے نام سے جہل و توہمات کا علم اٹھالیتے ہیں۔[2]

۹۔ **قانون نشو و ارتقاء اور قانون:** اس میں دکھایا ہے کہ نشو و ارتقاء کے قانون کو مغربی فلسفیوں نے انیسویں صدی میں دریافت کیا، جب مسلمان حکما عہد وسطی ہی میں اس کے دائرہ ارتقاء کو اس سے کہیں زیادہ وسیع ثابت کر چکے تھے۔ پھر واضح کیا ہے کہ خود قرآن نے اس کو اصل نظام کائنات بتایا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انسانی اعمال کی جزا و سزا اور آدمی کی حیات و ممات اسی قانون پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں بقائے اصلح اور بقائے انفع کے قانون الٰہی پر نہایت اہم بحث کی ہے۔[3]

۱۰۔ **البرھان:** اس کا موضوع یہ ہے کہ جن دلائل فطریہ سے قرآن نے کام لیا ہے، ان سب کو یکجا کر کے دکھلایا جائے کہ قرآن کا طریق استدلال کیا ہے۔[4]

۱۱۔ **الدین الخالص:** مولانا نے اس میں بتایا ہے کہ از روئے قرآن مذہب کا تصور کیا ہے۔[5]

۱۲۔ **حقیقت ایمان و کفر و نفاق:** یہ رسالہ کا نام نہیں، رسالہ کا موضوع ہے۔ اس میں مولانا نے انسان کی نفسی و قلبی حالت بلحاظ سعادت و شقاوت، ایمان، کفر اور نفاق، بتائی ہے اور قرآن کی روشنی میں اس پر بحث کی ہے۔ تفسیر البیان میں یہ بحث خاص طور پر آئی تھی۔ رانچی کی نظر بندی کے زمانے میں اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی اتمام کو پہنچا تھا۔ تذکرہ میں چھ صفحے کا ایک نوٹ اس موضوع پر نہایت فکر انگیز اور ایمان افروز ہے۔[6]

۱۳۔ **سیرۃ نبویۃ ماخوذۃ من القرآن:** اب تو اردو میں متعدد ایسی کتب سیرۃ مرتب ہوگئی ہیں جن کا ماخذ قرآن حکیم ہے،

---

۱ تذکرہ، صفحہ ۲۲،

۲ ذکر آزاد صفحہ ۲۸۴

۳ ایضاً صفحہ ۲۸۳، ۲۸۴

۴ ایضاً صفحہ ۲۸۷،

۵ ایضاً ص ۲۸۸

۶ تذکرہ محولہ بالا صفحہ ۱۸۵ تا ۱۹۰

لیکن اس کا خیال سب سے پہلے مولانا ہی کو آیا تھا۔ ابھی الہلال کا اجراء بھی عمل میں نہ آیا تھا۔ حضرت علامہ شبلیؒ سے سیرت نبویؐ کی تالیف کے موضوع پر گفتگو ہوئی تھی۔ اس وقت مولانا کو خیال ہوا تھا اور انہوں نے حضرت علامہ مرحوم سے کہا ''آپ سیرت میں ایک خاص باب یا سیرت کا ایک خاص حصہ اس عنوان سے قرار دیجئے ''قرآن اور سیرت محمدیہ'' اور اس میں صرف آیات قرآنیہ کو بہ ربط و ترتیب جمع کر کے دکھلایئے کہ خود قرآن سے کہاں تک حضور کی شخصیت اور آپ کے وقائع و ایام معلوم ہو سکتے ہیں؟ حضرت علامہ شروع میں تو اس خیال سے متفق نہیں ہوئے لیکن بعد میں انہوں نے اس موضوع کی اہمیت کا احساس فرمالیا اور مولانا آزاد ہی سے فرمایا کہ وہ ایک باب اسی انداز سے مرتب فرما دیں، چنانچہ مولانا نے اس طرف توجہ فرمائی اور کچھ مدت کی محنت کے بعد ایک مستقل کتاب مرتب فرمادی، مولانا فرماتے ہیں، کتاب کے مرتب ہو جانے کے بعد جو دیکھا تو ایک عجیب عالم نظر آیا۔ حیات و سیرت کا کوئی ٹکڑا ایسا نہیں ہے جس کے لیے قرآن میں ایک سے زیادہ آیات نہ ہوں۔'' مولانا نے سیرت نبویہ قرآنیہ کی صداقت و صحت کے معاملے کو منجملہ مہمات خصائص و اعجاز قرآن کے قرار دیا ہے۔ تذکرہ میں مولانا نے سیرت کے مطالعے کی اہمیت پر کئی صفحوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے لیکن قرآن سے سیرت نبوی کی ترتیب اور اس کی اہمیت کے بارے میں ایک پوری فصل (نمبر۲۲) تحریر فرمائی ہے۔ اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔[1]

۱۴۔ **تفسیر سورۃ والتین:** سید وصی احمد بلگرامی کے ایک استفسار کے جواب میں مولانا نے سورۃ والتین کی تفسیر کے جو حقائق بیان فرمائے[2] ان کی جامعیت ایک رسالہ کی ترتیب کی مقتضی تھی، چنانچہ ایک صاحب نے اسے حقائق سورۃ والتین کے نام سے رسالے کی صورت میں چھاپ بھی دی تھی۔

اگرچہ ان رسائل میں سے بیشتر ہمارے علم کے مطابق آج دنیا میں موجود نہیں۔ بعض رسائل پولیس کی خانہ تلاشیوں میں ضائع ہو گئے اور بعض شاید مولانا کی زندگی میں ان کی عدم موجودگی میں اور بعض شاید مولانا کی وفات کے بعد ان کے کاغذات سے ادھر ادھر ہو گئے ہوں لیکن قرآن حکیم کے اسرار و حکم اور علوم و معارف پر ترجمان القرآن، تفسیری مقالات و مضامین اور الہلال و البلاغ کی تحریرات میں جو کچھ مولانا نے چھوڑا ہے وہ خود اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ مولانا کے افادات و افکار قرآنی کے کئی رسائل تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ مرتب کر دیے جا سکتے ہیں۔

یہ تو مولانا کی مصنفات و مولفات کا ذکر تھا۔ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ الہلال دعوت الی القرآن کا ترجمان تھا۔ البلاغ کا مقصد وحید دعوت الہلال کا احیاء تھا۔ ان کی علمی مصروفیات میں سب سے بڑی مصروفیت یہی تھی۔ ان کی تصنیفات و مصنفات میں کسی ایک موضوع پر سب سے زیادہ رسائل اور سب سے بڑے علمی کارنامے کا تعلق قرآن حکیم سے ہے۔ الہلال میں خاص تفسیری مقالات کے علاوہ اس کے دیگر مختلف ابواب میں مستقلاً اور ضمناً جو موضوع سب سے زیادہ زیر بحث آیا، وہ قرآن حکیم کے علوم و معارف اور اسرار و

---

[1] ایضاً، صفحہ ۲۰۴ تا ۲۰۹

[2] البلاغ شمارہ ۱۲، صفحہ ۱۹۸

حکم تھے۔

عملی میدان میں حزب اللہ اور اس کے ذیلی ادارے دارالارشاد کے قیام کا مقصد دعوت وارشاد قرآن کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ نظارۃ المعارف القرآنیہ، دہلی کے قیام میں، وہ جس کے بانیوں میں سے تھے، ابومحمد مصلح (حیدرآباد دکن) کی تحریک قرآن میں جوان کے خوابوں کی تعبیر تھی، مولانا نے اسی یوسف مقصود کی جھلک دیکھی تھی، وہ جہاں بھی رہے اور جس حال میں بھی رہے قرآن حکیم کے عشق نے انہیں بے چین رکھا۔ نظم جماعت کی تحریک انہوں نے سلطان قرآن کے عشق میں شروع کی تھی۔[1] امارت شرطیہ کے وجود سے انہوں نے قرآنی واسلامی اجتماعی زندگی کے قیام کی امیدیں وابستہ کی تھیں۔ تحریک خلافت کے اجزاء سے قرآن کی تعلیم کے مطابق حفظ ودفاغ اسلام ومرکز خلافت کا مقصد انہوں نے حاصل کرنا چاہا۔ جمعیت علمائے ہند کے قیام میں انہوں نے اسی خواب کی تعبیر دیکھی تھی اور اس کے تیسرے سالانہ اجلاس لاہور (۱۹۲۱ء) میں انہوں نے یہی صدائے حق واحیائے علم وعمل کتاب وسنت بلند کی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کی قومیت صادقہ کی بنیاد صرف شریعت کا علم وعمل ہے۔ شریعت نے انہیں بتلایا تھا کہ دنیا کی سب سے بڑی قوم وہی ہیں، وہی خیر الامم ہیں، وہی خیر البریہ ہیں، وہی شھداء علی الناس ہیں، وہی شھداء اللہ فی الارض ہیں۔ ان کے عروج وسعادت کی علت صرف یہ تھی کہ قرآن حکیم اور سنت رسول کو انہوں نے اپنا دستور العمل حیات قرار دیا تھا۔ قرآن کی نسبت صاحب قرآن کا اعلان تھا۔ ''ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع به اخرین'' (رواہ مسلم) اللہ تعالیٰ اس کتاب کی ہدایت سے قوموں کو اٹھائے گا اور یہی ہے جس کو ترک کرکے قومیں گریں گی اور ہلاک ہوں گی۔ اور روایت حضرت علی عند ترمذی وابونعیم والطبرانی فی الکبیر میں فرمایا ''وھو الفصل لیس بالھزل، من ترکه من جبار قصمه الله ومن ابتغی الھدی فی غیره اضله الله'' الی ان قال ''من قال به صدق، و من عمل به اجر، ومن حکم به عدل، ومن دعا الیه ھدی الی صراط المستقیم۔ پس جب مسلمانوں نے قرآن وسنت کا علم وعمل ترک کردیا تو اقبال وعروج نے بھی ان سے کنارہ کشی کرلی۔ یہ مسلم اور حقائق تاریخیہ میں سے ہے کہ مسلمانوں کے عروج واقبال کا سب سے بہتر وارفع زمانہ وہی تھا، جب بجز کتاب وسنت کے علم وعمل کے اور کوئی تعلیم ان کی رہنما تھی، یعنی عہد صحابہ وخلفاء راشدین ''اولئك اصحب محمد ابن ھذه الامة قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا قوم اختارھم الله بصحبة نبیه و اقامت دینه فاعرفوالھم حقھم وتمسکوا بھدیم، فانھم کانوا علی الھدی المستقیم۔'' (قال ابن مسعود رضی الله عنه) اور تنزل وفساد کا عہد اسی وقت سے شروع ہوا جبکہ اقوام ماضیہ مغضوبہ کے علوم و اعمال بشکل علوم ذخیلہ و اعمال بدعیہ ان میں رائج ہوئے۔ پس اگر اب بھی مسلمان اپنے

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے ''تحریک نظم جماعت۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ، از ابوسلمان شاہ جہانپوری شائع شدہ لاہور ۱۹۷۷ء

عروج رفتہ کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں، تو اس کی صرف ایک ہی راہ ہے، اس کے علاوہ جس قدر راہیں بھی کھلیں گی، گمراہی وفساد کی ہوں گی یعنی علم وعمل شریعت کا احیاء اور ترک وہجر شریعت کا انسداد۔

اس مسلک کی بنیاد اس ایمانی اور اعتقادی حقیقت پر بھی تھی کہ شریعت اسلامیہ آخری واکمل شریعت ہے ﴿ اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ﴾ اور اس کا وعدہ ہے ﴿ یظھرہ علی الدین کلہ ﴾ یقیناً اس وعدہ کا ابھی ظہور نہیں ہوا۔

پس ضرور ہے کہ وعدۂ الٰہی ظاہر ہو، اور اس لیے مستقبل کے لیے اگر کوئی راہ فوز وفتح ہو سکتی ہے تو وہ صرف دعوت شریعت اور احیاء عمل بالقرآن ہی ہے۔'' [1]

اس کے بعد اصلاح دینی کے گزشتہ ایام'' کے زیر عنوان ملک اور بیرون ملک کی متعدد دعوات وتحریکات کے عزائم اصلاح و احیائے ملی، ان کے نقائص، اور انکی ناکامیوں کے اسباب کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ازاں جملہ سب سے بڑا نقص ان تمام دعوتوں میں یہ رہا کہ گو اصلاً اصلاح دینی کی قسم میں داخل تھیں لیکن بمصداق خلطوا عملا صالحا واخر سیئا۔ جو طریق عمل اختیار کیا گیا تھا وہ ٹھیک ٹھیک نہج قویم ومستقیم پر نہ تھا یعنی منہاج واسوۂ نبوت کے علوم واعمال کو ان کو ان غلبہ واحاطہ حاصل نہ تھا اور کتاب وسنت کی دعوت خالص وبے آمیزش کی جگہ موجودہ عہد کے طرق محدثہ نے ان میں راہ پالی تھی۔'' [2]

نظر واپسیں:

مولانا نے اپنے اس عقیدے کا الہلال میں، البلاغ میں، مختلف مقامات ومباحث میں اور ترجمان القرآن میں بار بار اظہار کیا تھا کہ مسلمانوں کی اصلاح اور شرعی واسلامی زندگی کے قیام کے لیے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ وقت کی ضروریات کے مطابق قرآن حکیم کی تعلیم واشاعت کا سروسامان ہو۔ ترجمان القرآن کی پہلی جلد شائع کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا:

''سولہ برس ہوئے، میں نے اس کام کی ضرورت محسوس کی تھی اور کام بھی شروع کر دیا تھا لیکن افسوس کہ چند در چند موانع پیش آتے رہے اور کام انجام نہ پا سکا لیکن اب کہ توفیق الٰہی سے ترجمان القرآن مکمل ہو کر شائع ہو رہا ہے، میں محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی اصلاح کے وہ تمام دروازے کھل رہے ہیں جو ہماری کوتاہی عمل سے اس وقت تک بند تھے۔'' [3]

لیکن کیا مولانا ترجمان القرآن شائع کر کے مطمئن ہو گئے تھے؟ مولانا کے نزدیک یہ کام کی محض ابتدا تھی اور تکمیل کار کے لیے بہت کچھ کرنا اور ہونا باقی تھا۔ مولانا نے ترجمان القرآن کی اشاعت......[4] آغاز کار کے بعد جو نقشہ کار بنایا تھا اسے پانچ دفعات میں

---

[1] خطبہ صدارت تحریری، میرٹھ، قومی دار الاشاعت، صفحہ ۲۶، ۲۷

[2] ایضاً صفحہ ۲۹ [3] ترجمان القرآن جلد اوّل، صفحہ ۵۴

[4] ترجمان القرآن، اشاعت اول، بحوالہ بالا، صفحہ ۵۵

مرتب کر دیا تھا، ان کے نزدیک قرآن حکیم کی تعلیم واشاعت کا مقصد عظیم پورا نہیں ہوسکتا۔ جب تک یہ امور انجام نہ پائیں۔

۱۔ عام مطالعہ واشاعت کے لیے ضروری تھا کہ ترجمان القرآن کو مختلف صورتوں، مختلف ترتیبوں، اور مختلف قسم کے ایڈیشنوں میں، اس طرح اور اتنی بڑی تعداد میں شائع کیا جائے کہ مسلمانوں کا ہر طبقہ اور ہر فرد اس سے فائدہ اٹھا سکے، اور کوئی مسلمان گھر اس سے خالی نہ رہے۔

۲۔ ضروری ہے کہ قرآن کے تمام اصولی مباحث از سر نو مدون کیے جائیں۔ مثلاً اس کی زبان اس کی ادبی خصوصیات، اس کا اسلوب بیان، اس کے مقاصد ومہمات، اس کا طریق استدلال، اس کے قصص وامثال، اس کے نزول وکتابت کی تاریخ وغیرہا، اور اب کہ ترجمان القرآن کی ترتیب ان مباحث کی ایک مقررہ تحقیقات کے ماتحت مکمل ہو چکی ہے۔ نہایت آسانی کے ساتھ یہ پورا سلسلہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ ضرورت اس کی تھی کہ قرآن کے اسلوب بیان اور طریق استدلال کی تنقیح کے بعد ایسے ابواب وعناوین ترتیب دیے جائیں جن کے نیچے مطالب قرآنی کی ہر قسم الگ الگ جمع کی جا سکے اور قرآن کی ہر تعلیم اپنی شکل ونوعیت میں نمایاں ہو جائے۔ اب کہ ترجمان القرآن مرتب ہو چکا ہے۔ نہایت آسانی کے ساتھ ابواب ومضامین کی مکمل تبویب عمل میں آسکتی ہے اور انہیں یکجا اور علیحدہ علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ ایک ایسی کتاب کے لیے جو حوالہ اور استشہاد کی کتاب ہو، ضروری ہے کہ استخراج مطالب والفاظ کی تمام سہولتیں بہم پہنچائی جائیں مثلاً قرآن کے ایسے ایڈیشن مرتب کیے جائیں جو حوالہ جات (رفرنس) کے ساتھ ہوں، یا مثلاً قرآن کے الفاظ واسماء اور مطالب وآیات کے انڈیکس مرتب کیے جائیں جو ہر پہلو سے جامع اور مکمل ہوں، یا مثلاً قرآن میں جس قدر جغرافیائی اور تاریخی اشارات ہیں، ان کے نقشے تیار کیے جائیں تاکہ ان مقامات کی قدیم وجدید جغرافیائی حیثیت بہ یک نظر واضح ہو جائے۔ ہم سے پہلے یورپ کے بعض مستشرقوں نے ان کاموں کی ضرورت محسوس کی لیکن اب تک جو کچھ ہوا ہے، ناکافی ہے اور ضروری ہے کہ از سر نو یہ کام انجام دیے جائیں۔

۵۔ سب سے آخر مگر بہ اعتبار اہمیت سب سے پہلا، کام یہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں قرآن کے ترجمے مرتب کیے جائیں، اور بڑی سے بڑی تعداد میں ان کی اشاعت کا سر وسامان ہو، کم از کم مغرب ومشرق کی ان زبانوں میں جو موجود اقوام ارضی کی اہم زبانیں تسلیم کی جاتی ہیں۔ مولانا کے خیال میں یہ کام بغیر اس کے انجام نہیں پا سکتا تھا کہ قرآن کی خدمت اشاعت کے لیے ایک علمی اور اشاعتی ادارہ قائم کیا جائے جب تک ایک ایسا ادارہ وجود میں نہیں آجاتا قرآن حکیم کی تعلیم واشاعت کا مقصد عظیم پورا نہیں ہوسکتا۔

آج ان تمام اصحاب کے لیے جو امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمۃ سے عقیدت رکھتے ہیں اور ذوق تمسک بالکتاب

والسنۃ میں ہمرشتہ آزاد ہیں۔ضروری ہے کہ ان افکار پر غور فرمائیں اور سوچیں کہ مولانا سے عقیدت اور آج کے حالات میں وقت کا تقاضا اور مسلمانوں کی اصلاح کا سب سے ضروری کام کیا ہے اگرچہ ترجمان القرآن کی اشاعت اور حضرت امام الہند کے انتقال کے بعد لیل ونہار کی بہت سی گردشیں گزرچکی ہیں اور زمانہ کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے لیکن مسلمانوں کی تعلیم واصلاح کی ضرورت میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوگیا، بلکہ آج اس کی ضرورت پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ضرورت ہے کہ علم وعمل قرآن کی ایک نئی تحریک پیدا کردی جائے۔اس سلسلے میں خدمت قرآن کے ان تمام علمی وعملی پہلوؤں پر غور کیا جائے جن کی طرف مولانا نے اپنے مقالات و مصنفات میں توجہ دلائی ہے۔اس کے بہت سے اصول ومبادی اور جوامع وکلیات خود مولانا کی تحریروں سے مدون کر لیے جاسکتے ہیں۔جن اصحاب عزائم نے مولانا رحمہ اللہ کے ترجمان القرآن جلد سوم کی ترتیب وتدوین کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا اور جو اصحاب ہمت اس کی اشاعت کا سروسامان کررہے ہیں۔بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک شرف بخشا اور اپنی کتاب کی خدمت کے لیے انہیں چن لیا لیکن انہیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ وہ وقت کی سب سے اہم دعوت کی ایک کتاب ''ترجمان القرآن'' کی آخری جلد نہیں چھاپ رہے ہیں بلکہ مسلمانوں کی اصلاح کی سب سے بڑی دعوت ''دعوت الی القرآن'' کا احیاء کررہے ہیں۔امید ہے کہ وہ یہ جلد چھاپ کر مطمئن نہیں ہوجائیں گے بلکہ علم وعمل اور دعوت وارشاد قرآن کے وہ تمام کام انجام دیں گے جنہیں مولانا مسلمانوں کی عملی زندگی میں نقش پذیر دیکھنا چاہتے تھے۔

ابوسلمان شاہ جہانپوری

۲۰ جون ۱۹۸۲ء

❀❀❀❀

آیَاتُهَا : 64 | سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا : 9

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْيَشْهَدْ

(۱) یہ ایک سورت ہے[1] جو ہم نے اتاری اور اس کے احکام لازمی ٹھہرا دیے- تو اس میں (احکام حق کی) واضح نشانیاں اتاریں تا کہ تم لوگ نصیحت پکڑو-[2] (۲) اگر عورت اور مرد زنا کریں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو تازیانوں کی سزا دو- اگر تم اللہ پر اور آخرت کے (آنے والے) دن پر یقین رکھتے ہو تو ایسا نہ ہو کہ (قانون الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے) ان (مجرموں) کے لیے نرمی اور مہربانی کا جذبہ تمہارا ہاتھ پکڑے- نیز چاہیے کہ سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک

[1] سورۃ النور بالاتفاق مدنی ہے اور یہ مدنی عہد کی درمیانی تنزیلات میں سے ہے- غزوہ بنی المصطلق (غزوہ مریسیع) کے بعد نازل ہوئی ہے اور یہ غزوہ ۶ ھ میں ہوا جو غزوۂ احزاب کے بعد ہے- محققین نے اسی کو ترجیح دی ہے-

[2] اس سورۃ کے ابتداء میں احکام وحدود بیان فرمائے ہیں اور سورہ کا آخری حصہ بیان توحید پر مشتمل ہے اور آیت نمبر(۱) میں ﴿ اٰیَاتٍ بَیِّنَاتٍ ﴾ سے دلائل توحید ہی مراد ہیں جن پر ﴿ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ﴾ مرتب ہو رہا ہے-

''اب مدینہ میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پوری طرح نشوونما پا چکی تھی اور ہر طرح کے حوادث وواقعات پیش آنے لگے تھے- چنانچہ اس سورت کا مرکز موعظت' ازدواجی زندگی اور اس کے خطرات ومفاسد کا ازالہ ہے-''

اسلامی معاشرہ میں منافق اور شر پسند عناصر ہمیشہ ہی فساد بپا کرنے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں' جنگ احزاب کے بعد مسلمانوں کی قوت وشوکت میں اضافہ شروع ہوا تو منافقین نے داخلی طور پر فتنہ انگیزیوں کے ذریعہ سے مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان پہنچانے کی کوششیں تیز کر دیں حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کے حرم پاک بھی ان کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ نہ رہ سکے اور غزوۂ مریسیع سے واپسی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان طرازی کا نمایاں کردار ادا کیا' جو قصہ افک کے نام سے مشہور ہے-

اس سورہ میں نہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان کیا بلکہ معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے کے لیے احکام وحدود بھی نازل فرمائے' زنا' چوری اور تہمت طرازی کی سزائیں مقرر کیں' معاشرتی آداب اور تنبیہات پر مشتمل آیات نازل فرما کر مسلمانوں پر اپنی رحمت خصوصی کے دروازے کھول دیے- سوسائٹی میں بدعناصر سے معاشرتی مقاطعے کا حکم دیا اور معاشرے میں فحاشی اور عریانی پھیلانے والوں کو

عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ

جماعت موقع پر موجود رہے (یعنی علانیہ سزا دی جائے) [۳] (۳) زنا کرنے والا مرد زنا کرنے والی عورت' یا مشرک عورت ہی سے رشتہ جوڑے گا' اسی طرح زنا کرنے والی عورت زنا کرنے والے مرد' یا مشرک مرد ہی سے رشتہ جوڑے گی- (مگر یاد رکھو!) مومنوں پر ایسے علاقے حرام کر دیے گئے ہیں- [۴] (۴) اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر (ثبوت میں) چار گواہ نہ لا سکیں تو انہیں اسّی تازیانوں

زجر و توبیخ کی اور ان کے برے رویہ پر اظہار نفرت کیا- الغرض اس قسم کے متعدد احکام پر یہ سورت مشتمل ہے جن کو پر زور لہجے میں فوری طور پر نافذ کرنے کا حکم دیا گیا ہے-

[۳] زنا ایک ایسی برائی ہے جسے ہر زمانے میں اخلاقی اور معاشرتی طور پر برا سمجھا گیا ہے' اور قرآن نے کبائر کے بیان میں شرک کے ساتھ اسے بھی ذکر کیا ہے- مذکورہ سزا کے علاوہ قرآن نے اس کے ذرائع سے بھی دور رہنے کا حکم دیا ہے اور اسے بڑی ہی بے حیائی کی بات اور بڑی برائی کا چلن قرار دیا ہے- دراصل نوع انسانی کی بقا اور انسانی تمدن کا قیام' دونوں اس بات کے متقاضی ہیں کہ عورت و مرد کا تعلق کسی قانونی اور اخلاقی ضابطہ کے تحت قائم ہونا چاہیے تاکہ انسانی خاندان وجود میں آئیں اور ان پر تہذیب و تمدن کی عمارت قائم ہو سکے' لیکن اگر عورت اور مرد کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو انسان کی اجتماعی زندگی تباہ ہو کر رہ جاتی ہے اور انسانی تمدن کی تعمیر نہیں ہو سکتی' لہٰذا زنا کی حرمت انسان کی فطرت کا تقاضا ہے-

مولانا آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اجتماعی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد نکاح مدنی ہے- یعنی یہ بات کہ ایک مرد اور ایک عورت ازدواجی زندگی بسر کرنے کے لیے جنسی رفاقت و اشتراک کا عہد کر لیں اور پھر صرف ایک دوسرے ہی کے لیے ہو کر جییں- زنا ٹھیک اس کی ضد ہے- یہ مرد اور عورت کو اشتراک حیات کے لیے نہیں' بلکہ محض نفسیاتی تقاضے کی عارضی تسکین کے لیے جمع کرتا ہے اور ازدواجی زندگی کے تمام معاشرتی احساسات فنا کر دیتا ہے- جس سوسائٹی میں زنا کا دروازہ کھلا رہے گا وہ کبھی ازدواجی زندگی کی استواری حاصل نہیں کر سکے گی- اور اگر ازدواجی زندگی استوار نہ ہوئی تو اجتماعی زندگی کی ساری بنیادیں ہل گئیں-

یہی وجہ ہے کہ یہاں پہلے اس فساد کی شناعت پر زور دیا' پھر اس کی سزا کا اعلان کیا- اصطلاح میں ان سزاؤں کو حد کہتے ہیں-''

[۴] آیت نمبر ۳ میں بتایا کہ اس قسم کے بدچلن لوگوں سے معاشرتی مقاطعہ کیا جائے اور ان کی حوصلہ شکنی بایں طور کی جائے کہ ان سے رشتہ داری قائم نہ کی جائے اور مشرکوں کی طرح ان کو اسلامی معاشرہ کا فرد ہی نہ بنایا جائے-

''یہاں آیت (۳) میں ''نکاح'' سے مقصود نکاح مصطلحہ شرع نہیں' بلکہ لغوی ہے' جیسا کہ ﴿ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ﴾ (۲:۲۳۰) میں مستعمل ہوا ہے- یعنی اتحاد تناسلی کا معاملہ- پس مطلب یہ ہوا کہ جس مرد کو زنا کا چسکا پڑ جاتا ہے وہ زنا پیشہ عورت ہی سے رسم و راہ پیدا کرتا ہے- اور جو عورت بدچلن ہو جاتی ہے وہ اپنے ہی طرح کے مرد کی خواہاں رہتی ہے- مگر مومنوں کے لیے ایسے تعلقات یک قلم حرام کر دیے گئے ہیں-

ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ
اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥ وَ الْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ

کی سزا دو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو- ایسے ہی لوگ ہیں جو پکے فاسق ہوئے-[۵]

(۵) ہاں جن لوگوں نے اس (بدعملی) کے بعد توبہ کر لی' اور اپنی زندگی سنوار لی تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحمت والا ہے-

(۶) جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا عیب لگائیں اور خود ان کے سوا ان کا کوئی گواہ نہ ہو' تو ایسے مدعیوں میں سے ہر ایک کی گواہی یہ ہوگی کہ پہلے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھیرا کر قسم کھائے کہ وہ ضرور اپنے بیان میں سچا ہے- (۷) پھر پانچویں مرتبہ کہے: اگر

یہ مطلب نہیں ہے کہ جس مرد اور عورت سے زنا کا ارتکاب ہو گیا پھر اس سے نکاح شرعی کرنا جائز نہیں' کیونکہ توبہ کے بعد ہر گنہگار پاک ہو جاتا ہے- اور اگر ایک زنا پیشہ فرد تائب ہو کر نکاح کر لے اور پاک دامنی کی زندگی بسر کرے تو اس سے زیادہ خوبی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟

زانی اور زانیہ کے ساتھ "مشرک" اور "مشرکہ" کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ مشرکین عرب میں نکاح کے جو طریقے رائج تھے' ان میں سے بعض صریح زنا تھے اور دونوں کا امتیازی خط زیادہ نمایاں نہ تھا- پس اگر ایک مومن مرد کسی مومن عورت سے علاقہ پیدا کرنا چاہتا تو بجز اس کے کوئی صورت ہی نہ تھی کہ نکاح قطعی ہو- لیکن ایک مشرک عورت ہر طرح کے جاہلی طریقوں کے لیے آمادہ ہو جاتی تھی- یہی حال مشرک مردوں کا تھا-

[۵] ایک اسلامی معاشرہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ ایک دوسرے کو شک وشبہ کی نظر سے نہ دیکھا جائے' اور الزام تراشی سے پرہیز کیا جائے' چنانچہ کسی مرد یا عورت پر بلاثبوت زنا کی تہمت لگانے پر اسّی کوڑوں کی سزا رکھی ہے جسے اصطلاح میں "حد قذف" کہا جاتا ہے- قرآن کے نزدیک ایسے لوگ فاسق ہیں اور کسی موقع پر بھی عدالت میں ان کی شہادت قابل قبول نہیں ہے- ہاں اگر اس قماش کے لوگ تائب ہو جائیں اور آیندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لیں تو فاسق نہیں رہیں گے' لہٰذا توبہ کے بعد ان کی شہادت بھی قابل قبول ہوگی-

"زنا کی حد مقرر کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ اس کے اثبات کے لیے قانوناً کس درجے کی گواہی ضروری ہے-

آیت ۴ میں فرمایا: جب تک چار گواہ آنکھ سے دیکھی شہادت نہ دیں' اس وقت تک جرم کا اثبات تسلیم نہیں کیا جائے گا- معاملے کی نزاکت چاہتی تھی کہ جس سختی کے ساتھ زنا کا دروازہ بند کیا گیا ویسی ہی سختی سے الزام تراشی کی جراتوں کا دروازہ بھی بند کر دیا جائے' تاکہ مفسدوں کو

إِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ لَمِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۞ ع

میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی پھٹکار۔

(۸) اور اگر (شوہر کے قسم کھانے کے بعد) عورت بھی چار مرتبہ اللہ کو گواہ ٹھہرا کر قسم کھائے کہ یہ آدمی اپنے بیان میں سرتا سر جھوٹا ہے۔

(۹) اور پانچویں مرتبہ کہہ دے: ''اگر یہ اپنے بیان میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ ہی کا غضب پڑے (اس صورت میں) عورت کے سر سے سزا ٹل جائے گی۔

(۱۰) اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارا ساتھ نہ دیتی اور ایسا نہ ہوتا کہ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے (تو غور کرو تمہارا کیا حال ہوتا؟)[۶]

فتنہ پردازیوں کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ آیت ۴ میں فرمایا:

''جو کوئی کسی عورت پر عیب لگائے گا اور چار عینی گواہ نہ لا سکے گا تو وہ بہتان لگانے کا مجرم متصور ہوگا اور ایسے مجرموں پر اسی تازیانوں کی حد جاری کی جائے گی۔

یہاں اگرچہ خصوصیت کے ساتھ عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے مگر حکم عام ہے۔ خواہ عورت پر عیب لگایا جائے، خواہ مرد پر، بہتان لگانے والے پر حد جاری ہوگی۔

۶۔ جو شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو اس کو ''حد قذف'' نہیں لگے گی بلکہ وہ لعان کریں گے اور اس کے لیے عدالت میں جانا ضروری ہوگا اور اس نوع کے احکام کا بیان کر دینا محض اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ عورت اور مرد دونوں کے لیے رہائی کی صورت بیان کر دی اور پھر ''تو اب رحیم'' سے اشارہ فرما دیا کہ ان کے لیے توبہ اور انابت الی اللہ کا دروازہ کھلا ہے۔

آیت ۶ تا ۹ کے تحت مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''اگر خود شوہر اپنی بیوی پر عیب لگائے اور کہے: ''میں نے خود دیکھا ہے مگر گواہ نہیں لا سکتا'' تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟ آیت ۶ میں اس کے لیے لعان کا حکم دیا ہے۔ یعنی شوہر کو پانچ مرتبہ قسم کھا کر اپنا دعویٰ دہرانا چاہیے۔ اور بصورت کذب اپنے کو لعنت الٰہی کا مستوجب ٹھہرانا چاہیے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَآءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ
مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑪ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ
ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ⑫ لَّوْلَا جَآءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ
شُهَدَآءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَآءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ⑬ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

(۱۱) (مسلمانو!) جن لوگوں نے اصلیت الٹ پلٹ کر کے[۷] ایک جھوٹی بات تراش لی وہ تم ہی میں سے ایک جتھا ہے۔[۸] یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے حق میں برا ہوا' نہیں اس میں تمہارے لیے بہتری ہی ہوئی۔[۹] ان جھوٹی بات تراشنے والوں میں سے ہر ایک کو وہ نتیجہ ضرور پانا ہے جو اس نے اپنے گناہ کی کمائی سے سمیٹ لیا۔ ان میں سے جس کسی نے اس جھوٹے ہنگامے میں نمایاں حصہ لیا ہے اور اس کا اہتمام کیا ہے' اس کے لیے بڑا ہی سخت عذاب ہے۔[۱۰]

(۱۲) جب تم نے ایسی (نالائق) بات سنی تھی تو کیوں یہ بات بھول گئے کہ مومن مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کے لیے ہمیشہ نیک گمان رکھنا چاہیے؟ کیوں تم نہ بول اٹھے کہ یہ تو صریح گھڑی ہوئی جھوٹی بات ہے۔[(۱)]

(۱۳) (اگر اس بات کی کچھ بھی اصلیت تھی تو) کیوں اس پر چار گواہ نہیں لائے؟ جب گواہ نہ لا سکے تو ثابت ہو گیا یہی لوگ ہیں جو اللہ کے نزدیک قطعاً جھوٹے ہیں۔ (۱۴) (مسلمانو!) اگر ایسا نہ ہوتا کہ تم کو دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل

اگر بیوی اس کے جواب میں خاموش رہے گی تو الزام ثابت ہو جائے گا (اور) اگر اس نے بھی اسی طرح پانچ مرتبہ قسم کھا لی تو پھر عدالت اسے بری کر دے گی اور اصلیت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے گا۔ دنیا میں انسان کے مخفی اعمال کے لیے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔''

۷ آیت ۱۱۔ اور اس کے بعد کی آیات میں وقت کے ایک خاص معاملے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی اس بہتان کی طرف جو منافقوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگانا چاہا تھا اور نامراد رہے تھے۔ یہاں چونکہ اس الزام تراشی کو ''افک'' سے تعبیر کیا ہے' اس لیے سیرت کی روایات میں اسی لفظ سے یہ واقعہ مشہور ہو گیا۔

آیت میں ''افک'' کا لفظ آیا ہے' وَهُوَ مَأْخُوذٌ مِنْ أَفَكَ الشَّيْءَ إِذَا قَلَّبَهُ عَنْ وَّجْهِهٖ' فَالْإِفْكُ هُوَ الْحَدِيثُ الْمَقْلُوبُ۔ ''افک'' کے معنی بات کے الٹ پھیر کر دینے کے ہیں۔ پس صرف بہتان کا لفظ اس کے لیے کافی نہیں ہو سکتا۔ بعض اردو ترجموں نے اس کا ترجمہ ''طوفان اٹھانا'' کیا ہے' لیکن یہ ترکیب تو یہاں اور بھی غلط ہے۔

۸ اس بہتان کا چرچا پھیلانے کے لیے بعض شریروں نے اپنا ایک جتھا بنا لیا تھا۔ ﴿ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے

(۱) ''البلاغ'' ۱۱ر نومبر ۱۹۱۵ء ص ۸ میں آیت نمبر ۱۲ کا ترجمہ یوں کیا ہے۔
''تم لوگوں نے اس واقعے کے سننے کے ساتھ ہی محض اعتماد نفس کی بنا پر اور اپنے ساتھ نیکی کا گمان کر کے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ''یہ تو کھلی ہوئی تہمت ہے!''

''وَالْعُصْبَةُ الْجَمَاعَةُ الَّذِيْنَ يَتَعَصَّبُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ '' پس اردو میں اس کا ترجمہ محض ''گروہ'' اور ''جماعت'' نہیں ہو سکتا- جماعت خود قرآن بھی بول سکتا تھا- مگر اس نے ''جماعت'' اور ''عصبہ'' کا فرق ملحوظ رکھا ہے- لہٰذا ہم نے یہاں ''جتھے'' کے لفظ کو ترجیح دی- کیونکہ اردو بول چال میں ایسے سازشی گروہوں کو' جو گروہ بندی کی غرض سے بنا کرتے ہیں' اسی لفظ سے تعبیر کرتے ہیں-

آیات (۱۲ تا ۲۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں اور واقعہ ''قصہ افک'' کے نام سے معروف ہے- ان آیات کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے اس واقعہ کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے' اس لیے یہاں پر ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں-

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مہم پر جاتے تو قرعہ اندازی سے فیصلہ فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جائے' چنانچہ ''غزوۂ بنی المصطلق'' کی مہم کے موقع پر قرعہ میرے نام کا نکلا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلی گئی' واپسی پر جب ہم نے مدینہ کے قریب ایک مقام پر پڑاؤ کیا اور رات کے آخری حصہ میں جب لشکر نے کوچ کی تیاری شروع کی تو میں رفع حاجت کے لیے باہر چلی گئی' اور جب پلٹنے لگی تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا ہے' میں اس کی تلاش میں لگ گئی اور قافلہ روانہ ہو گیا اور محافظوں نے میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا' میں جب ہار لے کر پلٹی تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو گیا ہے اور میرا ہودج اونٹ پر چلا گیا ہے- میں ناچار کپڑا اوڑھ کر وہیں لیٹ گئی اور سوچا کہ آگے چل کر جب مجھے نہ پائیں گے تو میری تلاش میں خود ہی واپس آ جائیں گے- اسی حالت میں مجھے نیند آ گئی- صبح کے وقت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے کیونکہ نزول حجاب سے قبل وہ بارہا مجھے دیکھ چکے تھے- انہوں نے اپنا اونٹ روک لیا اور لا کر میرے پاس بٹھا دیا' میں اونٹ پر سوار ہو گئی اور وہ نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے اور دوپہر کے وقت قافلہ قیام کر رہا تھا کہ ہم وہاں پہنچ گئے-

اس پر ابن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں نے مجھ پر تہمت لگا دی- اس بہتان کی خبریں اڑیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک بھی پہنچ گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہو گئے اور افواہوں کا یہ سلسلہ ایک مہینے تک جاری رہا' اور اس میں منافقین کے علاوہ مسطح' حسان بن ثابت شاعر اور حمنہ بنت جحش (حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن) کے نام بھی مذکور ہیں- اوس و خزرج کے لوگ انتشار و افتراق کا شکار ہو گئے- اس پر اللہ تعالیٰ نے میری براءت کا اعلان فرمایا' گو میں اپنے متعلق یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ وحی کے ذریعہ سے میری برات کا اعلان ہو گا جو قیامت تک پڑھی جائے گی-

اس واقعہ کے تحت مولانا آزاد نے ایک اصولی مبحث کی طرف اشارہ کیا ہے:

''جنگ کا زمانہ پر آشوب' بالخصوص فن روایت کے اختلال و بے اثری کا ایک ایسا عہد مشئوم ہوتا ہے جب تاریخ و وقائع نگاری کی حقیقت بالکل معدوم ہو جاتی ہے- نفس انسانی کی کمزوریاں پوری طرح کام کرنے لگتی ہیں اور فن روایت اس عہد میں آ کر بالکل بے کار رہ جاتا ہے- محدثین اسلام نے اگرچہ ان روایتوں کے متعلق کوئی جدید قاعدہ وضع نہیں کیا' بلکہ جرح و تعدیل کے جو عام اصول ہیں' انہی کو ان

وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ
وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

مہلتوں پر مہلتیں دیتا ہے اور آخرت میں اس کی رحمت بخشنے والی ہے' تو جس بات کے پیچھے تم پڑ گئے تھے' اس کی وجہ سے ضرور تمہیں کوئی سخت عذاب آ لگتا۔

(۱۵) تم یہ بات (بے سوچ سمجھے) ایک دوسرے سے نقل کرنے لگے۔ تم اپنے منہ سے ایسی بات نکالنے لگے جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہ تھا۔ تم نے اسے ایک ہلکی سی بات سمجھا' حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی ہی سخت بات تھی!

روایتوں کا بھی معیار بنایا ہے۔ لیکن قرآن مجید نے ان روایتوں کی طرف خاص اعتناء کیا ہے اور ان کے قبول کرنے سے جابجا ممانعت کی ہے۔ جن روایتوں میں کسی فریق کے بغض وانتقام کی علانیہ جھلک نظر آتی ہے' ان کے متعلق قرآن نے عام حکم دے دیا کہ ان روایتوں کی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں۔ اس قسم کے موقعوں پر راویوں کی ثقاہت وعدم ثقاہت سے کوئی بحث نہیں کرنی چاہیے بلکہ سننے کے ساتھ ہی شدت سے انکار کر دینا چاہیے۔ چنانچہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو متہم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ذرائع سے اس کی تحقیق کی جب اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو ایک مہینے تک وحی کا انتظار کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برات میں دس آیتیں نازل فرمائیں۔ ایک آیت یعنی ۱۲ میں اس روایت کی تحقیق پر اظہار عتاب بھی فرمایا۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ایک فریق کی خباثت اخلاق اور دوسرے کی طہارت نفس کا اثر بھی روایتوں پر پڑتا ہے۔ چونکہ زمانہ جنگ میں اس قسم کے حیثانہ اخلاق کے نتائج کا ظہور عموماً ہوتا رہتا ہے اس لیے اس قسم کی روایتوں کے متعلق کسی تحقیق وتفتیش کی ضرورت ہی نہیں۔ اصلاً اس پر کان ہی نہیں دھرنا چاہیے۔''

۹ اس واقعہ کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا کردار ابھر کے سامنے آ گیا۔ بداندیش لوگوں کی نشاندہی ہوئی' معاشرتی اصلاح کے لیے قوانین وضوابط نازل ہوئے اور مسلمان کو ایسی ہدایات سے نوازا گیا۔ جن پر عمل کر کے ایک مسلم معاشرے کو ہمیشہ کے لیے برائیوں کی پیداوار سے محفوظ رکھا اور فحاشی کو روکا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر قرآن نے مسلمانوں کی تسلی اور تشفی کے لیے فرمایا کہ گو بظاہر یہ واقعہ بڑا شرمناک ہے لیکن اس سے نقصان کے بجائے فوائد ہی حاصل ہوں گے۔

۱۰ آیت میں '' وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ '' میں اشارہ عبداللہ بن ابی کی طرف ہے جو اس جتھے کا سرغنہ تھا۔ اس کی سب سے بڑی خباثت یہ تھی کہ لوگوں کو ابھارتا اور دوسروں سے اس کی اشاعت کرواتا' اس بنا پر اسے سزا بھی سب سے بڑھ کر ملے گی۔ اور آیت نمبر ۱۶ میں نصیحت فرمائی کہ اول تو دوسرے مسلمان کے متعلق دل میں بدظنی نہیں آنی چاہیے اور اگر دل میں ایسا خیال آ بھی جائے تو ایسی ناپاک بات زبان پر نہ لائی جائے ، اور صاف کہہ دے کہ یہ بہتان عظیم ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ
اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٨﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾ ع ٨
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ
وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰي مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ

---

(۱۶) جب تم نے ایسی (نالائق) بات سنی تھی تو کیوں نہ بول اٹھے ''ہمیں زیبا نہیں کہ ایسی بات منہ سے نکالیں' خدایا! تیرے لیے پاکی ہو! یہ تو بڑا ہی سخت بہتان ہے!'' (۱۷) اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے' اگر تم مومن ہو تو پھر کبھی ایسا کام نہ کرنا۔[11] (۱۸) وہ (حق کی) نشانیاں تم پر واضح کر دیتا ہے' وہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (۱۹) جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں شرمناک برائیوں کا چرچا پھیلے' ان کے لیے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہوگا اور آخرت میں بھی۔ یاد رکھو! اللہ سب کچھ جانتا ہے' تم کچھ نہیں جانتے۔[12] (۲۰) اور (پھر دیکھو! کیا ہوا؟) اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا' اگر اس کی رحمت چارہ سازی نہ فرماتی' اگر ایسا نہ ہوتا کہ وہ بڑا ہی شفقت رکھنے والا' بڑا ہی رحمت والا ہے!

(۲۱) مسلمانو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو' جو کوئی اس کے قدم بقدم چلا تو (وہ جان رکھے) شیطان اسے شرمناک برائیوں اور ناپسندیدہ کاموں ہی کی راہ چلائے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت تمہیں اپنے سایہ میں نہ لے لیتی تو تم میں ایک آدمی بھی ایسا نہ نکلتا جو کسی حال میں بھی پاک وصاف ہو سکتا۔ مگر ہاں! اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے۔ وہ (سب کچھ) سننے والا' (سب کچھ) جاننے والا ہے۔

---

[11] آیت نمبر ۱۷' ۱۸ میں فرمایا کہ اہل ایمان کو چاہیے کہ دوبارہ بد باطن منافقین کے چکروں میں نہ آئیں، پیغمبر علیہ السلام اور ان کے گھرانوں کی عظمت وشان کو ملحوظ رکھیں اور پہلی آیات میں جو پند ونصائح اور صاف صاف احکام بیان ہوئے ہیں ان پر عمل کریں کیونکہ اللہ علیم وحکیم ہے اور اس نے نہایت حکمت ودانائی سے تمہیں یہ ہدایات دی ہیں۔

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى
وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ
وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا
وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ

---

(۲۲) اور (دیکھو!) تم میں جو لوگ بزرگی رکھنے والے اور صاحب مقدرت ہیں وہ ایسا نہ کریں کہ رشتے داروں مسکینوں اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کی مدد سے اپنا ہاتھ کھینچ لیں - انہیں چاہیے کہ ان کے قصور بخش دیں اور (ان کی کوتاہیوں سے) در گزر کریں - کیا تم نہیں چاہتے اللہ تمہارے قصور بخش دے؟ اللہ تو بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے! [۱۳]

(۲۳) جو لوگ پاک دامن عورتوں پر، کہ ایسی باتوں سے محض بے خبر ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتی ہیں تہمت لگاتے ہیں تو (یاد رکھو!) ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت دونوں میں پھٹکار پڑی اور انہیں ایک بڑے ہی سخت عذاب سے دوچار ہونا ہے!

(۲۴) اس دن (ان کا کیا حال ہوگا) جب کہ ان کے خلاف خود ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے-

---

۱۲ اس کے بعد آیت ۱۹ میں ان منافقین کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ اس طرح الزام تراشیاں کر کے مسلم معاشرے میں بے حیائی پھیلاتے ہیں اور اہل ایمان کی حرمت و آبرو پر حملے کرتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں سخت عذاب کے مستحق ہیں - دنیا میں تو حد قذف اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اور آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے - فی زمانا فحاشی کو فروغ کے جس قدر اڈے قائم کیے گئے ہیں وہ سب اسی ضمن میں آتے ہیں - قرآنی معاشرہ قائم کرنے کے لیے ان سب کو دبانا اور مٹانا ضروری ہے کیونکہ ان اعمال کا ارتکاب شیطان کے نقش قدم پر چلنے کے مترادف ہے جس سے فحش اور بدی کو فروغ حاصل ہوتا ہے-

پھر یہاں روایت کو پرکھنے کا ایک اصول بھی سمجھا دیا کہ جس شخص کی عفت مسلمہ ہو اس کے متعلق اگر بدگمان لوگ اپنے بغض و عناد کا اظہار کرتے ہوئے کوئی تہمت تراشیں تو مؤمنین کو چاہیے کہ اس قسم کی افواہوں کی بلا تامل تکذیب کریں اور کسی طور پر اس پر کان نہ دھریں-

۱۳ جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں ''اہل افک'' کو تنبیہ و تادیب کی گئی ہے، اسی طرح آیت نمبر ۲۲ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تادیب کی ہے - اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل ہوئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ اب مسطح بن اثاثہ (جو ان کے خالہ زاد بھائی تھے) کے ساتھ مالی تعاون نہیں کریں گے - اس پر یہ آیت نازل ہوئی - حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جذبہ اطاعت دیکھیے کہ انہوں نے اسی وقت مسطح رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بحال کر دیا اور کہا کہ ہم ضرور چاہتے ہیں کہ اللہ ہمیں معاف فرمائے-

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ
لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ
مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ ع
بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

کہ ان کے کرتوت کیسے کچھ رہ چکے ہیں- (۲۵) اس دن اللہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ انہیں دے گا' ایسا بدلہ جو ٹھیک ٹھیک انہیں ملنا چاہیے- پھر اس دن وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی کی ہستی سچائی ہے' بے پردہ آشکارا سچائی-

(۲۶) گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے ہوئیں' گندے مرد گندی عورتوں کے لیۓ' پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے (ایسا نہیں ہوسکتا کہ گندگی اور پاکی ایک دوسرے سے میل کھائیں) ایسے پاک افراد ان باتوں سے مبرا ہیں' جو لوگوں نے ان کے بارے میں کہی ہیں- ان کے لیے (آخرت میں) بخشش ہے اور (دنیا میں) عزت کی معیشت[۱۴] (۲۷) مسلمانو! اپنے گھر کے سوا کسی دوسرے کے گھر میں اس وقت تک قدم نہ رکھو جب تک حال معلوم نہ کرلو (یعنی اجازت نہ لےلو) اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو- اس میں تمہارے لیے بہتری ہے اور یہ اس لیے ہے کہ تم غفلت میں نہ پڑو-[۱۵]

تواتر سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امت میں صاحب فضیلت تھے اور دین وایمان میں ذی شان ہونے کے علاوہ صاحب وسعت بھی تھے اور لوگوں پر احسان کیا کرتے تھے جو بہت بڑی نیکی ہے اور ایسے لوگوں کو اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴾ اور حدیث میں ہے ''بہتر وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے'' معلوم ہوا کہ اس لحاظ سے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہتر تھے- نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ مسلمان ہوتے ہی وہ اسلام کے داعی بن گئے اور بہت سے کبار صحابہؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا- رضی اللہ عنہ-

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ آیت ۲۲ کے تحت لکھتے ہیں:

''آیت ۲۲ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ معاشرتی زندگی کے اخلاقی فرائض کے لیے قرآن حکیم کا معیار عمل کس درجہ بلند ہے! فرمایا: اگر خدا نے تمہیں استطاعت دی ہے اور تم اپنے قرابت دار حاجت مندوں اور مسکینوں کی اعانت کرتے ہو تو تمہارا فرض ہے کہ ہر حال میں ان کی اعانت کرو- تمہارے لیے کسی طرح یہ بات جائز نہیں کہ ان کے کسی قصور اور جرم سے خشمگیں ہو کر دست اعانت کھینچ لو اور عہد کرلو کہ ایسے نالائقوں کی کبھی مدد نہیں کرو گے' ان کا جرم کتنا ہی سخت ہو مگر تمہارے عفوودرگزر کو کوتاہ نہیں ہونا چاہیے- یہاں ہر حال میں اصل عمل عفوو بخشش ہے نہ کہ غضب وانتقام! کیا تم اس کے طلبگار نہیں کہ خدا تمہارے قصور بخش دے؟ لیکن اگر تم اس کے بندوں کے قصور نہیں بخش سکتے تو تمہیں

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا
فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا
بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾
قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ

---

(۲۸) پھر اگر (ایسا ہو کہ) گھر میں کسی کو نہ پاؤ (یعنی کوئی جواب نہ ملے، یا تمہیں معلوم ہو کہ گھر خالی ہے) تو جب تک تمہیں اجازت نہ مل جائے اس میں قدم نہ رکھو- اور اگر تمہیں جواب ملے "لوٹ جاؤ (یہ ملنے کا موقع نہیں)" تو بلا تامل لوٹ جاؤ- اس طرح لوٹ آنا تمہارے لیے زیادہ پاک نفسی کی بات ہوگی- اور (یاد رکھو!) تم جو کچھ کرتے ہو اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں!

(۲۹) اگر ایک مکان غیر آباد ہے اور اس سے تمہیں کچھ فائدہ اٹھانا ہے، تو کوئی گناہ کی بات نہیں، اگر ایسے مکان میں (بغیر باقاعدۃً اجازت کے) چلے جاؤ- یاد رکھو، تم جو کچھ کھلم کھلا کرتے ہو اور جو کچھ چھپا کر کرتے ہو، سب کچھ اللہ جان رہا ہے![۱۶]

(۳۰) (اے پیغمبر!) مسلمان مردوں سے کہہ دے: (عورتوں کے سامنے آئیں تو) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کی نگہداشت سے غافل نہ ہوں!"

کیا حق ہے، اپنے قصوروں کے لیے اس کی بخشش کی طلب گاری کرو؟

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کو جب معلوم ہوا کہ ان کے بعض رشتے داروں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بہتان لگانے میں حصہ لیا ہے تو انہوں نے قسم کھالی ایسے لوگوں کو آئندہ کچھ مدد نہ دیں گے- چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایک رشتے دار مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کی اعانت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا- اس پر یہ آیت نازل ہوئی-

"ولا یاتل" کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا گیا ہے کہ "قسم نہ کھائیں" اور اسے "اِلْيَةٌ" سے مشتق سمجھا گیا ہے، جس کے معنی قسم کے ہیں-

لیکن زیادہ قوی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ قصر اور کمی کرنے کے معنوں میں بولا گیا ہو اور "الوت فی کذا' اذا قصرت" سے ماخوذ ہو- چنانچہ عام طور پر بولتے ہیں: لم آل جهدا'ای لم اقصر' ومنه قول الشاعر:

وما المرء ما دامت حشاشة نفسه بمدرك اطراف الخطوب ولا آل

سب سے زیادہ قوی قرینہ اس کی تائید میں یہ ہے کہ خود قرآن حکیم نے دوسری جگہ یہ مادہ اسی معنی میں استعمال کیا ہے: ﴿ لا یالونکم خبالا ﴾ (۳: ۱۱۸)

[۱۶] آیت نمبر ۲۶ کا تعلق بھی "قصہ افک" سے ہے اور اس کا مقصود بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت و نزاہت کو ثابت کرنا ہے یعنی

حضرت عائشہ پیغمبر علیہ السلام کی بیوی ہیں اور بیوی بھی وہ جسے خصوصی امتیاز حاصل ہے- پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس قسم کا فعل بد صادر ہو' اس بناء پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پیغمبر کی بیوی کبھی بدکار نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ناموس کی حفاظت فرماتا ہے- بعض نے "الخبیثات" اور "الطیبات" سے اقوال وکلمات مراد لیے ہیں یعنی اس قسم کی الزام تراشیاں کرنے والے خبیث اور گندے لوگ ہیں' پاکیزہ اخلاق لوگوں کے لیے یہ باتیں زیب نہیں دیتیں- لہٰذا یہ بدقماش لوگ اگر پاکباز لوگوں پر کیچڑ اچھال رہے ہیں تو اس کی کچھ اہمیت نہیں ہے بلکہ یہ تو اپنی خباثت کا ثبوت پیش کرر ہے ہیں-

آیت ۲۶ پر پچھلا بیان ختم ہو گیا- فرمایا: ازدواجی تعلقات و معاملات کے بارے میں اصل یہ ہے کہ ہمیشہ ہم جنس طبیعتیں ایک دوسرے سے میل کھائیں گی' پاکی اور گندگی کا باہم پیوند نہیں لگ سکے گا- نیک عورت نیک مرد کے ساتھ خوش رہے گی' نیک مرد نیک عورت کے ساتھ خوشحال ہوگا- جو پاک دامن ہیں انہیں فتنہ پردازوں کے جھوٹے الزام عیبی نہیں بنا سکتے - اور جو عیبی ہیں وہ کبھی کسی کے کہے سے پاک دامن نہیں بن جائیں گے-''

۱۵ ابتداء سورہ سے یہاں تک ان احکام وحدود کا بیان ہوا ہے جن سے معاشرہ میں پیدا شدہ برائیوں کا تدارک کیا جا سکتا ہے اور اب یہاں آیت ۲۷ سے ان آداب واحکام کا بیان ہو رہا ہے جن کی رعایت سے معاشرتی برائیوں کا سدباب ہو سکتا ہے گویا ان احکام وآداب کی حیثیت ''واقعہ افک'' کے تتمہ کی ہے- استیناس دراصل اس انس کو کہتے ہیں جو ہم نشینی کے بعد پیدا ہوتا ہے' لیکن یہاں پر اس کے معنی استیذان یعنی اجازت لینے کے ہیں اور آیت کے الفاظ میں تقدم وتاخر ہے ﴿ **حتی تسلموا علی اھلھاوتستاذنوا** ﴾ یعنی جب تک کہ گھر والوں پر سلام کہنے کے بعد ان سے اجازت حاصل نہ کرو- جاہلیت میں رواج یہ تھا کہ تحیہ وسلام کے بعد اجازت کا انتظار نہ کرتے اور اندر داخل ہو جاتے- اس میں چونکہ بہت سی خرابیاں تھیں اس لیے قرآن نے پابندی لگا دی کہ سلام کہنے کے بعد اجازت حاصل کرنا ضروری ہے- اور حدیث میں ہے ایک مرتبہ سلام کہنے کے بعد جواب نہ آئے تو دوسری مرتبہ سلام کہو' پھر بھی جواب نہ آئے تو تیسری مرتبہ سلام کہو' اور اگر اس کے بعد بھی جواب نہ آئے تو واپس چلے آؤ (**اذا استاذن احدکم ثلاثا فلم یوذن له فلیرجع**) اور یہ محاسن آداب سے ہے، اور سلام کہنا تو حقوق مسلم میں داخل ہے- ہاں زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانا یا صاحب خانہ کو چیخ کر پکارنا خلاف ادب ہے-

''آیت ۲۷ سے سلسلہ بیان نے یہ رخ اختیار کیا ہے کہ معاشرتی زندگی کی شائستگی اور انضباط کے لیے چند بنیادی حدود ضروری ہیں' اور ضروری ہے کہ لوگ سختی کے ساتھ ان کی پابندی کریں- جو سوسائٹی ان حدود سے بے پروا ہو جائے گی وہ اخلاقی پاکیزگی کا اعلیٰ معیار قائم نہیں رکھ سکے گی-

ماقبل سے ان احکام کا ربط واضح ہے- پہلے زنا کے جرم کی شناعت واضح کی- پھر اسی طرح بہتان تراشی کو سخت ترین جرم قرار دیا- اب میل جول' آمد ورفت اور مرد وعورت کے باہمی اختلاط کے ان احکام پر زور دیا ہے جن سے معاشرتی زندگی کی اخلاقی فضا زیادہ سے زیادہ پاکیزہ ہو جائے اور اس طرح کے جرائم کو سر اٹھانے کا موقع ہی نہ ملے-

۱۶ آیت ۲۹ میں ﴿ **فیھا متاع لکم** ﴾ ہے- اور ''متاع'' کا مطلب اردو فارسی کے تمام مترجموں نے ''مال واسباب'' ٹھیرایا

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۞۳۰ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ
وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى
جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ
اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا
عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا

یہ ان کے لیے زیادہ پاک نفسی کا طریقہ ہوگا - وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے علم سے پوشیدہ نہیں -[۱۷]

(۳۱) اور اسی طرح مسلمان عورتوں سے بھی کہہ دے: (مردوں کے سامنے آئیں تو) نگاہیں نیچی رکھیں' اپنے ستر کی نگہداشت سے غافل نہ ہوں' اپنا بناؤ چناؤ لوگوں کو نہ دکھائیں - مگر ہاں! اسی قدر کہ جو (لازمی طور پر) دیکھنے میں آتا ہے - اپنے سینوں پر اوڑھنی کا پلا ڈالے رہیں - اپنا بناؤ چناؤ صرف اپنے شوہروں ہی کے سامنے کھلا رکھیں' یا پھر باپ ہو' خسر ہو' بیٹا ہو' شوہر کا لڑکا ہو' بھائی ہو' بھتیجا ہو' بھانجا ہو' خاندان کی عورتیں ہوں - یا لونڈی غلام ہوں' گھر کے ایسے خادم ہوں جنہیں (عورتوں کی) کوئی طلب نہیں (یعنی بوڑھے خدمت گار)' کم سن لڑکے ہوں جو ابھی عورتوں کے پردے کی باتوں سے آگاہ نہیں ہوئے - نیز (راہ میں چلتے ہوئے) اپنے پاؤں اس طرح نہ ماریں کہ زینت کی چیزیں جو اندر پہنے ہوئے ہیں ان سے لوگ باخبر ہو جائیں (یعنی پازیب کی جھنکار نہ اٹھے) اور مسلمانو! (اصل کام تو یہ ہے کہ) تم سب (خواہ مرد ہو خواہ عورت) اللہ کے حضور اپنی لغزشوں اور غفلتوں سے) توبہ کرو تا کہ (دین و دنیا میں) کامیاب ہو -[۱۸]

ہے - لیکن بات بنتی نہیں - ذکر غیر آباد مکانوں کا ہے - ایسی جگہوں میں کوئی اپنا مال اسباب رکھنے کیوں لگا اور اس کے لیے جانے کی ضرورت کیوں پیش آنے لگی؟ دراصل یہاں ''متاع'' لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے جیسا کہ قرآن مجید نے ہر جگہ استعمال کیا ہے - یعنی فائدہ اٹھانے اور متمتع ہونے کے معنی میں - مطلب یہ ہے کہ کوئی غیر آباد مکان ہو اور تمہیں اس میں جانے کی ضرورت پیش آجائے' تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے:

''قال العطاء: المراد بها الحرب التي يدخلها الناس للبول والغائط -'' (ابن کثیر)

اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

---

(۳۲) اور تم میں جو عورتیں بغیر شوہر کے ہوں[۱۹] (انہیں بٹھائے نہ رکھو) ان کا نکاح کر دو- اور تمہارے زیر دستوں میں (یعنی لونڈی غلاموں میں) جو نیک چلن ہوں ان کا بھی نکاح کر دو- اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں تونگر کر دے گا- اللہ تو بڑی ہی وسعت رکھنے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے-[۲۰]

(۳۳) اور جو لوگ نکاح کا مقدور نہیں رکھتے انہیں چاہیے ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں صاحب مقدور کر دے-

---

۱۷ لہٰذا کسی مرد یا عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی غیر محرم کو بنظر شہوت دیکھے حدیث میں ہے کہ اس طرح غیر محرم کو دیکھنا آنکھوں کا زنا شمار ہوتا ہے پہلی نظر اچانک پڑ جائے تو معاف ہے- مگر دوسری معاف نہیں ہے- دراصل نظر ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے تمام فتنوں کے دروازے کھلتے ہیں اور زناکاری کے لیے راستہ ہموار ہوتا ہے- اس بناء پر قرآن حکیم نے بے حیائی کے انسداد کے لیے اسی پر پابندی لگائی ہے-

غض بصر کے اس حکم سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ عورتیں کھلے چہرے چل پھر سکتی ہیں کیونکہ اس آیت میں چہرہ پر نقاب کے باوجود آوارہ نظر بازی سے منع فرمایا گیا جو خیالات کو پاکیزہ رکھنے کے لیے ضروری ہے-

۱۸ پھر آیت نمبر ۳۱ میں غض بصر اور حفظ ستر کے علاوہ عورتوں کو خصوصیت کے ساتھ یہ حکم دیا گیا کہ ان مذکورہ محارم کے علاوہ کسی کے سامنے اپنی زیبائش کی چیزیں ظاہر نہ کریں ہاں جو زیبائش از خود ظاہر ہو تو بحالت مجبوری اس کے کھلا رہنے میں کچھ مضایقہ نہیں- علماء نے "الاما ظهر منها" کی تفسیر میں فقہی موشگافیاں بھی کی ہیں اور لکھا ہے کہ چہرہ اور ہاتھ ستر میں داخل نہیں ہیں لہٰذا ان کا کھلا رکھنا جائز ہے مگر یہ بات قابل غور ہے کہ زیر بحث آیت میں ستر کا بیان ہے حجاب کا نہیں ہے اور حجاب ستر سے ایک زائد چیز ہے جو غیر محرم اور عورتوں کے درمیان حائل کر دیا گیا ہے- لہٰذا دونوں کے احکام الگ الگ ہیں-

۱۹ "آیت میں 'ایامیٰ' کا لفظ ہے- عربی میں 'ایم' کا اطلاق ایسی عورت پر ہوتا ہے جس کا شوہر نہ ہو خواہ باکرہ ہو خواہ بیوہ اور مطلقہ قال ابو عمرو الكسائي: اتفق اهل اللغة على ان الايم في الاصل هي المرأة التي لا زوج لها' بكرا كانت اوثيبا- وقال ابوعبيد: يقال: رجل ايم والمرأة ايم- واكثر ما يكون في النساء وهو كالمستعار في الرجال- ومنه قول امية بن ابي الصلت ؎

لله دربني على   ايم منهم وناكح

(ديوان اميه بن ابي الصلت في فحول الشعراء' ص ۲۲)

اردو کے مترجموں نے اس کا ترجمہ بیوہ عورتیں کیا ہے- یہ بلاوجہ عام کو خاص بنا دینا ہے!"

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ
مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا
عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع ۸

اور تمہارے زیر دستوں (یعنی غلاموں) میں سے جو لوگ آزادی کا نوشتہ چاہیں اور تم دیکھو ان میں اس کی صلاحیت بھی ہے تو ان سے نوشتے کا معاملہ ضرور کر لو۔

اور چاہیے کہ اللہ کے مال میں سے، جو اس نے دے رکھا ہے، ان کی مدد بھی کرو۔ اور اپنی لونڈیوں کو جو پاک دامن رہنا چاہتی ہیں، محض دنیا کے فائدہ کے لیے حرام کاری پر مجبور نہ کرو۔ اور جو انہیں مجبور کرے گا، اور وہ اپنے کو بے بسی کی حالت میں پائیں گی تو (وہ رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو جائیں) اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔[۲۱]

(۳۴) (مسلمانو!) ہم نے تمہارے لیے کھلے کھلے احکام نازل کر دیے اور تم سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں ان کی مثالیں بیان کر دیں، نیز ایسی باتیں بھی جن میں پرہیزگاروں کے لیے سرتاسر نصیحت ہے۔[۲۲]

---

۲۰ تجرد کی زندگی سے جو معاشرتی خرابیاں اور ناہمواریاں پیدا ہوتی ہیں ان کا سدباب کرنے کے لیے قرآن نے ازدواجی زندگی پر زور دیا ہے بلکہ غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کر دینے پر بھی ترغیب دی ہے بشرطیکہ ان میں ازدواجی زندگی کے نباہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔ ایک صالح معاشرے کے لیے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ آمدنی کی کمی کی وجہ سے ازدواجی زندگی سے دل چرائیں کیونکہ ازدواجی زندگی بہت سی برکات پیدا کرتی ہے اور بعض اوقات میاں بیوی کی مشترکہ کوششیں ایک خاندان میں خوشحالی کا موجب بن جاتی ہیں اور برے حالات اچھے حالات میں تبدیل ہو جاتے ہیں، لہٰذا فضل الٰہی پر بھروسہ کرتے ہوئے ہر مجرد شخص کو چاہیے کہ ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں کو قبول کرے۔ بہت سی احادیث میں نکاح کر لینے کی ترغیب آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نوجوانو! تم میں سے جو شخص شادی کر سکتا ہے اسے بلا پس و پیش کر لینی چاہیے کیونکہ یہ نگاہ کو بدنظری سے بچانے اور باعفت زندگی بسر کرنے کا موجب بنتی ہے'' اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین آدمیوں کی اللہ ضرور مدد کرتا ہے، ان میں سے ایک وہ ہے جو پاک دامن رہنے کے لیے نکاح کر لیتا ہے۔''

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ آیت ۳۲ کے تحت لکھتے ہیں:

''زنا کے سدباب کی کوئی کوشش سودمند نہیں ہو سکتی اگر وہ ان رکاوٹوں کو دور نہیں کر دیتی جو نکاح کی راہ میں پیدا کر دی گئی ہوں۔ یہ

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ

(۳۵) اللہ کی ہستی آسمان اور زمین کی روشنی ہے- اس کی روشنی کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایک قندیل ہے،[۲۳] قندیل میں چراغ، چراغ شیشے کے کنول میں، شیشے کا کنول اس درجہ صاف و شفاف جیسے ایک چمکتا ہوا ستارہ،

رکاوٹیں دوراہوں سے آتی تھیں: مذہب کی راہ سے کہ لوگوں نے رہبانیت کو روحانی سعادت کے حصول کا ذریعہ سمجھ لیا تھا اور مردوں کی جنسی خود پرستی اور ذاتی غرض مندی کی راہ سے کہ متعدد حالتوں میں عورتوں کو نکاح سے باز رکھنا چاہتے تھے- ازاں جملہ ایک حالت بیوگی کی تھی- چنانچہ یہاں آیت ۳۲ میں خصوصیت کے ساتھ نکاح کے اہتمام کا حکم دیا اور فرمایا، جو جوان عورتیں بغیر شوہر کے ہوں، خواہ باکرہ ہوں خواہ رانڈ ان کا نکاح کردو، بٹھائے رکھنے کے خواہش مند نہ ہو-

ساتھ ہی لونڈی غلاموں کے نکاح کے اہتمام کا بھی حکم دیا- عرب کے گھر گھر میں لونڈی غلام بسے ہوئے تھے- قرآن یہ رسم مٹانی چاہتا تھا- لیکن جو لوگ اس حالت میں مبتلا ہو چکے تھے، ضروری تھا کہ پہلے ان کے حقوق و مصالح کی اہمیت کا عام اعتراف دلوں میں پیدا کر دیا جائے- یہی وجہ ہے کہ احکام و مواعظ میں ہر جگہ ان کا ذکر کیا جاتا ہے-''

۲۲ آیت ۳۳ میں ایک بہت بڑے انسانی حقوق کے مسئلہ کا حل کیا ہے جو عالمی برادری میں آئینی حیثیت اختیار کر چکا تھا، یعنی غلاموں کی آزادی اور اس کو معاشرے میں مساوی حقوق دلانے کے لیے پہلا قدم کہ جو غلام، ہنر مند ہوں اور محنت کر کے آسان قسطوں پر اپنی قیمت ادا کر سکتے ہوں ان کو رہا کر دیا جائے اور مقررہ قسطوں پر ان سے قیمت وصول کر لی جائے- عربی میں اس شرط پر رہائی کو مکاتبت کہا جاتا ہے قرآن نے غلاموں کی رہائی کے لیے تدریجی قدم اٹھایا ہے کیونکہ اس وقت معاشی اور معاشرتی نظام ان غلاموں پر چل رہا تھا- لہٰذا اگر یکدم حقوق ملکیت ساقط کر دیے جاتے تو معیشت تباہ ہو جاتی- اس ترغیب و تلقین سے لوگوں کو اس بات پر ابھارا کہ طوعاً و کرہاً غلاموں کو آزاد کریں- چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس اخلاقی تلقین کا اس قدر گہرا اثر ہوا کہ لوگ کثرت سے غلام آزاد کرنے لگ گئے اور خلفائے راشدین کے زمانہ اختتام تک تقریباً تمام موجود غلام رہا ہو چکے تھے اور آیندہ کے لیے صرف جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی صرف اس صورت میں اجازت دی کہ ان کی حکومت قیدیوں کا تبادلہ نہ کرے یا معاوضہ ادا کر کے ان کو چھڑانے پر راضی نہ ہوں لیکن ساتھ ہی اسلامی معاشرہ میں ان کو اس قدر سہولتیں دی گئیں کہ سوسائٹی میں ان کے حقوق محفوظ کر دیے جن کی تفصیلات کتب احادیث میں مذکور ہیں اور محدثین نے غلاموں کے احکام بیان کرنے کے لیے اپنی کتابوں میں مستقل عنوان قائم کیے ہیں جو تدریجاً غلاموں کے متعلق اسلامی آئین میں ترمیم پر منتج ہوتے ہیں-

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ

زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے اسے روشن کیا گیا' (اس کی روشنی) نہ تو پورب کے رخ (ہوئی) نہ پچھم کی طرف' تیل کی صفائی کا یہ حال کہ اگر آگ نہ چھوئے' جب بھی معلوم ہو' آپ ہی آپ روشن ہو جائے گا' گویا ایک روشنی پر دوسری روشنی ہوئی! اللہ جسے چاہتا ہے اپنی روشنی کی راہ پر لگا دیتا ہے[۲۴] اور وہ لوگوں کے سمجھنے بوجھنے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے، اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں[(۱)] (۳۶) ان گھروں میں جن کے لیے اللہ نے حکم دیا کہ بلند کیے جائیں اور ان میں اس کا نام لیا جائے' لوگ صبح و شام اس کی تسبیح میں زمزمہ سنج رہتے ہیں[۲۵(۲)] (۳۷) ایسے لوگ جنہیں کوئی دھندا اس کی یاد سے اور نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کی

''اگر غلام اور آقا میں اس طرح کا سمجھوتا ہو جاتا تھا کہ غلام محنت مزدوری کر کے یا کسی دوسرے ذریعہ سے ایک خاص رقم آقا کو ادا کر دے گا اور اس کے معاوضے میں وہ اسے آزاد کر دے گا تو اسے ''مکاتبہ'' کہتے تھے' یعنی آپس میں آزادی کا نوشتہ ہو گیا- قرآن مجید نے غلامی کی رسم مٹانے کے لیے جو تدریجی اصلاحات شروع کی تھیں ان میں ایک اصلاح یہ بھی تھی کہ مکاتبت کی درخواست منظور کر لینے کا حکم دیا-

چنانچہ یہاں آیت ۳۳ میں ان کے نکاح کا حکم دیتے ہوئے اس بات پر بھی زور دیا اور فرمایا: نہ صرف ان کی درخواست منظور کر لینا ضروری ہے بلکہ اس کے لیے انہیں مالی مدد بھی دینی چاہیے- مال کو ''مال اللہ'' کہہ کر یہ حقیقت یاد دلا دی کہ مال جو کچھ ہے اللہ ہی کا دیا ہوا ہے- پس اس میں اس کے بندوں کا بھی حق ہے-

کلدانیوں' ہندوؤں اور رومیوں کی طرح عربوں میں بھی یہ طریقہ عام تھا کہ لونڈیوں سے پیشہ کراتے تھے اور ان کی کمائی کھاتے تھے-

---

(۱) ''الہلال'' ۳۰/جولائی ۱۹۱۳ء ص ۱۸ اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''اللہ ہی کے نور سے آسمان اور زمین کی روشنی ہے- اس کے نور کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایک طاق میں چراغ' اور چراغ بلور کی قندیل میں- قندیل اس قدر صاف شفاف ہے گویا موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک درخشندہ ستارہ- پھر اس چراغ کی روشنی ایک ایسے شجرۂ مبارکہ زیتون کے تیل سے ہے جو نہ مغربی ہے اور مشرقی' اس کے تیل میں ایک عجیب خاصیت ہے کہ اپنے مشتعل ہونے میں وہ آگ کا محتاج نہیں' آگ اسے نہ بھی چھوئے تاہم وہ آپ سے آپ جل اٹھے گا- اس کے نور کا حال کیا کہا جائے وہ نور علی نور ہے- اور اللہ کے ہاتھ میں ہے' وہ جسے چاہے اپنے نور کی طرف ہدایت بخش دے- چراغ کا بیان دراصل ایک مثال تھی اور اللہ لوگوں کو سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کی حالت سے واقف ہے''-

(۲) ''الہلال'' ۱۵/اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۸ میں آیت ۳۶ کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''یہ چراغ ایسے گھروں میں روشن کیا جاتا ہے جن کی نسبت اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کی عظمت کی جائے اور ان میں اللہ کا ذکر اور اس کے نام کی تقدیس ہو' ان میں اللہ کے وہ بندگان مخلص و مومن، صبح و شام تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں-''

اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۳۷﴾
لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ
لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۙ﴿۳۹﴾

ادائیگی سے غافل نہیں کرسکتا' نہ تو سوداگری کا کاروبار' نہ جنس و مال کی بکری- وہ اس (آنے والے دن سے ڈرتے ہیں جس کی ہولناکی سے دل الٹ جائیں گے اور آنکھیں پھری کی پھری رہ جائیں گی (۳۸) (وہ یہ سب کچھ کیوں کرتے ہیں؟) اس لیے کہ اللہ انہیں ان کے کاموں کا بہتر سے بہتر بدلہ دے (اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ) اپنے فضل سے ان کا اجر اور زیادہ کر دے- وہ جسے دینا چاہتا ہے بے حساب دے دیتا ہے (۳۹) مگر جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو (ان کا حال دوسرا ہے) ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے ریگستان میں نظر کا دھوکا[۲۶] کہ پیاسا اسے پانی سمجھ کر دوڑے' مگر جب پاس پہنچے تو کچھ بھی نہ پائے' ہاں! اللہ کو اپنے پاس موجود پائے' جو اس (کی سعی لاحاصل) کا پورا پورا حساب چکا دیتا ہے اور وہ حساب چکانے میں بڑا ہی تیز ہے!-[۲۷] (۱)

ان کے نکاح کا حکم دیتے ہوئے آیت ۳۳ میں اس طرف بھی اشارہ کر دیا تا کہ اس فساد کا بکلی انسداد ہو جائے-''

۲۲ آیت ۳۳ پر احکام سورت کا پہلا حصہ ختم ہو گیا اور ۳۴ سے سلسلہ بیان تذکیر و موعظت کی طرف متوجہ ہو گیا ہے- تا کہ ازدواجی زندگی اور جنسی پاکیزگی کے جو احکام دیے گئے ہیں ان کے فہم و عمل کے لیے طبیعتیں مستعد ہو جائیں- یہ قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے کہ وہ احکام و نواہی کو بھی موعظت کے پیرائے میں بیان کرتا ہے' قانون کی کتابوں کی طرح بیان نہیں کرتا-

چنانچہ یہاں فرمایا: قرآن تین طرح کی باتوں پر مشتمل ہے: آیات بینات' پچھلی قوموں کا تذکرہ اور متقیوں کے لیے موعظت- پھر ایک خاص موعظت شروع ہوئی ہے اور یکے بعد دیگرے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں- پہلی ایمان اور ایمان والوں کے کاموں کی ہے- دوسری کفر اور اصحاب کفر کے اعمال کی تشریح آخر میں ملے گی-

۲۳ روشنی کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ چراغ جلا کر طاق میں رکھ دیتے تھے جو دیوار میں اسی غرض سے بنایا جاتا تھا اور اب بھی بنایا جاتا ہے- لیکن بادشاہوں اور امیروں کے یہاں قندیلیں بھی لٹکائی جاتی تھیں- چنانچہ بابل' مصر' روم اور شام کی بے شمار پرانی قندیلیں عجائب خانوں میں موجود ہیں-

عربی میں ''مشکوۃ'' کے لغوی معنی تو ظرف کے ہیں جس میں کوئی چیز رکھی جائے:

(۱) ''الہلال'' ۴ ر جون ۱۹۱۳ء ص ۶ پر آیت ۳۶ کا ترجمہ یوں کیا ہے-''

''اور جو لوگ منکر ہیں ان کے کام ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں ریت کہ پیاسا دور سے اسے پانی سمجھ کر دوڑتا ہے مگر جب اس کے پاس آتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا- اس نے پایا تو اللہ کو اپنے قریب پایا جس نے اس کا حساب چکا دیا اور اللہ بہت جلدی حساب کر دینے والا ہے-''

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ ع ۵

(۴۰) یا پھر ان کی مثال ایسی سمجھو جیسے گہرے سمندر کی اندھیری' اور سمندر کو لہروں (کی چادر) نے ڈھانک رکھا ہو' ایک لہر کے اوپر دوسری لہر- اور لہروں کے اوپر بادل چھایا ہوا- گویا تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوئیں- ایک تاریکی پر دوسری تاریکی- آدمی اگر خود اپنا ہاتھ نکالے تو امید نہیں کہ سجھائی دے- اور جس کسی کے لیے اللہ ہی نے اجالا نہیں کیا تو پھر اس کے لیے روشنی میں کیا حصہ ہو سکتا ہے؟[۲۸] (۴۱) کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ آسمان و زمین میں جتنی مخلوقات ہیں'

"اصل المشكوة الوعاء يجعل فيه شيء" (ابن سيدة)
لیکن پھر اس کا اطلاق اس طاق پر بھی ہونے لگا جس میں چراغ رکھا جائے اور قندیل پر بھی جو لٹکائی جائے- پس یہاں "مشکوۃ" سے مقصود دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں- ہم نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کو ترجیح دی اور "قندیل" ترجمہ کیا- کیوں کہ تمثیل کا مقتضا اجزائے تمثیل کا زیادہ سے زیادہ حسن و توافق چاہتا ہے اور اس کے لیے "قندیل" ہی زیادہ موزوں ہے!"

۲۴ آیت ۳۵ کے تحت مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں:
روشنی کے تم بھی متلاشی ہو اور میں بھی- اس لحاظ سے ہم دونوں کا مطلوب و مقصود ایک ہی ہے- لیکن پھر مجھ میں اور تم میں اختلاف حال کا ایک سمندر حائل ہے- تم دوڑتے ہو کہ غیروں کے ٹمٹماتے ہوئے چراغوں سے اپنا چراغ روشن کرو- میں پوچھتا ہوں کہ تمہاری شمع کیا ہوئی جس کی روشنی سے تمہارے گھر کا کونہ کونہ منور تھا؟ اس شمع کو کیوں روشن نہیں کرتے؟ یہ کیسی بدبختی ہے کہ جن کے پاس کافوری شمعیں ہیں وہ کسی جھونپڑے کے دیے کو نظر حسرت سے دیکھیں- اسلام آخری دین الٰہی تھا' جس نے نہ صرف احکام شریعت ہی میں بلکہ حیات قوی کی ہر شاخ میں ہمیں سب سے آخری اور سب سے بہتر اصول دیے- دنیا خواہ کتنی ہی بدل جائے لیکن آزمایا جا سکتا ہے کہ ان اصولوں کی صداقت کو بدلنے کی ضرورت نہیں-"

۲۵ آیت ۳۶ میں خدا تعالیٰ نے مساجد کا حقیقی مقصد بتا دیا جس کے لیے وہ موزوں ہیں-

۲۶ "السراب" ما يرى في المفاوز من لمعان الشمس عند اشتداد حر النهار علىٰ صورة الماء وسمي سرابا لانه يسرب' اى يجرى كالماء-

آیت ۳۵' ۳۸ میں سمجھایا ہے کہ دنیا میں جو بھی ظاہری یا باطنی روشنی پائی جاتی ہے، سب اسی کے نور سے مستفاد ہے اور تمام چیزوں کی نمود اسی کے نور سے ہے- حتیٰ کہ ہدایت و ضلالت کا مدار بھی اللہ کے نور سے مستفیض ہونے اور نہ ہونے پر ہے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دعا فرمایا کرتے کہ "اللہ! تو ہی آسمان و زمین کو اجالا بخشنے والا ہے اور میرے اعضاء کان' آنکھ' دل اور ہر ہر عضو کو اپنے نور سے منور کر دے اور میرے نور کو بڑھا دے"- امام غزالی نے اپنے رسالہ "مشکوۃ الانوار" میں اس کی خوب تشریح کی

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۱
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۴۲ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ

ب اللہ کی تسبیح میں سرگرم ہیں' پرندے بھی جو اپنے پر کھولے ہوئے (فضا میں اڑتے رہتے ہیں) سب نے اپنی اپنی عبادت و تسبیح کا طریقہ جان لیا ہے (اور سب اس پر کاربند ہیں-) اور وہ جو کچھ کرتے رہتے ہیں اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں-[۲۹] (۴۲) اور آسمان و زمین کی ساری بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے' اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے- (۴۳) کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ یہ اللہ ہی ہے جو ابر کی چادروں کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے[۳۰] پھر انہیں آپس میں جوڑ دیتا ہے-

ہے "نور" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور صفات الٰہی کی کیفیت کو سمجھنا انسانی ادراک سے بالا ہے- آگے فرمایا کہ یہ روشنی مسجدوں کے ساتھ خصوصی تعلق سے حاصل ہوتی ہے اس لیے مساجد کی تعظیم و تطہیر کا حکم دیا اور ان میں صبح و شام کے اوقات میں اللہ کو یاد کیا جائے اور جو لوگ مساجد کی تعظیم بجالاتے ہیں اور ان میں صبح و شام کے اوقات میں اس کا ذکر کرتے ہیں، ان کے دل ہمیشہ ذکر الٰہی سے منور رہتے ہیں اور دنیا میں معاش کی طلب' ذکر الٰہی سے غافل نہیں کرتی - یہی شان صحابہ کرامؓ کی تھی جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اور انسان کے دل میں یہ صفت اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جو مذکورہ اعمال کا پابند ہو اور ہر آن یوم حساب کا خوف اس پر طاری رہے-

۲۷ قرآن کریم میں ہر جگہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اعمال کو' جن کے اغراض و مقاصد مرضیات الٰہی کی خواہش اور نور صداقت و حق پڑوہی سے خالی ہیں، ہمیشہ ان چیزوں سے تشبیہ دی ہے جو اپنے اندر کامیابی کا کوئی نہ کوئی ہنگامی اثر و جلوہ ضرور رکھتی ہے لیکن آخر میں ان کی ناکامی نمایاں ہوجاتی ہے- اس آیت میں اعمال ضلالت کی مثال اس شخص کی سی بتلائی جو پیاسا ہو مگر دریا کی جگہ ریگستان کو سمندر سمجھ کر اس کی طرف دوڑے، بالآخر اسے ناکامی اور نامرادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو-

۲۸ یا ان کے اعمال ضلالت کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مکمل تاریکی میں گھرا ہوا ہو اور روشنی کی ایک کرن بھی اس تک نہ پہنچ سکتی ہو اور معرفت حق سے بہرہ مند نہ ہوسکتا ہو کیونکہ وہ فطرتاً ہی کجرو اور کور باطن ہے- پھر اسے روشنی حاصل ہو تو کیسے-

۲۹ قرآن مجید نے اس حقیقت پر توجہ دلائی ہے کہ کائنات ہستی میں جتنی چیزیں ہیں سب اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہیں' سب اس کی تسبیح و تقدیس میں زمزمہ سنج ہیں' سب اس کی عبادت میں سرگرم ہیں- "ولكن لا تفقهون تسبيحهم" (۱۷:۴۴) "تمہیں ان کی تسبیح کی فہم و بصیرت نہیں' تم انہیں عالم تسبیح و تقدیس میں مگر سمجھتے نہیں!"

اس تسبیح و صلوٰۃ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی تشریح گزشتہ سورتوں کے نوٹوں میں کی جاچکی' خصوصاً بنی اسرائیل کی آیت ۴۴ کے نوٹ میں اور تفسیر سورۂ فاتحہ میں- یہاں آیت ۴۱ میں جو مزید اشارات کیے گئے ہیں' ان کی تشریح آخر میں ملے گی-

۳۰ "يزجى سحابا"........"ازجاء" کے معنی کسی چیز کو آہستہ آہستہ چلانے کے ہیں: "الازجاء"- "السوق قليلا قليلا"- ومنه قول النابغة ؎

يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ
فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾
يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ
مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى
اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا

پھر انہیں اس طرح کر دیتا ہے کہ ایک تہ پر دوسری تہ چڑھ جاتی ہے اور سب مل جل کر ایک ہو جاتے ہیں۔[۳۱] پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے پانی کے قطرے نکل رہے ہیں (اور مینہ کا سماں بندھ گیا ہے) اسی طرح آسمان سے ٹھنڈک کے[۳۲] پہاڑ اتارتا ہے (یعنی برف گرتی ہے اور پہاڑوں کی طرح اس کے تودے جم جاتے ہیں) پھر جس کو چاہتا ہے اس کا اثر پہنچا دیتا ہے، جس کسی سے چاہتا ہے اسے ہٹا دیتا ہے۔ اور اس عالم میں بجلی کی چمک کا یہ حال ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے بس اب آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔[۳۳]

(۴۴) (مگر) وہ رات اور دن کا الٹ پھیر کرتا رہتا ہے (اس لیے کوئی حالت بھی یہاں یکساں نہیں رہتی) بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی عبرت ہے جو صاحب بصیرت ہیں۔[۳۴]

(۴۵) اور (پھر دیکھو!) یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں کچھ ایسے ہوئے جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، کچھ ایسے ہوئے کہ دو پاؤں سے چلتے ہیں، کچھ ایسے جو چار پاؤں سے چلے۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔[۳۵] (۴۶) بلاشبہ ہم نے ایسی آیتیں نازل کر دی ہیں جو (حقیقت حال) روشن کر دینے والی ہیں۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے (کامیابی کی) سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔[۳۶]

(۴۷) اور (دیکھو!) یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کی۔

انی اتیتك من اهلی و من وطنی

ازجی حشاشة نفس بانها رمق

چونکہ بادل کی چادریں آہستہ آہستہ آتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، اس لیے بلاغت چاہتی تھی کہ اسی لفظ سے اسے تعبیر کیا جائے۔ افسوس ہے کہ اردو فارسی کے مترجموں نے الفاظ کی لغوی خصوصیات کی بہت کم رعایت کی ہے چنانچہ اس کا ترجمہ بھی محض ''رواں کردن'' اور ''چلانا'' اور ''ہنکانا'' کیا ہے۔ اور اس طرح اصل لفظ کی لغوی خصوصیت گم ہو گئی ہے۔

۳۱؎ آیت میں ''یجعله رکاما'' کے لفظ ہیں۔ اور ''رکم'' کے معنی ہیں چیزوں کا تہ در تہ ہو جانا اور مل جل کر ایک ہو جانا، دونوں مفہوم

ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

پھر یہ سب کچھ کہہ دینے کے بعد انہی میں ایک فریق ہے جو (اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے) رخ پھیر لیتا ہے- حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ سرے سے مومن ہی نہیں ہوئے-[۴۷]

(۴۸) اور جب ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے تو (دیکھو!) اچانک ان میں ایک فریق نکلتا ہے جو یک قلم رخ پھیرے ہوئے ہے-

---

شامل ہیں- یقال: رکم الشی یرکمه رکما' ای جمعه والقی بعضه علیٰ بعض- والرکمة الطین المجموع (ابن سیده)

۴۲ قال الاخفش: ان "من" فی "من جبال" وفی "من برد" زائدة' والجبال والبرد فی موضع نصب' ای ینزل من السماء بردا یکون کالجبال (کشاف)

۴۳ آیت ۴۳ میں وہ استدلال ہے جسے ہم نے اپنی جدید تدوینات میں ''برہان ربوبیت'' سے تعبیر کیا ہے اور یہاں خصوصیت کے ساتھ اس حقیقت پر توجہ دلائی ہے جسے ہم ''نظام ربوبیت'' کے عنوان سے تفسیر سورۂ فاتحہ میں لکھ چکے ہیں- ضروری ہے کہ اس موقع پر اس مبحث کا مطالعہ تازہ کر لیا جائے-

۴۴ ان لوگوں کو جن کے دل کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں نشانات قدرت کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی سے مستفید ہو سکیں اور ان روشن دلائل کے ذریعہ سے ہدایت و رہنمائی حاصل کر کے صراط مستقیم پر چل سکیں-

۴۵ قرآن مجید نے یہاں آیت ۴۵ میں اور بعض دوسرے مقامات میں اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ تمام جاندار اجسام کی پیدائش پانی سے ہوئی- چونکہ زندگی کی ابتدائی پیدائش کے بارے میں طرح طرح کے دور دراز کار خیالات پھیلے ہوئے تھے' اس لیے اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کو حیرانیاں پیش آئیں- بعضوں نے اس کا مطلب یہ بتانا چاہا کہ تمام جانداروں کی زندگی کا دار و مدار پانی پر ہے- بعض اس طرف گئے کہ پانی سے مقصود نطفہ ہے- حالانکہ اگر آیت کے صاف صاف مطلب پر قناعت کر لیتے تو وہ وقت دور نہ تھا جب خود انسانی علم کی کاوشیں اسی حقیقت کا اعلان کرنے والی تھیں- چنانچہ اب علم الحیات کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اجسام حیہ کی ابتدائی نشو و نما پانی ہی میں ہوئی ہے- اور پانی ہی کے حیوانات نے بتدریج خشکی کے حیوانات کا چولا پہنا ہے-

۴۶ آیت ۴۶ پر موعظت ختم ہو گئی ہے اور خاتمہ اس اعلان پر ہوا کہ ''لقد انزلنا اٰیٰت مبینٰت'' الخ- ہم نے اس موعظت میں ایسی دلیلیں بیان کر دی ہیں جو ہر طالب حق کے آگے عرفان حقیقت کی روشنی نمایاں کر دیتی ہیں اور سعادت کی صراطِ مستقیم وہ اپنے سامنے پالیتا ہے-

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝٤٩ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٥٠ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ع
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥١ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ
يَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝٥٢ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ
قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝٥٣ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا

---

(۴۹) اور اگر کوئی معاملہ ایسا ہوتا ہے جس میں حق ان کے ساتھ ہوتا ہے تو پھر (کبھی رخ نہیں پھیرتے اور) اللہ کے رسول کے پاس سر جھکائے دوڑے چلے آتے ہیں۔ (۵۰) کیا ان کے دلوں کو روگ لگ گیا ہے؟ کیا وہ شک میں پڑ گئے ہیں؟ کیا انہیں اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے بارے میں زیادتی کر بیٹھے؟ نہیں! اصل یہ ہے کہ خود یہی ہیں جو انصاف کا خون کرنے والے ہیں! (۵۱) مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف فیصلے کے لیے بلائے جائیں۔ تو ان کا جواب اس کے سوا کچھ نہ ہو کہ "ہم نے حکم مانا!" یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جو (دنیا و آخرت میں) کامیاب ہوئے![۳۸] (۵۲) اور (یاد رکھو!) جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی اللہ سے ڈرا اور پرہیزگاری کی راہ چلا تو بس ایسے لوگ ہیں جو اپنی مراد کو پہنچے (۵۳) اور (اے پیغمبرؐ!) ان لوگوں نے (یعنی منافقوں نے) بڑی سخت قسمیں کھا کھا کر کہا "(ہم تو آپ کے فرمانبردار ہیں) کہ اگر حکم دیجیے تو ابھی (گھر بار چھوڑ کر) نکل کھڑے ہوں"۔ ان لوگوں سے کہیے "قسمیں نہ کھاؤ! (اس سے کچھ نہیں بنتا) اصلی بات جو مطلوب ہے وہ تو اطاعت ہے سجھی بوجھی ہوئی اطاعت[۳۹] (نہ کہ زبان کی قسمیں) تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی (پوری پوری) خبر رکھنے والا ہے"[۴۰] (۵۴) نیز کہہ دے "اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسولؐ کی

اس موقع پر یہ بات بھی یاد کر لو کہ قرآن مجید جن دلیلوں کو عرفان حقیقت کی راہ روشن کر دینے والی دلیلیں قرار دیتا ہے وہ یہ دلیلیں ہوئیں نہ کہ ہمارے گھڑے ہوئے منطقی مقدمات۔ یہ حقیقت امام رازی نے آخر عمر میں پائی جیسا کہ آخری مصنفات میں اعتراف کیا ہے۔ اگر پہلے پالیتے تو اس بیکار کی زحمت سے بچ جاتے جو تفسیر کبیر لکھنے میں انہوں نے برداشت کی اور تمام پچھلے مفسروں کے لیے ایک غلط راہ نمائی کا نشان راہ چھوڑ گئے۔

اس کے بعد سلسلہ بیان ایک نہایت اہم بنیادی معاملے پر متوجہ ہو گیا ہے یعنی احکام و قوانین حق کی کامل اطاعت و انقیاد کی ضرورت۔ کیونکہ جماعت کے تزکیہ و سعادت کا تمام تر دارومدار اسی بات تھا اور معاشرتی احکام کے اعلان کے بعد خصوصیت کے ساتھ اس پر زور دینا ضروری تھا۔

۳۷ آیت ۴۷ سے ان منافقین کا تذکرہ شروع کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر عملاً خود ہی اپنے دعویٰ کی تکذیب کرتے ہیں کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے سامنے جھک جانے کو کہا جاتا ہے تو وہ اطاعت سے روگردانی کر لیتے

الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۗ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ

اطاعت کرو (ایمان کی راہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتی)۔

اور اگر تم نے روگردانی کی تو (اس کا نتیجہ خود تم ہی کو بھگتنا ہے) جو ذمہ داری رسول کے سر ڈالی گئی ہے اس کی جواب دہی اس کے سر ہے' جو ذمے داری تم پر عائد ہوگئی ہے' اس کے لیے جواب دہ تم ہو۔ اگر اس کی اطاعت کرو گے۔[۴۱]

ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے اپنے دعوائے ایمان جھوٹے ہیں' ان کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ لوگ اپنے اس منافقانہ طرز عمل سے مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور ان کے دلوں میں شکوک وشبہات سمائے ہوئے ہیں اور یا انہیں اسلامی عدالت سے عدل وانصاف کی توقع نہیں۔ بہر حال یہ لوگ ظالم ہیں' اگر یہ لوگ حقیقتاً مومن ہوتے تو اسلامی عدالت کے فیصلہ پر سمع وطاعت کا اظہار کرتے اور فلاح وفوز کی راہ اختیار کرتے۔

مولانا آزاد آیت نمبر ۴۷ تا ۴۹ کے تحت لکھتے ہیں:

''آیت ۴۷ میں ان لوگوں کی حالت بیان کی ہے جنہوں نے زبان سے تو ایمان کا اقرار کر لیا تھا' لیکن دلوں میں اترا نہیں تھا۔ وہ اپنے اقرار وادعاء میں پورے مومن تھے' مگر عمل میں پورے منکر! قرآن مجید نے انہیں ''منافق'' کے لقب سے یاد کیا ہے اور سورۂ توبہ کی تشریحات میں اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

یہاں ان لوگوں کے مومن ہونے کی نفی کی ہے جو زبان سے تو اطاعت حق کا اقرار کریں' لیکن عمل کا یہ حال ہو کہ وقت پر صاف رخ پھیر لیں۔

آیت ۴۹ میں فرمایا: اگر کوئی قضیہ ایسا ہوتا ہے جس میں وہ اپنے کو برسرِ حق پاتے ہیں تو فوراً پیغمبر اسلام کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر دیتے ہیں' کیونکہ سمجھتے ہیں' یہاں کا فیصلہ حق وانصاف کا فیصلہ ہوگا اور اس قضیے میں انصاف ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن جن قضیوں میں انصاف کا تقاضا ان کے خلاف ہوتا ہے' ان میں پیغمبر اسلام کے محاکمے سے ہمیشہ بچنا چاہیں گے' کیونکہ سمجھتے ہیں یہاں کا فیصلہ ان کی غرض مندی کے لیے مفید نہیں ہوسکتا۔''

۳۸ آیت ۵۱ کا تعلق اگرچہ معاملہ قضا سے ہے' لیکن منشاء اس کا عام ہے۔ یہاں سے معلوم ہوگیا کہ جب قرآن وسنت کا کوئی فیصلہ مسلمانوں کے سامنے آ جائے تو انہیں فوراً ''سمعنا و اطعنا'' کہہ کر اس کے آگے جھک جانا چاہیے اور سارے حیلوں اور حجتوں کا خاتمہ ہو جانا چاہیے۔ پھر یہ جو لوگوں نے مختلف اماموں اور پیشواؤں کے اقوال و آراء کو اپنی تقلید واطاعت کا مرکز بنا رکھا ہے اور قرآن مجید کی کوئی آیت' ملت کی کوئی تصریح' عقل ودرایت کی کوئی روشنی بھی ان کا رخ اس خود ساختہ قبلہ سے نہیں پھرا سکتی' کیا وہ ایسے طریقے کو ایمان باللہ ورسولہ کا سچا طریقہ کہہ سکتے ہیں؟ اگر ان کے سامنے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فرمان پیش کیا جائے تو ان کی زبانوں کو حرکت نہ ہوگی' لیکن جونہی ان کے مشائخ وفقہاء کا قول سامنے آ جائے' بے اختیار پکار اٹھیں گے: ''سمعنا و اطعنا!''

۳۹ ''طاعة معروفة'' میں اگر ''طاعة'' کو مبتداء محذوف کی خبر قرار دیا جائے تو یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کی طاعت جس پر یہ قسمیں کھا رہے ہیں' مشہور ومعلوم ہے۔ یعنی منافقانہ ''طاعت'' ہے۔ لیکن ہم نے ''طاعت'' کو مبتداء قرار دیا ہے اور اس کی خبر مقدر ٹھہرائی

تَهۡتَدُوۡا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَ عَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۖ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ
دِيۡنَهُمُ الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ يَعۡبُدُوۡنَنِىۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِىۡ
شَيۡـئًا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾

راہ پاؤ گے- اور اللہ کے رسول کے ذمے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ (پیام حق) صاف صاف پہنچا دے! (۵۵) جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور ان کے عمل بھی اچھے ہیں' ان سے اللہ کا وعدہ ہوا کہ زمین کی خلافت انہیں عطا فرمائے گا[۴۲] اسی طرح جس طرح ان لوگوں کو دے چکا ہے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں- نیز ایسا بھی ضرور ہونے والا ہے کہ ان کے دین کو کہ ان کے لیے پسند کر لیا گیا ہے' ان کے لیے جما دے اور خوف و خطر کی زندگی کو امن و امان کی زندگی سے بدل دے- وہ (بے خوف و خطر) میری بندگی میں لگے رہیں گے اور میرے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے- پھر جو کوئی اس کے بعد بھی ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ ہیں جو نافرمان ہوئے!

ہے: "ای طاعة معروفة اولیٰ بکم من ایمانکم"- کیونکہ یہ اس محل میں زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے-

۴۰ سچے آدمی کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ کبھی قسمیں کھا کھا کر اپنی سچائی کا یقین نہیں دلائے گا- وہ سیدھے سادھے طریقے پر ایک بات کہہ دے گا اور سمجھے گا میں نے جو کچھ کہا ہے' سچ ہے اور ضروری ہے کہ ہر آدمی اسے سچ ہی سمجھے ؎

بکیش صدق وصفا حرف عہد بے کار است
نگاہ اہل محبت تمام سوگند است!

لیکن جس کے دل میں چور ہوگا وہ بات بات پر قسمیں کھائے گا اور دس دس مرتبہ اپنی سچائی کا یقین دلائے گا- کیونکہ وہ جانتا ہے' جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ نہیں- اور کوئی وجہ نہیں کہ سننے والا بھی اسے سچ سمجھے-

آیت ۵۳ میں منافقین کی اسی روش کا ذکر کیا ہے' فرمایا: "وہ قسمیں کھا کھا کر اپنی اطاعت وانقیاد کا یقین دلاتے ہیں، حالانکہ ان کا عمل انہیں صاف جھٹلا رہا ہے- ان سے کہہ دو' قسموں سے کچھ نہیں بنتا' اصل شے جو مطلوب ہے وہ عمل ہے-

آگے چل کر سورۂ نون میں تمہیں بد کردار آدمیوں کا سب سے پہلا نمایاں وصف یہی ملے گا کہ وہ "حلاف" ہوتے ہیں' یعنی بہت قسمیں کھانے والے (۶۸:۱۰)

۴۱ آیت ۵۴ جوامع کلمات میں سے ہے- چند لفظوں کے اندر وہ سب کچھ واضح کر دیا جو تبلیغ دین کے مقاصد و نتائج کے باب میں کہا جا سکتا ہے- جس قدر غور کرتے جاؤ گے' مطلب کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا-

فرمایا: تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو یہی سعادت کی راہ ہے اور اسی میں ساری باتیں آ

وَ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
ع مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ ۚ وَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ‌ ؕ وَلَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۵۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِيَسۡتَاۡذِنۡكُمُ
الَّذِيۡنَ مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ وَالَّذِيۡنَ لَمۡ يَبۡلُغُوا الۡحُلُمَ مِنۡكُمۡ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ‌ ؕ مِنۡ قَبۡلِ صَلٰوةِ الۡفَجۡرِ
وَحِيۡنَ تَضَعُوۡنَ ثِيَابَكُمۡ مِّنَ الظَّهِيۡرَةِ وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ لَّـكُمۡ‌ ؕ لَيۡسَ
عَلَيۡكُمۡ وَلَا عَلَيۡهِمۡ جُنَاحٌۢ بَعۡدَهُنَّ‌ ؕ طَوّٰفُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ بَعۡضُكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ

(۵۶) اور چاہیے کہ نماز کا اہتمام کرو' زکوٰۃ ادا کرنے میں سرگرم رہو اور اللہ کے رسول کا کہا مانو' کچھ بعید نہیں کہ رحمت الٰہی کے سزاوار ہو-

(۵۷) (اے پیغمبرؐ!) ایسا خیال نہ کرنا کہ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے' وہ ایسے ہیں کہ (اس) سرزمین میں (سب کو) عاجز کر دیں- (نہیں! انہیں خود ایک دن سچائی کے آگے عاجز ہو کر گرنا ہے) اور (بالآخر) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' ٹھکانا پانے کی کیا ہی بری جگہ!

(۵۸) مسلمانو! جو آدمی تمہارے زیردست ہیں (یعنی لونڈی غلام) اور جو تم میں ابھی بلوغت کو نہیں پہنچے' انہیں چاہیے کہ ان تین وقتوں میں تمہارے پاس آئیں تو اجازت لے کر آئیں: صبح کی نماز سے پہلے' دوپہر کے وقت جب (آرام کرنے کے لیے) کپڑے اتار دیا کرتے ہو' نماز عشاء کے بعد- یہ تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہوئے- ان وقتوں کے سوا باقی وقتوں میں کوئی گناہ کی بات نہیں' نہ تو تمہارے لیے نہ ان کے لیے- ان کا تمہارے پاس برابر آنا جانا رہتا ہے' تم میں سے ایک کو دوسرے کے پاس آنے کی ضرورت لگی رہتی ہے-

تو (دیکھو!) اس طرح اللہ کھول کھول کر احکام بیان کر دیتا ہے-[۴۳]

گئیں- اور اگر تم اللہ کے رسول ﷺ سے روگردانی کرتے ہو تو اس کا خمیازہ خود تم ہی کو بھگتنا ہے' کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگڑے گا- اس کے ذمے یہ بات نہیں ڈالی گئی ہے کہ تمہیں جبراً کسی نہ کسی طرح اپنی راہ چلا کر ہی چھوڑے- اس کی ذمہ داری تو صرف اتنی ہے کہ پیام حق پہنچا دے- سننا' سمجھنا اور کاربند ہونا یہ تمہارا فرض ہے- اگر ادا کرو گے کامیاب ہو گے' انکار کرو گے ہلاکت میں پڑو گے- رسول تمہارے عمل کے لیے ذمے دار نہیں!

غور کرو' ان چند لفظوں نے مہمات مسائل عمل کے کتنے گوشوں کا احاطہ کر لیا ہے! اگر دنیا قرآن کی صرف اس ایک آیت کا مطلب اچھی طرح سمجھ لے تو اختلاف فکر و عمل کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں-

۴۳ آیت ۵۵ میں جن اہل ایمان سے خلافت کا وعدہ کیا ہے اس کے مخاطب وہ مسلمان ہیں جو شرک سے پاک ہو کر خالص اللہ کی بندگی کرنے والے ہوں' پسندیدہ دین کے متبع ہوں اور اخلاق و اعمال کے اعتبار سے صالح ہوں نہ کہ منافق اور فسق و فجور کے مرتکب جو مذکورہ بالا

صفات سے عاری اور محض زبان سے ایمان کا دعویٰ کرنے والے ہیں- اس کے مخاطب صحابہ کرام ہیں اور بلا شبہ یہ وعدہ خلفائے اربعہ کے دور میں پورا ہوا اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشگوئی کو حرف بحرف پورا ہوتے دیکھ لیا-

اس آیت سے خلفائے اربعہ کی فضیلت و منقبت ثابت ہوتی ہے- عہد نبوت سے لے کر عہد عثمانی تک جو فتوحات ہوئی ہیں علمائے تاریخ نے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو اس بات کا تاریخی ثبوت ہے کہ ان کی خلافت برحق تھی اور وعدۂ خداوندی کے تحت عمل میں آئی تھی- پھر جو لوگ ان تاریخی حقائق سے آنکھیں بند کر کے خلفائے اربعہ کی خلافت اور ان کے فضل و شرف سے منکر ہیں ان کے متعلق ہم اس کے سوا کیا کر سکتے ہیں کہ ''ومن كفر بعد ذلك فاولئك هم الفاسقون-''

مولانا آزاد اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

''نماز اسلام کی ایک عبادت ہے- اس کے لیے ضروری ہے کہ منہ کعبے کی طرف ہو- مگر اسوۂ ابراہیمی اسلام کی حقیقت ہے' اس کے لیے صرف کعبے کی طرف منہ کر دینا کافی نہیں' بلکہ بانی کعبہ کی طرح دل کو پھیر دینا شرط ہے- وہ نماز کا ایک رکن ہے' کہ عبادت ہے- یہ اسلام کی ایک شرط ہے' کہ اصل حقیقت ہے-

'' ملة ابيكم ابراهم- الاية'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت کو اسی لیے یاد دلایا گیا ہے کہ ان کی زندگی اسلام کی حقیقت کا نمونہ تھی- انہوں نے اپنی قربانی کا اسوہ دکھا کر اسلام کی حقیقت ظاہر کر دی تھی- جہاد فی سبیل اللہ' امر بالمعروف' نہی عن المنکر' قیام صلوۃ و اعلان حق اسی قربانی سے عبارت ہیں- اور جب تک ایک قوم اس قربانی کے لیے تیار نہ ہو' وہ سعادت عالم و عالمیان کا ذریعہ نہیں بن سکتی-

مشہور آیہ استخلاف نے' جس کا وعدۂ الٰہی کی صورت میں اعلان ہوا' پھر نصف صدی کے اندر ہی نصرت الٰہیہ نے اس کی تکمیل بھی کر دی' اس مبحث کے لیے ایک آخری فیصلہ کن بصیرت بخش دی ہے-''

۴۳ اثنائے کلام میں ضمناً مثالیں بیان کر کے ایمان و کفر کی حقیقت سمجھانے کے بعد اب یہاں سے پھر احکام معاشرت کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے- گذشتہ آیات میں حجاب کے سلسلہ میں اجانب یعنی غیر محارم کو پابند کیا گیا تھا کہ بغیر سلام اور اہل خانہ کی رضامندی حاصل کیے بغیر کسی کے گھر میں داخل ہونا ممنوع ہے- اب یہاں سے ان لوگوں کے احکام بیان ہو رہے ہیں جو گو محارم سے تو نہیں ہیں تاہم وہ اہل خانہ کے ساتھ متصل رہتے ہیں اور قضائے حوائج میں مدد اور معاون کی حیثیت رکھتے ہیں- تخلیہ کے تین اوقات بیان کیے ہیں اور ان اوقات ثلاثہ کو ''عورات'' سے تعبیر فرمایا ہے- جو ''عورت'' کی جمع ہے- عربی زبان میں ''عورت'' کے معنی خلل اور خطرہ کی جگہ کے ہیں- نیز ''عورة'' کا لفظ اعضاء کے ان حصوں پر بھی بولا جاتا ہے جن کا کھل جانا باعث شرم اور ناگوار ہوتا ہے- لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان اوقات ثلاثہ میں تم لوگ چونکہ ایسی حالت میں ہوتے ہو کہ بچوں اور خدام کا بلا اجازت تمہارے پاس آ جانا مناسب نہیں لیکن ان تین اوقات کے علاوہ وہ بلا اجازت آ سکتے ہیں-

مولانا آزاد آیت نمبر ۵۸ کے تحت لکھتے ہیں:

''آیت ۲۷ میں استیذان کا حکم دیا تھا- یعنی جب کسی کے یہاں جاؤ تو اجازت لے کر مکان میں داخل ہو- یہاں اس امر پر توجہ دلائی ہے کہ خود اپنے گھر کے اندر بھی ایک دوسرے کے کمرے میں جاتے ہوئے استیذان ضروری ہے' تشریح اس کی آخر میں ملے گی-''

الْاٰیٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۸﴾ وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا
اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۹﴾
وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ
غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾ لَیْسَ عَلَى
الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ
تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ
اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ
خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِیْقِكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ

وہ سب کچھ جاننے والا اور اپنے کاموں میں حکمت والا ہے (۵۹) اور جب تمہارے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ جس طرح ان سے بڑے اجازت لے کر داخل ہوا کرتے ہیں' اسی طرح وہ بھی اجازت لے کر داخل ہوں- اس طرح اللہ کھول کھول کر احکام بیان کر دیتا ہے- اور وہ سب کچھ جاننے والا' (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے![۴۴]

(۶۰) اور بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی اب امید نہیں رہی' اگر اپنے (اوپر کے) کپڑے (یعنی چادر وغیرہ) اتار دیں تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں' بشرطیکہ اپنے بناؤ چناؤ کا دکھاوا منظور نہ ہو- اور اگر اس سے بھی احتیاط رکھیں تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتر بات ہوگی- اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے (۶۱) اگر ایک آدمی اندھا ہو' یا لنگڑا ہو یا بیمار ہو تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں' اور خود تمہارے لیے بھی کوئی حرج نہیں کہ اپنے گھر سے کھانا کھاؤ یا ایسے گھروں سے کھاؤ جو تمہارے باپ' ماں' بھائی' بہن' چچا' پھوپھی' ماموں' خالہ کے گھر ہوں' یا ان لوگوں کے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہوئیں' یا دوستوں کے گھر ہوں- اور اس میں بھی کوئی گناہ کی بات نہیں کہ تم سب مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ-[۴۵] پھر جب ایسا ہو کہ تم کسی گھر میں

---

۴۴ پھر جب بچے بالغ ہو جائیں تو ان کا حکم بھی وہی ہے جو دوسرے مردوں کا ہے- یعنی کسی وقت بھی بلا اجازت تمہارے کمرے میں داخل نہیں ہو سکتے- لڑکے کا بالغ ہونا یہ ہے کہ اسے احتلام ہو جائے اور لڑکی کی بلوغت ایام ماہواری سے شروع ہو جاتی ہے-

۴۵ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت "ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" (کہ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ) نازل ہوئی تو لوگ ایک دوسرے کے ہاں کھانا کھانے میں بھی احتیاط برتنے لگے تھے اور بلا دعوت کسی دوست یا عزیز کے ہاں کھانا بھی ناجائز سمجھتے تھے تو ان کے اس ذہنی احساس کو دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی- معذور آدمی تو اپنی بھوک رفع کرنے کے لیے ہر گھر سے

اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ ع

داخل ہوتو چاہیے کہ اپنے لوگوں پر سلام بھیجو' ایک دعا جو اللہ کی طرف سے ٹھہرادی گئی' مبارک اور پاکیزہ- اس طرح اللہ اپنے احکام کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے تا کہ تم سمجھو بوجھو!

(۶۲) سچے مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (سچے دل سے) ایمان لائے ہیں- اور اگر کسی ایسے کام میں جو

کھانا کھا سکتا ہے اور اس کی معذوری بجائے خود معاشرے پر اس کا حق قائم کر دیتی ہے اور دوسرے آدمی بھی اپنے عزیز و اقارب کے ہاں جائیں تو وہ کھانا پیش کریں تو بلا تکلف کھا سکتا ہے- مسلمان اکٹھے بیٹھ کر بھی کھا سکتے ہیں اور علیحدہ بیٹھ کر بھی- اس بارے میں شریعت کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہیں ہے-

مولانا آزاد آیت ۶۱ کے تحت تفصیلاً لکھتے ہیں:

''معذوروں کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور بیماروں کو کراہیت کی نظر سے' اس لیے ان کے ساتھ کھانا پینا پسند نہیں کرتے تھے- عام رجحان یہ تھا کہ ایسوں سے بچتے رہنا چاہیے- اسلام آیا تو اس نے اس طرح کے تمام جذبات مٹا دینے چاہے- چنانچہ اس کی تعلیم کے اثر سے اب لوگ سنبھل گئے تھے' لیکن پھر بھی پچھلے اثرات کبھی کبھی ابھر آتے تھے- خود معذوروں اور بیماروں میں بھی جو خود دار طبیعتیں تھیں وہ پسند نہ کرتیں کہ دوسروں کے ساتھ کھانے پینے کے لیے بیٹھ جائیں اور اپنے کو کسی کی کراہیت و حقارت کا نشانہ بنائیں-

علاوہ بریں باہمی ارتباط و یگانگت کے لیے ضروری تھا کہ کھانے پینے کے معاملے میں کسی طرح کا تکلف و حجاب باقی نہ رہے- لوگ ایک دوسرے کے یہاں بے تامل کھائیں پییں- ہر آدمی اپنے دستر خوان کو دوسروں کے لیے کشادہ رکھے اور دوسروں کے دستر خوان کو اپنا دستر خوان سمجھے- لیکن اس بارے میں طرح طرح کی رکاوٹیں لوگوں نے بنا رکھی تھیں- ایک خاندان کے مخالف رشتے دار بھی ایک دوسرے کے گھر کو اپنا گھر تصور نہیں کرتے تھے-

پھر ایک اور بھی رسم تھی گو وہ ایک بہت بڑی خوبی کے دروازے سے آئی تھی لیکن اس کی پابندی کا التزام اب تکلف کی حد تک پہنچ گیا تھا' یعنی اکیلے کھانے کو برا سمجھنا اور کسی نہ کسی مہمان کی ڈھونڈ میں ضرور رہنا' نہ ملے تو راہ چلتے کی جستجو کرنا- یہ بات فیاضی طبع اور مہمان نوازی کی راہ سے آئی تھی' جیسا کہ حاتم نے کہا ہے ؎

اِذَا مَا صَنَعْتِ الزَّادَ فَالْتَمِسِيْ لَهٗ
أَكِيْلًا فَاِنِّيْ لَسْتُ اٰكِلَهٗ وَحْدِيْ

لیکن پھر بعض لوگوں نے یہاں تک اس کا التزام کر لیا کہ ہر حال میں اکیلے کھانے کو برا سمجھنے لگے- اس سے معیشت کی آزادروی میں خواہ مخواہ ایک نئی رکاوٹ پیدا ہوگئی- آیت ۶۱ میں انہی امور کی اصلاح کی ہے-

فرمایا' نہ تو معذور اور بیمار اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ کھانے میں مضائقہ محسوس کریں اور نہ لوگوں کو اس میں مضائقہ ہونا چاہیے-

اس میں کوئی تکلف نہیں ہونا چاہیے کہ تم نے اپنے گھر میں کھانا کھایا' یا اپنے عزیزوں اور دوستوں کے یہاں کھایا- کھانے کا معاملہ ایسا معاملہ ہے جس میں کسی طرح کا امتیاز من و تو نہیں ہونا چاہیے- ہر عزیز و دوست کے گھر کو بلاتکلف وحجاب اپنا گھر تصور کرو اور اپنے گھر کا دروازہ تمام عزیزوں اور دوستوں کے لیے کھلا رکھو- اگر خودداری کے بے جا خیالات اور تکلفات کی بے جا بندشیں اس معاملے میں راہ پا جائیں گی تو باہمی اخوت کی وہ بے داغ زندگی پیدا نہ ہوگی جو قرآن چاہتا ہے کہ انسانی مجامع میں پیدا ہو جائے-

پھر اس دائرے کو یہاں تک وسیع کیا کہ فرمایا ''مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ'' کہ ان لوگوں کے گھر جن کی کنجیاں تمہاری سپردگی میں ہوں- یعنی اگر کوئی عزیز یا دوست اپنا گھر سپرد کر دے اور گھر میں کھانے کا سامان ہو تو اسے برتنے میں تکلف نہیں کرنا چاہیے اور ایسا نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ کوئی عیب کی بات ہوگی-

''مل کر کھاؤ یا الگ الگ' کوئی مضائقہ نہیں!''

یعنی اگر ایسی صورت پیش آ جائے کہ کوئی ساتھی نہ ہو تو اکیلے کھا لینے کو علوِنفسی اور فیاض منشی کے خلاف سمجھ کر بے تکلف نہ رکو!- خوبی کی بات تو یہی ہے کہ دسترخوان پر اکیلے نہ بیٹھیں- لیکن اگر اتفاقاً ایسی ہی صورت پیش آ گئی ہے تو اکیلے ہی بیٹھ جائیں' کہ اکیلا بیٹھ کر کھا لینا کوئی برائی کی بات نہیں-

آیت کے آخر میں سلام کرنے کا حکم دیا ہے: ''فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ'' اس سے پہلے آیت ۲۷ میں بھی سلام کا حکم گزر چکا ہے- لیکن وہاں ذکر اس بات کا تھا کہ آدمی دوسرے کے گھر جائے تو کس طرح جائے؟ یہاں عام طور پر حکم دیا کہ جب گھروں میں داخل ہو' خواہ خود تمہارا گھر ہو' خواہ کسی دوسرے کا تو آپس میں ایک دوسرے کو سلام کر لیا کرو- یہ ظاہر ہے کہ یہاں گھر سے مقصود درودیوار نہیں- پس ماحصل یہ ہوا کہ جب کبھی ایک آدمی دوسرے آدمی سے ملے تو اسے پہلی بات یہ کرنی چاہیے کہ سلام کرے-

اس آیت میں خطاب اگرچہ مسلمانوں سے ہے لیکن سلام کرنے کے معاملے میں شرعاً مسلمان اور غیر مسلمان کی خصوصیت نہیں- مسلمان جس کسی کے گھر جائے گا اور جس کسی سے ملے گا' کہے گا'' السَّلَامُ عَلَيْكُم'' ''تم پر سلامتی ہو' کیونکہ مسلمان ہر انسان کے لیے امن وسلامتی چاہتا ہے- وہ کسی کے لیے بھی تباہی اور ہلاکت کا خواہشمند نہیں ہو سکتا- چنانچہ تاریخ نے خود پیغمبر اسلام اور ان کے صحابہ کا طرزِ عمل آج تک محفوظ رکھا ہے- وہ جب کسی سے ملتے تھے تو اس پر سلامتی بھیجتے تھے' یا مسلمان ہو خواہ غیر مسلمان!

ایک دوسرے سے ملتے ہوئے اور رخصت ہوتے ہوئے سلامتی کا کلمہ کہنا سامی اقوام کی نہایت قدیم رسم ہے- تورات کے صحائف سے معلوم ہوتا ہے کہ عبرانیوں میں یہ طریقہ رائج تھا- اور شعرائے جاہلیت کے کلام میں مردوں کے لیے ''**عليك سلام الله**'' اور زندوں کے لیے ''**سلام عليكم**'' کی ترکیبیں جا بجا آئی ہیں- خود قرآن مجید نے گزشتہ واقعات بیان کرتے ہوئے یہ ترکیب استعمال کی ہے- اور سورہ مریم میں پڑھ چکے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے رخصت ہونا ان لفظوں میں بیان کیا گیا کہ ''**سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ**'' (۱۹:۴۷) ''اچھا سلام! میں رخصت ہوتا ہوں-'' پس اسلام اس کلمے کا واضع نہیں ہے البتہ اس نے یقین واہتمام کے ساتھ اسے مقرر کر دیا اور اس پر اتنا زور دیا کہ سلام کا جواب دینا فرض ہو گیا-

مصر و شام میں جہاں مسلمان اور غیر مسلمان سب عربی بولتے ہیں' آج بھی یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ سلام کا عام کلمہ یہی '' السَّلَامُ عَلَيْكُم'' ہے- بعلبک کے ہوٹل کی مالکہ ایک مسیحی خاتون تھی لیکن جب مجھے دیکھتی تھی '' السَّلَامُ عَلَيْكُم'' کہتی تھی- البتہ اب متوسط طبقے

عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ
يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ
فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ
عَلَيْهِ ؕ وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۹ ۱۵

لوگوں کے اکٹھے ہونے کا کام ہے' اللہ کے رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو کبھی اٹھ کر نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہیں لے لیتے (اے پیغمبرؐ!) جو لوگ ایسے موقعوں پر تجھ سے اجازت لینی چاہتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول کے سچے مومن ہوئے- پس جب ایسے لوگ اپنے کسی ضروری کام کے لیے اجازت مانگیں تو جسے اجازت دینی مناسب سمجھے، دے دیا کر اور اللہ کے حضور اس کے لیے بخشش کی دعا کر' بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے (۶۲) (مسلمانو!) جب پیغمبر اسلام تم میں سے کسی کو بلائیں تو ان کے بلانے کو آپس میں ایسی (معمولی) بات نہ سمجھو' جیسے تم میں سے ایک آدمی دوسرے آدمی کو بلایا کرتا ہے- اللہ ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے جو (مجمع سے) چھپ کر کھسک جاتے ہیں- حکم رسول کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے' کہیں ایسا نہ ہو' ان پر کوئی آفت آ پڑے' یا دردناک عذاب سے دوچار ہوں [۴۶] (۶۴) سن رکھو! آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے! وہ خوب جانتا ہے تم جیسی کچھ چال چل رہے ہو' جس دن یہ لوگ اللہ کے حضور لوٹا کر لائے جائیں گے' اس دن وہ انہیں بتا دے گا کہ ان کے کام کیسے کچھ رہ چکے ہیں- اور اللہ تعالیٰ کے علم سے تو کوئی چیز بھی باہر نہیں!

کے جدید تعلیم یافتہ گھرانوں نے ''صبحکم اللہ بالخیر'' اور ''مسأکم اللہ بالخیر!'' پر قناعت کر لی ہے اور اعلیٰ طبقے نے فرنچ کلمات اختیار کر لیے ہیں-

۴۶ یہاں سے خصوصیت کے ساتھ جماعتی نظم وضبط کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور مخلص مومنین پر ان قواعد وضوابط کی پابندی لازم قرار دی ہے- (الف) اجتماعی امور میں امیر جماعت کی اجازت کے بغیر مجلس سے اٹھ کر چلا جانا یا مجلس کو برخاست کرنا جائز نہیں ہے- یہ منافقین کا شیوہ ہے کہ اجتماعی امور میں صرف حاضری لگوانے کی غرض سے آ جاتے ہیں پھر موقع پا کر کھسک جاتے ہیں- نیز حکم دیا کہ مخاطبت کے وقت حضورؐ کے آداب وعظمت کا پورا پورا خیال رکھو- عام لوگوں کی طرح ''یا محمدؐ'' وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کرو بلکہ یا ''رسول اللہؐ'' یا ''نبی اللہؐ'' جیسے تعظیمی القاب سے پکارو' دیکھو! پیغمبر علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی پر دنیا میں کسی آفت کا شکار ہو سکتے ہو- ایسے لوگوں کو چاہیے کہ آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا ہونے سے بچیں-

مولانا آزاد ان آیات کے تحت لکھتے ہیں:

''سورت کے آخر میں پھر اطاعت رسول پر زور دیا ہے- کیونکہ بغیر ان کے احکام وقوانین کے انقیاد کی سچی روح پیدا نہیں ہو سکتی تھی-

پیغمبرؐ اسلام جب کبھی کسی اہم معاملے کے لیے لوگوں کو جمع کرتے تو منافق دکھاوے کے لیے آ جاتے' پھر نظر بچا کے کھسک جاتے-

فرمایا: مومنوں کا یہ شیوہ نہیں' انہیں جب کسی اہم معاملے کے لیے طلب کیا جائے' جو جماعت وامت کی مصلحت کا معاملہ ہے' تو چاہیے کہ پوری طرح جی لگا کے اس میں حصہ لیں اور جب تک معاملہ انجام نہ پا جائے جلسے سے اٹھنے کا نام نہ لیں- ہاں اگر کوئی ایسی ہی مجبوری پیش آ گئی ہو' تو اٹھ سکتے ہیں' مگر نظر بچا کے نہیں بلکہ رخصت لے کر!

پھر متنبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے بلانے کو ویسا بلانا نہ سمجھو جیسا آپس میں ایک دوسرے کا بلاوا سمجھتے ہو- اس کی ہر صدا تمہارے لیے قانون ہے اور ہر بلاوا واجب التعمیل!

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ جو شخصیت جماعت کی ہدایت وقیادت کا مرکز ہو' ضروری ہے کہ اس کی صدائیں احترام کے ساتھ سنی جائیں' ورنہ نظم جماعت درہم برہم ہو جائے گا-''

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُهَا : 77 سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا : 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ① الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ
شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ② وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ
وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّ لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَيٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا ③
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ٰافْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ

(۱) کیا ہی پاک اور برکتوں کا سرچشمہ ہے ذات اس کی، جس نے اپنے بندے پر الفرقان نازل کی تا کہ وہ دنیا جہان کے لیے ڈرانے والا ہو۔[(۱)]

(۲) وہی خدا جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ و جہاندار ہے اور جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور جس کی جہانداری میں کوئی شریک نہیں اور اس نے تمام چیزیں پیدا کیں۔ پھر ہر چیز کے لیے اس کی ضرورت اور حالت کے مطابق، ایک اندازہ ٹھہرالیا۔[ا]

(۳) اور لوگوں نے اللہ کے سوا ایسے معبود ٹھہرا لیے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور جو اپنے لیے کسی قسم کے نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ کسی کی موت اور نہ زندگی اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی بخشنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

ا سورۂ الفرقان میں دوسری مکی سورتوں کی طرح توحید و رسالت اور معاد کے ثبوت پر زور دیا گیا ہے اور ضمناً شرک کی نفی کی گئی ہے، مخالفین کو انجام بد سے ڈرایا گیا ہے اور تاریخی شہادتیں پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ جن قوموں نے بھی اپنے رسول کی مخالفت کی وہ انجام کار ہلاک کر دی گئیں، لہٰذا مشرکین قریش اور مخالفین اسلام کو چاہیے کہ ان قصوں سے عبرت حاصل کریں اور اپنے پیغمبر کی مخالفت ترک کر دیں ورنہ ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو پہلی امتوں کا ہوا۔

''سورۃ الفرقان بھی مکی ہے اور اس کا زمانہ نزول مکی زندگی کا وسطی دور ہے جبکہ مشرکین کی مخالفت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ وہ لوگوں کو اسلامی تحریک سے روکنے کے لیے الزام تراشیوں پر اتر آئے تھے اور مخالفانہ پروپیگنڈا بھی زور شور کے ساتھ شروع کر دیا تھا۔ اس بنا

(۱) ''الہلال'' ۳۰ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۵-۶ - ''البلاغ'' ۱۴-۲۱-۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۸۔

اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ﴿۴﴾ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ

(۴) کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن اختراع ہے' خدا کی طرف سے نہیں- محمدؐ نے خود گھڑا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اسے مدد دی ہے- (اور یہ کافر بڑے ہی ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں) (۵) اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو پہلوں کی کہانی ہے جسے محمدؐ نے لکھ لیا ہے اور صبح و شام اسے پڑھ کر سنایا جاتا ہے-ع۲[1] (۶) آپ کہہ دیجیے ''اس قرآن کو تو اس اللہ نے نازل فرمایا ہے

پر اس خطاب کا زیادہ تر تعلق ان کے ان اعتراضات و شبہات سے ہے جو اس دور کی مکی سورتوں میں مختلف اسالیب سے مذکور ہیں- چنانچہ ان کا سب سے پہلا اعتراض وحی الٰہی پر تھا کہ قرآن وحی الٰہی نہیں ہے بلکہ تصنیف بندہ ہے اور کچھ دوسرے لوگ اس سازش میں ان کے شریک کار ہیں- اس کے جواب میں قرآن نے مختلف صورتوں میں تحدی کی ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہے تو تم سب فصحاء و بلغاء مل کر ایسا کلام پیش کر دکھاؤ-

اس سورۃ میں قرآن کو 'الفرقان' کے خاص نام سے یاد کیا ہے کیونکہ نزول قرآن سے قبل دنیا کفر و شرک کی تاریکیوں میں گم تھی اور حق و باطل کا امتیاز ختم ہو چکا تھا- سو لوگوں کی ہدایت کے لیے ایسی کتاب نازل کی جس نے حق و باطل کے درمیان واضح خطوط قائم کر دیے اور کفر و شرک کی وجہ سے جو وبال آنے والا تھا اس سے دنیائے جہان کو آگاہ کر دیا- اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا نتیجہ ہے- اس لیے سورہ کی ابتداء ''تبارک الذی'' سے کی- سورہ کی ابتداء میں توحید باری تعالیٰ پر استدلال ہے- اور پھر نبوت پر ان کے شبہات کے جوابات دیے ہیں اور معاد کو ثابت کیا ہے-''

نزول قرآن کی شان:

ہر سال حج کا موسم آتا ہے تو لاکھوں انسانوں کے اندر سے اسوۂ خلیل اللہ علیہ السلام جلوہ نما ہوتا ہے- یہ تو اسوۂ ابراہیمی کی یادگار تھی- لیکن جب وہ آیا جس کے لیے خود ابراہیم خلیل علیہ السلام نے خداوند کریم کے حضور التجا کی تھی تو دنیا کے لیے اسوۂ محمدیؐ کی حقیقت الحقائق اعلیٰ رونما ہوئی اور ہدایت وسعادت کی تمام (دیگر) حقیقتیں بے اثر ہو گئیں- اس اسوۂ عظیمہ کا سب سے پہلا منظر وہ عالم ملکوتی کا استغراق تھا' جب کہ صاحب فرقان نے انسانوں کو ترک کر کے خدا کی صحبت اختیار کر لی تھی اور انسان کے بنائے گھروں کو چھوڑ کر غار حرا کے غیر مصنوع حجرے میں عزلت گزیں ہو گیا تھا- اس عالم میں متصل بھوکا پیاسا رہتا تھا اور پوری پوری راتیں جمال الٰہی کے نظارے میں بسر کر دیتا تھا' تا آنکہ اس تنگ و تاریک غار کی اندھیاری میں طلیعہ قرآنی کا نور بے کیف طلوع ہوا اور مشرقستان الوہیت سے نکل کر اس کے قلب مقدس میں غروب ہو گیا-

وہ بھوکا پیاسا رہتا تھا' پس تمام مومنوں کو حکم دیا گیا کہ تم بھی ان ایام (شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن) میں بھوکے پیاسے رہو تا کہ ان برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ جو نزول قرآنی کے ایام اللہ کے لیے مخصوص ہیں- وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر ایک تنہا گوشے میں خلوت نشین تھا' پس ایسا ہوا کہ ہزاروں مومن و قانت روحیں ماہ مقدس میں اعتکاف کے لیے مسجد نشین ہونے لگیں- اس طرح غار حرا کے اعتکاف کی یاد ہر سال تازہ ہونے لگی- وہ راتوں کو حضور الٰہی میں مشغول عبادت رہتا تھا- پس پیروان اسوۂ محمدیہؐ اور متبعین سنت احمدیہ بھی رمضان المبارک کی راتوں میں قیام لیل کرنے لگے-''

(۱) ''الہلال'' ۱۵/اپریل ۱۹۱۴ء ص ۱۱-

يَعۡلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝٦ وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ
يَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمۡشِيۡ فِي الۡاَسۡوَاقِ ؕ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَلَكٌ فَيَكُوۡنَ مَعَهٗ نَذِيۡرًا ۝٧ اَوۡ
يُلۡقٰۤى اِلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ تَكُوۡنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاۡكُلُ مِنۡهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا
مَّسۡحُوۡرًا ۝٨ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا ۝٩
تَبٰرَكَ الَّذِيۡۤ اِنۡ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيۡرًا مِّنۡ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ
وَيَجۡعَلۡ لَّكَ قُصُوۡرًا ۝١٠ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالسَّاعَةِ ۟ وَاَعۡتَدۡنَا لِمَنۡ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيۡرًا ۝١١
اِذَا رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيۡرًا ۝١٢ وَ اِذَاۤ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا مَكَانًا

جوآسمانوں اورزمین میں تمام پوشیدہ (باتوں کو) جانتا ہے- بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا اورنہایت مہربان ہے-[۲] (۷) کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جوکھانا بھی کھاتا ہےاور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے؟اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا جواس کے پاس رہ کر لوگوں کوڈراتا؟ (۸) یااس کی طرف کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا' یااس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے وہ کھایا کرتا- اورظالم کہتے ہیں کہ ''تم توایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو-'' (۹) اے پیغمبر! ذرادیکھیے تو یہ لوگ آپ کے سامنے کیسی کیسی باتیں بیان کر رہے ہیں' سو یہ لوگ گمراہ ہوگئے اوراب یہ کوئی راہ نہیں پاسکتے-[۳] (۱۰) وہ ذات بڑی بابرکت ہے کہ وہ اگر چاہے توان کی تجویز کردہ چیزوں سے بھی آپ کوبہتر چیزیں عطا کردے اورآپ کو باغات عطا کردے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں اورآپ کو بڑے بڑے محل دے دے-[۵] (۱۱) اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے منکر ہیں- اور جوبھی قیامت کے منکر ہیں ہم نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کررکھی ہے- (۱۲) جب وہ آگ ان کودور سے دیکھے گی تو یہ اس کے غضب اور جوش کی آوازیں سنیں گے- (۱۳) اور جب یہ کافر ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے دوزخ کی تنگ جگہ میں ڈالے جائیں گے-

---

۲ شروع آیات میں توحید کا بیان اور شرک کی تردید تھی اب آنحضرت ﷺ کی رسالت پران کے پانچ شبہات پیش کر کے ان کے جواب دیے جارہے ہیں-

آنحضرت ﷺ کے صدق پر سب سے بڑی دلیل قرآن پاک ہے' اس لیے مخالفین قرآن کے آسمانی کتاب ہونے سے انکار کرتے اوراسے آنحضرت کی تصنیف کردہ کتاب قرار دیتے-

۳ کفار نے قرآن کواساطیر الاولین کہہ کر جس طرح اس کے وحی الٰہی ہونے سے انکار کیا ہے اسی طرح گویا اس کے خالی از حکمت ہونے پر بھی اشارہ کیا ہے- لیکن گزشتہ اقوام کے عبرت ناک انجام کواساطیر کہنا بھی صداقت کے منہ کو چڑانا ہے-

اس لیے قرآن نے ان کے جواب یہ کہہ کر تنبیہ وطنز کی ہے کہ اس کو نازل کرنے والی وہ ذات ہے جو کائنات کے اسرار ورموز سے خوب واقف ہے اوراس کتاب میں ماضی کی عبرتیں اورانسانی زندگی کی انفرادی اوراجتماعی ذمہ داریوں کا بیان ہے-

۴ پھر وہ پیغمبر علیہ السلام پر بھی اعتراض کرتے اورآپ کی نبوت کی تکذیب کے لیے طنزواستہزاء سے کہتے کہ جوشخص ہماری طرح کھانے

ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝١٣ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝١٤
قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا ۝١٥ لَهُمْ فِيْهَا مَا
يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ۝١٦ وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَ اَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ؕ ۝١٧ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ

تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے-

(۱۴) (کہا جائے گا) تم آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو! (۱۵) آپ ان سے کہیے کیا یہ دوزخ کا عذاب اچھا ہے یا وہ دائمی جنت اچھی ہے جس کا متقی اور پرہیز گار لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے؟

(۱۶) جس میں جس چیز کی وہ خواہش کریں گے ان کے لیے موجود ہوگی- وہ اس حالت میں ہمیشہ رہیں گے- یہ آپ کے رب کے ذمے ایک واجب الایفا وعدہ ہے-

(۱۷) اور یہ وہی دن ہوگا جب کہ اللہ ان کو اور ان کے معبودوں کو جن کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں یکجا جمع کرلے گا- پھر ان معبودوں سے پوچھے گا ''کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود دراہ راست سے بھٹک گئے تھے؟'' (۱۸) وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے-

---

پینے کا محتاج ہو اور کسب معاش کے لیے ہما شما کی طرح بازاروں میں پھرتا ہو وہ اللہ کا رسول کیسے ہوسکتا ہے' اگر اللہ نے رسول بھیجنا ہوتا تو ضروری تھا کہ کوئی فرشتہ ان کے ساتھ ہوتا جو لوگوں کو انجام بد سے ڈراتا! اس کے پاس خزانے ہوتے یا کوئی شاندار باغ ہوتا وغیرہ پھر جب یہ ساری چیزیں نہیں ہیں تو پھر آخر ہم اس کو اللہ کا رسول کیسے مان لیں؟ اور مسلمانوں سے کہتے کہ بس تم تو ایک پاگل اور جادوزدہ شخص کی اتباع کررہے ہو-

قرآن نے معجزانہ انداز میں کہا یہ لوگ خود پاگل ہیں جو اس قسم کی بہکی بہکی باتیں بنارہے ہیں کوئی اعتراض سوجھتا نہیں' پھر جو زبان پر آتا ہے بکتے چلے جاتے ہیں-

۵؎ اب یہاں آیت ۱۰ سے اصل اعتراضات کے جوابات دینے شروع کیے ہیں اور ان شبہات کے اصل محرکات کی نشان دہی کی ہے اور ان کو انجام بد سے ڈرایا ہے اور صحابہ کو صبر و استقامت کی تلقین کی ہے یعنی اللہ ان چیزوں سے بہتر چیزیں بھی عنایت کرسکتا ہے- اور بتایا کہ دراصل یہ لوگ قیامت کے منکر اور مکافات عمل پر ایمان نہیں رکھتے اور پھر دنیوی ساز و سامان کی فراوانی نے ان کو بدمست کررکھا ہے اور دولت کے نشہ میں تمہاری دعوت کا انکار کررہے ہیں- اور اب رہا پیغمبر کا بازاروں میں پھرنا اور طعام نوشی' تو یہ منصب رسالت کے منافی نہیں ہے- پہلے بھی جتنے پیغمبر ہوگزرے ہیں وہ سب بلا استثنا بشر تھے' کھانا بھی کھاتے اور بازاروں میں گھوما کرتے تھے- قریش حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی نبوت و رسالت کے قائل تھے بلکہ ان کی ذریت ہونے پر ان کو فخر تھا وہ بھی مافوق بشر نہ تھے- اسی

يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا
الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا
نَصْرًا ۚ وَ مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ
اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ
وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ
اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ
الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَ قَدِمْنَآ اِلٰى
مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا
وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾

ہماری یہ مجال نہ تھی کہ ہم تیرے سوا دوسروں کو مددگار بناتے‘ مگر تو نے ان کو اور ان کے آباواجداد کو ہر قسم کی آسودگی سے بہرہ مند کیا حتیٰ کہ یہ تیری یاد کو بھول گئے اور یہ خود ہی ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔(۱۹) اس طرح وہ معبود تمہاری باتوں کو جھٹلا دیں گے‘ پھر تم نہ تو عذاب کو اپنے سے ٹال سکو گے اور نہ کسی سے مدد پا سکو گے‘ اور جو بھی تم میں سے ظلم (شرک) کا مرتکب ہوگا ہم اسے بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔(۲۰) اے نبیؐ! ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش بنایا ہے۔ کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے۔[1] (۲۱) اور جو لوگ ہمارے روبرو پیش ہونے کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ ”ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں کیے گئے؟ یا پھر ہم اپنے رب ہی کو دیکھیں۔ بلاشبہ انہوں نے یہ کہہ کر اپنے اندر گھمنڈ پیدا کیا اور بڑی سخت درجے کی سرکشی کی ہے۔(۲۲) جس روز یہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس روز گنہگاروں کے لیے کوئی خوشی نہ ہوگی اور یہ کہیں گے ”ہمارے اور ان کے درمیان کوئی رکاوٹ ہو جائے“۔(۲۳) اور ہم ان کے اعمال کی جانب متوجہ ہوں گے پھر ان کو اڑتا ہوا غبار بنا دیں گے۔(۲۴) اہل جنت اس روز قیام گاہ کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں گے اور آرام گاہ کے اعتبار سے بھی۔(۲۵) اور جس دن آسمان بادل کے ٹکڑے پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے جوق در جوق اتارے جائیں گے۔[2]

طرح بنی اسرائیل بھی اپنے انبیاء میں سے کسی کے مافوق بشر ہونے کے قائل نہ تھے۔ اس بنا پر نبوت و رسالت کے سلسلہ میں قریش کو اہل کتاب کی طرف رجوع کا بھی حکم دیا اور حضرت عیسیٰ اور مریم علیہا السلام کے متعلق دعوائے الوہیت کی نفی کے سلسلہ میں فرمایا کہ یہ دونوں بھی

---

(۱) ”البلاغ“ ۱۴-۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۵ (۲) ”الہلال“ یکم جولائی ۱۹۱۴ء ص ۶۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۚ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾ وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ
عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا
خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۗ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾
وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ
نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا ﴿٣١﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا
نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾

---

(۲۶) اس دن کسی کی بادشاہت باقی نہ رہے گی-صرف خدائے رحمٰن کی حکومت ہوگی-اور یاد رکھو کہ وہ دن کافروں کے لیے بہت ہی سخت ہوگا-(۱) (۲۷) اس روز ظالم اپنے ہاتھ چبائے گا- کہے گا'' کاش میں نے بھی رسول کے ساتھ صحیح راہ اختیار کی ہوتی! (۲۸) ہائے افسوس! کیا اچھا ہوتا کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا! (۲۹) اس نے مجھے نصیحت کے قبول کرنے سے بہکا دیا-اس کے بعد کہ وہ میرے پاس پہنچ چکی تھی! اور شیطان تو وقت پڑے انسان کو تنہا چھوڑ کر الگ ہوجاتا ہے-

(۳۰) اور (قیامت کے دن) رسول عرض کریں گے'پروردگار! (افسوس ہے) کہ میری امت نے قرآن (کی ہدایتوں اور تعلیموں پر عمل نہ کیا اور اس قرآن) سے رشتہ کاٹ لیا (اسی کا نتیجہ ہے جو آج بھگت رہے ہیں-)(۲)

(۳۱) (اے نبیؐ جس طرح یہ کافر آپ کے دشمن ہیں) اسی طرح ہم نے مجرموں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے' اور آپ کا پروردگار ہی ہدایت اور مدد کو کافی ہے-

(۳۲) اور کافر کہتے ہیں'' اس نبی پر سارا قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہیں نازل کیا گیا-'' ہاں ایسا اس لیے کیا گیا ہے تاکہ اس ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس قرآن کو خاص ترتیب سے نازل کیا ہے-ے

کھانا کھاتے تھے-

ے آدم علیہ السلام کی اولاد دو کی محکوم نہیں ہوسکتی' وہ ایک سے لے گی دوسرے کو چھوڑے گی' ایک سے جڑے گی دوسرے سے کٹے گی- پھر مومن کی اقلیم دل کس کی بادشاہت قبول کرے گی؟ دنیا اور اس کی بادشاہیاں فانی ہیں' ان کے جلال و جبروت کو ایک دن مٹنا ہے' خدائے منتقم و قہار کے بھیجے ہوئے فرشتہ ہائے عذاب انقلاب و تغیرات کے حربے لے کر اترنے والے ہیں' ان بادشاہیوں کے قلعے مسمار ہوجائیں گے' ان کی تلواریں کند ہوجائیں گی' ان کے خزانے کام نہ آئیں گے' ان کی طاقتیں نیست و نابود کردی جائیں گی' ان کا تاج غرور سر سے اتر جائے گا' ان کا تخت جلال و عظمت واژگوں نظر آئے گا-''

---

(۱)''الہلال'' یکم جولائی ۱۹۱۴ء ص ٦ (۲) ایضاً نیز ''الہلال'' ۸ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ٦-

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ
جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ
هَارُونَ وَزِيرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴿٣٦﴾
وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣٧﴾
وَعَادًا وَثَمُودَ وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَٰلِكَ كَثِيرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا
تَتْبِيرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوا
لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿٤٠﴾ وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿٤١﴾

---

(٣٣) اور یہ لوگ جب بھی تمہارے سامنے کوئی انوکھا سوال پیش کرتے ہیں ہم اس کا ٹھیک اور نہایت شرح کے ساتھ جواب دے دیتے ہیں- (٣٤) یہ وہ لوگ ہیں جو اوندھے منہ جہنم کی طرف دھکیلے جائیں گے- یہ لوگ باعتبار مرتبہ بہت برے اور باعتبار راہ کے بہت بھٹکے ہوئے ہیں- (٣٥) بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بھائی ہارون کو ان کے ساتھ وزیر مقرر کیا- (٣٦) پھر ان سے کہا کہ ''تم دونوں اس قوم کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے- بالآخر ہم نے ان کو تباہ کر دیا- (٣٧) اور قوم نوح کو بھی' جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا' ہم نے ان کو غرق کر دیا اور لوگوں کے لیے ان کو نشان عبرت بنا دیا' اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے- (٣٨) اور (اسی طرح) عاد اور ثمود اور اصحاب الرس کو اور ان کے درمیانی مدت میں بہت سی قوموں کو ہلاک کیا ہے- (٣٩) اور ہم نے ان سب کے سامنے سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کیں اور (آخر کار ان کے انکار پر) سب کو ہلاک کر ڈالا (٤٠) اور یہ لوگ یقیناً اس بستی پر ہو گزرے ہیں جن پر بری طرح کی بارش برسائی گئی تھی' تو پھر کیا انہوں نے اس کا حال نہیں دیکھا ہو گا مگر بات یہ ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد دوسری زندگی کی توقع ہی نہیں رکھتے-[8] (٤١) اور یہ کافر جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانے لگتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ وہی شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے-[9]

آیت ٢١-٢٢ میں ان کے اس اعتراض کا جواب دیا جو کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) کے ساتھ فرشتہ نذیر (ڈرانے والا) بن کر کیوں نہیں آیا؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ سنت الٰہی کے خلاف ہے کہ انسانوں کو آگاہ کرنے کے لیے فرشتے بھیجے جائیں' اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو وہ بھی مردانہ (انسانی) شکل میں ہی ظاہر ہوتا- دراصل بات یہ ہے کہ فرشتے یا تو عذاب کے موقع پر نازل ہوتے ہیں اور یا پھر قیامت کے دن نازل ہوں گے اس لیے ان کا یہ مطالبہ سراسر غلط ہے- پھر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ آج پیغمبر کی تکذیب کر رہے ہیں قیامت کے دن ان کی حسرت قابل دید ہو گی' اور دنیا میں تو یہ لوگ دعوت حق کو دبانے کے لیے ایک دوسرے کے معاون بنے ہوئے ہیں مگر قیامت کے دن ایک

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ
اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿٤٣﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ
ع اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٤٤﴾ اَلَمْ تَرَ اِلٰى
رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاۗءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿٤٥﴾
ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿٤٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا
وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿٤٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ

---

(۴۲) اگر ہم اپنے معبودوں کی عبادت پر مضبوطی سے جمے نہ رہتے تو اس نے ہمیں ہمارے معبودوں سے گمراہ کر کے چھوڑ دیا ہوتا۔ مگر عنقریب جب یہ لوگ عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ (۴۳) اے نبی کیا آپ نے اس شخص کی حالت پر غور کیا ہے جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟ کیا آپ ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کی ذمہ داری لے سکتے ہیں؟

(۴۴) یا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔

(۴۵) کیا (اے مخاطب) تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارا رب کس طرح سائے کو پھیلا دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک ہی حالت پر ٹھہرائے رکھتا۔ پھر ہم نے اس (سائے پر) سورج کو علامت بنا دیا ہے۔

(۴۶) پھر ہم اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں۔

(۴۷) اور اللہ وہ ہے جس نے رات کو تمہارے لیے بمنزلہ لباس اور نیند کو راحت اور دن کو جی اٹھنے کا وقت بنایا۔

(۴۸) اور وہی ہے جو اپنی رحمت (بارش) کے آگے آگے بشارت دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور ہم

دوسرے پر لعنت کریں گے۔

ے آیت ۳۲ میں ان کے چوتھے شبہ کا جواب دیا، وہ کہتے تھے کہ اگر یہ خدا کی نازل کردہ کتاب ہے تو یہ پوری کی پوری بیک مرتبہ ہی کیوں نہ نازل کر دی گئی؟ معلوم ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دوسرے لوگوں سے مدد لے کر کچھ نہ کچھ بنا لاتا ہے اور اسے وحی الٰہی کے طور پر پیش کر دیتا ہے۔ قرآن نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ کتاب بیک مرتبہ بھی نازل کر سکتا ہے مگر تدریجی نزول سے مقصد یہ ہے کہ آپ کو ثبات قلب حاصل ہو اور اس کو اچھی طرح یاد کر لیں اور مخالفین کی طرف سے جو اعتراض ہو اس کا برموقع صحیح اور مسکت جواب مل سکے۔

ہمارے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں یعنی توراۃ، انجیل اور زبور یا دیگر صحیفے، وہ سب بیک مرتبہ نازل ہوتے تھے اور قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے، جو بتدریج نازل ہوئیں ہے، مگر یہ ایک تاریخی غلطی ہے۔ کتب سابقہ میں سے کسی کتاب کے متعلق ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ بیک وقت نازل ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام کو جو الواح دی گئی تھیں وہ کل توراۃ نہ تھیں، بلکہ توراۃ

السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّ نُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِيَّ
كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ
شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

ہی آسمان سے پاک پانی اتارتے ہیں۔

(۴۹) تا کہ اس کے ذریعہ سے ایک علاقے کو زندگی بخشیں اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو اس سے سیراب کریں۔ (۵۰) اور ہم اس بارش کو لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں تا کہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ پھر بھی اکثر لوگ کفر اور ناسپاسی کے سوا دوسرا رویہ اختیار کرنے سے انکار ہی کرتے ہیں۔[۱۰]

(۵۱) اگر ہم چاہتے تو ہر ایک بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے (۵۲) سوائے نبی! آپ ان کافروں کا کہنا نہ مانیے اور اس قرآن کے ذریعہ سے ان کا سخت مقابلہ کیجیے۔[۱۱]

کا ایک حصہ تھیں اور ان میں صرف احکام عشرہ (دس احکام) درج تھے۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کی جو تاریخ مذکور ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بتدریج احکام نازل ہوتے رہے۔ یہی حال دوسری سماوی کتابوں کا ہے۔ واللہ اعلم۔

۸ ان آیات میں حضرت نوح سے لے کر حضرت موسیٰ تک قوموں کی تاریخ اور ہلاکت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس سے ایک طرف تو آنحضرت کو تسلی دینا مقصود ہے اور دوسری طرف مخالفین کو متنبہ کرنا ہے۔ اقوام سابقہ کی سرگزشت بیان کرنے سے جو مقصد قرآن کے پیش نظر ہے اس پر مفصل بحث کے لیے ترجمان القرآن جلد دوم' سورۂ اعراف اور سورۂ ہود ملاحظہ کر لی جائے۔ ہم نے بھی اپنے مقالہ ''قصص القرآن'' میں تمام مباحث کا استیعاب کیا ہے۔

۹ ان کی بدبختی اور محرومی کا یہ عالم ہے کہ وہ آپ کو دیکھ کر آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور تحقیر آمیز لہجہ میں کہتے ہیں کہ دیکھو یہ وہی ہے جسے اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اگر ہم ثابت قدم نہ رہے ہوتے تو ضرور ہی ہمارے معبودوں سے ہمیں برگشتہ کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو تسلی دی کہ ان کو اپنی گمراہی کا احساس تو اس وقت ہو گا جب عذاب سامنے نظر آئے گا۔ دنیا میں یہ لوگ اپنی خواہشوں کے غلام بنے ہوئے ہیں اور چوپایوں سے بھی گئے گزرے بن گئے ہیں۔ لہٰذا آپ ان کی اصلاح و ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں' اور نفسانی خواہش کی غلامی سے انسانی عقل و فکر تباہ ہو جاتی ہے اور انسان فطرت کے حدود کو توڑ کر چوپایوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

۱۰ اب آیت ۴۵ سے ۵۰ تک توحید پر کونی دلائل پیش کیے ہیں اور یہ وہ کونی اور آفاقی دلائل ہیں جن پر قرآن نے بار بار غور و فکر کی دعوت دی ہے' اس لیے آخر میں فرمایا ﴿ ولقد صرفناه بينهم ليذكروا ﴾ کہ ہم نے گوناگوں اسالیب سے ان کو واضح کر دیا ہے تا کہ وہ یاد دہانی حاصل کریں۔

۱۱ آیت ۵۱' ۵۲ میں اس حقیقت کو واضح کیا کہ آنحضرت کی بعثت کسی ایک علاقے کے ساتھ مختص نہیں' بلکہ آپ دنیا بھر کے لوگوں

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا
مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾ وَیَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَ لَا یَضُرُّهُمْ ؕ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا
مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۵۷﴾
وَ تَوَكَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰی بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۸﴾

---

(۵۳) اور وہی قادر مطلق ہے جس نے دو دریاؤں کو آپس میں ملایا' ایک کا پانی شیریں وخوش ذائقہ اور ایک کا کھاری کڑوا- پھر دونوں کے درمیان ایک ایسی حد فاصل اور روک رکھ دی کہ دونوں باوجود ملنے کے الگ رہتے ہیں-(۱)

(۵۴) اور وہی (حکیم وقدیر) ہے جس نے پانی (نطفے) سے انسان کو پیدا کیا' پھر (اس رشتہ پیدائش کے ذریعے سے) اسے نسب اور صہر کا رشتہ رکھنے والا بنا دیا- اور تیرا رب قدرت والا ہے-(۲)

(۵۵) مگر لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان' اور کافر تو اپنے رب کے مقابلے میں شیطان کا مددگار بنا ہوا ہے-

(۵۶) اے نبیؐ! ہم نے آپ کو تو بس خوشخبری سنانے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے-

(۵۷) آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا- لیکن ہاں! جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے-

(۵۸) اور آپ اس زندہ خدا پر بھروسہ رکھیے جو کبھی مرنے والا نہیں اور اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے رہیے اور وہ خود اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کو کافی ہے-

---

کے لیے مبعوث ہوئے ہیں لہٰذا آپ کو چاہیے کہ بڑے وسیع پیمانے پر جدوجہد کریں اور اقامت دین کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں-

آپ نے سمندروں کو طوفانوں اور موجوں کی صورت میں دیکھا ہے کہ پانی کی سرکشیاں کیسی شدید ہوتی ہیں' لیکن اس سرکش اور مغرور دیو پر جب حقیقت اسلامی کی اطاعت کا قانون نافذ ہوا تو اس عجز وتذلیل کے ساتھ اس کا سر جھک گیا کہ ایک طرف میٹھے پانی کا دریا بہ رہا ہے اور دوسری طرف کھاری پانی کا بحر زخار ہے- دونوں اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ کوئی شے ان میں حائل نہیں- مگر نہ تو دریا کی یہ مجال ہے کہ سمندر کی سرحد میں قدم رکھے اور نہ سمندر بہ ایں ہمہ قوت وقہاری اس کی جرات رکھتا ہے کہ اپنی سرکش موجوں سے دریا پر حملہ کرے-

---

(۱) ''الہلال'' ۴ دسمبر ۱۹۱۲ء

(۲) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۸۲-

الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ۚۛ
اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِہٖ خَبِیۡرًا ﴿۵۹﴾ وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ ۚ قَالُوۡا وَ مَا الرَّحۡمٰنُ ٭
اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا وَ زَادَہُمۡ نُفُوۡرًا ﴿۶۰﴾ تَبٰرَکَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ جَعَلَ
فِیۡہَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیۡرًا ﴿۶۱﴾ وَ ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ خِلۡفَۃً لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّذَّکَّرَ
اَوۡ اَرَادَ شُکُوۡرًا ﴿۶۲﴾

(۵۹) وہ ہے جس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے مابین ہے پیدا کیا- پھر وہ عرش پر مستوی ہوا- وہ نہایت ہی مہربان ہے- بس اس کی شان کسی باخبر سے دریافت کیجیے-[۱۳] (۶۰) اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمٰن کیا ہوتا ہے! کیا بس جسے تو کہہ دے ہم اسی کو سجدہ کرنے لگیں، اور اس بات سے الٹا ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے-[۱۴] (۶۱) کیا مبارک ہے ذات قدوس اس کی جس نے آسمان میں (گردش سیارات کے) دائرے بنائے اور اس میں آفتاب کی مشعل روشن کر دی! نیز روشن و منور چاند بنایا![(۱)] (۶۲) اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا اس شخص کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہو یا شکر بجالانا چاہتا ہو-[۱۵]

ازدواجی زندگی سے توالد و تناسل کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو گیا ہے کہ ہر وجود پیدا ہوتا ہے اور ہر وجود پیدا کرتا ہے- ایک طرف وہ نسب کا رشتہ رکھتا ہے' جو اسے پچھلوں سے جوڑتا ہے' دوسری طرف صہر یعنی دامادی کا رشتہ رکھتا ہے جو اسے آگے آنے والوں سے مربوط کر دیتا ہے- نتیجہ یہ ہے کہ ہر وجود کی فردیت ایک وسیع دائرے کی کثرت میں پھیل گئی ہے- رشتوں اور قرابتوں کا ایسا حلقہ پیدا ہو گیا ہے' جس کی ہر کڑی دوسری سے مربوط ہے-

۱۲ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں کہ سمندر میں مختلف مقامات پر شیریں پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں اور وہ سمندر کے تلخ پانی کے درمیان اپنی مٹھاس پر قائم ہیں- یہی حال انسانی معاشرے کے سمندر کا ہے کہ معاشرہ خواہ کس قدر بگڑ جائے پھر بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان میں صالح رہنما پیدا کر دیتا ہے-

۱۳ آسمانوں و زمین کو چھ دنوں میں پیدا کرنے سے مراد چھ ادوار بھی ہو سکتے ہیں' جیسا کہ توراۃ میں مذکور ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدائی ایام مراد ہوں "وان یوما عند ربك كالف سنة مما تعدون" -اس پر مفصل بحث کے لیے ترجمان القرآن جلد دوم میں ''سورۂ یونس'' کی تفسیر کے آخر میں نظر ڈال لینا ضروری ہے: خلق السموات والارض پر حافظ ابن کثیر نے ''البدایہ والنہایہ'' میں مفصل بحث کی ہے اور قرآن پاک کی مختلف آیات کو یکجا کر دیا ہے-

۱۴ کفار مکہ اسمائے حسنیٰ میں اسم پاک اللہ سے متعارف تھے جو اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی ہے- مگر دوسرے اسمائے حسنیٰ خصوصاً اسم ''الرحمٰن'' سے ناواقف تھے' اس لیے جب ان کو خدائے رحمٰن کو سجدہ کرنے اور اس کی عبادت کی دعوت دی جاتی تو متکبرانہ انداز میں جواب دیتے کہ رحمٰن کیا چیز ہے؟ اور اظہار نفرت کرتے اور عوام کو آنحضرت کے خلاف بھڑکاتے -قرآن نے سورۂ بنی اسرائیل میں بھی ان کی حماقت پر توجہ دلائی ہے

(۱) ''الہلال'' ۴ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۷-

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ
يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا
كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَ
كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ

(۶۳) اور رحم کرنے والے خدا کے رحم طینت بندے وہ ہیں جو زمین پر نہایت فروتنی سے چلتے ہیں- اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو سلام کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں- [۱۶] (۱)

(۶۴) اور جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں رات گزارتے ہیں-

(۶۵) اور وہ جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کر دے، اس کا عذاب تو ہمیشہ کی تباہی ہے-

(۶۶) بے شک وہ جہنم بہت برا مقام اور ٹھہرنے کی بہت بری جگہ ہے-

(۶۷) اور وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ وہ خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے-

(۶۸) اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پوجا نہیں کرتے اور نہ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں-

---

اور پھر یہاں بھی اس کا اعادہ کیا ہے-

۱۵ "ملکوت السموات" کے ان اجرام عظیمہ کو دیکھو جن کے مرئیات مدہشہ سے یہ سطح نیلگوں ادراک انسانی کا سب سے بڑا منظر تحیر ہے- یہ عظیم الشان قہرمان تجلی جو روز ہمارے سروں پر چمکتا ہے، جس کی فیضان بخشی حیات تمیز قرب و بعید سے ماوراء ہے- جس کا جذب و انجذاب کائنات عالم کے لیے مرکز قیام ہے، جس کا سرچشمہ ضیاء و نور اجسام سماویہ کے لیے تنہا وسیلہ تنویر ہے اور جس کا قہر حرارت کسی تجلی گاہ حقیقی کا سب سے بڑا عکس و ظلال ہے- غور کرو، اپنے اندر حقیقت اسلامی کی کیسی مؤثر شہادت رکھتا ہے- جس کی جبروت و عظمت کے آگے تمام کائنات عالم کا سر جھکا ہوا ہے، کیسے مسلم شعارانہ انکسار کے ساتھ فاطر السموت کے آگے سر بسجود ہے کہ ایک لمحے، ایک عشر دقیقہ کے لیے بھی اپنے اعمال و افعال کے مقرر کردہ حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا-"

قرآن میں لفظ بروج دو اور مقامات پر بھی استعمال ہوا ہے- دیکھیے سورۃ الحجر (آیت:۱۶) اور سورۃ البروج (آیت:۱)

---

(۱) "الہلال" ۲۰ راگست ۱۹۱۲ء ص ۹-

اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝٦٨ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ
مُهَانًا ۝٦٩ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٧٠ وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝٧١ وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ
اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝٧٢ وَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ۝٧٣
وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝٧٤
اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ۝٧٥ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

اور نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی یہ برے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کے وبال سے دوچار ہو گا۔

(۶۹) قیامت کے دن اسے دو چند عذاب دیا جائے گا اور اس میں ذلیل ہو کر ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ (۷۰) مگر جس شخص نے توبہ کی، ایمان لایا اور عمل صالح کیا، تو خدا اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے[1] اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ (۷۱) اور جو شخص توبہ کر کے نیک عمل کرنے لگتا ہے تو وہی حقیقت میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۷۲) اور رحمٰن کے نیک بندے وہ ہیں جو جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے اور جب کبھی بیہودہ (مجالس) کے پاس گزرتے ہیں تو کریمانہ انداز میں گزر جاتے ہیں۔

(۷۳) اور جب ان کو ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر اوندھے اور بہرے ہو کر نہیں رہ جاتے۔

(۷۴) اور جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔ (۷۵) یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر (واستقامت) کے ہر صلے میں بالاخانے دیے جائیں گے اور وہاں دعائے خیر اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا (۷۶) وہ ان میں

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا "بروج" سے مراد وہ بارہ منازل ہیں جو علمائے فلکیین نے دورۂ شمس کے انضباط کے لیے مقرر کی ہیں یا یہ لفظ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، اور مقصود بڑے بڑے ستارے ہیں جو بحر و بر کی ظلمتوں میں مسافروں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

ان بارہ برجوں کی تقسیم سب سے پہلے اہل بابل نے کی، پھر سریانی اقوام ان سے متعارف ہوئیں اور بالآخر یونانیوں نے انہیں اختیار کر لیا۔ جاہلیت میں عرب ان بارہ منزلوں سے متعارف نہ تھے۔ چنانچہ تبریزی نے ابو العلا کا قول نقل کیا: لَمْ تَكُنِ الْعَرَبُ تَعْرِفُهَا فِي الْقَدِيْمِ۔

---

(۱) "البلاغ" ۱۸ر فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵۔

حَسُنَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلۡ مَا يَعۡبَؤُا بِكُمۡ رَبِّىۡ لَوۡلَا دُعَآؤُكُمۡ ۚ فَقَدۡ كَذَّبۡتُمۡ فَسَوۡفَ يَكُوۡنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

ع ۶

ہمیشہ رہیں گے- ہاں! وہ رہنے اور ٹھہرنے کے لیے بہترین جگہ ہے- (۷۷) اے نبیؐ! آپ کہہ دیجیے! اگر تم میرے رب کو نہ پکارو تو وہ تمہاری کچھ پروانہیں کرے گا- اب تم نے تکذیب کی ہے- سو عنقریب اس کا وبال تمہارے سر پر پڑ کر رہے گا-

---

اس بنا پر متاخرین میں سے محققین نے لکھا ہے کہ ان سے مراد وہ مستحکم خطے ہیں جن میں سے ہر ایک کی سرحدیں دوسرے سے الگ ہیں اور ان میں سے ایک خطے کو عبور کر کے دوسرے خطے میں چلا جانا نہایت مشکل ہے' یا وہ سرحدیں مراد ہیں جن سے آگے شیاطین کا گزر نہیں ہو سکتا ہے- بہر حال ان سے مقصود یہ ہے کہ وحی الٰہی شیاطین کی دراندازیوں سے محفوظ رہے- واللہ اعلم-

مفصل بحث کے لیے ترجمان القرآن جلد دوم' تفسیر سورۃ الحجر ملاحظہ ہو-

۱۶ اس سے قبل عباد الشیطان اور ان کی صفات مذکور ہوتی رہیں' اب یہاں (آیت ۶۳) سے عباد الرحمٰن کا بیان شروع ہوا ہے جو سورۃ کے آخر تک چلا گیا ہے' پھر آخری آیت میں مخالفین کو دھمکی دی ہے-

۱۷ عمل صالح انسان کے دل کو سنوارتا ہے' اس لیے پچھلے گناہوں کا جو داغ دل میں ہوتا ہے' اسے بھی مٹا دیتا ہے- خدا گناہوں کی ناکام زندگی' نیکی کی سعید و کامیاب زندگی سے بدل دیتا ہے- (مثلاً) حضرت عمر جب تلوار لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے چلے تھے تو یہ تلوار کیسی مفسدانہ نظر آتی ہوگی؟ مگر اب اس کے ہر جوہر میں ایمان و اصلاح کے جلوے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں' (تو کیا) یہ نیکی کو بدی سے بدل دینا نہیں؟

***

اٰیَاتُهَا : 227 سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا : 11

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ
نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ
ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨ ع ۹/۵
وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ

(۱) طاسین میم (۲) یہ[۱] وضاحت سے بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں-[۲] (۳) اے نبیؐ آپ شاید (اس غم میں) اپنی جان کھو بیٹھیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے (۴) اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں کہ اس کے سامنے ان کی گردنیں جھک کر رہ جائیں[۳] (۵) اور ان کے پاس رحمٰن کی جانب سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر یہ اس سے روگرانی کرتے ہیں' (۶) بہر حال یہ تکذیب کر چکے ہیں' عنقریب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کا یہ مذاق اڑاتے رہے ہیں (۷) کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے کتنی کثیر مقدار میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں اگائی ہیں-(۸) بے شک اس (روئیدگی) میں بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں (۹) بیشک آپ کا رب زبردست اور رحم کرنے والا ہے-(۱۰) اور (انہیں یہ قصہ سناؤ کہ) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ "تم ایک ظالم قوم کے پاس جاؤ (۱۱) قوم فرعون کے

[۱] یہ سورۃ بھی مکی ہے اور سورۃ الفرقان کی طرح یہ سورت بھی آنحضرت کی رسالت اور قرآن کے وحی الٰہی کے اثبات پر مشتمل ہے- یہ سورۃ بھی مکی زندگی کے دور متوسط میں نازل ہوئی ہے- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے سورۃ طٰہٰ نازل ہوئی، پھر واقعہ اور اس کے بعد الشعرا- اور یہ معلوم ہے کہ سورۂ طٰہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے پہلے نازل ہو چکی تھی- سورۃ الفرقان کی مثل اس سورۃ میں بھی کفار مکہ کے پیہم جحود انکار کا بیان ہے اور آنحضرت سے کوئی نشانی دکھانے کا مطالبہ کر رہے ہیں- کبھی آپ کو شاعر اور کاہن کہتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین نادان اور ادنیٰ طبقے کے لوگ ہیں' اگر آپ سچے نبی ہوتے تو قوم کے اشراف اور شیوخ اس کے قبول کرنے میں سبقت کرتے- آنحضرت انہیں بار بار سمجھاتے مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے' اس پر آپ غمزدہ ہوتے-

ان حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی اور آپ کو تسلی دی گئی کہ یہ لوگ ہٹ دھرم ہیں- اگر نشانیاں دیکھ کر ایمان لانے والے ہوتے تو ان کے گرد و پیش زمین پر ہر طرف نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں جنہیں دیکھ کر حقیقت کو پہچان سکتے ہیں- پھر جب یہ لوگ قدرت کی نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے تو یہ لوگ اس وقت تک اپنے کفر و شرک پر قائم رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں نہ آ جائیں' پھر اس

اَلَا یَتَّقُوْنَ ⑪ قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ⑫ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ⑬

پاس جاؤ، کیا وہ ڈرتے نہیں؟[۴] (۱۲) موسیٰ نے عرض کیا ''اے میرے رب! مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ مجھ کو جھٹلا دیں (۱۳) اور میرا سینہ گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی' لہٰذا آپ ہارون پر بھی وحی بھیج دیجیے۔

مناسبت سے سات نامور قوموں کے حالات پیش کیے ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کے مقابلہ میں ہٹ دھرمی سے کام لیا اور بالآخر تباہ و برباد کر دیے گئے۔ گذشتہ اقوام کے ان قصوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں انبیا کی تکذیب کے لیے ایک ہی قسم کے اعتراضات کیے گئے اور تمام انبیاء کی اساسی تعلیم بھی ایک جیسی رہی ہے۔

پھر آخر میں کفار کو خطاب ہے کہ اگر تم نشانیاں ہی دیکھنا چاہتے ہو تو اس قسم کی نشانیوں پر کیوں اصرار کرتے ہو جو تباہ شدہ قوموں نے دیکھیں۔ یہ قرآن بجائے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر معجزہ ہے۔ کیا یہ شاعرانہ کلام ہے؟ اگر تم صدق دل سے اس کلام پر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ کہانت یا شاعری سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اسی سے اندازہ کر سکتے ہو کہ تمہارا انجام کیا ہوگا۔

۲۔ قرآن کتاب مبین ہے جو حقائق کو کھول کر بیان کرتی ہے۔ اسلوب بیان میں کوئی ابہام اور پیچیدگی نہیں ہے۔ اس کے مضامین اور پیش کردہ حقائق خود ہی بتا رہے ہیں' کہ علیم و خبیر کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اس کی ہر آیت ایک معجزہ ہے جو آنحضرت کی نبوت کا یقین کرنے کے لیے کافی ہے۔ کفار مکہ جو آپؐ سے معجزات کے طالب تھے' ان کے لیے کتاب مبین کی آیات موجود ہیں' آپ کو کاہن یا شاعر کہنے والے اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کلام کسی کاہن یا شاعر کی زبان سے نہیں نکل سکتا۔

۳۔ آیت ۴ میں فرمایا کہ ہمارے لیے یہ کچھ مشکل نہیں ہے کہ آسمان سے ایسا نشان نازل کریں جو تمام کفار کو ایمان و طاعت پر مجبور کر دے' مگر ایسا جبری ایمان اس کو مطلوب نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کی مشیت تو یہ ہے کہ لوگ اس کتاب مبین کی آیات کو پڑھ کر خود ہی راہ ہدایت اختیار کریں اور آفاق و انفس میں جو آیات پائی جاتی ہیں ان پر غور و فکر کر کے حق کو پہچانیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار و ارادہ کی آزادی دی ہے اور اس کے اندر خیر و شر کے دونوں رجحان رکھ دیے ہیں اور امتحان کے مقام پر کھڑا کر دیا ہے کہ وہ کفر و فسق کی راہ اختیار کرتا ہے' یا ایمان و طاعت کی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبر ہو تو امتحان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ اس مضمون کو قرآن نے متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ سورہ یونس میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ دیکھیے ترجمان القرآن جلد دوم (حاشیہ ۴۳' ۴۴' ۴۵)

۴۔ مختصر تمہید کے بعد اب گذشتہ اقوام کے وقائع کو تاریخی شواہد کے طور پر پیش کیا کہ جن قوموں نے بھی اپنے پیغمبروں کی مخالفت کی وہ تباہی سے دوچار ہو گئیں۔

(الف) دس سال مدینہ میں رہنے کے بعد حضرت موسیٰ اپنے اہل کے ساتھ واپس آ رہے تھے جب سینا کے قرب و جوار میں پہنچے تو دور سے آگ دکھائی دی' اپنے اہل کو وہیں ٹھہرا کر آگ کے پاس پہنچے تو یہ واقعہ پیش آیا۔ توراۃ میں اسی جگہ کو ''حورب'' کہا ہے جو سینا کا مشرقی گوشہ ہے۔

(ب) مصری مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ بڑا دیوتا سورج تھا جسے ''رع'' کہتے تھے، اور چونکہ بادشاہ کو اس کا اوتار سمجھتے تھے' اس لیے اس کا لقب فارع تھا' یہی فارع عبرانی میں فاراعو اور عربی میں فرعون بن گیا۔

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾
فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾
قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ
الَّتِيْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾
فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَ تِلْكَ
نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا
تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ
اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ

(۱۴) اور مجھ پر ان کا ایک جرم بھی ہے' اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے قتل کر ڈالیں (۱۵) اللہ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوگا' اب تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ، ہم تمہارے ساتھ سننے والے موجود ہیں (۱۶) پس فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم کو رب العلمین نے (اس لیے) بھیجا ہے (۱۷) کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔ (۱۸) فرعون نے کہا: ''کیا ہم نے بچہ ہونے کی حالت میں اپنے ہاں تیری تربیت نہیں کی اور تو نے اپنی زندگی کے کتنے ہی سال ہمارے ہاں گزارے (۱۹) اور تو نے وہ کرتوت کی جو کی اور تو بڑا ہی ناسپاس ہے۔'' (۲۰) موسیٰ نے کہا ''ہاں اس وقت میں نے وہ کام کیا تھا اور میں غلطی کرنے والا تھا۔ (۲۱) سو جب مجھ کو تم سے خطرہ محسوس ہوا تو میں تمہارے ہاں سے بھاگ گیا تھا' اس کے بعد میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں شامل کر لیا (۲۲) اور وہ احسان جو تو مجھ پر رکھ رہا ہے وہ اس لیے ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے' (۲۳) فرعون نے کہا یہ رب العالمین کیا ہے؟ (۲۴) موسیٰ نے جواب دیا ''وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' سب کا رب ہے' اگر تم یقین لانے والے ہو (۲۵) فرعون نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے کہا ''کیا تم سن رہے ہو؟'' (۲۶) موسیٰ نے کہا ''وہ تمہارا بھی رب ہے' اور تمہارے ان آباء و اجداد کا بھی جو پہلے گزر چکے ہیں (۲۷) فرعون نے کہا ''یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے بلاشبہ دیوانہ ہے (۲۸) موسیٰ نے کہا ''وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے ان سب کا رب ہے' اگر تم عقل رکھتے ہو۔''

(ج) حضرت موسیٰ یہ پیغام سن کر اپنی کمزوریوں کا اظہار کرنے لگے اور اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے جانے کے لیے ان کے لیے بھی رسالت کی درخواست کی' جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں ہے کہ میرے گھر والوں میں سے ہارون کو میرا وزیر بنا دیجیے' چنانچہ حضرت موسیٰ مصر کو روانہ

لَئِنِ اتَّخَذۡتَ اِلٰهًا غَيۡرِىۡ لَاَجۡعَلَنَّكَ مِنَ الۡمَسۡجُوۡنِيۡنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكَ بِشَىۡءٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاۡتِ
بِهٖۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ
لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلۡمَلَاِ حَوۡلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهٖ ع
فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ وَابۡعَثۡ فِى الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِيۡنَ ﴿۳۶﴾ يَاۡتُوۡكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيۡمٍ ﴿۳۷﴾

(۲۹) اس نے کہا' اگر میرے سوا کسی دوسری ذات کو تو نے اپنا معبود بنا لیا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔[1] (۳۰) اس پر موسیٰ نے کہا' ''اگر چہ میں تیرے سامنے کوئی صریح چیز (معجزہ) لے آؤں'' (۳۱) فرعون نے کہا: ''اچھا اگر تو سچا ہے تو وہ چیز پیش کر۔'' (۳۲) اس پر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو یکا یک وہ ایک نمایاں اژدہا بن گیا! (۳۳) اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا! (۳۴) فرعون نے اپنے گرد و پیش کے سرداروں سے کہا: ''بلا شبہ یہ تو کوئی بڑا ماہر جادوگر ہے۔ (۳۵) جو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں ملک سے نکال باہر کرے اور خود مالک بن بیٹھے۔ اب بتلاؤ تمہاری صلاح اس بارے میں کیا ہے؟'' (۳۶) چنانچہ انہوں نے (باہم مشورہ کے بعد فرعون سے) کہا ''موسیٰ اور اس کے بھائی کو ڈھیل دے کر روک لے اور (اس اثناء میں) نقیب روانہ کر دے کہ (مملکت کے) تمام شہروں سے (۳۷) مشہور اور ماہر جادوگر اکٹھے کر کے تیرے حضور لے آئیں۔''

ہوئے، ادھر حضرت ہارون کو اشارہ غیبی ہوا کہ موسیٰ علیہما السلام کی تلاش میں نکلیں' چنانچہ راہ میں دونوں کی ملاقات ہوگئی اسی لیے آیت ۱۶ میں دونوں کو مخاطب کر کے فاتیا تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا۔

(د) حضرت موسیٰ اور ہارون کو دوہرے مشن پر بھیجا گیا۔ فرعون کو دعوت توحید اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکالنا۔ قرآن نے کسی جگہ پر پہلے مشن کا ذکر کیا ہے اور کسی جگہ دوسرے کا۔ جیسے یہاں پر آیت ۱۸ میں اشارہ ملتا ہے کہ جس فرعون کی طرف حضرت موسیٰ جا رہے ہیں یہ وہ نہیں ہے جس کے محل میں ان کی پرورش ہوئی تھی بلکہ اس کا بیٹا ہے جو تخت نشین ہو چکا تھا۔

(ہ) فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ناسپاس ہونے کا طعنہ دیا اور واقعہ قتل کی طرف بھی اشارہ کیا' مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ قتل نادانستہ ہو گیا تھا اس لیے قابل مؤاخذہ نہیں۔ اب رہا تمہارے محل میں پرورش پانا تو یہ تیرے ہی ظلم کی وجہ سے تھا کہ تو نے بنی اسرائیل پر ظلم ڈھا رکھے تھے اور تیرے ظلم کی وجہ سے میری ماں نے مجھے تابوت میں ڈال کر دریا میں بہا دیا تھا۔

(و) پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب العالمین کی طرف دعوت دی تو فرعون بوکھلا گیا اور کہنے لگا کہ تمہارا یہ پیغمبر تو پاگل ہے' اس پر جب حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کی مزید تشریح کی تو فرعون نے دھمکی دی کہ مصر میں اگر تو نے میرے سوا کسی اور کے الٰہ و معبود ہونے کا نام لیا تو جیل میں ڈال دیے جاؤ گے۔

(ز) اس کے جواب میں حضرت موسیٰ نے حق کی نشانیاں دکھلائیں' مگر فرعون نے حضرت موسیٰ پر ماہر جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔

(۱) ''الہلال'' ۲۷ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۵۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّ قِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ
السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ
كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ
اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَ عِصِيَّهُمْ وَ قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾
فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْۤا

(۳۸) چنانچہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کیے گئے۔

(۳۹) اور لوگوں سے کہا گیا ''تم سب جمع ہوتے ہو

(۴۰) تا کہ اگر جادوگر غالب رہیں تو ہم سب انہی کے پیرو بن جائیں۔''

(۴۱) پھر جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا ''اگر ہم غالب رہے تو کیا ہمیں کوئی بڑا انعام ملے گا؟

(۴۲) فرعون نے کہا ہاں! اور تم اس وقت مقربین میں شامل کر لیے جاؤ گے۔

(۴۳) ان جادوگروں سے موسیٰ نے کہا: تمہیں جو کچھ ڈالنا ہے وہ ڈالو۔

(۴۴) اس پر انہوں نے اپنی رسیاں اور عصا ڈال دیے اور بولے: فرعون کے اقبال کی قسم! بلاشبہ ہم ہی غالب رہیں گے۔

(۴۵) پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا تو اس نے یکایک جو سانگ وہ بنا رہے تھے اس کو نگلنا شروع کر دیا۔

(۴۶) اس پر تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے۔

اور اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ یہ شخص بغاوت کر کے سلطنت کا تختہ الٹنا چاہتا ہے اور اقتدار پر قابض ہونا چاہتا ہے' اس پر درباریوں نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ ملک کے ماہر جادوگر اس کے مقابلہ کے لیے جمع کیے جائیں' چنانچہ جادوگروں کو جمع کیا گیا۔ یہاں پر ﴿ **میقات یوم معلوم** ﴾ فرمایا ہے کہ ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کیے گئے۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ وہ قومی تہوار (عید کا دن) تھا۔

(ح) مصر کے جادوگروں کا اجتماع اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ:

سورۂ اعراف میں جادوگروں کی نسبت فرمایا: ''انہوں نے لوگوں کی نگاہیں جادو سے ماردی تھیں'' مطلب یہ کہ جادو کے شعبدوں کی کوئی حقیقت نہیں' محض نگاہ کا دھوکا تھا' چنانچہ سورۂ طٰہٰ ٦٦ میں اسے تخیل کی تاثیر سے بھی تعبیر فرمایا ہے اور یہاں ﴿ **مایافکون** ﴾ فرمایا یعنی اس کی نمائش جھوٹی تھی۔

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ
عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٩﴾ ع ۷
قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾
وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٥٢﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ اِنَّ
هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَ اِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ
وَّ عُيُوْنٍ ﴿٥٧﴾ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٥٩﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾

وہ بول اٹھے: مان لیا ہم نے رب العالمین کو موسیٰ اور ہارون کے رب کو! (۴۷) فرعون نے کہا تم موسیٰ کے مطیع ہو گئے ہو اس سے پیشتر کہ میں تمہیں اجازت دوں، ضرور یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے- عنقریب ہی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے- میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھادوں گا- (۴۸) انہوں نے جواب دیا: کچھ نقصان کی بات نہیں ہم اپنے رب کے حضور ہی لوٹنے والے ہیں (۵۱) ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو معاف کر دے گا- کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں- (۵۲) اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ کیونکہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا (۵۳) اس پر فرعون نے شہروں میں (فوجیں جمع کرنے کے لیے) نقیب بھیج دیے (۵۴) کہ یہ (بنی اسرائیل) ایک تھوڑی سی جماعت ہے (۵۵) اور انہوں نے ہمیں سخت غصہ دلایا ہے- (۵۶) اور ہم ہوشیار اور چوکنا رہنے والی جماعت ہیں- (۵۷) اور اس طرح ہم انہیں باغات اور چشموں (۵۸) اور خزانوں اور بہترین قیام گاہوں سے نکال لائے (۵۹) اسی طرح ہوا اور ہم نے انہی چیزوں کا مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا (۶۰) چنانچہ صبح ہوتے ہی وہ لوگ ان کے تعاقب میں چل پڑے-

---

(ط) جادو کا اعتقاد دنیا کی قدیم اور عالمگیر گمراہیوں میں سے ہے اور نوع انسانی کے لیے بڑی مصیبتوں کا باعث بن چکا ہے، جس حد تک اس کی جزوی تاثیرات کا تعلق ہے وہ تو احادیث سے بھی ثابت ہے- لیکن جادو کے ذریعہ سے اشیاء کی ماہیت کو تبدیل کرنا، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں جادوگر بری طرح ہار گئے اور اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئے-

(ی) جب فرعون نے دیکھا کہ تمام باشندگان ملک کے سامنے اسے شکست ہوئی اور جن جادوگروں پر بھروسہ کیا تھا وہ ایمان لے آئے ہیں، تو ڈرا، کہیں ایسا نہ ہو لوگ حضرت موسیٰ کے معتقد ہو جائیں- اس نے جادوگروں پر مکر و سازش کا الزام لگایا اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارا سردار ہے اور تم جادو میں اس کے شاگرد ہو، اس لیے اس کے آگے گر پڑے- اس سے فرعون کا مقصد یہ تھا کہ عوام پر حقیقت حال مشتبہ کر دے اور شکست کی ذلت کو چھپائے، اور پھر جادوگروں کو قتل و تعذیب کی دھمکی دی-

(ک) مگر سچا ایمان اگرچہ ایک لمحہ کا ہو وہ انسان میں ایسی روحانی طاقت بھر کر دیتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے مرعوب و مسخر

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝٦١ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝٦٢
فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ۝٦٣
وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ۝٦٤ وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۝٦٥ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۝٦٦
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝٦٧ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝٦٨ ع ۸

---

(۶۱) پھر جب دونوں جماعتوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا: ہم تو پکڑے گئے- (۶۲) موسیٰ نے کہا ہر گز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے' وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا-

(۶۳) تب ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ اپنا عصا سمندر پر مار- چنانچہ عصا مارتے ہی سمندر پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا-

(۶۴) اور اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے (۶۵) اور ہم نے موسیٰ کو اور اس کے ساتھیوں کو بھی نجات دی-

(۶۶) پھر دوسرے فریق کو اس میں غرق کر دیا- (۶۷) بلاشبہ اس واقعہ میں عبرت کی بہت بڑی نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں-

(۶۸) بیشک آپ کا رب زبردست اور رحم کرنے والا ہے-

نہیں کر سکتی- وہی جادوگر' جو فرعون سے صلہ و انعام کی التجائیں کر رہے تھے' ایمان لانے کے بعد معاً ایسے بے پروا ہو گئے کہ سخت جسمانی اذیت کی دھمکی بھی انہیں متزلزل نہ کر سکی-

(ل) اب یہاں آیت ۵۲ سے حضرت موسیٰ کا دوسرا مشن شروع ہوتا ہے یعنی بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا اور ان کو لے کر ملک شام کو چلے جانا-

چنانچہ فرعون سے مقابلہ کے کئی سال بعد جب اللہ تعالیٰ نے مناسب سمجھا تو حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل سمیت ہجرت کا حکم دیا-

بنی اسرائیل کی آبادیاں چونکہ متفرق تھیں اس لیے حضرت موسیٰ نے تمام بستیوں میں ہدایات بھیج دیں کہ لوگ ہجرت کے لیے تیار ہو جائیں اور اس سفر کے لیے ایک خاص رات مقرر کر دی' اور ہدایت کے مطابق رات کو ساری قوم متعین راستہ پر نکل کھڑی ہوئی-

(م) فرعون کو جب پتہ چلا تو اس نے ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا اور فوری امداد کے لیے فوج طلب کر لی- وہ دل میں خوف زدہ تھا مگر ظاہر یہ کیا کہ ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا ہے' اس لیے ہم انھیں سزا دینا چاہتے ہیں-

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا
عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ
اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾
فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾

(۶۹) اور اے نبی آپ انہیں ابراہیم کا قصہ پڑھ کر سنایئے[۵] (۷۰) جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیا چیزیں ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو؟ (۷۱) انہوں نے کہا ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور ہم انہی کے گرد جمے بیٹھے رہتے ہیں۔
(۷۲) ابراہیم نے پوچھا جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں؟
(۷۳) یا تمہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ (۷۴) انہوں نے جواب دیا: نہیں بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے (۷۵) ابراہیمؑ نے کہا بھلا تم نے کبھی غور کیا کہ جن کو تم پوجتے ہو (۷۶) اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی پوجتے رہے ہیں (۷۷) یہ سب میرے دشمن ہیں، بجز ایک رب العالمین کے۔ (۷۸) وہ جس نے مجھے پیدا کیا پھر ہدایت کی راہیں کھول دیں (۷۹) وہ کہ میں بھوکا ہوتا ہوں تو کھلاتا ہے اور پیاسا ہوتا ہوں تو پلاتا ہے۔[1]

فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی وراثت ارض:

(ن) قانون الٰہی یہ ہے کہ ظالم قومیں جن مظلوم قوموں کو حقیر و کمزور سمجھتی ہیں ایک وقت آتا ہے کہ وہی شاہی و جہانداری کی وارث ہو جاتی ہیں۔ آیت ۵۷ تا ۵۹ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن باغات، چشموں، خزانوں اور بہترین قیام گاہوں سے فرعونیوں کو نکالا تھا انہی باغات وغیرہ کا وارث بنی اسرائیل کو کر دیا، جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ فرعون کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل مصر چلے گئے اور آل فرعون کے باغات وغیرہ پر قابض ہو گئے۔ قرآن نے یہی پیرایۂ بیان سورۃ الدخان اور القصص میں اختیار کیا ہے۔ اور امام بغوی نے بعض علمائے تفسیر سے نقل کیا ہے کہ وہ اسی کے قائل ہیں۔ مگر قرآن کے دوسرے مقامات اور تاریخ اس کے خلاف ہے، اس لیے اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل کو جن باغات و چشموں کا وارث بنایا جا رہا ہے اس سے مراد ارض فلسطین اور شام ہے اور قرآن نے اس سرزمین کو بابرکت سرزمین سے تعبیر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ اعراف آیت ۱۳۶، ۱۳۷ نیز سورۂ طٰہٰ۔

اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل مصر کی طرف پلٹنے کے بجائے فلسطین کی طرف چلے گئے اور پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک جو واقعات پیش آئے وہ سب اسی سرزمین میں پیش آئے۔

۵ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کا ابتدائی واقعہ بیان کیا ہے جو ان کے وطن ''اُور'' میں پیش آیا جہاں سے ہجرت کر کے وہ کنعان آئے اور وہیں بقیہ عمر کے لیے بس گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہر بات اسلام تھی۔ حقیقت اسلامی میں ان کا وجود اس طرح فنا ہو گیا تھا کہ خود ان کی کوئی ہستی باقی نہیں

(۱) ''البلاغ'' ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَ الَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَ الَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ
خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ
فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَ اغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾
وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾

(۸۰)اور وہ کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو اپنی رحمت سے شفا دیتا ہے(۸۱)اور وہ جو موت کے بعد حیات بخشے گا(۸۲) اور جس کی رحمت سے امید رکھتا ہوں، کاموں کا بدلہ ملنے کے دن میری خطائیں بخش دے گا۔

(۸۴،۸۳) خدایا! مجھے نبوت دے اور صلحاء میں داخل کر اور آنے والی نسلوں میں میرا دائمی ذکر قائم رکھ![1]

(۸۵)اور مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں سے کر دے(۸۶)اور میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے (۸۷)اور مجھے اس دن رسوانہ کرنا جس دن کہ سب زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

(۸۹،۸۸) وہ آخری روز عدالت جبکہ نہ تو مال و دولت کام دیں گے نہ اہل وعیال کام آئیں گے(کوئی مادی شے مفید نہ ہوگی) مگر وہ ضرور کامیاب ہوگا جس کے پہلو میں قلب سلیم ہے![2]

رہی تھی۔انہوں نے جب آنکھ کھولی تو ان کے چاروں طرف بت پرستی کے مناظر تھے۔انہوں نے خود اپنے گھر کے اندر جس کسی کو دیکھا اس کے ہاتھ میں سنگتراشی کے اوزار اور بتوں کے ڈھانچے تھے۔وہ کالڈیا کے بازاروں میں پھرے۔جس طرف دیکھا بتوں کے آگے سر جھکے ہوئے تھے۔جس طرف کان لگایا، خدا فراموشی کی صدائیں آ رہی تھیں۔پھر وہ کونسی چیز تھی جس نے تمام ان چیزوں سے ہٹا کر' جو آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی جاتی ہیں' ان کے دل میں ایک ان دیکھے محبوب کے عشق کی لگن لگا دی۔ان کے سامنے تو بتوں کی قطاریں تھیں جنہیں ان کی آنکھیں دیکھتی تھیں۔پھر وہ کون تھا جو ان کے اندر بیٹھا ہوا خدائے قدوس کو دیکھ رہا تھا اور اس قدرتی جوش وقوت کے ساتھ جو کسی بلندی سے گرنے والے آبشار یا زمین سے ابلتے ہوئے چشمے میں ہوتا ہے؟ دراصل یہ وہی حقیقت اسلامیہ تھی جس نے ان کے وجود کو آنے والی امتوں کے لیے اسوۂ حسنہ بنا دیا۔صالحین کو ابدی شہرت حاصل ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ قائم رہتی ہے اور بقا، دوام، استمرار اصلاح کے لازمی خواص ہیں۔''

(الف) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس سوال سے مقصد ان کو ان بتوں کی حقیقت کی طرف متوجہ کرنا تھا کہ جب یہ تمہارے معبود کسی قسم کے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں تو ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ ان کی طرف سے وہی جواب دیا گیا جو ہر بت پرست قوم نے اپنے رسول کو دیا کہ ہمارے باپ دادا کے وقتوں سے یونہی چلا آتا ہے۔گویا وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کر رہے ہیں' ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ لکڑی اور پتھر کی مورتیاں ہیں' لیکن کیا ہمارے آباؤ اجداد بیوقوف تھے؟ حضرت ابراہیمؑ جواباً فرماتے ہیں اچھا تم اور تمہارے آباد اجداد ان کی پوجا کرتے رہو' میں تو رب العالمین کے سوا ان سب کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔مطلب یہ تھا کہ صرف ایک رب العالمین ہی وہ ذات

(۱) ''البلاغ''۱۸ فروری ۱۹۰۶ء ص ۱۵۔ (۲) ''الہلال'' ۲۷ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ
تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَ
الْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَ جُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَ هُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا
لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا
مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع
كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

---

(۹۰) اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی (۹۱) اور دوزخ گمراہوں کے سامنے ظاہر کردی جائے گی (۹۲) اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کیا کرتے تھے؟

(۹۳) کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا خود اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں (۹۴'۹۵) پھر وہ معبود اور گمراہ لوگ اور شیطان کے لشکر سب کے سب اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے (۹۶) وہاں یہ سب آپس میں جھگڑا کرتے ہوئے اپنے معبودوں سے کہیں گے (۹۷) اللہ کی قسم! بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے (۹۸) جبکہ ہم تم کو رب العالمین کے مساوی درجہ دیا کرتے تھے اور ہم کو بس ان (بڑے) مجرموں نے ہی گمراہ کر ڈالا (۱۰۰) سو اب نہ تو ہمارا کوئی سفارشی ہے (۱۰۱) اور نہ کوئی جگری دوست (۱۰۲) کاش ہمیں ایک دفعہ دنیا میں جانے کا موقع مل جاتا تو ہم بھی ایمان والوں میں سے ہو جاتے (۱۰۳) بیشک اس انقلاب حالت میں عبرت و موعظت کی بہت سی نشانیاں ہیں' مگر ان میں اکثر لوگ ایمان و ایقان کی دولت سے محروم تھے-(۱)

(۱۰۴) اور بلاشبہ آپ کا رب زبردست اور نہایت مہربان ہے- (۱۰۵) قوم نوحؑ نے رسولوں کی تکذیب کی (۱۰۶) جبکہ ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟ (۱۰۷) میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں (۱۰۸) تو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (۱۰۹) اور میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا- میرا اجر تو بس رب العالمین ہی کے ذمہ ہے-

---

ہے جو عبادت کی مستحق ہے اور پھر وہ وجوہ بیان کیں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے-

(ب) اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں اور پھر آخر میں اپنے مشرک باپ کے لیے بھی دعائے مغفرت کرتے ہیں- تو

---

(۱) "الہلال" ۹ اپریل ۱۹۱۳ء ص ۷

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَ مَا عِلْمِیْ بِمَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾
اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

---

(۱۱۰) سوتم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت بجالاؤ (۱۱۱) انہوں نے کہا کیا ہم تجھ کو مان لیں حالانکہ رذیل ترین لوگوں نے تیری پیروی اختیار کی ہے (۱۱۲) نوح نے کہا مجھے کیا معلوم کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ (۱۱۳) ان کا حساب تو صرف میرے رب کے ذمہ ہے، کاش تم لوگ اس کا شعور رکھتے! (۱۱۴) اور میں مومنوں کو اپنے پاس سے دھتکارنے والا نہیں ہوں- (۱۱۵) میں تو بس صاف طور پر ایک ڈرانے والا ہوں (۱۱۶) اس پر منکرین نے کہا اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو سنگسار کر دیا جائے گا-

---

اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مشرک کے لیے دعائے مغفرت کرنا جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مشرک کے لیے دعائے مغفرت قطعاً جائز نہیں ہے- اور قرآن نے حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کی وجہ سورۂ توبہ میں بیان کی ہے' کہ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا محض وعدہ کی بنا پر تھا' مگر جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزاری کا اظہار کر دیا- حضرت ابراہیم کے قصہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الانبیاء، ترجمان القرآن جلد دوم-

آیت ۸۹ کے تحت مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''یہی وہ انسان کی فطرت اصلی ہے جسے قرآن کریم نے اسلام کے سوا قلب سلیم سے یاد کیا ہے- فی الحقیقت اسوۂ ابراہیمی میں سے پہلا اسوہ یہی قلب سلیم یا ذوق فطرت کی صحت ہے- مولانا روم کی اس نکتے پر نظر تھی' انہوں نے مثنوی کے کئی موقعوں میں اس پر نہایت لطیف بحث کی ہے-''

آیت ۱۰۳ کے تحت لکھتے ہیں:

''(انقلاب حالت کے تمام مظاہر) فی الحقیقت انہی قوانین الٰہیہ اور نوامیس فطریہ کے ماتحت ہیں جنہیں فاطر السماوات والارض نے اس عالم کے نظام وقوام کے لیے روز ازل ہی سے مقرر کر دیا ہے- پھر جن افراد و اقوام نے ان قوانین کے مطابق راہ امید اختیار کی ان کے لیے امید کی زندگی ہے' اور جنہوں نے اس سے روگردانی کی ان کے لیے نامرادی و ناکامی کی مایوسی ہے- قانون جرم کی سزا دیتا ہے، یہ مجرم کو جرم کرنے کے لیے مجبور نہیں کرتا- پس شکایت کارسازِ قدرت کی نہیں' بلکہ خود اپنی ہونی چاہیے- خدا نے امید کا دروازہ کسی پر بند نہیں کیا اور زمین کی وراثت کسی ایک قوم کو ورثہ میں نہیں دے دی- اس نے پھول اور کانٹے دونوں پیدا کیے- اگر ایک بد بخت کانٹوں پر چلتا ہے- مگر پھول دامن میں جمع نہیں کرتا تو اسے اپنی محرومی پر رونا چاہیے' باغباں کا کیا قصور؟''

۶ پچھلی امتوں میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت نمایاں ہوتی ہے جن کا ظہور دریائے دجلہ و فرات کے دوآبہ میں ہوا تھا' جو انسانی تمدن کا سب سے عظیم گہوارہ ہے اور جہاں غالباً سب سے پہلے بت پرستی کا ظہور ہوا- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسانی جمعیت اپنی ابتدائی اور

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوۡمِىۡ كَذَّبُوۡنِ ۖ ﴿۱۱۷﴾ فَافۡتَحۡ بَيۡنِىۡ وَ بَيۡنَهُمۡ فَتۡحًا وَّ نَجِّنِىۡ وَ مَنۡ مَّعِىَ مِنَ
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَ مَنۡ مَّعَهٗ فِى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ۚ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ
الۡبٰقِيۡنَ ؕ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۲۲﴾ ع ۶/۱۰

(۱۱۷) آخر کار حضرت نوح نے دعا کی "اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے' (۱۱۸) سواب میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دے-"

(۱۱۹) چنانچہ ہم نے نوح اور اس کے ساتھیوں کو ایک بھری ہوئی کشتی میں بچا لیا (۱۲۰) پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا!

(۱۲۱) بیشک اس میں ایک بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں (۱۲۲) اور تیرا رب وہی بڑا زبردست اور نہایت مہربان ہے-

---

فطرت ہدایت کی راہ سے سب سے پہلے گمراہ ہوئی-

(ا) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کا ڈر سنایا اور کہا دیکھو میں ایک امانت دار رسول ہوں اس لیے میری اطاعت بجالاؤ- اور پھر اس میں مجھے کسی قسم کا لالچ یا طمع نہیں ہے-

(ب) ایک شخص کا امانت دار یا مخلص ہونا اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہو سکتی ہے مگر قوم نے پائے حقارت سے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور من جملہ دوسری باتوں کے منکرین نے یہ بھی کہا: جو ہم میں کمینے ہیں انہی لوگوں نے تمہاری پیروی اختیار کی ہے، پھر ہم ان میں کیسے شامل ہو سکتے ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا' میرا کام تو بس صاف طور پر ڈرانا ہے، میں ان مومنوں کو جن کو تم رذیل سمجھ رہے ہو اپنے سے دور نہیں کر سکتا-

(ج) اس پر قوم کے سردار مخالف ہو گئے اور حضرت نوح علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر تو ان دلائل و مواعظ سے باز نہ آیا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے-

(د) آخر کار جب نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ سے جتلایا گیا کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے اور یہ کہ ملک طوفان سے غرق ہونے والا ہے' تو حضرت نوح علیہ السلام نے فیصلہ کے لیے دعا کی اور اپنے ساتھیوں کے لیے راہ نجات طلب کی تو حکم ہوا کہ ایک کشتی بنا لو- سورۂ ہود میں ہے کہ منکرین نے اس پر تمسخر اڑایا-

(ہ) حسب وعدہ طوفان ظاہر ہوا- حضرت نوح علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت کشتی میں سوار ہو گئے اور ظالموں کو ان کی بداعمالیوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا گیا- قرآن اس کو بہت عبرت کی نشانی قرار دیتا ہے- حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سورۃ الاعراف اور ہود میں گزر چکا ہے (ترجمان القرآن جلد دوم میں ملاحظہ کر لیا جائے)-

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾
اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَ اِذَا بَطَشْتُمْ
بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَ اتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾
اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾
قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ
وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ ع ۱۸

---

(۱۲۳) قوم عاد نے رسولوں کی تکذیب کی [ے] (جبکہ ان کے بھائی بندوں میں سے ہود نے ان سے کہا تھا: کیا (تم انکار وبدعملی کے نتائج سے) نہیں ڈرتے (۱۲۵) میں تمہاری طرف ایک امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (۱۲۶) لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت بجالاؤ (۱۲۷) اس بات کے لیے میں تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا' میرا بدلہ تو اسی پر ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (۱۲۸) یہ کیا بات ہے کہ تم ہر بلندی پر عبث یادگاریں تعمیر کر رہے ہو (۱۲۹) اور قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے (۱۳۰) اور جب کبھی کسی پر گرفت کرتے ہو تو جبارانہ گرفت کرتے ہو (۱۳۱) پس اللہ سے ڈر جاؤ اور میری اطاعت میں آ جاؤ (۱۳۱) اور اللہ سے ڈرو جس نے سب کچھ تم کو دیا ہے جو تمہارے علم میں ہے (۱۳۲) اس نے چوپایوں اور اولاد سے تمہیں مدد پہنچائی ہے (۱۳۳) اور باغات اور چشمے دیے (۱۳۵) مجھے تمہارے حق ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ (۱۳۶) انہوں نے جواب دیا تو نصیحت کر یا نہ کر' ہمارے لیے سب یکساں ہے (۱۳۷) یہ باتیں تو بس اگلوں سے چلی آ رہی ہیں (۳۸) اور ہم کسی حالت میں معذب نہیں ہوں گے (۱۳۹) آخر کار انہوں نے اسے جھٹلا دیا، پس ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا - بیشک اس میں ایک بہت بڑی نشانی ہے' مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں (۱۴۰) اور بے شک تمہارا رب وہی غالب اور مہربان ہے۔

ے قوم نوح کی تباہی کے بعد عرب میں قوم عاد کو عروج ہوا' ان کی آبادیاں عمان سے لے کر حضر موت اور یمن تک پھیل گئی تھیں۔ حضرت ہود علیہ السلام کا انہی میں ظہور ہوا۔

(الف) یہاں پر بھی اسی بیان کو دہرایا جس سے حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ شروع کیا تھا' یعنی قوم عاد نے رسولوں کی تکذیب کی' اس لیے کہ گو انہوں نے انکار ایک رسول کا کیا تھا لیکن اس کی تعلیم تمام رسولوں ہی کی تعلیم تھی۔ پس ایک کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے۔

(ب) حضرت ہود علیہ السلام نے اللہ کا ڈر سنانے کے بعد سب سے بڑی خرابی' جس پر یہاں زور دیا ہے وہ فساد تمدن ہے' جس پر وہ اسی

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ صٰلِحٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ أَطِيْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ
إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ أَ تُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿١٤٦﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿١٤٧﴾
وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿١٤٩﴾

---

(۱۴۱)ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا[۸] (۱۴۲)جبکہ ان لوگوں سے ان کے بھائی صالح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟(۱۴۳)میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں(۱۴۴)سواللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو(۱۴۵)اور میں تم سے اس تبلیغ پر کچھ اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے(۱۴۶) کیا تم ان نعمتوں میں امن وسکون سے رہنے دیے جاؤ گے؟(۱۴۷)ان باغوں اور چشموں میں؟(۱۴۸)اور کھیتوں اور نخلستانوں میں جن کے خوشے لدے ہوئے ہیں؟(۱۴۹) کیا تم پہاڑوں کو تراش تراش کر فخریہ گھر بناتے رہو گے؟

طرح فریفتہ ہوں گے گویا دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے- جب کسی قوم میں عیاشی حد سے تجاوز کر جاتی ہے اور مال و دولت کی فراوانی کبر ونخوت پیدا کر دیتی ہے تو مالدار طبقہ شاندار عمارتوں کے قائم کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس میں شوق جنون، نمائش اور تفاخر وتنافس کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور وہ ہر اہم مقام پر بنگلوں اور کوٹھیوں کی تعمیر میں لگ جاتے ہیں- حالانکہ دوسری طرف قوم کے مفلوک الحال طبقے کو سر چھپانے کو جھونپڑا بھی میسر نہیں ہوتا- حضرت ہود علیہ السلام نے اس پر گرفت کی اور ان کی غلط روش پر انہیں آگاہ کیا اور مال و دولت کے بے جا تصرف پر ٹوکا-

(ج) دوسری سب سے بڑی برائی جو ان میں پائی جاتی تھی کہ وہ اپنے گردوپیش کی کمزور قوموں پر سخت مظالم ڈھا رہے تھے- جو بھی ان کے ظلم وتشدد کے پنجہ میں آجاتا اسے مردا کر رکھ دیتے -حضرت ہود علیہ السلام نے ظلم وفساد سے روکا اور کہا کہ اب بھی وقت ہے کہ اللہ سے ڈر جاؤ اور ظلم وستم سے باز آجاؤ-

(د) مگر قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی اس تمام تذکیر وتنبیہ کا جواب نہایت تحقیر واستہزاء کے ساتھ دیا جس کے بعد ہم نے انہیں ہلاک کر دیا-مزید تفصیل کے لیے سورۃ الاحقاف ملاحظہ ہو-

۸ قوم عاد کے بعد ثمود کو عروج حاصل ہوا (الاعراف ۷۴)-قوم ثمود عرب کے اس حصے میں آباد تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القری تک چلا گیا ہے- اسی مقام کو دوسری جگہ الحجر سے تعبیر کیا گیا ہے-ثمود نے جب سرکشی اختیار کی تو اس میں حضرت صالح علیہ السلام کا ظہور ہوا-

(الف)ان کو اللہ تعالیٰ نے خوشحالی اور ہر قسم کی نعمتوں سے نواز رکھا تھا- ان کی تمدنی ترقی نے بھی بالآخر قوم عاد کی روش اختیار کر لی کہ میدانی علاقوں اور پہاڑوں میں عالی شان قصر اور عمارتیں تعمیر کر رہے تھے(الاعراف:۱۴۹)-

معاشرہ میں بت پرستی کا زور تھا اور زمین میں ظلم وستم پھیلا رہے تھے-

(ب)قوم میں حضرت صالح ؑ نے، جن کی امانت ودیانت مسلم تھی (ہود۶۲)، ان کو اللہ کا ڈر سنایا اور کہا کہ تمہاری یہ عیش دائمی نہیں ہے، اور یہ جو کچھ تم اپنے فن کی نمائش کے لیے کر رہے ہو سب جھوٹی نمائش ہے-

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَ لَا تُطِيْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا
يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَ لَا تَمَسُّوْهَا
بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ ع
كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ
الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾
قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

(۱۵۰)سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت بجا لاؤ(۱۵۱)اور اس حد سے بڑھ جانے والے لوگوں کی اطاعت نہ کرو(۱۵۲) جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے(۱۵۳)انہوں نے کہا تو محض سحر زدہ لوگوں میں سے ہے(۱۵۴)تو صرف ہم جیسا ایک آدمی ہے سو اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی لا دکھا(۱۵۵) (صالح نے) کہا ''یہ ایک اونٹنی ہے' اس کے پانی کی ایک باری ہے اور ایک دن تم سب کے پانی لینے کا ہے(۱۵۶)اس کو گزند نہ پہنچانا ورنہ تم کو ایک بڑے دن کا عذاب آ پکڑے گا(۱۵۷) آخر کار ان لوگوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں' پھر اس پر پشیمان ہوئے(۱۵۸)انجام کار ان کو عذاب نے آلیا' یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں(۱۵۹)اور بلا شبہ تیرا رب البتہ وہی زبردست نہایت مہربان ہے(۱۶۰)قوم لوط نے رسولوں کو جھٹلایا[9](۱۶۱) جبکہ ان کے بھائی لوطؑ نے ان سے کہا کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟(۱۶۲)میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں(۱۶۳)لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت اختیار کر لو۔

(۱۶۴)میں اس تبلیغ پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں میرا اجر تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے(۱۶۵) کیا تم ساری خدائی میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو(۱۶۶)اور تمہارے رب نے جو بیویاں تمہارے لیے پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رکھتے ہو، بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو(۱۶۷)انہوں نے کہا اے لوطؑ! اگر تو اپنی ان باتوں سے باز نہ آیا تو تمہیں بستی سے نکال دیا جائے گا(۱۶۸)(لوطؑ نے) کہا میں بھی تمہارے اس (خلاف فطرت) فعل کو برا سمجھنے والوں میں سے ہوں۔

(ج) حضرت صالحؑ کا یہ کہنا کہ ''حد سے بڑھ جانے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد بپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔'' اس

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع ۹ ۱۳

(۱۶۹)(لوط نے دعا کی) اے میرے رب! مجھ کو اور میرے متعلقین کو ان کی بدکرداریوں سے نجات دے (۱۷۰) آخر کار ہم نے اسے اور اس کے سب متعلقین کو نجات دی (۱۷۱) بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں سے تھی (۱۷۲) پھر دوسروں کو ہم نے تباہ کر دیا (۱۷۳) اور ان پر پتھروں کا مینہ برسایا- سو کیا ہی برا تھا وہ مینہ جو ان ڈرائے گئے لوگوں پر برسایا (۱۷۴) یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں (۱۷۵) اور فی الواقع تیرا رب وہ زبردست اور نہایت مہربان ہے-

---

سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ قتل و غارت، لوٹ مار، شر و فساد میں مصروف ہو گئے تھے اور امن و عدالت کا کوئی احساس باقی نہ رہا تھا-

(د) بالآخر انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے صداقت کا نشان طلب کیا، تو حضرت صالح علیہ السلام نے ایک اونٹنی کو اللہ کے نام پر نامزد کر دیا- یہ قوم کی آزمائش تھی مگر انہوں نے اونٹنی کو زخمی کر کے ہلاک کر ڈالا، جس کے نتیجہ میں تباہ و برباد ہو گئے-

9 حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت اور باشندگان سدوم کی ہلاکت:

توراۃ میں ہے کہ حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بھتیجے اور حاران کے بیٹے تھے- یہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ شہر ''اُور'' سے آئے اور سدوم میں مقیم ہو گئے- جو دریائے اردن کی ترائی میں واقع تھا- یہ سدوم، ادمہ، عمورہ اور ضغر کا علاقہ فلسطین کا سب سے شاداب علاقہ تھا جو اب بحیرۂ مردار میں غرق ہے اور اسے بائبل میں ''وادی سدیم'' کا نام دیا گیا ہے- اہل سدوم خوشحالی اور رفاہیت میں مست ہو کر فطرت کے حدود توڑ کر بہت دور نکل گئے اور ان میں امرد پرستی نے ایک فیشن کی حیثیت اختیار کر لی- حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اس برائی پر متنبہ کیا مگر انہوں نے پروا نہ کی-

بالآخر حضرت لوط علیہ السلام کو انہوں نے دھمکی دی کہ اگر اس قسم کے مواعظ سے باز نہ آئے تو ملک بدر کر دیے جاؤ گے- حضرت لوط علیہ السلام نے بھی دھمکی کا جواب برملا اظہار نفرت سے دیا اور کہا کہ میں تنہا نہیں بلکہ ہر سلیم الفطرت آدمی اس فعل سے بیزاری کا اظہار کرے گا-

حضرت لوط علیہ السلام نے اندازہ کر لیا کہ اب ان پر عذاب کی گھڑی قریب آ چکی ہے چنانچہ انہوں نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے نجات کی دعا کی- عذاب آیا اور وہ پتھروں کی بارش سے ہلاک ہو گئے-

توراۃ میں ہے کہ سدوم اور عمورہ پر آگ اور گندھک کی بارش ہوئی، قرآن میں ہے کہ پتھر گرے، دونوں بیانوں کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حالت پیش آئی ہو گی جیسے آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے واقع ہوتی ہے- چنانچہ بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے جنوب مشرق میں، جو ویران علاقہ نظر آتا ہے، اس میں موجود کھنڈروں سے پتہ چلتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ علاقہ نہایت شاداب اور آباد تھا- آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ اس علاقہ کی آبادی و خوشحالی کا دور ۲۳۰۰ ق م سے ۱۹۰۰ ق م تک رہا ہے اور اسی دور میں تقریباً حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوئے ہیں- اس علاقہ میں نفط اور اسفالٹ کے گڑھے تھے- طبقات الارض کے ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ زلزلے کے

كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ أَوْفُوا
الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾
قَالُوْا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْ
أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾

---

(۱۷۶) اصحاب الایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا[۱۰] (۱۷۷) جبکہ شعیب نے ان سے کہا کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟ (۱۷۸) میں تمہاری طرف ایک امانتدار رسول ہوں (۱۷۹) لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت بجا لاؤ (۱۸۰) میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے (۱۸۱) تم پیمانے پورے بھر کر دو اور دوسروں کو نقصان پہنچانے والے مت بنو (۱۸۲) صحیح ترازو سے تولو (۱۸۳) اور لوگوں کو ان کی اشیاء کم نہ دو اور ملک میں فساد برپا کرتے نہ پھرا کرو (۱۸۴) اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلی (گزشتہ) نسلوں کو پیدا کیا (۱۸۵) انہوں نے جواب دیا: بجز اس کے نہیں کہ تو ایک سحر زدہ آدمی ہے (۱۸۶) تو صرف ہم جیسا ہی ایک انسان ہے اور بلاشبہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں (۱۸۷) پس اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے (۱۸۸) شعیب نے کہا جو کچھ تم کر رہے ہو میرا رب اسے خوب جانتا ہے (۱۸۹) الغرض یہ لوگ شعیب کی تکذیب کرتے رہے، آخرکار انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آ پکڑا - بلاشبہ وہ ایک بڑے خوفناک دن کا عذاب تھا -

---

جھٹکوں (جسے قرآن میں الصیحۃ کہا گیا ہے) کے ساتھ پٹرول، گیس اور اسفالٹ بھڑک اٹھے اور سارا علاقہ دلدل سا بن گیا - خود بائبل میں اس کی تفصیل ملتی ہے - مولانا آزاد نے ترجمان القرآن حصہ دوم میں بھی کچھ اشارات کیے ہیں -

[۱۰] قبیلہ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کا ظہور ہوا:

(الف) توراۃ میں ہے کہ قطورا کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھ لڑکے ہوئے جن میں سے ایک کا نام مدیان تھا - یہی مدیان عربی میں مدین ہو گیا - اس کی اولاد بحر قلزم کے کنارے آباد ہو گئی تھی' جن میں حضرت شعیب کا ظہور ہوا - بنی اسرائیل انہیں بنی قطورا کہتے تھے - بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اصحاب الایکہ اور اصحاب مدین ایک ہی قبیلہ کے دو نام ہیں اور بعض نے ان کو الگ الگ دو قبیلے قرار دیا ہے - دراصل یہ دو الگ قبیلے ہیں مگر ایک ہی نسل کی دو شاخیں ہیں - اصحاب مدین کی آبادی شمالی حجاز سے فلسطین کے جنوب تک' وہاں سے جزیرہ نما سینا کے آخری گوشے تک بحر قلزم اور خلیج عقبہ کے سواحل پر پھیل گئی - ان کا صدر مقام شہر مدین تھا - بنو قطورا کی دوسری شاخ شمالی عرب میں تیما و تبوک اور العلاء کے درمیان آباد ہوئی اور ان کا صدر مقام تبوک تھا - اسی تبوک کا قدیم نام ایکہ ہے - ان کی طرف بھی حضرت

ع ۱۲
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾ وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ
رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ
مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾

(۱۹۰) یقیناً اس واقعہ میں ایک بہت بڑی نشانی ہے' مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں- (۱۹۱) اور بے شک آپ کا رب بڑا زبردست نہایت مہربان ہے-

(۱۹۲) بیشک وہ پروردگار عالم کا اتارا ہوا کلام ہے [!] (۱۹۳-۱۹۴) روح الامین نے تیرے قلب پر نازل کیا تا کہ تو ضلالت وفساد کے نتائج سے دنیا کو ڈرانے والوں میں سے ہو اور سعادت وفلاح کی طرف دعوت دے (۱۹۵) یہ کلام نہایت کھلی ہوئی اور واضح عربی زبان میں نازل ہوا (۱۹۶) اور پچھلی کتابوں میں اس کی خبر دی جا چکی تھی [(1)] (۱۹۷) کیا اہل مکہ کے لیے یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ اسے علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں-

شعیب علیہ السلام ہی مبعوث تھے- ان میں تجارتی بدعنوانیاں نمایاں تھیں اور دیگر اخلاقی بیماریوں میں بھی مبتلا تھے-

(ب) مدین کا جائے وقوع:

یہ جگہ شام' افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کا نقطہ اتصال تھی' اس لیے اشیائے تجارت کے تبادلہ کی بڑی منڈی بن گئی تھی اور یہ لوگ بہت خوشحال ہو گئے تھے- (ہود-۸۴)

لیکن جب ان کے اخلاق فاسد ہو گئے تو کاروبار میں خیانت کرنے لگے اور ماپ تول کے انصاف سے ناآشنا ہو گئے- اور پھر تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے انہوں نے بڑے پیمانے پر رہزنی کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا اور بیرونی تجارتی قافلوں کو بھاری خراج کے بغیر نہ گزرنے دیتے تھے- اصحاب الایکہ کے متعلق سورۃ الاعراف میں ہے **"ولا تقعدوا بکل صراط توعدون"** یعنی لوگوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے راستوں کی ناکہ بندی نہ کرو- یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں خصوصیت کے ساتھ ان دونوں قسم کی معصیت سے روکا-

(ج) بائبل میں ہے کہ یہ لوگ ''بعل فعور'' کی پوجا کرتے تھے اور بنی اسرائیل جب مصر کے علاقہ سے نکل کر ان کے علاقہ سے گزرے تو ان کے اندر بھی انہوں نے شرک اور بت پرستی پھیلا دی- سورۂ ہود آیت ۸۷ میں ہے کہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جواب دیا: کیا تمہاری نمازیں یہ بھی حکم دیتی ہیں کہ ہمیں اس راہ سے ہٹاؤ جس پر ہمارے باپ دادا چلتے آئے ہیں؟ یا ہم اپنے اموال میں آزادی سے جیسے چاہیں تصرف نہ کریں؟ معلوم ہوتا ہے ساری دنیا میں تم ہی ایک نیک اور خوش معاملہ آدمی رہ گئے ہو-

(د) بالآخر انہوں نے ہٹ دھرمی سے کام لیا اور حضرت شعیب علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کرنے لگے اور کہا **"فاسقط علینا کسفا من السماء"** کہ ہم پر آسمان سے ٹکڑے گرا دیجیے- اس طرح انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی' اس پر ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے آ پکڑا' یعنی ان پر ایک بادل چھایا رہا- دوسری جگہ **"الرجفه"** اور ایک آیت میں **"فاخذتهم الصيحة"** آیا ہے جس

(۱) ''الہلال'' ۵/اگست ۱۹۱۴ء ص ۷-

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ
فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ
مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾
وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ
الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ
لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ
الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

(۱۹۸-۱۹۹) اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی پر نازل کر دیتے اور وہ ان کے روبرو اس کو پڑھتا' تب بھی یہ لوگ اس کو نہ مانتے۔ (۲۰۰) اس طرح ہم نے اس کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیا ہے (۲۰۱) یہ لوگ اس وقت تک اس پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ یہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ (۲۰۲،۲۰۳) پھر جب ان پر بے خبری میں آ پہنچے گا تو اس وقت یہ لوگ کہیں گے " کیا ہم کچھ مہلت دیے جا سکتے ہیں؟" (۲۰۴) تو کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں؟ (۲۰۵) بھلا تم غور کرو کہ اگر انہیں کئی سال عیش کرنے کا موقع دے دیں (۲۰۶) پھر ان پر وہی عذاب آ جائے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے (۲۰۷) تو جس سامان عیش سے یہ بہرہ مند کیے گئے ہیں ان کو کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ (۲۰۸-۲۰۹) ہم نے کسی ایسی بستی کو ہلاک نہیں کیا جس میں نصیحت کی غرض سے ڈرانے والے نہ آئے ہوں اور ہم ظالم نہ تھے (۲۱۰) اور اس کو شیاطین لے کر نہیں آئے (۲۱۱) اور نہ وہ اس کے اہل ہیں اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں (۲۱۲) بلاشبہ وہ شیاطین آسمان کی خبر سننے سے روک دیے گئے ہیں (۲۱۳) سو آپ اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کریں ورنہ آپ بھی سزا پانے والے لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔ (۲۱۴) اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایے (۲۱۵) اور مومنوں میں سے جو لوگ بھی آپ کے پیرو ہیں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے (۲۱۶) لیکن اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دیجیے کہ میں تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہوں۔ (۲۱۷) اور آپ اس زبردست مہربان پر توکل کیجیے (۲۱۸) جو آپ کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں (۲۱۹) اور سجدہ گزار لوگوں میں آپ کی نقل و حرکت کو بھی (۲۲۰) بے شک وہی خوب سننے والا' جاننے والا ہے۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عذاب ان پر سائبان کی طرح چھایا رہا۔ گویا پہلے "الصیحہ" یعنی دھماکہ ہوا اور پھر اس نے الرجفہ یعنی زلزلے کی

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ
اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾
وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا
وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع ۱۱ ۱۵

(۲۲۱) لوگو! کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترا کرتے ہیں (۲۲۲) وہ ہر جھوٹے بدکار پر اترا کرتے ہیں۔ (۲۲۳) جو شیاطین کی باتوں پر کان لگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں (۲۲۴) اور شعراء کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں (۲۲۵) کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ (شعراء) ہر وادی میں سرگرداں پھر رہے ہیں (۲۲۶) ان (مفسدوں) کا یہ حال ہے کہ جو کچھ زبان سے کہتے ہیں اس کے خلاف عمل کرتے ہیں (۲۲۷) البتہ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور عمل صالح کیے' اللہ کے ذکر میں زیادہ سے زیادہ لگے رہے اور ظلم کا بدلہ لینے میں فتح مندی حاصل کی' بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا تھا اور وہ مظلوم تھے۔ (سو ان کا حال ایسا نہیں) اور معلوم کرلیں گے ظلم کرنے والے کس کروٹ الٹتے ہیں۔[1]

شکل اختیار کرلی۔ واللہ اعلم۔

۱۱ آغاز سورہ میں قرآن کی حقانیت کا بیان شروع ہوا تھا۔ پھر اس سلسلہ میں کفار قریش کے نشانات کے مطالبہ کے جواب میں گزشتہ اقوام کے چند وقائع بطور عبرت ذکر فرمائے۔ اب ان کے خاتمہ پر پھر سے وہی مضمون شروع ہوگیا ہے۔

(الف) آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ قرآن کا تنزیل ربانی ہونا بالکل واضح ہے۔ اسے واضح عربی زبان میں اتارا ہے اور سابق صحیفوں میں اس کی پیش گوئی موجود ہے اور ان سے علمائے اسرائیل خوب آگاہ ہیں' گو ان کی اکثریت نے کتمان سے کام لیا، تاہم ان کے اندر ایسے علمائے حق پرست موجود ہیں جو برملا اس کا اظہار کررہے ہیں اور یہ آنحضرت ﷺ کی صداقت کے لیے کافی ہے۔ اور اگر ہم اس کو عربی مبین کے بجائے کسی اور زبان میں نازل کرتے اور یہ پیغمبران کو پڑھ کر سناتا تو یہ اعتراض کرسکتے تھے کہ رسول عربی اور کلام عجمی۔ لیکن اب کیا عذر پیش کریں گے؟ اس دور کی مکی سورتوں میں اکثر اس مضمون کو دہرایا گیا ہے۔ دیکھیے حم السجدۃ آیت ۴۴ اور سورۂ نحل ۱۰۳۔

(ب) اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دی ہے اور عذاب کے لیے جلدی مچانے والوں کو تنبیہ کی ہے۔

(ج) آیت ۲۱۰ سے مخالفین کے اوہام کی تردید ہے کہ یہ قرآن شیطان کا اتارا ہوا نہیں ہے کیونکہ اوّلاً تو اس کے مضامین شیاطین کے مقصد کے خلاف ہیں، اور پھر ایسا کلام اتارنے کی ان میں طاقت بھی کہاں ہے۔ اس میں قریش کو ایک طرح کی تحدی ہے کہ اگر طاقت ہے تو تم بھی اپنے کاہنوں کو جمع کرکے ایسا کلام بنالاؤ! مگر حقیقت یہ ہے کہ شیاطین تو ایسا کلام سننے سے ہی روک دیے گئے ہیں۔ یہ مضمون بھی متعدد سورتوں میں مذکور ہے۔

(د) قرآن پر مخالفین کے شبہات کی تردید کے بعد آنحضرت ﷺ کو تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں چند آداب تلقین کیے ہیں اور اس کے بعد

---

(۱) ''البلاغ'' ۱۸ر فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۴۔

اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ دراصل شیاطین کا مہبط کون لوگ ہو سکتے ہیں اور شعراء کے کلام کی نوعیت وحیثیت کیا ہے۔

(ہ) پہلی آیات میں آنحضرت ﷺ کے کاہن ہونے کی تردید تھی اور آیت ۲۲۴ سے آپ پر شاعر ہونے کے الزام کی تردید ہے۔

(و) شاعر خواہ کتنا مشہور کیوں نہ ہو‘ اس کے کلام سے تو اوباش اور عیاش قسم کے لوگ متاثر ہوتے ہیں‘ اس کے برعکس پیغمبر ﷺ کے متبعین کو دیکھیے، وہ شریف النفس اور نیک طینت لوگ ہیں ع مبین تفاوت راہ کجا تا کجا- پھر بھی قرآن کو کلام شعری اور آنحضرت ﷺ کو شاعروں کے زمرہ میں شمار کرنا کس قدر ظلم کی بات ہے-......اسے کیا کہیے؟

(ز) شاعروں کی شاعری بے مقصد ہوتی ہے‘ وہ صرف اپنے واردات نفس کو ذہنی عیاشی کے لیے شعر کہتے ہیں- نیک و بد ہر قسم کے مضامین باندھتے پھرتے ہیں اور ان کے کلام سے تضاد فکری مترشح ہوتا ہے‘ مگر قرآن کے مضامین پر غور کیجیے کہ اس کے سامنے ایک ہدف متعین ہے اور دلائل و براہین سے اس کو ثابت کر رہا ہے- چھوٹی سورت ہو یا بڑی‘ قرآن نے اپنے ہدف سے سرمو انحرف نہیں کیا- یہی وجہ ہے کہ تیئس سالہ منزل شدہ کلام میں کسی قسم کے تضاد و تناقض کا شائبہ تک نہیں ہے-

(ح) شاعر صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں، کردار کے نہیں- پھر کیا کسی انقلابی تحریک کی بنیاد شاعری پر رکھی جا سکتی ہے اور کسی صالح تحریک کا قائد شاعر ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس پیغمبر ﷺ کی عملی زندگی کو دیکھیے کہ وہ قرآن کی عملی تفسیر ہے-

الغرض ان حقائق کی موجودگی میں آنحضرت ﷺ کو کاہن یا شاعر کے لقب سے یاد کرنا اور قرآن کو کسی کاہن یا شاعر کا مصنوع کلام قرار دینا بہت بڑا ظلم اور زیادتی ہے اور ان ظالموں کا جو انجام ہونے والا ہے وہ جلد ہی ان کے سامنے آجائے گا-

آیت ۲۲۷ کے تحت مولانا آزاد لکھتے ہیں:

’’مصلحین کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عدل الٰہی کے قیام کے لیے اپنی تمام قوتوں کو وقف کر دیتے ہیں- اور جب کبھی ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو پتھر اور گھاس کی طرح بے حس و حرکت نہیں پڑے رہتے‘ بلکہ انسانوں کی طرح اٹھتے ہیں اور ظالموں سے ان کے ظلم کا بدلہ لیتے ہیں تا کہ ظالم کو سزا ملے اور عدل قائم ہو- اس بارے میں ان کا ارادہ اور فعل یکساں ہوتے ہیں‘ جیسا کہتے ہیں ویسا کر کے دکھا دیتے ہیں- ان کی زندگی کی بنیاد محض ارادہ ہی نہیں بلکہ عمل بھی ہوتا ہے-‘‘

❋ ❋ ❋

اٰیاتُهَا: 93 | سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ① هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② الَّذِيْنَ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ
وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ⑥
اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ
تَصْطَلُوْنَ ⑦ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑧

---

(۱) طٰس - یہ سورۃ قرآن اور اس کتاب کی آیتیں ہیں جو (حق و باطل اور احکام و ہدایات کو) صاف صاف بیان کرنے والی ہے[۱] (۲) مومنوں کے لیے سراسر ہدایت اور موجب بشارت ہے۔

(۳) جو نماز قائم کرتے اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ وہی لوگ ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں (۴) بلاشبہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لیے خوش نما بنا دیا ہے سو وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں (۵) یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے (دنیا میں بھی) بدترین عذاب ہے اور آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

(۶) اور (اے نبیؐ!) آپ کو یقیناً یہ قرآن بڑی حکمت اور بڑے علم والی ذات کی طرف سے القاء کیا جا رہا ہے۔ (۷) (ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیجیے) جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا ''کہ میں نے ایک آگ سی دیکھی ہے' میں وہاں سے یا تو (راستے کی) کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا آگ کا شعلہ لاتا ہوں' تاکہ تم اس آگ سے گرمی حاصل کرو۔[۲]

(۸) سو جب وہاں پہنچا تو ندا آئی کہ ''مبارک ہے جو اس آگ کے اندر ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے' اور اللہ رب العلمین سب عیوب سے پاک ہے۔

---

[۱] یہ سورۃ بھی مکی ہے اور مکی عہد کی وسطی تنزیلات سے ہے جو پرآشوب عہد ہے۔ اس دور میں آنحضرت ﷺ اور قرآن پر طرح طرح سے الزام لگائے جا رہے تھے اور قرآن کی تعلیم کو بے اثر کرنے کے لیے اس کو شاعری' کہانت' اساطیر الاولین وغیرہ کہا جا رہا تھا۔ اس لیے اس عہد کی تنزیلات خصوصاً رسالت و وحی کی صداقت کے بیان پر مشتمل ہیں اور ساتھ آنحضرت ﷺ کو تسلی و تشفی دی گئی ہے اور مخالفین کو انجام بد سے ڈرایا گیا ہے۔

يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨ وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى
مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ⑩ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ
ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑪ وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ
بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ⑫

---

(۹) اے موسیٰ' یہ میں ہوں اللہ زبردست اور دانا (۱۰) اور اپنا عصا ڈال دے پھر جب موسیٰ نے اس عصا کو دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح بل کھا رہا ہے تو موسیٰ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا (ارشاد ہوا) اے موسیٰ ڈرو نہیں' میرے حضور پہنچ کر پیغمبر ڈرا نہیں کرتے (۱۱) الا یہ کہ کسی سے کوتاہی ہو جائے پھر وہ برائی کے بعد بھلائی سے اس کی تلافی کر دے تو میں بخشنے والا مہربان ہوں (۱۲) اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیے تو وہ کسی عیب کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا (یہ دونوں معجزے) نو نشانیوں میں سے ہیں' (انہیں لے کر) فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ کیونکہ وہ بڑی بدکردار قوم ہے۔

(الف) اس سورہ میں بھی یہ وضاحت کی گئی ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت و بشارت بنا کر بھیجا ہے تاہم اس پر ایمان کی سعادت سے وہی لوگ بہرہ ور ہوں گے جن کے دلوں میں آخرت کا خوف ہے' رہے وہ لوگ جو دنیا کے عیش و آرام میں مگن ہیں اور برے اعمال پر ریجھ کر اندھے ہو رہے ہیں ان پر قرآن کی نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی۔

(ب) پھر اس پر گذشتہ اقوام و اشخاص کے واقعات کو تاریخی شہادت کے طور پر پیش کیا ہے' ان میں سب سے پہلا نمونہ فرعون کا ہے جس نے آیات و معجزات دیکھنے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ یہی حال قوم ثمود' قوم لوط کا تھا جو بالآخر سب کے سب ہلاک کر دیے گئے۔

(ج) دوسرا نمونہ اللہ کے شکرگزار بندوں کا ہے' یعنی حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کی شکرگزاری کی اور دنیا و آخرت کی سعادت سے سرفراز ہو گئے۔

(د) تیسرا نمونہ ملکہ سبا کا ہے جو بہت نامور قوم کی حاکم تھی' وہ اور اس کی قوم شرک میں مبتلا تھے' مگر جب ملکہ کے سامنے حق ظاہر ہو گیا تو وہ ضد اور ہٹ دھرمی کے بجائے فوراً ایمان لے آئی۔

۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شروع زندگی کا وہ واقعہ بیان کیا ہے جب وہ مدین کی بستی میں مقیم تھے۔ جب وہ مدین سے رخصت ہو کر اپنے اہل و عیال سمیت وادی سینا کے جنوبی حصہ میں پہنچے تو وہیں یہ معاملہ پیش آیا۔ توراۃ میں اس جگہ کو "حورب" کہا ہے اور یہ کوہ طور کے دامن میں واقع ہے' یہاں پر ایک کنیسہ تعمیر ہے جو کہتے ہیں کہ رومی سلطنت کے عیسائی بادشاہ قسطنطین نے تعمیر کروایا تھا' جو آج تک محفوظ ہے۔
توراۃ میں ہے کہ انہوں نے درخت میں آگ دیکھی اور متعجب ہو کر وہاں گئے اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ محض رفع تعجب کے لیے نہیں گئے بلکہ آگ کی جستجو میں تھے' رات ٹھنڈی تھی اور سوچ رہے تھے کہیں آگ مل جائے تو تاپنے کے لیے الاؤ جلائیں' اتنے میں دور سے

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ
ع ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ
قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَ
قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾
وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ
قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

---

(۱۳) غرض جب ہماری کھلی کھلی نشانیاں اس کے پاس آئیں تو کہنے لگے ''یہ تو کھلا جادو ہے۔'' (۱۴) اور انہوں نے از راہ ظلم وتکبران کا انکار کر دیا' حالانکہ ان کے دل ان (کی صداقت) کا یقین کر چکے تھے۔ سو دیکھیے کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا
(۱۵) اور بلاشبہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا اور انہوں نے کہا ''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی^ج (۱۶) اور سلیمان، داؤد کا جانشین ہوا اور اس نے کہا ''لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہمیں ہر قسم کی ضروری چیزیں دی گئی ہیں' واقعی یہ (اللہ کا) کھلا ہوا فضل ہے۔''
(۱۷) اور ایک مرتبہ سلیمان کے لیے جن وانس اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے اور وہ نظم وضبط سے رکھے جاتے۔
(۱۸) یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی ایک وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا ''اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ' کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

ایک روشنی نظر آئی' یہ سمجھے کہ وہ آگ ہے' لیکن جب قریب پہنچے تو کارفرمائے قدرت نے پکارا ''تو آگ کی چنگاری لے کر کیا کرے گا' یہ تو نور ہدایت کی آگ ہے اس سے روشنی حاصل کر!''
(الف) آیت نمبر ۸ کے الفاظ ''بورك من فی النار'' سے ذات باری تعالیٰ کے لیے تحدید اور مکانیت کا وہم ہو رہا تھا اس لیے سبحان اللہ کلمہ تنزیہہ فرما کر اس کا ازالہ فرما دیا۔
(ب) آیت ۱۰ میں عصا کو ''کانھا جان'' سے تعبیر فرمایا ہے جب کہ اعراف اور شعراء میں اس کے لیے ثعبان (اژدہا) کا لفظ استعمال کیا ہے' امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جسامت میں تو وہ اژدہا تھا مگر سرعت حرکت کی وجہ سے اسے جان سے تعبیر فرمایا ہے اور سورۃ طہٰ میں ''حیة تسعٰی'' کے الفاظ میں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا سے ڈر کر بھاگنا طبعی گھبراہٹ کی بنا پر تھا جیسا کہ ابتدا میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ پر بھی کپکپی کی حالت طاری ہو گئی تھی۔
(ج) لاٹھی کے سانپ بننے اور ہتھیلی کے چمک اٹھنے کا ذکر توراۃ میں بھی ہے (خروج ۴) نیز یہ کہ خدا نے فرمایا: اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں (خروج ۳:۱۰) سورۃ بنی اسرائیل میں ''تسع اٰیات بینات'' ہے یعنی ہم نے موسیٰ کو نو آشکار نشانیاں دیں، اور سورۃ الاعراف

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ
وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾
وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾

---

(۱۹) تو سلیمان اس کی بات پر مسکراتے ہوئے ہنس پڑا اور کہنے لگا ''اے میرے رب مجھے اس بات پر قائم کر کہ میں تیرے اس احسان کا شکرادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں اور یہ کہ میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جو تجھے پسند ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرمالے۔'' (۲۰) اور سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا'' کہ میں (فلاں) ہد ہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں' کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟''[ع]

میں ان کی تفصیل مذکور ہے۔

(د) آیت ۱۴ میں اصل مقصد کا اظہار فرمایا کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور مادہ پرستیوں میں اندھے ہو جاتے ہیں، وہ ایک دو کیا' نو کھلے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے اور اس انکار کا اصل سبب ان کا ظلم وعلو ہے' ورنہ ان کے دلوں کو پیغمبر کی حقانیت کا یقین ہوتا ہے۔

۳ے اب آیت (۱۵) میں فرعون کے مقابل حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر ہو رہا ہے جو بہت بڑی مملکت کے مالک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر گزار بندے بنے رہے اور کبھی ظلم واستکبار سے کام نہیں لیا۔

(الف) حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو جو علم عطا ہوا تھا اس کا مظہر زبور اور امثال ہیں اور یہ وہ علم ہے جس کی بدولت انہوں نے ایک عظیم سلطنت قائم کر لی تھی جو اپنی بری اور بحری قوت کے اعتبار سے بہت بڑی سلطنت تھی۔

(ب) حضرت داؤد کے بعد حضرت سلیمان علیہما السلام ان کے وارث ہوئے' سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنی بری فوج کے ساتھ بحری بیڑا بھی تیار کیا جو دنیا کا سب سے بڑا طاقتور بیڑا تھا اور ان کو پرندوں کی منطق کا خصوصی علم دیا گیا اور وہ ان کی تربیت کر کے اپنی فوج میں ان سے نامہ بری' خبر رسانی اور سراغ رسانی کا کام لیتے تھے' گویا یہ پرندے ان کی فضائی فوج تھی اور اس سے انکار یا تاویل کی گنجائش نہیں' آخر ہمارے زمانے میں کتوں سے بھی تو سراغ رسانی اور جاسوسی کا کام لیا جا رہا ہے۔

(ج) ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا لشکر پریڈ کے لیے جمع کیا تو وہ چلتے ہوئے ''وادی النمل'' چیونٹیوں کی وادی پر پہنچ گئے' تو ایک چیونٹی نے اپنے دل کو خطرے سے آگاہ کیا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ مبادا کہ سلیمان اور اس کی فوجیں تمہیں پامال کر دیں۔

(د) امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: چیونٹی کا گفتگو کرنا عقلاً مستبعد نہیں' بلکہ قرآن مجید نے تو بتایا ہے کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے' مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ اگر یہ تسبیح زبان حال سے ہو تو اسے تو ہم سمجھتے ہیں۔ اور پھر فی زمانہ چیونٹیوں کے متعلق سائنس نے جو حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں ان کی بنا پر قرآن کے بیان کردہ واقعہ میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی' لہٰذا ان میں کسی قسم کی تاویل و تحریف کی ضرورت نہیں۔ اس جگہ سلیمان علیہ السلام کا تبسم خوشی اور سرور کے مفہوم میں ہے اس واقعہ سے اصل مقصد حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکر گزاری کا ذکر ہے۔ مگر ہمارے زمانہ کے بعض ماڈرن ''مفسرین'' جنہیں قرآن مجید میں معجزات کے ذکر سے شرم آتی ہے، اس آیت میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں کہ بنو نمل ایک قوم تھی جہاں سے حضرت سلیمانؑ کا گزر ہوا تھا۔ اور یہ نہیں سوچتے کہ پھر حضرت سلیمان

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ
فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً
تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ
لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا
يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ
وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

السجدۃ ۸

---

(۲۱) یقیناً میں اسے سخت سزا دوں گا' یا ذبح کر ڈالوں گا' یا وہ میرے سامنے کوئی معقول دلیل پیش کرے-'' (۲۲) پھر ہد ہد نے تھوڑی ہی دیر کے بعد آ کر کہا میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کے علم میں نہیں ہے اور میں سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں-[۵] (۲۳) میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا جو اس قوم پر حکومت چلا رہی ہے اور اسے ہر طرح کا ساز و سامان بخشا گیا ہے اور اس کے پاس عظیم الشان تخت ہے- (۲۴) میں نے اس عورت اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیے ہیں اور ان کو صحیح راہ سے روک دیا ہے لہٰذا وہ صحیح راہ نہیں پاتے- (۲۵) کہ وہ اس اللہ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو وہ اس سب کو جانتا ہے (۲۶) اللہ ہی وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور جو عرش عظیم کا مالک ہے-

---

کے علم کی خصوصیت کیا رہ گئی جسے بڑی اہمیت سے قرآن مجید نے ذکر کیا ہے- اور تاریخی طور پر بھی اس نام کا کوئی قبیلہ ثابت نہیں کیا جا سکتا- اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی متعجبانہ ہنسی اور ان کے احساس شکر گزاری کی اہمیت' جسے قرآن حکیم بیان کر رہا ہے' بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے-

۴ ہد ہد کے اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی فوج میں باقاعدہ تربیت پائے ہوئے مختلف قسم کے پرندے بھی تھے جن سے وہ پیغام رسانی' سراغ رسانی اور دریافت احوال کی مہمات میں کام لیتے تھے-

پرندوں سے یہ کام لینے کا طریقہ اور ان کی تربیت کا فن بہت قدیم ہے' بلکہ ابتدائے تاریخ سے موجود ہے' اور موجودہ زمانہ کی سائنس نے جو معلومات فراہم کی ہیں' ان سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے' لہٰذا بعض عقل پرستوں کا اس کی تاویل کرنا اور اس سے ہد ہد نامی کوئی شخص مراد لینا قرآنی تحریف کے مترادف ہے-

۵ سبا جنوبی یمن کی مشہور تجارت پیشہ قوم تھی جس کا دار الحکومت مآرب' موجودہ یمن کے دار السلطنت صنعاء سے پچپن میل بجانب شمال مشرق واقع تھا' اس کا زمانہ عروج معین کی سلطنت کے زوال کے بعد تقریباً ۱۱۰۰ ق م سے شروع ہوا اور ایک ہزار سال کے بعد ۱۱۵ ق م میں جنوبی عرب کی دوسری مشہور قوم حمیر نے اس کی جگہ لے لی- عرب میں یمن اور حضر موت اور افریقہ میں حبش کے علاقہ پر ان کا قبضہ تھا- ہندوستان و مصر و شام کی تجارت پر یہ قوم چھائی ہوئی تھی- تجارت کے علاوہ ان کی خوشحالی کا سبب ان کا نظام آبپاشی تھا جس سے ان کا پورا علاقہ جنت بنا ہوا تھا-

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ
ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ
كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ
مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ ع
قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾
قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً وَ كَذٰلِكَ
يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ اِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ
سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

---

(۲۷) سلیمان نے کہا: "اچھا ابھی ہم دیکھ لیتے ہیں کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹ بولنے والوں سے ہے (۲۸) جا میرا یہ خط لے جا اور اسے ان کے پاس ڈال دے پھر ان سے الگ ہو جا اور دیکھتا رہ کہ وہ کیا رد عمل ظاہر کرتے ہیں

(۲۹) اس عورت نے کہا "اے اہل دربار مجھے ایک مکتوب گرامی موصول ہوا ہے-

(۳۰) وہ خط سلیمان کی جانب سے ہے اور (اس میں لکھا ہے) "شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے-

(۳۱) یہ کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ-" (۳۲) اس ملکہ نے کہا: "اے اہل دربار، میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں کسی کا قطعی فیصلہ تمہاری موجودگی کے بغیر نہیں کیا کرتی-"

(۳۳) اہل دربار نے کہا "ہم طاقت ور جنگجو قوم ہیں- آپ صاحب اختیار ہیں، پس آپ خود دیکھ لیں کہ ہمیں کیا کیا حکم دینا ہے-"

(۳۴) ملکہ نے کہا: "بلاشبہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے معزز باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں- اور ایسا ہی کیا کرتے ہیں-

(۳۵) اور میں ان کے پاس ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ میرے فرستادے کیا جواب لے کر آتے ہیں-"

(۳۶) جب وہ (ملکہ کا سفیر) سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا: "کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ جو کچھ اللہ نے مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دیا ہے، لہٰذا تم خود ہی اپنے اس ہدیہ پر خوش ہوتے رہو-

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ۝٣٧ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝٣٨ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝٣٩

---

(۳۷) (اے سفیر) تو ان کے پاس واپس چلا جا' ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور ہم انہیں ذلیل بنا کر (وہاں سے) نکالیں گے اور وہ خوار ہوں گے۔"

(۳۸) سلیمان نے کہا: "اے اہل دربار' تم میں کون ہے جو اس کا عرش میرے پاس لے آئے قبل اس سے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں۔

(۳۹) جنوں میں سے ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا "قبل اس کے کہ آپ اپنی مجلس سے اٹھیں میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا اور میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام اس قوم سے بخوبی واقف تھے بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام بھی ان سے شناسا تھے' اس لیے ہدہد کے قول کا صرف یہ مطلب ہے کہ قوم سبا کے مرکز میں جو چشم دید واقعات میں دیکھ کر آیا ہوں وہ ابھی تک آپ کو نہیں پہنچے۔

ہدہد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفتاب پرست تھے۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط لے کر پہنچا تو ملکہ سبا سورج کی پرستش کے لیے جا رہی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ہدایا واپس بھیج دیے اور دھمکی دی' جو کہ آیت ۳۷ میں مذکور ہے' تو ملکہ نے خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا مناسب سمجھا چنانچہ وہ اپنے خدم و حشم کے ساتھ فلسطین کی طرف روانہ ہوئی اور جب بیت المقدس سے ایک دن کے فاصلہ پر تھی' کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کا تخت منگوا کر اس میں کچھ تبدیلی کروا دی۔

سبا سے بیت المقدس کا فاصلہ ایک پرند کی اڑان کے لحاظ سے کم از کم ڈیڑھ ہزار میل ہے' اتنے فاصلے سے آن واحد میں اس تخت کا لا حاضر کرنا کسی خدائی قوت کے بغیر ممکن نہیں جس کی طرف قرآن نے "الذی عندہ علم من الکتاب" کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

ملکہ سبا کی حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات پر پہلا سوال یہ ہوا "اھکذا عرشک" تو اس نے کہا "کانہ ھو" یعنی یہ تو گویا وہی ہے' اس حیرت انگیز کارنامے کو دیکھ کر اسے یقین ہو چکا تھا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں' محض ایک سلطنت کے فرمانروا نہیں ہیں۔ اس کے بعد جب قصر شاہی میں داخل ہونے کے لیے اسے کہا گیا' جس کا فرش شیشے کا تھا اور اس کے نیچے پانی چھوڑا گیا تھا' تو اس نے ملکہ کی آنکھیں کھول دیں اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں' چنانچہ اس نے سابقہ گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی اور سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کر

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا
عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ
مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ
لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا
وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾
صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع ۱۸

(۴۰) ایک شخص، جس کے پاس کتاب کا علم تھا' اس نے کہا: ''میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں'' پھر جب سلیمانؑ نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: ''یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں، اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور برزگ ہے۔

(۴۱) سلیمان نے کہا: ''اس کے لیے اس کے عرش میں تبدیلی کردو تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ صحیح بات تک ہدایت پاتی ہے یا یہ ان لوگوں میں سے ہے جو راہ نہیں پاتے۔''

(۴۲) پھر جب ملکہ حاضر ہوئی تو اس سے کہا گیا ''کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ کہنے لگی گویا یہ وہی ہے' ہم تو اس سے پہلے ہی جان گئے تھے اور ہم حکم بردار ہو چکے تھے۔

(۴۳) اور اس کو ایمان لانے سے اس چیز نے روک رکھا تھا جس کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتی تھی کیونکہ وہ ایک کافر قوم سے تھی۔ (۴۴) اس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جا۔ پھر جب اس نے دیکھا تو خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھالیا، تو سلیمان نے کہا کہ یہ شیشے کا چکنا محل ہے' بلقیس نے کہا ''میرے پروردگار' میں نے (بدگمانی کرکے) اپنی جان پر ظلم کیا۔
اب میں سلیمان کے ساتھ ہو کر رب العلمین کے لیے مسلمان ہوئی۔'' (۴۵) اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو (یہ پیغام

لیا اور اس کے بعد اپنے ملک کو روانہ ہوگئی' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق حکومت چلاتی رہیں۔ اس قدر تفصیلات جو بائبل اور یہودی ربیوں کی روایات میں مذکور ہیں وہ قرآن سے ملتی جلتی ہیں لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس سے مجامعت کرنا اور اس حرامی نسل سے بخت نصر کا پیدا ہونا یہ سب بکواس ہے جو ایک نبی کی شان سے بعید ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾
قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي
الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ
ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا
وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾

دے کر) بھیجا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو تو یکایک وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے[6] (۴۶) صالح نے کہا: ”میری قوم کے لوگو! تم لوگ بھلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی کرتے ہو؟ تم لوگ کیوں اللہ سے بخشش نہیں مانگتے؟ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“ (۴۷) وہ کہنے لگے: ”ہم نے تو تجھے اور تیرے ساتھیوں کو منحوس پایا ہے۔“ صالح نے کہا: ”تمہاری نحوست کا سبب تو اللہ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ تو آزمائش میں مبتلا کیے گئے ہو“

(۴۸) اس شہر میں نو آدمی تھے جو ملک میں فساد بپا کرتے پھرتے تھے اور کوئی اصلاح کا کام نہ کرتے تھے (۴۹) انہوں نے کہا” تم سب باہم اللہ کی قسمیں اٹھاؤ کہ ہم صالح اور اس کے خاندان پر شبخون ماریں گے‘ پھر ہم اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اس خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود ہی نہ تھے اور ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔

(۵۰) اور انہوں نے ایک خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی جس کی انہیں خبر نہ تھی۔

(۵۱) سو دیکھ لو کہ ان کی سازش کا انجام کیا ہوا؟ ہم نے ان (نو آدمیوں) کو اور ان کی پوری قوم کو تباہ کر ڈالا۔

---

۶ قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام کا ظہور:

(الف) جونہی حضرت صالح علیہ السلام نے دعوت کا آغاز کیا قوم دو گروہوں میں بٹ گئی یعنی ایک مومن اور دوسرا منکر اس تفرقہ کے ساتھ ہی ان میں کشمکش شروع ہو گئی‘ ایک طرف قوم کے سردار تھے اور دوسری طرف حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ غریب اور پسا ہوا طبقہ تھا۔ یہی حالت مکہ میں مسلمانوں اور کفار قریش کی تھی‘ اس لیے یہ قصہ ان حالات کے عین مطابق تھا۔

(ب) متکبر لوگ ہمیشہ خیر کے بجائے شر مانگتے ہیں چنانچہ قوم ثمود کے سرداروں نے بھی عذاب کی درخواست کی اور حضرت صالح علیہ السلام کو منحوس اور شر پسند کا خطاب کیا۔

(ج) قوم ثمود کے نو سرداروں نے ایکا کر لیا کہ انہیں رات کی تاریکی میں قتل کر دیا جائے اور پھر ولی الدم کے سامنے انکار کر دیا جائے۔ کچھ ایسی ہی سازش کے بارے میں کفار مکہ آنحضرت ﷺ کے متعلق سوچ رہے تھے۔

---

(۱) ”الہلال“ ۲۷/اگست ۱۹۱۳ء ص ۸۔

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اَنْجَيْنَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ
تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ
اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ؗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ
مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا — النمل ۲۰ ع ۴
يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ
ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

(۵۲) اس بے موقع اور بے وضع عمل کا نتیجہ دیکھو کہ ان کے گھر کیسے اجاڑ ہو گئے ہیں؟ حقیقت میں جنہیں علم ہے ان کے لیے اس ماجرے میں عبرت کی ایک بڑی نشانی ہے۔[1] (۵۳) اور ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو ایمان لائے تھے اور وہ تقوی کی راہ اختیار کر چکے تھے۔ (۵۴) اور ہم نے لوط کو بھیجا جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم دیدہ و دانستہ بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو (۵۵) کیا تم شہوت رانی کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو؟ درحقیقت تم لوگ سخت جہالت کا کام کرتے ہو (۵۶) مگر اس کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ آل لوط کو اپنی بستی سے نکال دو' یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں (۵۷) آخر کار ہم نے لوطؑ اور اس کے اہل خانہ کو نجات دی' بجز اس کی بیوی کے جس کا پیچھے رہ جانا ہم نے مقدر کر رکھا تھا (۵۸) اور ہم نے ان پر ایک عجیب قسم کی بارش کی' سو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا ان کے حق میں بہت بری بارش تھی (۵۹) اے نبی' آپ کہیے' سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے برگزیدہ کیا (ان سے پوچھو) بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو تم اس کا شریک ٹھہرا رہے ہو[^] (۶۰) وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا۔ پھر اس آبپاشی سے خوش نما باغ اگا دیے۔ حالانکہ تمہارے بس کی یہ بات نہ تھی کہ ان باغوں کے درخت لگاتے' کیا (ان کاموں کا کرنے والا) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (افسوس ان لوگوں کی سمجھ پر' حقیقت حال خواہ کتنی ہی ظاہر ہو) مگر (یہ) وہ لوگ ہیں جن کا شیوہ ہی کج روی ہے۔[2]

(د) قوم کے سردار یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اللہ کے عذاب کی لپیٹ میں آ گئے۔ سورۂ ہود میں ہے کہ جب انہوں نے اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو تین دن کا نوٹس دے دیا۔ اس پر وہ حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئے اور جس رات شب خون مارنے والے تھے اسی رات ان کو عذاب نے آ لیا۔

(۱) ''الہلال'' ۹ر جولائی ۱۹۱۳ء ص ۱۶۔ (۲) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۵۲-۵۳۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ
حَاجِزًا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞٦١ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ
وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاۗءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۞٦٢
اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞٦٣ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ
مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞٦٤
قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۞٦٥
ع بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۞٦٦

(٦١) اچھا بتاؤ وہ کون ہے؟ جس نے زمین کو (زندگی ومعیشت کا) ٹھکانا بنا دیا؟ اس کے درمیان نہریں جاری کردیں؟ اس (کی درستی) کے لیے پہاڑ بلند کردیے؟ دو دریاؤں میں (دریا اور سمندر میں) ایسی دیوار حائل کردی ہے (کہ دونوں اپنی اپنی جگہ محدود رہتے ہیں)؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (افسوس! کتنی واضح بات ہے) مگر ان لوگوں میں اکثر ایسے ہیں جو نہیں جانتے! (٦٢) اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو بے قرار دلوں کی پکار سنتا ہے (جب وہ ہر طرف سے مایوس ہوکر) اسے پکارنے لگتے ہیں اور وہ ان کے درد دکھ ٹال دیتا ہے؟ وہ کہ اس نے تمہیں زمین کا جانشین بنایا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہے؟ افسوس تمہاری غفلت پر) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پذیر ہو! (٦٣) اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلا دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) اللہ کی ذات اس ساجھے سے پاک ومنزہ ہے جو یہ لوگ اس کی معبودیت میں ٹھہرا رہے ہیں (٦٤) اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو مخلوقات کی پیدائش شروع کرتا ہے پھر اسے دہراتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو آسمان وزمین کے کارخانہ ہائے رزق سے تمہیں روزی دے رہا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (اے پیغمبر) ان سے کہو اگر تم (اپنے رویے میں) سچے ہو (اور انسانی عقل وبصیرت کی اس عالمگیر شہادت کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہے) تو اپنی دلیل پیش کرو[1] (٦٥) آپ ان سے کہہ دیجیے: ''جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے کسی کو غیب کا علم نہیں ہے اور نہ ان کو یہ خبر ہے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے[نا] (٦٦) حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے بارے میں ان کا علم گڈمڈ ہوگیا ہے، بلکہ وہ آخرت کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں-

ے حضرت لوط علیہ السلام کا ظہور:

(الف) حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بھتیجے تھے اور بحر میت کے کنارے سدوم میں مقیم ہوگئے تھے- یہ معاملہ وہیں پیش آیا- توراۃ میں ہے کہ ان پر آگ اور گندھک کی بارش ہوئی تھی- قرآن میں ہے کہ پتھر گرے تھے- دونوں بیانوں کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۵۲-۵۳-

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا
مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى
هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾
وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ

(٦٧-٦٨) کافر کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے اسلاف مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر قبر سے نکالے جائیں گے؟ ہم اور ہم سے پہلوں سے یہی وعدے کیے گئے تھے- کچھ نہیں یہ تو صرف اگلوں کی کہانی ہے-[1] (٦٩) آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم ذرا زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیا ہو چکا ہے-[۱۱] (٧٠) آپ ان پر غم نہ کھائیں اور جو خفیہ سازشیں یہ کرتے ہیں ان سے آپ تنگ دل نہ ہوا کریں-[۱۲] (٧١-٧٢) اور (اے پیغمبر! یہ حقیقت فراموش) کہتے ہیں، اگر تم (نتائج ظلم وطغیان سے ڈرانے میں) سچے ہو تو وہ بات کب ہونے والی ہے؟ (اور کیوں نہیں ہو چکتی؟ ان سے کہہ دو، گھبراؤ نہیں) جس بات کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو، عجب نہیں، اس کا ایک حصہ بالکل قریب آ گیا ہو- (٧٣) اور (اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار انسان کے لیے بڑا ہی فضل رکھنے والا ہے (کہ ہر حال میں اصلاح و تلافی کی مہلت دیتا ہے) لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر) بیشتر ایسے ہیں کہ اس کے فضل و رحمت سے فائدہ اٹھانے کی جگہ اس کی ناشکری کرتے ہیں-[۱۳][2] (٧٤) اور بلاشبہ آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں (٧٥) اور آسمان و زمین میں کوئی ایسی پوشیدہ چیز نہیں ہے جو کتاب مبین (لوح محفوظ) میں موجود نہ ہو- (٧٦) اور بلاشبہ یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اکثر اختلاف

حالت پیش آئی ہو گئی جیسی آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے واقع ہوتی ہے- سورۂ ہود میں مفصل قصہ مذکور ہے-

۸ اب خاتمہ سورۃ میں توحید پر اس کے آفاقی اور انفسی دلائل پیش کر کے بتا دیا ہے کہ منکرین کے انکار کا اصل سبب آخرت کا انکار ہے- اس طرح خاتمہ سورۃ تمہید کے ساتھ مربوط ہو گیا ہے-

(الف) اللہ تعالیٰ نے کائنات کا جو مربوط نظام قائم کیا ہے اور زمین و آسمان میں زندگی کے جو سامان مہیا کیے ہیں، یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کوئی بنا سکتا ہے اور نہ ہی اس نظام کو چلا سکتا ہے- تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مشرکین اللہ کے سوا دوسروں کو کیوں شریک ٹھہرا رہے ہیں-

(ب) زندگی میں جب مشکلات پیش آتی ہیں تو ہم لاچار ہو کر اللہ کو پکارتے ہیں اور اللہ ہی مصیبت کو کھولتا ہے اور تمہیں زمین میں اختیارات اسی نے تفویض کیے ہیں، بحر و بر کی تاریکیوں میں ہدایت کے لیے اس نے ستاروں کا نظام قائم کر دیا ہے- الغرض یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا ہے- پھر دوسروں کو اس کے ساتھ کیوں شریک کرتے ہو- اگر اللہ کے ساتھ کسی کے شریک ہونے پر تمہارے پاس کوئی دلیل

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۹۴- (۲) ''ترجمان القرآن'' جلد اوّل ص ۹۴-

يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ
وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ
الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ
عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ
عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

رکھتے ہیں (۷۷) اور یقیناً یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے (۷۸) بالیقین آپ کا رب ان لوگوں کے مابین اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا اور وہی زبردست اور سب کچھ جاننے والا ہے (۷۹) سو آپ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیے' بلاشبہ آپ صریح حق پر ہیں- (۸۰) آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ان بہروں تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں (۸۱) اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر صحیح راہ پر لگا سکتے ہیں- آپ صرف انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں، سو وہی فرماں بردار ہیں- (۸۲) اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان پر آ پہنچے گا یعنی قیامت قریب ہو گی تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا کہ لوگ ہماری نشانیوں کا یقین نہ کرتے تھے-[۱۲]

ہے تو پیش کرو اگر تم سچے ہو- الغرض ان آیات میں خلق و تدبیر اور رزاقی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے الٰہ واحد ہونے پر استدلال کیا گیا ہے-

۹ قرآن کا اسلوب بیان یہ نہیں کہ نظری مقدمات اور ذہنی مسلمات کی شکلیں ترتیب دے، پھر اس پر بحث و تقریر کر کے مخاطب کو رد و تسلیم پر مجبور کرے- اس کا تمام تر خطاب انسان کے فطری وجدان و ذوق سے ہوتا ہے- وہ کہتا ہے' خدا پرستی کا جذبہ انسانی فطرت کا خمیر ہے- اگر ایک انسان اس سے انکار کرنے لگتا ہے تو یہ اس کی غفلت ہے- ضروری ہے کہ اسے غفلت سے چونکا دینے کے لیے دلیل پیش کی جائے' لیکن یہ دلیل ایسی نہ ہونی چاہیے' جو محض ذہن و دماغ میں کاوش پیدا کر دے' بلکہ ایسی ہونی چاہیے' جو اس کے نہاں خانہ دل پر دستک دے اور اس کا فطری وجدان بیدار کر دے-

ان آیات میں جو سوالات ہیں' ان میں سے) ہر سوال اپنی جگہ ایک مستقل دلیل ہے کیونکہ ان میں سے ہر سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ فطرت انسانی کا عالمگیر اور مسلمہ اذعان ہے- ہمارے متکلموں کی نظر اس پہلو پر نہ تھی' اس لیے قرآن کا اسلوب استدلال ان پر واضح نہ ہو سکا اور وہ دور دراز گوشوں میں بھٹک گئے- قرآن خود انسان کی فطرت ہی سے انسان پر حجت لاتا ہے-

۱۰ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اہم صفت ذکر کی ہے یعنی کہ اللہ کے سوا کسی کو علم غیب نہیں ہے- جن' فرشتے' انبیاء اور اولیاء سب کا علم محدود ہے- صرف اللہ ہی ہے جس سے اس کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں-

۱۱ دراصل یہ لوگ آخرت کے بارے میں شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں' بلکہ اندھے ہو رہے ہیں' کبھی یہ کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے آباواجداد گل سڑ گئے تو پھر وہ دوبارہ زندہ کر کے کیسے اٹھائے جائیں گے- اس قسم کے وعدے ہمارے آباواجداد سے بھی کیے گئے-

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوزَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ حَتّٰٓى إِذَا جَآءُوْ
قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ
عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ
وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ
فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿٨٧﴾
وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ
اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

(۸۳) اوراس دن (کا تصور کرو) جب ہم ہر ایک امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے پھران کو جمع کرنے کی غرض سے روکا جائے گا-(۸۴) یہاں تک کہ جب سب آ جائیں گے تو اللہ ان سے پوچھے گا کہ تم نے میری آیات کو جھٹلا دیا حالانکہ تم نے ان آیات کا پوری طرح سے علمی احاطہ نہ کیا تھا؟ ورنہ بتاؤ اور کیا کرتے تھے (۸۵) اوران کے ظلم کی وجہ سے ان پر عذاب پورا ہو جائے گا تب وہ کوئی بات نہ کرسکیں گے (۸۶) کیا حکمت ربوبیت کی اس نشانی کونہیں دیکھتے کہ ہم نے رات کوتو تاریکی قرار دیا تا کہ انسان سوئے [۱۵] اور راحت وسکون پائے اور دن کو روشن کیا تا کہ وہ سکون کی جگہ حرکت میں بسر ہو، بلاشبہ ارباب ایمان ویقین کے لیے اس میں (اس اختلاف لیل ونہار اوراس کے اثرات میں حکمت ربانی کی) بڑی نشانیاں ہیں [۱] (۸۷) اور جس دن صور پھونکا جائے گا-......تو جو کوئی بھی آسمان میں اور زمین میں ہے سب گھبرا جائیں گے مگر ہاں جس کو خدا چاہے، اور سب اللہ کے حضور عاجز بن کر آئیں گے (۸۸) اور تم پہاڑوں کو دیکھ کر سمجھتے ہو کہ خوب جمے ہوئے ہیں مگر اس دن بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے-یہ سب اللہ ہی کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز خوبی اور درستی کے ساتھ بنائی-[۲] بلاشبہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے (۸۹) جو شخص نیکی لے کر حاضر ہوگا تو اس کو اس نیکی سے بہتر بدلہ ملے گا-

معلوم ہوتا ہے یہ بے سروپا کہانیاں ہیں-قرآن کہتا ہے کہ اگر عذاب میں شبہ ہو تو زمین میں سفر کر کے دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا حشر کیسا ہوا؟

۱۴ آیت (۷۰) میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی ہے کہ ان سازشوں سے تنگ دل نہ ہوں، عنقریب عذاب کا کچھ حصہ ان پر آ کر رہے گا- کفار قریش کے ساتھ یہود بھی سازشوں میں شریک ہو رہے تھے اس لیے قرآن کی حفاظت کے سلسلہ میں ان کو بھی مخاطب کیا ہے-

۱۵ جس طرح تم مادیات میں دیکھتے ہو کہ فطرت چھانٹتی رہتی ہے، جو چیز نافع ہوتی ہے باقی رکھتی ہے، جو نافع نہیں ہوتی اسے محو کر دیتی ہے ٹھیک ٹھیک ایسا ہی عمل معنویات میں بھی جاری ہے، جو عمل حق ہوگا قائم اور [illegible] رہے گا، جو باطل ہوگا مٹ جائے گا-قرآن مجید اسے قضا

(۱) البلاغ ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۰-۱۱ (۲) ''ترجمان القرآن'' [illegible] ول ص ۷-

وَهُمۡ مِّنۡ فَزَعٍ يَّوۡمَئِذٍ اٰمِنُوۡنَ ﴿۸۹﴾ وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فِى النَّارِؕ
هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ الَّذِىۡ
حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَىۡءٍ وَّ اُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۙ﴿۹۱﴾ وَ اَنۡ اَتۡلُوَا الۡقُرۡاٰنَ ۚ
فَمَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ ضَلَّ فَقُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ﴿۹۲﴾ وَ قُلِ
الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ فَتَعۡرِفُوۡنَهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾ ع ۲

اور یہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے امن میں رہیں گے (۹۰) اور جو شخص بدی لے کر حاضر ہوگا تو وہ اوندھے منہ آگ میں پھینکے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) تم کو انہی اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔

(۹۱) (اے پیغمبر! ان سے کہہ دیجیے) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی بندگی کروں جس نے اس کو محترم بنایا ہے اور ہر ایک چیز اسی کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔[۱۶]

(۹۲) نیز یہ کہ میں قرآن پڑھ پڑھ کر سناتا رہوں' اب جو شخص راہ ہدایت اختیار کرے گا تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے اختیار کرے گا اور جو گمراہ ہو تو ان سے کہہ دیجیے میں تو بس ایک ڈرانے والا ہوں۔

(۹۳) اور آپ ان سے کہہ دیجیے تعریف اللہ ہی کے لیے ہے' عنقریب وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا۔ سو اس وقت تم ان کو پہچان لو گے، اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو۔

بالحق سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی فطرت کا فیصلہ حق!......

کیا قضا بالحق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر باطل عمل فوراً نابود ہو جائے؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور رحمت کا مقتضا یہی ہے کہ ایسا نہ ہو۔ مادیات کی طرح معنویات میں بھی تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ منکروں نے پیغمبروں سے کہا' عذاب جلد لے آؤ' اور جن نتائج و عواقب سے ڈرا رہے ہو وہ کیوں ظاہر نہیں ہو جاتے؟ قرآن کہتا ہے اگر کائنات ہستی میں اس حقیقت اعلیٰ کا ظہور نہ ہوتا جسے رحمت کہتے ہیں تو یقیناً یہ نتائج یکا یک ظاہر ہو جاتے .... قانون رحمت کا مقتضا یہی ہے کہ حق کی طرح باطل کو بھی زندگی و معیشت کی مہلتیں دے اور توبہ، رجوع اور عفو و درگزر کا دروازہ ہر حال میں باز رکھے۔ فطرت کائنات میں اگر یہ رحمت نہ ہوتی تو یقیناً وہ جزائے عمل میں جلد باز ہوتی' لیکن اس میں رحمت ہے' اس لیے نہ تو اس کی مہلت بخشیوں کی کوئی حد ہے' اور نہ اس کے عفو و درگزر کے لیے کوئی کنارہ!

[۱۴] پھر آثار قیامت کے ضمن میں خروج دابہ کا ذکر کیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا' تو اللہ تعالیٰ ایک جانور کے ذریعہ سے اتمام حجت کرے گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور خروج دابہ،

خروج دجال اور دخان قیامت کی نشانیوں سے ہیں' جو یکے بعد دیگرے ظاہر ہوں گی- اس کے بعد قیامت برپا ہوگی تو نفخ صور ہوگا' جس سے ہر شخص بے ہوش ہو جائے گا- ہاں البتہ نیکو کار لوگ اس کے اثر سے محفوظ رہیں گے اور کفار کو اوندھے منہ دوزخ میں گرایا جائے گا-

۱۵ مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''نیند......سکون کامل کا نام ہے- اس لیے وہ اعضائے انسانیہ میں ہر عضو کو محبوب ہے اور اس قدر محبوب ہے کہ اس کے لطف وصل کو رشک ورقابت متعفن نہیں کر سکتے - پس اس سے ہر عضو ایک ساتھ فائدہ اٹھاتا ہے- یہی وجہ ہے کہ بستر خواب سے اٹھنے سے تمام قوائے انسانیہ کی تجدید ہو جاتی ہے- جسم کے جو پرزے چلتے چلتے گھس گئے تھے وہ اپنی اصلی حالت پر آ جاتے ہیں- اور تمام اعضاء ایک مسرت تازہ 'ایک انبساط جدید سے مسلح ہو کر' اپنے وظائف طبعیہ کے لیے از سر نو تیار ہو جاتے ہیں-''

۱۶ آخر میں آنحضرت ﷺ نے اپنا مشن بیان فرمایا ہے کہ رب حرم کی عبادت کرنا' مسلم بن کر رہنا اور قرآن پڑھ کر سنانا یہ وہ باتیں ہیں جن پر کاربند رہنے کا حکم دیا گیا ہے-

✲ ✲ ✲

آیاتُہا : 88 | سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوعَاتُہَا 28

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾ نَتۡلُوۡا عَلَیۡکَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰی وَ فِرۡعَوۡنَ بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَ جَعَلَ اَہۡلَہَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَۃً مِّنۡہُمۡ یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَہُمۡ وَ یَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۴﴾ وَ نُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ نَجۡعَلَہُمۡ اَئِمَّۃً وَّ نَجۡعَلَہُمُ الۡوٰرِثِیۡنَ ﴿۵﴾ وَ نُمَکِّنَ لَہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ نُرِیَ فِرۡعَوۡنَ وَ ہَامٰنَ وَ جُنُوۡدَہُمَا مِنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶﴾

(۱) طٰ - سٓ - مٓ - (۲) یہ کتاب مبین کی آیتیں ہیں[ا] (۳) ہم آپ کو موسٰی اور فرعون کے کچھ صحیح واقعات ان لوگوں کے لیے پڑھ کر سناتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں (۴) یہ واقعہ ہے کہ فرعون نے خدا کی زمین میں بہت سر اٹھایا اور اس کے رہنے والوں میں پھوٹ ڈال کر گروہ درگروہ کر دیا - ان میں سے ایک جماعت کو اس قدر کمزور رکھتا اور ابھرنے نہ دیتا کہ ان کے فرزندوں کو قتل کرتا اور ان کے اعراض و ناموس کو برباد کرتا - اس میں شک نہیں کہ وہ زمین کے مفسدوں میں سے بڑا ہی مفسد تھا -[۲]

(۵) بایں ہمہ ہمارا فیصلہ یہ تھا کہ جو قوم ملک میں سب سے زیادہ کمزور سمجھی گئی تھی اس پر احسان کریں، اسی قوم کے لوگوں کو سرداری و ریاست بخشیں، سلطنت کا وارث بنائیں (۶) اور انہی کی حکومت ملک میں قائم کرا دیں - فرعون و ہامان اور حکمران قوم کو جس ضعیف قوم کی طرف سے (بغاوت و خروج) کا کھٹکا لگا رہتا تھا (اور جس کے لیے وہ انہیں کمزور رکھتے تھے) وہی ان کے سامنے لائیں -[(1)]

[ا] اس سورت کا تعلق بھی مکی عہد کی وسطی تنزیلات سے ہے - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سورۃ شعراء، سورۂ نمل اور سورۂ قصص یکے بعد دیگرے نازل ہوئی ہیں - مضامین سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان تینوں کا زمانہ نزول قریب قریب ایک ہی ہے - ان تینوں سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے - پہلی دونوں سورتوں میں قصہ کے کچھ اجزاء قدرے اجمال سے مذکور ہیں - اس سورت میں تفصیل کے ساتھ آ گئے ہیں - اس سورۃ کا موضوع بھی ان شبہات کو رفع کرنا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کیے جا رہے تھے - حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ آنحضرتؐ کے حالات زندگی سے ملتا جلتا ہے، اس لیے اس قصہ کو پہلے رکھا گیا ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے جب ایک اُمی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) دو ہزار سال قبل کا ایک تاریخی واقعہ اس تفصیل سے من و عن بیان کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ وحی کی معلومات ہیں ورنہ سب جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان معلومات کے حاصل کرنے کا بظاہر کوئی ذریعہ نہ تھا -

ان کے بار بار کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ یہ نبی وہ معجزے کیوں نہیں لایا جو اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) لائے تھے

(۱) ''الہلال'' یکم جولائی ۱۹۱۴ء ص ۷-۱۸- ''البلاغ'' ۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۰-

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ

(۷) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اسے دودھ پلائے- اور اگر (فرعون کے ظلم کی وجہ سے) اس کی جان کا خوف ہو تو دریا میں ڈال دے اور کسی قسم کا خوف یا غم نہ کر ہم تیرے لخت جگر کو تیری گود میں واپس کر دیں گے اور اسے پیغمبر بنائیں گے-(۱)

(۸) پھر آل فرعون نے اسے دریا سے نکال لیا تا کہ آگے چل کر ان کا دشمن اور سرمایہ رنج و غم بنے-..............

اور کفار مکہ کو شرم دلائی ہے کہ کچھ عیسائی مکہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے قرآن سن کر ایمان لے آئے' مگر مکہ کے باشندے اس نعمت سے مستفید نہیں ہوتے-

پھر سورۃ کے آخر میں کفار قریش کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ دشمنی کے اصل محرک پر تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ اگر ہم اہل عرب کے دین شرک کو چھوڑ کر اس نئے دین کو قبول کر لیں تو اس ملک سے ہماری مذہبی' معاشرتی اور معاشی سیادت ختم ہو جائے گی اور ہمارے لیے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی-

۲ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے تقریباً ایک ہزار سال بعد مصر میں ایک قوم پرستانہ انقلاب آیا اور قبطیوں نے اقتدار پر قبضہ کر لیا- اس نئی حکومت نے بنی اسرائیل کو کمزور کرنے کی کوشش کی- صرف انہیں ذلیل وخوار کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا' بلکہ ان کی تعداد کم کرنے کے لیے لڑکوں کو قتل کرنے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑنے کی پالیسی اختیار کی' تا کہ تدریجاً ان کی عورتیں قبطیوں کے قبضے میں آتی جائیں اور ان سے قبطی نسل پیدا ہو- قرآن نے یہاں فرعونیوں کی اسی پالیسی کی طرف اشارہ کیا ہے-

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت کا آغاز:

حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے لاوی کی اولاد سے تھے' جب پیدا ہوئے تو ماں کو حکم ہوا کہ اسے دودھ پلاتی رہو اور جب خطرہ محسوس ہو تو بچہ کو ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دو- چنانچہ ارشاد الٰہی کے مطابق ماں نے انہیں دریا میں بہا دیا- اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام شاہی محلات میں پہنچ گئے اور ان کی پرورش کا سامان ہو گیا-

''ذکر سلطنت فرعون کا ہے لیکن غور کرو کہ آیہ کریمہ کے اندر قرآن کریم نے کس طرح ایک قانون الٰہی کی خبر دے دی- وہ بتلاتا ہے کہ دنیا قوت کے جاہ جلال کی نمائش گاہ اور کمزوریوں کی ہلاکت منقتل ہے- طاقتور قومیں کمزوروں کو اپنا غلام اور محکوم بناتی ہیں- ان میں پھوٹ ڈالتی ہیں' مختلف قوموں اور گروہوں کو باہم ملنے نہیں دیتیں- کیونکہ اگر وہ مل کر ایک ہو جائیں تو کمزور نہ رہیں اور اتفاق و یگانگت کی طاقت ظالموں کا تختہ الٹ دے-

(۱) ''الہلال'' یکم جولائی ۱۹۱۴ء ص ۷-۸- ''البلاغ'' ۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۰-

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕیْنَ ⑧ وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ
عَیْنٍ لِّیْ وَ لَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ⑨
وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِیْنَ ⑩ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ⑪ وَ حَرَّمْنَا
عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ⑫

بے شک فرعون ٗ ہامان اور ان کا لشکر غلطی پر تھا (جب کہ دشمن کو اپنے گھر کے اندر پال رہا تھا)-[1] (۹) فرعون کی بیوی نے (اس سے) کہا "یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو- عجب نہیں کہ یہ ہم کو کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا ہی بنالیں" اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے-

(۱۰) اور (ادھر) موسیٰؑ کی ماں کا دل بیقرار ہوگیا، اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کردیتے تو وہ اس کا راز فاش کرنے کو ہی تھی (اور یہ اس لیے کیا) تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو (۱۱) اس نے موسیٰؑ کی بہن سے کہا "اس کے پیچھے پیچھے چلی جا" چنانچہ وہ (بچ کر) کنارے سے موسیٰؑ کو اس طرح دیکھتی رہی کہ وہ (فرعون والے) اس کا احساس نہ کرسکے-

(۱۲) اور ہم نے پہلے ہی دودھ پلانے والیوں کے دودھ موسیٰؑ پر حرام کر رکھے تھے- اس پر موسیٰ کی بہن نے کہا "کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لیے اس بچہ کو پرورش کردیں اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں-

---

"جابر قوموں کی قوت فنا ہوتی ہے تو ایک عادلانہ نظام قائم ہوجاتا ہے- فرعون کی جابرانہ سلطنت کا زوال ایک دوسری قوم کی عادلانہ حکومت کا مقدمہ تھا ٗ اس لیے خدا نے فرعونیوں کی ہلاکت کے ساتھ عدل الٰہی کے قیام کا مژدہ بھی سنادیا-

خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا تاج و تخت الٹنے اور بنی اسرائیل کی حکومت قائم کرنے کے لیے ایک تیغ برہنہ کی صورت میں نمایاں کرنا چاہتا تھا ٗ اس لیے دیکھو کس طرح بچپن ہی سے انہیں میدان جنگ کے شدائد و مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنادیا- ابھی انہوں نے دنیا میں پہلا ہی قدم رکھا تھا کہ ماں کی آغوش محبت سے جدا ہوگئے-

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے لخت جگر کو دریا کی لہروں میں ڈال دیا- لہریں اس امانت مقدس کو اس کے محل تک بہ حفاظت لے گئیں جس کے سر غرور کو کچلنے کے لیے ایک دن یہ شیر خوار بچہ اٹھنے والا تھا-

اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی مصلحت یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش شاہی محل میں ہوگی تو بادشاہوں کے جاہ و جلال باطل کا رعب ان کے دل سے نکل جائے گا-"

---

(۱) "البلاغ" ۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۱-

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ
لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰي
حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ڭ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ

(۱۳) اس طرح ہم نے موسیٰؑ کو اس کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ آزردہ خاطر نہ ہو اور تا کہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ برحق تھا مگر اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے-

(۱۴) اور جب موسیٰؑ اپنی پوری جوانی کو پہنچ گیا اور شباب کامل ہو گیا تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں-

(۱۵) اور جب کہ تمام لوگ غافل تھے، موسیٰ شہر میں آئے اور اس میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ لڑ رہے تھے- ان میں سے ایک آدمی ان کی قوم کا تھا اور دوسرا ان کے دشمن کے گروہ کا- موسیٰ کو دیکھ کر ان کی قوم کے آدمی نے دشمن کے ظلم کی فریاد کی-

جب ان کی ذہنی نشو و نما مکمل ہو گئی تو ہم نے اسے علم و حکمت سے نواز دیا- اس طرح حضرت موسیٰؑ امن و اطمینان سے رہ رہے تھے، کہ قبطی کے قتل کا واقعہ پیش آ گیا اور پھر ایک شخص کی اطلاع پر مصر سے نکلے اور مدین چلے گئے-

یہ مدین شہر خلیج عقبہ کے غربی ساحل پر مقنا سے چند میل بجانب شمال واقع تھا- آج کل اسے ''البدع'' کہتے ہیں اور وہاں ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہے جو مدین کی جگہ پر واقع ہے-

حضرت موسیٰؑ نے مدین پہنچ کر جن لڑکیوں کے گلہ و مویشیوں کو پانی پلایا تھا، عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے، لیکن قرآن میں اس پر صراحت تو کجا، کوئی قرینہ بھی نہیں ہے- ہاں بعض روایات میں حضرت شعیب کا نام مذکور ہے- تاہم حافظ ابن کثیر نے ان کو ضعیف الاسناد قرار دیا ہے- لہٰذا ہم اس کی تعیین نہیں کر سکتے-

بائبل میں اس بزرگ (شیخ کبیر) کے ایک دو نام مذکور ہیں یعنی ''رعوایل'' یا ''حوباب''- اس کا لقب ''یترو'' تھا جو بڑے درباری یا بادشاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے-

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بزرگ کے داماد بن کر مدین میں رہنے لگے اور آٹھ دس سال اپنے خسر کا گلہ چراتے رہے اور اس کے بعد وہاں سے واپس آئے-

الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ
عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ
فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا
لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ
قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ
قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ
جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا
الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ
النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲ / ۸

موسیٰؑ نے اسے ایک ایسا گھونسا مارا کہ وہ مرگیا- موسیٰؑ نے دل میں کہا کہ یہ تو شیطانی کام ہوگیا- بیشک شیطان انسان کا گمراہ کن دشمن ہے-[۳] (۱) (۱۶) موسیٰؑ نے عرض کی ''اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو مجھے بخش دے'' چنانچہ اللہ نے اسے معاف کردیا' بلاشبہ وہی بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے- (۱۷) موسیٰؑ نے عرض کی اے میرے رب چونکہ تو نے مجھ پر فضل فرمایا ہے لہٰذا آیندہ میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا- (۱۸) اب موسیٰ شہر میں خوف زدہ ہوکر چھپنے لگے- اتفاق سے پھر وہی پہلا سا موقع پیش آگیا اور جس شخص نے کل ان سے مدد طلب کی تھی اس نے آج پھر فریاد کی- موسیٰؑ نے کہا تو تو بڑا گمراہ آدمی ہے- (۱۹) پھر جب موسیٰؑ نے اس قبطی پر حملہ کرنا چاہا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے کہا کیوں موسیٰ جس طرح تم نے کل ایک آدمی کو مار ڈالا تھا کیا آج اسی طرح مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو؟ تم زمین میں ظالم بن کر رہنا چاہتے ہو' امن دوست بننا تمہیں پسند نہیں؟ (۲)

(۲۰) اور شہر کے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، کہا کہ اے موسیٰ ارکان سلطنت تمہارے قتل کے بارے میں مشورہ کررہے ہیں، اب تم یہاں سے نکل جاؤ، میں تمہیں خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں (۲۱) موسیٰؑ شہر سے خوفزدہ ہوکر خفیہ طور پر نکلے اور خدا کی جناب میں دعا مانگی کہ خداوندا! مجھے ظالموں کے پنجے سے نجات دے![۴] (۳)

[۳] (بنی اسرائیل کے خلاف مصریوں کا) یہ ظالمانہ طرز عمل صرف فرعون کے قصر شاہی تک محدود نہ تھا بلکہ اس کا نظارہ ہر گلی کوچے میں دیکھا جاسکتا تھا- حاکم قوم اپنی قومی حکومت کے گھمنڈ میں بنی اسرائیل کے ہر فرد کو اپنا زر خرید غلام سمجھتی تھی ظلم کی ہمہ گیری کے ثبوت میں صرف یہی کہہ دینا کافی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک مرتبہ نہیں، دو مرتبہ بازار میں ظلم کے واقعات نظر آئے-

(۱) ''البلاغ'' ۱۴-۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۱' ۲۸ جنوری و ۴ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۱- (۲) ''البلاغ'' ۱۴-۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۱- (۳) ایضاً

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ
وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا
خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى
اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى
اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ
الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ
اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ
اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ
اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ
وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

(۲۲) جب موسیٰؑ مصر سے نکل کر مدین کی طرف روانہ ہوئے تو کہا کہ خدا مجھے ضرور سیدھا راستہ دکھائے گا۔[1] (۲۳) اور جب مدین کے کنویں پر پہنچا تو اس کنویں پر لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان سے ایک طرف دو عورتیں دیکھیں جو اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں، موسیٰ نے ان عورتوں سے کہا ''تمہارا کیا معاملہ ہے؟'' انہوں نے کہا ''ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاسکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانور پانی پلا کر نہ لے جائیں اور ہمارا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے۔ (۲۴) یہ سن کر موسیٰؑ نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ پھر وہاں سے ہٹ کر ایک سایہ میں جا بیٹھا اور دعا کی اے میرے پروردگار! جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کردے میں اس کا محتاج ہوں، (۲۵) اتنے میں موسیٰؑ کے پاس دونوں عورتوں میں سے ایک عورت شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی' کہنے لگی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے تاکہ تجھے اس پانی کا اجر دے جو تو نے ہمارے جانوروں کو پلایا ہے۔ جب موسیٰ اس (شعیب) کے پاس (مدین میں) آئے اور ان سے اپنے واقعات بیان کیے تو انہوں نے (حوصلہ افزائی کی اور) کہا ''مت ڈرو، تم نے ظالم قوم کے پنجے سے نجات حاصل کرلی۔''[2] ۵ (۲۶) ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا ''اباجان اس شخص کو نوکر رکھ لیجیے۔ بہتر آدمی جسے آپ نوکر رکھنا چاہیں وہ شخص ہے جو توانا اور امانت دار ہو'' (۲۷) اس کے باپ نے (موسیٰؑ سے) کہا ''میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا تیرے ساتھ اس شرط پر نکاح کردوں کہ تو آٹھ سال تک میری ملازمت کرے اور اگر تو دس سال پورے کردے تو یہ تیری مرضی ہے اور میں تجھ پر کوئی مشقت نہیں ڈالنا چاہتا' تم ان شاء اللہ مجھے بھلے لوگوں میں سے پاؤ گے۔'' (۲۸) موسیٰؑ نے جواب دیا: ''میرے اور تمہارے درمیان یہ طے ہوگیا کہ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کردوں، اس کے بعد مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے''۔

(۱) ''البلاغ'' ۲۸ جنوری ۴ فروری ۱۹۱۲ء ص ۱۱۔ (۲) ''البلاغ'' ۱۴۔۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۱۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا
اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ
اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى
اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ
وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ
فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّ اضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ
بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىٕهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ

(۲۹) جب موسیٰؑ نے (شعیب کی خدمت میں) اپنے (درس وفکر کے) دن پورے کر لیے اور اہل وعیال کو لے کر وہاں سے چلے تو طور کے دامن میں آگ نظر آئی- انہوں نے بیوی سے کہا: ''تم لوگ ٹھہرو، میں آگ کا پتا لگاؤں یا انگارہ ساتھ لے آؤں تا کہ تمہارے کام آئے-'' [۶] (۳۰) لیکن جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو وادی ایمن کے کنارے برکت والی جگہ میں ایک درخت سے ایک ربانی صدا اٹھی، اے موسیٰؑ! یہ آگ نہیں جس کے لیے تم دوڑے ہو بلکہ میں ہوں اللہ تمام دنیا کو پالنے والا [1] (۳۱) اور اے موسیٰ! اپنی لاٹھی پھینک دو جب موسیٰ نے لاٹھی کو دیکھا تو وہ سانپ کی طرح حرکت کر رہی تھی وہ ڈرے اور پیٹھ پھیر کر بھاگے- (خدا نے کہا) ''اے موسیٰ آگے بڑھو (کیونکہ تمہیں آگے بڑھانے کے لیے ہی یہ سب کچھ کیا گیا ہے) اور خوف نہ کرو تم ہمیشہ امن میں رہو گے [۲] (۳۲) اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالو وہ اس کے اندر سے چمکتا ہوا نکلے گا اور اس سے تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچے گا- اپنے بازو کو سمیٹ لو- تمہارے خدا کی طرف سے فرعون اور اس کی قوم کے لیے دو نشانیاں ہیں- یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عدالت الٰہی کا قانون توڑ دیا اور اللہ کی اطاعت سے باہر ہو گئے-'' [۳] (۳۳) موسیٰؑ نے کہا، الٰہی میں نے ان کی قوم کے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا-

۴ فرعون کے غلبے اور جبر واستبداد کے خوف سے حضرت موسیٰ گھبرا گئے، لیکن قومی حمیت کی آگ دل میں برابر سلگتی رہی- سوئے اتفاق سے دوسرے دن پھر وہی نا گوار موقع پیش آ گیا- شہر میں اس واقعے کی شہرت ہو گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جلاوطنی کا مقدس مرحلہ پیش آ گیا جو ہر حقانی جدوجہد کی پہلی منزل ہے-

۵ مصر سے نکل کر انہیں خدا کے اس صالح بندے کی باریابی کا شرف حاصل ہوا جو مصر کی غلامانہ اور مستبدانہ آبادی کی جگہ آزادی کی آب وہوا میں آزادانہ زندگی بسر کر رہا تھا- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت حریت کے لیے یہ دوسری منزل تھی کہ ایک آزاد وخودمختار سرزمین میں رہ کر آنے والے وقت کے لیے تیار ہوں-

۶ الغرض مدت پوری ہونے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل وعیال سمیت واپس مصر جا رہے تھے تو طور کی جانب میں

(۱) البلاغ ۱۴-۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۱- ایک ٹکڑے کا ترجمہ البلاغ ۲۶ نومبر 1915ء پر ملاحظہ ہو-

(۲) ''البلاغ'' ۲۸ رجنوری، ۴ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۱- (۳) ''البلاغ'' ۱۴-۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۲، ۲۸ رجنوری، ۴ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۱-

نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝٣٣ وَ اَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ
اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝٣٤ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ
اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝٣٥ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا
مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝٣٦ وَ قَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ
بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٣٧
وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى
الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٣٨

ایسا نہ ہو کہ اس کے عوض وہ مجھے قتل کر دیں (۳۴) میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح مقرر ہے' اسے میرا حامی بنا کر میرے ساتھ کر دے کہ وہ میری تصدیق کرے- ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں-[1] (۳۵) (خدا نے کہا) ہم تیرے بھائی کے ذریعے سے تیرے دست و بازو کو قوی کر دیں گے، اور تم دونوں کو اپنے معجزات قاہرہ کی برکت سے ایسا غلبہ عطا کریں گے کہ وہ لوگ تمہارے پاس پھٹک بھی نہ سکیں گے' صرف تمہیں اور تمہارے ساتھیوں ہی کو غلبہ حاصل ہوگا-[2] (۳۶) پھر جب موسیٰؑ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر گئے تو انہوں نے کہا'' یہ کچھ نہیں محض ایک جادو ہے جو خدا کی طرف غلط منسوب کر دیا گیا ہے اور یہ بات تو ہم نے اپنے آباواجداد کے زمانہ میں بھی ہوتے نہیں سنی'' (۳۷) اور موسیٰؑ نے کہا' (اے لوگو! مجھے جھٹلانے میں جلدی نہ کرو) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس کی طرف سے سچائی لے کر آیا اور آخر کس کے ہاتھ نتیجے کی کامیابی آنے والی ہے- یقین کرو کہ اللہ کبھی ان لوگوں کو فلاح نہیں دیتا جو بر سرِ ناحق ہیں-[3] (۳۸) اور فرعون نے اپنے ارکان سلطنت سے کہا' میں اپنے سوا نہیں جانتا کہ تمہارا اور بھی کوئی خدا ہے[4] سوائے ہامان! تو میرے لیے اینٹیں پکوا کر ایک محل تیار کروا، شاید کہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں، اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں-

---

انہوں نے آگ دیکھی' توراۃ میں ہے کہ انہوں نے درخت میں آگ دیکھی اور متعجب ہو کر قریب گئے- (خروج ۳-۴) لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع تعجب کے لیے نہیں بلکہ وہ پہلے ہی آگ کی جستجو میں تھے تاکہ الاؤ جلا کر تاپ سکیں' چنانچہ وہاں پہنچنے پر یہ واقعہ پیش آیا-

یہاں پر ''انی انا اللہ رب العالمین'' ہے، اور سورۂ نمل میں ''انی انا اللہ العزیز الحکیم'' ہے- اس کے بعد ان کو دو معجزے دکھائے گئے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہو جائے کہ وہ فی الواقع رب العالمین سے ہی مخاطب ہیں، اور پھر فرعون کے پاس نہایت دلجمعی سے جائیں-

آیت ۳۲ میں ''وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ'' - دراصل ''اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ'' کا بیان ہی ہے- جیسا

---

(۱) ایضاً (حوالہ مذکور) (۲) ایضاً ایضاً-

(۳) ''الہلال'' ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۶- (۴) ''البلاغ'' ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۲-

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ
فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ يَوْمَ
ع الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا
قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

(۳۹) فرعون اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق اپنے آپ کو بڑا خیال کیا اور سمجھ بیٹھے کہ انہیں کبھی ہماری طرف پلٹ کر نہیں آنا ہے۔[۸] (۴۰) آخر کار ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور سمندر میں پھینک دیا' سو دیکھیے کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا! (۴۱) اور ہم نے انہیں دوزخ کی طرف دعوت دینے والوں کا قائد بنا دیا اور قیامت کے دن کہیں سے بھی کوئی مدد نہ پا سکیں گے (۴۲) اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔ (۴۳) اور بلاشبہ ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی تھی جس میں بصیرت افروز دلائل اور ہدایت اور رحمت تھی تا کہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں[۹] (۴۴) اور اے پیغمبر آپ (طور کی) غربی جانب میں اس وقت موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰؑ کو فرمان شریعت عطا کیا اور نہ آپ وہاں حاضر ہونے والوں میں شامل تھے (۴۵) بلکہ اس کے بعد ہم بہت سی نسلیں اٹھا چکے ہیں اور ان پر بہت زمانہ گزر چکا ہے، اور نہ آپ اہل مدین میں مقیم تھے کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے' بلکہ ہم ہی (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں۔[۱۰]

کہ سورۂ طٰہٰ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔

ے لاٹھی کے سانپ بننے، ہتھیلی کے چمک اٹھنے اور حضرت ہارون کے وزیر و شریک ہونے کا ذکر توراۃ میں بھی ہے۔ (خروج ۴) نیز یہ کہ خدا نے فرمایا: اب تو جا میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں۔ (خروج ۳:۱۰)

خدا تعالیٰ کو دنیا کے ایک سب سے بڑے سرکش اور مستبد بادشاہ اور سب سے بڑی ظالم حکمران قوم کو ہلاک کرنا منظور تھا۔ لیکن ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مہم کے پہلے مرحلے میں تھے اور اقتضائے بشریت سے ان کے دل میں خوف و ہراس باقی تھا۔

وہ جب اپنی تنہائی اور فرعونیوں کی کثرت وقوت کا مقابلہ کرتے تھے تو قدرتی طور پر ان کے اندر ہراس پیدا ہو جاتا تھا۔ پس قوت مربیہ الٰہیہ نے سب سے پہلے ان کے قلب کو مختلف طریقوں سے عزم وثبات کا کامل جوہر بخشا اور دکھلا دیا کہ طاقت صرف انسانوں کی قلت و کثرت میں مخفی نہیں۔ حق اور ربانی نصرت کی روح سے معمور ہو کر ایک تنہا انسان لاکھوں انسانوں پر غالب آ سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ نے اب تک تلوار کا قبضہ نہیں پکڑا تھا۔ لیکن خدا نے انہیں دکھلا دیا کہ جو ہاتھ حق کی حمایت میں اٹھتا ہے' اس کے پاس گو لوہے کی تلوار نہ ہو لیکن وہ خود اپنی انگلیوں ہی کے اندر تلوار کی چمک رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگرچہ معجزانہ آلات حرب سے مسلح ہو گئے تھے لیکن سیاسی میدان میں تلوار کی چمک اور توپوں کی گرج سے زیادہ دل کی قوت اور زبان کی طلاقت و روانی کام آتی ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنی

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ
مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ
اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَ نَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَ
لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَ قَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

---

(۴۶) اور نہ آپ طور کی جانب میں موجود تھے جب ہم نے موسیٰ کو ندا کی، مگر یہ تیرے رب کی رحمت ہے (کہ آپ کو نبی بنایا گیا) تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا' تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔[۱۱] (۴۷) اگر ہم رسول نہ بھیجتے تو جب کبھی انہیں ان کے اعمال کے سبب سے مصیبت پہنچتی تو یہ کہنے لگتے ''اے ہمارے رب کیوں نہ تو نے ہمارے پاس رسول بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں شامل ہو جاتے۔'' (۴۸) پھر اب جب کہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق پہنچا تو کہنے لگے کہ جیسی کتاب موسیٰؑ کو دی گئی تھی ایسی کتاب اس پیغمبرؐ کو کیوں نہیں دی گئی؟ - کیا جو کتاب موسیٰؑ کو دی گئی تھی، یہ لوگ اس سے پہلے اس کا انکار نہیں کر چکے؟ انہوں نے کہا کہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور (نیز) کہا کہ ہم کسی کو نہیں مانتے۔

کمزوریوں کا عذر کیا۔ خدا تعالیٰ نے ان کی تمام دعائیں قبول کیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کی مدد سے ان کے دست و بازو کو مضبوط کر دیا۔

۸ فرعون نے معجزات کو تو مصنوعی طلسم کا کرشمہ قرار دیا اور دعوت میں جو باتیں پیش کیں ان کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ یہ ہمارے آباء و اجداد کی روایات کے بالکل خلاف ہیں' جیسا کہ دوسرے مقام پر قریش کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کے جواب کا ذکر ہے ''مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ''۔

فرعون بذات خود بہت سے دیوتاؤں کی پوجا کرتا تھا جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت ۱۲۷ سے معلوم ہوتا ہے' اس کے باوجود یہاں پر فرعون کا یہ کہنا ''**ما علمت لکم من الہ غیری**'' کس معنی میں ہو سکتا ہے؟ صاحب تفہیم لکھتے ہیں ''یہاں پر الٰہ بمعنی مطاع اور حاکم مطلق کے ہے' یعنی سرزمین مصر کا مالک میں ہی ہوں' یہاں پر میرا ہی حکم چلے گا''، لیکن اصل بات یہ ہے کہ مصری فرعون کو سب سے بڑے دیوتا سورج کا اوتار سمجھتے تھے اور اس لیے اس کی پرستش بھی کرتے تھے' اسی بنا پر اس نے قوم کو بیوقوف بنایا اور ''**انا ربکم الاعلیٰ**'' کا دعویٰ کر دیا' قرآن میں ہے **فاستخف قومہ' فاطاعوہ**۔

۹ اب یہاں آیت ۴۳ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ یہاں پر غربی جانب سے مراد جزیرہ نمائے سینا کا وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الواح کی شکل میں احکام شریعت دیے گئے تھے۔ یہ علاقہ حجاز کے شمال مغربی جانب میں واقع ہے۔

۱۰ یہ تینوں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات میں اس وقت پیش کیے جب کہ کفار قریش یہود و نصاریٰ سمیت آپ کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور ان میں سے کوئی بھی یہ بات نہ کہہ سکا کہ تم (محمدؐ) یہ باتیں یہود و نصاریٰ کے علماء سے حاصل کر کے یہاں آکر سنا دیتے ہو' کیونکہ وہ اس قسم کا کوئی ثبوت مہیا کرنے سے عاجز تھے۔ یہ بہتان تو آج کل کے مستشرقین نے تراش کر اسے فروغ دیا ہے۔ اور واضح رہے کہ قرآن نے یہ چیلنج متعدد آیات میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو آل عمران آیت ۴۴، سورۂ یوسف آیت ۱۰۲' سورۂ ہود آیت ۴۹۔

قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ
لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ
هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ ع ۵/۸ النصف
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى
عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ
اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا
اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؗ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ؗ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾
اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

(۴۹-۵۰) اے نبیؐ! ان سے کہہ دیجیے: ''اگر تم سچے ہو تو اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں (قرآن و توراۃ) سے بہتر ہو تو میں اس کی پیروی اختیار کرلوں گا-''[۱۲] پھر اگر وہ تمہارا یہ چیلنج قبول نہ کریں تو سمجھ لو کہ یہ لوگ صرف اپنی خواہشات کے پیرو ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو اللہ کی جانب سے کسی رہنمائی کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے بلاشبہ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں بخشتا- (۵۱) اور ہم نصیحت کی باتیں پیہم ان کے پاس پہنچا چکے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (۵۲) جن لوگوں کو اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی' وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں[۱۳] (۵۳) اور جب قرآن انہیں پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، یہ واقعی ہمارے رب کی طرف سے حق ہے' ہم تو اس سے پہلے ہی ماننے والے تھے[۱۴] (۵۴) یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر و استقامت کے باعث' دوہرا اجر دیا جائے گا اور وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (۵۵) اور جب کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرلیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں: ''ہمارے عمل ہمارے لیے اور تمہارے عمل تمہارے لیے' تم کو سلام ہو' ہم بے سمجھ لوگوں کو منہ لگانا نہیں چاہتے''- (۵۶) اے نبی! تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے-

---

۱۱ آیت ۴۶ میں قرآن کا یہ کہنا کہ ''آپ ان کو ڈرائیں جن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا-'' اس بنا پر ہے کہ حضرت اسماعیل اور حضرت شعیب علیہما السلام کے بعد تقریبا دو ہزار سال کی اس طویل مدت میں کوئی نبی نہیں ہوا-

۱۲ آیت ۴۸ میں آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ان کے اعتراض کا جواب دیا ہے اور پھر چیلنج کیا ہے کہ تمہارے پاس اگر کوئی کتاب ہے جو قرآن اور تورات سے بہتر ہو تو پیش کرو، ہم بلا تامل اس کی پیروی کریں گے-

۱۳ اس کے بعد حبش کے اہل کتاب کے اس وفد کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہجرت حبشہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبریں سن کر مکہ

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ
ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ
بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾
وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا
كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا ع ۶
حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

(۵۷) اور کہتے ہیں اگر ہم تیرے ساتھ ہو کر ہدایت کی پیروی اختیار کرلیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لیے جائیں- کیا ہم نے انہیں حرم سرائے امن میں جگہ نہیں دی جہاں ہر چیز کا ثمرہ کھنچا چلا آتا ہے؟ ہمارے ہاں سے انہیں رزق پہنچتا ہے لیکن اکثروں کو یہ بھی علم نہیں-[۱۵] (۱) (۵۸) اور کتنی ہی آبادیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا' حالانکہ اسباب معیشت سے وہ مالا مال تھیں- یہ بربادی کے خرابے اور تباہی کے کھنڈر انہی لوگوں کے گھر ہیں جو پھر آباد نہ ہو سکے اور آخر کار ان کے مال و متاع کے ہم ہی وارث ہوئے-(۲) (۵۹) اور یاد رکھو' تمہارے پروردگار کا قانون یہ ہے کہ وہ کبھی انسانوں کی بستیوں کو (پاداش عمل میں) ہلاک نہیں کرتا' جب تک کہ ان میں ایک پیغمبر مبعوث نہ کر دے اور وہ خدا کی آیتیں پڑھ کر نہ سنا دے، اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر صرف اس حالت میں کہ ان کے باشندوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کر لیا ہو-[۱۶] (۳) (۶۰) اور جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے کہیں بہتر اور باقی رہنے والا ہے' کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ (۶۱) کیا بھلا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کر رکھا ہو پھر وہ اس کو پانے والا ہو، کبھی اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے صرف دنیوی زندگی کا سرو سامان دے رکھا ہو' پھر وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں سے ہو جو مجرمانہ حیثیت سے پیش کیے جائیں گے-

معظّمہ آیا اور آنحضرت ﷺ سے قرآن سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' انہوں نے قرآن کے وحی الٰہی ہونے کی تصدیق کی اور آنحضرتؐ پر ایمان لے آئے- یہ واقعہ مسجد حرام میں پیش آیا- جب کہ کفار قریش گرد و پیش کھڑے ہو کر اس منظر کو دیکھ رہے تھے- سیرت ابن ہشام اور البدایہ (ابن کثیر) میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے-

[۱۴] آیت ۵۳ میں ''اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ'' سے ایک عالمگیر حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر تمام رہنمایان عالم نے جس دین کی دعوت دی ہے وہ یہی ''اسلام'' ہی ہے- اہل کتاب کی فرقہ بندیوں کی مذمت کرتے ہوئے قرآن نے متعدد

(۱) ''الہلال'' ۱۶ر جولائی ۱۹۱۳ء ص ۱۰- (۲) ''الہلال'' ۵ر اگست ۱۹۱۴ء ص ۱۰- نیز ''الہلال'' ۱۶ر جولائی ۱۹۱۳ء ص ۱۰-
(۳) ترجمان القرآن' جلد اول ص ۱۸۲- نیز دیکھیے ''الہلال'' ۱۷ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۵-

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ
الْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰٓؤُلَآءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا ۚ أَغْوَيْنَٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّأْنَآ إِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوٓا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾
وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾
وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَآ أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا
يَتَسَآءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَعَسَىٰٓ أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾

---

(۶۲) اور جس دن کہ اللہ ان کافروں کو پکار کر فرمائے گا: ''کہاں ہیں وہ لوگ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ میرے شریک ہیں؟'' (۶۳) جن پر اللہ کے عذاب کا فرمان ثابت ہو چکا' وہ کہیں گے: ''اے ہمارے رب! ایسے لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا' ہم نے انہیں اسی طرح گمراہ کیا تھا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے' ہم آپ کے روبرو براءت کا اظہار کرتے ہیں' یہ لوگ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے۔''[۱۵]

(۶۴) اور کہا جائے گا تم لوگ اپنے شرکاء کو (مدد کے لیے) پکارو۔ چنانچہ وہ پکاریں گے' مگر وہ ان کو کوئی جواب نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب دیکھ لیں گے، کاش یہ ہدایت پانے والے ہوتے! (۶۵) اور اس روز اللہ ان کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا؟ (۶۶) سو اس دن ان سے سب باتیں گم ہو جائیں گی لہٰذا وہ ایک دوسرے سے کچھ دریافت بھی نہ کر سکیں گے (۶۷) البتہ جو شخص توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتا رہا تو امید ہے ایسا شخص فلاح پانے والوں سے ہوگا۔

آیات میں اس اصل عظیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس کے بعد کفار قریش کو ملامت کی ہے۔

۱۵ کفار قریش دین اسلام قبول نہ کرنے کے لیے عذر کے طور پر یہ کہتے کہ ہمارا تعلق ایک معزز خاندان سے ہے' ہم کعبہ کے متولی ہیں اور ہمیں تمام عرب کی مذہبی پیشوائی کا شرف حاصل ہے۔ اردگرد کے ممالک سے ہمارے تجارتی تعلقات ہیں۔ اگر ہم بت پرستی کو چھوڑ کر دین اسلام اختیار کر لیں تو ہمارا تمام کاروبار تباہ ہو جائے گا اور ہمارے مذہبی اثر ورسوخ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں یاد دلایا کہ حرم امن میں ہم نے تمہیں رسوخ بخشا ہے جس کی تمام عرب تعظیم بجالاتے ہیں۔ اس نعمت کی شکر گزاری کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم اس دعوت اسلامی کو قبول کر لیتے۔ مگر تم بغاوت کر کے اپنی بربادی کا سامان پیدا کر رہے ہو۔

۱۶ تم سے پہلے بہت سی آبادیاں بربادیوں میں تبدیل ہو چکی ہیں اس لیے کہ انہوں نے تمہاری طرح اپنی خوشحالی کی وجہ سے تکبر کیا اور بالآخر وہ ملیامیٹ کر دی گئیں۔ بہرحال دنیا کی زندگی چند روزہ ہے' اس کی خاطر آخرت کی ابدی زندگی کو تباہ و برباد کرنا کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے۔

''تماشا گاہ ہستی کا ایک بہت بڑا منظر وہ تغیرات ہیں جن کے طوفان قوموں اور ملکوں کے اندر اٹھتے ہیں اور بڑی بڑی آبادیوں کو تہ و بالا کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ آبادیوں کی جگہ ویرانیوں سے مبدل جاتی ہے۔ زندگی کی رونق پر موت کا سناٹا چھا جاتا ہے اور انسانی عیش ونشاط کے بڑے بڑے محل مدفن قبور و مقبرۂ اموات وخرابۂ سلب ونہب ہو کر نابود و مفقود ہو جاتے ہیں۔

وَ رَبُّكَ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخۡتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۸﴾
وَ رَبُّكَ يَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَ مَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿۶۹﴾ وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡحَمۡدُ
فِى الۡاُوۡلٰى وَ الۡاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الۡحُكۡمُ وَ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۷۰﴾ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ
الَّيۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ ﴿۷۱﴾
قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ النَّهَارَ سَرۡمَدًا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ
يَاۡتِيۡكُمۡ بِلَيۡلٍ تَسۡكُنُوۡنَ فِيۡهِ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَ مِنۡ رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَ
النَّهَارَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾ وَ يَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ
فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۷۴﴾ وَ نَزَعۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا
فَقُلۡنَا هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ فَعَلِمُوۡۤا اَنَّ الۡحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۷۵﴾ ع

(۶۸) اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے- یہ انتخاب ان لوگوں کا کام نہیں ہے اللہ ان کے شرک اور شرکاء سے پاک اور بلند ہے جو یہ لوگ کرتے (اور) بناتے ہیں-[۱۸] (۶۹) اور تیرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں- (۷۰) وہی ایک اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں- اسی کے لیے حمد ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اسی کی فرماں روائی ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے- (۷۱) آپ ان سے پوچھیے بھلا یہ تو بتاؤ' اگر تم پر اللہ ہمیشہ قیامت کے دن تک رات ہی رہنے دے تو اللہ کے سوا' کون سا معبود ہے جو تمہارے لیے روشنی لے آئے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ (۷۲) آپ ان سے پوچھیے بھلا یہ تو بتاؤ' اگر تم پر اللہ قیامت کے دن تک دن ہی رکھے' تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہارے لیے رات لے آئے کہ تم اس میں سکون حاصل کرو؟ کیا تم دیکھتے نہیں؟ (۷۳) اور (دیکھو) یہ اس کی رحمت کی کارسازی ہے کہ تمہارے لیے رات اور دن الگ الگ ٹھہرا دیے تا کہ رات کے وقت راحت پاؤ اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو (کاروبار معیشت میں سرگرم رہو-) [۱] اور تا کہ تم شکر گزار ہو- (۷۴) اور یاد رکھو جس دن کہ اللہ ان کافروں کو پکار کر فرمائے گا ''کہاں ہیں وہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے-'' (۷۵) اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکال لائیں گے پھر ان (مشرکوں) سے کہیں گے کہ (شرک کے جواز پر) اپنی دلیل پیش کرو، تب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حق اللہ ہی کی طرف سے تھا اور جو افتراء پردازیاں وہ کرتے تھے سب گم ہو جائیں گی-

قرآن کہتا ہے کہ یہ بات عدل الٰہی کے خلاف ہے کہ ایک گروہ اپنے اعمال بد کے لیے جواب دہ ٹھہرایا جائے- حالانکہ اس کی ہدایت کے لیے کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو-

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۸۱-

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ
بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ
فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ
إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ
عِنْدِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ
وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ
الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٧٩﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿٨٠﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ

---

(۷٦) بلاشبہ قارون موسیٰ کی قوم سے تھا پھر وہ ان پر ظلم و زیادتی کرنے لگا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ ان کی کنجیاں طاقت ور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی' ایک دفعہ قارون کی قوم نے اس سے کہا: ''تو اترا مت- بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا (۷۷) اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی جستجو کر اور دنیا میں سے اپنا حصہ فراموش نہ کر اور (اے قارون!) انسانوں پر احسان کر جیسا کہ خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے' اور زمین پر فساد نہ پھیلا- خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا-[۱۹][(1)] (۷۸) قارون نے جواب دیا: ''مجھ کو یہ سب کچھ اس علم کی وجہ سے ملا ہے جو مجھ کو حاصل ہے-'' کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گزشتہ قوموں میں سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے' جو قوت میں اس سے زیادہ اور مال جمع کرنے میں اس سے بڑھ کر تھے؟ اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق پوچھا نہیں جاتا-

(۷۹) چنانچہ (ایک روز) وہ اپنی قوم کے سامنے پورے ٹھاٹھ میں نکلا تو ان لوگوں نے جو دنیوی زندگی کے طالب تھے حسرت کھائی کہ کاش ہمارے پاس بھی وہ ہوتا' جو قارون کو دیا گیا ہے- وہ کیسا بڑا نصیب والا ہے (۸۰) مگر جو لوگ صاحب علم و سعادت تھے' انہوں نے کہا کہ (یہ کون سی چیز ہے جس کے لیے حسرت کر رہے ہو؟) صد افسوس تم پر! اصل نعمت تو اللہ تعالیٰ کا وہ بدلہ ہے جو صالحین کو ان کے اعمال کا ملتا ہے- (اور خدا کے مومن و صالح بندوں کے لیے وہی سب سے بڑی چیز ہے-)[(2)]

---

۱۷ اہل دوزخ کے بعض احوال و واردات جو عالم آخرت میں پیش آئیں گے- پیروان باطل کی پیروی کرنے کا حسرت انگیز نتیجہ جو ان کے بدقسمت پیرووں کے حصہ میں آئے گا- قیامت کے دن حکم ہوگا کہ اب شرکاء کو پکارو' چنانچہ وہ پکاریں گے لیکن کوئی جواب نہ پا کر حسرت سے کہیں گے'' لو انهم كانوا يهتدون'' سورۂ اعراف میں ہے کہ پچھلی امتیں اپنے سے پہلی امتوں پر لعنت بھیجیں گی' کہ ان کی تقلید و

---

(۱) ''البلاغ'' ۱۱ر فروری ۱۹۱٦ء ص ١٦- (۲) ''البلاغ'' ۱۸ر فروری ۱۹۱٦ء ص ۱۵-

وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ ۚ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ﴿٨١﴾
وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۖ لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٢﴾ تِلْكَ الدَّارُ
الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٨٣﴾ مَنْ جَاءَ
بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ
وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۖ فَلَا
تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ ۖ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ
وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ

(۸۱) آخر کار ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا' پھر نہ تو کوئی ایسا گروہ تھا جو اس کی مدد کر کے اللہ سے بچا لیتا اور نہ وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا (۸۲) اب وہی لوگ جو کل اس کے ہم مرتبہ ہونے کی تمنا کر رہے تھے' کہنے لگے "اے افسوس! اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا رزق فراخ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے' اگر ہم پر اللہ احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا- افسوس' واقعی بات یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پایا کرتے-" (۸۳) یہ آخرت کا گھر صرف ان ہی لوگوں کے لیے بنائیں گے' جو نہ تو خدا کی زمین میں بڑائی اور سرکشی کرنا چاہتے ہوں اور نہ زمین ہی کا فساد انہیں پسند ہو- اور انجام کار انہی لوگوں کے لیے ہے جو متقی ہیں-[1] (۸۴) جو شخص نیکی لے کر حاضر ہو گا تو اس کو اس نیکی سے بہتر بدلہ ملے گا اور جو بدی لے کر آئے گا تو ایسے بداعمالوں کو وہی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے- (۸۵) بلاشبہ جس نے یہ قرآن آپ پر فرض کیا ہے وہ آپ کو ضرور بہتر انجام تک پہنچانے والا ہے' ان سے کہہ دیجیے میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون کھلی گمراہی میں مبتلا ہے- (۸۶) آپ کو یہ توقع بھی نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی' مگر یہ تو محض آپ کے رب کی مہربانی سے (نازل کی گئی ہے) لہٰذا آپ ہرگز ان کافروں کے مددگار نہ بنیں- (۸۷) اور کبھی ایسا نہ ہونے پائے کہ جب اللہ کی آیات آپ پر نازل ہوں تو یہ لوگ ان پر عمل سے آپ کو روک دیں اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں اور کبھی مشرکوں میں شامل نہ ہوں-

پیروی میں ہم گمراہ ہوئیں- یہ سب دوگنا عذاب کے مستحق ہوں گے-

(۱) "البلاغ" ۱۱ر فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۷-

إِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

(۸۸) اور نہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے- اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اسی کی فرمانروائی ہے اور اسی کی طرف تم سب کی بازگشت ہے-

۱۸ اب یہاں سے دلائل توحید شروع ہو رہے ہیں کہ جس مالک نے تمہیں یہ مذکورہ نعمتیں بخشی ہیں وہ عبادت کا مستحق ہے' دنیا اور آخرت میں اس کی فرمانروائی ہے' اسی نے رات دن کا یہ سلسلہ بنایا ہے اور کوئی نہیں جو اس کے جاری کردہ نظام میں تبدیلی کر سکے- پھر اس کے بعد کفار قریش کی بصیرت کے لیے قارون کا واقعہ پیش کیا ہے جو بہت بڑا مالدار تھا' لیکن جب اس نے بغاوت کی راہ اختیار کی تو تباہ و برباد ہو گیا اور اس کی دولت مندی کسی کام نہ آئی-

۱۹ ایک شخص کے پاس بہت دولت ہے- اس کی ضرورتوں سے بہت روپیہ بچ رہتا ہے- دوسرے انسان محتاج ہیں- ان کی حالت کی اصلاح کی ضرورت ہے- مگر وہ شخص اپنے خزانے مقفل رکھتا ہے اور خدا کے بندوں کے لیے خدا کی بخشی ہوئی دولت میں سے کچھ نکالنا نہیں چاہتا (تو یہ فساد ہے-) صلحاء کا دل حرص و طمع سے خالی ہوتا ہے- رشک و حسد سے انہیں نفرت ہوتی ہے- وہ جزائے اخروی کے آگے دنیوی دولت کو ہیچ سمجھتے ہیں-

۲۰ جو شخص دنیا میں جبر و استبداد پھیلانا چاہتا ہے تو وہ مفسد ہے' اس کے اعمال مفسدانہ ہیں-

۲۱ آیت ۸۵ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور بشارت دی ہے کہ جس نے تم پر یہ ذمہ داری ڈالی وہ تجھے کامیابی سے ہمکنار بھی کرے گا- یہ نبوت و رسالت موہبت ربانی ہے' اس میں تمہاری طلب کو دخل نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص رحمت ہے- لہٰذا اس کی تبلیغ میں کسی قسم کی مداہنت سے کام نہ لیں' دعوت دیتے رہیں اور مخالفین کی پرواہ نہ کریں-

✻ ✻ ✻

اٰیَاتُھَا: 69 سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْتِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا: 7

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ ھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ② وَ لَقَدْ فَتَنَّا
الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ③ اَمْ حَسِبَ
الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ④ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰہِ
فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ⑤

(۱) الم[۱] (۲) کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ زبان سے ایمانداری اور راست بازی کا دعویٰ کریں گے اور بغیر آزمائے چھوڑ دیئے جائیں گے؟

(۳) حالانکہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں' خدا نے انہیں بھی آزمائش میں ڈالا تھا (اور یہ نا گزیر ہے) پس عنقریب خدا ان لوگوں کو معلوم کر کے رہے گا جو اپنے دعویٰ صداقت میں سچے ہیں- اور انہیں بھی جو اپنے اندر جھوٹ کے سوا کچھ نہیں رکھتے-

(۴) جن لوگوں کی قوتیں اعمال بد میں صرف ہو رہی ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائیں گے؟ اگر ایسا سمجھتے ہیں تو کیا ہی بری سمجھ اور کیا ہی برا فیصلہ ہے؟(۱)

(۵) جو شخص اللہ سے ملنے کی توقع رکھتا ہے (تو اسے چاہیے کہ اس کی تیاری کرتا رہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت آنے ہی والا ہے اور وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے-

---

[۱] یہ سورۃ بھی مکی ہے اور اس دور کی تنزیلات سے ہے جب کہ مسلمان مصائب و آلام کے دور سے گزر رہے تھے اور دعوت اسلامی کو قبول کر لینے کی وجہ سے دردناک اذیتوں سے دوچار ہو رہے تھے-

اس لیے ابتداء میں پیروان دعوت حق کو آگاہ کر دیا کہ مومن ہونے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ تم نے ایمان کا اقرار کر لیا اور جنتی ہو گئے بلکہ پیغام حق کی خدمت عظیم کے لیے ان تمام آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑے گا جو تم سے پہلے حق پرستوں کو پیش آ چکی ہیں- اور یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز ہو جائے- اس کے بعد مخالفین کو سرزنش کی ہے جب کہ مؤمنین کو دوہری بشارت دی ہے-

---

(۱) ''الہلال'' ۱۲/ مارچ ۱۹۱۳ء ص ۲-

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ
حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۞ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ
مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۞

(۶) اور یادرکھو کہ جو سچائی اور راست بازی کی راہ میں تکلیف اٹھاتا ہے تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے ایسا کرتا ہے- خدا دنیا کے تمام لوگوں اور ان کے اعمال سے بے نیاز ہے-[1] (۷) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ہم ضرور ان کے گناہ دور کریں گے اور ان کے کاموں کا' جو وہ کیا کرتے تھے' بہترین بدلہ عطا فرمائیں گے (۸) اور ہم نے انسان کو تاکید حکم دیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے- لیکن وہ اگر تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے' جس کے شریک ہونے کا تجھے کچھ بھی علم نہیں ہے' تو ان کی اطاعت نہ کر' تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے- پھر میں تمہیں ان کاموں کی حقیقت سے آگاہ کروں گا جو تم کیا کرتے تھے-۲ (۹) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ان کو ہم نیک لوگوں میں داخل کریں گے- (۱۰) اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے- مگر جب اللہ کی راہ میں انہیں کوئی اذیت پہنچتی ہے تو وہ لوگوں کی ایذا رسانی کو اللہ کا عذاب سمجھ لیتا ہے- اور اگر آپ کے رب کی جانب سے کوئی مدد پہنچتی ہے تو یہی لوگ کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ رہے ہیں- (کیا وہ یہ کہہ رہے ہیں) کیا اللہ تعالیٰ ان چھپے ہوئے بھیدوں سے واقف نہیں جو دنیا کے سینوں میں مدفون ہیں؟[2]

۲ اس وقت بعض نوجوانوں پر ان کے والدین زور ڈالتے کہ تم محمد ﷺ کا ساتھ چھوڑ دو- اس کے جواب میں آیت نمبر ۸ نازل ہوئی-

۳ مکی دور میں بھی کچھ کمزور ایمان لوگ تھے جو کفار کی سختی کے سامنے گھٹنے ٹیک رہے تھے اور دعوت توحید سے دست بردار ہونے کو تیار تھے- ایسے ہی لوگوں کو آیت نمبر ۱۱ میں منافقین کہا گیا ہے جو دنیوی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کے سامنے زبانی اعتراف تو کرتے مگر راہ حق میں کوئی مصیبت اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوتے-

۴ پھر بعض نومسلم ایسے بھی تھے جن کو ان کے قبیلے کے لوگ کہتے کہ آخرت کا عذاب وثواب ہماری گردن پر' تم ہمارا کہا مانو اور اس شخص (محمد ﷺ) سے الگ ہو جاؤ- آیت ۱۲-۱۳ میں انہی کو جواب دیا ہے- یعنی اول تو ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کے ہاں کوئی دوسرا شخص کسی کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لے اور گناہ کرنے والا مکافات عمل سے بچ جائے- اور پھر انہیں تو یوں بھی دوہرا بوجھ اٹھانا پڑے گا- ایک بوجھ خود گمراہ ہونے کا اور دوسرا گمراہ کرنے کا (دیکھیے: سورہ النحل آیت ۲۵)

(۱) ''الہلال'' ۱۲/ مارچ ۱۹۱۳ء ص ۲ (۲) ایضاً ص ۳-

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿١١﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٢﴾ وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَ لَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ ع
فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١٤﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٥﴾
وَ اِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦﴾
اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ

---

(۱۱) اور اللہ ضرور ان لوگوں کو دیکھے گا جو ایمان لائے ہیں اور ان کو بھی دیکھے گا جو منافق ہیں۔[۴] (۱۲) اور کافر اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے طریق پر چلو اور تمہارے گناہ ہم اٹھائیں گے۔ حالانکہ یہ کافر ان کے گناہوں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں۔ یہ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں (۱۳) ہاں یہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ اور جو افترا پردازیاں یہ لوگ کرتے رہے ہیں قیامت کے دن ان سب کی بازپرس کی جائے گی۔[۴] (۱۴) اور بلاشبہ ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا۔[۵] سو وہ ان میں پچاس کم ایک ہزار برس ٹھہرے رہے۔[۶] آخرکار ان لوگوں کو طوفان نے آ گھیرا اور وہ بڑے ہی نافرمان تھے (۱۵) پھر ہم نے نوحؑ کو اور کشتی والوں کو بچا لیا اور اسے دنیائے جہان والوں کے لیے ایک نشان عبرت بنا دیا۔[۷] (۱۶) اور ابراہیمؑ کو بھیجا' جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا "تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے' اگر تم جانو۔"[۸] (۱۷) تم اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کی پرستش کر رہے ہو اور تم ایک جھوٹ گھڑ رہے ہو' اور یہ واقعہ ہے کہ خدا کو چھوڑ کر تم جن کی پرستش کر رہے ہو وہ تمہیں روزی دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ سو تم اللہ ہی سے رزق طلب کرو' اسی کی بندگی کرو اور اسی کا شکر

---

۵ ابتدائے سورہ سے ان قصوں کی مناسبت ظاہر ہے' یعنی اہل ایمان کو آزمائش میں ڈالا جائے گا جیسا کہ پہلے لوگوں کو ڈالا گیا۔ اور کفار اللہ کی گرفت سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔ انہی دو چیزوں پر استدلال کے لیے امم سابقہ کا تذکرہ شروع ہو گیا ہے جو درحقیقت دلائل و حجج کا ایک پورا سلسلہ ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت ہے۔

۶ یعنی نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد سے طوفان تک' پورے ساڑھے نو سو برس' حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کی اصلاح کے لیے سعی فرماتے رہے اور ان کی زیادتیاں برداشت کرتے رہے۔ لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ اہل ایمان کو بھی چاہیے' ان کے سے صبر و استقلال سے

اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنۡ تُكَذِّبُوۡا فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ
الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۸﴾ اَوَ لَمۡ يَرَوۡا كَيۡفَ يُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ﴿۱۹﴾ قُلۡ
سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۚ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡحَمُ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيۡهِ تُقۡلَبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى
الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ ع ۹ ۱۴
اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوۡا مِنۡ رَّحۡمَتِىۡ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ

ادا کرو، (تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)(۱۸) اگر تم لوگ تکذیب کرو گے تو تم سے پہلے بھی مختلف قومیں (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں- اور رسول پر تو صاف صاف پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے-(۱۹) کیا انہوں نے دیکھا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا؟ یقیناً یہ (اعادہ تو) اللہ تعالیٰ کے لیے نہایت ہی آسان ہے- (۲۰) ان سے کہیے کہ زمین میں چلو، پھر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح پہلی بار پیدا کیا- پھر اللہ ہی آخری نشاۃ بخشے گا- یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے-(۲۱) وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم فرمائے- اور تم سب اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے-(۲۲) اور تم نہ زمین میں عاجز کرنے والے ہو اور نہ آسمان میں- اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی حمایتی ہے اور نہ کوئی مددگار ہے- (۲۳) اور جو لوگ اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کے منکر ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں

کام لیں اور ان پر جو ظلم و ستم ڈھائے جا رہے ہیں، اس سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام کے دور کو سامنے رکھیں- چنانچہ سورۂ ہود میں اس قصہ کے خاتمہ پر فرمایا: "فاصبر ان العاقبة للمتقين!"

ے آیت ۱۵ میں فرمایا! "وجعلناها آية للعالمين" بظاہر اس سے مراد خود کشتی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر صدیوں موجود رہی، اور بعد کی نسلوں کے لیے نشان عبرت بنی رہی- سورۃ القمر میں بھی ہے کہ "ہم نے اس کشتی کو نشانی بنا کر چھوڑ دیا-" ابن جریر نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں جب مسلمان الجزیرہ کے علاقہ میں گئے تو انہوں نے کوہ جودی پر ایک کشتی کو دیکھا- اس دور کی تکشیفات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کشتی کے آثار تا حال موجود ہیں-

۸ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا ذکر ہے- قول و عمل سے بت پرستی کے خلاف جہاد کیا- مگر قوم بجائے اس کے کہ ان کے دلائل پر غور کرتی، اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مخالفت شروع کر دی اور بالآخر دلائل سے عاجز آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں زندہ جلا دینے کا فیصلہ کر لیا-

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے زندہ و سلامت نکل کر کنعان چلے

إِلَّآ أَن قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَىٰهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٤﴾ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَٰنًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَىٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّٰصِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَـَٔامَنَ لَهُۥ لُوطٌ ۘ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُۥ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٦﴾ وَوَهَبْنَا لَهُۥٓ إِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَٰبَ وَءَاتَيْنَٰهُ أَجْرَهُۥ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُۥ فِي الْءَاخِرَةِ لَمِنَ الصَّٰلِحِينَ ﴿٢٧﴾ وَلُوطًا إِذْ

اوران کے لیے دردناک عذاب ہے-

(۲۴) پھراس کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ انہوں نے کہا ''یا تو اسے قتل کردو یا جلا ڈالو'' آخرکار اللہ نے اسے آگ سے بچالیا- بے شک اس واقعہ میں بھی ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں-

(۲۵) اور ابراہیم نے کہا ''تم نے دنیوی زندگی میں تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت کا ذریعہ بنا رکھا ہے، مگر قیامت کے روز تم ایک دوسرے پر لعنت کروگے، تمہارا ٹھکانا آگ ہوگی اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا-''

(۲۶) اس پر لوطؑ نے ابراہیمؑ کی تصدیق کی اور ابراہیمؑ نے کہا ''میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں- بے شک وہ زبردست اور کامل حکمت والا ہے-

(۲۷) اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کردیے اور ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری رکھا اور ہم نے دنیا میں بھی ان کو اس کا صلہ عطا کیا اور بلاشبہ وہ آخرت میں نیک لوگوں سے ہوگا-[9] (۲۸) اور ہم نے لوط

گئے- ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے جیسا کہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے-

9 حضرت ابراہیم علیہ السلام جب وہاں سے نکل کر فلسطین میں مقیم ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل میں خیر و برکت کی اور حضرت عیسیٰ تک نبوت و کتاب کا سلسلہ، حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں جاری رہا، جو بنی اسرائیل کے لقب سے مشہور ہوئے اور اس سرزمین پر حکمرانی بھی کرتے رہے- صرف مدیانی شاخ میں حضرت شعیب مبعوث ہوئے اور اسماعیلی شاخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نبی نہیں آیا-

معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نبوت و رسالت کا سلسلہ حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں قائم رہا- الغرض دنیا کو ان چالیس صدیوں میں جو بھی ہدایت کی روشنی میسر آئی وہ اسی ایک انسان اور ان کی اولاد کی بدولت میسر آئی ہے- آخرت میں جو اجر عظیم ان کو ملے گا، وہ بے حساب ہوگا-

قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ٚ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ
الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا
ع ۸ ۱۵ بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ
رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ

کو پیغمبر بنا کر بھیجا جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا "یقیناً تم وہ فحش کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیائے جہان میں سے کسی نے بھی اس کا ارتکاب نہیں کیا-

(۲۹) کیا تم لوگ خلاف وضع فطری کے مرتکب ہوتے ہو،ون دہاڑے ڈاکے مارتے ہو اور مجلسوں میں علانیہ برائیوں کے مرتکب ہوتے ہو؟-[1]

پس اس کی قوم کا اس کے سوا کچھ جواب نہ تھا کہ "اگر تو سچا ہے تو اللہ کا عذاب لا دکھا-" ؎ (۳۰) لوط نے دعا کی "اے میرے رب ان مفسد لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما!"

(۳۱) اور جب ہمارے فرستادے ابراہیمؑ کے پاس بشارت لے کر آئے تو انہوں نے ابراہیمؑ سے کہا "ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں (کیونکہ) اس کے باشندے بڑے ہی ظالم ہیں-" (۳۲) ابراہیم نے کہا..............

؎ قرآن نے بتایا کہ اہل سدوم دو بڑے گناؤنے جرائم کے مرتکب تھے- ایک مردوں سے شہوت رانی، دوسرے رہزنی[2]- چنانچہ حضرت لوط ان میں مبعوث ہوئے اور انہوں نے ان جرائم سے انہیں منع کیا تو وہ حضرت لوط کے سر ہو گئے اور ان سے عذاب کا مطالبہ کرنے لگے-

یعنی فحش اور بدکاری کے کام چھپ کر نہیں بلکہ اپنی مجلسوں میں کھلم کھلا کرتے ہو- جیسے سورۂ نمل میں فرمایا: " اتاتون الفاحشة وانتم تبصرون!"

"جو انسان ایک وقت میں اپنے بچوں کی قوت احتساب کو ترقی دے سکتا ہے، ایک وقت آتا ہے کہ خود اپنی قوت محتسبہ ہی فنا کر دیتا ہے اور اس کے تمام حواس ظاہری اور باطنی خارجی ضلالت کے اثر سے معطل ہو کر رہ جاتے ہیں- یہاں تک کہ ہر شخص علانیہ منکرات و معاصی کا ارتکاب کرنے لگتا ہے اور اپنی فطرت سلیمہ صالحہ کو مسخ کر لیتا ہے- یہی حال قوم لوط کا تھا-"

(۱) "البلاغ" ۲۰ر نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۸-

فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٢﴾ وَلَمَّا أَنْ
جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا
امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا
يَفْسُقُونَ ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْمِ

''اس بستی میں لوط بھی تو ہے!'' انہوں نے کہا ''ہم خوب جانتے ہیں کہ وہاں کون کون ہے- ہم اسے اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے مگر اس کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے-''

(۳۳) اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو ان کی آمد پر وہ سخت پریشان اور تنگ دل ہوئے- انہوں نے کہا ''نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ' ہم تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو بچالیں گے سوائے تمہاری بیوی کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے''-[۱]

(۳۴) ہم اس بستی کے لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اس فسق کی بدولت جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں-

(۳۵) اور ہم نے اس بستی سے ان لوگوں کے لیے کچھ کھلی نشانی (آثار) چھوڑ دی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں (۳۶) اور مدین والوں کے پاس ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا' سو شعیبؑ نے کہا: ''میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور یوم آخرت کو ملحوظ رکھو اور زمین میں فساد برپا نہ کرتے پھرو''

[۱] اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کے لیے فرشتے بھیجے، وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے ایک طرف تو حضرت ابراہیم کو اسحاق علیہما السلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی اور دوسری طرف یہ بتایا کہ ہمیں قوم لوط کو تباہ کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے-

آیت ۳۱ میں اس بستی سے قوم لوط کے علاقے مراد ہیں جہاں پر اب بحیرہ مردار کے نشیبی علاقہ میں پانی پھیلا ہوا ہے- جرون (بلدۂ خلیل) کی پہاڑیوں سے وہ علاقہ چونکہ صاف نظر آتا ہے اس لیے فرشتوں نے اشارہ کر کے کہا کہ ''اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں-''

ان دونوں میں بظاہر کوئی علاقہ نہیں ہے- مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پہلی خبر میں ایمان اور نیک عملی کی کامرانیوں کا اعلان ہے اور دوسری میں انکار و بدعملی کی ہلاکتوں کا- یعنی ہلاکت کی خبر کے ساتھ یہ بشارت دی گئی کہ نیک عملی کے نتائج میں ایک نئی نسل تیار کر رہے ہیں اور وہ عنقریب اس تمام ملک پر حکمرانی کرنے والی ہے-

ایک طرف یہ بتایا کہ جو زمین علاقہ بھر میں زیادہ سرسبز و شاداب نظر آتی ہے وہ بدعملیوں کی پاداش میں ایسی اجڑے گی کہ کبھی آباد نہ ہو سکے گی- اور جو شجر امید بالکل سوکھ چکا ہے' وہ اچانک اس طرح سرسبز و شاداب ہو جائے گا کہ صدیوں تک اس کی شاخیں بارآور رہیں گی-

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ ارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۳۶ فَكَذَّبُوْهُ
فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۳۷ وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ قَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ
مَّسٰكِنِهِمْ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝۳۸
وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ
وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝۳۹ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَ مِنْهُمْ مَّنْ
اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ
لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۰ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ
اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴۲ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا

(۳۷) مگر انہوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی' آخر کار ایک زلزلہ نے انہیں آ پکڑا' پھر وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل پڑے کے پڑے رہ گئے- (۳۸) اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کیا- اور ان کی سکونت گاہوں سے تم پر (ان کی تباہی) ظاہر ہو چکی ہے اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوش منظر بنا دیا تھا- چنانچہ انہیں سیدھی راہ سے روک دیا تھا- حالانکہ وہ گوش ہوش رکھتے تھے-[۱۲]
(۳۹) اور ہم نے قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کیا- بلاشبہ موسیٰؑ ان کے پاس صاف دلائل لے کر آیا- مگر انہوں نے ملک میں سرکشی کی حالانکہ وہ (ہم سے بچ کر) سبقت لے جانے والے نہ تھے-
(۴۰) الغرض ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا- پھر بعضوں پر تو ہم نے پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیجی' اور بعضوں کو ایک زبردست دھماکے نے آ لیا اور بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا- اور ان میں سے بعض کو غرق کر دیا- اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا مگر یہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے-[۱۳] (۴۱) ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور لوگوں سے دوستی کرتے ہیں' مکڑی کی ہے' مکڑی گھر بنانے کو تو بناتی ہے مگر گھروں میں کمزور ترین گھر مکڑی کا گھر ہے' کاش یہ لوگ سمجھتے-[۱۴][(۱)] (۴۲) اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کی حقیقت سے واقف ہے جن کو یہ لوگ خدا کے سوا پوجتے ہیں اور وہی زبردست' کامل حکمت والا ہے-
(۴۳) اور یہ مثالیں ہم لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے بیان کرتے ہیں- مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں-

۱۲ عاد و ثمود جن علاقوں میں آباد تھے' ان سے عرب بخوبی واقف تھے- اور ان کی آبادیوں کے آثار تجارتی قافلوں کو تجارتی شاہراہ سے نظر آتے تھے- اس لیے قرآن نے "قد تبین لکم من مساکنهم" فرمایا ہے-

(۱) "الہلال" ۲ر اپریل ۱۹۱۳ء ص ۵-

يَعۡقِلُهَآ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۴﴾
اُتۡلُ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ مِنَ الۡكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ ؕ وَلَذِكۡرُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ ؕ ع
وَ اللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تَصۡنَعُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَا تُجَادِلُوۡۤا اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ وَ
قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَاُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمۡ وَاحِدٌ وَّ نَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَ كَذٰلِكَ

---

(۴۴) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا' اور بلاشبہ اس باب میں ارباب ایمان کے لیے معرفت حق کی بڑی نشانیاں ہیں-[۱۵] [(۱)] (۴۵) کتاب میں تم پر جو وحی اتری ہے اسے پڑھو اور نماز کو درست طریق پر ادا کرو- حقیقت میں نماز بداخلاقیوں اور برائی سے روکتی ہے- اور اللہ کی یاد سب سے برتر ہے' اللہ تمہاری کاریگری کو خوب جانتا ہے-[۱۶] [(۲)] (۴۶) ''اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر بطریق پسندیدہ''[(۳)] سوائے ان لوگوں کے جو ان میں ظالم ہوں (ان سے رعایت نہ کیجیے) اور ان سے کہو ''ہم اس کتاب پر ایمان لائے جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے اور ان پر بھی جو تمہاری طرف بھیجی گئی تھیں- ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں-''[۱۷]

---

۱۳ آیت ۴۰ میں ان عذابوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو کہ بالترتیب قوم عاد و ثمود' قوم لوط' قارون اور آل فرعون پر نازل ہوئے اور وہ اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں ہلاک کر دیے گئے-

۱۴ یہ تمام ہلاک شدہ قومیں مشرک تھیں اور اپنے معبودوں کو اپنا کارساز اور حامی سمجھتے تھے- لیکن جب ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا تو ان کے معبود کسی کام نہ آئے- یہی حال ان مشرکین کا ہے جو اپنے حقیقی مالک کو چھوڑ کر اپنے اختراعی بتوں کی پوجا کر رہے ہیں اور ان کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہیں- یہ اپنے گرد جو حصار قائم کر رہے ہیں' اس کی حیثیت مکڑی کے جالے سے کچھ زیادہ نہیں اور دنیا میں اگر کوئی کمزور ترین سہارا ہو سکتا ہے تو وہ یہی مکڑی کا جالا ہے- لہٰذا ان کو پکارنا' نہ پکارنا برابر ہے-

''جو کام رشتہ الٰہی اور تعلق ایمانی سے خالی ہوتے ہیں ان کی حیثیت مکڑی کے جالے کی ہوتی ہے کہ جب تک وہ قائم رہے نہایت مرتب ومنظم نظر آتا ہے لیکن جونہی ہوا کی ایک ہلکی سی موج بھی اس پر سے گزری وہ ''هباء منثورا'' ہوگیا-''

۱۵ یعنی ان کے بنانے میں بندوں کی مصلحتوں اور ضرورتوں کا خیال رکھا گیا ہے- بعض نے حق سے مراد کلام اور قدرت بھی لی ہے-

''انسان عقل وبصیرت سے کام لے تو دیکھے گا کہ کائنات کی خلقت اور اس کی ہر چیز کی بناوٹ کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ ہر چیز ضبط وترتیب کے ساتھ ایک خاص نظام وقانون میں منسلک ہے- اور کوئی شے نہیں جو حکمت ومصلحت سے خالی ہو- اسی کو قرآن نے تخلیق بالحق سے تعبیر کیا ہے-''

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۴۸- (۲) ''الہلال'' ۴- ۱۱ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۲

(۳) الہلال' ۲۵ راگست ۱۹۱۳ء ص ۹

اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ مِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ
بِهٖ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا
تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

---

(۴۷) اور (اے نبیؐ) ہم نے اسی طرح آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے (جس طرح ہم نے پہلے نبیوں پر کتابیں نازل کیں) سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کتاب (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں- اور ان مشرکین میں سے بھی بعض وہ ہیں جو اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیات کو ماننے سے صرف کافر ہی انکار کرتے ہیں- (۴۸) (اے نبیؐ) آپ اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اس (کتاب) کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے- ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست لوگ ضرور کسی نہ کسی شبہ میں پڑتے-[۱۸]
(۴۹) بلکہ یہ قرآن تو صاف اور واضح آیات ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں- جن کو علم دیا گیا ہے- اور ہماری

---

۱۶ اس عہد میں مسلمان جن مصائب اور حوصلہ شکن حالات سے دوچار ہو رہے تھے' شروع سورۃ سے یہاں تک صبر و استقامت کی تلقین کی گئی ہے- اور اب ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کو کچھ عملی احکام پر کاربند رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے- اور وہ ہے قرآن کی تلاوت اور اقامت صلوۃ- کیونکہ یہی دو چیزیں ایسی ہیں جو کسی مسلمان کے کردار میں مضبوطی کا سبب بن سکتی ہیں- لیکن ان دونوں عبادتوں سے اخلاقی طاقت جبھی حاصل ہو سکتی ہے کہ قرآن کا حق تلاوت ادا کرے' اور صحیح معنوں میں نماز ادا کرے-

''جو کام قبیح ہوں' جیسے حرام کاری' ان کو فحشاء کہتے ہیں- اور قانون اسلام نے جن کی اجازت نہ دی ہو وہ منکر ہیں- آیت کریمہ کی تفسیر میں ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نماز کی تین خصلتیں ہیں- ان میں کوئی بھی خصلت کسی نماز میں نہ ہو تو وہ نماز ہی نہیں- وہ خصلتیں یہ ہیں (۱) خلوص- (۲) خوف خدا- (۳) یاد الٰہی- خلوص کا فعل یہ ہے کہ وہ نماز پڑھنے والے کو نماز کا حکم دیتا ہے- خوف خدا اسے بدی سے روکتا ہے اور یاد الٰہی (قرآن) کا فعل امر و نہی دونوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے-

۱۷ اہل کتاب سے مجادلہ بہتر طریق سے ہونا چاہیے- کیونکہ ان کے اور تمہارے درمیان بہت سے بنیادی امور میں اشتراک پایا جاتا ہے- وہ وحی و رسالت اور توحید کے قائل ہیں اور تم بھی تمام نازل شدہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہو- اور اہل کتاب میں سے جو منصف ہیں وہ بھی قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں- لہٰذا ان کے ساتھ بحث و مناظرہ میں معقولیت اور شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو- یہاں پر گو اہل کتاب کے بارے میں یہ حکم دیا ہے مگر قرآن مجید نے وعظ و ارشاد اور تبلیغ دین کے بارے میں عمومی ہدایات بھی دی ہیں- دیکھیے سورۃ النحل: ۱۲۵' حم السجدۃ: ۳۴-

۱۸ آیت نمبر ۴۸ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر استدلال کیا ہے کہ اگر آپ اس سے پہلے لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو بلاشبہ باطل پرست لوگ شک و شبہ کا اظہار کر سکتے تھے- مگر آپ کے اُمی ہونے سے تو یہ لوگ خوب واقف ہیں-

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٥٠ اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ
الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝٥١ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ ع
وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا
بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٥٢ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى
لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَ لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٥٣ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ
وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝٥٤ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ
اَرْجُلِهِمْ وَ يَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٥٥ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ اَرْضِيْ

آیات کو ماننے سے صرف وہی انکار کرتے ہیں جو ظالم ہیں (۵۰) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اس پر ہمارے رب کی جانب سے نشانیاں نازل کی گئیں؟ آپ کہہ دیجیے بس نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں- اور میں تو بس کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں- (۵۱) کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے جو انہیں برابر سنائی جا رہی ہے؟ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں بلاشبہ ان کے لیے اس نشانی میں سرتاسر رحمت اور فہم و بصیرت ہے- ۱۹ (۱) (۵۲) ان لوگوں سے کہہ دو (اب کسی رد و کد کی ضرورت نہیں) میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے- آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اس کے علم میں ہے -پس جو لوگ حق کی جگہ باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ کی صداقت کے منکر ہیں وہی ہیں جو تباہ ہونے والے ہیں- (۲) (۵۳) اور یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں (انکار و شرارت کی راہ سے کہتے ہیں) کہ واقعی عذاب آنے والا ہے تو کیوں نہیں آتا، اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ایک وقت خاص نہ ٹھہرا دیا گیا ہوتا تو کب کا عذاب آ چکا ہوتا اور یقین رکھو وہ یکایک ان پر آ گرے گا اور انہیں اس کا وہم و گمان بھی نہ ہوگا- (۳) (۵۴) یہ لوگ آپ سے عذاب جلدی لانے کا مطالبہ کرتے ہیں- اور بلاشبہ جہنم ان کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے (۵۵) جس دن کہ عذاب انہیں اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ڈھانک لے گا اور اللہ فرمائے گا اب ان کرتوتوں کا مزہ چکھو جو تم کرتے تھے" (۵۶) اے میرے بندو کہ مجھ پر ایمان رکھتے ہو' یقین کرو- ۲۰

پھر اس کے باوجود جب آپ انبیائے سابقین علیہم السلام کے حالات اس طرح سنا رہے ہیں جیسے ایک عینی شاہد بیان کرتا ہے تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ علم وحی سے ہے نہ کہ اخذ و اکتساب سے حاصل شدہ ہے- اس قسم کا استدلال پہلے سورۂ یونس اور قصص میں بھی گزر چکا ہے-

۱۹ یعنی یہ لوگ معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں- کیا اُمی ہونے کے باوجود آپ پر قرآن جیسی کتاب کا نازل ہونا بجائے خود اتنا بڑا معجزہ نہیں ہے- کہ آپ کی رسالت کی تصدیق کے لیے کافی ہو اور یہ سرتاسر رحمت کا خزینہ ہے- قرآن' رحمت سے وحی و تنزیل کی ضرورت پر بھی

(۱) ترجمان القرآن جلد اول ص ۸۹- (۲) ترجمان القرآن جلد اول ص ۹۲- (۳) ترجمان القرآن ج ۱ ص ۹۵-

وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ كَاَيِّنْ مِّنْ
دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ
مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

کہ میری زمین بہت وسیع ہے اور کسی ایک ٹکڑے میں تقسیم نہیں ہے پس میرے ہی آگے جھکو اور میری ہی بندگی کرو[1] (۵۷) ہر متنفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے- پھر تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے- (۵۸) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ہم ان کو یقیناً جنت کی بلند و بالا عمارتوں میں جگہ دیں گے' جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، کیا خوب صلہ ہے عمل کرنے والوں کے لیے! (۵۹) وہ جنہوں نے صبر سے کام لیا اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں (۶۰) کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے' اللہ تعالیٰ ہی ان کو رزق پہنچاتا ہے اور تم کو بھی اور وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے (۶۱) اور اگر ان (مشرکین) سے تم پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کیے؟ اور سورج اور چاند کو اس ترتیب اور نظام عجیب پر مسخر کر دیا؟ تو بے اختیار بول اٹھیں گے کہ اللہ (ہی تو ہے جس نے یہ سب کچھ کیا ہے- جب حالت یہ ہے) تو پھر یہ گمراہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں؟[21][2]

استدلال کرتا ہے- وہ کہتا ہے جو رحمت کارخانہ ہستی کے ہر گوشہ میں افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے' کیونکر ممکن ہے کہ انسان کی معنوی ہدایت کے لیے اس کے پاس کوئی فیضان نہ ہوتا؟ یہی وجہ ہے کہ اس نے جا بجا نزول وحی' ترسیل کتب اور بعثت انبیاء کو رحمت سے تعبیر کیا ہے-

حق و صداقت کے لیے یہی اللہ کی وہ شہادت ہے جو اپنے مقررہ وقت پر ظاہر ہوتی ہے اور بتا دیتی ہے کہ حق کس کے ساتھ تھا اور باطل کا پرستار کون تھا- یعنی قضا بالحق کا قانون حق کو ثابت اور قائم رکھ کر اور اس کے حریف کو محو و متلاشی کر کے حقیقت کا اعلان کر دیتا ہے-

پھر وہ بار بار مطالبہ کرتے کہ اگر تم رسول اللہ ہو اور ہم واقعی حق کو جھٹلا رہے ہیں تو ہم پر وہ عذاب کیوں نہیں لے آتے جس سے ہمیں ڈراتے ہو تو اس کے جواب میں فرمایا کہ عذاب الٰہی کے لیے تو ایک وقت مقرر ہے اور وہ آ کر رہے گا- آگے اس عذاب کی ہولناکی بیان فرمائی-

۲۰ آیت نمبر ۵۶ میں ہجرت کی طرف اشارہ ہے کہ جب عبادت الٰہی کے لیے حالات ناسازگار ہیں تو قوم و وطن کو چھوڑ کر وہاں چلے جاؤ جہاں خدا پرستی کے لیے حالات سازگار ہوں- یہ خویش و اقرباء اور وطن تو آخر ایک دن چھوڑنا ہی ہے- موت آئے گی تو سب کچھ دھرا رہ جائے گا-

اس کے بعد ان مومنین کو خوشخبری سنائی ہے جو مشکلات اور مصائب کے باوجود ایمان پر قائم رہے- اور فرمایا کہ ہجرت کرنے میں فکر روزگار سے بھی پریشان نہیں ہونا چاہیے- اللہ ہی سب کو رزق پہنچانے والا ہے-

۲۱ آیت ۶۱ تا ۶۳ میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے اور قرآن مجید عموماً توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے- چنانچہ

(۱) البلاغ ۱۶/۱۷ مارچ ۱۹۱۶ء ص ۱- (۲) ''الہلال'' ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۵-

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَ
لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ
اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ ع
لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ
دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ
اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ
النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى
لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع

---

(۶۲) اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے روزی کو تنگ کر دیتا ہے اور وہ ہر چیز کے حال سے باخبر ہے (۶۳) اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ کس نے آسمان سے تدریجاً پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے مردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا؟ تو وہ ضرور کہیں گے "وہ اللہ ہی ہے" آپ کہیے سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، لیکن اکثر لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے (۶۴) اور یہ دنیا کی زندگی (جو تعلق باللہ سے خالی ہے) اس کے سوا اور کیا ہے کہ فانی خواہشات کے بہلانے کا ایک کھیل ہے اصل زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے، کاش وہ جانتے۔[1] (۶۵) پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں۔ پھر جب اللہ ان کو نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو اسی آن شرک کرنے لگتے ہیں (۶۶) تاکہ جو احسان ہم نے ان پر کیا ہے اس کی ناشکری کریں اور (چند دن کے لیے) مزے لوٹیں۔ اچھا عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا (۶۷) کیا ہماری قدرت کی اس نشانی کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم (مکہ جو ایک غیر معروف خطہ تھا) کو امن و حفاظت کا گھر بنا دیا اور اس کے اردگرد لوگ لٹ جاتے ہیں۔ کیا یہ لوگ باطل پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کو جھٹلاتے ہیں؟[2] ۲۲ (۶۸) اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق جب اس کے پاس آ جائے تو اس کی تکذیب کرے۔ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا دوزخ ہی نہیں ہے؟ (۶۹) اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جانفشانی کی ضروری ہے کہ ہم بھی ان پر راہیں کھول دیں۔ ۲۳ اور بلاشبہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو نیک کردار ہیں۔[3]

یہاں بھی فرمایا: جب یہ ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں اور تم اس کا اعتراف کرتے ہو تو ضروری ہے کہ شکر بھی اسی کا کرو اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔

---

(۱) "الہلال" یکم جولائی ۱۹۱۴ء ص ۹- (۲) "الہلال" ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶- (۳) "ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۷۱ "الہلال" ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۶ء-

توحید اسلامی کے متعلق یہ ایک عالمگیر ضلالت ہے جس میں آج مختلف صورتوں کے اندر عالم اسلام گرفتار ہے-لوگ بھول گئے ہیں کہ اسلام کا مایہ شرف محض اعتقاد توحید نہیں بلکہ تکمیل توحید ہے-اور تکمیل توحید کی اصل اساس ''توحید فی الصفات'' ہے-مشرکین مکہ کبھی اللہ تعالیٰ کے منکر نہ تھے-وہ کبھی یہ نہیں کہتے تھے کہ جن بتوں کی ہم پوجا کرتے ہیں-

یہی خالق ارض وسماوات ہیں-خدا کے سوا کسی کو نفع ونقصان کا مالک تصور کرنا یا اللہ کی اس طرح تعظیم بجالانا وغیرہ سب شرک فی الصفات کی صورتیں ہیں،اس لیے منافی توحید اور یہی حالت مشرکین عرب کی تھی-

۲۲ آیت ۶۷ میں کفار قریش کو متوجہ کیا کہ وہ حرم کے اندر امن کی زندگی گزار رہے ہیں-حالانکہ مکہ کے آس پاس کے علاقوں میں لوٹ مار کا بازار گرم ہے-پھر اس کی نعمت کی ناشکری کر رہے ہیں-

قدرت الٰہی کا اس سے بڑا نشان کیا ہوگا کہ چند پتھروں سے چنی ہوئی چار دیواری (حرم کعبہ) کے گرد دعائے ابراہیمی نے ایک ایسا آہنی حصار کھینچ دیا کہ پانچ ہزار برس کے اندر انقلاب ارضیہ وسماویہ نے سمندروں کو جنگل اور انسانی آبادیوں کو سمندروں میں بدل دیا،لیکن آج تک اس چار دیواری کی بنیادوں کو کوئی حادثہ اور کوئی مادی قوت صدمہ نہ پہنچا سکی-یہاں تک کہ تاریخ عالم میں وہی ایک سرزمین ہے جس کی نسبت تاریخ دعویٰ کرسکتی ہے کہ اس کی مقدس اور محترم خاک آج تک غیر قوموں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے محفوظ ومصئون ہے-

(۲۳) ہم بھی ان پر اپنی راہیں کھول دیں گے یعنی نیکی کے راستے پر چلنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق دیں گے-

''ہدایت کے چار مرتبے ہیں-یعنی ہدایت وجدان' ہدایت حواس' ہدایت عقل اور ہدایت وحی-پہلے دو مرتبوں میں انسان اور حیوان مشترک ہیں-جوہر عقل اس قوت کی ایک ترقی یافتہ حالت ہے جس نے حیوانات میں وجدان اور حواس کی روشنی پیدا کردی-عقل کی ہدایت نہ تو ہر حال میں کافی ہے اور نہ موثر (لہذا) اللہ کی ربوبیت نے ایک چوتھے مرتبہ ہدایت کا بھی سامان کردیا-یہی مرتبہ ہدایت ہے جسے وہ وحی ونبوت کی ہدایت سے موسوم کرتا ہے-انسان کی روحانی سعادت وشقاوت وحی ونبوت کی ہدایت سے ہی متعلق ہے-''

❋ ❋ ❋

آیاتُھَا: 60 سُوْرَۃُ الرُّوْمِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا: 6

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ ھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۬ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ؕ

(۱) الم (۲-۳-۴) رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے- اور وہ اپنے اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سال کے اندر غالب ہو جائیں گے- اللہ کے اختیار میں ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی! [1]

[1] یہ سورہ بھی مکی عہد کی وسطی تنزیلات سے ہے، اور اس میں بھی موضوع سخن رسالت و نبوت' معاد اور توحید ہیں تاہم اسلوب بیان مختلف ہے-

سورہ کی ابتداء میں ہی دو ایسی پیش گوئیاں مذکور ہیں جو تاریخی طور پر قرآن مجید کی صداقت اور اس کے وحی الٰہی ہونے کی دلیل ہیں- لہٰذا ان تاریخی واقعات کا جائزہ ضروری ہے جو ان آیات سے تعلق رکھتے ہیں-

قیصر روم ماریس شاہ ایران خسرو پرویز کا محسن تھا- جب اس کے خلاف بغاوت ہوئی اور فوکس نامی شخص نے روما پر قبضہ کر لیا تو شاہ ایران نے اپنے محسن کا انتقام لینے کے لیے روم پر حملہ کر دیا- اس حملہ کا آغاز ۶۰۳ء میں ہوا، اور چند سال کے اندر اس نے معتد بہ علاقے فتح کر لیے- روم کے اعیان سلطنت نے جب دیکھا کہ فوکس ملک کو نہیں بچا سکتا تو وہ افریقہ کے گورنر سے مدد کے طالب ہوئے- اور اس نے اپنے بیٹے ہرقل کو ایک طاقتور بیڑے کے ساتھ قسطنطنیہ بھیج دیا اور فوکس کو معزول کر کے خود قیصر بن گیا- یہ واقعہ ۶۱۰ء کا ہے اور یہ وہی سال ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت پر سرفراز ہوئے-

اب اس جنگ نے مجوسیت اور مسیحیت کی جنگ کا رنگ اختیار کر لیا اور یہودیوں نے بھی عیسائیت کو نیست و نابود کرنے کے لیے مجوسیوں کا ساتھ دیا- حتیٰ کہ چھبیس ہزار یہودیوں نے خسرو پرویز کی فوج میں بھرتی دی- اور مجوسیوں نے پیش قدمی کر کے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا- عیسائیوں کا قتل ہوا- اور ان کا سب سے بڑا کلیسا (کنیسۃ القیامہ) برباد کر دیا گیا- اور پھر آگے بڑھ کر جزیرہ نمائے سینا کے پورے علاقہ پر قابض ہو کر حدود مصر تک پہنچ گئے-

یہ وہ دور تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان معرکہ آرائی جاری تھی، اور ۶۱۵ء میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہجرت کر کے حبش کی عیسائی سلطنت میں پناہ گزین تھی (جو روم کی حلیف تھی) مشرکین مکہ خوش تھے کہ ایران کے آتش پرست غالب ہو رہے ہیں اور مذہب پرست عیسائی مغلوب ہو رہے ہیں-

وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ④ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑤
وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑥ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ⑦ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا
خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ

اور وہ دن ہوگا کہ اللہ کی مدد و نصرت کے ظہور سے ایمان والوں کے لیے خوشی اور راحت ہوگی (۵) وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ عزیز و رحیم ہے-

(۶) یقین رکھو کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدہ کا خلاف کبھی نہیں کرتا- لیکن بہت سے لوگ ہیں جو اس حقیقت کو نہیں جانتے (۷) یہ وہ لوگ ہیں جن کا علم بس دنیا کی ظاہری زندگی تک محدود ہے اور آخرت کی زندگی سے وہ بالکل غافل ہو گئے ہیں-(۱)

(۸) کیا ان لوگوں نے کبھی اپنے دل میں اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے محض بیکار اور عبث نہیں بنایا؟ ضروری ہے کہ حکمت اور مصلحت کے ساتھ بنایا ہو- اور اس کے لیے ایک مقررہ وقت ٹھہرا دیا ہو-

ان حالات میں یہ سورہ نازل ہوئی جس میں رومیوں کے غالب ہونے کی پیش گوئی کی گئی کہ یہ چند سال کے اندر پوری ہوگی- حالانکہ اس وقت کے حالات کے پیش نظر کوئی شخص گمان تک نہ کر سکتا تھا کہ رومی غالب آ سکتے ہیں اور اسی روز مسلمان بھی اللہ کی دی ہوئی فتح سے خوش ہوں گے-

چنانچہ ۹ سال کے اندر یہ پیش گوئی اس دن پوری ہوئی جبکہ ۶۲۴ء میں مسلمانوں نے معرکہ بدر سر کیا- اسی روز رومیوں نے بھی اپنے تمام علاقے واگزار کرا لیے تھے اور اب ایران کی سرزمین میدان جنگ بن چکی تھی- اور ہرقل نے آذربائیجان میں گھس کر زرتشت کے مقام پیدائش کو تباہ کر دیا' جو ایرانیوں کا سب سے بڑا آتش کدہ تھا- اس کے بعد رومی فوجیں مسلسل آگے بڑھتی چلی گئیں اور ۶۲۷ء کو نینوئی کی جنگ نے تو ایران کی کمر توڑ دی-

اس کے بعد شاہان ایران کی قیام گاہ دستگرد کو تباہ کر دیا گیا اور رومی ایران کے دارالسلطنت طیفسوں تک پہنچ گئے- حتیٰ کہ ۶۲۸ء میں خسرو پرویز کے قتل کے بعد اس کے بیٹے قباد ثانی نے ہرقل سے صلح کی- اور یہی وہ سال ہے جس میں صلح حدیبیہ ہوئی- جس کو قرآن مجید نے فتح عظیم قرار دیا ہے......وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ- وللہ الحمد

(۱) ''الہلال'' ۸ر جولائی ۱۹۱۴ء ص ۸-

مُّسَمًّى ۚ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا
عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ⑨
ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ اَللّٰهُ ع
يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑪ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑫
وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑬

اصل بات یہ ہے کہ انسانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے پروردگار کی ملاقات سے یک قلم منکر ہیں-[1]
(۹) کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں؟ (یعنی اگر پھرتے) تو دیکھتے کہ وہ قومیں جو ان سے پہلے ہو گزری ہیں ان کا انجام کیا ہوا- وہ قومیں تھیں جو ان سے تمدن و ترقیات اور قوائے جسمانی میں بڑھ کر قوی تھیں- انہوں نے زمین پر اپنے کاموں کے آثار چھوڑے اور جس قدر تم نے اسے متمدن بنایا ہے اس سے کہیں زیادہ انہوں نے تمدن پھیلایا- لیکن جب ہمارے رسول ان میں بھیجے گئے اور ہماری نشانیاں انہیں دکھائی گئیں تو انہوں نے سرکشی اور بغاوت سے انہیں جھٹلا دیا اور برباد و فنا ہو گئے- خدا ظلم کرنے والا نہیں تھا لیکن انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا-[2] (۱۰) آخر کار جن لوگوں نے برائیاں کی تھیں ان کا انجام برا ہی ہوا- اس لیے کہ انہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی اور وہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے (۱۱) اللہ ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے-[3] (۱۲) اور جس دن وہ ساعت بپا ہو گی تو مجرم لوگ مایوس ہو کر رہ جائیں گے- (۱۳) اور ان کے خود ساختہ شریکوں میں کوئی بھی ان کا سفارشی نہ ہو گا اور وہ خود بھی اپنے خود ساختہ شریکوں کے منکر ہو جائیں گے-[4]

سورہ کے خاتمہ میں وحی و نبوت کی برکات اور ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے، اور تمثیل کے پیرایہ میں سمجھایا ہے کہ جس طرح بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح وحی و نبوت سے مردہ انسانیت کو زندگی حاصل ہوتی ہے' گویا یہ بھی باران رحمت ہے جس کا نزول انسانی زندگی کے لیے موجب خیر و برکت ہے- اس سے فائدہ اٹھاؤ گے تو خیر و فلاح حاصل کر لو گے ورنہ اپنا نقصان کرو گے' اور تلافی کا کوئی موقع نہیں مل سکے گا-

۲ آیت نمبر ۹: قرآن مجید نے امم سابقہ و اقوام پیش کا تذکرہ صرف اس لیے کیا ہے کہ قانون ہدایت و شقاوت کے نتائج پر انسان کو توجہ دلائے- جب انہوں نے احکام الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا اور خدا کی حکومت میں رہ کر اس سے بغاوت اور سرکشی شروع کر دی تو کوئی انسانی سعی و تلاش فلاح ان کو ہلاکت و بربادی سے نہ بچا سکی- یہاں تک کہ آج ان کے آثار بھی دنیا میں باقی نہیں-

مظاہر قدرت:

قرآن حکیم نے جہاں کہیں قدرت الٰہی اور مظاہر خلقت کے عجائب و غرائب پر انسان کو توجہ دلائی ہے وہاں خاص طور پر رنگوں کے

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۵۰ (۲) ''الہلال'' ۱۶/اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۶-

وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَهُمۡ فِىۡ رَوۡضَةٍ يُّحۡبَرُوۡنَ ﴿۱۵﴾ وَ اَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآئِ الۡاٰخِرَةِ
فَاُولٰٓئِكَ فِى الۡعَذَابِ مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ﴿۱۷﴾
وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ يُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ

---

(۱۴)اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے (۱۵) پھر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو وہ بہشت کے باغ میں مسرور ہوں گے (۱۶) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تو یہ لوگ عذاب میں حاضر رکھے جائیں گے- (۱۷-۱۸) پس پاکی ہے اللہ کے لیے اور آسمان وزمین میں اس کے لیے ستائش ہے، جب تم پر شام آتی ہے اور جب تم پر صبح ہوتی ہے اور جب دن کا آخری وقت ہوتا ہے اور جب تم پر دوپہر ہوتی ہے-۵(۱) (۱۹) وہ جاندار کو مردے سے نکالتا ہے-

---

مظاہر متنوعہ اور عجائب مختلفہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے-

اختلاف الوان کے متعلق جو کچھ شارحین اور عالمین علم نے تحقیق کیا ہے اس میں ابھی تحقیق مزید کی بہت بڑی گنجائش ہے- موجودہ تحقیقات سے بھی ثابت ہوتا ہے اختلاف الوان کے اندر حکمت الٰہیہ نے بعض عجیب وغریب اسرار ومصالح رکھے ہیں- آگے چل کر نہیں معلوم کہ کس قدر اسرار منکشف ہوں- قرآن حکیم نے اسی زمانہ میں جبکہ انسان کی معلومات محدود تھیں اختلاف الوان کو اللہ کی قدرت وحکمت کی نشانی قرار دیا- پھر کیا یہ اسی کا قول نہیں جس کے فعل کے اسرار ومقاصد کی تحقیقات جاری ہے-

اس کے بعد قرآن نے آیت چوبیس میں بارش اور مردہ زمین کی زندگی سے بعث بعد الموت پر استدلال کیا ہے-

دنیا عالم کون وفساد ہے- یہاں ہر بننے کے ساتھ بگڑنا ہے- کائنات عالم کا تمام بگاڑ بھی اسی لیے ہے کہ بناؤ اور خوبی کا فیضان ظہور میں آئے- سمندر میں طوفان نہ اٹھتے تو میدانوں کو زندگی وشادابی کے لیے ایک قطرۂ بارش میسر نہ آتا- اگر بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک نہ ہوتی تو باران رحمت کا فیضان نہ ہوتا' اگر آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیاں نہ پھٹتیں تو زمین کے اندر کھولتا ہوا مادہ اس کرہ کی سطح کو پارہ پارہ کر دیتا- تم بول اٹھوگے، یہ مادہ پیدا ہی کیوں کیا گیا؟ لیکن جاننا چاہیے کہ اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو زمین کی قوت نشوونما کا ایک ضروری عنصر مفقود ہوتا-

۳ قرآن مجید نے جابجا خلق بالحق سے قیامت پر استدلال کیا ہے- آیت نمبر ۱۱ میں بھی اسی قسم کا استدلال ہے اور گزشتہ اقوام کی تاریخ کو بطور عبرت پیش کیا ہے اور قیامت کے دلائل قائم کیے ہیں-

۴ آیت نمبر ۱۲-۱۳ میں صراحت کے ساتھ فرمادیا ہے کہ آج جو لوگ رسولوں کی تعلیم وہدایت کو قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں اور آخرت کی جواب دہی کے منکر ہو رہے ہیں قیامت کے دن جب ان پر گرفت ہوگی تو یہ حواس باختہ ہو جائیں گے اور ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا- جن چیزوں کو یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں' قیامت کے دن ان کی عبادت کا انکار کریں گے-

۵ پہلے مبدء ومعاد میں اپنی عظمت کا ذکر فرمایا- اب آیت نمبر ۱۷-۱۸ میں' ان اوقات میں اپنی تنزیہہ وتحمید کا حکم دیا- کیونکہ ان اوقات

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول صفحہ ۱۸۱-

وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ⁽¹⁹⁾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ ع ۲ ۹ ۵
اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ⁽²⁰⁾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⁽²¹⁾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ

اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے- اسی طرح تم لوگ بھی (حالت موت سے) نکال لیے جاؤ گے (۲۰) اور (دیکھو) اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر یکا یک تم بشر ہو کہ (زمین میں) پھیلتے جا رہے ہو-[۶] (۲۱) اور اس کی (رحمت کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا- بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں' اس میں (حکمت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں-[1] (۲۲) اور حکمت الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی آسمانوں اور زمین کی خلقت ہے- اور طرح طرح کے

میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کامل ظہور ہوتا ہے- اور تسبیح' قلب و لسان اور جوارح تینوں سے ہوتی ہے- اور نماز بھی تینوں قسم کی تسبیح پر مشتمل ہے- اس لیے علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہاں تسبیح سے مراد نماز پڑھنا ہے- اور اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ذکر آ گیا ہے (رازی' ابن کثیر)

علماء نے ان اوقات میں عبادت کی تاثیر اور اس کا فلسفہ بیان کیا ہے- حجۃ اللہ اور احیاء غزالی میں اوقات کے اسرار و حکم پر خوب بحث کی گئی ہے...... علاوہ ازیں: ''رات دن کا اختلاف صرف رات دن کا اختلاف نہیں' بلکہ ہر دن مختلف حالتوں سے گزرتا اور ہر رات مختلف منزلیں طے کرتی ہے- اور ہر حالت ایک خاص طرح کی تاثیر رکھتی ہے' اور ہر منزل کے لیے ایک خاص طرح کا منظر ہوتا ہے- صبح طلوع ہوتی ہے اور اس کی ایک خاص تاثیر ہوتی ہے' دن ڈھلتا ہے اور اس کا ایک خاص طرح کا منظر ہوتا ہے- اوقات کا یہ روزانہ کا اختلاف ہمارے احساسات کا مزہ بدلتا رہتا ہے اور یکسانیت کی افسردگی کی جگہ تبدل و تجدد کی سرگرمی پیدا ہوتی ہے-

۶ آیت ۲۰ سے آخر رکوع تک جو نشانیاں بیان کی جا رہی ہیں وہ ایک طرف تو حیات اخروی کے امکان و وقوع پر دلالت کرتی ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک اور مدبر کائنات ہونے پر! اس لیے یہ رکوع اپنے ماقبل اور مابعد دونوں کے ساتھ مربوط ہے-

''قانون فطرت نے انسان کو دو مختلف جنسوں (مرد و عورت) میں تقسیم کر دیا ہے- پھر ان میں فعل و انفعال اور جذب و انجذاب کے کچھ ایسے وجدانی احساسات ودیعت کر دیے کہ ہر جنس دوسری جنس سے ملنے کی قدرتی طلب رکھتی ہے تاکہ محبت اور سکون ہو- اور دو ہستیوں کی باہمی رفاقت و اشتراک سے زندگی کی محنتیں اور مشقتیں سہل و گوارا ہو جائیں- اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں پیدا کیں جن کے بغیر انسان مطمئن اور خوشحال زندگی بسر نہیں کر سکتے (۱) سکون (۲) مودت (۳) رحمت- سکون عربی میں ٹھہراؤ اور جماؤ کو کہتے ہیں- مطلب یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں ایسا ٹھہراؤ اور جماؤ پیدا ہو جائے جسے زندگی کی بے چینیاں اور پریشانیاں ہلا نہ سکیں- مودت سے مقصود محبت ہے- قرآن مجید

(۱) ''الہلال'' ۳/ جون ۱۹۱۴ء ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۸۳- صہ ۱۷۰

اَلۡسِنَتِكُمۡ وَاَلۡوَانِكُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمۡ بِالَّیۡلِ وَالنَّهَارِ
وَابۡتِغَآؤُكُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ یُرِیۡكُمُ
الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحۡیٖ بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِیۡ
ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ بِاَمۡرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا
دَعَاكُمۡ دَعۡوَةً ٭ۖ مِّنَ الۡاَرۡضِ ٭ۖ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ كُلٌّ
لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَیۡهِ ؕ وَلَهُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی

رنگوں اور بولیوں کا پیدا ہونا ہے- فی الحقیقت اس میں بڑی ہی نشانیاں ہیں ارباب علم و حکمت کے لیے-(۱) (۲۳) اور خدا کی آیات میں تمہارا رات کو سونا اور دن میں خدا کے احسان تلاش کرنا ہے- بلاشبہ اس میں سننے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں-

(۲۴) (دیکھو، قدرت و حکمت کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ وہ بجلی کی کڑک اور چمک نمودار کرتا ہے، اور اس سے تم پر خوف اور امید دونوں حالتیں طاری ہوتی ہیں- اور آسمان سے پانی برساتا ہے اور پانی کی تاثیر سے زمین مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھتی ہے- بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے، جو عقل و بینش رکھتے ہیں، (حکمت الٰہی کی) بڑی نشانیاں ہیں-(۲)

(۲۵) اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں- پھر جونہی کہ وہ تم کو زمین سے پکار کر بلائے گا تو تم سب (پکارتے ہی) اچانک نکل پڑو گے-

(۲۶) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کا ہے اور سب اسی کے حکم کے تابع اور منقاد ہیں (۳)

(۲۷) وہی ہے جو ابتداءً مخلوق کو پیدا کرتا ہے، وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان تر ہے-

---

کے نزدیک ازدواجی زندگی کی تمام تر بنیاد محبت پر ہے- لیکن یہ محبت کا رشتہ پائیدار نہیں ہو سکتا، اگر رحمت کا سورج دلوں پر نہ چمکے- رحمت سے مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی نہ صرف ایک دوسرے سے محبت کریں بلکہ ایک دوسرے کی خطائیں اور کمزوریاں نظر انداز کر دیں- رحمت کا جذبہ خودغرضانہ محبت کو فیاضانہ محبت میں بدل دیتا ہے- خودغرضی میں انسان اپنی ہستی کو سامنے رکھتا ہے لیکن رحیمانہ محبت میں اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے- رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے کی غلطیاں بخش دے، غضب و انتقام کی پرچھائیں دل پر نہ پڑنے دے-

---

(۱) "الہلال" ۳ر جون ۱۹۱۴ء ص ۱۳- (۲) "البلاغ" ۱۱ر فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵-

(۳) "الہلال" ۴ر دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۶-

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا ع ۴/۸
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ
كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ
اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ

اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی صفت سب سے بالاتر ہے اور وہ زبردست اور کامل حکمت والا ہے- (۲۸) وہ تمہارے لیے خود تمہاری ذات سے ہی ایک مثال بیان کرتا ہے کہ کیا اس مال و متاع میں' جو ہم نے تمہیں دیا ہے' تمہارے غلام تمہارے ساتھ برابر کے شریک ہیں؟

اور تم ان سے اسی طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو؟ ہم اس طرح توحید کے دلائل ان لوگوں کے سامنے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں- [۷] (۲۹) مگر یہ ظالم بغیر کسی دلیل کے اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں- سو جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اسے کون راستہ دکھا سکتا ہے؟ اور ایسے گمراہوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا-

(۳۰) تم ہر طرف سے منہ پھیر کر ''الدین'' کی طرف رخ کرو- یہی خدا کی بناوٹ (فطرت) ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے- [۸]

---

۷ یہاں تک تو آخرت اور توحید کے مشترکہ دلائل تھے- اب آیت نمبر ۲۸ سے خالص توحید کے دلائل بیان ہو رہے ہیں- (رازی)-

مشرکین ایک طرف تو زمین و آسمان اور سب چیزوں کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو مانتے اور پھر اس کی مخلوق میں سے اس کے شریک بھی ٹھہراتے، ان کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے تو ان کے اس رویہ کی تمثیل بیان فرمائی ہے جس کا منشا یہ ہے کہ خدا کے دیے ہوئے مال میں تمہارے غلام تو شریک قرار نہیں پا سکتے' تو پھر خدا کی پیدا کی ہوئی کائنات میں خدا کی پیدا کردہ مخلوق کیسے شریک بن سکتی ہے؟

۸ گزشتہ آیات میں توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد اب آیت ۳۰ سے بالواسطہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ اب تمہیں بھی چاہیے کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرو، اور ہر طرف سے رخ پھیر کر دین اسلام کی پیروی کرو- یہی وہ فطرت ہے جس پر تمام لوگ پیدا کیے گئے ہیں- احادیث میں اس کی تشریح مذکور ہے کہ ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر والدین اسے عیسائی' یہودی یا مجوسی بنا ڈالتے ہیں-

لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُۙ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝٣٠ مُنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ وَ
اتَّقُوۡهُ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَۙ ۝٣١ مِنَ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًاؕ
كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ۝٣٢ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوۡا رَبَّهُمۡ مُّنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَاۤ
اَذَاقَهُمۡ مِّنۡهُ رَحۡمَةً اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَۙ ۝٣٣ لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡؕ فَتَمَتَّعُوۡا
فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝٣٤ اَمۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوۡا بِهٖ يُشۡرِكُوۡنَ ۝٣٥ وَاِذَاۤ

اللہ کی بناوٹ میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی- یہی دین قیم ہے' لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے-

(۳۱-۳۲) اسی ایک خدا کی طرف متوجہ رہو' اس کی نافرمانی سے بچو اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ' جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور گروہ بندیوں میں بٹ گئے- ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے' اس میں مگن ہے-[1]

(۳۳) اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع ہو کر اسی کو پکارنے لگتے ہیں-

پھر جب (اللہ تعالیٰ) ان کو اپنی طرف سے رحمت کا مزہ چکھا دیتا ہے تو یکایک ان میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے-

(۳۴) تاکہ جو احسان ہم نے ان پر کیا ہے' اس کی ناشکری کریں- سو (چند دن اور) فائدہ اٹھا لو' عنقریب تم کو سب حال معلوم ہو جائے گا (۳۵) کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے کہ خدا کے ساتھ جو شرک یہ کر رہے ہیں' اس (کی صداقت) پر شہادت دیتی ہے؟

اس کے بعد فرمایا کہ یہ جتنی فرقہ بندیاں ہیں' دین فطرت سے علیحدہ ہو کر بنائی گئی ہیں- ہر گروہ اپنے خود ساختہ عقیدہ پر نازاں و فرحاں ہے کہ اپنی غلطی کا امکان اس کے تصور میں نہیں آتا- لیکن عقل اور فطرت انسانی کی شہادت صاف طور پر شرک کا رد کرتی ہے:

''قرآن کہتا ہے' یہی راہ عمل نوع انسانی کے لیے خدا کا ٹھہرایا ہوا فطری دین ہے- اور فطرت کے قوانین میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی- یہی ''الدین القیم'' ہے- یعنی سیدھا اور درست دین' جس میں کسی قسم کی خامی نہیں- یہی دین حنیف ہے جس کی دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی تھی- اس کا نام میری اصطلاح میں ''الاسلام'' ہے- یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین کی فرمانبرداری-''

---

(۱) ترجمان القرآن' جلد اول ص ۲۰۷-۲۰۸-

أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ
يَقْنَطُونَ ﴿٣٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ
لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٣٧﴾ فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ
لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٣٨﴾ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ
فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿٣٩﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۖ
هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَٰلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٠﴾ ع

(۳۶) اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر نازاں ہو جاتے ہیں- اور جب ان کے اپنے کیے کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آ جاتی ہے تو ناگہاں وہ ناامید ہو جاتے ہیں-

(۳۷) کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے- اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں-

(۳۸) سو (اے مخاطب) تو قرابت دار کو اس کا حق دیا کر اور مسکین اور مسافر کو بھی' یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو رضائے الٰہی کے طلبگار رہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں-[۹]

(۳۹) اور جو سود تم دیتے ہو کہ لوگوں کے اموال میں مل کر زیادہ ہو جائے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا- اور جو صدقہ تم اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کے لیے دو گے تو وہی لوگ مال بڑھانے والے ہیں-

(۴۰) اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا' پھر تمہیں رزق دیا' پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے' پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا- کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو ان میں سے کوئی کام کرتا ہو؟ پاک ہے وہ ذات اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں-

۹ آیت نمبر ۳۸ میں مسلمانوں کو حقوق معاشرہ کی طرف متوجہ کیا کہ جب یہ سب نعمتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں تو تمہیں چاہیے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قرابت داروں' مساکین اور مسافروں کے حقوق ادا کرو اور سود سے دولت کی افزائش نہیں ہوتی بلکہ زکوٰۃ ایک ایسا عمل ہے جس سے آخرت میں انسان کو دوہرا اجر ملے گا- اس کے بعد پھر سلسلہ کلام توحید و آخرت کی طرف پھر گیا ہے-

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ
كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ
مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ
يَمْهَدُونَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿۴۵﴾ وَ
مِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ

---

(۴۱) خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کی وجہ سے فساد برپا ہو گیا ہے تا کہ اللہ لوگوں کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے تا کہ وہ باز آ جائیں [۱]

(۴۲) آپ کہہ دیجیے کہ "تم لوگ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں' ان کا انجام کیسا ہوا؟ ان میں سے اکثر لوگ مشرک ہی تھے۔

(۴۳) سو آپ خود کو دین قیم پر قائم رکھیے' اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ دن آ جائے جو ٹل نہیں سکتا' اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔

(۴۴) جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے، اور جن لوگوں نے نیک عمل کیے ہیں تو وہ لوگ اپنے ہی لیے (فلاح کا راستہ) ہموار کر رہے ہیں۔

(۴۵) تا کہ اللہ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

(۴۶) اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے تا کہ وہ تمہیں اپنی رحمت سے لذت اندوز کرے اور تا کہ اس کے حکم سے کشتیاں جاری ہوں اور.............

---

[۱] آیت نمبر ۴۱ میں بتایا کہ عالم بر و بحر میں جو فتنہ و فساد بپا ہے اور آسمان کے نیچے جو ظلم و ستم ڈھائے جا رہے ہیں یہ سب شرک کی وجہ سے ہیں۔ جب سے لوگوں نے توحید (دین فطرت) کو چھوڑ کر شرک کی راہیں اختیار کی ہیں' اس وقت سے یہ ظلم و ستم بھی بڑھ گیا ہے، اور شرک جیسے قولی و اعتقادی ہوتا ہے' اسی طرح شرک عملی بھی ہوتا ہے' جو فسق و فجور اور معاصی کا روپ دھار لیتا ہے۔ شروع سورہ میں ایران و روم کی جس جنگ کا ذکر تھا' اس آیت میں اس سے فتنہ و فساد کے اسباب کی طرف اشارہ فرما دیا ہے۔

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ
فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾ اَللّٰهُ
الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَ يَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ
يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ
قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ

تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم اس کا شکر بجالاؤ-

(۴۷) بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا- سو وہ ان کے پاس روشن دلائل لے کر آئے- پھر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو جرائم کے مرتکب ہوئے، اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ لازم تھا-[۱۱]

(۴۸-۴۹) یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ پہلے ہوائیں چلتی ہیں- پھر ہوائیں بادل کو حرکت میں لاتی ہیں، پھر وہ (اللہ) جس طرح چاہتا ہے انہیں فضا میں پھیلا دیتا ہے- اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے- پھر تم دیکھتے ہو کہ بادلوں میں سے مینہ نکل رہا ہے-

پھر جن لوگوں کو بارش کی یہ برکت ملتی تھی تو وہ اچانک خوش ہو جاتے ہیں[(۱)] گو وہ لوگ اس بارش سے پہلے مایوس ہو رہے تھے-

(۵۰) پس رحمت الٰہی کی نشانیوں کو دیکھو کہ وہ زمین کو موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشتا ہے-[۱۲]

---

۱۱ دنیا میں جن لوگوں نے بھی اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا ہے' ان سے ہم نے انتقام لیا ہے اور مومنوں کی مدد کی ہے-
آیت نمبر ۴۷ میں مومنین کو تسلی دی اور کفار کو تنبیہ کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسرے پیغمبروں کی طرح اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں- پھر جیسے ان کے مخالفین سے انتقام لیا گیا' اسی طرح آپ کے مخالفین سے بھی بدلہ لیا جائے گا-

۱۲ اوپر ہی رسولوں کے بھیجنے کا تذکرہ تھا اور یہاں بارش بھیجنے کا- اس میں اشارہ ہے کہ رسول کی آمد بھی انسان کی اخلاقی و روحانی زندگی کے لیے ویسی رحمت ہے جیسے اس کی مادی و معاشی زندگی کے لیے بارش کی آمد!

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۳۹-

مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ
مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ
الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ
يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ع ۱۴ ۸

بیشک وہ موت کو زندگی سے بدل دینے والا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے-(۱)

(۵۱) اگر ہم کوئی اور ہوا بھیج دیں اور وہ اپنی کھیتی کو زرد پائیں تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں-

(۵۲) (اے نبیؐ) یقیناً آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جب کہ وہ پیٹھ پھیرے چلے جا رہے ہوں-

(۵۳) اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راہ راست پر لا سکتے ہیں- آپ صرف انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں پھر وہ فرمانبردار رہتے ہیں-

(۵۴) یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے تمہیں اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ناتوانی کی حالت ہوتی ہے، پھر ناتوانی کے بعد قوت آتی ہے.........

بارش سے اگر زمین زندہ ہوتی ہے اور لوگوں کی مادی زندگی میں انقلاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے' تو رسول کی آمد سے بھی انسانوں کے دلوں کی کھیتیاں سرسبز ہو جاتی ہیں- اس سے نبوت کی ضرورت پر استدلال ہے کہ جس نے تمہاری جسمانی ضروریات کا بندوبست کیا ہے' اس کی ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ تمہاری روحانی اصلاح کا بھی بندوبست کرے- اور آیت کریمہ (۵۰) میں '' انظر'' کا کلمہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر تنبیہ کے لیے ہے:

''دنیا میں صرف یہی نہیں کہ پانی موجود ہے بلکہ ایک خاص نظام و ترتیب سے موجود ہے' کیوں یہ سب کچھ ایسا ہی ہوا؟ کیوں ایسا نہ ہوا کہ پانی موجود ہوتا مگر موجودہ انتظام اور ترتیب سے نہ ہوتا؟ قرآن کہتا ہے' اس لیے کہ کائنات ہستی میں ربوبیت کارفرما ہے اور ربوبیت کا مقتضاء یہی ہے کہ پانی اسی ترتیب سے بنے اور اسی ترتیب و مقدار سے تقسیم ہو- یہ رحمت و حکمت تھی جس نے پانی پیدا کیا مگر یہ ربوبیت ہے جو اسے اس طرح کام میں لائی کہ پرورش اور رکھوالی کی تمام ضرورتیں پوری ہوگئیں-

۱۳ آیت ۵۴ میں انسانی زندگی کے ادوار ثلاثہ کی طرف اشارہ ہے- یعنی بچپن' جوانی اور بڑھاپا- اور یہ ساری حالتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں اور یہ اسی کے علم و قدرت کے کرشمے ہیں-

---

(۱) ''الہلال'' ۲۹ رجنوری ۱۹۱۳ء ص ۶-

ضُعۡفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ ضُعۡفًا وَّشَيۡبَةً ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ
الۡقَدِيۡرُ ﴿۵۴﴾ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۙ مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ
كَانُوۡا يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَ قَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَ الۡاِيۡمَانَ لَقَدۡ لَبِثۡتُمۡ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ
اِلٰى يَوۡمِ الۡبَعۡثِ ۫ فَهٰذَا يَوۡمُ الۡبَعۡثِ وَلٰكِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوۡمَئِذٍ لَّا يَنۡفَعُ
الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مَعۡذِرَتُهُمۡ وَلَا هُمۡ يُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَلَقَدۡ ضَرَبۡنَا لِلنَّاسِ فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ

پھر قوت کے بعد ناتوانی اور بڑھاپا ہوتا ہے- وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' وہ علم اور قدرت رکھنے والا ہے-[۱۳] (۱)

(۵۵) اور جس دن قیامت قائم ہو گی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے- اسی طرح وہ دنیا کی زندگی میں حق سے پھرے ہوئے تھے-[۱۴]

(۵۶) اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا کیا گیا ہے وہ کہیں گے کہ خدا کے نوشتے میں تو تم قیامت تک پڑے رہے ہو' سو یہی قیامت کا دن ہے' لیکن تم جانتے نہ تھے-

(۵۷) پس اس روز نہ تو ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ دے گی اور نہ ان سے اللہ کو راضی کرنے کی خواہش کی جائے گی-

(۵۸) اور بیشک ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے- خواہ آپ.........

اوپر دلائل آفاق کا ذکر تھا، اب یہاں دلائل نفس کی طرف اشارہ فرما دیا ہے (رازی)

''قوموں کی زندگی کا بھی یہی حال ہے کہ قوم پیدا ہوتی ہے' بچپنے کا عہد بے فکری سے کاٹ کر جوانی کی طاقت آزمائیوں میں قدم رکھتی ہے- یہ وقت کاروبار زندگی کا اصلی اور قومی صحت و تندرستی کا عہد نشاط ہوتا ہے- جہاں جاتی ہے' اوج و اقبال اس کے ساتھ ہوتا ہے' اور جس طرف قدم اٹھاتی ہے' دنیا اس کے استقبال کے لیے دوڑتی ہے- اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے اسے پیری و صد عیب کا زمانہ سمجھیے- طرح طرح کے اخلاقی و تمدنی عوارض پیدا ہونے لگتے ہیں' جمعیت و اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اجتماعی قوتوں کا اضمحلال نظام ملت کو کمزور کر دیتا ہے-''

[۱۴] ''آخرت کی زندگی انسان پر طاری ہو گی تو وہ تمام مدت جو مرنے کے بعد سے نشاۃ ثانیہ تک گزرتی ہے ایسی محسوس ہو گی جیسے ایک

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۴۰-

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝۵۸
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۹ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا
يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۶۰ ع ۶

ان کے پاس کوئی بھی نشانی لے آئیں، تب بھی کافر لوگ یہی کہیں گے کہ تم باطل پر ہی ہو (۵۹) اس طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو علم نہیں رکھتے -

(۶۰) سو (اے پیغمبرؐ) آپ صبر کیجیے، بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے- اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو ہلکی باتوں پر آمادہ نہ کر دیں-[۱۵]

بہت قلیل مدت کا درمیانی وقفہ گزر رہا ہو- یہ حقیقت قرآن نے مختلف تعبیرات میں بیان کی ہے-"

۱۵ سورہ کی آخری آیت میں پھر آنحضرت ﷺ کو صبر و استقامت اور حوصلہ مندی سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے اور حکم دیا ہے کہ دعوت و اصلاح کے کام میں لگے رہیے- اللہ تعالیٰ نے جو فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا- اس لیے آپ ان کی تضحیک و استہزاء کی وجہ سے اپنے مقام سے جنبش نہ کریں- گویا دعوت و اصلاح کا کام کرنے والوں کو دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ صبر و تحمل سے تکالیف کو برداشت کرنا چاہیے-

❋ ❋ ❋

اٰيَاتُهَا: 34 | سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 4

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۞۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۞۲ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۞۳ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ
الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۞۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞۵

---

(۱) الم' (۲) یہ کتاب حکیم کی آیتیں ہیں-[۱] نیکو کار لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں (۴) جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں-

(۵) یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں-

---

[۱] یہ سورۃ بھی مکی ہے اور اس کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ العنکبوت اور یہ دونوں سورتیں ایک ہی دور میں نازل ہوئی ہیں-

اس سورہ میں شرک کی تردید اور توحید کی طرف' دلائل کے ساتھ' دعوت دی گئی ہے اور آثار کائنات سے اس پر استدلال کیا گیا ہے- حضرت لقمان کے قصہ سے شہادت پیش کی گئی ہے کہ وہ بھی توحید کے علمبردار تھے اور انہوں نے اپنے پند ونصائح میں شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے- یہ قصہ غالباً اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ کفار قریش میں سے بعض لوگ حضرت لقمان کی پند وحکمت کو آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں پیش کرتے اور کہتے کہ اس قسم کی باتیں تو ہم بھی کر سکتے ہیں-

سورہ کی ابتدا میں ہی قرآن مجید کے کتاب حکمت اور ہدایت ورحمت ہونے پر زور دیا ہے- مگر اس سے فائدہ صرف وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو حسن کردار کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں-

ان کے بالمقابل وہ لوگ بھی ہیں جو ''لہو الحدیث'' کے دلدادہ بنے ہوئے ہیں- اور یہ لفظ اپنے وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے گانا بجانا' افسانے' ناول اور ہر قسم کی فحاشی کو شامل ہے-

ایک روایت میں ہے کہ نضر بن حارث عراق گیا اور وہاں سے شاہان عجم کے قصے اور رستم واسفندیار کی داستانیں لاکر قصہ گوئی کی محفلیں لگا کر قرآن کا مقابلہ کرنے لگا-

''قرآن کریم میں ہر جگہ اسلام کے ساتھ منکرین اسلام کے لیے '' ولیٰ '' اور '' اعرض '' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں-'' ولّي عن الشيء'' کے معنی اعراض کے ہیں ''تولّي عنه اي اعرض عنه'' ہر جگہ پاؤ گے- یعنی کسی چیز کی طرف سے منہ موڑ لینا اور گردن پھیر لینا-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ
لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ
فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۞ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ
رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ
كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۞ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَ مَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ
وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۞ وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ
اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۞ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ

ع ۳ يقف النبي ﷺ

(۶) اور انسانوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو غافل کرنے والا کلام خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو بغیر علم کے اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے اور اس (راہ حق) کا مذاق اڑائے- ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کن عذاب ہے- (۷) اور جب ان میں سے کسی منکر کو قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ہیجان و غرور سے اکڑتا ہوا گردن پھیر کر چل دیتا ہے،[1] گویا اس نے سنا ہی نہیں' گویا اس کے کانوں میں ثقل ہے' سو آپ اس کو المناک عذاب کی بشارت سنا دیجیے- (۸) البتہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے نعمت کے باغ ہیں، (۹) جن میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور وہ زبردست اور کامل حکمت والا ہے- (۱۰) اس (اللہ تعالیٰ) نے آسمانوں (اجرام سماویہ) کو پیدا کر دیا اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں[2] اور زمین میں مضبوط پہاڑ ڈال دیے،[۲] تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈھلکے نہیں اور اس میں ہر قسم کے حیوانات پھیلا دیے اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس میں ہر قسم کی چیزیں عمدہ اگائیں (۱۱) یہ سب چیزیں تو اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں- اب مجھے یہ تو دکھاؤ کہ اس کے سوا اوروں نے کیا پیدا کیا؟ دراصل یہ ظالم صریح گمراہی میں مبتلا ہیں (۱۲) بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہ' اور جو شکر گزار ہوگا تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے شکر کرتا ہے- اور جس نے ناسپاسی کی' تو اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے-[۳] (۱۳) اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: ''بیٹا! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیو' بلاشبہ شرک بڑا ہی ظلم ہے

[۲] اوپر کی تمہید کے بعد اب آیت نمبر ۱۰ سے اصل مقصد' یعنی شرک کی تردید اور توحید کی دعوت کا آغاز ہے- عالم افلاک' تاروں اور سیاروں

(۱) ''الہلال'' ۱۱ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۸ (۲) ''ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۲.

وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝۱۴ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ النصف
بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ
اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۵ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝۱۶
يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ
عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۷ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

---

(۱۴) اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں تاکید کی ہے' اس کی ماں نے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کو دودھ چھوٹنے میں لگے- اس لیے ہم نے اسے تاکید کی ہے کہ (اے انسان) تو میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار بن کر رہ' میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے (۱۵) اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرے ساتھ شریک ٹھہرا جس کے معبود ہونے کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی بات نہ مان' ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا رہ' اور اس شخص کے راستہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع ہو- پھر تم سب کو لوٹ کر میری طرف آنا ہے' اس وقت میں تمہیں آگاہ کر دوں گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے تھے! (۱۶) اے میرے بیٹے' کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ہو' پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو یا وہ زمین میں ہو تو اللہ اس کو بھی لا حاضر کرے گا- بیشک اللہ نہایت باریک بین اور ہر چیز سے باخبر ہے- (۱۷) اے میرے بیٹے' صلوۃ الٰہی کو قائم رکھ' نیکی کا حکم کر' برائی سے روک، اور اس فرض احتساب کے ادا کرنے میں جو جو تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں ان پر صبر کر' یہ بڑے ہی پختہ ارادے اور اعلیٰ درجے کا کام ہے-[1] (۱۸) اور لوگوں سے بے رخی کا برتاؤ نہ کر اور نہ زمین پر متکبرانہ انداز سے چلا کر' بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا-

---

کا یہ نظام' غیر مرئی سہاروں سے قائم ہے- اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان چیزوں کو فضا میں روک رکھا ہے اور زمین پر پہاڑ ڈال دیے تاکہ اس میں توازن قائم رہے- اور اسے نباتات کے قابل بنایا- اب تم ہی بتاؤ کہ اللہ کے سوا جن چیزوں کی تم پوجا کرتے ہو' کیا ان کے تخلیقی کارنامے دکھا سکتے ہو؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو تم کیوں بہک رہے ہو اور ان مورتیوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہو؟

۳ لقمان کی شخصیت ایک حکیم دانا کی حیثیت سے مشہور و معروف تھی- اہل عرب کے پڑھے لکھے لوگوں کے پاس ''صحیفہ لقمان'' کے نام سے ایک مجموعہ بھی تھا- روایات میں ہے کہ ہجرت سے تین سال پہلے مدینہ کا پہلا شخص' جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متاثر ہوا وہ سوید بن صامت تھا- وہ حج پر گیا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطابات سنے' تو کہنے لگا کہ ایسے اقوال میرے پاس بھی موجود ہیں، اور وہ مجلّہ لقمان ہے-'' اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے پاس اس سے بہتر کلام ہے'' اور آپؐ نے اسے قرآن پڑھ کر سنایا-

---

(۱) ''البلاغ'' ۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء ص ۷-

مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ
ع ۸ الْحَمِیْرِ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَیْكُمْ
نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا
كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ﴿۲۰﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ
اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۲۱﴾ وَ مَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ
وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَ مَنْ كَفَرَ فَلَا
یَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾

---

(۱۹) اور اپنی چال میں اعتدال سے کام لو اور آواز کو پست رکھ- بلاشبہ سب آوازوں سے بری گدھے کی آواز ہے-

(۲۰) کیا تم نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' وہ سب تمہارے لیے خدا نے مسخر کر دیا ہے اور اپنی تمام نعمتیں ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی پوری کر دی ہیں' اور انسانوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں' بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو' یا ہدایت' یا کوئی روشن کتاب [۱] (۲۱) اور جب اس قسم کے لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو' جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں' ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے کیا یہ انہی کی پیروی کریں گے، خواہ شیطان ان کو بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف ہی دعوت کیوں نہ دے رہا ہو؟ ع

(۲۲) اور جس کسی نے اپنا منہ اللہ کی طرف جھکا دیا (اپنی گردن اللہ کے حوالے کر دی) اور اعمال حسنہ انجام دیے تو بس دین الٰہی کی مضبوط رسی اس کے ہاتھ آ گئی [۲] اور انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے- [۳]

(۲۳) اور جو کفر کرتا ہے تو اس کا کفر آپ کو غم میں مبتلا نہ کرے' ان سب کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے- پھر ہم انہیں ان کے اعمال کی حقیقت سے آگاہ کر دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں- بیشک اللہ سینوں کی تمام باتوں سے خوب واقف ہے-

---

لقمان کی شخصیت کے بارے میں مورخین کے اقوال مختلف ہیں- بعض لوگ لقمان کو قوم عاد کا فرد اور یمن کا بادشاہ قرار دیتے ہیں- قوم عاد سے جو لوگ حضرت ہود کے ساتھ بچ گئے تھے' لقمان انہی کی نسل میں سے تھے- لیکن بعض صحابہ و تابعین نے کہا ہے کہ وہ ایک حبشی غلام تھے لیکن ان کی زبان عربی تھی- کیونکہ اصل میں مدین کے رہنے والا تھے- لقمان حکیم کے نام سے بعض مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں-

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۷۳- (۲) ''الہلال'' ۱۱ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۸- (۳) ''ترجمان القرآن'' جلد دوم ص ۵۱۲-

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَ لَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ
يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ

---

(۲۴) ہم تھوڑی مدت انہیں سودمند رکھیں گے پھر انہیں ناچار کر کے سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے۔

(۲۵) اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ ''اللہ نے!'' آپ کہیے سب تعریف اللہ کے لیے ہے، مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔[۵]

(۲۶) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ موجود ہے وہ اللہ ہی کا ہے۔ بیشک اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔

(۲۷) یہ زمین پر (لاکھوں کروڑوں) درخت (جو تم دیکھ رہے ہو) اگر ان سب (کی شاخوں) کو قلم بنا دیا جائے اور (تمام بے کنار اور بے کراں) سمندروں سے سیاہی کا کام لیا جائے اور وہ بھی اس طرح کو جب سمندر ختم ہو جائیں اور ویسے ہی سات نئے عظیم الشان سمندر ان کی جگہ آموجود ہوں اور اس طریقے سے اللہ تعالیٰ کے کلمات آیات کو لکھا جائے، پھر بھی یقین کرو کہ وہ کبھی تمام نہ ہوں گے کیونکہ وہ عزیز و حکیم ہے۔[۱] (۲۸) تم سب کو پیدا کرنا..................

---

۴ آسمان و زمین کی تمام چیزیں انسان کی مسخر ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے ضابطوں کا پابند کر دیا ہے اور انسان ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس طرح انسان اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ ظاہر نعمتوں سے مراد مادی اور حسی نعمتیں ہیں، اور باطنی نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو تا حال انسان پر مخفی ہیں۔

لیکن پھر بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی وحدانیت اور اس کے شئون و صفات میں جھگڑا کرتے ہیں جس کی بنیاد کسی ہدایت یا کتابی دلیل پر نہیں ہے بلکہ باپ دادا کی اندھی تقلید ہے۔

۵ قرآن نے توحید کی طرف دعوت دینے اور کفر و شرک کی تردید کے سلسلہ میں مکرر بیان فرمایا ہے کہ جب آسمان و زمین اور کائنات کا خالق اللہ ہے اور مالک بھی ہے تو معبود بھی وہی ہے۔

یہ عالمگیر انسانی گمراہی ہے کہ وہ خالق ارض و سماء تو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اور عبادت اللہ کے سوا دوسروں کی کرتا ہے، انہی کو حاجت روا سمجھتا ہے اور سورج چاند اور سیاروں کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔

---

(۱) ''الہلال'' ۱۱ر جون ۱۹۱۳ء ص ۱۰۔

وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ
يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ع ۳ ۱۲
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ
فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا
رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـــًٔا ۭ
اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ

اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا بس ایسا ہی ہے جیسے ایک متنفس کو (پیدا کرنا اور دوبارہ جلا اٹھانا ہے) یقیناً اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے- (۲۹) کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا- اور اللہ ان تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو (۳۰) یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور اللہ کے سوا جن چیزوں کی یہ عبادت کر رہے ہیں وہ سراسر باطل ہیں اور اللہ ہی سب سے برتر اور بڑا ہے (۳۱) کیا تم دیکھتے نہیں کہ کشتی سمندر میں اللہ کے فضل سے چلتی ہے تا کہ وہ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائے' بیشک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں' ہر اس شخص کے لیے' جو صبر اور شکر بجالانے والا ہو- (۳۲) اور جب ان پر سمندر کی موج سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہے تو یہ لوگ دین کو خالص اللہ کے لیے کرتے ہوئے پکارتے ہیں- پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو ان میں کچھ ہی راہ راست پر قائم رہتے ہیں اور ہماری نشانیوں کا بس وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو عہد شکن اور ناسپاس ہوں-[۶] (۳۳) اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو اور اس دن سے ڈرو جب کہ باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آ سکے گا اور نہ بیٹا باپ کے کچھ کام آ سکے گا- بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے- سو تم کو دنیوی زندگی دھوکے میں مبتلا نہ کر دے اور نہ دھوکہ باز (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے پائے-[۷] (۳۴) بیشک قیامت

---

۶ انسان اگر اپنے بحری سفر پر غور وفکر کرے تو صبر وشکر کے بہت سے دلائل اخذ کر سکتا ہے- دیکھیے' جب یہ لوگ طوفانی موجوں کے چکر میں پھنس جاتے ہیں تو بڑی عقیدت مندی اور اخلاص سے خدا کو پکارتے ہیں- لیکن جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو کچھ لوگ ایسے ہیں جو اعتدال کی راہ پر قائم رہتے ہیں- ورنہ اکثر تو اسے خدا کا فضل وکرم نہیں سمجھتے بلکہ اپنے ٹھہرائے ہوئے آستانوں پر جھکنے لگتے ہیں-

۷ آیت ۳۳ میں اس اصل عظیم کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت کی سزائیں دنیا کی سزاؤں کی طرح نہیں ہیں کہ لڑکا اپنے باپ' یا باپ اپنے

عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع ۴ ۱۴

کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ کہ حاملہ عورتوں کے رحموں میں ہے- اور کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی' بیشک اللہ ہی سب باتوں کو جاننے والا اور ہر چیز سے باخبر ہے-^۸

بیٹے کی مدد سے رہائی حاصل کرے' بلکہ ہر انسان اپنے نفس کے لیے جواب دہ ہوگا-

۸ کفار مکہ قیامت کا ذکر سن کر بار بار آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے کہ آخر وہ گھڑی کب آئے گی؟ تو اس کے جواب میں فرمایا، اور مزید چار جملے بڑھادیے کہ ان چیزوں کا جب یقینی علم انسان کو حاصل نہیں ہے تو اس انقلابی حادثے کا علم کیسے ہوسکتا ہے جس سے کائنات کا موجود نظام بالکل ہی تباہ و برباد ہوجائے گا؟ اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ ہی علیم و خبیر ہے-

احادیث میں ان پانچ چیزوں کو مفاتح الغیب سے تعبیر کیا گیا ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام نے جب ایک سائل کی حیثیت سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسئول (یعنی مجھ) کو بھی اس کے متعلق سائل سے زیادہ علم نہیں ہے- ہاں میں اس کی علامات بتا سکتا ہوں- اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت بیان فرمائیں-

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُهَا : 30 | سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا : 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۞ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

(۱) الم (۲) اس کتاب کا نازل کیا جانا بلاشبہ رب العالمین کی جانب سے ہے-[1]

(۳) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو پیغمبرؐ نے خود گھڑ لیا ہے-نہیں' بلکہ یہ حق ہے آپ کے رب کی جانب سے' تاکہ آپ ایک ایسی قوم کو آگاہ کریں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا نہیں آیا' شاید وہ لوگ ہدایت پر آجائیں-[2]

(۴) اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور.....................

[1] یہ سورۃ بھی مکی ہے اور وسطی عہد کی تنزیلات سے ہے-اس عہد کی سورتوں میں توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور ان کے متعلق لوگوں کے شبہات کو رفع کیا گیا ہے-

وحی و رسالت کی حقانیت' کائنات میں آفاقی و انفسی دلائل سے توحید پر استدلال کیا ہے اور آثار کائنات کو دوبارہ زندگی پر بطور استدلال پیش کیا-خصوصاً عالم آخرت میں جزا و سزا کا منظر بیان کر کے لوگوں کو برے انجام سے ڈرایا گیا ہے اور گزشتہ اقوام کے وقائع سے عبرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے اور خاتمہ کلام پر آنحضرت ﷺ کو تسلی دی ہے اور کفار کو متنبہ کیا ہے کہ آخری فیصلے کے دن کا انتظار کرو، وہ ضرور آکر رہے گا-

''کائنات ہستی کے اسرار و غوامض بے شمار ہیں لیکن روح حیوانی کا جوہر ادراک زندگی کا سب سے زیادہ لاینحل عقدہ ہے-حیوانات میں کیڑے مکوڑے تک ہر طرح کا احساس و ادراک رکھتے ہیں اور انسانی دماغ کے نہاں خانہ میں عقل و تفکر کا چراغ روشن ہے-چیونٹی کو دیکھو' اس کے دماغ کا حجم سوئی کی نوک سے شاید ہی کچھ زیادہ ہو-لیکن مادے کے اس حقیر ترین عصبی ذرے میں بھی احساس و ادراک' محنت و استقلال' ترتیب و تناسب' نظم و ضبط اور صنعت و اختراع کی ساری قوتیں مخفی ہوتی ہیں-شہد کی مکھی کی کارفرمائیاں ہر روز تمہاری نظروں سے گزرتی رہتی ہیں-کون ہے جس نے ایک چھوٹی سی مکھی میں تعمیر و تحسین کی ایسی منتظم قوت پیدا کر دی-

قرآن کہتا ہے' یہ اس لیے ہے کہ رحمت کا مقتضا جمال تھا اور ضروری تھا کہ جس طرح اس نے جمال ظاہری سے دنیا آراستہ کر دی ہے' اسی طرح جمال معنوی کی آسائشوں سے بھی اسے مالا مال کر دے-

وَالْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ
لَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ
كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑥
الَّذِيْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ
مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ⑧ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ
الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑨ وَ قَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ بَلْ

زمین کو اور ان تمام چیزوں کو جو ان دونوں کے درمیان ہیں' چھ دن میں پیدا کیا- پھر وہ عرش پر مستوی ہوا- بجز اس کے نہ تمہارا کوئی ساز گار ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہے' پھر کیا تم سوچتے نہیں؟[۳] (۵) وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے' پھر ہر کام ایک دن میں' جس کی مقدار تمہارے شمار (کے حساب) سے ایک ہزار سال ہے' اس کے حضور پہنچ جاتا ہے-

(۶-۹) یہ اللہ (تعالیٰ) ہے محسوسات اور غیر محسوسات کا جاننے والا' طاقت والا' رحمت والا' جس نے جو چیز بنائی' حسن و خوبی سے بنائی چنانچہ یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی- پھر اس کے توالد و تناسل کا سلسلہ (خون کے) خلاصے سے جو پانی کا ایک حقیر سا قطرہ ہوتا ہے' قائم کر دیا- پھر اس کی تمام قوتوں کی درستی کی اور اپنی روح (میں سے ایک قوت) پھونک دی- اور اس طرح اس کے لیے سننے' دیکھنے اور فکر کرنے کی قوتیں پیدا کر دیں (لیکن افسوس انسان کی غفلت پر) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کا شکر گزار ہو-[(۱)] (۱۰) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ "جب ہم مٹی میں مل کر فنا ہو

۲ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل چند پیغمبر اہل عرب میں گزرے تھے جیسے حضرت ہود' حضرت صالح اور پھر حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل (جن کے دین پر ہونے کے کفار قریش مدعی تھے) اور حضرت شعیب علیہم السلام- مگر چونکہ ان پر بہت لمبا عرصہ گزر چکا تھا' اس لیے قرآن نے "مَااَتَاهُمْ مِنْ نَّذِيْرٍ مِنْ قَبْلِكَ" کہہ دیا ہے- یعنی آپ سے پہلے قریبی دور میں ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آیا-

۳ اب آیت ۴ سے توحید کا بیان ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا عرش پر ہونا بیان کیا ہے جو بہت سی احادیث اور آثار سے ثابت ہے- حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر سلف کا اجماع ہے- حافظ ابن قیم "اغاثة کبیر" میں لکھتے ہیں کہ ارسطو سے پہلے تمام فلاسفہ حدوث عالم کے قائل تھے اور یہ کہ صانع عالم موجود اور عام مخلوق سے الگ- الغرض تمام اہل شریعت اور عقائد اس پر متفق چلے آتے ہیں، صرف معتزلہ نے اس کی نفی کی ہے اور متاخرین اشاعرہ نے ان کے بالتبع آیات "استوىٰ على العرش" کی تاویل کی ہے- اور قرآن نے آسمان و

(۱) "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۷۵-

هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ
ع تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ لَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا
وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا
وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا

گئے تو کیا ہم ازسرنو پیدا کیے جائیں گے؟'' اصل بات یہ ہے کہ یہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔[۲]

(۱۱) آپ فرما دیجیے کہ ''موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے' تم کو پورا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا اور پھر تم اپنے رب کی جانب لوٹائے جاؤ گے''۔

(۱۲) اے پیغمبر! اگر آپ گناہگاروں کو اس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے حضور سر جھکائے کھڑے ہوں گے (اس وقت کہہ رہے ہوں گے) اے ہمارے رب! اب ہم نے خوب دیکھ لیا اور سن لیا۔ سو آپ ہم کو واپس بھیج دیجیے تا کہ ہم نیک عمل کریں' اب ہمیں پورا یقین ہو گیا ہے۔

(۱۳) اگر ہم چاہتے تو پہلے ہی ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے لیکن میری وہ بات سچ ہو کر رہی جو میں نے کہی تھی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔

(۱۴) سو اب تم اس دن............

زمین کی خلق اور پھر انسان کی خلق سے اللہ تعالی کے خالق و مالک اور مدبر کائنات ہونے پر استدلال کیا ہے۔

[۲] رسالت و توحید کے بعد آخرت پر ان کے اعتراض کی تردید کی۔ اور کفار یہ بات انکار و تعجب کے انداز سے کہتے مگر وہ اس بات پر غور نہ کرتے کہ موت تو روح کے جسم سے الگ ہونے کا نام ہے۔ اس سے انسان معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ روح انسانی دوسرے مقام پر منتقل ہو جاتی ہے اور اسے آخرت میں نیا جنم دے دیا جائے گا اور وہ جزا و سزا سے دوچار ہو گی۔

نَسِيۡتُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيۡنٰكُمۡ وَ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا
يُؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِّرُوۡا بِهَا خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوۡا بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَ هُمۡ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۱۵﴾ السجدۃ ۹
تَتَجَافٰى جُنُوۡبُهُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾
فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِىَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا
كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰى ۫
نُزُلًۢا بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ

کی ملاقات کو بھول جانے کا مزہ چکھو، ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا اور اپنے ان عملوں کے بدلہ میں جو تم کیا کرتے تھے، دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔

(۱۵-۱۶) ہماری آیتوں پر تو بس وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور وہ کسی طرح کا تکبر اور بڑائی نہیں کرتے - رات کو جب سوتے ہیں تو ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے -

اور امید و بیم کے عالم میں کروٹیں لے کر اپنے پروردگار سے دعا مانگتے رہتے ہیں -[1] اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں -

(۱۷) پھر جو کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان، ان کے اعمال کی جزا میں، ان کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے، اس کی کسی نفس کو بھی خبر ہے؟

(۱۸) کیا ایک مومن بندے کے اعمال و نتائج ایسے ہو سکتے ہیں جیسے ایک نافرمان اور فاسق کے؟ کیا دونوں برابر ہیں؟[۵] ہر گز نہیں -

(۱۹) جو لوگ اللہ کے احکام پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کیے، ان کے لیے کامیابیوں اور فتح مندیوں کے شاداب باغ و چمن ہوں گے، جن میں وہ شاد و خرم رہیں گے اور یہ باغ ہائے فتح و مراد ان کے نیک کاموں کا بدلہ ہیں - (۲۰) مگر جن لوگوں نے احکام.............

---

۵ خدا کے حضور میں مجرمین کی پیشی اور اعتراف جرم - ان لوگوں نے دنیا کے عیش میں گم ہو کر اس بات کو بھلا دیا تھا کہ اپنے رب کے سامنے بھی جانا ہے -

ان کے بالمقابل ایک دوسرا گروہ ہے جو رات بھر عبادت میں مصروف رہتا ہے - وہ خوف اور طمع کی حالت میں اپنے رب کو

---

(۱) ''الہلال'' ۱۰/ دسمبر ۱۹۱۲ء -

يَخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ قِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾
وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَنْ
ع ۲ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ لَقَدْ
اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾

الٰہی کے مقابلے میں سرکشی اختیار کی تو ان کا ٹھکانا تو بس نامرادیوں ناکامیوں اور اسر و غلامی کی آگ ہوگی- وہ اپنے کاموں اور تلاش نجات میں ایسے گمراہ ہو جائیں گے کہ جب کبھی اس آگ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں لوٹا دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ پاداش عمل کے جس عذاب کو تم جھٹلاتے تھے اب اس کے مزے چکھو-

(۲۱) اور یہ بھی جان لو کہ آنے والے بڑے عذاب سے پہلے ہم ان منکرین کو ایک چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ شاید غفلت و سرکشی سے باز آجائیں اور ہماری جانب رجوع کریں-(۱)

(۲۲) اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعہ سے نصیحت کی جائے پھر وہ ان سے منہ موڑے یقیناً ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے-

(۲۳) اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی لہٰذا آپ اس کتاب کے ملنے میں کسی قسم کا شک نہ کیجیے اور ہم نے اس تورات کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما بنایا تھا-۶

پکارتے رہتے ہیں- قرآن کہتا ہے یہ دونوں گروہ برابر نہیں ہو سکتے - نہ دنیا میں اپنے طرز فکر و عمل کے اعتبار سے یکساں ہو سکتے ہیں اور نہ آخرت میں ان کے ساتھ یکساں معاملہ ہوگا بلکہ **فریق فی الجنة و فریق فی السعیر!**

۶ آیت ۲۳ میں منکرین رسالت کو مخاطب کیا ہے جو قرآن کے وحی ہونے کا انکار کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ قرآن اس (پیغمبر ﷺ) نے خود گھڑ لیا ہے-

اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کو بطور شاہد پیش کیا جس کے کفار مکہ خود معترف تھے بلکہ کہا کرتے تھے "لَوْلَا اُوْتِيَ مِثْلَ مَا اُوْتِيَ مُوْسٰى"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی وہ بنی اسرائیل کے لیے ہدایت تھی اور اس پر عمل کرنے اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو پیشوائی مل گئی- پھر جب انہوں نے باہم اختلاف اور فرقہ بندی کر کے توراۃ کے احکام سے روگردانی کی تو وہ ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہو گئے اور ذلت و نکبت میں گرفتار ہو گئے-

---

(۱) "الہلال" ۳۰ رجولائی ۱۹۱۳ء ص ۴-

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ۫ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ
اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا
يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ
الثلثة مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾
ع۳ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

---

(۲۴) اور ہم نے بنی اسرائیل میں سے' جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین کیے رہے' پیشوا پیدا کیے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے- (۲۵) یہ لوگ جن باتوں میں اختلاف کرتے رہتے ہیں' یقیناً آپ کا رب قیامت کے دن ان کے مابین فیصلہ کر دے گا- (۲۶) کیا ان کو اس بات سے ہدایت نہیں ملی کہ ہم ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں' جن کے رہنے کی جگہوں میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں- بلاشبہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں' کیا یہ سنتے نہیں ہیں؟[ے] (۲۷) کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم ایک بے آب و گیاہ زمین کی طرف پانی بہا لاتے ہیں' پھر اس پانی کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں' جس سے ان کے مویشی بھی چرتے ہیں اور وہ خود بھی کھاتے ہیں' کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں؟ (۲۸) اور یہ کہتے ہیں ''اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ آخری فیصلہ کب ہوگا؟'' (۲۹) آپ فرما دیجیے ''آخری فیصلے کے دن' کافروں کو ان کا ایمان لانا کچھ بھی نفع نہیں دے گا اور نہ ہی ان کو مہلت دی جائے گی- (۳۰) سو ان سے اعراض برتیے اور انتظار کرتے رہیے- یہ لوگ بھی منتظر ہیں-

---

ے آیت ۲۶ میں کفار قریش کو تنبیہ کی ہے کہ تاریخ کے مسلسل عمل اور تجربے سے سبق حاصل کرو' جس قوم نے بھی اللہ کے رسول کو جھٹلایا ہے وہ دنیا سے مٹ گئی- آج تم اپنے پیغمبر سے بار بار عذاب کا مطالبہ کرتے ہو- لیکن یاد رکھو کہ جب وہ عذاب آئے گا تو پھر تم کو سنبھلنے کا موقع نصیب نہیں ہوگا اور اس وقت ایمان لانا لا حاصل ہوگا- لہٰذا اے پیغمبر! آپ ﷺ ان کی تباہی کا کچھ دیر انتظار کریں جیسا کہ یہ لوگ تمہاری تباہی کے منتظر ہیں-

✲ ✲ ✲

آیاتُھا: 73 | سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ | رُکُوعَاتُھَا: 9

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿١﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ
مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿٢﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٣﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ
لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰۗـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاۗءَكُمْ
اَبْنَاۗءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿٤﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاۗىِٕهِمْ

(۱) اے نبیؐ اللہ سے ڈرتے رہیے اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے' درحقیقت اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور کامل حکمت والا ہے-[1]

(۲) اور آپ کے رب کی جانب سے جو وحی بھیجی جارہی ہے' اس کا اتباع کیجیے' بیشک اللہ ان تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم لوگ کرتے ہو-

(۳) اور اللہ پر توکل کرو' بیشک اللہ ہی وکیل ہونے کے اعتبار سے کافی ہے (۴) اللہ نے کسی شخص کے پہلو میں دو دل نہیں رکھے[(1)] اور نہ اس نے تمہاری بیویوں کو' جن سے تم ظہار کرلیتے ہو' تمہاری مائیں بنادیا ہے اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے- یہ صرف تمہارے اپنے منہ کی کہی ہوئی بات ہے' اور اللہ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے-

(۵) منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو..................

[1] یہ سورۃ مدنی ہے اور اس کے مضامین جن واقعات پر مشتمل ہیں......یعنی غزوۂ احزاب، غزوۂ بنی قریظہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح......ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ھ کے آخر میں اس کا نزول ہے-

زینب رضی اللہ عنہا کو جب طلاق ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ جاہلی رسم کو توڑنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ زینب رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرلیں----مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخالفین کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے اس میں کچھ تامل فرمارہے تھے کیونکہ زینب رضی اللہ عنہا اس سے قبل آپ کے متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) حضرت زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جنھوں نے آپ کو نااتفاقی کی بنا پر طلاق دے دی تھی- آغاز سورہ میں اسی اندیشہ کو رفع کرنا مقصود ہے یعنی ایک پیغمبر کا منصب یہ ہے کہ وہ بلا تامل وحی کی

(۱) ''الہلال'' ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶-

هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ ؕ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ فِيْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵﴾ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى
بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ
اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ
مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى

یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے- اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں، اور نادانستہ جو بات کہو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے- لیکن اس بات پر مؤاخذہ ہوگا جو دل کے ارادہ سے کرو، اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے-[۲]

(۶) نبیؐ تو مومنوں کے لیے ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ عزیز ہے اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں- مگر کتاب اللہ کی رو سے دوسرے مومنین اور مہاجرین' بہ نسبت رشتہ داروں کے' ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں' الا یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی بھلائی (کرنا چاہو تو) کر سکتے ہو- یہ حکم کتاب الٰہی میں لکھا ہوا ہے-[۳]

(۷) اور (اے نبیؐ) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد و پیمان لیا' اور آپ سے بھی اور نوحؑ' ابراہیمؑ' موسیٰؑ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی.............

پیروی کرے' اللہ پر توکل کرے اور مخالفین کے طعن و تشنیع کی پروانہ کرے-

قرآن نے بتایا کہ جس طرح ایک شخص کے سینہ میں دو دل نہیں ہو سکتے اور بیوی کو ماں کہنے (یعنی ظہار کرنے) سے وہ حقیقی ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا ہے- لہٰذا مخالفین کا پروپیگنڈہ محض حسد و بغض پر مبنی ہے اور اس کی کوئی قانونی یا اخلاقی اساس نہیں ہے-

۲ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متبنّیٰ بنایا تھا اور اس وقت کے جاہلی رواج کے مطابق لوگ انہیں زید بن محمد کہہ کر پکارتے تھے-

اللہ تعالیٰ نے اصلاح فرمائی اور حکم دیا کہ ''منہ بولے بیٹوں'' کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارا جائے تاکہ نسب میں اختلاط نہ ہو-

چنانچہ اس کے بعد لوگ ان کو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہہ کر پکارنے لگے' جیسا کہ ترمذی' نسائی اور صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے- آیت نمبر ۵ میں اسی حکم کا بیان ہے-

ابۡنِ مَرۡيَمَ ۠ وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ۙ﴿۷﴾ لِّيَسۡـَٔلَ الصّٰدِقِيۡنَ عَنۡ صِدۡقِهِمۡ ۚ وَاَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا
ع اَلِيۡمًا ﴿۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَآءَتۡكُمۡ جُنُوۡدٌ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا وَّجُنُوۡدًا
لَّمۡ تَرَوۡهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرًا ۚ﴿۹﴾ اِذۡ جَآءُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ وَمِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ وَاِذۡ زَاغَتِ
الۡاَبۡصَارُ وَبَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَـنَاجِرَ وَتَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوۡنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابۡتُلِىَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَزُلۡزِلُوۡا

اوران سب سے ہم نے پختہ عہد لیا-

(۸) تا کہ سچے لوگوں سے (ان کا رب) ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے اور اللہ نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے-[۳]

(۹) اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو' جو تم پر کیا ہے جب کہ بہت سے لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جن کو تم نہیں دیکھ رہے تھے (یعنی فرشتے)، اور جو تم کر رہے تھے' اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا-

(۱۰) جب وہ لشکر تمہارے اوپر کی جانب سے اور تمہارے نیچے کی جانب سے تم پر چڑھ آئے تھے اور جب آنکھیں پتھرا رہی تھیں اور دل حلق میں چلے آ رہے تھے' اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کر رہے تھے-

(۱۱) اس وقت مومن خوب آزمائے گئے اور نہایت سختی.................

---

[۳] آیت نمبر ۶ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق واحترام کا بیان ہے کہ آپ مسلمانوں کے لیے ماں باپ اور اولاد سے بھی بڑھ کر عزیز ہیں' اسی طرح ان کے لیے وہ ان کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر خیر خواہ اور شفیق ہیں- بنا بریں ایک امتی کا یہ فرض ہے کہ اپنے والدین اور اولاد سے بھی بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور محبت بجالائے-

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ" کہ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے والدین' اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں"-

اسی بنا پر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو حرمت وتعظیم میں مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے اور ان کی تعظیم وتکریم کو واجب قرار دیا ہے اور ان کے ساتھ نکاح حرام- تاہم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر بھی یہ واجب کر دیا ہے کہ غیر محرموں سے پردہ کریں- مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دختران سے نکاح جائز ہے-

زُلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ
اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَ اِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ يَسْتَاْذِنُ
فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

سے ہلائے گئے-[۵]

(۱۲) اور جب منافقین اور وہ لوگ' جن کے دلوں میں روگ تھا، کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ ہم سے کیا تھا وہ محض فریب تھا-

(۱۳) جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: ''اے اہل مدینہ' اب یہاں تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے لہٰذا لوٹ چلو'' اور ان میں سے ایک فریق نبیؐ سے یہ کہہ کر رخصت طلب کر رہا تھا کہ ''ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں'' حالانکہ ان کے گھر کھلے پڑے نہ تھے- وہ محض (محاذ جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے-

---

۴ آیت ۷ میں پانچ پیغمبروں کا ذکر ہے- یہ اولوالعزم پیغمبر کہلاتے ہیں- اور یہ عہد وہی ہے جو سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں مذکور ہے کہ اقامت دین کے لیے سعی کرنا اور فرقہ بندیوں کو ختم کر کے متفقہ طور پر اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لینا- لہٰذا اس آیت کو سمجھنے کے لیے سورۃ الشوریٰ کی آیت کو سامنے رکھا جائے-

۵ آیات ۹ تا ۲۷ غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنی قریظہ کے واقعات پر مشتمل ہیں- لہٰذا ان آیات کو سمجھنے کے لیے ان غزوات کی تفصیلات کو سامنے رکھنا ضروری ہے-

غزوۂ احزاب:

جنگ احد (۳ھ) میں چند تیر اندازوں کی غلطی کی وجہ سے لشکر اسلام کو جو عارضی شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کی وجہ سے مخالفین کے حوصلے بلند ہو گئے تھے- چنانچہ مدینہ منورہ کی ریاست کو اردگرد سے بہت سے خطرات نے گھیر لیا تھا- مگر آنحضرت ﷺ کے عزم و تدبر اور صحابہ کرامؓ کے جذبہ فداکاری کی وجہ سے حالات کا رخ تبدیل ہو گیا-

اسباب:

جب بنی نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی کوشش کی تو اس راز کے فاش ہو جانے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا اور وہ لوگ خیبر' وادی القریٰ اور شام میں چلے گئے- اسی طرح اردگرد کے قبائل کے خطرات کو بھی آپؐ نے دبا دیا- اس طرح سارے عرب میں اسلامی ریاست کا رعب بیٹھ گیا اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت بڑے لشکر کی ضرورت ہے- ایک دو قبیلے مل کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے - بنی نضیر کے لیڈر' جو جلاوطن ہو کر شام

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَ لَقَدْ
كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ
فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ
يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ

---

(۱۴) اور اگر مدینہ کے اطراف سے ان پر کوئی لشکر شہر میں گھس آئے، پھر ان کو فتنہ وفساد کے لیے کہا جائے تو فوراً فتنہ میں شریک ہو جائیں اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں۔

(۱۵) حالانکہ یہ لوگ اس سے پہلے اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کی باز پرس ہونی ہے۔

(۱۶) اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے "اگر تم موت یا قتل سے بھاگتے ہو تو یہ بھاگنا تمہیں ہرگز نفع نہ دے گا۔ اور اس کے بعد صرف تھوڑے ہی دن تمہیں زندگی سے متمتع ہونے کا موقع مل سکے گا۔ (۱۷) اے نبیؐ! آپ فرما دیجیے کہ "تمہیں اللہ سے کون بچا سکتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے؟ یا تم پر مہربانی کرنا چاہے تو اس کی رحمت کو کون روک سکتا ہے؟ اور یہ لوگ اللہ

اور خیبر میں چلے گئے تھے انہوں نے سارے عرب میں چکر لگایا اور قریش سمیت بہت سے قبائل کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ ۵ ھ میں ایک بہت بڑی جمعیت جس کی تعداد دس بارہ ہزار تھی مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ تمام مخالفین مل کر مدینہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں تو آپؐ نے مدینہ کے شمال غربی جانب ایک خندق کھدوالی اور کوہ سلع کو پشت پر لے کر تین ہزار فوج کے ساتھ خندق کی آڑ میں مدافعت کے لیے تیار ہو گئے۔ جس کی وجہ سے لشکر کفار کو طویل محاصرہ کے لیے تیار ہونا پڑا۔ اس اثنا میں کفار نے بنو قریظہ یہودی قبیلے کو غداری پر آمادہ کیا جو مدینہ کے جنوب مشرق میں آباد تھے۔ حالانکہ ان سے مسلمانوں کا حلیفانہ معاہدہ تھا اور اس معاہدہ کی رو سے انہیں مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ ادھر منافقین نے لشکر اسلام میں بددلی پھیلانی شروع کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ہوئی تو پہلے تو بنی غطفان سے صلح کی بات چیت کی۔ مگر جب انہوں نے صلح کے لیے کڑی شرطیں پیش کیں تو یہ تدبیر سامنے آئی کہ کسی طریق سے بنو قریظہ اور کفار کے لشکر کے مابین پھوٹ ڈال دی جائے۔

چنانچہ نعیم بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کو اس مہم پر مقرر کیا گیا اور وہ کفار سے بنو قریظہ کو علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح وہ خطرہ ٹل گیا جو بنو قریظہ کے پیچھے سے حملہ کرنے کی صورت میں نظر آ رہا تھا اور کفار پچیس دن کے محاصرہ کے بعد اچانک طوفان باد کی وجہ سے میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ
اِلَيْنَا ۚ وَ لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ
يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ
سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ
ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا
لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا
قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ
وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

ع ۲ ۱۸ کے سوا کوئی حامی اور مددگار نہیں پائیں گے- (۱۸) اللہ تم میں ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو لوگوں کو (جہاد سے) روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں "آؤ ہماری طرف!" اور یہ لوگ لڑائی میں حصہ نہیں لیتے مگر نام گنانے کو (۱۹) تمہارے حق میں بخل کا جذبہ لیے ہوئے، جب کوئی خطرے کا وقت آجائے تو اس طرح آنکھیں گھما کر آپ کی طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی مرنے والے پر غشی طاری ہو رہی ہو- پھر جب خطرہ گزر جاتا ہے تو یہ لوگ مال کے حریص بن کر تیز کلامی کے ساتھ آپ کو طعنے دینے لگتے ہیں- یہ لوگ درحقیقت ایمان ہی نہیں لائے- لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال برباد کردے اور ایسا کرنا اللہ کے لیے نہایت آسان ہے-

(۲۰) ان کا اب تک یہ خیال ہے کہ دشمن کی فوجیں واپس نہیں گئیں اور اگر وہ فوجیں پھر آجائیں تو ان کی تمنا ہوگی کہ کہیں صحرا میں بدوؤں کے پاس چلے جائیں اور وہیں سے تمہارے حالات پوچھتے رہیں- تاہم اگر یہ تمہارے درمیان رہے بھی تو لڑائی میں کم ہی حصہ لیں گے (۲۱) بے شک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے (پیروی اور اتباع کا) ایک بہترین نمونہ ہے جو اللہ اور یوم آخرت سے ڈرنے (یا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے) اور اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے ہوں-[۵(۱)]

(۲۲) اور جب مومنوں نے لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے "یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا-"

غزوۂ خندق سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنو قریظہ پر ان کی غداری کی بنا پر حملہ کردیا، اور انہیں محصور کرکے بالآخر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کردیا- جس سے بہت سا سامان حرب مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور یہودی خطرہ سے ہمیشہ کے لیے مامون ہوگئے- آیات میں اسی واقعہ کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے اور منافقین کے کردار پر تنقید کی گئی ہے اور مومنین کے کردار کی تعریف کی ہے-

---

(۱) "الہلال" ۱۲ر فروری ۱۹۱۳ء-

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا
عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِيَجْزِيَ
اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَ
كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ
فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ

اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ فرمایا تھا اور اس واقعہ نے ان کے ایمان اور شیوۂ اطاعت کو اور بڑھا دیا (۲۳) مومنوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو سچ کر دکھایا' ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکے اور کوئی وقت آنے کے منتظر ہیں- اور انہوں نے اپنے عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی (۲۴) (یہ سب کچھ اس لیے ہوا) تاکہ اللہ سچے مسلمانوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب کرے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول فرمالے' بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے (۲۵) اور اللہ نے کافروں کو ان کے دل کی جلن کے ساتھ واپس کر دیا کہ وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور اللہ مومنوں کے لیے جنگ میں خود ہی کافی ہو گیا اور اللہ بڑی قوت والا نہایت زبردست ہے- (۲۶) اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے مشرکین کی مدد کی تھی' اللہ ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار لایا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب بٹھا دیا کہ ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے کو قید کر رہے ہو (۲۷) اور تم کو ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے............

---

۵ (ب) آیت ۲۱ میں لڑائی میں پیچھے رہنے والوں پر عتاب ہے اور جنگ کے موقع پر بھی آنحضرت ﷺ کی عملی زندگی کو اسوہ قرار دیا ہے- علماء نے لکھا ہے' یہ آیت گو جہاد کے باب میں نازل ہوئی ہے لیکن یہ ہر موقع و محل کے لیے ہے اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے کسی معاملہ میں اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے مستثنیٰ سمجھیں-

''قرآن کریم میں ایک بڑا حصہ انبیائے سابقین کے قصص و اعمال کا ہے- اس کا عام انداز بیان یہ ہے کہ وہ پہلے ایک خاص تعلیم پیش کرتا ہے، پھر اس کی صداقت کے لیے امم گزشتہ اور اعمال انبیائے سابقہ کے حالات و واقعات سے ایک خطابی استدلال پیش کرتا ہے- لیکن تمام قرآن میں اگر مسلمانوں کے سامنے کوئی کامل زندگی اور کسی زندگی کے ازسرتاپا اعمال بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں اور ان کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے تو وہ صرف دو نمونے ہیں- خود شریعت اسلامیہ کے داعی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور ملت حنیفی کے داعی حضرت خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ السلام'' (۱)

اسوہ کا صحیح مطلب سمجھ لینا چاہیے- امام راغب ''مفردات'' میں لکھتے ہیں:

---

(۱) ملاحظہ ہو سورۃ الممتحنۃ آیت ۴ کہ حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی زندگی کو مشرک رشتہ داروں سے قطع تعلق کے سلسلہ میں اسوہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے-

ع ۱۹

وَاَمۡوَالَهُمۡ وَاَرۡضًا لَّمۡ تَطَئُوۡهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرًا ﴿۲۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزۡوَاجِكَ اِنۡ
كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنۡ كُنۡتُنَّ
تُرِدۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالدَّارَ الۡاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡكُنَّ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ
مَنۡ يَّاۡتِ مِنۡكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفۡ لَهَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَيۡنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ﴿۳۰﴾

مالوں کا وارث بنا دیا اور اس علاقہ کا بھی جس پر تم نے قدم بھی نہ رکھے تھے' اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے-

(۲۸) اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو صاف صاف کہہ دو' میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں-

(۲۹) اور اگر تم اللہ' اس کے رسول اور آخرت کی طالب ہو تو (پھر اسی کی ہو رہو) اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والی عورتوں کے لیے بہت بڑا درجہ تیار کر رکھا ہے-[ع] [(۱)]

(۳۰) اے نبی کی بیویو' جو تم میں سے صریح فحش حرکت کا ارتکاب کرے گی' تو اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے-

---

''اسوہ مثل ''قدوۃ'' کے ہے اور قدوہ اس حالت کو کہتے ہیں جسے کسی دوسرے میں دیکھ کر انسان اس کی پیروی کرے- پس اسوہ سے مقصود ایسی پیش نظر حالت ہے' جس کی پیروی اور متابعت کی جائے-''[(۲)]

دراصل یہ باب ''اسایأ سر نصر'' کا مصدر ہے' جس کے اصل معنی زخم کی مرہم پٹی کرنا ہے- قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کو اسوہ قرار دے کر اشارہ فرمایا ہے کہ تمہارے تمام دکھوں اور دردوں کا علاج آپ کی زندگی میں علیٰ وجہ الاتم موجود ہے- بشرطیکہ تمہارے دلوں میں اللہ کا خوف اور یوم آخرت پر ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرنے والے بن جاؤ-

ع جنگ احزاب اور بنی قریظہ کے متصل زمانہ میں ہی خانگی طور پر آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ مشکل پیش آئی کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن نے کچھ زیب و زینت اور زیورات کے مطالبے شروع کر دیے-

چنانچہ ایک دن آپ ﷺ اسی مخمصے میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تشریف لے آئے اور انہوں نے واقعات سے باخبر ہو کر اپنی صاحبزادیوں کو زجر و توبیخ شروع کر دی کہ تم آنحضرت ﷺ کو کیوں پریشان کر رہی ہو؟

ایک طرف کفر و اسلام کی جنگیں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف گھریلو پریشانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ملول ہو رہے تھے- اس پر آیات ۲۸ تا ۳۵ نازل ہوئیں' جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کو اختیار دیا گیا کہ اگر اسی

---

(۱) ''الہلال'' ۳۰ر جون ۱۹۱۴ء ص ۵-　(۲) ''الہلال'' ۲۷ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۵ حاشیہ-

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ

(۳۱) اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبردار ہوگی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے اور اس کے لیے ہم نے رزق کریم مہیا کر رکھا ہے-

(۳۲) اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح..............

حالت پر قانع رہ کر آپ کے حرم میں رہنا چاہتی ہوں تو 'فیہا' ورنہ انہیں رخصت کر دیا جائے گا- اس قسم کے الفاظ کو اسلامی فقہ میں ''تخییر'' کہا جاتا ہے جس کے معنی تفویض طلاق کے ہیں- جس کے احکام سنت میں مذکور ہیں اور محدثین نے اس کی فقہی اہمیت کو واضح کیا ہے-

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں غالباً پانچ بیویاں تھیں' حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور غالباً حضرت زینب رضی اللہ عنہم- ان آیات کے نزول کے بعد سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو بلایا اور انہیں اختیار دیا- لیکن انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو پسند فرمایا اور طلاق لینے سے انکار کر دیا- پھر اسی طریق پر دوسری ازواج مطہراتؓ نے کیا اور یہ نزاع ختم ہوگیا- پھر ساتھ ہی قرآن مجید نے پردہ کے احکام بھی بیان فرما دیے اور ازواج مطہراتؓ امہات المومنین کو اس سلسلہ میں خصوصی ہدایات دیں-

''ازواج مطہراتؓ نے توسیع نفقہ اور طلب اسباب کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر زور ڈالا اور اس مطالبہ میں تمام بیبیاں متفق ہوگئی تھیں- حتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلاء کر کے ایک ماہ کے لیے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی- اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ایک مرتبہ ہمیشہ کے لیے فیصلہ ہو جائے اور دونوں راستے ان کے آگے پیش کر دیے جائیں- یا تو اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں آرام و راحت دنیوی کو بالکل خیرباد کہیں' یا دنیا کے نعائم ولذائذ کے لیے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رفاقت ترک کر دیں- ازواج کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ انہوں نے ہر چیز پر اللہ اور اس کے رسول کو ترجیح دی-

اس حکم کے نزول میں بہت سی مصلحتیں پوشیدہ تھیں- یہ ازواج مطہراتؓ کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی- دنیا کو دکھلانا تھا کہ جن لوگوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں شریک کیا ہے' ان کے تزکیہ باطن اور خدا پرستی کا کیا حال ہے؟

حکم اگرچہ صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کے متعلق تھا مگر دراصل اس راہ کے لیے ایک عام بصیرت بھی پوشیدہ ہے- خدا تعالیٰ نے ظاہر کیا کہ دو چیزیں ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں- جو دل خدا اور اس کے رسول کی محبت و مرضاۃ کے طالب ہوں' انہیں چاہیے کہ پہلی ہی

مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَ
قَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى

نہیں ہو- اگر تم اللہ (تعالیٰ) سے ڈرنے والی ہو تو غیر مردوں سے) دبی زبان سے بات نہ کیا کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ جس کے دل میں خرابی ہے (کسی غلط) لالچ میں نہ پڑ جائے اور صاف سیدھی بات کرو-

(۳۳) اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور پہلے دور جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو' اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو-

اے اہل بیت نبی! اللہ تو چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی آلودگی کو دور کرے اور تمہیں خوب پاک صاف رکھے-[ے]

(۳۴) اور اللہ کی آیات اور حکمت کی باتیں جو..............

نظر میں دنیا اور اہل دنیا کی طرف سے دست بردار ہو جائیں''- (۱)

ے تبرج'' کے اصل معنی نمایاں طور پر ظاہر ہونے کے ہیں- یہاں پر ''تبرج جاہلیت'' سے مراد یہ ہے کہ عورت اس طرح بناؤ سنگھار کر کے نمایاں ہو کر نکلے کہ نظریں اس پر جم کر رہ جائیں-

علماء نے لکھا ہے کہ عورت کا اپنے محاسن کا اس طرح اظہار کرنا کہ دیکھنے والوں کے جنسی جذبات بیدار ہو جائیں ''تبرج'' میں داخل ہے- قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں چست اور نیم عریاں لباس پہن کر' میک اپ کر کے عورتیں نکلا کرتی تھیں- قرآن مجید نے اسے جاہلی رسم قرار دیا- جسے آج ہم ''ثقافت'' کے نام سے رائج کر رہے ہیں-

یہاں پر آیت ۳۲ میں ''ازواج مطہراتؓ'' کو ''اہل البیت'' کہہ کر پکارا ہے- ہماری زبان میں اس کے معنیٰ ''گھر والوں'' کے ہیں- اور قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کسی مرد کی زوجہ کو اہل البیت کہا گیا ہے-

یوں تو آنحضرت ﷺ نے اپنی ایک دعا میں علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی اپنے اہل بیت میں شامل کیا ہے مگر قرآن میں یہ لفظ صرف زوجہ کے لیے استعمال ہوا ہے-

---

(۱) ''الہلال'' ۳ر جون ۱۹۱۳ء-

ع فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ
وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيْنَ
وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِيْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِيْنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ
وَ الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً
وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ
الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ
مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا
لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ
وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ

تمہارے گھروں میں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو' بیشک اللہ تعالیٰ نہایت باریک بین اور ہر چیز سے باخبر ہے (۳۵) بلاشبہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' مومن مرد اور مومن عورتیں' فرمانبردار مرد اور فرماں بردار عورتیں' راست باز مرد اور راست باز عورتیں' صابر مرد اور صابر عورتیں' عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں' صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں' روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں' اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں' ان سب کے لیے اللہ (تعالیٰ) نے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

(۳۶) کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر ان کو اپنے معاملہ میں اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو یقیناً وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔ (۳۷) اے نبی! وہ واقعہ یاد کیجیے' جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور آپ نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑ' اور اللہ سے ڈر' اور اپنے جی میں وہ بات چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پھر جب زید نے اس (بیوی) سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس (مطلقہ) کو آپ کے نکاح میں دے دیا' تا کہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں، اور اللہ کا یہ حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا۔[8]

(۳۸) نبی پر کسی ایسے کام کے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہو۔ اللہ کی یہی سنت

اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ۟ ﴿۳۸﴾ الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ
اللّٰہِ وَ یَخْشَوْنَهٗ وَ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ
اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰہُ بِكُلِّ شَیْءٍ
عَلِیْمًا ﴿۴۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰہَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۙ﴿۴۱﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ﴿۴۲﴾ ع

ان سب انبیاء میں چلی آئی ہے جو پہلے ہوگزرے ہیں- اور اللہ کا حکم تو پہلے سے طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے- (۳۹) (وہ پہلے پیغمبر) جو اللہ کے پیغام پہنچایا کرتے تھے وہ اسی (اللہ) سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے- (۴۰) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر ہاں وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں- اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے (۴۱) اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو-

۸ آیت ۳۷ میں ''اس شخص'' سے مراد زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ ہیں جن کا اصل تعلق قبیلہ کلب سے تھا- اور ان کی والدہ ''سعدیٰ بنت ثعلبہ'' قبیلہ طے کی شاخ بنی معن سے تھیں- حضرت زید کو آٹھ سال کی عمر میں بنی قین نے اٹھالیا اور طائف کے میلہ عکاظ میں لے جا کر فروخت کر دیا جسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام نے خرید لیا- انہوں نے مکہ لا کر اپنی پھوپھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دے دیا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تو حضرت زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے مختص ہو گئے- اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی- کچھ مدت کے بعد ان کے باپ اور چچا کو پتہ چلا تو وہ حضرت زید کا فدیہ لے کر مکہ آئے تا کہ انہیں چھڑا کر لے جائیں- مگر آپ نے فدیہ لینے سے انکار کر دیا اور حضرت زید کو اختیار دیا کہ اگر وہ اپنے خاندان میں جانا چاہیں تو ان پر کوئی پابندی نہیں ہے-

مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنا پسند کر لیا- اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے رواج کے مطابق مجمع عام میں انہیں بیٹا بنا لینے کا اعلان کر دیا- اس بنا پر لوگ انہیں زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے- اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عمر تیس سال تھی- انہوں نے حضرت ابوبکر' حضرت خدیجہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ اسلام قبول کر لیا-

۴ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے حضرت زید کا نکاح کر دیا مگر ان کے تعلقات استوار نہ ہو سکے- بالآخر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے خود نکاح کر لیا- قرآن مجید نے اس نکاح کو ''زوجنکھا'' سے تعبیر فرمایا ہے کہ ''ہم نے اسے تیری زوجیت میں دے دیا'' مگر عرب سوسائٹی میں اپنے پروردہ کی مطلقہ بیوی سے نکاح بہت معیوب تھا- اس بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہچکچا رہے تھے- مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے بغیر چارہ بھی نہ تھا- تذبذب کی اسی کیفیت کی طرف قرآن مجید نے ''وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ'' کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے اور آئندہ کے لیے ایسے رشتہ کو قانونی تحفظ دیا ہے- اور پھر آیت ۴۰ میں تو تمام اعتراضات کو ختم کر دیا ہے- اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اور آپؐ کے فریضہ دعوت کی وضاحت کرنے کے بعد آیت ۴۸ میں اس سورہ کی پہلی آیت کا مفہوم دوہرا کر اس مضمون کو ختم کر دیا ہے-

اس کے بعد طلاق قبل از مسیس کا حکم مذکور ہے اور پھر محللات کا بیان ہے- اور یہ آیات پہلے مضمون کے ساتھ مربوط

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ
رَحِیْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۖۚ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا ﴿۴۴﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ
شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ
بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ﴿۴۷﴾ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۴۸﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ
مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا

(۴۳) وہ اللہ ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے' اور اس کے فرشتے تمہارے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں تا کہ اللہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائے' اور اللہ ایمان والوں پر نہایت مہربان ہے۔ (۴۴) جس دن مومن خدا سے ملیں گے تو ان کا استقبال سلام سے ہوگا اور ان کے لیے اللہ نے بڑا باعزت صلہ تیار کر رکھا ہے۔ (۴۵-۴۶) اے پیغمبر! بیشک ہم نے تمہیں شہادت دینے والا' بشارت سنانے والا اور (ظلم وعصیان کے نتائج سے) ڈرانے والا' (انسانوں کی غلامی سے بغاوت) اور اللہ کی (وفاداری کی) طرف دعوت دینے والا' (مختصر یہ کہ ہر طرح کی تاریکیوں کو مٹانے کے لیے) ایک روشن ومنور چراغ بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا ہے۔[9] [(1)] (۴۷) اور مومنوں کو بشارت دے دو کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔ (۴۸) اور کفار اور منافقین کا کہنا نہ مانیے اور نہ ان کی اذیت رسانی کا خیال کیجیے' اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھیے اور اللہ کارساز ہونے کے لحاظ سے کافی ہے۔ (۴۹) اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت نہیں ہے جس کے پورا ہونے کا تم مطالبہ کر سکو۔ لہٰذا انہیں کچھ مال دو اور خوش اسلوبی سے انہیں رخصت کر دو۔

ہیں اور اجنبی (بے جوڑ) نہیں ہیں۔ زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق قبل از مسیس ہی دی تھی۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا جن کے نکاح پر کفار اور منافقین اعتراض کر رہے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں۔ لہٰذا مضمون وہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اور اس کے متعلقات ہی ہیں۔ پھر یہاں پر کچھ ایسے احکام بھی بیان فرمائے ہیں جن کا تعلق خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

۹ آیت ۴۵-۴۶ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ اور تبلیغی حیثیت کی وضاحت کی ہے کہ آپ نے اپنے قول وعمل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دی اور قیامت کے دن اپنی امت کے گواہ ہوں گے' کہ آپ نے ان کو اللہ کا پیغام بے کم وکاست پہنچا دیا تھا' بلکہ دوسری امتوں کی بھی گواہی دیں گے کہ ان کے انبیاء علیہم السلام نے ان تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا' جیسے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۳ میں گزر چکا ہے۔

(۱) ''الہلال'' ۶ نومبر ۱۹۱۲ء۔

جَمِيْلًا ﴿٤٩﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ
يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَ بَنٰتِ خَالِكَ وَ بَنٰتِ
خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ؗ وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ
اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ
اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٥٠﴾
تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَ لَا يَحْزَنَّ وَ يَرْضَيْنَ بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿٥١﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَ
لَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿٥٢﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ ع ۲

(۵۰) اے نبی! آپ کی تمام بیویاں جن کے مہر آپ ادا کر چکے ہیں، ہم نے آپ کے لیے حلال کی ہیں اور وہ عورتیں جو مال غنیمت سے آپ کی ملکیت میں آئی ہیں- اور تمہارے چچا' پھوپھی' ماموں اور خالہ کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے- اور کوئی مومن عورت اگر اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کر دے اور نبی اسے اپنے نکاح میں لینا چاہے- (یہ آخری رعایت) خالصتاً آپ کے لیے ہے، دوسرے مومنوں کے لیے نہیں- بیشک ہم نے عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے جو احکام فرض کیے ہیں وہ ہم کو معلوم ہیں (اے نبی! بعض احکام آپ کے ساتھ اس لیے خاص کیے ہیں) تاکہ آپ کے اوپر کسی قسم کی تنگی نہ رہے اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے- (۵۱) (آپ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ) آپ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہیں مؤخر کر دیں اور جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دیں، اور جن کو الگ کیا ہے ان میں سے کسی کو طلب کریں تو بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے- اس رعایت میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ ان کو دے دیں گے اس پر سب خوش رہیں گی- اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حلم والا ہے- (۵۲) اس کے بعد آپ کے لیے اور عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ اس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ خواہ ان کا حسن آپ کو کتنا ہی بھلا معلوم ہو- مگر ہاں لونڈیوں کی اجازت ہے- اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ اور عظمت بیان کرنے سے مقصود مخالفین کو تنبیہ ہے- اور ساتھ ہی اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا پہنچانے پر وعید فرمائی ہے- سورۃ الاسراء میں آپ کے اس مقام و مرتبہ کو مقام محمود سے تعبیر فرمایا ہے-

لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ
فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ
لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ
لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ
مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْۤ اٰبَآىِٕهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَ لَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ
اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآىِٕهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ

---

(۵۳) اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ تمہیں کھانے کے واسطے آنے کی اجازت دی جائے' نہ کھانے کی تیاری کا انتظار کرتے رہو' بلکہ جب تمہیں بلایا جائے تو آ جاؤ- پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھے رہا کرو کیونکہ تمہاری یہ بات نبی کو تکلیف دیتی ہے- مگر وہ تم سے شرم کرتے ہیں اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا- اور نبی کی بیویوں سے اگر تم نے ضرورت کی کوئی چیز مانگنی ہو تو وہ پردے کے باہر سے مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا بہتر طریقہ ہے- اور تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اللہ کے رسول کو تکلیف دو- اور نہ تم کو یہ جائز ہے کہ نبی کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی نکاح کرو- یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے- (۵۴) تم کسی چیز کو ظاہر کر دیا اسے چھپاؤ، اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے- (۵۵) اور ازواج نبی پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ ان کے باپ' ان کے بیٹے' ان کے بھائی' ان کے بھتیجے، ان کے بھانجے' ان سے میل جول رکھنے والی عورتیں اور ان کی لونڈیاں ان کے گھروں میں آئیں- اے نبی کی بیویو' خدا سے ڈرتی رہو' بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے- (۵۶) بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو' تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجا کرو-[ل] (۵۷) بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، اللہ نے دنیا اور آخرت دونوں میں ان پر لعنت کی ہے اور

'' مقام محمود سے مقصود ایسا درجہ ہے جس کی عام طور پر ستائش کی جائے- حسن و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالمگیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی- کوئی عہد ہو' کوئی ملک ہو اور کوئی نسل ہو لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہو گی- یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے- اس سے زیادہ اونچی جگہ اولاد آدم میں سے کسی اور کو نہیں مل سکی- انسان کی سعی و ہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ کر جا سکتی ہے لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے-

اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا
اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ
يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾
لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ
لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۛۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا
عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ

ان کے لیے ذلت بخش عذاب تیار کر دیا گیا-[۱۱] (۵۸) جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہو تکلیف دیتے ہیں تو بلاشبہ وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں (۵۹) اے نبی! آپ اپنی بیویوں' بیٹیوں اور مؤمنین کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں اوڑھ کر ان کا کچھ حصہ نیچے لٹکا لیا کریں- یہ طریقہ ان کی پہچان کے لیے زیادہ مناسب ہے- اور وہ ستائی نہ جائیں گی، اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے-[۱۲] (۶۰) اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے- پھر وہ آپ کے ساتھ اس شہر میں چند روز کے سوا نہیں رہ سکیں گے (۶۱) ان پر ہر طرف سے لعنت ہو گی' جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کیے جائیں- (۶۲) جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے لیے اللہ کی سنت یہی رہی ہے (اللہ کے قوانین و احکام کا دستور یہی رہا ہے) اور اللہ کی سنت میں تم کبھی رد و بدل نہیں پاؤ گے-[۱۳] (۶۳) اے نبی! یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ قیامت کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے- اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ گھڑی قریب ہی آ گئی ہو؟ (۶۴) بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے ....

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا ایک مشہد وہ معاملہ ہو گا جو قیامت کے دن پیش آئے گا جب اللہ کی حمد و ثنا کا آپ علم بلند کریں گے- اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا اور آخرت دونوں کے لیے ہے جو ہستی یہاں محمود خلائق ہے وہاں بھی محمود و ممدوح ہو گی-''

۱۱ یہاں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دینے سے تعبیر فرمایا ہے اور اللہ کے رسول کو طعن کرنا بھی ان کو اذیت پہنچانا ہے-

۱۲ آیت ۵۹ میں حجاب یعنی پردہ کے احکام بیان فرمائے ہیں جو تمام مسلمان عورتوں کے لیے یکساں طور پر واجب ہیں- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام کے لیے باہر نکلیں تو اپنی چادروں کے پلو اپنے اوپر ڈال

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص۲۲-

سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ
يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَ قَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾
ع۵ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا
قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ

بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔(۶۵) جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' وہ اپنا کوئی حامی اور مددگار نہیں پائیں گے (۶۶) جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے' وہ اس وقت کہیں گے کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی! (۶۷) اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی سو انہوں نے ہمیں سیدھی راہ سے گمراہ کر دیا۔ (۶۸) اے ہمارے پروردگار ان کو دوہرا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر! (۶۹) اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی پھر اللہ نے ان کو اس تہمت سے بری کر دیا جو انہوں نے ان پر لگائی تھی اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے ذی مرتبہ تھے۔[۱۴] (۷۰) مسلمانو' خدا سے ڈرو اور سچی بات کہو (۷۱) تاکہ خدا تمہارے اعمال کو صالح کر دے اور تمہارے گناہ بخش دے۔[(۱)] اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو..........

کر اپنا منہ چھپا لیا کریں اور صرف آنکھیں کھلی رکھیں۔ جمہور صحابہ و تابعین نے اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

آیت کریمہ میں وبنتك بلفظ جمع ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متعدد بیٹیاں تھیں جیسا کہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں ہے کہ آپ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سب سے بڑی کا نام زینب، پھر رقیہ، اس سے چھوٹی فاطمہ اور سب سے چھوٹی کا نام ام کلثوم رضی اللہ عنہم ہے۔ حضرت خدیجہؓ کی پہلے دو خاوندوں سے ایک لڑکی ہند اور دوسرا لڑکا ہند بن ابو ہالہ تھے۔

۱۳ آیت ۶۲ میں جس سنت الٰہی کا بیان ہے وہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ یعنی ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں اوباش اور بدمعاش قسم کے لوگوں کو پنپنے کا موقع نہیں دیا جاتا' بلکہ پہلے تو انہیں اپنی روش بدلنے پر تنبیہ کی جاتی ہے اور پھر طاقت کے ذریعہ سے ان کا علاج کیا جاتا ہے۔ اور تورات میں یہ بھی تقید ہے کہ مفسدوں کو اپنے اندر سے باہر کر دو۔

قرآن کہتا ہے کہ کائنات ہستی کے ہر گوشے کی طرح قوموں اور جماعتوں کے لیے بھی خدا کا قانون سعادت و شقاوت ایک ہی ہے۔ ہر عہد اور ملک میں ایک ہی طرح کے احکام و نتائج رکھتا ہے۔ اس کے احکام میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اگر ماضی میں شہد ہمیشہ شہد کا خاصہ رکھتا آیا ہے اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی رہی ہے تو مستقبل میں بھی شہد ہمیشہ شہد ہی رہے گا اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی ہوگی۔''

۱۴ آنحضرتؐ سے عموماً منافقین اور کفار سوال کرتے کہ قیامت کب بپا ہوگی؟ وہ یہ سوال بطور استہزاء کرتے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ

---

(۱) ''الہلال'' ۲۹ اپریل ۱۹۱۴ء۔

فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ
وَالْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ ع۹ ۵

اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی (۷۲) ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی' لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس بارگراں کے متحمل نہ ہو سکے' لیکن انسان (آگے بڑھا اور اس) نے اسے (بلا تامل) اٹھالیا- کچھ شک نہیں کہ وہ اپنے اوپر سخت ظلم کرنے والا اور سرگشتۂ نادانی ہے-[۱۵] (۱)

(۷۳) اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے گا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول کرے گا- اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے-

---

نے تنبیہ فرمائی اور قیامت کے دن کا منظر پیش کر دیا- اور پھر مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ تم آنحضرت ﷺ سے ایسا طرز عمل اختیار نہ کرو جیسا کہ یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اختیار کیا تھا-

[۱۵] اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو فطرۃً ہدایت کی قوت ودیعت کی ہے' وہ کسی دوسری مخلوق میں نہیں- انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو بالفعل عدل و علم کے اوصاف کے ساتھ متصف نہ بھی ہو مگر اس میں عدل و علم کے ساتھ متصف ہونے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے- اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہی اس امانت (خلافت ارضی) کا فریضہ تفویض کیا تا کہ نفاق و بغاوت کی صورت میں اللہ کے غضب اور اطاعت و فرمانبرداری کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے غفران و رحمت کا مظہر بن سکے-

انسان نے اس بار عظیم کی ذمہ داری تو لے لی' مگر اسے نبھایا نہیں- یہی اس کی بڑی بیبا کی اور نادانی ہے- یہ بات نوع انسانی کے اکثر افراد کے لحاظ سے فرمائی گئی ہے' جنہوں نے اپنی فطرت سلیمہ یا ذمہ داری قبول کرنے کے تقاضے ٹھکرا دیے-

❋ ❋ ❋

---

(۱) ''الہلال'' ۱۲ نومبر ۱۹۱۳ء-

آیاتُھَا: 54 | سُوْرَۃُ سَبَاٍ مَّکِّیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا: 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ
الْخَبِیْرُ ① یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ
وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ② وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ ۙ
عٰلِمِ الْغَیْبِ ۚ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ لَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ

(۱) سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہر چیز کا مالک ہے اور آخرت میں بھی وہی تعریف کا مستحق اور وہی کمال حکمت کا مالک اور ہر چیز سے باخبر ہے-[۱]

(۲) اللہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے- اور وہی نہایت مہربانی کرنے والا، بڑا بخشنے والا ہے-

(۳) اور کافر کہتے ہیں ''ہم پر قیامت نہیں آئے گی'' آپ کہہ دیجیے ''کیوں نہیں، قسم ہے میرے رب عالم الغیب کی، وہ ضرور تم پر آئے گی-[۲] اس (اللہ) سے ذرہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے اور نہ زمین میں- اور نہ ذرہ کی مقدار سے کوئی چیز چھوٹی اور نہ..............

[۱] یہ سورۃ مکی ہے اور متوسط دور کی تنزیلات سے ہے- جب کہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو دبانے کے لیے جھوٹے الزامات تراش رہے تھے اور اس دعوت کو بے اثر کرنے کے لیے تضحیک و استہزاء سے کام لے رہے تھے- مکی سورتوں میں عموماً توحید و آخرت پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے اور کفار کے الزامات اور شبہات کا جواب دیا گیا ہے اور ضمناً انہیں کفر و انکار کے برے نتائج سے ڈرایا بھی گیا ہے- اور اسی سلسلے میں حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام اور قوم سبا کے قصے بیان کیے گئے ہیں کہ ایک طرف تو دو شکر گزار بادشاہ اور برگزیدہ پیغمبر ہیں اور دوسری طرف عیش و تنعم میں غرق شدہ قوم ہے جو اپنی مادی طاقت کے نشہ میں آخرت کو بھول گئی اور بالآخر اس طرح پارہ پارہ ہوگئی کہ اس کے بس افسانے ہی رہ گئے-

[۲] منکرین آخرت ازراہ مذاق یہ بات کہتے کہ تم (محمدؐ) ہمیں قیامت سے ڈراتے ہو مگر ''ایں خیال است و محال است و جنوں!...... یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جب سارے انسان مر کر مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ زندہ ہو کر جمع ہو جائیں؟''

قرآن مجید نے اس شبہ کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور ہر چیز اس کے دفتر میں موجود ہے- لہٰذا اس پر کوئی مشکل نہیں ہے کہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھا لائے- اور مکافات عمل کے لیے ایسا کرنا ضروری بھی ہے-

اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳﴾ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ
رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ وَ يَرَى
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَ يَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ
الْحَمِيْدِ ﴿۶﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ
لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۷﴾ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي
الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ
نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ
مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَ الطَّيْرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ ع ۹

اس سے بڑی مگر وہ کتاب مبین میں موجود ہے (۴) (اس قیامت کا وقوع اس لیے ضروری ہے) تا کہ اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے' ان کا صلہ عطا فرمائے- یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت اور عزت کا رزق ہے (۵) اور جو لوگ ہماری آیات کو نیچا دکھانے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے پھرے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کو سخت قسم کا دردناک عذاب ہونے والا ہے- (۶) اور وہ لوگ جن کو صحیح علم دیا گیا ہے' وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ تیرے رب کی جانب سے تم پر نازل کیا گیا ہے، وہ سراسر حق ہے اور خدا کا راستہ دکھاتا ہے جو بڑا زبردست اور ستودہ صفات ہے- (۷) اور کافر کہتے ہیں: ''بھلا ہم تمہیں ایسا آدمی بتائیں جو تم کو خبر دیتا ہے کہ جب تم مرکر ریزہ ریزہ ہو گئے تو تم نئے سرے سے پیدا کیے جاؤ گے!'' (۸) اس شخص نے اللہ پر بہتان باندھا ہے یا اس کو کوئی جنون ہے (ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے) بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں اور پرلے درجے کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں- (۹) کیا انہوں نے آسمان اور زمین پر نظر نہیں ڈالی جو ان کے آگے اور پیچھے موجود ہے- اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا آسمان کے کچھ ٹکڑے ان پر گرا دیں- بلاشبہ اس میں ہر اس بندے کے لیے نشانی ہے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے- (۱۰) اور ہم نے داؤد کو اپنی جانب سے برتری عطا کی (اور ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا) کہ اے پہاڑو! تم داؤد کے ساتھ تسبیح میں موافقت کرو اور پرندوں کو بھی (یہی حکم دیا) اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا-[۳]

۳ حضرت داؤد علیہ السلام قبیلہ یہوداہ کے ایک نوجوان تھے- ایک معرکہ میں جالوت کو قتل کر کے انہوں نے ناموری حاصل کر لی اور تدریجاً بنی اسرائیل کے بادشاہ منتخب ہو گئے- انہوں نے یروشلم کو فتح کر کے اسے دولت اسرائیل کا پایہ تخت بنایا' جس سے بنی اسرائیل کی ریاست کو وسعت حاصل ہو گئی اور ساحل بحر تک تمام ملک ان کے قبضہ میں آ گیا' لیکن پھر بھی بنی اسرائیل میں نظم و اطاعت کی روح پیدا نہ ہوئی-
یہاں پر حضرت داؤد علیہ السلام پر جن انعامات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے وہ پہاڑوں اور پرندوں کی حضرت داؤد کے ساتھ مل کر تسبیح کرنا

اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱﴾ وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۱۲﴾ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

---

(۱۱) (اور ہدایت کی کہ اے) داؤد زرہیں بنا اور حلقے ٹھیک انداز سے رکھ- اور (اے آل داؤد) نیک کام کرو' بیشک جو کچھ تم کرتے ہو' میں وہ سب دیکھ رہا ہوں (۱۲) اور سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا- اس ہوا کا صبح کو چلنا ایک مہینے کی مسافت اور شام کو چلنا بھی ایک مہینے کی مسافت تک تھا- اور ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور جنات میں سے بعض وہ تھے جو سلیمان کے رب کے حکم سے اس کے سامنے کام کرتے تھے- اور ان میں سے جو ہمارے حکم سے سرتابی کرتا تو ہم اسے دہکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھاتے- (۱۳) وہ سلیمانؑ کے لیے وہ چیزیں بنایا کرتے جو وہ چاہتے (مثلاً) بلند و بالا عمارتیں' تصویریں' بڑے بڑے لگن جیسے حوض اور بڑی بڑی دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں- اے آل داؤد (ان نعمتوں کے) شکر کے طور پر نیک عمل کرو' اور میرے بندوں میں کم شکر گزار ہیں-[۴]

ہے- اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں- ایک وہ جو "ان من شیء الا یسبح بحمدہ" سے ظاہر ہے- دوسرا یہ کہ جب حضرت داؤدؑ حمد الٰہی کے نغمے گاتے تو سماں بندھ جاتا تھا اور چٹانیں تک وجد میں آ جاتی تھیں-

حضرت داؤد علیہ السلام خوش آواز تھے، جس کی تائید احادیث اور روایات سے بھی ہوتی ہے- وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عبرانی موسیقی مرتب کی اور مصری اور بابلی مزامیر کو ترقی دے کر نئے آلات ایجاد کیے- جب وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بیٹھ کر حمد الٰہی کے ترانے گاتے اور اپنا بربط بجاتے تو شجر و حجر جھومنے لگتے تھے- اسی طرح پرندوں کی تسخیر کو بھی دونوں باتوں پر محمول کیا جا سکتا ہے- کتاب زبور دراصل انہی نظموں کا مجموعہ ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام نے الہام الٰہی سے نظم کی تھیں-

اور حضرت داؤد علیہ السلام کی لوہے پر قدرت اور جنگی اغراض کے لیے زرہ بانی کو بھی قرآن مجید نے خاص طور پر ذکر کیا ہے- جب تک آتشیں اسلحہ ایجاد نہ ہوئے تھے جنگ میں حفاظت کا بڑا ذریعہ آہنی لباس کا استعمال تھا- حضرت داؤدؑ نے اسے فروغ دیا اور طرح طرح کی نئی ایجادات کیں- تاریخی آثار سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے- ایک ہزار سال قبل مسیح تک زرہ کا استعمال قوموں میں دکھائی نہیں دیتا- لیکن اس کے بعد سے زرہ و خود کا استعمال شروع ہو جاتا ہے- یہی زمانہ تقریباً داؤد علیہ السلام کا ہے- اس کے بعد دوسری چیزیں بھی استعمال ہونے لگتی ہیں- یہاں تک کہ سکندر کے عہد میں یونانی اور ایرانی دونوں سرتاپا آہن پوش ہو گئے تھے- اور پھر ادوم کے علاقہ میں کھدائی سے بکثرت ایسی جگہوں کے آثار ملے ہیں جہاں لوہا پگھلانے کی بھٹیاں لگی ہوئی تھیں- عقبہ اور ایلہ کے متصل حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کی بندرگاہ "عصیون جابر" کے آثار قدیمہ میں جو بھٹی ملی ہے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں بعض وہ آلات استعمال کیے گئے ہیں جو آج جدید ترین دور میں استعمال ہوتے ہیں-

[۴] حضرت سلیمان علیہ السلام کو مزید ایک بڑی نعمت سے نوازا کہ سمندر کی بادتندان کے لیے مسخر کر دی تھی- قدیم عہد میں حضرت سلیمانؑ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جہازوں سے اس طرح کام لینا شروع کیا کہ ہندوستان اور مغربی جزائر تک بحری آمد و رفت کا منظم سلسلہ قائم ہو گیا-

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا
خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾ لَقَدْ كَانَ
لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ
بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ
بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا
كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِيْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا
قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا
بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ

---

(۱۴) پھر جب سلیمانؑ پر ہم نے موت کا فیصلہ صادر کر دیا تو جنوں کو ان کی موت پر' ایک گھن کے کیڑے کے سوا کسی نے آ گاہ نہ کیا جو اس کے عصا کو کھا رہا تھا- پھر جب سلیمان گر پڑے' تب جنوں پر یہ حقیقت کھلی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت آمیز عذاب میں مبتلا نہ رہتے-[۵] (۱۵) بلاشبہ اہل سبا کے لیے ان کے وطن (مآرب) میں بڑی نشانی موجود تھی' دائیں اور بائیں دو باغ' اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ' عمدہ اور پاکیزہ شہر ہے اور رب ہے معاف کرنے والا (۱۶) مگر انہوں نے اعراض کیا- آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ کا سیلاب بھیج دیا اور ان کے دو باغوں کے بدلے میں دو باغ اور دے دیے، جن میں بدمزہ پھل اور جھاڑ اور قدرے بیری کے درخت تھے- (۱۷) یہ ہم نے ان کو ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم ناشکروں کے سوا کسی کو ایسا بدلہ نہیں دیتے-[۶] (۱۸) اور ہم نے اہل سبا اور ان بستیوں کے درمیان' جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی' بڑی نمایاں بستیاں بسا دی تھیں اور ان میں سفر کے لیے خاص فاصلہ مقرر کر رکھا تھا کہ تم لوگ ان میں کئی کئی رات اور دن امن سے سفر کرو- (۱۹) مگر انہوں نے (زبان حال سے) کہا" اے ہمارے رب! ہمارے سفروں کی مسافتیں لمبی کر دے، اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا- آخر کار ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا کر رکھ دیا اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا- بیشک اس واقعہ میں.........

توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تجارتی بیڑہ وقت کا سب سے طاقتور بیڑہ تھا- بحر احمر میں اس کا مرکز ترسیس تھا جو خلیج عقبہ میں واقع تھا اور بحر متوسط میں صور' طائر' یافہ کی بندرگاہیں- ادوم کے علاقہ عربہ میں خام لوہے اور تانبے کی کانیں تھیں- اندازہ ہے کہ یہیں سے خام تانبا لا کر بھٹی میں گلایا جاتا اور پھر کام میں لایا جاتا "واسلنا له عين القطر" کا غالباً یہی مفہوم ہے-

۵ آیت ۱۱-۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے جو ان کے لیے مختلف خدمات سرانجام دیتے تھے، اور

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿١٩﴾ وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَ مَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ

ہر صبور و شکور شخص کے لیے (بڑی عبرت آموز) نشانیاں ہیں ؎ (۲۰) بلاشبہ ان کے معاملہ میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پایا' بجز اہل ایمان کے تھوڑے سے گروہ کے' سب اس کے پیچھے ہولیے (۲۱) اور لوگوں پر سوائے اس کے شیطان کا......................

ان جنوں کے متعلق مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ وہ غیب جانتے ہیں- مولانا آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یہاں پر جنات اور شیاطین سے مراد فلسطین اور شام کی وہ شریر قومیں ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں مطیع و منقاد ہوگئی تھیں اور انہوں نے ہیکل کی تعمیر میں تیرہ برس تک ہر طرح کی سخت خدمتیں سرانجام دی تھیں -''(۱)

مگر قرآن مجید کے الفاظ میں اس کی تاویل کی قطعاً گنجائش نہیں- ہاں یہ تاویل توراۃ کے مطابق ہے- چنانچہ تورات کی کتاب سلاطین اول سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس ہزار آدمی تیرہ برس تک کام میں لگے رہے تب کہیں جا کر عمارت تیار ہوئی-

؎ قوم سبا کا قصہ بھی مکافات عمل پر بہت بڑی دلیل ہے اور اس قصہ کو آیت کہنا بایں معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی انسان شکر گزاری کرے تو اللہ کی طرف سے مزید نوازشات ہوتی ہیں- اور اگر کفران نعمت پر اتر آئے تو یہ گویا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے- اور قصہ قوم سبا اس پر بڑی شہادت ہے-

سیل العرم: عرم کے معنی بند کے ہیں- اور سیل العرم سے مراد وہ سیلاب ہے جو بند ٹوٹنے کی وجہ سے آیا تھا- سبا کے لوگوں نے پہاڑوں کے درمیان بند باندھ باندھ کر نہریں جاری کی ہوئی تھیں اور آب پاشی کے اس نظام کی وجہ سے وہ علاقہ جنت نظیر بنا ہوا تھا- مگر جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو وہ بند ٹوٹ گیا اور سارا نظام درہم برہم ہوگیا- باغات کے بجائے وہ علاقہ خودرو جنگلی درختوں سے بھر گیا اور اس میں کھانے کے قابل اگر کوئی چیز باقی رہ گئی تو وہ محض جھاڑی بوٹی کے بیر تھے-

''قری ظاھرۃ'' یعنی وہ بستیاں جو شاہراہ عام پر واقع تھیں- یا مطلب یہ کہ وہ بستیاں متصل تھیں- ایک کے بعد دوسری بستی نظر آنے لگتی تھی- ان کی سفر کی منزلیں مقرر تھیں اور راستہ کے آباد ہونے کی وجہ سے کسی قسم کا خطرہ نہ تھا- لیکن جب انہوں نے ناشکری کی تو ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا- مختلف قبیلے اپنا وطن چھوڑ کر عرب کے مختلف علاقوں میں جا بسے- غسانیوں نے اردن اور شام کا رخ کیا' اوس اور خزرج کے قبیلے مدینہ (یثرب) میں چلے آئے' بنوخزاعہ نے جدہ کے قریب تہامہ میں سکونت اختیار کر لی- اسی طرح دوسرے قبائل نے مختلف مقامات کا رخ اختیار کیا- حتیٰ کہ سبا نام کی کوئی مستقل قوم اس دنیا میں باقی نہ رہی-

''اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ'' کے استثنا سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم سبا میں کچھ لوگ موحد بھی تھے- موجودہ دور میں عصری تحقیقات سے اس کی تائید ہوتی ہے-

؎ سبا جنوبی عرب کی ایک بہت بڑی قوم کا نام ہے جو چند بڑے قبائل پر مشتمل تھی اور قدیم زمانہ سے دنیا میں اس کا شہرہ تھا- بائبل میں

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد دوم-

سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
لَا فِي الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ
عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ

کوئی تسلط نہ تھا کہ ہم دیکھنا چاہتے تھے کہ کون آخرت کو ماننے والا ہے اور کون اس کے متعلق شک میں پڑا ہوا ہے، اور آپ کا رب ہر چیز پر نگران ہے۔ (۲۲) آپ ان سے کہہ دیجیے ''جن کو تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو' ان کو پکارو' وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں اور نہ زمین میں اور نہ آسمان و زمین میں ان کی کوئی شرکت ہے اور نہ ہی ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔[۵] (۲۳) اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہو سکتی' بجز اس کے جس کے لیے اللہ نے شفاعت کی اجازت دی ہو' حتیٰ کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو گی' تو وہ پوچھیں گے کہ ''تمہارے رب نے کیا فرمایا؟'' وہ جواب دیں گے ''حق بات کا حکم فرمایا' اور وہی بلند اور بڑا ہے!'' (۲۴) آپ ان سے پوچھیے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے کون روزی دیتا ہے؟ آپ فرما دیجیے کہ وہ اللہ ہے۔ اور بلاشبہ ہم یا تم.......................

کثرت سے اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہ قوم یمن کے علاقہ میں سکونت پذیر تھی اور ۱۱۰۰ ق م سے اس کے عروج کا دور شروع ہوتا ہے۔ آغاز میں یہ ایک کتاب پرست قوم تھی۔ جب اس کی ملکہ حضرت سلیمان علیہ السلام (۹۶۵-۹۲۶ ق م) کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی تو ممکن ہے کچھ دوسرے لوگ بھی توحید پرست بن گئے ہوں' مگر اکثریت مشرک ہی چلی آ رہی تھی اور وہ بہت سے دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ مورخین کے مطابق ۶۵۰ ق م سے پہلے اس کے بہت سے بادشاہ ہوئے ہیں جن کا لقب مکرب سبا ہوتا تھا۔ غالباً اسی زمانہ میں سد مآرب کی بنیاد رکھی گئی اور یکے بعد دیگرے ہونے والے بادشاہ اسے وسعت دیتے رہے۔

پھر ۶۵۰ ق م کے بعد ان کا پایہ تخت مآرب بنا جو کہ سمندر سے ۳۹۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور صنعا یمن سے ۶۰ میل جانب مشرق میں واقع ہے۔

پھر اس کے بعد ۱۱۵ ق م سے ۳۰۰ء تک کے دور کو ہم تیسرا اس قوم کا دور قرار دے سکتے ہیں۔ اس دور میں قبیلہ حمیر برسر اقتدار تھا جو قوم سبا کا ایک قبیلہ تھا۔ انہوں نے مآرب کو چھوڑ کر ''ریدان'' کو پایہ تخت بنا لیا جو بعد میں ظفار کے نام سے مشہور ہوا، اور اسی دور میں اس قوم کا زوال شروع ہوتا ہے۔

۳۰۰ء کے بعد سے آغاز اسلام تک کا دور قوم سبا کی ہلاکت اور تباہی کا دور ہے۔ اس دور میں ان کے ہاں مسلسل خانہ جنگیاں ہوئیں' تجارت برباد ہو گئی' زراعت نے دم توڑ دیا اور آخر کار آزادی تک کا خاتمہ ہو گیا۔ پہلے حبشیوں نے قبضہ کیا' ان سے آزادی حاصل ہوئی تو سد مآرب میں رخنے پڑنے شروع ہو گئے۔ حتیٰ کہ ۴۵۰ء یا ۴۵۱ء میں بند ٹوٹنے سے وہ عظیم سیلاب آیا جسے قرآن مجید نے سیل العرم کے نام

لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾
قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ هُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ
اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ
بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّ لَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قَالَ ع
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ

راہ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں مبتلا ہیں- (۲۵) اے پیغمبر! آپ فرما دیجیے کہ "جو اعمال ہم نے کیے ہیں' ان کی پرسش تم سے نہیں کی جائے گی' اور جو اعمال تم نے کیے ہیں اس کی جواب طلبی ہم سے نہیں ہوگی- (۲۶) آپ کہہ دیجیے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا' پھر ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا' اور وہی فیصلہ کرنے والا اور سب کی حالت کو جاننے والا ہے- (۲۷) آپ ان سے کہہ دیجیے' بھلا مجھے وہ شریک دکھاؤ تو سہی جن کو تم نے خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے' ہرگز نہیں بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو زبردست اور دانا ہے- (۲۸) اے نبی! ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں- (۲۹) اور یہ لوگ کہتے ہیں' اگر تم سچے ہو تو بتاؤ' قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا؟ (۳۰) آپ کہہ دیجیے کہ تمہارے لیے ایک دن کا وعدہ مقرر ہے کہ اس سے نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو- (۳۱) کفار کہتے ہیں [9] کہ ہم ہرگز اس قرآن کو نہیں مانیں گے اور نہ اس سے پہلے کی کتابوں کو تسلیم کریں گے' کاش آپ اس وقت ان کا حال دیکھیں' جب یہ ظالم............

سے ذکر کیا ہے- اگرچہ اس کے بعد ابرہہ کے زمانہ تک اس بند کی مرمتیں ہوتی رہیں مگر آبپاشی کا نظام بحال نہ ہو سکا-

۵۲۳ء میں یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے نجران کے عیسائیوں پر ظلم و ستم ڈھائے، جسے قرآن مجید نے "اصحاب الاخدود" کے نام سے ذکر کیا ہے' اس کے نتیجے میں حبش کی عیسائی سلطنت نے یمن کو فتح کر لیا- اس کے بعد یمن کے حبشی وائسرائے ابرہہ نے عرب کے پورے مغربی علاقہ کو رومی حبشی اثر میں لانے کے لیے ۵۷۱ء میں مکہ معظمہ پر حملہ کیا اور اس کی فوج (اصحاب الفیل) پر تباہی آئی- بالآخر ۵۷۵ء میں یمن پر ایرانیوں نے قبضہ کر لیا اور وہ قبضہ ۶۲۸ء میں ختم ہوا جب کہ ایرانی گورنر باذان نے اسلام قبول کر لیا-

۸ گزشتہ دو رکوع میں آخرت کے متعلق بحث تھی- اب آیت ۲۲ سے تردید شرک کا موضوع شروع ہو رہا ہے- اس کے بعد آیت ۲۸ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کے عالمگیر ہونے کا اعلان فرمایا ہے-

۹ پیروان باطل کی پیروی کرنے کا حسرت انگیز نتیجہ جو ان بدقسمت پیروؤں کے حصہ میں آئے گا' آیت نمبر ۳۱ تا ۳۳ سے ظاہر ہے- اللہ کے حضور پہنچ کر جماعتوں کے کمزور افراد اپنے سرداروں اور لیڈروں پر الزام دیں گے کہ انہوں نے ہمیں گمراہ کیا-

مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ
صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَ
اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ

اپنے رب کے حضور کھڑے کیے جائیں گے' ان میں سے ایک دوسرے پر بات کو ٹالتا ہو گا- جو لوگ دنیا میں کمزور بنا دیے گئے وہ بڑے بننے والے لوگوں سے کہیں گے "اگر تم نہ ہوتے تو ہم یقیناً مومن ہوتے!"

(۳۲) یہ بڑے بننے والے کمزور لوگوں کو جواب دیں گے "کیا ہم نے تمہیں اس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آ چکی تھی؟ نہیں بلکہ تم خود ہی مجرم تھے!"

(۳۳) کمزور لوگ بڑے بننے والوں سے کہیں گے "نہیں بلکہ تمہاری شب و روز کی فریب کاری نے ہمیں روکا تھا' جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہرائیں-" اور جب یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی پشیمانی کو چھپائیں گے- اور ہم ان لوگوں کی گردنوں میں' جو کفر کرتے رہے' طوق ڈال دیں گے اور ان کو بس وہی سزا دی جائے گی جو وہ عمل کرتے رہے ہیں-

(۳۴) اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر اس بستی کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ "جو پیغام تم لے کر آئے ہو ہم اس کے منکر ہیں-"

(۳۵) اور انہوں نے ہمیشہ یہی کہا "ہم مال و اولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور ہم کبھی عذاب دیے جانے والے نہیں"

(۳۶) آپ ان سے کہہ دیجیے "میرا رب جسے چاہتا ہے' کشادہ رزق دیتا ہے.....................

مگر لیڈر کہیں گے "نہیں' بلکہ یہ تمہاری اپنی اختیار کردہ گمراہی تھی' ورنہ ہم کون تھے جو تمہیں گمراہ کرتے" (سورۂ ابراہیم ۲۱-۲۲)

ع الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَ مَآ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ
بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا
عَمِلُوْا وَ هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَ الَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ
مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ
مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے-'' مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے-

(۳۷) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسے نہیں ہیں کہ تمہیں ہمارا مقرب بنا دیں- مگر ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے' تو ایسے لوگوں کو ان کے اعمال کی دوہری جزا ملے گی اور وہی بلند و بالا عمارتوں میں امن وچین سے رہیں گے-[۱۰]

(۳۸) جو لوگ ہماری آیات کو نیچا دکھانے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں' یہ لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے-

(۳۹) آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے' کشادہ رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے- اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے' وہ اس کی جگہ تمہیں اور عطا فرما دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے-

(۴۰) جس روز اللہ سب انسانوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا-'' کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟''[۱۱]

---

۱۰ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مقابلہ سب سے پہلے خوش حال طبقوں نے کیا ہے- کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر دعوت حق کامیاب ہوگئی تو ان کے ظالمانہ اختیارات کا خاتمہ ہو جائے گا- یہ لوگ اپنی دولت واقتدار کے نشے میں یہ کہہ کر انبیاء علیہم السلام کی دعوت ٹھکراتے رہے ہیں کہ ہم تم سے زیادہ اللہ کے ہاں پسندیدہ ہیں- اگر اللہ ہم سے راضی نہ ہوتا تو ان نعمتوں سے ہمیں کیوں نوازتا- لہٰذا ہم آخرت میں عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے- قرآن مجید نے متعدد مقامات پر دنیا پرستوں کی اس گمراہی اور غلط فہمی کی تردید کی ہے-

۱۱ تاریخ کے مختلف ادوار میں ''مشرکین'' فرشتوں کو دیوی اور دیوتا قرار دے کر ان کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں- قیامت کے دن عام لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے یہ سوال کریں گے- آیت ۱۷ میں گزر چکا ہے کہ یہ سوال ان تمام ہستیوں سے کیا جائے گا جن کی لوگ دنیا میں پوجا کرتے تھے-

سورۃ المائدہ آیت ۱۱۰-۱۱۱ میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے بھی یہی سوال ہوگا اور حضرت مسیح علیہ السلام اس سے براءت کا اظہار کریں گے-

اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٤٠﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ
اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ۭ وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا
مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ
مُّفْتَرًى ۭ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾ وَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ
مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَ مَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿٤٤﴾ وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ ع
بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا
نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا
عَلَى اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٤٧﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ

---

(۴۱) فرشتے عرض کریں گے' تیری ذات پاک ہے' ہمارا کارساز تو ہے' نہ کہ یہ لوگ' بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ جنوں کی پرستش کیا کرتے تھے اوران کی اکثریت انہی پرایمان رکھتی تھی- (۴۲) پس آج تم میں سے کوئی نہ کسی کو فائدہ پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان' اور ہم ظالموں سے کہہ دیں گے ''اس آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے- (۴۳) اور جب ان پر ہماری صاف صاف آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ''یہ کچھ نہیں' محض ایک آدمی ہے جو تمہیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے' جن کی پرستش تمہارے باپ دادا کرتے آئے ہیں-'' اور کہتے ہیں یہ ''(قرآن) محض ایک جھوٹ ہے گھڑا ہوا'' اور ان کافروں کے پاس جب حق پہنچا' تو انہوں نے کہا ''یہ تو صریح جادو ہے''۔ (۴۴) اور کفار کو نہ تو ہم نے کوئی آسمانی کتابیں دی ہیں جن کو یہ پڑھتے پڑھاتے ہوں، اور نہ آپ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا تھا (۴۵) جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں' انہوں نے بھی تکذیب کی تھی اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا تھا' ان کے عشر عشیر کو بھی یہ لوگ نہیں پہنچے- مگر جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو دیکھ لو' میرے انکار کا نتیجہ ان کے حق میں کیسا ہوا؟ (۴۶) اے پیغمبر! آپ ان سے کہیے ''میں تم کو صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں' وہ یہ کہ تم دو دو اور اکیلے اکیلے اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ' پھر غور کرو کہ تمہارے پیغمبر کو کچھ جنون ہے؟ وہ تو صرف ایک سخت عذاب کی آمد سے پہلے تمہیں ڈرانے والے ہیں'' (۴۷) آپ ان سے کہہ دیجیے ''اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے' تو وہ تمہارے لیے ہے' میرا اجر تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے'' (۴۸) آپ کہہ دیجیے ''میرا رب مجھ پر حق کا القاء کرتا ہے' وہ غیب کی سب باتوں کا جاننے والا ہے-

جَآءَ الۡحَقُّ وَ مَا یُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَ مَا یُعِیۡدُ ﴿۴۹﴾ قُلۡ اِنۡ ضَلَلۡتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰی نَفۡسِیۡ ۚ
وَ اِنِ اهۡتَدَیۡتُ فَبِمَا یُوۡحِیۡۤ اِلَیَّ رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ سَمِیۡعٌ قَرِیۡبٌ ﴿۵۰﴾ وَ لَوۡ تَرٰۤی اِذۡ فَزِعُوۡا فَلَا فَوۡتَ
وَ اُخِذُوۡا مِنۡ مَّكَانٍ قَرِیۡبٍ ﴿۵۱﴾ وَّ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَ اَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ مَّكَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۲﴾
وَّ قَدۡ كَفَرُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَ یَقۡذِفُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ مِنۡ مَّكَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۳﴾ وَ حِیۡلَ بَیۡنَهُمۡ وَ بَیۡنَ
مَا یَشۡتَهُوۡنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشۡیَاعِهِمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا فِیۡ شَكٍّ مُّرِیۡبٍ ﴿۵۴﴾ ع ۶

(۴۹) آپ فرما دیں ''دین حق آ پہنچا ہے اور باطل نہ تو پیدا کر سکتا ہے اور نہ پھیر کر لا سکتا ہے-''

(۵۰) آپ کہہ دیجیے ''اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہے اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس وحی کی بنا پر جو میرا رب مجھ پر نازل کرتا ہے- بے شک وہ بڑا سننے والا اور قریب ہی ہے-''

(۵۱) کاش آپ ان کو اس وقت دیکھیں جب یہ گھبرا رہے ہوں گے اور کہیں بچ کر نہ جا سکیں گے اور قریب ہی سے پکڑ لیے جائیں گے-

(۵۲) اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لائے- اور اب دور جگہ سے ایمان کو کیسے پکڑا جا سکتا ہے؟

(۵۳) حالانکہ یہ لوگ اس سے پہلے اس حق کے منکر تھے' اور دور دراز جگہ سے اندھیرے میں تیر پھینکا کرتے تھے-

(۵۴) اس وقت ان کے اور ان کی خواہش کے درمیان روک کر دی جائے گی جس طرح اس سے پہلے ان کے پیش رووں کے ساتھ کیا گیا ہے- بیشک یہ لوگ سخت شکوک وشبہات میں پڑے ہوئے تھے-[۱۳]

---

۱۲ شرک وکفر اور انکار آخرت کی بنیاد سراسر جہالت اور آباؤاجداد کی کورانہ تقلید پر مبنی ہے- ورنہ اس سے پہلے نہ تو اللہ کی طرف سے کوئی کتاب ایسی آئی ہے اور نہ کسی رسول ہی نے یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ کے سوا ہماری یا دوسروں کی بھی پوجا کرو' بلکہ ہر پیغمبر نے اپنے بشر ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا ہے کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں' تاہم اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے' اس کے سوا میں کچھ نہیں ہوں-

۱۳ آج جو لوگ کفر کر رہے ہیں' پیغمبروں کی تکذیب کر رہے ہیں اور ان پر طرح طرح کے الزام لگا رہے ہیں' قیامت کے دن یہ لوگ اپنے ایمان کا اظہار کریں گے' حالانکہ اب ایمان کیسا؟ وہ موقع نکل گیا جب ایمان لا کر اپنے آپ کو بچا سکتے تھے- یہ موقع تو دنیا میں حاصل تھا- قیامت کے دن ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو گی-

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُهَا: 45 — سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ — رُكُوْعَاتُهَا: 5

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ
وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ
مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَ مَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ② يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ
مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا

(۱) سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے[1]' جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار بازو ہیں- وہ اپنی مخلوق کی بناوٹ میں جیسا چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے- یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے-

(۲) اللہ اپنی رحمت کا دروازہ بندوں پر کھول دے تو کوئی نہیں جو اسے بند کر سکے- اور اگر اس کا دروازۂ رحمت بند ہو جائے تو کوئی نہیں جو اسے کھول سکتا ہو' اور وہ عزیز و حکیم ہے-

(۳) اے افراد انسانی' اللہ تعالیٰ نے اپنی جن نعمتوں سے تمہیں فیضیاب کیا ہے' ان پر غور کرو' کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین کی بخشائشوں سے رزق دے رہا ہے؟ نہیں کوئی معبود مگر اس کی ذات' تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو؟[2] (1) (۴) اب اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو یہ کوئی نئی بات نہیں) کیونکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے-[3] (۵) اے لوگو! بلاشبہ اللہ کا وعدہ برحق ہے لہٰذا.......

[1] یہ سورۃ مکی ہے اور عہد وسطیٰ کی تنزیلات سے ہے- اس کا دوسرا نام سورۃ الملائکہ ہے- اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر تنبیہ کی گئی ہے اور ناصحانہ انداز میں فہمائش بھی- آخرت کے ثبوت کے طور پر دلائل پیش کیے گئے ہیں اور خود انسان کی بدءِ خلق سے اس کے اعادہ کے امکان پر استدلال کیا گیا ہے-

سلسلہ کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے جیسا کہ مکی سورتوں کا انداز ہے' اور بتایا ہے کہ آپ کا کام ان کو سمجھانا ہے' سو وہ فریضہ آپ نے ادا کر دیا ہے- اب آپ ان کے ردیے پر غمگین نہ ہوں اور ان کو راہ راست پر لانے کی فکر میں اپنی جان نہ گھلائیں- علاوہ ازیں' ایمان قبول کرنے والوں کو بشارتیں دی ہیں تاکہ ان کے دل مضبوط ہوں اور وہ راہ حق میں ثابت قدم رہیں-

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص۵۶-

تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۗ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝٥ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا
يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝٦ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝٧ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ ع ۱۲
مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝٨
وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝٩ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ
الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ
اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝١٠ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا

دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے' اور نہ اللہ کے بارے میں تمہیں' بڑا دھوکے باز' دھوکے میں ڈال دے-

(۶) بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے' اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو- وہ تو اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ اہل دوزخ میں شامل ہو جائیں-

(۷) جن لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا' ان کے لیے سخت عذاب ہے- اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے' ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے- (۸) بھلا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا' اور وہ اسے اچھا سمجھ رہا ہے- حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے- پس (اے نبیؐ) ان کافروں پر حسرتیں کھا کر کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے' جو کچھ یہ کر رہے ہیں' اللہ خوب جانتا ہے-[۲]

(۹) وہ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے' پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں پھر ہم اس بادل کو کسی خشک علاقے کی طرف لے جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے مری پڑی زمین کو جلا اٹھاتے ہیں' اسی طرح لوگوں کا جی اٹھنا ہوگا-

(۱۰) جو لوگ عزت کے بھوکے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ تمام عزت بخشیاں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں' تمہارے اعمال صالحہ اس کی درگاہ تک پہنچتے ہیں اور وہی نیک عمل کرنے والوں کے درجے بلند کرتا ہے-[1] اور جو لوگ برائیوں کے لیے مکر و سازش کر رہے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر خود ہی نابود ہو جائے گا (۱۱) اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر

---

۲ سورۃ کی تمہیدی آیات توحید و صفات کے بیان پر مشتمل ہیں اور قرآن مجید عموماً توحید ربوبیت پر استدلال کرتے ہوئے اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے-

---

(۱) ''الہلال'' ۱۲ مارچ ۱۹۱۳ء ص ۳-

تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَ مَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیۡ
کِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرٌ ﴿۱۱﴾ وَ مَا یَسۡتَوِی الۡبَحۡرٰنِ ٭ۖ هٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ
وَ هٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ؕ وَ مِنۡ کُلٍّ تَاۡکُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّ تَسۡتَخۡرِجُوۡنَ حِلۡیَۃً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ وَ تَرَی
الۡفُلۡکَ فِیۡهِ مَوَاخِرَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوۡلِجُ
النَّهَارَ فِی الَّیۡلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ۫ۖ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمۡ لَهُ
الۡمُلۡکُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِیۡرٍ ﴿ؕ۱۳﴾ اِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡا
دُعَآءَکُمۡ ۚ وَ لَوۡ سَمِعُوۡا مَا اسۡتَجَابُوۡا لَکُمۡ ؕ وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یَکۡفُرُوۡنَ بِشِرۡکِکُمۡ ؕ وَ لَا یُنَبِّئُکَ مِثۡلُ
خَبِیۡرٍ ﴿۱۴﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۱۵﴾ اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡکُمۡ ع ۲ ۱۳ الثلثة

نطفے سے‘ پھر تمہیں جوڑا جوڑا بنایا‘ کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ وضع حمل کرتی ہے‘ مگر وہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے- اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر ملتی ہے‘ اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے مگر یہ سب کچھ کتاب میں لکھا ہوا ہے‘ بلاشبہ یہ سب کام اللہ پر (نہایت) آسان ہیں- (۱۲) اور دونوں دریا (کیفیت میں) مساوی نہیں ہیں‘ ایک میٹھا‘ پیاس بجھانے والا‘ پینے میں خوشگوار ہے- اور ایک کھاری کڑوا ہے- اور ہر ایک میں سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زینت کا وہ سامان نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو- اور (اے مخاطب!) تم پانی میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ اس کا سینہ چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو- (۱۳) وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے کہ ان میں ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا- یہی اللہ تمہارا رب ہے‘ اسی کی بادشاہی ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے- (۱۴) اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار سن نہیں سکتے- اور اگر سن بھی لیں تو اس کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور وہ قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے اور حقیقت حال کی صحیح خبر تمہیں خدائے خبیر کے سوا کوئی نہیں دے سکتا-[۵] (۱۵) اے لوگو! تم اللہ کے دروازے کے فقیر اور سائل ہو‘ اللہ تو تمہاری مدد سے بے نیاز ہے (۱۶-۱۷) اگر وہ چاہے تو تم سے اپنا رشتہ ....

''قرآن‘ اس نظام ربوبیت سے توحید الٰہی پر استدلال کرتا ہے کہ جو رب العالمین تمام کائنات کی پرورش کر رہا ہے اور جس کی ربوبیت کا اعتراف تمہارے دل کے ایک ایک ریشے میں موجود ہے‘ اس کے سوا کون اس کا مستحق ہو سکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سر اس کے آگے جھکایا جائے؟

۳ آیت ۴ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ ان کی تکذیب پر دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ یہ تو پہلے سے مشرکین کی سنت چلی آ رہی ہے- قیامت تو برحق ہے لیکن دنیا کی زندگی اور شیطان نے لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے-

۴ اوپر کی آیات میں عوام الناس کو خطاب تھا‘ اب آیت ۸ سے وہ لوگ مخاطب ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پورا زور

وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٧﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ
حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۗ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ
وَمَن تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمَاتُ
وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿٢١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن
يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَ
نَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ

کاٹ لے اور ایک دوسری مخلوق پیدا کر دے' اور اس کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں۔[6] [(1)] (۱۸) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا- اور اگر کوئی گراں بار کسی دوسرے کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے پکارے گا تو اس کے بوجھ سے کچھ نہ ہٹایا جائے گا خواہ وہ پکارنے والا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو- اے نبی! آپ صرف انہی لوگوں کو متنبہ کر سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں- اور جو شخص بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے وہ اپنی ہی بھلائی کے لیے کرتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے-[7] (۱۹) اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے (۲۰) اور نہ تاریکیاں اور روشنی یکساں ہیں (۲۱) اور نہ سایہ اور روشنی کی تپش دونوں برابر ہیں (۲۲) اور نہ زندے اور مردے دونوں مساوی ہیں' اللہ جس کو چاہتا ہے' سنوا دیتا ہے- مگر (اے نبی!) آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں- (۲۳) آپ صرف ڈرانے والے ہیں! (۲۴) یقیناً ہم ہی نے آپ کو حق دے کر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے- اور کوئی قوم دنیا کی ایسی نہیں جس میں (بدعملیوں کے نتائج سے) متنبہ کرنے والا کوئی رسول نہ گزرا ہو-[(2)] (۲۵) اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں وہ بھی جھٹلا چکے ہیں- ان کے پاس ان کے

صرف کر رہے تھے-

۵ آیت ۱۴ میں قیامت کے دن ان معبودوں کی بے بسی بیان کی ہے کہ قیامت کے دن ان کے یہ معبودان کے شرک کی تردید کریں گے اور اپنی عبادت کرنے والوں سے بیزاری کا اعلان کریں گے' جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ مزعومہ رب اور دیوتا سب باطل ہیں-

۶ انسان ہر آن اپنے وجود و بقا میں ذات باری تعالیٰ کا محتاج ہے اور ذات باری تعالیٰ نے باوجود بے پرواہ ہونے کے' انسان کے لیے زندگی کے اسباب فراہم کیے- لہٰذا یہ مت خیال کرو کہ تم فنا ہو گئے تو اس کی عظمت و سلطنت میں کچھ فرق آ جائے گا- ہرگز نہیں' اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر کے دوسری نئی مخلوق لے آئے-

---

(۱) ''الہلال'' ۱۳ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۱۱- (۲) ''ترجمان جلد اول ص ۱۸۱-

جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذۡتُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَكَيۡفَ
كَانَ نَكِيۡرِ ﴿۲۶﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهَا ؕ وَ مِنَ ع۳/۱۵
الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّ حُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَ غَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ ﴿۲۷﴾ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الۡاَنۡعَامِ
مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ غَفُوۡرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ
الَّذِيۡنَ يَتۡلُوۡنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرۡجُوۡنَ
تِجَارَةً لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَ يَزِيۡدَهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ﴿۳۰﴾ وَ
الَّذِيۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ مِنَ الۡكِتٰبِ هُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيۡرٌۢ
بَصِيۡرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ
وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ﴿۳۲﴾

رسول واضح دلائل اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے (۲۶) پھر ہم نے ان لوگوں کو جو کفر کے مرتکب ہوئے تھے پکڑ لیا- سو دیکھ لو کہ میرے انکار کا نتیجہ کیسا نکلا؟ (۲۷) کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے' پھر اس کے ذریعہ سے ہم گوناگوں رنگ کے پھل نکالتے ہیں- اور اسی طرح پہاڑوں میں ہم نے مختلف رنگوں کے طبقات پیدا کیے، کوئی سفید' کوئی لال' بعض کالے سیاہ ہیں- (۲۸) اور اسی طرح آدمیوں' جانوروں اور چارپایوں کی رنگتیں بھی کئی طرح کی ہیں' جن میں اللہ نے بڑی حکمتیں رکھی ہیں- اللہ کا خوف اس کے بندوں میں سے علماء ہی کو ہوسکتا ہے (یعنی انہی دلوں میں پیدا ہوسکتا ہے' جنہوں نے کائنات کے ان حقائق و اسرار کا مطالعہ کیا ہے اور اس کے علم و حکمت سے بہرہ اندوز ہیں) یقیناً اللہ عزیز وغفور ہے-[(1)] (۲۹) جو لوگ کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے رات دن خرچ کرتے ہیں وہ ایک ایسی تجارت کی امید لگائے ہوئے ہیں جس کو کبھی خسارہ نہیں ہوگا- (۳۰) تاکہ اللہ ان کے اجر پورے کے پورے ان کو دے اور اپنے فضل سے ان کو مزید عطا فرمائے' بیشک وہ بڑا بخشنے والا قدر دان ہے- (۳۱) اور جو کتاب ہم نے آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجی ہے وہ سراسر برحق ہے' وہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال سے باخبر اور دیکھنے والا ہے- (۳۲) (پھر پچھلی قوموں کے بعد) ہم نے اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو کتاب الٰہی (قرآن) کا وارث ٹھہرا لیا جنہیں ہم نے اپنی خدمت کے لیے اختیار کر لیا (یعنی مسلمانوں کو) پس ان میں سے ایک گروہ تو ان کا ہے جو اپنے نفوس پر (ترک اعمال حسنہ و ارتکاب معاصی سے) ظلم کر رہے ہیں' دوسرا (ان کا جنہوں نے معاصی کو ترک اور اعمال حسنہ کو اختیار کیا ہے- خدا پرستی اور ترک نفسانیت میں ان کا درجہ درمیانہ اور) متوسطین کا ہے' تیسرے وہ جو اذن الٰہی سے تمام اعمال حسنہ و صالحہ میں اوروں سے آگے بڑھے ہوئے ہیں- اور یہ خدا کا بہت ہی بڑا فضل والا ہے-[(2)]

(۱) ''الہلال'' ۲۴ر جون ۱۹۱۴ء ص ۶ (۲) ''الہلال'' ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء ص ۸-

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَ قَالُوا
الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۴﴾ الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ
لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰى
عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَ هُمْ یَصْطَرِخُوْنَ
فِیْهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ
ع ۱۶ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ
وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ
فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَ لَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَ لَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ

---

(۳۳) ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے' وہاں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا-[۹] (۳۴) اور کہیں گے تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا- یقیناً ہمارا رب بخشنے والا اور بڑا قدر دان ہے (۳۵) کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو دائمی قیام گاہ میں اتارا- اب یہاں ہمیں نہ کوئی کلفت پیش آتی ہے اور نہ کسی قسم کی تکان لاحق ہوتی ہے- (۳۶) اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے- نہ ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ مر جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی (کسی وقت) ان سے ہلکا کیا جائے گا- ہم ہر ناسپاس کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں- (۳۷) اور منکرین آخرت دوزخ میں چلاتے رہیں گے "خدایا! ہم کو جہنم سے نکال کہ صالح اعمال بجالائیں- وہ نہیں جنہیں پہلے (صالح کام سمجھ کر) کرتے تھے (بلکہ وہ جو فی الحقیقت صالح ہیں)"[(۱)] (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں دنیا میں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر کسی کو سوچنا منظور ہوتا تو وہ اس میں سوچ لیتا- اور علاوہ ازیں تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آئے' سو اب تمہاری سزا یہی ہے کہ اپنے کیے کا بدلہ چکھتے رہو' اب ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا[۱۰] (۳۸) بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز سے واقف ہے- وہ تو سینوں کے چھپے ہوئے راز تک سے خوب واقف ہے- (۳۹) وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے- اب جو کفر کی روش اختیار کرے گا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا اور کافروں کا کفران کے رب کے ہاں اس کا غضب بڑھانے کا ہی موجب ....

"خدا تعالیٰ اپنے کلمہ توحید کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کی اعانت کا محتاج نہیں بلکہ ہم اس کے فضل کے محتاج ہیں- جو قوم فرض الٰہی ادا کرتی ہے تاج اقبال اور سر پر عظمت پر اس کا قبضہ رہتا ہے- جب احکام الٰہیہ کی سرکشی اور نافرمانی میں مبتلا ہو جاتی ہے تو خدا اپنی دنیا کو حکم دے دیتا ہے کہ اس کی فرمانبرداری سے سرکش و متمرد ہو جائے- جو اپنے حاکم کا مطیع نہیں' اسے کیا حق ہے کہ اس کے ماتحت اس کی اطاعت کریں"-

[۹] مکہ معظمہ میں جو لوگ اسلام قبول کر رہے تھے ان سے ان کے مشرک رشتہ دار کہتے کہ تم ہمارے کہنے سے اس نئے دین کو اختیار نہ کرو اور

---

(۱) "البلاغ" ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۷-

اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ
الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ
الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَ لَئِنْ
زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ
لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿۴۲﴾
اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

ہوتا ہے-(۴۰) آپ ان سے کہیے: بھلا دیکھو تو جن خود ساختہ شریکوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے بھی بتاؤ کہ انہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے؟ یا آسمانوں کے بنانے میں ان کی کس قدر شرکت ہے؟ یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے جس کی بنا پر وہ کوئی واضح سند رکھتے ہیں؟

بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) ظالم ایک دوسرے کو نرے فریب کے وعدے دے رہے ہیں (۴۱) یقیناً اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے، اور اگر وہ اپنے مرکز سے ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جو انہیں روک سکے- بے شک وہ بڑا حلیم، بڑی مغفرت کرنے والا ہے-

(۴۲) اور یہ لوگ اللہ کی پرزور قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے، اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آ گیا تو یہ دنیا کی ہر ایک قوم سے بڑھ کر راست رو ہوں گے- پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا آ گیا تو ان کی حق سے نفرت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا (۴۳) زمین میں ان کی سرکشی بڑھ گئی اور بری چالیں چلنے لگے- اور بری چال کا وبال اس کے کرنے والے پہ لوٹ آتا ہے- [11]
تو پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟

آبائی دین پر قائم رہو- تمہارا عذاب تو اب ہماری گردن پر- قرآن مجید نے وضاحت فرمائی کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا اور کسی پر دوسرے کا بوجھ ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا- جب قیامت آئے گی تو ہر ایک کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوں گے- کوئی کسی کا ذرہ برابر بوجھ بھی اپنے اوپر لینے کے لیے تیار نہ ہوگا-

۸ آیت ۲۷، ۲۸ میں بتایا کہ اس کائنات میں ہر مرحلہ پر اختلاف اور تنوع پایا جاتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات کو کسی زبردست حکیم نے پیدا کیا ہے- پھر خاص انسانی طبائع اور اذہان کے اختلاف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ حکمت تخلیق کا شاہکار ہے-

۹ اہل ایمان کے تین طبقے قرار دے کر مولانا آزاد رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) ''جو نفوس پر ظلم کر رہے ہیں کیونکہ خدا سے غافل اور اس کے رشتے کی عزت کو بھولے ہوئے ہیں، دلوں میں اعتقاد اور حسن ایمانی تو ضرور رکھتے ہیں پر ایمانی قوت میں ضعف بدرجہ کمال ہے اور عمل مفقود-

سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَوَ لَمْ
يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ
قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾
وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ
اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع ۱۸

کیا اس سنت کی جو اگلے لوگوں کی رہ چکی ہے؟ تو یاد رکھو، تم اللہ کی سنت کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے اور نہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی سنت کے احکام پھیر دیے جائیں (۴۴) پھر کیا یہ غافل زمین پر چلتے پھرتے نہیں کہ گزشتہ قوموں کے آثار و حالات کا مطالعہ کریں اور سوچیں کہ ان قوموں اور طاقتوں کو غفلت و زیادتی کا کیسا نتیجہ بھگتنا پڑا- حالانکہ وہ قوت و تعداد میں ان سے بڑھی ہوئی تھیں- یاد رکھو اللہ تعالیٰ کو (جو حق کا حامی اور زیادتی کا انصاف کرنے والا ہے) دنیا کی کوئی طاقت بھی عاجز نہیں کر سکتی' وہ سب کے حالات سے واقف اور ہر بات کی قدرت رکھنے والا ہے-[۱]

(۴۵) اگر وہ لوگوں کو ان کے ظلم و زیادتی کی پاداش میں فوراً پکڑتا تو روئے زمین پر کسی جاندار ہستی کو باقی نہ چھوڑتا- لیکن (یہ اس کا قانون ہے کہ وہ اپنے ہر کام کو اسباب و عمل کی ترتیب اور طبعی تدریج کے ساتھ انجام دیتا ہے- اس لیے) وہ ایک مقررہ وقت تک ظالموں کو مہلت دیتا ہے...... پھر جب ان کا وقت آ پہنچے گا تو (تم خود بخود انقلاب حالت دیکھ لو گے) بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں (کے ہر نیک و بد عمل) کو دیکھ رہا ہے-[۲]

(ب) درمیانی طبقہ جو غفلت سے متنبہ ہوا' اعمال حسنہ اختیار کیے اور امر الٰہی کے آگے سر اطاعت خم کیا-

(ج) اعلیٰ ترین طبقہ جو نہ صرف خیرات و محاسن کا انجام دینے والا ہے بلکہ ان میں اوروں سے پیش رو بھی ہے- اور نیکی کی صفوں میں سب سے آگے بڑھنے والا''-

الغرض یہ تیسرا طبقہ وارثین کتاب میں صف اول کے لوگ ہیں-

اور یہ صحابہ کرام میں مہاجرین و انصار میں السابقون الاولون لوگ ہیں جن میں سرفہرست بالترتیب خلفائے اربعہ اور عشرہ مبشرہ شامل ہیں-

بعض علما نے اس آیت کو سورۂ واقعہ کی آیت کا ہم معنی قرار دیا ہے اور اپنی جان پر ظلم کرنے والوں سے منافق اور کافر مراد لیے ہیں- مگر یہ تفسیر سیاق قرآن کے خلاف ہے- کیونکہ یہاں تین گروہوں کا ذکر فرما کر ان کا جنتی ہونا بیان کیا ہے اور اس کے بعد اہل دوزخ کا ذکر فرمایا ہے- لہٰذا یہاں پر ''ظالم لنفسہ'' سے گنہگار مسلمان مراد ہیں- جو بالآخر جنت میں چلے جائیں گے جیسا کہ متعدد آثار صحابہ رضی اللہ عنہم

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۴۲۱-   (۲) ''الہلال'' ۲۱ جنوری ۱۹۱۴ء ص ۴-

سے ثابت ہے اور جمہور مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے- اور حدیث "**شفاعتی لاھل الکبائر من امتی**" سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے- واللہ اعلم!

۱۰ ان وارثین کتاب کے بالمقابل ایک دوسرا گروہ جن کا انجام آیت ۳۶-۳۷ میں بیان فرمایا ہے- اس کے بعد پھر توحید کا بیان اور شرک کی تردید آخر سورۃ تک چلی گئی ہے-

۱۱ آیت ۴۳-۴۴ میں قانون فطرت کے تحت پاداش عمل پر تنبیہ کی ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی روش سے باز نہیں آئیں گے تو پچھلے کافروں کی طرح ان پر بھی عذاب الٰہی نازل ہو کر رہے گا- ان کے بارے میں اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہو سکتی-

''جس طرح ہر بات کے لیے فطرت کے مقررہ قانون ہوئے' اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی سعادت و شقاوت اور حیات و ممات کا بھی ایک قانون ہوا- اور جس طرح فطرت کے تمام قوانین یکساں عالمگیر اور غیر مبدل ہیں' اسی طرح یہ قانون بھی ہمیشہ ایک ہی طرح رہا ہے- قوانین فطرت میں تبدیلی نہیں- یہ طبیعت انسانی کا وجدانی اذعان ہے- یہ اعتقاد کہ آگ جلاتی ہے انسان کو صرف اتنی ہی بات سے حاصل ہو گیا کہ آگ نے ایک مرتبہ جلایا تھا-

طبیعت انسانی کا یہی وجدانی تاثر ہے جس نے ہمارے ذہن میں استقراء کا اعتقاد پیدا کیا- یعنی جزئیات کا تجربہ کرنا اور اس کے ذریعہ سے کلیات تک پہنچنا- اب ہمارے تمام علوم کا سنگ بنیاد ہی یہی ہے-

قرآن کہتا ہے کہ اعمال انسانی کے سلسلے میں یہ حقیقت معطل نہیں ہو گئی- پہلے بھی بے شمار قومیں اسی زمین میں گزر چکی ہیں- ان کی بھی آبادیاں تھیں' قوتیں تھیں' شوکتیں تھیں' دنیا کی سیر کرو' مٹی ہوئی نشانیوں کا کھوج لگاؤ' پھر دیکھو سعادت و شقاوت کے قانون کا کیسا عمل درآمد ہو چکا ہے-''

۱۲ یعنی اگر بنی آدم کے اعمال پر فوری گرفت ہوتی تو کوئی متنفس بھی زمین پر باقی نہ رہتا- لیکن اللہ تعالیٰ نے ڈھیل دے رکھی ہے اور جزائے اعمال کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے-

''اگر تدریج و امہال کی یہ فرصتیں اور بخششیں نہ ہوتیں تو دنیا میں ایک وجود بھی فرصت حیات سے فائدہ نہ اٹھا سکتا- ہر غلطی' ہر کمزوری' ہر نقصان' ہر فساد اچانک' بیک دفعہ بربادی و ہلاکت کا باعث ہو جاتا- واللہ اعلم!''

٭٭٭

اٰیَاتُهَا : 83	سُوْرَةُ یٰسٓ مَكِّيَّةٌ	رُكُوْعَاتُهَا : 5

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰسٓ ١ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ٢ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ٣ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ٤ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ
الرَّحِیْمِ ٥ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ٦ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ
لَا یُؤْمِنُوْنَ ٧ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ٨ وَجَعَلْنَا مِنْۢ
بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ٩ وَ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ
ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ١٠ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ
بِالْغَیْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِیْمٍ ١١ اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ
وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ١٢ وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ اِذْ جَآءَهَا

(وقف غفران) (منزل ۵ ع ۱ / ۱۸)

(۱) یٰس (۲) قسم ہے قرآن حکیم کی (۳) کہ آپ یقیناً رسولوں سے ہیں (۴) آپ سیدھی راہ پر ہیں (۵) یہ قرآن عزیز ورحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔[۱] (۶) تا کہ ان لوگوں کو جن کے آباد اجداد (کسی پیغمبر کی زبانی) متنبہ نہیں کیے گئے اور اس لیے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں' آپ ان کو متنبہ کر دیں۔[(۱)] (۷) ان میں سے اکثر پر کلمہ عذاب ثابت ہو چکا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے (۸) ہم نے گمراہی اور شیطان کی غلامی کے طوق ان کی گردنوں میں ڈال دیے جو ان کی ٹھوڑیوں تک آ گئے ہیں اور ان کے سر پھنس کر رہ گئے ہیں۔[۲] [(۲)] (۹) ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی ہے اور ایک ان کے پیچھے' اس طرح انہیں ڈھانک دیا ہے لہٰذا وہ کچھ نہیں دیکھتے (۱۰) اور ان کے لیے یکساں ہے آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں' یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے (۱۱) آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے اور بن دیکھے خدائے رحمٰن سے ڈرے' سو ایسے شخص کو مغفرت اور باعزت اجر کی خوشخبری سنا دیجیے۔ (۱۲) ہم یقیناً مردوں کو زندہ کریں گے اور جو افعال انہوں نے کیے اور جو آثار پیچھے چھوڑ جاتے ہیں وہ سب ہم لکھ رہے ہیں اور ہر شے کو اس کتاب واضح میں ہم نے جمع کر دیا ہے۔[(۳)] (۱۳) آپ مثال کے طور پر ان کو اس بستی والوں کا قصہ سنایئے جب کہ اس میں کئی......

---

۱ یہ سورہ بھی مکی ہے اور عہد وسطیٰ کی تنزیلات سے ہے۔ اس سورہ میں کفار قریش کو آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان نہ لانے اور ظلم وستم سے اس کا مقابلہ کرنے کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ تاہم دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی تینوں امور پر استدلال کیا گیا ہے جن کا

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۸۸۔ (۲) ''الہلال'' ۱۲ اگست ۱۹۱۲ء ص ۵۔ (۳) ''الہلال'' ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۶۔

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾
قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا

رسول آئے-[۳] (۱۴) جب پہلے ہم نے ان کے پاس دو رسول بھیجے تو انہوں نے ان کی تکذیب کی' پھر ہم نے تیسرے سے ان کی تائید کی' اور انہوں نے کہا ''بلاشبہ ہم تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں''۔

(۱۵) بستی والوں نے جواب دیا ''تم کچھ نہیں مگر ہم جیسے انسان ہو اور خدائے رحمان نے کوئی چیز نازل نہیں کی' تم محض جھوٹ بولتے ہو-''[۴] (۱۶) ان رسولوں نے کہا: ''ہمارا رب.............

تعلق بنیادی عقائد سے ہے-

(الف) آثار کائنات سے توحید پر استدلال-(ب) آخرت پر استدلال (ج) رسالت محمدی پر استدلال- کہ انبیاء اپنی تبلیغ پر کچھ اجرت طلب نہیں کرتے اور ان کی دعوت عقل سلیم کو اپیل کرتی ہے لہٰذا وہ سچے نبی ہیں-

۲ یعنی طوقوں کی وجہ سے نہ سر نیچے جھکا سکتے ہیں اور نہ ادھر ادھر پھیر سکتے ہیں- اس لیے وہ اپنے سر اٹھائے کھڑے ہیں- مراد ضد اور ہٹ دھری ہے-

''انسان کے تمام کاموں کی جڑ یقین واعتقاد کا استحکام ہے- اسی کو شریعت ''ایمان'' کے لفظ سے تعبیر کرتی ہے- خدا کا تصور یا تو انسان کو محبت کی شکل میں اپنی طرف کھینچتا ہے یا خوف کی عظمت وہیبت دکھلا کر اپنے آگے جھکا لیتا ہے- لیکن جن کے گلوں میں نفس وشیطان کے طوق پڑ گئے ہیں' ان کی فطرت کو عبودیت الٰہی سے گویا اجنبیت ہو گئی ہے-''

۳ اس بستی سے مراد شام کا شہر انطاکیہ ہے اور رسولوں سے مراد وہ رسول ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ کے لیے بھیجے تھے- نیز بیان کیا گیا ہے کہ اس زمانہ میں انطیخش اس علاقے کا بادشاہ تھا- مگر تاریخی حیثیت سے یہ قصہ بے بنیاد ہے کیونکہ انطاکیہ میں ان بادشاہوں (یعنی سلوقی خاندان) کا دور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ختم ہو چکا تھا-

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں انطاکیہ رومیوں کے زیر تسلط تھا اور کسی عیسائی روایت سے بھی ثابت نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس شہر میں مبلغ بھیجے ہوں- اور پھر بائبل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انطاکیہ وہ پہلا شہر ہے جہاں کثرت سے غیر اسرائیلیوں نے مسیحیت کو قبول کیا' حالانکہ قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے انبیاء کی دعوت کو رد کر دیا اور بالآخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہو گئے-

اس قصہ سے مقصد قریش کو تنبیہ کرنا ہے کہ تم ہٹ دھری سے باز آ جاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی وہی ہو گا جو ان لوگوں کا ہوا-

۴ مشرکین اور اہل ضلالت زمانہ قدیم سے اس گمراہی میں مبتلا چلے آئے ہیں کہ بشر (انسان) اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا- اس مفروضہ کی بنا پر انہوں نے تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو یہ کہہ ٹھکرا دیا کہ تم تو ہماری طرح انسان ہو' ہماری طرح کھانے پینے کے محتاج ہو اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہو' گویا نبوت ورسالت اور بشریت' یہ دونوں متضاد ہیں' (دیکھیے سورۃ الفرقان: ۷-۲۰' الانبیاء: ۳-۷-۸'

یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝۱۶ وَ مَا عَلَیْنَاۤ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝۱۷ قَالُوْۤا اِنَّا تَطَیَّرْنَا
بِكُمْ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَ لَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۱۸ قَالُوْا طَآىِٕرُكُمْ
مَّعَكُمْ ؕ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝۱۹ وَ جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ
یَّسْعٰى قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ۝۲۰ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۲۱

خوب جانتا ہے کہ یقیناً ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں-

(۱۷)اور ہمارے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے" (۱۸)بستی والوں نے کہا: "ہم تمہیں اپنے لیے منحوس سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر ڈالیں گے اور ہم سے تمہیں دردناک سزا ملے گی-"[۵]

(۱۹)رسولوں نے جواب دیا "تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے تم کو جو نصیحت کی گئی تو لگے تم نصیحت کرنے والے کو منحوس کہنے اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ حد سے بڑھ گئے ہو-"

(۲۰)(اتنے میں) شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا بڑھا' اس نے کہا: "اے میری قوم' سچائی کے ان رسولوں کے حکموں کو مان لو-

(۲۱)ایسے لوگوں کی اطاعت کرو جو گمراہی سے تمہیں نجات بخشتے ہیں' پھر اپنی محنت اور خدمت کا کچھ بدلہ نہیں مانگتے' اور وہ خود سیدھی راہ چل رہے ہیں-"[۶]

المومنون:۲۴-۳۳-۳۴' ابراہیم:۱۰-۱۱-التغابن:۶' بنی اسرائیل:۹۴-۹۵)

۵ آیندہ آیت ۱۸ میں جس طعن کا ذکر ہے اس قسم کی جہالت کا اظہار قدیم زمانہ سے لوگ اپنے انبیاء کے متعلق کرتے چلے آئے ہیں- (دیکھیے :الاعراف:۱۳۰' النمل:۴۷) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی کفار اور منافقین نے ایسی ہی بات کہی (النساء:۷۷)

۶ انبیاء کی دعوت ذاتی مفاد سے بالا اور بے لوث ہوتی ہے اور پھر ان کے قول وفعل میں تضاد نہیں ہوتا- یہی ان کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے--مولانا آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اب سے اٹھارہ سو برس پہلے رومیوں کے عظیم الشان شہر انطاکیہ کے کنارے سے دعوت حق کی صدا اٹھی تھی' وہ ایک پاک روح تھی جس نے لوگوں کو نبیوں اور رسولوں کے اتباع کی طرف بلایا تھا اور کہا تھا کہ "ان بتوں کی پوجا چھوڑ دو جو تمہیں کچھ بھی نفع وضرر نہیں پہنچا سکتے-" اس کے سچے رسولوں کی پیروی میں بڑی بڑی سزاؤں اور جسمانی عقوبتوں کی پروانہ کی' حتی کہ اس راہ میں شہید ہو گیا-"

مگر ہم نے اپنے حواشی قرآن (اشرف الحواشی) میں توضیح کی ہے کہ اس بستی سے انطاکیہ مراد نہیں بلکہ دوسری کوئی بستی مراد ہے- ملاحظہ ہو' سورہ یٰس وضاحت نمبر۲- واللہ اعلم!

النصف
وَمَالِيَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِيۡ فَطَرَنِيۡ وَ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنۡ يُّرِدۡنِ
الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّيۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَيۡـئًا وَّ لَا يُنۡقِذُوۡنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيۡۤ اِذًا لَّفِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۴﴾
اِنِّيۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّكُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿۲۵﴾ قِيۡلَ ادۡخُلِ الۡجَـنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيۡتَ قَوۡمِيۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا
غَفَرَ لِيۡ رَبِّيۡ وَ جَعَلَنِيۡ مِنَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ﴿۲۷﴾ وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ
مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿۲۹﴾
يٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ ۚ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمۡ يَرَوۡا
كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ اَنَّهُمۡ اِلَيۡهِمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنۡ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيۡعٌ لَّدَيۡنَا
وقف غفران ۲ ع ۲ مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَيۡتَةُ ۖۚ اَحۡيَيۡنٰهَا وَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهَا حَبًّا فَمِنۡهُ يَاۡكُلُوۡنَ ﴿۳۳﴾

---

(۲۲) اور مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں ایسی کھلی اور صریح تعلیم سے آنکھیں بند کر لوں اور جس پروردگار نے مجھے پیدا کیا ہے اس کی پرستش سے انکار کر دوں' حالانکہ تم سب لوٹ کر اسی کی طرف جاؤ گے۔ [1]

(۲۳) کیا میں اسے چھوڑ کر ایسے معبود بنالوں کہ خدائے رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان کی شفاعت میرے کام آسکتی ہے اور نہ یہ مجھے چھڑا ہی سکتے ہیں (۲۴) اگر میں ایسا کروں' تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا (۲۵) میں تمہارے رب پر ایمان لا چکا ہوں' سو تم میری بات سن لو''

(۲۶) (آخر کار ان لوگوں نے اسے شہید کر دیا) پس بشارت ملی کہ جنت طیبہ میں داخل ہو جاؤ' اس وقت اس نے کہا'' کاش میری قوم جانتی (۲۷) کہ میرے پروردگار نے مجھے کس طرح بخش دیا اور اپنے نوازے ہوؤں میں شامل کر لیا''[2]

(۲۸) اس کے بعد اس کی قوم پر ہم نے آسمان سے کوئی فوج نہیں اتاری اور نہ ہم فوج بھیجنے والے تھے (۲۹) صرف ایک ہولناک آواز تھی' تو یکا یک وہ سب بجھ کر رہ گئے (۳۰) کیا ہی افسوس ہے بندوں کے حال پر کہ کبھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو۔

(۳۱) کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں کہ وہ ان کے پاس لوٹ کر نہیں آئے؟

(۳۲) اور یہ سب ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے (۳۳) اور لوگوں کے لیے مردہ زمین ایک نشانی ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس سے اناج نکالا' پھر اس اناج میں سے لوگ کھاتے ہیں۔

ے یہاں تک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا مرسل ہونے کا بیان تھا۔ اور اصحاب القریہ کا قصہ بیان کر کے گویا کفار مکہ کو ان کے انکار

---

(۱) ''الہلال'' ۲۹ر جولائی ۱۹۱۴ء ص ۷ (۲) ایضاً۔

وَ جَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ
ثَمَرِهٖ ۙ وَ مَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا
تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا
هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَ الْقَمَرَ

(۳۴) اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور ہم نے اس میں چشمے جاری کیے (۳۵) تاکہ لوگ اللہ کے عطا کردہ پھل میں سے کھائیں، اور یہ سب کچھ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا نہیں ہے، تو پھر شکر کیوں نہیں بجالاتے؟ [7] (۳۶) پاکی اور بزرگی ہے اس ذات کے لیے، جس نے زمین کی پیداوار میں اور انسان میں اور ان تمام مخلوقات میں، جن کا انسان کو علم نہیں، دو دو اور متقابل چیزیں پیدا کیں۔ [8] [(1)] (۳۷) ان کے لیے ایک اور نشانی رات ہے، اس پر سے ہم دن کو اتار لیتے ہیں تو وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ (۳۸) اور دیکھو سورج کے لیے جو قرارگاہ ٹھہرادی گئی ہے وہ اسی پر چلتا ہے۔ یہ عزیز و علیم خدا کی اس کے لیے تقدیر ہے۔ [(2)]

وتکذیب اور مخالفت حق کے رویہ پر ملامت کی ہے۔ اب یہاں آیت ۳۳ سے توحید و آخرت کا مضمون شروع ہو رہا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار کے مابین باعث نزاع بنا ہوا تھا۔

۸ قرآن مجید نے ہر مقام پر توحید و آخرت کے اثبات میں ان حقائق کو پیش کیا ہے جو شب و روز ان کے مشاہدہ میں آتے ہیں مثلاً مردہ زمین سے نباتات کا ظہور، رات دن کا اختلاف اور اس میں نظام شمسی کی کارفرمائی، جو نہایت احکام اور باقاعدگی سے اپنا کام کر رہا ہے۔ پھر یہ نظام شمسی اپنی عظمت اور حیرت انگیزی کے باوجود ایک بہت بڑی کہکشاں کا ایک حصہ ہے۔ اور جس کہکشاں میں ہمارا یہ نظام شمسی شامل ہے اس میں تقریباً تین ہزار ملین آفتاب پائے جاتے ہیں۔ یہ سارا کائناتی نظام کسی عزیز و حکیم کی قدرت و علم کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا ہے، اور یہ تمام نظام ربوبیت جس طرح اللہ تعالیٰ کی ہستی پر زبردست دلیل ہے، اسی طرح توحید و آخرت پر بھی بہت بڑی دلیل ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم نے ان حقائق کی طرف "آیت محکم" فرما کر انسان کو متوجہ کیا ہے۔

آیت نمبر ۳۶: "کائنات میں وہ قانون بھی کارفرما ہے جسے قرآن مجید نے قانون تزویج سے تعبیر کیا ہے۔ ہم اسے قانون تثنیہ بھی کہہ سکتے ہیں یعنی ہر چیز کے دو دو ہونے یا متقابل یا متماثل ہونے کا قانون۔ کائنات خلقت کا کوئی گوشہ بھی دیکھو، تمہیں کوئی چیز یہاں اکہری اور طاق نظر نہیں آئے گی۔ ہر چیز میں جفت اور دو دو ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے۔ رات کے لیے دن ہے، صبح کے لیے شام ہے، نر کے لیے مادہ ہے، مرد کے لیے عورت ہے، زندگی کے لیے موت ہے۔"

نظام کائنات اس قدر محکم بنایا ہے کہ تمام سیارے اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ اسے مولانا آزاد حقیقت اسلامی سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"حقیقت اسلامی کی اطاعت و انقیاد نے ہر مخلوق کو اپنے اپنے دائرۂ عمل میں محدود کر دیا ہے۔ اور ہر وجود سر جھکائے ہوئے اپنا اپنا فرض

(۱) "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۸۳۔ (۲) "الہلال" ۴ر دسمبر ۱۹۱۲ ص ۷۔ (۳) "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۴۲۔

قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿٣٩﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا
الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ
الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ
وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ
اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا
عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى

---

(٣٩) اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ آخر میں وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح رہ جاتا ہے (٤٠) نہ تو آفتاب کے اختیار میں ہے کہ چاند کو جا لے اور نہ ہی (٣) رات ہی کے بس میں ہے کہ دن سے پہلے ظاہر ہو جائے اور تمام اجرام سماویہ اپنے اپنے دائروں کے اندر پھر رہے ہیں۔ (١) (٤١) اور ان کے لیے نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا (٤٢) اور ہم نے اسی جیسی اور کشتیاں بھی پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ ٩ (٤٣) اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں، پھر نہ کوئی ان کا فریاد رس ہو اور نہ کسی اور طرح بچائے جا سکیں۔ (٤٤) مگر یہ ہماری رحمت ہی ہے (جو انہیں پار لگاتی ہے) اور ایک وقت معین تک ان کو زندگی سے متمتع ہونے کا موقع دیتا ہے۔ (٤٥) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس (عذاب) سے بچو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تا کہ تم پر رحم کیا جائے (تو وہ کچھ پروا نہیں کرتے)۔ (٤٦) اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان کے سامنے نہیں آتی مگر یہ لوگ اس سے روگردانی کر جاتے ہیں۔ (٤٧) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو کافر لوگ مومنوں سے کہتے ہیں: کیا ہم ان کو کھانا کھلائیں جن کو اگر اللہ چاہتا تو خود کھانے کو دیتا، تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو، (٤٨) اور یہ لوگ کہتے ہیں ....

انجام دینے میں مشغول ہے۔ تمام ستاروں کا باہمی جذب محیط ہمیشہ اس تسویہ و میزان کے ساتھ قائم ہے کہ عظیم الشان قوتوں کے پہاڑ آپس میں نہیں ٹکراتے۔ ان کی حرکت و سیر کی مقدار اور اوقات مقررہ میں طلوع و غروب ایک ایسا غیر ممکن التبدیل قانون ہے، جس میں کبھی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔"

٩ آیت ٤١ کے تحت، بھاری جہازوں کا سمندر کو پار کرنا مذکور ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس پر انسان کے معاشی اسباب و ذرائع کا انحصار ہے۔

١٠ دلائل توحید کے بعد اب آخرت کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ پہلے آخرت کا منظر پیش کیا ہے اور اس کے بعد آخر سورہ میں اس کے دلائل ذکر کیے ہیں جو آیت "اولم یروا" سے شروع ہوتے ہیں۔

---

(١) "الہلال" ٤/ دسمبر ١٩١٢ء ص ٧۔

هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَ هُمْ
يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّ لَاۤ اِلٰۤى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا
هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ٜ هٰذَا مَا
وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ
اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾
لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا
الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ

اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ (قیامت کا) وعدہ آخر کب پورا ہوگا؟ (۴۹) یہ لوگ صرف ایک ہولناک عذاب کا انتظار کر رہے ہیں جو ان کو آ پکڑے گا، جب یہ لوگ (اپنے دنیوی معاملات میں) لڑ جھگڑ رہے ہوں گے۔

(۵۰) پھر اس وقت نہ وصیت ہی کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے (۵۱) اور ایک صور میں پھونکا جائے گا تو یکا یک یہ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے (۵۲) کہیں گے "ہائے خرابی ہماری! ہم کو کس نے ہماری خواب گاہوں سے اٹھا دیا"؟ (جواب دیا جائے گا) "یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمان نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا" (۵۳) بس وہ ایک ہی زور کی آواز ہوگی جس سے وہ یکا یک ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے (۵۴) اس روز کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور تم کو صرف انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ (۵۵) بیشک اہل جنت اس روز مزے کرنے میں مشغول ہوں گے (۵۶) وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ (۵۷) ان کے لیے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور جو وہ طلب کریں گے ان کے لیے حاضر ہوگا (۵۸) رب رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا جائے گا (۵۹) (اور کہا جائے گا) اے مجرمو! تم آج مومنوں سے الگ ہو جاؤ (۶۰) اے اولاد آدم! کیا ہم نے تم سے اس کا عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پوجا سے باز رہو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے؟[11] (۶۱) اور صرف ہماری ہی عبادت کرو کہ یہی ہدایت کی حقیقی

(۱۱) شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے کو اس کی عبادت کہا ہے:

"یہاں شیطان کی اطاعت کو بندگی اور عبادت سے تعبیر کیا اور عبادت الٰہی کے اس میثاق کو یاد دلایا جو "الست بربکم" کے سوال کے جواب میں تمام بنی آدم سے لیا جا چکا ہے۔ پس حقیقت اسلامی چاہتی ہے کہ انسان قوت شیطانی سے باغی ہو کر صرف خدا تعالیٰ کا ہو جائے۔"

اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ
نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى
مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع
وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا

---

(۱) راہ سے

(۶۲) (مگر اس کے باوجود) اس نے تم میں سے گروہ کثیر کو گمراہ کر دیا تو کیا تم سمجھتے نہ تھے؟

(۶۳) اب یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا تھا (۶۴) جو کفر تم کرتے رہے ہو اس کی پاداش میں آج اس میں داخل ہو جاؤ- (۶۵) اس روز ہم ان کے مونہوں پر مہریں کر دیں گے اور جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں اس کی بابت ان کے ہاتھ بولیں گے اور پاؤں گواہی دیں گے-

(۶۶) اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں مٹا دیں پھر یہ راستے کی طرف دوڑیں لیکن وہ اس کو کہاں سے دیکھ سکیں گے؟

(۶۷) اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کے مقام پر ہی اس طرح مسخ کر دیں کہ یہ لوگ آگے نہ چل سکیں اور نہ پیچھے ہی لوٹ سکیں (۶۸) اور جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں تو اس کی ساخت کو ہم الٹا کر دیتے ہیں- کیا یہ (اس کے بعد بھی) سمجھتے نہیں؟ (۶۹) اور ہم نے اس پیغمبر کو نہ شعر گوئی سکھلائی ہے اور نہ شاعری اس کے لائق ہے بس یہ تو ایک نصیحت اور نہایت واضح قرآن ہے (۷۰) تاکہ وہ ہر اس شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے-[۱۲]

(۷۱) کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مواشی پیدا کیے ہیں- پھر یہ لوگ ان کے مالک ہیں-

---

(۱۲) آیت ۶۹-۷۰ میں کفار کے الزامات کی تردید ہے- کفار قریش کو آپ کی دعوت کو رد کرنے کے لیے کوئی اور بہانہ نہ ملتا تو آپؐ کی باتوں کو شاعرانہ تخیل قرار دے کر بے وقعت ٹھہرانے کی کوشش کرتے- ان کے جواب میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت و

---

(۱) ''الہلال'' ۱۱ر دسمبر ۱۹۱۲ء-

لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَ مِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ لَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَ هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾
فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَ لَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ وقف لازم
نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾ وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَ هِيَ
رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ﴿۷۹﴾ۙ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ
مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

---

(۷۲) اور ہم نے انہیں اس طرح ان کا مطیع کر دیا ہے کہ ان میں سے بعض پر سوار ہوتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں- (۷۳) اور ان مویشیوں میں ان کے لیے بہت سے فوائد اور پینے کی چیزیں (دودھ وغیرہ) بھی ہیں' پھر یہ لوگ کیوں شکر بجا نہیں لاتے؟ (۷۴) اور انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا لیے ہیں' شاید کہ ان سے کچھ مدد کیے جائیں؟ (۷۵) لیکن وہ معبود ان کی کچھ مدد نہیں کر سکتے- اور حال یہ ہے کہ یہ لوگ ان کے حاضر باش لشکر بنے ہوئے ہیں-

(۷۶) سواے نبیؐ! ان کی باتیں آپ کے لیے موجب رنج نہ ہوں' بلاشبہ جو کچھ یہ ظاہر کر رہے ہیں اور جو کچھ چھپا رہے ہیں' ہم سب جانتے ہیں-

(۷۷) کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اسے ایک نطفہ سے پیدا کیا' پھر ناگہاں وہ صریح جھگڑالو بن گیا (۷۸) اور ہماری شان میں مثالیں بیان کرتا ہے اور اپنی اصل پیدائش کو بھول گیا ہے' کہتا ہے' ان ہڈیوں کو' جب کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں' کون زندہ کرے گا؟

(۷۹) آپ کہہ دیجیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے (۸۰) اور دیکھو، وہ کارفرمائے قدرت جس نے سرسبز درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کی اور اب تم اس سے (اپنے چولھوں کی) آگ سلگا لیتے ہو- (۱)

(۸۱) اور کیا جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے پیدا کر دے؟ کیوں نہیں! وہ

رسالت کے جس مقام پر فائز ہیں' شاعری کو اس سے کوئی مناسبت نہیں- شاعری کا حسن اور کمال تو جھوٹ' مبالغہ آرائی' بلند خیالی' بلند پروازی اور فرضی نکتہ آفرینی ہے- جب کہ نبی علیہ السلام کی شان ان چیزوں سے بلند و بالا ہے- اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ہی ایسی بنائی تھی کہ باوجود خاندان عبدالمطلب سے ہونے کے' جس کا ہر فرد فطرۃً شاعر ہوتا' پوری عمر میں کوئی شعر نہ

---

(۱) "الہلال" ۱۵ر جنوری ۱۹۱۳ء-

وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ
يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

وقف غفران ۵

ماہر خلاق، ہر چیز کو جاننے والا ہے

(۸۲) بس اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

(۸۳) پس وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے!

کہا- یوں رجز وغیرہ کے موقع پر زبان مبارک سے کبھی کوئی مقفی عبارت ایسی نکل گئی جو شعر کا سا وزن رکھتی تھی، تو وہ الگ بات ہے- اسے شعر یا شاعری نہیں کہا جا سکتا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو کیا شعر کہتے، کسی دوسرے شاعر کا کوئی شعر یا مصرع تک اس کے ٹھیک وزن پر ادا نہ کر پاتے (یا نہیں کیا کرتے) تھے-

***

اٰيَاتُهَا : 182 سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا : 5

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ
الْكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ
يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ
فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ
مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا
اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا

---

(۱) قسم ہے[۱] (مجاہدین کے) ان (گھوڑوں) کی جو (دشمنوں سے لڑنے کے لیے) صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں (۲) پھر (مجاہدین) اپنے گھوڑوں کو زور سے للکارتے اور دشمنوں پر حملے کرتے ہیں (۳) پھر (لڑائی سے فارغ ہوجاتے ہیں تو ذکر الٰہی (اور تلاوت قرآن مجید) میں مشغول ہوجاتے ہیں۔[(۱)] (۴) بلاشبہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے (۵) وہ آسمانوں اور زمین کا' اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے' ان سب کا وہ رب ہے، اور وہ رب ہے سارے مشرقوں کا[۲] (۶) ہم نے آسمان دنیا کو تاروں کی زینت سے آراستہ کیا ہے (۷) اور ہر سرکش شیطان سے اسے محفوظ کردیا ہے۔[۳] (۸-۹) یہ شیاطین ملأ اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے اور ہر طرف سے دور ہٹانے کو مارے جاتے ہیں اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ (۱۰) مگر ہاں جو شیطان اچک کر کوئی خبر لے بھاگے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔ (۱۱) اب ان کافروں سے پوچھیے کہ "ان کی پیدائش زیادہ مشکل ہے یا جن کو ہم پیدا کرچکے ہیں؟" ان کو ہم نے لیس دار گارے سے پیدا کیا ہے۔ (۱۲) بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں اور یہ مذاق اڑاتے ہیں۔ (۱۳) اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ قبول نہیں کرتے۔ (۱۴) اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ہنسی کرتے ہیں۔ (۱۵) اور کہتے ہیں یہ تو صریح جادو ہے۔

---

[۱] یہ سورہ بھی مکی ہے اور عہد وسطیٰ کی تنزیلات سے ہے۔ اس کا موضوع بھی توحید و آخرت اور رسالت ہے۔ کفار قریش ان تینوں کے منکر تھے۔ اور جب آپ توحید و آخرت کی طرف دعوت دیتے تو مخالفین اسے شاعری یا جنون کہہ کر ٹال دیتے اور تمسخر و استہزاء سے اس دعوت کا مقابلہ کرتے۔ اس سورہ میں ان کو تنبیہ کی گئی اور صاف صاف خبردار کردیا گیا کہ جس پیغمبر کا تم مذاق اڑا رہے ہو وہ تم پر غالب آکر رہے گا۔ تنبیہ کے ساتھ ساتھ تفہیم و ترغیب کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ توحید و آخرت پر دلائل کے ساتھ عقیدہ شرک کی لغویت بیان کی ہے اور اس

ءَ اِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۱۷﴾ قُلۡ نَعَمۡ وَ اَنۡتُمۡ دَاخِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِیَ
زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَا هٰذَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ
الَّذِیۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ اُحۡشُرُوا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا وَ اَزۡوَاجَهُمۡ وَ مَا كَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۲﴾ مِنۡ ع ۴۱/۵
دُوۡنِ اللّٰهِ فَاهۡدُوۡهُمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوۡهُمۡ اِنَّهُمۡ مَّسۡـُٔوۡلُوۡنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمۡ لَا
تَنَاصَرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ بَلۡ هُمُ الۡیَوۡمَ مُسۡتَسۡلِمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ وَ اَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾
قَالُوۡۤا اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَاۡتُوۡنَنَا عَنِ الۡیَمِیۡنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوۡا بَلۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۹﴾ وَ مَا كَانَ لَنَا
عَلَیۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ ۚ بَلۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا طٰغِیۡنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَیۡنَا قَوۡلُ رَبِّنَاۤ ٭ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوۡنَ ﴿۳۱﴾

---

(۱۶) بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور (بوسیدہ) ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے؟ (۱۷) اور کیا ہمارے اگلے آباواجداد بھی (اٹھائے جائیں گے)؟ (۱۸) آپ کہہ دیجیے: ہاں اور تم ذلیل ہو گے۔[۴] (۱۹) وہ تو بس ایک ہی جھڑکی ہو گی تو یکایک یہ دیکھنے لگیں گے۔ (۲۰) اور یہ کہیں گے "ہائے خرابی یہ تو جزا کا دن ہے!" (۲۱) یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (۲۲-۲۳) (حکم ہوگا) گھیر لاؤ سب ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو اور ان کو بھی جن کی یہ لوگ اللہ کے سوا عبادت کیا کرتے تھے، پھر ان سب کو دوزخ کی راہ دکھاؤ۔[۵] (۲۴) اور انہیں ٹھہراؤ کہ ان سے پوچھا جائے گا (۲۵) کیا ہو گیا تمہیں اب تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ (۲۶) بلکہ وہ سب اس دن سر جھکائے کھڑے ہوں گے (۲۷) اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال و جواب کریں گے (۲۸) ماتحت لوگ سرداروں سے کہیں گے "تم ہم پر سیدھے رخ سے چڑھ آتے تھے۔" (۲۹) وہ کہیں گے "نہیں بلکہ تم خود ہی مومن نہ تھے۔ (۳۰) ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا بلکہ تم خود ہی سرکش لوگ تھے۔ (۳۱) آخرکار ہم سب پر ہمارے رب کا فرمان ثابت ہو گیا کہ ہم عذاب کا مزہ چکھنے والے ہیں۔[۶]

کے برے نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اہل ایمان کو خوشخبری دی ہے اور اس سلسلہ میں تاریخی وقائع ذکر کیے ہیں۔

۲؎ شروع سورہ میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے وہی اصل معبود ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ خالق و مالک اور مربی تو کوئی اور ہستی ہو، اور الٰہ (مستحق عبادت) کوئی اور ہو۔

۳؎ عرب میں کہانت کا بہت چرچا تھا اور کاہن غیب کی خبریں دیتے رہتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ جن و شیاطین ہمارے قبضہ میں ہیں اور وہ انہیں ہر طرح کی خبریں لا کر دیتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو کفار مکہ نے آپؐ پر بھی کہانت کا الزام لگایا۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ملأ اعلیٰ تک شیاطین کی رسائی ممکن نہیں، اگر وہ ملأ اعلیٰ سے کوئی خبر سننے کی کوشش کرتے ہیں تو شہاب ثاقب ان کا تعاقب کرتا ہے۔ اس طرح ملأ اعلیٰ کے اس نظام میں شیاطین کی دخل اندازی ممکن نہیں۔

۴؎ آخرت کے بارے میں کفار یہ شبہ پیش کرتے کہ آخرت ممکن نہیں۔ اس لیے مرنے کے بعد انسان کا جی اٹھنا محال ہے۔ ان کے جواب میں فرمایا کہ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پھر جس نے پہلی مرتبہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے، وہ اسے دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ
نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَ
يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾
اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَ مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَ
اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَ هُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ فِيْ
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٤٣﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَآءَ
لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ

---

(۳۲) سو ہم نے تمہیں گمراہ کیا اور ہم خود بھی گمراہ تھے'' (۳۳) اس طرح وہ سب اس روز عذاب میں شریک ہوں گے (۳۴) بلاشبہ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں- (۳۵) یہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو یہ تکبر کا اظہار کرتے (۳۶) اور کہا کرتے تھے'' کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟'' (حالانکہ وہ شاعر اور دیوانہ نہیں ہے) (۳۷) بلکہ سچا دین لے کر آیا تھا اور اس نے سب رسولوں کی تصدیق کی تھی (۳۸) بیشک تم سب کو دردناک عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا- (۳۹) اور تمہیں وہی بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کرتے رہے ہو (۴۰) مگر ہاں اللہ کے چیدہ چیدہ بندے (۴۱) کہ ان کے لیے مقرر شدہ رزق ہے (۴۲) ہر طرح کے میوے...... اور ان کا اعزاز و اکرام کیا جائے گا- (۴۳-۴۴) وہ نعمت کے باغوں میں تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے- (۴۵) ان پر (شراب طہور کے) چشموں سے ساغر بھر بھر کر پھرائے جائیں گے- (۴۶) جو سفید رنگ کی ہوگی اور پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی (۴۷) نہ اس میں کوئی ضرر ہوگا اور نہ وہ (پینے والے) اس سے عقل کھو بیٹھیں گے-[ے] (۴۸) اور اہل جنت کے پاس نگاہیں نیچی رکھنے والی' خوبصورت آنکھوں والی.........

---

۵ ''وما یعبدون من دون اللہ'' سے مراد اصنام وشیاطین وغیرہ ہیں- نیز فرشتے' انبیاء اور صالحین جن کی لوگ پوجا کرتے ہیں' اس سے مستثنیٰ نہیں-

٦ قیامت کے دن پیروؤں اور پیشواؤں کا مباحثہ ہوگا- کمزور اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا' ان کے پیشوا جواب دیں گے کہ تم ہم پر الزام رکھتے ہو' ہمارا تم پر کیا زور تھا' تم نے خود ہی عقل وانصاف کی راہ چھوڑ دی تھی اور ہمارے بہکاوے میں آ گئے تھے' سو آج ہم سب کو اپنی اپنی غلط کاریوں کا مزہ چکھنا ہے-

ے اب یہاں سے اہل جنت کا منظر پیش کیا جا رہا ہے- جنت کی نعمتوں میں خصوصیت کے ساتھ شراب کا ذکر کیا ہے' جو ہر قسم کی جسمانی اور

عِيۡنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيۡضٌ مَّكۡنُوۡنٌ ﴿۴۹﴾ فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ
قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ اِنِّىۡ كَانَ لِىۡ قَرِيۡنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوۡلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الۡمُصَدِّقِيۡنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتۡنَا وَ كُنَّا
تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيۡنُوۡنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّطَّلِعُوۡنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىۡ سَوَآءِ
الۡجَحِيۡمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنۡ كِدۡتَّ لَتُرۡدِيۡنِ ﴿۵۶﴾ وَ لَوۡلَا نِعۡمَةُ رَبِّىۡ لَكُنۡتُ مِنَ الۡمُحۡضَرِيۡنَ ﴿۵۷﴾
اَفَمَا نَحۡنُ بِمَيِّتِيۡنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوۡتَتَنَا الۡاُوۡلٰى وَمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِيۡنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۶۰﴾
لِمِثۡلِ هٰذَا فَلۡيَعۡمَلِ الۡعٰمِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ خَيۡرٌ نُّزُلًا اَمۡ شَجَرَةُ الزَّقُّوۡمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلۡنٰهَا
فِتۡنَةً لِّلظّٰلِمِيۡنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخۡرُجُ فِىۡۤ اَصۡلِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۶۴﴾ طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمۡ

عورتیں ہوں گی (۴۹) وہ گویا چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہیں-

(۵۰) وہ (اہل جنت) ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم دریافت کریں گے (۵۱) ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا دنیا میں ایک ساتھی تھا- (۵۲) وہ (طنزاً) کہا کرتا تھا' کیا تم بھی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟'' (۵۳) کیا واقعی جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو ہمیں جزا و سزا دی جائے گی؟ (۵۴) وہ جنتی کہے گا'' کیا تم جھانک کر اسے دیکھنے والے ہو؟ (۵۵) پھر وہ خود ہی جھانکے گا تو اسے وسط دوزخ میں پڑا ہوا دیکھے گا- (۵۶) وہ جنتی اس سے کہے گا'' بخدا تو تو مجھے تباہ ہی کر دینے والا تھا!

(۵۷) اگر اللہ کا فضل میرے شامل حال نہ ہوتا تو میں بھی گرفتار شدگان میں سے ہوتا- (۵۸) پھر یہ جنتی اپنے ساتھیوں سے (وفور مسرت سے) کہے گا'' کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ پہلی موت کے سوائے اب ہم کو مرنا نہیں ہے اور نہ ہم کبھی عذاب دیے جانے والے ہیں؟ (۵۹) بیشک یہ بڑی کامیابی ہے- (۶۰) ایسی ہی کامیابی حاصل کرنے کے لیے عمل کرنے والوں کو چاہیے کہ عمل کریں- (۶۱) بھلا یہ مہمانی بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟ (۶۲) ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے موجب فتنہ بنایا ہے- (۶۳) وہ درخت جہنم کی تہ سے نکلتا ہے- (۶۴) اور اس کے شگوفے شیطان کے سر جیسے ہیں- (۶۵) بے شک وہ اہل جہنم

روحانی ضرر رسانی سے پاک ہو گی- اور اہل جنت سرور حاصل کرنے کے لیے اس کے جام پییں گے- اور اس کے بعد دوزخ اور دوزخیوں کے عذاب کا ذکر ہے- دوزخ میں جانے کی سب سے بڑی وجہ جو بیان کی گئی ہے کہ ہم نے ان میں منذر (ڈرانے والے) بھیجے لیکن وہ اپنے باپ دادا کی روش پر چلتے رہے-

لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ
لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿٦٨﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ
اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٧١﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّا عِبَادَ
ع اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾
وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾
وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ
مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾

اس سے کھائیں گے (٦٦) اور اسی سے پیٹ بھریں گے- (٦٧) پھر ان کے اوپر سے انہیں گرم ملاوٹ کا پانی ملے گا- (٦٨) پھر ان کی باز گشت جہنم کی طرف ہوگی (٦٩) بیشک انہوں نے اپنے باپ داداؤں کو گمراہ پایا (٧٠) پھر یہ بھی انہی کے نقش قدم پر دوڑے چلے گئے (٧١) بلاشبہ ان سے پہلے بہت سے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں (٧٢) ان لوگوں میں بھی ہم نے ڈرانے والے بھیجے تھے (٧٣) سو دیکھو کہ ان ڈرائے گئے لوگوں کا انجام کیسا ہوا؟ (٧٤) مگر ہاں اللہ کے بندے جو برگزیدہ تھے (وہ محفوظ رہے) (٧٥) بلاشبہ (اس سے پہلے) ہم کو نوحؑ نے پکارا تھا تو دیکھو، کیسے جواب دینے والے تھے؟ (٧٦) اور ہم نے نوحؑ اور اس کے متعلقین کو کرب عظیم سے بچا لیا (٧٧) اور ہم نے نوح کی ذریت کو بقا دی کیونکہ وہی ایک صالح قوم پیدا ہوئی تھی (٧٨) اور (اسی طرح) بعد میں آنے والی قوموں اور نسلوں کے لیے دعوت نوحی ہی کو وسیلہ ہدایت قرار دیا (٧٩) پس تمام جہانوں، قوموں اور تمام نسلوں میں سلام ہے نوح کے لیے (جن کا وجود تمام عالم کی دعوت و ہدایت کا مرکز تھا)-(١) بلاشبہ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں-[٨] (٨١) بالتحقیق نوح ہمارے نیک بندوں میں سے تھا (٨٢) پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا (٨٣) اور نوح ہی کی جماعت میں سے ابراہیم بھی ہیں-[٩] (٨٤) جب کہ وہ اپنے پروردگار کے حضور قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوئے (٢) (٨٥) جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا "یہ کیا چیزیں ہیں جن کی تم پوجا کر رہے ہو؟ (٨٦) کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ گھڑے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟ (٨٧) آخر اللہ رب العالمین کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟"

---

٨ آیت ٧٥ سے ان منذرین کا اجمالاً ذکر کیا ہے: (ا) حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو دعوت دینے کے بعد جب مایوس ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ "میں مغلوب ہو گیا ہوں، اب ان سے میرا انتقام لے!" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اس کرب عظیم یعنی طوفان سے نجات دی اور تمام کفار کو غرق کر دیا-

---

(١) "البلاغ" ٢٦ رنومبر ١٩١٥ء ص ٢٠-　　(٢) "البلاغ" ٢٦ رنومبر ١٩١٥ء ص ٢١-

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰى اٰلِهَتِهِمْ
فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ
يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ
بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ قَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ
اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ
مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰاَبَتِ

---

(۸۸) پھر ابراہیم نے تاروں پر ایک نگاہ ڈالی (۸۹) اور کہا ''میں بیمار ہوں'' (۹۰) اس پر وہ لوگ اسے چھوڑ کر چلے گئے- (۹۱) ان کے بعد وہ چپکے سے ان کے معبودوں میں جا گھسا اور کہا ''تم کھاتے کیوں نہیں؟ (۹۲) تم کو کیا ہوا کہ تم بولتے بھی نہیں؟'' (۹۳) پھر وہ ان پر پل پڑا اور پوری قوت سے انہیں ضربیں لگائیں (۹۴) اس کے بعد قوم کے لوگ ابراہیم کے پاس دوڑتے ہوئے آئے- (۹۵) ابراہیم نے کہا ''کیا تم ان بتوں کو پوجتے ہو جن کو تم خود ہی تراشتے ہو؟ (۹۶) حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے- (۹۷) قوم کے لوگوں نے کہا ''ابراہیمؑ کے لیے ایک عمارت بناؤ پھر اس کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو-'' (۹۸) غرض انہوں نے ابراہیمؑ کے ساتھ ایک برائی کا ارادہ کیا مگر ہم نے انہیں نیچا دکھا دیا-[۱۱] (۹۹) (ابراہیم نے کہا) میں ہر طرف سے کٹ کر اپنے پروردگار کا رخ کرتا ہوں وہ میری ہدایت کرے گا-[(۱)] (۱۰۰) اے میرے رب! مجھ کو کوئی سعادت مند لڑکا عطا فرما (۱۰۱) اس پر ہم نے اسے ایک حلیم لڑکے کی خوشخبری دی (۱۰۲) جب اسمٰعیل ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو انہوں نے (ایک دن اسمٰعیلؑ سے) کہا ''میں نے خواب میں دیکھا' گویا تمہیں (راہ حق میں) ذبح کر رہا ہوں' (میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟) تم اس پر غور کرو کہ اب کیا کرنا چاہیے؟'' بیٹے نے (بلا تامل) کہا (اس خواب سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک اشارہ ہے) پس آپ حکم الٰہی........

(ب) حضرت نوح علیہ السلام کی نسل ہی دنیا میں باقی رہ گئی' باقی سب ہلاک ہو گئے- یا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل تو باقی رہ گئی اور مخالفین نیست و نابود کر دیے گئے-

''سورۃ الصافات میں حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے سلام کے ساتھ ''في العالمين'' کا لفظ فرمایا- لیکن اور انبیاء کی نسبت صرف سلام پر اکتفا کیا- یہ دراصل اسی کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت نوح کی دعوت کسی خاص نسل اور قوم کے زندہ کر دینے کے لیے نہ تھی بلکہ اقوام و ملل کی ہر نسل اس کے دامن میں پناہ لے سکتی ہے-''

۹ یہاں پر حضرت ابراہیم کو حضرت نوح علیہما السلام کا شیعہ قرار دیا ہے:

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص۱۷۶-

افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾
وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ
هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾
سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ بَشَّرْنٰهُ
بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ بٰرَكْنَا

کو پورا کیجیے' مجھے آپ ان شاء اللہ صبر کرنے والوں اور (ثابت قدموں) میں پائیں گے-[۱۱] (۱۰۳-۱۰۴) جب باپ اور بیٹا دونوں خدا کے آگے جھک گئے اور باپ نے ذبح کرنے کے لیے بیٹے کو زمین پر پچھاڑا تو اس وقت ہم نے آواز دی ''اے ابراہیمؑ! (بس کرو) تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا' ہم صاحبان احسان کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں-[۱۲] (۱۰۵) یہ دراصل بہت بڑی قربانی تھی (جس کی تعمیل کے لیے تم تیار ہو گئے تھے)-[(۱)] (۱۰۶) اور ذبیح (اسمٰعیل) کے فدیے میں ہم نے ایک بہت بڑی قربانی دے دی (یعنی سنت ابراہیمی کی یادگار میں تا قیامت جاری رہنے والی قربانی) (۱۰۷) اور تمام آنے والی اُمت میں اس واقعہ عظیم کا ذکر قائم کر دیا-[(۲)] (۱۰۸) پس سلام ہو (حقیقت اسلامی کے مطابق قربانی کرنے والے) ابراہیم پر (۱۰۹) ہم مقام احسان تک پہنچنے والوں کو (بقائے دوام کا) ایسا ہی بدلہ عطا فرماتے ہیں (۱۱۰) بیشک وہ ہمارے حقیقی مومن بندوں میں سے تھا-[۱۳] [(۳)] (۱۱۲) اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی، ایک نبی صالحین میں سے.......

''قرآن میں (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ) کسی نبی کو نوح کا شیعہ یا متبع نہیں کیا ہے- حضرت ابراہیمؑ ہی کو ان کی طرف منسوب کیا کیونکہ حضرت نوحؑ نے نئی قوم کی بنیاد رکھی تھی اور یہی مشن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا-''

چونکہ سب انبیاء علیہم السلام کا مشن ایک ہی ہوتا ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ وہ بھی حضرت نوح علیہ السلام کے طریق پر چلنے والے تھے-

۱۰ قرآن مجید کے مختلف مقامات پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزانہ طور پر بچا لیا- اس طرح مشرکین کو نیچا دکھا دیا-

۱۱ انبیاء علیہم السلام کا خواب چونکہ ایک قسم کی وحی ہوتا ہے، اس بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کی قربانی کے لیے تیار ہو گئے اور بیٹے کو کنپٹی کے بل لٹا دیا جیسا کہ ذبیحہ کو لٹایا جاتا ہے- بعض علماء نے جبین کا ترجمہ پیشانی کیا ہے- یعنی اسے اوندھے منہ لٹا دیا تاکہ ذبح کرتے وقت بیٹے کا چہرہ دیکھ کر شفقت و محبت پدری ہاتھ میں لرزش پیدا نہ کر دے- بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ تفسیر منقول ہے- واللہ اعلم!

۱۲ تو نے خواب سچ کر دکھایا کیونکہ خواب میں صرف یہ دکھایا گیا تھا کہ ذبح کر رہے ہو، یہ نہیں کہ تم نے ذبح کر دیا ہے- اس سے مقصود تمہارا

---

(۱) ''البلاغ'' ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء (۲) ''الہلال'' ۲ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۵ (۳) ''الہلال'' ۲۷ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶-

عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى ع
وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ نَجَّيْنٰهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَ نَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾
وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ هَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي
الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ اِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا

---

(۱۱۳)اور ہم نے اسے اور اسحاق کو برکت دی اور ان دونوں کی نسل سے کوئی محسن ہے اور کوئی اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والا ہے (۱۱۴)اور بلاشبہ ہم نے موسٰی اور ہارون پر احسان کیا (۱۱۵)اور ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے نجات دی (۱۱۶)اور ہم نے ان کی مدد کی تو آخرکار وہی غالب رہے- (۱۱۷)اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب عطا کی (۱۱۸)اور انہیں سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی (۱۱۹)اور ہم نے بعد کی نسلوں میں ان کی تعریف چھوڑ دی (۱۲۰) موسٰیؑ اور ہارون پر سلام ہو (۱۲۱) ہم نیک روش پر قائم رہنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں (۱۲۲) بیشک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں سے تھے (۱۲۳) بیشک الیاس بھی رسولوں میں سے تھا-[۱۴] (۱۲۴) جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا ''تم لوگ خدا سے ڈرتے نہیں؟ (۱۲۵) کیا تم بعل نامی بت.........

امتحان لینا تھا- یہ مقصد نہیں تھا کہ تمہارے ہاتھ سے بچے کو ذبح کرا دیا جائے- یہاں پر جس بڑی قربانی کا فدیہ مذکور ہے اس سے مراد مینڈھا ہے، جیسا کہ روایات میں مذکور ہے- اور بائبل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے- اس طریقہ سے قیامت تک کے لیے قربانی کی سنت جاری ہوگئی کہ اسی تاریخ کو تمام اہل ایمان دنیا بھر میں جانور ذبح کر کے اس عظیم الشان واقعہ کی یاد تازہ کرتے ہیں- اس لیے اسے بڑی قربانی سے تعبیر کیا گیا ہے-

''جب حقیقت اسلامی کی آخری مگر اصلی آزمائش کا وقت آیا تو وہ ''اسلام'' ہی تھا جس نے حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں چھری دی تا کہ فرزند عزیز کو ذبح کر کے محبت ماسویٰ اللہ کی قربانی کرے- اور اسلام ہی تھا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن جھکا دی تا کہ اپنی جان عزیز کو اس کی راہ میں قربان کر دے- جب باپ نے بیٹے کو مینڈھے کی طرح پکڑ کر زمین پر گرا دیا تو وہ اسلام ہی کا ہاتھ تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے اندر کام کر رہا تھا- اور جب بیٹے نے ذوق وشوق کے ساتھ' جو مدتوں کے پیاسے کو آب شیریں سے ہوتا ہے' اپنی گردن مضطرب ہو کر چھری سے قریب کر دی تو وہ حقیقت اسلامی ہی کی محویت کا استیلاء تھا جس نے نفس اسماعیلؑ کو فنا کر دیا تھا اور اسی فنا سے مقام ایمان کو بقا ہے-

(۱۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس لڑکے کی قربانی پیش کی اور جنہوں نے خود کو قربانی کے لیے پیش کیا، وہ کون تھے؟...... تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے- بائبل میں اکلوتے بیٹے کی قربانی کا ذکر ہے- اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں، نہ کہ حضرت اسحاق' کیونکہ بائبل میں ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے چودہ برس بڑے تھے- جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی برس کی تھی اور حضرت اسحاق کی پیدائش کے وقت سو سال کے ہو چکے تھے- پھر حضرت اسحاق اکلوتے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں؟

وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿١٢٥﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٢٦﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٢٧﴾
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٢٨﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٢٩﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿١٣٠﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣١﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾ وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ
وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٣٤﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٣٥﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ

کو پوجتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو؟ (۱۲۶) یعنی اس اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے اگلے آباو اجداد کا بھی رب ہے'' (۱۲۷) مگر انہوں نے الیاس کی تکذیب کی.....تو وہ یقیناً سزا کے لیے پیش کیے جائیں گے (۱۲۸) مگر ہاں جو اللہ کے برگزیدہ بندے تھے- (۱۲۹) اور الیاس کا ذکر خیر ہم نے بعد کی نسلوں میں باقی رکھا (۱۳۰) الیاسین پر سلام ہو (۱۳۱) بیشک ہم اسی طرح نیکو کار لوگوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں (۱۳۲) فی الواقع وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا- (۱۳۳) بیشک لوط پیغمبروں میں سے تھا (۱۳۴) جبکہ ہم نے اسے اور اس کے سب متعلقین کو عذاب سے بچا لیا (۱۳۵) سوائے ایک بڑھیا ☆ کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی (۱۳۶) پھر دوسروں کو ہم نے تہس نہس کر ڈالا (۱۳۷-۱۳۸) اور تم (مکہ والو) شب و روز ان پر سے گزرتے

اس مسئلہ میں گو ہمارے مفسرین نے دونوں قول نقل کیے ہیں، مگر اصح یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے-

(ا) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے جواب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی گئی اور انہیں ''غلام حلیم'' کہا- اور پھر اس لڑکے کے متعلق فرمایا: ''فلما بلغ معه السعی قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ما ذا تری'' مگر حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری حضرت سارہ کو دی گئی اور قرآن مجید نے انہیں ''غلام علیم'' کہا- اور ظاہر ہے کہ ذبح کا حکم ''غلام حلیم'' کے لیے ہے نہ کہ ''غلام علیم'' کے لیے!
(ب) حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دیتے وقت یہ بھی فرمایا کہ ان کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے- جیسا کہ سورۂ ہود آیت ۷۱ میں ہے' تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے ذبح کا حکم کیونکر دیا جا سکتا ہے؟ (ج) قرآن مجید نے ذبح کا سارا قصہ بیان کرنے کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ ''نبیا من الصالحین'' ہوگا- تو پھر انہیں ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے؟ (د) معتبر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں جو مینڈھا ذبح کیا گیا تھا اس کے سینگ خانہ کعبہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک محفوظ رہے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خانہ کعبہ (مکہ) میں پیش آیا تھا نہ کہ شام میں- اور خانہ کعبہ کی تعمیر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام شریک تھے- حافظ ابن کثیر مندرجہ دلائل کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح ہونے کے متعلق جس قدر بھی آثار ہیں وہ سب کعب احبار سے منقول ہیں جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے اور لوگوں کو اسرائیلیات سنایا کرتے تھے- لہٰذا یہ آثار قابل اعتماد نہیں ہو سکتے-

۱۴ حضرت الیاسؑ کا شمار انبیائے بنی اسرائیل میں ہوتا ہے- ان کا زمانہ ۸۷۵ء اور ۸۵۰ء ق م کے درمیان متعین کیا گیا ہے- وہ جلعاد کے رہنے والے تھے جو کہ دریائے یرموک کے جنوب میں واقع تھا- حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد شمالی فلسطین میں جو اسرائیلی ریاست قائم ہوئی' اس میں شرک و بت پرستی اور فسق و فجور روز افزوں ہوتا گیا- حتیٰ کہ اسرائیل کے بادشاہ اخیاب نے سامریہ (صدر

☆ مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے-

عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ بِالَّيْلِ ۚ اَ فَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ
اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ
كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَ اَنْۢبَتْنَا
عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾
فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَ لَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّ هُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ
اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۫
كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

النصف ع ۵ ۸

ہوتو پھر بھی تم کو عقل نہیں آتی-(۱۳۹) اور بے شک یونس بھی پیغمبروں میں سے تھا[۱۵] (۱۴۰) جب کہ وہ بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی میں پہنچا (۱۴۱) پھر وہ قرعہ اندازی میں شریک ہوا اور مغلوب ٹھہرا (۱۴۲) پھر اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ ملامت زدہ تھا (۱۴۳) پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا (۱۴۴) تو روز قیامت تک اس مچھلی کے پیٹ میں پڑا رہتا (۱۴۵) بالآخر ہم نے اسے ایک چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار و ناتواں تھا (۱۴۶) اور ہم نے اس پر ایک بیلدار درخت اگا دیا (۱۴۷) اور اسے ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا (۱۴۸) سو وہ اس پر ایمان لے آئے تو ہم نے ان کو ایک خاص وقت تک بہرہ مند کیا-(۱۴۹) اے نبی! آپ ان سے دریافت کیجیے "کیا آپ کے رب کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور ان کے لیے بیٹے؟" (۱۵۰) کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے اور یہ دیکھ رہے تھے؟ (۱۵۱-۱۵۲) خوب سن لو یہ لوگ اپنی بہتان طرازی سے یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے اولاد ہے، اور بلا شبہ یہ لوگ سراسر جھوٹے ہیں (۱۵۳) کیا اللہ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیوں کو پسند کیا ہے؟ (۱۵۴) تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا حکم لگاتے ہو؟ (۱۵۵-۱۵۶) کیا تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے یا تمہارے پاس (ان باتوں کے لیے) کوئی واضح دلیل ہے؟ (۱۵۷) اگر سچے ہو تو اپنی کتاب لا کر پیش کرو-[۱۶]

مقام) میں بعل کا مندر اور مذبح تعمیر کیا اور اس کی پرستش شروع کر دی اور اس بت کے نام پر قربانیاں دی جانے لگیں- ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت الیاس کو مبعوث کیا- حضرت الیاس نے بتوں کی مذمت کی اور ایک اللہ وحدہ لاشریک کی طرف دعوت دی- اس پر قوم دشمن ہو گئی-

حضرت الیاس علیہ السلام ملک چھوڑ کر کوہ سینا کے دامن میں پناہ گزیں ہو گئے- اور پھر چند سال تک تبلیغی مہم جاری رکھی مگر قوم راہ راست پر نہ آئی- آخر حضرت الیاس کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا سے اٹھا لیا-

۱۵ حضرت یونس علیہ السلام کا عبرانی نام یوناہ تھا جو عربی میں یونس ہو گیا- یہ بھی انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں- ان کا زمانہ ۸۶۰ء-۷۸۴ء ق م بتایا جاتا ہے- اور عہد عتیق کے نوشتوں میں سے ایک نوشتہ ان کے نام سے بھی ہے- اس نوشتہ سے معلوم ہوتا ہے- کہ انہوں نے اہل نینوی کو اطلاع دی تھی کہ چالیس دن کے بعد تمہارا شہر تباہ ہو جائے گا- یہ سن کر وہ بجائے سرکشی کے توبہ و استغفار کرنے لگے اور تباہی سے بچ گئے-(سورۂ یونس:۹۸)

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا
عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ
الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنْ
كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ
فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ
جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا
يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾
وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ ع ۵

---

(۱۵۸) اور انہوں نے اللہ اور جنات کے مابین نسب کا رشتہ بنا رکھا ہے، حالانکہ جنات خوب جانتے ہیں کہ وہ (جنات) مجرم کی حیثیت سے حاضر کیے جائیں گے (۱۵۹) اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں (۱۶۰) ماسوا اللہ کے مخلص بندوں کے (کہ وہ ایسی باتیں نہیں کرتے) (۱۶۱-۱۶۲) سو تم اور تمہارے معبود (شریر جنات) کسی شخص کو اللہ سے پھیر کر فتنے میں نہیں ڈال سکتے (۱۶۳) مگر ہاں اسی کو جو جہنم میں جانے والا ہے (۱۶۴) اور (ہمارا مقرب فرشتوں کا حال تو یہ ہے کہ) ہم میں سے ہر ایک کا مقام متعین ہے (۱۶۵) اور ہم تو صف بستہ کھڑے ہونے والے ہیں (۱۶۶) اور ہم (اللہ کی) تسبیح میں لگے ہوئے ہیں- (۱۶۷) اور بلاشبہ (نزول قرآن سے پہلے) یہ کافر کہا کرتے تھے (۱۶۸) اگر ہمارے پاس بھی پہلے لوگوں کی سی کوئی نصیحت آمیز کتاب آتی (۱۶۹) تو یقیناً ہم اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے (۱۷۰) مگر (جب وہ ذکر آ گیا تو) انہوں نے اس کتاب کا انکار کر دیا ہے، سو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا- (۱۷۱-۱۷۲) اور ہم نے اپنے جن بندوں کو ارشاد و ہدایت کے لیے لوگوں کی طرف بھیجا' ان کی نسبت پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا کہ ہماری تائید و نصرت سے یقیناً وہی فتح یاب و مظفر ہونے والے ہیں (۱۷۳) اور بیشک ہماری ہی فوج سب پر غالب آ کر رہے گی- [1] (۱۷۴) سوائے پیغمبر! آپ کچھ مدت کے لیے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے (۱۷۵) اور دیکھتے رہیے' عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے (۱۷۶) کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں (۱۷۷) پھر جب وہ ان کے گھروں کے صحنوں میں آ اترے گا تو وہ وقت ان کے لیے بہت برا ہو گا جن کو ڈرایا جا چکا ہے- (۱۷۸) پس ذرا کچھ مدت کے لیے ان سے تعارض نہ کیجیے اور دیکھتے رہیے' یہ خود بھی عنقریب اپنا انجام دیکھ لیں گے (۱۸۰) پاک ہے آپ کا رب' کمال عزت کا مالک' ان باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں (۱۸۱) اور سلام ہو تمام پیغمبروں پر (۱۸۲) اور ساری تعریف اللہ رب العلمین کے لیے ہے-

نینویٰ شہر جو آشوریوں کا مرکز تھا' دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر موصل شہر کے عین بالمقابل واقع تھا اور اس کا محیط ساٹھ میل تھا جس سے اس شہر کی وسعت کا پتہ چلتا ہے- اس پر حضرت یونس علیہ السلام حکم خداوندی کے بغیر دوڑ کر کشتی میں سوار ہو گئے- کشتی گنجائش سے زیادہ بھری ہوئی تھی- اثنائے سفر میں مسافروں کو بچانے کے لیے ایک شخص کا دریا میں اتارنا ضروری تھا چنانچہ قرعہ اندازی میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکل آیا اور وہ سمندر میں پھینک دیے گئے اور ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا- ان تاریکیوں میں پہنچ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور تسبیح کرنے لگے- اس مچھلی نے ان کو ساحل پر اگل دیا اور حضرت یونس علیہ السلام معجزانہ طور پر زندہ نکل آئے- ساحل چونکہ چٹیل میدان تھا' اللہ تعالیٰ نے اس پر بیل اگا دی- اس کے پتوں نے حضرت یونس علیہ السلام پر سایہ کا کام دیا اور اس کے پھل سے غذا حاصل کرتے رہے- بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک لاکھ سے زائد آبادی کی طرف مبعوث کیا اور وہ حضرت یونس علیہ السلام کی دعوت پر ایمان لے آئے اور ایک وقت تک انہیں مہلت دے دی گئی-

چنانچہ حضرت ''یوناہ'' کے بعد ۶۹۰ ق م میں ان کا ظلم وفساد پھر حد سے گزر گیا اور ایک اسرائیلی نبی ''ناموم'' نامی نے انہیں پیش آنے والی تباہی کی خبر دی- اس انذار وتبشیر کے ستر برس بعد اہل بابل نے ان پر حملہ کیا اور دجلہ کے سیلاب سے نینویٰ کی چار دیواری میں دراڑیں پڑ گئیں اور حملہ آوروں کے لیے کوئی روک باقی نہ رہ گئی- چنانچہ آشوری تمدن کا یہ مرکز اس طرح نابود ہوا کہ ۲۰۰ ق م میں اس کا جائے وقوع بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا-

۱۶ آیت نمبر ۱۴۹ میں اہل مکہ سے سوال کیا گیا تھا ''فاستفتهم'' اب یہاں دوسرا سوال ہے- اس طرح سورہ کے مضمون میں ربط پیدا ہو گیا ہے- اس سوال سے مقصود اہل مکہ کو ان کی جہالت پر متنبہ کرنا مقصود ہے-

(ا) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض قبائلی عربوں کا عقیدہ یہ تھا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں- قرآن مجید نے بتلایا کہ ملائکہ کو ''بنات اللہ'' قرار دینے کی اساس یہی ہو سکتی ہے کہ یا تو دعویٰ کرنے والے نے مشاہدہ کیا ہو اور یا پھر اس کے پاس کوئی کتابی دلیل ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں- پھر جب یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں تو ایسا دعویٰ کرنا سراسر جہالت ہے-

(ب) یہاں پر ''الجنة'' سے مراد ملائکہ بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ بعد کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے-

(ج) ''اللہ کے لشکر غالب ہیں'' پیغمبروں نے جو حقائق پیش کیے ہیں وہ باقی ہیں اور انسان کے خود ساختہ فلسفے ختم ہو گئے- پس یہاں پر غلبہ سے مراد دلیل وبرہان کا غلبہ اور ان کا اخلاقی تفوق ہے- اب رہا سیاسی غلبہ تو یہ ضروری نہیں ہے-

❋ ❋ ❋

(ا) ''الہلال'' ۹ رجولائی ۱۹۱۳ء ص ۱۰-

اٰیَاتُھَا: 88 سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا: 5

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صٓ وَ الْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ① بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ ②
کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ③ وَ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَھُمْ
مُّنْذِرٌ مِّنْھُمْ وَ قَالَ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ④ اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا اِنَّ
ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ⑤ وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْھُمْ اَنِ امْشُوْا وَ اصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِھَتِکُمْ اِنَّ ھٰذَا
لَشَیْءٌ یُّرَادُ ⑥ مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِی الْمِلَّۃِ الْاٰخِرَۃِ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ⑦ ءَاُنْزِلَ عَلَیْہِ
الذِّکْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ⑧ اَمْ عِنْدَھُمْ

(۱) صٓ، قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے لبریز ہے (کہ پیغمبر کی نسبت جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں، صحیح نہیں ہے) (۲) بلکہ یہ کفار اپنے تکبر اور مخالفت میں مبتلا ہیں۔[1] (۳) ہم ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں (جب عذاب آیا) تو انہوں نے چیخ پکار کی مگر وہ بچنے کا وقت نہیں تھا۔ (۴) اور لوگوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا۔ اور کافروں نے کہا "یہ جادوگر ہے، سخت جھوٹا (۵) کیا اس نے بہت سے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ بلاشبہ یہ بڑی عجیب بات ہے۔" (۶) اور ان کے سردار یہ بات کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر ڈٹے رہو، یہ بات تو ضرور کسی غرض کے لیے کہی جا رہی ہے۔ (۷) یہ بات ہم نے قریب کے کسی دین میں نہیں سنی، کچھ نہیں، یہ محض من گھڑت بات ہے۔ (۸) کیا ہم سب میں سے اسی پر ذکر الٰہی نازل کیا گیا ہے؟ دراصل یہ میرے ذکر کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ (یہ سب کچھ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ) انہوں نے میرا عذاب چکھا نہیں ہے۔[2] (۹) کیا آپ کے........

[1] یہ سورہ بھی مکی ہے اور اعلان دعوت کے بعد یہ سورہ نازل ہوئی ہے۔ جو کہ تقریباً ۴ بعثت کے بعد ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب کے مرض الموت کے زمانہ میں یہ سورہ نازل ہوئی جو کہ ۱۰-۱۱ البعثت ہے۔ اس کا موضوع بھی توحید و نبوت ہے اور ضمناً آخرت کا ذکر بھی آ گیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے دعوت توحید کا آغاز فرمایا اور برملا طور پر بتوں کی مذمت شروع کی تو قریش کے سردار جمع ہو کر سردار ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں کی مذمت نہ کرے اور ہمیں ہماری حالت پر چھوڑ دے، تو ہم اسے اس کے دین پر چھوڑ دیتے ہیں اور اس سے کچھ تعارض نہیں کریں گے۔ اس پر ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور سرداران قریش کا فیصلہ سنایا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"چچا جان! میں تو ان کے سامنے ایسا کلمہ پیش کرتا ہوں کہ اگر یہ اسے مان لیں تو عرب ان کا تابع فرمان اور عجم ان کا باج گزار ہو جائے۔"

خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝٩ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا
بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝١٠ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝١١ كَذَّبَتْ
قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝١٢ وَ ثَمُوْدُ وَ قَوْمُ لُوْطٍ وَّ اَصْحٰبُ
لْـَٔيْكَةِ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝١٣ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝١٤ وَ مَا يَنْظُرُ ع ۱۰
هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝١٥ وَ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ
الْحِسَابِ ۝١٦ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ اذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝١٧ اِنَّا
سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِشْرَاقِ ۝١٨ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝١٩

زبردست بخشش کرنے والے رب کی رحمت کے خزانے ان کے پاس ہیں؟ (۱۰) کیا یہ آسمانوں' زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے' ان سب کے مالک ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان کو چاہیے کہ رسیاں تان کر آسمان پر چڑھ جائیں (۱۱) من جملہ دیگر مخالف جماعتوں کے یہ کفار مکہ کا بھی ایک معمولی سا لشکر ہے جو وہاں شکست دے دیا جائے گا- (۱۲) ان سے پہلے بھی قوم نوح' عاد اور میخوں والا فرعون- اور ثمود اور قوم لوط اور ایکہ والے تکذیب کر چکے ہیں- یہی لوگ (انبیاء کے مخالفین کے) جتھے تھے (۱۳) ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرے عذاب کا فیصلہ ثابت ہو گیا- (۱۴) یہ لوگ بھی بس ایک ہولناک آواز کے منتظر ہیں جس کے لیے بیچ میں دم لینا نہیں ہے- (۱۵) اور یہ لوگ کہتے ہیں "اے ہمارے رب' یوم حساب سے پہلے ہی ہمارے عذاب کا حصہ ہمیں جلدی سے دے دے-" (۱٦) اے پیغمبر یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں' اس پر آپ ذرا صبر کیجیے اور ہمارے بندے داؤد کا قصہ بیان کیجیے جو بڑا صاحب قوت تھا- بلاشبہ وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا-[۳] (۱۷) اور ہم نے داؤد نبی کے لیے پہاڑوں کو مسخر کر دیا کہ صبح و شام خدا کی تسبیح کریں[(۱)] (۱۸) اور پرندوں کو بھی تابع کر دیا جو (داؤدؑ کے پاس) جمع ہو جاتے' یہ سب کے سب اس کے سامنے رجوع رہتے-

---

اس پر انہوں نے کہا "ایک نہیں' ہم ایسے دس کلمے کہنے کو تیار ہیں مگر بتاؤ تو سہی کہ وہ کلمہ کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" یہ سن کر وہ سب یکبارگی اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور وہ باتیں کہنے لگے جن کا اس ابتدائی سورہ میں ذکر ہے-

۲ "دراصل یہ میرے ذکر کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں" یعنی یہ لوگ دراصل آپؐ کو نہیں جھٹلا رہے ہیں' بلکہ میرے کلام کی تکذیب کر رہے ہیں- نبوت ایک وہبی چیز ہے اور اللہ جس کو چاہے عطا کر دے- لہٰذا ان کا یہ کہنا فضول ہے کہ "کیا تمہارے درمیان یہی ایک شخص رہ گیا ہے جس پر اللہ کا ذکر نازل کیا گیا-" یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے نبی بنانا ہوتا تو قریش کے سرداروں میں سے کسی ایک کو نبی بنا دیتا-

۳ آیت ۱۷ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کی اور حضرت داؤد کا اسوہ سامنے رکھنے کی ہدایت فرمائی کہ انہوں نے طالوت

---

(۱) "البلاغ" ۱۷/ ۲۴ دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۲۲-

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَ هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ

(۱۹) اور ہم نے اس کی سلطنت کو خوب مضبوط کیا تھا اور ہم نے اس کو حکمت اور فیصلہ کن خطاب کرنے کی صلاحیت عطا کی تھی۔

(۲۱) بھلا آپ کو ان مقدمہ والوں کی کچھ خبر بھی پہنچی ہے جب وہ بالا خانے کی دیوار پھاند کر اندر چلے گئے۔

(۲۲) جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ کہنے لگے آپ ڈریئے نہیں ہم ایک مقدمہ کے دو فریق ہیں جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ سو آپ حق کے ساتھ ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے اور راہ راست

کے عہد حکومت میں بہت صبر کیا۔ آخر حکومت انہیں ملی اور مخالفین زیر ہوئے۔ یا جیسے حضرت داؤد علیہ السلام پر مخالفین نے الزام لگائے حالانکہ وہ بری تھے اسی طرح یہ لوگ آپ پر الزام لگا رہے ہیں۔

یہاں پر حضرت داؤد علیہ السلام کو "ذا الاید" فرمایا ہے۔ یعنی جسمانی لحاظ سے آپ نہایت قوی تھے۔

بائبل میں حضرت داؤد علیہ السلام پر زنا کرنے اور پھر اوریاہ حتی کو ایک جنگ میں قصداً مروا کر اس کی بیوی سے نکاح کر لینے کا صاف صاف الزام ہے۔ مگر قرآن مجید نے اس واقعہ کو کنایتاً ذکر کیا ہے جس سے یہ تو احساس ہوتا ہے کہ حضرت داؤد سے کوئی غلطی ہوئی ہو گی لیکن اس کی تصریح نہیں ہے۔ ہمارے بعض غیر محتاط مفسرین نے تو اسرائیلی قصہ کو جوں کا توں تسلیم کر لیا ہے اور بعض نے انکار کر کے رد کر دیا ہے۔

حافظ ابن کثیر بائبل میں مذکور قصہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: " **قد ذكر المفسرون هنا قصه اكثرها ماخوذ من الاسرائيليات و لم يثبت فيها عن المعصوم حديث يجب اتباعه** -" اسی طرح حافظ ابن حزم نے "الفصل" میں ان کی تردید کی ہے۔

دراصل اس قصہ میں قرآن مجید نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ حضرت داؤد علیہ السلام اوریاہ کی بیوی پر مائل ہوئے اور طلاق کا مطالبہ کیا۔ اگر اسرائیلی شریعت میں بھی طلاق کو مان لیا جائے۔ مگر یہ مطالبہ کوئی کبیرہ گناہ نہ تھا۔ تاہم نبی اور بادشاہ کی شان کے شایان بھی نہ تھا۔ جب کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے حرم میں پہلے ہی متعدد بیویاں تھیں۔ اس پر حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس دو شخص دنبیوں کا قضیہ لے کر آئے اور وہ بھی دیوار پھاند کر آئے جب کہ عدالت کا وقت ختم ہو چکا تھا۔

حضرت داؤدؑ نے ان کے درمیان صحیح صحیح فیصلہ تو کر دیا مگر ساتھ ہی انہیں تنبہ ہوا کہ اوریاہ سے میرا مطالبہ بھی تو اسی طرح ناحق ہی ہے چنانچہ انہوں نے اپنے مطالبہ سے رجوع کر لیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ بجا لائے۔

اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّ لِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫
فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَ عَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ
وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
السجدة ۱۰ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ﴿۲۴﴾
فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً
فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ
ع ۲ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَیْلٌ

کی طرف ہماری رہنمائی کیجیے- (۲۳) یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے- سو یہ کہتا ہے کہ تو اپنی ایک دنبی بھی میرے حوالے کر دے اور اس نے گفتگو میں مجھے دبا لیا ہے- (۲۴) داؤدؑ نے جواب دیا اس نے اپنی دنبیوں میں تیری دنبی ملا لینے کا مطالبہ کر کے تم پر ظلم کیا ہے، اور بہت سے ساجھے کام کرنے والے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں- مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے تو ان کا شیوہ عدل اور دیانتداری ہے البتہ ایسے لوگ تھوڑے ہیں- اور داؤد سمجھ گیا کہ ہم نے اسے آزمایا ہے چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا اور رجوع ہوا- (۲۵) تب ہم نے اس کی وہ بات اسے معاف کر دی اور یقیناً ہمارے ہاں اس کے لیے بڑا قرب اور بڑی اچھی بازگشت ہے (۲۶) اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں حکمران بنایا ہے لہٰذا لوگوں کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کر اور خواہش کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی- جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں یقیناً ان کے لیے سخت عذاب ہے کہ انہوں نے یوم حساب کو فراموش کر رکھا تھا- (۲۷) اور ہم نے آسمان اور زمین اور اس کو جو کچھ ان کے درمیان ہے بیکار پیدا نہیں کیا- یہ خیال تو منکرین کا ہے سو کافروں کے لیے آگ کی بربادی ہے-[۴]

قرآن مجید نے جس انداز سے یہ قصہ بیان کیا ہے اس سے نہ تو نبی کی عصمت مجروح ہوتی ہے اور نہ حضرت داؤد علیہ السلام ہی کے مقرب الٰہی ہونے میں فرق آتا ہے- مگر بائبل میں یہود کی حضرت سلیمان علیہ السلام سے دشمنی نے اس قصہ کو طول دے دیا ہے کہ ایک تو حضرت داؤد علیہ السلام پر زنا کی تہمت ہے اور دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو معاذ اللہ زنا کا نطفہ بتایا ہے حالانکہ قرآن مجید نے حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ کی بخشش قرار دیا ہے-

[۴] اب یہاں آیت ۲۷ سے جزا و سزا کی ضرورت اور اس کے وقوع پر دلیل دی جا رہی ہے جسے قرآن مجید نے متعدد مقامات پر پیش کیا ہے- یعنی آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے محض کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا گیا کہ اس پر کوئی برا یا بھلا نتیجہ مرتب نہ ہو- بلکہ یہ تخلیق با حکمت اور مقصد کے تحت ہے- اور نیک و بد یکساں نہیں ہو سکتے-

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ
فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ
وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾ وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿٣٠﴾ اِذْ
عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿٣١﴾ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ
حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًاۢ بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾ وَ لَقَدْ
فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ هَبْ لِيْ
مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ
اَصَابَ ﴿٣٦﴾ وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ

(۲۸) کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے' ان کے برابر کردیں گے جو ملک میں فساد بپا کرتے پھرتے ہیں' یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کردیں گے؟ (۲۹) یہ (قرآن مجید) ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے کہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور اہل دانش نصیحت حاصل کریں (۳۰) اور ہم نے داؤدؑ کو سلیمانؑ عطا کیا' بہترین بندہ' اور رب کی طرف بہت رجوع رہنے والا تھا (۳۱) (سلیمانؑ کا وہ واقعہ قابل ذکر ہے) جب کہ شام کے وقت اس کے روبرو اصیل تیز رو گھوڑے پیش کیے گئے (۳۲) تو سلیمان نے کہا ''میں نے مال کی محبت اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اختیار کی ہے'' حتیٰ کہ وہ گھوڑے نظر سے اوجھل ہو گئے (۳۳) (تو اس نے حکم دیا کہ) ان کو میرے پاس واپس لاؤ' تو ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگا (۳۴) ہم نے سلیمان کو آزمائش میں ڈالا اور اس کی کرسی پر ایک جسد لا کر ڈال دیا' پھر سلیمانؑ نے رجوع کیا-

(۳۵) اور کہا ''اے میرے رب میرے قصور معاف کردے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد اور کسی کے لیے مناسب نہ ہو' بیشک تو بڑا ہی دینے والا ہے''-[۵] (۳۶) تب ہم نے ہوا کو اس کے لیے مسخر کردیا- وہ ہوا' اس کے حکم سے' جہاں وہ جانا چاہتا' نرم رفتار سے چلتی (۳۷) اور ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور شیاطین کو اس کے زیر فرمان کردیا (۳۸) اور دوسرے شیاطین کو جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے (۳۹) (ہم نے اسے کہا) یہ ہماری بخشش ہے' تو جسے چاہے عطا کر......

[۵] قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام:
جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی تعریف کے بعد ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے' اسی طرح حضرت سلیمانؑ کی تعریف کے بعد اس فتنہ کا ذکر کیا ہے جس میں وہ مبتلا ہوئے- اور پھر اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر انہوں نے معافی مانگ لی اور اپنے رب کی طرف رجوع ہوئے-

أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٠﴾ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ وقف لازم ع ۳
نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿٤١﴾ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَ
شَرَابٌ ﴿٤٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٤٣﴾ وَخُذْ
بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٤٤﴾ وَاذْكُرْ

اور جس سے چاہے روک لے' تجھ پر کوئی محاسبہ نہیں ہے (۴۰) اور یقیناً اس کے لیے ہمارے ہاں بڑا قرب اور بڑی اچھی بازگشت ہے- (۴۱) اے نبیؐ! ہمارے بندے ایوبؑ کا ذکر کیجیے جب کہ اس نے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے- (۴۲) (ہم نے اسے حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مار' یہ نہانے اور پینے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے (۴۳) ہم نے اس کو اس کے اہل و عیال دیے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور عطا کیے- یہ ہماری طرف سے رحمت تھی اور اہل عقل کے لیے درس عبرت ہے (۴۴) (اور ہم نے اس سے کہا) تنکوں کا ایک مٹھا لے' پھر اس سے (اپنی بیوی کو) مار لے اور اپنی قسم نہ توڑ' بیشک ہم نے اسے (ایوب کو) صابر پایا' بہترین بندہ تھا' (اور وہ) اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا-

---

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید نے مختصر الفاظ میں جو واقعہ بیان فرمایا ہے- اس کے پس منظر میں بعض نے لمبا چوڑا افسانہ ذکر کیا ہے- اسرائیلی روایات میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جس انگوٹھی کی بدولت حکمرانی کرتے تھے' وہ کسی نہ کسی طرح شیطان نے چھین لی اور وہ حکمران بن بیٹھا- آیت میں "القينا على كرسيه جسدا ثم اناب" کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے- حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"رويت هذه القصة مطولة عن جماعة من السلف رضى الله عنهم و كلها متعلقاة من قصص اهل الكتاب والله اعلم بالصواب!"

بعض نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے مجاہد پیدا ہوگا مگر وہ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئی اور ان سے بھی ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا جو دائی نے لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر ڈال دیا- یہ دیکھ کر حضرت سلیمانؑ ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اور ان شاء اللہ نہ کہنے پر استغفار کیا-

یہ واقعہ مختلف طرق سے مروی ہے مگر بعض جدت پسند مفسرین نے صحت سند کے باوجود اس لیے اس کی تکذیب کی ہے کہ اس کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے- پھر انہوں نے توراۃ کی رو سے آیت کی تاویل پیش کی ہے کہ دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لڑکے رحبعام کو اپنا وارث بنانا چاہتے تھے لیکن وہ نالائق ثابت ہوا- اسی کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کے حق میں فتنہ قرار دیا ہے- اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام متنبہ ہوئے اور بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جو قرآن مجید میں مذکور ہے- اس کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اپنی جانشینی کے لیے نہ وصیت کی اور نہ کسی کی اطاعت کے لیے لوگوں کو پابند کیا- حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اعیان سلطنت نے رحبعام کو تخت پر بٹھایا- مگر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ بنی اسرائیل کے دس قبیلے شمالی فلسطین کا علاقہ لے کر الگ ہو گئے اور صرف یہوداہ کا قبیلہ بیت المقدس کے تخت سے وابستہ رہ گیا-

عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَ الْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ
ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَ اذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ ذَا
الْكِفْلِ ؕ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ
الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ

---

(۴۵) اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کا ذکر کیجیے جو بڑی قوت اور بصیرت والے لوگ تھے- (۴۶) ہم نے ان کو خالص و صف کی بنا پر برگزیدہ کیا تھا اور وہ آخرت کی یاد تھی- (۴۷) اور یقیناً وہ ہمارے ہاں برگزیدہ اور بہتر لوگوں میں سے ہیں- (۴۸) اور آپ اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل کا بھی ذکر کیجیے، اور یہ سب بہترین لوگوں میں سے تھے- ؎ (۴۹) یہ ایک تذکرہ تھا، اور (سنو کہ) متقین کے لیے یقیناً بہترین ٹھکانا ہے، (۵۰) ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے- (۵۱) وہ ان میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے- وہ وہاں بہت سے میوے اور مشروبات طلب کر رہے ہوں گے (۵۲) اور ان کے پاس نیچی نظر رکھنے والی .....

---

۶ عہد عتیق میں ایوب کے نام سے ایک صحیفہ ہے اور اس میں اس نام کے ایک راست باز اور صابر انسان کی سرگزشت لکھی ہے- آیت ۴۱ میں اس کی طرف اشارہ ہے اور چند الفاظ میں سارے صحیفہ کے مضمون کو سمیٹ دیا گیا ہے-

مولانا آزاد رحمہ اللہ نے ''ترجمان القرآن'' جلد دوم کے آخر میں ان کی سرگزشت پر بہت کچھ لکھا ہے اور ان کو عربی نژاد قرار دیا ہے اور پھر عربی زبان کی قدامت پر تاریخی شہادتیں پیش کی ہیں- جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی زبان ویدوں کی زبان سے قدیم تر ہے- زیادہ سے زیادہ ہم رگ وید کی تدوین کو عربی کا معاصر قرار دے سکتے ہیں- اور قرآن مجید کا اپنے آپ کو ''عربی مبین'' کہنا وسیع تر معنی کے اعتبار سے ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں- (ملخصاً)

صاحب تفہیم القرآن سورۂ انبیاء کے توضیحی نوٹ ۷۶ میں پہلے تو مولانا آزاد رحمہ اللہ کے بصند سفر ایوب کو نا قابل اعتماد قرار دیتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ قابل اعتماد شہادت اگر کوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ یسعیاہ نبی اور حزقیل نبی کے صحیفوں میں ان کا ذکر آیا ہے- اور یہ صحیفے تاریخی حیثیت سے مستند ہیں- اور یہ دونوں بالترتیب آٹھویں صدی اور چھٹی صدی قبل مسیح میں گزرے ہیں- اس لیے یہ امر یقینی ہے کہ ایوب علیہ السلام نویں صدی یا اس سے پہلے کے بزرگ ہیں- اب رہی قومیت' تو سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں جس طرح ان کا ذکر آیا ہے' اس سے گمان یہی ہوتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل ہی میں سے تھے- مگر وہب بن منبہ کا یہ بیان بھی کچھ بعید از قیاس نہیں کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے عیسو کی نسل سے تھے- واللہ اعلم!

حضرت ایوب علیہ السلام کے اس قصہ کو قرآن مجید نے اس انداز سے بیان فرمایا ہے گویا حضرت ایوب علیہ السلام صبر کا مجسمہ تھے- مگر بائبل میں انہیں شاکی اور بے صبر انسان کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے-

۷ انبیائے کرام علیہم السلام کے سلسلے میں حضرت الیسعؑ اور ذوالکفلؑ کا نام مذکور ہے- حضرت الیسعؑ بنی اسرائیل کے اکابر انبیاء علیہم السلام سے تھے- دریائے اردن کے کنارے ایک مقام ابیل محولہ کے رہنے والے تھے اور حضرت الیاسؑ کے پروردہ تھے- تقریباً بارہ سال حضرت

الثلثة

أَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِن نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾ هَٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطَّاغِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ هَٰذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَآخَرُ مِن شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هَٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۖ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُو النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَبًا

ہم سن بیویاں ہوں گی۔

(۵۳) یہ ہیں وہ نعمتیں جو یوم حساب کو دینے کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے (۵۴) یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

(۵۵) (یہ تو متقیوں کا صلہ ہے) اور سرکشوں کا برا ٹھکانا ہے۔

(۵۶) جہنم جس میں وہ جھلسے جائیں گے، سو بہت بری آرام گاہ ہے۔

(۵۷) یہ ہے ان کے لیے، پس اس کا مزہ چکھیں، کھولتا ہوا پانی اور پیپ (۵۸) اور اسی قسم کی دوسری چیزیں ہیں۔

(۵۹) یہ ایک اور لشکر تمہارے ساتھ گھسا چلا آ رہا ہے، کوئی خوش آمدید ان کے لیے نہیں ہے، بیشک وہ جہنم میں داخل ہو رہے ہیں۔

(۶۰) وہ جواب دیں گے، نہیں بلکہ خوش آمدید نہ ہو تم ہی تو یہ عذاب ہمارے آگے لائے ہو، سو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

الیاسؑ کے زیر تربیت رہے۔ پھر جب ان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا تو یہ ان کی جگہ مقرر ہوئے۔ شمالی فلسطین کی اسرائیلی ریاست جب شرک و بت پرستی اور اخلاقی برائیوں میں غرق ہو گئی تو انہوں نے ایک بادشاہ کی مدد سے بت پرستی کا خاتمہ کیا۔ لیکن حضرت الیسع علیہ السلام کی وفات کے بعد وہی برائیاں پھر لوٹ آئیں۔

علامہ آلوسی ''روح المعانی'' میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ حزقیال (حزقی ایل) نبی ہیں جو بنی اسرائیل کی اسیری کے دوران میں ۵۷۹ ق م کے زمانہ میں نبوت سے سرفراز ہوئے اور نہر خابور کے کنارے ایک بستی میں فرائض نبوت سرانجام دیتے رہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ ''تفہیم القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ بائبل کے صحیفہ حزقی ایل دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی صابر و صالح تھے، جیسا کہ قرآن مجید نے ان کے اوصاف بیان کیے ہیں۔

بخت نصر نے عراق میں اسرائیلی قیدیوں کی ایک نو آبادی دریائے خابور کے کنارے قائم کر دی تھی جس کا نام ''تل ابیب'' تھا۔ اسی مقام پر ۵۹۴ ق م میں حزقی ایل نبوت سے سرفراز ہوئے۔ اور مسلسل بائیس سال تک تبلیغی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بائبل کا صحیفہ حزقی ایل پڑھ کر واقعی یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ الہامی کلام ہے۔!

بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۭ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ
عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾
اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ
الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ
بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ
كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ
تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۭ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ

---

(۶۱) پھر وہ کہیں گے "اے ہمارے رب، جو یہ مصیبت ہمارے آگے لایا ہے اسے جہنم میں دگنا عذاب دے!" (۶۲) اور اہل جہنم آپس میں کہیں گے "ہم یہاں ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم شر پسندوں میں شمار کرتے تھے۔

(۶۳) کیا ہم نے ان کا مذاق بنا رکھا تھا یا ہماری نظریں ان سے خطا کر رہی ہیں" (۶۴) یقیناً یہ دوزخیوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا ایک حقیقت ہے (۶۵) آپ کہہ دیجیے کہ میں صرف ڈرانے والا ہی ہوں اور سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے جو واحد اور سب پر غالب ہے۔

(۶۶) وہی آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب کا رب ہے، زبردست اور بڑی بخشش کرنے والا ہے۔ (۶۷) آپ کہہ دیجیے کہ وہ ایک بہت بڑی خبر ہے (۶۸) جس سے تم اعراض کر رہے ہو (۶۹) مجھے تو ملأ اعلیٰ کے متعلق کوئی علم نہیں ہے جب کہ وہ جھگڑ رہے تھے (۷۰) میری طرف تو صرف اس لیے وحی کی جا رہی ہے کہ میں خدا کی جانب سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں (۷۱) جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ "میں مٹی سے ایک انسان بنانے والا ہوں (۷۲) سو جب میں اسے پوری طرح درست کر لوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔

(۷۳) چنانچہ سب کے سب فرشتے آدم کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ (۷۴) بجز ابلیس کے کہ اس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔! (۷۵) رب نے فرمایا "اے ابلیس! تجھے کس چیز نے اسے سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے؟ کیا تو نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا ہے یا تو واقعی اونچے درجے کے لوگوں میں سے ہے؟" (۷۶) اس نے جواب

مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٧٧﴾ وَّ اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى
يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٧٨﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِلٰى
يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٨١﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٢﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٨٣﴾
قَالَ فَالْحَقُّ وَ الْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿٨٤﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٥﴾
قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿٨٦﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾
وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿٨٨﴾ ع ۵ ۱۴

دیا" میں اس سے بہتر ہوں کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے!" (۷۷) فرمایا "اچھا یہاں سے نکل جا، یقیناً تو مردود ہے!" (۷۸) اور بیشک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے-!"

(۷۹) اس نے کہا "میرے رب، (یہ بات ہے) تو پھر اس وقت تک کے لیے مہلت دے دے، جب یہ لوگ (دوبارہ قبروں سے) اٹھائے جائیں گے!" (۸۰) رب نے فرمایا "اچھا تجھے مہلت ہے،

(۸۱) اس دن تک جس کا وقت معلوم ہے!" (۸۲) ابلیس نے کہا "تیری عزت کی قسم، میں ان سب لوگوں کو گمراہ کر کے رہوں گا، (۸۳) بجز تیرے ان بندوں کے جو مخلص اور برگزیدہ ہیں!"

(۸۴) رب نے فرمایا "تو یہ حق ہے- اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں، (۸۵) کہ میں تجھ سے اور ان لوگوں سے جو تیری پیروی کریں گے، ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا!" (۸۶) اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں اس قرآن کی تبلیغ پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں- (۸۷) یہ تو تمام جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے (۸۸) اور تھوڑی ہی مدت کے بعد تمہیں اس کی حقیقت حال معلوم ہو جائے گی!

* * *

---

۸ اب آیت ۶۵ سے پھر وہی مضمون شروع ہو رہا ہے جس سے اس سورۃ کا افتتاح ہوا تھا- یعنی نبوت و وحی کی صداقت اور آخرت پر استدلال- نبوت و رسالت پر کفار کے اعتراض کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں- پہلا جواب یہ دیا کہ اللہ کی رحمت کے خزانوں کے تم مالک نہیں ہو- اب آخری آیات میں سرداران قریش کو متنبہ کیا ہے کہ ابلیس کی طرح تم حسد و بغض اور تکبر سے کام لے رہے ہو- اور پھر پیغمبروں کی صداقت پر قرآن مجید نے بار بار اس دلیل کو ذکر کیا ہے کہ انبیائے کرامؑ ذاتی اغراض سے پاک ہوتے ہیں اور وہ تبلیغ و دعوت کے اجر کے طالب نہیں ہوتے-

اٰيَاتُهَا : 75	سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ	رُكُوْعَاتُهَا : 8

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝١ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ
مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝٢ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا
نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝٣ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝٤ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ
يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَ يُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ
لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝٥ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا

---

(۱) اس کتاب کی تنزیل اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جو زبردست اور کمال حکمت کا مالک ہے-[۱] (۲) یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے- لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجیے، اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے-[۲] (۳) خبردار دین خالص اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے- اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ''ہم ان بتوں کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے وسیلہ شفاعت ہیں اور تاکہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں''-[(۱)] اللہ یقیناً ان لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں اختلاف کر رہے ہیں- بیشک اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور سخت ناسپاس ہو-[۳] (۴) اگر اللہ کسی کو اپنی اولاد قرار دینا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا- پاک ہے وہ ذات، وہ اللہ ہے جو یکتا اور سب پر غالب ہے-[۴] (۵) اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے- اس نے رات اور دن کے اختلاف وظہور کا ایسا انتظام کر دیا کہ رات دن پر لپٹی جاتی ہے اور دن رات پر لپٹا آتا ہے- اور سورج اور چاند دونوں کو اس کی قدرت نے مسخر کر رکھا ہے اور سب اپنے مقررہ وقت تک کے لیے گردش کر رہے ہیں-[(۲)] آگاہ رہو وہ زبردست اور بڑا بخشنے والا ہے-[۵] (۶) اس نے تم کو اکیلی جان (آدم) سے پیدا کیا- پھر اسی سے اس کا جوڑا بنا دیا اور اسی نے تمہارے لیے مویشیوں میں آٹھ نر اور

---

[۱] آیت ۱۰ میں ہجرت حبشہ کی طرف اشارہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی- دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی توحید آخرت کا بیان ہے اور پیغمبر علیہ السلام کو صبر وثبات کی تعلیم دی گئی ہے کہ کفار کے ظلم وستم کے مقابلہ میں

---

(۱) ''الہلال'' ۲۲ر اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۵ (۲) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ۴۸-

مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى
تُصْرَفُوْنَ ۞ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَ اِنْ
تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ

مادہ پیدا کیے- وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تاریک پردوں میں ایک شکل کے بعد دوسری شکل دیتا چلا جاتا ہے- یہی اللہ تمہارا رب ہے' اسی کی سلطنت ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' تو پھر تم کہاں سے کہاں پھرائے جا رہے ہو؟[6] (۷) اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا- اور اگر شکر بجا لاؤ تو اس کو تمہارے لیے پسند کرے گا- اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا- آخر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے- پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہو- بلاشبہ وہ سینوں کے راز تک کو خوب جانتا ہے- (۸) اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پوری طرح رجوع

وطن چھوڑا جا سکتا ہے' مگر اس دعوت سے دست بردار نہیں ہوا جا سکتا-

۲ قرآن کی حقانیت بیان کرنے کے بعد دعوت اسلامی کے مقصد اصلی کی نشان دہی کی ہے- یعنی اللہ کی عبادت کرنا اور دین کو اسی کے لیے خالص کرنا-

۳ کفار کا عقیدہ تھا کہ خالق تو اللہ ہی ہے اور وہی اصل معبود ہے- لیکن اس کی بارگاہ بہت بلند ہے، اس تک بلا واسطہ ہماری رسائی نہیں ہو سکتی- اس لیے ہم بزرگ ہستیوں کو ذریعہ بناتے ہیں تا کہ یہ ہماری دعائیں اور التجائیں اللہ تک پہنچا دیں- یہی بات بالعموم دنیا بھر کے مشرکین کہتے آئے ہیں- آئندہ آیت ۳ میں مشرکین کے اسی عقیدہ کی تردید کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

۴ پھر کچھ مشرک ایسے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے تھے- فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے- بعض انبیاء (عیسیٰ-عزیر علیہما السلام) کو ابن اللہ کہتے- یہاں پر اسی عقیدہ کی تردید ہے-

۵ آیت ۵ میں واضح کیا کہ کائنات کا یہ نظام حق پر قائم ہے اور صاف شہادت دے رہا ہے کہ ایک خدا اس کا خالق ہے اور ایک ہی خدا اس کا مالک و مدبر ہے- اس کے برعکس اگر کوئی شخص یہ فرض کرتا ہے کہ اس دنیا کا کوئی خالق نہیں ہے' یا فرض کرتا ہے کہ یہاں بہت سے خدا ہیں تو ان مفروضات کی بدولت حقیقت تبدیل نہیں ہوگی-

۶ قرآن مجید بار بار ''توحید ربوبیت'' سے ''توحید الوہیت'' پر استدلال فرماتا ہے- یعنی جب وہی کائنات کا خالق اور مالک ہے تو عبادت بھی اسی کی کرنی چاہیے- لیکن معلوم نہیں کہ انسان کیسے بہک رہا ہے؟

مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَ جَعَلَ لِلّٰهِ
اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾ اَمَّنْ هُوَ
قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ
ع ۹ ۱۵ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾

ہو کر اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے- پھر جب وہ اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا کر دیتا ہے' تو جس مصیبت کو دور کرنے کے لیے وہ اس سے پہلے اسے پکارتا رہا تھا اسے بھول جاتا ہے اور دوسروں کو اللہ کے لیے ہمسر بنالیتا ہے تا کہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو گمراہ کرے- اے نبی آپ ایسے شخص سے کہہ دیجیے کہ اپنے کفر سے تھوڑی مدت فائدہ اٹھالو، یقیناً تو اہل جہنم میں سے ہے [7] (۹) بھلا وہ شخص جو رات کے اوقات تنہائی وخلوت میں ہر طرف سے کٹ کر خدا کے سامنے جھک گیا' کبھی جوش اضطراب سے اس کے سامنے سجدے میں گر جاتا ہے اور کبھی اس کے آگے ہاتھ باندھ کر غلاموں اور مجرموں کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے- کبھی آخرت کی منزلوں کے تصور سے ڈرنے لگتا ہے اور کبھی اس کی شان کریمی ورحمت کو یاد کر کے امیدوار بخشش ہو جاتا ہے' تو بتلاؤ کہ ایسا شخص اور سرشاران غفلت وحجاب برابر ہیں؟ پھر کیا صاحبان علم اور گم گشتگان جہل' دونوں کا ایک ہی درجہ ہے [(1)] اور نصیحت وہی مانتے ہیں جو دانشمند ہیں- [8] (۱۰) اے نبی! آپ کہہ دیجیے ''اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو' اپنے رب سے ڈرتے رہو' جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک رویہ اختیار کیا' ان کے لیے (آخرت میں) بھلائی ہے' اور اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے- صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا'' - (۱۱) آپ فرما دیجیے ''مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی عبادت کروں (۱۲) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود مسلمان

---

۷ آیت ۸ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ رنج ومصیبت کی حالت میں انسان کے اندر وجدانی طور پر ولولہ اٹھتا ہے کہ ایک بالاتر ہستی موجود ہے جو میرے دکھ درد دور کر سکتی ہے- اور اسی کو پکارنا چاہیے- لیکن جب مصیبت دور ہو جاتی ہے تو پھر عیش وراحت کی غفلتوں میں پڑ کر اسے بھول جاتا ہے اور دوسرں کو اللہ کے ہمسر بنانے لگ جاتا ہے- قرآن مجید نے جا بجا اس فطری حالت سے استشہاد کیا ہے کہ انسانی فطرت اپنے اندرونی ادراک میں خدا کی ہستی کا ادراک رکھتی ہے اور اعراض وغفلت اور شرک کی حالت وجدانی نہیں' بلکہ خارجی اثرات کا نتیجہ ہے-

۸ ''جو جانتے ہیں'' یعنی اللہ ورسول کی بتائی ہوئی باتوں کو مانتے ہیں' ''اور جو نہیں مانتے'' یہ دونوں کب برابر ہو سکتے ہیں؟

''یاد رہے کہ یہ ایک نہایت اہم اور بصیرت طلب آیت کریمہ ہے- ایک ایسے قانت ومنقطع شخص کی مثال دے کر فرمایا ''ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون'' غور کیجیے بظاہر اسے علم وجہل سے کیا تعلق تھا؟ اصل یہ ہے کہ جو حالت ایسے شخص (قانت ومنقطع)

---

(۱) ''الہلال'' ۱۴ ارمئی ۱۹۱۳ء ص ۸-

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾
فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِیْهِمْ
یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ
تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا
الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْۤا اِلَی اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰی ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ
یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِیْنَ
اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّةٌ ۙ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ
الْمِیْعَادَ ﴿۲۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا
مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ ع ۲ / ۱۶

بنوں!" (۱۳) آپ کہہ دیجیے "اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔" (۱۴) آپ کہہ دیجیے کہ "میں اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسی کی عبادت کروں گا! (۱۵) تم اس کے سوا جس کی عبادت چاہے کرتے پھرو۔" آپ کہہ دیجیے "حقیقتاً نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے روز اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو خسارے میں ڈال دیا۔ آگاہ رہو یہ خسارہ ہی کھلا خسارہ ہے!" (۱۶) ان کے اوپر آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہوں گے۔ یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہو! (۱۷) اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا اور انہوں نے اللہ کی جانب رجوع کر لیا ان کے لیے خوشخبری ہے پس اللہ کی طرف سے بشارت ہے ان بندوں کے لیے (۱۸) جو کلام حق کو کان لگا کر سنتے ہیں اور اس کی اچھی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ہدایت کے لیے کھول دیا ہے اور یہی لوگ عقل سلیم رکھنے والے ہیں۔[1] (۱۹) بھلا جس شخص پر عذاب کا حکم ثابت ہو چکا ہو تو کیا آپ اس شخص کو آگ سے بچا سکتے ہیں جو آگ میں گر چکا ہو؟ (۲۰) البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے تو ان کے رہنے کے لیے منزل بہ منزل بنی ہوئی بلند عمارتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا (۲۱) کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر زمین میں اس کے چشمے رواں ہو گئے۔ پھر اسی پانی سے رنگ برنگ کی کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ پھر ان کی نشوونما میں ترقی ہوئی اور پوری طرح پک کر تیار ہو گئیں، پھر ترقی کے بعد زوال طاری ہوا اور تم دیکھتے ہو کہ ان پر زردی چھا جاتی ہے۔ پھر وہ خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہیں۔ بلاشبہ دانش مندوں کے لیے اس صورت حال میں بڑی ہی عبرت ہے!۔ ع [2]

(۱) "الہلال" ۱۸ر دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۱۱۔

(۲) تشریح کے لیے دیکھیے "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۴۱۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ
اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖۗ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ
الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَی اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ
مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ
وَ قِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ
مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

---

(۲۲) اور جس کا دل اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا گیا ہو' وہ اپنے پروردگار کی روشن کی ہوئی مشعل ہدایت اپنے سامنے پاتا ہو (تو کہیں یہ سنگ دل شخص کی طرح ہوسکتا ہے؟) پس صد افسوس اور صد حسرت ان دلوں پر جو ذکر الٰہی کی طرف سے بالکل سخت ہوگئے اور یہی لوگ ہیں جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔[1] (۲۳) اللہ نے بہترین کلام نازل کیا ہے' ایک ایسی کتاب جس کے مضامین ملتے جلتے بار بار دہرائے گئے ہیں۔ اس کتاب کو سن کر ان لوگوں کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کتاب اللہ کی ہدایت ہے۔ وہ اس کے ذریعہ سے جس کو چاہتا ہے، ہدایت فرما دیتا ہے۔ اور جسے اللہ گمراہ گردان دے اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ (۲۴) بھلا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب سے اپنے چہرہ کے ذریعے سے بچے گا (اس کی بدحالی کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟) اور ظالموں سے کہہ دیا جائے گا ''تم جو کمائی کرتے رہے ہو' اب اس کے وبال کا مزہ چکھو!'' (۲۵) ان سے پہلے بھی بہت سے لوگ تکذیب کرنے کا شیوہ اختیار کر چکے ہیں' پھر ان پر عذاب ایسی جہت سے آیا جدھر سے انہیں احساس تک نہ تھا۔ (۲۶) سو اللہ نے انہیں دنیا ہی کی زندگی میں ذلت و رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اس سے.....

کی بیان کی گئی ہے' وہی فی الحقیقت علم و حکمت حقیقیہ کا انتہائی مرتبہ ہے اور وہی حالت ہے جسے علم کا اصلی نتیجہ یقین کرنا چاہیے۔''

(۹) آیت ۲۱ میں ایک قانون قدرت کی طرف اشارہ کیا ہے جو سب میں یکساں جاری و ساری ہے۔ یعنی بارش سے کھیتی کا اگنا اور مختلف مدارج طے کرنے کے بعد اس کا فنا ہو جانا۔ اس کو عقلمندوں کے لیے نصیحت فرمایا۔ کیونکہ خود انسان کی بھی یہی حالت ہے۔ پہلے بچہ ہوتا ہے' پھر جوان ہوتا ہے' پھر پختہ ہو کر بوڑھا ہو جاتا ہے اور آخر کار دنیا سے سدھار جاتا ہے۔

اور یہی حال دنیا کا ہے۔ اس کی سب زینتیں عارضی اور چند روزہ ہیں، اور آخر کار اس کی ہر چیز کو فنا ہے۔ اس کے ہر کمال کو انحطاط ہے اور ہر عروج کو زوال ہے:

---

(۱) ''الہلال'' ۱۲/ اگست ۱۹۱۴ء ص ۴۔

وقف لازم

اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ
لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ۚ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ
اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُوْنَ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٤﴾ۚ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ

ع

کہیں بڑھ کر ہے' کاش یہ لوگ جانتے! (۲۷) ہم نے انسان کو سمجھانے کے لیے اس قرآن میں سب طرح کی مثالیں بیان کر دیں تا کہ لوگ نصیحت پکڑیں۔[1] (۲۸) جو عربی زبان میں ہے اور اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں ہے تا کہ یہ لوگ برے انجام سے بچیں۔ (۲۹) اللہ نے ایک مثال بیان کی کہ ایک شخص تو وہ ہے جس کی ملکیت میں چند لوگ شریک ہیں اور وہ ایک دوسرے کے مخالف اور کج خلق ہیں۔ اور دوسرا شخص پورے کا پورا ایک ہی شخص کا غلام ہے۔ کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے؟ الحمد للہ! مگر اکثر لوگ جانتے نہیں! (۳۰) اے پیغمبر! آپ کو بھی مرنا ہے اور یقیناً انہیں بھی مرنا ہے (۳۱) پھر قیامت کے روز تم سب اپنے رب کے حضور اپنا اپنا معاملہ پیش کرو گے! (۳۲) پھر اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے اور جب سچائی اس کے سامنے آئی تو اس کی تکذیب کر دی' کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم نہیں ہوگا؟ (۳۳) اور جو لوگ سچائی لے کر آئے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی، یہی لوگ عذاب سے بچنے والے ہیں۔ (۳۴) انہیں اپنے رب کے ہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یہ نیکو کار لوگوں کی جزا ہے۔ (۳۵) تا کہ ان لوگوں نے جو بدترین عمل کیے تھے انہیں..........

''نظام ربوبیت کی یہ یکسانی اور ہم آہنگی ہر وجود اور گوشے میں نظر آتی ہے۔ انسان کا بچہ' درخت کا پودا' تمہاری نظر میں کتنی ہی بے جوڑ چیزیں ہیں۔ لیکن اگر ان کی نشوونما کا کھوج لگاؤ گے تو دیکھو گے کہ قانون پرورش کی یکسانی نے دونوں کو ایک ہی رشتے میں منسلک کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ ہر وجود اپنے سن کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ اور جب سن کمال تک پہنچ گیا تو از سر نو ضعف وانحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ پھر اس دور کا خاتمہ بھی سب کے لیے ایک ہی طرح کا ہے۔ کسی دائرے میں اسے مرجانا کہتے ہو' کسی میں مرجھا جانا اور کسی میں پامال ہو جانا۔''

(۱) ''الہلال'' ۸ ر ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۶۔

عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَ یَجْزِیَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَلَیْسَ اللّٰهُ
بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَ یُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَ مَنْ یَّهْدِ
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَ الْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ
هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَیْهِ
یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ
یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ
اهْتَدٰی فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۴۱﴾ اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ ع

اللہ تعالیٰ ان سے دور کردے اور انہیں ان کے بہترین اعمال کا صلہ عطا فرمائے' جو وہ کیا کرتے تھے-(۳۶) کیا اللہ (کے خزائن) اس کے بندے کے لیے کافی نہیں کہ وہ اسے دوسروں کے دروازے پر بھیجے؟ [1] اور یہ لوگ اللہ کے سوا دوسروں سے تجھے ڈراتے ہیں حالانکہ جسے اللہ گمراہ گردان دے تو اسے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں! (۳۷) اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں' کیا اللہ زبردست اور انتقام لینے والا نہیں ہے-(۳۸) اے پیغمبرؐ! اگر آپ ان مشرکین سے پوچھیں کہ کون ہے جس نے ان آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا؟ تو ضرور اس کے جواب میں کہیں گے کہ ''اللہ نے!'' پھر اگر آپ ان سے کہیں کہ اگر اللہ مجھے تکلیف پہنچانا چاہے تو تمہارے وہ معبود جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو' میری تکلیف دور کر سکتے ہیں؟ یا اللہ اگر مجھ پر اپنا فضل کرنا چاہے تو کیا وہ اسے روک سکتے ہیں؟'' اے پیغمبرؐ! ان سے کہہ دیجیے کہ میرے لیے تو بس وہی خدا بس کرتا ہے (جس کے وجود سے تم بھی انکار نہیں کر سکتے)- اور بھروسا کرنے والے اسی پر بھروسا کرتے ہیں-[2] (۳۹) کہہ دیجیے ''اے لوگو! تم بھی اپنی جگہ کام کیے جاؤ اور میں بھی کر رہا ہوں اور عنقریب جان جاؤ گے (کہ اللہ کی نصرت کس کے ساتھ ہے اور کسے اخروی کامیابی نصیب ہوتی ہے)[3] (۴۰) اور کسے عذاب آ کر اسے رسوا کرتا ہے اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے-(۴۱) اے نبیؐ! ہم نے سب انسانوں کی بھلائی کے لیے یہ کتاب برحق آپ پر نازل کر دی ہے- سو اب جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا تو اپنی جان کے لیے کرے گا اور جو گمراہی اختیار کرے گا تو اس گمراہی کا وبال اسی پر ہوگا اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں-(۴۲) اللہ ہی روحوں کو

(۱) ''الہلال'' ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۵- (۲) ''الہلال'' ۲۵ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۷-

(۳) ''الہلال'' ۱۱ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۳-

حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى
اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ
اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ
وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
عٰلِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لَوْ اَنَّ
لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جس کے مرنے کا وقت نہیں آیا اس کی روح سوتے میں قبض کر لیتا ہے- پھر ان روحوں کو جن پر موت کا حکم صادر کر چکا ہے ان کو روک لیتا ہے اور دوسری روحیں ایک وقت مقررہ کے لیے بھیج دیتا ہے- بلاشبہ اس میں غور وفکر سے کام لینے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں-[۱۰] (۴۳) کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو شفیع سمجھ رکھا ہے؟ آپ کہیے (کیا یہ شفاعت کریں گے؟) اگرچہ ان کو کسی چیز کا اختیار نہ ہو اور نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں؟ (۴۴) آپ ان سے کہہ دیجیے سفارش تو تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے تمام آسمانوں اور زمین کی حکومت کا وہی مالک ہے پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے- (۴۵) اور جب خدائے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو جن لوگوں کو حیات اخروی پر (کامل) ایمان نہیں تو ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں- اور خدا تعالیٰ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو یکایک ان میں خوشی پیدا ہو جاتی ہے-[۱۱] (۴۶) اے نبیؐ! آپ کہیے "اے اللہ" آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے چھپے اور کھلے کے جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں- (۴۷) اگر ان ظالموں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اور بھی ہو تو یہ لوگ قیامت کے دن برے

---

۱۰ آیت ۴۲ میں دراصل انسان کو یہ احساس دلایا ہے کہ موت اور زیست اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے- نیند کی حالت میں روحوں کے قبض سے مراد احساس وشعور فہم وادراک اور ارادہ کی قوتوں کا معطل کر دینا ہے- اسی بنا پر مثل مشہور ہے- النوم اخو الموت- اگر انسان نوم و یقظہ کی اس حالت پر غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وسعت قدرت سے مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے-

۱۱ آیت ۴۵ میں مشرک کی حالت بیان کی ہے کہ گو یہ لوگ زبان سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت کا اعتراف کرتے ہیں، مگر اکیلے خدا کی حمد وثنا پر خوش نہیں ہوتے- جب تک کہ دوسرے پیروں فقیروں اور دیوتاؤں کی کرامات کا ذکر نہ کیا جائے- آج کل بھی خالص توحید کا وعظ کہنے والوں کو منکر اولیاء سمجھا جاتا ہے- اور واعظ بھی سامعین کو خوش کرنے کے لیے ادھر ادھر کی گپیں ہانکنا ضروری خیال کرتے ہیں- الغرض اس آیت کے مضمون کی میزان پر ہر شخص اپنے ایمان اور عقیدہ توحید کو تول سکتا ہے!

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ
مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ
اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَاۤ
اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَاۤءِ
سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا
تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِيْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ
وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

عذاب سے بچنے کے لیے سب کچھ فدیہ میں دینے کو تیار ہو جائیں گے اور وہاں اللہ کی طرف سے ان کے سامنے وہ کچھ آئے گا' جس کا وہ وہم وگمان بھی نہ رکھتے تھے- (۴۸) اور وہاں ان کی کمائی کے برے نتائج ان کے سامنے آ جائیں گے اور وہی چیز ان کو آ گھیرے گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے (۴۹) پھر جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے- پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی خاص نعمت عطا کرتے ہیں' تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھ کو میرے علم کی بنا پر ملا ہے- نہیں بلکہ یہ ایک آزمائش ہے- مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں- (۵۰) یہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' مگر جو کچھ وہ کرتے رہے' ان کے کچھ بھی کام نہ آیا (۵۱) پھر ان تمام بداعمالیوں کا وبال ان پر آ پڑا- اور ان لوگوں میں سے بھی جو ظالم ہیں' ان کی کمائی کا وبال بھی عنقریب ان پر پڑنے والا ہے- اور یہ لوگ ہمیں عاجز کر دینے والے نہیں ہیں (۵۲) اور کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے- بیشک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں (۵۳) اے پیغمبر! کہہ دیجیے اے میرے بندو! (گناہوں میں ڈوب کر) تم نے اپنے اوپر سخت زیادتیاں کی ہیں (خواہ تم کیسے ہی غرق معصیت ہو مگر پھر بھی اس محبت فرمائے رحمت سے ناامید نہ ہو! یقیناً وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا' بیشک وہ درگزر کرنے والا ہے اور اس کی بخشش رحم عام ہے-[1] (۵۴) (اے وہ لوگو کہ اپنے پروردگار کی نافرمانیوں میں ڈوبے ہوئے ہو) اس کی طرف رجوع کرو اور اس کے حکم کے آگے اپنی گردن جھکا، دو قبل اس کے کہ تم پر (آخری) عذاب نازل ہو اور کسی طرف سے تمہیں مدد نہ ملے-[2] (۵۵) اور اللہ کی طرف سے جو بہترین احکام ومواعظ بھیجے گئے ہیں ان کی پیروی کرو-......

---

(۱) ''الہلال'' ۱۴ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۸- (۲) ایضاً-

مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ
يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ
هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَ اسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى
لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَ يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَ لَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ ع

اس وقت سے پہلے جبکہ یکا یک تم کو (آخری ناکامیوں اور نامرادیوں کا) عذاب آ گھیرے گا اور تم بالکل بے خبر ہو گے-

(۵۶) اور کہیں ایسا نہ ہو کہ (تم اس وقت حسرت وندامت کے ساتھ وقت فرصت کو یاد کرو)......اور تم میں سے کوئی کہے آہ! آہ! صد حسرت وافسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اپنے پروردگار کے احکام کی تقدیس کرنے میں کی- اے افسوس کہ مجھے حکم الٰہی سنایا جاتا تھا مگر میں تمسخر کرتا تھا- (۵۷) یا کہے کہ اگر خدا میری ہدایت فرماتا تو آج پرہیزگاروں میں سے ہوتا حالانکہ اس تمام حجت کے لیے آج ہدایت کی صدائے دعوت بلند کی جارہی ہے (۵۸) یا پھر جب وہ آنے والا عذاب آموجود ہو تو اسے دیکھ کر حسرت سے کہے کہ اے کاش ' مجھے دی گئی ہوئی مہلت اور گزرا ہوا وقت دوبارہ مل جاتا تو میں بھی نیک بن کر نیکوں کی جماعت میں شامل ہو جاتا- (۵۹) لیکن اس وقت صدائے الٰہی اٹھے گی کہ ہاں میں نے تو اپنا حکم بھیجا تھا اور اپنی نشانیاں تجھے دکھلائی تھیں، پر تو نے ان کو جھٹلایا اور ان کے آگے جھکنے کی جگہ مغرور ہو گیا ' میرے حکموں سے انکار کرنے والوں میں تو بھی تھا اب تیرے لیے حسرت ونامرادی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا-(۱)

(۶۰) اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے قیامت کے دن آپ دیکھیں گے کہ ان کے منہ کالے ہوں گے- کیا ان متکبروں کا ٹھکانا جہنم نہیں ہے؟ (۶۱) اور جن لوگوں نے یہاں تقویٰ کی راہ اختیار کی، ان کی کامیابی کی وجہ سے اللہ انہیں نجات دے گا نہ انہیں کسی طرح کی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے-

(۶۲) اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے (۶۳) آسمانوں اور زمین کے خزانے کی کنجیاں اسی کے اختیار میں ہیں- اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں تو یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں (۶۴) اے نبی ' آپ ان سے کہہ

(۱) الہلال ۱۴/مئی ۱۹۱۲ء ص ۵

اَعۡبُدُ اَیُّهَا الۡجٰهِلُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَقَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ وَ اِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ
لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعۡبُدۡ وَ كُنۡ مِّنَ الشّٰكِرِیۡنَ ﴿۶۶﴾ وَ مَا
قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ ۖ وَ الۡاَرۡضُ جَمِیۡعًا قَبۡضَتُهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطۡوِیّٰتٌۢ
بِیَمِیۡنِهٖ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ
وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِیۡهِ اُخۡرٰی فَاِذَا هُمۡ قِیَامٌ یَّنۡظُرُوۡنَ ﴿۶۸﴾
وَ اَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الۡكِتٰبُ وَ جِایۡٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِیَ
بَیۡنَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۹﴾ وَ وُفِّیَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ وَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَا
یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۰﴾ وَ سِیۡقَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡهَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَ ع

دیجیے: اے جاہلو! کیا اب بھی مجھے کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کرنے لگوں-

(۶۵) بلاشبہ میری طرف اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے تمام اعمال نیست و نابود ہو جائیں گے اور تم یقیناً خسارے میں پڑ جاؤ گے-

(۶۶) بلکہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ (۶۷) اور انہوں نے اللہ کی وہ قدر نہ کی جو اس کی قدر کرنے کا حق ہے- حالانکہ یہ ساری زمین قیامت کے دن اس کے قبضہ میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے- پاک ہے وہ ذات اور بالاتر ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں-

(۶۸) اور صور میں پھونکا جائے گا تو وہ سب بیہوش ہو کر گر پڑیں گے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں، سوائے ان کے جن کو اللہ چاہے- پھر اس صور میں دوسری مرتبہ پھونک ماری جائے گی تو یکا یک یہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے! (۶۹) اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی اور عملوں کی کتاب لا کر رکھ دی جائے گی اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان کی حق تلفی نہیں کی جائے گی- (۷۰) اور ہر شخص کو اس کے عملوں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور جو کچھ لوگ کرتے رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے-

(۷۱) اور جو لوگ کفر کرتے رہے ہیں وہ دوزخ کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ دوزخ پر پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور..........

قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ
لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا
اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ
اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ
طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ
نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ
الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۵ ۸

اس کے خازن ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیات پڑھ کر سنایا کرتے اور تم کو اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کیوں نہیں آئے تھے-لیکن عذاب کا فیصلہ کافروں پر پورا ہو کر رہا!''

(۷۲) ان سے کہا جائے گا'' دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ' اب اس میں ہمیشہ رہو گے' سو وہ کتنا ہی برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کے لیے!''

(۷۳) اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، ان کو گروہ در گروہ جنت کی طرف چلایا جائے گا- یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوں گے اور جنت کے خازن ان سے کہیں گے'' تم پر سلام ہو! تم خوش حال رہو! سو جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے اس میں داخل ہو جاؤ-''

(۷۴) اور وہ (جنت میں داخل ہو کر) کہیں گے'' سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنا وعدہ ہم کو سچ کر دکھایا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں سکونت اختیار کریں- پس عمل کرنے والوں کا اجر کتنا عمدہ ہے!'' (۷۵) اور آپ دیکھیں گے کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کر رہے ہوں گے اور تمام لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ سب خوبیاں اللہ رب العالمین کے لیے ہی زیبا ہیں!

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُهَا: 85 | سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 9

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② غَافِرِ الذَّنْۢبِ
وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ مَا
يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④ كَذَّبَتْ
قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ
جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ⑤ وَ كَذٰلِكَ
حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ⑥ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ

وقف لازم / وقف النبی ﷺ

(۱) حم (۲) اس کتاب کی تنزیل اللہ کی جانب ہے جو زبردست' سب کچھ جاننے والا ہے-[1] (۳) گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا' سخت سزا دینے والا' بڑا صاحب فضل' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے- (۴) اللہ کی آیات میں صرف وہی لوگ جھگڑا کرتے ہیں جنھوں نے کفر کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے' سوملکوں میں ان کا چلنا پھرنا تمھیں کسی دھوکے میں نہ ڈال دے-[2] (۵) ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور ان کے بعد بہت سے گروہ پیغمبروں کی تکذیب کر چکے ہیں اور ہر قوم نے اپنے رسول کے ساتھ یہی ارادہ کیا کہ اسے گرفتار کرے، اور بے اصل باتوں کا سہارا لے کر جھگڑا کرتے رہے کہ حق کو اس کی جگہ سے ہٹا دیں' آخر کار میں نے ان کو پکڑ لیا' پھر دیکھ لو کہ میری سزا کیسی ہوئی؟ (۶) اسی طرح ان کافروں پر بھی تیرے رب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ اہل دوزخ ہیں (۷) وہ فرشتے جو عرش الٰہی کے حامل ہیں

[1] اس سورہ کے تین نام ہیں: سورۂ مومن، سورۂ غافر اور سورۂ طول- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کا نزول سورۂ زمر کے بعد ہے- اس سورہ کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں کفار مکہ ایک طرف تو بحث ومباحثہ اور الزام تراشیوں سے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کر رہے تھے اور قرآن مجید پر مختلف قسم کے اعتراضات کر رہے تھے اور دوسری طرف آپ کو (معاذ اللہ) قتل کر دینے کے منصوبے بنا رہے تھے، اور اس کے لیے فضا ہموار کر رہے تھے-

اس سورہ میں مومن آل فرعون کا قصہ "اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ!" اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں تنبیہ وسرزنش کے علاوہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے متبعین کو صبر وثبات اور ان ظالموں سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے-

اس کے علاوہ مکی سورتوں میں توحید وآخرت کے دلائل دیے گئے ہیں اور بتایا ہے کہ عنقریب فیصلے کا دن قریب آ رہا ہے' ہر چیز کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا-

وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ
شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝٧ رَبَّنَا وَ
اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ
اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٨ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ ع
تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝١٠ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا
بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝١١ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ
يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝١٢ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ
السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝١٣ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ

اور جو اس کے گرداگرد ہیں یہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں" کہ اے ہمارے رب' تو اپنی رحمت اور علم سے ہر چیز پر چھایا ہوا ہے- سو ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور ان کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ- (۸) اے ہمارے رب' ان کو ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل فرما' بیشک تو ہی زبردست کمال حکمت کا مالک ہے (۹) اور ان کو برائیوں کی پاداش سے بچالے، اور جس کو تو نے قیامت کے دن برائیوں کی پاداش سے بچالیا تو اس پر واقعی تو نے رحم کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے" (۱۰) جن لوگوں نے کفر کیا ان کو (قیامت کے دن) پکار کر کہا جائے گا کہ آج جتنا شدید غصہ تمہیں اپنے آپ پر آ رہا ہے اللہ تم پر اس سے بھی زیادہ غضبناک ہوتا تھا جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم کفر کرتے تھے- (۱۱) یہ لوگ کہیں گے" اے ہمارے رب' تو نے دوبار ہمیں موت دی اور دوبار زندہ کیا، سو اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں! پھر یہاں سے نکلنے کی کیا کوئی سبیل ہے؟ (۱۲) یہ سزا تمہیں اس لیے مل رہی ہے کہ جب صرف تنہا اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے- بس فیصلہ اللہ ہی کا ہے جو سب سے بلند اور بڑا ہے- (۱۳) وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لیے رزق اتارتا ہے- اور ان باتوں سے صرف وہی نصیحت حاصل کرتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع ہونے والا ہو (۱۴) پس اللہ کے لیے اپنے دین کو خالص کر کے اسی کی عبادت کرو- خواہ کافر لوگ کتنا ہی برا مانیں-

---

۲ آیت ۴ میں جھگڑے کی مذمت کی ہے' اس سے کج بحثیاں مراد ہیں، ورنہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے بحث کرنا ممدوح اور اہل علم کا مشغلہ چلا آیا ہے-

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ
لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ
لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾ وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ
حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَ اللّٰهُ يَقْضِيْ
بِالْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ ع
اَوَ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ
اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ

---

(۱۵) وہ بلند درجوں والا صاحب عرش ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی بھیجتا ہے تا کہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے (۱۶) جس دن کہ سب لوگ میدان حشر کی طرف نکل کھڑے ہوں گے، ان کی کوئی بات اللہ پر مخفی نہ ہو گی (اس وقت کہا جائے گا) آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ کسی کی نہیں، صرف خدائے واحد وقہار کی! (۱۷) آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا، آج کے دن کسی پر ظلم نہیں ہوگا، بیشک اللہ بہت حساب کرنے والا ہے۔ (۱۸) اے نبی! آپ ان لوگوں کو اس قریب آنے والے دن کی مصیبت سے ڈرایئے جس دن کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے اور لوگ غم کے گھونٹ پی رہے ہوں گے۔ اس دن ظالموں کا نہ کوئی ہمدردی کرنے والا دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مان لی جائے (۱۹) اللہ خیانت کرنے والی آنکھ کو جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جو سینوں نے چھپا رکھی ہیں۔ (۲۰) اور اللہ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے گا۔ اور وہ معبود جن کو (یہ مشرکین) اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں، وہ کسی طرح کا فیصلہ نہیں کر سکتے، بلاشبہ اللہ ہی سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ (۲۱) کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان لوگوں کا انجام دیکھتے جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں وہ قوت میں ان سے زیادہ تھے اور زمین میں آثار چھوڑنے کے اعتبار سے بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا اور اللہ سے کوئی بھی ان کو بچانے والا نہ تھا (۲۲) ان پر یہ گرفت اس بنا پر ہوئی کہ ان کے رسول ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آتے

---

۳ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے ہیں انہیں چاہیے کہ گزشتہ اقوام کے وقائع سے عبرت حاصل کریں وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور تھے مگر جب انہوں نے اللہ کے رسول کو جھٹلایا تو وہ اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکے۔

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٣﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ
وَ قَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ
اسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَ مَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٢٥﴾ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَ لْيَدْعُ
رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَ قَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ
وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ ع ۸

رہے، مگر وہ کفر وانکار ہی کرتے رہے، پھر اللہ نے ان کو پکڑ لیا، بیشک اللہ بڑی قوت اور سخت عذاب دینے والا ہے۔[۳] (۲۳) بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر بھیجا۔ (۲۴) فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف، مگر انہوں نے اسے "جادوگر" اور "جھوٹا" بتایا۔[۴] (۲۵) غرض جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر پہنچا تو ان لوگوں نے کہا "جو لوگ موسیٰ کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو" مگر کافروں کی یہ تدبیر اکارت ہی گئی۔[۵] (۲۶) اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو کہ موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے خدا کو اپنی مدد کے لیے بلائے، میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارا دین نہ بدل دے یا یہ کہ زمین میں فساد نہ پھیلائے![۱] (۲۷) اور موسیٰ نے کہا "میں تو ہر متکبر سے جو یوم حساب پر ایمان نہ رکھتا ہو، اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے چکا ہوں!" (۲۸) اتنے میں آل فرعون میں سے ایک مومن شخص جو اپنا ایمان چھپائے.......

---

۴ قارون بنی اسرائیل میں سے سب سے زیادہ مالدار تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فرعونی سیاست سے وابستہ تھا اور ہامان فرعون کا درباری اور وزیر تھا۔ اور یہ ہامان وہ نہیں ہے جو ایران کے بادشاہ اخسویرس کے دربار میں امیر تھا۔ جیسا کہ بعض مستشرقین نے اعتراض کیا ہے۔

۵ قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ ہم نے موسیٰؑ کو آیات اور "سلطان مبین" دے کر بھیجا۔ اور عطف سے ظاہر ہے کہ یہ "سلطان مبین" آیات کے علاوہ ہے۔ اس لیے علماء نے اس کی مختلف تاویلیں بیان کی ہیں۔

ممکن ہے کہ آیات سے مراد عام معجزات ہوں اور "سلطان مبین" خاص قسم کی تائید ربانی کا نام ہو جو پیغمبروں کے چہرے بر نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہو کر آئے اور آپ نے معجزات اور نشانیاں دکھا کر ثابت کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، تو فرعون نے بالآخر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل اور لڑکیوں کو جیتا چھوڑ دینے کا حکم نامہ جاری کر دیا، تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حامیوں کو خوفزدہ کر دیا جائے اور وہ ڈر کے مارے ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔

---

(۱) "البلاغ" ۱۱ر فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵۔

اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اِنْ يَّكُ
كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ
هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ
بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى وَ مَاۤ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾
وَ قَالَ الَّذِيْۤ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ
نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَ يٰقَوْمِ اِنِّيْۤ

ہوئے تھا[۶] آ کر کہنے لگا ''کیا تم ایک شخص کو محض اس بنا پر قتل کر ڈالو گے کہ وہ کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے' اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا- اور اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب کا وہ تمہیں وعدہ دے رہا ہے' اس میں سے کچھ نہ کچھ تو تمہیں پہنچ کر رہے گا- بلاشبہ اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور بہت جھوٹا ہو-

(۲۹) میری قوم کے لوگو! آج تو تمہاری سلطنت ہے' اس ملک میں تم غالب اور حکمران ہو' لیکن اگر ہم پر اللہ کا عذاب آ پڑا تو اس عذاب میں کون ہماری مدد کرے گا؟''[۷] فرعون نے کہا ''میں تو تم کو وہی رائے دیتا ہوں جس کو میں خود صحیح سمجھتا ہوں اور میں اسی راستہ کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں جو بالکل ٹھیک ہے!'' (۳۰) اور اسی مومن نے کہا ''میری قوم کے لوگو! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم کو بھی دوسری قوموں کی طرح روز بد نہ دیکھنا پڑے-

(۳۱) اور تمہارا بھی وہی حشر نہ ہو جو قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد دوسری قوموں کا ہوا- اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا ہے (۳۲) اے قوم! مجھے......

---

۶ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ظہور پذیر ہونے والے حیرت انگیز معجزات دیکھ کر فرعون کے اعیان سلطنت میں سے کوئی شخص دل ہی دل میں ایمان لے آیا ہوا اور فرعون کو ان کے قتل پر آمادہ دیکھ کر ضبط نہ کر سکا ہو' مگر مغربی مستشرقین اس شخص کے کردار سے انکار کرتے ہیں اور قرآن مجید کی روشن صداقتوں پر خاک ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں-

۷ فرعون نے جب دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت سے کسی طور انکار ممکن نہیں تو اس نے ایک سیاسی چال چلی، اور کہنے لگا کہ یہ شخص تمہارا نظام حکومت تبدیل کر کے ملک میں فساد برپا کرنا چاہتا ہے- اس لیے تحفظ امن عامہ کے تحت اسے گرفتار کر کے قتل کر دینا چاہیے- مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان دھمکیوں کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا-

اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ
مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ
شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ
يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿٣٤﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾
وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿٣٦﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ
فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ
السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿٣٧﴾ وَ قَالَ الَّذِيْۤ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ ع

ڈرہے کہ کہیں تم پر چیخ پکار کا دن نہ آ جائے-

(۳۳) جس دن کہ تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے' اس دن تمہیں اللہ سے کوئی بھی بچانے والا نہ ہوگا- اور جسے اللہ گمراہ کردے' اسے پھر کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہوتا-

(۳۴) بلاشبہ اس سے پہلے یوسفؑ بھی تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے، مگر تم اس کے لائے ہوئے دلائل میں ہمیشہ شک میں پڑے رہے-

یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا اب ان کے بعد اللہ کوئی رسول نہ بھیجے گا- اسی طرح اللہ ان لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے اور شکوک وشبہات میں رہنے والے ہیں-

(۳۵) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں' بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو' یہ رویہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کے نزدیک نہایت ہی مبغوض ہے- اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور بڑے جابر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے-

(۳۶) اور فرعون نے کہا" اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا' تاکہ میں ان راستوں پر پہنچ سکوں (۳۷) جو راستے آسمانوں تک پہنچانے والے ہیں،- پھر موسیٰ کے خدا کی طرف جھانک سکوں- اور واقعہ یہ ہے کہ میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں- اس طرح فرعون کے لیے اس کی بدعملی مزین کردی گئی اور اسے سیدھی راہ سے روک دیا گیا- اور فرعون کی چال ہی تباہ و برباد ہونے والی تھی-

(۳۸) اور اس مرد مومن نے کہا" میری اتباع کرو، میں تمہیں صحیح راہ بتاتا ہوں- میری قوم! یہ دنیا کی زندگی محض چندروزہ

سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۞۳۸ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۞۳۹
مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۞۴۰ وَ يٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى
النصف
النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۞۴۱ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ
وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۞۴۲ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي
الدُّنْيَا وَ لَا فِي الْاٰخِرَةِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَ اَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۞۴۳
فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۞۴۴
فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۞۴۵ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ
عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۞۴۶

فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور اصل قرار گاہ تو دارِ آخرت ہی ہے۔ (۳۹) جو شخص کسی برائی کا مرتکب ہوگا تو اس کو اسی برائی کے برابر بدلہ دیا جائے گا۔ اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، جس میں ان کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔ (۴۱) اور میری قوم کے لوگو! آخر یہ بات کیا ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو؟ (۴۲) تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراؤں، جن کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے، اور میں تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو زبردست اور مغفرت کرنے والا ہے۔ (۴۳) یہ بات یقینی ہے کہ جس کی طرف تم مجھے دعوت دے رہے ہو، وہ نہ دنیا میں دعوت دینے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ آخرت میں۔ اور ہم سب کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے، اور جو لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں وہی اہلِ جہنم ہیں۔ (۴۴) سو جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں تم لوگ میری اس بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں، بلاشبہ اللہ ہی سب بندوں کا نگہبان ہے'' (۴۵) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ان لوگوں کی شرارت آمیز چالوں سے بچا لیا۔ اور فرعون کے ساتھی بدترین عذاب کے پھیر میں آ گئے۔ (۴۶) یہ لوگ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی (اس دن ارشاد ہوگا) کہ آلِ فرعون کو نہایت سخت عذاب میں داخل کر دو![۸]

---

۸ آیت ۴۶ سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ عالم برزخ (قبر) میں کفار کو عذاب ہو رہا ہے۔ قرآن مجید کی دوسری آیت میں بھی

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ
قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ
عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ
قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ع ۵ / ۱۰
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَهُمُ
اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَ اَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾

(۴۷) اس وقت کو یاد کرو جب یہ لوگ جہنم میں جھگڑ رہے ہوں گے، پھر دنیا میں جو لوگ کمزور تھے وہ بڑا بننے والوں سے کہیں گے ''ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے، تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟'' (۴۸) متکبرین جواب دیں گے ''ہم سب ہی آگ میں پڑے ہیں، فی الواقع اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے!'' (۴۹) اور اہل جہنم حفاظت کرنے والے فرشتوں سے کہیں گے ''تم اپنے رب سے دعا کرو، وہ ہمارے عذاب میں کسی دن تو تخفیف کر دے!'' (۵۰) وہ فرشتے جواب دیں گے ''کیا تمہارے پاس تمہارے رسول معجزات لے کر نہیں آئے تھے؟'' اہل جہنم کہیں گے ''کیوں نہیں!'' اس پر فرشتے کہیں گے ''تو بس تم خود ہی دعا کرو!'' ......اور کافروں کی دعا بے سود ہی ہے! (۵۱) بے شک ہم اپنے رسولوں اور مؤمنین کی مدد دنیا کی زندگی میں بھی کرتے ہیں اور اس دن بھی کریں گے جس دن کہ گواہ کھڑے ہوں گے- (۵۲) جس روز کہ ظالموں کو ان کا کوئی عذر بھی فائدہ نہ دے گا اور ان پر لعنت پڑے گی اور ان کے لیے برا ٹھکانا ہو گا- (۵۳) بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت (کتاب) عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنا دیا-

---

اس قسم کے اشارات ملتے ہیں- اور حدیث میں بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ موت کے بعد ہر آدمی کو اس کا ٹھکانا جنت یا جہنم میں صبح وشام دکھایا جاتا ہے اور اس کی دلیل میں یہی آیت تلاوت فرمائی- (شوکانی)

یہ آیت مکی ہے اور متعدد طرق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت میرے پاس آئی اور دوران گفتگو اس نے کہا: وَقَاكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے محفوظ رکھے!) مجھے تعجب ہوا اور میں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا: كذبت اليهودية کہ ''اس عورت نے جھوٹ کہا ہے'' مگر چند روز کے بعد آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا: لوگو! عذاب قبر سے پناہ مانگا کرو، بیشک عذاب قبر برحق ہے!

علماء نے لکھا ہے کہ آیت اور حدیث میں تعارض نہیں- آیت سے صرف ارواح کا صبح وشام معذب ہونا ثابت ہوتا ہے اور احادیث سے ''روح مع الجسد'' کا، جس کا علم بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں اس یہودیہ کے واقعہ کے بعد ہوا- علمائے

هُدًى وَّ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ
صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ
وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ
فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ ع
لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

(۵۴) جو اہل عقل کے لیے ہدایت اور موجب نصیحت تھی۔

(۵۵) پس (اے نبی!) صبر کیجیے، اللہ کا وعدہ برحق ہے اور اپنی غلطی کے لیے مغفرت طلب کیجیے اور شام اور صبح اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے رہیے۔ (۵۶) بیشک جو لوگ کسی سند اور دلیل کے بغیر، جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑ رہے ہیں' ان کے دلوں میں تکبر ہی ہے' جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں۔ سو آپ ان کے شر سے بچنے کے لیے اللہ سے پناہ مانگتے رہیے' بلاشبہ وہی سننے اور دیکھنے والا ہے۔

(۵۷) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے سے یقیناً بڑا کام ہے' مگر اکثر لوگ یہ جانتے نہیں ہیں۔ (۵۸) اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہوتے۔ اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے' اور بدکار' برابر ٹھہریں' تم لوگ بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

(۵۹) یقیناً قیامت آنے والی ہے، اس کی آمد میں کسی طرح کا بھی شک نہیں' مگر اکثر ایمان نہیں رکھتے۔ (۶۰) اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

(۶۱) اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں آرام حاصل کرو' اور دن کو روشن بنایا' بیشک اللہ لوگوں پر

سنت کے نزدیک عذاب قبر برحق ہے اور اس کا انکار بدعت ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ شرح الصدور میں ان تمام احادیث کو یک جا کر دیا ہے۔ اس مسئلے سے متعلق ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی شرح مشکوٰۃ میں مفصل بحث کی ہے۔

يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ
يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ
بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ
رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ
رَّبِّيْ ۫ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ
نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَ
مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ

بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزاری سے کام نہیں لیتے۔

(۶۲) یہ ہے اللہ رب تمہارا' ہر چیز کا خالق' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' پھر تم کدھر بہکائے جارہے ہو؟ (۶۳) اسی طرح وہ سب لوگ بہکائے جاتے رہے' جو اللہ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ (۶۴) اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ اور آسمان کو چھت بنا دیا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں' سو بہترین صورتیں بنائیں اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا' وہ اللہ تمہارا رب ہے' سو اللہ بہت ہی برکتوں والا ہے' جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (۶۵) وہی زندہ ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' سو تم اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کر کے اس کو پکارا کرو' سب تعریف اسی کو سزاوار ہے' جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

(۶۶) آپ کہہ دیجیے "مجھے ان کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے' جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو' جبکہ میرے پاس میرے رب کی جانب سے واضح دلائل پہنچ چکے ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار رہوں۔

(۶۷) وہ پروردگار جس نے تمہارا وجود مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر علقہ سے (یعنی جونک کی شکل کی ایک چیز سے) پھر ایسا ہوتا ہے کہ تم کو طفولیت کی حالت میں ماں کے شکم سے نکالتا ہے' پھر بڑے ہوتے ہو اور سن تمیز تک پہنچتے ہو' اس کے بعد تمہارا جینا اس لیے ہوتا ہے کہ بڑھاپے کی منزل تک پہنچو' پھر تم میں سے کوئی تو ان منزلوں سے پہلے مر جاتا ہے اور (کوئی چھوڑ دیا جاتا ہے) تاکہ اپنے مقررہ وقت تک زندگی بسر کر لے[1] اور تاکہ تم عقل و فکر سے کام لو۔

---

(۱) "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۸۴-۸۵۔

ع۸ وَ يُمِيۡتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۶۸﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ
فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصۡرَفُوۡنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِالۡكِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ
فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ وَ السَّلٰسِلُ ؕ يُسۡحَبُوۡنَ ﴿۷۱﴾ فِى الۡحَمِيۡمِ ۙ ثُمَّ
فِى النَّارِ يُسۡجَرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ ﴿۷۳﴾ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوۡا
ضَلُّوۡا عَنَّا بَلۡ لَّمۡ نَكُنۡ نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَيۡـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمۡ
بِمَا كُنۡتُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَمۡرَحُوۡنَ ﴿۷۵﴾ اُدۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ
جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ فَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ﴿۷۶﴾ فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا

---

(۶۸) وہی ہے جو زندگی عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے- پھر جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جاؤ' پس وہ ہو جاتا ہے (۶۹) تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں- یہ لوگ کہاں سے پھرائے جا رہے ہیں؟[9] (۷۰) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اور تمام کتابوں کی تکذیب کی جنہیں ہم نے اپنے رسولوں کو دے کر بھیجا تھا' سو یہ لوگ عنقریب جان لیں گے-

(۷۱-۷۲) جبکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی- ان کو کھینچ کر گرم پانی میں' پھر آگ میں جھونک دیا جائے گا- (۷۳-۷۴) پھر ان سے پوچھا جائے گا ''اب کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے سوا شریک بناتے تھے؟'' وہ جواب دیں گے کہ ''وہ ہم سے غائب ہو گئے بلکہ درحقیقت اس سے پہلے ہم کسی کو بھی نہیں پوجتے تھے'' اسی طرح اللہ تمام کافروں کو گمراہ کرتا ہے-

(۷۵) یہ عذاب اس لیے ہے کہ تم دنیا میں ناحق اترایا کرتے تھے' اور تم اسی ''ناحق'' پر نازاں تھے-

(۷۶) اب جاؤ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہو گے' سو وہ بہت بری قرار گاہ ہے تکبر کرنے والوں کی-

(۷۷) پس اے نبی! صبر سے کام لیجیے' بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے' پھر جس عذاب کے وعدے ہم ان سے کر رہے ہیں' اس کا کچھ تمہیں

---

9 آیت ۶۹-۷۰ میں اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑا کرنے والوں اور ان کی تکذیب کرنے والوں کا انجام ذکر کیا گیا ہے جبکہ آنحضرت ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے-

نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا
مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَ مَا كَانَ
لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ع ۸/۱۳
اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا
عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ
تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا
اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ اَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ

دکھادیں یا اس سے قبل ہی آپ کو اس دنیا سے اٹھالیں' بہر حال انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

(۷۸) اور اے پیغمبرؐ! آپ سے پہلے ہم نے کتنے ہی پیغمبر مبعوث فرمائے! ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات آپ کو سنائے ہیں' اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات آپ کو نہیں سنائے (یعنی قرآن مجید میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا) اور کسی رسول کو یہ مقدور نہ تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لے آتا' پھر جب وہ وقت آ گیا کہ حکم الٰہی صادر ہو تو (خدا کا) فیصلہ حق نافذ ہو گیا اور اس وقت ان لوگوں کے لیے جو بر سر باطل تھے' تباہی ہوئی ہے[۱۰]

(۷۹) اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے مویشی جانور پیدا کیے تاکہ ان میں سے بعض پر تم سواری کرو' اور کچھ ایسے ہیں جن کا تم گوشت کھاتے ہو۔

(۸۰) تمہارے لیے ان میں اور بھی فائدے ہیں اور تاکہ تم ان پر سوار ہو کر جہاں جانے کا ارادہ ہو وہاں پہنچ سکو' اور تم ان چوپایہ جانوروں اور کشتیوں پر سوار کیے جاتے ہو۔

(۸۱) اور اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے' آخر تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے؟

(۸۲) کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان لوگوں کو ان کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں' وہ لوگ تعداد میں ان سے زیادہ تھے اور زمین میں آثار چھوڑنے کے اعتبار سے بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے' ان کے کسب و ہنر ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔

---

۱۰ کفار مکہ آنحضرت ﷺ سے مطالبہ کرتے کہ اگر آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں تو ہمیں فلاں فلاں معجزہ دکھا دیجیے' یہاں آیت ۷۸ سے ان کے اسی مطالبے کے متعدد جوابات دیے جا رہے ہیں:

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾
فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ
ع اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

(۸۳) جب ان کے رسول واضح دلائل لے کران کے پاس آئے تو انہوں نے اپنے علم پر ناز کیا اور اسی عذاب کے پھیرے میں آ گئے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے-

(۸۴) جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے' ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جن کو ہم خدا کا شریک ٹھہراتے تھے' ان سب کا ہم نے انکار کیا-

(۸۵) لیکن ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا یہ ایمان کب سودمند ہوسکتا تھا؟ اللہ کا یہی دستور مقرر ہے' جو ہمیشہ اس کے بندوں میں چلا آیا ہے' اور اس وقت کافر سخت نقصان میں رہ گئے-[۱۱]

(ا) کوئی نبی ازخود معجزہ دکھانے پر قدرت نہیں رکھتا' بلکہ اس کے لیے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن وامر ہونا ضروری ہے-

(ب) یہ معجزہ کوئی کھیل تماشا نہیں ہوتا' بلکہ اس کے ظاہر ہو جانے کے بعد اگر کوئی قوم انکار کی راہ اختیار کرے تو پھر اس پر عذاب الٰہی ٹوٹ پڑتا ہے' اس لیے تم خود ہی سوچ لو کہ کس چیز کو دعوت دے رہے ہو-

(ج) اگر تم واقعی حق طلبی کے لیے معجزہ طلب کر رہے ہو تو زمین پر اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیاں ہیں جو تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں' ان پر غور کر کے تم اپنا اطمینان کر سکتے ہو-

۱۱ اس سورہ کے خاتمہ پر کفار مکہ کو گزشتہ اقوام کے وقائع اور ان کے انجام پر غور کر کے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب دلائی کہ وہ تم سے زیادہ دنیوی جاہ وجلال کے مالک تھے اور انہیں اپنے علم وفلسفہ پر بہت ناز تھا' جس کے گھمنڈ میں آ کر انہوں نے انبیاء کے لائے ہوئے علوم کو جھٹلا دیا' تو اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو گئے اور پھر ان کی توبہ وانابت نے بھی انہیں کچھ فائدہ نہ دیا-

❋ ❋ ❋

اٰيَاتُهَا: 54 سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا: 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ۝٣ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝٤ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا
فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا
عٰمِلُوْنَ ۝٥ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ الثلثة
وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝٦ الَّذِيْنَ لَا

(۱) حم (۲) یہ اس خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو نہایت مہربان اور بے حد رحم کرنے والا ہے-
(۳) یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں- عربی زبان میں پڑھی جانے والی ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں- (۴) بشارت دینے والی اور ڈرانے والی، پھر بھی ان میں سے اکثر نے روگردانی کی اور وہ سنتے ہی نہیں- (۵) اور کہتے ہیں "تمہاری دعوت کے لیے نہ تو ہمارے دلوں میں کوئی جگہ ہے، نہ کانوں میں سماعت، ہمارے اور تمہارے درمیان مخالفت کی ایک دیوار کھڑی ہوگئی ہے کہ ہم تمہاری بات سننے والے نہیں[1] سو تو اپنا کام کیے جا، ہم اپنا کام کیے جاتے ہیں" (۶) اے پیغمبرؐ! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں بھی تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں، میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، سو تم سیدھے اسی کی طرف چلو اور اس سے معافی چاہو اور مشرکوں کے لیے بڑی خرابی ہے (۷) وہ لوگ جو

۱ یہ سورہ بھی مکی عہد کی سورتوں سے ہے اور اس کا زمانہ نزول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد اور حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے پہلے ہے- علمائے سیرت نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ عتبہ بن ربیعہ کفار مکہ کے مشورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مفاہمت کی متعدد صورتیں پیش کیں اور سرداران قریش کی طرف سے پیش کش کی کہ ہم آپ کو اپنا لیڈر بنا لیتے ہیں، بشرطیکہ آپ اس تحریک سے دست بردار ہو جائیں- اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کی ابتدا سے ۳۸ آیات سنائیں اور عتبہ نے متاثر ہو کر اپنی قوم سے کہا، بخدا! یہ کلام نہ شعر ہے اور نہ سحر و کہانت ہے- اس کی تاثیر کچھ عجیب سی ہے، اس لیے میری بات مانو اور اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی حالت پر چھوڑ دو- اس سورہ کے مضمون پر غور کرنے سے یہ چیز سامنے آتی ہے کہ کفار نہایت ہٹ دھری سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی مخالفت کر رہے تھے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن مجید سنانے کے لیے کھڑے ہوتے تو ہنگامہ بپا کر دیتے تا کہ قرآن کی آواز کسی کے کان میں نہ پڑے-

(۱) "ترجمان القرآن" جلد اول طبع دوم ص ۳۰۸.

يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝٧ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝٨ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ ع ٨ ١٥
تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٩ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ
فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝١٠ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ
دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝١١ فَقَضٰىهُنَّ
سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ
وَ حِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝١٢ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً

زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں- (۸) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے' ان کے لیے اجر ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگا- (۹) آپ ان سے کہہ دیجیے: کیا تم اس سے منکر ہو جس نے زمین دو دن میں بنائی اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک وہم پایہ بناتے ہو- یہی خدا رب العلمین ہے- (۱۰) اور رکھے اس (زمین) میں بھاری پہاڑ اوپر سے' اور اس میں برکتیں رکھ دیں- اور زمین پر رہنے والوں کے لیے' اس میں سب مانگنے والوں کے لیے ٹھیک انداز سے خوراک کے سامان مہیا کر دیے' اور یہ سب کام چار دن میں ہو گئے- (۱۱) پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا،[۲] اور وہ دھواں ہو رہا تھا- سو اس سے اور زمین سے کہا' وجود میں آ جاؤ' خوشی سے یا زبردستی سے' تو انہوں نے کہا' ہم آ گئے فرمانبردار بن کر (۱۲) تو اس نے دو دن میں سات آسمان بنا دیے- اور ہر آسمان میں اس کے مناسب حال حکم وحی کر دیا- اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا اور اسے خوب محفوظ کر دیا- یہ سب کچھ ایک زبردست ہر چیز کو خوب جاننے والی ہستی کا مقرر کردہ نظام ہے (۱۳) اس پر بھی وہ اگر روگردانی اختیار کریں تو آپ ان سے کہہ دیجیے' میں تم کو اسی طرح کے اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں-

---

''عام مشرکین عرب' جن کے پاس ایمان و خدا پرستی کی کوئی تعلیم موجود نہ تھی' محض رسوم و اوہام کے پجاری اور تقلید آباء واجداد کی مخلوق تھے- ان میں اکثر کی طبیعتیں گمراہی و فساد کی پختگی سے اس درجہ مسخ ہو گئی تھیں کہ کتنی ہی اچھی بات کہی جائے' ماننے والے نہ تھے!''

پھر قرآن مجید کی باتوں کو الٹے معنی پہناتے اور عجیب عجیب قسم کے اعتراضات کرتے- مثلاً وہ کہتے کہ قرآن مجید عربی زبان میں پڑھنا آپ کا کوئی معجزہ نہیں ہے- یہ معجزہ تو جب ہوتا کہ کسی دوسری زبان میں یہ قرآن اترا ہوتا- وغیرہ- اس سورہ میں ان کی کچھ اسی قسم کی مخالفت کے جوابات دیے گئے ہیں اور ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کو صبر اور اخلاق حسنہ سے پیش آنے کی تلقین کی ہے-

۲ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر تصریح فرمائی ہے کہ تمام کائنات ایک ہی دم ظہور میں نہیں آ گئی بلکہ تخلیق کے مختلف دور یکے بعد دیگرے ظاہر ہوئے اور یہ دور کل چھ تھے-[۱] اس لیے یہاں پر ''اربعة ايام'' کا مطلب یہ ہوگا کہ زمین کی تخلیق دو دوروں میں ہوئی- پھر زمین کی سطح کی درستی' پہاڑوں کی نمود' اور قوت نشوونما کی تکمیل دو دوروں میں اور باقی دو دنوں میں آسمان کی خلق اور تسویہ ہوا- اس طرح آسمان و زمین کی پیدائش میں چھ دن صرف ہوئے- جیسا کہ دوسری آیات میں تصریح پائی جاتی ہے-

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد دوم صفحہ ۱۷۵-

مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ؕ﴿۱۳﴾ اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا
اللّٰهَ ؕ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا فِى
الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ وَقَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ
قُوَّةً ؕ وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيۡقَهُمۡ
عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَخۡزٰى وَهُمۡ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوۡدُ
فَهَدَيۡنٰهُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰى عَلَى الۡهُدٰى فَاَخَذَتۡهُمۡ صٰعِقَةُ الۡعَذَابِ الۡهُوۡنِ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۱۷﴾
وَنَجَّيۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸﴾ وَيَوۡمَ يُحۡشَرُ اَعۡدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ ﴿۱۹﴾ ع ۲ / ۱۶
حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوۡهَا شَهِدَ عَلَيۡهِمۡ سَمۡعُهُمۡ وَاَبۡصَارُهُمۡ وَجُلُوۡدُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۰﴾

جیسا کہ عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا (۱۴) جبکہ ان کے پاس پیغمبران کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے آئے اور انہیں سمجھایا کہ تم ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو- مگر انہوں نے جواب دیا" اگر ہمارے رب کو منظور ہوتا تو فرشتے نازل فرما دیتا- لہٰذا جو چیز دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں" (۱۵) چنانچہ عاد تو زمین میں بڑے بن بیٹھے اور کہنے لگے" کون ہے ہم سے زیادہ طاقتور؟" کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے؟ اور وہ ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے- (۱۶) آخر کار ہم نے چند منحوس دنوں میں ان پر سخت طوفانی ہوا بھیج دی تاکہ انہیں اس دنیا کی زندگی ہی میں ذلت و رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں' اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ رسوا کن ہے اور وہاں ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی[۳] (۱۷) اور باقی رہی قوم ثمود تو اسے بھی ہم نے راہ حق جتلا دی تھی' لیکن اس نے ہدایت کی راہ چھوڑ کر اندھے پن کا شیوہ پسند کیا- آخر کار ان کے کرتوتوں کی بدولت ان کو رسوا کن عذاب کے کڑاکے نے آ پکڑا (۱۸) اور جو لوگ ایماندار اور پرہیز گار تھے ان کو ہم نے بچا لیا[۴] (۱۹) اور اس دن کو یاد کرو' جس دن کہ اللہ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لے جانے کے لیے اکٹھا کیا جائے گا' پھر ان اگلوں کو پچھلوں کے آنے تک روکا جائے گا[۵] (۲۰) یہاں تک کہ جب وہ سب دوزخ کے قریب پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں-

---

قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش ایک ایسے مادہ سے ہوئی جسے قرآن مجید نے "دخان" سے تعبیر فرمایا ہے- یعنی مادہ کی وہ ابتدائی حالت جس میں وہ کائنات کی تخلیق سے قبل فضا میں بھاپ کی شکل میں پھیلا ہوا تھا- ممکن ہے یہ وہی مادہ ہو جسے موجودہ سائنس دان "سحاب" سے تعبیر کرتے ہیں-

یہ مادۂ دخانیہ ابتدا میں ملا ہوا تھا' پھر اس کے مختلف حصے ایک دوسرے سے الگ کر دیے گئے اور ان سے اجرام سماویہ کی پیدائش ظہور

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ
وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ
وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ

(۲۱) وہ لوگ اپنی کھالوں سے کہیں گے ''تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟'' وہ جواب دیں گی ''جس اللہ نے ہر چیز کو قوت گویائی بخشی ہے اسی نے ہم کو بھی گویا کر دیا اور اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور تم اسی کی طرف واپس لائے گئے ہو۔

(۲۲) تم دنیا میں جرائم کرتے وقت جب چھپتے تھے تو تمہیں یہ خیال نہیں تھا کہ کبھی تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں تمہارے خلاف گواہی دیں گی' بلکہ تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو خبر بھی نہیں ہے۔

(۲۳) اور تمہارے اسی گمان نے جو تم نے اپنے رب کے متعلق.......

میں آئی' جیسا کہ فرمایا: '' اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا'' (۲۱:۳۰)

گویا یہ کائنات بیک مرتبہ ظہور میں نہیں آئی' بلکہ اس پر یکے بعد دیگرے چھ دور گزرے۔ جسے قرآن مجید نے ''ستة ایام'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ ان میں دو دور وہ ہیں جن میں سات ستاروں کی تکمیل ہوئی' اور دو دوروں میں زمین کی پیدائش' پھر سطح زمین کی درستی' پہاڑوں کی نمود اور قوت نشوونما کی تکمیل دو دوروں میں مکمل ہوئی۔ اس طرح اس ساری کائنات کی تکمیل کے چھ دور بنتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں اجرام سماویہ کی ابتدائی تخلیق اور کرۂ ارضی کی نشوونما کے جو نظریے تسلیم کر لیے گئے ہیں' قرآن مجید کے اشارات سے بظاہر ان کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن نظریات بہر حال نظریات ہیں، جو جزم ویقین کا کام نہیں دے سکتے۔ اس بنا پر ان کی روشنی میں قرآن مجید کے مجمل اشارات کی تفسیر کرنا صحیح نہ ہوگا' فرض کیجیے' آج ہم یہ کہہ دیتے ہیں کہ ''دخان'' سے مراد وہ منتشر الاجزاء مادہ کی حالت ہے جسے موجودہ دور کے سائنس دان سحابیہ سے تعبیر کرتے ہیں مگر کل کو یہ نظریہ تبدیل ہو جاتا ہے تو پھر قرآن مجید کی اس تفسیر کا کیا حشر ہوگا؟

دراصل ان اشارات سے قرآن مجید کا مقصد تخلیق عالم کی شرح وتحقیق نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی طرف انسان کی توجہ دلانا اور توحید وآخرت پر استدلال کرنا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے کائنات کی تخلیق کا ذکر کرنے کے معاً بعد فرمایا: ''فَاِنْ اَعْرَضُوْا'' یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی اگر یہ لوگ توحید کا اقرار نہیں کرتے تو آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں تم کو اچانک آ جانے والے عذاب سے ڈراتا ہوں!''

''آسمان کی خلق ایسے مادہ سے ہوئی جسے قرآن مجید نے ''دخان'' سے تعبیر کیا ہے۔ اس دھویں سے قدیم مفسرین نے پانی کے بخارات مراد لیے ہیں اور انہی کو موجودہ سائنس دان ''سدیم'' یا ''سحابیہ'' سے تعبیر کرتے ہیں' یعنی بادلوں کے منتشر اجزاء۔ تمام اشارات کا ماحصل بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں مادہ دخانی تھا پھر اس میں انقسام ہوا' یعنی بہت سے ٹکڑے ہو گئے۔ پھر ہر ٹکڑے نے ایک قرص کی شکل اختیار کر لی۔ پھر زمین نے کوئی ایسی شکل اختیار کر لی کہ ''دخانیت'' کی جگہ ''مائیت'' نے لے لی۔ یعنی پانی پیدا ہو گیا۔ پھر خشکی کے قطعات درست ہوئے' پھر پہاڑوں کے سلسلے نمایاں ہوئے' پھر زندگی کا نمو شروع ہوا اور نباتات ظہور میں آ گئیں۔

أَرْدٰىكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَإِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَإِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا
هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ
عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ع
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿٢٦﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ أَعْدَآءِ اللّٰهِ

قائم کر رکھا تھا' تمہیں تباہ کر دیا' اسی وجہ سے تم خسارے میں پڑ گئے- (۲۴) پھر اگر یہ لوگ صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانا آگ ہے' اور اگر معذرت کرنا چاہیں گے تو انہیں معذرت کا موقع نہیں دیا جائے گا- (۲۵) اور ہم نے ان کے ایسے ہم نشین مقرر کر دیے ہیں جو انہیں ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہر چیز خوشنما کر کے دکھاتے تھے، اور آج ان کے حق میں عذاب کا فیصلہ ثابت ہو گیا جیسا کہ ان سے پہلے جنوں اور انسانوں کے گروہوں کے حق میں ثابت ہوا تھا- کیونکہ وہ سب زیاں کار تھے- (۲۶) اور یہ کافر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو' اور جب سنایا جائے تو اس میں شور مچا دیا کرو' امید ہے کہ اس طرح تم غالب آ ؤ گے- (۲۷) سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور یقیناً ہم ان کو ان بدترین اعمال کا بدلہ دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں- (۲۸) اور اللہ کے دشمنوں کا بدلہ وہ آگ ہے......

لیکن یہ معاملہ علم غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت ہم اپنے علم وادراک سے نہیں معلوم کر سکتے -اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تخلیق عالم کی شرح وتحقیق نہیں' بلکہ خدا کی قدرت وحکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے- پیدائش عالم کے بارے میں مفسرین نے بہت سی روایات نقل کر دی ہیں جن کی صحت ثابت نہیں!'' (۱)

۳ قوم عاد کو طوفانی ہوا سے ہلاک کر دیا گیا جو مسلسل سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی اور لوگوں کو اٹھا کر زمین پر اس طرح پچھاڑ دیا جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے گرے پڑے ہوں-

۴ قوم ثمود کا مرکزی شہر ''الحجر'' تھا جو اب ''مدائن صالح'' کے نام سے مشہور ہے، اور وہاں اس قوم کے تباہ شدہ آثار اب بھی موجود ہیں- یہ علاقہ شہر ''العلا'' سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے- حجاز سے جو قافلے شام جاتے ہیں وہ لازماً اس سے گزر کر جاتے ہیں- اور یہ اس ریلوے لائن کا ایک اسٹیشن بھی ہے جو مدینہ سے دمشق کو جاتی ہے-

''قوم ثمود عرب کے اس حصے میں آباد تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القری تک چلا گیا ہے- اسی مقام کو دوسری جگہ ''الحجر'' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے-''(۲) (گویا ''الحجر'' اس علاقہ کا نام ہے)

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد دوم' سورۂ اعراف- (۲) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۱۷۹-

النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ ۖ جَزَآءً بِمَا كَانُوا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۲۸﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ
اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا
وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ
ع ۱۸ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾

جس میں ان کا دائمی مقام ہے- یہ بدلہ ان کو اس بنا پر دیا جائے گا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے- (۲۹) اور کافر کہیں گے'' اے ہمارے رب' ہم کو وہ جن اور انسان دکھایے جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا' ہم ان کو پاؤں تلے روند ڈالیں گے تا کہ وہ خوب ذلیل ہوں''

(۳۰) جن لوگوں نے اقرار کیا کہ صرف اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے' پھر (اپنے کاموں کے اندر اس اعتقاد کا ثبوت دے کر) درجہ استقامت حاصل کر لیا ماسوا کی طرف سے ان پر طمانیت وسکینت کے فرشتے نازل ہوں گے اور ان کو مطمئن کر دیں گے کہ نہ تو کسی طرح کا خوف اپنے دلوں میں لاؤ اور نہ غمگین ہو' اور اس جنت کی زندگی میں رہو' جس کا تم (ایسے استقامت والے مومنوں) سے وعدہ کیا گیا تھا- (۳۱) دنیا کی زندگی میں بھی ہم تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں بھی (تمہیں طاقت واختیار بخش دیا گیا) جس چیز کو تمہارا جی چاہے' تمہارے لیے مہیا ہے' اور جو چیز تم (اللہ سے) مانگو' تمہیں مل جائے گی- (۳۲) یہ درجہ تمہیں خدائے غفور و رحیم کی طرف سے مرحمت ہوا ہے-

۵ آیت ۱۹ سے ۲۵ تک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم آخرت محض ایک روحانی عالم نہیں ہوگا بلکہ انسان وہاں اپنے جسم وروح کے ساتھ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور انہی اجسام کے ساتھ زندہ ہوں گے جن میں وہ اب رہتے ہیں-
اس دن اجزائے جسم انسان کے خلاف شہادت دیں گے' مطلب یہ کہ قرآن مجید جس حشر (دوبارہ زندگی) کا ذکر کرتا ہے وہ حشر اجساد ہے-

٦ آیت ۲۶ میں کافروں کے اس منصوبے کا ذکر ہے جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کے کام کو روکنے کے لیے کام میں لا رہے تھے کہ قرآن نہ خود سنو اور نہ کسی دوسرے کو سننے دو- اس طرح کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب قرآن سنانا شروع کریں تو شور وشغب سے آپ کی آواز دبانے کی کوشش کرو-

ے گزشتہ آیات میں اہل ایمان کی ہمت بندھائی ہے اور انہیں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ہے- اب یہاں آیت نمبر ۳۳ سے اہل ایمان کو اس طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ خود نیک عمل کرو اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دو اور مخالفین سے کہہ دو کہ ہم مسلمان ہی ہیں-

(۱) ''الہلال'' ۸؍جولائی ۱۹۱۴ء

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَا
تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ
عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ
عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾
وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ
خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ السجدة ۱۱
اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا

---

(۳۳) اور اس شخص سے بڑھ کر اور کس شخص کی بات ہو سکتی ہے کہ جو لوگوں کو خدا کے نام کی دعوت دے' نیز اعمال صالحہ انجام دے اور اس کا دعویٰ صرف اتنا ہی ہو کہ میں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں۔[۱] (۳۴) (اور دیکھو) نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی (اگر کوئی برائی کرے) تو برائی کا جواب ایسے طریقے سے دو جو اچھا طریقہ ہو' اگر تم نے ایسا کیا تو تم دیکھو گے کہ جس شخص میں تمہاری عداوت تھی' یکا یک تمہارا دلی دوست ہو گیا۔ (۳۵) البتہ یہ مقام ایسا ہے جو اسی کو مل سکتا ہے جسے (بدسلوکی کی) برداشت ہو اور (نیکی وسعادت کا) حصہ وافر ملا ہو۔[۸] [(۱)] (۳۶) اگر شیطانی وسوسہ آپ کو کسی وقت ابھارے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کیا کریں۔ بلاشبہ وہی (اللہ) سب کچھ سننے والا ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (۳۷) رات اور دن اور سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں' تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا' اگر تم فی الواقع اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔ (۳۸) پھر اگر یہ لوگ سرتابی کریں تو پروا نہ کیجیے' جو فرشتے تیرے رب کے مقرب ہیں وہ شب و روز اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور وہ تھکتے نہیں۔ (۳۹) اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ تم زمین کو دیکھتے ہو کہ وہ دبی پڑی ہوتی ہے' پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو یکا یک وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے۔ یقیناً جس خدا نے اس زمین کو زندہ کیا ہے' وہ مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے' کچھ شک نہیں کہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ (۴۰) بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی اختیار کرتے ہیں......

---

۸ ایسی صورت میں جب کہ دعوت حق کا مقابلہ سخت ہٹ دھرمی سے ہو رہا تھا اور مخالفین نے اخلاق اور انسانیت کی تمام حدیں توڑ دی تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر ہر قسم کی الزام تراشیاں جاری تھیں' ایسے وقت میں ایک بہت بڑا اخلاقی اصول بتایا' جس پر عمل کرنے سے بدترین دشمن جگری دوست بن جائیں گے۔ اور وہ ہے برائی کا مقابلہ نیکی اور خوش خلقی سے کیا جائے۔

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' حصہ اول ص ۱۰۳۔

لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا
شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴۰ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ
عَزِيْزٌ ۝۴۱ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝۴۲ مَا
يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝۴۳
وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ

وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں- بھلا جو شخص آگ میں ڈالا جانے والا ہو وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن مامون ہو کر حاضر ہوگا' تم جو چاہو کیے جاؤ' تم جو کچھ کر رہے ہو اس سب کو اللہ دیکھ رہا ہے- (۴۱) بیشک یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس جب نصیحت آئی تو انہوں نے اس کے ماننے سے انکار کر دیا' حالانکہ وہ بڑی باعزت کتاب ہے- (۴۲) کہ نہ تو اس کے آگے باطل جم سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے اسے جگہ مل سکتی ہے' وہ خدائے حکیم و مجید کا اتارا ہوا ہے پھر باطل کا یہاں کیا گزر ہو؟ (۱)

(۴۳) اے نبی! آپ کی شان میں وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں کے حق میں کہا گیا ہے' بیشک تیرا رب بڑی مغفرت کرنے والا اور (اس کے ساتھ) دردناک سزا دینے والا بھی ہے- (۴۴) اگر ہم اس کو عجمی قرآن بنا کر بھیجتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں مفصل کیوں نہیں بیان کی گئیں؟ یہ عجیب بات ہے کہ کلام عجمی اور پیغمبر عربی' آپ کہہ دیجیے کہ ایمان والوں کے لیے یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے- مگر جو لوگ ایمان نہیں رکھتے' ان کے کانوں میں ثقل ہے، اور یہ ان کے حق میں تاریکی ہے- یہ لوگ

اور اس پر عمل کو حوصلہ مندی اور صبر و برداشت قرار دیا ہے- نیز بتایا ہے کہ جو لوگ اللہ کے ہاں بلند مرتبہ اور اعلیٰ صفات کے مالک ہیں' وہی اس اصول پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں- ورنہ یہ ہر کہ و مہ کا کام نہیں-

''قرآن مجید نے صرف یہی نہیں کہا کہ دشمنوں کے شدائد صبر کے ساتھ تحمل کرو' یہ بھی کہا' تحمل کرو اور احسان کرو' برائی کو انگیز کرو اور اس کی جزا نیکی کے ساتھ دو کہ حصول امن کا ذریعہ اور کسب صلح و سلام کی تدبیر ہے-

لیکن یہ عفو و حلم اور تحمل و انگیز کب تک؟ اس وقت تک جب تک اس شر اور بدی کا اثر شخص واحد تک محدود ہو اور صرف ایک ذات خاص کے منافع خصوصیہ میں محصور ہو (ہیئت اجتماعیہ پر اثر انداز ہونے والے جرائم و معاصی کے لیے فرد کو حق عفو نہیں دیا جا سکتا) دنیا میں دو چیزیں ہیں' اخلاق اور قانون- اخلاق کا تعلق انسان کی ذات سے ہے' قانون کا تعلق حکومت اور مجتمع انسانی سے' عفو و درگزر انسان کا بہترین وصف ہے- لیکن ہیئت اجتماعیہ میں گناہ عظیم' جرأت آموز جرائم ہے اور برہم کن امن انسانی!''

---

(۱) ''البلاغ'' ۱۰ دسمبر ۱۹۱۵ء، ص ۵

يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ ع ۱۹
مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ
اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾ اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ الجزء ۲۵
اَكْمَامِهَا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا
اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَ ظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ
مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَ اِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَ لَئِنْ

ایسے ہیں جن کو کسی دور افتادہ مقام سے پکارا جا رہا ہو-

(۴۵) اور بلا شبہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی پھر اس میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا- اگر تیرے رب نے پہلے ہی سے ایک بات طے نہ کر لی ہوتی تو ان کے مابین فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ بھی اس کی طرف سے ایک تردد انگیز شک میں مبتلا ہیں-

(۴۶) اور جس نے نیک کام کیا تو اپنے لیے کیا- اور جس نے برائی کی تو خود اس کے آگے آئے گی- اور ایسا نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہو-(۱)

(۴۷) قیامت کا علم تو صرف خدا ہی کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے۔ اور کوئی پھل اپنے شگوفوں سے نہیں نکلتے اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچے کو جنم دیتی ہے مگر یہ اس کے علم میں ہوتا ہے- اور جس روز وہ ان لوگوں سے پکار کر کہے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ تو یہ جواب دیں گے کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کی گواہی دینے والا نہیں ہے-

(۴۸) اور جن معبودوں کو اس سے پہلے یہ لوگ پکارا کرتے تھے وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گے اور یہ لوگ یقین کر لیں گے کہ اب ان کے لیے کہیں بھی جائے فرار نہیں ہے-

(۴۹) انسان بھلائی کی دعا سے کبھی تھکتا نہیں اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو ناامید ہو کر آس توڑ بیٹھتا ہے (۵۰) مگر جونہی ہم اس کو........

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۱۱۷-

اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَ مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّ لَىِٕنْ
رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ
عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَ اِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ
دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ
بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ
اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ع ۱

تکلیف کا وقت گزر جانے کے بعد اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہنے لگتا ہے' میں اس کا مستحق ہوں' اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت کبھی قائم ہوگی' لیکن اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو میرے لیے اس کے ہاں بہتری ہے- سو ہم کفر کرنے والوں کو ضرور بتا دیں گے کہ وہ کیا عمل کرتے رہے ہیں' اور ہم انہیں سخت ترین عذاب کا مزہ چکھائیں گے- (۵۱) اور جب انسان کو ہم کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو اعراض کر لیتا اور اکڑ جاتا ہے- اور جب کسی مصیبت اور شر میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس وقت (اپنی سرکشی اور غفلت کو بھول جاتا ہے اور) لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے- (۱) (۵۲) آپ ان سے کہہ دیجیے'' بھلا یہ تو بتاؤ' اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہو' پھر تم اس کا انکار کرو تو اس شخص سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہوگا جو مخالفت میں دور تک چلا گیا ہو؟'' (۵۳) ہم اپنی نشانیاں عالم کائنات کے مختلف اطراف و جوانب میں بھی دکھائیں گے' اور انسان کے نفس کے اندر بھی' یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے گا کہ یہ دین الٰہی برحق ہے-۹ (۲) کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز پر شاہد ہے؟ (۵۴) آگاہ رہو کہ یہ لوگ اپنے رب کے روبرو حاضر ہونے سے شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں- یاد رکھو کہ اس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے!

۹ آیت ۵۳ میں ''انہ الحق'' کی ضمیر قرآن اور پیغمبر کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی' پہلی صورت میں آیات سے مراد فتوحات ہوں گی اور مطلب یہ ہوگا کہ عنقریب ہی' جب گرد و پیش کے ممالک' اور خود ان (قریش) پر فتوحات حاصل ہوں گی (جو آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں حاصل ہوئیں)' تب انہیں یقین ہو جائے گا کہ قرآن یا پیغمبر برحق تھے' اور یہ ناحق ان کی تکذیب کرتے رہے' اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ان دلائل پر غور کریں جو خود ان کے اندر اور باہر آفاق میں پائے جاتے ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کے یکتا اور خالق و مالک ہونے کا یقین ہو جائے- پہلے مطلب کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے- اور دوسری توجیہ بعض تابعین سے منقول ہے---!

❋ ❋ ❋

(۱) ''الہلال'' ۱۵ر جولائی ۱۹۱۴ء ص ۱۱- (۲) ''الہلال'' ۴ر دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۷-

اٰیَاتُهَا: 53 سُوْرَةُ الشُّوْرٰی مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا: 5

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① عٓسٓقٓ ② كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ
اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ④ تَكَادُ
السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي
الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑤ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ
عَلَيْهِمْ ڮ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ⑥ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ
حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ

(۱) حم (۲) عسق[۱] (۳) اسی طرح اللہ زبردست اور کمال حکمت کا مالک آپؐ پر اور آپ سے پہلے اور رسولوں پر وحی بھیجتا رہا ہے-[۲] (۴) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے- اور وہی سب سے برتر اور عظمت والا ہے- (۵) قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور زمین والوں کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں- آگاہ رہو کہ اللہ ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے-[۳] (۶) اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز بنا رکھا ہے اللہ ان پر نگران ہے، اور آپ ان پر مختار کار نہیں ہیں-[۴] (۷) اور اسی طرح ہم نے قرآن عربی آپ کی طرف وحی کیا ہے، تا کہ آپ بستیوں کے مرکز (شہر مکہ) اور اس کے گرد و پیش کے لوگوں کو خبردار کر دیں اور انہیں سب کے جمع ہونے کے دن (قیامت) سے ڈرا دیں، جس کی آمد میں کوئی شک نہیں ہے- اس دن ایک فریق جنت میں ہو گا اور دوسرا فریق دوزخ میں-[۵] (۸) اور اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن

[۱] یہ سورہ بھی مکی ہے اور حم السجدۃ کے بعد نازل ہوئی ہے- قریش کے سردار آنحضرت ﷺ کی اندھی بہری مخالفت کر رہے تھے- مگر آنحضرت ﷺ صبر و تحمل اور حسن اخلاق سے ان کا مقابلہ کر رہے تھے- سورہ حم السجدہ میں کفار کو تنبیہ کی گئی اور اس سورہ میں تفہیم کا طریقہ اختیار کیا ہے- گویا دونوں سورتیں ایک ہی مقصد کے تحت نازل ہوئی ہیں-

[۲] ابتدائے سورہ میں بتایا کہ آنحضرت ﷺ کوئی نرالی بات پیش نہیں کر رہے ہیں اور نہ ہی یہ وحی کا معاملہ دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پیش آیا ہے- بلکہ اس طرح کی ہدایات پہلے انبیاء پر بھی نازل ہو چکی ہیں اور وہ لوگوں کے سامنے نظریہ توحید پیش کرتے رہے ہیں-

[۳] شرک کا نظریہ اس قدر شنیع اور برا نظریہ ہے کہ عجب نہیں اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑے-

[۴] انبیاء لوگوں کی قسمتوں کے مالک نہیں ہوتے- وہ تو صرف لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور وہ قوم کے خیر خواہ ہوتے ہیں-

أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ⑧
اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَ هُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ؗ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑨
ع وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖۗ وَ اِلَيْهِ
اُنِيْبُ ⑩ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ
اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪ لَهٗ مَقَالِيْدُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑫

وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے- اور ظالموں کا نہ کوئی یار ہوگا اور نہ مددگار- (۹) کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز بنا رکھا ہے' حالانکہ کارساز تو اللہ ہی ہے- اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے- (۱۰) اور جس چیز میں تم اختلاف کرو' اس کا فیصلہ کرنا اللہ کے سپرد ہے' وہی اللہ میرا رب ہے' میں نے اسی پر بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں- (۱۱) آسمانوں اور زمین کو بنانے والا' اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس میں سے جوڑے بنا دیے (مرد کے لیے عورت' اور عورت کے لیے مرد) اسی طرح چوپایہ جانوروں میں بھی جوڑے پیدا کر دیے' [1] وہ اس طریق سے تمہیں پھیلاتا اور بڑھاتا ہے- اس کی مثل کوئی شے نہیں (کسی شے سے بھی تم اسے مشابہ نہیں ٹھہرا سکتے) [2] اور وہ سننے والا' دیکھنے والا ہے- [3] (۱۲) آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے اختیار میں ہیں، وہ جس کی چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے' بلاشبہ وہی ہر چیز سے پوری طرح واقف ہے- ۶

۵ دین اسلام یا دین محمدی کیا ہے؟ یہی کہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات اور مالک حقیقی ہے اور انسانوں کے درمیان حق اور ناحق کا فیصلہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے- اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو شارع بننے کا حق نہیں ہے- جس طرح تمام تکوینی امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں' اسی طرح تشریعی اختیارات بھی اسی کو حاصل ہیں- اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے انسان کے لیے ایک دین مقرر کر دیا ہے اور اسی دین کی طرف دعوت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء مبعوث فرمائے ہیں-

۶ آیت ۹ سے ۱۲ تک جن حقائق کا ذکر ہے' ان کے ضمن میں توحید و آخرت کے دلائل پیش کیے ہیں اور ہدایت سے اعراض کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے-

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۸۳ (۲) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۱۵٦
(۳) ''ترجمان القرآن'' جلد دوم ص ۵۱۵-

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ
اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا
تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ
فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ
وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا
وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ؕ وَ الَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ
لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ عَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ

(۱۳) تمہارے لیے دین کا وہی راستہ ٹھہرایا ہے جس کے لیے نوحؑ کو وصیت کی گئی تھی' اور اے پیغمبر اسلام جس کے لیے ہم نے تم پر وحی کی ہے- نیز یہ وہی راستہ ہے جس کے لیے ہم نے ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی وصیت کی تھی کہ دین الٰہی قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو-(۱) یہی بات مشرکوں پر شاق گزرتی ہے جس کی طرف تم ان کو دعوت دے رہے ہو' اللہ جسے چاہتا ہے' اپنے لیے چن لیتا ہے- اور جو رجوع کرتا ہے' اس کی اپنی طرف رہنمائی کرتا ہے-ٖ (۱۴) اور لوگوں میں تفرقہ پیدا نہیں ہوا' مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا- اور وہ تفرقہ اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے- اور اے نبیؐ! اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک وقت معین تک کی بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو ان کے مابین کبھی کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اور وہ لوگ جو ان کے بعد کتاب الٰہی کے وارث بنائے گئے وہ اس کتاب کی طرف سے بڑے تردد انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں- (۱۵) (اے پیغمبرؐ!) تو ان کو دعوت دے اور جو حکم دیا گیا ہے' اس پر قائم ہو جا اور ان کی خواہشوں پر نہ چل- اور ان کو کہہ دے کہ تمام اتری ہوئی کتابوں پر میرا ایمان ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ عدل کروں' وہی اللہ ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے' ہمارا عمل ہمارے لیے اور تمہارا عمل تمہارے لیے' جھگڑنے کی کوئی بات نہیں' اللہ ہم سب کو ایک جا جمع کر دے گا اور سب کو اسی کی طرف جانا ہے-(۲) (۱۶) جو لوگ اللہ کے دین کے معاملہ میں جھگڑا کرتے ہیں' اس کے بعد کہ وہ (لوگوں میں) مقبول ہو چکا ہے' ان کی کٹ حجتی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر خدا کا غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے (۱۷) وہ اللہ ہی ہے جس نے

ٖ آیت ۱۳ میں پانچ اولوالعزم پیغمبروں کا نام لے کر بتا دیا کہ سب کو ایک ہی دین دے کر بھیجا گیا تھا- یہ دین محض چند اصول و عقائد ہی کا

(۱) ''البلاغ'' ۱۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۱۴- (۲) ''البلاغ'' ۸ر ستمبر ۱۹۱۶ء ص ۹-

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِيْزَانَ ؕ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ
فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ ع
مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا
وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ

حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان (عدل و انصاف کا حکم) نازل کی ہے، اور تمہیں کیا معلوم کہ فیصلے کی گھڑی قریب ہی آ لگی ہو- (۱۸) جو لوگ اس کی آمد پر ایمان نہیں رکھتے وہ تو اس کے لیے جلدی کرتے ہیں- مگر جو اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس کا وقوع برحق ہے- یاد رکھو جو لوگ قیامت کے وقوع میں شک ڈالنے والی بحثیں کرتے ہیں وہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں- (۱۹) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے' وہ جس کو جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے، اور وہ بڑی قوت والا اور بڑے غلبے والا ہے- (۲۰) جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواہش مند ہو' ہم اس کے لیے اس کی کھیتی کو بڑھا دیتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو' ہم اسی میں سے اسے کچھ دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے- (۲۱) کیا ان مشرکوں کے کچھ ایسے خود ساختہ شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے' جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟[۸]

نام نہیں بلکہ اس میں شرائع کے بنیادی احکام بھی داخل ہیں جیسا کہ سورۃ البینہ میں فرمایا" و ما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين و يقيموا الصلوة و يوتوا الزكوة و ذالك دين القيمة" یعنی انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے یکسو ہو کر اس کی عبادت کریں' نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں- اسی طرح محرمات شرعیہ کو تکمیل دین قرار دیا ہے- (المائدۃ:۳) اور پھر آیت ۲۹ سورۃ التوبہ میں اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ حلال و حرام کے احکام کو ماننا بھی دین میں داخل ہے- اور سورۃ النور میں حدود الٰہیہ کے قیام کو دین قرار دیا ہے- جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فوجداری احکام بھی دین میں داخل ہیں-

الغرض یہ ''الدین'' کا اجمالی خاکہ ہے جس کی طرف دعوت دینے اور اسے قائم کرنے کے لیے پیغمبر بھیجے گئے- آنحضرت ﷺ بھی اسی دین کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوئے- یہ دعوت مشرکین پر گراں گزرتی- اس بنا پر کبھی تو وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت پر اعتراض کرتے اور کبھی مصالحت کا اظہار کر کے کچھ نرمی اختیار کرنے کو کہتے- مگر آنحضرت ﷺ استقامت کے ساتھ ان مخالفانہ حربوں کو برداشت کرتے رہے اور دین کے معاملہ میں کسی قسم کی رواداری اور مداہنت سے کام نہ لیا-

۸ آیت ۲۱ میں شرکاء سے مراد وہ بت نہیں ہیں جن کی وہ پوجا کرتے تھے' بلکہ ان سے وہ رؤسا مراد ہیں' جو ان کے لیے حلال و حرام کے طریقے مقرر کرتے اور اللہ کے حکم کے خلاف اپنے پاس سے شریعت و فقہ کی تدوین کرتے' جیسے یہودی علما کے متعلق فرمایا:

اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ
مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ
مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً
نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٢٣﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ
اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰي قَلْبِكَ ۭ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ﴿٢٤﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٢٥﴾

اگر فیصلے کی بات طے شدہ نہ ہوتی تو ان کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا اور بلاشبہ ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۲۲) نافرمانوں کو تم دیکھو گے کہ انہوں نے جیسے جیسے عمل انجام دیے ہیں اس کے وبال سے ڈر رہے ہوں گے (ان کا ضمیر ڈرا رہا ہو گا) حالانکہ اس کے نتائج ان کو ضرور بھگتنے ہیں اور (البتہ) جو لوگ ایمان لائے اور اعمال حسنہ انجام دیے تو وہ ضرور بہشت کے سبزہ زاروں میں ہوں گے، جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے پروردگار کی طرف سے ان کو ملے گا۔ یہی بدلہ ہے جو نیک کام انجام دینے والوں کے لیے سب سے بڑا فضل الٰہی ہے۔[1] (۲۳) یہی وہ نعمت ہے جس کی بشارت اللہ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس تبلیغ پر، بجز قرابت کی محبت کے، کچھ صلہ نہیں چاہتا لہٰذا تم اسی کا پاس کرو)۔[9] اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا، ہم اس کی نیکی اور خوبی بڑھا دیں گے، بیشک اللہ بڑی مغفرت کرنے والا، بڑا اقدردان ہے۔ (۲۴) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اللہ پر جھوٹ باندھ رکھا ہے، سو اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے۔ اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو اپنے کلمات سے ثابت کر دکھاتا ہے۔ بیشک وہ سینوں کی باتوں تک کو جانتا ہے۔ (۲۵) اور وہی غفور ورحیم تو تمہارا کارساز ہے کہ اس کے بندوں نے خواہ کتنی ہی نافرمانیاں کی ہوں، خواہ کتنی ہی سخت مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے ہوں لیکن جب وہ اس کے آگے توبہ کا سر جھکاتے ہیں اور ہر طرف سے کٹ کر صرف اسی کا ہونا چاہتے ہیں تو وہ ان کی توبہ قبول فرما لیتا ہے اور وہ ان کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے اور تم لوگ جو کچھ کر رہے ہو اسے رتی رتی معلوم ہے۔[2]

" يكتبون الكتاب بايديهم ثم يقولون هذا من عند الله!"

9 یہاں "القربی" کے معنی قرابت اور رشتہ داری کے ہیں۔ پیغمبروں نے اپنی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہی یہ پیش کی ہے کہ میرا یہ دعوتی کام کسی طمع اور لالچ کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ خالصتاً لوجہ اللہ ہے (ان اجری الا علی اللہ) یہاں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی میں تم سے اس کام پر کسی قسم کے اجر کا طالب نہیں ہوں مگر یہ ضرور کہوں گا کہ تم کم از کم اس رشتہ داری کا پاس کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے کہ اگر میری بات نہیں مانتے تو مجھ پر ظلم وستم نہ کرو اور مجھے اللہ کا پیغام سنانے کے لیے آزاد چھوڑ دو۔ آیت کے یہ معنی

(۱) "الہلال"، ۲۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۶۔ (۲) "الہلال"، ۲ر جولائی ۱۹۱۳ء ص ۷۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ يَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ
عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۲۶﴾ وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ
مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ يَنْشُرُ
رَحْمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ
وَ هُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا ع

اور جو لوگ اس کے احکام پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کیے تو وہ ان پر اپنی رحمت کا دروازہ کھول دیتا ہے ان کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی آرزوؤں کو پورا کرتا ہے اور اپنے فضل بندہ نواز سے انہیں حق سے بڑھ کر بدلہ دیتا ہے۔(۱) اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے۔ (۲۷) اگر اللہ اپنے سب بندوں کا رزق فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے لیکن وہ جس قدر چاہتا ہے ایک مناسب اندازے سے اتارتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور ان پر نگاہ رکھنے والا ہے (۲۸) اور وہی خدا تو ہے کہ جب وہ خشک موسم میں لوگ بارش کی طرف سے بالکل ناامید اور مایوس ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی رحمت سے بادلوں کو پھیلا دیتا ہے اور مینہ برسنا شروع ہو جاتا ہے۔ وہی کارساز حقیقی سزاوار حمد و تقدیس ہے۔(۲) (۲۹) اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا اور ان دونوں میں جاندار چیزوں کو پھیلا دینا ہے اور وہ جب چاہے ان کو جمع کر لینے پر قادر ہے (۳۰) اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے تمہاری اپنی کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہے۔ اور بہت سے

صحیحین اور حدیث کی دوسری کتابوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں اور یہی راجح ہیں۔

بعض نے "القربیٰ" کے معنی" طاعت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب" مراد لیا ہے، کہ میں تم سے اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو۔ بس یہی میرا اجر ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا "قل ما اسئلکم علیه من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربه سبیلا!" (الفرقان: ۵۷)

بعض علما نے "المودة فی القربیٰ" سے رشتہ داروں سے محبت کیے ہیں اور آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میں تم سے اس پر کچھ اجر نہیں چاہتا، ماسوا اس کے کہ میرے اہل بیت یعنی حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد سے محبت کرو۔ یہ تفسیر اگرچہ بعض تابعین سے منقول ہے مگر آیت کی یہ تفسیر کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ خصوصاً جبکہ یہ آیت مکی ہے۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت تک حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہی نہیں ہوا تھا، کجا یہ کہ ان کے ہاں اولاد ہوتی۔

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بلند مقام پر کھڑے ہو کر دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے اس مقام پر سے یہ اجر مانگنا کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو نبی کی شان سے گری ہوئی بات ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں جس قدر انبیاء کے قصے مذکور ہیں سب نے "ان اجری الا علی الله" کا نعرہ لگایا ہے اور کسی نے بھی

---

(۱) "الہلال" ۲۰ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۷ (۲) "الہلال" ۲۲ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۷۔

عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾ وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚۖ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا
نَصِيْرٍ ﴿٣١﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ
رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا
وَ يَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾ وَّ يَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾ فَمَآ
اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ

گناہ وہ ویسے ہی معاف کر دیتا ہے- (۳۱) اور تم زمین میں خدا کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا کارساز ہے اور نہ مددگار- (۳۲) اور اس کی نشانیوں میں سے چلنے والے جہاز ہیں جو سمندروں میں پہاڑوں کی طرح نظر آتے ہیں- (۳۳) اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے اور یہ جہاز سمندر کی پیٹھ پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں- بلاشبہ اس میں ہر صبر و شکر کرنے والے کے لیے بڑی نشانیاں ہیں- (۳۴) یا سوار ہونے والے لوگوں کی کرتوتوں کی وجہ سے انہیں ڈبو دے اور بہت سے آدمیوں کو معاف کر دے- (۳۵) اور ہماری آیتوں میں جھگڑا کرنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں- (۳۶) سو جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے- اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے کہیں بہتر اور باقی رہنے والا ہے- (وہ ان لوگوں کے لیے ہے) جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں- (۳۷) جو بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو (خطاؤں سے) درگزر......

اپنے مخالفین سے ایسی عرض و گزارش نہیں کی- پھر آنحضرت ﷺ اپنی بلندیٔ شان کے ساتھ یہ بات کیونکر کہہ سکتے ہیں؟

ول آیت ۲۸ میں مینہ برسانے کو اللہ کی رحمت قرار دیا ہے کیونکہ اس سے زمین کی آبادی ہے اور بارش بھی اللہ تعالیٰ کے حکم و اختیار سے ہے- جاہلیت میں لوگ بارش کو ستاروں کی تاثیر قرار دیتے- حدیث قدسی میں ہے کہ اس قسم کا عقیدہ شرک ہے-

''قرآن (مجید) میں آثار و قدرت الٰہی کو بیان کرتے ہوئے بارش کے نزول اور زمین کی حیات نباتی پر جا بجا زور دیا گیا ہے- مگر فی الحقیقت یہ ایک تمثیل ہے جس کے ذریعے سے ہر طرح کی اخلاقی و روحانی ہلاکت اور حیات بخشی کا سمجھانا مقصود ہے-

عربی میں یاس اور قنوط ناامیدی کے معنی میں مترادف الفاظ ہیں- مگر قنوط کا اطلاق اس ناامیدی پر ہوتا ہے جو یاس سے بھی زیادہ سخت و شدید ہو- نیز جس میں نیک توقعات سے مایوسی ہو-''(۱)

(۱) ''الہلال'' ۲۲ رستمبر ۱۹۱۲ء ص ۷-

يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ
وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَ جَزٰٓؤُا
سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَ
لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَ
لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ ع ۵
بَعْدِهٖ ؕ وَ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَ تَرٰىهُمْ
يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ
الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا

کرتے ہیں (۱) (۳۸) اور جو اپنے رب کا حکم مانتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ان کو حکم دیا کہ مشورہ کر کے تمام امور سرانجام دیں (۲) اور جو کچھ روزی انہیں دے رکھی ہے [۱۱] نیکی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (۳) (۳۹) خدا کے پاس کی وہ اجرت جو سراسر خیر اور دائمی ہے' ان لوگوں کے لیے ہے' جو اس سے سرکشی اور بغاوت کا جو ان کے ساتھ کی جائے' انتقام لیتے ہیں۔ [۱۲] (۴۰) بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے۔ البتہ جو معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا اجر خدا پر ہے' وہ ظالموں کو پیار نہیں کرتا۔ (۴۱) اور جو اپنی مظلومی کے بعد ظلم کا انتقام لے تو اس پر کوئی الزام نہیں (۴۲) الزام تو انہی پر ہے جو خود ظلم کرتے ہیں اور زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۴۳) مگر جو صبر کرے اور دوسروں کی خطا بخش دے تو یہ بڑی ہی عالی حوصلگی کے کام ہیں (۴) (۴۴) اور جس شخص کو اللہ گمراہ کر دے تو اس کے بعد اس شخص کا کوئی چارہ ساز نہیں۔ اور اے نبی! آپ دیکھیں گے کہ یہ ظالم جب عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو کہیں گے ''کیا یہاں سے واپس ہو جانے کی کوئی صورت ہے؟'' (۴۵) اور آپ دیکھیں گے کہ وہ آگ کے سامنے اس حال میں لائے جائیں گے کہ مارے ذلت کے جھکے ہوئے ہوں گے اور وہ آگ کو نظر بچا کر کن انکھیوں سے دیکھیں گے اور اہل ایمان کہیں گے کہ اصل زیاں کار وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو نقصان میں ڈال دیا۔ آگاہ رہو کہ ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے (۴۶) وہاں ان کے کوئی

---

[۱۱] آیت ۳۸ میں اہل ایمان کی بہترین صفات میں سے ''وامرھم شوزی بینھم'' فرمایا ہے۔ اور سورۂ آل عمران ۱۵۹ میں

---

(۱) ''الہلال'' ۲/ اگست ۱۹۱۲ء ص ۹۔ (۲) ''الہلال'' ۸/ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۸۔ (۳) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۲۲۷۔
(۴) ''الہلال'' ۱۲، ۱۹/ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۹۔

كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ ﴿۴۶﴾
اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ
وَّ مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا
الْبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ
اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ
لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ يَجْعَلُ مَنْ
يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ

حامی نہ ہوں گے جو اللہ کے مقابلے میں ان کی مدد کر سکیں، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے تو اس کے لیے بچاؤ کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ (۴۷) اے غافل لوگو! اس فیصلہ کن دن کے آنے سے پہلے اپنے خدا کا کہا مان لو جو اس کی طرف سے اعمال بد کے نتائج میں آنے والا ہے) اور اس کا ٹلنا ممکن نہیں! اس دن نہ تمہارے لیے کہیں کوئی پناہ ہو گی اور نہ اپنے اعمال بد سے انکار ہی کر سکو گے۔ (۴۸) اگر اس طرح سمجھا دینے پر بھی یہ لوگ روگردانی کریں تو (اے پیغمبرؐ) ہم نے کچھ تم کو ان پر داروغہ بنا کر تو بھیجا نہیں۔ تمہارے لیے تو بس حکم الٰہی کا پہنچا دینا ہی ہے (ماننا نہ ماننا سننے والوں کا کام ہے)[1] اور جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر اترا جاتا ہے اور اگر اس کے اعمال کی وجہ سے انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے (تو ناشکری کرنے لگتے ہیں) بیشک انسان بڑا ہی ناسپاس ہے۔ (۴۹) آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ (۵۰) یا لڑکے اور لڑکیاں جمع کر کے دے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے بیشک وہ بڑے علم اور بڑی قدرت والا ہے (۵۱) اور کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس سے روبرو بات کرے الا یہ کہ وہ بات وحی کے طور یا پردے کے......

آنحضرت ﷺ کو اس کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ احکام منصوصہ کے سوا ہر قسم کے مصالح ملکی کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے اور ان کے مشورے قبول فرمایا کرتے تھے اور بعد میں خلافت راشدہ کی بنیاد ہی "شوریٰ" پر رکھی گئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب بھی اسی اصل کے تحت ہوا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی نظام اجتماعی' اسلامی طرز حیات کا ستون اور امتیازی خصوصیت ہے۔

موجودہ جمہوریت اور اسلامی شورائی نظام میں بنیادی اور اہم فرق یہ ہے کہ جدید جمہوریت میں نمایندگان جمہور قانون سازی کے وسیع اختیارات رکھتے ہیں' لیکن اسلام میں کتاب وسنت کے نصوص کی موجودگی میں خلیفہ کو مشاورت کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ جب کسی امر کے متعلق کتاب وسنت کا فیصلہ نہ ملتا ہو تو پھر پیش آمدہ اجتماعی امور میں "مجلس مشاورت" مجاز ہے کہ کوئی فیصلہ کرے۔ تاہم اس شوریٰ کی بنیاد کن امور پر ہونی چاہیے' یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔

(۱) "الہلال" ۲۳ اپریل ۱۹۱۳ء، ص ۳

حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ ﴿۵۱﴾ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿ۙ۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع

پیچھے سے ہو یا پھر کسی فرشتے کو پیغامبر بنا کر بھیج دے اور وہ اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہے وحی کر دے۔ بیشک وہ برتر اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ [۱۳] (۵۲) اور اسی طرح ہم نے اپنے امر سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے- آپ کو یہ خبر نہ تھی کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے- مگر ہم نے اس روح (قرآن) کو ایک ایسی روشنی بنایا ہے جس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں جس کو چاہتے ہیں راہ دکھاتے ہیں۔! (اور اے پیغمبرؐ) بلاشبہ تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو (۵۳) ''صراط اللہ'' یعنی اللہ کی راہ کی طرف وہ اللہ کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے- ہاں یاد رکھو (کائنات خلقت) کے تمام کاموں کا مرجع اسی کی ذات ہے-[۱]

۱۲ آیات ۳۹ تا ۴۳ میں مؤمنین کی صفات کا بیان ہے اور بتایا کہ قانونی لحاظ سے انتقام لینا جائز ہے- مگر اپنے مسلمان بھائی کو معاف کر دینا عالی حوصلگی اور بلند اخلاقی کا درجہ ہے:

''مسیح علیہ السلام کی تعلیم صرف اخلاق ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم صرف قانون ہے- لیکن وہ جس نے کہا کہ ''میں نبوت کی آخری اینٹ ہوں'' وہ جس طرح ایک معلم اخلاق تھے اسی طرح ایک مقنن آئین و قانون ساز بھی تھے- اسلام اور شرائع سابقہ کا یہ فرق ایک نہایت اہم اور اصولی نکتہ دقیق ہے-''[۲]

۱۳ کفار مکہ کو دو باتوں پر سب سے بڑا تعجب تھا اور ان کو ماننے کے لیے وہ کسی صورت تیار نہ تھے- یعنی کسی بشر کا رسول بن جانا اور مرنے کے بعد زندہ ہو کر محاسبہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونا- توحید کے ساتھ یہ دو چیزیں (بشر کی رسالت اور ایمان بالآخرت) تھیں جن کی طرف مکی سورتوں میں دعوت دی گئی ہے- یہاں آیت ۵۱ میں بشر کی طرف وحی کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں-

(الف) وحی بمعنی القاء اور الہام: دل میں کوئی بات ڈال دینا یا خواب میں کچھ دکھا دینا- جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب تھا- حدیث میں ہے: ''رؤیا الانبیاء وحی'' کہ ''انبیاء کا خواب بھی ایک قسم کی وحی ہوتی ہے!'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی-

(ب) ''من وراء حجاب'' یعنی بندہ آواز تو سنے لیکن کچھ دکھائی نہ دے- جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا کہ کوہ طور کے دامن میں ایک درخت سے آواز آئی، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا-

(ج) ''او یرسل رسولا'': یہ وحی کی وہ صورت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور جس کے ذریعہ سے تمام آسمانی کتابیں انبیاء علیہم السلام تک پہنچی ہیں اور فرشتہ کبھی غیر مرئی شکل میں آتا ہے اور کبھی انسانی شکل میں آتا ہے- جیسا کہ احادیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آئے- بہر حال آیت میں وحی کی تمام صورتوں کا بالاستیعاب ذکر نہیں- واللہ اعلم!

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول صفحہ ۲۱۶-   (۲) ''الہلال'' ۲۳ را پریل ۱۹۱۳ء ص ۳-

(د) آنحضرت ﷺ کی طرف مذکور ہر سہ طریق سے وحی آتی رہی- اس لیے آیت ۵۲ میں "**کذالك**" سے مذکورہ تینوں طریق مراد ہیں-

(۱) بخاری "**باب بدء الوحی**" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر وحی آنے کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی تھی اور احادیث میں آپ ﷺ کے بہت سے خواب مذکور ہیں- اور قرآن مجید میں بھی آپ کے ایک خواب کا ذکر ہے (سورۃ الفتح ۲۷) مگر کوئی ایسی تصریح نظر سے نہیں گزری کہ ابتدائے وحی میں آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے فلاں خواب دیکھا تھا-

(۲) معراج کے موقع پر حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف حاصل ہوا- صحیح احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا اور آپ ﷺ کے بار بار عرض معروض کرنے سے آخرکار پانچ نمازوں کا حکم ہوا اور اللہ جل شانہ نے فرمایا: "**لا یبدل القول لدی**" یعنی اب اس میں تبدیلی نہیں ہوگی- یہ تمام مکالمہ "**من وراء حجاب**" ہی تھا-

(۳) فرشتہ کے وحی لے کر آنے کی مختلف صورتیں تھیں- فرشتہ کبھی انسانی شکل میں رونما ہو جاتا اور کبھی اپنی اصلی شکل میں آپ ﷺ کے سامنے آتا- حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا ہے کہ ان کے چھ سو بازو ہیں-

قرآن مجید نے بتایا کہ نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے آپ ﷺ نہ تو کسی آسمانی کتاب سے آگاہ تھے اور نہ ایمان و اسلام کی تفصیلات کبھی آپ ﷺ کے ذہن میں آئی تھیں- اور یہ دونوں باتیں ایسی تھیں جن کی تردید اہل مکہ بھی نہیں کر سکتے تھے اور یہی عدم علم آپ کی صداقت پر دلیل تھا- جسے قرآن مجید نے مختلف اسالیب سے' متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے-

تفصیلات کی قید ہم نے اس لیے لگائی ہے کہ وحی سے قبل انبیاء توحید اور نفس ایمان کے ساتھ متصف ہوتے ہیں- جیسا کہ جمہور اہل علم نے تصریح کی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا مطالعہ اس امر کی شہادت کے لیے کافی ہے-

❋ ❋ ❋

رُکُوعَاتُهَا: 7	سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ	اٰيَاتُهَا: 89

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

حٰمٓ ۝١ وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝٣ وَ اِنَّهٗ فِيْۤ اُمِّ
الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝٤ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا
اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝٥ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝٦ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٧ فَاَهْلَكْنَاۤ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝٩ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا
لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٠ وَ الَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝١١

(۱) حم (۲) اور کتاب روشن کی قسم (۳) ہم نے اسے اس شکل میں بنایا کہ عربی زبان کا قرآن ہے تا کہ تم سمجھو بوجھو۔[1] (۴) اور یقیناً یہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑی بلند مرتبہ اور پراز حکمت کتاب ہے۔[۱] (۵) پھر کیا اس وجہ سے ہم اس نصیحت کا رخ تم سے پھیر دیں کہ تم حد سے نکل جانے والی قوم ہو (۶) اور کتنے ہی نبی ہیں جو ہم نے پہلوں (یعنی ابتدائی عہد کی قوموں) میں مبعوث کیے[۱] (۷) اور کبھی کوئی نبی ان کے پاس نہیں آیا مگر وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔ (۸) آخر کار ہم نے ان لوگوں کو جو ان سے زیادہ زور آور تھے ہلاک کر ڈالا۔ اور پچھلے لوگوں کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ (۹-۱۰) اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ یہی جواب دیں گے کہ ان کو اسی زبردست اور کمال علم کے مالک نے پیدا کیا ہے' جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے بنا دیے تا کہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔[۲] (۱۱) اور جس نے آسمان سے ایک خاص انداز ے کے ساتھ پانی برسایا' پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح تم بھی قبروں سے نکالے جاؤ گے۔

[۱] ان سورتوں کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ المومن' حم السجدۃ' الشوریٰ ایک ہی سلسلے کی متعدد سورتیں ہیں۔ اور ان کا زمانہ نزول بھی قریب قریب ایک ہی ہے۔ اس سورہ میں ان جاہلانہ عقائد واوہام کی تردید کی گئی ہے جن پر اہل عرب اور قریش آباؤ اجداد سے مصر چلے آ رہے تھے اور کسی طرح ان کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔

قرآن مجید وحی الٰہی ہے اور عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ تمہارے مسرفانہ رویہ کی وجہ سے اس کی تنزیل کو روک دیا جائے۔

"ام الکتاب" کے معنی "اصل کتاب" کے ہیں۔ مراد لوح محفوظ ہے جس سے تمام سماوی کتابیں الگ کر کے نازل کی گئی ہیں۔ چنانچہ سورۂ واقعہ میں اسی کو "کتاب مکنون" اور سورۂ بروج میں "لوح محفوظ" فرمایا ہے۔ یعنی ایسی کتاب یا لوح جو ہر قسم کی دراندازی سے محفوظ ہے۔

(۱) "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۱۸۲۔ (۲) ایضاً۔

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى
ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا
لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ
مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ ع۱۵ ۷
مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَ هُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ﴿۱۸﴾

(۱۲) اور جس نے یہ تمام جوڑے پیدا کیے اور کشتی اور جانور تمہارے لیے پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو- (۱۳) تا کہ تم ان کی پیٹھ پر سیدھے سوار ہو، پھر اپنے خدا کے احسان یاد کرو اور کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے مخلوقات کو مسخر کر دیا اور ہم اپنی قوت سے انہیں مسخر نہ کر سکے[1] (۱۴) اور بیشک ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے! (۱۵) اللہ تعالیٰ کی (ان قدرتوں اور نعمتوں کے باوجود) ان لوگوں نے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جزء بنا ڈالا ہے، واقعی انسان کھلا ناسپاس ہے-[۳] (۱۶) کیا خدا نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں تجویز کی ہیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے؟ (۱۷) حالانکہ جس چیز کی مثال یہ رحمٰن کے لیے بیان کرتے ہیں جب اسی کے پیدا ہونے کی خوشخبری ان میں سے کسی کو دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے- (۱۸) کیا (اللہ کے حصہ میں وہ اولاد آئی ہے) جو زیور میں نشو ونما پاتی ہے اور بحث وجدال میں اپنا مدعا صاف نہیں بیان کر پاتی؟

سورۂ شعراء میں قرآن مجید کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا "**وانه لفی زبر الاولین**" کہ یہ اگلے لوگوں کی کتابوں میں موجود ہے- نیز سوۃ الاعلیٰ میں کچھ احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا "**ان هذا لفی الصحف الاولی صحف ابراهیم وموسیٰ**" کہ "قرآن مجید کے یہ مضامین پہلی کتابوں میں بھی درج ہیں"- اسی بنا پر قرآن مجید کو "**مصدقا لما بین یدیه اور مهیمن**" بھی قرار دیا ہے- حاصل کلام یہ ہے کہ جب واقعہ یہ ہے تو قرآن مجید کا انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ اس کا انکار پہلی تمام کتابوں کے انکار کے مترادف ہے-

۲ کرۂ ارضی کی ساخت اللہ تعالیٰ نے اس طرح بنائی کہ انسان آرام وسکون سے اس پر اس طرح زندگی بسر کر رہا ہے جیسے بچہ گہوارے میں آرام وسکون محسوس کرتا ہے- اور انسان کی نقل وحرکت کے لیے پہاڑوں کے درے اور دریا قدرتی راستوں کا کام دے رہے ہیں- حالانکہ زمین ایک کرہ ہے جو فضا میں معلق ہے اور ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اپنے محور پر گھوم رہا ہے اور نہ جانے اس کی تہ میں اللہ تعالیٰ نے کتنے خزانے جمع کر رکھے ہیں جو انسانی آبادی کی ترقی کے لیے تا قیامت نہ ختم ہونے والے ہیں-

۳ اس سورہ میں مشرکین کے جاہلی عقائد پر تنقید کی ہے اور اس سلسلے میں حسب ذیل عقائد ذکر کیے ہیں:

(الف) بعض بندوں کو اللہ کی اولاد قرار دے دیا اور انہیں اللہ کی ذات میں شریک ٹھہرا لیا- اس کو قرآن مجید نے بہت بڑی ناشکری قرار دیا ہے-

(ب) وہ کہتے فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں- ان کی مورتیاں بنا کر پوجتے تھے- قرآن مجید نے اس پر زوردار تنقید کی کہ تم اپنے لیے تو نرینہ اولاد پسند کرتے ہو اور اللہ کے لیے مادینہ، اگر کسی کے گھر میں لڑکی پیدا ہو جائے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے- پھر یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اصل بات

(۱) "البلاغ" ۱۷ دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۲۲-

وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ
وَ يُسْئَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا
يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا
وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ كَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾
قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾
فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖٓ ع ۸

(۱۹) اور انہوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمان کے بندے ہیں عورتیں قرار دے لیا- کیا ان کی خلق کے وقت یہ حاضر تھے؟ ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے جواب دہی کی جائے گی- (۲۰) اور یہ کہتے ہیں اگر خدائے رحمان چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے- ان کو اس بات کا صحیح علم نہیں ہے، محض تخمینے لگاتے ہیں (۲۱) کیا ہم نے اس سے پہلے ان کو کتاب دی ہے کہ یہ اس سے دلیل پکڑتے ہیں؟ (۲۲) نہیں بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نشانہائے قدم پر چل رہے ہیں- (۲۳) (اے پیغمبر! انسان کی قومی و جماعتی گمراہی کا ظہور تمہارے ہی سامنے ایسا نہیں بلکہ اس کا عام اور یکساں حال ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے)- تمہیں اپنے سے پہلے کوئی بستی ایسی نظر نہیں آئے گی جس میں اللہ کی طرف سے ڈرانے آئے ہوں اور انہوں نے قوموں کے بڑوں سے یہ جواب نہ پایا ہو کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو اسی قومی طریقے پر چلتا پایا اور ہم بھی انہی کے طریقے پر چلیں گے-[1] (۲۴) اس پر اس پیغمبر نے کہا] کیا تم انہی کے نقش قدم پر چلتے رہو گے، خواہ میں اس راستے سے زیادہ صحیح راستہ تمہیں بتاؤں، جس پر تم نے اپنے آباء کو پایا ہے؟ انہوں نے کہا بلاشبہ جس دین کی طرف دعوت دینے کے لیے تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں! (۲۵) آخر کار ہم نے ان سے انتقام لیا، سو آپ دیکھ لیجیے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہو؟

یہ ہے کہ فرشتے اللہ کے بندے ہیں-

(ج) اپنی گمراہی پر تقدیر سے استدلال کرتے- چنانچہ آیت ۲۰ میں اسی گمراہی کا بیان ہے- کفار نے اپنی گمراہی اور شرک و کفر کی راہ پر چلنے کے لیے ہر دور میں اپنے آباواجداد کی اندھی تقلید کو پیش کیا اور اس پرانے نظام پر جمے رہنے پر اصرار کیا جس سے ان کے مفاد وابستہ تھے-

قرآن مجید نے کفار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آباواجداد کی تقلید ہی کرنی ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کیوں اختیار نہیں کرتے کہ انہوں نے آبائی دین کو چھوڑ کر توحید کی راہ اختیار کر لی تھی اور ایک اللہ کو اپنا معبود بنا لیا تھا-

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بتوں سے بیزاری اور اپنے خالق کے ساتھ حقیقی لگاؤ کے اظہار پر لکھتے ہیں:

(۱) البلاغ ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۴-

اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ
لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾
وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى
رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ
مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا
سُخْرِیًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ

(۲۶) (اور اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے کہا جن (دیوتاؤں) کی پرستش کرتے ہو مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ (۲۷) میرا رشتہ ہے تو اس ذات سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہنمائی کرے گی۔[1] (۲۸) اور اسی (توحید) کو ابراہیم اپنی اولاد میں ایک باقی رہنے والا کلمہ بنا گیا تا کہ لوگ شرک سے باز رہیں۔ (۲۹) بلکہ میں نے ان کو اور ان کے آباء کو ہر قسم کے سامان سے بہرہ مند رکھا حتیٰ کہ ان کے پاس حق (قرآن مجید) اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول آ گیا۔ (۳۰) اور جب ان کے پاس یہ حق (قرآن) آیا تو کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔ (۳۱) اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (۳۲) کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے دنیوی زندگی میں ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کر دی اور ایک کو کئی درجے دوسرے پر بلند کیا تا کہ ایک دوسرے کو اپنے کام میں مدد کے لیے لے سکیں۔[2] اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے سب چیزوں سے جو وہ سمیٹتے ہیں۔ (۳۳) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو سازوسامان دنیا تو ہمارے یہاں اس درجہ حقیر و ذلیل ہے کہ جو.....

''فطرت صحیحہ اور خلقت مستقیمہ انبیائے کرام (علیہم السلام) کے اندر سے نمایاں ہوتی ہے۔ اس لیے وہ خدا (تعالیٰ) کے اس احسان کا ذکر بار بار کرتے ہیں۔ یہی فطرت اصلیہ صالحہ ہے جو ان کے عصر و دور کی عام تاریکی و ضلالت کے اندر چمک کر حقیقت مجوبہ کا روشن راستہ دکھا دیتی ہے''!

(د) کفار یہ بھی کہتے کہ اگر اللہ نے کوئی رسول بھیجنا ہوتا اور اس پر اپنی کتاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا تو دو مرکزی شہروں مکہ اور طائف میں کسی بڑے سردار پر یہ کلام نازل کر دیتا۔ یہ بات کہنے والے وہ لوگ تھے جو اول تو کسی بشر کی رسالت کے قائل ہی نہ تھے۔ اور پھر جب مجبور ہو کر انہیں قائل ہونا پڑا تو انہوں نے دوسرا رخ اختیار کر لیا کہ بشر ہی رسول سہی مگر وہ کوئی بڑا آدمی ہونا چاہیے جو مالدار اور جتھے والا ہو۔ بہر حال محمد بن عبداللہ (ﷺ) اس کا اہل نہیں ہے (معاذ اللہ)۔ قرآن مجید نے آیت ۳۲ میں اسی اعتراض کا جواب دیا کہ:

بلاشبہ مال و دولت میں لوگوں کے مختلف درجے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے رکھے ہیں۔ اسی طرح منصب نبوت سے سرفرازی سراسر اللہ کی رحمت ہے اور یہ ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

---

(۱) ترجمان القرآن' جلد اول ص ۱، ۵ نیز ''الہلال'' ۲۷ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۵۔ البلاغ ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۶۔ (۲) ''البلاغ'' ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۹۔

يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا
عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ زُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع ۹
وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ
السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ
فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَ لَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ
تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ
مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ
اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾

منکران حق اور پرستاران دنیا ہیں ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور چاندی ہی کی سیڑھیاں ہوتیں جن پر چڑھ کر وہ چھت پر پہنچتے- (۳۴) اور ان کے گھروں کے چاندی ہی کے دروازے ہوتے اور چاندی ہی کے تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے۔ اور یہ تو مثال کے لیے چاندی کی قید لگائی گئی- سمجھ لو کہ چاندی نہیں بلکہ یہ سب کچھ خالص سونے ہی کا بنا دیا جاتا لیکن پھر بھی یہ سامان اس دنیا کی زندگی کے چندروزہ فائدے کے ہیں- اور آخرت کی کامیابی تو اللہ (تعالیٰ) کے پاس صاحبان ارتقا وحق کے لیے ہے- [1] (۳۶) اور جو خدا کی یاد سے غافل ہوتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں- پھر وہی اس کا ساتھی ہوتا ہے- [2] (۳۷) اور یہ شیاطین ان کو صحیح راہ سے روکتے ہیں اور وہ اپنی جگہ پر سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں- (۳۸) حتیٰ کہ یہ شخص جب ہمارے پاس آئے گا تو اپنے اس ساتھی سے کہے گا' کاش! دنیا میں میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا سا بعد ہوتا کیونکہ تو برا ساتھی نکلا- (۳۹) اور جبکہ تم ظالم ٹھہر چکے تو آج اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہے کہ تم سب عذاب میں شریک ہو! (۴۰) کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو اور جو صریح گمراہی میں مبتلا ہیں راہ راست پر لا سکتے ہیں؟ (۴۱) سو اگر ہم آپ کو اس دنیا سے اٹھا بھی لیں تب بھی ہمیں ان کافروں سے ضرور بدلہ لینا ہے- (۴۲) یا آپ کو آنکھوں سے ان کا وہ انجام دکھلا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے' بہرحال ہمیں ان پر پوری قدرت حاصل ہے- (۴۳) سو آپ اس قرآن پر جو آپ کی طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجا گیا ہے مضبوطی کے ساتھ قائم رہیے- بلاشبہ آپ سیدھی راہ پر ہیں- (۴۴) اور یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے بڑے شرف کی چیز ہے اور عنقریب تم سب سے پوچھا جائے گا-

(۱) ''الہلال'' ۲۱ مئی ۱۹۱۳ء ص ۵ (۲) ''الہلال'' ۹ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۱۶-

(۳) ''الہلال'' ۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۱۵- اور جو شخص خدا کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے ہم اس پر ضلالت کا ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس کے ساتھ رہتا ہے-

وَ سْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ ع ۱۰
لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا
جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ مَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَ اَخَذْنٰهُمْ
بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا
لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ
قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا
خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّ لَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَاۤ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ
جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾

---

(۴۵) آپ سے پہلے جتنے پیغمبر ہم نے بھیجے ہیں ان سب سے پوچھ دیکھو کہ کیا ہم نے خدائے رحمان کے سوا دوسرے معبود بھی مقرر کیے تھے کہ ان کی پرستش کی جائے؟ (۴۶) اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور ان کے درباریوں کے پاس بھیجا اور اس نے جا کر کہا میں رب العالمین کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔

(۴۷) پھر جب موسیٰ نے ہماری نشانیاں ان کو دکھلائیں تو وہ ہنسی اڑانے لگے (۴۸) اور ہم جو بھی نشانی ان کو دکھاتے وہ پہلی سے بڑھ چڑھ کر ہوتی- اور ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا تا کہ وہ باز آ جائیں-

(۴۹) اور ہر عذاب کے موقع پر وہ کہتے اے جادوگر! تو اپنے رب کے اس عہد کی بنا پر جو اس نے تم سے کر رکھا ہے ہمارے لیے دعا کر، ہم ضرور راہ راست پر آ جائیں گے (۵۰) مگر جونہی کہ ہم ان سے عذاب دور کر دیتے تو وہ عہد شکنی کر دیتے-

(۵۱) (القصہ) فرعون نے ایک روز اپنی قوم سے پکار کر کہا' میری قوم! کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے؟ اور میرے نیچے یہ نہریں جاری ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

(۵۲) بلکہ میں اس سے بہتر ہوں جو حقیر ہے اور وہ صاف طور پر کلام بھی نہیں کر سکتا- (۵۳) کیوں نہ اس کی طرف سونے کے کنگن ڈالے گئے یا اس کے جلو میں فرشتے جمع ہو کر آتے؟[۱] (۵۴) غرض فرعون نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے فرعون کی اطاعت کی، بلاشبہ وہ نافرمان لوگ تھے۔

---

[۱] جس طرح کفار مکہ آنحضرت ﷺ کو حقیر سمجھ کر آپ کی دعوت کا مذاق اڑا رہے ہیں اسی طرح فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑایا تھا- چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے معجزات دیکھ کر جب فرعون تنگ آ گیا تو اس نے اپنی قوم کو بیوقوف بنانے کی وہی طرز اختیار کی تھی جو آج کفار قریش نے آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں اختیار کر رکھی ہے یعنی یہ قلاش ہے' اگر یہ سچا ہے تو سونے کے کنگن پہن کر دکھائے یا فرشتوں کی فوج اس کے ہم رکاب ہو-

ع فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَمَّا
ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ
لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا
لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اِنَّهٗ
لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَ اتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَ لَا يَصُدَّنَّكُمُ
الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَ لَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ
وَ لِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ

(۵۵) پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو غرق کر دیا (۵۶) اور بعد والوں کے لیے پیش رو اور فسانہ عبرت بنا دیا (۵۷) اور جونہی کہ ابن مریم کی مثال دی گئی' آپ کی قوم کے لوگ اس پر خوشی کے مارے شور مچانے لگے- (۵۸) اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ وہ مثال محض آپ کے سامنے کج بحثی کی غرض سے لائے ہیں' بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ سخت جھگڑالو واقع ہوئے ہیں-[۵] (۵۹) وہ (عیسیٰ ابن مریم) محض ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا اور بنی اسرائیل کے لیے اس کو ایک نمونہ قدرت بنایا تھا- (۶۰) اگر ہم چاہیں تو تمہارے بدلے فرشتے پیدا کر دیں جو زمین میں تمہارے قائم مقام ہوں (۶۱) اور بلاشبہ وہ (عیسیٰ) قیامت کی ایک علامت ہے' تو تم اس قیامت کے وقوع میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو' یہی سیدھی راہ ہے-[۶] (۶۲) اور شیطان تم کو سیدھی راہ سے روک نہ دے' کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے- (۶۳) اور جب عیسیٰ کھلی نشانیاں لے کر آئے تو اس نے کہا لوگو میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے سامنے بعض ان باتوں کی حقیقت واضح کر دوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو- (۶۴) بلاشبہ اللہ ہی میرا

۵ گزشتہ آیات میں قرآن مجید نے جب یہ کہا کہ پہلے پیغمبروں کی تعلیمات پڑھ دیکھو کہ کیا کسی نے بھی یہ حکم دیا ہے کہ خدائے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود کی بندگی کی جائے؟ اس پر عبداللہ بن الزبعری نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بندگی کیوں کی جاتی ہے؟ کیا ہمارے معبود عیسیٰ علیہ السلام سے کم درجہ کے ہیں؟ آیت ۵۷ سے اسی بیہودگی کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پر بڑا شور کر رہے ہیں اور جدال کے طور پر اسے پیش کر رہے ہیں- حالانکہ وہ اللہ کا بندہ تھا- اللہ نے ان پر انعام کیا اور بنی اسرائیل کے لیے ایک نمونہ بنا دیا اور انہیں وہ معجزات دیے تھے جو ان سے پہلے کسی کو نہ دیے گئے تھے-

۶ آیت ۶۱ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کا نشان قرار دیا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہوں اور آخر زمانہ میں قیامت کے قریب آسمان سے نزول کریں- جیسا کہ احادیث میں آیا ہے-

وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً
وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ يٰعِبَادِ ع ۲
لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾
اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ
وَّ اَكْوَابٍ ۚ وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَ تِلْكَ
الْجَنَّةُ الَّتِيْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾
اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ
وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ
جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْۤا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ

اور تمہارا سب کا پروردگار ہے' بس اسی کی بندگی کرو، یہی صراط مستقیم ہے۔ [1] (۶۵) مگر ان کے بہت سے گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ سو ایسے ظالموں کے لیے ایک دردناک عذاب کے دن کی تباہی ہے۔ (۶۶) کیا یہ لوگ اب بس قیامت کے منتظر ہیں کہ ان پر اچانک آ پہنچے اور ان کو خبر بھی نہ ہو (۶۷) اس دن متقین کے سوا تمام جگری دوست آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ (۶۸-۶۹-۷۰) اس روز ان لوگوں سے' جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور فرمانبردار رہے' کہا جائے گا 'اے میرے بندو' آج تم پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ تمہیں غم لاحق ہوگا۔ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ' تمہیں خوش رکھا جائے گا۔ (۷۱) ان کے روبرو سونے کی رکابیاں اور جام گردش کریں گے اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی' جس کی دل خواہش کریں اور جسے دیکھ کر آنکھیں لذت اندوز ہوں اور تم اس جنت میں ہمیشہ رہو گے۔ (۷۲) اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کی وجہ سے وارث ہوئے ہو۔ (۷۳) یہاں تمہارے لیے بہ کثرت میوے ہیں جنہیں تم کھاتے رہو گے۔ (۷۴) یقیناً مجرم عذاب جہنم میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔ (۷۵) اس عذاب کا ان سے کبھی وقفہ نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوس پڑے رہیں گے (۷۶) ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ظلم کرنے والے تھے۔ (۷۷) وہ دوزخ کے داروغہ کو پکار کر کہیں گے ''اے مالک! کسی طرح تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے (تو اچھا ہے)'' وہ جواب دے گا ''تم کو اسی حال میں رہنا ہے!'' (۷۸) بلاشبہ ہم تمہارے پاس دین حق لائے ہیں لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت رکھتے ہیں۔

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۲۱۶-

اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا
اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا
وَ يَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ
وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۚ وَ عِنْدَهٗ
عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ
شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾
وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَ قُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ ع

---

(۷۹) کیا انہوں نے کسی بات کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی فیصلہ کیے دیتے ہیں- (۸۰) یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی راز کی باتیں اور سرگوشیاں سنتے نہیں' کیوں نہیں (ضرور سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے جو ان کے پاس ہیں لکھ رہے ہیں- (۸۱) اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے اگر بفرض محال خدائے رحمان کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا- (۸۲) منزہ ہے آسمانوں اور زمین کا رب' عرش کا مالک' ان باتوں سے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں- (۸۳) سو آپ ان کو چھوڑیے کہ یہ انہی بیہودہ خیالات میں منہمک اور کھیل میں لگے رہیں' حتیٰ کہ اپنا وہ دن دیکھ لیں' جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے- (۸۴) اور وہی ایک ذات ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی لائق پرستش ہے' اور وہ بڑی حکمت والا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے- (۸۵) اور وہ ذات بابرکات ہے جس کی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' سب پر حکومت ہے اور قیامت کا علم بھی اسی کو ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹاؤ گے- (۸۶) اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں' ان کو سفارش کا کوئی اختیار نہ ہوگا' بجز اس کے کہ حق بات کی شہادت دیں اور وہ اس کو جانتے بھی ہوں- (۸۷) اے نبی! اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے! تو پھر کہاں سے دھوکا دیے جا رہے ہیں- (۸۸) اور قسم ہے رسول کے اس قول کی کہ ''اے میرے رب! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے'' (۸۹) لہٰذا آپ ان سے درگزر کیجیے اور کہہ دیجیے کہ سلام ہے' عنقریب ہی انہیں انجام معلوم ہو جائے گا!

* * *

اٰیَاتُھَا: 59 سُوْرَۃُ الدُّخَانِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا: 3

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

حٰمٓ ① وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ② اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ ③ فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ
حَکِیْمٍ ④ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ ⑤ رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ⑥
رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَھُمَا اِنْ کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ⑦ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ

(۱)حم (۲)قسم ہے واضح کتاب کی۔[۱]

(۳) کہ ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے- بلاشبہ ہم لوگوں کو آگاہ کرنے والے تھے (۴) (یہ وہ رات ہے) جس میں ہر محکم کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے

(۵) اس حکم کے مطابق جو ہماری جناب سے صادر ہوتا ہے- بیشک ہم ایک رسول بھیجنے والے تھے

(۶) آپ کے رب کی رحمت سے' بے شک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے-

(۷) وہ آسمانوں اور زمین کا' اور جو کچھ ان کے مابین ہے سب کا مالک ہے' اگر تم واقعی یقین کرنے والے ہو-

(۸) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے.............

---

[۱] اس سورہ کا زمانہ نزول بھی سورۂ زخرف اور اس سے پہلے کی چند سورتوں کا ہے- جب کفار مکہ نے سخت مخالفت کی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں بد دعا کی:

''اللھم سنی کسنی یوسف!'' کہ ''اے اللہ یوسف کے قحط جیسے قحط سے میری مدد فرما!''

اور یہ بد دعا اس لیے کی کہ شاید مصیبت میں پڑ کر ان کے دل نرم ہو جائیں- اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور سارے علاقہ میں ایسا قحط پڑا کہ لوگ بلبلا اٹھے-

آخر کار ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے سرداران مکہ حضور کے پاس آئے کہ اپنی قوم کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے اللہ سے دعا کریں- اسی موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی-

اس سورہ میں بھی کفار کو فہمائش اور تنبیہ کی ہے اور قرآن مجید کی عظمت کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا خالق اور پروردگار ہے اور موت و حیات اسی کے قبضہ میں ہے تو پھر عبادت کا مستحق بھی وہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ تمہاری راہنمائی کا انتظام کرے- اسی راہنمائی کے لیے اس نے رسول بھیجا اور کتاب اتاری ہے-

رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي
السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا
مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا
مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآىِٕدُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ وقف لازم
الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ
كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْٓ
اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ

وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے آباواجداد کا بھی-(۹) اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں (۱۰) سوائے نبی! آپ اس دن کا انتظار کیجیے جب آسمان صریح دھواں لے کر آئے گا-[۲] (۱۱) وہ لوگوں پر چھا جائے گا' یہ ایک دردناک سزا ہے- (۱۲) کہیں گے ''اے ہمارے رب' ہم سے یہ دور کر دے' بلاشبہ ہم ایمان لانے والے ہیں-(۱۳) ان کو کیسے نصیحت ہو سکتی ہے حالانکہ ان کے پاس ایسا رسول آ گیا ہے جس کی شان رسالت نمایاں ہے- (۱۴) پھر انہوں نے اس سے روگردانی کی اور کہنے لگے کہ سکھایا پڑھایا دیوانہ ہے (۱۵) ہم تھوڑی سی مدت کے لیے اس عذاب کو ہٹا لیں گے مگر تم لوگ پھر وہی کرو گے جو پہلے کر رہے تھے-(۱۶) جس روز ہم بڑی گرفت کریں گے تو ہم سب بدلہ لے لیں گے (۱۷) ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا تھا اور ان کے پاس ایک معزز رسول آیا تھا-(۱۸) کہ خدا کے ان بندوں کو میرے حوالے کرو' میں تمہارے پاس ایک امانت دار پیغمبر بن کر آیا ہوں-[۳] [(۱)] (۱۹) اور تم خدا کے مقابلہ میں سرکشی اختیار نہ کرو' میں تمہارے سامنے ایک واضح نشانی پیش کرتا ہوں-

---

[۲] آیت ۱۰ میں جس ''صریح دھواں'' کا ذکر ہے اور اس کو عذاب الیم قرار دیا ہے' اس کی تعیین مفسرین کے مابین مختلف فیہ ہے-بعض نے کہا ہے کہ یہ دھواں قیامت کے دن ظاہر ہوگا اور کفار ومنافقین کو اندھا بہرا کر دے گا-مگر اہل ایمان پر اس کا اثر زکام کی طرح ہوگا-حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس تفسیر کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ وہ دھواں ہے جو زمانہ قحط میں رونما ہوا تھا-شدت بھوک کی وجہ سے لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تو دھواں ہی دھواں نظر آتا-اور بڑی گرفت سے مراد جنگ بدر کے دن کی گرفت ہے-بعض اکابر صحابہؓ اور تابعینؒ نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں جس دھویں کی خبر دی گئی ہے' وہ قیامت کے قریب ظاہر ہوگا اور تمام زمین پر چھا جائے گا-اور احادیث میں اس دھویں کو علامات قیامت میں سے شمار کیا گیا ہے-

[۳] آیت ۱۸ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے آگے اپنی تبلیغ کا مقصد یہ نہیں بتایا کہ فسق و فجور چھوڑ دو' گناہ اور شرارت سے باز آجاؤ-اولین مطالبہ یہ کیا کہ خدا کے جن بندوں کے پاؤں میں محکومی اور غلامی کی زنجیریں ڈال دی ہیں انہیں چھوڑ دے-خدا کے بندے خدا کی امانت ہیں-ظالم و مستبد اس امانت کا مستحق نہیں-لفظ ''اَدُّوْا'' ''الاداء'' سے ہے جس کے معنی دفع الحق کے ہیں-یعنی کوئی چیز دے دینا جو لینے والے کا حق تھا-

---

(۱) ''البلاغ'' ۲۸ رجنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۱-۱۴ رجنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۲-

فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿٢١﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٢٢﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٢٣﴾
وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوْعٍ
وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٢٦﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ
السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ مِنْ
فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ
الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰۗـؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿٣٣﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿٣٤﴾ اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿٣٥﴾

(۲۰) اور میں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس بات سے پناہ لے چکا ہوں کہ تم مجھ پر حملہ آور ہو- (۲۱) اور اگر تم میری بات نہیں مانتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ (۲۲) آخر کار موسیٰؑ نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ بڑے مجرم لوگ ہیں (۲۳) (حکم ہوا کہ) میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ' تمہارا تعاقب کیا جائے گا (۲۴) اور (ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ) دریا کو ساکن چھوڑ دو (اور نکل بھاگو- فرعون اپنے لشکر سمیت اس میں ڈوب جائے گا (چنانچہ حکم الٰہی پورا ہوا اور وہ سب کے سب دریا کی لہروں میں نابود ہو گئے)

(۲۵-۲۸) (پھر دیکھو وہ کون لوگ تھے؟ ان کی کیسی شان و شوکت تھی؟ کیسا جاہ و جلال تھا؟ کیسا گھمنڈ اور کیسی شرارتوں سے بھری ہوئی صدائیں تھیں؟ لیکن خدا کے عذاب سے بالآخر انہیں کوئی طاقت بچا نہ سکی) کس قدر سرسبز باغ' کیسی کیسی نہریں' سرسبز و شاداب زراعت گاہیں' عالی شان اور پر تکلف عمارتیں' عیش و نشاط کی نعمتیں (غرض وہ سب کچھ دنیوی جاہ و جلال میں سے تھا) جن کے اندر وہ بے فکری کے مزے اڑا رہے تھے' اپنے بعد چھوڑ گئے اور ہم نے دوسری قوم کو ان کا وارث بنایا-؎

(۲۹) پھر (باوجود اس دردناک عذاب کے) نہ تو آسمان ان پر رویا اور نہ زمین ہی نے آنسو بہائے اور نہ انہیں اپنی حالت کی اصلاح کی مہلت دی گئی (کیونکہ مہلت پوری ہو گئی اور آسمان و زمین کا خداوند جب ناراض ہو جائے تو پھر تمام کائنات ہستی میں کون ہے جو ان بدبختوں سے راضی ہو سکتا ہے؟) (۱)

(۳۰-۳۱) بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب' فرعون سے نجات دی' بیشک وہ حد سے بڑھ جانے والوں میں سے بڑے اونچے درجے کا سرکش تھا (۳۲) اور بیشک ہم نے بنی اسرائیل کو ان کی حالت جانتے ہوئے دوسری قوموں پر ترجیح دی (۳۳-۳۴) اور ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی- یہ لوگ کہتے ہیں

(۳۵) بس ہمیں صرف پہلی مرتبہ ہی مرنا ہے اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے-

؎ آیت ۲۸ میں دوسری قوم سے مراد وہ لوگ ہیں جو فرعون کے بعد مصر کے وارث ہوئے- کیونکہ تاریخوں سے کہیں بھی ثابت نہیں ہے

(۱) ''البلاغ'' ۱۴- ۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۳-

فَأْتُوا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٦﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ
كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ
لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٠﴾ ۙ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى
شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾ ۙ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٢﴾ ع اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿٤٣﴾ ۙ
طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿٤٤﴾ ۚ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿٤٥﴾ ۙ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٤٧﴾ ۖ
ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٨﴾ ؕ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿٤٩﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ

معانقۃ ۱۵ (حاشیہ)

(۳۶) پھر اگر تم سچے ہو تو ہمارے آباواجداد کو زندہ کر دکھاؤ (۳۷) بھلا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں، ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا کیونکہ وہ جرائم پیشہ لوگ تھے۔[۵] (۳۸) اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ ہے، کھیل تماشا کرتے ہوئے نہیں پیدا کیا۔ (۳۹) اور ہم نے انہیں نہیں پیدا کیا مگر حکمت و مصلحت کے ساتھ، مگر اکثر انسان ایسے ہیں جو اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔[۱] (۴۰) بیشک فیصلے کا دن ان سب کے اٹھائے جانے کے لیے مقررہ وقت ہے۔ (۴۱) جس دن کہ کوئی عزیز وقریب کسی عزیز وقریب کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کہیں سے انہیں مدد ملے گی۔ (۴۲) مگر ہاں جس پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے۔ بے شک وہ بڑا زبردست اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ (۴۳) بیشک زقوم کا درخت (۴۴) گنہگاروں کا کھانا ہوگا (۴۵) جیسے سیاہ تیل کی تلچھٹ، وہ پیٹوں میں اس طرح جوش مارے گا (۴۶) جیسے گرم کھولتا ہوا پانی (۴۷) حکم دیا جائے گا اس کو پکڑو اور گھسیٹتے ہوئے عین جہنم میں لے جاؤ (۴۸) پھر اس کے سر پر سخت کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو۔ (۴۹) اس کا مزہ چکھ! کیونکہ تو بڑا ذی عزت اور ذی مرتبہ تھا (۵۰) یہی وہ چیز ہے جس میں تم لوگ ....

کہ مصر سے نکلنے کے بعد کبھی بنی اسرائیل واپس گئے ہوں اور اس سرزمین کے وارث ہوئے ہوں۔ مگر سورۂ شعراء ۵۹ میں ہے "کذالك واورثناها بنی اسرائیل" اسی طرح ہم نے بنی اسرائیل کو اس کا وارث بنا دیا۔ سورۂ اعراف کی آیت ۱۳۷ سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی توضیحات میں بنی اسرائیل ہی مراد لیے ہیں اور لکھا ہے کہ فرعون کے غرق ہونے کے پیچھے بنی اسرائیل کا دخل مصر میں ہوا۔ تاریخ کی رعایت کرتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فراعنہ کی شان وشوکت کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔

۵ قوم تبع سے مراد یمن کی قوم سبا ہے جس کی تباہی کا حال سورہ سبا میں گزر چکا ہے۔ تبع دراصل اس قوم کے قبیلہ حمیر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ عموماً مورخین نے ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بتایا ہے۔ ان میں سے ایک بادشاہ نے دنیا میں بہت فتوحات حاصل کی تھیں اور اسی نے شہر سمرقند بسایا۔ اس نے خانہ کعبہ کا طواف بھی کیا اور واپس یمن پہنچ کر یہودی مذہب کی تبلیغ بھی کی۔ چنانچہ یمنی عوام نے یہ دین اختیار کر لیا لیکن اس کی وفات کے بعد پھر کافر ہو گئے۔ اسی بادشاہ کے متعلق مسند احمد، طبرانی وغیرہ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تبع کو گالی نہ دو، اس لیے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا"۔ واللہ اعلم!

(۱) "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۴۸۔

تَمْتَرُوْنَ ۝۵۰ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۝۵۱ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝۵۲ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ
مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝۵۳ كَذٰلِكَ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝۵۴ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۝۵۵ لَا يَذُوْقُوْنَ
فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَ وَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۵۶ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ۝۵۷ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۸ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ۝۵۹ ع ۱۶

شک کیا کرتے تھے۔

(۵۱) بیشک متقی لوگ پرامن مقام میں ہوں گے (۵۲) باغوں اور چشموں میں ہوں گے (۵۳) وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس پہنیں گے اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

(۵۴) ایسے ہی ہوگا اور ہم گوری گوری آہو چشم عورتوں کو ان کا جوڑا بنا دیں گے (۵۵) وہاں وہ اطمینان سے ہر قسم کے میوے طلب کریں گے۔

(۵۶) وہاں وہ بجز پہلی موت کے اور کسی موت کا مزہ نہ چکھیں گے اور اللہ ان کو عذاب جہنم سے محفوظ رکھے گا۔

(۵۷) یہ سب کچھ ان کو آپ کے رب کے فضل سے ملے گا' یہی بڑی کامیابی ہے۔

(۵۸) سو اے نبیؐ! ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

(۵۹) پس آپ نتیجے کا انتظار کیجیے، یہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

ل آیت نمبر ۳۹:
یعنی آسمان و زمین اپنی حکمت کاملہ اور صحیح مقصد کے تحت پیدا کیے ہیں:
''یہاں تخلیق بالباطل کو ''تلعب'' سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی کوئی کام کھیل کود کی طرح بغیر کسی مقصد کے کرنا!''

✻ ✻ ✻

اٰیَاتُھَا: 37 | سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا: 4

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝۲ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ
لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝۳ وَ فِیْ خَلْقِکُمْ وَ مَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝۴ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ
وَ النَّھَارِ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَ تَصْرِیْفِ
الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝۵ تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ
اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَیْلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ ۝۷ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتْلٰی عَلَیْہِ ثُمَّ یُصِرُّ
مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْھَا ۚ فَبَشِّرْہُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۸ وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْئًا

(۱) حاء-میم (۲) یہ اللہ کی طرف سے کتاب (ہدایت) نازل کی جاتی ہے' جو عزیز اور حکیم ہے-[1] (۳) بلاشبہ ایمان رکھنے والوں کے لیے آسمانوں اور زمین میں معرفت حق کی بے شمار نشانیاں ہیں- (۴) نیز تمہاری پیدائش میں اور ان چارپایوں میں جنہیں اس نے زمین میں پھیلا رکھا ہے، ارباب یقین کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں- (۵) اسی طرح رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آتے رہنے میں اور اس سرمایہ رزق میں' جسے وہ آسمان سے برساتا ہے اور زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے اور ہواؤں کے ردوبدل میں' ارباب دانش کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں-[2] (۶) (اور اے پیغمبر) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو فی الحقیقت ہم تمہیں سنا رہے ہیں - پھر اللہ کی آیتوں کے بعد کون سی بات رہ گئی ہے جسے سن کر یہ لوگ ایمان لائیں گے-(۱) (۷) تباہی ہے ہر اس جھوٹے گنہگار شخص کے لیے (۸) جو اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے' کہ اس کے سامنے پڑھی جا رہی ہیں' پھر بھی وہ از راہ تکبر (کفر پر) اس طرح مصر رہتا ہے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں- سو ایسے شخص کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے.........

[1] سورۃ الجاثیہ مکی ہے اور سورۃ ''الدخان'' کے قریبی دور میں نازل ہوئی ہے- دونوں سورتوں کے مضامین میں مشابہت پائی جاتی ہے- اس سورہ میں بھی توحید و آخرت کے متعلق مشرکین کے شبہات کے جوابات دیے گئے ہیں- کفار کی ہٹ دھرمی اور استکبار پر انہیں ملامت کی ہے- آنحضرت ﷺ کو صبر کی تلقین ہے-

[2] توحید کے سلسلہ میں قرآن مجید نے ہر مقام پر آسمان و زمین میں قدرت کی پھیلی ہوئی نشانیوں کو پیش کیا ہے- جس میں خود انسان کی پیدائش اور حیوانات کی افزائش کا سلسلہ' رات دن کا اختلاف اور آسمان سے بارش کے ذریعہ سے انسانی غذا کا انتظام بھی داخل ہیں۔

''یہ اللہ کا قانون ہے کہ باران رحمت نمودار ہوتا اور زندگی کی برکتوں سے زمین کے ایک ایک کونے کو مالا مال کر دیتا ہے- پھر کیا

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۵۷-

اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۹ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا
كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّ لَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۱۰ ؕ هٰذَا
هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۱۱ ع اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ ع
الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۱۲ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمْ
مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۱۳ قُلْ لِّلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۱۴ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا
فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۱۵ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَ
الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۱۶ ۚ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ

---

(۹) جب وہ ہماری آیتوں میں کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کا مذاق اڑاتا ہے- ایسے لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے (۱۰) ان کے آگے جہنم ہے اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کمایا ہے وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آئے گا اور نہ وہ معبود کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا اپنا کارساز بنا رکھا ہے۔ ان کے لیے بڑا عذاب ہے- (۱۱) یہ قرآن سراسر ہدایت ہے- اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کیا' ان کے لیے بلا کا دردناک عذاب ہے (۱۲) وہ اللہ ہی تو ہے جس نے سمندر کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو (۱۳) اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا (ان کی قوتیں اور تاثیریں اس طرح تمہارے تصرف میں دے دی گئیں کہ جس طرح چاہو کام لے سکتے ہو) بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں' اس بات میں معرفت حق کی بڑی نشانیاں ہیں-[1] (۱۴) اے نبیؐ! آپ ایمان والوں سے فرما دیجیے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو ''ایام اللہ'' کی توقع نہیں رکھتے تاکہ اللہ خود ایک گروہ کو اس کی کمائی کا بدلہ دے (۱۵) جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لیے کرے گا اور جو برائی کرے گا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا' پھر تم سب اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے (۱۶) بیشک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائی اور ان کو عمدہ عمدہ چیزیں عطا کیں اور ہم نے ان کو اقوام عالم پر فضیلت دی تھی- (۱۷) اور ہم نے انہیں دین کے بارے

ضروری نہیں کہ جب عالم انسانیت ہدایت و سعادت کی شادابیوں سے محروم ہو جائے تو باران رحمت نمودار ہو کر ایک ایک روح کو پیام زندگی پہنچا دے- روحانی سعادت کی یہ بارش کیا ہے؟ وحی الٰہی ہے! تم اس منظر پر کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ پانی برسا اور مردہ زمین زندہ ہو' پھر اس پر کیوں چونک اٹھو کہ وحی الٰہی ظاہر ہوئی اور مردہ روحوں میں زندگی کی جنبش پیدا ہو گئی؟

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۶۵-

فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا
كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٧﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا
ع ١٨ السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٢١﴾
وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾ اَفَرَءَيْتَ

میں واضح دلائل عطا فرمائے- پھر انہوں نے صحیح علم آ جانے کے بعد ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے باہم اختلاف کیا- بیشک تیرا رب قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں-

(١٨) اس کے بعد اے نبیؐ! ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک شاہراہ پر قائم کر دیا ہے' سو آپ اسی راستہ پر چلے جایئے اور ان لوگوں کی پیروی نہ کریں جو علم سے بے بہرہ ہیں-

(١٩) کیونکہ یہ لوگ خدا کے مقابلے میں آپ کے کچھ کام نہیں آ سکیں گے اور بلاشبہ ظالم آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہوا کرتے ہیں اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے-

(٢٠) قرآن مجید لوگوں کے لیے واضح دلیلوں کی روشنی ہے اور ہدایت اور رحمت ہے یقین رکھنے والوں کے لیے-

(٢١) جو لوگ برائیاں کرتے ہیں' کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور جن کے اعمال اچھے ہیں؟ دونوں برابر ہو جائیں' زندگی میں بھی اور موت میں بھی؟ (اگر ان لوگوں کے فہم و دانش کا فیصلہ یہی ہے تو) کیا ہی برا ہے ان کا فیصلہ؟

(٢٢) اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بیکار و عبث نہیں بنایا' بلکہ حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے- اور اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہر جان اپنی کمائی کے مطابق بدلہ پالے اور ایسا نہ ہوگا کہ ان کے ساتھ ناانصافی ہو-[1]

---

(١) ''الہلال'' ٢ جنوری' ١٣ جنوری ١٩١٤ء

(٢) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ٤٩- ص ١١٦-

مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ
يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَاۤ
اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا
كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ
يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ ع ۳ ۱۹
الْاَرْضِ ؕ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ
تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا

---

(۲۳) اے نبیؐ بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے اور اللہ نے اپنے علم کی بنا پر اسے گمراہی میں پھینک رکھا ہے- اور اس کے کان پر اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے' پھر اب خدا کے بعد اس گم کردہ راہ کی کون رہنمائی کر سکتا ہے' کیا پھر بھی تم لوگ نصیحت نہیں پکڑتے؟ (۲۴) اور یہ کہتے ہیں کہ بس اس دنیا کی زندگی کے بعد اور کوئی زندگی نہیں ہے' ہم یہیں مرتے اور یہیں جیتے ہیں اور گردش زمانہ کے سوا ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو ہمیں ہلاک کر دے- دراصل اس معاملہ میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے- یہ محض گمان کی بنا پر باتیں کر رہے ہیں-[۳] (۲۵) اور جب انہیں ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے پاس سوائے کٹ حجتی کے کوئی اور دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو اٹھا لاؤ- (۲۶) آپ ان سے کہہ دیجئے' اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے' پھر وہی تمہیں موت دے گا- پھر وہی تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس کی آمد میں کوئی شک نہیں ہے' مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں- (۲۷) اور آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی سلطنت ہے- اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن اہل باطل سخت گھاٹے میں رہیں گے- (۲۸) اور اے نبیؐ! آپ ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھیں گے- ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا "آج تم لوگوں کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے-

---

[۳] آخرت کا انکار دراصل وہی لوگ کرتے ہیں جو خواہشات نفس کی بندگی کرنا چاہتے ہیں- انسان کو انسانیت کے دائرہ میں اگر کوئی چیز رکھ سکتی ہے تو وہ خدا کے حضور جوابدہی کا تصور ہی ہو سکتا ہے- قرآن مجید نے بتایا کہ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں' انہوں نے اپنے گمان سے یہ بات گھڑ لی ہے کہ دنیا میں موت و حیات کا سلسلہ یونہی خود سے جاری ہے' آدمی محض گردش ایام سے مر کر فنا ہو جاتا ہے-

پھر جب دوبارہ زندگی کے دلائل ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو بجائے ان کے کہ وہ ان دلائل پر غور کریں' جھٹ سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر انسان دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے تو ہمارے آباؤ اجداد کو زندہ کر کے دکھاؤ- آیت ۲۶ سے ان کے اسی قسم کے ظنون کا جواب دیا جا رہا ہے-

نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ
رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا
قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَ بَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
عَمِلُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ قِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ
يَوْمِكُمْ هٰذَا وَ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا
وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ
رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۠
وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ ع

(۲۹) یہ نامہ اعمال ہماری کتاب ہے جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک شہادت دے رہا ہے' جو کچھ بھی تم کرتے تھے اسے ہم لکھواتے جا رہے تھے-'' (۳۰) سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہی صریح کامیابی ہے- (۳۱) لیکن جن لوگوں نے کفر کیا ان سے کہا جائے گا'' کیا میری آیات تمہیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں؟ پھر تم نے ان سے تکبر کیا اور تم بڑی ہی مجرم قوم تھے''- (۳۲) اور جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے وقوع میں ذرا بھی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے'' ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے؟ ہم تو صرف ایک خیال سا رکھتے ہیں- اور اس کے ہونے کا یقین نہیں ہے'' (۳۳) اور ان کے اعمال کے برے نتائج ان کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے اور وہ اس چیز کے گھیراؤ میں آ جائیں گے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے- (۳۴) اور اس وقت ان سب سے کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے اس دن کی حکومت الٰہی کو بھلا دیا تھا' آج ہم بھی تم کو بھلا دیں گے- تمہارا ٹھکانا آگ کے شعلے ہیں- اور کوئی نہیں جو تمہارا مددگار ہو-[1] (۳۵) یہ اس کی سزا ہے کہ تم نے خدا کی آیتوں کی ہنسی اڑائی اور دنیا کی زندگی اور اس کے کاموں نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا- پس آج نہ تو عذاب سے نکالے جاؤ گے اور نہ تمہیں اس کا موقع ملے گا کہ توبہ واستغفار کر کے خدا کو منا لو کیونکہ اس کا وقت تم نے کھو دیا-[2] (۳۶) سو سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور سب جہان والوں کا پروردگار ہے- (۳۷) اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے بڑائی ہے اور وہی زبردست اور کمال حکمت کا مالک ہے-

✵ ✵ ✵

(۱) ''الہلال'' یکم جولائی ۱۹۱۴ء ص ۷-

(۲) ''الہلال'' یکم جولائی ۱۹۱۴ء ص ۷-

اٰیَاتُهَا : 35 سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا : 4

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا
بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ③ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ
مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ

(۱) حم (۲) اس کتاب کا نازل کیا جانا اللہ زبردست بڑی حکمت والے کی طرف سے ہے[ا]

(۳) ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، برحق اور ایک میعاد مقررہ تک کے لیے بنایا ہے۔ مگر جو کافر ہیں، ان کو جس چیز سے خبردار کیا گیا ہے، وہ اس سے اعراض ہی کر رہے ہیں۔

(۴) اے نبیؐ ان سے کہیے، بھلا دیکھو تو جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ذرا مجھ کو یہ تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا بنایا یا آسمانوں (کے بنانے) میں ان کی کوئی شرکت ہے؟ اگر تم (قبول پیام حق سے) انکار میں سچے ہو تو ثبوت میں کوئی کتاب پیش کرو جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہو (یا کم از کم) علم و بصیرت کی کوئی پچھلی روایت ہی لا دکھاؤ جو تمہارے پاس موجود ہو[1]

ا اس سورۃ میں جنوں کے قرآن سن کر جانے کا واقعہ مذکور ہے اور حدیث و سیرت کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ۱۰ بعثت کا واقعہ ہے یعنی ہجرت سے تین سال قبل پیش آیا۔ اس سے سن نزول از خود متعین ہو جاتا ہے۔

۱۰ نبوی، آنحضرت ﷺ کی زندگی میں انتہائی سختی کا سال تھا۔ قریش کے مقاطعہ کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اپنے خاندان اور اصحاب سمیت محصور ہو چکے تھے۔ پھر جب محاصرہ ٹوٹا تو ابو طالب وفات پا گئے جو آنحضرت ﷺ کے لیے ڈھال کا کام دے رہے تھے۔ اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اس جہان سے رخصت ہو گئیں۔ ان مسلسل صدموں کی وجہ سے یہ سال گویا عام الحزن تھا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ اس ارادے پر طائف تشریف لے گئے کہ بنی ثقیف کو اسلام کی دعوت دیں۔ مکہ سے طائف کا سارا سفر پیدل طے فرمایا مگر انہوں نے آپ کی بات سننے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ واپسی پر غنڈوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا جو آپ کا تعاقب کرتے، آپ کو پتھر مارتے اور آوازیں کستے رہے حتیٰ کہ آپ ﷺ زخموں سے چور ہو گئے۔ دل شکستہ ہو کر جب آپ قرن المنازل میں پہنچے تو حضرت جبریلؑ سامنے آئے اور کہا: اگر آپ چاہیں تو ان پر پہاڑ الٹ دیئے جائیں، مگر نبی الرحمہ نے جواب دیا کہ ”نہیں، میں امید کرتا ہوں کہ ان کی نسل سے مسلمان پیدا ہوں گے۔“

(۱) ”ترجمان القرآن“ جلد اول ص ۱۸۵۔

الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝۵ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ
كٰفِرِيْنَ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ
كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَآ

---

(۵) آخر اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک بھی ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کے پکارنے سے بالکل بے خبر ہیں۔

(۶) جب سب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے۔

(۷) اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ کافر، حق (یعنی قرآن) کی نسبت، جب ان کے سامنے آجاتا ہے، کہتے ہیں کہ ''یہ تو کھلا جادو ہے''

(۸) کیا یہ یوں کہتے ہیں کہ رسول نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اسے (قرآن مجید کو) خود گھڑ لیا ہے تو تم خدا کی گرفت سے مجھے کچھ بھی نہ بچا سکو گے، تم قرآن مجید کے بارے میں جو باتیں بنا رہے ہو اللہ ان کو خوب جانتا ہے، میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کو وہی کافی ہے اور وہی بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

اس کے بعد آپ نخلہ میں جا کر ٹھہرے اور وہیں جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ پیش آیا۔

الغرض ان حالات میں یہ سورہ نازل ہوئی۔ اس سورہ میں کفار کو ان کی گمراہیوں کے نتائج سے خبردار کیا گیا ہے اور ان کی تردید کی ہے، توحید کا تصور پیش کیا ہے، رسالت کے خلاف ان کے خیالات کی تردید کی ہے اور ان سے مطالبہ کیا ہے کہ شرک کی صحت میں کسی آسمانی کتاب سے دلیل پیش کر دیا کوئی ''علمی روایت'' ہی دکھاؤ جو قابل اعتماد ذریعہ سے پہنچی ہو:

(قرآن کہتا ہے کہ) ''اگر تمہیں میری تعلیم کی سچائی سے انکار ہے تو کسی مذہب کی الہامی کتاب سے ہی ثابت کر دکھاؤ کہ دین حقیقی کی راہ اس کے سوا کچھ اور بھی ہوسکتی ہے بلکہ علم و بصیرت کے کسی قول اور روایت سے ثابت کر دکھاؤ کہ جو کچھ میں بتلا رہا ہوں یہی پچھلی دعوتوں کی تعلیم نہیں رہی؟''

اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ⑨ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ
كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ⑩ وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ ع

(٩) آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہونا ہے اور تمہارے ساتھ کیا، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیج جاتی ہے اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

(١٠) اے نبیؐ، ان سے کہیے، بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے آیا ہو اور تم اس کو ماننے سے انکار کرو، حالانکہ اس جیسے کلام (کے منجانب اللہ ہونے) پر بنی اسرائیل سے ایک شخص شہادت بھی دے چکا ہے، پھر وہ اس پر ایمان لے آیا اور تم تکبر میں پڑے رہے۔[٢] تو بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(١١) اور کفار اہل ایمان کی نسبت یوں کہتے ہیں، اگر یہ بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے آگے نہ نکل جاتے۔ اور

---

٢ آیت ١٠ میں "شاهد من بنی اسرائیل" سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہیں جو مدینہ منورہ کے مشہور یہودی عالم تھے اور ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔ یہ واقعہ چونکہ مدینہ منورہ کا ہے اس لیے بعض مفسرین نے اس آیت کو مدنی قرار دیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ سورہ بتمامہ مکی ہے اور شاہد بنی اسرائیل سے مراد کوئی خاص آدمی نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے، بنی اسرائیل کا ایک عام آدمی مراد ہے۔ آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن مجید کی یہ تعلیم جو تمہارے سامنے پیش کی جا رہی ہے یہ کوئی انوکھی چیز نہیں ہے جو دنیا میں پہلی مرتبہ تمہارے ہی سامنے پیش کی گئی ہو، بلکہ اس سے پہلے یہی باتیں بنی اسرائیل کے سامنے بھی پیش کی جا چکی ہیں، اور ان کے ایک عام آدمی سے بھی پوچھ سکتے ہو، وہ اس کی شہادت دے گا۔

إِلَيْهِ ۚ وَ إِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا
وَّرَحْمَةً ۚ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ⑫ اِنَّ
الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ⑬ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑭ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ

جب انہوں نے اس قرآن مجید سے ہدایت نہ پائی تو اب یہی کہیں گے کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔

(۱۲) حالانکہ اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب امام اور رحمت بن کر آ چکی ہے اور یہ کتاب عربی زبان میں اس کی تصدیق کرنے والی ہے تا کہ جو ظالم ہیں ان کو متنبہ کرے اور نیکوکار لوگوں کو بشارت دے۔

(۱۳) یقیناً جن لوگوں نے اللہ کو اپنا پروردگار سمجھا اور اپنے اندر استقامت پیدا کر لی، تو پھر نہ تو ان کے لئے کسی طرح کا خوف ہے اور نہ کسی ناکامی و نامرادی کا غم (۱)

(۱۴) یہی لوگ اہل جنت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے ان اعمال کے بدلے میں جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں [۳]

(۱۵) ہم نے انسان کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرے۔

---

۳ نجات کے لیے ایک مرتبہ کا اقرار کافی نہیں بلکہ اقرار کے بعد استقامت بھی شرط ہے:

''ہمیشہ دو ہی خیال دماغوں میں پیدا ہوئے۔ بعض نے سمجھا کہ کچھ نہیں کر سکیں گے اور بعض نے خیال کیا کہ چاہیں گے تو سب کچھ کر لیں گے۔ پہلے خیال کا نتیجہ یہی نکلا کہ کچھ نہ ہوا۔ دوسرے نے چٹیل میدانوں کو ایوان و محل، ویران جنگلوں کو آباد و شاداب، غلاموں کو آزاد، ایک گڈریے کو صاحب تاج و تخت اور ایک مردہ قوم کو زندہ و قائم کر دیا۔ البتہ استقامت شرط راہ اور دلیل وصول بارگاہ ہے۔''

---

(۱) ''الہلال'' ۱۵ جنوری ۱۹۱۳ء ص ۱۹۔

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ
اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ
اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۵
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ
وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝۱۶ وَ الَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِيْۤ اَنْ

اس کی ماں نے اسے تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور تکلیف کے ساتھ جنا اور حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت کم از کم تیس مہینوں کی ہے،[1] یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری توانائی کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا تو کہنے لگا، اے میرے رب مجھ توفیق دے کہ میں تیرے ان احسانات کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیے اور میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جس سے تو راضی ہو، اور میرے لیے میری اولاد بھی نیک بنا دے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور یقیناً میں تابع فرمان بندوں سے ہوں۔

(۱۶) انہی صفات کے حامل لوگوں سے ہم ان کے اعمال قبول کرتے ہیں اور ان کے گناہوں سے درگزر کرتے ہیں، ان لوگوں کا شمار اہل جنت میں ہے۔ یہ سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا رہا ہے۔

(۱۷) اور جس شخص نے اپنے والدین سے کہا ''تف ہے تمہارے لیے، کیا مجھے خبر دیتے ہو کہ میں............

آیت ۴ میں اشارہ ہے کہ اولاد پر ماں کا حق باپ کی بہ نسبت زیادہ ہے اس لیے کہ وہ اولاد کے لیے مسلسل تکلیف میں مبتلا رہتی ہے اور بچے کی تربیت کا تعلق بھی ماں سے ہے۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے ماں کے دل میں شفقت و محبت بھی زیادہ رکھی ہے۔

''ربوبیت الٰہی کی کارسازی پر غور کرو، کس طرح ماں کی فطرت میں بچے کی محبت ودیعت کی گئی ہے اور کس طرح اس جذبے کو طبیعت بشری کے تمام جذبات سے زیادہ پرجوش اور ناقابل تسخیر بنا دیا گیا ہے۔ (پھر جب) بچے کا عہد رضاعت پورا ہو جاتا ہے اور اس کا معدہ عام غذاؤں کے ہضم کرنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے، ماں کا دودھ خشک ہونا شروع ہو جاتا ہے، یہ گویا ربوبیت الٰہی کا اشارہ ہوتا ہے کہ اب اس کے لیے دودھ کی ضرورت نہیں رہی۔''

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۱۴۱۔

أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَ هُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ
فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَ لِيُوَفِّيَهُمْ
اَعْمَالَهُمْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ
حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ
فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ اذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ ع

مرنے کے بعد دوبارہ قبر سے نکالا جاؤں گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں۔'' اور والدین اللہ کی دہائی دے کر لڑکے سے کہتے ہیں ''ارے تیرا برا ہو، تو ایمان لے آ، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے'' مگر وہ کہتا ہے، ''یہ محض اگلے لوگوں کی بے سروپا کہانیاں ہیں!''

(۱۸) یہی وہ لوگ ہیں جن کے حق میں عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے اور جنوں اور انسانوں کی جو امتیں ان سے پہلے گزر چکی ہیں، یہ بھی ان میں شامل ہوں گے، کیونکہ یہ سب لوگ زیاں کار تھے۔

(۱۹) اور ہر ایک کے درجے ان کے اعمال کے لحاظ سے ہوں گے اور (یہ اس لیے ہوگا) تاکہ اللہ تعالیٰ ان سب کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(۲۰) اور جس روز کفار آگ پر حاضر کیے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) تم دنیوی زندگی میں اپنے حصہ کی نعمتیں حاصل کر چکے اور ان سے خوب فائدہ اٹھا چکے، سو آج تم کو اسی تکبر کے باعث جو تم ناحق دنیا میں کیا کرتے تھے، ذلیل کرنے والے عذاب کی سزا دی جائے گی۔

(۲۱) اور اے نبیؐ، آپ انہیں قوم عاد کے بھائی (ہود) کا قصہ سنایئے۵ جبکہ انہوں نے ''احقاف'' میں..........

---

۵ قریش کے سردار اپنی بڑائی کا زعم رکھتے اور انہیں اپنی ثروت و مشیخت کا بڑا گھمنڈ تھا، اس لیے ان کو قوم عاد کا قصہ سنایا جو قدیم زمانہ میں اس سرزمین میں سب سے زیادہ طاقتور قوم تھی۔

وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ
اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْـهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا
مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَــتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ

اپنی قوم کو ڈرایا...... اور ان سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی بہت سے ڈر سنانے والے (پیغمبر) گزر چکے ہیں...... کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تم پر ایک بڑے سخت دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں[۶]

(۲۲) انہوں نے کہا، کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دے؟ پھر اگر تو سچا ہے تو جس دن کے عذاب کا ہم سے وعدہ کرتا ہے اسے ہم پر لے آ!

(۲۳) ہودؑ نے کہا ''اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، میں تم کو وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جو مجھ کو دے کر بھیجا گیا ہے، مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ جہالت و نادانی کی باتیں کر رہے ہو۔''

(۲۴) پھر جب انہوں نے اس عذاب کو ایک بادل کی شکل میں اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا، تو کہنے لگے، یہ بادل ہے جو ہمیں سیراب کرے گا۔ ''نہیں، بلکہ یہ وہ چیز (عذاب) ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے۔ یہ ایک ہوا کا سخت طوفان ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔

(۲۵) یہ آندھی اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر ڈالے گی، آخر کار ان کی یہ حالت ہوگئی کہ ان کی سکونتی جگہوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا..........

---

[۶] احقاف، جمع ہے ''حقف'' کی۔ اور حقف کے معنی اس لمبے ٹیلے کے ہیں جو بلندی میں پہاڑ کی حد کو نہ پہنچے۔ وہ قوم عرب کے اس علاقے میں آباد تھی جو صحرائے اعظم (ربع خالی) کہلاتا ہے۔ اس میں حضر موت حضرت ہود علیہ السلام کا مزار بنا ہوا ہے۔ اس بنا پر قرین قیاس یہی ہے کہ یہ لوگ اسی علاقے میں آباد تھے اور ان کا علاقہ عمان سے یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضر موت کا یہ علاقہ ہزاروں سال پہلے سرسبز و شاداب تھا۔ بعد میں آب و ہوا کی تبدیلی نے اسے کھنڈر میں تبدیل کر دیا۔ یہ بہت نشیبی علاقہ ہے جہاں پہنچنا بہت دشوار ہے۔ ان کے قصہ کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی ہیں۔

الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيمَآ إِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّأَبْصَارًا وَّأَفْئِدَةً ۖ فَمَآ
أَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ أَبْصَارُهُمْ وَلَآ أَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ
حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ ع
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۖ بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ ۚ
وَذٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٨﴾ وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْاٰنَ ۚ
فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوٓا أَنْصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ ﴿٢٩﴾ قَالُوا يٰقَوْمَنَآ إِنَّا
سَمِعْنَا كِتٰبًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيٓ إِلَى الْحَقِّ وَإِلٰى طَرِيقٍ
مُّسْتَقِيمٍ ﴿٣٠﴾ يٰقَوْمَنَآ أَجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ

دیا کرتے ہیں۔

(۲۶) ہم نے ان کو ان چیزوں میں قدرت دی تھی جو تم کو نہیں دی۔ ہم نے ان کو کان آنکھیں اور دل دے رکھے تھے، مگر نہ تو ان کے کان ان کے کچھ کام آئے اور نہ آنکھیں اور دل ہی، کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اس کے پھیر میں آ گئے۔

(۲۷) بلاشبہ ہم تمہارے گردو پیش کے علاقوں میں بہت سی بستیوں کو تباہ و برباد کر چکے ہیں۔ اور ہم نے طرح طرح سے ان کو سمجھایا تا کہ وہ باز آ جائیں۔

(۲۸) پھر کیوں نہ ان ہستیوں نے ان کی مدد کی جن کو اللہ کے سوا انہوں نے تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھ کر معبود بنا رکھا تھا۔ بلکہ وہ جھوٹے معبود ان سے کھوئے گئے اور یہ غیر اللہ کو معبود بنانا ان کا محض بہتان اور افترا پردازی تھی۔

(۲۹) اور (یہ واقعہ بھی ذکر کیجیے) جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی جانب متوجہ کر دیا تا کہ وہ قرآن سنیں۔ سو جب وہ اس جگہ آ پہنچے تو آپس میں کہنے لگے، خاموش ہو جاؤ، پھر جب قرآن کی تلاوت ہو چکی تو وہ منذر بن کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے۔

(۳۰) انھوں نے (جا کر) کہا، ''اے ہماری قوم کے لوگو! ہم ایک ایسی کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ وہ اپنے سے پہلے کی تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور وہ کتاب حق اور راہ راست کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

(۳۱) اے ہماری قوم کے لوگو، تم اللہ کے داعی (یعنی محمد ﷺ) کی بات قبول کر لو اور اس پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہارے

عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَ مَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ
اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ
وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَ يَوْمَ يُعْرَضُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ
لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ
يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا

(۳۲) اور جو شخص اللہ کے داعی کے بات قبول نہ کرے گا تو وہ زمین پر رہ کر اللہ کو زچ نہیں کرسکتا اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی حمایتی ہوگا، یہی وہ لوگ ہیں جو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

(۳۳) اور کیا ان لوگوں نے یہ نہیں سمجھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے بناتے ہوئے جو نہ تھکا، وہی اللہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ کیوں نہیں، یقیناً وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(۳۴) اور جس روز کہ کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (اور ان سے پوچھا جائے گا) کیا یہ دوزخ ایک حقیقت نہیں ہے؟ تو وہ جواب دیں گے، کیوں نہیں، ہمارے رب کی قسم (یہ واقعی ایک حقیقت ہے) اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ''اچھا اب اس کفر کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے، عذاب کا مزہ چکھو۔

(۳۵) پس اے نبیؐ جس طرح دوسرے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا، آپ بھی صبر کرتے رہیے اور ان کے لیے عذاب کی جلدی نہ کیجیے۔ جس روز یہ لوگ اس چیز (عذاب) کو دیکھیں گے، جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے، تو یوں خیال کریں گے گویا وہ دن میں سے گھڑی بھر رہے ہوں گے، یہ قرآن مجید (اتمام حجت کی غرض سے) پہنچادینا ہے، پس اب وہی لوگ تباہ کیے جائیں گے جو نافرمان ہیں! ؎

؎ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر انہیں دنیا میں اپنے عیش و آرام کا زمانہ بہت ہی مختصر معلوم ہوگا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت کے دن برزخی زندگی ایک گھڑی معلوم ہو: ''آخرت کی زندگی جب انسان پر طاری ہوگی تو وہ تمام مدت، جو مرنے کے بعد سے نشاۃ ثانیہ تک گزرتی ہے، ایسا محسوس ہوگی جیسے ایک بہت ہی قلیل مدت کا درمیانی وقفہ۔ سورۂ مؤمنون کی آیت ۱۱۲، سورۂ روم کی آیت ۳۰، سورۂ نازعات کی آخری آیت میں بھی اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔'' (۱)

(۱) ترجمان القرآن جلد دوم ص ۱۵۸۔۱۵۹۔

اٰیَاتُهَا : 38- | سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِیَّةٌ | رُکُوْعَاتُهَا : 4

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ②
ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ
یَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③ فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى

(۱) جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کردیا [1]

(۲) اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے اور قرآن حکیم پر یقین کیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا اور جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے لیے پیام حق ہے، سو وہ یقین کریں کہ ان کے سارے گناہ جھڑ گئے اور ان کے دل کو سنوار دیا گیا (۱)

(۳) یہ اس لیے کہ جو لوگ کافر ہیں انھوں نے باطل کی پیروی کی اور جو ایمان دار ہیں انھوں نے اس حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی جانب سے پہنچا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کے احوال بیان کرتا ہے [2]

(۴) پس جب تمہارا اور کفار کا مقابلہ میدان جنگ میں ہو تو ان کی گردن اڑا دو یہاں تک کہ جب............

---

[1] اس کا دوسرا نام سورۃ القتال بھی ہے۔ یہ سورہ ہجرت کے بعد جنگ بدر سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کا موضوع مسلمانوں کو جنگ کے لیے تیار کرنا اور اس کے متعلق ابتدائی ہدایات دینا ہے۔ اس لیے اس سورۃ میں مسلمانوں کی ہمت بندھائی ہے اور کفار کو تباہی سے ڈرایا اور منافقین کے اعمال کی بربادی کا اعلان کیا گیا ہے۔
جب سورہ کے آخر میں مسلمانوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت دی گئی ہے اور جس قدر ہو سکے، مالی وسائل کو کام میں لانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

---

(۱) ''البلاغ'' ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵۔

اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ
اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ؕ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاْ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَ
الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۞۴ سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۞۵
وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۞۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ
يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۞۷ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۞۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا
مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۞۹ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۞۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ

خوں ریزی ہو چکے تو انہیں خوب باندھ لو۔ اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر رہا کر دو یہاں تک کہ لڑائی موقوف ہو جائے[1]۔ یہ حکم ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے نمٹ لیتا (لیکن اس نے جہاد کا حکم دیا) تا کہ تم کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے آزمائے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے، اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

(۵) اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی کرے گا اور ان کی حالت کو درست کر دے گا۔

(۶) اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس کی تعریف ان سے کر دی گئی ہے۔ ؎

(۷) اے ایمان والو، اگر تم خدا کے کلمہ حق کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے اندر مضبوطی اور ثابت قدمی پیدا کر دے گا[2]

(۸) رہے وہ لوگ جو کافر ہیں تو ان کے لیے تباہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ہے۔

(۹) کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (کلام) کو ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو نیست و نابود کر دیا۔

(۱۰) کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان لوگوں کا انجام دیکھتے جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں؟ اللہ نے ان پر تباہی واقع کی، اور اسی قسم کے حالات ان کافروں کو بھی پیش آنے والے ہیں۔

؎ اس وقت دو گروہ بالمقابل کام کر رہے ہیں۔ ایک وہ جنھوں نے اس تعلیم و ہدایت کو ماننے سے انکار کر دیا ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل کی گئی۔ ایسے لوگوں کی تمام کوششیں گمراہی کو پھیلانے میں صرف ہو رہی ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو ایمان لا چکا ہے اور عمل صالح میں زندگی گزار رہا ہے، ان کی برائیاں دور کر دی جائیں گی اور ان کی موجودہ پریشانی کی حالت کو ختم کر دیا ہے:

(۱) ''الہلال'' ۹ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۱۲۰، ترجمان القرآن جلد اول ص ۳۶۶ (۲) ''البلاغ'' ۲۴ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۸۔

ع ۱۱ ۵ مَوْلَى الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ
قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ
كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ

(۱۱) یہ اس لیے کہ ایمانداروں کا مالک اور کارساز خدا ہے۔ اور جو خدا کی قدرت کے منکر ہیں ان کا کوئی بھی مالک و کارساز نہیں ہے۔ (۱)

(۱۲) یقیناً اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا (دنیا میں) عیش کر رہے ہیں اور چوپایہ جانوروں کی طرح کھا پی رہے ہیں، اور ان کا ٹھکانا آگ ہے۔

(۱۳) کتنی ہی بستیاں (ایسی گزر چکی ہیں) جو آپؐ کی اس بستی سے، جس نے آپ کو جلاوطن کیا ہے، قوت و طاقت میں بڑھی ہوئی تھیں، ہم نے انھیں ہلاک کر ڈالا، پھر کوئی بھی ان کا مددگار نہ ہوا۔

(۱۴) کیا وہ لوگ جو اپنے رب کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر ہیں، ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جنھیں اپنے اعمال بد میں خوبی نظر آتی ہے اور وہ ہوائے نفس پر چلتے ہیں (۲)

"عمل صالح انسان کے دل کو سنوارتا ہے۔ اس لیے پچھلے گناہوں کا جو داغ دل میں ہوتا ہے اسے بھی مٹا دیتا ہے!"

۳؎ حق و باطل کے مابین مقابلہ تو رہتا ہی ہے، پھر اگر جنگ شروع ہو جائے تو مسلمانوں کو ثبات و شجاعت سے کام لینا چاہیے۔ باطل کا زور جبھی ٹوٹے گا کہ بڑے بڑے شریر مارے جائیں۔ جب مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے تو اس وقت تم قیدی بنا سکتے ہو۔ جیسا کہ سورۂ انفال میں فرمایا: "ماکان لنبی ان یکون له اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض" اس کے بعد حسن اخلاق سے یا تو احسان کر کے رہا کر دو اور یا کچھ فدیہ لے کر۔ یا مسلمان قیدیوں کے عوض رہا کر دو۔ اور یہ حرب و ضرب اور قید و بند کا سلسلہ تا آں جاری رہے کہ جنگ موقوف ہو جائے۔

---

(۱) ۱۸ جون ۱۹۱۳ء، ۲۱ جنوری ۱۹۱۴ء کے "الہلال" میں اس کا ترجمہ یوں ہے: "ایسا ہونا اس قانون الٰہی کی بنا پر ہے کہ ارباب ایمان و حق کا سرپرست تو خدا تعالیٰ ہے اور وہ جو باطل پرستی اور ضلالت کے داعی ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں جو ان کے کاموں میں مدد کرے۔"

(۲) "الہلال" ۲۲ ستمبر ۱۹۱۲ ص ۳۔

غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ
مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً
حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾
وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ
بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ

(۱۵) پرہیزگاروں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت تو یہ ہے کہ اس میں نہریں بہ رہی ہوں گی جن کا پانی صاف ستھرا ہوگا اور دودھ کی نہریں ہوں گی جس کے ذائقہ میں ذرہ بھر بھی تبدیلی نہیں آئے گی، اور شراب کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لیے بہت ہی لذیذ ہوگی۔ اور صاف کیے ہوئے شہد کی۔ اور ان کے لیے اس میں ہر طرح کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بہت بڑی بخشش ہوگی، (کیا یہ اہل جنت) ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور جنھیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، جو ان کی آنتیں تک کاٹ دے گا۔

(۱۶) اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کان لگا کر آپ کی بات سنتے ہیں۔ پھر جب آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جو اہل علم ہیں (از راہ تمسخر) پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی انھوں نے کیا کہا تھا۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ہے اور یہ اپنی نفسیاتی خواہشات کے پیرو بنے ہوئے ہیں۔

(۱۷) اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں ان کا تقویٰ دیتا ہے۔

(۱۸) پھر کیا یہ لوگ آخری فیصلہ کر دینے والی گھڑی کے منکر ہیں کہ اچانک ان پر آ نازل ہو؟ سو اگر اسی کا انتظار ہے تو اس کی نشانیاں تو آ چکیں ہیں۔ اور جب وہ گھڑی خود آئے گی تو اس وقت ان کے لیے کیا ہوگا؟[1]

(۱) ''البلاغ'' ۳، ۱۰ مارچ ۱۹۱۶ء ص ۴۔

ع ۲/۸ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ وَ يَقُوْلُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ
مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ

(۱۹) سوائے نبی! آپ یقین رکھیے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ اور آپؐ اپنی خطاؤں کے لیے بخشش طلب کیجیے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے بھی، اور اللہ تعالیٰ تمہارے پھرنے اور ٹھہرنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

(۲۰) اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ کوئی سورہ کیوں نازل نہیں کی جاتی (جس میں جنگ کا حکم ہو) لیکن جب ایک محکم سورہ نازل کی گئی اور اس میں قتال کا ذکر ہوا تو جن لوگوں کے دل مرض ضلالت سے بیمار ہو رہے ہیں (اعلان حق کے وقت) تم ان کو دیکھو گے کہ تمہاری طرف ایسے خوف زدہ ہو کر دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو اور اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں۔[۵]

(۲۱) اطاعت کا اقرار اور بھلی بات کہنی چاہیے پھر جب جہاد کا حکم لازم ہو جائے اس وقت اگر یہ لوگ اللہ سے اپنے عہد میں سچے نکلے تو یہ ان کے لیے بہت ہی بہتر ہوتا۔

---

[۴] آیت ۱۸ میں فرمایا کہ قیامت کی علامات تو ظاہر ہو چکی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی علامت آنحضرت ﷺ کی بعثت ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ حدیث میں ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''بعثت انا والساعة کھاتین'' یعنی جس طرح ان دو انگلیوں کے درمیان تیسری انگلی نہیں ہے، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی مبعوث ہونے والا نہیں ہے۔ میرے بعد اب قیامت ہی آئے گی۔

[۵] نفاق کا ہمیشہ یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ مشکل اوقات میں اطاعت سے پہلوتہی کے لیے بہانے تلاش کرنے لگ جاتا ہے اور اپنی جان و مال کے لیے کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس طرح نمائشی اسلام کا لبادہ اتار کر پھینک دیتا ہے، اور الٹا موقع پا کر ظلم و فساد اور برادر کشی

---

(۱) ''الہلال'' ۶۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۶۔

تَوَلَّيۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَ تُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَكُمۡ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ
فَاَصَمَّهُمۡ وَ اَعۡمٰٓى اَبۡصَارَهُمۡ ﴿۲۳﴾ اَ فَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰى قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا ﴿۲۴﴾
اِنَّ الَّذِيۡنَ ارۡتَدُّوۡا عَلٰٓى اَدۡبَارِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡهُدَى ۙ الشَّيۡطٰنُ سَوَّلَ
لَهُمۡ ؕ وَ اَمۡلٰى لَهُمۡ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ كَرِهُوۡا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيۡعُكُمۡ فِىۡ
بَعۡضِ الۡاَمۡرِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِسۡرَارَهُمۡ ﴿۲۶﴾ فَكَيۡفَ اِذَا تَوَفَّتۡهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ

(۲۲) پھر کیا تم چاہتے ہو کہ زمین میں فساد پھیلاؤ، اگر تمہیں اقتدار مل جائے تو خدا کے قائم کیے ہوئے رشتوں کو قطع کردو۔ (۱)

(۲۳) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور ان کو اندھا اور بہرا بنا دیا ہے۔

(۲۴) کیا لوگ اپنے دماغ سے قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں (۲)

(۲۵) دراصل جو لوگ ہدایت کے ان کے سامنے واضح ہو جانے کے بعد اس سے پھر گئے، ان کے لیے شیطان نے یہ بات آراستہ کر دکھائی ہے اور جھوٹی امیدوں کا سلسلہ ان کے لیے دراز کر رکھا ہے۔

(۲۶) اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کو ناپسند کرنے والوں سے کہہ دیا ہے کہ ہم بعض باتوں میں تمہاری اطاعت کریں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔

(۲۷) پھر اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب کہ فرشتے ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے ان کی روحیں قبض کریں گے۔

پر اتر آتا ہے۔ یہی حال آنحضرت ﷺ کے دور میں منافقین کا تھا۔ اسی لیے آیت ۳۲ میں برملا چیلنج کر دیا کہ منافقین اور یہود جو آنحضرت ﷺ کی صداقت کے ظاہر ہو جانے کے باوجود ضد و عداوت سے آپ کی مخالفت کر رہے ہیں وہ اپنی مکاریوں اور چالبازیوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے بلکہ یہ ذلیل ہوں گے اور کیے پر پچھتائیں گے۔

---

(۱) ''البلاغ'' ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۷۔

(۲) ''الہلال'' ۲۲ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۷۔

ع
وَ اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ اَمْ حَسِبَ
الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ
بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ
مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِیْنَ ۙ وَ نَبْلُوَا۠ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ شَآقُّوا
الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی ۙ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ وَ سَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَی

(۲۸) ان سے یہ سلوک اس لیے ہوگا کہ انھوں نے اس طریقے کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرنے والا تھا اور انھوں نے اس کی رضا کو ناپسند کیا۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کے سب اعمال ضائع کر دیے۔

(۲۹) جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے، کیا وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے کینوں کو کبھی ظاہر نہیں کرے گا۔

(۳۰) ہم چاہتے تو ہم آپ کو دکھا دیتے، پھر آپ انہیں ان کے چہروں سے پہچان لیتے اور اب بھی آپ ان کے انداز گفتگو سے انہیں اچھی طرح پہچان لیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

(۳۱) اور ہم تم کو آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ معلوم کریں کہ کون تم میں مجاہد و صابر ہیں نیز تمہاری اصل حالت کو جانچ لیں۔(۱)

(۳۲) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور ہدایت کے خواب واضح ہو جانے کے بعد انھوں نے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا اور اللہ کے رسولؐ کی مخالفت کی، یہ لوگ اللہ کو ذرا سا نقصان بھی نہیں پہنچا سکیں گے۔ البتہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو رائگاں کر دے گا۔ (۳۳) اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمانبرداری بجالاؤ اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو (۳۴) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا پھر وہ کفر ہی کی حالت میں فوت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

(۱) ''الہلال'' ۲۳ اگست ۱۹۱۳ء

السَّلْمِ ۖ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ
يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ
الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع ۸

(۳۵) پس تم کم ہمت نہ ہو اور کفار سے صلح کی درخواست نہ کرو جبکہ تم ہی غالب رہنے والے ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کو ہرگز کم نہیں کرے گا۔[۱]

(۳۶) یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشا ہے۔ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ کی راہ اختیار کرلو تو وہ تمہیں تمہارے اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور تمہارے مال تم سے طلب نہیں کرے گا۔

(۳۷) اگر وہ تم سے مال طلب کرنے لگے اور طلب میں مبالغہ سے کام لے، تو تم بخل کرو گے اور تمہارے باطنی کینوں کو ظاہر کردے گا۔

(۳۸) سن رکھو، تم وہ لوگ ہو کہ جب تم کو دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو تم میں سے بعض وہ ہیں کہ بخل کرتے ہیں۔ اور جو شخص بخل کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی ہی ذات سے بخل کرتا ہے، اللہ تو غنی ہے اور تم اس کے محتاج ہو۔ اگر تم روگردانی کی راہ اختیار کرو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے (بخیل اور نافرمان) نہ ہوں گے۔

---

[۱] آیت ۳۵ کے مضمون سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام صلح پسندی کے خلاف ہے بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں صلح جوئی جائز نہیں ہے جب اسے کمزوری پہ محمول کیا جائے اور دشمن اور زیادہ دلیر ہو جائیں بلکہ مسلمانوں کو چاہیے کہ پہلے اپنی طاقت کا لوہا منوالیں اور پھر صلح کے لیے بات چیت کریں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

اٰیَاتُهَا : 29 | سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا : 4

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ① لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ② وَّيَنْصُرَكَ

(۱) اے پیغمبرؐ! ہم نے آپ کو کھلی فتح دی ہے۔[۱]

(۲) تا کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے آپ کی اگلی اور پچھلی تمام خطاؤں کو معاف کر دے اور آپ پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دے اور تا کہ آپ کو سیدھی راہ پر چلائے۔

(۳) اور تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبردست......

۱ یہ سورہ مدنی ہے اور راہ میں صلح حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر نازل ہوئی۔

اس واقعہ (صلح حدیبیہ) کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپؐ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے ہیں اور وہاں عمرہ ادا کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا خواب چونکہ وحی ہوتی ہے، گو بہ ظاہر اس خواب کے پورا ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، مگر آنحضرت ﷺ نے آیندہ سال عمرہ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو تیاری کا حکم دے دیا اور اعلان کرا دیا کہ ہم عمرہ ادا کرنے جا رہے ہیں۔ جو ہمارے ساتھ چلنا چاہے وہ آ جائے۔ چنانچہ آپؐ ۱۴ سو صحابہؓ کی معیت میں اس سفر پر روانہ ہو گئے۔

ذی القعدہ ۶ ھ کو یہ قافلہ مدینہ سے روانہ ہوا۔ ذوالحلیفہ (بئر علی) پہنچ کر سب نے احرام باندھا۔ قربانی کے اونٹ ساتھ لے لیے اور ان کے گلے میں ہدی کی علامت کے طور پر قلادے ڈال دیے اور لبیک کہتا ہوا یہ قافلہ بیت اللہ شریف کو روانہ ہوا۔

کفار کے ساتھ تعلقات نہایت کشیدہ تھے۔ ابھی پچھلے سال ۵ ھ میں غزوۂ احزاب ختم ہوا تھا۔ اس بنا پر جب یہ قافلہ رواں ہوا تو تمام عرب میں اس کی دھوم مچ گئی اور سب قبیلے نتائج کا انتظار کرنے لگے۔ ماہ حرام میں اس قافلے کی خبر سن کر قریش پریشان ہو گئے۔ کیوں کہ اس مہینہ میں جو قافلہ حج یا عمرہ کے لیے جاتا اس کے روکنے کا کسی کو حق نہ تھا اور نہ ہی دشمن قبائل ہی راستے میں تعرض کر سکتے تھے۔ اب اگر ان کو روکتے ہیں تو عرب قبائل کے منحرف ہو جانے کا خطرہ ہے اور اگر اجازت دیتے ہیں تو ان کی کمزوری پر اسے محمول سمجھا جاتا ہے۔ مگر بالآخر انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو مکہ میں داخلہ کی اجازت نہ دی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ مخبر بھیج رکھے تھے۔ انھوں نے خبر دی کہ قریش پوری تیاری کے ساتھ ذی طویٰ مقام

اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ③ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

نصرت فرمائے۔

(۴) وہ خدا ہی تو تھا جس نے مسلمانوں کے افسردہ دلوں میں اپنی طرف سے قوت اور اطمینان کی روح پیدا کر دی تا کہ ان کی ایمانی قوت میں تازگی پیدا ہو جائے۔ زمین کے جان فروشانِ حق اور آسمان کے ملائکہ نصرت دونوں کی فوجیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، بیشک وہ علیم و حکیم ہے۔ (۱)

میں جمع ہو گئے ہیں اور انھوں نے خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ ''کراع الغمیم'' کی طرف آگے بھیج دیا ہے تا کہ وہ آپ کا راستہ روکیں۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طریق سے اشتعال دلا کر لڑائی چھیڑ دی جائے اور عرب میں مشہور کر دیا جائے کہ یہ لوگ دراصل لڑنے آئے تھے اور عمرہ کا بہانہ بنا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے بار بار ان سے فرمایا کہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں، اس لیے ہمارا راستہ نہ روکا جائے مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے اور انھوں نے احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کو ان کے پاس بھیجا تا کہ وہ آپ ﷺ کو واپس جانے پر آمادہ کر سکے۔ مگر وہ یہ منظر دیکھ کر کہ اونٹوں کی گردنوں میں قلادے پڑے ہوئے ہیں اور یہ لوگ لڑنے کے لیے نہیں بلکہ بیت اللہ کا طواف کرنے آئے ہیں، تو واپس چلا گیا اور قریش سے کہا کہ یہ لوگ زیارت بیت اللہ کے لیے آئے ہیں، اس لیے ان کو روکنا نہیں چاہیے۔

پھر قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا، مگر آنحضرت ﷺ نے واپسی سے انکار فرما دیا۔ اس طرح انھوں نے بار بار کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔ بالآخر آنحضرت ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایلچی بنا کر مکہ بھیجا اور پیغام دیا کہ ہم عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں اس لیے ہمیں عمرہ ادا کرنے سے نہ روکیں، عمرہ کرتے ہی ہم واپس چلے جائیں گے۔ لیکن انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا اور مشہور ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ یہ معاملہ چونکہ بہت اہم تھا اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے درخت کے نیچے بیعت لی جو بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہوئی۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود بھی واپس تشریف لے آئے اور قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو ایک وفد لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صلح نامہ طے پایا کہ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ کے لیے آجائیں اور مندرجہ ذیل شرائط طے پائیں:

(الف) دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی اور کسی کے خلاف خفیہ یا علانیہ کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔

(ب) اس دوران میں جو شخص بھاگ کر مدینہ آجائے گا، مسلمان اس کو واپس کر دیں گے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو شخص مکہ چلا آئے گا وہ واپس نہ ہوگا۔

(۱) ''الہلال'' ۲۹ جنوری ۱۹۱۳ء ص ۳

حَكِيْمًا ④ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ⑤ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ
وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ

(۵)(مومنوں کے دلوں پہ یہ سکینت اس لیے نازل فرمائی) تا کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کی برائیاں ان سے دور کر دے اور یہ (گناہوں کی معافی اور جنت میں داخل ہونا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۔

(۶) اور نیز اس لیے کہ اللہ ان منافق مرد اور منافق عورتوں اور مشرک مرد اور مشرک عورتوں کو سزا دے............

(ج) قبائل عرب میں سے جو قبیلہ بھی کسی کا حلیف بن کر اس معاہدہ میں شامل ہونا چاہے تو اسے اختیار حاصل ہوگا۔

(د) آئندہ سال آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں عمرہ کے لیے آئیں گے مگر تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہر سکیں گے۔ ان تین دنوں میں اہل مکہ شہر کو خالی کر دیں گے اور آپ صرف پرتلوں میں تلوار لے کر آئیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گو بعض شرائط سے اتفاق نہیں تھا مگر جب آنحضرت ﷺ نے انہیں منظور کر لیا تو انہیں بھی تسلیم کرنا پڑا۔ آپ ﷺ نے ان کو سمجھایا کہ اس سال نہیں تو آئندہ سال عمرہ ادا کر لیں گے اور شرائط صلح کے مطابق بیت اللہ شریف کا طواف بھی کریں گے۔

صلح سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب یہیں قربانی کر کے سر منڈوا دو اور احرام ختم کر دو۔ اس پر جب حرکت نہ ہوئی تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے قربانی ذبح کی اور اپنا سر منڈوایا۔ اس کے بعد لوگوں نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

اس کے بعد جب یہ قافلہ واپس ہوا اور لوگ اپنی شکست محسوس کر رہے تھے تو ضجنان کے مقام پر یہ سورہ نازل ہوئی اور قرآن مجید نے اس صلح کو بہت بڑی فتح قرار دیا اور اس کے بعد مدت گزرنے کے ساتھ جب اس صلح کے فوائد سامنے آئے تو لوگوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی یہ فتح عظیم تھی۔ اس کے نتائج حسب ذیل تھے:

۱۔ اس سے مسلمانوں کی پوزیشن مضبوط ہو گئی اور انھوں نے اپنی سیاسی حیثیت کو تسلیم کرا لیا۔

۲۔ مسلمانوں کے لیے زیارت بیت اللہ کا حق تسلیم کر لیا گیا اور آئندہ کے لیے تمام رکاوٹیں دور ہو گئیں۔

۳۔ دس سال کی جنگ بندی کی وجہ سے امن قائم ہو گیا جس سے اسلام کی اشاعت کا موقع مل گیا اور کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ چنانچہ دو سال بعد جب قریش کی عہد شکنی کی وجہ سے مکہ پر آپ ﷺ نے چڑھائی کی تو آپؐ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر جرار تھا، اور آئندہ فتوحات کے لیے دروازہ کھل گیا۔ پھر ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو چار نعمتوں سے نوازا اور ان کا اعلان بھی کر دیا۔ پہلی چیز غفران ذنوب ہے۔

الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ
سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا
وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَ
مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ ع ۹

جو اللہ کے متعلق بدگمانیاں کیا کرتے ہیں ان لوگوں پر بری گردش ہے۔ ان پر اللہ کا غضب ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے جہنم تیار کر دی ہے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

(۷) اور آسمانوں اور زمین کے سب لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست اور کامل حکمت والا ہے۔

(۸) (اے پیغمبر) بلاشبہ ہم نے آپ کو شہادت دینے والا، بشارت پہنچانے والا اور ضلالت وخباثت سے خوف دلانے والا بنا کر بھیجا ہے[1]

(۹) تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح بیان کرتے رہو۔

(۱۰) جو لوگ داعی اسلام کے ہاتھ میں اتباع وبیعت کا ہاتھ دیتے ہیں، تو ان کے ہاتھ پر اس کا (داعی اسلام کا) ہاتھ نہیں ہوتا بلکہ دراصل خدا کا ہاتھ ہوتا ہے[2] پھر جو شخص عہد شکنی کرے گا تو وہ اپنے ہی برے کو عہد شکنی کرے گا۔ اور جو اس عہد کو پورا کرے گا جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے تو اللہ اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

(۱۱) اے نبیؐ! وہ بدوی جو (غزوۂ حدیبیہ) میں پیچھے رہ گئے تھے.........

یوں تو انبیائے کرام علیہم السلام سبھی مغفور الذنب ہوتے ہیں مگر اس اعلان کا شرف اور کسی کو حاصل نہیں ہوا اور اسی وجہ سے قیامت کے دن شفاعت کبریٰ کے لیے آپ کا نام پیش ہوگا اور آپ ﷺ اس شفاعت کے لیے مقام محمود میں کھڑے ہوں گے۔ گو آنحضرت ﷺ مغفور الذنب تھے مگر آپ ﷺ ہمیشہ عبداً شکوراً بن کر رہے۔

---

(۱) ''الہلال'' ۶ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۱۶۔ (۲) ''الہلال'' ۱۸ جون ۱۹۱۳ء ص ۷۔

شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ قُلْ فَمَنْ
يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۗ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ
قُلُوْبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ
اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۗ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ
يَّشَآءُ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا

وہ ضرور آ کر آپ سے کہیں گے کہ ہمیں ہمارے اموال اور اہل وعیال کی فکر نے مشغول کر رکھا تھا، سو آپ ہمارے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں!...... یہ لوگ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اگر اللہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے یا کسی نفع سے بہرہ مند کرنا چاہے تو کون ہے جو تمہارے معاملہ میں اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو، بلکہ (بات یہ ہے کہ) جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب سے باخبر ہے۔

(۱۲) (اصل بات یہ نہیں ہے جو تم کہہ رہے ہو) بلکہ تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب پیغمبر اور مسلمان اپنے اہل وعیال میں کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ اور یہ گمان تمہارے دلوں کو بھی بھلا لگا اور تم نے طرح طرح کی بدگمانیاں کیں اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو۔[1]

(۱۳) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہیں لائے تو ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

(۱۴) تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک اللہ ہی ہے، وہ جسے چاہے معاف کر دے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے (۱۵) جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لینے چلو گے تو یہی لوگ (جو حدیبیہ میں) پیچھے رہ گئے تھے......

---

[1] آیت ۱۱-۱۲ میں منافقین کی حالت اور ان کے کردار کا بیان ہے۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے تو بجز بنی قیس کے مسلمانوں کے کوئی منافق نہ آیا اور بہانے بنا کر بیٹھ رہے۔ انھوں نے خیال کیا کہ ''مڈبھیڑ'' ضرور ہوگی اور مسلمان لڑائی میں تباہ ہوں گے، ہم کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں۔

ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ
فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ
سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا
حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ
وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ
تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَضِىَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ ع ۲/۱۰

آپ سے آ کر ضرور کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ جانے دیجیے، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان کو بدل دیں، ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اسی طرح فرما دیا ہے۔ اس پر یہ لوگ کہیں گے (نہیں بلکہ) تم ہم سے حسد کر رہے ہو (حالانکہ بات یہ نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ اصل بات کو کم ہی سمجھتے ہیں۔[۳]

(۱۶-۱۷) آپ ان پیچھے رہ جانے والے بدویوں سے کہہ دیجیے کہ تمھیں ایسے لوگوں سے مقابلہ کی دعوت دی جائے گی جو سخت جنگجو ہوں گے، تم ان سے جنگ کرو یا وہ خود مطیع ہو جائیں۔ اس وقت اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا اجر دے گا، اور اگر تم نے روگردانی کی جیسا کہ تم اس سے قبل (حدیبیہ کے موقع پر) روگردانی کر چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔[۴] ہاں اندھے پر کچھ گناہ نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیمار پر (اگر یہ لوگ جہاد میں شریک نہ ہوں) اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اسے جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، اور جو شخص روگردانی کرے گا تو اللہ اسے دردناک عذاب کی سزا دے گا۔

(۱۸) بلاشبہ اللہ ان مومنوں سے راضی ہو گیا جو............

---

۳ حدیبیہ سے واپس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کی جہاں غدار یہود آباد تھے اور انھوں نے جنگ احزاب میں بدعہدی کر کے کفار کا ساتھ دیا تھا۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ گنوار جو حدیبیہ نہیں گئے، اب خیبر کے معرکہ

يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا
قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ
كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ

درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دلوں کا حال معلوم تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور بدلے میں ان کو قریبی فتح عنایت کی۔[۵]

(۱۹) اور بکثرت مال غنیمت بھی دیا جسے یہ لوگ حاصل کر رہے تھے اور اللہ زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ تم سے بکثرت اموال غنیمت کا وعدہ کر چکا ہے جنھیں تم حاصل کرو گے۔ فی الحال اس نے تم کو یہ (خیبر کی غنیمت) عطا فرما دی اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے خلاف اٹھنے سے روک دیئے تاکہ یہ واقعہ مومنوں کے لیے ایک نشانی بن جائے اور اللہ سیدھی راہ کی طرف تمہیں ہدایت بخشے۔

(۲۱) (علاوہ ازیں) کچھ اور غنیمتوں کا (تم سے وعدہ فرماتا ہے) جن پر سردست تمھیں دسترس حاصل نہیں ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت میں ہیں اور..........

میں تمہارے ساتھ جانے کو کہیں گے کیونکہ وہاں غنیمت کی امید ہے۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہاری اس استدعا سے قبل ہی اللہ تعالیٰ ہمیں مطلع فرما چکا ہے کہ تم اس سفر میں ہمارے ساتھ نہیں جاسکتے۔ اب اگر جاؤ گے تو گویا اللہ کا فرمان بدل گیا جو کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

[۴] آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم اس لڑائی میں نہیں جاسکتے، لیکن آگے بہت معرکے پیش آنے والے ہیں، بڑی سخت جنگجو قوموں سے مسلمانوں کے مقابلے ہوں گے، اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اگر تمھیں واقعی شوق جہاد ہے تو اُس وقت میدان میں آکر دادِ شجاعت دینا۔ علما نے لکھا ہے کہ ان جنگجو قوموں سے مراد بنوحنیفہ وغیرہ کے قبائل ہیں جو مسیلمہ کذاب کی قوم تھی۔ یا بنی ہوازن وثقیف مراد ہیں جن سے جنگ حنین میں مقابلہ ہوا۔ یا فارس وروم کی قومیں مراد ہیں جن سے خلفائے راشدین نے جنگیں کیں۔

[۵] اس درخت سے کیکر کا وہ درخت مراد ہے جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی۔ اور اس بیعت پر چونکہ قرآن مجید نے ''لقد رضی اللہ'' کی خوشخبری دی ہے اس لیے اسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۱﴾ وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ
وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾ وَ هُوَ
الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ
كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْهَدْیَ
مَعْكُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَ لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ
فَتُصِیْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ لِیُدْخِلَ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَیَّلُوْا لَعَذَّبْنَا

اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ [۶]

(۲۲) اگر یہ کافر لوگ تم سے لڑتے تو ضرور پیٹھ دے کر بھاگتے۔ پھر وہ اپنا کوئی حامی اور مددگار نہ پاتے۔

(۲۳) یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے، اور تم اللہ تعالیٰ کی سنت میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

(۲۴) اور وہی تو ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کافروں پر تم کو قابو یافتہ کر دینے کے باوجود ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے، اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ ان کو دیکھ رہا ہے۔

(۲۵) یہ لوگ وہی تو ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روک دیا اور ہدی کے جانور جو رکے ہوئے تھے، ان کو ان کے ٹھکانے پر پہنچنے سے روک دیا۔ اور اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ کہ تم ان مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو جن کو تم پہچانتے نہ تھے، نادانستگی میں پامال کر دو گے، اور اس سے تم پر حرف آئے گا (تو یہ سب قضیہ طے کر دیا جاتا، لیکن ایسا اس لیے کیا گیا) تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کرے، ہاں اگر وہ (مذکورہ مسلمان) الگ ہو گئے ہوتے تو ہم............

---

[۶] آیت ۱۹ میں جن بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے وہ آئندہ حاصل ہونے والی تھیں۔ اور غنائم خیبر چونکہ اس وقت حاصل ہو گئی تھیں اس لیے اسے "فعجل لکم ھذہ" سے تعبیر فرمایا ہے۔

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا
ع وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ
الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا
فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى

ان میں سے جو کافر تھے ان کو سخت سزا دیتے۔

(۲۶) جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلی حمیت بٹھالی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی اور مومنوں کو تقویٰ کی بات کا پابند رکھا کہ وہی اس (کلمہ تقویٰ) کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

(۲۷) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا ہے جو حق کے مطابق ہے۔ ان شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں امن وامان کے ساتھ داخل ہوگے، اپنے سر منڈواتے اور بال ترشواتے ہوگے اور تمہیں کسی طرح کا خوف نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس بات سے واقف ہے جسے تم نہیں جانتے اس لیے اس (مسجد حرام میں داخل ہونے) سے پہلے اس نے ایک قریبی فتح (تم کو) عنایت کر دی۔

(۲۸) وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تا کہ اس دین حق کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اللہ ہی گواہ ہونے کے لیے کافی ہے۔

(۲۹) محمد رسول اللہ (ﷺ) اور وہ لوگ جو ان دشمنانِ حق کے مقابلے میں نہایت سخت مگر......... ؎

؎ آخر سورہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان بیان فرمائی ہے اور اسلامی تحریک کے بتدریج تنومند ہونے کی خوشخبری دی ہے۔ چنانچہ شروع اسلام میں مسلمانوں کی حیثیت، کھیتی کی اس کونپل سے زیادہ نہ تھی جو ہوا کے جھونکوں سے ادھر ادھر گرتی رہتی ہے۔ مگر یہ تعداد بتدریج بڑھتی گئی اور آخر کار ان کے اجتماعی وسیاسی نظام کی بنیادیں مستحکم ہوگئیں اور کفار اپنے حسد کی آگ میں جل بھن کر رہ گئے۔

الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ
فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ معانقۃ ١٥
كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ
بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾ ع ۴

آپس میں نہایت رحم دل ہیں، انھیں تم ہمیشہ اللہ کے آگے عالم رکوع و سجود میں پاؤ گے کہ اللہ کے فضل اور خوشنودی کے طالب ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر کثرت سجود کی وجہ سے نشان بن گئے ہیں [۱] یہی وہ جماعت ہے جسے تورات و انجیل میں ایک کھیتی سے تمثیل [۲] دی ہے کہ اس نے پہلے زمین سے ایک کونپل نکالی، پھر اس نے غذائے نباتی کو ہوا اور مٹی سے جذب کر کے اس کونپل کو قوی کیا، پس وہ بتدریج بڑھتی اور موٹی ہوتی گئی یہاں تک کہ وہ کھیتی اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور اپنی سرسبزی اور شادابی سے کسانوں کو خوشی بخشنے لگی۔ خدا (تعالیٰ) نے یہ ترقی انھیں اس لیے عطا کی کہ کفار اسے دیکھ کر غصے میں جلیں۔ [۳] اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے وعدہ فرماتا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کیے [۴] کہ ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

آیت کریمہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں، ان میں اخلاقی بلندی اور عبادت گزاری کے وصف پر زور دیا ہے کہ وہ ہر وقت رکوع و سجود میں لگے رہتے ہیں اور کثرت سجود سے ان کے چہرے دمک رہے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب صحابہ کرام کی فوجیں شام میں داخل ہوئیں تو وہاں کے عیسائی انھیں دیکھ کر کہنے لگے ہمیں مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی جو شان معلوم ہے، ان کی شان ان سے بھی کہیں زیادہ ہے۔

❋ ❋ ❋

---

(۱) ''الہلال'' ۱۲، نومبر ۱۹۱۳ء ص ۷۔ ۶ نومبر ۱۹۱۲ء کے ''الہلال'' میں ''اشداء علی الکفار حماء بینھم'' کا ترجمہ یوں ہے: کافروں کے لیے نہایت سخت مگر آپس میں نہایت رحیم و ہمدرد۔

(۲) ''الہلال'' ۱۲، ۱۹ نومبر ۱۹۱۳ء ص ۶۔

(۳) ''الہلال'' ۲۹، اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۶۔

(۴) ''الہلال'' ۳۰ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۵۔ ۶۔

اٰیَاتُھَا : 18 | سُوْرَۃُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا : 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ① یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ

(۱) اے ایمان والو تم اللہ اور اس کے رسولؐ سے سبقت نہ کیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔[۱]

(۲) اے مسلمانو، جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور عرض حال کرو تو اپنی آوازوں کو ان کی آواز سے زیادہ بلند کر کے گفتگو نہ کرو اور نہ بہت زور سے بات چیت کرو، جیسا کہ آپس میں کرتے ہو، ایسا نہ ہو کہ اس گستاخی کے سبب تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔(۱)

(۳) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے روبرو اپنی آواز پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے آزما لیا ہے۔

نیز امام صاحب فرماتے ہیں کہ جو لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ قرآن مجید نے "لیغیظ بھم الکفار" فرمایا کہ "صحابہؓ سے دشمنی رکھنے والے کافر ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے اور ان کے مناقب احادیث میں مذکور ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا مت کہو، مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی اللہ کی راہ میں سونا دے تو وہ ان کے ایک مد یا نصف مد کھجور کے اجر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ تھا ان کا اخلاص۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنے والے خاص طور پر غور کریں۔ اسی آیت کے پیش نظر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے رافضیوں پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔

---

(۱) "الہلال" ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۱۱-۱۲۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴
وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

ان کے لیے بڑی مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

(۴) (اے پیغمبرؐ) جو لوگ تمھیں مکان کے باہر سے نام لے کر پکارتے ہیں، ان میں اکثر ایسے ہیں جنھیں مطلق عقل و تمیز نہیں۔

(۵) بہتر تھا کہ وہ صبر کرتے اور جب تم باہر نکل آتے مل لیتے، (۱) اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔ [۲]

(۶) اے مسلمانو! [۳] اگر............

---

[۱] یہ سورہ مدنی ہے، اور مختلف مواقع پر نازل شدہ احکام و ہدایات کا مجموعہ ہے۔ اور اکثر احکام مدینہ طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئے ہیں۔ اس سورہ میں ان آداب کی تعلیم دی گئی ہے جو اہل ایمان کے لیے ضروری ہے۔

[۲] ابتدائی پانچ آیات میں وہ آداب بتائے ہیں جن کو اللہ اور رسول (ﷺ) کے معاملہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(الف) ایمان کا اولین تقاضا یہ ہے کہ اپنی رائے و خیال کو اللہ و رسول ﷺ کے فیصلے پر مقدم نہ رکھے۔

(ب) آنحضرت ﷺ کے ساتھ ملاقات اور بات چیت میں آپؐ کے احترام کو ملحوظ رکھیں کہ کسی شخص کی آواز آپ ﷺ سے بلند نہ ہو۔ عام آدمیوں کی طرح آپ ﷺ سے خطاب نہ کیا جائے۔ اس کے مخاطب گو وہ لوگ ہیں جو آپؐ کے زمانہ میں موجود تھے مگر اب بھی یہ ضروری ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا ذکر ہو رہا ہو یا آپ ﷺ کی احادیث سنائی جا رہی ہوں تو پھر بھی یہی ادب ملحوظ رہنا چاہیے۔ آپؐ کے ساتھ بے ادبی یا گستاخی تمام اعمال کے ضائع ہونے کا سبب بن سکتی ہے۔

(ج) بارہا ایسے ناشائستہ لوگ بھی آپ ﷺ کی ملاقات کے لیے آجاتے جو بجائے اطلاع دینے کے، ازواج مطہراتؓ کے حجروں کے گرد چکر کاٹ کر باہر ہی سے آپ کو بلاتے پھرتے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی حرکات سے سخت تکلیف ہوتی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان ناشائستہ حرکات پر انھیں ملامت کی اور انھیں ہدایت دی کہ اس طرح پکارنے کے بجائے بیٹھ کر انتظار کر لیا کرو۔

[۳] اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت (نمبر ۶) ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ مولانا آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''قبیلہ بنو مصطلق تمام احکام اسلام کا مطیع ہو چکا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ولید بن عقبہ کو صدقے کا مال وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ ان لوگوں کو خبر ہوئی تو استقبال کے لیے جمعیت عظیم کے ساتھ آگے بڑھے۔ لیکن ولید کے دل میں بدگمانی پیدا ہو گئی۔ وہ سمجھے کہ یہ لوگ لڑنے کے لیے آرہے ہیں، چنانچہ وہیں سے پلٹ آئے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر کی کہ وہ لوگ دائرۂ اطاعت سے باہر ہو گئے۔ پس آپؐ نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔''

---

(۱) ''الہلال'' ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۱۱۔

اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡۤا اَنۡ تُصِيۡبُوۡا قَوۡمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰى مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِيۡنَ ۞ وَاعۡلَمُوۡۤا
اَنَّ فِيۡكُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ؕ لَوۡ يُطِيۡعُكُمۡ فِىۡ كَثِيۡرٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَ
زَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَكَرَّهَ اِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ ؕ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ ۞ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ
وَنِعۡمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۞ وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ

تمہارے پاس ایک فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کرلو، ایسا نہ ہو کہ اس خبر کی بنا پر غلطی سے کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور آخر میں نادم ہونا پڑے۔(۱)

(۷) اور خوب یاد رکھو کہ تم میں اللہ کا رسول موجود ہے۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری رائے پر عمل کرنے لگے تو تم مشقت میں مبتلا ہو جاؤ مگر اللہ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں خوشنما کر دیا اور کفر و فسق اور نافرمانی سے تمھیں تنفر کر دیا، ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔

(۸) یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے انعام کی وجہ سے ہے اور اللہ بڑا جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

(۹-۱۰) اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آمادۂ جنگ ہوں تو ان دونوں میں صلح کرا دو۔ اور اگر ان دو جماعتوں میں سے ایک اپنی سرکشی پر اڑی.........

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی ہو؟ اس بات کو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی محسوس فرمایا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''سلف کی ایک جماعت نے ایسے ہی ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ واللہ علم!''......مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ اس پر مزید لکھتے ہیں:

''مفسرین کرام کو اس شانِ نزول پر یہ شبہ ہے کہ غلطی کی بنا پر ولید بن عقبہ جیسے جلیل القدر صحابی کو فاسق نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس آیت کا تعلق درحقیقت ان کی ذات سے مخصوص نہیں (بلکہ) خدا (تعالیٰ) نے ایک عام اصول کے طور پر بتا دیا ہے کہ جب زمانہ جنگ میں خود مسلمان غلطی کر سکتے (یعنی غلط فہمی کا شکار ہو سکتے) ہیں تو فاسق لوگوں کی روایات کو تو اور (بھی) احتیاط سے قبول کرنا چاہیے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو کسی شریر شخص نے اس استقبال کے متعلق غلط خبر دی ہو اور اسے اقدام و ہجوم کی شکل میں دکھایا ہو، اس پر خدا (تعالیٰ) نے فاسق کا اطلاق اسی شخص پر کیا۔''

(۱) ''البلاغ'' ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۹۔

إِحْدٰىهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ إِلٰٓى أَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ فَآءَتْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا
بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوْا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٩﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٠﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى أَنْ يَّكُوْنُوْا ع
خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى أَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا
بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْإِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١١﴾

رہے تو اس سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک کہ وہ فرمان الٰہی کی طرف رجوع نہ کرے۔ جب وہ باغی جماعت فرمان الٰہی کی طرف رجوع کرے تو پھر باہم عدل وانصاف سے صلح کرلو۔ اللہ صلح کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے[1] مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کو قائم رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ یہ امید کرتے ہوئے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔[ع]

(۱۱) مسلمانو! کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ اڑائے، شاید وہ اس سے بہتر ہو۔ اور نہ کوئی عورت کسی عورت کی ہنسی اڑائے شاید وہ عورتیں اس سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے کی تحقیر کی غرض سے اشارہ بازیاں نہ کرو، لوگوں کے نام نہ بگاڑو۔ ایمان لانے کے بعد ایسے کاموں کا ہونا کیسی بری بات ہے۔ اور جو لوگ اس سے رجوع نہیں کرتے یقیناً ظالم ہیں۔[۲]

ع آیت ۹-۱۰ میں مسلمانوں کی باہمی لڑائی کے متعلق ضروری ہدایات دی ہیں کہ ان میں صلح کروا دو اور اگر ان میں سے کوئی ایک فریق صلح پر آمادہ نہ ہو اور وہ ظلم وزیادتی کر رہا ہو تو اسے راہ راست پر لاؤ۔ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے پر ظلم کرے تو اسے ظلم سے روکنا بھی اس کی مدد میں داخل ہے۔

(۱) ''الہلال'' یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۱۲۔
(۲) ''الہلال'' ۲ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۷۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ؗ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ
بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ
اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا

(۱۲) مسلمانو! بہت بدگمانیاں کرنے سے اجتناب کیا کرو۔ دوسروں کے حالات کی جاسوسی نہ کرو۔ ایک دوسرے کی پیچھے میں بدگوئی نہ کرو، کیا تم پسند کرتے ہو، کسی بھائی کی لاش پڑی ہو، تم اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھاؤ؟ کیا تم کو گھن نہیں آئے گی؟ خوف خدا کرو[۵] خدا توبہ قبول کرنے والا اور رحمت والا ہے[(۱)]

(۱۳) اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا، اس لیے کہ باہم پہچانے جاؤ۔ ورنہ دراصل یہ تفریق و انشعاب کوئی ذریعہ امتیاز نہیں اور امتیاز و شرف اسی کے لیے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے۔[(۲)] بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔[۶]

(۱۴) یہ جو عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تو ان سے کہہ دو کہ تم ابھی تک ایمان نہیں لائے۔ (کیونکہ وہ دل کے اعتقاد کامل کا نام ہے جو..........

۵ آیت ۱۱-۱۲ میں بتایا کہ دین کے مقدس رشتے کی بنا پر سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اور ان میں باہم نفاق و شقاق پیدا کرنے والی برائیوں سے منع فرمایا ہے۔ کسی مسلمان پر طعن کرنا، اس کا مذاق اڑانا، برے نام سے پکارنا، بدظنی اور بدگمانی رکھنا، کسی کے راز ٹٹولنا اور اس کی کمزوریاں معلوم کرنا خصوصاً حکمران طبقہ جب لوگوں کے عیب تلاش کرنے لگ جائے تو معاشرہ میں باہم اعتماد کی فضا قائم نہیں رہتی، اسی طرح غیبت کرنا، اور غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق کوئی قابل اعتراض بات کرنا، وغیرہ معاشرتی برائیاں ہیں جن سے قرآن مجید نے نصاً منع فرمایا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''مسلمانو! تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم میں سے ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ مہینہ اور یہ دن باحرمت ہے۔'' (ابن کثیر)

(۱) ''الہلال'' ۱۸ اپریل ۱۹۱۴ء ص ۱۰۔ (۲) ''الہلال'' ۲ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶۔

يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ
شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٤ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ
يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝١٥ قُلْ
اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ۝١٦ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ
اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝١٧ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١٨ ۲ ع ۸ ۱۴

تمھیں نصیب نہیں) ہاں البتہ یوں کہو کہ ہم نے اس دین کو مان لیا[1] اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اختیار کرلو تو وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہیں کرے گا، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

(۱۵) درحقیقت مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے، پھر انھوں نے کبھی شک نہیں کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ ہیں جو سچے (مومن) ہیں۔

(۱۶) ان سے کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو؟ حالانکہ اللہ تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کو جانتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا خوب علم ہے۔

(۱۷) یہ لوگ تم پر احسان جتلاتے ہیں کہ انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ان سے کہہ دیجیے کہ تم اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت دی، بشرطیکہ تم ایمان کے دعویٰ میں سچے ہو۔

(۱۸) یقیناً اللہ تعالیٰ، زمین اور آسمانوں کی ہر مخفی چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم کررہے ہو وہ سب اس کی نگاہ میں ہے۔

تمام انسانی برادری ایک ہی اصل سے پیدا ہوئی ہے اور وطن و قومیت کا تعصب ان کے لیے تباہ کن ہے۔ اس لیے انسانیت کی بھلائی اسی میں ہے کہ تمام انسانوں کو یکساں نظر سے دیکھا جائے اور سب سے یکساں سلوک کیا جائے۔ خصوصاً مسلم معاشرے کو ان خرابیوں سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔

جاہلیت میں ترجیح و برتری کی بنیاد نسلی امتیازات پر تھی۔ قرآن مجید نے اسلامی معاشرہ کی بنیاد ''انسانی برادری'' پر رکھی اور نسلی امتیازات کو یکسر ختم کردیا اور فرمایا کہ قوموں اور برادریوں کی یہ تقسیم محض تعارف کا ذریعہ ہے اور اسے اسی حد تک باقی رہنا ضروری ہے لیکن اکرام و اعزاز پرہیزگاری اور تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

---

(۱) ''البلاغ'' ۴ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۵۔

اٰیَاتُهَا : 45 | سُوْرَةُ قٓ مَدَنِيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا : 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قٓ ۚ وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا
شَيْءٌ عَجِيْبٌ ② ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ③ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ
الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَ عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ

(۱) قسم ہے قرآن مجید کی (کہ آپ ہمارے رسول ہیں)[۱،۲]

(۲) بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا آیا۔ اس پر کافر کہنے لگے، یہ ایک عجیب سی بات ہے۔

(۳) کیا جب ہم مر گئے اور خاک ہو گئے (تو دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟) یہ دوبارہ زندگی تو بہت ہی بعید از عقل ہے۔

(۴) بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) جب حق ان کے پاس آیا تو انھوں نے اسی وقت اسے جھٹلا دیا[۳] غرض یہ لوگ......

---

۱ یہ سورۃ مکی ہے اور عہد وسطی کی تنزیلات سے ہے۔ اس کا موضوع آخرت ہے۔ آنحضرت ﷺ اکثر عیدین کی نمازوں اور جمعہ کے خطبہ میں اس سورہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

۲ قرآن مجید کی ایک صفت ''مجید'' بھی ہے۔ یعنی بلند مرتبہ اور کثیر العطا۔ قرآن کا نظم اور معنی کے اعتبار سے اعجاز اس کے بلند مرتبہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور قرآن مجید کی اتباع سے جو فوائد اور منافع حاصل ہوتے ہیں، وہ بجائے خود ہی اس کے کثیر العطا ہونے کی دلیل ہیں۔ اس بنا پر قرآن مجید کو ہی آنحضرت ﷺ کی رسالت پر بطور دلیل پیش کیا گیا ہے اور پھر بتایا کہ یہ پیغمبر تمھیں میں سے ہے اس کی باتوں پر غور کرو۔

۳ کفار کا آخرت سے انکار نہایت بے معنی بات ہے۔ اس کے بعد آیت ۶ سے آخرت پر دلائل کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ اور ان دلائل میں عالم بالا کے نظام اور زمین کی خلقت کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اور پھر کائنات کا یہ سارا مستحکم نظام صرف امکان آخرت کی ہی دلیل نہیں ہے بلکہ اس سے توحید کا ثبوت بھی ملتا ہے:

''جس طرح قرآن (مجید) نے ربوبیت کے اعمال و مظاہر سے استدلال کیا ہے، اسی طرح وہ رحمت کے آثار و حقائق سے بھی جابجا استدلال کرتا ہے۔ ممکن نہیں کہ فضل و رحمت کی یہ پوری کائنات موجود ہو اور فضل و رحمت کا کوئی زندہ ارادہ موجود نہ ہو۔ چنانچہ وہ مقامات جن میں کائنات خلقت کے افادہ و فیضان، زینت و جمال و اعتدال، تسویہ و قوام اور تکمیل و اتقان کا ذکر کیا گیا ہے، دراصل اسی استدلال پر مبنی ہے۔''

مَّرِيجٍ ۞ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۞
وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۞ تَبْصِرَةً
وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۞ وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ
حَبَّ الْحَصِيْدِ ۞ وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۞ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً
مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۞ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۞
وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۞ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ

الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔

(۶۔۷۔۸) کیا ان لوگوں نے کبھی آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا نہیں کہ کس طرح ہم نے اسے بنایا ہے، اور کس طرح اس کے منظر میں خوشنمائی پیدا کر دی ہے؟ پھر یہ کہ کہیں بھی اس میں شگاف نہیں۔ اور اسی طرح زمین کو دیکھو، کس طرح ہم نے اسے فرش کی طرح پھیلا دیا اور پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے؟ پھر کس طرح قسم قسم کی خوبصورت نباتات اگائیں؟ ہر اس بندے کے لیے جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہے، اس میں غور کرنے کی بات اور نصیحت کی روشنی ہے (۱)

(۹) اور آسمان سے ہم نے بابرکت پانی نازل کیا، پھر اس سے بہت سے باغ اور اناج پیدا کیے جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے۔

(۱۰) اور بلند و بالا کھجور کے درخت پیدا کیے جن پر خوشے گتھے ہوئے ہیں۔

(۱۱) یہ سب کچھ بندوں کو رزق دینے کے لیے ہے۔ اور اسی پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندگی بخش دی۔ اسی طرح (مردوں کا زندہ ہو کر قبروں سے) نکلنا ہوگا۔

(۱۲۔۱۳۔۱۴) ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب رس اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوطؑ کے بھائی اور ایکہ والے اور تبع کی قوم کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں۔ [ع] ان سب نے ....

[ع] آیت ۱۲ اسے آخرت کے امکان پر تاریخی استدلال ہے۔ عرب اور اس کے گردو پیش کی قوموں کے تاریخی انجام کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ آخرت کا عقیدہ عین حقیقت کے مطابق ہے کیونکہ اس کے منکرین میں ایسا اخلاقی بگاڑ پیدا ہوا کہ وہ بالآخر تباہ و برباد ہو گئے۔

(۱) ترجمان القرآن جلد اول ص ۶۔

ع ۱۵ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۱۴ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۱۵ وَ لَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۱۶
اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۱۷ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ
رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۱۸ وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۱۹ وَ نُفِخَ فِي
الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۲۰ وَ جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ ۲۱ لَقَدْ
كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۲۲ وَ قَالَ قَرِيْنُهٗ

پیغمبروں کو جھٹلایا۔ آخر کار میری وعید ان پر ثابت ہوگئی۔

(۱۵) کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ لوگ نئی تخلیق سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔[۵]

(۱۶) اور یقیناً انسان کو ہم نے پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں پیدا ہونے والے وساوس تک کو ہم جانتے ہیں اور ہم اس کی گردن رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

(۱۷) جب دائیں اور بائیں بیٹھے دو فرشتے لیتے رہتے ہیں۔

(۱۸) کوئی لفظ زبان سے نہیں نکلنے پاتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان تیار رہتا ہے۔

(۱۹) اور واقعی موت کی سختی آپہنچی، یہی وہ چیز ہے جس سے تو بچتا پھرتا تھا (۲۰) اور صور پھونکا جائے گا۔ یہی دن عذاب کے وعدے کا ہے۔

(۲۱۔۲۲) اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ (میدان حشر کی طرف) ہنکانے والا ہوگا اور ایک گواہ ہوگا (اور کہا جائے گا) تو اس چیز سے غفلت میں پڑا ہوا تھا، اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے سو آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔

(۲۳) اور اس کا ساتھی کہے گا کہ............

---

۵ آیت ۱۵ میں آخرت کے ثبوت پر عقلی استدلال کیا ہے۔

هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبِ ﴿۲۵﴾
الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَیْتُهٗ
وَلٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾
ع ۲ ۱۶ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾ یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ
وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ﴿۳۰﴾ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ غَیْرَ بَعِیْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ
اَوَّابٍ حَفِیْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ ﴿۳۳﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ

جو میری سپردگی میں تھا، حاضر ہے۔

(۲۴) (فرشتوں کو حکم ہوگا) تم دونوں ہر اس شخص کو جہنم میں ڈال دو جو ناسپاس اور حق سے عناد رکھتا تھا۔

(۲۵) خیر سے روکنے والا، حد سے تجاوز کرنے والا اور شک میں پڑا ہوا تھا۔

(۲۶) جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو خدا بنائے بیٹھا تھا، سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو۔

(۲۷) اس کا ساتھی کہے گا، اے میرے رب میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا لیکن یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔

(۲۸) ارشاد ہوگا، میرے حضور جھگڑا نہ کرو، میں تم کو پہلے ہی انجام بد سے آگاہ کر چکا تھا۔

(۲۹) ہمارے ہاں جو بات ایک مرتبہ ٹھہرا دی گئی ہے، اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی نہیں کہ ہم بندوں کے لیے زیادتی کرنے والے ہوں(۱)

(۳۰) جس روز ہم جہنم سے پوچھیں گے ''کیا تو بھر چکی؟'' اور وہ جواب دے گی ''کیا کچھ اور بھی ہے؟''

(۳۱) اور جنت پرہیزگاروں کے اس قدر قریب کر دی جائے گی کہ کچھ بھی دور نہ رہے گی۔

(۳۲) کہا جائے گا، یہی وہ جنت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ یہ ہر اس شخص کے لیے ہوگی جو رجوع کرنے والا اور (حقوق الٰہی کی) حفاظت کرنے والا تھا۔

(۳۳) جو بے دیکھے خدائے رحمان سے ڈرتا تھا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا دل لے کر آیا ہے (۳۴) ''داخل ہو جاؤ

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۶۷۔

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝٣٤ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝٣٥ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ
اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ۭ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝٣٦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ
اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝٣٧ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ڰ وَّمَا مَسَّنَا
مِنْ لُّغُوْبٍ ۝٣٨ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝٣٩
وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝٤٠ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝٤١
يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝٤٢ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۝٤٣
يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۝٤٤ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا
يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝٤٥ ع

جنت میں سلامتی کے ساتھ' یہ دن ہمیشہ رہنے کا دن ہے (۳۵) وہاں ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ بہت کچھ ہوگا (۳۶) اور ہم ان (کفار مکہ) سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو گرفت میں ان سے بھی زیادہ طاقتور تھیں، چنانچہ انھوں نے دنیا کے ملکوں کو چھان مارا، کیا کہیں کوئی جائے پناہ پا سکے؟ (۳۷) بلاشبہ اس میں بہت بڑی بصیرت ہے جو اپنے پہلو میں سوچنے والا دل رکھتا ہو، جس کے سر میں (توجہ سے) سننے والا کان ہو۔[1] (۳۸) بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پیدا کیا ہے اور ہمیں کچھ بھی تکان لاحق نہ ہوئی (۳۹-۴۰) پس اے نبیؐ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں، اس پر صبر کیجیے اور طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہیے اور کچھ رات کے وقت اس کی تسبیح کیا کیجیے اور نمازوں کے بعد بھی! (۴۱) اور پوری توجہ سے سنو، جس دن منادی کرنے والا قریبی مقام سے پکارے گا (۴۲) جس دن یقینی طور پر سب لوگ اس چیخ کو سن لیں گے، وہ قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا (۴۳) بیشک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری طرف ہی سب کو لوٹ کر آنا ہے! (۴۴) جس دن لوگوں پر زمین کھل جائے گی اور وہ اس سے نکل کر تیزی سے بھاگے جا رہے ہوں گے۔ یہ حشر ہم پر نہایت ہی آسان ہے (۴۵) اے نبیؐ، جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں، ہم اسے خوب جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں، پس تم اس قرآن کے ذریعہ سے ہر اس شخص کو نصیحت کرتے رہو جو میری وعید سے ڈرتا ہو!

(۱) ''الہلال'' ۶ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۵۔

اٰیَاتُھَا : 60 | سُوْرَةُ الذّٰرِیٰتِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُھَا : 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾ اِنَّمَا
تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَّ اِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ
مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴿۹﴾ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَ
اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ
ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

(۱) قسم ہے ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اڑائے لیے پھرتی ہیں (۲) پھر مینہ کا بوجھ اٹھاتی (۳) آہستہ آہستہ چلتی ہیں (۴) پھر بارانِ رحمت زمین پر تقسیم کرتی ہیں[1] (۵) یقیناً جس چیز سے تمھیں ڈرایا جا رہا ہے، وہ سچی ہے[۲] (۶) اور جزائے اعمال ضرور ملنے والی ہے (۷) قسم ہے آسمان مختلف راستوں والے کی[۳] (۸) کہ تم لوگ (قرآن یا آخرت کے بارے میں) مختلف باتیں کر رہے ہو۔ (۹) اس کے ماننے سے وہی برگشتہ ہوتا ہے جو حق سے پھرا ہوا ہے (۱۰) ہلاک ہو جائیں قیاس و گمان کرنے والے (۱۱) جو غفلت و جہالت میں بھولے ہوئے ہیں (۱۲) پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہوگا؟ (۱۳) جس روز یہ آگ پر تپائے جائیں گے (۱۴) (ان سے کہا جائے گا) اپنی تکذیب کی جزا کا مزہ چکھو، یہی وہ عذاب ہے جس کے طلب کرنے میں تم جلدی کر رہے تھے (۱۵) البتہ متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے (۱۶) جو کچھ ان کے رب نے دیا ہوگا وہ اسے لے رہے ہوں گے۔ کیونکہ وہ اس سے قبل نیکوکار تھے (۱۷) وہ لوگ رات کو بہت کم ہی سویا کرتے تھے (۱۸) اور بوقت سحر استغفار کیا کرتے تھے۔

۱ یہ سورہ بھی مکی ہے اور عہد وسطی کی تنزیلات سے ہے۔ اس کا موضوع بھی آخرت اور توحید کا اثبات ہے اور بتایا ہے کہ جن لوگوں نے بھی دعوت رسل کا انکار کیا ہے وہ تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔

۲ ان ہواؤں کی قسمیں کھائی ہیں کہ ہوا اور بارش کا یہ نظام شاہد ہے کہ آخرت کا وعدہ سچا اور انصاف ہونا ضروری ہے۔

۳ آسمان کی قسم کھا کر بتایا ہے کہ تم نے آخرت کے بارے میں خواہ مخواہ جھگڑے ڈال رکھے ہیں۔ حالانکہ اگر صرف آسمان کے نظم و نسق پر غور کیا جائے تو یقین ہو جاتا ہے کہ اس مسئلہ میں جھگڑنا حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں "ذات الحبك" صاف شفاف اور پر

(۱) "الہلال" ۹ جولائی ۱۹۱۲ء ص ۴۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝١٩ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝٢٠ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا
تُبْصِرُوْنَ ۝٢١ وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝٢٢ فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ
ربع ١٨ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝٢٣ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝٢٤ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا
سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝٢٥ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝٢٦ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا
تَاْكُلُوْنَ ۝٢٧ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝٢٨ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ
صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝٢٩ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝٣٠

(١٩) اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کا حق تھا (٢٠) اور ان لوگوں کے لیے جو (سچائی پر) یقین رکھنے والے ہیں (خدا کی کارفرمائی کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں (٢١) اور خود تمہارے وجود میں بھی، پھر کیا تم نہیں دیکھتے؟[1] (٢٢) اور تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سب آسمان میں ہے (٢٣) آسمان اور زمین کے رب کی قسم (یعنی ان کے پروردگار کی پروردگاری شہادت دے رہی ہے) بلاشبہ وہ معاملہ (جزاوسزا کا معاملہ) حق ہے، ٹھیک اسی طرح جیسے یہ بات کہ تم گویائی رکھتے ہو[2] (٢٤) اے نبیؐ! کیا ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کا قصہ بھی آپ تک پہنچا ہے؟ (٢٥) جب وہ مہمان ابراہیمؑ کے پاس آئے تو انھوں نے سلام کہا، ابراہیمؑ نے بھی کہا "سلام ہے، کچھ ناآشنا سے لوگ ہیں!" (٢٦) پھر چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گیا اور موٹا بچھڑا (کباب کر کے) لے آیا (٢٧) اور مہمانوں کے سامنے پیش کیا اور کہا "آپ حضرات کھاتے کیوں نہیں؟" (٢٨) پھر اپنے دل میں ان سے خوف محسوس کیا، انھوں نے کہا "ڈریے نہیں"! اور (ساتھ ہی) ابراہیمؑ کو ایک ذی علم لڑکے کی بشارت دی[ا] (٢٩) یہ سن کر ان کی بیوی سامنے آئی اور اس نے اپنے چہرہ پر (تعجب سے) ہاتھ مارا اور کہنے لگی (میں) بڑھیا، بانجھ! (٣٠) انہوں نے کہا "تیرے رب نے اسی طرح فرمایا ہے بے شک وہ حکیم و علیم ہے-

❋ ❋ ❋

رونق آسمان ہے جس پر ستاروں کا جال بچھا ہوا نظر آتا ہے۔ یہاں اس قسم سے یہ مطلب نہیں ہے کہ جیسے آسمان پر تاروں کے مختلف جھرمٹ نظر آتے ہیں ایسے ہی تمہارے اقوال بھی مختلف ہیں۔ بلکہ آسمان کے اس نظام کو گواہ بنایا ہے کہ آخرت کے متعلق تمہارا یہ جھگڑا بالکل فضول ہے۔

ا مجموعہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس لڑکے کی بشارت دی گئی وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ جب خوشخبری ملی تو حضرت سارہ چیختی ہوئی آگے بڑھیں- اور بائبل میں ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر سو سال اور حضرت سارہ کی عمر ٩٠ سال تھی-

(١) "ترجمان القرآن" جلد اول ص ٣٧-١٧١- "الہلال" ٢٥ جون ١٩١٣ء ص ٥- (٢) "ترجمان القرآن" جلد اول ص ٦-

الجزء ۲۷

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ
حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣٤﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَ تَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ
يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٣٧﴾ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلّٰى
بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٣٩﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِيْ عَادٍ
اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿٤٢﴾
وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ
يَنْظُرُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ

ع ۲

(۳۱) ابراہیمؑ نے کہا "اے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! اب تمہیں کیا مہم درپیش ہے؟ (۳۲) انہوں نے جواب دیا ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (۳۳) تاکہ ان پر پتھر برسائے جائیں، کھنگر کے (۳۴) جو آپ کے رب کی جانب سے حد سے گزر جانے والی قوم کے لیے نشان زدہ ہیں (۳۵) اور آخرکار ہم نے اس بستی میں جتنے ایماندار تھے ان کو نکال لیا (۳۶) اور وہاں ہم نے ایک گھر کے سوا اور کوئی مسلم گھر پایا ہی نہیں۔

(۳۷) اور ہم نے ان تباہ شدہ بستیوں میں ایسے لوگوں کے لیے ایک نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔[۵] (۳۸) اور موسیٰؑ کے واقعہ میں بھی (عبرت آموز نشانی ہے) جب ہم نے اسے کھلی نشانی دے کر فرعون کی طرف بھیجا (۳۹) لیکن اس نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر روگردانی کی اور کہنے لگا جادوگر ہے یا دیوانہ!

(۴۰) آخرکار ہم نے اسے اس کے لشکروں سمیت پکڑا اور ان سب کو سمندر میں پھینک دیا اور وہ ملامت زدہ ہو کر رہ گیا (۴۱) اور عاد کے قصہ میں بھی (عبرت کی نشانی ہے) جب ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی (۴۲) وہ جس چیز پر بھی گزرتی اسے بوسیدہ کر کے رکھ دیتی۔

(۴۳) اور ثمود کے قصہ میں بھی (نشان عبرت ہے) جب ان سے کہا گیا کہ ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھا لو (۴۴) سو ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی، پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کو ایک ہولناک کڑک نے آ پکڑا (۴۵) پھر نہ تو وہ کھڑے ہی ہو سکے اور نہ ہم سے بدلہ ہی لے سکے (۴۶) اور ان (مذکورہ قوموں) سے پہلے ہم قوم نوح کو ہلاک کر چکے ہیں۔ کیونکہ وہ بڑے ہی نافرمان لوگ تھے۔[۶] (۴۷) اور ہم نے آسمان کو اپنی طاقت سے بنایا ہے اور ہم بڑی

---

۵ آیت ۳۷ میں جس نشانی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس سے مراد بحیرۂ مردار ہے جس کا جنوبی علاقہ آج بھی ایک عظیم الشان تباہی کے

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝٤٦ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝٤٧ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ
الْمٰهِدُوْنَ ۝٤٨ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝٤٩ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ
لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٥٠ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٥١ كَذٰلِكَ
مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝٥٢ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ
قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝٥٣ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝٥٤ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٥٥
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝٥٦ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ
يُّطْعِمُوْنِ ۝٥٧ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝٥٨ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ
اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۝٥٩ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝٦٠ ع

قدرت رکھنے والے ہیں (۴۸) اور ہم نے زمین کو بچھایا' سو ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں! (۴۹) اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی دو دو اور متقابل اشیا پیدا کیں) شاید تم غور و فکر کرو۔[1] (۵۰) سو تم اللہ ہی کی طرف دوڑو! میں تم سب کے لیے اس کی طرف سے صاف طور پر ڈرانے والا ہوں۔ (۵۲) اسی طرح ان سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کے پاس کوئی ایسا رسول نہیں آیا جس کو انہوں نے جادوگر یا دیوانہ نہ کہا ہو۔ (۵۳) کیا یہ ایک دوسرے کو اسی بات کی وصیت کرتے چلے آئے ہیں؟......نہیں بلکہ یہ سب سرکش لوگ ہیں (۵۴) سو آپ ان سے بے رخی کا برتاؤ کیجیے کیونکہ اب آپ پر کچھ ملامت نہیں ہے (۵۵) اور ذکر کرو کہ ذکر صاحبان حق کے لیے ضرور نفع بخش ہے۔[2] (۵۶) اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں (۵۷) میں ان سے رزق کی خواہش نہیں کرتا اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلایا کریں (۵۸) بے شک اللہ تعالیٰ خود ہی رزاق' صاحب قوت اور زبردست ہے۔ (۵۹) ان ظالموں کے لیے بھی عذاب کا ایک حصہ مقرر ہے جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کو حصہ مل چکا ہے' لہٰذا یہ عذاب مانگنے میں جلدی نہ کریں۔ (۶۰) غرض ان کافروں کے لیے اس دن بڑی خرابی ہوگی جس کا انہیں خوف دلایا جا رہا ہے۔

آثار پیش کر رہا ہے۔

۶ آیت ۳۱ سے ۴۲ تک انبیاء علیہم السلام اور بعض گزشتہ قوموں کے انجام کی طرف پے در پے اشارات کیے ہیں' جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات برابر کام کرتا رہا ہے' اور نیکو کاروں کے لیے انعام اور ظالموں کے لیے سزا کی مثالیں مسلسل پائی جاتی ہیں۔ جب دنیا میں مکافات عمل کا سلسلہ جاری ہے تو اس طبعی نظام کے ختم ہو جانے کے بعد اعمال کے نتائج کا کامل طور پر ظہور نہایت ضروری ہے۔

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۸۳۔ (۲) ''الہلال'' ۳ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۵۔

اٰیَاتُھَا : 49 سُوْرَۃُ الطُّوْرِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا : 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالطُّوْرِ ۝١ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝٢ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝٣ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝٤ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝٥
وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝٦ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝٧ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝٨ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝٩
وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝١٠ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝١٢
يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝١٣ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝١٤ اَفَسِحْرٌ
هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝١٥ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝١٦ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ۝١٧ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ وَقٰىهُمْ
رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝١٨ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝١٩ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ

---

(۱) قسم ہے طور کی[۱] (۲-۳) اور کتاب کی جو کھلی رقیق جلد میں لکھی ہوئی ہے (۴) اور آباد گھر کی- (۵) اور اونچی چھت کی- (۶) اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی- (۷) بے شک آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا-[۲] (۸) جسے کوئی دفاع کرنے والا نہیں ہے (۹) جس دن آسمان زور سے لرزائے گا (۱۰) اور پہاڑ نہایت تیزی سے چلیں گے (۱۱) سو تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے (۱۲) جو بے ہودہ نکتہ چینیوں میں کھیل رہے ہیں- (۱۳) جس دن یہ لوگ دھکے مار مار کر دوزخ کی طرف دھکیلے جائیں گے (۱۴) (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہی آگ ہے جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے (۱۵) کیا یہ کوئی جادو ہے یا تمہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا؟ (۱۶) جاؤ اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ' پھر تم صبر کرو یا نہ کرو' تمہارے لیے دونوں یکساں ہیں- بس تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے جیسے تم عمل کیا کرتے تھے (۱۷) متقی لوگ بلاشبہ باغوں اور مختلف قسم کی نعمتوں میں ہوں گے (۱۸) جو کچھ انہیں ان کے رب نے دیا ہوگا وہ اس پر شادماں ہوں گے اور ان کا رب انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے گا- (۱۹) (ان سے کہا جائے گا) تم ان اعمال کے بدلے میں' جو تم کیا کرتے تھے' مزے سے کھاؤ اور پیو (۲۰) وہ برابر بچھے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے

---

[۱] یہ سورہ مکی ہے اور اس میں بھی آخرت پر شہادت کے آثار پیش کیے گئے ہیں- علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کی نبوت پر اعتراض کرنے والے لوگوں کے رویہ پر تنقید کی ہے اور آنحضرت ﷺ کو ہدایت فرمائی ہے کہ ان معاندین کے الزامات اور اعتراضات کی پروا کیے بغیر دعوت و تذکیر کا کام مسلسل جاری رکھیں اور ان کا صبر و تحمل سے مقابلہ کریں-

[۲] ابتدائے سورہ میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر بتایا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی-

مَصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾ وَأَمْدَدْنَاهُم
بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ
غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا
إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا
ع مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾ فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا
مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ
الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿٣١﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم بِهَٰذَا ۚ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ
تَقَوَّلَهُ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ

بیٹھے ہوں گے......اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کا جوڑا بنا دیں گے (۲۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان لا کر ان کے نقش قدم پر چلی تو ہم ان کی اولاد کو بھی (جنت میں) ان کے ساتھ رکھیں گے اور ان کے عمل میں کسی قسم کی کمی نہیں کریں گے۔[۳] ہر آدمی اپنی کمائی کے نتیجے کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔[۱] (۲۲) اور جس قسم کے پھل اور گوشت وہ (اہل جنت) چاہیں گے ہم انہیں پے در پے دیتے چلے جائیں گے (۲۳) وہ جنت میں شراب کے جام لپک لپک کر لے رہے ہوں گے جس میں نہ کوئی یاوہ گوئی ہوگی اور نہ کوئی گناہ کی بات (۲۴) اور ان کی خدمت میں جو غلمان دوڑے پھر رہے ہوں گے (ایسے خوبصورت معلوم ہوں گے) جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی (۲۵) اور وہ اہل جنت باہم متوجہ ہو کر سوال کریں گے (۲۶) کہیں گے کہ ہم اس سے پہلے اپنے گھر والوں میں (یعنی دنیا میں) بہت ڈرا کرتے تھے (۲۷) سو اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں جھلسا دینے والے عذاب سے بچا لیا۔ (۲۸) ہم اس عالم سے پہلے (دنیا میں) اسی کو پکارا کرتے تھے، واقعی وہ بڑا محسن اور نہایت مہربان ہے (۲۹) پس اے نبی! آپ نصیحت کیے جائیے، آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون (۳۰) ہاں تو کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں، ہم اس کے لیے گردش ایام کا انتظار کر رہے ہیں؟ (۳۱) ان سے کہہ دیجیے، اچھا تم انتظار کیے جاؤ، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں (۳۲) کیا ان کی عقلیں انہیں ایسی باتیں کرنے کے لیے کہتی ہیں یا یہ لوگ سرکش واقع ہوئے ہیں؟ (۳۳) کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ بلکہ دراصل یہ ایمان نہیں لانا چاہتے (۳۴) اگر یہ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں تو اس قرآن کی مثل کوئی کلام لے آئیں۔

---

۳ آیت ۲۱ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر اولاد کسی نہ کسی درجہ ایمان میں بھی اپنے آباء کے نقش قدم کی پیروی کرتی رہی ہو تو خواہ اپنے عمل کے لحاظ سے وہ اس مرتبہ کی مستحق نہ ہو جو ان کے آباء کو ملا ہے، لیکن پھر بھی یہ اولاد ان کے ساتھ ملا دی جائے گی۔

---

(۱) "ترجمان القرآن" جلد اول صفحہ ۱۱۷۔

غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ
عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ
فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَ لَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ
اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ
كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ
حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا هُمْ
يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾
وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ
فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ ع ۲

(۳۵) کیا یہ کسی پیدا کرنے والے کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ (۳۶) یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ اصل میں یہ لوگ یقین نہیں رکھتے- (۳۷) کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا یہ حکمران ہیں؟ (۳۸) کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر یہ چڑھ کر (آسمان کی باتیں) سن آیا کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان میں سے جو سن کر آنے والا ہے، کوئی واضح دلیل پیش کرے (۳۹) کیا اللہ کے لیے بیٹیاں ہوں اور تمہارے لیے بیٹے ہوں؟ (۴۰) کیا آپ ان سے (تبلیغ پر) کوئی اجر طلب کرتے ہیں کہ وہ اس تاوان کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں؟ (۴۱) کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں؟ (۴۲) یا ان کا ارادہ مکر و فریب پھیلانے کا ہے؟ اگر ایسا ہے تو یاد رکھیں کہ یہ منکر خود ہی (شیطان کے) فریب میں پڑے ہیں (۴۳) یا پھر خدا کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ اگر یہی بات ہے تو یقین کرو کہ اللہ کی ذات ان کے شرک سے پاک ہے-[1] (۴۴) اگر یہ لوگ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا بھی دیکھ لیں تو کہیں گے یہ تو تہ بہ تہ جما ہوا بادل ہے (۴۵) سوائے پیغمبرؐ آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے- حتی کہ اپنے اس دن کا مشاہدہ کر لیں جس میں ان کے ہوش گم کر دیے جائیں گے (۴۶) اس دن ان کا مکر و فریب ان کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کہیں سے ان کو مدد پہنچے گی- (۴۷) اور بلاشبہ ظالموں پر اس سے پہلے بھی ایک عذاب آنے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں ہیں- (۴۸) (اے نبی!) آپ اپنے رب کے فیصلہ آنے تک صبر سے کام لیجیے' آپ ہماری نگاہ میں ہیں، اور جس وقت آپ اٹھا کریں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیا کریں (۴۹) اور رات کو بھی اس کی تسبیح کیا کریں اور ستاروں کے غائب ہوئے پیچھے بھی!

(۱) الہلال ۲۷ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۷-

آیاتُھا : 62 سُوْرَۃُ النَّجْمِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوعَاتُھَا: 3

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝١ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝٢ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ
الْهَوٰى ۝٣ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝٤ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝٥ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝٦ وَهُوَ بِالْاُفُقِ
الْاَعْلٰى ۝٧ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝٨ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝٩ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝١٠ مَا
كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝١١ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝١٢ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝١٣ عِنْدَ سِدْرَةِ
الْمُنْتَهٰى ۝١٤ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝١٥ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝١٦ مَا زَاغَ الْبَصَرُ

(۱) قسم ہے ستارے کی جب وہ غریب ہونے لگے [۱] (۲) کہ تمہارے رفیق نہ گمراہ ہوئے ہیں اور نہ غلط راہ پر چلے ہیں (۳) اور وہ اپنی خودی اور ارادے سے کچھ نہیں کہتا (۴) اس کے منہ سے جو کچھ نکلتا ہے وہی ہے جو اس پر وحی ہوتا ہے- [(۱)] (۵-۶) اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے جو خوش منظر (تندرست وتوانا) ہے۔ وہ سامنے آ کر کھڑا ہوا (۷) جب کہ وہ (آسمان کے) بالائی افق پر تھا (۸) پھر وہ نزدیک ہوا اور اتر آیا- (۹) یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا (۱۰) پھر اس نے وحی کی اپنے بندے پر جو کچھ بھی وحی کی (۱۱) جو کچھ بھی پیغمبر کی آنکھوں نے دیکھا' دل نے اس کے سمجھنے میں غلطی نہیں کی- (۱۲) پھر کیا تم پیغمبر سے اس چیز پر جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے (۱۳) بلاشبہ اس نے ایک مرتبہ پھر اس کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا (۱۴) جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے- (۱۵) جب کہ اس سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا!

۱ یہ سورہ بھی مکی ہے اور ہجرت حبش کے بعد ۵ نبوی میں نازل ہوئی ہے- ابن سعد کا بیان ہے کہ ۵ نبوی میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک مختصر سی جماعت ہجرت کر کے حبش چلی گئی تو اسی سال رمضان المبارک میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ایک مجمع میں سورۃ النجم پڑھ کر سنائی اور کافر مومن' سب نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا- یہ واقعہ حبش کے مہاجرین کے پاس اس شکل میں پہنچا کہ کفار مکہ مسلمان ہو گئے ہیں- اس خبر کو سن کر کچھ لوگ شوال ۵ نبوی میں مکہ واپس آ گئے' مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ ظلم وستم اسی طرح ہو رہا ہے جس پر بہت سے لوگ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے-

یہ سورہ جب قریش کے ایک مجمع میں آپؐ پڑھ کر سنا رہے تھے تو شدت تاثیر کی وجہ سے سجدہ کے موقع پر مخالفین بھی سجدہ میں گر پڑے- مگر جب انہیں ملامت ہوئی تو کہنے لگے کہ اس سورہ میں لات' منات اور عزیٰ (بتوں) کا ذکر آیا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے ہم نے یہ

(۱) ''الہلال'' ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۱۲-

وَمَا طَغٰى ⑰ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ⑱ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ⑲ وَمَنٰوةَ
الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ⑳ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ㉑ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ㉒ اِنْ هِيَ
اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا
الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ㉓ اَمْ لِلْاِنْسَانِ
مَا تَمَنّٰى ㉔ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ㉕ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ ع ۴۵/۵
شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ㉖ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ

(۱۶) نہ نگاہ نے کج روی کی اور نہ حد سے تجاوز کیا (۱۸) فی الواقع اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں (۱۹) اب بتاؤ کہ کیا تم نے لات اور عزیٰ نامی بتوں کو نہیں دیکھا ہے؟ (۲۰) اور وہ جو ایک سب سے بڑا تیسرا بت ہے جس کا نام منات ہے؟[1] (۲۱) کیا بیٹے تمہارے لیے ہیں اور خدا کے لیے بیٹیاں؟ (۲۲) یہ تو بہت ہی غیر منصفانہ تقسیم ہے- (۲۳) دراصل یہ کچھ نہیں' مگر چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے ثبوت میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی' یہ لوگ محض وہم وگمان اور نفسانی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں' حالانکہ ان کے رب کی جانب سے ان کے پاس صحیح ہدایت آ چکی ہے-[2] (۲۴) کیا انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے تمنا کی؟ (۲۵) (نہیں' یہ بات نہیں ہے!) کیونکہ دنیا اور آخرت اللہ ہی کے اختیار میں ہے- (۲۶) آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں' جن کی شفاعت ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی مگر ہاں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہے' شفاعت کی اجازت دے اور اس کے لیے شفاعت کو پسند بھی کرے- (۲۷) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو زنانہ نام سے موسوم کرتے ہیں-

---

الفاظ بھی سنے ہیں "تلك الغرانقة العلى و ان شفاعتهن لترتجى" یہ قصہ مفسرین نے بھی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت ﷺ کی زبان سے پڑھ کر سنا دیے تو اس پر سورۃ الحج کی وہ آیت نازل ہوئی جس میں ہے "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطَانُ فِيْ اُمْنِيَّتِهٖ- الاية!" مگر یہ قصہ سراسر باطل ہے- وحی میں کسی طور پر شیطان کا دخل نہیں ہو سکتا-

۲ مشرکین ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے اور ان کو الوہیت کا مقام دے کر ان کی پوجا کرتے- قرآن مجید نے بتایا کہ یہ بے ہودہ عقیدہ ایجاد کرتے وقت تم نے یہ سوچا کہ تم اپنے لیے تو لڑکی کو ذلت سمجھتے ہو اور نرینہ اولاد پسند کرتے ہو اور خدا تعالیٰ کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے ہو؟ اسی طرح یہ لوگ محض وہم وگمان کی پیروی کرتے ہوئے فرشتوں کو بھی اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں اور انہیں اپنا سفارشی مانتے ہیں-

---

(۱) "الہلال" ۵ / مارچ ۱۹۱۳ء ص ۵-

الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ
الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ
الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾
اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ
اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ
ع۲ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ
الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ
وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ

(۲۸) اور اس کے بارے میں ان کے پاس کوئی اور ذریعہ تحقیق و علم نہیں محض اپنے گمان پر چل رہے ہیں اور راہ ظن و تخمین کا یہ حال ہے کہ وہ حقیقت و علم کے سامنے کچھ کارآمد نہیں۔[1] (۲۹) سو آپ بھی ایسے شخص سے اعراض کیجیے جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی اختیار کر رکھی ہے اور بجز دنیوی زندگی کے اس کا اور کوئی مقصد نہیں ہے (۳۰) ان لوگوں کا مبلغ علم ہی بس اتنا ہے' تیرا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون سیدھی راہ پر ہے۔

(۳۱) اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے' تاکہ برائی کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور جنہوں نے اچھے کام کیے انہیں اچھی جزا سے نوازے' جو کبائر اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں، الا یہ کہ کوئی معمولی گناہ ان سے سرزد ہو جائے۔ بلاشبہ تیرے رب کی بخشش بہت وسیع ہے' وہ اس وقت سے تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں جنین تھے' لہٰذا خود ستائی نہ کیا کرو' وہی خوب جانتا ہے اس کو جو واقعی پرہیزگار ہے۔

(۳۳) بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو دین حق سے پھرا ہوا ہے؟ (۳۴) اور اس نے تھوڑا سا دیا اور بند کر دیا (۳۵) کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے؟ (۳۶) کیا اسے ان باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰؑ کے صحیفوں میں مذکور ہیں؟ (۳۷) اور ابراہیم کے صحیفوں میں' جس نے (اللہ تعالیٰ کے احکام کو) پورا کر دکھایا؟ (۳۸) کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (۳۹) اور یہ کہ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے سعی کی (۴۰) اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی (۴۱) پھر

(۱) ''الہلال'' ۱۷ ستمبر ۱۹۱۳ء۔

يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝۴۱ وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝۴۲ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۝۴۳ وَاَنَّهٗ هُوَ
اَمَاتَ وَ اَحْيَا ۝۴۴ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ۝۴۵ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۝۴۶ وَاَنَّ
عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۝۴۷ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۝۴۸ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝۴۹ وَاَنَّهٗ
اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ۝۵۰ وَ ثَمُوْدَا۟ فَمَآ اَبْقٰى ۝۵۱ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ
اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ۝۵۲ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝۵۳ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۝۵۴ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكَ
تَتَمَارٰى ۝۵۵ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ۝۵۶ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۝۵۷ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
كَاشِفَةٌ ۝۵۸ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝۵۹ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ۝۶۰ وَاَنْتُمْ
سٰمِدُوْنَ ۝۶۱ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ۝۶۲ ع السجدة ۳

اس کواس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا (۴۲) اور یہ کہ آخر کار تیرے رب کے پاس پہنچنا ہے (۴۳) اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے (۴۴) اور یہ کہ وہی موت دیتا اور زندگی بخشتا ہے (۴۵) اور یہ کہ وہی نر اور مادہ دوقسمیں پیدا کرتا ہے- (۴۵) نطفے سے جب وہ رحم مادر میں ٹپکایا جاتا ہے (۴۷) اور یہ کہ دوسری بار پیدا کرنا اس کے ذمہ ہے (۴۸) اور وہی غنی کرتا اور جائداد دیتا ہے (۴۹) اور یہ کہ وہی شعریٰ کا رب ہے-[۳]

(۵۰) اور یہ کہ اسی نے عاد اولیٰ کو ہلاک کیا-[۴] (۵۱) اور ثمود کو بھی، اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا- (۵۲) اور ان سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کر ڈالا' بلاشبہ وہ بڑے ہی ظالم اور سرکش تھے (۵۳) اور اوندھی ہونے والی بستیوں کو اس نے دے مارا (۵۴) پس ڈھانک دیا ان کو اس چیز سے جس سے ڈھانک دیا! - (۵۵) سوائے مخاطب' اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرتا رہے گا؟ (۵۶) یہ نبی بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ایک ڈرانے والا ہے- (۵۷) آنے والی گھڑی (قیامت) قریب آ لگی ہے (۵۸) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے ہٹانے والا نہیں ہے (۵۹) کیا تم اس قرآن پر تعجب کرتے ہو (۶۰) اور (اس پر) ہنستے ہو اور روتے نہیں (۶۱) اور تم متکبرانہ انداز میں گزر جاتے ہو (۶۲) سو جھک جاؤ اللہ کے سامنے اور اس کی عبادت کرو!

---

۳ شعریٰ آسمان کا روشن ترین تارا ہے جسے "مرزم الجوزاء" بھی کہتے ہیں- یہ سورج سے ۲۳ گنا زیادہ روشن ہے- مگر زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ سال نوری سے بھی زیادہ ہے- اس لیے یہ سورج سے چھوٹا نظر آتا ہے- اہل مصر اس کی پرستش کیا کرتے تھے- جاہلیت میں اہل عرب کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ یہ ستارہ لوگوں کی قسمتوں پر اثر انداز ہوتا ہے- قرآن مجید نے اس کی تردید کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی شعریٰ کا بھی رب ہے-

۴ "عاد اولیٰ" سے قدیم قوم عاد مراد ہے جس کی طرف حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھیجے گئے تھے- یہ قوم حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلانے کی وجہ سے ہلاک ہو گئی اور وہی لوگ باقی رہ گئے جو حضرت ہود پر ایمان لائے تھے' ان کی نسل کو تاریخ میں عاد اخریٰ یا عاد ثانیہ کہا جاتا ہے-

اٰیَاتُھَا: 55 | سُوْرَۃُ الْقَمَرِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا: 3

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا
سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ
مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ
نُّكُرٍ ⑥ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ⑦ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى
الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا
مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ⑨ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪ وَّفَجَّرْنَا

(۱) قیامت قریب آ پہنچی اور چاند پھٹ گیا۔[۱،۲] (۲) اور (کفار کا یہ حال ہے کہ) خواہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کر جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو ایک چلتا ہوا جادو ہے (۳) اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی اور ہر معاملہ کی ایک حد ہے جہاں پہنچ کر اسے ٹھہرنا ہے۔ (۴-۵) اور ان کے سامنے (گزشتہ اقوام کے) وہ واقعات آ چکے ہیں کہ ان میں (سرکشی سے روکنے کے لیے) کافی تنبیہ اور اعلیٰ درجہ کی حکمت موجود ہے مگر ان پر تنبیہات کارگر نہیں ہوتیں۔ (۶) پس اے نبیؐ! ان سے اعراض برتیے، جس روز بلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا (۷) لوگ جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ قبروں سے اس طرح نکلیں گے، گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں (۸) وہ پکارنے والے کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔ کافر کہہ رہے ہوں گے، یہ تو بڑا ہی سخت دن ہے۔[۳] (۹) ان سے پہلے نوح کی قوم جھٹلا چکی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے اور اسے سخت دھمکی دی گئی (۱۰) آخر کار اس نے اپنے رب کو پکارا کہ ''میں مغلوب ہو چکا، اب تو ان سے بدلہ لیجیے'' (۱۱) تب ہم نے موسلا دھار مینہ سے آسمان کے دروازے کھول دیے۔ (۱)

[۱] یہ سورہ بھی مکی ہے۔ اس میں واقعہ شق القمر کا ذکر ہے، جو ہجرت سے پانچ سال پہلے پیش آیا۔ اس سے اس کا زمانہ نزول متعین ہو جاتا ہے۔ اس سورہ میں کفار کو ان کی ہٹ دھرمی پر متنبہ کیا گیا ہے جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کے مقابلہ میں اختیار کر رکھی تھی۔ کہ ان سے پہلے بہت سی قوموں نے رسولوں کو جھٹلایا تو وہ دردناک عذاب میں مبتلا کر دی گئیں۔

[۲] یعنی چاند کا پھٹ جانا اس بات کی علامت ہے کہ قیامت کی گھڑی آ چکی ہے اور اس کی آمد پر نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ نیز اتنے بڑے کرہ کا شق ہو جانا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ قیامت بپا ہو سکتی ہے۔

(۱) ''الہلال'' ۱۶ر جولائی ۱۹۱۳ء۔

الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ
جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ
يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ
وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا ع

(۱۲) زمین کے سوتے جاری کر دیئے آخر جو اندازہ مقرر ہوا تھا اسی کے مطابق آسمان و زمین کے پانی مل گئے-[1] (۱۳) اور ہم نے نوح کو ایک تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا- (۱۴) وہ ہماری حفاظت اور نگرانی میں چلتی تھی' یہ اس شخص کا بدلہ لینے کے لیے کیا گیا جس کی ناقدری کی گئی (۱۵) اور ہم نے اس (واقعہ یا کشتی) کو ایک نشانی بنا کر چھوڑ دیا' پھر کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟[۴] (۱۶) پھر دیکھ لو، کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات! (۱۷) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے' پھر کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ (۱۸) عاد نے جھٹلایا' تو دیکھ لو میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی ہوئیں؟ (۱۹) ہم نے ان پر دائمی نحوست کے دن میں نہایت تیز و تند ہوا بھیجی (۲۰) جو لوگوں کو اس طرح اٹھا کر پھینک رہی تھی جیسے وہ جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہیں- (۲۱) سو دیکھ لو میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ (۲۲) اور ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید کو آسان کر دیا ہے' پھر کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ (۲۳) ثمود نے تنبیہات کو جھٹلایا (۲۴) اور کہنے لگے "کیا ہم اپنے ہی سے ایک آدمی کی پیروی اختیار کر لیں' اگر ایسا کریں گے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم بڑی گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہیں-"

شق القمر کا یہ واقعہ قرآن مجید سے صریح الفاظ سے ثابت ہے' صرف روایات پر اس کا انحصار نہیں ہے- اور ہجرت سے تقریباً ۵ سال قبل کا واقعہ ہے- اور علمائے امت کے ایک بڑے گروہ نے اسے حضور ﷺ کے معجزات میں سے شمار کیا ہے- اور اس سائنسی دور میں بھی اس کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا- اور یہ چونکہ لحظہ بھر میں ہوا ہے' اس لیے دنیا والوں کو اس کا احساس ضروری نہیں ہے' تاہم مالا بار کی تاریخوں میں اس کا وقوع مذکور ہے کہ اس رات وہاں کے راجہ نے یہ منظر خود دیکھا تھا-

۳ جب انہیں مثالیں دے کر سمجھایا جا چکا ہے کہ انکار آخرت کے نتائج کیا ہوئے ہیں' پھر اگر یہ اپنی ہٹ دھرمی سے اب بھی باز نہیں آتے تو آپ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے-

۴ آیت ۱۵ میں "ترکنھا" کی "ھا" ضمیر کا مرجع کشتی بھی ہو سکتی ہے اور یہ واقعہ بھی ہو سکتا ہے- بعض نے کشتی کو عبرت بنا دینے کو ترجیح دی ہے- یعنی وہ کشتی ایک بلند و بالا پہاڑ پر سیکڑوں سال سے موجود ہے' جو اس بات کی یاد ہے کہ اس سر زمین پر خدا کی ایک نافرمان قوم ہو گزری ہے' جو تباہ ہوئی اور ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی- روایات میں مذکور ہے کہ مسلمانوں کے فتح عراق

(۱) "الہلال" ۱۲ جولائی ۱۹۱۳ء-

مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾
سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَ اصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾
وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَیْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾
فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِیْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾
وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ
حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ
اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَیْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ اَعْیُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ
وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ

(۲۵) کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی اتاری گئی ہے؟ نہیں بلکہ یہ بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے (۲۶) انہیں ابھی کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا اور شیخی خورہ ہے۔ (۲۷) ہم ان کی آزمائش کے لیے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں' سو ان (کے انجام) کا انتظار کر اور صبر سے کام لے۔ (۲۸) اور ان لوگوں کو آگاہ کر دے کہ پانی ان کے مابین تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنی باری کے دن حاضر ہوگا۔ (۲۹) آخر کار انہوں نے اپنے رفیق کو پکارا' اس نے اونٹنی پر دست درازی کی اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں (۳۰) پھر دیکھو میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی ہوئیں! (۳۱) ہم نے ان پر ایک ہی ہولناک آواز مسلط کر دی' پس وہ باڑے والے کی روندی ہوئی باڑھ کی طرح (چورا چورا) ہو گئے۔ (۳۲) ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے اب ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ (۳۳) لوط کی قوم نے بھی تنبیہ کرنے والوں کی تکذیب کی۔ (۳۴) ہم نے ان پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دی ماسوا لوط کے گھر والوں کے کہ ان کو ہم نے اخیر شب میں اپنے فضل سے بچا کر نکال لیا' ہم ہر شکر گزار کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ (۳۶) اور بلاشبہ لوط نے ہماری پکڑ سے ان کو خبردار کیا مگر انہوں نے ان ساری تنبیہات میں (شک وشبہ پیدا کر کے) جھگڑے نکال کھڑے کیے۔ (۳۷) اور وہ بری نیت سے لوط کے مہمانوں کو اس سے طلب کرنے لگے' آخر کار ہم نے ان کی آنکھیں بے نور کر دیں' لو اب میرے عذاب اور میری تنبیہات (کو جھٹلانے) کا مزہ چکھو۔ (۳۸) اور صبح سویرے ہی ان پر ایک دائمی عذاب آ پہنچا۔ (۳۹) اور کہا گیا کہ) لو اب میرے عذاب اور میری تنبیہات کا مزہ چکھو (۴۰) اور ہم نے قرآن نصیحت حاصل کرنے کے لیے

اور الجزیرۃ کے زمانہ میں یہ کشتی جودی پہاڑ پر موجود تھی۔ موجودہ زمانے میں بھی ہوائی جہازوں پر سفر کرتے ہوئے بعض لوگوں نے اس پہاڑ پر کشتی جیسی چیز دیکھی ہے جس پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ سفینہ نوح ہے۔

لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ
عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ
جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى
وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا
مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ
اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ
مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ (۴۱) اور آل فرعون کے پاس بھی تنبیہات آئیں (۴۲) پر انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلا دیا' آخر کار ہم نے ان پر ایسی گرفت کی جیسی کہ ایک زبردست صاحب اقتدار کی گرفت ہوتی ہے۔ (۴۳) کیا تمہارے کفار ان (گزشتہ) لوگوں سے بہتر ہیں یا کتب سماویہ میں تمہارے لیے معافی کا پروانہ درج ہے؟ (۴۴) یا یہ یوں کہتے ہیں کہ ہم ایک انتقام لینے والی جماعت ہیں؟ (۴۵) کفار کی جمعیت عنقریب منہزم ہو جائے گی اور وہ پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے (۴۶) بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے اور وہ گھڑی مصیبت کی تلخ ترین گھڑی ہے۔ (۴۷) (یہ گنہگار ہیں) اور مجرم گمراہی اور آگ میں ہیں (۴۸) وہ دن آنے والا ہے جبکہ منہ کے بل یہ آگ میں کھینچے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ عذاب دوزخ کا مزہ چکھو۔ (۴۹) ہم نے ہر چیز کو ٹھیک اندازے سے پیدا کیا ہے (۵۰) اور ہمارے حکم کو ذرا ایک آنکھ جھپکنے کی طرح پہنچا ہوا سمجھو (۵۱) دیکھتے نہیں کہ ہم نے تمہارے حامیوں کو ہلاک کر ڈالا' کیا اب بھی تم میں کوئی غور و فکر سے کام لینے والا نہیں؟ [1] (۵۲) اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب (اعمال کے) دفتروں میں موجود ہے (۵۳) اور ہر چھوٹی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے۔ (۵۴) جو پرہیزگار ہیں' وہ یقیناً باغوں اور نہروں میں ہوں گے (۵۵) ایسے بادشاہ کے قریب' سچے مقام میں ہوں گے جو بڑا صاحب قدرت ہے!

(۱) ''الہلال'' ۲۳ر جولائی ۱۹۱۳ء ص ۲- ترجمان القرآن' جلد اول ص ۳۸ پر ''انا کل شیء خلقناه بقدر'' کا ترجمہ یوں ہے کہ ''ہم نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں' ایک خاص اندازے سے پیدا کی ہیں!''

آیَاتُهَا: 78 | سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلرَّحْمٰنُ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ
بِحُسْبَانٍ ⑤ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ⑥ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ⑦ اَلَّا تَطْغَوْا
فِي الْمِيْزَانِ ⑧ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ⑨ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا
لِلْاَنَامِ ⑩ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ⑪ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ⑫
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑬ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ⑭ وَخَلَقَ الْجَآنَّ
مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ⑮ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑯ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ⑰
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑱ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ⑲ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ⑳

(۱) وہ رحمان ہی ہے [۱-۲] (۲) جس نے قرآن مجید کی تعلیم دی (۳) اسی نے انسانوں کو پیدا کیا (۴) اسی نے انسان کو بولنا سکھایا۔ [۳] (۵) سورج اور چاند ایک خاص نظام کے ماتحت گردش کر رہے ہیں (۶) اور درختوں اور ستاروں نے بھی اپنے بلند سروں کو اس نظام کے آگے جھکا دیا ہے۔ (۷) یہ فطری نظام قدیم سے ہے' خدا نے جب آسمان کو پیدا کیا اور اسے بلند کیا تو اسی وقت ایک میزان عدل بھی قائم کر دیا۔ (۸-۹) جس طرح آفتاب و مہتاب' درخت اور آسمان اپنے محدود نظام عدل سے تجاوز نہیں کرتے' اسی طرح تم بھی اس نظام عدالت کو پوری عدالت کے ساتھ قائم رکھو اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرو۔ [(۱)] (۱۰) اور اسی نے مخلوقات کے لیے زمین کو (رہنے کے قابل) بنایا۔ (۱۱) جس میں بکثرت میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ (۱۲) اور اس زمین میں بھوسہ والا اناج اور خوشبودار پھول ہیں۔ (۱۳) سوائے جن وانس' تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ (۱۴) انسان کو اس نے ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتے ہوئے خشک اور سڑے ہوئے گارے سے بنایا (۱۵) اور جان (جن) کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا (۱۶) سو (اے جن وانس) تم اپنے رب کے کن کن عجائب قدرت کی تکذیب کرو گے؟ (۱۷) وہی دونوں مشرقوں اور مغربوں کا مالک ہے۔ (۱۸) پھر اے جن وانس' تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کا انکار کرو گے؟ (۱۹) اس نے کھاری اور میٹھے پانی کے دو سمندر جاری کیے کہ دونوں آپس میں ے ہوئے ہیں (۲۰) پھر بھی ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے' کیونکہ دونوں کے درمیان اس نے ایک حد فاصل قا[illegible]ن ہے۔ [(۲)]

---

۱ سورۃ کے مضمون اور روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکی ہے۔ گو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا مدنی ہونا منقول ہے۔ اس سورہ

---

(۱) "البلاغ" ۱۴-۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۹۔ (۲) "الہلال" ۴ر دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۶ - نیز "البلاغ" ۱۱ر فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَـٰٔتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٥﴾ ع النصف
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا
شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾ فَاِذَا
انْشَقَّتِ السَّمَاۤءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ

(۲۱) پس اے جن وانس، تم اپنے رب کے کون کون سے عجائب قدرت کو جھٹلاؤ گے؟ (۲۲) ان سمندروں سے مونگے اور موتی برآمد ہوتے ہیں (۲۳) سوائے جن وانس، تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۲۴) اور یہ جہاز اسی کے ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح بلند (نظر آتے) ہیں (۲۵) سوائے جن وانس، تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ (۲۶) جو کچھ روئے زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے (۲۷) اور صرف آپ کے رب کی ذات باقی رہ جائے گی جو صاحب عظمت اور احسان ہے (۲۸) سوائے جن وانس، تم اپنے رب کے کون کون سے کمالات کو جھٹلاؤ گے؟ (۲۹) سب آسمانوں اور زمین والے اسی سے مانگتے ہیں، وہ ہر آن ایک نہ ایک شان میں ہے (۳۰) پس اے جن وانس، تم اپنے رب کی کن کن صفات کمال کو جھٹلاؤ گے؟ (۳۱) اے مجمع جن وانس! اگر تمہاری طاقت میں ہے کہ زمین اور آسمانوں کے مدبرات وملکوت کے اندر سے اپنی راہ پیدا کر کے آگے نکل جاؤ تو ترقی کی اس انتہا کے لیے بھی کوشش کر دیکھو، مگر بغیر سلطان الٰہی کے کچھ (بھی) نہ کر سکو گے، اور یاد رکھو کہ وہ قوت تمہارے بس میں نہیں- (۳۴) پھر تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۳۵) تم پر آگ کا دھواں اور اس کی لپٹ چھا جائے گی اور تمہارے پاس کوئی قوت ایسی نہیں کہ اس کے ذریعے سے ہلاکت کو دفع کر سکو[1] (۳۶) سوائے جن وانس، اپنے رب کی کون کون سی قدرتوں کی تکذیب کرو گے؟ (۳۷) پھر اس وقت کیا بنے گا، جب آسمان پھٹ جائے گا اور تیل کی تلچھٹ کی طرح سرخ ہو جائے گا- (۳۸) سوائے جن وانس، تم اپنے رب کی کون کون سی قدرتوں کا انکار کرو گے؟

میں اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے مظاہر کا بیان ہے- اس اعتبار سے بھی نام کے ساتھ مناسبت پائی جاتی ہے-

---

(۱) "الہلال" ۲۲ رجولائی ۱۹۱۴ء ص ۵-

لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ
الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾
هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ وقف لازم
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ع ۲
ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ
بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ
الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ

(۳۹) اس روز کسی جن اور کسی انسان سے اس کے گناہ کے متعلق سوال کی ضرورت نہ ہوگی (۴۰) سوتم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے؟ (۴۱) گنہگاروں کو ان کے چہروں سے پہچان لیا جائے گا پھر ان کو پیشانی کے بال اور پاؤں سے پکڑ پکڑ کر گھسیٹا جائے گا (۴۲) پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کروگے؟ (۴۳) (اس وقت کہا جائے گا) یہ وہی جہنم ہے جسے مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے (۴۴) وہ مجرم لوگ آگ اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گردش کرتے رہیں گے۔ (۴۵) پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کروگے؟ (۴۶) اور ہر اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے دو باغ ہیں! (۴۷) سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کروگے؟ (۴۸) وہ دو باغ ہری بھری ڈالیوں والے ہوں گے! (۴۹) سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۵۰) ان باغوں میں دو رواں چشمے ہوں گے۔ (۵۱) سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۵۲) ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی دو قسمیں ہوں گی! (۵۳) سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۵۴) اور وہ ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور باغوں کے پھل بہت ہی قریب ہوں گے! (۵۵) پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۵۶) ان میں شرمیلی نگاہوں والی عورتیں ہوں گی جنہیں ان جنتیوں سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا نہ ہوگا! (۵۷) پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کروگے؟ (۵۸) وہ عورتیں ایسی خوبصورت ہوں گی جیسے

۲ اس سورہ میں انسان کے ساتھ جنوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے اور دونوں کو اللہ تعالیٰ کی بے حد وحساب نعمتیں یاد دلا کر فرمانبرداری کے بہتر نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے اور نافرمانی کے بد انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کا منزل من اللہ ہونا، کائنات کے نظام کا عدل پر قیام، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائب وکمالات، ماسوا اللہ کے سب کا فانی ہونا، آخرت میں محاسبہ، نافرمانوں کا انجام وغیرہ یہ سب باتیں ایک خاص اسلوب کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِأَيِّ
آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦١﴾ وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَانِ ﴿٦٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَامَّتَانِ ﴿٦٤﴾
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٥﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ ﴿٦٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٧﴾ فِيهِمَا
فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٩﴾ فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧١﴾ حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ
إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٥﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ
حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٧﴾ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٧٨﴾ ع ۳ / ۱۴

یاقوت اور مونگے!

(۵۹) سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ (۶۰) اخلاص عبادت کا بدلہ انعام واکرام کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ (۶۱) سوائے جن وانس، تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟

(۶۲) ان دو باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہوں گے! (۶۳) سوائے جن وانس، تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے؟ (۶۴) وہ دونوں نہایت سرسبز ہوں گے! (۶۵) سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ (۶۶) ان دونوں میں پانی کے دو ابلتے ہوئے چشمے ہوں گے! (۶۷) سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ (۶۸) ان دونوں باغوں میں میوے، کھجوریں اور انار ہوں گے!

(۶۹) سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ (۷۰) ان میں نیک سیرت، خوبصورت عورتیں ہوں گی! (۷۱) سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ (۷۲) خیموں میں محفوظ حوریں ہوں گی!

(۷۳) سوتم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ (۷۴) اہل جنت سے پہلے ان کو کسی انسان یا جن نے چھوا نہیں ہوگا!

(۷۵) سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ (۷۶) وہ جنتی سبز اور نادر و نفیس قالینوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے! (۷۷) سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟

(۷۸) (اے نبی!) آپ کے رب کا نام بڑی برکت والا ہے، جو صاحب عظمت اور صاحب اکرام ہے!

---

۳ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اسے اظہار مافی الضمیر پر بھی قدرت بخشی ہے اور اسے دوسری مخلوق پر برتری اور اخلاقی حسن عطا کی ہے- آیت ۴ میں اسی کا ذکر ہے-

آیاتُھَا: 96 | سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوعَاتُھَا: 3

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ ① لَیْسَ لِوَقْعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ② خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ③ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ
رَجًّا ④ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ⑤ فَکَانَتْ ہَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ⑥ وَّکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَۃً ⑦
فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ⑧ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ ⑨
وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ⑩ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ⑪ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ⑫ ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ⑬
وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ⑭ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَۃٍ ⑮ مُّتَّکِئِیْنَ عَلَیْہَا مُتَقٰبِلِیْنَ ⑯ یَطُوْفُ
عَلَیْہِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ⑰ بِاَکْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ ۙ وَکَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ⑱ لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْہَا
وَلَا یُنْزِفُوْنَ ⑲ وَفَاکِہَۃٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ⑳ وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا

(۱) جب واقع ہو جانے والی واقع ہو جائے گی (۲) تو کوئی اس کے وقوع کو جھٹلانے والا نہ ہوگا-[۱] (۳) وہ کسی کو پست اور کسی کو بلند کرنے والی ہوگی (۴) اس وقت زمین یکبارگی ہلا ڈالی جائے گی (۵) اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے- (۶) حتی کہ وہ پراگندہ غبار بن کر رہ جائیں گے (۷) اور تم لوگ (اس وقت) تین قسم کے گروہ بن جاؤ گے (۸) پس ایک گروہ تو داہنے ہاتھ والوں کا ہے- داہنے ہاتھ والوں کا کیا کہنا! اور ایک (گروہ) بائیں جانب والوں کا ہے اور بائیں جانب والوں کا کیا ہی برا گروہ ہے! (۱۰) پھر ان دونوں کے علاوہ تیسرے گروہ کے لوگ جو سب سے آگے ہیں، اور وہ آگے ہی رہنے کے مستحق بھی ہیں (۱۱) کیونکہ وہ بارگاہ الٰہی کے مقرب ہیں- (۱۲) اور ان کی جگہ جنت کی خوشیاں ہیں اور وہاں کی نعمتیں (۱۳-۱۴) ان میں سے بہت سے اگلوں میں ہوں گے اور کچھ پچھلوں میں-[۲] (۱)

(۱۵) یہ لوگ مرصع تختوں پر (۱۶) آمنے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے (۱۷) (ان کی خدمت گزاری کے لیے) ان کے گرد لڑکے' جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے' (۱۸) صاف شراب کے جام آفتاب اور ساغر لیے پھر رہے ہوں گے (۱۹) جس سے نہ تو ان کا سر چکرائے گا اور نہ ہی ان کی عقل میں فتور آئے گا- (۲۰) اور وہ ان کے لیے طرح طرح کے میوے لیے پھریں گے جن سے اہل جنت حسب پسند چن لیں گے[۳] (۲۱-۲۲) اور پرندوں کے گوشت...... جس قسم (کے گوشت) کی وہ خواہش کریں گے اور بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی-

[۱] یہ سورہ مکی ہے- علامہ سیوطی نے ''الاتقان'' میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ پہلے سورۂ طٰہٰ نازل ہوئی پھر الواقعہ اور اس کے بعد الشعراء۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اور ان کا ایمان لانا ہجرت حبشہ کے بعد ۵ نبوی میں بیان کیا جاتا ہے-

(۱) ''الہلال'' ۲۲ر جولائی ۱۹۱۴ء ص ۵-

يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ
فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ
مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ
وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾
لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ ع ۲۸ ۱۴
اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا

(۲۳) جو چھپا کر رکھے ہوئے موتیوں کی طرح (خوبصورت ہوں گی) (۲۴) یہ سب ان کے اعمال کا صلہ ہوگا جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے (۲۵) وہ جنت میں کوئی بیہودہ کلام یا گناہ کی بات نہ سنیں گے (۲۶) صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی ع (۲۷) اور اصحاب الیمین، اصحاب الیمین کا کیا ہی کہنا! (۲۸) ان کے لیے باغ و بہار کی دائمی خوشیاں اور نظارے ہیں، رہتے ہیں بیری کے درختوں میں، جن کا کانٹا نہیں (۲۹) اور کیلے تہ بر تہ (۳۰) اور سایہ لمبا (۳۱) اور پانی بہتا ہوا (۳۲) اور میوے بکثرت (۳۳) جو نہ کبھی روکے جاسکیں گے اور نہ کبھی ان کا سلسلہ ٹوٹے گا-[1] (۳۴) ان میں اونچے اونچے فراش ہوں گے- (۳۵) وہاں کی عورتوں کو ہم نے خاص طور پر پیدا کیا ہے (۳۶) اور انہیں پاکیزہ بنا دیا ہے (۳۷) اپنے شوہروں سے محبت کرنے والی اور ہم سن! یہ سب چیزیں دائیں بازو والوں کے لیے ہوں گی (۳۹) ایک بڑا گروہ اگلوں میں سے ہوگا (۴۰) اور ایک بڑا گروہ ہی پچھلوں میں سے ہوگا- (۴۱-۴۲-۴۳) اور اصحاب شمال وہ ہیں کہ ان کے لیے تپش و سوزش اور کھولتے ہوئے پانی کی سی گرمی ہے-[2] وہ لو کی لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی اور سایہ میں ہوں گے (۴۴) جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ (۴۵) یہ وہ لوگ ہیں کہ پہلے بڑے آسودہ حال تھے مگر پاداش عمل میں ان کا یہ حال ہوگیا ہے-[3] (۴۶) اور وہ گناہ عظیم (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے (۴۷) اور کہا کرتے

اس سورہ میں بھی آخرت، توحید اور وحی کی حقانیت کے اثبات پر زور دیا گیا ہے- شروع میں بتایا ہے کہ قیامت کے روز انسان تین طبقات میں تقسیم ہو جائیں گے اور یہ سلسلہ آیت ۵۷ تک چلا گیا ہے- مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اصحاب الجنة" اور "اصحاب النار" کی ایک اور تقسیم بھی ہے جو ان دونوں جماعتوں کے متعلق قرآن مجید میں نظر آتی ہے- بعض خاص حالات اور خصائص کی بنا پر انہیں "اصحاب الميمنه" اور "اصحاب المشئمه" کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے- یعنی داہنی جانب کی جماعت اور بائیں جانب کا گروہ- (تیسری جماعت) "السابقون الاولون" (کی ہے) اس سے وہی لوگ مراد ہیں جن

(۱) "الہلال" ۲۳/جولائی ۱۹۱۴ء (۲) "الہلال" ۲۲/جولائی ۱۹۱۴ء ص ۶- (۳) ایضاً-

يَقُوْلُوْنَ ۬ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾
قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۬ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ
اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾
فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾
نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ
الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ
وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ
مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ
تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾

تھے ''جب ہم مرکر خاک اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا (دوبارہ زندہ کر کے) ہم اٹھائے جائیں گے (۴۸) اور کیا ہمارے باپ دادا بھی (زندہ کیے جائیں گے؟) (۴۹-۵۰) آپ کہہ دیجیے ''سب اگلے اور پچھلے ایک مقررہ دن میں' وقت پر' ضرور جمع کیے جائیں گے'' (۵۱-۵۲-۵۳) پھر اے گمراہو! تکذیب کرنے والو! تمہیں زقوم کے درخت سے کھانا ہوگا اور اسی سے پیٹ بھرنا ہوگا- (۵۴-۵۵) پھر اس کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی' تونس لگے ہوئے (پیاسے) اونٹوں کی طرح پیو گے- (۵۶) یہ ان کی مہمانی کا سامان قیامت کے دن ہوگا- (۵۷) ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے' پھر تم یقین کیوں نہیں کرتے؟ (۵۸) بھلا یہ بھی کبھی سوچا کہ جو نطفہ تم رحم میں ٹپکاتے ہو (۵۹) کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ (۶۰-۶۱) ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری مانند کوئی اور مخلوق یہاں لا بسائیں اور تمہیں کسی ایسے جہان میں پیدا کریں جسے تم نہیں جانتے (۶۲) اور بلاشبہ تم نے اپنی پہلی پیدائش کو جان لیا ہے' پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ (۶۳) اچھا تم نے اس بات پر غور کیا تھا کہ جو کچھ کاشت کاری کرتے ہو' (۶۴) اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ (۶۵) اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم صرف یہ کہنے کے لیے رہ جاؤ کہ افسوس ہمیں تو اس نقصان کا تاوان دینا پڑے گا بلکہ ہم تو اپنی محنت کے تمام فائدوں سے محروم ہو گئے- (۶۸) اچھا' تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ جو پانی تمہارے پینے میں آتا ہے اسے کون برساتا ہے؟

کی نسبت سورہ انبیاء میں فرمایا: ''ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئک عنھا مبعدون'' (سورۂ انبیاء، آیت ۱۰۱)

مذکورہ بالا دو جماعتوں کے اعمال و خصائص کی تشریح سورہ بلد میں ہے- نیز انہیں آگے چل کر ''اصحاب الیمن'' اور ''اصحاب الشمال'' کہا گیا ہے-

ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ ﴿۶۹﴾ لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا فَلَوۡلَا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾
اَفَرَءَيۡتُمُ النَّارَ الَّتِىۡ تُوۡرُوۡنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَهَاۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِــُٔوۡنَ ﴿۷۲﴾ نَحۡنُ جَعَلۡنٰهَا
تَذۡكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِيۡنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۷۴﴾ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ﴿۷۵﴾ ع ۲ ۱۵

(۶۹) تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟(۱)
(۷۰) اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کردیں، پھر کیا اس نعمت کے لیے ضروری نہیں کہ تم شکر گزار رہو؟
(۷۱) اچھا، تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو (۷۲) تو اس کے لیے لکڑی تم نے پیدا کی یا ہم پیدا کر رہے ہیں؟
(۷۳) ہم نے اسے یادگار اور مسافروں کے لیے فائدہ بخش بنایا۔(۲)
(۷۴) پس اے نبیؐ! آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کیجیے! (۷۵) پس میں ستاروں کے جائے وقوع کی قسم کھا کر کہتا ہوں!۵

اس کے بعد توحید و آخرت کے دلائل بیان کیے گئے ہیں اور قرآن مجید کے متعلق کفار کے شکوک و شبہات کی تردید کی گئی ہے اور پھر موت کا منظر پیش کیا ہے جس سے کسی نفس کو تحفظ نہیں مل سکتا۔

(۲) آیت ۱۳-۱۴ میں ''اولین'' سے پہلی امتوں کے لوگ مراد ہیں اور ''آخرین'' سے امت محمدیہ (علی صاحبها الصلوة التسليم) کے۔ یا دونوں سے امت محمدی کے اولین اور آخرین مراد ہیں۔

۳ جنت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت جس کا قرآن مجید میں بہ تکرار ذکر آیا ہے، یہ ہے کہ وہاں کی سوسائٹی نہایت پاکیزہ اخلاق ہو گی۔ ان میں بدتمیزی اور بدزبانی کا نام و نشان تک نہ ہوگا۔ ان کی گفتگو ہر قسم کے عیوب سے پاک ہوگی۔ ملاحظہ ہو آیت ۲۵-۲۶۔

۴ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے فضل و کرم اور انعامات کا ذکر فرمایا ہے جس سے ایک طرف تو اپنی خالقیت کو ثابت کیا ہے اور دوسری طرف اشارہ کیا ہے کہ ربوبیت کا یہ نظام کسی پروردگار کے بغیر نہیں قائم ہو سکتا۔

قرآن مجید نے جس طرح جا بجا خلقت سے استدلال کیا ہے یعنی دنیا میں ہر چیز مخلوق ہے، اس لیے ضروری ہے کہ خالق بھی ہو، اسی طرح وہ ربوبیت سے بھی استدلال کرتا ہے۔ یعنی دنیا میں ہر چیز مربوب ہے اس لیے ضروری ہے کہ کوئی رب بھی ہو۔ اور دنیا میں ربوبیت کامل اور بے داغ ہے اس لیے ضروری ہے کہ رب کامل اور بے عیب ہو۔ زیادہ واضح لفظوں میں اسے یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر چیز کو پرورش کی احتیاج ہے اور اسے پرورش مل رہی ہے، پس ضروری ہے کہ کوئی پرورش کرنے والا بھی موجود ہو۔ پرورش کرنے والا یقیناً وہ نہیں ہو سکتا جو خود پروردہ اور محتاج پروردگاری ہو۔

(۱) ترجمان القرآن جلد اول ص ۵۵۔ (۲) ایضاً۔

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾
فَلَوْلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾
فَلَوْلَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾
فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ
اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ
جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾ ع

---

(۷۶) اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے (۷۷) کہ یہ ایک گرامی قدر قرآن ہے (۷۸) جو ایک محفوظ کتاب میں (درج) ہے۶ (۷۹) جسے پاکیزہ ہستیوں کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا (۸۰) یہ قرآن رب العالمین کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (۸۱) پھر کیا تم اس کتاب کے ساتھ مداہنت سے کام لیتے ہو؟ (۸۲) اور تم نے اپنا وظیفہ یہ بنا رکھا ہے کہ اس کی تکذیب کرتے رہو (۸۳) سو جب جان حلقوم تک پہنچ جاتی ہے (۸۴) اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو۔ (۸۵) اور ہم اس مرنے والے کے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تمہیں نظر نہیں آتے۔ (۸۶-۸۷) پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ہو اور تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو پھر اس روح کو واپس کیوں نہیں لے آتے؟ (۸۸) پھر اگر وہ مرنے والا مقربین سے ہو تو اس کے لیے راحت اور عمدہ رزق اور نعمتوں کا باغ ہے (۹۰) اور اگر وہ داہنے ہاتھ والوں میں سے ہے (۹۱) تو تیرے لیے سلامتی ہے کہ تو اصحاب یمین سے ہے (۹۲) اور اگر وہ شخص جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے (۹۳-۹۴) تو کھولتے ہوئے گرم پانی سے اس کی مہمانی ہوگی اور جہنم میں داخل کیا جانا ہوگا (۹۵) یہ سب کچھ سراسر حق ہے (۹۶) پس اے نبیؐ! آپ اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح بیان کیجیے ——!

---

۵ تاروں اور ستاروں کے مواقع (مقامات و منازل) کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عالم بالا میں اجرام فلکی کا نظام نہایت محکم اور مضبوط ہے، ویسا ہی مضبوط اور محکم یہ کلام بھی ہے۔ جس خدا نے وہ نظام بنایا ہے اسی خدا نے یہ کلام بھی نازل کیا ہے...... کائنات کی بیشمار کہکشانوں اور ان کے اندر بے حد و حساب تاروں اور سیاروں میں جس طرح کمال درجہ ربط و نظم قائم ہے اسی طرح یہ کتاب بھی ایک کمال درجہ منظم اور مضبوط ضابطہ حیات پیش کرتی ہے۔ جس میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مفصل ہدایات دی گئی ہیں۔ حالانکہ یہ نظام فکر ۲۳ سالہ دور نبوت پر پھیلا ہوا ہے۔

۶ کتاب مکنون سے مراد لوح محفوظ ہے۔ کیونکہ اس تک کسی کی رسائی نہیں ہے اور ہر مخلوق کی دسترس سے باہر ہے۔

آیاتُھَا: 29	سُوْرَۃُ الْحَدِیْدِ مَدَنِیَّۃٌ	رُکُوْعَاتُھَا: 4

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ① لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَ
یُمِیْتُ ۚ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ② ھُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاھِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ③
ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ
وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا ؕ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ④ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ یُوْلِجُ الَّیْلَ
فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَھُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا
مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ⑦ وَمَا لَکُمْ لَا
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ۚ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ⑧

---

(۱) جو چیز بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے اور وہ بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔[۱] (۲) آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے، وہی زندگی عطا فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (۳) وہی اول ہے اور وہی آخر بھی، اور وہ ظاہر ہے اور مخفی بھی۔ اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔ (۴) وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر بلند ہوا، جو چیز بھی زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس میں سے نکلتی ہے، اور جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے وہ سب کو جانتا ہے۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو اور جو کام بھی تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے۔ (۵) آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور تمام معاملات (فیصلے کے لیے) اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں (۶) وہی رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کی تمام باتوں سے بخوبی واقف ہے۔ (۷) تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔ پس جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور مال خرچ کریں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ (۸) اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تمہیں دعوت دے رہا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور وہ تم سے عہد بھی لے چکا ہے، اگر تم واقعی ماننے والے ہو۔

---

[۱] یہ سورہ مدنی ہے۔ غالباً جنگ احد اور حدیبیہ کے درمیانی دور میں نازل ہوئی ہے۔ اس اعتبار سے اس کا زمانہ نزول ۴-۵ھ قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ دور چونکہ جہاد کا دور تھا، اور جاہلیت اور اسلام کے مابین فیصلہ کن ٹکر ہو رہی تھی اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس سورہ میں مالی

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ
لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ
لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ
ع الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝
مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ لَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ
وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ

(۹) وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کر رہا ہے تا کہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا شفیق اور نہایت مہربان ہے۔ (۱۰) اور کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی سب میراث اللہ ہی کے لیے ہے![۲] تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا ان کا درجہ بعد میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے والوں سے بہت بڑا ہے۔ اور دونوں سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح واقف ہے۔ (۱۱) کون ہے جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض، پھر اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اس کے لیے بہتر اجر (بھی) ہے۔

(۱۲) اس دن تم مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے ساتھ ساتھ اور ان کے آگے آگے چل رہا ہوگا اور ان سے کہا جائے گا کہ آج کے دن تمہارے لیے فتح و مراد کی بشارت ہے۔[۱] ایسے باغ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی (اور اس لیے ان کی شادابی متغیر ہونے والی نہیں) وہ (سرور اور راحت کی) اس حالت میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے جو انہیں حاصل ہوگی۔[۲]

قربانیوں پر زور دیا گیا ہے۔

۲ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد محض غرباء پر خرچ کرنا نہیں ہے بلکہ اس جدوجہد کے مصارف میں حصہ لینا بھی ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں برپا تھی۔

(۱) ''الہلال'' ۱۵ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۱۴۔

(۲) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۳۶۲۔

اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ
بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿١٣﴾ يُنَادُوْنَهُمْ
اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ
الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿١٤﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا
مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿١٦﴾
اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٧﴾
اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ

(۱۳) پس اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے ذرا انتظار کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں' مگر ان سے کہا جائے گا کہ ایسا نہیں ہو سکتا (آگے مت بڑھو)' پیچھے ہٹو اور کوئی اور روشنی تلاش کرو-[1] اتنے میں ان (مومنوں اور منافقوں) کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کے اندر رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی جانب عذاب ہوگا- (۱۴) وہ منافق مومنوں کو پکار پکار کر کہیں گے "کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے"؟ مومن جواب دیں گے "کیوں نہیں! مگر تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا اور تم (ہمارے متعلق) موقع کے انتظار میں رہے اور شک میں پڑے رہے اور جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں فریب میں مبتلا رکھا' یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ پہنچا اور اس بڑے دھوکے باز نے تمہیں دھوکے میں مبتلا رکھا- (۱۵) لہٰذا آج نہ تو تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جو کھلے کافر تھے- اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہے' وہی تمہارا مولیٰ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے- (۱۶) کیا مومنین کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور جو حق نازل ہوا اس کے سامنے جھک جائیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جن کو اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ان پر ایک طویل مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور (اب ان کی حالت یہ ہے کہ) ان میں اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں- (۱۷) خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے- ہم نے تمہارے سامنے نشانیاں واضح کر دی ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو! (۱۸) بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا' ان کو کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہتر اجر ہے- (۱۹) اور جو

(۱) "الہلال"' ۱۵ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۱۴-

كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي ع ۲ ۹ ۱۸
الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ
يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا
فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا
فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے' وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک سچے اور گواہی دینے والے ہیں- ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہوگا- اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ہے' وہ لوگ جہنمی ہیں- (۲۰) خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور دل لگی، اور ظاہری آرائش اور تمہارا ایک دوسرے پر فخر جتانا' اور اموال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے- اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کہ اس سے پیدا ہونے والی نباتات کاشتکاروں کو خوش لگتی ہے' پھر وہ پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے' اور آخرت میں تو سخت عذاب ہے- اور (یا پھر) اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رضا مندی ہے- اور دنیا کی زندگی تو محض ایک سرمایہ فریب ہے- (۲۱) تم اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو جس کی وسعت آسمان اور زمین جیسی ہے- وہ (جنت) ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے- یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے- (۲۳) جتنی مصیبتیں اقوام و امم پر نازل ہوئی ہیں اور خود تم پر نازل ہوئیں' وہ سب ہم نے پہلے سے ایک کتاب میں لکھ رکھی ہیں (یعنی پہلے سے وہ ایک منضبط قانون کی صورت میں موجود ہے) اور ایسا کرنا اللہ کے لئے کوئی مشکل بات نہ تھی- (۱)

---

(۱) ''الہلال'' ۱۶/ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۶-

وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا
رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا
الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ ع ۳ ۱۹
وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا
وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً
وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا

(۲۳) (یہ اس لئے بتا دیا ہے) تا کہ جو چیز تمہارے ہاتھ نہ لگے اس پر آزردہ خاطر نہ ہو جاؤ اور جو کچھ وہ تمہیں عطا فرمائے اس پر اتراؤ نہیں' اور اللہ خود ستا، فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا- (۲۴) جو لوگ خود بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں- اور جو روگردانی کرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے- (۲۵) ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل حقہ اور براہین واضحہ کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو اتارا' تا کہ عدل و توازن قائم رہے- اور ہم نے لوہا اتارا کہ اس میں سلطان و نفوذ کی بڑی خوفناکی ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں-[1] اور اس لیے تا کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے- بے شک اللہ قوی اور زبردست ہے- (۲۶) اور بلاشبہ ہم نے نوح اور ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور ان دونوں کی ذریت میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری کر دیا- پھر ان کی نسل میں سے کچھ نے ہدایت اختیار کی اور بہت سے فاسق ہو گئے- (۲۷) پھر ان کے نقش قدم پر ہم نے رسولوں کو' اور ان کے نقش قدم پر عیسیٰ ابن مریم کو چلایا اور اسے انجیل عطا کی- اور ان لوگوں کے دلوں میں' جنہوں نے (مسیحؑ) کی پیروی کی ہم نے شفقت اور رحمت ڈال دی- اور رہبانیت انہوں نے خود پیدا کر لی' ہم نے اس کا حکم نہیں دیا تھا-[۳] سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی خوشنودی طلب کریں-[2] اس کی رعایت جیسا چاہیے تھا انہوں نے ملحوظ نہ رکھی-[3] پھر جو لوگ

۳ آیت ۲۷ سے دین میں رہبانیت کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر فرض نہیں کی گئی تھی بلکہ انہوں نے خود

(۱) ''البلاغ'' ۲۵/فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵- ''الہلال'' ۶/نومبر ۱۹۱۲ء میں اس کا ترجمہ یوں ہے:
''ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کو کتاب اور میزان دی تا کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں- نیز لوہا پیدا کیا جو ہتھیاروں کی شکل میں سخت خطرناک بھی ہے اور نفع رساں بھی!'' (ص ۲۰)

(۲) یہ ترجمہ ''ترجمان القرآن'' جلد اول صفحہ ۱۰۵ نیز دوسرے مقامات سے مرتب کیا گیا ہے-

(۳) محولہ بالا

رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٧﴾ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٨﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ
ع ۴ ٢٠ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾

ان میں ایمان لائے ہم نے ان کا اجران کو عطا کیا اور ان میں بہت سے لوگ فاسق ہیں-(۲۸) اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ' اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دوہرا اجر عطا فرمائے گا- اور تمہیں وہ نور عطا فرمائے گا جس کے ذریعہ سے تم چلو گے اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا' نہایت مہربان ہے-(۲۹) یہ اس لیے بتایا گیا تا کہ اہل کتاب کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے فضل پر انہیں کچھ بھی قدرت نہیں ہے- اور یہ کہ اللہ کا فضل اس کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے' وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے-

---

اپنے اوپر فرض کر لی تھی- اور اس سے بزعم خود وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے- مگر اسلام نے اس قسم کی رہبانیت اور عزلت نشینی کی نفی کی- آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لا رهبانية في الاسلام! کہ رہبانیت ایک غیر اسلامی چیز ہے- اور میری امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے! عیسائیوں نے اس سلسلہ میں دوہری غلطی کی- ایک یہ کہ اپنے اوپر وہ پابندیاں عائد کیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تھا اور پھر ان پابندیوں کی صحیح طور پر رعایت بھی نہ کر سکے-

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دو سو سال تک عیسائی کلیسا رہبانیت سے ناآشنا تھا- مگر مسیحیت میں ایسے تخیلات پائے جاتے تھے جن پر بعد میں رہبانیت کی اساس قائم ہوئی- بلکہ دنیوی کاروبار سے علیحدگی اور تجرد کی زندگی کو افضل سمجھا جاتا تھا- مگر تیسری صدی میں اس تخیل نے ایک فتنے کی شکل اختیار کی اور رہبانیت ایک وبا کی طرح مسیحیت میں پھیل گئی- شہوانیت اور بدکاری کو روکنے کے لیے عورت اور مرد کے باہمی تعلق کو نجس قرار دیا گیا اور مذہب کی توسیع کے لیے بدعات کو فروغ دیا گیا- اولیا پرستی' مسیح اور مریم کے مجسموں کی پوجا' تعویذ گنڈے' جن بھوت نکالنے کا عمل...... یہ سب باتیں عیسائی درویشوں میں مقبول ہو گئیں-

پھر چونکہ تنہا انجیل کے اندر کوئی ضابطہ حیات نہ تھا اس لیے عیسائی علما نے مستعار فلسفوں کو اپنانا شروع کر دیا اور بدھ مذہب کے بھکشوؤں اور جوگیوں' ایران کے مانویوں اور افلاطون کے پیرو اشراقیوں سے بہت سے طور و طریق اخذ کیے- اس طرح قرآن مجید کے زمانہ نزول میں اس مذہب کے بڑے بڑے علما خود راہب اور رہبانیت کے علمبردار بن گئے تھے اور انہی کی کوششوں سے کلیسا میں رہبانیت نے رواج پایا-

یہ رہبانیت کیا تھی؟ سخت ریاضتوں سے اپنے جسم کو تکالیف میں مبتلا رکھتے تھے اور خانقاہوں میں نفس کشی کے لیے مشقتیں کی جاتی تھیں- اس سلسلہ میں ان کی ریاضتیں مشہور ہیں- اور یہی راہب ان کے اولیاء اللہ کہلاتے تھے- اسی بگاڑ کی طرف قرآن مجید نے مختصر الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے-

اٰیَاتُھَا: 22 سُوْرَۃُ الْمُجَادَلَۃِ مَدَنِیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا: 3

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَا وَ تَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ۖ وَاللّٰہُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ
اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ① اَلَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ مِنْکُمْ مِّنْ نِّسَآئِھِمْ مَّا ھُنَّ اُمَّھٰتِھِمْ ؕ اِنْ
اُمَّھٰتُھُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَھُمْ ؕ وَ اِنَّھُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْکَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ
غَفُوْرٌ ② وَالَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِھِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمْ تُوْعَظُوْنَ

(۱) اللہ نے اس عورت کی بات سن لی' جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپ سے جھگڑا کر رہی ہے اور اللہ کی جناب میں شکایت وفریاد کر رہی ہے-[۱] اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے' بے شک اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے-

(۲) تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں' حقیقتاً وہ بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں' ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے- یہ لوگ ایک بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں' بے شک اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے-

(۳) جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو قبل اس کے کہ وہ باہم ملاپ کریں ایک گردن آزاد کرنا ہوگی' اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور جو کام تم کرتے ہو' اللہ ان سے پوری طرح باخبر ہے-

---

[۱] یہ سورہ بھی مدنی ہے- اس سورہ میں قانون ظہار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوہ احزاب ۵ھ کے بعد نازل ہوئی ہے- اور اس سورہ میں مسلمانوں کو ان مختلف مسائل کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں جو اس وقت درپیش تھے:

(الف) ظہار کے شرعی احکام-

(ب) منافقین کی روش پر گرفت-

(ج) آداب مجلس کی تعلیم-

(د) معاشرتی برائیوں سے اجتناب جو اس وقت معاشرہ میں رائج تھیں- مثلاً کسی کے گھر جا کر جم کر بیٹھ جانا اور صاحب خانہ کی مجبوریوں کا لحاظ نہ کرنا- مجلس عام میں بیٹھے ہوئے سرگوشی کرنا-

(ھ) ایک مسلم معاشرہ میں اخلاص کا معیار کیا ہے- وغیرہ-

بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ
فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ
وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ④ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ⑤ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا
ع فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ⑥ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا
فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ
سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا
یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ⑦ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا

---

(۴) پھر جو شخص گردن نہ پائے وہ دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے' قبل اس کے کہ وہ باہم ملاپ کریں' پھر جس کو روزہ رکھنے کی استطاعت بھی نہ ہو' وہ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے- یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ' یہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے حدود ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے-(۵) جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس طرح ذلیل وخوار کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل وخوار کیے جا چکے ہیں- ہم نے صاف صاف احکام نازل کیے ہیں اور کافروں کے لیے رسوا کن عذاب ہے-(۶) اس دن جب اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا پھر ان کو ان اعمال سے آگاہ کرے گا جو انہوں نے کیے تھے- اللہ تعالیٰ نے ان سب اعمال کو شمار کر رکھا ہے اور وہ بھول گئے ہیں- اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے-(۷) (اے مخاطب!) کیا تجھے خبر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی ہر چیز کا علم ہے- جہاں کہیں تین اشخاص گرم راز و نیاز ہیں وہاں ان کا چوتھا خدا ہے- پانچ ہوں تو ان کا چھٹا شریک خدا ہے- اس سے کم یا زیادہ جس تعداد میں بھی ہوں' خدا ان کے ساتھ ہے-[1] پھر قیامت کے دن انہیں بتا دے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے- ع

احادیث میں ہے کہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ظہار کے سلسلہ میں اپنے خاوند اوس بن صامت انصاری کی شکایت کی- اس صحابیہ کی فریاد بارگاہ الٰہی میں مسموع ہوئی اور یہ سورہ نازل ہوئی-

شریعت کی اصطلاح میں ظہار کے معنی ہیں اپنی بیوی کو "انت علی کظهر امی" کہنا کہ "تو میرے اوپر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ" یعنی تجھ سے کبھی مباشرت نہیں کروں گا-

قرآن مجید نے بتایا کہ ظہار سے عورت حقیقی ماں نہیں بن جاتی اور نہ اس کو وہ حرمت حاصل ہو سکتی ہے جو ماں کو حاصل ہوتی ہے-

---

(۱) "الہلال" ۲۰ اگست ۱۹۱۳ء ص ۷-

نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ
يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ
يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨

(۸) کیا آپؐ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشیوں سے منع کیا گیا تھا؟ وہ پھر وہی کرتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا؟ یہ لوگ آپس میں گناہ اور ظلم اور رسول کی نافرمانی کے خفیہ مشورے کرتے رہتے ہیں- اور جب آپؐ کے پاس آتے ہیں تو آپؐ کو ان الفاظ سے سلام کرتے ہیں جن الفاظ سے اللہ نے آپؐ پر سلام نہیں بھیجا- اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں اس پر اللہ ہمیں کیوں عذاب نہیں دیتا؟......ان کے لیے جہنم ہی کافی ہے' اس میں یہ لوگ داخل ہوں گے سو وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے-[۳] (۹) اے ایمان والو جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ' ظلم اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو' بلکہ نیکی اور تقویٰ کی سرگوشی کیا کرو- اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم سب جمع کیے جاؤ گے-[۴]

ظہار پر قرآن مجید نے ہلکی سی سزا تجویز کی اور وہ بھی عبادت اور نیکی کی شکل میں' جس سے لوگوں کی اصلاح ہو' یعنی رقبہ (غلام) آزاد کرنا- اگر یہ نہ کر سکے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے' اور اگر روزہ رکھنے کی ہمت و فرصت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے- یہ ظہار کا کفارہ ہے- اس کے ادا کرنے کے بعد دوبارہ عورت سے مقاربت کر سکتا ہے- ظہار کے مفصل احکام کتب احادیث میں مذکور ہیں-

۲ آیت ۷ میں فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم کے ذریعہ سے ان کے پاس موجود ہوتا ہے- اللہ تعالیٰ کے ''ساتھ ہونے'' کے اس مفہوم پر بعض مفسرین نے اجماع کیا ہے- مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اسلوب تعبیر کی دو حیثیتیں ہیں- حقیقت اور مجاز- محل حقیقت و مجاز میں مختلف حیثیتیں پیدا ہوا کرتی ہیں- اس آیت میں حقیقت اس مجاز سے وابستہ تھی کہ تین ہم صحبتوں کا چوتھا شریک' اور پانچ شرکائے مجلس کا چھٹا جلیس' ان کے مکالمے سے آگاہ ہوتا ہے- ان کی رازداریاں اس پر منکشف ہوتی ہیں اور وہ ان کے خفایائے امور سن اور سمجھ سکتا ہے۔''

۳ منافقین نے مسلم معاشرے میں یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ بہ ظاہر وہ مسلمانوں میں شامل تھے' مگر خفیہ طور پر مسلمانوں سے الگ ایک جتھا بنا رکھا تھا اور آپس میں سر جوڑ کر کھسر پھسر کرنے لگتے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے' طرح طرح کے منصوبے بناتے اور نئی نئی افواہیں تیار کرتے-

اور ان کا یہ بھی رویہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتے تو ''السلام علیکم'' کے بجائے ''السام علیک'' (نعوذ باللہ) کہتے یعنی تجھ پر ہلاکت ہو' اور دل میں سمجھتے کہ اگر یہ اللہ کے رسول ہوتے تو ہماری ان حرکتوں کی بنا پر ہم پر عذاب نازل ہو جاتا- اب چونکہ کوئی عذاب نہیں آتا' لہٰذا یہ اللہ کے رسول نہیں ہیں-

۴ آیت ۹ میں اس امر کی وضاحت کی کہ ''نجویٰ'' سرگوشی بجائے خود ممنوع نہیں ہے بلکہ اس کے جائز و ناجائز ہونے کا انحصار ان

إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ
وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ
فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ
أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ
فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَحِيمٌ ﴿١٢﴾ أَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ ۚ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ
عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾ أَلَمْ تَرَ
ع ٢ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى

(١٠) رازدارانہ سرگوشیاں شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوتی ہیں تاکہ مسلمان اس کی وجہ سے آزردہ خاطر ہوں' حالانکہ بغیر مشیت الٰہی کے یہ سرگوشیاں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں- مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھیں-[1] (١١) اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجالس کو کشادہ کرو تو جگہ کشادہ کر دیا کرو' اللہ تمہارے لیے کشادگی کر دے گا- اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ کر چلے جاؤ تو چلے جایا کرو' جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جن لوگوں نے علم حاصل کیا' سو اللہ تعالیٰ ان کے مدارج کو ترقی دیتا اور ارتفاع بخشتا ہے-[2] اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے-[5] (١٢) اے ایمان والو' جب تم رسولؐ سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو، یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ تر ہے- پھر اگر تم کو کچھ میسر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے- (١٣) کیا تم اس حکم سے ڈر گئے ہو کہ سرگوشی سے پہلے کچھ صدقات دے دیا کرو' پھر جب تم نے ایسا نہ کیا---- اور اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا---- تو اب تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کیا کرو، اور جو کچھ تم کرتے ہو' اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے- (١٤) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اس قوم سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب نازل کیا ہے؟ یہ لوگ پوری طرح نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے ہیں- اور یہ لوگ جان بوجھ کر جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں-

لوگوں پر ہے' جو ایسی بات کرتے ہیں اور حالات اور معاملہ کی نوعیت پر ہے- حدیث میں ہے کہ اگر تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آپس میں کھسر پھسر نہ کریں کیونکہ یہ تیسرے آدمی کے لیے باعث رنج ہوگا-

۵ مطلب یہ کہ سچا ایمان اور صحیح علم آدمی کو ادب و تہذیب سکھلاتا ہے اور اس سے انسان کے درجے بلند ہوتے ہیں-

(١) ''الہلال'' ١٢/ مارچ ١٩١٣ء ص ٦- (٢) ''الہلال'' ١٩-٢٦ اگست ١٩١٤ء ص ١٣-

الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾
اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ
اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾
يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ

---

(۱۵) ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' بے شک وہ کام بہت برے ہیں جو وہ کر رہے ہیں- (۱۶) انہوں نے اپنے بچاؤ کے لیے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے[1] جس کی آڑ میں وہ اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں- لہٰذا ان کے لیے ذلیل وخوار کرنے والا عذاب ہے- (۱۷) ان کے اموال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ سے بچانے کے لیے ان کے کچھ کام نہ آئیں گے' یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے- (۱۸) جس روز اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں- اور یہ لوگ اپنے تئیں سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح موقف پر ہیں- آگاہ رہو کہ یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں-

(۱۹) شیطان (اور اس کی قوتیں) ان پر مسلط ہوگئی ہیں' پس انہوں نے خدا کے ذکر اور اس کے رشتے کو فراموش کر دیا ہے- یہ حزب الشیطان (یعنی شیطان کی جماعت) ہے- اور جان رکھو کہ آخر کار حزب الشیطان کے لیے نقصان اور خسران ہی ہے-[2]

مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''جو قانونِ ارتقاء لامارک' ابن مسکویہ اور ڈارون نے دریافت کیا ہے وہ صرف مخلوقات کے جسم ہی تک محدود ہے- لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کا قانون ارتقاء بتلاتا ہے کہ مرتبہ انسانیت تک پہنچنے کے بعد ارتقائے جسمی تو ختم ہو جاتا ہے اور ارتقائے روحانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے- اور جسم انسانی انسان کا ہیکل اختیار کرنے کے بعد بھی انسان بننے کے لیے بہت کچھ بنتا اور ترقی کرتا رہتا ہے-''

---

(۱) ''الہلال'' ۱۲ مارچ ۱۹۱۳ء-

(۲) ''الہلال'' ۱۵ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۸- نیز دیکھئے ''الہلال'' ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء ص ۸-

وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۞ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۞ لَا
تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا
اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ
وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ
اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ ع

(۲۰) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں ہوں گے-

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ہی غالب ہو کر رہیں گے- بے شک اللہ تعالیٰ قوی اور زبردست ہے-

(۲۲) اے نبیؐ! آپ کبھی ان لوگوں کو' جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کی' خواہ وہ ان کے باپ ہوں' یا ان کے بیٹے' یا ان کے بھائی' یا ان کے عزیز و اقارب ہوں-[۶]

یہی وہ راست باز انسان ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے اپنے ایمان کا نقش جما دیا-[(۱)] اور اپنی روح نصرت و فتح مندی سے ان کی مدد کی (پس اب خوف و ہراس اور ناکامی و نامرادی ان کے لیے نہ رہی) وہ ان کو بہشتوں کی بہشتی زندگی میں داخل کرے گا، وہاں باغ و چمن کا دائمی عیش ہے اور نہروں کی روانی کا نظارۂ رحمت- اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے- یہ اللہ کی جماعت ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے-[(۲)]

۶ آیت ۲۲ میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی کہ ایمان اور کفار سے دوستی یکجا جمع نہیں ہو سکتے - اس لیے جن لوگوں نے اسلام اور مخالفین اسلام سے بیک وقت رشتے جوڑ رکھے ہیں' تو وہ اپنے دعوائے ایمان میں سچے نہیں ہیں- اور جو سچے مومن ہیں انہوں نے یہ رشتے محض اسلام کی محبت کے لیے قطع کر ڈالے ہیں-

(۱) ''البلاغ'' ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۶ - نیز دیکھیے ''الہلال'' ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء، ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء-

(۲) حوالہ مذکور

آیاتُھَا: 24 سُوْرَۃُ الْحَشْرِ مَدَنِیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا: 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ①

(۱) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہی غالب اور بڑی حکمت والا ہے-[۱]

[۱] سورۃ الحشر مدنی ہے اور غزوہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس طرح سورۂ انفال غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئی- اس لیے اس سورہ کا نام سورۃ النضیر بھی منقول ہے- یہ غزوہ ۴ھ میں ہوا- اور غزوہ بیرٔ معونہ کے بعد پیش آیا تھا- اور بیرٔ معونہ کا سانحہ جنگ احد کے بعد رونما ہوا' اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہ ۴ھ کا واقعہ ہے-

تاریخی پس منظر:

عرب کے یہودی دنیا بھر کے یہودیوں سے الگ شمار ہوتے ہیں- اس لیے عرب سے باہر کے یہودی مؤرخین نے ان کا ذکر تک نہیں کیا- اس لیے ان کے حالات ان اقوال سے ماخوذ ہیں جو اہل عرب میں مشہور تھے- ان یہودیوں کا کہنا ہے کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آخری عہد میں یہاں حجاز میں آ کر آباد ہوئے تھے- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو لشکر عمالقہ سے جنگ کے لیے بھیجا تھا انہوں نے اپنے نبی کی نافرمانی کی تھی- لہٰذا دوسرے یہودیوں نے اس لشکر سے مقاطعہ کر دیا- جس کی وجہ سے وہ یثرب میں مقیم رہنے پر مجبور ہو گئے- مگر یہ قصہ خود ساختہ ہے' اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے-

دوسری روایت یہ ہے کہ جب بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ کیا تو اس زمانے میں متعدد قبائل وادی القریٰ، تیماء اور یثرب میں آ کر آباد ہو گئے- دراصل بات یہ ہے کہ جب رومیوں نے فلسطین میں یہودیوں کا قتل عام کیا تھا تو ۱۳۲ء میں بہت سے یہودی قبائل بھاگ کر یثرب میں آ کر آباد ہو گئے اور جوڑ توڑ اور سود خواری کے ذریعہ سے اپنا قبضہ جما لیا-

یثرب میں آباد ہونے والے قبائل میں بنی نضیر اور بنی قریظہ زیادہ مشہور تھے- ان کو مذہبی سیادت حاصل تھی- اس کے بعد ۴۵۰ء یا ۴۵۱ء میں جب یمن میں سیلاب عظیم آیا' جس کا ذکر سورۂ سبا میں ہے' تو قوم سبا کے مختلف قبائل یمن سے نکل کر عرب کے اطراف میں پھیل گئے' جن میں اوس اور خزرج بھی تھے- یہ مدینہ میں آ کر آباد ہوئے اور انہوں نے تدریجاً یثرب پر قبضہ کر لیا- اس بنا پر بنی نضیر اور بنی قریظہ تو یثرب سے باہر جا کر آباد ہو گئے لیکن بنو قینقاع مدینہ ہی کے اندر سکونت پذیر رہے-

ان قبائل نے عربی تہذیب اختیار کر لی اور انہوں نے تجارت وزراعت پر اپنا رسوخ قائم کر لیا- جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو بنی قریظہ اور بنو نضیر اوس کے حلیف تھے اور بنی قینقاع خزرج کے- جنگ بعاث میں اوس اور خزرج کے ساتھ ان کے حلیف بھی برسرپیکار تھے- آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر یہود اور مسلمانوں کے مابین ایک معاہدہ طے کیا جس میں یہ بھی شرط تھی کہ اگر کوئی باہر سے حملہ آور ہو گا تو سب مل کر دفاع کریں گے- مگر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کو اپنا نصب العین بنا لیا اور ہر طرح آپ کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے ہتھکنڈے استعمال کرنے اور ان کے مابین پھوٹ ڈالنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانے لگے خصوصاً

هُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ دِیَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕ مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ
یَّخۡرُجُوۡا وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مَّانِعَتُهُمۡ حُصُوۡنُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا ٭
وَ قَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَهُمۡ بِاَیۡدِیۡهِمۡ وَ اَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ٭ فَاعۡتَبِرُوۡا
یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿۲﴾ وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ كَتَبَ اللّٰهُ

(۲) وہی خدا ہے جس نے اہل کتاب کی اس جماعت کو کہ انتقام الٰہی کی منکر ہو چکی تھی' اس کے گھروں سے (مسلمانوں کے) پہلے ہی اجتماع میں نکال باہر کیا- مسلمان سمجھے تھے کہ نہ نکال سکیں گے' خود ان کو بھی گمان تھا کہ ان کے قلعے خدا سے انہیں بچالیں گے- آخر اس طرح غضب الٰہی نازل ہوا کہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا[1] ان کے دلوں پر ہیبت چھا گئی' اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں ویران کرنے لگے- مسلمانوں نے بھی اس ویرانی میں انہیں مدد دی- جن لوگوں کی آنکھیں ہوں انہیں اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے- (۳) خدا نے اگر ان لوگوں کی قسمت میں اخراج نہ لکھ دیا ہوتا تو دنیا میں ان کو عذاب دیتا اور آخرت میں تو ان کے لیے آگ کا عذاب ہے-

اوس اور خزرج کے درمیان پرانی عداوتوں کو ہوا دیتے تا کہ اسلامی اخوت کا رشتہ تار تار ہو جائے- جب جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو یہود کی دشمنی اور زیادہ بیدار ہوگئی اور بنی نضیر کا سردار کعب بن اشرف مکہ پہنچ کر کفار کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے اکسانے لگا- آخر کار اس کی شرارتوں سے تنگ آ کر آنحضرت ﷺ نے ۳ھ میں محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اسے قتل کرا دیا-

بنو قینقاع نے بھی شرارتیں شروع کر دیں اور مسلمان عورتوں سے برسر عام چھیڑ چھاڑ کرنے لگ گئے- حتی کہ ایک روز ان کے بازار میں ایک مسلمان عورت کو برہنہ کر دیا گیا- جس کے نتیجہ میں ایک مسلمان اور یہودی قتل ہو گئے- بالآخر آنحضرت ﷺ ان کے محلہ میں تشریف لے گئے اور انہیں راہ راست پر آنے کی تلقین کی- مگر انہوں نے الٹے جواب دینے شروع کر دیے- اس کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ نے ۲ھ کے آخر میں ان کے محلّہ کا محاصرہ کر لیا اور انہوں نے پندرہ دن کے اندر ہتھیار ڈال دیے- اب عبداللہ بن ابی منافق ان کی حمایت میں کھڑا ہو گیا اور اصرار کیا کہ ان کو معاف کر دیا جائے- چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کی درخواست قبول کر لی اور انہیں مدینہ بدر ہونے کا حکم دے دیا-

پھر جب ۳ھ میں بدر کا بدلہ لینے کے لیے قریش نے مدینہ پر حملہ کیا تو ان یہودیوں نے دیکھا کہ قریش کی تین ہزار فوج کے مقابلہ میں مسلمان صرف ایک ہزار نکلے ہیں اور ان میں سے بھی تین سو کے قریب منافقین الگ ہو کر پلٹ آئے ہیں تو انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور مدافعت کے لیے مسلمانوں کے ساتھ شریک نہ ہونے کا ارادہ کر لیا- پھر جب اس معرکہ (جنگ احد) میں مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو یہودی اور زیادہ جری ہو گئے- حتی کہ بنی نضیر نے آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی جو عین وقت پر پکڑی گئی تو ان کی اس غداری کی بنا پر انہیں بلا تاخیر الٹی میٹم دے دیا گیا کہ دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جاؤ- اس کے بعد اگر کوئی یہودی مل گیا تو اس کی گردن مار دی جائے گی-

اس حکم کے خلاف عبداللہ بن ابی منافق نے یہودیوں کی پیٹھ ٹھونکی کہ میں دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کروں گا اور بنی قریظہ اور بنی غطفان بھی تمہاری مدد کے لیے آئیں گے- اس لیے تم مدینہ نہ چھوڑو اور یہیں ڈٹ جاؤ- اس بنا پر یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کو جواب دیا کہ ہم مدینہ نہیں چھوڑیں گے' جو کچھ تم سے ہو سکتا ہے کر گزرو!

(۱) ''الہلال'' ۲۳ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۲-

عَلَيْهِمُ الْجَلَاۤءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿٣﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
شَاۤقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۤقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤﴾ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ
لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۤئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٥﴾ وَمَاۤ
اَفَاۤءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ
يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَاۤءُ ۖ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٦﴾ مَاۤ اَفَاۤءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ
اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ
لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۤءِ مِنْكُمْ ۖ وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ
فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٧﴾ لِلْفُقَرَاۤءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ

---

(۴) سبب یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول کی تعلیم سے انہوں نے منہ موڑ لیا- اور جو ایسا کرتا ہوا سے یقین کر لینا چاہیے کہ خدا کا عذاب نہایت سخت ہے-[۱] (۵) (اے مسلمانو!) جن کھجور کے درختوں کو تم نے کاٹ ڈالا یا جن کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا' تو یہ سب اللہ کے اذن سے ہی ہوا- اور (اس لیے ہوا) تا کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ذلیل و خوار کرے-[۳] (۶) ان کے جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بطور فے[۱] عطا کیے' ان پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ- بلکہ اللہ تعالیٰ جن پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے-[۴] (۷) جو کچھ اللہ تعالیٰ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کو بطور فے دلوائے گا وہ اللہ اور رسول اور قرابت

اس پر ربیع الاول ۴ھ میں ان کا محاصرہ کر لیا گیا- بالآخر وہ مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور شام اور خیبر کی طرف چلے گئے- اب صرف بنو قریظہ رہ گئے تھے جو مدینہ سے باہر آباد تھے- اس سورہ میں اسی جلاوطنی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے-

۲ آیت ۲ میں لاول الحشر کے معنی پہلی یلغار کے ہیں- یعنی ابھی مسلمان ان سے لڑنے کے لیے جمع ہی ہوئے تھے اور ابھی کشت و خون کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ جلاوطنی کے لیے تیار ہو گئے-

۳ بنی نضیر کی طاقت مضبوط تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے قلعے اور گڑھیاں ہمیں بچا لیں گی- انہوں نے معاہدہ توڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی- اس بنا پر انہیں مدینہ سے نکل جانے کے لیے دس دن کا نوٹس دے دیا گیا اور بالآخر وہ جلاوطنی کے لیے تیار ہو گئے- انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے گھروں کو برباد کرنا شروع کر دیا اور مسلمان فوج نے محاصرہ کے لیے ان کے باغات کاٹ دیے- اس پر منافقین اور بنو قریظہ اور خود بنو نضیر نے شور مچا دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فساد فی الارض کے مرتکب ہو رہے ہیں-

اس پر آیت نمبر ۵ نازل ہوئی اور بتایا کہ یہ فساد فی الارض نہیں ہے-

۴ بنی نضیر کی جلاوطنی کے بعد جو جائداد حکومت اسلامی کے قبضہ میں آئی اس کے متعلق آیت ۱۰ تک بتایا کہ اس کا انتظام کیسے کیا جائے- چنانچہ واضح فرمایا کہ یہ اموال فے چونکہ کسی لڑائی کے بغیر قبضہ میں آئے ہیں' اس لیے ان کا حکم اموال غنیمت کا نہیں ہے- کتب

---

(۱) ''الہلال'' ۲۳ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۲

أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ؕ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ
يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى
أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٩
وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ
وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١٠ أَلَمْ تَرَ إِلَى ع
الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ

داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ وہ مال تمہارے مال دار طبقہ ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے- اور پیغمبر خدا جس چیز کا تمہیں حکم دیں اسے قبول کرو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ' خدا سے ڈرو- اور خدا سخت عذاب دینے والا ہے-(1)
(۸) (نیز ان اموال فے میں) ان فقراء و مہاجرین کا بھی حق ہے' جو اپنے گھروں اور جائدادوں سے نکال باہر کیے گئے' وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حمایت میں لگے رہتے ہیں- یہی لوگ حقیقی راست باز ہیں-[5]
(۹) اور (ان اموال فے کے وہ لوگ بھی مستحق ہیں) جو ان مہاجرین سے پہلے دار الہجرت میں مقیم ہیں اور وہ ایمان میں نمایاں مقام رکھتے ہیں' جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں وہ ان سے محبت کرتے ہیں- اور مہاجرین کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس سے یہ اپنے دلوں میں کوئی خلش محسوس نہیں کرتے اور مہاجرین کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں' خواہ خود محتاج ہی کیوں نہ ہوں- اور جو لوگ اپنے طبعی بخل و حرص سے بچا لیے گئے تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں- (۱۰) اور (اموال فے میں ان لوگوں کا بھی حق ہے) جو ان (مہاجرینؓ و انصارؓ) کے بعد آئے ہیں' جو کہتے ہیں کہ "اے ہمارے رب' ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں- اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے بغض و عداوت کو جگہ نہ دے- اے ہمارے پروردگار' تو بڑی شفقت کرنے والا' نہایت مہربان ہے- (۱۱) اے نبی! کیا آپؐ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جنہوں نے منافقت کی روش اختیار کی ہے' وہ اپنے بھائی کفار اہل کتاب سے کہتے ہیں' اگر تم جلا وطن کیے گئے تو یقیناً ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کبھی کسی کا

حدیث میں اموال غنیمت اور اموال فے کے مفصل احکام مذکور ہیں-
۵ آیت نمبر ۸ میں انصار کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے اموال کو مہاجرین میں تقسیم کرنے کے لیے پیش کر دیا-

(1) "البلاغ" ۱۱ر فروری ۱۹۱۶ء ص ۳-

لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ
اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۱۱ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ
وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۱۲ لَاَانْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ
صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۱۳ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ
قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ
شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۱۴ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ
اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۱۵ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ
قَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۱۶ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ
خٰلِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۱۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ ع ۲ ۵

کہا نہیں مانیں گے- اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے- مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ سراسر جھوٹے ہیں-[٦]
(۱۲) اگر وہ نکالے گئے تو یہ لوگ ان کے ساتھ ہرگز نہیں نکلیں گے' اور ان سے جنگ چھڑ گئی تو یہ ان کی مدد بھی نہیں کریں گے- اور بالفرض ان کی مدد کریں بھی تو پیٹھ دے کر بھاگ جائیں گے' پھر کہیں سے کوئی مدد نہ پائیں گے- (۱۳) ان منافقین کے دلوں میں اللہ کے خوف سے بڑھ کر تمہارا خوف ہے' یہ اس لیے کہ یہ لوگ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے- (۱۴) یہ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑ سکتے، الا یہ کہ قلعہ بند بستیوں یا دیواروں کے پیچھے چھپے ہوئے ہوں- ان کی آپس کی مخالفت سخت ہے- تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل (ایک دوسرے سے) پھٹے ہوئے ہیں- ان کی یہ حالت اس لیے ہے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں- (۱۵) یہ ان لوگوں کی مثل ہیں جو ان سے کچھ ہی پہلے اپنے کیے کا مزہ چکھ چکے ہیں اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے- (۱۶) اس کی مثال شیطان کی سی ہے کہ اس نے انسان سے کہا کہ کفر وضلالت اختیار کر، جب انسان نے اس حکم کی تعمیل کی تو پھر وہ الگ ہو گیا اور کہنے لگا "مجھے اس کام سے کوئی واسطہ نہیں' میں تیرے کفر سے بالکل بری الذمہ ہوں-[1] میں تو جہانوں کے پروردگار سے ڈرتا ہوں- (۱۷) پھر دونوں کا انجام یہ ہے کہ وہ آگ میں ہمیشہ کے لیے جائیں' اور ظالموں کی یہی سزا ہے- (۱۸) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے

٦ اب یہاں آیت ۱۱ سے منافقین کی کمزوریوں کا بیان شروع ہو رہا ہے- ان کی پہلی کمزوری یہ بتائی کہ وہ بزدل ہیں اور خدا سے ڈرنے کے بجائے لوگوں سے ڈرتے ہیں- پھر یہ لوگ کسی اعلیٰ مقصد کے لیے جمع نہیں ہوئے تھے بلکہ مسلمانوں سے بغض انہیں جمع ہونے پر مجبور کر رہا تھا- لہٰذا بنی نضیر کے محاصرہ میں ان منافقین کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے-

(۱) "البلاغ" ۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۳-

مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا
اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا
مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ
اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ
الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ
يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع

کہ اس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے- (۱۹) اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ' جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا- نتیجہ یہ نکلا کہ اپنے نفس ہی کی طرف سے غافل ہو گئے- یہی لوگ فاسق و بدکار ہیں- (۲۰) اصحاب جنت اور اصحاب دوزخ اپنے اعمال و نتائج میں یکساں نہیں ہو سکتے- کامیاب انسان وہی ہیں جو اصحاب جنت ہیں- (۱) (۲۱) اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی نازل کرتے تو (اے مخاطب) تو اس پہاڑ کو دیکھتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے- یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ فکر و تامل سے کام لیں- (۲۲) وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں- وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے' وہی رحمان اور رحیم ہے- (۲۳) وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ الملک ہے' القدوس ہے، السلام ہے' المومن ہے' المہیمن ہے' العزیز ہے' الجبار ہے' المتکبر ہے اور اس ساجھے سے پاک ہے جو لوگوں نے اس کی معبودیت کے بنا رکھے ہیں- (۲۴) وہ اللہ ہی الخالق ہے' الباری ہے 'المصور ہے '(غرض) اس کے لیے حسن و خوبی کی سب صفتیں ہیں ہے- آسمانوں و زمین میں جتنی بھی مخلوقات ہے سب اس کی پاکی اور عظمت کی شہادت دے رہی ہے- (۲) (۲۵) اور بلاشبہ وہی ہے جو حکمت کے ساتھ غلبہ و توانائی بھی رکھنے والا ہے- (۳)

ے ''اسمائے حسنیٰ'' اللہ تعالیٰ کے لیے جتنے بھی صفات و کمال ہیں انہیں قرآن مجید اسمائے حسنیٰ سے تعبیر کرتا ہے-
اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی کوئی صفت نہیں جو حسن و خوبی کی صفت نہ ہو- ان میں ایسی صفتیں بھی ہیں جو بہ ظاہر قہر و جلال کی صفتیں ہیں- مثلاً جبار' قہار- لیکن قرآن کہتا ہے وہ بھی اسمائے حسنیٰ ہیں- کیونکہ ان میں قدرت و عدالت کا ظہور ہوا ہے- اور قدرت و عدالت حسن و خوبی ہے (یہی وجہ ہے کہ ان آیات میں) صفات رحمت و جلال کے ساتھ قہر و جلال کا بھی ذکر کیا ہے- پھر متصلاً ان سب کو ''اسمائے حسنیٰ'' قرار دیا ہے-

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۱۱۵- (۲) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۱۶۴- (۳) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۱۶۴-

اٰیَاتُھَا : 13 سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا : 2

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ
کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ ؕ اِنْ
کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِھَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ٭ تُسِرُّوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ ٭ وَاَنَا اَعْلَمُ
بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ یَّفْعَلْہُ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ① اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ
یَکُوْنُوْا لَکُمْ اَعْدَآءً وَّیَبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ وَاَلْسِنَتَھُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ ؕ ②

(۱) مسلمانو! اللہ کے اور مسلمانوں کے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ-[۱،۲] کہ ان کے ساتھ محبت واعانت سے[(۱)] پیش آنے لگو، حالانکہ اللہ نے جو سچائی تمہاری طرف بھیجی ہے وہ اس سے انکار کر چکے ہیں اور اس کے دشمن ہیں-[(۲)] وہ رسول کو اور تمہیں محض اس بنا پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے ہو (لہٰذا) اگر تم میری راہ میں جہاد اور میری رضا جوئی کی خاطر (ہجرت کر کے اپنے گھروں سے) نکلے ہو (تو یہ دوستی مت کرو) تم پوشیدہ ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو؟ حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں- اور جو کوئی بھی تم میں سے ایسا کرے گا تو یقین جانو کہ وہ راہ راست سے بھٹک گیا- (۲) اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تمہارے دشمن بن جائیں اور ہاتھ اور زبان سے تمہیں آزار پہنچائیں- اور وہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ-

۱ یہ سورہ مدنی ہے اور صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی- اس سورہ میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر سخت گرفت کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے اہل وعیال کو بچانے کے لیے ایک نہایت اہم جنگی راز سے دشمنوں کو آگاہ کرنے کی کوشش کی- اگر بروقت اس کو ناکام نہ کر دیا جاتا تو فتح مکہ کے موقع پر بہت کشت وخون ہو جاتا-

اس کے بعد ایک اہم معاشرتی مسئلے کا فیصلہ کیا گیا ہے جو اس وقت پیچیدگی پیدا کر رہا تھا- مکہ میں بہت سی مسلمان عورتیں ایسی تھیں جن کے شوہر کافر تھے اور وہ کسی نہ کسی طرح ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ رہی تھیں- اسی طرح مدینہ میں بہت سے مسلمان ایسے تھے جن کی بیویاں کافر تھیں اور وہ مکہ ہی میں رہ گئی تھیں- اب سوال یہ پیدا ہو رہا تھا کہ ان کے درمیان رشتہ ازدواج کا کیا حکم ہے؟ قرآن مجید نے اس کے متعلق فیصلہ فرمایا کہ مسلمان عورتوں کے لیے کافر شوہر حلال نہیں ہیں اور نہ مسلمان مردوں کے لیے کافر بیویاں جائز ہیں-

آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جو عورتیں اسلام قبول کریں ان سے بڑی بڑی برائیوں سے بچنے کا عہد لیا جائے اور وہ آیندہ کے لیے اقرار کریں کہ وہ بھلائی کے ان تمام راستوں کا اتباع کریں گی جن کا انہیں حکم دیا جائے گا-

۲ ابتدائے سورہ میں کافروں سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ ان کے سامنے پیش کیا گیا ہے-

(۱) ''الہلال'' ۱۱/نومبر ۱۹۱۴ء ص ۳- (۲) ''الہلال'' ۱۱/نومبر ۱۹۱۴ء ص ۳-

معانقة ٢ عند المتأخرین ١٣

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ
اِنَّا بُرَءٰۗؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ
وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ
لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا
فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ
ع حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥ عَسَى
اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑦

(۳) قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں تمہیں کچھ فائدہ دیں گی اور نہ تمہاری اولاد (کچھ کام آئے گی)۔ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا- اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سب کو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے- (۴) بے شک تمہارے لیے ایک بہترین نمونہ ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کے اعمال زندگی میں ہے-[1] کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، سخت بیزار ہیں' ہم تمہارے (عقائد باطلہ) کے منکر ہیں- ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے عداوت پیدا ہو گئی- تاوقتیکہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ- مگر ابراہیمؑ کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں تمہارے لیے استغفار کروں گا (اس سے مستثنیٰ ہے) اور میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تیرے لیے کسی شے کا مالک نہیں ہوں- (اور انہوں نے دعا کی کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف سب کی بازگشت ہے- (۵) پروردگار! ہمیں ظالم گروہ کے لیے آزمائشوں کا موجب نہ بنائیو[2] پروردگار' ہمیں بخش دے-[3] بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو سب پر غالب اور حکمت والی ہے-[4] (۶) بے شک تمہارے لیے، کہ اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتے ہو' ان لوگوں کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ ہے- اور جو شخص اس کی طرف سے منہ موڑے تو اللہ تعالیٰ تو انسانوں کے اعمال کا کچھ محتاج نہیں-[5] (۷) اللہ تعالیٰ کے فضل سے کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان' جو تمہارے دشمن ہیں، دوستی پیدا کر دے اور اللہ قدرت والا ہے اور غفور و رحیم ہے-

(۱) ''الہلال'' ۲ نومبر ۱۹۱۲ء-۱۲ نومبر ۱۹۱۳ء کے ''الہلال'' میں ترجمہ یوں ہے: ''بیشک تمہارے واسطے اتباع و پیروی کے لیے ایک بہترین نمونہ اور نصب العین ہے ابراہیم کی زندگی میں-'' (۲) ''ترجمان القرآن' جلد دوم ص ۱۶۷- (۳) ''ترجمان القرآن' جلد اول ص ۳۷ (۴) ایضاً ص ۲۵۴-

(۵) ''الہلال'' ۱۳ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶- ''الہلال' ۹-۱۶ اپریل ۱۹۱۳ء میں یوں ترجمہ کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ تم کو نہیں روکتا کہ تم ان غیر قوموں سے' جنہوں نے تم سے دین کے مخالف جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے وطنوں سے نہیں نکالا، دوستی و نیکی اور انصاف وعدل سے پیش آؤ' بلکہ اللہ تعالیٰ تو عدل وانصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے-'' (ص ۲)

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ
وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ
بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ
يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ
وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا
الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ

(۸) جن لوگوں نے تم سے دین کے لیے جنگ نہیں کی اور تم کو گھروں سے نہیں نکالا اللہ تعالیٰ اس سے نہیں روکتا کہ تم ان کے ساتھ احسان اور بھلائی کرو اور انصاف کے ساتھ پیش آ ؤ' کیونکہ اللہ (تعالیٰ) عدل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے- (۹) اللہ تو تمہیں صرف ان لوگوں سے میل ملاپ رکھنے سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے مقابلہ کیا اور تم کو گھروں سے نکالا' یا تمہارے دشمنوں کی مدد کی- بے شک جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا اس کا شمار (مسلمانوں پر) ظلم کرنے والوں میں ہوگا-[1] (۱۰) اے ایمان والو! جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو ان (کے ایمان) کا امتحان کر لیا کرو، اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے- پھر اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو ان کو کافروں کی طرف واپس نہ کرو' (کیونکہ) نہ وہ عورتیں ان (کافروں) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان عورتوں کے لیے حلال ہیں- اور انہوں نے جو مہر ان کو دیے تھے وہ واپس کر دو- اور ان مہاجر عورتوں سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے جبکہ تم ان کو ان کے مہر ادا کر دو- اور تم خود بھی کافر عورتوں سے زوجیت کا کوئی تعلق قائم نہ رکھو- ہاں جو مہر تم نے ان کو دیا ہو وہ واپس طلب کرو- (اسی طرح) جو مہر انہوں نے دیا ہے وہ (تم سے) واپس طلب کریں- یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے- اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے- (۱۱) اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی عورت تمہارے ہاتھ سے نکل کر چلی جائے (اور وہ اس کا مہر تمہیں واپس نہ کریں)' پھر تمہاری نوبت آ جائے تو تم ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں اتنی رقم دے دو جتنی کہ ان کے دیے ہوئے مہروں کے برابر ہو' اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو-

(۱) ''الہلال'' ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶-

إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا
يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ
مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٢ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا
قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝١٣ ع ۲ ۸ النصف

(۱۲) اے نبیؐ! جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس شرط پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی' اور نہ کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیجیے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعائے مغفرت کیجیے- بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہے-

(۱۳) اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا، جو آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے وہ کافر مایوس ہیں جو قبروں میں مدفون ہیں![۳]

---

[۳] سورہ کے آخر میں اسی مضمون کو دہرایا ہے جس سے سورہ کی ابتداء ہوئی تھی کہ کفار سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھو- یہ لوگ آخرت کے منکر ہیں- جیسا کہ اصحاب قبور کے دوبارہ زندہ ہونے سے کفار بالکل مایوس ہیں-

✱ ✱ ✱

اٰیاتُھَا: 14 | سُوْرَۃُ الصَّفِّ مَدَنِیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا: 2

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ① یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ
تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ
الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ
یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ ؕ
وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ⑤ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ

(۱) جو چیز بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے میں لگی ہوئی ہے اور وہی غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔[ا]

(۲) اے ایمان والو تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟

(۳) خدا کو یہ بات نہایت ناپسند ہے کہ جو تمہارا قول ہو وہ تمہارا فعل نہ ہو۔

(۴) خدا ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس استقلال سے صف بستہ لڑتے ہیں گویا ایک دیوار ہیں جس کے اندر سیسہ پگھلا کر بھر دیا گیا ہے۔[(۱)]

(۵) اور (یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا "اے میری قوم کے لوگو تم مجھے ایذا کیوں دیتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں" پھر جب انہوں نے کج روی اختیار کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۶) اور جب عیسیٰؑ ابن مریم نے کہا "اے بنی اسرائیل! میں اللہ کی طرف سے

ا یہ سورہ بھی مدنی ہے اور غالباً جنگ احد کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس میں مسلمانوں کو ایمان و اخلاص اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جاں نثاری پر ابھارا ہے۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ سے ساز باز رکھنے والے منافقین کو تحدی کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانے کی کتنی ہی کوششیں کر دیکھیں، مگر یہ دنیا میں پھیل کر رہے گا اور رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گا۔

(۱) حوالہ نہیں مل سکا۔ "الہلال" ۲۳ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۹ - نیز ملاحظہ ہو "الہلال" ۲ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۷ - "مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب" ص ۹۷ میں اور بھی تفصیل فرمادی یعنی "اللہ تعالیٰ تو ان کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر اس استقامت اور جماؤ سے لڑتے ہیں گویا ایک دیوار ہے جو تلواروں کے سامنے کھڑی کر دی گئی ہے۔ اور دیوار بھی کیسی؟ جس کی ہر اینٹ دوسری سے سیسہ ڈال کر جوڑ دی گئی ہو۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي
اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ
بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۞ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ
الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى ع ۹

تمہاری طرف بھیجا ہوا آیا ہوں' (میں کوئی نئی شریعت نہیں لایا) بلکہ میرا کام صرف یہی ہے کہ کتاب تورات کی' جو مجھ سے پہلے آ چکی ہے' تصدیق کرتا ہوں اور ایک آنے والے رسول کی خوشخبری دیتا ہوں-[۲] جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمدؐ ہوگا-''[(۱)] مگر وہ جب ان کے پاس صریح دلائل لے کر آیا' تو انہوں نے کہا'' یہ تو کھلا جادو ہے!'' (۷) اور بھلا اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے' حالانکہ اسے اسلام کی طرف دعوت دی جا رہی ہو اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا (۸) پیروان باطل چاہتے ہیں کہ حق وصداقت کا جو نور الٰہی روشن کیا گیا ہے' اسے اپنی مخالفت کی پھونک مار کر بجھا دیں- مگر وہ یاد رکھیں کہ اللہ اپنے اس نور صداقت کی روشنی کو درجہ کمال تک پہنچا کر چھوڑے گا اگرچہ باطل پرستوں کو برا لگے-[۳] [(۲)] (۹) جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے- اگرچہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناپسند ہو-

---

آخر میں اہل ایمان کو تلقین کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح ان کو بھی چاہیے کہ انصار اللہ بنیں تا کہ کفار کے مقابلہ میں ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہو- جس طرح پہلے ایمان والوں کو حاصل ہوئی تھی-

۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا کہ ''میں توراۃ کا مصدق (تصدیق کنندہ) ہوں'' اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ان بشارتوں کا مصداق ہوں جو میری آمد کے متعلق توراۃ میں موجود ہیں- لہٰذا میری مخالفت کے بجائے تمہیں چاہیے کہ میرا خیر مقدم کرو- اور اس کے بعد والے فقرے کو ملا کر پڑھیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میں اللہ کے رسول احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق توراۃ کی دی ہوئی بشارت کی تصدیق کرتا ہوں اور خود بھی ان کے آنے کی بشارت دیتا ہوں- توراۃ میں جو بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مذکور ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے دی گئی ہے- اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی تصدیق کا اعلان کیا ہے- چنانچہ باب ۱۸' آیات ۱۵-۱۹' استثناء میں مذکور ہے:

''میں ان کے لیے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا- اور جو کچھ میں حکم دوں گا' وہ وہی ان سے کہے گا-'' الخ

توراۃ کی یہ صریح پیش گوئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پر چسپاں نہیں ہو سکتی- اس میں حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو یہ ارشاد سنا رہے ہیں کہ میں تیرے لیے تیرے ہی بھائیوں سے ایک نبی برپا کروں گا-'' اور بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد لامحالہ بنو اسمٰعیل

---

(۱) ''الہلال'' ۱۲/ نومبر ۱۹۱۳ء ص ۹ نیز ''الہلال'' ۲۴/ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۶- (۲) ''الہلال'' ۵/ فروری ۱۹۱۳ء ص ۳-

تِجَارَةٍ تُنۡجِيۡكُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُجَاهِدُوۡنَ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ
بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱﴾ يَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ
وَيُدۡخِلۡكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ
الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخۡرٰى تُحِبُّوۡنَهَا ؕ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِيۡبٌ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ لِلۡحَوَارِيّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِيۡۤ اِلَى
اللّٰهِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡۢ بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَكَفَرَتۡ طَّآئِفَةٌ ۚ
فَاَيَّدۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰى عَدُوِّهِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰهِرِيۡنَ ﴿۱۴﴾ ع ۲ ۱۰

(۱۰) اے وہ لوگو! کہ دعوائے ایمان رکھتے ہو (اور کاروبار دنیوی میں مشغول ہو) میں ایک ایسی تجارت بتلاؤں جو تمہیں آنے والے سخت وشدید مصائب عذاب سے بچالے (۱۱) اللہ اور اس کے رسول پر کامل ایمان پیدا کرو اور خدا کی راہ میں اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے جہاد کرو، یہی طریق تمہارے لیے بہتر ہے بشرطیکہ تم (وقت کی مصیبت) کو سمجھو۔ (۱۲) اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تمہارے قصوروں سے درگزر کرے گا اور تم کو کامیابی و بامرادی کے ایسے باغ ہائے نشاط میں پہنچا دے گا جہاں (اشک حسرت و نامرادی کی جگہ عیش مرادکی) نہریں بہ رہی ہوں گی نیز ایسے مکانات طیبہ میں، جو دائمی مسرتوں کے باغوں میں ہیں، تمہیں بسائے رکھے گا' (غور کرو تو) یہی سب سے بڑی کامیابی ہے (۱۳) اس کے علاوہ ایک دوسری نعمت محبوب بھی تمہیں ملے گی۔ یعنی اللہ کی طرف سے غیبی نصرت کا نزول ہوگا اور تم عنقریب فتح مند ہو جاؤ گے (اے پیغمبر) یہ بشارت ہے' مسلمانوں کو پہنچا دو۔ (۱) (۱۴) اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بنو جس طرح عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا تھا'' کون ہے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں میرا مددگار؟'' حواریوں نے جواب دیا تھا'' ہم اللہ کے مددگار ہیں!'' پھر بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا' پھر جو لوگ ایمان لائے تھے' ان کی ہم نے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی' سو وہ غالب ہو کر رہے!

ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہونے کی وجہ سے ان کے بھی رشتہ دار ہیں۔ دوسری بات جو پیش گوئی میں ہے وہ یہ ہے کہ جو نبی برپا کیا جائے گا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہوگا۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کی مانند مستقل شریعت کا حامل ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد گو بہت سے نبی ہوئے ہیں لیکن مستقل شریعت لانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں۔ نیز اس آیت میں حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی نام لے کر آپؐ کی آمد کی بشارت دی ہے۔ اور توراۃ میں فارقلیط (پیراکلیٹس) والی پیش گوئی حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے جس کے معنی ''محمد'' کے ہیں۔ یونانی میں ''برقلیطس'' ہے۔ اصل لفظ سریانی ''منحمنا'' ہے۔ اور برناباس کی انجیل میں تو صاف طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش گوئیاں موجود ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر حقانی و تفہیم القرآن تفسیر سورۃ الصّف!

۳؎ آیت ۸ میں جو پیش گوئی مذکور ہے، یہ اس وقت کی ہے جب اسلام صرف مدینہ تک محدود تھا اور مسلمانوں کی تعداد چند ہزار سے زیادہ

(۱) ''البلاغ'' ۱۱ر فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۰

آیاتُھَا: 11 | سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃِ مَدَنِیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا: 2

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ① ھُوَ الَّذِیْ
بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ
وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ② وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ ؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ
الْحَکِیْمُ ③ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ④ مَثَلُ الَّذِیْنَ
حُمِّلُوا التَّوْرٰىۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ
کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ⑤ قُلْ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ

---

(۱) جو مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں' جو بادشاہ ہے' پاک ذات ہے اور بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔[۱] (۲) وہی ہے جس نے امیوں میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث کیا' جو ان پر خدا کی آیات کی تلاوت کرتا ہے' ان کے اخلاق کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔(۱) حالانکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (۳) اور اس رسولؐ کی بعثت دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے اور وہ اللہ بڑا زبردست' بڑی حکمت والا ہے۔ (۴) یہ (نبوت) اللہ کا فضل ہے' جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔ (۵) جن لوگوں پر تورات (کے علم و فضل) کا بار ڈالا گیا تھا' پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا' ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بڑی بڑی کتابیں اٹھائے ہوئے ہو' جن لوگوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی ان کی مثال (اس سے بھی) بری ہے۔ اور ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔[۳،۲]

نہ تھی۔ اور سارا عرب اس دین کو مٹانے پر تلا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست نے اور بھی حالات خراب کر دیے تھے۔ ایسے حالات میں قرآن مجید نے پیش گوئی فرمائی کہ اللہ کا یہ نور کسی کے بجھائے نہ بجھ سکے گا بلکہ پوری دنیا کو روشن کرے گا۔ یہ پیش گوئی حرف بحرف سچی ثابت ہوئی جو آنحضرت ﷺ کی صداقت پر بہت بڑی دلیل ہے۔

۱ یہ سورہ بھی مدنی ہے۔ ابتدائی حصہ فتح خیبر کے موقع پر یا اس کے بعد نازل ہوا۔ دوسرا رکوع ہجرت کے بعد قریبی زمانہ میں نازل ہوا۔

۲ یہاں "امیین" سے مراد عرب ہیں یا غیر یہودی۔ یعنی جو اہل کتاب نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے پیغمبر بنی اسرائیل سے مبعوث ہوتے رہے۔ اور اب اللہ تعالیٰ نے بنو اسمٰعیل (عربوں) میں اپنا آخری نبی مبعوث فرمایا ہے۔ اس نبی کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی کتاب انہیں پڑھ کر سناتا ہے' کتاب الٰہی کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں مہذب بناتا ہے۔ اور یہ نبی صرف "امیین" ہی کی طرف منسوب نہیں ہے' بلکہ دوسری اقوام عالم کی طرف بھی مبعوث ہے۔

---

(۱) "البلاغ" ۱۱ر فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۰۔

اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ
بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ
ع ۱/۸/۱۱ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩﴾ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ
وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠﴾ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا
انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ
ع ۲/۳/۱۲ الرّٰزِقِيْنَ ﴿١١﴾

---

(۶) (اے پیغمبرؐ) یہودیوں سے کہہ دو کہ اگر تمہیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ تمام بندوں میں سے تم اللہ کے ولی اور دوست ہو تو (اس کی آزمائش یہ ہے کہ خدا کی راہ میں) موت کی آرزو کرو' اگر تم سچے ہو (تو ضرور ایسا کرو گے) (۷) اور یہ (اللہ اور اس کی تعلق داری کا جھوٹا دم بھرنے والے) کبھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں' کیونکہ انہوں نے ایسے کام کیے ہیں جو انہیں موت کے تصور سے ڈراتے ہیں[1] (اور وہ زندگی کی مہلت کو غنیمت سمجھے ہوئے ہیں) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (۸) ان سے کہہ دو' (اے نفس پرستو) جس موت سے تم اس قدر بھاگتے ہو وہ (کچھ تمہیں چھوڑ نہ دے گی)' ایک دن ضرور آئے گی' پھر تم اس خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے۔[2] پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ تم کو اس سے آگاہ کر دے گا۔ (۹) اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لیے ندا کی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے بشرطیکہ تم جانو (۱۰) پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو جاؤ (۱۱) اور (اس کے برعکس) جب انہوں نے تجارت یا کھیل تماشا ہوتے ہوئے دیکھا تو اس کی طرف لپک گئے اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا' ان سے کہہ دیجیے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے' اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔[۶]

اور حکمت سے مراد وہی چیز ہے جسے عام اصطلاح میں سنت یا حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی تعلیم کو آنحضرت ﷺ کے فرائض منصبی میں سے ایک اہم فریضہ قرار دیا ہے۔

۳ آیت ۵ میں بتایا کہ یہود پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا تھا لیکن انہوں نے اس کی تعلیمات اور ہدایات کی پروا نہ کی اور نہ اس پر عمل پیرا ہوئے۔ بلاشبہ تورات علم و حکمت کا خزینہ تھی مگر جب یہ اس سے منتفع نہیں ہوئے تو ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں

---

(۱) ''الہلال'' ۱۵/ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۵۔ (۲) ''الہلال'' ۱۵/ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۵۔

آیاتھا: 11 سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ رُكُوعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ
يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ① اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ
سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا

(۱) اے نبی! جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں[1] اور اللہ جانتا ہے کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں (مگر) اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین یقیناً جھوٹے ہیں! (۲) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے[2]-اس طرح یہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں' بے شک یہ برے کام ہیں جو یہ لوگ کر رہے ہیں-

اور اسے کچھ معلوم نہیں کہ اس کی پیٹھ پر کیا ہے؟

۴ تورات میں جو بشارات نبی آخرالزمان (ﷺ) کے متعلق تھیں اور جو دلائل و براہین آپ ﷺ کی رسالت پر قائم کیے تھے' ان کو جھٹلانا گویا اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جھٹلانا ہے-

۵ یہود اس زعم میں مبتلا تھے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں اور اللہ کے پیارے' ہم تنہا ہی جنت کے حقدار ہیں- اللہ تعالیٰ نے فرمایا' ''اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو تو پھر تم موت کی تمنا کرو' لیکن یہودی اور موت کی تمنا! یہ دو متضاد باتیں ہیں- یہ موت سے ڈرتے ہیں- اس کے برعکس مسلمان شہادت کی تمنا کرتا ہے اور میدان جنگ میں بے دریغ لڑتا ہے- کیونکہ اسے یقین ہے کہ مرنے کے بعد اسے شہادت کا مرتبہ نصیب ہو گا اور جنت نصیب ہوگی!

''اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کے دوستوں کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ جب انہیں جان دینے اور زندگی اور اس کی لذتوں سے دست بردار ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ لبیک کہتے ہیں اور اس طرح دوڑتے ہیں' گویا بھوکوں کو غذا اور پیاسوں کو پانی کی پکار سنائی دی- پر جو جھوٹے ہیں اور اللہ کی ولایت سے محروم' انکار کر دیتے ہیں- اور یہ ان کے جھوٹے ہونے کی مہر ہے جو انہوں نے خود اپنے اوپر لگالی- موت کی تمنا سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ کوئی آدمی موت کو پکارے اور اس کے لیے التجا کرے- مقصود یہ تھا کہ خدا کے لیے اور اس کے کلمہ حق کے لیے ایسے کاموں میں پڑو جن میں جان دینے' اپنا خون بہانے' اپنے جسم کو طرح طرح کی مہلک مشقتوں میں ڈالنے اور زندگی کو عیش و نشاط سے محروم ہونے کی ضرورت ہے-'' (''الہلال'' ۱۵ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۵)

۶ آیت نمبر ۹ تا ۱۱ کا تعلق نماز جمعہ سے ہے- جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کو حرام قرار دیا گیا- اذان سنتے ہی نہایت مستعدی سے جمعہ کے لیے آنا واجب ہے- دوڑنے سے مراد نہایت اہتمام کے ساتھ آنا ہے-

یہود نے ہفتہ کا دن عبادت کے لیے مقرر کر رکھا تھا اور نصاریٰ نے اپنے اجتہاد سے اتوار کا دن مقرر کیا کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اس دن

(۱) البلاغ ۲۵ فروری ۱۹۱۶ء ص ۸- (۲) البلاغ ۲۵ فروری ۱۹۱۶ء ص ۸-

يَفْقَهُوْنَ ۝٣ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ
مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٤

(۳) یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے' لہٰذا ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی' اب یہ لوگ (حق بات کو) نہیں سمجھ پاتے - (۴) اگر تم ان کے ظاہری ڈیل ڈول دیکھو تو نہایت نظر فریب اور موثر نظر آئیں - اور جب بات کریں تو اس طمطراق سے کہ تم بڑی دلچسپی سے سنو- تمہارے سامنے اس طرح جم کر اور ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں گویا لکڑیوں کے کندے ہیں جو کسی سہارے کھڑے کر دیے گئے ہیں- پھر یہ بھی ان کی خاص علامت ہے کہ جب بات کیجیے تو زور کی ہر آواز کو سمجھتے ہیں کہ انہیں للکارا- (۱) آپ ان سے محتاط رہیے' اللہ ان کو ہلاک کرے، یہ کدھر پھرے جا رہے ہیں-[۲]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قبر سے نکل کر آسمان پر چلے گئے تھے- پھر ۳۲۱ء میں رومی سلطنت نے ایک حکم کے ذریعہ سے اتوار کو عام تعطیل کا دن قرار دے دیا- اسلام نے ان دونوں سے الگ جمعہ کا دن اجتماعی عبادت کے لیے خاص کیا-

۱ یہ سورہ بھی مدنی ہے- غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر یا تو دوران سفر میں اس کا نزول ہوا اور یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ پہنچنے کے فوراً بعد اس کا نزول ہوا- اور غزوۂ بنی مصطلق ۶ ھ کا واقعہ ہے-

اس سورہ کا نزول ایک خاص واقعے کے تحت ہوا- جس کی تفصیل کتب حدیث وسیرت میں مذکور ہے- غزوہ بنی مصطلق سے فارغ ہونے کے بعد ابھی لشکر اسلام اسی بستی میں قیام پذیر تھا جو مریسیع نامی کنویں پر آباد تھی کہ کنویں سے پانی لینے پر دو آدمیوں میں جھگڑا ہو گیا- ان میں سے ایک جہجاہ بن مسعود غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ملازم تھے- اور دوسرے صاحب سنان بن وبرا الجہنی تھے جن کا قبیلہ' خزرج کے ایک قبیلے کا حلیف تھا- جہجاہ نے سنان کے ایک لات رسید کر دی- اس پر سنان نے انصار کو مدد کے لیے پکارا' اور جہجاہ نے مہاجرین کو آواز دی- عبداللہ بن ابی منافق نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اوس اور خزرج کو مہاجرین کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا- قریب تھا کہ دونوں فریق آپس میں لڑ پڑتے- شور سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے، آپ نے فرمایا: مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ، دَعُوْهَا فَاِنَّهَا ذَمِيْمَةٌ-

منافقین نے اس واقعہ کو بہت ہوا دی اور کہا کہ ان غریب اور ذلیل لوگوں کو تم نے جگہ دی اور آج یہ تمہارے سر پر سوار ہو رہے ہیں- ان کی مثال ایسی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرنا کہ تجھی کو پھاڑ کھائے- خدا کی قسم' مدینے پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے ذلیل کو نکال دے گا- اس پر یہ سورہ نازل ہوئی-

چنانچہ اس سورہ میں منافقین کی روش پر بہت تنقید کی اور ان کی منافقانہ شہادت کو جھوٹ قرار دیا اور بتایا کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں- مگر یہ لوگ دل سے یہ شہادت نہیں دے رہے، اس لیے جھوٹ ہے- اور یہ جھوٹی قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنے جان و مال کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں-

"قسم کے معنی شہادت اور دلالت کے ہیں- مفسرین متاخرین نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا- وہ اس دھوکے میں پڑ گئے کہ قسم اس چیز کی کھائی جاتی ہے جس میں بڑائی اور عظمت ہو- اس لیے تمام قسموں میں عظمتوں ہی کو تلاش کرتے رہے"-

۲ آیت ۴ میں ان کی علامات کی نشان دہی کی ہے اور ان کو لکڑی کے کندوں کے ساتھ تشبیہ دے کر سمجھایا ہے کہ یہ اخلاق کی روح سے خالی

(۱) الہلال ۲۷ رنومبر ۱۹۱۳ء ص ۳-

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ
مُّسْتَكْبِرُونَ ۝٥ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ لَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ
اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝٦ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ
حَتَّىٰ يَنفَضُّوا ۗ وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ۝٧ يَقُولُونَ
لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝٨ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ع ١ ٨ ١١
ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝٩ وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ
أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ
الصَّالِحِينَ ۝١٠ وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝١١ ع ٢ ١٢

(۵) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے بخشش کی دعا کرے تو یہ لوگ اپنے سر پھیر لیتے ہیں- اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ متکبرانہ انداز میں بے رخی برتتے ہیں (۶) اے نبیؐ! تم ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو (یہ دونوں) ان کے لیے یکساں ہیں' اللہ تعالیٰ ہرگز انہیں معاف نہیں کرے گا' بے شک اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا- (۷) یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس رہتے ہیں ان پر خرچ نہ کرو تا کہ وہ (خود بخود ہی) منتشر ہو جائیں' حالانکہ زمین و آسمان کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں- لیکن منافقین اتنی بات بھی نہیں سمجھتے (۸) یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم مدینہ واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کرے گا' حالانکہ عزت تو صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے لیکن یہ غافل جانتے نہیں (۹) اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے- اور جو ایسا کریں گے تو وہی لوگ سخت نقصان اٹھانے والے ہیں (۱۰) اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو' قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے' اور اس وقت وہ کہے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دے دی تا کہ میں صدقہ دیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا (۱۱) حالانکہ جب کسی جاندار کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیتا- اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے!

ہیں جو اصل جوہر انسانیت ہے- ان کے ضمیر مجرم ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ وہ ایمان کے ظاہری پردے کی آڑ میں منافقت کا کھیل کھیل رہے ہیں؟ اس لیے انہیں ہر وقت دھڑ کا لگا رہتا ہے کہ نا معلوم کب ان کے جرائم کا پردہ فاش ہو جائے-

آج کل کے منافقین مسلمین پر بھی ان تمام علامتوں کو ایک ایک کر کے منطبق کر لیجیے کہ ان کی وضع کیسی شاندار اور قیمتی ہے کہ خواہ مخواہ نظروں میں کھب جاتی ہے' باتیں سنیے' علی الخصوص اس وقت کی، جب مسائل قومیہ واصلاحیہ میں رطب اللسان ہوں، تو معلوم ہوتا ہے کہ دلوں

آیاتھا: 18 سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ رُكُوعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④ اَلَمْ يَاْتِكُمْ

(۱) جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے وہ سب اللہ کی تسبیح میں لگی ہوئی ہے' اسی کی سلطنت ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے-[۱] (۲) وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن ہے، اور جو تم کرتے ہو اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے-[۲] (۳) اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو نہایت حسن و خوبی سے بنائیں[۳] اور سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے-(1) (۴) وہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے -اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو سب اسے معلوم ہے- اور اللہ تعالیٰ سینوں کے حال تک سے بخوبی واقف ہے-

کی باگیں انہی کے ہاتھ میں ہیں- پھر جب کانفرنس کی سٹیجوں پر سرگرم سامعہ نوازی ہوتے ہیں اور پرزور جملے ادا کرنے کے بعد تن کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو واقعی معلوم ہوتا ہے "کانهم خشب مسندة"

آخری علامت یہ بتلائی کہ کوئی بات زور سے کہیے، سمجھیں گے کہ یہ ہماری ہی طرف اشارہ ہے!

۳ آیت ۶ میں بتلایا کہ ان کے حق میں دعائے مغفرت بھی مفید نہیں ہو سکتی - عام آدمی تو کیا، خود اللہ کے رسول ﷺ ان کے حق میں دعائے مغفرت کریں تو بھی انہیں معاف نہیں کیا جا سکتا-

۱ یہ سورہ بھی مدنی ہے- مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے- بعض کے نزدیک اس کا ابتدائی حصہ مکی ہے- اس سورہ میں ایمان وطاعت کی طرف دعوت دی گئی ہے اور اس میں اخلاق حسنہ کی تعلیم ہے-

۲ آیت ۲ میں بتایا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بااختیار مخلوق بنایا ہے- ایمان لانا چاہے تو ایمان لا سکتا ہے اور کفر کرنا چاہے تو کفر بھی اختیار کر سکتا ہے- اس پر کسی قسم کا جبر نہیں ہے-

حدیث میں ہے کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے- اس کے بعد اپنے ماں باپ کے زیر اثر یہودیت یا نصرانیت یا مجوسیت اختیار کر لیتا ہے- بہر حال انسان پیدائشی طور پر گناہگار نہیں ہے' حتیٰ کہ مسیح علیہ السلام کے کفارے کے ذریعہ سے اس کو نجات کی ضرورت ہو بلکہ انسان اپنے ارادہ سے کفر کی راہ اختیار کرتا ہے اور راہ ہدایت بھی۔

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۴۹ (۲) ایضاً ص ۴۱۴-

نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ
تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ
غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا
عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑧ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ
وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑩ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ع

(۵) کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے اس سے پہلے کفر کیا پھر انہوں نے اپنے عملوں کے وبال کا مزہ چکھ لیا اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۶) یہ (دنیا اور آخرت کا عذاب) اس لیے ہے کہ ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آتے رہے مگر انہوں نے کہا ''کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے؟'' اس طرح انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور روگرداں ہو گئے' اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی پروانہ کی- اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے-[۳] (۷) منکرین نے بڑے دعوے سے کہا کہ ''وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے''- آپ فرما دیجیے: ''کیوں نہیں' میرے رب کی قسم' تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے' پھر تمہیں ضرور بتایا جائے گا کہ تم نے کیا کچھ کیا ہے- اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے-'' (۸) سو تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے- اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے- (۹) جب اجتماع کے روز وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا' یہی ہار جیت کا دن ہے-[۱] اور جو شخص اللہ پر ایمان لایا ہو گا اور اس نے نیک عمل کیے ہوں گے' اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس سے دور کرے گا اور اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی' وہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بڑی کامیابی ہے- (۱۰) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی یہ لوگ جہنمی ہیں' اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے- (۱۱) کوئی مصیبت نہیں آتی مگر اللہ تعالیٰ ہی کے اذن سے آتی ہے' جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو صحیح راہ دکھا دیتا ہے- اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے-

---

۳ تخلیق بالحق کا مطلب یہ ہے کہ فطرت کائنات میں تحسین وآرائش کا قانون کام کر رہا ہے' جو چاہتا ہے کہ جو کچھ ہوا ایسا ہو کہ اس میں حسن وجمال اور خوبی وکمال ہو-

---

(۱) الہلال ۹ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۴-

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ
مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا
اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ⑯ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ⑰
ع ۲ ۱۶ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑱

---

(۱۲) اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو' پھر اگر تم روگردانی کرتے ہو تو ہمارے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا مومنوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھیں۔

(۱۴) اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں' سو ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور معاف کر دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۱۵) تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو (تمہارے لیے) آزمائش ہیں اور اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔

(۱۶) لہٰذا جس قدر تم میں استطاعت ہو' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور (اس کا) حکم سنو اور اطاعت بجا لاؤ اور اپنے مال خرچ کرتے رہو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا- اور جو لوگ نفسانی بخل سے محفوظ رہے' بس وہی فلاح پانے والے لوگ ہیں۔

(۱۷) اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر (اس کا اجر) عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا- اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی قدر دان اور بڑے تحمل والا ہے۔

(۱۸) وہ غائب اور حاضر ہر چیز کو جانتا ہے زبردست اور بڑی حکمت والا ہے!

✲ ✲ ✲

---

۳ آیت نمبر ۶ میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نشان صداقت لے کر آتے رہے- مگر انہوں نے یہ کہہ کر ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا کہ یہ تو ہمارے جیسے بشر ہیں ہماری ہدایت کے لیے تو کوئی فرشتہ آنا چاہیے تھا-

اٰيَاتُهَا: 12 | سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا
تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ
وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① فَاِذَا

---

(۱) اے نبیؐ! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو ان کی عدت کا خیال کرتے ہوئے طلاق دو اور (طلاق کے بعد ان کی) عدت کا شمار کرتے رہو[1] [2] اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے' تم مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں- یہ (احکام) اللہ کے (مقرر کردہ) حدود ہیں، اور جو بھی اللہ تعالیٰ کے حدود سے

---

[1] یہ سورہ بھی مدنی ہے- مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ سورۃ البقرۃ کی ان آیات کے بعد نازل ہوئی ہے جن میں طلاق کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں-

اس سورہ میں زیادہ تر طلاق کے احکام دیے گئے ہیں- اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے سورۃ النساء القصریٰ کہا ہے- گویا سورۃ البقرۃ کے بعد جس قدر عائلی قوانین رہ گئے تھے یا نئے پیدا ہوئے تھے' اس سورۃ میں ان کی تکمیل کر دی گئی ہے-

[2] عورت کو طلاق ایسے وقت میں دینی چاہیے جب عدت کا آغاز ہو سکے- یعنی حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے بلکہ ایسے طہر میں طلاق ہو جس میں عورت سے مجامعت نہ کی گئی ہو- چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی جبکہ وہ حیض کی حالت میں تھی- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا' ''اسے کہو کہ رجوع کر لے پھر جب حیض سے پاک ہو جائے اور اس میں مباشرت نہ کی ہو تو طلاق دے- یہ وہ عدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے-''

اس حدیث مرفوع اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے اقوال سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں عدت سے مراد وہ طہر ہے جس میں عورت سے مباشرت نہ کی گئی ہو' یا عدت سے مراد وہ زمانہ ہے جبکہ عورت کا حمل ظاہر ہو چکا ہو' کیونکہ ایسی صورت میں احصائے عدت، وضع حمل سے ہوگا-

پھر جب عورت کو طلاق رجعی ہو جائے تو اختتام عدت تک عورت کا نان ونفقہ اور سکونت کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوں گے- ہاں اگر عورت کسی فاحشہ (فحش گناہ) کی مرتکب ہو جائے تو ایسی صورت میں خاوند اسے اپنے گھر سے نکال سکتا ہے- فاحشہ سے مراد زنا ہے- بعض نے فاحشہ کی تعبیر ''بدزبانی'' سے بھی کی ہے-

بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ
وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ۬ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ
یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾ وَالّٰٓـِٔیْ یَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ
ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ
حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ﴿۴﴾ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ

تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا' تم نہیں جانتے شاید اللہ تعالیٰ اس (طلاق دینے) کے بعد کوئی نئی صورت پیدا کر دے-

(۲) پھر جب وہ (مطلقہ عورتیں) اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو معروف کے مطابق یا تو ان کو (نکاح میں) روک رکھو اور یا معروف کے مطابق ان کو الگ کر دو، اور اپنے میں سے دو صاحب عدل آدمیوں کو گواہ بنالو اور اللہ کے لیے گواہی ٹھیک ٹھیک ادا کرو یہ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے- اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے خلاصی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر دے گا-

(۳) اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں سے (کچھ ملنے کا) اسے خیال تک نہ ہو- اور جس نے اللہ پر بھروسہ کیا سو اللہ کی اعانت ونصرت اس کے لیے بس کرتی ہے-[1] بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے' بلا شبہ اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے-

(۴) اور تمہاری عورتوں میں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے- اسی طرح ان عورتوں کی عدت بھی تین مہینے ہے جن کو ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا- اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے- اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دیتا ہے-

---

آیت کے جملہ "لا تدری لعل الله یحدث بعد ذلك امرا" سے ثابت ہوتا ہے کہ طلاق بائنہ کی صورت میں عورت حق سکنی سے محروم ہو جاتی ہے اور فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے-

طلاق اور رجعت دونوں صورتوں میں گواہ بنانا ضروری ہے- ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ بغیر شہادت کے طلاق ورجوع جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا' ایسی طلاق اور رجوع جو شہادت کے بغیر ہو' سنت کے خلاف ہے-

---

(۱) "الہلال" ۲۸ جنوری ۱۹۱۴ء ص ۷-

اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴿۵﴾ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ
وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ
حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ
تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ﴿۶﴾ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ
فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿۷﴾ ع ۱۷
وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا

(۵) یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہاری طرف نازل کیا ہے- اور جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے گناہ اس سے دور کر دے گا اور اس کا بڑا اجر دے گا-[۳]

(۶) تم ان مطلقہ عورتوں کو (زمانہ عدت میں) اپنی بساط کے مطابق اسی جگہ رکھو جہاں تم خود رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو- اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے رہو جب تک کہ وہ اپنا حمل وضع نہ کر لیں-

پھر اگر وہ تمہارے لیے بچہ کو دودھ پلائیں تو ان کی اجرت انہیں دو اور مناسب طور پر باہمی مشورہ سے (اجرت کا معاملہ) طے کر لو- لیکن اگر تم دونوں (اجرت کے طے کرنے میں) دشواری پیدا کرو گے تو اس بچے کو دوسری عورت دودھ پلاوے گی-

(۷) صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے- اور جو تنگ دست ہو تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے، اس کو اسی میں سے خرچ کرنا چاہیے- اللہ نے جتنا کچھ کسی کو دیا ہے، اس سے زیادہ کی اسے تکلیف نہیں دیتا- اللہ تعالیٰ تنگ دستی کے بعد فراخ دستی بھی عطا کر دیتا ہے-

(۸) اور کتنی ہی آبادیاں تھیں جن کے رہنے والوں نے اپنے پروردگار اور اس کے رسولوں کی صداقتوں سے سرتابی کی اور عصیان وطغیان پر اتر آئے- تب ہم نے بڑی سختی کے ساتھ ان کے کاموں کا حساب لیا اور (انہیں) بڑے ہی سخت عذاب[۴] میں گرفتار کیا-[(1)]

[۳] وہ مطلقہ عورتیں جو کبر سنی کی وجہ سے حیض سے مایوس ہو چکی ہوں، ان کی مدت تین مہینے ہے- یہی حکم ان عورتوں کا ہے جو ابھی تک حیض

(1) ''الہلال'' ۱۹- ۲۶ راگست ۱۹۱۴ ص ۱۱- نیز ''الہلال'' ۲۴ رفروری ۱۹۱۴ء-

نُّكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا مع
عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ
وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿١١﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ
يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾ ع ۲

(۹) بالآخر ان کے اعمال کا وبال ان کے آگے آیا اور (وہ گو طاقت اور عظمت میں بہت بڑھ چکے تھے) لیکن ان کا انجام کار گھاٹا ہی گھاٹا ہوا-(۱)

(۱۰) اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' پس اے دانشمند لوگو! (یعنی) ایمان والو' تم خدا سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نعمت نازل کی ہے-(۱۱) ایک ایسا رسول جو تم کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے' جو احکام الٰہی کو واضح کرنے والی ہیں' تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے- اور جو بھی اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے' اللہ اسے جنتوں میں داخل کرے گا' جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی' یہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے' بیشک اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عمدہ رزق تیار کر رکھا ہے-(۱۲) اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی طرح زمین کو بھی پیدا کیا- ان آسمانوں اور زمین میں اللہ کا حکم نازل ہوتا رہتا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے!

کی عمر کو نہ پہنچی ہوں- اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے-

۴ آیت ۸ میں بتایا ہے کہ جن قوموں نے اپنے رسولوں کی نافرمانی کی وہ تباہ و برباد ہو گئیں- اس لیے جو احکام بیان کیے گئے ہیں ان کی پابندی کرو- ایسا نہ ہو کہ تم بھی اللہ کے عذاب کے مستحق ہو جاؤ-

---

(۱) ''الہلال'' ۴ر فروری ۱۹-۲۶ر اگست ۱۹۱۴ء ص ۱۱-

آیاتُھا: 12 سُوْرَۃُ التَّحْرِیْمِ مَدَنِیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا: 2

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱
قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ ۚ وَاللّٰہُ مَوْلٰىکُمْ ۚ وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ۝۲ وَ اِذْ اَسَرَّ

(۱) اے پیغمبرؐ! تم اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے اس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہے؟[1] (۲) اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے- بیشک اللہ نے تمہارے لیے فرض کر دیا ہے کہ اپنی قسموں کو کھول دو- وہ تمہارا دوست ہے اور سب باتوں کو جاننے والا اور ان کی حکمتوں پر نظر رکھنے والا-

---

[1] یہ سورہ مدنی ہے اور اس میں واقعہ تحریم کا ذکر ہے- قرآن مجید نے یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ حرام کردہ چیز کیا تھی- اس بنا پر مفسرین نے اس کی تعیین میں دو مختلف مواقع ذکر کیے ہیں- ایک واقعہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی تحریم کا ہے اور دوسرا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد نہ کھانے کا ہے-

ماریہ لونڈی تھیں جو مقوقس شاہ مصر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۷ھ میں بطور ہدیہ پیش کی تھی- ایک روز حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں ان سے مباشرت پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے احتجاج کیا- اس کے نتیجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دوبارہ استمتاع نہ کرنے کی قسم کھائی- جس پر یہ آیات نازل ہوئیں- اس سبب نزول کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تحریم کا واقعہ ۷ھ کے بعد پیش آیا-

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف الفاظ کے ساتھ اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شہد کی تحریم والا واقعہ زیادہ صحیح ہے-

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اس سورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کئی واقعات پیش آئے تھے:

۱- ازواج مطہراتؓ اور علی الخصوص دو بیویوں کا طلب نفقہ کرنا- ۲- افشائے راز- ۳- کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینا-

یہ تین الگ الگ واقعات ہیں- اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلاء کرنا اور بیویوں سے کنارہ کش ہونا صرف پہلے واقعہ (نفقہ) کا نتیجہ تھا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد ازواج مطہراتؓ کے ہاں تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے جایا کرتے تھے- ایک مرتبہ کئی دن حضرت زینبؓ کے ہاں زیادہ بیٹھے- معلوم ہوا کہ حضرت زینبؓ شہد پیش کرتی تھیں- بعض ازواج نے بہ تقاضائے رشک بشری یہ تدبیر اختیار کی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے ہاں سے اٹھ کر آئیں تو کہا جائے' آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے- مغافیر کے پھول سے شہد کی مکھیاں شہد چوستی ہیں اور اس کی بو اچھی نہیں ہوتی- یہ سن کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قسم کھائی کہ آئندہ شہد نہ کھائیں گے-

توسیع نفقہ ہی کے سلسلہ میں سورۂ احزاب کی آیۂ تخییر نازل ہوئی- یعنی ازواج (مطہرات) کو اختیار دیا کہ چاہیں تو دنیا لے لیں اور چاہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں رہیں اور آخرت لیں- معاملہ یہاں تک پہنچا تو سب نے بالاتفاق آخرت کو ترجیح دی-

النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ
عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۳ اِنْ تَتُوْبَآ
اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝۴ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا
مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ
لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا
الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى ع

(۳) اور جب کہ پیغمبرؐ نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور اس نے فاش کر دی اور خدا (تعالیٰ) نے پیغمبرؐ کو اس کی خبر دے دی، تو پیغمبرؐ نے اس بات کا کچھ حصہ تو جتا دیا اور کچھ کو نظر انداز کر دیا، پھر جب پیغمبرؐ نے اسے جتایا تو یہ سن کر بیوی نے پوچھا کہ آپ کو کس نے خبر دی؟ فرمایا، اس خدا نے جس کے علم و خبر سے کوئی چیز باہر نہیں۔ (۴) اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو (تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) کیونکہ تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر رسول اللہ کے مقابلے میں ایکا کرو گی تو جان لو کہ خدا ان کا مددگار ہے اور جبریلؑ اور نیک مسلمان بھی ان کے ساتھ ہیں اور سب کے بعد ملائکہ الٰہی بھی انہی کے مددگار ہیں۔[1] (۵) اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دے تو بعید نہیں کہ اس کا رب تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں اس کو دے دے جو مسلمان، با ایمان، اطاعت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار اور روزہ دار ہوں (کچھ) شوہر دیدہ (بیوہ، مطلقہ اور کچھ) باکرہ ہوں۔ (۶) اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر نہایت تندخو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہیں۔ جو حکم اللہ تعالیٰ ان کو دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو بھی حکم انہیں دیا جاتا ہے بجا لاتے ہیں۔ (۷) (اس روز کہا جائے گا) اے کافرو! آج کوئی عذر پیش نہ کرو، تم کو صرف انہی اعمال کی سزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے![2]

[2] آیت ۶ میں تنبیہ کی ہے کہ ایک شخص کی صرف یہی ذمہ داری نہیں ہے کہ اپنی ذات کو خدا کے عذاب سے بچانے کی کوشش کرے، بلکہ اس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ جس خاندان کی سربراہی کا بوجھ اس پر ڈالا گیا ہے اس کو بھی اس سے بچانے کی کوشش کرے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے معاملہ میں جواب دہ ہے۔ حکمران راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کے معاملہ میں جواب دہ ہے۔ اسی طرح مرد اپنے تمام گھر والوں کا راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے، اور عورت اپنے شوہر کے بچوں اور گھر کی راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے۔

(۱) الہلال، ۲۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۶ - ۸ نیز ۱۵ر جولائی ۱۹۱۳ء ص ۱۲۔

رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ
النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا
وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٨﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ
وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ
كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ
ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿١٠﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ
رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١١﴾
وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ
بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿١٢﴾

وقف لازم ع ۲

(۸) اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے خالص توبہ کرو- بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ تم سے دور کردے اور تمہیں جنتوں میں داخل فرمائے' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی [3]- اور وہ (نتائج وعواقب امور کا) دن' جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا اور ذلیل نہیں کرے گا- ان کے ایمان کی روشنی ان کے آگے اور داہنی طرف ساتھ چل رہی ہوگی' ان کی زبان پر یہ دعائیں ہوں گی کہ خدایا! اس روشنی کو ہمارے لیے آخر تک رکھیو اور ختم نہ کر دیجیو- نیز ہمارے قصوروں کو معاف کر دیجیو! بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے! [1] ......اے نبی! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور (وہ بہت برا ٹھکانا ہے)- (۱۰) اللہ تعالیٰ، کفار کے لیے نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کی مثال بیان فرماتا ہے' وہ ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کی زوجیت میں تھیں- پھر ان دونوں نے ان نیک بندوں سے خیانت کی اور وہ دونوں اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے' اور ان دونوں (عورتوں) سے کہہ دیا گیا کہ جاؤ آگ میں داخل ہونے والے لوگوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ- [4] (۱۱) اور اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرماتا ہے' جب اس نے دعا کی ''اے میرے رب! میرے لیے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچا لے اور اس ظالم قوم سے مجھے نجات عطا فرما!'' (۱۲) اور عمران کی بیٹی مریمؑ کی مثال (بھی) بیان فرماتا ہے' جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی' پھر ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی- اور مریم نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزار لوگوں میں سے تھی! [5]

[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''خالص توبہ یہ ہے کہ جب تم سے کوئی قصور سرزد ہو جائے تو اس پر ندامت کا اظہار کرو' شرمندگی کے ساتھ اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور آئندہ کبھی اس فعل کا ارتکاب نہ کرو!''

(۱) ''الہلال'' ۲۵ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۶-۸ نیز ۱۵ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۱۲-

ایاتھا: 30 | سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۨ ① الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ
لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ② الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا

(۱) بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں سارے جہان کی سلطنت ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔[۱]
(۲) جس نے موت اور زندگی (دونوں) اس لیے بنائیں کہ تمہیں آزما کر دیکھے کہ کون تم میں سے بہتر عمل کرتا ہے (اور کون برے؟) اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''توبہ نصوح یہ ہے کہ اس کے بعد گناہ کا ارتکاب تو درکنار، اس کا ارادہ بھی نہ کرو- آیت ۸ میں اسی توبہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے-

۴ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی خیانت اخلاقی نہ تھی کہ انہوں نے کسی بدکاری کا ارتکاب کیا تھا' بلکہ ان کی خیانت دینی تھی- یعنی انہوں نے ایمان لانے میں ان کا ساتھ نہیں دیا تھا- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:
''کسی نبی کی بیوی کبھی بدکار نہیں رہی ہے-

۵ آخری آیت میں یہودیوں کے اس الزام کی تردید ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معاذ اللہ کسی گناہ کا نتیجہ ہے- سورۂ نساء آیت: ۱۵۶ میں ان کے اس الزام کو بہتان عظیم قرار دیا ہے-

۱ سورۃ الملک مکی ہے اور مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی تنزیلات سے ہے-
اس دور کی سورتوں کی خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد بیان کرتی ہیں:
(الف) کائنات عالم کا نظام نہایت محکم ہے اور اس میں کوئی نقص یا خلل نہیں-
''یہ خوبی اور اتقان (کائنات ہستی کا درستی اور استواری کے ساتھ ہونا) اس لیے ہے کہ رحمت رکھنے والے کی کاریگری ہے اور رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ حسن و خوبی ہو' اتقان و کمال ہو' نقص و ناہمواری نہ ہو''[(۱)]
(ب) کفر کے نتائج ہولناک ہوں گے جو آخرت میں نکلنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو بھیج کر ان سے خبردار کر دیا ہے-
(ج) خالق اپنی مخلوق سے بے خبر نہیں ہے- وہ ہر کھلی اور چھپی بات حتیٰ کہ دلوں کے خیالات تک سے واقف ہے-
(د) انسان کو چاہیے کہ اپنے پیش پا افتادہ حقائق پر غور کرے-
(ہ) آخر کار تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے-
(و) دنیا میں مرنے اور جینے کا یہ سلسلہ امتحان کے لیے ہے-

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۷-

تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ
كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ④ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ
وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ⑤ وَلِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ
عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ⑥ اِذَآ اُلْقُوْا فِیْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِیْقًا وَّهِیَ تَفُوْرُ ۙ⑦ تَكَادُ تَمَیَّزُ
مِنَ الْغَیْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ⑧ قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا
نَذِیْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۚۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ⑨ وَ قَالُوْا لَوْ
كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ⑩ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ

(۳) جس نے تہ بر تہ سات آسمان بنادیے (اے دیکھنے والے!) تم الرحمٰن کی بناوٹ میں (کیونکہ یہ اس کی رحمت ہی کا ظہور ہے) کبھی کوئی اونچ نیچ نہیں پاؤ گے (اچھا نظر اٹھاؤ اور اس نمائش گاہ صحت کا مطالعہ کرو) ایک بار نہیں، بار بار دیکھو- کیا تمہیں کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے؟[۲] (۴) تم یکے بعد دیگرے دیکھو! تمہاری نگاہ اٹھے گی اور عاجز و درماندہ ہو کر واپس آ جائے گی لیکن کوئی نقص نہیں نکال سکے گی-[۳] (۵) دیکھو ہم نے دنیا کے آسمان (کرۂ ارضی کی فضا) کو ستاروں کی قندیلوں سے خوش منظر بنایا اور انہیں شیاطین کو بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے[(۱)] اور (آخرت میں) ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے- (۶) اور جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کے لیے (بھی) جہنم کا عذاب ہے اور (وہ بہت ہی) برا ٹھکانا ہے- (۷) جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کے دھاڑنے کی آوازیں سنیں گے اور وہ (ایسی) بھڑک رہی ہوگی (گویا) (۸) مارے جوش کے پھٹ پڑے گی جب بھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا تو دوزخ کے کارندے ان سے پوچھیں گے" کیا (خدا کے عذاب سے) ڈرانے والا (کوئی پیغمبر) تمہارے پاس نہیں آیا تھا؟" (۹) وہ جواب دیں گے "ہاں ڈرانے والا تو ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے (اسے) جھٹلا دیا اور کہا کہ خدا نے تو کچھ بھی نازل نہیں کیا ہے، بلاشبہ تم بہت بڑی گمراہی میں ہو"- (۱۰) اور (یہ بھی) کہیں گے "اگر ہم (پیغمبر کی بات) سنتے اور سمجھتے تو (آج) اہل دوزخ میں شامل نہ ہوتے!"

۲ تفاوت کے معنی عدم تناسب کے ہیں یعنی پوری کائنات میں کہیں بھی تمہیں بے نظمی اور بے ربطی نظر نہیں آئے گی-

۳ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہی تارے شیطانوں پر مارے جاتے ہیں اور نہ یہ مطلب ہے کہ شہاب ثاقب صرف شیطانوں کو مارنے کے لیے گرتے ہیں- بلکہ مطلب یہ ہے کہ تاروں سے جو شہاب ثاقب نقل ہو کر کائنات میں گھومتے رہتے ہیں وہ اس امر میں مانع ہیں کہ زمین کے شیطان عالم بالا میں جا سکیں-

(۱) "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۸۶-

السَّعِيْرِ ﴿١١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١٢﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ
اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٣﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٤﴾ هُوَ ع
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿١٥﴾
ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿١٦﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي
السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿١٧﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿١٨﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؕ مَا وقف منزل وقف لازم وقف غفران
يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ﴿١٩﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ
مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿٢٠﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ

---

(۱۱)اس طرح وہ اپنے قصور کا خود ہی اعتراف کر لیں گے' سو دوزخیوں پر (اللہ کی) پھٹکار ہو- (۱۲) (دوسری طرف) جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' ان کے لیے (آخرت میں) مغفرت ہے اور (علاوہ مغفرت کے) بڑے اجر (یعنی جنت ہے) (۱۳)اور تم خواہ چپکے سے بات کہو یا پکار کر کہو' وہ تو تمہارے دلوں کے خیالات (تک) سے واقف ہے- (۱۴) بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو ذات پیدا کرے وہی (اپنی مخلوق کی حالت کو) نہ جانے؟ حالانکہ وہ (بڑا) باریک بیں (اور) باخبر ہے- (۱۵)وہی (خدا تو) ہے جس نے زمین کو تمہارے (چلنے پھرنے کے) لیے نرم ہموار کر رکھا ہے- پس (جدھر چاہو) اس کے وسیع راستوں پر چلتے پھرتے رہو اور خدا کا دیا ہوا رزق (مزے سے) کھاؤ اور (یہ یاد رکھو کہ قیامت کے دن) اسی کے حضور تمہیں زندہ ہو کر جانا ہے- (۱۶-۱۷) خدا جو آسمان میں ہے کیا تمہیں اس کے جلال سے ڈر نہیں کہ زمین میں تم کو دھنسا دے اور وہ بڑی جھکولے مارا کرے؟ یا جو آسمان میں ہے تمہیں اس کے غضب کا خوف نہیں رہا کہ تم پر پتھراؤ کرے؟ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہمارا ڈرانا کیسا تھا؟ ل (۱) (۱۸)اور ان سے (یعنی کفار مکہ سے) پہلے بھی جو لوگ گزر چکے ہیں (وہ اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکے ہیں- پھر دیکھ لو کہ میری نکیر ان پر کیسی (تباہ کن ثابت) ہوئی؟ (۱۹) کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو پر کھولے اور سمیٹے ہوئے اڑتے نہیں دیکھا؟ انہیں الرحمٰن کے سوا کون تھامے ہوئے ہے؟ اللہ کی نظروں سے کوئی چیز مخفی نہیں- (۲) (۲۰) (لوگو) بھلا (خدائے) رحمان کے سوا کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر (مصیبت کے وقت) تمہاری مدد کرے؟ (بلاشبہ) کافر تو نرے (شیطان کے) فریب میں پڑے ہوئے ہیں-

---

(۱) الہلال ۲۸ مئی ۱۹۱۳ء ص ۵-　　(۲) حوالہ محفوظ نہیں رہا-

رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ
قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى
هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا
رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ
اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ
اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ
مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲

(۲۱) یا پھر کون ہے جو تمہیں روزی دے اگر (خدائے) رحمان اپنی روزی روک لے؟ دراصل یہ کافر تو سرکشی اور (حق سے) گریز پر اڑے ہوئے ہیں- (۲۲) بھلا (تم ہی بتاؤ) ایک شخص منہ اوندھا کیے چلا جا رہا ہو وہ زیادہ راہ پانے والا ہے یا وہ شخص جو سیدھا راہ راست پر چل رہا ہو؟ (۲۳) کہہ دو کہ اسی کی ذات خالق کائنات ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے (اندر حواس ظاہری) کان آنکھیں اور دل اور ان کی قوتیں ودیعت کیں[1] مگر تم لوگ کم ہی (ان نعمتوں کا) شکر ادا کرتے ہو- (۲۴) ان سے کہو وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا رکھا ہے اور (قیامت کے دن) اسی کے حضور جمع کیے جاؤ گے- (۲۵) اور یہ (کافر مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ، یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ (۲۶) آپ کہہ دیجیے' اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' میں تو صاف ڈرانے والا ہوں اور بس! (۲۷) پھر جب یہ اس کو (یعنی قیامت کو) قریب سے دیکھیں گے تو (مارے ہیبت کے) ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا یہی وہ (عذاب) ہے جس کے لیے تم (پیہم) تقاضے کیا کرتے تھے- (۲۸) اے پیغمبر! ان سے کہہ دیجیے' بھلا دیکھو تو (سہی) اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہماری حالت پر رحم فرمائے' تو کوئی ہے جو کافروں کو دردناک عذاب سے بچالے گا؟ (۲۹) ان سے کہہ دیجیے وہ (خدا) بڑا رحم کرنے والا ہے' ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے لہٰذا عنقریب ہی تمہیں پتہ چل جائے گا کہ (ہم دونوں فریقوں میں) صریح گمراہی میں کون ہے (اور کون ہدایت پر ہے؟) (۳۰) ان سے کہہ دیجیے! بھلا تم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ تمہارا پانی (جو تم پیتے ہو) اگر زمین میں نیچے اتر جائے تو کون ہے جو تم کو نتھرا (یا بہتا ہوا) پانی لا کر دے گا؟

(۱) ''البلاغ'' ۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۶-

اٰیاتُھَا: 52	سُوْرَۃُ الْقَلَمِ مَکِّیَّۃٌ	رُکُوْعَاتُھَا: 2

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳
وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝۴ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ ۝۵ بِاَیِّیْکُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ
اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ ۠ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ ۝۷ فَلَا تُطِعِ الْمُکَذِّبِیْنَ ۝۸ وَدُّوْا لَوْ
تُدْھِنُ فَیُدْھِنُوْنَ ۝۹ وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّھِیْنٍ ۝۱۰ ھَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِیْمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ
مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ۝۱۲ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ ۝۱۳ اَنْ کَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِیْنَ ۝۱۴ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا
قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۵ سَنَسِمُہٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ ۝۱۶ اِنَّا بَلَوْنٰھُمْ کَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ ۚ
اِذْ اَقْسَمُوْا لَیَصْرِمُنَّھَا مُصْبِحِیْنَ ۝۱۷ وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ ۝۱۸ فَطَافَ عَلَیْھَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّکَ وَھُمْ

---

(۱) نون- قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں (۲) تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں[۱] (۳) اور تیرے واسطے بے انتہا بدلہ ہے (۴) اور تو بڑے خلق پر پیدا ہوا ہے (۵) عنقریب تم بھی دیکھ لوگے اور یہ کفار بھی دیکھ لیں گے- (۶) کہ تم دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق مخبوط ہے (۸) بے شک تمہارا پروردگار ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں- اور وہی ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہیں- (۸) تم جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرنا' نہ ان کے کہے میں آ جانا (۹) وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ مداہنت کرو اور ڈھیل دو تو وہ بھی ملائم پڑ جائیں- (۱۰) خبردار! تم کسی ایسے کی اطاعت نہ کرنا اور نہ اس کی بات ماننا جو بہت ساری قسمیں کھاتا ہے' آبرو باختہ ہے (۱۱) لوگوں پر آوازے کستا ہے' چغلیاں لگاتا پھرتا ہے- (۱۲) اچھے کاموں سے لوگوں کو روکتا ہے' حد سے بڑھ گیا ہے' بدکار ہے (۱۳) اکھڑ ہے' ان عیوب کے علاوہ بداصل بھی ہے (۱۴) اس بنا پر کہ وہ مال و اولاد والا بھی ہے؟ (۱۵) جب ہماری آیتیں اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں! (۱۶) اچھا دیکھو تو، ہم عنقریب اس کے ناکڑے (ناک) پر داغ لگائیں گے- (۱۷) جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا اسی طرح ہم نے ان کافروں کی بھی آزمائش کی ہے- ان باغ والوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کے میوے توڑیں گے (۱۸) اور اس سے کوئی بھی استثناء نہ ہونے پائے گا (۱۹) وہ سوتے ہی سوتے رہے اور تمہارے پروردگار کی طرف سے باغ پر ایک ایسی بلا چھا گئی کہ......

---

[۱] یہ سورہ بھی مکی ہے اور ابتدائی عہد کی تنزیلات سے ہے- اس سورہ میں مخالفین کو تنبیہ کی گئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و استقامت کی تعلیم دی گئی ہے-

نَآئِمُوْنَ ۞ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۞ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۞ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ ۱۹ ۲۰ ۲۱
كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۞ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۞ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۞ ۲۲ ۲۳ ۲۴
وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۞ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۞ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۞ ۲۵ ۲۶ ۲۷
قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۞ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۞ ۲۸ ۲۹
فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۞ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۞ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ ۳۰ ۳۱
يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۞ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا ۳۲
يَعْلَمُوْنَ ۞ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۞ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۞ ۳۳ ۳۴ ۳۵
مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۞ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۞ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۞ ۳۶ ۳۷ ۳۸

(۲۰) صبح ہوتے ہی وہ بالکل خالی رہ گیا (جیسے کوئی سارے میوے لوٹ لے گیا) (۲۱) سویرے جب لوگ اٹھے اور ایک دوسرے کو آواز دی- (۲۲) کہ تم کو میوے توڑنے ہیں تو اٹھو تڑکے سے باغ میں جا پہنچو (۲۳) لوگ اٹھے اور چل کھڑے ہوئے' آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے (۲۴) کہ دیکھنا آج کوئی غریب آدمی باغ کے اندر نہ آنے پائے (۲۵) سمجھتے تھے کہ بس اب جاتے ہی سارے میوے توڑلیں گے' سازوسامان سے چلے اور سویرے پہنچ گئے- (۲۶) باغ کو جب دیکھا کہ اجڑا پڑا ہے تو کہنے لگے "معلوم ہوتا ہے کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں (۲۷) نہیں راستہ تو یہی ہے' ہماری قسمت پھوٹ گئی- (۲۸) ان میں جو سب سے بہتر آدمی تھا' کہنے لگا" "کیا میں تم سے نہیں کہا کرتا تھا کہ اپنے اس آخری معبود ہی کی تسبیح وتقدیس کیوں نہیں کرتے ؟ (جو تمام مشکلوں کو حل کرنے والا ہے-"[1] (۲۹) بولے پاک ہے ہمارا پروردگار' یقیناً ہم ہی ظالم تھے- (۳۰) پس لگے آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے (۳۱) اور آخر کار سب بول اٹھے کہ ہائے ہماری کمبختی! بے شک ہم بڑی نافرمانیوں اور گمراہیوں میں مبتلا تھے' ہم حد سے بڑھ گئے تھے-[2] (۳۲) شاید ہمارا پروردگار ہمیں اس کے بدلے اس سے اچھا باغ عنایت کرے- اب ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں- (۳۳) ظالموں پر ایسے ہی عذاب اترتا ہے- اور انجام کار جو عذاب نازل ہونے والا ہے' اگر اس کی حقیقت جان لیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اس سے بھی بڑا اور بہت بڑا عذاب ہے- (۳۴) جن لوگوں میں تقویٰ (اسلامی کریکٹر) ہے ان لوگوں کے لیے بے شک ان کے پروردگار کے پاس نعمت اور برکت والے باغ ہیں- (۳۵) کیا ہم مسلمانوں کو گناہ گاروں کے برابر کر دیں گے؟ (۳۶) تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کیسے حکم لگایا کرتے ہو؟ (۳۷) کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟ (۳۸) کہ تم جو پسند کرو گے وہی تمہیں ملے گا؟

نیز کفار مکہ کے اس الزام کی تردید کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) "مجنون" ہیں- چنانچہ فرمایا یہ قرآن مجید کاتبین وحی کے قلم سے لکھا جا رہا ہے اور یہ خود اس بات پر شاہد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فرستادہ اور سچے نبی ہیں-

(۱) "الہلال" ۲۰ راگست ۱۹۱۳ء ص ۵- (۲) "الہلال" ۵ رمارچ ۱۹۱۳ء-

أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ
بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ
عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ
وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ﴿٤٣﴾ فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٤﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٤٥﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ
أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿٤٦﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ
وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ
لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ
كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا
ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٥٢﴾

(۳۹) یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو روز قیامت تک چلی جائیں گی کہ تم جس چیز کی فرمائش کرو گے وہی تمہارے لیے موجود کر دی جائے گی؟ (۴۰) ان لوگوں سے پوچھو کہ ان میں سے کون اس کا ذمہ دار ہے؟ (۴۱) کیا ان لوگوں کے اور شرکاء ہیں؟ اگر ہیں اور یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو لائیں اور حاضر کریں۔ (۴۲) وہ دن آنے والا ہے جب کہ ساق (الٰہی) کھلے گی اور ان لوگوں کو سرافگندگی (سجدے) کی دعوت دی جائے گی، مگر اس وقت ان میں اتنی قدرت و استطاعت کہاں؟ (۴۳) ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی، صورتوں پر ذلت چھا رہی ہوگی۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جب انہیں سر جھکانے کو کہا جاتا تو اس وقت یہ اچھے خاصے اور صحیح سالم تھے۔ (۴۴) ہم کو اور ان لوگوں کو جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں، اپنے اپنے حال پر رہنے دو، ہم اس طرح پر کہ انہیں خبر بھی نہ ہو آہستہ آہستہ گھسیٹتے اور ڈھیل دیتے چلے جا رہے ہیں۔ (۴۵) بے شک ہماری تدبیر نہایت پختہ اور محکم ہے (۴۶) (یہ بات کیا ہے، یہ اس قدر سرگرداں کیوں ہیں؟) کیا تم ان سے کسی بات کی اجرت مانگتے ہو کہ اس کے تاوان سے یہ دبے جا رہے ہیں۔ (۴۷) یا ان کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں اور یہ انہیں لکھ لیا کرتے ہیں (۴۸) بہرحال تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں ثابت قدم رہو اور اس مچھلی والے کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے مغموم ہو کر خدا کو آواز دی تھی (۴۹) اگر پروردگار عالم کا فضل و کرم اس کی دستگیری نہ کیے ہوتا تو بڑے برے حالوں فضائے زمین پر پھینکا ہوا پڑا رہتا (۵۰) لیکن پروردگار کو بندہ نوازی منظور تھی، اس نے نوازش کی۔ پھر اپنے صالح بندوں میں (جو نیک و بہتر زندگی بسر کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے) اسے شامل کر لیا۔[1] (۵۱) اور کافر جب قرآن سنتے ہیں تو اس طرح اپنی نظروں سے گھورتے ہیں جیسے وہ تجھ کو صحیح راہ سے پھسلا دیں گے اور کہتے ہیں یہ تو دیوانہ ہے (۵۲) حالانکہ یہ (قرآن) سارے جہان کے لیے نصیحت ہے!

(۱) ”الہلال“ ۳۰ اگست ۱۹۱۳ء ص ۶ نیز الہلال ۱۵ اپریل ۱۹۱۴ء ص ۱۱۔

اٰیَاتُهَا: 52 | سُوْرَةُ الْحَاۗقَّةِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَاۗقَّةُ ۝۱ مَا الْحَاۗقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۗقَّةُ ۝۳ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا
ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ
سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷
فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸ وَجَاۗءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ فَعَصَوْا
رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاۗءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝۱۱ لِنَجْعَلَهَا
لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝۱۲ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝۱۳ وَّحُمِلَتِ
الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝۱۴ فَيَوْمَىِٕذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱۵ وَانْشَقَّتِ السَّمَاۗءُ
فَهِيَ يَوْمَىِٕذٍ وَّاهِيَةٌ ۝۱۶ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓي اَرْجَاۗىِٕهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝۱۷

(۱-۲) ایک شدنی اور ہونے والی بات تھی[۱-۲](۳) اور تم جانتے ہو وہ کون سی شدنی بات تھی؟[(۱)] (۴) ثمود اور عاد نے (اس) کھڑ کھڑا ڈالنے والے (حادثے) کو جھٹلایا- (۵) سو ثمود تو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیے گئے (۶) اور عاد ایک زناٹے کی سخت آندھی سے تباہ کر دیے گئے (۷) جسے اللہ تعالیٰ نے برابر سات راتیں اور آٹھ دن ان پر چلائے رکھا' آپ (اگر وہاں ہوتے تو) دیکھتے کہ وہاں اس طرح پچھڑے پڑے تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں- (۸) اب کیا ان میں سے کوئی (متنفس) بچا ہوا نظر آتا ہے؟ (۹) اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور الٹی ہوئی بستیوں والوں نے جرائم کا ارتکاب کیا- (۱۰) چنانچہ انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اس نے ان کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑا- (۱۱) لوگو! جب پانی کا طوفان حد سے گزر گیا تو ہم نے تم کو کشتی میں سوار کر لیا (۱۲) تا کہ اس واقعہ کو تمہارے لیے تذکرہ (نصیحت آموز یادگار) بنا دیں اور جو کان اسے (سن کر) یاد رکھنے کے قابل ہیں وہ یاد رکھیں- (۱۳) پھر جب ایک (پہلی) مرتبہ صور میں پھونک ماردی جائے گی (۱۴) اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک ساتھ پٹک دیے گئے اور وہ دفعۃً چور چور ہو گئے (۱۵) پس آج ہی قیامت کا سب سے بڑا دن آ گیا (۱۶) آسمان پھٹ پڑے اور اس کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں-[(۲)]

۲ مکہ کے سردار کہتے تھے کہ ہم کو دنیا میں جو نعمتیں مل رہی ہیں وہ ہمارے اللہ کے ہاں مقبول ہونے کی علامت ہے- لہٰذا اگر کوئی آخرت ہے تو وہاں بھی ان نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا- اس کے جواب میں آیت ۳۵ سے فرمایا کہ یہ بات عقل سے بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمانبردار

(۱) ''الہلال'' ۲۹ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۸- (۲) ''الہلال'' ۹ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۱۳-

يَوۡمَئِذٍ تُعۡرَضُوۡنَ لَا تَخۡفٰى مِنۡكُمۡ خَافِيَةٌ ۞١٨ فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ ۙ فَيَقُوۡلُ
هَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا كِتٰبِيَهۡ ۞١٩ اِنِّىۡ ظَنَنۡتُ اَنِّىۡ مُلٰقٍ حِسَابِيَهۡ ۞٢٠ فَهُوَ فِىۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۞٢١ فِىۡ
جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۞٢٢ قُطُوۡفُهَا دَانِيَةٌ ۞٢٣ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓــًٔا بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِى الۡاَيَّامِ الۡخَالِيَةِ ۞٢٤
وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُوۡتَ كِتٰبِيَهۡ ۞٢٥ وَلَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِيَهۡ ۞٢٦
يٰلَيۡتَهَا كَانَتِ الۡقَاضِيَةَ ۞٢٧ مَاۤ اَغۡنٰى عَنِّىۡ مَالِيَهۡ ۞٢٨ هَلَكَ عَنِّىۡ سُلۡطٰنِيَهۡ ۞٢٩ خُذُوۡهُ فَغُلُّوۡهُ ۞٣٠
ثُمَّ الۡجَحِيۡمَ صَلُّوۡهُ ۞٣١ ثُمَّ فِىۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُكُوۡهُ ۞٣٢ اِنَّهٗ كَانَ لَا
يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ ۞٣٣ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ۞٣٤ فَلَيۡسَ لَهُ الۡيَوۡمَ هٰهُنَا حَمِيۡمٌ ۞٣٥
وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِيۡنٍ ۞٣٦ لَّا يَاۡكُلُهٗۤ اِلَّا الۡخٰطِئُوۡنَ ۞٣٧ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ۞٣٨ ع ۵

(۱۷) فرشتے اس کے اطراف میں ہوں گے اور اس دن تیرے پروردگار کے عرش کو[۳] آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے (۱۸) (لوگو!) اس روز تم اپنے رب کے حضور پیش کیے جاؤ گے اور تمہارا کوئی راز بھی مخفی نہیں رہے گا- (۱۹) تو جس کو اس کا نامہ (اعمال) اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا، لو یہ مرا نامہ (اعمال تو) پڑھو (۲۰) مجھے تو (دنیا میں) یقین تھا کہ ایک روز مجھے میرا حساب ملنے والا ہے (۲۱) پس وہ خاطر خواہ عیش میں ہوگا (۲۲) (یعنی) عالی مقام جنت میں (۲۳) جس کے پھل جھکے پڑ رہے ہوں گے- (۲۴) (اور ان سے کہا جائے گا) کہ گزشتہ دنوں (یعنی دنیا میں) جو تم نے عمل کیے تھے ان کے بدلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو (۲۵) اور جس کا نامہ (اعمال) اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا ''کاش میرا نامہ اعمال مجھے نہ ملا ہوتا (۲۶) میں نے نہ جانا ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے! (۲۷) کاش! اس موت سے (میری ہستی کا) خاتمہ ہوگیا ہوتا! (۲۸) میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا! (۲۹) میرا سارا اقتدار تباہ ہوگیا!'' (۳۰) (حکم ہوگا کہ) ''اس کو پکڑ لو اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو (۳۱) پھر (لے جا کر) اسے جہنم میں جھونک دو (۳۲) پھر اسے ستر (۷۰) گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو (۳۳) کیونکہ یہ نہ خدائے بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا (۳۴) اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی طرف راغب ہوتا تھا (۳۵) پس آج نہ کوئی اس کا دوست دار ہے (۳۶) اور نہ زخموں کے دھوون کے سوا (اس کے لیے) کچھ کھانے کو ہے (۳۷) جسے خطا کاروں کے بغیر کوئی نہیں کھائے گا! (۳۸) تو (لوگو!) میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو تم دیکھ رہے ہو-

بندوں اور مجرموں میں فرق نہ کرے- خالق کائنات کے ہاں اندھیر نہیں ہے-

[۳] آیت ۴۲-۴۳ میں اس حقیقت کو ظاہر فرمایا کہ قیامت کے دن جب پنڈلی کھلے گی اور سب لوگ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو یہ کافر اور منافق سجدہ نہیں کر سکیں گے-

وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ
عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا
مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ
مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ
الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

ع ۵

(۳۹) اوران کی بھی جو تمہیں نظر نہیں آتیں-(۴۰) کہ یہ (قرآن مجید) بلا شبہ رسول کریم کا گفتار ہے-[1]
(۴۱) اورنہ یہ کسی شاعر کی (بنائی ہوئی) بات ہے-(مگر) تم لوگ کم ہی یقین کرتے ہو(۴۲) اورنہ یہ کسی کاہن کا قول ہے (مگر) تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو(۴۳) (یہ) تو رب العالمین کا اتارا ہوا (کلام) ہے-
(۴۴) اگر اس (نبیؐ) نے خود کوئی بات بنا کر منسوب کی ہوتی (۴۵) تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے (۴۶) پھر ہم اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے (۴۷) اور تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس بات سے نہ روک سکتا-(۴۸) اور کچھ شک نہیں کہ یہ (قرآن) اہل تقویٰ کے لیے نصیحت ہے-
(۴۹) اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ تم میں کچھ لوگ اس کے جھٹلانے والے ہیں (۵۰) اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ جو کچھ ہوا کافروں کے لیے موجب ماتم وحسرت ہے-
(۵۱) اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ ایک یقینی صداقت الٰہی کا ظہور ہے (۵۲) پس اپنے پروردگار کی حمد وثنا کرو جس نے دشمنان اسلام کو شادی کی جگہ حسرت ونامرادی میں مبتلا کر دیا![(1)]

اس آیت کی یہ تفسیر حدیث سے ثابت ہے جو صحیحین اور دوسری کتابوں میں متعدد اسانید سے آئی ہے (شوکانی) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ''کشف ساق'' شدت سے کنایہ قرار دیا ہے یعنی قیامت کا دن بہت سخت ہوگا-

[1] یہ بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور میں نازل شدہ سورتوں سے ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع ہو چکی تھی-
اس کا پہلا رکوع آخرت کے بیان میں ہے اور دوسرا رکوع قرآن مجید کے منزل من اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے کے بیان پر مشتمل ہے-

---

(۱) ''الہلال'' ۱۲ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۷-

۲ قیامت کا نام الحاقۃ ہے۔یعنی وہ واقعہ جو لازماً پیش آ کر رہے گا اور اس کی آمد میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔
یہ واقعہ تو ہونی شدنی ہے۔جن قوموں نے بھی اس کی تکذیب کی وہ اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو گئیں۔

۳ اللہ تعالیٰ مستوی علی العرش ہے۔یہ کلمہ برحق ہے مگر اس کی کیفیت ہم نہیں جان سکتے۔اسی بنا پر سلف صالحین نے فرمایا:
"**نومن به ولا نعلم کیف ، معناه معلوم والکیف مجهول!**" آیت ۱۷ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

۴ آیت ۴۰ میں فرمایا کہ "یہ قرآن بلاشبہ رسول کریم کی گفتار ہے۔

یہاں پر رسول کریم سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔اور سورۂ تکویر آیت نمبر ۱۹ میں اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو آنحضرت ﷺ یا جبریل کا کلام کس معنی میں کہا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ اسے آنحضرت ﷺ کی زبان سے سن رہے تھے جبکہ آپ ﷺ اسے حضرت جبریل علیہ السلام سے سن رہے تھے۔اس اعتبار سے اسے حضور علیہ السلام یا جبریل علیہ السلام کا کلام کہہ دیا گیا۔ورنہ درحقیقت تو قرآن مجید کلام اللہ تعالیٰ کا ہے۔چنانچہ آگے چل کر وضاحت فرمادی ہے کہ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔خود "رسول علیہ السلام" کا لفظ ہی اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ پیغام رساں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو پہنچانے والے ہیں۔

۵ آیت ۴۴ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی علیہ السلام کو اپنی طرف سے وحی میں کمی بیشی کا اختیار نہیں ہے۔اگر وہ ایسا کرے گا تو اسے سخت سزا ملے گی۔

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُهَا: 44 سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ [1] رُكُوْعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعْرُجُ
الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾
اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ؕ﴿۷﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ
الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿۹﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ
عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۙ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۙ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ﴿۱۴﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ﴿۱۷﴾

(۱-۳) ایک مانگنے والے نے (جلدی کر کے) عذاب مانگا،[2] جو اللہ ذی المعارج (بلند درجوں[3] والے) کی طرف سے کافروں پر واقع ہونے والا ہے' اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں- (۴) ملائکہ اور روح اس کی طرف ایک ایسے دن میں[4] چڑھ جائیں گے جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے (۵) تو (اے نبی! ان کے جھٹلانے پر) صبر جمیل کیجیے......! (۶) یہ لوگ اسے بعید (از قیاس) سمجھتے ہیں (۷) اور ہم اسے قریب سے دیکھ رہے ہیں (۸) جس روز کہ آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح سرخ ہو جائے گا (۹) اور پہاڑ رنگ برنگ کی (دھنکی ہوئی) اون کی طرح ہو جائیں گے- (۱۰) اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو' دکھائی دینے پر بھی نہ پوچھے گا (۱۱) مجرم چاہے گا کہ کاش وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں (۱۲) اپنی بیوی اور اپنے بھائی (۱۳) اور اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دیتا تھا (۱۴) اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دے دے، پھر یہ اسے نجات دلا دے- (۱۵) ہرگز نہیں! ......وہ تو آگ کی لپٹ ہوگی (۱۶) جو سر کی کھلڑی ادھیڑ ڈالے گی- (۱۷) پکار پکار کر اپنی طرف بلائے گی ہر اس شخص کو جس نے (دنیا میں حق بات سن کر) پیٹھ پھیری اور روگردانی (اختیار) کی-

---

۱ یہ سورہ مکی ہے اور اس کے نزول کا زمانہ بھی سورۃ الحاقہ کا ہے- اس سورہ میں بھی کفار کو تنبیہ کی گئی ہے جو قیامت اور جنت و دوزخ کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے ''لے آؤ وہ قیامت جس سے تم ڈراتے ہو!'' ......اور رسول اللہ ﷺ کو صبر و تحمل کی تلقین کی گئی ہے کہ آپ ان کے تمسخر کی پروا نہ کریں- یہ اپنے بیہودہ مشغلوں کا انجام خود دیکھ لیں گے-

۲ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نضر بن حارث بن کلدہ نے عذاب کا سوال کیا تھا اور کہا تھا:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هُوَ حَقٌّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ!

۳ اللہ تعالیٰ ذی المعارج ہے- یعنی اس کی ذات بلند و بالا ہے- اور اس کے حضور باریاب ہونے کے لیے فرشتوں کو پے در پے بلندیوں

وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ
الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ
اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾
وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَ الَّذِيْنَ
هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ
مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ
وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ
يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ ع
الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا

---

(۱۸) اور مال جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا- (۱۹) بے شک انسان تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے- (۲۰) جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے (۲۱) اور خیر، یعنی مال و دولت- حاصل ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے (۲۲) مگر وہ لوگ (اس عیب سے محفوظ ہیں) جو نمازی ہیں-[5] (۲۳) یعنی وہ جو ہمیشہ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں (۲۴-۲۵) اور ان کے اموال میں سائل اور نہ مانگنے والے (محتاج) کا ایک حصہ مقرر ہے- (۲۶) اور روز جزاء پر یقین رکھتے ہیں- (۲۷) اور اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں (۲۸) کیونکہ ان کے رب کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے- (۲۹) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں (۳۰) بجز اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے (کہ ان سے استمتاع میں) ان پر کچھ الزام نہیں ہے- (۳۱) ہاں جو لوگ ان کے علاوہ (اور کے) طلبگار ہوں تو وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں (۳۲) اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس کرتے ہیں- (۳۳) اور جو اپنی گواہیوں (میں سچائی) پر قائم رہتے ہیں (۳۴) اور وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں (۳۵) یہی وہ لوگ ہیں جو (بہشت کے) باغوں میں عزت سے رہیں گے! (۳۶-۳۷) پس اے نبیؐ! ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ دائیں اور بائیں سے گروہ در گروہ تمہاری طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں- (۳۸) کیا ان میں سے ہر شخص یہ لالچ رکھتا ہے کہ نعمت بھری جنت میں داخل کر لیا جائے گا؟

سے گزرنا ہوتا ہے- آیت ۴ میں روح سے مراد حضرت جبریل ہیں-

۴ سورۃ السجدۃ میں ہے کہ:

خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ
نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ
الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾
ع ۲ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

(۳۹) یہ تو ہونا نہیں- ان کو معلوم ہے کہ ہم نے جس چیز سے ان کو پیدا کیا ہے-

(۴۰-۴۱) پروردگار عالم شاہد ہے کہ ہم اس بات کی قدرت رکھتے ہیں کہ جیسے لوگ اب ہیں ہم انہیں بدل کر کے ان سے اچھی قوم لائیں اور اس کام میں کسی نے بھی ہم پر سبقت حاصل نہ کی ہوگی-

(۴۲) انہیں چھوڑ دو کہ غور وخوض اور لہو ولعب میں پڑے رہیں یہاں تک کہ عذاب کا دن آئے اور اس روز غفلت کا نتیجہ ظاہر ہو جائے-[1]

(۴۳) جس روز کہ یہ قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف دوڑے جا رہے ہوں گے جیسے دوڑ کے مقررہ نشانوں کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں-

(۴۴) ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی (اور) ان (کے چہروں) پر ذلت چھا رہی ہوگی، یہی وہ دن ہوگا جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے-

"يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○"

یعنی "اللہ تعالیٰ کے حضور وہ ایک دن میں چڑھ جاتے ہیں، جس کی مقدار تمہارے اندازے کے مطابق ایک ہزار سال ہے-" لیکن یہاں پر جس دن کو پچاس ہزار سال کا فرمایا ہے وہ قیامت کا دن ہے-

۵ قرآن مجید جب بھی انسان کی اخلاقی کمزوریوں کا ذکر فرماتا ہے تو اس سے ایمان والوں اور راہ راست اختیار کرنے والے لوگوں کو مستثنیٰ کر لیتا ہے- چنانچہ یہاں بھی ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے اور ان کی صفات بیان فرمائی ہیں-

❋ ❋ ❋

(۱) "الہلال" ۲۳ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۱۲-

اٰيَاتُهَا : 28 | سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا : 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ
يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ
ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④ وقف لازم
قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ⑤ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ⑥ وَاِنِّيْ كُلَّمَا
دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا
اسْتِكْبَارًا ⑦ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ⑨

---

(۱) ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا (اور حکم دیا) کہ اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کر دے، قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آ نازل ہو-[۲] (۲) (چنانچہ) اس نے (اپنی قوم سے) کہا ''اے میری قوم کے لوگو! میں تم کو صاف صاف خبردار کرنے والا (پیغمبر) ہوں (۳) کہ تم (ایک) اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو-

(۴) (ایسا کرو گے تو) اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں مقررہ وقت تک مہلت دے گا' بلاشبہ جب اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت آ جاتا ہے تو وہ (کسی کے ٹالے) ٹل نہیں سکتا' کاش تمہیں اس کا علم ہوتا! (۵) نوح نے (اپنا فرض رسالت ادا کر چکنے کے بعد بالآخر) عرض کی خداوندا! میں نے شب و روز دعوت حق دی (۶) لیکن اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ لوگ مجھ سے دور بھاگنے لگے (۷) میں نے جب ان کو تیری مغفرت کے لیے پکارا انہوں نے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں' اپنے کپڑوں میں لپٹ گئے کہ ان تک تیری آواز نہ پہنچ سکے- آہ! یہ ناحق شناس قوم ہمیشہ سخت ہٹ دھرمی اور باطل پرستانہ گھمنڈ کا اظہار کرتی رہی- (۸) میں اس پر بھی باز نہ آیا، پھر انہیں پکار پکار کر تیرا پیغام پہنچایا- (۹) اور اس کے بعد ظاہر و پوشیدہ ہر طرح سمجھایا-[(۱)]

---

[۱] یہ سورہ بھی مکی ہے اور مکہ معظمہ کی ابتدائی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے- اس میں حضرت نوح علیہ السلام کا پورا قصہ بیان کیا گیا ہے- اور یہ قصہ برائے قصہ نہیں بلکہ کفار کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم محمد ﷺ کے ساتھ وہی رویہ اختیار کر رہے ہو جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم نے اختیار کیا-

[۲] حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا مقصد قوم کو ان کی گمراہیوں اور اخلاقی خرابیوں پر متنبہ کرنا' ایک اللہ کی عبادت کی طرف

---

(۱) ''البلاغ'' ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۱- نیز ''الہلال'' ۲۴ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۶-

فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ يُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَيۡكُمۡ مِّدۡرَارًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّ
يُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ وَّيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾ مَا لَكُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ
لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ﴿۱۳﴾ وَقَدۡ خَلَقَكُمۡ اَطۡوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمۡ تَرَوۡا كَيۡفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ﴿۱۵﴾
وَّ جَعَلَ الۡقَمَرَ فِيۡهِنَّ نُوۡرًا وَّجَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ۙ﴿۱۷﴾
ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا وَيُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا ۙ﴿۱۹﴾ لِّتَسۡلُكُوۡا

---

(۱۰) میں نے ان سے کہا: ''اپنے رب سے بخشش طلب کرو' بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے (۱۱) وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا-

(۱۲) اور مال واولاد سے تمہاری مدد کرے گا' تمہیں باغ دے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے گا (۱۳) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟

(۱۴) حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا ہے-

(۱۵) کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمان تہ بر تہ بنائے؟

(۱۶) اور (آسمانوں میں) خدا (تعالیٰ) نے چاند کو بھی بنایا جو ایک نور ہے اور سورج کو بھی بنایا کہ ایک روشن مشعل ہے-(۲)

(۱۷) اور اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو زمین سے اگایا-

(۱۸) پھر وہ تمہیں اسی زمین میں لوٹا کر لے جائے گا اور (قیامت کے دن) اسی سے تمہیں نکال کھڑا کرے گا-

(۱۹) اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لیے فرش (کی طرح ہموار) بنا دیا-

---

دعوت دینا، اللہ تعالیٰ سے ڈرانا اور پیغمبر کی اطاعت اختیار کرنے کا حکم دینا تھا-

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا اور ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال تک انہیں توحید کی طرف دعوت دی- لیکن جب قوم نہ مانی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی حضرت نوح علیہ السلام کو بتا دیا گیا:

﴿ اِنَّهٗ لَنۡ يُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِكَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ ○ ﴾

تو حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا کی جو اوپر مذکور ہے-

۳؎ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں جن بڑے بڑے بتوں کی پوجا ہوتی تھی' ان میں سے صرف وہ معبود ذکر کیے ہیں جنہیں بعد میں

---

(۱) ''الہلال'' ۶ نومبر ۱۹۱۲ء-

مِنۡهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ اِنَّهُمۡ عَصَوۡنِيۡ وَاتَّبَعُوۡا مَنۡ لَّمۡ يَزِدۡهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا ع ۱ ۹

خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوۡا مَكۡرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوۡا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمۡ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ

وَّلَا يَغُوۡثَ وَيَعُوۡقَ وَنَسۡرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدۡ اَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا

خَطِيۡٓـٰٔتِهِمۡ اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا ۙ فَلَمۡ يَجِدُوۡا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوۡحٌ

رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَى الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنۡ تَذَرۡهُمۡ يُضِلُّوۡا عِبَادَكَ وَلَا

يَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغۡفِرۡ لِيۡ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنۡ دَخَلَ بَيۡتِيَ مُؤۡمِنًا وَّلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ

وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع ۲ ۱۰

---

(۲۰) تاکہ تم اس کے کھلے راستوں پر چلو پھرو! (۲۱) (بالآخر) نوحؑ نے عرض کیا: خدایا! بایں ہمہ سعی دعوت و اصلاح ان سرکشوں نے میرا کہنا نہ مانا اور انہی معبودان باطل کی غلامی کرتے رہے' جنہیں ان کے مال اور ان کی اولاد نے فائدے کی جگہ الٹا نقصان ہی پہنچایا-[1] (۲۲) اور ان لوگوں نے بڑے بھاری مکر کیے ہیں (۲۳) اور (ایک دوسرے کو) کہا ہے کہ "اپنے معبودوں کو مت چھوڑو اور نہ ودّ' سواع' یغوث' یعوق اور نسر کو!"ؔ (۲۴) اور انہوں نے (یعنی رئیسوں یا بتوں نے) بہتیروں کو گمراہ کیا ہے اور تو بھی ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں ترقی نہ دے! (۲۵) آخر اپنی ہی خطاؤں کی بنا پر وہ غرق کیے گئے اور آگ میں جھونک دیے گئے- پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مدد کرنے والے نہ پائے- (۲۶) اور (نیز) نوحؑ نے کہا "میرے رب! ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ (۲۷) اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو بھی ہوگا وہ بدکار' سخت کافر ہی ہوگا! (۲۸) میرے رب! مجھے' میرے والدین اور جو کوئی ایمان لا کر میرے گھر میں داخل ہو جائے (سب کو بخش دے) - اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو بھی معاف فرما دے! اور ظالموں کے لیے تباہی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر!

اہل عرب نے بھی پوجنا شروع کر دیا تھا- چنانچہ "ودّ"

قبیلہ قضاعہ کی شاخ کلب بن وبرہ کا معبود تھا- جس کا استھان انہوں نے دومۃ الجندل میں بنا رکھا تھا-

"سواع" قبیلہ ہذیل کی دیوی تھی اور اس کا بت عورت کی شکل میں بنایا گیا تھا-

"یغوث" قبیلہ طے کی شاخ انعم اور قبیلہ مذحج کی بعض شاخوں کا معبود تھا-

"یعوق" یمن کے علاقہ ہمدان قبیلہ ہمدان کا معبود تھا-

"نسر" قبیلہ حمیر کی شاخ آل ذوالکلاع کا معبود تھا!

---

(۱) "الہلال" ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۶-

آیاتُھا: 28 سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ رُکُوعَاتُھا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ① يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ
فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ② وَّاَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ③
وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ④ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا ⑤ وَّاَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ⑥
وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ⑦ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا
مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ⑧ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ
يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ⑨ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ
رَشَدًا ⑩ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ⑪ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ

---

(۱) اے نبی! (ان سے) کہہ دیجیے کہ "میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے (مجھے قرآن پڑھتے) غور سے سنا پھر (جا کر اپنی قوم کے لوگوں سے) کہا کہ "ہم نے بڑا ہی عجیب (قسم کا) قرآن سنا ہے (۲) جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور (اب) ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں کریں گے"[۱] (۳) اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے، اس نے نہ تو کسی کو اپنی بیوی بنایا اور نہ اولاد ہی (رکھتا ہے)!" (۴) اور یہ کہ "ہم میں کچھ نادان لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق باتیں کہتے رہے ہیں!" (۵) اور یہ کہ "ہم تو سمجھتے تھے کہ انسان اور جن (کوئی بھی) خدا پر جھوٹ نہیں بول سکتے" (٦) اور یہ کہ "انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ پکڑا کرتے تھے، اس طرح انہوں نے جنوں کو اور بھی زیادہ مغرور بنا دیا!" (۷) اور یہ کہ "انسانوں نے بھی وہی گمان کیا جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی (پیغمبر بنا کر) نہ بھیجے گا" (۸) اور یہ کہ "ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور شہابوں سے پٹا پڑا ہے!" (۹) اور یہ کہ "پہلے تو ہم سننے کے لیے آسمان کے ٹھکانوں میں (جا) بیٹھا کرتے تھے، مگر اب جو (چوری چھپے) سننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے لیے گھاٹ میں لگا ہوا ایک شہاب ثاقب پاتا ہے-" (۱۰) اور یہ کہ "ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آیا زمین والوں کے ساتھ کوئی برا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کا رب انہیں راہ راست دکھانا چاہتا ہے-"

---

[۱] یہ سورہ بھی مکی ہے- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ بازار عکاظ میں تشریف لے جا رہے تھے- راستے میں مقام نخلہ پر آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی- اس وقت ادھر جنوں کا ایک گروہ گزر رہا تھا- وہ قرآن مجید کی آواز سن

نُّعۡجِزَ اللّٰهَ فِی الۡاَرۡضِ وَلَنۡ نُّعۡجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ
بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخۡسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَمِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ ؕ فَمَنۡ اَسۡلَمَ
فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوۡا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الۡقٰسِطُوۡنَ فَكَانُوۡا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنۡ لَّوِاسۡتَقَامُوۡا عَلَى
الطَّرِيۡقَةِ لَاَسۡقَيۡنٰهُمۡ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ ؕ وَمَنۡ يُّعۡرِضۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهٖ يَسۡلُكۡهُ
عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُاللّٰهِ

(۱۱) اور یہ کہ ''ہم میں سے کچھ لوگ صالح ہیں اور کچھ اس سے فروتر ہیں- (غرض) ہم مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں!'' (۱۲) اور یہ کہ ''ہم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم نہ تو زمین میں (رہ کر) اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتے ہیں اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں!'' (۱۳) اور یہ کہ ''جب ہم نے ہدایت کی بات سنی تو اس پر ایمان لے آئے- اب جو بھی اپنے رب پر ایمان لے آئے گا تو اسے نہ کسی قسم کی حق تلفی اور نہ ظلم ہی کا خوف ہوگا!''

(۱۴) اور یہ کہ ''ہم میں سے کچھ مسلمان (فرمانبردار) اور کچھ سرتابی کرنے والے ہیں، تو جنہوں نے اسلام میں فرمانبرداری کی راہ اختیار کی انہوں نے نجات کی راہ تلاش کرلی (۱۵) لیکن جو سرتاب ہوگئے تو وہ دوزخ کا ایندھن بننے والے ہیں!

(۱۶) اور (میرے پاس یہ بھی وحی بھیجی گئی ہے کہ) ''اگر لوگ سیدھی راہ پر قائم ہو جاتے تو ہم ان کو وافر پانی سے خوب سیراب کرتے- (۱۷) تاکہ ہم اس (احسان سے) ان کو پرکھیں- اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے گا تو (خدا تعالیٰ) اس کو نا قابل برداشت عذاب میں داخل کرے گا!''

(۱۸) اور یہ کہ ''مسجدیں[۲] صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں پس ان میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو-[۱]
(۱۹) اور جب خدا کا بندۂ مخلص (حضرت داعی اسلام) اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں اور اس طرح نزدیک آ کر دیکھتے ہیں گویا قریب ہے کہ لپٹ پڑیں گے-[۲]

کر ٹھہر گئے- اس سورہ میں اسی واقعہ کا ذکر فرمایا ہے اور یہ قصہ طائف والے سفر کے قصہ کے علاوہ ہے جس کا ذکر سورۂ احقاف میں آیا ہے- کیونکہ اس موقع پر جنوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے- لیکن یہاں پر جن جنوں کا ذکر ہے وہ مشرک اور منکر آخرت ہیں- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ابتدائی دور نبوت کا ہے- جبکہ طائف کا سفر ۱۰ نبوی کو

(۱) ''الہلال'' ۸- اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۹-

(۲) ''البلاغ'' ۱۷ دسمبر ۱۹۱۵ء ص الف پر ترجمہ یوں کیا ہے: ''اور جب اللہ کا بندہ تبلیغ حق کے لیے کھڑا ہوتا ہے تا کہ اللہ کو پکارے تو کفار اس طرح گھیر لیتے ہیں گویا قریب ہے اس پر آ گریں گے!''

پیش آیا تھا- تاریخی اعتبار سے بھی یہ دو واقعے معلوم ہوتے ہیں-

۲ ''مفردات'' میں ہے: **المسجد بکسر الجیم موضع السجود**

اگر چہ ''مسجد'' کے مفہوم کے متعلق مفسرین نے طرح طرح کے اقوال نقل کیے ہیں، مگر صاف بات یہی ہے جو امام راغب اصفہانی نے لکھی ہے- یعنی ''مسجد'' بکسر جیم ہے اور اس سے وہ مقام مراد ہے جہاں **فاطر السماوات والارض** کے آگے جبین نیاز زمین پر رکھی جائے- اس کی جمع ہے مساجد-

پس ''مسجد'' کا مفہوم اس کے نام سے ظاہر ہے- سورۂ جن کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مفہوم کی تحدید کی کہ:

وان المساجد لله! کہ ''مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں!''

اس سے ظاہر ہوا کہ مساجد کے متعلق پہلا حکم یہ ہے کہ وہ صرف اللہ ہی کے لیے ہیں- یعنی ان کے اندر صرف وہی اعمال انجام دیے جا سکتے ہیں جو اللہ کے لیے مخصوص ہیں- اس کے بعد فرمایا ہے **فلا تدعوا مع الله احداً!** پس مسجدوں میں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو!

اس جملے نے ان تمام اعمال کی نہی عام کر دی جو خدا کے سوا کسی اور کے لیے انجام دیے جائیں خواہ وہ لسانی ہوں یا بدنی-

امام طبریؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر نقل کی ہے:

''افردوا المساجد بذکر الله تعالیٰ ولا تجعلوا لغیر الله فیها نصیبا!''

''مسجدوں کو صرف اللہ کے ذکر کے لیے مخصوص کر دو! اللہ تعالیٰ کے سوا غیروں کے لیے وہاں کے ذکر و عبادت میں کوئی حصہ نہ ہو!''

امام طبریؒ، امام رازیؒ، حافظ ابن کثیرؒ وغیرہم اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قال قتادة کانت الیهود والنصاری اذا دخلوا کنائسهم اشرکوا بالله فامر الله بنبیه ان یوحدوه وحده!''

''قتادہؒ نے اس آیت کے شان نزول میں کہا: یہودیوں اور عیسائیوں کا قاعدہ تھا کہ جب اپنے گرجوں میں جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ذکر میں بندوں کو بھی شریک کرتے تھے- پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ مسجد کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص اور صرف اسی کے ذکر کے لیے محدود کر دیں-''

ان اقتباسات سے مندرجہ ذیل نتائج مقصد مساجد کے متعلق حاصل ہوتے ہیں:

۱- مساجد کی تعمیر اور ان کا قیام صرف اس لیے ہے کہ وہ عمارتیں اللہ تعالیٰ کے نام سے مخصوص کر دی جائیں- ان کا مقصد صرف یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کے لیے ہوں اور اسی کے ذکر و عبادت کے لیے وہاں لوگ جمع ہوں-

۲- یہود و نصاریٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے گرجوں میں خدا کے ساتھ انسانوں کا بھی ذکر کرتے ہیں اور اس عقیدت و طاعت اور ذوق عبادت کے ساتھ جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے- اس آیت میں اس سے روکا گیا اور فرمایا کہ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں نہ کہ انسانوں کے ذکر کے لیے-

ع ۱۹ ۱۱ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٠﴾
قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ
دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿٢٣﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ
عَدَدًا ﴿٢٤﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿٢٥﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا
يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ
خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ
ع ۲ ۹ ۱۳ عَدَدًا ﴿٢٨﴾

(۲۰) اے نبی! (ان سے) کہیے کہ "میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا!" (۲۱) (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہہ دیجیے کہ میں تمہارے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ بھلائی (راہ راست پر لانے) کا- (۲۲) (اے پیغمبر ان سے) کہیے کہ "مجھے نہ تو اللہ تعالیٰ (کے غضب) سے کوئی بچا سکتا ہے اور نہ میرے لیے اس کے سوا کوئی جائے پناہ ہے- (۲۳) میرا بچاؤ تو صرف اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (جو حکم آیا ہے) اور اس کے پیغام کو (لوگوں تک) پہنچا دوں- اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے" (۲۴) (یہ لوگ ماننے والے نہیں) تاوقتیکہ اس (عذاب) کو نہ دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے- تو (اس وقت) انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کون گنتی میں کم ہے؟ (۲۵) (اے پیغمبر! ان سے) کہیے کہ "میں نہیں جانتا کہ جس (عذاب) کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لیے ایک مدت مقرر فرماتا ہے؟ (۲۶) وہی عالم الغیب ہے، وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا! (۲۷) ہاں جس رسول کو پسند فرمالے تو اس کے آگے اور پیچھے (فرشتوں کا) پہرہ لگا دیتا ہے- (۲۸) تاکہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے- اور وہ، جو کچھ ان کے پاس ہے، اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس نے ایک ایک چیز کو گن رکھا ہے!"

سورۂ جن کی اسی آیت کے ساتھ کا ٹکڑا ہے:

"وانه لما قام عبدالله يدعوه كادوا يكونون عليه لبدا!"

"اور جب خدا تعالیٰ کا بندۂ مخلص (یعنی حضرت داعی اسلام) اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس کے گرداگرد جمع ہو جاتے ہیں اور اس طرح نزدیک آ آ کر دیکھتے ہیں گویا قریب ہے کہ لپٹ پڑیں گے-"

اس آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال ہیں-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے یا قرآن مجید پڑھتے تو حرص استماع میں لوگ ہجوم کر کے ایک دوسرے پر گرنے لگتے اور نہایت قریب آ جاتے-اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی-امام ابن جریر رحمہ اللہ نے تفسیر میں بروایت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ دوسرا قول نقل کیا ہے:

لما راوه يصلي واصحابه يركعون بركوعه ويسجدون بسجوده ....قال عجبوا من اطاعة اصحابه له-

''جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کو نماز میں اس طرح دیکھتے کہ سب کے سب ان کے جھک جانے کے ساتھ ہی جھک جاتے ہیں اور ان کے سجدہ کرنے کے ساتھ ہی سجدہ میں گر جاتے ہیں تو ان کی اس عجیب اطاعت وفرمانبرداری پر ان کو نہایت تعجب ہوتا اور متحیر ہو کر دیکھنے لگتے-''

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں بروایت حسن رحمہ اللہ نقل کیا ہے:

قال الحسن: لما قام رسول الله ﷺ يقول لا اله الاالله ويدعوا الناس الى ربهم كارت العرب تلبد عليه جميعا- (حاشيه فتح البيان ج ١ ص ٩٥)

''جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے، لا الہ الا اللہ کہتے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تو اہل عرب ہجوم کر کے پہنچتے اور ایک دوسرے پر چڑھ آتے!''

اصل یہ ہے کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اس حالت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو آغاز اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی تھی-جب آپ نماز پڑھنے کے لیے قیام فرما ہوتے' ایک جماعت آپ کے جاں نثاروں کی آپ کے پیچھے صف بستہ کھڑی ہو جاتی اور خشوع وخضوع اور انقطاع وقنوت کے ساتھ یہ مقدس گروہ ایک ان دیکھی ہستی کے تصور میں بے خودانہ مصروف رکوع وسجود ومشغول تسبیح وصفوف ومتابعت امام کی عظمت ورعب سے مبہوت ہو جاتے-

پھر انہوں نے اپنی شوخی وسرکشی سے اس منظر عبادت کو ایک تماشا سا بنالیا اور نماز کے وقت جمع ہو ہو کر ہجوم کرنے لگے اور دیکھنے کے شوق میں ایک دوسرے پر ٹوٹنے لگے-وہ اکثر تماشا دیکھنے والوں کی طرح بڑھتے بڑھتے اس قدر قریب آ جاتے گویا لپٹ پڑنے کے ارادے سے بڑھ رہے ہیں-

پس یہی اصل حقیقت ہے جس کی طرف امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کر کے اشارہ کیا ہے!''

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُهَا: 20 | سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝٣ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ
وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝٤ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝٥ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً
وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝٦ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝٧ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝٨
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝٩ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ
وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝١٠ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝١١ اِنَّ لَدَيْنَآ
اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝١٢ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٣ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ
الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝١٤ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى

(۱) اے کپڑے میں لپٹنے والے[ل] (۲) رات (کے وقت نماز) میں کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی رات (آرام کرلیا کرو) (۳) یعنی آدھی رات یا اس سے کچھ کم (۴) یا اس سے کچھ زیادہ، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو (۵) ہم تم پر ایک بھاری کلام (قرآن مجید) نازل کرنے والے ہیں- (۶) بے شک رات کو اٹھنا (نفس کو) خوب روندتا ہے اور اس کی تلاوت (یا دعا) کرنا بہت ٹھیک ہوتا ہے (۷) دن کے اوقات میں تو تمہارے لیے بہت مصروفیات ہیں- (۸) اپنے پروردگار کا ذکر کرو اور سب کی طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف اسی کے ہو جاؤ-- (۹) وہ پروردگار کہ تمام عالم میں اسی کی ربوبیت کار فرما ہے اور اس کے سوا کارساز عالم اور کوئی نہیں سو جب ایسا کارساز تمہارے ساتھ ہے تو تم اور کسی کی طرف کیوں نظر اٹھاؤ؟ بس اسی کو اپنا کارساز یقین کرو! (۱۰) رہا منکرین حق کا ظلم' ان کا کبر باطل اور باطل پرست کامیابیوں کے دعوے اور اعلانات' سو چاہیے کہ ان پر صبر کرو- سردست بغیر کسی سختی کے ان سے الگ ہو جاؤ! (۱۱-۱۲) اور انہیں ان کے حال پر زیادہ نہیں تو تھوڑے دنوں کے لیے چھوڑ دو- پھر دیکھو کہ حق کے یہ جھٹلانے والے' جو طرح طرح کی خوشحالیوں اور دنیوی عزتوں میں اپنے تیئں پا کر بڑے ہی متکبر اور مغرور ہو گئے ہیں' بالآخر کیسا نتیجہ پاتے ہیں- ہمارے پاس اگر ان کے لیے مہلت تھی تو اب ان کے جکڑنے کے لیے بیڑیاں اور ان کی عقوبت کے لیے آگ بھی ہے-[1] (۱۳) اور حلق سے نیچے نہ اترنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے (۱۴) یہ عذاب اس دن ہوگا جب کہ زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑ پھسلنے والے ریت کے تودوں کی طرح ہو جائیں گے-

ل سورۂ مزمل کا موضوع تنزیل یہ تھا کہ تبلیغ حق کی مشکلات و مقامات کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہی بخشی جائے اور

(۱) ''البلاغ'' ۱۰/دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۱۳-

فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ
كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ
ع تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ
وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ
فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ
يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا

(۱۵) ہم نے تمہاری جانب ایک رسول بھیجا' تمہارے آگے حق کی شہادت دینے والا' جس طرح فرعون کی جانب ہم نے ایک رسولؑ بھیجا تھا-(۱) (۱۶) فرعون نے ہمارے رسول کی نافرمانی کی' سو ہمارے غضب نے اسے بڑا ہی سخت پکڑا اور اس کا سارا گھمنڈ اور غرور باطل بیکار ہوگیا-ؔ (۱۷) پھر اے منکرین اسلام! اگر تم بھی اسی طرح نافرمانی کرو گے تو اس دن کی مصیبت سے کیسے بچ سکو گے جس کی سختی بچوں کو مارے غم کے بوڑھا کر دے گی-(۲) (۱۸) اس دن آسمان پھٹ جائے گا اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا- (۱۹) یہ قرآن نصیحت ہے' پھر جو کوئی چاہے اس پر عمل پیرا ہو کر پروردگار کی طرف راستہ پیدا کرے- (۲۰) اے پیغمبر! تمہارا پروردگار واقف ہے کہ تم راتوں کو اللہ کی یاد اور ذکر کے لیے جاگتے ہو' کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی' اور ایک جماعت تمہارے ساتھیوں کی اس شب بیدارانہ عبادت میں تمہارے ساتھ شریک ہوتی ہے- رات اور دن کے تمام (اشغال واعمال) کا اللہ تعالیٰ ہی اندازہ کر سکتا ہے-

اسے معلوم ہے کہ تم (بوجہ انہماک عبادت اور کمال محویت وخود فراموشی) وقت کو محفوظ نہیں کر سکتے' اس لیے اس نے تمہارے حال پر ارادۂ لطف وکرم کیا اور وقت کی قید اٹھا دی.................

بتلایا جائے کہ حق کا ظہور ہمیشہ ابتدا میں مظلومی و بے سروسامانی کے ساتھ ہوتا ہے پر آخر میں فتح مندی چمکتی ہے- چنانچہ آیات آئندہ میں راہ حق کی مشکلات وتکالیف پر اور اس انکار وسرکشی پر جو باطل پرستوں میں نظر آتی ہے' آپ کو تسکین وتسلی دی ہے- اور فرمایا ہے کہ ان حالات کو دیکھ کر اپنے اندر مایوسی نہ لاؤ- یہ حق کی ابتدا ہے مگر تھوڑے سے صبر وانتظار کے بعد اس کی انتہا بھی آنے والی ہے-''

ؔ آیت ۱۵-۱۶ میں کفار قریش کو تنبیہ ہے کہ اگر تم نے بھی اپنے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی تو تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو فرعون کا ہوا-

(۱) ''البلاغ'' ۱۰/دسمبر ۱۹۱۶ء ص۱۳- (۲) ایضاً

مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ۧ ۲۰

ع ۲ / ۱۴

پس اب جس قدر بھی آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو- اسے یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض آدمی بیمار پڑیں گے' بعض تلاش معاش وتجارت کے سلسلے میں سیر وسیاحت کر رہے ہوں گے، بعض خدا کی راہ میں دشمنان اسلام سے لڑتے ہوں گے-

بہر حال ایسی صورت میں اب یہی حکم ہے کہ شب کو جس قدر (تہجد کی نماز میں) قرآن بآسانی پڑھا جاسکتا ہے پڑھو اور اپنے جسم پر بہت زیادہ بار نہ ڈالو![1]

اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کو ''قرض حسن'' دیتے رہو- اور جو بھلائی بھی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے وہی بھلائی اور اجر میں بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں پاؤ گے' اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے![۳]

''سورۂ مزمل کے موضوع تنزیل اور آیت زیر بحث کے سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آیہ نساء (انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح- الآیۃ- پ٦) کی طرح دعوت اور داعی کی تشبیہ نہیں دی گئی- بلکہ دعوت وداعی کے انکار اور منکر میں دی گئی ہے- پس یہ تشبیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام میں نہ ہوئی' منکر موسیٰ علیہ السلام اور منکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی-[2]

۳ آخر آیت ۲۰ میں قیام اللیل میں تخفیف کا حکم دیا گیا ہے- اور فرمایا ''تم اس کو ہمیشہ نبھا نہ سکو گے- اس لیے جس قدر سہولت کے ساتھ قرآن مجید پڑھا جا سکے' پڑھ لیا کرو-''

اور سلف میں اکثر نے اس آیت کو پہلے حکم کا ناسخ قرار دیا اور وقت کی تحدید کو ختم کر دیا ہے- تاہم اس کا استحباب باقی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام اللیل کے تارک کو ملامت کی ہے- حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص صبح تک سویا رہتا ہے اور تہجد کی نماز کے لیے نہیں اٹھتا- آپؐ نے فرمایا' اس کے دونوں کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے-

متعدد احادیث میں قیام لیل کی ترغیب دی ہے- خصوصاً جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہیں' انہیں زیادہ تاکید فرمائی ہے- ایک روایت میں آپؐ نے فرمایا: ''من لم یوتر فلیس منا!''

(۱) ''الہلال'' ۲۸ مئی ۱۹۱۳ء ص ۹-۱۰ (۲) ایضاً-

آیاتھا: 56 سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ رُکوعاتھا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤ وَلَا
تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ⑥ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ⑦ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ⑧ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ⑨
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ⑩ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ⑪ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ⑫ وَّبَنِيْنَ
شُهُوْدًا ⑬ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ⑭ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ⑮ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ⑯
سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ⑰ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ⑱ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ⑲ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ⑳
ثُمَّ نَظَرَ ㉑ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ㉒ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ㉓ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ㉔
اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ㉕ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ㉖ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ㉗ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ㉘

(۱) اے چادراوڑھ کر سونے والے[۱] (۲) اٹھ، پھر لوگوں کو ڈرا (۳-۵) اپنے خدا کی تکبیر کہہ، اپنے کپڑوں کو پاک کر اور بتوں سے دوری اختیار کر[(۱)] (۶) اور زیادہ حاصل کرنے کے لیے (کسی کے ساتھ) احسان نہ کرو (۷) اور اپنے رب (کی رضا جوئی) کے لیے (تکالیف) برداشت کرو (۸) پھر جب صور میں پھونکا جائے گا- (۹-۱۰) پس وہی دن ہے کہ بڑی ہی سختی اور مشکل کا دن ہوگا، جس میں کسی راہ کسی شکل میں بھی آسانی کی صورت نظر نہ آئے گی-[(۲)] (۱۱) تم مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دو، جسے میں نے اکیلا پیدا کیا- (۱۲-۱۳) اور (پھر) اسے بہت سا مال دیا اور سامنے موجود رہنے والے بیٹے دیے (۱۴) اور ہر طرح کا سامان اس کے لیے مہیا کردیا- (۱۵) پھر (اس پر بھی) وہ طمع رکھتا ہے کہ اسے اور زیادہ دوں (۱۶) ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں سے بغض و عناد رکھتا ہے-[۲] (۱۷) میں اسے سخت چڑھائی پر چڑھواؤں گا- (۱۸) اس نے سوچا اور اندازہ کیا (۱۹) تو اس کو (خدا کی) مار کہ اس نے کیسی اٹکل دوڑائی (۲۰) پھر اس پر (خدا کی) مار کہ اس نے کیسی اٹکل دوڑائی (۲۱) پھر (مجھ پر) نگاہ ڈالی (۲۲) پھر تیوری چڑھائی اور خوب منہ بنایا (۲۳) پھر پیٹھ پھیری اور تکبر میں پڑ گیا (۲۴) اور کہنے لگا: ''یہ قرآن کچھ نہیں مگر (ایک قسم کا) جادو ہے جو (پہلوں سے) نقل ہوتا چلا آ رہا ہے- (۲۵) یقیناً یہ تو کسی بشر کا کلام ہے!'' (۲۶) میں عنقریب اسے دوزخ میں جھونک دوں گا (۲۷) اور تم کیا جانو کہ وہ دوزخ ہے کیا چیز؟ (۲۸) نہ وہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے-

[۱] یہ سورہ بھی مکی ہے- اور اس کی پہلی سات آیات تو مکہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہیں- بلکہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ

(۱) ''الہلال'' ۵ راگست ۱۹۱۴ء ص ۱۰- (۲) ''الہلال'' ۹ رفروری ۱۹۱۴ء ص ۴-

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا
عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ
الْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا
يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ ع
وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ
يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿٣٨﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ

---

(۲۹) کھال کو جھلس دینے والی- (۳۰) اس پر انیس (فرشتے) مقرر ہیں (۳۱) اور ہم نے دوزخ کے داروغے فرشتے ہی بنائے ہیں اور ان کی تعداد (انیس) کو کافروں کے لیے فتنہ بنا دیا ہے تا کہ اہل کتاب کو یقین آ جائے اور ایمان والوں کا ایمان بڑھ جائے- اور اہل کتاب اور مومنین کو (قرآن مجید کی صداقت میں) کسی قسم کا شبہ نہ رہے- اور جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور کفار یہ کہیں کہ ایسی باتوں کے بیان کرنے سے اللہ کو کیا غرض ہے؟ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخش دیتا ہے اور تمہارا پروردگار اس کارزار ہستی کی کارفرمائیوں کے لیے) جو فوجیں رکھتا ہے ان کا حال اس کے سوا کون جانتا ہے؟[1] اور یہ (دوزخ کا ذکر) تو صرف نصیحت کے لیے ہے- (۳۲) سچ کہتا ہوں اور قسم ہے چاند کی (۳۳) پس قسم ہے رات (انتظار) کی جب وہ ختم ہونے لگے (۳۴) اور صبح (نتائج) کی جب وہ روشن ہو جائے- (۳۵-۳۶) کہ دنیا کے عظیم الشان واقعات میں سے یہ ایک واقعہ ہے (اور آنے والے نتائج و حوادث سے) انسان کو ڈرانے والا ہے- (۳۷) البتہ یہ اقدار و تخویف انہی کے لیے ہے جو تم میں سے نظر عبرت رکھتے ہیں اور جن کا دماغ فہم و تدبر کے لیے متحرک رہتا ہے، یعنی جو تم میں سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا چاہتے ہیں، ایک ہی خیال پر منجمد نہیں پتھر کی طرح-[2] (۳۸) ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے (۳۹) مگر داہنے ہاتھ والے-

---

یہ قرآن پاک کی اولین آیات ہیں- لیکن جمہور علماء کے نزدیک سب سے پہلی وحی سورۂ ''اقرء'' کی ابتدائی آیات ہیں- حدیث میں ہے کہ اس کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہو گیا اور تقریباً تین مہینے تک بند رہا- پھر اچانک وحی آئی اور سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں- معلوم ہوا کہ فترۃ کے بعد یہ پہلی وحی ہے-

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سورۃ العلق کے نزول کے ساتھ آپ ؐ نبی بن گئے اور سورۃ المدثر کے نزول پر جب **''قم فانذر''** کا جملہ نازل ہوا تو آپ ﷺ پر رسالت کا بوجھ بھی ڈال دیا گیا-

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۶۸- (۲) ''الہلال'' ۲ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۴- ایک اور مقام پر انہی آیات کا ترجمہ یوں کیا ہے:

يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾
وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾
حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ
مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ
اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۖ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَآءَ
ذَكَرَهٗ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

---

(۴۰) جنت میں ہوں گے' پوچھیں گے ایک دوسرے سے (۴۱) مجرموں کے متعلق (۴۲) (پھر گناہگاروں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے) "تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لے گئی؟" (۴۳) وہ کہیں گے "ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے- (۴۴) اور نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے- (۴۵) اور بے ہودہ بکنے والوں کے ساتھ ہم بھی بکواس کرتے تھے (۴۶) اور ہم روز جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے (۴۷) حتی کہ ہم پر موت آ پہنچی-" (۴۸) تو اس وقت سفارش کرنے والوں کی سفارش بھی ان کو کچھ فائدہ نہ دے گی (۴۹) ان کو کیا ہوگیا ہے کہ یہ اس نصیحت سے روگردانی کر رہے ہیں (۵۰) گویا یہ جنگلی گدھے ہیں (۵۱) جو شیر سے ڈر کر بھاگ پڑے ہیں (۵۲) بلکہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اسے کھلے صحیفے دیے جائیں- (۵۳) ہرگز نہیں' بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے (۵۴) ہرگز نہیں' یہ تو ایک نصیحت ہے (۵۵) پھر جس کا جی چاہے اسے مان لے- (۵۶) اور یہ نہیں مانیں گے مگر یہ کہ اللہ کی یہی مشیت ہو- اس کی شان یہ ہے کہ اس سے ڈرا جائے' اور اس کی شان کے لائق ہے کہ وہ (ڈرنے والوں کو) بخش دے-

---

۲ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علانیہ تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع ہوا اور پہلی مرتبہ حج کا موقع آیا تو کفار قریش نے باہم مشورہ کیا کہ باہر سے آنے والے حاجیوں کو قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روکنے کے لیے مہم چلائی جائے- ان آیات میں اسی کارروائی کی طرف اشارہ ہے- اور آیت ۱۱ میں "اس شخص" سے مراد ولید بن مغیرہ ہے- جس کے دس لڑکے تھے- " وبنين شهودا" میں انہی کی طرف اشارہ ہے-

"بیشک چاند نکل آیا' رات جبکہ ختم ہوگئی اور دن جب کہ روشن ہوا- یہ حادثہ بڑے بڑے انقلابات میں سے ایک بڑا ہی انقلاب ہے اور غافل انسانوں کو غفلتوں کی پاداش سے سخت ڈرانے والا ہے' تو تم میں سے جو بڑھنا چاہے اس کے لیے اب بڑھنا ہے' اور جو پیچھے ہٹنا چاہے اس کے لیے غافل ہو کر تباہ ہونا-"

اٰیَاتُهَا: 40 سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ① وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ② اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ
عِظَامَهٗ ③ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ④ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ⑤ يَسْـَٔلُ
اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ⑥ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ⑦ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ⑧ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ⑨
يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ⑩ كَلَّا لَا وَزَرَ ⑪ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ⑫ يُنَبَّؤُا
الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ⑬ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ⑭ وَّلَوْ اَلْقٰى
مَعَاذِيْرَهٗ ⑮ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ⑯ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ⑰ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ

---

(۱) میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔[۱] (۲) اس پاک روح کی قسم جو گناہ کرنے کے بعد انسان کو بہت ملامت کرتی ہے۔[۲] [(۱)] (۳) کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم (اس کے مرنے کے بعد) اس کی ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے؟ (۴) کیوں نہیں؟ ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور درست کر دینے پر قادر ہیں۔ (۵) بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ آئندہ بھی برے کام کرتا رہے (اس لیے قیامت کا انکار کرتا ہے) (٦) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ (۷) جب نظر پتھرا جائے گی (۸) اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ (۹) اور سورج اور چاند ملا دیے جائیں گے (۱۰) اس وقت انسان کہے گا "اب کہاں بھاگ کر جاؤں" (۱۱) ہرگز نہیں، کہیں پناہ نہ ملے گی (۱۲) اس روز تیرے رب ہی کے حضور ٹھہرنا ہوگا (۱۳) اس روز انسان کو سب اگلے پچھلے اعمال جتلا دیے جائیں گے۔[۳] (۱۴) بلکہ انسان کا وجود خود اس (کی کج اندیشیوں) کے خلاف ایک حجت ہے (۱۵) اگرچہ وہ (اپنے وجدان کے خلاف) کتنے ہی عذر بہانے تلاش کرے۔[(۲)]

(۱٦) (اے نبی! قرآن مجید اترتے وقت) اس کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے۔ (۱۷) اس کو یاد کرا دینا اور

---

[۱] یہ سورہ مکی ہے۔ اور آیت نمبر ۱٦ " **لا تحرك به لسانك لتعجل به** ..... " سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل ابتدائی زمانہ کی تنزیلات سے ہے۔ جس میں اسلام کی بنیادی تعلیمات (عقائد و اخلاق) نہایت اختصار سے پیش کیے گئے ہیں۔

[۲] قرآن پاک میں نفس انسانی کی تین صفات مذکور ہیں۔ ایک وہ جو انسان کو برائی پر اکساتا ہے۔ اس کا نام "نفس امارہ" ہے۔ دوسرا وہ نفس جو غلط کام کرنے پر انسان کو ملامت کرتا ہے، اس کا نام "نفس لوامہ" ہے۔ تیسرا وہ جو صحیح راہ اختیار کرنے پر اطمینان محسوس کرتا ہے۔ اس کا نام " **نفس مطمئنہ** " ہے۔

---

(۱) "البلاغ" ۲٦ رنومبر ۱۹۱۵ء ص ۷۔ (۲) "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۵۲۔

فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾
وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا
فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ
بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾
ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ
يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ
مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے (۱۸) لہٰذا جب ہم اسے پڑھیں تو تم غور سے سنتے رہو (۱۹) پھر اس کی وضاحت بھی ہمارے ذمہ ہے۔ (۲۰) ہرگز نہیں' بلکہ تم جلد حاصل ہونے والی چیز (متاع دنیا) سے محبت رکھتے ہو۔ (۲۱) اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو (۲۲) اس روز بہتوں کے منہ تروتازہ ہوں گے (۲۳) جو اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہوں گے۔[1] (۲۴) اور بہت سے منہ اس روز برے بن رہے ہوں گے۔

(۲۵) ان کو گمان ہوگا کہ ایسی سختی ان کے ساتھ ہونے والی ہے کہ ان کی کمر توڑ دے گی (۲۶) خوب سمجھ لو کہ جب ہنسلی تک جان پہنچ گی (۲۷) لوگ چلا اٹھیں گے کہ کوئی جھاڑنے والا ہے؟ (۲۸) یقین ہو جائے گا کہ یہ (دنیا سے) مفارقت کا دن ہے۔

(۲۹) اس وقت پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی (۳۰) تو یاد رکھ' اسی دن تجھے اپنے رب کی طرف چلنا ہوگا۔[2]

(۳۱) مگر اس نے نہ تصدیق کی نہ نماز پڑھی (۳۲) بلکہ (الٹا پیغمبر یا قرآن کو) جھٹلایا اور منہ موڑا (۳۳) پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا (۳۴) تجھ پر افسوس در افسوس (۳۵) پھر افسوس در افسوس (۳۶) کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ سہل چھوڑ دیا جائے گا اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہوگی؟ (۳۷) کیا اس پر یہ حالت نہیں گزر چکی کہ پیدائش سے پہلے نطفہ تھا؟ (۳۸) پھر نطفہ سے علقہ (جونک کی سی شکل) ہوا' پھر علقہ سے (اس کا ڈیل ڈول) پیدا کیا گیا۔ پھر اس (ڈیل ڈول کو) ٹھیک ٹھیک درست کیا گیا[3] (۳۹) پھر اس کی دو قسمیں کیں (یعنی) نر اور مادہ (۴۰) کیا وہ (اللہ) اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو جلا اٹھائے؟

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اور نفس لوامہ کی قسم کھا کر جو بات بیان کی ہے وہ مذکور نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد اللہ

(۱) ''الہلال'' ۲۷ راگست ۱۹۱۳ء ص ۸۔ (۲) ''الہلال'' ۲۷ راگست ۱۹۱۳ء ص ۸۔ (۳) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۵۹۔

تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔

۳؎ قیامت کے پہلے مرحلے پر نظام عالم کے درہم برہم ہو جانے کی مختصر کیفیت بیان کی ہے۔

۴؎ وحی کے ابتدائی دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ کوشش فرماتے کہ وحی کے نصوص یاد ہو جائیں اور کوئی لفظ حافظہ سے اتر نہ جائے۔ اس لیے جب وحی نازل ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش فرماتے۔ چنانچہ اثنائے وحی میں ہدایت دی گئی کہ آپ وحی کے نصوص یاد کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ غور سے سنتے رہیں۔ اسے یاد کرا دینا اور بعد میں ٹھیک ٹھیک پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ اسی بات کا سورۂ طٰہٰ اور سورۃ الاعلیٰ میں اعادہ کیا گیا ہے۔

۵؎ انسان چونکہ فسق و فجور کی کھلی چھٹی چاہتا ہے اور ان اخلاقی پابندیوں سے بچنا چاہتا ہے جو آخرت کو ماننے سے لازم آتی ہیں اس لیے وہ آخرت کا انکار کرتا ہے۔

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُھَا : 31 | سُوْرَۃُ الدَّھْرِ مَدَنِیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا : 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ
نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ﳓ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ②اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا
كَفُوْرًا ③اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِیْرًا ④اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ
كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ⑤ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ⑥یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ
وَ یَخَافُوْنَ یَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا ⑦وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا
وَّ اَسِیْرًا ⑧اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ⑨اِنَّا نَخَافُ مِنْ

---

(۱) بے شک زمانے میں انسان پر ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا[۱،۲] (۲) بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا-[۳] جسے (ایک کے بعد ایک) مختلف حالتوں میں پلٹتے ہیں- پھر اسے ایسا بنا دیا کہ سننے اور دیکھنے والا وجود ہو گیا-[۴]

(۳) ہم نے اس پر راہ عمل کھول دی- اب یہ اس کا کام ہے کہ یا تو شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا![(۱)] (۴) بیشک ہم نے کافروں کے لیے (آخرت میں) زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے-

(۵) جو لوگ نیک ہیں وہ بلاشبہ (جنت میں) ایسے شراب کے جام پییں گے جس میں کافور کی آمیزش ہو گی (۶) وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پییں گے اور جہاں چاہیں گے اسے بہا لے جائیں گے-

(۷) یہ وہ لوگ ہوں گے جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہو گی-

(۸) اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں وہ مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں-

(۹) (اور کہتے ہیں) ہمارا یہ کھلانا اس کے سوا کچھ نہیں کہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ہم تم سے نہ تو بدلہ چاہتے ہیں نہ کسی طرح کی شکر گزاری-[(۲)] (۱۰) ہمیں تو اپنے رب سے اس دن (کے عذاب) کا خوف لگا ہوا ہے جو نہایت اداس اور سخت ہو گا-

---

۱؎ جمہور کے نزدیک یہ سورہ مکی ہے- اس کے انداز بیان سے ان کی تائید ہوتی ہے- بعض نے اسے مدنی قرار دیا ہے- مگر صحیح یہ ہے کہ یہ سورہ مکی ہے- اور جس روایت کی بنا پر اسے مدنی قرار دیا گیا ہے وہ روایت صحیح نہیں ہے-

۲؎ دنیا میں انسان کو چاہیے کہ اپنی حقیقت پر غور کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا لائے- یہاں پر "ھل" بمعنی "قد" ہے- "دھر"

---

(۱) "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۱۷۹- (۲) ایضاً نیز آیت نمبر ۹ کے لیے ملاحظہ ہو "البلاغ" ۱۷-۲۴ر دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۳-

رَّبِّنَا يَوۡمًا عَبُوۡسًا قَمۡطَرِيۡرًا ﴿۱۰﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الۡيَوۡمِ وَلَقّٰىهُمۡ نَضۡرَةً وَّسُرُوۡرًا ﴿۱۱﴾
وَجَزٰىهُمۡ بِمَا صَبَرُوۡا جَنَّةً وَّحَرِيۡرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕيۡنَ فِيۡهَا عَلَى الۡاَرَآٮِٕكِ‌ ۚ لَا يَرَوۡنَ فِيۡهَا شَمۡسًا
وَّلَا زَمۡهَرِيۡرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيۡهِمۡ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتۡ قُطُوۡفُهَا تَذۡلِيۡلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيۡهِمۡ
بِاٰنِيَةٍ مِّنۡ فِضَّةٍ وَّاَكۡوَابٍ كَانَتۡ قَوَارِيۡرَا۠ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيۡرَا۠ مِنۡ فِضَّةٍ قَدَّرُوۡهَا تَقۡدِيۡرًا ﴿۱۶﴾
وَيُسۡقَوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنۡجَبِيۡلًا ﴿۱۷﴾ عَيۡنًا فِيۡهَا تُسَمّٰى سَلۡسَبِيۡلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوۡفُ
عَلَيۡهِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ‌ ۚ اِذَا رَاَيۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُـؤۡلُـؤًا مَّنۡثُوۡرًا ﴿۱۹﴾ وَاِذَا رَاَيۡتَ ثَمَّ رَاَيۡتَ
نَعِيۡمًا وَّمُلۡكًا كَبِيۡرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمۡ ثِيَابُ سُنۡدُسٍ خُضۡرٌ وَّاِسۡتَبۡرَقٌ‌ ۖ وَّحُلُّوۡۤا اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّةٍ‌ ۚ
وَسَقٰٮهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُوۡرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَـكُمۡ جَزَآءً وَّكَانَ سَعۡيُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ﴿۲۲﴾ اِنَّا ع

(۱۱-۱۲) سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اس دن کی سختی سے بچالے گا اور ان کو تازگی اور مسرت سے ہمکنار کرے گا- اور ان کے صبر (واستقلال) کے صلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا- (۱۳) وہ مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے- اور اس جنت میں نہ وہ سورج کی گرمی پائیں گے اور نہ جاڑے کی سختی (۱۴) جنت (کے درختوں) کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے پھل ان کے اختیار میں کر دیے جائیں گے- (۱۵) اور ان پر چاندی کے برتن اور شیشے کے پیالوں کا دور چل رہا ہوگا- (۱۶) شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے (یعنی سفید شفاف) جن کو (خدام جنت نے) ٹھیک اندازے کے موافق بھرا ہوگا- (۱۷) اور ان کو وہاں (ایسی شراب کے) جام پلائے جائیں گے جن میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی- (۱۸) وہ جنت میں ایک چشمہ ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا- (۱۹) اور ان کی خدمت کے لیے ایسے لڑکے پھرتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے- جب تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھیر دیے گئے ہیں- (۲۰) اور جب تو بہشت کو دیکھے تو وہاں بہ کثرت نعمتیں اور بڑی سلطنت کا سامان تمہیں نظر آئے گا (۲۱) ان کے اوپر باریک ریشم کے سبز لباس اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے- اور ان کا رب انہیں شراب طہور (یعنی نہایت پاکیزہ شراب) پلائے گا- [۵] (۲۲) (اور ان سے کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہیں اور تمہاری کوشش قابل قدر ٹھہری-''

یعنی لا متناہی زمانے کے اندر ایک طویل مدت ایسی گزر چکی ہے جب سرے سے نوع انسانی موجود نہ تھی پھر اس نوع کا آغاز ہوا-

۳ ''نطفۃ امشاج'' (آیت نمبر۲) سے مراد یہ ہے کہ انسان کی پیدائش مرد اور عورت کے دو الگ الگ نطفوں سے نہیں ہوئی بلکہ دونوں نطفے جب مل کر ایک ہو گئے تب اس مرکب نطفے سے انسان پیدا ہوا-

نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾
اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ
اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ
سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ
رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾ ع ۲

(۲۳) (اے پیغمبر) بے شک ہم نے ہی آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن مجید نازل فرمایا ہے۔[۶] (۲۴) سو آپ اپنے رب کے حکم پر صبر کیجیے اور ان میں سے کسی بدکار یا کافر کی بات نہ مانیے (۲۵) اور صبح و شام اپنے رب کا نام لیا کیجیے۔ (۲۶) اور رات کو اس کے حضور سجدہ ریز رہیے۔ اور رات کے طویل حصہ میں اس کی تسبیح کرتے رہیے! (۲۷) یہ لوگ تو دنیا سے محبت رکھتے ہیں۔ اور آگے جو بھاری دن آنے والا ہے اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔[۷] (۲۸) ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے اور ہم نے ہی ان کے جوڑ بند مضبوط کیے ہیں۔ اور جب ہم چاہیں تو انہی جیسے اور لوگ لے آئیں۔ (۲۹) بلاشبہ یہ نصیحت (کی باتیں) ہیں۔ سو جو شخص چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے! (۳۰) اور مشیت الٰہی کے بغیر تم لوگ کچھ نہیں چاہ سکتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑی حکمت والا ہے (۳۱) وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔ اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے!

---

۴ ''اس پر راہ عمل کھول دی'' کہ یا تو خدا کی دی ہوئی قوتیں کام میں لائے اور فلاح و سعادت کی راہ اختیار کرے، یا ان سے کام نہ لے اور گمراہ ہو جائے۔

۵ جنت کی ان نعمتوں کا ذکر سورۃ الکہف میں بھی بیان ہوا ہے اور بعض دیگر سورتوں میں بھی یہ ذکر ملتا ہے۔ جنت میں جو شراب پیش ہوگی ایک تو وہ ہوگی جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور دوسری وہ کہ جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہوگی۔ اس کے بعد اب یہاں پر فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ انہیں شراب طہور پلائے گا۔''

۶ آیت نمبر ۲۳ میں قرآن مجید کی حقانیت پر زور دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ''ان کفار کے کہنے پر آپ قرآن مجید کی تبلیغ کو ترک نہ کریں، بلکہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کیجیے اور رات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز رہیے!

۷ دنیا پرستی ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے انسان اخلاق و عقائد کی گمراہیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہاں پر (آیت ۲۷ میں) یہی فرمایا کہ یہ لوگ دنیا سے محبت کرتے ہیں۔ جب کہ آخرت کو ان لوگوں نے پس پشت ڈال رکھا ہے!

اٰیَاتُھَا: 50 سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰتِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا: 2

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ① فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ② وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ③ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ④
فَالْمُلْقِیٰتِ ذِکْرًا ⑤ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ⑥ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ⑦ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ⑧ وَ
اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ⑨ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ⑩ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ⑪ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ⑫
لِیَوْمِ الْفَصْلِ ⑬ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ⑭ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ⑮ اَلَمْ نُھْلِکِ

(۱) قسم ہے ان ہواؤں کی جو ابتدا میں معمولی رفتار سے چلائی جاتی ہیں-[1][2] (۲) پھر یکایک زور پکڑ کے تیز ہو جاتی ہیں- (۳) پھر بادلوں کو چاروں طرف پھیلا دیتی ہیں-[(1)] (۴) پھر انہیں پھاڑ کر الگ کر دیتی ہیں-

(۵-۶) پھر قسم ہے ان کی' اس لیے کہ وہ اپنی عجیب و غریب مختلف حالتوں سے انسان کے دل میں قدرت الٰہی کا خیال پیدا کر دیتی ہیں-[(۲)]

(۷) کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے' وہ ضرور واقع ہونے والی ہے-[2] (۸) سو جب ستارے ماند پڑ جائیں گے- (۹) اور جب آسمان میں شگاف پڑ جائیں گے (۱۰) اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں گے (۱۱) اور جب رسولوں کے پیش ہونے کا وقت مقرر کر دیا جائے گا (اس روز جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا) (۱۲) آخر یہ کس دن کے لیے تاخیر کی گئی ہے؟

(۱۳) (یہ معاملہ) فیصلہ کے دن کے لیے (ملتوی رکھا گیا ہے) (۱۴) اور آپ کو کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟ (۱۵) اس روز تکذیب کرنے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے! (۱۶) کیا ہم نے طغیان و عصیان کی پاداش میں اگلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا؟

[1] [2] یہ سورہ مکی عہد کی ابتدائی تنزیلات سے ہے- اس کا موضوع قیامت اور آخرت ہے اور اس کے نتائج سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے-

چنانچہ ابتدائی آیات میں ہواؤں کو گواہ بنا کر فرمایا ہے کہ قرآن مجید جس قیامت کے آنے کی خبر دے رہا ہے وہ آ کر رہے گی- جس قادر مطلق نے زمین پر یہ حیرت انگیز انتظامات قائم کر رکھے ہیں' اس کی قدرت قیامت برپا کرنے سے عاجز نہیں ہے- اور انسانی تاریخ بتا رہی ہے کہ جن قوموں نے بھی عالم آخرت کا انکار کیا' وہ آخرکار بگڑیں اور تباہی سے دوچار ہو گئیں- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت اور جزا و سزا کا نظریہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو قوم بھی اس سے متصادم ہوئی اسے برے انجام سے دوچار ہونا پڑا-

اور پھر یہاں کائنات میں جو نظام چل رہا ہے وہ محض طبعی نظام نہیں ہے' بلکہ قانون اخلاق بھی کام کر رہا ہے- جس کے تحت اس دنیا میں مکافات عمل کا سلسلہ جاری ہے- لیکن اس دنیا میں یہ مکافات مکمل نہیں ہو سکتی ہے اس لیے لازماً ایک ایسا دن مقرر کیا گیا ہے جس میں مکمل سزا دی جائے گی-

(۱) ''الہلال'' ۲۹ رجنوری ۱۹۱۳ء ص ۳- (۲) ایضاً ص ۳-

الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٧﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٩﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٢٠﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿٢١﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢٢﴾
فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٤﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾
اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿٢٧﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿٣٠﴾ لَّا
ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ

---

(۱۷) پس اسی طرح ہم پچھلی قوموں کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیں گے (۱۸) یہ ہمارا قانون ہے کہ اپنے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں (۱۹) پس اس دن اللہ کی سچائی کو جھٹلانے والوں پر افسوس! [(۱)] (۲۰) کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟

(۲۱-۲۲) اور اسے ایک مقررہ اندازے تک محفوظ مقام میں نہیں رکھا؟ (۲۳) پھر ہم نے اس کا اندازہ کیا' سو ہم کیا ہی اچھا اندازہ کرنے والے ہیں! (۲۴) اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے (۲۵) کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ (۲۶) زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی! (۲۷) اور اس میں اونچے اونچے مضبوط پہاڑ جما دیے اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا-

(۲۸) تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے! (۲۹) (اس دن منکروں سے کہا جائے گا) ''اب چلو اس عذاب کی طرف جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے- (۳۰) چلو اس (دھویں کے) سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے-'' (۳۱) جو (درحقیقت) نہ تو سایہ ہے اور نہ آگ ہی کی لپٹ سے بچاتا ہے- (۳۲) وہ (سایہ) محل جیسی بڑی بڑی چنگاریاں پھینکتا ہے (۳۳) گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں-

---

دنیا میں جس قدر تکوینی انقلابات آتے ہیں' یہ سب ہواؤں کے کرشمے ہیں- اس لیے قیامِ قیامت پر بھی انہی ہواؤں کی مختلف حالتوں کا ذکر کر کے بطور شہادت پیش کیا:

''عربی زبان میں جس کثرت سے ہوا کی مختلف قسموں اور حالتوں کے لیے اسماء وصفات ہیں' شاید ہی کسی زبان میں ہوں- اور صرف ہوا پر موقوف نہیں' اس کی وسعت کے لیے ہر شے پیش کی جا سکتی ہے- سورۂ مرسلات اور سورۂ ذاریات وغیرہ میں مرسلات' ذاریات' عاصفات' ناشرات' معصرات' صرصر وغیرہ جس قدر الفاظ آتے ہیں' مختلف ہواؤں کے نام ہیں' جو عرب جاہلیت نے اپنی میدانی اور صحرائی زندگی میں رکھ لیے تھے-

---

(۱) ''الہلال'' ۱۳ر نومبر ۱۹۱۴ء ص ۲

يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿٣٤﴾ هٰذَا يَوۡمُ لَا يَنۡطِقُوۡنَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤۡذَنُ لَهُمۡ فَيَعۡتَذِرُوۡنَ ﴿٣٦﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ
لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿٣٧﴾ هٰذَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۚ جَمَعۡنٰكُمۡ وَالۡاَوَّلِيۡنَ ﴿٣٨﴾ فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ كَيۡدٌ فَكِيۡدُوۡنِ ﴿٣٩﴾
وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿٤٠﴾ اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ ظِلٰلٍ وَّعُيُوۡنٍ ﴿٤١﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ﴿٤٢﴾ كُلُوۡا ع
وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓــًٔا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿٤٤﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ
لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿٤٥﴾ كُلُوۡا وَتَمَتَّعُوۡا قَلِيۡلًا اِنَّكُمۡ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿٤٦﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿٤٧﴾ وَاِذَا قِيۡلَ
لَهُمُ ارۡكَعُوۡا لَا يَرۡكَعُوۡنَ ﴿٤٨﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿٤٩﴾ فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿٥٠﴾ ع

(۳۴)اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہے! (۳۵) یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ کچھ نہ بول سکیں گے(۳۶)اور انہیں اس بات کی اجازت بھی نہ دی جائے گی کہ کوئی عذر پیش کریں-(۳۷)اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بڑی خرابی ہے(۳۸) یہ وہ فیصلے کا دن ہے(جس میں) ہم نے تمہیں اور اگلے لوگوں کو جمع کر دیا ہے- (۳۹) پھر اگر کوئی چال چل سکتے ہو تو میرے مقابلہ میں چل دکھاؤ(۴۰) تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے!(۴۱-۴۲) البتہ متقی لوگ (اس روز) سایوں اور چشموں اور من پسند میووں میں ہوں گے(۴۳) کھاؤ اور پیو خوب مزے سے' ان اعمال کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے-(۴۴) ہم نیک سیرت لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں(۴۵) اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے!(۴۶) (اے منکرین حق) تم تھوڑے دنوں کے لیے کھا(پی) لو اور مزے اڑا لو' یقیناً تم مجرم ہو(۴۷) اس روز جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے-(۴۸) جب ان (منکروں) سے کہا جاتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ کے آگے) جھکو تو وہ نہیں جھکتے -(۴۹) اس روز جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے(۵۰) اب آخر اس (قرآن) کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر ایمان لائیں گے؟

عربی میں ہواؤں کی اصل قسمیں' جو بمنزلہ امہات ریاح سمجھی جاتی ہیں' چار ہیں: شمال' جنوب' صبا' دبور- پھر ان چار قسموں کی بہت سی قسمیں قرار دیں-بعض کی کیفیت یہ ہے:

۱- صبا: ہوا کی معتدل' مفرح' آہستہ خرام' کشت پرور' لیکن ابر و باراں کے ساتھ آنے والی اقسام ہوا میں سے ہے-
۲- جنوب: اس سے مخالف ہے- ۳- سموم: گرم ہواؤں کی ایک قسم-
۴- خازم: ٹھنڈی ہواؤں کی نو قسموں میں سے ایک نہایت سرد قسم- ۵- سہام: نہایت گرم لو کی لپٹ-
۶- شمال: نہایت ٹھنڈی اور خنک ہوا' جسے شام کی طرف منسوب کرتے ہیں- صبا یمن کی طرف منسوب کی جاتی ہے-
۷- نسیم: نہایت ہلکی اور غیر محسوس ہوا-[1]

س۲ نیک اور بدکار لوگوں کا انجام کیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں آیت بالا میں جنت اور دوزخ کا منظر پیش کیا ہے!

(۱) ''الہلال'' ۲۶ راگست ۱۹۱۴ء ص ۱۱-

اٰيَاتُهَا: 40 | سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤
ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝٧ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝٨
وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝٩ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝١٠ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝١١ وَّبَنَيْنَا
فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝١٢ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝١٣ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝١٤

---

(۱) یہ لوگ ایک دوسرے سے کس بات کا حال دریافت کر رہے ہیں؟ (۲) اس بہت بڑے حادثے کی بابت[۱-۲] (۳) جس کی نسبت یہ مختلف طرح کی رائیں رکھتے ہیں (۴) تو خیر، بہت جلد انہیں معلوم ہو جائے گا- (۵) پھر کہتے ہیں کہ بہت جلد معلوم ہو جائے گا (۶) کیا ہم نے زمین کو آرام گاہ (۷) اور پہاڑوں کو اس کا ستون نہیں بنایا؟ (۸) کیا ہم نے تم کو جوڑا جوڑا نہیں پیدا کیا؟[(1)] (۹) اور تمہاری نیند کو ایک غافل کر دینے والی چیز نہیں بنایا؟[۳] (۱۰) اور رات کو پردہ بنا دیا (۱۱) اور دن کو معاش کا وقت بنا دیا- (۱۲) اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنا دیے (۱۳) اور ایک روشن چراغ (یعنی آفتاب) بنایا-[۴] (۱۴) اور ہم ہی نے برسنے والے بادلوں سے بکثرت پانی برسایا-

---

۱ اس سے پہلی اور اس کے بعد کی سورتوں کا مضمون ایک دوسرے کے مشابہ ہے اور یہ سب مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی تنزیلات سے ہیں- اس سورہ میں بھی قیامت اور آخرت کا اثبات اور اس پر ایمان اور عدم ایمان کے نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے- کفار مکہ زیادہ تر آخرت کا مذاق اڑاتے اور اس کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے- اس لیے ابتدائی دور کی سورتوں میں اسی عقیدہ کے اثبات و رسوخ پر زیادہ زور دیا گیا ہے-

۲ "النباء العظیم" سے مراد قیامت ہے، جس کے متعلق وہ مختلف قسم کی چہ میگوئیاں کرتے- یوں بھی دنیا کے انجام کے بارے میں وہ لوگ ایک ذہن نہیں رکھتے تھے- بعض تو آخرت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا تھے اور بعض قطعی طور پر اس کے منکر تھے- اور کچھ دہریے تھے جو مرنے جینے کے لیے گردش ایام کو محور قرار دیتے تھے-

۳ آیت ۹ تا ۱۱ میں فطری لحاظ سے نیند کا فلسفہ بیان کیا ہے اور پھر دن رات کے اختلاف میں جو فوائد پنہاں ہیں ان کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

"زمانہ قدیم میں اس کی جستجو بیکار تھی کہ وہ خواب غفلت کا زمانہ تھا- دور جدید کے بعض علمائے قدیم کا خیال تھا کہ نیند، خون کی اس کثرت مقدار کا نتیجہ ہے جس کی رو لیٹنے سے انسان کے دماغ میں دفعتہً پہنچ جاتی ہے- تجارب علمیہ اس خیال کی تائید نہیں کرتے- کیمسٹری

---

(۱) "البلاغ" ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۲- "البلاغ" ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۶ پر ان آیات کا ترجمہ یوں کیا ہے:
"کیا ہم نے زمین کو تمہارے لیے ایک فرش کی طرح نہیں بچھا دیا؟ کیا یہ ہماری ہی حکمت و قدرت نہیں کہ پہاڑوں کو بلندی دی، اور اس پر (زمین پر) میخوں کی طرح نمود کی- پھر کیا وہ ہم ہی نہیں جس نے تم کو دو جنسوں میں منقسم کر دیا؟"

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ
فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ
سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا
يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا
يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ
نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ ع
وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ

(۱۵) تاکہ اس کے ذریعہ سے غلہ، نباتات (۱۶) اور لپٹے ہوئے باغ اگائیں (۱۷) بے شک فیصلے کا دن مقرر ہے (۱۸) وہ دن جبکہ آخری نتائج کے ظہور کا صور پھونکا جائے گا اور تم فوج درفوج ہر طرف سے آ جمع ہو گے۔(۱)

(۱۹) اور آسمان کھول دیا جائے گا اور وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا (۲۰) اور پہاڑ چلائے جائیں گے حتی کہ وہ سراب بن جائیں گے (۲۱) بے شک جہنم ایک گھات ہے (۲۲) سرکشوں کے لوٹنے کی جگہ ہے۔ (۲۳) وہ اس میں قرن ہا قرن پڑے رہیں گے (۲۴) اس میں کسی ٹھنڈک اور پینے کی چیز کا مزہ نہیں چکھیں گے (۲۵) ماسوا گرم پانی اور بہتی ہوئی پیپ کے (۲۶) (اور وہ اپنے کرتوتوں کا) بھرپور بدلہ دیے جائیں گے۔ (۲۷) کیونکہ وہ کسی حساب کی توقع نہ رکھتے تھے (۲۸) اور ہماری آیتوں کو انہوں نے بار بار جھٹلایا تھا (۲۹) حالانکہ ہم نے ہر چیز کو قلم بند کر کے ضبط کر رکھا ہے۔ (۳۰) سو (ان سے کہا جائے گا کہ) ''اب مزہ چکھو، ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے رہیں گے!'' (۳۱) یقیناً پرہیزگاروں کے لیے کامرانی ہے۔ (۳۲) باغ اور انگور ہیں (۳۳) اور نوجوان ہم عمر عورتیں ہیں (۳۴) اور چھلکتے ہوئے جام ہیں۔ (۳۵) وہاں یہ لوگ کوئی لغو اور جھوٹی بات نہ سنیں گے (۳۶) ان کو یہ صلہ دیا جائے گا جو آپ کے رب کی جانب سے کامل انعام ہوگا۔

کے اصول وقواعد نے نیند کی جو حقیقت بتائی ہے، یہ ہے کہ انسان کا جسم درحقیقت ایک ٹرین کی طرح ہے جو ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ لیکن جب کوئلہ ختم ہو جاتا ہے اور اس جگہ انجن میں راکھ بھر جاتی ہے تو اسے مجبوراً رک جانا پڑتا ہے۔ یہی حال انسان کے دماغ کا ہے، جب ایندھن ختم ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ فضلات جمع ہو جاتے ہیں تو انجن کی طرح وہ بھی دفعتہً رک جاتا ہے اور اسی کو ہم خواب شیریں سے تعبیر کرتے ہیں۔

اعصاب دماغیہ اپنے وظائف عملیہ میں ہمیشہ دو اجزاء کے محتاج ہوتے ہیں۔ آکسیجن اور کروماتوفیل۔ اس لیے دماغ آکسیجن کا ایک

(۱) ''الہلال'' ۱۹ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۴۔

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ مِنۡهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوۡمَ يَقُوۡمُ الرُّوۡحُ
وَالۡمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الۡيَوۡمُ الۡحَقُّ ۚ
فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّاۤ اَنۡذَرۡنٰكُمۡ عَذَابًا قَرِيۡبًا ۖۚ يَّوۡمَ يَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ
يَدٰهُ وَيَقُوۡلُ الۡكٰفِرُ يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۲

(۳۷) اس نہایت مہربان کی طرف سے جو آسمان، زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، سب کا مالک ہے! کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس سے خطاب کر سکے۔

(۳۸) جس روز کہ روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی کلام نہیں کر سکے گا، مگر ہاں جسے خدائے رحمان اجازت دے اور وہ بات بھی ٹھیک کہے (۳۹) اس دن کا واقع ہونا یقینی ہے، سو جو شخص چاہے، اپنے رب کی طرف پلٹنے کا راستہ اختیار کرے۔

(۴۰) ہم نے تم کو قریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے، جس روز کہ آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا، جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ اور کافر پکار اٹھے گا ''کاش میں مٹی ہو جاتا!''

معتد بہ ذخیرہ جمع کرتا رہتا ہے۔ کروماتوفیل کی کافی مقدار ہمیشہ خلایائے عصبیہ میں جمع رہتی ہے اور نیند اس خزانے میں اور اضافہ کر دیتی ہے۔ جب انسان سرگرم عمل رہتا ہے تو صرف وہ اجزا فنا ہی نہیں ہوتے جو دماغ کے انجن کا کوئلہ ہیں بلکہ جس قدر فنا ہوتے ہیں، اسی نسبت سے اس میں فضلات بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ نیند کا سبب خون یا فضلات ردیہ نہیں بلکہ وہ سیال مادہ ہے جو مبدائے اعصاب کے اطراف میں پھیلا ہوا ہے۔ لیکن اس مادے کی حقیقت کیا ہے؟ فطرت نے یہ راز ابھی تک اپنے خزانے میں محفوظ رکھا ہے۔ خدا نے اور (دیگر) تمام فطری چیزوں کے ساتھ آج سے تیرہ سو برس پہلے اپنا ایک احسان یہ جتایا تھا۔ اب تحقیق جدید کا متحرک قدم بھی اس نقطے پر پہنچ کر رک گیا ہے، جہاں سے پرکار کی حرکت اولیٰ شروع ہوئی تھی۔ چنانچہ بعض علما کا خیال ہے کہ نیند بالکل فطری چیز ہے!''

۴ ''سراجا وھاجا'' سے مراد سورج ہے۔ ان آیات میں بہت سے آثار وشواہد ذکر کر کے منکرین قیامت کو بتایا ہے کہ اگر تم اس سارے نظام پر گہرائی سے غور کرو تو معلوم ہوگا کہ یہ سارا نظام زبردست قوت کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا اور نہ اس باقاعدگی کے ساتھ جاری رہ سکتا ہے۔ اور مذکورہ آثار وشواہد ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر چیز خاص مقصد کے تحت کام کر رہی ہے۔ تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان جیسی باتمیز وبااختیار مخلوق کو یونہی بے مقصد چھوڑ دیا جائے اور اچھے اور برے اعمال پر کوئی مواخذہ نہ کیا جائے؟

۵ پہلے اہل دوزخ کے احوال بیان فرمائے ہیں، اور اب یہاں آیت ۳۱ سے متقین یعنی آخرت پر ایمان رکھنے والوں کے حالات کا آغاز ہو رہا ہے۔

آیاتھا:46 سُوْرَۃُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ رُكُوعَاتُهَا:2

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ
اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾ يَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿۶﴾ تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ﴿۷﴾ قُلُوۡبٌ يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ﴿۸﴾ اَبۡصَارُهَا
خَاشِعَةٌ ۘ﴿۹﴾ يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِى الۡحَافِرَةِ ؕ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ﴿۱۱﴾ قَالُوۡا تِلۡكَ
اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِىَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴿۱۴﴾ هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ
مُوۡسٰى ۘ﴿۱۵﴾ اِذۡ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ۚ﴿۱۶﴾ اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۖ﴿۱۷﴾ فَقُلۡ
هَلۡ لَّكَ اِلٰٓى اَنۡ تَزَكّٰى ۙ﴿۱۸﴾ وَاَهۡدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخۡشٰى ۚ﴿۱۹﴾ فَاَرٰٮهُ الۡاٰيَةَ الۡكُبۡرٰى ۖ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ
وَعَصٰى ۖ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ يَسۡعٰى ۖ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۖ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى ۖ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ

وقف لازم وقف لازم وقف لازم

(۱) قسم ہے ان فرشتوں کی جو سختی سے کھینچتے ہیں-[ا] (۲) اور ان کی جو نرمی سے نکال لے جاتے ہیں (۳) اور ان کی جو (کائنات میں) تیزی سے تیرتے پھرتے ہیں- (۴) پھر ان کی جو (حکم کو بجالانے میں) دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں (۵) پھر (احکام الٰہی کے مطابق) ہر کام کی تدبیر کرتے ہیں- (۶) وہ ہولناک دن' جبکہ زمین کانپ اٹھے گی (۷) جب ایک بھونچال کے بعد دوسرا بھونچال آئے گا- (۸) جب انسان کے دل دھڑک اٹھیں گے (۹) اور جب اٹھتی ہوئی نظریں جھک جائیں گی (۱۰) اور کہیں گے "کیا ہم (دنیا میں اس قدر ترقی کر کے اور آگے بڑھ کے) پھر (وحشت و خرابی کی طرف) لوٹائے جائیں گے؟ (۱۱) اور وہ بھی ایسی حالت میں جب گل سڑ کر کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے!" (یقین کرو! ایسا ہی ہونے والا ہے)[(۱)] (۱۲) کہنے لگے "یہ واپسی بڑے خسارے کی ہوگی!" (۱۳) پس وہ واقعہ تو ایک سخت آواز ہوگی (۱۴) جس کے ساتھ ہی یہ لوگ کھلے میدان میں آ موجود ہوں گے- (۱۵) (اے پیغمبرؐ) کیا تمہیں موسیٰؑ کے قصے کی خبر بھی پہنچی ہے؟ (۱۶) جب کہ اسے اس کے رب نے طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا- (۱۷) اے موسیٰ' فرعون کی طرف جاؤ' کیونکہ وہ نہایت ظالم اور سرکش ہوگیا ہے (یعنی خدا کے بندوں پر نہایت ظلم کرتا ہے[(۲)])- (۱۸) اور اس سے کہو' کیا تو اس کے لیے تیار ہے کہ پاکیزگی اختیار کرے (۱۹) اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کروں' تو تیرے دل میں اس کی خشیت پیدا ہو جائے؟ (۲۰) پھر موسیٰؑ نے (فرعون کے پاس پہنچ کر) اسے بڑا نشان دکھایا- (۲۱) مگر اس نے جھٹلا دیا اور نافرمانی کی (۲۲) پھر وہ چالبازیاں کرنے کے لیے پلٹا- (۲۳-۲۴) چنانچہ لوگوں کو جمع کیا اور پکار کر یوں گویا ہوا "میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں!"

ا یہ سورہ بھی مکی ہے اور اس کا موضوع حیات بعد الممات ہے- چنانچہ ابتدائے سورہ میں اس کائنات کے نظام پر متعین فرشتوں کی قسم اٹھا

(۱) حوالہ محفوظ نہیں رہا- (۲) "البلاغ" ۱۱ر فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۲-

ع نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ
بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ
دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾
فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ
لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾ وَ
اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾

---

(۲۵) آخر کار اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب میں پکڑ لیا (۲۶) بے شک اس واقعہ میں ہر اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو ڈرتا ہے-

(۲۷) کیا تمہیں دوبارہ پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کو (بنانا؟) اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بنایا،

(۲۸) اس کے تلیچ کو بلند کیا، پھر اس کو درست فرمایا-

(۲۹) اور اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے دن کو ظاہر کر دیا-

(۳۰) اس کے بعد زمین کو بچھایا-

(۳۱) زمین (کے اندر) سے اس کا پانی اور چارہ نکالا-

(۳۲) اور پہاڑوں کو جما دیا-

(۳۳) یہ (سب کچھ) تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے فائدہ ہے-

(۳۴) پھر جب وہ ہنگامہ بپا ہوگا-

(۳۵) جس روز انسان اپنی دوڑ دھوپ کو یاد کرے گا-

(۳۶) اور دیکھنے والوں کے سامنے جہنم کو ظاہر کر دیا جائے گا-

(۳۷) پس جو شخص سرکش ہوا

(۳۸) اور دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی-

(۳۹) تو اس کا ٹھکانا صرف جہنم ہے-

(۴۰-۴۱) لیکن جو شخص خدا سے ڈرا اور اپنے دل کو ان نفسانی خواہشوں سے روکا (جو ظلم و تمرد اور طغیان و فساد کی طرف

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿٤٢﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿٤٤﴾
اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿٤٥﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿٤٦﴾ ع

لے جاتی ہیں) تو اس کا ٹھکانا جنت ہے (۱)

(۴۲) یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ [۳]

(۴۳) اس کا وقت بیان کرنے سے آپ کا کیا واسطہ؟

(۴۴) اس (کے علم) کا منتہا تو تیرے رب کی جانب ہے-

(۴۵) بس آپ تو صرف اس کو خبردار کرنے والے ہیں جو اس (قیامت) سے ڈرتا ہے-

(۴۶) یہ لوگ جس دن اسے دیکھیں گے تو ان کو ایسا معلوم ہوگا گویا وہ دنیا میں دن کا آخری حصہ یا ابتدائی حصہ ٹھہرے ہیں!

کر بتایا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی اور انسان کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا- اس کے بعد مختصر طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام و فرعون کا قصہ بیان کیا ہے تا کہ فرعون کے انجام سے عبرت حاصل کریں-

پھر آخرت میں حیاة بعد المماة کے دلائل ذکر کیے- اور بتایا کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے- رسول کا کام صرف آگاہ کر دینا ہے-

۲ آیت نمبر ۲۷ میں خلق سے مراد انسانوں کی دوبارہ خلق ہے اور آسمان سے مراد پورا عالم بالا ہے، جس میں بے شمار ستارے اور سیارے، بے حد وحساب شمسی نظام اور ان گنت کہکشاں پائے جاتے ہیں!

۳ کفار کا قیامت کے متعلق یہ سوال اس کا وقت معلوم کرنے کے لیے نہ تھا، بلکہ اس قسم کے سوالات وہ قیامت کا مذاق اڑانے کے لیے کرتے تھے-

✲ ✲ ✲

---

(۱) ''البلاغ'' ۱۴رجنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۰-

اٰیَاتُھَا: 42 سُوْرَۃُ عَبَسَ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ③ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ
الذِّكْرٰى ④ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑥ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ⑦ وَ اَمَّا مَنْ
جَآءَكَ يَسْعٰى ⑧ وَهُوَ يَخْشٰى ⑨ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ⑩ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑫
فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ⑭ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ⑮ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ⑯ قُتِلَ الْاِنْسَانُ

---

(۱) ترش رو ہوئے اور منہ پھیر لیا (۲) اس لیے کہ ان کے پاس ایک نابینا آ گیا-[۱] (۳) تجھے کیا خبر، شاید کہ وہ سنور جائے؟ (۴) یا وہ کوئی نصیحت کی بات قبول کر لے اور نصیحت کرنا اس کے لیے نافع ہو؟

(۵) جو شخص بے پروائی کرتا ہے[۲] (۶) اس کی طرف تو تم توجہ دیتے ہو؟

(۷) حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو آپ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے-(۸) لیکن جو شخص خود آپ کے پاس دوڑا آتا ہے (۹) اور وہ ڈرتا (بھی) ہے[۳] (۱۰) تو آپ اس سے تغافل کا برتاؤ کرتے ہیں؟ (۱۱) ہرگز نہیں! یہ (قرآن مجید) تو ایک نصیحت ہے-(۱۲) سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرے-

(۱۳-۱۴) یہ مکرم، معظم، بلند مقام اور پاکیزہ صحیفوں میں درج ہے-

(۱۵-۱۶) جو بزرگ اور نیک کاتبوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں-

---

۱ یہ سورہ بھی مکی ہے-مفسرین نے اس کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے چند سرداروں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ان کو تبلیغ فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک نابینا شخص ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) آ گیا-اس نے بھی اسلام کے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہا-آنحضرت ﷺ پر یہ مداخلت ناگوار گزری اور آپ ؐ نے اس سے بے رخی برتی-اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سورہ نازل ہوئی-

۲ ان آیات میں بہ ظاہر تو رسول اللہ ﷺ مخاطب ہیں، مگر دراصل سرداران قریش کو ملامت کی گئی ہے-

۳ ایک داعی حق کا یہ فرض ہے کہ جویان حق خواہ کتنے ہی نادار اور ادنیٰ درجہ کے لوگ کیوں نہ ہوں، ان کی تربیت پر اپنی توجہات کو مرکوز رکھے-اور جو لوگ غرور و تکبر کی وجہ سے حق کی پروا نہیں کرتے، ان کے پیچھے پڑ کر اپنا وقت ضائع نہ کرے-قرآن مجید نے متعدد مقامات پر آنحضرت ﷺ کو بحیثیت مربی و داعی ہونے کے اس کی تلقین فرمائی ہے-یہاں پر بھی اسی اصول کو پیش نظر رکھنے کی ہدایت ہے-

مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾
ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى
طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا
وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾
فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ
امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ
يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع ۵

(۱۷) غارت ہو جائے انسان' وہ کیسا سخت منکر حق ہے (۱۸) اس (اللہ) نے انسان کو کس چیز سے پیدا کیا؟ (۱۹) نطفہ سے پیدا کیا' پھر اس (کی تمام باطنی وظاہری قوتوں) کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا![۴] (۲۰) پھر اس پر (زندگی وعمل کی) راہ آسان کر دی-[۱] (۲۱) پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچایا (۲۲) پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا' اسے دوبارہ زندہ کر دے گا- (۲۳) ہرگز نہیں! اس نے وہ فرض ادا نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا تھا (۲۴) انسان اپنی غذا پر نظر ڈالے (جو شب و روز اس کے استعمال میں آتی رہتی ہے-[۵] (۲۵) ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں (۲۶) پھر اس کی روئیدگی سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کرتے ہیں- (۲۷) اناج کے دانے' (۲۸) اور انگور کی بیلیں اور سبزی ترکاری (۲۹) اور زیتون کا پھل اور کھجور کے خوشے- (۳۰-۳۱) اور درختوں کے جھنڈ اور قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کا چارہ (۳۲) (اور یہ سب کچھ کس لیے ہے؟) تمہارے فائدے کے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے[۲] (۳۳) آخرکار جب کان بہرے کر دینے والی آواز بلند ہو گی (۳۴) اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا- (۳۵) اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے (۳۶) اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے (۳۷) اس دن ہر شخص ایسے حال میں گرفتار ہو گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہو گا (۳۸) کچھ چہرے اس روز دمک رہے ہوں گے (۳۹) ہنستے اور خوش وخرم ہوں گے- (۴۰) اور بہت سے چہرے اس روز گرد آلود ہوں گے (۴۱) ان پر سیاہی چھا رہی ہو گی (۴۲) یہی کافر اور بدکار لوگ ہوں گے!

۴ انسان اگر اپنی اصل پر غور کرے کہ کیسی حقیر چیز سے پیدا ہوا ہے- ہم نے اپنی مہربانی سے اس میں حس وشعور پیدا کیا ہے اور عقل و ادراک کی نعمتیں بخشی ہیں- مگر یہ سب نعمتوں کو فراموش کر کے ناسپاس بنا ہوا ہے-

۵ اب آیت ۲۴ سے اس کی زندگی اور بقا کے سامان یاد دلائے ہیں-

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۴۶- (۲) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۵۳-

اٰیَاتُهَا: 29 | سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ① وَإِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ② وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ③ وَإِذَا الْعِشَارُ
عُطِّلَتْ ④ وَإِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ⑤ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ⑥ وَ إِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ⑦
وَإِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ⑧ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ⑨ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ⑩ وَإِذَا السَّمَآءُ
كُشِطَتْ ⑪ وَإِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ⑫ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ⑬ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ ⑭
فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ⑮ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ⑯ وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ⑰ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ⑱

---

(۱) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا-[۱] (۲) اور تارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے-

(۳) اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے (۴) اور جب دس مہینے کی حاملہ اونٹنیاں قابل توجہ نہ رہیں گی- (۵) اور وحشی جانور اکٹھے کر دیے جائیں گے-

(۶) اور سمندر بھڑکا دیے جائیں گے- (۷) اور جب لوگوں کو جوڑ دیا جائے گا (۸) اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا-[۲]

(۹) کہ وہ کس جرم میں ماری گئی تھی؟ (۱۰) اور جب نامہ ہائے اعمال کھول دیے جائیں گے (۱۱) اور جب آسمان کی کھال اتار دی جائے گی-

(۱۲) اور جب جہنم خوب دہکائی جائے گی (۱۳) اور جب جنت قریب کر دی جائے گی (۱۴) اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے؟

(۱۵) پس میں قسم کھاتا ہوں تاروں کی جو (چلتے چلتے) پیچھے ہٹنے لگتے ہیں- (۱۶) اور چلتے ہوئے چھپ جاتے ہیں-
(۱۷) اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے (۱۸) اور صبح کی جب وہ طلوع ہو-

---

۱ (الف) یہ سورہ بھی مکی ہے اور مکہ کے ابتدائی دور کی تنزیلات سے ہے- اس میں آخرت اور رسالت سے بحث کی ہے-

(ب) قیامت کے پہلے مرحلہ پر جو انقلاب آئے گا ابتدائی آیات میں اس کی منظر کشی کی ہے- پھر اس کے بعد کی آیات میں دوسرے مرحلے کا ذکر ہے- جبکہ روحیں جسموں کے ساتھ جوڑ دی جائیں گی' نامہ اعمال کھولے جائیں گے اور انسان سے باز پرس ہوگی اور جنت و دوزخ کا منظر سامنے آجائے گا-

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿٢١﴾ وَمَا
صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا
هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿٢٥﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾ لِمَن شَاءَ
مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾ ع

---

(۱۹) بے شک یہ قرآن معزز فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے-[۳]

(۲۰) جو بڑی قوت والا صاحب عرش کے نزدیک ذی مرتبہ ہے (۲۱) وہاں اس کی بات مانی جاتی ہے اور وہ امانت دار ہے-

(۲۲) اور تمہارے یہ رفیق کوئی دیوانے نہیں-

(۲۳) بے شک انہوں نے اس (فرشتے یعنی جبریل) کو روشن افق پر دیکھا بھی ہے-

(۲۴) اور یہ (محمد ﷺ) غیب (یعنی وحی) کی باتیں بتانے پر بخیل بھی نہیں ہے-

(۲۵) اور یہ (قرآن مجید) کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے (۲۶) پھر تم کدھر جا رہے ہو؟

(۲۷) یہ قرآن مجید تو اقوام عالم کے لیے سراسر نصیحت ہے-

(۲۸) (خصوصاً) تم میں سے اس شخص کے لیے جو سیدھا چلنا چاہے (۲۹) اور جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے، تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا!

(ج) اس کے بعد آخر سورہ میں رسالت کا تذکرہ ہے اور کفار مکہ کے اعتراضات کی تردید!

ع آیت ۸ میں "الموءودة" سے مراد وہ لڑکی ہے جسے زندہ درگور کیا گیا- اس سے سوال کا مطلب یہ ہے کہ اسے کہا جائے گا کہ تم خود ہی اپنی واستان سناؤ کہ کس جرم کے عوض تمہیں ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا اور کسی نے تمہاری دادرسی نہ کی؟ گویا اس پیرایۂ بیان سے اس کے والدین پر سخت غضب ناکی اور ان سے نفرت کا اظہار مقصود ہے-

۳ؔ آیت ۱۹ میں "رسول کریم" سے وحی لانے والا فرشتہ مراد ہے- جیسا کہ بعد کی آیات سے معلوم ہوتا ہے- فرشتۂ وحی کے مبلغ ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید کو اس کا کلام کہا گیا ہے- ورنہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور متعدد آیات میں اس کی تصریح موجود ہے-

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُهَا: 19 | سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ﴿۱﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ﴿۲﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ﴿۳﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ
بُعْثِرَتْ ۙ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ؕ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ﴿۶﴾
الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ﴿۷﴾ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ﴿۸﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ
بِالدِّيْنِ ۙ﴿۹﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ

---

(۱) جب آسمان پھٹ جائے گا[۱] (۲) اور جب تارے جھڑ پڑیں گے-

(۳) اور جب سمندر پھاڑ دیے جائیں گے-

(۴) اور جب قبریں زیروزبر کردی جائیں گی-

(۵) اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑ آیا-

(۶) اے غافل انسان! کیا ہے جس کے گھمنڈ نے تجھے اپنے مہربان اور پیار کرنے والے آقا سے سرکش بنا دیا ہے؟[۱]

(۷) وہ پروردگار جس نے تجھے پیدا کیا، پھر ٹھیک ٹھیک درست کر دیا- پھر (تمہارے ظاہری و باطنی قویٰ میں) اعتدال وتناسب ملحوظ رکھا-

---

۱؎ یہ سورہ بھی مکی ہے، اور اس کا مضمون سورۂ تکویر کے مشابہ ہے- یہ سورہ بھی بیان آخرت پر مشتمل ہے-

لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ
لِّنَفْسٍ شَيْئًا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ ع ۱ ۱۹

(۸) پھر جیسی صورت بنانی چاہی اسی کے مطابق ترکیب دے دی۔[۱]

(۹) نہیں، اصل یہ ہے کہ تمہیں اس کی حکومت کا یقین ہی نہیں۔

(۱۰-۱۱) حالانکہ اس کی طرف سے تم پر ایسے زبردست نگران کار متعین ہیں جو تمہارے اعمال کا ہر آن احتساب کرتے رہتے ہیں۔

(۱۲) اور تمہارا کوئی بھی فعل ان کی نظروں سے مخفی نہیں۔

(۱۳) (یاد رکھو، ہم نے کامیابی اور ناکامی کی ایک تقسیم کر دی ہے) خدا کے اطاعت گزار بندے عزت و مراد اور فتح وکامرانی کے عیش ونشاط میں رہیں گے۔

(۱۴-۱۵) اور بدکار و نافرمان خدا کی بادشاہی کے دن نامرادی اور ہلاکت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

(۱۶) جس سے کبھی نہ نکل سکیں گے۔

(۱۷) یہ خدا کی بادشاہی کا دن ہے۔

(۱۸) اور تم کیا جانتے ہو کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہی کا دن کیا ہے؟

(۱۹) وہ دن، جس میں کوئی کسی کے لیے کچھ نہ کر سکے گا اور اس دن صرف خدا ہی کی حکومت ہوگی![۲]

---

(۱) ''الہلال'' یکم جولائی ۱۹۱۴ء ص ۶-۱۱۶ کتوبر ۱۹۱۲ء۔

(۲) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ۸۷۔

اٰیَاتُھَا : 36 | سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْنَ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعُھَا : 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ① الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ② وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ
یُخْسِرُوْنَ ③ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ④ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ⑤ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ
لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ⑥ کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ ⑦ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا سِجِّیْنٌ ⑧ کِتٰبٌ
مَّرْقُوْمٌ ⑨ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ⑩ الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ⑪ وَمَا یُکَذِّبُ بِہٖٓ

---

(۱) لین دین میں کمی کرنے والوں کے لیے کیا ہی تباہی وہلاکت ہے۔[۱] (۲) جب وہ دوسروں سے لیتے ہیں تو وزن میں ٹھیک ٹھیک لیتے ہیں (۳) پر دوسروں کا وقت آتا ہے تو گھٹا گھٹا کر اور بچا بچا کر دیتے ہیں۔[(۱)]

(۴-۵) کیا ان لوگوں کو یقین نہیں ہے کہ ایک بڑے دن یہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے؟

(۶) جس روز کہ تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے![۲] (۷) ہرگز نہیں بدکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہوگا۔[۳]

(۸) اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا ہے؟

(۹) ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔

(۱۰) اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے۔

(۱۱) جو لوگ روز جزا کو جھٹلاتے ہیں۔

(۱۲) قرآن کی تکذیب وہی کرتے ہیں جو ظالم اور گناہ گار ہیں۔

۱؎ یہ سورہ بھی مکی ہے اور ابتدائی دور کی تنزیلات سے ہے۔ اس وقت اہل مکہ میں جو عام کاروباری بددیانتی اور بے ایمانی پھیلی ہوئی تھی اس پر گرفت کی گئی ہے۔ اور یہ سراسر آخرت سے غفلت کا لازمی نتیجہ ہے۔ اگر کسی کو یہ احساس ہو کہ ایک روز خدا کے سامنے پیش ہونا ہے اور کوڑی کوڑی کا حساب دینا ہے تو کسی طور یہ ممکن نہیں کہ انسان معاملات میں راست بازی اختیار نہ کرے۔ اگر آدمی کے اندر دیانت داری پیدا ہوسکتی ہے تو صرف خدا کے خوف اور آخرت پر یقین سے ہوسکتی ہے۔

ماپ تول میں کمی معاشرہ میں بہت بڑی خرابی کی علامت ہے۔ اور یہ مرض خصوصیت کے ساتھ امم سابقہ میں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ

---

(۱) الہلال ۲۹ جولائی ۱۹۱۴ء۔ ص ۱۴، ۱۱ جون ۱۹۱۳، ۷ر اکتوبر ۱۹۱۲ء

اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣ كَلَّا بَلْ ٜ رَانَ عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٤ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝١٥ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا
الْجَحِيْمِ ۝١٦ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝١٧ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝١٨
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝١٩ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٢٠ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝٢١ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝٢٢
عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝٢٣ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝٢٤ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ
مَّخْتُوْمٍ ۝٢٥ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۚ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝٢٦ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۝٢٧ عَيْنًا

(۱۳) انہیں جب ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ اگلوں کی کہانیاں ہیں-[1]

(۱۴) ہرگز نہیں بلکہ ان کے اعمال کے سبب سے ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے (۱۵) ہرگز نہیں یہ لوگ اس دن اپنے رب (کے دیدار) سے روک دیے جائیں گے (۱۶) پھر یقیناً یہ لوگ جہنم میں داخل ہوں گے (۱۷) پھر (ان سے) کہا جائے گا کہ ''یہی وہ چیز ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے!'' (۱۸) بے شک نیک لوگوں کے اعمال اعلیٰ درجے کے لوگوں کی فہرست میں لکھے جاتے ہیں (۱۹) اور تم جانتے ہو کہ وہ فہرست کیا چیز ہے؟

(۲۰) وہ ایک کتاب اعمال ہے جو ہمیشہ لکھی جاتی ہے (۲۱) اور مقربان بارگاہ الٰہی اس کے شاہد و گواہ ہیں (۲۲) یقیناً ان نیک عمل لوگوں کی زندگی نہایت آرام و راحت میں ہوگی (۲۳) وہ سکون و اطمینان کے تخت پر بیٹھے ہوئے بہشت کی سیر کر رہے ہوں گے-

(۲۴) اگر تم انہیں دیکھو تو خوشحالی کی تازگی ان کے چہروں سے نمایاں ہوگی (۲۵) انہیں حیات سرمدی کی وہ شراب پلائی جائے گی (۲۶) جس کی بوتلیں سر بہ مہر ہوں گی اور ان پر مشک کی مہریں لگی ہوں گی- بس یہ زندگی ہے کہ تقلید کرنے والوں کو اس کی تقلید کرنی چاہیے-[2] (۲۷) اس شراب میں تسنیم کے پانی کی آمیزش ہوگی (۲۸) یہ ایک چشمہ ہے جس سے مقرب لوگ پییں گے-

سورۃ الانعام، بنی اسرائیل اور سورۃ الرحمٰن میں اس پر سرزنش کی گئی ہے اور ماپ تول صحیح رکھنے کی تاکید کی گئی ہے-

۲ آیت ۵ میں یوم قیامت کو یوم عظیم فرمایا ہے- اس لیے کہ اس روز تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہوں گے اور ان کے متعلق عذاب و ثواب کے اہم فیصلے کیے جائیں گے-

۳ اس کے بعد جنت اور دوزخ کا منظر پیش کیا ہے-

(۱) ''الہلال'' ۱۵/ اپریل ۱۹۱۴ء ص ۱۱- (۲) ''الہلال'' ۲۵/ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۶-

يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَاِذَا مَرُّوْا
بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ
هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿٣٢﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ
يَضْحَكُوْنَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ ع ۸

(۲۹) بیشک مجرم لوگ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے۔

(۳۰) جب وہ ان کے پاس سے گزرتے تو یہ (مجرم) لوگ ان پر آنکھوں سے باہم اشارے کیا کرتے تھے۔

(۳۱) اور جب یہ (مجرم) اپنے گھروں کو لوٹتے تو (ان کا تذکرہ کرکے) مزے لیتے تھے!

(۳۲) اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے "بلاشبہ یہ بہکے ہوئے لوگ ہیں"

(۳۳) حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

(۳۴) پس آج کا دن وہ ہے کہ مسلمان ارباب کفر پر ہنستے ہیں۔

(۳۵) اور امن وراحت کے تختوں پر بیٹھے ہوئے تماشا دیکھ رہے ہیں۔

(۳۶) ہاں! اب تو وہ وقت آ گیا ہے کہ منکروں نے اپنے اعمال کا بدلہ پالیا! [1]

✻ ✻ ✻

(۱) الہلال ۲۶ اگست ۱۹۱۴ء

اٰيَاتُهَا: 25 | سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا
وَتَخَلَّتْ ۙ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ؕ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ﴿۶﴾
فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ﴿۸﴾ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ
مَسْرُوْرًا ؕ﴿۹﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ؕ﴿۱۲﴾
اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۛ﴿۱۴﴾ بَلٰۤى ۛ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ؕ﴿۱۵﴾ فَلَاۤ
اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۙ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۙ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۙ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ؕ﴿۱۹﴾

---

(۱) جب آسمان پھٹ جائے گا[ل] (۲) اور اپنے رب (کا حکم سننے) کے لیے کان لگائے گا اور اس کو یہی سزاوار ہے (۳) اور جب زمین پھیلا دی جائے گی (۴) اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی- (۵) اور اپنے رب (کا حکم سننے) کے لیے کان لگائے گی اور وہ اسی لائق ہے- (۶) اے انسان! تحقیق تو محنت کرنے والا ہے اپنے رب کی طرف (لہٰذا) تو خوب محنت کر کہ تو اس سے ملنے والا ہے- (۷-۸) سو جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا (۹) اور وہ اپنے لوگوں کے پاس خوش خوش واپس آئے گا- (۱۰) رہا وہ شخص کہ جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا (۱۱) تو وہ موت کو پکارے گا (۱۲) اور جہنم میں داخل ہوگا- (۱۳) وہ اپنے اہل و عیال میں مگن رہا کرتا تھا (۱۴) اس نے سمجھ رکھا تھا کہ پلٹ کر نہیں جائے گا (۱۵) کیوں نہیں (ضرور جانا ہے) بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھ رہا تھا-

(۱۶) پس شفق کی قسم! (جبکہ اس کی سرخی نے زمین کے عہد خونیں کی خبر دی) (۱۷) اور رات کی قسم (جبکہ وہ تاریک ہوئی) اور ان سب کی، جن کو اس کی تاریکی نے چھپا لیا (۱۸) پھر چاند، جبکہ اس کی روشنی پوری ہوئی (۱۹) (کہ) یقیناً تم سب ایک امر مقدر کے ماتحت ہو، ضرور ہے کہ انقلاب لیل و نہار کے ان مراتب ثلاثہ کی طرح تم بھی یکے بعد دیگرے منازل تغیر و تبدل سے گزرو![۱]

ل یہ سورہ بھی مکی ہے اور ابتدائی عہد کی تنزیلات سے ہے- اس کا موضوع بھی قیامت اور آخرت ہے-
اس دور کی اکثر مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی قیامت کی کیفیت اور اس کا منظر پیش کیا گیا ہے-

---

(۱) "الہلال" ۲۶ اگست ۱۹۱۴ء- (۲) "الہلال" ۱۱ نومبر ۱۹۱۴ء ص ۱۷-

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا
يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾

---

(۲۰) پھران لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے ؟(۲۱) اور جب قرآن مجید ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔

(۲۲) بلکہ یہ کافر تو تکذیب میں پڑے ہوئے ہیں۔

(۲۳) حالانکہ جو کچھ یہ (اپنے دلوں میں) جمع کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔

(۲۴) لہٰذا انہیں دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجیے!

(۲۵) البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے!

✲ ✲ ✲

اٰیَاتُهَا: 22 | سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ② وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ③ قُتِلَ اَصْحٰبُ
الْاُخْدُوْدِ ④ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ⑤ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ⑥ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ
شُهُوْدٌ ⑦ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑧ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ⑩ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ⑪ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ
لَشَدِيْدٌ ⑫ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ ⑬ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ⑭ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ⑮ فَعَّالٌ

---

(۱) قسم ہے برجوں والے آسمان کی[۱] (۲) اوراس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے (۳) اور قسم ہے حاضر ہونے والے دن کی اوراس دن کی جس میں لوگ حاضر ہوتے ہیں (۴) کہ خندق والے ہلاک ہوگئے- (۵) کہ جس میں ایندھن والی آگ تھی (۶) جبکہ وہ اس آگ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے! (۷) اور جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے' اسے دیکھ رہے تھے- (۸) اوران خندق والوں کی دشمنی مسلمانوں سے محض اس بنا پر تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور ستودہ صفات ہے- (۹) جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے اور ہر چیز پر مطلع ہے- (۱۰) جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں پر ظلم ڈھائے اور پھر اس سے تائب نہ ہوئے، یقیناً ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اوران کے لیے جلائے جانے کا عذاب ہے- (۱۱) (اور) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی' یہ بہت بڑی کامیابی ہے- (۱۲) بے شک تیرے رب کی گرفت بہت ہی سخت ہے (۱۳) وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا (۱۴) اور وہ بخشنے والا ہے اور محبت کرنے والا ہے-[۲] (۱۵) عرش کا مالک ہے اور بزرگ و برتر ہے (۱۶) جو کچھ

۱؎ یہ سورہ مکہ معظمہ کے اس دور میں نازل ہوئی جب مسلمانوں کو ظلم وستم کے ذریعہ سے ایمان سے پھیرنے کی پوری شدت کے ساتھ تحریک جاری تھی- لہٰذا اس سورہ میں حالات کے مطابق ایک طرف تو مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے اور دوسری طرف کفار کو ان کے ظلم وستم کے برے انجام سے خبردار کیا گیا ہے-

لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٦﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿١٩﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾ ع

چاہتا ہے کر ڈالنے والا ہے-

(۱۷) کیا آپ کو لشکروں کا واقعہ پہنچا ہے؟ (یعنی)

(۱۸) فرعون وثمود کا (۱۹) بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں-

(۲۰) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے (۲۱) حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک باعظمت قرآن ہے (۲۲) جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے!

اس سلسلے میں ''اصحاب الاخدود'' کا قصہ سنایا گیا ہے، کہ انہوں نے اہل ایمان پر ظلم وستم ڈھائے اور ان کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں پھینک دیا-

آگ کے گڑھوں میں جلانے سے متعلق متعدد قصے بیان کیے گئے ہیں- جن میں سب سے مشہور واقعہ نجران کا ہے کہ حمیر کے بادشاہ نے یثرب کے یہودیوں سے متاثر ہو کر یہودیت قبول کر لی اور مدینہ سے دو یہودی عالم ساتھ لے گیا- اور یمن میں یہودیت کی خوب اشاعت کی- اس کا بیٹا ذونواس اس کا جانشین ہوا- اس نے نجران پر حملہ کیا تاکہ وہاں سے عیسائیت کو ختم کر دے-

نجران میں اس نے یہودیت کی طرف دعوت دی مگر انہوں نے انکار کر دیا- اس پر اس نے بکثرت لوگوں کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں ڈال کر جلوا دیا اور کچھ کو قتل کر دیا- الغرض مجموعی طور پر ۲۰ ہزار آدمی قتل ہو گئے- اہل نجران سے ایک شخص نے شاہ روم یا شاہ حبش کے پاس جا کر اس ظلم کی شکایت کی- آخر کار حبش کی ستر ہزار فوج ان پر حملہ آور ہوئی اور یمن کو فتح کر کے حبش کی سلطنت کا ایک حصہ بنا لیا-

اس روایت کی دوسرے تاریخی ذرائع سے بھی تائید ہوتی ہے- یمن پر حبش کے عیسائیوں کا قبضہ ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک قائم رہا- اس عرصہ میں عیسائی مشنری یمن میں داخل ہونا شروع ہوئے اور ایک عیسائی سیاح فیمیون نامی کی تبلیغ سے اہل نجران عیسائی ہو گئے- ان کے سردار تین تھے: سید، عاقب اور اسقف- یہ تیسرا مذہبی پیشوا ہوتا تھا-

جنوبی عرب میں نجران کو بہت اہمیت حاصل تھی- یہ ایک تجارتی اور صنعتی مرکز تھا- چنانچہ سیاسی اور معاشی وجوہ کی بنا پر ذونواس یمنی نے اس پر حملہ کیا اور آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں مرد، عورت، بچے اور بوڑھے لوگوں کو پھینکوا دیا- مجموعی طور پر مقتولین کی تعداد چالیس ہزار بیان کی جاتی ہے-

اس کے جواب میں ۵۲۵ء میں حبشیوں نے یمن پر حملہ کر کے ذونواس اور اس حمیری سلطنت کا خاتمہ کر دیا- اس کی تصدیق ''حصن

غراب'' کے کتبے سے ہوتی ہے جو یمن میں موجودہ زمانے کے محققین آثار قدیمہ کو ملا ہے-

حبشی عیسائیوں نے نجران پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں کعبہ کی شکل کی ایک عمارت بنائی تھی جسے وہ مکہ کے کعبہ کی جگہ مرکزی حیثیت دینا چاہتے تھے-اس کے اساقفہ عمامے باندھتے تھے اور اس کو حرم قرار دیا گیا تھا- چنانچہ اسی کعبہ کے پادری اپنے سید عاقب اور اسقف کی قیادت میں مناظرے کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مباہلہ کا وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا جس کا ذکر سورۂ آل عمران آیت ۶۱ میں کیا گیا ہے-

۲ آیت ۱۴ میں ''اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے'' فرما کر امید دلائی ہے کہ مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانے والے لوگ اگر ظلم سے تائب ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے دامن رحمت میں جگہ پا سکتے ہیں-

❋ ❋ ❋

آیاتُھَا: 17 | سُوْرَۃُ الطَّارِقِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ② النَّجْمُ الثَّاقِبُ ③ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا
عَلَيْهَا حَافِظٌ ④ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ⑤ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ⑥ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ
الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ⑦ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ⑧ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ⑨ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّ
لَا نَاصِرٍ ⑩ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ⑪ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ⑫ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ⑬

---

(۱) قسم ہے آسمان اور رات کو ظاہر ہونے والے کی[۱]

(۲) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ رات کو ظاہر ہونے والا کیا ہے؟

(۳) وہ روشن تارا ہے (۴) کوئی جان ایسی نہیں کہ جس پر نگہبان مقرر نہ ہو-[۲]

(۵) پھر انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے بنایا گیا ہے؟

(۶-۷) وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے بنایا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے-

(۸) یقیناً وہ اس کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے-

(۹) جس روز کہ تمام بھید آشکارا ہوں گے اور ان کی جانچ پڑتال ہوگی-[۳]

(۱۰) اس دن انسان کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہوگا اور نہ کوئی مدد کرنے والا ہوگا-

(۱۱) قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی-[۴]

(۱۲) اور (نباتات اگتے وقت) پھٹ جانے والی زمین کی-

(۱۳) بے شک یہ قرآن ایک قول فیصل ہے تمام اختلافات و اعمال کے لیے-

---

۱ یہ سورہ بھی مکی ہے اور دور ثالث کی تنزیلات سے ہے- قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا تصور پیش کیا ہے اور قرآن مجید کو قول فیصل قرار دیا ہے- جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے خلاف انکار کی کوئی تدبیر اور چال کامیاب نہیں ہوسکتی-

۲ نگہبان سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو آسمان و زمین کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز کی حفاظت کر رہی ہے- اس کے بعد انسان کو دعوت دی ہے کہ وہ خود اپنی ہستی پر غور کرے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے- باپ کے جسم سے اربوں جرثوموں میں سے ایک جرثومے اور ماں کے اندر

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

ع۱

(۱۴) وہ کوئی بے معنی اور فضول بات نہیں۔

(۱۵) یہ لوگ اپنا داؤ کر رہے تھے۔

(۱۶) اور ہم اپنا داؤ کھیل رہے ہیں (۱۷) پس منکروں کو مہلت لینے دو زیادہ نہیں تھوڑی سی![1]

سے نکلنے والے بکثرت بیضوں میں سے ایک بیضے کا انتخاب کر کے دونوں کو کسی وقت جوڑ دیتا ہے اور اس سے ایک خاص انسان کا استقرار حمل ہو جاتا ہے- پھر اس کی مسلسل نگہبانی کرتا ہے' وہی ذات اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے-

۳ آیت ۹ میں پوشیدہ اسرار سے مراد ہر شخص کے وہ اعمال بھی ہیں جو دنیا میں ایک راز بن کر رہ گئے ہیں- اور وہ معاملات بھی جن کے پیچھے خفیہ نیتیں اور خواہشیں کام کر رہی تھیں-

۴ آسمان کے ''ذات الرجع'' ہونے کے یہ معنی ہیں کہ بارش بار بار اپنے موسم میں اور خلاف موسم پلٹ پلٹ کر آتی ہے اور وقتاً فوقتاً برستی رہتی ہے- یا اس لیے کہ بارش برستی ہے اور پھر بھاپ بن کر اوپر چلی جاتی ہے اور دوبارہ قطرے بن کر زمین پر گرتی ہے-

٭٭٭

(۱) ''الہلال'' ۲۶ راگست ۱۹۱۴ء ص ۱۱' ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۶-

اٰيَاتُهَا: 19 | سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۞ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۞ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۞ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ
الْمَرْعٰى ۞ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۞ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۞ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ
وَمَا يَخْفٰى ۞ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۞ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۞ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۞
وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۞ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۞ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۞ قَدْ

(۱) پاکی بیان کر اپنے رب کی جو سب سے اوپر ہے- [۱-۲]

(۲) وہ پروردگار عالم جس نے پیدا کیا پھر اسے ٹھیک کر دیا-

(۳) اور جس نے ہر وجود کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا' پھر اس پر راہ عمل کھول دی- [۳] (۱)

(۴) وہ جس نے چارہ نکالا-

(۵) پھر اس کو خشک وسیاہ کوڑا کر دیا-

(۶) ہم تمہیں پڑھوا دیں گے پھر اس کو بھولو گے نہیں- [۴]

(۷) ہاں جو اللہ چاہے وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے-

(۸) اور ہم آپ کو آسان طریقے پر لے چلیں گے-

(۹) سو نصیحت کرو، اگر نصیحت کرنا نافع معلوم ہوتا ہو-

(۱۰) وہی شخص نصیحت قبول کرتا ہے جو ڈرتا ہے-

(۱۱) اور اس (نصیحت کے قبول کرنے سے) وہی گریز کرے گا جو بڑا بدبخت ہے-

(۱۲) جو بڑی آگ میں جائے گا-

(۱۳) پھر وہ اس آگ میں نہ مرے گا اور نہ جیے گا-

---

۱ یہ سورہ بھی مکی ہے اور ابتدائی دور کی تنزیلات سے ہے- اس سورہ میں توحید و آخرت کے علاوہ آنحضرت ﷺ کو چند ہدایات بھی دی گئی ہیں-

---

(۱) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۴۶- نیز ملاحظہ ہو ص ۴۸۷، ۱۷-

اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾ ع

(۱۴) کامیاب ہوا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی-

(۱۵) اوراس نے اپنے رب کا نام یاد کیا اور نماز پڑھی (۱۶) مگرتم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو-

(۱۷) حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والی ہے-

(۱۸) یہی بات پہلے صحیفوں میں مذکور ہے (۱۹) (جو) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفے ہیں![۵]

---

۲ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کسی نقص کی نسبت نہ کی جائے-شرک وکفر کی جتنی صورتیں بھی ہر زمانہ میں رائج رہی ہیں اور فی زمانہ رائج ہیں وہ سب تسبیح کے منافی ہیں کیونکہ ان میں سے ہر صورت کسی نقص کی صفت کو متضمن ہے-اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات میں یکتا ماننا چاہیے-یہی معنیٰ ''الحمد للہ'' کے ہیں-لہٰذا تسبیح (تنزیہہ) وتحمید عقیدۂ توحید کو مستلزم ہیں اور ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' کلمہ جامعہ ہے جس کا وردعبادت کاملہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے-

۳ ''پھراس پر راہ عمل کھول دی''، یعنی آدمی کو خیر وشر اور سعادت وشقاوت کی راہ بتائی:
''یہاں ہدایت سے مقصود ہدایت حواس وعقل ہے!''

۴ آیت ۶ میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے جو''سورۃ القیامہ'' میں گزر چکا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ وحی کا پڑھوانا اور حفظ کرانا ہمارا ذمہ ہے لہٰذا آپ کو کسی طرح سے بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے-

۵ سورہ کے آخر میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں کا حوالہ دیا گیا ہے-اس سے پہلے سورۃ النجم میں یہ بحث گزر چکی ہے-

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُھَا: 26 — سُوْرَۃُ الْغَاشِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ — رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا
حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ
جُوْعٍ ۝۷ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝۸ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝۹ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۱۰ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝۱۱
فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝۱۲ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝۱۳ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝۱۴ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝۱۵
وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝۱۶ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝۱۷ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ
رُفِعَتْ ۝۱۸ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝۱۹ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝۲۰ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ
اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝۲۱ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝۲۲ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝۲۳ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ
الْاَكْبَرَ ۝۲۴ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝۲۵ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝۲۶ ع ۱۲

(۱) کیا آپ کو اس چھا جانے والی (آفت) کی خبر پہنچی ہے؟[1] (۲) بہت سے چہرے اس روز ذلیل وخوار ہوں گے۔[2] (۳) سخت مشقت کر رہے ہوں گے (اور) درماندہ ہوں گے۔ (۴) انتہائی تیز آگ میں جھلس رہے ہوں گے (۵) کھولتے ہوئے چشمے کا پانی انہیں پینے کے لیے دیا جائے گا (۶) ان کو بجز خاردار جھاڑی کے اور کوئی کھانا نہیں ملے گا (۷) جو نہ تو موٹا کرے گا اور نہ بھوک ہی رفع کرے گا (۸) بہت سے چہرے اس روز پر رونق ہوں گے (۹) اپنی جدوجہد پر خوش ہوں گے (۱۰) عالی مقام باغ میں ہوں گے (۱۱) وہ اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے (۱۲) اس میں چشمے بہ رہے ہوں گے (۱۳) اس میں بلند مسندیں ہوں گی۔ (۱۴) اور جام رکھے ہوں گے (۱۵) اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے (۱۶) اور مخملی فرش بچھے ہوں گے (۱۷) کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے؟ (۱۸) اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا؟ (۱۹) اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح قائم کیے گئے؟ (۲۰) اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بچھائی گئی ہے؟ (۲۱) سو (اے نبی) آپ نصیحت کیے جائیے! بس آپ تو نصیحت کرنے والے ہیں (۲۲) آپ ان پر کچھ داروغہ مقرر نہیں ہیں۔ (۲۳) البتہ جو شخص روگردانی اور کفر کرے گا (۲۴) تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑی سزا دے گا (۲۵) ان کی بازگشت ہماری ہی طرف ہے (۲۶) پھر ہمارے ذمہ ان کا حساب لینا ہے!

[1] یہ سورہ مکی ہے اور ابتدائی عہد کی تنزیلات سے ہے۔ ان سورتوں میں توحید و آخرت کے موضوع کا اعادہ ہے مگر اسلوب اور انداز بیان دوسرا ہے۔

[2] اس سورہ میں بھی جنت اور جہنم کا منظر پیش کیا گیا ہے اور آخرت کے دلائل کے بیان میں آیات کونیہ کو ذکر کیا ہے۔

آیاتُھَا: 30 سُوْرَۃُ الْفَجْرِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالْفَجْرِ ① وَلَيَالٍ عَشْرٍ ② وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ③ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ④ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ
حِجْرٍ ⑤ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ⑥ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ⑦ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي
الْبِلَادِ ⑧ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ⑨ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ⑩ الَّذِيْنَ طَغَوْا
فِي الْبِلَادِ ⑪ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ⑫ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ⑬ اِنَّ رَبَّكَ
لَبِالْمِرْصَادِ ⑭ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ⑮

---

(۱) قسم ہے فجر کی[۱] (۲) اور دس راتوں کی (۳) اور جفت اور طاق کی (۴) اور رات کی جب وہ رخصت ہو رہی ہو![۲]

(۵) ان چیزوں میں صاحب عقل کے لیے بڑی ہی شہادت ہے-(۱) (۶-۷) کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہارے پروردگار نے عاد ارم کے ساتھ کیا سلوک کیا؟[۳] (۸) جو ایسے قوی اور متمدن تھے کہ دنیا میں ایسی قوم پیدا نہیں ہوئی تھی- (۹) اور قوم ثمود جنہوں نے اپنے رہنے کے لیے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنائے تھے- (۱۰) اور فرعون جو اپنی شان و شوکت خسروی کے لیے خیمہ و خرگاہ رکھتا تھا-

(۱۱-۱۲) یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے انسانی آبادیوں میں فتنہ و ظلم کا بڑا سر اٹھایا تھا اور عدل و اصلاح کی جگہ ان میں فساد پھیلا رکھا تھا- (۱۳) پس قانون الٰہی نے اپنے تازیانہ عذاب کو حرکت دی اور ان سب کو نابود کر دیا-(۲)

(۱۴) بے شک آپ کا رب گھات میں لگا ہوا ہے-

(۱۵) انسان کا حال تو یہ ہے کہ جب اس کا پروردگار اس کے ایمان کو اس طرح آزماتا ہے کہ اسے دنیا میں عزت اور نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ فوراً خوش ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا پروردگار میرا اعزاز و اکرام کرتا ہے-

---

[۱] سورۃ الفجر مکی ہے اور عہد وسطیٰ کی تنزیلات سے ہے- اس میں آخرت کی جزا و سزا کا اثبات ہے جس سے اہل مکہ انکار کر رہے تھے-

[۲] جزا و سزا کے استدلال کے سلسلہ میں اولاً قرآن مجید نے چار چیزوں کی قسم کھائی ہے- جس کے معنی یہ ہیں کہ ان چار چیزوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے کہ جزائے اعمال برحق ہے- شب و روز کا یہ سلسلہ جس نظام کے ساتھ جاری ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک رب قدیر

---

(۱) ''البلاغ'' ۲۵ر فروری ۱۹۱۶ء ص ۸ (۲) ''البلاغ'' ۱۴ر جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۰-

وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ۬ فَيَقُوۡلُ رَبِّيۡۤ اَهَانَنِ ۚ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلۡ لَّا تُكۡرِمُوۡنَ
الۡيَتِيۡمَ ۙ﴿۱۷﴾ وَ لَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ۙ﴿۱۸﴾ وَ تَاۡكُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَكۡلًا لَّمًّا ۙ﴿۱۹﴾ وَّ تُحِبُّوۡنَ

(۱۶) اور جب اس کے ایمان کو کسی آزمائش میں ڈال کر اس طرح آزماتا ہے کہ رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے (یعنی مصیبت میں ڈال دیتا ہے تو معاً مایوس ہو کر) کہنے لگتا ہے کہ میرا پروردگار تو مجھے ذلیل کر رہا ہے اور میرا کچھ خیال نہیں کرتا ہے۔ (۱)

(۱۷) ہرگز نہیں! بلکہ تم لوگ یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے۔

(۱۸) اور نہ مسکین ہی کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو اکساتے ہو۔

(۱۹) اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو

اس پر فرمانروائی کر رہا ہے۔ اس کے بعد انسانی تاریخ سے استدلال کیا ہے جو ایک حقیقت ہے کہ جن قوموں نے بھی آخرت کو جھٹلایا وہ اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہو کر آخر کار تباہ و برباد ہو گئیں۔

۳؎ عادارم سے مراد وہ قدیم قوم عاد ہے جسے قرآن مجید اور تاریخ عرب میں عاد اولیٰ کا نام دیا گیا ہے۔

سورۃ النجم میں ہے: وَاَنَّهٗۤ اَهۡلَكَ عَادَا ۨالۡاُوۡلٰى " یعنی اس نے قدیم قوم عاد کو ہلاک کیا۔ اور یہ وہ قوم ہے جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ اور ان کو "عادارم" اس لیے کہا گیا کہ یہ لوگ سامی نسل کی اس شاخ سے تعلق رکھتے تھے جو ارم بن سام بن نوح (علیہ السلام) سے چلی آتی تھی۔

۴؎ "انسان کی خلقت میں جلد بازی اور تعجیل کار فرما ہے۔ جب کبھی وہ اپنی کسی توقع میں ناکامی دیکھتا ہے تو فوراً مایوس ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ پھر جب کامیابی کی خبر سن لیتا ہے تو امید و مسرت کے ضبط سے عاجز ہو کر اچھل پڑتا ہے۔ حالانکہ نہ تو اسے ان اسباب کی خبر ہے، جو نامرادی کے پیچھے ظاہر ہونے والے ہیں اور نہ ان نتائج و عواقب کی خبر ہے جو بشارت امید کے بعد پیش آنے والے ہیں۔ اس کی خدا پرستی بھی اس جلد بازانہ یاس و بیم سے شکست کھا جاتی ہے۔ اگر کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے تو سمجھتا ہے کہ خدا میرے ساتھ ہے۔ اور اگر مشیت الٰہی کسی ابتلاء و مصیبت میں ڈال دیتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے کہ خدا نے مجھے چھوڑ دیا!"

(۱) "الہلال" ۱۶/ اپریل ۱۹۱۳ء ص ۹۔

الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾
وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ
قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يٰٓاَيَّتُهَا
النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ
جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾ ع

(۲۰) اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو (۲۱) ہرگز نہیں، جب زمین کوٹ کوٹ کر ریگ زار بنادی جائے گی۔

(۲۲) اور آپ کا پروردگار جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار کھڑے ہوں گے (۲۳) اور اس روز جہنم (سامنے) لائی جائے گی، اس روز انسان کو سمجھ میں آئے گا لیکن (اس وقت) سمجھنے سے کیا فائدہ؟ وہ کہے گا" (۲۴) کاش میں (آخرت کی) زندگی کے لیے کچھ سامان کر لیتا!

(۲۵) پھر اس روز اللہ تعالیٰ ایسی سزا دے گا کہ اس جیسا کوئی سزا دینے والا نہ ہوگا (۲۶) اور نہ اس کے جکڑنے کی طرح کوئی جکڑنے والا ہوگا (۲۷) اے نفس مطمئنہ!

(۲۸) تم اپنے رب کی طرف اس طرح چلو کہ تم اس سے راضی اور وہ تم سے راضی، (۲۹) پھر شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں (۳۰) اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں!

***

اٰیَاتُهَا: 20 — سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ — رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ ١ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ ٢ وَ وَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ ٣ لَقَدْ خَلَقْنَا
الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ۭ ٤ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۘ ٥ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۭ ٦ وقف لازم
اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ۭ ٧ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۙ ٨ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ ۙ ٩ وَهَدَیْنٰهُ
النَّجْدَیْنِ ۚ ١٠ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۡ ١١ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۭ ١٢ فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ ١٣ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ

---

(۱) اے پیغمبر! ہم شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں[۱] (۲) اور اس لیے کہ تم اس شہر میں مقیم ہو (۳) اور قسم ہے جننے والے کی اور جو اس نے جنا۔[۲]

(۴) بلاشبہ ہم نے انسان کو اس طرح بنایا کہ اس کی زندگی مشقتوں سے گھری ہوئی ہے[۳] (۱) (۵) کیا اس نے سمجھ رکھا ہے کہ اس پر کسی کو قدرت نہ ہوگی؟

(۶) کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال خرچ کر ڈالا (۷) کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟ (۸) کیا ہم نے اسے ایک ایک چھوڑ' دو دو آنکھیں نہیں دیں؟ (جن سے وہ دیکھتا ہے؟)

(۹) اور زبان اور ہونٹ نہیں دیے ہیں؟ (جو گویائی کا ذریعہ ہیں) (۱۰) اور کیا ہم نے اسے سعادت و شقاوت کی دونوں راہیں نہیں دکھا دیں؟ (۲)

(۱۱) پس وہ نہ دھمک سکا گھاٹی (عقبہ) پر[۴] (۱۲) تم کیا سمجھے کہ ہم نے جو یہاں عقبہ کا لفظ کہا ہے' سو اس سے کیا مقصود ہے؟ (۱۳) عقبہ سے مراد یہ ہے کہ انسان کی گردن کو غلامی کے پھندے..........

---

[۱] سورۃ البلد مکی ہے اور ابتدائی دور کی تنزیلات سے ہے۔

[۲] "ووالد وما ولد" اس سے مراد آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت ہے۔

[۳] ان چیزوں کی قسم اٹھا کر بتایا کہ انسان یہاں دنیا میں مزے کرنے اور چین کی بنسری بجانے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ یہ دنیا محنت و مشقت اور سختیاں جھیلنے کی جگہ ہے اور کوئی انسان بھی اس حالت سے گزرے بغیر نہیں رہ سکتا۔

---

(۱) ''ترجمان القرآن'، جلد اول ص ۹- اس سلسلے میں ابتدائی ٹکڑے کا حوالہ اس وقت نہیں مل سکا۔

(۲) ''ترجمان القرآن' جلد اول ص ۱۷۹-''الہلال'' ۲۲ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۷، اور ''البلاغ'' ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۶-

يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

ع

سے چھڑا دینا-[۵]

(۱۴) بھوکوں کو کھانا کھلانا (۱۵) اور یتیم کی (علی الخصوص) جب کہ وہ اپنے قریبی لوگوں میں سے ہو-

(۱۶) اور محتاج و مسکین کی مدد کرنا- (پس جو انسان اپنی بڑائی کا مدعی تھا' اسے چاہیے تھا کہ اس آزمائشی گھاٹی کی منزل سے گزرتا)-

(۱۷) اس کے علاوہ اس جماعت کے لوگوں میں سے ہوتا جو اللہ (تعالیٰ) پر ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و برداشت کی اور مرحمت کی وصیت کرتے ہیں-(۱)

(۱۸) یہی لوگ ''اصحاب المیمنہ'' ہیں-[۶]

(۱۹) مگر جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو' ہماری تعلیمات کو' ہمارے احکام کو اور ہماری بھیجی ہوئی ہدایت کو قول سے اور عمل سے جھٹلایا تو وہ لوگ ''اصحاب المشئمة'' ہیں-(۲)

(۲۰) انہی کو آگ میں موند دیا ہے!

---

۴ آیت ۱۱ میں بتایا کہ ان دو راستوں میں سے ایک راستہ دشوار گزار بلندی کی طرف جاتا ہے- اس پر چڑھنے کے لیے آدمی کو اپنے نفس اور اس کی خواہشوں سے نیز شیطان کی ترغیبات سے لڑ کر چلنا پڑتا ہے- جب کہ دوسرا راستہ پستی کی طرف جاتا ہے-

۵ پہلے شخص کی فضول خرچیوں کے مقابلے میں اب آیت ۱۳ سے ان کاموں کا بیان ہے جن کو انجام دینے کے لیے دل گردے کی ضرورت ہے اور ایثار و قربانی سے کام لینا پڑتا ہے-

۶ آخر میں صالح معاشرہ کے مبارک لوگوں کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں- یعنی ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی تلقین کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا!

❋ ❋ ❋

---

(۱) ''الہلال'' ۲۲ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۶-

(۲) ''ترجمان القرآن'' جلد اول ص ۱۷۹ نیز ''الہلال'' ۲۲ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۷ اور ''البلاغ'' ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۶

آیاتُھَا: 15 | سُوْرَۃُ الشَّمْسِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ① وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ② وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ③ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ④
وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ⑤ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ⑥ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ⑦ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا
وَتَقْوٰىهَا ⑧ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ⑨ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ⑩ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ⑪

(۱) سورج اور اس کی حرارت و نورانیت کی قسم-[۱]

(۲) اور چاند کی جو اس کے بعد ضیا گستر ہوتا ہے-

(۳) روز روشن کی جو رات کی تاریکی کا پردہ چاک کر دیتا ہے-

(۴) رات کی ظلمت جو دن کی روشنی کو چھپا لیتی ہے-

(۵) آسمان کی اور اس کی عجیب و غریب بناوٹ‘ (۶) زمین اور اس کا حیرت انگیز پھیلاؤ‘

(۷) پھر مادہ عالم کے ان تمام مظاہر وشیون کے بعد روح انسانی اور وہ قادر مطلق جس نے اس پر ایسی مناسب‘ موزوں‘ مستقیم اور عادلہ فطرت صالحہ رکھی-

(۸) بالآخر خیر و شر‘ حق و باطل‘ صحت و سقم‘ عدل و اسراف‘ نور و ظلمت دونوں راہوں کو اس پر کھول دیا-[۲]

(۹) پس اب کامیاب وجود وہ ہے جس نے اپنی قوت مکتسبہ کے عمل سے اپنی فطرت صالحہ کو بالکل پاک اور بے آمیزش رکھا- (۱۰) اور نامراد انسان وہ ہے جس نے اسے ضائع کر دیا-(۱)

(۱۱) قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر (حضرت صالح علیہ السلام کی) تکذیب کی-

---

۱ یہ سورہ بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی تنزیلات سے ہے- اس میں نیکی اور بدی کے درمیان فرق کو سمجھایا ہے اور جو لوگ برے انجام سے نہیں ڈرتے ان کو ڈرایا ہے-

۲ قرآن مجید نے بے شک انسان کو نیکی اور بدی کا الہامی علم دیا ہے‘ مگر اس الہام کو کافی نہیں سمجھا‘ بلکہ اس کے بعد ہدایت و وحی بھیج کر تفصیل سے بر و اثم کے تمام شعبے سمجھا دیے ہیں:

---

(۱) ”الہلال“ ۲۲ر جولائی ۱۹۱۴ء ص ۶-

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا
فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

ع ۱۵/۱۶

(۱۲) جب کہ ان میں ایک بد بخت شخص اٹھ کھڑا ہوا۔

(۱۳) تو اللہ تعالیٰ کے رسول نے ان سے کہا ''خبردار! اللہ کی اونٹنی کو ہاتھ نہ لگانا اور اس کو اپنی باری میں پانی پینے دو!''

(۱۴) مگر انہوں نے پیغمبر کی تکذیب کی اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا' آخر کار ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کے رب نے ان پر سخت ہلاکت نازل کی اور سب کا صفایا کر دیا۔

(۱۵) اور اللہ تعالیٰ کو قوم ثمود (کی ہلاکت) کے انجام سے ذرا اندیشہ نہیں ہے![۳]

دنیا کا نظام فطرت تین شعبوں سے مکمل ہوتا ہے۔ مادہ' قوت' اور ان دونوں سے بالاتر ایک ذی شعور طاقت جو ان دونوں میں ربط واتحاد پیدا کرتی ہے۔ اور وہ فطرت صالحہ وسلیمہ ہے جو اصلاً خود انسان کے اندر موجود ہے۔ خدا تعالیٰ نے نظام عالم کی ان تین کڑیوں کا ذکر بالترتیب اس سورہ میں کیا ہے۔

قرآن حکیم نے آخرت کے وجود کا اذعان جن جن دلائل سے کیا ہے' ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ وہ کہتا ہے' دنیا کی ہر چیز اپنا کوئی نہ کوئی متقابل وجود یا شئی ضرور رکھتی ہے' پس ضروری ہے کہ دنیوی زندگی کے لیے بھی کوئی متقابل وشئی زندگی ہو۔ دنیوی زندگی کی متقابل زندگی' آخرت کی زندگی ہے۔ چنانچہ بعض سورتوں میں انہی متقابل مظاہر سے استشہاد کیا ہے۔ مثلاً اسی سورہ میں فرمایا:

'' وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَاO وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَاO وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَاO وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَاO وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنٰىهَاO وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَاO''[۲]

۳؎ قوم ثمود کا قصہ بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں بھی اس وقت وہی حالات موجود تھے جو صالح علیہ السلام کے مقابلہ میں قوم ثمود کے اشرار نے پیدا کر رکھے تھے۔ اس لیے ان کو یہ قصہ سنا دینا بجائے خود یہ سمجھا دینے کے لیے کافی تھا کہ تمہارا حشر بھی اہل ثمود کا سا ہونے والا ہے۔

---

(۱) ''البلاغ'' ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۷ا' نیز ۲ جولائی ۱۹۱۲ء ص ۶ - ۵ اگست ۱۹۱۴ء کے ''الہلال'' میں آیت نمبر ۹-۱۰ ''قد افلح من زکھا. وقد خاب من دسھا'' کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ اور وہ نامراد ہوا جس نے اپنی خیر کو برباد کیا!''

اٰیَاتُھَا : 21 سُوْرَۃُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعُھَا : 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ① وَالنَّھَارِ اِذَا تَجَلّٰی ② وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ③ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ④
فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ⑤ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ⑥ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ⑦ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ
وَاسْتَغْنٰی ⑧ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ⑨ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ⑩ وَمَا یُغْنِیْ عَنْہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ⑪
اِنَّ عَلَیْنَا لَلْھُدٰی ⑫ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَۃَ وَالْاُوْلٰی ⑬ فَاَنْذَرْتُکُمْ نَارًا تَلَظّٰی ⑭ لَا یَصْلٰھَاۤ

---

(۱) رات کی قسم' جبکہ اس کی تاریکی کائنات کی تمام اشیا کو چھپا دیتی ہے-[۱] (۲) اور روز روشن کی قسم' جب کہ آفتاب کی تجلی تمام کائنات کو روشن کر دیتی ہے- (۳) اور دراصل اس خالق کی قسم' جس نے تخلیق عالم کے لیے نر اور مادہ کا وسیلہ پیدا کیا(۱)

(۴) بلاشبہ تمہاری مساعی مختلف قسم کی ہیں-[۲]

(۵) پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور تقوی کی راہ اختیار کی (۶) اور بھلی بات کی تصدیق کی-

(۷) تو ہم اسے آسان راستے پر (چلنے کے لیے) سہولت دیں گے-

(۸) اور جس نے بخل کیا اور اللہ تعالیٰ سے بے نیازی برتی (۹) اور بھلی بات کو جھٹلا دیا، (۱۰) تو ہم اسے بتدریج مشکل میں ڈال دیں گے- (۱۱) اور جب ہلاک ہوگا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا-[۳]

(۱۲) بلاشبہ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم راہنمائی کریں (۱۳) اور یقیناً آخرت اور دنیا ہمارے ہی لیے ہیں(۲)

(۱۴) پس میں نے تمہیں دہکتی آگ سے آگاہ کر دیا ہے-

---

۱ اس سورہ کا مضمون بھی سورۃ الشمس کے مضمون کے مشابہ ہے- گویا دونوں سورتیں ایک دوسری کی تفسیر ہیں- پہلی سورہ کے مضمون کو ایک دوسرے انداز سے سمجھایا گیا ہے-

۲ یعنی جیسے رات اور دن' نر اور مادہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان میں سے ہر دو کے آثار و نتائج بھی باہم متضاد ہیں، اسی طرح انسانی کوششیں بھی مختلف اور متضاد ہیں-

پہلی قسم سعی کی یہ ہے کہ زر پرستی میں مبتلا نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرے- نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف کرے- دوسرے یہ کہ اس کے دل میں خوف خدا ہو اور اس کے تمام اعمال پر یہ اثر انداز ہو- تیسرے یہ کہ بھلائی کی تصدیق کرے اور شرک و دہریت کو چھوڑ کر توحید و رسالت اور آخرت کو برحق جانے- ان تین خصلتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان فطرت کے مطابق آسان راہ پر

إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّى ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿١٨﴾
وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴿٢١﴾ ع١

(۱۵)اس میں نہیں جھلسے گا مگر انتہائی بد بخت (۱۶) جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا

(۱۷)اور جو نہایت پرہیز گار ہے وہ اس سے بچالیا جائے گا (۱۸) جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے-

(۱۹)اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے جس کا اسے بدلہ دینا ہو (۲۰) اس کا مقصد تو اپنے رب اعلی کی رضا جوئی ہے-

(۲۱)اور وہ اپنے مالک سے ضرور راضی ہوگا!

چل کر کامیابی حاصل کرے گا-

دوسری قسم کی سعی یہ ہے کہ انسان زر پرستی میں مبتلا ہو جائے اور نیکی کی تکذیب کرے تو ایسے شخص سے خیر کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور اس کے سامنے برائی کے راستے کھل جاتے ہیں اور وہ تنگی کی راہ کو آسان سمجھنے لگتا ہے- بر و خیر کے کام اس کو پہاڑ نظر آنے لگتے ہیں-

۳؎ آیت ۱۲ سے آخر سورہ تک دونوں قسم کی مساعی کے نتائج بیان فرمائے ہیں:

''قرآن مجید کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین و اسباب سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں' انہیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ہے- مثلا یہ کہ جو لوگ سمجھ سے کام لینے کی جگہ اندھی تقلید کرنے لگتے ہیں' رفتہ رفتہ ان کی عقلیں ماری جاتی ہیں- قرآن اس حالت کو یوں تعبیر کرے گا کہ خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی (ان کے راستے میں مشکلات پیدا کر دیں) یعنی یہ صورت حال اللہ کے ٹھہرائے ہوئے قانون کا قدرتی نتیجہ ہے-''(۳)

***

(۱) ''الہلال'' ۶ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۱۶-

(۲) ترجمان القرآن ص ۱۷۹-

(۳) جلد دوم ص ۴۴

اٰیَاتُھَا: 11 | سُوْرَۃُ الضُّحٰی مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالضُّحٰی ۙ﴿۱﴾ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ
الْاُوْلٰی ؕ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ؕ﴿۵﴾ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۪﴿۶﴾ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا
فَھَدٰی ۪﴿۷﴾ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ؕ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ ؕ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا
تَنْھَرْ ؕ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ ع ۱۸

(۱) قسم ہے روشن دن کی[۱] (۲) اور رات کی جب وہ پرسکون ہو (۳) کہ آپؐ کے پروردگار نے نہ تو آپؐ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپؐ سے ناخوش ہے۔[۲]

(۴) یقیناً آپؐ کے لیے بعد کی حالت پہلی حالت سے بہتر ہے (۵) اور آپؐ کا پروردگار آپ کو اتنا کچھ دے گا کہ آپؐ خوش ہو جائیں گے۔

(۶) کیا اس نے آپؐ کو یتیم نہیں پایا' پھر ٹھکانا دیا؟ (۷) اے پیغمبر! ہم نے دیکھا کہ ہماری تلاش میں ہو' ہم نے خود ہی تمہیں اپنی راہ دکھلا دی۔ (۱)

(۸) اور تمہیں نادار پایا پھر مالدار کر دیا (۹) لہٰذا یتیم پر سختی نہ کیجیے (۱۰) اور سائل کو نہ جھڑکیے (۱۱) اور اپنے رب کی نعمت کا تذکرہ کرتے رہیے!

---

۱ یہ سورہ بھی مکی ہے اور ابتدائی دور کی تنزیلات سے ہے۔

۲ اس سورہ میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور اس پریشانی کو دور کیا ہے جو نزول وحی کے سلسلہ کے رک جانے کی وجہ سے آپ کو لاحق ہو گئی تھی۔

۳ تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر کچھ مدت کے لیے وحی کا سلسلہ رک گیا تھا جس پر آپؐ کو سخت غم لاحق ہو گیا۔ اور ام جمیل (ابولہب کی عورت) نے' جو آپ کی چچی تھی' آپؐ سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے" (العیاذ باللہ!) اور مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ان کا رب ان سے ناراض ہو گیا ہے۔ اس شماتت اعداء کی وجہ سے آپؐ پریشان ہوئے تو یہ سورہ نازل ہوئی جس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی، اور آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نوازشات ہوئی تھیں ان کا بیان فرمایا ہے۔

---

(۱) الہلال ۱۲ نومبر ۱۹۱۳ء

آیاتُھَا: 8 سُوْرَۃُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ
ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ؕ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾ؕ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ﴿۷﴾ وَاِلٰى
رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

(۱) کیا ہم نے آپؐ کی خاطر آپؐ کا سینہ کھول نہیں دیا؟[۱]

(۲) اور آپؐ سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا (۳) جس نے آپ کی پیٹھ کو گراں بار کر رکھا تھا-

(۴) اور ہم نے تیرے ذکر کو رفعت اور بقائے دوام عطا فرمائی-[(۱)]

(۵) پس یہ واقعہ ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے-

(۶) یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے- (۷) لہٰذا جب آپؐ فارغ ہوں تو (عبادت میں) مشقت اٹھائیے-

(۸) اور اپنے رب ہی کی طرف راغب رہیے!

[۱] سورہ الم نشرح مکی ہے اور ابتدائی عہد کی تنزیلات سے ہے- اس کا مقصد بھی آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے- نیز آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشقت دکھانا ضروری ہے-

❋ ❋ ❋

(۱) ''الہلال'' ۵/ اگست ۱۹۱۴ء-

تفسیر سورۂ تین

مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر سورۂ والتین سے پہلے اسی سورہ کی تفسیر از قلم مولانا مظہر الدین شیرکوٹی آپ کے مطالعہ میں آئے گی- جو ''البلاغ'' ۷ار دسمبر ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی- اس پر مولوی وصی احمد صاحب بلگرامی نے مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں چند ضروری استفسارات پیش کیے- جن کے جواب میں مولانا نے تفسیر سورۂ والتین لکھی- جو ''البلاغ'' ۲۵ر فروری اور ۳ر مارچ ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی- قارئین کے استفادہ کے لیے یہ پورا سلسلہ شامل اشاعت کیا جا رہا ہے!

اٰیَاتُھَا: 8	سُوْرَۃُ التِّیْنِ مَکِّیَّۃٌ	رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ② وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ
اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ④ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ⑤ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمْ
اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ⑥ فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ⑦ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ⑧ ع

(۱-۴) انجیر اور زیتون[ا]، طور سینا اور مکہ معظمہ شاہد ہیں کہ بلاشبہ ہم[(۱)] نے انسان کو بہترین حالت عدل پر پیدا کیا (۵) پھر اس کو بد سے بدتر حالت میں پھینک دیا-

(۶) مگر وہ لوگ کہ ایمان لائے اور عمل صالح کیے تو ان کے اعمال کے نتائج صرف بہتری ہی کے لیے ہیں- ان کے عمل صالح کا بدلہ کبھی منقطع نہ ہوگا، ہمیشہ پھل دے گا-

(۷) پس اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد کون ہے جو اعمال کے نتائج سے انکار کرے گا اور اس بارے میں رسولؐ کی تعلیم کو جھٹلائے گا؟

(۸) کیا سب سے بڑا حکم کرنے والا خدا ہی نہیں ہے جس کے قانون جزا و سزا میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی؟[(۲)]

[ا] یہ سورہ بھی مکی ہے- اس کا موضوع جزا و سزا کا اثبات ہے- اور اس میں اولوالعزم پیغمبروں کے جائے ظہور کی قسم کھا کر بتایا گیا ہے کہ انسان نفسانی خواہشات کی پستی سے اسی صورت میں نجات پا سکتا ہے جبکہ ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت سے مالا مال ہو-

---

(۱) ''البلاغ'' ۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء میں ''لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم'' کا ترجمہ حسب ذیل ہے:
''ہم نے انسان کو ایک بہترین فطرت عادلہ و مقومہ کے قالب میں پیدا کیا ہے!''

(۲) ''البلاغ'' ۳-۱۰ر مارچ ۱۹۱۶ء ص-۱۵-

تفسیر سورۂ والتین

(مولانا مظہرالدین شیرکوٹی)

انسان جب غور وفکر کی آنکھیں کھولتا ہے تو دیکھتا ہے کہ نیچے زمین ہے اور سر پر آسمان ہے- ان کی وسعت اس کے خیال سے بالاتر اور ان کی قدامت اس کے ادراک سے باہر ہے- ایک طرف وہ عظیم الشان پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے جن کی چوٹیاں نامعلوم بلندیوں تک مرتفع ہیں- دوسری طرف بلاخیز سمندروں کی لہریں اس کے اردگرد طوفان خیز ہیں جن کے سامنے انسان کی ہستی تو کیا' اس کی زمین بھی کائی کی طرح چھٹ جاتی ہے- ان عظیم ترین ہستیوں سے قطع نظر کر کے جب وہ چھوٹے چھوٹے جسموں (ایٹم) کی قوت پر توجہ کرتا ہے تو اور زیادہ متعجب ہوتا ہے کہ ہستی و حیات کے یہ حقیر ذرات طاقت و عمل کی کیسی حیرت انگیز مثالیں اپنے اندر رکھتے ہیں-

وہ ڈسنے والے سانپوں کی برق رفتاری پر خیال کرتا ہے' خونخوار جانوروں کی طاقت کو دیکھتا ہے' ابر کے ایک معمولی ٹکڑے سے بڑے بڑے شہروں کا زیروزبر ہونا اس کے سامنے آتا ہے، پھونک سے اڑ جانے والی چنگاری کی قوت اس کے پیش نظر ہوتی ہے- اور جب ان تمام مناظر قدرت کو اپنے سامنے لاتا ہے تو بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ اے ہستی انسانی! تو کیا ہے؟ تیری حقیقت کچھ بھی نہیں- بحر وجود میں پانی کا ایک بلبلہ' عالم خلق میں ہوا کا ایک جھونکا' میدان تکوین میں مجموعہ غبار کا ایک نقش پا!!!

لیکن سورۂ مبارکہ ''والتین'' میں قرآن حکیم نے اس خیال کی تردید فرمائی ہے اور شرف انسانی کے دلائل مبینہ پیش کیے ہیں- اس نے بتایا ہے کہ عالم وجود کی دوسری چیزوں کے ساتھ انسان کو کیا نسبت ہے- بلاشبہ انسان پانی کا بلبلہ ہے' مگر کون سا پانی؟- وہ جو آب بقا کا ایک سرچشمہ ہے!- کچھ شک نہیں کہ انسان ہوا کا ایک جھونکا ہے' مگر کس ہوا کا؟- وہ جو باغ وحدت کی ایک لہر ہے! ہاں یقیناً انسان کا وجود ایک نقش پا ہے' مگر کیسا نقش پا؟ وہ جو وجود بحث کا سب سے زیادہ مکمل نشان ہے!- خلاصہ یہ کہ سریر ظہور کا تاجدار اور منصۂ شہود کی رونق وجود انسانی ہی ہے!

انسان کا اشرف خلائق ہونا ایک ایسا بین دعوی ہے جس کے لیے احتیاج دلیل نہ تھی- لیکن اپنی ہستی سے خود فراموشی ہی کبھی کبھی مانع کار ہو جاتی ہے اور اکثر دنیا کے بڑے بڑے اعمال صرف اسی لیے ناتمام رہ جاتے ہیں کہ ان کے کرنے والے اپنے آپ کو نہایت ضعیف و ناتواں سمجھ کر ہمت ہار دیتے ہیں- لہٰذا ایک ایسے ناموس الٰہی کے لیے جو ''تبیانا لکل شی'' اور ''نور مبین'' کی حیثیت رکھتا ہو' ضروری تھا کہ انسانی فضیلت کی کامل حقیقت کو اس کے سامنے صاف صاف پیش کر دے-

علاوہ ازیں دین حنیف کے اس اہم ترین رکن کی ایک تمہید اور مقدمہ بھی تھا جسے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح میں ''قانون مجازات'' کے لقب سے تعبیر کروں گا-

پس اس سورہ کے مضمون کی تقسیم دو قسموں میں ہو سکتی ہے:

۱-اشرافِ انسانی کا ثبوت ۲-قانون مجازات

مبحث اول:

﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ! ﴾

''انجیر'زیتون'طورسینا' مکہ معظمہ اس دعویٰ پر شاہد ہیں کہ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر حالت میں پیدا کیا ہے-''

''تقویم'' کی تفسیر میں قاضی بیضاوی تحریر فرماتے ہیں:

" تَعْدِيْلٍ بِأَنْ خُصَّ بِانْتِصَابِ الْقَامَةِ وَحُسْنِ صُوْرَةٍ وَاسْتِجْمَاعِ خَوَاصِ الْكَائِنَاتِ وَ نَظَائِرِ سَائِرِ الْمُمْكَنَاتِ-"(انتهى!)

''تقویم کے معنی تعدیل کے ہیں اوراس سے مراد یہ ہے کہ انسان سروقامتی'حسن صورت اور کائنات کے تمام خواص اور تمام ممکنات کی تمثیلات کا مجموعہ ہے!''

اسی مضمون کوامام رازی ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:

اَلتَّقْوِيْمُ تَعْبِيْرُ الشَّيْءِ عَلٰى مَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَكُوْنَ فِى التَّالِيْفِ وَالتَّعْدِيْلِ يُقَالُ قَوَّمْتُهٗ تَقْوِيْمًا فَاسْتَقَامَ وَتَقَوَّمَ!(انتهى)

''تقویم کے معنی ہیں کسی شے کا ایسی حالت میں پیدا کرنا جس کے لائق وہ اپنی تالیف وتعدیل میں تھی-ایسے موقع پر جب کوئی شے چند چیزوں سے ترتیب دے کر بنائی گئی ہو اور وہ درست ہو تو اہل عرب کہا کرتے ہیں: قَوَّمْتُهٗ تَقْوِيْمًا فَاسْتَقَامَ وَتَقَوَّمَ-''

محدث ابن جریر طبری اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں تقویم کے مختلف معنی نقل کرتے ہوئے اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں:

وَاَوْلَى الْاَقْوَالِ فِيْ ذٰلِكَ بِالصَّوَابِ اَنْ يُّقَالَ اَنَّ مَعْنٰى ذَالِكَ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ وَاَعْدَلِهَا-

''تقویم کے معنی میں بہترین قول یہ ہے کہ اس کے معنی احسن واعدل حالت کے ہیں-''

یہ تینوں مفسراوران کے سوا اور مفسرین بھی اگرچہ ترتیب الفاظ'تعبیر ومقصد میں مختلف ہیں تاہم منشاء ومآل سب کا ایک ہے-یہ ضرور ہے کہ بیضاوی نے نہایت مفصل اور جامع الفاظ میں تقویم کا مفہوم ادا کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''کیا بہ لحاظ حسن صورت اور کیا بہ لحاظ بلندیٔ قامت'انسان تمام ممکنات کی تمثیل اور کل کائنات کے خواص کا مجموعہ ہے-''

اور یہ انسانی شرف کی بہت بڑی دلیل ہے کہ جو اوصاف (مثلاً حیوانات میں حرکت اور ارادہ وانتقام'نباتات میں نشوونما'ملائکہ میں طاعت رب کریم وغیرہ وغیرہ) فرداً فرداً دیگر مخلوقات میں موجود ہیں'وہ سب کے سب ایک وجود انسانی میں مکنون ہیں......فَلْيَنْظُرِ النَّاظِرُوْنَ وَيُمَحِّصِ الْمُشْتَاقُوْنَ......!

اسی مضمون کو قرآن حکیم نے دوسرے مقامات پر بھی بیان فرمایا ہے، صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے ورنہ مقصود ایک ہے-

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ﴾

''(اے انسانو!) خدا تعالیٰ نے تم کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے!''

یہاں صورت سے مراد صرف نقش ونگار جسمانی یا خدوخال نہیں' بلکہ صور معقولہ وقوائے ادراکیہ بھی ہیں......كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْاَصْفَهَانِيُّ فِي الذَّرِيْعَةِ وَالْمُفَسِّرُوْنَ فِيْ تَفَاسِيْرِهِمْ)

دوسری جگہ بہت زیادہ تفصیل سے اس طور پر مذکور ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ حَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴾

''ہم نے بنی آدم کو بزرگی عطا فرمائی اور تری وخشکی میں ان کے چلنے کے لیے سواریاں بنائیں' عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں' یہاں تک کہ مخلوقات کے اکثر حصہ پر ان کو فضیلت وسیادت حاصل ہے-''

ان تمام آیات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا مقصود فضیلت انسانی کا ثبوت ہے-سورۂ والتین میں اس دعویٰ کو مدلل ومشرح کیا گیا ہے اور ثبوت میں چار دلیلیں بصورت قسم پیش کی گئی ہیں-

محققین نے محاورات عرب واشعار جاہلیت سے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ قسم اپنے مابعد بیان کے لیے شہادت ودلیل ہوتی ہے-امام رازی سورۂ ذاریات کی تفسیر لکھتے ہوئے شروع ہی میں تحریر فرماتے ہیں:

اِنَّ الْاَيْمَانَ الَّتِيْ حَلَفَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهَا كُلَّهَا دَلَائِلُ اَخْرَجَهَا فِيْ صُوْرَةِ الْاَيْمَانِ مِثَالُهٗ قَوْلُ الْقَائِلِ لِمُنْعِمِهٖ وَحَقِّ نِعْمَتِكَ الْكَثِيْرَةِ اِنِّيْ لَا اَزَالُ اَشْكُرُكَ-فَيَذْكُرُ النِّعَمَ وَهِيَ سَبَبٌ مُّفِيْدٌ لِّدَوَامِ الشُّكْرِ-

''تمام وہ قسمیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں سب کی سب قسم کی صورتوں میں دلائل ہیں-جس طرح کوئی اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنے کے لیے کہتا ہے-**وحق نعمتك الكثيرة انى لاازال اشكرك**......اور اس قول میں نعمتوں کا ذکر دوام شکر کے لیے سبب قرار دیتا ہے-''

اس مسئلے کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب ہمارا فرض ہے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾ پر یہ چار قسمیں (۱) تین (۲) زیتون (۳) طور سینین (۴) بلد امین......کیونکر دلیل ہو سکتی ہیں؟

تین وزیتون کی شہادت:

تین کے معنی بعض مفسرین نے دمشق کے ایک پہاڑ اور بعض نے بیت المقدس کے ایک پہاڑی مقام کے بیان کیے ہیں-لیکن یہ سب

اقوال مرجوح ہیں اور ان کے ضعف کی طرف بیضاوی وغیرہ مفسرین نے اشارہ بھی کیا ہے- مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اس کے معنی اسی پھل کے کیے جائیں جس کو ہم اپنی زبان میں ''انجیر'' کہتے ہیں- اسی طرح زیتون سے بھی مراد وہی پھل ہے جس سے روغن نکالا جاتا ہے اور جو اہل عرب کی ہر دلعزیز و جان پرور غذا ہے-

ابن جریر لکھتے ہیں:

عَنِ الْحَسَنِ فِیْ قَوْلِ اللّٰهِ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ قَالَ تِیْنُکُمْ هٰذَا الَّذِیْ یُوْکَلُ وَزَیْتُوْنُکُمْ هٰذَا الَّذِیْ یُعْصَرُ-(حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ)

''حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں تین سے مراد وہ پھل ہے جسے لوگ کھاتے ہیں- اور زیتون سے مراد بھی وہی ہے جس سے روغن نکالتے ہیں-''

امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں تین و زیتون کے معنی بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں:

هُوَ تِیْنُکُمْ وَزَیْتُوْنُکُمْ هٰذَانِ . . . . .

''(اے اہل عرب) تین و زیتون سے مراد یہی تمہارے مشہور پھل ہیں!''

ان دونوں الفاظ کے معنی متعین ہو جانے کے بعد غور کرو کہ یہ شرف انسانی پر کس طرح شاہد ہیں؟

تم جانتے ہو کہ انجیر ایک نہایت چھوٹا سا پھل ہے لیکن غذا و دوا میں بے شمار فوائد رکھتا ہے- ذائقہ کے لحاظ سے نہایت شیریں ہے- باعتبار طبی فوائد کے قاطع بلغم، ملین طبع، مطہر کلیتین، مسمن بدن وغیرہ اس کے معمولی خواص ہیں-

پس انجیر شاہد ہے کہ جس طرح یہ جسم صغیر ہو کر بے شمار فوائد کا مجموعہ ہے، اسی طرح وجود انسانی بھی جسماً مختصر، لیکن مختلف قوتوں کا پتلا گوناگوں جذبات کا سراپا، بوقلموں اسرار کا مجموعہ ہے- بے شک اس کی مٹھی بھر ہڈیوں کا ڈھانچہ، عالم تکوین کی غیر محدود کوہ پیکر ہستیوں کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا- مگر ان ہڈیوں میں وہ طاقت ہے جو پہاڑوں کی چوٹیوں اور سمندروں کے طوفانوں کو مسخر کر سکتی ہے-

دوسری شہادت زیتون کی ہے- وہ یہ کہ جس طرح زیتون میں روغن حلول کیے ہوئے ہے اور زیتون کی قدر اس کے روغن ہی کی وجہ سے ہے، اسی طرح انسان کے جسم میں روح انسانی کا حلول ہے اور اس کا شرف بھی اس کی اس روح ہی سے ہے، ورنہ انسان مٹی کا ایک ڈھیر یا حشرات الارض کی گھناؤنی غذا ہے، اور بس!

یہاں پر دو سوال اور قابل غور ہیں- ایک یہ کہ جناب باری تعالیٰ نے زیتون ہی کو شہادت کے لیے کیوں منتخب کیا؟ جب کہ یہ فائدہ دیگر روغن دار پھلوں یا اسی قسم کے تخموں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب جو قرآن حکیم کے اولین مخاطب ہیں ان کے سامنے جو چیز بکثرت موجود تھی وہ زیتون ہے- اور اس سے جو فوائد غذا و دوا کے اعتبار سے انہیں حاصل ہو رہے تھے وہ بالکل ان پر واضح و آشکارا تھے-

دوسرا سوال یہ ہو سکتا ہے جب کہ روح جسم سے اعلیٰ و اشرف اور اس پر حاکم ہے تو اس کی شہادت کو جسم کی شہادت سے مقدم ہونا

چاہیے- اور اس لیے والتین کی جگہ والزیتون کے لفظ سے سورہ کو شروع کرنا چاہیے تھا-

یہ درست ہے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ دلیل واثبات کے موقع پر مقدم ہونے کا وہ چیزیں حق رکھتی ہیں جو تجارب ومحسوسات کے دائرہ میں ہوں- قطع نظر فلسفہ جدیدہ کے، جس کی بنیاد کا سنگ اولین ہی تجربہ ہے- اگر ارسطو وافلاطون کے فلسفہ کو دیکھو اور کم از کم علامہ بہاری کی سلم کے آخر میں برہان کی بحث سامنے رکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ دلیل مفید یقین وہی ہو سکتی ہے' جس کے مقدمات کی ترتیب امور یقینیہ اور تجربہ پر ہو یا کم از کم ایسے مقدمات کی طرف ان کی تحصیل ہوتی ہو- بہرحال جسم اور اس کے فوائد محسوس بالکل ظاہر ہیں- اور روح غیر محسوس ہے- پس اس لیے جسم کی شہادت کو حق تھا کہ وہ روح کی شہادت پر مقدم ہو اور سورہ کو والتین ہی کے لفظ سے شروع کیا جائے-

نکتہ:

زیتون کے لفظ میں ایک اور لطیف اشارہ ہے- وہ یہ کہ جب زیتون سے روغن نکال لیا جاتا ہے تو اس سے دوسرے فوائد کے علاوہ چراغ بھی روشن ہو سکتا ہے اور وہ اپنے اردگرد کی تمام چیزوں کو منور کر دیتا ہے- اسی طرح وہ روح جو قفس عنصری میں مقید ہے' اگر بقدر طاقت بشری اس کو بھی علائق مادیہ سے پاک وصاف کر لیا جائے تو پھر اس سے بھی بہت سی تاریک روحیں منور اور ظلماتی قلوب روشن ہو سکتے ہیں-

طور سینین کی شہادت:

طور سینین کی تفسیر میں تمام مفسرین اپنی عادت قدیم کے موافق بہت سے احتمالات بیان کرتے ہیں- مگر دراصل یہ سب تکلف ہے- اس سے مراد وہی پہاڑ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے جلوہ گاہ ربانی اور بنی اسرائیل کے لیے قانون شریعت کا مہبط تھا- ابن جریر نے بھی اس کو پسند فرمایا ہے- چنانچہ لکھتے ہیں:

"وَاَوْلَى الْأَقْوَالِ فِيْ ذَالِكَ بِالصَّوَابِ قَوْلُ مَنْ قَالَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ جَبَلٌ مَعْرُوْفٌ-"

''کہ صواب تر قول اس بارے میں اس شخص کا ہے جو کہتا ہے کہ طور سینین سے مراد مشہور ومعروف پہاڑ ہے-''

یہ شہادت ایک عجیب وغریب شہادت ہے جو ثابت کرتی ہے کہ ضعیف وناتواں انسانی پتلے میں مادی ترقی کی قوت کہاں تک ہے اور وہ اپنے کمال کے بازوؤں سے اڑ کر کہاں تک پہنچ سکتا ہے؟ اس سے پہلے تم بنی اسرائیل کی حالت پر غور کرو- وہ ایک ایسی قوم تھی جس نے اسرائیلی برکت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خدا کے وعدے کو فراعنہ کے قدموں میں پامال کر دیا تھا- اس بدبخت قوم نے فطرت کی سب سے زیادہ گراں قدر نعمت (یعنی حریت) کو ہمیشہ غیروں کی چوکھٹوں پر قربان کیا-

یہی بدنصیب بنو اسرائیل تھے جو انسانی عبدیت کے خون سے پیدا ہوئے' غلامی کے دودھ سے پلے' استبداد کی آب وہوا میں بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ شرف قومی کا پاک جذبہ، جس کی حفاظت دل کے خون اور دماغ کی روح سے ہونی چاہیے تھی، فراموش کر دیا گیا- آہ! صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے دیکھا کہ ظالم مصریوں کی خون آشام تلواریں اپنی پیاس ان کے معصوم بچوں کے خون سے بجھاتی ہیں اور ان کی محذرات (مستورات) کی عصمت فرعونیوں کے وحشت کدہ پر قربانی ہو رہی ہے...... ﴿ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاءَ هُمْ ﴾

مگر تاہم اس بے حسی کی صدا سے باز نہ آئے کہ ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ﴾

بدقسمت عبرانیوں کی یہ حالت تھی مگر جب جبل طور پر (جس کی قسم اس سورت میں کھائی گئی ہے) موسیٰ علیہ السلام کو قانون ملت عطا ہوا اور اس پر آیندہ نسل نے عمل کیا تو پھر وہ حالت ہوئی کہ جو غلام تھے وہ شہنشاہ ہو گئے۔ جس قوم کو مصر میں سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے بھی پیٹ بھرنے کے لیے چین سے نصیب نہ تھے‘ اس کے قدموں پر شام کے خزانے جمع کیے- کنعانیوں اور حبشیوں کے دلفریب سبزہ زاروں کی یہ قوم مالک ہوئی- اموریوں[1] اور فرزیوں، حویوں اور یبوسیوں کی دودھ وشہد بنانے والی زمین ان کے قبضہ میں آ گئی- اسی رعب وشوکت نے مصر کے ایوانوں کو ہلا یا- یہ سب کیوں ہوا؟ صرف اس لیے کہ پہلے وہ صراط مستقیم وراہ حق سے بے خبر تھی اور اب اس پر عامل ہو گئی- پہلے وہ اس قانون الٰہی سے جو طور پر نازل ہوا‘ جو ترقی کے بے شمار اسرار سے معمور تھا‘ محروم تھی اور اب اس کی پرستار ہو گئی- پس خداوند تعالیٰ نے اسی طور کو جس سے ایک بہت بڑی قوم کے عروج وزوال کی تاریخ وابستہ تھی بطور شاہد کے پیش کیا کہ دیکھو! یہ طور شاہد ہے کہ انسان کو ہم نے اشرف ترین پیدا کیا- کیا باوجود ایک حقیر وضعیف ہستی ہونے کے، اس کی پرواز سب سے زیادہ بلند نہیں ہے؟

جس طرح کہ پہلے جسم کی شہادت اور اس کے بعد روح کی شہادت پیش کی گئی تھی، اسی طرح تیسری شہادت میں پہلے جسمانی ومادی ترقی کا ثبوت دے کر چوتھی شہادت......البلد الامین......اس کی روحانی ترقی کی دلیل قرار پائی-

بلد امین کی شہادت:

"امین" امن سے مشتق ہے جس کے معنی حفاظت کرنے کے ہیں- امانت کو امانت اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے- امین اگر اسم فاعل کا صیغہ ہے تو اس کے معنی ہوں گے حفاظت کرنے والا، یا مثل قتیل بمعنی مقتول اسم مفعول کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے تو اس کے معنی ہوں گے "محفوظ"- بہرحال دونوں صورتوں میں بلد امین سے مراد مکہ معظمہ (زَادَ اللّٰه شَرَفَهَا)......كَذَا صَرَّحَ الْكَشَّافُ وَالرَّازِيُّ وَالْبَيْضَاوِيُّ وَغَيْرُهُمْ......!

پہلی صورت میں مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ فار عن الدم (جو شخص کسی کو قتل کر کے بیت اللہ میں آ چھپے) کے قصاص سے اور جانوروں کے شکار سے جبکہ وہ حرم میں داخل ہو جائیں حفاظت کرنے والا ہے- کیونکہ نص قرآنی میں دوسری جگہ حرماً آمناً موجود ہے-

دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ یہ کعبہ محترمہ قتل وغارت‘ جنگ وجدال وغیرہ سے محفوظ ہے- یہ چوتھی قسم ہے اور انسانی شرف کے جس شعبہ پر شرط لائی گئی ہے اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں- اس کی تفصیل کے لیے ایک مختصر مقدمہ پیش نظر رہنا ضروری ہے-

محبت کے دو درجے ہیں- ایک یہ کہ محبوب اور اس کے جمیع متعلقات سے الفت ہو- اس کے دیار ولباس کی یاد بھی وہی اثر دل پر کرے جو اس کی چشم بہار کے اشارے کرتے ہیں- امراء القیس نے جب ایک سفر میں اپنی محبوبہ کے قیام کے آثار کو دیکھا تو بے خود ہو گیا اور یاران سفر سے کہنے لگا:

---

[1] ان تمام الفاظ سے مراد شام کے قبائل ہیں اور یہ تلمیح ہے- کتاب خروج ۳-۱۷-۱۷ کے اس مضمون کی طرف جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انعامات کا وعدہ کیا گیا تھا-

قِفَانَبْكِ مِنْ ذِكْرٰى حَبِيْبٍ وَّ مَنْزِلٖ
بِسِقْطِ اللِّوٰى بَيْنَ الدَّخُوْلِ فَحَوْمَلٖ

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ محبوب کے سوا کسی سے محبت نہ ہو- اس کا روئے آتشیں قلب میں وہ آگ روشن کردے کہ ماسوا کی الفت خاکستر ہو جائے- اور یہ عالم ہو کہ ؎

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

یہ مرتبہ پہلے سے اعلیٰ ہے اور اسی کا نام مرتبہ خلت ہے جس کا نمونہ حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام تھے- حضرت ابراہیمؑ کے لیے تو یہ مقام ظاہر ہے کہ جب ان سے ان کے جگر گوشہ وچشم وچراغ اسماعیلؑ کی قربانی کے لیے ارشاد ہوا تو وہ بلا تامل تیار ہو گئے اور اس پر حضرت باری سے یہ خطاب عطا ہوا :

﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾

''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا-''

لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی اس مقام خلت سے محروم نہ تھے- چنانچہ جب راہ حق میں ان کو قربان کرنے کے لیے کہا گیا ﴿ اَنِّىْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى ﴾ تو انہوں نے بلا تامل عرض کیا:

﴿ يَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِىْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ ﴾

''یعنی اے باپ' اگر آپ قربان کرنے کے لیے تیار ہیں تو میں بھی قربان ہونے کے لیے حاضر ہوں!

کعبہ مکرمہ جو انہی پرستاران حق وفدا کاران ملت کی بنا کردہ تعمیر ہے' گویا تعلیم خلت کی درسگاہ ہے جس کو یہ بزرگوار تعمیر کرتے جاتے تھے اور اپنے جذبہ عشق میں معمور ہو کر کہتے جاتے تھے:

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاۤ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُo رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُo رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (البقرة- ع ۱۵)

کہ ''اے ہمارے خدا! تو ہمارے اس کام بنائے کعبہ کو قبول فرما- اس لیے کہ تو ہی ہماری دعا کو سننے والا اور ہمارے کاموں کو جاننے والا ہے- اے پروردگار! اب تو ہم کو اپنا فرمانبردار بندہ بنالے اور ہماری نسل سے ایک مطیع ومنقاد امت قائم کر! ......اے خدا! اپنے ارکان عبادت ہم کو ہدایت کر اور ہم پر رحمت نازل فرما! کیونکہ تو ہی توّاب ورحیم ہے- اور پھر اس امت میں ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو ان میں سے ہو- وہ رسول تیرے احکام ان کو سنا دے اور تیری کتاب وحکمت کی باتیں ان کو سکھا دے- تو سب کچھ کرسکتا ہے- اس لیے کہ تو سب پر غالب اور سرچشمہ حکمت ہے!''

پس درسگاہ خلت یعنی بیت ابراہیمی اس پر شاہد ہے کہ انسانی روح کہاں تک ترقی کرسکتی ہے اور اس کی انتہا کیا ہے' تم کو معلوم ہو گیا

کہ اس کی ترقی اس حد تک ہے جہاں پہنچ کر ایک ہی مقصود ایک ہی مطلوب اور ایک ہی شاہد و مشہود سامنے ہوتا ہے- جس کی چشم و ابرو کے اشاروں اور دہن حق طلب کی مسکراہٹ پر اپنی عزیز ترین چیزوں کو بھی قربان کر دیا جاتا ہے-

اے گم گشتگان طریق حق......! اگر دین حنیف تمہارے ہاتھوں میں' اسماعیلی خون تمہاری رگوں میں اور ابراہیمی دعا کی امت مسلمہ تم ہو تو پھر تمہارے لیے ذریعہ فلاح و نجات وہی خلت' وہی جوش محبت' وہی سودائے عشق' وہی طریق ابراہیمی ہے جس کی شہادت تمہارا کعبہ مکرمہ بزبان حال پیش کر رہا ہے اور اس کی صدا اس کے در و دیوار سے آ رہی ہے-

حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس امر کو مفصل بیان کیا ہے کہ روح و جسم کا وجود اور ان کا اجتماع دوسرے جانداروں میں بھی ہے لیکن حصول سلطنت اور مقام خلت ، جن پر تیسری و چوتھی قسم شاہد ہے' یہ انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے- ان دو آخری خصوصیتوں میں سے پہلی قوت حیوانیہ انسانیہ اور دوسری قوت ملکوتیہ کا خاصہ ہے- پس ان خصائص و قویٰ، ان فوائد و منافع کے انکشاف کے بعد کون ہے جو اس میں شک کر سکتا ہے؟

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ؟

❋ ❋ ❋

استفسار

(از مولوی وصی احمد صاحب بلگرامی)

جناب علامہ دوراں وحید الزماں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد دام مجدکم!

بعد از سلام مسنون گزارش یہ ہے کہ جناب مولوی مظہر الدین صاحب شیر کوٹی نے جو سورۂ والتین پر روشنی ڈالی ہے اس کے متعلق چند ضروری استفسارات ہیں' ملاحظہ ہوں- فرماتے ہیں:

''انجیر' زیتون' طور سینا' مکہ معظّمہ اس پر شاہد ہیں کہ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر حالت میں پیدا کیا ہے-''

طور سینا اور مکہ معظّمہ کی شہادت تو واضح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں نور وحدت سے انہی مقاموں پر منور ہوئیں- ضعیف انسان کی بزرگی پر یہ دونوں صاد کرتے ہیں اور اس لیے گواہ لائے جا سکتے ہیں- مگر تین اور زیتون کی شہادت کے متعلق جناب موصوف یوں فرماتے ہیں:

۱- ''انجیر ایک نہایت چھوٹا پھل ہے لیکن غذا و دوا میں بے شمار فوائد رکھتا ہے- ذائقہ کے لحاظ سے نہایت شیریں ہے- باعتبار طبی فوائد کے قاطع بلغم' ملین طبع' مطہر کلیتین' مسمّن بدن وغیرہ اس کے معمولی خواص ہیں- پس انجیر شاہد ہے کہ جس طرح جسم صغیر ہو کر یہ بیشمار فوائد کا مجموعہ ہے، اسی طرح جسم انسانی بھی جسماً مختصر' لیکن مختلف قوتوں کا پتلا ہے!''

۲- ''جس طرح زیتون میں روغن حلول کیے ہوئے ہے اور زیتون کی قدر اس کے روغن ہی کی وجہ سے ہے' اسی طرح انسانی جسم میں بھی روح کا حلول ہے اور اس کا شرف بھی اس کی روح انسانی ہی سے ہے' ورنہ انسان مٹی کا ایک ڈھیر ہے اور بس!

ہم نے یہ سب مانا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح انجیر اپنے جسم صغیر میں بے شمار فوائد اور زیتون اپنے قالب میں تیل کا خزانہ رکھتا ہے، اس طرح روئے زمین پر اور نیز ملک عرب میں ہزاروں لاکھوں ایسے پھل ہیں جو یہی خواص رکھتے ہیں- پھر کیا وجہ کہ اتنی بڑی شہادت پیش کرتے وقت جناب باری نے انجیر اور زیتون ہی کو چنا؟

جناب موصوف کی توضیح سے تسکین نہیں ہوتی- انگریزی پڑھنے والے طلبہ کی آنکھیں اور دل' ظاہر ہے کہ آج کل کلام مجید کی معرفت و نکات سے نابینا ہیں- اندھا آدمی مجبوراً ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے- اس صورت میں بینا آنکھوں کا فرض ہے کہ صحیح راستہ بتلاویں- لہٰذا یہ عریضہ ارسال خدمت گرامی ہے کہ تین و زیتون کی شہادت پر شکوک مذکورہ بالا کا لحاظ کرتے ہوئے جناب مزید روشنی ڈالنے کی تکلیف گوارا فرمائیں' باعث مشکور ہوگا......والسلام!

❋ ❋ ❋

تفسیر سورۂ والتین

(مولانا ابوالکلام آزاد)

قرآن حکیم کے فہم و درس کا جو ذوق آپ کے خط سے ظاہر ہوتا ہے، اس سے یہ فقیر نہایت خوش وقت ہوا- اللہ تعالیٰ آپ کے اس ذوق میں برکت و ثبات عطا فرمائے اور آپ کے امثال و نظائر سے ہمارے جدید مدارس کی عمارتیں معمور ہو جائیں!

آپ کا سوال دراصل مسئلہ ''اقسام القرآن'' سے تعلق رکھتا ہے- یعنی قرآن حکیم کی جن سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے حروف قسم کے ساتھ بعض اشیاء کا ذکر فرمایا ہے، ان کی حقیقت اور جواب قسم سے ان کا ربط و تعلق۔ از اں جملہ سورۂ والتین ہے- اور اس میں سب سے پہلے تین و زیتون کی قسم نظر آتی ہے- درس و فہم حقائق قرآنیہ کی مختلف راہیں ہیں- اور بسا اوقات ان کی حقیقت مختلف نظروں کو مختلف روشنیوں میں نظر آتی ہے- تین و زیتون کے متعلق ایک تفسیر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جس کو مولانا مظہر الدین صاحب نے اپنے مضمون میں نہایت خوبی سے پیش کیا ہے اور ان کے خصائص کو نوع انسانی کے جسم و حقیقت کے خصائص سے تشبیہ دی ہے- لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ سورت کے موضوع اور بقیہ اقسام کے ربط کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے- مزید غور و فکر اور جستجوئے حقیقت کے لیے قدم اٹھانا چاہیے-

چند مقامات مہمہ:

سب سے پہلے چند مقامات آپ کے سامنے آجائیں جن پر ہمارے تمام مباحث تفسیر مبنی ہیں-

۱- قرآن حکیم کی ہر سورت کا ایک موضوع (سبجیکٹ) ہے اور اول سے لے کر آخر تک وہ سورت اسی پر مبنی ہے- جس قدر مطالب درمیان میں آ گئے ہیں وہ سب کے سب اسی ایک موضوع اصلی کے ناگزیر و ضروری اطراف بحث و تعلیم ہیں-

۲- ہر سورت کی ابتداء و انتہاء اس موضوع کے معلوم کرنے کی کنجی ہے-

۳- جب ہر سورت کا ایک موضوع ہے تو یہ چیز بھی ضمناً آپ کو معلوم ہو گئی کہ قرآن مجید کی تمام آیات باہم مربوط و مسلسل ہیں اور ایک نظم و اسلوب حقیقی کے ساتھ سلسلۂ بیان بتدریج اجمال سے تفصیل دعویٰ سے دلیل اور تعلیم سے امثال و نظائر کی طرف بڑھتا اور کھلتا جاتا ہے- اسی کو قرآن حکیم نے تصریف آیات سے جابجا تعبیر کیا ہے- صرف کے معنی لغت میں رَدُّ الشَّيءِ مِنْ حَالَةٍ اِلٰی حَالَةٍ کے ہیں- کَمَا صَرَّحَ بِهِ الْاَصْفَهَانِیُّ)

۴- قسم کے معنی شہادت و دلائل کے ہیں، قرآن حکیم نے جس چیز کو حروف قسم کے ساتھ پیش کیا ہے، وہ ایک شاہد ہے جو اپنے مابعد دعویٰ کے لیے دلیل پیش کرتا ہے- ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں- یعنی کہتے ہیں کہ خدا شاہد ہے کہ ہم نے جھوٹ نہیں بولا- سورۂ والفجر میں ہے:

''هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ''

''یعنی ان چیزوں میں صاحب عقل کے لیے بڑی ہی شہادت ہے-''

منافقین کہتے تھے کہ:

"نَشْهَدُ اَنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ"

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں-''

خداتعالیٰ نے ان کی تکذیب کی اور فرمایا:

"اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً"

''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے!''

یہ ظاہر ہے کہ منافقین نے شہادت دی تھی' قسم نہیں کھائی تھی- پس خداتعالیٰ نے خود ہی شہادت کو قسم سے تعبیر کر کے حقیقت کھول دی- لیکن چونکہ عام مفسرین متاخرین نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا' اس لیے وہ اس دھوکے میں پڑ گئے کہ قسم اس چیز کی کھائی جاتی ہے جس میں بڑائی اور عظمت ہو- اس لیے تمام قسموں میں صرف عظمتوں ہی کو تلاش کرتے رہے- ان کی شہادتِ حق و دلالتِ حقائق پر نظر نہ ڈالی- امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم ایک طرح کی دلیل ہے- لیکن چونکہ اصل حقیقت سے پوری طرح متاثر نہیں ہیں' اس لیے اس غلطی کو شروع کر دیتے ہیں' جو اعتراف معنی دلیل کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی تھی- یعنی تین اور زیتون کی عظمت اور بزرگی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں- پھر جب اور کچھ نظر نہیں آتا تو فرماتے ہیں کہ تین (انجیر) کا مزہ بہت اچھا ہے اور وہ معدے کے لیے مسہل وملین ہے اور زیتون کی لکڑی کے اندر تیل ہے - گویا نہ تو دنیا کے اندر کوئی اور پھل ملین ہے اور نہ کوئی اور شے اپنے اندر روغن رکھتی ہے!

سچ یہ ہے کہ متاخرین میں یہ فضیلت ومزیت اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے ارشد تلامذہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے لیے مخصوص کردی تھی کہ حقائق ومعارف کتاب وسنت کے جمال حقیقی کو بے نقاب کریں- اور جو پردے متاخرین نے یکے بعد دیگرے ڈال دیے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوت مجددہ ومصلحہ سے چاک چاک کردیں- چنانچہ تاریخ اسلام کے ان دو عظیم الشان انسانوں نے اقسام القرآن کی اس حقیقت کو جابجا واضح کیا ہے اور موجودہ زمانے میں سب سے بڑا خوش نصیب انسان وہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ ان مصلحین حقیقی کی تصنیفات کے فہم ودرس کے لیے کھول دے' کہ ان کا نور علم' مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست ماخوذ تھا-

موضوع سورۂ والتین

دنیا میں انسان اپنے اندر دیکھتا ہے تو اس کو جذبات ومؤثرات کا ایک عجیب مخلوط اور متضاد ہجوم نظر آتا ہے- باہر دیکھتا ہے تو اس کی مایوسیاں اور ناکامیاں اس کی کامیابیوں اور امیدوں سے زیادہ نظر آتی ہیں-

جذبات کے اعتبار سے وہ ایک ہی وجود ہے جو کبھی فرشتوں کی طرح محبت وہمدردی اور شرافت وعفت کا پیکر ہے اور کبھی قتل وہلاکت اور خونریزی وسفاکی میں سانپوں کے زہر سے بدتر اور درندوں کے پنجوں سے اسفل ہے- وہی انسان جو جانوروں کو تکلیف میں دیکھ کر ہمدردی کے جذبات سے معمور ہوجاتا ہے' بسا اوقات اپنے بھائیوں کا بے دریغ خون بہانے لگتا ہے' تاکہ ان کے خون سے اپنی خود غرضی کی پیاس بجھائے!

خارجی اعمال کے لحاظ سے اس کی بوقلمونی اور زیادہ عجیب ہے- وہ ایک ہی وجود ہے جو کبھی تاج و تخت حکومت پر جلوہ آرا ہوتا ہے اور کبھی کتوں کی طرح غلامی کی خاک پر لوٹتا ہے' کبھی اس کی ہمت سر بہ فلک عمارتوں کے بنانے' پہاڑوں کو کاٹنے' سمندروں کو مسخر کرنے سے نہیں تھکتی، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پتوں کی ایک دیوار کھڑی کرنا بھی اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے-

وہ کبھی بجلی سے ڈرتا ہے طوفان سے لرزتا ہے' آسمان کو دہشت و خوف سے دیکھتا ہے' اور پھر اس قدر ان کے مظاہر و شئوون سے مرعوب ہو جاتا ہے کہ ان کی پرستش و بندگی شروع کر دیتا ہے' اور کہتا ہے کہ میں ان کے آگے صرف جھکنے اور عاجزی ہی کے لیے ہوں- ان کے تنزل و تسفل کے لیے یہ مثال بھی کافی نہیں- ایک وقت آتا ہے جبکہ دنیا میں ان پتھر کے ٹکڑوں کے لیے' جو راستوں میں ٹھوکریں کھاتے ہیں، عزت ہوتی ہے' پر انسان کے لیے کوئی عزت باقی نہیں رہتی- وہ انسان ہو کر پتھروں کے آگے ماتھا ٹیکتا' ان کو اپنے آقا اور خداوند کی طرح پوجتا اور اپنی حیات و ممات کو ان کی رضا و غضب میں منحصر یقین کرتا ہے- کتا زیادہ سے زیادہ انسان کے آگے جھکتا ہے کہ وہ کتے سے اشرف و اعلیٰ ہے- گھوڑا اور ہاتھی انسان کے چاکر بن جاتے ہیں کہ انسان کی عظمت کا مقابلہ نہیں کر سکتے' مگر انسان کتے سے بھی بدتر اور گھوڑے اور ہاتھی سے بھی اسفل ہے کہ اپنے سے اعلیٰ کے آگے نہیں بلکہ اپنے ہی جیسے کے سامنے یا اپنے سے بھی بدتر کے آگے جھکتا اور اوندھا ہوتا ہے-

تم کسی کتے کو نہیں دیکھو گے کہ وہ کسی کتے کے آگے عاجزی کرے لیکن یہ انسان ہی ہے کہ اپنے جیسے ایک دوسرے انسان کو چاندی و سونے کے تخت پر بٹھاتا ہے اور پھر کتوں کی طرح اس کے آگے زمین پر لوٹتا اور گرد ذلت چاٹتا ہے-

اعمال انسانی کے اس اختلاف و تضاد اور انفعالات و تاثرات عملیہ کی اس بوقلمونی و رنگا رنگی میں انسانی فطرت اصلیہ کی حقیقت گم ہو جاتی ہے- کچھ نہیں کھلتا کہ یہ عجیب جانور جو سب سے بڑا بھی ہے اور سب سے چھوٹا بھی' اس کی اصلی متاع فطرت کیا تھی جو اسے دی گئی تھی؟ وہ فی نفسہٖ شیطان ہے یا فرشتہ؟ بھیڑیا ہے یا بکری؟ تاریکی ہے یا روشنی؟ نیک ہے یا بد؟ اچھا ہے یا برا؟

مسئلہ خیر و شر فطرت انسانی:

یہ سوال انسان کی اصلی فطرت و جبلت کی نیکی اور بدی کا ہے- یعنی کیا بالطبع وہ نیک بنایا گیا ہے یا بد؟ یا دونوں؟ اس کے داخلی جذبات و داعیات کی کشاکش اور خارجی اعمال و نتائج کا میدان تو بظاہر نور و ظلمت' ملکوتیت و بہیمیت' حسن و بدروئی' علو و تسفل' عظمت و ذلت' نیکی و بدی، دونوں کا مجموعہ نظر آتا ہے اور کچھ پتا نہیں چلتا کہ دراصل وہ کیا ہے؟

دنیا میں ابتدا سے لے کر اب تک اس سوال کے متعلق تین مختلف مذاہب نظر آتے ہیں:

۱- انسان کی اصلی جبلت و فطرت بدی ہے لیکن باہر کی تربیت اس کو عارضی طور پر خوشنما کر دیتی ہے- وہ خصائص فطرت کے اعتبار سے ایک خالص حیوان ہے- لیکن تربیت پذیری کے اعتبار سے ان پر فوقیت رکھتا ہے- درخت کی جڑ اور شاخیں متناسب نہیں ہوتیں لیکن ان کو کاٹ کر اور چھیل کر ہم درست کر لیتے ہیں- فطرت کی تمام خلقت کا یہی حال ہے- اصل فطرت میں قوام و اعتدال نہیں ہوتا' چھیل چھال کر اسے سڈول بنایا جا سکتا ہے- یہی حال انسان کا ہے- باہر کی صناعی تربیت سے ایک نیا رنگ اپنے اوپر چڑھا لیتا ہے- لیکن جب اوپر کا رنگ کمزور ہو جاتا ہے تو اصلی تہ نظر آ جاتی ہے- بڑے سے بڑا مہذب انسان بھی غصہ و انتقام میں درندہ بن جاتا ہے- اس لیے کہ اس کا مصنوعی رنگ اتر گیا

اور اس کی اصلی فطرت شر ابھر آئی-

یہ مذہب ''مذہب شر یا'' مذہب یاس ہے-وہ دنیا کی ہر چیز کو شر اور یاس کی نظر سے دیکھتا ہے-یونان میں '' دیو جانس کلبی'' (ڈائیگونس) اسی فلسفہ اخلاق کا مشہور پیشوا گزرا ہے-

۲- دوسرا مذہب ان لوگوں کا ہے جو انسان کی فطرت کو بالکل ایک سادہ حالت میں دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں نہ تو نیکی ہے اور نہ بدی ہے-نہ وہ کانٹوں کی چبھن ہے اور نہ پھولوں کی مہک-وہ محض ایک منفعل' اثر پذیر اور نقش انگیز وجود ہے جو اپنے ساتھ کچھ نہیں لاتا-مگر دنیا میں آ کر جو کچھ پاتا ہے لے لیتا ہے-وہ ایک دامن ہے جس کے اندر سوائے گنجائش و عمق کے اور کچھ نہیں-اس میں ہر طرح کا بوجھ بھر لینے کی صلاحیت ہے-مگر ابھی کوئی چیز اس میں بھری نہیں گئی ہے-اب اگر اس کو پتھر ملا ہے تو اسی کو بھر لے گا' پھول ملے ہیں تو ان کو اٹھا لے گا-یہ تشبیہ واضح تر یہ کہ انسان کی فطرت ایک سفید کاغذ ہے جس پر کوئی نقش نہیں ہوتا-نہ تو کانٹے کی تصویر ہوتی ہے اور نہ پھول کی-اب جو کچھ اس پر بنایا جائے گا بن جائے گا!

حکمائے یونان میں اس مذہب کا ایک دور رہ چکا ہے-معتزلہ نے بھی زیادہ تر اسی کی پیروی کی تھی-آج یورپ میں بھی حکمائے اخلاق کا ایک بڑا گروہ یہی کہتا ہے-

۳- تیسرا مذہب ''جامع خیر و شر'' ہے-یعنی وہ کہتا ہے کہ

آدمی زادہ طرفہ معجون ست ۱

نیکی اور بدی دونوں اس کی فطرت میں موجود ہیں-بالقوۃ وہ شیطان اور فرشتہ دونوں ہے-قوت ملکوتی اور بہیمی دونوں رکھتا ہے-دنیا میں آ کر جس قسم کے خارجی موثرات ملتے ہیں انہی کے مطابق اس کی کوئی ایک قوت نشو و نما پاتی اور بروز کرتی ہے-اگر وہ اثرات اس کے لیے جمع ہو جائیں جن کو تم ''نیکی'' کے لقب سے پکارتے ہو' تو اس کی قوت ملکوتی ابھرے گی اور چمکے گی' لیکن اگر برخلاف اس کے، بدی کا گرد و غبار چھا جائے گا' تو نیکی کی چمک ماند پڑ جائے گی اور بدی کی تاریکی پھیل اٹھے گی-اس مذہب کے پیروؤں کے نزدیک انسان کے اندر بالقوۃ ملکوتیت و بہیمیت دونوں ہیں' مگر ان کا فعل تربیت و تاثرات سے نمود پکڑتا ہے-گویا نیکی اور بدی دو بیج ہیں' جن کو انسان اپنے ساتھ دنیا میں لاتا ہے-پھر جس بیج کو تربیت و تاثر کا پانی مل جاتا ہے' وہی پھولتا پھلتا اور تناور درخت بنتا ہے-

دنیائے قدیم و جدید دونوں میں اس مذہب نے بہت ترقی و مقبولیت حاصل کی ہے-ارسطو کا بھی یہی مذہب تھا اور تقریباً تمام حکمائے اسلام نے اسی کو قبول کیا ہے-ابن مسکویہ، جس نے یونانی اخلاق کو سب سے زیادہ مشرح و منظم لکھا ہے' اسی مذہب کا داعی ہے-دور جدید کے حکمائے اخلاق میں بھی یہی مذہب زیادہ مقبول ہے-امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تمام مفسرین تفسیر قرآن میں اسی مذہب کو پیش نظر رکھتے ہیں اور **وھدیناہ النجدین** اور **فالھمھا فجورھا وتقوھا** وغیرہ آیات کریمہ کی تفسیر اسی بنا پر کرتے ہیں-کہا جا سکتا ہے کہ مسئلہ خیر و شر فطرت کے متعلق دنیا کا غالب اور عام اعتقاد یہی ہے-اور چونکہ انسانی اعمال و نتائج میں خیر و شر دونوں نظر آتے ہیں، اس لیے ہر شخص سمجھتا ہے کہ یہی مذہب زیادہ صحیح و احق ہے-

القرآن الحکیم:

قرآن حکیم نے دین الٰہی کا دوسرا نام ''العلم'' رکھا ہے:

﴿ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ! ﴾

''اور اگر تو نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی، بعد اس کے کہ تیرے پاس علم یعنی دین الٰہی آ چکا ہے!''

ہر جگہ گمراہ قوموں کی بغی وضلالت پر ملامت کرتے ہوئے کہا:

﴿ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ﴾ (جاثیة- ع۲)

عالمین قرآن کی نسبت کہا:

﴿ فِىْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾

''وہ ان کے سینوں میں ہے جن کو علم دیا گیا-''

نیز کہا کہ یہ ''برہان'' ہے، ''بصائر'' ہے، ''نور'' ہے، ''بصیرت'' ہے- اور ہر جگہ کفر کو کہا کہ وہ ''ظن'' ہے، ''شک'' ہے، ''تخمین'' ہے اور اٹکل کی باتیں اور قیاسات ہیں..... ﴿ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴾

پھر دین الٰہی کو ماننے اور اطاعت کرنے کو ''ایمان'' کہا اور ایمان والوں کو ''مومن''- ایمان امن سے ہے- اور امن کے معنی ''طمانیة النفس'' اور ''زوال خوف وشک'' کے ہیں- ان تمام تصریحات سے واضح ہوا کہ دنیا میں علم ویقین صرف ایک ہی ہے اور وہ وحی الٰہی ہے- اور اس کے سوا اور جس قدر ادعائے علم کے اعلانات ہیں، ظن اور شک سے آگے نہیں بڑھ سکتے- نیز یہ کہ ایمان کے معنی یقین حاصل کرنے کے ہیں- اور مومن وہ ہے جس کے پاس شک کی جگہ یقین ہو- یہی وجہ ہے کہ مومن اور غیر مومن کو ''**الذین یعلمون**'' اور ''**والذین لا یعلمون**'' اور ''**الاعمی**'' اور ''البصیر'' سے تشبیہ دی- یعنی ''صاحبان علم'' اور ''بینا''..... اور ''ارباب جہل'' اور ''اندھے-''

اس بنا پر علم اضافی اور محدود تو دنیا کے پاس ہے، مگر علی الاطلاق ''**العلم**'' قرآن کے سوا اور کوئی نہیں- اور قرآن جس کے پاس ہے وہی دنیا میں سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا جاننے والا ہے-

پس شک وظن کے تمام اختلافات کو اسی ''**العلم**'' اور ''**البصائر**'' کے آگے عرض کرنا چاہیے کہ وہی ایک حکم حقیقی ہے-

اس عاجز نے جہاں تک غور کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ خیر وشر فطرت کے متعلق قرآن حکیم کا فیصلہ ان تینوں مذہبوں سے الگ ہے- اور تمام دنیا میں وہ پہلی آواز ہے جو انسانیت کے شرف فطری وخیریت کو ان تمام ظنون واوہام کی پیدا کردہ ذلتوں سے نجات بخشتی ہے-

ان تینوں مذہبوں میں پہلا مذہب فطرت انسانی کو زمین کی گھاس اور مٹی کے تودوں سے زیادہ حقیر قرار دیتا ہے- گھاس حیوانات کی غذا ہے اور مٹی سے دیوار بنائی جا سکتی ہے، مگر یہ مذہب کہتا ہے کہ انسانی فطرت میں مضرت کے سوا کوئی نفع نہیں- یہ مغرور انسان کا اپنی نسبت پہلا مایوس فیصلہ تھا-

اس کے بعد دوسرا مذہب سامنے آتا ہے اور اس کو ایک سادہ صفحہ قرار دیتا ہے، جس میں نہ تو نیکی کا نقش ہے اور نہ بدی کا- بلاشبہ یہ

مذہب انسان کے لیے پہلے مذہب جیسا بے رحم نہیں، تاہم یہ بھی اس کی فطرت کو کوئی شرف نہیں بخشتا- اور ایک منفعل اور ہر طرح کے اثر کو قبول کرنے والا قرار دے کر چھوڑ دیتا ہے-

تیسرا مذہب سب سے زیادہ مقبول، سب سے زیادہ عام اور اس بارے میں انسانی علم کی سب سے بڑی جست ہے- لیکن وہ بھی پھولوں کے ساتھ کانٹوں کو برقرار رکھتا ہے اور انسان کو فرشتگی اور شیطنت کا مساوی حصہ بخشتا ہے- اس کی غایت تحقیق یہ ہے کہ بالفطرت اس میں نیکی بھی ہے اور بدی بھی- پس وہ جس طرح اچھا ہے، برا بھی ہے- اگر بدی کا پلہ نہ جھکا تو نیکی کے پلے کو بھی زیادہ وزن نصیب نہیں- نتیجہ کے اعتبار سے اس کی فطرت یہاں بھی شرافت و احترام سے محروم و نامراد ہے- وَذَالِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ!

ان تینوں مذہبوں نے فطرت انسانیہ کی حقیقت کو کھو دیا اور وہ اپنا سراغ نہ پا سکے-

یہ مذاہب حکمائے اخلاق اور عام افکار و آرائے انسانی کے ہیں- لیکن آج جس قدر مذاہب دنیا میں موجود ہیں، ان کا فیصلہ بھی یہی ہے- اکثر حالتوں میں تو وہ پہلے مذہب کی دعوت دیتے ہیں- بعض حالتوں میں اگر ان کے شارحین تاویلات رکیکہ سے کسی بلند درجہ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بھی آخری مذہب سے آگے ان کا قدم نہیں بڑھتا-

لیکن قرآن مجید یعنی "العلم" دنیا میں اس لیے نہیں آیا کہ فطرت کے محجوب جمال کو اور زیادہ مستور کر دے- بلکہ اس کی دعوت کی اولین حقیقت یہ تھی کہ انسانی ضلالت و ظنون نے فطرت و حقیقت پر جو پردے ڈال دیے ہیں ان کو اس طرح چاک چاک کر دے کہ انسان اپنے ہی آئینہ کے اندر اپنی صورت دیکھ لے- پس وہ اولین آواز ہے جس نے سب سے پہلے اس گمشدہ حقیقت کا سراغ بتلایا اور دعویٰ کیا کہ انسان کی فطرت نہ تو محض صفحۂ سادہ ہے، نہ صرف بدی اور شر کی ناپاکی ہے اور نہ ملکوتیت اور بہیمیت ہی کا مرکب، بلکہ وہ ایک خالص و کامل نیکی ہے جس میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور کوئی قوت اس کے اندر ایسی نہیں رکھی گئی ہے جس میں بدی اور برائی کا اصلاً بیج ہو- وہ صرف نیکی ہی لے کر دنیا میں آتا ہے، نیکی ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور صرف نیکی ہی کے لیے اس کو سب کچھ دیا گیا ہے- لیکن وہ دنیا میں آ کر فطری نیکی کی حفاظت نہیں کرتا، اس کی نشوونما کی راہیں بند ہو جاتی ہیں اور اس کے طبیعی ابھار کو اس طرح دبا دیا جاتا ہے جس طرح کسی پودے پر ایک پتھر رکھ کر اس کی قوت پامال کر دی جائے- پس انسان کے اندر جو کچھ ہے وہ خالص نیکی ہے اور جس قدر بھی برائی ہے وہ اس کا کسب خارجی ہے- نیکی اس کا فطری عمل ہے اور بدی غیر فطری، خارجی اور یکسر صناعی- اگر وہ نیک ہے تو یہ فطرت ہے، اگر بد ہے تو یہ تصنع ہے- اس کو بیج ایک ہی دیا گیا ہے جو صرف نیکی کا ہے- جب وہ ابھرتا ہے تو تم کہتے ہو کہ یہ نیکی ہے- جب پامال کر دیا جاتا ہے تو تم کہتے ہو کہ بدی ہے- حالانکہ تم نہیں جانتے کہ پھل اور پتوں کا نہ لگنا کوئی الگ وجود نہیں ہے، بلکہ درخت کی نشوونما کے عدم کا نام ہے-

خدا نے اس کو روشنی دی ہے اور اس کے اندر آئینہ رکھ دیا ہے مگر وہ دنیا میں آتا ہے اور باہر کے پردوں سے اندر کی روشنی کو ڈھانپ دیتا ہے، باہر کے گرد و غبار سے اندر کے آئینہ کو مکدر کر دیتا ہے- اب تم کہتے ہو کہ وہ تاریک ہے، مگر نہیں سوچتے کہ اس کی اصل روشنی تھی، تاریکی نہ تھی- اس نے روشنی کو چمکنے نہ دیا- تم کہتے ہو کہ اس کے دامن میں زنگ اور غبار تھا- حالانکہ زنگ اور غبار نہ تھا بلکہ صافی و شفاف آئینہ تھا- باہر سے گرد اڑ رہی تھی- اس کو چاہیے تھا کہ دامن سے ڈھانپ لیتا مگر اس نے گرد و غبار کو پسند کیا اور آئینہ کی چمک کی قدر نہ کی- اب وہ غبار آلود

ہے- کچھ دنوں کے بعد بالکل تاریک ہو کر لوہے کا ایک سیاہ ٹکڑا بن جائے گا- مگر اس لیے نہیں کہ اس کے پاس لوہا تھا بلکہ صرف اس لیے کہ آئینہ کو صاف نہ رہنے دیا-

یہی انسان کی وہ فطرت اصلی ہے جس کو قرآن حکیم فطرت صالحہ قرار دیتا ہے- یعنی وہ فطرت جو بالکل اپنی اصلی نیکی کی حالت میں ہے اور باہر کی کسی بدی سے اس کو آلودہ نہیں کیا گیا ہے- یہی فطرت صالحہ دین الٰہی ہے' یہی دین قیم ہے' یہی دین حقیقی ہے' یہی صراط مستقیم ہے' یہی فطرت اللہ ہے' یہی صبغت اللہ ہے ـــــ اور قرآن مجید کی اصطلاح میں سب سے زیادہ جامع و حاوی نام اسی کا ''اسلام'' ہے!

اور اسی لیے قرآن کہتا ہے کہ انسان کی اصلی فطرت ''اسلام'' ہے اور ''کفر'' ایک صناعی اور غیر فطری عمل ہے- اگر ایک انسان ''مسلم'' ہے تو اس کو یوں کہو کہ وہ اپنی اصلی فطرت صالحہ پر قائم ہے- اس کی فطری روشنی نور دے رہی ہے- اس کی فطرت خیر کی قندیل کو باہر کا کوئی طوفان بجھا نہ سکا اور وہ ویسا ہی ہے جیسا فطرت نے اسے بنایا تھا- لیکن اگر ایک انسان ''مسلم'' نہیں ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ فطرت حقیقی کا چراغ بجھ گیا' اس کے اندر کا آئینہ زنگ آلود ہو گیا' گرد و غبار کی تو بر تو تہوں نے اس کو سیاہ کر دیا اور وہ فطرت کی صورت حقیقی کی جگہ ایک مسخ شدہ غیر فطری و مصنوعی جانور بن گیا- معصیت سے یہ فطری آئینہ زنگ آلود ہوتا ہے، اور کفر زنگ آلودگی کی وہ آخری حالت ہے جبکہ آئینہ بالکل سیاہ ہو گیا اور ایک دھندلی سی چمک بھی اس میں باقی نہ رہی- ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ﴾ اور ﴿ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ وغیرہ تصریحات قرآنیہ میں اسی آخری مرتبہ ضلالت کی طرف اشارہ ہے- اور ''لهم قلوب لا يفقهون بها'' - ﴿ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ ﴾ ﴿ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ﴾ میں اسی فطرت صالحہ کی پامالی اور ایک غیر فطری حالت مسخ و انقلاب کو واضح کیا گیا ہے- یہ وقت تفصیل کا نہیں' اشارات پر اکتفا کیجیے!

اور ٹھیک یہی معنی ہیں' مسلم کی اس مشہور حدیث کے' جس کی شرح میں عجیب عجیب حیرانیاں لوگوں کو ہو رہی ہیں کہ:

" مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ !"

''دنیا میں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا' مگر اپنی اصلی فطرت پر- پھر (یہودی) والدین اسے یہودی بنا لیتے ہیں اور (نصرانی) والدین' نصرانی!''

ایک دوسری روایت میں ہے:

"مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ اِلَّا وَهُوَ عَلٰى هٰذِهِ الْمِلَّةِ!"

''یعنی جس قدر بچے پیدا ہوتے ہیں' سب ملت اسلام پر پیدا ہوتے ہیں-''

انسان کی فطرت صالحہ ہی کا نام اسلام ہے- اور ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے' اپنی اصلی اور بے میل فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے- پس انسان کا ہر بچہ اسلام پر پیدا کیا گیا- اب وہ دنیا میں آتا ہے اور باہر کی ہوائیں اس کے اندر روشنی کو تہ و بالا کرنے لگتی ہیں- اگر یہودیت کے اثرات اس نے پائے تو یہودیت کا جھونکا اس کے چراغ فطرت کو گل کر دے گا- اگر مجوسیت کا طوفان اٹھا تو اسی میں اس کی کشتی فطرت ڈگمگانے لگے گی-

پر یہ جو کچھ ہوگا، باہر کا اثر وکسب ہے- اس کے اندر کی فطرت صرف اسلام تھی' یعنی صرف نیکی وخیر تھی-

تمہید بڑھتی جاتی ہے اور یہ مبحث خود ایک مستقل مبحث ہے- اگر اس بارے میں قرآن حکیم کی مزید تصریحات جمع کی جائیں تو صفحوں کے صفحے اسی میں صرف ہو جائیں- یہی معنی ہیں ذریت انسانی کے " بلی" کہنے کے' جب کہ خدا تعالٰی نے ان سے پوچھا"الست بربکم؟" کیا میں ہی تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟'' پس انسان کی فطرت اصلی تصدیق ہے جو اس کے اندر و دیعت کردی گئی- اور اب اگر "بلی" کی جگہ یعنی تصدیق ربوبیت کی جگہ وہ انکار کرتا ہے' تو یہ اس کی فطرت کی صدا نہیں ہے' ایک غیر فطری صناعی ہے-

اور اسی فطرت صالحہ کا نام قرآن حکیم نے ''قلب سلیم'' رکھا ہے- یعنی وہ دل جو بالکل صحیح وسالم ہو اور اپنی اصلی تندرستی واعتدال پر قائم ہو' کوئی نیا عارضہ اور بیماری اسے نہیں لگ گئی ہے- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت فرمایا کہ "اذ جاء ربه بقلب سليم" ''جبکہ وہ اپنے رب کے حضور قلب سلیم یعنی فطرت صالحہ غیر آلودہ کے ساتھ حاضر ہوئے-'' تم کو معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ فطرت صالحہ وہ تھی جس کو باہر کا کوئی بڑے سے بڑا جلوہ بھی مرعوب نہ کر سکا اور اس کے اندر کی روشنی پکار اٹھی کہ:

﴿ اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴾

اور یہی وجہ ہے کہ خدا کی شریعت کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ اس فطرت صالحہ پر انسان نے صناعی وخارجی ضلالت کا جو زنگ چڑھا دیا ہے' اسے دور کر دے اور اس کی اصلی روشنی پھر چمک اٹھے- یہی وجہ ہے کہ ہدایت الٰہی کو قرآن مجید نے ''ذکر'' کے لفظ سے تعبیر کیا اور ضلالت و کفر کو ''نسیان'' کہا- ''ذکر'' کے معنی ''حفظ'' اور ''یاد'' کے ہیں- ''نسیان'' بھولنے کو کہتے ہیں- چونکہ فطرت اصلی کو انسان بھلا دیتا ہے اور اسی کا نام ضلالت ہے- پس ''ضلالت'' نسیان ہوئی اور ''ہدایت'' فطرت اصلی کے بھلائے ہوئے سبق کو پھر تازہ کر دینا- اسی لیے اس کو ذکر کہا- نسیان کی انتہا غفلت ہے- غفلت کو قرآن مجید نے منتہائے ضلالت قرار دیا ہے:

﴿ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا یَفۡقَهُوۡنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمۡ اَعۡیُنٌ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا یَسۡمَعُوۡنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ﴾

''ان کے دل ہیں جن سے سمجھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے سنتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے نہیں (چونکہ ان قوی سے کام نہیں لیتے' اس لیے) یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں' بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ- یہ لوگ وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں-''

ایک اور آیت بھی نسیان کے متعلق اس سرسری نظر میں سن لو:

﴿ الَّذِیۡنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنۡسٰهُمۡ اَنۡفُسَهُمۡ ﴾

''وہ لوگ کہ انہوں نے اللہ کے رشتے کو بھلا یا اور نتیجہ یہ نکلا کہ اپنے نفسوں ہی کو بھول گئے-''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفسوں کو یعنی اپنی فطرت صالحہ کو بھول گئے- کیونکہ فطرت صالحہ تو وہ تھی جس نے کہا تھا'' بلیٰ'' یعنی خدا کی ربوبیت اور اس کے رشتہ کا اقرار کیا تھا- اب اگر وہ اس ہستی کے رشتے کو بھلا رہے ہیں جن کے آگے فطرت اصلی ''بلیٰ'' کہہ چکی ہے تو اس

رشتے کو نہیں بھلا رہے ہیں بلکہ اپنی فطرت ہی کو بھلا رہے ہیں-

عود الی المقصود:

بہر حال قرآن حکیم انسان کی فطرت کو خالص نیکی قرار دیتا ہے اور بدی سے اس کی فطرت صالحہ کو پاک بتلاتا ہے- وہ کہتا ہے کہ اس کی فطرت صرف تندرستی اور صحت ہے- البتہ وہ دنیا میں آ کر بہت سی بیماریاں مول لے لیتا ہے- بیماری باہر کا اثر ہے، اندر صرف تندرستی ہے-

سورۂ والتین کا موضوع اصلی یہی حقیقت ہے- یعنی اس میں انسان کی فطرت صالحہ کی اسی گمشدہ اصلیت کو واضح کیا گیا ہے- اس موضوع کے لیے قرآن مجید نے مفصل درس بھی دیے ہیں، لیکن یہ من جملہ مجمل مگر جامع وحاوی دروس کے ہے-

گزشتہ صحبت میں یہ مسئلہ ایک حد تک واضح ہو چکا کہ سورہ والتین کا موضوع اصلی فطرت صادقہ انسانی کے شرف وخیریت کا اعلان ہے اور یہ بتلانا ہے کہ انسان نے اپنی حقیقت وفطرت کے متعلق جس قدر مایوس فیصلے کیے ہیں وہ سب غلط ہیں- نہ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت کو شر اور بدی کے لیے بنایا ہے اور نہ اس کی حقیقت اس قدر حقیر و ذلیل ہے کہ وہ کائنات ہستی کے ہر وجود وظہور کے آگے جھک جائے اور ان کے کرشموں کے سامنے اپنے تئیں حقیر و لاچار سمجھ لے- اگر وہ اپنی فطرت صادقہ کو عمل غیر صالح سے پامال نہ کرے تو وہ دنیا میں بڑی سے بڑی عظمت حاصل کر سکتا ہے-

اس موقع پر اس قدر اور سمجھ لینا چاہیے کہ انسان کا اپنی فطرت صادقہ سے بے خبر رہنا، دراصل اس کی تمام ناکامیوں کی جڑ ہے- کائنات عالم کے دائرۂ حقیقت کے لیے اس کا وجود بمنزلہ ایک نقطہ ومرکز کے ہے- پس جب تک انسان اپنے نفس کی حقیقت کو نہیں پائے گا، وہ تمام عالم کی حقیقت کو نہیں پا سکتا- اور حقیقت کو نہیں پا سکتا تو اپنی تخلیق کی غرض ومقصد کو بھی پورا نہیں کر سکتا- سب سے پہلی چیز یہ تھی کہ وہ سمجھے کہ دنیا میں جو کچھ ہے اس کے لیے ہے، وہ کسی کے لیے نہیں ہے- لیکن اپنے شرف وعظمت اور خیریت وحرمت کے احتجاب نے اس حقیقت تک پہنچنے نہ دیا- وہ کائنات عالم کے ادنیٰ ادنیٰ جلووں سے مرعوب وہیبت زدہ ہو گیا اور سمجھنے لگا کہ جب بجلی کی چمک مجھ سے بڑی ہے، سمندر کا طوفان مجھ سے زیادہ قہار ہے، شیر کا پنجہ مجھ سے زیادہ قوی ہے، ہاتھی کا وجود مجھ سے زیادہ عظیم ہے، حتیٰ کہ مچھر کی ڈنک اور رینگنے والے زہریلے کیڑوں کا زہر بھی میرے لیے سخت خوفناک ہے تو پھر میری ہستی کیا ہے اور مجھ میں کون سی بڑائی ہو سکتی ہے؟ اسی خیال کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف تو اس نے اینٹ اور پتھر تک کی پوجا شروع کر دی اور دوسری طرف اپنے وجود کو اس قدر ذلیل سمجھ لیا کہ جھکنے، گرنے، لوٹنے، پوجنے اور بندگی کرنے کے لیے اس کے اندر ایک قوی اور دائمی استعداد پیدا ہو گئی- اس صناعی وخارجی ضلالت سے ہر قوت نے غیر فطری فائدہ اٹھایا اور جب چاہا، ایک ادنیٰ کرشمہ قوت دکھلا کر اس کے جسم ودماغ کو اپنے آگے جھکا دیا-

تحقیر وتذلیل نفس انسانی کی یہ انتہائی حالت اسی کا نتیجہ تھی کہ اس نے اپنی فطرت کی خیریت کو نہ سمجھا اور ہمیشہ اس کے خلاف فیصلہ کیا- اس نے چارپایوں کو دیکھا اور سانپوں اور بھیڑیوں کی درندگی وخوفناکی پر نظر ڈالی- پھر اسی طرح اپنی نسبت بھی فیصلہ کر لیا کہ اس میں بدی اور بہیمیت کے سوا کچھ نہیں ہے- اور اگر نیکی کا جز ہے بھی تو وہ بدی کے ساتھ ممزوج ومخلوط یعنی ملا جلا ہے-

یہ تنزل انسانی کی اصلی علت اور انسانیت اعلیٰ اور خلقت کبریٰ کی گمشدگی تھی- سورۂ والتین نے اس کا سراغ بتلایا ہے- پس فی الحقیقت اس کا موضوع انسانیت اعلیٰ کا اعلان ہے-

انسان کے اندر جو کچھ ہے وہ اس کا نفس ہے' باہر جو کچھ ہے وہ آفاق ہے- قرآن حکیم نے جابجا اسے تنبیہ کی ہے کہ اپنے اندر بھی دیکھے اور اپنے سے باہر کو بھی سمجھے- یعنی انفس و آفاق دونوں میں تفکر کرے:

﴿ سَنُرِيهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ! ﴾

''عنقریب وہ اللہ کی نشانیاں آفاق اور انفس میں یعنی اپنے سے باہر اور اپنے اندر دیکھیں گے- یہ مشاہدہ حقیقت اصلی کو ان پر کھول دے گا اور وہ پالیں گے کہ بلاشبہ دین الٰہی کی دعوت حق ہے-''

دوسری جگہ زور دیا:

﴿ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ! ﴾

''تم اپنے اندر نہیں دیکھتے کہ کیا ہے؟''

اگر تم دیکھو تو معلوم ہو جائے کہ شریعت الٰہی کوئی نئی چیز تم سے نہیں چاہتی- تمہاری فطرت اصلی ہی کا ظہور خالص چاہتی ہے- اسی کا نام دین قیم ہے-

استشہاد و طریق استشہاد:

سورۂ والتین نے اسی حقیقت کو بیان کیا ہے اور اس پر شہادت پیش کی ہے- بیان بمنزلہ دعویٰ کے ہے اور شہادت اس کی دلیل ہے- دعویٰ تمہیں معلوم ہو چکا:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ! ﴾

''ہم نے انسان کو بہترین حالت میں پیدا کیا ہے-''

اب دلیل کا حصہ باقی ہے- لیکن قبل اس کے کہ دلائل پر نظر ڈالیں' اس پر غور کر لینا چاہیے کہ اس غلطی کا اصلی سبب کیا تھا جس کو سورۂ والتین دور کرنا چاہتی ہے؟

اس کا اصلی سبب اعمال انسانی کی رنگارنگی اور بوقلمونی تھی- انسان نے جب اپنے آپ کو دیکھنا چاہا تو اپنی فطرت کو نہ دیکھ سکا کہ وہ محجوب و مستور ہو گئی تھی- اس نے اپنے اعمال و افعال کو دیکھا' اور ان کے اندر ایک عجیب متضاد اختلاف نظر آیا- اس نے دیکھا کہ نیکی اور بدی دونوں باہم دست و گریبان ہیں- اگر ایک طرف اس کے اندر نیکی و شرافت کے رقیق و لطیف جذبات نظر آتے ہیں تو دوسری طرف درندگی و بہیمیت کی خوفناکی بھی نظر آتی ہے- اگر وہ فرشتوں کی طرح محبت و احسان کی آنکھیں رکھتا ہے' تو بھیڑیوں اور بچھوؤں کی طرح اس کے پاس حرص و غرض کا پنجہ اور خونریزی و سفاکی کی زہریلی ڈنک بھی ہے- اگر ایک طرف بادشاہوں کے زرنگار تخت اور حاکموں اور فرماں رواؤں کی عظمت و کبریائی نظر آتی ہے' جو انسانی عظمت و جلال کی شہادتیں دے رہی ہیں' تو انہی کے سامنے غلاموں کی پابہ زنجیر صفیں بھی دست بستہ کھڑی ہیں

جو انسان کو کتے اور بلی سے بھی زیادہ حقیر ثابت کر رہی ہیں کہ نہ تو کتے نے اپنے جیسے کتے کے آگے سر جھکایا اور نہ بلی نے کبھی بلی کو سجدہ کیا-

اس نے دیکھا کہ یہی انسان حاکم بھی ہے محکوم بھی' ساجد بھی ہے مسجود بھی' عالم بھی ہے جاہل بھی' عاقل بھی ہے ابلہ بھی' نیک بھی ہے بد بھی' شہنشاہی کا تخت، حکمرانی کا فرمان' فتح مندی کی تلوار' نیکی کی فرشتگی اور سچائی کی قدوسیت بھی وہی ہے اور غلامی کی خاک' محکومی کی ذلت' مقتول کی گردن' بدی کی شیطنت اور شر کی رذالت بھی اس کے سوا اور کوئی نہیں-

یہی انسان ہے جو رات کو دروازوں پر پاسبانی کرتا ہے تاکہ اس کے ہم جنس گھر کے اندر امن سے سوئیں، اور یہی انسان ہے کہ دوسری طرف سے آکر مکان میں نقب بھی لگاتا ہے تاکہ اپنے ہم جنسوں کو دکھ اور نقصان پہنچائے- اگر عبادت گاہوں کے اندر فرشتے نہیں آتے بلکہ انسان ہی ہوتے ہیں، تو ڈاکوؤں کے جتھوں کے اندر بھی بھیڑیے جمع نہیں ہوتے بلکہ آدم ہی کی اولاد ہوتی ہے-

پس اعمال انسانی کی اس رنگا رنگی اور نور و ظلمت کے اس اختلاط کو دیکھ کر وہ اس دھوکے میں پڑ گیا کہ جس مخلوق کے اعمال کا یہ حال ہے، اس کی فطرت کا بھی یہی حال ہوگا- اگر وہ اپنے اعمال کے اندر نیکی اور بدی، اور عظمت و ذلت دونوں رکھتا ہے، تو اس کی فطرت کے اندر بھی نیکی و بدی اور فوز و خسران دونوں ہوں گے- اگر وہ اپنے اعمال اور نتائج اعمال کے اندر عظمت کا تخت اور ذلت کی بندگی دونوں جلوے دکھلاتا ہے، تو اپنی فطرت کے اندر بھی طاقت و تسلط اور مقہوریت و مخذولیت دونوں رکھتا ہوگا-

اس نے اعمال کو دیکھ کر فطرت کے لیے حکم لگانا چاہا اور اس نے افراد کی حالت کو دیکھ کر نوع کے لیے فیصلہ کر دیا-

اسی غلطی نے اس کے اندر یہ عقیدہ پیدا کیا کہ ہم صرف بڑائی اور نیکی ہی کے لیے نہیں ہیں جیسا کہ بعض افراد نظر آتے ہیں بلکہ حقیر ہونے اور برے رہنے کے لیے بھی ہیں جس طرح کہ اکثر افراد شہادت دیتے ہیں- پس نیکی اور برائی دونوں کے لیے اس میں ایک مایوس قناعت پیدا ہوگئی اور اس غیر صالح قناعت نے عزم اور ہمت کی پیاس کو بالکل بجھا دیا- ایک غلام ساری عمر غلامی اور بندگی میں خوش خوش گزار دیتا ہے اور کبھی اس کے اندر یہ احساس پیدا نہیں ہوتا کہ میں بھی ویسا ہی انسان ہوں جیسا میرا آقا- پھر میں کیوں صرف بندگی کے لیے ہوں اور یہ کیوں آقائی کے لیے؟ ایک محکوم قوم ویسی ہی خوشی اور سکھ کے ساتھ غلامی کی خاک پر لوٹتی ہے جس طرح ایک حاکم قوم عزت و عظمت کے تخت پر فرمانروائی کرتی ہے اور کبھی اس کے اندر یہ بیقراری نہیں اٹھتی کہ ہم بھی انسان ہیں' ہمارے پاس بھی وہ سب کچھ ہے جو ان حاکموں کے پاس ہے- پھر ہم کیوں ذلت کے لیے ہیں اور یہ کیوں عظمت و فرماں روائی کے لیے؟ ہزاروں مزدور ہیں جو کارخانوں میں پھرکیوں کی طرح چکر کھاتے ہیں اور اس میں اتنے ہی خوش ہوتے ہیں جس قدر کارخانہ کا مالک- لیکن کبھی ان میں یہ تڑپ نہیں اٹھتی کہ اگر ہم بھی چاہیں تو کارخانہ کے مزدور کی جگہ کارخانے کے مالک بن سکتے ہیں- اور یہ کیا ہے کہ ہماری ہی طرح کے انسان ہمارے مالک بن گئے؟ پھر اسی طرح دیکھو کہ ہزارہا انسان ہیں جو طرح طرح کی بدیوں اور خباثتوں کی گندگیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں مگر کبھی نہیں سوچتے کہ نیک و پاک انسان بھی آخر ہماری ہی طرح انسان ہیں- یہ کیوں ہے کہ وہ نیک ہیں مگر ہم نیکی کے لیے جنبش نہیں کر سکتے؟

ہر طرح کی مثالیں سامنے لاؤ اور ادنیٰ و اعلیٰ حالتوں کے اختلاف کے جس قدر پہلو ہو سکتے ہیں ان سب پر نظر ڈالو- تم پاؤ گے کہ پستی و ذلت اور بدی و شرارت کی ہر زندگی کے اندر ایک باطل قناعت و بے حسی' قوتوں کو پامال اور انسانیت اعلیٰ کی تمام بڑی سے بڑی طاقتوں کو

ضائع کر رہی ہے-

اب غور کرو کہ یہ حالت کیوں پیدا ہوئی؟ اس کا سبب بجز اس کے اور کچھ نظر نہیں آئے گا کہ چونکہ انسان کے اعمال اور اس کے ثمرات متضاد اور مخلوط ہیں اور اکثر حالتوں میں پستی و ناکامی کے نمونے زیادہ اور عظمت و کامرانی کے امثال کم ہیں، اس لیے ہر نامرادی کی حالت میں انسان نے نامرادوں پر نظر ڈالی اور ہر برائی کی زندگی میں اس نے بروں کو دیکھا- یعنی نامرادوں کو دیکھ کر اپنی نامرادی پر، گرے ہوؤں کو دیکھ کر اپنی گری ہوئی حالت پر، بروں کو دیکھ کر اپنی برائیوں پر وہ ایک طرح کا استدلال کرنے لگا اور ان سے شہادت لاکر اپنی حالت کو فطری اور لابدی سمجھنے لگا-

اس غلط استشہاد نے اس کے اندر غلط قناعت پیدا کی، اس کے احساس کو فنا کر دیا، اس کی طلب بجھ گئی اور وہ اپنی ذلت اور برائی کو اصلی اور شدنی چیز سمجھ کر ایک بناوٹی خوش حالی میں مبتلا ہو گیا- غلام کے اندر آقا بننے کا کیوں جوش نہیں اٹھتا؟ اس لیے کہ وہ اپنے جیسے غلاموں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ صرف میرے ہی لیے نہیں ہے بلکہ سب کے لیے ہے، اور اس لیے ایک قدرتی چیز ہے جس پر صرف صبر ہی کر لینا چاہیے- پس اس نے غلاموں پر نظر ڈالی اور غلاموں سے اپنی غلامی پر شہادت لایا- اگر وہ غلاموں کی جگہ آقاؤں کو دیکھتا اور ان سے شہادت لیتا کہ آخر وہ بھی تو انسان ہی ہیں اور اسی کرۂ ارضی کی پیٹھ پر بستے ہیں تو فوراً اس کا احساسِ مردہ زندہ ہو جاتا اور اپنی فطرت کے شرف و خیریت کو پالیتا-

ایک مزدور کیوں اسی میں خوش ہے کہ اٹھارہ گھنٹے کی محنت کے معاوضہ میں صرف ایک روٹی پائے؟ اس لیے کہ وہ اپنی ادنیٰ حالت کے لیے اپنے ہی جیسے ادنیٰ حالت کے مزدوروں کو دیکھتا ہے اور ان سے استشہاد کرتا ہے- اگر وہ ان سے استشہاد کرتا جن کی وہ مزدوری کرتا ہے تو اس کے اندر بھی ولولہ عزم و طلب پیدا ہوتا- ایک بد انسان کس طرح برائی میں اپنے اندر تسکین و قناعت پیدا کر لیتا ہے؟ اس لیے کہ وہ بروں ہی کو دیکھتا ہے اور انہی سے استشہاد کرتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ انسان اس لیے بھی بنایا گیا ہے کہ برائی کرے جیسا کہ سب کر رہے ہیں، اور جب سب کر رہے ہیں تو وہاں ایک اور سہی ؎

بیا کہ رونق ایں کارخانہ کم نہ شود
ز زہد ہم چو توئی یا بہ فسق ہم چو منی

پس حاصل مبحث یہ ہے کہ انسان نے فطرت انسانی کی حقیقت و خیریت کے سمجھنے میں غلطی کی کیونکہ اس نے:

۱- اعمال انسانی کو خیر و شر اور عظمت و ذلت کا مجموعہ دیکھا-

۲- پس وہ سمجھا کہ انسان کی فطرت میں بھی خیر و شر اور ذلت و عظمت دونوں ہیں-

۳- اس نے اعمال کی راہ سے فطرت کو دیکھنا چاہا اور افراد کی حالت کو دیکھ کر نوع کو بھی اسی پر قیاس کر لیا-

۴- اسی اعتقاد کا اثر اس کے تمام اعمال حیات پر پڑا- جب اس نے انسانی فطرت کو خیر و شر کا مجموعہ سمجھ لیا تو اس کے اندر شر و تسفل کی حالت میں ایک گمراہ قناعت پیدا ہو گئی- وہ سمجھنے لگا کہ جب برائی فطرت ہی میں ہے تو نیکی کا نہ ہونا کوئی ایسی چیز نہیں جس پر افسوس کیا جائے اور

جس کے لیے اچنبھا ہو-

اس کی یہ حالت دراصل ایک استشہاد و استدلال ہے جو وہ تمام ادنیٰ وسافل حالتوں کے افراد سے کرتا اور عموماً اعمال شر و تسفّل کو اپنے سامنے لاتا ہے-

سورۂ والتین کے مطالب کی ترتیب:

سورۂ والتین کا موضوع اور مسئلہ خیر و شر فطرت کے متعلق انسان کی غلطی کے اصلی اسباب معلوم ہو گئے- اب دیکھو کہ سورۂ والتین نے اس حقیقت کے اظہار و ثبوت کے لیے مطالب کی ترتیب کیا اختیار کی ہے؟

۱- اس نے دعویٰ کیا کہ انسان کی فطرت ہم نے نیک و صالح پیدا کی ہے- وہ صرف شرف و عظمت کے لیے ہے- اس کو بہترین حالت عدل پر ہم نے پیدا کیا اور عدل ہی خیر کی حقیقت ہے- ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾

۲- ساتھ ہی اس نے غلطی کا ازالہ کیا جس کی وجہ سے انسان نے اپنی فطرت کے متعلق ایسی عظیم الشان غلطی کی- اس کی بڑی غلطی یہ تھی کہ وہ انسان کی فطرت کے معلوم کرنے کے لیے انسان کے اعمال کو دیکھتا ہے اور برے انسانوں کو دیکھ کر فطرت کی برائی پر استشہاد کرتا ہے...... پس سورۂ والتین نے انسانی اعمال کی عظمت و جبروت کے لیے انسان کی عظمت و شرف سے استشہاد کیا اور یہ کہا کہ تم گرے ہوؤں کو دیکھ کر اپنی فطرت کو کیوں گرا ہوا سمجھتے ہو؟ ان کو نہیں دیکھتے جو گرنے کی جگہ بلند ہوئے؟ یہ لوگ جو فطرت صادقہ کو قائم رکھ کر بلند ہوئے، وہی لوگ ہیں جن کی طرف ﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ o وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ o وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴾ کے تین جملوں میں اشارہ کیا گیا ہے- اور یہی وہ انعام یافتہ الٰہی گروہ ہیں، جن کی راہ صراط مستقیم ہے اور جن کی راہ کی طلب سورۂ فاتحہ میں سکھلائی گئی ہے- ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ ''ان کی راہ جن پر خدا نے انعام کیا-'' یہی حزب اللہ ہیں' یہی اولیاء اللہ ہیں' یہی خیر البریہ ہیں، یہی البصیر ہیں اور یہی اصحاب الجنۃ ہیں-

۳- رہا اعمال انسانی کی بوقلمونی اور خیر و شر کا سوال' تو یہ اس لیے نہیں ہے کہ انسان کی فطرت برائی ہے- اس کی فطرت تو عدل و خیر ہی ہے- البتہ وہ جب اس کو ضائع کر دیتا ہے اور اعمال سافلہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو جس طرح اس کی خلقت سب سے اعلیٰ تھی، اسی طرح اس کا اکتساب عمل اس کو سب سے زیادہ ادنیٰ بھی بنا دیتا ہے- حتیٰ کہ اپنی حقیقت انسانی کو مسخ کر کے بسا اوقات چار پایوں اور درندوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے- تم یہ حالت مسخ دیکھ کر کہتے ہو کہ یہ فطرت ہے- مگر نہیں سمجھتے کہ فطرت نہیں، خارج کا کسب و عمل ہے- پس اعمال انسانی میں خیر و شر اور عظمت و تسفّل جو تمہیں نظر آتا ہے، اس میں تفریق کرو- نیکی و عظمت اس کی خلقت ہے اور شر و تسفّل اس کی ضلالت عمل اور ضیاع فطرت- یہ اس کا عمل ہی ہے جس نے اسے چار پایوں سے بھی بدتر بنا دیا ہے ﴿ ثم رددناہ اسفل سافلین- اسفل سافلین ﴾ یعنی ادنیٰ سے بھی ادنیٰ تر حالت تک گرے ہوئے وہی ہیں جن کے نام مغضوب اور ضالین ہیں- پھر حزب الشیطان، اولیاء الطاغوت، شر البریہ، الاعمیٰ اور اصحاب النار بھی وہی ہیں-

۴- یہ غلطی اس لیے ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے قانون جزا و مکافات سے بے خبر ہو- اس کا قانون ہے کہ ہر بیج پھل لاتا ہے اور اسی طرح انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے- زہر جب کھایا جائے گا انسان مرے گا- اور معصیت جب کبھی کی جائے گی عذاب آئے گا- پس اعمال کی

جزا ہی سے تمام نتائج پیدا ہوتے ہیں- اگر تمہارے اعمال فطرت صالحہ یعنی دین الٰہی کے مطابق ہیں اور تم نے اس کو ضائع نہیں کیا ہے تو تم اپنی فطری بڑائی اور نیکی حاصل کرو گے- اگر تم نے ضائع کر دیا تو پھر تم مسخ ہو جاؤ گے اور تم سے برا جانور زمین کی پیٹھ پر اور کوئی نہ ہوگا- جانور نے اپنی اصلی فطرت کو ضائع نہیں کیا- وہ سافل ہے- تم نے اپنی فطرت ہی کو ضائع کر دیا- پس تم سافلوں سے بھی اسفل اور بد سے بھی بدتر ہو گئے-

۵- پس جن لوگوں نے اپنی فطرت کو عمل غیر صالح سے ضائع کر دیا وہ انسانیت سے گر گئے- مگر جنہوں نے ایمان باللہ سے انکار نہ کیا اور ایسے اعمال اختیار کیے جو صالح ہیں اور اس لیے نور فطرت کو قائم رکھنے والے اور چمکانے والے ہیں، سو وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب انسانیہ تک فائز ہوئے، اور ہمیشہ ایسا ہی ہوگا- اس دوسری جماعت کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے عمل صالحہ کا درخت ہمیشہ پھل دے گا- ان کے نتائج حقہ کی برکتیں اور نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی- وہ اسفل سافلین کی حالت میں نہ ہوں گے کہ فنا اور ہلاکت ان پر طاری ہو- وہ شجرۂ خبیثہ نہیں ہیں بلکہ شجرۂ طیبہ ہیں- لہٰذا فرمایا: ﴿ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ! ﴾

اصل تفسیر:

﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ○ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ○ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ○ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ○ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ○ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ○ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ○ ﴾

''انجیر اور زیتون، طور سینا اور مکہ معظمہ شاہد ہیں کہ بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین حالت عدل پر پیدا کیا- پھر اس کو بد سے بدتر حالت میں پھینک دیا- مگر وہ لوگ کہ ایمان لائے اور عمل صالح کیے تو ان کے اعمال کے نتائج صرف بہتری ہی کے لیے ہیں- ان کے عمل صالحہ کا بدلہ کبھی منقطع نہ ہوگا' ہمیشہ پھل دے گا- پس اس حقیقت کے سمجھ لینے کے بعد کون ہے جو اعمال کے نتائج سے انکار کرے گا اور اس بارے میں رسول کی تعلیم کو جھٹلائے گا؟ کیا سب سے بڑا حکم کرنے والا خدا ہی نہیں ہے؟ جس کے قانون جزا و سزا میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی!''

تفصیل استشہاد:

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دین الٰہی کا سلسلہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے اور ظہور اسلام اسی کا آخری مکمل ظہور ہے- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے بنو اسرائیل پیدا ہوئے جن کے احیاء کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا اظہار ہوا اور انہوں نے بنی اسرائیل کو مصریوں کی غلامی سے نکال کر عزت و خلافت کے درجہ پر پہنچا دیا- ان کے بعد جب بنی اسرائیل نے پھر اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کی اور اصلاح کی جگہ فساد کا طریق اختیار کیا تو روز بروز تنزل و تسفّل میں مبتلا ہونے لگے- پس انبیائے مجددین کا سلسلہ شروع ہوا اور وہ یکے بعد دیگرے اصلاح کرتے رہے' لیکن سلسلہ تنزل بھی برابر بڑھتا گیا- حتی کہ وراثت ارضی سے بنو اسرائیل محروم ہو گئے اور ان پر یکسر تباہی و بربادی طاری ہو گئی- اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا ظہور ہوا، جن پر چند غریب اور فاقہ مست انسان ایمان لائے- لیکن اللہ تعالیٰ نے انہی غریب مچھیروں اور فقیروں کو یہ درجہ دیا کہ ان کی دعوت و تبلیغ عالم میں پھیلی اور تمام روم و یونان میں مسیحی مذہب پھیل گیا-

پس انسان کے اعمال عظیمہ وصالحہ کے ان مظاہر کے تین قریبی درجے ہوئے-

۱- دین الٰہی کی وہ بنیاد جو بیابان حجاز میں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے ڈالی اور اس کی اینٹیں رکھتے ہوئے امت مسلمہ کے ظہور کی دعا مانگی:

﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾

(البقرة— ع۱۵)

''اور جب ابراہیم و اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیاد رکھ رہے تھے تو ان کی زبانوں پر یہ پاک دعا جاری کی تھی: اے پروردگار! ہمارے اس کام کو قبول کرلے! تو دعاؤں کا سننے والا ہے اور تو ہماری نیتوں کو خوب جاننے والا ہے!''

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کیا- نسل اسماعیل سے امت مسلمہ کا ظہور ہوا اور وہ آخری معلم ربانی (علیہ السلام) آ گیا جس نے تعلیم کتاب وحکمت اور تربیت وتزکیہ الٰہی سے جماعت مومنین پیدا کردی-

۲- دعوت موسوی کی وہ روشنی جو طور سینا پر چمکی اور وادی ایمن کے بقعہ مبارکہ سے ''انی انا اللہ رب العالمین'' کی صدائے حق اٹھی:

﴿ فَلَمَّا اَتَاهَا نُودِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِى الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰى اِنِّىٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ! ﴾

''پس جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور کے پاس پہنچے تو وادی ایمن کے کنارے' کہ زمین کا ایک مبارک حصہ تھا' درخت سے ندا اٹھی ''اے موسیٰ! میں ہوں تمام جہانوں کا پروردگار!''

یہی کوہ طور کی وادی ایمن کی روشنی تھی جس نے بنواسرائیل کو ظلمت تنزل وتسفل سے نجات دلائی اور عظمت وخلافت الٰہی کے درجے تک مرتفع کیا-

۳- دعوت مسیحی کا وہ ظہور جو سلسلۂ اسرائیلی کا آخری ظہور تھا اور جو بیت المقدس کی سرزمین میں ہوا:

﴿ فَاٰمَنَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ بَنِىٓ اِسْرَاءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّائِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظَاهِرِيْنَ ﴾

''پس بنواسرائیل کی ایک جماعت اس پر ایمان لائی اور ایک جماعت نے انکار کیا تو مومنوں کو ہم نے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی- نتیجہ یہ نکلا کہ ایمان والوں کی کامیابی اور فتح مندی ظاہر ہوگئی-''

قرآن حکیم کی مخاطب جو جماعتیں تھیں ان کی معلومات میں بھی انسانی عظمت وقدوسیت کے بالاتفاق یہی تین جلوے تھے- اہل کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا تھے- اور مشرکین مکہ کا بڑا ادعائی شرف یہ تھا کہ وہ اپنے تئیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کریں-

پس سورۂ والتین میں سعادت انسانی کے انہی تین ظہوروں سے انسان کی فطرت صالحہ وعظمت وشرف پر شہادت لائی گئی ہے- تین اور زیتون سے مقصود سرزمین شام ہے' جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا اور جو تمام انبیائے مجدد دین اسرائیل کا مقام ظہور ہے- طور سینین

سے اشارہ دعوت موسوی کی طرف ہے، جس کی تجلی کا مطلع اسی مقدس پہاڑ کا دامن تھا- بلد امین یعنی ہمیشہ امن میں رہنے والا گھر خانہ کعبہ ہے، اور اس میں اشارہ حضرت ابراہیم کی دعوت مؤسسہ ابراہیمیہ اور اس کے نتائج کی طرف ہے-

استشہاد کی ترتیب شاخ سے اصل کی طرف، نسل سے مورث کی طرف، فاضل سے افضل کی طرف اور حسن سے احسن کی طرف ہے- یعنی ظہور سعادت انسانی کے اس سلسلہ میں افضل ترین بنیادی مرتبہ دعوت ابراہیمی کا ہے- اس کے بعد مرتبہ قیام شریعت موسوی کا- اس کے بعد مرتبہ تجدید انبیائے بنی اسرائیل کا عموماً اور حضرت عیسیٰ کا خصوصاً (علی نبینا و علیهم الصلوة و السلام) پس ترتیب جڑ سے شاخ کی طرف نہیں ہے بلکہ شاخ سے جڑ کی طرف ہے- اور اس میں بالترتیب تینوں درجوں کے مراتب یکے بعد دیگرے ملحوظ رکھے گئے ہیں- چونکہ سب سے آخری ظہور مسیحی سب سے زیادہ قریب تھا' اس لیے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا گیا- اس کے بعد اس سے اعلیٰ مرتبہ دعوت موسوی کا تھا' پس اس کا ذکر کیا- پھر سب سے اعلیٰ ترین مرتبہ بمنزلہ اصل و حقیقت الحقائق کے مقام خلت کبریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا- پس اس پر مدارج ثلاثہ ختم ہو گئے-

<u>تین و زیتون:</u>

تین و زیتون سے سرزمین شام کا مراد لینا بالکل واضح ہے:

۱- طور سینین اور بلد امین دونوں میں اشارہ اس سرزمین کی طرف کیا گیا ہے جہاں ان دعوتوں کا ظہور ہوا- پس معلوم ہوا کہ اس سورت میں سرزمین کی طرف اشارہ کر کے اس سرزمین کی مشہور دعوت وامت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے- اس بنا پر تین و زیتون میں بھی اشارہ کسی سرزمین ہی کی طرف ہوگا جیسا کہ مابعد کی دو شہادتوں میں ہے-

۲- دنیا کی تمام سرزمینوں میں اس وقت بھی جبکہ قرآن حکیم نازل ہوا اور اب بھی جبکہ ملکوں کی طبعی پیداوار کی فہرست ہمارے سامنے موجود ہے، انجیر اور زیتون ایک مخصوص پیداوار سرزمین شام کی ہے- جس کثرت کے ساتھ اور جس قدر اعلیٰ درجہ کی یہ دونوں چیزیں وہاں ہوتی ہیں کہیں نہیں ہوتیں- زیتون کا تیل شام کی ایک عام غذا ہے- گھی کی جگہ اسی کو استعمال کرتے ہیں- عیسائیوں کے بڑے بڑے مذہبی اعمال کا اب تک یہ ایک مقدس جز ہے- ان کے تمام مذہبی رسوم میں اسی تیل کو مقدس تیل کہا جاتا ہے- روم کے تمام عیسائی بادشاہ جب تخت نشین ہوتے تھے تو مقدس تیل ان کے سینے پر لگایا جاتا تھا اور کہتے تھے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اتباع ہے- آج تک تاج پوشی کی رسم میں ایک پیالی روغن زیتون کی بھی رکھی جاتی ہے- قطع نظر ان تمام خصوصیات کے' اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ تمام عرب میں یہ دو چیزیں شام کی مخصوص و ممتاز پیداوار سمجھی جاتی تھیں اور اس قدر مشہور تھیں کہ بچہ بچہ جانتا تھا- اشارہ کے لیے کافی ہے-

۳- پس جب تین و زیتون کا اشارہ بھی کسی ملک کی طرف ہونا چاہیے اور وہ شام کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تو پھر یہ ظاہر ہے کہ شام کا سب سے بڑا آخری ظہور حق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت ہے- اور ساتھ ہی یہ سرزمین تمام اسرائیلی انبیائے مجددین کے ظہور کا بھی گھر ہے-

نیز چونکہ اس کے بعد ہی دعوت موسوی کی طرف اشارہ موجود ہے اس لیے ربط بھی یہی چاہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کی

طرف بھی اشارہ ہو-

۴- سب سے زیادہ یہ کہ تین وزیتون کی تفسیر کے متعلق صحابہ کرام وتابعین عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جو روایات موجود ہیں ان سب پر مجموعی نظر ڈالنے کے بعد یہی تفسیر راجح ثابت ہوتی ہے-اور قرآن حکیم کی سب سے زیادہ صحیح تفسیر وہی ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی تفسیر کے مطابق ہو کہ ان کے علوم حامل وحی سے براہ راست ماخوذ تھے-

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے تمام روایتیں جمع کر دی ہیں، ان پر نظر ڈالو-سب سے پہلے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا ایک قول سامنے آتا ہے کہ: **التین مسجد دمشق و الزیتون بیت المقدس**-

تین مسجد دمشق ہے اور زیتون بیت المقدس-

پھر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نسبت سے اس قول کی شہرت ثابت ہوتی ہے کہ:

الزیتون بیت المقدس!

یعنی زیتون بیت المقدس ہے-

لیکن اس کے بعد بعض کبار تابعین کی تصریحات سامنے آتی ہیں جنہوں نے اس امر پر زور دیا ہے کہ:

ھو تینکم وزیتونکم-

یعنی تین اور زیتون سے یہی انجیر اور زیتون مراد ہے جو تم استعمال کرتے ہو، اور کوئی چیز مقصود نہیں ہے-حضرت حسن، عکرمہ، مجاہد، قتادہ وغیرہ سب نے یہی کہا ہے-

اب ان دونوں تفسیروں کو جمع کرو-جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس قول کو شہرت ہوئی کہ تین اور زیتون سے مراد مسجد دمشق اور بیت المقدس ہے، ان کا مقصود یہ نہ تھا کہ دمشق کی کسی عمارت کا نام تین ہے اور بیت المقدس کا نام زیتون- بلکہ یہ واضح کرنا تھا کہ تین وزیتون میں اشارہ سرزمین شام کی طرف ہے کیونکہ وہاں ان دو چیزوں کی پیداوار بکثرت ہوتی ہے، اور یہ اس کے خصائص میں سے ہیں-پس زیتون یعنی بیت المقدس سے مطلب یہ تھا کہ زیتون میں اشارہ بیت المقدس کی طرف ہے-

لیکن بہت سے لوگوں کو اس میں غلطی ہوئی اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ طور سیناء کی طرح زیتون بھی بیت المقدس کے کسی پہاڑ کا نام ہے اور پھر طرح طرح کی مزید تاویلیں اس میں بڑھ گئیں-یہ حال دیکھ کر بعض اجلہ تابعین نے غلطی کو دور کرنا چاہا اور زور دے کر کہا: **ھو تینکم وزیتونکم** کہ تین اور زیتون کسی پہاڑ کا نام نہیں ہے، وہ یہی انجیر اور زیتون ہے جو تم استعمال کرتے ہو-گویا انہوں نے واضح کیا کہ تین وزیتون سے اس کی جائے پیدائش مقصود ہے-یہ نہیں کہ خود اس سرزمین کا نام ہی تین وزیتون ہو-

چنانچہ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قریب قریب یہی خیال ہے-تمام روایتیں جمع کر کے لکھتے ہیں:

"وَالصَّوَابُ مِنَ الْقَوْلِ فِیْ ذَالِکَ عِنْدَنَا مَنْ قَالَ اَلتِّیْنُ ھُوَ التِّیْنُ الَّذِیْ یُوْکَلُ وَالزَّیْتُوْنُ ھُوَ الزَّیْتُوْنَ الَّذِیْ یُعْصَرُمِنْہُ الزَّیْتُ لِاَنَّ ذَالِکَ ھُوَ الْمَعْرُوْفُ عِنْدَ الْعَرَبِ-اِلَّا اَنْ یَّقُوْلَ قَائِلٌ

اَقْسَمَ رَبُّنَا بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَالْمُرَادُ مِنَ الْكَلَامِ الْقَسَمُ بِمَنَابِتِ التِّيْنِ وَمَنَابِتِ الزَّيْتُوْنِ فَيَكُوْنُ ذَالِكَ مَذْهَبًا"-(ج ۳، ص ۱۵٤)

کہ ''اس بارے میں ہمارے نزدیک انہی لوگوں کا قول ٹھیک ہے جنہوں نے کہا کہ تین وہی تین ہے جو کھایا جاتا ہے، اور زیتون وہی زیتون کا درخت ہے جس سے تیل نکلتا ہے کیونکہ عرب میں یہ معروف تھا- اور اس نام کے کسی پہاڑ کو وہ نہیں جانتے تھے- ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین اور زیتون کی قسم کھائی مگر مقصود اس سے تین اور زیتون کی پیدائش کے مقامات کی قسم کھانا ہے- سو اگر یہ کہا جائے تو یہ ایک مذہب ہوگا-''

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تین و زیتون سے یہی پھل اور درخت مراد لیتے ہیں ان کو صرف اس سے انکار ہے کہ کسی ملک یا پہاڑ کا نام تین و زیتون نہیں ہے اور یہ بالکل صحیح ہے- لیکن اس سے وہ انکار نہیں کرتے کہ ان چیزوں سے ان چیزوں کی پیدائش کی سرزمین مراد نہ ہو-

احسن تقویم:

احسن تقویم میں تقویم ٹھیک ٹھیک بمعنی تعدیل کے ہے- یعنی ہم نے انسان کو بہترین قوام وعدل پر پیدا کیا- تعدیل خلقت میں جسم اور فطرت، ظاہر و باطن سب داخل ہیں۔ اور جن صحابہؓ و تابعین سے ''في اعدل خلق واحسن صورة'' بکثرت منقول ہے، نیز جو صحابہؓ استقامت صورت و جسم کو پیش کر کے حقیقت تعدیل خلقت کو سمجھانا چاہتے ہیں، ان سب کا مقصود یہی تعدیل فطرت ہے اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں- کسی نے کہا انسان کا قد دیکھو، کسی نے کہا جسم کا تناسب دیکھو، کوئی اور آگے بڑھا اور کہا کہ خلقت کی تعدیل معنوی پر بھی نظر ڈالو- تعدیل کا ایک بڑا نمونہ انسان کا قد ہے- اس کی بڑی نمود اس کے تناسب اعضاء جسم میں ہے اور پھر اس کی فطرت عدل و قوام صالح پیدا کی گئی ہے- پس سب نے ایک ہی حقیقت کو واضح کیا اور اسی کو مختلف تعبیرات سے سمجھانا چاہا-

✵ ✵ ✵

رُكُوعُهَا: 1	سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ	اٰيَاتُهَا: 19

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۞۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۞۳ الَّذِيْ
عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۞۵ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ۞۶ اَنْ رَّاٰهُ
اسْتَغْنٰى ۞۷ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۞۸ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۞۹ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۞۱۰ اَرَءَيْتَ اِنْ
كَانَ عَلَى الْهُدٰى ۞۱۱ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۞۱۲ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۞۱۳ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ
يَرٰى ۞۱۴ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۞۱۵ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۞۱۶ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۞۱۷
سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۞۱۸ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۞۱۹ ع

(۱) پڑھیے (اے نبی!) اپنے رب کا نام لے کر جس نے پیدا کیا-[۱] (۲) خون کے لوتھڑے سے انسان کو پیدا کیا (۳) پڑھیے، اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (۴) جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھلایا- (۵) انسان کو ان چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہ جانتا تھا (۶) ہرگز نہیں، انسان حد سے نکل جاتا ہے (۷) اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے- (۸) بلاشبہ آپ کے رب کی طرف ہی پلٹ کر آنا ہے (۹) بھلا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو منع کرتا ہے؟ (۱۰) ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے (۱۱) بھلا آپ ہی بتلائیں کہ اگر وہ بندہ راہ راست پر ہو؟ (۱۲) یا پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہو؟ (۱۳) بھلا بتایئے تو سہی (اگر یہ منع کرنے والا شخص) دین حق کی تکذیب کرتا ہو اور اس سے روگردانی کرتا ہو؟ (۱۴) کیا اسے معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے؟ (۱۵) ہرگز نہیں! اگر یہ شخص باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر اس کو گھسیٹیں گے (۱۶) وہ پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے- (۱۷) وہ اپنی مجلس کو بلا لے (۱۸) ہم بھی دوزخ کے فرشتوں کو بلائیں گے (۱۹) ہرگز نہیں! آپ اس کی بات نہ مانیے اور خدا کے حضور سجدہ کیجیے اور اس کا قرب حاصل کرتے رہیے!

---

[۱] یہ سورت مکی ہے- اس کی پہلی پانچ آیتیں بالاتفاق پہلی وحی شمار ہوتی ہیں- جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہوتا ہے-

اس سورہ کا دوسرا حصہ اس وقت نازل ہوا جب آنحضرت ﷺ نے حرم میں نماز پڑھنی شروع کی اور ابوجہل نے ڈرا دھمکا کر آپ کو روکنے کی کوشش کی-

سورہ کے آخر میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی ہے کہ بلاخوف وخطر نماز پڑھتے رہیے اور ان دھمکیوں کی پروا مت کیجیے-

اٰیَاتُہَا: 5	سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ	رُکُوْعُہَا: 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ② لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ
شَهْرٍ ③ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ④ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ
الْفَجْرِ ⑤

معانقة ۱۸ ع ۵ / ۲۲

(۱) ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں اتارا[۱][۲] (۲) اور تم کیا سمجھے کہ لیلۃ القدر کیا شے ہے؟[(۱)] (۳) لیلۃ القدر ایک عہد رحمت ودور برکت ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے-[۳] (۴) ملائکہ سماوی وروح الٰہی[۴] کا اس میں ہر طرف سے نزول ہوتا ہے (۵) سلام ہے اس پر، یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جائے-[(۲)]

---

۱ اکثر کے نزدیک یہ سورہ مدنی ہے اور بعض کے نزدیک مکی ہے- اور مضمون سے بعض کے قول کی تائید ہوتی ہے- اس لیے ہم نے اسے مکی سورتوں کی فہرست میں رکھا ہے-

۲ اسی لیلۃ القدر کو سورۂ دخان میں ''لیلۃ مبارکۃ'' فرمایا ہے- کہ یہ رات برکت والی ہے اور یہ رات چونکہ رمضان المبارک ہی کی ایک رات ہے اس لیے سورۃ البقرۃ میں فرمایا ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾- کہ ماہ رمضان المبارک میں قرآن مجید نازل کیا گیا- یعنی اس ایک رات میں پورا قرآن مجید حامل وحی فرشتوں کے حوالہ کر دیا گیا- پھر ۲۳ سال کی مدت میں حالات اور واقعات کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام وہ سورتیں نازل کرتے رہے- اگر لیلۃ القدر میں نازل کرنے کا یہ مفہوم لیا جائے کہ اس کے نزول کی ابتدا لیلۃ القدر میں ہوئی تو یہ بھی صحیح ہے- اور دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہی رہتا ہے کہ قرآن مجید کا نزول اس مبارک رات میں شروع ہوا اور اسی رات کو سورۃ العلق کی پانچ ابتدائی آیات کا نزول ہوا-

۳ ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی اس رات کا عمل خیر ہزار مہینوں کے عمل خیر سے بہتر ہے جن میں شب قدر شامل نہ ہو- اس بنا پر احادیث میں اس رات میں عبادت کی بڑی فضیلت آئی ہے- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ-

''جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی خاطر عبادت میں مشغول رہا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے-''

۴ اس سورہ میں الروح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں- اور ان کے فضل وشرف کی بنا پر دیگر فرشتوں سے ان کا ذکر الگ کیا گیا ہے-

---

(۱) ''الہلال'' ۵-۱۲ اگست ۱۹۱۴ء- (۲) ''الہلال'' -۵-۱۲/ اگست ۱۹۱۴ء-

تفسیر سورة القدر

(مولانا ابوالکلام آزاد)

عالم تقدیر خاموش نہیں ہے-وہ ایک امام ناطق ہے-اس نے مجموعی طور پر تمام عالم کی قسمت کا فیصلہ ازل ہی میں کر دیا تھا لیکن اشخاص و اقوام کی تقدیر کا فیصلہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے-

کارکنان قضاوقدر بہت سی قوموں کی قسمت کا فیصلہ کر چکے تھے-مگر ایک بادیہ نشین قوم پہاڑوں کے دامن میں دبی پڑی تھی-انہی پہاڑوں کے غار سے آتشیں شریعت کا ایک شرارہ اڑا اور دفعتہً خرمن جہل وضلالت پر برق خاطف بن کر گرا-اس مردہ قوم کی سوئی ہوئی تقدیر نے مدت کے بعد ایک خاص رات میں کروٹ بدلی-اس لیے اس رات کو لیلۃ القدر کہا گیا-کیونکہ اسی رات میں اس کے کارنامہ اعمال کو قرآن حکیم کے ذریعہ سے معین ومقدر کر دیا گیا تھا-

﴿ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ﴾

''ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل کیا!''

لَیْلَةُ الْقَدْرِ قِیْلَ لَیْلَةُ الشَّرْفِ وَالْفَضْلِ وَقِیْلَ لَیْلَةُ التَّدْبِیْرِ وَالتَّقْدِیْرِ وَهُوَ اَقْرَبُ-

(احکام القرآن لابن عربی)

یہاں فرمایا کہ قرآن کریم لیلۃ القدر میں اترا-اور سورۂ بقرہ میں فرمایا کہ رمضان میں: ﴿ **شهر رمضان الذی انزل فی القرآن** ﴾

پس اس سے ثابت ہوا کہ لیلۃ القدر سے رمضان ہی کی رات مراد ہے-نزول قرآنی سے مقصود یہ ہے کہ نزول کا آغاز لیلۃ القدر اور رمضان المبارک میں ہوا-ورنہ یہ ظاہر ہے کہ پورا قرآن نجماً نجماً ۲۳ برس میں نازل ہوا ہے-

قرآن اور الکتاب کا اطلاق جس طرح کل پر ہوتا ہے،اسی طرح اس کے ایک جز پر بھی ہوسکتا ہے-قرآن مجید کے ہر ٹکڑے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور الکتاب کہا ہے-

لیکن بعض مفسرین کو خیال ہوا کہ ﴿ انا انزلناه فی لیلة القدر ﴾ سے مقصود پورے قرآن کا نزول ہے-اس لیے انہوں نے طرح طرح کی تاویلیں کیں-مثلاً کہا گیا کہ قرآن کریم رمضان کی بیس راتوں میں جبرائیل علیہ السلام کو دیا گیا اور انہوں نے بیس سال کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا-لیکن قاضی ابوبکر ابن عربی لکھتے ہیں:

وَمِنْ جَهَالَةِ الْمُفَسِّرِیْنَ اَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّ السَّفَرَةَ اَلْقَتْهُ اِلٰی جِبْرِیْلَ فِیْ عِشْرِیْنَ لَیْلَةً وَاَلْقَاهُ جِبْرِیْلُ اِلٰی مُحَمَّدٍ عَلَیْهِمَا السَّلَام فِیْ عِشْرِیْنَ سَنَةً وَهٰذَا بَاطِلٌ لَیْسَ بَیْنَ جِبْرِیْلَ وَبَیْنَ اللهِ وَاسِطَةٌ وَلَا بَیْنَ جِبْرِیْلَ وَمُحَمَّدٍ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ وَاسِطَةٌ-(احکام القرآن جلد ۲ ص۳۱۷)

''اور مفسرین کی یہ جہالت ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن کریم بیس راتوں کے اندر خدا تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو دیا اور انہوں نے بیس سالوں کے اندر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا- سوایسا کہنا بالکل باطل ہے- نہ تو خدا تعالیٰ اور جبریل میں کوئی واسطہ ہے اور نہ جبریل اور آنحضرت علیہ السلام میں کوئی واسطہ!''

عربی زبان میں متکلم کے لیے ''اِنِّیْ'' اور ''اِنَّا'' کی دو ضمیریں ہیں جو بہ ترتیب واحد متکلم و جمع متکلم کے لیے مستعمل ہوتی ہیں- اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کی نشاۃ اولیٰ کا موسس بنانا چاہا تو فرمایا:

﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾

''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں-''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے معمولی صیغہ واحد متکلم کا استعمال کیا ہے- کیونکہ اشیاء و امثال کا پیدا کرنا اس کی قدرت کاملہ کے نزدیک کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں رکھتا تھا- لیکن بطون و ارواح کی نشاۃ جدیدہ دنیا کے لیے مایۂ صدر حمت و برکت تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے جب کسی پیغمبر کو اس نشاۃ حقیقہ کا ذریعہ بنایا ہے تو اس موقع پر اپنے لیے ضمیر جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے جو واحد کی نسبت تعظیم و شرف کا پہلو رکھتا ہے- یہ تعظیم درحقیقت اس جدید روح سعادت و ہدایت کی اہمیت و عظمت کو نمایاں کرتی ہے جو دنیا میں ظہور پذیر ہونا چاہتی ہے-

حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا کا قالب موزوں تیار کر دیا تھا، لیکن وہ روح سے یعنی ترقی یافتہ دین الٰہی کی حقیقی روح سے خالی تھا- اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ امانت دے کر بھیجا جو ایک عظیم الشان روحانی انقلاب تھا- پس ضمیر تعظیمی سے اس کا اظہار فرمایا-

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا! ﴾

''کہ ہم نے نوح کو بھیجا!''

لیکن یہ روح امتداد زمانہ سے فرسودہ ہو گئی تھی- بلکہ سچ یہ ہے کہ بالکل مردہ ہو گئی تھی- اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ سے اس روح مردہ' کو اس گل پژمردہ کو، اس بخت جفتہ کو پھر زندہ کیا' شگفتہ کیا' بیدار کیا- یہ ایک عظیم الشان انقلاب تھا- جس نے نقشہ عالم کو پلٹ کر دیا تھا- پس ہمیشہ اس کی اہمیت بھی ضمیر تعظیمی کے پردے میں نمایاں کی گئی:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ! ﴾

''ہم ہی ہیں کہ ہم نے اپنے ذکر کو نازل کیا-''

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ! ﴾

''ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل کیا-''

اسی کتاب ذوالخطر والبال کو خدا نے کوثر بھی کہا ہے کہ وہ مایۂ خیر کثیر ہے:

﴿ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ! ﴾

''ہم نے تم کو کوثر یعنی قرآن عطا فرمایا!''

یہاں بھی قرآن کا ذکر متکلم جمع تعظیمی سے کیا-

اسی کے ذریعہ سے دین ابراہیمی زندہ ہوا ہے-اسی لیے اس تیغ خیر کے عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی سب سے بڑی یادگار قربانی کے قائم کرنے کا حکم دیا-چنانچہ اسی سورۃ الکوثر میں فرمایا:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ! ﴾

''تو اپنے خدا کی نماز پڑھ اور قربانی کر-''

اللہ تعالیٰ نے اسی دین کے ذریعہ سے ابراہیم علیہ السلام کی یادگار اور ذکر عظیم کو قائم رکھا-

﴿ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴾

''اور ہم نے ان کے ذکر خیر کو رفعت و بلندی عطا کی-''

آنحضرت ﷺ کا ذکر جمیل بھی اسی کی برکت سے غلغلہ انداز عالم روح وایمان ہے:

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ اسی لیے ان دونوں مقامات میں بھی جمع متکلم کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے-

مذہب کی پاک روح مردہ ہوگئی تھی ،لیکن اس رات میں اعادۂ معدوم اور حیات بعد الممات ہوا، وہ کتم عدم سے عالم شہود میں اتری-

﴿ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ..... ﴾

''اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں!''

فرشتے اور روح اس رات میں اترتے ہیں مگر بتدریج پورے ایک مہینے میں اترتے ہیں-کیونکہ دنیا کا دامن دفعۃً ان برکات وفضائل کے سمیٹنے کی وسعت نہیں رکھتا-

دامان نگہ تنگ ، گل حسن تو بسیار
گل چین نگاہِ توز دامانِ گلہ دارد

لیکن یہ ملائکہ کیا ہیں اور اس روح کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے خود اسی آیت میں اس حقیقت کو واضح کردیا ہے-

﴿ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ! ﴾

یعنی وہ ملائکہ اور روح امن اور سلامتی ہیں جو دنیا کو یکسر امنیت وسلامتی کی برکتوں سے معمور کردیتے ہیں-

یہ سکون، یہ اطمینان کامل، یہ سلامتی، یہ امن عام جو ہم پر آسمان سے اترا، صرف عرب کے لیے مخصوص نہ تھا، بلکہ وہ مشرق ومغرب دونوں کو محیط ہے-ہمارا آفتاب اگرچہ مغرب سے طلوع ہوا تھا جو ہمارا قبلۂ ایمان ہے، لیکن اس کی شعاعوں نے مشرق کے افق کو بھی روشن کردیا جہاں سے دنیا کا سورج نکلتا ہے اور جہاں سے صبح کا ستارہ طلوع ہوتا ہے-

﴿ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴾

''طلوع ہونے کی جگہ تک یعنی مشرق تک پہنچ جائے گا-''

دنیا نے اس وعدے کی صداقت کو دیکھ لیا- جب خدا کے پاک فرشتے یعنی قرآن نے مشرق ومغرب دونوں کو اپنے اپنے پروں کے نیچے چھپالیا ﴿ ......اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴾

امن عام کا یہ پیغام کیا ہے؟ اور وہ کیونکر مشرق ومغرب تک پہنچایا جائے گا؟

قرآن حکیم نے دوسری آیتوں کے ذریعہ سے اس نکتہ کو حل کر دیا ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَo فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍo اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَآ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَo رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾

''ہم نے قرآن کو ایک مبارک رات میں اتارا کیونکہ ہم دنیا کو اس کی ضلالت کے نتائج سے ڈرانے والے تھے- تمام انتظامات الٰہیہ جو حکمت ومصلحت عالم پر مبنی ہیں اسی رات میں طے پاتے ہیں- ازاں جملہ قرآن مجید کا نزول جو اسی رات میں شروع ہوا، نیز ہمیں اپنا رسول بھیجنا مقصود تھا جس کا ظہور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہے-''

اب ان دونوں سورتوں کے تطابق وتشاکل پر غور کرنا چاہیے- اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر میں فرمایا: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾ اور یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ﴾ اسی لیے یہ دونوں راتیں ایک ہی ہیں- وہاں فرمایا تھا: ﴿ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ ﴾ اور یہاں فرمایا: ﴿ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍo اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا- ﴾

اس بنا پر یہ امر سلام اور امر حکیم جس کی تنزیل وتقسیم لیلۃ القدر میں خدا کے حکم سے کی گئی ہے دونوں ایک ہی چیز ہیں-

لیکن سوال یہ ہے کہ خود وہ امر سلام اور امر حکیم کیا چیز ہے؟ دوسری آیتوں نے اس کی بھی تفسیر کر دی ہے:

﴿ الٓرٰo تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِo أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ - ﴾ (یونس)

''یہ قرآن حکیم کی آیات ہیں، پھر کیا لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی پر وحی کی تا کہ وہ لوگوں کو ڈرائے اور مومنوں کو اس بات کا مژدہ سنائے کہ خدا تعالیٰ کے تخت کے نیچے ان کا قدم جم گیا ہے؟''

اس لیے یہ امر حکیم اور یہ امر سلام خود قرآن حکیم ہے جو لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا ہے-

اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر میں قرآن حکیم کی چند خصوصیات کا اجمالی ذکر فرمایا تھا لیکن اس آیت میں وہ خصوصیتیں بہ تفصیل بیان فرمائی ہیں-

سورۂ قدر میں فرمایا تھا کہ وہ سورج طلوع ہونے کی جگہ تک پھیل جائے گا- یہ نہایت مجمل طرز خطاب تھا- سورۂ دخان میں اس کی تفسیر بھی کر دی:

﴿ فِيْهَا يُفْرَقُ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ حَكِيْمٍo اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا- ﴾

یعنی قرآن حکیم کی آیتیں ہمارے حکم سے ایک پیغمبر پر تقسیم کی جاتی ہیں تا کہ وہ دنیا کے سامنے ان آیات کو لے کے جائے اور ہر شخص

کے آگے اس خوان کرم کو بچھا دے تا کہ ہر شخص اپنا حصہ لے لے-

﴿ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ - ﴾

لیکن دنیا غفلت کی نیند سو رہی تھی-اس لیے یہ ابر رحمت پہلے گرج جا تا کہ دنیا جاگ اٹھے-اس نے اپنی چادر غیب سے پہلے اس ہاتھ کو نکالا جس میں بجلی کا تازیانہ تھا-

﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ - ﴾

''او چادر اوڑھنے والے اٹھ اور ڈرا!''

پہلے اس کو گرجنے اور تڑپنے کی ضرورت تھی اس لیے وہ گرجا' چمکا' تڑپا:

﴿ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴾

لیکن درحقیقت اس کا یہ وصف عارضی تھا اور نہ رفق و ملاطفت اس کا مایہ خمیر اور عنصر حقیقی ہے:

﴿ عَزِيْزٌ عَلَيْهِمْ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ! ﴾

اس لیے وہ روئی کے گالے سے بھی زیادہ نرم و سفید بادل کا ٹکڑا تھا' جو آب شیریں کا خزانہ اپنے ساتھ رکھتا تھا' اگرچہ ابتدا میں بجلی کی کڑک اس کا مظہر ورود ہوئی...... یہ انداز وعید' یہ قہر و غضب اس قوم کی شامت اعمال کا نتیجہ تھی ورنہ پیغمبر امی صلی اللہ علیہ وسلم' خدا کی طرف سے صرف بشارت اور لطف و کرم کا مجسمہ بنا کر بھیجا گیا تھا......''اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ -''

لیکن خدا تعالیٰ کی یہ رحمت صرف عرب کے ساتھ نہ تھی بلکہ اس ابر کرم نے تمام مشرق و مغرب کو جل تھل ایک کر دیا-چنانچہ دوسری جگہ رحمة من ربك کی تفسیر کر دی گئی-

﴿ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ - ﴾

''ہم نے تجھ کو تمام دنیا کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا-''

لیلۃ القدر کو تمام راتوں پر صرف اس لیے فضیلت نہیں ہے کہ اس میں عبادت کا ثواب تمام راتوں سے زیادہ ملتا ہے- بلکہ اس بنا پر بھی کہ اس میں ہم کو ایک کتاب دی گئی اور مشرق و مغرب میں ہم کو اس کی منادی کرنے کا حکم دیا گیا-بادشاہوں کی منادی طبل و علم کے ساتھ کی جاتی ہے' لیکن خدا کی منادی تکبیر و تہلیل کے ساتھ ہونی چاہیے-رمضان کے بعد عید کا حکم اسی لیے دیا گیا تا کہ تکبیر و تہلیل کی مقدس صداؤں میں اسلام کے جاہ و جلال' نفوذ و قوت اور وسعت و اثر کا سماں دنیا کو نظر آ جائے ﴿ ......وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

پھر آہ! تمہاری غفلت کیسی شدید اور تمہاری گمراہی کس قدر ماتم انگیز ہے کہ تم لیلۃ القدر تو ڈھونڈتے ہو، پر اس کو نہیں ڈھونڈتے جو لیلۃ القدر میں آیا اور جس کے ورود سے اس رات کی قدر و منزلت بڑھی-اگر تم اسے پا لو تو تمہارے لیے ہر رات لیلۃ القدر ہے-

ہر شب' شب قدر است' اگر تو قدر بدانی!

❋ ❋ ❋

آیاتُھا: 8 | سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ ۙ﴿۱﴾
رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً ﴿۲﴾ فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ؕ﴿۳﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا
الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنَۃُ ؕ﴿۴﴾ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ
الدِّیْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ ؕ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ؕ﴿۶﴾ اِنَّ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ؕ﴿۷﴾ جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ
عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ؕ ذٰلِکَ لِمَنْ
ع ۸/۲۴ خَشِیَ رَبَّہٗ ﴿۸﴾

(۱) اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے وہ (اپنے کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آ جاتی۔[۱] (۲) وہ (واضح دلیل) اللہ کا ایک رسول ہے جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے (۳) جن میں بالکل درست تحریریں ہوں (۴) مگر جب اہل کتاب کے پاس وہ کھلی دلیل آ گئی تو اس کے بعد وہ اختلاف میں پڑ کر متفرق ہو گئے۔ (۵) حالانکہ ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہ دیا گیا تھا کہ وہ ایک اللہ کی بندگی کریں، خالص اسی کی اطاعت کرتے ہوئے' یک سو ہو کر' اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی درست دین ہے۔[۲] (۶) اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہیں وہ یقیناً جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے، یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ (۷) بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے، سو وہ دنیا کی بہترین ہستی ہیں۔[(۱)] (۸) ان کا صلہ ان کے رب کے ہاں دائمی جنتیں ہوں گی' جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی' یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، یہ جزاء اس شخص کی ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا!

[۱] اس سورہ کو جمہور نے مدنی قرار دیا ہے۔ لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا مکی ہونا بھی منقول ہے۔ چنانچہ صاحب احکام القرآن نے اس کے مکی ہونے کو ترجیح دی ہے۔

[۲] اس سورہ میں بتایا گیا ہے کہ ایک رسول بھیجنا کیوں ضروری تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ اس وقت دنیا کے لوگ، اہل کتاب ہوں یا مشرکین' کفر کی ایسی حالت میں مبتلا ہو چکے تھے کہ ایک رسول کے بغیر ان کا راہ راست پر آنا ممکن نہ تھا۔

(۱) البلاغ ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۷۔

آیاتُھَا: 8 | سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوعُھَا: 1

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ① وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ② وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ③
يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ④ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰى لَهَا ⑤ يَوۡمَئِذٍ يَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۙ لِّيُرَوۡا
اَعۡمَالَهُمۡ ⑥ فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ⑦ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ⑧ ع

(۱) جب زمین پوری شدت کے ساتھ ہلائی جائے گی۔ [۱-۲]

(۲) اور زمین اپنے اندر کے بوجھ نکال باہر ڈال دے گی (۳) اور انسان کہے گا "اس کو کیا ہو گیا ہے؟"

(۴) اس روز وہ اپنے حالات بیان کرے گی۔

(۵) کیونکہ تیرے رب نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہوگا!

(۶) اس روز لوگ متفرق جماعتیں بن کر لوٹیں گے، تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔

(۷) پھر جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

(۸) اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا!

---

۲ اہل کتاب چونکہ واضح بیان آچکنے کے بعد مختلف ہو چکے تھے، ان کو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت، اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا حکم دیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اختلاف کیا۔ اب یہ رسول اسی اختلاف کو ختم کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

اب اس رسول کے ساتھ جو کفر کرے گا اس کا انجام بھی بیان کر دیا ہے۔ اور جو ایمان لائے گا اس کا نتیجہ بھی ذکر کر دیا ہے۔

....

۱ یہ سورہ مدنی ہے۔ بعض نے اسے مکی قرار دیا ہے۔ نفس مضمون سے اس کے مکی ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ اس سورہ میں موت کے بعد دوسری زندگی اور اس میں ان سب اعمال کا پورا پورا محاسبہ ہونے کا ذکر ہے۔

۲ جب قیامت کا زلزلہ آئے گا تو زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ اگل کر باہر پھینک دے گی۔ اور وہ اپنے اوپر گزرے ہوئے تمام حالات بیان کر دے گی۔

اٰیَاتُھَا: 11 سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ① فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ② فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ③ فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا ④ فَوَسَطْنَ
بِہٖ جَمْعًا ⑤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ ⑥ وَاِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَھِیْدٌ ⑦ وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ
لَشَدِیْدٌ ⑧ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ⑨ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ⑩ اِنَّ رَبَّھُمْ
بِھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ⑪ ع ۱ ۲۵

(۱) قسم ہے مجاہدوں کے ان گھوڑوں کی' جو میدان جہاد میں دوڑتے ہوئے ہانپ جاتے ہیں-[۱]

(۲) پھر پتھروں پر اپنی ٹاپوں کے مارنے سے چنگاریاں نکالتے ہیں (۳) پھر صبح کے وقت دشمنوں پر چھاپے مارتے ہیں-

(۴) اپنی تیز گامی سے غبار بلند کرتے ہیں (۵) اور دشمنوں کی صفوں میں در آتے ہیں-[(1)]

(۶) بلاشبہ انسان اپنے رب کا بڑا ناسپاس ہے-[۲] (۷) اور وہ اپنی اس ناسپاسی پر خود بھی گواہ ہے-

(۸) اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے-

(۹) کیا اسے وہ وقت معلوم نہیں جب وہ مردے جو قبروں میں ہیں (زندہ کر کے) اٹھا کھڑے کیے جائیں گے-

(۱۰) اور جو کچھ سینوں میں مخفی ہے وہ سب آشکارا کر دیا جائے گا-

(۱۱) یقیناً ان کا رب' اس دن' ان کے احوال سے پوری طرح آگاہ ہو گا-

۱ یہ سورہ بھی مکی یا مدنی ہے- یعنی بعض نے اسے مکی قرار دیا ہے اور بعض نے مدنی- لیکن انداز بیان کے اعتبار سے اس کا مکی ہونا راجح ہے-

۲ ابتدائی پانچ آیتوں میں گھوڑوں کی مختلف حالتوں کی قسم کھا کر بتایا ہے کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناسپاس اور ناشکر گزار ہے- وہ مال کی محبت میں لوٹ مار کرتا ہے' شب خون مارتا ہے' لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ قیامت کے دن ان کے دلوں کی نیتوں تک کو ظاہر کر دیا جائے گا اور ہر عمل اور نیت کا حساب ہو گا-

واضح رہے کہ دل کے افعال دو قسم پر ہیں- ایک وہ خیالات جو وساوس کی شکل میں آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں- ان کو خطرات کہا جاتا ہے- یہ عفو کے حکم میں ہیں- جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے- دوسرے وہ اعمال قلب جن کے انجام دینے کے لیے انسان ہر وقت کوشاں رہتا ہے اور برے ارادے اور بری نیت اس کے ذہن و قلب پر سوار رہتی ہے- اس قسم کے ارادے اور نیات حساب و کتاب کے ضمن میں آئیں گے (وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ)

(1) ''الہلال'' ۶ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۲-

اٰیَاتُھَا : 11	سُوْرَۃُ الْقَارِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ	رُکُوْعُھَا : 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ
الْمَبْثُوْثِ ۝٤ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝٥ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٦ فَهُوَ فِيْ
عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٨ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝٩ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝١٠ نَارٌ
حَامِيَةٌ ۝١١ ع ۲۶

(۱) وہ کھڑکھڑانے والا حادثہ-[ا] (۲) کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والا حادثہ؟ (۳) آپ کو کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑانے والا حادثہ کیا ہے؟ (۴) جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح پراگندہ ہوں گے! (۵) اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنکے ہوئے اون کی طرح ہو جائیں گے! (۶) پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے (۷) وہ دل پسند عیش میں ہوگا- (۸) اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے (۹) تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا- (۱۰) اور آپ کو کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ (۱۱) وہ دہکتی ہوئی آگ ہے!

اٰیَاتُھَا : 8	سُوْرَۃُ التَّکَاثُرِ مَکِّیَّۃٌ	رُکُوْعُھَا : 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ

(۱) کثرت لذائذ اور فوائد دنیوی کی غفلت نے تمہیں بیدار نہ ہونے دیا[ا] (۲) یہاں تک کہ قبروں کا چہرہ تمہیں نظر آ گیا![(1)] (۳) کوئی نہیں! آگے جان لوگے! (۴) پھر بھی کوئی نہیں!

ا سورۃ القارعہ مکی ہے- اس میں قیامت کی زلزلہ خیزی کا ذکر ہے- اور بتایا ہے کہ قیامت کے پہلے مرحلہ پر جو انقلاب آئے گا' اس کے نتیجہ میں دنیا کا یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا- اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں لوگ پیش ہوں گے اور اعمال پر جزا و سزا مرتب ہوں گے' اس حالت کو بیان کیا ہے-

ا یہ سورہ بھی مکی یا مدنی ہے- یعنی بعض نے اسے مکی قرار دیا ہے اور بعض نے مدنی-
اس سورہ میں انسان کو اس کی مال کی حرص اور غفلت پر چونکایا گیا ہے- نیز دنیا پرستی کے برے انجام سے خبردار کیا گیا ہے-

(۱) ''البلاغ'' ۱۱ر فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۴-

تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾ كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ
ع ۱ الۡيَقِيۡنِ ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ﴿۸﴾

آگے جان لو گے! (۵) ہرگز نہیں! اگر تم یقینی طور پر جان لیتے (تو کبھی غفلت میں نہ پڑتے) (۶) بخدا! تم دیکھ کر رہو گے! (۷) پھر (سن لو کہ) تم اس کو بالکل یقین کے ساتھ دیکھ لو گے (۸) پھر اس روز تم سے ان (دنیوی) نعمتوں کے بارے میں باز پرس کی جائے گی!

اٰیاتُھا: 3	سُوۡرَةُ الۡعَصۡرِ مَكِّيَّةٌ	رُكُوۡعُهَا: 1

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

وَالۡعَصۡرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ
ع ۱ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

(۱-۲) قسم ہے اس عصر انقلاب اور دور تغیرات کی، جو پچھلے دور کو ختم کرتا اور نئے دور کی بنیاد رکھتا ہے کہ نوع انسانی کے لیے دنیا میں نقصان و ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔[۱،۲] (۳) مگر ہاں وہ نفوس قدسیہ جو قوانین الٰہیہ پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کیے، ایک دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے سے دین حق کی وصیت کرتے رہے، نیز صبر و استقامت کی بھی انہوں نے تعلیم دی۔[(1)]

۱ یہ سورہ بھی مکی مدنی ہے لیکن اس کا مکی ہونا راجح ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی فلاح کا راستہ کیا ہے اور تباہی و بربادی کی راہ کون سی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس سورہ کی جامعیت کے پیش نظر فرمایا ہے کہ اگر لوگ اس سورہ پر غور کریں تو یہی ان کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس سورہ کو بہت اہمیت دیتے اور دو آدمی ملنے کے بعد اس وقت جدا نہ ہوتے جب تک کہ سورۂ عصر ایک دوسرے کو سنا نہ لیتے۔

۲ تاریخ انسانی کے انقلاب و تغیرات کو گواہ بنا کر فرمایا ہے کہ انسانیت سراسر خسارے میں جا رہی ہے اور اس خسارے سے بچنے کے لیے صرف چار رہنما اصول ہی انسان کے کام آ سکتے ہیں (۱) ایمان باللہ (۲) عمل صالح (۳) ایک دوسرے کو حق کی وصیت (۴) ایک دوسرے کو صبر کی تلقین ---- قرآنِ مجید نے ان چار اصولوں کی تشریح کی ہے جو قرآنِ مجید کے مختلف مقامات پڑھ لینے کے بعد انسانی فکر میں راسخ ہو سکتے ہیں۔

(۱) ''الہلال'' ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۱۱۔ ''البلاغ'' ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء میں انہی آیات کا ترجمہ یوں کیا ہے:
''زمانہ اور اس کے حوادث و نتائج شاہد ہیں کہ انسان کی قوتیں اور انسان کے تمام اعمال بڑے گھاٹے ٹوٹے میں رہتے ہیں اور صرف وہی انسان کامیاب ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے اندر یقین پیدا کیا اور اپنے عمل کو صالح رکھا۔ نیز باہم حق کی وصیت کی اور صبر کی طرف ایک دوسرے کو بلایا۔''

تفسیر سورة العصر

قرآن حکیم کا ہر اچھے مقصد کے لیے یہ اعلان ہے کہ آسمان کے نیچے نوع انسان کے لیے انسانوں کی تلاش کے لیے، جستجوؤں کے لیے اور امیدوں کے لیے بڑی بڑی ناکامیاں ہیں، بڑے بڑے گھاٹے، ٹوٹے ہیں۔ لیکن دنیا کی اس عام نامرادی سے کون انسان ہے، کون جماعت ہے کہ بچ سکتی ہے؟ اور ناکامیابی کی جگہ کامیابی پاسکتی ہے؟ ناامیدی کی جگہ امید اس کے دل میں آشیانہ بنا سکتی ہے؟ وہ کون انسان ہیں؟ وہ انسان کہ جو دنیا میں ان چار شرطوں کو قولاً وعملاً اپنے اندر پیدا کرلیں۔ جب تک یہ پیدا نہ ہوں گی اس وقت تک دنیا میں نہ کوئی قوم کامیاب ہوسکتی ہے اور نہ ملک، حتی کہ ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی دنیا میں کامیابی نہیں پاسکتے۔

ان چار شرطوں سے گھبرانہ جانا۔ اور اگر ایک چیز عربی بھیس میں آجائے تو کیا تم انکار کردو گے، چاہے وہ پہچانی ہوئی ہو؟ پہلی شرط وہ ہے جس کا نام قرآن مجید کی بولی میں ''ایمان'' ہے۔

''اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا۔'' تم جبھی کامیابی پاسکتے ہو جب تمہارے دلوں کے اندر، روح کے اندر، وہ چیز پیدا ہوجائے کہ جس کا نام قرآن مجید کی زبان میں ایمان ہے۔

''ایمان'' کے معنی عربی میں ''زوال شک'' کے ہیں۔ یعنی کامل درجہ کا بھروسہ اور کامل درجہ کا اقرار تمہارے دل میں پیدا ہو جائے۔ جب تک کامل درجہ کا یقین تمہارے دلوں کے اندر پیدا نہ ہوگا، کامیابی کا کوئی دروازہ تمہارے لیے نہیں کھل سکتا۔ شک کا اگر ایک کانٹا بھی تمہارے دل میں چبھ رہا ہے تو تم کو اپنے اوپر موت کا فیصلہ صادر کرنا چاہیے۔ تم کو کامیابی نہیں ہوسکتی۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ تمہارے دل کے اندر ایمان، اطمینان، یقین، تمکّن اور اقرار پیدا ہو، لیکن کیا محض دل کا یہ کام، دماغ کا یہ فعل، تصور کا یہ نقشہ کامیابی کو پورا کردے گا؟ نہیں!

فرمایا، ایک دوسری منزل اس کے بعد آتی ہے۔ جب تک وہ دوسری منزل بھی کامیابی کے ساتھ طے نہ کرلو گے اس ایک پہلی منزل کو طے کرکے کامیابی نہیں پاسکتے۔ اس کا نام قرآن حکیم کی بولی میں ''عمل صالح'' ہے (و عملوا الصالحات) یعنی وہ کام جو اچھائی کے ساتھ کیا جائے، جس کام کو جس صحت اور جس طریقہ کے ساتھ کرنا چاہیے، جو طریقہ اس کے لیے سچا طریقہ ہوسکتا ہے، اس کام کو اس کے ساتھ انجام دینا۔

قرآن حکیم کا یہ اصول تو عام ہے۔ ایمان کے معنی ہیں وہ یقین، وہ کامل اطمینان، وہ کامل اقرار کہ جو عمل سے پیدا ہوتا ہے، وہ چیز جو دماغ میں موجود تھی، وہ ارادہ جو دماغ میں پیدا ہوا تھا، وہ پہلی منزل ہوئی جو مذہب میں آکر ''ایمان'' کا نام اختیار کرلیتی ہے۔ بالکل جیسے وہ عمل دماغ ہے، وہ عمل تصور ویقین ہے۔ اس بنا پر پہلی منزل ایمان کی ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ تمہارے دل کے اندر سچا ارادہ پیدا ہو، سچا عزم پیدا ہو۔ دوسری منزل یہ ہے (عملوا الصالحات) صرف دماغ کی منزل طے کرکے قدم نہ ٹھہر جائیں۔ بلکہ عمل بھی کرو۔ اور وہ جو صالح ہو۔ یعنی جو صحیح

طریقہ ہے اس کام کے انجام دینے کا- جب اس کو پورا کر لیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ فتح مندی اور کامیابی کی دو منزلیں تم نے کامیابی کے ساتھ طے کر لیں- مگر پھر کیا تمہارا کام ختم ہو گیا؟ اس کے بعد کیا تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے؟ قرآن مجید کی عالمگیر صداقت کہتی ہے کہ نہیں' بلکہ ان دو منزلوں کے بعد دو منزلیں اور بھی باقی ہیں- اپنی ہمت تو آزمالو کہ ان کے لیے تمہارے تلوے تیار ہیں یا نہیں؟ تمہاری کمر ہمت مضبوط ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو ممکن ہے کہ یہ پہلی دو منزلیں بھی تمہارے لیے سود مند نہ ہوں- کیا ایک کڑی کے درست کر لینے کے بعد زنجیر کا پورا کام ہو گیا ہے؟ ایک منٹ کے لیے بھی نہیں- تم کیا ہو؟ اس بکھری ہوئی شکل میں بیکار ہو' اس میں تمہارا کوئی وجود نہیں' قرآن وجود مانتا ہے اجتماع کا- اس کے نزدیک وجود کڑیوں کا نہیں بلکہ زنجیر کا نام ہے- تم میں سے ہر وجود ایک کڑی ہے' اس کا کام پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ باقی کڑیوں کی خبر نہ لے- جب تک باقی کڑیاں مضبوط نہ ہوں گی' زنجیر مضبوط نہیں ہو سکتی- اس لیے فرمایا' کامیابی کا سفر کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک تیسری منزل تمہارے سامنے نہ آئے-

وہ تیسری منزل ان فصیح و بلیغ معنوں میں ہے کہ:

﴿ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ - ﴾

تیسری منزل "وتواصوا بالحق" کہ تم جو ایک کڑی تھے' جس کو تم نے ایمان اور عمل صالح کی مضبوطی سے استوار کیا- تمہارا کام ختم نہیں ہوا' تمہارا فرض ہے کہ اس زنجیر کی دوسری کڑیوں کی طرف بھی توجہ کرو' اس کو یوں درست کر سکتے ہو کہ دنیا میں خدا کی سچائی کا پیغام پہنچاؤ- جب تک تم میں یہ بات نہ ہو گی کہ تمہارا دل سچائی کے اعلان کے لیے تڑپنے لگے، جب تک تو صی حق نہ کرو گے' کامیابی تم کو نہیں مل سکتی-

لیکن اگر تیسری منزل کے لیے تم تیار ہو گئے' اگر توفیق الٰہی نے تمہاری دستگیری کی تو پھر آخری منزل کون سی ہے؟ وہ ہے کہ جو حق کی منزل کے لیے لازم و ملزوم ہے- اس کے ساتھ اس کی گردن اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ جدا نہیں کی جا سکتی- فرمایا کہ حق کی وہ وصیت کریں گے- چنانچہ وہ حق کا پیغام سنائیں گے' حق کی دعوت پہنچائیں گے- حق کا یہ حال ہے کہ حق کی راہ میں کوئی قدم نہیں اٹھ سکتا جب تک وہ قربانیوں کے لیے قدم نہ اٹھائیں- فرمایا کہ صرف حق ہی کا پیام وہ نہ پہنچائے' بلکہ صبر کا بھی پہنچائے:

﴿ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ - ﴾

تم نے اپنی بدبختی سے نہ صرف شریعت کے حکم کو بدلا ہے' بلکہ اپنے طریق عمل سے شریعت کے لفظوں کی بولیوں کو بھی بدل ڈالا- "صبر" کے معنی کیا ہیں؟ تم سمجھتے ہو کہ صبر کے معنی ہیں بے عزتی اور باطل کی پرستش و پوجا' جو شخص صبر کے معنی یہ سمجھتا ہے' اس سے بڑھ کر قرآن مجید کی تحریف لفظی کرنے والا کوئی نہیں- تحریف معنوی تو بہت سے علماء کر رہے ہیں' لیکن تحریف لفظی یہ ہے کہ صبر کے معنی یہ کیے جائیں کہ اگر تمہارے اور حق کے مقابلہ میں مصیبت آ جائے تو تم کو چاہیے کہ صبر کے گوشے میں پناہ لو- یعنی ہر طرح کی بے عزتی کو' بے چارگی کو' باطل پرستی کو قبول کر لو- صبر کے معنی بالکل اس سے مختلف ہیں- "صبر" کے معنی ہیں "برداشت" کے' صبر کے معنی ہیں "جھیلنے" کے' صبر کے معنی' ہیں "تحمل" کے، کہ جو قدم تم مقصد کی راہ میں اپنے محبوب و پیارے مقصد کے لیے اٹھاؤ اور اس میں طرح طرح کی مصیبتیں آئیں' طرح طرح کی ڈراونی

صورتیں آئیں، زنجیریں اور ہتھکڑیاں آئیں، بلکہ ممکن ہے کہ تمہارے سامنے تختہ دار ہو اور اس پر ایک پھندا لٹکے- یہ سب تمہارے سامنے آئے گا، لیکن تم اگر حق کے پرستار ہو تو تمہارا فرض ہونا چاہیے کہ تمہارے اندر صبر ہو، تمہارے اندر برداشت کی وہ اٹل طاقت ہو، وہ پہاڑ برداشت کا تمہارے اندر موجود ہو کہ دنیا کی کوئی مشکل، کوئی تاج و تخت اس پر فتح یاب نہ ہو سکے- یہ معنی صبر کے ہیں!- چنانچہ قرآن مجید کے مواقع استعمال پر اگر غور کیا جائے، تو معلوم ہو جائے گا کہ ہر جگہ صبر کے یہی معنی ہیں-

مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید نے جو صداقت نوع انسانی کے آگے کامیابی کے لیے پیش کی ہے، اور اب سے تیرہ سو برس پیشتر جو ایک اٹل اور لازوال پروگرام بنا دیا ہے، اس کی چار دفعات ہیں- اگر وہ کوئی سفر ہے تو یہ اس کی چار منزلیں ہیں- ہم کو ایک منٹ کے لیے غور کرنا چاہیے کہ کیا دنیا میں کوئی بھی کامیابی بلا ایمان مل سکتی ہے؟ کیا تم شک کا روگ اپنے پہلو میں لے کر دنیا کی چھوٹی چھوٹی کامیابیاں پا سکتے ہو؟ کیا تم دنیا میں ایک مٹھی بھر جو اور چاول بھی پا سکتے ہو؟ جب تک تمہارے اندر حق کے لیے طلب نہ ہو- کیا ایک لمحہ کے لیے دنیا کی کوئی کامیابی تمہیں اپنا چہرہ دکھا سکتی ہے؟ جب تک تم حق کی راہ میں قربانیاں چڑھانے کے لیے تیار نہ ہو- خدا کی اس کائنات کے ایک ایک ذرہ میں اس حقیقت کی ایک عالمگیر تصدیق موجود ہے، اور اس دنیا میں کامیابی کا کوئی چہرہ نہیں دیکھ سکتا، جب تک وہ ایمان، عمل صالح، حق اور صبر کی منزل سے نہ گزرے- اللہ تعالیٰ کا ہر قانون ہر اڑنے والے پرندے کے لیے ہے- کیا خدا اپنا قانون تمہارے لیے بدل دے گا؟ کیا خدا تمہاری غفلتوں کا ساتھ دے گا؟

اگر تم اپنی غفلت کی وجہ سے اس دھوکا میں پڑے ہو، تو تم سے بڑھ کر اپنی موت کی طرف جانے والا کوئی نہیں-!

اسلام ایک مکمل مذہب کے تمام اجزا کا مجموعہ ہے، اس لیے اس نے عقائد و عبادات کے سلسلے میں اخلاق کو بھی نمایاں جگہ دی- لیکن خاص طور پر جن اخلاق حسنہ کی تعلیم دی وہ تمام تر فوجی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں- اس نے صبر و توکل اور عزم و استقلال کی ہر موقع پر تعلیم دی، اور یہی چیزیں ہیں جن کے ذریعے سے کوئی فوج میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکتی ہے- اسلام دنیا میں حق و صداقت کی اشاعت کے لیے آیا- حق و صداقت کا میدان صرف جہاد کے ذریعے سے فتح ہو سکتا ہے- صبر جہاد کی حقیقت کے لیے اصل شرط ہے-

پس اس نے (اسلام نے) ہمیشہ حق و صبر کو لازم و ملزوم قرار دیا-[1]

قرآن مجید نے ایمان اور اہل ایمان کی نسبت جو کچھ کہا ہے اس میں کوئی بات بھی اس قدر نمایاں نہیں جس قدر یہ، کہ سچے اہل ایمان خوف اور غم دونوں سے محفوظ ہو جائیں گے- حقیقت یہی ہے کہ انسانی زندگی کی سعادت کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا- اس کی شقاوت کی ساری سرگزشت انہی دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے، خوف اور دکھ!

جونہی ان دو باتوں سے رہائی مل گئی ساری سعادتیں اس کے قبضے میں آ گئیں- قرآن حکیم نے یہ حقیقت دوسرے پیرائے میں بھی بیان کی- مثلاً سورۂ عصر اسی حقیقت کا اعلان ہے-[2]

---

(۱) ''البلاغ'' ۱۱ فروری ص ۱۳-۱۴-

(۲) ''ترجمان القرآن'' جلد دوم ص ۱۸۲-

آیاتُھا: 9	سُوْرَۃُ الْھُمَزَۃِ مَکِّیَّۃٌ	رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ۝۱ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ۝۲ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗٓ اَخْلَدَہٗ ۝۳ کَلَّا
لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ ۝۴ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الْحُطَمَۃُ ۝۵ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ ۝۶ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی
الْاَفْـِٕدَۃِ ۝۷ اِنَّھَا عَلَیْھِمْ مُّؤْصَدَۃٌ ۝۸ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ۝۹ ع ۱/۹/۲۹

(۱) تباہی ہے اس شخص کے لیے جو عیب جو اور طعنہ زن ہے-[۱-۲] (۲) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کے رکھا (۳) وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا (۴) ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بخدا اسے حطمہ میں پھینکا جائے گا (۵) اور تمہیں کیا معلوم کہ حطمہ کیا ہے؟ (۶) وہ اللہ کی (پیدا کی ہوئی) آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی (۷) جو دلوں تک جا پہنچے گی (۸) وہ ان (اہل جہنم) پر بند کر دی جائے گی (۹) اس حال میں کہ وہ بڑے بڑے ستونوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے!

آیاتُھا: 5	سُوْرَۃُ الْفِیْلِ مَکِّیَّۃٌ	رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ۝۱ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ۝۲ وَّاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ
طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۝۳ تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۝۴ فَجَعَلَھُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ ۝۵ ع ۱/۵/۳۰

(۱) (اے پیغمبر) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے اس لشکر کے ساتھ کیا سلوک کیا جو ہاتھیوں کا ایک غول لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا-[۱] (۲) خدا نے ان کے تمام داؤ غلط نہیں کر دیے؟ (۳) اور ان پر عذاب کی نحوستوں کے غول نازل نہیں کیے؟ (۴) جنہوں نے انہیں سخت بربادی میں مبتلا کر دیا' جو ان کے لیے لکھ دی گئی تھی (۵) یہاں تک کہ پامال شدہ کھیت کی طرح تباہ ہو گئے-(۱)

۱ یہ سورہ مکی ہے- اس سورہ میں اخلاقی برائیوں کی مذمت کی گئی ہے جو جاہلی معاشرے میں پائی جاتی تھیں- اور آخرت میں ان لوگوں کا جو انجام ہوگا اس کا منظر پیش کیا گیا ہے-

۲ ہمز اور لمز کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں- یعنی کسی کی تحقیر کرنا اور اس کے نسب پر طعنہ زنی کرنا اور پیٹھ پیچھے اس کی برائی بیان کرنا- اس قسم کے اخلاق کے عادی مجرم کو ہمزہ اور لمزہ کہا جاتا ہے-

۱ یہ سورہ مکی ہے- اور اس کے تاریخی پس منظر کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکہ کے ابتدائی دور میں نازل شدہ سورتوں سے ہے-

(۱) ''الہلال'' ۲؍نومبر ۱۹۱۲ ص ٦-

اٰیَاتُهَا: 4 سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ① اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ② فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ③ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④ ع ۲۱

(۱) چونکہ قریش مانوس ہوئے[1] (۲) (یعنی) گرمی اور سردی کے سفروں سے مانوس ہونے کی وجہ سے (۳) ان کو چاہیے کہ اس خانۂ خدا (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں- (۴) جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے انہیں امن دیا-

سورۃ البروج میں گزر چکا ہے کہ یمن میں یہودی فرمانروا ذونواس نے عیسائیوں پر جو ظلم وستم ڈھائے تھے اس کا بدلہ لینے کے لیے حبش کی عیسائی سلطنت نے یمن پر حملہ کیا اور ۵۲۵ء میں اس پورے علاقے پر حبشی حکومت قائم ہوگئی- اس حملے کا باعث محض مذہبی انتقام نہ تھا بلکہ اس کے کچھ سیاسی اور مذہبی عوامل بھی تھے- اس حملہ آور فوج کی قیادت دو امیروں کے ہاتھ میں تھی- ایک ارياط اور دوسرا ابرہہ- بعد میں ارياط مارا گیا اور ابرہہ نے پوری قیادت پر قبضہ کرلیا- اور شاہ حبش کی رضامندی سے یمن میں گورنر مقرر ہوگیا- پھر رفتہ رفتہ یمن کا خود مختار بادشاہ بن گیا-

اس کے بعد اس نے عرب میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک کلیسا تعمیر کروایا جو القلیس کے نام سے مشہور ہوا- اور اس نے عربوں کو حج کعبہ سے اس طرف موڑنے کی کوششیں شروع کر دیں، اور یمن میں علی الاعلان اس کی منادی بھی کرادی- اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح عربوں کو غصہ دلائے اور مکہ پر حملہ کا جواز مل جائے-

چنانچہ اس کے اعلان پر غضب ناک ہوکر ایک عرب نے کسی نہ کسی طرح کلیسا میں گھس کر رفع حاجت کر ڈالی- جس کی اطلاع پر ابرہہ طیش میں آ گیا اور اس نے کعبہ پر حملہ کا منصوبہ بنالیا- اور ساٹھ' ستر ہزار کی فوج کے ساتھ' جس میں ۹ ہاتھی بھی شامل تھے' مکہ کی طرف روانہ ہوگیا-

یہ لشکر جب طائف کے قریب پہنچا تو بنوثقیف نے ایک معاہدہ کے تحت اس کی رہنمائی کے لیے ایک شخص ابورغال نامی کو اس کے ساتھ کر دیا- المغمس نامی جگہ پر پہنچ کر ابورغال مرگیا- اور عرب مدتوں تک اس کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے-

یہ مقام مکہ سے قریباً تین کوس کے فاصلے پر تھا- اس سے آگے بڑھا تو محمود نامی ہاتھی نے مکہ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور وہیں بیٹھ گیا- اتنے میں پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ چونچوں میں سنگریزے لیے آئے اور اس لشکر پر سنگ باری شروع کر دی- جس کسی پر یہ پتھر گرتے اس کا جسم گل جاتا- یہ دیکھ کر ان لوگوں نے افراتفری میں یمن کی طرف بھاگنا شروع کر دیا اور سارا لشکر تباہ و برباد ہوگیا-

یہ واقعہ وادی محصب کے قریب محسر کے مقام پر پیش آیا- اور پھر ہوا یہ کہ یمن کے اندر حبشی اقتدار ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا- اس سورہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے-

[1] سورۂ قریش کو بعض نے مدنی قرار دیا ہے- لیکن اکثر مفسرین نے اسے مکی ہی کہا ہے- اور ﴿ رب هذا البيت ﴾ کے الفاظ اس کے مکی ہونے کی تائید کرتے ہیں- اس سورہ کے مضمون کو سمجھنے کے لیے بھی اس کے تاریخی پس منظر کو سامنے رکھنا ضروری ہے-

(۱) ''الہلال'' ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ صفحہ ۶-

اٰیَاتُهَا: 7 سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

أَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۞ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۞ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ
الْمِسْكِيْنِ ۞ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۞ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۞ الَّذِيْنَ هُمْ
يُرَآءُوْنَ ۞ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۞ ع ۲۲

(۱) (اے نبی!) بھلا آپ نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جو جزا وسزا کی تکذیب کرتا ہے؟[1] (۲) یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (۳) اور مسکین کو کھانا دینے کی لوگوں کو ترغیب تک نہیں دیتا (۴) سو ایسے نمازیوں کے لیے تباہی ہے (۵) جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں (۶) جو ریاکاری کرتے ہیں (۷) اور لوگوں کو روزمرہ کے برتنے کی معمولی چیز دینے سے گریز کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے جد اعلیٰ قصی بن کلاب وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش کو متفرق مقامات سے بلا کر مکہ میں جمع کیا۔ اس بنا پر قصی کو مُجَمِّع کا لقب دیا گیا۔ اس نے حج کے نظام کو بہتر بنایا اور حاجیوں کی خدمت کا انتظام کیا۔ جس سے قریش کا اثر ورسوخ تمام عرب میں قائم ہوگیا اور وہ احترام کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ قصی کے بعد اس کے دو بیٹوں عبد مناف اور عبد الدار کے درمیان اس شہری ریاست کے مناصب تقسیم ہوگئے۔ مگر عبد مناف کو ناموری حاصل رہی۔

عبد مناف کے چار بیٹے تھے ہاشم' عبد شمس' مطلب اور نوفل۔ ان میں ہاشم نے بین الاقوامی تجارت میں حصہ لینا شروع کر دیا' جو عرب کے راستہ بلاد مشرق اور شام ومصر کے درمیان ہوتی تھی۔ اس دور میں ایران کی ساسانی حکومت اس بین الاقوامی تجارت پر قابض تھی' جو شمالی علاقوں اور خلیج فارس کے راستوں رومی سلطنت اور بلاد مشرق کے درمیان ہوتی تھی۔ اس لیے کاروبار بہت تیزی سے ہو رہا تھا۔ دوسرے عرب قافلوں کی بہ نسبت قریش کو سہولت حاصل تھی اور تمام قبائل بیت اللہ کے خادم ہونے کی وجہ سے ان کی عزت کرتے تھے اور قریش کے قافلے نہایت امن سے آتے جاتے تھے۔ اور ان بھائیوں نے مختلف ممالک سے اپنے تعلقات قائم کر لیے تھے اور گرد وپیش سے ان تعلقات کی بنا پر ان کو اصحاب الایلاف کہا جاتا تھا۔ اور مکہ جزیرۃ العرب کا نہایت اہم تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ اور ابرہہ کا حشر دیکھ کر قبائل اور زیادہ قریش کے معتقد بن گئے تھے اور بیت اللہ کو واقعی بیت اللہ سمجھنے لگے تھے۔ اس بنا پر قریش نہایت امن وامان سے تجارت کرتے تھے اور کوئی بھی ان سے تعرض کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

اس مختصر سورہ میں قریش پر اسی احسان کو دہرایا گیا ہے اور اسے یاد دلا کر انہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی گئی ہے۔

[1] سورۃ الماعون بھی مکی مدنی سورت ہے۔ اس سورہ میں ریاکاری کی عبادت اور معمولی استعمال کی چیزوں کو روک رکھنے کو تکذیب بالدین قرار دیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے کیونکہ اس قسم کی منافقت مدینہ میں پائی جاتی تھی۔

اٰیَاتُهَا: 3 | سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ② اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ③ ع ۲۳

(۱)(اے نبی!) ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی ہے (۲) لہٰذا آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے (۳) یقیناً آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے![۱-۲]

اٰیَاتُهَا: 6 | سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ② وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ③ وَلَآ اَنَا
عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ④ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ⑤ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ⑥ ع ۲۴

(۱) اے نبیؐ! آپ کہہ دیجیے کہ اے کافرو![۱] (۲) میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کر رہے ہو (۳) اور نہ تم اس کی پرستش کرتے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں- (۴) اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم نے عبادت کی (۵) اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرنے والے ہو (۶) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے!

۱ سورۃ الکوثر مکی ہے یا مدنی ہے- صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کی بنا پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مدنی ہونے کو ترجیح دی ہے-

۲ نبوت کے ابتدائی دور میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چند ساتھی انتہائی مشکلات کے دور سے گزر رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین قلب کی خاطر متعدد سورتیں نازل ہوئیں، جن میں سے ایک سورۃ الکوثر بھی ہے- اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی اور مخالفین کے تباہ و برباد ہونے کی پیش گوئی کی گئی ہے-

۱ یہ سورۃ بھی مکی مدنی سورتوں میں سے ہے- دعوت اسلام سے گو قریش نے مخالفت کا طوفان کھڑا کر رکھا تھا- مگر قریش اس بات سے مایوس نہ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طور پر مصالحت پر آمادہ کرلیں گے- اس لیے وقتاً فوقتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مصالحت کی تجویزیں لے کر آتے- من جملہ ان کے انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے- اس پر یہ سورہ نازل ہوئی-

اس سورہ نے یہ اصول دیا کہ جس رواداری سے مذہب کے اساسی عقیدہ پر زد پڑتی ہو ایسی رواداری کی گنجائش نہیں ہے-

اٰیَاتُھَا: 3	سُوْرَۃُ النَّصْرِ مَدَنِیَّۃٌ	رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③ ع۱ ۲۵

(۱) جب کہ خدا کی نصرت آ پہنچی اور حق وصداقت کو فتح ہوئی۔[۱] (۲) اور تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ دین الٰہی میں لوگ جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں۔

(۳) تو اب پروردگار کی حمد وثنا کرو اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگو۔ یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے![(۱)]

اٰیَاتُھَا: 5	سُوْرَۃُ اللَّھَبِ مَکِّیَّۃٌ	رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ① مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ② سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ③
وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ④ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ⑤ ع۱ ۲۶

(۱) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا۔[۱] (۲) نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی (۳) وہ ضرور ہی شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا (۴) اور اس کی بیوی بھی جو (ایندھن کی) لکڑیاں اٹھانے والی ہے۔ (۵) اس کی گردن میں مونج کی رسی ہوگی!

---

[۱] یہ سورہ مدنی ہے اور نزول کے اعتبار سے قرآن مجید کی آخری سورہ ہے۔ اس سورہ کے نزول سے تین ماہ بعد آپ ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سورہ میں آنحضرت ﷺ کو تعلیم دی گئی ہے کہ جب عرب کے لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں تو (آپ سمجھ لیں کہ) آپ کا کام مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح میں مشغول ہو جائیں۔ اور اس انقلاب میں اگر کوئی کوتاہی یا بھول چوک ہو گئی ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نہایت محنت اور ریاضت میں مشغول رہتے۔

[۱] یہ سورہ مکی ہے۔ اور اس میں ابولہب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے آخر دور میں نازل ہوئی ہوگی جبکہ ابولہب کا کردار اسلام کی

(۱) ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۵۶۔

راہ میں سخت رکاوٹ بنا ہوا تھا- ممکن ہے یہ سورہ اس دور میں نازل ہوئی ہو جبکہ قریش نے شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کا مقاطعہ کر رکھا تھا-

ابولہب وہ شخص تھا جس نے اسلام دشمنی کے لیے تمام اخلاقی اصولوں کو پس پشت ڈال دیا تھا اور صلہ رحمی جو عرب معاشرہ میں بہت اہم چیز سمجھی جاتی تھی اس کا بھی لحاظ نہ کیا-

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت عام پیش کرنے کا حکم دیا گیا اور آپ ؐ پر یہ ہدایت نازل ہوئی کہ آپ ؐ اپنے قریب ترین عزیزوں کو سب سے پہلے ڈرائیں تو آپ ؐ نے صبح سویرے کوہ صفا پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا "یا صبا حاہ!" اس پر قریش کے سب لوگ جمع ہو گئے- پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ایک ایک خاندان کا نام لے لے کر پکارا ''اے بنی ہاشم، اے بنی عبدالمطلب' اے بنی فہر' اے بنی فلاں وفلاں' جب سب اکٹھے ہو گئے تو فرمایا ''اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہے تو تم میری بات مان لو گے؟''

لوگوں نے کہا ''ہمیں کبھی تم سے جھوٹ سننے کا تجربہ نہیں ہوا ہے!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تو میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ آگے سخت عذاب آ رہا ہے-''

اس پر قبل اس کے کہ کوئی اور بولتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب نے کہا: تَبًّا لَّكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟ ''تیرے لیے ہلاکت ہو! کیا تو نے اس لیے ہمیں یہاں جمع کیا تھا؟......''

اس موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی!

نیز روایات میں ہے کہ ابولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قریب ترین ہمسایہ بھی تھا- دونوں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی- یہ آپ کو بہت تکلیف دیتا- ابولہب کی بیوی ام جمیل نے تو یہ وتیرہ اختیار کر رکھا تھا کہ رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر خاردار جھاڑیاں لا کر ڈال دیتی تھی- تاکہ صبح سویرے جب آپ یا آپ کے بچے باہر نکلیں تو کوئی کانٹا ان کے پاؤں میں چبھ جائے-

نبوت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے بیاہی ہوئی تھیں- مگر اسلام دشمنی کے سبب ابولہب نے اپنے بیٹوں سے دونوں کو طلاق دلوا دی- بلکہ عتیبہ نے تو شدت نفرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوکنے کی مذموم کوشش بھی کی تھی- جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ- چنانچہ ایک شیر نے اسے پھاڑ ڈالا-

الغرض اس طرح کے متعدد واقعات ہیں جن کی بنا پر یہ سورہ نازل ہوئی' جس میں ابولہب اور اس کی بیوی کے کردار کی مذمت کی گئی اور ان کے انجام بد کی خبر دی-

اٰیَاتُھَا: 4	سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ	رُكُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ③ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④ ع-۲۷

(۱) اللہ کی ذات یگانہ ہے-[۱-۲] (۲) اسے کسی کی احتیاج نہیں (۳) نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا- (۴) نہ کوئی ہستی اس کے درجے اور برابر کی ہوئی! [(۱)]

اٰیَاتُھَا: 5	سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ	رُكُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③ وَمِنْ شَرِّ
النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤ ع-۲۸

(۱) اے نبی! آپ کہیے: ''میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں[۱] (۲) ہر اس چیز کے شر سے جسے اس نے پیدا کیا (۳) اور رات کی تاریکی کے شر سے (بھی پناہ لیتا ہوں) جبکہ وہ چھا جائے (۴) اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے (۵) اور ہر حسد کرنے والے کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے!''

۱ سورۃ الاخلاص مکی ہے- اور اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا تصور پیش کیا گیا ہے- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب ہمیں بتائیے- اس پر یہ سورہ نازل ہوئی-

۲ احادیث میں اس سورہ کو ثلث قرآن قرار دیا گیا ہے- کیونکہ اس سورہ میں اسلام کے بنیادی عقائد (توحید، نبوت اور آخرت) میں سے ایک (توحید) کو چار مختصر فقروں میں جامع طور پر بیان کر دیا گیا ہے-

۱ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس یہ دونوں سورتیں مکی مدنی ہیں اور ان دونوں کا نام ''معوذتین'' رکھا گیا ہے، بعض روایات میں ہے کہ مدینہ میں یہود نے جب آنحضرت ﷺ پر جادو کیا تھا اور اس کے اثر سے حضور ﷺ بیمار ہو گئے تھے اس پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں-

مکہ میں دشمنوں کی شدید مخالفتیں ان سورتوں کے نزول کا سبب بنیں اور آنحضرت ﷺ کو دشمن سے پناہ مانگنے کے لیے ان سورتوں کی تعلیم دی گئی-

(۱) ''الہلال'' ۸ جنوری ۱۹۱۳ء ص ۴-

آیاتُہَا: 6 | سُوْرَۃُ النَّاسِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعُہَا: 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِکِ النَّاسِ ② اِلٰہِ النَّاسِ ③ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ④
الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ ⑥ ع

(۱) اے نبی! آپ یوں کہیے ''میں پناہ لیتا ہوں انسانوں کے رب (۲) انسانوں کے بادشاہ' (۳) انسانوں کے معبود حقیقی کی۔

(۴) اس وسوسہ ڈالنے والے' پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے (۵) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے (۶) وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے......!''

ایک اہم مبحث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ان دونوں سورتوں کو اپنے مصحف سے خارج کر دیا تھا اور وہ ان کو قرآنی سورتیں ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔

اس روایت کی بنا پر مخالفین اسلام نے قرآن مجید کے مختلف ہونے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور قرآن میں تحریف کا شوشہ چھوڑا ہے۔

لیکن اولاً تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا یہ تفرد اور شذوذ قابل حجت نہیں ہے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری طور پر جو مصحف جمع کروایا تھا اس کی اجماعی حیثیت مسلم تھی اور اس میں یہ دونوں سورتیں درج تھیں۔ لہٰذا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی بنا پر ان کی قرآنیت سے انکار کرنا سراسر باطل ہے۔ خصوصاً جبکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سورتوں کو نماز میں پڑھا ہے اور دوسروں کو پڑھنے کی تلقین کی ہے۔

ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ان کے قرآن ہونے میں شبہ نہیں تھا۔ مگر جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مصحف میں لکھنے کے لیے نہیں فرمایا' اس لیے وہ انہیں مصحف کے اندر درج کرنے میں متامل تھے۔ اور عین ممکن ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا ہو۔

دوسرا مبحث:

روایات میں ہے کہ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا اور تاریخی حیثیت سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے متاثر ہوئے تھے۔ اور لبید بن اعصم یہودی نے جادو چلایا تھا جو انصار کے قبیلہ بنی زریق سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال اور کنگھی کسی طریقہ سے حاصل کر لی اور موئے مبارک اور کنگھی کے دندانوں پر جادو کیا۔ اور اس جادو کو نر کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر

بنی زریق کے کنویں ذروان یا ذی اروان کی تہ میں دبا دیا تھا- اس سے آپؐ کے مزاج مبارک میں تغیر آ گیا تھا- مگر یہ تمام آپ ﷺ کی ذات تک محدود ہے- حتی کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ آپؐ پر کیا گزری ہے- وحی پر اس کا کوئی اثر نہ تھا-

اس حد تک یہ واقعہ بالکل صحیح ہے- جسمانی طور پر نبی کو اذیت پہنچنے سے منصب نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا- مگر بعض لوگوں نے ان جادو والی احادیث کا ہی انکار کر دیا ہے اور ان احادیث کو ان **تتبعون الا رجلا مسحورا** کے خلاف سمجھا ہے- مگر یہ تمام توجیہات غلط ہیں- جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں-

اس کے بعد اب ہم ان سورتوں کے الفاظ کی وضاحت کرتے ہیں-

بعض مضرات اس قسم کی ہوتی ہیں کہ انسان ان کے دفع کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور فطرتاً کسی مافوق الفطرت ہستی کی طرف رجوع کرتا ہے- اس عقیدے کی بنا پر کہ وہ ہستی عالم اسباب پر حکمران ہے اور ہمارے ادراک سے بالاتر ہے اور وہ حفاظت کر سکتی ہے- سورۂ فلق وسورۃ الناس میں اسی قسم کی پناہ مراد ہے- بلکہ قرآن وحدیث میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا ذکر آیا ہے، اس سے یہی قسم مراد ہے اور عقیدہ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ اس نوع کا تعوذ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے نہ کیا جائے-

مشرکین اس قسم کے استعاذے غیر اللہ سے کرتے تھے- مادہ پرست لوگ مادی ذرائع و وسائل کی طرف رجوع کرتے ہیں- مومن کے لیے لازم ہے کہ اس قسم کے خطرات سے بچنے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئے-

فلق سے مراد صبح کی سپیدی ہے جو رات کی تاریکی کو پھاڑ کر ظاہر ہوتی ہے- پس ﴿ **اعوذ برب الفلق** ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ ''میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں (کہ وہ مجھے مخلوق کے ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے)''-

''**العقد**'' یہ عقدہ کی جمع ہے- ''عقدۃ'' کے معنی گرہ کے ہیں- اور ''نفث'' کے معنی پھونکنے کے ہیں جبکہ گرہ میں پھونکنے کا محاورہ عموماً کنایتاً جادو سے ہوتا ہے- پس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ''میں جادوگرنیوں کے شر سے (اللہ رب العزت کی) پناہ چاہتا ہوں-''

﴿ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴾ سے مراد وسوسہ اندازی کرنے والا شیطان ہے جو وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے-

❋ ❋ ❋

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اُردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

اسلامی اکادمی